ترجمان السنّۃ

عربی - اردو

اوّل

اُستاذ المحدثین، زبدۃ الفقہاء، فخر العلماء
حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قدس سرہ

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA
اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

www.besturdubooks.net

ترجمان السنۃ

عربی - اردو ◆ جلد اول

جدید دور کی ضرورت کے مطابق جدید عنوانات اور
مباحث کے ساتھ احادیث مبارکہ کا مستند، جامع اور خوبصورت مجموعہ

استاذ المحدثین، زبدۃ الفقہاء، فخر العلماء

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قدس سرہ

مکتبہ رحمانیہ ◎ اقرأ سنٹر
غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور

M.A.Hifz

www.besturdubooks.net

کتاب کی تخریج وکتابت کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... ترجمان السنۃ
مؤلف .... حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی
طابع .... مقبول الرحمٰن
ناشر .... مکتبہ رحمانیہ
مطبع .... لعل سٹار

ملنے کے پتے

- ⇦ مکتبۃ العلم نمبر ۱۸ اُردو بازار لاہور
- ⇦ خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور
- ⇦ اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور
- ⇦ مکتبہ سید احمد شہید الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور
- ⇦ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

www.besturdubooks.net

عرضِ ناشر

اس دنیا میں آخری کتاب ہدایت قرآن مجید ہے اور اس کی عملی و زبانی تشریح ''حدیث'' کہلاتی ہے کیونکہ بروایت ام المؤمنین، زوجہ مطہرہ رسول سیدہ عائشہ صدیقہ کائنات سلام اللہ علیہا کے ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہی ہے''۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی آپ کے فرامین کو تحریر کیا جاتا رہا اور آپ کے وصال کے بعد وحی کے عینی شاہدین اور تربیت یافتگان دربارِ نبوت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو ہر طرح سے آنے والے لوگوں تک منتقل کرنے کا سلسلہ بالاہتمام شروع کر دیا اور یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی پر عمل کے باعث جاری ہے کہ ''جو کوئی مجھ سے ایک آیت بھی سنے اس کو دوسروں تک پہنچا دے''۔

چنانچہ تیسری صدی ہجری تک فرامین نبویؐ مختلف واسطوں سے نقل در نقل ہوتے ہوئے کتابی صورت میں بھی جمع ہوتے رہے چنانچہ آج ہمارے سامنے جوامع و سنن، مسانید و معاجم، مستدرکات، اجزاء و اطراف کی صورت میں موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے تمام دینی مسائل کے لئے دلائل تلاش کرنے میں اب کوئی دقت نہیں۔

رفتارِ زمانہ اور گردوپیش کے حالات کے پیش نظر یہ ضرورت ہمیشہ رہی اور رہے گی کہ دورِ حاضر کے تقاضوں اور علم وعرفان کے دلدادہ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ان کتب اصول سے خوشہ چینی کر کے جدید انداز و اسلوب میں پیش کیا جائے چنانچہ ماضی قریب کے محقق و محدث استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے دور کے تقاضوں اور الجھنوں کے حل کے طور پر یہ خوبصورت مجموعہ مرتب کیا جس میں درج ذیل خصوصیت ہے۔

عنوان قائم کر کے احادیث کے اصل متن کو ذکر کر کے اس مجموعہ حدیث کا ذکر بھی آخر میں کیا جس سے آپ نے اس حدیث کے الفاظ اخذ کئے اور پھر ان کا آسان و سلیس ترجمہ کے بعد اس حدیث کی تشریح اس انداز سے کی اور قدیم معلومات کو جدید انداز میں پیش کیا نیز کوشش کی کہ مجادلہ و مناقشہ کی بجائے افہام و تفہیم کا رنگ غالب رہے۔ احقاق حق اور اصلاح المسلمین ان کے پیش نظر رہا۔ پھر اس خوبصورت کتاب کو برصغیر کے معروف ادارہ ندوۃ المصنفین نے نفع خلائق کے لئے پیش کیا۔

یہ کتاب اپنے انداز کی خوبصورت اور مضامین کے اعتبار سے ایک نادر مجموعہ ہے جو دورِ تصنیف سے آج تک مختلف ادارے اپنے انداز میں شائع کرتے رہے۔ مگر بعض مقامات پر قارئین نے سخت تشنگی محسوس کی کہ ان نسخوں کی کتابت کا انداز قدیم

www.besturdubooks.net

تھا جو مطالعہ کے دوران مخل ہوتا- چنانچہ "مکتبہ رحمانیہ" لاہور نے محقق علماء کی خدمت میں گذارش کی اور اس تشنگی کا ازالہ کیا گیا چنانچہ جہاں کہیں تفصیل وتشریح میں آیات قرآنی یا دیگر کتب کی عبارات مذکور تھیں مگر ان کا حوالہ مندرج نہ تھا ان آیات وعبارات کی تخریج کرا کے جدید انداز کتابت (کمپوزنگ) سے اس میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے-

اس کتاب میں ایک احسن اقدام یہ کیا گیا کہ اگر ایک جیسے مفہوم والی احادیث آئیں تو باقی جلدوں سے ان کے صفحات کے نمبر درج کر دیئے تھے اس مشکل کام کو بھی (نئے نمبر لگا کر) بخوبی سرانجام دیا گیا ہے-

قارئین یقیناً اس خوشگوار تبدیلی کے بعد اس کی مزید بہتری کے لئے اپنی قیمتی اور مفید آراء سے ہمیں نوازیں گے تاکہ اس مجموعہ کو خوب تر انداز میں پیش کرنے کا خواب پورا ہو اور فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کے فرمان کے مطابق آخرت میں ہمیں بھی علم وعرفان کے چراغ روشن رکھنے کی سعادت حاصل ہو سکے- واللہ ولی التوفیق

آخر میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کتاب میں کچھ بشری فروگذاشت پائیں تو ہمیں مطلع فرمائیں اور خدام ومعاونین ادارہ کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں-

والسلام

مقبول الرحمٰن عفی عنہ

❀❀❀

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہ ''ترجمان السنہ'' جلد اوّل طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی اور اب جلد ثانی پیش کی جا رہی ہے جلد اوّل طباعت کے جن دشوار گذار مراحل سے گذری حق یہ ہے کہ ان میں ہر مرحلہ ناقابلِ عبور تھا' لیکن اسے قدرت کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہیے کہ بالآخر وہ تمام مرحلے طے ہو گئے اور ارشاداتِ نبوت کا یہ عظیم الشان ذخیرہ عالمِ خیال سے نکل کر منصۂ شہود پر آ گیا - و الحمدللّٰہ حمداً کثیرًا طیباً مبارکاً فیہ.

مؤلف کو جلد اوّل کی تالیف کے وقت یہ شکایت تھی کہ اس اچھوتے اور اہم موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے اس کو سالوں کی بجائے چند مہینے اور چند مہینوں کی بجائے چند ہفتے اور چند ہفتوں کی بجائے چند پر سکون ساعات بھی میسر نہ آ سکیں یعنی مسودہ ابھی ذہنی مراحل بھی طے کرنے نہیں پاتا تھا کہ زبانِ قلم پر آ جانے کا تقاضا ہو جاتا تھا اور کاتب کے ہاتھ سے اُچک لے جاتے تھے مگر جب دوسری جلد کی تالیف کی نوبت آئی تو ان گذشتہ ایام ہی پر حسرت ہوتی تھی کاش گذشتہ ایام کے سکون و طمانیت کی وہ ساعتیں پھر عود کر آئیں' وہ حوادث و انقلابات کے اُس مہیب سمندر میں بہا جا رہا تھا - جس کی طوفان خیز موجوں میں اطمینان و سکون کا تو ذکر ہی کیا موت و حیات کا پتہ لگنا بھی مشکل تھا - لیکن اس سراسیمگی و فراموشی کے عالم میں بھی اگر کوئی شے فراموش نہیں ہو سکی تو وہ جلد ثانی کی تالیف کا خیال تھا' اب مؤلف کے پاس ندوۃ المصنفین کی لائبریری کے علمی ذخائر تو کجا نام کے لیے ایک کتاب بھی نہیں تھی' مشورہ کے لیے علماء کی محفلیں تو کہاں میسّر ہوتیں کسی عالم کی ایک صحبت بھی عنقا ہو گئی تھی اور دماغی سکون اور جمعیتِ خاطر کا تو کہیں دُور دُور بھی پتہ نہیں تھا - ایک ایک حدیث کے لیے اس کو قرنِ اوّل کی طرح میلوں مارا مارا پھرنا پڑتا تھا پھر جب بہزار مشکل کوئی حدیث کبھی اس کے ہاتھ لگ جاتی تو طبیعت کی درماندگی آگے بڑھنے سے جواب دے بیٹھتی تھی اور اگر کسی وقت طبیعت ذرا بیدار ہوتی تو جن مآخذ کا وہ سہارا تکتی وہ یکسر معدوم نظر آتے تھے - ان سب مشکلات سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ جلد ثانی کے تشریحی نوٹ اگر علمی لحاظ سے جلد اوّل کے ہموزن نہ رہتے تو دونوں جلدوں کا توازن فوت ہوتا تھا - بہر حال ۴۷ء و ۴۸ء کے ان ہی تاریخی ہنگاموں' سراسیمگیوں اور معذوریوں میں یہ جلد بھی تالیف ہو گئی اور یہ خیال کر کے کہ اگر تحسین صورت و سیرت کی خاطر کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا گیا تو معلوم نہیں آئندہ حالات اور کدھر لے جائیں' اس جلد کو اسی حالت میں یہ کہہ کر قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے -

عَلٰی اَنَّنِیْ رَاضٍ بِاَنْ اَحْمِلَ الْهَوٰی　　وَ اَخْلُصَ مِنْهُ لَا عَلَیَّ وَ لَا لِیَا

''ترجمان السنہ'' کے عنوانات اور جمع احادیث میں جو اسلوب جدید اختیار کیا گیا ہے چونکہ وہ اس خدمت کا ایک بڑا اہم حصہ ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ گذارش کر دینی ضروری ہے - عام ناظرین کے پیش نظر جو چیز رہے گی وہ صرف اس کے تشریحی نوٹ یا زیادہ سے زیادہ اس کے تراجم کی سطح ہو گی لیکن اس کے عنوانوں کی گہرائی' ان کا باہم ربط' اس کے تراجم کی خصوصیات اور خالی الذہن انسان کو ان سے جو اسلامی تربیت حاصل ہو سکتی ہے اس کا احساس خال خال ہی کسی کو ہو گا - رہی وہ کاوش جو احادیث کی جمع و ترتیب کے سلسلے میں اٹھائی گئی ہے اس کا اندازہ بجز ان چند علماء کے جو کتب حدیث کے دفتر الٹنے میں اپنی راتوں کی نیند

www.besturdubooks.net

تلف کرنے کے عادی بن چکے ہیں اور کس کو ہوسکتا ہے- اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ترجمان السنہ کی کتاب الایمان کی تسوید میں کسی ایک یا چند کتب کی صرف کتاب الایمان کا مطالعہ قطعاً کافی نہیں ہو سکا بلکہ اس کے ایک ایک عنوان کے لیے احادیث کے مختلف ابواب کے دفاتر الٹے گئے ہیں- پھر اس وسیع سمندر کی تہ میں جو جو موتی غیر مرتب بکھرے نظر آئے ان کو چن چن کر بہتر سے بہتر موقعہ پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے- مثال کے طور پر حدیث نمبر ۳ دیگر کتب احادیث میں صرف وسوسہ کے عام عنوان کے نیچے ملتی ہے لیکن ترجمان السنہ جلد اول میں اس کو آپ کی ضرورت کے ایک اہم عنوان کے تحت رکھ دیا گیا ہے' اسی طرح صفحہ ۲۸ تک جتنی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں پہلے آپ ان کو ایک بار دیگر کتب حدیث میں دیکھ جائیے کہ کن ابواب اور عنوانات کے تحت ہیں پھر ترجمان السنہ میں ان کے عنوانات ملاحظہ فرمایئے' مؤلف کی کاوش کا اندازہ ہو جائے گا- کتاب التوحید کے بعد رسالت ونبوت کا اہم باب سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں حدیث (۹۳) کا مضمون پہلے بغور ملاحظہ کیجئے' آپ کو یقین ہو جائے گا کہ رسولوں کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں کے لیے مال و دولت میں کوئی حصہ نہیں ہے' یہ تصور حقیقت کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی درست ہو لیکن موجودہ دماغوں کے لیے جتنا وحشت ناک ہوسکتا ہے ظاہر ہے- مؤلف نے اس موقع پر سوال کی جواب دہی سے قبل پورا وقت اس پر صرف کیا ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت کے منشا کا پتہ لگایا جائے اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب توجہ کی جائے- اس مرحلے پر نہ معلوم کتنی دردسری اور کاوش کے بعد ''نسیم الریاض'' میں چند کلمات نظر پڑ گئے جن سے حدیث کا اصل مفہوم روشن ہو گیا- پھر دیکھا تو شبہ کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا تھا- اس تمام مضمون کو پہلے ایک مختصر عنوان میں سمیٹ دیا گیا ہے پھر تشریحی نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے-

اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ تعارف کا ذکر آ گیا ہے- ہمارے نزدیک اس سلسلہ کا سب سے اہم تعارف آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے- صرف رسالت ونبوت کا تصور گو انبیاء سابقین پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو لیکن آپ ؐ کے حق میں یہ تصور یقیناً ایک ناقص تصور ہے آپؐ کا کامل تصور اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک رسالت کے ساتھ آپ ؐ کے خاتم النبیین ہونے کا تصور بھی نہ کیا جائے- اسی لیے قرآن کریم نے سورۂ احزاب کی آیت ﴿وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاتم النبیین ہونا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے- گویا مردوں میں سے کسی کا نسبی والد ہونا اگرچہ عام شانِ رسالت کے منافی نہ ہو لیکن خاص آپؐ کی شان کے منافی ہے کیونکہ آپ ؐ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں- یہ باب دیگر کتب احادیث میں آپ کو جتنا مختصر ملے گا ترجمان السنہ میں وقتی تقاضوں کے لحاظ سے اسی قدر مفصل نظر آئے گا- صرف اس ایک باب میں بائیس جدید عنوانات قائم کیے گئے ہیں- پہلے اس مضمون کی جتنی حدیثیں کتب تفاسیر واحادیث میں مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے پھر مضامین کے لحاظ سے ان کو جدا جدا عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے اور کوشش صرف اس باب کو پھیلانے کی نہیں کی گئی بلکہ ان تمام نقوش و عنوانات کو ابھارنے کی کی گئی ہے جو گذشتہ دور میں غیر ضروری ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اور درحقیقت اس مسئلہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے تھے- پھر تشریحی نوٹوں میں اس کی ضروری وضاحت بھی کر دی گئی ہے' خاتمہ پر جو مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ خواہ اس موضوع کی خوش کن تعبیرات سے لبریز نہ ہو لیکن اس راہ میں شکوک وشبہات کا جو کانٹا بھی کسی کے قلب میں چبھ سکتا تھا اس کے

www.besturdubooks.net

نکالنے کے لیے اِن شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے غائبانہ تعارف کے سلسلہ میں ان صفات کا ذکر بھی آ گیا ہے جو تورات و انجیل میں مذکور تھیں اور خوش قسمتی سے ان کا تذکرہ حدیثوں میں بھی آ گیا تھا۔ چونکہ ''ترجمان السنہ'' کا موضوع مستند احادیث کا مجموعہ پیش کرنا ہے اس لیے ان احادیث کا جمع کرنا بھی ناگزیر طور پر اس کے موضوع میں داخل ہوگیا ہے۔ یہاں اصل مقصد یہود و نصاریٰ کو خطاب کرنا نہیں کہ جو رسول پر ایمان ہی سے بے بہرہ ہوں وہ اس کے کلام سے کیا مستفید ہو سکتے ہیں ہمارے مخاطب وہ اصحاب ہیں جو احادیث کے مطالعہ کا شغف تو رکھتے ہیں لیکن سوءِ اتفاق سے ان کے پاس ان کے حسب مذاق اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں ''ترجمان السنہ'' جلد اوّل کے اختتام کے قریب اس کے متعلق پوری وضاحت کردی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں علم النبیؐ کے عنوان کے تحت آپ کو دو حدیثیں ملیں گی پہلی حدیث ''**انا اعلمکم باللّٰہ**'' اور دوسری حدیث ''اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمُوْرِ دُنْیَاکُمْ'' آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمات کی روشنی میں عنوان بالا کا فیصلہ پورے اعتدال کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ یہ دو حدیثیں کتب حدیث میں جن جن عنوانات کے تحت ہیں ان کے بالمقابل ہماری ضرورت کے لحاظ سے عنوان مذکور کہیں زیادہ اہم ہے پھر یہ دو حدیثیں دیگر کتب میں سینکڑوں صفحات کے فاصلہ پر رکھی ہوئی ہیں اور ترجمان السنۃ میں پہلو بہ پہلو رکھی ہوئی نظر آئیں گی۔ اس طریق کار کے مؤسس اوّل امام بخاریؒ ہیں۔ ان کے بعد حدیثی صنائع میں تو ان کی نقالی بھلا کون کرسکتا تھا ہاں ان کی کتاب کے صرف خارجی نقش و نگار کی نقالی کی ہم نے بھی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مقبولان بارگاہ کی اس نقالی میں برکت و اخلاص مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حق تعالیٰ اور اس کے مقدس رسولؐ کے مختصر تعارف کے بعد ان پر ایمان لانے کے ابواب شروع کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے فضائل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اکثر عنوانات گو خود احادیث ہی کے مختصر ٹکڑے ہیں مگر ترجمان السنہ میں ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے بشکل عنوانات روشن کر دیا گیا ہے تا کہ ان کے مطالعہ کرنے والوں میں ایمان کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے۔ حدیث نمبر ۲۰۸ پر جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ علم کا ایک جدید اور مستقل باب ہے یعنی ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملنا تو اسلام میں ایک مشہور ضابطہ ہے لیکن اس کے بعد سات سو گنا تک ثواب ملنے کا ذکر بھی حدیثوں میں آتا ہے۔ ہمیشہ خیال یہی رہا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ ثواب ملنے کا شاید کوئی ضابطہ نہ ہوگا یہ صرف ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں کے تحت ہے وہ جسے جتنا چاہے عطا فرمادے، لیکن جب حافظ ابن رجب حنبلی کی کتاب نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ تضاعیف کا ثواب بھی شریعت میں ایک بہت معقول ضابطہ کے تحت ہے۔ ترجمان السنہ میں اس کی طرف پہلے ایک مختصر عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نوٹ میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اس کی قدر ایسے ہی اشخاص فرما سکتے ہیں جن کے قلوب میں خوش اعتقادی کی دنیا سے نکل کر عملی میدان میں قدم رکھنے کا جذبہ ہو یا جن کے دماغ میں علمی لحاظ سے اس بارے میں کبھی کوئی الجھن پیش آئی ہو۔

اسی طرح ارکانِ اسلام میں باہم ربط کا عنوان بھی ایک اہم عنوان ہے جس پر ترجمان السنہ جلد اول کے آخر میں اور اس جلد

www.besturdubooks.net

میں بھی ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے۔ مضمون کی اہمیت ان مقامات کے مطالعہ کے بعد ہی واضح ہوگی۔

ابواب الایمان کی تکمیل کے بعد کتب احادیث کی ترتیب کے بالکل برخلاف اشراک باللہ اور نفاق کے ابواب ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ان ابواب کی پوری وضاحت کیے بغیر کتاب الایمان کی جتنی بھی تفصیل کی جائے ناقص رہتی ہے۔ اس کے شروع میں بھی ایک متوسط مقالہ لکھ دیا گیا ہے' اس ترتیب سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ جب تک پہلے خدائے وحدہ لا شریک لہ اور اس کے رسولِ پاکؐ کا اس طرح تعارف اور ایمان کے یہ مراحل طے نہ کر لیے جائیں اور شرک و نفاق کی ہر آلودگی سے اس کو یکسر پاک وصاف نہ کرلیا جائے ایمان کامل نصیب نہیں ہوسکتا۔ دامن ایمان پر جب کبھی معصیت کا داغ لگ جاتا ہے تو دماغی لحاظ سے ایک بڑی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے وہ کبھی تو اس کو اعتزال کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی ارجاء کی طرف کھینچتی ہے۔ حدیثیں بھی اس بارے میں دونوں طرح کی ملتی ہیں' کہیں ادنیٰ فروگذاشت سے ایمان کی نفی معلوم ہوتی ہے اور کہیں شراب نوشی جیسی معصیت کے بعد بھی مغفرت کی بشارت محرومی معلوم نہیں ہوتی۔ مؤلف نے ان دونوں قسموں کا توازن قائم رکھنے کے لیے مختلف عنوانات قائم کر دیے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کامل ہے تو وہی بلند مقام جو معمولی معصیت کی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا شراب نوشی تو کجا۔[۱] لیکن اس کے یہ معنٰی بھی نہیں کہ اسلام میں انسان کی فطری کمزوری کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اس کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کا قلب جذبات وفاداری اور معصیت پر ندامت سے معمور رہے' اسی کے ساتھ وہ برابر اس کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان صرف اغماض وتساہل کی زندگی بسر کرنے کا عادی نہ بنے بلکہ اس مقام رفیع تک رسائی کی سعی کرتا رہے جہاں پہنچ کر ادنیٰ سی فروگذاشت بھی اس کو بصورتِ نفاق نظر آنے لگے۔ اس کے بعد تقدیر کا اہم مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہر دور میں معرکۃ الآراء مسائل میں سب سے زیادہ لاینحل سمجھا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے' اس کے باوجود ہر زمانے میں اس پر علماء وفضلاء نے خامہ فرسائی کی ہے۔ احقر نے بھی کبھی فرصتوں کے دنوں میں اس پر دو مقالے لکھے تھے اور خیال یہ تھا کہ علماء کے گذشتہ مضامین کے ساتھ ان کی حیثیت پیوند کی ضرور ہوگی مگر افسوس اور صد افسوس کہ اس فتنہ میں وہ بھی ضائع ہو گئے۔ اس متاعِ علمی کے ضیاع کا جتنا صدمہ ہوسکتا ہے وہ ہوا اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اب اس مکمل تصویر کا ایک نقش بھی ذہن میں نہیں رہا کہ کسی ناقص صورت ہی میں اس کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ اب نہ وہ فرصت ہے' نہ وہ طبیعت کی تازگی' نہ وہ علمی ذخائر بلکہ وہ ہمت شکن درماندگی محیط ہے جو کسی علمی سرمایہ گم کرنے والے کو ہوا کرتی ہے۔ بایں ہمہ کتاب کی تکمیل کے تقاضے مہمیز کا کام کرتے رہے اور اس لیے ایک شکستہ طبیعت میں

---

[۱] اکتوبر ۴۹ء کے معارف میں ''ترجمان السنہ'' پر ریویو کرتے ہوئے ایک حدیث کے عنوان پر مؤلف کے ساتھ اختلاف رائے ظاہر کیا گیا ہے۔ اختلاف رائے ہر عالم کا حق ہے' لیکن اس کا بھی محل ہونا چاہیے۔ حدیث نمبر ۹۴ پر احقر نے ایک شخص کی شراب نوشی پر معصیت کا لفظ اطلاق کر دیا ہے۔ فاضل معاصر نے معصیت کے بجائے اس کو ظلم میں داخل فرمایا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جس امر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو مرتبہ حد شرعی قائم ہو چکی ہو کیا اس کو بھی معصیت کی تعریف سے خارج کیا جاسکتا ہے اور پھر کیا وہ ترجمہ جو اس حدیث پر امام بخاری کی جانب سے ''ترجمان السنہ'' میں نقل کیا گیا ہے ارتکاب ظلم پر قائم کیا جاسکتا ہے؟۔

www.besturdubooks.net

جتنی کسر باقی تھی اس کو پھر اُٹھا پڑا اور بڑی جانفشانی کے بعد اس مضمون کی احادیث جمع کرنے کی جو خدمت رہ گئی تھی اس کو مکمل کر کے وقتی استحضار کے لحاظ سے ایک مقالہ یہاں پھر ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا ہے۔ اس باب کی حدیثیں بھی احادیث کے تمام متفرق ابواب سے جمع کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ کتاب النکاح اور کتاب العتاق سے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ان ابواب میں تقدیر کے مسئلہ کی حدیثیں کہاں ملیں گی مگر ملیں اور بہت بیش بہا ملیں۔[۱] خوش نصیبی سے اس وقت ہمارے پاس مصطفیٰ صبری کا رسالہ موقف البشر موجود تھا۔ اس باب میں یہ رسالہ جملہ گذشتہ تصانیف سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کو بار بار مطالعہ کر کے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان مباحث کے بعد ارادہ تھا کہ عالم ارواح برزخ اور آخرت پر بحث کی جائے جس کے ضمن میں ملائکہ اور شیاطین اور دوزخ و جنت وغیرہا کے مباحث بھی آ جاتے ہیں اور اس طرح کتاب الایمان میں آمنت باللہ کی مشہور ترتیب محفوظ رہے لیکن بعض وقتی مسائل کے لحاظ سے شاید یہ ترتیب ترک کرنی پڑے اس لیے ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ جلد کس ترتیب سے سامنے آئے گی۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تیسری جلد میں تشریحی نوٹوں کا یہ اسلوب غالباً باقی نہ رہ سکے، وقت کی نزاکت کتاب کے جلد از جلد مکمل کر دینے کی متقاضی ہے اور تفصیلات میں جانا فرصت چاہتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ پہلے جدید عنوانات کے تحت حدیثوں، ان کے ترجموں اور صرف مختصر نوٹوں پر اکتفا کی جائے۔ اس کے بعد پھر قدرت جس کو منتخب فرمائے وہ اس مواد کو پھیلا کر پوری تفصیلات کے ساتھ پیش کر دے ۔

ایں کار دولت است ☆ کنوں تا کرا رسد

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

---

[۱] یہ ابواب جلد ثالث میں آئیں گے۔

www.besturdubooks.net

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پھر جمع کر رہا ہوں جگرِ لخت لخت کو ۔۔۔۔ مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

بے شک ترجمان السنۃ کی یہ پیش کردہ جلد غیر معمولی وقفہ کے بعد آپ کے سامنے آ رہی ہے لیکن جب آپ کو درمیانی واقعات وحالات کی نا مساعدت اور اس پر اس جلد کے مضامین کی اہمیت کا علم ہوگا تو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تاخیر بھی کوئی تاخیر نہیں' صرف اس ایک جلد کے لئے ہزار ہا ہزار صفحات کی ورق گردانی کی گئی ہے' پھر اس پیچیدہ مسائل کو سلجھانے میں جو دماغی کاوش کی گئی ہے' اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا' اگر اس کو بیان کیا جائے تو کون ہے جو اس کو باور کرے گا۔

واقعات یہ ہیں کہ دوسری جلد کی تالیف سے جب مؤلف کا قلم فارغ ہوا تو وقت کے بعض اہم تقاضوں سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ تیسری جلد میں سلسلہ وار کی بجائے ''اسلامی اقتصادیات'' پر قلم اٹھایا جائے' لیکن اس کے لئے ضرورت تھی کہ پہلے فن اقتصادیات پر جدید نظریہ کے تحت ہلکی سی نظر ڈال لی جائے' تاکہ عنوانات اور تشریحی نوٹ اسی روشنی میں پیش کئے جا سکیں اور احادیث کا ذخیرہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت مرتب کیا جا سکے' چنانچہ اس کا بہت سا مواد جمع کر لیا گیا تھا' لیکن یہ سب مواد دماغ ہی کے اندر بکھرا پڑا تھا' ہنوز اس کے ضبط وقید کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ایک دوسری دینی خدمت مؤلف کے سامنے آ گئی جو اس تالیفی خدمت سے کہیں زیادہ اہم تھی اور اس کا وقت اب اتنا آخر ہو چکا تھا کہ اگر کہیں اور زیادہ تاخیر کی جاتی تو پھر اس میں سعی کرنا بعد از وقت ہو جاتی اس لئے اپنے اس محبوب ترین شغل کو چھوڑ کر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا' پوری کوشش کی کہ اس جدید مصروفیت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا قلم بھی متحرک رہ سکے' مگر میرے جیسے بے بضاعت انسان کے لئے بیک وقت ان دو مختلف کاموں کا جمع کرنا ناممکن ہو گیا' بالآخر کچھ مدت کے لئے تالیف سے یک قلم دست کش ہو جانا پڑا' پورے ایک سال کے بعد جب اس جدید خدمت کی طرف سے کچھ اطمینان میسر ہوا تو قسمت سے مؤلف کو سفر حجاز نصیب ہو گیا۔

اب بلا شبہ مقام تو ایسا تھا جہاں حدیث کی خدمت صحیح معنی میں قضیۂ زمین برسرِ زمین کا مصداق تھی' لیکن تصنیف وتالیف کی نزاکت جن حالات کی متقاضی تھی وہ یہاں پھر سازگار نہ تھے' ادھر حسب الاتفاق مؤلف کی آنکھوں میں کچھ ایسی تکلیف پیدا ہو گئی کہ چند منٹ کتاب دیکھنا بھی مشکل ہو گیا' سوچئے کہ جس کام کے لئے ہزاروں صفحات کا مطالعہ درکار ہو وہ اب چلتا تو کیونکر چلتا' اس لئے رضاء بقضا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا پڑا' تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد جب مرض میں ذرا خفت محسوس ہوئی تو صحت کا انتظار کئے بغیر پھر قلم ہاتھ میں اٹھالیا' لیکن اب جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ جدید ترتیب کے لئے جو مواد جمع کیا گیا تھا اس کی سب کڑیاں بکھر چکی ہیں اگر از سر نو ان کو پھر جوڑا جاتا تو تصنیف میں اور تعویق در تعویق ہوتی' اس لئے مجبوراً پہلی ترتیب کی طرف لوٹ جانا پڑا۔

ابھی رکے ہوئے کام کو شروع کئے کچھ عرصہ گذرنے نہیں پایا تھا کہ ناگہانی طور پر احقر کا دست راست شدید زخمی ہو گیا' حتیٰ کہ انگشت شہادت کا ایک حصہ قطع کرنا پڑا' اور اب ضعف بصارت کے ساتھ کتابت کا یہ دوسرا آلہ بھی معطل ہو گیا' والحمدللہ علی کل حال و اعوذ باللہ من حال اھل النار ' مقصود مقدرات کا شکوہ کرنا نہیں ہے اور کیسے کیا جا سکتا ہے' جبکہ سامانِ تعطل سب جمع تھے مگر تعطل کسی ایک جانب میں نہ تھا' قدرت نے ہر کام کے لئے دوسرے راستے کھول دیئے تھے' مقصد ان غیر متوقع

www.besturdubooks.net

تاخیر کی معذرت ہے' الحمدللہ کہ ان معذوریوں پر بھی ترجمان السنۃ کی تالیف سے کوئی مایوسی نہیں ہوئی' البتہ اب صورتِ تالیف بدل دینی پڑی یعنی خود کتابت کی بجائے صورت املاء یعنی دوسرے شخص کی مدد سے کتابت اختیار کرنی پڑی' گو مؤلف کے دماغ اور اس کے ہاتھ کے مابین قدرت نے مضامین کی آمد میں جو کنکشن رکھا ہے اس کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے مضامین میں نقصان واقع ہونا لازمی تھا مگر جبراً وقہراً اس پر راضی ہو جانا پڑا اور اللہ تعالیٰ کی مدد وفضل سے قدیم ترتیب پر کام شروع کر دیا گیا' اس لحاظ سے کتاب کا جو پہلا حصہ سامنے آیا وہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیوں کے تذکرے تھے۔[1] بظاہر یہ موضوع سب سے آسان موضوع تھا' اکثر کتبِ احادیث میں اس پر مستقل ایک باب قائم کیا گیا ہے اور اس سلسلے کی حدیثیں ایک ہی جگہ مرتب کر دی گئی ہیں' اس لئے اس سلسلہ کی حدیثیں جمع کرنے میں بظاہر کوئی دشواری نہ تھی اور اس طریق پر ان کے ترجمے اور نوٹس میں بھی کوئی دقت نہ تھی' لیکن جب اس موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو ترجمان السنۃ کی تالیف کے مقاصد کے پیش نظر یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس باب کو بھی موجودہ ضروریات کے تقاضوں کے مناسب مرتب کیا جائے اب دیکھا تو یہی موضوع کتاب کے موضوعات میں سب سے مشکل بن گیا کیونکہ مذہب کی بنیاد اسی مقدس جماعت کے ذریعے قائم ہوئی ہے اور ان ہی کی حیثیت سمجھنے میں عقلاء اور خود اہل مذہب کو بہت غلطیاں لگی ہیں' خالق اور صانع کا وجود کسی نہ کسی پہلو سے سب تسلیم کرتے ہیں کم از کم ایک (Creator) کی حیثیت ہی سے سہی اور اس کے مباحث بھی دروس اور کتابوں میں ہمیشہ ذکر ہوتے رہتے ہیں' لیکن انبیا علیہم السلام اور مسائل نبوت ہمیشہ سے زیر بحث رہے ہیں اور متاخرین نے جو بحثیں کی ہیں وہ اور الجھاؤ کا موجب بن گئی ہیں' یہاں فلاسفہ قدیم جن کو الٰہیات سے کسی حد تک روشناس کہا جا سکتا ہے جب اس مسئلہ پر گذرے تو حقیقت تک رسائی تو درکنار وہ بالکل دوسری مخالف سمت میں جا نکلے' رہے ہمارے دور کے عقلاء تو وہ اس موضوع ہی سے روشناس نہ تھے' وہ بھلا اس موضوع میں کوئی صحیح بات لکھتے تو کیا لکھتے' ادھر خود اہل مذہب بھی اس افراط وتفریط میں پھنسے ہوئے نظر آئے کہ ایک فریق نے انبیاء علیہم السلام کی پراسرار ہستیوں اور ان کے معجزات کو دیکھا تو ان کی بشریت ہی کا صاف انکار کر دیا اور ان کو یہ بتانا ہی مشکل ہو گیا کہ جب وہ بشر نہ تھے تو پھر اور کس نوع میں داخل تھے' آخر انھوں نے توجیہ کرتے کرتے اسلام کے اس نکھرے ہوئے مسئلہ کو ٹھیک نصرانیت کی سرحد سے جا ملایا' دوسری جماعت نے اگر ان کی محسوس بشریت کا یقین کیا تو ان کے خصائص وکمالات کا انکار کرتے کرتے ان کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اب وہ طبقہ جو مذہب کا تو عقیدت مند تھا لیکن مذہبی تعلیم سے نابلد تھا' ان اختلافات کو دیکھ کر انبیاء علیہم السلام کے صحیح مقام معلوم کرنے سے قاصر ہو گیا اور اس کے لئے ان کا اصل مقام سمجھنا ہی ایک بھول بھلیاں بن کر رہ گیا' اس لئے انھوں نے اپنی فہم اور اپنے اندازِ فکر کے مطابق جو مقام ان کے ذہن میں آیا وہ ان کے لیے تجویز کر لیا اور اس طرح یہ مسئلہ جو دین کا اساسی مسئلہ تھا تاریکی در تاریکی میں پڑ گیا اس لیے مؤلف کے لئے ضروری ہو گیا کہ اس باب کو اس طرح مرتب کیا جائے جس کے مطالعہ کے بعد اس میں تمام غلط خیالات کی تصحیح ہو جائے اور ان بزرگ ہستیوں کا شرعاً جو صحیح صحیح مقام ہے وہ ان کے حالات کے ضمن میں کسی تکلف کے بغیر خود بخود

---

[1] انبیاء علیہم السلام کے حالات کے متعلق ''ندوۃ المصنفین'' نے ''قصص القرآن'' مستقل ایک محققانہ تصنیف شائع کی ہے لیکن اس کا خاص موضوع وہ قصص ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں' اس لئے وہ بھی ہمارے لئے کارآمد نہ ہو سکی' لہٰذا اس باب کی ترتیب میں کتب الاحادیث کے علاوہ ''البدایہ والنہایہ'' اور الدر المنثور سے ہم کو زیادہ مدد ملی ہے'

www.besturdubooks.net

واضح ہوتا چلا جائے' اس غور و خوض میں یہ محسوس ہوا کہ جس طرح نبوت تمام دین کی اساس ہے اسی طرح وحی نبوت کی اساس ہے اس لحاظ سے وحی[۱] کی حدیثیں اور اس پر مختلف عنوانات بھی قائم کرنے اہم نظر آئے غالباً اسی لئے امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی عام محدثین کی ترتیب کے خلاف اسی باب سے اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے' اس سے امام موصوف کی وقتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے' اس عنوان کے تحت اگرچہ خود امام بخاری کی کتاب میں چند حدیثیں جمع کی گئی ہیں' لیکن ''ترجمان السنۃ'' کے مقاصد و عنوانات کے پیش نظر وہ کافی نہیں تھیں' اس لئے اس کے لئے دور دور سے مختلف ابواب سے حدیثیں تلاش کرنی پڑیں' مثلاً کتاب الحج' کتاب الدعوات' کتاب التفسیر' باب التوکل' اب ذرا اندازہ فرمایئے کہ ان ابواب کی وحی کے ساتھ کیا مناسبت ہے' اس لئے کس جانفشانی کے ساتھ یہ احادیث ان ابواب سے منتخب کی گئی ہوں گی' پھر جب آپ ''ترجمان السنۃ'' ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ان عنوانات کے لئے ان احادیث کا انتخاب کتنا اہم تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے تعارف کے سلسلہ میں انکی بشریت اور ان کی بشریت کی خصوصیات' پھر عام بشریت سے اس کے امتیازات پر متعدد ابواب بھی قائم کئے گئے ہیں تاکہ اگر ایک طرف ان کی بشریت ثابت ہوتی رہے تو دوسری طرف عام بشریت سے ان کی برتری بھی واضح ہوتی رہے اور اس طرح یہ مسئلہ پورے توازن اور اپنی تمام نزاکتوں کے ساتھ ذہن نشین ہوتا چلا جائے' نیز یہ بھی واضح ہو جائے کہ جن انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہم کلامی کا شرف بخشتا ہے' انکی صفات کیا ہوتی ہیں' پھر یہ بات خود بخود سمجھ میں آ جائے گی کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے صفت عصمت ہونا کیوں ضروری ہے' اس کے بعد وحی اور انبیاء علیہم السلام کی[۲] معصومیت پر خاص طور پر نظر ڈالی گئی ہے، کیونکہ ان کے تعارف کے لئے سب سے زیادہ اہم یہی دو صفتیں ہیں' اس کے بعد پھر جن انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی اور ان کی حیاتِ طیبہ کے کچھ حالات جو حدیثوں میں آ چکے تھے' چونکہ ''ترجمان السنۃ'' جلد اول میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلحاظِ خلقت سب سے پہلے اور بلحاظِ بعثت سب سے آخری رسول ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس باب کو ہم آپ ہی کے اسم مبارک سے شروع کریں اور آپ ہی کے اسم مبارک پر ختم کر دیں تاکہ آپؐ کی اوّلیت و آخریت کا نقشہ ہماری تصنیف میں بھی آنکھوں سے نظر آ جائے۔

یہاں بھی حسب دستور سابق نبوت کے متعلق پہلے ایک بسیط مضمون سپرد قلم کیا گیا ہے جس کے مطالعہ کے بغیر اس باب کے تشریحی نوٹ پورے طور پر واضح نہیں ہو سکتے' اسی طرح عصمت انبیاء علیہم السلام کی حدیثوں سے پہلے اس موضوع پر بھی ایک مقالہ لکھا گیا ہے' حدیثوں سے تشریحی نوٹ دیکھنے کے لئے اس کا مطالعہ کرنا بھی انتہائی اہم ہے' اس جگہ ضروری ہے کہ جلد اوّل ص ۱۳۸ تا ص ۱۴۴ و از ص ۴۵۵ تا ص ۴۶۴ بھی ملاحظہ فرما لیا جائے کیونکہ اس مسئلہ کے بہت سے اہم پہلوان صفحات میں صاف

۱؎ اس موضوع پر بھی ندوۃ المصنفین کی مشہور کتاب ''وحی الٰہی'' مدت ہوئی شائع ہو چکی ہے' افسوس ہے کہ اس وقت وہ ہمارے سامنے نہ تھی اس لیے استفادہ نہ ہو سکا' مناسب ہے کہ تفصیلی مباحث کے لئے کتاب مذکورہ کا مطالعہ کیا جائے۔

۲؎ اس موضوع پر امام رازی نے اپنی مشہور تفسیر کی جلد اول و ثالث و خامس میں تقریباً دس مقامات پر کلام فرمایا ہے' ہم نے ان تمام مقامات کے علاوہ بھی تفسیر مذکورہ کی ورق گردانی کی مگر کوئی ایسی بات دستیاب نہ ہو سکی جو موجودہ دور کے مذاق کے مطابق ہوتی' اس لئے اس باب کی ترتیب میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور دیگر کتب محققین سے مدد لی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

کئے جا چکے ہیں' اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آپ کو سب سے زیادہ طویل نظر آئے گا اور اس کا راز یہ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کا تعلق امت محمدیہ کے ساتھ آئندہ زمانہ میں بھی ثابت ہوتا ہو صرف ایک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہستی ایسی ہے جن کے متعلق حدیثوں میں باصرار و تکرار یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بحیثیت ایک حکم (جسٹس) کے تشریف لاکر اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین مختلف فیہ مسائل میں فیصلہ فرمائیں گے اور قیامت سے قبل اتحادِ ملل کی اہم خدمت انجام دیں گے' اس لئے ضروری تھا کہ وہ رسول ایسا ہی ہو جس کی شخصیت فریقین کے نزدیک مسلّم ہو۔

ظاہر ہے کہ ہنگامۂ قیامت اگر حق ہے تو ان کی تشریف آوری اس سے کچھ عجیب تر نہیں ہے' جس دور میں اولین و آخرین کا قبروں سے زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہونا ادیانِ سماویہ کا متفقہ عقیدہ ہو اس کے قرب میں صرف ایک انسان کا اور وہ بھی ایسا انسان جو زندہ ہو آسمان سے زمین پر آ جانا کیا تعجب کی بات ہے صحیح مسلم جو امام بخاری کی کتاب سے بلحاظ صحت گو دوسرے نمبر پر خیال کی گئی ہے لیکن از روئے حسن ترتیب اس کو امام موصوف کی کتاب پر بھی ترجیح دی گئی ہے' ہم نے بارہا دیکھی مگر اس مقام پر جس باریک بینی سے امام موصوف نے کام لیا ہے اس کی طرف کبھی ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوا یعنی انھوں نے جب کتاب الایمان پر عنوانات رکھے تو عام محدثین کے مذاق کے مطابق عنوانات قائم کرتے کرتے یہاں ایک جدت بھی کر گئے کہ مسئلہ نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور معراج جیسے مسائل کی اہمیت کے پیش نظر ان کو کتاب الایمان کا جزو بنا گئے' حالانکہ ان کے دور میں یہ مسائل کسی اختلاف کے بغیر امت مسلمہ میں بالاتفاق ایمان کا ایک جزو ہی سمجھے جاتے تھے' چنانچہ کتب عقائد میں مسئلہ نزولِ مسیح علیہ السلام کو بالاتفاق عقائد ہی کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے' جب ترجمان السنۃ کی ترتیب کا زمانہ آیا تو اس وقت ہم کو امام موصوف کی اس دور بینی کی قدر ہوئی اور امام موصوف کی وجہ سے اس مسئلہ کو کتاب الایمان کا جزو بنانے میں ہم کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اب ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا کہ اس مسئلہ کی حیثیت دیگر عام پیش گوئی کی سی نہیں ہے بلکہ ان عقائد کی سی ہے جو تواتر سے ثابت شدہ ہیں' ہماری خوش نصیبی سے حضرت استاذ مرحوم اس مسئلہ کی احادیث اپنی حیات میں بشکل رسالہ جمع فرما گئے تھے اس لیے ہم نے اس مجموعہ کا بقدر ضرورت انتخاب یہاں درج کر دیا ہے البتہ عنوانات اپنی جانب سے لگا دیئے ہیں' مگر ان عنوانات کی وجہ سے احادیث میں صحت و حسن کی ترتیب قائم رکھی نہیں جا سکی' اگر ان عنوانات کے ساتھ آپ نبوت و رسالت پر جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں ان کو بھی شمار کر لیں تو صرف اس ایک مسئلہ پر تقریباً سو عنوانات ہوں گے۔

ترتیب کے لحاظ سے اسکے بعد قضاوقدر کا مسئلہ تھا لیکن چونکہ وہ مرتب کر کے پہلے ارسال کیا جا چکا تھا اس لئے اس کی کتابت پہلے ہو گئی اور اب وہ اس جلد کے شروع میں آپ کو ملے گا' یہ مسئلہ خود اہل سنت والجماعت کے درمیان ابھی تک کوئی آخری فیصلہ نہیں پا سکا چنانچہ آج تک امت مسلمہ کے دو مشہور امام شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور امام ماتریدیؒ کا اختلاف کتب کلام میں منقول ہوتا چلا آ رہا ہے اگرچہ اکثر علماء کی رائے امام ماتریدیؒ کے مسلک کی طرف ہے لیکن صرف اس رجحان سے مسئلہ کا قطعی فیصلہ نہیں ہوتا' اس لئے ہم نے یہاں دو مقالے الگ الگ اپنے مقدارِ علم کے مطابق پیش کر دیئے ہیں' مگر دونوں مذہبوں کے مابین اختلاف کی زیادہ تشریح نہیں کی اور نہ ہر موقع پر اس کی تنبیہ ضروری سمجھی ہے' کیونکہ یہ ایک فنی دائرہ کی چیز تھی' قارئین کو اس میں الجھانا مناسب نہ تھا' لیکن اہل علم حضرات اس کا بھی اندازہ نہ فرما سکیں گے' افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں اردو اور فارسی کتب کا کوئی ذخیرہ یہاں ہمارے

www.besturdubooks.net

پاس موجود نہ تھا اور نہ اہل قلم کے وہ مضامین جو اس موضوع کے متعلق منتشر طور پر شائع ہو چکے تھے پیش نظر تھے' اس لئے ان سے استفادہ کا قطعاً موقع نہیں مل سکا حالانکہ بہت اہم تھا کہ اپنے قریبی دور کے علماء کے شائع شدہ مقالات کا مطالعہ کر لیا جاتا تاکہ جو پہلو ان میں صاف ہو چکے تھے ان کو بھی اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر دیا جاتا' مگر اس قسم کا ذخیرہ یہاں کلیتہً مفقود تھا اور یہ امر تو جلد ثانی کے مقدمہ میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ یہاں جو کاوش خود مؤلف نے پہلے ایک بار کی تھی قسمت سے وہ دور فتن کے نذر ہو چکی' اس لئے اب اس فرصت میں جو ممکن تھا وہی پیش کیا جا رہا ہے' بایں ہمہ اس موضوع میں جو کچھ لکھا گیا ہے اگر اس کو آپ بار بار ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ معلوم کر کے آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ مسئلہ ایک پہلو سے جتنا نظری ہے دوسرے پہلو سے اتنا ہی بدیہی بھی ہے اور غالب کا یہ مشہور شعر غالباً اسی مسئلہ کے لئے زیادہ مناسب ہے ۔

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں!

ساری مشکل یہ ہے کہ انسان اپنے ناقص ادراکات کو کامل اور قلیل علم کو کثیر سمجھتا ہے اور اس لئے اپنے دائرہ محسوسات سے خارج اشیاء کو نہ سمجھتا ہے اور نہ اس کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ ان کو بھی اپنے مشاہدات ہی کی حدود میں لانا چاہتا ہے مسئلہ قضاء وقدر کا ایک پہلو تو خالق سے متعلق ہے جو اس کے تصور سے بھی وراء الوراء ہے اور دوسرا خود اسی کے باطن سے متعلق ہے' انسان نہ اتنی دور بینی کی طاقت رکھتا ہے اور نہ اتنے قریب تر دیکھنے کی اس کی بصارت کے لئے بھی قرب و بعد کے مابین ایک محدود مسافت شرط ہے کہ اگر اس چیز کو اس سے زیادہ نزدیک لے آؤ تو پھر وہ دیکھنے سے قاصر رہتا ہے اور اگر ذرا دور لے جاؤ تو پھر اس کے ادراک سے عاجز ہو جاتا ہے' اسی طرح اس کی بصیرت کا معاملہ ہے' یہاں بھی زیادہ دور اور بہت زیادہ نزدیک شئے کے ادراک سے اس کی عقل عاجز رہتی ہے' اس لئے نہ الٰہیات کا وہ پورا ادراک کر سکتا ہے اور نہ اپنے نفس کے اختیار کی حدود کی پوری پوری تشخیص کر سکتا ہے' مگر مشکل یہ ہے کہ اس عجز و قصور کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا' تاہم ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ مسئلہ کو جتنا قریب الی الفہم کیا جا سکے کر دیا جائے' اس لئے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ خالی الذہن ہو کر پہلے ان اوراق کا مطالعہ فرمالیں اور بار بار فرمائیں اور سمجھنے سے پہلے اس میں اعتراضات پیدا کرنے کی الجھن میں نہ پڑیں' امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سکون و اطمینان کی روشنی سے مستفیض ہو سکیں گے' اس سلسلہ میں منتشر کتب کے علاوہ جن کتابوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے' وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) شرح الموقف للدوانی ؒ (۲) شرح العقائد للنسفیؒ (۳) حاشیہ الکنبوی (٤) حاشیہ احرحانی (٥) کتاب السنۃ للامام احمدؒ (٦) شرح العقیدہ الطحاویۃ (۷) حجۃ اللہ البالغۃ (۸) الروضۃ البهیہ (۹) شفاء العلیل لابن القیم (۱۰) منہاج السنہ لابن تیمیہ (۱۱) شرح الفقہ الاکبر (۱۲) المسامرہ لابن الهمامؒ (۱۳) الاستبصار للکوثری (۱٤) موقف البشر المصطفی البصری۔

ان میں سے آخر کی دو کتابیں ہمارے ہی دور کے علماء کی تالیف کردہ ہیں جن میں علامہ کوثریؒ' امام ماتریدیؒ کے مسلک کی تائید میں ہیں اور مصطفیٰ صبری' شیخ اشعریؒ کے مسلک کے۔ مصطفیٰ صبری کی کتاب کا ہم نے پورے غور و خوص کے ساتھ بار بار مطالعہ کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی مساعی قابل داد ہیں علامہ کوثری نے ان کے جواب کی پوری سعی کی ہے اب یہ فیصلہ ناظرین کے سپرد ہے کہ علامہ مصطفیٰ اور علامہ کوثری میں یہاں کس کا پلہ بھاری ہے؟ ہم نفس مسئلہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار تو

www.besturdubooks.net

درکناران علماء کے مابین فیصلہ کرنا بھی اپنی مقدارِ علم سے بالاتر بات سمجھتے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْمٍ.

جلد ثالث کی ترتیب میں مؤلف کے سامنے ایک جدید مشکل یہ بھی درپیش رہی کہ اب بحمدہٗ تعالیٰ کتاب میں احادیث کا ذخیرہ ایک ہزار سے تجاوز کر چکا ہے چونکہ احادیث بالکل جدید ترتیب سے جمع کی جارہی ہیں اس لئے اتنے طویل ذخیرہ میں پورے طور پر یہ استحضار رہنا بہت مشکل ہے کہ کس مناسبت سے یہ حدیث کس عنوان کے تحت پہلے گذر چکی ہے' بسا اوقات بڑی تلاش وتتبع کے بعد تیسری جلد کے عنوان کے لئے ایک حدیث منتخب کی گئی لیکن جب زیادہ غور کیا تو معلوم ہوا کہ حدیث ایک بار پہلے بھی گذر چکی تھی اس لئے نہ صرف سعی بیکار رہی بلکہ اس کے لئے اب دوسری حدیث کا انتخاب کرنا ایک جدید محنت کا محتاج ہو گیا اب اس دور میں نہ اتنا حفظ قوی ہے نہ اتنا تحفظ کہ جو احادیث قلم سے ایک بار نکل جائیں پھر جب کہیں وہ مکرر آئیں تو یہ یاد آجائے کہ اس مناسبت سے ایک بار پہلے وہ فلاں عنوان میں گزر چکی ہے' اس لئے ہوسکتا ہے کہ پوری جانفشانی کے باوجود کوئی حدیث آپ کو مکرر بھی نظر پڑے' آپ اس کو مؤلف کے قصورِ حفظ پر محمول کر کے ساتھ تا امکان ہم نے اس کی بھی کوشش کی ہے کہ جہاں کوئی مضمون کے مناسب حدیث گزر چکی ہے اس کا حوالہ دے دیا جائے اور اگر گذشتہ کسی مضمون کا مطالعہ اس جلد کے لئے ضروری ہو تو اس کا حوالہ بھی دے دیا جائے اب اتنی محنت قارئین کے ذمہ ہے کہ وہ اس حوالہ کی مراجعت کر کے اس سے فائدہ حاصل کرلیں۔

ترجمان السنۃ نے جس خدمت کا ارادہ کیا ہے اس کی تشریح کسی حد تک جلد اوّل وثانی کے مقدمہ میں کردی گئی ہے' لیکن اب اس کی جلد ثالث سامنے آجانے کے بعد اس امر کی وضاحت کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ ''ترجمان السنۃ'' نے حدیث کی خدمت کے ساتھ ساتھ مسائل کلامیہ کی حدیثی روشنی میں دیکھنے اور شرعی پہلو سے ان کے سلجھانے میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ لیا ہے اور اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اگر اسی طرح کسی وقت علم کلام پورا کا پورا احادیث کے تحت کھینچ لیا جائے تو اس کے مستقل فن بن جانے کی وجہ سے جو موشگافیاں پیدا ہوچکی ہیں وہ ایک حد تک ختم ہوجائیں اور یہ فن مضر ہونے کی بجائے بڑی حد تک مفید بن جائے یہ امر بھی ظاہر کردینا ضروری ہے کہ جب یہ کام شروع کیا گیا تھا تو اس وقت یہ تصور بھی نہ تھا کہ یہ کام اتنا پھیل جائے گا' اور خیال یہ تھا کہ کتاب الایمان صرف پہلی جلد میں سماجائے گی اور اگر بالفرض جدید عنوانات کے پیش نظر پہلی جلد ناکافی رہی تو زیادہ سے زیادہ دوسری جلد کے لئے یقیناً کافی ہوجائے گی' لیکن جب تیسری جلد کا وقت آیا تو ایسے اہم مباحث سامنے آگئے کہ اب یہ جلد بھی اس کے لئے ناکافی ثابت ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ بحث غالباً اب چوتھی جلد میں تمام ہوگی اور بہت ممکن ہے کو جو ترتیب مؤلف کے سامنے ہے اس کے لحاظ سے پانچویں جلد تک بھی پھیل جائے گی' یہ ظاہر ہے کہ اس طرح اضافہ صرف ابواب وعنوانات ہی میں ہورہا ہے' یعنی جو احادیث کتب مدونہ میں دوسرے ابواب وعنوانات کے تحت پھیلی ہوئی تھیں وہ ہمارے یہاں کتاب الایمان میں سمٹتی آرہی ہیں اور اس طرح اگر کتاب ایک طرف طویل ہورہی ہے تو دوسری طرف مختصر بھی ہوتی جارہی ہے' اس لئے کتاب کی طوالت سے اضطراب وگھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہر چندی رو وسخن دوست خوشتر است

www.besturdubooks.net

فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد اوّل

مضامین	صفحہ
پیش لفظ	۱۵
حدیث افتراق امت	
اور اس کی اسناد پر ایک نظر	۲۴
ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث	۲۴
حدیث افتراق کے پندرہ راویوں کے نام	۲۴
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۲۵
حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۲۵
حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۲۶
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت	۲۶
حضرت ابوالدرداء و واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت	۲۶
حضرت عمر بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۲۶
حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۲۷
حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت	۲۷
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث	۲۷
حدیث معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۷
کسی حدیث پر اجمالی حکم اس کے مجموعہ طرق پر حکم نہیں ہے	۲۸
احادیث پر تنقید کی تین تعبیرات اور ان کا فرق	۲۸
ابن حزم کی رائے فیصلہ کن نہیں ہے	۳۰
حدیث کی صحت پر معنوی قرائن	۳۱
حلیفیت اور یہودیت اور نصرانیت کا تقابل	۳۱
﴿غیرِ المغضوبِ علیھم﴾ میں اتباع یہود و نصاریٰ کی	
طرف ایک لطیف اشارہ	۳۱
مشرکین و یہود کے تعلقات	۳۱
پیغمبر اسلام کا یہود و نصاریٰ کی طرف سے خطرہ کا آخری الارم	۳۲
یہود و نصاریٰ سے جزیہ قبول کرنے کی وجہ	۳۲
موافقت اہل کتاب کی عام سنت فتح مکہ تک تھی	۳۲
اس امت میں یہود و نصاریٰ کی اتباع کی پیش گوئی	۳۲
بعض نومسلموں کو مشرکین کی نقالی کی تمنا اور آپ کی سرزنش	۳۳
امت محمدیہ شغف اتباع ہی کی بدولت صفت افتراق میں بھی	
اتباع کرے گی	۳۳
شدتِ اتباع اور حدیثِ افتراق کا تناسب	۳۴
لفظ اختلاف کی توضیح	۳۴
اختلافِ زمان اختلاف السنہ والوان	۳۴
اختلافِ ضلالت و ہدایت	۳۵
امتحانی سوالات میں امت محمدیہ کی کامیابی کے مقامات	۳۵
اختلاف امم اختلافِ امت محمدیہ	۳۵
اختلاف کا تکوینی راز	۳۵
اختلاف کرنا رحمت سے محرومی کی علامت ہے	۳۶
راہِ حق ایک ہے اور ناحق بہت	۳۶
صراطِ مستقیم اور سبل متفرقہ کا نقشہ	۳۶
قرآن کریم میں حدیثِ افتراق کی طرف اشارہ ہے	۳۶
رسول دنیا میں ناروا اختلافات کو مٹانے کے لئے آتے ہیں	۳۷
قرآن کریم سے لفظ اختلاف کی توضیح	۳۷
عذابِ افتراق، عذابِ استیصال کا بدل ہے	۳۷
افتراقِ مذموم کی حدود	۳۷
دین میں پارٹی بندی برداشت نہیں	۳۷
اختلافِ دین وملت	۳۸
ایک ملت میں اصول وکلیات کا اختلاف	۳۸

www.besturdubooks.net

اختلافِ اصول موجبِ افتراق ہے	۳۸
فروعی اختلاف اختلاف نہیں	۳۹
ادیانِ سماویہ میں اختلاف نہیں	۳۹
اجتہاد بھی دین کا ایک اصول ہے	۳۹
صحابہ کرامؓ کا اختلاف	۳۹
صحابہؓ کا اختلاف آپس کا اختلاف تھا نہ کہ دین کا	۴۰
دین میں اختلاف کے رفع کا اصول	۴۱
آیت ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ﴾ کی نادر تفسیر	۴۱
اصولِ شریعت میں کوئی اختلاف نہیں	۴۱
اسبابِ اختلاف وتفریق	۴۲
دوراوّل کا طریق تحصیلِ علم	۴۲
دوراوّل میں اختلاف نہ ہونے کے اسباب	۴۲
دوسرے دور کا طریقہ، ذہنی انتشار اور ماحول کا اختلاف فہم	
مراد میں مخل ہوتا ہے	۴۳
پارٹیوں کا ظہور	۴۳
قرآن خواں اور قرآن داں کا فرق	۴۴
اسبابِ اختلاف حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں	۴۵
کلام فہمی کے لئے محاورات کے سوا مصنف کی مزاجی	
خصوصیات کا علم بھی ضروری ہے	۴۶
علم کا طول وعرض اور ہے اور اس کا عمق اور	۴۶
عالم رئیس فتنہ نہیں ہوتا جاہل پر عالم کا گمان کرلیا جاتا ہے	۴۸
سطحی اور عمیق علم کا فرق	۴۸
صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا	۴۸
زیرِ تربیت علم کی تاثیرات	۴۹
صلح حدیبیہ میں صحابہؓ کے اضطراب اور پھر سکون میں ایک تعلیمی سبق	۴۹
علم پڑھنا پھر اسے گننا چاہیے	۴۹
حکمت کا مفہوم	۴۹
علم ایک نور کا نام ہے	۵۰
علم کے متعلق اشراقیہ کی رائے	۵۰
نورِ علم بلا عقیدت واتباع منتقل نہیں ہوتا	۵۱
علم صحیح عمل کی دعوت دیتا ہے	۵۱
علمائے سوء کی علامت	۵۱
اختلاف کا دوسرا سبب اتباعِ ہوٰی ہے	۵۲
انسان کچھ پر اپنی حکومت دیکھتا ہے اور سب کچھ پر حکومت کا	
یقین کرلیتا ہے	۵۳
معجزہ	۵۳
انسان کا قدرت کے ساتھ ایک فریب	۵۳
اتباعِ ہوٰی اور اتباعِ ہدیٰ متضاد صفتیں ہیں	۵۳
ہوٰی اور ہدیٰ کے دوراہے پر انسان کا امتحان	۵۳
اتباعِ ہوٰی میں سکون کا راز	۵۴
تشبیہاتِ انبیاء علیہم السلام اور استعاراتِ شعراء میں فرق	۵۴
اصحابِ ہوٰی کو توفیق توبہ میسر آنا مشکل ہے	۵۴
علم کی گمراہی جہل کی گمراہی سے بدتر ہے	۵۵
ہوٰی پرست کو خدا پرستی کا مغالطہ	۵۵
اتباعِ ہوٰی کے لئے گمراہی لازم ہے	۵۵
خلافتِ حق اتباعِ ہوٰی کے منافی ہے	۵۵
اتباعِ ہوٰی شریعت اور سیاست دونوں کے لئے مضر ہے	۵۶
مذمتِ ہوٰی میں سلف کے اقوال	۵۶
ہوٰی متعدی مرض ہے	۵۷
ہوٰی کی جاذبیت	۵۷
قرآن وسنت عقل کیلئے روشنی ہیں نہ کہ عقل قرآن وسنت کے لیے	۵۸
مذموم قیاس آرائی کیا ہے؟	۵۹
اختلاف وافتراق کا تیسرا سبب اتباعِ عادت ہے	۵۹
اندھی تقلید کیا ہے؟	۶۰
احادیث میں مفہومِ عدد کی بحث	۶۲
اعداد وشمار میں مؤرخ کا اختلافِ نظر	۶۲
پیشگوئی کی احادیث میں ابہام ناگزیر ہے	۶۳
شریعت کا ایک اہم نصب العین	۶۳

www.besturdubooks.net

صرف دماغی تفریعات عملی جدوجہد میں مخل ہوتی ہیں	۶۵
اخبار غائبہ میں مذاق سلف	۶۵
فرقہائے مختلفہ کی تعیین	۶۵
مغیرہ بن شعبہؓ پر تہمت کی تشفی بخش تحقیق	۶۶
امت محمدیہ کے آخری امت ہونے کی ایک لطیف حکمت	۶۷
امام غزالی کی ایک مفید نصیحت	۶۷
فرقہ باطلہ کی پہلی علامت بغض ونفاق ہے	۶۸
اختلاف نہ کرنے کا حکم	۶۹
دوسری علامت اتباع متشابہات ہے	۷۱
محکم ومتشابہ کی تحقیق	۷۲
تیسری علامت	۷۳
فرقہ ناجیہ کی تعیین اور بقیہ فرقوں کی ابہام کی حکمت	۷۴
کلهم في النار الا واحدة	۷۵
کلهم في النار کی تحقیق	۷۵
فرقۂ ناجیہ کی تحقیق	۷۶
ما انا علیہ و اصحابی.... الجماعة السواد الاعظم	۷۶
اختلاف امتی رحمة کی تشریح	۷۷
تلاش کرکر کے صرف شرعی رخصتوں پر عمل کرنا فسق ہے	۷۸
مجتہدین امت کا اختلاف	۷۹
تدوین دین میں فطری ارتقاء	۷۹
سنت میں ارتقاء - فقہی ارتقاء	۷۹
حنفیت وشافعیت کے اختلاف کی حقیقت	۷۹
ما انا علیہ و اصحابی کی حقیقت	۷۹
الفاظ میں احتمالات باقی رہتے ہیں اس لیے فیصلہ کن صرف ان کی عملی صورت ہے	۸۰
صحابہ کرامؓ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکمل اعتماد	۸۰
صحابہؓ کے بعض افعال کی صورت گو عہد نبوت میں نہ ملے مگر وہ مقاصد شریعت کے ماتحت ہوتے ہیں	۸۰
قرآن کا حضرت عمرؓ کی رائے کی تصویب کرنا ان کی دینی مزاج شناسی کی دلیل تھی	۸۱
منصب تشریع اور منصب اجتہاد کی تقسیم	۸۱
السواد الاعظم الجماعة کا مصداق	۸۱
خدائے قدوس اپنے اور اپنے رسول کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتا اور رسول اپنے اور اپنے صحابہؓ کے مابین تفریق کا روادار نہیں	۸۲
اسوۂ صحابہ کی اہمیت	۸۲
حواریین اور صحابہ کرام کا مقابلہ	۸۲
صحابیت کا احترام نجات کی علامت ہے	۸۲
شان اجتماع حق کی علامت ہے	۸۳
افراد کی اکثریت معیار صداقت نہیں	۸۳
حدیث لن تزال الخ کا مصداق	۸۳
اقوال مفسرین اور الفاظ شارحین	۸۴
حدیث میں اکثر اختلاف عبارت ہوتا ہے اسے اختلاف حقیقت نہ بنانا چاہیے	۸۴
منحرف جماعتیں دعوئ حقانیت میں دلیر ہوتی ہیں	۸۶
حدیث قرطاس میں ایک انوکھی تعبیر	۸۶
تقدیر ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی تمناؤں کا ساتھ نہیں دیتی	۸۶
تقدیر اسباب کے پردہ میں نمایاں ہوتی ہے	۸۶
حدیث کی صاف صاف تشریح کے بعد اختلاف عالم تکوین کے ماتحت ہے	۸۷
حجیتِ حدیث	۸۹
انکار حدیث کے فتنہ کا آغاز	۸۹
قرآن کریم کی جامعیت	۹۱
بعثت رسول کے تین اہم مقاصد	۹۲
تعلیم و تزکیہ	۹۲
آیاتِ قرآنیہ میں صحابہؓ کے چند شبہات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات	۹۴
قرآن کریم کے مضامین کے متعلق بعض تشریحی سوالات	۹۶

www.besturdubooks.net

فروعی مسائل کے متعلق چند سوالات	۹۸
اسوۂ رسول اور کتاب اللہ	۱۰۰
اسوۂ رسول کی جامعیت	۱۰۰
اسوۂ رسول اور عرب	۱۰۳
قرآن کریم کی جامعیت کا اصل مفہوم	۱۰۴
جوامع الکلم کی تفسیر	۱۰۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قرآن کی جامعیت	۱۰۷
صحابہؓ کے دور میں قرآن کی جامعیت	۱۰۷
ائمہ کے نزدیک قرآن کی جامعیت	۱۰۹
قرآن کی تفسیر و بیان صرف رسول کا منصب ہوتا ہے	۱۱۰
قرآن و حدیث کا ربط	۱۱۱
فرض و واجب کے مراتب کا اختلاف	۱۱۱
فرض و واجب کے مراتب میں بحر العلوم کی تحقیق	۱۱۲
امام اوزاعی کے قول کی تشریح	۱۱۶
احادیث رسول اللہؐ کے بیان ہونے کی تفصیل	۱۱۸
احادیث میں قرآن کے مجمل احکام کی تشریح	۱۱۸
احادیث میں مشکلاتِ قرآن کا حل	۱۱۹
احادیث میں قرآن کی تفسیر	۱۱۹
احادیث رسول کو بیان کہنے کے چند اصول اور قواعد	۱۲۱
تیسرے قاعدہ کی چند مثالیں	۱۲۲
حدیث رسول کے بیان ہونے کا ایک اور قاعدہ اور اس کی مثالیں	۱۲۳
ایک سوال اور اس کا جواب	۱۲۴
اتباعِ قرآن کے مفہوم میں ایک غلط فہمی	۱۲۵
حدیث کی تشریعی حیثیت	۱۲۶
عہد صحابہؓ میں حدیث کی حیثیت	۱۲۷
صحابہ کی نظر میں احادیث کی اہمیت کی چند مثالیں	۱۲۷
حدیث کی تشریعی حیثیت کا ایک اور ثبوت	۱۲۹
قرآن میں رسول کی حیثیت	۱۳۰
قرآن میں رسول کی اطاعت	۱۳۷
آیت ﴿اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول الخ﴾ کے متعلق	
مولانا اسلم صاحب کی تفسیر	۱۳۹
مولانا اسلم صاحب کی تفسیر پر تنقیدی نظر	۱۴۰
ایمان کی تکمیل رسول کی اطاعت کے بغیر نہیں ہوتی	۱۴۱
مولانا اسلم صاحب کی ایمان کے معنی سمجھنے میں ایک غلط فہمی	
اور اس کا ازالہ	۱۴۲
کتاب اللہ اور اطاعت رسول کا مطلب	۱۴۵
امام کی اطاعت کا وہ مقام نہیں ہو سکتا جو اللہ اور اس کے	
رسول کی اطاعت کا ہے	۱۴۶
امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا۔	۱۴۷
اطاعت رسول کی دس خصوصیات	۱۴۸
انتشارِ امت کا سبب احادیث نہیں بلکہ ترکِ احادیث ہے	۱۴۹
صحابہؓ کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت	۱۵۰
رسالت کی ضرورت	۱۵۰
رسول میں رسالت اور امامت کی دو حیثیتیں نہیں ہوتیں	۱۵۲
اسوۂ رسول کی حیثیت	۱۵۳
اسوۂ رسول اور حدیث	۱۵۴
صحابہؓ کے دور میں اسوۂ حسنہ کا عموم	۱۵۴
اسوۂ رسول کا تواتر	۱۵۶
سند صرف اسلام کی خصوصیت ہے	۱۵۹
دین کے ثبوت کی چھ صورتیں	۱۶۰
خبر واحد کی حجیت	۱۶۲
خبر واحد کی حجیت کا ایک ثبوت	۱۶۴
خبر واحد کی حجیت کا تیسرا ثبوت	۱۶۴
خبر واحد کی حجیت کا چوتھا ثبوت	۱۶۴
خبر واحد پر عمل نہ کرنے کی چند صورتیں	۱۶۵
خبر واحد کے مراتب	۱۶۵
ظن و علم کے مفہوم پر ایک اہم بحث	۱۶۶
دلیل متواتر بھی مفید ظن ہو سکتی ہے	۱۷۲

www.besturdubooks.net

اصولِ دین قطعی ہونا چاہئیں فروعی مسائل ظنی ہو سکتے ہیں ۱۷۳
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حدیث کی مخالفت کا طعن
اور اس کا جواب ۱۷۵
خبر متواتر کے مفید علم یقین ہونے میں ایک غلط فہمی ۱۷۵
احادیثِ صحیحین مفید یقین ہیں ۱۷۷
خبر واحد کے مفید یقین ہونے پر قرآن سے ایک استدلال ۱۷۸
خبر واحد کے مفید یقین ہونے پر قرآنِ کریم سے دوسرا
استدلال ۱۷۹

اسلام میں تقلید وتبصرہ ۱۸۰

فن تاریخ اور حدیث ۱۸۰
محدثین اور راویوں کا جمودِ رائے ۱۸۵
حفاظِ حدیث اور حفاظت دین ۱۹۰
جمع احادیث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
مجلس مشاورت ۱۹۳
سلف کے نزدیک کتابت حدیث کی ممانعت کے اسباب ۱۹۵
سلف میں اپنی علمی یادداشتوں کو مٹانے کا ایک اور داعیہ ۱۹۵
انکارِ حدیث کے نتائج وعواقب ۲۰۱

ائمہ اربعہ اور بعض ان مشہور محدثین کے تذکرے
جن کی تصنیفات اس مجموعہ کی زمین اور مآخذ ہیں

ابوحنیفۃ الامام رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۴

شجرۂ نسب ۲۰۵
مولد و مدفن ۲۰۶
حلیہ و اخلاق ۲۰۸
طبقہ امام اعظمؒ ۲۰۹
تحصیل علم ۲۰۹
مآخذ علم ۲۱۰
محدثین کی نظروں میں امام اعظم کی ثقاہت ۲۱۱
فقہ حنفی کا امتیاز ۲۱۲
امام اعظم کا علمی پایہ ۲۱۵
محدثین کو امام صاحبؒ سے وجہ نکارت ۲۱۸

امام مالک بن انس بن مالکؒ ۲۲۴

فقہ مالکی ۲۲۷
الشافعی الامامؒ ۲۲۸
ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی الامام ۲۳۰
فقہ حنبلی کے پانچ زریں اصول ۲۳۱
الامام القاضی یعقوب ابویوسفؒ ۲۳۳
امام محمد بن الحسنؒ ۲۳۴

شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ ۲۳۵

امام بخاری کا شجرۂ نسب ۲۳۵
تاریخ ولادت ووفات ۲۳۶
بچپن میں ردِ بصر کا واقعہ ۲۳۶
قوتِ حافظہ ۲۳۶
بصرہ میں ایک مجلس امتحان کا تذکرہ ۲۳۷
امام بخاری کی جلالت قدر ۲۳۷
مطالعہ حدیث میں شب بیداری ۲۳۸
تالیف بخاری کا سبب ۲۳۸
تالیف بخاری میں حیرت انگیز شرائط کا التزام ۲۳۸
خلوص نیت کے آثار برکت ۲۳۸
خودداری ۲۳۹
سانحہ وفات ۲۳۹
ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام الدارمی ۲۴۰
ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی ۲۴۰
حجۃ الاسلام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشابوری ۲۴۱
ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی ۲۴۳
ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ۲۴۴
ابن ماجۃ الربعی ۲۴۴
ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی ۲۴۵
احمد بن محمد ابوجعفر الطحاوی الامام ۲۴۶

www.besturdubooks.net

ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	۲۴۷
ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی	۲۴۸
ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم	۲۴۹
ابومحمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی	۲۵۰
ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی	۲۵۱
نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الہیثمی	۲۵۲
کتابُ التوحِید	۲۵۳
اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے	۲۵۳
اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کھود کرید کرنے کی ممانعت	۲۵۶
اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم	۲۶۰
اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ	۲۶۴
اسلام میں خدا کا تصور	۲۶۸
اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اس کی کبریائی وکمال قدرت اور مخلوقات کی سرتا سر احتیاج کا بیان	۲۷۲
خدائے تعالیٰ کی تنزیہی صفات	۲۸۰
خدائے تعالیٰ کی وسعت رحمت	۲۸۲
بندوں پر خدائے تعالیٰ کا کیا حق ہے	۲۹۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے	۳۰۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی مثال	۳۰۷
اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو آج انھیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا	۳۱۲
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتا ہے	۳۱۶
کوئی شخص پورا ایماندار نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہشات شریعت کے تابع نہیں ہوتیں	۳۱۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اپنی جان بلکہ سب جہان سے زیادہ کرنا ضروری ہے	۳۱۷
رسولؐ سے محبت خدا کی محبت کی وجہ سے کرنا چاہیے	۳۱۷
آنحضرتؐ سے محبت کی کچھ علامات	۳۲۳
عرب کی محبت	۳۲۴
صحابۂ انصار اور اہل بیت کی محبت	۳۲۵
آنحضرتؐ کی مرغوب چیز کا مرغوب ہوجانا	۳۲۷
دنیا سے بے رغبتی اور فقر کی زندگی کو ترجیح دینا	۳۲۸
گنہگار کو بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت ہوسکتی ہے	۳۲۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ثمرہ	۳۳۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر وتعظیم کرنا	۳۳۲
آنحضرتؐ کے سامنے بلند آواز سے بولنے کی ممانعت	۳۳۶
وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت	۳۳۸
خانگی معاملات میں اہل خانہ کی یا ناواقف بادیہ نشین کی آواز بلند ہوجانا قابل اغماض ہے	۳۳۸
اللہ تعالیٰ کے دربار میں آنحضرتؐ کا وسیلہ اختیار کرنا	۳۴۰
اللہ تعالیٰ کی سفارش کسی مخلوق کے سامنے پیش کرنا اس کی عظمت سے ناواقفی اور جہالت کا ثمرہ ہے	۳۴۱
آنحضرتؐ نبوت سے اس وقت سرفراز ہوچکے تھے جب کہ حضرت آدمؑ میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا	۳۴۳
آنحضرتؐ اس وقت خاتم النبیین بنادیئے گئے تھے جب کہ حضرت آدمؑ ابھی آب وگل ہی میں تھے	۳۴۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے نبی بنادیئے گئے تھے اور سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اسی طرح آپ کی امت بھی سب سے آخر میں آئی ہے اور قیامت کے دن سب سے مقدم ہوجائے گی	۳۴۸
یہ امت سب امتوں میں آخر سب سے بہتر اور حساب میں سب سے مقدم ہوگی	۳۵۰
آنحضرتؐ کی مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے	۳۵۲
شب معراج میں پروردگار عالم کا راز ونیاز کے طور پر کہنا کہ اس نے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے	۳۵۳
حضرت آدم سے حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ان کے فرزند احمد ومحمدؐ	

www.besturdubooks.net

سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی ہیں	۳۵۳
حضرت آدمؑ سے جبرئیل کا ارشاد کہ محمدؐ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں	۳۵۳
آنحضرتؐ سے حضرت جبرئیلؑ کا فرمان کہ جس طرح حضرت آدمؑ کا لقب صفی اللہ تھا آپؐ کا لقب خاتم النبیین ہے	۳۵۴
حضرت آدمؑ کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا ''محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں''	۳۵۴
عقیدۂ ختم نبوۃ کلمۂ شہادت کی طرح ایمان کا جزو ہے	۳۵۵
ختم نبوت انبیاء علیہم السلام میں صرف آنحضرتؐ کا طغرۂ امتیاز ہے	۳۵۵
مہر نبوۃ خود اس کی دلیل تھی کہ آپ خاتم النبیین ہیں	۳۵۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی کرنا کہ خاتم النبیین اور آخری نبی میں ہوں	۳۵۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا	۳۵۷
ملک روم کے گورنر کی تصدیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا	۳۵۹
گوہ کی شہادت کہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں	۳۵۹
وفات کے بعد زید بن خارجہ کی شہادت کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا	۳۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ اور بعد میں آنے والے سب انسانوں کے لیے یکساں رسول ہیں	۳۶۱
آنحضرتؐ کا ختم نبوۃ کو ایک مثال دے کر واضح کرنا	۳۶۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں خواہ غیر تشریعی نبی ہو	۳۶۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوۃ کا کوئی جزو باقی نہیں رہا صرف اچھے خواب باقی ہیں	۳۶۵
نبوۃ بالکل ختم ہوگئی اور صرف خواب نبوۃ نہیں ہیں	۳۶۶
الہام اور فرشتوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی نبوۃ نہیں ہے	۳۶۸
امت کا انتظام اور ان کی دینی تحریفات کی اصلاح کرنا بھی نبوۃ نہیں	۳۷۰
اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے	۳۷۱
جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے پرلے درجہ کا جھوٹا ہے	۳۷۴
خَاتَمِ النَّبِیّٖن	۳۷۷
تورات میں آنحضرتؐ کی بعض علامات	۳۸۶
انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتے ہیں	۳۹۰
نبی کی نظر	۳۹۱
نبی کبھی اپنی پشت کی جانب سے دیکھ لیتا ہے	۳۹۳
نبی کا علم	۳۹۵
مخلوق میں سب سے شدید آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے	۴۰۳
آنحضرتؐ کے اسماء مبارکہ	۴۰۵
اسلام میں رسول کا تصور	۴۰۹
رسول واوتار و بروز	۴۰۹
انسانیت رسول کا ایک کمال ہے	۴۰۹
لفظ رسول کی تشریح	۴۱۰
رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے	۴۱۱
رسول و وکیل	۴۱۱
رسول ریاضت سے نہیں بنتے، وہ پہلے سے منتخب شدہ ہوتے ہیں	۴۱۳
ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر	۴۱۸
ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے	۴۲۱
ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر	۴۲۱
اقرار باللسان	۴۲۳
ایمان کا وجود ذہنی	۴۲۵
ایمان اور ضروریات دین	۴۲۹
ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیات	۴۳۰
ایمان کا وجود عینی	۴۳۲
عمل و ایمان کا توازن	۴۳۴

www.besturdubooks.net

ایمان اور معرفت	۴۳۶
اعمال کی حیثیت ایمان میں	۴۳۸
تصدیقِ قلبی پر معصیت کا اثر	۴۳۹
اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے	۴۴۰
ایمان میں زیادت و نقصان کی بحث	۴۴۳
کتاب الایمان والاسلام	۴۴۷
ایمان اور اسلام کی فضیلت	۴۴۷
خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان ایمان ہے سرمایہ و دولت نہیں	۴۴۷
جنت میں صرف مؤمن جائیں گے	۴۴۷
کمالِ دین کی بشارت اس امت کے سوا کسی کو نہیں دی گئی	۴۴۹
مؤمن عاصی کے حق میں مغفرت کی بشارت	۴۵۰
اسلام زمانہ کفر کے سب گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے	۴۵۲
ایمان کے بغیر اعمال صرف خوشنما قالب ہیں جن میں روح نہیں	۴۵۶
اس کی مثال جو ایمان نہیں رکھتا اور قرآن پڑھتا ہے ناز بو کی ہے جس کی خوشبو اچھی مگر ذائقہ تلخ ہوتا ہے	۴۵۷
جو اسلام لے آئے اس کے لیے ایک نیکی پر دس نیکیوں کی بشارت	۴۵۸
جو اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرے اس کے لیے ایک نیکی پر سات سو گنا نیکیوں کی بشارت	۴۶۰
اچھے اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیاں بھی نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں	۴۶۱
جس نے اپنے اسلام کو بدنما بنادیا اس سے دورِ جاہلیت کے اعمال پر بھی مواخذہ ہوگا	۴۶۲
آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیکار اور لایعنی باتوں سے کنارہ کش ہوجائے	۴۶۳

دل کے خطرات اور بشری بھول چوک پر درگزر کی بشارت	۴۶۵
دینِ محمدی کے سرتاسر سہل اور آسان ہونے کی بشارت	۴۶۸
جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا	۴۷۰
اہل کتاب میں جو شخص ایمان لائے گا اس کو دو اجر ملیں گے	۴۷۲
اسلام پر بیعت کرنا خدا کی اسٹیٹ میں حلف وفاداری کے ہم معنی ہے	۴۷۷
امام کو لوگوں سے کن باتوں پر بیعت لینا چاہیے	۴۷۸
دنیا کے لیے کسی سے بیعت کرنا نہیں چاہیے	۴۷۹
عورتوں کی بیعت	۴۸۰
بچے کی بیعت	۴۸۰
غلام کی بیعت	۴۸۱
بادیہ نشینوں کی بیعت	۴۸۱
ان وفود کا ذکر جو اسلام و ایمان کی تحقیق کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے	۴۸۳
ضمام بن ثعلبہ کی آمد	۴۸۳
معاویہ بن جعدہ کی آمد	۴۸۶
ابو رزین عقیلی کی آمد	۴۸۸
وفد عبدالقیس کی آمد	۴۸۹
ابن المنتفق کی آمد	۴۹۱
سوید ازدی کی آمد	۴۹۳
ان وفود کی آمد جن کا نام روایات میں مذکور نہیں	۴۹۴
ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت	۴۹۹
ارکانِ اسلام	۵۱۴
ارکانِ اسلام کا باہمی ربط	۵۲۰
اسلام میں سب سے مضبوط عمل	۵۲۳

www.besturdubooks.net

فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد دوم

مضامین	صفحہ
ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوا اتنا ہی فضیلت کا موجب ہے	۱۲
غیر معقول اور غیر مدرک کا فرق	۱۳
یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے	۲۳
عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین سے زیادہ ہے	۲۶
رب العزت کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بنا پر جو اضطراب وقتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے وہ یقین کے منافی نہیں ہے	۳۰
مؤمن کا قلب جب تک نور ایمان و یقین سے منور ہوتا ہے اس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا ہے	۳۲
جس کی موت ایمان و یقین پر آجائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے	۳۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں	۳۷
تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتبِ یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے	۳۹
خدا تعالیٰ کی توحید، رسولوں کی رسالت، ان کی بندگی کا اعتقاد، اور جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزء ایمان ہے۔ اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا	۴۷
ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے	۶۰
جس نے شعائر اسلام ادا کر لئے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہوگیا	۶۲
اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے	۶۳
ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں	۶۶

مضامین	صفحہ
ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام نہیں۔ دین اسلام میں داخل ہو جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے	
ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ پر رضا و تسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے	۷۲
اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شانِ رضا کی چند مثالیں	۷۴
شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا رب اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کی تلاش باقی نہ رہے	۷۹
خوشی اور غم اور انسان کے دوسرے فطری تاثرات اس کی شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں	۸۰
ایمان دراصل قلبی اعتقاد کا نام ہے۔ فرائض و اعمال ایمان کے اجزاء نہیں ہیں	۹۰
جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک اور ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں	۹۳
جس کے قلب میں نورِ ایمان کا ایک ذرہ ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا	۹۴
جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے وہ پکا مؤمن ہے اور کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا	۹۹
جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں اگرچہ توحید و رسالت کا معترف بھی ہو	۱۰۰
جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے	۱۰۲

www.besturdubooks.net

جنت دین کی وقتی تائید یا صرف تلاوت قرآن کرنے سے واجب نہیں ہوتی اس کے لئے تمام احکامِ اسلام پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے ۱۰۵

پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت و ضعف کے مطابق ہوگی ۱۰۶

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا استعمال سے ۱۰۸

گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی کبھی نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے ۱۱۰

اگر سبقت لسان سے کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا ۱۱۴

کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے ۱۱۵

خودکشی کرنے والا کافر نہیں ۱۱۶

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے ۱۱۷

عقائد کے مسائل میں جب کہیں الجھن پیش آ جائے تو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے ۱۲۲

اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے اور اندرونی حالات کا حساب خدائے تعالیٰ کے حوالے رہے گا ۱۲۳

شرطِ فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہوسکتا ہے ۱۲۶

مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں ۱۳۱

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے ۱۳۳

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے ۱۳۶

قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا ۱۳۷

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے ۱۳۸

اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو اس کا اسلام معتبر ہو جائے گا خواہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے ۱۴۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لئے مجبور نہیں کیا ۱۴۱

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہئے ۱۵۱

وہ چیدہ چیدہ اعمال جن کا اسلام سے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلنا ضروری ہوتا ہے جس طرح سبز درخت سے شاخوں کا۔ ان میں ایک عمل راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ہے اور یہ ان میں سب سے گھٹیا درجہ کا عمل ہے ۱۵۴

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان نے ایذا نہ دینا ۱۵۵

واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا ۱۶۱

شرم وحیا کرنا ۱۶۷

غیرت ۱۷۳

خدائے تعالیٰ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا ۱۷۵

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانے کا امتیاز اٹھا دینا ۱۷۸

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا ۱۸۲

گاہ بگاہ ترک زینت ۱۸۳

اچھا طور وطریق، متانت اور میانہ روی ۱۸۴

حلم و بردباری ۱۸۵

ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں ۱۸۵

اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے ۱۸۶

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا ۱۸۸

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا ۱۸۹

جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا ۱۹۲

نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا ۱۹۴

جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا ۱۹۶

حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک

www.besturdubooks.net

کرو ینا	۱۹۷
نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا	۱۹۸
احکام اسلامی کے لئے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا	۲۰۰
نمازوں کے لئے مسجد کی پابندی	۲۰۱
طہارت کی نگہداشت	۲۰۲
دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا	۲۰۳
مؤمن کی صفات	۲۰۴
احتیاط اور ہوشیاری	۲۰۴
سادگی اور شرافت	۲۰۴
دانائی اور مردم شناسی	۲۰۶
مؤمن نجس نہیں ہوتا ہے	۲۰۸
نرم مزاجی اور ہردلعزیزی	۲۰۹
صاف سینہ ہونا	۲۱۱
مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا	۲۱۲
گناہوں سے ڈرنا	۲۱۴
اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرنا	۲۱۴
ہمیشہ توبہ کرتے رہنا	۲۱۵
احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسے گھوڑا اپنے کھونٹے کا	۲۱۵
ازسرتاقدم خیرخواہی اور نفع محض بن جانا	۲۱۶
ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکرگذار رہنا	۲۱۷
نرم دلی	۲۱۷
پاکیزہ زبان ہونا	۲۱۸
راست گو امانتدار اور وفاشعار ہونا	۲۲۰
مجبوری میں توریہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح طریقہ ہے	۲۲۴
اچانک قتل کرنے سے بچنا	۲۲۹
مؤمن مرد کا مؤمنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا	۲۳۰
کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا	۲۳۰
مسلمانوں کے حقوق	۲۳۱
مسلمانوں کا اکرام	۲۳۲
شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام	۲۳۸
شرک انسان کی فطرت نہیں	۲۵۷
شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے	۲۶۰
شرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں	۲۶۳
مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں	۲۶۴
کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے	۲۶۹
اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو سکتی ہیں؟	۲۷۵
اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں؟	۲۷۶
غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے اگرچہ عقیدہ میں نفع و نقصان کا مالک خدا تعالیٰ ہی کو تصور کرتا ہو	۲۸۳
اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے	۲۸۳
بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے	۲۸۷
مسلمانوں کے قلب پر ایک اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا نقش ہو جانا توحید کا سب سے بلند مقام ہے	۲۸۹
کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سببیت سے بڑھ کر حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے	۲۹۱
غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے	۲۹۶
غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے	۲۹۸
مسلمانوں کو سخت وسست کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنا کفری حرکت ہے	۲۹۹
تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صنعت خالقیت کی نقالی ہے	۳۰۰
قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے	۳۰۲
ریاکاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے	۳۰۳
غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت	۳۰۵
بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت	۳۰۹

www.besturdubooks.net

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت	۳۱۰
کفار کی عبادتوں کے اوقات میں نماز پڑھنی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے	۳۱۳
نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت	۳۱۶
ناتمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت میں اللہ کے ساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے	۳۱۷
کسی عذر کے بغیر نماز قضا کر دینا کفر ہے	۳۱۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ایسی مبالغہ آمیزیاں کرنے کی ممانعت جیسی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان میں کیں	۳۱۸
اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں	۳۲۵
خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے	۳۳۱
آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت	۳۳۲
شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت	۳۳۴
ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت	۳۳۴
مؤمن کو چاہئے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دور رہے اگرچہ وہ کفر کی حد تک نہ ہوں	۳۳۵
اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلہ ہے	۳۴۹
یوں کہنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میں مسلمان نہیں	۳۵۰
جو مسلمان بھائی پر بے بات فسق و کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ لوٹ کر اسی پر آ پڑتی ہے	۳۵۰
تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں	۳۵۱
شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے	۳۵۲
مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی	۳۵۲
مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل رہ کر ان کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے	۳۵۳
بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے	۳۵۵
کافر کی چھو منتر بھی شیطانی کام ہیں	۳۵۸
نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی	۳۶۴
کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہئے	۳۶۶
خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے	۳۸۳
استیصالِ شرک کے متعلق سلف کا اہتمام	۳۸۴
نفاق اور اس کی قسمیں	۳۸۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ	۳۹۷
عملی نفاق	۴۰۴
نفاق کے شعبے	۴۰۶
منافق کی صفتیں	۴۰۸
نفاق کی نشانیاں	۴۱۰
دروغ گوئی	۴۱۵
وعدہ خلافی	۴۱۹
لڑائی جھگڑا	۴۱۹
نمازوں میں کاہلی اور سستی	۴۲۰
نفاق کے چند اسباب	۴۲۲
نفاق سے علیحدہ ہونا	۴۲۳
منافق کی تعظیم کرنا	۴۲۳
نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں	۴۲۳

www.besturdubooks.net

فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد سوم

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
دیباچہ	۱۱	یہ اعتقاد رکھنا کہ فرمانبرداروں کو دوزخ میں ڈال دینا یا نافرمانوں کو جنت بخش دینا مختارِ کل کی بارگاہ میں دونوں باتیں انصاف ہیں مسئلہ قدر کی جان ہیں	۶۶
اعتراف واعتذار	۱۷	بندے اپنے افعال میں مختار ہیں ان کے اس اختیار سے کرایا وہی جاتا ہے جو پہلے مقدر ہو چکا ہے اس لئے وہ مجبور بھی ہیں	۶۹
القضاء وقدر اور اس پر ایک لمحہ فکریہ	۲۰	حکم عدولی کے لئے تقدیر کا عذر تراشا روا نہیں	۷۲
مسئلہ قضاء وقدر علمی نظر میں	۳۱	مصیبت میں تقدیر کا سہارا لینا حضرت آدم علیہ والسلام کی سنت ہے	۷۳
قضاء وقدر اور اکتشافاتِ عصریہ کا اس پر اثر	۳۱	قضاء وقدر کے احاطہ سے کوئی شے باہر نہیں	۷۶
قضاء وقدر اور انسانی جدوجہد سے اس کا تعلق	۳۱	کائنات کا ذرہ ذرہ قضاء وقدر کے فولادی پنجہ میں کسا ہوا ہے	۸۱
قضاء وقدر کی حقیقت اور شرعی نظر میں اس کی اہمیت	۳۳	حق تعالیٰ کے علم ازلی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی قضاء و قدر کے تحتانی مراتب میں تبدیلی بھی ہوجاتی ہے	۹۳
مسئلہ مذکورہ میں زمانہ قدیم کے چیدہ خیالات اور مذہب اہل حق کی توضیح وتحقیق	۳۴	دنیا میں لوگوں کی جو کچھ بھی جدوجہد نظر آرہی ہے درحقیقت یہ تقدیر ہی کی خفیہ کارفرمائیاں ہیں	۹۸
مسئلہ تقدیر کے لاینحل ہونے کا راز	۳۸	دنیا کے واقعات کے ساتھ ان کے اسباب بھی قضاء و قدر کے تحت ہی ہوتے ہیں-	۹۹
ناتمام اختیار کا فائدہ	۴۱	قضاء وقدر کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ نظام تقدیر اور نظام تدبیر ٹکرائی نہیں	۱۰۳
فرقہ قدریہ کی مختصر تاریخ اور ان کے کفر کی ضروری تنقیح	۴۳	قضاء وقدر کا اعتقاد اسباب کے ارتکاب سے نہیں روکتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے	۱۰۷
قضاء وقدر کے مسئلہ میں امام تریدی کے مسلک کی اہم توضیح	۴۷	قوت ارادیہ کے استحکام میں قضاء وقدر پر اعتقاد کا	
قضاوقدر پر ایمان لانا اسلام کا ایک رکن ہیں	۵۲		
منکرین تقدیر کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید کلمات	۵۵		
قضاء وقدر لکھی جاچکی ہے	۵۷		
قضاء و قدر کی کتابت عالم کی پیدائش سے کتنی قبل ہوئی	۶۰		
قضاء وقدر میں بحث ومباحثہ سے گریز کرنا چاہیے	۶۱		
قضاء وقدر میں گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہے	۶۲		
قضاوقدر کے فیصلہ پر رضا مندی ضروری ہے اور یہ انسان کی بڑی سعادت کی علامت ہے	۶۳		

www.besturdubooks.net

عجیب اثر ہوتا ہے۔	۱۱۲
حضرت انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیوں کا مختصر تذکرہ احادیث اور تاریخ کی روشنی میں	۱۱۷
انبیاء علیہم السلام کا مقام ابن سینا کی نظر میں	۱۱۷
فلاسفہ کے نزدیک نبوت کیوں کسبی چیز تھی	۱۱۷
اسلامی الفاظ واصطلاحات کا صرف استعمال کرنا کافی نہیں جب تک کہ ان کی اس حقیقت کا اعتراف بھی نہ ہو جو اسلام نے بیان کیا ہے	۱۱۸
حضرت شاہ ولی اللہ کی نظر میں نبوت کی حقیقت اور اس کے ارکانِ ثلاثہ یعنی ملوکیت وسیاست، علم وحکمت اور رشد وہدایت کی فطری اور غیر معمولی استعداد	۱۱۹
تعلیماتِ نبوت کے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ	۱۲۰
نبوت کے ارکانِ ثلاثہ کی مزید تشریح	۱۲۲
مقدمہ ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت مگر اعتبار کا ہی اور کمال مجموعہ میں ہے	۱۲۲
ملوکیت کی صورت اور اس کی حقیقت	۱۲۲
ملوکیت نبوت کی صورت وحقیقت	۱۲۳
ملوکیت نبوت کا اہم رکن عالم غیب سے اُس کا رشتہ ہے	۱۲۵
ملوکیت نبوت کی حقیقت خلافت ہے	۱۲۷
نبوت کے لئے قدرت جن نفوس کا انتخاب کرتی ہے ان میں اعلیٰ قابلیتیں بھی ودیعت فرمادیتی ہے	۱۲۸
آدم علیہ السلام کی سرگزشت میں اسی حقیقت پر ایک اہم تنبیہ	۱۲۸
آدم علیہ السلام اور ملائکۃ اللہ میں مقابلہ کا امتحان اور اس کا نتیجہ	۱۲۹
نبوت کا رکن ثانی یعنی علم وحکمت	۱۳۰
علوم نبوت کی پہلی خصوصیت حقوقِ انسانیت کا تحفظ اور مصالح عام کی رعایت ہے	۱۳۰
حلال وحرام کا صحیح مفہوم	۱۳۲
علوم نبوت کی دوسری خصوصیت حقیقت کی صحیح ترجمانی ہے	۱۳۲
علوم نبوت کی تیسری خصوصیت جزم وقطعیت ہے	۱۳۲
انبیاء علیہم السلام کے رشد وہدایت اور جمیع کمالات کی نوع علیحدہ ہوتی ہے	۱۳۳
نبی کی عام صفات کی حقیقت بھی مخلوق کی عام صفات سے علیحدہ ہوتی ہے	۱۳۴
قرآن کریم اور دیگر معجزات میں ایک خاص امتیاز	۱۳۶
حافظ ابن تیمیہؒ کی نظر میں انبیاء علیہم السلام کی معرفت کا طریقہ بھی دوسرے انواعِ انسانی کی طرح ان کے امتیازات وخواص ہیں	۱۳۷
نبوت ورسالت کی حقیقت دریافت کرنی گو مشکل ہے مگر نبی کی معرفت بدیہی ہے	۱۳۸
انبیاء علیہم السلام جب بھی دنیا میں تشریف لائے ہیں تو اپنے کامل تعارف کے ساتھ آئے ہیں	۱۴۰
مشرکین عرب نے آپ کو ساحر ومجنون کیوں ٹھہرایا	۱۴۱
نبوت کے صدق وصفا کا بلند مقام	۱۴۲
قرآن کریم کا مشرکین کے مقابلہ میں اعلان کہ آپ ہرگز کاہن نہیں	۱۴۳
قرآن کریم کا اعلان کہ آپ شاعر بھی نہیں	۱۴۴
قرآن کریم کا اعلان کہ آپ کو ساحر ومجنون کہنا بھی انتہا درجہ ظلم اور سفاہت ہے	۱۴۵
حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق کہ نبی وساحر میں فرق بدیہی ہے	۱۴۶
مشرکین کے لیے حقیقت اعتراض کی طرف قرآن کریم کے التفات فرمانے کی حقیقت	۱۴۷

www.besturdubooks.net

آپ کی صفاتِ حمیدہ کے مشاہدہ کر لینے کے باوجود ابتداء میں مشرکین عرب نے آپ کو کیوں نبی نہیں مانا؟	۱۴۹
ضرورت نبوت ورسالت	۱۵۱
رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک ورق حق پسند انسانوں کے غور وفکر کے لئے	۱۵۸
جن کو انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اور ان کی خصوصیات کا ذرا بھی علم تھا وہ ان کو دیکھ کر یا ان کے مختصر حالات زندگی سن کر فوراً ان کو پہچان لیتے تھے	۱۶۱
انبیاء علیہم السلام میں وہ اخوت نبوت ہوتی ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کے لئے ہمہ تن احترام ہوتا ہے اور ان میں کہیں اختلاف کا نام ونشان نہیں ملتا	۲۱۵
انبیاء علیہم السلام سب بشر تھے اور سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جو سنت نوعِ بشر کے لئے ٹھہر چکی ہے وہ ہمیشہ ان پر بھی جاری ہوتی چلی آئی ہے	۲۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کی شدت اسی طرح پیش آئی جیسا عام بشر کو کبھی پیش آجاتی ہے	۲۳۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھو نے ایک بار کاٹا اور آپ نے اس پر اسی طرح دم فرمایا جیسا بشر کو دم کرنا چاہئے	۲۳۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چلایا گیا اور آپ پر بھی اسی طرح چل گیا جیسا عام بشر پر چل جاتا ہے	۲۳۴
ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلایا گیا اور اس کے اثرات سے آپ کو بھی اسی طرح تکلیف ہوئی جیسی بشر کو ہونی چاہئے	۲۳۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار زخمی ہوئے حتی کہ آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے آپ نے اس کا علاج اسی طرح کیا جیسا بشر کرتے ہیں	۲۳۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان امور کی فکر لاحق ہوتی تھی جن کی فکر بشر کو فطرۃً لاحق ہوتی چاہئے	۲۳۸
بشری سنت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت	۲۳۹
حضرات انبیاء علیہم السلام میں بہت سی خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام نوع بشر سے ممتاز بھی ہوتے ہیں	۲۴۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی امتیازی خصوصیت	۲۴۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ذائقہ کی امتیازی خصوصیت	۲۴۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا ایک کرشمہ	۲۴۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک کی امتیازی خصوصیت	۲۴۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سامعہ کی امتیازی خصوصیت	۲۴۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی امتیازی خصوصیت	۲۴۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی خصوصیت	۲۴۸
وفات سے قبل انبیاء علیہم السلام کی اپنی حیات وموت میں اختیار ملنے کی خصوصیت	۲۴۹
وفات کے وقت انبیاء علیہم السلام کو پھر اختیار ملنے کی خصوصیت	۲۵۰
بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی خصوصیت	۲۵۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ جنازہ کی ایک امتیازی خصوصیت	۲۵۲

www.besturdubooks.net

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کی غیبی تعزیت کی خصوصیت	۲۵۴
انبیاء علیہم السلام کے دفن میں امتیازی خصوصیت	۲۵۵
انبیاء علیہم السلام کی وراثت میں امتیازی خصوصیت	۲۵۶
فرشتوں کے ساتھ آپ کی ہم کلامی کی خصوصیت	۲۵۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ و روزہ کی ایک خصوصیت	۲۵۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت و دوزخ کے تمثل کی خصوصیت	۲۵۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت و دوزخ کے مشاہدہ فرمانے کی خصوصیت	۲۶۱
انبیاء علیہم السلام کی سب سے ممتاز خصوصیت وحی نبوت ہے اور اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے	۲۶۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم غیب سے تعارف کی ابتداء	۲۶۶
وحی کی اقسام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید تر وحی اور وحی کی آواز	۲۶۸
فرشتہ کا غیبی طور پر قلب میں کوئی بات ڈالنا	۲۷۲
الرؤیا (خواب)	۲۷۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا ایک منظر	۲۷۵
وحی اور اس کا وزن آپ کے صحابہ پر	۲۷۸
نزول وحی کے وقت آپ کی اور اونٹنی کی بے چینی	۲۷۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ پر وحی آ رہی ہے	۲۸۰
انبیاء علیہم السلام کو اپنی صفات میں اہل جنت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے ان کے جسم تغیر سے محفوظ رہتے ہیں	۲۸۱
اہل جنت سے دوسری مشابہت ان کی دائمی حیات اور دائمی عبادت ہے	۲۸۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی فضلات میں اہل جنت سے مشابہت	۲۹۳
بحالت جنابت آپ کے لئے مسجد میں قیام کی اجازت اور اس میں اہل جنت کی ایک مشابہت	۳۰۱
کثرت ازواج میں انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت سے مشابہت	۳۰۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں میں قدرت کے بعض تکوینی اسرار	۳۰۷
انبیاء علیہم السلام میں اہل جنت کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ تمام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں	۳۱۵
مسئلہ عصمت میں اختلاف کا سبب	۳۱۵
عصمت کی حقیقت امام ماتریدی کی نظر میں	۳۱۵
مؤلف کے نزدیک مسئلہ عصمت میں غور و خوض کے لئے سب سے اہم نقطہ انبیاء علیہم السلام کی صفات و ملکات سے بحث ہے	۳۱۶
انبیاء علیہم السلام کا جوہر فطرت	۳۱۹
انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے لئے اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں	۳۲۰
انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر نفس مطمئنہ رکھتے ہیں اور ضلالت کی تمام طاقتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوتی ہیں	۳۲۰
انبیاء علیہم السلام کی برکات اور صحابہ اور ماحول پر	۳۲۲
انبیاء علیہم السلام کے خصائل و عادات کا اثر ان کی امتوں پر اسی طرح ہوتا ہے جیسا والد کا اس کی اولاد پر بلکہ اس سے بڑھ کر	۳۲۳

www.besturdubooks.net

عصمت کے ارکانِ اربعہ	۳۲۴
یہاں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کا اپنی عصمتوں کے متعلق نظریہ کیا ہے	۳۲۵
مسئلہ عصمت کی بحث میں ایک فروگذاشت	۳۲۵
حضرت آدم علیہ السلام کی ذلت قرآن کریم کی نظر میں	۳۲۶
مقام عصمت کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شانِ رفیع میں کسی نا شایاں عمل کی صورت بھی حقیقت کی برابر شمار ہو	۳۲۷
انبیا علیہم السلام کی شان استغفار عصمت کے خلاف نہیں	۳۳۰
انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اللہ کی عصمتوں میں فرق	۳۳۲
مکتوب حضرت مولانا نانوتویؒ اور معصومیت انبیاء علیہم السلام وہم تحقیق حقیقت کل طبعی	۳۳۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عہدِ طفولیت	۳۴۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عہدِ شباب	۳۵۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عصمت کا رعب و دبدبہ اور گمراہی کی طاقتوں کا اس کے سامنے سپر ڈالنا	۳۵۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم شکل بننے سے شیطان کا عاجز رہنا	۳۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کا شیطانوں پر خوف اور ڈر	۳۶۴
آپ کے خاص محل بعثت میں شیطانوں کی مایوسی	۳۶۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت سلیمہ کی پاکیزگی۔	۳۶۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر الٰہی سطوت وجبروت کا استیلاء	۳۶۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم آخرت کا استحضار اور اس کا یقین	۳۷۰
نبیؐ کی مبارک نظر میں متاعِ دنیا کی حقیقت	۳۷۱
حرف گناہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نفرت و بیداری	۳۷۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزم و یقین کہ آخرت میں آپ سے کوئی مواخذہ نہیں	۳۷۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نمونہ تھے	۳۸۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہر عمل میں لازم ہے	۳۸۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل میں اتباع کرنے میں پس وپیش کرنا آپ کے غصہ کا موجب ہے	۳۸۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر خاموشی بھی شریعت میں اس کے جواز کے قطعی دلیل ہے	۳۹۲
رسول اگر معصوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ روئے زمین کے حق میں اس پر کیسے اعتماد کرسکتا ہے؟	۳۹۴
اگر انبیا علیہم السلام معصیت کریں (والعیاذ باللہ) تو ان کی امتیں گمراہ ہوکر رہ جائیں	۳۹۶
آپ کی عصمت کے خلاف قلب میں وسوسہ بھی ایسی خطرناک بات ہے جس سے ہلاکت کا خطرہ ہے	۳۹۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تشریع میں	۳۹۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کی عصمت	۴۰۲
انبیاء علیہم السلام سے بد دعائیہ کلمات کا برمحل صدور بھی صرف بشریت کی بناء پر ہوتا ہے	۴۱۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ استغنیٰ	۴۱۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبادت	۴۱۶
حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعداد	۴۱۷

www.besturdubooks.net

نبی کے معنی	۴۱۸
نبی اور رسول کا فرق	۴۱۹
علماء امتی کانبیاء بنی اسرئیل کا مقصد	۴۲۰
وحی کا عام اطلاق	۴۲۰
رسالت کے عام معنی	۴۲۱
بعثت کے دوسرے معنی	۴۲۱
سیدنا و سید ولد آدم الرسول الاعظم محمد النبی الامی المطلبی الهاشمی اولهم خلقاً و آخرهم بعثاً صلوات الله و سلامه علیه.	۴۲۳
ابوالبشر سیدنا آدم علیہ والسلام اولی نبی الله فی الارض	۴۳۶
سیدنا ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۴۸
سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۵۰
اول آنحضرت الی الارض	۴۵۰
سیدنا ہود علیہ والسلام	۴۵۴
سیدنا صالح علیہ والسلام	۴۵۶
سیدنا ابراہیم علیہ و الصلوٰۃ والسلام خلیل اللہ و جد سیدنا حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۶۱
سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ذبیح اللہ	۴۶۸
حضرت موسیٰ کلیم اللہ	۴۷۴
حضرت داؤد علیہ السلام	۴۸۳
حضرت سلیمان علیہ السلام	۴۸۴
سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگزشت کے متعلق چند جدید علمی اور منصفانہ نکات	۴۸۵
قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں	۴۸۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی بڑی علامت ہے اس لئے اس کو عالم کے تعمیری نظم ونسق کے بجائے تخریب عالم کے نظم ونسق پر قیاس کرنا چاہئے	۴۸۵
حضرت عیسیٰ علیہ والسلام کی جزئی معاملات کی اہمیت	۴۸۸
مسئلہ نزول کی حیثیت احادیث میں	۴۸۹
مسئلہ نزول کی حیثیت انجیل میں	۴۸۹
مسئلہ نزول کی حیثیت قرآن کریم میں	۴۹۱
مسئلہ نزول کی اہمیت اور اصول دین سے اس کا تعلق	۴۹۱
حضرت عیسیٰ علیہ والسلام کی اہمیت تاریخی نظر میں	۴۹۲
حضرت عیسیٰ علیہ والسلام کی وفات اہمیت تاریخ کی نظر میں	۴۹۳
حضرت عیسیٰ علیہ والسلام کی وفات ہوچکی تھی تو نصاریٰ اور اہل اسلام خاص طور پر ان ہی کی حیات کے قائل کیوں ہیں؟	۴۹۳
حضرت عیسیٰ علیہ والسلام اگر وفات پاچکے ہیں تو ان کے متعلق حدیث وقرآن میں کہیں موت کا صاف لفظ کیوں نہیں؟	۴۹۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ عام انسانوں کی موت پر قیاس کرنا صحیح نہیں	۴۹۵
حیات وموت کا مسئلہ دنیا کے عام واقعات میں شامل ہے پھر قرآن وحدیث میں اس کی اہمیت کیوں ہے؟	۴۹۵
خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ نزول کی اہمیت	۴۹۶
غیر موقت پیشین گوئیوں کا انکار یا تاویل دونوں خطرناک اقدام ہیں	۴۹۷
قرآن کریم میں نزول کا مسئلہ بھی رفع جسمانی کی طرح صاف طور پر کیوں ذکر میں نہیں آیا؟	۴۹۸
قرآن کریم کے رفع جسمانی اور حدیث کے نزول جسمانی کے اہتمام فرمانے کی حکمت	۴۹۹

www.besturdubooks.net

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جتنی تفصیلات ثابت ہوچکیں کیا اس کے بعد بھی یہاں تاویل کرنا معقول ہے	۵۰۱
حضرت عیسیٰ علیہ والسلام کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم لفظ رفع کا ہے توفی کا لفظ قرآن کریم کی نظر میں اتنا اہم نہیں	۵۰۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ پوری تفصیلات کے ساتھ زیر بحث آچکا ہے یہاں ان کے معاملہ میں ایک ایک لفظ پر علیحدہ بحث معقول نہیں	۵۰۲
اسلام صرف علمی حدیث نہیں بلکہ سلف صالحین سے اس کی عملی صورت منقول چلی آتی ہے لہٰذا محض کتب لغت کی حدود سے اس کی کوئی اور شکل بنالینا درست نہیں	۵۰۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیات پر غور کرنے سے قبل یہاں ان کے مقدمہ کی پوری وہ روئداد جو قرآن کریم نے نقل فرمائی ہے اور فریقین کے بیانات پیش نظر رکھنا ضروری ہے	۵۰۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور ان کے عزت سے مرجانے کی جدید داستان	۵۰۶
صلیبی موت کا لعنتی ہونا اور اس کے مقابلہ میں عزت کی موت کا افسانہ اسلام میں بالکل بے اصل بلکہ معقول ہے	۵۰۹
رفع کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ بھی لعنتی موت کی تردید کے لیے مستعمل نہیں	۵۱۰
رفع کے معنی قرآن اور لغت میں	۵۱۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا قرآن کریم سے اور اس کی تردید	۵۱۱
لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں	۵۱۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ میں لفظ مکر کا استعمال بھی ہوا ہے۔ ہر دو مقامات پر تدبیر الٰہی اور اس کا موازنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ برتری کا اس میں ظہور	۵۱۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب و رفع کی تحقیق قرآنی روشنی میں	۵۱۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی وفات پائیں گے زیر اختلاف ان کی گزشتہ موت ہے	۵۱۶
حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحقیق	۵۱۷
امام بخاری کی کتاب التفسیر میں حل لغات کا حصہ خود ان کا تصنیف کردہ نہیں بلکہ امام ابوعبیدہ کا ترتیب دادہ ہے	۵۱۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں صلیب شکنی کا نکتہ	۵۱۹
قرآنِ کریم کی شان اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے خوف سے حقائق کے بیان کرتے میں ادنیٰ پس و پیش بھی اختیار کرے	۵۱۹
شبہات اور وساوس کا اثر عقائد کی ترمیم کرنا غلط ہے خود ان کا جواب دینا چاہیے	۵۲۰
کتاب اللہ میں' حدیثوں میں دیگر موجودہ کتب سماویہ کا مقابلہ میں مجازات اور استعارہ کا استعمال بہت کم ہے اور یہ اسلام کا ایک طغریٰ امتیاز بھی ہے۔	۵۲۲
صریح حدیثوں میں تاویل کا خطرناک نتیجہ	۵۲۴
سیدنا روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگزشت	۵۲۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی ہے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے	۵۲۵

www.besturdubooks.net

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اب تک وفات نہیں ہوئی ان کو تشریف لانا ہے اس کے بعد ان کی وفات ہونی ہے ۵۲۷

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور زمین کے کسی خطہ میں پیدا نہیں ہوں گے ۵۳۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ آئندہ تشریف لانے والے وہی عیسیٰ ہوں گے جن کی پیدائش بغیر والد کے ہوئی ہے، چنانچہ اس کی وضاحت کے لئے آپ نے ان کے نام، ان کے نسب اور ان کی شکل وصورت بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے اسی کے ساتھ ان کی خدماتِ مفوضہ، ان کا منصب ان کے زمانہ میں امنِ عام کی کیفیت، رزق کی فراوانی اور دیگر تفصیلات بھی فرمادی ہیں ۵۳۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے شہر کا نام اور اس شہر میں خاص اس محل نزول کے وقت ان کا مکمل نقشہ اور ان کے زمانہ کی برکات ۵۳۵

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تذکرہ کرنا کہ قیامت کی آمد کا صحیح وقت ان کو بھی معلوم نہیں مگر صرف یہ معلوم ہے کہ اس سے پہلے ان کو دجال کو قتل کرنا ہے- اس ضمن میں انہوں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کا ایک حرف بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ خدمت دراصل خود اس امت ہی کے ایک شخص کے متعلق ہوگی اس کے بعد پھر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوجائے گی ۵۴۰

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں سب سے نمایاں تر خدمت دجال کو قتل کرنا ہے ۵۴۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ظہورِ برتری ۵۴۳

انما ینزل عیسیٰ علیہ السلام من بین سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خاصۃً لانہ اولی الناس بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وحجۃ و اتیانہ علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سلامہ درود علیہ علیہما الصلوٰۃ والسلام ۵۴۶

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد شادی کرنا پھر ولادت ہونی اس کے بعد آپ کی وفات اور مقام دفن کا ذکر ۵۴۷

نبی امی ومطلبی الہاشمی سیدنا محمد بن عبداللہ جو سب سے برتر رسول ہیں بلحاظِ بعثت سب سے آخر اور بلحاظِ پیدائش سب سے اوّل ان پر خدا کے بے شمار درود وسلام ۵۴۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر حلیہ جس کو پڑھ کر آپ کی نبوت اور آپ کی شانِ بزرگی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے ۵۵۶

www.besturdubooks.net

فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد چہارم

مضامین	صفحہ
فہرست	۳
ان معجزات کی فہرست جو سابقہ جلدوں میں گذر چکے ہیں	۹
عرضِ حال	۱۳
مصنفؒ کی حیات مبارکہ کی ایک ہلکی سی جھلک	۱۵
پیش لفظ	۲۴
مقدمہ	۲۸
معجزات رب العالمین کی معرفت کا ایک جدید دروازہ ہیں جس کو صرف انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر کھولتے ہیں	۲۸
قرآن کریم کی نظر میں معجزہ کی حقیقت	۳۷
حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک معجزہ کی حقیقت	۴۴
حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی کتاب حجۃ الاسلام کے چند ضروری اقتباسات	۴۵
معجزہ کی اقسام	۴۶
قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی حیثیت	۵۰
ایک اور اہم غلطی کا ازالہ معجزات کی تقسیم و تحلیل میں	۵۴
معجزہ و سحر	۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ایک اجمالی نظر جس سے معجزہ اور سحر وغیرہ کے درمیان امتیاز کرنے میں مدد ملتی ہے	۶۱

مضامین	صفحہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دوسرے انبیاءؑ کے معجزات کی طرح قرآن کریم میں مذکور کیوں نہیں؟	۶۳
ظہور قدسی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملوک وراہبین میں غائبانہ تعارف	۶۸
تواتر معجزات	۷۳
تعداد معجزات	۷۶
تقلیل معجزات کے دواعی ومساعی	۸۲
تاویل معجزات	۸۵
تاویل معجزات کے اسباب	۹۸
معجزات پر تصنیفات اور ان کی محدثانہ حیثیت	۹۹
معجزات اور صاحب معجزات کے دور کا ذوق	۱۱۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی جامعیت اور اس میں حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ کا ذوقِ موازنہ	۱۱۷
معجزات اور آیاتِ بینات کے فرق پر نظر ثانی	۱۲۱
بعض وہ معجزات جن کی عام اسانید گو ضعیف ہیں لیکن حفاظِ ائمہ کے نزدیک وہ دوسری قابل اعتبار اسانید سے ثابت ہیں	۱۲۲
ان احادیث کا بیان جن کے انکار اور تاویل کے بعض وہ لوگ درپے ہوئے ہیں جن کا طبعی میلان معتزلہ کی جانب ہے یا ان کے دماغوں پر جدید تحقیقات کی وحشت طاری ہوچکی ہے اس کے بغیر کہ ان کی اسانید	

www.besturdubooks.net

کی طرف اور علماء و محدثین نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر بھی نظر ڈالی گئی ہو	۱۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت با سعادت کے متعلق آپ کی والدہ ماجدہ کا ایک نور مشاہدہ کرنا	۱۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جنات کی غیبی آوازیں اور یہود کا آپ کی بعثت کے متعلق خبر دینا	۱۲۶
سلاطین اور اہل کتاب کے علمائے کبار کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ موجود ہونے کا ثبوت	۱۳۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیحات پڑھنا	۱۳۶
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کے متعلق حدیث کا فیصلہ	۱۳۷
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض جسمانی خصوصیات کا ذکر	۱۴۰
ان معجزات و برکات کا تذکرہ جو ام معبد کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فروکش ہونے پر ظاہر ہوئیں	۱۴۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ معجزات جو دودھ اور کھانوں میں برتر از قیاس برکات کے ظاہر ہوئے	۱۵۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے غار حرا کے منہ پر مکڑی کا جالا تن دینا	۱۵۵
بعض وحشی جانوروں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر کرنا	۱۵۷
ایک نبی کے زمانہ میں آفتاب ٹھہر جانے کا معجزہ	۱۵۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج کا مشرق کی جانب لوٹ آنے کا معجزہ	۱۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل کے سایہ فگن ہونے کا معجزہ	۱۶۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ باسعادت میں بعض اوقات درندوں کا آدمیوں کی طرح کلام کرنا	۱۶۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب معراج کا سفر کرنے سے قبل آپ کے شق صدر کا واقعہ	۱۶۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج سے واپسی کے بعد بیت المقدس کے نقشہ کے متعلق قریش کا سوالات کرنا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس کے اور آپؐ کے درمیان سے پردہ اٹھا دینا اور آپؐ کا ان کو جواب دیئے جانا	۱۶۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانوں پر ایک عظیم الشان معجزہ یعنی شق القمر	۱۶۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کا گوشِ صحابہؓ کو کھول دینا حتی کہ صحابہؓ کا آپ کی آواز مبارک دور سے اپنی اپنی جگہ سن لینا	۱۷۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصحمہ نجاشی کی وفات کی غائبانہ اطلاع دے دینا	۱۷۴
اس رات کا تذکرہ جس میں جنات سے آپ کی ملاقات ہوئی اور دوسرے عجائبات کا دیکھنا	۱۷۴
معجزات خواہ کتنے ہی بعید از قیاس کیوں نہ ہوں مگر وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے	۱۷۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ سب سے بڑا	

www.besturdubooks.net

اور درخشاں معجزہ جس سے افقِ عالم جگمگا اٹھا' وہ یہی سورۂ فاتحہ قرآن عظیم ہے	۱۷۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسطوانہ حنانہ کا مشہور معجزہ	۱۸۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت سے جو گوشت رکھا گیا تھا اس کا ایک پتھر کا ٹکڑا بن جانا	۱۸۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بکری کے دو دستوں کے بعد تیسرے دست کا طلب کرنا مگر صحابی کا اس پر خاموش نہ رہنا اور آپ کا یہ فرمان کہ اگر تو خاموش رہتا تو دست دیئے چلا جاتا	۱۹۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے اور پینے کی اشیاء میں برکت کا معجزہ	۱۹۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگشتانِ مبارک سے پانی کا ابل پڑنا اور آپؐ کے زمانے میں کھانا کھانے میں "کھانے" کا تسبیح پڑھنا	۲۰۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے پانی اور کھانے اور پھلوں میں وہ برکت جو عادات و اسباب کی حد سے بڑھ کر تھی	۲۱۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراقہ جاسوس مشرکین پر بددعا اور اس کے گھوڑے کا سنگلاخ زمین میں دھنس جانا' پھر آپؐ کی دعائے مبارک سے اس کا زمین سے نکل جانا	۲۱۷
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی دعائے مبارک کی شانِ قبولیت	۲۱۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور فیض تاثیر سے دنیا میں حصولِ ہدایت اور آخرت میں عزت وکرامت	۲۲۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن اور دست مبارک کی برکت وتاثیر	۲۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجر وحجر اور بہائم میں تاثیر اور تصرف اور آپ کے لئے ان کا مسخر اور مطیع ہونا	۲۳۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں حق تعالیٰ شانہ کی قدرتِ کاملہ کی وہ نشانیاں جو آپ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئیں	۲۴۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار برکت سے ظاہر ہونے والی چند اور بڑی بڑی نشانیاں	۲۴۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مبارک سے حصولِ ہدایت اور علم ومال میں خیر وبرکت	۲۵۰
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مبارک سے عمر اور صحت میں معجزانہ برکت اور ترقی	۲۶۰
وہ احوال وواقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاماتِ قیامت اور پیش آنے والے فتنوں کے متعلق بیان فرمائے۔	۲۶۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثال حلم و درگذر اور اللہ کی راہ میں ناقابل برداشت اذیتوں پر صبر اور تحمل فرمانا	۲۷۲
انباء الغیب یعنی پیش گوئیاں	۲۷۹
الکرامات	۳۱۶
علاء بن الحضرمی کے لشکر کو بادل کا سیراب کرنا اور بغیر کشتی کے خلیج عبور کر جانا	۳۱۷
پانی پر چلنا	۳۱۷

www.besturdubooks.net

فاروقؓ اعظم کے لیے ہوا کا مطیع ہو جانا ۳۲۰
عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دریائے نیل کے نام جاری رہنے کا فرمان ۳۲۰
آگ کا ٹھنڈک اور سلامتی بن جانا ۳۲۱
ابومسلم خولانیؒ کا اپنے لشکر کے ساتھ پانی پر سے گذرنا اور دعا فرمانا ۳۲۳
ایک مسلمان کی دعا سے پوری ایک جماعت کا دریائے دجلہ کو بغیر کسی کشتی کے عبور کر جانا ۳۲۳
ابوتمیم کا آگ کو دھکیل کر گھاٹی میں داخل کر دینا ۳۲۴
مردوں کا زندہ کرنا ۳۲۴
یمن کے ایک شخص کا اپنے مردہ گدھے کے واسطے رب سے زندہ کر دینے کی دعا مانگنے کا واقعہ ۳۲۵
اس چیل کے دوبارہ زندہ کئے جانے کا واقعہ جس کے شور کی وجہ سے سامعین کو وعظ سننے میں تشویش ہونے لگی تھی ۳۲۶
حضرت خالد بن ولیدؓ کا زہر پینے اور اس سے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچنے کا واقعہ ۳۲۷
طلب بارش کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے مقابل چھت میں ایک سوراخ کھولنے کا واقعہ ۳۲۸
سمندر کا اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے کا خط لے کر مکتوب الیہ تک مع اس کی امانت کے پہنچا دینے کا واقعہ ۳۲۹
ایک چٹان کا غار کے منہ پر سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود بخود ہٹ جانے کا واقعہ ۳۳۰
اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک نیک بندے کے باغ پر
بادلوں کا برسنا ۳۳۲
اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیر خوار بچوں کا باتیں کرنا ۳۳۳
سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی بددعا اور اس کا قبول ہونا ۳۳۵
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا دعا فرمانا کہ اگر اب آئندہ زمانے میں قریش کے ساتھ جنگ مقدر نہ ہو تو انہیں اسی زخم میں موت نصیب فرمادے ۳۳۶
اروی بنت اوس کے لیے سعید ابن زید کا بددعا کرنا ۳۳۷
سفینہؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک شیر سے آمنا سامنا ۳۳۷
بعض شہداء کا آسمان پر اٹھالیا جانا ۳۳۹
حضرت حرام اور ان کے نیزہ لگنے کے بعد ان کا قول ۳۳۹
غزوۂ احد میں ابوطلحہؓ پر نیند طاری ہو جانے کا واقعہ ۳۴۰
جن اور شیاطین سے حفاظت شہادت کا واقعہ ۳۴۰
حضرت خبیبؓ اور حضرت عاصمؓ کی شہادت کا واقعہ ۳۴۲
تاریک رات میں عصا کا روشن ہو جانا ۳۴۵
الامام المہدی ۳۴۶
امام مہدی کا نام ونسب اور ان کا حلیہ شریف ۳۵۷
امام مہدی کا ظہور اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اہل مکہ کی ان سے بیعت کرنا ۳۵۹
سفیانی کا نکلنا اور مقام بیدا میں اپنی فوج کے ساتھ ہلاک ہونا ۳۷۲
دجّال اکبر ۳۷۵
ابن صیاد کا نام اور اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ اور اس کی عجیب وغریب صفات کا بیان ۳۸۰
دجالی فتنہ ۳۹۲
آپؐ کے سینۂ مبارک کا شق ہونا ۳۹۵

www.besturdubooks.net

بچپن میں عریانی کی وجہ سے آپ کا بے ہوش ہو جانا	۳۹۵
زمین کا فضلہ نبوی کو نگل جانا	۳۹۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پشت کی طرف سے دیکھنا	۳۹۶
آپؐ کے خطبہ کا تمام خیموں میں سنا جانا	۳۹۷
پہاڑ اور درخت کا آپؐ کو سلام کرنا	۳۹۷
بعثت سے پہلے پتھر کا آپؐ کو سلام کرنا	۳۹۸
واقعہ معراج کی تفصیل	۳۹۸
نزول وحی کے وقت آپ کی شان	۴۰۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکانہ نامی پہلوان کو کشتی میں پچھاڑ دینا	۴۰۲
حضرت حفصہؓ کے ہاتھوں کا ٹیڑھا ہونا' اور آپؐ کی دعا سے شفا پانا	۴۰۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزاء کا انجام	۴۰۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو	۴۰۴
بحیرا راہب کی پیش گوئی کا واقعہ	۴۰۵
ہرقل اور شاہ غسان کے فرستادہ کا یقین کہ آپ سچے نبی ہیں	۴۰۷
ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب طاری ہونا	۴۰۸
بعد وفات آپؐ کی نبوت کے متعلق زید بن خارجہ کی گواہی	۴۰۹
آپؐ کی نبوت کے متعلق گوہ کی گواہی	۴۰۹
کھجور کے خوشہ کی گواہی	۴۱۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کی برکت سے بارش ہونا	۴۱۱
آپؐ کی نظر کرم سے آنِ واحد میں حضرت عمرؓ میں یقین	۴۱۱
مساجد انبیاء میں مسجد نبوی کا آخری مسجد ہونا	۴۱۲
بوجہ ہیبت نبویؐ ہاتھ سے تلوار کا گر پڑنا	۴۱۳
ہدایت نبویؐ کی خلاف ورزی کا نتیجہ	۴۱۴
حضرت علیؓ و عباسؓ کی آمد سے قبل ان کے مقصد کی اطلاع	۴۱۴
یہود کا اعتراف کہ آپؐ سچے نبیؐ ہیں۔	۴۱۵
عہد شباب میں لغویات سے آپ کی حفاظت	۴۱۶
آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کا اثر	۴۱۷
آپؐ کی دعا سے ہاتھ کا شل ہو جانا	۴۱۸
آپؐ کے دست مبارک کی ضرب کا اثر	۴۱۸
حضرت عبداللہ بن سلام کا مشرف باسلام ہونا	۴۱۹
آپؐ کو غسل دیتے وقت صحابہ کرام پر نیند طاری ہونا اور غیبی آواز کا سننا	۴۲۰
بعد وفات جسم مبارک پر ہاتھ رکھنے سے اس میں مشک کی پائیدار خوشبو	۴۲۱
فرشتوں کی طرف سے آپؐ کے اہل بیت کی تعزیت	۴۲۱
بعد وفات جسم اطہر میں کسی تغیر کا نہ ہونا	۴۲۲
حضرت عمرؓ کے حق میں محدثیت کی بشارت	۴۲۲
دعائے نبویؐ کا اثر کھانے میں	۴۲۳
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا آپؐ کی سے دعا سے اسلام قبول کرنا	۴۲۴
حضرت علی کا شانہ نبویؐ سے عجیب منظر دیکھنا	۴۲۵
آپؐ کی نبوت کے متعلق کیکر کے درخت کی گواہی	۴۲۶
بہائم کا آپ کو سجدہ کرنا	۴۲۷
بیل اور بھیڑیے کا عبرت آموز کلام کرنا	۴۲۷

www.besturdubooks.net

امت کو بشارت کہ عام قحط اور دشمن سے ان کا استیصال نہ ہونا	۴۲۸
ظاہر اعمال کے خلاف آپ کی پیش گوئی	۴۲۹
ایک جانباز کے دوزخی ہونے کی پیش گوئی	۴۲۹
ایک مجاہد کے دوزخی ہونے کی اطلاع	۴۳۰
ایک مسلمان کے دوزخی ہونے کی خبر	۴۳۱
ایک صحابیؓ کے متعلق پیش گوئی	۴۳۱
مصائب کی قبل از وقت اطلاع دینا	۴۳۲
غزوہ بدر کے مشرک مقتولین کی نام بنام نشان دہی	۴۳۲
ایک صحابی کے متعلق آپ ؐ کا رحمہ اللہ کہنا اور ان کا شہید ہونا	۴۳۳
صبح سویرے کے لیے آنحضرت ؐ کی دعائے برکت	۴۳۴
ایک صحابیہؓ کے لیے درازیٔ عمر کی دعا	۴۳۴
آپ ؐ کی دعائے ہدایت کی برکت	۴۳۵
شیطان کا آپ ؐ کی صورت میں متمثل نہ ہوسکنا	۴۳۵
واقعہ حرہ میں روضۂ نبوی سے اذان کی آواز سننا	۴۳۶
صحابہ کرامؓ کے مختلف سوالات کے جوابات مرحمت فرمانا	۴۳۶
حضورؐ سے یہود کے سوالات اور آپ ؐ کا جواب دینا	۴۳۷
یہود کا روح کے متعلق سوال اور اس کا جواب	۴۳۹
یہود سے معلوم کر کے اہل مکہ کا حضورؐ سے سوالات کرنا	۴۴۰
بکری کے گوشت کے زہر آلود ہونے کی اطلاع	۴۴۲
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بتانا کہ یہ بکری بغیر مالک کی اجازت کے ذبح کی گئی ہے	۴۴۲
عدی بن حاتم کے اسلام کی پیش گوئی	۴۴۳
آپ ؐ کی پیش گوئی کے مطابق امیہ کا بدر میں قتل	۴۴۴
حضرت داؤد کے متعلق خبر دینا کہ آپ آناً فاناً زبور ختم کر لیتے تھے	۴۴۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مارنے کا تذکرہ	۴۴۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کرنے کا ذکر	۴۴۷
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تین باتوں کا ذکر جن کی تعبیر کذب سے کی تھی	۴۴۸
آتش نمرود میں چھپکلی کا پھونک مارنا	۴۴۸
مسیلمہ عنسی اور مختار کے مدعیان نبی ہونے کی پیش گوئی	۴۴۹
تیس مدعیان نبوت کے متعلق آپ کی پیش گوئی	۴۴۹
روسائے فتن کے ناموں کی نشاندہی	۴۵۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے منافقین	۴۵۰
بارہ نقاب پوش منافقین کی نشاندہی	۴۵۱
اپنے عہد کے منافقین کا تذکرہ	۴۵۲
ایک منافق کی موت کی خبر	۴۵۲
بنی اسرائیل کے تین شخصوں کا تذکرہ فرمانا	۴۵۳
اہل شیاطین اور بیوت شیاطین کی پیش گوئی	۴۵۵
قریش کے سوال پر بیت المقدس کا آپ ؐ کے سامنے آجانا	۴۵۵
حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ	۴۵۶
حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ	۴۶۱

www.besturdubooks.net

وہ معجزات جو ترجمان السنہ کی تین جلدوں میں پہلے گذر چکے ہیں

نمبر شمار	معجزات	اسماء کتب	ترجمان السنہ
	جلد اوّل		
۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے حضرت عمرؓ کے یقین کی کیفیت کا	بخاری شریف	ملاحظہ کیجئے فہرست جلد اول صفحہ نمبر ۷
	آنِ واحد میں بدل جانا	بخاری شریف	
۲	حضرت علیؓ وعباسؓ کے مقصد کی ان کی آمد سے پہلے اطلاع دے دینا	بخاری شریف	
۳	آپؐ کی برکت سے بارش۔	مسلم شریف	
۴	آپؐ کی مسجد شریف کا مساجد انبیاء علیہم السلام میں آخری مسجد ہونا	بخاری ومسلم وغیرہا	
۵	بے سروسامانی کے باوجود ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر آپؐ کا رعب پڑنا	خصائص الکبریٰ	
۶	گوہ جانور کا آپؐ کی نبوت کی شہادت دینا۔	= =	
۷	زید بن خارجہ کی بعد وفات آپ کی نبوت کی شہادت دینا	کنز العمال	
۸	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شفایاب ہونا	متفق علیہ	
۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں محدثیت کی بشارت دینا	مسلم شریف	
۱۰	تیس مدعیان نبوت کی پیش گوئی فرمانا	فتح الباری	
۱۱	مسلیمہ، عنسی اور مختار کی پیشگوئی فرمانا	بخاری شریف	
۱۲	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پشت کی جانب سے دیکھنا		
۱۳	ایک بار صحابہ کے ہر قسم کے سوال کا جواب دینے کا اعلان فرمانا اور قیامت سے قبل کے بعض حالات کی خبر دینا	بخاری شریف	
	جلد دوم	متفق علیہ	ملاحظہ کیجئے فہرست جلد دوم صفحہ نمبر ۳
۱۴	بقرہ کا عبرت آموز کلام کرنا۔	مسلم شریف	
۱۵	ایک سفر میں کھانے کی برکت۔	مسلم شریف	
۱۶	دست مبارک کی ایک ضرب سے عالم آخرت کا سامنے آجانا۔	مستدرک وغیرہ	
۱۷	غزوۂ تبوک میں بے اندازہ برکت۔	بخاری شریف	
۱۸	نجوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کا مشاہدہ ہونا	ابوداؤد وغیرہ	
۱۹	یہودیوں کے ایک سوال کا جواب دینا۔	متفق علیہ	
۲۰	ظاہر کے خلاف چند افراد کے دوزخی ہونے کی اطلاع دینا		
۲۱	صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کو خلاف امید مصائب کا مقابلہ کرنا اور اس کی پہلے اطلاع دے دینا۔	متفق علیہ	

www.besturdubooks.net

نمبر شمار	معجزات	اسماء کتب	ترجمان السنہ
۲۲	جنگ بدر میں مشرکین قریش کی نام بنام قتل گاہ متعین کرنا	مسلم شریف	ملاحظہ کیجئے نمبر فہرست جلد دوم
۲۳	خیبر کی جنگ میں ایک جانباز شخص کے متعلق دوزخی ہونے کی پیشگوئی فرمانا۔	بخاری شریف	
۲۴	عامرؓ کے متعلق آپ کا کلمہ رحمہ اللہ فرمانا اور ان کا شہید ہونا۔	بخاری شریف	
۲۵	دشمن کے ہاتھ سے شمشیر کا گر پڑنا۔	مشکوٰۃ شریف	
۲۶	عدی بن حاتمؓ کے اسلام کی پیشگوئی فرمانا۔	ترمذی شریف	
۲۷	عبداللہ بن سلامؓ کے سوالات کا جواب دینا۔	بخاری شریف	
۲۸	کھجور کے ایک خوشہ کی آپؐ کی نبوت کی شہادت دینا۔	ترمذی شریف	
۲۹	کیکر کے درخت کی شہادت دینا۔	دارمی	
۳۰	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا آپ کی دعا سے اسلام قبول کرنا۔	مسلم شریف	
۳۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر کھڑا ہو کر ایک عجیب منظر دیکھنا۔	مسند احمد	
۳۲	بہائم کا آپؐ کو سجدہ کرنا۔	ترمذی شریف	
۳۳	ابل شیاطین اور بیوت شیاطین کی پیشگوئی فرمانا۔	ابوداؤد شریف	
۳۴	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں کی شفایابی۔	مسند احمد	
۳۵	آپؐ کی امت پر عام قحط اور عذاب استیصال نہ آنے کی بشارت دینا۔	صحیح مسلم	
۳۶	قریش کے امتحان پر بیت مقدس کا آپؐ کے سامنے آجانا۔	صحیح مسلم	
۳۷	قیامت تک کے بڑے بڑے حوادث کی اطلاع دینا	بخاری شریف	
۳۸	قیامت تک کے رؤسا فتن ہونے والوں کے نام بنام اطلاع دینا۔	ابوداؤد شریف	
۳۹	بارہ منافقوں کی اطلاع دینا۔	مسلم شریف	
۴۰	ایک بڑے منافق کے موت کی اطلاع دینا۔	مسلم شریف	
۴۱	بنی اسرائیل میں جن تین شخصوں کا امتحان ہوا تھا ان کی مفصل سرگذشت کی اطلاع دینا	متفق علیہ	ملاحظہ کیجئے نمبر فہرست جلد سوم صفحہ نمبر ۳
	جلد سوم		
۴۲	امیہ بن خلف کا مقتول ہونا۔	بخاری شریف	
۴۳	بحیرا راہب کا قصہ	ترمذی شریف وغیرہ	
۴۴	حضرت سلمانؓ کے قلیل سونے سے چالیس اوقیہ بدل کتابت کا ادا کر دینا۔	دلائل النبوۃ وغیرہ	
۴۵	اہل کتاب کے سوالات اور ان کے جوابات دینا۔	ابوداؤد طیالسی	

www.besturdubooks.net

نمبر شمار	معجزات	اسماء کتب	ترجمان السنہ
۴۶	اہل کتاب کے سوالات اور ان کے جوابات دینا-	مسلم شریف	
۴۷	اہل کتاب کے سوالات اور ان کے جوابات دینا-	الجواب الصحیح	
۴۸	اصحاب کہف کے قصہ کی مفصل اطلاع دینا-	الجواب الصحیح	
۴۹	رکانہ پہلوان کا زیر کر دینا-	خصائص الکبریٰ	
۵۰	بکری کے دست کا آپؐ کو زہر آلود کھانے کی اطلاع دینا-	بخاری شریف	
۵۱	آپ کا خبر دینا کہ یہ گوشت ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے	ابو داؤد شریف	
۵۲	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان کہ آپؐ کی وفات کے دن میں نے آپ کے سینہ پر ہاتھ رکھا پھر کھاتی پیتی رہی مگر مشک کی خوشبو میرے ہاتھوں سے نہ گئی-	خصائص الکبریٰ	[illegible]
۵۳	آپؐ کو غسل دینے کے وقت صحابہ پر نیند کا طاری ہو جانا-	ابن ماجہ	
۵۴	فرشتوں کا آپ کے اہل بیت کی تعزیت کرنا-	مستدرک	
۵۵	بعثت سے قبل ایک پتھر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا-	مسلم شریف	
۵۶	نزول وحی کے وقت صحابہؓ کا آپؐ کی طرف نظر نہ اٹھا سکنا-	مسلم شریف	
۵۷	اہل کتاب کے سوال کا جواب دینا-	بخاری شریف	
۵۸	آپؐ کے جسم مبارک میں وفات کے بعد کوئی تغیر نہ ہونا	ابو داؤد شریف	
۵۹	آپؐ کی قبر مبارک سے اذان کی آواز آنا-	خصائص الکبریٰ	
۶۰	زمین کا آپؐ کے فضلہ کو نگل جانا-	افراد دار قطنی	
۶۱	آپؐ کے پسینہ کا معطر ہونا	متفق علیہ	
۶۲	زمانہ طفولیت میں شق صدر-	مسلم شریف	
۶۳	عریانی کی وجہ سے بیہوش ہو کر آپؐ کا زمین پر گر پڑنا-	بخاری شریف	
۶۴	آپؐ کی مبارک صورت میں شیطان کا متمثل نہ ہو سکنا-	بخاری شریف	
۶۵	حضرت حفصہؓ کے ہاتھوں کی شفا یابی-	خصائص الکبریٰ	
۶۶	آپؐ کی نقلیں اتارنے والے کا منہ ٹیڑھا ہو کر رہ جانا	مستدرک	
۶۷	آپؐ کی بد دعاء پر ایک شخص کا ہاتھ شل ہو جانا-	مسلم شریف	
۶۸	منیٰ میں آپؐ کے خطبہ کی آواز کا سب خیموں میں یکساں پہنچنا-	خصائص الکبریٰ	
۶۹	آپؐ کا پشت کی جانب سے بھی دیکھ لینا-	بخاری شریف	

www.besturdubooks.net

نمبر شمار	معجزات	اسماء کتب	ترجمان السنہ
۷۰	معراج شریف	متفق علیہ	ملاحظہ ہو فہرست جلد سوم
۷۱	موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر عصا مارنے کا مفصل قصہ ذکر فرمانا	بخاری شریف	
۷۲	موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا مفصل واقعہ بیان فرمانا	بخاری شریف	
۷۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تین باتوں کی اطلاع دینا جن کو انہوں نے کذب فرمایا تھا۔	ابن ابی حاتم	
۷۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کرنے کی تفصیل ذکر فرمانا۔	درمنثور	
۷۵	آتش نمرود میں ایک چھپکلی کے پھونک مارنے کا ذکر فرمانا۔	مسند احمد	
۷۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سرگذشت کی مفصل اطلاع دینا۔	بخاری شریف	
۷۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک عورت کی تہمت کا قصہ بیان کرنا۔	درالمنثور	
۷۸	داؤد علیہ السلام کے قلیل مدت میں پوری زبور ختم کرنے کی خبر دینا۔	بخاری شریف	

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

پیش لفظ

احادیثِ نبویہ پہلی صدی کے آخر سے لے کر تیسری صدی تک مختلف مقاصد کے پیش نظر مختلف حیثیتوں اور ترتیبوں کے ساتھ باضابطہ جمع ہوتی رہیں اور محدثین کی مساعی جلیلہ و جمیلہ اس سلسلہ میں بلاشبہ اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ فنونِ حدیث کے لحاظ سے اب کسی نئی تالیف وترتیب کا تخیل بھی دماغ میں لانا دشوار ہوگیا ہے- لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر زمانہ کے نئے نئے تقاضے اور نئی نئی ضرورتیں ہوتی ہیں اس لئے اس جمود کی اور جمود پر اصرار کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اب کسی تالیف وتصنیف کی جانب جدید اسلوب کے ساتھ قدم اٹھانا بھی جرم سمجھا جائے' اس اقدام کا مطلب کبھی بھی یہ نہیں ہوسکتا کہ ہمیں اس باب میں سلف کی بے مثال خدمات کا اعتراف کرنے میں تامل ہے یا ان کے کارناموں کو بے وزن کرنا چاہتے ہیں' بلکہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ارشاداتِ نبویہ کا بے شمار ذخیرہ جو مختلف ممالک اور مختلف بلاد کے لاکھوں انسانوں کے سینوں میں بکھرا پڑا ہوا تھا اس کو ایک جگہ بشکل سفینہ قلم بند کردینا پھر اس میں ہر ہر حدیث کی ایک ایک سند اور تمام مختلف اسنادوں کو یکجا کرنا اس پر بعض حضرات کا تو روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کی باریکیوں کو بھی نظر انداز نہ کرنا پھر اُن میں صحت وسقم' وقف وارسال' انقطاع وارسال' شذوذ و نکارت اور جروح وعلل جیسے دقیق مباحث پر تنبیہ کرتے چلے جانا اور ان سے عہدہ برا ہونا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کا اعتراف نہ کرنا علمی دنیا میں بہت بڑی ناسپاسی وحق ناشناسی ہے- الحمدللہ کہ ان کی خدمات کا یہ تمام ذخیرہ آج ہمارے سامنے جوامع وسنن' مسانید و معاجم' مستدرکات' اجزاء واطراف اور علل وغیرہ کی شکل میں موجود ہے حتیٰ کہ اب دین کے اصول وفروع کے کسی باب میں امت کے لئے نیا میٹریل تلاش کرنا ممکن نہیں رہا ہے' کوئی قلم اگر کچھ لکھے گا' کوئی زبان اگر کوئی کلمہ کہے گی وہ سب ان ہی کی خوشہ چین کہلائے گی- گویا اب ہر تالیف میں اصل سرمایہ اُن کا رہے گا اور صرف نقش ونگار اور تصویر وتشکیل کی خدمت ہماری-

بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ جو فقہاء ومحدثین کے ساتھ مرتبط تھا اپنے ضیق ماحول قصور فہم اور کوتاہی نظر کی وجہ سے ان تصانیف میں وہی کچھ دیکھتا رہا جو اُس کے آئینہ قلب میں نظر آرہا تھا- اس لئے جب عبادات کا باب شروع ہوتا اس میں بھی خصوصیت سے وہ حصہ جو مختلف فیہ مسائل سے متعلق ہے تو اس طبقے کے علوم ومعارف اور تدقیق وتحقیق کے سمندر میں تلاطم برپا ہو جاتا' تقریروں میں طول' طبیعت میں روانی اور مزاج میں جولانی پیدا ہوجاتی لیکن جب ان ہی کتب میں اجتماعیات واخلاقیات سیاستِ مدنیہ اور تدبیر منزل وغیرہ کے باب آتے تو اس بحر متلاطم میں یک قلم جمود طاری ہوجاتا' لبوں پر مہر سکوت لگ جاتی' زبان پر خاموشی کے قفل چڑھ جاتے اور طبیعت کا وہ تمام جوش وخروش ایسا ٹھنڈا پڑ جاتا گویا اس میں حرارت کا نام ونشان تک نہیں تھا-

اندریں حالات اس غلط فہمی کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ محدثین کی یہ گراں مایہ خدمات یا تو کتب صوفیہ کی طرح صرف ایک

www.besturdubooks.net

''نظام خانقاہی'' کا مجموعہ ہیں یا کتب کلام کی طرح علماء کلام کی موشگافیوں کا ایک دفتر پراگندہ' اس اندازِ بحث ونظر کے خلاف اگر کبھی کسی نے کوئی قدم اٹھایا بھی تو اس کو بے دینی وزیغ' عدم تقلید' مخالفتِ سلف اور اس طرح کی عجیب وغریب تہمتوں سے متہم کر دیا گیا- ادھر مسلمانوں کا دوسرا طبقہ جو مذہب کو روزِ ازل ہی سے سامانِ دردسری یا زیادہ سے زیادہ ایک آئین تہذیب خیال کئے ہوئے تھا اس کو خود تو مطالعہ کی توفیق نہ ہوئی' ہماری اس غلط روش سے وہ ایک اور غلط فہمی میں مبتلاء ہو گیا یعنی یہ کہ ان کتابوں میں عبادات و رسوم یا چند مسائل کلامیہ وفقہیہ کے علاوہ اجتماعیات و معاشیات کا کوئی باب ہی نہیں ہے اور ہے تو بہت سطحی بلکہ غیر ضروری اور ان چند در چند وجوہ کی بناء پر وہ اپنی معاشیات واقتصادیات کے لئے کوئی دوسری راہ تلاش کرنے پر مجبور ہو گیا-

ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں جماعتیں افراط وتفریط کے راستوں پر جا رہی ہیں- حقیقت یہ ہے کہ جمع احادیث کی جو خدمت محدثین کر گذرے ہیں اس کی اہمیت کو کسی وقت اور کسی حیثیت سے بھی کم کرنا یا صرف ان گنے چنے ابواب کی وجہ سے جنہیں ان کتب میں کسی وقتی ضرورت سے اہمیت دے دی گئی تھی' تمام ابواب وتراجم اور مباحث و بیانات کی اہمیت کو نظر انداز کر دینا یا ان میں موجودہ جدید اصلاحی الفاظ نہ دیکھ کر اصل حقائق سے بھی ان کو خالی سمجھ لینا یا موضوعِ فن سے لاعلمی کی بنا پر خود اس فن کے اہم ابواب کو غیر اہم سمجھ کر معترض ہونا علمی دنیا میں ناقابلِ معافی جرائم ہیں-

دوسری طرف ہمیں اس کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ ان کتب میں جو ابواب وتراجم ایک خاص فضا اور خاص ماحول میں اہم سمجھ لیے گئے تھے آج بھی ان کو اسی نظر سے دیکھے چلے جانا' وہی جہمیت کی تردید' معتزلہ وخوارج کے ساتھ وہی جھگڑے' صفات کے عین وغیر ہونے کے متعلق وہی فلسفیانہ کاوشیں' پھر قرآن کریم کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی وہی قدیم بحثیں زیر تحقیق لائے چلے جانا اور ایک ایسی زمین پر مالکیت وشافعیت کے لیے صف آرائی کرنا جہاں نہ کوئی شافعی ہے نہ مالکی' علم وفکر کے ان مظاہروں کو ہرگز اقتضاء علم نہیں کہا جا سکتا نہ تو اس کا نام احساسِ ضرورت ہے اور نہ اس کو صحیح معنی میں اتباعِ سلف کا نام دیا جا سکتا ہے' اتباعِ سلف یہ ہے کہ جس طرح امام بخاریؒ نے اپنے وقت کے فنون کے مقابلہ کے لیے **کتاب الرد علی الجهمية' حجيت اخبار آحاد' صفاتِ باری اور شئون باری** پر مناسب مناسب عنوانات قائم کیے تھے- ان کے قدم بقدم چل کر ہم بھی وقتی مسائل کے لیے مناسب عنوانات قائم کریں- ہمیں اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ نہیں ہے کہ اگر امام بخاریؒ اس زمانے میں موجود ہوتے تو اپنی مجتہدانہ شان' دِقت رسی' دقیقہ سنجی اور امت کی ضرورتوں کے متعلق صحیح نبض شناسی اور دردمندی کی وجہ سے اپنے بابوں' ترجموں اور عنوانوں کا رخ جہمیت واعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً ان ہی مسائل کی طرف پھیر دیتے جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہیں-

یہی وجہ ہے کہ آج بھی بخاری میں اجتماعیات واقتصادیات اور دیگر ضروری مسائل کی جانب ایسی اہم تلمیحات موجود ہیں کہ اگر کوئی ذی علم ان سے استفادہ کرنا چاہے تو بہت کچھ استفادہ کر سکتا ہے اور انہیں جدید اخذ واستنباط کی بنیاد قرار دے سکتا ہے- آخر حضرت شاہ ولی اللہ محدثین ہند میں ایک محدث ہی تو تھے' جنہوں نے اسی قسم کے ضروریات کا احساس کر کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات واقتصادیات کے غیر متعارف اور حد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دیئے- آج حجۃ اللہ کو

www.besturdubooks.net

اٹھا کر دیکھیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حنفی ہونے کے باوجود ان کی نگاہ میں مسائل فروعی کو کیا اہمیت حاصل ہے۔

بہر حال سلف کی خدمات کے پورے اعتراف کے ساتھ اگر صورتِ حال کو اس نظر سے دیکھا جائے تو خدمتِ حدیث کا یہ گوشہ مجموعی طور پر خالی نظر آتا ہے اور بلاشبہ وقت کی شدید ترین ضروریات میں یہ اہم ترین ضرورت باقی ہے کہ اس وقت احادیثِ نبویہ پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی اور اجتماعی مسائل میں دین کامل کی ہدایات کیا ہیں اور فرموداتِ نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں عدم اہمیت کی وجہ سے اگر ترتیب و تدوین احادیث کا یہ طریقہ بروئے کار نہیں لایا گیا تو اس دور کی ضرورتوں کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے چھپے اور دبے ہوئے عنوانات ابھارے جائیں' ان کو اسلوبِ جدید کے سانچے میں ڈھالا جائے اور ایک ایسا جامع اور مرتب متن حدیث سامنے آجائے جو حسب ذیل خصوصیات پر مشتمل ہو۔

متن حدیث ✵ اب تک عام طور پر احادیث کا جو ذخیرہ عوام کے سامنے آیا ہے وہ بیشتر صحاح ستہ کی حدیثیں ہیں' حالانکہ ان کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث موجود ہیں جو مسندوں' معجموں اور دوسری غیر متداول' ضخیم کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ ضرورت ان کو اس طرح جمع کرنے کی ہے کہ وہ بلوغ المرام یا آثار السنن کی طرح صرف شوافع اور احناف کی حدیثوں کا مجموعہ بن کر نہ رہ جائیں بلکہ صحیح معنی میں احادیثِ نبویہ کا مجموعہ کہلائیں' ان میں ہر صحیح یا حسن حدیث لے لی جائے' خواہ وہ فقہی مسلک کے لحاظ سے کسی مسلک یا کسی فرقہ سے متعلق ہو۔ گویا اصل مقصد جمع و ترتیب احادیث ہو اور فقہی مسلک کی خدمت درجہ ثانوی پر ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ امت کے ہاتھوں میں احادیثِ صحیحہ کا بڑے سے بڑا مجموعہ پہنچ جائے گا اور وہ اس قابل ہو جائے گی کہ اپنی جدید ضروریات کے لیے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکے اور فروعی مسائل میں دلچسپی رکھنے والوں کو بھی اپنی اپنی رائے کے متعلق زیادہ روشنی میں فیصلہ کرنے کا موقعہ مل سکے گا۔

عنوانات ✵ یہی خدمت سب سے اہم خدمت ہے اس کام کے لیے ایک طرف زیادہ سے زیادہ احادیث زیر نظر رہنے کی ضرورت ہے' دوسری طرف وقتی مسائل کا پورا استحضار' پھر ان میں اہم اور غیر اہم کا صحیح انتخاب اور بہت سے حقائق کی تفہیم کے لیے موجودہ اصطلاحات سے واقفیت۔ اس کے لیے ضرورت نہیں ہے کہ ہم قدیم طرز کی پیروی کریں اور اپنی جانب سے کوئی نیا باب یا نیا عنوان قائم کرنا ایک بدعت تصور کرلیں۔ ہمارے لیے اس باب میں امام بخاریؒ کا اسوۂ حسنہ کافی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ احادیث نبویہ کے خفی اشارات و تلمیحات کو ابھار ابھار کر بشکل عنوانات روشن کرنے کے وہی موسس ہیں جو شخص آئندہ کسی نہج پر بھی اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھائے گا اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ کتاب بخاریؒ کو اپنے لیے مشعل راہ تصور کرے اور جس طرح اپنے دور کے مسائل پر انہوں نے مفید سے مفید تراجم قائم کیے ہیں اسی طرح وہ اپنے زمانہ کے مسائل پر نئے نئے عنوانات قائم کرتا چلا جائے۔

ترجمہ ✵ عام مسلمانوں اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب کی ضرورت کے لیے حدیثوں کا اردو ترجمہ بھی ضروری تھا جو نہ تو اتنا بامحاورہ اور تشریحی ہو کہ مستقل تصنیف بن جائے اور نہ ایسا تحت اللفظ کہ مطلب خیز نہ رہے۔ موجودہ ماحول میں اس طرح کے ترجمہ کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

2 **تشریحی نوٹ** ٭ احادیث کی تشریح اور عنوانات کی پوری تفصیل کے علاوہ دیگر امور متعلقہ کے بسط وشرح کے لیے ایسے تشریحی نوٹوں کی بھی ضرورت تھی جو نہ تو جدت میں اتنے ڈوبے ہوئے ہوں کہ اسلامی تعلیمات کے اصل مرکز ہی سے ہٹ جائیں اور نہ ان پر قدامت پرستی کا ایسا گہرا رنگ ہو کہ جدید اربابِ نظر ان کو دیکھنا ہی گوارا نہ کریں بلکہ قدیم معلومات جدید قالب میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کے ساتھ پیش کر دی جائیں- ہر بات نکھری ہوئی اور صاف صاف بلا خوف لومۃ لائم کہہ دی جائے لیکن مجادلہ و مناقشہ کا رنگ نہ آنے پائے' کسی کی ایذاء دہی یا دل آزاری یا افحام واسکات ہرگز مقصود نہ ہو بلکہ صرف احقاقِ حق' اور اصلاحِ خلق مطمحِ نظر ہو- خلاصہ یہ کہ یہ مجموعۂ الفاظِ حدیث میں تو مو بہ مو سلف کے نقشِ قدم پر ہو لیکن اپنی ترتیب اور عنوانات میں تمام تر آزاد رہے-

اس میں شک نہیں کہ اگر ایسا کوئی مجموعہ مکمل طور پر تیار ہو گیا تو وقت کی بہت بڑی اور اہم ضرورت پوری ہو جائے گی- ندوۃ المصنفین کسی وقت بھی اس ضرورت کے احساس اور اس کی طرف عملی اقدام سے غافل نہیں رہا یہاں تک کہ جب حالات نے کسی درجہ میں بھی مہلت دی تو بہت سی مشکلوں اور دشواریوں کے باوجود قدم اٹھانے میں پس و پیش نہیں کیا گیا اور جو کام بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں کے کرنے کا تھا اسے اس ادارے نے اپنے ذمۂ ہمت پر لے لیا' اس عظیم الشان خدمت کے لیے جتنا علمی سرمایہ' جتنی قوتِ احساس' قوتِ فکر' قوتِ عمل درکار ہے' ظاہر ہے- کہنے کو تو یہ ایک ہی تصنیف ہے مگر درحقیقت یہ مستقل چار تصنیفیں ہیں جن میں ہر تصنیف اپنی حیثیت میں بڑی جدوجہد اور سخت کاوش کی محتاج ہے- جدید عنوانات کا انتخاب' ان کے مناسب احادیث کا انتخاب پھر ان کا ترجمہ' اس پر تشریحی نوٹوں کا مرحلہ کھیل تماشہ نہیں ہے اگر کسی کے لیے قدرت یہ تمام سامان مہیا کر دے تو پھر وسعت وقت' طمانیت قلب اور سکونِ دماغ کا سوال سامنے رہتا ہے- لیکن جب اس خدمت کی تفویض کا وقت آیا تو کاتب ازل نے میرا نام سامنے کر دیا- کسی رسمی معذرت کے بغیر مجھے اس کا برملا اعتراف ہے کہ اس خدمت کے لیے جتنے ساز و سامان کی ضرورت ہے اس میں ایک سامان بھی پورے طور پر میرے ساتھ نہیں ہے- تاہم خدمت حدیث کے لیے جینا اور اسی میں مر جانا چونکہ میری ایک دلی تمنا ہے اس لیے اسی بے سروسامانی کے عالم میں اس کٹھن منزل کے سفر کا ارادہ کر لیا گیا ہے-

سفر شروع کرنے کے لیے کچھ زادِ راہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ میں نے اپنے مفوضہ کام کی ابتداء مصر کی جدید تصنیف ''التاج'' سے کی کہ یہ کتاب حکومت مصر کی جانب سے ان ہی احساسات کے پیش نظر تصنیف کی گئی تھی- لیکن جب اس کتاب کو لے کر چند قدم اٹھا چکا تو معلوم ہوا کہ جس منزل پر مجھے پہنچنا ہے اس کے لیے یہ روشنی قطعاً ناکافی ہے- اس میں احادیث کا ذخیرہ توقع سے بہت کم ملا' عنوانات قطعاً ناکافی نظر آئے اور جو ملے بھی ان میں سوائے تقدیم و تاخیر کے کوئی جدت نہ دیکھی اور اس لیے اس کتاب پر میری ایک سال کی کی کرائی محنت بے سود ہو گئی- اسی غور و فکر میں مسند امام احمد کی جدید تبویب نظر سے گذری- یہ جدید خدمت دیکھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی کہ اب اس کتاب کی مدد سے اپنے سفر کو کسی حد تک کامیاب دیکھ سکوں گا- مسند احمد محتاجِ تعارف نہیں ہے اس میں سات سو صحابہؓ کی تقریباً تمیں' چالیس ہزار حدیثیں موجود ہیں اگر اس کو آنحضرت صلی

www.besturdubooks.net

اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بجا ہے- یہ کتاب ابوابِ فقہیہ کے ترتیب کی بجائے صحابہؓ کی ترتیب پر تالیف کی گئی ہے اس لیے اس سے استفادہ بہت مشکل تھا- تبویب مسند نے اس مشکل کو حل کر دیا ہے اس پر محشی کی محنت نے تنقید کی جانفشانی سے بھی سبکدوش کر دیا- اسی کے ساتھ مستدرک حاکم علامہ ذہبی کی نقد کردہ موجود ہے اور مجمع الزوائد بھی طبع ہو کر آ گئی ہے- جدید انتخاب کے لیے یہ ذخیرہ کفایت کرتا ہے- کنز العمال کی آٹھ جلدوں میں اگرچہ ۴۶,۱۸۱ چھیالیس ہزار ایک سو اکیاسی احادیث کا ذخیرہ موجود ہے مگر اس میں صحت و ضعف کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے- شیخ علی متقی ہندی نے مکرر احادیث حذف کر کے ایک جدید ترتیب سے اس کو مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام منتخب کنز العمال رکھا ہے اس میں حدیثوں کی تعداد تیس ہزار دو باقی رہ گئی ہیں اس تصنیف میں یہ کتاب بھی زیر نظر رہی ہے-

معیارِ صحت ✵ جمع حدیث کے لیے معیار صحت قائم کرنا بنیادی مسئلہ ہے- ہم نے اپنے مقصد کے پیش نظر نہ تو اس میں اتنی شدت اختیار کی ہے کہ اس معیار پر احادیث کا ذخیرہ تلاش کرنا ہی مشکل ہو جائے اور نہ اتنی وسعت کہ احادیثِ موضوعہ بھی اس میں شامل ہو جائیں- احادیثِ صحاح کے علاوہ جن حدیثوں پر کسی معتمد حافظ حدیث نے صحیح یا حسن ہونے کا حکم لگا دیا ہے اگر اس کا مضمون آیات قرآنیہ اور مشہور صحیح احادیث کے خلاف نہیں ہے تو ہم نے اس کو صحیح یا حسن میں شمار کر لیا ہے[۲] خواہ محدثانہ نقد اس میں باقی ہو- اہل علم جانتے ہیں کہ علمی نقد سے صحیحین کی احادیث بھی مستثنیٰ نہیں رہ سکیں پھر یہ ایک ایسا موضوع ہے جس میں کوئی نیا قدم اٹھانا اب مشکل ہے کسی حدیث کے متعلق اگر محدثین کی مختلف آراء دیکھنا ہوں تو اس کے لیے مستقل تصانیف موجود ہیں- ہم نے ان اصطلاحی مباحث کو چھیڑنا غیر مفید اور اپنے مخاطبین کی فہم سے بلند سمجھا ہے تاہم بضرورت کہیں کہیں مختصر اشارات کر دیے گئے ہیں- اس کے بعد تائیدی طور پر بعض ابواب میں ضعیف احادیث بھی ذکر کر دی گئی ہیں بشرطیکہ موضوع اور محض بے اصل نہ ہوں یہ وسعت صرف اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ جب ایک مضمون صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے تو اب اگر اسی مضمون کی دوسری

---

[۱] شیخ تاج الدین سبکی طبقاتِ کبریٰ میں امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ اس کتاب کو میں نے پچاس ہزار سات سو احادیث سے بھی زیادہ کے مجموعہ میں سے منتخب کر کے جمع کیا ہے تاکہ جب کسی حدیث کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو تو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کر لیں اگر اس میں مل جائے تو خیر ورنہ اس کو قابل احتجاج تصور نہ کریں-

[۲] حافظ ابن قیمؒ امام احمدؒ کے فتاوے کے اصول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''چوتھا ضابطہ یہ ہے کہ مرسل احادیث کو لے لیا جائے بلکہ اگر اس باب میں کوئی حدیث معارض نہ ہو تو ضعیف حدیث پر بھی عمل کر لیا جائے حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ضعیف سے مراد وہ حدیث ہے جو ثقہ راویوں کی مخالف یا ایسے اشخاص کی بیان کردہ نہ ہو جس پر کوئی ایسی تہمت ہو جس کے بعد ان کی احادیث پر عمل کی گنجائش ہی باقی نہ رہے- امام احمدؒ نے جس ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا ہے اس سے اسی قسم کی ضعیف حدیث مراد ہے اور اس بات پر اجمالاً دیگر ائمہ کا بھی اتفاق ہے''- (اعلام الموقعین ص ۲۵)

ان وجوہ کی بناء پر ہم نے صرف تائیدی طور پر ضعیف احادیث کا ذکر کرنا نامناسب نہیں سمجھا- اس مسئلہ کے متعلق حجیت حدیث کے عنوان میں مزید تفصیل دیکھیے-

www.besturdubooks.net

حدیثوں سے کچھ توضیح ہوسکتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام احمدؒ جیسا مسلم محدث ہو کر حدیث کے نام پر ایک مسند جمع کرتا ہے پھر اس میں اتنی وسعت سے کام لے لیتا ہے کہ اس کی بعض احادیث کے متعلق وضع تک کا شبہ پیدا ہوسکتا ہے۔ گو حافظ ابن حجرؒ نے اس کو تسلیم نہیں کیا تاہم اس سے ان کی وسعت نظر کا ثبوت ضرور ملتا ہے امام موصوف کے اس طریق کار سے معلوم ہوا کہ جو شخص جمع احادیث کا ارادہ کرے اس کے لیے کسی حد تک وسعت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ ہم نے کسی باب میں مسائل کی بناء اس قسم کی احادیث پر نہیں رکھی ہمیشہ صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ صرف تائیدی طور پر ان کو پیش کیا ہے وہ بھی ایسے ابواب میں جہاں تساہل اختیار کرنا محدثین کے نزدیک عیب شمار نہیں ہوتا۔ احکام اور دوسرے حلال وحرام کے موقعوں پر نظر اس سے بلند رکھی گئی ہے۔ جن حضرات نے مراسیل کا انکار کیا ان کے دلائل خواہ کچھ بھی ہوں مگر یہ ایک امر واقعہ ہے کہ احادیث نبویہ کے ایک بہت بڑے ذخیرہ سے ان کو دست بردار ہو جانا پڑا جس میں نہ معلوم امت کے لیے کتنی بیش بہا ہدایات موجود ہیں۔ اگر ہمارے وجدان میں وہ موضوع اور بے اصل نہیں تو محض منکرین حدیث سے ڈر کران کو ذکر نہ کرنا علمی جبن ہے۔ خود امام بخاریؒ کو دیکھئے ایک طرف ان کی کتاب بخاری موجود ہے اگر چہ اس کا موضوع صرف صحیح احادیث ہیں مگر ان کو بھی ترجمۃ الباب میں اپنی رائے کی تائید یا اظہار کے لیے آثار وتعلیقات ضعیفہ لانا ناگزیر ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ ''ادب المفرد'' اور ان کی دوسری تصانیف میں یہ معیاری رنگ باقی نہیں رہا۔

خلاصہ یہ کہ ہماری تصنیف کا موضوع صحیحین پر استدراک یا اس معیار کی کوئی کتاب جمع کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس قسم کی احادیث سے آج تک امت اصولی طور پر استفادہ کرتی چلی آئی ہے۔ اسی قسم کی احادیث سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔ اگر ہمارے خیال میں یہ اصول غلط نہیں تو اس جماعت کے اعتراضات سے ہمیں کیا خوف ہوسکتا ہے جس کے اعتراض سے صحیحین بھی مستثنیٰ نہیں رہ سکیں۔ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ محض اپنے معیارِ عقل سے صحیح سے صحیح احادیث کو رد کر کے امت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایات سے محروم کر دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ جن احادیث پر اب تک عام امت کی نظر نہیں پہنچی اگر وہ موضوع اور بے اصل نہیں ہیں تو ان سے استفادہ کا پورا موقعہ بہم پہنچایا جائے۔ منکرین حدیث کو اگر یہاں کوئی اختلاف ہے تو وہ اصولی ہے ان کے نزدیک احادیث صحیحین بھی دین میں حجیت کے قابل نہیں ہمیں ان حضرات کے نقش قدم پر چلنا ہے جن کے ہاتھوں میں امت کی باگ ڈور سمجھی گئی ہے، جن کو اپنے رسول کی ایک ایک ہدایت دنیا و مافیہا سے بیش بہا نظر آتی تھی اگر ان حضرات کے نزدیک کسی مسئلہ کی بناء ضعیف حدیث پر قائم کی جاسکتی ہے تو ہمارے یہاں صرف تائیدی طور پر کسی ضعیف حدیث کا ذکر کرنا جرم کیوں ہو۔

ترتیب احادیث وعنوانات ٭ اصحاب سنن نے عام طور پر اپنی کتب کی ابتداء طہارت کے بعد عبادات پھر معاملات سے کی ہے۔ صحیحین میں یہ جدت ہے کہ ان کی ابتداء ایمان سے کی گئی ہے پھر امام بخاریؒ نے ایک نیا قدم یہ اٹھایا کہ ایمان پر وحی کو مقدم کر دیا۔ علمی اعتبار سے یہ پرواز قابل داد ہے۔ لیکن میں تقاضاء وقت ومصلحت کے لحاظ سے کسی اور نئے قدم اٹھانے کا متلاشی تھا کہ میں نے الفتح الرّبانی (تبویب مسند) کی ابتداء ''معرفتِ ربوبیۃ'' سے دیکھی اپنے مذاق طبیعت اور احساس ضرورت کی بنا پر

www.besturdubooks.net

یہ ابتداء بہت پسند آئی اس لیے اس تالیف کی ابتداء بھی اسی عنوان سے کی گئی پھر خدائے تعالیٰ کی عظمت اور دیگر صفات کے ساتھ بالخصوص صفت رحمت کا ذکر کر کے آخر میں اسماء باری تعالیٰ پر اس باب کو ختم کر دیا اور باب کے خاتمہ پر احادیث اور تشریحی نوٹوں کی روشنی میں خدا کی ہستی کے متعلق جو تاثرات پیدا ہو سکتے تھے ان کو بشکل مقالہ منضبط کر دیا- یہ باب اس سے کہیں زیادہ پھیل سکتا تھا اور کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں پھیلے گا بھی سر دست اس کو جدید خدمت کا ایک نمونہ سمجھنا چاہیے- دوسرے نمبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی سامنے آتی ہے اس لیے ان پر بھی بہت سے مفید عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن میں ختم نبوت کو خصوصیت سے روشن کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت استاد مرحوم کی یادداشت اور مطبوعہ رسالہ خاتم النبیین سے کافی مدد لی گئی ہے اور پہلے باب کی طرح یہاں بھی جو تاثرات ان احادیث سے پیدا ہو سکتے تھے ان کو مقالہ کی صورت میں آخر میں درج کر دیا گیا ہے امید ہے کہ موجودہ مباحث کے پیش نظر یہ مقالہ بڑی حد تک بصیرت افروز ثابت ہوگا اس کے بعد نبوت کے ابواب سامنے آتے ہیں ان پر بھی اپنے علمی مبلغ پرواز کے بقدر ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے مفید عنوانات قائم کر کے باب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماءِ مبارک پر ختم کیا گیا ہے- ان احادیث کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نقشہ دماغ میں پیدا ہو سکتا ہے اس کو یہاں بھی بشکل مقالہ سپردِ قلم کیا گیا ہے-

اللہ اور اس کے رسول کے تصور کی اس تکمیل سے فارغ ہو کر ابوابِ ایمان شروع کیے گئے ہیں اور اس موضوع پر دو مقالے لکھے گئے ہیں ایک قدرے طویل اور ایک بہت مختصر ان مقالوں میں مسائل کلامیہ کو اسلامی اور تبلیغی رنگ میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے- اس سلسلہ میں سب سے اہم کتاب حافظ ابن تیمیہؒ کی ''کتاب الایمان'' ہے- ان دو مقالوں کے لیے دیگر کتب کے علاوہ اس کتاب کا تقریباً پانچ مرتبہ مطالعہ کیا گیا ہے اور حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ ان مباحث کو سادہ سے سادہ رنگ میں پیش کیا جائے- امید ہے کہ خدا و رسول کے اس طرح تصور کے بعد کتاب الایمان کی احادیث کا لطف آپ پہلے سے زیادہ اٹھا سکیں گے اور آپ کو اس کا پورا یقین ہو سکے گا کہ خدا اور رسول پر صحیح معنی میں ایمان لانا صرف مذہب اسلام نے سکھایا ہے- دوسرے مندرس یا محرف مذاہب صرف ایمان کا لفظ جانتے ہیں اس کی حقیقت سے قطعاً ناآشنا ہیں- یہی باب اسلام کی اساس ہے اس لیے اس میں مؤلف نے خود بھی کافی محنت اٹھائی ہے اور قارئین سے بھی یہی درخواست ہے کہ اگر انہیں اپنے مذہب سے کوئی دلچسپی ہے تو اس باب کو وہ بار بار پڑھیں ان شاءاللہ یہ تکرار بے فائدہ نہیں رہے گا-

تشریحی نوٹ ٭ جس مقصد کے پیش نظر یہ کتاب تالیف کی گئی ہے وہ تبلیغ دین اور اصلاحِ خلق ہے محض ایک فنی اور علمی خدمت نہیں ہے اس لیے نوٹوں میں بھی زیادہ تر ان ہی مقاصد کی رعایت کی گئی ہے اصلاحی مباحث' علمی مناقشات' اور مندرس مذاہب کے تذکروں سے ممکن احتراز کیا گیا ہے اور اگر کہیں اس کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو ان کو زیادہ سے زیادہ اختصار اور سادگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کتاب الایمان کے معرکۃ الآ راء مباحث بہت کچھ جدوجہد کے بعد بھی اتنے سادہ اور مختصر نہیں رہ سکے' ان کو پوری کاوش و تحقیق کے بعد بشکل مقالہ مستقل طور پر علیحدہ کر دیا گیا ہے' خاص احادیث ایمان کی تشریح کی سطح ان مباحث سے بلند رکھی گئی ہے- بہت سے مقامات پر اجمال بھی کفایت کر سکتا تھا مگر اسی اپنے ایک مقصد کے پیش نظر بلا ارادہ کچھ پھیلاؤ اور تفصیل ہو

www.besturdubooks.net

گئی ہے۔ فروعی مسائل میں پورے اعتدال اور انصاف کے ساتھ حنفی مذہب کی تائید ضرور کی گئی ہے مگر دیگر مذاہب کے بالمقابل اکھاڑا قائم نہیں کیا گیا۔

ہمارے پیشِ نظر ہر جگہ دفع اعتراض ہے نہ کہ دوسروں کو موردِ الزام بنانا۔ اس کے باوجود جن فروعی مسائل پر دوسری کتابوں میں آپ کی نظر سے اوراق گذریں گے یہاں چند سطور ہی ملیں گی اور جن اصولی مسائل پر دوسری جگہ سطور ہوں گی یہاں اجزاء و اوراق کے انبار نظر آئیں گے۔

مقدمہ ❊ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں پہلی بحث افتراقِ امت کی حدیث پر کی گئی ہے یہ حدیث علمی لحاظ سے بھی ہر زمانہ میں زیرِ بحث رہی ہے اور اس زمانہ میں بھی زیرِ بحث ہے اس کے علاوہ چونکہ فرقِ اسلامیہ کے افتراق کا مرکزی نقطہ یہی قرآن و حدیث ہیں اس لیے یہ ضروری معلوم ہوا کہ کتاب کے شروع میں ان اسباب و علل پر بھی بحث کر دی جائے جو اس افتراق کا سبب بن جاتے ہیں تاکہ کتاب کا مطالعہ کرنے والے اس روشنی میں ما انا علیہ و اصحابی کا منہاجِ قویم صاف طور پر دیکھ لیں اور سبل منحرفہ سے اجتناب اختیار کر سکیں۔ اس بحث میں ضمنی طور پر بہت سے علمی مسائل کا حل کیا گیا ہے جو اپنی جگہ اُلجھے ہوئے سمجھے گئے ہیں اگر ان مباحث کو نظر انداز کر دیا جاتا تو صرف مسئلہ افتراقِ امت کے لحاظ سے کیا جا سکتا تھا لیکن ان مقاصد و فوائد کے پیشِ نظر جن کی بنا پر کہ اس بحث کو مقدمہ میں درج کیا گیا ہے حذف کرنا تو درکنار قصداً زیرِ بحث لانا ضروری تھا اس کے بعد حجیت حدیث کی بحث بھی ہمارے وقت کی اہم بحث ہے اس پر بھی جتنا کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ منکرین حدیث کے لیے خواہ ناکافی رہے مگر نفسِ مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔

فہرست مآخذ کتاب ❊ یہ فہرست کتاب ختم ہو جانے کے بعد زیادہ مکمل اور صحیح طور پر مرتب ہو سکے گی۔ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ تالیف میں ہمیں کن کن کتابوں کی اور ضرورت ہو ہاں یہ یقینی امر ہے کہ یہ فہرست سو کتابوں سے زیادہ پر مشتمل ہوگی' صرف اس پہلے جزء میں بھی کافی مراجعت کی گئی ہے جن کے حوالہ جات موقعہ بموقعہ درج کر دیئے گئے ہیں۔

اس ضمن میں حضرت استاد مرحوم کے علوم و معارف کا وہ ذخیرہ بھی جو اس کتاب کے موضوع کے مناسب ہے پیش کیا جائے گا اگرچہ حق یہ ہے کہ جس اندازِ فکر سے یہ کتاب لکھی جا رہی ہے وہ تمام تر حضرت استاد مرحوم ہی کا پیدا کردہ ہے لیکن وہ لوگ بہت ہی کم ہیں جو اس دعوے میں میرے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔ سلسلہ تلامذہ کا بڑا طبقہ وہی ہے جو سال دو سال شریک درس رہا اور سند لے کر رخصت ہو گیا جو شخص استاد مرحوم کے جلوت و خلوت کا شریک رہا ہو وہی جان سکتا ہے کہ یہ محدث جوامت میں صرف امام بخاریؒ کی طرح فن حدیث میں اپنی شہرت رکھتا تھا وہ امت کی اصلاح کے لیے کتنی دلسوزی اور اس کی دردمندی کے لیے کتنا مضطرب تھا۔

ایک ضروری تنبیہ ❊ مآخذ حدیث میں ہر جگہ اصول کی مراجعت نہیں کی گئی بلکہ کتب حدیث کے اعتماد پر نقل در نقل پر کفایت کر لی گئی ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک عیب ہے مگر جو عیب کہ تصانیف کا جزءِ لاینفک بن چکا ہے وہ غلط العام فصیح کے قاعدہ کے موافق عیب نہیں رہا۔ یہ تنبیہ اس لیے ضروری ہے کہ بعض مقامات پر جب اصول کی مراجعت کی گئی تو اصل و نقل میں کچھ معمولی سا فرق نظر آیا

www.besturdubooks.net

مثلاً مشکوٰۃ شریف یا ''انتاج'' میں صحیحین کی ایک روایت دیکھی جب اس کا اصل متن سے مقابلہ کیا تو ایک دو لفظوں کا فرق ملا۔ اس بحث و تحقیق میں پڑنا اس لیے اہم نہ سمجھا گیا کہ اول تو ایک حدیث صحیح بخاری میں ہی کئی کئی جگہ مذکور ہوتی ہے پھر اصحاب نسخ کے لحاظ سے خود بخاری میں بھی الفاظ کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ فن حدیث کے لحاظ سے اگرچہ اس کو بہت اہمیت ہے مگر ہمارے موضوع کے لحاظ سے شاید اس کا فائدہ اتنا نہ ہو پھر اس کے لیے جتنی مدت درکار ہے وہ اہل علم ہی جان سکتے ہیں۔ ایک علمی تحقیق کے پیچھے ارشاد و تبلیغ کے اہم مقصد کو تاخیر میں ڈال دینا مناسب نہ تھا۔ ادھر ان کتب پر اعتماد کر لینا کچھ ناموزوں بھی نہیں۔ آخر صاحب مشکوٰۃ کو مصابیح جیسی کتاب کے لفظی اختلافات پر کہیں کہیں تنبیہ کرنا پڑی ہے اس کے باوجود اصل کتاب کا وزن کچھ کم نہیں ہوا بلکہ اس کو معمولی اختلاف سمجھ کر مختلف محامل پر محمول کر لیا گیا ہے۔

معذرت ٭ تمام خامیوں کے باوجود وقت کی تنگی قدم قدم پر میرے خیالات کو حسب دلخواہ عملی جامہ پہنانے میں مانع رہی۔ ایک طرف میری ایک سالہ خدمت رایگاں جا چکی تھی دوسری طرف ندوۃ المصنفین اسی سال اس کتاب کے پیش کرنے کا اعلان کر چکا تھا اس لیے کام کی رفتار تیز رکھنی پڑی' دن بھر میں جتنا مسودہ تیار ہو جاتا کاتب کے حوالہ کر دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں عنوانات و احادیث کی تلاش کے ساتھ تمام گذشتہ عنوانات کا استحضار رہنا مشکل تھا۔ اس لیے عنوانات میں جتنا حسن ترتیب قائم رہنا چاہیے تھا قائم نہیں رہ سکا۔ بسا اوقات کسی مضمون کے متعلق کوئی مفید حدیث خیال میں آئی لیکن اس کا اصل موقعہ ہاتھ سے نکل چکا تھا اس لیے دوسرے باب میں کسی دوسرے عنوان کے تحت میں اس کو درج کرنا پڑا مثلاً جس حدیث پر **الاستشفاع بالرسول** کا باب قائم کیا گیا ہے اس کا اصل محل عظمت باری کا باب تھا لیکن اس وقت اس حدیث کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو سکا بدرجہ مجبوری اس کو رسالت کے باب میں ایک دوسرے عنوان سے درج کیا گیا اسی طرح ہر ہر قدم پر مختلف تصنیفی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے جن کی وجہ سے ندوۃ المصنفین کے قائم کیے ہوئے تخیل کا صحیح خاکہ پیش نہیں کیا جا سکا۔ تاہم اس عجلت میں اس خدمت کا جو نقش اوّل آپ کے سامنے آ رہا ہے وہ کتاب کے افادے اور مؤلف کی کاوش کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

آخر میں باادب گذارش ہے کہ جو دماغ فلسفہ و سائنس کے دقیق سے دقیق مسائل حل کرنے سے نہیں گھبراتے وہ احادیث نبویہ کے اس ذخیرہ کو دیکھ کر پہلے سے پہلے ہی گھبرا نہ جائیں بلکہ اس کو دیکھیں اور پھر دیکھیں اس پر بھی اگر کچھ مشکل باقی رہ جائے تو اس میں کوتاہی مؤلف کے ساتھ اس فن کی اجنبیت اور اپنے مذاق طبیعت کے اختلاف کا دخل بھی تصور فرمائیں اگر ابتداءً کچھ تلخی برداشت کر لی گئی اور آزردہ ہو کر کتاب کو چھوڑا نہیں گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اتنی مناسبت پیدا ہو جائے گی کہ پھر بہ تکلف چھوڑنا بھی چاہیں تو چھوڑ نہ سکیں گے۔

ارباب علم سے استدعا ہے کہ وہ اپنی منصفانہ علمی تنقید سے مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (آمین)

محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ
ندوۃ المصنفین دہلی

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ علی النبی الامی الذی لا نبی بعدہٗ

امابعد' اس خدائے وحدہ لاشریک لہ کا کس زبان سے شکر ادا کروں' جس نے ایک بے بضاعت اور معذور در معذور کے قلم سے ترجمان السنۃ کی تیسری جلد بھی پوری کرا دی' اور الحمد للہ کہ وہ طبع ہو کر مدتیں گذریں کہ مسلمانوں کے سامنے آ چکی' کیا کہیے کہ قلم کے اس درماندہ مسافر نے ابھی کچھ دم نہ لیا تھا کہ بے سوچے سمجھے چوتھی جلد کی تالیف میں اپنا قدم ڈال دیا' ابھی وہ چند قدم ہی چلنے پایا تھا کہ ایسے عوارض میں گھر گیا کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا مضمون اس کے سامنے آ گیا' آخر تھک کر اس کو راستہ پر ہی بیٹھ جانا پڑا' اب ادھر شدتِ علالت ایک قدم اٹھانے سے مانع تھی اور ادھر حرص وشوق کا یہ عالم تھا کہ اس کٹھن منزل کو بن پڑے تو چشم زدن میں طے کر ڈالا جائے' اسی فکر میں بستر علالت پر کروٹیں بدلتا رہا اور آئندہ چلنے کی مختلف راہیں سوچتا رہا تو خیال میں یہ آیا کہ گذشتہ جلد میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ' ان کی شخصیات کے تعارف کے لئے پیش کیا گیا تھا تاکہ مادی عقول کچھ نہ کچھ یہ اندازہ لگا سکیں کہ ایک طرف اگر وہ اپنی بشریت میں کامل ہوتے ہیں تو دوسری طرف عام بشری خصائل سے کتنے ممتاز اور بلند بھی ہوتے ہیں۔

اس کی مزید تشریح کے پیش نظر اب چوتھی جلد کے لئے جو مضمون ذہن میں آیا' وہ معجزات ہی کا مضمون تھا' کیونکہ ہمیشہ جو تعارف انبیاء علیہم السلام کو عوام الناس سے ہوتا رہا ہے' وہ عام نظروں میں اسی راہ سے حاصل ہوتا رہا ہے' اس کو کیا کیجئے کہ یہاں عہد قدیم میں جہل وعناد ان سے فائدہ اٹھانے میں ایک سدِ سکندری بنے رہے اور آج اس مادی دور میں مادی لہریں ان کی حقیقت سمجھنے میں حائل ہیں۔ تعجب ہے کہ یہاں بعض وہ اہل علم بھی جو اس مسئلہ کو قریب الی الفہم بنانے کے لئے باہر نکلے تھے وہ چلتے چلتے خود کہیں سے کہیں جا نکلے ہیں' بلکہ خود بھی وہ منکرینِ معجزات کی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے ہیں' جن کو دیکھ کر بے ساختہ منہ سے یہ نکل جاتا ہے کہ ؏ مسیحا آپ ہی بیمار ہے۔

ہمیں تعجب ہے کہ جو معجزات سب سے زیادہ بعید از عقل معلوم ہوتے ہیں' ان کو تو خود قرآن کریم نے اپنے بیان معجز نظام میں سمیٹ لیا ہے اور جو ان سے کچھ کمتر ہیں وہ صحیحین کے مختلف ابواب میں منتشر طور پر مدون ہو چکے ہیں' اب رہے وہ جو مادی عقول کے سامنے بھی چنداں مستبعد نہیں وہی ہیں' جو متوسط درجے کی حدیثوں میں مذکور ہیں' پھر معلوم نہیں کہ ان کے گلے پر بے رحمی کے ساتھ تاویلات کی چھری پھیرنے سے کیا فائدہ لیکن جب ایک انسان قرآن کریم کی صریح آیات اور صحیح سے صحیح حدیثوں کی تاویلاتِ بعیدہ کرنے سے بھی نہ ہچکچائے وہ بھلا ان حدیثوں پر کب رحم کھانے والا تھا' ہم نے تو اس باب کو جب کبھی اپنی صحت کے زمانے میں اٹھا کر دیکھا تو قدرتِ مطلقہ کے ان ظاہر وباہر نشانات کے سامنے بے اختیار سرنگوں ہو جانا پڑا' اور کیوں نہ ہوتا' جب

www.besturdubooks.net

عقول اس سبق کو سمجھ لیں جو سب سے مشکل ہے' یعنی اعتقاد الوہیت اور نبوت تو اس کے بعد پھر معجزات کا سمجھنا کیا مشکل ہے' ہم گذشتہ جلد میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جس نے معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس و پیش کیا ہے' اس کو خدائے تعالیٰ کی قدرت ہی میں شاید تردد ہے' اسی کا شکوہ حسب تقریر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ' میں فرمایا گیا ہے جس کی مفصل تقریر تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

اب ہمارے سامنے ایک فریق تو یہ ہے اور دوسرا وہ جس نے چن چن کر صرف انہی معجزات سے اپنی محلفوں کو گرم بنا رکھا ہے' جو یا تو موضوع ہیں یا خود محدثین معروفین کے نزدیک ناقابل التفات ہیں' اب ان متضاد خیالات کے ہوتے ہوئے ہمارے لئے قلم اٹھانا کتنا مشکل ہے' لیکن ترجمان السنۃ کا مقصد شروع ہی سے نہ کسی کی بے وجہ دلداری ہے نہ بے جا دل آزاری' اس کا مقصد وحید مسلمانوں کے برباد شدہ عقائد کی پورے انصاف و اعتدال کے ساتھ اصلاح کرنی ہے اور بس' اس لئے اس جلد میں بھی اسی مقصد کو سامنے رکھ کر قلم اٹھایا گیا ہے' اس سے قطع نظر کہ کوئی اس کے بیان سے اتفاق کرے گا یا اختلاف' مدح کرے گا یا قدح'

ع مانمی خواہیم ننگ و نام را

اس لئے اس جلد میں معجزات کی صحیح صحیح حقیقت بلا رو رعایت صاف صاف بیان کر دی گئی ہے اور اس کی تفہیم میں ذرہ برابر بھی کسی ادنیٰ سی لچک کو برداشت نہیں کیا گیا کیونکہ صرف منکرین کی خاطر صحیح بات کو قلم دبا دبا کر لکھنا نہ تو معجزات کی حقیقت ہی کو پورا پورا واضح کرتا ہے اور نہ منکرین ہی کے لئے کسی تسلی و تشفی کا باعث ہو سکتا ہے' اسلام کسی کی ادنیٰ سی رعایت کرنے کا نام مداہنت رکھتا ہے' چنانچہ صاف الفاظ میں فرماتا ہے' ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الحجر : ۹۴) کسی شخص یا طائفہ کا نام لے کر نہیں فرمایا گیا۔

ترجمان السنۃ کے دیکھنے والے یہ اندازہ خود فرما سکتے ہیں کہ اس کے مؤلف کا قلم رد و قدح کرنے سے ہمیشہ کتنا بچ بچ کر چلتا رہا ہے اور یہی وطیرہ اس جلد میں بھی قائم رکھنے کی سعی کی گئی ہے' مگر جہاں صاف گوئی نے مجبور کیا ہے وہاں بادل ناخواستہ کچھ ارشادات کر دیئے گئے ہیں۔ جس کے لئے ہم اس مذاق کے قارئین کرام کے سامنے یہ شعر پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

رکھنا غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ ترجمان السنۃ کا قدم جتنا آگے بڑھتا گیا' اس کی جولانگاہ کا میدان اتنا ہی اور زیادہ تنگ ہوتا چلا گیا' اب یہ جلد جو اہم تر مباحث پر مشتمل ہے وہ پانچ سال کے بعد ان حالات میں آپ کے سامنے آ رہی ہے' جبکہ مؤلف تین سال سے خود صاحب فراش ہے' صرف گذشتہ غیر مرتب مسودہ ہی کو پیش کر کے اپنے سر سے ایک بڑی ذمہ داری کا بار کسی قدر ہلکا کر دینا چاہتا ہے اور اس امید پر پیش کرتا ہے ۔

و ذلک فی ذات اللّٰہ و ان یشاء یبارک علی اوصال شلوٍ ممزع

ہم نے سب سے اول یہاں ان معجزات ہی کو ذکر کیا ہے جن کو معجزات کی تاویل کرنے والوں نے جھوٹ و افتراء اور خرافات کے علاوہ اور نا معلوم کن کن الفاظ سے یاد کیا ہے بلکہ ان کے مصنفین پر بھی جو تیسری صدی سے لے کر چھٹی صدی تک سب

www.besturdubooks.net

کے درمیان مسلم شخصیات بار زرہی ہیں' خوب ہاتھ صاف کیا گیا ہے' مجھ جیسے بے بضاعت کو تو ان الفاظ کے نقل کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی' انہی سے ہم نے سب کچھ سیکھا' پھر ان پر بے وجہ آوازے کسنا ہمارے نزدیک ایک جرمِ عظیم ہے' آپ کو ان مؤلفین کی اسانید پر اُن کے احکام کو دیکھ کر یہ اختیار ہے کہ ان احادیث کو قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں' لیکن یہ خود ہی انصاف فرمالیں کیا اس درجہ کی حدیثوں پر جھوٹ اور افتراء کا حکم لگایا جاسکتا ہے' میرا ارادہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور پیش گوئیوں کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کیا جائے' لیکن اب یہ ذخیرہ یوں ہی لکھا ہوا جوں کا توں آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے' جن میں استیعاب کا ارادہ تو کیا ہوتا ترتیب بھی قائم نہ رکھی جاسکی - صرف مشتے نمونہ از خروارے' جو معجزات زیرِ قلم آچکے تھے وہی پیش کر دیئے گئے ہیں اور جو بطور یادداشت کتب' اور صفحات میں مقید تھے' ان کو بصورت تفصیل پیش نہیں کیا جاسکا' یہاں ہم نے ان معجزات کی ایک فہرست بھی پیش کر دی ہے' جو گذشتہ جلدوں میں ضمنی طور پر آچکے ہیں' حالانکہ گذشتہ جلدوں کے موضوع کا معجزات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہ تھا مگر اس کو کیا کیجئے کہ معجزات حدیثوں میں اس طرح جابجا مذکور ہیں کہ ان سے حدیثوں کا خالی کرنا ناممکن ہے' پھر اسی پر دوسری کتب کو قیاس کر لیں کہ ان کے بھی متفرق ابواب میں معجزات کے دریا کس طرح بہہ رہے ہوں گے' جو متفرق ابواب میں بکھرے ہونے کی وجہ سے نظروں میں نہ آسکے' ایک صحیح بخاری ہی میں از اوّل تا آخر بڑے سے بڑے معجزات ذکر میں آگئے ہیں' اگرچہ امام موصوف نے علاماتِ نبوت کا باب اس میں بہت مختصر پیمانے پر لکھا ہے' یہ اختلاف زمان اور موضوع کا باعث ہے' معجزات کی قلت اس کا سبب نہیں' صحابہ وتابعین کی نظریں اٹھیں تو سب سے پہلے احکام کے موضوع کی طرف اٹھیں' قرآن کریم کے ہوتے ہوئے ان کے لئے کوئی اور معجزہ ایسا نہ تھا کہ جس کا ان کی نظر میں اتنا اہتمام ہوتا' کیونکہ وہ بڑے سے بڑے معجزات کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے تھا' دیگر معجزات ان کے لئے روزمرہ کی بات تھی' افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ احادیثِ معجزات پر جس طرز پر نوٹوں کے لکھنے کی تمنا تھی وہ دل کی دل ہی میں رہ گئی' لیکن یہ کرشمہ قدرت ہے کہ اس نے حسب دستور اہم مقالات کا حصہ صحت کے زمانہ میں پہلے ہی لکھوا دیا تھا' جن کے بعد اب حدیثوں پر تفصیلی نوٹوں کی ضرورت ہی کم باقی رہتی ہے' اہل فہم وبصیرت کے لئے ان ہی کی روشنی میں معجزات کو پڑھ لینا انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا' یہ موضوع اگرچہ ہمیشہ سے اہل علم کے زیرِ قلم آتا رہا ہے' لیکن ان ژولیدہ خیالات کے دیکھنے والے یہ اندازہ خود ہی فرمالیں گے کہ کیا اس میں جدید اضافات اور معلومات مہمہ ہیں یا صرف ان ہی فرسودہ خیالات کو دہرایا گیا ہے' اس مقالہ میں ضمنی مختصر عنوانات کے علاوہ خاص خاص ضرورتوں کے پیش نظر کچھ خاص عنوانات بھی آپ کی نظر سے گذریں گے' جو انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے لئے بہت موجب بصیرت ثابت ہوں گے۔

اس کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ یہاں وقت کے اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے کہ مآثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت سلف کی نظروں میں کیا رہی ہے جس کا تذکرہ پانچویں جلد میں مفصل ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا - کیونکہ یہاں عام مسلمان افراط وتفریط میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں' اس کے بعد کچھ کراماتِ صحابہؓ کا ذکر کیا گیا ہے' جس کو لوگوں نے صرف صوفیاء کے ساتھ خاص سمجھ لیا ہے اس کے بعد پھر امام مہدی علیہ السلام اور دجال کے متعلق وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں' جو صحیح بخاری ومسلم جیسی معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور بہت سے مسلمانوں کے کان تک ان سے ناآشنا ہیں۔

www.besturdubooks.net

امتنان وتشکر

سب سے پہلے مجھے مولانا مکرم جناب سراج الحق صاحب الٰہ آبادی کا شکریہ ادا کرنا فرض ہے جنھوں نے اپنے حج کے قیمتی ایام کسی سابق تعارف کے بغیر ان بکھرے ہوئے اوراق کی ترتیب دہی کے لئے وقف فرمائے اور بڑی سخاوت کے ساتھ ان اہم کاغذات کو مرتب فرما کر ایک جگہ کر دیا اور کہیں کہیں اپنے قلم سے احادیث کا ترجمہ بھی فرمایا' اس کے بعد عزیزم حافظ انصار فرید صاحب سلمہ نے اپنی نوعمری کے باوجود کتاب کے سوصفحات کا فل اسکیپ سائز پر حک وفک سے لبریز مقدمہ بڑی دلچسپی کے ساتھ مجھ کو سنایا اس کے بعد بقیہ حصص کے سنانے میں جو احادیث نبویہؐ پر مشتمل تھے' عزیز القدر حافظ مولوی آفتاب احمد سلمہ نے حصہ لیا' پھر عزیزم حافظ اسمٰعیل بلبلیہ سلمہ نے میری ہدایات کے موافق کتب احادیث اور اقتضاء الصراط المستقیم کی مختلف عبارات لکھیں' اس لئے یہ منتشر اوراق میری موجودہ حالت میں مختلف اشخاص کی مدد سے جمع ہو گئے' **فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرا**۔

اتفاق یہ کہ اس اہم جلد کا مقدمہ میں اپنی پنج سالہ علالت سے قبل ہی بڑی عرق ریزی و دماغ سوزی کے بعد ضبط تحریر میں لا چکا تھا' اگرچہ علمی ہوس کبھی بھرا نہیں کرتی' تاہم جس حالت میں یہ مقدمہ سوصفحات کے اندر موجود ہے' اسی کو کتاب کی جان سمجھنی چاہیے' اس کے بعد تشریحی نوٹوں کی کوئی حاجت نہیں رہتی' تاہم کہیں کہیں ضروری تشریحات کر دی گئی ہیں اور ان میں ضروری مسائل کی طرف اشارات بھی کر دیئے گئے ہیں' جو امید ہے کہ اہل فہم و بصیرت کے لئے بہت کافی ہوں گے۔

ضروری گذارش

یہ گذارش کر دینی بھی ضروری ہے کہ معجزات کا اکثر حصہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی مشہور کتاب الجواب الصحیح سے ماخوذ ہے' آج سے دس سال قبل میں نے یہ کتاب ایک عالم سے مستعار لی تھی' پھر ضروری نشانات کر کے اس میں سے بہت سے معجزات اور ضروری عبارات کی نقول بعض علماء کی معرفت کرالی تھیں' اس کے بعد کتاب صاحب کتاب کو واپس کر دی تھی' اس لئے اس وقت ان ضروری عبارات کی نقول اور احادیث کے مقابلہ کرنے سے معذوری رہی۔ ہوسکتا ہے کہ ان احادیث میں بعض مقامات پر کوئی لفظی تغیر ہو گیا ہو' اس لئے قارئین کرام سے ان اسقام کی معذرت کر دینی ضروری ہے یہ جلد جس درجہ اہم ہے' اسی قدر میری انتہائی معذوری اور ضعف کی حالت میں آپ کے سامنے آ رہی ہے' اس لئے ہر ہر قدم پر آپ کو مؤلف کی معذوری اپنے سامنے رکھنی چاہئے' حالات کچھ ایسے ہیں کہ اب اس میں زیادہ تاخیر کی گنجائش نہیں ہے' اس لئے بعد انتظار بسیار یہ مسودہ کسی ترمیم و اصلاح کے بغیر بلا کسی نقش و نگار کے یوں ہی اپنی بگڑی ہوئی صورت لے کر آپ کے سامنے حاضر ہو رہا ہے۔

محمد بدرِ عالم عفی اللہ عنہ
نزیل المدینۃ المنورہ

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

عرضِ حال

قطب عالم حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب قدس سرہ کے بارے میں لکھنا انھیں زیب دیتا ہے جو مولانا کے مرتبہ سے روشناس ہوں- یہ ہیچ مدان تصوف کی حقیقت سے ناواقف ولایت کی ماہیت سے نا آشنا' آداب مریدین کی معلومات سے کورا' نکات و معارف مشائخ سے آگاہ نہیں لیکن قلب کا داعیہ مجبور کرتا ہے کہ کچھ گذارش کروں للہذا یہ چند سطور حاضر ہیں-

مثل مشہور ہے کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' مولانا کی ذات گرامی سے اور ان کی صفات عالیہ سے علمی حلقہ اچھی طرح واقف ہے کہ وہ اس دور میں کس پایہ کے عالم اور شیخ رہے ہیں- بیسویں صدی کا زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ انگریزوں کی غلامی کا پورا اثر ہمارے معاشرے پر محیط ہو گیا تھا جس میں معصیت اور بددینی کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ کو ویران کر رہی تھیں- جسے دیکھو انگریزی تعلیم اور انگریزی معاشرت کا دلدادہ- سیدھے سادھے مسلمان تو درکنار اچھے خاصے دیندار حلقے بھی اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم دلانا ہی راہِ نجات سمجھتے تھے الا ماشاء اللہ- اس زمانے میں ایک سعید روح کا اپنے آپ انگریزی تعلیم سے بقدر ضرورت استفادہ کے بعد دینی تعلیم میں منہمک ہو جانا یقیناً اس بات کا شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے کوئی مخصوص کام لینا چاہتا ہے- چنانچہ مولانا قدس سرہ کی مختصر سوانح حیات سے جس کو صاحبزادہ حاجی حافظ مولوی آفتاب احمد صاحب نے رقم فرمایا ہے' آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مولانا قدس سرہ نے صحت' علالت' سازگار اور ناسازگار تمام حالات میں کس کس طرح دین کی خدمت کی ہے محض قال نہ کسی کو متاثر کر سکا ہے اور نہ کر سکتا ہے- زندگی ہمیشہ زندگی سے بنتی ہے' چراغ سے چراغ جلتا ہے- زبانی پھونک سے تو چراغ گل ہوتا ہے' حالت یہ پہنچ چکی ہے کہ جو لوگ اسلام کے قائل بھی ہیں وہ اس طرح کہ اسلام کو صرف نماز' روزہ اور حج و زکوٰۃ کی من موجی تشریح کر کے بیٹھ جاتے ہیں' ظاہری اور باطنی حالات کی درستگی سے بمشکل علاقہ رکھتے ہیں- نشست و برخاست' معاشرے کے دوسرے مسائل مثلاً کھانا' پینا' تجارت' ملازمت' صلہ رحمی' اصلاح نفس' معاملات کی صفائی' تعلیم' اخلاق کی تفہیم' الوہیت و رسالت کی تعظیم غرضیکہ دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح خدمت جبھی ممکن ہے کہ انسان جو کچھ کہے اسے عملاً کر کے دکھائے- بدقسمتی سے عوام تو عوام علماء بھی الّا ماشاء اللہ تہذیب نفس کے اس راز کو نہیں برتتے- اس تاریک زمانے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیشگوئی کے مطابق علمائے امت میں ایک ایسے عالم باعمل کی ضرورت تھی جو من کل الوجوہ قابل اعتماد مصلح اور سنت نبویہؐ کے زیور سے آراستہ' اتباع شریعت کاملہ میں مخلوق کے لئے نمونہ اور حجت ہو اور طریقت کی دشوار گزار گھاٹیوں کا راہبر-

مولانا قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات انہی خوبیوں کی حامل تھی' حرص و ہوس' غیظ و غضب' حسد و بغض' بخل و حب مال'

www.besturdubooks.net

رعونت، تکبر ونخوت، خود پسندی، درشتی وتختی پاس بھی نہ گذرتی تھی، عبادات کے علاوہ عادات اور امورِ مباحہ مثلاً حرکات وسکنات تک میں سنت مصطفویہ کے اتباع کی فکر رہتی تھی۔ صبر وشکر، اخلاص وصدق، توکل ومحبت الٰہی اور رضا بر قضا پر اس درجہ عامل تھے کہ شاید وباید۔ صوری وجاہت، معنوی ہیبت، کریمانہ اخلاق، حکیمانہ اشفاق، مادرانہ ترحم، پدرانہ شفقت، لطافت طبع، نظافت وطہارتِ نفس، حسبی شرافت، نسبی نجابت، خاشع وخاضع، مہمان نواز، متواضع، غرضیکہ تمام اوصاف میں یکتائے روزگار تھے۔ بیسویں صدی کا یہ در شہوار بدایوں میں پیدا ہوا اور اپنی نورانیت سے دیوبند، ڈابھیل، بھاولنگر، ٹنڈوالہ یار اور کراچی کو منور کرتا ہوا مرکز ثقل یعنی اپنے جد امجد کے سایہ عاطفت میں پناہ گزیں ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میری خوش قسمتی ہے کہ حضرت قدس سرہ نے اس کتاب کو چھپانے اور اس کی اشاعت کے لئے میری درخواست قبول فرما کر مجھے ہی اس کی اجازت مرحمت فرمائی اور کتابت کے مصارف کا بیشتر حصہ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی نے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ والد صاحب مرحوم جناب خان بہادر حاجی وجیہ الدین صاحب اور میرے بڑے بھائی مرحوم صاحبزادہ حاجی حافظ جمیل الدین صاحب کی قائم کی ہوئی حاجی وجیہ الدین چیری ٹیبل ایسوسی ایشن کی وجہ سے اس کتاب کی طباعت میں کوئی دشواری بھی پیش نظر نہیں ہے۔ میں ایسے حضرات کو بھی اس کتاب نایاب کی اشاعت کی اجازت دے رہا ہوں جن کا مقصد اشاعت دین ہو اور صرف جلب منفعت نہ ہو، بشرطیکہ کتاب من وعن چھاپی جائے اور کوئی حصہ اس کا حذف نہ کیا جائے۔ بہ شمول ''عرض حال''

اللہ تعالیٰ اس پاک ذات کے طفیل ہم سیاہ کاروں کی مغفرت فرمائے اور صاحبزادہ مولوی حاجی حافظ سید آفتاب احمد صاحب کو حقیقی معنوں میں مولانا قدس سرہ کا جانشین بنائے۔ آمین ثم آمین

ادنیٰ خادم آستانہ

فرید الدین احمد الوجیہ

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرتِ اقدس والد صاحب قدس سرہ کی حیاتِ مبارکہ کی ہلکی سی ایک جھلک

الحمدللّٰہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلوٰة و السلام علی سیدالمرسلین و امام المتقین و علی الہ و اصحابہ اجمعین

ترجمان السنہ کی جلد چہارم زیورطبع سے آراستہ ہوکر ناظرین کے سامنے اس وقت آ رہی ہے جبکہ اس کے مؤلف حضرت العلامہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ اس دارفانی سے رحلت فرما چکے ہیں- انا للہ وانا الیہ راجعون

اس جلد میں انہوں نے معجزات پر ایسی محققانہ و عالمانہ سیر حاصل بحث فرمائی ہے جس کو پڑھ کر ایک صاحب فہم انسان سمجھ لے گا کہ معجزہ کی حقیقت کیا ہے' اور جب اس کا غور سے مطالعہ کرے گا تو ان شاء اللہ اس کے دل سے تمام شکوک وشبہات اس طرح صاف ہو جائیں گے جیسے آئینہ ہوتا ہے' اسی لئے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو اس جلد کے طبع ہونے کا بے چینی سے انتظار لگا ہوا تھا' اور بہت مسرور تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم کام لے لیا- ان کی مسرت کا اندازہ انھیں کے ان اشعار سے فرمالیں ؎

اک جلد معجزات کی لایا ہوں نذر کو — اس کے سوا تو حوصلہ کیا ہے غلام کو
کر لیں اگر قبول تو کیا شرف ملے — پشتوں کو اس حقیر کی اور اس غلام کو
ہو جائے یہ نصیب تو رہ جائے یادگار — بخشش کی اک کریم کی اپنے غلام کو

اور جس طرح بستر علالت پر یہ کام حضرت اقدس والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سرانجام دیا ہے' وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کھلی کرامت ہے' ورنہ اس قدر اہم موضوع جس میں اتنے دقیق وعمیق مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو' ایسی حالت میں املاء کرانا ممکن نہ تھا- اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس سعی کو قبول فرمائے' اور ایسا صلہ عطا فرمائے جو اس کے نزدیک بہتر سے بہتر ہو- آمین- اور مزارِ مبارک کو نور سے بھر دے- ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کے متعلق کچھ لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے' ان کی حیات مبارکہ کا تو ہر پہلو ایسا زریں اور عجائبات پر مشتمل ہے کہ اگر ہر پہلو پر تفصیل وبسط سے کام لیا جائے تو ایک ایک کتاب بن جائے' لیکن اس جگہ نہ اس کا محل ہے نہ گنجائش ہے لہٰذا نہایت مختصر ومجمل طریقہ سے کچھ حالات سپرد قلم کرنا ہی مناسب معلوم ہوا-

زندگی کے ابتدائی حالات ٭ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت کاتب ازل نے شہر بدایوں کے حصہ میں لکھی تھی' اس لئے یہ مجسم سعادت وعلم وحکم کا سرچشمہ (۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۸ء) میں وہیں ظہور پذیر ہوا-

میرے دادا صاحب مرحوم ومغفور پولیس آفیسر تھے- اس وقت بدایوں میں تعینات تھے اس جگہ چند سطور ان کی حیاتِ طیبہ

www.besturdubooks.net

کے متعلق لکھنا بھی ضروری محسوس ہوا- یہی حال ان کے کمالات کا ہے کہ کیا کیا لکھوں- بہت ہی با اخلاق صادق القول والوعد تھے' ان کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ سولہ سال کی عمر سے سفر و حضر کبھی تہجد ناغہ نہیں ہوا- چشتیہ سلسلہ میں داخل تھے' آخر عمر میں ذکر اللہ اَسی اَسی (۸۰،۰۰۰) ہزار مرتبہ یومیہ کیا کرتے تھے' تلاوت کلام و دیگر وظائف کے علاوہ سات حج کئے تھے' اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ ہم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو اس ملازمت کے لحاظ سے محیر العقل معلوم ہوتا ہے اور وفات کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ہم نے تم لوگوں کے لئے روپیہ نہیں چھوڑا لیکن تمہارے جسم میں حرام کا ایک پیسہ نہیں لگایا ہے' تمام عمر کبھی ایک پیسہ رشوت کا نہیں لیا- اور ان صفات والے انسان سے اس قسم کی مذموم حرکت کب سرزد ہوسکتی تھی- اسی سے آپ ان کی دیانت و امانت کا اندازہ لگالیں- اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات میں جگہ دے- آمین

کرامت بروقت ولادت ✵ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سعادت و قبولیت کے آثار ولادت سے قبل ہی رونما ہونے شروع ہوگئے تھے- ولادت کے وقت لیڈی ڈاکٹر انگریز موجود تھی لیکن ولادت میں تاخیر ہو رہی تھی' اس نے بہت سعی کی لیکن سب میں ناکام رہی- آخر کار اس نے کہا کہ اب تو آپریشن کرنا ہوگا جس میں بچہ کا مرجانا ممکن ہے- آخر کار دادا صاحب مرحوم کو اجازت دینی پڑی اور اس نے آپریشن کی تیاری شروع کردی- صرف اتنے وقفہ کے لئے ایک مسلمان سعید دائی آ بیٹھی- بس کیا تھا فوراً ولادت ہوگئی گویا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ انگریز کافر کے ہاتھ میں ایسا جسم مبارک جو اتنی صفات کا مالک ہونے والا تھا دے دیا جائے' چنانچہ ان کا ایک مسلمان عورت کے ذریعہ سے دنیا میں آنا مقدر ہوا' یہ ایک کھلی کرامت ہے-

سلسلۂ تعلیم ✵ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بچپن سے ہی بہت نفیس اور نازک مزاج تھے- حسب دستور پہلے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی' پھر انگریزی تعلیم کے لیے اسکول میں داخل ہوئے- تقریباً میٹرک تک پڑھا تھا کہ تقدیر نے اپنا اصل رخ بدلا اور اللہ تعالیٰ نے دنیوی تعلیم سے نکال کر اپنے اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جو دین اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا اسی دین کی اشاعت کے لیے اس پاک روح کو منتخب فرمایا- چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کی نماز کے لیے الٰہ آباد صوبہ یوپی کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے' وہاں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ تھا اس کو سن کر ایک گیارہ سالہ بچہ نے توفیق ایزدی سے فیصلہ کرلیا کہ انگریزی تعلیم کو ترک کردیا جائے-

علم دین کی طرف رجحان ✵ گھر واپس ہوکر دادا صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میں تو دینی تعلیم حاصل کروں گا- دادا صاحب مرحوم کو یہ خیال ہوا کہ یہ وہی بچوں کی طرح بدشوقی ہے چنانچہ انھوں نے کافی سختی اور تادیب سے کام لیا پھر صبح کو دریافت فرمایا اب تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب وہی تھا کہ جی عربی پڑھوں گا- وہ ارادہ کیسے تبدیل ہوسکتا تھا جو پختہ عزم کی شکل میں چٹان کی طرح تھا تمام سختیوں کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوا' یہ حالت دیکھ کر دادا صاحب سمجھ گئے کہ یہ واقعی کچھ رازِ الٰہیہ ہے چنانچہ انھوں نے فوراً محدث عصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا' جس میں پورا واقعہ من وعن تحریر فرمایا- مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا کہ آپ اس سعادت عظیم کے حصول میں کیوں حائل ہوتے ہیں' بلکہ آپ کو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ہزاروں خوشی و مسرت کے ساتھ اس کی

www.besturdubooks.net

اجازت دینی چاہئے۔ چنانچہ یہ مجسم سعادت و علم گیارہ سال کی عمر میں اپنے شفیق والدین سے جدا ہو کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور پہنچ گئے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر تربیت و شفقت انہی کی مسجد کے حجرے میں قیام پذیر ہوئے اور تعلیم کی تکمیل فرمائی جس میں آٹھ سال صرف ہوئے اور انیس سال کی عمر میں اردو، فارسی عربی تعلیم حاصل کر کے اسی مدرسہ میں مدرس بھی ہو گئے اور دو سال درس دینے کے بعد قسمت نے وہاں سے کھینچ کر دیوبند بحر العلوم رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی گود میں لا ڈالا اور وہاں ان کے نورِ نظر بنے رہے۔

درس و تدریس ❋ دار العلوم جیسے علمی مرکز میں مدرس کے عہدے پر فائز کیے گئے وہاں سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جانا ہوا، جس کی ابتدا انہی متبرک ہاتھوں سے ہوئی اور آج تک اس جامعہ سے سینکڑوں علماء بن کر نکل چکے ہیں اور یہ سلسلہ الحمد للہ ابھی تک جاری ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چار مرتبہ صحیح بخاری سبقاً سبقاً حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے طالب علموں کی صف میں بیٹھ کر پڑھی ہے حالانکہ اس وقت خود دورے کے مدرس تھے۔

احترام استاد ❋ لیکن کمال ادب دیکھئے کہ باوجود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار کے اس طرف نہیں بیٹھے۔ اس وقت کو کیا کہیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی کبھی اس جگہ بیٹھ کر درس نہیں دیا بلکہ ہمیشہ اس جگہ سے ہٹ کر بیٹھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ قیام بھی دونوں کا اس طرح ساتھ رہا کہ دونوں کے کمرے برابر تھے حتیٰ کہ درمیان میں دروازہ بھی تھا لیکن کمال ادب دیکھئے کہ چار سال کی طویل مدت میں ایک مرتبہ بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہنسی تک کی آواز نہیں سنی اور اپنے اس محبوب اور فاضل تلمیذ کو ایسی سند اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرما کر عنایت فرمائی جو فل اسکیپ سائز کے ایک صفحہ پر ہے جو کچھ اس میں تحریر فرمایا ہے وہ ایک محدث کے لیے بجا طور پر قابل فخر ہے میرے علم میں ایسی سند حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی تلمیذ کو نہیں عنایت فرمائی جو اتنی طویل اور اتنی خصوصیت کی حامل ہو۔

تصنیف و تالیف ❋ اسی دوران میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابن ہمام کی کتاب زاد الفقیر پر حاشیہ تحریر فرمایا جس کا نام مستزاد الحقیر ہے آپ اس نام کی خوبی سے ہی اس حاشیہ کی نفاست کا اندازہ فرمالیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد فیض الباری جیسی اہم تالیف کے لیے قدرت نے حضرت اقدس والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا اور یہ خدمت انہیں کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ضعیف کاندھوں پر اس اہم کام کو اٹھالیا اور جس طرح اس کو انجام دیا وہ علمی طبقہ کے سامنے ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادق مضامین و علمی تقاریر کو اس سلاست اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا کہ اب ایک مطالعہ کرنے والا غور کرتا ہے کہ وہ ادق مضامین کونسے تھے، اور اس دو ہزار صفحات کی کتاب کو ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد صرف دو سال میں مرتب فرمایا گیا۔ درس کے ساتھ اور اس وقت جبکہ ایک شدید مرض میں مبتلا تھے یعنی دق کے انجکشن لگ رہے تھے اور رات کو کھانسی اس قدر اٹھتی تھی کہ نصف نصف شب بیٹھ کر گذرتی تھی، اس حالت میں چودہ گھنٹے یومیہ کام کرتے تھے۔ اس کیفیت میں اور اس محنت شاقہ کے بعد یہ علم کا سمندر کوزہ میں بند کیا جو انمول موتیوں سے بھرا ہوا ہے اور اب اس میں سے ہر صاحب ذوق اپنے اپنے ذوق کے موافق موتی چن چن کر فائدہ اٹھا چکا ہے اور اٹھا

www.besturdubooks.net

رہا ہے- اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا اجر عظیم مرحمت فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے- آمین- جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں سترہ سال حدیث کا درس دیا پھر وہاں سے تشریف لے آئے مشیت ایزدی کے تحت اور وہ اس لیے کہ ایک دوسرے مقام پر علم کا دریا بہانا منظور تھا چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھاولنگر تشریف لے گئے جہاں ایک مدرسہ تھا جو صرف دو کمروں اور درختوں سے عبارت تھا- گویا کہ اس علمی درس گاہ کی تاسیس بھی انھیں متبرک ہاتھوں سے ہوئی اور اب وہاں بڑا مدرسہ ہے جس کا نام جامع العلوم ہے' کتب خانہ بھی بہت اچھا ہے تعمیر بھی اچھی خاصی ہو چکی ہے- اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس بھاولنگر کے شہر کو علم کی دولت سے نوازا' اور یہ سب کچھ صرف ایک سال کے قیام کا نتیجہ تھا- اب اندازہ لگایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس برگزیدہ بندے کو کس طرح اپنی رحمتوں میں گھیرے گھیرے لئے لئے پھر رہا ہے-

ترجمان السنہ کی تالیف ✽ پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے اور ندوۃ المصنفین جس کو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم رفقاء حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے قائم فرمایا تھا اسی کی ایک کڑی بن گئے جس پر اب یہ ادارہ فخر کرتا ہے کہ حضرت' والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت اس کے رکن رہ چکے ہیں' وہاں ترجمان السنہ کا سلسلہ شروع ہوا- اس کتاب کی ترتیب وتبویب سب کچھ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی جانب سے ہے- یہ کتاب اس قدر نفائس وعجائبات سے معمور ہے کہ کیا تحریر کیا جائے' اس کے عنوانات ہی دیکھ کر انسانی عقل حیران ہو جاتی ہے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے ورنہ یہ کام انسان کا نہیں' اس کام کے لئے کس قدر فہم و ذکاوت اور کیسا حافظہ اور کتنا احادیث پر عبور درکار ہے اس کا اندازہ صرف عالم مشتغل ہی لگا سکتا ہے- عنوان ہی لگانا مشکل کام ہے اور پھر اس کے لئے حدیث تلاش کر کے نکالنا یہ کتنا مشکل ہے اس کا بیان اور سمجھانا پھر کار دارد-

پاکستان میں تشریف آوری ✽ ترجمان السنہ کی پہلی جلد تو چھپ گئی لیکن جب دوسری جلد کا نمبر آیا تو تقسیم ہند ہو گئی اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لے آئے اب یہاں نہ لائبریری تھی نہ علمی مجالس کا کوئی ذریعہ لیکن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی کتنی دور جا جا کر اور کس قدر محنت شاقہ برداشت فرما کر مطالعہ فرمایا اور اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ کو جاری رکھا- ان کو تو صرف علمی گفتگو یا مطالعہ سے ہی راحت وآرام ملتا تھا جس طرح مچھلی کو سمندر میں خواہ کتنا ہی طوفان کیوں نہ ہو اور خشکی میں ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی- بالکل یہی حال حضرت اقدس والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا-

پاکستان میں دینی مدرسہ کا اجراء ✽ یہ سلسلہ جاری تھا کہ قدرت کو ایک اور اہم ترین کام کی سپردگی منظور ہوئی اور وہ یہ کہ پاکستان جیسی بڑی اسلامی حکومت میں کوئی بڑی دینی علمی درسگاہ نہ تھی' اس کا قیام کس قدر ضروری تھا اس کا احساس ان کو بہت تھا- چنانچہ دیگر رفقاء کی معاونت سے یہ درسگاہ قائم ہوئی جو اب جامعہ اسلامیہ کہلاتا ہے اور تقدیر نے اس علمی مرکز کے لئے ٹنڈوالہ یار کی سرزمین کو پسند فرمایا جس کی تمام تر ابتدائی ذمہ داریاں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ہی تھیں- مثلاً چیدہ چیدہ علماء کا جمع کرنا' قواعد کی تدوین کرنا' تمام نظم ونسق چلانا یہ سب کچھ انھیں کے سپرد تھا اور انھوں نے یہ سب کچھ جس حسن وخوبی سے انجام دیا اس کا تحریر میں لانا دشوار ہے- الحمدللہ یہ علمی مرکز دینی کام بہت اچھی طرح انجام دے رہا ہے-

www.besturdubooks.net

مدینہ منورہ کی ہجرت ✵ پھر قدرت نے اپنے اس محبوب ترین بندہ کو اُس سرزمین سے نکال کر اس سرزمین مقدسہ پر پہنچا دیا جس کو اپنے محبوب ترین رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند فرمایا تھا۔ یہاں کس طرح تشریف لائے اور کیسے کیسے عجائبات اور واقعات یہاں کے قیام میں پیش آئے' ان کو لکھوں تو پھر طول ہوتا ہے' اس لئے سب کو ترک کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہاں بھی تالیف کا سلسلہ جاری رہا اور تالیف کے سلسلہ میں ایک نئی جگہ میں جو صعوبتیں ہو سکتی ہیں اُن کا پیش آنا ضروری تھا لیکن پھر بھی قدرت نے بہت مساعدت فرمائی۔

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۵۳ء میں حج سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ کار کو حادثہ پیش آیا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی انگلی شہید ہوگئی اور سر میں بھی زخم آئے اور دائیں ہاتھ میں بہت چوٹ آئی۔ بدن سے خون بہت زیادہ نکل گیا۔ تقریباً چھ گھنٹے جنگل ہی میں پڑے رہے پھر خدائی امداد آئی اور چند عرب پہنچے اور انھوں نے کار کے ڈرائیور سے کہا کہ واپس جدہ لے جاؤ۔ کار کا چورا ہو چکا تھا لیکن قدرت خدا انجن بالکل ٹھیک تھا اتفاقاً ہم لوگ جدہ میں موجود تھے فوراً لبنانی ہسپتال میں داخل کیا گیا وہاں بہت عمدہ ڈاکٹر تھے' اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علاج کامیاب رہا اور افاقہ ہوا ہی تھا کہ مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ فرمالیا چونکہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو زخموں کی تکلیف سے کہیں زیادہ اذیت مدینہ منورہ سے جدائی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ منورہ ان کی جان ہے۔ بس دسویں ہی دن مدینہ منورہ تشریف لے آئے یہاں بھی علاج جاری رہا۔

کرامتِ حسی ومعنوی ✵ لیکن تالیف کی طرف توجہ ان معذوریوں کے باوجود رہی اور الحمدللہ تیسری جلد شائع ہوگئی۔ ترجمان السنۃ کے مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس علمی اشتغال کے ساتھ ساتھ تقریباً آٹھ گھنٹہ یومیہ حرم شریف میں رہتے تھے اور وہ بھی اس ادب واحترام کے ساتھ جو اس مقام بلند کے مناسب تھا یعنی حرم شریف میں نہ نشست بدلتے تھے نہ گفتگو فرماتے تھے نیچی نظر کئے ہوئے چلتے تھے اور اپنی پوری توجہ حق تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مرکوز رکھتے تھے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ مخلوق خدا کو کس طرح فائدہ پہنچایا جائے۔ چنانچہ اسی فکر میں مسائل حج کے متعلق ایک نہایت مختصر و جامع رسالہ جس کا نام خلاصہ زبدۃ المناسک ہے مرتب فرمایا' جو بہت عام فہم ہے اور ضروری مسائل سب اس میں موجود ہیں یہ بھی طبع شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس وقت اس کا انگریزی اور گجراتی ترجمہ بھی طبع ہو چکا ہے اور انگریزی کا تو تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ الحزب الاعظم کا ترجمہ اس قدر عمدہ فرمایا ہے کہ پڑھنے والے کے قلب میں اثر کرتا ہے' یہ بھی کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک رسالہ جو دراصل ایک حصہ ترجمان السنۃ کا ہے لیکن اُس کو علیحدہ اس نام سے رسالہ کی صورت میں بھی شائع کرایا ہے' چونکہ اس میں نزول کی بحث اس جدید انداز میں کی گئی ہے کہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بلامبالغہ آج تک ایسا رسالہ طبع نہیں ہوا ہے اس کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے اور شائع بھی ہو چکا ہے اسی سلسلہ کا ایک رسالہ قیام ڈابھیل کے زمانے میں تالیف فرمایا تھا اس کا نام ''آوازِ حق'' ہے' یہ بھی طبع ہو چکا ہے کتنے عجائبات پر مشتمل ہے کیا لکھا جائے۔ ناظرین خود مطالعہ فرما کر اندازہ لگا سکتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس حادثہ کے بعد سے ضعف بہت ہو گیا تھا جس قدر خون نکل گیا تھا اس کی تلافی نہ ہو سکی' اور اب چار سال سے تو بالکل بستر علالت پر تھے' نماز تک لیٹ کر اشارہ سے ادا فرماتے تھے' کھانا بالکل نام کو تھا یعنی روٹی' گھی' مصالحہ' پھل وغیرہ سب بند' بس انجکشن اور طاقت کی ادویہ اور غذا میں اُبلی ہوئی اشیاء استعمال ہوتی تھیں- اتنی شدید علالت میں بھی چوبیس گھنٹے ان کو اسی کا خیال لگا رہتا تھا کہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس صورت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے چنانچہ جواہر الحکم املاء کرانا شروع فرما دی جس کے مضامین بہت اہم اور بہت سہل انداز سے بیان کیے گئے ہیں- تیسرا حصہ تو موجودہ دور کی مشکلات کا حل ہے' اور کمال یہ کہ سب کچھ حدیث ہی سے اخذ کیا گیا ہے یعنی عنوان قائم کیا گیا اور حدیث نکالی گئی کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ آخری رسول ہیں اس لیے وہ تو قیامت تک کی ضروریات اور مشکلات اور اُن سے بچنے کی سب صورتیں بیان فرما گئے ہیں- یہ صرف ہماری کوتاہ عقلی اور کم فہمی ہے کہ ہم نہ ان کو سمجھتے ہیں نہ اس کی جستجو میں سرگرداں- جن حضرات نے اس کا مطالعہ کیا ہے وہ حیران ہیں کہ یہ کام اس وقت بھی ایک کھلی کرامت کی حیثیت رکھتا ہے' بعض صاحبان نے لکھا کہ ہم اس کو ترجمان السنۃ سے بھی زیادہ اہم تصور کرتے ہیں- الحمد للہ اس کا ترجمہ گجراتی میں شائع ہو چکا ہے اور اس وقت فرانسیسی میں ہو رہا ہے-

پھر جب طبیعت بہت زیادہ علیل ہو گئی تو خیال ہوا کہ سب احباب کو ایک خط لکھوا دیں تاکہ بار بار جواب دینا نہ پڑے اور سب مخلصین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ایسی نصائح اس میں تحریر فرما دیں کہ جو ان کی دنیا و آخرت کی بہتری کا باعث ہوں- چنانچہ اس ارادہ سے قلم اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے تو نصیحت نامہ کی صورت اختیار کر لی اور الحمد للہ وہ بھی فوراً طبع ہو گیا اور اس کا ترجمہ انگریزی گجراتی زبانوں میں ہو گیا اور شائع بھی ہو گیا-

پھر کچھ ایام ایسی محویت کے گذرے کہ ہر وقت اشعار فرمایا کرتے تھے جو عجیب و غریب نصائح پر مشتمل تھے اور ایک نعت بھی جو بہت علمی ہے یہ سب علیحدہ علیحدہ شائع بھی ہو چکے ہیں جن کے نام شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم' قسمت کا ستارہ' فریاد مظہر' عزیزوں کے نام دردمندانہ مکتوب ہیں- اس مکتوب کا ترجمہ انگریزی میں بھی شائع ہو چکا ہے- یہ سب کچھ عجیب و غریب نصائح پر مشتمل مجموعہ طبع شدہ ہے جس کو ناظرین پڑھ کر حیران ہوتے ہیں کہ اس قدر دقیق و مشکل مضامین کس سہل انداز میں اور مختصر طریقے سے بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کے بغیر ممکن نہ تھے- حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سب ہی فنون سے دلچسپی لی تھی مثلاً فقہ' تفسیر فقہ' ادب' منطق' فلسفہ اور علم حدیث میں تو ماشاء اللہ کمال حاصل تھا-

سلسلۂ بیعت ✵ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تصوف میں بھی کامل و اکمل تھے اور اس کے حصول کی ابتداء خانقاہ قدوۃ السالکین حضرت مولانا مفتی اعظم شاہ عزیز الرحمٰن عثمانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی- حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا اگر ذکر چھیڑا گیا تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا ان کے نام نامی سے تو ہر شخص واقف ہے اور ان کے کمالات و صفات سے دنیا آشنا ہے الحمد للہ جب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر شروع فرمایا تو شروع ہی سے حالات بہت رفیعہ تھے' رکوع و سجود کی تسبیحات کا فیضان علیحدہ علیحدہ محسوس فرماتے تھے اس کی صحت کی تصدیق حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمائی- اس میدان کو

www.besturdubooks.net

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابھی پورا طے نہ فرمایا تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور رخصت ہو گئے - اناللہ وانا الیہ راجعون - اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات میں جگہ مرحمت فرمائے - آمین

پھر انہی کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تجدید بیعت فرمائی انھوں نے نہایت شفقت و مہربانی سے اس طرح تربیت فرمائی کہ اولاد سے بھی زیادہ - آپ ان کی محبت وشفقت کا اندازہ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجہ کا اندازہ بھی اُن کے اس فرمانِ مبارک سے لگالیں فرمایا کہ اگر خدائے تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے دریافت کرے گا کہ کیا لائے ہو تو میں مولانا محمد بدر عالم سلمہ کو پیش کر دوں گا -

مسند رشد و ہدایت پر فائز ہونا ❋ اور اسی پر بس نہیں بلکہ خلافت خاصہ سے بھی سرفراز فرمایا - حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کس درجہ کے بزرگ تھے اس کا تحریر میں لانا دشوار ہے وہ ایسے باکمال اور صاحب تصرف بزرگ تھے کہ میری نظر سے آج تک ایسا بزرگ نہیں گذرا' ان کا ہر عمل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سنت پر تلا ہوا ہے اور ان کی مجلس میں بے کار باتوں کی تو گنجائش ہی نہ تھی' ایسے با اخلاق اور مجسم محبت و مروت تھے کہ انسان ایک مرتبہ ملاقات کر کے فریفتہ ہو جاتا تھا - اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجاتِ عالیہ مرحمت فرمائے ؏

کیا کیا لکھوں صفات کہ ہر شان ہے نئی

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرض کا زمانہ جس قدر طویل ہو گیا اتنا ہی ضعف و نقاہت بھی بڑھتی گئی - اتنے طویل مریض کا مزاج کیسا ہو جاتا ہے یہ تو آپ کو معلوم ہے لیکن یہاں تو بات ہی کچھ اور تھی - ایسے خوش اخلاق تھے جس کا تحریر کرنا مشکل ہے اور اللہ و رسول کی محبت و معرفت کا ایسا جام پئے ہوئے تھے کہ نہ پوچھئے' چہرۂ مبارک ایسا منور و بشاش تھا کہ دیکھنے والا یہ اندازہ ہی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ آدمی مریض بھی ہے یا نہیں' ایسے نفیس مزاج مجسم محبت اور ایسے قدر دان کہ ہماری والدہ مرحومہ مغفورہ کے وصال کے بعد شادی ہی نہیں کی جن کے وصال کو پچیس سال گذر چکے تھے اور ان میں کیا صفات ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی برگزیدہ ہستی کے لیے رفیقۂ حیات تجویز فرمایا تھا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس مرحمت فرمائے - آمین

اس سے ان کی محبت و مروت کا اندازہ فرمالیں اور ہم تینوں بچوں پر کیسی شفقت ہوگی کہ اس اندیشہ سے کہ ہم کو کہیں تکلیف نہ ہو دوبارہ شادی نہ کرنے کا سبب تھا - جب ہماری والدہ مرحومہ کا وصال ہوا تھا تو ہم سے فرمایا تھا کہ میں تمہاری والدہ اور والد دونوں کا کام کروں گا ان شاء اللہ اس کو کس طرح پورا فرمایا اس کا بیان کیا کروں - اللہ تعالیٰ ان کے ایسے درجات بلند فرمائے جو ہمارے خیال و فہم سے بالاتر ہوں - آمین

آخری عمر کے معمولات ❋ اب آخر میں قرآنِ کریم کا ترجمہ سماعت فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خیال تھا کہ تفسیر کا مطالعہ کروں لیکن اندازہ ہوا کہ انسان تفسیر میں لگ جاتا ہے اور تفسیر اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان حائل بن جاتی ہے' اس لئے اب صرف ترجمہ پر کفایت کرتا ہوں' ترجمہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا جس کو سماعت فرماتے تھے' حجاج کرام کی جب آمد ہوتی تھی تو عصر کے بعد درس کی صورت ہوگئی تھی' سینکڑوں حجاج کرام مستفیض ہوتے تھے' غرض یہ کہ لیٹے لیٹے بھی مخلوق خدا

www.besturdubooks.net

کی فیض رسانی کی فکر فرماتے رہے علاج مسلسل تھا' ڈاکٹر صاحبان اتنی محنت سے منع کرتے تھے لیکن فرمایا اگر اس طرح جان بھی نکل جائے تو کیا غم بس ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وفات سے چند ہفتے قبل عالم آخرت نظر آنا شروع ہو گیا تھا فرماتے تھے کہ جو کچھ مجھ کو نظر آتا ہے اگر تم کو بتلا دوں تو برداشت نہیں کر سکتے' اسی طرح ایسی خوشبو محسوس فرماتے تھے جو کہ یہاں کے عطروں میں نہیں' ہم سے فرماتے دیکھو کتنی نفیس خوشبو آ رہی ہے' ہم عطر لاتے کہ دیکھئے ایسی' فرمایا نہیں' ہم کو کیا خبر تھی کہ یہ وہ مہک تھی جو بسا تین جنت سے آ رہی ہے' یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ کون سا مکان ہے' یہ کوئی دوسری بہت عمدہ کوٹھی ہے' وصال سے ایک ہفتہ قبل میری چھوٹی ہمشیرہ کو کراچی سے بلوا لیا تھا' اس طرح انہوں نے اپنے تینوں لخت جگروں کو جمع فرما لیا تھا کہ ان کو غم کی تکلیف دور رہ کر نہ ہو' اب ان کی محبت کا کیا بیان کروں۔

وصال مبارک ✱ بالآخر ۵ رجب المرجب ۸۵ھ ۲۹ اکتوبر ۶۵ء شب جمعہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے برضاء وتسلیم جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور لقاء اللہ کو اختیار فرمایا' من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ' انا للہ و انا الیہ راجعون۔

وفات کے بعد چہرۂ مبارک اس قدر منور اور مسکراتا ہوا تھا کہ نقشہ کھینچنا دشوار ہے' اور جسم مبارک سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اس کو کسی خوشبو کے ساتھ تشبیہ دینا ناممکن ہے' جمعہ کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا ہوئی' جنازہ کے ساتھ اس قدر ہجوم تھا کہ بیان سے باہر ہے' اور اب جنت البقیع میں امہات المؤمنین کے عین قدموں میں ان کی آخری آرام گاہ ہے اور اس کی ان کو بہت تمنا تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی' حقیر قبر کے اندر تک ساتھ رہا' یہ ان کی اس تمنا کا اندازہ انہی کے اشعار سے کر لیں ؎

ہاں جنت بقیع میں میری بھی ہو جگہ
اس کی بہت تڑپ ہے مجھ ایسے غلام کو
کتنی بڑی ہوس ہے جو دل میں عزؔ کے تھی
ہو جائے گر نصیب غلامِ غلام کو

اس طرح یہ بدر کامل جو اپنی شعاعوں سے دنیا کو منور کر رہا تھا' عالم دنیا میں غروب ہو گیا اور عالم آخرت میں طلوع ہوا اور وہ منبع علم وفیض و برکات جس سے مخلوق خدا فیض یاب ہو رہی تھی ظاہری طور سے بند ہو گیا' اور ہم اس عالم میں اس کے دیدار سے بھی محروم ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ' فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ○

آخر میں اُن حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنے ذمہ فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے ان کتب کی اشاعت میں بڑے جذبہ وشوق

www.besturdubooks.net

وذوق سے کام لیا ہے آنقۃ الذکر کتب میں یعنی جواہر الحکم' نزولِ عیسیٰ انگریزی' الحزب الاعظم کا ترجمہ' نصیحت نامہ' خلاصہ زبدۃ المناسک' اشعار وغیرہ ان سب کو خان بہادر حاجی محمد وجیہ الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی ہمت اور پورے جذبہ وخلوص وللّٰہیت سے شائع کرایا جس میں تجارت کا کوئی شائبہ بھی نہیں' ماشاء اللہ اس کا صلہ ان کو دنیا میں بھی مل گیا اور وہ یہ کہ وہ آج اس سرزمین مقدسہ یعنی مدینہ منورہ جنت البقیع میں مدفون ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور مغفرت فرمائے' آمین' اب ان کے خلف الصدق حاجی حافظ فریدالدین احمد صاحب اسی جذبہ وشوق سے اس کام میں مصروف ہیں اور ترجمان السنۃ جلد چہارم کی طباعت کا سہرا اس وقت انھیں کے سر ہے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور دین ودنیا میں بہترین اجر مرحمت فرمائے' آمین' ان کو بھی دنیا میں ایک صلہ یہ ملا کہ وہ حضرت اقدس والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے قبل مدینہ منورہ حاضر ہو گئے اور وفات کے وقت یہاں موجود تھے' یہ اتنی بڑی سعادت ہے' جس کا حاصل کرنا اپنے قبضہ میں نہ تھا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ ایک قطعہ' تاریخ وفاتِ حسرت آیات بھی لکھتا ہوں جس کو ہمارے محترم جناب ناصر علی وجدی صاحب نے کہا ہے' بہت مخلص ومحبت کے انسان ہیں'

باغ جہاں سے سوئے خلدِ بریں گئے وہ
خلق خدا کے حق میں تھے رحمتِ خدا جو
تاریخِ رحلت ان کی پوچھے جو کوئی تم سے
وجدی تم ارتحالِ قدسی صفات کہہ دو

۱۳۸۵ھ

﴿ و اخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ﴾

آفتاب احمد
ابنِ حضرت العلامہ السید محمد بدر عالم مہاجر مدنی قدس سرہٗ
نزیل مدینہ منورہ'
۲۰؍شعبان المعظم ۸۵ھ، یوم الاثنین'
۱۳؍دسمبر ۱۹۶۵ء

❀❀❀

www.besturdubooks.net

حدیث افتراقِ اُمت

اور

اس کی اسناد پر ایک نظر

امام ترمذیؒ نے حدیث افتراق امت روایت کرنے والوں میں چار صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمروؓ کی روایت تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے اور حضرت سعدؓ اور عوف بن مالکؓ کا صرف حوالہ دے کر چھوڑ دیا ہے پھر اوّل الذکر صحابی کی حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے اور ثانی الذکر[1] کی حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ❋

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال تفرقت اليهود علی احدیٰ و سبعين اوثنين و سبعين فرقة و النصاری مثل ذلک و تفترق امتی علی ثلاث و سبعين فرقة. (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے اور نصاریٰ بھی اتنے ہی فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔

حافظ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور شیخ محمد طاہر نے تذکرۃ الموضوعات میں اسے نقل فرما کر کوئی اختلافِ رائے ظاہر نہیں کیا۔ امام شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں ابوہریرہؓ کی روایت پر کئی جگہ صحت کا حکم لگایا ہے[2]

حدیث افتراق کے پندرہ راویوں کے نام ❋ شارح سفر السعادۃ نے امام ترمذی کے پیش کردہ ناموں پر گیارہ صحابہ کا اور اضافہ کیا ہے۔ انسؓ، جابرؓ، ابوامامہؓ، ابن مسعودؓ، علیؓ، عمرو بن عوفؓ، عویمرؓ، ابوالدرداءؓ، ابو معاویہ[3]، ابن عمرؓ، واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس طرح اس حدیث کے رواۃ کی تعداد ۱۵ تک پہنچ جاتی ہے جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے متعلق جہاں تک ہمیں معلوم ہے کسی نے کوئی قابل ذکر رد و قدح نہیں کی۔ بعض دوسرے صحابہؓ کی روایات میں البتہ کچھ کلام کیا گیا

---

۱ حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہے وہ ضعیف ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۱۲۸)

۲ دیکھو ج ۲ ص ۶۳ ۱ و ۱۷۰ و ۲۰۶۔ اور الموافقات ج ۴ ص ۱۷۷۔ حاکم نے حدیث مذکور کو دو جگہ روایت کیا ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۶ و ۱۲۸) ذہبی فرماتے ہیں: علی شرط مسلم یعنی یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔

۳ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسند احمد و ابوداؤد صحابی کا نام معاویہ ذکر کیا ہے۔ اگر کتب حدیث میں کہیں ابو معاویہ کی روایت مل جائے تو خیر ورنہ بظاہر یہاں راوی معاویہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کنز العمال میں بھی راوی کا نام معاویہ ہے بحوالہ مسند احمد و طبرانی، مستدرک (ج ۱ ص ۵۴) مستدرک میں بھی معاویہ ہے۔ (دیکھو ج ۱ ص ۱۲۸)

www.besturdubooks.net

ہے جو مختصراً درج ذیل ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ٭ شیخ جلال الدین سیوطیؒ حضرت انسؓ کی روایت عقیلی اور دار قطنی کے حوالہ سے پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں: و الحدیث المعروف و احدة فی الجنة و هی الجماعة . (یعنی معروف حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ مسلمانوں کی جماعت ہوگی) پھر بطریق ابن عدی نقل کر کے کہتے ہیں و المحفوظ فی المتن (یعنی اس متن کے جو الفاظ محفوظ ہیں یہ ہیں) تفترق امتی عن ثلاث و سبعین فرقة کلها فی النار الا واحدة.[1]

اہل علم جانتے ہیں کہ معروف و محفوظ، منکر و شاذ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور شاذ و منکر میں صرف راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا فرق ہے گویا پہلے الفاظ کے خلاف روایت کرنے والے راوی ثقہ نہیں ہیں اور دوسرے متن کے خلاف راوی اگرچہ ثقہ ہیں مگر ان کے الفاظ میں شذوذ ہے۔ بہر حال معروف و محفوظ کہہ کر حافظ سیوطیؒ نے حضرت انسؓ کی روایت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔

حافظ نورالدین ہیثمی نے اس مقام پر قدرے مبسوط کلام کیا ہے اور اس حدیث کے طرق سنن مشہورہ کے علاوہ مسند ابو یعلیٰ، مسند بزار اور طبرانی سے پیش فرما کر ہر صحابیؓ کی روایت پر تنقید کی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کو بطریق مسند ابو یعلی ایک طویل سیاق کے ساتھ نقل فرما کر لکھتے ہیں۔

و یزید الرقاشی ضعفه الجمهور و فیه توثیق لین و بقیة رجاله رجال الصحیح.[2]	اس میں ایک راوی یزید رقاشی ہے جس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے اور ہلکے درجہ پر اس کی توثیق بھی کی گئی ہے بقیہ تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

ایک جگہ اسی حدیث کا دوسرا طریقہ پیش کر کے اس پر حسب ذیل کلام کرتے ہیں۔

رواه ابو یعلی و فیه ابو معشر نجیح و فیه ضعف[3]	اس حدیث کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی ابو معشر نجیح ہے اس میں قدرے ضعف ہے۔

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ٭ حضرت ابوامامہؓ کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

رواه ابن ماجه و الترمذی باختصار و رواه الطبرانی و رجاله ثقات[4]	اس کو ابن ماجہ اور ترمذی نے مختصراً روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ساتویں جلد میں اتنی تفصیل اور مذکور ہے۔

رواه الطبرانی فی الاوسط و الکبیر بنحوه و فیه ابو غالب و ثقه یحیی	اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور معجم کبیر میں بھی اسی کے قریب قریب الفاظ کے

---

[1] اللآلی ص ۲۴۸، ۲۴۹۔ [2] مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۲۶۔ [3] ایضاً ج ۷ ص ۲۵۸۔ [4] ایضاً ج ۶ ص ۲۳۴۔

www.besturdubooks.net

بن معین وغیرہ و بقیۃ رجال الاوسط ثقات و کک احدی اسناد الکبیر[۲]

ساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک روای ابو غالب[۱] ہے یحیٰ بن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے بقیہ معجم اوسط کے سب راوی ثقہ ہیں اور اسی طرح معجم کبیر کی ایک اسناد کا حال ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ کی روایت ✻ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت مسند بزار سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔

رواہ البزار و فیہ موسیٰ بن عبیدۃ الربذی و ھو ضعیف[۳]

مسند بزار میں اس کو روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ربذی ضعیف ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ✻ پھر اسی جلد میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے متعلق حسب ذیل ارشاد ہے۔

رواہ ابو یعلی وفیہ لیث بن ابی سلیم و ھو مدلس و بقیۃ رجالہ ثقات[۴]

اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو مدلس ہے[۵] بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابوالدرداء وواثلہ کی روایت ✻ پھر حضرت ابوالدرداء، ابوامامہ، واثلہ اور انس کی روایات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

رواہ الطبرانی و فیہ کثیر بن مروان و ھو ضعیف جدًا[۶]

اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی کثیر بن مروان ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔

حضرت عمرو بن عوفؓ کی روایت ✻ اس کے بعد حضرت عمرو بن عوفؓ کی روایت بحوالہ طبرانی نقل کر کے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔

رواہ الطبرانی و فیہ کثیر بن عبداللہ و ھو ضعیف و قد حسن الترمذی لہ حدیثا و بقیۃ رجالہ ثقات[۷]

اس میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے۔ ترمذی نے اس کی ایک حدیث کی تحسین بھی کی ہے بقیہ تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہیں۔

بلاشبہ کثیر بن عبداللہ کے بارے میں محدثین کی رائے اچھی نہیں ہے اور اسی وجہ سے امام ترمذیؒ کی تحسین کو بھی قابل اعتراض سمجھا گیا ہے مگر اہل علم و تجربہ جانتے ہیں کہ ترمذی اگر ضعیف راویوں کی روایات کی تحسین کرتے ہیں تو بیشتر ایسی

۱۔ ابو غالب کے نام میں اختلاف ہے کوئی حزور کوئی سعید بن حزور اور کوئی نافع کہتا ہے۔ تہذیب التہذیب کی بارہویں جلد میں حافظ ابن حجرؒ نے ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ بعض کتب میں ابو غالب کی بجائے ابن ابی غالب لکھا گیا ہے ہمارے نزدیک اس حدیث کے راوی ابو غالب ہی ہیں اسی طرح کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۳۳ میں زاء کی بجائے حزور راء کے ساتھ لکھا ہے وہ بھی کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲ و ۳ و ۴ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۹۔

۵ یہ راوی مختلف فیہ ہے بایں ہمہ اس کو ثقہ بھی کہا گیا ہے۔

۶ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۹۔ ۷ ایضاً ج ۷ ص ۲۶۰ و مستدرک ج ۱ ص ۱۲۹۔

www.besturdubooks.net

جگہ کرتے ہیں جہاں تعامل یا خارجی دلائل سے روایت کی قوت ثابت ہو جاتی ہے صرف اس ضعیف طریقہ ہی پر ان کی نظر نہیں ہوتی - بنابریں اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی صحت کے بعد اس طریقہ کی بھی تحسین کر دی جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے-

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ٭ باب افتراق امت کے خاتمہ پر حافظ نورالدین نے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث تحریر فرما کر لکھا ہے-

رواہ الطبرانی باسنادین و رجال احد هما رجال الصحیح غیر بکیر بن معروف و ثقه احمد وغیرہ و فیه ضعف.	اس حدیث کو طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے جس میں ایک سند کے راوی وہی ہیں جو صحیح کے راوی ہیں سوائے بکیر بن معروف کے کہ وہ صحیح کا راوی نہیں ہے مگر امام احمد وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں کچھ ضعف ہے-

حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت ٭ عوف بن مالکؓ کی روایت مستدرک حاکم میں موجود ہے اور اس کے متعلق حاکم کے الفاظ یہ ہیں-

ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین [1]	یہ حدیث بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما کی شرط پر صحیح ہے-

حاکم کی تصحیح کو عام طور علماء بنظر اعتبار نہیں دیکھتے مگر یہاں حافظ ذہبی نے بھی سکوت کیا ہے اور ان کے خلاف کوئی نکتہ چینی نہیں کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذہبی کو بھی ان سے اتفاق ہے ورنہ وہ حسبِ عادت یہاں بھی اپنا اختلافِ رائے ظاہر کرتے-

حضرت علیؓ کی حدیث ٭ علامہ شاطبیؒ نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کر کے لکھا ہے لا أضمن عهدة صحته میں اس کی صحت کی ذمہ داری نہیں لیتا [2] مگر کوئی خاص جرح بھی نہیں فرمائی -

حدیث معاویہؓ ٭ اور ابو ہریرہؓ کی حدیث نقل کر کے حاکم فرماتے ہیں-

ھذه اسانید تقام بها الحجة فی تصحیح هذا الحدیث [3]	یہ اسانید ایسی ہیں کہ ان کی بنا پر حدیث کو صحیح کہا جا سکتا ہے-

اتنی بات کو ذہبیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے-

پندرہ صحابہ میں سے تیرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی احادیث پر علماء کے یہ خیالات ہیں ان میں ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمروؓ، انسؓ، ابو امامہؓ، عمرو بن عوفؓ، معاویہؓ، ابن عمرؓ، عوف بن مالکؓ کی روایات صحیح یا حسن کے درجہ پر آ سکتی ہیں- بقیہ روایات کی

---

[1] مستدرک ج ۴ ص ۴۳۰- [2] الاعتصام ج ۲ ص ۲۱۱- [3] مستدرک ج ا ص ۱۲۸-

www.besturdubooks.net

اسانید اگر چہ ضعیف ہوں مگر تعدد طرق کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ بھی قاطبۃً نظر انداز کرنے کے لائق نہیں۔ اب اس مجموعہ روایات کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ جو حدیث اتنے صحابہؓ سے مختلف صحیح اور حسن طریقوں سے مروی ہو کیا محض چند شبہات کی وجہ سے اس سے صرفِ نظر کر لینا درست ہوگا۔

کسی حدیث پر اجمالی حکم اس کے مجموعہ طرق پر حکم نہیں ہے ❋ مذکورہ بالا بیان سے مختصراً یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک حدیث کتنے کتنے صحابہؓ سے روایت کی گئی ہے۔ پھر ایک ایک صحابی کی حدیث کے کتنے کتنے طریقے ہیں۔ اس لیے کسی حدیث کے متعلق ضعف یا صحت کا حکم دیکھ کر پہلے یہ تحقیق کر لینا چاہیے کہ یہ حکم اس کے تمام طریقوں پر حاوی ہے یا کسی خاص صحابی کی حدیث یا اس کے کسی خاص طریقے سے متعلق ہے پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ایک ایک حدیث کے تمام طریقے ہر محدث کے پیش نظر ہوں۔

امام ترمذی جیسا جلیل القدر امام امام حدیث یہاں صرف چار صحابہ کا پتہ دیتا ہے حالانکہ ان کے علاوہ گیارہ صحابہ اور بھی ہیں جو اس کو روایت کرنے والے ہیں۔ پس اگر کوئی محدث کسی حدیث پر کوئی اجمالی حکم لگاتا ہے تو یہ صرف اس کے علمی استحضار کے لحاظ سے ہے۔ اب اگر خارجی ذرائع اور تحقیقات سے کسی خاص طریقہ کا ضعف وصحت ثابت ہو جائے تو یہ اس کے مبہم حکم کے ہرگز معارض نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کے علم میں یہ طریق نہ ہو ہاں اگر ان طرق کے علم کے بعد بھی اس کی رائے وہی رہتی ہے تو اب اس کو مخالف یا موافق کہنا درست ہوگا اس کے بعد اختلاف رائے کا مرحلہ پھر زیر بحث رہے گا۔ راویوں اور روایات کے سلسلہ میں تضعیف وتوثیق کا معاملہ اہل علم کے نزدیک دن رات کی بات ہے۔ ایک ناواقف ایک محدث کی رائے نقل کر کے اسے سارے طریقوں پر حاوی بنا دیتا ہے اور اس ایک رائے کو سارے محدثین کی رائے سمجھ بیٹھتا ہے اور واقف حال کو تحقیق کے بعد غور کرنا پڑتا ہے کہ دلائل کا پلہ کس طرف بھاری ہے۔ یہی حدیث جس کے متعلق آپ نے یہ تفصیل پڑھی۔ اب آیئے اس کے مخالف آراء کا حال دیکھئے علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادۃ کے خاتمہ پر اس حدیث کے متعلق رکھتے ہیں۔

لم يثبت فيه شئي. "اس باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی"۔

احادیث پر تنقید کی تین تعبیرات اور ان کا فرق ❋ ان الفاظ کو دیکھ کر بعض لوگ تو یہاں تک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ مصنف کے نزدیک یہ حدیث گویا موضوع ہے۔ کاش ان حضرات نے اگر اس کتاب کی ذرا ورق گردانی کی ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ مصنف نے احادیث پر حکم لگانے کے لیے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں کہیں "باطل موضوع" اور کہیں "لم يصح فيه حديث" اور کہیں "لم يثبت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان تینوں الفاظ میں بڑا فرق ہے پہلی تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ اس مضمون کو حدیثِ رسول کہنا ہی غلط ہے اور دوسرا لفظ صرف صحت کی نفی کرتا ہے خواہ کسی درجے میں حدیث ثابت ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ قنوت، جہر بسم اللہ اور وضوء بالنبیذ کی احادیث پر بھی مصنف نے یہی حکم لگایا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب حدیثیں بے اصل ہیں۔ اسی طرح "لم يثبت" کا لفظ ضعیف طرق کی نفی نہیں کرتا۔ اگر ان تعبیرات کے فروق کی رعایت کی جائے تو پھر بہت سے

www.besturdubooks.net

مواضع پر مصنف کے کلام سے اعتراض اٹھ جائے گا۔[1]

علاوہ ازیں شارح سفر السعادۃ لکھتے ہیں کہ علامہ مجد الدین کا یہ حکم صرف ان الفاظ پر ہے جو یہاں انہوں نے نقل کیے ہیں یعنی ۷۲ فرقوں میں امت کا افتراق۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ لفظ تمام طریقوں کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے حضرت انسؓ کی روایت

---

[1] مولانا عبدالحیٔ صاحب نے رسالہ الرفع و التکمیل میں ان فروق کی پوری تشریح فرمادی ہے ملاحظہ ہو۔

کثیر اما یقولون لا یصح او لا یثبت هذا الحدیث و یظن منه من لا علم له انه موضوع او ضعیف و هو مبنی علی جهله بمصطلحا تهم و عدم وقوفه علی مصر حاتهم. فقد قال علی القاری فی تذکرة الموضوعات لا یلزم من عدم الثبوت وجود الوضع انتهی. و قال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الافکار المسمی بنتائج الا فکار ثبت عن احمد بن حنبل انه قال لا اعلم فی التسمیة فی الوضوء حدیثا ثابتا قلت لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم و علی التنزل لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف لا حتمال ان یرادبا لثبوت الصحة فلا ینتفی الحسن و علی التنزل لا یلزم من نفی الثبوت عن کل فرد نفیه عن المجموع. و قال نور الدین السمهوری قلت لا یلزم من قول احمد فی حدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء لا یصح ان یکون باطلاً فقد یکون غیر صحیح و هو صالح للاحتجاج به اذا لحسن رتبة بین الصحیح و الضعیف. اه. و قال الزرکشی فی نکته علی ابن الصلاح. بین قولنا موضوع و بین قولنا لا یصح بون کثیر. فان الاول اثبات الکذب و الاختلاق و الثانی اخبار عن عدم الثبوت و لا یلزم منه اثبات العدم و هذ ایجی فی کل حدیث قال فیه ابن الجوزی لا یصح و نحن اه. و قال علی القاری مع ان قول السخاوی لا یصح لاینا فی الضعف و الحسن اه.قال الزرقانی و نقل القسطلانی عن ابن رجب ان ابن حبان صححه فیه رد علی قول ابن دحیه لم یصح فی لیلة نصف شعبان شئ الا ان یرید نفی الصحة الا صطلاحیة فان حدیث معاذ هذا حسن لا صحیح اه.

بسا اوقات محدثین لا یصح یا لا یثبت کا لفظ فرماتے ہیں۔ ناواقف اس کا مطلب یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع یا ضعیف ہے یہ خیال ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ ملا علی قاری تذکرۃ الموضوعات میں فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت کہنے سے اس کا موضوع ہو جانا ضروری نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نتائج الافکار میں فرماتے ہیں کہ امام احمد فرماتے تھے کہ میرے نزدیک وضو کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں میں کہتا ہوں کہ پہلے تو کسی شخص کے نہ جاننے سے اس چیز کا فی الواقع نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو پھر نفی ثبوت سے اس کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو ہر ہر فرد کے نفی ثبوت سے مجموعہ کا ثبوت نہ ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ نورالدین سمہوری فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے عاشوراء کی حدیث کے متعلق (لا یصح) فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو، ہوسکتا ہے کہ صحیح تو نہ ہو مگر قابل استدلال ہو کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ایک مرتبہ حسن کا بھی ہے زرکشی نکت ابن صلاح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے (لا یصح) اور (موضوع) کہنے میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ موضوع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا جھوٹ اور وضع ثابت ہوگیا ہے اور (لا یصح) میں صرف عدم ثبوت کی خبر ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کا عدم ثابت مان لیا جائے یہی بات ان تمام حدیثوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے جن کے بارے میں ابن جوزی نے لا یصح یا اسی طرح کا کوئی اور حکم لگا دیا ہے۔ اھ زرقانی کہتے ہیں کہ قسطلانی نے حافظ ابن رجب سے یہ نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے شب نصف شعبان کی فضیلت کی حدیث کو صحیح کہا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کے متعلق ابن دحیہ کا (لم یصح) کہنا غلط ہے مگر یہ کہ اس کے کلام میں اصطلاحی صحت کی نفی مراد لی جائے کیونکہ معاذ کی یہ حدیث اصطلاحی طور پر یقیناً صحیح نہیں ہے گو حسن ہو۔

www.besturdubooks.net

کے صرف ایک طریقہ میں یہ لفظ پیش کیا ہے۔ بقیہ سب طرق و روایات میں ۷۳ کا لفظ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ سفر السعادۃ کے بعض نسخوں میں دو کی بجائے تین کا لفظ بھی موجود ہے اس کے متعلق شارح فرماتے ہیں ''اگر ایں چنیں است محل سخن است'' اگر ۷۳ کی روایت کے متعلق بھی مصنف کی یہی رائے ہے تو اس میں کلام ہے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بھی زیر عنوان ''الکلام فیمن یکفر و من لا یکفر'' اس حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ھذان حدیثان لا یصحان اصلا عن طریق الاسناد[1]	یہ دونوں حدیثیں اسنادی لحاظ سے بالکل صحیح نہیں۔

یہاں بھی صحت کی نفی ہے اب ان دونوں حضرات کا یہ مجمل حکم دیکھئے اور اس کے مقابلہ میں وہ ساری تفصیلات سامنے رکھئے جہاں ایک ایک روایت کی پوری چھان بین کی گئی ہے۔

ابن حزم کی رائے فیصلہ کن نہیں ہے ❋ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ ان حفاظِ حدیث کے سامنے وہ سب طرق موجود بھی ہیں یا نہیں اور اگر موجود بھی ہیں تو کیا اصولِ حدیث کا یہ کوئی ضابطہ ہے کہ جس طرف ابن حزم ہو جائیں بس راہِ صواب اسی میں منحصر ہو جائے گی اگر ایک طرف حافظ ابن جوزی کا تشدد امت میں ضرب المثل ہے تو اس کے ساتھ ہی ابن حزم کی زبان کا سیف[2] حجاج ہونا بھی مشہور ہے۔

بہر حال حدیث کا معاملہ ماوشما کے تابع نہیں ہے۔ حدیث کے اسانید اب بھی موجود ہیں۔ ان مبہم اور مجمل کلمات کو چھوڑ کر اس کے رجال پر تفصیلاً نظر کر لینا چاہیے اس کے بعد بھی اگر رجحان ابن حزم اور علامہ مجد الدین کے ساتھ رہتا ہے تو امر دیگر ہے۔[3] پھر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ حافظ ابن حزم اپنی وسعت نظر کے باوجود خود امام ترمذی اور ان کی کتاب الجامع سے ناواقف ہیں اس لیے ان کا ''لا یصح'' کہنا اور بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔

---

1 کتاب الفصل ج ۳ ص ۱۳۸۔

2 اس کی وجہ حافظ ابن حزم نے اپنی تصنیف مداواۃ النفوس میں خود تحریر فرمائی ہے۔

ولقد اصابتنی علۃ شدیدۃ ولدت علی ربوا فی الطحال شدید افولد ذلک علی و من الضجر و ضیق الخلق و قلۃ الصبر و النزق امرا حاسبت نفسی فیہ فانکرت تبدل خلقی و اشتد عجبی من مفارقتی لطبعی. (توجیہ النظر ص ۳۱ تحت استدراک فی الفائدۃ السابعۃ)	میں ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میری تلی بہت بڑھ گئی تھی اس لیے میرے مزاج میں تنگی، تیزی و بد اخلاقی، جلد بازی پیدا ہو گئی ہے جب میں اپنی پہلی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میرے عادات و اخلاق کس قدر تبدیل ہو گئے ہیں اور میں اپنی اصلی طبیعت سے کتنا دور ہو گیا ہوں۔

3 حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن حزم اپنی جلالت قدر کے باوجود امام ترمذی جیسے شخص سے بالکل ناآشنا ہیں حتی کے جب ان کے سامنے امام ☜

www.besturdubooks.net

حدیث کی صحت پر معنوی قرائن

حنیفیت اور یہودیت ونصرانیت کا تقابل ❋ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی دنیا میں دین حنیف کے حریف صرف دو مذہب ہیں یہودیت اور نصرانیت عہدنبوۃ میں بھی حریفانہ جنگ ان ہی دو کے درمیان نظر آتی ہے اور احادیث صحیح بھی ان ہی دو کے درمیان مستقبل میں کشمکش کا پتہ دیتی ہیں۔ آیاتِ ذیل کو بغور پڑھئے اور اس جذبہ کا اندازہ کر لیجئے۔

قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا. (البقرة : ۱۳۵) کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ یا نصرانی بن جاؤ تو راہ یاب ہو گے آپ اُن سے کہہ دیجئے بلکہ میں حضرت ابراہیمؑ کی ملت کا متبع ہوں جوایک طرف ہو جانے والا تھا۔

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا. (آل عمران : ٦٧) حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ایک طرف ہو کر خدا کے فرمانبردار نبی تھے۔

غیر المغضوب علیھم میں اتباع یہود ونصاریٰ کی طرف ایک لطیف اشارہ ❋ غالبًا اسی لیے قرآن کریم نے صراطِ مستقیم کی تفسیر کرتے ہوئے اثباتی پہلو میں منعم علیھم کا اور سلبی پہلو میں مغضوب علیھم اور ضالین ہی کا ذکر کیا ہے اور اس اہتمام سے کیا ہے گویا جب تک یہ سلبی پہلو ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک صرف صراط الذین انعمت علیھم اس کے پورے مفہوم کو ادا ہی نہیں کرتا پھر اس دعاء کے پنجوقتہ تعلیم کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ملت حنیفیہ پر سب سے زیادہ خطرہ ہے تو شاید ان مغضوب علیھم اور ضالین کی اتباع کا ہے جس کا دوسرا نام یہودیت ونصرانیت ہے۔

مشرکین ویہود کے تعلقات ❋ کتب سیرت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت ونصرانیت بھی گو آسمانی دین تھے مگر مشرکین کے ساتھ ان کے برادرانہ تعلقات قائم تھے جونہی اسلام نے دنیا میں قدم رکھا سب سے پہلے مشرکین کے ساتھ اس کے مدمقابل یہی یہودی ونصرانی تھے حالانکہ دینِ سماوی میں اشتراک کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو دینِ حنفی کے ساتھ پوری ہمدردی ہوتی اور بجائے مشرکین کے ان کا رخ اسلام کی طرف ہو جاتا لیکن جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا رہا اسی قدر یہودیت ونصرانیت بڑھ بڑھ کر اسی

ترمذیؒ کا تذکرہ ہوا تو تعجب سے فرمایا "ومن محمد بن عیسٰی بن سورۃ؟" یہ محمد بن عیسٰی کون شخص ہیں۔
(دیکھو الباعث الحثیث الی معرفۃ علوم الحدیث)

حافظ ابن حجر امام ترمذی کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ و اما ابو محمد بن حزم فانه نادی علی نفسه بعدم الا طلاع فقال فی کتاب الفرائض من الا یصال محمد بن عیسی بن سورۃ مجهول۔ ابن حزم کو اس بات کا خود اقرار ہے کہ وہ محمد بن عیسٰی (ترمذی) سے واقف نہیں ہیں چنانچہ ان کو مجہول لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ ترمذی کے بارے میں ابن حزم کا قول کہ وہ مجہول شخص ہیں کچھ قابل التفات نہیں ہے کیونکہ ان کو نہ امام ترمذی کی کتاب جامع سے واقفیت ہے اور نہ ان کی کتاب العلل کا علم ہے۔ (میزان الاعتدال)

www.besturdubooks.net

کے مقابلہ پر آتی رہی یہاں تک کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو مشرکین عرب نے اسلام کے سامنے سپر ڈال دی اور ان کی طرف سے شریعت مطہرہ کو اتنا اطمینان میسر ہوا کہ صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا گیا۔

ان الشیطان قدایس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب۔ (مشکوٰۃ شریف)

شیطان اب اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان پھر کبھی جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔

پیغمبر اسلام کا یہود و نصاریٰ کی طرف سے خطرہ کا آخری الارم ⁕ لیکن یہودیت و نصرانیت کا علم جنگ اسلام کے بالمقابل برابر لہراتا رہا اور کسی وقت بھی اسلام کو ان کی دسیسہ کاریوں سے اطمینان میسر نہ ہوا حتی کہ صاحب شریعت کے آخری لحات کی وصیتوں میں ایک مہتم بالشان وصیت یہ تھی۔

اخرجوا الیھود و النصاری من جزیرۃ العرب۔

یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب کے چپے چپے سے باہر نکال دینا۔

اسی حریفانہ کشمکش کا نتیجہ تھا کہ جب حنیفیت کا زمین پر اقتدار ہوا تو یہودیت و نصرانیت مغلوب ہو گئیں اور جب کبھی یہودیت و نصرانیت کا غلبہ ہوا تو حنیفیت کو مغلوب ہو جانا پڑا۔

یہود و نصاریٰ سے جزیہ قبول کرنے کی وجہ ⁕ اس سلسلہ میں واضح رہنا چاہیے کہ یہودیت و نصرانیت کے مسخ ہو جانے کے باوجود اسلام نے محض دین سماوی ہونے کے باعث ان کی بڑی رعایت رکھی ہے۔

موافقت اہل کتاب کی عام سنت فتح مکہ تک تھی ⁕ چنانچہ اسلام فتح مکہ سے قبل تک جن امور میں جدید ہدایات نازل نہ ہوتیں بہ نسبت کفار کے ان کی موافقت کو ترجیح دیتا رہا لیکن جب اس سلوک کے بعد بھی ان کا دل نہ پسیجا تو یہ ثابت ہو گیا کہ اب ان کے سینہ پر کینہ سے اسلام کی عداوت نکلنے والی نہیں ہے اس لیے مخالفت کا حکم دے دیا گیا اور آئندہ ان تمام مواقع پر جہاں جہاں سے حنیفیت کو یہودیت و نصرانیت سے خطرہ ہو سکتا تھا امت کو خبردار کر دیا گیا۔

مشترکہ حدود کی نگرانی میں اسلام کی خیر مضمر ہے ⁕ روزہ، نماز، شکل و شباہت، دعاء و سلام میں غرض جہاں بھی اسلامی حدود ان کے حدود سے ملتے نظر آتے تھے ملت حنیفیہ کے حلقہ بگوشوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ اپنے حدود کی نگرانی رکھیں۔ اس کے باوجود صاحب نبوۃ کی دوربین نظروں نے تاڑ لیا تھا کہ اس حریف کا ایک دن پھر غلبہ ہوگا اور پھر پیروانِ ملت حنفی یہودیت و نصرانیت کے پیچھے چل پڑیں گے۔ اسی عہد نامسعود کا نقشہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں کھینچا گیا ہے۔

اس امت میں یہود و نصاریٰ کی اتباع کی پیشگوئی ⁕

قال لتتبعن سنن الذین من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو دخلوا فی حجر ضب لاتبعتموہ قلنا یا رسول اللہ الیھود و النصاری قال فمن۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ضرور گذشتہ لوگوں کے قدم بقدم چل کر رہو گے حتی کہ اگر ان میں کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی ضرور داخل ہو گے ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ پھر اور کون۔

www.besturdubooks.net

3

دوسرے الفاظ میں اس مجنونانہ اتباع کی غایت یہاں تک بیان کی گئی ہے کہ اگر ان میں کسی نے اپنے ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو تم میں بھی ایسے افراد ہوں گے جو یہ رُوسیاہی کر کے رہیں گے۔

بعض نومسلموں کو مشرکین کی نقالی کی تمنا اور آپ کی سرزنش ❋ جب تک اسلام کا ضعیف دور رہا بعض نومسلموں کے قلوب میں ہر معمولی اور غیر معمولی امور میں یہی جذبہ اتباع ابھرتا رہا۔

''ابو واقد لیثی فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ خیبر کی سمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے اس وقت ہم نو مسلم تھے وہاں مشرکین نے ایک درخت اپنے ہتھیار لٹکانے کے لیے مقرر کر رکھا تھا ہم نے اسے دیکھ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی درخت ہتھیار لٹکانے کے لیے مقرر کر دیجئے آپ نے تعجباً تکبیر کہی اور فرمایا یہ تو وہی بات ہوئی جیسا بنی اسرائیل نے (سمندر عبور کرنے کے بعد کچھ بت پرستوں کو پوجا کرتے دیکھ کر کہہ دیا تھا) اے موسیٰ جیسا خدا ان کا ہے ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی خدا بنا دیجئے۔ تم ضرور یہود و نصاریٰ کی نقالی کر کے رہو گے''۔

لیکن جتنی اسلام کو قوت حاصل ہوتی گئی اس کے یہ جذبات فنا ہوتے رہے حتی کہ کچھ دن بعد ہی اب ان کا نقشہ یہ تھا کہ:

''حضرت مقداد بن الاسود جنگ بدر کی تیاری کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ کہہ دیں: اے موسیٰ جا تو اور تیرا رب لڑ آ۔ ہم تو آپ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے رہ کر آپ کے ساتھ جنگ کریں گے''۔ (بخاری شریف)

اب ان دونوں جذبات کا موازنہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہی بات یعنی حرصِ اتباع جو دورِ ضعف میں غیر اختیاری طور پر منہ سے نکل رہی تھی اب انتہائی قابل نفرت و عار بن رہی ہے مگر دونوں جگہ نقطۂ تجاذب وہی بنی اسرائیل ہیں۔ اسلامی دورِ انحطاط میں وہی اتباع بنی اسرائیل کا جذبہ پھر لوٹ آئے گا۔ اور بنی اسرائیل کے جو مشابہت پہلے انتہائی قابل نفرت و حقارت معلوم ہوتی تھی پھر لائق رغبت بن جائے گی۔ امت محمدیہؐ کے اسی رجعت قہقریٰ کو صحیح بخاری کی حدیث بالا میں بیان کیا گیا ہے یعنی وہی بات جو آپ کے زمانہ میں قابل تعجب تھی آئندہ دور میں ناگزیر طور پر ہونے والی بات ہوگی۔ حتی کہ اگر یہود و نصاریٰ میں کسی نے ماں سے زنا کیا ہوگا تو اس بے حیائی میں بھی یہ امت ان کی اتباع کر کے رہے گی۔

امت محمدیہ شغف اتباع ہی کی بدولت صفت افتراق میں بھی اتباع کرے گی ❋ اس شغفِ اتباع سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ یہ امت جب ہر معقول اور نامعقول بات میں ان کے نقشِ قدم پر چلے گی تو یقیناً ضلالت اور گمراہی کی وہ سب راہیں جو یہود و نصاریٰ نے اختیار کی تھیں یہ بھی اختیار کرے گی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جتنے گمراہ فرقے ان میں نمودار ہوئے تھے اس میں بھی نمودار ہوں گے لیکن افسوس یہ ہے کہ بلند تر جب گرتا ہے تو یہاں بھی فروتر رہتا ہے اس لیے امت محمدیہ جب دورِ عروج و کمال میں بلند تر تھی تو اپنے دورِ انحطاط میں اسے فروتر ہی رہنا چاہیے اور اسی لیے وصفِ افتراق میں یہود و نصاریٰ سے آگے آگے نظر آنا

www.besturdubooks.net

3

چاہیے- آخر جو مسندِ اعلیٰ علیین پر جلوہ نما تھا جب ایمان اور عمل صالح سے محروم ہوا تو اس کا ٹھکانا اسفل السافلین ہی ٹھہرا-

شدتِ اتباع اور حدیثِ افتراق کا تناسب ❊ غالبًا اسی گہری مناسبت کی وجہ سے صحیح بخاری کی اس حدیث کو جامع ترمذی میں حدیث افتراق کے لیے بطور مقدمہ ذکر کیا گیا ہے یا بالفاظِ دیگر اس شدید افتراق کو اس مبالغہ آمیز اتباع کا ثمرہ اور نتیجہ قرار دیا گیا ہے-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو باتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں وہ ٹھیک ٹھیک سب میری امت میں ہوں گی حتی کہ اگر ان میں سے کسی نے بے محابا اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو اس بے حیائی کا ارتکاب کرے گا اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے تھے- (آخر حدیث تک)

اس سیاق کو پڑھیے اور بغور پڑھیے اور اس عمیق ربط کی تہ تک پہنچ جایئے جو اس شدید اتباع اور شدید اختلاف کے مابین مستور ہے اگر آپ اس ربط کو پالیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ حدیثِ افتراق درحقیقت صحیح بخاری کی حدیثِ اتباع کا ایک تتمہ تھا جو وہاں رہ گیا تھا وہ یہاں ذکر کر دیا گیا ہے بہر حال اگر ہمارے پاس صرف صحیح بخاری ہی کی یہی ایک حدیث ہوتی تو افتراق امت کی اجمالی داستان پڑھنے کے لیے کافی تھی- آئندہ اوراق میں اس کے متعلق آیاتِ قرآنیہ کے کچھ اور اشارات بھی آپ کے ملاحظہ سے گذریں گے لیکن اس سے قبل ہم مفہوم اختلاف کو ذرا واضح کر دینا چاہتے ہیں-

لفظِ اختلاف کی توضیح

ہر یکساں حالت کے بعد جب اس کے خلاف کوئی دوسری حالت رونما ہوتی ہے تو اس کا نام ہم اختلاف رکھتے ہیں اس لحاظ سے اگر اس عالم پر عرش سے لے کر فرش تک نظر ڈالیں تو سارا عالم اسی اختلاف کی آماجگاہ نظر آئے گا- یہاں تک کہ اگر اس عالم کی کوئی زیادہ سے زیادہ صحیح تعریف ہو سکتی ہے تو بس یہی ایک لفظ اختلاف ہے-

اختلافِ زمان ❊ لیل ونہار، شہور وسنین، پھر اس میں فصلوں اور موسموں کا ایک اختلاف ہے جسے اختلافِ زمان کہنا مناسب ہے اس اختلاف کو آیتِ ذیل میں ذکر کیا گیا ہے-

وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ. (المومنون: ۸۰) شب وروز کا یہ اختلاف اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف ہے-

اختلاف السنہ والوان ❊ اس سے آگے بڑھیے تو حیوانات ونباتات وجمادات کا اختلاف پھر ان میں اجناس اور اجناس میں انواع اور انواع میں اصناف اور اصناف میں افراد کا اختلاف ہے پھر ان افراد میں طبیعتوں، مزاجوں، رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے- اسی اختلاف کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے-

اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ. (الروم: ۲۲) تمہاری زبان اور رنگوں کا اختلاف-

آفاق وانفس کا یہ اختلاف دیکھ کر صاف طور پر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ افتراق واختلاف اس جہان کی فطرت ہے اور اسی پر اس کی آبادی کا مدار ہے-

www.besturdubooks.net

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

اختلاف ضلالت و ہدایت ٭ لیکن اس وقت یہ اختلافات زیر بحث نہیں ہیں بلکہ اس سے بالاتر ضلالت و ہدایت کا ایک اختلاف ہے وہی ہمارا مرکز بحث ہے۔ اس لحاظ سے اگر مجموعۂ عالم پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ امم سابقہ ایک طرف ہیں اور امت محمدیہؐ دوسری طرف اسی کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ......	تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے ......
فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ...... (البقرة ۲۱۳)	تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے مومنین کو ان باتوں میں ہدایت نصیب فرما دی جس میں کہ پیشتر امتوں نے ناحق اختلاف پھیلایا تھا۔

امتحانی سوالات میں امت محمدیہ کی کامیابی کے مقامات ٭ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں اختلاف ہوا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی‘ خدائے قدوس نے امت محمدیہ کو ہدایت نصیب فرمائی کہ یہ دونوں خیال غلط ہیں وہ دراصل حنیف تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اختلاف ہوا‘ یہود نے ان کا انکار کیا اور نصاریٰ نے خدا ٹھہرایا۔ یہاں امت محمدیہ کو ہدایت نصیب ہوئی اور جادۂ مستقیم ان ہی کے لیے مقدر رہا۔

قبلہ کے بارے میں بھی ایک رائے یہی ہے کہ وہ امتوں کے انتخاب پر رکھا گیا تھا مگر انہوں نے یہاں بھی صحیح انتخاب نہ کیا اور جو اصل قبلہ تھا اس کی ہدایت اسی امت کو نصیب ہوئی۔

جمعہ کا دن بھی اسی اختلاف کی ایک کڑی ہے پہلی امتوں نے یوم التعطیل میں غلطی کی‘ کسی نے یوم السبت اور کسی نے یوم الاحد مقرر کیا۔ امت محمدیہ کو یہاں بھی راہِ ہدایت نصیب ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ اسی اختلاف کی طرف آیتِ ذیل میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ.... (هود: ۱۱۸-۱۱۹)	اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا لیکن وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے بجز ان کے جن پر آپ کا پروردگار رحم فرمائے اور اسی اختلاف کے لیے انہیں پیدا کیا ہے۔

اختلاف امم ٭ عطاء اور مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہاں مختلفین سے یہودیت و نصرانیت‘ مجوسیت و حنیفیت کا اختلاف مراد ہے اور الامن رحم ربک سے مراد حنفاء ہیں۔ شاید اس لیے بھی اس امت کو امت مرحومہ کا خطاب دیا گیا ہو۔

اختلاف امت محمدیہ ٭ لیکن اس اختلاف کے علاوہ ایک اور اختلاف ہے جو خود اس امت میں مقدر ہے وہ جماعت اہل حق اور باطل فرقوں کا اختلاف ہے اس بنا پر فرق باطلہ مختلفین کا مصداق رہیں گے اور اہل حق الامن رحم ربک کا۔

اختلاف اہل حق ٭ اس سے بھی آگے خود جماعت اہل حق کا اختلاف ہے جس پر ہم آئندہ بحث کریں گے۔

اختلاف کا تکوینی راز ٭ پہلے آیت کی مراد سنئے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نقاشِ عالم کو اپنی صفت جلال و جمال کی جلوہ نمائی منظور تھی اس لیے اس نے انسانوں کو ایسے ہی قوی فکریہ وعملیہ سے مرکب فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ اسباب سعادت و شقاوت میں

www.besturdubooks.net

اختلاف کرتے ہی نظر آئیں گے اور اسی باہمی کشمکش میں خدائی قہر و مہر کا سامان مہیا ہوتا رہے گا۔ اگر اس دنیا میں یہ اختلاف رونما نہ ہوتا تو یہ محشرستان عالم خموشاں بن جاتا اور یہاں کے بسنے والے یا صرف خدائی مہر کے مظہر ہوتے یا صرف قہر کے لیکن عالم تقدیر کو ایک ناتمام کمال کا مظاہرہ ناپسند تھا اس لیے اس نے اختلاف اس کی بنیاد میں ڈال دیا اور اب ضروری ہو گیا کہ دنیا جس قدر پھیلتی جائے اختلاف کا دامن بھی اسی قدر وسیع ہوتا چلا جائے حتی کہ یہود اگر اکہتر فرقوں میں بٹے ہوں تو نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹیں اور امت محمدیہ جو آخری اور سب سے بڑی امت ہے وہ تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے۔ سورۂ ہود کی اس آیت میں مختلفین کو "الامن رحم ربک" کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عالم تکوین نے تکوینی طور پر تمام انسانوں کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے۔ (۱) اہلِ اختلاف (۲) مرحومین۔

اختلاف کرنا رحمت سے محرومی کی علامت ہے ❋ اس تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اہل اختلاف ہیں وہ رحمت کے تحت نہیں ہیں اور جو رحمت کے نیچے آچکے ہیں وہ قرآن کی نظر میں اہل اختلاف کی فہرست میں داخل نہیں اس کو یوں بھی کہا سکتا ہے کہ نجات صرف اس جماعت کے لیے ہے جو "الامن رحم ربک" کی مصداق ہے اور بقیہ اہل اختلاف کے لیے نجات نہیں۔ سورۂ انعام میں اس اختلاف کی مزید تشریح ملتی ہے۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ. (انعام: ۱۵۳)	میرا سیدھا راستہ یہ ہے اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے جدا کر کے تتر بتر کر دیں گے۔

راہ حق ایک ہے اور ناحق بہت ❋ آیت بالا میں صراطِ مستقیم کے لیے لفظ مفرد اور بقیہ اہل اختلاف کے لیے "السبل" لفظ جمع اختیار کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ راہِ مستقیم ایک ہی ہے اور ضلالت و گمراہی کے راستے بہت ہیں۔

صراطِ مستقیم اور سبل متفرقہ کا نقشہ ❋ مسند احمد اور نسائی وغیرہ میں ہے کہ اس معنوی افتراق و تشتت کو محسوس طور پر سمجھانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کے دائیں بائیں اور بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا دیکھو یہ سیدھا خط تو صراطِ مستقیم ہے اور اس کے دائیں بائیں جو خطوط ہیں وہ سبل اور ناپسندیدہ راہیں ہیں جن کی طرف شیاطین دعوت دیتے ہیں اس کے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

قرآن کریم میں حدیث افتراق کی طرف اشارہ ہے ❋ اب اگر سورۂ ہود اور سورۂ انعام کی ان ہر دو آیات کے نتائج کو ملاؤ تو حدیث افتراق امت کا پورا پورا مفہوم سامنے آجاتا ہے صرف فرق باطلہ کی تحدید اور عدم تحدید کا فرق باقی رہتا ہے اور اگر دونوں آیتوں کے نتائج کا تجزیہ کرو تو حسب ذیل ہوگا۔

آیت انعام: ① صراطِ مستقیم صرف ایک ہے۔ ② سبل متفرقہ بہت ہیں۔

سورہ ہود: ③ نجات صرف ایک جماعت کے لیے ہے۔ ④ اہل اختلاف کے لیے نجات نہیں۔

یہی چاروں اُمور حدیثِ افتراق کا مفہوم ہیں اور بس۔ ضلالت و ہدایت کے اس اختلاف کو سورۂ بقرہ میں بھی حسب ذیل پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

www.besturdubooks.net

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. (البقرۃ : ۲۱۳)

سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر انہوں نے دین میں اختلاف ڈالا) تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری تا کہ جن باتوں میں انہوں نے اختلاف ڈالا تھا فیصلہ کرے۔

رسول دنیا میں ناروا اختلافات کو مٹانے کے لیے آتے ہیں ❋ یعنی خدائے قدوس نے تو رسولوں کو اس لیے بھیجا تھا کہ ناروا اختلاف ختم کر دیا جاتا اور یک جہتی کے ساتھ اس قانون پر عمل کیا جاتا جو ''الکتاب'' کے نام سے اتارا گیا تھا مگر افسوس کہ عاقبت نا اندیشوں نے اس سامان اتحاد کو بھی سامان اختلاف بنالیا اور اس طرح بعثت انبیاء اور تنزیل صحف کا جو اصل منشاء تھا اس کو برباد کر ڈالا۔ اس کے مخفی راز کو سورۂ ہود کی آیت ''وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ'' میں سمجھایا گیا تھا جس کی طرف ہم مضمون کے شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔

قرآن کریم سے لفظ اختلاف کی توضیح ❋ اب اس اختلاف کی حقیقت کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لیے آیات ذیل پر غور کیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ. (انعام : ۱۵۹)

جنہوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سی پارٹیاں بن گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ. (الروم : ۳۲)

اور ان لوگوں میں سے مت ہو جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈال دی اور پارٹیاں بن گئے ہر پارٹی اپنے اپنے خیال میں مست ہے۔

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ. (انعام : ۶۵)

خدائے تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اگر چاہے تو تمہاری پارٹیاں بنا دے اور تم کو آپس میں بھڑا دے۔

عذابِ افتراق عذابِ استیصال کا بدل ہے ❋ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ آپ کی امت پہلی امتوں کی طرف ہلاک نہ ہو، وہ دعا مستجاب ہوئی اور ''عذابِ استیصال'' ہمیشہ کے لیے اٹھا لیا گیا مگر آپس کے افتراق وتشتت کا مقدر عذاب پھر بھی باقی رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ پارٹیوں سے اہلِ ہواء کا اختلاف مراد ہے اور آپس میں بھڑانے کا مصداق یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ کر جنگ شروع کر دے جیسا کہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ (الاعتصام ج ا ص ۳۹)

افتراقِ مذموم کی حدود ❋ ان ہر سہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں جو افتراق مذموم ہے وہ یہ ہے کہ ملت کی ہیئت اجتماعیہ پارہ پارہ ہو جائے، محبت ومودت، تعاون وتناصر، ہمدردی وسازگاری کے سارے رشتے ٹوٹ جائیں اور جماعتی شیرازہ اوراقِ پریشان کی طرح منتشر ہو جائے۔

دین میں پارٹی بندی برداشت نہیں ❋ یہ اختلاف، یہ پارٹی بندی دین میں ایک لمحہ کے لیے قابل برداشت نہیں۔ اسی لیے

www.besturdubooks.net

فرمایا "لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ" ایسی مفسد جماعت سے آپ کا کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا گویا یہ مکمل بائیکاٹ کا اعلان ہے۔

اب سوال صرف یہ رہتا ہے کہ وہ کون سا اختلاف ہے جو بم کی طرح پھٹ کر ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ دورِ صحابہؓ میں بھی مذہبی اختلافات نظر آتے ہیں اور خلافتِ راشدہ ہی کے زمانہ میں فرقہ بندیوں کے نشانات کا پتہ چلتا ہے۔ پھر کیا یہ مقدس قرن بھی اس اختلاف کا مصداق ٹھہرایا جا سکتا ہے اس شبہ کا جواب ہمیں خود قرآن کریم سے ہی دینا ہے لیکن بطور مقدمہ پہلے یہ سن لیجیے کہ اختلاف ائتلاف کی ضد ہے جس کے معنی باہمی الفت و محبت کے ہیں اگر ائتلاف کے ساتھ اختلاف ہے تو درحقیقت یہ اختلاف ہی نہیں۔

اختلافِ دین وملت ❋ حقیقی اختلاف دلوں کا اختلاف ہے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ❶ دین وملت کا اختلاف' ظاہر ہے کہ قدرت نے بنی نوع انسان کے لیے ایک ہی دین اتارا تھا۔ نوعِ انسانی پر واجب تھا کہ وہ یک جہتی کے ساتھ یک زباں ہو کر مضبوطی سے اس کو اختیار کرتی لیکن وہ باز نہ آئی اور طرح طرح کی بہانہ بازیوں اور حیلہ سازیوں سے اس کے قبول کرنے میں پس وپیش شروع کیا۔ اس اختلاف کی وجہ سے ہمیشہ وحدت کی دعوت پر پارٹیاں اور اجتماع کی آواز پر افتراق وتشتت پیدا ہوتا رہا۔ ان پارٹیوں میں ہمیشہ آتش بغض وعناد بھڑکتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک ملک' ایک شہر' ایک خطہ اور ایک قبیلہ و خاندان کے ہو کر ایسے جدا ہوئے کہ کسی وصف میں گویا ایک دوسرے کے شریک ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ معاشرت وتمدن کا کوئی گوشہ نہ رہا جس میں یک جہتی کی کوئی جھلک نظر آتی۔ شکل وشباہت بدلی' نشست و برخاست کے طریقے بدلے' طعام ولباس کے طریقے جدا جدا ہو گئے۔ جب ایک جماعت دوسرے کے ساتھ یہ اختلاف پیدا کر لیتی ہے تو اصطلاح میں ایسی دو مختلف پارٹیوں میں ایک کو مسلم اور دوسری کو کافر کا لقب دیا جاتا ہے اور اب یہ اختلاف فطرۃ انسانی کے لیے ایسا تباہ کن اختلاف ہو جاتا ہے کہ اگر قدرت اپنے غیبی ہاتھ سے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کرتی رہے تو عالم فنا ہو جائے۔ عجیب بات ہے کہ اس عالم اختلاف کی بقاء کا سبب بھی یہی اختلاف ہے اور اس کے فناء کا سبب بھی یہی' بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے ۔۔۔ اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

اس کا نام اختلافِ ملت اور اختلافِ دین ہے۔

ایک ملت میں اصول وکلیات کا اختلاف ❋ ❷ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک ملت ایک دین سے وابستہ ہو کر پھر اس میں اندرونی اختلاف پیدا ہو جائے اب اگر یہ اختلاف صرف جزئیات کی حد تک ہے تب بھی یہ کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں نہ اس اختلاف سے قلوب میں ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تنافر پیدا ہوتا ہے نہ الفت و محبت کے رشتوں پر اثر پڑتا ہے۔ ہاں اگر یہ جزئی اختلافات بھی اس کثرت سے پیدا ہو جائیں کہ اصول وکلیات کی جگہ لے لیں تو ظاہر ہے اس کا حکم دوسرا ہو گا۔

اختلافِ اصول موجب افتراق ہے ❋ اور اگر دین میں اشتراک کے بعد اس کے بعض اصول وکلیات میں اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف البتہ اختلاف ملت و دین کی طرح افتراقِ قلوب کا موجب بن جاتا ہے۔ دیکھو معتزلہ خوارج' مرجئہ' اہل سنت' سب ایک ہی ملت اور ایک ہی دین سے وابستہ ہیں مگر بعض اصول وکلیات میں اختلاف کی وجہ سے اس طرح گروہ اندر گروہ ہو گئے

www.besturdubooks.net

ہیں کہ جو عداوت و بغض اختلاف ملت کا ثمرہ تھا وہی ان اختلافات کا نتیجہ بن گیا ہے۔

فروعی اختلاف اختلاف نہیں ❋ اب ہم قرآن سے ہی بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کی نظر میں اصول وکلیات کے اتحاد کے بعد فروع کا اختلاف کوئی اختلاف نہیں۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ. (الشوریٰ : ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں ان ہی باتوں کی راہ ڈالی ہے جن کا حضرت نوح کو حکم دیا تھا اور جو حکم کہ ہم نے آپ پر بھیجا اور حضرت موسیٰ کو اور حضرت عیسیٰ کو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔

ادیانِ سماویہ میں اختلاف نہیں ❋ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا۔ مگر پھر بھی قرآن کریم نے اس کو ایک ہی دین قرار دیا ہے اور شرائع کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدت دین کے خلاف نہیں سمجھا' اگر فروعی اختلاف بھی افتراق و اختلاف کی حد میں آ سکتے تو اس افتراق کے ہوتے ہوئے پھر "وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ" (دین میں افتراق مت پھیلاؤ) کا خطاب کیونکر درست ہوتا۔ پس جس طرح شرائع سماویہ اور صحف انبیاء علیہم السلام فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی دین کہلائے' ایک کا مصدق دوسرے کا مصدق رہا' ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتہ اتحاد و اخوۃ میں منسلک رہے۔ تحزب وتعصب اور بغض وعناد کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی اور اسی لیے وہ "کانوا شیعا" کی حد میں نہیں آئے۔ اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شانِ اجتماع و وحدت میں خلل انداز نہیں ہوتے۔

اجتہاد بھی دین کا ایک اصول ہے ❋ اجتہاد کے موقع میں اجتہاد کرنا بھی دین کی ایک سمجھائی ہوئی بات ہے اور اسی کا قائم کردہ اصول ہے اسے دین میں اختلاف کیونکر کہا جا سکتا ہے اختلاف یہ ہے کہ اس کے کسی مقرر کردہ اصول یا کسی تصریح کردہ جزئی کا خلاف کیا جائے لیکن جہاں اس نے سکوت کیا ہے اور یہ سکوت قصداً کیا گیا ہے وہاں ہر مجتہد کو اس کی اجازت دے دی ہے کہ وہ پوری جدوجہد اور ملکہ استنباط واجتہاد کی پوری صلاحیتوں کے ساتھ مآخذ دین سے اس کا حکم معلوم کرے۔

صحابہؓ کرام کا اختلاف ❋ اب آیئے[1] صحابہؓ کے اختلافات کو دیکھیں۔ حدوث وقدم عالم صفات کے عین وغیر اور جبر وقدر کے باریک ودقیق مسائل میں قدم رکھنا تو ان کا اصول ہی نہ تھا اس لیے ان چیزوں میں اختلاف کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا وہاں سوال تھا تو صرف امتثال واطاعت' فرمان برداری اور وفاشعاری کے طریقوں میں تھا اس بنا پر اگر اختلاف تھا تو یہی کہ فلاں چیز سے وضوٹوٹتا ہے یا نہیں؟ تیمم وضو کا قائم مقام کب ہوسکتا ہے؟ کوئی آمین زور سے کہنا پسند کرتا تھا کوئی آہستہ سے۔ کوئی رکوع کو جاتے اور آتے ہاتھ اٹھا لیتا تھا۔ پھر یہ اختلافی رنگ بھی اس قدر پھیکا تھا کہ ان اختلافات کے ساتھ ساتھ وہ ایک ہی مسجد میں نمازیں ادا

---

[1] دیکھو اعلام الموقعین ج ا ص ۴۰۔

www.besturdubooks.net

کر لیتے بلکہ خوشی خوشی ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء بھی کرلیا کرتے تھے خصومت وجدل تو درکنار موافقت ومخالفت کے تصور سے بھی ان کے دماغ خالی تھے اسی لیے اخوۃ اسلامی' نصح وخیرخواہی' محبت ومودت کی اتنی بچی مثال تاریخ کبھی کسی دوسری جماعت میں نہیں دکھاسکتی۔

اندریں حالات ان فروعی اور جزوی اختلافات کو ان کے یہاں کوئی اہمیت ہی نہیں دی جاسکتی۔ ہاں خلافت کے دور ثالث ورابع میں جو کچھ ہنگامہ آرائیاں ہوئیں ان میں تعصب وتحزب کا وجود نا قابل انکار حقیقت ہے مگر الفاظِ قرآنی پر غور کیا جائے تو اس کا جواب بھی ان ہی آیات میں موجود ہے۔ سورۂ انعام میں اور سورۂ روم کی مذکورہ بالا آیات کو ایک بار پھر پڑھیے آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن یہاں جس فرقہ بندی کی ممانعت کررہا ہے وہ یہ ہے کہ ایک دین میں اختلاف برپا کر کے اس کو مختلف دینوں کی طرح بنا دیا جائے یہ اختلاف اس کے اصول وکلیات میں اختلاف ہی کے بعد ہوسکتا ہے۔ آیت ذیل کو بغور ملاحظہ کیجئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا. (الانعام:۱۵۹) جنہوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سی پارٹیاں بن گئے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہاں ان پارٹیوں کا ذکر ہے جن کی گروہ بندی کی بنیاد عقائد واعمال کا اختلاف ہو اس اختلاف کو اختلاف فی الدین کہا جاسکتا ہے۔

صحابہ کا اختلاف آپس کا اختلاف تھا نہ کہ دین کا ٭ اب اس معیار کے مطابق ان پارٹیوں کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عقائد واعمال کا ان کے درمیان کوئی ذکر ہی نہ تھا وہ ایک ہی عقیدے' یکساں عمل اور ایک ہی دین کے حامل تھے اور اسی ایک متفقہ دین کی خاطر ہی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔ ان میں اگر اختلاف تھا تو یہ تھا کہ اس متفقہ دین کا اس وقت علم بردار کون ہے پس جس فرقہ بندی کی ممانعت آیاتِ مذکورہ بالا میں کی گئی ہے ان حضرات کا اختلاف اس سے بہت دور تھا۔

یہاں ان شکوک وشبہات کی جوابدہی مقصود نہیں ہے جو مدت دراز کے یک طرفہ تصور کے بعد دماغوں میں راسخ ہوچکے ہیں بلکہ صرف اس علمی حقیقت کو واشگاف کرنا ہے کہ کیا صحابہؓ کے دور کا اختلاف ہمارے زیر بحث اختلاف کا مصداق بن سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک صحابہؓ کرام کے مشاجرات ہرگز اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ کی حد میں نہیں آتے۔ ہاں اگر الفاظِ قرآنیہ کو خواہ مخواہ کے لیے وسعت دے کر ان مشاجرات کو داخل کرنا ہی منظور ہو تو امر دیگر ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں اگر اجتہادی وفروعی اختلافات تھے تو اس بنیاد پر ان میں کوئی گروہ بندی نہیں تھی۔ اور جب پارٹیاں بنیں تو ان کی بنیاد عقائد واعمال یعنی تفرق فی الدین نہ تھی۔ آگے چل کر ہم اس کو اور واضح کریں گے کہ قرآن وحدیث میں سیاسی گروہ بندیاں زیر بحث نہیں۔

اب آپ کو اختیار ہے کہ اس اختلاف کو اختلاف ہی نہ کہیے یا اختلافِ مذموم سے جدا کر لیجئے۔ مجاہد پہلے مشرب کے معلوم ہوتے ہیں وہ ''الامن رحم ربک'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں فان اهل الحق ليس فيهم اختلاف[1] اہل حق میں کوئی اختلاف نہیں اور حسن کا دوسرا مشرب معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں فان اهل رحمة الله لا يختلفون اختلافا يضرهم[2] یعنی اہل

---

[1] الاعتصام ج ۱ ص ۳۹۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۴۵۔

www.besturdubooks.net

رحمت ایسا اختلاف نہیں کرتے جوان کو مضرت رساں ہو کیونکہ یہ اختلاف ان ہی مسائل میں ہے جہاں کوئی نص نہیں ہے-

دین میں اختلاف کے رفع کا اصول ⁕ ان مسائل میں شریعت نے خود اپنی جانب سے اختلافات دور کرنے کا حسب ذیل ضابطہ مقرر کر دیا ہے-

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ..... (النساء : ۵۹)

پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے خدا اور اس کے رسول کو سپرد کر دو-

یہ زریں قانون اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ دینی اختلاف اختلاف نہ رہے بلکہ رد الی اللّٰہ و الرسول کی وجہ سے حکم منصوص ہی کا رنگ اختیار کر لے- اور اس طرح اس اختلاف میں پھر ایک شانِ وحدت پیدا ہو جائے-

آیت فان تنازعتم کی نادر تفسیر ⁕ امام ابو اسحٰق شاطبیؒ نے موافقات میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس طرح اصول شریعت میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح اس کے فروع میں بھی کوئی اختلاف نہیں اور اس سلسلہ میں آیہ فان تنازعتم کی تقریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رفع تنازع و اختلاف ہی کے لیے تو رد الی اللّٰہ و الرسول کا حکم ہوا ہے اب اگر کتاب و سنت میں بھی اصول و فروع میں اختلاف تسلیم کر لیا جائے تو اس رد کا فائدہ کیا ہوگا- اختلاف پھر اپنی جگہ بحال رہے گا- ایک اختلاف دوسرے اختلافی آئین سے ختم نہیں ہو سکتا بلکہ اس آئین سے ختم ہو سکتا ہے جس میں خود کوئی اختلاف نہ ہو[1]-

محقق دمیاطی محشی موافقات کو اس دعویٰ میں کچھ تردد ہے ہمارے نزدیک امام شاطبیؒ کا دعویٰ بالکل درست ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے-

اصولِ شریعت میں کوئی اختلاف نہیں ⁕ اس کا حاصل یہ ہے کہ مقصد شریعت نہ اصول میں مختلف ہے نہ فروع میں بلکہ اتحادِ اصول کے بعد فروع میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ فروع اصول کے ہمیشہ تابع رہتے ہیں- اس لیے جب اصول میں اختلاف نہیں تو فروع میں کیسے ممکن ہے- لیکن آیت میں اس امر کا دعویٰ نہیں ہے کہ ردالی اللّٰہ و الرسول کے بعد ہر شخص کو وہ حکم قصد شارع کے مطابق حاصل بھی ہو جائے گا- ظاہر ہے کہ بعض مرتبہ ایک جزئی میں اصولِ متفرقہ صادق آنے کی صلاحیت ہوتی ہے ہر مجتہد اپنے اپنے خیال کے موافق اسے ایک اصل کے ماتحت داخل کرتا ہے اور اس اصل کے مطابق اس کا حکم اخذ کر لیتا ہے اس لیے اجتہاد و آراء کے اس تجاذب کی وجہ سے فروع میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ مختلف حکم خود شریعت کے بیان کردہ نہیں ہیں- اس نے ایک ہی قانون بنایا ہے اور اس کے مطابق اس کا ایک ہی حکم ہونا چاہیے حتیٰ کہ اگر عہدِ نبوت ہوتا اور آپ سے براہ راست اس جزئی کے متعلق سوال کیا جاتا تو اس کا ایک ہی جواب ملتا- لیکن بعد میں جب راہِ صواب کا انتخاب صرف افہام پر موقوف رہ گیا تو اب اختلاف افہام و عقول کی وجہ سے مجتہد فیہ جزئیات میں اختلاف ضروری ہو گیا یہ دوسری بات ہے کہ شریعت حنیفیت نے قانون یسر کے موافق یہاں خطاؤ صواب دونوں صورتوں میں اجر کا وعدہ کر لیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

---

[1] ج ۴ ص ۱۱۹ و اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۱-

www.besturdubooks.net

درحقیقت اس کے آئین میں اس جزئی کے لیے دو حکم ایک دوسرے سے علیحدہ اور مختلف موجود تھے۔
مفہوم اختلاف کی اس توضیح کے بعد مناسب ہے کہ اب اس کے اسباب پر بحث کی جائے۔

اسبابِ اختلاف وتفرق

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہاں ہمارا مطلب اختلاف سے بعض اصول وکلیات کا اختلاف ہے اس لیے اسی کے اسباب پر ہمیں غور کرنا ہے۔ جہاں تک استقراء اور تلاش سے دریافت ہوسکتا ہے اس کے تین اسباب معلوم ہوتے ہیں۔ (۱) ناقص اور سطحی علم۔ (۲) اتباع ہوئی وخواہش نفس۔ (۳) اتباع رسوم وعادات۔

ان اسباب پر غور کرنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے اس دور پر غور کرنا ضروری ہے جس میں مذہب کی سطح پر اختلاف کا کوئی چھوٹا سا بلبلہ بھی تیرتا نظر نہیں آتا پھر وہ کیا اسباب ودواعی ہوئے کہ یہ سمندر دفعۃً متحرک ہوا اور ایسا متحرک ہوا کہ اس کی امواج معمورہ عالم کو محیط ہوگئیں۔

دورِ اوّل کا طریق تحصیل علم ❋ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی قوم جس کو قرآن کریم نے امی ہونے کا لقب دیا ہے اور جس کو خود بھی اپنے امی ہونے پر فخر تھا تحصیل علم کے لیے جس پہلی درسگاہ میں داخل ہوئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک تھی یہاں نہ کسی رسمی درسگاہ کا سند یافتہ معلم ان کا مربی تھا نہ کوئی مرتب کتاب ان کے سامنے تھی صرف ان ہی میں کا ایک امی انسان ان کے پیش نظر تھا جسے وہ خدا کا رسول تسلیم کر چکے تھے اور بس۔

دوراول میں اختلاف نہ ہونے کے اسباب ❋ اسی بنا پر اس کی نشست وبرخاست' نطق وسکوت' طعام ولباس' آمدورفت غرض کہ جملہ عادات وعبادات کی جو وضع دیکھ لیتے اس کو اپنا دستور العمل بنا لیتے جو کہہ دیتا اسے خدا کا حکم تصور کرتے اور جو کر لیتا اسے رضاء الٰہی کا یقینی ذریعہ سمجھتے خلاصہ یہ کہ کلماتِ طیبات کا سننا اور یاد کرنا یہی ان کا سبق تھا اور اپنے عمل کو آپ کے عمل کے مطابق بنانے میں لگا رہنا یہی ان کا عمل تھا اس لیے ان کی سادہ فطرت اور سادہ دماغ میں جو پہلا نقش قائم ہوا وہ حق ہی حق اور صواب ہی صواب تھا۔ پھر مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر صحبت سے ان علوم نے ان میں ایسا رسوخ اور ایسی نورانیت پیدا کردی تھی کہ وہ خود ایک معیارِ حق وباطل بن گئے تھے۔ اسی طرح قرآن کی ایک ایک آیت ان کے سامنے اترتی رہی اور وہ اس کی صحیح سے صحیح تفسیر آپ کے طرز عمل میں پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام کا تمام دین انہوں نے نہایت سہولت اور صحت کے ساتھ اس طرح سیکھ لیا جس طرح ایک بچہ بلاکسی تکلف وتکلیف اپنے والدین کے پورے پورے رنگ ڈھنگ اور طور طریق سیکھ لیتا ہے۔ ایسے ماحول میں اختلاف وافتراق کا کیا گذر ہوسکتا تھا۔

قرآن کریم کی اس عملی اور زندہ تصویر کے روپوش ہو جانے کے بعد گو تحصیل دین میں اب وہ سہولت تو باقی نہیں رہی تھی مگر چونکہ اصل کی عکسی تصاویر بکثرت چلتی پھرتی موجود تھیں اس لیے قرآن پڑھنے والے اگر کہیں اٹکتے تو ان عکسی تفسیروں سے ان کا حل کر لیتے لیکن جب یہ عکسی تصاویر وتفاسیر گم ہوتی گئیں اور ادھر اسلام عرب سے نکل کر مختلف سمتوں میں پھیل گیا تو وہ طریق تعلیم وتعلم

www.besturdubooks.net

بھی بدل گیا-

دوسرے دور کا طریقہ ذہنی انتشار اور ماحول کا اختلاف فہم مراد میں مخل ہوتا ہے ٭ علوم رسمیہ اور اہل عجم سے کثرت اختلاط کی وجہ سے ذہن منتشر ہو گئے اندازِ فکر بدل گیا قرآن کریم کے صرف الفاظ سامنے رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات وتفصیلات کا جو ذخیرہ پہنچا وہ بھی بشکل الفاظ پہنچا اس لیے چون وچرا اور لا ونعم کا دروازہ کھل گیا عقلاء نے اپنی عقل کے بھروسہ پر اور بے علموں نے اہل علم ہونے کی غلط فہمی میں دین کو تختہ مشق بنالیا اور رشدہ شدہ وہ اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے جن کی بنیاد عقائد تھی اور جن کو دین کا اختلاف کہا جا سکتا تھا-

پارٹیوں کا ظہور ٭ اور اب وہ وقت قریب تر ہو گیا کہ آیت ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ (الانعام : ٦٥) کی تاویل دنیا بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے یعنی اچانک خلافت راشدہ کے دورِ رابع میں ایک طوفان بدتمیزی اٹھا- ایک جماعت قرآن ہاتھ میں لیے ہوئے ہے تہجد کے نشانات اس کی پیشانیوں پر ہیں اور وہ خلیفہ وقت پر چڑھائی کے لیے اس لیے جمع ہوئی ہے کہ اس کے نزدیک وہ کافر ہو گیا ہے- ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ کون ہے جسے یہ بدبخت دائرۂ اسلام سے خارج کر رہے ہیں؟ وہ کہ جس کی شمشیر اور جس کی تقریر نے نہ معلوم کتنے کفار کو مسلمان بنایا تھا جس کی نسبت ارشادِ نبوی تھا **انت منی بمنزلة هارون من موسى**- علیؓ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہما السلام سے تھی اور وہ جس کو امت باب العلم کہتی ہے- حیرت ہے کہ جس کو کل دور کفر میں پہلا مسلمان کہا جاتا تھا آج اسلام کے زمانہ میں خود اسی کے دور خلافت میں اسے اوّل کافر کہا جا رہا ہے یہ فتنہ خوارج کا فتنہ تھا جس کی تفصیل کتب تاریخ میں مذکور ہے-[1]

---

[1] حافظ ابن عبد البرؒ نے اس کی مختصر سرگذشت اس طرح لکھی ہے کہ جب خوارج حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چڑھائی کر کے آئے تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے امیر المؤمنین! دیکھئے یہ جاہل لوگ آپ کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار کھڑے ہیں آپ نے جواب دیا کہ پہلے انہیں جنگ شروع کر لینے دو-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دن میں نے عرض کیا کہ آج ذرا تاخیر سے نماز ادا کیجئے میں ان لوگوں سے گفتگو کرلوں- وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑ لگ رہی ہے' شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہی مائل ہیں' سجدوں کے نشان پیشانیوں پر ہیں اور کہنیوں میں اونٹ کے گھٹنوں کی طرح ٹھیکیں پڑ گئی ہیں ڈھلی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں- حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا تو بولے ابن عباسؓ کیسے آئے؟ اور یہ حلّہ کیسا پہن رکھا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ تمہیں اس حلّہ پر کیا اعتراض ہے میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر اچھے اچھے یمنی کپڑے دیکھے ہیں- اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف:۳۲) آپ کہہ دیجئے کہ یہ زینت اور اچھی اچھی غذائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہیں کس نے حرام کیں-

پھر انہوں نے دریافت کیا: کہو کیوں آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ایک ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور جن میں قرآن نازل ہوا تھا اور تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو' میری آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان کی باتیں تم تک اور تمہاری باتیں ان تک پہنچا دوں- انہوں نے آپس میں کہا ان سے بات مت کرو کیونکہ یہ قریشی ہیں اور ان کے حق میں قرآن کہتا ہے ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ (الزخرف:۵۸) بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں- بعض نے کہا کہ ہم ضرور گفتگو کریں گے اس کے ...... ☜

www.besturdubooks.net

ان کے اقوال وعقائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہایت موٹی عقل اور سطحی علم کے مالک تھے۔ درک مقاصد' فہم معانی' استنباط واستخراج کا ان میں کوئی ملکہ نہ تھا۔ قرآن شریف پڑھنے کا انہیں شوق ضرور تھا مگر اس کے معانی کی انہیں کوئی اہمیت نہ تھی۔ طوطے کی طرح قرآن ان کی زبانوں پر تھا مگر ان کے قلوب اس کی صحیح ہدایات اور لطیف مضامین سے قطعاً خالی تھے' ان کی اسی علمی بے مائیگی کی طرف حدیث کے الفاظ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یقرؤن القران لا یجاوز حناجرھم یعنی وہ قرآن تو بہت تلاوت کریں گے مگر قرآن صرف ان کی زبانوں پر ہوگا ان کے قلوب میں علم وفہم کا کوئی ذرہ تک نہ ہوگا۔

دوسری علامت ان کے علم نما جہل کی یہ بتائی گئی ہے کہ یقتلون اھل الاسلام و یدعون اھل الاوثان بت پرستوں کو چھوڑ کر اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ کچھ یہ تجربہ بھی ہے کہ سطحی علم کے ساتھ مزاج میں شدت اور نفس میں تقشف پیدا ہونا لازم ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جب ان سے مناظرہ کے لیے پہنچے ہیں تو جو پہلا فقرہ انہوں نے فرمایا ہے وہ یہ تھا۔ میں ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس میں یہ قرآن اترا ہے اور جو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والی ہے۔

قرآن خواں اور قرآن داں کا فرق ☼ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم قرآن خواں ضرور ہو مگر قرآن داں نہیں۔ اگر انصاف

لے ..... بعد ان میں سے دو تین شخص سامنے آئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت علیؓ پر تمہیں کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا تین اعتراض ہیں۔ میں نے کہا بتاؤ انہوں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں انسانوں کو حکم بنایا حالانکہ قرآن کریم میں ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام:۵۷) فیصلہ صرف خدا کا ہے۔ میں نے کہا چلو ایک بات ہوئی' اور بولو۔ کہنے لگے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ سے جنگ کی پھر نہ کسی کو قید کیا اور نہ مال غنیمت لوٹا۔ اب اگر ان کی جماعت مسلمان تھی تو ان سے جنگ کیوں کی اور اگر کافر تھی تو جس طرح ان کے ساتھ جنگ درست تھی قید کرنا بھی درست تھا۔ میں نے کہا اچھا اور کچھ؟ بولے تیسری بات یہ ہے کہ انہوں اپنا نام امارت سے کیسے مٹایا اس لیے اگر وہ مؤمنین کے امیر نہیں تو یقیناً کافروں کے امیر ہوئے۔ میں نے کہا اگر میں ان سب باتوں کا تمہیں خود قرآن وسنت سے ہی جواب دے دوں تو کیا واپس چلے جاؤ گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر میں نے کہا اچھا تو سنو!

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن ہی میں دوسروں کو حکم مقرر کرنے کا حکم موجود ہے چنانچہ حالت احرام میں کوئی شخص شکار کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جزاء مقرر کی ہے اور اس کا فیصلہ دو منصف مسلمانوں پر رکھا ہے جو وہ کہہ دیں گے وہی قابل تسلیم ہو جائے گا۔ اسی طرح خلع میں طرفین کے دو شخص بنا کر فیصلہ ان کی رائے پر رکھ دیا ہے اب تم ہی انصاف کرو کہ جب جانوروں اور عورتوں تک کے معاملات میں مسلمانوں کا فیصلہ قابل تسلیم سمجھا گیا ہے تو مسلمانوں کے جانی معاملات میں کیوں قابل تسلیم نہیں ہوگا اب بتاؤ تمہارا یہ اعتراض جاتا رہا یا نہیں۔ کہنے لگے جی ہاں۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ بتاؤ حضرت عائشہؓ تمہاری ماں تھیں یا نہیں اگر انکار کرتے ہو تو کافر ہوتے ہو اور اقرار کرتے ہو تو کیا قید کرنے کے بعد ان کے ساتھ وہ سب معاملات درست رکھو گے جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ جائز ہوتے ہیں اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو بھی کافر ہو۔ کہو اس پر تمہارا کوئی اعتراض ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔

میں نے کہا کہ اب تیسری بات کا جواب سنو! صلح حدیبیہ میں ابوسفیان وسہیل کے اصرار پر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کرنے کا امر نہیں فرمایا تھا پھر اگر حضرت علیؓ نے اپنا نام امارت سے علیحدہ کر دیا تو کیا ہوا۔

سوال وجواب کے بعد ان میں دو ہزار اشخاص تو واپس ہو گئے اور جو رہ گئے وہ قتل کر دیے گئے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۰۴)

www.besturdubooks.net

کرتے تو یہ فیصلہ آسان تھا کہ قرآن کی صحیح مراد وہ لوگ زیادہ جانتے تھے جن میں سب سے پہلے قرآن اترا' اور جنہوں نے براہ راست صاحب کتاب سے اس کی مرادیں سمجھیں اور اپنی آنکھوں سے اس پر عمل کا طریقہ دیکھا' یا تم جو ان میں سے کسی ایک بات میں بھی ان کے شریک وسہیم نہیں' نہ تم قرآن کے نزول کے ماحول سے واقف ہو اور نہ اس کی مراد دریافت کرنے کا کوئی صحیح معیار تمہارے سامنے ہے صرف ایک سطحی علم' ایک جامد رائے اور ایک جہل آلود مزاج ہے- اس پر یہ دھوکا ہے کہ مخلص بھی تم ہی ہو' قرآن کو بھی تم ہی سمجھتے ہو اور تم ہی اس پر عمل کرتے ہو-

اسبابِ اختلاف حضرت ابن عباسؓ کی نظر میں ❋ اسی لیے جب ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک' قبلہ ایک' کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیونکر پیدا ہوگا تو حضرت ابن عباسؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ اے امیر المؤمنین! قرآن ہمارے سامنے اترا ہے- ہم تو اس کے موارد نزول کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں- لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر انہیں صحیح طور پر اس کے موارد ومصادر کا علم نہ ہوگا پھر اس میں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کریں گے اور انکل کے تیر چلائیں گے- اس لیے ان میں اختلاف ہو جائے گا اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں ہوں گی- شروع میں تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے اتفاق رائے نہ کیا لیکن غور کرنے کے بعد انہیں بھی ابن عباسؓ سے اتفاق رائے کرنا پڑا۔[1]

حضرت ابن عباسؓ کی اس صوابدید کی اس سے زیادہ شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام میں ایک خوفناک گروہ بندی کی جب بنیاد پڑتی ہے تو وہ اسی ناواقفی وجہل کی بدولت نظر آتی ہے- چنانچہ خوارج کا نقطۂ ضلالت یہی تھا کہ جو آیات کفار کی شان میں نازل ہوئی تھیں انہیں وہ مسلمانوں کے حق میں سمجھ کر انہیں کافر قرار دیتے پھر اس جاہلانہ بنیاد پر ان سے آمادۂ جنگ ہو جاتے تھے-

سلف کی یہ دقت نظر قابل داد ہے جنہیں ہر دینی معاملے میں سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ اس میں صحابہؓ کرام کا طریقہ کیا تھا اور جب ان کی کوئی ایک رائے معلوم ہو جاتی تو اسی کو اپنے لیے اسوہ بنا لیتے اور اختلاف دیکھتے تو ان ہی آراء میں سے کسی کا اتباع کر لیتے اور ان سے باہر قدم نکالنا ضلالت وگمراہی تصور کرتے۔[2]

---

[1] الاعتصام ص ۱۵۷-

[2] حافظ ابن عبدالبر امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے شاگرد بقیہ بن الولید سے فرمایا:

یا بقیة العلم ماجاء عن اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم و ما لم یجیٔ فلیس بعلم ہے[1]

اے بقیہ بس علم تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں-

قال الشعبی ما حدثوک عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فخذ به و ما قالوا فیه برأیهم فبل علیه[2]

عامر شعبیؒ کہتے ہیں لوگ جو باتیں تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جانب سے نقل کریں تو انہیں اختیار کر لو اور جو اپنی رائے سے کہیں انہیں نفرت کے ساتھ چھوڑ دو- ﷲ .....

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۹۳- [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۲-

www.besturdubooks.net

کلام فہمی کے لیے محاورات کے سوا مصنف کی مزاجی خصوصیات کا علم بھی ضروری ہے ❋ اگر ملکی عادات' رسم و رواج' زبانی محاورات' مصنف کی خصوصیات کا علم کسی عام کلام کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے تو بلاشبہ کلام اللہ کی مراد متعین کرنے کے لیے بھی اس کا علم ضروری ہے کہ عرب کا ماحول' عرب کی زبان پھر سب سے پہلے کتاب اللہ کا طرزِ خطابت کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ ان اوصاف میں جس قدر عہد نبوت کے قریب ہوتے جاؤ گے اتنا ہی کمال نظر آتا جائے گا اور جتنا اس عہد سے نیچے اترتے آؤ گے اتنا ہی نقصان نظر آتا جائے گا۔

علم کا طول وعرض اور ہے اور اس کا عمق اور ❋ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ صحابہؓ کے علوم میں وہ طول وعرض نہیں ملتا جو متاخرین کے یہاں موجود ہے مگر صحیح علم طویل وعرض کا نام نہیں بلکہ اس کے رسوخ اور عمق کا نام ہے۔ اکتسابی اور رسمی فنون چونکہ محض انسانی دماغ کی پیداوار ہیں اس لیے ظنی ہیں اور ظنیات میں چونکہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لیے تحصیل یقین کی سعی میں دلائل اور تحقیقات کا طول وعرض خواہ مخواہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن وحی کا علم قطعی ہے وہ جتنا نظر آتا ہے سب مغز ہی مغز ہوتا ہے اس لیے اس میں طول وعرض

ف..... حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

لا یزال الناس بخیر ما اتاھم العلم من قبل اکابر ھم فاذا اتاھم من قبل اصاغر ھم ھلکوا[1] جب تک لوگوں کے سامنے بڑے بڑے علماء کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی یافتہ رہیں گے اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہوگا تو برباد ہو جائیں گے۔

ابن مبارکؒ فرماتے ہیں اصاغر سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین میں اپنی رائے لڑائیں۔ ابوعبید وفرماتے ہیں میرے نزدیک اس کی مراد یہ ہے کہ جو لوگ صحابہ کے بعد ہیں ان کا علم حاصل کیا جائے اور صحابہؓ کے علم کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائے[2]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ پر سخت گریہ طاری ہوا ان سے دریافت کیا گیا خیر تو ہے کیا کوئی مصیبت درپیش ہے؟ فرمایا نہیں لیکن یہ دیکھ رہا ہوں کہ دین کی باتیں بےعلموں سے دریافت کی جاتی ہیں اور یہی گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔[3]

ان آثار اور اس طرح کے بہت سے آثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلف کے یہاں صحابہؓ کے علم کا کتنا وزن تھا ان کے یہاں اس علم کی اتنی قدر و قیمت کیوں تھی؟ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح سنت مقاصد قرآنیہ کے لیے کاشف ہے اسی طرح صحابہؓ کے کلمات مقاصد سنت کی شرح کرنے والے ہیں کیونکہ یہ کلمات اگر حضورؐ سے سنے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل سے افضل کوئی نقل نہیں ہو سکتی اور اگر وہ ان کی اپنی رائے ہے تو دین میں ان کی رائے سے بہتر کس کی رائے ہو سکتی ہے۔

محمد بن سیرینؒ سے حج کے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کرھھا عمر و عثمان فان یکن علما فھما اعلم منی و ان یکن رأیا فرایھما افضل[4] یعنی عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے' اب اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ عالم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے افضل ہے۔

یہ محمد بن سیرین کا قول ہے جو مشہور ترین تابعی ہیں اور تابعین میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں وہ علم اسی کو کہہ رہے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اس کے سوا جو علم ہے اس کا نام رائے رکھتے ہیں پھر صحابہ کی رائے کا وہ مرتبہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اپنی رائے قابل ذکر نہیں سمجھتے۔

---

[1] ایضاً ج۱ص۱۵۹۔ [2] ایضاً ج۱ص۱۵۸۔ [3] الاعتصام ج۲ص۱۴۹۔ [4] جامع بیان العلم ج۲ص۳۱۔

www.besturdubooks.net

نہیں ہوتا ہاں اس کی گہرائی بے اندازہ ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص زمین پر کرویت یا اس کی حرکت بزور دلائل ثابت کرنا چاہے تو اس کے لیے بہت بڑے علم، بہت کافی تجربے اور ایک طویل عمر کی حاجت ہوگی لیکن وہ شخص جوان دونوں چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس کو ان میں سے کسی بات کی بھی ضرورت نہیں، سب سے بڑی دلیل، سب سے بڑا تجربہ اس کا اپنا مشاہدہ ہے اس لیے جو یقین اس کو حاصل ہے وہ پہلے شخص کو عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى﴾ (النجم: ۱۲) کیا تم اس رسول سے اس کی آنکھوں دیکھی باتوں میں جھگڑتے ہو بہر حال جب دین کے علم اور دین کے مسائل پر بحث ہوگی تو سب سے پہلے یہ پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اس باب میں صحابہؓ اور سلف[1] کی رائے کیا تھی اور ان کی رائے کے بالمقابل دوسری سب رائیں اسی طرح ٹھکرا دینے کے قابل ہوں گی جس طرح ہائی کورٹ کے نظائر کے مقابلہ میں دوسری عدالتوں کے فیصلے ٹھکرا دینے کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔ وہ دین کا ہائی کورٹ تھے اور ان سے زیادہ صحیح مراد حاصل کرنا عقلاً تو ممکن ہے مگر واقعات کے دائرہ میں ممکن نہیں اس کے سوا جو علم بھی ہے گو اس میں طول و عرض نظر آئے اور اس میں عمق کا بھی گمان ہوتا ہو لیکن وہ سب سطحی علوم ہیں اور ان کا اتباع یقیناً دینی افتراق کا باعث ہو کر رہے گا۔[2]

اسی کی طرف حدیث ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

---

[1] حضرت حسنؒ صحابہؓ کے حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لیے اسے پسند کیا تھا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی اس کو دھن تھی تو اسی کی تلاش تھی تو اسی کی اس کعبہ کے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی۔ (الموافقات ج ۴ ص ۷۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعبیر اس سے بھی زیادہ صاف شاندار اور مکمل ہے۔

من كان منكم متأسيا فليتأس باصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فانهم كانوا ابر هذه الامة قلوبا و عمقها علما و اقلها تكلفا و اقومها هديا و احسنها حالا قوما اختارهم الله لصحبة نبيه و اقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم و اتبعوا في اثارهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم.

تم میں جس کو اقتدا کرنا ہو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہی کی اقتداء کرے کیونکہ وہ نیک دلی میں سب سے زیادہ، علم میں سب سے گہرے نہایت بے تکلف، مضبوط کیرکٹر اور بہت اچھے حالات کے لوگ تھے اور اسی لیے خدائے تعالیٰ نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لیے انتخاب کیا تھا اس لیے تم بھی ان کی بزرگی پہچانو اور ان کے ہی نقش قدم پر چلو کیونکہ وہ سیدھے اور صاف راستہ پر تھے۔

صحابہ کی صفات اور ان کے علمی پایہ کے متعلق الفاظ کا یہ توافق بتاتا ہے کہ ان میں یہ اوصاف اس قدر عیاں تھے کہ جو شخص بھی انہیں دیکھتا تھا وہ ان اوصاف کو سب سے پہلے ان میں دیکھ لیتا تھا اور اس لیے خود ان کے سامنے سرنگوں ہو جاتا اور دوسروں کو اس وصیت کے پہنچانے کے لیے مجبور تھا جو ان کے زمانہ میں ان مقدس ہستیوں کا بچشم خود مشاہدہ کرنے والے تھے یا اس سے قریب تر زمانہ میں تھے۔ ان کی رائے تو یہ ہے اور جو ان دو صفتوں سے محروم ہیں اگر وہ کوئی اور رائے رکھتے ہیں تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

[2] دیکھو اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۶ و ج ۴ ص ۱۱۳ و ۱۳۶۔

www.besturdubooks.net

لا یقبض اللہ العلم انتزاعا ینتزعہ من الناس و لکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسًا جہالاً فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا۔

اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے ایک دم نہیں نکالے گا بلکہ علماء کو ایک ایک کر کے اٹھا لے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی صحیح عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے وہ فتوے دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عالم رئیس فتنہ نہیں ہوتا جاہل پر عالم کا گمان کرلیا جاتا ہے ✻ بعض علماء نے اس حدیث سے خوب استنباط فرمایا ہے کہ علماء کبھی رئیس ضلالت نہیں ہوتے مبدأ ضلالت ہمیشہ جاہل ہوتا ہے پھر اس کے اتباع میں گمراہی پھیلتی ہے مگر فتن جب ٹوٹتے ہیں تو ایک تاریکی لے کر نہیں ٹوٹتے اپنے گردوپیش میں اتنی تاریکیاں لے کر آتے ہیں کہ اس وقت عالم اور غیر عالم کی شناخت ہی ممکن نہیں رہتی غیر عالم بانی ضلالت ہوتا ہے اور یہ ٹیکہ علماء کے نام پر مفت لگ جاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک امین انسان کبھی خیانت نہیں کرتا لیکن غلطی سے کبھی امین کے دھوکہ میں امانت خائن کے ہاتھوں میں جا پڑتی ہے۔ وہ خیانت کرتا ہے پھر مشہور یہ ہوتا ہے کہ فلاں امین نے خیانت کی ہے اسی طرح ایک عالم متقی' راسخ العلم' کبھی منشاء ضلالت نہیں ہوتا۔ یوں ذلت ولغزش انسانی فطرت ہے وہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا جذبہ ہمیشہ بے علموں میں ابھرتا ہے مگر بدنامی علم کے نام پر باقی رہ جاتی ہے۔ آج بھی اگر ہندوستان کی فرقہ بندیوں پر نظر ڈالو گے تو ان کے مختلف عناصر میں ایک بڑا عنصر یہی بے علمی ہے یا وہ فرزانگی جس کی بلند پروازیوں کے لیے حدود اور غیر حدود کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔

سطحی اور عمیق علم کا فرق ✻ بحث تشنہ رہ جائے گی اگر اس مرحلے پر سطحی علم اور عمیق علم کی مناسب وضاحت نہ کی جائے صاحب موافقات نے اپنی کتاب کے شروع میں تیرہ مقدمات تحریر فرمائے ہیں جن میں ہر مقدمہ اپنی جگہ مہم اور ضروری ہے لیکن بارہواں مقدمہ ہمارے مضمون کے لحاظ سے اور بھی زیادہ اہم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم ہمیشہ محقق اور راسخ العلم شخص سے حاصل کرنا چاہیے کیونکہ مشہور ہے کہ ''از ناقصے کامل نزاید'' اس کی علامت تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راسخ العلم کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس نے علم شیوخ کی زیر نگرانی اور ان کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا ہو تاکہ ان کے فیض صحبت سے اس کا رسوخ بھی حاصل ہو جائے صحبت اور ملازمت شیخ کو رسوخ علم میں بڑا دخل ہے۔ صحابہ کا علم اسی طریق پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھنے والا صحابی جس خوبی اور پختگی سے توحید اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس پاروں کا حافظ بھی اس کا عشر عشیر سمجھا ہوا نہیں۔

صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا ✻ بات یہ ہے کہ الفاظ میں اشتراک و ترادف' حقیقت و مجاز اور عموم و خصوص کے احتمالات پھیلتے چلے جاتے ہیں اس لیے محض لفظوں کی لوٹ پلٹ سے یقین تک رسائی نہیں ہوتی' محقق معلم ایک نکھری نکھرائی مراد متعلم کو بتا دیتا ہے پھر یہ کچھ قدرتی انتظام بھی ہے کہ جب ایک جماعت تشنہ لب' دست حاجت دراز کیے ہوئے تحصیل علم کے لیے آتی ہے تو اس اجتماع میں کچھ عجیب برکت پیدا ہو جاتی ہے یعنی معلم میں قوت افادہ اور متعلم میں ذہنی طور پر قوت استفادہ کچھ اس طرح رونما ہو جاتی ہے کہ علوم جس انداز سے یہاں کھلتے ہیں صرف اپنے مطالعہ سے نہیں کھلتے آخر یہ کیا بات تھی کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد ہی اپنے قلوب میں ایک تغیر محسوس کیا تھا۔ حضرت حنظلہ جب اپنے گھر

www.besturdubooks.net

4

آتے تو ان کے قلب میں بردِ یقین کی جو کیفیت آپ کی صحبت میں ہوتی بدل جاتی - یہ انشراح و یقین سب اسی ملازمت نبی کا کرشمہ ہی تو تھا-

زیرِ تربیت علم کی تاثیرات ❋ اس تربیت اور صحبت کی تاثیر بعض مستعدین پر تو عجب حیرت انگیز طریقے سے ہوئی ان کی قوت استفادہ اتنی ترقی کر گئی کہ بعض مرتبہ نزول وحی سے پہلے ہی وہ بجلی کی طرح دور سے اس کو لپک لیا کرتے- کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ وحی الٰہی کا فیصلہ کل کیا ہوگا- مگر نورِ نبوت کا یہ تربیت یافتہ' انوارِ صحبت سے لبریز' مجلس میں بول اٹھتا اور جو وہ بول اٹھتا تمام وحی اسی کے موافق نازل ہو جاتی' صلاحیت و صواب رسی کی یہی وہ آخری منزل تھی جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو گیا ہوتا تو یہ خلعت اس کو پہنا دیا جاتا - یہ وہی ہے جس کو دنیا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے پکارتی ہے- صحاح کی روایات میں تو موافقات عمرؓ کی تعداد تین ہی بتائی گئی ہے مگر موافقات عمرؓ اس سے کہیں زیادہ ہیں- بہر حال اگر عمرؓ اس ماحول کے سوا قرآن کریم کا مطالعہ کہیں اور رہ کر کرتے تو کیا یہ صواب رسی' یہ توقد' یہ ذکاء ان کو میسر آتا-

صلح حدیبیہ میں صحابہؓ کے اضطراب اور پھر سکون میں ایک تعلیمی سبق ❋ دیکھئے صلح حدیبیہ کا واقعہ ان کے اور دیگر صحابہؓ کے لیے کتنا مشکل سبق تھا فاتحانہ جرأت رکھتے ہوئے مفتوحانہ شرائط کو معقول سمجھنا اور ان کو قبول کر لینا کتنی کٹھن منزل تھی- پھر آپ کو معلوم ہے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اس نے اس واقعہ کا نام فتح رکھا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروقؓ کو جو اس معاملہ میں سب سے زیادہ الجھن میں پڑے ہوئے تھے بلایا اور وحی الٰہی کو پڑھ کر سنا دیا آپ کا پڑھ کر سنانا تھا کہ یا ابھی ابھی وہ بے چینی وہ اضطراب تھا کہ طبیعت سنبھالے نہ سنبھلتی تھی یا اب صلح حدیبیہ کا فتح ہونا ان کی رگ و پے میں اتنا سما چکا تھا کہ تمام اضطراب و بے چینی کی بجائے سکون ہی سکون و اطمینان ہی اطمینان تھا-

حادثہ وفات پر صحابہ کرام کا دوسرا اضطراب و سکون ❋ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثہ وفات نے جو ہیجان ان کے سینہ میں برپا کر دیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی موت کے نام لینے والے کا جواب شمشیر سے دینا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیت ﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ... الخ﴾ (النساء: ۱۴۴) کا پڑھنا تھا کہ یہ اور ان کے ساتھ بہت سے مدہوش صحابہؓ ہوش میں تھے- صحبت میں رہ کر جو علوم حاصل کیے جاتے ہیں ان میں اول تو شبہات پیدا نہیں ہوتے اور جو پیدا ہوتے ہیں وہ اسی طرح ظاہری و باطنی اثرات سے کافور ہوتے رہتے ہیں حتی کہ

علم پڑھنا پھر اُسے گننا چاہیے ❋ جب ایک متعلم اس طرح علم پڑھتا اور گن لیتا ہے تو اس کا قلیل علم بھی قلیل نہیں ہوتا - اب اس کا نام علم نہیں رہتا بلکہ قرآنی الفاظ میں شاید حکمت ہو جاتا ہے- قرآن کریم میں جس حکمت کو حضرت لقمان کا بڑا علم بتلا دیا گیا ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَۃَ﴾ (لقمان: ۱۲) ہم نے لقمان کو حکمت مرحمت فرمائی تھی- وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے ﴿وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃَ﴾ (البقرۃ: ۱۲۹) میں اسی طرف اشارہ ہے-

حکمت کا مفہوم ❋ گو عام مفسرین نے حکمت کی تفسیر سنت کی ہے مگر یہاں اور بھی بہت اقوال موجود ہیں' تعلیم کتاب کے ساتھ جب حکمت کی تعلیم نہیں رہتی تو گویا اصل دوا کا بدرقہ نہیں رہتا اس لیے اس کی تاثیر میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے- معلم محقق

www.besturdubooks.net

4 کتاب کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتا ہے جو کتاب کے علاوہ دوسری چیز ہوتی ہے- یہ حکمت کتاب کی شکل میں کوئی دوسری کتاب نہیں ہوتی بلکہ اس کتاب کو صحبت نبی میں پڑھنے کے وہ اثرات ہوتے ہیں جو مستعد شخص کی ذہنیت میں ایسی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں کہ صحیح فہم وفراست اس کے لیے ملکہ نفس بن جاتی ہے' اس کے خیالات وعقائد خود پاکیزہ اور دوسروں کو بھی پاکیزہ بنا دیتے ہیں- غلط بات کو اس کا ذوق قبول نہیں کرتا اور صحیح حقیقت قبول کرنے میں اسے کچھ تردد نہیں رہتا- امام مالکؒ فرماتے ہیں:

الحکمۃ و العلم نور یھدی بہ اللہ من یشاء. — حکمت اور علم ایک نور ہے خدائے تعالیٰ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے-

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسب کا ثمرہ ہی نہیں بلکہ وہبی نعمت ہے کسی نصیب والے کو مل جاتی ہے' کتاب اللہ کے ساتھ جب یہ حکمت نہیں ہوتی تو خام طبائع اسے فلسفہ بنالیتی ہیں غالباً اقبال مرحوم نے اسی کے لیے یہ شعر کہا ہے ؎

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی — رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

امام مالکؒ جب مسائل اجتہادیہ اپنے طلبہ کے سامنے بیان فرماتے تو طلبہ ان سے لکھنے کی اجازت طلب کرتے آپ منع فرما دیتے اور کہتے کہ یہ مسائل اگر دنیا میں پھیل گئے پھر کل ان کے متعلق میری رائے بدل گئی تو اس کی تلافی مشکل ہو جائے گی اس لیے لکھو مت' انہوں نے عرض کیا پھر کیا کریں تو فرمایا-

تحفظون و تفھمون حتی تستنیر قلوبکم ثم لا تحتاجون الی الکتابۃ. — بس زبانی یاد رکھو اور انہیں خوب سمجھ لو یہاں تک کہ جب تمہارے قلوب روشن اور منور ہو جائیں گے تو اسکے بعد لکھنے کی خود بخود ضرورت نہ رہیگی.

دوسری جگہ امام مالکؒ فرماتے ہیں-

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکنہ نور یجعلہ اللہ فی القلوب. — علم کثرتِ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے-

پھر اس کی علامت بیان فرماتے ہیں-

و لکن علیہ علامۃ ظاھرۃ و ھو التجا فی عن دار الغرورو الانابۃ الی دار الخلود. — اس کی ایک کھلی علامت دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف توجہ ہے-

علم ایک نور کا نام ہے ✻ امام مالکؒ جیسا شخص یہ بتا رہا ہے کہ علم کثرتِ روایت اور طول وعرض کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جس کے بعد دماغ رٹنے کا محتاج نہیں رہتا اس کی روشنی میں حقائق اشیاء اسی طرح نظر آنے لگتی ہیں جیسا کہ آفتاب کی روشنی میں سیاہ وسفید-

علم کے متعلق اشراقیہ کی رائے ✻ اشراقیین کا بڑا طبقہ علم کی حقیقت بھی اشراق نوری قرار دیتا ہے- علم درحقیقت اسی نور کا نام ہے جب تک یہ نور پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک مسائل غامضہ تو درکنار بدیہیات بھی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ منکشف نہیں ہوتے وہ قرآنی سورتیں کی سورتیں پڑھ جاتا ہے- حدیثوں کے انبار کے انبار رٹ لیتا ہے لیکن اس کے قلب میں جو درحقیقت علم کی

www.besturdubooks.net

تخت گاہ ہے علم وفہم کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا اسی لیے خوارج کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ **یقرون القران لا یجاوز حنا جرھم** علم کی حقیقت سے نا آشنا تو آیات واحادیث کا یہ طول وعرض' الفاظ کا یہ طمطراق دیکھ دیکھ کر مرعوب ہوتا رہتا ہے مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ یہ علم خوشنما الفاظ کا صرف ایک انبار ہے جس کی حقیقت قاعدۂ بغدادی کے صرف انتیس حروف ہیں اور بس- اس کے برخلاف جوعلوم تاثیر صحبت سے راسخ ہوکر نور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں وہ کتنے ہی مختصر ہوں ان کا جامہ کتنا ہی کہنہ اور دریدہ ہو مگر قدر شناس خوب جان لیتا ہے کہ یہ گدڑیوں میں لعل ہے-

نور علم بلاعقیدت واتباع منتقل نہیں ہوتا ❋ یہ علم صرف مشائخ کرام اور علماء کبار کی زیر تربیت ہی حاصل ہوتا ہے اور اس لیے جب تک متعلم ان کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تعلق نہ رکھے ان کے رنگ میں رنگین نہ ہو اس وقت تک علم کا یہ نور بھی اس کے سینہ میں منتقل نہیں ہوتا- وہ حرف شناس ہوکر حاضر ہوتا ہے اور فقرہ باز بن کر واپس چلا جاتا ہے اب جتنا چاہے اس پر ناز کرے-

غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ سطحی علم سے ہمارا کیا مطلب تھا اور صحابہؓ کے علم کو ہم نے صرف حسن اعتقاد سے نہیں بلکہ حقیقت کی بنا پر عمیق کہا تھا- اب یہ علم اگر کسی سینہ میں سرایت کر جائے تو کیا آپ کے نزدیک اس پر مقاصد شریعت مخفی رہ سکتے ہیں- اگر علم کے مختلف حاملین ایک ہی منبع سے فیض یاب ہوں جہاں کوئی اختلاف نہیں تو کیا ان میں اختلاف پیدا ہونے کا کوئی احتمال ہو سکتا ہے-

اس کے بعد راسخ العلم کی دوسری علامت یہ تحریر فرمائی ہے کہ اس کا علم وعمل' حال وقال ایک دوسرے سے مطابق ہو-

علم صحیح عمل کی دعوت دیتا ہے ❋ مذکورہ بالا تفصیل کے بعد یہ نتیجہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ صحیح عالم بے عمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ صحیح علم بلاعمل قائم رہ سکتا ہے- علم صحیح کا تسلط اور اس کی باطنی تسخیر اپنے حامل کو اس کے لیے جھکا دیتی ہے کہ وہ اس کے مقتضاء پر عمل کرے- کچھ دن عالم اور علم میں یہ کشمکش رہتی ہے پھر بالآخر یا عالم کو اقتضاء علم کے تابع ہو جانا پڑتا ہے ورنہ علم خود اس سے کنارہ کش ہوکر اپنی گدی ویران چھوڑ جاتا ہے-

علماء سوء کی علامت ❋ فاضل مؤلف نے آٹھویں مقدمہ کے آخر میں ایسے علماء کا نام علماء سوء رکھا ہے اور اس کی شہادت میں اکابر صحابہؓ وعلماءؒ کے آثار ذیل نقل کیے ہیں-

> ''حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے گروہ علماء اپنے علم پر عمل کیا کرو کیونکہ عالم وہ ہے جو پہلے علم حاصل کرے پھر اس پر عمل بھی کرے اس کا علم وعمل یکساں نظر آئے- آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو علم حاصل کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا- ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف اور ان کا علم ان کے عمل کے برخلاف ہوگا- حلقے بنا بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں گے یہاں تک کہ اپنے شاگرد پر کوئی تو اس لیے ناراض ہوگا کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کے حلقہ درس میں کیوں بیٹھ گیا یہی لوگ ہیں جن کے اعمال قبول نہ ہوں گے-''

> ''حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ عالم تو وہ ہے جو اپنے علم کے موافق عمل بھی کرے لیکن جس کا علم وعمل مخالف ہو وہ کیا عالم ہے-''

www.besturdubooks.net

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علماء وہ لوگ ہیں کہ جب علم حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں اور جب عمل کرتے ہیں تو اسی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جب مشغول ہو جاتے ہیں تو عوام میں نظر نہیں آتے جب نظر نہیں آتے تو ان کی تلاش پڑتی ہے جب تلاش ہوتی ہے تو مخلوق سے بھاگتے ہیں۔''

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو شخص لوگوں سے علم میں برتر ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ عمل میں بھی ان سے برتر رہے۔''

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم جب آتا ہے تو عمل کو پکارتا ہے اگر وہ بھی آ گیا تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ رخصت ہو جاتا ہے۔''

مذکورہ بالا آثار میں علم وعمل کا وہ ربط جو ان حضرات کی دوربین نظروں میں تجربہ کے بعد ثابت ہوا ہے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صاحب موافقات لکھتے ہیں کہ علم میں لگے رہنے سے ایک نہ ایک دن عمل کے لیے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔

''حسنؒ فرماتے ہیں شروع میں ہم نے دنیا کے لیے علم حاصل کیا آخر کار ہمیں علم نے آخرت کی طرف کھینچ ہی لیا۔''

''معمرؒ کہتے ہیں یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی علم دنیا کی نیت سے حاصل کرے گا تو آخر علم اسے کشاں کشاں خدا کی طرف لے ہی آئے گا۔''

''حبیب بن ابی ثابتؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے علم حاصل کرنا شروع کیا تو اس وقت ہماری کوئی اچھی نیت نہ تھی لیکن جب علم آیا تو خود بخود اچھی نیت پیدا ہوگئی۔''

اختلاف کا دوسرا سبب اتباع ہوٰی ہے ٭ قدرت نے انسان میں فہم وفراست اور عقل وذکاوت کی وہ طاقت ودیعت رکھی ہے کہ جب وہ اس کا پورا پورا ادراک کر لیتا ہے تو بر وبحر کی ساری طاقتیں اس کو اپنی ہی محکوم نظر آتی ہیں' وہ سمندروں کے طوفانوں' دریا کی موجوں اور بڑے بڑے حوادثِ ارضی کو نظر میں نہیں لاتا وہ سورج کی شعاعوں اور بادلوں کے پانی سے بڑی بے نیازی کے ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر اس کے نظام عمل میں یہ عظیم الشان مخلوق بھی اس کے ارادہ کے موافق کام نہیں کرتی تو اپنا ایک الگ سورج اور جدا بادل بنا کر نہایت حاکمانہ انداز میں ان کا بائیکاٹ کر دیتا ہے۔

انسان کچھ پر اپنی حکومت دیکھتا ہے اور سب کچھ پر حکومت کا یقین کر لیتا ہے ٭ اپنی حاکمیت کی یہ بے پناہ وسعت دیکھ کر اسے یقین ہو جاتا ہے کہ بس وہی ایک حاکم علی الاطلاق ہے اور سب کچھ اسی کے زیر حکومت ہے۔ اسی زعم حاکمیت میں کبھی کبھی جب وہ آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کی نظر ایک ایسے عالم پر پڑتی ہے جہاں اس کی حاکمیت کا وہ اثر ظاہر نہیں ہوتا جو اس کرۂ ارضی پر نظر آتا تھا یہ ہمہ وقت اس کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہا ہے اور وہ اس کی قید حکومت سے تمام تر آزاد ہے۔ نظام شمسی وقمری اس کی دسترس سے بالکل باہر ہیں۔ سیارات کی گردش اور بے شمار ثوابت کی معین نشست پھر ان میں صغیر وکبیر' قرب وبُعد کا تناسب' یہ ابھی تک اس کے لیے موجب حیرت بن رہا ہے' مدتوں سعی کے بعد اگر اس نے بازوئے پرواز حاصل کیے بھی تو وہ بھی چند میل کے فاصلہ پر جا کر شکستہ ہو گئے۔ تاہم کبھی وہ ہواؤں پر اڑا اور کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھا اور اپنی عقل وفراست کی جتنی بھی طاقت تھی وہ سب خرچ کر ڈالی مگر ابھی تک اس کو یہ باور نہیں ہو سکا کہ عالم علوی پر بھی اس کو وہی تصرف وقبضہ حاصل ہو گیا

www.besturdubooks.net

ہے جو عالم سفلی پر تھا قدرت اس کو اتنا زبردست حاکم بنا کر پھر کبھی کبھی اس لیے شکست دیتی رہتی ہے کہ اس کے دل میں کبھی اس سے برتر حکومت کا تصور بھی آ جائے اسی قدرت و عجز کے درمیان اس کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

معجزہ ❋ انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ اسی بادشاہت کے پیغمبر ہیں جس سے وہ ہمیشہ شکست کھاتا رہا ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت میں دنیوی طاقتوں کو چیلنج دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنی ساری طاقتوں کو بروئے کار لے آئیں اور ان کا مقابلہ کر لیں اور اگر اس پر بھی مقابلہ نہ کر سکیں تو اس کا یقین کر لیں کہ وہ ضرور کسی ایسی حکومت کی طرف سے آئے ہیں جو ان ساری حکومتوں سے قوی تر اور بالاتر ہے اسی کا نام معجزہ ہے اس کے بعد وہ ان کے سامنے ایک دستور العمل رکھتے ہیں اور بے چون و چرا اس پر عمل کرنے کی عام دعوت دیتے ہیں۔

انسان کا قدرت کے ساتھ ایک فریب ❋ یہ شکست خوردہ انسان گو اس قاہرانہ طاقت کے بالمقابل کبھی سرنگوں ہو جانے پر مجبور تو ہو جاتا ہے مگر اندر ہی اندر کوشش کیا کرتا ہے کہ اس حاکم قانون کو بھی اپنی ہی قید حاکمیت میں لے آئے باغی تو یہاں صاف انکار کر دیتا ہے اس سے ہمیں سروکار ہی نہیں۔ ایک فرمان بردار بھی اس موقع پر حق حاکمیت ادا کرتا نظر نہیں آتا اور ایک صحیح بات کی آڑ لے کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے اور بجا کرتا ہے کہ اس آئین کو معقول تر آئین ثابت کرے مگر یہاں فریب یہ ہے کہ اس معقولیت کا معیار اپنی عقل نارسا کو بنا لیتا ہے اور اس لیے اس خیر خواہی میں وہ شریعت سماویہ کی گردن توڑتا موڑتا رہتا ہے۔ حکم یہ تھا کہ ہر اختلاف میں اسی قانون کو حکم اور فیصل بناؤ اور عمل یہ ہے کہ اس قانون کو اپنی عقل کے مطابق کرنے کی سعی ہو رہی ہے اسی کا نام اتباع ہویٰ ہے۔

اتباعِ ہدیٰ اور اتباعِ ہویٰ متضاد صفتیں ہیں ❋ قرآن کریم اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہدیٰ کو دو متضاد چیزیں قرار دیتا ہے یعنی جو تبع ہویٰ ہے وہ سماوی ہدیٰ کا تبع نہیں ہو سکتا اور جو آسمانی ہدایت کا تبع ہے وہ ہویٰ کے پیچھے نہیں جا سکتا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ. (جاثیہ:۱۸)	پھر ہم نے آپ کو دین کے راستہ پر رکھا ہے (یعنی ہدیٰ) تو آپ اسی پر چلیے اور بے علموں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے۔

یعنی اتباع ہدیٰ کو اتباع ہویٰ کا ترک لازم ہے۔ ہدیٰ اور ہویٰ اپنی اپنی جگہ دو کھلے ہوئے راستے ہیں، قدرت نے دونوں انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ اور ان دونوں راستوں میں ایک راستہ پر چلنے کا حکم اور دوسرے سے احتراز کا حکم دے دیا ہے۔

ہدیٰ اور ہویٰ کے دوراہے پر انسان کا امتحان ❋ اسی دوراہے پر کھڑا کر کے انسان کا امتحان لیا گیا ہے۔ راہ ہدیٰ پکارتی ہے کہ راہ یہ ہے اس پر چلو مگر ہویٰ مچلنے لگتی ہے اور سو طرح کی رکاوٹیں سامنے لے آتی ہے۔ ہدیٰ ایک آسمانی آئین ہے اس کے اتباع میں محکومیت کا داغ لگتا ہے اور ہویٰ اپنے ہی نفس کے جذبات ہیں اس کے مان لینے میں حاکمیت کا مزا آتا ہے اس لیے یہاں تک ایک نیک بخت انسان بڑی حماقت یہ کرتا ہے کہ ھدیٰ اور ہویٰ کے درمیان اتفاق و سازگاری کی سعی کرنے لگتا ہے تا کہ۔ ع

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

www.besturdubooks.net

مگر یہ سعی لاحاصل ہے قرآن نے پہلے اعلان کر دیا ہے کہ یہ دو راہیں علیحدہ علیحدہ ہیں ایک کا سرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے اور دوسری کا سرا شیطان کے ہاتھ میں ہے ایک کا منتہیٰ جنت ہے اور دوسری کا دوزخ۔

اتباعِ ہویٰ میں سکون کا راز ✽ یاد رکھنا چاہیے کہ خواہشات واہوا کا محرک چونکہ خود نفس انسانی ہے اس لیے وہ جسم انسانی میں جان کی طرح رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہیں ان کا خلاف اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جتنا کہ جسم کو جان کا۔ ان میں اسی طرح فطری جاذبیت ہوتی ہے جیسا کہ لوہے اور مقناطیس میں اور جب کبھی ان پر قرآن وسنت کا ملمع چڑھ جاتا ہے تو اب وہی ہویٰ ٹھیک ھدیٰ کی صورت نظر آنے لگتی ہے اور ہدیٰ اور ہویٰ کے اس توافق کے بعد جو اطمینان وانشراح قلب میسر آتا ہے وہ گنگا وجمنا کے سنگھم کا سا لطف سامنے کر دیتا ہے۔ اس حد پر پہنچ کر انسان اپنے اندر اتنا سکون محسوس کرتا ہے کہ پھر تلاشِ حق کا لفظ سننا بھی اسے گوارا نہیں ہوتا۔ اسی لیے سورہ الجاثیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق امتنان ارشاد فرمایا گیا تھا کہ دیکھئے اتباعِ ہویٰ کی اس گرم بازاری کے زمانہ میں ہم نے آپ کو ہدیٰ پر قائم رکھا ہے یہ کتنا بڑا احسان ہے' تو اب آپ ان بے علموں کی ہویٰ کا ساتھ نہ دیں۔ ہویٰ کے ان غیر معمولی اثرات اور برق تاثیر وتعدیہ کا حال حدیثِ افتراق کے آخری جملوں میں بدیں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔

و انه سيخرج في امتي اقوام تتجارى بهم تلك الاهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه لا يبقى منه عرق و لا مفصل الا دخله. (ابوداؤد)	آئندہ میری امت میں کچھ لوگ آئیں گے جن میں یہ اہوا اور خواہشات اس طرح رچی ہوئی ہوں گی جیسا کہ ہڑک کتے کاٹے کے جسم میں کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس کا ایسا نہیں رہتا جس میں یہ بیماری گھسی ہوئی نہ ہو۔

تشبیہات انبیاء علیہم السلام اور استعاراتِ شعراء میں فرق ✽ یہ انبیاء علیہم السلام کے تشبیہات ہیں' شاعروں اور افسانہ نگاروں کے استعارات نہیں اس لیے یہاں صرف رنگینی اور لطف اندوزی مقصود نہیں ہوتی بلکہ حقیقت کی صحیح سے صحیح ترجمانی مدنظر ہوتی ہے۔ کتے کاٹے کی بیماری پر غور کیجئے تو اس میں آپ کو دو باتیں نظر آئیں گی۔ ایک یہ کہ چونکہ یہ بیماری ایک ایک جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے اس لیے لاعلاج ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ جس طرح یہ بیماری دراصل دیوانے کتے میں موجود ہوتی ہے لیکن جب وہ کسی کو کاٹ لیتا ہے تو اس کو بھی اس بری طرح لگ جاتی ہے کہ پھر یہ شخص بھی کتے کی طرح خوفناک اور قابل احتراز ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر یہ کسی تیسرے انسان کو کاٹ لے تو اس پر بھی وہی اثر ظاہر ہو جاتا ہے جو دیوانے کتے کے کاٹنے سے ہوتا۔

اصحابِ ہویٰ کو توفیق توبہ میسر آنا مشکل ہے ✽ ان خصوصیات کے بعد اب اگر آپ اہل ہویٰ کے حالات کا موازنہ کریں تو اس تشبیہ میں آپ کو نبوت کا ایک اعجاز نظر آئے گا۔ ہویٰ کا حال بھی یہی ہے کہ جب وہ انسان کی رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر وہی انسان کو بشکل ''ہدیٰ'' نظر آنے لگتی ہے اس لیے یہاں توبہ کی امید نہیں رہتی' توبہ کی توفیق اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ قلب کا کوئی گوشہ ہویٰ سے خالی ہو مگر جب رگ رگ میں ہویٰ سرایت کر جائے تو اب توبہ کی توفیق کہاں سے آئے اسی لیے سورۂ جاثیہ میں فرمایا ہے۔

www.besturdubooks.net

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ. (الجاثیہ:۲۳)

بھلا دیکھئے تو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا اور حاکم ٹھہرا لیا اور علم رکھنے کے باوجود خدا نے اس کو راہ سے بھٹکا دیا اور اس کے کان اور دل پر مُہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اب اس کو خدا کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

علم کی گمراہی جہل کی گمراہی سے بدتر ہے ❋ آیت بالا میں چند مہم فوائد بتلائے گئے ہیں پہلا یہ کہ جس طرح بے علمی گمراہی کا سبب بنتی ہے اسی طرح کبھی علم بھی گمراہی کا سبب ہو جاتا ہے مگر جو گمراہی علم کی راہ سے آتی ہے اس کا نتیجہ بھی انتہائی خطرناک ہوتا ہے یہ گمراہی تاریکی کی گمراہی نہیں بلکہ روشنی کی گمراہی ہے۔ جہل کی نہیں، علم کی گمراہی ہوتی ہے اس لیے یہاں اسبابِ ہدایت سب معطّل ہو جاتے ہیں، نہ کان کچھ سنتے ہیں اور نہ آنکھیں غور و فکر کرنے کے لیے تیار ہوتی ہیں اور قلب میں تو حکومت ہویٰ کی وجہ سے حق بینی اور حق فہمی کی کوئی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اس لیے یہاں ہدایت و توبہ کی کوئی توقع نہیں رہتی۔ اگر خدا ہی اسبابِ ظاہریہ سے بالا طریقہ پر ہدایت نصیب فرمادے تو یہ دوسری بات ہے اسی کو دوسری آیت میں بلفظ طبع ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ. (محمد : ۱۶)

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مُہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل پڑے۔

سورۂ جاثیہ میں جس بدنصیبی کو لفظ ختم سے تعبیر فرمایا تھا یہاں لفظ طبع سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ دونوں لفظوں کا حاصل وہی محرومی اور شقاوت ہے۔

ہویٰ پرست کو خدا پرستی کا مغالطہ ❋ دوسری بات یہ کہ ہویٰ پرست کو اتباعِ ہویٰ میں وہ مزا آتا ہے جو خدا پرست کو عبادت میں کیونکہ جب اس نے اپنی ہوا ہی کو اپنا خدا بنالیا ہے تو پھر اسی کی فرمان برداری اس کو خدا کی فرمان برداری نظر آنی چاہیے اس لیے جتنا ایک خدا پرست ہدیٰ کے اتباع کی سعی کرتا ہے اس سے زیادہ ایک ہویٰ پرست اپنی ہویٰ کے اتباع کے پیچھے رہتا ہے اور حیرت ہے کہ راستہ کے اس اختلاف کے باوجود دونوں کے خیال میں مقصد پھر ایک ہی ہوتا ہے یعنی خدائے قدوس کی فرمانبرداری اس التباس کے بعد متبع ہویٰ سے توبہ کی توقع ایسی ہے جیسی کہ ایک متبع ھدیٰ سے کفر کی توقع۔ نہ وہ اپنے اسلام کو چھوڑ سکتا ہے نہ یہ اپنی ہویٰ کو اس کا نتیجہ پھر وہی توبہ سے محرومی نکلتا ہے۔

اتباعِ ہویٰ کو گمراہی لازم ہے ❋ تیسری بات یہ کہ اتباعِ ہویٰ اور ضلالت لازم و ملازم ہیں اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہدیٰ دو متضاد نقطے ہیں۔ اس کا حاصل یہی تھا کہ اتباعِ ہویٰ کا نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے اسی کو آیت ذیل میں بیان فرمایا گیا ہے۔

- يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

اے داؤدؑ ہم نے آپ کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے تو مخلوق میں سچائی کا فیصلہ کیجیے اور خواہش و ہویٰ کی اتباع نہ کریے۔ کہ یہ

www.besturdubooks.net

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ. (ص: ۲۶)　　　آپ کو خدا کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔

خلافت حق اتباع ہویٰ کے منافی ہے ✻ اس آیت میں بھی اسی مضمون کو بتلایا جا رہا ہے کہ آپ خلیفہ ہیں آپ کے لیے ضروری ہے کہ خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام نافذ کریں یہی خدائی خلافت کا حق ہے۔ لیکن اگر آپ نے ہویٰ اور اپنی خواہش کی پیروی کی تو پھر خدا کی راہ آپ کو نظر نہیں آ سکتی اور کیسے نظر آ سکتی ہے جب کہ اس کی خاصیت اسباب ہدیٰ کا تعطل ہو۔

دوم اس آیت سے جہاں ہویٰ اور ضلالت کا ربط معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اتباعِ ہویٰ شانِ خلافت کے بھی منافی ہے۔ خدا کا خلیفہ دنیا میں اس لیے آتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اسی کے راستہ پر لگائے نہ اس لیے کہ خود ہی گم کردہ راہ بن جائے۔

اتباع ہویٰ شریعت اور سیاست دونوں کے لیے مضر ہے ✻ تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہویٰ جس طرح مسائل شریعت کی فہم میں مخل ہوتی ہے اسی طرح حکومت عدل و انصاف' معاملہ فہمی کے لیے بھی سد راہ ہے چونکہ خلیفہ کا تعلق دونوں شعبوں سے ہوتا ہے اس لیے اس مرکزی نقطہ پر متنبہ رہنے کی اس کو پوری ہدایت کی گئی ہے۔ اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ..... (المومنون: ۷۱)　　　اگر حق ان کے خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین فاسد ہو جاتے۔

معلوم ہوا کہ اتباع ہویٰ جس طرح نظام مذہب میں مخل ہے اسی طرح نظام عالم کو بھی درہم و برہم کرنے والا ہے۔ اسی لیے صاحبِ موافقات نے تو اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کہ شریعتِ داعیہ ہویٰ کو ختم کرنے کے لیے ہی آئی ہے۔

مذمت ہویٰ میں سلف کے اقوال ✻ مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں ہم سلف کے چند آثار بھی نقل کر دیں کہ ہمارے نزدیک علم یہی ہے سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خوش اعتقادی میں بولا "انا علی هواک" میں تو آپ کی ہویٰ (خواہش) کا متبع ہوں۔ اس پر ابن عباسؓ نے جواب دیا "الهوی کله ضلالة" ہویٰ (خواہشات) سب گمراہی ہے پھر بطریق تادیب و سرزنش فرمایا "ای شی انا علی هواک انا علی هواک" کیا چیز ہے یعنی کچھ نہیں۔ ابن وہب حضرت طاؤس سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے جہاں ہویٰ کا ذکر کیا ہے وہاں اس کی مذمت ہی فرمائی ہے[1] اب آیات ذیل کو بغور پڑھیے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جہاں ہویٰ کا ذکر آیا ہے مذمت ہی کے سلسلہ میں آیا ہے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ. (النجم: ۲۳)　　　صرف اٹکلوں اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔

آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اتباع ہویٰ اور اتباع ظن و تخمین یہ ایک ہی نوع کی باتیں ہیں واقعات اور حقائق سے دونوں دور دور رہتے ہیں۔

---

[1] کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۱۵۲ و ۱۵۵۔

www.besturdubooks.net

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ. (محمد : ۱۴)

بھلا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرح سے کھلے ہوئے راستہ پر ہو ان کے برابر ہوسکتا ہے جن کی نظروں میں اپنے اعمال بدمزین ہوں اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے ہوں۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی. (النازعات : ۴۰ - ۴۱)

جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو یقیناً اس کی جگہ جنت ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احتراز ہوئی مورثِ خوف ہے اور اتباع ہوئی موجب بے خوفی۔

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. (النجم : ۳- ۴)

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ صرف خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔

یہاں آپ کا نطق دو ہی صورتوں میں منحصر کر دیا گیا ہے ہوئی اور وحی تیسرا اور کوئی احتمال نہیں۔ اسی لئے جب ہوئی آپ کے کلام سے منفی ہے تو صرف اس کا وحی ہونا متعین ہے۔ معلوم ہوا کہ ہوئی اور وحی دو متضاد چیزیں ہیں۔ اگر ان چند آیات پر ہی غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہوئی صرف ظنون یعنی اٹکل اور تخمین کا نام ہے کوئی سماوی روشنی اس کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اپنے اعمال کی بدتری کو اچھی صورت میں سمجھنا اور سمجھانا اور خدا سے بے خوفی اس کا واحد منشا ہوتا ہے۔ وحی سماوی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ضلالت و گمراہی اس کو لازم ہے۔ غرض نظام معیشت اور نظام مذہب دونوں کے لیے تباہ کن ہے اور شخصی مضرت کے لحاظ سے اس کا اثر انسان کے لیے اس کے اسباب ہدایت کا کلی تعطل ہے اسی لیے اس پر ایک طرح توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے اور اس کے شفایاب ہونے کی اسی طرح توقع نہیں رہتی جس طرح کتے کاٹے شخص کی۔

<u>ہوئی متعدی مرض ہے</u> ✻ تشبیہ کا دوسرا جزو تعدیہ ہے آپ کے نزدیک تو یہ مجاز و استعارہ ہوگا مگر آیئے سلف کو دیکھئے کہ انہوں نے کیا سمجھا تھا۔

عن ابن مسعود قال من احب ان یکرم دینہ فلیعتزل مخالطۃ الشیطان و مجالسۃ اصحاب الا ھواء فان مجالستھم الصق من الجرب.

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں اپنے دین کی قدر کرنا چاہے اسے شیطانی افعال اور اصحابِ اہواء سے علیحدہ رہنا چاہیے کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بیماری خارش سے زیادہ اُڑ کر لگتی ہے۔

ایوب فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص ابن سیرین کے پاس گیا اور بولا اے ابوبکر (ان کی کنیت ہے) میں آپ کے سامنے قرآن کی صرف ایک آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں اسے پڑھ کر بس فوراً چلا جاؤں گا۔ ابن سیرین نے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں ابھی میرے گھر سے چلا جا اس نے کہا اے ابوبکر میں آیت پڑھنے کے سوا اور کوئی تقریر نہیں کروں گا۔ انہوں نے فرمایا جا بس تو چلا ہی جا۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا جیسا کہ اب ہے تو میں اسے آیت پڑھنے کی اجازت دے دیتا لیکن مجھے اندیشہ یہ تھا کہ

www.besturdubooks.net

کہیں وہ آیت پڑھ کر میرے دل میں کوئی ایسا شبہ پیدا نہ کر دے جسے میں بعد میں نکالنا چاہوں اور نہ نکال سکوں۔[1] امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب بدعت سے بات چیت مت کرو اور نہ اس سے جھگڑا کرو وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈال دے گا۔[2]

ان آثار سے معلوم ہوگیا کہ صاحب شریعت کی وہ تشبیہ کتنی پُر مغز اور حقیقت سے کتنی قریب ترتھی۔

ہویٰ کی جاذبیت ❋ اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ہویٰ معنوی طور پر اپنے اندر کچھ ایسی جاذبیت رکھتی ہے کہ اس کے آثار بعض مرتبہ غیر اختیاری ہو جاتے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے کہ یہ چیز ناحق ہے مگر پھر اس کے باطل اثرات گھن کی طرح اندر ہی اندر اس کے ایمان کو کھائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ جبر وقدر اور مشاجرات صحابہؓ کے مسائل۔ ایک اچھا خاصہ ایمان دار شخص بھی جب اس وادی میں قدم رکھتا ہے تو کچھ دور چل کر شبہات اور وساوس کی جھاڑیوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور ہزار کوشش کے باوجود اس کا ایمان زخمی ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسی لیے صاحب شریعت نے اس پر خار وادی میں قدم رکھنے کی ممانعت کر دی ہے مگر مصیبت تو یہ ہے کہ جتنا ادھر سے ممانعت کی تاکید ہوئی، اتنا ہی یہاں اس کی سیر وسیاحت کا شوق بڑھا۔ حضرت ابن مسعودؓ کے الفاظ میں یہ دلیری اور ایمان کی پختگی کی بات نہیں بلکہ اپنے دین کے اکرام نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر ہویٰ میں اتنی جاذبیت نہ ہوتی تو اس میں فرقہ بندی کی یہ طاقت بھی نہ ہوتی۔

قرآن وسنت عقل کے لیے روشنی ہیں نہ کہ عقل قرآن وسنت کے لیے ❋ ایک جماعت نے جب اپنی اہواء و خواہشات کی روشنی میں قرآن وسنت کا مطالعہ شروع کیا تو معیارِ صحت انہیں اپنی عقل ہی نظر آئی۔ پھر جو آیت اور حدیث اس معیار کے موافق اتری اس کو تسلیم کر لیا ورنہ تاویل یا انکار کا راستہ اختیار کیا اور اس معصیت کا عذر گناہ بدتر از گناہ یہ تراشا کہ صاحب شریعت کا کلام عقل کے مخالف ہو ہی نہیں سکتا یہ بالکل درست تھا لیکن! سوال یہ ہے کہ اس عقل کا بھی کوئی معیار ہونا چاہیے۔ خلاف عقل کہنے کا بھی کوئی ضابطہ ہونا چاہیے ان مراحل پر بحث کیے بغیر فلاسفہ دور نے جو طے کر دیا بس وہ تو وحی منزل من السماء بن گیا اور جو وحی حقیقی نے ہدایت کی اسے اساطیر الاوّلین کہہ کر محتاج نقد بھی نہ سمجھا گیا۔ چنانچہ حشر اجسام، صراط، میزان اعمال، جسمانی عذاب و ثواب رویت باری تعالیٰ، جنت وجہنم، اس قسم کے اور جتنے امور پرواز عقل سے بالاتر تھے، سب کا گو صاف انکار تو نہیں کیا گیا مگر اس طرح تسلیم کیا جس کو درحقیقت ایک تسلیم نما انکار ہی کہنا چاہیے، بلاشبہ اگر مذکورہ بالا مسائل کو صرف عقل کے ذریعہ طے کیا جائے تو یہ مشکل ہے، نور وحی کے بغیر نہ وہ دریافت ہوئے اور نہ صفت ایمان کے بغیر وہ حد یقین میں آسکتے ہیں۔

آخر کار اس غلط بنیاد کی وجہ سے دین میں عقائد واصول کا دوسرا اختلاف پڑ گیا اور جس طرح کہ پہلے اختلاف کی بنیاد جہل پر قائم ہوئی تھی، اس اختلاف کا قلعہ عقل پر تعمیر ہوگیا اسی کی طرف حدیث افتراق امت کے بعض طرق میں یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں۔

الذین یقیسون الا مور بـرأیھم فیحلون الحرام و یحرمون الحلال۔ — یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے مسائل میں صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں۔

---

[1] الاعتصام ج۲ ص۲۴۱۔ [2] ایضاً۔

www.besturdubooks.net

ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ ابن معین نے اس زیادتی کو بے اصل قرار دیا ہے مگر صاحب الاعتصام بعض علماء سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابن معین کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہ ٹکڑا اور ثقہ راویوں سے بھی منقول ہے لہذا اس کی اسناد بے غبار ہے۔ ہاں اگر ان کے علم میں اس کے سوا کوئی اور خفی علت ہے تو دوسری بات ہے۔

مذموم قیاس آرائی کیا ہے؟ ❋ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ الفاظ مذکورہ بالا میں اس قیاس آرائی ہی کی مذمت ہو رہی ہے جو دین کی حقیقت بدل ڈالے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنادے۔ غیر منصوص جزئیات کے احکام اصول شریعت کے مطابق حاصل کرنا پھر ان کے اسباب و حکم پر بحث کرنا مذموم قیاس آرائی میں داخل نہیں بلکہ اہل علم کے لیے ضروری ہے اس لیے یہ سمجھنا نافہمی ہے کہ ہم نے دین کو بلاوجہ ایک معمہ بنانے کی دعوت دی ہے یا غور و فکر کی راہ معطل کرنے کی سعی کی ہے۔ اس تقریر سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں۔ قرآن جگہ جگہ تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے طرح طرح سے واقعات ماضیہ بیان کر کے ان سے عبرت پذیری کی ترغیب دیتا ہے آیات آفاقی و انفسی کا بغور مطالعہ کرنا شیوۂ مؤمنین قرار دیتا ہے اور حلال و حرام کے معاملہ میں بھی اس حد تک غور و فکر کی ممانعت نہیں کرتا' جہاں تک اس کے احکام کی تبدیلی و ترمیم نہ ہو' ہاں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر آپ کی عقل نارسا اس کے منصوص احکام کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز رہے تو ان کو توڑ موڑ کر اپنی عقل کے سانچے میں ڈھال لیں' یہی اتباع ہویٰ ہے۔ اتباع ہدیٰ یہ ہے کہ شریعت کو حاکم اور عقل کو محکوم شریعت کو متبوع اور اس کو تابع بنایا جائے اور اتباع ہویٰ یہ ہے کہ عقل کو حاکم اور شریعت کو اس کا محکوم بنا دیا جائے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا حکمت ہے اور عقل کی حدود میں قرآن و سنت کو محدود کر دینا اتباع ہویٰ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے غور و تفکر پر کوئی چوکی پہرہ قائم نہیں کرتا مقصد صرف یہ ہے کہ عقل کو عقل کی حد پر رکھئے اور اس کو دیو بے زنجیر کی طرح آزاد نہ بنایئے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تافتن   کہ جاہا سپر باید انداختن

اختلاف و افتراق کا تیسرا سبب اتباعِ عادت ہے ❋ قومی ملکی یا خاندانی عادات اور رسم و رواج کچھ اتنی بری چیزیں بھی نہیں کہ ان کی اصولاً مذمت ہی کی جائے بلکہ اگر غور کیجئے تو یہ انسانی اصلاح معیشت کا ایک فطری دستور العمل بھی ہیں بہت سی وہ اصلاحات جو انسان آئینی طور پر قبول کرنا پسند نہیں کرتا اپنی خاندانی' یا ملکی عادات کی وجہ سے خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے اسی لیے شریعت حنفیہ نے اس کا بڑا لحاظ کیا ہے۔ بلکہ قانون یسر کا یہی ایک بڑا اصول ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانوں میں کوئی فاسد عنصر ظلم و تعدی اور محض اپنے جہل و بے علمی کی وجہ سے کوئی بات کر گذرتا ہے۔ اس کے دست نگر تو اس کے خوف کے سبب سے چون و چرا نہیں کر سکتے۔ اہل علم اپنے بے دست و پائی کی وجہ سے اغماض کر لیتے ہیں لیکن جب اسی حال پر کچھ زمانہ گذر جاتا ہے اور کوئی سماوی یا ارضی طاقت اس میں انقلاب پیدا نہیں کرتی تو پھر یہی عام عادت بن جاتی ہے اور شدہ شدہ اہل مذہب اس کو اپنے مذہب کا جزو قرار دے دیتے ہیں۔ بعض مزارات پر بھنگ نوشی اور سجادہ نشینی کے لیے غروبت کی زندگی گویا شرط سجادگی تھی۔ آخر ایک دور آیا اور آنکھ کھلی تو اس کے خلاف آواز بلند کی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ ہائی کورٹ تک مقدمہ پہنچا۔ جب مدعین سے

www.besturdubooks.net

اس کا ثبوت طلب کیا گیا تو ان کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہ تھی کہ اس درگاہ کی قدیم رسم ہے۔

اسی طرح فاسد عادات کچھ زمانہ کے بعد مذہبیت کا رنگ پیدا کر لیتی ہیں اور دین میں محض اس رسم بد کی وجہ سے فرقہ بندی کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ شب برات کی آتش بازی اور عرسوں میں شراب وقمار بازی مذہب کی تعلیم نہیں لیکن یہی عادات ہیں جن کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے یہ عادات بعض جہلاء میں تو اتنی راسخ ہو چکی ہیں کہ ان کے خلاف آواز اٹھانا گویا علم جہاد بلند کرنا ہے اسی کا نام اندھی تقلید ہے۔

اندھی تقلید کیا ہے؟ ✻ قرآن کریم نے جہاں کہیں مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی کی ہے۔ جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا ہے تو ان کے پاس ایک یہی جواب تھا۔

قَالُوْ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ. (الزخرف : ۲۳)

کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کی روش یہی دیکھی ہے اس لیے ہم ان ہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اس پر قرآن کریم نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباء واجداد کی تقلید کرنا غلط ہے بلکہ یہ تھا کہ۔

اَوَ لَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ. (البقرة : ۱۷۱)

یعنی اگر تمہارے باپ دادوں میں عقل و ہدایت کا کوئی شمہ بھی نہ ہو پھر بھی تم ان ہی کی تقلید کیے چلے جاؤ گے۔

۔ ی جگہ ذرا اس سے نرم لہجہ میں ارشاد ہے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُکُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَاءَ کُمْ قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کَافِرُوْنَ. (الزخرف : ۲۴)

آپ کہہ دیجئے اگر چہ میں تمہارے سامنے وہ راہ پیش کروں جو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہو جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے انہوں نے جواب دیا جو طریق تم دیکر بھیجے گئے ہو ہم تو اسے مان نہیں سکتے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں عقل کی روشنی یا نور ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ ہے کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے خواہ پھر اس کے ساتھ ہزار دلائل بھی کیوں نہ ہوں اس کے بالمقابل روشن خیالی یہ ہے کہ ہدایت اور عقل کی بات کی پیروی کی جائے خواہ وہ کتنی ہی خاموش اور کتنی ہی سکوت کے ساتھ ہو۔ ہمارے موجودہ دور میں اندھی تقلید اور جمود کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ عالم غیب کی بلند سے بلند حقائق الٰہیات کے عمیق سے عمیق معارف اور اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ان تمام باتوں کو ان کے اعتماد پر مان لینا جن کو ان کی سچی نظروں نے خود دیکھا یا فہم سلیم نے خوب سمجھا ہے کورانہ تقلید کہلاتا ہے اور یورپ کے فلاسفروں کی ناتمام اور ادھوری تحقیقات کو پورے یقین کے ساتھ مان لینا روشن خیالی کے نام سے موسوم ہے۔ اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو اختلاف دلائل و بے دلیل ہونے کا نہیں بلکہ اعتماد و بے اعتمادی کا ہے۔ عصر حاضر کے موجدین پر چونکہ پورا اعتماد حاصل ہے اس لیے ان کی باتیں دلیل یا بے دلیل ماننا سب روشن خیالی میں شمار ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ دلی گہرائیوں میں وہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لیے یہاں تصدیق کے لیے ان کے فرمان سے بھی بڑھ کر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے اور ان کی باتیں بے دلیل ماننا اندھی تقلید نظر

www.besturdubooks.net

آتی ہے- حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سب علوم نہایت کھلے اور اتنے صاف ہوتے ہیں کہ ان کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی-

(۱) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ. (محمد:۱۴)
بھلا جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر چلتا ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جن کو اپنا برا کام بھلا نظر آتا ہے اور اپنی خواہشات پر چلتے ہیں-

(۲) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ. (الزمر:۲۲)
بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی میں ہے-

(۳) اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى. (الرعد:۱۹)
بھلا جو شخص یہ یقین کرتا ہے کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر اترا وہ حق ہے اس کے برابر ہوسکتا ہے جو نابینا ہے-

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس راستہ کی دعوت دیتے ہیں وہ خود ایک کشادہ اور کھلا ہوا راستہ ہوتا ہے' ان کی مقابل جماعتوں پر اس کی یہ کشادگی اس لیے پوشیدہ رہتی ہے کہ ان کے سامنے ان کے اعمال بد مزین ہوتے ہیں' ان کے اہواء و خواہشات خود ان کی آنکھوں کا حجاب ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ نورِ بصیرت ان سے اس طرح سلب ہو جاتا ہے کہ پھر وہ ایک نپٹ اندھے کی طرح ہو جاتے ہیں- اب انصاف کرو کہ اندھی تقلید کس کی ہے ان انبیاء علیہم السلام کی جن کو خود شرحِ صدر حاصل ہے' ان کے علوم سراپا نور ہی نور ان کا راستہ صاف و ستھرا اور کھلا ہوا راستہ ہے یا ان کی جو خود نابینا ہیں' جن کی آنکھوں پر اہواء و خواہشات کے توبرتو حجابات پڑے ہوئے ہیں اور اس لیے انہیں اپنی بدعملی ہی بھلی نظر آتی ہے-

خلاصہ یہ کہ جس طرح سطحی علم اور اتباع ہوا فرقہ بندی کا سبب ہو جاتے ہیں اسی طرح اتباع عادات و رسوم بھی اس کا سبب بن جاتی ہے' یہ تینوں اسباب ایک جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں اور جدا بھی ہو سکتے ہیں اور وقت کی مساعدت اور ماحول کی مناسبت پر ان جماعتوں کے گھٹنے بڑھنے' پیدا ہونے اور فنا ہونے کا مدار رہتا ہے' امید نہیں ہے کہ مذہبی افتراق و تشتت کے لیے ان امور کے اسباب ہونے میں دو رائیں ہوں مگر جو بات ہر دور میں عقدۂ لاینحل بن کر رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی فرقہ کے علم کو سطحی کہہ دینا یا اس کو متبع ہویٰ قرار دینا یا کسی رسم کو رسم جاہلیت ٹھہرا دینا آسان بات نہیں' ہر فرقہ اپنے علم کو عمیق اور اپنے طریق کو اتباع سنت اور اپنے رسم و رواج کو طریق سلف کہتا ہے' اس گتھی کو سلجھانے سے عقل کے ناخن عاجز ہیں- ایک فرقہ کا فیصلہ دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہوسکتا اور اس مرحلہ پر پہنچ کر خدا کی اس تقدیر پر راضی ہونا پڑتا ہے جس کی طرف اس نے یہ فرما کر اشارہ کیا ہے **ولذلک خلقهم** ہم نے اس تماشا گاہ اختلاف کو اختلاف ہی کے لیے پیدا کیا ہے- اسی ہنگامہ اختلاف میں انبیاء علیہم السلام وحدت و اتحاد کی دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ ان کی اس آواز پر اختلاف و تشتت بڑھتا رہا ہے اسی کشاکش میں دنیا کی حیات کا راز مضمر ہے- اگر خیر و شر ایک طرف ہو جائے تو شاید کارخانہ عالم درہم و برہم ہو جائے-

فرقوں کی یہ کثرت پھر امت محمدیہ کی' عقلاء کے لیے عجب گرداب حیرت بن رہی ہے- ایک مفکر یہ سوچ رہا ہے کہ افتراق و تشتت کی اتنی کثرت میں آخر راز کیا ہے- پھر امت محمدیہ کے ۷۲ فرقوں کو دوزخی کہہ دینا اور صرف ایک فرقہ کو جنتی کہنا اس کے لیے

www.besturdubooks.net

اور بھی مشکل کا ساماں بنا ہوا ہے ادھر ایک مؤرخ صفحاتِ عالم کی ورق گردانی کر کر کے تھکا جاتا ہے مگر اس کا بیان حدیث کے عدد سے ٹکر نہیں کھاتا۔ بہت حساب لگاتا ہے مگر کبھی یہ عدد گھٹ جاتا ہے کبھی بڑھ جاتا ہے' ان الجھنوں سے گھبرا کر جب وہ نظر اوپر اٹھاتا ہے تو اس کو ایک راہ یہی آسان نظر آتی ہے کہ وہ اس حدیث ہی سے دستبردار ہو جائے۔ جس غریب کو یہ پہلا موقع پیش آیا ہو اس کا گھبرا جانا کچھ موجب تعجب بھی نہیں۔

احادیث میں مفہوم عدد کی بحث ❋ لیکن ایک محدث جب ان مشکلات پر گذرتا ہے تو دنیا کی حیرت اس کے لیے خود موجب حیرت بن جاتی ہے وہ اعداد و شمار کی بحث کو کچھ اہمیت ہی نہیں دیتا۔ وہ جانتا ہے کہ اعداد و شمار صرف وقتی استحضار اور متکلم کے ذہنی اعتبار کی ایک بات ہوتی ہے کبھی وہ ابہام و اجمال کا ارادہ کرتا ہے تو عدد میں بھی پوری تفصیل اختیار نہیں کرتا اور کبھی تفصیل پر اترتا ہے تو عدد کی بھی تفصیل کر ڈالتا ہے طبیعت کے انشراح اور وقت و ماحول کی وسعت کے لحاظ سے دونوں صورتیں اختیار کر لینا معقول بات ہے افراد کو انواع اور انواع کو اجناس کے تحت میں داخل کرتے چلے جایئے تو عدد گھٹتا چلا جائے گا اور اس کے برعکس اجناس و انواع کی تحلیل کرتے جایئے تو وہی عدد بڑھتا چلا جائے گا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔

اعداد و شمار میں مؤرخ کا اختلاف نظر ❋ اسی طرح اگر کوئی مؤرخ فرقہائے عالم کے متعلق کوئی عدد لکھتا ہے تو یہ اس کی طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ کس فرقہ کو کتنی تاریخی اہمیت دینا چاہتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض معمولی فرقے اس کے نزدیک تاریخی لحاظ سے قلم بند کرنے کے قابل ہوں اور بعض بڑے فرقے یہ اہمیت نہ رکھتے ہوں۔ ہر مؤرخ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ معیار کے لحاظ سے جو عدد چاہے ذکر کرے۔ یہاں تطبیق و اختلاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا جب تک اس مؤرخ کے معیار اور اس کی اہمیت و غیر اہمیت کا اندازہ نہ لگا لیا جائے' پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص اس کے اس معیار سے اتفاق رائے بھی کر لے۔ ہر شخص کا ذوق اور اس کا نقطہ نظر علیحدہ ہو سکتا ہے اس لیے اس کو حق حاصل ہے کہ وہ کوئی دوسرا معیار مقرر کر لے ان معمولی مقامات پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔[1]

---

[1] یہاں ہم آپ کے سامنے اسی نوع کی چند احادیث پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ احادیث میں یہ دن رات کی باتیں ہیں۔ حدیث کی وضع و صحت کا فیصلہ ان پر نہیں ہو سکتا۔

اختلاف عدد کی چند مثالیں ❋ (۱) احادیث شعب الایمان میں ایمان کے شعبوں کا عدد کہیں ۷۰ سے اوپر اور کہیں ۶۰ سے اوپر بتلایا گیا ہے۔ کیا ۶۰ کو پھیلا کر ۷۰ یا ۷۰ کو سمیٹ کر ۶۰ کہنا کوئی بہت ہی بعید از حقیقت بات ہے۔

(۲) بعض احادیث میں رؤیا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں جزء اور کہیں اس کے خلاف بتلایا گیا ہے احادیث میں یہاں سخت اختلاف ہے۔

(۳) احادیث تقسیم رؤیا میں کہیں ثلاثی تقسیم مذکور ہے اور کہیں ثنائی۔

(۴) خصائص نبوت کے سلسلہ میں کہیں ۵ خصائص مذکور ہیں اور کہیں زیادہ۔

(۵) امت کے شہداء کے عدد میں بھی بڑا اختلاف ہے۔

(۶) کنتم خیر امة کی تفسیر میں صاحب مشکوٰۃ نے جامع ترمذی کی ایک حسن روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے ← .....

www.besturdubooks.net

پس جب تک کہ اس عدد و شمار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نظر معلوم نہ ہو جائے مستقیم الاسناد احادیث کو ضعیف یا موضوع قرار دے دینا بڑی جسارت اور انتہائی دلیری ہوگی- حدیث افتراق امت بھی اسی سلسلہ کی ایک حدیث ہے- ہوسکتا ہے

لہ..... فرمایا کہ تم ۷۰ اُمتوں میں وہ آخری سترویں امت ہو جو خدا کو سب امتوں میں پیاری امت ہے- کیا نہیں ہوسکتا کہ اس امت کا سترویں امت ہونا تفاوتِ درجات اور مراتب خیریت کے لحاظ سے ہو-

(۷) جامع ترمذی میں ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں- اَسی امت محمدیہ کی اور بقیہ دوسری امتوں کی-

(۸) صحیح احادیث میں دجالوں کا عدد کہیں تیس اور کہیں ۷۰ تک بھی موجود ہے وغیرہ وغیرہ-

اختلاف عدد کے مختلف جوابات ❋ (۱) اس قسم کی احادیث میں علماء کے مختلف نظریات ہیں کوئی محض اپنی ذہانت سے نکتہ طرازیاں کر کے ان مختلف عددوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے- کوئی یہ عذر کرتا ہے کہ ایک وقت آپ کو اس عدد کا علم دیا گیا تھا اس کے بعد اس سے زیادہ کا علم دے دیا گیا- محدث مزاج اگر قرائن دیکھ لیتا ہے تو کبھی کبھی اضطراب کی بھی ٹھہرا دیتا ہے- محاورات کلام سے ذوق رکھنے والا اس عدد کو صرف تکثیر کے لیے سمجھتا ہے- ہمارے نزدیک یہ جواب ان اعداد میں تو درست ہے جہاں محاورۂ عرب میں وہ عدد تکثیر کے لیے مشہور ہو جیسا ۷۰ کا عدد آیت ذیل میں بھی تکثیر کے معنی مراد ہیں-

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ.(التوبۃ:۸۰) اگر آپ ان کیلئے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی ہرگز ہم انکی مغفرت نہیں کریں گے-

اب احادیث بالا پر غور کیجئے کیا اگر شعب الایمان' شمار کے بعد حدیث کے مذکورہ بالا عدد سے کم و بیش ثابت ہوں تو صحیح بخاری کی اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہہ دیا جائے گا' یا اگر دجالوں کا عدد تاریخی لحاظ سے احادیث کے عدد کے موافق ثابت نہ ہو تو اس سارے ذخیرۂ احادیث کو ناقابل اعتبار ٹھیرا دیا جائے گا- کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جن دجالوں کا حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے ان کے عدد و شمار میں کسی خاص صفت کی رعایت کی گئی ہو- حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صرف ان دجالوں کا عدد بیان فرمایا ہے جن کو قوت وشوکت حاصل ہوگی ورنہ دعویٰ نبوت میں بسا اوقات سودائیت اور جنون کی وجہ سے بھی پیدا ہو جاتا ہے- ایسے مدعیین نبوت بے شمار گذرے ہیں ان سے حدیث میں کوئی بحث نہیں-

صحیح بخاری کتاب الفتن میں ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے امراء جور کے نام (ظالم بادشاہوں کے نام) بتلائے گئے ہیں- اگر میں چاہوں تو ان کا نام و نسب تک بتلا سکتا ہوں-

اس حدیث سے گمان ہوسکتا ہے کہ شاید تمام امراء جور کے نام ان کو بتلائے گئے تھے لیکن حضرت حذیفہؓ سے مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان قائدین فتن کے نام بتلائے ہیں جن کے ساتھ تین سو یا اس سے زیادہ کی جماعت ہوگی- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں عدد و شمار بیان کرتے وقت ضرور کوئی معیار ہوتا ہے- حسن اتفاق سے وہ معیار یہاں ہمارے سامنے آ گیا ہے ورنہ حضرت حذیفہؓ کے متعلق ہم یہی سمجھتے تھے کہ ان کو ہر ہر قائد فتنہ کا نام بتلا دیا گیا تھا- احادیث فتن میں اس عام ابہام و انتشار کے علاوہ ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اس قسم کی روایات احادیث حلال و حرام کی طرح عام صحابہؓ سے دستیاب نہیں ہوتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کا مخاطب ہر ذی فہم اور غیر ذی فہم بنایا نہیں جاسکتا اس لیے اور ابہام و اجمال پیدا ہو جاتا ہے مگر یہ ابہام اس لیے مضر نہیں ہوتا کہ فتنے جب سامنے آتے ہیں تو اہل بصیرت پر اُن کا فتنہ ہونا مخفی نہیں رہتا- اس تشخیص و تعیین کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ہے کہ یہ فتنہ کونسا فتنہ ہے- اسی طرح حدیث زیر بحث میں امت کے افتراق کی پیش گوئی کی گئی ہے اس کا مقصد اس افتراق سے آگاہ کرنا اور ان گمراہیوں کے دور میں اس کی تاکید کرنا ہے کہ دامنِ سنت اپنے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے- اسی لیے صحابہ کرام نے اس حدیث کو سن کر یہ سوال نہیں کیا کہ وہ فرقے کون سے ہیں ان کی علامات کیا ہیں بلکہ یہ پوچھا ہے کہ وہ ایک فرقہ ناجیہ کون سا فرقہ ہے کیونکہ عملی لحاظ سے یہی مفید ہے کہ اس فرقہ کی تعیین ہو جائے جب یہ ایک ہی فرقہ ہے تو اس کے سوا جتنے فرقے ہیں وہ بلا بحث کیے خود بخود باطل فرقے ہوں گے- اس لیے صحابہؓ کے نزدیک اس بحث میں پڑنا ہی ایک دماغی تعزیر کے سوا اور کچھ نہ تھا-

www.besturdubooks.net

کہ یہاں بھی کسی خاص معیار ضلالت وفتنہ کے اعتبار سے یہ خاص عدد بتلایا گیا ہو۔

پھر امت کے ۷۳ فرقوں کا مسئلہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ سلسلہ فتن و انقلابات کی ایک پیش گوئی ہے اور اس باب کی عام احادیث کی طرح اس کے بھی بہت سے پہلو مبہم ہیں انہیں اپنے حال پر مبہم رہنے دو اس ابہام کی وجہ سے حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا بے معنی ہے۔

پیشگوئی کی احادیث میں ابہام ناگزیر ہے ٭ فن حدیث پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ دور فتن اور مستقبل کے واقعات کی احادیث میں اکثر ایک نوع کا ابہام ہوتا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جزئیات کی جب تعیین کی جاتی ہے تو علی العموم وہ الفاظ کلیات کا جامہ پہن لیتے ہیں اور اس لیے جب انسان اس کو اپنے محل پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتا ہے تو جتنی صفائی سے اس کا دل چسپاں کرنا چاہتا ہے چسپاں نہیں کرسکتا مثلاً تھوڑی دیر کے لیے آپ فرض کر لیجئے کہ زید کی شکل وصورت آپ قید الفاظ میں لانا چاہیں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا رنگ یہ ہے' نقشہ یہ ہے اور بہت سے بہت اس کا طول وعرض بتا سکتے ہیں۔مگر کیا یہ سب الفاظ اتنی تعیین پیدا کر سکتے ہیں کہ پھر دوسری صورت پر اس کا صادق کرنا ممکن ہی نہ ہو' بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ قیود خود زید ہی کی صورت کی تشخیص میں اور صعوبت پیدا کر دیں۔ جب ایک نادیدہ شخص کی تعیین صرف الفاظ سے پوری نہیں ہوسکتی تو مستقبل کے حوادث کی تعیین باوجود ان کے تنوع اور تشابہ کے کیونکر ہوسکتی ہے۔

شریعت کا ایک اہم نصب العین ٭ اتنی تشریح شریعت کے اصل نصب العین کے بھی خلاف ہے وہ اپنے مخاطب دماغوں کو ایسی تربیت دینا چاہتی ہے کہ جو علوم غیبیہ وہ بیان کرے وہ بلاتردد صرف اس کے اعتماد ووثوق پر قابل یقین ہو جائیں اور اس تسلیم و رضا کی انہیں ایسی عملی مشق حاصل ہو جائے کہ پھر جہاں ان کے سامنے تفصیل کر دی جائے وہاں تفصیل ہی مناسب معلوم ہو اور جہاں اجمال رکھا جائے وہاں اجمال ہی پسندیدہ نظر آنے لگے۔آیئے آثار ذیل میں اس تربیت کے آثار ملاحظہ فرمایئے۔

خرج عمر علی الناس فقال احرج علیکم ان تسئلونا عمالم یکن فان لنا فیما کان شغلا[1]

حضرت عمرؓ باہر تشریف لائے اور فرمایا میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ جو واقعہ اب تک پیش نہیں آیا تم اس کے متعلق مجھ سے فرضی سوالات کرو کیونکہ جو واقعات اب تک پیش آ چکے ہیں ہمیں ان کے غور وخوض میں ہی کافی مصروفیت رہتی ہے۔

و کان زید بن ثابت اذا سئل عن شئی یقول کان ھذا فان قالوا لا قال دعواحتی یکون[2]

حضرت زید بن ثابتؓ سے جب فرضی سوالات کیے جاتے تو آپ دریافت کرتے کیا یہ واقعہ پیش آ چکا ہے۔اگر کہا جاتا نہیں تو فرماتے جب تک پیش نہ آ جائے اسے رہنے دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے استلام حجر اسود کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے' اس پر سائل نے یہ فرضی سوالات شروع کر دیئے اگر بھیڑ ہو جائے اگر میں نہ کرسکوں

---

[1] و [2] جامع العلوم والحکم ج ۲ ص ۶۵۔

www.besturdubooks.net

5

تو جواب یہ دیا ہے۔

اجعل ارأیت بالیمن[1] اپنے ان فرضی سوالات کو یمن میں ڈال۔

یعنی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اس کی اقتداء کی پوری کوشش کر اور خواہ مخواہ جان چرانے کے لیے فرضی سوالات مت کر۔ انسان بسا اوقات اس لیے سوالات کرتا ہے کہ وہ اس ذریعہ سے مخاطب پر جواب کا دروازہ تنگ کر کے اس کی زبان سے اپنے لیے جواز کی رخصت حاصل کر لے۔

مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے پوچھا کیا یہ واقعہ پیش آ چکا ہے میں نے عرض کیا 'نہیں' تو فرمایا۔

اجمنا یعنی ارحنا حتی یکون فاذا کان اجتھدنا لک رأینا[2] ابھی تو ہمیں آرام سے رہنے دو جب پیش آ جائے گا تو ہم تمہاری خاطر اس میں غور کرلیں گے اور یقیناً اس کا کوئی نہ کوئی حل بھی اس وقت ہماری سمجھ میں آ جائے گا۔

صرف دماغی تفریعات عملی جدو جہد میں مخل ہوتی ہے ✻ ان کے علاوہ حضرت عمار، حضرت معاذ بن جبل اور دیگر تابعین و علماء سے بھی بکثرت ایسے آثار مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محض دماغی تفریعات میں پڑے رہنا انسان کی عملی جدو جہد کے لیے مضرت رساں ہے۔ آج بھی جس قدر بے عمل افراد یا جماعتیں نظر آئیں گی' ان پر غور کرو گے تو ان کا مشغلہ یہی دماغی عیاشی نظر آئے گا اور بس۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اس نظریہ کے متعلق کیا کیا فرق ہوتا گیا اس پر بحث کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

اخبار غائبہ میں مذاقِ سلف ✻ ان آثار سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ پیش گوئیوں کے سلسلہ میں مذاقِ سلف کیا ہونا چاہیے' کیا انہوں نے کھلے طور پر ایک ایک بات کی ہندی کی چندی کرنے کی جرأت کی ہوگی۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر خود ہی انصاف کیجئے کہ اگر کچھ وجوہات کی بنا پر ان احادیث کے بعض پہلو اسی زمانہ میں مبہم رہ گئے تو بعد میں اب کون ہے جو ان کو صاف کر سکتا ہے اور اگر نہیں کر سکتا ہے تو کیا اس لیے ان احادیث کی صحت پر کوئی اثر پڑنا چاہیے۔

فرقہائے مختلفہ کی تعین

جہاں تک ہمارا علم ہے پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان فرقوں کی نام لے کر کسی حدیث میں تعیین نہیں کی گئی' ہاں کچھ ایسے اشارات ضرور ملتے ہیں جن سے ان فرقوں کی تعیین میں مدد لی جا سکتی ہے' نام لے لے کر مدح و ذم کرنا ہماری شریعت کا دستور بھی نہیں ہے۔ فارس اور اہل مدینہ کے فضائل میں متعدد احادیث ملتی ہیں مگر کوئی حدیث ایسی ثابت نہیں ہوئی جس میں بنام لے کر ان کا مصداق بتایا گیا ہو۔ علماء نے صرف اپنی جانب سے قیاس آرائیاں کی ہیں۔ پس جب مقام مدح پر نام

---

[1] و [2] جامع العلوم والحکم ج ۲ ص ۶۵۔

www.besturdubooks.net

5 لینا احادیث کی سنت نہیں تو مذمت کے ذیل میں کسی کا نام لینا کب اس کے بلند اخلاق کا اقتضاء ہوسکتا ہے۔ بلکہ شریعت محمدیہ کا یہ ایک عام قانون ہے کہ اگر سہو ونسیاں کی بنا پر کسی شخص سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو تاامکان اس کی پردہ پوشی ہی کرنی چاہیے' حدود کے باب میں شہادت کے اندر جس قدر شدت اختیار کی گئی ہے وہ بھی صرف ستر اور پردہ پوشی کی حکمت پر مبنی ہے[1] یعنی شریعت یہ نہیں چاہتی کہ پورے ثبوت کے بغیر فواحش اور حیا سوز جرائم کی اشاعت یا کسی مسلمان کی پردہ دری کی جائے۔

مغیرہ بن شعبہ پر تہمت کی تشفی بخش تحقیق

❋ مغیرہ بن شعبہ کے متعلق تہمت زنا پر حضرت عمرؓ کی دعا کا جو واقعہ مشہور ہے اس کا منشاء بھی یہی تھا۔ نکتہ چینوں نے اسے دوسرا رنگ دیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عیوب کی فہرست میں شمار کیا ہے مگر دور بینوں نے اسی کو بڑی حکمت پر مبنی سمجھا ہے' یہ فہم اور درد اسی کو میسر آ سکتا ہے جس کو مقاصد شریعت کا پورا ادراک ہو اور وہی اس کی رعایت کرسکتا ہے کہ اگر اسلام کے دور اول میں کسی مقتدر شخصیت کے متعلق کوئی غلط الزام حد ثبوت کو پہنچ جائے تو آئندہ نسلوں کے لیے وہ کتنا مضرت رساں ہوسکتا ہے۔

واقعہ کی حقیقت یہاں کل اتنی تھی کہ انہوں نے خفیہ طور پر نکاح کرلیا تھا وہی برے عنوان سے مشہور ہوگیا چونکہ اس وقت اس قسم کے نکاح کی حضرت عمرؓ نے ممانعت فرمادی تھی[2] اس لیے انہیں یہ عذر کرنے کا موقعہ بھی نہ مل سکا کہ میں نے خفیہ نکاح کرلیا ہے چنانچہ جب عدم ثبوت کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوگیا اور ان سے حقیقت حال دریافت کی گئی تو انہوں نے صاف طور پر اپنے نکاح کا حال بیان کردیا۔[3]

---

[1] انما امر الله بالعدد في شهود الزناء لا نه مامور فيه بالستر و لهذا غلظ فيه النصاب. (اعلام الموقعين ج ١ ص ٨١)

اللہ تعالیٰ نے زنا کے گواہوں میں عدد اس لیے شرط قرار دیا ہے کہ ان معاملات میں (جب تک ثبوت نہ ہو) اصل ستر ہے اسی لیے نصاب شہادت میں نسبتۃً زیادہ سختی اختیار کی گئی ہے۔

[2] حضرت عمرؓ نے یہ ممانعت اس لیے فرمائی تھی کہ عام طور پر نکاح سر دو وجہ سے کیا جاتا ہے تو اس میں شرعی مصالح کی پوری رعایت نہیں کی جاتی اس لیے اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر کھلے طور پر یہ نکاح کرلیا گیا تو شاید کسی کو اس پر اعتراض ہوگا' یا اس دعوئی کو فواحش کے لیے آڑ بنایا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان دونوں باتوں کا سد باب منظور تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی اسی قسم کے مصالح کے پیش نظر انعقاد نکاح کے لیے نصاب شہادت شرط قرار دیا ہے۔ حالانکہ کسی اور عقد میں انعقاد کے لیے نصاب شہادت شرط نہیں ہے۔

[3] روى ابن النحوى في البدر المنير ان المغيرة ادعى في تلك المرءة التي رموه بها انها له زوجة قال و كان يرى نكاح السرورى انه كان يتبسم عند شهادتهم فقيل له في ذلك فقال انى اعجب مما اريد ان افعله بعد شهادتهم فقيل و ما تفعله قال اقيم البينة على انها زوجتى ذكره في البدر المنير. (الروض الباسم ج ١ ص ١٤٧)

ابن النحوی بدر منیر میں روایت کرتے ہیں کہ جس عورت کے معاملہ میں حضرت مغیرہ کو تہمت لگائی گئی تھی ان کے نزدیک وہ ان کی بیوی تھی کیونکہ خفیہ طور پر نکاح کرلینا ان کے نزدیک جائز تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب گواہ ان کے خلاف گواہی دے رہے تھے تو یہ کھڑے مسکرا رہے تھے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ ان کی گواہی کے بعد جو میں کہنا چاہتا ہوں اسی کی وجہ سے مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ دریافت کیا گیا آپ کیا کہیں گے فرمایا میں اس کا ثبوت پیش کروں گا کہ یہ میری بیوی ہے۔ اس واقعہ کو بدر منیر میں ذکر کیا ہے۔

www.besturdubooks.net

علماء جرح وتعدیل نے تمام تر احتیاط کے باوجود اپنی ان نکتہ چینیوں پر جو تنقید حدیث کے سلسلہ میں انہوں نے راویوں کے متعلق کی ہیں بہت تاسف کا اظہار کیا ہے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ شانِ ستاری ہرگز اس کے درپے نہیں ہے کہ وہ امت کے مجرمین کی برسر بازار رسوائی کا کوئی آئینی دستور تیار کرے۔[1]

یہ بنی اسرائیل جیسے باغیوں ہی کے لیے موزوں تھا کہ جب شب میں وہ کوئی گناہ کرتے تو اس کی صبح کو اپنے دروازوں پر لکھا ہوا دیکھ لیتے' یا مالِ حرام سے صدقہ دیتے تو آسمان سے آگ اترتی اور اس کو جلائے بغیر واپس ہو جاتی اور یہ ان کی رسوائی کا عام اعلان ہوتا۔امت محمدیہؐ کے لیے اب یہ سب آئین پردہ دری منسوخ ہو چکی ہیں۔

امت محمدیہ کے آخری امت ہونے کی ایک لطیف حکمت ✵ علماء نے اس امت کے آخری امت ہونے کی ایک لطیف حکمت یہی تحریر کی ہے کہ اب خدائے تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس امت کی داستان عمل بھی پہلی امتوں کی طرح کسی اور امت کے سامنے پڑھی جائے۔

جماعت منافقین کی ریشہ دوانیوں سے کتب سیرت وتاریخ بھری پڑی ہیں اس کے باوجود ان کے ساتھ شریعت کا سلوک یہی تھا کہ ان میں سے جس نے نمائشی طور پر بھی اسلام کا نقاب ڈال لیا اس کو رسوا نہیں کیا گیا یعنی جو مؤمن کا بھیس بنا کر آ گیا اسے آنے دیا گیا اور جس نے زبانی اسلام کی شہادت دے دی اس کی شہادت قبول کر لی گئی۔

ماسوا اس کے افتراق وتشتت' تعصب ونخوت کے دور میں جماعتوں کو نام لے لے کر گمراہ اور دوزخی ٹھیرانا بھڑکتے ہوئے فتنوں کو اور بھڑکانا ہے۔

امام غزالیؒ کی ایک مفید نصیحت ✵ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عہد ماضی میں عوام کی گمراہی کا باعث بعض مرتبہ خود اہل حق کا تعصب بن گیا ہے' انہوں نے حق کی حمایت میں ناحق جماعت کو بنظر حقارت ونفرت دیکھا جاہلوں نے صرف ان کی ضد میں اپنے جہل وعناد میں اور تشدد اختیار کر لیا۔شدہ شدہ یہ وقتی ضد دائمی عقائد بن گئے حتی کہ کلام اللہ کے حدوث وقدم کے مباحث میں یہاں تک مبالغہ آمیزیاں ہوئیں کہ جو آواز انسان کے حلقوم سے نکلتی ہے اس کو بھی قدیم کہہ دیا گیا۔کاش اگر یہ مقابلے اور مناظرے نہ ہوتے تو یہ بے معنی کلمات جو بعد میں عقائد بن گئے شاید کسی مجنوں کی زبان سے بھی نہ نکلتے۔

اس عام سنت کے سوا اگر کہیں کسی جماعت یا فرد کا نام لیا گیا ہے تو کسی خاص ہی مصلحت کے لیے جس پر علماء نے اپنی جگہ کافی بحث کر دی ہے اس لیے ان فرقوں کی تعیین پر بحث کرنا قطعاً غیر ضروری ہے تاہم جب اذہان اس طرف متوجہ ہو گئے اور بحث شروع کر دی گئی تو مجبوراً ہمیں بھی کچھ لکھ دینا مناسب ہے۔

---

[1] ابن ابی حاتم کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک دن ان کے سامنے کتاب الجرح والتعدیل پڑھی جا رہی تھی۔محمد بن مہرویہ رازی نے کہیں ان سے یحیٰی بن معین کا یہ مقولہ نقل کیا ''ہم ان لوگوں پر بھی طعن کر گذرتے ہیں جو ہم سے دو دو سال پیشتر اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں''۔
یہ سن کر ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور جسم پر ایسا رعشہ طاری ہوا کہ کتاب ہاتھ سے چھوٹ گئی۔اس حکایت کو پھر دوبارہ انہوں نے سنا اور پھر خوب روئے۔

www.besturdubooks.net

اس موضوع پر علماء کلام اور علماء اصول دونوں نے اپنی اپنی جگہ گفتگو کی ہے- ہمارے نزدیک علامہ طرطوشی کا کلام سب میں منتخب ہے اور اسی کو علامہ شاطبی نے بھی اختیار فرمایا ہے اس لیے ہم اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں-

یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث میں زیر بحث صرف وہ اختلافات ہیں جو تفریق فی الدین کی حد میں آ سکتے ہیں- یہ وہ افتراق ہے جو صراطِ مستقیم سے وابستہ رہ کر انحراف کے نتائج میں پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام قرآنی لفظ میں ''السبل'' رکھا گیا ہے اس کا حاصل اصل دین سے منسوب رہ کر اس کے بعض اصول وکلیات کے ساتھ اختلاف کرنا ہے اس لیے یہاں اختلاف وافتراق سے امت اجابت ہی کا اختلاف وافتراق مراد ہوگا- امت دعوت کا اختلاف جس میں کفار بھی داخل ہو جائیں مراد نہیں ہو سکتا- یہ دوسری بات ہے کہ اگر یہ انحراف اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو اس کی انتہاء کفر پر بھی ہو سکتی ہے-

حدیث نے لفظ ''امتی'' سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس اختلاف کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ لفظ امت کے تحت میں رہ کر ہی ہونا چاہیے- یہاں امت سے امت دعوت مراد لے لینا بہت بعید ہے کیونکہ اس امت کے اختلاف کو بنی اسرائیل کے اختلاف کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف یہودیت ونصرانیت کے وسیع مفہوم میں داخل رہ کر ہی تھا اسی طرح اس امت کا اختلاف بھی امت اجابت میں رہ کر ہونا چاہیے- کفر اپنے تمام انواع واقسام کے ساتھ شریعت کی نظر میں ایک ہی ملت قرار دیا گیا ہے- اس کے تشتت وافتراق کی بحث شریعت میں غیر مفید بحث ہے- اگر تاریخی اعتبار سے نظر ڈالی جائے تو بھی یہی نظر آتا ہے کہ اسلام میں جو مختلف فرقہ بندیاں ہوئیں ہمیشہ وہ اسلام ہی کے نام پر ہوئیں- خوارج کی جنگ کی تمام بنیاد ہی یہ تھی کہ وہ اپنا قدم اسلام اور صراطِ مستقیم پر سمجھتے تھے اور حضرت علیؓ کو دائرۂ اسلام سے باہر قرار دیتے تھے' معتزلہ ومرجیہ اور دیگر فرق باطلہ سب اپنی اپنی جگہ یہی دعوی رکھتے تھے کہ سیدھی راہ ان ہی کی راہ ہے دوسری جماعتیں منحرف اور حق سے ہٹی ہوئی جماعتیں ہیں ان وجوہ کی بنا پر ظن غالب یہ ہے کہ ان فرقوں کا ظہور صرف اسلام کے اندر مقدر ہے کفر کی جماعتیں اس میں شامل نہیں ہیں-

فرقہ باطلہ کی پہلی علامت بغض ونفاق ہے ❁ ان فرقہائے باطلہ کی تعیین کا راستہ اب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کی علامات پر اصولی طور پر بحث کی جائے- کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انحراف' زیغ اور افتراق کی بڑی علامت خود آپس کا اختلاف ہے- پس اگر کوئی مسئلہ اسلام میں زیر بحث آتا ہے اور اس کی وجہ سے افتراق وتشتت نہیں پھیلتا' بغض وعداوت کی ہوا نہیں چلتی' امت کا شیرازہ منتشر نہیں ہوتا- آپس کی محبت ومودت ختم نہیں ہوتی تو اس کو اختلافِ مذموم نہیں کہا جا سکتا- لیکن اگر اس کا نتیجہ تحزب وتعصب کی شکل میں نمودار ہوتا ہے امت کی وحدت پارہ پارہ ہوتی ہے تو اسے انحراف کا اثر سمجھنا چاہیے- آیت ﴿و لا یزالون مختلفین﴾ کی تفسیر کے ذیل میں مجاہد فرماتے ہیں کہ مختلفین اہل باطل ہیں اور مرحومین کے متعلق لکھتے ہیں-

اھل الحق لیس فیھم اختلاف — اہل حق میں اختلاف نہیں ہوتا-

مطرف بن شخیر کہتے ہیں کہ اگر کہیں اہل اہواء میں بھی محبت واتحاد ہوا کرتا تو یہ دھوکا لگتا کہ شاید یہی لوگ اہل حق ہوں لیکن جب اس نعمت سے وہ محروم ہیں تو اب ہر ذی عقل یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ اہل حق نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی شان اختلاف و

www.besturdubooks.net

افتراق نہیں۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ مختلفین اھل اھوا اور الامن رحم ربک اہل سنت والجماعت ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہل رحمت اختلاف نہیں کرتے۔[1]

یہ الفاظ بتارہے ہیں کہ اس وقت تک اہل حق کے قلوب میں فروعی اختلافات رکھنے کے باوجود کوئی بغض وعناد نہ تھا گو آج یہ سمجھنا اور سمجھانا دونوں مشکل ہیں کہ فروعی اختلاف کے باوجود محبت کیسے قائم رہ سکتی ہے اگر غور کرو گے تو موجودہ افتراق کی بناء فروعی اختلافات نہیں ہیں بلکہ قلبی سرد مہری ہے۔ہاں بہانہ بنانے کو یہ بوجھ مذہب کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے تاہم اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگر رفع یدین اور آمین کے جھگڑے تحزب وتعصب اختلاف وافتراق کی صورت پیدا کرلیں تو ہرگز اس اختلاف کو بھی اہل حق کا اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔

حافظ ابن قیمؒ قیاس کی مذمت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ قیاسات ہی کی بدولت امت کے کلمہ میں تفریق پھیلی اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ قیاسات خدا کی مرضی کے برخلاف ہیں۔قرآن کریم میں ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. (النساء : ۸۲) — اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف نظر آتا۔

حضرت ابن عباسؓ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ (آل عمران : ۱۰۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تبیض وجوہ کا مصداق اہل سنت اور اہل ائتلاف ہیں اور تسود وجوہ کا مصداق اہل فرقت واختلاف ہیں۔

اختلاف نہ کرنے کا حکم ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپس میں اختلاف برپا نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا۔اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کے مفہوم میں صحابہؓ کا اختلاف دیکھتے تو آپ کو سخت ناگوار ہوتا اور آپ کو اتنا غصہ آتا کہ آپ کا روئے انور انار کے دانہ کی طرح سرخ ہوجاتا اور فرماتے ''کیا اس بات کا تم کو حکم دیا گیا تھا''۔بعثت رسول کا اصل مقصد ہی رفع اختلاف ہے اس لیے جو اختلاف کرتا ہے درحقیقت وہ اس اہم مقصد پر ہی ضرب لگاتا ہے۔حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ''اگر تم اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے''۔

ایک دن حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ اس مسئلہ میں اختلاف کررہے ہیں کہ نماز ایک کپڑے میں ادا کرنا سنت ہے یا دو کپڑوں میں؟ تو انہوں نے ممبر پر خطبہ دیا اور فرمایا ''جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو کر ایسے ایسے مسائل میں اختلاف کرو گے تو پھر تمہارے بعد مسلمان کس کے قول کو اختیار کریں گے۔اگر آج کے بعد میں نے سنا کہ دو شخصوں میں اختلاف ہورہا ہے تو جو مجھے کرنا ہے کر گزروں گا۔''

حضرت علیؓ نے اپنے قاضیوں کو لکھ بھیجا ''جیسے تم پہلے فیصلہ کیا کرتے تھے اب بھی اسی کے موافق کرتے رہو مجھے اختلاف

---

[1] کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۳۹ و ۴۰۔

www.besturdubooks.net

پسند نہیں، میری تمنا ہے کہ جس طرح میرے پیش رو دنیا سے گذر گئے اسی طرح کسی اختلاف کے بغیر میں بھی گذر جاؤں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''پہلی امتیں اسی عادت کی بدولت ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے سامنے اختلاف کیا کرتی تھیں۔'' اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ ''اپنی کتاب کے بعض حصہ کو بعض کے ساتھ متعارض سمجھ کر ٹکرایا کرتی تھیں۔ قرآن اس لیے نہیں آیا کہ تم اس میں اختلاف پیدا کر کر کے ایک آیت کو دوسری آیت سے ٹکراؤ بلکہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہوا اترا ہے۔[1]

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اسی عداوت و بغض کی رو میں بہے چلے جا رہے تھے خدائے تعالیٰ کا ان پر یہ بڑا انعام ہوا کہ اس نے ان کی بہتی کشتی اختلافات کی دہار سے نکال کر محبت و مودت کے کنارے لگا دی۔

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا. (آل عمران : ۱۰۳)

اور اللہ کی نعمتیں یاد کرو جو تم پر کیں اور ذرا اس زمانہ کو بھی یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اب جو صبح ہوتی ہے تو تم اس کی مہربانی سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بنے ہوئے تھے۔

پس قلوب میں انس و محبت، الفت و اخوت یہ خدا کی بڑی نعمت ہے اس لیے یہ حصہ اسی کا ہو سکتا ہے۔ جو الا من رحم ربک کی فہرست میں داخل ہو چکا ہے اس کے بالمقابل اختلاف و افتراق اس نعمت سے محروم ہونے کی نشانی ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام میں ایک باب قائم کر کے لاتزال طائفه. الخ کی حدیث نقل کی یعنی میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ اس کے بعد دوسرا باب قائم کیا اور یہ آیت تحریر فرمائی ﴿او یلبسکم شیعا﴾ خدائے تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہاری پارٹیاں بنا دے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان دونوں بابوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اس امت میں آئندہ اختلاف ہوگا حتی کہ حق پر قائم رہنے والا صرف ایک طائفہ رہ جائے گا اس لیے آئندہ باب میں اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انواع عذاب میں اختیار دیا گیا تو آپ نے عذاب کی تمام قسموں میں سے عذابِ افتراق کو پسند فرمایا تھا کہ اس میں پہلی امتوں کی طرح آپ کی امت کا استیصال تو نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اختلاف و تشتت یہ ایک عذاب ہے اور اہل باطل کی نشانی ہے۔[2]

---

[1] دیکھو اعلام الموقعین ج اص ۲۲۵ جامع بیان العلم ج ۲ص ۸۳ و ۸۴۔ حضرت عمرؓ کے اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی سیاسی نظر کیسی دور بین تھی وہ اجتہاد کو نہیں روکتے اختلاف کو روکتے ہیں، مناظرے کو روکتے ہیں اور ایسی بحث کو روکتے ہیں جو سر دست گو اختلاف نہ کہلائے مگر آئندہ کہیں امت کے لیے اختلاف کا تخم نہ ڈال دے۔ اسی طرح قرآن میں بحث و تمحیص کی ممانعت نہیں۔ ممانعت اس بحث کی ہے جس کا حاصل قرآن کی آیات میں اختلاف و تعارض ثابت کرنا ہو، کوشش یہ کرنا چاہیے کہ جہاں اختلاف ہو اس کو تا امکان رفع کیا جائے۔ جہاں تعارض نظر آئے اسے دور کیا جائے نہ یہ کہ جہاں اختلاف کا کوئی شائبہ نہ ہو وہاں دماغ سوزی کر کے اختلاف پیدا کیا جائے۔ اہل حق اور اہل اختلاف کے مزاج کا اگر اندازہ کرو گے تو دونوں کی بحثوں میں مابہ الامتیاز یہی ہوگا، ان کا مقصد بحث کر کے اختلاف مٹانا ہے ان کا مدعا بحث کر کے اختلاف پیدا کرنا ہے۔ واللہ المستعان.

[2] اگر آپ اختلاف کے صحیح معنی سمجھ گئے ہیں تو یہ کہنا غلط ہے کہ یہاں تو برعکس اہل حق میں اختلاف اور اہل باطل میں اتفاق نظر آتا ہے۔

www.besturdubooks.net

دوسری علامت اتباع متشابہات ہے ✽ مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھنے کے لیے پہلے محکم و متشابہ کی حقیقت ذہن نشین کرنا ضروری ہے قرآن کریم کہتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَ اُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ.(آل عمران : ۷)

خدا ہی نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں آیات محکمات ہیں جو کتاب کا بڑا حصہ ہے اور دوسری آیات متشابہات ہیں۔

عربی میں لفظ اُم کے معنی اصل اور بڑے کے آتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ زمین کا مرکزی نقطہ اور اس کی اصل یہی ہے' یہیں سے زمین اطراف و جوانب میں پھیلائی گئی ہے۔ سورۂ فاتحہ کو بھی ام الکتاب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اصول کتاب پر حاوی ہے۔ امِ الطریق بڑے راستہ کو کہا جاتا ہے وہ بھی چھوٹے راستوں کے پھٹنے کی اصل ہوتا ہے۔ دراصل اُمّ میں اصل ہونے کے ساتھ اس کے مرجع اور مرکز ہونے کا مفہوم بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ ماں کو عربی میں اسی لیے ام کہتے ہیں کہ وہ اولاد کی اصل اور ان کا مرجع ہوتی ہے یعنی وہ اسی کے اردگرد رہتے ہیں' ضرورت کے وقت اسی کی طرف لوٹ کر آتے ہیں۔ جنگ کے بڑے جھنڈے کو بھی ام اسی لیے کہا جاتا ہے کہ لشکر کروفر کے وقت اسی جگہ لوٹ کر آتا ہے۔[۱]

اس لحاظ سے محکمات کے ام الکتاب ہونے کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ قرآن کا بڑا حصہ اور اصل ہیں یہ اپنی جگہ قائم رہیں گے اور قرآن کا دوسرا حصہ جو نہ اس کی اصل ہے اور نہ اتنا بڑا ہے وہ انہیں محکمات کے اردگرد گھومتا رہے گا جب ان میں کوئی الجھاؤ پیش آئے گا تو ان ہی محکمات کی طرف لوٹ کر حل کر لیا جائے گا اور ام کی طرح ان کو مستقل حیثیت حاصل نہ ہوگی۔ جب آپ محکم و متشابہ کا فرق سمجھ چکے تو اب سنئے کہ محکمات و متشابہات کی اس تقسیم ہی نے یہاں خدا کی قہر و مہر کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ مومن' راسخ فی العلم کے لیے راستہ یہ ہے کہ وہ محکمات پر عمل کرتا رہے اور متشابہات پر ایمان لاتا رہے۔ اس کے برعکس کج فطرت یہ وتیرہ اختیار کر لیتا ہے کہ قرآن کا جو کھلا ہوا حصہ ہے اسے تو متشابہات کی طرح عملاً چھوڑ دیتا ہے اور جو متشابہات ہے اس کو محکمات کی طرح زیر بحث لے آتا ہے متشابہات خود تو اپنی مراد میں واضح نہیں ہوتے اور یہ شخص ام کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتا اس لیے جس قدر اس کی مراد حاصل کرنے میں دوڑتا جاتا ہے اسی قدر منزل مقصود سے بعید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ کہیں پہنچ کر اس کی پیاس بجھے مگر اس کی تشنگی اور بڑھتی رہتی ہے اور اسی جد و جہد میں اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے نہ اسے ساحل مراد ہی ہاتھ آتا ہے نہ اس بد نصیب کا سفر ہی تمام ہوتا ہے۔

خدائے قدوس نے حل و حرمت اور عمل کے جتنے آئین بنائے ہیں اس میں کوئی ابہام نہیں رکھا اور جہاں ابہام رکھا ہے اس پر عمل کی دعوت نہیں دی بلکہ صرف ایمان لانے کا امر کیا ہے۔ اب اگر کوئی بد نصیب صحیح راہ نہیں چلتا اور خود بھٹکتا پھرتا ہے تو یہ قصور

---

[۱] اس لحاظ سے سورۂ فاتحہ کو ام الکتاب کہنے کی ایک لطیف حکمت یہ بھی ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز میں اپنی جگہ رہتی ہے۔ بقیہ قرآن اس سے آ آ کر لگتار ہتا ہے۔ اب یہ بات بھی حل ہوگئی کہ ہر رکعت میں خاص سورۂ فاتحہ ہی کیوں واجب کی گئی ہے۔ بقیہ سورتوں میں کوئی اور سورت واجب کیوں نہیں کی گئی' اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن میں جو سورت ام کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہی سورۂ فاتحہ ہے اس لیے اسی کا حق ہے کہ یہ سورت بہ حیثیت ام اپنی جگہ رہے اور بقیہ قرآن اس سے آ آ کر لگتار ہے۔ (از افادات حضرت استاذ قدس سرہ)

www.besturdubooks.net

اس کا ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اسی جگہ مخلص وغیر مخلص، سعید و شقی کا فرق واضح ہوتا ہے۔ شانِ تفویض وتسلیم اور تمرد و سرکشی کا یہی نقطہ امتحان ہے۔ فرقہائے باطلہ کے پھوٹنے کا یہی سرچشمہ ہے اس لیے اس پر دوبارہ پھر تفصیلی نظر ڈالئے۔

محکم و متشابہ کی تحقیق ٭ محکم کے دو معنی ہیں ایک عام اور ایک خاص۔ خاص اصطلاح[1] میں محکم منسوخ کے بالمقابل مستعمل ہوتا ہے۔ اس بنا پر قرآن کی جو آیات منسوخ نہیں وہ سب محکمات کہلائیں گی اور جو منسوخ ہیں ان کو متشابہات کہا جائے گا۔ محکم کے عام معنی یہ ہیں کہ جو آیات اپنی مراد میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں وہ محکمات ہیں۔ اس اصطلاح کے موافق متشابہات وہ آیات ہوں گی جو اپنی مراد میں واضح نہ ہوں خواہ بحث وتمحیص کے بعد حل ہوسکیں یا نہ ہوسکیں اس بنا پر متشابہات کی دو قسمیں ہو جائیں گی (۱) حقیقی (۲) اضافی۔ متشابہ حقیقی وہ ہوگا جس کی مراد نہ خود شریعت نے بتلائی ہو نہ اس کے حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہو۔ یعنی تحقیقات کے تمام دروازے بند نظر آئیں اور جو دروازہ کھلا ہوا ہو وہ صرف ایک ایمان کا دروازہ ہو' قرآن کریم میں ایسے متشابہ کا وجود بہت ہی نادر ہے اور اس کا مقصد بھی بجز ایمان لانے کے اور کچھ نہیں ہے۔ آیت بالا میں متشابہات سے یہی معنی مراد ہیں۔

متشابہ اضافی قرآن کریم کا وہ حصہ ہے جس کی تفصیل خود قرآن کریم نے دوسری جگہ بیان کر دی ہے۔ مثلاً کسی عام کی تخصیص یا کسی مطلق کی تقیید لیکن بے علمی یا کج فطرتی یا اتباع ہویٰ اس تحقیق کی فرصت نہیں دیتی کہ کلام کے سیاق وسباق کو دیکھا جائے۔ عام وخاص' مطلق ومقید کے ارتباط کا لحاظ کیا جائے بلکہ صرف یک طرفہ نظر کر کے قرآن کے خلاف ایک معنی پیدا کر لیتی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ ایک شخص نے جابر جعفی سے دریافت کیا کہ ذیل کی آیت کا کیا مطلب ہے۔

﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ (یوسف : ۸۰)

اس نے جواب دیا اس آیت کا مصداق ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ سفیان نے فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ حمیدی کہتے ہیں ہم نے سفیان سے دریافت کیا۔ اس شخص کا مطلب کیا تھا فرمایا روافض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بادلوں میں چھپے بیٹھے ہیں' جب کبھی ان کو حکم ہوگا تو اپنی اولاد کے ساتھ آسمانوں میں ظاہر ہوں گے' یہ رافضی اس پر اس آیت کو چسپاں کرنا چاہتا ہے۔

اب غور کیجیے کہ آیت کا تمام سیاق وسباق صاف صاف حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں ہے۔ یہاں اس مہمل سرتاپا کذب عقیدہ کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ مگر اس شخص نے جب آیت کو اپنے مذہب پر ڈھالنا چاہا تو اس کو اول وآخر سے علیحدہ کر کے صرف درمیان کا حصہ پڑھا۔ اسی طرح خوارج صرف اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ رٹا کیے اور یہ نہ دیکھا کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ انسانوں کی تحکیم موجود ہے۔ جبریہ کا حال بھی یہی ہے وہ بھی صرف۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ. (الصافات:۹۶) اللہ نے تمہیں اور تمہارے عمل کو پیدا کیا۔

---

[1] یہ معنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ (تفسیر المنار ج۳ ص۱۶۴)

www.besturdubooks.net

کو لیے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے عمل بھی اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو اب ہمارا اختیار کیا رہا۔ لیکن اسی قرآن میں ﴿جزآءً بما کانوا یکسبون﴾ (توبہ : ۹۵) (یہ بدلہ ہے ان کاموں کا جو انہوں نے خود کیے ہیں) بھی موجود ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کے افعال اس کے کسب و اختیار سے صادر ہوتے ہیں۔

غرض باطل فرقوں کا یہی دستور ہے کہ پہلے وہ ایک خیال پکا لیتے ہیں پھر اس پر قرآن سے استدلال قائم کرنے کے لیے کسی آیت کی آڑ تلاش کر لیتے ہیں اور رہوئی پر بدی کا رنگ چڑھا کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ اسی قرآن میں دوسری جگہ اس کی تشریح ان کے مدعا کے خلاف موجود ہوتی ہے پس متشابہ اضافی بعض کے لحاظ سے تو متشابہ ہوتا ہے اور بعض کے لیے محکم ہوتا ہے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ جب خود شریعت نے مبہم کو مفصل، عام کو خاص، مطلق کو مقید کر دیا ہے تو اس کے بعد اس میں کوئی تشابہ نہیں رہتا اور اس لیے علماء کو اس پر بحث کا حق حاصل ہوتا ہے اور اگر یہ دیکھا جائے کہ وہ اپنی توضیح میں ایک قاصر الفہم کے لیے دوسری آیت کی طرف رجوع کرنے کا محتاج ہوتا ہے، جس کی اہلیت اس شخص میں موجود نہیں ہوتی تو اس کے لیے یہی کہا جائے گا کہ جس طرح متشابہاتِ حقیقیہ کی تحقیق علماء کے لئے ممنوع تھی اسی طرح ان آیاتِ محکمات پر بحث کرنا اس کے لئے ممنوع ہے۔ اب متشابہ حقیقی اور متشابہ اضافی میں فرق یہ رہے گا کہ متشابہ حقیقی پر بحث و تمحیص کرنا مطلقاً زیغ کی علامت تھی۔ متشابہ اضافی پر بحث کرنا صرف نااہل اور بے علموں کے لیے زیغ کی علامت ہوگی۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ تشابہ کبھی فی نفسہٖ ہوتا ہے، کبھی اپنے قصورِ علمی کی وجہ سے نظر آنے لگتا ہے، حکم دونوں جگہ ایک ہے۔ متشابہ حقیقی سب کے لیے متشابہ ہے اس لیے کسی کو بحث کرنے کی اجازت نہیں اور متشابہ اضافی جس کے حق میں متشابہ ہے خاص اس کے لیے اس پر بحث کی اجازت نہیں لیکن جب اہل زیغ اپنی بے علمی کا ادراک نہیں کرتے یا ادراک کے باوجود محض جسارت اور اتباع ہوی کی وجہ سے اس وادی میں قدم رکھ دیتے ہیں تو پھر اسی جگہ سے وہ شاخیں پھوٹنے لگتی ہیں جن کو قرآن کریم میں ''السبل'' کہا گیا ہے اور اختلافِ مذموم کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔[2]

تیسری علامت ❋ اتباع ہوئی ہے۔ گذشتہ مباحث میں اس پر آیات و احادیث کی روشنی میں کافی بحث گذر چکی ہے۔ ان ہر سہ علامات میں فرق یہ ہے کہ پہلی علامت یعنی اختلاف و تشتت کی شناخت ہر شخص کر سکتا ہے دوسری علامت کی شناخت صرف علماء

---

[1] دیکھو الموافقات ج ۳ ص ۸۶-۹۳۔

[2] تفسیر المنار میں محکم و متشابہ کی بحث بہت مکمل موجود ہے۔ فاضل مصنف نے صرف اس مسئلہ پر ۳۳ صفحہ پر بحث کی ہے اگر اس کے دوسرے اطراف و جوانب کا بھی لحاظ کیا جائے تو پورے ۶۴ صفحات پر یہ مباحث پھیلے ہوئے ہیں اور محکم و متشابہ کی تفسیر میں دس اقوال پیش کرنے کے بعد یہ اختیار کیا ہے کہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس کی مراد بالکل غیر معلوم ہو بلکہ اس کو غیر معقول قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس شے کا ہم ادراک نہیں کر سکتے وہ متشابہات کے معانی نہیں بلکہ ان کی پوری پوری کیفیات ہیں مثلاً صفاتِ الٰہیہ کی کیفیت، جنت و دوزخ اور دوسرے عالم غیب کی تفصیلی کیفیت، استواء علی العرش اور قیامِ قیامت کی کیفیت اور اس قسم کے دوسرے امور ان کے نزدیک قرآن کریم میں صرف متشابہ اضافی ہے، متشابہ حقیقی کا کوئی وجود نہیں جو لوگ متشابہات پر دورِ حاضر کے اعتراضات کا جواب دینا چاہیں ان کے لیے اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے ان کے کلام کا اصل مآخذ حافظ ابن تیمیہؒ کی سورۂ اخلاص کی تفسیر ہے۔ محمد بن ابراہیم وزیر نے بھی اس جگہ مفید کلام کیا ہے۔ (دیکھو الروض الباسم ج ۲ ص ۵۲)

www.besturdubooks.net

راسخین کا حصہ ہے کیونکہ وہ محکمات ومتشابہات کے فرق پر موقوف ہے اور اس کا علم علماء ہی کو ہوسکتا ہے۔ تیسری علامت خود انسان ہی کے فیصلہ کی بات ہے وہ خود ہی اس کا فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس کے باطن میں اتباع ھدیٰ کا جذبہ ہے یا اتباع ہویٰ کا۔

اب اگر آپ کو فرقہائے باطلہ کی شناخت کرنی ہے تو ان علامات سے کر لیجئے مگر ان علامات کے بعد بھی دائرۂ بحث ختم نہیں ہوگا اس لیے اس بحث کو تمام کرنے کا وہی ایک راستہ ہے جو یہاں صحابہ کرام نے اختیار فرمایا تھا یعنی ان ۷۲ فرقوں کی تعیین یا ان کی علامات پر سوال و جواب کی بجائے یہ تحقیق کر لی جائے کہ فرقۂ ناجیہ کون سا فرقہ ہے یہ مفید بھی ہے اور مختصر بھی۔

فرقہ ناجیہ کی تعیین اور بقیہ فرقوں کے ابہام کی حکمت ❋ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس راستہ کو اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ یہ جانتے تھے کہ راہِ مستقیم بغیر صاحب وحی کے بتائے ہوئے قطعی طور پر دریافت ہی نہیں ہوسکتی۔ اگر صرف ہماری عقل اس کے لیے کافی ہوسکتی تو انبیاء علیہم السلام کی حاجت ہی کیا رہتی اس لیے اس کی تعیین تو خود رسول ہی کی زبان سے ہو جانا چاہیے یہ امت کے اجتہاد پر سپرد کرنے کا مسئلہ نہیں ہے ہاں شاہراہ نجات متعین ہو جانے کے بعد سبل منحرفہ کی تعیین امت کے سپرد کی جاسکتی ہے گویا عمل کے لیے میدان صاف کر دیا گیا ہے اور صرف نظری مرحلہ میں امت کے فہم و اجتہاد کا امتحان لیا گیا ہے۔

شریعت محمدیہ صفت اعتدال میں اتنی اتم و اکمل ہے کہ دوسرے ملل مستقیمہ میں گویا ''الصراط المستقیم'' اس کا ایک لقب بن گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ جتنا توازن' جتنا اعتدال' جتنا اقتصاد اور میانہ روی اس شریعت میں ملحوظ ہے اتنی دوسری شرائع میں نہیں۔ شریعت موسویہ وعیسویہ کے افراط وتفریط کا حال معلوم ہے' گو وہ اپنے زمانہ کا توازن درست رکھنے کے لیے کتنی ہی معتدل ہوں مگر اس شریعت کے اعتدال کے بالمقابل رکھی نہیں جاسکتیں' آخر وہ اصرار اور اغلال (شدید احکام) کیا چیزیں تھیں جن کو شریعت مصطفویہ نے میزان شریعت سے نکال کر اعتدال کی صورت پیدا کی ہے۔ اسی وصف ممتاز کے لحاظ سے اس امت کو امت وسط کہا گیا ہے اس لیے یہاں ادنیٰ سے ادنیٰ انحراف بھی نمایاں ہو جاتا ہے اور وہ صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے سبل کی صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ﴿وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ﴾ (النحل : ۹)

سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ 'قصد السبیل' یعنی میانہ راستہ طریق سنت ہے اور ''منها جائر'' ملل وسبل متفرقہ ہیں۔ مجاہد نے اس کو اور زیادہ صاف الفاظ میں بیان کیا ہے وہ ''قصد السبیل'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

المقتصد بين الغلو و التقصير و ذلك يفيدان الجائر هو الغالي او المقصر و كلا هما من اوصاف البدع[1]	یعنی میانہ روی یہ ہے کہ نہ اس میں غلو اور مبالغہ ہو اور نہ کوتاہی رہے اس کے بالمقابل جائر کا مفہوم یہی ہوگا کہ اس میں یا تو غلو نظر آئے یا کوتاہی' یہ دونوں ملل منحرفہ کے اوصاف ہیں۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اقتصاد اور اعتدال کتنی کٹھن منزل ہے اگر پلہ ذرا جھکتا ہے تو غلو ہوا جاتا ہے اگر ذرا اٹھتا ہے تو تقصیر

[1] الاعتصام ج ۱ ص ۴۷۔

www.besturdubooks.net

کا الزام عائد ہوتا ہے اس لیے اعتدال کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہمہ وقت شریعت پر ترازو کی طرح ٹکٹکی بندھی رہے کہ کہیں ڈگمگاتی تو نہیں ہر بوالہوس کے یہ نصیب کہاں ؎

ایں شربت عاشق یست خسرو   بے خون جگر چشید نتواں

كلهم في النار الا واحدة ❋ یہاں ایک شبہ یہ بھی پیش آرہا ہے کہ اس امت کی اکثریت اگر جہنم میں ہو تو یہ مرحومہ کیسے ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک اصولاً یہ سوال ہی غلط ہے یہ فیصلہ ابھی قبل از وقت ہے۔ درمیانی مراحل سے گذر کر جب یہ امت جنت میں داخل ہو جائے اس وقت یہ توازن قائم کرنا چاہیے کہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں یہ امت زیادہ ہے یا کم' اس وقت یہ صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ درحقیقت یہ امت امت مرحومہ ہے یا نہیں [1]

نیز یہ بھی تو سوچئے کہ اس امت کی ضرب المثل وحدت' اس کی خدا ترسی' راست بازی' باہمی ہمدردی و سلوک یہ اس کے دورِ عروج کی باتیں ہیں اس کے برعکس اس کا افتراق و تشتت' اس کا تفرق و کجروی یہ اس کے دورِ نزول کی داستان ہے۔ کسی قوم کے دورِ عروج کی تاریخ اس کے دورِ زوال میں پڑھنے کی سعی کرنا بڑا ظلم ہے جن احادیث میں اس امت کی خیریت و برتری موجود ہے ان ہی میں اس کے دور انحطاط کا یہ افتراق مذکور ہے پھر اس میں تردد و شبہ کی کیا بات ہے۔

كلهم في النار کی تحقیق ❋ یہاں ایک بڑے عالم محقق نے یہ جواب دیا ہے کہ ''كلهم في النار'' دراصل ایک محاورہ ہے جو کسی چیز کے غلط اور ناقابل قبول ہونے کے موقعہ پر بولا جاتا ہے جیسا کہ اردو میں کہہ دیتے ہیں کہ ''اسے چولھے میں ڈالو'' یہاں درحقیقت دوزخی ہونا مراد ہی نہیں مگر ہمیں اس جواب میں تردد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے دوسرے الفاظ میں ''واحدة في الجنة ''صرف ایک فرقہ جنت میں ہوگا۔ موجود ہے۔ لفظ نار اور جنت کا تقابل یہاں اس محاورہ کی گنجائش نہیں دیتا۔

ہمارے نزدیک حدیث کی راجح مراد وہ ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمائی ہے اور جس کو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جزوی اصلاح کے ساتھ اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ایک فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت میں جائے گا اور یہ وہ ہوگا جس میں اعتقادی اور عملی کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہوگی' اگر بناء بر بشریت کوئی عملی کمزوری ان سے سرزد بھی ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ عزوجل کی رحمت یا اسے معاف کر دے گی ورنہ قبر اور محشر کے شدائد میں کہیں اس کا حساب مجری کر لے گی۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرقے ہیں ان کو اپنے افتراق و تشتت کی سزا بھگتنا پڑے گی اس کے بعد وہ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔ آخر کار اس امت کا ہر ہر فرقہ کچھ عذاب پا کر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہو جائے گا یہی مطلب ہو سکتا ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث کا۔

ما من امة الا و بعضها في النار و بعضها في   ہر ایک امت کے کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جائیں گے

---

[1] ترمذی میں روایت ہے کہ اہل جنت کی کل صفیں ایک سو بیس ہوں گی جس میں اسی اس امت کی اور بقیہ چالیس سب امتوں کی۔

www.besturdubooks.net

الجنة الا امتی فانها کلها فی الجنة۔ صرف ایک میری امت ہے جو پوری کی پوری جنت میں جائے گی۔

یہ حدیث معجم اوسط اور معجم صغیر میں طبرانی نے روایت کی ہے۔ صاحب جمع الفوائد فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ضعیف ہے تاہم اس کی مراد وہ ہے جو ہم نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کی ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس امت کے لیے مدارِ نجات صرف کلمہ توحید ہے اور معصیت موجب عذاب نہیں۔ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب نہیں ہے مرجیہ کا مذہب ہے۔ صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کو بچشم خود دوزخ میں دیکھا پھر یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام امت بلا عذاب جنت میں داخل ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ ظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ سے وہی فرقہ مراد ہے جس نے سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہے۔ بدعت سے وہ ہمیشہ دور اور نفور رہا ہے' اس کے اعتقاد و عمل کے دونوں بازو درست ہیں' یہی فرقہ سیدھا جنت میں داخل ہو گا اور لفظ ''ما انا علیه و اصحابی'' بھی زیادہ اسی پر چسپاں ہوتا ہے۔

فرقہ ناجیہ کی تحقیق

ما انا علیه و اصحابی ــــــــــ الجماعة ــــــــــ السواد الاعظم

درحقیقت یہی وہ مسطر ہے جس کو سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے تیار کیا تھا کہ صفحاتِ عالم پر آئندہ عقائد و اعمال کی جب کوئی سطر کھینچی جائے تو وہ اسی مسطر سے برابر کر لی جائے۔ مضمون بالا مطالعہ کرنے کے بعد اب یہ فیصلہ کرنا آپ کو آسان ہو گا کہ وہ جماعت کون سی ہے جس کو معیارِ حق و باطل قرار دیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ وہ راسخ العلم جماعت ہے جو نہ تو الفاظ کی جکڑ بندیوں میں اتنی مقید ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھ دے نہ عقل کے گھوڑے پر ایسی سوار ہے کہ آنکھ بند کر کے علمِ سلف کو پامال کرتی چلی جائے بلکہ علمِ صحیح اور فہمِ صحیح کی دو روشنیوں میں اس طریق کا پورا احترام رکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا طریق تھا۔ اس راہ مستقیم پر نہ تو اختلاف کی کھائیاں ہیں اور نہ بغض و عناد کی پہاڑیاں بلکہ یہ وہ راہ ہے جس کے دن رات دونوں برابر ہیں۔ **لیلها و نهارها سواء**۔

اختلاف کی تشریحات پڑھنے کے بعد اب یہ یقین کر لینا آپ کو آسان ہو گا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعت میں کوئی اختلاف نہیں تھا وہ صرف فروعی مسائل ہیں جہاں ضروری سمجھتے اجتہاد کر لیتے تھے ان کے دور میں عمل ہی کا چرچا تھا اس لیے ایک مکمل دین کے جو طے شدہ مسائل تھے وہی مشغلہ ان کے لیے کافی تھا۔ فرضی مسائل' ذات و صفات کے مباحث سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا اگر دین کے عملی حصہ کو صرف عمل کے لیے دیکھا جائے تو وہ آج بھی اتنا ہی مختصر اور صاف نظر آئے گا۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ دورِ فتن نے بدنصیبی سے ہمارے حصہ میں عمل کی بجائے اختلاف کا مشغلہ لگا دیا ہے۔

www.besturdubooks.net

اختلاف امتی رحمة کی تشریح ٭ یہ ایک ضعیف[۱] الاسناد حدیث ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اس کی شرح میں علماء کے مختلف خیال ہیں قاسم بن محمد فرماتے ہیں۔

''کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے عملی اختلاف میں ہمارا یہ بڑا فائدہ رکھا ہے کہ اب اگر کوئی شخص ان میں کسی کے مطابق بھی عمل کرلے تو اس کے لیے اتنی گنجائش نکل آئی ہے۔''

ابن وہب اس کی مزید تشریح نقل فرماتے ہیں:

''قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ مجھے خلیفہ عدل عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول بہت پسند ہے کہ: مجھ کو یہ تمنا نہیں ہوتی کہ صحابہؓ میں اختلاف نہ ہوتا اگر کہیں مسائل دینیہ میں ایک ہی قول ہوتا تو بعض صورتوں میں لوگوں کے لیے وہ عملی تنگی کا باعث ہوجاتا لیکن اب ان کے اختلاف سے دین میں عمل کی مختلف راہیں نکل آئیں چونکہ وہ ہمارے مقتدیٰ ہیں اس لیے اب اگر ان میں کسی کا قول اختیار کرلیا جائے تو وہ بھی دین کی ایک سنت پر عمل سمجھا جائے گا۔[۲]''

اس کا بظاہر حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام چونکہ زیر سایہ نبوت تربیت یافتہ تھے۔ شریعت کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح سمجھنے اور رعایت کرنے والے تھے اس لیے ان کے اختلاف کی وجہ سے ایک عمل کی جو مختلف صورتیں پیدا ہوئیں وہ سب دین ہی کی راہیں کہلائیں گی اور سب مقبول ہوں گی اگر ان کے اختلاف کی بدولت ہمارے سامنے یہ مختلف صورتیں نہ آتیں اور ایک عمل کی ایک ہی صورت ہوتی تو بعض حالات میں اسی ایک صورت پر عمل کرنا دشواریوں کا موجب بن سکتا تھا۔ اس بنا پر ان کے اختلاف کے رحمت ہونے کا مطلب دین میں عملی وسعت ہوگا۔ امام شاطبیؒ کو یہاں ایک اور دشواری پیش آگئی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی کج فہم اس کا یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ حسب خواہش وہ جب چاہے جس صحابی کا قول چاہے اختیار کرسکتا ہے یہ بالکل غلط ہے اس لیے فرماتے ہیں۔

''یہ بات طے شدہ ہے کہ شریعت کے ہر ہر مسئلہ میں جزئی جزئی مصلحت کے علاوہ ایک کلی مصلحت بھی ہے۔ جزئی مصلحت تو خاص اس مسئلہ کی دلیل اور حکمت سے ظاہر ہوتی ہے لیکن کلی مصلحت یہ ہے کہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقادی، قولی، عملی، ہر پہلو میں آئین شریعت کا مقید رہے اور ایک سانڈ کی طرح آزاد نہ رہ سکے اس کی ہر ہر نقل و حرکت شریعت کے اشاروں پر ہو۔[۳]''

اس کے بعد پھر قاضی اسمٰعیلؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

---

[۱] صاحب مقاصد حسنہ فرماتے ہیں کہ حدیث ''اختلاف امتی رحمة'' کو بیہقی نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں مرفوعاً روایت کیا۔ طبرانی اور دیلمی اور ضحاک نے اس کو منقطع طور پر روایت کیا ہے۔ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف مرسل ہے۔ خطابی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں۔ بیضاوی کے حاشیہ میں ہے کہ اس حدیث کو سبکی وغیرہ نے ذکر کیا ہے مگر محدثین کے طبقہ میں یہ حدیث معروف نہیں (الموضوعات ص ۹۱) ان چند نقول سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا سندی پایہ کمزور ہے تاہم بے اصل بھی نہیں۔

[۲] الاعتصام ج ۲ ص ۱۴۶۔ [۳] الموافقات ج ۴ ص ۱۳۱۔

www.besturdubooks.net

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے اختلاف سے جو وسعت ہم کو حاصل ہوئی ہے وہ دین میں اجتہاد کرنے کی وسعت ہے کیونکہ ان کا اختلاف اس کی دلیل ہے کہ غیر منصوص مسائل میں انہوں نے اجتہاد کیا ہے اور اس اجتہاد ہی کی وجہ سے ان میں اختلافات پیدا ہوئے۔ اختلافات کے رحمت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے مختلف افعال میں ہر شخص کو بے دلیل اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کا حق حاصل ہو گیا ہے۔[1]''

''ابن عبدالبر نے قاضی اسمٰعیلؒ کی رائے پسند کی ہے اور اپنی کتاب جامع بیان العلم میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔[2]''

قاضی اسمٰعیلؒ کا مطلب یہ ہے کہ گوناگوں واقعات اور مختلف حوادث کے لیے ہمیشہ نص صریح کا ملنا تو دشوار ہے اس لیے امت کے لیے دینی مسائل میں اجتہاد کرنا ایک ناگزیر مسئلہ تھا جس کے لیے متاخرین امت کو ابتدائی قدم اٹھانا بہت مشکل ہو جاتا' جب صحابہ کرام میں اختلافات ہوئے اور معلوم ہوا کہ یہ اختلافات ان کے اجتہاد کی وجہ سے پیدا ہوئے تو اب امت کے لیے بھی اجتہاد کا جواز نکل آیا' یہی وہ رحمت ہے جس کی طرف ''اختلاف امتی رحمة'' میں اشارہ کیا گیا ہے اگر ان میں یہ اختلافات نہ ہوتے تو یہ ثابت ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم سے پیشرو امت نے دین کے باب میں اجتہاد کیا ہے یا نہیں' ان حالات میں ہمارے لیے از سر نو اجتہاد کا دروازہ کھولنا بہت مشکل تھا' ادھر اجتہاد کرنا مشکل' ادھر ہر جزئی مسئلہ میں نص صریح ملنا ناممکن۔ پھر دین کی مشکلات حل ہوتیں تو کیونکر ہوتیں۔ صحابہ کرام کے اختلاف نے ہماری یہ مشکل حل کر دی اور اب عملی طور پر ہمارے لیے اجتہاد کا اسوۂ حسنہ ثابت ہو گیا۔ اختلاف کے رحمت ہونے کا یہ مطلب غلط ہے کہ ہر شخص کو اپنے اہواء کے موافق صحابہؓ کے اقوال میں انتخاب کر لینے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو بالفاظ دیگر یہ ہے کہ شریعت کی کسی پر کوئی گرفت ہی نہیں کیونکہ بعض مرتبہ مسائل فرعیہ میں اختلاف نفی و اثبات کا اختلاف ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کا کوئی عمل' نفی و اثبات کے دائرہ سے عقلاً باہر نہیں رہ سکتا پس اس تقدیر پر اگر ہر شخص کو صحابہؓ کے افعال میں انتخاب کا حق حاصل ہو جائے تو اس کا جو عمل بھی ہو گا وہ یقیناً شریعت کے دائرہ میں کہلائے گا اور شریعت کا وجود و عدم برابر ہو جائے گا اور آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سرے سے شریعت کے مقاصد کلیہ کے بالکل برخلاف ہے وہ انسان کو اتنا آزاد چھوڑنا پسند نہیں کرتی۔

تلاش کر کر کے صرف شرعی رخصتوں پر عمل کرنا فسق ہے ❋ حافظ ابن حزمؒ اس پر تو اجماع نقل کرتے ہیں کہ شرعی حجت کے بغیر صرف مذاہب کی رخصتوں پر عمل کرنا ناجائز بلکہ فسق ہے۔[3]

بہرحال صحابہ کرامؓ کے اختلافات دیکھ کر اختلاف امت کے رحمت ہونے کا مطلب خواہ صرف جواز اجتہاد کی حد تک ہو یا امت کے سامنے ایک عمل کی مختلف صورتوں کی وسعت بھی اس کے مفہوم میں داخل رہے۔ دونوں صورتوں میں صحابہ کرامؓ کے اختلاف کی نوعیت' دوسری جماعتوں کے اختلاف کی نوعیت سے بالکل جداگانہ ہے۔ یہ بحث اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ہر شخص کو مختلف اقوال میں حسب دلخواہ انتخاب کا حق حاصل نہیں' اس کے ضوابط و قواعد مستقل ہیں' ہماری غرض یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۱۴۲۔ [2] ج ۲ ص ۷۸ تا ۹۲۔ [3] الموافقات ج ۴ ص ۱۳۴۔

www.besturdubooks.net

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں اصولاً تو کوئی اختلاف ہی نہ تھا ہاں فروعی اختلاف تھا مگر وہ ہمارے لیے باعث رحمت ہوا نہ کہ باعث تفریق وزحمت۔

مجتہدین امت کا اختلاف ✱ مجتہدین کے دور تک عمل کی گاڑی اسی طرح مشترک طور پر کھنچتی رہی۔ شدہ شدہ بے علمی کا دور آیا۔ ادھر تکوینی طور پر کچھ اہل علم کسی خطہ یا جماعت میں روشناس ہو گئے۔ بے علم جماعتوں نے ان سے مسائل پوچھنا شروع کیے پھر معاصر علما نے ان کا علم، خلوص و دیانت آزما کر ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اس طرح ایک زمانہ دراز تک اہل علم اور غیر اہل علم کی متفقہ آواز نے ان کو دنیا میں ایک غیر معمولی حیثیت دے دی، ان کے فروع و اصول مکمل طور پر قلم بند کیے گئے اور بحث و تمحیص کے تسلسل سے دیگر مجتہدین کے بالمقابل ان میں ایک خاص امتیاز پیدا ہو گیا اور اپنے اپنے دائرۂ تلمذ کے مطابق ان کا مذہب اس مجموعی صورت میں پھیلتا رہا۔

تدوین دین میں فطری ارتقاء ✱ فطری ارتقاء، احساس ضرورت اور جذبات خدمت کی بناء پر جس طرح قرآن صحف سے مصحف، مصحف سے مصاحف اور مصاحف سے اعراب وسور و رکوعات کے مدارجِ ارتقائی طے کرتا چلا آیا اور بلاشبہ ان ارتقائی منازل کے بعد یہ قرآن وہی قرآن تھا جو دورِ اوّل میں موجود تھا۔

سنت میں ارتقاء ✱ اسی طرح سنت کے بھی ارتقائی دور ہیں، گو قرآن و سنت کے مراتب کے لحاظ سے عمل انسانی کو یہاں کچھ زیادہ آزادی حاصل ہوئی اس لیے وہ دورِ صحابہ سے گذر کر دورِ مجتہدین میں اور منضبط ہوئے پھر اس انضباط میں کچھ اور ترقیات ہوئیں اور ایک زمانہ تک حدیث و فقہ ایک ہی جگہ مدون چلتے رہے۔ اسی احساسِ ضرورت نے پھر مجبور کیا کہ دونوں فن علیحدہ علیحدہ کر دیئے جائیں۔ شروع میں صرف یہ قدم بھی نیا اور قابل اعتراض معلوم ہوا آخر کار اس کے فوائد دیکھ کر تمام دنیا نے اس کو مانا اور تمام علماء کی یہی متفقہ پالیسی بن گئی۔

فقہی ارتقاء ✱ اس فطری ارتقاء اور تکوینی اسباب کے ماتحت لاکھوں اہل علم اور کروڑوں انسانوں میں یہ دین بہ حیثیت مجموعی سفر کر رہا ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کا نام شافعیت و حنفیت رکھ کر دنگل قائم کر دو یا اسے انحطاطِ دور کے لحاظ سے قدرت کی ایک اعانت تصور کر لو، جس نے تمہاری سہولت کے لیے، تمہاری ضرورت کے بقدر، مرتب شدہ دین تمہارے گھروں تک پہنچا دیا ہے۔

حنفیت و شافعیت کے اختلاف کی حقیقت ✱ حنفیت و شافعیت کا اختلاف بھی دین میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے، نہ یہ اختلاف اہوا پر مبنی ہے نہ اتباعِ متشابہات کا نتیجہ ہے، نہ علم سلف سے بے خبری اس کی بنیاد ہے بلکہ ''اختلاف امتی رحمۃ'' کا وہ حصہ ہے جو ہر زمانہ میں بقدرِ ضرورت امت مرحومہ میں تقسیم ہوتا رہا ہے۔ اگر نا اہلوں اور بے علموں نے اس کو پارٹی بندی کا ذریعہ بنالیا ہے تو یہ قصور ان کا ہے۔

ما انا علیه و اصحابی کی تحقیق ✱ اس کے بعد ہمیں عنوان بالا پر غور کرنا ہے۔ بظاہر یہاں آپ کا جواب سوال کے پورا پورا مطابق نظر نہیں آتا۔ صحابہ کا سوال فرقہ ناجیہ کے متعلق تھا آپ کا صاف جواب ''انا و اصحابی'' ہونا چاہیے تھا یعنی وہ جماعت میں

www.besturdubooks.net

ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں- بلاشبہ اس وقت فرقہ ناجیہ کا مصداق یہی جماعت تھی اور اگر اس سے بڑھ کر کوئی آئین کلی بتانا مقصود تھا- تو وہ کتاب وسنت ہے بلکہ ''ما انا علیه و اصحابی'' کا حاصل بھی یہی ہے پھر آپ کے اصحاب کا طریقہ آپ کے طریق کے سوا کوئی اور طریق نہیں تھا اس کے مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہونی چاہیے-

ان سوالات کے حل کی طرف جب انسان توجہ کرتا ہے تو اس کو صاحب نبوت کے ایک ایک لفظ کا کمال کھلتا چلا جاتا ہے بے شک متبادر یہی تھا کہ جواب ''انا و اصحابی'' ہوتا مگر یہاں سائل کا مقصود اس کے زمانہ کی جماعت حق کی تعیین نہ تھی وہ دور فتن میں حق جماعت کی تعیین کا طالب تھا اگر اسے آپ صرف کتاب وسنت ہی کا معیار بتاتے تو یہ جواب اس دور کے مناسب حال نہ ہوتا جس میں ہر باطل سے باطل فرقہ کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہی کتاب وسنت کا حامل ہے اس لیے یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا ہے جو اس زمانہ کے بھی مناسب حال ہو' وہ صرف کتاب وسنت نہیں بلکہ اس کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے بطریق اسوہ پیش فرمائی تھی- صحابہؓ کرام نے اس کے ایک ایک خط وخال کو دیکھا اور مو بمو اس کی نقل کی- اب ادھر یہ اسوۂ حسنہ ادھر اس کا وہ مکمل نقشہ تھا- پوچھنے والوں کے لیے اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ جو صراطِ مستقیم کو دریافت کرنے آتا' اسے آنکھوں سے دکھا دیا جاتا اور زبان سے سمجھا دیا جاتا کہ وہ صراطِ مستقیم یہ ہے اس لیے یہاں افراد واشخاص کی بحث چھوڑ کر ان اوصاف کو بتا دیا گیا ہے جو فرقہ ناجیہ کی تعیین میں ہمیشہ کے لیے کارآمد ہوں-

الفاظ میں احتمالات باقی رہتے ہیں اس لیے فیصلہ کن صرف ان کی عملی صورت ہے ❋ اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دورِ فتن میں کچھ ایسا تعصب نمودار ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ کی کٹ حجتی ختم کرنے کے لیے صرف الفاظ کافی نہیں ہوتے' یہاں حقیقت ومجاز' عموم وخصوص کے احتمالات پیدا کر دینے کا سہارا باقی رہتا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوٹوک عمل ہی وہ کھلی ہوئی شریعت ہے جس میں یہ احتمالات نہیں چلتے- اسی لیے دورِ فتن کا بنیادی مسئلہ اسی تفصیلی شریعت کا انکار ہوا کرتا ہے- قرآن کریم سے زیادہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حدیث سے زیادہ فقہ کا-

صحابہ کرامؓ پر آپؐ کا مکمل اعتماد ❋ رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی سنت کو یہاں مستقل حیثیت کیوں دی گئی ہے تو اس کی وجہ بظاہر اس کامل اعتماد کا اظہار کرنا ہے جو آپ کو اپنے صحابہ کی فہم پر حاصل تھا- صحیح احادیث میں موجود ہے کہ بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کسی مافوق العادت امر کا تذکرہ ہوتا جیسے حیوانات کا تکلم تو آپ نے ابوبکرؓ وعمرؓ کی غیر حاضری میں یہ کلمات فرما دیئے ہیں ''امنت انا و ابوبکر و عمر'' میں اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی اس پر ایمان لائے- ان کی عدم موجودگی میں ان کی طرف سے ان کے ایمان کی شہادت دینا یہ ان پر کمال وثوق کی طرف ہی اشارہ تھا-

صحابہ کے بعض افعال کی صورت گوعہد نبوت میں نہ ملے مگر وہ مقاصد شریعت کے ماتحت ہوتے ہیں ❋ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے بعض اعمال کی صورت گو دورِ سنت میں ہمیں نظر نہ آئے مگر مقاصد شریعت کے لحاظ سے اس کا عین شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے لیکن دورِ فتن میں صحابہؓ کے متعلق یہ حسن ظن قائم رہنا مشکل ہے اس لیے اس بحث کو ختم کرنے کے لیے ان کے طریق کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے- مثال کے طور پر تراویح کا مسئلہ ہے' کون نہیں جانتا کہ تراویح کی یہ اجتماعی

www.besturdubooks.net

صورت جو آج ہمارے دور میں رائج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس اجتماعی صورت کو شروع کیا۔ اس وقت طبائع میں کتنی سلامتی، کتنا اتحاد، کتنی یکسوئی، کتنا انقیاد تھا کہ سب نے اس کا اتباع کیا اور کوئی اختلافی ہنگامہ برپا نہ ہوا۔ بات یہ تھی کہ یہ درست تھا کہ تراویح کا یہ دور آپ کے زمانہ میں نہ تھا مگر صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس التزام جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھنے سے جو بات مانع آئی تھی وہ صرف یہ تھی کہ ماہ رمضان کا مبارک مہینہ، نزول وحی کا دور موجود، اس میں صحابہ کرامؓ کا پرخلوص اجتماع اگر اسی طرح مسلسل ہوتا رہا تو اس کا بہت امکان تھا کہ یہ اجتماعی ہیئت جواب تک اختیاری تھی آئندہ لازم قرار نہ دے دی جائے اور جب ان بادہ نوشوں کا دور ختم ہو تو آئندہ جام وسبو کی یہ گردش کہیں بار نہ ہو جائے اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب دیگر مہمات اسلام سے فرصت ملی تو فوراً تراویح کے با جماعت ادا کرنے کی ترغیب دی کہ اب وحی بند ہو چکی تھی اور وجوب کا کوئی احتمال باقی نہ رہا تھا اس کی ایک مثال نہیں بہت سی مثالیں ہیں کہ صحابہ کے دور کا کوئی عمل گو صرف اپنی صورت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نظر نہ آئے لیکن حقیقت کے لحاظ سے آپ کے منشا کے اتنا مطابق ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف فرما ہوتے تو یہی فرماتے۔ یہ ہمارا حسن ظن نہیں بلکہ عہد مبارک میں....

قرآن کا حضرت عمر کی رائے کی تصویب کرنا ان کے دینی مزاج شناسی کی دلیل تھی ٭ خود وحی الٰہی کا حضرت عمرؓ کی بار بار تصویب کرنا اس بات کی کھلی ضمانت تھی کہ آئندہ بھی ان کی اصابت رائے امت کو تسلیم ہونا چاہیے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانہ میں ہوتے تو موجودہ بے احتیاطیوں کو دیکھ کر عورتوں کا مسجدوں میں آنا بند کر دیتے، اس اختلاف صورت اور اتحاد مقصد کے پیش نظر مناسب ہوا کہ "ما انا علیہ" کے ساتھ ساتھ "و اصحابی" کا لفظ اور اضافہ کر دیا جائے۔

منصب تشریع اور منصب اجتہاد کی تقسیم ٭ خالق نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب تشریع سے نوازا تھا۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو منصب اجتہاد سے نواز دیا اور اس طرح جو نعمت رسول کے حصہ میں آئی تھی امت کا بھی اس میں ایک حصہ لگ گیا۔

السواد الاعظم الجماعۃ کا مصداق ٭ ان الفاظ کی تفسیر میں صاحب اعتصام نے متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں، ہمارے خیال میں حدیث کے گذشتہ الفاظ ہی اس کی تشریح کے لیے کافی ہیں یعنی جماعت اور سوادِ اعظم سے وہی جماعت اور وہی سوادِ اعظم مراد ہے جو "انا علیہ و اصحابی" (یعنی کتاب وسنت کی متبع) ہے۔ اگر ان ہر سہ الفاظ کا خلاصہ نکالو تو یہ ہوگا کہ اہل حق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو اور نہ صرف یہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے طریق کا بھی احترام کرنے والی ہو اگر کوئی جماعت صرف آپ کے طریقہ کا احترام کرتی ہے لیکن صحابہ کے طریق کا احترام نہیں کرتی تو وہ ان الفاظ کے حدود سے باہر ہے دورِ فتن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے مابین تفریق کا عقیدہ بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

www.besturdubooks.net

خدائے قدوس اپنے اور اپنے رسول کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتا اور رسول اپنے اور اپنے صحابہ کے مابین تفریق کا روادار نہیں ہے ٭ اللہ تعالیٰ اپنے اور رسول کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتا' اسی طرح رسول اپنے اور اپنے صحابہؓ کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتا درحقیقت یہ انتہائی نادانی اور کجروی ہے کہ جو جماعت امت اور اس کے رسول کے درمیان واسطہ ہے' اس کے اقوال وافعال کو ہم تک پہنچانے والی ہے' اسی پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اگر خدا کا رسول خود اپنی حیات میں ان پر اعتماد کر چکا ہے' بادشاہوں سے اور قبائل کفار سے گفت وشنید ان ہی کی معرفت کی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ امت اُن پر اعتماد نہ کرے۔ ایک عالمگیر دین جس جماعت سے نکلتا ہے اگر وہی جماعت نا قابل اعتماد ہے تو پھر آئندہ دور میں اس دین کا خدا حافظ۔

اسوۂ صحابہ کی اہمیت ٭ اسی اہمیت کے پیش نظر الفاظ بالا میں صحابہ کرام کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے ورنہ جس طرح رسول کا طریقہ خدائے تعالیٰ کے طریقہ سے علیحدہ نہیں' ٹھیک اسی طرح صحابہ کی سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے علیحدہ نہیں۔ اس لیے فرقہ ناجیہ کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریق کی جو بہ حقیقت ایک ہی ہیں اپنے اپنے مرتبہ میں بزرگی واحترام کی قائل ہو بلکہ اس پر گامزن بھی ہو۔ خوارج نے صرف سنت رسول کو لیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو کافر ٹھیرایا' یہی ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت تھی اور اسی کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے کلام میں اشارہ فرمایا تھا۔

حواریین اور صحابہ کرام کا مقابلہ ٭ عیسائیوں کو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت سے مقابلہ کرنے میں ناکامی رہی۔ اسی طرح حواریین اور آپ کے صحابہ کرام کے مقابلہ میں بھی ناکامی رہی ہے بلکہ ان کو حسرت ہے کہ اگر کہیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواری بھی آپ کے صحابہ کی طرح جانباز اور اتنے ہی فداکار ہوتے تو اس طرح مسیحی دین صدیوں گمنامی کے عالم میں پڑا نہ رہتا۔

ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب عروہ' قریش کی جانب سے شرائط صلح پر گفتگو کے لیے آتا ہے تو جن الفاظ میں صحابہ کی وفاداری کا نقشہ اس نے خود قریش کے سامنے کھینچا ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک کافر کے قلب پر اس کا کتنا گہرا اثر پڑا تھا وہ کہتا ہے۔

> ''کہ میں نے قیصر وکسریٰ ونجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو والہانہ عقیدت کا منظر یہاں دیکھا' کہیں نہیں دیکھا۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو گردنیں جھک جاتی ہیں اور محفل پر ایک سکوت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ نظر بھر کر کوئی شخص ان کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ آپ کے وضوء کا پانی اور آپ کا بلغم زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔''

اسی لیے اس قوم کے احساسِ خودداری ووفا شعاری کی داستانیں پڑھنے والے مسلم وکافر اس پر متفق ہیں کہ اس سے زیادہ اطاعت وفرمان برداری کا ثبوت دنیا کی کسی قوم نے پیش نہیں کیا۔

صحابیت کا احترام نجات کی علامت ہے ٭ الغرض چونکہ ایک صحابیت کے احترام ہی کا مخالف ہونا مقدر تھا اس لیے فرقہ ناجیہ کی ایک بڑی علامت صحابیت کا وقار واحترام بھی قرار دے دیا گیا ہے جو اس کا احترام نہیں کرتا ہے وہ درحقیقت آنحضرت صلی

www.besturdubooks.net

اللہ علیہ وسلم ہی کا احترام نہیں کرتا۔[۱]

شانِ اجتماع حق کی علامت ہے ٭ دوسری علامت جماعت کے لفظ سے یہ مفہوم ہوتی ہے کہ ان میں شانِ جمعیت و وحدت نمایاں ہونا چاہیے۔ افتراق وتشتت، بغض وعناد ان سے دور دور رہنا چاہیے اور سوادِ اعظم کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ افراد ایسے موقر ہونا چاہئیں کہ ان کا وجود ایک جماعت کی شکل میں بھاری، باشوکت اور بارعب نظر آئے۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک سے جب دریافت کیا کہ وہ جماعت کون ہے تو جواب میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے شروع کر کے محمد بن ثابت اور حسین بن واقد کے دور تک پہنچ گئے جب ان سے کہا گیا کہ ان حضرات کی تو وفات ہوگئی تو فرمایا کہ پھر ابوحمزۃ السکری۔[۲، ۳]

افراد کی اکثریت معیارِ صداقت نہیں ٭ یہ ایک بہت ہی عامیانہ خیال ہے کہ سوادِ اعظم سے صرف افراد کی اکثریت مراد ہے غور کرنا چاہیے کہ دورِ فتن میں اہل حق کی اکثریت کب ہوسکتی ہے۔ پھر اس اکثریت کو ہر حق و باطل کے فیصلہ کا شرعی معیار قرار دے دینا اور بھی نافہمی ہے۔ اگر آج ایک طرف بے دینی، دہریت، مذہبی حریت، فواحش و منکرات کی اکثریت موجود ہے تو کیا اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو سوادِ اعظم کا معزز لقب دے کر فرقہ ناجیہ کا مصداق ٹھرا لے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اختلاف کی بحث میں بتایا جاچکا ہے کہ اختلاف سے عقائد کا اصولی اختلاف مراد ہے اسی طرح ''ما انا علیہ و اصحابی'' میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے عقائد کے اصول ہی مراد ہیں، ہر بحث وجدل کے موقعہ پر اس حدیث کو پڑھنا درحقیقت حدیث کی توہین کرنا ہے۔ حدیث لا تجمع امتی علی ضلالۃ اگر بلحاظِ سند درست ہو تو اس کی مراد بھی یہی ہے کہ امت پر کوئی دور ایسا نہیں آئے گا کہ اس میں حق پر کوئی باقی نہ رہے اور سب گمراہی پر متفق ہو جائیں بلکہ ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی۔ یہاں بھی اکثریت کا فیصلہ مذکور نہیں ہے۔ دنیا میں اکثریت ہمیشہ حق کے خلاف ہوتی ہے مگر اس کی حقانیت کی یہ دلیل ہے کہ غلبہ آخر کار اسی کو حاصل ہوتا ہے۔

اسی مضمون کو صحیح بخاری میں بالفاظ دیگر یوں ارشاد فرمایا ہے۔ لن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی الحق لا یضرھم من خالفھم حتی یأتی امر اللہ۔

حدیث لن تزال، الخ کا مصداق ٭ روایت بالا میں ''ھذہ الامۃ'' کا لفظ ہے مگر عمرو بن ہانی کی روایت میں ''طائفۃ من امتی'' اور زید بن اسلم کی روایت میں ''عصابۃ من امتی'' کا لفظ ہے جس کا یہ منشا ہے کہ یہ اوصاف جمہور امت کے نہیں بلکہ اس امت میں صرف ایک طائفہ و جماعت کے اوصاف ہیں۔ بلکہ ابن حزم تو یہ کہتا ہے کہ طائفہ لغت عرب میں بعض شئے کو کہتے ہیں اس لیے طائفہ کا اطلاق ایک شخص پر بھی آسکتا ہے۔ و الطائفۃ فی لغت العرب یقع علی الواحد فصاعداً۔[۴]

امام بخاریؒ جزم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ وہ طائفہ اہل علم کا طائفہ ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ اہل حدیث ہیں۔

---

[۱] دیکھو مقدمہ اصابہ فصل ثالث۔ [۲] ان کا اسم مبارک محمد بن میمون مروزی ہے۔ [۳] کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۲۲۶۔

[۴] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۱ ص ۱۰۹۔

www.besturdubooks.net

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ امام احمد کی مراد اہل سنت ہیں ان تینوں الفاظ کا خلاصہ ایک ہی ہے- اہل حدیث اور اہل علم اور اہل سنت ایک ہی معنی کی مختلف تعبیریں ہیں- بعض نافہم اس کو بھی اختلاف سمجھ لیتے ہیں- صاحب موافقات نے جلد رابع میں اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے-

اقوال مفسرین اور الفاظ شارحین حدیث میں اکثر اختلافِ عبارت ہوتا ہے اسے اختلافِ حقیقت نہ بنانا چاہیے ٭

ما كان ظاهره الخلاف و ليس في الحقيقة كذلك و اكثر ما يقع ذلك في تفسير الكتاب و السنة فتجد المفسرين ينقلون عن السلف في معاني الفاظ الكتاب اقوا لا مختلفه في الظاهر فاذا اعتبرتها و جدتها تتلاقى[1]

یعنی جہاں ظاہر میں اختلاف نظر آئے اور درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہ ہو' یہ صورت زیادہ تر کتاب وسنت کی تشریحات میں نظر آتی ہے تم دیکھو گے کہ مفسرین قرآن کریم کے الفاظ کی شرح میں مختلف تعبیرات نقل کرتے ہیں لیکن جب ان کو بغور ملاحظہ کرو گے تو ان سب کا نقطہ نظر ایک ہی بات ہوگی صرف الفاظ مختلف ہوں گے-

حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کو مفصل لکھا ہے- دیکھو توجیہ النظر-

بہر حال یہ ایک طویل بحث ہے ہم نے یہاں ضمنی فائدہ کے طور پر صرف تنبیہ کردی ہے کہ اگر اس کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے تو دین میں اختلافات کا بہت بڑا باب جو ہماری نافہمی سے اختلاف کی صورت میں نظر آرہا ہے بند ہو جاتا ہے- ما انا عليه و اصحابي - الجماعة - السواد الاعظم - اسی سلسلہ کی ایک مثال ہے- یہاں بھی سواد اعظم اور جماعۃ سے وہی طائفہ مراد ہے جس کو مذکورہ بالا روایت میں ذکر کیا گیا ہے اُس طائفہ کے اوصاف پر غور کرنے سے اس کے سواد اعظم فرمانے کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے- حدیث بالا یہ کہتی ہے کہ مختلف رکاوٹوں اور ناسازگاریٔ ماحول کے باوجود وہ جماعت خدا کے دین پر قائم رہے گی اور بلحاظ اپنے عزم واستقلال دوسروں پر اتنی بھاری ہوگی کہ مخالفین کی مخالفت ان کو اپنے جادۂ مستقیم سے ہٹا نہ سکے گی- گویا اگر ایک طرف تکوینی طور پر فرقہ منحرفہ کی یہ کثرت رہے گی تو دوسری طرف ایک طائفہ ایسا بھی ضرور باقی رہے گا جو اقلیت میں ہو کر بھی اپنی شانِ جمعیت اور عزم واستقلال کی وجہ سے کبھی اکثریت سے مرعوب نہ ہوگا-[2]

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲ ص ۲۱۴-

[2] **نبوت ختم ہو چکی اس لئے امت کو عام گمراہی سے محفوظ رہنا چاہئے** ٭ جس امت میں نبوت ختم ہو چکی ہے اس امت میں نبوت کی خدمات انجام دینے کے لیے ایک طائفہ مقدر رہنا چاہیے جوان فرائض کوانجام دیتا رہے اور جس طرح کہ نبی وقت تن تنہا ہونے کے بعد بھی کفر کا مقابلہ کیا کرتا ہے اب اس جماعت کو باطل کا مقابلہ کرنا چاہیے اور جس طرح کہ تمام روئے زمین کی مخالفت اسے اپنی جگہ سے ایک انچ جنبش نہیں دے سکتی اسی طرح زائغین اس طائفہ کے قدم بھی دین متین سے متزلزل نہیں کر سکتے-

طائفہ میں امتی کا وجود جماعتی شکل پر ہونا ضروری نہیں ہے ٭ حافظ ابن حجر تصریح فرماتے ہیں- کہ اس طائفہ کا ایک جگہ ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے بلکہ جو افراد بھی اپنی اپنی جگہ منتشر طور پر احیاء سنت میں مشغول ہوں وہ شرعی نظر میں سب ایک جماعت اور اسی طائفہ کے افراد کہلائیں گے- لہٰذا یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ اجتماعی شکل میں کسی گوشہ یا کسی خاص خطہ میں یکجا موجود ہوں- ..... لہ

www.besturdubooks.net

اب سوچو کہ فرقہ ناجیہ کی اس سے زیادہ صاف تشریح اور کیا ہو سکتی تھی اور اسی لیے جب تک عہد نبوت اور عہد صحابہ باقی رہا یہ اختلافات بھی رونما نہ ہوئے لیکن جونہی آپ کا عہد باسعادت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دور مسعود ختم ہوا تو "ما انا علیه و اصحابی" کی وہی کھلی ہوئی بات ایک معمہ بن کر رہ گئی حتی کہ جس قدر اس زمانہ کو بعد ہوتا گیا اختلافات کی خلیج اسی قدر زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ لہٰذا ہر باطل سے باطل اور منحرف سے منحرف بھی دعویٰ کر رہا ہے کہ "ما انا علیه و اصحابی" کا مصداق وہ ہے لیکن اب یہاں نہ صحابہ ہیں نہ ان کے دور کے دیکھنے والے کہ اس نزاع کا فیصلہ ہو جاتا۔ ایک جماعت خدا کی صفات کی ہی سرے سے منکر ہے اور خالص توحید اسی کا نام رکھتی ہے معتزلہ مدعی ہیں کہ اہل توحید وعدل وہی لوگ ہیں۔ مشبہ چیخ رہے ہیں کہ صفات پر صحیح ایمان صرف ان کو حاصل ہے اور ہر ایک کے پاس دلائل میں وہی قرآن وسنت ہے غرض ہر ایک کا گمان یہی ہے کہ فرقہ ناجیہ اسی میں منحصر ہے۔

لله..... مجددین کی اجمالی تشریح ✱ جیسا کہ ہر صدی پر مجددین کی آمد کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ مجدد کا فرد واحد ہونا ضروری ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ دین کی مختلف ضروریات کی تجدید شخص واحد کی بجائے ایک طائفہ سے حاصل ہو جائے اور بہ حیثیت مجموعی یہی طائفہ مجددین کہلائے۔

(دیکھو فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۵۲)

یہ ناواقفی بھی ایک مصیبت عظمیٰ ہے کہ عوام اور بعض خواص خود اپنی جانب سے کسی حدیث کی کوئی شرح سمجھ لیتے ہیں اور جب اس کے خلاف کوئی حقیقت سامنے آتی ہے تو اس سے کان کھڑے کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ بات اپنی جگہ بالکل صاف ہوتی ہے۔

امت کا پہلا مجدد ✱ بعض اشخاص پر مجدد کے لقب کی شہرت نے یہ تخیل پیدا کر دیا ہے کہ مجدد گویا بزرگی کا کوئی منصب ہے حالانکہ امت نے سب سے پہلے یہ لقب خلیفہ عدل عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے استعمال کیا تھا پھر اس کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کہا گیا ہے اسی طرح آئندہ بھی تخمینی طور پر یہ لقب جاری رہا ہے۔ بہرحال مجددین کے لیے نہ دعویٰ کرنا ضروری نہ اس کا ایک فرد میں انحصار ضروری ہے بلکہ آخری دین کی یہ مختلف اصلاحی صورتیں ہیں جو تکوینی طور پر کبھی اجتماعی اور کبھی انفرادی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ مجددین۔ طائفه من امتی — ما انا علیه و اصحابی ۔ السواد الاعظم سب اسی کے شعبے ہیں۔ بات ایک ہے لفظ مختلف۔

اصلاح دین کا تکوینی نظام ✱ صحیح بخاری میں اس روایت کے ایک لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کا وجود تکوینی ارادہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ اختلاف کے نئے سے نئے شاخسانے دنیا میں رونما ہوتے رہیں گے اور ان کی اصلاح کی نئی سے نئی تدبیریں قدرت پیدا کرتی رہے گی اسی خیر وشر کے ہنگامہ کا نام عالم اختلاف ہے جسے دنیا کہتے ہیں۔

من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین ولن یزال امر هذه الامة مستقیما حتی تقوم الساعة ، الخ	جس کے متعلق خدا خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ دے دیتا ہے اور اس امت کا دین ہمیشہ مستقیم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی۔

دین پر استقامت کے لئے دین کی سمجھ ضروری ہے ✱ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفقہ فی الدین ارادۂ الٰہیہ کے ماتحت نصیب ہوتا ہے۔ کسب کا ثمرہ نہیں اسی طرح دین کی استقامت کی راہیں بھی تکوینی ہیں۔ بے شک جس دین میں ختم نبوت مقدر ہو چکا ہے اس میں بقاء استقامت کی بشارت اور اس کے تکوینی انتظامات کی خبر بھی ضروری امر تھا۔

کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ الفاظ بالا سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ استقامت میں تفقہ فی الدین داخل ہے اور اسی ارتباط کی وجہ سے حدیث میں دونوں باتیں ایک سیاق میں ذکر کی گئی ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۵۰)

www.besturdubooks.net

بہرحال صحیح صورت عمل مخفی ہونے کے بعد اب یہ مشرح الفاظ بھی صرف ایک رسہ کشی کا میدان بنے ہوئے ہیں اسی کو سورۂ روم میں ارشاد فرمایا تھا۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ. (الروم : ۳۲) ہر پارٹی اپنے اپنے خیال میں مست ہے۔

منحرف جماعتیں دعویٰ حقانیت میں دلیر ہوتی ہیں ✱ گویا منحرف جماعتوں کا یہ بھی ایک خاصہ بن کر رہ جاتا ہے کہ غور وتفکر کی بجائے انہیں صرف اپنی حقانیت کا زعم باطل ہو جاتا ہے۔ عالم اختلاف کی یہ ہنگامہ آرائی دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے اور کہتی ہے۔

وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ. (ھود ۱۱۸-۱۱۹) یعنی یہ اختلاف اسی طرح باقی رہے گا اور بساط عالم کو اسی اختلاف کے لیے بچھایا بھی ہے۔

حدیثِ قرطاس میں ایک انوکھی تنبیہ ✱ اسی لیے شاید وفات کے وقت کوئی ایسی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے لکھتے رہ گئے تھے اگر کہیں وہ لکھ دی جاتی تو امت میں اختلاف کا خطرہ مستقل مٹ جاتا۔

ھلم اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ. لاؤ تمہارے لیے ایک ایسی بات لکھ دوں کہ اس کے بعد پھر کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے۔

اگر کہیں یہ کتاب قید کتابت میں آ جاتی تو ممکن تھا کہ امت کی امت لا یزالون مختلفین سے نکل کر سب الا من رحم ربک کے نیچے داخل ہو جاتی مگر آخر کار تقدیر غالب آئی اور ایسے حالات رونما ہو گئے کہ یہ تحریر وجود میں نہ آ سکی[1]

تقدیر ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی تمناؤں کا ساتھ نہیں دیتی ✱ ایک مرتبہ آپ نے ارادہ کر لیا تھا کہ شب قدر کا صاف صاف علم بتا دیا جائے' مگر مسجد نبوی میں کچھ شور بپا ہو گیا آخر وہ علم بھی اسی طرح مستور رہ گیا یہاں بھی کچھ قصد مبارک تھا کہ لاؤ کوئی ایسی بات بتلا دی جائے کہ آئندہ تفرقہ کا اندیشہ ہی نہ رہے مگر یہاں بھی کچھ شور ہو گیا آخر کار وہ نوشتہ جوں کا توں رہ گیا۔ عالم تقدیر وتکوین کا یہ تماشا بھی قابل دید ہے کہ اگر عام تدبیر نے کبھی وحدت واجتماع کے لیے زور لگایا بھی تو اسی وقت پردۂ غیب کے کسی اندرونی ہاتھ نے اس کا سارا کھیل بکھیڑا کر دیا ہے۔ یہاں پہنچ کر قلم بھی خاموش ہو جاتا ہے۔قلم اینجا رسید سر بشکست۔

تقدیر اسباب کے پردہ میں نمایاں ہوتی ہے ✱ خیر وشر دو متضاد قوتیں ہیں جب ایک ابھرے گی تو دوسری مغلوب ہو جائے گی۔ قدرت خود انہیں زیروزبر کیا کرتی ہے۔ بندۂ اسباب یہاں شکست وفتح کی دھن میں لگا رہتا ہے وہاں یہ منظور ہی نہیں کہ میدان کسی فریق کے بھی یک طرفہ ہاتھ آ جائے اس لیے شکست وفتح کا ڈول باری باری کھنچتا ہی رہتا ہے اور یہ بازی اس وقت تک برابر کھیلی جائے گی جب تک کہ عالم اختلاف کو آباد رکھنا ہے۔﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ (البقرۃ : ۲۵۱)

---

[1] کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۱۴۸۔

www.besturdubooks.net

گویا نظام قدرت کی طرح یہ بھی اس کا ایک نظام ہے کہ وہ صوامع و بیع و مساجد کے اختلاف کو بساط عالم پر سجائے رکھے اور اگر کوئی طاقت اس کے برخلاف ابھرے تو اس کے مقابلہ کے لیے خود سامنے آکر ان کو ایسے حدود پر روک دے جس کے بعد کسی کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہونے لگے- اس اختلاف کی آبادی کے لیے دنیا مشغولِ جنگ رہتی ہے- دنیا کہتی ہے کہ جنگ اسبابِ موت ہے- قدرت کہتی ہے کہ اسبابِ بقا یہی ہے- ہاں اگر قدرت کا ہاتھ نہ ہوتا تو اب تک ایک پارٹی نے غلبہ پاکر دوسری کو فنا کر دیا ہوتا اور چونکہ عالم اختلاف کی فطرت کے خلاف اس کو جینے کا حق نہیں ہے اس لیے اسے بھی فنا ہونا پڑتا-

یہ واضح رہنا چاہیے کہ عالم تشریع و عالم تقدیر کے مابین ہمیشہ مطابقت ضروری نہیں ہے- حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام برادرانِ یوسف علیہ السلام کو چشم زخم نہ لگنے کی تدابیر کیے جائیں گے مگر تقدیر نے جس کے مقدر میں جیل خانہ لکھ دیا ہے وہ جیل جا کر رہے گا-

حدیث کی صاف صاف تشریح کے بعد اختلاف عالم تکوین کے ماتحت ہے ❋ الحاصل اگر ''ما انا علیہ و اصحابی'' کے صاف صاف بات ہونے کا آپ یہ مطلب سمجھتے تھے کہ اس فیصلہ کے بعد اختلاف کا تخم ہی دنیا سے مٹ جائے گا تو آپ نے غلط سمجھا تھا اور اگر شریعت کے سر یہ الزام رکھنا چاہتے ہیں کہ اس نے فرقہ ناجیہ کی کوئی صحیح تفسیر نہیں کی تو یہ اس سے زیادہ غلط سمجھے ہیں- عالم تشریع بصائر یعنی کھلی کھلی باتیں آپ کے سامنے بیان کرتا رہے گا مگر عالم تکوین شبہات کی گرد اڑا اڑا کر اس کو تاریک و مکدر بناتا رہے گا- آپ سلسلہ اسباب میں راہ حق تلاش کرنے کی تگ و دو جاری رکھئے اگر آپ کا نام ''الا من رحم ربک'' میں درج ہو چکا ہے تو جو راہ سب سے زیادہ صاف آپ کو نظر آئے گی وہ یہی ''ما انا علیہ واصحابی'' کی راہ ہوگی اور اگر خدانخواستہ اس فہرست میں آپ کا نام نہیں ہے تو ایک تنکا بھی آپ کو پہاڑ معلوم ہوگا-

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ. (الانعام: ۱۲۵)	سو جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینہ کو بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر-

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تدبیر کو چھوڑ کر آپ کو تقدیر کے حوالے کرنا چاہتے ہیں بلکہ اختلاف کا مفہوم' اس کے اسباب' فرقہائے منحرفہ کی شناخت پر تا مقدور بحث کر کے آخر میں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہاں اختلاف کے ان اسباب ظاہر کے ساتھ خاص طور پر اس کا ایک تکوینی سبب بھی ہے جس کی طرف قرآن کریم نے ﴿و لذلک خلقھم﴾ سے اشارہ فرمایا ہے اور اسی لیے اس افتراق کو دیکھ کر یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ حدیث کے قصور بیان کا ثمرہ ہے- بیان تو اتنا واضح ہے جتنا کہ ہو سکتا ہے مگر چونکہ خطاب تکلیف علیحدہ ہے اور خطاب تقدیر علیحدہ اس لیے کبھی کبھی ایک صاف بات بھی چیستان بن کر رہ جاتی ہے اگر آج بھی کوئی

www.besturdubooks.net

شخص ''ما انا علیه و اصحابی'' کی راہ معلوم کرنا چاہے تو اس کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں- پس اشکال یہ نہیں ہے کہ فرقہ ناجیہ مبہم ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کے دریافت کے جو اسباب ہیں خواہش نفس اس طرف آنے ہی نہیں دیتی- بقول اکبر مرحوم۔

اللہ کی راہیں سب ہیں کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جو بحث یہاں کی گئی ہے وہ حدیث کے مذاق کے موافق کی گئی ہے ایک مؤرخ کو حق ہے کہ وہ تاریخ کے مطابق اسباب اختلاف بتائے- اصحاب تاریخ کا خیال ہے کہ ابتداء میں سیاست و مذہب مدغم تھے اس لیے سیاسی تحریکات سب مذہبی رنگ میں ہی نمایاں ہوتی تھیں اس وقت ان دونوں عناصر کی تحلیل بہت ہی مشکل تھی- پھر جب قومیت نے مذہبی جذبات کی روح حاصل کر لی تو اس وقت سے سیاست کو مذہب کا جامہ پہننے کی ضرورت نہ رہی اس لیے مؤرخین نے مذہبی اختلافات کو سیاسی اختلافات کی بنیاد قرار دیا ہے مگر بنظر غور اگر آپ اس بنیاد کی بھی کوئی بنیاد تلاش کریں گے تو وہ اسباب پائیں گے جس کا مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا ہے-

www.besturdubooks.net

حجیتِ حدیث

انکارِ حدیث کے فتنہ کا آغاز

اسلام میں تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بلا تفصیل متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ معتزلہ[1] ظاہر ہوئے' ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے حشر ونشر' رویتِ باری تعالیٰ' صراط ومیزان' جنت وجہنم اور اس قسم کی اور احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا اور اپنے اس مزاجی فساد کی وجہ سے اخبارِ متواترہ کے سوا بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے مذاق کے خلاف دیکھیں تاویلیں کر ڈالیں- حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ:

''اہل سنت' خوارج' شیعہ' قدریہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا-''[2]

سب سے پہلے امام شافعیؒ نے رسالہ میں اور کتاب الام کی ساتویں جلد میں اس خیال کی تردید کی- امام احمدؒ نے بھی اطاعت رسول کے اثبات میں مستقل ایک جزء تصنیف کیا اور احادیث وقرآن سے مخالفین کی تردید کی جس کا ایک حصہ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں نقل کیا ہے[3] اس کے بعد امام غزالی' ابن حزم اور حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے المستصفیٰ' الاحکام' اور الروض الباسم میں اس کے خلاف مقالات لکھے حتیٰ کہ پھر اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کا یہ ایک مستقل موضوع ہی بن گیا- متاخرین میں حافظ سیوطیؒ نے بھی ایک مستقل جزء اس پر تالیف کیا-

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا اس لیے انکارِ حدیث میں انہیں بہت کچھ پس وپیش کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک جماعت نے یہ تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (یعنی اس کے راوی اول سے آخر تک ہر طبقہ میں دو دو رہیں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے اس لیے حجت ہو جائے گی- حافظ ابن حجرؒ نے ابوعلی جبائی معتزلی سے نقل فرمایا کہ حدیث کی صحت کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکارِ حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی لیکن ہمارے دور کا فتنہ علم وفہم پر مبنی نہیں بلکہ جہل وعناد پر مبنی ہے' اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اس کو ایسی صورت میں پیش کرنا ہے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے اس لیے اب انکارِ حدیث کے

---

[1] علامہ جزائری لکھتے ہیں اگرچہ لوگوں میں یہ بہت مشہور ہے کہ معتزلہ کا مذہب علم فلسفہ میں توغل کی وجہ سے پیدا ہوا ہے مگر یہ خیال بے اصل ہے کیونکہ ان کا مذہب صحابہؓ کے آخری دور میں ظاہر ہو چکا تھا- حالانکہ اس وقت تک فلسفہ کی کسی کتاب کا بھی ترجمہ ہونے نہ پایا تھا (توجیہ ص ۷۷) ہمارے نزدیک اگر یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی فلسفی اثرات کے لیے کتابی توغل کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ان کے عقائد' طرز استدلال' انداز شبہات سب اس کی کھلی ہوئی شہادت ہیں کہ خارجی یا داخلی کسی نہ کسی طور پر ان کے دماغوں پر فلسفہ کا تسلط ضرور ہو چکا تھا- اگر مطالعہ کتب کے ذریعہ سے نہ ہو تو نہ سہی-

[2] الاحکام ج ۱ ص ۱۱۴- [3] ج ۲ ص ۲۱۷-

www.besturdubooks.net

لیے کسی بڑی دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل رد کر دیا گیا۔[1]

قرآن نے تو شریعت موسویہ کے صرف چند شدید احکام ہی کو اصر واغلال سے تعبیر فرمایا تھا مگر یہاں بعض منکرین حدیث نے آپ کی تمام احادیث کو اصر واغلال کہہ ڈالا - العیاذ باللہ - اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ اطاعت صرف خدا کی کتاب کی واجب ہے - رسول کی اطاعت منصب رسالت کے لحاظ سے کوئی ضروری امر نہیں اس کا فریضہ صرف تبلیغ قرآن سے ادا ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے - گویا اس کے کسی قول و فعل کو تشریعی کوئی حیثیت حاصل نہیں ہوتی اگر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے تو ایسی ہی جیسے اپنے زمانہ کے ہر امیر و حاکم کی لازم ہوا کرتی ہے - اس عقیدہ کا مبنی درحقیقت مقام نبوت اور حقوق نبوت سے تمام تر جہالت اور ناواقفیت ہے یہ عقیدہ ایسا ہی بدیہی البطلان ہے جیسا یہ کہ ایمان لانا صرف خدا پر ضروری ہے - رسول پر ایمان لانا ضروری نہیں اگر ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کی کوئی تاویل کی جاسکتی ہے تو ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ کی تاویل کیوں نہیں کی جاسکتی -

اس لیے اس خیال کی اصلاح کر کے انکارِ حدیث کی ایک تیسری صورت پیدا کی گئی اور وہ یہ کہ دین میں کتاب اللہ کے سوا اسوۂ رسول کا اتباع اور لازم ہے - اسوۂ رسول - رسول کا وہ عمل ہے جو اس نے امت کو کتاب اللہ کے مطابق کر کے دکھلایا ہے اس کے علاوہ دوسرے اُمور میں اس کی حیثیت پھر وہی امیر کی حیثیت رہ جاتی ہے جس کی اطاعت صرف اس کے زمانہ حیات سے وابستہ ہوتی ہے اس خیال کے حامل مولوی اسلم صاحب جیراجپوری اور ان کی جماعت ہے - ان کے نزدیک بھی حدیث کو کوئی تشریعی حیثیت حاصل نہیں بہت سے بہت صرف تاریخی حیثیت حاصل ہے - ہمارے نزدیک مولوی اسلم صاحب بھی مقام نبوت سے قطعاً بے خبر ہیں اور اسی لیے خدا کے مقدس رسولوں کو دوسرے امراء کی طرح ایک امیر تصور کرتے ہیں - گو اسوۂ رسول کو تسلیم کر کے انہوں نے پہلی جماعت سے ایک قدم ضرور آگے بڑھایا ہے مگر صرف اتنی بات تسلیم کر لینے سے حق رسالت ادا نہیں ہوتا -

ہم نے ہر فریق کے دلائل کو بنظر انصاف دیکھا ہے مگر جہاں تک دعویٰ کے مثبت پہلو ہیں کسی فریق کے پاس ہمیں کوئی وزنی دلیل نظر نہیں آئی - البتہ منفی پہلو میں صرف چند شکوک شبہات ہیں جنہیں ہر فریق نے دلائل کا رنگ دے کر پھیلا دیا ہے - زیادہ تر افسوس ناک یہ ہے کہ یہ شبہات اہل سنت کی کتابوں سے ہی ماخوذ ہیں اور اُن ہی کتابوں میں ان کے جوابات بھی مذکور ہیں مگر

---

[1] ان عمر بن الخطاب كان يقول اصحاب الرائ اعداء السنن أعيتهم الاحاديث ان يحفظوها و تفلتت منهم ان يعوها و استحيوا حين سئلوا ان يقولوا لانعلم فعارضوا السنن برأيهم فاياكم و اياهم. (اعلام ج ۱ ص ٤٥)

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ تبعین عقل حدیث کے دشمن ہوا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف سائلین کے جواب میں انکار کرتے تو انہیں شرم دامن گیر ہوتی ہے حدیثیں یاد کرنے کی توفیق ہوتی نہیں تو اپنی رائے سے جواب دیتے ہیں اور احادیث کا عقل سے مقابلہ شروع کر دیتے ہیں تم ایسے لوگوں سے بچتے رہنا -

www.besturdubooks.net

منکرین حدیث نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے اور نہ ان جوابات کو نقل کر کے کوئی تردید کی ہے۔ مولانا اسلم صاحب اور ان کے دوسرے ہم خیال صاحبان کا یہ طریقہ ایک علمی سرقہ کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک منکرین حدیث کے تمام طویل وعریض بیانات میں صرف دو باتیں قابل توجہ ہیں اور وہی ہر پھر کر ان کے تمام بیانات کا خلاصہ بھی ہیں۔

❶ قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے اس لیے دینی ہدایات کے لیے خود کافی ہے حدیث کا محتاج نہیں۔

❷ قطعی دین کی بنیاد ظنیات پر قائم نہیں کی جا سکتی اور احادیث کا تمام ذخیرہ ظنی ہے۔

مولانا اسلم صاحب نے بھی احادیث نبویہ کے ظنی اور غیر معتبر ہونے پر علم حدیث کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ ہمارے نزدیک احادیث کی ظنیت وقطعیت پر مولانا کی یہ بحث ان کے نقطہ نظر سے بھی غلط ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنے والی بات ہے کیونکہ مولانا موصوف کے نزدیک احادیث مروجہ کا ذخیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہی نہیں آپ نے صرف قرآن کی تبلیغ کی ہے اور اسی پر عمل کر کے امت کو دکھلایا ہے دین کے بس یہی دو رکن ہیں اور یہ دونوں تواتر سے ثابت ہیں۔ اس کے سوا دین کے معاملہ میں آپ نے کبھی کوئی ارشاد نہیں فرمایا۔ اگرچہ یہ خیال بہت ہی تعجب خیز ہے کہ جب حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے متعلق قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور ہدایت صادر ہی نہیں ہوئی تھی تو پھر حدیث کی یہ دنیا کی دنیا کہاں سے پیدا ہوگی۔ امت کے سب سے برگزیدہ اہل علم وفضل صاحب تقویٰ ودیانت صاحبان نے احادیث کا یہ سارا قلعہ صرف ہوا پر کیسے تعمیر کر دیا اور محض ایک غلط فہمی بلکہ بے علمی کی بنیاد پر صدیوں تک احادیث اور اسماء الرجال کے حفظ میں کیوں مفت سر مارا گیا اس لیے منکرین حدیث کو دو باتوں میں سے ایک بات صاف طور پر کہہ دینا چاہیے یا تو صاف اقرار کرنا چاہیے کہ احادیث نبویہ نہ تو تشریعی حیثیت رکھتی ہیں نہ تاریخی بلکہ ان تمام جھوٹوں میں سے وہ بدتر جھوٹ ہیں' جو دنیا کے پردہ پر کبھی نہیں بولے گئے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ. (الانعام:۹۳)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ افترا باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں بھیجی گئی۔

دوسری صورت میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا تھا اور امت نے اسے ضائع کر دیا تو اس کا اقرار کرنا چاہیے کہ دین محمدی کا بھی ایک حصہ یہودیت ونصرانیت کی طرح ضائع ہو گیا اور اب اس میں سے صرف قرآن کریم باقی رہ گیا ہے۔ یہ کہنا کہ احادیث چونکہ بعد کے دور میں مدون ہوئیں ہیں اس لیے حد یقین کو نہیں پہنچیں اور اس لئے قابل حجت نہیں ہو سکتیں۔ اس کا اقرار کر لینا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ احادیث ارشاد تو فرمائی تھیں مگر وہ چند در چند وجوہ سے قابل اعتبار نہیں رہیں۔ یہ مولانا کے مسلک کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک احادیث مروجہ' سب اباطیل ومزخرفات کا مجموعہ ہے جسے محدثین ائمہ اربعہ اور دیگر حفاظ نے محض حسن ظن سے یا عمداً جھوٹ بول کر خود ترتیب دے لیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

قرآن کریم کی جامعیت ✱ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم ایک جامع اور کامل کتاب ہے قائلین حدیث بھی منکرین حدیث سے بڑھ کر اس کا اعتراف کرتے ہیں لیکن نقطہ بحث یہ ہے کہ قرآن کی جامعیت کیا احادیث کے ثبوت اور حجیت

www.besturdubooks.net

کے خلاف ہے یا صحیح معنی میں اس کی جامعیت احادیث نبویہ پر نظر کرنے کے بعد ہی روشن ہوتی ہے؟

قرآن کریم کی جامعیت کا یہ مفہوم تو غالباً کسی کے نزدیک بھی نہ ہوگا کہ وہ تعلیم وتوضیح کا محتاج نہیں' اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال' کسی عموم میں کوئی تقیید' کسی مراد میں کوئی ابہام نہیں' ارکان وشرائط اسباب ومواقع کی تمام تفصیلات اس میں مذکور ہیں ہر باب کے غیر متناہی جزئیات کا اس نے احاطہ کرلیا ہے- فرائض وواجبات' مستحبات وسنن کی تمام حدود اس نے قائم کردی ہیں حتی کہ بحث ونظر کے لیے اب اس نے کوئی گوشہ باقی نہیں چھوڑا- سوچو اور انصاف کرو کہ کیا کسی کتاب کے کامل ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے یا عقلاً ایسا ہونا ممکن بھی ہے اگر جواب نفی میں ہے تو خاص کتاب اللہ کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال کسی عموم میں کوئی تقیید اور کسی مراد میں کوئی ابہام نہیں رہا حتی کہ وہ اپنے معنی ومراد حاصل کرنے میں رسول کے بیان کا بھی محتاج نہیں' اگر درحقیقت قرآن کی جامعیت اور اس کی وضاحت اسی درجہ ہوتی تو رسول کی بعثت بے فائدہ رہتی- قرآن کریم براہ راست اتار دیا جاتا اور دنیا خود اس سے استفادہ کرلیتی- لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کے لیے رسول کی بعثت کے بغیر کوئی چارہ نہیں' رسول کے واسطہ کے بغیر کتاب اللہ سمجھی نہیں جاسکتی' خدا کا فرشتہ اس کی کتاب کی پہلے رسول کو تعلیم دیتا ہے پھر رسول اس پر مامور ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اور مخلوق کو اس کی تعلیم دے- ﴿عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوىٰ ذُوْمِرَّةٍ﴾ (النجم: ٥) حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بڑا مقصد قرآن کریم کی تلاوت وتعلیم ہی فرمایا گیا ہے-

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ. (آل عمران: ١٦٤)	بے شک بڑا احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جب کہ بھیج دیا ان میں پیغمبر انہیں میں سے' جو پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے کتاب اور عقل کی باتیں-

بعثت رسول کے تین اہم مقاصد ✸ یہاں رسول کی بعثت کے تین اہم مقاصد بتلائے گئے ہیں (۱) تلاوت کتاب- (۲) تزکیہ- (۳) تعلیم- تلاوتِ کتاب بظاہر تو سب سے ہلکا اور ادنیٰ مقصد نظر آتا ہے بالخصوص عرب اہل زبان کے لیے مگر اس کی اہمیت کا اندازہ صرف آپ کی اس دعا سے کیا جا سکتا ہے جو آپ نے تلاوت کی توسیع کے متعلق فرمائی تھی آپ نے فرمایا اے اللہ میری امت امی ہے اگر ان پر قرآن کی تلاوت صرف ایک نہج پر لازم کی گئی تو ابتدائی حالات میں یہ ان کے لیے بڑی دشواری کا موجب ہو جائے گا- اس لیے کچھ اور توسیع نازل فرما یہ درخواست آپ نے اس وقت تک برابر جاری رکھی جب تک کہ سات حروف تک تلاوت کرنے کی اجازت حاصل نہ کرلی اگر کہیں رسول نے قرآن کی خود تلاوت کرکے نہ بتایا ہوتا تو معلوم نہیں کہ عرب اور بالخصوص عجم کے تلاوت میں کتنے نقائص باقی رہ جاتے آج امت نے اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم کی صحیح طور پر تلاوت کرنے کے لیے مستقل ایک فن مدون کردیا ہے- منکرین حدیث کو شاید یہ بھی قرآن کی جامعیت اور اس کے تیسیر کے خلاف معلوم ہوتا ہوگا-

تعلیم وتزکیہ ✸ یہ بات درست ہے کہ قرآن کریم کے اوّلین مخاطب عرب تھے جو خود اہل زبان تھے مگر کسی کتاب کی مراد سمجھنے کے لیے صرف زبان دانی کافی نہیں ہوتی- بسا اوقات مصنف کی مراد محاورات کے توسعات' اشتراک وترادف اور مجاز وکنایات

www.besturdubooks.net

کے پردوں میں پوشیدہ رہ جاتی ہے بلکہ جتنی بلند پایہ کتاب ہوتی ہے اتنی ہی شرح وبسط کی محتاج سمجھی جاتی ہے۔ دیوان غالب اُردو ہی کا ایک دیوان ہے اس کی ادبیت بھی ضرب المثل ہے اس کا مولف بھی شعراء کی سب سے پہلی صف میں شمار ہوتا ہے لیکن جب غالب دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کے کلام کی مراد براہ راست معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تو اب ان کا دیوان لوگوں کی طبع آزمائی کے لیے تختہ مشق بن گیا صوفی مزاج نے چن چن کر ان کے کلام میں تصوف بھر دیا۔ رند مشرب نے شراب کا لفظ دیکھ کر مستی وکیف کے سارے نقشے کھینچ دیے۔ فلسفی نے اپنی تمام موشگافیاں ختم کر ڈالیں لیکن غالب کی صحیح مراد کے موافق شاید کوئی شرح بھی نہ لکھی گئی ان سے اگر پوچھا جائے تو وہ ان کے متعلق شاید یہی جواب دیں۔

ہر کس از ظن خود شد یارِ من　　　　و ز درون من نہ جست اسرارِ من

جب ایک انسان کی تالیف کا حال یہ ہے تو اب انصاف کیجئے کہ اگر قرآن بھی اسی طرح لوگوں کی طبع آزمائی کا میدان بنا دیا جاتا تو اس کا حشر کیا ہوتا۔ عرب اس وقت اگر زبان دانی کے اعلیٰ سے اعلیٰ دورِ عروج سے گذر رہا تھا تو قرآن بھی اعجاز کے بلند سے بلند مراتب طے کر کے آ رہا تھا۔ یہ اعجاز صرف اُس کے الفاظ تک محدود نہ تھا' اس کے معانی میں بھی موجود تھا وہ ان کے پاس ہدایت کے ایسے علوم لے کر آیا تھا جو نسل انسانی کو آخری معراج تک پہنچانے کے ضامن تھے۔ تاریخی واقعات اور ملی نزاعات میں اس کی حیثیت حکم کی حیثیت تھی' وہ مبدأ ومعاد الہیات ومجردات' اسرار غیب اور روحانی حقائق کا معلم' معاشرت ومعاشیات کا مقنن بن کر نازل ہوا تھا ادھر مخاطبین اپنی طویل گمراہی' بے علمی اور طبعی ضد کی وجہ سے ایسی تاریکی میں گر چکے تھے کہ ان میں ان علوم کے ازخود سمجھنے سمجھانے کا کوئی سلیقہ ہی باقی نہ رہا تھا جو لوگ ایک اللہ کے لفظ کے سوا رحمٰن کے نام سے بھی ناآشنا ہوں ان سے ازخود قرآن فہمی کی توقع رکھنا کتنا بعید ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ. (الفرقان : ٦٠)　　　　جب ان سے کہا گیا رحمٰن کو سجدہ کرو' بولے رحمٰن کیا ہوتا ہے؟

اس ماحول میں اگر قرآن صرف ان کی زبان دانی اور ان کی فہم پر چھوڑ دیا جاتا اور رسول کی ذات درمیان سے علیحدہ کر لی جاتی تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد کو پہنچ جاتے۔ دیوانِ غالب کی شرحیں اگر مختلف ہو گئیں ایک ایک شعر کے کئی کئی معنی بیان کیے گئے تو یہاں غالب کو اور داد ملی لیکن اگر یہی حال قرآن کا ہو جاتا تو سوچو کیا راہِ ہدایت صحیح طور پر کسی کے ہاتھ آ جاتی؟ بات یہ ہے کہ غالب کا دیوان شعر کا ایک دیوان ہے' شعر خود نازک خیالیوں اور مبالغہ آمیزیوں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے اس لیے یہاں جو شارح جتنا دور اور جتنا گہرا گیا اتنا ہی کامیاب سمجھا گیا۔ یہاں بحث صرف یہ ہے کہ جو معنی غالب کے الفاظ میں پہنائے گئے ہیں الفاظ میں ان کی قریب یا بعید صلاحیت موجود بھی ہے یا نہیں۔ غالب کی مراد سے یہاں نہ کوئی بحث ہے نہ اب ہو سکتی ہے۔ کتاب اللہ میں صرف الفاظ کی صلاحیت پر بحث نہیں ہوتی وہ شاعری نہیں حقیقت اور ٹھیک حقیقت کا پتہ دینے آئی ہے جو کتاب ہر معاملہ کی حقیقت کا فیصلہ کرنے آئی ہے اگر وہ بھی رائے زنی اور محض دماغی مشاقی کا میدان بنا دی جائے تو یہاں بھی دیوانِ غالب کی طرح حقیقت کا سراغ لگنا ناممکن ہو جائے اور جب دورِ صحابہ میں قرآن کا نقش اول ہی اس ابہام واجمال میں قائم

www.besturdubooks.net

ہوتو آئندہ نسلوں میں قرآن کے ابہام کا حال کیا ہو یقیناً دین الٰہی جیسا پہلے مجہول تھا کتاب اللہ کے نزول کے بعد اس سے زیادہ مجہول ہو جائے اور کوئی شخص بھی یہ نہیں بتلا سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی ذات وصفات کے متعلق کیا عقائد لے کر تشریف لائے تھے اور آپ نے عبادات ومعاشرت‘ تمدن ومعیشت کے کیا اصول مقرر فرمائے تھے اور اس طرح یہ کامل دین ناقص درناقص بن کر رہ جائے- اس لیے یہاں رائے زنی کو سب سے بڑا جرم قرار دے دیا گیا اور صاف طور پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ اگر کسی نے قرآن میں صرف اپنی رائے سے کام لیا اور فرض کرلو کہ حسب الاتفاق اس کی صحیح مراد حاصل بھی کر لی تو بھی اس کا یہ اقدام نہایت غلط ہے-

خطا گر راست آید تاہم خطا است

جب محض زبان دانی عام کتابوں کے سمجھنے کے لیے بھی کافی نہیں اور رائے زنی کی اس میں ممانعت کر دی گئی تو اب اس کے سوا اور کیا صورت تھی کہ خدا کا رسول خود آ کر اس کی تعلیم دے پہلے خود پڑھے پھر انہیں پڑھ کر سنائے جب وہ الفاظ کی تصحیح سے فارغ ہولیں تو اس کے بعد خدا تعالیٰ کی مراد بتلائے اور ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنے کی ایسی اسپرٹ پیدا کر دے کہ ان کے جوارح جنبش عمل کے لیے بے چین ہو جائیں اور اس طرح بہت جلد انہیں اسلام کے پاکیزہ عقائد اور خالص اعمال سے مزین کر کے کفر کی ظلمتوں سے باہر نکال دے-

اگر اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے رسول کے ذریعہ جلد جلد انہیں تعلیم وتزکیہ کے مراحل طے نہ کراتا تو یقیناً وہ مدت العمر اس کی مراد حاصل نہ کر سکتے- کتاب اللہ جو خالص عمل کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی وہ صرف دماغی کدوکاوش کا مشغلہ بن کر رہ جاتی اور خدا کی مخلوق ان تمام ترقیات ومدارج سے محروم رہ جاتی جو اعمالِ صالحہ کے صلہ میں ان کے لیے موعود تھیں اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا احسان کیا کہ اپنی راہ کی تلاش ان کے ذمہ نہیں ڈالی بلکہ ان میں اپنا ایک رسول بھیج دیا اور اپنی کتاب نازل فرمائی پھر اس کتاب کی مراد سمجھنے کا بار بھی ان کے امی دماغوں پر نہیں ڈالا بلکہ عالم کا سب سے بڑا معلم اس کی تعلیم دینے کے لیے بھیج دیا اس نے پڑھایا‘ سمجھایا اور اگر انہیں کوئی شبہ پڑا تو نہایت سہولت سے اسے حل بھی کر دیا اور اس طرح ان کی ہدایت کا راستہ بہت مختصر کر دیا- صرف یہی نہیں بلکہ اپنی جدوجہد سے اس پر عمل کرنے کے لیے انہیں مضطر بھی کر دیا اور بہت جلد ان کی زندگی میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ وہ اپنی آبائی وراثت یعنی جنت سے محروم ہو جانے کے بعد پھر اس کے مستحق ومالک بن گئے-

آیاتِ قرآنیہ میں صحابہ کے چند شبہات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات ❋ یہاں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی چند مثالیں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے یہ اندازہ کیا جا سکے گا کہ صحابہ کرام کو بھی قرآن فہمی میں شبہات پیش آ جاتے تھے اگر کہیں وہ دور نہ کیے جاتے تو نہ معلوم کب تک وہ اسی عالم تردد میں پڑے رہتے-

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ﴾ (الانعام:۸۲) (جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے اپنے ایمانوں میں کوئی ظلم شامل نہیں کیا یہی لوگ ہیں جن کو امن ملے گا اور یہی ہدایت یافتہ ہیں) تو صحابہ کرامؓ گھبرا اٹھے اور دربارِ رسالت میں عرض کیا- یا رسول اللہ ہم میں ایسا شخص کون ہے جس نے ایمان

www.besturdubooks.net

لانے کے بعد کوئی ظلم اور معصیت نہ کی ہو پس اس آیت کے بموجب تو ہم میں کوئی بھی امن اور ہدایت کا مستحق نہیں رہتا آپ نے فرمایا یہاں ظلم سے ہر معصیت مراد نہیں ہے بلکہ خاص شرک مراد ہے- جیسا کہ دوسری آیت میں شرک کو ظلم ہی سے تعبیر فرمایا گیا ہے ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان: ۱۳) (شرک بہت بڑا ظلم ہے) یہ جواب سن کر صحابہ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا-

(۲) ایک مرتبہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن جس کا بھی حساب لیا گیا سمجھو کہ بس وہ ہلاک ہوا- اس پر ایک بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ قرآن تو یہ کہتا ہے ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا﴾ (الانشقاق: ۸) (جس شخص کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب نہایت نرمی سے ہوگا) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک نہ ہوں گے- آپ نے فرمایا حساب یسیر کے معنی عرض کے ہیں- یعنی اعمال نامہ ان کے سامنے رکھ کر ان کو صرف جتلا دیا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں عمل کیا ہے مگر اس پر بازپرس نہ ہوگی- اس کے سوا اگر کسی سے یہ سوال کر لیا گیا کہ یہ کام کیوں کیا تھا تو بے شک اس کی خیر نہیں- (صحیح بخاری) یہ سن کر ان کا شبہ رفع ہو گیا-

(۳) جب روزہ کے احکام میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرة: ۱۸۷) (کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سیاہ و سفید دھاگہ میں تمہیں فرق معلوم ہونے لگے) تو عدی بن حاتمؓ نے دو دھاگے ایک سفید اور دوسرا سیاہ لے کر اپنے تکیہ میں رکھ لیے اور شب میں ان دھاگوں کو دیکھتے رہے جب دونوں کا رنگ نظر آنے لگا تو انہوں نے کھانا پینا بند کر دیا- آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اے عدی تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا معلوم ہوتا ہے جس میں رات اور دن دونوں سما جاتے ہیں یہاں سفید اور سیاہ دھاگے مراد نہیں، شب کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے- اس کے بعد مزید توضیح کے لیے آیت میں ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کا ٹکڑا اور نازل ہو گیا تاکہ پھر اس غلط فہمی کا اعادہ نہ ہو-

(۴) بعض صحابہ کو آیت ﴿مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ﴾ (النساء: ۱۲۳) (جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ اس کو دیا جائے گا-) میں یہ شبہ ہوا کہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی قصور تو ہوتا ہی ہے لہٰذا اس آیت کے موافق ہر شخص کے لیے عذاب میں گرفتار ہونا ضروری ہے- آپ نے فرمایا کہ یہاں بدلہ سے جہنم کا عذاب سمجھنا صحیح نہیں بلکہ ہر وہ تکلیف جو انسان کو دنیا میں پہنچتی ہے وہ بھی اس کی فروگذاشت کا بدلہ بن جاتی ہے-

ہر چند کہ منکرین حدیث کے سامنے احادیث سے کوئی بات ثابت کرنا بے سود ہے مگر یہاں ہماری غرض احکام کا اثبات نہیں بلکہ صرف تاریخی حیثیت سے یہ بتلانا منظور ہے کہ صحابہ کرام کو بھی اہل زبان ہونے کے باوجود قرآن کریم میں کچھ شبہات پیش آئے ہیں جنہیں اگر وہ براہ راست صاحب رسالتؐ سے حل نہ کرتے تو نہ معلوم ان آیات کی مرادیں سمجھنے میں کتنی الجھنیں پیش آتیں- کیا کوئی شخص صرف زبان عربی کی مدد سے یہ متعین کر سکتا ہے کہ سوال اول میں ظلم سے شرک مراد ہے یا سوال نمبر ۲ میں حساب یسیر کے معنی اعمالنامہ سامنے رکھ دینے کے ہیں یا سوال نمبر ۴ میں جزاء سے دنیوی تکالیف مراد ہیں- پہلی آیت عقائد اور دوسری معاد اور تیسری عبادات سے متعلق ہے- یہ تینوں باب صرف ایک غلطی کی وجہ سے خدا جانے کتنی تاریکی میں پڑے رہتے- مزید براں قرآن فہمی کے بھی اتنے مراتب ہیں کہ بعض مرتبہ چھوٹوں کا ذہن ایسی بات کی طرف منتقل ہو جاتا تھا کہ بڑوں کا ذہن

www.besturdubooks.net

اس طرف نہ جاتا تھا مثلاً سورہ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ میں ابن عباسؓ کا یہ سمجھنا کہ اس میں آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی ہے یا ایک عورت کا حضرت عمرؓ کے زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا اور کہنا کہ ﴿وَ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾(النساء: ۲۰) سے معلوم ہوا کہ اگر مہر زیادہ بھی مقرر کر دیا جائے تو جائز ہے۔ جس قرآن میں نافہمی سے یہ شبہات اور فہم کے یہ مراتب ہوں وہ رسول کے بیان کے بغیر کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔ اگر قرآن کی مراد صرف عقول کے حوالہ کر دی جاتی اور رسول آ کر خود اس کو بیان نہ کرتا تو نہ معلوم شریعت کا حال کیا بن جاتا۔

سوال نمبر ۳ سے یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ شبہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ منشاء شبہ خود کتاب اللہ میں بھی موجود ہو بلکہ بعض مرتبہ انسانی دماغ کسی مغالطہ میں پھنس کر از خود کوئی شبہ پیدا کر لیتا ہے پھر اگر یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہو تو قابل رعایت نہیں ہوتا لیکن کسی حد تک معقول ہو تو اس کا جواب بھی دے دیا جاتا ہے شبہ کے ان مراتب کی تشخیص متکلم کی مرضی پر موقوف ہے اسی لیے قرآن کریم نے بہت سے شبہات کا جواب دے دیا ہے اور بہت سے شبہات کو ناقابل جواب سمجھ کر جواب کی طرف توجہ نہیں کی۔

قرآن کریم کے مضامین کے متعلق بعض تشریحی سوالات ✵ یہ تو ان مشکلات کی چند مثالیں تھیں جو صحابہ کرام کو قرآن کی نفس مراد سمجھنے میں پیش آئیں' اب ان مشکلات کی چند مثالیں دیکھیے جو صحابہؓ نے قرآن کی بعض تفصیلات کے متعلق آپ سے دریافت کیں۔

(۱) قرآن کریم کہتا ہے کہ قیامت میں باری تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ صحابہ اہل زبان تھے رؤیت کا مفہوم ان کو معلوم تھا اس لیے رؤیت کے مفہوم میں انہیں کوئی مغالطہ نہیں ہوا انہوں نے اس کی پوری حقیقت سمجھ لی اور معتزلہ کی طرح اس کی کوئی تاویل بھی نہیں کی لیکن جو کچھ دشواری انہیں پیش آئی وہ صرف اس کی تفصیل سمجھنے میں تھی کیونکہ دنیا میں معمولی اجتماع کے وقت کسی ایک شخص کو باطمینان دیکھنا ممکن نہیں ہوتا' پھر قیامت میں جہاں اوّلین و آخرین کا بہت بڑا اجتماع ہوگا ایک خدا کی رؤیت کیسے ہوگی' بظاہر بہت سی گردنیں پھلانگنی پڑیں گی' بہت سے کاندھے چھل جائیں گے اور پھر بھی شاید سب اہل محشر برابر کی رویت سے فیض یاب نہ ہو سکیں۔ یہ تخیلات نہ رویت کے ثبوت کے متعلق ہیں نہ اس کی مراد میں بلکہ پورے وثوق کے بعد ان تفصیلات کے معلوم کرنے میں ہیں جن کے لئے کہ ایک مشتاق متلاشی رہا کرتا ہے۔ آپ نے نہایت سادگی سے فرمادیا کہ مخلوقات کے دائرہ ہی میں آؤ' دیکھو آفتاب اور چاند تمہارے سامنے ہیں' اس کا نور گرم ہے اس کا سرد' اس کی تمام تر تمازت اور اس کی انتہائی ملاحت کے باوصف جس طرح بلا مزاحمت تم ان دونوں کو دیکھا کرتے ہو اس سے زیادہ صفائی کے ساتھ اپنے رب کو محشر میں دیکھو گے جب مخلوقات کے دائرہ میں تمہاری آنکھوں کے سامنے ایک مثال نہیں بلکہ دو مثالیں ایسی موجود ہیں جہاں تمام عالم کو بیک وقت دیدار میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تو خالق کے دائرہ میں بھی جو اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ذات ہے کوئی دشواری نہ ہوگی۔ آپ کی اس مثال کے بعد آیت ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامۃ: ۲۰'۲۱) اس دن بہت (لوگوں کے) منہ تروتازہ ٹکٹکی لگائے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

(۲) ایک مرتبہ تقدیر کے مسئلہ میں صحابہ کرام کو یہ شبہ ہوا کہ جب ہمارے اعمال پہلے سے طے شدہ لکھے پڑھے جا چکے ہیں تو اب آئندہ عمل کی جدوجہد کرنا بے کار ہے' ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ کیوں نہ رہیں' آپ نے فرمایا اگر تم سعید لکھے جا چکے ہو تو تم سے یہ ہو ہی نہیں

www.besturdubooks.net

سکتا کہ اعمال صالحہ نہ کرو اور اگر خدا نہ کردہ تقدیر دوسری طرف جا چکی ہے تو اعمال صالحہ کی ہزار کوشش کرو مگر تم کر ہی نہیں سکتے۔ تم سمجھتے ہو کہ عمل کی جدوجہد کرنا تقدیر سے باہر بات ہے ایسا نہیں بلکہ تقدیر کا وسیع احاطہ جہاں جزا و سزا کو محیط ہے ایسا ہی عمل خیر اور عمل شر کو بھی محیط ہو چکا ہے لہٰذا عمل کیے جاؤ تم سے وہی عمل صادر ہوں گے جو تمہاری تقدیر کے موافق ہیں[1] اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ○ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ○ وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ○ وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی﴾ (الیل: ۵-۱۰) یعنی نیکی کی توفیق اور بدی سے احتراز سب اللہ تعالیٰ ہی کے تیسیر سے میسر آتا ہے۔

(۳) ﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ﴾ (ابراھیم: ۴۸) ﴿وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ﴾ (الزمر: ٦٧) (اس دن جب کہ زمین اپنی حالت سے بدل دی جائے گی اور آسمان دست ایزدی میں لپٹے ہوئے ہوں گے) صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسولؐ جب ایک طرف زمین اپنی موجودہ حالت سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی لپیٹ دیے جائیں گے تو اس وقت خدا کی یہ ساری مخلوق کہاں ہوگی؟ فرمایا پل صراط پر۔

(۴) سورۂ والنجم میں جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کا ذکر آیا تو صحابہؓ نے از راہِ اشتیاق پوچھا یا رسول اللہؐ آپ نے اپنے رب کو دیکھا کیسا تھا؟ فرمایا ایک نور تھا۔ عالم قدس کی تعبیر دنیا میں نور کے لفظ سے زیادہ واضح کسی اور لفظ سے ہو ہی نہیں سکتی، اس پر نور کا اطلاق ایسا ہی ہے جیسا وادی ایمن کے نور پر نار کا اطلاق۔ وہ بھی دراصل ایک نور ہی تھا مگر اس وقت بشکل نار نظر آ رہا تھا۔

(۵) صحابہ کرامؓ نے جب یہ بار بار سنا کہ مرنے کے بعد پھر ایک مرتبہ زندہ ہونا ہے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مٹی ہو کر، ریزہ ریزہ ہو کر، پھر نئے سرے سے زندگی کیوں کر ہوگی؟ فرمایا کبھی بارش سے قبل تم نے زمین کی حالت دیکھی ہے کیسی خشک کیسی بے آب و گیاہ نظر آتی ہے پھر بارش کے بعد کتنی سبز کتنی تر و تازہ ہو جاتی ہے وہ تنکے جو ابھی زمین پر مردہ لیٹے ہوئے تھے ایک چھینٹا پڑنے کے بعد ہی کیسے اکڑتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ﴿کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اسی طرح مرنے کے بعد تم بھی پھر جی اٹھو گے۔

(٦) قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں وحی کا لفظ آیا ہے، عرب وحی کے لفظ اور اس کی عام شرح سے تو واقف تھے لیکن وحی رسالت اور وحی نبوت کی تفصیل نہ جانتے تھے اس لیے آپ سے دریافت کیا گیا، یا رسول اللہؐ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ نے اس کی اجمالاً تین صورتیں بتلائیں جو صحیح بخاری کے پہلے ہی صفحہ میں مذکور ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو اس سے بھی بڑھ کر عین حالتِ وحی میں آپ کو دیکھنے کا شوق دامنگیر ہوا، اس نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا انہوں نے موقع پا کر فرمایا آ دیکھ لے۔ وہ آیا اور اس نے عین وحی کی حالت میں آپ کو دیکھا اور اس طرح نزول وحی کی شدت جو کبھی وہ پہلے سنا ہی کرتا تھا اب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر گیا۔

(۷) ﴿یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْکِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا کَانَتْ اُمُّکِ بَغِیًّا﴾ (مریم: ۲۸) اس پر بعض اہل کتاب نے صحابہؓ سے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ ہارون علیہ السلام کی بہن کہاں سے آ گئیں حضرت ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کا

---

[1] یہ جواب سن کر سراقہ بن جعشمؓ فرماتے ہیں کہ میں آج سے عمل میں جتنی کوشش ہو سکتی ہے کروں گا۔ حیرت ہے کہ تقدیر کا مسئلہ سن کر صحابہؓ نے کیا کہا تھا اور آج دنیا کیا کہتی ہے۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔

www.besturdubooks.net

زمانہ تو ایک ہی زمانہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بہت بڑی مدت ہے۔ صحابہؓ سے اس کا جواب نہ آیا' آپ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا' یہ بھی کوئی اعتراض ہے ہر قوم اپنے نبیوں کے ناموں پر تبرکاً نام رکھتی چلی آئی ہے' یہاں وہ ہارون نبی مراد نہیں بلکہ ان کے ہمنام اور شخص مراد ہے۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے دریافت کیا آیت قرآنیہ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ﴾ میں یہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا ملک کا۔ آخر تمام صحابہ جغرافیہ داں تو نہ تھے امی لوگ تھے' ان کے دماغوں میں یہ سوالات آ جانا کچھ بعید نہ تھا آپ نے فرمایا نہ کسی عورت کا نام ہے نہ ملک کا بلکہ ایک شخص کا نام تھا جس کی طرف عرب کے دس قبائل منسوب ہیں۔

(۹) ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ (المومنون : ٦٠)

اس پر بعضوں نے دریافت کیا شاید یہ ان لوگوں کا حال ہے جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں اس لیے انہیں عذاب کا ڈر رہو گا۔ آپ نے فرمایا بلکہ یہ وہ نیک لوگ ہیں جو اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کے یہ اعمال کہیں قیامت کے دن قبول نہ ہوں۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یہ تعویذ' گنڈے اور مختلف قسم کی دوائیں' کیا تقدیر الٰہی پلٹ دے سکتی ہیں فرمایا نہیں بلکہ یہ بھی تقدیر کے احاطہ میں داخل ہیں۔ جو دوا اثر کرتی ہے اس کے متعلق تقدیری احاطہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص فلاں دوا کرے گا اور اچھا ہو جائے گا۔ اس مختصر جواب سے یہ شبہ بھی رفع ہو جاتا ہے کہ کونین خود جراثیم ملیریا کے لیے مہلک ہے اس لیے اس کے استعمال سے بخار چلا جانا ضروری امر ہے۔ ہر جگہ تقدیر کا مسئلہ اڑا دینا جہالت کی بات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا فرمانا درست ہے مگر اس مہلک جراثیم کا استعمال کرنا نہ کرنا یہ بھی تقدیر میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس مرتبہ مثلاً وہ جراثیم ہلاک نہ ہوں گے اس لیے بعض مرتبہ بیسیوں گرین کونین استعمال کر لینے کے بعد بھی یہ جراثیم فنا نہیں ہوتے اسباب اور تقدیر میں مزاحمت نہیں اسباب کسی حد تک مؤثر ہیں مگر دائرہ تقدیر سے باہر نہیں۔

فروعی مسائل کے متعلق چند سوالات ٭ اس کے بعد ہم یہاں چند مثالیں ایسی بھی پیش کرنا چاہتے ہیں جو صحابہؓ کے بعض فروعی سوالات سے متعلق ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ صحابہ کا ایک دستہ جس کا گذران بیشتر سمندر کے شکار پر تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ ہم لوگ اکثر سمندر میں سفر کرتے ہیں اور صرف پینے کے لیے تھوڑا سا پانی ہمارے ساتھ ہوتا ہے اگر اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہیں' کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں' آپ نے فرمایا کیوں نہیں' اس کا پانی اور مردار دونوں پاک ہیں۔ سوال کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کریم میں جس پانی کی صفت طہور بتائی گئی تھی وہ بارش کا پانی تھا ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ (الفرقان: ٤٨) (اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا ہے) کنویں کا پانی بھی دراصل یہی پانی ہوتا ہے جو جذب ہو کر زمین کی تہ میں محفوظ رہتا ہے۔ سمندر کا پانی دوسرے قسم کا پانی تھا اس کا ذائقہ جدا اس کا رنگ جدا' پھر اس میں بہت سے جانور بھی مرتے کھپتے رہتے ہیں۔ اس لیے ابتدائی حالات میں یہ سوال بے جا نہ تھا آپ کے جواب سے وہ مطمئن ہو گئے۔

www.besturdubooks.net

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک کنواں بیر بضاعہ کے نام سے مشہور تھا اس کے ذریعہ سے چند کھیتوں کی آبپاشی بھی کی جاتی تھی چونکہ جنگل میں واقع تھا اس لیے جنگل کے کنووں کی طرح وہ بھی محفوظ نہ رہتا تھا ہر چند کہ آب پاشی کی وجہ سے اس کا پانی اکثر نکلتا رہتا تھا تاہم نظیف المزاج صحابہ کو یہ سوال کرنا پڑا کہ وہ ایک ایسا کنواں ہے جس میں طرح طرح کی نجاستوں کا جا پڑنا بہت ہی قرین قیاس ہے کیا اس کا پانی وضوء کے قابل ہے آپ نے فرمایا (شبہ مت کرو) جب تک نجاست کا اثر پانی میں نظر نہ آئے (غیر محفوظ) پانی ناپاک نہیں ہوتا- قدرت نے جب پانی کو پاک پیدا کیا ہے تو جب کوئی دلیل ظاہر موجود نہ ہو اس کے ناپاک کہنے کی کوئی وجہ نہیں- اگر محض شبہات کی بنا پر پانی ناپاک کہہ دیا جائے تو عرب جیسی سرزمین پر یہ حکم بڑی تنگی کا موجب بن جائے-

(۳) حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ میں اپنے بال سخت گوندھتی ہوں کیا جنابت سے غسل میں مجھے اپنے بال ہر بار کھولنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا نہیں جڑوں میں پانی پہنچالینا کافی ہے-

(۴) ایک عورت اپنا دامن ذرا لمبا رکھتی تھیں مسجد کا راستہ ناصاف تھا- جب مسجد جاتیں تو دامن زمین پر گھسٹتا اس لیے ان کو وہم ہوا کہ شاید ناپاک ہو جاتا ہوگا- آپ سے عرض حال کیا- آپ نے فرمایا پاک کپڑا زمین پر گھسٹنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس میں ناپاکی کا کوئی اثر نظر نہ آئے-

(۵) ایک مرتبہ گھی میں چوھیا گر گئی اور مر گئی' اس گھی کے متعلق آپ سے دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا اگر گھی جما ہوا ہے تو چوھیا پھینک دو اور اس کے ارد گرد کا گھی بھی پھینک دو بقیہ گھی استعمال کرلو' اور اگر گھی پگھلا ہوا ہے تو اب کھانے کے قابل نہیں رہا-

(۶) آپ سے مردار کی کھال کے متعلق پوچھا گیا کیا اسے استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں دباغت اسے پاک کر دیتی ہے-

(۷) آپ نے تین تین بار وضو کر کے فرمایا وضو اس طرح کرنا چاہیے اس سے زیادہ پانی بہانا پانی ضائع کرنا ہے-

(۸) ایک بادیہ نشین شخص نے دریافت کیا ہم چار چار مہینے ریگستان میں رہتے ہیں پانی نہیں ملتا غسل کے موقعہ پر ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا تیمم کرلیا کرو تمہارے لیے یہی پاکی ہے-

(۹) ایک شخص آپ کی خدمت میں نماز کے اوقات دریافت کرنے کے لیے آیا آپ نے فرمایا دو دن ہمارے ساتھ نماز پڑھو' پہلے دن تمام نمازیں اول وقت ادا کیں دوسرے دن آخر وقت پھر فرمایا نماز کے اوقات دیکھ لیے یہ ہیں-

(۱۰) ایک سائل نے پوچھا یا رسول اللہؐ دن رات میں وہ گھڑی کون سی ہے جس میں پروردگار اپنے بندوں کے سب سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا آخر شب-

ہم نے مثال کے طور پر یہاں صرف دس دس سوال و جواب ذکر کیے ہیں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ایک سو دس صفحات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سوال و جواب تحریر فرمائے

www.besturdubooks.net

ہیں[1] ان سینکڑوں سوال و جواب کے مرتب اور پر مغز سلسلہ کو جو اسانید ثابتہ کے ساتھ روایت ہوتا چلا آیا ہے یک لخت موضوع کہہ دینا منکرین حدیث کے لیے تو بہت آسان ہے لیکن جنہوں نے ابھی تک انکار حدیث کا فیصلہ نہیں کیا ہے ان کو کم از کم اس پر تو غور کرنا چاہیے کہ اگر بالفرض صحابہ کرام کے دماغوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہوئے ہوں یا آج جب عمل کے لیے قدم اٹھایا جائے اور یہ سوالات پیدا ہونے لگیں تو کیا ان کے جوابات صرف قرآن اور عقل کی مدد سے دیے جاسکتے ہیں بالخصوص اس امی قوم سے جس کو ابھی تک استنباط کے طریقوں اور مسائل کے استخراج سے کوئی واسطہ نہ پڑا ہو اور اگر بالفرض دیے جاسکتے ہیں تو کیا وہ اتنے ہی مختصر اور حقیقت سے لبریز اور اتنے ہی تشفی بخش ہوں گے جو یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی شخص سوال و جواب کے اس تمام سلسلہ پر انصاف کے ساتھ نظر ڈالتا رہے تو اس کو بہت جلد یقین آجائے گا کہ یہ جوابات حدیث کی مدد کے بغیر ہرگز براہ راست قرآن سے اخذ نہیں کیے جاسکتے اور اس لیے قدرے مشترک طور پر وہ مجبور ہوگا کہ ان کی اصلیت اور واقعیت تسلیم کر لے۔ وہ ہرگز یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ اس تمام قیمتی اور علمی ذخیرہ کو محض چند شبہات کی بنا پر موضوع کہہ ڈالے۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی اس کو پورا پورا احساس ہوگا کہ کتاب اللہ کی جامعیت اور اس کی صحیح مراد سمجھنے کے لیے یقیناً ایک ایسے معلم کی بھی ضرورت ہے جو اپنی عقل سے نہیں بلکہ خدا سے علم پا کر حسب ضرورت اس کی تفصیل کرتا رہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ اگر کوئی معلم نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے معلم کے ساتھ کتاب نہ ہو۔ اس لیے کتاب اللہ کا رشتہ رسول سے ہرگز قطع نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جو رشتہ کہ خدا اور رسول کے مابین ہے وہی کتاب اللہ اور حدیث رسول کے درمیان سمجھنا چاہیے۔

اسوۂ رسول اور کتاب اللہ

یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ کتاب اللہ صرف ایک علمی کتاب نہیں جس کا مقصد صرف علمی طور پر حل کر لینا ہو اور بس بلکہ یہ افراد و اقوام کا وہ دستور العمل بھی ہے جسے زندگی کے ایک ایک شعبہ میں نافذ کرنا ہے اس لیے رسول کی تعلیم کے بعد بھی ایک اہم ضرورت اور باقی رہتی ہے اور وہ اس کا نقشۂ عمل ہے۔ دنیوی علوم میں بھی بہت سے علم ایسے ہیں جو عملی مشاق کے بغیر اوّلاً تو سمجھ ہی میں نہیں آتے اور اگر سمجھ میں بھی آجائیں تو اس وقت تک صحیح طور پر کیے نہیں جاسکتے جب تک کہ اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو، جیسے ڈاکٹری کا علم یا سائنس کے دوسرے تجربات کہ ان کا علمی طور پر سمجھنا بھی پہلے ان کے عمل کو دیکھنے پھر خود عملی طور پر ان کو کر لینے پر موقوف ہے صرف ان کا پڑھ لینا ان کی پوری حقیقت سمجھنے کے لیے قطعاً ناکافی ہے۔ جب ان معمولی علوم کا حال یہ ہے تو پھر ربانی علوم کی دقتیں اور معاملات و عبادات کی نزاکتیں اپنے انواع و اقسام کے اختلاف کے ساتھ کسی ربانی معلم کی تعلیم اور اس کے کسی صحیح نقشے کے دیکھے ہوئے بغیر کیسے سمجھی جاسکتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اس کا صحیح صحیح نقشۂ عمل بھی بھیجا

---

[1] دیکھو اعلام الموقعین ج ۴ از ص ۲۳۰ تا ۳۴۱۔

www.besturdubooks.net

جائے تاکہ تعلیم رسول کے بعد اس میں جو عملی الجھنیں باقی رہ جائیں وہ اس عمل نقشہ کو دیکھ دیکھ کر حل کر لی جائیں' مشیت ایزدی نے یہاں معلم کتاب کے ساتھ اس کا نقشۂ عمل علیحدہ نہیں بھیجا بلکہ جو معلم تھا خود اسی کو مجسم نقشۂ عمل بنا دیا تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب : ۲۱)	ہر قوم کے لیے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں تمہارے لیے بہتر نمونہ خدا کا یہ رسول ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول صرف تبلیغ وحی کے لیے نہیں آتے بلکہ عملی طور پر کتاب اللہ کا نمونہ بھی ہوتے ہیں اس لیے ہر عمل میں ان کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

اسوۂ رسول کی جامعیت ✽ یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تمام کتب سماویہ میں سب سے زیادہ جامع کتاب ہے اس لیے اس کا نقشۂ عمل بھی تمام نقشوں میں جامع تر ہونا چاہیے یعنی اگر کتاب اللہ میں روزہ' نماز' حج' زکوۃ کے احکام مذکور ہیں تو اس کی زندگی میں بھی ان عبادات کا مکمل نقشہ ملنا چاہیے اور اگر اس میں امارت و امامت' غزوات و جہاد' نظم و نسق اور فصل خصومات کے ہدایات بھی موجود ہیں تو ان کا نقشہ بھی اس کی زندگی میں نظر آنا چاہیے۔ اگر اس کی حیات میں قرآن کا ایک ہی پہلو ہو' فصل خصومات اور دیگر انتظامی اُمور کا نمونہ نہ ہو تو اس نمونہ کو مکمل نمونہ اور اس نقشہ کو قرآن کریم کا مکمل نقشہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس نمونہ کو جامع اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ قرآن کے ہر چھوٹے بڑے عمل کی تصویر اس کی ساعات زندگی میں نظر آ جائے صرف عبادات و معاملات کی نہیں بلکہ ان فطری حالات کی بھی جہاں شریعت نے کچھ نہ کچھ دخل دے دیا ہے یعنی بول[1] و براز' طعام و شراب' رفتار و گفتار' خندہ و گریہ' نوم و بیداری' حتیٰ کہ انسانی زندگی کے نازک سے نازک حالات کی بھی' اگر قرآن کی جامعیت کے لیے ان معمولی گوشوں پر بھی علمی حیثیت سے روشنی ڈالنا ضروری تھا تو اس کے نقشۂ عمل کی تکمیل کے لیے ان کی عملی نزاکتوں کا ظاہر کرنا بھی ناگزیر تھا۔ پس اگر قرآن

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض منافقوں نے طعن کے لہجہ میں صحابہؓ سے کہا اچھا صاحب تمہارا رسول تو پاخانہ پھرنے اور پیشاب کرنے کا طریقہ بھی بتلاتا ہے گویا ان نافہموں کے نزدیک انسانی زندگی کے یہ شعبے کسی سماوی ہدایت کے محتاج ہی نہیں تھے حالانکہ سوچنے کی بات تو یہ تھی کہ جو گوشے زیادہ کمزور ہوتے ہیں وہی زیادہ قابل اصلاح بھی سمجھے جاتے ہیں۔ نافہم انسان صرف ایک گوشہ کی تکمیل کو تکمیل سمجھ لیتا ہے اور ذی فہم جانتا ہے کہ بعض مرتبہ مکان کے غیر اہم گوشوں کی طرف غفلت کرنے سے تمام مکان ہی غیر محفوظ ہو جاتا ہے اگر بول و براز کی نزاکتیں معلوم نہ ہوں تو طہارت کیسے حاصل ہو اور جب طہارت حاصل نہ ہو تو نماز کیا ہو اور جب نماز ہی نہ ہو تو دین کیا رہ جائے۔ تعجب ہے کہ کل جاہلیت کے دور میں جو اعتراض منافقین کی زبانوں سے نکل رہے تھے وہی اعتراضات آج خود مسلمانوں کی زبانوں سے نکل رہے ہیں وہ ان احادیث پر جو انسانی مستور زندگی سے متعلق ہیں وہی اعتراضات کرتے ہیں جو منافقین قضاء حاجت انسانی کی احادیث پر کرتے تھے۔ حالانکہ ان کو اس پر بھی غور کرنا ضروری تھا کہ کیا ان شعبوں پر خود قرآن کریم نے بھی روشنی ڈالی ہے یا نہیں اگر قرآن کریم نے بھی ان کے متعلق کچھ ہدایات نازل فرمائی ہیں تو کیا وہ اس کا بھی تمسخر اڑائیں گے۔ پھر اس پر بھی غور کرنا ضروری تھا کہ نزول قرآن کے وقت عالم انسانی میں ان گوشوں کے متعلق بھی کچھ کمزوریاں پیدا ہوگئی تھیں یا نہیں اگر درحقیقت یہاں بھی افراط و تفریط کا بدتر حال موجود تھا تو کیا ان کی اصلاح فرمانا رسول کا فرض منصبی نہ تھا اور کیا ان کے لیے اسوۂ حسنہ میں کوئی صحیح نمونہ نظر نہ آنا چاہیے۔ اس لیے اگر ان گوشوں کی قرآنی ہدایات کا اسوۂ حسنہ بھی آپ کی زندگی میں موجود ہے تو ہونا چاہیے یہاں معترضین کو ان احادیث کا ہونا ناگوار ہے اور طالب حق کو اسوۂ حسنہ کی تکمیل کے پیش نظر ان کا نہ ہونا موجب ملال ہے۔

www.besturdubooks.net

نے ازدواجی زندگی کی تشریحات کرنا انسانیت کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھا ہے تو ان نزاکتوں کی باریکیاں بھی اس نقشہ میں صفائی سے نظر آنا چاہئیں چہ جائیکہ باہمی معاملات کے فیصلے امت کے مہمات اور جنگ وصلح کی تدابیر جیسے مسائل- مولانا اسلم صاحب کی یہ بڑی کوتاہ نظری ہے کہ انہوں نے ان جیسے اہم امور کو اسوۂ رسول سے خارج کر دیا ہے- اگر قرآن کریم نے ان معاملات کے متعلق بھی کچھ اصولی ہدایات فرمائی ہیں تو پھر ان کا نمونہ اگر یہاں اسوۂ رسول میں نظر نہیں آتا تو اور کہاں نظر آ سکتا ہے-

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو صرف کسی خاص شعبہ زندگی کا نمونہ نہیں بنایا تھا بلکہ جو کچھ قرآن میں کہا گیا تھا وہ سب یہاں دکھلا دیا گیا تھا- ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا آپ کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا کہ یہ قرآن ہی آپ کا خلق تھا- خلق میں اقوال اور افعال سب داخل ہیں- مطلب یہ تھا کہ آپ کا کوئی قول کوئی فعل' ایسا نہ تھا جو قرآن سے باہر ہو' گویا اسوۂ رسول کی جامعیت بھی کتاب اللہ کے ہم رنگ تھی- اسی لیے آپ کی ذات کو بلا کسی تفصیل کے تمام عالم کے لیے اسوہ بنا دیا گیا تھا' ایک طرف خدا کی یہ جامع کتاب موجود تھی- دوسری طرف یہ جامع اسوہ موجود تھا خلاصہ یہ کہ ایک قرآن بشکل مصحف تھا اور دوسرا بشکل اسوۂ رسول' فرق یہ تھا کہ وہ خاموش تھا یہ ناطق' یہاں تیسری چیز احادیث رسول تھیں یہ بھی قرآن ہی کی ایک شکل تھی مگر وہ مجمل تھا یہ مفصل' یہ تینوں قرآن گو بلحاظ اجمال وتفصیل جدا جدا تھے مگر بلحاظ اصل حقیقت یہ ایک ہی قرآن تھا-[1]

---

[1] مولانا اسلم صاحب اسوۂ رسول کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کو متواتر فرماتے ہیں- ہمیں علمی لحاظ سے مولانا سے یہ سخت شکوہ ہے کہ وہ حدیث کے لیے پورے پورے ثبوت بھی ناکافی سمجھتے اور انہیں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن جب خود کوئی دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے' اگر اسوۂ رسول کے تواتر سے ان کی غرض یہ ہے کہ آپ نے نماز پڑھی تھی اور بس' تو اس کے لیے صرف قرآن ہی کا تواتر کافی ہے لیکن اگر اس سے آگے بھی تفصیل مراد ہے تو ان کو یہ صاف کرنا ضروری تھا کہ کن کن ارکان میں ان کو تواتر مسلم ہے اور کن میں نہیں- اسی طرح قرآن کے تمام عبادات کی ادائیگی کا نقشہ انہوں نے کیا تیار کیا ہے' آپ کے اسوۂ حسنہ میں آپ کی امامت آپ کا نظم ونسق امت اور فصل قضایا بھی شامل ہیں یا نہیں' اگر ہیں تو صرف بہ حیثیت رسالت یا یہاں کوئی تقسیم ہے اگر ہے تو وہ تقسیم بھی تواتر سے ثابت ہے یا نہیں- بہر حال جتنی بات قرآن سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول تمہارے لیے مطلقاً بلا کسی تخصیص کے اسوہ اور نمونہ بنایا گیا ہے اور بلا کسی تقسیم کے وہ تمہارا رسول ہے پس جب رسول کی ذات بلا کسی تفصیل کے اسوہ ہے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ بھی عملی پہلو میں اس نے کر کے دکھلایا ہے وہ سب مولانا کے نزدیک بھی قرآنی امر کے ماتحت واجب التسلیم ہونا چاہیے اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کی پوری زندگی آپ کا تمام اسوۂ حسنہ حرف بحرف بطریق تواتر منقول ہے یا اس کا ایک حصہ متواتر ہے اور بڑا حصہ غیر متواتر پہلی صورت تو تواتر کے خلاف ہے دنیا میں کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آپ کے عبادات ومعاملات کا ہر ہر پہلو تواتر سے ثابت ہے لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اس کا ایک حصہ متواتر اور دوسرا غیر متواتر ہے بلکہ بڑا حصہ غیر متواتر ہے مثلاً یہ متواتر ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی یہ بھی متواتر ہے کہ چار پڑھیں' رکوع سجدہ کیے' رکوع پہلے کیا پھر سجدہ' نماز کے آخر میں بیٹھے اور سلام بھی پھیرا- شروع نماز میں ہاتھ اٹھائے اس کے بعد ایک آدھی بات کا اور اضافہ کر لیجیے لیکن صرف ان متواتر امور سے بھی نماز کی پوری ہیئات مکمل نہیں ہوتیں- پھر دین کے اس حصہ کے متعلق مولانا کا فیصلہ کیا ہو گا جو صحابہؓ کے سامنے اسوۂ رسول میں نظر آنے کی وجہ سے قابل قبول تھا اور اب تواتر کے ساتھ منقول نہ ہونے کی وجہ سے قابل تسلیم نہیں رہا- ان جزئیات کے لیے اب تجویز کیا ہے یہ بھی غور طلب ہے کہ نماز میں سہو بھی پیش آ سکتے ہیں اس کی تلافی کی صورت اب کیا ہونا چاہیے- للہ .....

www.besturdubooks.net

اسوۂ رسول اور عرب ٭ جہاں ایک طرف کتاب اللہ کی عملی تشریح کے لیے ایک نمونہ کی ضرورت تھی اسی کے ساتھ عرب کی دماغی حالات کی وجہ سے بھی اسوۂ رسول کی بڑی ضرورت تھی' وہ امی قوم تھی' تمدن اور تعلم کے طریقوں سے بہت دور تھی' اُن کی تفہیم وتربیت کے لئے وہی طریقہ مناسب تھا جو فطری کہا جا سکتا ہے۔ فطری تعلیم یہی ہے کہ خود عمل کر کے دکھلا دیا جائے' بچہ جب پیدا ہوتا ہے نہ وہ کچھ کہنا جانتا ہے نہ کرنا مگر جتنا وہ ترقی کرتا جاتا ہے اتنا ہی اپنے گھر کی زبان' اس کا طور وطریق سب سیکھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک انگریز کا بچہ کسی تعلیم کے بغیر ایسی فصیح انگریزی بولنے لگتا ہے جو ایک ہندوستانی کالج میں تعلیم پانے کے بعد بھی نہیں بول سکتا اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ فطری طریقہ پر تعلیم حاصل کرتا ہے وہ اپنے والدین کو بولتا دیکھ کر بولتا ہے اور جس طرح کسی عمل میں مصروف دیکھتا ہے اسی کی نقالی میں خود بھی مصروف ہو جاتا ہے اس لیے اسے اپنی زبان اور اپنے طور وطریق میں کسی خارجی تعلیم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ نے بھی اس مکمل دین کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے سیکھا ہے صرف اعمال نہیں بلکہ اقوال بھی اور صرف اقوال ہی نہیں بلکہ ایک ایک عقیدہ بھی۔ اسی عملی تربیت وتعلیم کے اثرات تھے کہ تمام دین ان کے رگ وپے میں اس طرح سرایت کر گیا تھا جیسا طبعی اخلاق انسان میں غیر شعوری طور پر سرایت کیے ہوئے ہیں۔ اگر یہ وسیع دین صرف زبانی طور پر آج کل کی طرح اسکولوں میں پڑھایا جاتا تو عمریں صرف ہو جاتیں اور اس کا ایک حصہ بھی حاصل نہ ہو پاتا۔ اُمی اور آزاد دماغ لفظوں کے رٹنے میں اور غیر مانوس طریقوں کے نقشہ بنانے اور جمانے میں اتنا بار محسوس کرتے کہ جس کو زیادہ مدت نبھانا بھی مشکل ہو جاتا اس لیے ان کی دماغی ساخت کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا جس نے اپنے کمالات سے اپنی ذات میں ایسی جاذبیت حاصل کر لی کہ ہر شخص کا منظورِ نظر بن گیا۔ اس کے طور وطریق عادات وعبادات دلوں میں اس طرح گھر کر گئے کہ اس نمونہ کے سوا سب نمونے دل سے محو ہو گئے اس لیے دین کے عملی حصہ کے سمجھنے میں کم سے کم الجھنیں پیش آئیں اور اگر پیش آئیں تو ذرا سے اشارہ سے دور ہو گئیں۔ آج وہی اسوۂ حسنہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں رہا جس کے ساتھ کل تک ہم قرآن کو ملا ملا کر پڑھا کرتے تھے اس لیے قرآن فہمی میں بھی اختلاف آراء پیدا ہو گیا۔ اگر احادیث کی یہ تفصیلات بھی ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو خدا ہی جانے عقولِ انسانیہ کتاب اللہ کا نقشہ صرف اپنے ذہن سے کیا بنا ڈالتیں۔ اس لیے جہاں ایک طرف کتاب اللہ کی تعلیم کے لیے رسول بھیجا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کا نقشہ بھی خود اپنی جانب سے مکمل کر کے بھیج دیا گیا تا کہ

لله ..... قرآن کریم ضرور قیام کی حالت میں پڑھا جاتا تھا لیکن اگر بھول کر رکوع یا سجدہ میں پڑھ لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ بہرحال یہاں عملی طور پر بہت سے عمل کے گوشے ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جس کا حکم ہمیں متواتر طور پر اسوۂ حسنہ میں ملتا۔ صرف اپنی عقل کے زور سے ان کے جوابات سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اب ایک راستہ تو یہ ہے کہ جو کچھ اپنی سمجھ میں آ جائے اسی کو قرآنی حکم قرار دے دیا جائے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ان کے جوابات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اسوۂ حسنہ میں تلاش کیے جائیں اور جو جو حد یقین کو پہنچتے جائیں ان کو بلا پس وپیش مان لیا جائے۔ یہ راستہ تو مولانا اسلم صاحب اختیار کر نہیں سکتے۔ ہر بات کی تفصیل قرآن سے ثابت نہیں ہوتی تو اب طفل تسلی کی صورت یہی تحریر فرماتے ہیں کہ صرف اسوۂ رسول متواتر ہے اور وہ عملی تفصیلات کے لیے کافی ہے مگر کیا اس اجمالی حکم سے وہ دین کا تفصیلی نقشہ تیار کر سکتے ہیں اور کیا اس تواتر کی قید کے بعد قرآن کی طرح اسوۂ رسول کی جامعیت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ حدیث کا انکار کرنا تو آسان ہے مگر اس کا انکار کر کے جو مشکلات سامنے آتی ہیں اس کا حل آسان نہیں۔

www.besturdubooks.net

انسان حتی الوسع خدا کی عبادت کا نقشہ اپنے دماغ سے نہ تراشے اور اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی حرکت و سکون میں اسی نقشہ الٰہی کا موبمو اتباع کرتا رہے اور اس مختصر راہ پر چل کر خدائے تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام تک بہت جلد پہنچ جائے- جس امت کے لیے جدو جہد کی مدت قلیل رکھی گئی ہو اور تقدیر یہ ہو کہ اس کو تمام امتوں پر فائق رکھا جائے اس کے لیے صورت یہی تھی کہ تھوڑے عرصہ میں اس کو بڑی مسافت طے کرادی جائے اگر کتاب اللہ کی فہم' اس کے رموز کی تفصیلات' اس کا عملی نقشہ تمام امت ہی کے عقول کے سپرد کر دیا جاتا تو ایک شخص بھی اپنی تمام عمر صرف کرنے کے بعد یہاں کامیاب نہ ہوسکتا-

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

قرآن کریم کی جامعیت کا اصل مفہوم ❋ مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ قرآن کریم کی جامعیت احادیث کے تسلیم کرنے سے مانع نہیں بلکہ اس کی جامعیت ہی اس کی متقاضی ہے کہ اس کے اصول کی تشریح' اس کے دفعات کی تفصیل اور اس کے اشارات کی تفہیم کی جائے کیونکہ کسی کتاب کے جامع ہونے کا مفہوم ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں منتشر اور مختلف جزئیات کے احکام بہ شکل کلیات بیان کر دیئے گئے ہوں- امام شاطبی فرماتے ہیں-

القرآن علی اختصارہ جامع و لا یکون جامعا الا و المجموع فیہ امور کلیات[۱]

قرآن کریم مختصر ہونے کے باوصف پھر جامع کتاب ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ اس میں کلیات مذکور ہوں-

قال محمد و بلغنی ان جوامع الکلم ان اللہ یجمع الامور الکثیرۃ التی کانت تکتب فی الکتب قبلہ فی الامر الواحد او الامرین او نحو ذلک.[۲]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جوامع الکلم کی تفسیر مجھے یہ معلوم ہوئی ہے کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بہت (سے پھیلاوے کے ساتھ) بیان فرمائی تھیں وہ ایک دو جملوں ہی میں جمع کر دے-

جوامع الکلم کی تفسیر ❋ حافظ ابن قیمؒ جوامع الکلم کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں-

و جوامع الکلم ھی الالفاظ الکلیۃ العامۃ المتناولۃ لافرادھا فاذا انضاف ذلک الی بیانہ الذی ھوا علی رتب البیان لم یعدل عن الکلمۃ الجامعۃ التی فی غایۃ البیان لما دلت علیہ الی لفظ اطول منھا و اقل بیانا مع ان الکلمۃ الجامعۃ تزیل الوھم و ترفع الشک و تبین المراد.[۳]

جوامع الکلم وہ کلی اور عام الفاظ ہیں جو اپنے تمام افراد کو شامل ہوں اور اپنے اختصار کے باوجود پھر اتنے حاوی ہوں کہ جب ان کی زیادہ سے زیادہ تفصیل کی جائے تو یہ تمام تفصیل ان سے باہر نظر نہ آئے پھر اتنے واضح اور عام فہم بھی ہوں کہ اس کی مراد سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہ ہو اور کوئی شک و وہم بھی پیش نہ آئے-

حافظ ابن قیمؒ کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام کی جامعیت اس وقت کمال سمجھی جاتی ہے جب کہ اس میں حسب ذیل

---

[۱] الموافقات ج۳ ص۳۶۷- [۲] بخاری باب المفاتیح فی الید ص۳۸- [۳] اعلام الموقعین ج۱ ص۲۲۶-

www.besturdubooks.net

اوصاف بھی موجود ہوں۔ (۱) وہ اپنے ماتحت انواع و افراد کو اتنا حاوی ہو کہ جب ان کی تفصیل کی جائے تو اس کا کوئی فرد اس سے باہر باقی نہ رہے۔ اسی کے ساتھ وہ ان افراد کے حکم پر بھی دلالت کرے جو اس کے الفاظ کی قید سے خارج ہو گئے ہیں۔ گویا کلام کی جامعیت اس وقت کمال سمجھی جائے گی جب کہ اس کے الفاظ کی بندش ایسی ہو کہ اس میں موافق اور مخالف دونوں پہلوؤں کے حکم پر دلالت ہو جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے اسی کتاب میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(الکلمة الجامعة) و ھی قاعدة عامة و قفیة کلیة تجمع انواعا و افرادًا و تدل دلالتین دلالة طرد و د لا لة عکس[1]

وہ ایک ایسا عام قاعدہ اور کلی جملہ ہوتا ہے جو بہت سے انواع و افراد کو شامل ہو اور اپنے افراد کے لیے موافق اور دوسرے افراد کے لیے اس کے مخالف احکام پر دلالت بھی کرے۔

جیسے "کل مسکر حرام" یہ حدیث جوامع الکلم میں شمار ہے اس میں دونوں دلالتیں موجود ہیں یعنی جتنی نشہ آور چیزیں ہیں خواہ وہ کتنی ہی مختلف انواع و اصناف کی ہوں سب اس ایک حدیث کے ماتحت حرام ہیں اور اسی کلام کی دوسری دلالت یہ ہے کہ جو چیزیں نشہ آور نہیں وہ اسی حدیث کی رو سے سب جائز ہیں۔ پس یہ ایک ہی حدیث ایک پہلو سے مسکرات کا حکم اور دوسرے پہلو سے غیر مسکرات کا حکم بتلانے کے لیے کافی ہے۔

(۲) جوامع الکلم کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کی ایسی تنگی بھی نہ ہو کہ مراد کے خلاف کچھ اور وہم پیدا ہونے لگے۔ وہ کلام خواہ کتنا ہی جامع کیوں نہ ہو مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا جس میں خود متکلم کی مراد کے خلاف اوہام پیدا ہو جائیں۔

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ الفاظ اتنے مبہم بھی نہ ہوں کہ جو مراد ان کی بتلائی جائے وہ ان سے ظاہر نہ ہو جامعیت کا کمال یہ ہے کہ پورے اختصار کے باوجود پھر اس کے الفاظ اتنے صاف ہوں کہ جب ان کی تفصیل کی جائے تو ہر ہر تفصیل پر وہ ایسا ہی صادق نظر آئیں گویا اسی کے لیے وضع کیے گئے تھے۔ ان اوصافِ ثلاثہ کے لحاظ کرنے کے بعد جب آپ کسی اونچے سے اونچے مصنف کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے تو ہر مصنف کے کلام میں دو خامیوں میں سے ایک خامی ضرور دیکھیں گے۔ اگر وہ شان جامعیت میں ممتاز ہو گا تو اس میں اغلاق و ابہام کا عیب ضرور نظر آئے گا اور اگر واضح اور صاف ہو گا تو اس میں شان جامعیت مفقود ہو گی' ان دو متضاد صفتوں کا اجتماع یا آپ آیاتِ قرآنیہ میں دیکھیں گے یا بعض احادیث نبویہ میں یہ شانِ جامعیت بھی درحقیقت اعجاز کا ایک شعبہ ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو انبیاء و رسل کی صف میں اپنی ایک خصوصیت شمار کیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس رسول کو تمام عالم انسانی کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے کلام میں بھی اس کی بعثت کی وسعت کے بقدر جامعیت اور وسعت مرحمت کی جاتی تا کہ ہر زمانہ میں ہر قسم کے انسان اپنی ہر قسم کی ضرورت ان جامع اور مختصر الفاظ سے حل کر سکتے۔ اس جامعیت کے بھی مراتب ہیں ہر رسول کے کلام میں اپنے دائرہ بعثت کی وسعت کے بقدر ایک قسم کی جامعیت ہونا ضروری ہے اس لیے جس رسول کی بعثت سب سے زیادہ وسعت رکھتی ہے اس کے کلام کی جامعیت بھی

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۸۹۔

www.besturdubooks.net

سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔مختصر الفاظ میں جوامع الکلم ٹھیک کوزے میں دریا کی مثال ہوتے ہیں اسی کا دوسرا نام سہل ممتنع بھی ہے۔
حافظ ابن قیمؒ کی اس تقریر سے اب آپ قرآن کی جامعیت کا مفہوم بھی سمجھ سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کی جامعیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ اس کے بعد اب تفصیل وتشریح میں جانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی یا وہ اتنا واضح ہے کہ اس کے لیے کسی معلم ومفسر کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا شناسی اور آدابِ عبدیت کے تمام اصولوں پر حاوی ہے جیسا کہ جہاں بانی کے ایک ایک نکتہ ایک ایک گوشہ کے لیے مکمل آئین ہے ایک چوبِ خشک اس پر عمل کر کے عارف کامل ہو سکتا ہے اور ایک فقیر بے نوا اس کے اتباع کی بدولت تاجِ شاہانہ پہن سکتا ہے۔ پھر شاہی اور گدائی کے یہ عمیق اور دقیق اصول اس نے ایسے جامع اور سادے الفاظ میں قائم کیے ہیں کہ دنیا کے مختلف زمانوں کی مختلف ضروریات میں سے کبھی کوئی ضرورت ایسی پیش نہیں آ سکتی جس کے متعلق قرآن کریم کے ان الفاظ میں پوری روشنی نہ ملے۔ پھر اتنی جامعیت کے ساتھ اس کی سطح ایسی صاف نظر آتی ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے علم کا شخص بھی ان کی گہرائی سمجھنے کا گھمنڈ کر لیتا ہے' اس کی اسی شان سہل ممتنع کی وجہ سے ایک جاہل اور ایک عالم ایک فقیر اور ایک بادشاہ اس سے برابر کا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔قلیل العلم شخص خوش ہو جاتا ہے کہ اس نے اس کی تہ کو پا لیا اور نہیں جانتا کہ یہ قرآن کی شانِ جامعیت کا کرشمہ تھا' یہاں ہر شخص اپنی اپنی پیاس اور اپنے اپنے ظرف کے بقدر سیراب ہو جاتا ہے لیکن اس بحر ناپیدا کنار میں پانی کتنا ہے اس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی ۔ آخر یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ یہ کلام کس کا ہے اگر کسی بڑے شاعر یا کسی بڑے عالم کے کلام میں اس کی سطح کے علاوہ اس کا کچھ عمق بھی ہوتا ہے تو یہاں خالق کے کلام میں اس کی تلاش کیوں نہیں ہوتی ۔ اسی لیے حدیث میں ارشاد ہے لکل اية ظهر و بطن ہر آیت کی ایک مراد اس کے ظاہر سے ہاتھ لگ جاتی ہے دوسری مراد اس کے عمق اور گہرائی میں جانے سے نصیب ہوتی ہے۔ اگر کوئی بدنصیب یہاں صرف اس کے ایک ہی حصہ پر قناعت کر کے بیٹھ رہے تو یہ اس کا نصیب۔ اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ جس کلام کا متکلم ایسی ذات پاک ہو جس کے علم کی کوئی نہایت نہیں' تمام عالم کے علوم اس کے بحر علم کا ایک قطرہ بھی نہ ہوں اس کے کلام میں کتنی گہرائی اور کتنی بلندی ہو سکتی ہے۔ کیا ہر شخص ان ساری گہرائیوں اور تمام بلندیوں کو حاصل کر لینے کا دعویٰ کر سکتا ہے یا اسے کرنا چاہیے۔ پھر جتنا حصہ اس کو حاصل ہو گیا ہے کیا اس کے متعلق اسے وثوق کے ساتھ یہ گمان کر لینا چاہیے کہ اس نے متکلم کی پوری پوری مراد کو پا لیا ہے۔ حافظ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں۔

ان دلالة النصوص نوعان حقيقية و اضافية فالحقيقية تابعة لقصد المتكلم و ارادته و هذه الدلالة لا تختلف و الا ضافية تابعة لفهم السامع و ادراكه و جودة فكره و قريحته و صفاء ذهنه و معرفته بالالفاظ و مراتبها و هذه الدلالة تختلف اختلافا متباينا بحسب تباين السامعين في	نصوص کی دلالت دو قسم کی ہے حقیقی' اضافی ۔ حقیقی دلالت تو متکلم کے قصد اور اس کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے ۔ اس دلالت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اضافی دلالت فہم سامع اس کی جودتِ فکر' صفائی ذہن' الفاظ اور اس کے مراتب کے شناسائی پر موقوف ہے اس دلالت کے اتنے ہی مختلف مراتب ہیں جتنا کہ ان اوصاف میں سامعین کے مراتب

www.besturdubooks.net

ذلک بے[1] مختلف ہیں۔

پس جو دلالت کہ حقیقی ہے وہ تو یہاں متکلم کے ارادہ کے تابع ہے اس کو یقینی طور پر اس وقت تک کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے جب تک کہ خود متکلم ہی اس کو نہ بتلائے' رہ گئی دوسری قسم تو اس کے اتنے لاتعد و لاتحصی مراتب ہیں کہ کوئی شخص یہاں یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کہ کلام کی جو مراد اس نے سمجھ لی ہے اس کے بعد اب اس میں آئندہ کوئی گنجائش باقی نہیں رہی' اگر یہ ابہام نصوص کتاب میں بھی باقی رہے تو جزم کے ساتھ کوئی بھی یہ نہ کہہ سکے کہ کتاب اللہ پر اس نے عمل کر لیا ہے اس لیے یہاں مراد متکلم بتلانے کے لیے خود متکلم کی جانب سے ایک معلم مقرر کر دیا گیا ہے اس نے اس کی جامعیت کے پیش نظر وہ حدود بیان کر دی ہیں جہاں تک ان کا احاطہ پھیلتا ہے اب آپ آیت ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ (البقرۃ:۲۲۲) پر غور کیجئے' پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ یہاں حائضہ عورت سے اعتزال کے کتنے مراتب ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ صرف اپنی عقل سے انہیں متعین کرنا چاہیں تو کیا متعین کر سکتے ہیں' ہاں احادیث رسول کی روشنی میں آپ ان پر آسانی بحث کر سکتے ہیں اور بسہولت وہ حدود بتا سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی شانِ جامعیت احادیث نبویہ کی تشریحات سے ہرگز بے نیاز نہیں کرتی' بلکہ ان کے بغیر پورا نقشہ ہی ذہن میں نہیں آ سکتا۔ جب ایک انسان حلال و حرام کے تفصیلی ابواب' اصولِ عقائد کی وضاحت' تمدن اور معیشت کے مفصل طریقے احادیث میں پھیلے ہوئے دیکھ لیتا ہے اور اس ضمن میں ایسی ایسی تفصیلات پر مطلع ہوتا جاتا ہے جدھر اس کا ذہن بھی نہ جا سکتا تھا۔ پھر ان تمام تفصیلات کو جب کسی ایک آیت کے تحت میں درج پا لیتا ہے تو قرآن کی جامعیت پر جو وثوق اس کو اس تفصیلی سیر کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ اس کے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا پس احادیث نبویہ قرآن کی جامعیت کا بہت بڑا ثبوت ہیں نہ کہ اس کے مخالف۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قرآن کی جامعیت ❋ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گنوار شخص زناء کا ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے لڑکے نے زناء کر لیا ہے میں نے اس کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے رجم کرنا چاہیے' میں نے اس کے عوض میں سو بکریاں اور ایک باندی ادا کر دی ہے پھر کچھ لوگوں نے مجھ سے یہ کہا کہ اس کے لیے سو کوڑے اور سال بھر جلاء وطنی کی سزا ہے آپ نے یہ سن کر فرمایا "**لا قضین بینکما بکتاب اللہ**" (میں کتاب اللہ کے مطابق تمہارا فیصلہ کروں گا) تیری باندی اور بکریاں تو واپس ہیں اور لڑکے پر سو کوڑے اور سال بھر کے لیے جلاء وطنی کی سزا اور انیس تم اس عورت کے پاس جاؤ جس سے یہ زناء کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ اقرار کر لے تو اسے رجم کر دو۔ انیس گئے اس نے اقرار کر لیا اور رجم کر دی گئی۔ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم کتاب اللہ کے موافق فیصلہ قرار دیا ہے حالانکہ کتاب اللہ میں رجم اور جلاء وطنی کہیں مذکور نہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی کتاب اللہ کی جامعیت کا مفہوم کتنا وسیع تھا۔

صحابہؓ کے دور میں قرآن کی جامعیت ❋ یہ بات سمجھنے کے لیے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں بھی قرآن کی جامعیت ہمیشہ بلحاظ

---

[1] اعلام الموقعین ج اص ۳۰۵۔

www.besturdubooks.net

اصول ہی سمجھی گئی ہے ذیل کے چند واقعات کو پیش نظر رکھنا چاہیے-

(۱) قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا میں نے سنا ہے آپ ان عورتوں پر لعنت کرتے ہیں جو جسم گودنے کا پیشہ کرتی ہیں یا خود گدواتی ہیں- انہوں نے فرمایا جی ہاں' جس پر خدا نے لعنت کی ہو اور جو خود قرآن میں بھی مذکور ہو میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں' اس نے عرض کیا قرآن تو میں بھی پڑھتی ہوں مگر میں نے تو قرآن میں یہ کہیں نہیں دیکھا- آپ نے فرمایا اگر تو قرآن سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً اس میں دیکھ لیتی کیا قرآن میں یہ نہیں ہے-

مَا اٰتَا کُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھَا کُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا. (الحشر : ۷) رسول جو تمہیں دے اسے قبول کرو اور جس بات سے روکے اس سے رک جاؤ-[۱]

اس اجمالی حکم کے ماتحت یہ سب جزئیات درج ہیں' اس نے ایک اجمالی قانون بتلا دیا ہے- ان تمام فروعات کو اس کے

---

[۱] مولانا اسلم صاحب جیراجپوری کو یہاں عجیب شبہ گذرا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''ما اتاکم '' کی آیت مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے حدیث سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے یہاں ''آتا'' کے لفظ کو ''نہی'' کے بالمقابل واقع ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قال کے معنی میں سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ ہر جگہ اس کے معنی دینے ہی کے ہیں لہذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں ان کے لیے دینے کا لفظ نہیں کہا سکتا' رسول اللہؐ نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے- انتہی-

مولانا کو چونکہ قرآن کی جامعیت کا علم ہی نہیں اس لیے یہاں بھی انہوں نے آیت بالا کو صرف مال غنیمت سے خاص کر ڈالا ہے- قائلین حدیث کے نزدیک آیت بالا اپنی شانِ جامعیت کی وجہ سے صرف مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان ساری ہدایات کو بھی شامل ہے جو آپ نے اپنی امت کو دی ہیں' یہ تحقیق بھی عجیب ہے کہ حدیث کے متعلق تو دینے کا لفظ مستعمل نہیں ہو سکتا مگر قرآن کے متعلق ہو سکتا ہے اس پر یہ کہنا کہ ''حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لیے ان کے لیے دینے کا لفظ نہیں کہا جا سکتا'' اور بھی مضحکہ خیز ہے کیا قرآن اقوال ہی کا مجموعہ نہیں پھر اگر اقوال کے اس مجموعہ کو دیا جا سکتا ہے تو حدیث کے دوسرے مجموعہ کو کیوں نہیں دیا جا سکتا ہمارے نزدیک دونوں وحی ہیں صرف متلو اور غیر متلو ہونے کا فرق ہے- یہاں آیت بالا کے سمجھنے میں ہمیں تو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی البتہ مولانا کو یہ غلط فہمی ضرور ہوئی کہ انہوں نے قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ایک جلد بندھا بندھایا تصور کر لیا ہے جو شاید تورات کی طرح دے دیا گیا تھا اگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی متفرق آیتیں نازل ہوتی تھیں اور انہیں آپ صحابہؓ کے سامنے پڑھ کر ہی سناتے تھے- اس کے باوجود لفظ آتا اس پر بولا جا سکتا تھا تو اگر دوسرے وقت آپ اسی زبان اسی دہن مبارک سے کچھ احادیث ارشاد فرما دیتے ہوں اس پر بھی لفظ آتا کیوں نہیں بولا جا سکتا- مولانا کی قرآن دانی کی یہ انتہا ہے کہ انہیں سینکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیت نظر نہیں آئی جہاں یہ لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جا سکیں- قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (اللہ تعالیٰ درجات بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے) اگر علم کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں- دوسری جگہ فرمایا و اتیناہ الحکم- و اتیناہ من لدنا علما- اتینا لقمان الحکمۃ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا- و اتاکم ما لم یوت احد امن العالمین اتیناہ الحکم و فصل الخطاب. ان آیات میں ''آتـــا'' کا لفظ کتاب کے لیے' علم کے لیے' حکمت کے لیے' حکم اور نبوت کے لیے فضائل و کمالات کے لیے اور آخری آیت میں ''فصل الخطاب'' یعنی اقوال کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے اس لیے مولانا کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے- یہ چند سطور ہی مولانا کے دعویٰ کی تردید کے لیے کافی [illegible]س لیے اس مختصر حاشیہ پر ہی کفایت کی جاتی ہے-

www.besturdubooks.net

نیچے سمجھو۔ آپ نے دیکھا کہ حدیث کے تسلیم کر لینے سے قرآن کی جامعیت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اگر ہم اس سے قطع نظر کر لیں تو کیا اس کی یہ جامعیت ثابت ہو سکتی تھی۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن یزید نے ایک محرم شخص کو سلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو اس کو منع فرمایا۔ اس نے کہا قرآن میں کہاں ہے دکھلایئے' انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمادی ﴿مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ رسول جو دے دے وہ لے لو اور جس بات سے روک دے رک جاؤ۔[1]

(۳) حکم بن ابان نے عکرمہ سے ام ولد کا حکم دریافت کیا انہوں نے فرمایا وہ آزاد ہے' میں نے پوچھا کس دلیل سے؟ کہا قرآن سے' میں نے کہا کس آیت سے؟ کہا ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ (النساء: ۵۹) (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوالامر کی) حضرت عمرؓ ام ولد کو آزاد فرماتے تھے چونکہ وہ بھی اولوالامر اور حاکم تھے اور حاکم کی اطاعت کرنا قرآنی حکم ہے اس لیے ان کا منع کرنا بھی قرآنی حکم ہے۔

ان آثار سے ثابت ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک قرآن کی جامعیت اصول ہی کے اعتبار سے تھی اسی لیے جب کسی تفصیلی حدیث کے متعلق ان سے سوال ہوتا تو وہ قرآن کی کسی اجمالی آیت پر حوالہ کر دیتے اور اس تفصیل کو اس اجمال کے تحت میں قرار دیتے۔

ائمہ کے نزدیک قرآن کی جامعیت ❋ ائمہ کے طبقہ میں امام بخاریؒ نے اپنی تصنیف الجامع الصحیح المسند میں جہاں احادیث صحیحہ کو جمع کیا ہے اس کے ساتھ اور بھی بہت فوائد اور نوادر کی طرف اشارات فرمائے ہیں انہوں نے فقہ کا بے شمار ذخیرہ تراجم میں پھیلایا ہے پھر اس کے مناسب آثار صحابہؓ اور احادیث مرفوعہ پیش کی ہیں تاکہ حدیث اور فقہ کا ربط ظاہر ہو جائے پھر ہر باب میں ان احکام کے مناسب قرآنی آیات تلاوت کی ہیں تاکہ فقہ کے تمام ابواب قرآن کریم میں اجمالاً نظر آ جائیں اور ان کے مناسب احادیث دیکھ کر قرآن کی جامعیت کا پورا مشاہدہ ہو جائے' اسی کے ساتھ حدیث اور قرآن کا ربط بھی معلوم ہو جائے اور اس طرح ایک ہی تصنیف منکرین فقہ اور منکرین حدیث دونوں کا جواب بن جائے۔ فقہ کو برا بھلا کہنے والے احادیث سے مسائل کے استنباط کا طریقہ سیکھ لیں' اور حدیث کو قرآن کے خلاف کہنے والے قرآن میں احادیث کے مآخذ معلوم کر لیں۔ حافظ ابن حزمؒ ظاہری ہو کر لکھتے ہیں۔

كل ابواب الفقه ليس منها باب الا وله اصل في القرآن نعلم و الحمدلله حاشا القراض فما وجدنا له اصلا فيهما البتة.

(الموافقات ج ۳ ص ۳۷۱)

فقہ کے تمام ابواب میں کوئی باب بھی ایسا نہیں جس کی اصل قرآن و سنت میں موجود نہ ہو' خدا کا شکر ہے کہ ہم اس اصل کو خود بھی جانتے ہیں ہاں ایک قراضؔ[2] کا باب ایسا ہے جس کی اصل ہمیں کتاب و سنت دونوں میں نہیں ملی۔

---

[1] حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کے ان دونوں بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت ﴿ما اتاکم...الخ﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بھی شامل ہے اس کا تعلق صرف مال دینے اور اس کے قبول کرنے سے نہیں ہے جیسا کہ مولوی اسلم صاحب سمجھے ہیں بلکہ مال اور ہدایت دونوں کو شامل ہے۔ [2] حافظ ابن قیمؒ اور امام شاطبیؒ نے اس کی اصل بھی ثابت کی ہے دیکھو اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۴۱۔ اور الموافقات ج ۳ ص ۳۷۱۔

www.besturdubooks.net

ظاہری فرقہ حالانکہ قیاس کا منکر ہے مگر وہ بھی اس کا اقرار کرتا ہے کہ تمام ابواب فقہیہ کے اصول قرآن میں مذکور ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ کے طبقہ میں بھی قرآن کی جامعیت اصول ہی کے لحاظ سے مسلم تھی۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں۔

تعریف القران بالاحکام الشرعیۃ اکثرہ کلی لا جزئی و حیث جاء جزئیاً فاخذہ علی الکلیۃ[1]

قرآن کریم نے احکام شرعیہ اکثر کلی طور پر بتلائے ہیں اور جہاں جزئی طور پر کوئی حکم بتلایا بھی ہے وہ کسی حکم کلی کے ماتحت ہے۔

القرآن فیہ بیان کل شیء....... فالعالم بہ علی التحقیق عالم بجملۃ الشریعۃ و لا یعوزہ منھا شیء۔[2]

قرآن کریم میں ہر چیز کا بیان ہے۔ اس کا جاننے والا اجمالاً تمام شریعت کا جاننے والا ہے اس طرح پر کہ اس کا کوئی حکم اس سے باقی نہیں چھوٹتا۔

پھر جلد رابع میں لکھتے ہیں۔

لیس فی السنۃ الا و اصلہ فی القرآن.

حدیث میں کوئی حکم ایسا نہیں جس کی اصل قرآن میں نہ ہو۔

ان نقول سے ظاہر ہے کہ قائلین حدیث بھی جامعیت قرآن کے معترف ہیں مگر ان کے نزدیک اس کی جامعیت صرف بلحاظ اصول ہے۔ قرآن کی اسی شان جامعیت پر نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا حسبنا کتاب اللہ ۔ اگر اس کا مطلب وہ ہوتا جو منکرین حدیث سمجھے ہیں تو وہ احادیث جمع کرنے کے لیے مجلس مشاورت طلب نہ کرتے جس کی تفصیل آئندہ آ رہی ہے اپنے وعظوں میں یہ اعلان نہ کرتے ردوا الجھالات الی السنۃ[3] اور یہ ارشاد بھی نہ فرماتے تعلموا الفرائض و السنۃ کما تتعلمون القران[4] اپنے دین کے فرائض اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اسی طرح ذوق و شوق سے سیکھو جیسا قرآن سیکھتے ہو۔ جو لوگ کسی کلام کی مراد اپنے زاویہ نظر سے سمجھنے کے عادی ہو جاتے ہیں انہیں بلاوجہ ہر جگہ تعارض نظر آتا ہے۔ منکرین حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام احادیث میں سے صرف یہی ایک حدیث صحیح نظر آئی ہے اور اس ایک حدیث کی بنا پر وہ ان کی اس قسم کی تمام احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر بے دلیل موضوع کہنا بھی کوئی صحیح طریقہ کہا جا سکتا ہے تو ان احادیث کے مقابلہ میں ایک ''حسبنا کتاب اللہ'' کی حدیث کو موضوع کیوں نہ کہا جائے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض نہیں ہے تعارض صرف اس لیے پیدا ہو گیا ہے کہ ان کے کلام کی مراد ہی غلط سمجھی گئی ہے صحیح مراد وہ ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

قرآن کی تفسیر و بیان صرف رسول کا منصب ہوتا ہے ٭

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ. (النحل : ٤٤)

ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کر دیں۔

---

[1] الموافقات ج ۳ ص ۳۶۶۔ [2] ایضاً ج ۳ ص ۳۶۹۔ [3] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۸۷۔ [4] ایضاً ج ۳ ص ۱۲۳۔

www.besturdubooks.net

آیت بالا میں لفظ ''للناس'' سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اگرچہ خود بیان سہی لیکن ہر شخص اس بیان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس قصور کی وجہ سے اس بیان کو اور واضح کرنے کے لیے رسول بھیجا جاتا ہے پس یہ احتیاج قرآن کے قصور بیان کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کے قصورِ فہم کی وجہ سے ہے۔ یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جو کلام جس قدر بلند پایہ ہوتا ہے اسی قدر شرح کا زیادہ محتاج ہوتا ہے دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا کی کتاب کی مراد بیان کرنا صرف رسول کا منصب ہے بلکہ ان کی بعثت کی یہ ایک بڑی غایت وغرض ہے۔

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے فرمایا تو احمق ہے کیا قرآن میں کہیں ظہر کی چار رکعتیں اور ان میں جہر نہ ہونا مذکور ہے اس کے بعد فرمایا:

ان کتاب اللہ ابھم ھذا و ان السنۃ تفسر ذلک۔[1] — کتاب اللہ نے اس کو مبہم رکھا پھر سنت رسول نے اس کی تفسیر کر دی۔

مطرف بن شخیر سے ایک شخص نے کہا آپ ہمارے سامنے قرآن کے سوا کچھ اور مت بیان کیجئے انہوں نے فرمایا۔

و اللہ ما نرید بالقران بدلا و لکن نرید من ھوا علم بالقران۔[2] — خدا کی قسم ہے کہ قرآن کی بجائے ہم بھی کوئی اور کتاب نہیں چاہتے لیکن ہم اس سے کیسے قطع نظر کر سکتے ہیں جو قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔

قرآن وحدیث کا ربط ٭ عمران بن حصینؓ کے بیان سے قرآن وحدیث کا ربط بھی معلوم ہوگیا کاش اگر منکرین حدیث اس ربط کو پا لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن کو تسلیم کر کے حدیث کا انکار ممکن نہیں اور حدیث کا انکار کر کے قرآن کو ماننے کی کوئی صورت نہیں' یہاں ان دونوں میں متن وشرح کی نسبت ہے پھر یہ متن شرح میں اور شرح متن میں اس طرح درج ہے کہ ایک کا اقرار وانکار دوسرے کا اقرار وانکار بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قرآن کی طرح اس کا بیان بھی خدا ہی کی طرف سے ہے گو ماتن ہی خود شارح بنا ہوا ہے اس لیے ایسی شرح کو متن سے جدا نہیں کیا جا سکتا نہ ایسے بیان کو اصل کتاب سے علیحدہ سمجھا جا سکتا ہے۔

فرض وواجب کے مراتب کا اختلاف ٭ اس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ قرآن وحدیث کا مرتبہ ایک ہی رہتا مگر یہاں نوعیت ثبوت کے فرق سے حکم میں تفاوت پیدا ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے ثبوت کی جو نوعیت ہے وہ حدیث کے ثبوت کی نہیں اس لیے حدیث کا رتبہ قرآن سے کمتر سمجھا گیا ہے' امام شاطبی نے اس پر مستقل ایک فصل قائم کی ہے۔

رتبۃ السنۃ التاخر عن الکتاب فی الاعتبار۔[3] — سنت کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد میں ہے۔

اس کے ذیل میں وہ ایک بڑی حقیقت پر تنبیہ فرما گئے ہیں اور وہ یہ کہ جب حکم شریعت یکساں ہے تو پھر احکام فقہ میں فرض

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۱۔ [2] الموافقات ج ۴ ص ۲۶۔ [3] الموافقات ج ۴ ص ۷۔

www.besturdubooks.net

اور واجب کا اختلاف کیسے ہوگیا- سنت' استحباب' اباحت وغیرہ کے مراتب تو اور ائمہ کے فقہ میں بھی موجود ہیں لیکن واجب کی اصطلاح صرف فقہ حنفی میں ملتی ہے اسی لیے کتب اصول میں مرتبہ واجب کے اثبات میں بڑی بحث کی گئی ہے- امام شاطبی اس عنوان کے ذیل میں اس کے متعلق بھی ایک مفید بات تحریر فرماگئے ہیں-

و ما فرق به الحنفية بين الفرض و الواجب راجع الى تقدم اعتبار الكتاب على السنة و ان اعتبار الكتاب اقوى من اعتبار السنة. و قد لا يخالف غيرهم في معنى تلك التفرقة و المقطوع به في المسئلة ان السنة ليست كالكتاب في مراتب الا عتبار[1]

حنفیہ نے واجب اور فرض کا جو فرق کیا ہے وہ اسی بات پر مبنی ہے کہ قرآن کو حدیث پر ترجیح ہے اور اس بات پر کہ قرآن کریم کا اعتبار سنت سے قوی تر ہے اتنی بات میں دوسروں کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے- اجمالی طور پر یہ بات یقینی ہے کہ مراتب اعتبار میں حدیث قرآن کے برابر نہیں ہوسکتی-

امام شاطبیؒ کے اس بیان سے واضح ہوگیا کہ جب دلیل میں کسی وجہ سے ظنیت پیدا ہوجاتی ہے تو حنفیہ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے اسے قطعی کے برابر نہیں کرتے- ارکان وفرائض شئی کی ماہیت ہوتے ہیں پس جو ماہیت قطعی ہو اس کے اجزاء ظنی کیسے ہوسکتے ہیں مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' یہ سب آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہیں- لہٰذا جو ان عبادات کے اجزاء اور ارکان ہوں وہ بھی اسی درجہ قطعی دلیل سے ثابت ہونے چاہئیں جیسے قیام' سجدہ' رکوع قراءت یہ تمام ارکان قرآن سے ثابت ہیں اس کے برخلاف تعدیل ارکان' قعدۂ اولیٰ اور خاص سلام کا لفظ قرآن سے ثابت نہیں بلکہ ان احادیث سے ثابت ہیں جو ثبوت میں قرآن سے کمتر ہیں اس لیے حنفیہ نے ان دونوں قسموں کے حکم میں فرق کرنے کے لیے ایک قسم کو فرض اور دوسری کو واجب کہہ دیا ہے- دلائل کے قوت و ضعف کے اعتبار سے احکام میں مراتب کا تفاوت قرار دینا بالکل معقول بات ہے- حنفیہ کے کتب اصول میں اس فرق کی پوری توضیح وتقریر کی گئی ہے ہمارے نزدیک فرض اور واجب کا فرق صرف اس حقیقت پر مبنی نہیں اگرچہ یہ بات اپنی جگہ قابل تسلیم ہے کہ قرآن کا مرتبہ حدیث سے مقدم ہے لیکن صرف اتنی بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو قرآن سے ثابت ہو اس کو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اس کو واجب کہہ دیا جائے بلکہ بہت سے مستحبات قرآن سے اور بہت سے فرائض احادیث سے ثابت ہوسکتے ہیں- البتہ نوعیت ثبوت کے لحاظ سے جو فرق رہے گا وہ یہ ہوگا کہ وہ مستحبات بلحاظ ثبوتِ قطعی ہوں گے اور یہ فرائض ظنی- قوت وضعف کے تفاوت سے خود فرض میں بھی مراتب قائم کیے جاسکتے ہیں ایک فرض کو قطعی دوسرے کو ظنی کہا جاسکتا ہے یہ کہنا کہ فرض ظنی بعینہٖ واجب ہے' زیر تامل ہے- یہاں شیخ ابن ہمام نے جو بحث فاتحہ خلف الامام کے ضمن میں فرمائی ہے قابل مراجعت ہے-

فرض وواجب کے مراتب میں بحر العلوم کی تحقیق ✼ ہمارے نزدیک مسئلہ کی پوری حقیقت وہ ہے جو بحر العلوم نے رسائل الارکان میں تحریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ماہیت کے اجزاء اہمیت اور غیر اہمیت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے ایک

---

[1] الموافقات ج۴ص ۸-

www.besturdubooks.net

درخت میں جڑ، شاخیں، پتیاں، ٹہنیاں سب اس کے اجزاء کہلاتے ہیں مگر ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے یہ تمام اجزاء ایک حیثیت نہیں رکھتے اسی طرح زید میں ہاتھ، پیر، سر، دل، دماغ وغیرہ سب اس کے اجزاء شمار ہوتے ہیں۔ مگر ان اجزاء میں پھر اتنا بڑا تفاوت نظر آتا ہے کہ بعض کے کٹ جانے سے درخت باقی رہتا ہے اور بعض کے کٹنے سے درخت کی صرف زینت میں فرق پڑتا ہے اور بعض کے کٹنے سے اس کے نمو میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے اور بعض کے کٹنے سے درخت کی حقیقت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زید کے اگر ہاتھ پیر قطع کر دیئے جائیں تو پھر بھی اس کو زید ہی کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی گردن کاٹ دی جائے تو پھر وہ انسان نہیں رہتا بلکہ اس کا ایک ڈھانچہ رہ جاتا ہے جس کو اب زید کہنا صرف اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ پہلے اس ڈھانچے پر زید کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا پس جس طرح خارج میں کسی ماہیت کے اجزاء میں حکم کا اتنا تفاوت موجود ہے اسی طرح فقہاء نے شرعی ماہیات کے اجزاء میں بھی یہی فرق سمجھا ہے۔ نماز کے بعض اجزاء وہ ہیں جن کے نقصان سے نماز کی زینت میں فرق آتا ہے اور بعض سے اس کی حقیقت میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور بعض سے نماز کا اسم اطلاق کرنا ہی درست نہیں رہتا۔ پہلی قسم مستحبات، دوسری واجبات اور تیسری فرائض و ارکان کہلاتی ہے رہا یہ کہ ان مراتب کا اندازہ کیسے ہو تو یہ اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور عمل سے ہوتا ہے۔ بعض اجزاء کے ترک سے آپ نے اس عمل کو ناقص قابل اعادہ قرار دیا اور بعض کے ترک سے گو ناقص کہا مگر اس کا اعادہ لازم نہیں کیا۔ اور بعض کی وجہ سے اس عمل کا ہونا نہ ہونا برابر سمجھا جب آپ کے فرمان میں یہ تفاوت موجود ہے ادھر قرآن ﴿اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کہہ کر نماز کا تقاضہ کر رہا ہے تو لامحالہ فقہاء کو یہ غور کرنا پڑا کہ نماز میں وہ اجزاء کون سے ہیں جن کے ادا کر لینے سے خدا کا مطالبہ پورا پورا ادا ہو جاتا ہے اور وہ کون سے ہیں جن کے ترک سے ناقص ادا ہوتا ہے اور وہ کون سے جن سے نماز کی صرف زینت میں فرق پڑتا ہے اصل حقیقت فوت نہیں ہوتی۔ فقہاء نے صرف ہماری سہولت کے لیے ان اجزاء کے علیحدہ علیحدہ نام تجویز کر دیئے ہیں تاکہ تعلیم و تعلم میں آسانی ہو جائے۔ اگر منکرین حدیث کو ان ناموں سے چڑ ہو تو وہ ان ناموں کو استعمال نہ کریں مگر کیا اس حقیقت سے بھی انکار کیا جا سکتا ہے کہ نماز کے اجزاء سب برابر کے اجزاء نہیں۔ پس فرض و واجب کا فرق صرف دلیل کے قطعی یا ظنی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ دراصل خود ان اجزاء کی حقیقت کی وجہ سے ہے جو جزء واجب ہے وہ درحقیقت اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی کہ فرض، اسی طرح جو مستحب ہے وہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی کہ واجب، اس لیے صیغہ امر ایک ہی رہتا ہے مگر مطالبہ کی اہمیت میں خود اس جزء کے اہم اور غیر اہم ہونے کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے۔[1]

خلاصہ یہ کہ جب اجزاء کی یہ فطری تقسیم تمام کائنات میں موجود ہے تو پھر یہی تقسیم اگر ماہیاتِ شرعیہ میں بھی موجود ہو تو اس میں کیا تردد ہے۔ آج بھی اردو میں ہم امر و نہی کے صیغے استعمال کرتے ہیں مگر کیا ہر امر کا اقتضاء برابر سمجھا جاتا ہے یا آج بھی بعض حکم معمولی بعض اس سے زیادہ تاکیدی ہو سکتے ہیں۔ پس جس طرح مراتب کا یہ تفاوت ہمارے حکم میں موجود ہے اسی طرح خدائی احکام کو سمجھنا چاہیے۔ ﴿اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ (نماز قائم کرو) میں بھی ایک حکم ہے۔ اور ﴿وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا﴾ (جب حج کا احرام

---

[1] اس تحقیق سے اس شخص کا بھی جواب ہو جاتا ہے جس نے ایک مناظرہ میں امام شافعیؒ سے کہا تھا کہ جب قرآن میں امر و نہی ایک ہیں تو پھر آپ فرض و واجب کا اختلاف کہاں سے پیدا کرتے ہیں۔ (دیکھو کتاب الام ج ۷)

www.besturdubooks.net

کھول دو تو شکار کرو) میں بھی ایک حکم ہے مگر نماز کو فرض کہا جاتا ہے اور شکار کرنا کوئی شخص فرض نہیں کہتا حالانکہ صیغہ امر ایک ہی ہے مگر فرض ومباح کے مراتب اسی ایک امر کے تحت میں پیدا ہورہے ہیں- ان امور کے لحاظ کے بعد رسول کے بیان اور احادیث کی اہمیت اور پیدا ہو جاتی ہے منکرین حدیث کو یا تو قرآنی امر ونہی سب یکساں مرتبہ میں لحاظ رکھنے ہوں گے یا پھر محض اپنی عقل سے ان میں مراتب کا تفاوت پیدا کرنا پڑے گا-

مولانا اسلم صاحب جس کو اسوۂ رسول کہتے ہیں وہ ہمارے نزدیک حدیث ہی کا ایک بڑا شعبہ ہے جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا- بہر حال اگر قرآن اپنی جامعیت کے ساتھ اسوۂ رسول کا محتاج ٹھہر سکتا ہے تو اسے حدیث کا محتاج ٹھہرانے میں بھی کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے' یہ احتیاج صرف ایسی ہی احتیاج ہے جیسی متن کو شرح کی احتیاج ہوتی ہے- اس احتیاج سے شرح کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہاں شرح اور متن کی احتیاج ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے- اصل فضیلت متن ہی کو ہے اگر متن نہ ہوتا تو شرح کس پر لکھی جاتی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اگر یہ شرح نہ ہوتی تو ہر شخص اس متن کو اس سہولت کے ساتھ کس طرح سمجھتا- اس کی مثال ایسی ہے جیسا تعزیراتِ ہند کی دفعات اور قوانین کی دوسری کتابیں- گورنمنٹ کی جانب سے یہ قوانین مجمل الفاظ میں مدون ہو کر شائع ہوگئے ہیں- عدالتیں اس کی مختلف مختلف مرادیں بیان کرتی رہتی ہیں مگر اس کی صحیح مراد وہی سمجھی جاتی ہے جو ہائی کورٹ بیان کرتا ہے اسی لیے اس کے نظائر ہر جگہ ناطق سمجھے جاتے ہیں- اسی طرح قرآن بھی ایک قانون کی کتاب ہے اس کی مراد متعین کرنے کے لیے صرف رسول کا بیان معتبر ہے- اگر قرآن رسول کی اس ذمہ داری کی تصریح نہ بھی کرتا جب بھی ہمارا فرض ہوتا کہ ہم اس بیان کو تلاش کریں جو رسول نے خواہ غیر ذمہ دارانہ طور پر قرآن کی تشریح میں پیش کیا ہے- چہ جائیکہ جب وہ اس کا ذمہ دار بھی بنا کر بھیجا گیا ہے- یہ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے رسول نے صرف قرآن کے الفاظ کو دہرایا نہ ہوگا نہ دہرانے کو کوئی شخص بیان کہہ سکتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نے صرف الفاظ کے ترجمہ پر کفایت بھی نہ کی ہوگی کیونکہ اہل زبان کے لیے اس میں کوئی دشواری نہ تھی' یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر آج قرآن کی مراد سمجھنے میں کچھ مشکلات حائل ہو سکتی ہیں تو یقیناً اس وقت بھی حائل ہوئی ہوں گی ہاں قلت وکثرت کا فرق ہو سکتا ہے اور شبہات کی نوعیت کا فرق بھی ممکن ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ تمام قرآن میں کبھی کسی کو شبہ ہی پیش نہ آیا ہو- حافظ ابن قیمؒ وفد بنی المنتفق کی آمد کے واقعات کے سلسلہ میں ان کا ایک سوال تحریر فرماتے ہیں:

''جب ہمیں درندے کھا پی کر برابر کر دیں گے اور ہوائیں فضاء عالم میں منتشر کر کے نیست ونابود کر دیں گی تو پھر ہمارا دوبارہ جینا کیوں کر ہوگا-''

اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کا یہ خیال ہے کہ آپ کے دور میں چپ چاپ عمل کر لینے کے سواء کبھی عقلی شبہات کے متعلق کوئی حرف بھی منہ سے نہیں نکالا گیا یہ سراسر غلط ہے اور اسی طرح یہ بھی ایک خیال خام ہے کہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ دین کے عملی حصہ کو ان سے کچھ زیادہ سمجھنے والے تھے پھر لکھتے ہیں-

و فیہ دلیل علی انھم کا نوا یو ردون علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما یشکل علیھم من

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو جو شبہات پیش آتے وہ برابر انہیں آپ کے سامنے پیش کرتے تھے اور آپ

www.besturdubooks.net

الاسئلة و الشبهات فيجيبهم عنها بما يثلج صدورهم و قد اورد وا عليه صلى الله عليه وسلم الاسئلة اعداؤه و اصحابه اعداؤه للتعنت و المغالبة و اصحابه للفهم و البيان و زيادة الايمان و هو يجيب كلا عن سؤاله الا ما لا جواب عنه كسوال عن وقت الساعة[1]

بھی دل ٹھنڈا کر دینے والے جوابات انہیں مرحمت فرما دیا کرتے یہاں دوست و دشمن کا فرق نہ تھا سب ہی سوال کرتے اور سب ہی کو جواب دیا جاتا فرق صرف یہ تھا کہ دشمن جھگڑا کرتے اور اپنے غالب آنے کی فکر میں رہتے اور آپ کے صحابہ دین کی باتیں سمجھنے اور زیادہ سے زیادہ ان پر یقین حاصل کرنے کی فکر میں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان سے كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے) کا سوال نکل سکتا ہے اور کسی کی زبان سے یہ بھی ادا ہوسکتا ہے۔ ﴿اَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (بھلا اس بستی کی اس طرح بربادی کے بعد اب اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ کہاں زندہ کرے گا) تو غریب صحابہ کرام کے سوالات پر کیا استبعاد ہے۔ پس یہ کس قدر ضروری ہے کہ ہم ان تمام شبہات کو پیش نظر رکھیں اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ ان کلمات کو تلاش کریں جو رسول نے ان شبہات کے جواب میں یا خود قرآن کی مراد بتلانے میں ذمہ دارانہ طور پر ادا فرمائے تھے[2] جتنا ہم اس اہمیت پر غور کرتے جاتے ہیں اسی قدر حدیث کی

---

[1] زاد المعاد۔ ج ۳ ص ۷۵۔ [2] مولانا اسلم صاحب رسول کے بیان کی اس اہمیت کو کم کرنے کے لیے تحریر فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نور مبین اور مفصل کتاب ہے جس کو اس کے اولین مخاطب یعنی صحابہ کرام بے تکلف سمجھتے تھے......کل زمانہ نبوت میں قرآنی تعلیمات کے متعلق صحابہ نے جس قدر باتیں پوچھیں وہ امام رازیؒ کے بیان کے مطابق ۱۴ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں صرف ۱۲ ہیں ان سب کے جوابات قرآن ہی میں نازل کیے گئے ہیں۔ نیز مختصر جامع بیان العلم کے آخری صفحہ میں ایک ایک کر کے گنا دیئے ہیں۔ (علم حدیث ص ۲۷) پھر صفحہ ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں ''یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو قرآن کا مخاطب قرار دیا ہے وہ انسانی عقل ہے جس میں اس نے فکر و نظر کی قوت ودیعت فرمائی ہے اس کی ہدایت کے لیے جس قدر روشنی کی ضرورت ہے اس کتاب میں رکھ دی ہے جو ہر زمان و مکان میں اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔'' ان دونوں عبارتوں کے ملانے سے یہ صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ مولانا کے نزدیک قرآن فہمی کے لیے صرف عقل کافی ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقل انسانی میں بھی بڑا تفاوت ہے پھر عرب کے سواء عجم کو زبان عربی کے سمجھنے کا سلیقہ بھی درکار ہے پھر زبان دانی کے بعد قرآن پر اتنا عبور بھی ضروری ہے کہ ہم معنی آیات سب بیک وقت دماغ میں مستحضر ہوں تاکہ کتاب اللہ کی مراد کتاب اللہ سے حل ہو سکے۔ پھر بہت سی آیات قصہ طلب ہیں' بہت سی مجمل نظر آتی ہیں۔ ان سب مراحل سے گذرنے کے لیے کتنا وقت درکار ہے' کیا اس مدت میں دین معطل رکھا جائے یا صرف منکرین حدیث کا بیان معتبر سمجھا جائے۔ ان تمام مشکلات کو طے شدہ سمجھ کر مولانا ایک دوسری طرف متوجہ ہو گئے ہیں وہ یہ کہ قرآن میں ہی یہ موجود ہے کہ ہم نے تمہیں اس لیے بھیجا ہے کہ تم ہماری کتاب کو واضح کر کے ان پڑھ لوگوں کو سمجھا دو' ان کی ناقص عقلوں پر براہ راست سمجھنے کا بوجھ ڈالنا ان کو بڑی تنگی میں ڈال دینا ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور عقل کے علاوہ رسول کے بیان کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ ''لاریب آپ کی تعلیم و تبیین دینی ہے۔ لیکن وہ وہی عملی تشریح یعنی اسوۂ حسنہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا۔''

معلوم نہیں کہ مولانا کو رسول کے قول سے کیا ضد ہے کہ دین کے باب میں رسول کے منہ سے ایک لفظ کا صدور بھی وہ تسلیم نہیں کرتے اور عمل کے درجہ میں تمام تفصیلات کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ یہ بحث نہیں ہے کہ اسوۂ رسول متواتر ہے یا غیر متواتر۔ چلئے آپ حدیث کو غیر متواتر ہونے لگے.....

www.besturdubooks.net

ضرورت ہمیں اور عیاں ہوتی جاتی ہے اسی اہمیت اور ضرورت کو مطرف بن شخیر نے بتلایا تھا "و لکن نرید من ھوا علم بالقران" (یعنی ہمیں قرآن کے ساتھ اس کی تلاش بھی ضروری ہے جو قرآن کا سب سے زیادہ سمجھنے والا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)۔

امام اوزاعیؒ کے قول کی تشریح ✻ حدیث کی اسی صفت بیان وتوضیح کے پیش نظر امام اوزاعیؒ سے منقول ہے۔

الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب. (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹)

کتاب اللہ سنت کی طرف زیادہ محتاج ہے بہ نسبت سنت کے کتاب اللہ کی طرف۔

امام اوزاعیؒ نے یہ مقولہ اپنی جانب سے نہیں کہا بلکہ مکحول سے نقل فرمایا ہے حافظ ابوعمر اس کی مراد یہ بیان فرماتے ہیں۔

ﻟﮯ ..... کی وجہ سے تسلیم نہ کیجئے مگر اتنا تو تسلیم کر لیجئے کہ دین کے باب میں آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وحی الٰہی سے نہ سہی اپنی عقل سے سہی کچھ نہ کچھ سمجھا ہوگا آخر وہ کیا تھا۔ پھر اگر قرآن وعقل کی دو روشنیاں بھی آپ کے لیے کافی نہیں اور ان کے بعد اسوۂ رسول کا ہونا بھی ضروری ہے تو اتنی توسیع کے بعد آپ رسول کے قول پر کہاں سے کنٹرول کر سکتے ہیں۔ رسول کے بیان کو صرف عمل کے دائرہ میں محدود کر دینا آخر کس دلیل سے ہے۔
مولانا کو چونکہ احادیث سے دلچسپی نہیں ہے اس لیے انہوں نے یہاں ۱۲ اور ۱۴ کے اختلاف کو یونہی چھوڑ جانا اپنے لیے اور مفید سمجھا ہے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کل سوالات ۱۴ ہیں۔ جس میں سے روح اور ذوالقرنین کا سوال صحابہ کی طرف سے نہ تھا اس لیے مجموعی تعداد ۱۴ ہے اور صحابہ کے سوالات کی بارہ اس کے بعد سنئے کہ آپ نے شاید اس پر بھی غور نہیں کیا کہ ابن عباسؓ خورد سال تھے یہ تمام صحابہؓ کے سوالات کے اعداد وشمار کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہزاروں صحابہؓ ان سے پہلے گذر چکے ہوں گے اور بہت سے صحابہؓ سے ان کی ملاقات بھی نہ ہوئی ہوگی پھر اس قسم کی احادیث کو بلاقید پورے عموم کے ساتھ سمجھ لینا کتنا عقل کے موافق ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اس اجمالی اور مبہم حکم سے حدیث کے انکار میں مدد مل سکتی تھی اس لیے یہاں مولانا کو پورا شرح صدر حاصل ہو گیا۔ اگر یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو تواتر سے اس طرف مولانا کا تردد دور ہی نہیں ہوتا اور اس میں بھی یہ تردد پڑ جاتا ہے کہ تواتر کا وجود ہے بھی یا نہیں لیجئے اب وہ مراد سنئے جو محدثین نے بیان فرمائی ہے۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔

قلت المراد ابن عباس بقوله ما سالوه الاعن ثلاث عشرة مسئلة المسائل التی حكاها الله فی القران عنهم و الا فالمسائل التی سالوه عنها و بین لهم احكامها بالسنة لا تكاد تحصی. (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۹)

یعنی ابن عباسؓ نے یہاں کل ان شبہات کی تعداد بیان فرمائی ہے جن کے جوابات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ یقیناً ابن عباسؓ سے پہلے اور ان کی لاعلمی میں بھی بہت سے سوال ہوئے مگر تعریف کے محل پر ان ہی سوالات کا تذکرہ کرنا مناسب ہے جن کی اہمیت کو خود قرآن نے محسوس کیا اور ان کا جواب خود دیا

اگر مولانا حدیث کی روشنی میں قرآن پڑھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ قلت سوال کی وجہ خود قرآن کی ممانعت ہے ﴿ لَاتَسْـئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ (المائدہ: ۱۰۱) رسول سے بہت باتیں دریافت مت کیا کرو اگر تمہیں تمام باتوں کا جواب دے دیا جائے تو بعض مرتبہ تمہیں پسند نہ ہوگا اور قرآنی بیان کے بعد ان کا تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔ اس آیت سے تو الٹا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس وقت سوالات کی کثرت اتنی ہوگئی تھی کہ قرآن کو روکنا پڑا۔ پس جو عدد قرآن میں مذکور ہے اسے صحابہؓ کے سوالات کا تمام عدد سمجھ لینا محض غلط ہے۔ مولانا کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اھلہ۔ الساعۃ۔ الجبال کا سوال کرنا قرآنی تعلیمات میں شامل ہو سکتا ہے تو کیا اس جیسے اور سوالات قرآنی تعلیمات میں پیدا نہیں ہو سکتے۔ پھر کیا ماذا ینفقون اور خمر اور میسر کا بیان اسوۂ رسول میں نہ تھا۔ اعتراض کا نقد اور جواب کا ادھار اچھا نہیں۔ صحابہؓ کے سوالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کا نمونہ دیکھنا ہو تو اعلام الموقعین ملاحظہ کیجئے۔ از جلد ۲ ص ۲۳۰ تا ۳۱۳۔

www.besturdubooks.net

یرید انها تقضی علیه و تبین المراد منه. امام اوزاعیؒ کا مطلب یہ ہے کہ سنت قرآن کی مراد بیان کر دیتی ہے۔

حافظ ابوعمر نے امام اوزاعی کے الفاظ کی جو مراد اپنی جانب سے بیان کی ہے وہ خود امام اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے بھی نقل فرمائی ہے۔[1]

کان الوحی ینزل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم و یحضره جبرئیل بالسنة التی تفسر ذلک. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آیا کرتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس وہ سنت لے کر آیا کرتے تھے جو اس کی تفسیر کر دیتی تھی۔

امام شاطبیؒ امام اوزاعیؒ کے الفاظ کی اور شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا الکتاب یکون محتملا لا مرین فاکثر فتاتی السنة بتعین احدهما فیرجع الی السنة و یترک مقتضی الکتاب. (الموافقات ج ٤ ص ٨ و ١٠) قرآن کی عبارت میں کبھی دو باتوں کا کبھی اس سے بھی زیادہ کا احتمال ہوتا ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مراد کیا ہے۔ حدیث ان میں سے ایک احتمال متعین کر دیتی ہے اور وہی قرآن کی مراد سمجھی جاتی ہے۔ پھر قرآن کریم کے دوسرے احتمالات پر عمل نہیں کیا جاتا۔

اس کی اور شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "فمعنی کون السنة قاضیة علی الکتاب انها مبینة له فلا یوقف علی اجماله و احتماله و قد بینت المقصود منه لا انها مقدمة علیه کون السنة قاضیة علی الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ جب سنت کتاب اللہ کی مراد بیان کر دے تو اب کتاب اللہ کے اجمال یا اور لفظی احتمالات پر عمل نہ کیا جائے گا پھر اس کی مزید توضیح کے لیے ایک مثال دیتے ہیں۔

مثلاً قرآن کریم نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا مقرر فرمائی ہے مگر یہ بیان نہیں فرمایا کہ کتنے مال چرانے کی یہ سزا ہے۔ اسی طرح یہ بھی تفصیل نہیں کی کہ کتنا ہاتھ کاٹا جائے' ان احتمالات کو سنت نے صاف کر کے بتلا دیا کہ جس مال کی چوری سے ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے وہ مثلاً کم از کم دس درہم کی مقدار ہونا چاہیے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مال محفوظ ہوتا کہ چوری کا لفظ اس پر صادق آ سکے اس کے بعد جب ہاتھ کاٹا جائے تو پہونچے پر سے کاٹنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ احکام حدیث سے ثابت کیے گئے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ احکام خود قرآن سے ثابت شدہ ہیں' مگر حدیث نے صرف یہ بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہاں مراد یہ تھی جیسا کسی آیت کا مطلب اگر ہم امام مالکؒ سے دریافت کرلیں اور ان کے بیان کے موافق اس پر عمل کرلیں تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ ہم نے امام مالکؒ کے قول پر عمل کیا ہے بلکہ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ ہم نے قرآن پر عمل کیا ہے۔ پس جس طرح یہاں اصل حجت قرآن کریم ہی سمجھا جاتا ہے اور امام مالکؒ کو صرف مفسر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث کا معاملہ ہے۔ یہاں بھی حدیث کی تفصیل کو مستقل

---

[1] امام اوزاعیؒ کے قول کی شرح آپ نے خود ان کے اور دوسرے علماء کی زبان سے سن لی۔ کیا آپ کے نزدیک وہ درحقیقت حدیث کو قرآن پر فوقیت دیتے ہیں مگر مولانا اسلم صاحب نے جن کتابوں سے یہ مقولہ نقل فرمایا ہے ان ہی میں اس کا یہ مطلب بھی مذکور تھا۔ مگر پھر یہ لکھ دیا ہے "آخر کار حدیث کا غلبہ یہاں تک پہنچ گیا کہ قرآن کریم سے بھی اس کی اہمیت بڑھا دی گئی۔" (ص۱۰)

اس کے جواب میں ہم باادب یہی عرض کر سکتے ہیں کہ جیسا آپ نے عقل اور اسوۂ رسول کی اہمیت بڑھا دی ایسا ہی ہم نے رسول کے ایک بیان کی اور اہمیت بڑھا دی۔ اگر وہ اہمیت قرآن کے مخالف نہیں تو یہ بھی نہیں۔

www.besturdubooks.net

کہنا غلط ہے بلکہ حدیث صرف یہ بیان کر دیتی ہے کہ یہاں قرآن کریم کی مراد یہ ہے- آخر میں لکھتے ہیں:

فکان السنة بمنزلة التفسیر و الشرح لمعانی احکام الکتاب. (ج ٤ ص ١٠)
گویا سنت' کتاب اللہ کے احکام کے لیے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے-

حدیث کی یہی حیثیت امام اوزاعیؒ نے حسان بن عطیہ سے نقل فرمائی ہے اور یہی حیثیت عمران بن حصین صحابیؓ کے الفاظ میں آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہیں- پس سلف اور خلف کے ان متفقہ الفاظ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث میں متن و شرح کا ربط ہے' ان میں ایک دوسرے کا مخالف نہیں بلکہ مبین اور شارح ہے- کتاب اللہ بمنزلہ متن ہے اور حدیث اس کے لیے بمنزلہ شرح- اسی کی طرف آیت مذکورہ میں تنبیہ کی گئی ہے- ﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ﴾ (النحل: ٤٤) رسول کی جس خدمت و فرض کو یہاں بیان کیا گیا ہے اسی کا دوسرا نام حدیث ہے-

احادیثِ رسول کے بیان ہونے کی تفصیل

احادیث میں قرآن کے مجمل احکام کی تشریح ✻ اس ربط کی[1] تشریح کے لیے ہمیں قدرے اور تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے امام شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سنت کیا ہے؟ وہ درحقیقت قرآن ہی کی دوسری ایک مفصل شکل ہے- اس کے مجملات کی تفصیل اس کی مشکلات کا بیان اور اس کے مختصر اشارات کی شرح ہے- مجملات کی تفصیل سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں روزہ' نماز' حج زکوٰۃ بلکہ تمام عبادات و معاملات کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی- سنت نے اس اجمال کی تفصیل کی ہے- قرآن نے اگر نماز کا حکم دیا ہے تو سنت نے اس کے ایک ایک جزو کی تفصیل کی ہے مثلاً شروع میں ہاتھ اٹھائے تو کس طرح' ہتھیلیوں کا رخ کس جانب رکھے' کہاں تک اٹھائے' اٹھاتے وقت کیا کہے پھر ہاتھ چھوڑے یا باندھے' اگر باندھے تو کہاں باندھے' بہرکیف عمل کے لیے ان تمام سوالات کا جواب دینا ضروری ہے- یہاں منکر حدیث تو ان سوالات میں کسی ایک کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھتا کیونکہ قرآن نے ان امور کی طرف کوئی توجہ نہیں کی- مولوی اسلم صاحب البتہ ایک قدم آگے بڑھا کر فرمائیں گے کہ اسوۂ رسول ان تمام

---

[1] حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ احادیث کے ذخیرہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو کل تین قسم کی احادیث نظر آتی ہیں (۱) بعض احادیث وہ ہیں جن میں بعینہ وہی حکم مذکور ہے جو قرآن میں ذکر کیا گیا ہے (۲) بعض میں کسی مجمل کی مراد یا کسی لفظ کی تفسیر مذکور ہوتی ہے- ان دونوں قسموں میں آپ کی اطاعت کا کوئی خاص مفہوم ادا نہیں ہوتا- اگر یہ احادیث بھی نہ ہوتیں جب بھی یہ احکام قرآن میں مذکور ہونے کی وجہ سے واجب الاطاعت تھے- پس یہ اطیعو اللّٰہ کے (خدا کی اطاعت کرو) تحت میں درج ہیں- (۳) بعض احادیث میں جن میں وجوب و حرمت کے ایسے احکام مذکور ہیں جن سے قرآن نے سکوت اختیار کیا ہے- ان ہی احکام کے ماننے کے لیے وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کا حکم دیا گیا ہے- اگر یہ تیسری قسم واجب الاطاعت نہ ہو تو پھر خاص اطاعت رسول کا کوئی مصداق ہی نہیں نکلتا- خلاصہ یہ ہوا کہ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کی پوری آیت پر اسی وقت عمل ہوسکتا ہے جب ہر سہ اقسام کی اطاعت کی جائے- قرآن کریم نے رسول کی مستقل اطاعت کو بھی خدا کی اطاعت کی دوسری شکل قرار دیا ہے- مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ - رسول کی اطاعت ایک لحاظ سے خدا ہی کی اطاعت ہے- (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳۲)

www.besturdubooks.net

تفصیلات کے جواب کے لیے کافی ہے مگر آئندہ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جواب بھی قطعاً غیر تشفی بخش ہے۔ یہ امتیاز صرف اہل سنت کو حاصل ہے کہ وہ حدیث رسول کی مدد سے چھوٹی سے چھوٹی بات کا جواب دے سکتے ہیں وہ بھی تاریکی میں نہیں بلکہ پوری روشنی میں وہ اپنے ہر دعویٰ کے لیے اصولی طور پر ایک حدیث پھر حدیث کے لیے سند اور ہر سند کے راوی اور ہر راوی کی پوری تاریخ پیش کر سکتے ہیں۔ گویا اس ذریعہ سے وہ اسوۂ رسول کو آج بھی دنیا کو دکھلا سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ رسول نے قرآن کے اس اجمال پر کس طرح عمل کر کے دکھلایا تھا حدیث کا ایک حصہ تو یہ ہے۔

احادیث میں مشکلاتِ قرآن کا حل ❋ اس کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں قرآنی مشکلات کا خود صاحب رسالت نے حل فرما دیا ہے۔ اس کی چند مثالیں پہلے گذر چکی ہیں یہاں ایک مثال اور پیش کی جاتی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (التوبة: ٣٤)
جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔

صحابہ کو یہ سن کر بہت فکر ہوئی کیونکہ ان میں اگرچہ بیشتر غریب تھے لیکن کچھ مال دار بھی تھے ان کے پاس سونا اور چاندی جمع بھی رہتا تھا اور قرآن کی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو سخت عذاب ہوگا اس لیے انہوں نے آپ سے استفسار کیا آپ نے فرمایا کہ آیت کا وہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھے ہو' جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے' جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز اور خزانہ کی تعریف میں نہیں آتا' اور ان کی مزید تسلی کے لیے فرمایا:

ان اللہ لم یفرض الزکوۃ الا لیطیب بھا ما بقی من اموالکم.
اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ اسی لیے تو لازم کی ہے تاکہ تمہارا باقی مال پاک وصاف ہو جائے۔

اگر شریعت میں مطلقاً مال جمع کرنا حرام ہوتا تو میراث کی آیت کا مطلب کیا ہوتا جب قرآن نے میت کے مال تقسیم کرنے کا قانون خود بتایا ہے تو یہ اس کی صاف دلیل ہے کہ اس نے کسی حد تک مال جمع کرنا بھی جائز قرار دیا ہے کیونکہ مال کی تقسیم کا قانون اسی وقت نافذ ہو سکتا ہے جب پہلے مال موجود ہو' اگر مال نہ ہو تو تقسیم کس چیز کی کی جائے گی' یہ سن کر صحابہ کرام کا شبہ حل ہو گیا اور مال جمع کرنے کے حدود بھی انہیں معلوم ہو گئے اگر سنت نہ ہو تو یہ بیان کہاں سے آئے' حدیث کی دوسری قسم یہ تھی۔

احادیث میں قرآن کی تفسیر ❋ تیسری قسم ان اشارات کی تفصیل ہے جو نظم قرآنی میں متفرقاً موجود ہیں جیسے (۱) ﴿وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ (التوبة:١١٨) (وہ تین شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ جنگ میں شامل نہ ہوئے اور پیچھے رہ گئے تھے) یہ اور اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جو قصہ طلب ہیں جب تک وہ پورا واقعہ معلوم نہ ہو ان آیات کا پورا مفہوم ہی روشن نہیں ہوتا۔

حدیث میں ان قصوں کی پوری تفصیل موجود ہے۔ قصوں کے علاوہ بعض تفسیری اجزاء بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کے بغیر قرآن کا پورا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ یہاں تفسیری اجزاء سے ہماری مراد حسب ذیل امور ہیں۔

(۲) ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ (البقرة:٥٩) (جنہوں نے ظلم کیا تھا انہوں نے جو کلمات کہنا نہیں

www.besturdubooks.net

بتائے گئے تھے وہ بدل ڈالے) قرآن میں وہ کلمات مذکور ہیں جن کے کہنے کا حکم دیا گیا تھا- ﴿و قولوا حطة﴾ جب دروازہ میں داخل ہو تو حطة کہنا (اے اللہ ہمارے گناہ بخش دے) لیکن ضد میں آ کر جو مہمل اور گستاخانہ کلمات انہوں نے بکے وہ اس قابل کب تھے کہ قرآن ان مہملات کو بھی نقل کرتا- رسول نے ان کو بیان کر کے اس قوم کے تمرد اور سرکشی کا حال ظاہر فرما دیا ہے- قالوا "حبة في شعرة" یعنی حطة کی بجائے انہوں نے حبة في شعرة کا مہمل کلمہ بکنا شروع کیا-

(۳) یا مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے- ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾(البقرة:۱٤۳) (ایسا ہی ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تمہارا رسول تمہارے لیے گواہی دے) قرآن کی یہ آیت واقعہ طلب ہے حدیث نے اس کی تشریح کی کہ جب قیامت میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں آئیں گی تو اس وقت انبیاء علیہم السلام سے تبلیغ دین کا سوال کیا جائے گا ان کی قوم جھوٹ بول دے گی اور کہے گی-

مَا جَاءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ .(المائدہ :۱۹) ہمارے پاس تو نہ کوئی خوش خبری سنانے والا آیا نہ ڈرانے والا-

رسولوں سے پوچھا جائے گا تمہارا کوئی گواہ ہے وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت- اس وقت یہ امت آ کر ان رسولوں کے لیے گواہی دے گی- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی امت کے لیے گواہی دیں گے-

(۴) ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾(الحجر:۸۷) (ہم نے آپ کو سبع مثانی مرحمت کیں اور قرآن عظیم دیا) حدیث نے تفسیر کی کہ سبع مثانی سورہ فاتحہ ہے-

(۵) حدیث کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جس سے قرآن کریم کا شانِ نزول معلوم ہوتا ہے اگر وہ معلوم نہ ہو تو قرآن کریم کی مراد ہی مختل ہو جاتی ہے- خوارج کا تمام مذہب اسی مغالطہ پر مبنی تھا وہ ان سب آیات کو جو کفار کے حق میں تھیں مسلمانوں پر چسپاں کر کے ان سے جہاد کرنا لازم سمجھتے تھے- ہم یہاں اس کی ایک مثال لکھتے ہیں مروان نے اپنے ایک خادم کو حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں بھیجا اور ان سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا:

وَ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا. اور وہ لوگ چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے اس پر ان کی مدح سرائی (آل عمران:۱۸۸) کی جائے-

اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر محض اس خصلت پر عذاب ہونا لازم ہو تو فطرۃً ہر انسان کے دل میں پوشیدہ طور پر یہ خواہش موجود ہوتی ہے وہ چاہتا ہے کہ بہت سے وہ کام جو وہ نہیں کرتا لوگ سمجھیں کہ وہ کرتا ہے اور اس پر لوگوں کی تعریف کا متمنی رہتا ہے اس لحاظ سے تو اکثر لوگ عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے- ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں' یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں اتری تھی- واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تورات کی کوئی بات دریافت کی انہوں نے از راہِ شرارت اس کو چھپا لیا اور دوسری بات آپ کو بتلا کر یہ امید کی کہ آپ ہمارے مشکور ہوں گے اور ہماری تعریف کریں گے اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی اور ان کا فریب اور دھوکا دہی کھول دی گئی۔[1]

---

[1] مولانا اسلم صاحب شاید یہ فرمائیں گے کہ یہ سب تاریخی امور ہیں اور تاریخی امور میں حدیث ہمارے نزدیک بھی حجت ہو سکتی ہے مگر للہ.....

www.besturdubooks.net

ہمارے مضمون کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو حدیثیں بظاہر قرآن کریم سے باہر سمجھی جاتی ہیں' ان کے متعلق بھی کچھ تشریح کر دی جائے۔ یہاں جو بحث سنت سے کتاب اللہ پر زیادتی کے متعلق حافظ ابن قیم نے فرمائی ہے قابل مراجعت ہے۔[1]

یہ واضح رہنا چاہیے کہ جب قرآن کی جامعیت بلحاظ اقامت اصول ہے تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر جزئی اس میں مذکور ہو۔ اگر ایسا ہوتو نہ حدیث کی ضرورت رہے نہ رسول کی صرف خدا کی کتاب براہ راست اتار دی جائے اور وہی تمام ضروریات کے لیے کافی ہو جائے' جب ایسا نہیں کیا گیا بلکہ کتاب کے بیان کے لیے اس کے ساتھ ایک رسول بھی بھیجا گیا تو یہ ضروری ہوا کہ قرآن کو صرف ایک اصولی قانون بنا دیا جائے اور اس کے دفعات کی تشریح رسول کے سپرد کر دی جائے یہ تشریحات تمام کی تمام خدا کی مراد کے مطابق ہوں گی مگر سب رسول کی زبان سے ہوں گی۔

احادیث رسول کو بیان کہنے کے چند اصول اور قواعد ٭ ان تمام تشریحات کو قرآن کا بیان سمجھنے کا ایک کلی طریقہ تو وہ تھا جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے آپ نے سنا یعنی جب قرآن میں اجمالاً یہ حکم دیا گیا کہ رسول جو تمہیں دے اسے قبول کرو تو اسی ایک قانون میں احادیثِ صحیحہ کا تمام ذخیرہ آ گیا اس لیے جب کبھی صحابہ کو آپ نے کوئی حکم دیا تو انہوں نے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ یہ بات قرآن میں کہاں لکھی ہے۔ البتہ زمانہ نبوت کے دور کے بعد یہ سوالات ضرور کیے گئے تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اس وقت تک حدیث متفرق طور پر لوگوں کے پاس تھی قرآن کی طرح پورے کا پورا ذخیرہ بلا بحث و تفصیل کیے ہر شخص پر واجب التسلیم نہ تھا ہاں جب یہ ثابت ہو جاتا کہ یہ آپ کا فرمان ہے تو اس کے بعد کبھی کسی کا پس و پیش کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان تشریحات کو قرآن کی مجمل آیات کی تشریح یا تفسیر کہا جائے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ قرآن میں کبھی دو قسم کے احکام ہوتے ہیں اور کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس کے متعلق یہ فیصلہ مشکل ہوتا

لہٖ ..... ہمارا سوال یہاں یہ ہے کہ اگر ان احادیث کی اسانید اس درجہ کی سمجھی جا سکتی ہیں کہ قرآن کی تفسیر میں پیش کی جا سکیں تو حلال وحرام کی آیات میں وہ اس درجہ کیوں نہیں سمجھی جاتیں چلئے اگر وہ قطعیت کو مفید نہ ہوں مگر ظنیت کو مفید ہونا تو آپ کو بھی تسلیم ہے۔ اس تقدیر پر ان سے اتنا تو ثابت ہو ہی جائے گا کہ حلال وحرام کے متعلق بھی آپ نے کچھ نہ کچھ تفصیلات ضرور فرمائی تھیں اس کے ساتھ ہی اگر اس قسم کی تمام احادیث کو آپ ایک جگہ جمع کر لیں تو ہر حدیث اپنی جگہ اگر چہ خبر واحد ہو گی مگر ان سب کے مجموعے سے کیا یہ یقین حاصل نہیں ہو گا کہ حلال وحرام کے متعلق بھی آپ نے کچھ تفصیلات ارشاد فرمائی تھیں پس ان تمام مجموعہ سے جو یقین حاصل ہوا ہے اس کے رد کرنے کے لیے ایک ایک حدیث کی ظنیت ثابت کرنا کیا کارآمد ہو سکتا ہے۔ پھر آپ کو تو یہاں ظنیت کا بھی اقرار نہیں۔ آپ کے نزدیک تو یہ سب احادیث موضوعات کا ذخیرہ ہیں۔ معلوم نہیں کہ جب وہی راوی وہی سند' حلال وحرام کے سوا دوسری جگہ آئیں تو مفید ظن ہو جائیں اور جب حلال وحرام کے باب میں آئیں تو بجائے مفید ظن ہونے کے یقینی موضوع سمجھی جائیں' کیا یہ انصاف ہے اس لیے انہیں اس کا اقرار کر لینا چاہیے کہ حلال وحرام کے بارے میں بھی آپ نے بہت سی تقیید بیان فرمائی ہیں۔ جنہیں ظنی ہونے کی وجہ سے ہم تسلیم نہیں کرتے یکسر انکار کرنا بڑا ظلم ہے۔

[1] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳۱ تا ۲۴۹۔

www.besturdubooks.net

ہے کہ وہ کس میں درج کی جائے اس لیے اس کا حکم معلوم نہیں ہوسکتا- احادیث یہ فیصلہ کر دیتی ہیں کہ یہ چیز ان دو حکموں میں سے فلاں حکم میں درج ہونے کے قابل ہے اور اس طرح یہ احادیث اس کا بیان سمجھی جاتی ہیں مثلاً -

تیسرے قاعدہ کی چند مثالیں ❋ قرآن نے حلال و حرام کے متعلق ایک ضابطہ کلیہ یہ بیان فرمادیا ہے کہ جو طیبات ہیں وہ حلال ہیں اور جو خبائث ہیں وہ حرام ہیں لیکن اب درندے اور شکاری پرند' خرگوش اور فاختہ وغیرہ کے متعلق یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کس نوع کو کس حکم میں درج کیا جائے' حدیث نے اس کو بیان کر دیا کہ پہلی قسم خبائث میں داخل ہے اور دوسری طیبات میں- اب منکر حدیث تو یہ سمجھتا ہے کہ ذی ناب من السباع اور ذی مخلب من الطیر کی حدیث قرآن کے مخالف ہے مگر منصف شخص جانتا ہے کہ یہ عین قرآنی حکم ہی کی تشریح اور اسی کا بیان ہے- اگر یہاں طیبات اور خبائث کی تشریح صرف عقل کے سپرد کر دی جائے تو حرام خوروں کی جماعت تمام خبائث کو طیبات کہہ کہہ کر حلال بنا ڈالے- موجودہ دور میں شراب کو بھی کسی معین مقدار میں بہت مفید صحت سمجھا گیا ہے- پھر ایسا حرام کون سا ہے جس میں کوئی نہ کوئی نفع نہ ہو' ایسے خواہشات پرستی کے دور میں فیصلہ صرف عقل انسانی پر چھوڑنا مقصد شریعت ہی کو فنا کرنا ہے-

(۲) اللہ تعالیٰ نے پینے کی چیزوں میں جو مسکر اور نشہ آور نہیں وہ حلال فرمائی ہیں اور جو نشہ آور ہیں حرام کی ہیں' درمیان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو تھوڑی پی جائیں تو نشہ پیدا نہیں کرتیں اور زیادہ مقدار میں استعمال کی جائیں تو نشہ پیدا کر سکتی ہیں- حدیث نے سدباب کرنے کے لیے ان کو پہلی قسم میں درج کر دیا اور فرمایا:

ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام. جو بہت نشہ لائیں وہ تھوڑی بھی حرام ہیں-

(۳) قرآن کریم نے سکھائے ہوئے شکاری کتے کا شکار حلال قرار دیا ہے- لہٰذا معلوم ہوا کہ جو شکاری نہ ہو اس کا شکار حرام ہے- لیکن اگر شکاری اپنے شکار کو کھالے تو اس کا کیا حکم ہے یہ زیر تردد ہے اگر یہ دیکھا جائے کہ کتا تعلیم یافتہ ہے تو اس کا شکار حلال ہونا چاہیے اور اگر اس طرف نظر کی جائے کہ اس کا خود شکار کھالینا اس کی دلیل ہے کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں ہوا یا نہیں رہا تو اسے حرام ہونا چاہیے- حدیث نے اس کو واضح کر دیا کہ اس کا شکار حرام ہے کیونکہ اس کا کھانا اس کی دلیل ہے کہ اس کی تعلیم میں قصور ہے-

(۴) قرآن کریم نے محرم کو مطلقاً شکار کرنا منع فرمایا ہے اور جو عمداً شکار کرے اس پر جزاء واجب کی ہے اور غیر محرم شخص کو مطلقاً شکار کی اجازت دی ہے اور اس پر کوئی جزاء واجب نہیں کی- اب اگر کوئی محرم غلطی سے شکار مار دے اس کا حکم زیر تردد رہ گیا- سنت نے واضح کر دیا کہ یہاں عمد و خطاء کا کوئی فرق نہیں- دونوں صورتوں میں جزاء برابر ہے ہاں خطا میں گناہ نہیں- امام زہریؒ سے اسی طرح منقول ہے-

(۵) قرآن نے دریا اور سمندر کا شکار حلال قرار دیا ہے اور مردار جانور کو حرام فرمایا ہے لیکن اگر سمندر کے شکار میں مچھلی مر جائے تو کیا وہ بھی مردار ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی آپ نے فرمادیا کہ دریا کے شکار کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر اس کا شکار مر جائے تو حلال ہے-

ان تمام مثالوں میں دونوں اصول واضح تھے سنت نے صرف یہ بتا دیا ہے کہ یہ جزئی ان دونوں حکموں میں سے کس حکم کے

www.besturdubooks.net

تحت میں درج ہونے کے قابل ہے۔ سوچو کہ اگر ان مقامات پر صرف عقل انسانی کو حکم مقرر کر دیا جاتا یہ بہتر تھا' یا رسول کی معرفت خدا نے اپنی مراد خود بتا دی یہ بہتر ہوا۔ مالکم کیف تحکمون.

حدیث رسول کے بیان ہونے کا ایک اور قاعدہ اور اس کی مثالیں ✱ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ایک حکم کسی علت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے' حدیث اس علت کے لحاظ سے کچھ جزئیات اس حکم کے تحت میں اور درج کر دیتی ہے مثلاً۔

(۱) قرآن نے ربوا اور سود حرام فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سود کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ قرض دار سے کہتا کہ یا میرا قرض ادا کر دے ورنہ مجھے بجائے دس کے پندرہ روپیہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کو قرآن نے اس لیے حرام قرار دیا کہ یہاں بلاوجہ اپنے بھائی سے ایک زیادتی وصول کرنا لازم آتا ہے۔ اس کے مناسب حدیث نے قرض میں ہر قسم کا ناجائز نفع حاصل کرنا منع فرما دیا ہے اور اس کو بھی ایک قسم کا سود قرار دیا ہے مثلاً اگر ایک شخص نے کسی کو دو ہزار روپیہ قرض دیا اب اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس دباؤ میں اس کے مکان میں مفت رہا کرے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ناجائز نفع ہے جو وہ اپنے قرض کے دباؤ میں بلاعوض حاصل کر رہا ہے۔ عقل انسانی یہاں مختلف فیصلے کر سکتی تھی پھر عقل کے ساتھ دوسرے ادراکات کی مزاحمت کبھی صحیح رائے قائم کرنے میں حائل بھی ہو جاتی ہے اس لیے کیا یہ بہتر نہ ہوا کہ رسول نے ایک نکھری ہوئی بات بتا دی۔

(۲) قرآن کریم نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا ہے اس کی علت یہ ہے کہ اس وجہ سے ان میں فطرۃً قطع رحمی پیدا ہو جائے گی اور دو بہنوں میں جو شرعاً صلہ رحمی واجب تھی وہ نکاح کے اس علاقہ کے بعد قدرۃً ختم ہو جائے گی۔ حدیث نے اس علت کی وجہ سے بعض ان رشتوں کو بھی اسی حکم میں درج کر دیا ہے جہاں اس صلہ رحمی کے قطع ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے جیسے پھوپھی' بھتیجی یا خالہ' بھانجی۔ چنانچہ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔

فانکم اذا فعلتم ذلک قطعتم ارحامکم[1] — اگر تم ان رشتوں میں جمع کرو گے تو ان کی باہمی ہمدردی ختم کرنے کا تم باعث بنو گے۔

منکر حدیث سمجھے گا کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے لیکن منصف سمجھتا ہے کہ قرآن کے خلاف تو اس وقت ہوتی جب جمع بین الاختین کی حرمت کے خلاف ہوتی۔ یہاں تو دو بہنوں کے درمیان جمع کی حرمت کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس کو ایک اصول بنا کر دوسری جگہ اور جاری کر دیا گیا ہے۔ رسول نے بتایا کہ خدا کی مراد صرف یہ دو ہی رشتے نہیں بلکہ اس قسم کے اور رشتے بھی یہی حکم رکھتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم نے حرمت رضاعت میں صرف ماں اور بہن کو ذکر کیا ہے۔ ماں اصول میں ہے اور بہن اصل قریب کے فروع قریبہ میں' حدیث نے ماں بہن کے ساتھ اور نسبی رشتوں کو بھی شریک کر دیا ہے کیونکہ رضاعت کی وجہ سے جیسا ماں بہن کا رشتہ پیدا ہو سکتا ہے ایسا ہی پھوپھی اور خالہ کا رشتہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس حرمت کا تعلق جیسا کہ عورتوں کے ساتھ ہے ایسا ہی

---

[1] رواہ ابن حبان کمافی نیل الاوطار (الموافقات ۔ ج ۳ ص ۱۹۲)۔

www.besturdubooks.net

مردوں کے ساتھ بھی قرار دے دیا ہے۔ حتیٰ کہ جس عورت کا دودھ پیا گیا ہے اس کا وہ شوہر جس کے زیر نکاح یہ دودھ پیدا ہوا ہے باپ بن جاتا ہے۔

ان تفصیلات سے ہماری غرض یہ ہے کہ آپ ان کو ملاحظہ فرما کر احادیث کے بہت بڑے ذخیرہ کا قرآن کے بیان ہونے پر عینی یقین حاصل کر لیں اور جو احادیث کہ محض سطحی نظر کی وجہ سے آپ کو قرآن کریم کے مخالف معلوم ہوتی تھیں وہ مخالف معلوم نہ ہوں۔ حافظ ابن قیمؒ نے بیان رسول کے دس اقسام بتلائے ہیں[1]

ایک سوال اور اس کا جواب ✵ اب رہا یہ سوال کہ جن جزئیات کو کسی علت مشترکہ کی وجہ سے حدیث نے بیان کیا ہے اگر وہ قرآن کی مراد ہوتیں تو وہ خود ہی ان کو بیان کر دیتا محض ایک معقولی سوال ہے اور اس کا حاصل یہی ہے کہ قرآن نے تمام اشیاء خود ہی کیوں نہ بیان کر دیں۔ ہمارے نزدیک ہر ماتن شارح کے لیے کچھ جگہ چھوڑ جاتا ہے اور ہر شارح کچھ اشیاء محشی کے لیے باقی رکھتا ہے قرآن کا کمال یہ ہے کہ وہ اصول محکمہ قائم کر جائے اور رسول کا کمال یہ ہے کہ وہ قرآنی اصول کی ایسی تشریحات کر جائے جو اس کی مرضی کے عین مطابق ہوں۔ اس سوال کا حاصل تو یہ ہے کہ رسول کے علوم ظاہر ہونے کا کوئی محل ہی نہ رہے۔ قرآن کریم سے خود معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی رائے و اجتہاد کا بھی دین میں اعتبار ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰہُ. (النساء : ۱۰۵) — ہم نے آپ پر سچائی کے ساتھ کتاب اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ آپ کو سمجھائے۔

رسول کی رائے کو یہ رتبہ اس لیے حاصل ہے کہ یہ رائے بھی خدا کی اراءۃ سے پیدا ہوتی ہے پس جو اصول کہ خدا نے بتائے یا اس کے رسول نے اس کی کتاب سے خدا کی اراءۃ کے بعد سمجھے دراصل وہ سب خدا ہی کی طرف سے ہیں[2] فرق صرف اتنا ہے کہ بعض قانون کے الفاظ بھی الٰہی الفاظ ہیں اور بعض کے الفاظ خواہ رسول کے ہوں مگر وہ بھی بلاشبہ خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اور اس کی اراءۃ کے تابع ہوتے ہیں۔ دین کی اس طرح تکمیل میں رسول کے علوم و کمالات کے اظہار کے سوا شاید یہ حکمت بھی ہو کہ اگر دین کا ایک ایک جزو ضبط قرآن میں آ جاتا تو یہ تمام اجزاء اہمیت میں یکساں ہو جاتے اور شاید قانون یسر کے خلاف ہوتا وہ چاہتا ہے کہ دین میں سہولت رکھی جائے اس لیے کچھ مسائل تو منصوص ہو گئے وہ اعلیٰ درجہ کے قطعی سمجھے گئے۔ اس میں کسی کو خلاف کرنے کی گنجائش ہی نہیں دی گئی اس کے بعد دوسرے نمبر کے مسائل حدیث سے ثابت ہوئے وہ قطعیت میں پہلی قسم سے کمتر رہے پھر راویوں کے اختلافات نے یہاں کچھ اور وسعت پیدا کر دی اس کے بعد احادیث کے اشارات کو جب ائمہ نے پھیلایا تو وہ مسائل اجتہادیہ کہلائے اور چونکہ یہاں خدا کی اراءۃ کا وعدہ بھی نہ تھا اس لیے اختلاف اور خلاف کو یہاں پوری وسعت مل گئی یہ

---

[1] اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳۸۔ ملاحظہ فرمائیے۔

[2] حافظ ابن قیمؒ "بِمَا اَرٰکَ اللّٰہُ" کے لفظ میں ایک لطیف نکتہ بیان فرما گئے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں "بما رأیت" اسی لیے نہیں فرمایا گیا کہ دین کے معاملہ میں اطاعت صرف خدا اور رسول کی ہے حتیٰ کہ رسول بھی یہاں اپنی ذاتی رائے کوئی نہیں رکھتا۔ یہاں اس کی رائے بھی خدا کی اراءۃ کے تابع رہتی ہے۔ (اعلام ج ۱ ص ۱۹۸)

www.besturdubooks.net

تینوں مراتب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی موجود تھے مگر حکم کا خلاف کبھی معاف نہیں کیا گیا اور اجتہادی غلطی پر کبھی گرفت نہیں کی گئی۔ ان اختلاف مراتب کی وجہ سے دین ایک نہایت معتدل صورت میں مکمل ہوگیا اب وہ ہر چھوٹی بڑی ضرورت پر حاوی بھی ہے پھر اتنی وسعت بھی رکھتا ہے کہ معمولی فروگذاشت' انسانی ضعف سب اس میں کھپ سکتا ہے۔ معتزلہ نے دین کو مجرد کر کے اپنے خیال میں تمام تر قطعی بنیادوں پر قائم کر دیا مگر نتیجہ کیا ہوا' آخر انہیں مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کہنا پڑا' خوارج نے دین کی تمام بنیاد قرآن پر قائم کرنے کا ارادہ کیا آخر انہیں بھی مسلمانوں کو کافر بنانا پڑا۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تمہارے لیے دین میں کوئی وسعت باقی نہ رہے۔

اتباعِ قرآن کے مفہوم میں ایک غلط فہمی ✵ مولانا اسلم صاحب کو یہاں چند آیات کے مفہوم سمجھنے میں خواہ مخواہ کے لیے غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے وہ آیات ذیل کے متعلق یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان میں صرف قرآن ہی کو دستور العمل بتایا گیا ہے اور اس لیے حدیث پر عمل کرنا ان کے خلاف ہے حالانکہ ان آیات کو حدیث سے دُور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ان سب آیات کا مفہوم صرف یہ ہے کہ خدا کے حکم کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا یا دوسرے لوگوں کی رائے کی اتباع کرنا نہیں چاہیے۔ مولانا اسلم نے ان کا رخ خواہشاتِ نفس اور عوام الناس سے پھیر کر خود اللہ تعالیٰ کے رسُول ہی کی طرف سمجھ لیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ. (الاعراف : ۳)
اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے اتارا گیا ہے اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

یہاں ﴿من دونہ اولیاء﴾ میں رسول کو بھی داخل کر لینا قرآن سے انتہائی بدمذاقی کی دلیل ہے یہ لفظ قرآن کریم میں رسولوں کے لیے کبھی استعمال نہیں ہوا۔ رسول خود اللہ تعالیٰ کے داعی ہوتے ہیں قرآن نے کبھی ان کو مخالف پارٹی میں شمار نہیں کیا اور اسی بات کے صاف کرنے کے لیے کہ رسول کی اطاعت ﴿من دون اللّٰہ﴾ کی اطاعت ہے یا اللہ کی یہ صاف طور پر فرما دیا کہ۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ. (النساء: ۸۰)
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی۔

پس رسول کی اطاعت کو ﴿من دون اللّٰہ﴾ کی اطاعت سمجھنا خود قرآن کے صریح خلاف ہے چہ جائے کہ اس پر اُلٹا قرآن سے استدلال کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر غلط فہمی یہ ہے کہ جن آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی اتباع کا امر فرمایا گیا ہے وہ حدیث کی اتباع کے خلاف سمجھی جائیں۔

اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ.(الانعام:۱۰۶)
اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی۔

یہاں شاید ما اوحی کے لفظ سے صرف قرآن مراد لے لیا گیا ہے حالانکہ قائلین حدیث' حدیث کو بھی ایک قسم کی وحی کہتے ہیں رسولوں پر کتاب اللہ کے علاوہ اور بھی بہت سے قسم کی وحی اترا کرتی ہے حتی کہ بعض انبیاء پر کوئی کتاب نازل ہی نہیں ہوئی اور یقیناً وحی ان پر بھی اتری ہے پس قرآن اور حدیث کے دو مختلف نام امتیوں کے طبقہ میں ہیں رسول کے حق میں چونکہ دونوں بذریعہ وحی ہیں اس لیے دونوں ﴿ما اوحی الیک من ربک﴾ میں داخل ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں کبھی کسی بادشاہ نے ایسا نہیں کیا کہ پہلے اپنے کسی معتمد شخص کو اپنا سفیر مقرر کر لیا ہو پھر بحالت سفارت ہی

www.besturdubooks.net

اس کے متعلق ایسے احکام بھی بھیجے ہوں جو اس پر بداعتمادی کی مہر لگادیں اگر من دون اللہ کی اطاعت میں رسول بھی داخل مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو اپنے رسول پر بھی یہ شبہ ہے کہ وہ دنیا میں جا کر شاید میرے احکام کے سواء اپنی اتباع کی دعوت دے سکتا ہے اس لیے اس کے ذریعہ سے ایک طرف تو مخلوق کو اپنی اطاعت کے احکام دیتا ہے' اسی کے ساتھ یہ بھی تنبیہ کردیتا ہے کہ رسول کی اتباع مت کرنا کیونکہ وہ من دون اللہ کی اتباع ہوگی۔ اگر درحقیقت رسول کی اطاعت خدا کے مخالف اطاعت ہے تو پھر آیت ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ کا کیا مطلب ہے۔ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی محبت کا معیار قرآن کے نزدیک صرف یہ ہے کہ رسول کی اتباع کی جائے۔ جو قرآن اس تاکید کے ساتھ رسول کے اتباع کا حکم دے رہا ہے بھلا وہ اس کے اتباع کو من دون اللّٰہ کی اتباع کب کہہ سکتا ہے۔ اگر منکرین حدیث یہ سمجھ لیتے کہ خدا اور رسول کا رشتہ نا قابل انقطاع ہے' یہاں اطاعت ومعصیت میں تفریق سمجھنا ہی غلط ہے تو حدیث وقرآن میں بھی تفریق پیدا نہ کرتے' اب آیئے دوسری قسم کی آیات ملاحظہ فرمایئے جو اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ یہ آیات اتباعِ اہواء سے روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں نہ کہ اتباع رسول سے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (جاثیہ:۱۸)	پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک راستہ پر لگادیا ہے تو آپ اسی پر چلئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو کچھ علم نہیں رکھتے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اتباع شریعت کا امر لوگوں کی خواہشات کی اتباع سے روکنے کے لیے دیا گیا تھا نہ کہ حدیث کی اتباع سے۔ جونہی کہ لوگوں کے تمام معاملات میں حکم مقرر کیا گیا ہو اس کے پاس سینکڑوں قسم کے لوگ' ہزاروں قسم کے مقدمات آتے ہوں' ہر شخص اپنی چرب زبانی سے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہو اسے ربانی تربیت اس قسم کے نازک موقعوں پر یہ تنبیہ کرتی رہتی تھی کہ خبردار رہیے: دوسری جگہ فرمایا۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ. (القصص : ۵۰)	اگر یہ لوگ آپ کے کہنے کے مطابق کر نہ دکھائیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ صرف اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

یہاں حصر کے طور پر یہ بتادیا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کا اتباع نہیں کرتے ان کے متعلق یہ یقین کر لینا چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرتے ہیں۔ غرض تمام قرآن میں کبھی رسول کی اطاعت کا صراحۃً حکم دیا گیا ہے کبھی اس کی اطاعت کو ٹھیک خدا کی اطاعت کہا گیا ہے اس کے خلاف ایک آیت میں بھی اس کی اطاعت کی ممانعت نہیں کی گئی اور جہاں صرف قرآن یا وحی کے اتباع کا امر کیا گیا ہے وہاں کسی شبہ وتردد کے بغیر صرف خواہشات اور قرآنی حکم کے خلاف اتباع کرنے کی ممانعت مقصود ہے۔

حدیث کی تشریعی حیثیت ٭ قرآن وحدیث کا ربط معلوم کر لینے کے بعد اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حدیث کی حیثیت صرف تشریحی حیثیت ہے کیونکہ احادیث کا تمام ذخیرہ قرآن کریم کا بیان اور اس کی شرح ہے۔ پس اگر قرآن کی حیثیت تشریعی ہے تو اس کے بیان کی حیثیت بھی تشریعی ہونی چاہیے۔ یہی عقیدہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام امت کا ہے حدیث کا انکار اگرچہ بداہت کا انکار ہے مگر حدیث کو تسلیم کر کے اس کی تشریعی حیثیت کا انکار اس سے بڑھ کر بداہت کا انکار ہے۔ احادیث کا بڑا حصہ اگرچہ متواتر نہیں مگر یہ عقیدہ بلاشبہ متواتر عقیدہ ہے کہ مسلمانوں میں حدیث کی حیثیت ہمیشہ تشریعی حیثیت تسلیم کی گئی ہے'

www.besturdubooks.net

کافر اور مسلمان اس بارے میں دو رائیں نہیں رکھتے - کیا یہ کوئی باور کرسکتا ہے کہ دور سلف سے لے کر آج تک لیل و نہار حدیث کے حفظ کا یہ شغل صرف ایک تاریخ کی حیثیت سے تھا -

عہد صحابہؓ میں حدیث کی حیثیت ٭ اس موضوع کے دو پہلو ہیں - پہلے وہ واقعات ہیں جن سے صحابہؓ کے دور میں حدیث کی تشریعی حیثیت واضح ہوتی ہے اور اس کا دوسرا پہلو وہ واقعات ہیں جن سے اس کے خلاف نتیجہ اخذ کیا گیا ہے - ہمارے نزدیک صحابہ کے دور میں حدیث کے تشریعی حیثیت کا ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس پر گفتگو کرنا بدیہی کو نظری بنانا ہے - ہمارے علم میں ایک واقعہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ان کے نزدیک حدیث کی حیثیت تاریخی حیثیت تھی بلکہ انکارِ حدیث کا پہلا قدم ہی اس کی دلیل ہے کہ اس وقت حدیث کی تشریعی حیثیت سمجھی جاتی تھی - اگر حدیث صرف ایک تاریخ کی حیثیت رکھتی اور دین کے حلال و حرام سے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہوتا تو معتزلہ کو حدیث کے انکار کی کوئی وجہ ہی نہ تھی پھر معتزلہ کی ایک بڑی جماعت نے جب صحیح حدیث کے لیے عزیز ہونا شرط کیا تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اگر بحث تھی تو حدیث کی ظنیت و قطعیت کے متعلق تھی نہ کہ تشریعی یا تاریخی حیثیت کی -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ کے دفن کے متعلق ہوا لیکن کیا اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ کا فیصلہ اس حدیث کے سوا جو اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے پڑھ کر سنائی کسی اور دلیل سے کیا گیا تھا کیا تاریخ سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اس وقت ایک آواز بھی حدیث کے اس فیصلہ کے خلاف اٹھائی گئی یا سب نے اسی کو تسلیم کیا اور اسی کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین عمل میں آئی - صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حضرت عمرؓ چونکہ مدینہ سے باہر رہتے تھے اس لیے انہوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ ایک دن وہ خود آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور آپ سے احادیث سنتے دوسرے دن اپنے ایک پڑوسی کو بھیج دیتے وہ آتا اور اس دن کی احادیث سن کر حضرت عمرؓ کو پہنچا دیتا - کیا یہ اہتمام ایک معمولی تاریخ کی حفاظت کے لیے ہی کیا گیا تھا اس کے علاوہ خلیفہ اول سے لے کر خلفاء کے آخری دور تک جب کبھی مذہبی اور سیاسی نزاع پیش آئے تو ہمیشہ جانبین سے قرآن و حدیث ہی پیش کی گئی ہیں حتیٰ کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ میں بھی دونوں طرف سے اپنی اپنی حقانیت میں حدیثیں ہی پڑھی گئی ہیں -

صحابہؓ کی نظر میں احادیث کی اہمیت کی چند مثالیں ٭ (۱) حضرت صدیق اکبرؓ نے جب مانعین زکوٰۃ سے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ اس میں مانع ہوئے اور ان کے خلاف میں حدیث ہی سے استدلال فرمایا حضرت عمرؓ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس کے سامنے گردن تسلیم خم کردی -

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور اپنے پوتہ کے ترکہ میں حصہ مانگنے لگی انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا حصہ کتاب اللہ میں نہیں پاتا - حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو $\frac{1}{6}$ چھٹا حصہ دلوایا - فرمایا کہ تمہارے اس قول پر کوئی شاہد ہے؟ محمد بن مسلمہ بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ نے دادی کو $\frac{1}{6}$ دلوایا ہے آپ نے ان کی شہادت پر فیصلہ کردیا -

www.besturdubooks.net

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فریعہ بنت مالک بن سنان کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور ان سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا حکم دیا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اسی گھر میں عدت گذارنے کا حکم دیا تھا تو اسی کے موافق انہوں نے بھی فیصلہ صادر کردیا۔

(۴) حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ بی بی کو اپنے شوہر کی دیت سے وراثت نہ ملنی چاہیے لیکن جب ضحاک بن سفیان نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت زوج سے بھی وراثت دلوائی ہے تو اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔

(۵) مجوس سے جزیہ لینے کے متعلق حضرت عمرؓ کو تردّد تھا لیکن جب عبدالرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ہجر سے جزیہ لیا ہے تو انہوں نے اپنے خیال سے رجوع فرمایا۔

(۶) طاؤس روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا کہ کیا کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ سنا ہے کہ اگر جھگڑے میں کسی عورت کا حمل ساقط ہو جائے تو اس کی جزاء کیا دینی چاہیے؟ تو حمل بن مالک کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں لڑائی ہوگئی ایک نے دوسرے کے خیمہ کی چوب ماری جس کے صدمہ سے دوسری عورت کا حمل ساقط ہوگیا۔ مقدمہ آپ کے سامنے آیا آپ نے اس پر پانچ سو درہم بطور دیت لازم فرمائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ہم یہ حدیث نہ سنتے اور اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تو شاید اس کے خلاف فیصلہ کرتے۔

(۷) حضرت ابن عمرؓ مخابرہ (مزارعت کی ایک صورت ہے) کیا کرتے تھے جب رافع بن خدیج نے اس کی ممانعت روایت کی تو انہوں نے مخابرہ کرنا چھوڑ دیا۔

(۸) حضرت زید حائضہ کے لیے بھی طوافِ صدر کرنا واجب سمجھتے تھے لیکن جب ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ صدر ترک کرنے کی اجازت دی ہے تو اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

(۹) حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ایک غلام فروخت ہوا بعد میں مشتری کو اس میں کوئی عیب ثابت ہوا اس نے واپسی کا دعویٰ کیا جو آمدنی ان ایام میں غلام کے ذریعہ سے ہوئی اس میں جھگڑا ہوا کس کو دی جائے؟ ان کی رائے یہ ہوئی کہ وہ آمدنی بائع کو دی جائے لیکن جب حضرت عائشہؓ نے اسی قسم کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ نقل کیا کہ آمدنی مشتری کو ملنا چاہیے کیونکہ اس درمیان میں اگر غلام مرجاتا تو نقصان مشتری ہی کا ہوتا لہذا جس کا نقصان ہوتا نفع بھی اسی کو ملنا چاہیے۔ یہ سن کر عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی رائے سے رجوع کیا۔

یہ تمام واقعات کتب سنن مشہورہ میں موجود ہیں اور امام شافعیؒ نے اس کو باسناد روایت کیا ہے' چونکہ ہماری غرض یہاں ان مسائل کا اثبات نہیں صرف تاریخی حیثیت سے یہ بتانا ہے کہ صحابہ کے درمیان حدیث کی حیثیت کیا سمجھی جاتی تھی اس لیے ہم نے ان کی اسانید کے متعلق کلام کرنا غیر ضروری سمجھا ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اگر محدثین نے یہ واقعات کسی ایک باب کے تحت میں شمار کیے ہوتے یا یہ واقعات ایک ہی صحابیؓ کے ہوتے تو شاید یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ عمداً اسی مقصد کے پیش نظر کسی نے وضع کردیے ہوں مگر جب قتال' حج' جنایت' بیع' وراثت' عدت' مزارعت غرض کہ شریعت کے تمام ابواب میں ایسی حدیثیں ملتی ہیں جن

www.besturdubooks.net

سے حدیث کی حیثیت صرف تشریعی ثابت ہوتی ہے پھر کسی ایک دور میں نہیں بلکہ ہر دور میں یہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت تک ہر دور میں حلال وحرام کے مسائل میں ہمیشہ حدیثیں ہی پیش کی گئیں تو اب حدیث کی تشریعی حیثیت کا انکار آنکھوں میں خاک جھونکنا نہیں تو اور کیا ہے۔

(۱۰) بلال حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ان کے والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے عورتوں کو مسجد میں نماز کے لیے جانے سے روکنے کی ممانعت فرمائی ہے میں نے عرض کیا کہ قبلہ اب زمانہ نازک ہے میں تو اپنی بی بی کو روکوں گا۔ ابن عمرؓ میری طرف متوجہ ہوئے اور تین مرتبہ لعنک اللہ فرما کر کہا تیرے کان ہیں یا نہیں' میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرر ہا ہوں اور تو یہ جواب دیتا ہے' بعض روایات میں ہے کہ پھر ان سے ابن عمرؓ نے عمر بھر بات نہیں کی۔

(۱۱) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہے۔ عروہ نے عرض کیا کہ شیخین تو تمتع کی ممانعت کرتے تھے اس پر حضرت ابن عباسؓ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرر ہا ہوں اور تم ابوبکرؓ وعمرؓ کا نام لیتے ہو میرا گمان ہے کہ ان باتوں سے تباہی آئے گی۔

(۱۲) ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ مجھے امیر معاویہؓ کے بارے میں کون معذور رکھے گا کہ میں ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کرتا ہوں وہ ادھر سے مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں جہاں وہ رہیں اب میں اس سرزمین پر رہنا بھی پسند نہیں کرتا۔[۱]

اگر اس قسم کی احادیث جمع کی جائیں تو مستقل ایک تصنیف بن سکتی ہے مگر ہم نے صرف چند واقعات اس لیے پیش کیے ہیں کہ مولوی اسلم صاحب کا یہ سمجھانا کہ صحابہؓ کے دور میں بھی حدیث کی حیثیت تاریخی سمجھی جاتی تھی' صحابہؓ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اُن کی تاریخ کا ایک ایک ورق اس کی تردید کرتا ہے۔

حدیث کی تشریعی حیثیت کا ایک اور ثبوت ❋ اس کے علاوہ ابوعمرؒ نے اس پر مستقل ایک فصل قائم کی ہے کہ بعض تابعین بے وضو یا لیٹ کر حدیث سنانا مکروہ سمجھتے تھے۔ ضرار بن مرارہ فرماتے ہیں' ہمارے زمانہ میں دستور یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وضو کیے بغیر بیان کرنا مکروہ سمجھا جاتا تھا۔ اعمش کا طریقہ یہ تھا کہ اگر انہیں بے وضو حدیث بیان کرنے کی نوبت آتی تو تیمم کر لیتے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں حدیث بیان کرنے کے لیے وضو کرنا مستحب سمجھا جاتا تھا۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ قتادہ وضو کیے بغیر حدیث کی روایت نہ کرتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جعفر بن محمد جب حدیث کی روایت کرتے تو باوضو کرتے۔ ابومعصب فرماتے ہیں کہ خود امام مالکؒ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد فرماتے ہیں کہ ایک دن سعید بن المسیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے کا ارادہ کیا یہ اس وقت بیمار تھے اور لیٹے ہوئے تھے فرمایا مجھے بٹھاؤ

[۱] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۲۔

www.besturdubooks.net

9

لینے لینے حدیث بیان کرنا مجھے بہت مکروہ معلوم ہوتا ہے۔[1]

یہ وہ جماعت ہے جس نے خود صحابہؓ سے ہی علم حاصل کیا ہے ان کے طور وطریق کو دیکھا ہے اگر ان کے علم میں صحابہؓ کے نزدیک حدیث کی حیثیت صرف ایک تاریخ کی ہوتی تو کیا وہ اس کا یہ احترام کرتے۔ امام زہریؒ جو بہت بڑے تابعین میں شمار ہیں فرماتے ہیں کہ ہمیں اہل علم صحابہؓ سے یہ عقیدہ معلوم ہوا ہے۔

الاعتصام بالسنن نجاۃ[2] سنت پر عمل کرنا نجات اسی میں ہے۔

درحقیقت حدیث کو محض تاریخ کے برابر سمجھنا اس کی سب سے بڑی توہین ہے اور اس کی نہیں بلکہ اس کے قائل کی توہین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین حدیث کو رسول کی حیثیت بھی ایک امیر کے برابر کر دینا پڑی ہے میرے خیال میں یہ بھی اس تواتر کے خلاف ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسلم اور کافر میں مشترک ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں جو حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ سمجھی گئی وہ امیر کی حیثیت نہ تھی بلکہ صرف ایک رسول کی حیثیت بلکہ رسولوں میں بھی سب سے افضل رسول کی حیثیت تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حدیث کی حیثیت کا انکار اور رسول کی حیثیت کا انکار دو مسئلے نہ سمجھے جائیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی مسئلہ ہے۔ جو شخص حدیث کی تشریعی حیثیت تسلیم نہیں کرتا اس کو رسول کی تشریعی حیثیت سے انکار کرنا بھی لازم ہے۔ اسی لئے منکرین حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے۔ گویا آپ کی حیثیت ایک پوسٹ مین سے زیادہ حیثیت نہ تھی والعیاذ باللہ۔ اس لیے ہمیں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ قرآن میں رسول کی حیثیت کیا ہے۔

قرآن میں رسول کی حیثیت ٭ رسولوں کا تقرر خدا خود فرماتا ہے۔ امیر و حکام کی طرح ان کا تقرر مخلوق نہیں کرتی نہ مخلوق کے مشوروں کی اس میں کوئی رعایت کی جاتی ہے نہ اس کا انہیں حق دار سمجھا جاتا ہے۔

(۱) اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ. (الحج: ۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں میں اور انسانوں میں رسول اپنی ہی پسند سے بناتا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ یہ منصب براہ راست خدا کے انتخاب پر موقوف ہے بندوں کے سپرد نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس منصب کے لیے تمام مخلوقات میں صرف دو نوع کا انتخاب عمل میں آیا ہے فرشتے اور انسان اس لیے بظاہر جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا۔ شاید اس معاملہ میں بھی وہ انسانوں کے تابع رہتے ہیں۔ غرض رسالت کا معاملہ رزق کی طرح صرف خدائی تقسیم پر موقوف ہے اسی لیے جب کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اپنی رائے زنی شروع کی تو نہایت تحمیق کے لہجہ میں یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا گیا۔

﴿اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ﴾ (الزخرف: ۳۲) یعنی نبوت و رسالت رزق کی طرح ربوبیت کا حق ہے۔ جب رزق کی تقسیم اس نے کسی کے حوالہ نہیں کی اپنے ذمہ رکھی ہے تو نبوت کی تقسیم بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔ پھر

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲۔ [2] ایضاً ج ۲۔

www.besturdubooks.net

یہ کہ نبوت ایک رحمت ہے اور رحمت کی تقسیم کا حق رحمٰن ہی کو ہوسکتا ہے جو خود رحمت کے محتاج ہوں وہ نبوت جیسی بڑی رحمت کی تقسیم کے ٹھیکیدار کیسے بن سکتے ہیں۔

(۲) اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ. (الانعام:۱۲۴) یہ بات خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اسے اپنا رسول کسے بنانا ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ رسالت صرف وہبی ہے کسبی نہیں۔ یعنی عبادات و ریاضات سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ جس میں چاہے نبوت و رسالت کی اہلیت رکھ دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصب رسالت و نبوت جن خصوصیات کی بنا پر مرحمت ہوتا ہے ان کا علم بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں اور ان کا انتخاب کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ امام اور امیر کی خصوصیات اور شرائط معلوم ہیں اس کا انتخاب بھی مسلمانوں کے سپرد ہے اور اسی لیے ان کے عزل کر دینے سے وہ معزول بھی ہوسکتا ہے۔

(۳) چونکہ قدرت خود ان کا انتخاب کرتی ہے اس لیے خود ہی ان کی تعلیم کا انتظام بھی کرتی ہے۔ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (الاعلیٰ:۶-۷) ہاں پڑھئے اس پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھئے جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔

(۴) وہ پڑھا کر خود انہیں یاد کراتی ہے اگر اس میں کچھ حصہ وہ بھول جاتے ہیں تو وہ بھی اسی کی مشیت کے ماتحت ہوتا ہے۔ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (الاعلیٰ:۶-۷) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جس کو خدا چاہے۔

(۵) اس وحی کے بیان کی بھی وہ خود ہی متکفل ہوتی ہے۔ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (القیامۃ:۱۹) اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

(۶) جس طرح وہ ان کی تعلیمی تربیت کرتی ہے اسی طرح ان کی اخلاقی تربیت بھی خود وہی کرتی ہے اسی لیے عین بداخلاقی کے دور میں وہ ایسے بلند اخلاق کے مالک ہوتے ہیں جہاں دنیا اپنے پورے عروج کے بعد بھی نہیں پہنچتی۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا. (لقمان:۱۸)	لوگوں کے ساتھ بے رخی نہ کیجئے اور زمین پر اترا کر نہ چلئے۔
وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ. (الکہف:۲۸)	جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد صرف اسی کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں آپ اپنی نشست و برخاست ان ہی میں رکھئے۔
وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ. (الحجر:۸۸)	مومنوں کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آیئے۔
وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. (طٰہٰ:۱۳۱)	دنیا کی زندگی کی جو رونق ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو صرف کام چلانے کے لیے دی ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے۔
لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ. (بنی اسرائیل:۲۹)	آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن کی طرف سمٹا ہوا نہ رکھئے نہ اس کو بالکل کھولیے (بلکہ خرچ کرنے میں میانہ روی رکھیے۔

(۷) جس طرح وہ ان کی تعلیمی اور اخلاقی نگہبانی کرتی ہے اسی طرح کبھی اس کی جسمانی تحفظ کی ذمہ دار بھی خود بن جاتی ہے۔

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. آپ غم نہ کریں تبلیغ فرائض کھلے طور پر انجام دیں لوگوں سے آپ کی حفاظت کرنے والا اللہ خود ہے۔

www.besturdubooks.net

حدیث میں ہے کہ اس سے پہلے شب میں آپ پہرہ داری کی جاتی تھی - اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے پہرہ منسوخ کر دیا اور خیمہ سے باہر منہ نکال کر فرمایا کہ جاؤ میری حفاظت کا اللہ تعالیٰ کفیل ہو چکا ہے اب مجھے کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں رہی -

(۸) اس سے بھی بڑھ کر وہ ان کے عواطف و میلان قلبی کی بھی نگران رہتی ہے -

وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا. (الاسراء:٧٤) اگر ہم آپ کو تھام نہ لیتے تو کچھ نہ کچھ آپ ان کی طرف جھک چلے تھے -

چونکہ انبیاء علیہم السلام کے عزائم اور افعال تو در کنار قلبی خطرات بھی قدرتِ الٰہیہ کے زیرِ نگرانی رہتے ہیں اس لیے امت ان کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے یہ صفت صرف نبی و رسول کی ہے کسی امیر و حاکم کے متعلق عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا -

(۹) اسی خصوصیت کا اعلان کرنے کے لیے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ ان کی غلطی عام انسانوں کے برابر نہیں ہوتی اگر وہ خدا کے متعلق ایک بات بھی جھوٹ کہیں تو نہایت بے دردی سے ان کو ہلاک کر دیا جائے اور دنیا کے دوسرے جھوٹوں کی طرح کبھی ان کو مہلت نہ دی جائے لیکن کسی امیر و حاکم کے متعلق یہ شدت نہیں کی گئی' اسی لیے رسولوں میں کوئی جھوٹا نہیں گذرا اور سینکڑوں حاکم جھوٹے اور ظالم گذر چکے ہیں -

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ. (الحاقۃ : ٤٤-٤٦) اگر بالفرض آپ ہماری طرف سے کوئی بات بھی اپنی طرف سے لگاتے تو ہم آپ کا دایاں ہاتھ پکڑ کر آپ کی رگِ جان کاٹ ڈالتے -

(۱۰) اس ربانی تربیت وتعلیم' عصمت اور ہمہ وقت نگرانی کی وجہ سے اس کی جو بات ہوتی ہے خواہش نفس سے پاک اور صاف ہوتی ہے -

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ○ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی [۱] (النجم:۳-۴) وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا ہے جو بولتا ہے وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے -

---

[۱] مولوی اسلم صاحب اس آیت کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے قرآن کریم پڑھنے کے لیے تمام جگہ تلاوت یا قراءت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو ومایَنطق کی بجائے ومایتلو یا وما یقرأ کا لفظ ہونا چاہیے تھا - منکرین حدیث چونکہ حدیث کے سرے سے مخالف ہیں اس لیے وہ رسول کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امراء و حکام سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے - اصل یہ ہے کہ رسول اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اس لیے اس کے کان وہ سنتے ہیں جو عام مخلوق کے کان نہیں سنتے - اس کی آنکھیں وہ دیکھتی ہیں جو عام آنکھیں نہیں دیکھتیں - اسی لیے فرمایا انی اری ما لا ترون - یہی حال اس کے نطق کا ہے اسی لیے آپ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا حتی کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی فرمایا انی لا اقول الا حقا (میں خوش طبعی میں بھی سچی بات کہتا ہوں) اسی لیے فرمایا کہ غصہ اور رضامندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے .... بقیہ

www.besturdubooks.net

(۱۱) انہیں رائے کی عصمت بھی حاصل ہوتی ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ. (نساء : ۱۰۵) ہم نے آپ پر قرآن سچائی کیساتھ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات میں اس رائے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے۔

رسول کے سوا کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں ہے کہ مخلوق میں فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ خود ان میں سمجھ پیدا کردیتا ہے۔

(۱۲) خواہشاتِ نفس سے پاکیزگی خطرات ورائے کی اس عصمت کی وجہ سے وہ عالم کے لیے مجسم نمونہ عمل بنتے ہیں یہاں حق و ناحق کی تفصیل، نیکی اور معصیت کی تقسیمیں سب ختم ہوجاتی ہیں وہ جو بھی کہہ دیتے ہیں سب خواہشات نفس سے پاک اور جو کرتے ہیں وہ سب نیکی ہی نیکی ہوتی ہے اس لیے ان کی ہستی آنکھ میچ کر قابل اتباع ہوتی ہے۔ اماموں کی طرح یہاں کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہوتا اسی لیے فرمایا۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ. (احزاب : ۲۱) ہر قوم کے لیے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں تمہارے لیے بہترین نمونہ خدا کا یہ رسول ہے

(۱۳) ان کے قلب میں امت کے لیے انتہائی رحمت اور خیر خواہی ڈال دی جاتی ہے حتی کہ پھر ان کو اپنی امت سے اتنی محبت پیدا ہوجاتی ہے جتنی خود کسی کو اپنے نفس سے نہیں ہوتی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ. (الاحزاب:٦) نبی کو مومنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ محبت ہے۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَنْ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ. (الشعراء : ۲) شاید آپ اپنی جان ہلاک کردیں گے اس غم میں کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. (توبۃ : ۱۲۸) تمہارے پاس تم ہی میں کا ایک رسول آیا ہے ایسا مہربان کہ جو بات تمہیں تکلیف دہ ہو وہ اس پر بھاری ہے تمہاری بھی خواہی کا حریص ہے اور مومنین پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

(۱۴) امت پر اس کا احترام اتنا واجب ہوتا ہے کہ اس کی بیبیاں ان کی ماؤں کے برابر سمجھی جاتی ہیں جیسا اپنی ماں سے نکاح درست نہیں ہوتا ایسا ہی نبی کی وفات کے بعد اس کی ازواج سے نکاح کرنا درست نہیں ہوتا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ. (احزاب : ٦) نبی کو مومنین سے ان کی جانوں سے زیادہ تعلق ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

لله ..... نکلے سب لکھ لو وہ حق ہی حق ہوگا۔ جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ صدق وصفا کی کس منزل پر ہوگا۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں قرآن نے آپ کے کسی خاص بات کہنے کے متعلق صفائی پیش نہیں کی یعنی و ما ینطق بالقرآن وغیرہ نہیں فرمایا بلکہ مفعول کو حذف کیا ہے لہٰذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ صرف آپ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے یہاں تفتازانی نے جو تقریر ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لایعلمون میں کی ہے دیکھ لی جائے۔

www.besturdubooks.net

اس کے سامنے آگے بڑھ کر کوئی بات کہنا ممنوع ہوتا ہے۔

یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ الَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہ. (حجرات : ۱)	اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس کے سامنے اونچی آواز سے بولنا اس کو عام انسانوں کی طرح آوازیں دینا حبط عمل کا موجب ہوتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (حجرات : ۲)	اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے ایک دوسرے کے سامنے تڑخ کر بولا کرتے ہو' کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔
لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا. (نور)	رسول کو آپس میں اس طرح مت پکارو جیسا ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ. (حجرات : ٤)	جو لوگ آپ کو دیوار کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔
وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ. (الحجرات : ۵)	اگر وہ اتنی دیر انتظار کر لیتے کہ آپ باہر آ جائیں تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا جب عمل کو اکارت کر دیتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمال صالحہ کے لیے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔ (اعلام ج ۱ ص ۴۲)

(۱۵) ان کے ساتھ بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ. (الفتح : ۱۰)	جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

(۱٦) ان کی اطاعت اور ان کی جنگ خدا کی اطاعت اور جنگ بن جاتی ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ. (النساء : ۸۰)	جو رسول کا حکم مانے اس نے خدا ہی کا حکم مانا۔
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ. (البقرۃ : ۲۷۹)	(جو سود باقی رہ گیا) اگر تم نہیں چھوڑتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کو تیار ہو جاؤ۔

(۱۷) خدا کی محبت کا دعویٰ ان کی اتباع کیے بغیر قابل تسلیم نہیں ہوتا۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ. (آل عمران: ۳۱) آپ کہہ دیجیے! اگر تمہیں اللہ سے واقعی محبت ہے تو میری اتباع کرو۔

(۱۸) رسول مجلس مشاورت کی رائے کا تابع نہیں ہوتا دوسرے لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ۔ (آل عمران:۱۵۹) جب آپ کسی بات کا پختہ ارادہ فرمالیں تو پھر خدا پر بھروسہ کرکے اسے کر گذریئے خواہ اب کسی کا مشورہ کچھ ہو۔

امام بخاریؒ نے رسول کی مشاورت پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

باب قول الله و امرهم شورى بينهم و شاورهم في الامر و ان المشاورقبل العزم و التبيين لقوله فاذا عزمت فتوكل على الله. فاذا عزم الرسول لم يكن لبشر التقدم على الله و رسوله و شاور النبي صلى الله عليه وسلم اصحابه يوم احد في المقام و الخروج فرؤاله الخروج فلما لبس لأمته و عزم قالوا أقم فلم يمل اليهم بعد العزم و قال لا ينبغي لنبي يلبس لأمته فيضعها حتى يحكم الله وشاور عليا و اسامة فيما رمى به اهل الافك عائشةؓ فسمع منهما حتى نزل القران فجلد الرامين و لم يلتفت الى تنازعهم و لكن حكم بما امر الله. و كانت الائمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم يستشيرون الامناء من اهل العلم في الامور المباحة ليا خذو ابا سهلها فاذا وضح الكتاب و السنة لم يتعدوه الى غيره اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم. و رأى ابوبكر قتال من منع الزكوٰة فقال عمر كيف تقاتل الناس و قد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فاذا قالوا لا اله الا الله عصموا مني دماءهم و اموالهم الا بحقها حسابهم على

قرآن کریم نے امتیوں کے لیے یہ قانون مقرر کیا ہے کہ ان کے معاملات ان کے باہمی مشوروں سے طے ہوا کریں گے اور رسول کے لیے بھی مشورہ کا حکم دیا ہے لیکن یہاں مشورہ کا حکم اس کے عزم کرنے سے پیشتر ہے جب رسول عزم کر لے یا خدا کی وحی صاف آ جائے تو اب مشورہ کا کچھ لحاظ نہیں بلکہ اب اس کے خلاف مشورہ دینا خدا اور رسول کے سامنے تقدم اور پیش دستی شمار ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد میں جنگ کرنے کے لیے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا لیکن جب آپ نے جنگ کا پختہ ارادہ فرمالیا اور ذرہ پہن لی تو جن لوگوں نے اب مدینہ میں رہنے کا مشورہ دیا اس پر عمل نہ فرمایا اور کہا یہ بات نبی کی شان سے بعید ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ ذرہ پہن لے تو اب خدا کے حکم کے بغیر اس کو اتار دے اسی طرح حضرت عائشہؓ کی تہمت کے قصہ میں بھی آپ نے حضرت علیؓ اور اسامہؓ سے مشورہ فرمایا' ان کے مشوروں کو بغور سنا لیکن جب قرآن نازل ہو گیا اور مسئلہ صاف واضح ہو گیا تو ان کے باہمی اختلافِ رائے کی کوئی پرواہ نہیں کی اور قرآن کے مطابق حکم نافذ کر دیا۔ یہی دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کا تھا۔ وہ بھی امت کے امین لوگوں سے مشورہ کرتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا جو لوگ کلمہ توحید پڑھ رہے ہیں آپ بھلا ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ حدیث میں یہ موجود ہے کہ جب لوگ کلمہ توحید پڑھ لیں تو اب ان کی جان و مال محفوظ ہو گئے۔ یہ احتمال کہ انہوں نے اوپری طور پر پڑھا ہے یا دل سے ہماری بحث سے باہر بات ہے یہ خدا کے سپرد ہے۔ کچھ گفت وشنید کے بعد آخر حضرت عمرؓ نے بھی ان

www.besturdubooks.net

الله فقال ابوبکر و الله لا قاتلن من فرق بین ما جمع رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم تابعه بعد عمر فلم یلتفت ابوبکر الی مشورة اذکان عنده حکم رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الذین فرقوا بین الصلوة و الزکوة و ارادوا تبدیل الدین و احکامه الخ......

کی رائے سے اتفاق کرلیا۔ اب دیکھئے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس چونکہ ان لوگوں کے بارے میں جو نماز روزہ میں فرق کرتے تھے اور دین کی تبدیلی کرنا چاہتے تھے ایک حکم نبوی موجود تھا اس لیے اس کے سامنے انہوں نے کسی کے مشورہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ (اگر ان کے پاس یہ حکم نبوی موجود نہ ہوتا تو وہ صرف اپنی رائے سے خلاف نہیں کرسکتے تھے۔)

خلاصہ فرق یہ ہے کہ رسول صرف خدا کے حکم کا متبع ہوتا ہے وہ کسی کے مشورہ کا تابع نہیں ہوتا' اس کے سوا تمام امام اور امیر مشیروں کے مشورہ کے پابند ہوتے ہیں' وہ اپنے ذاتی عزم کے مالک نہیں ہوتے' انہیں اختلافِ رائے کی صورت میں کوئی آیت یا حدیث پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اور صرف حدیث پیش کرنا بھی کافی نہیں ہوتا' جب تک کہ بحث و تمحیص کر کے مجلس مشاورت کو پورے طور پر مطمئن نہ کردیں' یہ صرف ایک رسول ہی کی شخصیت ہے جسے عزم کر لینے کے بعد دوسروں کو مطمئن کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ خود دوسروں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ رسول کا رجحان دیکھ کر اسی جانب پر مطمئن ہو جائیں۔ پھر جو شخص یہاں جس قدر زیادہ مطمئن ہو جاتا ہے وہ اتنا ہی قابل تعریف شمار ہوتا ہے۔ کسی امام اور کسی امیر کی یہ شان نہیں ہے۔ صلح حدیبیہ میں شیخین کے اضطراب وسکون کے حالات احادیث میں موجود ہیں اور جن دلائل سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ پر ثابت ہوتی ہے ان میں سے ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ اس واقعہ میں جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے سینے اضطراب و بے چینی سے بھرے ہوئے تھے اس وقت جس کا قلب تمام تر اطمینان وسکون سے لبریز تھا وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔

آیاتِ بالا میں پورے عموم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان برداری اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا ذمہ لیا گیا ہے کہ وہ جو پڑھ کر سنائیں گے پھر اس کی جو مراد بیان کریں گے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی جو کلمہ زبان سے نکالیں گے وہ خواہشاتِ نفس سے قطعاً پاک ہوگا۔ قرآن میں جو رائے دیں گے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہوگی حتی کہ ان کے دل میں جو خطرات بھی گذریں گے وہ بھی قدرت کی حفاظت کے نیچے رہیں گے اس کے بعد کیا یہ حق کسی کو ہوسکتا ہے کہ وہ رسول کے کلام میں اپنی جانب سے یہ تفریق پیدا کردے کہ جو اس نے قرآن کہہ کر سنایا وہ تو واجب الاطاعت ہے لیکن جو اس نے اس کی مراد بتلائی یا جو اس نے خود فرمایا وہ واجب الاطاعت نہیں بلکہ اس کو شرعی کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں۔ رسول بذاتِ خود ایک شرعی منصب ہے وہ اس لیے آتے ہیں کہ دنیا کو ہدایت اور خدا کی رضامندی کی راہ دکھلائیں اس لیے اس بارے میں وہ جو کہتے ہیں وہ سب رب العزت کی رسالت کی حیثیت سے کہتے ہیں۔ جو پہنچاتے ہیں وہ خدا ہی کا حکم ہوتا ہے اگر قرآن پہنچانا رسالت میں داخل ہے تو اس کی مراد بیان کرنا اس کی تفصیلات سمجھانا' یا دین کے بارے میں اپنی ہی جانب سے قرآنی آیات کے ماتحت کچھ اور احکام صادر کرنا رسالت کا جزو کیوں نہیں' قرآن کی کسی ایک آیت میں اس طرف کوئی معمولی بھی اشارہ نہیں ملتا کہ رسول کی یہ تمام صفات صرف

www.besturdubooks.net

قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں‘ حتیٰ کہ وہی جب دین کے معاملہ میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اس کی حفاظت نہیں کی جاتی‘ اس میں خواہش نفس کا دخل ہونے لگتا ہے اور یہاں اس کی کوئی تشریعی حیثیت نہیں رہتی۔

اب ایک طرف آپ یہ آیات قرآنی پڑھیے‘ دوسری طرف رسول کے متعلق مولانا اسلم صاحب کا یہ تصور دیکھئے کہ صرف قرآن سنا کر رسالت کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے‘ رسالت کا حق صرف یہ ہے کہ جو قرآن انہوں نے پڑھ کر سنایا ہے اس کو ان کے اعتماد پر اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ لیا جائے اس کے بعد اب وہ اور ہم برابر ہیں جیسا اُن کے پاس عقل ہے ہمارے پاس بھی ہے جیسا وہ قرآن سمجھتے ہیں ہم بھی سمجھ لیتے ہیں‘ دین کے معاملات میں ان کی رائے کا وزن وہی ہے جو ہماری رائے کا۔ خلاصہ یہ کہ اتباع اور اطاعت میں ان کا ایک ذرہ بھی حق نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ رسول اپنی زندگی کے طویل وعریض عرصات میں بہت ہی مختصر لحات کے لیے منصب رسالت پر مامور ہوتا ہے بقیہ زندگی میں اس کی حیثیت پھر وہی ہو جاتی ہے جو عام انسانوں کی ہے لیکن ان آیات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ رسول کے لیے یہ آداب اور عظمتیں کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں بلکہ اس کا جو احترام تبلیغ قرآن کے وقت واجب ہے وہی تدبیر مہمات اور فصل خصومات اور امت کے دوسرے نظم ونسق کے وقت واجب ہوتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اپنے گھر میں چلا جائے اور بستر خواب پر ہو اس وقت بھی اس تمام احترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے بلکہ منکرین حدیث کو چھوڑ کر بقیہ امت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اس کے ان آداب میں آج بعد از وفات بھی سرمو کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جب اس کا احترام ہمہ وقت واجب ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمہ وقت رسول ہے اور جب وہ ہمہ وقت رسول ہے تو دین کے معاملہ میں اس کا جو حکم ہے وہ ہمہ وقت واجب الاطاعت ہے۔

مولانا اسلم صاحب کا آپ کی ذات میں دو حیثیتیں پیدا کرنا تبلیغ قرآن کے وقت آپ کو رسول اور فصل خصومات کے وقت آپ کو صرف ایک امام سمجھنا قرآن کے قطعاً مخالف ہے اگر قرآن کی نظر میں آپ کی یہ دو حیثیتیں ہوتیں تو ضرور قرآن کریم ان کو جدا جدا بیان کرتا‘ ان کے جدا جدا حقوق بتلاتا‘ لوگ آپ کے ساتھ ان حیثیتوں کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ معاملات کرتے۔ ایک وقت آپ کے سامنے آواز بلند کرنا حبط عمل کا موجب سمجھتے دوسرے وقت آپ سے منازعت کی بھی پرواہ نہ کرتے لیکن تمام قرآن میں‘ آپ کی تمام حیات باحیا میں‘ صحابہؓ کے تمام تذکروں میں کہیں آپ کے ساتھ دو قسم کے معاملات ثابت نہیں ہوتے اور ذخیرۂ نقل میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کبھی کبھی آپ منصب رسالت سے اس طرح علیحدہ ہو جاتے تھے جیسا ایک پوسٹ مین ڈاک تقسیم کر کے اپنے عہدہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام دعاوی قرآن کے خلاف اور اس کی صریح تحریف ہیں۔ پس حق صرف یہی ایک بات ہے کہ آپ ہمہ وقت رسول ہیں اور ہمہ وقت آپ کی اطاعت اور اتباع لازم ہے اخلاقی اطاعت واتباع نہیں بلکہ شرعی ومذہبی اتباع ایسی اتباع نہیں جو ختم ہونے والی ہو بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی وہ اتباع نہیں‘ جس میں ہمارا اختیار ہو بلکہ وہ اتباع جو سب سے بڑھ کر ہم پر فرض ہے اور ہمارا اس میں کوئی اختیار نہیں۔

قرآن میں رسول کی اطاعت ❋ رسول کی اطاعت مستقل حیثیت سے بھی واجب ہوتی ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ — فرمان برداری کرو اللہ کی اور فرمان برداری کرو رسول کی اور ان

www.besturdubooks.net

مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ۔ (النساء: ۵۹)

جو تم میں حکم کے مالک ہوں۔ (یعنی حکام وغیرہ) پھر اگر تم کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اسے خدا اور رسول کے سامنے پیش کر دو۔

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے پیش کرنے کا مطلب اس کی کتاب کے سامنے پیش کرنا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے سامنے پیش کرنے کا مطلب آپ کی سنت اور احادیث کے سامنے پیش کرنا ہے۔[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتیں واجب فرمائی ہیں، دو مستقل اور ایک غیر مستقل۔ اللہ اور رسول کی اطاعت تو مستقل واجب کی گئی ہے اور اولوالامر کی تیسری اطاعت ان دو اطاعتوں کے ماتحت درج کر دی گئی ہے اسی لیے پہلی دو اطاعتوں کے لیے لفظ اطیعوا (فرمان برداری کرو) مکرر استعمال کیا گیا ہے اور تیسری اطاعت کے لیے جداگانہ امر نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح ایک مستقل حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اولوالامر کی اطاعت ان اطاعتوں کی طرح مستقل حیثیت[2] نہیں رکھتی یہی وجہ ہے کہ تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے حکم کے بعد صحابہؓ نے کبھی آپ سے اس پر قرآن سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہو، اس کے برخلاف اماموں کو ہمیشہ اپنی اطاعت کے لیے قرآن و حدیث پیش کرنا پڑی ہیں بلکہ بعض مرتبہ اپنے قول سے رجوع بھی کرنا پڑا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآنی امر میں تشریعی حیثیت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں ہے اس لیے یہاں رسول کی اطاعت بھی صرف تشریعی حیثیت سے واجب ہوگی نہ

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۸۷۔

[2] حافظ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اطاعت رسول کے مستقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر حکم ماننا چاہیے خواہ اس کی اصل ہمیں قرآن میں معلوم ہو سکے یا نہ ہو سکے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض سنتوں کی اصل قرآن میں موجود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ رسول کی اطاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف ہی نہیں بنایا کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں تلاش کی جائے۔ اولوالامر کی اطاعت اس طرح واجب نہیں ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے ماتحت ہے اس لیے جب تک وہ احکام خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق حکم دیں، ان کی اطاعت کی جائے گی اور جب ان کا خلاف کریں واجب الاطاعت نہ رہیں گے۔ صحیح حدیث میں ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے۔ انما الطاعة فی المعروف (اطاعت صرف اچھی بات میں کرنی چاہیے) ایک مرتبہ مسلمانوں کے امیر نے اپنی فوج کے دستے کو حکم دیا کہ وہ آگ میں گھس جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں صحابہ نے تامل کیا جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا انھم لو دخلو الماخرجوا منھا (اگر یہ لوگ آگ میں چلے جاتے تو پھر انہیں اس سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ حکم شریعت اسلامیہ کے خلاف تھا۔ اس میں کسی امیر و حاکم کی اطاعت واجب نہیں ہے حافظ ابن قیمؒ کے اس بیان سے اطاعت رسول کے مستقل اور اولوالامر کی اطاعت غیر مستقل ہونے کا مفہوم واضح ہو گیا (دیکھو اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۱) پھر اسی کتاب کی جلد ۲ ص ۲۳۲ پر فرماتے ہیں کہ اگر رسول کی اطاعت صرف ان احکام تک محدود رہے جو قرآن کریم میں بھی صاف صاف موجود ہیں تو پھر و اطیعوا الرسول کی آیت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ اطیعو اللّٰہ و اطیعوا الرسول (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) کی آیت یہ چاہتی ہے کہ خدا کے نزدیک رسول کی اطاعت بھی ایک مستقل مد ہے۔ بیسیوں آیتوں میں اطاعت رسول کا علیحدہ حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کی براہ راست اطاعت کرنا بھی خدا ہی کا ایک حکم ہے اس لحاظ سے جو شخص رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ خدا کی اطاعت بھی نہیں کرتا۔

www.besturdubooks.net

کسی اور حیثیت سے- یہاں منکرین حدیث کو بڑا مغالطہ یہ ہو گیا ہے کہ وہ دو اطاعتوں کی وجہ سے یہ سمجھ گئے ہیں کہ مطاع بھی دو بن گئے اس لیے یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دو اطاعتیں واجب ہونے کی وجہ سے مطاع دو نہیں بنتے دراصل مطاع دونوں جگہ خدا ہی کی ذات رہتی ہے- رسول کی اطاعت میں یہ سمجھنا کہ مطاع خدا کی ذات پاک نہیں ہوتی بڑی غلط فہمی اور قرآن سے ناواقفی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے-

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی-

گویا رسول کی اطاعت کی صورت میں بھی مطاع خدا ہی کی ذات رہتی ہے- پس اطاعت کے تعدد سے مطاع میں تعدد نہ سمجھنا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا بیان اس لحاظ سے کہ اس تفصیل سے قرآن میں مذکور نہیں ہوتا ایک مستقل حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس اعتبار سے یہاں مطاع بظاہر اس کی ذات معلوم ہوتی ہے اور اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ تمام تفصیل بعینہٖ قرآن کے اجمال کی مراد ہوتی ہے تو اس کی حیثیت کوئی مستقل حیثیت نہیں رہتی اور یہاں بھی اصل مطاع خدا ہی کی ذات ہو جاتی ہے- پس احادیث رسول پر عمل کرنے والا بلحاظ بیان تو رسول کا مطیع کہلاتا ہے اور بلحاظ مراد خدا ہی کا مطیع ہوتا ہے' فرق صرف یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والا خدا کے الفاظ پر ہی عمل کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مراد پر عمل کرتا ہے- اس بناء پر اطاعتیں اگرچہ دو نظر آتی ہیں مگر مطاع درحقیقت ایک ہی رہتا ہے-[1]

خلاصہ آیت یہ ہے کہ خدا کا اصل قانون تو صرف خدا کی کتاب ہے' اس کی مرادوں کو واضح کرنے والی احادیث رسول ہیں اور اس مفصل قانون کو تا قیامت چلانے والے ائمہ دین ہیں اگر کبھی ان میں کسی معاملہ میں اختلاف پڑ جائے تو ان ائمہ کے لیے بھی اصل مرجع وہی اللہ اور رسول ہیں-

آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ الخ کے متعلق مولانا اسلم صاحب کی تفسیر ✽ مولوی اسلم صاحب نے جو تفسیر اور نظم اسلامی کی جو تشریح یہاں لکھی ہے وہ صرف ان کے دماغ کی تراشیدہ ہے- قرآن کریم سے اس کو دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے پہلے ہم ان کے الفاظ بعینہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں- اس کے بعد اس پر تنقید کی جائے گی-

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں(۱) تھیں- (۱) پیغمبری یعنی پیغاماتِ الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست پہنچا دینا- اس حیثیت(۲) سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا-

(۲) امامت- یعنی امت کا انتظام- اس کو قرآن کے مطابق چلانا' اس کی شیرازہ بندی' ان کے باہمی قضایا کے فیصلے' تدبیر مہمات و جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ- اس حیثیت(۳) سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم کی گئی-

یہ امامتِ کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لیے قائم ہوئی قیامت تک مستمر ہے جو آپ کے(۴)

---

[1] دیکھو الموافقات ج ۴ ص ۱۹-

www.besturdubooks.net

زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے ہمیشہ رہنی چاہیے۔ قرآن میں اطاعت رسول کے جو احکام ہیں وہ آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لیے ہیں۔ جن میں آپ کے بعد آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان (۵) کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن (۶) میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی (اور یہ امت ہمیشہ آپ ہی کی امت رہے گی کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی۔ اور اطاعت (۷) عربی میں کہتے ہی ہیں زندہ کی فرمان برداری کو رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں۔ یہ ذہنیت (۸) امت میں اس وقت پیدا ہوئی جب کوئی صحیح خلیفۂ رسول نہیں رہا اور مستبدوں نے مرکز پر تغلب حاصل کر کے امت کو اپنا غلام بنالیا اور ان کی دینی قیادت چھوڑ دی' جو علماء اور رواۃ حدیث نے لے لی۔ اسی (۹) دن سے امت مذہبی انفرادیت اور انتشار میں مبتلا ہوگئی۔ ورنہ دین کی ضروریات (۱۰) قرآن کی اتباع اور امام وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں امام کے (۱۱) ساتھ امت کے منتخب افراد ہوں گے جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضاء زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور اس میں وحدت مرکزی قائم رکھے گا اور متفرق نہ ہونے دے گا۔ الغرض قرآن امام وقت ہی کے ساتھ امت کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے اور حدیثوں (۱۲) کی حیثیت صرف تاریخی ہے ان میں سے جو قرآن کے مطابق ہوں گی قبول کی جائیں گی۔ [۱]''

مولانا اسلم صاحب کی تفسیر پر تنقیدی نظر ⁕ مولانا موصوف نے اطاعت خدا اور رسول کے معنی بیان کرنے میں تقریباً ایک صفحہ سے زیادہ خرچ کیا ہے۔ اس پر تفصیلی تبصرہ کرنے سے پہلے ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ مذہب اسلام صرف مولانا کی دماغی تجویز پر موقوف نہیں ہے بلکہ تیرہ سو سال سے اس پر مسلسل عمل ہوتا چلا آیا ہے جن باتوں کا تحریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے ان کے متعلق قطعی طور پر یہ ثبوت پیش کرنا مولانا کے ذمہ ہے کہ آج تک اسلامی نظام کی بنیاد در حقیقت اسی نقشہ کے مطابق سمجھی گئی ہے یا کم از کم عہد نبوت اور صحابہ و تابعین میں سمجھی گئی تھی لہٰذا فقرہ نمبر ۸ صرف ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔

(۱) مولانا نے پہلا دعویٰ یہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں۔ رسالت اور امامت. رسالت کی حیثیت سے آپ پر صرف ایمان لانا ضروری تھا اور آپ کی اطاعت کرنا بہ حیثیت امامت تھا نہ کہ بہ حیثیت رسالت۔ ہمارے نزدیک یہ تینوں باتیں واقعات کے بھی خلاف ہیں اور خود قرآن کے بھی خلاف ہیں۔ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں ذہنی اعتبار سے دو حیثیتیں کیا اس سے زیادہ بھی حیثیات قائم کی جا سکتی ہیں مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا آپ کی ان دو حیثیتوں کو قرآن نے کہیں جدا جدا اعتبار کیا ہے یعنی کبھی بہ حیثیت رسول اور کبھی بہ حیثیت امام آپ کے دو قسم کے حقوق بتلائے ہیں۔ پھر کیا صحابہ کرام

---

[۱] علم حدیث ص ۳۴، ۳۵، ۳۶۔

www.besturdubooks.net

نے ان دو حیثیتوں کے لحاظ سے کبھی آپ کے ساتھ دو قسم کے معاملات کیے ہیں پھر امت مسلمہ نے اپنے تواتر کے باوجود کیا آپ کی ان دو حیثیتوں کو سمجھا ہے میں پورے وثوق کے ساتھ ان تینوں سوالات کے جوابات نفی میں سمجھتا ہوں۔ رسول کی ذات میں یہ حیثیتیں قائم کرنا بالکل ایک منطقی اعتبار ہے جس کا خارج میں کہیں وجود نہیں۔ قرآن کریم نے ہمیشہ آپ کی حیثیت صرف ایک رسالت کی حیثیت بیان کی ہے اور ہمیشہ آپ کو رسول ہی کے لفظ سے پکارا ہے صحابہ نے بھی ہمیشہ آپ کو رسول ہی کہا ہے یہاں تک کہ کفار میں بھی آپ کی جو حیثیت مشہور تھی وہ صرف اللہ کے رسول ہونے کی ایک ہی حیثیت تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ. (المائدۃ : ٦٧)	اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جاتا ہے اس کو آپ دوسروں تک پہنچا دیجئے۔

یہاں آپ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے اور رسول ہی کے لفظ سے مخاطب فرمایا ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. (الاحزاب:٣٦)	جب خدا اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو کسی مؤمن مرد یا عورت کو پھر اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

اس آیت میں بھی آپ کو رسول ہی کہا گیا ہے اور رسول ہی کے فیصلہ کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ پس فقرہ نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳ کی تفریق قرآن کریم کے صریح مخالف ہے۔ اس مضمون کو دوسری آیت میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (النساء : ٦٥)	آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ آپس کے اختلافات میں آپ ہی کو حکم نہ ٹھیرائیں اس کے بعد آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پوری طرح اس کے سامنے سر نہ جھکائیں۔

ایمان کی تکمیل رسول کی اطاعت کے بغیر نہیں ہوتی ❋ اس آیت سے یہ خوب واضح ہوگیا کہ رسول پر ایمان لانا اس کی اطاعت کے بغیر قرآن کے نزدیک ایمان ہی نہیں ہے' کوئی انسان صرف ایک لفظ امنت کہہ کر حقوق رسالت سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا' جب تک کہ وہ ہر معاملہ میں رسول کو اپنا حکم نہ بنائے' باہمی جو اختلاف بھی ہو اس میں اسی کا فیصلہ ناطق نہ سمجھے اور یہی نہیں بلکہ تکمیل ایمان کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اگر وہ فیصلہ اپنے مخالف ہو تو بھی اپنے دل میں اس میں کوئی تنگی محسوس نہ کرے پھر بھی صرف اس منفی پہلو سے ایمان کامل نہیں ہوگا جب تک کہ اثباتی پہلو میں انقیاد و تسلیم اس کی رگ رگ میں نہ سما جائے۔

پس مولانا تو یہ فرماتے ہیں کہ منصب رسالت کو اطاعت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اطاعت کے بغیر رسول پر ایمان ہی کامل نہیں ہوتا وہ صرف ایک ادھورا اور نا تمام ایمان ہوتا ہے دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ. (النور : ٦٢)	جو لوگ آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

معلوم ہوا کہ ایمان کے حدود میں استیذان جیسی معمولی اطاعتیں بھی درج ہیں۔ پس جب آپ کے حکم کے بغیر کہیں جانا بھی درست نہیں تو اپنی رائے سے کوئی شرعی حکم اختیار کرنا کیسے درست ہوگا۔ (اعلام ج ۱ص ۴۳)

مولانا اسلم صاحب کی ایمان کے معنی سمجھنے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ ⁕ درحقیقت یہاں مولانا اسلم صاحب کو ایک شدید غلطی ایمان کے معنی سمجھنے میں پیش آ گئی ہے اگر وہ ایمان کی صحیح حقیقت معلوم کر لیتے تو اطاعت کو ایمان سے علیحدہ کر ہی نہیں سکتے تھے وہ یہ سمجھے ہیں کہ ایمان صرف زبان سے تصدیق کر لینے کا نام ہے اس لیے ان کے نزدیک رسول کا حق صرف تصدیق کر کے ادا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں رہتی حالانکہ اگر وہ ذرا تحقیق کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اوّلاً تو اطاعت کے بغیر ایمان ہی حاصل نہیں ہو سکتا' دوم قلبی تصدیق حاصل ہو جانے کے بعد یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اطاعت کا عہد دل میں نہ پیدا ہو جائے۔ جو شخص رسول کی اطاعت کا عہد نہیں کرتا یقیناً وہ دل میں اس کی تصدیق بھی نہیں رکھتا اسی بنا پر ہرقل بادشاہ کو مسلمان نہیں کہا گیا حالانکہ اس نے آپ کی کھلی محفل میں تصدیق کر لی تھی۔ اگرچہ اپنی قوم کی برہمی دیکھ کر بعد میں بات بنا دی۔ اسی طرح ابوطالب کی تصدیق[1] بھی ان کے اشعار سے ثابت ہے۔

و دعوتنی و زعمت انک صادق   و صدقت فیہ و کنت ثم امینا

ترجمہ: ''آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی اور یہ سمجھ کر دی کہ آپ سچے ہیں۔ بے شک آپ ایسے ہی ہیں کیوں نہ ہو کہ آپ ان کے درمیان ہمیشہ سے امین مشہور ہیں۔''

و عرفت دینک لا محالۃ انہ   من خیر ادیان البریۃ دینا

ترجمہ: ''میں یہ یقین کر چکا ہوں کہ آپ کا دین یقیناً تمام دینوں سے بہتر ہے۔''

لو لا الملامۃ او حذار مسبۃ   لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

ترجمہ: ''اگر ملامت اور لوگوں کے طعن و تشنیع کا خوف نہ ہوتا تو آپ دیکھ لیتے کہ میں بڑی فراخ دلی سے اس کو کھلا کھلا قبول کر لیتا۔''

اس کے باوجود جمہور امت نے ان کا ایمان تسلیم نہیں کیا اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے ہزار آپ کی تصدیق کی ہو لیکن جب ان کے دل نے معمولی انسانوں کے عار کی خاطر رسول عربی کی اطاعت کرنا قبول نہیں کیا تو ان کو مسلمان کیسے کہہ دیا جائے۔

---

[1] بعض متورین ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں ان کو بھی یہی مغالطہ ہوا ہے انہوں نے صرف ان کی تصدیق پر تو نظر کی رسول کی ہمدردی کی داستان کا تو مطالعہ کیا' مگر یہ نہ دیکھا کہ جو شخص تھوڑی دیر کے لیے قومی عار بھی برداشت نہیں کرتا' اس کے نزدیک رسول کی شخصیت کا وزن کتنا تھا۔ اگر دین بھی صرف ایک معاشرتی قانون ہوتا جس کا تسلیم کرنا صرف اخلاق کی حد تک واجب ہو سکتا ہے تو ابوطالب کے سوا اور لوگوں کو بھی اس کی گرفت سے آزادی مل سکتی تھی مگر وہ تو مذہبی اور الٰہی قانون ہے اس سے آزاد رہنا کسی کے لیے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ جن بعض علماء نے ابوطالب کے اسلام کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے اس کی بنا یہ نہیں ہے کہ اسلام کے لیے صرف تصدیق کرنا کافی ہے بلکہ چند ضعیف احادیث ہیں۔ جمہور ان کو ثابت شدہ نہیں سمجھتے۔ صرف یہ دیکھ کر کہ بعض اور علماء بھی ابوطالب کے ایمان کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے خواہ عہد اطاعت نہ ہو کوتاہ نظری ہے۔

www.besturdubooks.net

حافظ ابن قیم وفد نجران کے قصہ میں ایک کاہن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے پر تحریر فرماتے ہیں۔ و فیھا ان اقرار الکاھن الکتابی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ نبی لا یدخلہ فی الاسلام ما لم یلتزم طاعتہ و متابعتہ - اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی کتابی کاہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کی تصدیق کرلے کہ آپ نبی ہیں تو صرف اس اقرار کرنے سے وہ اسلام میں داخل نہیں مانا جا سکتا۔ جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت اور اتباع کا بھی پورا پورا عہد نہ کرے۔ اسی واقعہ کی نظیر ان دو یہودی علماء کا قصہ ہے جنہوں نے آپ کی خدمت میں آکر آپ سے امتحاناً تین سوالات کیے تھے اور جب ان کے جواب باصواب حاصل کرلیے تو بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا بولو اب میری اتباع سے تمہیں کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے جھٹ یہ بہانہ کردیا کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں۔ اس واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوا کہ صرف نبوت کا اقرار کرلینے سے اسلام کا حکم نہیں لگایا جاتا جب تک کہ آپ کی اطاعت کا عہد بھی نہ کیا جائے۔ اسی کی تیسری شہادت ابو طالب کا واقعہ ہے' ان کے اس پرزور اقرار کے باوجود کہ ان کے نزدیک آپ کا دین تمام ادیان سے افضل و بہتر ہے' ان کو اسلام میں داخل نہیں مانا گیا۔ اس کے بعد حافظ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں۔

و من تامل ما فی السیر و الاخبار الثابتہ من شھادۃ کثیر من اھل الکتاب و المشرکین لہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ و انہ صادق فلم تدخلھم ھذہ الشھادۃ فی الاسلام علم ان الاسلام امر وراء ذلک و انہ لیس ھو المعرفۃ فقط و لا المعرفۃ و الاقرار فقط بل المعرفۃ و الاقرار و الانقیاد و التزام طاعتہ و دینہ ظاھرا و باطنا[1]

جو شخص کتب سیرت کا مطالعہ کرے گا اور ان میں بہت سے اہل کتاب اور مشرکین کی تصدیق کے واقعات پڑھے گا تو اس پر یہ بخوبی روشن ہوجائے گا کہ اسلام صرف آپ کی رسالت کی تصدیق کا نام نہیں نہ وہ صرف معرفت ہے نہ صرف معرفت و اقرار کا نام ہے بلکہ جب تک ان کے علاوہ آپ کی ظاہراً و باطناً فرمان برداری اور آپ کی پوری پوری اطاعت کا عہد بھی نہ کرے اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ کہ ایمان میں تصدیق کے ساتھ التزام طاعت ہی ایسا جزء ہے جس سے ایمان و کفر کی پوری پوری حقیقت جدا ہوسکتی ہے جنہوں نے ایمان کی تعریف میں صرف تصدیق پر اکتفاء کی ہے وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ رگ و پے میں تصدیق سرایت کرجانے کے بعد رسول کی اطاعت سے روگردانی کیسے ہوسکتی ہے[2] معتزلہ نے تو اس شبہ کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ان کے نزدیک تصدیق

---

[1] زاد المعاد: ج ۳ ص ۵۵۔

[2] جمہور اس کو معتزلہ کا مبالغہ سمجھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس اعتراض کا مبنی صرف عقلیات پر چلنا اور واقعات سے صرف نظر کرلینا ہے۔ آج بھی سب کو معلوم ہے کہ قتل کی سزا پھانسی اور چوری کی سزا جیل خانہ ہے مگر کیا یہ جرائم بند ہوگئے یا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان جرائم پیشہ کو اس قانون کی تصدیق حاصل نہیں ہوتی۔ اصل یہ ہے کہ انسان میں قوت واہمہ بھی ایک زبردست قوت ہے اس کا تصادم بسا اوقات یقین کے مقتضی پر انسان کو عمل کرنے نہیں دیتا .....

www.besturdubooks.net

حاصل ہونے کے بعد معصیت کا ارتکاب ممکن ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے درحقیقت اس کو اس پر ایمان ہی نہیں ہوتا کہ گناہ کبیرہ عذاب کی چیز ہے' اس لیے ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے پس معتزلہ جن کی عقل کا مولانا اسلم صاحب کو بھی اعتراف ہے تصدیق کے ساتھ رسول کی اطاعت کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ عاصی کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں دیکھتے - اور مولانا اطاعتِ رسول کو اتنا غیر ضروری سمجھے ہوئے ہیں کہ اُسے رسول کا حق ہی قرار نہیں دیتے - یہاں قرآن کا فیصلہ آیت بالا کے بموجب یہ ہے کہ ایمان کے لیے رسول کی اطاعت اتنی ضروری چیز ہے کہ جو شخص رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ مومن کامل بھی نہیں کہلا سکتا - یہ تو رسول کی اطاعت کا پہلو تھا' اب اس کے خلاف کا پہلو سنئے -

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (النور: ٦٣)

تو جو لوگ اس کے حکم کا خلاف کرتے ہیں انہیں ذرا ڈرتے رہنا چاہیے کہیں کوئی فتنہ یا خدا کا دردناک عذاب نہ پکڑ لے -

ان تمام مقامات پر یہ کہے چلے جانا کہ رسول کے حکم سے مراد امام کا حکم ہے اور اس کی اطاعت سے مراد بھی امام ہی کی اطاعت ہے قرآن کے صریح الفاظ کو معطل کرنا ہے اگر ایسی تاویلات جائز سمجھی جائیں تو پھر قرآن سے کوئی مراد حاصل کرنا بھی مشکل ہوگا اور اس کے الفاظ سے امن اٹھ جائے گا اور ہر شخص من مانی جو چاہے مراد بیان کرے گا - رسولوں کے مطاع ہونے کا قانون اللہ تعالیٰ کا مستمر قانون ہے - قرآن کہتا ہے کہ ہر رسول اطاعت ہی کے لیے رسول بنایا گیا ہے -

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (النساء: ٦٤)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم کے ماتحت ان کی اطاعت اور فرمان برداری کی جائے -

پس رسولوں کا مطاع ہونا قرآن کے نزدیک حق رسالت ہے اور ایک ایسا عام قانون ہے جس سے کبھی کوئی رسول مستثنیٰ نہیں رہا اب مولانا کا یہ فرمانا کہ کبھی کسی رسول کو بہ حیثیت رسول مطاع نہیں سمجھا گیا' قرآن کے کتنا مخالف دعویٰ ہے - قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ہر رسول اطاعت ہی کے لیے مبعوث ہوا ہے' مولانا یہ کہتے ہیں کہ کوئی رسول اطاعت کے لیے نہیں آیا صرف ایمان کے لیے آیا ہے - مولانا فرماتے ہیں کہ ایمان کے لیے اطاعت لازم نہیں' قرآن یہ کہتا ہے کہ اطاعت کے بغیر ایمان ہی نہیں [1]

[بقیہ] ..... دیتا مثلاً جب انسان کسی بلند دیوار پر چلتا ہے تو اگر اس کے وہم کا تصادم نہ ہو تو اس کے اپنے چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو مگر اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اب گرا' اب گرا اور اس لیے اس کو چلنا دوبھر ہو جاتا ہے - حتیٰ کہ بسا اوقات وہ گر ہی پڑتا ہے - اسی طرح پورے یقین کے باوجود بھی خواہشات انسانی اس کے نفس پر اتنا غلبہ کر لیتی ہیں کہ اسے توبہ' رحمت وغیرہ کے بھروسہ پر مقتضی یقین کے خلاف کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں - بہر حال یہاں تو بحث یہ ہے کہ تصدیق کے بعد اطاعت کرنے کا عزم بھی ایمان کے لیے ضروری ہے یا نہیں' اب آگے اس پر کتنا عمل میسر آتا ہے کتنا نہیں - یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے - مولانا کے نزدیک تو اطاعت رسول کا حق ہی نہیں یہ حق صرف امام کا ہے -

[1] پس اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ منصب رسالت کے لیے صرف ایمان لانا ضروری ہے - پھر بھی رسول کی اطاعت ضروری ٹھیرتی ہے کیونکہ اطاعت کے بغیر ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا -

www.besturdubooks.net

اصل یہ ہے کہ قرآن صداقتوں کا ایک مجموعہ ہے اس کی ایک صداقت تسلیم کرنے سے دوسری صداقت تسلیم کرنی ضروری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب اس کی ایک صداقت کا انکار کیا جاتا ہے تو دوسری صداقت کا انکار خود بخود سر پڑ جاتا ہے۔ مولانا نے جب قرآن کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ منصب رسالت کے لیے اطاعت ضروری نہیں ہے تو ان کو یہ بھی ماننا پڑا کہ رسول کو صرف زبان سے سچا کہہ دینے کا نام ایمان ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ایک شخص آپ کی تصدیق کرتا ہے مگر آپ کے احکام نہیں مانتا وہ بھی مؤمن کہا جا سکتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ امام وقت کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے اس کو فاسق وغیرہ کہہ دیا جائے اور اگر کافر کہا جائے تو ہر امام کی اطاعت نہ کرنے سے کفر لازم آئے گا۔ رسول کی پھر کوئی خصوصیت نہ رہے گی۔ ان سب اختلافات کی بنیاد یہ ہے کہ منکرین حدیث کے نزدیک رسول کی وہ حیثیت ہی نہیں جو قرآن نے بتلائی ہے اس لیے وہ اس کو جتنا ہلکا بنا سکتے ہیں بنا دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جب یہ ثابت ہے کہ رسول کی حیثیت امام کی حیثیت سے کہیں برتر ہوتی ہے وہ معصوم ہوتا ہے' اس کے لئے عصمت ضروری نہیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے' امام کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں تو یہ کیسے معقول ہے کہ امامت کے لیے تو اطاعت لازم قرار دی جائے اور رسالت کے لیے لازم قرار نہ دی جائے یہ بھی عجیب فلسفہ ہے کہ جس پر ایمان لانا وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہو اس کی اطاعت کوئی ضروری امر نہ ہو۔ درحقیقت یہ تمام شاخیں رسول اور ایمان کی حقیقت سے ناواقفی کی بدولت پیدا ہوئی ہیں۔

کتاب اللہ اور اطاعت رسول کا مطلب ✻ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی کی اطاعت کا مطلب اس کی ذات کی اطاعت نہیں ہوا کرتا' بلکہ اس کے احکام کی اطاعت ہی ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ کی اطاعت کے معنی اس کی کتاب کی اطاعت ہیں۔ اسی طرح رسول کی اطاعت کے معنی بھی اس کے احکام کی اطاعت ہونا چاہئیں یہاں حیات اور وفات میں اگر کوئی فرق پڑتا ہے تو اتنا ہی کہ حالتِ حیات میں آپ ہمارے سامنے موجود تھے اب دوسرے جہان میں موجود ہیں تو کیا اطاعت کے لیے مطاع کا سامنے موجود ہونا شرط ہے؟ آپ کی حیات میں بھی لوگ دیگر ممالک میں رہ کر آپ کے اسی طرح مطیع کہلائے جیسا مدینہ میں آپ کے احکام کی اطاعت کرنے والے۔

فقرہ نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رسول کی اطاعت کا لفظ امام وقت کی اطاعت کے طفیل میں صادق کرنا چاہتے ہیں اور قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام وقت کی اطاعت رسول کے طفیل میں ہے اگر رسول کی اطاعت واجب نہ ہوتی تو کسی امام کی اطاعت بھی واجب نہ ہوتی۔ اماموں کی اطاعت اسی لیے ضروری ہے کہ اصل میں رسول کی اطاعت واجب ہو چکی ہے اور یہ اس کے جانشین بن کر اسی کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں' اسی لیے اگر ان کی دعوت کا رخ خدا اور رسول کی طرف نہ رہے تو ان کی اطاعت بھی واجب نہیں رہتی۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جب مولانا کے نزدیک آپ کی اطاعت بہ حیثیت رسالت ضروری نہ ٹھیری اور جو اطاعت بہ حیثیت امامت واجب تھی وہ بعد وفات ختم ہو گئی اس لیے کہ مولانا کے نزدیک اطاعت عربی میں صرف زندہ کی فرمان برداری کو کہتے ہیں تو مولانا صاف یہ اعلان کیوں نہیں کر دیتے کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہی نہیں رہی اور کیوں خواہ مخواہ زندہ جانشینوں کے پردہ میں اس کو مستقر بنانا چاہتے ہیں۔ پھر فقرہ نمبر ۵ میں یہ کیوں لکھ رہے ہیں کہ خلفاء کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ خلفاء کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کہنا ہی غلط ہے اوّلاً

www.besturdubooks.net

10

تو اس لیے کہ مولانا کے نزدیک رسول کی اطاعت ہی واجب نہیں- پھر فقرہ نمبر۱۰ میں مولانا نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ دین کی ضروریات صرف قرآن کی اتباع اور امام وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں- یہاں مولانا نے اطاعت رسول کی مد درمیان سے صاف حذف کر ڈالی ہے- لہٰذا ہر زمانہ میں ہر امام کی اطاعت اسی طرح مستقل اطاعت ہے جیسا کہ آپ کے زمانہ امامت میں آپ کی اطاعت- اس کو رسول کی اطاعت کہنا بالکل بے معنی بات ہے رسول بھی اپنی عقل سے سمجھ کر قرآن کے تحت میں فیصلے کرتا تھا یہ امام بھی اسی طرح اپنی عقل سے سمجھ کر فیصلے دے گا- بلکہ اس امام کے سامنے رسول کے فیصلوں کی وہ حیثیت بھی نہیں ہے جو ماتحت عدالتوں کے نزدیک ہائی کورٹ کے فیصلوں کی ہوتی ہے' وہ اس کے ماننے پر مجبور ہیں یہ مجبور نہیں- والعیاذ باللہ-

ہمارے نزدیک قرآن میں ہر جگہ اطاعت رسول کی مستقل مد کو ختم کرنا اور اطاعت امام کی غیر مستقل مد کو مستقل حیثیت دیئے چلے جانا قرآنی آیات کے صریح تحریف ہے اگر نظم شریعت اس نقشہ کے مطابق ہوتا جو فقرہ نمبر۱۰ میں مولانا نے ذکر کیا ہے تو آیت بالا میں اطاعت کا امر اس طرح ہوتا- ﴿اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ﴾ (النساء:۵۹) اور اطاعت رسول کا ذکر ہی نہ ہوتا اور اگر ہوتا تو اس کو مستقل حیثیت اور اولوالامر کی طاعت کو غیر مستقل حیثیت نہ دی جاتی- فقرہ نمبر۶ میں آیت بالا کی اس سے بڑھ کر ایک اور تحریف یہ کی گئی ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے- اس سے مراد امام وقت کی اطاعت ہے-

امام کی اطاعت کا وہ مقام نہیں ہو سکتا جو اللہ و رسول کی اطاعت کا ہے ٭ اگر یہ تسلیم کیا جائے تو آیت بالا میں تین اطاعتوں کی بجائے صرف ایک ہی اطاعت باقی رہ جاتی ہے- پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد اولوالامر یعنی امام کی اطاعت کا دوبارہ حکم دینا بے معنی تکرار بن جاتا ہے- نیز پہلے اولوالامر کا ذکر آ جانے کے باوجود آخر آیت ﴿فان تنازعتم. الخ﴾ میں مرجع نزاع اللہ و رسول کو ٹھہرانا اور فردوہ الیھم کی بجائے ﴿فردوہ الی اللہ و الرسول﴾ فرمانا اور زیادہ غیر مناسب ہے بلکہ صاف فردوہ الی الامام یا اولی الامر ہونا چاہیے- اس سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول اور اولوالامر کی اطاعتیں جدا جدا ہیں- اللہ' رسول اور امام یہ تینوں الفاظ عربی زبان کے الفاظ ہیں' اللہ و رسول کے لفظ سے امام کا لفظ مراد لینا کون سا محاورہ اور کون سی لغت ہے- اگر اس خیال کی کوئی حقیقت ہوتی تو قرآن میں ایک آیت اس مضمون کی بھی ضرور آ جاتی من یطع الامام فقد اطاع اللہ و الرسول (جس نے امام کی اطاعت کی اس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی) جیسا کہ یہ فرما دیا ہے-

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی-

پس یہ کہنا کہ اللہ اور رسول کے لفظ سے قرآن میں امام وقت کی اطاعت مراد لی گئی ہے سب سے بڑھ کر قرآن کی تحریف ہے- یہاں منکرین حدیث کا مفسرین کی عبارتوں سے مدد لینا نہایت نا مناسب ہے جو لوگ حدیث رسول کو حجت نہیں مانتے وہ مفسرین کی آراء سے مدد لینا کیونکر جائز سمجھتے ہیں' انہیں جو دعویٰ کرنا ہے اسے قرآن سے ہی ثابت کرنا چاہیے- فقرہ نمبر۱۰ میں مولانا نے اتباع قرآن کو یاد رکھا ہے مگر اس آیت کو فراموش کر دیا-

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ. (آل عمران:۳۱) آپ کہہ دیجئے اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو-

www.besturdubooks.net

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ. (الاعراف:۱۵۷) جو (ہمارے ان) رسول نبی امیّ (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی اے اللہ تو دنیا اور آخرت کی رحمت میرے اور میری امت کے لیے لکھ دے اس پر ان کو یہ جواب ملا کہ خدا کی رحمت کسی فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتی وہ آئندہ ہر اس شخص کے نصیب میں آ چکی ہے جو منجملہ اور اوصاف کے نبی امی کی اتباع کرے گا۔ اس کے بعد پھر قرآن نے آپ کی اور اپنی اتباع کی دعوت دی ہے یہ کس قدر صریح ظلم ہے کہ جہاں جہاں رسول کی اطاعت اور صرف رسول ہی کی اتباع کا ذکر ہے اس کو صاف حذف کر دیا جائے یا اس سے امام کی حیثیت مراد لے لی جائے۔

امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا ✻ اس کے بعد ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول کی اطاعت چونکہ خدا کے بیان، اس کی اراءۃ، اس کی وحی کے بعد ہوتی ہے اس لیے اس کو بعینہٖ خدا کی اطاعت کہا جاتا ہے، امام پر نہ وحی آتی ہے نہ خدا کی طرف سے اس کی صواب رسی کی کوئی ضمانت دی گئی ہے۔ وہ جو حکم دیتا ہے اپنی صواب دید، اپنی فہم اپنے علم کے مطابق دیتا ہے۔ اس لیے امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت کہنا بھی غلط ہے۔ ہاں اگر اس معنی سے کہا جا سکتا کہ امام کی اطاعت خدا اور رسول کے حکم سے کی جاتی ہے تو یہ اور بات ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو یہ فرمایا دیکھو جب دشمن کا محاصرہ کرو اور محاصرہ توڑنے کی نوبت آئے تو خدا کے فیصلہ پر محاصرہ مت توڑنا بلکہ یہ کہنا کہ میں اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے فیصلہ کے مطابق تم سے صلح کر سکتا ہوں، اگر تم خدا کا نام درمیان میں لاؤ گے تو تمہارے پاس اس کی کیا ضمانت ہے کہ ان کے بارے میں جو خدا کا فیصلہ ہے وہ یقینی تمہاری سمجھ میں بھی آ ہی جائے گا (وحی تم پر آتی نہیں، عصمت تمہاری صفت نہیں، حفاظت ربانی تمہاری ضامن نہیں) اس لیے تم اپنے ہی فیصلہ کا حوالہ دینا، اس میں دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ اگر تمہیں اس فیصلہ کا توڑ دینا قرین مصلحت معلوم ہو تو بآسانی توڑ بھی سکتے ہو کیونکہ خدا کا فیصلہ کہہ کر توڑنا تو آسان بات نہیں ہے ہاں اپنا فیصلہ جیسا پہلے ایک طرف تھا اب دوسری طرف بھی بآسانی بدلا جا سکتا ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہے کہ امام کی اطاعت کو ٹھیک اللہ اور رسول کی اطاعت کا مقام نصیب نہیں ہو سکتا تا کہ قرآن میں ہر جگہ اللہ و رسول کی اطاعت سے امام کی اطاعت مراد لی جا سکے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے منشی نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر یہ الفاظ لکھ دیئے "هذا ما أرى الله امير المومنين عمر" (یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال میں ڈالا ہے) اس پر حضرت عمرؓ نے منع فرمایا اور کہا کہ یوں مت لکھو بلکہ یہ لکھو "هذا ما رأى امير المومنين عمر" (یہ وہ فیصلہ ہے جو امیر المومنین عمرؓ نے خود اپنے خیال کے مطابق صادر کیا ہے)[1] ایک مرتبہ منبر پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

---

[1] اعلام الموقعین: ج ۱ ص ۳۲۔

www.besturdubooks.net

ایھا الناس ان الرأی انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا ان اللہ کان یریہ و انما ھو منا الظن و التکلف۔[۱]

لوگو دیکھو آنحضرتؐ کی رائے دین کے بارے میں اس لیے صواب ہوتی تھی کہ وہ خدا کی طرف سے ہوا کرتی تھی' ہماری رائے تو ہماری جانب سے صرف ایک انکل ہوتی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔

اطاعت رسول کی دس خصوصیات ٭ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم سے جو خصائص ہمیں اطاعت رسول کے معلوم ہوئے ہیں وہ اطاعت امام کے ثابت نہیں ہو سکے۔

(۱) اپنے ہر معاملہ کو رسول کے سپرد کر دینا' پھر اس کے ہر فیصلہ کو حق سمجھنا اور اس پر ایسی خوشی سے راضی ہو جانا کہ خلاف ہونے کی صورت میں دل کے اندر بھی کوئی تنگی محسوس نہ ہو۔

(۲) اس کے فیصلہ کا کہیں اپیل نہ ہونا۔

(۳) اس کے فیصلہ پر رضامندی شرط ایمان ہونا۔

(۴) اس کا ہر فیصلہ ناطق ہونا۔

(۵) اس کی اطاعت میں ہدایت منحصر ہونا۔ و ان تطیعوہ تھتدوا ۔ (اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو یقیناً راہ ہدایت پاؤ گے)۔

(۶) اس کی اطاعت کا بعینہ خدا کی اطاعت ہونا۔

(۷) اس کی اتباع میں خدا کی محبت اور گناہوں کی مغفرت کا یقینی حاصل ہونا۔

(۸) کسی خاص مشورہ کی مجلس میں اس سے استیذان لازم ہونا اور اس اجازت کا معیار کمال ایمان ہونا۔

(۱۰) اس کی اطاعت کے لیے کسی دلیل کا محتاج نہ ہونا۔

یہ دس خصوصیات ہیں جو قرآن کریم سے صرف رسول کی اطاعت کی ثابت ہوتی ہیں۔ امام کی اطاعت کی یہ خصوصیات نہیں اس لیے قرآن کریم میں ہر جگہ اللہ و رسول کی اطاعت سے امام کی اطاعت مراد لینا صحیح نہیں۔ نیز اطاعت رسول کی ان تاکیدی آیات سے مولانا کے دوسرے خیال کی بھی تردید ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اطاعت رسالت کا حق نہیں ہے اور قرآن یہ کہتا ہے کہ سب سے بڑھ کر اطاعت کرنا رسول ہی کا حق ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کے سوا یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر اللہ و رسول سے مراد امام وقت ہو تو یہاں سوال یہ ہے کہ اگر امام سے ہر امام مراد ہو تو فاسق امام کی اطاعت کو بھی اللہ و رسول کی اطاعت کہا جا سکے گا اور اگر خاص صالح امام مراد لیا جائے تو خلفاء راشدین کے بعد تیرہ سو سال میں خدا و رسول کی اطاعت کا مصداق ہی شاذ و نادر ہو گا پھر جس دور میں مسلمانوں کا کوئی امام ہی نہ رہے اس میں لازم آئے گا کہ خدا اور رسول کی اطاعت کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے اور اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا نظام معطل پڑا رہے۔

---

[۱] اعلام الموقعین: ج ا ص ۴۵۔

www.besturdubooks.net

خلاصہ یہ کہ قرآن کی بے شمار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اور نجات کا راستہ صرف اطاعت خدا اور رسول میں منحصر ہے' اب اگر یہاں اطاعت سے مراد امام کی اطاعت ہو تو یقیناً تیرہ سو سال میں اماموں کا بڑا حصہ ایسا ہی ہے جن کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا- مولانا اسلم صاحب کی تفسیر کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس تمام دور میں مسلمانوں کے لیے راہِ نجات و ہدایت مسدود ہو اور مسلمانوں کے پاس اپنے باہمی نزاعات رفع کرنے کی کوئی صورت ہی موجود نہ ہو گویا دین اسلام ایک ایسا آئین ہو جس پر عمل کرنا دنیا کی طاقت سے باہر ہو' اب ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس زمانہ میں مولانا کا اپنے متعلق خیال کیا ہے- کیا وہ اللہ و رسول کی اطاعت میں مصروف ہیں یا امام وقت نہ ہونے کی وجہ سے اس امر کا امتثال کرنے سے معذور ہیں-

انتشارِ امت کا سبب احادیث نہیں بلکہ ترکِ احادیث ہے ✱ فقرہ نمبر ۹ میں انفرادیت اور انتشار کا جو باعث قرار دیا گیا ہے وہ بھی محض بے بنیاد ہے' بلکہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو رسول کی اطاعت نہ کرنا ہی اس انتشار کا باعث ہوا ہے- عجیب بات ہے کہ قرآن کی مجمل آیات کی تشریح اگر عقل کے ذریعہ سے کی جائے تو موجب انتشار نہ ہو اور اگر خود رسول کے بیان کے بموجب کی جائے تو انتشار کا سبب بن جائے' اللہ تعالیٰ نے فہم انسانی کے اختلافات مراتب ہی کی وجہ سے قرآن فہمی کا مدار انسانی عقول پر نہیں رکھا تھا بلکہ اپنے رسول کے ذریعہ خود اپنی مراد واضح کر دی تھی تاکہ عبارتی احتمالات کا دائرہ مختصر ہو جائے لیکن مولانا نہایت سادگی سے علم حدیث کے صفحہ ۴۴ پر یہ فرماتے ہیں-

"بے شک آیاتِ قرآنی کے معانی سمجھنے میں بھی اختلافات ہو سکتے ہیں مگر یہ اختلافات چونکہ الفاظ و عبارات کے نہ ہوں گے بلکہ صرف فہم کے ہوں گے اس لیے مزید غور و فکر سے مٹ جائیں گے اور ان سے فرقہ بندی نہ ہو سکے گی-"

شاید مولانا کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ تاریخ میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں ان کی اصل بنیاد قرآن ہی پر ہے- معتزلہ خوارج' مرجیہ' جہمیہ سب کو دیکھ لیجیے' سب کے ہاتھوں میں پہلے قرآن ہے بعد میں حدیث ہے بلکہ معتزلہ تو خبر واحد حدیث کے منکر ہیں پھر حدیث کو بدنام کرنا فضول ہے حقیقت یہ ہے کہ فرقہ بندی کا باعث نہ قرآن ہے نہ حدیث بلکہ وہ عقل ہے جو صرف اپنے اعتماد پر مذہب کا نقشہ تیار کرنا چاہتی ہے چونکہ عقل و فہم کے مراتب احادیث کے الفاظ سے زیادہ مختلف ہیں اس لیے ان کا اختلاف بھی زیادہ ہونا چاہیے- مزید غور و فکر سے اختلافات نہ آج تک کبھی ختم ہو سکے نہ آئندہ ہو سکتے ہیں- یہ طفل تسلی منکرین حدیث کے لیے تو کافی ہے مگر واقعات کے سرتاسر خلاف ہے- عقل انسانی کی نارسائی اور قصور ہی کی وجہ سے آسمان سے کتابیں آئیں' رسولوں کو ان کو سمجھانے کے لیے بھیجا گیا پھر ان کے ذریعہ سے اس پر عمل کرا کے دکھلا دیا گیا- اگر عبادات و معاملات کا نقشہ صرف الفاظ قرآنی سے تیار ہو سکتا تو رسول کا واسطہ ہی بیکار رہتا- پس افتراق و تشتت کا اصل منشا احادیث نہیں بلکہ خود ان کی عقل ہے جب کبھی وہ احادیث کی روشنی کے بغیر ہدایت کا راستہ تلاش کرنے میں پڑ گئی اسی وقت افتراق و انفرادیت نمودار ہونے لگی جیسا کہ ہمارے مضمون "افتراقِ امت" میں اس پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے- ابو عمر حسن بن واصل سے نقل کرتے ہیں کہ پہلی امتوں میں افتراق و تشتت اسی وقت پھیلا ہے جب کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار و سنن چھوڑ کر رائے کی اتباع کرنا شروع کر دی پھر خود بھی گمراہ

www.besturdubooks.net

ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔[۱]

صحابہ کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ٭ صحابہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے، بعد کتاب اللہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی تلاش کیا کرتے تھے اگر وہ نہ ملتی تو اس کے بعد اپنی جانب سے جو سمجھ میں آتا فیصلہ کرتے اور اگر اس کے بعد بھی آپ کی سنت ہاتھ آ جاتی تو اسی کی اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتے جیسا کہ اس کی مثالیں حدیث رسول کی حیثیت میں پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ اگر بقول مولانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ان کی نظر میں صرف ایک امام کی حیثیت ہوتی تو وہ آپ کی اطاعت صرف آپ کے زمانہ حیات سے وابستہ سمجھتے اور اس کے بعد ان کے نزدیک آپ کے قضایا اور فیصلوں کی حیثیت ایک عدالت کے فیصلے سے زیادہ نہ رہتی مولانا کے نزدیک نظم اسلامی کی بنیاد صرف کتاب اللہ پر ہے پھر ہر شخص اپنی عقل کے مطابق اس کے تحت میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقل سے سمجھ کر جو فیصلے کیے ان کی حیثیت ایسا ہی ہے جیسا کہ بعد کے خلفاء نے اپنی اپنی اندازۂ عقل سے فیصلے صادر کیے جس طرح ایک خلیفہ کا فیصلہ دوسرے کے لیے حجت نہیں ہوتا اس کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ موافقت کرے یا مخالفت، یہی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے فیصلوں کی بھی ہے مگر ہمیں صحابہ کی تاریخ سے اس کے بالکل برعکس ثابت ہوتا ہے۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں کسی صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے ثبوت کے بعد پھر اس کے خلاف فیصلے کرنے کا اپنے دل میں خطرہ بھی محسوس کیا ہو۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان کے درمیان آپ کی حیثیت آپ کی وفات کے بعد بھی وہی تھی جو آپ کی حیات میں تھی دونوں حالتوں میں وہ آپ ہی کا فیصلہ تلاش کرتے تھے اور جب آپ کا فیصلہ انہیں مل جاتا تھا تو دونوں حالتوں میں اس پر راضی ہو جانا اور اس کے خلاف میں اپنا اختیار باقی نہ رہنا بالکل یکساں سمجھتے تھے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے کسی ایک متنفس نے بھی آپ کی اطاعت میں زندگی اور وفات کے بعد ایک ذرہ برابر بھی فرق کیا ہو ان کے نزدیک جس طرح رسول کی وفات سے اس پر ایمان لانے میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا اسی طرح اس کے احکام کی اطاعت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا، یہ ایمان منکرین حدیث ہی کا ایمان ہے جس میں رسول کی وفات کے بعد اس کی اطاعت سے آزادی میسر آ جاتی ہے اور اس کی حیثیت ایک امام وقت سے بھی گھٹ جاتی ہے کیونکہ امام وقت کی اطاعت کرنا واجب ہوتی ہے اور رسول کی اطاعت اس کے بعد واجب نہیں رہتی۔ رسول کو امام اور حدیث کو اسلام کی محض ایک تاریخ کہنا اسلامی تعلیمات پر سب سے بڑا بہتان ہے جس کی تردید کے لیے ایک دلیل نہیں بلکہ مسلمانوں اور کفار کا تواتر موجود ہے لیکن جس دور میں ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں قلم ہے اپنے خیالات کے اظہار میں آزاد ہو اس میں تواتر کا انکار بھی مشکل نہیں۔

رسالت کی ضرورت ٭ ہم پہلے بہ تفصیل یہ بتلا چکے ہیں کہ قرآن کریم کو اپنی تلاوت کے ابتدائی مرحلہ سے لے کر اپنی مراد کی تعیین اور عمل کی تشکیل کے ایک ایک گوشہ تک رسول کی احتیاج ہے۔ رسول کی ضرورت صرف اتنی بات کے لیے نہیں ہوتی کہ وہ

---

[۱] اعلام الموقعین : ج ا ص ۶۵

www.besturdubooks.net

خدا کی کتاب ہم تک پہنچا دیں بلکہ اس سے بڑھ کر اس کو سمجھانے‘ اس پر عمل کر کے دکھلانے‘ اپنی موعظت اور نصائح اور صحبت کے غیر معمولی اثرات سے اس پر عمل کی اسپرٹ بھی پیدا کر دینے اور اس راہ میں جو عملی مشکلات ہوں ان کو بھی دور کرنے کی جدوجہد میں لگا رہنے کے لیے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یہ سب فرائض یکساں طور پر نظر آتے ہیں اور یوم بعثت سے لے کر یوم وفات کے ایک ایک دن کی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ آپ کا نصب العین اور آپ کا اصل مشن ہمیشہ ایک ہی رہا ہے جس میں دین کے قانون کو خدا کی زمین پر بلا زحمت قائم کرنا آپ کی بعثت کا وہ بڑا نصب العین سمجھا گیا ہے کہ جب تک یہ مقصد پورا نہیں ہولیا آپ کو عالم قدس کی طرف بلانے کی دعوت بھی نہیں دی گئی اور جب خدا کا آئین مکمل کر دیا گیا اس کی تعلیم اور عملی تشکیل پورے طور پر کر دی گئی اور خدا کی زمین پر یہ مکمل آئین پوری تمکین وقدرت کے ساتھ نافذ ہونے لگا تو قرآن نے یہ اعلان کر دیا کہ اب بعثت تامہ کا مقصد پورا ہو گیا ہے لہٰذا اب رسالت کے فرائض کے بعد صرف خلافت کے فرائض کے انجام دہی باقی ہے اس کو آپ کے خلفاء انجام دیتے رہیں گے اسی کی طرف سورہ ''النصر'' میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

منکرین حدیث کی یہ بڑی غلطی ہے کہ رسالت کی ضرورت کو انہوں نے صرف کتاب کی تبلیغ میں منحصر کر دیا ہے اس کے بعد اس کے دوسرے اہم گوشوں کو عقل انسانی کے حوالہ کر دیا ہے‘ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جن پر براہ راست قرآن اترا کرتا تھا اگر ان کی حفاظت بھی سماوی طور پر نہ ہوتی رہتی تو بعض بعض مقامات پر پائے نبوت کو بھی لغزش ہونے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ رسول کی عصمت اور اس حفاظت کے باوجود قدم قدم پر انہیں استقامت اور احتیاط کی تاکیدیں کی جاتی تھیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا. (ھود : ۱۱۲)

(اے پیغمبر) جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے تم اور جو لوگ کفر وشرک سے توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہوئے ہیں اسلام پر قائم رہو اور حد اعتدال سے نہ بڑھو۔

ہمہ وقت وحی الٰہی انہیں متنبہ کرتی رہتی تھی کہ کہیں ان کے فیصلوں میں خواہشاتِ نفس کا دخل نہ ہو جائے‘ کامل سے کامل عقل عطا فرما کر ان کو یہ جتایا جاتا تھا کہ یہ علوم صرف خدائی موہبت اور اس کا انعام ہیں تمہاری عقل وادراک سے بالاتر ہیں۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ کبھی کبھی ان کو ٹوکا بھی جاتا تھا تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ رسول بھی اپنی ذاتی عقل سے ہمیشہ خدا کی مرضیات نہیں پا سکتا اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اگر کبھی کوئی حرکت ان کے منصب کے خلاف ان سے سرزد ہو جاتی ہے تو وحی الٰہی فوراً اس پر متنبہ کیے بغیر نہیں رہتی پس رسولوں سے عتاب آمیز خطاب اگر ہوتا ہے تو اسی بات کے ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے کہ جس امر کے خلاف وحی الٰہی نہ آئے اس میں رسول کی رائے خدا کا حکم سمجھنا چاہیے۔ سوچیے کہ جب دین کے معاملات میں خود رسول کے حق میں یہ نزاکتیں ہیں تو کیا قرآن فہمی‘ اس کی عملی تشکیل‘ اس کے معانی کی تفسیر یہ عام عقول کے سپرد کی جاسکتی ہیں اور جب اس عصمت وحفاظت کے باوجود اس کمال عقل وفراست کے باوصف رسولوں سے لغزش کا امکان ہے تو عام عقول یہاں کتنی تاریکی پیدا کر سکتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ انسان ایک ضعیف مخلوق ہے اس کی بہت سی کوتاہیاں اس کے ذاتی ضعف کا نتیجہ ہیں۔ اگر قدرت ان کے اثرات سے محفوظ نہ رکھے تو ان کا صدور اس کے لیے لازم ہے۔ یہ قصور وتقصیرات ذاتی طور پر قابل ملامت نہیں لیکن اگر آئین میں یہ قصور داخل ہو جائے تو وہ ذاتی قصور نہیں رہتا بلکہ عالم کے نقصان کا باعث بن جاتا ہے اس لیے کتاب اللہ کے

www.besturdubooks.net

ساتھ رسول کے آئینی بیان میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت برداشت نہیں کی جاسکتی - اگر آئین سازی میں بھی عام عقلوں کا دخل ہوتو کارخانہ عالم درہم برہم ہوجائے -

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَھْوَآءَ ھُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ. (المومنون : ۷۱)
اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرے تو آسمان اور زمین اور اس میں جو کچھ ہے سب کا نظام بگڑ جائے -

دوسری جگہ ارشاد ہے -

وَ اعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ. (الحجرات:۷)
اور سمجھ لو کہ تم میں خدا کا رسول ہے اگر بہت سی باتوں میں تمہاری اطاعت کرے تو تم بڑی مشقت میں مبتلا ہوجاؤ -

معلوم ہوا کہ قانونی معاملات میں رائے عامہ کا کوئی دخل نہیں ہے یہ سب تفصیلات رسول کے حوالہ ہیں مولانا اسلم صاحب رسول کی اس عقل کامل کے مقابلہ میں ہمہ شما کی عقول کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ کے تمام فیصلوں کی وہی قدر و قیمت ہے جو ایک عدالت کے سامنے دوسری معمولی عدالتوں کے فیصلوں کی قیمت ہوتی ہے - مولانا کے نزدیک رسول کی ضرورت صرف قرآن کے لیے ہے - ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کے لیے رسول کی ضرورت ہے جو شخص رسول کی احادیث سے مستغنی ہونا چاہتا ہے اور محض اپنی عقل سے قرآن کی تشریحات کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اللہ کے ساتھ آئین سازی میں شرکت کا مدعی ہے اور جو شخص اپنے فیصلوں کو رسول کے فیصلوں کے ہم پلہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت رسول کا منکر ہے - بلکہ رسالت کی ضرورت ہی کا منکر ہے - قرآن کریم سے رسالت کی جو ضروریات ثابت ہوتی ہیں وہ صرف ایک قرآن کی تبلیغ نہیں اس کی تعلیم، اس کا بیان اور اس کی عملی تشکیل بھی اس کے فرائض میں ہے اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ حدیث یعنی بیانِ رسول کا انکار اور رسول کا انکار ایک ہی مسئلہ ہے - یہ بات فراموش نہ کرنا چاہیے کہ جو شخص رسول کا صحیح مقام نہیں پہچانتا اس کی عظمت اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ بھی رسولوں کے منکرین ہی کی صف میں شامل ہے فرق صرف یہ ہے کہ ایک صاف منکر ہے اور ایک اقرار نما منکر ہے -

رسول میں رسالت اور امامت کی دو حیثیتیں نہیں ہوتیں ❊ اسی لیے منکرین حدیث کو رسول کی عظمت ختم کرتے کرتے اس کو صرف ایک پوسٹ مین کی حیثیت دینی پڑتی ہے وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ ڈاک کا تھیلہ اس کے گلے میں ہو جونہی کہ وہ تبلیغ رسالت سے فارغ ہوا اس کے بعد پھر فوراً اماموں کی صف میں آکر شامل ہوجاتا ہے اس کی رسالت کے تمام حقوق اس سے مسلوب ہوجاتے ہیں اور وہ عام اماموں کی طرح ایک امام بن جاتا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ شاید ابھی اس کو یہاں بھی اطمینان کی زندگی نصیب نہ ہو اور جب تک وہ امام کے فرائض انجام دے امام سمجھا جاتا ہو اور جب اس سے بھی فارغ ہولے تو پھر رسول اور امام دونوں حیثیتوں سے نکل کر اسے عام انسانوں کی صف میں آنا پڑتا ہو - کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) دن بھر میں صرف چند لمحات کے لیے تو بہ حیثیت رسول سمجھے جاتے تھے پھر کچھ وقت کے لیے بہ حیثیت امام اس کے بعد عام حیثیات میں صرف معمولی انسانوں کی حیثیت میں سمجھے جاتے تھے اگر منبر اور مصلٰی میدانِ جنگ اور مدینہ، محفل اور بستر خواب پر آپ کی ایک ہی حیثیت سمجھی گئی ہے تو پھر معلوم نہیں کہ مولانا نے ان حیثیات کی تقسیم از خود کہاں سے پیدا کر لی - پھر امامت و رسالت کے حقوق بھی

www.besturdubooks.net

متضاد حقوق ہیں- رسول پر بقول مولانا صرف ایمان لانا واجب ہے مگر امام پر ایمان نہ لانا ضروری ہے- آپ بیک وقت لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے تھے اور اسی وقت اپنی اطاعت کا امر بھی فرماتے تھے مگر کبھی یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ آپ نے اپنے ان متضاد حقوق کو اپنے دو مختلف منصبوں سے خود متعلق سمجھا ہو یا دوسروں کو اس پر کبھی تنبیہ کی ہو پھر اس وقت ان امی مخاطبین کے لیے جنہوں نے منطق کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا رسالہ بھی نہیں پڑھا تھا یہ تقسیم کرنا کتنا مشکل ہوتا ہوگا کہ وہ ان متضاد حقوق کو ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں کے ساتھ جدا جدا ملحوظ رکھیں جب محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) بہ حیثیت رسول ظاہر ہوں تو ان پر فوراً ایمان لے آئیں اور جب بہ حیثیت امام نمودار ہوں تو ان کا انکار کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ انکار بہ حیثیت امامت ہے نہ بہ حیثیت رسالت یا یہ اطاعت بہ حیثیت امامت ہے نہ بہ حیثیت رسالت' پس حق بات یہ ہے کہ آپ کی ذات میں ذہنی لحاظ سے خواہ کتنی بھی حیثیات پیدا کر دی جائیں مگر آپ نبوت سے سرفرازی کے بعد سے یوم وفات کے ایک ایک لمحہ تک کبھی حیثیت رسالت سے علیحدہ نہیں ہوئے ہمیشہ آپ پر ایمان' آپ کی اطاعت' آپ کی عظمت اسی منصب کے ماتحت ہوئی اور آج بھی آپ پر ایمان آپ کی اطاعت اور آپ کا احترام اسی منصب رسالت کے اعتبار سے ہے اور تا قیامت اسی حیثیت سے کیا جاتا رہے گا اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ سب حق کے خلاف ہے-

اسوۂ رسول کی حیثیت ✵ یہ سوال بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ رسالت اور امامت کی دو حیثیتوں کی تقسیم کے بعد یہ بتایا جائے کہ اسوۂ رسول کی پیروی کس حیثیت سے ہے اگر حیثیت رسالت سے ہے تو اطاعت اس کا حق نہیں- اس حیثیت سے رسول کا حق صرف اس پر ایمان لانا ہے اور اگر بہ حیثیت امامت قرار دی جائے تو پھر اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت کیا ہے ہر امام اسوۂ حجت بن سکے گا- اگر یہ کہا جائے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ قرآن پاک ہے لہٰذا اس کی اطاعت قرآن کی اطاعت میں درج ہے تو یہ بتانا چاہیے کہ جب کتاب اللہ اور اسوۂ رسول میں کوئی فرق ہی نہ تھا تو پھر قرآن کے بعد اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کیا تھی- اور اگر اس اسوۂ میں کچھ تفصیلات قرآن سے زیادہ تھیں تو پھر اس زیادتی میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جواب دیا جائے کہ وہ کس حیثیت سے ہے؟ رسالت کی حیثیت سے اطاعت واجب ہو نہیں سکتی اور امامت کی حیثیت اسوہ بننے کے قابل نہیں- مولانا اسلم صاحب ایک طرف تو رسول کے مطاع ہونے کا انکار کرتے جاتے ہیں دوسری طرف اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متواتر کہہ کر اس کی پیروی کرنا بھی لازم قرار دیتے جاتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ انہوں نے اسوۂ رسول کو متواتر کہہ کر معاملہ کی نوعیت صاف کر دی ہے حالانکہ یہاں سوال تواتر کا نہیں ہے بلکہ یہ سوال ہے کہ اگر رسول اصولاً مطاع ہوتا ہی نہیں تو پھر اس کے اسوہ کی پیروی کیسے لازم ہو سکتی ہے- دیکھئے امامت کا حق اگر ایمان نہیں تھا تو کسی امام کے اسوہ کے متواتر ہونے سے کیا اس پر ایمان لانا اس کا حق ثابت ہو سکتا ہے- پس اگر رسول خود مطاع نہیں ہوتا تو اس کا اسوہ متواتر ہو یا غیر متواتر کیسے مطاع ہو سکتا ہے ہاں اگر پہلے اطاعت رسول کا حق تسلیم کر لیا جائے تو پھر بعض اعمال کی اطاعت اور بعض کی اطاعت نہ کرنے میں تواتر یا غیر تواتر کا عذر پیش کرنا معقول ہو سکتا ہے- پس اسوۂ رسول کو حجت تسلیم کر لینا اس کا اقرار کر لینا ہے کہ رسول مطاع ہوتا ہے بلکہ مطاعون میں بھی وہ مطاع ہوتا ہے جس کی اطاعت سب سے بڑھ کر واجب ہے- اسوۂ رسول کو تسلیم

www.besturdubooks.net

کر کے اطاعت رسول سے انکار کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ یہاں مولانا نے اس پر غور ہی نہیں فرمایا کہ اسوۂ رسول کی اتباع کا اقرار کر لینا ان کے حق میں اتنی بڑی اطاعت کا اقرار کر لینا ہے جو کسی امام کے لیے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولوں کا علی الاطلاق اسوہ ہونا ان کی عصمت کا نتیجہ ہوتا ہے جو ہر گناہ سے منزہ اور ہر معصیت سے مبرا ہو حتیٰ کہ اس کے خطرات بھی خدا تعالیٰ کے زیر نگرانی ہوں' اس کی کوئی بات اپنی خواہش نفس سے نہ ہو۔ وہی اس قابل ہے کہ اس کی ذات کو علی الاطلاق نمونہ کہہ دیا جائے اسی کا ہر عمل مقبول' ہر قول حق اور ہر ادا محبوب ہو سکتی ہے اور وہی اس قابل بن سکتا ہے کہ تمام مخلوق کو آنکھ میچ کر اس کے اتباع کی دعوت دے دی جائے اس حیثیت کو تسلیم کر کے مولانا اسلم صاحب کا یہ کہنا کہ رسول کی اطاعت کسی معمولی جزئی میں بھی واجب نہیں ہے کتنا عجیب دعویٰ ہے۔

اسوۂ رسول اور حدیث ❋ اسوۂ رسول کو حدیث سے بالکل ایک جدا شعبہ سمجھنا بھی بڑی غلطی ہے اس غلطی کا اصل سبب یہ ہے کہ مولانا اسلم صاحب نے خود بخود یہ خیال قائم کر لیا ہے کہ تمام اسوۂ رسول متواتر ہے اب چونکہ حدیث کا متواتر ہونا وہ تسلیم نہیں کرتے اس لیے انہوں نے اسوۂ رسول کو حدیث سے ایک جدا چیز سمجھ لیا ہے۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث صرف اس حصہ کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے متعلق ہے اس لیے آپ کے افعال حدیث میں شمار نہیں کرتے۔ حالانکہ آپ کا ہر قول اور آپ کا ہر عمل سب حدیث کا جزء ہے' اسی طرح اسوۂ رسول صرف عمل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ کا قول وفعل جو کچھ بھی ہے وہ سب امت کے لیے نمونہ ہے' کچھ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ ہی پر موقوف نہیں بلکہ رسول کی ذات جس طرح اس بارے میں اسوہ ہے اسی طرح فصل خصومات' امت کے نظم ونسق اور دیگر ضروریات میں بھی اسوہ ہے حتیٰ کہ خوش طبعی' ہنسی اور مسکراہٹ کے طور وانداز میں بھی قرآن کریم نے کسی ادنیٰ تفصیل کے بغیر تمام امور میں آپ کی ذات کو اسوہ کہا ہے اور کوئی معمولی سے معمولی اشارہ بھی اس طرف نہیں کیا کہ نماز و روزہ یا عبادات کی تشریح کے سوا بقیہ امور میں آپ کی ذات اسوہ نہیں ہے جن لوگوں نے یہاں کوئی تفصیل کی ہے وہ خود ان کے دماغ کی ایجاد کردہ ہے اور وہ خود ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مولانا اسلم صاحب اسوۂ حسنہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

> ''بے شک قرآن کریم نے ان تفصیلات کو اپنے ذمہ نہیں لیا مگر اس نے اپنے احکام کی عملی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی ہے وہ عملی نمونے بسلسلہ متواتر چلے آ رہے ہیں اور بالکل یقینی ہیں لاریب آپ کی تعلیم وتبیین دینی ہے لیکن وہ وہی عملی تشریح یعنی اسوۂ حسنہ ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا۔''

(علم حدیث ص ۳۶)

صحابہؓ کے دور میں اسوۂ حسنہ کا عموم ❋ (۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسئلہ دریافت کیا گیا' ایک شخص نے یہ نذر کی ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھا کرے گا۔ اتفاقِ وقت کہ اس کے بعد ہی عید الاضحیٰ یا عید الفطر آ گئی' کیا وہ ان ایام میں بھی روزہ رکھے فرمایا نہیں اور یہ آیت پڑھی ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقر عید

www.besturdubooks.net

اور عید الفطر میں نہ خود روزہ رکھتے تھے- نہ روزہ رکھنا پسند کرتے تھے-[1]

(۲) سعید بن جبیر کہتے ہیں اگر ایک شخص اپنے نفس پر کوئی چیز حرام کرلے تو اسے کفارۂ یمین ادا کرنا چاہیے اس کے بعد ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی- ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. (الاحزاب:۲۱)[2]

(۳) عمرو بن دینار کہتے ہیں ہم نے ابن عمرؓ سے ایک شخص کے متعلق مسئلہ دریافت کیا جس نے عمرہ کا طواف تو کرلیا ہے مگر ابھی صفا و مروہ کی سعی نہیں کی کیا وہ اپنی بی بی سے صحبت کرسکتا ہے؟ فرمایا (نہیں) کیونکہ جب آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے تو آپ نے بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس رکعتین طواف ادا فرمائیں (پھر درمیان میں حلال نہیں ہوئے) اس کے بعد صفا و مروہ کی سات مرتبہ سعی کی اور یہ آیت پڑھی ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. (الاحزاب:۲۱)[3]

(۴) نافع کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے سال حج کا ارادہ کیا' لوگوں نے عرض کیا ہمیں امسال جنگ کا اندیشہ ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کو حج ادا کرنے سے روک دیں آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے- اگر انہوں نے مجھے روکا تو میں وہی عمل کروں گا جو ایسے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور یہ آیت پڑھی ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾- (الاحزاب:۲۱)[4]

(۵) زیاد بن جبیرؒ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ابن عمرؓ ایک شخص کے پاس آئے وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا فرمایا کہ اسے کھڑا کرکے نحر کر- سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اسی طرح تھا-[5]

(۶) عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا-[6]

(۷) ایک شخص نے حجر اسود کے استلام کے متعلق ابن عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا انہوں نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے اس نے کہا اگر بھیڑ ہو' اگر موقعہ نہ مل سکے فرمایا اگر اگر کو تو یمن میں پھینک میں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے-[7]

پہلے چار واقعات میں صراحت کے ساتھ صحابہؓ نے اسوۂ حسنہ کی آیت پیش کی ہے اور آخر کے تین مواقع میں اگرچہ اس آیت کو تلاوت نہیں کیا مگر یہاں بھی اسی کے ہم معنی الفاظ ادا فرمائے ہیں- ان ساتوں واقعات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ اختلافی مقامات پر بھی کبھی کسی نے اسوۂ حسنہ کو صرف قرآنی احکام یا امورِ متواترہ کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا بلکہ جس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فعل ثابت ہو گیا وہ اس کے یہاں اسی اسوۂ حسنہ کا جزء سمجھا گیا- یہاں اگر کوئی بحث پیدا ہوسکتی تھی تو صرف یہ کہ اس فعل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد کیا تھا مگر ایک واقعہ میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسوۂ حسنہ کے مصداق میں صحابہؓ کے درمیان کوئی اختلاف ہوا تھا اس لیے پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سلف کے دور میں آنحضرت

---

[1] بخاری ص۲۹۲- [2] ایضاً ص۷۲۹- [3] ص۲۴۱- [4] ص۲۳۱- [5] ۲۳۱- [6] ص۲۱۸- [7] ۲۱۹-

www.besturdubooks.net

صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ افعال اسوۂ حسنہ کے جزء شمار ہوتے تھے خواہ قرآن کریم نے ان کی صراحت کی ہو یا نہ کی ہو۔

اسوۂ رسول کا تواتر ٭ یہاں سوال یہ ہے کہ جن احکام کی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی تھی وہ شریعت کے کسی خاص باب سے متعلق تھی یا تمام ابواب سے۔ پہلی صورت میں بقیہ ابواب کی تشکیل کس کے سپرد رہی اور جن ابواب کی تشکیل آپ نے کی کیا وہ تمام تشکیل بطریق تواتر ہم تک منقول ہے اگر تمام کی تمام منقول نہیں تو جو رہ گئی اس کی تکمیل کی اب کیا صورت ہے۔ دوسری صورت میں اگر تمام ابواب کی تشکیل آپ ہی کے سپرد تھی تو یقیناً اس کو تواتر کے طور پر منقول ہونا چاہیے۔ ہمارے نزدیک شریعت کے ہر ہر باب کی عملی تشکیل کے تواتر کا ثبوت بہت زیادہ تامل کا محتاج ہے۔ تمام ابواب تو درکنار ایک نماز ہی کو لے لیجئے اس کی کسی ایک صورت عمل کے متعلق بھی تواتر کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان چونکہ اکثر حنفی مذہب رکھتا ہے اس لیے اگرچہ یہاں اس کی ایک ہی صورتِ عمل نظر آتی ہے اور اس لیے یہ مغالطہ لگ سکتا ہے کہ نماز کی یہی صورت شاید متواتر ہو لیکن جب آپ بلادِ مغرب اور حجاز پر بھی نظر ڈالیں گے جہاں اکثر مالکی اور شافعی آباد ہیں تو وہاں آپ کو نماز کی شکل ہندوستان سے بالکل مختلف نظر آئے گی اور کسی ایک صورت پر بھی آپ تواتر کا حکم نہ لگا سکیں گے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک طرف مولانا موصوف اسوۂ حسنہ کے عملاً مسلسل اور متواتر ہونے کا دعویٰ کرتے جاتے ہیں اور دوسری طرف امت کے موجودہ عمل کو قرآن کے خلاف بھی کہتے جاتے ہیں۔ اگر درحقیقت نماز کی جو موجودہ تشکیل ہے وہ قرآن اور اسوۂ حسنہ کے مطابق نہیں ہے تو پھر اس کے خلاف جو تشکیل ہے وہ بتانی چاہیے کیا ہے اور کیا اس پر تواتر کے ساتھ عمل ہو رہا ہے۔؟ اگر نماز کی ان سب صورتوں میں سے کسی قدر مشترک صورت کو مولانا متواتر فرمائیں تو پھر بھی مولانا کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اتنی بات سے نماز کے اجزاء کا تواتر تو ثابت ہو سکتا ہے مگر نماز کی کسی ایک مجموعی صورت کا تواتر پھر ثابت نہیں ہوتا۔ شاید مولانا نے عملی تواتر کے مفہوم پر بھی غور نہیں کیا ہے اور صرف اپنے ایک ذہنی مجوزہ نقشہ کو متواتر سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ تواتر کوئی ذہنی چیز نہیں اس کو خارج میں ناقابل انکار طور پر نظر آنا چاہیے۔

نماز کو چھوڑ کر اب ذرا زکوٰۃ کی طرف توجہ فرمائیے یہاں وہ کون سی تشکیل ہے جس کو عہد نبوت سے لے کر آج تک برابر متواتر کہا جا سکتا ہے یا مدتیں ہو گئیں کہ حیوانات کی زکوٰۃ' عشر' وخراج کے مسائل کا تخم ہی مٹ چکا ہے حتیٰ کہ آج ہندوستان میں یہ کسی کو یاد بھی نہیں رہا کہ شریعت میں کبھی حیوانات کی زکوٰۃ بھی لی گئی تھی۔ اکثر مسائل طلاق' عدت' نفقہ وسکنی اور ایلاء کی عملی تشکیل کا حال بھی یہی ہے۔ اسی طرح جہاد کا تمام باب' غنائم کی سب تفصیلات فدیہ اور قیدیوں کے جملہ احکام' تدبیر و کتابت' ام ولد اور عتق کے سب مسائل کا نام ونشان تک نابود ہو چکا ہے۔ تواتر تو کجا یہی حال معاملات یعنی بیع وشراء' رہن ووقف کا ہے حدود وتعزیرات کا تو دنیا کے کسی خطہ پر نفاذ ہی نہیں بلکہ خود بعض مسلمانوں کو کفار کے اتباع میں ان کی مشروعیت پر بھی اعتراض ہے۔ مولانا تو دین کی بنیاد متواتر اسوۂ حسنہ پر قائم کرنا چاہتے ہیں مگر یہاں ہمیں تواتر کی بجائے آج اس کا وجود ہی نظر نہیں آتا۔ کاش امت محمدیہ اگر اس اسوۂ حسنہ پر تواتر کے ساتھ نہ سہی متفرقاً ہی عمل کرتی رہتی تو مسلمانوں کو اپنے زوال کا یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پس یا تو مولانا کو صاف یہ کہنا چاہیے کہ قرآن خود اپنا بیان ہے اس کو کسی اور بیان کی احتیاج ہی نہیں اور اگر یہ احتیاج مسلم ہے تو پھر اس کو صرف

www.besturdubooks.net

اسوۂ حسنہ کے ساتھ مقید کرنا مناسب نہیں اور اگر مخصوص کیا ہے تو اس کے تواتر کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دین کی تشکیل کے متعلق تواتر کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے یہ صرف خوش نما اور خوش کن الفاظ ہیں جو موجودہ دین کی صورت عمل کی تخریب میں تو کارآمد ہوسکتے ہیں لیکن اس کی کسی جدید صورت کی تعمیر کے لیے ہرگز کارآمد نہیں ہوسکتے۔

مولانا موصوف نے دین کے ہر ہر جزء کے متعلق تواتر کا دعویٰ کر کے دین کو کوئی نفع نہیں پہنچایا بلکہ ایک طرف اس کے بہت بیش قیمت حصہ کو دشمنوں کے ساتھ خود بھی فنا کرنے کا سامان کر دیا ہے اور دوسری طرف اس امت کے اس خصوصی امتیاز کو بھی مٹا دیا ہے جو اسے دوسری امتوں کے بالمقابل عطا کیا گیا تھا۔

یہ بات سوچنا چاہیے کہ دنیا ایک محقق فیلسوف' ایک عارف کامل' ایک مجرب حکیم یہاں تک کہ ایک شاعر بلیغ کے حالات کو بھی جب بنظر احترام دیکھنا اپنا فرض سمجھتی ہے' اس کے ایک ایک ٹکڑے کی تلاش کرتی ہے' اس کے ایک ایک حرف کو قدیم تاریخوں سے جمع کرتی ہے پھر اگر کسی قدیم شخص کی کوئی ایسی یادگار طبع کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو اسے اپنی حیوۃ کے شاہکاروں میں ایک بڑا شاہکار شمار کر لیتی ہے مگر یہاں تذکرہ کسی شاعر یا حکیم کا نہیں بلکہ رسولوں میں بھی اُس رسول کا ہے جس کو آخری ہدایت دے کر بھیجا گیا تھا۔ اگر ہم ایک فیلسوف' ایک حکیم' یا ایک شاعر کے حالات زندگی سے ناواقف رہیں تو اس کا نقصان ہماری زندگی کے صرف ایک شعبہ تک محدود رہے گا۔ مگر یہاں تذکرہ کسی ایسی ہستی کا نہیں ہے جس کی علمی یادگار کی پراگندگی سے صرف کسی ایک کتاب کے چند اوراق پراگندہ ہوتے ہیں یا صرف کسی ایک جلیل القدر ہستی کی تاریخ زندگی مٹتی ہے یا کسی خاص فرد یا جماعت کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ یہاں اس کا تذکرہ ہے جس کے آثار ہستی مٹنے سے کتاب ہستی ہی کے اوراق پراگندہ ہوئے جاتے ہیں۔ یہ بدیہی بات ہے کہ جب کسی شخص کی اندرونی اور بیرونی زندگی کو اس استیعاب کے ساتھ دیکھنے کا قصد کیا جائے تو اس کے لیے بہت بڑی جدوجہد کی حاجت ہونی چاہیے۔ مگر جس کی زندگی کو عالم کے لیے اسوۂ حسنہ بنا دیا گیا تھا اس کو قدرت نے خود کچھ اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص اسے دیکھنا چاہے تو بلا شک و شبہ دیکھ سکتا ہے' صرف اس کی عبادات و معاملات ہی کا پہلو نہیں' صرف اس کی گفتگو اور غصہ و مسکراہٹ نہیں بلکہ ہر گفتگو کا انداز بھی اور غصہ و مسکراہٹ کی ایک ایک ادا بھی۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ از سر نو تاریخ کے اوراق تلاش کیے جائیں اور آپ کی زندگی کو دنیا کے مشاہیر افراد کی زندگی سے علیحدہ کیا جائے' پھر آپ کی زندگی کے حالات میں صحیح و غلط کو چھانا جائے پھر محض قیاسات کے ذریعہ آپ کی زندگی کے واقعات کو اس طرح ترتیب دے لیا جائے جیسا کہ دنیا کی دوسری شخصیتوں کے واقعات ترتیب دے لیے گئے ہیں بلکہ یہاں آپ ہی کے سامنے آپ کی زندگی مرتب ہوئی ایک ایک دن کے واقعات محفوظ کیے گئے اور محض تاریخ کے طور پر نہیں بلکہ آئین حیات اور زندگی کے دستور العمل کے طور پر اس کے بعد آپؐ نے صحابہ پر یہ بھی لازم کر دیا تھا کہ وہ اس زندگی کو بے کم و کاست غائبین تک پہنچا دیں تاکہ آپ کا اسوۂ حسنہ پورے استیعاب کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا جائے اور جو فائدہ موجودین کو پہنچا تھا وہی غائبین کو بھی پہنچ جائے۔ ظاہر ہے کہ ان واقعات میں جب آپ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پھر اجتماعی زندگی میں بہت بڑی جماعت اور محض چند افراد کے درمیان کی زندگی بھی شامل ہے تو لازمی طور پر آپ کی حیات طیبہ کے بعض واقعات بھی جماعتوں سے منقول ہوں گے اور بعض محض

www.besturdubooks.net

چند افراد یا ایک فرد سے مشاہدات کا معاملہ ہے جسے ہزاروں نے دیکھا اس کے ناقلین بھی بکثرت ہونے چاہئیں یہاں ناقلین کی قلت یقیناً یہ شبہ پیدا کر سکتی ہے کہ جو واقعہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ پیش آیا ہے اس کے نقل کرنے والے صرف ایک یا دو افراد کیوں ہیں لیکن جو آپ کی انفرادی زندگی ہے یا اسلام کے ابتدائی دور کے واقعات ہیں یا کسی ایک شخص کے استفسار پر اس کو علیحدہ جواب دیا گیا ہے یا تہجد کے وقت کسی خاص خادم کے ساتھ کوئی گفتگو ہوئی ہے یا حاجت انسانی کو جاتے' آتے کسی سے آپؐ نے کچھ فرمایا ہے یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہو سکتے ہیں جن کے سننے والی ہمیشہ جماعتیں نہیں ہوئیں۔ آپؐ کی یہ زندگی افراد یا فرد واحد ہی کے ذریعہ سے جماعتوں تک پہنچی ہے اس سے آگے وہ واقعات ہیں جن کا دیکھنے والا ایک شخص بھی نہ تھا یعنی ازواج مطہراتؓ کے ساتھ آپؐ کا اسوۂ حسنہ' شب کی تاریکیوں میں آپؐ کی آہ وزاری آپؐ کا نالہ و بکا' آپؐ کی عاجزانہ نمازیں' آپؐ کی لمبی لمبی قراءتیں' رو رو کر قرآن پڑھنا اور گڑگڑا کر امت کے لیے دعائیں کرنا یہ سب امہات المؤمنین کے ذریعہ اُمت کو پہنچا ہے حتیٰ کہ آپؐ کی تہجد کی رکعات اور اس کے رکوع و سجود کی کیفیت' درمیانی وقفے' اوقات کی تقسیم' اس کے طول و قصر کے حالات جتنے بسط و شرح کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں شاید ہی کسی اور صحابی سے مروی ہوں۔ اگر درحقیقت آپؐ کا اسوۂ حسنہ ان سب واقعات کو حاوی ہے اور حاوی ہونا چاہیے تو کیا یہاں تواتر کی قید لگانا کوئی صحیح احساس کہا جا سکتا ہے۔ جہاں اصل خبر اور اس کی ابتداء ہی فرد واحد سے شروع ہوا اس کے لیے تواتر کا مطالبہ کرنا کتنا نامعقول ہے اس قید کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساٹھ سالہ حیات میں سے آپؐ کی طفولیت۔ آپؐ کے حراء کے قیام' اور آپؐ کے دوسرے انفرادی واقعات سننا ہی نہیں چاہتے' اور چلیے اگر آپ کو قبل از نبوت کے واقعات سے دلچسپی نہیں ہے تو نبوت کے بعد کے واقعات میں بھی آپ صرف وہی واقعات معلوم کرنا چاہتے ہیں جو اتنے کثیر مجمع میں پیش آئے ہوں جن کو تواتر کی مقدار کہا جا سکتا ہو پھر اس پر بھی آپ راضی نہیں ہیں جب تک کہ ہر زمانہ میں اس کے ناقلین اسی قدر موجود نہ ہوں کیا قرآن نے عالم کے سامنے آپؐ کا جو اسوۂ حسنہ پیش کیا تھا وہ صرف ان ہی چند واقعات کا مجموعہ تھا جو آج ہم تک بطریق متواتر پہنچا ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ کے دیکھنے والوں کے لیے بھی ظن و یقین کی کوئی بحث تھی یا جتنے واقعات جس کے سامنے گذر گئے وہ اس کے نزدیک ہر تواتر سے بڑھ کر قابل یقین تھے۔ پس جب ان کے سامنے آپؐ کی زندگی سب کی سب اسوۂ حسنہ تھی تو ہمیں بھی اس پورے اسوۂ حسنہ کو تلاش کرنا چاہیے' یہاں تواتر کی قید لگانا دوسرے لفظوں میں اسوۂ حسنہ سے انکار کرنا ہے کیونکہ تواتر کے لحاظ سے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا جو حصہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ نہ ہماری ضروریات کے لیے کافی ہے نہ قرآن کے ایضاح و بیان کے لیے اس لیے اس قید سے ہمارا شرعی نقصان بھی ہے اور تاریخی بھی۔ اور صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمام نسل انسانی کا کیونکہ اس کی سب سے بڑی محرومی یہ ہوگی کہ جو انسان اس کے شعبہ حیات مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا صرف اپنے قول سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کے اکثر حالاتِ زندگی اس سے پوشیدہ رہ جائیں اور جتنے کچھ پایہ ثبوت کو پہنچیں اگر ان کو چھانٹے بغیر سب کو متواتر تسلیم کر لیا جائے تو وہ بھی اس کی بہت ہی محدود زندگی کے بہت محدود شعبے ہوں۔ یہاں یہ جواب دینا کہ غیر متواتر اسوۂ حسنہ کو تاریخی طور پر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں بہت غلط ہے کیونکہ ہماری بحث اس وقت اُس اسوۂ حسنہ سے ہے جو قرآن کریم نے صحابہؓ کے سامنے بہ حیثیت شرعی پیش کیا تھا۔ یقیناً وہ تواتر

www.besturdubooks.net

اور غیر تواتر کی بحث سے بالاتر تھا اور بلاشبہ اس میں تشریعی حیثیت کے سوا صرف تاریخی حیثیت نہ تھی - آپ کی ذات مجسم ان کے مشاہدہ میں تھی اور وہ سب کی سب ان کے لیے اسوہ قرار دی گئی تھی اور تواتر کی قید سے اس تمام اسوہ کا صرف وہی حصہ ہمارے لیے بچ رہتا ہے جس میں تواتر کی شروط پائی جائیں یہ مقدار اصل اسوۂ حسنہ کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں - اصل بات یہ ہے کہ مولانا کے نزدیک قرآن فہمی کے لیے صرف عقل کافی ہے جیسا کہ وہ عبارتِ مذکورہ میں اس کو بہت صفائی کے ساتھ لکھ چکے ہیں - لیکن چونکہ قرآن کریم نے لفظ اسوہ کو بہت تاکیدی طور پر ذکر کیا ہے اس لیے بادل ناخواستہ اسے بھی مولانا کو نبھانا پڑ رہا ہے ورنہ کھلے دل سے ان کے نزدیک اسوۂ رسول کی حاجت بھی نہیں ہے' جب رسول کے کلام سے اس کو استغناء ہو سکتا ہے تو اس کے افعال کی احتیاج چہ معنی دارد - ان کے خیال میں رسول قرآن پہنچا کر اپنے منصب سے علیحدہ ہو گیا - اب وہ جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے یہ سب اس کے شخصی افعال و اقوال ہیں جن کا اسلام میں بشرطِ ثبوت صرف اتنا ہی احترام ہو سکتا ہے جتنا کہ تاریخ کا - ہمارے خیال میں اس احترام کے تمام منصف مؤرخین بھی قائل ہیں - پس اگر منکرین حدیث بھی اس کی حیثیت اتنی ہی سمجھتے ہیں تو اس میں مسلم و کافر کی بھی کوئی تقسیم نہیں ہے بلکہ دیگر مؤرخین تو اسلام کی اس امتیازی جدوجہد سے بہت متاثر بھی نظر آتے ہیں مگر مولانا اس تاریخی جدوجہد سے متاثر بھی نہیں بلکہ اپنی تصنیف علم حدیث میں اس پر اور پھبتیاں کس رہے ہیں[1] جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا موصوف کے باطن میں بہ حیثیت تاریخ بھی کتنا حدیث کا احترام ہے -

سند صرف اسلام کی خصوصیت ہے ❊ حافظ ابن حزمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ

---

[1] ملاحظہ فرمایئے ڈاکٹر اسپرنگر تو یہ لکھتا ہے "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے -"

ڈاکٹر اسپرنگر کے اس قول سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا شغف فن حدیث سے صرف تاریخ کی حد تک تھا یا تشریع کی حد تک. اب مولانا کا احساس دیکھیے -

"مگر حقیقت یہ ہے کہ ان پانچ لاکھ میں سے ایسے حضرات کے سوا جنہوں نے اعلاء کلمۃ الحق یا ملت کی تعمیر کے کارنامے چھوڑے ہیں بقیہ کے متعلق جن کا کام سوائے روایت کشی کے اور کچھ نہ تھا' یہ دریافت کرنا کہ ان کا نام کیا تھا ان کی کنیت کیا تھی' ان کے کون کون استاد تھے اور کون کون شاگرد' ان کی کس قدر روایتیں صحیح ہیں اور کس قدر غلط وغیرہ وغیرہ - کوئی مفید یا قابل فخر تاریخی علم نہیں ہے بلکہ ملت کے لیے ایک قسم کی دماغی تعزیر ہے جو روایت پرستی کے سبب ملی ہے -" (علم حدیث ص ۲۷)

اسی کتاب میں آپ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں - "محدثین میں شروع سے لے کر آج تک جو اہم اور معرکۃ الآراء امور زیر بحث رہے ہیں بالعموم اس قسم کے ہیں جن کا ملت کی صلاح و فلاح اور اجتماعی زندگی سے کوئی عملی تعلق نہیں ہے مثلاً حضرت ابوبکرؓ افضل ہیں یا حضرت علیؓ - قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق - رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سماء دنیا پر کس طرح نزول فرماتے ہیں - قیام نماز میں ہاتھوں کو باندھنا چاہیے یا نہیں کیا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے - آمین زور سے کہی جائے یا آہستہ وغیرہ وغیرہ -"

ان عبارات سے آپ کو صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا موصوف کے قلب میں حدیث کا صحیح مقام کیا ہے - حدیث پر تشریعی یا تاریخی حیثیت سے بحث کرنا ہے یا اصل مقصد اس سلسلہ کو بے وقعت بنا کر نابود کرنا ہے -

www.besturdubooks.net

اپنے رسول کے کلمات صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے یہ صرف اس امت کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمہ کو صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق بخش دی گئی ہے۔ آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کر سکے۔ اس کے برخلاف اسلام ہے جو اپنے رسول کی سیرت کا ایک ایک شوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔

دین کے ثبوت کی چھ صورتیں ✽ ہمارے دین کی معتبر اور غیر معتبر طور پر منقول ہونے کی کل چھ صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی صورت میں شرق سے لے کر غرب تک' مسلم و کافر سب شریک ہیں' یہاں منصف و معاند کی بھی کوئی تفصیل نہیں ہے جیسا قرآن کریم۔ تمام عالم اس کا شاہد ہے کہ جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ وہی قرآن ہے جو آپ ؐ پر نازل ہوا تھا۔ اسی طرح پنج وقتہ نماز' رمضان کے روزے' زکوٰۃ' حج اور اسی قسم کے وہ احکام جو قرآن کریم میں منصوص ہیں' سب تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے مذہب میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے متعلق وہ اتنا عظیم الشان تواتر پیش کر سکیں۔ ان کی شریعت کا تمام دار و مدار تورات پر ہے جس کے خود ثبوت ہی میں سو طرح کے شبہات ہیں۔ یہود کو اس کا اعتراف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد عام ارتداد پھیل گیا تھا زمانہ دراز تک بت پرستی کی جاتی تھی انبیاء علیہم السلام کو ایذائیں دی جاتی تھیں حتیٰ کہ بعض کو قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔ شر و فساد کے اس دور میں بھلا تورات کی حفاظت کا کیا خیال کیا جا سکتا ہے اس کا تواتر تو درکنار۔

نصاریٰ کا حال یہ ہے کہ ان کے کل مذہب کی بنیاد پانچ اشخاص پر ہے جن کا جھوٹ خود ان کے بیانات سے ثابت ہے۔ قرآن کریم کے تواتر سے بھلا اس کا کیا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ بھی متواتر ہے مگر اس کا دائرہ پہلے سے کسی قدر تنگ ہے یعنی پہلی صورت میں اہل علم اور بے علم' مسلم اور کافر سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہاں صرف ایک محدود دائرہ کو اس کا علم ہوتا ہے اگرچہ اس کا احاطہ بھی ہزاروں کی تعداد سے متجاوز ہوتا ہے جیسا کہ آپ ؐ کے معجزات' مناسک حج اور زکوٰۃ کے بعض احکام' اہل خیبر سے آپ کا معاہدہ وغیرہ وغیرہ۔ یہود و نصاریٰ کے پاس اس جنس کا ثبوت بھی ندارد ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اس کے نقل کرنے والے اگرچہ حد تواتر کو نہ پہنچیں مگر معتمد اشخاص ہوں پھر وہ اسی قسم کے دوسرے چند اشخاص یا ایک شخص سے ایک بات نقل کریں اور اسی طرح یہ نقل طبقہ بہ طبقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے۔ یہود و نصاریٰ کے یہاں اس قسم کی بھی کوئی سند نہیں ہے' یہ امتیاز صرف امت محمدیہ کا ہے کہ اس نے اپنے رسول کا ایک ایک کلمہ ہر ممکن سے ممکن طریق سے محفوظ کر لیا ہے اور اس خدمت کے لیے شرق و غرب میں اتنے نفوس مارے مارے پھرے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کسی فاسق کی یہ مجال نہیں رہی کہ وہ دین کا ایک شوشہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا سکے' اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ اپنے دین کے کسی ایک مسئلہ کے متعلق بھی وثوق کے ساتھ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ ان کے دین کا جزء ہے۔

(۴) چوتھی صورت مرسل ہے یعنی رسول اور ناقل کے درمیان کا واسطہ مذکور نہ ہو' کوئی تابعی براہ راست آپ ؐ کا قول و فعل نقل

www.besturdubooks.net

کرے- یہود ونصاریٰ کے پاس بہت سے بہت اپنے دین کی کوئی سند ہے تو اس قسم کی ہے پھر اس طریقہ میں بھی زمانہ نبوت نے جو قرب ہمیں حاصل ہے انہیں حاصل نہیں' اس پر ان کے لیے اندرونی اور بیرونی حالات کی ناموافقت مزید براں ہے اس لیے جتنے تردد اور شبہات کے امکانات وہاں پیدا ہو سکتے ہیں یہاں نہیں ہو سکتے- ہمارے علم میں یہود ونصاریٰ کے پاس صرف ایک ہی مسئلہ ایسا ہے جس کو ان کے کسی عالم نے بنی اسرائیل کے کسی آخری نبی سے براہ راست سنا ہے- اس کے علاوہ ان کے تمام دین کے ثبوت کی درمیانی کڑی غائب ہے- ہم ان طریقوں میں سے اپنے تمام دین کی بنیاد صرف پہلے تین طریقوں پر قائم کرتے ہیں-[1]

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ اس کے بعض راوی مجروح اور غیر ثقہ بھی ہوں ہمارے نزدیک ایسی سند کا اعتبار کرنا حلال نہیں-

(۶) چھٹی صورت یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل ہی نہ ہو بلکہ مذکورہ بالا طریق سے کسی صحابی کا قول وفعل ہو' اس کے تسلیم کرنے نہ کرنے میں بھی اختلاف ہے ہم اسے واجب التسلیم نہیں سمجھتے-[2] [3]

❀ ❀ ❀

---

[1] مرسل کے قبول ورد کرنے کے متعلق اصولِ حدیث میں اختلاف نقل کیا گیا ہے- ہر فریق کے دلائل وہاں مذکور ہیں' یہاں طوالت کے خوف سے ان کو نقل نہیں کیا گیا-

[2] قول وفعل صحابی کے متعلق بھی بڑی تفصیل ہے اگر حکماً مرفوع ہے تو وہ بھی قابل حجت ہے اس کی بحث بھی اصولِ حدیث کی کتابوں میں دیکھ لی جائے-

[3] الملل والنحل: ج۲ص ۶۶-۶۹-

www.besturdubooks.net

خبر واحد کی حجیت

اصول حدیث کی اصطلاح کے لحاظ سے اجمالی طور پر حدیث کی دو قسمیں ہیں: (۱) خبر واحد: ہر اس خبر کو جو متواتر نہ ہو اصطلاحی طور پر خبر واحد ہی کہا جاتا ہے۔

لہٰذا خبر واحد کے لفظ سے اس کا جو مفہوم دماغ میں پیدا ہوتا ہے اسی میں خبر واحد کا انحصار نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اگر تواتر کا عدد کسی ایک طبقہ میں بھی فوت ہو جائے تو اس خبر کو خبر واحد ہی کہا جاتا ہے خواہ وہ خبر کتنے ہی افراد سے روایت کی گئی ہو۔ اس کا صرف یہ مفہوم نہیں ہے کہ اس کا روایت کرنے والا ہر دور میں صرف ایک ہی شخص ہو۔ جو لوگ متواتر کے سوا خبر واحد کو مطلقاً حجت نہیں مانتے ان کو ذرا اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اگر کسی حدیث کے راوی صحابہ و تابعین کے دور میں بکثرت موجود ہوں پھر کسی ایک دور میں اساتذہ و تلامذہ کی نقل و حرکت کی قلت و کثرت' ماحول کی موافقت یا ناموافقت کی وجہ سے کسی قدر کم ہو جائیں تو کیا ایسی خبر کو بھی رد کر دینا عقلاً مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ بعض معتزلہ جو خبر واحد کے سب سے پہلے منکر ہیں اس پر غور کرتے کرتے اس فیصلہ کے لیے مجبور ہو گئے ہیں کہ اگر ہر دور میں اس کے راوی دو' دو موجود ہوں تو پھر ایسی خبر کو حجت کہہ دیا جائے گا اس کی تردید کی اب کوئی وجہ نہیں رہتی حالانکہ صرف دو راویوں سے کسی خبر کو متواتر نہیں کہا جا سکتا۔ وہ خبر واحد ہی رہتی ہے مگر اس کو ایسی قوت ضرور حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کو مفید یقین کہا جا سکتا ہے۔ پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ یہ تمام تقسیمیں اس قدر محدود وقت کے اندر اندر ہیں کہ اس میں ذخیرۂ حدیث کو بالکل ساقط الاعتبار قرار دینا بہت بڑی غفلت ہے۔ تدوین حدیث کا دور تیسری صدی تک قریب قریب ختم ہو جاتا ہے۔ پہلی صدی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خود موجود تھے۔ اور آپ کی احادیث کا ذخیرہ مختلف طور پر ان کے پاس محفوظ تھا۔ اس کے بعد دوسری صدی شروع ہونے نہیں پائی کہ تدوین حدیث کا باضابطہ آغاز ہو گیا۔ اتنے قلیل عرصہ میں تمام ذخیرۂ احادیث کا یک قلم مشکوک ہو جانا بہت بعید از قیاس ہے۔

اگر تدوین حدیث صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے دور کے بعد شروع ہوتی تو حدیث کے ثبوت میں شبہ کرنا معقول ہوتا لیکن جب کہ فقط احادیث کا سلسلہ خود آپ کے زمانہ سے برابر متصل طور پر چلا آ رہا ہے تو اب اس میں شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ میں اس پر مستقل ایک مقالہ لکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی کے واقعات سے خبر واحد کی حجیت ثابت کی ہے۔ ہم یہاں اس کا مختصر خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

<u>پہلا واقعہ</u> ✻ تحویل قبلہ سے پہلے اہل قباء کا قبلہ بھی بیت مقدس تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد صبح کی نماز میں تحویل قبلہ کی خبر لے کر ان کے پاس پہنچا تو سب نے نماز کے اندر ہی اپنا رخ بیت اللہ کی طرف بدل دیا۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے نزدیک دینی مسائل میں خبر واحد حجت تھی اور اگر بالفرض ان کا یہ اقدام غلط ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی

www.besturdubooks.net

اللہ علیہ وسلم ان کو تنبیہ فرماتے کہ جب تم ایک قطعی قبلہ پر قائم تھے تو تم نے صرف ایک شخص کے قول پر ایک فرضِ قطعی کو کیسے چھوڑ دیا اور براہ راست میری ہدایت یا خبر متواتر کا انتظار کیوں نہ کیا مگر یہاں اعتراض کرنا تو درکنار اپنی جانب سے فرد واحد کا بھیجنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ خود صاحب نبوت کے نزدیک بھی دین کے بارے میں ایک ثقہ اور صادق شخص کا قول کافی ہے۔

دوسرا واقعہ ٭ یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں' میں ابوعبیدہ' ابوطلحہ' ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا کہ دفعۃً ایک شخص آیا اور اس نے خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ یہ سن کر فوراً ابوطلحہؓ نے کہا انسؓ اٹھو اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالو۔ میں اٹھا اور شراب کے برتن توڑ دیئے۔

ظاہر ہے کہ شراب پہلے شرعاً حلال ہی تھی لیکن یہاں صرف ایک شخص کے بیان پر اس کی حرمت کا یقین کر لیا گیا اور اس کے برتن توڑ ڈالے گئے۔ حاضرین میں سے کسی نے اتنا تامل بھی نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ جا کر پوچھ آتا اور نہ کسی نے یہ اعتراض کیا کہ قبل از تحقیق یہ اضاعت مال اور اسراف بیجا کیوں کیا گیا۔

تیسرا واقعہ ٭ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آپؐ نے زنا کے ایک مقدمہ میں زانی کے اقرار پر اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا اور جس عورت کے متعلق اس شخص نے زنا کرنے کا اقرار کیا تھا اس کے پاس حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ اس سے دریافت کرو اگر وہ بھی اقرار کر لے تو اس کو رجم کر دو ورنہ اس شخص کو حد قذف اور لگاؤ کیونکہ اس نے بلا شرعی ثبوت کے ایک عورت پر زنا کی تہمت کیسے رکھی۔ حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے اس عورت نے زنا کا اقرار کیا اور وہ بھی رجم کر دی گئی۔

چوتھا واقعہ ٭ عمرو بن سلیم زرقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم منیٰ میں مقیم تھے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار چیخ چیخ کر یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں کوئی شخص ان میں روزہ نہ رکھے۔

پانچواں واقعہ ٭ یزید بن شیبان کہتے ہیں کہ ہم مقام عرفات میں تھے۔ اتفاقاً ہمارا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے دور تھا۔ اسی درمیان میں ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد یہ پیام لے کر پہنچا کہ ہم جہاں ٹھیرے ہوئے ہیں اپنی اسی جگہ پر رہیں وہاں سے منتقل ہونے کی ضرورت نہیں' میدان عرفات میں جہاں بھی قیام ہو جائے فریضۂ وقوف ادا ہو جاتا ہے۔

چھٹا واقعہ ٭ ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ فریضہ حج کو انجام دیں اور ان کے بعد حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ وہ کفار کو سورۂ براءت کی آیات سنا کر ہوشیار کر دیں کہ انہوں نے خود بدعہدی کی ہے اب خدا کا بھی ان سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا۔

ان سب احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک شخص کو اپنی جانب سے بھیجنا باوجودیکہ آپ کا بنفس نفیس

www.besturdubooks.net

تشریف لے جانا بھی ممکن تھا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ دین میں ایک ثقہ اور صادق شخص کی خبر حجت گردانی گئی ہے۔

خبر واحد کی حجیت کا ایک اور ثبوت ❋ اس کے سوا آپ نے عامل اور قاصد جہاں جہاں بھیجے ہیں ان میں عدد کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر اور ابن زبیر وغیرہ کو اپنے اپنے قبائل کی طرف روانہ کیا، وفد بحرین کے ساتھ ابن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور معاذ بن جبل کو یمن کے بالمقابل بھیجا اور جنگ کے بعد ان کو شریعت کی تعلیم دینے کا حکم دیا۔ لیکن کہیں منقول نہیں کہ آپ کے عاملین کے ساتھ کسی نے یہ مناقشہ کیا ہو کہ چونکہ یہ ایک ہی فرد ہے اس لیے اس کو صدقات و عشر نہیں دیئے جائیں گے۔

خبر واحد کی حجیت کا تیسرا ثبوت ❋ اسی طرح آپ نے دعوت اسلام کے لیے مختلف بلاد میں بارہ قاصد روانہ فرمائے اور صرف اس بات کی رعایت کی کہ ہر سمت میں ایسا شخص بھیجا جائے جو اس نواح میں متعارف ہو تاکہ اس کے جھوٹے ہونے کا شبہ نہ رہے اور ان کو اس کا اطمینان ہو جائے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے عاملوں اور قاضیوں کے پاس جب بھی آپ کے خطوط پہنچے تو ہمیشہ انہوں نے فوراً ان کو نافذ کیا اور خواہ مخواہ کے شبہات کو کوئی راہ نہیں دی۔ پھر آپ کے بعد بھی آپ کے خلفاء و عمال کا یہی دستور رہا حتیٰ کہ مسلمانوں میں ہمیشہ ایک ہی خلیفہ، ایک ہی امام، ایک ہی قاضی ایک ہی امیر ہونا ایک مسلم مسئلہ تھا جس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خبر واحد کی حجیت کے لیے یہ چند احادیث بطور مشتے نمونہ از خروارے کافی ہیں، یہ وہ عقیدہ ہے جس پر ہم نے ان لوگوں کو پایا ہے جن کو کہ ہم نے دیکھا اور یہی عقیدہ انہوں نے اپنے پہلوں کا ہم سے بیان کیا ہے۔

خبر واحد کی حجیت کا چوتھا ثبوت ❋ ہم نے تو مدینہ میں ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ سعید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو سعید خدریؓ کی ایک حدیث نقل کر دیتے ہیں اور اس سے دین کی ایک سنت ثابت ہو جاتی ہے۔ ابو ہریرہؓ ایک روایت کرتے ہیں اس سے ایک سنت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ایک ایک صحابیؓ کے بیان پر دین کے مسائل اور سنتیں ثابت ہوتی چلی جاتی تھیں، خبر واحد اور متواتر ہونے کا کوئی سوال وہاں نہیں کیا جاتا تھا آخر میں امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے مدینہ و مکہ، یمن و شام اور کوفہ کے حضرات ذیل کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے تھے اور صرف اس ایک صحابی کی حدیث سے ایک سنت ثابت ہو جاتی تھی، اہل مدینہ کے چند نام یہ ہیں:

محمد بن جبیر، نافع بن جبیر، یزید بن طلحہ، محمد بن طلحہ، نافع بن عجیر، ابو مسلمہ بن عبد الرحمٰن، حمید بن عبد الرحمٰن، خارجہ بن زید، عبد الرحمٰن بن کعب، عبد اللہ بن ابی قتادہ، سلیمان بن یسار، عطاء بن یسار وغیرہم۔

اور اہل مکہ کے چند اسماء حسب ذیل ہیں:

عطاء، طاؤس، مجاہد، ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد، عبید اللہ بن ابی یزید، عبد اللہ بن باباہ، ابن ابی عمار، محمد بن المنکدر وغیرہم اور اسی طرح یمن میں وہب بن منبہ اور شام میں مکحول اور بصرہ میں عبد الرحمٰن بن غنم، حسن اور محمد بن سیرین، کوفہ میں اسود، علقمہ

www.besturdubooks.net

اور شعبی غرض تمام بلادِ اسلامیہ اسی عقیدہ پر تھے کہ خبر واحد حجت ہے- اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لیے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے تو خبر واحد کی حجیت کے متعلق بھی میں یہ الفاظ کہہ دیتا مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے-

خبر واحد پر عمل نہ کرنے کی چند صورتیں ❋ ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کسی کے پاس خبر واحد پہنچی ہو تو اس نے اس پر اس لیے عمل نہ کیا ہو کہ اس کے نزدیک وہ خبر حد صحت کو نہ پہنچی ہو یا وہ حدیث دو معنوں کو محتمل ہو اور اس نے دوسرے معنی پر عمل کر لیا ہو یا اس کے معارض اس سے زیادہ صحیح حدیث اس کے پاس موجود ہو' غرض جب تک وجہ ترجیح یا اسبابِ ترک میں سے کوئی سبب اس کے پاس موجود نہ ہو ہرگز کسی کے لیے خبر واحد کا ترک کرنا جائز نہیں-

خبر واحد کے مراتب ❋ اسی کے ساتھ یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ایک وہ حدیث جس پر سب کا اتفاق ہو اور ایک وہ جو کسی خاص مسئلہ کے متعلق صرف ایک راوی سے روایت کی گئی ہو' اس میں مختلف تاویلوں کی گنجائش بھی نہ ہو دونوں برابر نہیں ہو سکتیں' پہلی حدیث کا تسلیم کرنا بلاشبہ قطعی ہے اگر اس کا کوئی منکر ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے لیکن دوسری قسم کی حدیث اس درجہ قوی نہیں اگر اس حدیث میں کوئی شک کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا لیکن اس پر بھی عمل کرنا واجب ہو گا جب تک کہ اسباب ترک میں سے کوئی سبب پایا نہ جائے جیسا کہ شاہدوں کے بیان پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہاں بھی غلطی اور شکوک کا احتمال باقی رہتا ہے لیکن پھر بھی جب تک کہ تحقیق نہ ہو ظاہر حال پر عمل کیا جاتا ہے-

www.besturdubooks.net

ظن وعلم کے مفہوم پر ایک اہم بحث

خبر واحد کی حجیت کے برخلاف منکرین حدیث کے پاس بڑا استدلال یہ ہے کہ وہ مفید ظن ہوتی ہیں اور دین کی بناء ظنیات پر قائم نہیں کی جاسکتی اس لیے ہم یہاں پہلے ظن وعلم کے مفہوم کے متعلق تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں صحابہؓ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظن کا استعمال اردو میں ٹھیک انکل کے موقعہ پر کیا کرتے تھے۔ پس جو خیال واقعہ کی تحقیق کے بغیر محض اپنی جانب سے پکا لیا جائے ان کے نزدیک ظن کہا جاتا تھا اب وہ خواہ رجحان کے مرتبہ کو پہنچے یا نہ پہنچے۔[1]

---

[1] مولانا اسلم صاحب نے معلوم نہیں کس مجبوری سے صحابہؓ کے دور کے ان واقعات کی جواب دہی حسب ذیل الفاظ میں کی ہے حالانکہ ان کے لیے سیدھی بات یہ تھی کہ وہ ان تمام واقعات کو سرے سے غلط کہہ کر نبٹ جاتے مگر آپ رقم طراز ہیں۔

''مگر عہد صحابہ میں شاہد کا ملنا ممکن تھا اس لیے اس وقت یہ طرز عمل بالکل حق بجانب تھا لیکن زمانہ مابعد میں راوی کی حیثیت شاہد کی نہیں رہی بلکہ مدعی کی ہوگئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کے جملہ افراد پر جن کی تعداد کروڑوں بلکہ ممکن ہے کہ اربوں ہو جائے ایک عقیدہ یا عمل کی پابندی عائد کرنی چاہتا ہے اور اس کا بیان بھی واسطہ در واسطہ ہے اس لیے اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ دو شاہد عدل پیش کرے جو گواہی دیں کہ اس نے فلاں سے ہمارے سامنے سنا ہے پھر اسی طرح سلسلہ کے آخر تک ہر راوی کے سماعت کے دو گواہ ہونے ضروری ہیں۔ بلا ان کے اصول عدالت اور قانون شریعت کے مطابق اس کا قول تسلیم کے قابل نہیں۔'' (علم حدیث ص ۳۰)

اس طویل اور بے مغز تقریر کے جواب میں یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام ذمہ داریوں کا بار جیسا بعد کے راویوں پر ہے اس سے بڑھ کر اس صحابی کی گردن پر ہے جس نے کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے پہلا مدعی وہ ہے جس نے اربوں افراد امت کے سر کسی عمل کی پابندی عائد کرنے کی بنیاد رکھی ہے سب سے پہلے یہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ کے لیے دو گواہ لائے اگر دو گواہ نہیں لاتا یا دوسرا شخص اس سے گواہوں کا مطالبہ نہیں کرتا اور اس کے بغیر بھی اس کا دعویٰ قبول کرلیا جاتا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ راوی کے لیے دراصل عدد کی شرط ہی غلط ہے۔ اس کا یہ عذر کرنا ''کہ اس وقت شاہد کا ملنا ممکن تھا'' ایک عذر لنگ ہے اولاً تو یہی صحیح نہیں کہ صحابہ نے سب روایتیں براہ راست صاحب نبوت سے خود سن کر بیان کی ہیں اس لیے ان کی حیثیت مدعی کی حیثیت نہیں کیونکہ ان کی روایتوں میں ایسی روایات بھی شامل ہیں جو انہوں نے خود نہیں بلکہ کسی دوسرے صحابی سے سن کر بیان کی ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

ما کل ما نحدث به سمعناه من رسول الله صلى الله عليه وسلم و لكن كان يحدث بعضنا بعضا. (مستدرک حاکم)	جو حدیث ہم بیان کرتے ہیں وہ تمام ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں سنیں ہیں بلکہ ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جو ہم میں بعض بعض سے روایت کرتا تھا۔

اس بناء پر صحابی کی حیثیت بھی ٹھیک وہی حیثیت ہوگئی جو دوسرے راوی کی ہے اس کے علاوہ یہ بھی مسلم نہیں کہ جس نے آپ سے براہ راست کوئی حدیث سنی ہے اس کی حیثیت مدعی کی نہیں ہوتی پھر اس کو بار ثبوت سے کیوں سبکدوش کیا جائے پھر یہ کون سا عقلی یا شرعی قاعدہ ہے کہ کسی مدعی کے دعویٰ کی ڈگری صرف اس بناء پر دے دی جائے کہ وہ گواہ پیش کرسکتا ہے اور اس امکان پر اس سے گواہی کا مطالبہ ہی نہ کیا جائے اور فرض کرلو کہ اگر دو گواہوں سے حدیث کی صحت ثابت ہوسکتی ہے تو چلئے مولانا اسلم صاحب اسی کا اقرار کرلیں کہ اگر کسی خبر کے راوی دو دو ہوں یا اس کے دو دو شاہد ہوں تو وہ اس کو حجت تسلیم کرسکتے ہیں۔ معتزلہ نے تو اس کا اقرار کرلیا ہے جیسا کہ حافظ عراقی نے نکت علی ابن الصلاح میں اس کی تصریح کی ہے۔ ←.....

www.besturdubooks.net

حضرت عمرؓ نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو! دین کے بارے میں رائے تو بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صواب تھی۔و انما ھو منا الظن و التکلف۔ہم تو صرف انکل کے تیر لگاتے اور تکلف کر کر کے خیال جماتے ہیں۔ان مختصر الفاظ میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ تھا۔﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ﴾ پس جو رائے خدا کی اراءۃ اور اصابۃ کے ساتھ ہو اس کا نام رائے ہے اور وہی صواب بھی ہو سکتی ہے اور جو محض اپنی جانب سے ایک انکل ہو خدائے تعالیٰ کی اراءۃ اس میں شامل نہ ہو اس کا نام ظن اور تکلف ہے۔

عن عبداللہ بن عمر انہ کان اذا لم یجد فی الامر یسأل عنہ شیئا قال ان شئتم اخبرتکم بالظن. (اعلام ج ۱ ص ۴۹)

حضرت ابن عمر کا یہ دستور تھا کہ جب کسی معاملہ کے متعلق انہیں کتاب و سنت میں کوئی فیصلہ نہ ملتا تو فرماتے اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے ظن اور انکل سے بتلا دوں۔(یعنی فیصلہ نہ دیتے)

اسی ظن کو رائے بھی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں رائے زنی کی ممانعت کی گئی ہے یعنی محض اپنی عقل سے کسی شرعی بنیاد کے بغیر کوئی بات کہہ دینا۔حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں کس زمین کے اوپر اور کس آسمان کے نیچے رہ سکتا ہوں؟ اگر قرآن کی کسی آیت میں صرف اپنی رائے سے کوئی بات کہوں یا ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔[1] حضرت ابوموسیٰ کے الفاظ پر غور کیجئے۔

من کان عندہ علم فلیعلمہ الناس و ان لم یعلم فلا یقولن ما لیس لہ بہ علم فیکون من المتکلفین.[2]

اگر کسی کے پاس کوئی علم کی بات ہو تو وہ لوگوں کو سکھلا دے اور اگر علم نہیں رکھتا تو وہ بات منہ سے نہ نکالے جس کا اس کو علم نہیں تاکہ متکلفین میں اس کا شمار نہ ہو جائے۔

لہ ..... لیکن موصوف تو پھر بھی اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔چنانچہ چند سطور بعد خود ہی تحریر فرماتے ہیں ''اس لیے تمام روایتیں غیر یقینی ہیں۔روایت کی صرف ایک قسم یقینی ہو سکتی تھی یعنی متواتر اور ایسی کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ جملہ حدیثیں خبر واحد ہی ہیں۔'' (علم حدیث ص ۱۳۰ و ۱۳۱)

مذکورہ بالا تحریر سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مولانا موصوف حدیث متواتر کے سوا خبر واحد کی حجت تسلیم نہیں کرتے پھر صفحہ ۱۴۱ پر خبر واحد کی تعریف یہ نقل فرماتے ہیں۔اس مقام پر خبر واحد سے مراد وہ حدیث ہے کہ حد تواتر تک جو مفید یقین ہے نہ پہنچے مثلاً ایک حدیث جس کو کوئی جماعت پانچ یا چھ راویوں سے روایت کرتی ہو خبر واحد ہے۔جب مولانا موصوف کا عقیدہ یہ ہے تو پھر خواہ مخواہ دو گواہوں کی شرط کس لیے ہے اگر ایک جماعت کسی حدیث کو چھ اشخاص سے بھی روایت کرے وہ بھی مولانا کے نزدیک مسلم نہیں تو دو گواہوں کا بیان کیا مسلم ہوگا۔گویا کہ اب مولانا کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کی کوئی قسم بھی حجت نہیں۔خبر متواتر اگر بالفرض موجود ہوتی تو اسے تسلیم کر سکتے تھے مگر بدقسمتی سے وہ موجود ہی نہیں اس لیے نتیجہ کورا انکار ہے۔

یہاں یہ نکتہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خبر متواتر کی ایک شرط یہ ہے کہ اس کا مبنیٰ امر محسوس ہو اگر کسی غیر محسوس امر کو ایک کروڑ انسان بھی نقل کریں تو بھی وہ متواتر نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ہزار صحابہ و تابعین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غیر محسوس امر کو نقل کریں تو وہ بھی مولانا کو مسلم نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک وہ خبر واحد رہے گی اور وہ مفید یقین نہیں ہو سکتی انا للہ وانا الیہ راجعون۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک ہزار اشخاص کے بیانات کا بھی یقین نہیں لاتا اور اس لیے نہیں لاتا کہ وہ متواتر نہیں ہیں اسے اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ پھر اس دنیا میں اس کے نزدیک خبر پر یقین کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔اسے تحصیل یقین کے لیے کوئی دوسرا جہاں تلاش کرنا چاہیے۔

[1] اعلام ج ا ص ۴۴۔ [2] ایضاً ج ا ص ۵۰۔

www.besturdubooks.net

اس سے معلوم ہوا کہ تکلف یہ ہے کہ جب کسی بات کا علم نہ ہو تو بے علمی کے چھپانے کے لیے اپنی جانب سے کوئی بات گھڑ لی جائے اسی کو ظن کہتے ہیں۔ اسی کو حضرت عمرؓ نے اپنے ان الفاظ میں ادا فرمایا تھا۔ و انما ھو منا الظن و التکلف۔ حضرت ابو موسیٰؓ کے اس مختصر سے بیان میں حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ تھا۔

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ. قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ.	اس بات کے پیچھے مت پڑیے جس کا آپ کو علم نہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر مزدوری نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

ما علمک اللہ فی کتابہ فاحمد اللہ بہ و ما استأ ثربہ علیک من علم فکلہ الی عالمہ و لا تتکلف فان اللہ عزوجل یقول لنبیہ قل ما اسئلکم علیہ من اجر و ما انا من المتکلفین۔[1]	کتاب اللہ کا جو علم اللہ تعالیٰ تجھے مرحمت فرمادے اس پر اس کی تعریف کر اور اس کا جو علم اس نے خود اپنے نفس کے لیے رکھا ہے اور تجھے نہیں بتایا اس کے متعلق تکلف مت کر اور جو اس کا عالم ہے اس کے سپرد کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہی ارشاد فرمایا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے مزدوری نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

اتقوا الرأی فی دینکم۔[2]	دین میں رائے لڑانے سے بچو۔

غرض سلف میں بیشتر ظن اور رائے اپنی جانب سے تخمینہ اور خیال آرائی کو کہتے ہیں جو رائے کتاب اللہ اور سنت رسول کے تحت ہو اس کو مطلقاً رائے نہیں کہا جاتا تھا نہ وہ مذموم ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے کلام میں اس تقسیم کی طرف اشارہ موجود ہے۔

من احدث رأیا لیس فی کتاب اللہ و لم تمض بہ سنتہ من رسول اللہ لم یدر علی ما ھو منہ اذا لقی اللہ عزوجل۔[3]	جس نے کوئی ایسی رائے ایجاد کی جو قرآن میں نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہے وہ نہیں جانتا کہ کل قیامت میں اس کا حشر کیا ہوگا۔

ان الفاظ سے رائے کی دو قسمیں ظاہر ہوتی ہیں ایک وہ جو کتاب اللہ کے ماتحت ہو دوسری وہ جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں علم اس کو کہا جاتا تھا جو قرآن و حدیث نے بتایا یا صحابہؓ سے منقول ہوا۔ اوزاعی فرماتے ہیں کہ علم صرف وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔[4]

ابن جریج روایت کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے ایک مسافر کے متعلق مسئلہ پوچھا کہ اس نے حج کے مہینوں کے سوا کسی اور مہینہ میں عمرہ کیا پھر اس کا خیال ہوا کہ حج کے ایام میں حج کر لے کیا وہ متمتع ہو جائے گا فرمایا کہ متمتع نہیں ہو سکتا جب تک کہ اشہر

---

[1] اعلام ج۱ص ۴۷ و جامع بیان العلم ج۲ص ۵۰۔ [2] اعلام ج۱ص ۴۵۔ [3] اعلام ج۱ص ۴۵۔ [4] جامع بیان العلم ج۲ص ۲۹۔

www.besturdubooks.net

حج میں پھر اپنے میقات پر لوٹ کر نہ آئے میں نے کہا کہ أرای ام علم؟ یہ جو آپ نے جواب دیا ہے یہ رائے ہے یا علم۔[1]

ان کلمات سے ظاہر ہے کہ رائے اور علم' اسی طرح ظن اور علم سلف میں دو متقابل چیزیں تھیں واقعی بات کو علم اور تخمینی باتوں کو ظن کہا جاتا تھا' جانب راجح اور مرجوح کی ان کے یہاں کوئی تفصیل نہ تھی۔ یہی اصطلاح قرآن کی بھی ہے۔

(۱) یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. (حجرات:۱۲) — اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچا کرو کیونکہ بعض خیال و گمان گناہ کی حد تک پہنچتے ہیں۔

آیت بالا میں گناہ ہونے کا حکم اس پر نہیں ہے کہ وہ جانب راجح ہے یا مرجوح بلکہ خلافِ واقع اور بے تحقیق بات پر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

(۲) وَ اِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ. (جاثیہ: ۳۲) — جب کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور قیامت آنے میں کوئی شبہ نہیں تو تم نے یہ جواب دیا ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے۔ ہمیں تو یہ بات یونہی بے تحقیق سی معلوم ہوتی ہے اور ہم ہرگز اس کا یقین نہیں کر سکتے۔

اسی طرح آیات ذیل بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں:

(۳) اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى. (النجم: ۲۳) — صرف اٹکل اور نفس کی خواہشات پر چلتے ہیں اور ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے۔

(۴) مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا. (النجم:۲۸) — اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف خیالات پر چلتے ہیں اور خیالات حق کی جگہ کچھ کارآمد نہیں ہوتے۔

(۵) وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِیْنَ. (حم سجدہ: ۲۲، ۲۳) — لیکن تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں جو تم کرتے ہو نہیں جانتا اور تمہارے اسی خیال نے جو تم نے اپنے رب کے متعلق پکا رکھا تھا تم کو ہلاک کیا اور تم نقصان میں رہ گئے۔

(۶) یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ. (آل عمران: ۱۵۴) — وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جاہلوں کے سے جھوٹے خیال رکھتے تھے۔

(۷) وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. (احزاب:۱۰) — اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے خیالات کرنے لگے۔

(۸) وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. (نساء: ۱۵۷) — جو لوگ عیسیٰ کے معاملہ میں کئی باتیں کہتے ہیں وہ یہاں شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف اپنے خیالات کی پیروی ہے۔

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۹۔

www.besturdubooks.net

(۹) وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ. (یونس : ٦٦)

اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو شریک پکارتے ہیں یہ صرف خیال کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

(۱۰) وَ قَالُوْا مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیٰ وَ مَا یُھْلِکُنَا اِلَّا الدَّھْرُ وَ مَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ. (جاثیہ : ٢٤)

اور کہتے ہیں یہی ہماری زندگی ہے جس میں ہم جیتے اور مرتے ہیں اور ہم کو نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ ان کو کچھ علم نہیں وہ صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

(۱۱) وَ اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ. (الانعام : ١١٦)

روئے زمین کے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کی باتیں مان لیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے وہ صرف خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔

ان تمام آیات میں ظن ان خیالات ہی کو کہا گیا ہے جو خود اپنے دماغ سے تراش لیے جائیں پھر وہ خواہ حد یقین کو پہنچ جائیں یا صرف شک کے مرتبہ میں رہ جائیں پہلی آیت میں ظن سے اجتناب کرنے کا امر فرمایا گیا ہے۔ دوسری آیت میں کفار کا قیامت کے متعلق ظن کا اقرار مذکور ہے تیسری آیت میں ظن اور خواہشات نفس کے مقابلہ میں خدا کی ہدایت کو رکھا گیا ہے اسی طرح چوتھی آیت میں علم اور ظن کو مقابل قرار دیا گیا ہے آٹھویں آیت میں جن لوگوں کے متعلق شک کی حالت میں ہونا فرمایا گیا ہے' ان ہی کے متعلق اسی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ ظن کی اتباع کرتے ہیں حالانکہ اصطلاح کے لحاظ سے ظن اور شک متقابل چیزیں ہیں۔ نویں آیت میں ظن اور خرص یعنی تخمینہ کو قرین اور ہم معنی الفاظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ان تمام مقامات میں کہیں بھی ظن کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں اور نہ یہ وہ ظن ہیں جو ادلہ شرعیہ کے ماتحت پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ قرآن جس ماحول میں آیا اس وقت خدا کی ذات وصفات' قیامت اور اہل کتاب کے معاملات کا مشرکین کو کچھ بھی علم نہ تھا اور جو علم تھا ...... سنی سنائی باتیں یا غلط قیاسات اور باطل ظنون تھے قرآن آیا تو اس نے بنیادی طور پر یہ سکھلایا کہ اب خدائی تعلیم کی اتباع کرو اتباع ظنون وقیاسات چھوڑ دو۔

ظاہر ہے کہ اس وقت جو ظن مشرکین کو قیامت کے متعلق تھا یا سورۂ آل عمران کی آیت میں جو ظن مسلمانوں کے دل میں پیدا ہونے لگا تھا یا سورۂ حم سجدہ میں خدا کے علم کے بارے میں جو ظن کہ مشرکین کے قلوب میں موجود تھا اور اسی طرح دوسری آیات میں جہاں جہاں ظن کا ذکر اور اس کی مذمت کی گئی ہے یہ وہ ظن ہرگز نہیں ہیں جو ادلہ شرعیہ کے ماتحت پیدا ہوئے بلکہ اپنی جانب سے پکائے ہوئے بے بنیاد خیالات تھے جو ظن کہ ادلہ شرعیہ کے ماتحت پیدا ہوتا ہے قرآن نے اس کی مذمت کا کہیں ایک حرف بھی نہیں کہا ان جملہ مواقع پر جتنے ظنون ہیں یہ وہ ظنون ہیں جو شریعت کے خلاف یعنی خدا اور رسول کے بیان کردہ عقائد کے خلاف ہیں۔ جب خدا کی جانب سے حق بات پہنچا دی جائے تو اس کے خلاف اب نہ ظن معتبر ہوتا ہے نہ یقین۔ چوتھی آیت کا یہی مطلب ہے۔ مولانا اسلم صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ ظن کی مذمت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ظن ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جن ظنوں کی ان آیات میں

www.besturdubooks.net

مذمت کی گئی ہے اگر وہ یقین کے مرتبہ میں پہنچ جائیں تو اور زیادہ قابل مذمت ہوں گے- خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلف میں اور قرآنی محاورات میں بیشتر ظن کا اطلاق بے تحقیق بات پر اور علم کا واقعی بات پر کیا گیا ہے- ان آیات میں ان ظنی احکام کے خلاف جو ظنی احادیث سے ثابت ہوں کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے- بلکہ یہ وہ ظنون ہیں جو حق کے صریح خلاف محض اپنی دماغی ایجاد اور خواہش نفس کی بنا پر پیدا کر لیے گئے ہیں- خدائی ہدایات اور سماوی علوم کو قرآن کے مذمت کردہ ظن کا مصداق سمجھنا قرآن کی کھلی ہوئی تحریف ہے-[1]

---

[1] امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں "الظن اسم لما یحصل عن امارة و متی قویت اوت الی العلم و متی ضعفت جدا لم یتجاوز حد الوھم" -ظن اس خیال کو کہتے ہیں جو علامات دیکھ کر دماغ میں پیدا ہوتا ہے اب اگر قوی ہو گیا تو علم بن جاتا ہے اور اگر بہت کمزور رہا تو وہم کے مرتبہ میں رہ جاتا ہے اور یہ سب سے کمزور مرتبہ ہے-

امام راغبؒ نے اس عبارت میں ظن کی ٹھیک وہی حقیقت متعین کی ہے جس کو ہم نے ابھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے پس لغت کے لحاظ سے ظن' یقین اور شک کے خلاف کسی حالت کا نام نہیں بلکہ انسان کے اپنے ہی ایک تخمینہ کا نام ہے اس کے بعد واقعات کے لحاظ سے وہ یقین اور وہم دونوں حالتوں کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے- انسان میں یہ ایک ممتاز صفت ہے اور اس کی فطرت کی سلامتی اور کجی کی بہت بڑی دلیل ہے سلیم الفطرت انسان اکثر واقع کے مطابق ہی ظن کیا کرتا ہے اور کج فطرت ہمیشہ اٹکل کے تیر لگاتا ہے ان ہی دونوں قسموں کا نقشہ ذیل کی دو آیتوں میں کھینچا گیا ہے چنانچہ خاشعین کے متعلق فرمایا:

وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ. (البقرۃ: ۴۶)	نماز بہت گراں ہوتی ہے بجز ان کے جنہیں یہ خیال لگ رہا ہے کہ انہیں اپنے پروردگار سے ایک دن ضرور ملنا ہے-

اور کفار کے حق میں فرمایا:

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (المطففین: ۴-۶)	ان لوگوں نے یہ تخمینہ کیوں نہ کیا کہ انہیں ایک بہت عظیم الشان دن میں حساب کے لیے پھر اٹھ کھڑا ہونا ہے- یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ رب العالمین کے سامنے آئیں گے-

ہر شخص جو رب کا قائل ہے اس کی فطرت میں لقاء رب کی تمناء ہونا چاہیے جو لوگ لقاء رب کے خیال میں لگے ہوئے ہیں وہ یقیناً سلیم الفطرت اور قابل مدح انسان ہیں اور جن کو یہ خیال نہیں وہ یقیناً پست فطرت اور قابل مذمت ہیں انہیں یہ خیال ضرور ہونا چاہیے تھا کہ رب العالمین جب حساب کے لیے سب کو بلائے گا تو ہمیں کیوں نہ بلائے گا- ان دونوں آیتوں میں فطرت کی اسی صحیح آواز کی طرف دعوت دی گئی ہے ورنہ پہلی آیت میں جن خاشعین کا ذکر ہے انہیں قیامت کا ظن نہیں بلکہ کامل یقین حاصل تھا جیسا کہ ارشاد ہے-

وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ. (البقرۃ: ۴)	یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں-

اور کفار کو قیامت کے متعلق ایک شمہ برابر بھی یقین نہ تھا-

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ. (الجاثیہ: ۳۲)	ہمیں قیامت کا یونہی خیال سا ہے ہم ہرگز اس پر یقین لانے والے نہیں-

چونکہ ظن یقین کے ساتھ جمع ہو سکتا تھا اس لیے کفار نے یہاں یہ تصریح کرنا ضروری سمجھا کہ ہمارا یہ ظن وہ ظن نہیں جس کے بعد یقین پیدا ہو سکے بلکہ یہ ان اوہام کے قبیل کی چیز ہے جو جانب مخالف کے یقین کے حال میں بھی دماغ میں گذر سکتی ہے- ہمارے نزدیک ان دونوں آیتوں میں ظن اپنے ہی معنی میں مستعمل ہے اور یہ تنبیہ کرنے کے لیے مستعمل ہے کہ قیامت کا معاملہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تعلیمات کی طرح عین فطرت کی آواز ہے لہٰذا.....

www.besturdubooks.net

دلیل متواتر بھی مفید ظن ہوسکتی ہے ❋ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کا حرف حرف اگرچہ متواتر ہے لیکن اس کے باوجود اس کے جو مسائل فروعیہ اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان کے متواتر ہونے کا دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا کیونکہ ثبوت کی قطعیت دلالت کی قطعیت کو مستلزم نہیں ہے قرآن کی ایک ایک آیت بلاشبہ قطعی الثبوت ہے لیکن کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہر آیت قطعی الدلالۃ بھی ہے خود صحابہ کرام کے زمانہ میں بعض آیات کا مفہوم سمجھنے میں خلاف ثابت ہے' اگر ان آیات کے مفہومات بھی متواتر ہوتے تو الفاظ کی طرح ان میں بھی کسی کو خلاف کی مجال نہ ہوتی۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ کسی متواتر کا قطعیت کو مفید ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کے جمیع مقدمات بھی متواتر ہوں۔ لیکن

ﷺ..... مطابق ہے اس لیے خاشعین کا یقین ان کی فطرت کی سلامتی کی علامت اور قابل مدح ہے اور مشرکین کی ضد ان کی فطرت کی کجی اور قابل مذمت بات ہے اگر آپ یہ سمجھ گئے ہیں تو یہ نکتہ بھی آپ کے ذہن میں آسکتا ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ لقاءِ رب کے لیے ظن اور رجاء کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ اور آخرت کے لیے یقین کا لفظ کیوں۔ بات یہ ہے کہ آخرت ایک غیبی حقیقت ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام نے بتائی اس کا تسلیم کرنا ان کے اعتماد پر ضروری ہے اور لقاءِ رب انسان کی فطرت کی آواز ہے صرف ایک غیبی حقیقت نہیں وہ از خود ہر انسان کے دل میں گذرنا چاہیے۔ امام بخاری نے کتاب الفرائض میں عقبہ بن عامر کے قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ الظانین یعنی الذین یتکلمون بالظن ''ظانین وہ لوگ ہیں جو صرف اپنے تخمینہ سے باتیں بتاتے ہیں''۔ مہلبؒ ایاکم و الظن کی شرح میں فرماتے ہیں و ھو الذی لا یستند الی اصل۔ یعنی ظن ممنوع وہ ہے جو کسی دلیل پر مبنی نہ ہو محض اپنی جانب سے ایک انکل ہو۔ بہر حال ہمیں حدیث وقرآن سے ایک جگہ بھی یہ ثابت نہ ہوسکا کہ جو ظن دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیدا ہو وہ بھی قابل مذمت ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام دلائل کی پرواز صرف ظن ہی کی حد تک ہے اس کے بعد یقین حاصل ہونا صرف خدا تعالیٰ کی بخشش کی چیز ہے اس لیے جس حد تک انسان مکلف ہوسکتا ہے وہ صرف تحصیل ظن ہے۔ یقین کی وہ منزل جس میں جانب مخالف کا خطور بھی نہ ہو بہت نادر ہے اگر تمام شریعت کی بنیاد ایسے ہی یقین پر قائم کی جائے تو فروعات تو درکنار اصول کے بہت سے مسائل بھی دلائل کی روشنی میں اس حد تک ثابت ہونا مشکل ہیں اسی لیے تحصیل یقین کا ذریعہ صرف ایک یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر ان کی تمام باتوں کو بے دلیل مان لیا جائے۔ پس جہاں ہمیں بلاتردد یقین رکھنے کا مکلف بنایا گیا ہے وہاں دلائل کی تحصیل کا حکم نہیں دیا گیا اور جہاں اجتہاد واستدلال کا حکم دیا گیا ہے وہاں یقین کے آخری مراتب کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ ظن ہی کو یقین کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اگر ہر ہر قدم پر یقین کا حاصل کرنا فرض کردیا جاتا تو دین ودنیا دونوں کے نظام معطل ہوکر رہ جاتے اب آپ کو اختیار ہے کہ اس تعبیر کو اگر پسند نہیں کرتے تو یوں تعبیر کرلیجئے کہ شہادت اور دلائل کی روشنی میں جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اس کا نام ظن ہی نہیں وہ یقین ہی ہے خواہ عقلی طور پر اس میں کتنے ہی شبہات باقی رہیں مثلاً اگر ایک کنوئیں میں نجاست کا گرنا ثابت نہیں ہوسکا تو اس کو پاک کہنا یقینی ہوگا۔ حالانکہ یہ احتمال ہروقت ممکن ہے کہ اس میں نجاست گرگئی ہو اور اس کا ہمیں علم نہ ہو۔ لیکن جب اس احتمال کے لیے کوئی شہادت موجود نہیں تو اس کا اعتبار بھی نہیں۔ بہر حال اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ مسائل فروعیہ میں ہرگز اس یقین کا اعتبار نہیں ہے جو تواتر سے حاصل ہوتا ہے بلکہ ہر یقین جو دلائل کی راہبری سے حاصل ہوجاتا ہے وہ بھی بلاتردد معتبر ہے خواہ آپ اس کا نام یقین رکھیں یا اسے ظن سے تعبیر کریں قرآن اور حدیث میں ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں ہے اس کے مقابلہ میں علم صرف یقین کا نام نہیں بلکہ کسی چیز کے واقعہ کے مطابق جاننے کا نام ہے امام راغبؒ فرماتے ہیں العلم ادراک الشیٔ بحقیقۃ یعنی علم وہ ادراک ہے جو ٹھیک حقیقت کے موافق ہو خلاصہ یہ ہے کہ ظن اور علم میں فرق یہ ہے کہ ظن صرف انکل اور اندازہ کا نام ہے اور علم واقعی بات کے ادراک کا یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یقین بلحاظ یقین بھی علم متواتر کے ہم پلہ ہو۔ یہاں جن کو مغالطہ ہوا ہے وہ اصطلاح منطق کی بدولت ہوا ہے قرآن وحدیث میں ظن ہمیشہ اس معنی میں نہیں' منطق میں جہل مرکب بھی تصدیق کی ایک قسم ہے۔

www.besturdubooks.net

اگر اس کے مقدمات ظنی ہیں تو پھر وہ ظن ہی کو مفید ہوگا مثلاً ہر کلام کا سمجھنا لغت اور نحویوں کی رائے پر بھی موقوف ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ نحوی میں نحویوں کی رائے مختلف ہے یا کسی لغت میں اہل لغت کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کا اثر اس متواتر کلام کے مفہوم پر بھی ضرور پڑتا ہے کیونکہ جن امور پر اس کلام کے مفہوم کا سمجھنا موقوف ہے جب وہی ظنی ہیں تو پھر اس کلام کو مفید قطع کیسے کہا جا سکتا ہے۔[۱]

پس اگر ظن ایسا ہی قابل تردید چیز ہے تو پھر جو ظنی احکام کتاب اللہ سے ثابت ہوں گے ان کے متعلق بھی یہی فیصلہ کرنا لازم آئے گا۔

اصولِ دین قطعی ہونا چاہئیں فروعی مسائل ظنی ہو سکتے ہیں ٭ مولانا اسلم صاحب کو یہاں اصولی غلطی یہ پیش آ گئی ہے کہ انہوں نے اصول اور فروع میں فرق نہیں کیا' اصول دین' دین کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اگر ظنی ہوں تو بے شک دین کی بنیاد ظنی امور پر قائم ہونا لازم آتا ہے لیکن فروع پر دین کی بنیاد قائم نہیں ہوتی بلکہ وہ اصولِ دین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں اس لیے قطعیت کا مسئلہ صرف اصول کے ساتھ خاص ہے۔ فروع میں اگر ظنیت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس کی مثال بالکل قانونی دفعات کی سمجھئے قانون کے الفاظ اپنے اجمال کے ساتھ قطعی ہوتے ہیں اور اس کی ضمنی دفعات وتشریحات بسا اوقات ظنی ہوتی ہیں اسی لیے ان میں ہر عدالت کو اختلاف کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے۔ امام شاطبیؒ نے مقدماتِ کتاب کے پہلے مقدمہ میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ پس فروعی مسائل کے ظنی ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے نہ ان مسائل کے تسلیم کرنے سے دین کی بنیاد کا ظنی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہاں امام شاطبیؒ کی ایک اور تحقیق بھی نہایت قابل قدر ہے غور سے مطالعہ فرمائیے۔

دلائل شرعیہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) قطعی (۲) ظنی۔ مگر وہ ظنی جو کسی قطعی اصل کے ماتحت ہے جیسے وہ اخبارِ آحاد جو قرآن کریم کا بیان واقع ہوئی ہیں مثلاً وضو' غسل' نماز اور حج وغیرہ کی تفصیلات اگر چہ یہ تمام تفصیلات اپنی جگہ ظنی ہوں مگر چونکہ یہ ایک قطعی نص قرآنی کا بیان ہیں اس لیے ان کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔ (۳) وہ ظنی دلیل جو کسی قطعی کے معارض ہے اور دوسری کوئی قطعی دلیل اس کے لیے شاہد بھی نہیں۔ ایسی ظنی دلیل یقیناً قابل قبول نہیں۔ چنانچہ اسی قاعدہ کے ماتحت حضرت عائشہؓ نے چند ظنی احادیث کا انکار فرمایا ہے۔

(۱) ایک مرتبہ ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ میت کو زندوں کے رونے پیٹنے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قرآن تو یہ کہتا ہے ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (الاسراء: ۱۵) یعنی یہ حدیث صرف ایک شخص کا بیان ہے اس کی وجہ سے قطعی آیت کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) حضرت عائشہؓ کے سامنے بیان کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ قرآن تو یہ کہتا ہے۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو۔

---

[۱] دیکھو الموافقات ج ۱ ص ۳۵۔

www.besturdubooks.net

(۳) حضرت ابن عمرؓ نے روایت فرمائی کہ نحوست تین چیزوں میں ہے- گھوڑا' عورت' مکان- حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ﴿اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۵۴) جو بات ہوتی ہے خدا کے حکم سے ہوتی ہے-

اس قسم کے واقعات سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں- (۱) یہ کہ سلف میں احادیث کی حیثیت تشریعی تھی (۲) یہ کہ خبر واحد حجت ہے اگر حدیث کی یہ حیثیت نہ ہوتی یا خبر واحد حجت نہ ہوتی تو نہ شرعی معاملات میں ان سے حجت قائم کی جاتی اور نہ مخاطب کو انکار کے لیے کسی دلیل قطعی پیش کرنے کی ضرورت پڑتی- (۳) یہ کہ اگر دلیل قطعی کسی ظنی دلیل کے معارض ہو جائے تو ظنی دلیل کو رد کر دینا چاہیے' لیکن یہ بحث کہ کہاں معارضہ ثابت ہے اور کہاں نہیں- اختلاف نظر کے تابع ہے- ان ہی مذکورہ بالا صورتوں میں حضرت عائشہؓ کے سوا دوسرے صحابہؓ نے یہاں قطعی اور ظنی کا معارضہ ہی تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ پہلی صورت میں زندوں کے نوحہ کرنے سے میت کو عذاب اس وقت ہوتا ہے جب کہ نوحہ ان کے گھر کا دستور ہو اور میت نے اپنی حیات میں اس سے روکا بھی نہ ہو ظاہر ہے کہ اب یہ فعل میت ہی کا بن جائے گا اور اس لیے جو عذاب اس کو ہوگا وہ اپنے ہی فعل کا نتیجہ کہلائے گا نہ کہ دوسرے کے افعال کا- اسی طرح رؤیت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں بعض صحابہ نے آیت قرآنیہ میں مطلق رویت کی نفی تسلیم نہیں کی بلکہ علی وجہ الاحاطۃ رؤیت کی نفی سمجھی ہے جب دنیا میں کسی بادشاہ کے چہرہ پر آنکھ بھر کر نظر ڈالی نہیں جاسکتی تو جہاں رداء کبریا موجود ہو وہاں بادب نظروں کے سواء بیباکانہ نظر کب ڈالی جاسکتی ہے- اسی طرح ابن عمرؓ کی حدیث میں بھی وہ نحوست تسلیم نہیں کی جو جاہلیت کے دور میں مانی جاتی تھی بلکہ صرف ناموافقت مراد لی ہے اگرچہ ناموافقت ہر چیز میں ہوسکتی ہے مگر جو ناموافقت دائمی اور زندگی کی تلخ کرنے والی ہوسکتی ہے وہ صرف ان ہی تین چیزوں میں ہے- اس کے سوا عرب کے ماحول میں کوئی اور ایسی چیز نہ تھی جس کے ساتھ انھیں اپنی حیات میں اتنی طویل مصاحبت کی نوبت آتی ہو-

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کے سفر میں جب وباء کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اپنے رفقاء سے شہر میں داخل ہونے نہ ہونے کے متعلق مشورہ کیا- رائے یہ طے پائی کہ واپس ہو جانا چاہئے اور شہر میں داخل نہ ہونا چاہئے اس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دلیل قطعی سے معارضہ فرمایا اور کہا افرارًا من قدر اللّٰہ- اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسی سطحی بات کہنا تمہارے شایانِ شان نہ تھا نحن نفر من قدر اللّٰہ الی قدر اللّٰہ بے شک ہم بھاگتے ہیں مگر خدا ہی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں- اس کے بعد ایک مثال دے کر ان کو سمجھایا کہ اگر ایک جنگل خشک ہو اور دوسرا سبز تو چرواہا اپنے جانور خشک جنگل کی بجائے سبز جنگل ہی میں چرائے گا کیا اس کا نام تقدیر سے فرار رکھا جا سکتا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ اسباب کا ارتکاب کرنا بھی تقدیر کے اندر داخل ہے اسی لیے میری واپسی تقدیر سے فرار نہیں ہے بلکہ یہ بھی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے- یہاں ایک ظنی معاملہ میں دو قطعی اصل معارض تھے- ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر ایک طرف گئی اور دوسرے کی دوسری طرف اسی قسم کے محتمل مقامات پر اختلاف اجتہاد سے احکام کا اختلاف نمایاں ہو جاتا ہے اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ دین کے اصول ظنی نہیں ہو سکتے مگر اس کے فروع ظنی ہو سکتے ہیں تمام اصول و فروع کے لیے قطعی دلائل تلاش کرنا قطعاً خلاف واقع ہے-

www.besturdubooks.net

العمل بالظن ثابت فی تفاصیل الشریعۃ[1] — شریعت کی تفصیلات میں ظن پر عمل کرنا دین میں ثابت شدہ امر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ پر حدیث کی مخالفت کا طعن اور اس کا جواب ٭ اسی ضمن میں امام شاطبیؒ ایک بڑی الجھن کو حل کر گئے ہیں۔بعض محدثین نے جن کے مزاج میں حدیث کا رنگ تفقہ پر غالب تھا بہت سے فروعی مسائل میں امام صاحبؒ پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگایا ہے حافظ ابن عبدالبرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کثیر من اھل الحدیث استجازوا الطعن علی ابی حنیفۃ لردہ کثیرا من اخبار الاحادا لعدول لا نہ کان یذھب فی ذلک الی عرضھا علی ما اجتمع علیہ من الاحادیث و معانی القرآن فما شذ من ذلک ردہ و سماہ شاذا.[2]

بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہؒ پر اس لیے طعن کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی ثقہ شخصوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ خبر واحد کو اس باب کی دوسری احادیث اور قرآن کریم کے مجموعہ سے ملا کر بھی دیکھا کرتے تھے اگر اس کا مضمون ان سے مطابقت کھا جاتا تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اس کو قبول نہ کرتے اور اس کو شاذ حدیث سمجھتے۔

امام صاحب کا یہ طرز قابل داد تھا مگر کیا کیجئے کہ طبائع اور مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے سب کے نزدیک قابل قبول نہ ہوا۔ یہاں منکرین حدیث کو بہت زیادہ غور کرنا چاہیے۔

(۴) دلیل کی چوتھی قسم یہ ہے کہ وہ خود ظنی ہو لیکن نہ اس کی موافقت میں کوئی دلیل قطعی ہاتھ آئے نہ مخالفت میں۔اس کے متعلق امام شاطبی تحریر فرماتے ہیں۔

و الا ستقراء یدل علی انہ غیر موجود.[3] — تلاش کے بعد ایسی کوئی ظنی دلیل نہیں مل سکی۔

امام شاطبیؒ کی اس مفید تفصیل سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین کے جن گوشوں میں ظنی دلائل کا اعتبار ہے وہ کس قسم کے ظنیات ہیں یعنی یہ وہ ظنیات ہیں جو کسی قطعی اصل کے ماتحت درج ہیں اگر ان کے لیے کوئی قطعی اصل شہادت نہیں دیتی تو ایسی ظنیات کا دین میں اعتبار نہیں بلکہ ان کا وجود ہی نہیں اب انصاف فرمائیے کہ دین کی بنیاد قطعیات پر قائم کرنے کے لیے یہ راہ معتدل ہے یا یہ کہ صرف قطعی دلائل اور قطعی مسائل کے علاوہ تمام دین کا انکار کر دیا جائے اس بناء پر تو سینکڑوں وہ ظنی احکام جو قرآن سے بھی ثابت ہیں قابل انکار ہو جائیں گے۔

خبر متواتر کے مفید علم یقین ہونے میں ایک غلط فہمی ٭ محدثین کے اس بیان نے کہ خبر متواتر علم یقین کو مفید ہوتی ہے اور خبر واحد علم یقین کو مفید نہیں ہوتی 'یہاں یہ غلط فہمی پیدا کر دی ہے کہ جب خبر واحد مفید علم یقین نہ ہوئی تو یقیناً مفید ظن ہو گی اس لیے یہ نتیجہ نکال لیا گیا کہ خبر متواتر کے علاوہ جتنی حدیثیں ہیں وہ سب ظنیات کا مجموعہ ہیں اور ظن ہی کو مفید ہیں حالانکہ یہ نتیجہ ان کے کلام کو نہ دیکھنے اور نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے جس علم کو متواتر کے ساتھ مخصوص کیا ہے وہ صرف علم بدیہی ہے یعنی

---

[1] الموافقات ج ۳ ص ۲۶۔ [2] ایضاً ج ۳ ص ۲۴۔ [3] ایضاً ج ۳ ص ۲۶۔

www.besturdubooks.net

وہ علم جو کسی دلیل و برہان کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسا کہ آفتاب کے وجود کا علم یہاں ہر مسلم و کافر' جوان و بوڑھا' سمجھ دار اور احمق شخص بھی اس کے وجود کا علم رکھتا ہے اور اس کے لیے کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ اس قسم کا علم صرف خبر متواتر کا خاصہ ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسا علم صرف اپنے مشاہدات پر ہی حاصل ہو سکتا ہے اس کے سوا اگر ہزاروں افراد بھی کسی بات کو نقل کریں تو یہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً لاکھوں انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کروڑوں انسان آواگون کے قائل ہیں مگر اتنے انسانوں کی خبر کے بعد بھی یقین تو درکنار اس کا ظن بھی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ یہاں خبر متواتر کی اور شرطوں کے علاوہ سب سے بڑی یہ شرط مفقود ہے کہ اس کا مبنیٰ امر محسوس نہیں بلکہ امر معقول ہے۔ مولانا اسلم صاحب خود اپنے رسالہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ خبر متواتر کی شرطوں میں یہ شرطیں بھی داخل ہیں۔

(۱) خبر متواتر کا مبنیٰ محسوس ہو' اگر غیر محسوس ہو تو متواتر نہ ہوگی مثلاً مکہ ایک شہر ہے یہ خبر متواتر اور یقینی ہوگی۔

(۲) اس خبر کو سنتے ہی سامع کو یقین حاصل ہو جائے اور وہ کسی دلیل کا محتاج نہ رہے[۱] (علم حدیث ص ۳۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خبر واحد کے متعلق جس علم کی انہوں نے نفی کی ہے وہ علم بدیہی ہے اور ان کا مطلب یہ ہے کہ خبر واحد سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ خبر متواتر کی طرح علم بدیہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی ظنی اور کبھی علم نظری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ خبر متواتر سے علم حاصل ہونے میں سب لوگ یکساں ہوتے ہیں خواہ ان میں غور و فکر کی صلاحیت ہو یا نہ ہو لیکن خبر واحد سے علم حاصل کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے۔ جن میں نظر و فکر کی اہلیت موجود ہو۔ یہاں ہر شخص کو یکساں علم حاصل نہیں ہو سکتا اسی لیے خبر متواتر میں سند سے بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور خبر واحد میں یہ ضرورت باقی رہتی ہے۔[۲]

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ اگر تمام دین کی بنیاد علم بدیہی ہی پر قائم کی جائے تو پھر تمام دین کو قطعی طور پر حاصل کرنے کی بجائے پورے سے ہاتھ ہی دھونا پڑے گا' عقائد' اصول شرائع' مغیبات اور دین کے تمام نظری مسائل سب ظنی ہو جائیں گے اور حسب زعم منکرین حدیث قابل اعتبار نہ رہیں گے۔ امام شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

و انما الا دلة المعتبرة ههنا المستقرأة من   عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ

---

[۱] اب مولانا اسلم صاحب اور ان کی جماعت ذرا بتلائیں کہ اس لحاظ سے تمام قرآن کو متواتر کہنے کا کیا مطلب ہے۔ صرف یہی نا کہ یہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اس کے علاوہ جتنے اس کے غیر محسوس احکام ہیں اور ہزاروں عالم غیب کے اسرار و حقائق ہیں کیا وہ سب متواتر کی تعریف میں آتے ہیں پھر ان کے متعلق کیا سامع کو سننے کے ساتھ فوراً یقین آ جاتا ہے۔ فرمایئے آج یہ قرآن شرق و غرب میں پھیلا پڑا ہے کس کس سامع کو اس پر بے دلیل یقین حاصل ہوا پھر احادیث متواتر نہیں ہیں تو کئی پیچھے چلے جانے سے کیا فائدہ ہے۔ قرآن اگر متواتر ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کے الفاظ تواتر کے ساتھ سنے گئے ہیں اس کے علاوہ جب احکام شرعیہ کا مرحلہ آئے گا تو اکثر آیات کا مفہوم غیر محسوس ہونے کی وجہ سے ان کو متواتر نہیں کہا جا سکتا لہٰذا منکرین حدیث کو ان کا بھی صاف انکار کر دینا چاہیے کیونکہ یہ احکام بھی متواتر کی تعریف میں نہیں آتے اس لیے مفید یقین ان کو بھی نہیں کہا جا سکتا۔

[۲] دیکھو شرح نخبۃ الفکر مصنفہ حافظ ابن حجرؒ۔

www.besturdubooks.net

جملة ادلة ظنية تضافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق و لا جله افاد التواتر القطع و هذا نوع منه. فاذا حصل من استقراء ادلة المسألة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب و هو شبيه بالتواتر المعنوی[1]

اگر چہ ظنی ہیں مگر کسی ایک مسئلہ میں سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں ظاہر ہے کہ جب دلائل کے ملنے کے بعد جو قوت پیدا ہو سکتی ہے وہ ان کی انفرادی حیثیت میں پیدا نہیں ہو سکتی خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے پس جب کسی ایک مسئلہ کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں تو ان کے مجموعہ سے ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کا معنوی تواتر بن جاتا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دین کے ارکانِ خمسہ بھی اسی طریقہ سے ثابت ہیں ورنہ نماز' روزہ' زکوۃ وغیرہ کی فرضیت پر اگر صرف اقیموا الصلوۃ وغیرہ سے استدلال کیا جائے تو اس میں کئی وجہ سے تردد رہ سکتا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی لغت میں صرف دعا کے ہیں لیکن اس کے ساتھ اگر خارجی قرائن کو بھی ملا لیا جائے صحابہؓ کے عمل اور اہل اسلام کے مجموعی تعامل کو بھی دیکھا جائے تو یہ حکم بدیہی ہو جاتا ہے کہ نص قرآنی میں صلوٰۃ کے لفظ سے یہی معروف نماز مراد ہے ان مجموعی قرائن کے بعد بھی اب یہاں وہی شخص شک کر سکتا ہے جن کو مسلمانوں کے اصل دین ہی میں شک ہے۔[2]

امام شاطبیؒ کی مذکورہ بالا تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ دین کے اکثر مسائل اگر چہ متواتر حدیثوں سے ثابت نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود پھر قطعی اور یقینی کیوں ہیں ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ یقین کا افادہ صرف تواتر میں منحصر نہیں بلکہ جب متفرق دلائل اور خارجی و داخلی قرائن کسی ایک امر کی شہادت دیتے چلے جاتے ہیں تو یہاں بھی لفظی تواتر نہ سہی مگر ایک قسم کا معنوی تواتر پیدا ہو جاتا ہے اور اس مجموعہ سے یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین میں ایک بڑی بھاری جماعت یہ کہتی ہے کہ صحیحین کی تمام احادیث قطعیت کو مفید ہیں۔

احادیثِ صحیحین مفید یقین ہیں ✻ حافظ ابن حزم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک حدیث کے لیے کتنے راویوں کی ضرورت ہے جس کے بعد حدیث بداہۃً علم کو مفید ہو جاتی ہے۔ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی خاص عدد مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر دو شخص بھی کوئی خبر دیں جن کے متعلق ہمیں یہ یقین ہو کہ اس سے پہلے نہ وہ کبھی ایک دوسرے سے ملے ہیں اور نہ اس خبر میں ان کی طمع یا خوف کا کوئی مضمون ہے پھر ایک دوسرے کی لاعلمی میں اس طویل خبر کو ہمارے سامنے بیان کریں وہ بھی از خود نہیں بلکہ ایک ایک جماعت کے واسطے سے تو ہمیں ان کے صدق کا بدیہی طور پر یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو دنیا کے معاملات میں گذرتا ہے ہمارے اس بیان کی شہادت دے سکتا ہے۔ کسی کی موت' ولادت' نکاح' عزل' ولایت اور اس قسم کے تمام واقعات کا بدیہی علم ان طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں وہی شخص شک و شبہ پیدا کر سکتا ہے جو اپنے ان دنیوی معاملات کی

---

[1] الموافقات ج ۱ ص ۳۶۔ [2] الموافقات ایضاً۔

www.besturdubooks.net

طرف غور نہ کرے اور روزمرہ کے ان واقعات سے قطع نظر کر لے۔

اگر آپ کسی آدمی سے ایک جھوٹا افسانہ تیار کرنے کے لیے کہیں تو وہ یقیناً ایک لمبا افسانہ گھڑ سکتا ہے لیکن اگر دو مکانوں میں دو شخصوں کو علیحدہ علیحدہ بند کردیں تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ کوئی ایسی حکایت اپنی جانب سے تیار کرلیں جس میں دونوں اوّل سے آخر تک متحد ہوں۔ ہاں شاذونادر کبھی ایسا واقع ہوگیا ہے کہ دو شاعروں کے خیالات ایک آدھے مصرعہ میں اتنے مطابق ہوگئے ہیں کہ ان میں لفظی اتحاد بھی پیدا ہوگیا ہے مگر ہمیں اب تک اپنی عمر میں ایک واقعہ بھی ایسا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا جس میں دو شاعروں کا کسی ایک شعر میں بھی پورا پورا اتفاق ہوگیا ہو' اگرچہ لوگوں نے اس بارے میں ایسے کلام کی ایک فہرست پیش کی ہے مگر ہمارے نزدیک وہ اکثر علمی سرقے ہیں جن میں اپنی عیب پوشی کے لیے اتحادِ خواطر کے دعوے کر دیئے گئے ہیں۔ پس کبھی خبر واحد میں بھی ایسے قرائن جمع ہو جاتے ہیں کہ وہ بھی بدیہی طور پر یقین کو مفید ہو جاتی ہے اور کبھی ایک جماعت کی خبر بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتی مثلاً اگر کسی خبر سے کسی شہر کے کسی شہر کا نفع و نقصان متعلق ہو تو عقل کے نزدیک اس تمام شہر کا جھوٹ پر متفق ہو جانا بھی محال نہیں ہے۔ بہر حال خبر کے مفید یقین ہونے کا کوئی ایک ضابطہ نہیں ہے یہ حالات اور زمانہ کے تابع ہے۔

خبر واحد کے مفید یقین ہونے پر قرآن سے ایک استدلال ✵ اس کے بعد ابن حزم لکھتے ہیں کہ ایک قسم کی حدیث وہ ہے جس کا خبر دینے والا ایک ہی شخص ہے پھر جس سے وہ نقل کرتا ہے وہ بھی ایک ہی شخص ہے اسی طرح ایک ہی ایک راوی کے واسطے سے یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جاتی ہے اگر یہ واسطے حسبِ ضابطہ سچے اور عادل اشخاص ہیں تو اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔ حارث بن اسد محاسبی' حسین بن علی الکرابیسی کا یہی مذہب تھا۔ ابو سلیمان کا مختار بھی یہی تھا اور ابن خویز منداد نے یہی امام مالکؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ قرآن کریم بھی اس کی صحت کا شاہد ہے۔

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (التوبۃ:۱۲۲)	ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہر جماعت میں سے ایک طائفہ دین کی تعلیم کے لیے نکل کھڑا ہوتا تاکہ جب وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس آتا تو ان کو ڈراتا شاید وہ بھی بری باتوں سے بچنے لگتے۔

لغت میں طائفہ کسی چیز کے ایک حصہ کو کہتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق ایک شخص سے لے کر جماعت تک کیا جاسکتا ہے لہٰذا آیت بالا کی بموجب ہر جماعت کا فرض ہے کہ جب ایک شخص یا کوئی جماعت ان کو دین کی باتیں پہنچائے تو وہ ان کو قبول کریں اور مانیں۔[1]

حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اس پر مستقل دو مقالے لکھے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک واقعہ ایک شخص کی زبانی ہمارے سامنے منقول ہوتا ہے پھر مختلف گوشوں سے مختلف طور پر اس کی مختلف شہادتیں ہمیں مل جاتی ہیں تو اگرچہ ہر ہر شہادت اپنی جگہ خبر

[1] توجیہ النظر ص۴۴ و۴۰۔

www.besturdubooks.net

واحد ہوتی ہے لیکن ان خبروں کے مجموعہ[1] سے ہمیں یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ یقیناً صحیح ہے عقل یہ ہرگز باور نہیں کر سکتی کہ مختلف اشخاص ایک دوسرے کی لاعلمی میں کوئی ایک واقعہ نقل کریں اور پھر وہ از اوّل تا آخر کسی ایک بیان میں متفق ہو جائیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جابر کا ایک واقعہ صحیحین میں موجود ہے کہ ایک سفر میں آپؐ نے جابر سے اونٹ خریدا گو اس اونٹ کی قیمت بیان کرنے میں راویوں کا اختلاف ہے لیکن متعدد طریقوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے جابرؓ سے اونٹ خریدا تھا پس جب مختلف اشخاص نے ہمارے سامنے اس ایک واقعہ کو بیان کیا ہے درانحالیکہ ہمارے پاس اس کا بھی کوئی قرینہ نہیں ہے کہ ان اشخاص نے اس سے قبل کہیں بیٹھ کر اس خبر کو بنانے میں کوئی مشورہ کیا تھا یا اس خبر کے بیان کرنے سے ان کی کوئی خاص غرض متعلق ہے تو اس واقعہ کے یقین کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں رہتا۔[2] اگر اس کے بعد بھی ہم اس واقعہ میں محض عقلی طور پر شک و تردد کریں تو اس کا نام تحقیق واقعہ نہیں بلکہ وہم پرستی ہے۔

خبر واحد کے مفید یقین ہونے پر قرآن کریم سے دوسرا استدلال ✵

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ. (حجرات:٦)	اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے سامنے کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر جا پڑو، بعد میں اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہونا پڑے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے خبر واحد کو قبول کیا ہے اگر ایک شخص کی خبر قابل قبول نہ ہوتی تو وہ اس کو تحقیق کی بجائے رد کرنے کا امر کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے خبریں پہنچانے کے لیے بھی جو ذریعہ اختیار فرمایا ہے وہ بھی خبر واحد ہی ہے یعنی اللہ کا رسول ایک ہی ہوتا ہے اگر دین میں اصولی لحاظ سے ایک شخص کی خبر قابل قبول نہ ہوتی تو خود رسول تنہا اپنی خبر پر دوسروں کو ایمان لانے کا حکم کیسے دے سکتا تھا۔ قرآن کریم نے جہاں بھی زور دیا ہے راوی کی عدالت پر اور اس کے صدق پر زور دیا ہے حتیٰ کہ صرف زنا کے ایک معاملہ کے سوا جان کے معاملہ میں بھی دو شخصوں کا بیان اعتبار کر لیا ہے اور ایک جگہ بھی خبروں کی تصدیق کے لیے تواتر شرط نہیں کیا۔ اگر دو شخصوں کے بیان پر ایک مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جا سکتا ہے یا ایک چور کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے یا ایک شخص پر حد قذف لگائی جا سکتی ہے یا لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی مالیت تقسیم کی جا سکتی ہے تو کیا یہ اس بات کا بدیہی ثبوت نہیں ہے کہ شریعت نے یقین کا معیار صرف تواتر نہیں رکھا کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ شریعت نے ایک مسلمان کا قتل، ایک معصوم کا ہاتھ قطع، ایک بے گناہ پر حد قذف اور لاکھوں کی مالیت کے تقسیم یقین حاصل ہوئے بغیر محض ظن کی بنا پر جائز قرار دے دی ہے۔

---

[1] علامہ جزائری نے ضمنی طور پر یہاں ایک اور مفید بات لکھی ہے۔ بہت سے ناواقف اصحاب کو محدثین پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے حدیث کی کتابوں میں ضعیف حدیثیں کیوں جمع کر دی ہیں۔ اس کے جواب میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ محدثین مجہول اور کمزور حافظہ کے اشخاص کی احادیث صرف اس لیے جمع کرتے تھے کہ یہ احادیث کم از کم ایک مضمون کی تقویت اور تائید میں کارآمد ہو سکتی ہیں۔ قال احمد قد اكتب حديث الرجل لا عتبره۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ میں کبھی ایک شخص کی حدیث اس لیے بھی لکھتا ہوں کہ اس کو متابعت اور شواہد کے طور پر کام میں لاسکوں۔ (توجیہ ص ۱۳۴)

[2] توجیہ ص ۱۳۴۔

www.besturdubooks.net

واقعہ تو یہ ہے کہ اگر زنا جیسے نازک معاملہ کے لیے بھی قرآن کریم نے چار شخصوں کی گواہی بصراحت لازم نہ کی ہوتی تو امت محمدیہ یہاں بھی دو شخصوں کے بیان سے رجم کرنے کا فیصلہ کر دیتی۔ علماء نے اس کی حکمتیں اپنی جگہ مفصل بیان کی ہیں مگر شاید اس کی ایک حکمت یہ بھی ہو کہ چونکہ زنا کے ایک ہی معاملہ کا تعلق دو جانوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی دو شخصوں کو اس ایک ہی جرم کے ثبوت میں رجم کرنے کی نوبت آ جائے اس لیے یہاں اس جرم کے ثبوت کے لیے وہ شہادت شرط کر دی گئی ہو جو تنہا تنہا دو جرموں کے لیے شرط کی گئی تھی۔

یہاں یہ عذر کرنا کہ دو شخصوں کا بیان ایک مسلمان کے قتل کر ڈالنے کے لیے تو کافی ہو سکتا ہے مگر نماز کے ایک واقعہ' آپ کے حج کی ایک صورت' آپ کے روزہ کی ایک سنت نقل کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا قطعاً غیر معقول ہے۔ معتزلہ بھی جو دراصل منکرین حدیث کے قافلہ کے ساربان ہیں یہ دیکھ کر خبر عزیز کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ دینی ثبوت کے لیے یقین کا مطالبہ تو معقول ہو سکتا ہے مگر تواتر کی شرط لگانا بالکل بے معنی بات ہے۔ پس منکرین حدیث کو دو باتوں میں ایک بات صاف کر دینا چاہیے یا یہ کہ شریعت نے تواتر کے علاوہ یقین کو یقین ہی نہیں کہا یا خبر واحد کسی حال میں مفید یقین ہوتی ہی نہیں۔ اگر خارجی قرائن ملا کر کبھی خبر واحد بھی یقین کا فائدہ دے سکتی ہے اور شریعت کے نزدیک بھی یہ یقین معتبر ہے تو پھر یہ تفریق کہ اس قسم کا یقین تو دین کے معاملہ میں معتبر ہے اور اس قسم کا معتبر نہیں محض ایک وہم پرستی ہے۔

اسلام میں تنقید وتبصرہ

خبر واحد کی حجیت کے سلسلہ میں یہاں دو غلط فہمیاں اور بھی ہیں ایک یہ کہ محدثین کا گروہ محض ایک جامد گروہ ہے جسے فن درایت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا وہ دقیانوسی خبروں کو آنکھ میچ کر مان لینا علم اور دین سمجھتا ہے اور نقد وتبصرہ کو بد دینی تصور کرتا ہے۔ دوم یہ کہ ادیانِ سماویہ کا مبنیٰ صرف روایت پر ہے درایت کو یہاں کوئی دخل نہیں دراصل پہلی غلط فہمی بھی اسی کی ایک فرع ہے۔ ان دو غلط فہمیوں کی وجہ سے بعض ناواقف تو حدیث کا رتبہ تاریخ سے بھی کمتر تصور کرتے ہیں اس لیے ہمیں اس کے متعلق بھی کچھ لکھنا ہے۔

فن تاریخ اور حدیث ✵ دائرۃ المعارف میں بستانی نے تاریخ کے متعلق ارسطو کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

الشعر احسن من التاريخ التاريخ يذكر اشياء كما هي و لكن الشعر يذكرها كما يجب ان يكون.	شعر تاریخ سے بہتر چیز ہے کیونکہ تاریخ واقعات کو جوں کا توں نقل کر دیتی ہے اور شعر میں ان کا ذکر اس طرح ہوتا ہے جیسا انہیں واقع میں ہونا چاہیے۔

ہمارے نزدیک ارسطو کا یہ مقولہ تاریخ کے اس دور تک تو بالکل درست تھا۔ جب تک کہ اس میں نہ روایت کی اہمیت تھی نہ درایت کی بحث۔ لیکن جب علم تاریخ کو کچھ ترقی ہوئی' علم سیاست' علم نفسیات اور علم تمدن نے بہت سے واقعات کو نقد وتبصرہ کی روشنی میں چھانٹ ڈالا تو اب علم تاریخ کا پایہ ذرا بلند ہو گیا اور اس کا نام فلسفہ تاریخ رکھا گیا۔ اب علم تاریخ کی مثال صرف اینٹوں کے ایک ڈھیر کی نہیں رہی جس میں کارآمد اور بیکار ہر قسم کی اینٹیں ہوتی ہیں' بلکہ فلسفہ تاریخ کی وجہ سے ایک مورخ کی مثال اب

www.besturdubooks.net

ایک ماہر معمار کی سمجھ لی گئی جو اپنی تعمیر کی موزونیت کے لحاظ سے کچھ اینٹیں بیکار سمجھ کر پھینک دیتا ہے اور کچھ اپنی تعمیر میں استعمال کر کے ان کو ایک خوب صورت قصر کی شکل پر کھڑا کر دیتا ہے۔ اسی لیے محقق ابن خلدون لکھتا ہے کہ ایک مؤرخ کے لیے قواعد سیاست' طبائع موجودات اور علم عمرانیات کا جاننا بھی ضروری ہے' دنیا کے عادات و اخلاق اور مذاہب کے مختلف رنگ ڈھنگ' موجودہ اور ماضی کے حالات کا موازنہ پھر اس کے اتفاق و اختلاف کے اسباب پر غور و خوض' اصول حکمت کی تنقیح اور ان کے اسباب کے ظہور کا علم بھی اس کے فرائض میں داخل ہے اگر کوئی مؤرخ ان مراحل سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے تو بلاشبہ اس کو عرش تحقیق پر بیٹھنے کا حق حاصل ہے۔ (مقدمہ)

بلاشبہ یہ سب گوشے اپنی جگہ بڑی علمی وسعت رکھتے ہیں لیکن جہاں تک نقد و تبصرہ کا تعلق ہے وہ تمام تر اب بھی صرف فن درایت پر مبنی رہا اور تاریخ کے اس دورِ شباب میں بھی اس کا روایتی سرمایہ یا صرف چند مخطوطات ہیں جو کہنہ الواح یا بوسیدہ ہڈیوں کی شکل پر دستیاب ہو گئے یا وہ محفوظات جو محض سنی سنائی افواہ پر بلا کسی سند کے زیر ترتیب آ گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی واقعہ اور حادثہ کے ثبوت کے لیے اس کی سند کا مطالبہ سب سے پہلا سوال ہونا چاہیے تھا۔ مگر یہاں یاس و قنوط نے اس سوال کو ذہن سے ایسا نکال دیا ہے کہ گویا سند کا فقدان تاریخی واقعات کے ثبوت کے لیے کوئی عیب ہی نہ تھا۔ اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ یہ بے سند واقعات اگر فن درایت کی بدولت کچھ چھن جاتے تو اس کے بعد بھی ان کا رتبہ صرف قیاسات کے برابر رہتا لیکن چونکہ دوسری طرف نقد و تبصرہ اپنی عقل کی روشنی میں ہوتا ہے اس لیے یہاں انسانی دماغ اس کو یقین کا آخری مرتبہ دے دیتا ہے حتیٰ کہ ایک انسان کو حیوانات کے ساتھ اپنا الحاق کرنے میں کوئی تامل نہیں رہتا۔ وہ یہ اعلان کرنے میں بڑا فخر محسوس کرنے لگتا ہے کہ انسان درحقیقت حیوانات ہی کی ایک ارتقائی شکل ہے اور اپنی اس ادھوری اور نامکمل تحقیقات کی بنا پر قرآن کریم کے اس بیان کی تکذیب میں ذرا تامل نہیں کرتا۔ جو انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں خود خالق نے بتلایا ہے سوچیے اور انصاف کیجیے کہ یہاں بنیاد ثبوت کیا ہے اور نوعیت عقیدت کیا اگر کبھی یہ بے بنیاد تاریخ قرآن کریم سے ہلکی سی ٹکر بھی کھا جاتی ہے تو تاریخ پرست دنیا خوشی خوشی قرآن کے بیان میں ہی شبہ کرتی ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ حق و یقین کی اس ٹکر کے بعد خود تاریخ کی شکست تسلیم کرے۔[1]

تاریخ کا ایک دوسرا شعبہ جو تاریخ سے کٹ کر مذہب کے نام سے موسوم ہو گیا تھا اس نے اس کے برعکس درایت کی بحث ختم کر دی اور صرف روایت کا پہلو اپنے سامنے رکھ لیا مگر افسوس کہ وہ بھی اتنا نا تمام تھا کہ نہ تو اس میں تسلسل کی کوئی قید تھی نہ افراد و اشخاص کے کیرکٹر پر کوئی بحث۔ ہماری مراد یہاں یہودیت و نصرانیت ہے۔ احبار و رہبان نے ان کو اس راستہ پر ڈال دیا تھا کہ جسے وہ حلال کر دیں بس وہ حلال ہے اور جسے حرام کہہ دیں وہ حرام۔ گویا اب اصل مذہب کی تاریکی میں ایک تاریکی کا اور اضافہ ہو گیا

---

[1] حال ہی میں ڈاکٹر ٹسڈل نے قرآن کریم پر اعتراض کرتے ہوئے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ گوسالہ بنانے والا درحقیقت سامری نہ تھا بلکہ وہ خود حضرت ہارون علیہ السلام ہی تھے۔ اس اعتراض کو جدید دماغوں نے بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا حتیٰ کہ اس کی تردید میں ''برہان'' کو اس سے بڑھ کر تاریخی ثبوت کے ساتھ ایک مقالہ شائع کرنا پڑا حالانکہ اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ قرآنی بیان تاریخی بیانات کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا جب تعلیم یافتہ دماغوں میں قرآن کا وزن یہ رہ جائے تو حدیث کا کیا ذکر کیا جائے۔

www.besturdubooks.net

پہلے تو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان صرف ان کتب محرفہ کا ہی ایک واسطہ تھا' اب مذہب کی جگہ ان احبار و رہبان نے سنبھال لی- حالانکہ صدیوں کا مندرس شدہ مذہب پہلے خود اپنے ثبوت ہی کا محتاج تھا مگر یہاں اس غلط بنیاد پر احبار و رہبانیت کی قیادت نے اور بہت سی غلط بنیادیں قائم کر دیں اور یہ مذہبی تعمیر گو دیکھنے میں تو بہت اونچی گئی مگر اس میں صدق و راستی کا عنصر بہت ہی کم باقی رہ گیا تھا- اس کا تمام میٹریل وہی تھا جو احبار و رہبان نے محض اپنی خواہشات کی خاطر خود ترتیب دے لیا تھا' ادھر قوم بنی اسرائیل میں اعتدال کلیۃً مفقود تھا' جب وہ تحقیق پر آتے تو کوہ طور پر کلام باری بلا واسطہ سن کر سو طرح کے شبہات نکالنے لگتے اور جب تقلید پر آمادہ ہوتے تو جو ان کے احبار و رہبان ان کے سامنے ڈالتے اسے اندھوں کی طرح نگلنے کے لیے تیار ہو جاتے- غرض نقد و تبصرہ اور فہم و فکر کی ان میں کوئی استعداد نہ تھی اسی کو قرآن کریم نے ذیل کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے-

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (التوبة : ٣١)

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا کی جگہ پر سمجھ لیا تھا-

روایت اور درایت کے اس غیر متوازن دور میں اسلام آیا اور اس نے ان دونوں کا توازن قائم کر کے صحیح تنقید کی راہ دکھلائی اور اس کے لیے ایک ایسا معتدل آئین مرتب فرمایا جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط' اس نے بتایا کہ ہر کان پڑی خبر کی طرف دوڑ پڑنا بھی غلط ہے اور تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں بدگمانی کی حد تک پہنچ جانا بھی غلو اور وہم پرستی ہے- انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بے اعتمادی کی حالت میں آنکھ میچ کر تغلیط اور اعتماد کی صورت میں بے دلیل تصدیق کر لیا کرتا ہے مگر قرآن نے یہاں دوست و دشمن' اپنے اور پرائے کا فرق ختم کر کے سب کے لیے یکساں تحقیق و تبیین کا قانون مقرر کر دیا ہے اور دوسری طرف وہ تجسس اور تحقیق جس کی بنیاد وہم پرستی اور صرف بدظنی پر ہو اس سے بھی روک دیا ہے- امام غزالی مستصفی میں لکھتے ہیں کہ:

''فرقہ سمینہ کے نزدیک علم صرف حواس کے مدرکات و معلومات میں منحصر ہے ان کے نزدیک خبر متواتر بھی مفید علم نہیں ہوتی وہ یہاں بھی دس طرح کے شبہات پیدا کر دیتے ہیں-'' (توجیہ ص ۳۸)

سوفسطائی ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں انہیں اپنے مدرکات حتیٰ کہ اپنے وجود میں بھی شبہ نظر آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بسا اوقات ہمارے چشم و گوش اپنے اپنے دائرہ ادراکات میں غلطی کر جاتے ہیں تو پھر ان کے مدرکات کو قطعی کیسے کہا جا سکتا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ اگر شکوک و اوہام کا دروازہ کھول دیا جائے اور ہر شک کو یقین کی راہ میں حائل تسلیم کر لیا جائے تو پھر عالم میں یقین حاصل کرنے کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے- نہ خبر متواتر اور نہ اپنے حواس- اس کا نام تحقیق و تنقید نہیں بلکہ یہ ایک جنون کا شعبہ ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا اور آخرت کے تمام معاملات معطل ہو کر رہ جائیں لیکن اگر اس کے برخلاف ہر خبر کو تسلیم کر لیا جائے اور ہر جگہ حسن ظن کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس کا نتیجہ بھی عالم کے درہم و برہم ہونے کے سوا اور کچھ نہیں' اس لیے قرآن نے یہ تعلیم کی کہ ہر خبر کی تحقیق و تبیین کر لیا کرو خواہ وہ فاسق شخص ہی کی خبر کیوں نہ ہو' ہر چند کہ فاسق آدمی کی خبر رد کر دینے میں بھی مضائقہ نہیں تھا مگر قرآن کسی خبر کا بے دلیل رد کرنا بھی پسند نہیں کرتا- فاسق آدمی بھی صحیح خبر دے سکتا ہے پس اس کی ہر خبر کا رد کر دینا بھی قرین مصلحت اور طور انصاف نہیں ہے-

www.besturdubooks.net

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. (حجرات:٥)

اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آیا کرے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر حملہ کردو بعد میں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

دوسری طرف اس نے تجسس اور بدظنی کی بھی ممانعت فرمائی کہ ایسی تحقیق سے بھی نظام عالم برباد ہوتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا. (حجرات : ١٢)

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کی حد تک ہوتی ہیں اور تجسس اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے عیب بھی تلاش کرنے کی خصلت مت اختیار کرو۔

تیسرے مقام پر یہ بھی بتایا کہ ہر خبر کی تفتیش کا ہر انسان سلیقہ نہیں رکھتا بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تفتیش خاص افراد ہی کرسکتے ہیں گویا یہ تفتیش کے محکمہ جات کی طرف اشارہ ہے غرض ہر خبر کی تحقیق کے لیے اہلیت درکار ہے۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ. (النساء : ٨٣)

جب ان کے پاس کوئی امن یا ڈر کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اگر اس کو رسول یا اپنے علماء و حکام تک پہنچا دیتے تو جو ان میں ملکہ استنباط رکھنے والے شخص تھے وہ اس کو پورے طور پر معلوم کرلیتے۔

روایتی پہلو میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہوسکتی ہے وہ مخبر اور شاہدوں کا بیان ہے اس لیے ان کو یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے بیان اور گواہی میں پوری احتیاط سے کام لیں جھوٹ یا طرفداری کا شائبہ نہ آنے پائے۔ اس لیے جھوٹ بولنے یا ایک دوسرے پر جھوٹا الزام لگانے کی اتنی مذمت کی گئی کہ اس سے بدتر سوسائٹی کا کوئی عیب نہ رہا۔ لعنت کا لفظ عربی زبان میں انتہائی مذمت و نفرت کا لفظ سمجھا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے عام طور پر جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کا اعلان کردیا۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ. (آل عمران:٦١)

جھوٹ بولنے والوں پر خدا کی لعنت ہو۔

دوسری جگہ جھوٹ بولنا مخالف پارٹی یعنی بے ایمانوں کا شعار قرار دیا۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ. (النحل:١٠٥)

خدا پر جھوٹ کی افترا پردازی وہی لوگ کرتے ہیں جو اس کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور دراصل پکے جھوٹے یہی لوگ ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی پاک باز کی عصمت پر تہمت لگادے تو اس کے لیے دائمی طور پر یہ تعزیر مقرر کردی۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا.

ان کی گواہی آئندہ کبھی قبول نہ کرو۔

گویا انسانی سوسائٹی میں ہمیشہ کے لیے ان کے قول کی بے وقعتی آئینی طور پر تسلیم کرلی گئی۔ بوقت ضرورت شہادت کا چھپا لینا ایسا گناہ قرار دیا جو انسان کے قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ. (البقرة:٢٨٣)

جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔

www.besturdubooks.net

وَلَوْ كَانَ ذَاقُرْبٰى. (الانعام:١٥٤) اگر چہ وہ شخص ہمارا قرابت دار ہی ہو۔

پھر کذب وافتراء کی اس عام مذمت پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ یہ خاص طور پر سمجھایا کہ خدا پر افتراء پردازی کا نمبر ہر قسم کے جھوٹ اور افتراء سے بڑھ کر ہے تاکہ عام طور پر راست بازی کے علاوہ یہاں خاص طور پر بھی اس کا لحاظ رکھا جائے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا. (الانعام:٩٣) اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ افتراء کرے۔

آئین روایت اور درایت کو خوب مرتب اور مہذب کر کے جب اپنے رسول کی خاص وحی کا ذکر کیا تو قانونِ روایت کے مطابق اس کی سند پھر اس کے راوی کی عدالت بھی خود واضح فرمائی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ (التکویر:۱۹،۲۱) یہ قرآن ایسے فرشتے کی زبانی ہے (جو حسب ذیل اوصاف کا مالک ہے) قوت والا ہے خدا کے نزدیک مرتبہ والا ہے اور وہاں ایک امانت دار افسر ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نطق کے متعلق عام انسانوں سے ایک صفت برتری یہ بیان فرمائی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: ٢ - ٣) اپنی خواہش نفس سے وہ کچھ نہیں بولتے جو بات کہتے ہیں وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔

آپ نے درایت پر زور دیتے ہوئے مخاطبین کے سامنے اپنی صفائی ان الفاظ میں پیش کی۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (یونس:١٦) آخر اپنے دعویٰ نبوت سے پہلے بھی میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان ہی گذارا ہے (پھر کبھی جھوٹ بولا) تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

اس کے روایتی پہلو کی صفائی کے لیے قرآن کریم نے رسول کے بارے میں ایک خاص آرڈیننس کا بھی ذکر فرمایا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ. (الحاقۃ:٤٣-٤٥) اگر بالفرض آپ ایک بات بھی ہماری طرف اپنی جانب سے بنا کر منسوب کرتے تو ہم دایاں ہاتھ پکڑ کر ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔

ان بنیادی اصول کی روشنی میں مذہب اسلام جتنی ترقی کرتا رہا اسی قدر اس کے بنیادی تنقید کے اصول بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے حتیٰ کہ اسناد' جرح وتعدیل' احوالِ رواۃ' ہر ایک کے لیے جدا جدا مستقل فن مرتب ہو گئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلہ میں ۵۲ قسم کے علوم بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد احادیث کے مفید یقین ہونے میں ایک منٹ کے لیے بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ سمنیہ اور سوفسطائیہ کی طرح شبہات نکالے چلے جانے کا تو کسی کے پاس بھی کوئی علاج نہیں ہے لیکن واقعات کی دنیا میں جہاں ذہنی اوہام کی کوئی قیمت نہیں ہے ہر محکم سے محکم طریق اور ہر جائز سے جائز احتمال کا لحاظ رکھ کر یہ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص بھی حدیث کے مختلف طرق' اس کے راویوں کے صدق وکذب اور اس کے جروح وعلل پر نظر کرے گا اس کو ان کی سچائی پر یقین کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں چند لمحات کی محنت ومشقت اٹھائے بغیر پہلے سے اس کے انکار کا ارادہ کر لیا جائے اور محدثین کی شب وروز کی ان تھک محنتوں کی تردید کے لیے صرف

www.besturdubooks.net

چند مضحکانہ کلمات کو کافی سمجھ لیا جائے۔ علامہ محمد بن ابراہیم وزیر تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام کے تمام فرقے ہر طبقہ میں ہر فن کے بارے میں اسی اہل فن کے قول کو دلیل سمجھتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام علوم باطل ہو جاتے کیونکہ دوسرے فن کا شخص یا تو اس فن سے بحث ہی نہیں کرتا اگر کرتا ہے تو ناکافی بحث کرتا ہے۔ اگر قرآن و سنت کے لغات اہل تجوید سے حل کیے جائیں' قراءت کا اختلاف اہل لغت سے پوچھا جائے معانی و نحو کے مسائل محدثین سے اور علم حدیث اور اسناد کے مباحث متکلمین سے دریافت کیے جائیں تو یقیناً تمام علوم درہم برہم ہو جائیں گے اور یقیناً یہ عقل کے بھی خلاف ہوگا۔'' (الروض الباسم ج ۱ ص ۷۷)

یہ مقولہ مشہور ہے۔

کن یهودیا صرفا و الا فلا تلعب بالتورات۔ یا ٹھیٹ یہودی بن جا ورنہ تورات سے مت کھیل۔

پس خبر واحد پر یقین یا تو اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ جن کو یہاں شب و روز خرچ کرنے کے بعد یقین حاصل ہو چکا ہے ان کے بیان پر اعتماد کر لیا جائے نہیں تو پھر خود اس جانفشانی کے لیے کمر ہمت کس لی جائے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ محدث کی مثال ایک صراف کی ہے بسا اوقات روپیہ کی شکل و صورت اور آواز تک میں فرق نہیں ہوتا مگر صراف کی چٹکی اس کا کھوٹ بتا دیتی ہے۔ پس اگر انصاف کے ساتھ احادیث کی روشنی میں اسوۂ رسول کو تلاش کرنا منظور ہے تو صراف کی طرح یا تو خود مشاقی پیدا کی جائے ورنہ کسی صراف کے قول پر اعتماد کیجئے۔ اگر آپ نہ یہ کر سکتے ہیں نہ وہ اور صرف احادیث رسول کو ایک غیر دلچسپ افسانہ یا رطب و یابس سے بھری ہوئی ایک تاریخ قرار دیتے ہیں تو اب یہ آپ کی مرضی ہے۔

محدثین اور راویوں کا جمودِ رائے ✻ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس قوم نے تحقیق و تبیین' استنباط و استشہاد کی اہمیت کذب و افتراء سے نفرت' بدگمانی و بدظنی سے احتراز کے دور میں پرورش پائی ہو' کیا اس کا طبعی مزاج تساہل و غفلت' اغماض اور چشم پوشی ہو سکتا ہے یا ہر معاملہ کی تحقیق و تفتیش کرنا ان کی طبیعت ثانیہ ہو جانا چاہیے' اور حسن ظن و بدظنی سے علیحدہ ہو کر واقعہ کی تحقیق کرنا انہیں اپنا ایک فرض منصبی سا نظر آنا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل[1] کو آپ پہلے مشاہدہ کر ہی چکے ہیں کہ اگر ان

---

[1] واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ حضرت عمرؓ کے دروازہ پر آئے اور تین بار سلام کے بعد جب جواب نہ ملا تو واپس ہو گئے چند قدم چلے تھے کہ خادم اندر سے آیا اور اس نے کہا آئیے امیر المؤمنین آپ کو بلاتے ہیں۔ یہ پہنچے تو ان سے واپسی کا سبب دریافت کیا گیا انہوں نے اس کے متعلق ایک حدیث سنا دی حضرت عمرؓ نے فرمایا یا تو اس پر گواہی پیش کیجئے ورنہ سزا ملے گی پھر خود ہی یہ بھی فرما دیا کہ:

انی لم اتهمک و لکنی خشیت ان یقول الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (توجیه ص ١٦) میں نے تم پر کسی شبہ کی وجہ سے شہادت طلب نہیں کی بلکہ یہ اندیشہ کیا کہ آئندہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی نہ کریں۔

یہی وجہ تھی کہ سفیان بن عینیہ فرماتے تھے کہ اگر حضرت عمرؓ ہمارے زمانہ میں ہوتے تو ہمیں سزا دیتے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۰)

اس ایک ہی واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو حدیث کا کتنا اہتمام تھا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہاں سزا مزید احتیاط کی بنا پر تھی یا حدیث کی روایت کرنے پر اور یہ بھی کہ ابن عینیہ کے اس فرمان کا اصل منشاء کیا تھا۔ حیرت ہے کہ مولانا اسلم صاحب ان جیسے تاکیدی احکام کو نقل کر کر[illegible] .....

www.besturdubooks.net

کے سامنے کوئی شخص کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے پہلا سوال گواہی کے متعلق ہوتا تھا اگرچہ دوسری مجلس میں یہ بات بھی صاف کر دی جاتی تھی کہ یہ تحقیق کسی بدگمانی کی بنا پر نہیں تھی بلکہ حدیث کی اہمیت آئینی طور پر اس کی مقتضی تھی کہ اس کے نقل میں ہر ممکن سے ممکن احتیاط کو کام میں لایا جائے۔

افسوس ہے کہ صحابہؓ کے دور میں اس قسم کے جتنے واقعات حدیث کی تشریعی حیثیت اور ان کے یہاں اس کی حفاظت کی سب سے بڑی دلیل تھے ان ہی کو منکرین حدیث نے اس کے برعکس انکارِ حدیث کی دلیل گردان لیا ہے۔ سلف کے دور سے گذر کر جب ائمہ کے دور میں آیئے تو یہاں بھی ابن ابی حاتم جیسے شخصوں کی کمی نہیں ہے جو بڑے بڑے محدثین پر بھی تنقید کر دیتے پھر خود ہی ان کی جلالت قدر کی طرف نظر کر کے بعض اوقات رونے بھی لگتے تھے کہ ہم کیسی کیسی بڑی ہستیوں پر کلام کر جاتے ہیں کہیں ہم سے اس کی باز پرس نہ ہو۔ صحابہؓ میں حضرت علیؓ کی شخصیت مختلف ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے کچھ اس طرح زیر بحث آ گئی ہے کہ محدثین کو مجبوراً فن درایت کی بنا پر ان کے متعلق بہت سی احادیث سے دست بردار ہو جانا پڑا ہے' حالانکہ ان کے علم' ان سے محبت اور ان سے عقیدت برابر اس کو مقتضی رہی کہ ان کے معاملہ میں جو سنا جائے اس کو سچ ہی سچ یقین کر لیا جائے مگر یہاں رسول کی عقیدت اور اس کی حدیث کی عظمت کا سوال ان سے مقدم تھا وہ ہمیشہ یہ تنبیہ بھی کرتی رہی کہ کہیں ان کی شان میں بے جا عقیدت رکھنے والوں نے لامعلوم طور پر ان کی احادیث میں کذب وافتراء کا زہر داخل نہ کر دیا ہو۔ اور اس بنا پر کوئی خلافِ واقع کلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔

لـلـه ..... کے اس سے انکارِ حدیث کے متعلق کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ انصاف آپ ہی پر ہے کہ جہاں مخلصین صحابہؓ کے بیان پر گواہیاں طلب کی جاتی ہوں وہاں منافقین کو کذب بیانی اور افتراء کا کیا موقعہ مل سکتا تھا۔

فائدہ سے خالی نہ ہو گا اگر ہم آپ کو یہ بتلا دیں کہ جب تک کفر کو طاقت رہی نفاق ظاہر نہیں ہوا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے اور اسلام کے ہاتھ میں طاقت آ گئی' کفر مغلوبیت کی زندگی بسر کرنے لگا تو اب کفار کو نفاق کی ضرورت بھی محسوس ہونے لگی ان کے متعلق بھی قرآن نے یہ فرمایا ہے ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ (محمد: ۳۰) جب وہ آپ کی خدمت میں آ کر آوازیں بنا بنا کر باتیں کریں گے تو آپ انہیں پہچان بھی لیں گے۔ (کتاب الایمان)

کیا یہ انصاف ہو گا کہ منافقین کی اس متھور و ذلیل زندگی کے اثرات کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ اور مستحکم آثار کو مشتبہ تسلیم کر لیا جائے۔ مولانا اسلم صاحب کے لیے تو منافقین کا وجود احادیث کے ماننے میں مانع ہے لیکن ان کو معلوم نہیں کہ منکرین قرآن یہی شبہ قرآن کے بارے میں پیش کرتے ہیں اور قرآن کے تواتر کو مخالفین کا تواتر سمجھ کر اس سے کچھ تسلی حاصل نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک منکرین حدیث کے پاس اکثر شبہات وہی ہیں جو شیعوں نے حفاظت قرآن کے سلسلہ میں پیش کیے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ پہلے ہی قدم میں ان میں الجھ کر رہ گئے اور یہ قرآنی تواتر کی وجہ سے یہاں سے تو بچ نکلے مگر دوسرے قدم میں بچ نہ سکے۔ آخر حدیث کے مرحلہ پر پہنچ کر بے طرح پھسلے اور پھسل کر زمین پر گر گئے۔ عقائد شبہات سے بنانا نہیں چاہئیں ان کے لیے روشن دلائل کی ضرورت ہوتی ہے زائغین اہل حق کے دلائل میں صرف شبہات پیدا کر کے خوش ہو لیتے ہیں کہ انہوں نے بڑا تیر مارا اور گویا بازی جیت لی اور نہیں جانتے کہ اگر قرآن نہ آتا تو لوگوں کو شبہات تو اللہ تعالیٰ کے وجود میں بھی تھے۔ اور آج یہ قوم موجود ہے جو اللہ کا وجود تو در کنار اس کو بلاشبہ ایک وہم پرستی تصور کرتی ہے۔

www.besturdubooks.net

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔

و لکن قاتل اللہ الشیعۃ فانھم افسدوا کثیرا من علمہ بالکذب علیہ و لھذا تجد اصحاب الحدیث من الصحیح لا یعتمدون من حدیثہ الا ما کان من طریق اھل بیتہ و اصحاب عبداللہ ابن مسعودؓ[1]

خدا تعالیٰ شیعوں کا برا کرے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کا بڑا حصہ ان پر جھوٹ بول کر محدثین کی نظر میں مشتبہ کر دیا ہے اس لیے صحیح حدیث جمع کرنے والوں نے بجز خاص خاص حضرات کے ان کے بارے میں ہر شخص کے بیان پر اعتماد نہیں کیا۔

اس لیے جب ان کی احادیث کو وہ اپنے معیار پر پورا نکھار نہ سکے تو انہیں اسی شک کے حال میں حدیث رسول ٹھہرانے سے دست بردار ہو جانا بدرجہا بہتر معلوم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری طرف یہ بھی غور کر لینا چاہیے کہ اگر حدیثوں میں بہت بڑا ذخیرہ موضوعات کا داخل ہو جاتا تو یقیناً ہمیں زیادہ تر حدیثیں شیخین جیسی جلیل القدر ہستیوں کی طرف منسوب نظر آتیں کیونکہ وضاعین کے لیے ان کی شخصیتوں کا احترام ان کی احادیث کو رائج کرنے میں یقیناً بہت کارآمد ہوتا مگر یہاں اس کے برعکس امت میں جو سب سے بڑا صحابی شمار ہے اسی کی احادیث کا ذخیرہ سب سے کم ہے پس یہ اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وضاعین کو ہر جگہ دخل اندازی کا موقعہ نہیں مل سکا اور جہاں ملا ہے وہاں دودھ اور پانی کو علیحدہ کرنے والوں نے حقیقت کو صاف کر دیا ہے اور ہر شک و تردد کے موقعہ پر اصول یہ رکھا ہے کہ کسی مشکوک ذخیرہ کو حدیث میں شمار کر لینے کی بجائے اس کو حدیث سے خارج کر دینا چاہیے۔ اب اس نقد و تبصرہ، حزم و احتیاط کے بعد بھی شک کیے چلے جانا ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا ہے۔ مانا کہ وضاعین نے احادیث وضع بھی کی ہیں مگر کیا اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ان کے اس جرم کی پاداش میں صادقین کا قول بھی جھوٹ سمجھ لیا جائے، تمام دنیا میں تنقید اس لیے تعریف کی چیز سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے صحیح و سقیم میں امتیاز حاصل ہو جاتا ہے اگر نقد کا نتیجہ سقیم کے ساتھ صحیح کو بھی رد کر دینا ٹھہر جائے تو پھر تنقید سے بدتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ کون سی معقول بات ہے کہ دنیا میں چونکہ چند جھوٹوں نے جھوٹ بولا ہے اس لیے اب کسی سچے سے سچے شخص کے بیان پر بھی اعتبار نہ کرنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بھی ان ہی کی طرح ایک جھوٹا ہی انسان ہو۔ عقل کی روشنی اسی لیے عطا کی گئی ہے کہ اس روشنی میں محنت و جان فشانی کر کے یقین کی منزل طے کی جائے لیکن جن کے نزدیک رسول اور اس کے کلام کی قیمت ہی کچھ نہ ہو ان کے لیے یہ سرگردانی مفت کا آزار ہے اسی لیے مولانا اسلم صاحب نے محدثین کی ساری جدوجہد کا نام دماغی تعزیر رکھ دیا ہے۔ آج بھی بہت سے، دشن خیال ایسے موجود ہیں جو قرآن کریم حفظ کرنے کو بھی دماغی تعزیر سے کم نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ جامیٹری اور الجبرا کے اشکال یاد کرنا اس سے کہیں زیادہ مفید ہے۔ مولانا اسلم صاحب کا احادیث کے متعلق جو عقیدہ تھا تو آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ کر چکے اب محدثین کے متعلق ان کا خیال سنئے۔ وہ معتزلہ کی بربادی کا مرثیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

[1] اعلام الموقعین ج ا ص ۱۶۔

www.besturdubooks.net

''معتزلہ اگرچہ اپنی تباہی کے ذمہ دار آپ ہیں مگر ان کے فنا ہو جانے سے امت کا عقلی اور دینی نقصان ہوا محدثوں نے منقولات سے جو جمود پیدا کر دیا تھا اس کے مقابلہ میں ان کی عقلیت نے توازن قائم کر رکھا تھا ان کے مٹ جانے سے پھر وہی جمود عود کر آیا۔''

انہیں محدثین اور فقہاء کے جمود کی شکایت غالباً اسی وجہ سے ہوسکتی ہے کہ معتزلہ کی طرح انہوں نے ذات وصفات کے مسائل میں موشگافیاں نہیں کیں۔ براہین عقلیہ کا جو طریقہ فلاسفہ سکھا گئے تھے وہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ عقلاء زمانہ کی طرح طویل وعریض و عادی نہیں کیے جو بات حل ہوگئی اس کا جواب دے دیا اور جو حل نہ ہوسکی اس کے متعلق صاف کہہ دیا۔ اگر اپنی رائے کے خلاف کوئی بات ثابت ہوگئی تو اپنی بات پر ضد نہیں کی اور اپنی پہلی رائے سے بڑی صفائی کے ساتھ رجوع کرلیا۔ اگر یہ امور قابل اعتراض ہیں تو ذرا نظر اٹھا کر صحابہ کی تاریخ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے وہاں کتنی بال کی کھال نکالی جاتی تھی۔ قدرت، سمع و بصر، صفت علم وکلام پر کتنی کتنی بسیط بحثیں کی جاتی تھیں۔ افعال عباد کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے پر کیا کیا تبصرے کیے جاتے تھے۔ اگر محدثین کی خدمتیں دماغی تعزیریں تھیں تو یقیناً یہ مباحث بھی دماغی عیاشی کا عذاب تھا جو محض عقلیت کی بدولت معتزلہ پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ منکرین حدیث کے درمیان یہ اعتراض ہمیشہ سے اہمیت رکھتا چلا آیا ہے یہاں تک کہ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر کو اس پر مستقل ایک مضمون لکھنا پڑا اس لیے ہم بھی یہاں اس اعتراض کے چودہ جوابات میں سے ان کے ایک جواب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

''اگر عقلیات کی مذمت ہم کسی محدث کی زبانی نقل کریں تو یہ کہنا ممکن ہوگا کہ ''الناس اعداء ما جھلوا'' لوگ جو فن نہیں جانتے اس کی مذمت ہی کیا کرتے ہیں اس لیے ہم یہاں ان علماء کے کلمات پیش کریں گے جو فلک عقلیات کے شمس وقمر شمار کیے گئے ہیں۔''

امام غزالیؒ احیاء میں فرماتے ہیں ''ہمیں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حقائق اشیاء کے معرفت کی راہ یہ عقلیات نہیں ہیں اس راہ سے اگر مسائل پر کچھ روشنی پڑتی بھی ہے تو اتنی ہی جتنی کہ ان کے بغیر بھی حاصل ہوسکتی تھی۔

المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں۔ ''دلائل کلامیہ مفید یقین نہیں ہوتے۔''

التفرقہ بین الایمان و الزندقہ میں لکھتے ہیں۔ ''اگر ہم مداہنت نہ کریں تو صاف صاف کہہ سکتے ہیں کہ علم کلام میں غلو کرنا حرام ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں ''میں نے طرق کلامیہ اور فلسفیہ سب کا تجربہ کر دیکھا ہے جو نفع مجھے قرآن عظیم میں نظر آیا کہیں نظر نہ آیا۔ کیونکہ قرآن اس پر زور دیتا ہے کہ تمام جلال وعظمت خدا ہی کے لیے تسلیم کرلی جائے اور اس کے مقابلہ ومعارضہ سے احتراز کیا جائے کیونکہ ان تنگ وتاریک راستوں میں عقل انسانی گم ہو جاتی ہے پھر یہ وصیت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت کا دین اختیار کر چکا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا مجمل ایمان ہی قبول فرمالے اور مجھ سے تفصیل کا مطالبہ نہ کرے اسی مضمون پر امام نے حسب ذیل اشعار کہے ہیں۔

www.besturdubooks.net

العلم للرحمٰن جل جلاله — علم صرف ایک اللہ جل جلالہ کے لیے ہے۔
و سواہ فی جھلاتہ یتغمغم — بقیہ سب اپنی جہالتوں میں مبتلا ہیں۔
ما للتراب و للعلوم و انما — اس خاک کے پتلے کو علم سے بھلا کیا واسطہ
یسعی لیعلم انہ لا یعلم — وہ یہی کوشش کرتا ہے کہ یہ جان لے کہ وہ نہیں جانتا۔

امام قرطبیؒ مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ائمہ متکلمین نے اپنی عمریں صرف کرنے کے بعد اس علم کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ ابوالمعالی فرماتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کو علماء اسلام کے لیے چھوڑ کر میں نے ایک بڑے سمندر کا سفر اختیار کیا تھا تاکہ تقلید کی تاریکی سے نجات میسر ہو اور تحقیق کی راہ نظر آ جائے مگر اب میں نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ پرانی عورتوں کا سا سادہ ایمان رکھو۔ اے اللہ! تو میرا انجام بخیر فرما اس کے بعد حسرت سے فرمایا ''اے ابوالمعالی تیری گذشتہ عمر پر افسوس۔''

امام ابوالمعالی اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے ''دیکھو علم کلام کا بہت مشغلہ مت رکھنا اگر مجھے اس کا انجام پہلے معلوم ہوتا تو آج میرا یہ انجام نہ ہوتا۔''

احمد بن سنان کہتے ہیں کہ ''امام ولید بن ابان کرابیسی میرے ماموں تھے جب ان کی نزع روح کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی اولاد سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہارے نزدیک مجھ سے زیادہ عالم کوئی اور شخص ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا میرے متعلق کوئی بدگمانی کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اچھا تو میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں مانو گے؟ انہوں نے کہا ضرور، فرمایا بس اسی طریقہ پر قائم رہنا جس پر محدثین تھے مجھے اب خوب ثابت ہو چکا ہے کہ حق ان ہی کے ساتھ ہے۔''

امام ابوالوفا بن عقیل فرماتے ہیں میں نے اپنی ساری عمر اصول کی تحقیقات ہی میں خرچ کی ہے آخر تھک کر پھر سیدھے سادے ملاّجی کے مذہب پر ہی آنا پڑا۔

شہرستانی علم کلام میں ساری عمر صرف کرنے کے بعد نہایۃ الاقدام میں لکھتا ہے۔

لعمری لقد طفت المعاھد کلھا و سیرت — اپنی جان کی قسم میں بڑے بڑے مقامات پر خود گھوما اور اپنی نظر کو
طرفی بین تلک المعالم فلم أرا لا و اضعا — خوب گھما کر دیکھا مگر جس کو دیکھا اپنی ٹھوری کے نیچے ہاتھ رکھے
کف حائر علی ذقنه او قارعاً سن نادم — حیرت زدہ دیکھا اور جس کو پایا شرمندہ شخص کی طرح دانت کریدتا پایا۔

اس کے بعد یہ نصیحت کرتا ہے کہ دیکھو بوڑھی عورتوں کا سا سادہ دین اختیار کیے رہنا۔[1]

ان چند نقول سے عقلا کے نزدیک محدثین کا جمود یا سیلان طبع معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے خود دونوں فن پڑھے اور ان کا کافی مطالعہ بھی کیا ہے۔ ہم بلا کسی حسن عقیدت کے یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ عقل کی جو گہرائی ہمیں محدثین بالخصوص فقہاء محدثین میں نظر آئی اس کا کوئی شمہ فلاسفہ میں نظر نہ آیا اگر یہاں ہم ان کی مثالیں لکھیں تو مضمون اور زیادہ طویل ہو جائے گا۔

---

[1] الروض الباسم ج ۲ ص ۱۲-۱۵۔

www.besturdubooks.net

حفاظ حدیث اور حفاظت دین ٭ منکرین حدیث کو یہ دیکھ کر کہ تدوین حدیث کی تاریخ بالعموم پہلی صدی کا آخر حصہ بتلائی گئی ہے یہ شبہ پیدا ہوگیا ہے کہ اس سے پہلے گویا حدیث کا وجود ہی نہ تھا اور اس کی بنیاد دوسری صدی کے شروع میں پڑی ہے اسی لیے ہم نے تدوین حدیث کا عنوان چھوڑ کر حفظ حدیث کا عنوان اختیار کیا ہے تاکہ بحث کا مرکزی نقطہ نظروں سے غائب نہ ہونے پائے- ہمارے نزدیک اصل بحث یہ ہونا چاہیے کہ تدوین حدیث سے پہلے حدیث کا رنگ کیا تھا اگر وہ محفوظ تھی تو پھر اس کی تدوین اگر پہلی صدی میں نہیں چوتھی صدی میں بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔بعض قاصر الفہم اشخاص نے یہ بے معنی غوغا بھی مچا رکھا ہے کہ فلاں صحابیؓ نے حدیث روایت کرنے کی ممانعت کی ہے' فلاں نے کتابت کی ممانعت کی ہے' فلاں نے حدیث کے مشغلہ سے روکا ہے-مگر ان کے ان ہی بیانات سے دوسری طرف یہ بھی سمجھ میں آتا جاتا ہے کہ اسی دور میں حدیث کے شغف کا عالم کیا تھا یعنی بہ کثرت اس کی روایتیں کی جاتی تھیں' برغبت انہیں لکھا جاتا تھا اور ان کے حفظ کا مشغلہ اتنا غالب تھا کہ کسی کسی کو اعتدال قائم رکھنے کے لیے اس سے روکنے کی ضرورت بھی محسوس ہونے لگی تھی- حدیث کی یہ ساری تاریخ وہ ہے جو خود صاحب نبوت اور صحابہؓ کے دور کی تاریخ ہے پس ان ادھوری نقول سے منکرین حدیث کو بھلا کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے' انہیں یہ ثابت کرنا چاہیے کہ پہلی صدی تک حدیث کی کوئی پرواہ نہ تھی' کوئی شخص ان کا ایک حرف بھی یاد نہ کرتا تھا- اچانک دوسری صدی میں لوگوں نے سنے سنائے قصے تدوین کرنا شروع کر دیے لیکن ایسا ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا- ﴿وَ لَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (الاسراء : ۸۸)

یہاں حدیث کی تدوین کا معاملہ قرآن کی جمع و ترتیب کے معاملہ سے بہت ہی مشابہت رکھتا ہے' کیا کوئی عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور پر نظر کرنے والا یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قرآن پہلے محفوظ نہ تھا پھر ان کے زمانہ میں محفوظ ہوا ہاں سن لیجیے کہ خود مدعین اسلام ہی میں ایک جماعت قرآن کریم کے بارے میں بالکل وہی اعتراضات رکھتی ہے جو منکرین حدیث' حدیث کے متعلق رکھتے ہیں اگر منکرین حدیث کو یہ خیال ہے کہ احادیث محض اپنے اپنے اغراض کے ماتحت بعد میں جمع کی گئیں تو منکرین قرآن بھی قرآن پر یہی تہمت لگاتے ہیں- جوابات دونوں ہی جگہ دیے گئے ہیں مگر شفا ہونا نہ ہونا یہ اپنے اپنے مقدر کی بات تھی-

ہمیں یہاں صرف یہ تنبیہ کرنا ہے کہ منکرین حدیث جس قسم کے شبہات حدیث میں پیدا کر کے اسے غیر معتبر ٹھیرانے کی سعی کر رہے ہیں انہیں ذرا اس پر بھی نظر رکھنا چاہیے کہ اگر ان ہی تمام اعتراضات کو لے کر خصوم نے قرآن کی حفاظت کے مقابلہ میں استعمال کر لیا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا ؎

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں جو الفاظ جمع قرآن کے سلسلہ میں فرمائے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو الفاظ حدیث کی جمع کے متعلق کہے ہیں اگر ان دونوں کو پاس پاس رکھیے تو آپ کو یہ بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ دونوں جگہ ان انتظامات کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی ہے جب آئندہ اس مستحکم طریقہ حفاظت کے ہمیشہ قائم رہنے میں کسی ضعف کا خطرہ لاحق ہونے لگا ہے ورنہ قرآن اور حدیث ابتدائی دور میں اہل اسلام کی زندگی کا اس طرح جزء لاینفک بنے ہوئے

www.besturdubooks.net

تھے کہ ان کی حفاظت کے لیے انہیں کسی اہتمام کی ضرورت ہی نہ تھی۔ تہجد اور فرائض وسنن کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی قرآن کا دور جاری رہا کرتا تھا۔ پھر سال بھر میں تراویح کا ایک مشغلہ ایسا تھا کہ اس سلسلہ سے خواندہ و ناخواندہ حافظ اور غیر حافظ سب کے کانوں تک کئی کئی بار بھی قرآن پہنچ جایا کرتا تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ عبادات تو الگ رہیں یہاں عادات میں بھی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ان میں بھی پوری مشابہت پیدا کرنے کے لیے صحابہ کی جدوجہد جاری رہا کرتی تھی۔ آپ ہی کی طرح نشست و برخاست، رفتار و گفتار، طعام و شراب، نوم و بیداری کی ایک ایک حالت گذارنا ان کا آخری جذبہ تھا اگر کسی نے آپ کی قمیص کا گریبان کھلا دیکھ لیا تو وہ اسی اداء پر مرمٹا، اگر کسی نے لوکی کے ٹکڑوں کی طرف آپ کی انگلیاں چلتی دیکھ لیں تو اسی دن سے اسے لوکی سے عشق پیدا ہوگیا اور اگر کسی نے کوئی بات کہہ کر ہنستے دیکھا تو اس نے وہ بات نقل کر کے آپ کی طرح ہنس پڑنا بھی اپنے اوپر لازم تصور کرلیا۔ جب تک قرآن کا یہ چرچا نبی کی ہر ہر ادا اور ان کی ہر حرکت کا یہ نقشہ ہر گھر میں موجود ہو تو اس دور میں اس کا کیا گمان ہوسکتا تھا کہ قرآن یا آپ کی حدیثیں جمع کرنے کا کوئی سرکاری طور پر بھی انتظام ہونا چاہیے۔

قرآن و حدیث کی حفاظت کا یہ دور دورِ شباب تھا اس لیے حفاظ کی کثرت، صحابہ کی یک جہتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کے عمیق اثرات نے اس ضرورت کا احساس ہی نہ ہونے دیا کہ وہ قرآن کے لیے کسی جدید نظم و نسق کا تخیل اپنے دماغوں میں لاتے اسی طرح حدیث کا معاملہ بھی لوگوں کے اپنے اپنے انفرادی جذبہ تحفظ کی وجہ سے کسی مزید اہتمام کے قابل نہ سمجھا گیا حتیٰ کہ جب جنگِ یمامہ میں دفعۃً صحابہ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی تو اب حاملین قرآن کے بھی اچانک اور غیر معمولی نقصان سے قرآن کی حفاظت میں خلل پڑ جانے کا خطرہ بھی محسوس ہونے لگا چنانچہ یہاں حضرت عمرؓ کے جو الفاظ ہیں پورے غور کے ساتھ ملحوظ رکھیے۔

ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقرا القران و انی اخشی ان استحرا لقتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القران و انی اری ان تأمر بجمع القران.

جنگ یمامہ میں حفاظ بے طرح شہید ہوئے ہیں خدا نہ کردہ اگر کہیں آئندہ اسی طرح حفاظ قتل ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع نہ ہوجائے اس لیے آپ قرآن جمع کرنے کا سرکاری طور پر انتظام کیجیے۔

دوسری طرف اب اس دور پر غور فرمایئے جب کہ صحابہؓ ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے۔ یعنی دیکھنے والوں کا دور تو ختم ہو رہا تھا اور ان کی جگہ اب ان مشاہدات کو الفاظی لباس میں دیکھنے والوں کی باری آ رہی تھی، جمالِ جہاں آرا کو بے حجاب دیکھنے والوں کے سینوں میں جو حرارت بھڑک رہی تھی آپؐ کے انتقالِ مکانی کا حجاب پڑ جانے سے اس کے شعلوں میں بھی وہ تیزی باقی نہ رہنے کا امکان نظر آنے لگا تھا اس لیے یہاں بھی دیکھنے والوں کے دل میں یہ بے چینی پیدا ہونا شروع ہوگئی کہ کہیں اس محبوب عالم کی ادائیں ان کے رخ انور کے نظارہ کرنے والوں کے ختم ہوجانے سے تاریخ کا ایک صفحہ بن کر نہ رہ جائیں اس لیے وہ انتظام کرنا چاہیے جو عالم کی تاریخ میں ایک یادگار رہ جائے۔ اگر یہ فقط ان کے اُمتیانہ جذبات ہی کا کرشمہ ہوتا تو رسول اور امتی کے رشتے اس سے پہلے بھی بہت ہوچکے تھے مگر یہاں یہ سب پیرائے ہی پیرائے تھے۔ اندرونی ہاتھ کوئی اور تھا جس نے اس تمام مشینری کو

www.besturdubooks.net

حرکت دے رکھی تھی۔ جس قدرت نے آپؐ کے تمام عالم کے لیے راہنما بنا کر بھیجا تھا وہ ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ آپؐ کی تصویر بھی آئندہ نسلوں کے سامنے کرشن اور رام چندر کی صرف کہانیوں کی طرح پیش کی جائے۔ ایک طرف نبوت ختم ہو چکی ہو' رسالت کا دروازہ مسدود ہو' دوسری طرف اس آخری رسول کے صفحات زندگی بھی محو شدہ اور مشتبہ صورت میں رہ جائیں حتیٰ کہ آئندہ رسول کا دیکھنا تو درکنار' ان کی سیرت کا صحیح مطالعہ بھی میسر نہ آ سکے اس لیے قرآن کریم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حدیث کی حفاظت کی جہاں تک ضرورت تھی اس کا احساس بھی قلوب میں پیدا کر دیا گیا۔ آخر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے[1] ابوبکر بن حزم کے نام یہ فرمان لکھ بھیجا۔

---

[1] یہاں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ عدل نے ابوبکر بن حزم کو اس کام کے لیے اس لیے مقرر فرمایا تھا کہ وہ اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کے نائب تھے اور ان کا علمی پایہ بھی اتنا بلند تھا کہ امام مالکؒ ان کے حق میں یہ فرماتے ہیں۔

لم یکن احد بالمدینۃ عندہ من علم القضاء ما کان عند ابی بکر بن حزم. (توجیہ النظر: ص ۷)

اس وقت مدینہ میں علم قضاء کا عالم ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔

علاوہ ازیں ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات' دیات اور سنن کے کچھ احکام بھی وراثۃً موجود تھے۔ حافظ ابن عبدالبر ابن شہاب المعروف بہ زہری سے نقل کرتے ہیں۔

امرنا عبدالعزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا. (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۶)

ہمیں عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیث کے جمع کرنے کا حکم دیا' ہم نے ایک ایک کر کے اس کو لکھا پھر انہوں نے اپنی قلم رو میں اس کا ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

ابن شہاب اپنے زمانہ کے اتنے کثیر العلم شخص تھے کہ ان کے متعلق معمر ایک واقعہ نقل کرتے ہیں پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم نے زہری کا بہت سا علم حاصل کر لیا ہے۔ جب ولید بن یزید کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کے خزانہ سے جانوروں پر لد لد کر کتابیں آ رہی ہیں۔ ہم نے جب ان کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بیان کیا کہ یہ سب زہری کا علم ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۳)

ان کے قلمی ذخیرہ کا تو یہ حال تھا۔ اب ان کے حافظہ کا حال سنیے۔ ابن شہاب خود اپنا حال لکھتے ہیں کہ جب میں مقام بقیع سے گذرتا تو اپنے کان اس خوف سے بند کر لیا کرتا تھا کہ کہیں اس میں بیہودہ باتیں نہ پڑ جائیں خدا کی قسم ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے کان میں کوئی بات پڑ گئی ہو پھر میں اسے بھول گیا ہوں۔ شعبی کا حال بھی یہی تھا۔ (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۹)

آپ نے دیکھا کہ یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم نامہ میں حدیث کا لفظ تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ ابوبکر بن حزم کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خاص ابواب کے احکام موجود ہونے کی بھی شہادت ثابت ہے زہری بڑی صفائی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن جمع کرنے کا لفظ کہہ رہے ہیں اس پر بھی مولانا اسلم صاحب کو یقین نہیں آتا اور وہ علم الحدیث کے صفحہ ۱۳ پر اس کا یہ عذر تراشنے میں ذرا تامل نہیں فرماتے۔

''یہی وجہ ہے کہ تابعین کبار کے عہد تک حدیثیں غیر مدون تھیں اور سوائے قرآن مجید کے امت کے ہاتھوں میں کوئی دوسری کتاب نہ تھی بعض چیزیں محض علمی لحاظ سے لکھ لی گئی تھیں۔''

ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ بعض چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور ان کی روشنی میں صحابہؓ کے علوم کے سوا کوئی اور علمی چیز نہ تھیں۔ صحابہ کی اصطلاح میں علم نام ہی ان ہی چیزوں کا تھا۔ کیا مولانا کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر کا علمی سرمایہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ .....

www.besturdubooks.net

انظر ما کان من حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے قلم بند کرلو کیونکہ مجھے آئندہ علم کم ہو جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اب حضرت عمرؓ کے وہ الفاظ تقریباً نوے سال بعد کے ان الفاظ کے پہلو بہ پہلو رکھئے تو آپ کو ان دونوں میں وہ یکسانیت نظر آئے گی جو ایک ہی شخص اور ایک ہی دماغ کے خیالات میں نظر آتی ہے وہاں بھی خدائی حفاظت کے وعدہ نے حضرت عمرؓ کے ارادہ میں جنبش پیدا کی تھی اور یہاں بھی وہی وعدہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس اقدام کے لیے محرک بنا ہے باقی. ع

ماوشمارا بہانہ ساختہ اند

جمع احادیث کے متعلق حضرت عمرؓ کی مجلس مشاورت ✱ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صحابہ کرام دین کے معاملہ میں اتنے محتاط تھے کہ وہ اپنی رائے سے ایک قدم اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے چنانچہ جمع قرآن کا ایک بدیہی معاملہ جب زیر بحث آیا تو وہاں بھی مجلس مشاورت منعقد کی گئی اور جب بڑی ردوکد کے بعد یہ معاملہ طے پا گیا تو سرکاری طور پر جمع قرآن کا کام شروع کر دیا گیا۔ ٹھیک اسی طرح جمع حدیث کی تحریک کا حال ہے۔ یہ تحریک اصل میں آج سے بہت پہلے حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہوئی تھی مگر یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دنیا کو قلم سے زیادہ اپنے حفظ پر ناز تھا۔ حفظ ہی کے ذریعہ سے مخطوطات کی تصحیح کی جاتی تھی پھر حدیث کا جتنا حصہ عملی تھا وہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت موجود تھا اور اس کا جو حصہ صرف اقوال سے متعلق تھا وہ والہانہ محبت' انتہائی عقیدت اور ان کے فطری ماحول کی وجہ سے کسی اہتمام کے بغیر دماغوں میں محفوظ تھا۔ ادھر قرآن کریم کے ایک ایک نقطہ اور زیرو

لله ..... کہ اس کو بعض علمی چیزوں کی فہرست میں بھی شمار کر لیا جائے۔ پھر اس کا ثبوت کون دے سکتا ہے کہ وہ صرف علمی لحاظ ہی سے لکھی گئی تھیں۔ کیا اوزاعی اور زہری جیسے ائمہ ان علمی چیزوں کے لکھنے میں بھی کوئی بار محسوس کر سکتے تھے۔ پھر زہری یہ کیا کہتے ہیں کہ ہم نے امراء کے زور دینے پر حدیثیں جمع کی ہیں اور اوزاعی یہ کیا فرما رہے ہیں کہ جب سے علم مدون ہوا ہے اس کا نور جاتا رہا۔ چاہیے تو یہ کہ ایک علمی خدمت پر زہری اور اوزاعی کو بڑا ناز ہوتا مگر یہاں مولانا نے اس علمی خدمت کے ادا کرنے پر ان کے علاوہ ضحاک بن مزاحم' داؤد طائی' فضیل بن عیاض' سفیان ثوری' شعبہ اور ابن عیینہ کے جو تاسف کے کلمات نقل فرمائے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہے کہ درحقیقت ان حضرات نے کوئی ایسا علم جمع کیا تھا جس میں ایک بال برابر لغزش کا وبال انہیں ایک پہاڑ کے برابر نظر آرہا تھا آخر وہ کون سا علم تھا جس کو ابن عیینہ ایک طرف تو خود ہی روایت فرماتے جاتے ہیں اور دوسری طرف ڈر کے مارے یہ بھی کہتے جاتے ہیں۔

''کاش یہ علم میرے سر پر شیشوں کا ایک ٹوکرا ہوتا اور گر کر چور چور ہو جاتا کہ اس کے خریداروں سے نجات ملتی''

آخر ایسی وہ علمی خدمت کون سی تھی جس کو ابن عیینہ سر پر اٹھائے اٹھائے پھر رہے تھے اور جس کو نہ تو ادا کر کے چین نصیب تھا اور نہ ادا کیے بغیر کوئی چارہ نظر آتا تھا۔ بات کیا تھی اگر یہ لوگ اتنے ہی علم کے دشمن تھے تو کس نے انہیں اس علم کی ادائیگی کے لیے مجبور کیا تھا خود ہی لیے لیے پھرنا اور خود ہی ایک علمی خدمت کی ادائیگی کے فریضہ سے سبکدوش ہو کر اس کا نوحہ کرنا۔ آپ نے کبھی سوچا یہ کیا بات تھی۔ کہیں یہ علمی خدمت وہی علم حدیث نہ ہو جس کے کتمان میں بھی آتشیں لگام کا خطرہ ہے اور جس کا پہنچانا بھی شیشوں کے سنبھالنے سے زیادہ نازک کام ہے۔ آپ کو اختیار ہے ایک ہزار بار حدیث کو چاہے تو مت مانئے مگر خدارا اصحابہؓ اور محدثینؒ کی تاریخ تو مسخ نہ کیجئے کہ یہ صرف مذہبی جرم نہیں تاریخی اور علمی جرم بھی ہے۔

www.besturdubooks.net

زبر کی ذمہ داری سے کاندھے دبے جا رہے تھے اس لیے یہ تحریک صرف دماغوں میں گذر کر رہ گئی۔

ان عمر بن الخطابؓ اراد ان یکتب السنن فاستفتی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فأشاروا علیه بان یکتبھا فطفق عمر یستخیر اللہ فیھا شھرا ثم اصبح یوما و قد عزم اللہ لہ فقال انی کنت ارید ان اکتب السنن و انی ذکرت قوما کانوا قبلکم کتبوا کتابا فاکبوا علیھا و ترکوا کتاب اللہ و انی و اللہ لا أشوب کتاب اللہ بشیء ابدا۔[1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ احادیث قلم بند کر لی جائیں تو اس بارے میں صحابہؓ سے دریافت کیا انہوں نے مشورہ دیا کہ قلم بند کر لینا چاہیے اس کے بعد حضرت عمرؓ ایک مہینہ تک استخارہ کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ کی طرف سے ان کے خیال میں یہ بات آئی کہ پہلی امتوں نے کتاب اللہ کے علاوہ بھی کوئی یادداشت قلم بند کی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ اسی پر جھک پڑے اور کتاب اللہ کو چھوڑ بیٹھے۔ خدا کی قسم ہے میں کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور چیز ملانا پسند نہیں کرتا۔ دوسرے الفاظ میں ہے۔ لا کتاب مع کتاب اللہ۔

اس بیان سے حسب ذیل نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ (۱) حضرت عمرؓ جمع حدیث کے خود محرک تھے (۲) مشیروں کی رائے حدیثوں کے جمع کرنے کی طرف تھی۔ (۳) حدیثوں کو قلم بند نہ کرنے کی وجہ اہل کتاب کی تاریخ تھی۔ (۴) لا أشوب کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس وقت سنت کی کتابت کا خیال قائم ہو جاتا تو شاید کتاب اللہ کے ساتھ ہی حاشیہ پر ان کو لکھا جاتا۔ دوسرے لفظ ''لا کتاب مع کتاب اللہ'' بھی اسی کے شاہد ہیں' پس اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اس طرح ملی جلی قلم بند کر دی جاتیں تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں نو آموزوں کے لیے بڑی مشکل کا سامنا ہو سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ حدیث بھی جب پہلے پہلے کتابت کے دور سے گذری تو اس میں بھی احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کو ایک ساتھ ہی جمع کر دیا گیا تھا۔ پھر افکار اور ضروریات کی تدریجی ترقی نے مرفوعات کو آثار سے جدا جدا کر دیا ہے اس لیے بہت ممکن تھا کہ جمع حدیث کے نقش اول میں شاید اتنی ارتقائی ترتیب و تہذیب کے مدارج کی طرف ذہن نہ جاتا۔ بالخصوص جب کہ اس دور میں قوتِ حافظہ کی وجہ سے قرآن و حدیث میں کسی ادنی اختلاط کا اندیشہ بھی نہ تھا۔ آج بھی تفسیر کی کتابیں اسی طرح کتاب اللہ و تفسیر کے ساتھ ساتھ مخلط چھپی ہوئی ہیں۔ مگر اس اختلاط سے حفاظ کو کوئی شبہ نہیں پڑتا پھر وہ زمانہ تو کچھ اور ہی تھا مگر حضرت عمرؓ کی شانِ حزم و احتیاط نے یہ طریقہ بھی پسند نہ فرمایا کیونکہ ان کے سامنے اس قوم کی تاریخ ابھی زندہ تھی جو آسمانی کتاب کو اسی کتابت کی بدولت اپنے ہاتھوں تحریف کے گھاٹ اتار چکی تھی اس لیے شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجا کہ اگر کسی کے پاس کوئی یادداشت لکھی ہوئی ہو تو اسے مٹا دے۔[2]

حیرت ہوتی ہے کہ چھپی ہوئی کتابوں میں ان واقعات کے ہوتے ہوئے بھی منکرین حدیث پھر بے دریغ یہ کیسے لکھ دیتے ہیں کہ صحابہؓ کے درمیان حدیث کی کوئی تشریعی حیثیت نہ تھی اور اسی لیے وہ اس کے جلانے اور مٹانے کا حکم دے دیتے تھے۔ حالانکہ

---

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۴۔ [2] دیکھو جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۵۔

www.besturdubooks.net

یہی ایک واقعہ نہیں' عام طور پر سلف سے ثابت ہے کہ وہ صرف کتابت کے مخالف تھے نہ کہ حدیث کے زبانی یاد کرنے کے بھی۔

سلف کے نزدیک کتابت حدیث کی ممانعت کے اسباب ⁕ ابو سعیدؓ سے کسی نے کہا اگر آپ فرمائیں تو ہم آپ کی بیان کردہ حدیثیں لکھ لیا کریں؟ انہوں نے جواب دیا لکھو مت' بلکہ جیسا ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زبانی سن کر یاد کی ہیں تم بھی ہم سے سن کر زبانی یاد کرو۔

ابو بردہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث روایت کیں جب ہم ان کو لکھنے کے لیے اٹھے تو فرمایا اچھا کیا تم جو مجھ سے سنتے ہو اس کو لکھتے بھی ہو؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ کہا وہ سب لاؤ پھر پانی منگا کر ان کو دھوڈالا اور فرمایا جیسے ہم نے زبانی یاد کی تھیں تم بھی ہمارے حوالہ سے زبانی یاد کر کے نقل کرو۔

مسروق نے علقمہ سے کہا کہ مجھے قرآن کی مناسب سورتیں لکھا دیجئے فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ سلف کو لکھنا پسند نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا معلوم تو ہے مگر میرا ارادہ یہ ہے کہ میں یاد کر کے پھر انہیں جلا دوں گا۔

سلف میں اپنی علمی یادداشتوں کو مٹانے کا ایک اور داعیہ ⁕ عبیدہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے وفات کے وقت اپنی سب کتابیں منگائیں اور ان کو مٹا ڈالا جب ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا مجھے اس کا خطرہ ہے کہ کہیں یہ نا اہلوں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں اور وہ اس کی غلط مرادیں بیان کریں۔

اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ علم زبانی چلتا رہا معزز رہا جب کتابوں میں مدون ہو گیا تو نا اہلوں کے پلے پڑ گیا اور اس کا نور جاتا رہا۔

ابراہیم کتابت کی ممانعت کی ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔ ''لکھا مت کرو کیونکہ لکھنے کے بھروسہ پر آدمی یاد کرنا چھوڑ دیتا ہے۔[1]''

ان چند واقعات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ صحابہؓ میں حفظ حدیث کا اہتمام ہمیشہ رہا اور اتنا اہتمام رہا کہ ابتدائی دور میں عام طور پر اس کی کتابت کی اجازت بھی نہیں دی گئی مبادا اس کے حفظ میں کوئی تساہل پیدا ہو جائے اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کتابت کی ممانعت ان کے نزدیک مسئلہ کے طور پر نہ تھی بلکہ وہ صرف ایک وقتی مصلحت بنی تھی ورنہ حضرت عمرؓ کتابت حدیث کے متعلق مشورہ ہی کیوں کرتے' صحابہ کرامؓ کی رائے بالاتفاق کتابت کی طرف کیسے چلی جاتی' خود بہت سے صحابہؓ حدیثیں کیوں لکھتے اور ان سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' عبداللہ بن عمروؓ سے یہ کیسے فرما دیتے۔

''مجھ سے جو سنا کرو سب لکھ لیا کرو'' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ خواہ غصہ کے حال کا کلام ہو یا خوشی کا؟ فرمایا ''ہاں میں دونوں حالتوں میں جو کہتا ہوں حق ہی کہتا ہوں''۔[2]

حافظ ابن عبدالبرؒ حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ قیدوا العلم بالکتاب (علم کو تحریر کر کے مقید کرو) اسی لیے

---

[1] جامع بیان العلم۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۷۱۔

www.besturdubooks.net

حضرت انسؓ اپنی اولاد کو کتابت علم کی وصیت فرمایا کرتے تھے- حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں-

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا' میں علم کو مقید کرلوں؟ فرمایا کرلو- عطاء کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا علم کے مقید کرنے کا کیا مطلب ہے' فرمایا قلم بند کرلینا- یہی وجہ تھی کہ ابوہریرہؓ جیسے مشہور کثیر الحدیث صحابی کہتے ہیں کہ میرے علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذخیرہ مجھ سے زیادہ کسی کو محفوظ نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا-[1]

پس اس قسم کی احادیث و آثار کے ہوتے ہوئے کتابت حدیث کی ممانعت کو ایک مسئلہ بناڈالنا انتہائی ناواقفی ہے- اصل بات یہ تھی کہ عرب کے خداداد حافظہ کے ہوتے ہوئے قرآن کے ساتھ عام طور پر کتابت حدیث کی اجازت دے دینا بالخصوص ان امیوں کو جنہیں ابھی تک کتابت کا پورا سلیقہ بھی حاصل نہیں ہوا تھا یقیناً مناسب نہ تھا جن حضرات کو یہ سلیقہ حاصل تھا ان کو اس وقت بھی اجازت دے دی گئی تھی پھر بعد میں جب کتابت کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی تو عام طور پر بھی اجازت دے دی گئی- جو امور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں وہ ہمیشہ زمانہ کی ضروریات اور حالات کے تابع رہا کرتے ہیں- قرآن ہی کو دیکھئے ایک زمانہ تھا کہ اس میں اعراب اور سورتیں اور رکوع لکھنا بدعت سمجھا جاتا تھا' پھر ایک زمانہ آیا کہ اعراب وغیرہ کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ رہا حتیٰ کہ اب بدعت ہوناتو درکنار اعراب لگانا واجب ہوگیا- پھر ایک زمانہ آیا جب کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا تحت اللفظ ترجمہ بھی علماء میں شورش کا باعث بن گیا- اب ایک زمانہ ہے کہ سب سے اہم ضرورت ترجمہ کی محسوس کی جارہی ہے' بات وہ بھی درست تھی اور یہ بھی درست ہے- حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ کتابت حدیث کے مسئلہ میں شروع میں کچھ رائے کا اختلاف ضرور رہا ہے پھر یہ اختلاف ختم ہوگیا تھا اور علم کی کتابت سب کا متفقہ دستور العمل بن گیا تھا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو آج ہمارے زمانہ میں علم کا نام ونشان بھی نہ ملتا-[2]

خلاصہ یہ کہ تدوین حدیث تحفظ علم کی ایک ارتقائی شکل تھی جس طرح موجودہ صورت قرآن کے جمع وترتیب کی ارتقائی شکل ہے پہلے وہ عموماً سینوں میں محفوظ تھا پھر صحف میں لکھا گیا. پھر صحف سے مصحف بنا' پھر غیر مشکل سے مشکل ہوا' رکوع اور سورتوں کے نشانات قائم کیے گئے' پھر مترجم ہوا' پھر اس کی مختلف تفاسیر اور فہرستیں مرتب ہوئیں اسی طرح حدیث بھی پہلے منتشر طور پر محفوظ رہی- پھر زمانہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہاں بھی ایک ارتقاء نمودار ہوا اور اس کے قلم بند کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی پہلے آثار اور مرفوع حدیثیں یکجا لکھی گئیں- اسی حال پر ایک دور گذرا دوسرا دور آیا تو مرفوع کو آثار سے جدا کرلیا گیا اس کے بعد صحیح وضعیف کے جدا جدا لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی یہ تمام صورتیں فطری ارتقاء کی بنا پر ظاہر ہونا ناگزیر تھیں- ہر ارتقائی حرکت پہلے پہل قابل اعتراض نظر آئی- آخر کار وہی متفقہ دستور العمل بن گئی- اسی بنا پر امام زہریؒ نے بھی حدیث کا جمع کرنا شروع میں پسند نہ کیا اور شکایت کے لہجہ میں کہا کہ ہمیں ان امراء نے مجبور کردیا ہے ورنہ ہم حدیث کی تدوین نہ کرتے مگر کیا آپ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

---

[1] جامع بیان العلم ج ۱ص ۷۱- [2] دیکھو مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۷۱-

www.besturdubooks.net

جیسے خلیفہ عدل کے متعلق یہ گمان کر سکتے ہیں کہ ان کا یہ حکم ایک انچ بھی تعلیمات اسلام کے خلاف ہو سکتا تھا یہ کلمات ناگواری جیسے ہر حرکت ارتقائی کی ابتداء میں منہ سے نکلا کرتے ہیں یہاں بھی نکلے بالآخر یہی محدثین تھے جن کی عمر کا محبوب ترین مشغلہ یہی تدوین حدیث تھا۔ یہاں کسی کے جبر وقہر کا گمان کرنا ایک بدگمانی ہے' یا یہ سمجھنا کہ تدوین حدیث سے حدیث کی تاریخ شروع ہوتی ہے بالکل خلافِ واقع ہے۔ تدوین سے پہلے بھی حدیث محفوظ تھی' فرق صرف یہ پڑا کہ اب حفظ صدور کے ساتھ اوراق میں بھی مدون ہوگئی۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ منکرین حدیث کا یہاں تدوین حدیث کے مسئلہ سے مدد لینا محض ایک مغالطہ ہے۔ اسی طرح کسی کسی صحابی کا عام طور پر روایت حدیث کی ممانعت کرنا یا روایت کرنے والوں سے گواہی طلب کرنا ہرگز اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ ان کے نزدیک اصولی طور پر حدیث حجت نہ تھی بلکہ یہ تمام واقعات اس کا سب سے بڑا ثبوت ہیں کہ ان کے درمیان حدیث کی حیثیت قطعاً تشریعی حیثیت تھی اور اسی لیے وہ اس کا اہتمام مذہب کی طرح کیا کرتے تھے۔ ورنہ تاریخی واقعات کی تدوین کے لیے نہ کبھی ممانعت کی گئی ہے اور نہ تاریخ کے ہر ہر جزء کے لیے کبھی شاہدوں کا مطالبہ کیا گیا ہے' یہ اہتمام صرف مذہب اور شریعت کے لیے کیا گیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ اور علامہ جزائری نے اس پر بہت بسط وشرح سے بحث کی ہے ہم یہاں صرف اس کا ایک ٹکڑا نقل کرنے پر کفایت کرتے ہیں۔

و قد رد علیهم الجمهور بان الرد انما کان لا سباب عارضة و هو لا یقتضی رد جمیع اخبار الا حاد کما ذهب اولئک علی ان الا خبار التی استندوا الیها انما تدل علی مذهب من یشترط فی قبول الخبر التعدد فی رواته و لا تدل علی مذهب من یشترط التواتر فیه.

(توجیه ص ۱۵)

جن چند واقعات سے حدیث کے لیے تواتر شرط کہنے والوں نے استدلال کیا ہے وہ کئی وجہ سے درست نہیں۔ پہلے تو اس لیے کہ اگر کسی صحابی نے کسی حدیث کو کسی عارضی سبب سے تسلیم نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں نکل سکتا کہ اس کے نزدیک خبر واحد قبول نہ کرنا اصولی طور پر بھی مسلم تھا ہو سکتا ہے کہ اصولاً اس کے نزدیک خبر واحد حجت ہو۔ لیکن خاص اس جگہ راوی یا متن کے شرائط میں کوئی شرط موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس نے قبول نہ کیا ہو' یا کسی وقتی مصلحت کی بناء پر اس نے اس حدیث کے لیے گواہ طلب کر لیے ہوں علاوہ ازیں اگر یہ واقعات دلیل بن سکتے ہیں تو اس شخص کی دلیل بن سکتے ہیں جس کے نزدیک خبر واحد کے لیے راوی کا تعدد ضروری ہے نہ کہ اس شخص کے لیے جس کے نزدیک تواتر ضروری ہے۔

اس کے بعد اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ قرآن کی حفاظت کا مفہوم کیا ہے اور کیا یہ تسلیم کر کے کہ احادیث کا تمام ذخیرہ تلف ہوگیا ہے' قرآن کو پوری طرح محفوظ کہا جا سکتا ہے۔ یہاں ابوالحسن بن منتاب اور قاضی ابو اسحٰق کا ایک مکالمہ بہت دلچسپ ہے۔ علامہ شاطبی نقل فرماتے ہیں کہ ابوالحسن بن منتاب نے ایک دن قاضی ابو اسحٰق سے پوچھا آخر اس کا سبب کیا ہے کہ اہل تورات کو تورات کی تحریف پر قدرت حاصل ہوگئی لیکن قرآن کی تحریف پر کسی کو قدرت نہ ہوئی؟ قاضی نے جواب دیا اہل تورات کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

www.besturdubooks.net

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ. (المائدہ:۴۴) اس سبب سے کہ ان پر خدا کی کتاب کی حفاظت کا بوجھ ڈالا گیا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہیں لی بلکہ اس کو خود اہل تورات کے سپرد کر دیا تھا اس کے بالمقابل قرآن کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر:۹) یہ ذکر ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔

یہ فرق ہے کہ قرآن کی تحریف پر کسی کو دسترس حاصل نہیں ہو سکی۔ (الموافقات)

یہی سوال اگر کسی مؤرخ سے کیا جاتا تو وہ بہت سے بہت اس کا سبب عرب کا ماحول اور ان کا ذوق حفظ ہی قرار دیتا۔ لیکن اگر یہ اثرات اس ماحول کے ہوتے تو ان کا دائرہ بھی یقیناً ان حدود ہی میں محدود رہنا چاہیے تھا مگر یہاں جب عجم پر نظر کی جاتی ہے جو نہ قرآن کی زبان سے آشنا نہ اس کے تلفظ پر پورے قادر، نہ قوت حفظ میں کچھ ممتاز تو وہ بھی قرآن کے حفظ میں عرب سے پیچھے نظر نہیں آتے بلکہ اگر انہیں کچھ پیش گام کہہ دیا جائے تو مبالغہ نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ جب اس پر بھی غور کیا جاتا ہے کہ اس غیر معمولی حفاظت کا دائرہ قرآن کے صرف الفاظ تک محدود نہیں رہا بلکہ ان کی طرزِ کتابت اور طرزِ ادا تک پھیلتا چلا گیا ہے اور اس سے بھی گذر کر ان[1] تمام علوم وفنون کو محیط ہو گیا ہے جو اس سلسلہ میں قریب یا بعید طور پر کارآمد تھے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ حفاظت انسانی حفاظت کا نتیجہ نہیں بلکہ ضرور اسی وعدۂ الٰہی کا نتیجہ ہے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جس حفاظت کے حدود اتنے وسیع ہو گئے ہوں قرآن کے معانی اور اس کی ضروری تفصیلات اس کے احاطہ سے باہر نہیں رہ سکتیں۔

یہ بات ہر شخص کو باور کر لینا چاہیے کہ معانی کی حفاظت کو بھی الفاظ کی حفاظت میں بہت بڑا دخل ہے الفاظ اور معانی دونوں کا باہم ایسا علاقہ ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اصولِ فقہ میں جب قرآن کی بحث شروع ہوتی ہے تو علماء لکھتے ہیں کہ

---

[1] علامہ شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں: و هكذا جرى الامر فى جملة الشريعة فقيض الله لكل علم رجالا حفظه على ايديهم۔ (الموافقات ج ۲ ص ۵۹) قرآن کریم کی طرح حفاظت الٰہیہ کا دائرہ تمام شریعت کو محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو علم بھی اس سلسلہ میں کارآمد ہو سکتے تھے سب کے لیے کچھ لوگ ایسے مقرر فرما دیے ہیں جن کے ذریعہ سے اس کی حفاظت ہوتی رہتی ہے۔ لغت قرآن کے لیے اہل لغت الفاظ و اعراب کی تصحیح کے لیے اہل صرف و نحو۔ اسی کے ساتھ ایک ایسی جماعت بھی پیدا فرمائی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بحث کی' ثقہ اور عادل راویوں کے حالات لکھے۔ ان کی ولادت و وفات کے سن مدون کیے تا کہ ایک دوسرے کی ملاقات کا حال صحیح صحیح کھل سکے اور سند کا اتصال روشن ہو جائے اور اس طرح آپ کی صحیح و سقیم احادیث کو ایک ایک کر کے نکھار دیا۔ پھر ایک جماعت ایسی پیدا فرمائی جس نے اغراضِ شارع سے بحث کی اور ان کے مطابق احکام استنباط کیے حتیٰ کہ قرآن وسنت کو دفعات وار ایک مبوب اور مفصل آئین کی شکل پر مرتب کر دیا۔ ان کے علاوہ وہ علماء پیدا فرمائے جنہوں نے مخالفین کے شبہات اور معاندین کے الحاد و زیغ کی تردید کا ذمہ لیا پھر آخر میں لکھتے ہیں۔ و هكذا جرى الامر فى كل علم توقف فهم الشريعة عليه او احتيج فى ايضاحها اليه و هو عين الحفظ الذى تضمنته الادلة الشرعية. (ج ۲ ص ۶۱)

خلاصہ یہ کہ جس جس علم پر شریعت کا سمجھنا موقوف تھا یا اس کی ایضاح وتفصیل میں اس کی ضرورت پیش آ سکتی تھی سب کے لیے ایک ایک قوم پیدا فرما دی اور یہ سب کچھ ٹھیک اسی حفاظت الٰہیہ کا مصداق تھا جن کا تذکرہ قرآنی آیات میں کیا گیا ہے۔

www.besturdubooks.net

قرآن درحقیقت نظم اور معنی کے مجموعہ ہی کا نام ہے یعنی یہ دونوں قرآن کے دو رکن ہیں جس میں معنی کی رکنیت ایک اعتبار سے بہ نسبت لفظ کے اہم تر ہے۔ ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسا ایمان میں تصدیق و اقرار کی۔ اگرچہ ایمان کے یہ دونوں رکن ہیں مگر تصدیق کی رکنیت بہ نسبت اقرار کے زیادہ اہم ہے۔ اسی لیے اکراہ کی حالت میں اقرار کی رکنیت تو ساقط ہو سکتی ہے مگر تصدیق کی رکنیت کسی حالت میں ساقط نہیں ہو سکتی۔ اکراہ و رضا کے دونوں حالتوں میں قلبی تصدیق قائم رہنا ضروری ہے۔

اسی طرح یہاں الفاظ و معانی کا معاملہ ہے' الفاظ بھی قرآن کا ایک رکن ہیں اور معانی بھی لیکن معانی کی رکنیت بہ نسبت الفاظ کے زیادہ اہم ہے اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی حفاظت بھی الفاظ کی حفاظت سے زیادہ اہم ہوتی لیکن ہر کلام کا ڈھانچا چونکہ الفاظ ہی سے تیار ہوتا ہے الفاظ نہ ہوں تو کوئی کلام وجود میں نہیں آ سکتا جیسے انسان میں جسم و جان' جسم موجود نہ رہے تو انسان کو موجود کون کہے۔ الفاظ ہی ان معانی کا لباس ہیں الفاظ ہی سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے اور الفاظ ہی کے لحاظ سے معانی کے حدود پھیلتے اور سمٹتے ہیں۔ اس کے برخلاف معانی صرف مفہومات ہوتے ہیں جن کی ادائیگی کے لیے پھر الفاظ کی ضرورت ہے اور وہ قرآنی الفاظ سے زیادہ خوب صورت میسر نہیں آ سکتے۔ اس اعتبار سے دیکھو تو الفاظ کی حفاظت مقدم ہونی چاہیے۔ اس لیے مقدر یوں ہوا کہ الفاظ کی حفاظت تو بطریق تواتر ہو اور معانی قرآن یعنی اس کی تفصیلات کی حفاظت صرف اس حد تک محدود رہے جو اس کی مراد کو تحریف معنوی کی زد سے بچائے رکھے اور اس طرح ایک طرف الفاظ کا تواتر معانی کو بکھرنے نہ دے' دوسری طرف معانی کی حفاظت الفاظ کی بندش میں معین رہے اور مراد متکلم کے خلاف غیر مقصود احتمالات کا دائرہ پھیلنے نہ دے۔ یہ ہے وہ حفاظت جس کا قرآن میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر قرآن کے صرف الفاظ ہی محفوظ ہوں تو ہر ملحد و زندیق اپنے اغراضِ نفسانی کے مطابق جو معنی چاہے ان میں پہنا دے اور اگر صرف معانی محفوظ ہوں تو ان کے انتشار کے سمیٹنے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ ہی باقی نہ رہے۔ اب الفاظ و معانی دونوں محفوظ ہیں۔ الفاظ کی گرفت سے معانی باہر نہیں جا سکتے اور معانی کے لحاظ سے الفاظ میں ردوبدل نہیں ہو سکتی۔ دونوں کی حفاظت میں فرق ہے تو یہ کہ الفاظ بعینہا محفوظ ہیں اور معانی قدرِ مشترک محفوظ۔ جیسا کہ حاتم کی سخاوت کی حکایات کہ اس کی ہر ہر جزئی حکایت تو متواتر نہیں مگر ان سب میں مشترک طور پر اس کی سخاوت کا مضمون متواتر ہے اسی طرح قرآن کے معنی کی تمام تفصیلات اگرچہ متواتر نہیں مگر ان سب میں پھر ایک مشترک امر متواتر ہوتا ہے' وہی ان مختلف تفصیلات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اگر قرآن کے معنی بھی الفاظ کی طرح کسی ایک صورت میں محدود ہو کر رہ جائیں تو یہ اس کی بلاغت اور بلندی کے شایانِ شان نہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ جس قدر بلند پایہ کلام ہوتا ہے اتنے ہی خوب صورت سے خوبصورت معانی کا حامل ہوتا ہے۔ نظم قرآنی کی بلندی بھی اس کو مقتضی ہے کہ اس میں مختلف معانی پیدا ہوں اور ہر معنی ہدایت کا ایک بہتا ہوا چشمہ ہو' اس کے علاوہ قانونِ یسر بھی یہی چاہتا ہے کہ اختلافِ معانی کی وجہ سے عاملین کو کچھ اور وسعت مل جائے لیکن ان مختلف معانی اور مختلف احتمالات کا معیار اگر صرف لغت دانی اور عقل کو ٹھیرا دیا جاتا تو یسر ہی یسر اور وسعت ہی وسعت رہ جاتی اور ضبط آئین کا جو اصل مقصد تھا وہ سب فناء ہو جاتا۔ اس لیے وسعت کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہوا کہ اس کے حدود مرادِ شارع کے اندر ہی اندر دائر رکھے جائیں یہی

www.besturdubooks.net

وسعت وتنگی کے درمیان کا وہ میدان ہے جسے احادیث نے متعین کر دیا ہے- اب ایک حد تک یہاں آزادی بھی حاصل ہے اور اسی کے ساتھ بالکل مطلق العنانی بھی نہیں-

ان تمام تفصیلات کا ہر ہر جزء اگر چہ متواتر نہیں لیکن اس مجموعہ سے جو حدود تحریف ہیں وہ قدرے مشترک بطریق تواتر ثابت ہو جاتی ہیں مثلاً قرآن کی آیت ''اقیموا الصلوۃ'' ہی کو لیجئے اس کی تمام تفصیلات اگر چہ متواتر نہیں ہیں لیکن ان سے یہ بات بداہۃً ثابت ہو جاتی ہے کہ لفظ صلوٰۃ سے صرف دعاء مراد لے لینا قرآن کی تحریف ہے- اسی طرح اگر آج کوئی شخص نماز کی کوئی نئی ہیئت ایجاد کرنا چاہے اور سجدہ کو رکوع سے مقدم یا رکوع کو قراءت کے درمیان یا دوسجدوں کے درمیان رکوع یا دوسجدوں کے درمیان قراءت یا قیام کے حالت میں سلام تجویز کر دے تو یہ سب تحریف شمار ہوگا- اور یہ تحریف اسی طرح قرآن کی تحریف کہلائے گی جیسا کہ آیت مذکورہ میں لفظ صلوٰۃ کی بجائے لفظ الدعا کی تحریف- پس اگر قرآن کے الفاظ کا تحفظ اس لیے ضروری ہے کہ کتاب اللہ کی صورت محفوظ رہے تو اس کی تفصیلات کی حفاظت اس لیے ضروری ہے کہ ان محفوظ الفاظ کی مرادیں اور ان کے صحیح مصداق بھی محفوظ رہیں-

ذرا انصاف کرنا چاہیے کہ اس کامل دین کی حفاظت کا وعدہ کیا صرف الفاظ کی حفاظت سے پورا ہو سکتا ہے یہ حفاظت تو شاید تورات وانجیل کو بھی حاصل تھی- لیکن کیا محض الفاظ کی حفاظت سے یہودیت ونصرانیت محفوظ رہ گئیں کیا احبار ورہبان نے تحریف معنوی کر کر کے ان کو تباہ وبرباد نہیں کیا- چلئے اگر راجح قول کی بنا پر تسلیم کر لیا جائے کہ اس میں لفظی تحریف بھی ہوگئی ہے تو بھی یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تحریف معنوی کے اثرات لفظی تحریف سے زیادہ مہلک اور تباہ کن ہوتے ہیں- پس قرآن کے صرف الفاظ کو محفوظ کہہ کر دین محمدیؐ کے اصل خط وخال کی حفاظت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے- یہ حفاظت صرف ان احادیث کی بدولت ہے جو اگر چہ انفرادی حیثیت سے خبر آحاد کہلاتی ہیں مگر قدرے مشترک حدود تحریف کو بطریق تواتر متعین کر دیتی ہیں آج بھی بہت سے متلبسین اسلام محرف عقائد قرآن کے الفاظ میں ٹھونسنا چاہتے ہیں مگر قرآن کی معنوی حفاظت کا یہی دوسرا مضبوط بازو ہے جو انہیں کامیاب ہونے نہیں دیتا- بہت سے ہیں جو اپنی زبان سے آیت خاتم النبیین بڑی خوش الحانی سے پڑھتے ہیں پھر اسی آیت سے نبوت کا تاقیامت تسلسل ثابت کرتے ہیں- بہت ہیں جو رسول کو عام انسانوں کی صف میں لاکر ان کے بالکل برابر کھڑا کر دینا چاہتے ہیں اور بہت ہیں جو اس کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں مدغم کر دینا چاہتے ہیں اور سب کے ہاتھوں میں یہی قرآن ہے مگر یہ سب کے سب اس لیے ناکام رہتے ہیں کہ قرآنی حفاظت صرف اس کے الفاظ تک محدود نہیں رہی اس کے معانی کو بھی شامل ہوگئی ہے اس لیے اگر کوئی زبان ایک ہزار بار آیت خاتم النبیین پڑھ کر ایک بار بھی نبوت کا دعویٰ کر دیتی ہے تو وہ امت کے نزدیک منکرین ہی کی فہرست میں شمار ہو جاتی ہے- یہاں اس کے الفاظ کا انکار کرنے والا اور اس کے کسی متفق علیہ معنی کا انکار کرنے والا ایک ہی صف میں سمجھا جاتا ہے-

پس اگر آپ کے نزدیک بھی یہ ضروری ہے کہ قرآن کی حفاظت لفظی اور معنوی دونوں طریقوں پر ہو تو اب صفحات تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ جائیے کہ وہ کون سی جماعت تھی جس نے اس فریضہ کو ادا کیا ہے- ظاہر ہے کہ اگر قرآن کے الفاظ کی حفاظت حفاظ

www.besturdubooks.net

نے کی ہے تو اس کے معانی کے بہتے ہوئے دریا کی نگہداشت محدثین کے سوا کسی نے نہیں کی- اگر محدثین کی یہ حفاظت حفاظت الٰہیہ کا مصداق نہ ہوتی تو ڈاکٹر اسپرنگر اس حفاظت کا محیر العقول نقشہ دیکھ کر حیرت زدہ نہ رہ جاتا-

ابن حزم جیسا وسیع النظر مورخ اور عالم فن اسناد کو اس امت کی خصوصیات میں شمار نہ کرتا لیکن وہ بڑے فخر سے یہ اعلان کرتا ہے کہ دین کی حفاظت کے جو چند طریقے اس امت کو مرحمت ہوئے ان میں سے ایک بھی پہلی کسی امت کو نصیب نہیں ہوا- بقول منکرین حدیث اگر دین کی حفاظت صرف تواتر کی ایک ہی صورت میں منحصر ہو تو پھر تمام دین کی حفاظت کا دعویٰ یا تو صرف ایک بے دلیل خوش عقیدگی بن جائے یا دین کے بہت بڑے حصہ سے دست بردار ہونا پڑے- قرآن کریم اگرچہ متواتر ہے- مگر بہت سے مقامات پر اس کی مراد اور معنی کا تواتر ثابت نہیں ہوسکتا لغت میں اشتراک ثابت ہے پھر حقیقت و مجاز استعارات و کنایات کا ایسا وسیع باب ہے جس پر معتزلہ نے تو اپنے سارے مذہب کی بنیاد ہی رکھ دی ہے- ان کے نزدیک ذات و صفات کی آیات اکثر اسی باب میں داخل ہیں- ان احتمالات کے موجود ہوتے ہوئے ہر جگہ تواتر اور قطعیت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے- اس بنا پر احادیث تو درکنار قرآنی احکام کے بہت بڑے حصہ سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا اور اگر ہٹ دھرمی سے یہی دعویٰ کر دیا جائے کہ اس کی تمام تفصیلات بھی قطعی الثبوت اور متواتر ہیں تو مذہبی دنیا میں موجودہ حالت سے بھی زیادہ انتشار برپا ہو جائے گا- ہر شخص اپنے اندازۂ عقل کے مطابق ایک معنی تراش لے گا اور اس پر اس زعم میں مبتلا رہے گا کہ یہی معنی متواتر اور قطعی ہیں مثلاً منکرین حدیث' اتباع وحی کی تمام آیات کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں حدیث کے انکار کی بہت بڑی دلیل موجود ہے اور قائلین حدیث ان ہی آیات کو اثبات حدیث کی بہت بڑی حجت سمجھتے ہیں- اب سوچئے کہ اگر یہ دونوں معنی متواتر ہوں تو ایک دوسرے سے کہاں تک کشیدگی کی نوبت آ جائے گی- لیکن اگر مسائل ظنیہ بھی قرآن کے ماتحت داخل رہ سکتے ہیں تو پھر کسی فریق کو یقینی طور پر دوسرے کو باطل کہنے کا حق نہیں ہوسکتا- بہت سی آیات کے معانی میں صحابہ کرام کا اختلاف ثابت ہے اس کے باوجود چونکہ قطعیت کا دعویٰ کسی کو نہ تھا اس لیے ان میں مخالفت کا کوئی اثر بھی نہ تھا-

انکارِ حدیث کے نتائج و عواقب ❋ انکارِ حدیث اور حصولِ یقین کے لیے تواتر شرط کرنے کے لازمی نتائج حسب ذیل ہیں-

(۱) قرآن کریم کی معنوی حفاظت اور اسلام کے امتیازی طرق محافظت کا انکار-

(۲) قرآن کی جامعیت کا وہ وسیع مفہوم جو احادیث نبویہ پر نظر رکھنے سے پیدا ہوتا ہے اس سے دستبرداری-

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیش قیمت تشریعی کلمات سے محرومی اور آپؐ کی پر اسرار حالات زندگی سے لا پرواہی-

(۴) آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی اطاعت سے اصولی انکار-

(۵) قرآن کریم میں جہاں بیسیوں جگہ اطاعت رسول کا صریح حکم موجود ہے ان سب کی تاویل بلکہ تحریف-

(۶) جس دور میں عامل بالقرآن امام نہ ہو اس میں ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کے تمام نظام کا تعطل-

(۷) رسول کی ذات میں بلا کسی شرعی ثبوت کے دو حیثیتوں کا اعتقاد پھر ان کے جدا جدا حقوق کی محض اپنے دماغ سے تقسیم-

www.besturdubooks.net

(۸) اسوۂ رسول جو قرآن کی جامعیت کا مفصل نقشہ تھا اس کی قطع و برید اور بقیہ کی ذہنی تشکیل۔

(۹) رسول کی ذات میں جو شرعی اور فطری جاذبیت ہے اس سے علیحدگی اور یکسوئی۔

(۱۰) مذہبی آئین سازی میں عقولِ عامہ کی اصولی دست اندازی۔

حدیث کا انکار تو آسان ہے لیکن اس کے انکار کے جو عواقب ہیں ان کا سنبھالنا ذرا مشکل ہے۔ یہ پہلو دین کی صرف تخریب کا پہلو ہے اس کی تعمیر کا پہلو نہیں۔ منکرین حدیث کو چاہیے کہ پہلے وہ صرف قرآن اور اپنی عقل کی مدد سے دین کا ایک مکمل نقشہ تیار کرلیں اس کے بعد اس مفصل نقشہ سے موازنہ کر کے دیکھیں جو احادیث کی زیر ہدایات مرتب ہو چکا ہے اس وقت ان کو یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ مملکت دین کی وسعت' محکمات و متشابہات کے علاقے' حرام و حلال کے حدود' عقائد و اعمال کی باریکیاں' معیشت و تمدن کے شوشے' نظام و سیاست کی لائنیں کس میں زیادہ نمایاں اور صاف نظر آتی ہیں۔ ہر مشکل کو غیر ضروری کہہ کر ٹال دینا ہر مطلق العنانی کو دین کے یسر میں داخل سمجھ لینا' سلف و خلف کی معروف شاہراہ کو چھوڑ کر نئے راستہ کی بنیاد ڈالنا اپنے خود تراشیدہ خیالات و مذعومات کو حقائق اور حقائق کو خیالات سمجھ لینا دین نہیں بلکہ کوتاہ نظری خود پسندی اور واجب التوقیر ہستیوں کی تحقیر کرنا ہے درحقیقت یہ قدرت کی ایک تعزیر ہے جو انکارِ حدیث کے باعث ملی ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ امت کا جو طبقہ جس قدر صاحب نبوت سے قریب تر ہے اسی قدر مذہبی لحاظ سے صحیح تر ہے اس لیے مذہب کی جھلک جتنی صحیح طور پر ان میں نظر آ سکتی ہے بعد کے دور میں نظر نہیں آ سکتی۔ لہٰذا خالی الذہن ہو کر آپ براہ راست ان کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو بلا کسی غور و فکر کے جو بات آپ کے ذہن میں پیدا ہوگی وہ صرف ایک یہی بات ہوگی کہ ان کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اپنی ۲۳ سالہ حیاتِ طیبہ میں رسالت ہی کی حیثیت سمجھی گئی ہے اور آپ ؐ کو ایک لحہ کے لیے بھی صرف ایک عام امام یا عام امیر کی حیثیت میں نہیں سمجھا گیا' ان کی نظروں میں آپ ؐ پر ایمان لانا' آپ ؐ سے محبت کرنا' آپ ؐ کی اطاعت کرنا اور وہ تمام قربانیاں جو ان کے بس میں تھیں کر گذرنا صرف رسالت ہی کی ایک حیثیت سے متعلق تھا وہ آپ ؐ کی اطاعت اور آپ ؐ کی حکم برداری کے لیے کسی ادنیٰ پس و پیش کے بغیر ہر وقت تیار رہتے تھے اور کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن کے حکم یا آپ کے حکم کی بجا آوری میں سرمو کوئی تفریق کرتے ہوں یا آپ ؐ کا حکم ثابت ہو جانے کے بعد حیات و وفات کی تفریق ان کے ذہنوں میں کبھی گذری ہو۔ ان کے نزدیک آپ ؐ کے احکام اور آپ ؐ کی جو حیثیت تھی وہ ہرگز کسی حاکم کسی امیر اور کسی بادشاہ کے حکم کی سی نہ تھی سلف کی تاریخ کا یہی نقشہ اتنا سچا ہے کہ اس میں مسلمان و کافر دو رائیں نہیں رکھتے۔ رہ گئی سند کی تحقیق' شاہدوں کی تلاش' ہر شخص کو معنی سمجھے ہوئے بغیر حدیث بیان کرنے کی ممانعت تو وہ صرف بنظر احتیاط اور آپ ؐ کی طرف غلط انتساب کے سد باب کے لیے تھی۔ اگر قرآن کی طرح لکھنے' قرآن کی طرح حدیث کو اپنا مشغلہ بنائے رکھنے کی کسی دور بین نے ممانعت کی تو اس نے صرف اس تحریف سے حفاظت کی خاطر کی جو اس کی آنکھوں کے سامنے ابھی تورات و انجیل میں ہو چکی تھی۔ الغرض سند کی تحقیق' شاہدوں کا مطالبہ' کتابت کی ممانعت مگر حفظ کا اہتمام' ہر شخص کو تعلیم کی ممانعت اور ہر قسم کی حدیث کی روایت کی روک تھام' روایت حدیث کے وقت خوف و ہراس' تکثیر روایات سے احتراز وغیرہ وغیرہ۔ یہی صحابہؓ اور حدیث کی تاریخ کا خلاصہ ہے اب چاہے تو اسے آپ حدیث

www.besturdubooks.net

کی مخالفت کا پروگرام کہہ لیجئے یا حدیث کی حفاظت، تعلیم دین کی اہمیت، روایت احادیث میں فہم مخاطبین کی رعایت اپنے احساس ذمہ داری، حدیث میں لاپرواہی سے اجتناب، اور انتہائی تشدد و احتیاط سے تعبیر کیجئے۔

ہر شخص کی زندگی میں کچھ واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جو بظاہر اس کے عام مذاق یا اس کے زمانہ کے عام مذاق کے بھی خلاف ہوسکتے ہیں، ان کی اصل وجہ وقتی مصلحت یا کوئی اور عارضی سبب بھی ہوسکتا ہے، صرف ان واقعات کی بنا پر اس کی ساری زندگی یا اس زمانہ کے سارے مذاق کو بدل دینا اس دور کی تاریخ کو مسخ کرنے کے مرادف ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں مذہبی لٹریچر اوّل تو کوئی دیکھتا نہیں اور اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ بھی مخالف ہی کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ اسلام کے واضح اور کھلے ہوئے حقائق ہر روز نظری مسائل بنتے چلے جاتے ہیں اسلامی ذہنیت بدل لینے کا یہ پہلا نقصان ہے اور ہر نقصان جو اس کے بعد ہے وہ اس سے شدید تر ہے۔

لمثل ہذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان

www.besturdubooks.net

ائمہ اربعہ اور بعض ان مشہور محدثین کے تذکرے جن کی تصنیفات اس مجموعہ کی زمین اور مآخذ ہیں

اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ ان مقتدر ہستیوں کا اجمالی تعارف کرا دیا جائے جن کے خزانوں سے لے کر حدیث کے یہ موتی آپ کے سامنے بکھیرے گئے ہیں۔ اس مرحلے پر یہ کیسے ممکن تھا کہ ائمہ اربعہ کا تذکرہ نہ آتا کہ درحقیقت یہی حضرات ان تمام محدثین اور ان کی مؤلفات گرامی کا اصل سرچشمہ ہیں۔ یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ تذکرے ان شخصیات بارزہ کے صرف تعارف کی حد تک ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات یا ان پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں کہ اس کے لیے بڑی فرصت درکار ہے۔ پھر یہ اس کا محل بھی نہیں۔ ہاں ان مختصر تر تذکروں سے اجمالاً یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن بزرگوں کے حفظ' دیانت وعبادت' عادت واخلاق' عقل وفہم کا حال یہ ہو' ان کی جمع کی ہوئی حدیثوں کے یہ عظیم الشان دفتر کس وزن اور مرتبہ کے ہو سکتے ہیں' چونکہ اصل مقصد حدیث اور حاملین حدیث کی وقعت ذہن نشین کرنا ہے اس لیے ہم نے اپنے نزدیک جو ایک نکھری ہوئی حقیقت تھی اس کو سامنے رکھ دیا ہے' اس سے قطع نظر کہ اس سے پہلے اس باب میں دنیا کے خیالات کیا تھے اور آئندہ اس پر کس انداز کی تنقیدیں ہوں گی۔ ہمارے دل کی گہرائیوں میں اس مؤقر جماعت کی عقیدت ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان کا عقیدت مند بنا دیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تذکرہ نسبتہً بسیط ہو گیا ہے یہ صرف عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت کی بناء پر' کثرتِ متبعین اگر انبیاء علیہم السلام کے لیے وجہ فخر ہو سکتی ہے تو یہ فخر امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حاصل ہے۔ اس کے ساتھ جتنے ائمہ ہدیٰ ہیں وہ سب ہمارے نزدیک آفتاب و ماہتاب ہدایت ہیں۔ ان سب کی محبت سے الحمدللہ کہ ہمارا قلب معمور ہے' اور یہی درخواست اپنے قارئین کرام سے بھی ہے' فقیہانِ ذی شان ہوں یا محدثین والا مقام' علماء ہوں یا فقراء ان کے درمیان فرقِ مراتب کی بحثوں میں پڑنا گروہ بندی کی بنیاد ہے اور اگر حد سے تجاوز ہو جائے تو گمراہی بھی ہے' نہ تو یہ اپنا مشغلہ ہے نہ دوسروں کو اس کی تعلیم دینا ہے' یہی وجہ ہے کہ ان تذکروں میں جرح وقدح کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ ان تذکروں کو بصیرت اور عقیدت کے ساتھ پڑھیے تاکہ اس امت کے بعد والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے پہلے کیسے تھے۔

اولئک ابائی فجئنی بمثلهم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ابوحنیفۃ الامامؒ

ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ

شجرہ نسب ٭ مؤرخ ابن خلکان نے امام اعظمؒ کا شجرہ نسب اس طرح نقل کیا ہے: ''ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ-'' اور زوطی کو زاء کے پیش اور طاء کے زبر اور آخر میں یاء مقصورہ کے ساتھ ضبط کیا ہے-لیکن امام صاحب کے پوتے نے جو شجرۂ نسب اپنے دادا کا خود بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے اسمٰعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان-

علامہ شبلی کا خیال یہ ہے کہ جب زوطی اسلام لائے ہوں گے تو ان کا نام نعمان رکھ دیا گیا ہوگا اس لیے جب اسمٰعیل نے اپنا شجرہ نسب بیان کیا تو اپنے دادا کے اسلامی نام ہی کا ذکر کیا ہے-

صحیح روایات کی بناء پر یہ طے شدہ ہے کہ امام صاحب کے والد ماجد کی ولادت اسلام ہی پر ہوئی ہے-خطیب بغدادی نے جو کچھ اس کے خلاف لکھا ہے وہ محض بے اصل اور ان کے مشہور تعصب پر مبنی ہے- غالباً اسی خیال کی تائید کے لیے انہوں نے حسب ذیل روایت بھی نقل کی ہے-

کان ابو حنیفۃ اسمہ عتیک بن زوطرۃ فسمی نفسہ النعمان و اباہ ثابتا.	ابوحنیفہ کا نام عتیک اور ان کے والد کا زوطرہ تھا پھر انہوں نے اپنا نام نعمان اور اپنے والد کا ثابت بدل دیا تھا-

اس کا راوی ''الساجی'' مختلف فیہ ہونے کے علاوہ مشہور متعصب ہے تاہم اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو غالباً ثابت کو زوطرہ ان کے والد زوطی کی مناسبت سے کہا گیا ہوگا-

ہمارے نزدیک نام و نسب کے فیصلہ کے لیے سب سے زیادہ معتبر شہادت خود اہل خاندان ہی کی ہو سکتی ہے لہٰذا یہاں اسمٰعیل کے بیان کے خلاف جو بیانات بھی ہیں وہ سب مرجوح یا قابل توجیہ ہوں گے- اسمٰعیل یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ ہمارے پردادا ثابت زمانہ طفولیت میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعاء برکت فرمائی تھی اور ہمیں امید ہے کہ ان کی یہ دعاء ہمارے حق میں ضرور قبول ہوئی ہوگی- وہ کہتے ہیں کہ ثابت کے والد نعمان وہی ہیں جو حضرت علیؓ کی خدمت میں ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظمؒ کے خاندان کو حضرت علیؓ سے ہمیشہ خاص تعلق رہا ہے اور اسی بنا پر انہوں نے ثابت اور ان کی اولاد کے لیے خصوصیت سے دعا فرمائی ہوگی- اسمٰعیل یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم فارسی النسل ہیں ہمارے باپ دادے سب آزاد لوگ تھے اس کے بعد قسم کھا کر کہتے ہیں-

و اللہ ما وقع علینا رق قط.	خدا کی قسم ہے غلامی کی ذلت میں ہم کبھی مبتلا نہیں ہوئے-

ان کے اس تاکیدی بیان سے اس غلط شہرت کی تردید ہوتی ہے جو امام صاحب کے دادا کے متعلق پیدا ہوگئی تھی کہ وہ بنی تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے- اسمٰعیل امام اعظمؒ کے پوتے ہیں' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو اپنے دادا کے حالات کی بھی پوری تحقیق نہ ہوگی- اسلامی عہد میں رقیت کی غلط فہمی پیدا ہو جانا وہ بھی عجم کے نسب میں کچھ بعید نہیں ہے اور واقعہ کی حقیقت منکشف ہو

www.besturdubooks.net

جانے کے بعد غلط فہمیوں کے اسباب بیان کرنے کی مفت دردسری اٹھانا بھی غیرضروری ہے۔ ہمارے نزدیک اس افواہ کو شہرت دینے میں بہت بڑا دخل اس خلش کو بھی ہے جو امام اعظمؒ سے رقابت کے سلسلہ میں بعض علماء کو پیدا ہو گئی تھی۔ علامہ کوثری نے مشکل الآثار کی ایک روایت کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کو مولیٰ حلیف کے معنی میں کہا گیا تھا۔ اگر بالفرض تاریخ سے صحیح طور پر آپ کا اولاد موالی ہونا ثابت ہو جاتا تو اسلامی نقطہ نظر سے یہ اتنا بڑا عیب بھی نہ تھا جس کی مدافعت کرنا ہمارے لیے ضروری ہوتا لیکن افسوس یہ ہے کہ عصبیت کی آنکھ جب خشم آلود ہو جاتی ہے تو وہ کوئی ہنر اپنے حریف میں دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

مولد و مدفن ٭ آپ کی پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی ہے۔ علمی پایہ کے لحاظ سے کوفہ ہمیشہ ممتاز شہر رہا ہے علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں اس کی مختصر تاریخ لکھی ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی کے ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا تھا' اس کے اردگرد فصحاء عرب بسائے گئے اور ان کے تعلیمی نظم و نسق کے لیے سرکاری طور پر حضرت ابن مسعودؓ کو بھیجا گیا۔ ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو یہ لکھا تھا کہ ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں خود بھی ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لیے ان کو بھیج رہا ہوں' انہوں نے یہاں بیٹھ کر عہد عثمانؓ کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی تعلیم دی۔ ان کی تعلیمی جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نوآباد شہر میں چار ہزار علماء محدثین پیدا ہو گئے۔ حتیٰ کے جب حضرت علیؓ کوفہ میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے۔ ''اللہ تعالیٰ ابن مسعودؓ کا بھلا کرے انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا۔'' کوفہ بحالت موجودہ ہی کیا کم تھا کہ اس مدینۃ العلم کی آمد نے اسے اور چار چاند لگا دیئے۔ ایک سعید بن جبیرؒ تنہا یہاں ابن عباسؓ کے علوم کا ایسا نسخہ موجود تھے کہ جب کوفہ والے ان کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیرؒ موجود نہ تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔

شعبیؒ کے علم کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابن عمرؓ جب ان کو مغازی پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے میں ان غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہ چکا ہوں مگر ان کی یادداشت ان کو مجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک ان کے سب مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ابو سعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کا زمانہ پایا ہے ابو عمران نے ان کو اپنے زمانہ کے تمام علماء سے افضل کہا ہے۔ ۹۵ھ میں جب ان کی وفات ہوئی تو ابو عمران نے ایک شخص سے کہا آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ شخص کو دفن کر دیا' اس نے کہا کیا حسن بصریؒ سے بھی زیادہ انہوں نے کہا ایک حسن بصریؒ سے نہیں بلکہ تمام اہل بصرہ' اہل کوفہ' اہل شام اور اہل حجاز سے بھی۔

شعبیؒ کہا کرتے تھے کہ ابراہیم فقہ کے گہوارہ میں تو پیدا ہی ہوئے تھے اس کے بعد وہ ہمارے پاس آئے اور ہماری وہ حدیثیں جو بے غبار تھیں اپنی فقہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

مسروق جو کبار تابعین میں ہیں فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا۔ علی' عبداللہ بن مسعود' عمر' زید بن ثابت' ابو الدرداء' اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا

www.besturdubooks.net

خلاصہ پہلے دو شخصوں میں پایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جو زبان رسالت سے اعلم بالحلال والحرام کا تمغہ حاصل کر چکے تھے اپنے خاص شاگرد عمرو بن میمون کو حکم دیا تھا کہ تحصیل علم کے لیے تم حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کوفہ جاؤ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مصر میں آنے والے صحابہ کی تعداد محمد بن ربیع جیزی اور سیوطی تین سو سے زیادہ پیش نہیں کر سکے۔ اس کے بالمقابل صرف ایک کوفہ میں عجلی پندرہ سو صحابہ کا قیام لکھ رہے ہیں جن میں ستر صحابہؓ بدری تھے' عراق کے بقیہ شہروں میں بسنے والے صحابہ کا ابھی ذکر نہیں ہے۔ (اور یہ تعداد بھی کم ہے ورنہ جو مقام مرکزی چھاؤنی بنا دیا گیا ہو معلوم نہیں کہ وہاں کتنے اور صحابہ کا گذر رہا ہوگا) رامہرمزی اپنی کتاب ''الفاصل'' میں قابوس سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہؒ کے پاس جایا کرتے ہیں۔ یہ ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے۔ فرمایا اے جانِ پدر! بات یہ ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو خود ان کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لیے آتا دیکھتا ہوں۔ شریح جو یہاں کے قاضی تھے ان کے حق میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ہے ''اے شریح اٹھو اور فیصلہ کرو کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو'' ان کے علاوہ تینتیس اشخاص یہاں اور بھی ایسے موجود تھے جو صحابہ کی موجودگی میں ارباب فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔

اس دور کے بعد دوسرا دور ان حضرات کے تلامذہ کا شروع ہوتا ہے ان کا عدد بھی ہزاروں سے متجاوز تھا امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لیے ایک عبدالرحمٰن بن الاشعث کے ساتھ جو جماعت نکلی تھی اس میں چار ہزار کی تعداد صرف قراء تابعین کی تھی۔ رامہرمزی انس بن سیرین سے نقل کرتے ہیں جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود تھے[1] نیز عفان بن مسلم سے ناقل ہیں کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو ہم نے وہاں صرف چار ماہ اقامت کی۔ حدیث کا وہاں یہ چرچا تھا کہ اگر ہم ایک لاکھ حدیث لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیث ہی پر اکتفاء کیا اور صرف وہی حدیثیں جمع کیں جو جمہور کے نزدیک مسلم تھیں انتہی۔ اسی لیے مسلم ائمہ وحفاظ کو بھی طلب حدیث کے لیے کوفہ کا سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اگر آج بھی آپ رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ حتیٰ کہ خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں حدیث حاصل کرنے کے لیے کتنی بار کوفہ گیا ہوں۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو اگر مہبط وحی ہونے کا فخر حاصل تھا تو کوفہ کو ہزاروں صحابہؓ کے مرجع و مسکن ہونے کا بجا فخر حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کو دیگر بلادِ اسلامیہ کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کرنا پڑا ہے۔ یہاں تک کہ امام

---

[1] یہ عفان بن مسلمؒ امام احمدؒ اور بخاریؒ وغیرہ کے شیخ ہیں۔ علی بن مدینی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر حدیث کے کسی حرف میں ان کو ذرا شبہ پڑ جاتا تو اسے سرے سے ترک کر دیا کرتے تھے۔ (تقریب) اب اندازہ فرمائیے کہ جب اس سخت شرط کے ساتھ پچاس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ان کو کوفہ میں مل سکتا ہے تو اب حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا مرتبہ کیا ہوگا۔

[2] مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۴۔

www.besturdubooks.net

ترمذی نے فقہ کا کوئی باب کم چھوڑا ہے جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو۔

یہ ہے امام ابوحنیفہؒ کا مولد اور ان کا علمی گہوارہ جس کے آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کی گئی ہو وہ سرمو بھی کتاب و سنت سے تجاوز کر سکتی ہے۔

حلیہ و اخلاق ✽ خطیب بغدادی ابونعیم سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ خوش رو، خوش لباس، خوشبو پسند کرنے والے، خوش مجلس، نہایت کریم النفس، اور اپنے رفقاء کے بڑے ہمدرد تھے۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز، گفتگو نہایت شیریں، آواز بڑی دلکش اور بڑے قادر الکلام تھے۔ عمرؒ امام اعظمؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کسی قدر دراز قامت تھے۔ آپ کے رنگ پر گندم گونی غالب تھی، اچھا لباس پہنتے عام طور پر اچھی حالت میں رہتے۔ خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا۔[1]

آپ ریشم کی تجارت کرتے تھے، قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب مشائخ اور محدثین سے ایک رقم لے کر ان کے لیے بغداد سے سامان خریدتے اور کوفہ لا کر اسے فروخت کر دیتے اور سال بہ سال اس کا نفع اپنے پاس جمع رکھتے اور اس نفع سے محدثین کے خورد و نوش، لباس وغیرہ کی ضروریات مہیا کرتے اس سے جو بچ رہتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے اور کہتے کہ اسے اپنی دیگر ضروریات میں صرف کر لو اور خدا کا شکر ادا کرو، میرے شکر کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے یہ مال اپنے پاس سے تو تم کو دیا نہیں تمہارے ہی مال کا نفع ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے اس کا ذریعہ مجھے بنا دیا ہے۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ اہل مجلس میں سے ایک شخص پر امام صاحب نے خستہ لباس دیکھا اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ جب محفل برخاست ہوگئی اور یہ تنہا رہ گیا تو فرمایا مصلّٰی اٹھا کر جو اس کے نیچے تم کو ملے وہ لے لو۔ اس نے جانماز اٹھائی تو نیچے ہزار درہم تھے، آپ نے فرمایا یہ لے لو اور اپنا لباس درست کر لو۔ وہ بولا میں خود صاحب وسعت ہوں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، فرمایا تو پھر اپنا حال ایسا بناؤ کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے بھائی کو غم نہ ہو کیا یہ حدیث تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے نعمت و کرم کے آثار دیکھنا پسند کرتا ہے۔

جعفر بن عون بیان کرتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے ایک ریشمین کپڑا آپ سے مانگا آپ نے ایک کپڑا اس کے لیے نکالا تو وہ بولی میں بڑھیا عورت ہوں اور یہ معاملہ امانت کا ہے، مناسب ہے کہ آپ کو جتنے میں پڑا ہے اسی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کر دیجئے فرمایا چار درہم دے دے۔ اس نے کہا بڑھیا کا مذاق نہ بنایئے اور ٹھیک ٹھیک قیمت بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ایک ہی کپڑے سے چار درہم کم میری پوری قیمت وصول ہوگئی تھی۔ اب یہ کپڑا مجھے چار ہی درہم میں بچ رہا ہے۔[2]

ابن مبارک نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا۔ ابوحنیفہؒ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے ہیں حتی کہ اپنے دشمن کی غیبت بھی نہیں

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۳۰، ۳۳۱۔ [2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۱، ۳۶۲۔

www.besturdubooks.net

کرتے- سفیانؒ نے جواب دیا ابوحنیفہؒ اس سے بالاتر ہیں کہ اپنی نیکیوں پر اپنے دشمن کو مسلط کریں- (کہ وہ قیامت کے دن اپنی غیبت کے بدلہ میں ان کی نیکیاں لے لے)[1]

اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں- مفصل تذکروں میں دیکھے جاسکتے ہیں ان چند واقعات میں امام صاحب کی صرف ہمدردی اور مساوات قابل غور نہیں ہے- دنیا میں سخی اور کریم اور بھی گذرے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہاں آپ نے صرف ہمدردی نہیں کی بلکہ بے منت ہمدردی کرنے کے اصول بھی بتلا دیئے- ہمدردی کا اخفاء' محتاج کی حاجت روائی کرنا پھر اس کو سبک روح رکھنا اور ایسے طریقے نکال لینا جن سے اپنے نفس کو محسن اور محتاج کو ندامت کا خطرہ بھی نہ گذر سکے- سردست اس کی حاجت رفع ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس کو سوال کی عادتِ بد بھی نہ پڑنے پائے- یہ ایک قیمتی سبق ہے جو ان چند واقعات سے ہم کو ملتا ہے-

طبقہ امام اعظمؒ ٭ ابن خلکان لکھتا ہے کہ امام صاحبؒ نے چار صحابہؓ کو پایا ہے- انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ کو کوفہ میں سہل بن سعد الساعدی کو مدینہ منورہ میں اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ کو مکہ مکرمہ میں- حافظ ذہبی خود امام صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالکؓ صحابیؓ کو بار ہا دیکھا ہے- حافظ ابن حجرؒ ان کے ساتھ اور بہت سے دیگر حفاظِ حدیث نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت تسلیم کی ہے- خلاف جو کچھ ہے وہ روایت کے ثبوت وعدم ثبوت میں ہے' ہمارے نزدیک ایک ایسے شخص کے متعلق جو صحابہؓ ہی کے عہد میں پیدا ہوا ہو رؤیت تو درکنار روایت کا دعویٰ بھی بعید نہیں بلکہ بہت ہی قرین قیاس تھا لیکن کیا کیا جائے جن پر امام صاحب کا اولادِ احرار ہونا بھی شاق ہو ان پر آپ کا طبقہ تابعین میں شمار ہونا کیوں شاق نہ ہوتا' اس لیے یہ بھی ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن کر رہ گیا ہے- متوسط قول یہ ہے کہ رویت سے تو انکار نہ کیا جائے اور روایت کا قطعی طور پر دعویٰ نہ کیا جائے- اس کے سوا جو کچھ ہے وہ افراط وتفریط کا میدان ہے-

تحصیل علم ٭ زفر بن ھذیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظمؒ سے سنا ہے کہ مجھے علم کلام کا پہلے اتنا شوق تھا کہ میں اس علم میں شہرۂ آفاق ہو گیا تھا- حماد بن ابی سلیمان[2] کا حلقۂ درس میرے قریب تھا- ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پاس ایک عورت

---

1. خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۳-

2. حماد ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ میں تھے- تاریخ اصبہان میں ابوالشیخ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا- زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی ادھر سے ان کے والد کہیں گھوڑے پر سوار آرہے تھے یہ صورت دیکھ کر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور زنبیل لے کر ہاتھ سے پھینک دی- جب ابراہیم نخعی کی وفات ہوگئی تو حدیث کے طلبہ ان کے والد (مسلم بن یزید) کے دروازہ پر آئے اور دستک دی' یہ چراغ لے کر باہر نکلے تو انہوں نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں- آپ کے فرزند حماد کی ضرورت ہے یہ خفیف ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا جاؤ بھی باہر جاؤ' اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کی بدولت ہی نصیب ہوا ہے- ابن عدی نے ''الکامل'' میں نقل کیا ہے کہ حماد فرماتے تھے میں قتادہ' طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں- جب ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مسائل کا حل کس سے کیا کریں تو انہوں نے حماد ہی کا نام لیا تھا- (مقدمہ زیلعی)

www.besturdubooks.net

آئی اور اس نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا ایک شخص کی بی بی باندی ہے وہ سنت کے موافق اسے طلاق دینا چاہتا ہے کتنی طلاقیں دے؟ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کیا جواب دوں- میں نے کہا حماد سے پوچھ اور واپس آ کر مجھے بھی بتا- وہ حماد کے پاس گئی' انہوں نے فرمایا جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو جماع کرنے سے پہلے اسے صرف ایک طلاق دینا چاہیے- جب دو حیض اور گذر جائیں تو پھر وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے- اس نے واپس آ کر مجھ سے ان کا جواب نقل کیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ علم کلام بھلا کس کام کی چیز ہے اور اپنے جوتے اٹھا حماد کی خدمت میں حاضر ہو گیا وہ مسائل بیان کرتے' میں ان کو سنتا اور یاد رکھتا- جب دوسرے دن وہ تشریف لاتے پھر ان کا اعادہ فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ میں نے ان مسائل کو صحیح ضبط کیا ہے اور ان کے دوسرے شاگردوں نے غلطیاں کی ہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر مقام پر ابوحنیفہؒ کے سوا اور کوئی شخص نہ بیٹھے- دس سال مسلسل بلکہ ان کی وفات تک میں ان کے ساتھ رہا- حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے تھے جب واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ اس اثناء میں آپ کو زیادہ یاد کس کی رہی- میرا خیال تھا وہ یہی فرمائیں گے تیری لیکن انہوں نے ابوحنیفہؒ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابوحنیفہؒ سے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا-[1]

روایت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ علم کلام میں صرف ہوا ہے اور زمانہ تلمذ سے ہی آپ کی کنیت ابوحنیفہؒ تھی یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ یہ کنیت امام صاحب نے خود اختیار کی تھی یا دوسروں نے آپ کی یہ کنیت مقرر کی تھی- اسی روایت سے امام صاحب کے صحت ذوق' سلامتی فطرت اور قوتِ حفظ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے- آپ کے صرف درسِ حدیث کے صدر نشین نہ ہونے سے یہ خیال قائم کر لینا کہ آپ کا حفظ کمزور تھا بہت سطحی نظر ہے-

مآخذ علم ✵ خطیب بغدادی روایت کرتا ہے کہ امیر المؤمنین ابوجعفر نے امام صاحبؒ سے پوچھا آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا عمر بن الخطاب' علی بن ابی طالب' عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے شاگردوں کا- فرمایا' آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا' یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس ہستیاں تھیں- حضرت عمرؓ کی شان تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ میرے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے- حضرت علیؓ تو وہ ہیں جن کو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے قاضی بنا کر بھیجا تھا- رہ گئے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی امت میں ضرب المثل ہو چکی ہے اب سوچئے کہ جو علم اتنے جامع اور مضبوط مآخذ سے حاصل کیا گیا ہو گا وہ کتنا عمیق اور کتنا مستحکم ہو سکتا ہے- نفسیاتی طریق پر بھی مسائل حنفیہ کا مرجع یہی اصحاب ہونے چاہئیں کہ کوفہ جو امام اعظمؒ کا مسکن تھا- حضرت عمرؓ ہی کا بسایا اور آباد کیا ہوا تھا پھر جو صحابیؓ اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیے گئے وہ ابن مسعودؓ ہی تھے- حضرت علیؓ کا تو کوفہ دار الخلافت ہی رہ چکا تھا اس لیے اہل کوفہ کے لیے ان اصحاب میں علمی کشش کے علاوہ ایک فطری کشش بھی موجود

---

[1] تاریخ خطیب ج ۱۳ ص ۳۳۳, ۳۳۴-

www.besturdubooks.net

تھی- کسی مجتہد کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ اس کے استفادہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر ہر جزئی میں ایک مقلد کی طرح اتباع کرتا ہوگا انتہا درجہ کی ناواقفی ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ان کے زیرِ تربیت رہ کر اس کا جو علمی مذاق اور اندازِ طبیعت قائم ہو چکا تھا' وہ ان حضرات ہی سے ملتا جلتا تھا- اس کے اصولِ استنباط' اصولِ فکر' مصالح و مضار پر غور و خوض کا زاویہ نظر سب ان ہی سے متحد تھا- اس لیے دونوں کے مجتہدات اور مسائل میں ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پیدا ہو جانا بھی ضروری امر تھا-

اصول وعقائد ✸ یحیٰی بن ضریس کہتے ہیں میں سفیانؒ کے پاس حاضر تھا ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحب پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا اعتراض کیا ہوتا میں نے تو خود انہیں یہ فرماتے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں اگر کوئی مسئلہ اس میں نہیں ملتا تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتا ہوں- اگر کتاب اللہ اور حدیث رسول دونوں میں نہیں ملتا تو پھر میں آپ کے صحابہؓ کے اقوال تلاش کرتا ہوں اور ان میں جو زیادہ پسند آتا ہے اسے اختیار کر لیتا ہوں مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا ہاں جب تابعین کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کا اتباع کرنا لازم نہیں سمجھتا جیسا انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کر لیتا ہوں-[۱]

ابو یوسف روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا خراسان میں دو قسم کے لوگ سب سے بدتر ہیں- جہمیہ اور مشبہہ- ابو یوسفؒ سے دوسری جگہ اس طرح منقول ہے کہ امام صاحب جہم بن صفوان کی مذمت کیا کرتے تھے اور اس کی باتوں پر نکتہ چینی فرماتے تھے- عبدالرحمٰن حمانی کہتے ہیں- میں نے ابو حنیفہؒ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جہم بن صفوان کافر ہے[۱] یحیٰی بن نصر کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ شیخین کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے تھے ختنین سے محبت رکھتے تھے' تقدیر کے قائل تھے اور اس میں کوئی مین میخ نہیں نکالتے تھے' مسح علی الخفین کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اور متقی عالم تھے-[۲] ابو سلیمان جوزجانی اور معلی بن منصور رازی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں کسی نے قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا ہاں بشر مریسی اور ابن ابی داؤد نے اس مسئلہ میں بحث شروع کی اور انہوں ہی نے امام صاحبؒ کے تلامذہ کو بدنام کیا-[۳]

محدثین کی نظروں میں امام اعظمؒ کی ثقاہت ✸ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے شافعیؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے' ابو حنیفہؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے زمانہ کے امام تھے-[۴] امام احمدؒ جب کبھی امام ابو حنیفہؒ کے کوڑے کھانے اور قضاء قبول نہ کرنے کا واقعہ ذکر فرماتے تو رو پڑتے تھے اور امام صاحب کے لیے دعاء رحمت فرماتے-[۵]

حسن بن علی حلوانی شبابہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کے بارے میں شعبہ اچھا خیال رکھتے تھے علی بن مدینی کہتے ہیں کہ امام صاحب سے ثوری' ابن مبارک' حماد بن زید' ہشیم' وکیع' عباد' جعفر بن عون جیسے اجلہ محدثین نے روایت کی ہے وہ ثقہ ہیں

---

۱ خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۸- ۱ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۶- ۲ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۷- ۳ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۸-
۴ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳- ۵ تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴-

www.besturdubooks.net

ان کی روایت میں کوئی سقم نہیں- یحیٰی بن معین سے پوچھا گیا اے ابوزکریا (ان کی کنیت ہے) کیا ابوحنیفہؒ حدیث کے بارے میں سچے شمار ہوتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہایت سچے اور بالکل صحیح روایت کرنے والے تھے- ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا' کیا ابوحنیفہ کبھی خلافِ واقع بھی حدیث روایت کرتے تھے؟ فرمایا محدثین' ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے حق میں بڑی زیادتی کرتے ہیں- ان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی-[1]

خطیب' یحیٰی بن معین سے نقل کرتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہنی چاہیے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے- ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو دوبار فرمایا ثقہ ہیں' ثقہ ہیں- ایک مرتبہ یہ کہا کہ حدیث وفقہ میں ثقہ اور سچے ہیں اور خدا کے دین کے بارے میں بھروسہ کرنے کے قابل ہیں-[2] خارجہ بن مصعب اور ابووہب عابد کہتے ہیں کہ جو شخص مسح علی الخفین کا قائل نہ ہو یا ابوحنیفہؒ پر نکتہ چینی کرے وہ بلاشبہ ناقص العقل ہے-[3] حافظ ابن حجر شافعی نے امام صاحب کے مناقب نقل کر کے یحیٰی بن معین سے اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں کی اور آخر تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کے مناقب بہت ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور جنت فردوس میں ان کو جگہ دے- ذہبی نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے-

فقہ حنفی کا امتیاز ❋ اس عنوان پر علامہ کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں ایک مختصر مقالہ سپرد قلم کیا ہے' ہم یہاں اس کا اختصار ہدیہ ناظرین کرتے ہیں-

فقہ حنفی صرف ایک شخصی رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے- امام طحاویؒ اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں ممتاز ہستیاں یہ تھیں- ابویوسف' زفر بن الہذیل' داؤد الطائی' اسد بن عمرو' یوسف بن خالد السمتی (یہ امام شافعیؒ کے شیوخ میں ہیں) یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدۃ- خطیب نے امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے- عافیہ ازدی' قاسم بن معن' علی بن مہر' حبان' مندل-

اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف مختلف جوابات پیش کیے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا- اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا- صمیری بیان فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ مسائل میں بحث وتمحیص کرتے اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے' ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تو امام صاحبؒ فرماتے اب اس کو لکھ لو- جب تک مسئلہ تحقیق وتفتیش کے یہ مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع کرتے- یحیٰی بن معین ''التاریخ والعلل'' میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک دن امام ابو یوسفؒ سے فرمایا اے یعقوب جو کچھ مجھ سے سنا کرو اسے فوراً ہی نہ لکھ لیا کرو کیونکہ کبھی ایک مسئلہ کے متعلق میری رائے آج کچھ

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹- [2] خطیب ج ۱۳ ص ۴۱۹ و ۴۲۰- [3] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۶۴ و ۳۶۸-

www.besturdubooks.net

ہوتی ہے اور کل کچھ ہو جاتی ہے- اس روایت سے موفق مکی کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک شورائی مسلک ہے- اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ پر اپنے مسائل تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کی پوری آزادی دی کہ وہ بہت خوشی سے اپنی اپنی رائیں پیش کریں پھر اس پر خوب جرح وقدح ہو اس کے بعد اگر سمجھ میں آ جائے تو اس کو قبول کر لیں-

مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی مجلس شوریٰ نقلی وعقلی ہر دو لحاظ سے بہت مکمل مجلس تھی- اس میں اگر حفاظ ومحدثین' عربیت وتفسیر کے جاننے والے شامل تھے تو زفر بن ہذیل جیسے میزان عقل پر تولنے والے بھی موجود تھے- ان ہی اہل علم وفہم علماء کے تبادلہ خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو اتنا صاف ہو جاتا تھا اس کے مصالح ومضار سب اس طرح سامنے آ جاتے تھے کہ زمانہ کی ہر ضرورت کی اس میں پوری پوری رعایت ہو جاتی تھی-

خطیب امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے وکیع سے کہا ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے- وکیع نے فرمایا ابو حنیفہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ان کے ساتھ ابو یوسفؒ وزفرؒ جیسے قیاس کے ماہر' یحییٰ بن ابی زائدہ' حفص بن غیاث' حبان ومندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت وعربیت کے جاننے والے- داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد ومتقی شامل ہوں- اگر وہ غلطی کھائیں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے- دراصل فقہ حنفی کی عام مقبولیت کا منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا مگر اس کا یہی کمال محدثین کی نظروں میں موجب نقصان بن گیا تھا- ظاہر ہے کہ عام محدثین کا طور فکر بالکل اس سے جداگانہ تھا- وہ اس تمام غور وخوض کو رائے کی مداخلت تصور کرتے تھے اور وہ اس میں بڑی حد تک معذور بھی تھے' کیونکہ آئین شریعت کی اس طرح ترتیب وتشکیل کا امت میں یہ پہلا قدم تھا اسے اوپری نظروں سے دیکھا جانا چاہیے تھا- یہ دوسری بات ہے کہ پھر شدہ شدہ دوسرے اماموں کو بھی اسی ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی حتیٰ کہ کوئی امام ایسا نہیں رہا جس کی فقہ بالآخر اسی مرتب شکل پر نہ آ گئی ہو مگر ''البادی اظلم'' کے قاعدہ کے موافق اصحاب الرائی[1] کا اوّلین مخاطب صرف حنفیہ رہ گئے-

یہ مسئلہ بہت اہم اور طویل الذیل ہے کہ فقہ حنفی کے امتیازی اصول کیا کیا ہیں اور کیا ان کو مداخلت رائے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے- ان تمام کا استقصاء اس مختصر تذکرہ میں نہیں کیا جا سکتا- مثال کے طور پر یہاں ہم صرف ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد آپ فقہ حنفی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے اور اس کے بعد یہ یقین کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ محدثین کی فقہ حنفی سے برہمی اور حنفیہ کی معذوری دونوں اپنی اپنی جگہ بجا ہیں' امام شاطبیؒ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر طعن کرنا اس لیے جائز سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک آپ نے بہت سی صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا- حالانکہ امام

---

[1] ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن جو امام مالکؒ کے استاد ہیں اپنی اسی خدمت کی وجہ سے ربیعۃ الرائی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے عبدالعزیز بن ابی سلمۃ کہتے تھے اے اہل عراق تم تو ربیعۃ الرائی کہتے ہو اور خدا کی قسم ہے میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا- ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے مگر اس کے باوجود ان کی طرف رائے کی نسبت اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ ان کا لقب ہی ربیعۃ الرائی پڑ گیا تھا-

www.besturdubooks.net

صاحب کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے' اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتیں تو ان پر عمل کر لیتے ورنہ انہیں شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے۔[1]''

انصاف کیجئے کہ ایک آئینی نظر کے لیے آئین سازی کا یہ کتنا صحیح راستہ تھا مگر جن مزاجوں میں معیارِ صحت صرف اسناد ٹھیر گیا ہو وہ اس کا نام صحیح احادیث کا ترک رکھ لیتے تھے۔ اس کی بہت مشہور مثال حدیث مصراۃ ہے حنفیہ پر اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ لے دے کی گئی اور یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے محض اپنی رائے سے اس حدیث کو ترک کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حنفیہ نے تاوان کے وسیع باب میں' اس قسم کا تاوان کہیں نہ دیکھا اور اس لیے یہاں بھی اس باب کے عام ضابطہ ہی پر عمل کر لیا تو کچھ بے جا بھی نہیں کیا۔ بقول حافظ ابو عمرو کون ایسا ہے جس نے ہر باب کی ہر حدیث کو من وعن تسلیم کیا ہو' اپنے استقراء و اجتہاد کے بعد جب ایک حدیث کو مختار و معمول بہ بنا لیا گیا ہے تو اس کی مخالف حدیث میں سب نے تاویل و توجیہ جائز قرار دی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا۔ جب کسی بات میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو پھر انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو عموماً قابل تاویل سمجھا ہے۔ مثلاً انسانی حاجت کے لیے بیٹھنے کا ایک آئین یہ ہے کہ قبلہ کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب نہ رکھنا چاہیے۔ اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول اور معقول ہر طریق پر جانچا تو لا جب ان کے نزدیک ادب و احترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا تو حضرت ابن عمرؓ کے صرف ایک جزئی واقعہ کی بنا پر کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کے لیے قبلہ کی جانب پشت کیے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا۔ اس ضابطہ کلیہ کی تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ ہی کی کوئی توجیہ کر لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

دوسری مثال نماز میں بات کرنے کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر احادیث سے نماز میں بات کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہاں کسی استثناء کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں ملتا صرف ایک ذوالیدین کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں کسی کو سہواً اور کسی کو عمداً کچھ بات چیت کرنے کی نوبت آ گئی تھی اس کے باوجود ان کی نمازوں کو فاسد نہیں سمجھا گیا۔ دیگر ائمہ نے اس ایک جزئی واقعہ کی وجہ سے اصل قاعدہ ہی کی تخصیص و توجیہ شروع کر دی ہے حنفیہ نے یہاں بھی قاعدہ میں کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس کو بدستور اپنے عموم پر قائم رکھا ہے اور اس ایک واقعہ ہی کی کوئی توجیہ یا تاویل کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں حنفیہ نے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں جزئیات ہی کی تاویل کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ ضابطہ ہمیشہ ایک رہتا ہے اور جزئیات منتشر' اس لیے تاویل کرنے والوں کی صف میں زیادہ پیش پیش حنفیہ ہی نظر آنے لگے اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کا نام ترکِ حدیث رکھ لیجئے یا عمل بالحدیث رکھئے۔ اسی قسم کے امتیازات ہیں جن کی بنا پر ہر دور میں امت کا نصف حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے اور اسی اصولی نظر کی وجہ سے حنفی فقہ میں اتنی لچک ہے کہ اتنی دوسری فقہ میں نہیں اگر علماء انسانوں کی

---

[1] الموافقات ج ۳ ص ۲۴۔

www.besturdubooks.net

ضرورت اور دین حنیف کی سہولت دونوں کو پیش نظر رکھتے تو ان کو حنفی کتاب الحیل پر اتنا غصہ نہ آتا اور نہ وہ حنفیہ کو محض رائے کا مقلد قرار دیتے۔

امام اعظمؒ کا علمی پایہ ٭ شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وکیع فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو۔ نضر بن شمیل کہتے ہیں لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے' ابو حنیفہؒ نے آکر انہیں بیدار کیا ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے' واقعی بات یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لیے ان کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لیے ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ فتوے میں یحییٰ بن سعید کوفیوں کا قول اختیار کیا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو اسے لازم ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابو حنیفہؒ ہی کی ہے۔ جعفر بن ربیع کہتے ہیں میں پانچ سال ابو حنیفہؒ کی خدمت میں رہا' ان جیسا خاموش انسان میں نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس وقت کھل جاتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے تھے۔ عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے لیے دعا کیا کریں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور مسائل فقہ جمع کر کے رکھ دیئے ہیں۔ روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں امام صاحبؒ کی وفات کی خبر پہنچی۔ انہوں نے فوراً انا للہ کہا اور فرمایا افسوس کیسا عجیب علم جاتا رہا۔ اسی سال ابن جریج کا بھی انتقال ہوا ہے۔[1]

علم فقہ کا انتخاب ٭ جو شخص امام صاحبؒ کے مناظرات و حالات سے ذرا بھی واقف ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام صاحب کو جمیع علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ علم کلام سے آپ کی ابجد شروع ہوتی ہے اور حدیث و تفسیر و فقہ تو آپ کا مشغلہ ہی تھا۔ مؤرخ ابن خلکان آپ کے متعلق یہ لکھتا ہے۔ "و لم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة" یعنی آپ پر قلت عربیت کے سوا اور کوئی نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ اس کے اسباب بھی جو کچھ ہیں وہ تحقیق کے بعد کچھ نہیں رہتے لیکن ہم اس سلسلہ میں ان چند اسباب کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن کی بنا پر امام صاحب نے دیگر علوم کی بجائے علم فقہ کو اپنا دائمی مشغلہ بنالیا تھا۔ اگر چہ یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ جو شخص حدیث و قرآن نہیں جانتا وہ فقہ سے بھی کوئی مجتہدانہ مذاق نہیں رکھ سکتا۔

ہمارے نزدیک اس موقعہ پر اختیاری اسباب کے ساتھ کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے فقہ ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ ہو جانا چاہیے تھا۔ مناقب موفق اور تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد علم فقہ کی مہارت کے لحاظ سے جن پر نظریں پڑتی تھیں وہ حماد بن ابی سلیمان مفتی کوفہ تھے جب تک یہ بقید حیات رہے لوگ ان کی وجہ سے

---

[1] خطیب مناقب امام۔

www.besturdubooks.net

دوسروں سے بے نیاز رہے لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو اب اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی- کہ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ان کا کوئی دوسرا جانشین ہو ادھران کے تلامذہ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ان کے محترم استاد کا نام اوران کا علم کہیں ختم نہ ہوجائے- حماد کے ایک فرزند تھے جواچھے عالم تھے' ان پر اتفاق ہوگیا کہ انہیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا جائے- ابوبکر نہشلی اور ابو بردہ وغیرہ جوان کے شاگرد تھے اب ان کے پاس آنے جانے لگے لیکن ان حضرات پر شعروسخن کا ذوق غالب تھا یہ اس جگہ کو نبھا نہ سکے' پھر لوگوں کا خیال ابوبکر نہشلی کی طرف گیا ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کردیا- اس کے بعد ابو بردہ کی خدمت میں یہ مسند پیش کی گئی مگر انہوں نے بھی انکار کیا- آخر کار لوگوں نے امام صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ علم فنا ہوجائے اس لیے ان کی درخواست کو منظور کرلیا اور مسند افتاء پر بیٹھ گئے- (مناقب موفق ج ۱ص ۱)

واقعہ یہ ہے کہ جب مفتی کوفہ کی مسند پر بیٹھنے کے لیے قدرت نے امام صاحب ہی کو انتخاب کیا ہو تو اس جگہ کوئی دوسرا کیسے بیٹھ سکتا تھا-

یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ امام ابوحنیفہ وہی ہیں جن کے سامنے جب منصب قضاء پیش کیا گیا تو ہر سختی و ذلت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے مگر منصب قضا قبول نہ کیا اور یہی ہیں کہ جب ان سے ایک آزاد علمی خدمت کی درخواست کی گئی تو فوراً قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے- بہر حال اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اتفاقاتِ سماویہ کی بنا پر علم کی جو مسند امام صاحب کے لیے مخصوص ہوچکی تھی وہ علم نبوت ہی کی گہرائیوں میں شناوری کی مسند تھی- اس لیے قدرتی طور پر آپ کا مشغلہ فقہ ہی بن جانا چاہیے تھا-

حافظ ابن عبدالبرؒ، ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہ تھا- میں نے اس کا جواب دیا انہوں نے فرمایا اے یعقوب یہ جواب تم نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے؟ میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی انہوں نے فرمایا یعقوب! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے سے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا-[1]

اسی قسم کا ایک واقعہ اعمش اور امام صاحب کے درمیان بھی پیش آیا ہے- عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا وہ اس کا جواب نہ دے سکے دیکھا تو وہاں ابوحنیفہؒ بھی بیٹھے ہوئے تھے فرمایا اے نعمانؒ اس کے متعلق تم کچھ بولو انہوں نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے- اعمشؒ نے فرمایا کہاں سے کہتے ہو؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے روایت کی تھی- اس پر اعمش نے کہا نحن الصیادلة و انتم الا طباء (تم لوگ اطباء ہو اور بھئی ہم تو عطار ہیں) یعنی عطار کے پاس صرف دواؤں کا سٹاک ہوتا ہے وہ اس کی ترکیب و خواص نہیں جانتا' اطباء ان کے اثرات اور ترکیب بھی جانتے ہیں-[2]

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۲- [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱-

www.besturdubooks.net

خطیب بغدادی امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان سے اعمشؒ نے پوچھا کہ آپ کے استاد نے عبداللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی کے آزاد ہونے سے اس پر طلاق ہو جاتی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم واسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہوئیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے کہا بے شبہ ابو حنیفہؒ نہایت سمجھ دار شخص ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعمش کو امام صاحبؒ کا یہ استنباط بہت پسند آیا تھا۔[1]

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں غسل میت کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں **و کذلک قال الفقهاء و هم اعلم بمعانی الحدیث**۔ فقہاء نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور حدیث کے مطالب یہی لوگ زیادہ سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حدیث وفقہ دو علیحدہ چیزیں نہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ محدث کے نزدیک الفاظِ حدیث کا حفظ مقدم ہوتا ہے اور فقیہ کے نزدیک ان کے معانی کا فہم مقدم۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب نے شغل فقہ صرف اُمت کے نفع کی خاطر اختیار فرمایا تھا اور بجا اختیار فرمایا تھا۔ الفاظ حدیث تو محفوظ ہو ہی چکے تھے اب جس خدمت کی ضرورت تھی وہ استخراج و استنباطِ مسائل اور ان کی آئینی تشکیل و ترتیب ہی کی تھی۔ محدثین ہزاروں موجود تھے لیکن فقہ کا یہ مقام خالی پڑا ہوا تھا اس لیے امام صاحب نے اس خالی گوشہ کو پر کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ امام صاحب فن حدیث وقرآن سے ناآشنا تھے۔ ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ محدثین اگر الفاظِ حدیث کے ذمہ دار ہیں تو فقہاء اس کے صحیح استعمال کے جاننے والے ہیں وہ عطار ہیں تو یہ اطباء فقہ کا تمام تار و پود قرآن و حدیث سے ہی قائم ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ کبار ائمہ کی قلت روایت کو ان کی علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت کا مأخذ کتاب وسنت ہی ہے۔ لہذا جو شخص بھی شرعی مسائل کے استنباط و ترتیب کا ارادہ کرے گا اس کے لیے کتاب و سنت کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا مبنیٰ اس علم سے بے بضاعتی نہ تھی بلکہ درحقیقت روایت و تحمل کے وہ شرائط تھے جن کا معیار آپ نے عام محدثین سے بہت بلند قائم کیا تھا۔ اس لیے آپ کے لیے روایت کا میدان بھی زیادہ وسیع نہیں رہا تھا۔ امام صاحب کے علم حدیث میں ماہر اور مجتہد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین کے درمیان آپ کی فقہ ہمیشہ بنظر اعتبار دیکھی گئی ہے ایک طرف جہاں امام احمدؒ و امام شافعیؒ کا مسلک نقل کیا گیا ہے اسی کے پہلو بہ پہلو امام صاحب کا مسلک بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک آپ کی فقہ بھی اسی درجہ پر معتبر تھی جیسا کہ دیگر فقہاء محدثین کی' خلاصہ یہ کہ رد و قبول کے اعتبار سے اس کا زیر بحث رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کی فقہ بھی دیگر محدثین کی فقہ کی صف میں

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۱۔

www.besturdubooks.net

رہنے کے قابل تھی- یہ دوسری بات ہے کہ اگر ایک جماعت اسے قبول کرتی رہی تو دوسری جماعت ترک کرتی رہی-[۱]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحیح مراد اور اس میں مسائل کے مآخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہر پہلو کو اختیار کر لیتا تو بعد میں مجھے تنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی-[۲]

اسرائیل جو مسلم ائمہ حدیث میں ہیں امام صاحب کی مدح میں بطریق تعجب فرماتے ہیں نعمان کیا خوب شخص ہیں جو احادیث مسائل فقہیہ سے متعلق ہیں وہ ان کو کیسی محفوظ ہیں اور کس خوب صورتی سے وہ ان سے مسائل فقہ استنباط فرماتے ہیں- یہی وجہ تھی کہ محدثین میں وکیع اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اشخاص امام اعظم کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے حافظ ابن عبد البر، یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں-

و كان (وكيع) يفتى برأى ابى حنيفة و كان يحفظ حديثه كله و كان قد سمع من ابى حنيفة حديثا كثيرا.[۳]	وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں-

امام صاحب کے اساتذۂ محدثین کی جو تعداد علماء نے لکھی ہے وہ ہزاروں تک پہنچتی ہے لیکن چونکہ دیگر محدثین کی طرح خود امام نے باضابطہ روایت حدیث کے حلقے قائم نہیں کیے اور ترویج فقہ کو ترجیح دی' اس لیے بعد کے زمانہ میں آپ کی شانِ محدثیت نظری بن کر رہ گئی-

محدثین کو امام صاحبؒ سے وجہ نکارت ✻ تاریخ کا یہ بھی ایک تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بکھری جاتی ہے' وہ جلی حروف میں یہ لکھ جاتی ہے کہ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے- ورع و تقویٰ' جود و سخا' علم و فضل' خرد و عقل کے تمام کمالات آپ میں جمع تھے- ائمہ میں امام اعظمؒ آپ کا لقب تھا- محدثین و علماء کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے زمرۂ مقلدین میں شامل رہا اور اُمت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی-

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے- پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحہ کے صفحہ رنگ دیئے ہیں اس کے بعد پورے ۵۴ صفحات پر آپ کی ذات میں وہ وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کبھی کسی بدتر سے بدتر کافر پر بھی نہیں کی جا سکتیں- ایک متوسط عقل کا انسان اس متناقض بیانات کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسے دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے- مؤرخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے-

---

۱ مقدمہ ص ۳۱۲- ۲ خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۰- ۳ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹-

www.besturdubooks.net

و قد ذكر الخطيب في تاريخه منها شيئا كثيرا ثم اعقب ذلك بذكر ما كان الا ليق تركه و الا ضراب عنه فمثل هذا الامام لا يشك في دينه و لا في ورعه و لا في حفظه ولم يكن يعاب بشيء سوى قلة العربية. (ج ۲ ص ۱٦٥)

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے' نہ حفظ وورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی کا کلام یہاں نہایت منصفانہ ہے کیونکہ تنقید کا یہ شاخسانہ صرف ایک امام صاحب کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اور ائمہ تک بھی پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگر ذرا نظر کو اور وسیع کیجئے تو پھر صحابہ کا استثناء بھی مشکل نظر آتا ہے۔ غصہ اور مسرت انسانی فطرت ہے۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کے الفاظ کا صحیح توازن قائم نہیں رہا کرتا اسی لیے غصہ کے حال میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے یہ صرف ایک نبی کی شان ہے جس کے منہ سے غضب و رضا کے دونوں حالوں میں جچے تلے الفاظ ہی نکلتے ہیں اب اگر انسانوں کے صرف ان جذباتی پہلوؤں سے تاریخ مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر صحابہؓ کے الفاظ صحابہؓ کے متعلق اور ائمہ کے ائمہ کے متعلق بھی ایسے مل سکتے ہیں جن کے بعد امت کا یہ مقدس گروہ بھی زیر تنقید آ سکتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے امام شعبی کا کیسا بصیرت افروز مقولہ نقل کیا ہے۔

قال الشعبي حدثنا هم بغضب اصحاب محمد (صلى الله عليه وسلم) فاتخذوه دينا[1]

شعبیؒ فرماتے ہیں ہم نے تو لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے باہمی غصہ کی حکایات نقل کی تھیں انہوں نے اٹھا کر انہیں عقائد کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

اس کے سوا دوسری مشکل یہ ہے کہ محدثین کے جو مبہم الفاظ آج کتب میں مدون نظر آتے ہیں کسے فرصت ہے کہ ان کے اصل معنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے کہ ایک مرتبہ امام صاحب اعمش کی عیادت کے لیے گئے۔ اعمش نے کچھ روکھا پن دکھلایا اور امام صاحب کے متعلق کچھ غصہ کے الفاظ کہے۔ اس اخلاق پر اعمشؒ کا یہ رویہ آپ کو ناگوار گذرا اور گذرنا چاہیے تھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ اعمش نہ تو رمضان کے روزے رکھتا ہے اور نہ کبھی جنابت سے غسل کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی امام دین پر ان الفاظ کو کتنا ہی چسپاں کیجئے مگر چسپاں نہیں ہو سکتے اگر کہیں ان الفاظ کی تشریح ہمارے سامنے نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ اس مقولہ سے ہمارے خیالات کتنا کچھ پریشان ہو جاتے لیکن جب ان الفاظ کی مراد ہاتھ آ گئی تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ائمہ غصہ کے حال میں بھی ایک دوسرے کے متعلق عوام کی طرح بے سروپا کلمات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب فضل بن موسیٰ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا (اس واقعہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ساتھ تھے) تو

---

[1] الروض الباسم ج ۱ ص ۱۴۸۔

www.besturdubooks.net

انہوں نے فرمایا کہ اعمش التقاء ختانین سے غسل کے قائل نہ تھے بلکہ جمہور کے خلاف اسی مسئلہ پر عمل کرتے تھے جس پر کبھی ابتداء اسلام میں عمل کیا گیا تھا یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد روشنی پھیلنے تک سحری کھانا درست ہے' ان دو مسئلوں کے لحاظ سے امام صاحب کی یہ دونوں باتیں بھی درست تھیں اور اعمش کا عمل بھی اپنے مختار کے مطابق درست تھا۔[1]

اگر اسی طرح امام کے حق میں بھی بہت سے مشہور مقولوں کی مرادیں تلاش کی جائیں تو ہاتھ آ سکتی ہیں اور اس کے بعد اصل بات بھی اتنی قابل اعتراض نہیں رہتی جیسا کہ الفاظ کی سطح سے معلوم ہوتی تھی۔ کتب تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے محدثین کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف اختلاف مذاق تھا نہ کہ اختلاف مسائل امام صاحب کے دور تک عام مذاق یہ تھا کہ مسائل کے متعلق بہت ہی محدود پیمانہ پر غور و خوض کیا جاتا تھا' صرف پیش آمدہ واقعات کا شرعی حکم وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ معلوم کر لیا جاتا اس کے بعد مسئلہ کی فرضی صورتوں سے بحث کرنا ایک لایعنی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطیب بغدادی نے یہاں ایک بہت دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

نضر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر اترے' ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے ارد گرد جمع ہو گئی۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا آج جو شخص بھی حلال و حرام کا کوئی مسئلہ مجھ سے دریافت کرے گا میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ امام ابو حنیفہؒ کھڑے ہو گئے اور سوال کیا اے ابو الخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا شوہر چند سال غائب رہا اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اپنا دوسرا نکاح کر لیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر بھی آ گیا اب آپ اس کے مہر کے متعلق فرمایئے کیا فرماتے ہیں اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی ان سے مخاطب ہو کر کہا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو وہ غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے تو وہ بھی غلط ہو گا۔ قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آ چکا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرتے ہیں تاکہ جب پیش آ جائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے۔ قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم ہے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا۔ ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو' اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لاجواب ہوئے اور ناراض ہو گئے۔ آخرکار غصہ ہو کر اندر تشریف لے گئے۔[2]

ابو عمرو نے سلف کے اس مذاق کی شہادت پر بہت سے واقعات لکھے ہیں اور بے شبہ علم و تقویٰ کے اس دور میں مناسب بھی یہی تھا لیکن جب مقدر یہ ہوا کہ علم کا بازار سرد پڑ جائے' ورع و تقویٰ کی جگہ جہل و فریب لے لے ادھر روزمرہ نئے سے نئے واقعات پیش آنے لگے تو اس سے پہلے کہ جہلا شریعت میں دست اندازی شروع کر دیں یہ بھی مقدر ہو گیا کہ شریعت کی ترتیب و

---

[1] دیکھو جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۷۔ [2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۸۔

www.besturdubooks.net

تہذیب ایسے ائمہ کے ہاتھوں ہو جائے جنہوں نے صحابہؓ وتابعین کے دور میں پرورش پائی ہوٗ انصاف کیجئے اگر قتادہ کے زمانہ کی یہ احتیاط اسی طرح آئندہ بھی چلی جاتی تو کیا شرعی مسائل اسی ضبط وصحت کے ساتھ جمع ہو جاتے جیسا کہ اب جمع ہوئے - درحقیقت یہ امام صاحب کی بڑی انجام بینی اور امت کی بروقت دستگیری تھی کہ آپ نے ان کے سامنے شریعت کو ایک مرتب آئین بنا کر رکھ دیا' اسی لیے عبداللہ بن داوٗد فرماتے تھے کہ امت پر آپ کا یہ حق ہے کہ وہ آپ کے لیے نمازوں کے بعد دعائیں کیا کریں - یہ خدمت اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ضروری اور بروقت سہی مگر واقعہ یہ ہے کہ تھی محدثین کے مذاق کے خلاف - جس دور میں آثار ومرفوعات کو علیحدہ علیحدہ ضبط کرنا بھی عام دستور نہ ہوا اس دور میں صرف ابوابِ فقہیہ کی اونچی اونچی تعمیریں کھڑا کر دینا کب قابل برداشت ہو سکتا تھا - یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسائل منصوصہ سے آپ ذرا قدم اِدھر اُدھر بڑھائیں گے تو آپ کو اجتہاد سے کام لینا ہوگا - ایسے دور میں جہاں خاموشی کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ ایک قدم اِدھر اُدھر اٹھانا بھی قابل اعتراض نظر آتا ہوٗ احادیث وآیات کے اشارات' دلالات اور اقتضاء سے ہزاروں مسائل اخذ کر کر کے ان کو احادیث سے ایک علیحدہ شکل دے دینا کب گوارا کیا جا سکتا تھا - آخر جب آپ کا دور گذر گیا تو بعد کے علماء کے سامنے صرف پہلے علماء کی ان ناگواریوں کی نقل باقی رہ گئی - پھر استادی وشاگردی کے تعلقات نے حقائق کو ایسا پوشیدہ کر دیا کہ جس نے جہم کو کافر کہا تھا اُسے خود جہمی اور کافر کہا گیا - جس نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کرنے کی وصیت کی تھی اسی پر کتاب وسنت کی مخالفت کرنے کی تہمت رکھی گئی ہاں اگر خوش قسمتی سے ماحول کے تاثرات سے نکل کر کسی اللہ کے بندہ نے تحقیق کی نظر ڈالی تو بہت جلد اس کی آنکھوں سے یہ حجاب اٹھ گیا اور اس نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا ورنہ تاریخ ان ہی افواہوں پر چلتی رہی جو استادی وشاگردی کے انسلاک سے علماء کے حلقوں میں گشت لگا رہی تھی

واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی میں اس کے متعلق مختلف خیالات قائم ہو سکتے ہیں اور فیصلہ کی راہ آسانی سے نہیں نکل سکتی' بہت سی زبانیں اس کی موافقت اور بہت سی اس کی مخالفت میں بولتی ہیں تو اس کی وفات کے بعد جب کہ اس کی شخصیت بھی سامنے نہیں رہتی فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہوگا - اسماء الرجال کے فن میں تاریخ کی اس تاریکی کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک معتدل مزاج انسان کے لیے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا مشکل بھی نہیں رہا لیکن تاریخ کی جو نقول اوراق میں درج ہو چکی ہیں' اس سے ہر خیال کا انسان اگر مزاجی اعتدال نہیں رکھتا تو اپنے خیال کے موافق فائدہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس لیے اسماء الرجال کی پیدا کردہ روشنی تاریخ کی پھیلائی ہوئی تاریکی کے دور کرنے میں بسا اوقات ناکام ہو کر رہ جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی صف پر نظر ڈالیں گے تو ان میں زیادہ تر آپ کو وہی افراد نظر آئیں گے جو آپ کے عہد حیات کے بعد پیدا ہوئے ہیں یا نرے محدث ہیں' فقاہت سے زیادہ بہرہ ور نہیں صرف سنی ہوئی خبریں ان تک پہنچیں اور وقتی ماحول کی وجہ سے باور کر لی گئیں - یوں تو امام صاحب کے تلامذہ کا دائرہ بھی کچھ مختصر نہ تھا ایک ابوالمحاسن شافعی کی تحریر کی بنا پر ان کی جو تعداد نام ونسب کی قید کے ساتھ ثابت ہوتی ہے وہ نو سو آٹھ تک پہنچتی ہے لیکن ان میں اکثر شاگرد بسلسلہ فقہ تھے کاش آپ کا درسِ حدیث کا حلقہ بھی اسی پیمانہ پر قائم ہو جاتا تو شاید امام کی تاریخ کا نقشہ آج آپ کو کچھ دوسرا نظر آتا - چنانچہ جس حنفی نے بھی اس شغل کو قائم

www.besturdubooks.net

رکھا ہے اس کے ساتھ تاریخ زیادہ بے دردی کا سلوک نہیں کر سکی-

ذیل کے ایک ہی واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ افواہ کیا ہوتی ہے اور جب حقیقت سامنے آ جاتی ہے تو پھر اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے-

عبداللہ بن المبارکؒ کہتے ہیں کہ میں شام میں امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھ سے پوچھا اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے؟ یہ سن کر میں گھر واپس آیا اور تین دن لگ کر امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل انتخاب کیے- تیسرے دن اپنے ہاتھ میں کتاب لے کر آیا یہ اپنی مسجد کے امام و مؤذن تھے انہوں نے دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے میں نے ان کے حوالہ کر دی- اس میں وہ مسئلے بھی ان کی نظر سے گذرے جن کے شروع میں میں نے یہ لکھ دیا تھا ''اور نعمان اس کے متعلق یہ فرماتے ہیں'' اذان دے کر جب کھڑے کھڑے وہ کتاب کا ابتدائی حصہ دیکھ چکے تو کتاب اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لی، اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی پھر نکالی اور پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ ختم کر دی پھر مجھ سے پوچھا اے خراسانی یہ نعمان کون شخص ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک شیخ ہیں، ان سے عراق میں میری ملاقات ہوئی تھی، فرمایا یہ تو بڑے پایہ کے شیخ ہیں جاؤ ان سے اور علم سیکھو- اب میں نے کہا جی یہ تو وہی ابوحنیفہؒ ہیں جن کے پاس جانے سے بھی آپ نے مجھے منع کیا تھا- اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحبؒ کے متعلق انہوں نے سن کیا رکھا تھا اور جب حقیقت سامنے آئی تو بات کیا نکلی اس لیے خارجی شہادات اور واقعات سے آنکھیں بند کر کے صرف کالے کالے حروف سے تاریخ مرتب کرنا کوئی صحیح عمل نہیں ہے- اس کے علاوہ انسان میں حسد و تنافس کا بھی ایک کمزور پہلو موجود ہے اس کی بدولت بہت سے تاریخی حقائق پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں- سوء اتفاق سے یہاں یہ سب باتیں جمع ہو گئی ہیں-

عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں، میں نے حسن بن عمارہؒ کو امام ابوحنیفہؒ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا، وہ امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ لوگ آپ کے متعلق صرف از راہِ حسد چہ میگوئیاں کرتے ہیں- حافظ ابن ابی داؤدؒ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا حاسد یا ان کی شان سے ناواقف، میرے نزدیک ان دونوں میں ناواقف شخص پھر غنیمت ہے- وکیع کہتے ہیں کہ میں امام صاحبؒ کے پاس آیا دیکھا تو سر جھکائے کچھ فکر مند سے بیٹھے ہیں- مجھ سے پوچھا کدھر سے آ رہے ہو میں نے کہا قاضی شریک کے پاس سے- آپ نے سر اٹھا کر یہ اشعار پڑھے-

ان یحسدونی فانی غیر لا ئمھم	اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا-
قبلی من الناس اھل الفضل قد حسدوا	کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں-
فدام لی و لھم ما بی و ما بھم	میرا اور ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہے گا-
و مات اکثرنا غیظا بما یجد	اور ہم میں اکثر لوگ حسد کر کر کے مر گئے ہیں-

وکیع کہتے ہیں شاید امام صاحبؒ کو ان کی طرف سے کوئی بات پہنچی ہو گی اس لیے انہوں نے یہ اشعار پڑھے-

جعفر بن الحسن ابوعمر کے شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے

www.besturdubooks.net

ساتھ کیا معاملہ کیا - فرمایا بخش دیا - میں نے کہا علم وفضل کے طفیل میں کہا بھئی فتوی تو مفتی کے لیے بڑی ذمہ داری کی چیز ہے - میں نے کہا پھر - فرمایا لوگوں کی ان ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل میں جو لوگ مجھ پر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں - (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۶)

ابو عمر تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے امام صاحب کے حق میں بڑی زیادتی کی ہے اور حد سے بہت تجاوز کیا ہے آپ پر جو زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی ہے وہ صرف ان دو باتوں پر' ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا' دوسری ارجاء کی نسبت حالانکہ جس جگہ امام صاحب نے کسی اثر کو ترک کیا ہے کسی نہ کسی موزوں تاویل سے کیا ہے - اس کی نوبت بھی ان کو اس لیے آئی ہے کہ انہوں نے مسائل میں بیشتر اپنے اہل بلد کا اعتبار کیا ہے جیسے ابراہیم نخعی اور ابن مسعودؓ کے تلامذہ اس سلسلہ میں مسائل کی صورتیں فرض کرنے پھر اپنی رائے سے ان کے جوابات دینے اس پر اس کو مستحسن سمجھنے میں آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے بھی افراط سے کام لیا ہے ان وجوہ سے سلف میں ان سے مخالفت پیدا ہوگئی ورنہ میرے نزدیک اہل علم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی حدیث کے اختیار کرنے کے بعد کسی نہ کسی حدیث کا ترک یا تاویل یا دعویٰ نسخ کرنا لازم نہ آیا ہو - فرق صرف یہ ہے کہ دوسروں کو ایسا موقعہ کم پیش آیا ہے اور امام صاحبؒ کو زیادہ - اس پر ان کے ساتھ حسد اور بہتان کی مصیبت مزید براں ہے - لیث بن سعد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے ستر مسئلے مجھے ایسے معلوم ہیں جو سنت کے خلاف ہیں امام مالکؒ نے صرف اپنی رائے سے نکالے ہیں اس بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کر چکا ہوں - ابو عمر کہتے ہیں علماء امت میں یہ حق تو کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو وہ اس کی سند میں طعن یا اسی درجہ کی حدیث سے دعویٰ نسخ یا اس کے مقابلہ میں امت کا اجماع پیش کیے بغیر اس کو ترک کردے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے چہ جائیکہ اس کو دین کا امام مانا جائے - اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے روایت کرنے والوں اور آپ کو ثقہ کہنے والوں کی تعداد اُن سے زیادہ ہے جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی ہے پھر جنہوں نے نکتہ چینی کی بھی ہے تو وہ صرف ان ہی دو باتوں پر کی ہے جو ابھی مذکور ہوئیں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ بزرگی و برتری کا یہ بھی ایک معیار ہے کہ اس کے متعلق لوگ افراط و تفریط کی دو راہوں پر نکل جائیں جیسا کہ حضرت علیؓ - یہاں بھی ایک جماعت افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا نظر آتی ہے[1] آخر میں حافظ ابو عمر بطور[2] قاعدہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عدالت صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو' علم کے ساتھ اس کا مشغلہ ثابت ہو چکا ہو - کبائر سے وہ احتراز کرتا ہو' مروت اور ہمدردی اس کا شعار ہو' اس کی بھلائیاں زیادہ ہوں اور برائیاں کم تو ایسے شخص کے بارے میں بے سروپا الزامات ہرگز قابل قبول نہیں ہوں گے[3] سچ تو یہ ہے کہ مخلوق نے جب اپنی زبان خالق سے بند نہیں کی تو اب ہمہ وشما سے اس کی توقع فضول ہے - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار دعا کی اے پروردگار بنی اسرائیل کی زبان سے میرا پیچھا چھڑا دے وحی آئی جب میں نے مخلوق کی زبان اپنے نفس سے بند نہیں کی تو تم سے کیسے بند کردوں - [4]

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ و ۱۴۹ - [2] اس قاعدہ کی پوری تفصیل کے لیے طبقات شافعیہ میں احمد بن صالح مصری اور حاکم کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے انہوں نے اس کے ہر گوشہ پر تفصیلی بحث کردی ہے اور اس مجمل ضابطہ میں جن جن قید و شرط کی ضرورت تھی سب ذکر کردی ہیں -

[3] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۲ - [4] ایضاً ج ۲ ص ۱۶۱ -

www.besturdubooks.net

امام مالک بن انس بن مالکؒ

ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ

آپ امت میں امام دار الہجرت کے لقب سے مشہور ہیں' دراز قامت' فربہ جسم' زردی مائل سفید رنگ' کشادہ چشم' بلند ناک اور خوب صورت تھے۔ آپ کی پیشانی کی طرف سر پر بال کم تھے۔ ریش مبارک دراز اور گھنی تھی' مونچھ منڈانے کو مثلہ فرماتے تھے۔ صرف لب کا بالائی حصہ ترشوالیتے تھے اور دونوں طرف کے بال چھوڑتے تھے اس بارے میں حضرت عمرؓ کی تقلید فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ کسی معاملہ میں متفکر ہوتے تو اپنی موچھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی موچھوں کے دو طرفہ بال دراز تھے۔ آپ خوش پوشاک تھے۔ آپ کا نسب غیمان بن خثیل پر پہنچتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں اس کو بصیغہ تصغیر خاء معجمہ کے ساتھ ضبط کیا ہے اور دار قطنی نے جیم کے ساتھ' خثیل' عمرو بن الحارث کے فرزند تھے اور حارث کا لقب ذواصبح تھا۔ اسی لحاظ سے آپ کو اصبحی کہتے ہیں۔[1]

آپ تبع تابعین کے طبقہ میں تھے۔ آپ کے شیوخ اور تلامذہ کا کیا پوچھنا۔ نووی تہذیب الاسماء میں لکھتے ہیں کہ امام کے شیوخ کی تعداد نو سو تھی جن میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔ سفیانؒ فرماتے تھے۔ رجال کی چھان بین کرنے والا مالکؒ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ مالکؒ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے۔ وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان احادیث نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص مالک سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ترمذی صحیح اسناد کے ساتھ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دور دور کا سفر کریں گے لیکن ''عالم مدینہ'' سے بڑھ کر عالم انہیں کہیں میسر نہ آئے گا۔'' سفیان بن عیینہ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالکؒ تھے۔ خلف بن عمر کہتے ہیں' میں امام مالکؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیرؒ نے امام مالکؒ کو ایک پرچہ دیا' امام نے اسے پڑھا اور اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی چلنے لگا فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے اس منبر کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالکؒ سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کر دیں گے اس لیے مالکؒ کے پاس جاؤ' لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے بتاؤ مالکؒ تقسیم کریں گے یا نہیں؟ کسی نے جواب دیا جس بات کا مالکؒ کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے۔ اس خواب سے مالک پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

عبد الرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اور بولا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک

---

[1] بستان المحدثین۔

www.besturdubooks.net

مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں وہ حیران ہو کر بولا اچھا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں' فرمایا کہہ دینا کہ مالکؒ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔ آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا مالکؒ گھر میں کیا کرتے ہیں؟ فرمایا تلاوت قرآن۔ آپ کی محفل ایسی بارعب تھی کہ بادشاہوں اور سلاطین کو تاب سخن نہ تھی ایک خاموشی کا عالم رہا کرتا تھا۔[1] 1

محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے اور نافع ابن عمرؓ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے۔ امام زہریؒ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے وہ بھی آپ سے مستفید تھے۔ لیث' ابن مبارکؒ' امام شافعیؒ اور امام محمدؒ جیسے مشاہیر آپ کے زمرۂ تلامذہ میں داخل تھے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے' اگر مالکؒ وسفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔ آپ کے حفظ کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے پھر کبھی نہ بھولتے حدیث روایت کرنے کے لیے جب بیٹھتے تو پہلے وضو کرتے' اچھی پوشاک پہنتے' خوشبو لگاتے' ریش مبارک میں کنگھی کرتے۔ لوگوں نے اس تجمل کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی توقیر کرتا ہوں۔

عبداللہ بن المبارکؒ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالکؒ نے درسِ حدیث شروع کیا تو اثناء درس میں آپ کا رنگ بار بار متغیر ہو ہو جاتا تھا مگر آپ نے نہ درس حدیث بند کیا نہ آپ سے حدیث کی روایت کرنے میں کسی قسم کی لغزش واقع ہوئی۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے مزاج مبارک دریافت کیا تو فرمایا کہ اثناء درس میں تقریباً دس بار بچھو نے ڈنک مارا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ صبر اپنی شجاعت واستقامت جتانے کے لیے نہیں کیا بلکہ صرف حدیث پیغمبر کی تعظیم کے لیے کیا ہے۔[2]

یافعی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے عشق تھا حتیٰ کہ آپ اپنے ضعف وپیری کے باوجود مدینہ میں سوار نہ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس شہر میں آپ کا جسد مبارک مدفون ہو اس میں میں ہرگز سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ ہارون رشید مدینہ طیبہ آیا اس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ امام مالکؒ نے کتاب مؤطا تالیف فرمائی ہے اور آپ لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ ہارون الرشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ سلام عرض کردے اور یہ عرض کردے کہ آپ مؤطا لاکر مجھے سنا دیں برمکی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امیر المؤمنین کا سلام پہنچا کر اس کی درخواست پیش کی۔ امام نے جواب دیا میرا ان سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ علم خود کسی کے پاس نہیں آیا کرتا لوگ اس کے پاس آیا کرتے ہیں۔ جعفر واپس آیا اور امام مالکؒ کا فرمان عرض کر دیا۔ اتنے میں امام عالی مقام بھی خود تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ رشید نے کہا میں نے آپ کے پاس ایک پیغام بھیجا تھا آپ نے میرا حکم نہیں مانا۔ امام مالکؒ نے سند کے ساتھ وہ روایت سنائی جس میں زید فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زانوئے مبارک میرے زانو پر تھا صرف کلمہ غیر اولی

---

[1] تہذیب الاسماء۔ [2] بستان المحدثین۔

www.besturdubooks.net

الضرر نازل ہوا تھا کہ اس کے وزن سے میرا زانو چور چور ہو جانے کے قریب ہو گیا تھا- اس کے بعد فرمایا کہ جس قرآن کا ایک حرف حضرت جبرائیل علیہ السلام پچاس ہزار سال[1] کی مسافت سے لے کر آئے ہوں کیا میرے لیے زیبا نہیں کہ میں بھی اس کی عزت و احترام کروں- اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و بادشاہت سے نوازا ہے اگر سب سے پہلے آپ ہی اس علم کی مٹی خراب کریں گے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں آپ کی عزت برباد نہ کر دے' یہ سن کر وہ مؤطا سننے کے لیے آپ کے ساتھ ہو گیا- امام مالکؒ نے اپنے ساتھ اس کو مسند پر بٹھا لیا- جب مؤطا پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا آپ ہی مجھے پڑھ کر سنایئے- امام نے فرمایا عرصہ ہوا میں خود پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں اس نے کہا اچھا تو اور لوگوں کو باہر ہی نکال دیجئے تا کہ میں خود آپ کو سنا دوں- امام نے فرمایا علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو اس سے محروم کر دیا جاتا ہے تو پھر خواص کو بھی اس سے نفع نہیں ہوتا- اس کے بعد آپ نے معن بن عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ قراءت شروع کر دیں جب انہوں نے قراءت شروع کی تو امام نے ہارون سے کہا اے امیر المؤمنین! اس شہر میں اہل علم کا دستور یہ ہے کہ وہ علم کے لیے تواضع کرنا پسند کرتے ہیں' ہارون یہ سن کر مسند سے اتر آیا اور سامنے آ بیٹھا اور مؤطا سننے لگا-

ایک مرتبہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے شکایت کر دی کہ امام صاحب آپ کی خلافت کے مخالف ہیں اس نے آپ کے ستر کوڑے لگانے کا حکم دے دیا- اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھتی گئی گویا یہ کوڑے آپ کا زیور بن گئے- منصور جب مدینہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا امام مالکؒ نے قسم کھا کر فرمایا میں تو اس کا ایک ایک کوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر معاف کر چکا ہوں- مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی غرض کے موافق نہیں دیا تھا-[2]

ذہبی کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جیسی امام مالکؒ کے حق میں جمع ہو گئی ہیں میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں- (۱) اتنی دراز عمر اور ایسی عالی مسند- (۲) ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم- (۳) آپ کے حجت اور صحیح الروایت ہونے پر ائمہ کا اتفاق- (۴) آپ کی عدالت' اتباع سنت اور دین داری پر محدثین کا اتفاق (۵) فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت-[3]

ائمہ اربعہ میں صرف ایک آپ ہیں جن کی تصنیف فن حدیث کے متعلق امت کے ہاتھ میں موجود ہے بقیہ جو تصانیف دوسرے ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں حتیٰ کہ مسند امام احمدؒ بھی گو اس کی تسوید خود امام موصوف نے کی ہے- مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام کی نہیں ہے-[4] ہارون الرشید کے نام بیس صفحات پر آپ کا جو خط ہے قابل دید ہے افسوس ہے کہ یہاں اس کا خلاصہ بھی درج نہیں کیا جا سکتا اور جو خود ہی خلاصہ ہو اس کا خلاصہ اور کیا کیا جا سکتا ہے- مطرف بن عبداللہ منجملہ آپ کے نصیحت آمیز کلمات کو نقل کرتے ہیں کہ بیکار اور غلط باتوں کے پاس پھٹکنا بربادی ہے' غلط بات زبان پر لانا سچائی سے

---

[1] حضرت استاد مرحوم فرماتے تھے کہ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی مسافت کا پچاس ہزار سال کی مدت ہونا ائمہ کے درمیان بھی مشہور تھا- [2] شذرات الذہب- [3] تذکرۃ الحفاظ- [4] بستان المحدثین-

www.besturdubooks.net

دوری کی بنیاد ہے- اگر انسان کا دین و مروت بگڑنے لگے تو دنیا بہت بھی جمع ہو جائے پھر بھی کسی کام کی ہے- ابن وہب کہتے ہیں کہ مالکؒ کہا کرتے تھے کہ علم آئندہ اور گھٹے گا بڑھے گا نہیں اور ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے نزول کے بعد گھٹا ہی کرتا ہے- سلف میں علمِ ہدایت کے علوم ہی کا نام تھا- اس لحاظ سے اس مقولہ کے صدق میں کیا تردد ہے-[1]

قعنبی نقل کرتے ہیں کہ میں مرض الوفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام کر کے بیٹھ گیا دیکھا تو امام رو رہے تھے- میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کیسے نہ روؤں اور مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہے ہر مسئلہ کے بدلہ میرے ایک کوڑا مارا جائے- کاش! میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا مجھے گنجائش تھی کہ اس کے جوابات مجھ سے پہلے دیئے جا چکے تھے ان ہی پر سکوت کر لیتا- ماہ ربیع الاوّل میں آپ کا انتقال ہوا اور جس تمنا میں عمر گذاری تھی آخر وہ پوری ہی ہوئی یعنی دیارِ حبیب کی خاک پاک نے ہمیشہ کے لیے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا آپ سرزمین مدینہ ہی میں آسودۂ خواب ہیں-

<u>فقہ مالکی</u> ❋ امام مالکؒ کی فقہ میں اہل مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے ان کے نزدیک مدینہ مہبط وحی ہے- اس کا تعامل حجت ہونا چاہیے- حافظ ابوعمر دراوردی سے نقل کرتے ہیں کہ امام مالکؒ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کا عمل اسی مسئلہ پر دیکھا ہے تو اس سے ان کی مراد ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن اور ابن ہرمز ہوتے ہیں-[2]

فقہ مالکی کا زیادہ چرچا اہل مغرب اور اندلس میں ہے- ابن خلدون اس کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ اہل مغرب اور اندلس کا سفر اکثر حجاز ہی کی جانب ہوا کرتا تھا اس زمانہ میں مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن رہا تھا- یہیں سے نکل کر علم عراق پہنچا ہے ان کے راستہ میں عراق نہ پڑتا تھا اس لیے ان کے علم کا ماخذ صرف علماء مدینہ تھے علماء مدینہ میں امام مالکؒ کا رتبہ معلوم ہے اس لیے مغرب اور اندلس کے اصحاب کا علم امام مالکؒ اور ان کے بعد ان کے تلامذہ میں منحصر ہو گیا تھا ان ہی کے وہ مقلد تھے اور جن کا علم انہیں نہیں پہنچا ان کے وہ مقلد بھی نہیں تھے-

❀ ❀ ❀

---

[1] تذکرہ- [2] جامع بیان العلم ج۳ ص۱۴۹-

www.besturdubooks.net

الشافعیؒ الامام

ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اسم مبارک محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع ہے۔نسباً آپ قریشی ہیں آنحضرت کے جداعلیٰ عبدمناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

بیت المقدس سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر غزہ یا عسقلان میں آپ کی ولادت ہوئی' دو سال کی عمر میں آپ کے والدین آپ کو مکہ مکرمہ لے آئے تھے۔ نہایت تنگ دستی میں آپ کی پرورش ہوئی یہاں تک کہ علمی یادداشتوں کے لکھنے کے لیے جب آپ کو کاغذ بھی میسر نہ آتا تو جانوروں کی ہڈیوں پر لکھ لیتے آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ شعر' تاریخ' ادب وغیرہ کی تحصیل میں گذرا' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں منیٰ میں تھا کہ پشت کی جانب سے مجھے ایک آواز آئی ''علیک بالفقه'' فقہ سیکھ۔ اسبابِ ظاہر میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مسلم بن خالد زنجی سے آپ کی ملاقات ہوئی' انہوں نے فرمایا صاحبزادہ کس ملک کے باشندہ ہو؟ میں نے کہا مکہ مکرمہ کا۔ فرمایا مکان کس محلّہ میں ہے؟ میں نے کہا خیف میں۔ پھر پوچھا کس قبیلہ کے ہو؟ میں نے کہا عبدمناف کی اولاد فرمایا بہت خوب بہت خوب' اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہان کا شرف بخشا ہے۔ اچھا یہ تھا کہ اپنی اس فہم و ذکاوت کو علم فقہ میں خرچ کرتے۔ یہ سن کر آپ نے ان کی شاگردی قبول کی ان کے بعد پھر امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ مؤطا حفظ کر چکے تھے اور آپ کی عمر کل تیرہ سال کی تھی۔ مؤطا میں شریک ہو گئے۔ جب قراءت کا وقت آیا تو آپ نے برزبان قراءت شروع کی۔ امام مالکؒ کو اس پر تعجب ہوا' اور آپ کی قراءت کو بہت پسند فرمایا جب یہ ختم کرنے کا ارادہ کرنے لگے تو فرمایا اور پڑھو اور پڑھو۔ امام مالکؒ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ تم تقویٰ اپنا اشعار رکھنا ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہو گے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت رکھا ہے معصیت کر کے اسے ضائع نہ کرنا اس کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کے شیخ مسلم بن خالد نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی تھی۔ حدیث و تفسیر' فقہ و ادب و عربیت کی جملہ خصوصیات کے ساتھ آپ بڑے تیرانداز بھی تھے' دس میں ایک تیر بھی نشانہ سے خطا نہ کرتا تھا۔

نووی مقدمہ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی کے فرمانے پر امام شافعیؒ نے اصول فقہ میں ''الرسالہ'' تصنیف فرمایا تھا (اسی وجہ سے آپ کو اصول فقہ کا مؤسس کہتے ہیں)۔

فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کر دیتے تھے کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی۔ عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا کرتے تھے' آپ کی تصنیف ''کتاب الأم'' اور ''الرسالہ'' دونوں طبع ہو کر آج امت کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود نکتہ چینی سے آپ بھی خالی نہیں رہے حتیٰ کہ یحییٰ بن معین جیسے شخص سے آپ کے متعلق

www.besturdubooks.net

ایسے کلمات منقول ہیں جن کو سن کر آخرکار امام احمد کو یہ کہنا پڑا۔

و من این یعرف یحییٰ الشافعی .... و من جهل شیئا عاداه۔

بھلا یحییٰ بن معین امام شافعیؒ کو کیا جانیں اور جو شخص کسی کو جانتا نہیں وہ اس سے خفاء ہی رہتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن معین سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے کہ وہ امام شافعیؒ میں کلام کرتے تھے یہاں تک کہ امام احمدؒ نے ان کو اس سے روکا اور فرمایا کہ تمہاری ان دو آنکھوں نے بھی اس جیسا شخص نہ دیکھا ہوگا۔[1]

تمام علم و فضل کے ساتھ سخی اس درجہ تھے کہ حمیدی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ صنعاء سے تشریف لائے تھے۔ اس وقت آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ آپ کا خیمہ مکہ مکرمہ سے باہر لگا ہوا تھا لوگ ملاقات کے لیے آتے تھے اور آپ ان کو دینار تقسیم کرتے یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے آپ نے وہ تمام رقم لوگوں پر تقسیم کر ڈالی۔

ابن خلکان ربیع بن سلیمان مرادی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے وفات کے بعد امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ امام شافعیؒ نے فرمایا مجھے ایک سنہری کرسی پر بٹھا کر میرے اوپر تازہ بتازہ موتیوں کی بکھیر کی۔ ۱۹۵ھ میں بغداد گئے تھے دو سال وہاں قیام فرمایا پھر مکہ مکرمہ آئے۔ ۱۹۸ھ میں پھر بغداد تشریف لے گئے۔ چند ماہ قیام فرما کر ۱۹۹ھ میں مصر آئے پھر وفات تک یہیں رہے۔ جمعہ کے دن انتقال ہوا اور بعد عصر مدفون ہوئے قبر مبارک قرافہ صغریٰ میں مخلوقِ خدا کے لیے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۰۔

www.besturdubooks.net

ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی الامام

ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ

ابن خلکان لکھتا ہے کہ آپ کی پیدائش بغداد میں ہوئی اور وہیں آپ کی وفات بھی ہوئی آپ کا مزارِ مبارک بابِ حرب میں واقع ہے یہ جگہ حرب بن عبداللہ کی طرف منسوب ہے- عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ آپ عرب کے مشہور خاندان بنی ذہل بن شیبان بن ثعلبہ سے متعلق تھے- خطیب[1] بغدادی کہتا ہے یہ عباس دوری کی غلطی ہے- آپ کا خاندان بنی شیبان بن ذہل بن ثعلبہ تھا یہ ذہل بن ثعلبہ رشتہ میں ذہل بن شیبان کا چچا ہے- آپ کے دو بیٹے تھے- صالح اور عبداللہ اسی دوسرے بیٹے کے نام پر ابو عبداللہ آپ کی کنیت تھی- آپ نہایت خوب صورت تھے- قدمیانہ تھا' ہلکا سرخ خضاب لگاتے تھے- ریش مبارک میں کچھ بال سیاہ تھے- سفید رنگ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے- آپ کا عام لباس ازار اور عمامہ تھا اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام تھے- قتیبہ آپ کو اور اسحاق بن راہویہ کو امام الدنیا کہا کرتے تھے- اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ امام احمد اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی حجت ہیں- علی بن مدینی فرمایا کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو شخصوں کے ذریعہ سے عزت نصیب فرمائی ہے تیسرا مجھے کوئی اور شخص ایسا معلوم نہیں ہے' پہلے شخص ظہورِ ارتداد کے وقت ابوبکر صدیق تھے اور دوسرے فتنہ خلق قرآن کے زمانہ میں امام احمد تھے- اسمٰعیل بن خلیل فرماتے تھے کہ اگر امام احمد بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے معجزوں میں ایک معجزہ شمار ہوتے-

خطیب بغدادی لکھتا ہے کہ طلب علم کے لیے امام احمدؒ نے کوفہ' بصرہ' حرمین شریفین یمن اور شام وغیرہ کا سفر کیا ہے- شیخ تاج الدین سبکی نے امام شافعیؒ' امام ابو یوسفؒ' وکیع بن الجراحؒ' یحییٰ بن ابی زائدہؒ وغیرہم کو آپ کے اساتذہ اور ائمہ ستہ میں بخاری ومسلم وابوداؤد کو تلامذہ کی فہرست میں شمار کیا ہے- ابن خلکان لکھتا ہے کہ آپ امام شافعیؒ کے مخصوص تلامذہ میں تھے جب تک امام شافعیؒ بغداد میں رہے آپ ان کی خدمت سے کبھی جدا نہ ہوئے جب امام شافعیؒ بغداد چھوڑ کر مصر جانے لگے تو چلتے وقت فرمایا میں نے بغداد میں ان جیسا متقی اور فقیہ شخص کسی اور کو نہیں چھوڑا-

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ مصر تشریف لے گئے تو مجھ سے فرمایا میرا ایک خط امام احمدؒ کو پہنچا دو اور اس کا جواب مجھے لا دو- میں خط لے کر بغداد پہنچا صبح کی نماز میں امام احمدؒ سے ملاقات ہوئی جب محراب سے اٹھے تو میں نے خط پیش کیا اور عرض کیا یہ امام شافعیؒ کا خط ہے- امام احمدؒ نے دریافت فرمایا تم نے اس کو دیکھا تو نہیں' میں نے عرض کیا نہیں- اس کے بعد آپ نے مُہر توڑی اور پڑھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں میں نے پوچھا اے ابوعبداللہ خیر ہے فرمائیے تو کیا لکھا ہے- فرمایا لکھا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا فرماتے تھے کہ ابوعبداللہ کو میرا اسلام کہہ دو اور کہہ دو کہ اس کا امتحان ہوگا اور خلق قرآن کے قائل ہونے پر اسے مجبور کیا جائے گا وہ اس کو منظور نہ کریں اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تا قیامت ان کا

---

[1] خطیب ج ۴ ص ۴۱۳-

www.besturdubooks.net

علم و نام روشن رکھے گا- ربیع کہتے ہیں میں نے کہا اے ابو عبداللہ بشارت مبارک ہو فوراً امام احمدؒ نے اپنی دو قمیصوں میں نیچے والی قمیص جو جسم سے متصل تھی اتار کر مجھے انعام میں دے دی- میں اس کا جواب لے کر مصر آیا اور امام شافعیؒ کی خدمت میں پیش کر دیا- امام شافعیؒ نے دریافت فرمایا بولو بشارت کے صلہ میں کیا انعام لائے ہو میں نے کہا امام کا اتارا ہوا کرتا ہے فرمایا کہ یہ تکلیف تو میں تجھے نہیں دے سکتا کہ وہ قمیص ہی مجھے دے دو البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اسے پانی میں بھگو کر نچوڑ اور وہ پانی مجھے دے دے تاکہ میں اسی کو تبرک رکھوں- (طبقات)

اس واقعہ سے امام احمدؒ کی منقبت کے علاوہ یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پہلے محدثین و علماء کے درمیان کیسے تعلقات ہوئے ہیں ان کی جو کچھ جنگ تھی وہ صرف ایک اللہ کے نام پر تھی- اس امتحان کی مفصل روئداد شیخ تاج الدین سبکی نے طبقاتِ شافعیہ میں بیان کی ہے- قتیبہ بن سعید' امام احمد اور وکیع کے ایک مذاکرہ کا حال نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد دروازہ کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور سلمہ سے سفیان کی جو روایات ہیں ان کا تذکرہ ہونے لگا- دونوں آپس میں کچھ ایسے محو ہوئے کہ تمام رات یونہی کھڑے کھڑے کٹ گئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی صبح ہونے لگی تو آپ کی باندی حاضر ہوئی اور کہا کہ زہرہ ستارہ نکل چکا ہے-

آپ کی مشہور تصنیفات میں مسند احمد سب سے زیادہ قابل ذکر ہے- حنبل بن اسحاق آپ کے بھتیجے کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ہم سے کہا ہے کہ یہ کتاب میں نے سات لاکھ سے زیادہ احادیث کے ذخیرہ سے منتخب کی ہے اور اس لیے منتخب کی ہے کہ مسلمانوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے ایک معیار بن جائے جو حدیث اس میں مل جائے اسے حجت سمجھا جائے جو نہ ملے اسے حجت نہ سمجھا جائے- ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کو دس لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں- آپ کی وفات کے بعد جب آپ کی کتابوں کا تخمینہ لگایا گیا تو دس اونٹوں کے بوجھ سے زیادہ تھا اور وہ سب آپ کو زبانی محفوظ تھیں- جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا- آپ کے جنازہ پر نمازیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ متوکل بادشاہ کے حکم سے جب نمازیوں کے قیام کی جگہ ناپی گئی تو پیمائش کے حساب سے وہ دو لاکھ پچاس ہزار آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی- ورکانی' امام احمدؒ کا پڑوسی بیان کرتا ہے کہ آپ کی وفات کے دن بیس ہزار یہود و نصاریٰ اور مجوس مسلمان ہوئے تھے لیکن ذہبی نے اس حکایت کو تسلیم نہیں کیا اور منکر کہا ہے- احمد بن محمد کندی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو خواب میں دیکھا- پوچھا اے ابو عبداللہ' اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا- فرمایا بخش دیا اور مجھ سے کہا اے احمد ہمارے ہی لیے تم نے کوڑے کھائے تھے- میں نے عرض کیا اے پروردگار جی ہاں- ارشاد ہوا تو اے احمد لے میرا دیدار دیکھ لے- راقم الحروف کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے بھی اس کی راہ میں مصیبتیں جھیلی ہیں' ان کے نامہ اعمال میں وہی ان کا سب سے زیادہ وزنی عمل ثابت ہوئی ہیں- چنانچہ اسی قسم کا ایک خواب آپ امام اعظمؒ کے حالات میں بھی ملاحظہ کر چکے ہیں-

فقہ حنبلی کے پانچ زریں اصول ✱ (۱) جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح نص موجود ہو تو پھر کسی کے اختلاف کی پرواہ نہ کی جائے اسی لیے امام احمدؒ کے نزدیک مبتوتہ عورت کے لیے نفقہ و سکنی دونوں واجب ہیں کیونکہ اس بارے میں فاطمہ بنت قیس کی صریح

www.besturdubooks.net

حدیث موجود ہے- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر چہ اپنے زمانہ میں ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن امام احمدؒ نے حدیث کی صحت کے بعد ان کے خلاف کی کوئی پرواہ نہیں کی- اسی طرح ان کا مذہب یہ تھا کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنایا جا سکتا ہے- دوسرے ائمہ اور اکثر صحابہؓ اس کے منکر تھے لیکن چونکہ اس کے متعلق حدیث ثابت ہو چکی ہے اس لیے یہاں بھی امام نے کسی کے اختلاف کی رعایت نہیں کی-

(۲) جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتویٰ معلوم ہو جائے اور اس کے مخالف کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہو سکے تو پھر وہی مختار ہونا چاہیے- ایسے مقام پر امام احمد بنظر احتیاط اجماع کا لفظ استعمال نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ یہ فرما دیتے تھے کہ مجھے اس کے خلاف کسی کا قول معلوم نہیں- حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فتاویٰ صحابہ کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ تھی- اسحاق بن ابراہیم نے امام احمد سے پوچھا آپ کو صحیح مرسل حدیث زیادہ محبوب ہے یا صحابی کا صحیح اثر؟ فرمایا صحابی کا صحیح اثر-

(۳) جس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہو اس میں جس کا قول کتاب وسنت کے قریب نظر آئے اسی کو اختیار کر لینا چاہیے- اگر یہ ترجیح ثابت نہ ہو سکے تو پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مختلف اقوال نقل کر دینے چاہئیں اور کسی ایک قول پر جزم نہ کرنا چاہیے-

(۴) اگر کسی مسئلہ میں ضعیف یا مرسل حدیث موجود ہو تو اس کو بھی قیاس پر مقدم رکھا جائے گا بشرطیکہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی اور حدیث یا قول صحابی یا اجماع مخالف نہ ہو- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں ضعیف سے منکر یا باطل مراد نہیں بلکہ حسن لغیرہ مراد ہے- ان کے نزدیک حدیث کی دو ہی قسمیں تھیں صحیح وضعیف اور حدیث حسن صحیح میں داخل تھی- حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اصول اجمالی طور پر دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی مسلم ہیں اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں قہقہہ نواقض وضو میں شمار کیا ہے حالانکہ یہ قیاس کے مخالف ہے لیکن اس کے متعلق ایک ضعیف حدیث موجود ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا گیا ہے-

(۵) قیاس اس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کسی مسئلہ کے متعلق منقول سامان نہ مل سکے اور وہ بھی بقدر ضرورت-[1]

ضرورت تھی کہ ان اصول خمسہ کی تشریح کی جاتی اس کے بعد امام صاحبؒ کے اصول سے مقابلہ کر کے یہ بتایا جاتا کہ کن کن گوشوں میں ان کو اختلاف ہے اور کیوں ہے اور دلائل کی روشنی میں اقرب کیا ہے- مگر اس مختصر تذکرہ میں یہ مباحث کب سما سکتے ہیں پھر ائمہ کے اصولوں پر تبصرہ کرنا مجھ جیسے بے بضاعت کا کام نہیں علماء کی طرف مراجعت کی جائے-

---

[1] اعلام الموقعین ج اص ۲۳ تا ۲۵-

www.besturdubooks.net

الامام القاضی یعقوب ابو یوسفؒ

ولادت ۱۱۳ھ وفات ۱۸۲ھ

کوفہ میں پیدا ہوئے' آپ کے والد ایک غریب آدمی تھے- خطیب بغدادی لکھتا ہے کہ ان کے والد نے ان کو امام صاحب کی خدمت میں حاضری سے روکا اور کہا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو صاحب استطاعت شخص ہیں اور تم ہو تنگدست یہ سن کر انہوں نے امام صاحب کی خدمت میں جانا چھوڑ دیا- ادھر امام صاحب نے جب مجھے نہ دیکھا تو میری تلاش شروع کی- میں پھر حاضر ہونے لگا- غیر حاضری کے بعد جب آپ کے درس میں پہلے دن پہنچا تو آپ نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا- میں نے کہا معاشی ضروریات اور والد کی حکم برداری- یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا جب لوگ رخصت ہو گئے تو آپ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی اور فرمایا اسے خرچ کرو اور سبق میں پابندی سے آیا کرو جب صرف ہو جائیں پھر مجھ سے کہہ دینا- میں نے دیکھا تو اس میں سو درہم تھے اس کے بعد ہمیشہ کچھ دنوں بعد ہی آپ سو درہم دے دیا کرتے مجھے خود کبھی یہ کہنے کی نوبت نہیں آئی کہ اب میرے پاس خرچ نہیں رہا ہے- ہلال بن یحییٰ فرماتے ہیں تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے اور فقہ تو آپ کے علوم کا ایک ادنیٰ جزء تھا-

حافظ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے اور منجملہ دیگر ائمہ حدیث کے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کو آپ کے تلامذہ میں لکھا ہے- علی بن جعد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یوسفؒ کو فرماتے سنا ہے جو شخص یہ کہے کہ میرا ایمان جبرئیل علیہ السلام جیسا ایمان ہے وہ بدعتی ہے اور آپ کے پر حکمت مقولوں میں یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ تھوڑا علم بھی اس وقت تک تم کو نہیں آ سکتا جب تک تم اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالہ نہ کر دو- بشر بن ولید کہتے ہیں میں نے ابو یوسفؒ سے سنا ہے' جو ڈھونڈ ڈھونڈ حدیثوں کے پیچھے پڑا وہ جھوٹ میں مبتلا ہوا' جس نے کیمیا کے ذریعہ سے مال طلب کیا وہ فقیر بنا اور جس نے کلام کے ذریعہ سے دین کے عقائد حاصل کرنے کی کوشش کی وہ زندیق بنا- آپ اپنے زمانہ قضاء میں دو دو سو رکعت یومیہ ادا فرمایا کرتے تھے- ان کے تذکرہ کے خاتمہ پر ذہبیؒ نے ماعز بن مالک کی حدیث ابو یوسفؒ اور ابوحنیفہؒ کی سند سے نقل کر کے لکھا ہے **ھذا اسنادہ متصل عال**- اس کی اسناد متصل اور عالی ہے-

ابن خلکان لکھتا ہے **ولم یختلف یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل و علی بن المدینی فی ثقتہ فی النقل**- یعنی نقل کے بارے میں یحییٰ بن معین' احمد بن حنبل اور علی بن مدینی کو آپ کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہیں تھا- اس مقولہ کو خطیب نے اپنی تاریخ میں بھی نقل کیا ہے-

ابن خلکان فرماتے ہیں یہ پہلے شخص تھے جن کو قاضی القضاۃ کا خطاب دیا گیا تھا- ابن عماد حنبلی لکھتا ہے کہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں اپنے زمانہ میں مشرق و مغرب میں ابو یوسف پہلے شخص تھے جن کو قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا تھا- آپ امام صاحب کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں ۱۷ سال آپ کے ساتھ رہے سب سے پہلے حنفی اصولِ فقہ کو انہوں ہی نے مرتب فرمایا آپ کی وفات

www.besturdubooks.net

کے بعد معروف کرخیؒ نے خواب میں جنت میں ایک بہت عمدہ محل دیکھا' پوچھا یہ کس کا ہے؟ کہا گیا ابو یوسفؒ قاضی کا - انہوں نے تعجب سے کہا ایسا محل ان کو کس خدمت کے صلہ میں ملا جواب ملا' لوگوں کو تعلیم دینے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کے صلہ میں۔[1]

اپنی وفات کے وقت حسرت سے فرمایا کرتے تھے کاش میں اپنے اسی فقر کے حال میں مرجاتا اور قضاء قبول نہ کرتا - لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے جان بوجھ کر کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ بادشاہ و رعایا میں سے فیصلہ کے باب میں کسی کی رعایت کی خطیب بغدادی نے اپنی عادت کے موافق یہاں بھی امام ابو یوسفؒ کی توصیف میں پہلے تو خوب کشادہ دلی سے نقول پیش کی ہیں پھر ایک طومار اس کے خلاف لکھ مارا ہے اور لطف یہ کہ اس متناقض بیان پر دلائل کی روشنی میں کوئی محاکمہ بھی نہیں کیا - ابن خلکان یہاں بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب نقل کر کے لکھتا ہے کہ خطیب نے بڑے بڑے ائمہ حدیث سے ان کے متعلق ایسے کلمات نقل کیے جن کو کان سننا بھی گوارا نہیں کر سکتے - اکثر علماء آپ کو قابل تعظیم اور افضل سمجھتے تھے اس لیے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے -

امام محمد بن الحسنؒ

ولادت ۱۳۵ھ وفات ۱۸۹ھ

آپ امام صاحب کے مشہور تلامذہ ہیں - امام صاحبؒ کے بعد امام ابو یوسفؒ سے تکمیل کی ہے - امام مالکؒ کی زبان سے آپ نے مؤطا سنا ہے اور تین سال مسلسل آپ کی خدمت میں رہے ہیں - امام شافعیؒ جیسا امام وقت آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے - ابن عماد حنبلی لکھتا ہے کہ آپ کی شان میں امام شافعیؒ کے تعریفی کلمات تواتر کی حد تک پہنچ گئے ہیں - فرماتے ہیں کہ امام محمد بن الحسنؒ سے زیادہ حلال و حرام' علل حدیث' ناسخ و منسوخ کا جاننے والا میرے علم میں کوئی اور شخص نہیں اگر لوگوں میں انصاف ہوتا تو وہ یقین کرتے کہ محمد بن الحسنؒ جیسا انہوں نے کوئی شخص اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا - میں نے امام محمدؒ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو جو علم مجھ پر کھلا ہے نہ کھلتا -[2]

امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا یہ باریک باریک مسائل آپ کے پاس کہاں سے آئے؟ فرمایا امام محمدؒ کی کتابوں سے ابو عبیدہؒ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم میں نے کوئی اور شخص نہیں دیکھا - مشہور ہے کہ آپ نے نوسونوے کتابیں تصنیف کی ہیں اور وہ سب علوم دینیہ میں ہیں -[3]

ابن عماد حنبلی حافظ ابن عبدالبرؒ سے امام شافعیؒ کے تذکرہ میں نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ امام شافعیؒ علوی خاندان کے نو اشخاص کے ساتھ گرفتار کر کے بغداد لائے گئے - رشید اس وقت مقام رقہ میں تھا اس لیے یہ لوگ بغداد سے رقہ آئے اور اس کے سامنے

---

[1] شذرات الذہب - [2] شذرات الذہب - [3] الفوائد البہیۃ -

www.besturdubooks.net

پیش کیے گئے وہاں رقہ کے قاضی محمد بن الحسنؒ موجود تھے یہ امام شافعیؒ کے محب تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ ہارون رشید کی خلافت پر طعن کے الزام میں گرفتار ہو کر آ رہے ہیں تو بہت بے چین ہوئے کیا کریں اور برابر اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ کب پیش ہوتے ہیں پیشی کے بعد اور لوگ تو قتل کر دیے گئے' ایک علوی نوجوان اور امام شافعی بچ گئے۔ جب اس نوجوان کی باری آئی تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا دعویٰ کرتا لیکن اس کے بھی قتل کا حکم دے دیا گیا۔ اس نے کہا اگر آپ مجھے قتل ہی کرتے ہیں تو ذرا اتنی مہلت دیجئے کہ میں اپنی بوڑھی ماں کو خط لکھ دوں اسے میرے حال کا کچھ پتہ نہیں ہے آخر اس کے بھی قتل کا حکم دے دیا گیا۔ اس کے بعد پھر میرا نمبر آیا مجھ سے بھی ہارون رشید نے وہی بات دریافت کی جو اس علوی سے دریافت کی تھی۔ میں بولا اے امیر المؤمنین میں تو علوی ہی نہیں ہوں۔ زبردستی ان کے ساتھ گرفتار کر کے لایا گیا ہوں۔ میں بنی عبدالمطلب میں ہوں اور اس کے ساتھ کچھ علم سے شدبد بھی رکھتا ہوں آپ کے یہ قاضی صاحب بھی ان سب باتوں سے واقف ہیں۔ ہارون رشید نے کہا اچھا آپ محمد بن ادریس ہیں؟ میں نے کہا اے امیر المؤمنین جی ہاں۔ اس نے کہا محمد بن الحسنؒ نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے بعد محمد بن الحسنؒ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے محمدؒ یہ کیا کہتے ہیں۔ کیا واقعہ یونہی ہے انہوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے اور یہ بھی کہ علم کے باب میں ان کا پایہ بہت بلند ہے جو شکایت ان کی کی گئی ہے ان کی شان سے بہت دور ہے۔ اس نے کہا اچھا اب تو آپ انھیں اپنے ہمراہ لیتے جایئے میں ان کے معاملہ میں ذرا غور کر لوں۔ امام محمدؒ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور اس طرح وہی میری گلو خلاصی کا سبب ہوئے۔ اب اس تاریخی شہادت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امام محمدؒ نے ہارون کے دربار میں ان کی خود شکایت کی ہوگی۔

امام محمدؒ اور کسائی نحوی کی وفات ایک ہی تاریخ میں ہوئی ہے۔ اس وقت رشید نے افسوس سے کہا تھا آج ہم مقام ری میں عربیت اور فقہ کے دونوں اماموں کو ایک ساتھ دفن کر آئے۔[1]

شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ

ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ

امام بخاریؒ کا شجرۂ نسب ❋ امام بخاریؒ کا شجرۂ نسب یہ ہے محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن[2] بردزبہ البخاری الجعفی۔ امام بخاریؒ کے جد اعلیٰ بردزبہ مجوسی مذہب تھے اور اسی دین پر ان کا انتقال ہوا ہے۔ مغیرہ ان کے فرزند یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا کرتے تھے اس کے ساتھ ان کا ایک خاص ربط بھی قائم ہو جاتا

---

[1] شذرات الذہب۔

[2] عام طور پر مورخین و شارحین نے اس لفظ کو اسی طرح ضبط کیا ہے اور اس کے معنی کسان لکھے ہیں۔ لیکن روس کے ایک مشہور عالم سے میری مکاتبت ہوئی تو انہوں نے اس لفظ کی صحیح تعریب بزدزبہ قرار دی یعنی دال کے بعد الف اور زائد ہے اور اس کے معنی صیقل و ماہر کے بتائے۔ یہ تصریف و نحو کے بہت بڑے عالم ہیں اور ان بلاد کی زبانوں سے بھی پورے طور پر واقف ہیں اس لیے ان کی تحقیق قابل اعتماد ہے۔

www.besturdubooks.net

تھا جس کو وہ ولاء سے تعبیر کرتے تھے اور جیسا کہ عتق و مخالفت کے حدود ان کے یہاں وسیع تھے اسی طرح اس ولاء کی شاخیں بھی دور تک پھیلتی چلی جاتی تھیں حتیٰ کہ اسی ولاء کے رشتہ سے وہ اپنی نسبتیں قائم کر لیتے تھے۔ امام بخاریؒ کو بھی جعفی اسی رشتہ ولاء کے لحاظ سے کہا جاتا ہے ورنہ خود امام اس خاندان سے نہ تھے لیکن ان کے جداعلیٰ چونکہ یمان جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے اس لیے وہ جعفی کہلائے ان کے بعد پھر ان کے فرزند اسفل بھی اسی نسبت کے لحاظ سے جعفی کہے گئے۔

تاریخ ولادت ووفات ٭ نماز جمعہ کے بعد ١٣ شوال ١٩٤ھ کو علوم نبوت کا یہ آفتاب نواحی بخاری سے طلوع ہوا اور عید الفطر ٢٥٦ھ سنیچر کی شب میں سمرقند کے قریب قریہ خرتنگ میں جا کر روپوش ہو گیا اور نماز ظہر کے بعد تدفین عمل میں آئی[1] آپ نے اپنے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی۔

بچپن میں ردِ بصر کا واقعہ ٭ دنیا میں آکر ابھی اچھی طرح آنکھیں کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ بصارت زائل ہو گئی۔ ان کی والدہ کو سخت صدمہ ہوا۔ بارگاہِ ایزدی میں روئیں، عجز وانکسار کے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگیں، آخر ماں کی دعا تھی دراستجابت وا ہو گیا اور خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ان کی بے چین ومضطرب والدہ کو بشارت دی کہ جا تیری دعاء قبول ہو گئی اور تیرے نورِ نظر کو پھر نورِ بصر عطا کر دیا گیا۔ صبح کو اٹھتی ہیں تو دیکھتی ہیں کہ بیٹے کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی۔[2]

قوتِ حافظہ ٭ خطیب[3] بغدادی نے امام بخاریؒ کے طلب حدیث کے حالات خود ان کی زبانی اس طرح نقل کیے ہیں کہ مجھے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے حفظ حدیث کے لیے بنایا تھا ابھی میری عمر دس سال ہی کی تھی کہ میں محدثِ عصر داخلی کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتا تھا ایک دن ان کی زبان سے یہ سند نکلی "سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم" میں نے فوراً ٹوکا اور عرض کیا کہ ابو الزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ داخلی نے مجھے جھڑک دیا۔ میں نے پھر گذارش کی کہ ذرا اپنی اصل کتاب کی تو مراجعت کیجئے انہوں نے اصل کتاب جا کر دیکھی اور واپس آکر مجھ سے کہا کہو میاں لڑکے پھر یہ سند ہے کس طرح؟ میں نے کہا کہ ابراہیم سے روایت کرنے والے زبیر ہیں اور یہ عدی کے فرزند ہیں ابو الزبیر نہیں۔ داخلی نے اسی وقت قلم اٹھا کر اپنے نسخہ کی اصلاح کر لی اور فرمایا جو تم نے کہا وہی درست تھا۔ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی جب ان کی عمر سولہ سال کی ہو گئی تو انہوں نے عبداللہ بن المبارک اور وکیع کی جمع کی ہوئی حدیثیں یاد کر لیں۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں ایک تصنیف صحابہ وتابعین کے فیصلے اور ان کے مختلف اقوال کے بارے میں مرتب کرنا شروع کر دی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے قریب چاندنی راتوں میں کتاب التاریخ تصنیف کی۔

حاشد بن اسمٰعیل بیان کرتے ہیں[4] مشائخ بخاری کی خدمت میں امام بخاری ہمارے ساتھ بھی جایا کرتے تھے اس وقت یہ بہت نوعمر تھے مگر یہ کچھ لکھا نہ کرتے تھے۔ ہم ان کو بہت ملامت کرتے کہ جب تم کچھ لکھتے ہی نہیں تو خواہ مخواہ درس میں شریک کیوں ہوتے ہو سولہ دن کے بعد انہوں نے تنگ آکر فرمایا کہ تمہاری ملامت کی حد ہو گئی ہے۔ اچھا اب لاؤ دکھلاؤ تم نے کیا لکھا ہے۔ ہم

---

[1] تاریخ خطیب ج ٢ ص ٦۔ [2] خطیب ج ٢ ص ١٠۔ [3] ایضاً ج ٢ ص ٦ و ٧۔ [4] خطیب ج ٢ ص ١٤۔

www.besturdubooks.net

اس وقت تک پندرہ ہزار حدیثیں لکھ چکے تھے وہ سامنے رکھ دیں- امام بخاریؒ نے وہ تمام حدیثیں برزبان اس طرح فرفر سنا دیں کہ ہمیں ان کی یادداشت سے اپنے اپنے نسخوں کی تصحیح کرنا پڑی-

امام بخاری کی اس خداداد ذکاوت وحفظ کا ہر طرف شہرہ ہو چکا تھا اس لیے جہاں جہاں جاتے اس سے آگے آگے ان کا نام پہنچ جاتا تھا- جب یہ تشریف لاتے تو عجب عجب انداز پر ان کے لیے مجالس امتحان مرتب ہوتیں اور ہر مجلس کے خاتمہ پر اہل مجلس کو یہ کہنا پڑتا کہ امام بخاری کے متعلق اب تک جو کچھ مبالغہ آمیز تعریفی کلمات ان کے کانوں میں پڑے تھے وہ بھی ناتمام تھے امام بخاریؒ کی شانِ رفیع اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہی ہے' ان کی طفلانہ صورت اور یہ بزرگانہ علم دیکھ دیکھ کر دنیا حیرت میں مبتلا تھی-

بصرہ میں ایک مجلس امتحان کا تذکرہ ✵ ایک مرتبہ بصرہ میں داخل ہوئے تو اسی وقت امام بخاری' امام بخاری' کا شورغل مچ گیا- ہزاروں نظار' فقہاء ومحدثین جمع ہو گئے اور ان تشنگانِ علم نے فوراً مجلس استفادہ آراستہ کرنے کا بندوبست کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر باادب اپنی درخواست پیش کی- امام ہمام نے فرمایا میں ابھی بہت نوعمر ہوں اور تم مجھ سے ایسی فرمائش کرتے ہو اچھا تو لو میں خود تمہارے شہر ہی کی ایسی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کروں گا کہ انہیں سن کر تم بھی جدید فائدہ حاصل کرو گے یہ کہہ کر حدیث "المرء مع من احب" سنائی اور فرمایا کہ میں اس حدیث کو سالم سے بواسطہ منصور نقل کر رہا ہوں اور تمہارے شہر میں یہ روایت سالم کے علاوہ دوسرے اور اشخاص سے روایت کی جاتی ہے اس لیے تم کو یہ نفع ہوگا کہ اپنی سندوں کے ساتھ اس طریق کو بھی شامل کر لو تاکہ اور موجب تقویت ہو' پوری مجلس میں امام بخاری نے صرف اسی قسم کی حدیثیں سنائیں جو ان کے شہر میں مشہور تھیں لیکن جب امام بخاریؒ نے ان کو روایت کیا تو ان کے لیے اس میں استفادے کا کوئی نہ کوئی جدید پہلو موجود تھا-

بڑے بڑے اساتذہ ومحدثین نے ان کے سامنے ایسے زمانہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا تھا جب کہ ان کے قرطاس وجہ[1] پر آثارِ شباب کا ایک خط بھی نمودار نہ ہوا تھا- اپنے زمانہ کے مشاہیر جیسے ابوزرعہ' ابوحاتم' ترمذی' محمد بن نصر' ابن خزیمہ اور امام مسلم صحیح مسلم کے علاوہ ان سے روایت کرتے تھے-

امام بخاریؒ کی جلالت قدر ✵ ابراہیم خواص کہتے ہیں[2] کہ میں نے ابوزرعہ کو امام بخاریؒ کے سامنے بچوں کی طرح علل حدیث دریافت کرتے ہوئے دیکھا ہے- دارمی جو عمر[3] میں امام بخاریؒ سے بڑے تھے اور جن کے امام بخاری بھی خود معتقد تھے فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب میں بڑے عالم' سب سے بڑے فقیہ اور علم کے لیے سب سے زیادہ جفاکش امام بخاریؒ ہیں- ایک مرتبہ ایک حدیث کے متعلق ان سے پوچھا گیا اور یہ بتا دیا گیا کہ امام بخاریؒ اس کو صحیح فرماتے تھے تو دارمی نے بیساختہ یہ الفاظ کہے:

"بخاری فن حدیث میں مجھ سے کہیں زیادہ بصیرت رکھتے ہیں- خدا کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر عقل مند ہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو انہوں نے خوب ہی سمجھا ہے- جب قرآن پڑھنے بیٹھتے ہیں تو ہمہ تن اس کے معنی سمجھنے میں غرق ہو جاتے ہیں اور اس کے امثال اور حلال وحرام کو اس طرح سمجھتے ہیں کہ کیا کہنا"-[4]

---

[1] تاریخ خطیب ج ۲ ص ۱۵- [2] طبقات الحفاظ ج ۲ ص ۸- [3] مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۹- [4] مقدمہ بخاری-

www.besturdubooks.net

مطالعہ حدیث میں شب بیداری ٭ محمد بن ابی حاتم وراق بخاری اور محمد بن یوسف فربری (صاحب نسخہ) اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ ایک رات میں پندرہ پندرہ اور بیس بیس مرتبہ اٹھ اٹھ کر چراغ روشن کرتے حدیث کا مطالعہ کرتے اور پھر سو جاتے۔[1]

تالیف بخاری کا سبب ٭ صحیح بخاری کی تصنیف کا واقعہ خود ان سے اس طرح منقول ہے کہ ایک دن یہ اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ امام اسحٰق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کاش تم حدیث کی کوئی ایسی کتاب جمع کرتے جس میں صرف صحیح صحیح حدیثیں ہوتیں یہ بات سب نے سنی مگر دل میں اسی کے اتری جس کے نصیب میں یہ سعادت روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ اس مجلس کے بعد ہی امام بخاری اس خدمت کے لیے کھڑے ہو گئے اور اس سلسلہ میں یہ خواب دیکھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا پنکھا جھل رہا ہوں اور مکھیاں اُڑا رہا ہوں۔ فن تعبیر کے ماہرین سے جب اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے کذب وافتراء کی مکھیاں اڑاؤ گے۔[2]

تالیف بخاری میں حیرت انگیز شرائط کا التزام ٭ غرض امام بخاریؒ نے کمر ہمت کس لی اور ان چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں، سخت سے سخت شرط کے مطابق حدیثیں انتخاب کرنا شروع کر دیں۔ صرف ذکاوت وحفظ ہی کا زور خرچ نہیں کیا بلکہ خلوصِ نیت، تقویٰ وطہارت کے آخری مرحلے بھی ختم کر ڈالے[3] یعنی جب کوئی حدیث لکھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے غسل فرماتے، دو رکعت نماز نفل ادا کرتے پھر کہیں کتاب میں ایک حدیث درج کرتے۔ اسی طرح جب فقہی وحدیثی اشارات کے لیے تراجم وابواب قائم کرتے اس وقت بھی یہی عمل کرتے۔ عبدالقدوس بن ہمام اپنے چند مشائخ سے ناقل ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب تراجم ''ریاض الجنہ'' میں بیٹھ کر لکھے ہیں اس جانکاہی اور ریاضت کے ساتھ سولہ[4] سال کی مدت میں یہ عظیم الشان اور عدیم النظیر کتاب مکمل ہوئی اور صفحۂ ہستی پر ایک ایسی تصنیف وجود میں آ گئی جس کا لقب کسی تردد کے بغیر ''**اصح الکتب بعد کتاب اللہ**'' قرار پایا۔ امت کے لاکھوں اور کروڑوں محدثین وعلماء نے سخت سے سخت کسوٹی پر اس کو کسا، بہت کچھ سعی وکوشش کے بعد وقف وارسال کی چہ میگوئیاں ضرور کی گئیں مگر جو لقب اس تصنیف کا مشہور ہو چکا تھا وہ پتھر کی لکیر تھا، نہ مٹنا تھا نہ مٹا۔

خلوصِ نیت کے آثارِ برکت ٭ اس میں برکت کا یہ عالم ہوا کہ نوے ہزار اشخاص نے اس کتاب کو بلا واسطہ امام بخاریؒ سے سنا، اس کی ۵۳ شرحیں لکھی گئیں جن میں بعض بعض شرح چودہ چودہ ضخیم جلدوں کی ہے ۲۲ متخرج لکھے گئے۔ محدثین کو چھوڑ کر نحویوں اور صرفیوں نے بھی اعراب وتصریف کی جو خدمت بن پڑی کی حتیٰ کہ جب متون وتراجم اعراب ونسخ کی تمام خدمتیں ختم ہو گئیں تو خدمت بخاری کی فہرست میں نام درج کرانے والے مشتاقوں نے قرآن کریم کی طرح اس کے حروف تہجی[5] ہی شمار کر ڈالے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جاتا ہے اس کے آثار قبولیت دنیا میں بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

بخاری شریف کی علمی خصوصیات کے متعلق اگر کچھ لکھا جائے تو بغیر کسی مبالغہ کے اس کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہے۔

---

[1] تاریخ خطیب ج ۲ ص ۱۳ و ۱۴۔ [2] ایضاً ج ۳ ص ۸۔ [3] ایضاً ج ۲ ص ۹۔ [4] خطیب ج ۲ ص ۱۴۔

[5] حضرت استاد مرحوم فرماتے تھے کہ یہ نسخہ میں نے خود دیکھا ہے بلکہ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ میرے پاس موجود ہے۔

www.besturdubooks.net

عوام کا تو ذکر ہی کیا بعض خواص کے ذہن میں بھی اتنا ہی ہے کہ یہ کتاب صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے لیکن جن کو کتاب بخاری پر کافی غور و مطالعہ کا وقت ملا ہے۔ انہیں یہ کتاب اصول و عقائد' عبادات و معاملات' غزوات و سیر' اسلامی معاشرت و تمدن' سیاست و سلطنت کی ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا نظر آتی ہے۔

خودداری ⁕ امام بخاریؒ کی خوداری کا یہ عالم تھا کہ عمر بن حفص اشتر کہتے ہیں۔ بصرہ میں ہم اور وہ ساتھ ہی علم کی تحصیل کرتے تھے۔ ایک دن امام بخاریؒ درس میں نہ آئے' ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس تن پوشی کے لیے کپڑے نہیں ہیں لیکن امام نے اس مرحلہ پر بھی اپنی فطری غیرت کی قربانی برداشت نہ کی۔ اور اپنے بے تکلف رفقاء سے بھی اس راز کو راز ہی کے درجہ میں رکھا۔ ان کا یہ حال دیکھ کر فوراً کپڑے مہیا کیے گئے اس کے بعد امام بخاریؒ پھر اسی طرح پابندی کے ساتھ درس گاہ میں آنے لگے۔[1]

ایک مرتبہ خالد بن احمد امیر بخاری نے درخواست کی کہ وہ ان کی مجلس میں آ کر اپنی تصنیف جامع اور تاریخ اس کو سنا دیں۔ امام نے اس سے صاف انکار کر دیا تو دوسرے درجہ پر اس نے اس کے لیے مجبور کیا کہ شہزادوں ہی کے لیے ایک مجلس ایسی مخصوص کر دیں جس میں ان کے سوا کوئی دوسرا شریک نہ ہو سکے۔ مگر امام بخاریؒ نے علم نبوی کی دولت کی تقسیم میں یہ تخصیص بھی گوارا نہ کی۔ آخر یہ ناگواریاں اتنی بڑھتی گئیں کہ امام بخاریؒ کو اپنا وطن مالوف چھوڑ دینا پڑا۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم دربدر مارے مارے پھر کر ہزاروں مصائب جھیل کر' حاصل کیا اور جب اس بے بہا خزانہ کو اپنے سینہ میں جمع کر لیا تو اپنے مورث اقدس کی طرح ہر خاص و عام کے سامنے اس کو بے منت لٹا دیا' اس کی خود عزت کی' دنیا کی نظروں میں اس کا احترام قائم کیا اور اسی کے احترام کی خاطر وطن سے بے وطن ہوئے' جان دے دی مگر علم کی آن بان اسی طرح قائم رکھی۔

سانحہ وفات ⁕ تذکروں میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ چند صحابہ کے ساتھ کھڑے کسی کا انتظار فرما رہے ہیں انہوں نے باادب سلام عرض کیا آپ نے جوابِ سلام دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کس کا انتظار ہے؟ فرمایا محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ آ رہے ہیں' ان کے انتظار میں ہوں جب امام بخاریؒ کی وفات کی خبر ان کو پہنچی' انہوں نے حساب لگایا تو ان کی وفات کا ٹھیک وہی وقت نکلا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں منتظر دیکھا تھا۔[3] خرتنگ میں دفن ہوئے۔

آپ کی قبر سے مشک و عنبر سے زیادہ عمدہ خوشبو پھوٹی یہ عجیب ماجرا دیکھ کر لوگ ٹوٹ پڑے اور اس مٹی کو تبرک سمجھ کر لوٹ لوٹ کر لے جانے لگے۔ حتیٰ کہ مزار مبارک کا نشان باقی رکھنے کے لیے اس کا انتظام کرنا پڑا کہ اس کی مٹی لوگ نہ لے جا سکیں لوگوں کو اس مٹی کی خوشبو پر تعجب ہو گا لیکن ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہے۔[4]

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

---

[1] تاریخ خطیب ج ۲ ص ۱۳۔ [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۳۔ [3] تاریخ خطیب ج ۲ ص ۳۴۔ [4] مقدمہ فتح الباری۔

www.besturdubooks.net

ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام الدارمی

ولادت ۱۸۱ھ وفات ۲۵۵ھ

جس سال عبداللہ بن المبارک کی وفات ہوئی ہے اسی سال حافظ دارمی کی ولادت ہوئی ہے' دیانت' علم' اجتہاد' اور عبادت میں ضرب المثل تھے- حدیث کی تلاش میں بلادِ اسلامیہ کا دُور دُور تک سفر کیا ہے- ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ دارمی اپنے زمانہ کے امام تھے- مسلم صاحب صحیح' ترمذی' ابوداؤد صاحب سنن اور امام احمدؒ کے فرزند جیسے ائمہ حدیث ان کی تلامذہ کی فہرست میں داخل ہیں- حافظ ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ- امام نسائی نے بھی سنن صغریٰ کے علاوہ ان سے روایت کی ہے- امام احمدؒ کے فرزند اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ خراسان میں چار شخص حافظ حدیث ہیں- ابوزرعہ رازی- محمد بن اسمٰعیل بخاری' عبداللہ ابن عبدالرحمٰن دارمی- حسن بن شجاع بلخی-

مسند دارمی آپ کی مشہور تصنیف ہے اس کو مسند کہنا محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے اس کتاب میں ثلاثیات سب کتابوں سے زیادہ ہیں- مجموعہ کتاب تین ہزار پانچ سوستاون حدیثوں پر مشتمل ہے- عرفہ کے دن آپ کی وفات ہوئی اور عیداضحیٰ جمعہ کے دن مدفون ہوئے- امام بخاریؒ کو جب ان کے وفات کی خبر پہنچی تو انتہائی صدمہ سے سر جھکا لیا' آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ حسرت آمیز شعر نکل گیا حالانکہ بجز ان اشعار کے جو حدیث میں روایت کیے گئے ہیں آپ کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتے تھے-

ان تبق تفجع بالا حبة کلها — اگر تو زندہ رہے گا تو تمام دوستوں کی مفارقت کا درد تجھ ہی کو اٹھانا پڑے گا-
و فناء نفسک لا ابا لک افجع — مگر تیری موت کا سانحہ ان سب سے دردناک ہے-

اسی سنہ میں نیشاپور کے مشہور محدث عبدالرحمٰن اور واسط کے محمد بن حرب نسائی اور دمشق کے موسیٰ بن عامر اور گروہِ کرامیہ کے بانی محمد بن کرام کی وفات ہوئی ۔[1]

ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی

ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ

سجستانی کی تحقیق میں یہاں مؤرخ ابن خلکان نے ایک مشہور غلطی کی ہے- وہ لکھتے ہیں کہ یہ بصرہ میں ایک قریہ کا نام ہے- تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ یہ ان کا وہم ہے- صحیح یہ ہے کہ سیستان قندھار و چشت کے قریب ایک مقام ہے یہ نسبت اسی کی طرف ہے اور سجزی کی نسبت بھی اسی کی طرف ہے انہوں نے مصر و شام' حجاز و عراق اور خراسان وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے-

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵ و بستان المحدثین-

www.besturdubooks.net

حفظ واتقان، روایت وعبادت، تقویٰ وصلاح میں یگانہ روزگار تھے- حاکم کہا کرتے تھے کہ ابوداؤد کسی پس وپیش کے بغیر اپنے زمانہ کے امام تھے- موسیٰ بن ابراہیم جوان کے معاصر تھے فرمایا کرتے تھے کہ ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں- ابراہیم بن حربی کا مقولہ ہے کہ علم حدیث ابوداؤد کے لیے اس طرح نرم کردیا گیا تھا جیسا حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا- حافظ سلفی نے بھی اس مضمون کو دہرایا ہے اور اس کو نظم کردیا ہے- ترمذی ونسائی جیسے ائمہ حدیث ان کے تلامذہ میں شمار ہیں- یہ عجیب اتفاق ہے کہ خود امام احمد تو ان کے اساتذہ میں ہیں لیکن امام احمدؒ کے بعض استادوں نے ان سے روایت کی ہے بلکہ امام احمدؒ نے بھی عتیرہ کی حدیث ان سے روایت کی ہے-

سنن ابی داؤد ان کی مشہور تصنیف ہے اس میں ۴۸۰۰ حدیثیں حسن وصحیح جمع کی ہیں- اور اپنے نزدیک کوئی ایسی حدیث درج نہیں کہ جو قابل حجت نہ ہو- ابوداؤد نے جب اس کتاب کو امام احمدؒ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بہت پسند فرمایا- ان کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے- ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں انہیں حنبلیوں میں شمار کیا ہے- حافظ ذہبی کے بیان سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے- وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابوداؤدؒ اپنے عام طور، طریق میں امام احمدؒ کے قدم بقدم تھے اور امام احمد وکیع کے اور وکیع سفیان کے اور سفیان منصور کے اور منصور ابراہیم کے اور ابراہیم علقمہ کے اور علقمہ ابن مسعودؓ کے اور ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے-

لباس میں آپ کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ اپنے قمیص کی ایک آستین فراخ اور دوسری تنگ رکھا کرتے تھے، جب آپ سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا ایک آستین تو اس لیے کشادہ رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ لوں دوسری آستین کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں- آپ کا مرقد مبارک بصرہ میں ہے-[1]

حجۃ الاسلام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشابوری

ولادت ۲۰۶ھ وفات ۲۶۱ھ

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں مشہور یہ ہے کہ ان کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی ہے لیکن مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ میں نے کسی حافظ کو ان کے سنہ ولادت کی تصریح کرتے نہیں دیکھا- البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ۲۰۰ھ کے بعد ہے- میرے شیخ حافظ ابن الصلاح ضرور کچھ تصریح فرماتے تھے مگر جہاں تک میرا گمان ہے ان کے نزدیک سن ولادت ۲۰۲ھ تھا اور اس کا اصل ماخذ حاکم کی ایک تصنیف تھی لیکن جب مجھے اصل کتاب دستیاب ہوئی اور وہ نسخہ میری ملکیت میں آ گیا تو اس میں سنہ ولادت کی بجائے صرف سنہ وفات ۲۶۱ھ لکھا ہوا تھا- ہاں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ ان کی عمر ۵۵ سال کی ہوئی ہے اس حساب سے ان کی ولادت ۲۰۶ھ میں ثابت ہوتی ہے-

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۲ و ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۴ و بستان المحدثین-

www.besturdubooks.net

6

ابو الحسین کنیت' عساکر الدین لقب اور مسلم ان کا اسم گرامی تھا - بنی قشیر عرب کے مشہور قبیلہ کی طرف منسوب تھے - نیشاپور خراسان میں ایک بہت خوب صورت اور بڑا شہر ہے اس لحاظ سے نیشاپوری بھی کہے جاتے تھے - ابو زرعہ اور ابو حاتم نے ان کی امامت حدیث کی گواہی دی ہے - ابو حاتم رازی اور ابن خزیمہ ان سے روایت کرنے والوں کی فہرست میں داخل ہیں - امام ترمذیؒ نے بھی ان سے ایک روایت کی ہے - بہت کثیر التصانیف شخص تھے - صحیح مسلم ان کی تصانیف میں اس پایہ کی کتاب ہے کہ بعض مغاربہ نے اس کے متعلق یہ الفاظ تک کہہ دیئے ہیں کہ آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں یہ دعویٰ اپنی جگہ جیسا کچھ بھی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ تصنیف فن حدیث کے بہت سے عجائبات پر مشتمل ہے - سرد اسانید' متون کا حسن سیاق' تلخیص طرق اور ضبط انتشار میں صحیح بخاری پر بھی فائق ہے -

ابن عقدہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی اکثر روایات اہل شام سے بطرق مناولہ ہیں یعنی ان کی کتابوں سے لی گئی ہیں خود ان کے مؤلفین سے نہیں سنی گئیں اس لیے ان کے راویوں میں کبھی کبھی امام بخاریؒ سے غلطی واقع ہو جاتی ہے ایک ہی راوی کہیں اپنی کنیت اور کہیں اپنے نام سے مذکور ہوتا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو دو شخص سمجھ لیتے ہیں - یہ مغالطہ امام مسلم کو پیش نہیں آتا - نیز حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تصرفات مثلاً تقدیم و تاخیر حذف و اختصار کی وجہ سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہو جاتی ہے ہر چند کہ خود بخاری ہی کے دوسرے طرق دیکھ کر وہ صاف بھی ہو جاتی ہے لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ طریقہ ہی اختیار نہیں کیا بلکہ متون حدیث کو موتیوں کی لڑی کی طرح اس طرح مرتب روایت کیا ہے کہ تعقید کی بجائے اس کے معانی اور چمکتے چلے جاتے ہیں -

خطیب بغدادی ان کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی تلاش میں عراق' حجاز' مصر شام وغیرہ کا سفر کیا ہے - قتیبہ' اسحاق بن راہویہ' امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے ائمہ اور اجلہ محدثین سے علم حاصل کیا ہے - ابتداء میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کچھ مانوس نہ تھے لیکن جب امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آخر عمر میں نیشاپور پہنچے اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی محیر العقول حدیث کی معرفت اپنی آنکھوں سے دیکھی تو ان کے تمام پہلے خیالات' عقیدت اور جذبات محبت سے بدل گئے - امام کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور قدموں کو بوسہ دینے کی خواہش ظاہر کی - استاد الاساتذین سید المحدثین طبیب الحدیث فی علله کے محبت بھرے خطابات سے یاد کیا - خلق قرآن کے مسئلہ میں محمد بن یحییٰ ذھلی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف جب حد سے بڑھ گیا حتیٰ کہ ذھلی نے یہ اعلان کر دیا کہ جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشرب پر ہو وہ ہمارے حلقہ درس میں شریک نہ ہو تو یہ سن کر اکثر لوگ امام بخاریؒ سے کٹ گئے - لیکن ایک امام مسلم تھے جو علوم بخاری سے کچھ ایسے مخمور ہو چکے تھے کہ انہیں کسی دوسرے محدث کے علوم میں اب کوئی ذائقہ ہی نہ آتا تھا فوراً چادر سنبھال' عمامہ سر پر رکھ' ذھلی کی مجلس اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے علوم کا جو ذخیرہ اب تک حاصل کیا تھا وہ بھی ایک خادم کے سر پر رکھ کر ان کے مکان پر واپس کر دیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقابلہ میں

---

[1] (تاریخ خطیب ج ۱۳ ص ۱۰۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۰ و ابن خلکان ج ۲ ص ۹۱)

www.besturdubooks.net

اپنے استاد محمد بن یحییٰ ذہلی کو ہمیشہ کے لیے خیرآباد کہہ دیا۔

ان کی وفات کے بعد ابو حاتم رازی نے ان کو خواب میں دیکھا حال پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے جہاں چاہتا ہوں پھرتا ہوں۔ ابو علی زاغونی کو ایک ثقہ شخص نے خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کس عمل سے آپ کی نجات ہوئی انہوں نے صحیح مسلم کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان اجزاء کی بدولت۔

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی

ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ

شیخ تقی الدینؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی تاء کے کسرہ کے ساتھ قریب قریب متواتر ہے۔ نہر جیحون کے کنارہ پر ایک قدیم شہر ہے۔ لفظ ماوراء النہر میں نہر سے بیشتر یہی نہر مراد لی گئی ہے۔ یہ امام بخاریؒ کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ خود امام بخاریؒ سے ان کے حق میں بہت سے کلماتِ تعریف منقول ہیں۔ محدثین ان کو امام بخاریؒ کا خلیفہ کہتے ہیں' ان کے افتخار کے لیے یہ کافی ہے کہ خود امام بخاریؒ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ مسلم' ابو داؤد اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ کوفہ' بصرہ' رے' خراسان اور حجاز میں طلب حدیث کے لیے سالہا سال سفر کرتے رہے ہیں۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شیخ کی روایات کے دو جزء انہوں نے نقل کیے تھے مگر اب تک ان کو پڑھ کر سنانے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ مکہ مکرمہ کے راستہ میں اتفاقاً ان سے ملاقات ہو گئی۔ ترمذی نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزاء کے قراءت کی درخواست پیش کی۔ شیخ نے قبول فرمایا اور کہا ان اجزاء کو نکال لو میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ۔ امام ترمذی نے تلاش کیا تو اتفاقاً وہ اجزاء ان کے ساتھ نہ تھے۔ ترمذی بہت گھبرائے لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ آیا کہ دو اجزاء سادے کاغذ کے ہاتھ میں لے کر فرضی طور پر سننے میں مشغول ہو جائیں۔ شیخ نے قراءت شروع کی اتفاقاً ان کی نظر کاغذات پر پڑ گئی تو سادے نظر آئے۔ شیخ کو طیش آیا اور فرمایا کیا میرا مذاق بناتے ہو ترمذی نے مجبوراً جو واقعہ تھا صاف عرض کر دیا اور کہا اگرچہ وہ اجزاء میرے ساتھ نہیں ہیں لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں۔ شیخ نے فرمایا اچھا ذرا پڑھ کر تو سناؤ۔ ترمذی نے وہ تمام حدیثیں پڑھ کر سنا دیں۔ شیخ بہت متعجب ہوئے اور فرمایا یقین نہیں آتا کہ صرف میرے ایک بار پڑھنے سے یہ سب حدیثیں تم کو محفوظ ہو گئی ہوں گی۔ ترمذی نے عرض کیا اچھا اب امتحان کر لیجئے۔ شیخ نے خاص اپنی چالیس حدیثیں اور پڑھیں ترمذی نے فوراً ان کو بھی اس صحت کے ساتھ سنا دیا کہ کہیں ایک جگہ غلطی نہیں ہوئی۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ ان کے حفظ کے اور بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

جامع ترمذی ان کی بہت مشہور اور مقبول تصنیف ہے۔ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ عراقیین و حجازیین دونوں کے مسائل پر علیحدہ علیحدہ باب قائم کرتے ہیں' ہر باب کے تحت میں اگرچہ حدیث کا ذخیرہ تفصیلاً تو زیادہ پیش نہیں کرتے لیکن اس باب میں جتنے صحابہ کی حدیثیں ان کے زیر نظر ہوتی ہیں سب کی طرف صحابہؓ کے نام گنوا کر اشارات کر جاتے ہیں۔ رواۃ کی جرح و تعدیل مشہور اسماء کی کنیتیں اور مشہور کنیتوں کے اسماء سلف کا تعامل' ائمہ کے مذاہب پر تقریباً ہر باب

www.besturdubooks.net

میں تنبیہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے اگر چہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب ہے۔ ترمذی سے پہلے بھی گو حدیث کی ثلاثی تقسیم کا پتہ ملتا ہے مگر حسن وصحیح کو ہر جگہ اتنا روشن کرنے والے یہی پہلے شخص ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔[1]

حفظ واتقان، علم وفہم کے ساتھ بہت خدا ترس بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت ان پر اتنا غالب تھا کہ روتے روتے آخر کار اُن کی بینائی جاتی رہی تھی۔

ان کی کنیت ابوعیسیٰ تھی۔ ابوداؤد میں اس کنیت کی ممانعت منقول ہے۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بستان المحدثین میں عام شارحین کے علاوہ ایک جدید توجیہ کی ہے مراجعت کی جائے۔[2]

ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجۃ الربعی

ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۳ھ

لفظ ماجہ جیم کی تخفیف کے ساتھ ہے صحیح یہ ہے کہ یہ ان کی والدہ کا نام تھا۔

ابویعلی خلیلی فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ متفق علیہ ثقہ تھے۔ فن حدیث وتفسیر کے علاوہ علم تاریخ کے بھی بڑے عالم تھے ان کا قول قابل حجت تھا۔ حدیث کی تلاش میں انہوں نے کوفہ، بصرہ، عراق، شام، مکہ مکرمہ اور مصر وغیرہ کا سفر کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ حدیث میں ان کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ کتاب چار ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ تصنیف کرنے کے بعد جب یہ کتاب میں نے حافظ ابوزرعہ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کتاب میں تیس سے زیادہ ضعیف حدیثیں نہیں ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ اگر چند کمزور حدیثیں اس میں نہ ہوتیں تو یہ کتاب بہت عمدہ ہوتی۔[3]

---

[1] حضرت استاذؒ فرماتے تھے کہ ترمذی کی اس تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے صرف سند کی قوت درکار نہیں ورنہ ترمذی کی بہت سی وہ حدیثیں جن پر خود انہوں نے ضعف کا حکم لگایا ہے معمول بہ کیسے ہو سکتی ہیں۔

[2] تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۷ و ابن خلکان ج ا ص ۴۸۴۔ بستان المحدثین۔

[3] تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۹ و ابن خلکان ج ا ص ۴۸۴۔

www.besturdubooks.net

ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی

نساء خراسان میں ایک مشہور شہر ہے- اس کی طرف نسبت میں نسوی بھی کہا جاتا ہے- بہت بڑے حافظ حدیث تھے- ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے پوچھا مسلم زیادہ حفظ رکھتے ہیں یا نسائی فرمایا نسائی[1] پھر میں نے اپنے والد سے یہی سوال کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا-

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن علی زنجانی سے میں نے ایک شخص کا حال دریافت کیا انہوں نے اس کو ثقہ فرمایا- میں نے کہا نسائی تو اس کو ضعیف کہتے تھے فرمایا عزیز من راویوں کے متعلق نسائی کی شرائط بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت تھیں- ابن الحداد شافعی فرماتے ہیں کہ میں اپنے اور اللہ کے مابین نسائی کو واسطہ بنا چکا ہوں- طلب حدیث کے لیے انہوں نے حجاز' عراق' شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا تھا- بڑے بڑے شیوخ سے ملاقات کی تھی- سب سے پہلے یہ قتیبہ بن سعد کے پاس گئے ہیں اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی اور ایک سال دو ماہ ان کی خدمت میں قیام کیا ہے- کہتے ہیں کہ فروع میں یہ شافعی مسلک پر تھے- ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے- پہلے انہوں نے سنن کبریٰ تصنیف فرمائی تھی- امیر وقت نے ان سے پوچھا کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں کیا وہ سب صحیح ہیں- فرمایا نہیں حسن بھی ہیں- اس نے کہا میرے لیے ایک ایسا مجموعہ مرتب فرما دیجئے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں- اس کے بعد امام نے سنن صغریٰ[2] تالیف کی جس کو مجتبیٰ بھی کہا جاتا ہے- ان کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ حضرت علیؓ اور اہل بیت کے مناقب لکھ کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے چاہا کہ ان کو دمشق کی جامع مسجد میں پڑھ کر سنائیں تاکہ بنوامیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں ناصبیۃ کی طرف جو رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح ہو جائے- ابھی اس کا تھوڑا سا حصہ ہی پڑھنے پائے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا امیر معاویہؓ کے فضائل کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے؟ نسائی نے جواب دیا اگر وہ برابر سرابر چھوٹ جائیں تو بسا غنیمت ہے مناقب تو ان کے کہاں ہیں- پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ' شیعہ' کہہ کر اتنا مارا کہ نیم جان کر دیا' خادم انہیں اُٹھا کر گھر لے آئے- امام نسائی نے فرمایا مجھے ابھی مکہ مکرمہ پہنچاؤ تاکہ میرا آخر وقت وہیں ہو کہتے ہیں کہ جب امام مکہ مکرمہ پہنچے تو ان کا انتقال ہو گیا اور صفا و مروہ کے درمیان دفن کیے گئے-

(تذکرہ ج ۲ ص ۲۴۱ والطبقات ج ۲ ص ۸۳ وابن خلکان ج ۱ ص ۲۱)

---

[1] واضح رہے کہ جو سوال و جواب یہاں مذکورہ ہے وہ خود امام مسلم و نسائی کے متعلق ہے ان کی تصنیفات کے متعلق نہیں ہے مسلم کی کتاب نسائی سے بلاشبہ زیادہ صحیح ہے-

[2] واضح رہے کہ بعض مرتبہ شارحین سنن نسائی کا حوالہ دیتے ہیں اور وہ حدیث سنن صغریٰ میں نہیں ملتی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا سہو ہے حالانکہ ان کی مراد سنن کبریٰ ہوتی ہے-

www.besturdubooks.net

احمد بن محمد ابو جعفر الطحاوی الامام

ولادت ۲۳۷ھ وفات ۳۲۱ھ

ابو جعفر ان کی کنیت ہے اور طحا مصر میں ایک قریہ ہے اسی کی طرف یہ منسوب ہیں- ابو اسحٰق شیرازی طبقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں حنفیہ کی سیادت کا ان پر خاتمہ تھا- ذہبیؒ نے ان کو علامہ اور حافظ کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ تصانیف عجیبہ کے مالک تھے- ابن یونس نے ان کے حق میں ثقہ' ثبت' فقیہ اور عاقل کے الفاظ استعمال کیے ہیں-

مزنی ان کے ماموں تھے اور ان ہی کی زیر تربیت انہوں نے ابتداء میں تعلیم حاصل کی ہے اور اسی لیے شافعی مسلک رکھتے تھے ایک دن کسی بات پر ناراض ہو کر مزنی نے ان سے فرمایا خدا کی قسم تجھ سے کچھ نہیں ہو سکے گا- یہ سن کر امام طحاویؒ کو بہت غیرت آئی اور وہاں سے اٹھ کر قاضی ابن ابی عمران حنفی کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور حنفی مذہب میں ایسی مہارت پیدا کی کہ اپنے زمانہ میں تو کیا بعد کے زمانوں میں بھی حنفیوں کے مقتدا کہلائے- امام طحاویؒ کے انتقال مسلک کے سلسلہ میں عام طور پر اس واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے- حالانکہ صرف اتنی سی بات کسی شاگرد کو اپنے استاد کا مسلک چھوڑنے کا سبب نہیں بن سکتی' اس کا اصل سبب خود امام طحاویؒ کی زبانی ہی کیوں نہ معلوم کیا جائے-

مورخ ابن خلکان نقل کرتا ہے کہ امام طحاوی سے پوچھا گیا آپ نے اپنے ماموں کے خلاف حنفی مسلک کیوں اختیار فرمایا- امام نے جواب دیا اس لیے کہ میں اپنے ماموں کو اکثر حنفی مسلک کی کتابوں کا مطالعہ کرتے دیکھا کرتا تھا اس لیے میں نے بھی اس مسلک کو اختیار کر لیا ہے- ہمارے نزدیک یہ وجہ البتہ معقول ہو سکتی ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ اس ارادہ کا ظہور امام مزنی کی اس ناراضگی پر ہوا ہو-

امام طحاویؒ بہت کثیر التصانیف شخص ہیں[1] اختلاف العلماء اور شروط کے موضوع پر ان کے علاوہ کسی نے کم قلم اٹھایا ہے- تاریخ کبیر' احکام القرآن' معانی الآثار ان کی بہت مشہور تصنیفیں ہیں- حافظ ابن حزم اندلسی تو طحاوی کی تصانیف کو موطا مالک پر بھی ترجیح دیتے تھے- ہمارے نزدیک اگر ان کا یہ حکم احادیث کی نشست اور مسائل کی فقہی تقریر کے لحاظ سے ہو تو صحیح ہے ورنہ اگر صحت اسانید و متون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مقولہ ابن حزمؒ کی جلالت شان کے کسی طرح موزوں نہیں- امام طحاویؒ جب مختصر الطحاوی تالیف کر چکے تو فرمایا- کاش ابو ابراہیم (مزنی کی کنیت ہے) آج زندہ ہوتے تو ان کو اپنی قسم کا کفارہ دینا پڑتا-

جس سال امام طحاویؒ کی وفات ہوئی..... اسی سال علم حدیث کے بہت سے چراغ گل ہوئے..... مصر میں طحاوی کے شیخ' ابو بکر احمد بن عبد الوارث ہرات میں' ابو علی احمد بن محمد' اصبہان میں' ابو علی الحسن' بغداد میں' ابو عثمان سعید بن محمد' اور ابو علی جبائی کے فرزند اور شیخ المعتزلہ ابو ہاشم وغیرہم-

امام طحاویؒ کے سنہ ولادت میں اختلاف ہے- ابن خلکان کہتے ہیں کہ صحیح ۲۲۹ھ ہے-[2]

---

[1] حضرت استاد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مالکیہ نے ان کی تصانیف سے جس قدر استفادہ کیا ہے افسوس ہے کہ اتنا خود حنفیہ نے استفادہ نہیں کیا- اگر کاش معانی الآثار کی پوری خدمت کر دی جائے تو وہ رتبہ میں ابوداؤد سے کم نہ ہوگی- [2] تذکرہ ج ۳ ص ۲۸ و ابن خلکان ج ۱ ص ۱۹-

www.besturdubooks.net

ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی

ولادت ۲٦۰ھ وفات ۳٦۰ھ

ملک شام موضع عکاء میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔ طبرانی طبریہ کی طرف منسوب ہے ابن خلکان لکھتا ہے کہ طبرستان کی طرف نسبت طبری آتی ہے۔ طلب علم کے لیے حرمین شریفین، یمن، شام، کوفہ، بصرہ، مصر، بغداد اور اصفہان وغیرہ کا سفر کیا ہے آپ کے والد بزرگوار کو علم حدیث سے بڑا شغف تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ کی خدمت میں انہیں خود لے جایا کرتے تھے۔ تحصیل علم میں انہوں نے بڑی بڑی مشقتیں جھیلی ہیں۔ تیس سال مسلسل بوریے پر سوئے ہیں۔ وسعت علم میں اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھے۔

ابو العباس احمد بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ ان کی اکثر تصانیف اس وقت ناپید ہیں حافظ ابن مندہ نے ان سب کا ذکر کیا ہے۔ کتاب المسالک، کتاب عشرۃ النساء، کتاب النوادر کتاب دلائل النبوۃ کے سوا انہوں نے ایک بہت بڑی تفسیر بھی لکھی ہے اور حدیث میں تین معجم بھی لکھے ہیں جن کے حوالہ جات اکثر شروحِ حدیث میں ملتے ہیں۔ ابن عمید مشہور ادیب اور وزیر تھا اس کا گمان تھا کہ علم و سلطنت کے دونوں عہدے میرے پاس ہیں آج مجھ سے زیادہ عزت کس کو حاصل ہو سکتی ہے۔

ایک مرتبہ ابوبکر جعابی اور ابو القاسم طبرانی کے درمیان ابن عمید کے سامنے ایک مکالمہ ہوا۔ دورانِ گفتگو میں ابوبکر کا پلہ ذکاوت میں اور ابو القاسم کا کثرت محفوظات میں بھاری نظر آ رہا تھا۔ اتفاقاً اثناء گفتگو میں ابوبکر نے کہا کہ ایک حدیث میرے پاس ایسی ہے جو اس وقت دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے پھر یہ سند پڑھی حدثنا ابو حنیفه ثنا سلیمان بن ایوب ابو القاسم۔ اس پر طبرانی نے کہا آپ جانتے بھی ہیں سلیمان بن ایوب کون ہیں وہ خود میں ہی تو ہوں اور یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے شاگرد ہیں اب آپ اس روایت کو ابو حنیفہ کی بجائے براہ راست مجھ سے ہی روایت کیا کیجئے تا کہ ایک واسطہ اور گھٹ جائے اور آپ کی سند عالی ہو جائے۔ یہ سن کر ابوبکر کو بڑی خفت ہوئی۔ ابن عمید کہتے ہیں کہ اس وقت طبرانی کا اعزاز دیکھ کر مجھے ان پر رشک ہونے لگا۔ کاش کہ میں آج طبرانی ہوتا اور وزیر نہ ہوتا کہ فتح و ظفر کا یہ علمی تمغہ مجھے نصیب ہوتا۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ رشک بھی ابن عمید میں وزارت کے بقیہ اثرات کا نتیجہ تھا ورنہ علماء ربانیین پر ایسے امور کچھ اثر انداز نہیں ہوتے۔ آخر عمر میں قرامطہ نے ان پر جادو کر دیا تھا اور اس کے اثر سے ان کی بصارت زائل ہو گئی تھی۔ حافظ ابو نعیم اصبہانی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔[1]

❀❀❀

---

[1] تذکرہ ج ۳ ص ۱۱۸ و ابن خلکان ج ۱ ص ۳۱۵۔

www.besturdubooks.net

ابوالحسن علی بن عمر الدار قطنی

ولادت ۳۰۶ھ وفات ۳۸۵ھ

دارقطن بغداد میں ایک بڑا محلہ ہے وہی ان کا مسکن تھا- طلب حدیث کے لیے انہوں نے کوفہ' بصرہ' شام' واسط' مصر اور دیگر بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے- مشہور شافعی المذہب تھے- حاکم' عبدالغنی منذری تمام رازی صاحب فوائد اور ابو نعیم صاحب الحلیہ جیسے ائمہ حدیث ان کے زمرہ تلامذہ میں شامل تھے- فن علل و اسماء الرجال میں استاد مانے جاتے تھے اور اپنا نظیر نہ رکھتے تھے- خطیب و حاکم وغیرہ کو آپ کے اس تفوق کا اعتراف تھا- فنون حدیث کے علاوہ فن قراءت ونحو میں بھی آپ کو کافی دست گاہ تھی- قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ شباب میں اسمٰعیل صفار کی مجلس املاء میں بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اس طرح تو تمہارا سماع معتبر نہیں ہوسکتا- ایک طرف لکھنے میں مشغول ہو اور دوسری طرف حدیث بھی سن رہے ہو- دارقطنی نے کہا اچھا جناب کو یاد ہے کہ اب تک شیخ نے کتنی حدیثیں املاء کرائی ہیں انہوں نے کہا نہیں- دارقطنی نے فرمایا اٹھارہ حدیثیں- پھر ان تمام حدیثوں کو بالترتیب حفظ پڑھ کر سنا دیا یہ دیکھ کر اہل مجلس حیران رہ گئے-

ابوالحسن بیضاوی ایک شخص کو اپنے ہمراہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ شخص بڑی دور دراز سے علم حدیث طلب کرنے کے لیے آیا ہے برائے مہربانی چند حدیثیں اس کو بھی املاء کرا دیجئے- دارقطنی نے پہلے تو عذر کیا جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو از راہِ ظرافت بیس سند کے ساتھ یہی ایک حدیث روایت کی-

نعم الشیء الهدية امام الحاجة. اپنی حاجت ظاہر کرنے سے قبل کچھ ہدیہ پیش کرنا بہت اچھا ادب ہے-

دوسرے دن وہ شخص مناسب ہدیہ لے کر حاضر ہوا- آپ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور سترہ سندوں کے ساتھ حدیث کا یہ متن املاء کرایا-

اذا اتاكم كريم قوم فاكرموه. جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز شخص آئے تو اس کی توقیر کیا کرو-

آپ کی علمی ظرافتوں میں سے ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دن آپ نماز میں مشغول تھے اور کوئی شخص غلطی سے نسیر کو بشیر پڑھ رہا تھا- دارقطنی نے سبحان اللہ! کہا تا کہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائے مگر وہ نہ ہوا اور اب کی بار یسیر یاء کے ساتھ پڑھنے لگا- جب دارقطنی نے دیکھا کہ یہ کسی طرح اصلاح پر نہیں آتا تو بآواز بلند ﴿نون و القلم و ما یسطرون﴾ پڑھنا شروع کر دیا تا کہ وہ سمجھ جائے کہ اس راوی کا نام نون کے ساتھ ہے- اسی طرح ایک شخص عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھ رہا تھا' یہاں بھی دارقطنی نے سبحان اللہ کہا جب وہ اداء کرنے میں اٹکنے لگا تو دارقطنی نے یہ آیت تلاوت کی ﴿یا شعیب اصلوتک تامرک﴾.

حافظ ابونصر ماکولا کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فرشتوں سے دارقطنی کا حال پوچھ رہا ہوں انہوں نے مجھے یہ جواب دیا ہے کہ جنت میں ان کا لقب امام ہے-

مقبرۂ باب حرب میں معروف کرخیؒ کے پاس آپ کا مزارِ مبارک بنا ہوا ہے-[1]

---

[1] تذکرہ ج ۳ ص ۱۸۶ و ابن خلکان ج ۱ ص ۳۳۱-

www.besturdubooks.net

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

ولادت ۳۲۱ھ وفات ۴۰۵ھ

حاکم نیشاپور کے باشندہ تھے اور ابن البیع کی کنیت سے مشہور تھے- اردو زبان میں اس کا ترجمہ بیوپاری لڑکا ہے- چونکہ یہ قاضی تھے اس لیے حاکم ان کا لقب پڑ گیا تھا- طہمان ان کے جد تھے اس مناسبت سے ان کو طہمانی بھی کہہ دیتے تھے- بچپن میں ہی ان کو علم حدیث کا شوق تھا' ان کے والد اور ماموں کو بھی علم حدیث سے بڑا شغف تھا- حدیث کی تلاش میں انہوں نے خراساں' ماوراء النہر اور دیگر بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے ان کے شیوخ کی تعداد دو ہزار تھی جن میں ایک ہزار صرف نیشاپور کے شیوخ تھے- ابوذر ہروی صاحب روایت بخاری ابویعلیٰ' ابوالقاسم قشیری اور بیہقی وغیرہ جیسے ائمہ حدیث ان سے روایت کرنے والوں کی صف میں داخل ہیں- ابوحازم نقل کرتے ہیں کہ حاکم نے آب زمزم پی کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء مانگی تھی کہ مجھے حسن تصنیف مرحمت ہو' ان کے زمانہ میں تین حافظ حدیث اور تھے' ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا- ان کے مابین فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ علل حدیث کی معرفت میں تو دارقطنی ممتاز تھے- ابن مندہ کثرت احادیث میں' عبدالغنی منذری انساب میں اور حاکم حسن تصنیف میں-

خطیب نے ان کو ثقہ کہنے کے باوجود ان میں شیعیت کی نکتہ چینی کی ہے- یہ واضح رہنا چاہیے کہ سلف میں جو شخص حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتا تھا وہ شیعیت سے متہم ہو جاتا تھا- رفض اور شیعیت میں بہت فرق تھا- طبقات الشافعیہ میں بہت تفصیل کے ساتھ ان کی براءت پر کلام کیا ہے اور اس کا سب سے کھلا ثبوت خود ان کی تصنیف سے یہ پیش کیا ہے کہ حاکم نے مستدرک میں شیخین کی خلافت پر ایک نص صریح پیش کی ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے متعلق بھی ایک حدیث روایت کی ہے اور ان دونوں حدیثوں کو صحیح کہا ہے حالانکہ دونوں کی سند میں کلام کرنے کی بہت گنجائش ہے اسی لیے حافظ ذہبی نے حاکم کی تصحیح پر تعقب کیا ہے- حاکم کی صفائی کے لیے اس سے زیادہ کھلا ہوا ثبوت اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے ان کی تصانیف بہت ہیں- ابن خلکان نے ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار لکھی ہے- کتاب الاکلیل ان کی بہت مفید تصنیف ہے ہر مفسر کو اس کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہے-

علم حدیث کے علاوہ ان کو دیگر علوم میں بھی کافی مہارت تھی لیکن چونکہ یہ زیادہ مشغلہ حدیث ہی کا رکھتے تھے اس لیے محدث مشہور ہو گئے تھے مستدرک حاکم ان کی بہت مشہور تصنیف ہے اور حال میں طبع بھی ہو گئی ہے حاکم کا خیال ہے کہ اس کی تمام حدیثیں شیخین کی شرط پر ہیں مگر علماء نے ان کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا- ذہبی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس کی بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں اور اسی ضرورت سے انہوں نے تلخیص المستدرک تصنیف فرمائی ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ حاکم کی تصحیح پر کسی کو اعتماد کرنا درست نہیں ہے جب تک کہ میرے تعقبات نہ دیکھ لے- حاکم کے دعویٰ کے بالکل بالمقابل ابوسعید کا دعویٰ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو از اوّل تا آخر دیکھا ہے اس میں ایک حدیث بھی شیخین کی شرط پر نہیں ہے- ذہبی فرماتے ہیں کہ ابوسعید کا یہ بیان بھی صریح زیادتی ہے- حقیقت یہ ہے کہ اس کی نصف حدیثیں صحیحین یا ان میں سے ایک نہ ایک کی شرط پر ضرور ہیں اور ایک چوتھائی

www.besturdubooks.net

حصہ ایسا ہے جو اگر چہ شیخین کی شرط پر نہ ہو لیکن صحیح ضرور ہے۔ البتہ کتاب کا بقیہ چوتھائی حصہ کمزور اور منکر احادیث پر مشتمل ہے بلکہ اس میں موضوعات بھی ہیں جن پر تلخیص المستدرک میں تنبیہ کر دی گئی ہے اور ان چند حدیثوں کی وجہ ہی سے مستدرک تمام کی تمام بے رونق ہو گئی ہے۔

طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو الفضل ہمدانی جس کا لقب بدیع الزماں مشہور ہے' نیشاپور آیا۔ اسے اپنے حافظہ پر بڑا ناز تھا۔ سو سو اشعار ایک مجلس میں سنتا اور ایک ہی بار سن کر اس کو اس طرح محفوظ ہو جاتے کہ اوّل سے آخر تک پھر آخر سے اوّل تک بالترتیب ان کو سنا جاتا۔ جب اس کے سامنے حفاظِ حدیث کا ذکر آیا تو اس نے اپنے حفظ کے مقابلہ میں ان کو ہیچ سمجھا۔ حاکم کو یہ خبر ملی تو انہوں نے حدیث کا ایک جزء اس کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ایک ہفتہ کی مہلت ہے یاد کر کے سنا دو۔ ایک ہفتہ بعد وہ اجزاء اس نے واپس کر دیئے اور کہا کہ ان مختلف الفاظ' مختلف مضامین اور راویوں کے غیر مرتبط ذخیرہ کو بھلا کون یاد کر سکتا ہے حاکم نے کہا تو اب اپنی حیثیت پہچانو اور آئندہ شیخی کبھی مت بگھارو۔

ان کی وفات اچانک واقع ہوئی ایک دن غسل کے لیے حمام میں تشریف لے گئے جب غسل سے فارغ ہوئے اور لنگی باندھ لی تو ابھی قمیص پہننے نہیں پائے تھے کہ ایک آہ کھینچی اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی[1]

ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی

ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۷ھ

یہ فارسی النسل تھے۔ قرطبہ میں ان کی ولادت ہوئی ہے فقیہ' مجتہد اور صاحب تصانیف شخص تھے۔ حفظ نہایت قوی تھا اور انتہا درجہ کے ذکی تھے۔ علوم کی وسعت بے نہایت تھی۔ پہلے شافعی مذہب رکھتے تھے پھر داؤد ظاہری کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ قیاس کے سرے سے منکر تھے۔ فن منطق محمد بن حسن مذحجی سے حاصل کیا تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اسماء الٰہیہ کے متعلق میں نے ان کی ایک تصنیف دیکھی اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کس غضب کے حافظ اور ذکی تھے۔ صاعد بن احمد فرماتے ہیں کہ ابن حزم مختلف زبانوں کی مہارت رکھتے تھے اور علوم اسلامیہ کے علاوہ بلاغت اور شاعری وغیرہ میں تمام اہل اندلس پر فائق تھے۔ ان کے فرزند بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کی تصنیفات کے اسّی ہزار ورق میرے پاس موجود ہیں۔ حمیدی کہتے ہیں ابو محمد حافظ حدیث اور مجتہد ہونے کے سوا دیگر علوم میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے اور اسی کے ساتھ باعمل بھی تھے۔ ہم نے ان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس میں سرعت حفظ' ذکاوت' تدین اور شرافت مزاج کے سب اوصاف بیک وقت جمع ہوں۔ فی البدیہ اشعار کہنے میں تو ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کی تصانیف میں کتاب الاحکام' المحلی والمجلی اور الفصل فی الملل والنحل وغیرہ دنیا کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

---

[1] تذکرہ ج ۳ ص ۲۲۷ والطبقات ج ۳ ص ۶۴ وابن خلکان ج ۱ ص ۴۸۴ دبستان۔

www.besturdubooks.net

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے تھے کہ جتنا علم میں نے محلی ابن حزم اور مغنی ابن قدامہ میں دیکھا ہے اتنا کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا - ذہبی نے بھی ان کی جلالت قدر کو تسلیم کیا ہے - ان تمام اوصاف کے باوجود ان میں ایک خطرناک کمزوری بھی تھی - اپنی رائے پر انتہا درجہ جمود اور اپنے مخالف کی سخت الفاظ میں تجہیل و تحمیق حتیٰ کہ ائمہ ومحدثین کی بھی نہایت درشت اور نازیبا لہجہ میں تردید کرتے تھے -

ابن خلکان ابوالعباس سے ناقل ہیں کہ حجاج کی تلوار اور ان کی زبان ہم وزن مشہور تھی اور اسی وجہ سے ان کو جلاء وطن کر دیا گیا تھا - اس کی وجہ انہوں نے مداواۃ النفوس میں خود یہ تحریر فرمائی ہے کہ میری تلی بڑھ گئی تھی اور اس لیے میرے مزاج میں اتنا تغیر پیدا ہو گیا تھا کہ مجھے خود اس پر تعجب ہے - حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مقدمہ ابن الصلاح کی تلخیص میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حافظ ابن حجرؒ نے ترمذی کے تذکرہ میں یہ تصریح کی ہے کہ ابن حزم اپنی علمی وسعت کے باوجود ترمذی اور ان کی تصنیف سے ناواقف تھے -[1]

ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی

ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۸ھ

شافعیہ کے بہت بڑے اور مشہور محدث ہیں - حاکمؒ ابوطاہرؒ ابن فورک متکلم اور ابوعلی رودباری صوفی اور ابوعبدالرحمٰن سلمی صوفی وغیرہم سے علوم حاصل کیے تھے - طلب علوم کے لیے کوفہ بغداد خراسان حجاز اور دیگر بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ہے - بہت کثیر التصانیف محدث تھے - ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک ہزار تک شمار کی گئی ہے - اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں بڑی برکت مرحمت فرمائی تھی -

ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نصوص شافعی جمع کی ہیں سبکی نے اس پر تعقب کیا ہے اور طبقات میں لکھا ہے کہ ان کو پہلا شخص کہنے کی بجائے آخری شخص کہا جائے تو صحیح ہے ان کے قلم سے ایسی ایسی تصانیف نکلی ہیں جن کی نظیر سابقین میں بھی خال خال ملتی ہے - کتاب الاسماء والصفات کی نسبت سبکی فرماتے ہیں کہ اپنا ثانی نہیں رکھتی - دلائل النبوۃ مناقب الشافعی دعوات الکبیر شعب الایمان کو سبکی نے قسم کھا کر بےنظیر کہا ہے - سنن کبریٰ - سنن صغریٰ خلافیات کتاب الزہد اربعین کبریٰ وصغریٰ کتاب الاسرار بھی ان کی تصانیف میں بہت بلند پایہ تصنیف ہیں -

امام الحرمین فرماتے تھے کہ ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعیؒ کا احسان ہے لیکن ایک بیہقی ہیں جن کا احسان خود امام شافعیؒ پر ہے - کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط و مدلل طور پر مدون کرنے اور اس کے رائج کرنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے -

معرفۃ السنن والآثار کی تصنیف کے دوران میں متعدد اشخاص نے امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں اس

---

[1] تذکرہ ج ۳ ص ۳۲۱ و ابن خلکان ج ص ۳۴۰ و تہذیب التہذیب -

www.besturdubooks.net

کتاب کے چند اجزاء ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ آج فقیہ احمد کی کتاب کے سات اجزاء ہم نے پڑھے ہیں- ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود یہ تعجبات میں سے ہے کہ جامع ترمذی' نسائی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہ تھیں- اس لیے ان ہر سہ کتابوں کی احادیث کی انہیں اطلاع نہ تھی-

شہر نیشاپور میں ان کی وفات ہوئی' پھر ان کا تابوت خسروجرد جو بیہقی کا سب سے بڑا شہر تھا منتقل کر کے لایا گیا اور یہیں آپ کو ہمیشہ کے لیے سپرد خاک کر دیا گیا-[1]

نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الھیثمی

ولادت ۷۳۵ھ وفات ۸۰۷ھ

قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی اور بچپن سے لے کر وفات تک حضر و سفر میں شیخ زین الدین عراقی کے ساتھ رہے- حرمین شریفین' بیت المقدس' دمشق' بعلبک' حمص' حلب اور طرابلس وغیرہ کے تمام سفر عراقی کے ہمراہ کیے- حتیٰ کہ ایسی حدیثوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جو انہوں نے کسی شیخ سے تنہا حاصل کی ہیں- عراقی کو ان پر بڑا اعتماد تھا اپنی صاحبزادی کو ان سے منسوب کر دیا تھا اور یہی ان کے بعد ان کے جانشین قرار دیے گئے تھے-

مصری علماء میں ابوالفتح میدومی' ابن ملوک' ابن قطروانی اور شامیوں میں ابن الخباز' ابن الحموی اور ابن قیم ضیائیہ وغیرہم کے سامنے زانوئے تلمذ کیا تھا- مجمع الزوائد[2] ان کی مشہور ترین تصنیف ہے اس کتاب میں تینوں معجم' مسند امام احمد' بزار' اور ابویعلی کے زوائد جمع کی ہیں- راویوں پر جرح و قدح اور روایات پر صحیح وضعیف کا تفصیلی حکم بیان کیا ہے- ابن حبان اور عجلی کی کتاب الثقات جمع کر کے حروف معجم پر اور کتاب الحلیہ کو ابواب کی شکل پر مرتب کر دیا ہے-

ان علمی خدمات کی وجہ سے متونِ حدیث ان کو بہت حاضر تھے- نہایت نرم مزاج' سلیم الفطرت اور اہل خیر محدث تھے- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجمع الزوائد کا تقریباً نصف حصہ ان کے سامنے پڑھا ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض کتابیں پڑھ کر سنائی ہیں- حافظ بھی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں ان کے بعد دوسرا کوئی حافظ ان کی ٹکر کا پیدا نہیں ہوا ان کی حدیثی مہارت کے قائل تھے- ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ مجمع الزوائد میں جو معمولی وہم پیش آ گئے ہیں ان کو تلاش کر کے جمع کر دیں لیکن حافظ نور الدین کی ناگواری کی خاطر یہ ارادہ ملتوی کر دیا تھا- قاہرہ میں آپ کی وفات ہوئی اور باب البرقوقیہ کے باہر مدفون ہوئے-[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۳۰۹، والطبقات ج ۳ ص ۳-

[2] یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکی ہے-

[3] شذرات الذہب ج ۷ ص ۷۰ والبدر الطالع ج ۱ ص ۴۴۱ والضوء اللامع ج ۵ ص ۲۰۰-

www.besturdubooks.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ التَّوحِيْد

اِنَّ مَعرِفَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی مِمَّا فَطَرَ عَلَيْهِ الْاِنْسَان

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ - اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ.

(الاعراف : ۱۸۲-۱۸۳)

اور وہ وقت یاد کیجئے جبکہ آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ بنایا' کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں' انھوں نے جواب دیا بیشک ہے' ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لئے کیا) کہ کبھی قیامت کے دن عذر کرنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی' یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا' ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے (تو مجبوراً اسی راستے پر چلے) تو کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہم سے پہلے غلط کاروں نے کیا تھا۔[1]

---

[1] تمام ادیانِ سماویہ اور عقائد حقہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل وفکر کی رہنمائی کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی' عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں۔ پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبدء منتہیٰ اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل وفہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان وتوحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجوہری عقدہ کا حل ناخن عقل وفکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے۔ جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ فکر واستدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف پر منتہی ہوتی ہیں۔ اس لیے قدرت نے جہاں غور وفکر کی قوت اور نور وحی والہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے ان کو فطرۃً بہرہ ور کیا جس کے اجمال میں کل آسمانی مذاہب وہدایات کی تفصیل موجود تھی اور جس کے بدون مذہب کی عمارت کا ستون کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ آج یہ اسی ازلی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے اور جن معدود افراد نے کسی روحانی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسا کہ ایک بخار کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ وبدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر طبقہ کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول وافکار کی دوادوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولادِ آدم کو بلاواسطہ تلقین فرما دیا گیا تھا ورنہ فکر واستدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ یہ تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی تاہم جس طرح ایک انشاء پرداز کو یقین ہوتا ہے کہ ضرور اس کو ابتداءً ہم

www.besturdubooks.net

= میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے جس سے ترقی کرکے آج وہ اس رتبہ کو پہنچا ہے گو اس کی تفاصیل اس کے ذہن میں اس وقت مستحضر نہ ہوں۔ اسی طرح بنی نوع کا ہر دور میں عقیدۂ ربوبیت پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز ان کی فطرت ہی میں کسی مربی و معلم کی طرف سے ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ اسی ازلی اور فطری تعلیم نے ہر انسان کو خدا کی محبت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ اب ہر منکر کے مقابلہ میں خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جاسکتی ہے۔[1]

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کہیں ارقام فرماتے ہیں کہ کسی فن کے مبادی کی تعلیم کی اصل غایت وغرض خود ان مبادی کے یادداشت یا اس کی تعلیم کے شمائل وخصائص کا تحفظ نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد متعلم و مستفیض میں ایک ایسی استعداد پیدا کر دینا ہے جو آئندہ تحصیل علوم کے لیے بطور ایک بنیاد و اساس کار آمد ہو' مثلاً الف و باء کی تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اصل نقوش یا زمانہ تعلیم یا اس کا خاص معلم یاد رہے بلکہ اس ابتدائی تعلیم کا مقصد صرف ملکہ حرف شناسی ہے خواہ پھر تمام علوم وفنون میں پیر جانے کے بعد ذہن کبھی ادھر متوجہ نہ ہو کہ یہ سب کرشمہ کسی استاد شفیق کا مرہون منت تھا۔ اگر زمانہ کم سنی میں تعلیمی دور شروع ہو جاتا ہے تو بہت کم کسی کو یاد رہ سکتا ہے کہ اس نے قاعدہ کب اور کس طرح اور کس ماحول میں پڑھا تھا بلکہ بسا اوقات اس استاد کا خیال بھی نہیں رہتا مگر اس تعلیم کا اثر (یعنی حرف شناسی) ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اسی طرح عہد 'بلیٰ' کی غایت وغرض اس ابتدائی سبق یا اس ماحول کی یادداشت نہیں بلکہ فطرت میں ایک ایسی صلاحیت پیدا کر دینا ہے جس کے بعد ہر بدوی و شہری' تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ' مسلم و کافر کے دل میں غیر شعوری طور پر اس مافوق الفہم مسئلہ کے مان لینے کا خود بخود داعیہ پیدا ہو جائے اور جب کبھی کوئی داخلی یا خارجی معمولی سی تحریک بھی ہو تو اس کی طرف فطرتِ انسانی کو ایک غیر معمولی انجذاب و کشش محسوس ہونے لگے (یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی آمد کے بعد جتنی شدت سے رسالت کا انکار کیا گیا ہے اتنا وجود باری کا نہیں کیا گیا) اس بنا پر یہ سوال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جب عہد بلیٰ ہم کو یاد ہی نہیں رہا تو پھر اس عہد کا فائدہ کیا نکلا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عالم ارواح کا عہد اس عالم اجسام میں یاد نہ رہا تو تعجب کیا ہے جب کہ معلوم نہیں کہ اس کی صورت مثالیہ کتنی بار بنی اور بگڑی' کتنے آباء و امہات میں منتقل ہوئی' پھر نطفہ' علقہ اور مضغہ' کے کتنے قالب بدلائی' پھر کتنے اجزاء کا اس میں اور اضافہ کیا گیا' پھر نہ معلوم کہ کتنے زمانہ بعد احسن الخالقین کے کرشمہ سازی کی شہادت دینے کے لیے مساحت وجود میں آئی۔ اگر ان ارتقائی مراحب کی ایک کڑی بھی فراموشی کے لیے معقول سبب بن سکتی ہے تو جو انسان ایک غیر محدود مدت سے اس گرداب میں پڑا چکر ہی کھاتا رہا ہے۔ اس کی عہد 'بلیٰ' کی فراموشی اتنی قابل الزام نہیں ہے بایں ہمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہل بن عبداللہ تستریؒ سے منقول ہے کہ ان کو اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی اپنا قدیم عہد یاد تھا۔[2]

معلوم نہیں کہ خدائے قدوس کے کتنے بندے اور ہوں گے جنہیں تصفیہ روح کے بعد اپنا قدیم عہد یاد آ گیا ہوگا۔ مگر مزاج سلف میں نہ اس سوال کی اہمیت تھی نہ اس کے جواب کی ضرورت۔ اس لیے ذخیرۂ نقل کسی لمبی فہرست پیش کرنے سے خاموش ہے۔

سلسلہ اشہاد کی تفاصیل میں احادیث موقوفہ و مرفوعہ کا ایک صحیح ذخیرہ موجود ہے۔ معتزلہ کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور فطرت انسانی میں اقرار ربوبیت کی صلاحیت ہی اس سوال و جواب کی حقیقت ہے اس لیے اس آیت میں انہیں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ محدثین کا قدم کچھ اس سے آگے ہے۔ یہاں تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کیجئے انہوں نے اس مقام کو خوب مرتب و مہذب کر دیا ہے۔

---

[1] مختصر فوائد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔

[2] دیکھو الیواقیت والجواہر ج ا ص ۱۰۱۔

www.besturdubooks.net

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اَکُنْتَ مُفْتَدِیًا بِهٖ قَالَ فَیَقُوْلُ نَعَمْ قَالَ فَیَقُوْلُ قَدْ اَرَدْتُ مِنْکَ اَهْوَنَ مِنْ ذٰلِکَ قَدْ اَخَذْتُ عَلَیْکَ فِیْ ظَهْرِ اٰدَمَ اَنْ لَا تُشْرِکَ بِیْ شَیْئًا فَاَبَیْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِکَ بِیْ۔

(رواہ احمد و الشیخان و غیرھم)

(۱) انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک دوزخی شخص سے کہا جائے گا بتلا اگر (تیرے پاس آج) تمام زمین کا مال ہوتا تو کیا تو وہ سب اس عذاب کے فدیہ میں دے دیتا وہ عرض کرے گا ضرور باری تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہلکا مطالبہ کیا تھا (یعنی) جب تو آدمؑ کی پشت میں تھا تو تجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میرا کسی کو شریک مت ٹھہرانا مگر تو نہ مانا اور شریک ٹھہرا کر رہا۔ (اس حدیث کو امام احمد اور شیخین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْهُرَیْرَةَؓ وَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ﴾۔ (الروم: ۳۰) ۔ (رواہ الاربعة)

(۲) حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسا کہ چوپائے صحیح و سالم بچہ جنتے ہیں' کیا تم اس میں کوئی ناک' کان کٹا دیکھتے ہو۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ فرماتے کہ اگر چاہو تو اس کی تصدیق قرآن کریم میں پڑھ لو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں' دین قیم (صحیح دین) یہی ہے (اس حدیث کو چار کتابوں میں روایت کیا ہے)

---

(۲) * حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر نوع کے لیے کچھ ظاہری و باطنی خصوصیات علیحدہ مقرر فرمائی ہیں جن کی وجہ سے ان انواع میں باہمی امتیاز قائم ہے۔ مثلاً طیور کے لیے' پر' پنجے' چونچ چوپایوں کے لیے جسم پر بال ایک بچھا ہوا قامت اور ایک مخصوص انداز کے پاؤں پھر ہر ہر نوع کے لیے مخصوص مخصوص رنگ جدا جدا مقدار و صورت مقرر کی ہے۔ یہ تو ان کی ظاہری خصوصیات ہوئیں اب اسی طرح ان کی کچھ باطنی خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کا مخصوص پھولوں سے عرق نکال کر کیمیاوی طریق پر شہد تیار کرنا۔ بعض پرندوں کا اس نزاکت سے گھونسلہ بنانا کہ عقل انسانی بھی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائے۔ جب سے عالم پیدا ہوا ہے شہد کی مکھی سے لے کر ایک ہاتھی تک اپنی اپنی ظاہری و باطنی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ اس لیے یہ خصوصیات ان کی فطرت کہلاتی ہے۔

اب حضرت انسان پر ذرا غور کیجیے۔ اس میں بھی نوعی طور پر کچھ ظاہری و باطنی خصوصیات ہیں جو ان ہی خصوصیات کو لیے ہوئے ہر دور زندگی میں مشترک طور پر نظر آتی ہیں۔ یہی اس کی فطرت کہلاتی ہیں۔ مثلاً اس کی ظاہری خصوصیات یہ ہیں کہ اس کے جسم پر نہ پرندوں کے سے پر ہیں' نہ حیوانات کے سے بال ایک مخصوص انداز کا سیدھا اور صاف قامت ہے' ایک مخصوص قسم کا دلکش رنگ اور ایک مخصوص انداز کی دلربا صورت' اس کی باطنی خصوصیات' اس کی عقل وہ عقل ہے جس میں اپنے خالق کی معرفت کی طلب' اس کی عبادت کا جذبہ' اس کی رضامندی کی تڑپ ہے۔ پیدائش عالم سے لے کر اگر نوع انسانی پر غور کرو گے تو جس طرح دیگر حیوانات اپنے ان باطنی خصوصیات ﷲ....

www.besturdubooks.net

النهي عن الخوض في ذات الله تعالىٰ

(٣) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاْتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا. مَنْ خَلَقَ كَذَا. حَتّٰى يَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَاِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَ لْيَنْتَهِ.

(رواه الثلاثة)

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کھود کرید کرنے کی ممانعت

(٣) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یہ چیز کس نے پیدا کی؟ یہ چیز کس نے بنائی؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اچھا تو تمہارے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک نوبت پہنچے تو خدا کی پناہ لینا چاہیے اور اس کے ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ ختم کر دینا چاہیے (اس حدیث کو تین کتابوں میں روایت کیا ہے)

☜ .... میں متفق نظر آتے ہیں اسی طرح نسل انسانی اس مطالبہ میں اختلاف نہیں رکھتی۔ اس لیے یہ اس کی فطرت کہلانا چاہیے۔ جمہور عالم کو مذہبی تلاش اسی فطری آواز کے ماتحت ہے۔ ہاں کبھی بیرونی اسباب اور اس کے ماحول کے اثرات اسے اتنا متاثر کر دیتے ہیں کہ اس میں خالق کی تلاش نہیں رہتی اور اگر رہتی بھی ہے تو طبیعت غلط راستہ کی طرف بھٹکنے لگتی ہے۔ مگر ان اثرات کو فطرت نہیں کہا جا سکتا۔ خلاف فطرت کہا جائے گا جیسا کہ بھوک لگنا' مذکر کا مؤنث کی طرف میلان' اسباب زینت سے اپنے نفس کو آراستہ کرنا' یہ انسان کی فطرت ہے مگر جب یہودیت و نصرانیت کا بھوت اس کی فطرت کو مسخ کر دیتا ہے تو رہبانیت کی زندگی اسے محبوب نظر آنے لگتی ہے۔ گرسنگی اور عزوبت (نکاح نہ کرنا) کی زندگی مرغوب بن جاتی ہے یہ فطرت نہیں خلاف فطرت ہے۔ فابواہ یہودانہ کی یہی شرح سمجھنا چاہیے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ص ٣٦، ٩٧ و ١٦٦، ١٦٧)

مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ حدیث میں فطرت سے مراد بھی عہد ربوبیت ہے۔

(٣) ٭ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں مداخل شیطان پر طویل بحث کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ کیا کیا ہیں' کن کن راستوں سے شیطان آتا ہے اور کن کن وساوس میں مبتلا کرتا ہے' ان تمام تفصیلات کو تو یہاں نقل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ حدیث کی شرح کے لیے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس کے بہکانے کا ایک راستہ یہ ہے کہ پہلے وہ دماغ میں سوالات کا ایک مرتب سلسلہ قائم کر دیتا ہے اور نہایت سادگی کے ساتھ اس ضمن میں ایک غلط کلیہ ذہن نشین کر دیتا ہے جس میں بظاہر کوئی سقم نظر نہیں آتا۔

دیکھو یہ کتنی سیدھی اور سچی بات ہے کہ مخلوق کے دائرہ میں جس طرف نظر اٹھاؤ خالق کا سوال بجا ہی بجا نظر آئے گا' اس لیے یہ بدیہی ہوگا کہ جو چیز ہے اس کا کوئی خالق ضرور ہے۔ اس قاعدہ کو کلیہ تسلیم کرنے کے لیے اس مشاہدہ سے زیادہ سہل طریقہ اور کیا تھا مگر اس کے بعد اب دھوکا یہ ہے کہ اللہ کو مخلوق کے دائرہ میں شامل کر کے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ جب کلیۃً ہر چیز کے لیے خالق ہونا مسلم ہو گیا تو پھر اللہ کے لیے بھی کوئی خالق ہونا چاہیے۔ گو یہ سوال غلط در غلط تھا کیونکہ اللہ اسی کو کہتے ہیں جو سب کا خالق ہو اور وہ کسی کی مخلوق نہ ہو پھر اس کے متعلق خالق کا سوال کرنا متناقض سوال ہے' مگر وسوسہ ایسی ہی باطل حقیقت کا نام ہوتا ہے۔ بسا اوقات خود انسان کا ضمیر بھی اس پر نفرین کرتا ہے مگر دل ہے کہ تذبذب میں ڈوبا چلا جاتا ہے۔ مصیبت یہ ہو جاتی ہے کہ جب ایک مسلسل اور مرتب مشاہدہ کے بعد دل میں ایک بات اثر کر جاتی ہے تو اس کی تردید کے لیے جب تک اسی درجہ کا مرتب و مسلسل مشاہدہ میسر نہ ہو اطمینان نصیب نہیں ہوتا مگر یہاں سوائے ایک اللہ کے اور کوئی ایسا ملتا ہی نہیں جس کا خالق کوئی نہ ہو اس لیے ذہن اندر ہی اندر اپنے قدیم تاثر کے ماتحت خالق کے لیے خالق کا مطالبہ کرتا ہی رہتا ہے۔ عقل گو ہزار دفعہ اسے سمجھاتی ہے مگر اپنی آنکھوں کا مشاہدہ ہر دفعہ اسے ناسمجھ بنا دیتا ہے۔

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شبہات پر اگر غور کرو گے تو اس کا حاصل بھی اتنا ہی پاؤ گے یعنی مصنوعات کے تطبی ☜ ....

www.besturdubooks.net

(۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَکَ لَا یَزَالُوْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا کَذَا مَا کَذَا. حَتّٰی یَقُوْلُوْا ھٰذَا اللّٰہُ. خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ. (رواہ الشیخان)

(۴) انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے پیغمبر) آپ کی امت برابر یہ کہتی رہے گی یہ کیسے ہوا' یہ کیسے ہوا' یہاں تک کہ یہ کہے گی خدا نے تو ساری مخلوق کو پیدا کیا پھر خدا کو کس نے پیدا کیا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

(۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے

ﷺ ... مطالعہ سے پہلے ایک قاعدہ ذہن نشین کرلیا جاتا ہے۔ اگر واقعات نے اپنی خاموش زبان سے اس کی تردید نہ کی تو پھر اس کا نام فلسفہ بن جاتا ہے اور اسی فلسفہ کی بناء پر الٰہیات کے بلند پایہ حقائق اور عالم غیب کے برتر از عقول اسرار کا نہایت دلیری سے انکار کر دیا جاتا ہے اور اس طرح دنیا ہے کہ صانع کو مصنوع پر' عالم غیب کو عالم شہود پر قیاس کر کر کے اپنی بےعقلی کا ہر دن ایک نیا ثبوت دیتی رہتی ہے مگر شیطان ہے کہ ہر روز نئے نئے فلسفہ کے نام سے اسے دماغوں میں اتارتا رہتا ہے اور نئی نئی گمراہی کے سامان مرتب کرتا رہتا ہے۔ شریعت نے راہ مختصر کر دی اور متنبہ کر دیا کہ اللہ کی ذات پاک عقل کی جولانگاہ نہیں بن سکتی اوس کی ذات وصفات عقل کی سرحد سے بلند تر ہیں۔ جہاں دعوت غور وفکر ہے وہ دائرۂ مخلوق ہے خالق نہیں۔ بیرون از قیاس ہمیشہ قیاس سے باہر رہے گا۔ خدا تعالیٰ کا خالق ہونا بدیہی ہے یہاں یقین معرفت کا راستہ صرف وہ وجدان ہے جو ہر شخص اپنے دل میں باغور وفکر محسوس کرتا ہے۔ بشرطیکہ شکوک وشبہات سے اس کو مکدر نہ کیا جائے اس فطری سوز کے ساتھ اگر ساز انفس وآفاق کی آواز سنو تو اس کے ہر تار سے ایک ہی نغمہ سنو گے اور وہ خدا کی خالقیت کا اقرار ہوگا پھر مخلوق کا ہر ذرہ اس کے وجود کی ایک بدیہی دلیل نظر آئے گا اور اس طرح خدا کی ذات کا تم کو وہ یقین میسر آ جائے گا جہاں وساوس خود بخود فنا ہو جائیں گے۔ بدیہیات میں جس قدر دلائل کی آڑ لی جاتی ہے اسی قدر راور الجھاؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ وجدانیات اور مشاہدات ہمیشہ وجدان اور مشاہدہ سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ ذات پاک کا مشاہدہ تو ہو نہیں سکتا اس لیے یہاں یقین کی راہ آفاق وانفس میں غور وتفکر سے کھلتی ہے۔

وسوسہ ہے کیا؟ انسان کی خود اپنے ہی نفس کی تراشیدہ باتیں' یہاں جو متکلم ہے وہی مخاطب ہے' جو مسیحا ہے وہی بیمار ہے' اس لیے وسوسہ کو کتنا ہی ختم کیجئے ختم نہیں ہوتا۔ اگر مخاطب کوئی دوسرا ہوتا تو دلائل وبراہین سے اس کا منہ بند کیا جا سکتا' یہاں تو دل ہی دل میں یکے بعد دیگرے لایعنی سوالات کا ایک سلسلہ زلف مسلسل کی طرح کھنچتا چلا جاتا ہے اس لیے معالج حقیقی نے مناظرہ کی راہ نہیں بتلائی کہ یہ اور شکوک وشبہات کی راہ ہے بلکہ ایسی چار باتوں کا امر فرمایا ہے جن میں سے ہر ایک اس نادیدہ دشمن پر فتح حاصل کرنے کا ایک مستقل سامان ہے۔ (۱) اپنے آقائے حقیقی کی پناہ کہ جو اس کی پناہ لیتا ہے اسے پناہ مل جاتی ہے (۲) تذلیل خصم بقول شخصے جواب جاہلاں باشد خموشی' پہلی حدیث کا مفہوم یہی ہے (۳) ذکر اللہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۰۱) (۴) تجدید ایمان۔ مبادا کہ وساوس کی رو نے کہیں ایمان زخمی کر دیا ہو تو اس کی تلافی ہو جائے جیسا کہ صحیح مسلم کے لفظ میں ہے لیکن اگر وساوس اپنی حد سے گذر کر کچھ دلائل کے ساتھ دل میں گھر کر چکے ہیں تو پھر ان کی توڑ کے لیے دلائل سے بھی مقابلہ کرنا ہوگا اب یہ وسوسہ نہیں عقیدہ کہلائیں گے۔

(۵) * یہ واضح رہنا چاہیے کہ جاہلوں سے مناظرہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت نہیں بلکہ ان کی سنت اعراض کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ (الحجر: ۹۴) جو آپ کو حکم ملے اس کو دوٹوک بیان کر دیجئے اور کافروں سے اعراض فرمائیے۔ معاند سے مناظرہ کرنا اپنے وقت کی اضاعت اور اس کی درشت فطرت کو اور ضد پر آمادہ کرنا ہے اس لیے ابو ہریرہؓ نے یہاں اعراض ﷺ ....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُوْنَ يَسْئَلُوْنَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ قَالَ فَبَيْنَا اَنَا فِي الْمَسْجِدِ اِذْجَآءَ نِيْ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ فَقَالُوْا يَا اَبَاهُرَيْرَةَ هٰذَا اللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ قَالَ فَاَخَذَ حَصًى بِكَفِّهٖ فَرَمَا هُمْ بِهٖ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا قُوْمُوْا صَدَقَ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہؓ لوگ تجھ سے برابر سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ سوال کریں گے یہ تو اللہ ہے (جس نے مخلوق بنائی) تو اللہ کو کس نے بنایا ہے- ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا دفعۃً چند گنوار میرے پاس آئے اور بولے اے ابو ہریرہؓ یہ تو اللہ ہے (جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے) پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ابو سلمہ راوی حدیث کہتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لے کر ان پر پھینکیں اور فرمایا اٹھو اٹھو میرے پیارے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا- (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

(۶) عَنْهُ قَالَ جَآءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِيْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ وَ قَدْ وَ جَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذٰلِكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ. وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَحْضُ الْاِيْمَانِ. (رواہ مسلم)

(۶) ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خطرات محسوس کرتے ہیں کہ انہیں زبان سے ادا کرنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے آپ نے جواب دیا کہ کیا تمہیں یہ ناگواری ہوتی ہے؟ وہ بولے جی ہاں' آپ نے فرمایا پھر یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے اور ایک روایت میں ہے خالص ایمان ہے- (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

(۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّيْ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ

(۷) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا میرے دل میں ایسی باتیں

بقیہ .... کرنا ہی مناسب سمجھا- نیز وسوسہ غیر اختیاری چیز ہوتی ہے- بعض مرتبہ بحث کے الجھاؤ میں خود اپنے دل میں وساوس گذرنے لگتے ہیں اس لیے سلف ہمیشہ ایسی جھاڑیوں میں گھستے ہوئے ڈرا کرتے تھے- جہاں ان کے یقین میں شک وتردد کا کانٹا بھی لگنے کا اندیشہ ہوتا تھا-

(۶) * بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ خود وساوس ہی ایمان کی علامت ہیں جیسا کہ چوری ہونا مال داری کی نشانی ہے' نہ مال ہوتا نہ چور آتے' اسی طرح نہ یہاں ایمان ہوتا نہ وساوس آتے-

اسی لیے بندہ جتنا تقرب کی راہ چلتا ہے اتنا ہی وساوس اسے اور گھیرتے ہیں- حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ وساوس جس قدر نماز میں آتے ہیں اتنا عام حالات میں نہیں آتے ادھر شیطان اپنی سعی میں لگا رہتا ہے ادھر بندہ اپنے مولیٰ کی پناہ لے کر اسے دفع کیا کرتا ہے جتنا وہ اس کے ایمان کو گندہ کرنے کی فکر کرتا ہے اتنا ہی یہ اپنی اظہار بیزاری کر کے اسے پاک وصاف کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وساوس ندارد ہو جاتے ہیں اور اس کا ایمان صاف وخالص رہ جاتا ہے- حدیث میں صریح ایمان اور خالص ایمان کی شرح یہ ہے- (کتاب الایمان ص ۱۱۳)

(۷) * آپ کے جواب کی دو شرح کی گئی ہیں- پہلی شرح اس پر موقوف ہے کہ 'امرہ'' میں ضمیر کا مرجع شیطان قرار دیا جائے اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے خدا کا شکر اس بات پر ادا فرمایا کہ اس نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے سے زیادہ پر قدرت ہی نہیں دی' دوسری شرح میں ضمیر کا مرجع خود یہ شخص ہے اور اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس شخص کا معاملہ صرف وسوسہ کی حد تک رہ گیا اور اس بقیہ ....

www.besturdubooks.net

بِالشَّیْءِ لَاَنْ اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَةِ. (رواہ ابوداؤد)

پیدا ہوتی ہیں کہ مجھے (جل کر) کوئلہ ہو جانا ان کے ادا کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس کے معاملہ کو اس نے صرف وسوسہ کی حد تک رکھا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

ﮯ.....سے آگے تجاوز نہ کر سکا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جب خالق کے لیے خالق کا تسلسل دماغ میں پیدا ہونے لگے تو اس کے دفع کرنے کے لیے آپ نے یہ کلمات پڑھنا تعلیم فرمائے ہیں۔ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُوَا لظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (الحدید:۳) ابوزمیل نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میرے سینہ میں ایک بات کھٹکتی ہے فرمایا کیا ہے؟ انہوں نے کہا زبان پر نہیں لا سکتا فرمایا کہ اس قسم کے وساوس سے کس کو چھٹکارا ہے۔ جب ایسی بات پیش آئے تو کلمات مذکورہ بالا پڑھ لیا کرو۔ ان کلمات کا حاصل یہ ہے کہ علل میں تسلسل عقلاً محال ہے اس لیے مخلوقات کا سلسلہ ضرور کہیں جا کر خالق پر ختم ہونا چاہیے۔ پھر جس سے پہلے اور جس کے بعد کوئی نہ ہو وہی اوّل وآخر خدا کی ذات ہے اس کے لیے پھر خالق کا تصور کرنا موجب تسلسل ہے۔ شیطان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو آنکھوں سے نظر آئیں یہ شیطان الانس ہیں۔ دوم جو آنکھوں سے نظر نہ آئیں یہ شیطان الجن ہیں۔ جو آنکھوں سے نظر آئیں ان کے شر سے حفاظت کی صورت اعراض و درگزر کرنا یا معقول جواب دینا ہے جیسا کہ ابوہریرہؓ نے کیا تھا۔ دوسری قسم کا علاج استعاذہ اور خدا سے پناہ مانگنا ہے۔ ان دونوں صورتوں کو کسی شاعر نے نظم کر دیا ہے ۔

فما هوا لا الاستعاذة ضارعا
او الدفع بالحسنى هما خير مطلوب
فهذ ادواء الداء من شر ما يرى
و ذاک دواء الداء من شر محجوب
(زاد المعاد ج ۲ ص ۴۸)

دو باتیں (وسوسہ کا) بہترین علاج ہیں ایک تضرع کے ساتھ استعاذہ کرنا۔ دوم معقول پیرایہ میں جواب دینا۔
پہلی بات تو اس شیطان کے شر کا علاج ہے جو آنکھوں سے نہیں نظر آتا
اور دوسری بات اس شیطان کا جو آنکھوں سے نظر آتا ہے۔
(یعنی بہکانے والے انسان)

www.besturdubooks.net

اِسْمُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم

اسماء دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن میں صرف ذات ملحوظ ہوتی ہے ان کا مقصد صرف اس ذات کا تعارف ہوتا ہے براہ راست ان کی صفات کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا' دوسرے وہ جن میں خاص کسی نہ کسی صفت کا لحاظ ہوتا ہے' ان اسماء سے اس ذات کی کسی خاص صفت ہی کا تعارف ہوتا ہے اور بس پہلی قسم اسم ذات اور دوسری اسم صفت کہلاتی ہے' خدا کا ذاتی نام یا ''اللہ'' ہے[1] یا ''رحمٰن'' بقیہ جتنے نام ہیں اس کے صفاتی نام ہیں۔ ذات میں چونکہ جملہ صفات کا وجود لپٹا ہوا ہوتا ہے اس لیے اسماء میں اسم اعظم[2] شاید وہی اسم ہو سکتا ہے جس کو اسم ذات کہا جائے اس لحاظ سے اسم اعظم یا ''اللہ'' یا ''رحمٰن'' ہونا چاہیے۔ رحمٰن گو اسم صفت ہے مگر بارگاہ الوہیت میں رحمت کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کی ذات ہی گویا عین رحمت ہے اس لیے بنی سرائیل میں ''رحمٰن'' خدا کے اسم ذات کی جگہ مستعمل تھا۔ شریعت اسماعیلیہ میں جو اصل اسم ذات تھا وہ خدا کو پکارنے کے لیے بتلا دیا گیا اور اسی لیے جو شریعت آخری شریعت اور سب شرائع کی جامع تھی اس نے بسم اللہ میں ان دونوں ناموں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں جہاں جہاں نظر ڈالیے وہاں اسماء الٰہیہ میں پہلے لفظ اللہ مذکور ہوتا ہے بقیہ نام اس کے بعد بطور تابع ذکر ہوتے ہیں۔ یہی حال اسم ''رحمٰن'' کا ہے۔ جہاں یہ اسم مبارک اور اسماء کے ساتھ مستعمل ہے وہاں اس کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے اس لحاظ سے بسم اللہ میں دو اسم ذاتی ہیں اور ایک اسم صفتی' اس لیے رحمٰن و رحیم کے یکجا جمع کرنے میں جو پر از تکلفات جواب دیئے گئے ہیں احقر کے نزدیک ان کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ شریعت موسویہ چونکہ جلالی شریعت تھی اس لیے ضرورت تھی کہ اس میں خدا کو ہمیشہ ''الرحمٰن'' کہہ کر پکارا جائے' شریعت اسماعیلی جمالی شریعت ہے یہاں اسم ذات وہ رہے گا جو دراصل ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے موضوع ہو وہ لفظ اللہ ہے۔

❁ ❁ ❁

---

[1] شیخ اکبر کو اس میں کچھ تردد ہے۔ دیکھو الیواقیت والجواہر ج اص ۷۱ و ۷۲۔

[2] اسمائے الٰہیہ میں تفاصیل کی بحث دیکھنا ہو تو الیواقیت والجواہر ج اص ۷۳ ملاحظہ کیجئے۔

www.besturdubooks.net

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ اَنِّىْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِىْ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ اللّٰهَ بِالْاِسْمِ الَّذِىْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَ اِذَا دُعِىَ بِهٖ اَجَابَ. (رواه اصحاب السنن)

(۸) عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعاء کرتے ہوئے سنا ''اے اللہ میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تو ہی ہے تیرے سوا کوئی خدا نہیں' یکتا ہے' بے نیاز ہے' نہ کسی کا باپ ہے' نہ اس کا کوئی بیٹا' نہ اس کا کوئی ہمسر' آپؐ نے فرمایا کہ تو نے خدائے تعالیٰ کو وہ نام لے کر پکارا ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اس سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے اور جب اس کو پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔
(اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے)

---

(۸) ✽ مشرکین عرب جو خدائی تنزیہ سے یکسر نابلد تھے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تخیل کے مطابق نہایت بے باکی سے یہ سوال کر بیٹھے ''انسب لنا ربک'' ہمیں ذرا اپنے پروردگار کا نسب تو بتلایئے گویا ان کے نزدیک خدائے تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح حسب ونسب کے میزان میں تولا جا سکتا تھا۔ ان کے اس جاہلانہ سوال کے جواب میں ایک نہایت مختصر ترین سورت اتری' جس نے خدا کی ذات کا سب سے اعلیٰ اور سب سے پاک تعارف اس طرح پیش کیا کہ وہ یکتا و یگانہ ہے' نہ ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ صفات میں اس کا کوئی سہیم' یہی احدیت کا مفہوم ہے۔ یہ وہ صفت تھی کہ اس سے زیادہ آسان اور اس سے زیادہ صحیح تعارف کسی اور صفت کے ساتھ مشکل ہے۔ ذات ﴿وحدہ لاشریک لہ﴾ کی ایک صفت واحدیت بھی ہے مگر احدیت اس سے کامل تر ہے تمام سورۂ اخلاص اسی کی تفسیر ہے۔ صمدیت اسی احدیت کی تکمیل ہے اور ﴿لم یلد و لم یو لد﴾ اسی کی تشریح۔ ﴿صمد﴾ بے نیاز کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ ایک اور اکیلا ہو کر بھی اپنے کمال میں کسی کا محتاج نہیں۔ والد کی طرح نہیں جو اپنے بیٹے کے لیے محتاج الیہ ہو کر بھی اپنے کمالات کی شہرت و بقاء میں تمام تر اپنے بیٹے کا محتاج ہے اور نہ اس ولد کی طرح ہے جو ایک جہت سے محتاج الیہ بن کر بھی اپنے وجود میں والد کا سرتاسر محتاج ہوتا ہے۔ نسب وہاں قائم ہو سکتا ہے جہاں رشتہ اشتقاق پیدا ہو سکے۔ جہاں اوپر اور نیچے کی دونوں جانبوں میں رشتۂ اشتقاق نہیں وہاں نسب کا تصور بھی نہیں۔ اصول وفروع سے گذر کر نسب کا دوسرا تخیل شعب و اطراف میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ مگر جس کا کوئی کفو و نظیر بھی نہیں اس کے لیے نسب کا تصور اطراف و جوانب میں بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ جواب کہ اس کا کوئی نسب نہیں ان کے مذاق فطرت کے موافق نہ تھا۔ اس لیے آپ نے پہلے وجودی دو صفتیں ایسی ذہن نشین کر دیں جس کے نتیجہ میں دو سلبی صفتیں پیدا ہو جائیں اور اس کے بعد نسب کا سوال خود بخود ذہنوں سے نکل جائے۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ غنی و صمد میں بڑا فرق ہے۔ صمد اس کو کہتے ہیں جو خود کسی سے برآمد نہ ہو سکے اور نہ کوئی دوسرا اس سے برآمد ہو سکے جیسا کہ والد اور ولد' اس لیے خدا کے نسب کی بجائے (جو ایک ذاتی چیز تھی اس کی صمدیتہ کو پیش کیا گیا ہے۔ غناء و فقر نسب کی جگہ نہیں آ سکتے' یہ خارجی اوصاف و عوارض ہیں۔ نسب ایک رشتہ خون کا نام ہے جس میں جزئیت کا مفہوم کسی نہ کسی پہلو سے ضرور سامنے آتا ہے۔ صمدیت اس رشتہ کے بالمقابل غناء و بے نیازی کا نام ہے یعنی اس ذاتِ پاک میں اس اندرونی اشتقاق کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ کسی نوعیت سے بھی وہاں نسب کی شرکت کا تصور لایا جا سکے۔ اسماء الٰہیہ میں بسا اوقات الفاظ کا ترجمہ یکساں نظر آتا ہے مگر اس کے مصداق و صحیح مفہوم میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان مختصر نوٹوں میں ان تمام تفاصیل کی گنجائش نہیں تھی.....

www.besturdubooks.net

(۹) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَ فَاتِحَةُ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ. الٓمّٓ o اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ.

(رواه الامام احمد و ابو داؤد و الترمذی)

(۹) اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ﴿وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرۃ:۱۶۳) ''تمہارا خدا ایک ہے معبود کوئی نہیں مگر وہی ایک اللہ جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے'' اور دوسری آیت سورۂ آل عمران کے شروع میں ہے ﴿الٓمّٓ. اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (آل عمران:۱) ''الٓمّٓ. اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سدا رہنے والا اور تمام مخلوق کی ہستی قائم رکھنے والا ہے۔ (اس حدیث کو امام احمدؒ ابوداؤدؒ اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۱۰) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ ثُمَّ دَعَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ

(۱۰) انسؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا (نماز سے فارغ ہو کر) اس نے یہ دعا کی ''اے اللہ میں یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ تعریف صرف تیرے

☜..... ہے۔ یہاں یہ تشریح صرف اس مقصد کے پیش نظر ہے کہ ابتداء کتاب میں خدائے تعالیٰ کے مختصر تعارف کے ساتھ ان اسماء کی مقبولیت و محبوبیت کی وجہ بھی کچھ نہ کچھ ذہن نشین ہو جائے۔ ﴿لم یولد﴾ اور خود جنا نہیں گیا۔ شیخ اکبرؒ یہاں ایک لطیفہ لکھتے ہیں کہ عقل انسانی غور و فکر اور ترتیب مقدمات کے بعد جو نتیجہ بھی نکالتی ہے وہ اس کا مولود اور پیدا کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں خدائے تعالیٰ کی صفات میں یہ پہلی صفت ہے کہ وہ کسی کا مولود نہیں۔ اب بھلا اس عاقل کو خدا کی ذات کی کیا معرفت ہے جس کی معرفت خود اپنی تراشیدہ اور اپنی ہی پیداوار ہے۔

(الیواقت والجواہر ج ا ص ۵۰)

(۹) ✱ خدا کی ایک نمایاں صفت ''حی'' بھی ہے مگر وہ ایسا ''حی'' نہیں جس پر موت آ سکے اونگھ یا نیند کا گذر ہو سکے۔ بلکہ ایسا ''حی'' جس کے وجود کے ساتھ تمام عالم کا رشتہ حیوۃ قائم ہو ایسا ''حی'' کہ اگر وہ نہ ہو تو عالم کی حیوۃ اور حیوۃ سے پہلے اس کا وجود مٹ جائے۔ عالم میں جن کو ''حی'' کہا جاتا ہے ان کی طرح نہیں کہ اپنے قیام وجود میں ہر لحظ دوسرے کا محتاج ہو بلکہ ایسا ''حی'' جس کی حیوۃ دوسروں کے لیے منشاء حیوۃ بنے اسی وجہ سے اس کا دوسرا نام قیوم ہے اسی کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ﴾ (الفاطر:۴۱)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں اور اگر ٹلنے لگیں تو اس کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے۔

آیت الکرسی میں اسی لیے ''الحی'' کے بعد ''القیوم'' پھر اس کے بعد ''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ'' کا لفظ رکھا گیا ہے۔ یہ نہایت اہمیت کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں اسماء الٰہیہ میں سے جس جس نام کا ذکر ہے پھر جو ترتیب ان اسماء میں رکھی گئی ہے وہ اپنی جگہ بڑے اسرار کی حامل ہوتی ہے محض اسماء شماری منظور نہیں ہوتی' پہلی حدیث میں ''احدیة'' و ''صمدیة'' اور یہاں ''الحی القیوم'' کے ارتباط کا کوئی شمہ بیان کر دیا گیا ہے۔ تفسیر ہمارا موضوع نہیں کہ زیادہ بسط کیا جائے۔

(۱۰) ✱ جس طرح خدا کی ذات مبارک ہے اسی طرح اس کے اسماء بھی مبارک ہیں اس لیے اس کے نام کی برکتوں سے دعائیں ☜.....

www.besturdubooks.net

اَسْأَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ دَعَا اللّٰہَ بِاسْمِہِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ وَ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی.

(رواہ ابوداؤد و الترمذی)

لیے ہے' خدا کوئی نہیں مگر تو' زبردست محسن ہے- زمین و آسمان کو بلا کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے' اے جلال و اکرام والے' اے نا قابل فناء اور مخلوق کی ہستی قائم رکھنے والے' (یہ سن کر) آپ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کا وہ نام لے کر دعا کی ہے کہ جب وہ اس نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے تو جواب دیتا ہے اور جب اس سے مانگا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے-

(اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے-)

(۱۱) وَ عَنْ سَعْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ اِذَا دَعَا رَبَّہٗ وَ ھُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ لَمْ یَدْعُ بِھَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَہٗ.

(رواہ احمد و الترمذی)

(۱۱) سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ذوالنونؑ نے جب اپنے پروردگار کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا تھا تو یوں پکارا تھا- لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (الخ) سوا تیرے کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے' بے شک میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا- کوئی مسلمان کسی حاجت میں خدائے تعالیٰ کو ان کلمات سے یاد نہیں کرتا مگر وہ ضرور اس کی سنتا ہے-

(اس حدیث کو احمد' ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۱۲) وَ عَنْ بُرَیْدَۃَؓ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عِشَآءً فَاِذَا رَجُلٌ یَقْرَأُ وَ یَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَقُوْلُ ھٰذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِیْبٌ قَالَ وَ اَبُوْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیُّ یَقْرَأُ وَ یَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَسَمَّعُ لِقِرَاءَتِہٖ ثُمَّ جَلَسَ وَ اَبُوْ مُوْسٰی یَدْعُوْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ

(۱۲) بریدہؓ فرماتے ہیں کہ عشاء کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں گیا- کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بلند آواز سے قراءت کر رہا ہے میں نے عرض کیا آپ اس کے متعلق کیا خیال فرماتے ہیں' کیا یہ ریاکار ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ اپنے خدا کی طرف جھکنے والا مرد مؤمن ہے' راوی کہتا ہے کہ یہ زور سے پڑھنے والے شخص ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قراءت بغور کان لگا کر سننے لگے' پھر ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا کرنے کے لیے بیٹھے تو بولے اے اللہ! میں تجھ ہی کو گواہ بناتا ہوں کہ اللہ بس تو ہی ہے' یکتا بے نیاز ہے' نہ کسی کو جنا' نہ کسی نے

ﷺ .... قبول ہوتی ہیں جب وہ ان کے وسیلہ سے پکارا جاتا ہے تو ہر پکار کی اجابت کرتا ہے' "بسم اللہ" میں لفظ اسم اسی لیے اضافہ کیا گیا ہے کہ ہر کام کے شروع میں اس کے نام کی برکت ڈھونڈی جائے- ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (العلق: ۱) پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے جس نے آپ کو پیدا کیا-

(۱۲) ✱ عرب میں مواخاۃ صرف لفظی بات نہ تھی بلکہ یہ تعاون و ہمدردی کا ایک بڑا رشتہ تھا جو ان کے نزدیک خونی رشتہ سے کم نہ تھا' یہاں یہ رشتہ صرف اتنی بات پر قائم ہو رہا ہے کہ بریدہؓ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک بشارت سنائی تھی' بشر کے ساتھ سلوک کرنا ان کا عام دستور تھا' جب اس وقت کچھ اور سلوک ممکن نہ ہوا تو انہوں نے عقد مواخاۃ ہی قائم کر لیا- ان چھوٹی چھوٹی ﷺ ....

www.besturdubooks.net

اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهُ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَاَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی وَ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُخْبِرُهٗ بِمَا سَمِعْتُ مِنْکَ قَالَ نَعَمْ فَاَخْبَرْتُهٗ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اَنْتَ الْیَوْمَ لِیْ اَخٌ صَدِیْقٌ حَدَّثْتَنِیْ بِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ رزین)

اس کو جنا' نہ اس کا کوئی نظیر و ہمسر' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے خدا کا وہ نام لے کر سوال کیا ہے کہ جب وہ اس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے اور جب پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بات جو میں نے آپ سے سنی ہے کیا ان سے بھی کہہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہہ دو- میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ خوشخبری ان کو سنا دی- انہوں نے کہا آج کے بعد تم میرے سچے بھائی ہو کیونکہ تم نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خوشخبری سنائی ہے-

(اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے)

اَسْمَاءُ اللّٰهِ الْحُسْنٰی

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی. وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا. وَ قَالَ تَعَالٰی. ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ (بنی اسرائیل : ۱۱۰)

خدا کے لیے اسماء حسنیٰ ہیں انہیں سے اس کو پکارا کرو- دوسری جگہ ارشاد ہے- اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے تم خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو یہ سب اس کے حسن وخوبی کے نام ہیں-

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

(۱۳) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

☜..... باتوں سے اس کا اندازہ لگایئے کہ ان کے قلب میں اسلام اور بانی اسلام کے لیے جذبات کیا تھے-

اذا دعی به اجاب و اذا سئل به اعطی -ان دونوں جملوں میں فرق ہے پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا مردِ مؤمن کی پکار کا جواب دیتا ہے- کفار کی طرح نہیں کہ اس کا جواب تک نہیں آتا -"وَ مَا دُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ" کافروں کی پکار رائیگاں ہے- سوال' خاص حاجت کی طلب کو کہتے ہیں' دعاء عام ہے' اجابت دعاء سے مقصد داعی کا شرف اور اس کی قدر و منزلت بتلانا ہے- اس کی حاجت روائی' یہ ضمنی فائدہ ہے- جیسے کہ پکارنے کا مقصد بھی سوال نہیں بلکہ اس کی یاد ہے- اپنی حاجت پیش کرنا یہ ضمنی غرض ہے- اس لیۓ پہلا جملہ دوسرے سے ابلغ ہے-

(۱۳) ✱ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ بارگاہِ الٰہی میں ادب یہ ہے کہ وہاں بجائے لفظ صفت اسم کا اطلاق کیا جائے اسی لیے قرآن کریم میں اللہ کے لیے اسماء کا تو ذکر کیا گیا ہے مگر صفات کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ وہ اسماء بہ حقیقت اس کی صفات ہی ہیں[1] کاش اگر شیخ ذکبرؒ کے اس ادب کا لحاظ رہتا تو شاید عین وغیرہ کے جو نزاعات لفظ صفت کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں اتنے طویل نہ کھینچے- (ب) شیخ اکبرؒ نے یہ ☜.....

---

[1] الیواقیت والجواہر ج ا ص ۷۷-

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا - اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا ہے اور اس لیے وہ طاق عدد کو پسند

لـہ .... تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جو نام جس طرح شریعت میں استعمال کیا گیا ہے اس سے تجاوز کرنا درست نہیں اس لیے خدائے تعالیٰ کو 'حی' کہا جائے گا مگر ذو حیوۃ نہیں کہا جائے گا - اسی طرح جہاں کسی صفت کی نسبت بطریق فعل وارد ہے اس کو بھی بدلا نہیں جاسکتا جیسا کہ "اللہ یستھزئ بھم" اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ پر "مستھزئ" کا اطلاق جائز نہ ہوگا - (ج) خدائے تعالیٰ کے جتنے اسماء ہیں سب حسن وخوبی کے اسماء ہیں اس لیے 'و ھو خادعھم' کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کو 'خادع' نہیں کہا جا سکتا - مفسرین نے تو اس کے جوابات اور دیئے ہیں مگر شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کو تلاوت کرتے ہوئے چاہیے کہ ایک انسان بحر ندامت میں غرق ہو جائے کیونکہ یہاں ہماری تفہیم وفہمائش کے لیے قرآن کریم نے تنزل کر کے بارگاہ صمدیت میں ایسے الفاظ استعمال کر لیے ہیں جو اس کی شایان شان نہ تھے - مگر کیا کیجئے کہ عالم انسانیت اپنے قصور ونقصان کی وجہ سے عالم تجرد کے بہت سے مخاطبات کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اس لیے جب ناقص رتبہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا تو پھر کامل ہی کو کچھ تنزل اختیار کرنا پڑتا ہے - جاہل ان الفاظ کو پڑھتا اور اعتراض کرتا ہے اور عاقل فرط ندامت سے گڑ جاتا ہے' اس کا اعتقاد ان الفاظ کو سن کر ڈگمگانے لگتا ہے اور اس کی عقیدت دونی دونی بڑھتی جاتی ہے[1] (د) شیخ اکبرؒ نے تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ گو بلحاظ لغت بعض اسماء الٰہیہ کا اطلاق انسانوں پر بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ 'نافع' و 'وکیل' و 'نور' مگر شرعاً وعقلاً بطریق اسم اعظم ممنوع قرار دیا جائے گا اور اگر بالفرض کہیں اطلاق ہوگا تو اس کے اصل معنی سے ذہول ضروری ہوگا - مثلاً 'مؤمن' ایمان دار ہونے کی جہت سے درست ہو سکتا ہے مگر جس لحاظ سے خدا پر مؤمن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ قطعاً حرام ہے[2] اس لیے جو اسماء خدائے تعالیٰ کی بارگاہ کے لیے عرف عام یا خاص میں مشہور ہو چکے ہیں ان کا استعمال دائرہ انسان میں ممنوع رہنا چاہیے -

(ہ) عام شارحین نے لفظ احصار کی مراد صرف زبانی یاد کر لینا قرار دی ہے مگر ارباب حقائق لکھتے ہیں کہ مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ان اسماء کے ساتھ تخلق وتشبہ حاصل کرنا بھی ہے - خدائے تعالیٰ بار بار اپنے اسماء حسنیٰ کا ذکر کر کے چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق میں بھی اپنے اپنے مبلغ پرواز کے موافق ان کی جلوہ نمائی کا جذبہ پیدا ہو تاکہ عالم انسانیت ان اسماء کی تجلیات کی بدولت قعر اسفل السافلین سے نکل کر سطح اعلیٰ علیین پر فروکش ہو سکے وہ اگر رب العالمین ہے تو یہ بھی اپنی مقدرت واستطاعت کے بقدر کمزوروں کی تربیت سے غافل نہ رہے وہ اگر ارحم الراحمین ہے تو یہ بھی رأفت ورحمت کا نمونہ دکھاتا رہے اور اسی طرح صفات مختصہ کے علاوہ ہر ہر صفت کا مظہر بننے کی سعی میں لگا رہے تاکہ خلافت اپنے صحیح معنی میں نمودار ہو اور ان اللہ خلق ادم علی صورتہ کا رمز طشت از بام ہو جائے - شارحین حدیث نے ہر ہر اسم کے ساتھ تخلق کی شرح کر دی ہے تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں - (و) خدائے تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں اور ابھی بہت سے وہ بھی ہیں جو ہمیں بتائے نہیں گئے - حدیث کے الفاظ او استاثرت بھا فی علم الغیب عندک یا او علمتہ احدا من خلقک سے اسی طرف اشارہ نکلتا ہے (یعنی وہ اسماء جو تو نے صرف اپنے ہی علم کے لیے مخصوص رکھے ہیں یا وہ جن کو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو بتائے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ ذات کے تعارف کی دو ہی صورتیں ہیں یا وہ خود یا اس کی صفات - عالم امکان میں مشاہدہ کی طاقت نہ تھی اس لیے یہاں مشاہدۂ ذات تو ممکن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم کو بھی آخر 'لن ترانی' کا زخم کھانا ہی پڑا اس لیے صورت صرف لـہ ....

---

[1] الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۷۶ - [2] ایضاً ص ۷۲ -

www.besturdubooks.net

اَلْوِتْرَ. (رواہ الشیخان و الترمذی) کرتا ہے- اس حدیث کو شیخین اور ترمذی نے روایت کیا ہے-

---

لہ ....اسماء وصفات کے ذریعہ تعارف کی باقی ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اسماء الٰہیہ بتلا دیئے جائیں اور اتنے بتلا دیئے جائیں کہ ایک معرفت ذات کا متلاشی اس راہ سے گذر کر در مقصود تک بسہولت رسائی حاصل کر لے- اسی لیے قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ جگہ جگہ اسماء صفاتی استعمال کرتا ہے پھر اپنے ماقبل و مابعد میں ان صفات کے مظاہر بطریق استشہاد پیش کرتا جاتا ہے تاکہ پہلے ان صفات کی عظمت ذہن نشین ہو اور انسانی قصور ادراک و الفاظ کی وجہ سے ان کے بلند حقائق فہمی میں جو کوتاہی و خامی باقی رہ جائے وہ ان کے مظاہر کو دیکھ کر پوری ہوتی رہے اگر وہ اس کی عزت وقہر کا تذکرہ کرتا ہے تو بتلا دیتا ہے کہ یہ وہ عزت وقہر نہیں جس کی اس کے تصور میں سمائی ہو یا اگر جود ومہر کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ سمجھا دیتا ہے کہ یہ اس نوع کا جود ومہر نہیں کہ وہاں تک عقل کی رسائی ہو اس کے اسماء وصفات اصل مقاصد نہیں بلکہ ذات کی معرفت کا صرف ایک راستہ ہیں جن میں سے گذر کر ذات پاک کی جھلک نظر آتی رہتی ہے اگر ان اسماء وصفات کا توسط نہ ہوتا تو داغ مہجوری عالم امکان کے لیے ہمیشہ نقد وقت رہتا ذات پاک اپنی بے نیازی میں اور ممکن اپنے ادراک کے عجز وقصور میں ہمیشہ سرگرداں نظر آتا' یہ ذات اقدس کی بڑی فیاضی تھی کہ اس نے اپنی معرفت کے لیے حجاب صفات ڈال دیا ہے کہ جو مشتاق اس ذات مستجمع صفات کا نظارہ کرنا چاہے وہ اس حجاب میں آج بھی نظارہ کر سکتا ہے-

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد درسخن بیند مرا

سورۂ ملک کو پڑھیے اس کی ابتداء ﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (الملک:۱) سے ہوتی ہے اس میں خدائی ملک کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کی وسعت کے وہ حدود بتلائے گئے ہیں جو انسانی دسترس سے وراء الوراء ہیں اس ضمن میں ایک ملک والے کے لیے جو اسماء و صفات درکار ہیں ان کو موقعہ بموقعہ ایسا چسپاں کیا گیا ہے کہ گویا وہ آیت اسی اسم کی حقیقت کی تشریح وتفہیم کے لیے اتری ہے اسی لیے علماء معانی نے اعجاز آیات کو قرآن کا ایک اعجاز قرار دیا ہے-

بہرحال اگر اس تخیل واستحضار کے ساتھ آپ سورۂ ملک پڑھیں تو ابھی آپ آخر سورت تک پہنچنے نہیں پائیں گے کہ الٰہی جبروت و ملکوت کا ایک قاہرانہ تسلط آپ کے دل ودماغ پر مستولی ہو جائے گا- استواء علی العرش اور سبع سماوات وارضین عرش وکرسی کا تذکرہ بھی اس لیے نہیں ہے کہ خدا کے لیے کسی بڑے مکان کا تصور قائم کیا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ ایک عاجز مخلوق کو ایک نادیدہ ذات کا تعارف ہو تو کیسے ہو اس لیے اس کی پرواز کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند تخیل کو اس کے سامنے رکھا گیا ہے تاکہ وہ خدائی عظمت وجلال کی بلند سے بلند رفعتوں کو عبور کرنے کے قابل ہو جائے' یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ بلا مصداق ہیں یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے' ہرگز نہیں قرآن شاعرانہ خیال بندی سے بہت دور ہے وہ اسی لیے شعر کی مذمت کرتا ہے کہ اس میں حقیقت نہیں ہوتی اور یہاں صرف حقیقت ہی حقیقت ہے بلکہ عالم قدس نے درحقیقت ان اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور ان کی حقیقتیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ذات پاک کا تصور پھر اس سے وراء الوراء ہے یہاں شیخ اکبرؒ کے الفاظ کس قدر قیمتی ہیں وہ فرماتے ہیں-

ذلک لان صور المعتقدات و المعقولات هی جسور یعبر علیها بالعلم ای یعلم ان وراء هذه المظاهر امراً لا یصح ان یعلم و لا یشهد و لیس و راء ذلک المعلوم الذی لا یشهد و	معتقدات اور معقولات کی صورتوں میں خدائی تجلیات اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ علم انسانی کی رسائی کے لیے ایک گذرگاہ اور پل بن سکیں جن سے عبور کر کے یہ علم حاصل ہو جائے کہ ان تجلیات کے پس پردہ کوئی ایسی باکمال ذات موجود ہے جو ہمارے احاطہ علم ومشاہدہ سے لہ ....؟

www.besturdubooks.net

(۱۴) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ

(۱۴) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' نہایت مہربان' بہت رحم والا' وہ بادشاہ ہے' پاک ہے' ہر نقص و آفت سے سالم ہے' امان دینے والا' پناہ میں لینے والا ہے زبردست دباؤ والا ہے' صاحب عظمت بنانے والا' نکال کھڑا کرنے والا'

لا یعلم حقیقہ ما یعلم اصلا.[۱] وراء الوراء ہے بس ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اسے جان نہیں سکتے۔
کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نار یا نور دیکھا اور حقیقتاً دیکھا ''انا ربک فاخلع نعلیک'' کی آواز سنی اور حقیقتاً سنی مگر یہ سب سماں اس لیے باندھا گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس ذریعہ سے یہ فطری علم حاصل ہو جائے کہ اس نار کے پس پردہ کوئی نور اعظم ہے اور حقیقتاً ہے جس کے لیے یہ نار اس وقت تجلی گاہ بن رہی ہے جیسا کہ ایک انسان خواب میں خدائے عزوجل کو دیکھتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ آج رات میں نے حقیقتاً خدا کو دیکھا ہے یہاں بھی دراصل اس کے معتقدات کی صورت ہی ہوتی ہے جس میں سے گذر کر اس کے دماغ میں صرف ایک یہ علم آ جاتا ہے کہ اس نے خدا کو دیکھا ہے ورنہ خود وہ صورت خدا نہیں ہوتی۔ احادیث میں جہاں جہاں محشر میں رویت باری تعالیٰ کا ذکر ہے وہ بھی تجلیات ہیں جو ہر ہر محل کے مناسب اہل محشر کے سامنے ہوں گی مشاہدہ تجلیات کا ہوگا اور اس ضمن میں علم' ماوراء تجلیات کا ہوتا رہے گا اور یہ علم اسی طرح حدسی و فطری ہوگا جیسا کہ ایک ناواقف شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا اور کہتا ہے کہ میں نے آج شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے حالانکہ بسا اوقات جو صورت وہ دیکھتا ہے وہ حلیہ مبارک سے مطابقت بھی نہیں رکھتی۔ پس جس طرح عالم رؤیا کی یہ صورتیں کسی ذات کی معرفت کے لیے جسور (پل اور راستہ) بن جاتی ہیں' اسی طرح تجلیات خدائی معرفت کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جو مشہور ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اور جو معلوم ہوتا ہے وہ غیر مخلوق ہے اس لیے نہ ان الفاظ میں تاویل کی ضرورت ہے۔ اور نہ ذات پاک کے لیے تجسیم و تشبیہ کی حاجت [۲] [۳]۔

کیف الوصول الی سعاد و دونها قلل الجبال و دونهن حتوف.
سعاد (محبوبہ کا نام ہے) تک رسائی ہو تو کیسے ہو کہ اس سے پہلے بلند پہاڑیاں ہیں اور ان سے پہلے ایک موت نہیں بہت سی موتیں ہیں (نہ ان سے گذرنا ممکن نہ وصل سعاد ممکن)

(۱۴) ✱ خدائے تعالیٰ کے یہ اسماء دو حال سے خالی نہیں ہیں یا ذات پاک کی تنزیہ و تقدیس' عظمت و جلال کا مظہر ہیں تو انہیں صفات ذات کہا جاتا ہے اگر ان کا عالم مخلوق سے بھی تعلق ہے تو ان کا نام صفات افعال ہے۔ اس لحاظ سے اسماء دو قسم کے رہ جاتے ہیں صفات ذات و صفات....

---

[۱] الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۴۹۔

[۲] حدیث ایک جدید اور عمیق فن ہے اس لیے یہاں ہم حدیث فہمی کے لیے کچھ مزید تشریحات کرتے جاتے ہیں تا کہ شروع سے اس کے سمجھنے کا ایک سلیقہ آ جائے یہ اس طرح نہیں ہوگا کہ آپ ایک مرتبہ سن لیں اور بس بلکہ پے در پے جب مختلف احادیث آپ کے سامنے آتی رہیں گی اور ہر جگہ آپ اس حقیقت سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے رہیں گے تو اس مشاقی کے بعد پھر کہیں آپ کا دل و دماغ اس کی حقیقت تک پہنچ سکے گا۔ یہ مضمون ارباب حقائق سے لیا گیا ہے مگر اس کی طرف رہنمائی کا احسان صرف حضرت استاذؒ کا ہے۔

[۳] دیکھو الیواقیت ص ۹۷' ۹۹' ۱۱۰' ۱۱۱' ۱۱۹۔

www.besturdubooks.net

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ
الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ
الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ
الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

صورت پہنانے والا' بہت بخشش والا بہت غلبہ والا' بہت دینے والا' روزی دینے والا' فیصلہ کرنے والا' جاننے والا' تنگی اور فراخی کرنے والا' پست و بلند کرنے والا' عزت و ذلت بخشنے والا' سننے والا' دیکھنے والا' اٹل فیصلہ والا' منصف' بھید جاننے والا' خبردار' بردبار' عظمت والا' مغفرت کرنے والا' تھوڑے عمل پر بہت دینے والا' بلند' بڑائی والا' حفاظت کرنے والا' حصہ

ف.... انعال[1] ہر اسم کی تحقیق بہت تفصیل طلب ہے ترجمہ میں اس کی طرف کچھ اشارات موجود ہیں- شارحین حدیث اور ارباب حقائق نے اس پر مبسوط کام کیا ہے-

(الرحمن الرحیم) اگر اس کے معنی ارادۂ رحمت کے ہوں تو صفت ذات ہے اور اگر بالفعل رحمت کرنے والا ہوں تو صفت فعل ہے

(الملک) اگر اس کا ترجمہ ملک والا ہو تو صفت ذات ہے اور اگر اپنی ملکیت میں ایجاد و اعدام کا تصرف کرنے والا ہو تو صفت فعل ہے

(القدوس) شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ تنزیہ کے لیے عیب کا تصور میں آنا ضروری ہے اس لیے تنزیہ یہ ہے کہ جو عیوب خدا کے لیے کسی ذہن میں آئے یا آسکتے ہیں ان سے اس کی برتری و پاکی بیان کرنا اور تقدیس کا تعلق خود صفاتِ کمالیہ سے ہے اس لیے تقدیس تنزیہ سے اکمل ہے- عیوب سے پاکی اور صفاتِ کمالیہ کی پاکی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہی تنزیہ و تقدیس میں فرق سمجھنا چاہیے[2] یہ صفت ذات ہے- (الخالق الخ) کسی چیز کو معدوم سے موجود کرنا خلق ہے- پھر اس میں سے بقدر ضرورت علیحدہ کر لینا ''برء'' ہے اس کے بعد حسب ارادہ اس کا تسویت و ترتیب یہ تصویر ہے- موجودات میں کاٹ تراش اور اس کی تصویر بندہ بھی کرتا ہے مگر معدومات میں یہ تینوں صفتیں اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں- پہلے وہی اس کا خالق ہوتا ہے پھر وہی باری و مصور بنتا ہے- (الغفار) مخلوق کی پردہ پوشی اور بلا مواخذہ گناہوں کی مغفرت کرنے والا- (البدیع) انسان کسی چیز کے بنانے سے پہلے اس کے نقشہ کا محتاج ہوتا ہے- یہ نقشہ خواہ کہیں پہلے موجود ہو یا اس کا ذہن تیار کرے لیکن خدا کی ذاتِ پاک اس کی محتاج نہیں جب اس کے علم سے کوئی چیز باہر ہی نہیں تو پھر نقشہ کی تلاش اس کی بارگاہ میں متصور بھی نہیں-[3]

اسلام میں خدا کا تصور

یہ تو سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی ہے اور ضرور ہے مگر کیسی ہے؟ اس ادراک سے عقل انسانی عاجز و درماندہ ہے- متاخرین فلاسفہ و حکماء نے بزور عقل مقام معرفت تک رسائی چاہی تو تجرید و تنزیہ کی راہ پر اتنے دور نکل گئے کہ آخر میں سوائے عدم محض کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا وہ یہی سوچتے رہے کہ لا کیف و لا این و لا وضع و لا اضافة و لا عرض و لا جوهر و لا کم وہ کیسا' کہاں' کتنا' کس طرح' کس طرف' خود قائم یا دوسرے وجود کے ساتھ قائم' ان سب سوالات سے بیرون اور بالاتر ہستی ہے- اسی پر بس نہیں- ان کا قدم تنزیہ ذرا اور آگے بڑھا تو صفات کا وجود بھی ہستی باری تعالیٰ کے لیے انہیں مادیت کی طرح ایک عیب نظر آیا لہٰذا اس کی بھی نفی کر بیٹھے- آخر ان تمام اعلیٰ سے اعلیٰ تنزیہات کا میدان جہاں جا کر ختم ہوا وہ یہ تصور تھا کہ خدا یہ نہیں' یہ بھی نہیں' مگر پھر ہے کیا اس کے جواب میں ''یہ نہیں''، تسلی بخش نہیں ہے- یہاں اثباتی پہلو درکار ہے' انسان موجود ہے محدود اور ذو جہت ہے' صرف مجرد نہیں مادی بھی ہے اس کا تصور کسی ایسے موجود کا لہ....

---

[1] دیکھو الیواقیت ص ۷۱- [2] ایضاً ص ۵۴- [3] ایضاً ص ۶۸-

www.besturdubooks.net

اَلْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ	بانٹ کر دینے والا' حساب کرنے والا' بزرگی والا' بے مانگے بخشش والا'
اَلْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ	نگراں' جواب دینے والا' وسعت والا' حکمت والا' بڑی محبت والا' مجد و
اَلْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ	شرف والا' اٹھانے والا' گواہ' ثابت' کارساز' زورآور' مضبوط' دوست و مدد
اَلْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ	گار' تعریف کا مستحق' ہر چیز کی شمار رکھنے والا' عدم سے وجود میں لانے والا'
اَلْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ	معدوم کو پھر موجود کرنے والا' زندہ کرنے والا' مارنے والا' سدا زندہ' مخلوق
اَلْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِي	کی ہستی تھامنے والا' ہر کمال بالفعل رکھنے والا' شرف والا' یکتا' یگانہ' بے نیاز'
اَلْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ	قدرت والا' ہر شے پر قبضہ والا' آگے کرنے والا اور پیچھے کرنے والا' سب
اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ	سے پہلے اور سب سے بعد باقی رہنے والا' سب پر عیاں' نگاہوں سے اوجھل'

ﷺ.... متلاشی ہے جسے وہ خوف و ہراس میں پکارے تو پکار سکے' عیش و راحت میں یاد کرنا چاہے تو یاد کر سکے' جتنا یہ اس کا متلاشی ہو اس سے زیادہ وہ اس کا منتظر ہو' یہ گرنے لگے تو وہ سہارا دے' یہ بھوکا ہو تو کھانا کھلائے' یہ پیاسا ہو تو وہ پانی پلائے' یہ بیمار ہو تو وہ شفا دے اور اگر یہ سو جائے تو وہ اس کی نگہداشت و محافظت رکھے خلاصہ یہ کہ اس کے ماضی و حال و مستقبل کے تینوں زمانوں کی زندگیاں اسی کی نظر تربیت و رحمت کے نیچے پھولتی پھلتی رہیں۔

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِo وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ. وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَ الَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ. (الشعراء : ۷۸-۸۱)	(جہان کا پروردگار) وہ ہے جس نے مجھ کو بنایا تو اب وہی مجھے راہ دکھلاتا ہے' وہ جو مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا تو وہی زندہ کرے گا۔ اور وہ جو مجھے توقع ہے کہ انصاف کے دن میری تقصیر بخشے گا۔

اسی عالم حیرت و سراسیمگی میں جب اس کی توجہ اس طرف منعطف ہوئی تو اس نے گنگا و جمنا پر نظر ڈالی' اپنا رشتہ حیوٰۃ اس کی عام دامن فیض سے کچھ نہ کچھ وابستہ پایا اس کے پانی نے کھیتوں کو سیراب کیا اور ایک من گیہوں کے عوض سینکڑوں من گیہوں کے ڈھیر اس کے لیے مہیا کر دیئے جب بھوک کے حال میں سامان غذا اس راستہ سے پہنچتا نظر آیا تو اس نے تلاش ربوبیت کی مقدس پیاس کو اس کے گدلے پانی سے ہی بجھانے کا ارادہ کر لیا۔ اگر کسی اور بلند فطرت نے بہت تیر مارا تو اس کی نظر شمس و قمر اور کرۂ فلک کے ان نورانی اجسام پر جا پہنچی جن کے حسن صورت نے آنکھوں کو خیرہ کر رکھا تھا اور جن کے جود و سخا نے کرۂ ارضی کو مالا مال بنا دیا تھا۔ ابر و بارش' رنگ و روپ' غذا و نما' نور و ظلمت کا سارا کارخانہ ان کے ساتھ وابستہ دیکھ کر اس کو پورا یقین ہو رہا تھا کہ ہو نہ ہو میری تشنگی فطرت کے بجھنے کا سامان یہاں ہے کہ اچانک ایک اور بلند تخیل اس کے سامنے آیا اور یکایک اس نے اس تمام سامان تسلی کو اسباب تشنگی بنا دیا اور وہ یہ تھا کہ جو خود ڈوبنے اور طلوع ہونے میں سرگرداں نظر آ رہا ہے وہ تمام مخلوق کے لیے مرکز توجہ بننے کی اہلیت نہیں رکھ سکتا۔

غرض تنزیہ میں اتنا اونچا اڑ کر اور مادیت میں اتنا گر کر "خدا کی ہستی کیسی ہے؟" اس سوال کا جواب پھر بھی کچھ نہ مل سکا۔ یہ سوال اسی طرح لاجواب رکھا ہوا تھا کہ ملت حنفیہ کے موسس نے راہ حقیقت کا سراغ نکال لیا اور تمام عالم کے سامنے نہایت فیاضی کے ساتھ اس کو ان الفاظ میں پیش کر دیا ﷺ....

www.besturdubooks.net

اَلْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالِیُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِکُ الْمُلْکِ ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِی

ہر چیز کا ذمہ دار' بہت بلند' بڑا محسن' توبہ کی توفیق بخشنے والا اور قبول کرنے والا' بدلہ لینے والا' معاف کرنے والا' بڑی رحمت والا' سارے ملک کا مالک' جلال و بخشش والا' انصاف والا' جمع کرنے والا' سب سے بے نیاز' دوسروں کو غنی بنانے والا روکنے والا' نقصان پہنچانے والا' نفع پہنچانے والا' خود بخود ظاہر' ہدایت دینے والا'

﴿ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ. اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام:۷۸-۷۹)

(جب آسمان کا ایک ایک بادشاہ اور شہزادہ تاریکی میں روپوش ہو چکا تو وہ بولا) اے قوم میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک مانتے ہو' میں اپنا رخ ایسی ذات کی طرف کر چکا جس نے آسمانوں اور زمین سب کو پیدا کیا ہے اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

گویا اثباتی پہلو میں یہاں ایسے وجود کو سامنے رکھا جس کی طرف سارے وجود منتہی ہیں اور سلبی پہلو میں صرف اجمالاً شرکت کے حدود کی نفی پر کفایت کی گویا اس بیان میں اب خدا ایک موجود کو بتلایا گیا اور موجود بھی وہ جس نے تمام مخلوق کو خلعت وجود سے سرفراز فرمایا۔ آگے چل کر ہر شخص نے بقدر عقل و فہم یہ خود فیصلہ کر لیا کہ صفات ثبوتیہ تابع وجود ہیں لہٰذا جس کا وجود ذاتی اور حقیقی ہوگا اس میں صفات ثبوتیہ بھی لامحالہ حقیقیہ ہوں گی اور جب مخلوق اپنے وجود ہستی میں ہی اس کی محتاج ہوگی تو ضرور اپنے صفات میں بھی اسی کی محتاج نظر آئے گی جب اس تلاش میں اس نے اپنی صفات پر نظر ڈالی تو حیوۃ' قدرت' ارادہ' کلام' علم' سمع و بصر کے آثار دیکھے' ان کی حقیقت کو برتا اور سمجھا' ان کی کمالیت کو سمجھا بوجھا تو اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو ہستی وجود کی اصل ہو اس میں ان صفات کا ہونا لازمی ہے اس لیے اس نے صاف کہہ دیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِیْ عَنْكَ شَيْئًا. (مریم:۴۲)

جب ابراہیم نے اپنے والد سے کہا اے والد! آپ اس کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ آپ کے کام آئے۔

اس کے بعد جب اس نے اپنے اطراف و جوانب پر نظر ڈالی تو وہ بھی کسی کی رعنائیوں کی آرائش گاہ نظر آیا' اس نے کان لگائے تو بلبل خوشنوا کی داستانوں نے اس کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا' آنکھیں کھولیں تو گلہائے رنگ رنگ نے اپنا گرویدہ بنا لیا غرض حس و حواس عقل و ہوش جہاں تک پہنچے کوئی میدان بھی اس پراز کمال و جمال ہستی کے اثرات سے خالی نہ ملا۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے گوش و بصر کے محسوسات کی تکذیب کر دیتا اور عقل و حواس کو معطل کر کے خدا کا تصور صرف ایک سلبی صورت میں اختیار کر لیتا جس کو تنزیہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر دشواری یہ ہے کہ اگر ذرا تنزیہ سے قدم پیچھے پڑتا ہے تو تشبیہ کا نقص لازم آتا ہے۔ قرآن کریم نے اس عقدہ کو حل کیا اور بتلایا کہ خدا کی ہستی اس تنزیہ اور اس تشبیہ کے درمیان ہے اس کے لیے صفات' نعوت' شئون ہیں مگر ایسی نہیں جن کا خیال و وہم ادراک کر سکیں۔ لہٰذا ان تمام صفات کے ساتھ اسے یاد کیے جاؤ' جن سے کہ خود اس نے اپنے آپ کو یاد کیا ہے مگر کسی مثال و شبیہ کو اپنے گوشہ خیال میں گذرنے نہ دو۔ اور اس اعلیٰ تنزیہ اور خیالی تشبیہ کے درمیان اپنے رب کا تصور کرتے رہو۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)[1] کوئی چیز اس کی مانند نہیں (مگر) وہ سننے والا اور جاننے والا ہے تنزیہ

---

[1] اس آیت کے بعض نادر دقائق کے لیے دیکھئے الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۶۵۔ یہاں ان مباحث کا ذکر کرنا مخاطبین کے لیے مشکلات کا موجب ہے۔

www.besturdubooks.net

الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِی الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ. (رواه الترمذي و ابن حبان و الحاكم)

بلانمونہ بنانے والا' ہمیشہ رہنے والا' تمام مخلوقات کے فنا کے بعد ان کے مال کا مالک' درست راہ بتلانے والا' ضبط کرنے والا۔

(اس حدیث کو ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے)

قال الشيخ الا كبر التنزيه ميل و التشبيه ميل و الاعتدال ما بين هذين الخ.[1]

اور تشبیہ دونوں میں ایک طرف جھکنا ہے' اعتدال ان دونوں کے درمیان میں ہے۔

قال الشيخ الا كبر اعلم ان جميع المشاهدين للحق لا يخرجون عن هاتين النسبتين و هما نسبة التنزيه لله تعالى و نسبة التنزل للخيال بضرب من التشبيه فاما نسبة التنزيه فهي تجلية تعالى في نحو ليس كمثله شيء و اما نسبة التنزل للخيال فهي تجلية في قوله تعالى و هو السميع البصير.[2]

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خدائی تجلیات کا مشاہدہ کرنے والے دو نسبتوں سے خالی نہیں ہوتے۔ ایک طرف خدائی تنزیہ کی نسبت دوسری طرف عالم خیال میں تشبیہات کی انعکاسی نسبت پہلی نسبت کو لیس کمثلہ شیء میں اور دوسری کو وھو السمیع البصیر میں بیان فرمایا گیا ہے۔

الغرض اسلام نے انسان کی کمزور فطرت کے سامان تسلی کے لیے اس حد تک عالم خیال میں تشبیہ[3] کی وسعت دے دی ہے[4] جہاں تک کہ تنزیہ کے حدود باطل نہ ہونے پائیں' نماز میں رخ کرنے کے لیے بیت اللہ بنا دیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی فہمائش کر دی ہے کہ خدا کا وہ مسکن نہیں ہے بادشاہت[5] اور ملوکیت کا تصور جمانے کے لیے عرش کا ذکر آ گیا ہے مگر یہ وجودی تصور بھی ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تنزیہ کے خلاف ہو جائے۔ اسی تنزیہ و تشبیہ کے درمیان آپ احادیث کے باب کو پڑھ جائیے پورے مزے اور پورے ذائقہ کے ساتھ پڑھ جائیے اور جھجکیے مت' بشرطیکہ ہر موقعہ پر تنزیہ بھی کیے جائیے۔ خدا کا صحیح تصور۔ اس کے ساتھ حقیقی تعلق پیدا کرنے کا یہی ایک راستہ ہے اگر ان الفاظ سے باہر آپ خدا کو تلاش کریں گے تو اس تصور میں آپ کے لیے کوئی جاذبیت نہ ہوگی اور اگر ان الفاظ کی صورت اور مفہوم کا کوئی فرضی نقشہ تجویز کریں گے تو وہ عین تشبیہ ہو جائے گی نہ وہ خدائی سرحد تھی نہ یہ خدائی سرحد ہے عملی طور پر سب سے آسان اور صحیح راستہ تو یہ ہے' عقلی طور پر بحث و جدل کی راہ دوسری ہے' خدا کا تصور اس سے زیادہ صاف اور بلند اب تک نہ کوئی بتلا سکا نہ بتلا سکتا ہے اس سے زیادہ بحث کرنا ممکن کو اپنے حدود سے تجاوز کرنا ہے اور لاحاصل بھی ہے ؎

عنقا شکار کس نشود دام بازچیں کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

---

[1] ایضاً ص ۴۷۔

[2] ایضاً ص ۹۹۔

[3] یہ واضح رہنا چاہیے کہ شیخ اکبرؒ کے نزدیک عالم خیال ایک واقعی عالم ہے اس کے مستقل احکام ہیں۔ ہماری اصطلاح میں خیال صرف ایک بے بنیاد بات کا نام ہوتا ہے۔ دیکھو الیواقیت ج ۱ ص ۵۴۔

[4] ایضاً ص ۴۶۔

[5] ایضاً ص ۹۳۔

www.besturdubooks.net

بَابٌ فِيْ عَظْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ كِبْرِيَائِهٖ وَ كَمَالِ قُدْرَتِهٖ وَ اِفْتِقَارِ الْخَلْقِ اِلَيْهِ

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اس کی کبریاء وکمال قدرت اور مخلوقات کی سرتاسر احتیاج کا بیان

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَرْبَعٍ فَقَالَ. اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنَامُ وَ لَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَ يَرْفَعُهٗ يُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ بِالنَّهَارِ وَ عَمَلُ النَّهَارِ بِاللَّيْلِ.

(رواہ احمد و مسلم و ابن ماجۃ)

(۱۵) ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر چار باتیں بیان فرمائیں (۱) خدائے قدوس سوتا نہیں اور نہ یہ اس کے شایان شان ہے' میزان[1] عدل کو جھکاتا ہے اور اونچا کرتا ہے رات کے کام دن میں اور دن کے کام رات میں اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔

(اس حدیث کو امام احمد و مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

(۱۶) وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مِنْ طَرِيْقٍ اٰخر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَايَنَامُ وَ لَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَ يَرْفَعُهٗ حِجَابُهُ النَّارُ لَوْ ۔

(۱۶) ابو موسیٰ اشعریؓ دوسرے طریقہ پر یوں روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے باری تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ سونا اس کی شان کے مناسب ہے' میزان عدل کو پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے (اس کے اور مخلوق کے درمیان) خود اس کا نور اس کا حجاب ہے' اگر وہ یہ حجاب اٹھا

---

(۱۵) * میزان عدل' دنیا میں مخلوق کی روزی اور آخرت میں ان کے اعمال کی مقدار کے لیے مقرر کی گئی ہے' اعمال و رزق کی قلت و کثرت دونوں جہان میں اسی کے قبضہ قدرت میں ہے کسی کے اچھے عمل زیادہ ہوں گے اور کسی کے کم' کسی کو روزی فراخ ملتی ہے اور کسی کو تنگ مگر اس حقیقت کے باوجود جدوجہد کا حکم دونوں جگہ موجود ہے گویا تم سعی کے مکلف ہو اور قدرت دینے کی مختار ہے۔

رفع اعمال یہ اس نظم کا ایک شعبہ ہے جس پر بساطِ عالم کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ خدا کے معصوم فرشتے مقرر ہیں' عصر و صبح کی نمازوں میں ان کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے اور اس درمیان میں جو اچھے اور برے کام مخلوق کرتی ہے وہ ان کے ساتھ جاتے ہیں۔ عالم تکوین کے گوشہ گوشہ میں نظم موجود ہے دنیا اس کے عمیق اسرار دریافت کرنے کے درپے ہے اس کے انکار یا ابطال کے درپے نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ اگر عالم غیب کا کوئی نظم آپ کے سامنے مذکور ہو تو آپ اس کے انکار یا اس سے آگے بڑھ کر استہزاء کے لیے آمادہ ہوں۔

(۱۶) * یہاں اصل روایت میں نار کا لفظ ہے اور صحیح مسلم میں اس کی بجائے نور کا لفظ مذکور ہے چونکہ حقیقت کے لحاظ سے یہاں نور و نار میں چنداں فرق نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کا عام فہم ترجمہ تو رہی کر دیا ہے' ابوعبیدہؒ نے لفظ نار ہی کی مناسبت سے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی ہے یعنی جب حضرت موسیٰ کو صورت نار میں تجلی ہوئی تو معلوم ہوا کہ ذات پاک کا حجاب نار تھا جس کے پس پردہ اس کی تجلی ہو رہی تھی۔ اس بابرکت نار اور بابرکت ماحول سے کسی نافہم کو یہ دھوکا نہ لگے کہ معاذ اللہ خدا کی ذات پاک کہیں حقیقتاً آگ میں حلول کر آئی تھی۔ اس لیے فرمایا کہ وہ خود اس آگ اور سارے جہان کا پالنے والا ہے وہ جسم و جہت' حدوث و حلول کے آثار سے پاک و برتر ہے۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق کا حجاب مخلوق کی طرح باہر سے نہیں یہاں خود اس کے عظمت و جلال کے انوار ہی اس کا حجاب ہیں جس طرح کہ خود آفتاب کی کرنیں اور حسینوں کا حسن کبھی کبھی اس کے دیدار کے لیے حجاب بن جاتا ہے' اسی طرح یہاں خود اس کی عظمت و جلال کے انوار ہی اس کا حجاب بن رہے ہیں۔ عقولِ انسانی نے بارہا شوخی کی اور چاہا کہ بے حجاب نظارہ کریں مگر ہمیشہ خیرہ و متحیر ناکام واپس آئیں ....

www.besturdubooks.net

كَشَفَهَا لَا حَرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ شَيْءٍ اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ ثُمَّ قَرَأَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ ﴿فَلَمَّا جَآءَ هَانُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (النمل:۸)
(رواہ احمد و مسلم و ابن ماجۃ)

دے تو اس کی ذات کے انوار جہاں تک نظر جائے سب کو پھونک ڈالیں' اس کی تائید میں ابوعبیدہؓ نے یہ آیت پڑھی ﴿فلما جاء﴾الخ جب موسیٰ آگ کے نزدیک پہنچے تو آواز آئی آگ میں جو تجلی ہے وہ مبارک اور جو ہستیاں اس کے اردگرد ہیں وہ مبارک اور پاک ہے اللہ کی ذات جو سب جہان کا پروردگار ہے۔(اس حدیث کو احمدؒ مسلمؒ اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

(۱۷) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرَانِيٌّ اَرَاهُ. (رواہ مسلم)

(۱۷) ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے پروردگار کو (شب معراج میں) دیکھا تھا آپ نے جواب دیا ''نورانی دیکھا تھا''(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ

(۱۸) جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب کہ جنتی جنت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک ان کے سامنے ایک نور بلند ہوگا وہ سر اٹھائیں گے' کیا دیکھیں گے کہ پروردگار عالم ان پر جلوہ فرما ہے اور فرما رہا ہے

ﷺ.... آئیں۔اب اس عالم میں بے حجاب دیدار کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ خود اس حجاب کو اٹھادے تو اس پر اس کو تو قدرت ہے مگر ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کی تاب لاسکیں۔ارباب عقول کا حصہ یہاں صرف اعتقاد عظمت ہے اور ارباب کشوف کا ذوق و وجدان ۔ آنکہ چشد داند۔

(۱۷) ٭ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے کوئی ''نورانی اراہ'' پڑھتا ہے۔ہم نے ''نورانی'' کے لفظ کو ترجیح دی ہے کیونکہ بعض روایات میں ''رأیت نورا'' کا لفظ بھی موجود ہے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے اگر ''نور انی اراہ'' پڑھا جائے تو ترجمہ ہوگا کہ وہ تو نور تھا میں اسے نظر جما کر بھلا کیسے دیکھ پاتا' اس بناء پر بھی بارگاہ الہٰی میں نور ہی کا اطلاق ثابت ہوگا۔شب معراج میں رویت کی بحث یہاں نہیں ہے اس پر اپنے محل میں گفتگو کی جائے گی۔قرآن و حدیث خدائی بارگاہ کا جہاں ذکر کرتے ہیں ماحول میں نور ہی نور کا پتہ دیتے ہیں۔کیوں نہ ہو جب کہ اسماء الٰہیہ میں اس کا ایک اسم ہی ''النور'' ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾(النور:۳۵) آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کا نور و جمال روشن ہے۔مادیات کا عالم سرتا سر ظلمت و تاریکی ہے اور مجردات کا سرتا سر نور' یہ نور جس قدر لطیف اور قوی ہوتا جاتا ہے اسی قدر ادراک نظر و بصر سے باہر ہوتا جاتا ہے۔حتیٰ کہ جو ذات پاک کہ تجرد کے انتہائی مراتب میں ہے وہ تمام دنیا کے ادراک نظر و بصر سے بھی باہر ہے۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾(الانعام:۱۰۳) خدا کو کسی کی بصر نہیں پاسکتی۔

احادیث میں عالم مجردات کا جہاں تذکرہ ہے وہاں اس کو نور ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کو اس نور پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔نور آفتاب سے نور بصر زیادہ اہم ہے اور نور بصر سے نور عقل زیادہ اہم پھر جوان میں جس قدر اہم اور قوی ہے اسی قدر غیر محسوس ہے جب مادیات میں یہ نسبت ہے تو اس سے مجردات کا اندازہ کر لیجیے۔

(۱۸) ٭ والدواولاد حاکم ومحکوم' احباب واعزہ کے سلام کی لذت سے تمام دنیا آشنا ہے۔خالق کے سلام سے لطف اندوزی صرف اہل جنت کا حصہ ہے یہ تشریف و تکریم کی انتہاء ہے۔جو ذات کہ نور حقیقی ہے اس کے احتجاب کے بعد نور کا بقاء ایسا ہی ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد روشنی کا۔

www.besturdubooks.net

اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَ ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِنْ نَعِيْمِهِمْ مَا دَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَ يَبْقٰى نُوْرُهُ. (رواه ابن ماجة)

اے اہل جنت السلام علیکم قرآن کریم کی آیت ﴿سلام قولا من رب رحیم﴾ (یٰسین:۵۸) (سلام کہا جائے گا پروردگار مہربان کی طرف سے) کا یہی مطلب ہے وہ انہیں دیکھے گا اور یہ اسے دیکھا کریں گے اور (دیدار الٰہی میں ایسے مستغرق ہو جائیں گے کہ) جب تک ادھر نظر رہے گی جنت کی کسی نعمت کی طرف التفات تک نہ کریں گے یہاں تک کہ دیدار ختم ہو جائے گا اور صرف اس کا نور باقی رہ جائے گا۔ (اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

(۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اِسْرَافِيْلَ مُنْذُ يَوْمَ خَلَقَهُ صَآفًّا قَدَمَيْهِ لَا يَرْفَعُ بَصَرَهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى سَبْعُوْنَ نُوْرًا مَا مِنْهَا مِنْ نُوْرٍ يَدْنُوْ مِنْهُ اِلَّا اُحْتُرِقَ. (رواه الترمذی و صححه)

(۱۹) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب سے اسرافیل (صاحب صور فرشتہ) کو پیدا فرمایا ہے وہ دونوں پاؤں برابر کیے کھڑا ہے، نظر اوپر نہیں اٹھاتا، اس کے اور پروردگار کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، ہر پردہ ایسا ہے کہ اگر اس کے قریب بھی جائے تو خاک ہو جائے۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔)

(۲۰) عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰىؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِيْلُ وَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُ سَبْعِيْنَ حِجَابًا مِّنْ نُّوْرٍ لَوْ دَنَوْتُ مِنْ بَعْضِهَا لَاحْتَرَقْتُ. (هكذا في المصابيح و رواه ابو نعيم في الحلية عن انس الا انه لم يذكر "فانتفض")

(۲۰) زرارہ بن اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا "تم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟" یہ سن کر وہ کانپ اٹھے اور بولے اے محمد! میرے اور اس کے درمیان تو نور کے ستر پردے ہیں اگر میں کسی ایک کے نزدیک بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں۔ اس حدیث کو مصابیح میں ایسا ہی روایت کیا ہے لیکن ابونعیم نے اپنی کتاب الحلیۃ میں بجائے زرارہؓ کے انسؓ سے روایت کیا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کے کانپنے کا ذکر نہیں کیا۔

---

(۱۹) * اس حدیث میں حجاب کا عدد ستر مذکور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں صرف کثرت مراد ہو، جیسا کہ اردو میں بھی یہ عدد صرف کثرت کے لیے مستعمل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عام مخلوق اور خاص نورانی مخلوق کے درمیان حجاب کا کچھ فرق بھی ملحوظ ہو بہر حال نفس حجاب کا ثبوت یہاں بھی ہے۔

(۲۰) * جبرائیل علیہ السلام جیسے ملک معظم بھی سراپردۂ عظمت و جلال سے دور دور محروم رہے ہیں وہ ذات ایک اور صرف ایک ہی ذات تھی جس کے لیے سب حجابات اٹھا کر اعلان کر دیا گیا تھا کہ آؤ اور اپنے پروردگار کے جمال کا بے پردہ نظارہ کر لو، سبحان اللہ وہ بندہ بھی کتنا مقرب بندہ ہوگا جس کے لیے وہ سارے حجابات اٹھا دیئے گئے جن میں سے جبرئیل جیسے ملک مقرب کے لیے ایک بھی نہ اٹھ سکا۔

www.besturdubooks.net

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَمِیْنُ اللّٰهِ مَلْاٰی لَا یَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّآءَ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ قَالَ اَرَاَیْتُمْ مَآ اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَمِیْنِهٖ قَالَ وَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ بِیَدِهِ الْاُخْرٰی الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَ یَرْفَعُ۔

(رواہ احمد و الشیخان و البیهقی و الاربعة)

(۲۱) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کا دست مبارک ہمیشہ پُر ہے فیاضی کرنے سے خشک نہیں ہوتا' شب و روز انعامات کی بارشیں برساتا رہتا ہے آپؐ نے فرمایا کہ جب سے اس نے آسمان و زمین بنایا ہے بھلا کتنا خرچ کیا ہوگا اس پر بھی اس کے دست مبارک میں کوئی کمی نہیں آئی اور آپ نے فرمایا کہ (پہلے) اس کے عرش اور پانی کے درمیان کچھ نہ تھا (پھر بعد میں مخلوق پیدا ہوئی) خدائے تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ میں میزان عدل ہے اسے پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

(اس حدیث کو امام احمد اور شیخین اور سنن اربعہ وغیرہم نے روایت کیا ہے)

---

(۲۱) * یہ خدائے قدوس کے خزائن اور اس کی فیاضی کی تفہیم ہے تاکہ اس کی محتاج مخلوق میں اس کی طرف ایک فطری انجذاب پیدا ہو جائے۔ اس کا عرش جہاں تھا اب بھی وہاں ہے لیکن پہلے درمیان میں کوئی اور مخلوق نہ تھی پانی ہی پانی تھا اب آسمان و زمین بن گئے اس لیے اس کے نیچے بجائے پانی کے آسمان کہا جائے گا۔ جامع ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سماوات پر اب بھی ایک سمندر ہے اور اس سمندر پر عرش عظیم ہے۔ اگر محدثین اس روایت کو صحیح مان لیں' تو پھر یہاں پانی سے یہ پانی مراد لے لینا اچھا ہے۔ حدیث میں اس کو بحر سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ وہ بحر نہیں ہے جس کی حقیقت ہم کو معلوم ہو۔ بہرکیف حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ پہلے عرش پانی پر رکھا ہوا تھا پھر کہیں اور اٹھا کر رکھا گیا ہے۔ بلکہ صرف اس کا بیان ہے کہ پہلے اس کے نیچے کیا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ پانی یہی پانی ہو بلکہ ممکن ہے کہ جس کو جامع ترمذی کی روایت میں بحر کہا گیا ہے وہ پانی مراد ہو۔ یہاں حدیث میں دست قدرت کے ایک ہاتھ کو یمین یعنی مبارک کہا گیا ہے دوسرے ہاتھ کو اخریٰ سے تعبیر کیا گیا' یسار کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ مشکوۃ میں یہ تصریح ہے کلتا یدی الرحمن 'یمین' رحمٰن ہر جہت سے پاک ہے۔ اس لیے اس کے دونوں ہاتھ یمین و مبارک ہیں وہاں دایاں یا بایاں نہیں بعض رواۃ نے اخریٰ کی بجائے یسریٰ کا لفظ کہہ دیا ہے' یہ یقیناً راویوں کا تصرف اور روایت بالمعنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عالم غیب کے حقائق ادا کرنے کے لیے جب نطاق الفاظ تنگ ہونے لگتا ہے تو عقول انسانیہ اسے معاف نہیں کرتیں یا پھر اپنے ادراک کے مطابق اس کی شکل و صورت اختراع کرنے لگتی ہیں ورنہ سرے سے انکار کے لیے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان بیرون عقل و فکر کو اپنے میزان عقل و فکر میں تولنا چاہتا ہے حالانکہ اس کو اپنی عقل کا قصور معلوم' پھر اپنی قوت حافظہ و مخیلہ کا قصور معلوم' اس پر قوۃ واہمہ کا تصادم معلوم اس کے باوجود جب اس کے سامنے معاملات ربانیہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اپنی ہی عقل و فکر کی تقلید کرنے لگتا ہے کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ جو خدائے تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق بتایا ہے اسے وہ بے چون و چرا مان لیتا اور اپنے اس کفری تقلید نہ کرتا جو اسی کے خیال کا مقلد ہے اور جس کا خیال اس کے حواس کا مقلد۔

(الیواقیت ص ۹۸-۹۹)

www.besturdubooks.net

(۲۲) و عنہُ عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال یقبض اللّٰہ الارض یوم القیامۃ و یطوی السمآء بیمینہ ثم یقول انا الملک این ملوک الارض.

(رواہ احمد و الشیخان و غیرھم)

(۲۲) ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن خدائے قدوس اپنے دست مبارک میں زمین کو لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں' اب زمین کے بادشاہ کدھر ہیں۔

(اس حدیث کو امام احمد اور شیخین نے روایت کیا ہے)

(۲۳) و عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم انّی اری مالا ترون و اسمع ما لا تسمعون اطّت السمآء و حقّ لھا ان تئط ما فیھا موضع اربع اصابع الّا علیہ ملک ساجد لو علمتم ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا و لا تلذّذتم بالنسآء علی الفرشات و لخرجتم علی اعلی الصعدات تجأرون الی اللّٰہ تعالٰی قال ابو ذرؓ و اللّٰہ لو ددت انّی شجرۃ تعضد.

(رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجۃ)

(۲۳) ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرآواز کر رہا ہے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس میں چار انگشت برابر بھی کوئی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا نہ ہو اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو رویا بہت کرتے اور ہنستے کم اور اپنے بستروں پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوتے اور خدا کی طرف شور مچاتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاتے۔ ابو ذرؓ فرماتے ہیں' اے کاش! میں ایک درخت ہوتا (جو جڑ سے کاٹ دیا جاتا۔ (کہ حساب کا خطرہ نہ رہتا)

(اس حدیث کو امام احمد' ابن ماجہ' اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

---

(۲۲) * زمین کے لیے لفظ قبض اور آسمانوں کے لیے طی (لپٹنا) کا لفظ قرآن نے بھی استعمال کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین میں طی کی صلاحیت نہیں اور آسمان کا مادہ کوئی ایسی چیز ہے جس میں لپٹنے کی صلاحیت ہے۔ موجودہ سائنس اگر آج افلاک کے وجود کی منکر ہے تو ابھی جلدی نہ کیجئے شاید کہ بہت جلد دوسرے حقائق کی طرح اسے یہاں بھی رجوع کرنا پڑے۔ حدیث کا حاصل عنوان باب سے ظاہر ہے۔

(۲۳) * جو بات یہاں شروع میں بطور مقدمہ ارشاد ہوئی ہے وہ تمام عالم غیب پر ایمان و ایقان کی روح ہے یعنی عالم غیب ایک ایسا عالم ہے جو ہمارے حواس کے ادراک سے بالاتر ہے اس لیے رسول اس عالم کی جو چیز بھی دیکھتا یا سنتا ہے وہ سب کچھ ہمارے لیے اس کے اعتماد پر قابل تسلیم ہونا چاہیے یہ عقلی بحث و تمحیص کا میدان نہیں سماع و مشاہدہ کا مقام ہے۔ یہ رسول کا ہی ظرف ہے کہ وہ اس عالم کے خوف ناک سے خوف ناک مناظر کو دیکھتا اور تحمل کر لیتا ہے۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا صحابی اس جہان کا ایک مجمل سا حال صرف سن پاتا ہے تو اپنی موت کو حیوۃ پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عالم غیب عوام کی نظروں سے کیوں پوشیدہ رکھا گیا ہے معلوم ہوا کہ نہ ہر علم ہر مخاطب کے قابل ہے نہ ہر تماشہ ہر ایک کے دیکھنے کے لائق پھر جب رسول جیسا قلب و بصر تمہیں میسر نہیں تو اس سے جھگڑو مت اور جو وہ کہتا ہے بس اسے مان لو۔

www.besturdubooks.net

(۲۴) وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْ لَکُمْ وَ مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ اَقْدِرُ عَلَی الْمَغْفِرَۃِ فَاسْتَغْفَرَنِیْ بِقُدْرَتِیْ غَفَرْتُ لَہٗ وَ لَا اُبَالِیْ وَ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ہَدَیْتُ فَاسْتَہْدُوْنِیْ اَہْدِکُمْ وَ کُلُّکُمْ فَقِیْرٌ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَاسْاَلُوْنِیْ اُغْنِکُمْ وَ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ (وَ فِیْ رِوَایَۃٍ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ وَ صَغِیْرَکُمْ وَ کَبِیْرَکُمْ وَ ذَکَرَکُمْ وَ اُنْثَاکُمْ) وَ حَیَّکُمْ وَ مَیِّتَکُمْ وَ رَطْبَکُمْ وَ یَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَشْقٰی قَلْبِ مِنْ قُلُوْبِ عِبَادِیْ مَا نَقَصَ فِیْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ وَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِیْ مَا زَادَ فِیْ مُلْکِیْ مِنْ جَنَاحِ بَعُوْضَۃٍ وَ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ (وَ فِیْ رِوَایَۃٍ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ وَ صَغِیْرَکُمْ وَ کَبِیْرَکُمْ وَ ذَکَرَکُمْ وَ اُنْثَاکُمْ) وَ حَیَّکُمْ وَ مَیِّتَکُمْ وَ رَطْبَکُمْ وَ یَابِسَکُمْ اجْتَمَعُوْا فَسَاَلَنِیْ کُلُّ سَائِلٍ مِنْہُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِیَّتُہٗ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ سَائِلٍ مِنْہُمْ مَا سَاَلَ مَا نَقَصَنِیْ کَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ مَرَّ بِشَفَۃِ الْبَحْرِ فَغَمَسَ فِیْہَا اِبْرَۃً ثُمَّ انْتَزَعَہَا کَذٰلِکَ لَا یَنْقُصُ مِنْ مُلْکِیْ ذٰلِکَ بِاَنِّیْ جَوَادٌ مَاجِدٌ صَمَدٌ

(۲۴) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کہتا ہے' اے میرے بندو! تم سب قصور وار ہو مگر وہ جسے میں بچالوں' تو مجھ سے بخشش طلب کیا کرو میں تمہیں بخش دوں گا جو شخص یہ جانتا ہے کہ مجھے بخشش کی طاقت ہے پھر مجھ سے بخشش مانگتا ہے تو میں اسے بخش دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا' تم سب گم کردہ راہ ہو مگر وہ جس کو میں راہ دکھلاؤں تو مجھ سے ہدایت مانگا کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا' تم سب محتاج ہو مگر وہ جس کو میں بے نیاز کردوں تو مجھ سے مانگو میں تمہیں بے نیاز کردوں گا- اگر تمہارے اگلے پچھلے (اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انسان اور جن' چھوٹے اور بڑے' مرد اور عورت) زندہ اور مردہ' تر اور خشک' سب مل کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ شقی القلب بندہ کی طرح ہو جائیں تو میری سلطنت میں مچھر کے پر کے برابر کوئی کمی نہیں آسکتی اور اگر سب کا دل متقی سے متقی انسان کی طرح ہو جائے تو میری سلطنت میں ایک مچھر کے پر کے برابر زیادتی نہیں ہو سکتی- اگر تمہارے اول و آخر (اور ایک روایت میں انسان و جن' چھوٹے اور بڑے' مرد و عورت) زندہ اور مردہ' تر اور خشک سب جمع ہوں اور ان میں ہر سائل مجھ سے وہ مانگے جو اس کی انتہائی آرزو ہو پھر ان میں ہر ہر سائل کو میں اس کی منہ مانگی مراد دے دوں تو بھی میرے خزانہ میں کچھ کمی نہ آئے گی جیسا کہ تم میں کوئی شخص سمندر کے کنارے گذرے اور اس میں سوئی ڈبو کر نکال لے (تو سمندر میں کوئی کمی نہیں آتی) اسی طرح میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں آتی یہ اس لیے کہ میں سخی ہوں' بزرگی والا ہوں' بے نیاز ہوں' بات میری بخشش اور بات میرا عذاب ہے اور ایک روایت میں ہے' میری بات (میں) میری بخشش ہے اور میری بات

(۲۴) ٭ اس حدیث میں خدا کی توحید و عظمت کی وہ روح پھونکی جا رہی ہے کہ اس کے بعد اب کوئی ہاتھ نہ رہے جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف اٹھے کوئی دوسری بارگاہ نہ رہے جس پر حاجت روائی کا گمان کیا جا سکے- عاصی اگر معصیت کرتا ہے تو جان لے کہ اس کی مضرت اسی کے لیے ہے عابد اگر عبادت کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک محدود ہے اس کی بے نیازی کا یہ عالم کہ اگر تمام لقیہ....

www.besturdubooks.net

عَطَائِیْ کَلَامٌ وَّ عَذَابِیْ کَلَامٌ (وَ فِیْ رِوَایَۃٍ عَطَائِیْ کَلَامِیْ وَ عَذَابِیْ کَلَامِیْ) اِذَا اَرَدْتُ شَیْئًا فَاِنَّمَا اَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

(رواہ احمد و مسلم و الترمذی)

(میں) میرا عذاب ہے (کچھ کرنا نہیں پڑتا) اور جب میں کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو صرف یہ کہہ دیتا ہوں کہ موجود ہو جا وہ موجود ہو جاتی ہے۔

(اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۴۵) (وَ عَنْہُ فِیْ اُخْرٰی) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ اِنِّیْ حَرَّمْتُ عَلٰی نَفْسِی الظُّلْمَ وَ عَلٰی عِبَادِیْ اَلَا فَلَا تَظَالَمُوْا' کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ یُخْطِئُ بِاللَّیْلِ وَ النَّھَارِ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَہٗ وَ لَا اُبَالِیْ' وَ قَالَ یَا بَنِیْ اٰدَمَ کُلُّکُمْ کَانَ ضَالًّا اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُ وَ کُلُّکُمْ کَانَ عَارِیًا اِلَّا مَنْ کَسَوْتُ وَ کُلُّکُمْ کَانَ جَائِعًا اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُ وَ کُلُّکُمْ کَانَ ظَمْآنًا اِلَّا مَنْ سَقَیْتُ فَاسْتَھْدُوْنِیْ اَھْدِکُمْ وَ اسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ وَ اسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ وَ اسْتَسْقُوْنِیْ اَسْقِکُمْ یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ (فَذَکَرَ نَحْوَ الْحَدِیْثِ الْمُتَقَدِّمِ وَ فِیْہِ لَمْ یَنْقُصُوْا مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ رَاْسُ الْمِخْیَطِ مِنَ الْبَحْرِ۔ (رواہ احمد و مسلم و الترمذی)

(۴۵) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نفس پر بھی ظلم کرنا حرام کیا ہے اور اپنے بندوں پر بھی ظلم کرنا حرام کیا ہے تو سن لو کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو' تمام اولاد آدم شب و روز خطا کرتی رہتی ہے پھر مجھ سے معافی مانگتی ہے تو میں اسے معاف کرتا رہتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا اور فرمایا کہ اے اولاد آدم تم سب بے راہ تھے مگر وہ جس کو میں نے راہ دکھائی' سب ننگے تھے مگر وہ جس کو میں نے لباس پہنایا' سب بھوکے تھے مگر وہ جس کو میں نے کھانا کھلایا' سب پیاسے تھے مگر وہ جس کو میں نے پانی پلایا تو مجھ سے ہی ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا' مجھ سے ہی لباس مانگو میں تمہیں لباس دوں گا' مجھ سے ہی کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا' مجھ سے ہی پانی مانگو میں تمہیں پانی پلاؤں گا' اے میرے بندو! اگر تمہارا اوّل و آخر (اس کے بعد پہلی حدیث کے قریب مضمون بیان کیا صرف فرق یہ ہے کہ یہاں یہ الفاظ ہیں' میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں پیدا کر سکتے مگر جتنا کہ سوئی کی نوک سمندر کے پانی میں')۔

(اس حدیث کو امام احمد و مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

لہ .... مجرمین کو بخش ڈالے تو پرواہ نہیں فیاضی کی یہ انتہاء کہ اگر ایک ایک کو منہ مانگی مراد دے دے تو اس کے خزانہ غیب میں کوئی نقصان نہیں' سلطنت کی یہ قہرمانی کہ اس کے ارادہ و مراد میں تخلف نہیں دنیا میں بڑے سے بڑا تعاون اسباب و عمل کا گرفتار ہے ان کی یہ شان کہ اسباب و مسببات ان کے حکم کے منتظر ہیں۔ سبحان اللہ اسلام کا خدا کتنا باشوکت و عظمت ہے۔

(۴۵) * ترغیب و تفہیم کی حد ہوگئی کہ ظلم کے بارے میں خالق نے اپنا بھی استثناء نہیں کیا اور اس کی کراہت و حرمت میں اپنے آپ کو بھی اپنی مخلوق کے برابر ٹھیرالیا۔ مگر مخلوق کی بے حیائی کی بھی انتہاء نہ رہی کہ اس نے اپنے خالق سے آگے بڑھ کر ظلم ہی کو اپنا نصب العین بنالیا۔

www.besturdubooks.net

(۲۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجِلُّوا اللّٰهَ يَغْفِرْلَكُمْ قَالَ ابْنُ ثَوْبَانَ (اَحَدُ الرُّوَاةِ) يَعْنِيْ اَسْلِمُوْا.

(رواه احمد و الطبراني و ابو يعلى في سننه)

(۲۶) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احترام کرو' وہ تمہیں بخش دے گا' ابن ثوبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (حدیث کا ایک راوی ہے) کہتا ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ اسلام لے آؤ۔

(اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی اور ابویعلی نے روایت کیا ہے)

(۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِؓ قَالَ قَالَ اَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ لَقِيْتُ بَعْضَ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ اَنْتُمْ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كُنْتُ اَكْرَهُهَا مِنْكُمْ فَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ.

(رواه احمد و الطيالسي)

(۲۷) حذیفہ بن الیمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں کسی اہل کتاب سے ملا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم کیا اچھے لوگ تھے اگر ماشاء اللہ و شاء محمدؐ نہ کہا کرتے (یعنی جو اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں بھی تمہاری اس بات کو ناپسند کیا کرتا تھا لہٰذا (بجائے اس کے) یہ کہا کرو ماشاء اللہ ثم محمدؐ (پہلے جو خدا چاہے اس کے بعد جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں)

(اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے)

(۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَعَلْتَنِيْ وَ اللّٰهَ عِدْلًا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ.

(رواه احمد)

(۲۸) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے اس شخص سے کہا کہ کیا تو نے مجھے اور اللہ تعالیٰ کو برابر کر دیا؟ صرف یہ کہہ جو ایک اللہ چاہے۔

(اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے)

---

(۲۶) * معلوم ہوا کہ دیگر مذاہب خدائے تعالیٰ کے احترام کا کتنا ہی دعویٰ کریں مگر اس کا صحیح احترام اب صرف اسلام قبول کرنے میں ہے۔

(۲۷) * عربی زبان میں واؤ شرکت کے لیے آتا ہے اور ثم تراخی و تاخیر کے لیے اس لیے عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو مگر بارگاہ خداوندی کی عظمت چاہتی ہے کہ اس کی صفات میں عبارتی شرکت کا بھی شائبہ نہ آنے پائے۔ جہاں عبارتی ادب اتنا ہے وہاں عقیدہ کا ادب کتنا ہوگا۔ حدیث تو یہ کہتی ہے مگر آپ سوچئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں' اسلام کی توحید کیا ہے اور آپ کا عمل کہاں ہے۔

(۲۸) * یعنی خدا اور رسول کا احترام الگ الگ پہچانو اور ہر ایک کے حقوق کو خلط ملط نہ کرو' خدا کا احترام یہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں کوئی نہیں۔ حقیقۃً شرکت تو درکنار وہاں لفظی شرکت و مساوات بھی مکروہ عمل ہے۔

www.besturdubooks.net

(۲۹) وَ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَ لِقَاؤُكَ حَقٌّ وَ الْجَنَّةُ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ وَ السَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْكَ اَنَبْتُ وَ بِكَ خَاصَمْتُ وَ اِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَ اَخَّرْتُ وَ اَسْرَرْتُ وَ اَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰهِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.

(رواه احمد و الشيخان و مالك و الثلاثة)

(۲۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شب میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں زمین وآسمان اور جومخلوق اس میں ہے سب کا نور تو ہے اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں- زمین وآسمان اور جومخلوق اس میں ہے سب کا وجود قائم رکھنے والا تو ہے اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں-تو سچا اور تیرا قول سچا ہے تیرا وعدہ سچا اور تیرا ملنا سچا ہے' جنت حق ہے' دوزخ حق ہے' قیامت کی آمد حق ہے' اے اللہ! میں تیرا ہی مطیع ہوا' تجھ پر ہی ایمان لایا' تجھ پر ہی بھروسہ کیا' تیری ہی طرف متوجہ ہوا' تیری ہی طاقت سے اپنے دشمن کا مقابلہ کیا' تیری ہی طرف فیصلہ کے لیے آیا' میرے گناہ جو میں کر چکا اور جو بعد میں کیے' جو پوشیدہ کیے اور جو کھلے طور پر کیے' سب بخش دے تو میرا معبود ہے' سوائے تیرے میرا کوئی اور معبود نہیں-

(اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' شیخین' امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سنن ثلاثہ نے روایت کیا ہے)

باب في صفاته عزوجل و تنزيهه عن كل نقص

خدائے تعالیٰ عزوجل کی تنزیہی صفات

(۳۰) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُحَمَّدُ اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص) (رواه احمد)

(۳۰) ابی بن کعبؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمدؐ! ہمیں اپنے پروردگار کا نسب تو بتلایئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی- قل هو الله الخ آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ہے بے نیاز' نہ کسی کو اس نے جنا نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے- (اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)

---

(۲۹) * حقیقت یہ ہے کہ ادعیہ واذکار کو لوگ غور سے نہیں پڑھتے- حالانکہ اسلام میں خدائی عظمت کا ٹھیک ٹھیک پتہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا صحیح سراغ اسی نیم شب کے نالہ وبکا میں ملتا ہے ایک دعا میں جو تین تین بار و لک الحمد کہہ جاتا ہو ایک نماز میں جو ہر بار رکوع سے اٹھ کر ربنا و لک الحمد کہتا ہو سوچو کہ اس کے قلب میں اپنے خالق کے لیے کتنا جذبہ حمد پنہاں ہوگا پھر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو اور کیا ہو-اللھم صل و سلم و بارک علیہ ما دارت الملوان-

www.besturdubooks.net

(۳۱) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ کَذَّبَنِیْ عَبْدِیْ وَ لَمْ یَکُنْ لَهٗ ذٰلِکَ وَ شَتَمَنِیْ وَ لَمْ یَکُنْ لَهٗ ذٰلِکَ تَکْذِیْبُهٗ اِیَّایَ (وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَمَّا تَکْذِیْبُهٗ اِیَّایَ) اَنْ یَقُوْلَ فَلَنْ یُعِیْدَ نَا کَمَا بَدَاَنَا، وَ اَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ یَقُوْلُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَ لَدًا وَ اَنَا الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَ لَمْ اُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُوًا اَحَدٌ.......

(رواہ احمد و الشیخان و ابوداؤد و النسائی)

(۳۱) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور یہ اس کو مناسب نہ تھا اور مجھے برا بھلا کہا حالانکہ یہ اس کے لیے موزوں نہ تھا۔ اس کا میری تکذیب کرنا (ایک روایت میں یوں ہے کہ بہر حال اس کا مجھے جھٹلانا تو) یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اس نے جیسا ہمیں پہلے پیدا کیا تھا ایسے ہی پھر زندہ نہیں کرے گا اور اس کا برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا ہے نہ کسی نے مجھ کو اور نہ میرا کوئی نظیر و ہمسر ہے۔

(اس حدیث کو امام احمد شیخین اور نسائی نے روایت کیا ہے)

(۳۲) وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَ اَنَا الدَّهْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ.

(رواہ احمد و الشیخان وغیرهم)

(۳۲) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' ابن آدم مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے' دہر اور زمانہ کو برائیاں لگاتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہی ہوں' سب تصرفات میرے قبضہ میں ہیں' شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (اس حدیث کو احمد' شیخین وغیرہم نے روایت کیا ہے)

---

(۳۱) ❊ بہت سے الفاظ صرف اعتقادیات کی نجاستوں سے ہی ملوث نہیں ہوتے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ شریعت اسلام ہر ایک کو ذوقِ فطرت کے مطابق متاثر کرنا چاہتی ہے اگر کوئی عقائد کی تطہیر و تنزیہ کا مذاق نہیں رکھتا تو کم از کم اخلاقی لحاظ سے اس کو مقبول کرنا چاہتی ہے اور سمجھاتی ہے کہ جو الفاظ تم اپنے منہ سے نکالتے ہو یہ صرف عقائد شرکیہ ہی نہیں بلکہ سب و شتم اور خدائے پاک کے تکذیب کے بھی الفاظ ہیں تم کہتے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اس کلمہ کی شناعت صرف ایک عقیدہ کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس خدا نے تمہیں دوبارہ پھر زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے گویا اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے' تم کہتے ہو کہ اس کے بیٹا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے کسی کو جنا ہے تو اس کو بھی کسی نے جنا ہوگا اور یہاں جب سلسلہ ولادت ہے تو اس کے لیے بیوی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ سوچو کہ جو ذات مادیات کی ہر ظلمت سے بالاتر ہے اس کے لیے مادیات کے اس نازل ترتخیل کا قائم کرنا اخلاق سے کتنی گری ہوئی بات ہے۔ ایک درشت خو مگر سادہ فطرت رکھنے والے کے لیے کیا خوب طریقہ تفہیم ہے۔

(۳۲) ❊ اسلامی ادب کی یہ انتہائی نزاکت ہے کہ ایک انسان جب اپنی عام بات چیت میں ایسے محاورات استعمال کر بیٹھتا ہے جس کی زد بارگاہ صمدیت پر پڑ سکتی ہے تو وہ ان کو عام بول چال میں لانا بھی پسند نہیں کرتا اور خدائی عظمت کو ہر وقت و ہر لحظہ اتنا دل نشین کر دینا چاہتا ہے کہ غفلت کے حال میں بھی ہر چھوٹے بڑے تصرف کی نسبتیں سب ایک ہی ذات کی طرف رکھی جائیں بالخصوص جب کہ اس کے سامنے وہ لوگ بھی موجود ہوں جو زمانیات کو زمانہ ہی کے تاثیر کا نتیجہ قرار دیتے ہوں' اس وقت اگر ایک توحید کا قائل بھی کسی استعارہ و مجاز میں لے ....

www.besturdubooks.net

(۳۳) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَ یَرْزُقُھُمْ۔ (متفق علیہ)

(۳۳) ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ سے زیادہ تکلیف دہ کلمات سن کر تحمل کرنے والا کوئی نہیں، مشرکین اس کے لیے بیٹا تجویز کرتے ہیں، وہ اس پر بھی انہیں عافیت بخشتا اور روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ (اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے)

لے ..... یہی تعبیر اختیار کر لے تو پھر ایک اسلامی اور دھری میں کیا فرق باقی رہے گا۔ اب سوچو کہ جو مذہب تمہارے الفاظ کو بھی شرک سے اتنا دور رکھنا چاہتا ہے وہ تمہارے قلب و دماغ کو کتنا دور رکھنا چاہتا ہوگا۔ دل و دماغ پر معانی کا انعکاس الفاظ ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے اس لیے عام بول چال میں بھی غفلت کرنا مناسب نہیں ہے ہمارے دور میں محض وقتی دلچسپی کے لیے شریعت کے عقائد و اعمال کا استہزاء کوئی بات نہیں رہی یہ غلط طریقہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہو کر رہے گا کہ ایک دن ان کی وقعت حقیقۃً دلوں سے نکل جائے گی اور یہ وقتی خوش مذاقی دائمی بد مذاقی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

(۳۳) * خدائی ذات پاک کسی کی ایذاء دہی سے بالاتر ہے۔ مگر جب اس کی بنائی ہوئی مخلوق اپنی جانب سے ایذاء دہی کے سامان تیار کر لیتی ہے تو وہ اس کی اطلاع دے دیتا ہے کہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ مگر اس کے جواب میں عافیت و رزق فرماتا رہتا ہے اگر اس کے سوا دوسرے جواب کا ارادہ کر لے تو سب دنیا ویران ہو جائے، ہماری پستی اور اس کی بلندی، ہماری تنگ ظرفی اور اس کی فراخ حوصلگی، ہماری بغاوت اور اس کے تحمل کا یہ نقشہ قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ اسلام چاہتا ہے کہ فردائے قیامت میں اپنے حلقہ بگوشوں کو اس رسوائی سے بچا لے۔

باب فی سعۃ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت

انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا پہلا تعارف اگرچہ صفت ربوبیت کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے مگر ربوبیت کی اصل روح رحمت ہی ہے اس لیے سورۂ فاتحہ میں رب العالمین کے بعد رحمٰن و رحیم کی صفت کا ذکر ہے اگر رحمت نہ ہوتی تو یہ تربیت بھی ہوتی بلکہ تمام جہان کی پیدائش ہی اسی رحمت کا ثمرہ ہے۔ رحمت ہی کا یہ جوش تھا کہ بلا مطالبہ بلا استحقاق محض عدم کو لباس وجود عطا کیا مگر رحمت کا اقتضا صرف معدوم کو موجود اور معصوم کو بخش کر پورا نہیں ہوتا تھا اس لیے رحمٰن نے بالقصد نور و ظلمت سے ایک مرکب مخلوق بنائی تاکہ وہ گناہ کرے اور جب وہ بھولے سے بھی استغفار کے لیے ہاتھ اٹھائے تو رحمت کو بخشش کا بہانہ مل جائے یہ گناہ کر کر کے شرمندہ ہوا کرے وہ معاف کر کر کے فخر کیا کرے، فلاسفہ و معتزلہ کو صرف عادل خدا درکار ہے مگر ہم گنہگاروں کو وہ عادل درکار ہے جس کے غصہ پر اس کی رحمت غالب ہو، یہ عجیب بات ہے کہ گنہگاروں کو رحمٰن کی اتنی تلاش نہیں، جتنی رحمٰن کو گنہگاروں کی اور یہی وجہ ہے کہ معصومین موجود تھے مگر گنہگاروں کی جگہ پھر خالی تھی، رحمت کا جوش چاہتا تھا کہ ان کو بخشے جن پر فرد جرم لگ چکی ہو، جب اسے کوئی ایسا نہ ملا تو اس نے ایک مخلوق اسی صفت کی پیدا فرمائی مگر جب یہ مخلوق پیدا ہوئی تو ان میں سے بہتوں نے رحمٰن کا دروازہ چھوڑ دیا رحمت بلاتی رہ گئی اور انہوں نے منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا مگر جب عمر بھر روگردانی کے بعد بھی سمجھ آ گئی تو رحمت نے پھر گلے لگانے سے کسی کو انکار نہ کیا اور گذشتہ سب گستاخیوں پر قلم عفو کھینچنے کا اعلان کر دیا۔ صفت قہر و غضب پوری تمامیت و کمال کے باوجود اپنے مستحقین پر اترنے کے لیے بھی مشیت کا انتظار کرتی ہے مگر صفت رحمت ہے کہ ہر چیز کو بلا تفریق محیط ہے رحمتی لے .....

www.besturdubooks.net

....

لہ ... وسعت کل شیء عالم کا کوئی گوشہ نہیں جسے صفت رحمت سے کوئی نہ کوئی حصہ نہ ملا ہو اسی اعتبار سے عرش پر اسم رحمٰن کی تجلی ہے تاکہ تمام مخلوق رحمت کے نیچے بسر کرے اور اسی لیے جو نوشتہ کہ عرش رحمٰن کی زینت بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ان رحمتی سبقت غضبی-
اس سبقت و غلبہ کے اظہار کے لیے رحمت کی کچھ کرشمہ سازیاں میدان محشر میں نظر آئیں گی انہیں پڑھ کر خدا کی صفت قہر و غضب سے مطمئن نہ ہونا چاہیے رحمت کی سبقت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں صفت غضب نہیں' گناہوں کی باز پرس' مظلوموں کی دادرسی نہیں' ظالموں کی بیداری' متکبروں کے غرور' مفسدین کے بگاڑ کا کوئی حساب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک انسان سو قتل کر کے اور ایک کافر عمر بھر کی بغاوت کے بعد بھی رحمت کی طرف متوجہ ہونا چاہے تو رحمت پھر حساب نہیں لگائے گی اور ان جیسے مجرمین کے لیے بھی اس میں وسعت نظر آئے گی- لیکن کوئی مجرم اگر صفت رحمت کا خود سہارا نہیں ڈھونڈھتا تو پھر اسے خدائی غضب کی پکڑ سے مامون نہ رہنا چاہیے-
شیخ اکبرؒ نے سہل تستریؒ اور ابلیس کا ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ ایک دن ابلیس نے ان سے کہا جب قرآن ﴿ رحمتی وسعت کل شیء ﴾ کہتا ہے (یعنی میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے) تو پھر کس دلیل سے تم مجھے رحمت سے نکال سکتے ہو کیا میں شئے نہیں' سہل کہتے ہیں یہ اعتراض سن کر میں حیران رہ گیا اور دل ہی دل میں بار بار آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے لگا دفعۃً مجھے خیال آیا کہ اس کے آگے ہی اس کا جواب موجود ہے- فسا کتبہا للذین یتقون (میں اپنی رحمت ان کے لیے لکھ دوں گا جو متقی ہیں) میں نے بڑی خوشی خوشی کہا اے ملعون مگر اس رحمت کو اللہ تعالیٰ نے چند قیود کے ساتھ مقید کیا ہے چونکہ تجھ میں وہ صفات نہیں اس لیے تو رحمت کا مستحق بھی نہیں' یہ جواب سن کر ابلیس ہتک آمیز لہجہ میں مسکرا پڑا اور بولا اے سہل میرا خیال تمہارے متعلق یہ نہ تھا کہ تم اور صفات الٰہیہ سے اتنے جاہل ہو گے تقید تو تمہاری صفت ہے خدائے تعالیٰ کی جو صفت بھی ہے وہ قیود کے داغ سے مبرا و منزہ ہے' وہاں اطلاق ہی اطلاق ہے' سہلؒ کہتے ہیں اس کا یہ اعتراض سن کر میرا منہ خشک ہو گیا اور مجھے کوئی جواب نہ آیا-[1]
حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ آیت میں صرف خدائی رحمت کی وسعت کا بیان کیا گیا ہے جو از خود اس میں نہ آئے یہ اس کا قصور ہے رحمت کی وسعت کا نہیں- اگر ایک مکان میں سو آدمیوں کی گنجائش ہے مگر اس مکان میں آنے والے صرف پچاس ہی آدمی ہوں تو اس میں مکان کی وسعت کا قصور نہیں یہ نہ آنے والوں کی کوتاہی ہے' شیطان اور اس سے بڑھ کر متمرد کے لیے بھی رحمت میں ہر وقت گنجائش ہے مگر وہ خود ہی اگر نہ آئے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے- انلزمکموھا و انتم لھا کارھون-

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ. (اعراف:۱۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے- میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے تو اس کو ہم ان کے لیے لکھ دیں گے جو پرہیز گار ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں-

دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَ قَالَ تَعَالٰی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (الزمر:۵۳)

کہہ دیجئے! اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' اللہ کی مہربانی سے آس مت توڑو' بے شک اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ سب گناہ بخش سکتا ہے وہی گناہ بخشنے والا اور مہربان ہے-

[1] الیواقیت والجواہر ج اص ۵۶-

www.besturdubooks.net

(۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ کَتَبَ فِیْ کِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ غَضَبِیْ.

(۳۴) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے' جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو لوحِ محفوظ میں یہ لکھ دیا' میری رحمت میرے غصہ سے بڑھی ہوئی ہے یہ تحریر اس کے سامنے عرش پر موجود ہے۔

(۳۵) وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ یَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَ لَوْ یَعْلَمُ الْکَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ.

(۳۵) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر مومن جانتا اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا ہے تو اس کی جنت کی کوئی طمع نہ رکھتا اور اگر کافر جانتا خدا کی رحمت کتنی ہے تو اس کی جنت سے کوئی مایوس نہ رہتا۔

(۳۶) وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ فَاَمْسَکَ عِنْدَهٗ تِسْعَةً وَ تِسْعِیْنَ وَ اَنْزَلَ فِی الْاَرْضِ جُزْءً ا وَاحِدًا فَمِنْ ذَالِکَ الْجُزْءِ تَتَرَاحَمُ الْخَلَائِقُ حَتّٰی تَرْفَعَ الدَّابَّةُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْیَةَ اَنْ تُصِیْبَهٗ.

(۳۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصہ کیے' ننانوے حصہ تو اپنے لیے محفوظ رکھے ہیں اور صرف ایک حصہ زمین والوں کو بخشا ہے' یہی ایک حصہ ہے جس سے مخلوق باہم ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتی ہے' یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچے سے ہٹا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں اس پر جا نہ پڑے۔

---

(۳۴) ٭ کارخانہ عالم تمام کا تمام اسباب و مسببات کا محکوم ہے اس لیے احادیث میں اگر کہیں کتاب و کتابت کا ذکر آجاتا ہے تو اس کو نہ مجاز و استعارہ بنانے کی ضرورت ہے نہ کسی اور تاویل یا تامل کی۔ ہاں اس جسارت و دلیری کی بھی ضرورت نہیں کہ عالم غیب کو عالم شہادت پر قیاس کر کے کاغذ' قلم' دوات کے جو آلات یہاں درکار ہیں وہی عالم بالا میں تصور کر لیے جائیں ۔

غیب را ابرو بہارے دیگر است

رحمت کی سبقت کا یہ مطلب ہے کہ نزول قہر کے لیے سبب درکار ہے مگر رحمت کو سبب کا انتظار نہیں اس لیے رحمت ہمیشہ غضب سے بڑھی رہتی ہے۔ یہ کتبہ اس لیے عرش پر رکھا گیا ہے کہ اس کے نیچے بسنے والی مخلوق مطمئن رہے کہ اس کے مقدمہ کی سماعت آئین رحمت کے ماتحت ہوگی صفت انتقام یا صرف صفت عدل کے ماتحت نہیں۔

(۳۶) ٭ خدائی صفات کمالیہ کا یہ کمال ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ اتنی کامل ہے کہ ایک کا نظارہ دوسرے کے تصور سے غافل بنا دیتا ہے مگر خدا کی ذات کا یہ کمال ہے کہ اس کی ہر شان ہر وقت یکساں ظہور کرتی رہتی ہے وہ عین رحمت کے حال میں غضب اور عین غضب کے حال میں رحمت کرتا رہتا ہے۔

﴿نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾ (الحجر: ۴۹-۵۰)

(میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ غفور رحیم صرف میں ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے)

www.besturdubooks.net

(۳۷) وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الْبَهَائِمِ وَ الْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَ بِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَ بِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا وَ اَخَّرَهَا اللّٰهُ تِسْعًا وَ تِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه و في رواية مسلم في اخره قال فاذا كان يوم القيامة اكملها بهذه الرحمة. (روى هذه الاربعة الشيخان و الترمذى)

(۳۷) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے لیے سو رحمتیں ہیں جس میں سے اس نے جن و انس' جانور اور موذیات میں رحمت کا صرف ایک حصہ اُتارا ہے' اسی ایک حصہ کی وجہ سے وہ باہم ایک دوسرے کی طرف جھکتے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اسی ایک حصہ کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچہ سے الفت رکھتا ہے (بقیہ) رحمت کے ننانوے حصوں کو اس نے قیامت کے دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے کہ ان سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا اور مسلم میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان ننانوے حصوں کو رحمت کے اس ایک حصہ سے پورا کر کے (پوری سو کی سو رحمتوں سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا - ان چار حدیثوں کو شیخین اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۳۸) عَنْ جُنْدُبٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَ اللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِىْ يَتَاَلّٰى عَلَيَّ اَلَّا اَغْفِرَ لِفُلَانٍ فَاِنِّىْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَ اَحْبَطْتُ عَمَلَكَ اَوْ كَمَا قَالَ وَ فِىْ رِوَايَةٍ لَا يَسْتُرُ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ فِى الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه مسلم)

(۳۸) جندبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے خدا کی قسم کھا کر کہا وہ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا' خدائے تعالیٰ نے فرمایا یہ کون ہے جو مجھ پر قسم کھا رہا ہے کہ میں فلاں کو نہیں بخشوں گا (جا) میں نے فلاں کو بخشا اور تیرے عمل اکارت کیے (راوی کو تردد ہے کہ یہ یا اس کے مشابہ کوئی اور جملہ فرمایا) اور ایک روایت میں یہ ہے جس بندہ کی اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ پوشی فرمالے (امید ہے کہ) آخرت میں بھی ضرور اس کی پردہ پوشی کرے گا - (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

---

(۳۷) * غیر محدود رحمت کے تصور سے انسان عاجز ہے اور اس کو سمجھانا یہ ہے کہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی رحمت اور تنہا خدا کی اس رحمت میں جو یوم حساب میں ظاہر ہوگی کیا تفاوت ہے' اس تفاوت کے ذہن نشین کرنے کے لیے یہ ایک فرضی حساب بیان کیا گیا ہے تاکہ فکر انسانی کو غیر محدود رحمت کے اندازہ کرنے کا راستہ مل جائے ورنہ غیر محدود کو نہ سو میں تقسیم کیا جا سکتا ہے نہ دو سو میں - حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ درجات جنت سو ہیں اور جنت میں جانا چونکہ بلا رحمت الٰہیہ ہو نہیں سکتا اس لیے ہر درجہ کے مقابلہ میں رحمت کا ایک جزء بتا دیا گیا ہے- حدیث نمبر ۳۷ میں اسی کی توضیح و تفہیم مقصود ہے-

(۳۸) * مسند امام احمد میں اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے ایک عبادت گذار دوسرا گنہگار تھا- یہ اس گنہگار سے کہا کرتا گناہ مت کیا کر وہ جواب دیتا تجھے کیا پڑی ہے میں جانوں اور میرا رب اس نے ایک دن اسے کوئی بڑا گناہ کرتے دیکھا تو پھر اس کو روکا اس نے کہا تو مجھ پر کوئی داروغہ تو مقرر نہیں ہے اسے غصہ آیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا جا خدا تیری مغفرت نہیں کرے گا اور نہ تجھے اپنی جنت میں داخل کرے گا- اسی وقت اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا اس نے دونوں کی روح قبض کر لی' جب اس کے دربار میں دونوں کی پیشی ہوئی تو پہلے گنہگار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا- پھر اس سے کہا تیری طاقت ہے کہ تو تنہ....

www.besturdubooks.net

(۳۹) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهُ قَالَ قَدِمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَبْيٍ فَاِذَا امْرَاَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَبْتَغِيْ اِذَا وَ جَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ اَخَذَتْهُ فَاَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَ اَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرَوْنَ هٰذِهِ الْمَرْاَةَ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا لَا وَاللّٰهِ وَ هِيَ تَقْدِرُ اَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا. (رواہ الشیخان)

(۳۹) عمر بن الخطابؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے' ان میں ایک عورت پر نظر پڑی جو اپنا بچہ تلاش کرتی پھرتی تھی جونہی کہ اس کو بچہ مل گیا اسی وقت اس نے اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور دودھ پلانے لگی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنے اس بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے ہم نے عرض کیا خدا کی قسم نہیں بالخصوص جب کہ اس کو آگ میں نہ ڈالنے کی قدرت بھی ہے (کوئی مجبوری نہیں) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر زیادہ پیار ہے بہ نسبت اس عورت کے اپنے بچہ پر۔ (اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے)

(۴۰) عَنْ اَبِيْ ذَرِّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ اَزِيْدُ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

(۴۰) ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا اللہ تعالیٰ کہتا ہے جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا بدلہ ملے گا اور میں اس پر بھی اضافہ کروں گا اور جو برائی کرے گا اس کو صرف ایک برائی کا بدلہ ملے گا اور امکان یہ بھی ہے کہ میں اسے معاف کر دوں' جو

☜ .... میرے بندہ پر میری رحمت روک دے؟ وہ بولا ''اے رب ہرگز نہیں'' حکم دیا ''اسے دوزخ میں لے جاؤ'' اس حدیث میں اس کی صفت قدرت کا مظاہرہ ہے یعنی وہ چاہے تو ایک گنہگار کو صرف اپنی رحمت سے بخش دے اور چاہے تو ایک نیکوکار کو ادنیٰ سی بات پر گرفت فرما لے۔ احادیث میں لفظ ''لا ابالي'' اس کی اسی شان بے نیازی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں اس نکتہ نواز کو گنہگار کی اعتماد رحمت کی ادا پسند آ گئی اور عابد کی خدائی رحمت پر اس وثوق کے ساتھ اپنی جانب سے بندش ناگوار گذری اس لیے نتیجہ پلٹ گیا۔ مخلوق کو چاہیے کہ خالق کے عذاب وثواب کی تقسیم میں کسی حال دخل انداز نہ ہو ہم عمل کے مخاطب ہیں اور جزاء کا وہ مختار ہے۔

(۳۹) * اس کے ساتھ حدیث نمبر ۴۸ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ دونوں جگہ آنکھوں کے سامنے مخلوق کی محبت وشفقت کا انتہائی جوش نظر آ رہا ہے' انسانی فطرت شناس چاہتا ہے کہ اسی تاثر کے حال میں اس کو وہ رحمت یاد دلائے جس کو صرف سمجھانے کے لیے اس سے سو گنا زیادہ کہا گیا ہے اور اس طرح خدا کی رحمت کی عظمت اتنی ذہن نشین کر دے کہ یہ مخلوق کی رحمتیں نظروں میں ہیچ ہو جائیں۔ اسلامی عقائد صرف علوم نہیں بلکہ فطرت کے تاثرات اور ان کے نقش ونگار ہیں' خدائی رحمت کا ہمیں صرف علم درکار نہیں بلکہ وہ یقین درکار ہے جس کے بعد بے ساختہ قلب میں اس کی طرف ایک انجذاب محسوس ہونے لگے۔

(۴۰) * قرب و بعد کو حدود میں محصور تصور کرنے والا انسان جب ان قیود سے بالاتر ہستی کے قرب و بعد کا ذکر سنتا ہے تو اس کو بھی بالشتوں اور گزوں سے ناپنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو ان حدود سے آزاد ہے اس کے لیے ان حدود کا تصور کیوں کیا جائے۔ انسان خواب کے عالم میں بہت کچھ دیکھتا ہے مگر نہیں بتا سکتا کہ اس کو اس جہان سے تحت وفوق یا قرب و بعد میں سے کون سی نسبت حاصل ہے وہ دیکھتا ہے کہ وہ اسی جیسے وسیع جہان میں پھر رہا ہے حالانکہ وہ سارا جہان اس میں ہے اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس ☜ ....

www.besturdubooks.net

فَجزآءُ سَیِّئَۃٍ مِّثلُھَا اَوْ اَغفِرُ وَ مَنْ تَقرَّبَ مِنِّی شِبْرًا تَقرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَ مَنْ تَقرَّبَ مِنِّی ذِرَاعًا تَقرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَ مَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً وَ مَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً. رواہ مسلم و الترمذی و لفظہ قال اللّٰہ تعالٰی یا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ وَ رَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَا کَانَ فِیْکَ وَ لَا اُبَالِیْ یَا ابْنَ اٰدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ وَ لَا اُبَالِیْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ لَوْ اَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُکَ بِقُرَابِھَا مَغْفِرَۃً.

میری طرف ایک بالشت قریب آئے گا میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب آؤں گا اور جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوگا میں اس کے دو ہاتھ قریب ہوں گا اور جو میری طرف ٹہلتا ہوا آئے گا میں اس کی طرف لپکتا ہوا آؤں گا جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ کر کے ملے گا میں اس سے اتنی ہی بڑی مغفرت لے کر ملوں گا۔ بشرطیکہ اس نے میرا کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہو۔ اس حدیث کو مسلم ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا خواہ تیرے عمل کیسے بھی ہوں اور میں بے نیاز ہوں اے ابن آدم! اگر تیرے گناہوں کا ڈھیر آسمان تک پہنچ جائے پھر تو مجھ سے معافی مانگنا چاہے تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لے کر آؤں گا بشرطیکہ تو نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھیرایا ہو اور میں بے نیاز ہوں اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر خطاؤں کا بوجھ لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تو نے شرک نہ کیا ہو تو میں اسی کے برابر تیرے پاس مغفرت لے کر آؤں گا۔

......میں ہے اس سے کتنا قریب ہے کتنا بعید ہے۔ شریعت الفاظ کی تنگی کی وجہ سے ہماری تفہیم کے لیے ایک مؤثر انداز بیان اختیار کرتی ہے ہم اس کی صورت ڈھالنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہاں حدیث کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ جتنا بندہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مادی کا قرب مادی سے بے شک مکانی ہے مگر مجرد کا مجرد سے یا مادی کا مجرد سے یا مجرد کا مادی سے مکانی قرب نہیں باایں ہمہ آخری تین قسموں میں جو قرب ہے وہ پہلی قسم سے کہیں زیادہ ہے باپ اور بیٹے میں بعد مسافت کے باوجود جو قرب ہے وہ دو اجنبی شخصوں میں ایک جگہ بیٹھ کر بھی نہیں۔ اسی لحاظ سے نبی کو جو قرب و محبت مؤمنوں کی جانوں سے حاصل ہوتا ہے وہ خود ان کو اپنی جانوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرب مکانی کا رشتہ بہت ضعیف و کمتر رشتہ ہے' قرب کی ہر تعبیر کو زمان و مکان کی قیود میں محدود کر دینا بڑی کوتاہی ہے' خدا ایک مطیع و فرمانبردار بندہ سے بہت قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ اس کی رگ جاں بھی اتنی قریب نہیں مگر وہ قرب نہیں جو مادی کا مادی سے ہوتا ہے بلکہ وہ جو مجرد کو مادی سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ عاصی و نافرمان سے بہت بعید ہے مگر وہ بعد نہیں جس کا حدود و نہایات سے اندازہ کیا جا سکے غرض کہ اگر وہ قریب ہے تو اتنا کہ اس سے زیادہ کوئی قریب نہیں اور بعید ہے تو ایسا کہ اس سے زیادہ کوئی بعید نہیں مگر دونوں صورتوں میں اس کا قرب و بعد وہی ہے جو ایک مجرد کو مادی سے ہو سکتا ہے نہ وہ جو مادی کو مادی سے شیخ اکبر فرماتے ہیں

و من عجبی انی احن الیھم ۔ و اسأل عنھم دائما و ھم معی
و تبکیھم عینی و ھم فی سوادھا ۔ و تشتاقھم روحی و ھم بین اضلعی [1]

بقیہ....

[1] الیواقیت والجواہر ص ۶۰۔

www.besturdubooks.net

(۴۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَ مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَ مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا

(۴۱) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے' میرا بندہ میرا تقرب کسی اور عمل سے جو مجھے پسند ہوا تنا حاصل نہیں کرتا جتنا کہ اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے تا آنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا وہ کان ہو جاتا

☜..... ''یعنی مجھے اپنے حال پر تعجب ہے کہ میں کیوں ان کا مشتاق رہتا ہوں اور ان کے متعلق ہمیشہ کیوں دریافت کرتا پھرتا ہوں جب کہ وہ ہمہ وقت میرے ساتھ ہیں اور اس پر کہ میری آنکھیں ان کے لیے کیوں رویا کرتی ہیں' جب کہ وہ اس کی پتلی میں موجود ہیں اور میری جان ان کے لیے کیوں مشتاق رہتی ہے حالانکہ وہ میرے دل میں جلوہ فگن ہیں۔''

یہ تحیر و تعجب اس وقت تک دور نہیں ہوگا جب تک یہ مادی ترقی کر کے عالم تجرد کے کچھ قریب نہ ہو جائے' جب قریب ہو جائے گا تو پھر بھی اتنا ہی سمجھ سکے گا کہ اس کا تحیر بجا تھا' درست تھا لیکن جب ہر شخص اس مرتبہ عروج کا اہل نہیں تو وراء الوراء ذات خود تنزل کر کے اپنے لیے وہی الفاظ استعمال کرنا جائز سمجھ لیتی ہے جو مادی کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں اسی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ محض ان الفاظ سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔ مگر اس نازک مرحلہ پر پہنچ کر انسانی عقل محدود الفاظ اور غیر محدود ذات کا توازن قائم نہیں رکھ سکتی اور پھر یا تشبیہ کی حد میں داخل ہو جاتی ہے اور یا تنزیہ کے ان حدود تک پہنچ جاتی ہے جہاں قرب و بُعد کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ اسلام عبد و معبود کے درمیان جن علائق کا پتہ دیتا ہے اگر ہم ان کا تصور چھوڑ دیں تو پھر خدا کی ذات میں ہمارے لیے کوئی کشش نہیں رہتی اور اگر انہیں مادیت کے سانچے میں ڈھال لیں تو کفر بنتا ہے اس لیے یا تو اسی طرح اس پر ایمان لاؤ اور اگر اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو عملی قدم بڑھاؤ اور اس کا یہ قرب و بُعد دیدۂ باطن سے اسی طرح دیکھ لو جیسا کہ دیدۂ ظاہر سے محسوسات کا مشاہدہ کر لیتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

(۴۱) ٭ دو انسانوں کے درمیان مراحل محبت طے کرتے کرتے بسا اوقات ایسے اثرات نظر آنے لگتے ہیں جنہیں ایک اجنبی شخص بھی دیکھ کر یہ اندازہ کر لیتا ہے کہ ضرور ان دو شخصوں میں کوئی ایسا تاثر د مغلوبیت کا تعلق ہے جس نے ان کے ظاہر کو بھی مسخر کر لیا ہے وہ دیکھتا ہے کہ نشست و برخاست کے اوضاع و اطوار سے گذر کر ان کے خط و خال میں بھی صفت ہمرنگی پیدا ہوگئی ہے' جب آرزو کے اتحاد' ارادہ کے اتحاد' جذبات کے اتحاد کے ساتھ ظاہر کا یہ اتحاد بھی نظر آنے لگتا ہے تو اس اتحاد کی صحیح ترجمانی کے لیے لفظ اتحاد کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا ۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی   تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

متنبی کہتا ہے ۔

ما الخل الا من أود بقلبه   و أری بطرف لا یری بسوائه

فارسی و عربی کے شعراء نے آثار محبت کے ادائیگی کے لیے جس مناسب تعبیر کا انتخاب کیا ہے وہ لفظ اتحاد ہے مگر ان الفاظ سے یہاں کسی کو بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ اس اتحاد کی وجہ سے ان کی حقیقی اثنینیۃ باقی نہیں رہتی پھر جب مخلوق کے دائرہ میں ان الفاظ سے یہ کھلی ہوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تو خالق و مخلوق کے درمیان کسی تعبیری توسع سے عقیدہ کی غلط فہمی کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ جب ایک بندہ راہ عبدیت پر گامزن ہوتا ہے اور فرائض و نوافل کے سبب عجز و نیاز کے قدم اٹھاتا چلا جاتا ہے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب ☜.....

www.besturdubooks.net

اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ	ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور
الَّذِیْ یُبْصِرُبِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ	وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور وہ پاؤں جن سے وہ چلتا ہے اب
الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَ لَئِنِ	اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے گا تو میں اسے دوں گا اور اگر میری پناہ میں آنا
اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ	چاہے گا تو میں اپنی پناہ میں لے لوں گا' اور مجھے کسی کام کرنے میں جو مجھے کرنا ہے

ﷺ....اس کے ظاہر و باطن کو سلطان الوہیت نے پورا پورا مسخر کرلیا ہے اگر وہ سنتا ہے تو وہی سنتا ہے جسے خدا نے سننے کا امر کیا ہے اگر دیکھتا اور بولتا ہے تو وہی دیکھتا اور بولتا ہے جس کی اسے اجازت دی گئی ہے اگر وہ اپنا ہاتھ یا قدم اٹھاتا ہے تو وہیں اٹھاتا ہے جہاں اس کے مولی نے اس کے لیے اٹھانا پسند کیا ہے اس کے سوا نہ وہ کچھ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ اور کوئی ادنیٰ جنبش کرتا ہے تو اس ربط محبت کے اظہار کے لیے لامحالہ وہی الفاظ اختیار کرنے پڑتے ہیں جو اس موقعہ ومحل کے لیے مانوس ہیں پھر جس طرح وہاں ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب صرف اس رشتہ محبت کی ترجمانی ہے۔اسی طرح یہاں بھی ان الفاظ کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ اب یہ بندہ وادیٔ محبت طے کرتا ہوا اپنے مولی کی رضا و تسلیم میں فنا ہو چکا ہے اور اوامر شریعت کا اس طرح مطیع ومنقاد ہو گیا ہے جیسا کہ ایک شائستہ گھوڑا اپنے سوار کے اشارات کا' نہ اس گھوڑے کی حس و حرکت اپنی ہے نہ اس بندہ کی نقل و حرکت اپنی' دیکھنے میں تو یہ خود ٹھہرتا اور حرکت کرتا ہے اور حقیقت میں اس کی حس و حرکت اس کے مالک ہی کی ہے اس کے جوارح اس کے ارادہ کے مظاہر بنے ہوئے ہیں جب مخلوق کی قوت ارادی اس درجہ فنا ہو جاتی ہے کہ اس کا حرکت و سکون دوسرے کے ارادہ کے تابع ہو جائے تو پھر اس کا حکم اسی صاحب ارادہ کے تابع ہو جاتا ہے۔کتا جیسا خبیث جانور معلم ہو کر جب اپنی قوت ارادی فناء کر دیتا ہے اور ہمہ تن اپنے مالک کی رضاء کے تابع ہو جاتا ہے تو شریعت نے اس کے جوارح کا اپنا کوئی حکم باقی نہیں رکھا بلکہ جو اس کے مالک کا حکم ہے اس کا بھی وہی حکم رکھ دیا ہے اسی لیے اگر وہ کتا مسلمان کا ہے تو اس کا شکار حلال ہے اور اگر کافر کا ہے تو اس کا شکار حرام ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درجہ فنائیت کے بعد اب یہ شکار اس کتے کا ہے ہی نہیں بلکہ اس کے مالک کا ہے اگر وہ مسلمان تھا تو یہ بھی حلال ہے اسی طرح جب بندہ اپنے ارادات کو فنا کر دیتا ہے تو پھر یہ اطلاق درست ہو جاتا ہے کہ اس کے سمع و بصر مشیت ایزدی کا مظہر بن گئے ہیں آپ نے دیکھا کہ فناء ارادہ کے اس مرحلہ پر پہنچ کر کس طرح ایک کتا اپنے مالک کا حکم اختیار کر لیتا ہے مگر جب ایک انسان شریعت کی متابعت کی بجائے اس سے ٹکرانے لگتا ہے تو پھر اس کا حکم جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔

اس مضمون کو یہاں پوری احتیاط سے ادا کیا گیا ہے اور اسی لیے یہ نہیں فرمایا کہ ''کنت ھوانا'' یعنی اتحاد ذات کی بجائے صرف اس کے ان ظاہری حواس کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کے افعال کے لیے محرک بنتے ہیں۔جہاں تک غور و تجربہ سے معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت میں مجاز و استعارہ کی وہ سب شائستہ تعبیرات جائز رکھی گئی ہیں جو عربی زبان میں کسی غلط فہمی کا موجب نہ ہوں اور جن تعبیرات و مجازات سے کوئی ادنیٰ ابہام بھی پیدا ہو سکتا تھا ان سے تمام تر احتراز کیا گیا ہے۔شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہاں سمع و بصر وغیرہ قوی حسیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔قوی باطنیہ جیسا کہ فکر و خیال حفظ و وہم ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا یعنی یوں نہیں فرمایا گیا کہ میں اس کا فکر و وہم بن جاتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حواس ظاہرہ اپنے ادراکات میں براہ راست خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں اور قوائے باطنیہ بھی گو اس کی احتیاج سے باہر نہیں مگر یہاں برائے نام حواس ظاہرہ کا توسط بھی موجود ہے ان قوتوں کا دائرہ تصرف وہی ادراکات ہیں جو حواس ظاہرہ کے ذریعہ ان کے سامنے جمع ہو جاتے ہیں۔گویا انسانی حواس میں حواس ظاہرہ بلا واسطہ خدا کے محتاج ہیں اور حواس باطنہ حواس ظاہرہ کے واسطہ سے' اس لیے تا امکان مجاز و استعارہ میں بھی اس پہلو سے احتراز کیا گیا جہاں غیر کی طرف احتیاج کی بو آ سکتی ہے۔[1] ﷺ....

[1] الیواقیت والجواہر ج۱ص۵۹۔

www.besturdubooks.net

اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَ تَهٗ وَ لَا بُدَّلَهٗ مِنْهُ. (رواہ البخاری)

اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مومن کی روح قبض کرنے میں اسے موت پسند نہیں ہوتی اور مجھے اس کا دل گیر ہونا گوارا نہیں ہوتا اور موت اس کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔
(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

ﷺ .... ہمارے نزدیک یہ نکتہ سنجی ایک بڑے محقق کے اندازۂ علم کے موافق ہے ورنہ سہل یہ ہے کہ اس جیسے مقام کے لیے حواس باطنہ کا تذکرہ گو بلحاظ قیاس درست ہو مگر عام محاورہ نہیں ہے اس لیے اگر کنت سمعه و بصره کی بجائے کنت فکره و وهمه کہہ دیا جاتا تو شاید یہاں حقیقت کا ابہام پیدا ہونے لگتا اس لیے ایسی ہی تعبیر کا استعمال کرنا مناسب تھا جو مجازی معنی میں اتنی متعارف ہو کہ اس کے استعمال میں حقیقت کی طرف انتقال ذہنی کا کوئی شبہ نہ ہو سکے اور اس طرح ان تشبیہی الفاظ میں حقیقی تنزیہ کو کوئی ٹھیس نہ لگے۔ بدقسمتی سے جب قرآن و حدیث کے تراجم اردو زبان میں کیے جاتے ہیں تو زبان کے محاورات کی ناواقفی کی وجہ سے بلاوجہ دماغوں میں شک و تردد کی گرد اڑنے لگتی ہے جس کو دبانے کے لیے پھر بلاوجہ اور رطول دینا پڑتا ہے ورنہ اس حدیث کا مضمون اتنا صاف و واضح ہے کہ کسی سوال و جواب کی ضرورت ہی نہیں یہاں اہل علم غور کر لیں کہ اس حدیث میں ان الله خلق ادم علی صورته کا کتنا پتہ ملتا ہے مگر عقائد صحیح اور علم راسخ ہوتا تو اس کی توضیح کرنے میں بھی مضائقہ نہ تھا مگر اب خاموش ہونا پڑتا ہے۔ ''قلم ایں جا رسید و سر بشکست''

حدیث میں دوسرا مشکل لفظ تردد ہے کیونکہ خدا کی بارگاہ میں تردد کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں مگر یہاں ایک عمیق حقیقت ہے جس کے سمجھانے کے لیے اس کے سوا کوئی اور لفظ بھی نہیں اور وہ ایک معاملہ ہے جو انسان کی موت کے سلسلہ میں خالق کی جانب سے پیش آتا ہے ظاہر ہے کہ موت فطرتِ انسان کے لیے ایک تلخ گھونٹ ہے جو اپنے اختیار سے پسند نہیں کیا جا سکتا رحمت چاہتی ہے کہ اس کے لیے اسے تیار کر دے اور اتنا تیار کر دے کہ وہ اسے لقاء رب کی شیرینی سمجھ کر بشوق و رغبت خود پینے کی خواہش کرنے لگے یہ کیونکر ہو اس کے لیے وہ اسباب پیدا کرتی ہے یعنی موت سے قبل مصائب کا ہجوم' تجارت میں نقصان' دوستوں کی بے وفائی' عزیزوں کی بے رخی' اولاد کی سرکشی جیسے صبر آزما واقعات پے در پے رونما ہوتے رہتے ہیں ادھر اس کا دل دنیا سے سرد ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آنے سے پہلے کہ دنیا اس سے جبراً چھڑائی جائے خوشی خوشی از خود ترک کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ عین عیش و راحت اور پورے لذت و اطمینان کی ساعات میں اسے موت آ جاتی مگر رحمت عبد مؤمن کی موت اس طرح نہیں چاہتی کہ فرشتہ اس کو لقاء رب کی دعوت دیتا ہے اور وہ حیوۃ دنیا کو ترجیح دیتا ہے۔ بندہ کی فطری حرص زندگی اور رحمت کے اسباب نفرت کی ان تمہیدوں کا صحیح نقشہ کھینچنے کے لیے تردد کے لفظ سے زیادہ پیارا کوئی اور لفظ نہیں ہے یعنی اگر کوئی دور سے بیٹھ کر بندہ کو موت پر رضامند کرنے کے لیے ان ترددات کو دیکھے تو یہی سمجھے کہ شاید قدرت کو اس کی موت کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑ رہا ہے یہ موت پسند نہیں کرتا وہ اسے دلگیر کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے بڑے لطائف الحیل سے گویا اس کو تیار کیا جا رہا ہے یہ سب سماں کیوں باندھا جاتا ہے صرف مؤمن کی تشریف و تکریم کے لیے' قدرت اگر چاہے تو بلا کسی ادنیٰ پس و پیش کے ایک آن میں روح قبض کر لے مگر اس صورت میں اس کی قدرت و اختیار کا ہی مظاہرہ ہوگا جو بلا شبہ ہے' مؤمن کی تشریف و تکریم کیا ظاہر ہوگی جو ہر طرح محتاج ہی محتاج ہے اس اعزاز و اکرام کی خاطر یہاں بلا کسی ادنیٰ تردد کے وہ سماں باندھا جاتا ہے جس کو بجز لفظ تردد کسی اور طرح تعبیر نہیں کیا جا سکتا اسی کو شیخ اکبرؒ نے فرمایا تھا کہ جب الفاظ کے دائرے حقائق غیب کی صحیح ترجمانی سے تنگی کرنے لگتے ہیں تو وہ خود تنزل کر کے اپنی بارگاہ کے لیے ان الفاظ و تعبیرات کی اجازت دے دیتے ہیں جن کا استعمال ان کی بارگاہ میں سرتا سر گستاخی تھا۔

اس تمام قیل و قال سے قطع نظر کر کے سمجھو کہ یہاں اصل مقصد یہ بتلانا ہے کہ اسلام کا خدا تمام تر استغناء و جلال کے باوجود اپنی مخلوق سے لا پرواہ نہیں اور اسی لیے اسلام کے خدائی تصور میں مخلوق کے لیے جتنی جاذبیت و کشش ہے اتنی کسی دوسرے مذہب کے خدائی تصور میں نہیں۔ و لله المثل الا علیٰ۔

www.besturdubooks.net

(۴۲) وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَحْکِیْ عَنْ رَّبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ قَالَ اَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا. فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَبْدِیْ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْ خُذُ بِالذَّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَذْنَبَ عَبْدِیْ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِالذَّنْبِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ.

(۴۲) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ ایک بندہ نے گناہ کیا اور کہا اے اللہ! میرا گناہ بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار بھی ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ اس کی کچھ مدت بعد پھر گناہ کرتا اور کہتا ہے کہ اے رب! میرا گناہ بخش دے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے گناہ کیا اور اتنا سمجھا کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر مواخذہ کرتا ہے۔ پھر کچھ مدت بعد وہ بندہ گناہ کرتا اور کہتا ہے کہ اے رب! میرا گناہ بخش دے حق تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے گناہ کیا اور یہ سمجھا کہ کوئی اس کا پروردگار ہے جو گناہ بخشتا اور اس پر گرفت کرتا ہے۔
(اگر تیری انابت کا یہی طور ہے) تو اب جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا۔

(۴۳) وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَمْ یَعْمَلْ حَسَنَۃً قَطُّ لِاَھْلِہٖ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْہُ ثُمَّ اَذْرُوْا نِصْفَہٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَہٗ فِی الْبَحْرِ فَوَ اللّٰہِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰہُ

(۴۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہ کیا تھا اپنے گھر والوں سے یہ وصیت کی کہ دیکھو جب اس کی وفات ہو جائے تو اسے جلانا پھر اس کی نصف خاک جنگل میں اڑا دینا اور نصف دریا میں بہا دینا۔ خدا کی قسم! اگر کہیں حق تعالیٰ نے اس کو جمع کر لیا تو

---

(۴۲) ٭ یعنی خدا کی رحمت پر اعتماد اور اس کی قدرت پر پورا یقین رکھنے کی دو صفتیں نزول مغفرت کا سب سے بڑا سامان ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب   تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

حدیث انا عند ظن عبدی بی کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنے بندہ سے معاملہ اس کے اعتماد و وثوق کے بقدر ہوتا ہے اگر اس کو یہ یقین ہے کہ گناہوں پر گرفت یا چشم پوشی کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے اس حسن عقیدت کا خلاف کرنا پسند نہیں کرتا اور اس کے لیے مغفرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ ''جو چاہے کرو'' یہ لفظ تہدید و تخویف' اعزاز و تشریف کے دونوں مقام پر بولا جاتا ہے اور دونوں جگہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ قرینہ مقام کے مناسب یا صرف تخویف مراد ہوتی ہے یا تشریف۔ قرآن کریم میں ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ (فصلت: ۴۰) اور ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ﴾ (الکہف: ۲۹) اسی محاورہ پر استعمال ہوا ہے۔ محاورات میں منطق چلانا نہیں چاہیے۔

(۴۳) ٭ یہاں اس گنہگار نے شدت خوف و مایوسی کے عالم میں عذابِ الٰہی سے نجات کا ایک غلط راستہ تجویز کیا تھا اور اس اضطراب میں جو بے مصداق کلمات ایک جاہل کے منہ سے نکل سکتے ہیں نکال دیئے تھے جب قدرت نے ان پر علمی گرفت نہیں کی تو آپ بلاوجہ کیوں اس لئے ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَ اَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لِمَا فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَ اَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ.

ایسا عذاب دے گا کہ تمام جہان میں ایسا عذاب کسی کو نہ دے گا - اس شخص کا انتقال ہو گیا اور گھر والوں نے اس کی وصیت پوری کر دی - حق تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا (کہ اس کے اجزاءِ پریشان کو جمع کرے) اس نے سب جمع کر دیئے اور (اسی طرح) سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کے جو اجزاء اس میں تھے جمع کر دیئے اس کے بعد فرمایا (بول) تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟ اس نے عرض کیا اے پروردگار! صرف تیرے خوف و ڈر سے اور تو خود خوب واقف و دانا ہے - اس پر حق تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی -

(۴۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَ تِسْعِیْنَ نَفْسًا فَسَأَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَاهِبٍ فَاَتَاهُ فَقَالَ اِنَّهٗ قَتَلَ تِسْعَةً وَ تِسْعِیْنَ نَفْسًا فَهَلْ لَهٗ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ لَا فَقَتَلَهٗ فَکَمَّلَ بِهٖ مِائَةً ثُمَّ سَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَجُلٍ عَالِمٍ فَاَتَاهُ فَقَالَ اِنَّهٗ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهٗ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ نَعَمْ وَ مَنْ یَّحُوْلُ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ التَّوْبَةِ اِنْطَلِقْ اِلٰی اَرْضِ کَذَا وَ

(۴۴) ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا اس نے ننانوے قتل کیے اور اپنے شہر کے سب سے بڑے عالم کو دریافت کیا تو اس کو ایک درویش کا پتہ بتایا گیا وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں' کیا اب بھی اس کے لیے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس نے جواب دیا ''نہیں'' اس نے اسے بھی قتل کر ڈالا اور پورے سو کر دیئے' پھر کسی بڑے عالم کو دریافت کیا تو کسی اور عالم کا پتہ بتایا گیا وہ اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے' اس نے کہا اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان بھلا کون حائل ہو سکتا ہے' فلاں فلاں بستی میں چلا

ﷺ .... پر گرفت کرتے ہیں ایک جاہل کے الفاظ سے اس کے عقائد کا اندازہ لگانا نہ چاہیے اس کی عبارت ہمیشہ قاصر' اس کے الفاظ ہمیشہ ناتمام ہوتے ہیں - غلط عمل ہمیشہ غلط ہے اور کسی وقت قابل تحسین نہیں مگر نیت اگر اچھی ہو تو جہالت کی بعض معذوریوں میں رحمت اسے نبھا لیتی ہے اس لیے یہاں اس شخص کی مغفرت اس کے عمل کا نتیجہ سمجھنا نہ چاہیے بلکہ یہ کرشمہ رحمت ہے - رحمت کے ساتھ جب پوری قدرت' پورا اختیار حاصل ہو تو اس قسم کے کرشموں کا ظہور ضروری ہے - احادیث میں لفظ ''لا اُبالی'' مجھے پرواہ نہیں اسی انداز استغناء کی طرف اشارہ ہے خدائی قدرت کے ساتھ اگر رحمت کا غلبہ ہو تو بڑے سے بڑا گناہ بے وزن ہو جاتا ہے اور اگر نقمت و عدل کا رجحان ہو تو بڑی سے بڑی عبادت بے وزن ہے - ضعیف انسان کی سرتا سر ناقص عبادت کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے اس میں تمام وزن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب شرف قبولیت میسر آ جائے -

(۴۴) * ایک بے گناہ قتل پر دائمی عذاب آئین عدل ہے اور سو بے گناہ قتل پر اغماض آئین فضل یہ قادر مختار کی مرضی اور وقت کی بات ہے کہ جس آئین پر چاہے عمل کر لے - اس حدیث کے ایک طریق میں تھوڑا سا جزء اور مذکور ہے اور وہ یہ کہ جب فرشتوں نے زمین کی پیمائش شروع کر دی تو اس کو حکم ہوا کہ جس طرف اس قاتل کا رخ تھا اس طرف ذرا قریب ہو جائے اور جس طرف اس کی پشت تھی اس طرف ذرا بعید ہو جائے - جب انہوں نے پیمائش کی تو جس جانب اس کا رخ تھا ایک بالشت زمین بڑھی ہوئی نکلی - گویا قدرت نے ان دو متضاد آئین میں یہاں خود توفیق کی یہ صورت تجویز کر لی کہ اس کا فضل صورت عدل میں نمودار ہو - اس لیے زمین کی ناپ تول تو اس لیے رہی کہ ﷺ ....

www.besturdubooks.net

كَذَا فَاِنَّ بِهَا اُنَاسًا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَاعْبُدِاللّٰهَ مَعَهُمْ وَ لَا تَرْجِعْ اِلٰى اَرْضِكَ فَاِنَّهَا اَرْضُ سَوْءٍ فَانْطَلَقَ حَتّٰى اِذَا نَصَفَ الطَّرِيْقَ اَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَ قَالَتْ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ اِنَّهٗ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَاَتَاهُمْ مَلَكٌ فِيْ صُوْرَةِ اٰدَمِيٍّ فَجَعَلُوْهُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ قِيْسُوْا مَا بَيْنَ الْاَرْضَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا كَانَ اَدْنٰى فَهُوَ لَهٗ فَقَاسُوْهُ فَوَجَدُوْهُ اَدْنٰى اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ اَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ. (روی هذه الثلاثة الشيخان)

(۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَدِيْثًا اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِ مَرَّاتٍ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ كَانَ الْكِفْلُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهٗ فَاَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَاَعْطَاهَا سِتِّيْنَ دِيْنَارًا عَلٰى اَنْ يَطَأَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهٖ اَرْعَدَتْ وَ بَكَتْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ

جا' جہاں خدائے تعالیٰ کے عبادت گذار بندے رہتے ہیں تو بھی جا کر ان کے ساتھ عبادت کر اور اپنے وطن کی طرف واپس مت لوٹ کہ وہ معصیت کی زمین ہے وہ چلا' جب نصف راستہ پر پہنچا تو اس کی موت آ گئی' یہاں عذاب ورحمت کے فرشتوں میں حجت ہونے لگی رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کر کے خدا کی طرف دلی توجہ سے آ رہا تھا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے اپنی گذشتہ زندگی میں کبھی کوئی نیک کام کیا ہی نہ تھا - اسی درمیان میں ان کے پاس انسانی صورت میں ایک فرشتہ آیا انہوں نے اس کو اپنا پنچ بنالیا اس نے کہا اچھا دونوں زمینوں کا فاصلہ ناپو جس طرف وہ زیادہ قریب نکلے ادھر ہی کا سمجھا جائے ناپا تو وہ ادھر زیادہ قریب نکلا جدھر اس نے جانے کا ارادہ کرلیا تھا - اس لیے رحمت کے فرشتوں نے اسے قبض لیا - (ان تینوں حدیثوں کو شیخین نے روایت کیا ہے)

(۴۵) ابن عمرؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حدیث سات مرتبہ سے زیادہ فرماتے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ کفل بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا (یہ وہ رسول نہیں ہے جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے) کسی گناہ سے پرہیز نہ رکھتا تھا - ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی' اس نے ساٹھ دینار اس شرط پر اس کو دیئے کہ اس سے زنا کرے' جب وہ اس جگہ بیٹھ گیا جہاں مرد اس خیال سے عورت کے سامنے بیٹھا کرتا ہے تو وہ کانپ اٹھی اور رو پڑی' اس نے پوچھا کیوں روتی ہے؟ کیا میں نے تجھے کچھ

لہ .... عدل کی صورت محفوظ رکھی جائے - صرف ایک بالشت بھر زمین کی زیادتی پر غلبہ رحمت اس لیے ہوا کہ آئین فضل کا مظاہرہ ہو جائے - ہمارے اس بیان سے صرف ایک بالشت بڑھنے کا نکتہ بھی حل ہو گیا ہو گا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ عدل وفضل کی باگ صرف اختیار قدرت میں ہے اس لیے صفت عدل پر نظر کر کے مایوسی یا اس کے فضل پر بھروسہ کر کے بےخوفی دونوں راہیں صواب نہیں - يدعون ربهم خوفا وطمعا - اپنے رب کو اس طرح پکارنا چاہیے کہ اس کے قہر کا خوف اور اس کے مہر کی طمع ہر وقت لگی رہے -

(۴۵) * بعض عمل اپنے عزم وخلوص کی وجہ سے مقبولیت کا وہ رتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا تنہا وجود مغفرت کا سامان بن جاتا ہے - یہ صرف انسانی عمل کا کمال نہیں بلکہ رحمت کی قدر دانی کی بات ہے یہ کفل کتنا ہی بدکار سہی مگر اس موقعہ پر خدائی خوف کا جو نقشہ اس نے پیش کیا شاید ہی کوئی عمر بھر کا نیک مشکل سے پیش کر سکتا ہے اس کا ایسے گناہ سے اس طرح اٹھ کھڑا ہونا جہاں انسان کی کمزور فطرت لغزش کھائے بغیر نہیں رہ سکتی پھر آئندہ کے لیے خدا کی نافرمانی سے احتراز کا عزم کر لینا ایسی پسندیدہ ادا تھی کہ اس ایک ہی ادا پر رحمت نے اس کی لہ ....

www.besturdubooks.net

اَاَكْرَهْتُكِ؟ قَالَتْ لَا وَ لٰكِنَّهُ عَمَلٌ مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ وَ مَا حَمَلَنِيْ عَلَيْهِ اِلَّا الْحَاجَةُ فَقَالَ تَفْعَلِيْنَ اَنْتِ هٰذَا وَ مَا فَعَلْتِهِ اِذْهَبِيْ فَهِيَ لَكِ وَ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ لَا اَعْصِي اللّٰهَ بَعْدَهَا اَبَدًا فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَاَصْبَحَ مَكْتُوْبًا عَلٰى بَابِهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكِفْلِ. (رواه الترمذی)

مجبور کیا ہے؟ وہ بولی نہیں لیکن یہ کام کبھی میں نے اپنی عمر بھر نہیں کیا تھا مگر اب صرف اپنی حاجت روائی کی مجبوری سے کرنا پڑتا ہے اس نے کہا اچھا کبھی تو نے یہ کام نہیں کیا؟ اور اب مجبوراً کرتی ہے جا یہ دینار میں نے تجھے یونہی بخشے اور قسم کھائی کہ آج کے بعد میں کبھی خدائے تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا (اتفاق) کہ اسی شب میں اس کا انتقال ہوگیا صبح کو اس کے دروازہ پر یہ نوشتہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۴۶) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِجِبْرِيْلَ اِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ اَنْ يُرْضِيَنِيْ اَلَا وَ اِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى فُلَانٍ وَ يَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَ يَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا اَهْلُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهُ اِلَى الْاَرْضِ. (رواہ احمد)

(۴۶) ثوبانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش رکھتا ہے اور اس تلاش میں لگا ہی رہتا ہے تو اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں فلاں میرا بندہ مجھے راضی کرنے کی تلاش میں ہے تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری رحمت اس کے لیے ہو چکی' یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام آواز لگاتے ہیں کہ فلاں شخص پر خدا کی رحمت ہے اس کے بعد حاملین عرش یہی نداء دیتے ہیں پھر آس پاس کے فرشتے یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمان والے یہی کہتے ہیں اس کے بعد اس کے لیے اہل زمین (کے قلوب) میں رحمت پیدا ہو جاتی ہے۔

(اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے)

(۴۷) عَنْ عَامِرِ الرَّامِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ يَعْنِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَ فِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ قَدْ

(۴۷) عامر رام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم آپؐ کی خدمت میں (راوی تفسیر کرتا ہے) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اس پر ایک کملی تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی

ﷺ.... ساری عمر کی سیہ کاریوں سے اغماض کر لیا اور بنی اسرائیل کی سنت کے مطابق اس کی مغفرت کا لکھا ہوا اعلان لوگوں نے دیکھ لیا۔ بنی اسمٰعیل میں یہ سنت منسوخ ہوگئی۔ کہ اب امت کے بہت سے سیہ کاروں کی پردہ مندی منظور نہیں۔

(۴۶) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مقبولیت ونفرت اسباب کا ثمرہ نہیں خالق کی قبولیت ونفرت کا نتیجہ ہے اسی لیے مثل مشہور ہے صدائے خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

قرآن کریم نے یہ اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم : ۹۶)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے رحمٰن ضرور محبت پیدا کرے گا۔''

(۴۷) * یہ انبیاء علیہم السلام کا انداز تعلیم ہے کہ بچوں کے کھیل تماشہ میں یہاں ذات وصفات کے عمیق مسائل ایسے پرتاثیر طریقہ پر ذہن ﷺ....

www.besturdubooks.net

التف علیه فقال یا رسول الله مررت بغیضة شجر فسمعت فیها اصوات فراخ طائر فاخذتهن فوضعتهن فی کسائی فجاءت امهن فاستدارت علی رأسی فکشفت لها عنهن فوقعت علیهن فلففتهن بکسائی فهن اولاء معی قال ضعهن فوضعتهن و ابت امهن الا لزومهن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتعجبون لرحم ام الافراخ فراخها فوالذی بعثنی بالحق لله ارحم بعباده من ام الافراخ بفراخها ارجع بهن حتی تضعهن من حیث اخذتهن و امهن معهن فرجع بهن. (رواه ابوداؤد)

جو اس میں لپیٹ رکھی تھی اس نے کہا یا رسول اللہ! میں جھاڑیوں میں گذرا تو مجھے پرندوں کے بچوں کے بولنے کی آواز آئی میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنی کملی میں رکھ لیا' ان کی ماں آئی اور میرے سر پر گھومنے لگی میں نے کملی بچوں کے اوپر سے ہٹا دی وہ بچوں پر آ پڑی میں نے سب کو لپیٹ لیا اور وہ سب میرے ساتھ یہ موجود ہیں' آپ نے فرمایا: ان کو نیچے رکھ دو' میں نے رکھ دیا' ان کی ماں ان سے پھر جدا نہ ہوئی' آپ نے فرمایا: کیا تم اس ماں پر اپنے بچوں کی اس محبت سے تعجب کر رہے ہو' اس ذات کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے جتنی اس کو اپنے بچوں سے محبت ہے' خدائے عزوجل کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے- جاؤ اور جہاں سے تم نے ان بچوں کو پکڑا ہے وہیں رکھ آؤ اور ان کی ماں کو بھی ان کے ساتھ لے جاؤ وہ شخص ان سب کو لے کر واپس چلا گیا-

(اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

(۴۸) عن عبدالله بن عمرؓ قال کنا مع النبی صلی الله علیه وسلم فی بعض غزواته فمر بقوم فقال من القوم قالوا نحن المسلمون و امرأة تحضب بقدرها و معها ابن لها فاذا ارتفع وهج تنحت به فاتت النبی صلی الله علیه وسلم فقالت انت رسول الله قال نعم قالت بابی انت و امی الیس الله ارحم الراحمین قال بلی قالت الیس الله ارحم بعباده من الام بولدها قال بلی قالت ان

(۴۸) عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ کا ایک قوم پر گذر ہوا تو آپؐ نے ان سے دریافت کیا کون لوگ ہو؟ وہ بولے مسلمان' ان میں ایک عورت اپنی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہی تھی- اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا جب آگ کی لپٹ اٹھتی اپنے بچہ کو ایک طرف ہٹا لیتی وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی ''رسول اللہ آپ ہی ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا'' میں ہی ہوں'' وہ بولی میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں کیا خدا ارحم الراحمین نہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک ہے- اس نے کہا کیا خدا اپنے بندوں پر زیادہ مہربان نہیں بہ نسبت ایک ماں باپ کے اپنے بچوں پر؟ فرمایا بے شک ہے' اس نے کہا

لہ .... نشین کر دیے جاتے ہیں کہ پھر وہ فطرت کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور کسی غور و خوض تکلف و تصنع کے محتاج نہیں رہتے جس طرح ماں کی محبت ایک بدیہی اور یقینی حقیقت ہے وہ خدا کی محبت کا ایسا ہی یقین پیدا کر دیتے ہیں اور اسی لیے ایمانی عقائد میں وہ کیف و سرور اور لذت و مسرت محسوس ہونے لگتا ہے جو فطری احساسات میں ہوا کرتا ہے-

(۴۸) * اس عورت کے سوال پر خدا کی بے نہایت رحمت کا نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا اور آپ پر گریہ رحمت طاری ہو گیا- اس تاثر اور بے خودی کے عالم میں اس کو آپ نے اتنا ہی مختصر جواب دے دیا کہ خدا کی رحمت نے تو کسی کو اپنے دامن سے لہ ....

www.besturdubooks.net

الْاُمَّ لَا تُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَاَكَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللّٰهِ وَاَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواه ابن ماجه)

ایک ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈال سکتی- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا سر مبارک جھکا لیا اور رو پڑے پھر سر اٹھایا اور فرمایا خدا اپنے بندوں میں کسی کو عذاب نہیں دے گا مگر صرف اس سرکش کو جس کی سرکشی خدا کے ساتھ بھی قائم ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے کو تیار نہیں ہوتا-

(اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

(۴۹) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا. الْاٰيَةَ﴾ (الزمر:۵۸) فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (رواه احمد)

(۴۹) ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے اگر اس آیت کے بدلہ میں مجھے تمام دنیا مل جائے تو بھی مجھے پسند نہیں ﴿یا عبادی﴾ الخ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے امید نہ توڑو الخ- ایک شخص نے عرض کیا اچھا کیا وہ شخص بھی جس نے کہ شرک کیا ہے؟ آپ خاموش رہے پھر فرمایا سن لے جس نے شرک کیا ہے وہ بھی تین بار فرمایا-

(اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے)

۞ .... باہر نہیں رکھا مگر کیا کیا جائے کہ اس کی بعض سرکش مخلوق نے خود ہی اس کے دامن میں آنے سے انکار کر دیا-

(۴۹) ٭ بغوی معالم السنن میں ابن عباسؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی قاتل حمزہؓ کو جب دعوت اسلام دی تو اس نے کہلا بھیجا کہ میں نے تو قتل، زنا، شرک سب کچھ کیا ہے اور قرآن یہ کہتا ہے- ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الفرقان:۶۸-۶۹) (جس نے یہ گناہ کیے انہیں اس کا صلہ مل کر رہے گا اور اس کو دوگنا عذاب ہوگا) پھر میں اسلام میں داخل ہو کر کیا کروں گا-

آپؐ نے کہلا بھیجا کہ قرآن میں یہ استثناء بھی تو ہے ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الفرقان:۷۰) (مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے) اس نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کٹھن شرط ہے شاید ایمان اور عمل صالح کے معیار پر میں پورا نہ اتر سکوں اگر قرآن میں کوئی اور آیت ہو تو ارشاد فرمایئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۴۸) (اللہ یہ تو معاف نہیں کرے گا کہ اس کا شریک ٹھیرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا) وحشی نے کہا کہ اب بھی معاملہ صاف نہیں ہوا مجھے معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت ایزدی کیا ہے کوئی اطمینان بخش ضمانت دیجئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ .... الخ﴾ (الزمر:۵۸) وحشی نے کہا جی ہاں بے شک یہ نجات کی صاف ضمانت ہے اور اسلام قبول کر لیا- حاضرین نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ بشارت ان کے لیے مخصوص ہے یا سب کے لیے ہے؟ آپؐ نے فرمایا سب کے لیے-

خدا کی یہ شان مغفرت سن کر کسی نے مشرک کی مغفرت کا سوال کیا آپ نے یہی جواب دیا کہ مشرک کے لیے بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں وہ بھی توبہ کرے اور اس عام رحمت میں آ جائے- بعض شارحین کو توبہ سے شرک کی مغفرت بدیہی بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس سوال و جواب میں اور بہت سی توجیہات کی ہیں ہمارے نزدیک جس دور میں زنا و سرقہ جیسے معاصی کی معافی کا تصور مشکل ہوا اس ۞ ....

www.besturdubooks.net

(۵۰) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر:۵۸) وَ لَا يُبَالِيْ. (رواہ احمد و الترمذی)

(۵۰) اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا ہے ﴿یا عبادی﴾ الخ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' خدا کی رحمت سے امید نہ توڑو' خدا کی یہ شان ہے کہ وہ سب گناہ بخش سکتا ہے اور کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

(اس حدیث کو احمد و ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۵۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةٍ وَ قُمْنَا مَعَهٗ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ وَ هُوَ فِي الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَ مُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْاَعْرَابِيِّ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۵۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے ہم بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو ایک دہقانی نے نماز میں کہا اے اللہ! صرف میرے اوپر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم کر' ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم مت کر۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو اس دہقانی سے فرمایا تو نے تو بڑی وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔

(اس حدیث کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے)

باب حق اللّٰه على العباد

بندوں پر خدائے تعالیٰ کا کیا حق ہے

(۵۲) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ يُقَالُ لَهٗ عُفَيْرٌ فَقَالَ يَا مُعَاذُ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ وَ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَلَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ

(۵۲) معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار تھے جس کو عفیر کہا جاتا تھا میں آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپؐ نے آواز دی اے معاذ! (بعض روایات میں تین بار آواز دینے کا ذکر ہے تاکہ یہ خوب متوجہ ہو جائیں) جانتے ہو بندوں پر خدا کا اور خدا پر بندوں کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کو

☜ ....میں شرک کی مغفرت کا تصور مشکل نظر آئے تو کیا بعید ہے۔ یہ ہدایت اسلامی دور کی بات ہے نہ کہ عہد جاہلیت کی۔ ابوذر کی حدیث میں ابھی آنے والا ہے کہ زنا و سرقہ کی مغفرت پر انہیں کتنا تعجب تھا۔

(۵۱) ✽ اس ان پڑھ نومسلم کی سمجھ میں بھلا خدا کی رحمت کی وسعت کا تصور کہاں آ سکتا تھا یہی اس کے بڑے خلوص کی بات تھی کہ اس نے اس نعمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت گوارا کر لی مگر اس سے زیادہ شرکت وہ برداشت نہ کر سکا کہ اس بیچارہ کے خیال کے موافق شرکاء کی تعداد جتنی بڑھتی جائے گی اس کا حصہ اتنا ہی گھٹتا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا گھبرا مت رحمت تو اتنی ہے کہ سب پر چھا جائے پھر تنگ نہ ہو' تو ہی اسے تنگ سمجھ رہا ہے۔ ان الفاظ میں قرآنی لفظ رحمتی وسعت کی طرف اشارہ تھا سبحان اللہ جواب میں کتنی سادگی اور سادگی میں کتنی حقیقت ہے۔

(۵۲) ✽ عفیر۔ مسند احمد میں اس کا نام یعفور ہے۔ عرب میں حیوانات کے نام رکھنے کا بھی دستور تھا جیسا کہ انگریز بھی کتوں کے نام رکھتے ہیں۔ مالک پر مملوک کا آقا پر غلام کا بھلا کیا حق مگر صفت رحمت وجود چاہتی ہے کہ محتاجوں کی خود قرض دار بن جائے اور پھر اس ☜ ....

www.besturdubooks.net

بِهٖ شَيْئًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا. (رواهما الشيخان و الترمذي)

عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت ہو تو یہ خوشخبری اور لوگوں کو بھی سنادوں؟ فرمایا نہیں کہیں وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں۔

(اس حدیث کو شیخین اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۵۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ النَّاسِ عَلَى اللّٰهِ وَ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ قُلْتُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَحَقٌّ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ. (رواه احمد)

(۵۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ جانتے ہو لوگوں کا خدا پر اور خدا کا لوگوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا خدا کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور جب وہ ایسا کریں تو اس پر یہ حق ہے کہ پھر ان کو عذاب نہ دے۔

(اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے)

(۵۴) عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْبَيْضَاءِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا رَدِيْفُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سُهَيْلُ بْنُ الْبَيْضَاءِ وَ رَفَعَ

(۵۴) سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور میں آپؐ کا ردیف تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دو بار یا تین بار بلند آواز سے پکارا اے سہل بن بیضاء! یہ ہر مرتبہ جواب دیتے رہے (مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ

لـ .... حق کو اس اہتمام سے ادا کرے گویا اس کے ذمہ یہ واقعی واجب حق تھا کمال قدرت کے ساتھ اگر کمالِ جود بھی ہو تو اس کا اقتضاء یہ ہونا چاہیے ورنہ اللہ کی ذات پاک پر کسی کا حق نہیں اسی کا حق سب پر ہے۔

(۵۳) * عام طور پر اس بشارت کو سنانے کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کو صحابہؓ کے متعلق فرائض چھوڑ بیٹھنے کا کوئی احتمال ہو سکتا تھا۔ فرض و واجب جن کا شریعت مطالبہ رکھتی ہے بھلا کون ترک کرتا۔ بلکہ یہاں صرف وہ اعمال مراد ہیں جہاں بندہ رغبت میں سرگرمی اور اطمینان کے حال میں سرد مہری دکھلانے کا خود مختار ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسا کمزور اور بے صبر ہے کہ خوف زیادہ ہو جب عمل سے معطل ہو جاتا ہے اور اگر اطمینان زیادہ ہو تو بھی سست رفتار بن جاتا ہے۔ رحمت چاہتی ہے کہ ہر حال دے اور اتنا دے جتنا کوئی حریص سے حریص لے سکتا ہے دوزخ سے نجات کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے لیے بڑی کامیابی ہے مگر رحمت صرف اس پر راضی نہیں وہ چاہتی ہے کہ اپنے وفاداروں کو اپنے اور خزائن لوٹنے کا موقعہ دے اس لیے مقصود یہ ہے کہ عملی سرگرمی زیادہ سے زیادہ جاری رہے۔ حدیث نمبر ۴۷ پر غور کیجیے اس میں کلمہ شہادت کے ساتھ نماز روزہ کا بھی ذکر ہے اور وہاں بھی بشارت پر یہی سوال و جواب مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں نماز روزہ جیسے فرائض میں سستی کا ذکر نہیں بلکہ ان عبادات نافلہ کا ذکر ہے جس میں نفسیاتی تاثرات سے انسان سستی یا چستی دکھلانے کا مختار ہے کوئی شبہ نہیں کہ اگر صدر اوّل کے نو مسلموں کو صرف فرائض پر جنت کی بشارت سنادی جاتی تو ان میں نوافل کی ادائیگی کا جذبہ سست پڑ جانے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ حدیث نمبر ۴۸ میں اس کی صاف تصریح ہے کہ جنت میں ایک سے ایک بڑھ کر طبقہ ہے رحمت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ سب کو اس کی ترغیب دے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعی کر کے جنت کا بلند سے بلند مقام حاصل کرے اور صرف نجات پر قناعت کر کے مقاماتِ عالیہ سے محروم نہ رہے۔ شارحین نے یہاں اور بہت توجیہات کی ہیں مگر ہمارے نزدیک احادیث کی روشنی میں حضرت استاد مرحوم کی صرف یہی ایک توجیہ دل پذیر ہے۔

(۵۴) * کفار دوزخ کی حلال خوراک ہیں وہ اسی طرح انہیں کھائے گی جیسا حلال کھانا بے کھٹکے کھایا جاتا ہے مگر مومن اس پر حرام کیا گیا ہے اس لیے مومن سے اس طرح اجتناب کرے گی جیسا حرام سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہمارے بیان سے اب اس تعبیر کا حسن لـ ....

www.besturdubooks.net

صَوْتَهُ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذَالِكَ يُجِيْبُهُ سُهَيْلٌ فَسَمِعَ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظَنُّوْا اَنَّهُ يُرِيْدُهُمْ فَحَبَسَ مَنْ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِحَقَهُ مَنْ كَانَ خَلْفَهُ حَتّٰى اِذَا اجْتَمَعُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ وَ اَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ) اَوْجَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ بِهَا الْجَنَّةَ وَ اَعْتَقَهُ بِهَا مِنَ النَّارِ. (رواہ احمد و الطبرانی)

نہ فرماتے تاکہ وہ خوب متوجہ ہو جائیں اور اس تاخیر میں دوسروں کو بھی سننے کا موقع مل جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی سن پائی اور خیال کیا کہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں اس لیے جو لوگ وہاں موجود تھے وہ ٹھہر گئے اور جو پیچھے تھے وہ آملے جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا جو گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ' وہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا اور اسے یقیناً جنت دے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شہادت کی وجہ سے یقیناً اس کو جنت دے گا اور دوزخ سے نجات بخشے گا۔

(اس حدیث کو احمد 'طبرانی نے روایت کیا ہے)

(۵۵) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعِيْ نَفَرٌ مِّنْ قَوْمِيْ فَقَالَ اَبْشِرُوْا وَ بَشِّرُوْا مَنْ وَرَاءَكُمْ اَنَّهُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صَادِقًا بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُبَشِّرُ النَّاسَ فَاسْتَقْبَلَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) فَرَجَعَ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا يَتَّكِلُ النَّاسُ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رواہ احمد و الطبرانی)

(۵۵) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو اور جو لوگ تمہارے اُس طرف ہیں ان کو بھی یہ خوشخبری سنا دو کہ جو شخص صدق دل سے گواہی دے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ' وہ جنت میں جائے گا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سے یہ خوشخبری سنانے کے لیے نکلے تو سامنے سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہے تھے وہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر واپس لے گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگ تو اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کچھ نہ فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

(اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

(۵۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۵۶) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ﷺ.....آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہاں دوزخ مؤمن پر حرام کر دی جائے گی کے بجائے دوزخ پر مؤمن کے حرام ہونے کی تعبیر کیوں اختیار کی گئی ہے۔

(۵۶) * اس حدیث سے اندازہ کرو کہ صحابہ کو احادیث کی تبلیغ کی کس درجہ اہمیت تھی یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مشہور سے مشہور حدیث بھی اپنے سینہ میں لے جانا کتمانِ علم کے برابر سمجھتے تھے۔ اگر احادیث کی حیثیت تشریعی نہ ہوتی یا کتاب اللہ کے بعد یہ ﷺ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُبِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْنَ قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا وَ اَخْبَرَبِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا.

(رواه الشيخان و الترمذي)

فرمایا ہے جو شخص صدق دل سے گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں وہ یقیناً اس کو دوزخ پر حرام کردے گا۔ انہوں نے عرض کیا' کیا یہ خوشخبری میں اور لوگوں کو بھی سنادوں؟ فرمایا پھر لوگ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اس لیے معاذؓ نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان کی مبادا اخفاء حدیث کا گناہ ان کے سر رہ جائے۔

(اس حدیث کو شیخین اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۵۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِؓ قَالَ اَنَا مِمَّنْ شَهِدَ مُعَاذًا حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ يَقُوْلُ اكْشِفُوْا عَنِّيْ سَجَفَ الْقُبَّةِ اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اُحَدِّثَكُمُوْهُ اِلَّا اَنْ تَتَّكِلُوْا سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْ يَقِيْنًا مِنْ قَلْبِهٖ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ وَ قَالَ مَرَّةً دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ. (رواه احمد)

(۵۷) جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں معاذؓ کی وفات کے وقت موجود تھا انہوں نے فرمایا میرے سامنے سے ذرا قبہ کا پردہ ہٹادو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناؤں گا جواب تک صرف اس لیے نہیں سنائی تھی کہ تم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ جاؤ' میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو صاف دل سے (یا دلی یقین کے ساتھ راوی کو لفظ میں تردد ہے) گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ' وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا اور ایک مرتبہ یہ لفظ فرمائے کہ جنت میں جائے گا اور آگ اسے چھو بھی نہ سکے گی۔

(اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے)

(۵۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَ يُصَلِّي الْخَمْسَ وَ يَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَلَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا.

(رواه احمد)

(۵۸) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو خدا سے ملے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہو' پانچوں نمازیں پڑھی ہوں' رمضان کے روزہ رکھے ہوں وہ بخش دیا جائے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت ہو تو یہ خوشخبری مسلمانوں کو سنادوں؟ فرمایا انہیں عمل میں لگا رہنے دو۔

(اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے' از مشکوٰۃ)

؎ .... تشریحات غیر ضروری ہوتیں تو یہ اہتمام کس لیے تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى﴾ (البقرہ:۱۵۹) (میں) جس طرح کہ آیات قرآنیہ داخل تھیں اسی طرح احادیث نبویہ بھی داخل تھیں اور امت کا فریضہ یہ تھا کہ دین اپنی مجموعی تشریحات کے ساتھ ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک دور سے دوسرے دور تک پہنچایا جائے جو لوگ احادیث سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں وہ احادیث سے نہیں خدا کے رسول سے بے نیازی چاہتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

(۵۷) * یہ حدیث صرف سابق واقعہ کی مزید تشریح کے لیے نقل کی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۵۹) عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَ صَلَّى الصَّلٰوةَ وَ حَجَّ الْبَيْتَ لَا اَدْرِیْ اَذَكَرَ الزَّكٰوةَ اَمْ لَا اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ اَنْ هَاجَرَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مَكَثَ بِاَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ بِهَا قَالَ مُعَاذٌ اَلَا اُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعِ النَّاسَ يَعْمَلُوْنَ فَاِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ .

(۵۹) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو رمضان کے روزے رکھے' نماز پڑھے' بیت اللہ کا حج کرے مجھے یاد نہیں کہ آپ نے زکوۃ کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں تو خدا پر حق ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے خواہ اس نے خدا کے لیے ہجرت کی ہو یا اسی جگہ پر رہا ہو جہاں اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کیا لوگوں کو بھی اس کی اطلاع نہ کردوں؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا انہیں عمل کرنے دو کیونکہ جنت کے سو درجے ہیں

---

(۵۹) * بعض مصنفین نے یہ سمجھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر یہ خوشخبری سنانے کی ممانعت اس بنا پر فرمائی تھی کہ اسلام کے تازہ حلقہ بگوش صرف شہادتین پر فوز وفلاح کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں مگر سوال یہ ہے کہ جب ایک بار نماز' روزہ کی فرضیت ان کے سامنے واضح کی جا چکی تھی تو پھر اس غلط فہمی کا موقعہ کیا تھا کیا یہ حدیث نماز' روزہ کی فرضیت کو منسوخ کر رہی تھی۔ حضرت استاد قدس سرہ نے ترمذی کی اس حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ صحابہؓ کے متعلق یہاں اس غلط فہمی کا کوئی احتمال نہ تھا چنانچہ معاذ رضی اللہ عنہ جب اسی روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو اس میں شہادتین کے ساتھ بقیہ اور فرائض اسلام کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تفصیلی روایت میں آپ کی بشارت جملہ فرائض اسلام کی ادائیگی سے وابستہ ہے تو پھر ان کے ترک کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ترمذی کی اس روایت نے یہ بات بالکل صاف کر دی ہے کہ آپ کا روئے سخن ہرگز فرائض کی جانب نہیں بلکہ ان اعمال کی جانب ہے جن سے نجات کے سوا جنت کے مراتب کا تعلق ہے اسی لیے آپ نے فرمایا کہ جنت کے سو درجہ ہیں' نجات تو ہر درجہ میں حاصل ہے مگر آپ کی تمنا یہ ہے کہ امت نجات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل کرے ابتداء میں عبادت نفع وضرر کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے نجات کی بشارت سن کر شب وروز کی اعلیٰ جدوجہد میں سستی پیدا ہوسکتی ہے لیکن جب نفع ونقصان کا سوال پیش نظر نہیں رہتا اور قرب ورضاء کا بلند مقصد سامنے آجاتا ہے تو پھر انسان اتنا حریص بن جاتا ہے کہ نجات جیسی اہم کامیابی پر بھی قناعت نہیں کرتا اور قرب کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل طے کرنے کے بعد تشنہ اور پیاسا ہی رہتا ہے جس کے سامنے مقصد یہ ہے اس کے لیے تو نجات کی بشارت سے کیا خطرہ لیکن جو ابھی تک صرف نجات کو آخری منزل سمجھ رہا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی پر نجات کی بشارت سن کر یہیں تھک کر بیٹھ رہے اور نوافل کی سرگرمی چھوڑ دے۔ رسول خداؐ چاہتے ہیں کہ یہ شخص بھی سرگرم عمل رہے تاکہ آپ کی امت کا مبتدی اور منتہی سب نجات کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب میں کامیاب رہیں۔ اس حدیث کو بغور پڑھیے تو بے تکلف یہی مضمون آپ کے ذہن میں آجائے گا۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جنت کی چھت کیا ہے اس کے سب سے اونچے درجہ کا نام کیا ہے اور جنت کی نہروں کا اصل منبع کہاں ہے۔ عالم غیب کی کچھ باتیں ہمیں بتلا دی گئی ہیں تاکہ ایمان لانے کے لیے ان کا تھوڑا سا تصور بھی ہو جائے ورنہ جو عالم کہ مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اس کی تفصیل میں جانا بلاوجہ دماغ کے لیے ایک پریشانی کا موجب ہے انگلستان کی پوری حقیقت انگلستان دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے اگر اس کے چمن' روشنیاں اور سڑکوں کا جدید ڈیزائن تفصیلی طور پر بیان کیا جائے تو جو اس طور و انداز سے بالکل ناآشنا ہیں ان کے لیے بلاوجہ یہ ایک ناقابل برداشت بار ہوگا وہ اپنے ملک کے انداز کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور جب اس سے .....

www.besturdubooks.net

دَرَجَةٍ مَابَيۡنَ كُلِّ دَرَجَتَيۡنِ كَمَا بَيۡنَ السَّمَاءِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡفِرۡدَوۡسُ اَعۡلَى الۡجَنَّةِ وَ اَوۡسَطُهَا وَ فَوۡقَ ذَالِكَ عَرۡشُ الرَّحۡمٰنِ وَ مِنۡهَا تَفَجَّرُ اَنۡهَارُ الۡجَنَّةِ فَاِذَا سَأَلۡتُمُ اللّٰهَ فَاسۡأَلُوۡهُ الۡفِرۡدَوۡسَ.

(رواه الترمذی)

ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان وزمین میں اور فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر طبقہ ہے اس پر رحمٰن کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(٦٠) عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ ؓ قَالَ كُنَّا قُعُوۡدًا حَوۡلَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَنَا اَبُوۡبَكۡرٍ وَ عُمَرُ فِیۡ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مِنۡ بَيۡنِ اَظۡهُرِنَا فَاَبۡطَأَ عَلَيۡنَا وَ خَشِيۡنَا اَنۡ يُّقۡتَطَعَ دُوۡنَنَا وَ فَزِعۡنَا فَقُمۡنَا فَكُنۡتُ اَوَّلَ مَنۡ فَزِعَ فَخَرَجۡتُ اَبۡتَغِیۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتَيۡتُ حَائِطًا لِّلۡاَنۡصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرۡتُ بِهٖ هَلۡ اَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمۡ اَجِدۡ فَاِذَا رَبِيۡعٌ يَّدۡخُلُ فِیۡ جَوۡفِ حَائِطٍ مِّنۡ بِئۡرٍ خَارِجَةٍ وَ الرَّبِيۡعُ الۡجَدۡوَلُ قَالَ فَاحۡتَفَزۡتُ فَدَخَلۡتُ عَلٰى

(٦٠) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے (اس وقت) ہمارے ساتھ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' یکا یک آپ ؐ ہمارے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے (اور کہیں تشریف لے گئے) جب بہت دیر گذر گئی تو ہمیں تشویش ہوئی کہ ہم سے علیحدہ ہوکر آپ ؐ پر کوئی حادثہ پیش نہ آجائے۔ اس خیال سے ہم سب گھبرا گئے اور سب سے پہلے گھبرانے والوں میں میں تھا میں آپ کو ڈھونڈھنے کے لیے نکلا' قبیلہ بنی النجار کے ایک انصاری کے باغ پر پہنچا اس کا دروازہ تلاش کیا مگر نہ ملا کیا دیکھتا ہوں کہ باہر ایک کنوئیں سے ایک ربیع باغ میں جارہی ہے'' ربیع گول اور نالی کو کہتے ہیں'' ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں سکڑ کر اسی میں گھس گیا اور آپ ؐ کی خدمت میں جا پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ﷺ ....ہٹ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے گی تو ان کا دماغ الجھے گا۔ شریعت اس بے معنی الجھاؤ میں دماغوں کو مبتلا کرنا چاہتی نہیں جو چیز کل مشاہدہ کے بعد بہت آسانی سے بغیر الجھاؤ نظر آجانے والی ہے اس کو قبل از وقت کیوں زیر بحث لایا جائے۔ آج عمل کی تفصیل درکار ہے اور کل جزاء کی تفصیل خود بخود سامنے آجانے والی ہے۔ حکیم وہی ہے جو تفصیل کے موقعہ پر تفصیل اور اجمال کے محل میں اجمال کی رعایت کرے۔ جدید دماغوں کا قبل از وقت آخرت کے تفصیلی نقشوں کا ہم سے مطالبہ کرنا ناانصافی اور جلد بازی ہے۔

(٦٠) ✱ عرب کے دستور کے مطابق یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک ابو ہریرہؓ کے ساتھ کر دیئے تھے تا کہ اس کی دلیل ہوں کہ آپ ہی نے ان کو بھیجا ہے۔ چونکہ یہاں ابو ہریرہؓ اور چند صحابہؓ کی آمد بڑے اضطراب اور بے چینی کی حالت میں ہوئی تھی اس لیے وقت کی مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ ان کو ایسی بشارت سنادی جائے جو اس وقت ان کے اضطراب کے لیے مرہم تسکین بن جائے اور آئندہ کے لیے یہ اثر پیدا کر دے کہ جس ذات پاک کے لیے وہ اتنے مضطرب تھے اگر اس کا دس گنہ اور مضطرب ہوتے جب بھی کم تھا۔ یہ تمام بات چیت وقتی تاثرات کے ماتحت تھی۔ ادھر صحابہ کرامؓ اپنے رسول کی تلاش میں مدہوش تھے ادھر رسول کا پیمانہ محبت ان کی یہ سراسیمگی دیکھ کر چھلک رہا تھا۔ عمر فاروقؓ کو کیا خبر تھی کہ صحابہ کی اس پریشانی پر رسول کی محبت کا سمندر کتنا جوش مار رہا ہے اس لیے اپنے رسول ﷺ....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ. اَبُوْ هُرَیْرَۃَ فَقُلْتُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَاشَانُکَ قُلْتُ کُنْتَ بَیْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَاْتَ عَلَیْنَا فَخَشِیْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَیْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ کَمَا یَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَ هٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِیْ فَقَالَ یَا اَبَا هُرَیْرَۃَ وَ اَعْطَانِیْ نَعْلَیْہِ فَقَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَیَّ هَاتَیْنِ فَمَنْ لَقِیَکَ مِنْ وَّرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِهَا قَلْبُہٗ فَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ فَکَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِیْتُ عُمَرُ فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ یَا اَبَاهُرَیْرَۃَ فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِیْ بِهِمَا مَنْ لَقِیْتُ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِهَا قَلْبُہٗ بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّۃِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَخَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ یَا اَبَاهُرَیْرَۃَ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَجْهَشْتُ بِالْبُکَاءِ وَ رَکِبَنِیْ عُمَرُ وَ اِذَا هُوَ عَلٰی اَثَرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا لَکَ یَا اَبَاهُرَیْرَۃَ قُلْتُ لَقِیْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُہٗ بِالَّذِیْ بَعَثْتَنِیْ بِہٖ

ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں نے عرض کیا جی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرمایا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا آپ ہم میں تشریف فرما تھے پھر آپ اُٹھے جب بہت دیر ہوگئی تو ہمیں گھبراہٹ ہوئی' کہیں ہماری غیبت میں آپ پر کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے سب سے پہلے میں گھبرایا اور اس باغ تک (ڈھونڈتا ہوا) آ گیا (یہاں دروازہ نہ ملا) تو لومڑی کی طرح سکڑ کر (نالی کے راستہ سے) اندر گھس آیا اور بقیہ لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں- آپ نے مجھے اپنے دونوں چپل اٹھا کر دیئے اور فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاؤ انہیں لے جاؤ اور باغ کے پیچھے جو شخص یقین کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوا مل جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو (یہ روانہ ہوئے) سب سے پہلے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے پوچھا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ چپل کیسے ہیں؟ میں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ جو مجھے راستہ میں یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہوا مل جائے اسے جنت کی بشارت سنا دوں اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری چھاتیوں کے درمیان اس زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل پیچھے جا پڑا اور بولے ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جاؤ واپس جاؤ میں آپ کی خدمت میں آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا- عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف میرے سر پر سوار ہی تھا کیا دیکھتا ہوں کہ میرے پیچھے پیچھے وہ آ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خیریت ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے راستہ میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ملے تو جس کام کے لیے آپ نے مجھے بھیجا تھا میں نے انہیں اس کی خبر کر دی انہوں نے اس زور سے میرے سینہ

☜ ..... کے مشن کے کامیاب بنانے کا جو بہترین مشورہ اپنی سمجھ میں آ رہا تھا اس کی دھن میں ابوھریرہؓ کو واپس کر دیا ابھی تک پوری بات کی تحقیق بھی نہ تھی اس لیے پہلے حاضر ہو کر واقعہ کی تحقیق کی جب معاملہ کی حقیقت وہی نکلی جو ابو ہریرہؓ نے سمجھی تھی تو بے تکلف اپنی رائے بارگاہ رسالت میں پیش کر دی- مسئلہ کی کچھ بات نہ تھی' حلال وحرام کا کوئی حکم نہ تھا صرف مصلحت کی بات تھی' وہاں بھی ایک سچے مشیر کی رائے کی قدر دانی کی گئی اور محبت و مصلحت کے دو پہلوؤں میں مصلحت کو ترجیح دے دی گئی-

مخاطب اگر متکلم کا مزاج شناس ہو تو اس کے امر ونہی کے مراتب سمجھ لیتا ہے اور مشورہ دینے کا موقع ومحل پہچان لیتا ہے- حدیث کے ☜ .....

www.besturdubooks.net

فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِيْ فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِأَبِيْ أَنْتَ وَ أُمِّيْ أَبَعَثْتَ أَبَاهُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّيْ أَخْشَى أَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ.

(رواه مسلم)

پر ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل پیچھے جا پڑا اور مجھ سے کہا واپس جاؤ- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ تعالی عنہ)! تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان کیا واقعی آپؐ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اس لیے بھیجا تھا کہ جو دلی یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہوا ملے اس کو جنت کی خوش خبری سنا دیں- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ہاں' عرض کیا ایسا نہ کیجئے مجھے خطرہ ہے کہیں ایسا نہ ہو لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں' انہیں عمل میں لگا رہنے دیجئے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو رہنے دو-

(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

وجوب الايمان برسالة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے

(۶۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِيْ أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَ لَا نَصْرَانِيٌّ وَ مَاتَ وَ لَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ.

(رواه احمد و مسلم)

(۶۱) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اس امت میں کوئی یہودی ایسا نہیں ہے اور نہ کوئی نصرانی جو میری خبر پائے پھر اس پر ایمان نہ لائے جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور (اسی حال پر) مر جائے مگر وہ دوزخیوں میں ہوگا-

(اس حدیث کو امام احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے)

وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ ؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَ فِيْهِ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ بَدَلَ قَوْلِهٖ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اسی کے ہم معنی مضمون منقول ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں الا كان من اصحاب النار کے بجائے لم يدخل الجنة (جنت میں نہیں جائے گا) کا لفظ ہے-

---

بقیہ .....معاملات کو بھی اپنے روزمرہ کے معاملات کے ماتحت حل کر لینا چاہیے بلاوجہ دقیق بنا بنا کر سوال و جواب کی زحمت اٹھانا بیکار ہے-

(۶۱) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا سب پر یکساں فرض ہے- یہود و نصاریٰ کا ذکر یہاں خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ اہل کتاب تھے- جب آپؐ پر ایمان لائے بغیر ان کی نجات نہیں ہو سکتی تو جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب بھی نہیں ان کی نجات کیسے ہو سکتی ہے- نیز یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ نجات صرف ان ہی کے لیے ہے اس لیے ان کو خبردار کرنا ضروری تھا کہ یہ خیال غلط ہے-

www.besturdubooks.net

(۶۲) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اٰمَنَ بِیْ عَشَرَةٌ مِنْ اَحْبَارِ الْیَهُوْدِ لَاٰمَنَ بِیْ کُلُّ یَهُوْدِیٍّ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ قَالَ کَعْبٌ اِثْنَا عَشَرَ مِصْدَاقُهُمْ فِیْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ.

(رواہ احمد و البخاری و ابوداؤد)

(۶۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہود کے دس بڑے علماء مجھ پر ایمان لے آتے تو تمام یہود ایمان لے آتے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں (آپ نے دس نہیں فرمایا) بارہ (فرمایا ہے) جن کا مصداق سورۂ مائدہ میں موجود ہے۔

(اس حدیث کو امام احمد بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

---

(۶۲) ✽ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں لو امن بی عشرۃ من الیھود لامن بی الیھود۔ اگر مجھ پر دس یہود ایمان لے آتے تو تمام یہود ایمان لے آتے۔ ان الفاظ پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے یہود آپ پر ایمان لا چکے تھے مگر اس کے باوجود پھر تمام یہود کا ایمان ثابت نہیں۔ مسند امام احمد کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی مراد مطلق یہود نہ تھی بلکہ خاص ان کے علماء مراد تھے۔ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کی اتباع میں یقیناً بقیہ یہود بھی ایمان لے آتے جیسا کہ قبائل عرب بھی اسی کے منتظر تھے کہ قریش اسلام لے آئیں تو ان کی اتباع میں ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت رؤساء یہود میں سے مشاہیر کے حسب ذیل اسماء لکھے ہیں: عبداللہ بن سلام' ابو یاسر بن اخطب' حی بن اخطب' کعب بن الاشرف' رافع بن ابی الحقیق' عبداللہ بن حنیف' فخاص' رفاعہ بن زید' زبیر بن باطیا' کعب بن اسد' شمویل بن زید وغیرہم ان میں صرف عبداللہ بن سلام کا اسلام ثابت ہے۔ سہیلی نے عبداللہ بن صوریا کا اسلام قبول کرنا بھی تسلیم کیا ہے مگر حافظ کو اس میں کلام ہے۔

کعبؓ اور ابو ہریرہؓ کے درمیان یہاں یہ اختلاف ہے کہ آنحضرت نے علماء یہود میں دس کا عدد بیان فرمایا ہے یا بارہ کا۔ کعب کا رجحان دوسری جانب ہے اس کی تائید میں وہ قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں جس میں نقباء یہود کا عدد بارہ ہی مذکور ہے۔ ﴿وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا﴾ (المائدہ:۱۲)

یحیٰی بن سلام فرماتے ہیں کہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں' ہو سکتا ہے کہ کعبؓ نے پورا عدد ذکر کیا ہو اور ابو ہریرہؓ نے صرف ان کا ذکر کیا ہو جو حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ عبداللہ بن سلام اور مخیریق اسلام قبول کر چکے تھے۔[1] بہر حال خلاصہ حدیث یہ ہے کہ اگر کہیں اس وقت یہ دس بارہ احبار کلمہ اسلام قبول کر لیتے تو جو یہود ان کو ارباب کی جگہ سمجھتے تھے تمام کے تمام اسلام میں داخل ہو جاتے مگر چونکہ اس قوم کے حق میں من حیث القوم اسلام مقدر نہ تھا اس لیے ان کے علماء کو بھی بہت کم اسلام کی توفیق میسر آئی۔

بظاہر اسی فطری شقاوت کی وجہ سے جب اس عام ہدایت کے وقت انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد بھی احادیث میں ان کی محرومی ہی کا پتہ ملتا ہے۔ اس وقت یہ فرقہ اکثر دجال کا متبع ہوگا البتہ عیسائی من حیث القوم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور دنیا کے خاتمہ سے پہلے پہلے وحدت تبع ادیان کا اہم مقصد پورا ہو جائے گا۔ اسی کی طرف سورۂ نساء کی آیت ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (النساء:۱۵۹) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ↩ .....

---

[1] فتح الباری ج ۷ باب اتیان الیھود النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

www.besturdubooks.net

(۶۳) عَنْ رَبَاحِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حُوَيْطِبٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي جَدَّتِيْ اَنَّهَا سَمِعَتْ اَبَاهَا يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ وَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَ لَا

(۶۳) رباح بن عبدالرحمٰنؒ روایت کرتے ہیں میری دادی نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جس کا وضونہیں اس کی نماز نہیں اور جو (شروع میں) خدا کا ذکر نہ کرے اس کا وضونہیں اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے اس کا خدا پر بھی ایمان نہیں اور جو انصار سے محبت نہ کرے اس کا مجھ پر بھی

ﷺ .... کی طبعی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے گا۔
یہاں غرض صرف یہ ہے کہ اس حدیث کو آیت بالا کے ساتھ ارتباط ہے قرآن کریم بھی اہل کتاب کا عام طور پر ایمان لانا ذکر کرتا ہے مگر اس کو ایک خاص وقت پر معلق کرتا ہے اور حدیث بھی یہاں یہود کے عام ایمان کا ذکر کرتی ہے مگر اس کو ایک خاص شرط سے مقید کرتی ہے اس میں اشارہ ہے کہ ان دونوں فرقوں کو فنا ہو کر یا اسلام قبول کر کے ایک دن بہر حال آخری دین یعنی اسلام میں داخل ہونا مقدر ہے۔ وحدت قبلہ ظہور پذیر ہو چکی۔ یہ اس وحدت کا مرکزی نقطہ تھا جو آئندہ ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ عام نظریں حوادث کا باہمی ارتباط نہیں سمجھتیں، تکوینی نظر میں ان میں بڑا گہرا ربط ہوتا ہے۔

(۶۳) * حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں گو کلام ہے مگر تمام اسنادوں پر نظر کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں۔ ابوبکر بن شیبہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ضرور ارشاد فرمائی ہے۔ اس حدیث میں چار مسئلے ہیں پہلا مسئلہ اجماعی ہے۔ دوسرا مسئلہ گو اختلافی ہو مگر وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ تیسرا مسئلہ اصول دین میں داخل ہے یعنی ایمان بالرسالۃ چوتھا مسئلہ فروعی ہے اپنے اپنے محل میں ہر مسئلہ سے بحث کی جائے گی۔ یہاں زیر بحث صرف تیسرا مسئلہ ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مدار نجات ایمان باللہ اور ایمان بالمغیبات ہے۔ مغیبات سے مراد قیامت، فرشتے جنت، دوزخ وغیرہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان ہی امور کی تعلیم وتشریح کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ عقول انسانیہ ان امور کے صحیح ادراک سے قاصر ہیں اور اگر بہ ہزار دشواری ادراک کر بھی لیں تو وہ بھی ناتمام ادراک ہوگا اس لئے خدا کی رحمت نے اس کا بوجھ ہم پر نہیں ڈالا بلکہ فلاح وفوز کا راستہ بتلانے کا خود تکفل فرما لیا ہے اس کے بعد ہمارا کام صرف اس بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے چونکہ یہ ایمان انبیاء علیہم السلام کے بغیر میسر آ ہی نہیں سکتا اس لیے ایمان باللہ کے مفہوم میں رسولوں پر ایمان لانا خود بخود داخل ہو جاتا ہے اسی لیے احادیث میں اور کہیں کہیں آیات قرآنیہ میں صرف توحید کو مدار نجات ٹھیرایا گیا ہے، ان سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ صرف توحید موجب نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے تصنیف کی بجائے خطابت کا اسلوب اختیار کیا ہے اس لیے اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے ایک خطیب کے انداز بیان کا تصور رکھنا چاہیے وہ جب کسی خاص ماحول میں گفتگو کرتا ہے تو بہت سے امور اس کے ماحول میں اور بہت سے متکلم ومخاطب کے دماغوں میں موجود ہوتے ہیں اور بہت سے اس کے طرز تکلم سے مفہوم ہوتے ہیں اور جب ان سب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے تو اس کا کلام سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی یہاں خود رسول خدا کی طرف سے متکلم ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے تو خدا تعالیٰ کا ایک ترجمان بن کر بولتا ہے، اس کی ہستی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے اس لیے اسے اپنے بیان میں زور ان ہی باتوں پر دینا پڑتا ہے جو غائب اور غیر محسوس ہیں جب وہ اٰمنوا باللہ کا امر کرتا ہے تو یہ جانتا ہے کہ یہ حکم ﷺ ....

www.besturdubooks.net

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ مَنْ يُؤْمِنُ بِىْ وَ لَا يُؤْمِنُ بِىْ مَنْ لَّايُحِبُّ الْاَنْصَارَ. (رواه احمد و الدارقطنى)

ایمان نہیں۔

(اس حدیث کو امام احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے)

مثل النبى صلى الله عليه وسلم و مثل ماجاء به

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی مثال

(۶۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ تْ مَلَائِكَةٌ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ

(۶۴) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند فرشتے حاضر ہوئے اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سو رہے تھے ان میں سے کسی نے کہا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سوتے ہیں اور

۔۔۔۔میری آواز پر جو مانے گا۔ اس کو پہلے میرا ماننا لازم ہوگا' مخاطبین کو بھی کوئی ضد ہوتی ہے تو زیادہ تر اسی کی شخصیت سے ہوتی ہے وہ بہت سے مسلمات کا اگر انکار کرتے ہیں تو اس ضد سے کہ اس کے منہ سے نکل رہے ہیں اسی لیے ایمان بالرسول جو بہ حقیقت ایمان باللہ کا ایک ذریعہ تھا اب ایک حیثیت میں رکن رکین اور اصل الاصول بن جاتا ہے۔ جس طرح ایمان میں اللہ اور رسول کے درمیان فرق کی گنجائش نہیں ایک کا منکر دوسرے کا منکر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح رسولوں میں بھی باہمی یہی نسبت موجود ہے یعنی ایک کا منکر دوسرے کا منکر ہے یہاں ماضی، حال و مستقبل تینوں زمانے برابر ہیں حتی کہ خود انبیاء علیہم السلام بھی اس وصف میں شریک ہیں۔ اعمال و اقوال کی صداقت ایمان کی صداقت پر موقوف ہے اور ایمان کی صداقت خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے سے مربوط ہے اس لیے ایمان بالرسول اور رسول کے فرمانے پر دوسرے رسولوں پر ایمان لانا مرکزی نقطہ بن جاتا ہے اب آیات ذیل کو پڑھئے۔ (۱) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (نور: ۶۲) مومن دراصل وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (۲) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ الخ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ (النساء: ۱۵۰، ۱۵۱) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائیں گے اور کسی کا انکار کریں گے الخ یہی لوگ اصلی کافر ہیں۔ (۳) ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (النساء: ۱۳۶) جو انکار کرے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور رسولوں اور قیامت کے دن کا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسولوں پر بلا تفریق ایمان لانے کا امر ہے دوسری آیت میں ان کے درمیان فرق کرنے والے کو اصلی کافر کہا گیا ہے اور تیسری آیت میں ایمان میں فرشتوں اور یوم آخر کو بھی شامل کرلیا گیا ہے اب صرف کسی ایک آیت کو لے کر ایمان کی بحث کا فیصلہ کر ڈالنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

(۶۴) ✽ عالم غیب میں تفہیم کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی بیداری کو تین بار مکرر کیا گیا ہے اسی بناء پر انبیاء علیہم السلام کے خواب کو وحی کہا جاتا ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کی نوم کا حال یہ ہے تو ان کی موت کا حال اسی سے قیاس کرلینا چاہیے۔ یعنی کیا وہ موت کے بعد عام ارواح کی طرح بیکار و معطل ہوسکتے ہیں یا ان کا ادراک وشعور فہم واحساس اپنی جگہ بحال رہتا ہے۔ اس مثال میں یہ ذہن نشین کرنا منظور ہے کہ فوز وفلاح کا راز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مضمر ہے۔ نیز یہ تنبیہ کرنا بھی مقصود۔۔۔۔

www.besturdubooks.net

الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَ الْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوْا اِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهُ مَثَلًا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهُ نَائِمٌ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَ الْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوْا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَ جَعَلَ فِيْهَا مَاْدُبَةً وَ بَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَ اَكَلَ مِنَ الْمَاْدُبَةِ وَ مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَ لَمْ يَاْكُلْ مِنَ الْمَاْدُبَةِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْهَا لَهُ يَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهُ نَائِمٌ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَ الْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَ الدَّاعِيْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ مُحَمَّدٌ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ. (متفق عليه)

کسی نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل جاگتا ہے پھر کہنے لگے تمہاری اس بزرگ ہستی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ایک مثال ہے' اس مثال کو بیان کرو اس پر کسی نے کہا وہ سوتے ہیں اور کسی نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل جاگتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگے' ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا اور اس میں دعوت کا انتظام کیا پھر ایک بلانے والے کو بھیجا۔ جس نے اس بلانے والے کی بات مانی وہ مکان میں آ گیا اور دعوت کا کھانا بھی کھایا اور جس نے اس بلانے والے کی بات نہ مانی وہ نہ مکان میں آیا' اور نہ طعام دعوت کھایا۔ پھر انہوں نے کہا اس مثال کی توضیح بھی کرو۔ تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو صاف صاف سمجھ لیں تو بعض نے کہا یہ سوتے ہیں اور بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار ہے پھر کہنے لگے وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے خدائے عزوجل کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں نیک و بد کو جدا جدا تمیز کر دینے والے ہیں۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(٦٥) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِيْ وَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَ اِنِّيْ اَنَا

(٦٥) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میری اور اس دین کی مثال جو خدا نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا اے میری قوم میں نے دشمن اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں ایک سچا ڈرانے

.....ہے کہ آپ کی نافرمانی کر کے خدا کی فرمانبرداری کی ہوس کرنا غلط ہے۔
فرق کو بعض نے بصیغہ ماضی کہا ہے اور بعض نے بسکون راء مصدر بمعنی فارق (فرق کرنے والے) پڑھا ہے بہر حال یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد ہے کہ مطیع و عاصی' مؤمن و کافر کا گروہ علیحدہ علیحدہ کر دیں۔

(٦٥) ✽ عرب میں غارت گری کے لیے بیشتر صبح کا وقت ہی مقرر تھا اس لیے جس کو وہ دعا دیتے یہی دعا دیتے کہ خدا تیری صبح اچھی رکھے۔ اسی طرح ان کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص دشمن دیکھ پاتا تو اپنے کپڑے اتار کر کسی اونچی جگہ ان کو ہلاتا تا کہ یہ وحشت ناک صورت دیکھ کر لوگ دشمن کی آمد کا یقین کر لیں اور دشمن کے پہنچنے سے قبل ہوشیار ہو جائیں چنانچہ اس کی خبر بھی چشم دید اور سچی سمجھی جاتی تھی۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو ''النذیر العریان'' سے تعبیر فرمایا ہے جن خوش نصیبوں نے آپ کے فرمان کو مان خدا کے .....

www.besturdubooks.net

النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ فَادْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰى مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا وَ كَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاَهْلَكَهُمْ وَ اجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِيْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهٖ وَ مَثَلُ مَنْ عَصَانِيْ وَ كَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ. (متفق عليه)

والا ہوں لہٰذا نجات کی فکر کرو اس پر اس کی قوم میں کسی نے تو اس کا کہنا مانا اور آہستہ آہستہ شروع رات میں ہی چل پڑے اور دشمن سے نجات پا گئے اور کسی نے اس کو جھوٹا سمجھا اور اپنے بستروں پر صبح تک پڑے سوتے رہے دشمن کا لشکر صبح صبح ان پر ٹوٹا اور ان کو تباہ و برباد کر ڈالا بس ٹھیک یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری بات مان لی اور میرے لائے ہوئے دین کی پیروی کی اور اس شخص کی جس نے میری بات نہ مانی اور اس سچائی کو جھٹلا دیا جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(٦٦) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَ هٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِيْ تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهِ وَ جَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَ يَغْلِبْنَهٗ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيْهَا فَاَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَ اَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا هٰذِهٖ رِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ وَ لِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَ قَالَ فِيْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِيْ وَ مَثَلُكُمْ اَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِيْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا. (متفق عليه)

(٦٦) ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے میری مثل اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب اس نے اردگرد کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور یہ کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ ہے کہ انہیں روک رہا ہے یہ ہیں کہ اسے عاجز کر کے اس میں گھسے جا رہے ہیں۔ اسی طرح میں بھی ہوں کہ تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ سے بچا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے جاتے ہو۔ یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم نے بھی اسی کے ہم معنی روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں کہ میری اور تمہاری مثل یہ ہے میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے (کہہ رہا) ہوں دوزخ سے بچو دوزخ سے بچو تم مجھے عاجز کر کے اس میں گھسے جاتے ہو۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(٦٧) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰىؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(٦٧) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

⇐..... عذاب سے نجات پائی اور جنہوں نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا اور کفر میں عمر گذار دی اور مر گئے عذاب الٰہی نے انہیں آ پکڑا اور موت ابدی میں دھکیل دیا۔

(٦٦) * دنیا کے ناسمجھ انسانوں اور رسول خدا کی انتہائی محبت و خیر خواہی کا جو نقشہ اس مثال میں کھینچا گیا ہے اس سے زیادہ سچے اور مؤثر انداز میں کھینچنا ناممکن ہے۔ نہ پروانہ کو انجام کا ہوش ہوتا ہے نہ آج دنیائے کفر کو فردائے قیامت کا فکر ہے بے رحمی و نادانی سے ان جان قربان کرنے والوں پر سب سے زیادہ رحم کھانے والا پکار رہا ہے کہ تم آگ میں جا رہے ہو کوئی نصیب والا ہوگا جو اس کی آواز سنے گا۔

(٦٧) * یہاں زمین کی مفصل اقسام اور لوگوں کی مکمل تقسیم پھر ان میں پوری پوری مطابقت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اجمالاً یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جس طرح دنیا میں بارش کے پانی سے بعض زمین نفع اٹھاتی ہے اور بعض نفع نہیں اٹھاتی اور جو نفع نہیں اٹھاتی یہ اسی کی ⇐.....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ مِنَ الْهُدٰى وَ الْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاءَ وَ الْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَ كَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَ سَقَوْا وَ زَرَعُوْا وَ اَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰى اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَ لَا تُنْبِتُ كَلَاءً فَذَالِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَ نَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَ عَلَّمَ وَ مَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَ لَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ. (متفق عليه)

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو ہدایت اور دین کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی اس زمین کے ایک حصہ نے جو بہت عمدہ تھا خوب پانی پی لیا گھاس اور سبزہ خوب اُگایا اور ایک حصہ جو بنجر تھا اس نے وہ پانی جمع کر لیا تو اس کے ذریعہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو نفع پہنچایا انہوں نے خود پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا اور کاشت کی لیکن زمین کا ایک حصہ تھا جو چٹیل میدان تھا نہ پانی کو روکے نہ گھاس اُگائے۔ یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے خدا کے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دین سے اس کو نفع دیا اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا اور اس شخص کی مثال جس نے ادھر سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(۶۸) عَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَ لْتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَ لْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَيَّ وَ سَمِعَتْ اُذُنَايَ وَ عَقَلَ قَلْبِيْ قَالَ فَقِيْلَ لِيْ سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ مَأْدُبَةً وَ اَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَ اَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَ رَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَ مَنْ لَّمْ يُجِبِ

(۶۸) ربیعہ جرشیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: چاہیے کہ آپ کی آنکھیں سو جائیں (اور کسی طرف نہ دیکھیں) اور آپؐ کے گوش (میری بات) سنیں اور آپ کا دل (متوجہ ہو کر) سمجھے آپؐ نے فرمایا کہ میری آنکھیں (تمام محسوسات کی طرف سے) سو گئیں میرے کان سننے کے لیے تیار اور دل سمجھنے کے لیے ہوشیار ہو گیا آپؐ فرماتے ہیں پھر فرشتے نے کہا ایک سردار ہے اس نے ایک گھر بنایا اور دعوت کا انتظام کیا اور ایک بلانے والا بھیجا اب جس نے اس کی دعوت کو سنا اور مانا وہ اس گھر میں آ گیا اور دعوت بھی کھائی سردار اور مالک مکان بھی اس سے خوش ہوا اور جس نے اس بلانے والے

ﷺ..... خرابی کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح وحی الٰہی کی بارش ہے بعض قلوب اس سے نفع اٹھاتے ہیں ہدایت کا بیج ان میں اسی طرح پھولنے پھلنے لگتا ہے جیسا کہ اچھی زمین میں کھیتی اور بعض ایسے اوندھے ہوتے ہیں کہ چٹیل میدان کی طرح نہ اس قابل ہوتے ہیں کہ خود کوئی نفع حاصل کریں اور نہ ان میں یہی قابلیت ہوتی ہے کہ اس پانی کو صرف روک لیں کہ کم از کم دوسرے ہی اس سے فائدہ حاصل کر لیں۔ یہ بھی نفع کی ایک صورت تھی۔

(۶۸) ✻ اس باب کی پہلی حدیث میں جنت کو گھر کہا گیا تھا اور یہاں اسلام کو گھر کہا گیا ہے اور جنت کو طعام دعوت قرار دیا گیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں مثالوں کا مشترک نتیجہ ایک ہی ہے۔ یہاں ہر ہر جزء کی تشبیہ مقصود نہیں ہے۔ نیز اسلام چونکہ جنت میں داخل ہونے کا واحد سبب ہے اس لیے اس کو عین مسبب اور مجازاً گھر کہہ دینا بھی درست ہے۔ بہر حال ان سب مثالوں اور کہاوتوں میں ﷺ.....

www.besturdubooks.net

الدَّاعِی لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَ لَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَادُبَةِ وَ سَخِطَ عَلَیْهِ السَّیِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّیِّدُ وَ مُحَمَّدٌ الدَّاعِی وَ الدَّارُ الْاِسْلَامُ وَ الْمَادُبَةُ الْجَنَّةُ. (رواہ الدارمی)

کی بات نہ مانی وہ نہ تو گھر میں آیا اور نہ اس نے دعوت کا کھانا کھایا اور مالک مکان اس پر ناراض ہوا اس کے بعد اس کی توضیح کی کہ مالک مکان تو اللہ ہے اور اس کے منادی اور بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ گھر اسلام کا گھر ہے اور وہ دعوت جنت (اور اس کی نعمتیں) ہیں۔ (اس حدیث کو دارمی نے روایت کیا ہے)

(۶۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَ عَنْ جَنْبَتَیِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِیْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَ عَلَی الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَ عِنْدَ رَاْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ یَقُوْلُ اسْتَقِیْمُوْا عَلَی الصِّرَاطِ وَ لَا تَعْوَجُّوْا وَ فَوْقَ ذٰلِکَ دَاعٍ یَدْعُوْ کُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ یَفْتَحَ شَیْئًا مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَیْحَکَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّکَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَ اَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَ اَنَّ السُّتُوْرَ

(۶۹) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی' ایک سیدھی راہ ہے اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں' ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں' دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا پکار رہا ہے (اے چلنے والو) اسی راستہ پر سیدھے چلے جاؤ اور اپنے دائیں بائیں رخ نہ کرو' اس پکارنے والے سے پہلے ایک اور پکارنے والا ہے جب بندہ ان دروازوں میں کسی دروازہ کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے او کمبخت اسے کھول مت اگر کھولے گا تو اس میں ضرور داخل بھی ہو گا۔ پھر اس مثال کی خود توضیح کی' یہ سیدھی راہ تو اسلام ہے اور کھلے ہوئے دروازے خدا کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور اس پر لٹکے ہوئے پردے خدا کی بیان کردہ حدود ہیں اور راہ کے سرے کا داعی قرآن ہے اور اس سے پہلا

☜..... یہی سمجھایا گیا ہے کہ جنت کا گھر بغیر آپ کی تصدیق اور پیروی کیے نہیں ملے گا۔

(۶۹) ✱ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ محرماتِ شرعیہ میں فطرتِ انسانی کے لیے ایسی کشش ہے کہ جو اس طرف نظر بھی اٹھائے گا وہ ضرور مبتلا ہو کر رہے گا اس لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ خدا کی قائم کردہ حدود سے دور ہی دور رہے تاکہ محرماتِ شرعیہ کی بو بھی نہ پاس آنے پائے۔ قرآن کریم خدا کا داعی کھلم کھلا پکار رہا ہے اور واعظ اللہ لمة ملکی ہے یعنی وہ داعیہ خیر ہے جو ظاہری فتووں سے پہلے انسان کو خیرو نصیحت کی دعوت دیا کرتا ہے جیسی فرماتے ہیں کہ لٹکے ہوئے پردے وہ امور ہیں جن میں دلائل کے تعارض یا کسی ابہام کی وجہ سے کوئی شبہ رہ جاتا ہے یہاں شرعی ہدایت یہ ہے کہ ان سے دور ہی رہنا چاہیے تاکہ اشتباہ کی احتمالی مضرت سے بھی حفاظت رہے اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ (البقرۃ:۱۸۷) یہ خدا کی حدود ہیں لہٰذا ان کے قریب بھی نہ آؤ۔

ایک ضعیف انسان کے لیے یہ امتحان کم نہیں کہ اس کی پیاسی نظروں کے سامنے رنگین نظارے ہوں اور ان پر صرف ایک پردہ ڈال کر ان کی دید سے اس کو روکا جائے خانہ محرمات کی رنگینی ہی خود ایک بلاء تھی اس پر نظر اٹھانے کی ممانعت یہ دوسری بلا ہے جو اس کے لیے اور موجبِ اشتیاق بن رہی ہے مگر اس کے ساتھ اگر غور کرو تو بات کچھ مشکل بھی نہیں' اندرونی و بیرونی دو دو پہرہ دار ساتھ ہیں جو سمجھاتے جا رہے ہیں۔ نظر فریبی کے سامان گو موجود ہیں مگر ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر تمام شریعت کا خلاصہ سمجھنا چاہو تو ایک حرف ہے ☜.....

www.besturdubooks.net

الْمُرْخَاةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ اَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَ اَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ. (رواه رزين و احمد و البيهقي في شعب الايمان عن النورس بن سمعان و كذا الترمذي عنه الا انه ذكر اختصر منه)

داعی خدا کا ناصح ہے جو ہر مؤمن کے قلب میں موجود ہے۔

اس حدیث کو رزین واحمد نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے نورس بن سمعان سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ترمذی نے بھی مگر انہوں نے اس سے ذرا مختصر روایت بیان کی ہے۔

(۷۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ قَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ اِلَيْهِ وَ قَرَأَ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ الاٰية. (الانعام:۱۵۳) (رواه احمد و النسائي و الدارمي)

(۷۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ تو اللہ کی طرف جانے والا راستہ ہے پھر اس خط کے دائیں بائیں اور خطوط نکالے اور فرمایا یہ اور راستے ہیں ان میں ہر راستہ پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی ﴿ان ھذا﴾ الخ یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا اسی پر چلو۔

(اس حدیث کو احمد ونسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے)

لو كان موسى حيا ما وسعه الا اتباعه صلى الله عليه وسلم

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو آج انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا

(۷۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلُوْا اَهْلَ

(۷۱) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھا کرو کیونکہ جو خود گمراہ ہو چکے ہیں وہ

لله ..... یعنی ''ضبط نفس'' عبادات' معاملات' عقوبات' معیشت اور اخلاقیات کے جتنے بھی احکام ہیں وہ اسی ایک حرف کی تفصیلات اور عملی ٹریننگ ہیں۔ جس کو ضبط نفس کی عادت پڑ گئی اس کو شریعت پر عمل کرنا آسان ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو آزادی کا خوگر بنا لیا اس نے آسان شریعت کو خود اپنے لیے مشکل بنا لیا۔

(۷۰) * یہ حدیث پہلی حدیث کے ہم معنی ہے۔ یہاں اگر شیطانی دعوت کا ذکر ہے تو پہلی حدیث میں واعظ اللہ اور قرآن کریم کی دو دعوتوں کا تذکرہ آچکا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق کی راہ صرف ایک راہ ہے جس میں کوئی ناہمواری' نشیب و فراز نہیں ہے اور گمراہی کی راہیں بہت ہیں اور وہ بھی پُرخم اور پُر پیچ ہیں صرف نفسانی حرص اور طبعی انجذاب ان کو سیدھا دکھلاتا ہے راہ مستقیم پر گامزن ہونے میں اگر کوئی اندرونی اضطراب محسوس ہو تو وہ راہ کی ناہمواری نہیں بلکہ چاروں طرف سے دعوت شیطانی کے اثرات ہیں جتنا ادھر کان لگاؤ گے اس اضطراب میں اضافہ ہوتا رہے گا اور جتنا ان سے غافل رہو گے اسی قدر اپنے قلب میں اطمینان و سکون دیکھو گے۔

(۷۱) * یہاں امت کے سامنے ایک اصولی مسئلہ رکھا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب تمہارے عمل کے لیے ایک شریعت آچکی ہے تو اب پہلی شریعت سے بحث کرنا ہی غلط ہے' ظاہر ہے کہ اگر پہلی شریعت کو قائم رکھنا منظور ہوتا تو ضرور اس کو محفوظ بھی رکھا جاتا لیکن جب اس لله ....

www.besturdubooks.net

الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُمْ لَنْ يَهْدُوكُمْ وَ قَدْ ضَلُّوا فَإِنَّكُمْ إِمَّا أَنْ تُصَدِّقُوا بِبَاطِلٍ أَوْ تُكَذِّبُوا بِحَقٍّ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي.

(رواہ احمد و ابن ابی شیبہ و البزار)

(۷۲) وَ عَنْهُ أَيْضًا أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكِتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ فَقَالَ أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا بْنَ الْخَطَّابِ؟ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوا بِهِ أَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي. (رواہ احمد و ابن ماجۃ عن ابن عباس و ابن حبان عن

بھلا تمہیں کیا راہ دکھلائیں گے اگر تم ان کی تصدیق کرتے ہو تو احتمال ہے کہ تم کسی غلط بات کی تصدیق کر بیٹھو اور اگر تکذیب کرتے ہو تو ممکن ہے کہ کسی حق بات کی تکذیب کر دو آج وہ زمانہ ہے کہ اگر خود موسیٰ علیہ السلام تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی سوائے میری پیروی کے تورات کی پیروی کرنا حلال نہ ہوتا۔ (اس حدیث کو امام احمد' ابن ابی شیبہ اور بزار نے روایت کیا ہے)

(۷۲) جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب لائے جو انہوں نے کسی اہل کتاب سے لی تھی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اے ابن الخطاب کیا اپنے دین کے معاملہ میں تم لوگ بھی کچھ حیرت میں مبتلا ہو' اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اہل کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھا کرو کہیں وہ تمہیں کوئی سچی بات بتلائیں اور تم اس کی تکذیب کر دو یا غلط بات بتائیں اور اس کی تصدیق کر دو' اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی اس کے سوا گنجائش نہ تھی کہ میری ہی پیروی کرتے۔ اس حدیث کو احمد نے اور ابن ماجہ نے ابن

ﻟﻠﮧ ...کو محفوظ نہیں رکھا گیا تو معلوم ہو گیا کہ آئندہ قدرت کو اس پر عمل درآمد بھی منظور نہ تھا۔ شریعت سماویہ گو سب حق تھیں مگر تحریف کے بعد ان میں بہت سا باطل کا حصہ داخل ہو چکا ہے جو نا معلوم ہے اب اس سے بحث کا حاصل یہی ہے کہ اگر تصدیق کرتے ہو تو باطل کی تصدیق کا احتمال اور تکذیب کرتے ہو تو حق کی تکذیب کا احتمال باقی رہتا ہے اس لیے جب عمل کے لیے ایک راہ موجود ہے تو پھر اس گرداب میں پھنسنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان میں تحریف نہیں ہوئی تو بھی ہر صداقت پر عمل کرنا اسی وقت موجب نجات ہو سکتا ہے جب وہ وقت کی شریعت بھی ہو اگر اس کی بجائے دوسری شریعت آ چکی ہے تو اب پہلی صداقت پر عمل کرنا وقتی شریعت کی توہین ہو گی۔ اگر دین صرف اپنی رائے پر ہوتا تو شریعت کی حاجت نہ تھی اور جب شریعت کی ضرورت تسلیم ہے تو صرف کسی صداقت کا صداقت ہونا نجات کے لیے کافی نہیں جب تک اس کا وقتی شریعت ہونا بھی ثابت نہ ہو جائے ہر صداقت کا شریعت ہونا کوئی لازمی امر نہیں ہاں ہر شریعت کا صداقت پر مبنی ہونا ضروری ہے اس لیے یہ محض ایک بے بنیاد خیال ہے کہ جب سب ادیانِ سماویہ حق ہیں تو ان پر عمل کرنا بھی ہمیشہ نجات کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ جس دور میں خود موسیٰ علیہ السلام کو وقت کی صداقت پر عمل کرنا ضروری ہو اس میں ان کی کتاب کا تذکرہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دراصل اس بحث کا منشاء انکار نسخ ہے ملل سماویہ کا منسوخ ہونا ایک مسلم مسئلہ ہے علماء کو اگر بحث ہے تو دین اسلام کے احکام کے نسخ میں ہے۔ نیز دیگر ادیان سماویہ کے عقائد و اصول کا باقی رہنا بھی دوسری بات ہے۔

www.besturdubooks.net

جابر وغیرھم و فی الباب عن عبداللہ بن ثابت الانصاری عند احمد و ابن سعد و الحاکم فی الکنی و الطبرانی و البیھقی فی شعب الایمان و عن جابر عند الدارمی)

عباس سے اور ابن حبان نے جابر سے روایت کیا ہے اور یہی مضمون امام احمد نے عبداللہ بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن سعد اور حاکم نے کنی میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کیا ہے اور دارمی نے جابر سے بھی روایت کیا ہے۔

(۷۳) عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ مَرَرْتُ بِاَخٍ لِّیْ مِنْ قُرَیْظَةَ فَکَتَبَ لِیْ جَوَامِعَ مِنَ التَّوْرَاتِ اَلَا اَعْرِضُهَا عَلَیْکَ؟ قَالَ فَتَغَیَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا تَرٰی مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا قَالَ فَسُرِّیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ اَصْبَحَ فِیْکُمْ مُوْسٰی ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْهُ وَ تَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ اِنَّکُمْ حَظِّیْ مِنَ الْاُمَمِ وَ اَنَا حَظُّکُمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ

(رواہ احمد وعزاہ صاحب المشکوۃ للدارمی و قال صاحب التنقیح رواہ ایضا ابن حبان باسناد صحیح و احمد باسناد حسن)

(۷۳) شعبیؒ عبداللہ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبیلہ بنی قریظہ کے اپنے ایک رفیق کے پاس گذرا تھا تو اس نے میرے فائدہ کی غرض سے تورات سے کچھ جامع کلمات لکھ دیے تھے اجازت ہو تو آپؐ کے سامنے پیش کروں، راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدلنے لگا۔ عبداللہ کہتے ہیں، میں نے کہا (اے عمرؓ) آپ کے چہرۂ مبارک پر آثارِ ناگواری نہیں دیکھتے؟ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فوراً متنبہ ہوئے) اور کہنے لگے ہم اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہو چکے ہیں۔ راوی کا بیان ہے یہ کلمات سن کر آپؐ کے چہرہ سے وہ اثر زائل ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ تم میں موجود ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرو تو گمراہ ہو گے امتوں میں تم میرا حصہ ہو اور نبیوں میں میں تمہارا حصہ ہوں۔

اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے اور صاحب مشکوۃ نے اس روایت کو دارمی کی طرف منسوب کیا ہے۔ صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان نے بھی باسناد صحیح روایت کیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد حسن روایت کیا ہے۔

---

(۷۳) * یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سامنے شریعت موسوی کا متلاشی ہے وہ گویا آپؐ کی نبوت کو چھوڑ کر نبوتِ موسوی کا قائل ہونا چاہتا ہے۔ جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی اسی طرح رسول اور اس کی شریعت کے درمیان بھی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ ایمان بالرسالۃ یہ ہے کہ اس کے لائے ہوئے دین کو مانے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبوۃ محمدی مان کر شریعت موسویہ کی پیروی کی جائے۔

www.besturdubooks.net

(۷۴) عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ اَتَی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاتِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَا تَرٰی مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ غَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ بَدَا لَکُمْ

(۷۴) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تورات کا نسخہ ہے آپؐ خاموش ہو گئے (یہ ناگواری کی خاموشی تھی) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پڑھنے لگے- ادھر آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدلنے لگا- ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا- اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھے رونے والی عورتیں روئیں آپؐ کے روئے انور پر جو ناگواری کے آثار ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتے- عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ کی طرف دیکھا تو فوراً یہ کلمات کہے میں خدا کے غصہ اور اس کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں- ہم اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہو چکے ہیں آپؐ نے فرمایا- اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر آج موسیٰ علیہ السلام کا بھی ظہور ہو جائے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے چل

---

(۷۴) * ان احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا ذکر صرف اس لیے نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جملہ ادیان کے لیے ناسخ بن کر آچکا ہے بلکہ اس لیے بھی ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ اگر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملے تو وہ آپؐ پر ایمان بھی لائیں اور آپؐ ہی کے ناصر و معین رہیں- ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَا اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ (ال عمران: ۸۱) جب کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں- پھر تمہارے پاس خدا کا ایک رسول آئے جو تمہارے پاس والی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و مدد کرنا-

اس عہد کی رو سے ہر نبی کا فرض ہے کہ اگر وہ آپؐ کے زمانہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپؐ ہی کا متبع رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور اسی لیے دنیا میں تشریف لا کر اس فریضہ اتباع کو سب کے سامنے انجام دیں گے- دنیا اس سعی میں ہے کہ بزور سائنس مردے زندہ کر دے کسی زندہ کی درازیٔ عمر اور اس کا نزول کیا اس سے زیادہ تعجب خیز ہے ابھی غائبات کے ساتھ جنگ نہ کرو اور صبر کے ساتھ تھوڑا انتظار کرو شاید مادی ترقیات عنقریب تمہارے سامنے وہ وقت لے آئیں جب کہ دنیا کے عجائبات عجائبات نہ رہیں گے (تنبیہ) بعض کتب حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر ہے مگر اس کی سند کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس کی کوئی سند ہے اور درست بھی ہو تو جس ہستی کی حیٰوۃ اس عالم میں نہیں وہ اس عالم میں تشریف لانے سے پہلے مردہ کہا جا سکتا ہے جیسا کہ عام مردے دوسرے عالم میں زندہ ہوتے ہیں مگر اس جہان میں ان کو مردہ کہا جاتا ہے- دنیا اپنے اپنے احساس اور عالم کے موافق بولتی ہے- یہ شریعت کی اطلاع ہے کہ وہ ﷺ.....

www.besturdubooks.net

مُوسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَ تَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَ لَوْ كَانَ حَیًّا وَ اَدْرَكَ نُبُوَّتِیْ لَا تَّبَعَنِیْ. (رواه الدارمی)

پڑو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو میرے ہی پیچھے چلتے۔

(اس حدیث کو دارمی نے روایت کیا ہے)

من عصی النبی صلی الله علیه وسلم فقد أبی

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے وہ آپ کا انکار کرتا ہے

(۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؐ وَ مَنْ یَّاْبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی. (رواه البخاری)

(۷۵) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہے میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے' صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے آپؐ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به

کوئی شخص پورا ایماندار نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہشات شریعت کے تابع نہیں ہوتیں

(۷۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ. (رواه فی شرح السنة قال النووی فی اربعینه هذا حدیث صحیح رویناه فی كتاب الحجة باسناد صحیح)

(۷۶) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا' یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کی تابع نہ بن جائے جو میں لایا ہوں۔

اس حدیث کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔ نووی اپنی کتاب اربعین میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کتاب الحجہ میں ہم نے اس کو صحیح اسناد سے روایت کیا ہے۔

؎ ..... عظیم القدر ہستی جس کے متعلق کسی کا گمان پھانسی کا ہے اور کسی کا قتل کا زندہ صحیح وسلامت موجود ہے اور اپنے وقت پر پھر آنے والی ہے۔ تفصیلی بحث اپنے محل میں آئے گی۔

(۷۵) ✱ انکار دو قسم پر ہے ایک یہ کہ زبان سے انکار کرے ایسا منکر کافر ہے اور کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا دوسرا یہ کہ زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ ہے یہ گو اقرار کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں یہ بھی منکر ہے لہٰذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ دن رہنا ہوگا۔ گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہو جائے۔ رسول کے لائے ہوئے دین کو ماننا ایمان ہے اور اس کی اطاعت کرنا اس قلبی ایمان کی علامت ہے۔ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں۔

(۷۶) ✱ ایمان کا کمال یہ ہے کہ متابعت شریعت میں وہ لطف ولذت محسوس ہونے لگے جو طبعی مرغوبات میں محسوس ہوتا ہے' نماز کے وقت نماز اور ماہ رمضان میں روزہ اور نصاب حولی پر زکوٰۃ کی وہ خواہش جو سردی میں گرم کپڑے اور گرمی میں ٹھنڈک حاصل ؎ .....

www.besturdubooks.net

وجوب محبته للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من نفسه و الناس اجمعین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان بلکہ سب جہان سے زیادہ کرنا ضروری ہے

(۷۷) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. (رواه الشيخان)

(۷۷) انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی مومن نہیں ہے جب تک کہ میں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔
(اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے)

☜ ...کرنے کی ہوتی ہے یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ نفس اپنی سرشت چھوڑ کر شریعت کے تابع ہو جائے اسی کا نام نفس مطمئنہ ہے ظاہر ہے کہ جب نفس میں یہ ذوق پیدا ہو جائے گا تو بلاکلفت شریعت پر دائمی عمل میسر آ جائے گا اور اس وقت وہ ایمان حاصل ہوگا جو بڑی حد تک زوال کے خطرہ سے مامون ہوگا۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کا نام ولایت کبریٰ ہے شریعت میں اس کو ایمان کامل کہا جاتا ہے۔

(۷۷) ✽ شیخ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ محبت کے تین اسباب ہیں۔ کمال، جمال، جود و سخا۔ یہ تینوں اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے زیادہ کسی کی ذات میں موجود نہیں۔ آپ کا کمال شریعت مطہرہ سے ظاہر ہے آپ کا جمال احادیث شمائل میں موجود ہے۔ آپ کی روحانی و جسمانی بخشش و کرم کا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے پھر آپ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔ ماں باپ، بیٹے کی محبت طبعی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محبتِ عقلی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کمال ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل تقاضائے طبیعت پر غالب آ جائے۔ ایمان کی تفصیلی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایمان صرف عقائد و عمل کا نام نہیں بلکہ ان کیفیات کا نام ہے جن سے شدہ شدہ مومن کا قلب مزین و رنگین ہو جاتا ہے۔ شفاء میں سیرت محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ جنگ احد میں ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی، شوہر تینوں شہید ہو گئے۔ جب اسے خبر ملی تو اس نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بخیر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں بخیریت ہیں اس نے کہا چلو مجھے دکھلاؤ تاکہ میں خود آپ کے روئے انور کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپ کو دیکھ لیا تو بولی کل مصیبة بعدک جلل جب آپ زندہ و سلامت ہیں تو اس کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور ہمیں اپنے مال و اولاد اور والدین اور پیاس میں سرد پانی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔ اہل مکہ جب زید بن دشنہ کو قتل کے لیے حرم سے باہر لے چلے تو ابوسفیان بن حرب بولا کہو زید قسم کھا کر بتلاؤ کیا اس وقت تمہیں یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم اپنے گھر ہوتے۔ زید نے قسم کھا کر کہا مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپ کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان کہنے لگا میں نے کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا آپ مجھے اپنے اہل و مال سب سے زیادہ محبوب ہیں مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک یہاں آ کر آپ کو دیکھ نہیں لیتا اب غم یہ ہے کہ وفات کے بعد آپ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے وہاں میں آپ کو کیسے دیکھا کروں گا اس پر یہ آیت اتر آئی ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء: ۶۹) ''جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا کا انعام ہے یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت ☜ ....

www.besturdubooks.net

(۷۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ لَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ

(۷۸) عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ میں ہاتھ لیے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی

﴿.... بڑی غنیمت ہے۔'' آپؐ نے اسے بلا کر یہ آیت سنا دی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں معیت سے مراد صرف جنت میں معیت ہے جہاں بروقت حاضر ہو کر آپ کا دیدار ممکن ہوگا۔ خاص آپ کے مقام و منزل میں معیت مراد نہیں روایت ہے کہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب الاذان کہے جاتے تھے اپنے باغ میں کچھ کام کر رہے تھے دفعۃً ان کے فرزند پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سنائی اسی وقت انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا اے اللہ مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔

یہ اور اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آپؐ سے ایسی ہی محبت تھی جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ بدقسمتی سے اگر کسی کو یہ مقام حاصل نہیں تو وہ ان کی محبت میں تاویل نہ کرے جن کو یہ مقام حاصل تھا۔

(۷۸) ✽ یہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت تھی کہ انہوں نے اپنا اندرونی کھوٹ دربار رسالت میں صاف صاف کہہ ڈالا اور یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا کہ ایک سیکنڈ میں آپ نے ایمان کے تمام ارتقائی مدارج انہیں طے کرا دیئے۔ وہ سینہ جو ابھی اپنی جان کو عزیز تر سمجھ رہا تھا دوسری ساعت آنے نہیں پاتی کہ رسولؐ کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھنے لگتا ہے۔ کہنے کو تو یہ دو ہی فقرے ہیں۔ مگر آپ کی فیض صحبت کی یہ برقی تاثیر عقل انسانی کے لیے موجب حیرت بن رہی ہے اب سوچو کہ جہاں سیکنڈوں کی صحبت کے آثار یہ ہوں وہاں ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے اثرات کیا ہوں گے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اس مضمون کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے پہلے اس پر غور کیجئے پھر حدیث کا مطلب سمجھئے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (توبہ : ۲۳-۲۴)

''اے مؤمنو! اگر تمہارے باپ، بھائی، ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھتے ہوں تو انہیں اپنا دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرے گا تو یہی لوگ ظالم ہوں گے اے پیغمبر! آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، اولاد، بھائی، بیبیاں، کنبہ، تمہارا مال، جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے، تمہارے رہنے کے مکان جو تمہیں بہت پسند ہیں یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو خدا کو کرنا ہے تمہارے سامنے آ جائے۔ خدا فاسقوں پر ہدایت کی راہ نہیں کھولتا۔'' ﴾....

www.besturdubooks.net

بِيَدِهٖ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّكَ الْاٰنَ وَ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ الْاٰنَ يَا عُمَرُ.

(رواہ البخاری فی الایمان و النذور)

زیادہ محبوب نہ ہوں تم مؤمن نہیں ہو' عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اچھا اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے آپ نے فرمایا تو اب پکے مؤمن بھی ہو گئے۔

(اس حدیث کو بخاری نے کتاب الایمان والنذور میں روایت کیا ہے)

.... آیت بالا میں تفصیل کے ساتھ ان جملہ عواقب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جو اسلامی زندگی اختیار کر لینے کے بعد غیر متوقع نہیں ہوتے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے بھائی اپنے بھائی سے شوہر اپنی بی بی سے علیحدہ ہو جائے کنبہ قبیلہ روٹھ جائے اپنا جمع کیا ہوا مال ہاتھوں سے نکل جائے' چلتی ہوئی تجارت میں روڑا اٹک جائے' اپنے رہائشی اچھے اچھے مکان ترک کرنے پڑ جائیں مگر بتلاؤ ایسے وقت میں تم کس کا ساتھ دو گے اگر کہیں عزیزوں کا ساتھ دیا تو یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ جو ایثار و قربانی کا عہد تم نے اپنے خدا سے باندھا تھا وہ غلط تھا پھر جو اس عہد شکنی کی پاداش ہو اس کا انتظار تمہیں کرنا چاہیے۔

اسلام بتلاتا ہے کہ عزیزوں کے بڑے حقوق ہیں اور سب حقوق کی رعایت کرنا انسان کا فرض ہے مگر خدا اور رسول کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی لیے جب کسی کے حق کی ادائیگی میں ان کا حق فوت ہو تو پھر ان کا حق مقدم کرنا ہوگا۔ والدین اپنی جگہ بہت بڑے حق دار ہیں مگر خدا اور رسولؐ کا حق ان سے بہت زیادہ ہے اسی لیے آیت کے شروع میں پیرایہ بیان یہی اختیار کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے والدین ایمان پر کفر کو ترجیح دیں اور خدا کے حق کو فراموش کرنے لگیں تو پھر تمہارا حق ہوگا کہ تم بھی ان کے حق کو فراموش کر دو۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ (مجادلہ : ۲۲)

''یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے عداوت رکھتے ہیں' اگر چہ یہ لوگ اپنے والد' اولاد' بھائی' اور کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔''

یہاں پر تقریباً ان ہی رشتوں کا پھر ذکر کیا گیا ہے جس کا اوپر کی آیت میں ذکر کیا گیا تھا۔ ہر دو آیت میں ولایت' مودت کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان عزیزوں میں خدا اور اس کے رسول کی عداوت اور کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کا میلان پایا جائے۔ اور اسی وقت اسلام اپنی محبت کا امتحان لیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یوں تو بیشتر احادیث قرآن کریم کی تشریحات ہی کا دوسرا نام ہیں مگر بعض مرتبہ کسی حدیث کے الفاظ کسی آیت کے الفاظ سے اس قدر قریب ہوتے ہیں گویا ایک ہی مضمون کی دو تعبیریں ہیں ایسے مقامات پر پہلے قرآن کریم کی آیت کا بغور مطالعہ کر لینا چاہیے پھر اسی روشنی میں اس حدیث کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت انسؓ کی اس حدیث کو ہم نے بار بار پڑھا اور صرف اتنا ہی سمجھا کہ یہ حدیث صرف ایمان کامل کا معیار بتلاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا اور رسول کی محبت سب محبتوں پر غالب ہونا چاہیے۔ لیکن جب آیات بالا پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ایک اساسی اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے ابتدائی ماحول میں خدا اور رسول پر ایمان لانا والداور اولاد کے درمیان سب سے بڑا تفرقہ کا سبب تھا بہت ممکن تھا کہ ان رشتوں کی محبت اسلامی سعادت کے حاصل ہونے میں مانع آتی۔ تاریخ اسلامی سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مرتبہ یہی محبتیں اسلامی قربانیوں کے لیے سد راہ بن گئی ہیں گو شاذونادر سہی۔ اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ....

www.besturdubooks.net

(۷۹) عَنْ اَنَسٍؓ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَ اَنْ یَّکْرَهَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَهُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ. (رواہ الشیخان)

(۷۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا (۱) اللہ و رسول اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں (۲) جب وہ کسی سے محبت کرے تو خدا کے لیے کرے (۳) کفر میں پھر واپس جانا اس کو اتنا ہی برا لگے جیسے کہ آگ میں داخل ہونا۔
(اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے)

ﻠ .... ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (تغابن : ۱۴)
"اے ایمان والو! تمہاری بیبیوں اور اولاد ان میں ایسے بھی ہیں جو تمہارے لیے باعث فتنہ ہیں ان سے ذرا بچتے رہنا۔"
یہ حدیث بتلاتی ہے کہ اگر باپ کے لیے کبھی ایسا موقع آئے کہ اسلام کی وجہ سے اسے اپنی اولاد چھوڑنی پڑ جائے یا اولاد کو ایسا موقعہ ہو کہ اسے اپنے والدین ترک کرنے پڑیں تو ایمان یہ ہے کہ یہ قربانیاں کر گذرنی چاہئیں۔ یہی غلبہ محبت کے معنی ہیں' اب اسے آپ یہ حب عقلی سے تعبیر کریں یا حب شرعی سے۔ جس ماحول میں اب ہم ہیں وہ اسلامی ماحول ہے یہاں اولاد بھی مسلمان اور والد بھی مسلمان اس لیے اس طرف ذہن ہی نہیں جاتا کہ خدا اور رسول کی محبت کو والدین یا اولاد کی محبت سے کوئی تقابل ہو سکتا ہے بلکہ یہاں تو خدا اور رسول کی محبت اسی طرف اور داعی ہے کہ والدین کی محبت اور زیادہ ہو لیکن جب یہ ماحول نہیں تھا اور اسلام دنیا کو کفر کی تاریکیوں سے نور ہدایت کی طرف نکلنے کی دعوت دے رہا تھا اس وقت خدا رسول کی محبت والد و اولاد کی عداوت کے ہم معنی بنی ہوئی تھی۔ جو خدا سے محبت کرتا اسے اپنے مال و اولاد کو چھوڑنا پڑتا اور جو اپنے مال و اولاد کا ساتھ دیتا اسے خدا اور رسول سے بغاوت کرنا ہوتی۔ ایک درمیانی درجہ یہ ہو سکتا تھا کہ خدا اور رسول کی محبت کے ساتھ دشمنوں کی محبت کو بھی نبھا لیا جائے یہ حدیث اس کمزوری کو دفع کرنا چاہتی ہے اور بتلاتی ہے کہ اسلام یہ ہے کہ تم خدا اور رسول کی محبت پر سب کچھ قربان کر دو اور اس کے مقابلہ پر کسی کا ساتھ نہ دو۔

(۷۹) * اس حدیث میں تیسری بات قرآن کریم کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ﴾ (الحجرات:۷) یہ خدا کا انعام ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو خوشنما بنا دیا ہے اور کفر' گناہ' اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہاں ایمان میں فرائض و مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور اس کے مقابلہ میں کفر فسوق و عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا کہ ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو' اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہوگی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ مؤمن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت رکھے۔ یہ تین الفاظ اس لیے رکھے گئے ہیں کہ ہر فسق و عصیان کفر نہیں ہے اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۷)
یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اشخاص و افراد سے نفرت کی تعلیم نہیں دیتا۔ ہاں زشت افعال سے نفرت و بیزاری کی ضرور تعلیم دیتا ہے۔ حضرت سید الشہداء کا قاتل اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا بھائی بن سکتا ہے اور ایک کاتب وحی مرتد ہو کر زمین و آسمان کا مبغوض بن جاتا ہے اس لیے کفر سے نفرت کرنا اسلام کی تعلیم کا جزء ہے بلکہ آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی محبت اور کفر کی نفرت دونوں باتیں لازم ہیں جسے اسلام سے محبت ہوگی اسے کفر سے نفرت اور جسے کفر سے رغبت ہوگی اسے اسلام سے نفرت ہونا ضروری ہے۔ اسلام یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ خدا کی زمین پر ایک غلط اور ظلم وعدوان کے قانون کی حمایت بھی اسی طرح کی جائے جیسا کہ عدل و انصاف کے آئین کی کی جاتی ﻠ ....

www.besturdubooks.net

حبّ الرسول لحبّ اللّٰه
رسول کی محبت خدا کی محبت کی وجہ سے کرنا چاہیے

(۸۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ وَ اَحِبُّوْنِیْ

(۸۰) ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ سے محبت رکھو اس لیے کہ وہ تمہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو خدا کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت

ﷲ .... ہے اس لیے اسلام وکفر کے درمیان نہ کوئی صلح و آشتی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان کے لیے کافر کے ساتھ ہمیشہ برسر پیکار رہنا ضروری ہے۔ اسلام اشخاص وافراد کے لیے تو سلامتی کا پیغام ہے مگر کفر کے ساتھ کسی علاقہ کا روادار نہیں۔ اس فرق کو سمجھئے تا کہ حدیث میں نمبر ۲ بھی خوب روشن ہو جائے یعنی اسلام میں محبت کا معیار بھی اشخاص وافراد نہیں بلکہ خدا اور رسول ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کامل یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ غالب آ جائے کہ پھر تمام عداوت ومحبت کا محور ومرکز یہی بن جائے کسی سے محبت ہو تو ان کے نام پر اور عداوت ہو تو ان کے نام پر۔

(۸۰) ✱ اس حدیث میں خدا کی محبت کا سب سے آسان راستہ یہ بتلایا گیا ہے کہ پہلے تم ان نعمتوں کا مطالعہ کرو جو شب وروز بلا جدوجہد اور بلا کسی استحقاق کے تم کو میسر ہیں خدا کی محبت پیدا ہو جائے گی۔ جب خدا کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گی تو رسول کی محبت کا پیدا ہونا لازم ہوگا۔ کیونکہ اس کا رشتہ خدا سے یہی ہے کہ وہ تمہارے اور اس کے درمیان پیغام پہنچانے والا ہے بادشاہوں کے درباروں میں نامہ بروں کی جتنی قدر وقیمت ہوتی ہے راہ محبت میں اس سے کہیں زیادہ ہے اس لیے رسول کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بارگاہ محبت کا پیغامبر سمجھو جب دنیا کے ایلچیوں میں اخلاق فاضلہ واوصاف کاملہ ہونا ضروری ہیں تو خدا کے رسولوں میں کیوں ضروری نہ ہوں گے پھر اس جہت سے بھی محبت پیدا ہو جائے گی اسلام میں محبت کا اصل محور ومرکز صرف خدا کی ذات بتلائی گئی ہے اور یہی اس کی امتیازی توحید ہے کہ انسان کے قلبی علائق کے گوشے صرف اسی ایک ذات پاک کے نام پر تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی لیے اذان واقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے تا کہ اللہ اکبر کے بعد رسول اللہ کی عظمت ومحبت قلب میں خود بخود جاگزیں ہو جائے اور اسی لیے قرآن کریم میں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ (آل عمران: ۳۱) ارشاد فرمایا ہے یعنی اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ گویا اصل محور ومرکز خدا ہی کی محبت ہے اور اس کا صحیح معیار رسول کی اطاعت ہے اب جو شخص خدا کی محبت کا مدعی ہے مگر رسول کی عظمت ومحبت پوری طرح نہیں کرتا' یا رسول کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر خدا کی عظمت ومحبت سے خالی ہے وہ سراسر دھوکے میں ہے۔ رسول کی محبت وعظمت اس کا احترام وادب اولین فریضہ ہے اور یہ سب اس لیے ہے کہ وہ اس باعظمت ذات کا رسول ہے جس کی تمام کائنات مخلوق ہے۔ رسول کی صحیح عظمت یہ ہے۔

اپنے خود تراشیدہ خیالات پر رسول کی محبت کرنا صحیح محبت نہیں عیسائی بھی حضرت مسیح سے محبت کرتے ہیں مگر خدا کا رسول سمجھ کر نہیں بلکہ اس کا بیٹا بنا کر کیا تم اس کو صحیح محبت کہو گے اور یہود ان سے بغض ودشمنی رکھتے ہیں مگر انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر نہیں کیا تم اسے صحیح دشمنی کہو گے پھر صحیح دوستی اور صحیح دشمنی وہ ہے جو محض اس ایک ذات پاک کے نام پر ہو اس کے سوا محبتیں اور دشمنیاں سب آئین اسلام سے باہر ہیں۔ اس علاقہ کو ذرا اور وسعت دو تو رسول کی اولاد سامنے آتی ہے ان سے محبت اس لیے ضروری ہے کہ رسول کی محبت ضروری ہے گویا ان کی محبت پیدا کرنے کے لیے رسول کی ذات سامنے رکھنا چاہیے تو ان کی محبت آپ سے آپ پیدا ہو جائے گی جیسا کہ رسول کی محبت کے لیے خدا کی ذات ﷲ ...

www.besturdubooks.net

لِحُبِّ اللّٰهِ وَ اَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ. (رواہ الترمذی)

سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۸۱) عَنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَ اَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا وَ لِقُرَيْشٍ اِذَا تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوْهٍ مُبْشَرَةٍ وَ اِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِغَيْرِ ذَالِكَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰى عَمِّيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ. (رواہ الترمذی)

(۸۱) عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ غصہ میں بھرے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے میں اس وقت آپؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپؐ نے فرمایا اتنا غصہ کیوں ہے؟ فرمایا یا رسولؐ اللہ ہم میں اور قریش میں بھلا کیا فرق ہے کہ جب وہ باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بہت خوش خوش ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے اس پر آپؐ کو اتنا غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا پھر فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک آدمی کے قلب میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا اور اس کے رسول کی خاطر تم سے بھی محبت نہ رکھے۔ اس کے بعد کہا اے لوگو! دیکھو جو میرے چچا کو تکلیف دے گا اس نے مجھے تکلیف دی۔ آدمی کا چچا اس کے باپ ہی کے برابر ہوتا ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۸۲) عَنْ اُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا اِذْ جَاءَ عَلِيٌّ وَ الْعَبَّاسُ يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَا لِاُسَامَةَ اسْتَاْذِنْ لَنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَ الْعَبَّاسُ يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَ اَتَدْرِيْ مَا جَاءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّيْ اَدْرِيْ اِئْذَنْ لَهُمَا فَدَخَلَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۸۲) اسامہؓ سے روایت ہے کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے اجازت طلب کرنے لگے اور اسامہؓ سے کہا ہمارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت لے لو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! علیؓ اور عباسؓ اجازت چاہتے ہیں آپؐ نے فرمایا بھلا جانتے ہو کیوں آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا لیکن میں جانتا ہوں اچھا انہیں آنے کی اجازت دے دو وہ دونوں آ گئے اور بولے یا رسول اللہؐ ہم آپؐ کے

ف ....کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور اس طرح اگرچہ محبت کا دائرہ بہت پھیلتا چلا جائے گا مگر اصل مرکزی نقطہ پھر وہی ایک ذات پاک کی محبت رہے گی اب اگر کوئی شخص رسول کی محبت کا دعوی دار ہے مگر اہل بیت کی محبت نہیں رکھتا یا اہل بیت کی محبت کا تو دم بھرتا ہے مگر خدا اور رسول کی محبت کے آثار اس میں نہیں پائے جاتے تو کیا تم اسے صحیح محبت والا کہہ سکتے ہو۔ رسول کا رشتہ جس طرح اہل بیت کے ساتھ ہے اسی طرح اسؐ جماعت کے ساتھ بھی ہے جس میں اس نے اپنے شب و روز گذارے جنہوں نے اس کے لیے جانیں قربان کر دیں اور اس کی رفاقت میں تمام علاقے ختم کر دینے میں تامل نہ کیا پس اگر کوئی شخص اس جاں نثار جماعت سے بغض رکھے تو کیا تم اسے رسول کا محب کہو گے اللہ تعالیٰ ہمیں غلو سے بچائے اور صحیح محبت کی توفیق بخشے۔

www.besturdubooks.net

جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ اَىُّ اَهْلِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ قَالَ مَاجِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ عَنْ اَهْلِكَ قَالَ اَحَبُّ اِلَيَّ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلْتَ عَمَّكَ اٰخِرَهُمْ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ.

(رواہ الترمذی)

پاس یہ دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو اپنے گھر میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے آپؐ نے فرمایا اپنی بیٹی فاطمہؓ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم ان گھر والوں کے متعلق نہیں پوچھتے فرمایا تو پھر جس پر (اسلام کی توفیق دے کر) اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور (آزاد کر کے) میں نے احسان کیا یعنی اسامہ بن زیدؓ انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ پھر اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ علی وعباسؓ، بولے یا رسول اللہ آپؐ نے تو اپنے چچا کو سب سے آخر نمبر میں ڈال دیا- فرمایا اس لیے کہ علیؓ ہجرت میں تم سے سبقت لے جا چکے ہیں-

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۸۳) عَنْ عُمَرَؓ اَنَّهٗ فَرَضَ لِاُسَامَةَ فِيْ ثَلَاثَةِ اٰلَافٍ وَ خَمْسِمِائَةٍ وَ فَرَضَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ ثَلَاثَةِ اٰلَافٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِاَبِيْهِ لِمَ فَضَّلْتَ اُسَامَةَ عَلَيَّ فَوَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِيْ اِلٰى مَشْهَدٍ قَالَ لِاَنَّ زَيْدًا كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَبِيْكَ وَ كَانَ اُسَامَةُ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَاٰثَرْتُ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِبِّيْ. (رواہ الترمذی)

(۸۳) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار اور اپنے بیٹے کا تین ہزار مقرر کیا تھا اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد سے عرض کیا آپ نے اسامہ کو مجھ پر کن وجوہ کی بناء پر فوقیت دی' خدا کی قسم ہے کسی معرکہ میں وہ مجھ سے آگے نہیں بڑھ سکے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اس بنا پر کہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد یعنی زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے والد سے زیادہ پیارے تھے اور خود اسامہ تجھ سے زیادہ پیارے تھے اس لیے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے کو اپنے پیارے پر ترجیح دی- (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

بعض علامات محبة النبي صلى الله عليه وسلم محبة السنه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کچھ علامات

محبت سنت

(۸۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ لِيْ

(۸۴) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

---

(۸۳) ✱ مرقاۃ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ، ابوسفیان' بلال' سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے اور اجازت طلب کی حضرت عمرؓ نے پہلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دی- ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے فرمایا آپ دیکھتے ہیں کہ عمرؓ ہمارے غلاموں کو ہم سے بڑھاتے ہیں حضرت عباسؓ نے فرمایا ہم لوگ ہجرت میں پیچھے بھی رہ گئے تھے اس لیے ہماری یہی جزاء ہونا چاہیے- سبحان اللہ یہ اسلام ہے جس کے نزدیک آزاد و غلام کا کوئی فرق نہیں- بڑائی اور چھوٹائی کا مدار اسلامی جانبازی اور قربانی پر ہے-

(۸۴) ✱ عربی زبان میں غش (نصح) کی ضد ہے (نصح) کے معنی خیر خواہی ہیں- قلبی کھوٹ میں کینہ بغض عداوت وغیرہ سب ☜....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَا بُنَيَّ وَ ذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَ مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَ مَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی)

فرمایا اے فرزند اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صبح یا شام کسی وقت بھی تمہارے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ رہے تو کر گذرو کیونکہ صاف سینہ رہنا یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ کو پسند کرتا ہے وہ ضرور میری محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

محبة العرب

عرب کی محبت

(۸۵) عَنْ سَلْمَانَ ؓ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِيْ فَتُفَارِقَ دِيْنَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُبْغِضُكَ وَ بِكَ هَدَانَا اللّٰهُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِيْ.

(رواه الترمذی و قال هذا حديث حسن غريب)

(۸۵) سلمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا دیکھو مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ دین سے بالکل جدا ہو جاؤ گے' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپؐ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں' آپؐ ہی کے طفیل میں تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت نصیب فرمائی ہے فرمایا عرب سے بغض رکھو گے تو مجھ سے بھی بغض رکھنے لگو گے۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

ؒ .... داخل ہیں۔ صاف سینہ رہنا اخلاقِ نبوۃ کا جزء ہے اور شریعت میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک کھلی ہوئی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ آپؐ کے تمام اوضاع واطوار نظروں میں محبوب ہو جائیں' عبادت کرنا ہر انسان کا فرض ہے اور ہر مسلمان اس میں آپؐ کی اتباع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن اس حدیث میں محبت کا ایک اور بلند معیار بتلایا گیا ہے وہ یہ کہ عبادات کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات ونفسیات وطبعیات بھی نظروں میں قابل اتباع بن جائیں۔ بلکہ وہ غیر اختیاری جذبات جو اپنے مخالف کے لیے قلب میں موجزن ہوتے ہیں اس لیے قلب میں جمنے نہ پائیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہیں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آپؐ کی محبت رگ رگ میں سرایت کر چکی ہو ؎

آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن کائینہ ہر چہ دید فراموش می کند

جنت میں آپؐ کے ساتھ ہونے کا مطلب ٹھیک اسی منزلہ ومرتبہ میں ہونا نہیں ہے بلکہ زیارت وملاقات کی سہولت مراد ہے۔ جنت تمام کی تمام ایک مکان کی مثال ہے اور اس میں رہنے والے سب ایک ہی جگہ رہنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ علاقہ محبت کا اثر یہ ہے کہ جنت میں ہر شخص کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے اپنی علاقہ محبت کے بقدر قریب رکھا جائے گا۔

(۸۵) * ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ اسلام میں محبت کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہے پھر جہاں تک بھی اس کی شاخیں پھیلتی ہیں سب کا منشاء ہی ذات پاک رہتی ہے۔ رسول کی محبت خدا کی محبت کی وجہ سے ہے اور عرب کی محبت اس لیے ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ رسول کا محبوب وطن اور محبوب قوم ہے' محبت اور عداوت دونوں متعدی صفات ہیں' جب محبت پیدا ہوتی ہے تو اپنے اطراف میں بھی پھیلتی ہے یہی حال عداوت کا ہے حتی کہ ایک شخصیت کی وجہ سے تمام جہان نظروں میں محبوب یا دشمن بن جاتا ہے۔ عرب کی محبت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے تو پھر ان کی دشمنی یقیناً آپؐ سے اندرونی بغض ہی کا نتیجہ ہوگی۔ عرب کے کسی خاص شخص سے اس کی بداعمالی کی وجہ سے عداوت ؒ ....

www.besturdubooks.net

(۸۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَ الْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ وَ كَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

(۸۶) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عرب سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو اس لیے کہ میں عربی ہوں' اس لیے کہ قرآن عربی ہے اس لیے کہ اہل جنت کی گفتگو عربی زبان میں ہوگی- (اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)

و فی حب العرب احادیث کثیرۃ بعضها صححه الحاکم و قال الذهبی الحدیث ضعیف لا صحیح و لا موضوع تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۲- و فی آخر الرقاق من المستدرك و احب العرب من قلبك- قال الذهبی صحیح المستدرك - (ج ٤ ص ۲۳۲)

محبة الصحابة و الانصار و اهل البيت رضوان الله تعالى عليهم اجمعين

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین انصار اور اہل بیت کی محبت

(۸۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَ مَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ. (رواه الترمذی و قال هذا حدیث غریب)

(۸۷) عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاکید فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں خدا کا خوف رکھنا اور میرے بعد ان کو ہدف ملامت نہ بنانا (یاد رکھو) جو ان سے محبت رکھے گا وہ میری وجہ سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میری وجہ سے بغض رکھے گا' جو ان کو تکلیف دے گا اس نے گویا مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدائے تعالیٰ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو قریب ہے کہ وہ گرفت کر لے- (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

ؒ ..... عرب کی عداوت نہیں کہلاتی' عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے اس لحاظ سے ہمیشہ نظروں میں محبوب ہے جیسا کہ اپنی اولاد کہ اس کی محبت کسی صورت بھی جدا ہونے والی نہیں- جو بغض بدعملی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس کا سبب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے وہ اور بات ہے-

حدیث وقرآن کو نہایت سادگی سے سمجھنا چاہیے اس میں قیدیں لگا لگا کر شبہات پیدا کرنا کجروی ہے کسی محترم ہستی کی وجہ سے اس کے وطن اس کی زبان اس کے طور طریق کا احترام نظروں میں سما جانا ایک فطری بات ہے اسی رشتہ کی وجہ سے صحیحین میں انصار کی محبت کو ایمان کی علامت کہا گیا ہے اور اسی نظر سے یہاں عرب کی محبت کا امر فرمایا گیا ہے اب اس وطن وقوم کے حدود کہاں تک ہیں یہ بات اپنے اپنے تعلق اور محبت کی گہرائی اور خارجی تفصیل پر موقوف ہے-رسول کی محبت اگر سچ مچ دل میں ہے تو اس کے تقاضے پورے کرنے پڑیں گے-

(۸۷) * شرح السنہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسا کھانے میں نمک کی' بھلا کوئی کھانا بلا نمک درست ہوسکتا ہے-حسنؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا نمک ہی ختم ہوا تو بتلاؤ ہم کہاں سے درست ہوں- (مشکوۃ شریف)

www.besturdubooks.net

(۸۸) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَ لَا يُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ. (متفق علیه)

(۸۸) براءؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے انصار سے کوئی محبت نہیں رکھے گا مگر مؤمن اور ان سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق جو ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھے گا۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(۸۹) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى صِبْيَانًا وَ نِسَاءً مُقْبِلِيْنَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ. يعنى الانصار (متفق علیه)

(۸۹) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بچوں اور عورتوں کو ایک شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ سب لوگوں میں تم مجھے بہت ہی محبوب ہو بہت ہی محبوب ہو۔ راوی کہتا ہے کہ یہ خطاب آپ کا انصار کے بچوں اور عورتوں کو تھا۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے)

(۹۰) عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ. (متفق علیه)

و فى رواية عن ابى هريرة عندهما اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَ اَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ.

(۹۰) براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسنؓ آپ کے کاندھے پر ہیں اور ان کے لیے آپ یہ دعا فرما رہے ہیں اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں شیخین نے یہ روایت کیا ہے اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی محبت فرما۔

---

(۸۸) ٭ احبه الله اور ابغضه الله کو اگر جملہ دعائیہ بنا دیا جائے تو بھی ممکن ہے یعنی خدا ان سے محبت کرے اور خدا ان سے بغض رکھے۔ اس حدیث کی تشریح کتاب الایمان میں کی جا چکی ہے۔

(۸۹) ٭ مہاجرین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ و خاندان تھے۔ انصار نے غیر ہو کر جو آپ کی مدد کی اس میں خدا کے رسول سے محبت کے سوا اور کیا جذبہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہر موقعہ پر آپ بھی ان سے محبت آمیز کلمات فرما کر ان کی ہمت افزائی فرمایا کرتے اور یہ بتلایا کرتے تھے کہ خدا کے رسول کو ان کی اس جاں نثاری کی کتنی قدر ہے۔

(۹۰) ٭ رسول کی محبت رکھو گے تو خدا کی محبت پیدا ہو جائے گی اور اگر رسول تم سے محبت کرے گا تو تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱) اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اس آیت میں اتباع رسول کا ثمرہ خدائے تعالیٰ کی محبوبیت قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی محبت کا اظہار فرمایا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست کی ہے کہ وہ انہیں اپنا محبوب بنا لے۔ اصل یہ ہے کہ محبت میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔ ایک کا محب دوسرے کا محب ہے اور ایک کا محبوب دوسرے کا محبوب بن کر رہتا ہے۔ پہلے روایت میں گذر چکا ہے کہ اہل بیت کی محبت کا اصل رشتہ خدا کے رسول ہی کی ذات مقدس ہے اسی طرح انصار، صحابہ، عرب کی محبت بھی اسی ایمانی رشتہ سے وابستہ ہے۔

www.besturdubooks.net

محبة كل ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحبه

(۹۱) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السبتية قَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ وَ يَتَوَضَّأُ فِيهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا.

(رواه الترمذی وغیرہ)

(۹۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَقَالَ أَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذَالِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ وَ مَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَ قَدِيدٌ قَالَ أَنَسٌ فَرَأَيْتُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرغوب چیز کا مرغوب ہو جانا

(۹۱) عبید بن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا- میں دیکھتا ہوں کہ آپؓ ہمیشہ بے بال چمڑے کے چپل پہنا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی چپل پہنے دیکھا تھا جس پر بال نہ ہوا کرتے تھے اس لیے مجھے بھی ایسے ہی چپل پہننا پسند ہیں-

(اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

(۹۲) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ کھانا تیار کیا اور آپؐ کی دعوت کر دی- میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے پر گیا- انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں لوکی اور گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے- میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی کے ٹکڑے پیالے میں چاروں طرف تلاش کر رہے

---

(۹۲) ✱ عام محبت بھی جب رسوخ پیدا کر لیتی ہے تو نفسیات وطبعیات بلکہ شکل وشباہت پر اس کا اثر پڑنے لگتا ہے-- جس محبت کا نام ایمان ہے اس میں چونکہ عقیدت بھی شامل ہو جاتی ہے اس لیے اس کی تاثیر بھی کچھ اور ہے- شیخ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں- ذكر اصحابنا ان من قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب القرع فقال اخر لا احب القرع يخشى عليه من الكفر. (ج۵ ص ۴۴۶) ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی پسند فرماتے تھے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو لوکی پسند نہیں ہے تو اس بے محل انکار پر اس کے کفر کا اندیشہ ہے-

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کے لیے امراض میں مبتلا ہونے اور اس پر صبر کے ثواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے کہا يا رسول الله وما الاسقام والله ما مرضت قط فقال قم عنا فلست منا. (ابوداؤد) یارسول اللہ میں تو بیماری کا نام بھی نہیں جانتا اور نہ خدا کی قسم اب تک کبھی بیمار پڑا ہوں- آپ نے فرمایا جا ہمارے پاس سے اٹھ جا تیرا ہم سے کوئی واسطہ نہیں یا جیسا صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کی ممانعت کی ہے ان کے ایک فرزند نے کہا- ہمارے زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں ہم تو ضرور روکیں گے اس پر ابن عمرؓ نے اتنا برا بھلا کہا کہ شاید کبھی عمر بھر کسی کو نہ کہا تھا اور مسند امام احمد میں ہے کہ پھر مرتے دم تک ان سے بات نہ کی- ان سب مقامات پر بات خواہ کتنی ہی سچی ہو مگر انداز چونکہ گستاخانہ تھا اس لیے دونوں جگہ عتاب ہوا- ایسے وقت جب کہ رسول مسلمانوں کے حق میں بیماری کے فضائل بیان کر رہا ہے یہ کہنا کہ ....

www.besturdubooks.net

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَي الصَّحْفَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الشيخان و في رواية للترمذي) قَالَ اَنَسٌ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ.

ہیں بس اس دن سے لوکی مجھے محبوب ہو گئی۔
(اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے)
اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے۔
انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے جس سالن میں بھی میں لوکی ڈلوا سکتا تھا ڈلوا لیتا تھا۔

الزهادة في الدنيا و ايثار الفقر على الغنى

دنیا سے بے رغبتی اور فقر کی زندگی کو ترجیح دینا

(۹۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّكَ قَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ وَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ اَسْرَعُ اِلٰى مَنْ يُحِبُّنِيْ مِنَ

(۹۳) عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں آپؐ سے محبت رکھتا ہوں' آپؐ نے فرمایا دیکھ کیا کہتا ہے' اس نے پھر کہا خدا کی قسم میں آپؐ سے محبت رکھتا ہوں تین بار کہا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو سچ بولتا ہے تو پھر فقر کی تکلیفوں کے لیے اپنے واسطے ایک آہنی جھول تیار کر لے کیونکہ فقر مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے جیسا نشیب میں روکا

ﷺ .... کہ میں تو بیماری کو جانتا بھی نہیں کسے کہتے ہیں یا حدیث رسول سن کر یہ کہنا کہ ہم تو روکیں گے خود رسول اللہ اور حدیث رسول کا صورۃ مقابلہ کرنا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو سن کر فوراً یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں انتہائی گستاخی و بدتہذیبی ہے اسی لیے امام ابو یوسفؒ نے تو ایسے شخص کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ اگر حب ایمانی اس درجہ پیدا ہو چکی ہے تو بالیقین آپ کے اوضاع و اطوار نفسیات و طبعیات بھی بدل جائیں گے اگر یہ مقام حاصل نہیں ہے تو معارضہ و مقابلہ کرنے کی حاجت بھی کیا ہے اگر آپ کو لوکی مرغوب نہیں ہے نہ سہی' انگریز کی محبت میں آپ نے اپنے لباس و طعام شکل و شباہت کا جو حال بنا ڈالا ہے ایک مرتبہ ذرا اس پر غور کر لیجئے۔ پھر جو حال یہاں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغوبات کے متعلق سنا یہی حال مکروہات کا بھی سمجھ لینا چاہیے۔

(۹۳) ✱ (تجفاف) لغت میں اس زرہ یا جھول کو کہتے ہیں جو جنگ میں گھوڑے کی حفاظت کے لیے اس پر ڈال دی جاتی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ محبت رکھتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کی ہم رنگ زندگی اختیار کرے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر بھوکوں کو کھانا کھلا دے اور خود بھوکا رہ جائے۔ پانی دوسرے پیاسوں کو پلا دے اور خود پیاسا رہ جائے۔ اپنی سواری دوسرے ضرورت مند پیادوں کو دے دے اور خود پیدل چلے۔ غرض اپنا مال و اسباب سب دوسروں کو تقسیم کر ڈالے ان کو غنی بنا دے اور خود فقیر بن جائے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کے رسول کی محبت رکھنے والے فقیر ہی ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی ہمدردی میں وہ اپنی زندگی خود فقیرانہ بنا لیتے ہیں۔ دنیا میں ہر غمزدہ کا غم ان کے لیے موجب غم ہوتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے بھوکے ہوں یہ شکم سیر' دوسرے پیاسے ہوں یہ سیراب' دوسرے ننگے پھریں اور یہ لباس فاخرہ پہنیں۔ اب اگر کوئی شخص اتنا وسیع ظرف رکھتا ہے کہ وہ ﷺ ....

www.besturdubooks.net

السَّيْلِ اِلٰی مُنْتَاہُ. (رواہ الترمذی)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حسن غریب و فی حدیث ابی سعید و حسنه اِنَّ الْفَقْرَ اِلٰی مَنْ يُّحِبُّنِیْ مِنْكُمْ اَسْرَعُ مِنَ السَّيْلِ مِنْ اَعْلَى الْوَادِیْ.

ارتكاب المعصية لاينا فی محبة الله و رسوله

(الف۹۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اسْمُهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَ كَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَ كَانَ يُضْحِكُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهٗ فِی الشَّرَابِ

پانی- (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

اور اس کو حسن غریب کہا ہے اور ابو سعیدؓ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں بلاشبہ فقر اس شخص کی طرف جو تم میں مجھ سے محبت رکھتا ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے جیسا وادی کی بلندی سے پانی-

گنہگار کو بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت ہو سکتی ہے

(الف۹۴) عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا اس کا نام عبداللہ اور اس کا لقب حمار تھا- وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے کے جرم میں ایک مرتبہ اس کے کوڑے لگانے کا حکم دے چکے تھے- ایک دن پھر اسی شکایت میں وہ دوبارہ گرفتار ہو کر آپؐ کے سامنے پیش ہوا پھر اس کے کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا گیا کوڑے لگا دیئے گئے

☜.... اپنی تمام راحت و رفاہیت کو دوسروں پر قربان کر دے تو بے شک اس کو آپ کی محبت کا دعویٰ کرنا چاہیے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے مدعی محبت کو مصائب و آلام کی یہ تمام وادیاں عبور کرنی ہونگی اور بخوشی عبور کرنی ہوں گی- اب اگر کوئی باہمت ہے تو آئے اور اس میدان میں قدم رکھے ورنہ وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں سمجھا جا سکتا

کوتاہ دیدگان ہمہ راحت طلب کنند عاشق بلا کہ راحت او در بلاء تست

اس کے بعد اب اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ اور اولیاء کرام کا تذکرہ پڑھیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام میں دولت درحقیقت غربا کے لیے ہمیشہ ایک رزرو بینک کی حیثیت میں سمجھی گئی ہے-

(الف۹۴) ✽ ہر دور میں کچھ لوگوں کے مزاج میں خوش طبعی کا مضمون ہوتا ہے اور اپنے اسی طبعی مزاج کے مطابق وہ جہاں بیٹھتے ہیں ہنسی کی باتیں کیا کرتے ہیں- اگر اتنی بات اپنے حدود میں رہ کر ہو تو چنداں معیوب بھی نہیں- فتح الباری میں ان کے مذاق کی ایک دلچسپ داستان بھی مذکور ہے ملاحظہ کیجئے- حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کا ہے- عرب کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی اور اسی لیے اس کی حرمت بھی آہستہ آہستہ نازل ہوئی ہے- اسی درمیان میں بعض آزاد طبائع سے اس میں تساہل ہو گیا ہے مگر اس تساہل کا شرعی نتیجہ پھر بھی انہیں بھگتنا پڑا ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ اگر کوئی نوآموز' کمزور فطرت' کسی صبر آزما منظر کو دیکھ کر استقامت نہیں دکھلا سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر لعنت برسائی جائے اور بجائے دعا کے اس کے لیے اور بد دعائیں کی جائیں- یہ ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ ایک طرف قلب میں خدا و رسول کی محبت کی تڑپ بھی موجود ہو اور دوسری طرف تقاضائے محبت کے علمی استحضار میں کچھ قصور رہے اور اس لیے اس تڑپ کا پورا پورا اقتضاء پورا نہ ہو سکے- ☜....

www.besturdubooks.net

فَاُتِیَ بِهٖ یَوْمًا فَاَمَرَبِهٖ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا اَکْثَرَ مَا یُؤْتٰی بِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ یُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ.

(رواه البخاری)

اس پر ایک شخص بولا یہ شراب کے مقدمہ میں کتنا کثرت سے گرفتار کر کے لایا جاتا ہے (اور باز نہیں آتا) اے خدا تو اس پر لعنت فرما' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت مت برساؤ' بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔

(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

ثواب محبة رسول الله صلی الله علیه وسلم

(۹۴ب) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَتَی السَّاعَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ثمرہ

(۹۴ب) انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا قیامت کے لیے بھلا تو نے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا کچھ نہیں نہ بہت سی نمازیں

لے .... اسی قسم کے ایک دوسرے واقعہ میں مذکور ہے کہ صحابہؓ نے اس شخص کو اخزاک اللہ (خدا تجھے رسوا کرے) کہہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتقولوا ھکذا' لاتعینوا علیه الشیطان (بخاری) اور دوسری روایت میں ہے و لکن قولوا اللھم اغفرله اللھم ارحمه (ابوداؤد) یہ کلمات مت کہو اور اس کے مقابلہ میں شیطان کی اعانت مت کرو۔
وہ بھی اس کو شراب پلا کر رسوا کرنا چاہتا تھا۔ تم بھی بد دعائیں کر کے اس کا مقصد پورا کرنا چاہتے ہو مناسب یہ ہے کہ اس کے لیے مغفرت اور رحم کی دعا کرو' بالخصوص جب کہ وہ شراب خواری کی پاداش بھگت بھی چکا ہے' امام بخاریؒ نے اس حدیث پر حسب ذیل باب قائم کیا ہے۔ باب مایکره من لعن شارب الخمر و انه لیس بخارج من الملة شراب خوار پر لعنت کرنا پسندیدہ نہیں ہے (بالخصوص جب کہ اس پر حد بھی قائم ہو چکی ہو) اور اس وجہ سے وہ خارج از ملت بھی نہیں ہوتا۔ امام بخاریؒ کی غرض کی تفصیل فتح الباری میں دیکھی جائے۔ معتزلہ کے لیے بالخصوص یہ حدیث قابل غور ہے جو مرتکب کبیرہ کو ایمان کے دائرہ سے باہر سمجھتے ہیں۔
(۹۴ب) ✱ حدیث کا آخری جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے۔ از انجملہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں جب کہ صحابہؓ نے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا تھا جو کسی جماعت سے محبت تو رکھتا ہے مگر ان کے سے عمل نہیں کر سکا۔ آپ نے انہیں یہی جواب دیا تھا المرء مع من احب قیامت میں آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں محبت رکھتا تھا۔ یہاں بھی اسی جملہ کا اعادہ فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخروی آئین میں محبت کا صلہ معیت ہے اور درحقیقت ایک عاشق کی منتہائے تمنا اس کے سوا اور ہے بھی کیا۔ اسی لیے بعض روایات میں حدیث مذکور کے آخر میں ہے قال انس فما رأیت المسلمین فرحوا بشیء بعدالاسلام فرحهم بها۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام کے بعد صحابہ کو اتنا خوش ہوتے ہوئے کسی بات پر نہیں دیکھا جتنا کہ اس خوشخبری پر۔ صاحب مشکوۃ نے بیہقی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے اس معیت کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو ان عبدین تحابا فی الله عزوجل و احد فی المشرق و اخرفی المغرب لجمع الله بینهما یوم القیامة الخ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو شخص جن میں ایک مشرق اور دوسرا مغرب کا رہنے والا خدا کے لیے محبت کریں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک جگہ جمع کر دے گا۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل۔ آدمی اپنے دوست لے ....

www.besturdubooks.net

اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلٰوةٍ وَ لَا صَوْمٍ وَ لَا صَدَقَةٍ وَ لٰكِنِّىْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ.

(رواہ البخاری)

ہیں نہ روزے اور نہ صدقے' ہاں ایک بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر (قیامت میں) تو ان کے ہی ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔

(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

(۹۵) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ قُدَامَةَ ؓ قَالَ هَاجَرْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَاوِلْنِىْ يَدَكَ اُبَايِعْكَ فَنَاوَلَنِىْ يَدَهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اُحِبُّكَ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ.

(رواہ القاضی فی الشفاء)

(۹۵) صفوان بن قدامہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ لایئے اپنا ہاتھ لایئے میں آپؐ سے بیعت کروں۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک بڑھا دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپؐ سے محبت ہے آپؐ نے فرمایا جس سے محبت ہوگی' آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔

(اس حدیث کو شفا میں روایت کیا ہے)

لہ .... کا دین اختیار کرتا ہے اس لیے خوب دیکھ بھال کر دوستی کرے کس سے کرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محبت کا ثمرہ صرف اخروی معیت نہیں ہے بلکہ اس معیت کے آثار اسی دنیا سے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر آخرت کی معیت اسی کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ جس طرح محبت کا نتیجہ معیت ہے اسی طرح معیت کا نتیجہ محبت ہے۔ اگر صحیح طور پر کسی کی معیت میسر آ جائے تو اس کی محبت بھی پیدا ہونا لازمی ہے اس لیے جس طرح دوستی کرنے میں احتیاط ضروری ہے اسی طرح معیت میں بھی احتیاط لازم ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر جنس کی معیت اس کی محبت کا موجب بن جائے۔ یہ اصول صرف آخرت کے لیے نہیں دنیوی زندگی کے لیے بھی بہت کارآمد ہیں۔

(۹۵) ✱ احادیث میں محبت کی جزاء معیت بتلائی گئی ہے اور قرآن کریم میں معیت اطاعت کا صلہ قرار دیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح محبت اطاعت ہی کا نام ہے۔ دعویٔ محبت اور نافرمانی یہ دو باتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ نافرمانی یہ ہے کہ جان بوجھ کر خلاف کرنا' بھول' چوک' غلطی' فطری کمزوری' نافرمانی نہیں ہے اسی لیے پہلی صورت میں ندامت نہیں ہوتی اور ان سب صورتوں میں ندامت ہوتی ہے پھر محبت کے بھی مراتب ہیں ہر مرتبہ کا تقاضہ علیحدہ ہے اس کے ثمرات بھی جدا ہیں اور ان مراتب کے بقدر معیت کے بھی مراتب ہیں جس کی محبت جتنی سچی اور زیادہ ہوگی اس کو معیت بھی اسی کے موافق نصیب ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے مطیعین کے لیے صالحین سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی معیت تک کا وعدہ فرمایا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی نبوۃ کا وعدہ نہیں فرمایا صحابہ کرام دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے ان میں صدیق' شہید' صالح بہت ہوئے مگر نبی کوئی نہیں بنا۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رہنے سے نبوت نہیں ملتی یہ صرف خدائے تعالیٰ کے عطا کی بات ہے اور یہ ہم کو بتلا دیا گیا ہے کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ منصب کسی کو نہیں ملے گا بلکہ دنیا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ختم ہو جائے گی۔

www.besturdubooks.net

(۹۶) عَنْ عَائِشَةَ ؓ كَانَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ لَا يَطْرِفُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُكَ قَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي أَتَمَتَّعُ بِالنَّظَرِ إِلَيْكَ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ رَفَعَكَ اللّٰهُ بِتَفْضِيْلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء:٦٩)

(رواه الطبراني و ابن مردويه كما في الشفاء)

(۹۶) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ٹکٹکی لگائے ایک نظر دیکھ رہا تھا پلک تک نہ جھپکا تا تھا آپ نے فرمایا تجھے یہ کیا ہو گیا ہے اس نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپ کو دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہوں جب قیامت آئے گی اس وقت تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی فضیلتوں کی وجہ سے آپ کو بلند بلند مراتب مرحمت فرمائے گا (پھر ہم کہاں اور آپؐ کہاں) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسول کی حکم برداری کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی نبی' صدیق' شہداء اور صالحین اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔

(اس حدیث کو طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے)

توقير النبي صلى الله عليه وسلم واجلاله

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کرنا

(۹۷) قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ ؓ مَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا أَجَلَّ فِي عَيْنَيَّ وَ مَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ حَتّٰى لَوْ قِيْلَ لِي صِفْهُ مَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَصِفَهُ.

(رواه في الشفاء و شرح المواهب)

(۹۷) عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا اور نہ آپ سے زیادہ میری آنکھوں میں کوئی بزرگ و برتر تھا۔ میں آپ کے جلال و بزرگی کی وجہ سے آپ کو آنکھیں بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا حتیٰ کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ آپ کیسے تھے تو میں آپ کی صورت بیان نہیں کر سکتا۔

(اس حدیث کو شفا اور شرح مواہب میں روایت کیا ہے)

---

(۹۷) ✱ محبت و اجلال دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایمان بالرسول یہ ہے کہ رسول کی محبت اتنی ہو کہ کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو سکے اور نظروں میں اس کی عقیدت و بزرگی اتنی ہو کہ دوسرے کے لیے اس میں گنجائش نہ رہے صرف محبت جرأت و گستاخی ہے اور محض جلال و عظمت بے نمک عقیدت ہے۔ محبت میں ادب اور عظمت میں محبت ملحوظ رہے ایمان یہ ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کو پڑھو تو دونوں تم کو یہی سکھلائیں گے کہ انسانی فرض یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی پوری عظمت کرے مگر وہ عظمت نہیں جس میں صرف ادب ہو بلکہ وہ عظمت جس میں شوق بھی شامل ہو۔ مسلمانوں میں ایک فریق نے محبت میں اتنا غلو کیا کہ گستاخ بن گئے یہ جاہل صوفی ہے اور ایک فریق اعتقاد عظمت میں اتنا بڑھا کہ محبت کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا یہ ملائے خشک ہے۔ راہ صواب ان دونوں کے درمیان ہے رہے وہ لوگ جو رسول کو صرف ایک ریفارمر اور لیڈر کی حیثیت تک سمجھتے ہیں وہ نہ اس کی عظمت سے آشنا ہیں نہ محبت سے۔ جس ایمان میں خدا اور رسول کے حق نمک خواری کی معرفت بھی حاصل نہ ہو وہ کیا ایمان ہے اصل ایمان وہ ہے جو عمرو بن العاص نے حدیث مذکور میں بیان کیا ہے بقول شا

اشتاقه فاذا بدا   اطرقت من اجلاله   ...

www.besturdubooks.net

(۹۸) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ عَلٰى اَصْحَابِهِ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ هُمْ جُلُوْسٌ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ فَلَا يَرْفَعُ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ اِلَّا اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاِنَّهُمَا كَانَا يَنْظُرَانِ اِلَيْهِ وَ يَنْظُرُ اِلَيْهِمَا وَ يَتَبَسَّمَانِ اِلَيْهِ وَ يَتَبَسَّمُ اِلَيْهِمَا.

(رواه الترمذی)

(۹۸) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مہاجرین وانصار مع ابوبکرؓ وعمرؓ کے (جمع ہوتے تھے) آپؐ ان کے پاس باہر تشریف لاتے تو ان میں کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جو آپؐ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکتا سوائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ یہ دونوں صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے اور آپؐ انہیں دیکھا کرتے - یہ آپؐ کو دیکھ دیکھ کر مسکرایا کرتے آپؐ بھی انہیں دیکھ دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۹۹) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍؓ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُهٗ حَوْلَهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمِ الطَّيْرُ.

(رواه الاربعة و صححه الترمذی و رواه الترمذی فی الشمائل فی باب خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم ايضًا)

(۹۹) اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ کے صحابہ آپؐ کے اردگرد (ادبا) اس طرح بے حس وحرکت خاموش بیٹھے ہیں گویا ان کے سروں پر کوئی پرندہ (گھوم رہا) ہے۔

(اس حدیث کو چار کتابوں میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے)۔

ﷺ .... میں اس کے دیدار کا مشتاق رہتا ہوں مگر جب وہ جلوہ نما ہوتا ہے تو مارے اس کے جلال و بزرگی کے میرا سر نیچا ہو جاتا ہے اور دیدار سے پھر محروم رہ جاتا ہوں پس ایمان کو اس اشتیاق واجلال کے درمیان سمجھنا چاہیے۔

(۹۸) * خالص محبت میں تکلف کی حدود اٹھ جاتی ہیں مگر ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا - ابوبکرؓ وعمرؓ جب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نشاطِ خاطر کا احساس کر لیتے تو شوق نظارہ کے لیے سب سے پہلے ان کی نظریں بے تاب ہوتیں اور جب ذرا طور بدلے ہوئے دیکھتے تو سب سے پہلے آثار خوف ان ہی پر ظاہر ہوتے - ذوالیدین کے طویل قصہ میں جہاں آپؐ کو نماز کے اندر ایک سہو پیش آ گیا تھا- راوی نے خاص طور پر ان حضرات کا ذکر کر کے کہا ہے فهابا ان يكلماه . یہ دونوں حضرات بات کرتے ہوئے ڈرے اور انہیں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس سہو کے متعلق لب کشائی کرتے ہاں ایک شخص ذوالیدین تھے انہوں نے بادب واقعہ عرض کیا - یہ ادب کے ساتھ الفت اور الفت کے ساتھ ادب کے رموز ہیں - ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی -

(۹۹) * كانما على رؤسهم الطير - یہ ایک مثل ہے جو عرب میں انتہائی سکون کے لیے بیان کی جاتی ہے - اصل یہ ہے کہ شکاری جب کسی پرندہ کے شکار کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے اعضاء کو ساکن رکھنے کی انتہائی کوشش کیا کرتا ہے - پھر ہر سکون کے موقعہ پر اس کو بطور مثل استعمال کرنے لگے ہیں۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۰) قَالَ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ حِيْنَ وَجَّهَتْهُ قُرَيْشٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَامَ الْقَضِيَّةِ وَرَاٰى مِنْ تَعْظِيْمِ اَصْحَابِهٖ لَهٗ مَارَاٰى اَنَّهٗ لَا يَتَوَضَّأُ اِلَّا ابْتَدَرُوْا وَضُوْئَهٗ وَ كَادُوْا اَنْ يَقْتَتِلُوْا عَلَيْهِ وَ لَا يَبْصُقُ بُصَاقًا وَ لَا تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا تَلَقَّوْهَا بِاَكُفِّهِمْ فَدَ لَكُوْبِهَا وُجُوْهَهُمْ وَ لَا تَسْقُطُ مِنْهُ شَعْرَةٌ اِلَّا ابْتَدَرُوْهَا وَ اِذَا اَمَرَهُمْ بِاَمْرٍ ابْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَ اِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُ عِنْدَهٗ وَ لَا يُحِدُّوْنَ اِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهٗ فَلَمَّا رَجَعَ اِلَى قُرَيْشٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنِّيْ جِئْتُ كِسْرٰى فِيْ مُلْكِهٖ وَ قَيْصَرَ فِيْ مُلْكِهٖ وَ النَّجَاشِيَّ فِيْ مُلْكِهٖ وَ اِنِّيْ وَ اللّٰهِ مَا رَاَيْتُ مَلِكًا فِيْ قَوْمٍ قَطُّ مِثْلَ مُحَمَّدٍ فِيْ اَصْحَابِهٖ هذا بعض من حديث طويل رواه البخاری و من هذا لما اذنت قريش لعثمان فی الطواف بالبيت حين وجهه فی القضية ابی و قال ما كنت لا فعل حتی يطوف به رسول الله صلی عليه وسلم . ذكره اصحاب السير.

(۱۰۰) ساتویں سال جب قریش نے عروہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تو اس نے آپؐ کے صحابہ کی حیرت انگیز تعظیم کا جونقشہ دیکھا وہ ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے- وہ وضو کرتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وضو کے پانی پر خلقت اس طرف ٹوٹ پڑتی ہے کہ اب ان میں جنگ ہوئی اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بلغم یا تھوک گرتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے ہیں جب ان کا کوئی بال گرتا ہے تو جلدی سے اس کو لپک لے جاتے ہیں جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کو پورا کرنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں جب بات کرتے ہیں تو ان پر خاموشی چھا جاتی ہے کوئی شخص نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ نہیں سکتا- عروہ جب واپس ہوا تو اس نے کہا اے گروہ قریش میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں خدا کی قسم کسی بادشاہ کو اپنی رعایا کے درمیان ایسا باعظمت و رعب نہیں دیکھا جیسا اپنے رفقا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو- یہ بخاری کی طویل روایت کا ایک مختصر ٹکڑا ہے- اس واقعہ میں اصحاب سیر نے یہ اور ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا اور ان سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے کہا اے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اگر صرف تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کرنے سے پیشتر میں طواف کرلوں-

(۱۰۱) وَ فِيْ حَدِيْثِ طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱۰۱) طلحہؓ کے قصہ میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپؐ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے آپؐ سے براہ راست سوال کرتے ہوئے

---

(۱۰۱) * پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے ''ان میں کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جاں نثاری کا جو عہد کیا تھا سچ کر دکھایا- پھر ان میں سے بعض تو اپنی منت پوری کر گئے اور بعض ایسے ہیں جو ابھی منتظر ہیں-'' یہاں منافقین کی عہد شکنی کے برخلاف مسلمانوں کے عہد پورا کرنے کا ذکر ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کو زبان دی تو اسے پورا بھی کر دیا- ان میں سے کچھ تو اپنی منت پوری کر گئے یعنی جہاد میں جان دے چکے جیسے بدر و احد کے شہداء اور کچھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان ہونے کی راہ دیکھ رہے ہیں- یہاں حضرت طلحہؓ کو لے....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ قَالُوْا لِاَعْرَابِیٍّ جَاهِلِیٍّ سَلْهُ عَمَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ كَانُوْا يَهَابُوْنَهٗ وَ يُوَقِّرُوْنَهٗ فَسَاَلَهٗ فَاَعْرَضَ عَنْهُ اِذْ طَلَعَ طَلْحَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَقَالَ هٰذَا مِمَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ.

(رواه الترمذی و حسنه)

ڈرتے تھے اس لیے انہوں نے ایک دیہاتی شخص سے کہا کہ وہ آپؐ سے دریافت کرلے کہ قرآن کریم میں ﴿فمنهم من قضیٰ نحبه﴾ (الاحزاب:۲۳) کا مصداق کون شخص ہے۔ اس نے آپؐ سے پوچھا مگر آپؐ نے اسے جواب نہ دیا' اس اثناء میں طلحہ آنکلے تو آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جو آیت بالا کا مصداق ہیں۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۱۰۲) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْحَلَّاقُ يَحْلِقُهٗ وَ قَدْ اَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِیْ يَدِ رَجُلٍ.

(رواه مسلم فی حدیث طویل)

(۱۰۲) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کا سر مونڈ رہا ہے صحابہ آپؐ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور مقصد صرف یہ ہے کہ جو بال آپؐ کے سر مبارک سے گرے' وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پڑ جائے۔

(اس حدیث کو مسلم میں روایت کیا ہے)

(۱۰۳) فِیْ حَدِيْثِ قَيْلَةَ فَلَمَّا رَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا الْقُرْفُصَاءَ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ. (رواه الترمذی فی الشمائل)

(۱۰۳) قیلہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرفصاء کی شکل پر بیٹھا ہوا دیکھا تو مارے خوف کے میرے جسم پر لرزہ پڑ گیا۔ (اس حدیث کو ترمذی نے شمائل میں روایت کیا ہے)

﴾.... آپ نے ممن قضی نحبه کی فہرست میں شمار کیا گویا اسی زندگی میں ان کو شہید قرار دے دیا۔ جامع ترمذی میں جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ کو دیکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ وہ شخص ہیں جن کا ہاتھ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں شل ہو کر رہ گیا تھا۔ ان کی جاں نثاری کی وجہ سے ان کو اس فہرست میں شمار کرلیا گیا جو شہید ہو چکے تھے۔

(۱۰۲) ❊ اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ تبرک کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے۔ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں کہ آپؐ کا حلق کرانا صرف حج وعمرہ میں ثابت ہوتا ہے۔ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈنے اور ناخن تراشنے والے کا نام معمر بن عبداللہ عدوی ہے۔ ابن اثیر نے ان کا نام خراش بن امیہ لکھا ہے۔ اور جنہوں نے مقام جعرانہ میں سر مبارک مونڈا ہے ان کا نام ابو ہند ہے۔[1]

(۱۰۳) ❊ قرفصاء ایک خاص قسم کی سرسری اور نہایت معمولی نشست ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی رانیں پیٹ سے لگالی جائیں اور ہاتھوں کو پنڈلیوں سے باندھ کر سرین کے بل بیٹھ جائے یہ ایک عامیانہ اور غریبوں کی نشست ہے جس کی نظروں میں کسی کی ہیبت وعظمت سما جاتی ہے وہ جس انداز میں بھی دیکھے ہیبت زدہ ہو جاتا ہے یا یوں کہیے کہ خدائی ہیبت ہر حال میں اپنا اثر دکھلاتی ہے یہاں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔

---

[1] نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۳۹۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۴) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَعُوْنَ بَابَهُ بِالْاَظَافِيْرِ. (رواه الحاكم و البيهقي)

(۱۰۴) مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (ضرورت کے وقت) آپ کا دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ (حاکم وبیہقی)

(۱۰۵) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ لَقَدْ كُنْتُ اُرِيْدُ اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاَمْرِ فَاُؤَخِّرُ سَنَتَيْنِ مِنْ هَيْبَةٍ. (رواه ابو يعلى و صححه)

(۱۰۵) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتا تو مارے خوف کے دو دو سال تک نہ پوچھ سکتا تھا۔
(اس حدیث کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے)

النهى عن رفع الصوت فوق صوت النبي صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنے کی ممانعت

(۱۰۶) عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهُمْ اَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيْمٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدٍ وَ قَالَ عُمَرُ اَمِّرِ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا اَرَدْتَ اِلَى اَوْ اِلَّا خِلَافِي فَقَالَ عُمَرُ مَا اَرَدْتُ خِلَافَكَ فَتَمَارَيَا حَتّٰى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا فَنَزَلَ فِي ذٰلِكَ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات:۱) حَتّٰى انْقَضَتِ الْاٰيَةُ. (رواه البخاري)

و في رواية نافع فما كان عمر يسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد هذه الاية حتى

(۱۰۶) ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے بیان کیا' بنو تمیم کا ایک قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابو بکرؓ بولے قعقاع بن معبد کو ان کا امیر بنا دیجئے۔ عمرؓ بولے اقرع بن حابسؓ کو بنا دیجئے۔ ابو بکرؓ نے فرمایا تم نے تو بس میری مخالفت ہی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ میں آپؓ کی مخالفت نہیں کرتا (بلکہ میری رائے یہی ہے) دونوں میں جھگڑا بڑھ گیا حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیت اتر آئی۔ اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو خدا اور اس کے رسول کے سامنے ان سے آگے نہ بڑھا کرو (بلکہ ہر بات میں ان کے فیصلہ کا انتظار کیا کرو) آخر آیت تک اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ نافع جو اس حدیث کے دوسرے طریقہ میں ایک راوی ہیں' روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد عمر اتنی آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دوبارہ دریافت نہ کرتے کچھ سمجھ میں نہ آتا کیا فرماتے ہیں۔ فتح الباری

---

(۱۰۴) ✱ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کا دروازہ لکڑی کا تھا۔ خفاجی نے یہاں کچھ جوابدہی کی ہے ہمارے نزدیک دروازے کی دیوار کے کھٹکے پر بھی حدیث کے الفاظ صادق آسکتے ہیں عرف میں دروازہ کی دیوار کو بھی دروازہ کہہ دیا جاتا ہے اس لیے کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپؐ کا دروازہ لکڑی کا ہو بلکہ اگر دروازہ پر پردہ پڑا ہوا ہو جب بھی یہ حدیث بلا تکلف صادق آسکتی ہے۔

(۱۰۵) ✱ یہ اختلاف حالات اور اشخاص کی بات ہے اسے کلیہ بنانا نہیں چاہیے۔

www.besturdubooks.net

یستفهمه و فی الفتح عن ابی بکر قلت یا رسول الله الیت ان لا اکلمک الا کاخی الا سرار.

(۱۰۷) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ ثَابِتُ بْنُ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِیْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾(الحجرات:۲) اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِیْ بَیْتِهٖ وَ احْتَبَسَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ مَا شَاْنُ ثَابِتٍ اَیَشْتَکِیْ فَاَتَاهُ سَعْدٌ فَذَکَرَ لَهٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَ قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ مِنْ اَرْفَعِکُمْ صَوْتًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَنَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَذَکَرَ ذٰلِکَ سَعْدٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ. (رواه مسلم و البخاری مثله)

میں ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قسم کھالی ہے کہ اب میں آپؐ سے اس طرح آہستہ بات کیا کروں گا جیسے کوئی اپنا راز آہستہ آہستہ کہتا ہے۔

(۱۰۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے خطیب تھے جب یہ آیت نازل ہوئی ۔اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ (آخر آیت تک) تو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر بیٹھ رہے اور آپؐ کی خدمت میں آنا جانا بند کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے ہیں؟ کیا بیمار ہیں؟ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کا حال ان سے بیان کیا' ثابت بولے کہ اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت نازل ہو چکی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تم سب میں زیادہ میری ہی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ تو مجھے غم یہ ہے کہ میں کہیں دوزخی نہ ہوں سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخی نہیں بلکہ جنتی شخص ہیں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور بخاری نے بھی اسی کے قریب روایت کیا ہے۔

---

(۱۰۷) * سورۂ حجرات کی ابتدائی کئی آیتیں بارگاہ نبوت کا ادب سکھلانے کے لیے اُتری ہیں عرب اپنی سادہ فطرت سے ان دقیق آداب سے اب تک ناآشنا تھے جن کو نبوت کا نازک مقام مقتضی تھا۔ اسلام نے آکر جہاں ان کو رفتہ رفتہ بھائی بھائی' ماں باپ اور تمام باہمی رشتوں کے آداب بتلائے۔ اس کے ساتھ ہی اب وقت آگیا تھا کہ انہیں خدا اور رسول کے وہ آداب بھی بتلا دیے جائیں جن سے غفلت اختیار کرنا کئے کرائے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک ادب یہ تھا کہ رسول کے سامنے اس طرح زور زور سے بے باکانہ گفتگو کی جائے جیسے باہمی ایک دوسرے کے سامنے کی جاتی ہے اور نہ اس طرح اس کو پکارا جائے جیسا کہ آزادانہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارا جاتا ہے۔ یہ طور و طریق احترام نبوت کے خلاف ہے اور جو نبوت کا احترام نہیں کرتا خطرہ ہے کہ اس کے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔ ثابت بن قیسؓ قدرۃً بلند آواز تھے یہ سن کر ڈر گئے' اور سمجھے کہ بارگاہ نبوت میں یہ گستاخی مجھ سے بارہا سرزد ہو چکی ہے اس لیے میرا اب کہاں ٹھکانا ہو گا۔ رحمۃ للعالمین کو جب یہ خبر ملی تو ان کی اس اداء پر آپؐ کا دل بھر آیا اور آپ نے اس ادب کی وجہ سے جس سے ان کا قلب معمور تھا ان کو جنت کی بشارت سنا دی۔ اور ان کی اس بلند آوازی کو جو قدرۃً تھی قابل عفو سمجھا۔ معلوم ہوا کہ ادب کا اصل ....

www.besturdubooks.net

النهي عن رفع الصوت في مسجد رسول الله ﷺ بعدوفاته ﷺ

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت

(۱۰۸) عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْبَلَدِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رواه البخاری)

(۱۰۸) سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا ہوا تھا ایک شخص نے میرے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے فرمایا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ' میں انہیں لے آیا فرمایا تم کون لوگ ہو یا یہ فرمایا کہاں کے ہو؟ انہوں نے جواب دیا طائف کے باشندہ ہیں' فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں اس وقت تمہیں سزا دیتا - تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں بلند کررہے ہو-

(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

رفع الصوت اذا كان عن الازواج في امرهن اوعن اعرابي جاهل

خانگی معاملات میں اہل خانہ کی یا ناواقف بادیہ نشین کی آواز بلند ہو جانا قابل اغماض ہے

(۱۰۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۰۹) سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے اجازت طلب کی اس وقت آپ کے پاس

.... دارو مدار قلب پر ہے پھر ظاہر میں اس کے لیے کچھ علامات بھی مقرر ہیں - اگر قلب کی گہرائیوں میں ادب موجود ہے تو ظاہر کی فروگذاشت سے اغماض کیا جاسکتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب آپ کے کلام یعنی حدیث شریف کو سن کر اس کا معارضہ و مقابلہ کرنا اس کا مذاق اڑانا تن آسانی اور ہوا پرستی کے لیے اس کی تاویلات کرنا' یہ سب آپ کی ہی گستاخی کے برابر ہے - دنیا اگر کسی شاعر کا احترام کرتی ہے تو اس کے کلام کو بھی بنظر احترام دیکھتی ہے پھر انصاف کرو کہ کیا رسول کا مرتبہ ایک شاعر سے بھی کم ہے -

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول کے صحیح احترام وادب کی توفیق دے -

(آمین یا رب العالمین)

(۱۰۸) * چونکہ یہ لوگ باہر کے رہنے والے تھے اس لیے ان کو معاف کر دیا گیا - اہل مدینہ چونکہ ان آداب سے آشنا ہو چکے تھے اس لیے اگر ان سے ایسی غفلت ہوتی تو قابل اغماض نہ ہوتی - اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب وفات کے بعد بھی اسی طرح تھا جیسا کہ زمانہ حیوۃ میں -

(۱۰۹) * شارحین بخاری تصریح کرتے ہیں کہ قریشی عورتوں سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں ہیں اور دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گفت وشنید کچھ نفقہ کے متعلق تھی - باپ بیٹے' شوہر بی بی' بھائی بھائی' دوست دوست کے آداب علیحدہ ہیں شوہر بی بی کے درمیان بے تکلفی کا بھی ایک تعلق ہے اگر اس بنا پر خانگی معاملات میں انداز بے تکلفی پیدا ہو جائے تو یہ قابل اغماض ہے اسی لیے ....

www.besturdubooks.net

وَ عِنْدَهُ نِسَاءٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَ يَسْتَكْثِرْنَهُ عَالِيَةً اَصْوَاتُهُنَّ فَلَمَّا اسْتَاْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ يَبْتَدِرْنَ الْحِجَابَ فَاَذِنَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ فَقَالَ عُمَرُ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِیْ كُنَّ عِنْدِیْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ بِالْحِجَابِ قَالَ عُمَرُ فَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنْتَ اَحَقَّ اَنْ يَهَبْنَ ثُمَّ قَالَ اَیْ عَدُوَّاتِ اَنْفُسِهِنَّ اَتَهَبْنَنِیْ وَ لَا تَهَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ نَعَمْ اَنْتَ اَفَظُّ وَ اَغْلَظُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ. (رواه البخاری)

قریش کی چند بیبیاں باتیں کر رہی تھیں اور آپؐ سے اپنی مقرر مصارف سے زیادہ کا مطالبہ کر رہی تھیں اس گفت وشنید میں ان کی آوازیں بھی اونچی ہو رہی تھیں جب حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی تو فوراً وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور جلدی جلدی پردہ میں جا بیٹھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کو اندر آنے کی اجازت دے دی (عمرؓ آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے- پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا آپؐ کو ہمیشہ خوش رکھے کیا بات ہے- فرمایا مجھے ان عورتوں پر جو ابھی میرے پاس تھیں تعجب ہو رہا ہے (کہ یا تو یہ زور وشور سے گفتگو ہو رہی تھی) تمہاری آواز سنی تو سب جلدی جلدی پردہ میں چلی گئیں- عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خوف اور ڈر کے زیادہ مستحق تو آپؐ تھے اس کے بعد ان کی طرف مخاطب ہو کر بولے اپنی جانوں کی دشمنو! مجھ سے تو ڈرتی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں- انہوں نے کہا بے شک آپؐ زبان کے تیز اور مزاج کے سخت بھی ہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کہیں شیطان راستہ چلتے تمہیں مل جاتا ہے تو فوراً تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ لے لیتا ہے-

(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

(۱۱۰) عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ فِیْ طَوِيْلِ حَدِيْثٍ قَالَ اَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِیَّ فَقَالَ لِیْ مَاجَاءَ بِكَ قُلْتُ اِبْتِغَاءُ الْعِلْمِ. قَالَ فَقُلْتُ فَهَلْ

(۱۱۰) زر بن حبیش ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں میں صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا علم کی تلاش میں- میں نے ان

؎ .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حرکت پر ہنسی آ رہی تھی' آثار ناگواری نہ تھے- ایک ہی بات موقعہ ومحل اور متکلم وسامع کے اعتبار سے مختلف حکم پیدا کر لیتی ہے- یہاں بیبیوں کی بلند آوازی بے ادبی نہیں بلکہ اپنے محبوب تر شوہر کے ساتھ ایک ناز تھا اور آپ کی مسکراہٹ ناز برداری اور کمال خلق تھا- آخر حضرت حسینؓ آپ کے کاندھوں پر بھی سوار ہو جایا کرتے تھے پھر کیا اس کو ادب وبے ادبی سے کوئی تعلق ہے خدا صحیح فہم مرحمت فرمائے-

(۱۱۰) ٭ شائستگی اور ناشائستگی کا تمام دار ومدار آپ کی معیت اور صحبت پر تھا جتنا جو آپ کی صحبت سے دور رہا اتنا ہی اسلامی تہذیب وادب میں پیچھے رہ گیا- یہ شخص تربیت یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی فطری عادت کے مطابق آپؐ کو چیخ کر پکار رہا تھا- صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں ؎ ....

www.besturdubooks.net

حـفِظْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِـي الْهَـوٰى شَيْـئًـا قَالَ نَعَمْ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَنَادَاهُ رَجُـلٌ كَـانَ فِـيْ اٰخِـرِ الْـقَوْمِ بِصَوْتٍ جَهْوَرِيٍّ جِـلْفٍ جَـافٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ لَهُ الْـقَـوْمُ مَـهْ اِنَّـكَ قَـدْ نُهِيـتَ عَنْ هٰذَا فَاَجَابَهُ رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى نَحْوٍ مِنْ صَـوْتِهٖ هَاؤُمْ فَـقَالَ الـرَّجُـلُ يُـحِبُّ الْقَوْمَ وَ لَمَّا يَـلْـحَقْ بِهِمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى الـلّٰـهُ عَـلَيْهِ وَسَـلَّـمَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. (رواه الترمذي في باب فضل التوبة و الاستغفار و ما ذكر من رحمة الله و قال هذا حديث حسن صحيح)

سے پوچھا آپ کو کسی سے محبت رکھنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد یاد ہے فرمایا ہاں ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک گنوار احمق اور درشت طبیعت شخص نے کسی آخری گوشہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زور سے پکارا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں نے اسے روکا اور کہا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پکارنا (بدتہذیبی ہے) اس کی ممانعت ہو چکی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اسی آواز میں اسے "ہوت" کہہ کر جواب دیا اس نے پوچھا ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے مگر عمل میں ان کو نہیں پہنچ سکا (اس کے متعلق کیا مسئلہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخرت میں) آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ (دنیا میں) محبت کرتا تھا۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے)

التوجه بالنبي صلى الله عليه وسلم الى الله سبحانه

اللہ تعالیٰ کے دربار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنا

(۱۱۱) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا ضَـرِيْرَ الْـبَصَـرِ اَتَى الـنَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ فَـقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَنِيْ فَقَالَ اِنْ

(۱۱۱) عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ایک شخص کی نظر میں کچھ نقصان تھا وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپؐ اللہ تعالیٰ سے میری صحت کے لیے دعا فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا چاہو تو دعا کروں اور چاہو تو صبر کرلو

ﷺ.... ہیں کہ اسی بلند آوازی کے ساتھ آپؐ کا جواب دینا اس حکمت پر مبنی تھا کہ اگر یہ اپنی آواز آپؐ کی آواز سے پست نہ کرسکا تو آپؐ نے اپنی آواز اس کی آواز سے بلند کردی تاکہ رسول کی آواز پر آواز بلند کرنے کے نتائج بد سے محفوظ رہے اور اس کے اعمال اکارت نہ ہوں۔ ہمارے نزدیک سیدھی اور بے تکلف بات یہ کہ بلند حیثیت متکلم اپنے مخاطب کی خاطر کبھی قصداً تنزل اختیار کرلیتا ہے تاکہ اس کے درمیان راہ افادہ و استفادہ پورے طور پر کھل جائے اگر متکلم اپنی جگہ رہے اور مخاطب اپنی جگہ تو مخاطب بسا اوقات پورے استفادہ پر قادر نہیں ہوتا اس لیے بادشاہوں میں انداز شہنشاہانہ اور گداؤں میں انداز فقیرانہ اختیار کرنا عین حکمت ہے۔ دوم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں معیت سے مراد عام معیت ہے جنت میں رہنے والے سب ایک ہی جگہ رہنے والے ہیں۔ اگرچہ اپنے اپنے رتبہ کے مناسب ان کے منازل و مقامات میں فرق ہو۔ اس محبت کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے باہمی منازل نسبتاً قریب قریب کردیئے جائیں گے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے ٹھیک اسی کے مقام و منزل میں رہے گا۔ خفاجی شرح شفا میں تحریر فرماتے ہیں۔ "جنت میں معیت سے مراد باہمی اجتماع و ملاقات کی سہولت ہے اگرچہ مراتب و منازل میں فرق رہے"۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۵۲)

www.besturdubooks.net

شِئْتَ دَعَوْتُ وَ اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَتَوَضَّاَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَ يَدْعُوْا بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ لِيَقْضِيَ لِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ. (رواه الترمذي و قال هذا حديث حسن صحيح غريب)

کیونکہ یہ (رضا بقضاء کا مقام) تمہارے لیے بہتر ہے- اس نے عرض کیا آپ دعاء ہی فرما دیجئے آپؐ نے فرمایا اچھا تو اچھی طرح وضو کرو پھر اس طرح دعا کرو' اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نبی الرحمۃ ہیں تیرے دربار میں وسیلہ اختیار کرتا ہوں- اے نبی میں نے اپنے رب کے دربار میں آپؐ کا وسیلہ اس لیے اختیار کیا ہے تاکہ وہ میری یہ ضرورت پوری فرما دے- اے اللہ تو ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرمالے- (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے)

(۱۱۲) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْا. (رواه البخاري)

(۱۱۲) انسؓ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن الخطابؓ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ پہلے ہم تیرے دربار میں اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرتے تھے اور تو بارش برسا دیتا تھا اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں- تو بارش برسا دے بارش ہو جاتی تھی- (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

الاستشفاع باللّٰه على احد جهلٌ بعظمة اللّٰه تعالى

اللہ تعالیٰ کی سفارش کسی مخلوق کے سامنے پیش کرنا اس کی عظمت سے ناواقفی اور جہالت کا ثمرہ ہے

(۱۱۳) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ اَتَى رَسُوْلَ

(۱۱۳) جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱۱۲) * حافظ بدرالدین عینی کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے وسیلہ سے بارش مانگنا بنی اسرائیل میں بھی رائج تھا- (ج ۳ ص ۴۳۶)

حافظ سہیلی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل بھی قریش میں مبارک سمجھے جاتے تھے اور اسی لیے ایک مرتبہ قحط کے موقعہ پر عبدالمطلب نے قریش کے ساتھ جبل ابوقبیس پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی تھی اور وہ قبول ہو گئی تھی حضرت ابوطالب نے اسی قصہ کی طرف اپنے مشہور قصیدہ میں اشارہ کیا ہے جس کے کچھ اشعار صحیح بخاری میں بھی منقول ہیں- شرح مواہب میں ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں قحط پڑا تو لوگ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے- آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی چھت اتنی کھول دو کہ آسمان نظر آنے لگے- گویا یہ بھی ایک طور توسل تھا- لوگوں نے ایسا ہی کیا بارش آئی اور اتنی زور سے آئی کہ ہر جگہ سبزہ اگ آیا اور جانوروں کے جسم چربی کی وجہ سے پھٹ پڑے اور وہ سال عام الفتق ہی کے نام سے مشہور ہو گیا-

(۱۱۳) * خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اگرچہ اپنی صحیح میں تو روایت نہیں کیا مگر اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے- یہ بار بار بتلایا جا چکا ہے کہ قرآنی حقائق صرف خیالی اور بے حقیقت نہیں ہوتے کہ ان سے صرف دماغی تفریح مقصود ہو اور نہ پوری وہ نہ .....

www.besturdubooks.net

اَللّٰهِ اَعْرَابِيٌّ وَ قَالَ جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَ جَاعَ الْعِيَالُ وَ نُهِكَتِ الْاَمْوَالُ وَ هَلَكَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ وَ نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ اِنَّهٗ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ شَانُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ	خدمت میں ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے کہا لوگوں کی جانیں مشقت میں پڑ گئیں' بچے بھوکے مر گئے' مال تباہ ہو گئے' چوپائے ہلاک ہو گئے' اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بارش کی دعا مانگئے- ہم خدا کے سامنے آپؐ کی سفارش چاہتے ہیں اور آپؐ کے سامنے خدا کی سفارش چاہتے ہیں- آپؐ اس کی اس بے جا بات پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور اتنی دیر تک تسبیح فرماتے رہے حتیٰ کہ آپؐ کے رفقا کے چہروں پر بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اے بیوقوف! خدا کی سفارش کسی کے سامنے پیش نہیں کی جاتی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بالا و برتر ہے-

؎ ..... حقیقت رکھتے ہیں جو انسانی دماغ خود تصور کر لیتا ہے اس کا تصور صرف اس کے محسوسات کے دائرہ تک محدود ہوتا ہے یہ اس کا ظلم ہے کہ جو عالم اس کے دائرہ ادراک سے بالاتر ہے اس کا نقشہ بھی وہ اپنے اسی عالم محسوسات کے مطابق کھینچنا شروع کر دیتا ہے- آسمانوں پر عرش رحمٰن کا وجود ایک حقیقت ہے قرآن نے بھی اس کا اعلان کیا ہے- اور احادیث میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے ایک فلسفی اور ایک اعرابی دونوں کے سامنے یہ قرآنی حقیقت پیش کی گئی ہے لیکن ایک اعرابی کا دائرہ محسوسات چونکہ بہت محدود اور سطحی ہوتا ہے-

اس لیے اس کے سامنے طریقہ تفہیم یہی ہے کہ اسی کے محسوسات کے مطابق اس کو سمجھایا جائے- اونٹ' سوار' کجاوہ' نئے کجاوہ کی آواز' وزنی سوار سے کجاوہ کی چرچراہٹ- یہی اس کا دائرہ محسوسات ہے ایک وراء الوراء اور مجرد ہستی کی عظمت و بزرگی ذہن نشین کرنے کے لیے یہ مادی مثال اس کے سامنے رکھی گئی ہے تاکہ وہ اپنے مالوف مشاہدات سے ایک مافوق الادراک حقیقت سمجھنے کے قابل ہو جائے- اب اگر اس طرز بیان سے خدا کی ذات پاک کو کوئی ان حدود میں محدود سمجھنے لگے تو یہ اس کی نافہمی ہے اور اگر عرش اور ماوراء عرش کو صرف ایک فرضی یا دل خوش کن افسانہ قرار دے دے تو یہ بھی اس کا ظلم و کجروی ہے- راہ صواب یہ ہے کہ ان حقائق پر ایمان رکھا جائے اور اس کی صورت کشی سے اجتناب کیا جائے- دوسری بات جو ایمان بالرسول کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ انسان کی کمزوریوں میں سے یہ بھی ایک کمزوری ہے کہ وہ یا تو رسول کا انکار کرتا ہے اور اگر اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کی ہستی کبھی تو خدائی ہستی میں مدغم کر دیتا ہے اور کبھی اس کی حیثیت سے بھی نیچے گرا دیتا ہے- یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا مرکزی نقطہ یہی تھا- یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کیا اور نصاریٰ نے ان کی ہستی کو خدا کی ہستی میں لپیٹ ڈالا اس لیے خاتم النبیین کو ہر موقعہ پر اپنی امت کو تنبیہ کرنا پڑی ہے تاکہ یہ امت اس گمراہی کا پھر اعادہ نہ کرے- یہاں اس اعرابی نے بھی خدا اور رسول کا رشتہ دوستی یا اسی قسم کا کوئی اور رشتہ سمجھا تھا جس میں ایک دوسرے سے سفارش کا حق ہوتا ہے اسی لیے اس نے اپنے پرواز خیال کے مطابق خدا کی سفارش رسول کی بارگاہ میں پیش کی تاکہ رسول کی پوری توجہ اپنی درخواست کی جانب مبذول کرے مگر رسول نے اس کو سمجھایا کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ وارفع ہے کہ اس کے لیے کسی بڑے سے بڑے کے سامنے سفارش کا تخیل قائم کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے سب رسول اسی کے دربار کے سفارشی ہیں اور وہ بھی اس کی اجازت کے بعد- یہ اصلاح صرف زبانی نہ تھی بلکہ اس استحضار عظمت کے ساتھ تھی کہ حاضرین کے چہروں پر بھی اس کا اثر نمایاں ہو رہا تھا گویا تعلیم وہ تھی اور تزکیہ یہ تھا- ؎ .....

www.besturdubooks.net

ذٰلِکَ وَ یَحَکُ اَتَدْرِیْ مَا اللّٰهُ اِنَّ عَرْشَهٗ عَلٰی سَمٰوٰتِهٖ هٰكَذَا وَ قَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَيَاطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ. (رواه ابو داؤد).

تو جانتا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کس قدر بلند ہے اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح قائم ہے اور اس کا نقشہ آپؐ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل پر بنا کر دکھلایا اور وہ اس کی عظمت سے اس طرح چر چر کر رہا ہے جیسا نیا کجاوہ سوار کے بوجھ سے چر چر کرتا ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و ادم بین الروح و الجسد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوۃ سے اس وقت سرفراز ہو چکے تھے جب کہ حضرت آدمؑ میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا

(۱۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ

(۱۱۴) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپؐ

ﷺ.... رسول کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ جب اس کے حدود عظمت خدائی حدود سے ٹکرانے لگتے ہیں تو وہ اس کو اتنی ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے جتنا کہ اپنی توہین کو ایک متوازن سے متوازن طبع انسان اپنی حیثیت سے زیادہ تعریف سن لیتا ہے اور اس پر مسرور بھی ہوسکتا ہے مگر رسول اپنے ادب و احترام، اہانت و حقارت کے دونوں حدود واتنے محفوظ رکھتا ہے کہ گویا یہاں بھی اسے اپنا حظ نفس مقصود نہیں بلکہ خدائی حدود کا تحفظ منظور ہے۔ اگر اس کے منہ پر اسے کوئی یا خیر البریہ کہہ کر پکارتا ہے تو اسے شرم آ جاتی ہے اور وہ گردن جھکا کر کہہ دیتا ہے کہ یہ کلمہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ بلاشبہ وہ سب سے افضل ہے اور جہان کا سید و سردار ہے مگر جب اس کے سامنے اسے انت سیدنا کہا جاتا ہے تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ السید ہو اللہ گویا اگر وہ اپنی تعریف سن سکتا ہے تو صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی حد تک اور اگر اپنی مذمت سے ناخوش ہوتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس منصب رسالت کی توہین ہے غرض دونوں جانبوں میں اس کا غصہ و مسرت خدا ہی کی عظمت کی خاطر ہوتا ہے، سوچو کہ ایسا انسان کیسا پاک انسان ہوگا جو اپنے نفس کے لیے کسی بات کا طالب نہیں اس کی تمام سعی و کوشش یہ ہے کہ وہ خدا کی عظمت کا نقش لوگوں کے دلوں میں قائم کر جائے اور بس۔ جو لوگ رسول کو خدائی عظمت دے کر خوش کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت اس کی ناراضگی خرید رہے ہیں اور جو محروم القسمت رسول کا ادب بھی نہیں جانتے وہ دراصل اپنے خدا کا غصہ مول لے رہے ہیں ۔

محمدا از تو می خواہم خدا را خدایا از تو می خواہم محمدؐ

(۱۱۴) ✽ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مشہور الفاظ ''کنت نبیا و ادم بین الماء و الطین''، ہمیں کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کا صاف طور پر انکار کر دیا ہے البتہ اس کا مضمون قابل تسلیم سمجھا ہے۔ خفاجی شرح شفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) آپؐ کا عالم ارواح میں نبوت سے حقیقۃً سرفراز ہونا۔ (۲) جس طرح صفت وجود میں آپؐ کی ذات سب سے مقدم تھی اسی طرح صفت نبوت میں بھی آپؐ کا سب سے مقدم ہونا اس مضمون کی پوری توضیح کے لیے اس تفصیل کا نقل کرنا ضروری ہے جو حافظ تقی الدین سبکی نے آیت میثاق کی تفسیر میں لکھی ہے۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ (آل عمران : ۸۱)

''اور وہ وقت یاد دلایئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم جو تمہیں کتاب و حکمت دیں پھر خدا کا کوئی رسول ﷺ....

www.besturdubooks.net

اللهِ مَتٰی وَ جَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَ اٰدَمُ بَیْنَ کونبوت کب ملی فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح و

ﷺ .... تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے ساتھ ہو اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔''

حافظ موصوف نے اس آیت کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کا نام ''التعظیم و المنة'' فی معنی قوله تعالیٰ (لتومنن به و لتنصرنه) رکھا ہے۔[1] وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی نمونہ کا عہد لیا گیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں کے لیے یا رعایا سے خلفاء کے لیے اطاعت و نصرت کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ ؐ کا منصب عالی وہ تھا جو امتوں میں انبیاء علیہم السلام کا منصب ہوتا ہے اس لیے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ یہ حقیقت اگرچہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہیں ہو سکی مگر عالم ارواح اور اس عالم سے ماوراء عالم میں جہاں بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ ؐ کا اجتماع ہو گیا ہے' ظاہر ہو گئی ہے۔ پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا تھا جب کہ نماز کے لیے امام کی تلاش ہو رہی تھی۔ اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام کی صفوں میں امامت کی مستحق آپ ؐ ہی کی ذات گرامی ٹھہری۔ گویا امت میں امامت کا جو حق کہ نبی کا ہوتا ہے وہی حق انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرار پایا۔ دوسرا اجتماع محشر میں ہوگا وہاں بھی سب انبیاء آپ ؐ ہی کے زیر لواء اور آپ ؐ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جیسا کہ ہر امت اپنے اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہوگی تیسری بار شفاعت کا مرحلہ ہے یہاں بھی سب کی خطیب و امام آپ ؐ ہی کی ذات مبارک ہوگی۔ بالفظ دیگر یوں سمجھیے کہ جو منصب نبوت آپ ؐ کو اس امت کے لیے حاصل ہے وہی منصب آپ کو بلحاظ انبیاء بھی حاصل ہے البتہ اس کا ظہور ان کے ساتھ اجتماع پر موقوف ہے۔ عالم کی تاریخ میں یہ اجتماع کل تین جگہ ثابت ہوتا ہے اور تینوں جگہ آپ ؐ کا یہ منصب عالی ظاہر ہوا ہے۔ مگر اس عالم میں بھی انبیاء علیہم السلام کا آپ ؐ کے ساتھ اجتماع ہو جاتا تو یہ حقیقت یہاں بھی آشکارا ہو جاتی۔ چنانچہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ ؐ کی شریعت کے ساتھ وہی ہوگا جو تمام امت کا ہے اور اسی لیے اس اتباع سے ان کی نبوت میں کوئی ادنیٰ شائبہ نقصان بھی لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر آپ ؐ گذشتہ انبیاء کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو وہ بھی اپنی اپنی رسالت پر باقی رہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہی فرماتے اور اس اتباع کی وجہ سے ان کی رسالت میں بھی کوئی نقص لازم نہ آتا۔

رہا مختلف شریعتوں کا معاملہ تو جس طرح مختلف نبوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ماتحت ہیں اسی طرح مختلف شریعتیں مختلف زمانوں' اور امتوں کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعتیں ہیں۔ پس یہود و نصاریٰ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تورات و انجیل تھی اور امت محمدیہ کے لحاظ سے آپ ؐ کی شریعت قرآن شریف ہے اگر زمانوں اور اشخاص کے اعتبار سے احکام مختلف ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہو گئی۔ (۱) بعثت الی الناس کافة ۔ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ عام طور پر عموم بعثت کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے تھے کہ آپ ؐ قیامت تک سب انسانوں کے لیے رسول ہیں' لیکن اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ آپ ؐ کی نبوت کا تعلق صرف مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی و مستقبل دونوں سے ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ ﷺ .....

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے جواہر البحار میں اس رسالہ کو بجنسہٖ نقل کیا ہے۔ خفاجی نے صرف اس کے منتشر ٹکڑے لیے ہیں۔

www.besturdubooks.net

الرُّوحِ وَ الْجَسَدِ. جسم کے درمیان تھے- (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی)

(رواہ الترمذیؒ و قال ھذا حدیث حسن) (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے)

لے .... علیہ وسلم تک سب رسول آپؐ کی نبوت کے ماتحت ہیں اگرچہ ماتحتی کی نوعیت بدلی ہوئی ہو-

(۲) حدیث کنت نبیا و ادم بین الماء و الطین - اس حدیث کی مراد صرف یہ سمجھی جاتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آپؐ کی نبوت کا علم حاصل تھا مگر اس میں آپؐ کی کیا خصوصیت ہے- دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاصل تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا-

اس تحقیق کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح سے پہلے نبوت سے نوازا جا چکا تھا- اس کی تفصیل یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے کسی کمال کے افاضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں- کبھی وہ عالم وجود میں آنے کے بعد کمال کا افاضہ کرتی ہے اور کبھی وجود سے پہلے عالم ارواح ہی میں اس کمال سے نواز دیتی ہے جس کا ظہور قالب انسانی میں مقدر ہو چکا ہے- دونوں صورتوں میں اس کمال کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو یکساں ہوتا ہے- ہاں مخلوق کو پہلی صورت کا علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ کمال اس کے مشاہدہ میں آجائے- اور دوسرے کمال کے علم کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ کوئی مخبر صادق اس کی خبر دے دے- یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہوگیا ہے کہ کمال نبوت آپؐ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیاء علیہم السلام سے آپؐ کے لیے ایمان ونصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپؐ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے- اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپؐ ہوئے مگر چونکہ جسدِ عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے اس لیے آپؐ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپؐ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے- بلکہ اس معنی سے کہ آپؐ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے لیے کسی کو وکیل بناتا ہے تو بلاشبہ یہ وکالت صحیح ہے اور اسی وقت سے اس کو تصرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے لیکن اس تصرف کا ظہور اس پر موقوف ہے کہ پہلے کہیں اسے کفو ملے تو وہ شادی کرے بعض مرتبہ مدتوں کفو نہیں ملتا اور اس وکالت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص وکالت سے موصوف نہیں یا اس کو اس سے پیشتر حق تصرف حاصل نہیں اسی طرح آپ کی نبوت کا معاملہ سمجھنا چاہیے یہاں جسم عنصری کی شرط صرف تصرفات نبوت کے ظہور کے لیے ہے- بنفس منصب نبوت کے لیے نہیں اصل یہ ہے کہ کسی حکم کا کسی شرط سے تعلق دو طرح پر ہوتا ہے کبھی فاعل متصرف کے اعتبار سے کبھی محل قابل کے لحاظ سے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے جسم عنصری کی شرط فاعل متصرف کی طرف سے نہ تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے عالم ارواح ہی میں سرفراز کر دیا تھا جسم ناسوتی کی شرط تھی تو صرف اس لیے تھی کہ مبعوث الیہم میں جسم کے بغیر استفادہ کی قابلیت نہ تھی- تصرفاتِ نبوۃ یعنی احکام الٰہیہ کی تبلیغ اس پر موقوف تھی کہ آپؐ جسم عنصری میں تشریف لا کر ان سے خطاب کریں- کلام الٰہی انہیں سنائیں اور سمجھائیں اگر مخاطبین میں ان امور کی اس سے قبل صلاحیت ہوتی تو وہ کمالِ نبوت کا اس سے قبل بھی ادراک کر لیتے اس لیے قالبِ انسانی کی شرط یہاں نفسِ نبوت کے لیے نہیں بلکہ قصور مخاطبین کے لحاظ سے تھی-[1] لے ....

---

[1] سبکی متوفی ۷۵۶ھ سے پہلے حافظ ابونعیم اصبہانی نے متوفی (۴۳۰) اور شیخ محی الدین بن عربی (متوفی ۶۳۸) نے فتوحات مکیہ کے باب ۱۰ میں ۴۷ او باب ۱۲ ص ۱۸۵ و باب ۱۴ ص ۹۴ و باب ۳۷ ص ۷۷ ا و ۱۸۲ اور باب ۳۱۳ ص ۶۴ میں اور امام رازی نے (متوفی ۶۰۶) اپنی تفسیر میں پھر بعد میں ابن حجر ہیثمی (متوفی ۹۷۳) اور زرقانی (۱۱۲۲) وغیرہم نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے-

www.besturdubooks.net

جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و ادم بین الماء و الطین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خاتم النبیین بنا دیئے گئے تھے جب کہ حضرت آدم (علیہ السلام) ابھی آب و گل ہی میں تھے

(۱۱۵) عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّىْ عِنْدَ اللّٰهِ

(۱۱۵) عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو

ﷺ... خفاجی کو تقی سبکی کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں آپ کا یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ صرف تعظیم و توقیر، عظمت و نصرت کے عہد سے اتنا اہم علاقہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک اس کے خلاف پر جو وجوہات انہوں نے قائم کیے ہیں اس کا جواب ممکن ہے مگر احتیاط یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بحث سے سکوت اختیار کیا جائے نہ تو اس کا دعویٰ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے انکار کرنے کی حاجت۔ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے صرف آپ کی سیادت و قیادت کا اعتقاد کافی ہے۔ اب یہ بحث کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی یہ سیادت اسی درجہ کی تھی جس درجہ کی اس امت کے لیے غیر ضروری بحث ہے۔ علامہ خفاجی کو سبکی کی دوسری بحث بلا کسی اختلاف کے تسلیم ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت سب سے پہلے عالم ارواح ہی میں مرحمت ہو چکا تھا اور اس حدیث کا منشاء صرف یہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم تھا یہ ایک بدیہی اور غیر مفید سی بات ہے[۱] شیخ اکبرؒ نے اس مضمون کو بڑی رنگینی سے ادا کیا ہے اس کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے یہاں صرف چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

الا بابی من کان ملکا و سیدا	سن لو میرے ماں باپ اس پر قربان جو اس وقت بادشاہ اور سردار بن
و ادم بین الماء و الطین و اقف	چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل کے درمیان ہی پڑے
فذاک الرسول الا بطحی محمد	ہوئے تھے۔ یہ وہی مکی رسول ہیں جن کا نام نامی محمدؐ ہے اور
لہ فی العلی مجد تلید و طارف	جن کو ہر قسم کی نئی پرانی بزرگیاں حاصل ہیں۔
اتی بزمان السعد فی اخر المدی	آپؐ کی آمد مدتوں بعد ایک خوش بخت زمانہ میں ہوئی۔
و کانت لہ فی کل عصر مواقف	مگر آپؐ کی شہرت ہر دور میں رہی ہے۔
اتی لا نکسار الدھر یجبر صدعہ	آئے اور ایک شکستہ حال زمانہ کی اصلاح کرنے کے لیے آئے۔
فاثنت علیہ السن و عوارف	اس لیے زبان خلق اور بخششیں آپؐ کی ثناء خواں ہے۔
اذا رام امرا لا یکون خلافہ	جب آپؐ کسی بات کا عزم کر لیتے ہیں تو پھر اس کا خلاف نہیں ہوتا۔
و لیس لذاک الامر فی الکون صارف	اور نہ عالم میں اس سے کوئی مانع نظر آتا ہے۔

(۱۱۵) ٭ مواہب میں ہے۔ و اخرج مسلم من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عزوجل کتب مقادیر الخلق قبل ان یخلق السموات و الارض بخمسین الف سنۃ و کتب فی الذکر ان محمدا خاتم النبیین. عبداللہ بن عمرؓ بن العاص صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل۔ اپنی ہر مخلوق کا اندازہ لکھ دیا تھا اور لوح محفوظ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ ﷺ....

---

[۱] دیکھو نسیم الریاض ج ۱۔ از ص ۳۰۰ تا ۳۰۴۔

www.besturdubooks.net

مَكْتُوبٌ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ . رواه فی شرح السنة و احمد فی مسنده كما فی المشكوة و البيهقی و الحاكم كما فی المواهب و قال الحاكم صحيح الاسنا د و فی شرحه رواه ابن حبان فی صحيحه ايضًا و فی الكنز و فی لفظ لهذا الحديث عند ابن سعد فی ام الكتاب خاتم النبيين الحديث.

چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے۔ (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی)

اس حدیث کو شرح السنۃ میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور کنز العمال میں بحوالہ ابن سعد اس حدیث کے لفظ میں بجائے عند اللہ کے امّ الکتاب کا لفظ ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میں لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا۔ گویا ابن سعد کے لفظ کو مسند امام احمد کی شرح سمجھنا چاہیے۔

ﷺ.... وسلم خاتم النبیین ہیں یعنی جب عالم تکوین کی ہر معمولی سے معمولی چیز مقدر ہوئی تو جن کے وجود پر عالم تکوین کی آبادی کا مدار تھا ان کا خاتم النبیین ہونا بھی اسی وقت مقدر ہو چکا تھا۔ اس روایت کا آخری فقرہ اگرچہ صحیح مسلم کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا مگر جب مصنف مواہب نے اس کو بحوالہ مسلم نقل کیا ہے تو ضرور ان کے نسخہ میں موجود ہوگا۔

واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا بھی صرف تحریر و کتابت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ خلعت ختم نبوت آپ ؐ کو اس وقت پہنایا جا چکا تھا جب کہ ابوالبشر نے خلعت وجود بھی نہیں پہنا تھا۔ اسی کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے:

عن ابن عباس فی حديث الشفاعة فياتون عيسى فيقولون اشفع لنا الى ربنا فيقضى بيننا فيقول انی لست هنا كم انی اتخذت و امی الهين من دون الله و لكن ارأيتهم لو ان متاعًا فی و عاء قد ختم عليه اكان يوصل الى مافی الوعاء حتى يفض الخاتم فيقولون لا فيقول فان محمد اصلى الله عليه وسلم قد حضر اليوم و قد غفرله ما تقدم من ذنبه و ما تاخر رواه الطيالسی ص ۳۵۳- و فی لفظ احمد و ابی يعلى ان محمدا صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين قد حضر اليوم.

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاعت کی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ (قیامت میں شفاعت کے لیے) آخرکار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے (آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے تاکہ ہمارا حساب لے لے وہ فرمائیں گے میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میری اُمتوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لیا تھا لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو جب تک اس کی مُہر نہ توڑ دو لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مُہر ہیں) آج موجود ہیں ان کی آئندہ و گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں (ان کے پاس جاؤ) مسند احمد اور ابو یعلیٰ کے لفظ یہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آج یہاں موجود ہیں۔ ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نوازش الٰہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ازل میں خلعت ختم نبوۃ پہنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی تھی۔ اس لیے شفاعت کا حق ان ہی کا ہے۔

عرباض کی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم کی ہدایت کے وقت ہی اس کی نہایت آپ ؐ کے دورۂ نبوت پر مقدر ہو چکی تھی اسی لیے آپ ؐ نے فرمایا ہے عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثت انا و الساعة جميعًا ان ﷺ....

www.besturdubooks.net

جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول النبین و اخرھم و کک امتہ اخر الامم و تکون اولھم یوم القیامۃ

آنحضرت ﷺ سب سے پہلے نبی بنا دیئے گئے تھے اور سب سے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اسی طرح آپ کی امت بھی سب سے آخر میں آئی ہے اور قیامت کے دن سب سے مقدم ہو جائے گی

(۱۱۶) عَنْ اَنَسٍؓ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مَرْفُوْعًا قَالَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی جَعَلْتُ اُمَّتَکَ هُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ (الی قولہ) جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَ اٰخِرَهُمْ (الی قولہ) وَ جَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَ خَاتِمًا. (اخرجہ ابو نعیم) (من الخصائص ج ۲ ص ۱۹۷)

(۱۱۶) انسؓ سے ایک طویل حدیث میں مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہوگی اور میں نے تجھ کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا ہے تجھ کو میں نے فاتح یعنی دورۂ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور تجھ کو ہی اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(۱۱۷) عَنْ سَلْمَانَؓ فِیْ حَدِیْثِ الشَّفَاعَةِ. یَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَیَقُوْلُوْنَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَنْتَ الَّذِیْ فَتَحَ اللّٰهُ بِکَ وَ خَتَمَ وَ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ وَ مَا تَاَخَّرَ.

(رواہ ابن ابی شیبۃ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۷۸)

(۱۱۷) سلمانؓ شفاعت کی حدیث میں روایت کرتے ہیں۔ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے اللہ کے نبی آپؐ ہی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو شروع کیا تھا اور جن پر ختم کیا ہے اور آپؐ کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔

(اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے)

(۱۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ فِیْ حَدِیْثِ الْاِسْرَاءِ قَالُوْا یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ هٰذَا مَعَکَ قَالَ هٰذَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ..... الی ان قال. فَقَالَ لَهٗ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی......

(۱۱۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرئیل سے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں وہ بولے محمدؐ ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (جب آپؐ کی دربار الٰہی میں رسائی ہوئی) تو ارشاد ہوا (اے محمدؐ) میں نے پیدائش کے لحاظ سے

لے .... کادت لتسبقی (اخرجہ ابن جریر بحوالۃ مسند احمد)
بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اور قیامت ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں (اور مبالغہ کے ساتھ فرمایا) وہ تو قریب تھی کہ مجھ سے بھی پہلے آ جاتی۔ اور بخاری میں ہے بعثت انا و الساعۃ کھا تین۔ آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں یعنی آپؐ کے زمانہ نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبوت حائل نہیں قیامت جب بھی آئے آپؐ ہی کے دور نبوت میں آئے گی۔
خلاصہ یہ کہ آپؐ کا دنیا کے آخری دور میں آنا اس وقت طے ہو چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح نہ ہوا تھا گویا کہ یہ بات عالم کے وجود سے بھی پہلے ایک طے شدہ بات تھی اب اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔
(۱۱۸) * چونکہ رسولوں کے سلسلہ میں بظاہر سب سے پہلے آنے والے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے اس لیے احادیث میں لے....

www.besturdubooks.net

جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَ اٰخِرَھُمْ بَعْثًا..... وَ جَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَ خَاتِمًا.
(رواہ البزار) (مجمع الزوائد ص ۲۷ و ۲۹)

تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظِ بعثت سب سے آخر میں بھیجا ہے- نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا ہے-
(اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے)

(۱۱۹) عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مُرْسَلًا اِنَّمَا بُعِثْتُ خَاتِمًا وَ فَاتِحًا وَ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَ فَوَاتِحَہٗ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان کنز ج ٦ ص ١٠٦)

(۱۱۹) ابوقتادہؓ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے نبوت کا شروع کرنے والا اور اس کا ختم کرنے والا میں ہی بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع کلم اور فواتح کلم دیے گئے ہیں یعنی مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین ادا کرنا -اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے-

(۱۲۰) عَنْ قَتَادَۃَؓ کُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِی الْخَلْقِ وَ اٰخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ. (رواہ ابن سعد مرسلا کما فی الکنز ج ٦ ص ١٠٦ و رواہ ابن ابی شیبۃ مسند اعنہ کما فی الدر المنثور ج ٥ ص ١٨٤)

(۱۲۰) قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں سب انسانوں میں بلحاظِ پیدائش پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبارِ بعثت پچھلا-
اس حدیث کو ابن سعد نے مرسلاً اور ابن ابی شیبہ نے مسنداً روایت کیا ہے-

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِیْثَاقَھُمْ وَ مِنْکَ وَ مِنْ نُّوْحٍ﴾ (الاحزاب:۷) الآیہ قَالَ کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَ اٰخِرَھُمْ فِی

(۱۲۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِیْثَاقَھُمْ وَ مِنْکَ وَ مِنْ نُّوْحٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں-

---

ﷺ.... اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصل اوّلیت یعنی باعتبارِ خلق واتصاف نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے- گو بلحاظ وجود عنصری حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اوّل ہوگئی ہے-

(۱۱۹) ٭ حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ ہر سید و امیر کو بقدر اپنے دائرہ ولایت کے خزائن، حشم و خدم درکار ہوتے ہیں- جو ایک قریہ یا ایک خطہ کا امیر ہوتا ہے اس کے لیے اس کے مناسب اور جو ایک ملک کا امیر ہوتا ہے اس کے لیے اس کے مناسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ تمام جہان کا سید و امیر بنایا گیا ہے اس لیے آپؐ کو اسی کے بقدر سامان ولایت کی ضرورت تھی اسی لیے حدیث میں ارشاد ہے کہ اوتیت خزائن الارض مجھے زمین بھر کے خزانے مرحمت فرما دیے گے ہیں اور اسی لیے فرمایا اوتیت جوامع الکلم مجھے جامع کلمات مرحمت کیے گئے ہیں بے شک جس کی مملکت تبلیغ تمام جہان ہوں اسے مختصر جملوں میں سمندر رکھپانے کی قدرت ملنی چاہیے تاکہ اس کے کچھ جملوں میں سب کچھ آجائے اور ایک اعرابی و فلفی یکساں طور پر اس سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے اسی بناء پر ترمذی میں ہے کہ ہر نبی کو سات نجیب ورقیب ملے ہیں مجھے چودہ مرحمت ہوئے ہیں- غرض کہ جوامع الکلم بعثت عامہ کے مقتضیات وضروریات میں داخل ہیں- یہی وجہ ہے کہ جو رسول خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ان کو ایسے کلمات جامع مرحمت نہیں ہوئے جوامع الکلم کی تفسیر ہمارے مضمون حجیت حدیث میں زیر عنوان قرآن کی جامعیت ملاحظہ کیجیے-

www.besturdubooks.net

الْبَعْثِ. (رواه ابن ابی حاتم و ابن مردویه و ابو نعیم فی الدلائل و الدیلمی وابن عساکر و ابن ابی شیبة و ابن جریر وابن سعد (ابن کثیر ج ۸ ص ۸۹ والدر المنثور ج ۵ ص ۸٤ و الکنز ج ٦ ص ۱۱۳)

اس حدیث کو ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور دیلمی' ابن عساکرؒ، ابن ابی شیبہؒ، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ' ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔

هذه الامة أخر الامم و خيرها و اولها فى الحساب

یہ امت سب اُمتوں میں آخر' سب سے بہتر اور حساب میں سب سے مقدم ہوگی

(۱۲۲) عَنْ قَتَادَةَؓ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَ هُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهٗ اِلَى الْكَعْبَةِ نَحْنُ نُكْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعِيْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَ خَيْرُهَا. (رواه ابن جرير فى تفسير قوله كنتم خير امة الآيه (الدر المنثور ج ۲ ص ٦٤)

(۱۲۲) قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں میں سترویں امت ہوں گے جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔

(درمنثور)

(۱۲۳) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ..... تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ اُمَّةً. نَحْنُ اٰخِرُهَا وَ خَيْرُهَا. (رواه الباوردى) (الكنز ج ٦ ص ۲۳۲)

(۱۲۳) محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔

(کنز العمال)

(۱۲۴) عَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ يَا يَهُوْدِیُّ اَنْتُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

(۱۲۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا اے یہودی! تم لوگ ہم سے پہلے ہو اور ہم گو تم سے آخر میں ہیں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے

---

(۱۲۲) * ان جملہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح نبوۃ اور خاتم نبوۃ دونوں قرار دیا گیا ہے' معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوۃ اور ختم نبوۃ صرف تقدیر کے معنی میں نہ تھی تقدیر تو سب کے لیے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔ آپ کی آخریت جس طرح خارج میں تھی اسی طرح آپ کی اوّلیت بھی سمجھنا چاہیے۔ اور جس طرح آپ کی اوّلیت تھی یعنی آپ سے پیشتر کوئی رسول نہ تھا اسی طرح آپ کی آخریت سمجھنا چاہیے یعنی آپ کے بعد بھی کسی قسم کا کوئی رسول نہیں ہوگا۔

(۱۲۳) * یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں ستر کا عدد کس مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی متکلم کوئی خاص عدد ذکر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عدد کا کوئی خاص معیار ہوتا ہے جب تک اس کا وہ معیار اور اعتبار ذہنی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس عدد پر بحث کرنا کجروی ہے ایک ہی مقدار کو پیسوں کے لحاظ سے ۶۴ اور آنوں کے اعتبار سے ۱۶ اور روپیہ کے لحاظ سے ایک کہا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہاں ۷۰ کے عدد میں کس خاص بات کی رعایت کی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

يَوْمَ الْقِيَامَةِ. اخرجه ابن راهويه في مسنده و ابن ابی شيبة في المصنف.
(الخصائص ج ۲ ص ۲۰۹)

ہوں گے۔
اس حدیث کو ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے۔

(۱۲۵) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ مَرْفُوْعًا تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ أُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَ خَيْرُهَا. (رواه ابن ماجة و الدارمی كذافی الكنز ج ٦ ص ٢٣٢. و رواه الترمذی و قال هذا حديث حسن المشكوة ص ٥٨٤)

(۱۲۵) بہز بن حکیم اپنے باپ حکیم اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ ہم ان سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔
(اس حدیث کو ابن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۱۲۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اٰخِرُ الْأُمَمِ وَ أَوَّلُ مَنْ يُحَاسَبُ. أَيْنَ الْأُمَّةُ الْأُمِّيَّةُ وَ نَبِيُّهَا فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ. (رواه ابن ماجه الكنز ج٦ ص ٢٣٠)

(۱۲۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ پکارا جائے گا امت امیہ اور اس کا نبی کہاں ہیں؟ اس لیے گو ہم سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت کے دن) سب سے پہلے ہو جائیں گے۔اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے

(۱۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَ أُوْتِيْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ. (رواه الشيخان و النسائی الكنز ج ٦ ص ٢٣٠- و مثله عند ابی نعيم فی الدلائل ص ٩)

(۱۲۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہو جائیں گے صرف اتنی بات ہے کہ پہلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔
(اس حدیث کو شیخین اور نسائی نے روایت کیا ہے)

(۱۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَؓ مِثْلَهُ وَ لَفْظُهُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَ الْأَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه مسلم)

(۱۲۸) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے۔اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

(۱۲۸) * انجیل متی کے باب ۱۹ میں آیت ۲۷ سے لے کر ۳۰ تک امت محمدیہؐ کے اس وصف کی طرف اشارہ موجود ہے۔
''پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ دیکھ ہم تو سب کو چھوڑ کر تیرے پیچھے ہوئے ہیں پس ہم کو کیا ملے گا؟ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو گئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا۔ اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔ لیکن بہت سے اوّل آخر ہو جائیں گے ....

www.besturdubooks.net

مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اٰخر مساجد الانبیاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد انبیاء علیہ السلام کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے

(۱۲۹) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ قَارِظٍ اَشْھَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ اَبَاھُرَیْرَۃَؓ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ. (رواہ مسلم و النسائی و لفظہ خاتم الانبیاء و خاتم المساجد)

(۱۲۹) عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ کہتے ہیں- میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں سب انبیاء کے آخر میں ہوں اور میری مسجد بھی اب آخری مسجد ہے[1]
اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی کے لفظ میں آخر کے بجائے دونوں جگہ خاتم کا لفظ ہے-

(۱۳۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ. (رواہ ابن ماجۃ فی باب فتنۃ الدجال و ابن خزیمۃ و الحاکم و اضیاء. منتخب الکنز ج ٦ ص ٤١)

(۱۳۰) ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں انبیاء میں آخر ہوں اور تم امتوں میں آخر ہو- اس حدیث کو ابن ماجہ نے فتنہ دجال کے باب میں روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ حاکم اور ضیاء الدین نے روایت کیا ہے-

(۱۳۱) عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَ مَسْجِدِیْ خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِیَاءِ. (رواہ الدیلمی و ابن النجار و البزار. الکنز)

(۱۳۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انبیاء علیہم السلام میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے-
(اس حدیث کو دیلمی' ابن النجار اور بزار نے روایت کیا ہے)

✿ ...گے اور آخر اول' الخ-''
ان الفاظ میں قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی اشارہ ہے- ﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ وَ اَبْنَاؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ..... آلایۃ﴾ (التوبۃ : ٢٤)

(۱۳۰) ✽ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی ہوتو اس امت کے بعد کوئی دوسری امت ہوگی مگر چونکہ عالم کا فناء مقدر ہو چکا ہے اس لیے نہ کوئی اور نبی آئے گا نہ کوئی نئی امت' یہ نبی بھی آخری نبی ہے اور اس لیے- امت بھی آخری امت ہے-

(۱۳۱) ✽ اس حدیث سے مسلم کی حدیث کی شرح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے دنیا میں مسجدیں تعمیر ہوئیں اب آئندہ چونکہ کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اس لیے کوئی نئی مسجد بھی کسی رسول کے نام سے تعمیر نہ ہوگی بلکہ یہ مسجد نبوی ہی انبیاء علیہم السلام کی مسجدوں میں آخری مسجد رہے گی-

---

[1] آپ کی مسجد کے آخری مسجد ہونے کی شرح اوپر حدیث نمبر ۱۳۱ میں آرہی ہے-

www.besturdubooks.net

2:

قال الرب تبارک و تعالی لیلة الاسراء انه جعله خاتم النبیین

(۱۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اُسْرِیَ لِیْ اِلَی السَّمَاءِ قَرَّبَنِیْ رَبِّیْ تَعَالٰی حَتّٰی کَانَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ کَقَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی قَالَ یَا حَبِیْبِیْ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَبِّ قَالَ هَلْ غَمَّکَ اِنْ جَعَلْتُکَ اٰخِرَ النَّبِیِّیْنَ قُلْتُ لَا یَا رَبِّ قَالَ حَبِیْبِیْ هَلْ غَمَّ اُمَّتَکَ اِنْ جَعَلْتُهُمْ اٰخِرَ الْاُمَمِ قُلْتُ یَا رَبِّ لَا قَالَ اَبْلِغْ عَنِّی السَّلَامَ وَ اَخْبِرْهُمْ اِنِّیْ جَعَلْتُهُمْ اٰخِرَ الْاُمَمِ. (رواه الخطیب و الدیلمی. الکنز ج ٦ ص ١١٢)

شب معراج میں پروردگار عالم کا راز و نیاز کے طور پر کہنا کہ اس نے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے

(۱۳۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شب معراج میں مجھے آسمان پر لے گئے تو میرے پروردگار نے مجھے قریب بلایا اور بہت قریب بلایا - اور کہا اے میرے حبیب' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے کہا حاضر ہوں اے پروردگار - ارشاد ہوا اگر ہم تمہیں آخر النبیین بنا دیں تو تم ناخوش تو نہ ہو گے - میں نے عرض کیا اے پروردگار نہیں - پھر ارشاد ہوا اگر تمہاری امت کو آخری امت بنا دیں تو وہ ناخوش تو نہ ہو گی - میں نے عرض کیا نہیں اے پروردگار - ارشاد ہوا کہ اچھا تو اپنی امت کو میرا اسلام کہنا اور انہیں بتلا دینا کہ میں نے انہیں آخری امت بنا دیا ہے -

(کنز العمال)

قال الرب لآدمؑ ان ابنه احمدؐ هو الاول و الآخر

(۱۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَخْبَرَ بَنِیْهِ فَجَعَلَ یَرٰی فَضَائِلَ بَعْضِهِمْ عَلٰی بَعْضٍ فَرَاٰی نُوْرًا سَاطِعًا فِیْ اَسْفَلِهِمْ قَالَ یَا رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا ابْنُکَ اَحْمَدُ هُوَ الْاَوَّلُ وَ هُوَ الْاٰخِرُ وَ هُوَ شَافِعٌ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ.

(رواه ابن عساکر کما فی الکنز)

حضرت آدمؑ سے حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ان کے فرزند احمد و محمد ﷺ سب سے پہلے اور آخری نبی ہیں

(۱۳۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد بھی بتلائی - آدم علیہ السلام انہیں دیکھنے لگے کہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں' ان سب کے آخر میں ایک بلند نور دیکھا تو عرض کیا اے میرے پروردگار یہ کون ہیں' ارشاد ہوا یہ تمہارے فرزند احمدؐ ہیں' یہی سب سے پہلے نبی ہیں اور یہی سب سے آخر ہیں' یہی قیامت میں سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور ان ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی -

(اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے)

قال جبرئیل لآدم ان محمدا ﷺ اخر و لدک من الانبیاء

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت آدم سے جبرئیلؑ کا ارشاد کہ محمد ﷺ انبیاء میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں

(۱۳۴) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۳۴) * اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ابتداء عالم میں بھی ہوئی ہے - ضرورت ہے کہ اس حدیث کے طرق جمع کیے جائیں ....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا نَزَلَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَ اسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَنَادٰى بِالْاَذَانِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ اٰدَمُ لِجِبْرِيْلَ مَنْ مُحَمَّدٌ قَالَ اٰخِرُ وُلْدِكَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ. (رواه ابن عساكر الكنز ج ٦ ص ١١٤ و الخصائص ج ١ ص ٨)

3 نے فرمایا ہے آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں نازل ہوئے (اور تنہائی کی وجہ سے) گھبرائے تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اذان دی الله اکبر' الله اکبر' دو مرتبہ اشهد ان لا اله الا الله دو مرتبہ اشهد ان محمدا رسول الله دو مرتبہ (جب حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنا تو) فرمایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا انبیاء علیہم السلام میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں۔

(اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے)

قال جبريل للنبي ﷺ انک خاتم النبيين كما ان ادم صفي الله

آنحضرت ﷺ سے حضرت جبریل کا فرمان کہ جس طرح حضرت آدم کا لقب صفی اللہ تھا آپؐ کا لقب خاتم النبیین ہے

(۱۳۵) عَنْ سَلْمَانَ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ قَالَ جِبْرِيْلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اِنْ كُنْتُ اصْطَفَيْتُ اٰدَمَ فَقَدْ خَتَمْتُ بِكَ الْاَنْبِيَاءَ وَ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَكْرَمَ مِنْكَ عَلَيَّ. (خصائص ج ٢ ص ١٩٣)

(۱۳۵) سلمانؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کا پروردگار کہتا ہے اگر میں نے آدمؑ کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاءؑ کو ختم کر کے (خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو مجھے آپؐ سے زیادہ عزیز ہو۔

مكتوب بين كتفي ادم محمد رسول الله خاتم النبيين

حضرت آدم کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں

(۱۳۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَيْنَ كَتِفَيْ اٰدَمَ مَكْتُوْبٌ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. (رواه ابن عساكر، خصائص ج ١ ص ٧)

(۱۳۶) جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا ''محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین'' ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

لله.... جائیں تا کہ اس کے تفصیلی کلمات کا پتہ بھی مل جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اذان کا ایک نفع دفع وحشت بھی ہے سوم یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جائے نزول ہندوستان میں کوئی جگہ ہے اگر یہ حدیث صحت کو پہنچ جائے تو تاریخی لحاظ سے یہ ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ہم نے اس حدیث کو یہاں صرف آخری جزء کی وجہ سے نقل کیا ہے۔

(۱۳۵) * اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپؐ کا نبیوں میں آخر ہونا صرف ایک زمانی تاخر نہیں ہے بلکہ خدا کے نزدیک وہ خاص فضیلت ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات کے بالمقابل میں آپؐ کو مرحمت ہوئی ہے۔ عالم کا تدریجی ارتقاء بھی اسی کو مقتضی تھا کہ اس کی آخری کڑی سب میں کامل و برتر ہو۔ اس لیے آخری نبی وہی ہونا چاہیے جو سب میں کامل اور سب سے اکرم ہو۔

(۱۳۶) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر نبوۃ بھی دونوں شانوں کے درمیان تھی مگر دجال کا کفر اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا یعنی مُہر نبوۃ کا مقام دونوں شانوں کے درمیان اور مُہر دجل و کفر کا محل پیشانی منتخب ہوا ہے۔ اس کی حکمتیں بھی علماء نے لکھی ہیں۔

www.besturdubooks.net

الشهادة بختم النبوة جزء من الايمان كالشهادة بكلمة التوحيد

(۱۴۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِيْ قِصَّةٍ طَوِيْلَةٍ لَهٗ حِيْنَ جَاءَتْ عَشِيْرَتُهٗ يَطْلُبُوْنَهٗ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ فَقَالُوْا لَهٗ اِمْضِ مَعَنَا يَا زَيْدُ فَقَالَ مَا اُرِيْدُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلًا وَ لَا غَيْرَهٗ اَحَدًا فَقَالُوْا مُحَمَّدُ اِنَّا مُعْطُوْكَ بِهٰذَا الْغُلَامِ دِيَاتٍ فَسَمِّ مَا شِئْتَ فَاِنَّا حَامِلُوْهُ اِلَيْكَ فَقَالَ اَسْأَلُكُمْ اَنْ تَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ خَاتَمُ اَنْبِيَائِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ اُرْسِلُهٗ مَعَكُمْ الحديث. اخرجه الحاكم مفصلا في المستدرك. (ج ۳ ص ۲۱۴)

عقیدۂ ختم نبوۃ کلمۂ شہادت کی طرح ایمان کا جزء ہے

(۱۴۷) زید بن حارثؓ اپنے ایک طویل قصہ میں ذکر کرتے ہیں کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر مسلمان ہوگیا تو میرا قبیلہ مجھے تلاش کرتا ہوا آپؐ کے پاس آیا اور مجھ سے کہا اے زید ہمارے ساتھ چلو' زید بولے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلہ میں کسی کو پسند نہیں کرسکتا اور نہ آپؐ کے سوا کسی دوسرے کا ارادہ رکھتا ہوں' انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لڑکے کے عوض میں ہم آپؐ کو بہت سا مال دے سکتے ہیں جو آپؐ چاہیں بتلا دیجئے ہم اسے ادا کردیں گے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا میں تو تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں وہ یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور اس کی کہ میں اس کے سب نبیوں اور رسولوں میں آخری نبی اور رسول ہوں۔ بس میں اس لڑکے کو ابھی تمہارے ساتھ بھیجے دیتا ہوں۔ (مستدرک)

ختم النبوة من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم

(۱۴۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

ختم نبوۃ انبیاء علیہم السلام میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طغرۂ امتیاز ہے

(۱۴۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(۱۴۷) * اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح اپنی ختم نبوۃ پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان آپؐ کی ختم نبوۃ پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتا قرآن کریم میں وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ کے ساتھ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا لفظ اسی لیے رکھا گیا ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اس کے برخلاف آپؐ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے اسی لیے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص لقب ہے اور آپؐ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب بطور مدح نہیں بلکہ بہ حیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح صرف ایک محاورہ نہیں۔

(۱۴۸) * اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصیات شمار کی گئی ہیں یہ خصوصیات صرف چھ تک محدود نہیں بلکہ بہت ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے اسی موضوع پر دو ضخیم جلدوں کی ایک کتاب لکھ دی ہے جو خصائص الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مفہوم عدد علماء کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہ متکلم کے وقتی اختصار اور اس کے ذہنی اعتبار کی بات ہوتی ہے۔ یہاں ۵ و ۶ خصوصیتیں زیر بحث ہیں بقیہ خصوصیات پر اپنی اپنی جگہ بحث آئے گی خصوصیت (۵) کا مطلب علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ کی بعثت آپؐ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لیے تھی.....

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَ جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا وَ اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ. (رواہ مسلم و البخاری)

مجھے انبیاء علیہ السلام پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں (۱) مجھے مختصر کلمات معانی کثیرہ کے حامل دیئے گئے ہیں (۲) دشمن پر رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے (۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ (۴) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے کا آلہ بنا دی گئی ہے (۵) تمام مخلوق کی طرف مجھے بھیجا گیا ہے۔ (۶) انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔
(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

خاتم النبوة كان دليلاً على كونه خاتم النبيين

مُہر نبوۃ خود اس کی دلیل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں

(۱۳۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَ هُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. (رواہ الترمذی فی شمائلہ)

(۱۳۹) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہر نبوۃ تھی۔ کیونکہ آپؐ خاتم النبیین تھے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

دعوى النبى صلى الله عليه وسلم انه خاتم النبيين و اخرهم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنا کہ خاتم النبیین اور آخری نبی میں ہوں

(۱۴۰) عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ

(۱۴۰) عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عبداللہ ہوں۔ (اللہ کا بندہ) اور میں خاتم

﴾..... ہے۔لیکن شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ آپؐ کی بعثت آپؐ سے پیشتر اور آپؐ کے بعد دونوں زمانوں کو شامل ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی دنیا سب آپؐ کی بعثت کے ماتحت ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین آپؐ کی ایک خصوصیت تھی صرف تعریفی لقب نہ تھا جو مجاز اُدوسروں پر بھی اطلاق ہوسکتا۔

(۱۳۹) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی اس معنوی خصوصیت کو حسی شکل میں بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کتب سابقہ میں مُہر نبوۃ آپؐ کی ایک علامت بتلائی گئی تھی۔ اسی لیے بعض طالبین حق نے منجملہ اور علامات کے آپؐ کی مُہر نبوۃ کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین آپؐ کا شاعرانہ لقب نہ تھا بلکہ مُہر نبوۃ اور آخری نبیؐ ہونے کی وجہ سے آپؐ کو خاتم النبیین کہا جاتا تھا۔

(۱۴۰) * حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے ''عبداللہ'' نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں ''عبداللہ'' آپ کا لقب بھی تھا۔ قرآن کریم میں ''عبداللہ'' بطور لقب صرف آپؐ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے ''فلما قام "عبدالله" كادوا يكونون عليه لبدا'' جب ''عبداللہ'' (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو قریب تھا کہ وہ تہ بہ تہ ہو کر آپؐ پر ٹوٹ پڑتے۔'' حدیث میں ہے کہ آپؐ کو اختیار دیا گیا تھا اگر چاہیں رسالت کے ساتھ ملوکیت پسند کرلیں۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کرلیں۔ آپؐ نے عبدیت کو ہی پسند فرمالیا اس کے بعد آپ کی نشست و برخاست طعام و شراب سب میں عبدیت کا پہلو غالب تھا۔ دعاء تشہد میں بھی عبده و رسوله تعلیم کیا گیا ہے یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسوله و عبده کہا تو آپؐ نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا کہ وہی عبده و رسوله کہو شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ﴿.....

www.besturdubooks.net

عَبْدُاللّٰهِ وَ خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ. (رواه البيهقى و الحاكم و صححه (كذا فى الدر المنثور ج ٥ ص ٢٠٧)

النبیین ہوں (آخری نبی)

(اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے)

(۱۴۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ مَرْفُوْعًا اِنِّيْ خَاتِمُ اَلْفِ نَبِيٍّ اَوْ اَكْثَرَ.

(رواه فى المستدرك الكنز ج٦ ص ١٢١)

(۱۴۱) ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ میں ایک ہزار نبی یا اس سے زیادہ کے آخر میں آیا ہوں۔

(اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے)

(۱۴۲) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ اٰدَمُ وَ اٰخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ. (رواه ابن حبان فى صحيحه و ابو نعيم فى الحليه و ابن عساكر و الحكيم الترمذى (الكنز ج ٦ ص ١٣٠) و اخرجه ابن حبان فى تاريخه فى السنة العاشرة ص ٦٩ مخطوط)

(۱۴۲) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور سب کے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابونعیم نے الحلیہ میں اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے نیز ابن حبان نے اپنی تاریخ میں ۱۰ھ کے احوال میں اس کو روایت کیا ہے۔ (از قلمی نسخہ)

وصية النبى ﷺ انه لا نبى بعده

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

(۱۴۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ يَقُوْلُ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا

(۱۴۳) ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے (اور اس طرح تقریر فرمائی) جیسے کوئی رخصت

.... ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل جاتا۔ اسی طرح آپ کا دوسرا لقب خاتم النبیین ہے۔ پہلا لقب آپ کی ذاتی صفت اور دوسرا بلحاظ انبیاء علیہم السلام ہے۔ آپ سے پہلے کسی رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ دوسرے رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے اگر یہ لقب صرف شاعرانہ مبالغہ ہوتا تو آپ سے پہلے انبیاء پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنا بتلاتا ہے کہ پہلے صحف میں کسی خاتم النبیین کی بشارت موجود تھی آپ بتلا رہے ہیں کہ اس کا مصداق میں ہوں۔

(۱۴۱) * مشکوٰۃ میں ایک حدیث میں انبیاء علیہم السلام کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے چونکہ یہاں راوی نے اَوْ اَكْثَرَ کا لفظ کہہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اصل عدد محفوظ نہیں رہا اس لیے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ہزار کے عدد سے کسی خاص شان کے نبی مراد لیے گئے ہوں۔

(۱۴۲) * انبیاء علیہم السلام کے اول و آخر کی اس تحدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی شخص جس کو نبی کہہ کر پکارا جائے نہیں ہوگا۔ پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور آخری آپ اور بس۔ نیز اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوۃ کی تصریح بھی موجود ہے اسی طرح مشکوٰۃ میں ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آدمؑ نبی تھے تو آپ نے فرمایا نعم نبی مکلم ہاں خدا کے نبی تھے۔ خدا تعالیٰ ان سے باتیں کرتا تھا۔

www.besturdubooks.net

كَالْمَوْدَعِ فَقَالَ اَنَا النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ ثَلَاثًا وَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (الی قولہ) فَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا مَا دُمْتُ فِيْكُمْ فَاِذَا ذُهِبَ بِيْ فَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَ حَرِّمُوْا حَرَامَهٗ.

(رواه احمد فی مسنده (تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹۱)

ہونے والا تقریر کیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''نبی امی'' (جن کی آمد کی خبر تھی وہ) میں ہی ہوں اور میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ (اسی تقریر میں یہ بھی فرمایا) جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں میرے احکام سنو اور ان کی اتباع کرتے رہو اور جب مجھے دنیا سے اٹھا لیا جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے رہنا جو اس میں حلال ہے اس کو حلال اور جو حرام ہے اس کو حرام سمجھتے رہنا۔ اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

(۱۴۴) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خُطْبَةِ يَوْمِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَيُّهَا النَّاسُ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ لَا اُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَ صُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَ اَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُكُمْ وَ اَطِيْعُوْا وُلَاةَ اُمُوْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. (منتخب الکنز علی هامش مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

(۱۴۴) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا اے لوگو! نہ تو میرے بعد اب کوئی نبی ہوگا اور نہ تمہارے بعد کوئی امت۔ بس اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور اپنی پانچ نمازیں پڑھتے رہو اور رمضان کے روزے رکھے جاؤ۔ اور اپنے مالوں کی زکوۃ خوشی خوشی دیئے جاؤ' اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرتے رہو تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(۱۴۵) عَنْ اَبِيْ قُبَيْلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ لَا اُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ اَقِيْمُوْا خَمْسَكُمْ وَ صُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَ اَطِيْعُوْا وُلَاةَ اَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. (رواه الطبرانی و البغوی کذافی الکنز)

(۱۴۵) ابوقبیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں آئے گی پس تم اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو' اپنی پانچ نمازیں ٹھیک ٹھیک پڑھتے رہو' ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہو' اور اپنے حکام کی اطاعت کیے جاؤ' اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(۱۴۶) عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ لَا اُمَّةَ بَعْدَ اُمَّتِيْ.

(رواه البیهقی فی کتاب الرؤیا)

(۱۴۶) ضحاک بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔

(اس حدیث کو بیہقی نے کتاب الرؤیا میں روایت کیا ہے)

---

(۱۴۴) ٭ مطلب یہ ہے کہ نجات اب صرف ان فرائض اسلام پر عمل کرنے میں منحصر ہوگئی ہے اگر پہلے زمانہ کی طرح آئندہ کوئی رسول آنے والا ہوتا تو اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہوتا۔ اب ایمان کا معاملہ تو مکمل ہو چکا ہے صرف عمل کا مرحلہ باقی ہے وہ بھی اتنا مختصر ہے کہ بس فرائض کے یہ چند قدم ہیں انہیں طے کرو اور آگے جنت ہے۔

www.besturdubooks.net

تصدیق ما ھان عامل الروم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعدہ

ملک روم کے گورنر کی تصدیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

(۱۴۷) عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ مَاهَانُ عَامِلُ مَلِكِ الرُّوْمِ عَلَى الشَّامِ هَلْ كَانَ رَسُوْلُكُمْ اَخْبَرَ اَنَّهٗ يَاْتِيْ بَعْدَهٗ رَسُوْلٌ قَالَ وَ لٰكِنْ اَخْبَرَ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَ اَخْبَرَ اَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ قَدْ بَشَّرَ بِهٖ قَوْمَهٗ قَالَ الرُّوْمِيُّ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ. (خصائص ج ۲ ص ۲۸۴)

(۱۴۷) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل حدیث میں کہا کہ ماہان نے جو شام پر شاہِ روم کا عامل تھا ان سے دریافت کیا' کیا تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم سے یہ کہا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور رسول آئے گا؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا- اور یہ بھی کہا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے ان کی آمد کی بشارت اپنی قوم کو دی تھی- ماہان رومی نے کہا کہ میں بھی اس پر گواہی دینے والوں میں ہوں-

شهادة الضب انه رسول الله و خاتم النبيين

گوہ کی شہادت کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

(۱۴۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ لَا اٰمَنْتُ بِكَ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِكَ هٰذَا الضَّبُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنَا يَاضَبُّ فَقَالَ الضَّبُّ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ يَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِيْعًا لَبَّيْكَ

(۱۴۸) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی آدمی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے میں آپ پر ایمان نہیں لا سکتا- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے گوہ بتلا میں کون ہوں؟ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا

---

(۱۴۷) * حضرت ابوعبیدہؓ جب یرموک پہنچے تو روم کے لشکر کے سردار نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا اس نے کہا کہ میں ماہان گورنر کے پاس سے آیا ہوں- انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی جماعت میں سے ایک عقل مند شخص ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم اس سے گفتگو کرلیں حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کام کے لیے خالد بن ولیدؓ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے وہ گفتگو کی جو اوپر مذکور ہے- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی بشارات میں نبی منتظر کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس لیے دوسری باتوں کے ساتھ اس کی تحقیق بھی کی جاتی تھی کہ اور انبیاء کی طرح آپؐ نے کسی نبی کی آمد کی خبر تو نہیں دی-

(۱۴۸) * حیوانات کی گفتگو اور ان کی شہادت دینا اگر بطور عادت وفطرت نقل کی جائے تو بے شک تعجب کرنا چاہیے اگر بطریق معجزہ منقول ہو تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات تمام خارق عادات ہی ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے تواتر سے بھی ثابت ہیں لہٰذا صرف اس وجہ سے حدیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر اس کا روایتی پہلو ناقابل اعتبار ہوتا تو بے شک ایک بات ہو سکتی تھی- مگر اس کا روایتی پہلو بھی اتنا مخدوش نہیں ہے- یہاں حیوان کی شہادت میں لفظ رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت قرآنی میں یہ دونوں لفظ یکجا رکھے گئے ہیں- اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا صحیح اور ٹھیک....

www.besturdubooks.net

وَسَعْدَیکَ یَا رَسُولَ رَبِّ الْعَالَمِینَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ فَقَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ عَرْشُهُ وَ فِی الْاَرْضِ سُلْطَانُهُ وَ فِی الْبَحْرِ سَبِیلُهُ وَ فِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهُ وَ فِی النَّارِ عَذَابُهُ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَ اَنْتَ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. الحدیث. اخرجه الطبرانی فی الاوسط و الصغیر و ابن عدی و الحاکم فی المعجزات و البیهقی و ابو نعیم و ابن عساکر و لیس فی اسناده من ینظر فی حاله سوی محمد بن علی بن الولید البصری السلمی شیخ الطبرانی و ابن عدی و قال السیوطی فی الخصائص قلت لحدیث عمر طریق اخر لیس فیه محمد بن علی بن الولید اخرجه ابو نعیم وروی عن عائشة و ابی هریرة و علی رضی الله تعالی عنهم مثله کما فی الخصائص (ج ۲ ص ٦۵)

اے رب العالمین کے رسول میں حاضر ہوں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمان بردار ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بتلا تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے؟ وہ بولی جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے' جس نے سمندر میں راستے بنادیئے جس کی رحمت کا مظہر جنت' جس کے عذاب کا مظہر دوزخ ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا' آپؐ جہاں کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور ابن عدی نے اور حاکم نے معجزات اور بیہقی' ابونعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں سوائے محمد بن علی بن الولید کے کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کے معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہو' یہ طبرانی اور ابن عدی کے شیخ ہیں۔ سیوطی خصائص الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔ کہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں ہے ابونعیم نے ان کو بیان کیا ہے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کے ہم معنی مضمون مروی ہے۔

شهادة زید بن خارجة بعد وفاته انه صلی الله علیه وسلم لا نبی بعده

وفات کے بعد زید بن خارجہ کی شہادت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

(۱۴۹) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ کَانَ زَیْدُ بْنُ

(۱۴۹) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زید بن

لہ .... پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا اور خاتم النبیین نہ کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کے صرف ایک جزء ہی کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عالی کا ممتاز جزء خاتم النبیین ہے لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع تھیں اور اس طرح جمع تھیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لیے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوۃ کے اقرار کے لیے کافی سمجھا گیا تھا جیسا کہ کلمہ توحید کا۔ اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شئے ہے مگر جو توحید کہ آپؐ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی تھی اس لیے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔

(۱۴۹) * کرامت کے طور پر میت کا بولنا بھی کچھ تعجب کی بات نہیں تھی مگر راوی نے اس کی ایک اور توجیہ بھی کر دی ہے اور وہ یہ لہ ....

www.besturdubooks.net

خَارِجَةَ مِنْ سَرَاةِ الْاَنْصَارِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَمْشِيُ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ اِذْخَرَّ فَتُوُفِّيَ فَاُعْلِمَتْ بِهِ الْاَنْصَارُ فَاَتَوْهُ فَاحْتَمَلُوْهُ اِلٰى بَيْتِهٖ وَ سَجَّوْهُ كِسَاءً وَ بُرْدَيْنِ وَ فِي الْبَيْتِ نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءِ الْاَنْصَارِ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ وَ رِجَالٌ مِنْ رِجَالِهِمْ فَمَكَثَ عَلٰى حَالِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ اِذْ سَمِعُوْا صَوْتَ قَائِلٍ يَقُوْلُ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا فَنَظَرُوْا فَاِذَا الصَّوْتُ مِنْ تَحْتِ الثِّيَابِ فَحَسَرُوْا عَنْ وَجْهِهٖ وَ صَدْرِهٖ فَاِذَا الْقَائِلُ يَقُوْلُ عَلٰى لِسَانِهٖ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْاَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ.

خارجہ انصار کے سرداروں میں تھے ایک دن وہ ظہر وعصر کے درمیان مدینہ کے کسی راستہ پر جا رہے تھے کہ یکا یک گرے اور فوراً وفات ہوگئی انصار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی وہ آئے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے اور ایک کمبل اور دو چادروں سے ان کو ڈھانک دیا۔ گھر میں انصار کی کچھ عورتیں اور مرد اُن پر رو رہے تھے یہ گریہ وزاری ہوتا رہا حتیٰ کہ جب مغرب وعشاء کا درمیان ہوا تو دفعۃً ایک غیبی آواز آئی ''خاموش رہو' خاموش رہو'' اِدھر اُدھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز ان کپڑوں کے نیچے سے ہی آ رہی ہے جس میں میت ہے لوگوں نے ان کا منہ اور سینہ کھولا' کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نبی' امی' خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں' ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ تورات وانجیل میں موجود ہے۔ سچ ہے سچ ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم رسولا الى اهل زمانه و من بعد هم سواء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ اور بعد میں آنے والے سب انسانوں کے لیے یکساں رسولؐ ہیں

(۱۵۰) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَدْرَكَ حَيًّا وَ مَنْ يُوْلَدُ بَعْدِيْ. (رواه ابن سعد. الكنز ج ٦ ص ١٠١ و الخصائص ج ٢ ص ١٨٨)

(۱۵۰) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ان کا بھی رسول ہوں جو اب زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔

(اس حدیث کو ابن سعد نے روایت کیا ہے)

....کہ یہاں بولنے والا دراصل کوئی فرشتہ تھا میت کی زبان ان کلمات کی ادائیگی کے لیے صرف ایک واسطہ کا کام دے رہی تھی۔ جمادات وحیوانات کے ان خارق عادت شہادات سے مقصود یہ ہے کہ بنی آدم کی فطرت زیادہ سے زیادہ متاثر ہو کر نصیحت وعبرت حاصل کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لیے اور زیادہ مستعد ہو جائے۔

(۱۵۰) * بعثتِ عام اور ختم نبوۃ کو بڑا گہرا ربط ہے اسی لیے پہلی حدیث میں دونوں خصوصیتوں کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے اگر آپؐ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوۃ ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بلا رسول رہ جاتی یہ بجائے نعمت کے اور ایک زحمت ہوتی اس لیے جب نبوۃ کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپؐ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تا کہ رہتی دنیا تک تمام انسان اس کامل واکمل رسالت کے نیچے آ جائیں اور کسی دوسرے رسولؐ کے محتاج نہ رہیں اور اگر آپؐ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپؐ کا نقصان ثابت ہوتا اور اگر کوئی ناقص رسولؐ آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا (العیاذ باللہ) اس لیے بعثت عامہ کے بعد نبوۃ کا ختم ہونا ضروری اور لازم ہوگیا۔

www.besturdubooks.net

توضیح النبی ﷺ ختم النبوۃ بمثال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم نبوۃ کو ایک مثال دے کر واضح کرنا

(۱۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَ مَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَ یَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَ یَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. رواہ الشیخان و احمد و النسائی و الترمذی و فی بعض الفاظہ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ وَ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَ خُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ. (رواہ ابن عساکر کما فی الکنز)

(۱۵۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیا علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ آ آ کر اس کے اردگرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تا کہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آ کر اس اینٹ کی جگہ کو پر کر دیا ہے اور اب قصر نبوۃ میری آمد سے مکمل ہوگیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیے گئے۔
(کنز العمال)

(۱۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَ مَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَكْمَلَهَا فَاَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَكَانَ مَنْ دَخَلَهَا فَنَظَرَ اِلَیْهَا قَالَ مَا اَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ فَخُتِمَ بِیَ الْاَنْبِیَاءُ.
(رواہ الشیخان و الترمذی و ابن ابی حاتم)

(۱۵۲) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور خوب عمدہ اور مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا تو کہتا تمام گھر کس قدر خوب صورت ہے مگر یہ ایک اینٹ کی جگہ (وہ اینٹ میں ہوں) اور انبیاء مجھ پر ختم کر دیے گئے ہیں۔
(اس حدیث کو شیخین' ترمذی' ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے)

(۱۵۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَ مَثَلُ النَّبِیِّیْنَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَتَمَّهَا اِلَّا لَبِنَةً وَاحِدَةً فَجِئْتُ اَنَا وَ اَتْمَمْتُ تِلْكَ اللَّبِنَةَ. (رواہ مسلم و احمد)

(۱۵۳) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور اس کو پورا بنا دیا مگر ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی' میں آیا اور اس اینٹ کو بھی پورا کر دیا۔
(اس حدیث کو مسلم واحمد نے روایت کیا ہے)

(۱۵۴) عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی

(۱۵۴) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

---

(۱۵۴) * ان تشبیہات کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس قصر میں جو ہر طرح مکمل ہو چکا ہے اب کسی اور اینٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہی اسی طرح میری آمد کے بعد اب کسی اور نبی کے آنے کا احتمال نہیں رہا' یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ختم نبوۃ کے اس مونے سے ۔۔۔۔

www.besturdubooks.net

اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلِي فِي النَّبِيِّيْنَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَاَحْسَنَهَا وَ اَكْمَلَهَا وَ تَرَكَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِالْبِنَاءِ وَ يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْتَمَّ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ وَ اَنَا فِي النَّبِيِّيْنَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح غريب)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور نہایت خوشنما مکمل اور آراستہ بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کے اردگرد گھومتے اور اُسے تعجب سے دیکھ دیکھ کر کہتے ہیں کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پوری ہو جاتی - تو میں نبیوں میں ایسا ہی ہوں جیسے یہ اینٹ اس محل میں-

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

لانبی بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ان کان من غیر تشریع *

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں خواہ غیر تشریعی نبی ہو

(۱۵۵) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (رواه البخاری و مسلم فی غزوة تبوك) وَ فِيْ لفظ مسلم خَلَّفَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّفْتَنِيْ مَعَ النِّسَاءِ وَ الصِّبْيَانِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِيْ وَ فِيْ لَفْظ اخر عنده اِلَّا اَنَّكَ لَسْتَ نَبِيًّا.

(۱۵۵) سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ علیہما السلام سے تھی' اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا- اس حدیث کو بخاری و مسلم نے غزوۂ تبوک کے بیان میں روایت کیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا تو حضرت علیؓ نے آپ کی خدمت میں (حسرت سے) عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے آپ عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ آپؐ نے (ان کی تسلی کے لیے) فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوۃ باقی نہیں اور مسلم کے دوسرے لفظ یہ ہیں مگر تم نبی نہیں ہو-

(۱۵۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

(۱۵۶) جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارادہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو انہوں

؎ ... مسئلہ کو پیرایہ بہ پیرایہ طریقہ بہ طریقہ آخر کیوں اتنا سمجھا رہے ہیں- آپ کا آخری نبی ہونا کوئی دقیق مسئلہ نہیں جس کے لیے اتنی تفہیم کی حاجت ہو پھر یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس کا جواب آپ کو ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خود واضح ہو جائے گا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعیین نبوت کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے-

(۱۵۶) ان دونوں حدیثوں میں حضرت علیؓ و حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات سے تشبیہ دینا مقصود نہیں اسی لیے انت بمنزلة ؎ ...

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُخَلِّفَ قَالَ لَهُ عَلِيٌّ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيْ اِذَا خَلَّفْتَنِيْ قَالَ فَقَالَ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهُ لَا يَكُوْنُ بَعْدِيْ نَبِيٌّ.

(رواه احمد و ابن ماجة و الترمذى)

نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپؐ مجھے (اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور) پیچھے چھوڑ جائیں گے تو بھلا لوگ میرے متعلق کیا کیا باتیں کہیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میری تمہاری وہ نسبت رہے جو ہارون و موسیٰ کی تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

(اس حدیث کو احمد' ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۱۵۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (يا على) وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ مَا اخْتَرْتُكَ اِلَّا لِنَفْسِيْ وَ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (رواه احمد و ابن عساكر الكنز)

(۱۵۷) زید بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے میں نے تم کو صرف اپنے لیے پسند کیا ہے اور تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہما السلام سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ (الکنز)

(۱۵۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَجِعْتُ وَجْعًا فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَنِيْ فِيْ مَقَامِهٖ وَ قَامَ يُصَلِّيْ وَ اَلْقٰى عَلَيَّ طَرَفَ ثَوْبِهٖ ثُمَّ قَالَ بَرِئْتَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَلَا بَاْسَ

(۱۵۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے درد اٹھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنے لباس کا ایک کنارہ میرے اوپر ڈال دیا پھر فرمایا اے علی (رضی اللہ تعالیٰ

ﷺ .... ہارون نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیبت کے زمانہ میں اپنی قوم کو نگرانی کے لیے اپنے بھائی حضرت ہارون کا انتخاب کیا تھا' اسی طرح اپنی غیبت میں میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔ حضرت ہارون کو چونکہ نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی اس لیے اس مجمل تعبیر سے یہ وہم پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی کہیں خلافت نبوۃ نہ ہو اس لیے اس احتمال کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور اس کو صاف صاف طور پر صاف کر دیا گیا ہے تاکہ آنے والی امت محض الفاظ کے ابہام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو' یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ کے اتباع ہی کی بدولت ہوتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب تو سطیا بلاتوسط کسی نبوۃ کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اگرچہ نبوت کا کسی نبی کے اتباع سے ملنا خود ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی لیے دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جو کسی نبی کے اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو یہ محض دماغی اختراع اور خود ساختہ خیال ہے۔

(۱۵۷) ✵ یہی مضمون ابو سعید خدریؓ' حبشی بن جنادہؓ' عقیل بن ابی طالبؓ' اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھو کنز العمال۔

(۱۵۸) ✵ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے نبوت کی دعا فرمائی تھی اور وہ قبول ہوگئی تھی۔ ﴿واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری و اشركه فی امری﴾ (طٰہٰ : ۲۹-۳۲) ''اور میرے خاندان میں میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دے' ان کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط فرما اور میرا شریک کار بنا دے'' اس دعا کے بموجب ان کو نبی بنا دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْكَ مَا سَأَلْتُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا سَأَلْتُ لَكَ مِثْلَهُ وَ لَا سَأَلْتُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَانِيهِ غَيْرَ أَنَّهُ قِيلَ لِي أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي فَقُمْتُ كَأَنِّي مَا اشْتَكَيْتُ. (رواه ابن جرير و ابن شاهين في السنة و الطبراني في الاوسط و ابو نعيم في فضائل الصحابة. كذا في الكنز)

عنہ) تم شفایاب ہو گئے اب تم میں کوئی مرض نہیں رہا۔ میں نے جو دعا اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے کی ہے وہی تمہارے لیے مانگی ہے اور جو دعا میں نے مانگی ہے وہ اس نے قبول فرمائی ہے بجز اس کے کہ مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (کنز العمال)

لا يبقى من النبوة شئي الا المبشرات

آنحضرت ﷺ کے بعد نبوۃ کا کوئی جزء باقی نہیں رہا صرف اچھے خواب باقی ہیں

(۱۵۹) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَبْقَى بَعْدَهُ مِنَ النُّبُوَّةِ شَيْءٌ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۵۹) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میرے بعد نبوۃ کا کوئی جزء باقی نہیں رہا۔ صرف مبشرات باقی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پوچھا

۞.... صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ عالم تقدیر میں یہ طے پا چکا تھا کہ اب کوئی نبی نہ ہوگا اس لیے یہ نا مناسب تھا کہ دعاء کے بعد آپ کو عالم تقدیر کے اس فیصلہ کی اطلاع دی جاتی اس لیے اس سے قبل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ حضرت علیؓ کے لیے نبوت کی دعا فرماتے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کی ہر دعاء قبول ہوگی مگر نبوت کے لیے آپ دعاء ہی نہ فرمایئے۔

غور فرمایئے کہ حدیث مذکور میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ایک معمولی تشبیہ کے اثرات کتنی دور دور تک پھیل رہے ہیں اور ہر گوشہ میں ختم نبوت کا عقیدہ کس کس طرح نظر آتا چلا جا رہا ہے گویا یہ ایک بنیاد ہے اور بقیہ تمام تفریعات اسی عقیدہ پر قائم ہیں اگر کہیں ذرا بھی اس بنیاد کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ جہاں نبوت و رسالت کی صریح پیشگوئیوں کی بجائے اتنی گنجائش بھی نہ ہو وہاں نبوت کے دروازے نہیں بلکہ پھاٹک کھول دیئے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب اس میں سے گذرنے والوں کی تعداد دریافت کی جائے تو بمشکل ایک شخص کا نام پیش کیا جائے۔ اور اس میں بھی ابھی تک یہ بحث جاری ہو کہ وہ امام تھا یا مجدد یا نبی و رسول اور اگر معتقدین کا حال چھوڑ کر کہیں خود اس کے دعاوی کو دیکھا جائے تو ایک صحیح الفہم شخص یہ اندازہ کر ہی نہ سکے کہ اتنے مختلف دعاوی کبھی ایک زبان سے ادا بھی ہو سکتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

(۱۵۹) ✱ انبیاء علیہم السلام کی صفت انذار بھی ہے اور تبشیر بھی۔ اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا: رسلاً مبشرین و منذرین۔ اس لحاظ سے رؤیا صالحہ کی بھی دو قسمیں ہونا چاہئیں مبشرات اور منذرات مگر چونکہ رؤیاء صالحہ کا غالب حصہ مبشرات پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے رؤیا صالحہ کی تفسیر میں صرف مبشرات کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آیت ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (یونس: ٦٤) میں بشریٰ سے مراد رؤیا صالحہ ہیں۔ اس بناء پر بھی رؤیاء صالحہ کا عنوان مبشرات بن گیا ہے۔ بہر حال یہ ضروری نہیں ہے کہ سچے خواب ہمیشہ خوشی و مسرت کے متعلق ہوں۔ رنج و غم کے متعلق بھی ہو سکتے ہیں مگر رؤیاء صالحہ میں یہ حصہ مغلوب ہوتا ہے اور بشارت کا حصہ غالب اس کے برعکس شیطانی خواب بیشتر خوفناک ہوتے ہیں اور مسرت و خوشی کے شاذ و نادر کیونکہ شیطان کا مقصود ہی ۞....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْتُرٰى لَهٗ . (کذافی الکنز والحدیث مروی فی الصحاح بتعیر یسیر)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبشرات کیا چیز ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے۔ (کنز العمال)

ذهبت النبوة و الرؤيا ليست بنبوة

نبوۃ بالکل ختم ہوگئی اور صرف خواب نبوۃ نہیں ہیں

(۱۶۰) عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَ بَقِيَتِ

(۱۶۰) ام کرز روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے نبوۃ تو ختم ہوئی ہاں صرف مبشرات باقی ہیں۔ اس حدیث کو

ف.... تخریج مسلم ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے۔ الرؤيا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة و اربعين جزء من النبوة. نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں مسلم سے ہر فاسق و فاجر مراد نہیں بلکہ صالح اور نیک شخص مراد ہے۔

اس لیے فاسق یا کافر کا خواب اگر سچا بھی ہو تو نبوۃ کا جز نہیں کہا جا سکتا۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک آدمی کبھی شیطانی خواب دیکھتا ہی نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص بیداری میں انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلتا ہے صدق و اخلاص امانت و دیانت داری اس کا شیوہ ہے اندر باہر دوست و دشمن کسی کے ساتھ جھوٹ بولنا روا نہیں رکھتا۔ اس کی فطرت پر صدق و سچائی کا پورا نقش قائم ہو چکا ہے وہ سونے کے بعد بھی شیطانی تسلط و حکومت کے ماتحت نہیں آتا۔ اس لیے اس کا جو خواب ہوتا ہے وہ اکثر خدا کی طرف سے ہوتا ہے اگر گاہے ماہے اس کے خلاف ہو تو شاذ و نادر ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص بحالتِ بیداری میں جھوٹ و دغا بازی کا عادی ہے وہ سونے کے حال میں بھی شیطان ہی کے زیرِ حکومت رہتا ہے اس کے خواب بھی اکثر شیطانی اتصال و تصرف کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ الرؤيا الصالحة من الله و الحلم من الشيطان. اچھے خواب (جو مؤمن صالح کا نصیب ہے خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے) خلاصہ یہ کہ انسان بحالتِ خواب اپنے بیداری کے حالات کے تابع رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔ اگر اتنی بات آپ کے نزدیک معقول ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ جس طرح انسان حالت نوم میں بیداری کے حال کے تابع ہوتا ہے اسی طرح موت کے بعد اپنی حیوۃ کے حالات کے تابع رہے گا۔ **من كان فى هذه اعمى فهو فى الاخرة اعمى** جو اس دنیا کی زندگی میں اندھا بنا رہا وہ آخر میں بھی اندھا اٹھے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر سچا خواب نبوۃ کا جزء ہے بلکہ اس کا خواب نبوۃ کا جز قرار دیا گیا ہے جو شریعت کی اصطلاح میں صالح کہا جا سکے۔ قرطبی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ صالح سے مراد وہ شخص ہے جو عبادات و عادات میں انبیاء علیہم السلام کے قدم بقدم ہو۔ کاہن اور نجومی بھی غیب کی خبریں دیتے ہیں مگر وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں اس کا نام اطلاع علی الغیب نہیں اس کے اسباب پر اپنی جگہ مفصل بحث موجود ہے۔ اطلاع علی الغیب نبوۃ کا خاصہ ہے اس کی ابتداء اچھے اور سچے خواب ہیں اور اس کی انتہا وحی نبوت یعنی بحالتِ بیداری خداے تعالیٰ یا فرشتہ کے ساتھ مکالمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوۃ سے پیشتر سچے سچے خواب دیکھا کرتے تھے ۶ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد وحی کا دور شروع ہو گیا جس کی مدت تیئس سال ہے بعض علماء نے یہ دیکھ کر کہ ۶ ماہ ۲۳ سال کا چھیالیسواں جزء ہیں یہ کہہ دیا ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں رؤیا مؤمن کو اسی لیے نبوۃ کا چھیالیسواں جز کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر طویل گفتگو کی ہے۔ (اس پر سوال و جواب علماء کے دائرہ کی بحث ہے) باقی رہی یہ بحث کہ اگر مبشرات نبوۃ کا جزء ہیں تو کیا ان کو کوئی مختصر نبوۃ کہا جا سکتا ہے اس پر آئندہ حدیث کے نوٹ میں کلام کیا جائے گا۔

www.besturdubooks.net

اَلْمُبَشِّرَاتُ .(اخرجه احمد و ابن ماجة و صححه ابن خزيمة و ابن حبان)

امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۱۶۱) عَنْ اَنَسٍ رفعه اَنَّ الرِّسَالَةَ وَ النُّبُوَّةَ قَدْ اِنْقَطَعَتْ فَلَانَبِیَّ وَ لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَ لٰکِنْ

(۱۶۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسالت اور نبوۃ دونوں ختم ہوگئیں اب میرے بعد نہ کوئی نبی

---

(۱۶۱) * قرآن وحدیث اس پر متفق ہیں کہ نبوۃ ختم ہوچکی ہے۔تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔نبوۃ کی کوئی قسم اب باقی نہیں رہی۔ہاں اس کے کمالات و برکات باقی رہنا چاہئیں اور وہ باقی بھی ہیں۔نبوۃ سے قبل عالم کا ظاہر و باطن تیرہ و تاریک ہوتا ہے۔جب آفتاب نبوت طلوع کرتا ہے تو عالم کا گوشہ گوشہ اس کے انوار سے منور ہوجاتا ہے۔ظاہر میں ظلم و فساد کی بجائے رشد و صلاح کی حکومت ہوجاتی ہے۔انسانی عادات میں افراط و تفریط' عجلت و جلد بازی کی بجائے متانت و بردباری' وقار و میانہ روی پیدا ہوجاتی ہے۔باطن کا رشتہ شیطان سے یکسر کٹ جاتا ہے اور عالم بالا سے ایسا رشتہ قائم ہوجاتا ہے کہ اس میں مغیبات کے انعکاس کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے ان ہی کا نام اجزاء نبوۃ یا آثار و برکات نبوۃ ہے ان اوصاف کے وجود سے کوئی شخص نبی نہیں بنتا ہاں نبی سے مستفیض کہا جاسکتا ہے۔رؤیاء صالحہ یعنی اچھے خواب دیکھنا باطن کے اسی تاثر کی نشانی ہے اور عادات کا انقلاب ظاہر کے تاثر کی احادیث میں ایک طرف رؤیاء صالحہ کو نبوۃ کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چھبیسواں جز قرار دیا گیا ہے۔حدیث میں ہے التوء دة و الا قتصاد و حسن السمت من ستة و عشرين جزء من النبوة. بردباری و متانت' میانہ روی اور اچھی روش نبوۃ کا چھبیسواں جزء ہیں۔ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا۔جب چھبیسویں جزء کو نبوۃ نہیں کہا جاتا تو چھیالیسویں جزء کو نبوۃ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ابن جوزی کہتے ہیں کہ رؤیاء صالحہ کو صرف تشبیہی لحاظ سے نبوۃ کا جزء کہا گیا ہے ابن التین کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں وحی کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں اب یہ سلسلہ تو منقطع ہوا خواب کا سلسلہ باقی ہے۔اس اعتبار سے رؤیاء کو اجزاء نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔غالباً اسی وجہ سے اس حدیث کے کسی طریقہ میں رؤیا کو رسالۃ کا جزء نہیں کہا گیا ہر جگہ نبوت کا جزء کہا گیا ہے رسالۃ کا زیادہ تعلق احکام سے ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ جو خواب نبوۃ کا چھیالیسواں جزء ہے وہ ہر شخص کا خواب نہیں بلکہ خود نبی کا خواب ہے مگر یہ جواب مخدوش ہے۔اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغایر ہوتا ہے یہی کلمات جو مجموعی طور پر اذان کہے جاتے ہیں علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے۔عناصر اربعہ انسان کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا مثلاً آپ انسان کا ۴/۱ حصہ ہے مگر انسان نہیں تو رؤیا صالحہ نبوۃ کا چھیالیسواں جزء ہوکر نبوۃ کیسے ہوسکتے ہیں۔ہمارے نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ رؤیاء صالحہ نبوۃ کے حقیقۃ اجزاء نہیں ہیں۔کیونکہ نبوۃ کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء و اجتباء پر موقوف ہے ہاں اس کے کچھ لوازم و خصائص ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے۔ان خصائص و خصائل ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔یہ تنقیح بھی ہمیں اس لیے کرنی پڑتی ہے کہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہے ورنہ اہل عرف کے نزدیک یہ تدقیقات قطعاً غیر ضروری ہیں۔ان کے نزدیک عوارض مختلفہ اور اتیات و اجزاء میں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاریؒ کی دقت نظر مشہور ہے انہوں نے یہاں بھی ایک جدت طرازی سے کام لیا ہے۔پہلے ترجمۃ الباب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔''اچھا خواب نبوۃ کا چھیالیسواں جزء ہے۔''اس کے بعد یہ حدیث روایت کی ہے کہ ''اچھے خواب خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے شیطان کی طرف سے۔'' شارحین کو بحث ہے کہ اس حدیث کو بظاہر باب سے کوئی مناسبت نہیں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہاں امام بخاریؒ رؤیاء صالحہ کے جزء نبوۃ ہونے کی ایک لطیف حکمت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔انما كانت جزء من اجزاء النبوة لانها من الله ....

www.besturdubooks.net

بَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَ مَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِيْنَ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ.
(ابو یعلیٰ فتح الباری)

ہوگا نہ رسول' لیکن مبشرات باقی ہیں- صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پوچھا مبشرات کیا چیز ہیں؟ فرمایا مسلمانوں کے خواب- یہ اجزاءِ نبوۃ کا ایک جزء ہیں- (ابو یعلی)

الالهام و التحديث مع الملائكة ليس بنبوة

الہام اور فرشتوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی نبوت نہیں ہے

(۱۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُنْ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ

(۱۶۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے- اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور بعض

.... تعالي بخلاف التي من الشيطان فانها ليست من اجزاء النبوة. (ج ۱۴ص ۳۱۴) یعنی رؤیاء صالحہ کو اجزاءِ نبوۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اس کے برخلاف وہ خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اجزاءِ نبوت نہیں ہیں- بظاہر امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح حالتِ بیداری میں وحی دو قسم پر ہے ایک وحی نبوت جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے دوسری ایحاء شیطان- ان الشياطين ليوحون الى اوليائهم. اسی طرح خواب کی بھی دو قسمیں ہیں ایک من اللہ دوسرے من الشیطان جو رؤیا من اللہ ہیں ان کا رشتہ نبوۃ سے ہے وہ بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور جو من الشیطان ہے اس کا تعلق وحی شیطان سے ہے- حدیث نے بھی اس مشتبہ حقیقت کا فرق واضح کیا ہے یعنی جو خواب من اللہ ہیں ان کا نام رؤیا رکھا ہے اور جو شیطان کے تصرف سے ہیں ان کا نام حلم رکھا ہے غالباً اسی لیے سورۂ یوسف میں فرمایا: ﴿وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعَالِمِيْنَ﴾ (یوسف: ۴۴) یعنی انبیاء کو 'احلام' شیطانی خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں دیا جاتا- ہاں ''رؤیا'' عالم قدس کی ایک حقیقت ہے- ان کی تعبیر کا علم شانِ نبوۃ کے مناسب ہے- اور احلام بے حقیقت شے ہے- ان سے انبیاء علیہم السلام کا کوئی واسطہ نہیں خلاصہ کلام یہ کہ رؤیاء صالحہ نبوۃ نہیں بلکہ نبوۃ کا حقیقی جزء بھی نہیں اس لیے ان احادیث میں پہلا عنوان بدل کر نبوۃ کو بالکل ختم کہا گیا ہے اور رؤیاء صالحہ کو جداگانہ ایک چیز قرار دیا گیا ہے- اصطلاحِ نحو کے مطابق پہلی حدیث میں استثناء کو منقطع کہا جائے گا یا اجزاء سے خصائص و آثار مراد ہوں گے- اگر سب کچھ تسلیم کرلیا جائے تو نبوۃ کے اس جزء میں کسی بڑے رتبہ یا کمال یا دعویٰ کی شرط نہیں بلکہ ہر مردِ صالح کا اس میں حصہ ہے-

(۱۶۲) ✱ محدث اور مکلم دونوں لفظ بصیغہ اسم مفعول ہیں- صحیح مسلم کے بعض طرق میں محدثون کے بجائے ''ملهمون'' اور مسند حمیدی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں "الملهم بالصواب" کا لفظ ہے اور ابن عیینہ کے شاگردوں نے اس کی تفسیر میں ''مفهمون'' کا لفظ نقل کیا ہے- ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا محدث کیسا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں- علماء نے اس کی مختلف تفصیلات کی ہیں- اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ هو الرجل الصادق الظن یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر صحیح ہو- و هو من القي في روعه شئ من الملاء الاعلي فيكون كالذي حدثه غيره. یہ شخص وہ ہے جس کے قلب میں ملائکہ مقربین کی جانب سے کوئی بات اس طرح ڈالی جائے گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے- کوئی کہتا ہے کہ محدث اسے کہتے ہیں جس کی زبان سے صدق و صواب بلاقصد نکلے- کسی نے تحدیث کا ترجمہ فراست کیا ہے- علماء محققین میں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ ....

www.besturdubooks.net

2 فَاِنَّهُ عُمَرُ. وَ فِي رِوَايَةٍ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ. (متفق عليه)

روایات میں ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جن سے غیبی طور پر باتیں کی جاتی تھیں مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔ (متفق علیہ)

(۱۶۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ اِلَّا كَانَ فِيْ اُمَّتِهِ مَنْ يُحَدَّثُ وَ اِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ. (رواہ ابن عساکر. کنز)

(۱۶۳) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا گیا جس کی امت میں کوئی نہ کوئی محدث نہ ہو' اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔ (کنز)

(۱۶۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ نَبِيٌّ اِلَّا كَانَ فِيْ اُمَّتِهِ مُعَلَّمٌ اَوْ مُعَلَّمَانِ فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۹)

(۱۶۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی نبی نہیں گذرا جس کی امت میں ایک دو معلم (محدث) نہ گذرے ہوں' اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو وہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔

٭..... وغیرہ نے بھی اس پر کافی کلام کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام علماء نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر ان کی ایک ایک خصوصیت کو اپنے خیال کے مطابق چنا ہے اور اس کو محدث کی تعریف میں شامل کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان سب اوصاف کو یکجائی طور پر محدث کی تعریف میں داخل کر لینا چاہیے یہ حقیقت حدیث سے تجاوز کر کے قرآن تک پہنچ گئی ہے چنانچہ آیت ﴿وَ مَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ﴾ (الحج: ۵۲) میں ابن عباس وَ لَا مُحَدَّثٍ کا لفظ اور پڑھا کرتے تھے قرآن کریم میں محدث کو نبی کے بالمقابل رکھا گیا ہے اسی لیے حدیث میں بھی من غیر ان یکونوا انبیاء سے ان کے ہی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے ساتھ ہی اگر حضرت عمرؓ کے متعلق اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے؟ لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا۔ تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدث اور مکلم نبی نہیں ہوتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صرف ملائکۃ اللہ کا کسی سے ہم کلام ہونا یا صدق وصواب اس کی زبان پر جاری ہو جانا نبوۃ نہیں ہے۔ جیسا کہ صرف غیب کی خبریں دینا نبوۃ نہیں یا جیسا کہ سچے خواب دیکھنا نبوۃ نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انبیاء اور غیر انبیاء بلکہ مسلم و کافر میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ اولیاء کے مکالمات کو الہام کہتے ہیں اور نبی کے مکالمات کو وحی یہ صرف اصطلاحی فرق ہے اس سے پوری حقیقت نہیں کھلتی۔ اسی طرح قطعیت وظنیت کے فرق سے بھی ان کی حقیقت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی یہ صرف صاحب وحی جانتا ہے کہ وحی یہ ہے اور الہام یہ۔ یہاں بھی علماء نے احادیث میں وحی کے لوازم و خصائص تلاش کر کے بہت کچھ لکھا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ نبوۃ و وحی کی حقیقت سوائے نبی کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا جب اشیاء خارجہ کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی حدود حقیقی یا تو غیر ممکن ہیں ورنہ دشوار ضرور ہیں تو روحانیات کے صحیح حدود کیسے ممکن ہیں۔ (دیکھو فتح الباری فضائل عمر)

www.besturdubooks.net

سیاسة الامة و اصلاح ما فیها من تغییر الدین لیس بنبوة

امت کا انتظام اور ان کے دینی تحریفات کی اصلاح کرنا بھی نبوۃ نہیں

(۱۶۵) عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ اَبَاهُرَیْرَةَ خَمْسَ سِنِیْنَ فَسَمِعْتُهُ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ

(۱۶۵) ابوحازم کہتے ہیں کہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پانچ سال رہا ہوں میں نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا انتظام خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی دوسرا اس کا جانشین آ جاتا

---

(۱۶۵) * حافظ ابن حجرؒ انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست کی تشریح میں لکھتے ہیں انهم کانوا اذا ظهر فیهم فساد بعث الله لهم نبیا یقیم لهم امرهم و یزیل ما غیر و امن احکام التورات. یعنی بنی اسرائیل میں جب کوئی فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو ان میں بھیج دیتا جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور شریعت تورات میں ان کی تحریفات کو دور کر دیتا۔ امت محمدیہ میں یہ خدمات خلفاء کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے خواب دیکھنا' الہام اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ' امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا یہ سب محدثین اور خلفاء کے وظائف ہیں' منصب نبوت اب ختم ہو گیا۔ اور یہ وظائف نبوۃ امت محمدیہ کے خلفاء کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہیے کہ جن خدمات کے لیے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اب اس امت کے علماء و خلفاء انہیں انجام دیا کریں گے۔

سوچو کہ امت محمدیہ کی ہتک عزت اس میں ہے کہ اسے نااہل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لی النبوة و لکم الخلافة. نبوۃ صرف میرے لیے ہے اور تمہارے لیے خلافت ہے (کنز العمال ج ۶ ص ۱۸۰) اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کر کے اپنا اور امت کا حصہ علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ اچھے خواب میں ہماری شرکت ہے۔ الہام' اور فرشتوں سے بات چیت میں ہماری شرکت ہے۔ امت کا نظم ان کی تحریفات کی اصلاح ہمارا حصہ ہے مگر نبوت میں ہماری کوئی شرکت نہیں اسی لیے حضرت علیؓ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تشبیہ دیتے ہوئے یہ صاف فرما دیا گیا تھا کہ تم میرے جانشین ضرور ہو مگر نبی نہیں ہو نبوت میرا حق ہے اور خلافت تمہارا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون وہ کہ جب بولتے تھے تو وحی ان کی موافقت میں بولتی تھی محدث ہو سکتے ہیں مگر یہ بات ان سے بھی صاف کہہ دی گئی تھی کہ نبوت میرا حق ہے اور محدثیت تمہارا۔ حالانکہ ان کے خواب ان کے الہام' ان کی امت کی نگہداشت و حفاظت اس کی سفارش کر رہی تھیں کہ اگر اس امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہوتو وہ ان کو دے دی جائے۔ شب ہجرت میں حضرت علیؓ آپؐ کے بستر پر ساری رات آپؐ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں' صدیق اکبرؓ راہ کے ہر ہر خطرناک موقع پر سربکف حاضر ہیں مگر فنافی الرسول کے سمندر کے ان شناوروں کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہ آیا بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا حتیٰ کہ کسی کے لیے لفظ نبی کی کوئی بھی گنجائش نہیں دی گئی۔ اس لیے یہاں ظلی و بروزی نبوت کی بحث کرنا بھی بالکل بے معنی ہے۔ یہ بحث اس وقت قابل توجہ ہو سکتی ہے جب کہ شریعت میں کہیں امت کے کاملین پر نبی کا اطلاق درست تسلیم کیا جائے لیکن جب بالتفصیل لا نبی بعدی میرے بعد کوئی .... ☜

خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَ اِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ سَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا مَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ. (رواہ البخاری و مسلم و احمد و ابن ماجۃ و ابن جریر و ابن ابی شیبۃ)

لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر ان کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت پوری کرنا تم تو ان کا حق ادا کرتے رہنا اور اس نگرانی کی باز پرس جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے وہ خود فرمائے گا۔

(بخاری و مسلم و احمد وغیرہم)

لو کان بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی لکان عمرؓ

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے

(۱۶۶) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۱۶۶) عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت

لہ .... نبی نہیں۔ کہہ دیا گیا ہے تو اب ہمیں بلاوجہ ظلی و بروزی کی تقسیم کی دردسری اٹھانے کی حاجت نہیں ہے اس کے ماسوا یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تاریخ نبوت میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ تشریعی 'غیر تشریعی' اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو نبوت کی اب ایک اور تیسری قسم تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے اس کے لیے بہت زبردست شرعی ثبوت درکار ہیں۔ پورے وثوق وتحدی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن وحدیث میں ایک آیت اور کوئی ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت کو انبیاء کہا گیا ہو۔ پھر خاتم النبیین کے عموم میں محض اپنی اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کرنا قرآن دانی کا ثبوت نہیں بلکہ کھلی ہوئی تحریف ہے۔

(۱۶۶) * حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اخوت حاصل تھی اس کے باوجود وہ نبی نہیں بن سکے۔ نسبت اخوت سے بڑھ کر ابنیت کی نسبت ہے گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا مگر ان کے متعلق بھی حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا اگر ابراہیم جیتا تو صدیق نبی ہوتا۔ یعنی جس نے ختم نبوۃ مقدر فرمائی تھی اس نے ان کے لیے عالم تقدیر میں اتنی عمر بھی نہیں لکھی کہ ان کی علوم استعداد ظاہر ہو اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آپؐ کے بعد نبوت باقی ہے ورنہ حضرت ابراہیم (فرزند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے نبی ہو سکتے تھے۔

یہاں شیخ محی الدین نووی تو اپنی مشہور کتاب تہذیب الاسماء میں حضرت ابراہیم کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حدیث کے متعلق یہ لکھ گئے ہیں اما ماروی عن بعض المتقدمین لو عاش ابراھیم لکان نبیا فباطل و جسارۃ علی الکلام فی المغیبات و مجازفۃ و ھجوم علی عظیم من الزلات و اللہ المستعان . (ج ۱ ص ۱۰۳) بعض متقدمین سے حضرت ابراہیم کی نبوت کے متعلق جو حدیث مروی ہے وہ بالکل بے اصل اور غیب کے معاملات میں بڑی دلیری اور اٹکل کے تیر اور بڑی لغزش ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر باب من سمی باسم الانبیاء کے ذیل میں اسی کے ہم معنی اور چند احادیث نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں فھذہ عدۃ احادیث صحیحۃ عن ھولاء الصحابۃ انھم اطلقوا ذلک فلا ادری ما الذی حمل النووی..... علی استکار ذلک ان چند صحابہؓ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی ثابت ہیں جن میں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کی تقدیر پر ان کے نبی ہونے کا ذکر موجود ہے پھر معلوم نہیں کہ نووی کو اس کے انکار کی کیا وجہ پیش آئی [1] اس لیے اس حدیث میں پس و پیش کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ جن حضرات کو اس حدیث میں تشویش لاحق ہو...

---

[1] فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۷۶۔

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب (رضی

؎ .... ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث آئینہ خاتم النبیین کے بظاہر مخالف معلوم ہوتی ہے اس لیے قرآن کے قطعی آیت کے بالمقابل قابل قبول نہیں ہوسکتی - ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے - بات یہ ہے کہ آیت خاتم النبیین کا تعلق عالم کے ان نبوتوں کے ساتھ ہے جو اپنی جگہ ایک حقیقت ثابتہ ہیں اس کے برخلاف حضرت ابراہیمؑ کی نبوت صرف فرضی ہے فرضی بات چونکہ محض ایک اعتبار ذہنی کا نام ہے اس لیے اسے عالم کے واقعی نبوتوں کے ساتھ کوئی تعارض نہیں ہوسکتا - اس کی ایک منطقی مثال یہ ہے ان کان زید حمارا کان ناھقا - اگر زید گدھا ہوتا تو وہ گدھے ہی کی طرح بولتا - یہ بات اپنی جگہ درست ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ زید انسان ہے اور اس لیے وہ گدھے کی آواز نہیں بولتا - یہ واقعہ بھی اپنی جگہ درست ہے ہاں اگر زید کی انسانیت کے ساتھ ہی ساتھ اس کی حماریت کو مان لیا جائے تو اب یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا کیونکہ بیک وقت وہ ناطق اور ناہق دونوں نہیں ہوسکتا - اسی طرح ختم نبوۃ اپنی جگہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اگر حضرت ابراہیمؑ کی نبوت اسی درجہ میں مان لی جائے تو یقیناً تعارض پیدا ہو جائے گا ورنہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست رہیں گی - ختم نبوۃ خارج میں' اور نبوۃ ابراہیمؑ فرضی طور پر - اصل یہ ہے کہ جب کوئی متکلم کسی بات کا کوئی پہلو واقعات عالم کے برخلاف فرض کرتا ہے تو اس فرض سے اس کا کچھ مقصد ہوتا ہے پہلے اس کے اس مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے اور صرف ایک فرضی پہلو کی وجہ سے اس کے تمام پہلوؤں کی فرضی تفصیلات میں جانا نہیں چاہیے - ظاہر ہے کہ جب عالم میں واقعات کی ایک ترتیب پہلے سے موجود ہے اب اگر اس ترتیب کے خلاف کوئی امر فرض کیا جائے اور اس کو واقعات کی اسی مرتب صف میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس مرتب سلسلہ میں اختلال و بدنظمی پیدا ہو جائے گی - یہاں واقعہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے - آپ کے فرزند بھی انتقال فرما گئے ہیں - عالم کے ان دونوں واقعات میں کوئی تعارض نہیں کوئی اختلاف نہیں - اب اگر صرف آپ کی عظمت شان اور ان کا جوہر استعداد سمجھانے کے لیے فرضی طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ جیتے تو نبی ہوتے تو اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں لیکن اسی فرضی نبوت کو اگر عالم کے ان واقعات کے ساتھ رکھ دو جو بالفرض کیے ہوئے موجود ہیں تو یقیناً وہ خارجی ترتیب بگڑ جائے گی - اب غور طلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی فرضی نبوۃ کی وجہ سے ختم نبوۃ کے واقعی عقیدہ کو فرضی کہہ دیا جائے یا اس کو واقعی اور اس کو فرضی کہہ دیا جائے مقصود قائل سے یہ کتنا بعید ہوگا کہ وہ تو اپنی ختم نبوۃ کے ساتھ ایک ہستی کا اور اعتقاد عظمت قائم کرنا چاہتا ہے - آپ ختم نبوۃ کا انکار کر کے اسی کا احترام ختم کرنا چاہتے ہیں وہ ایک فرضی نبوۃ کا تصور آپ کے سامنے لاتا ہے آپ اسے واقعی بنا کر ختم نبوۃ کا عقیدہ ہی فرضی بنائے دیتے ہیں اچھا آپ کے بقول مان لیجیے کہ حضرت ابراہیمؑ اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے - آیئے دیکھیں کہ جن کی فطرت ابراہیمی فطرت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور وہ زندہ بھی رہے پھر کیا نبی بنے؟ ترمذی کی حدیث آپ کے سامنے ہے - عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطرت کو نبوت سے جتنی مناسبت ہے وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہے یہ زندہ بھی رہے مگر نبی نہ بنے - اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کسی مستعد نبوت کے نبی نہ ہونے کی اصل وجہ صرف اس کی موت نہیں ہے ورنہ جہاں یہ وجہ نہ تھی وہاں نبوت مل جانا چاہیے تھی - غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لیے ذاتی استعداد و صلاحیت کے علاوہ دو باتوں کی اور بھی ضرورت ہے - عمر (Age) ہر شعبہ میں عمر کی بحث ضروری سمجھی جاتی ہے - دوم تقرر کی جگہ (Vacancy) خالی ہونا بھی شرط ہے - حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں نبی نہیں ہوئے اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد ہی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقصان شمار ہوتا لیکن اگر کوئی (Vacancy) تقرر کی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت کا کوئی قصور نہیں نکلتا - یہ بات حکومت کے نظم ونسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص ؎ ....

www.besturdubooks.net

نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتے۔

(رواہ الترمذی' و الخطیب عن مالک و الطبرانی عن عصمۃ بن مالک کما فی الکنز ج ٦ ص ١٤٦)

ﷺ .... کا تقرر کرنا چاہتی ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت نہیں ملی' کیوں نہیں ملی؟ کیا اس لیے کہ خاتم الانبیا علیہم السلام کے اس جگر پارہ میں استعداد کا کوئی نقصان تھا نہیں اس لیے کہ ان میں عمر (Age) کی کمی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذریت اس کا قبیلہ بلکہ اس کی عام امت میں بھی استعداد نبوت تو موجود ہے۔ انسانی بلند سے بلند کمال اسے حاصل ہو سکتے ہیں اس لیے ختم نبوت کا کوئی شخص یہ مطلب تو نہ سمجھے کہ یہ امت کمالات سے محروم ہوگئی ہے بلکہ تمام تر کمالات اور پوری لیاقت کے باوجود چونکہ اب کوئی (Vacancy) نہیں رہی۔ اس لیے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کے معاملہ میں تقرر کی جگہ ہونے نہ ہونے کی بحث سے پہلے عمر کی بحث حائل ہوگئی تھی اس لیے ان کے حق میں (Vacancy) کی بحث دوسرے نمبر کی بحث تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں عمر کی بحث نہ تھی تو منصب نبوۃ ختم ہونے کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ بہر صورت ان مختلف اسباب و وجوہ کے باوجود جو واقعہ تھا وہ اپنی جگہ واقعہ رہا یعنی ختم نبوۃ بلا تخصیص اپنے پورے عموم پر باقی رہی اور یہ بعد کی بحثیں اب صرف ذہنی رہ گئیں کہ فلاں کو نبوت کیوں نہیں ملی؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درحقیقت نبوت جاری تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ پیہم سعی کے بعد بھی کسی ایک کو نبوت نہ مل سکی۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کے لیے کوئی عذر در پیش تھا تو کیا تمام کے تمام صحابہ معذور ہو گئے تھے؟ پھر حضرت ابراہیمؑ کے معاملہ میں ان کی حیٰوۃ کا عذر اس لیے نہیں ہے کہ دراصل نبوت سے وہی ایک بات مانع تھی بلکہ یہاں اس بات کو بتلانا مقصود ہے جو خاص ان کے حق میں نبوت سے مانع آ گئی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ابراہیمؑ اگر جیتے تو بھی نبی نہ ہوتے تو ممکن تھا کوئی شخص اسے ان کی قصورِ استعداد و لیاقت پر محمول کر لیتا۔ حالانکہ یہاں لیاقت و استعداد میں کوئی کمی نہ تھی اس لیے ایسے پیرایہ بیان سے احتراز کر کے وہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو ان کی لیاقت پر روشنی ڈالے۔ یہاں ملا علی قاریؒ بلاوجہ حضرت ابراہیمؑ کی فرضی نبوت کے اور دوسرے فرضی پہلوؤں کی تفصیلات میں بھی پڑ گئے ہیں یعنی انہوں نے یہ بحث شروع کر دی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور فرض کر لو کہ نبی ہو جاتے تو آخر کس قسم کے نبی ہوتے؟ تشریعی یا غیر تشریعی یہ سب بحثیں ہمارے نزدیک بے محل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرضی نبوت کا پہلو یہاں صرف ایک خاص مقصد کے پیش نظر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی بقیہ تفصیلات میں جانا قطعاً غیر ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ نبوت بتلاتی ہے کہ نبوت افراد و اشخاص سے منتقل ہو کر ذریت ابراہیم علیہ السلام میں پھر ذریۃ ابراہیمؑ سے ذریۃ اسماعیل میں منتقل ہوئی۔ اب اگر نبوۃ آئندہ جاری رہتی تو اس کو طبعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریۃ میں منتقل ہونا چاہیے تھا اگرچہ یہ لزوم نہ عقلی ہے نہ نقلی۔ لیکن صرف نبوت کی تاریخ کی مناسبت یہ چاہتی ہے کہ اگر آئندہ نبوۃ منتقل ہوتو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند مبارک کی طرف منتقل ہو۔ اس استعداد و مناسبت کے اظہار کے لیے یہ فرمایا گیا تھا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے ان مقاصد کے پیش نظر یہ کہنا کہ اگر آپ جیتے جب بھی نبی نہ ہوتے بالکل بے معنی بات تھی یہ اس وقت مناسب تھا۔ جب کہ آپ کو ختم نبوۃ کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہوتا یہاں تو یہ بتلانا مقصود تھا کہ تاریخ نبوت جس بات کو چاہ رہی تھی اس کا اقتضاء یہاں پورا ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند گرامی کے متعلق جتنی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ اس سے آگے ہیں چونکہ انتقال نبوت کا یہ مخصوص تخیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے ان کا جوہرِ استعداد بتلانے کے لیے دوسرا عنوان اختیار کیا گیا اور وہاں ختم نبوت ہی پر زور دیا گیا یعنی اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوتی تو یہ اپنے کمالات و لیاقت کے لحاظ سے اس کے اہل تھے کہ انہیں منصب نبوت سے سرفراز کر دیا جاتا جنہیں موارد کلام سمجھنے کا سلیقہ حاصل تھا انہوں نے ﷺ ....

www.besturdubooks.net

من زعم بعد النبی صلی الله علیه وسلم انه نبی فهو کذاب

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے وہ پرلے درجہ کا جھوٹا ہے

(۱۶۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَ اَنَا خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ. (رواہ مسلم)

(۱۶۷) ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ میری امت میں تیس سخت جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مسلم)

ﷺ.... اس فرق کو خوب سمجھ لیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اس حدیث سے یہ نہیں سمجھے کہ آپ ؐ کے بعد نبوت جاری ہے بلکہ انہوں نے اس کو یوں حل کر لیا کہ جب عالم تقدیر میں ختم نبوۃ مقدر ہو چکی تھی تو اس کے مناسب یہی تھا کہ عالم تکوین میں حضرت ابراہیم کو عمر نبوت نہ دی جائے تاکہ جوان ہو کر پھر آپ کا نبی ہونا مناسب ہو،اور آپ کا جوہر استعداد سمجھانے کے لیے آپ کی حیوۃ فرض کر کے یہ کہلا دیا جائے کہ آپ کی فطرت تو نبی کی فطرت تھی مگر چونکہ زمانہ نبوت باقی نہ تھا اس لیے عمر نبوۃ مقدر نہ ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ختم نبوت کا مسئلہ چھیڑنا مقصود نہیں تھا اگر آپ کو اس بحث میں پڑنا ہے تو پہلے اس پر بھی غور کیجئے کہ مشیت ایزدی نے حضرت ابراہیم کی حیوۃ کا آخر ارادہ کیوں نہیں کیا؟ عطاء فرماتے ہیں۔ان الله لما حکم ان لا نبی بعده لم یعطه و لد اذکر ایصیر رجلا۔[1] جب اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمایا کہ آپ ؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو آپ ؐ کو کوئی ایسی نرینہ اولاد بھی نہ دی جو جوانی کی عمر کو پہنچتی - عامر شعبی آیت ما کان محمد الخ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ما کان یعیش له فیکم و لد ذکر[2] یہ آپ کی شان (ختم نبوۃ) کے مناسب ہی نہ تھا کہ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ رہتی اسمٰعیل فرماتے ہیں۔قلت لابن ابی اوفی رایت ابراهیم بن النبی صلی الله علیه وسلم قال مات صغیر او لو قدر ان یکون بعد محمد صلی الله علیه وسلم نبی عاش ابنه لکن لانبی بعده.[3] میں نے ابن ابی اوفی سے پوچھا آپ نے ابراہیمؑ آپ کے فرزند مبارک کو دیکھا ہے انہوں نے کہا ان کا لڑکپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی مقدر ہوتا تو آپ کے فرزند مبارک جیتے رہتے لیکن آپ ؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔عن انسؓ قال لو بقی لکان نبیا و لکن لم یکن لیبقی لان نبیکم اخر الانبیاء.[4] انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اگر جیتے تو نبی ہوتے لیکن وہ کیسے جیتے جب کہ آپ نبیوں میں آخری نبی قرار پا چکے تھے۔شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں الا تراه صلی الله علیه وسلم ما عاش له و لد ذکر من ظهره تشریفاله لکونه سبق فی علم الله انه خاتم النبیین[5]۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ صرف آپ ؐ کی تشریف وتکریم کے لیے آپ ؐ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی کیونکہ خدا کے علم میں یہ طے پا چکا تھا کہ آپ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں (اگر وہ زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے تو ایک لحاظ سے یہ بھی آپ کی شان کے مناسب نہ تھا اور اگر نبی ہوتے تو یہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے مناسب نہ ہوتا اس لیے ان کے لیے عمر نبوت ہی مقدر نہ ہوئی۔

ان بیانات سے ثابت ہے کہ صحابہ وتابعین اور علماء محققین کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبی نہ ہونے کا اصل سبب وہی تھا کہ اب منصب نبوت کے تقرر کے لیے کوئی (Vacancy) جگہ ہی باقی نہیں رہی مگر جو مخصوص عنوان یہاں اختیار کیا گیا ہے اس کی مصلحت اور ہے۔

---

[1] معالم التنزیل۔ [2] جامع ترمذی۔ [3] صحیح بخاری کتاب الادب۔ [4] مسند احمد فتح الباری ص ۴۷۶۔ [5] فتوحات باب ۲۸۲ ص ۶۷۱۔

www.besturdubooks.net

(۱۶۸) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ اَکْثَرَ النَّاسُ فِیْ اَمْرِ مُسَیْلَمَۃَ الْکَذَّابِ قَبْلَ اَنْ یَقُوْلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْہِ شَیْئًا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّاسِ فَاَثْنٰی عَلَی اللّٰہِ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فِیْ شَاْنِ ھٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ قَدْ اَکْثَرْتُمْ فِیْ شَاْنِہٖ فَاِنَّہٗ کَذَّابٌ مِنْ ثَلَاثِیْنَ یَخْرُجُوْنَ قَبْلَ الدَّجَّالِ.

(۱۶۸) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پیشتر لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں ایک دن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطبہ دیا اور بعد حمد وصلوٰۃ کے فرمایا جس شخص کے بارے میں تم رائے زنی کر رہے ہو وہ ان تیس جھوٹوں میں ایک جھوٹا ہے جو دجال اکبر سے پہلے آئیں گے۔

(رواہ الطحاوی فی مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۰۴) (مشکل الآثار)

(۱۶۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ

(۱۶۹) عبداللہ بن الزبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ تیں جھوٹے دجال

---

(۱۶۹) * انبیاء علیہم السلام کے بیان میں ان کے اندازۂ علم ویقین کے مطابق ایک طاقت وشوکت ہوتی ہے وہی یہاں ظاہر ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ علم ازلی میں دجالین کی آمد ثابت ہو چکی ہے اس لیے قیامت کے آنے سے پہلے ان کی آمد یقینی امر ہے دنیا کو چاہیے کہ وہ ان کا انتظار کر کے تھک نہ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس امت میں دجالوں کی اتنی کثرت کیوں ہے تو جو اور فتنوں کے متعلق جواب دیا جائے گا وہی جواب اس فتنے کے متعلق بھی ہو جائے گا۔ ایک قطعی بات یہ ضرور معلوم ہوتی ہے جب اس امت میں نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو اس کا مقابلہ بھی شیطانی طاقتوں کے لیے ضروری ہو گیا خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ایک ایسی عام وحدت پیدا کر دے جیسی آغاز عالم میں ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے نسل انسانی ایک ہی باپ کی اولاد تھی جیسا روز اول وہ ایک ہی زمین پر تھی۔ آخر میں پھر اس کا ایک ہی کلمہ ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی دین ہو جائے۔ درمیان میں نبوتوں اور رسالتوں کے تفاوت سے شریعت اور منہاج کا جو تفاوت پیدا ہو گیا تھا وہ سب ختم ہو کر صرف ایک شریعت اسلام باقی رہ جائے اتنی عظیم وحدت کو شکست دینے کے لیے شیطانی لشکروں کو بھاگ دوڑ کرنا ضروری تھا اس لیے اس عام نبوت کے بالمقابل نبوت کا دعویٰ کرنا لازم ہو گیا۔ اس پیشگوئی کا ظہور آپ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مسیلمہ اور عنسی آپؐ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوئے اور آپؐ کے حکم کے ماتحت صحابہ نے ان کو کاذب سمجھا اور آخر کار جو دجالین کے ساتھ برتاؤ چاہیے تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ رہی یہ بحث کہ دجالوں کے تیس ہونے میں ہی کیا حکمت ہے تو حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

"و لیس المراد بالحدیث من ادعی النبوۃ مطلقا فانھم لا یحصون لکون غالبھم ینشأ لھم ذلک عن جنون و سوداء و انما المراد من قامت لہ الشوکۃ."

حدیث مذکور میں مدعین نبوت سے ہر مدعی نبوت مراد نہیں کیونکہ مدعی نبوت تو بے شمار ہیں بیشتر یہ دعویٰ جنون یا سوداویت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مدعین نبوت ہیں جو باشوکت ہوں گے ان کا مذہب تسلیم کیا جائے گا ان کے متبعین کی تعداد زیادہ ہوگی۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس امت میں لاکھوں اور کروڑوں سے متجاوز اولیاء واقطاب گذر گئے ہوں اس میں تیں دجالوں کا عدد کچھ زیادہ بھی نہیں ہے۔ غور طلب تو یہ ہے کہ اگر آپؐ کے بعد نبوت کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی قسط بھی باقی تھی تو اس کی بشارت کے لیے آخر ایک حدیث بھی کیوں نہیں آئی اور کذابین و دجالین کے متعلق دسیوں حدیثیں کیوں آگئیں؟ پھر حدیث نمبر ۱۶۶ میں ان کے کاذب ہونے للہ....

www.besturdubooks.net

السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابًا دَجَّالًا مِنْهُمُ الْمُسَيْلِمَةُ وَ الْعَنَسِيُّ وَ الْمُخْتَارُ. نہ نکل آئیں جن میں مسیلمہ عنسی اور مختار بھی ہیں۔ (ابویعلی فتح الباری)

لله .....کی وجہ یہ نہیں بتلائی گئی کہ وہ درحقیقت نبی نہ ہوں گے بلکہ یہ قرار دی گئی کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک طرف تو احادیث میں ہر قسم کی نبوۃ کی نفی آ رہی ہے۔ ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے دوسری طرف کسی حدیث سے ظلی و بروزی کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی۔ تاریخ نبوت میں ظلی نبی کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے؟ یہاں یہ تفتیش بھی ضروری ہے کہ نبوت کی جو قسم بھی تسلیم کی جائے اس کا آغاز کب سے ہوا؟ تاریخی لحاظ سے وہ افراد کون سے تھے؟ جن کو ظلی نبی کہا جا سکتا ہے اور کیا یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کی امت کو دعوت دی ہو اور کیا کسی ایسے نبی کی امت نے کبھی تصدیق کی ہے؟ اگر ایسا کوئی نبی اب تک نہیں گذرا' اور اگر گذرا ہے تو امت نے ہمیشہ اس کی تکذیب ہی کی ہے تو پھر کس دلیل سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ درحقیقت اس امت میں نبوت کی کوئی قسم جاری ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ جاری ہے کہ ان کی آمد دجالین کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہاں انجیل کا بیان بھی حدیث ہی کے موافق ہے۔

''جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔'' (متی باب ۷ — ۱۵و۱۶)

جس قدرت نے اس عالم کو تماشا گاہ اضداد بنایا ہے۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت' تری کے مقابلہ میں خشکی' صحت کے مقابلہ میں مرض' بلندی کے مقابلہ میں پستی پیدا فرمائی ہے۔ اسی نے عالم روحانیات میں ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین' انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دجالین بنائے ہیں۔ پس جس طرح خاتم الرسلؐ کی آمد سب رسولوں کے بعد ہوئی ہے اسی طرح مناسب ہے کہ دجال کبر کے ظہور سے پہلے جو دجالین آنا ہیں آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دجال اکبر یعنی خاتم الدجاجلہ کا ظہور خاتم الرسلؐ کے عہد میں ہی مقدر ہوا تا کہ دنیا کے خاتمہ پر ہدایت و ضلالت کی آخری طاقتیں زور آزمائی کر کے ختم ہو جائیں پھر قیامت آ جائے۔ و لله الحكمة البالغه۔

www.besturdubooks.net

خاتم النبیین

جہان کا سردار آ گیا اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا- دنیا اسی کے زیر رسالت و سیادت ختم ہو جائے گی- عالم کی آبادی کا دارومدار اس کی ہدایت پر ہے اور کارخانہ ہدایت تمام کا تمام رسولوں کی ذات سے وابستہ ہے اس لیے عالم کی ابتداء و انتہاء اور رسالت کی ابتداء و انتہاء میں بڑا گہرا ربط ہے- پروردگار عالم نے جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی تو اسی کے ساتھ ساتھ دوسری طرف قصر نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی کو قصر نبوت کی خشتِ اوّل قرار دے دیا- اِدھر عالم بتدریج پھیلتا رہا اُدھر قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی- آخر کار عالم کے لیے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا پہنچ گیا ادھر قصر نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا اور اس لیے ضروری ہوا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اس کی انتہاء پر رسولوں کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے تا کہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کوئی شخص رسول کی آمد کا انتظار نہ کرے-

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. (الاعراف:۳۵)	اے آدم کی اولاد (دیکھو) تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں گے جو میری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے جس نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور نیک رہا تو اس پر نہ گذشتہ کا خوف نہ آئندہ کا غم-

اس اعلان کے مطابق خدا کی زمین پر بہت سے رسول آئے مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے بلکہ ہر رسول نے اپنے بعد دوسرا رسول آنے کی بشارت سنائی حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جب کہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول نے اسماعیلی سلسلہ کے اس رسول کی بشارت دے دی جس کا اسم مبارک احمدؐ تھا- ﴿وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ (الصف:٦)

عالم کے اس منتظر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبشر رسول نے دنیا میں آ کر ایک نیا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ میں اب آخری رسول ہوں' خود عالم کا زمانہ بھی آخر ہے اور ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح قریب قریب ہیں عالم اپنے پورے عروج کو پہنچ چکا ہے- قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی کسر باقی تھی وہ میری آمد سے پوری ہو گئی ہے دونوں تعمیریں مکمل ہو گئیں ہیں اب صلاح و تقویٰ کا نتیجہ دیکھنے کا زمانہ آتا ہے- قرآن کریم میں آپؐ کی ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے-

﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ (احزاب:٤٠)

یعنی اب تک جتنے رسول آئے وہ صرف رسول اللہ تھے آپ رسول اللہ ہونے کے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کے لیے دو باتوں کا تصور ضروری ہے' یہ کہ آپؐ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں- آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات کا ادھورا اور نا تمام تصور ہے بلکہ ان ہر دو تصورات میں آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے- ختم نبوت کی اسی اہمیت کی وجہ سے گذشتہ احادیث میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ اس مسئلہ کی نشر و اشاعت نبوتِ آدم علیہ السلام بلکہ وجود آدم سے بھی پہلے لوحِ محفوظ اور عرشِ عظیم پر کر دی گئی تھی اور کاتب تقدیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان آپؐ کے اسم مبارک کے ساتھ آپ کی خاتم النبیین ہونے کی صفت بھی بصورت حروف

www.besturdubooks.net

نقش کردی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نسل انسانی کی بنیاد تھے لوح محفوظ جملہ حوادث عالم کی بنیاد ہے اور عرش عظیم ان اصول کے اعلان کا سب سے بلند بورڈ ہے جو دربار الٰہی میں طے شدہ اور ناقابل ترمیم تصور کیے گئے ہیں اس لیے ان مقامات پر اعلان کا یہ مطلب تھا کہ ختم نبوت بھی عالم کے ان بنیادی اور بدیہی مسائل میں داخل ہے جن کا علم سب پر فرض ہے اور جن میں اب کسی تبدیل وترمیم کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے آسمانوں پر فرشتوں نے' زمین پر' حیوانات نے' محشر میں' انبیاء علیہم السلام نے غرض ابتداء سے لے کر انتہا تک عالم بالا سے لے کر عالم اسفل تک ہر ذی شعور اور غیر ذی شعور نے آپ کی ختم نبوت کا نغمہ بلند کیا ہے۔ جب آپ عالم ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے تو آپؐ کی یہ امتیازی شان مہر نبوت کی صورت میں بھی نمایاں کر دی گئی تاکہ جس کی آمد کا غلغلہ اب تک عالم میں بلند ہو رہا تھا اس کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے۔[1] خدائے تعالیٰ کی یہ عجب حکمت ہے کہ مہر نبوت کے ظہور کے لیے آپؐ کے جسم مبارک میں بھی وہی جگہ منتخب ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتخب ہوئی تھی۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا عقیدہ ہر رسول کی دعوت کا جزء اہم رہا ہے اس لیے قیاس کہتا ہے کہ جس رسول کے زمانہ سے قیامت کی آمد مربوط ہے اس کا تذکرہ بھی ان کا فرضِ منصبی رہا ہوگا۔ گویا ختم نبوۃ کا عقیدہ قیامت کے عقیدہ کے دوش بدوش ہمیشہ تعلیم دیا گیا ہے۔ شفاء قاضی عیاض اور کنز العمال میں ایک ضعیف اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ خدا کے سب رسولوں نے خاتم الانبیاء کی آمد کی بشارت سنائی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

و قد اخبر الله تبارک و تعالی فی کتابه و رسوله صلی الله علیه وسلم فی السنة المتواترة عنه انه لا نبی بعده لیعلموا ان کل من ادعی هذا المقام فهو کذاب' افاک' دجال' ضال.

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول نے احادیث متواترہ میں ختم نبوت کا اعلان اس لیے فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو شخص اب اس منصب کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا' افتراء پرداز' دجال اور پرلے درجہ کا گمراہ ہوگا۔

علماء محققین لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کے اعلان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا متنبہ ہو جائے کہ اب یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے اور یہ دین آخری دین ہے جس کو جو حاصل کرنا ہے کر لے۔ اس کے بعد دنیا کی یہ پینٹھ اجڑنے والی ہے جیسا شام کے وقت ایک دکاندار اعلان کرتا ہے کہ میں اب دکان بڑھاتا ہوں جسے جو سودا لینا ہے لے لے یا جیسا ایک حاکم بوقت رخصت آخری اسپیچ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری تم سے اب یہ آخری ملاقات ہے جو کہتا ہوں خوب غور سے سن لو۔ اسی طرح خالق زمین وزماں کو جو آخری

---

[1] قرطبی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ خاتم نبوت کو اسی لیے خاتم نبوت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی منجملہ اور علامات کے آپؐ کی نبوت کی ایک علامت تھی اسی لیے حضرت سلمان فارسیؓ آپؐ کی غائبانہ تلاش میں جب آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تو نہایت متجسسانہ نظروں سے خاتم نبوت کو تلاش کرنے لگے آپؐ نے ان کے طور طریق سے ان کا مقصد پہچان لیا اور چادر مبارک خاتم نبوت سے ہٹا دی پھر کیا تھا سلمانؓ دیکھ کر بے خود ہو گئے اور اسی عالم بے خودی میں اس کو بوسہ دینے لگے اور فوراً حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔ بحیرہ راہب کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ اس نے کہا "انی اعرفه بخاتم النبوة" میں خاتم نبوت کی وجہ سے آپ کو پہچانتا ہوں۔ غرض علماء اہل کتاب کے نزدیک نبی منتظر کی یہ ایک بڑی علامت تھی۔ دیکھو زرقانی شرح مواہب۔

www.besturdubooks.net

ہدایات دینا تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دے دیں اور اعلان کر دیا کہ اب یہ رسول آخری رسول ہے' ایمانیات' اخلاقیات' معیشت' تمدن کے سب اصول مکمل کر دیئے گئے اس لیے یہ دین آخری دین ہے جسے جو عمل کرنا ہے کر لے۔ حیلہ وحجت کا وقت نہیں رہا' بحث وجدل کی بجائے عمل کی فرصت نکالنی چاہیے وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور حساب کی ذمہ داری سر پر ہے۔

اب نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی' نہ تشریعی نہ غیر تشریعی' نہ ظلی نہ بروزی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوسِ انسانیہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم ہو گیا ہے پہلے عالم کی عمر میں بہت وسعت تھی اور اس منصب پر تقرر کی گنجائش بھی کافی تھی اس لیے انبیاء علیہم السلام برابر آتے رہے اب دنیا کی عمر ہی اتنی باقی نہیں رہی کہ اس میں اور تقرر کی گنجائش ہوتی اس لیے اس کے خاتمہ پر آپ کو بھیج کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب نبی نہیں آئیں گے' قیامت آئے گی۔

چونکہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو کامل ہی ختم کرتا ہے ناقص ختم نہیں کرتا۔ نبوت بھی اب اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی اس لیے مقدر یوں ہوا کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا خاتمہ نقصان پر ہو ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فناء ہونا ضروری ہے اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے اب اگر وہ آپؐ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لیے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں اور اگر ناقص ہو تو نبوت کا خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم فطرت عالم پر غور کرو گے تو تم کو جزو کل میں ایک حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی متلاشی ہوتی ہے۔ پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطہ کمال کہا جاتا ہے۔ انواع پر نظر ڈالئے تو جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات پھر حیوانات سے انسان کی طرف ایک ارتقائی حرکت نظر آ رہی ہے مگر انسان پر پہنچ کر یہ ارتقائی حرکت ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان تمام انواع میں کامل تر نوع ہے خود انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر دم وعلقہ ومضغہ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطرت کا آخری کمال کہا جاتا ہے پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشو ونما نظر آتا ہے وہ دور شباب پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے نباتات واشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گٹھلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتے ہیں۔ آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب پھل نمودار ہو جاتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے اس کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دورِ حیوٰۃ ختم ہوتا ہے آئندہ اپنے دورِ حیوٰۃ کے لیے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرانا پڑتا ہے جن میں گذر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا یعنی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے ایک دورۂ حیوٰۃ کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃِ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی ہو کہ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لیے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں' وہی ہری ہری لچک دار ڈالیاں مل جاتی ہیں' پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھر پھل نمودار ہو جاتے ہیں اسی طرح جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے۔ جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دے کر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں جیسا کیلے کا درخت۔

www.besturdubooks.net

اگر یہ سچ ہے تو عالم نبوۃ میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں۔ ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبۃً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے اس لیے اس طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے لیکن جب خود نبوۃ ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطہ کمال کا ادراک بدرجہ اولی ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہیے اس لیے ضروری ہوا کہ قدرت خود ہی اس کا تکفل فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی ہے اس لیے...... قرآن کریم میں وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے بعد فرمایا ہے وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری کون ہے یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے ان میں اوّل کون ہے اور آخر کون۔ اگر اسے عالم کا بقا اور منظور ہوتا تو شاید وہ آپؐ کی آمد ابھی کچھ دن کے لیے اور مؤخر کر دیتا لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہو چکی تھی اس لیے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ بھی لگا دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ قصر نبوۃ کی بھی تکمیل ہوگئی ہے۔ نبوت نے اپنا مقصد پا لیا ہے۔ آپؐ کے بعد اب کوئی رسول نہیں آئے گا کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا وہ آپ سے افضل ہوگا یا مفضول۔ اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لیے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے جب کہ عالم کی پھر نشأۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبوت اب اپنے ارتقائی کمال کو پہنچ چکی ہے اب کوئی اور کمال منتظر اس کے لیے باقی نہیں رہا اس لیے اس فطری اصول کے مطابق اسے ختم ہو جانا چاہیے۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ:۳) یعنی تمہارا دین کمال کو پہنچ چکا ہے اب ناقص نہ ہوگا۔ خدا کی نعمت پوری ہو چکی ہے اب آئندہ اس سے زیادہ اس کے تمام کی توقع غلط ہے اور نظر ربوبیۃ اب ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو پسند کر چکی ہے اس لیے کوئی دین اس کا ناسخ بھی نہیں آئے گا۔ عربی زبان میں کمال و تمام دونوں لفظ نقصان کے مقابل ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ کمال اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مثلاً اگر انسان کا ایک ہاتھ نہ ہو وہ ناقص ہے یعنی ناتمام انسان کہا جائے گا۔ خواہ کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو اور اگر اس کے اعضاء پورے ہیں مگر صورت اچھی نہیں۔ اخلاق نادرست ہیں خصائل درشت و ناہموار ہیں تو اس کو بجائے ناتمام کے ناکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت بالا میں یہاں دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ دین اسلام اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکا ہے نہ اس میں اجزاء کا نقصان باقی ہے نہ اوصاف کا۔ اس لیے اب اس کی حرکت ارتقائی ختم ہوگئی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ آپؐ کا آخری نبی ہونا صرف ایک تاخر زمانی نہیں ہے۔ کسی شخصیت کا صرف آخر میں آنا فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ سنۃ اللہ چونکہ یہ ہے کہ ہر شے کا خاتمہ کمال پر کیا جائے اس لیے یہاں آپؐ کا تاخر زمانی آپؐ کے انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نبوۃ سے ایک بلیغ تشبیہ دے کر واضح فرما دیا تھا۔ یہود کو جب خدا کے اس اکمال واتمام

www.besturdubooks.net

کی خبر پہنچی تو ان سے رہا نہ گیا اور انہوں نے از راہ حسد کہا اے عمرؓ اگر کہیں یہ آیت ہماری حق میں اترتی ہم تو اس دن کو عید کا دن بنا لیتے - حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں -

هذه اكبر نعم الله على هذه الامة حيث اكمل تعالى لهم دينهم فلا يحتاجون الى دين غيره و لا الى نبى غير نبيهم صلوات الله و سلامه عليه ولذا جعله خاتم الانبياء و بعثه الى الجن و الانس.	اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے اس امت کا دین کامل کر دیا ہے کہ اب اسے نہ کسی اور دین کی ضرورت رہی نہ کسی اور نبی کی اسی لیے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے اور انسان وجن سب کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے -

معلوم ہوا کہ ختم نبوۃ دینی ارتقاء اور خدائے تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضا ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کرامت کے لیے کوئی اور کمال نہیں ہوسکتا حتی کہ یہود کو بھی ہمارے اس کمال پر حسد ہے - پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے -

حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوۃ کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی میں چند غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں - شاید اس کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ نبوۃ پہلی امتوں کے لیے ولایت وصدیقیت کی طرح ایک ممکن الحصول کمال تھا - اب یہ امت دوسرے اور مراتب تو حاصل کر سکتی ہے مگر کمال نبوۃ کو حاصل نہیں کر سکتی یہ سخت غلط فہمی اور حقیقت نبوت سے قطعی جہالت کی دلیل ہے نبوۃ ان کمالات ہی میں نہیں ہے جو ریاضات ومجاہدات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی بخشا گیا ہو بلکہ ایک الٰہی منصب ہے جس کا تعلق تشریعی ضرورت اور براہ راست خدائے تعالیٰ کی صفت اجتباء واصطفا کے ساتھ ہے وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لیے چن لیتا ہے - اگر نبوت ان کمالات میں ہوتی جو مجاہدات وریاضات' پاک بازی وحسن نیت کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لیے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا کیونکہ جتنی عملی جدوجہد' اتباع شریعت کا جتنا جذبہ خود اس کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے یعنی جب خدائے تعالیٰ کی زمین شر وفساد' طغیان وسرکشی' تکبر وتمرد سے بھر گئی ہے - صلاح وتقویٰ کا تخم فاسد ہوگیا ہے' رشد وہدایت کے آثار محو ہوگئے ہیں - وہی انبیاء کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں زمانہ سمجھا گیا ہے - کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے جو ولایت وصدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا کے انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت ہدایت کا ذاتی اقتضاء ہے - ذاتی اقتضاء سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہاں کسب واکتساب' ماحول کی مساعدت ونامساعدت کا کوئی دخل نہیں - نبوت کا ماحول تو چاہتا ہے کہ خدائی رحمت کی بجائے خدا کا قہر ٹوٹے مگر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم ہادی بھی ہے یہ اس کا اقتضاء ہے کہ جب ملک کا ملک اور قوم کی قوم اس کا راستہ گم کر دے' اور بھولے سے نہیں بلکہ شرارت وشیطنت کی بناء پر تو وہ اپنی طرف سے پھر ان کی ہدایت کے لیے ایک دروازہ کھول دے -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب منصب رسالت سے سرفراز کیا گیا ان کا زمانہ انسانی کمالات کے عروج وارتقاء کا زمانہ نہ تھا بلکہ دنیا فطری پستی' دنائت وخست' اور احسان فراموشی کے اس تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی کہ ایک کمزور انسان کو خدائی کا دعویٰ کرتے بھی شرم نہ آتی تھی - حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ انہیں اس دعویٰ کے ابطال کے لیے مامور کیا جائے گا - اچانک کوہ طور کے ایک گوشے سے روحانیت کے بادل اٹھے اور حقیقت موسویہ پر اس طرح برسے کہ دم کے دم میں موسیٰ بن

www.besturdubooks.net

عمران حضرت موسیٰ کلیم اللہ بن گئے- بیوی کے لیے آگ لینے کی فکر میں آئے تھے اور سب بھول بھال کر اب آتش کفر بجھانے کی فکر میں جا رہے ہیں- اس مدعی الوہیت کا مقابلہ کرنا ہے جس کے پاس سلطنت کی ساری مادی طاقتیں جمع ہیں اور اپنے پاس قوت بیان بھی ناقص ہے- اس لیے دبے لہجے میں فرماتے ہیں:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَ يَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۝ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْبِهٖٓ اَزْرِيْ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ (طٰہٰ: ۲۶-۲۷)

دوسری جگہ سورہ القصص میں فرمایا:

﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ (القصص: ۳۴)

ان دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ میرا سینہ کشادہ فرما اور مجھے ایسا حوصلہ مند بنا دے کہ خلاف طبع معاملات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرسکوں اور میرے لیے ایسے سامان فراہم کر کہ یہ عظیم الشان خدمت آسان ہو جائے اور لڑکپن میں زبان جل جانے کی وجہ سے میری گفتگو میں جو لکنت پیدا ہوگئی ہے اس کو دور فرما کہ وہ میری بات تو سمجھ لیں اور میرے گھر میں میرے بھائی کو میرا معین بنا دے کہ وہ میرا کام بٹائیں اور ان کی وجہ سے مجھے سہارا بھی رہے- سورۂ قصص میں اس کی تفصیل اور ہے کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں انہیں میرے ہمراہ کردے تاکہ وہ میری اعانت میں میری تصدیق کرتے رہیں مجھے اندیشہ ہے کہ میرے پہلے معاملات کی وجہ سے کہیں وہ سب میری تکذیب نہ کردیں اس وقت کم از کم ایک ایسا شخص تو میرے ساتھ ہو جو میری تصدیق کردے اور اگر مناظرہ کی نوبت آ جائے تو ان سے مناظرہ بھی کر لے-

اس دعاء سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سمجھ لینا جو پہلی امتوں کو کسی عبادت و ریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کیے گئے ہیں سخت غلط فہمی ہے بلکہ یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اسی کو اس منصب کے لیے انتخاب کرلیتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی درخواست میں یہاں حضرت ہارون کی کسی ایسی جدوجہد کا ذکر نہیں کیا جو ان کی نبوت کی سفارش کرسکتی بلکہ ان صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے جو اس منصب کے لیے درکار تھیں-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد ذرا اور آگے چلیں تو پھر ضلالت و ہدایت میں یہی کشمکش نظر آتی ہے کبھی ضلالت کے جھکڑ ہدایت کی شمعوں کو گل کردیتے تھے کبھی نور ہدایت کفر کی تاریکیوں کے ٹکڑے کر ڈالتا تھا حتیٰ کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ضلالت کا ابر محیط اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ تمام کرۂ ارضی پر تاریکی چھا گئی کوئی خطہ نہ رہا جہاں آفتاب ہدایت کی کوئی معمولی کرن بھی چمکتی- عالم کا وہ مرکزی نقطہ بھی جس کو ام القریٰ کہا جاتا تھا تیرہ و تاریک ہوگیا اور خانہ خدا پر کفر کا پرچم لہرانے لگا تو اس عام گمراہی کے ماحول میں اسم ہادی کا پھر تقاضہ ہوا کہ اس کے مقابلہ کے لیے ایسی ہی عام ہدایت بھیجے جو خطہ و ملک اور قوم و زمان کی قید سے آزاد ہو- وہ ہدایت بصورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظاہر ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں کفر نے شکست کھائی' کفر کا پھریرا اتار کر پھینک دیا گیا اور اس کی بجائے خدائی نصرت و فتح کا جھنڈا نصب کردیا گیا اور یہ اعلان کردیا گیا کہ اب کفر ہمیشہ کے لیے شکست کھا چکا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ کلمہ توحید مٹ جائے اور ہدایت کے آثار و نشانات اس طرح تباہ و برباد ہوجائیں کہ خدا کی

www.besturdubooks.net

زمین پھر کسی نبی کو پکارنے لگے- مکہ مکرمہ اب اسلامی دارالسلطنت بن گیا ہے اور اسی لیے اب یہاں سے ہجرت کرنا منسوخ ہو گیا ہے شیطان جو سرچشمہ کفر تھا اب مایوس ہو گیا ہے کہ مصلین جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں گے- دین اسلام کامل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لیے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے اس لیے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اس کے تمام چشمے خشک ہو جائیں- اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لیے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے- پھر ختم نبوت درحقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ کفر کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے بجھائے بجھ نہیں سکتا- خدا کا اقرار، اس کے صفات کی معرفت غیب کا یقین' مجموعہ عالم کا اس طرح جزء بن گیا ہے کہ اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی فضاءِ عالم میں بیماریاں پھیلیں اور صحت عامہ کو خطرہ میں ڈال دیں پھر کوئی ڈاکٹر نہ ملے شفاخانہ نہ ہو تو یقیناً یہ دوہری مصیبت ہے لیکن اگر کسی ملک کی آب و ہوا ہی صاف ہو وہاں کے باشندے شفاخانے اور ڈاکٹر کے محتاج ہی نہ ہوں تو بتاؤ کہ یہاں بھی کسی شفاخانہ کے قیام کی حاجت ہے؟ کیا ایسی صحت و تندرستی کے ماحول میں بیماروں کے قیام کے لیے مکانات ڈاکٹروں اور شفاخانوں کا وجود مقامی ضروریات میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر یہ بھی فرض کرلو کہ اس خطہ کے باشندوں کو علم طب کی باضابطہ تعلیم دی گئی ہو تو کیا یہ شکوہ بجا ہوگا کہ جس طرح فلاں ملک کے لیے ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجا گیا ہے ہمارے لیے بھی اسی طرح ڈاکٹر کیوں نہیں بھیجا گیا-

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام گمراہی کے بعد تشریف لا کر صرف خدائی آیات پڑھ کر ہی نہیں سنائیں بلکہ اس کو سمجھا بھی دیا اور اس پر پریکٹیکل طور سے عمل بھی کرا دیا ہے- اس لیے اب آپ کی اس ہمہ گیر تعلیم کے بعد اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جراثیم کفر اس طرح غالب آجائیں کہ عالم کی صحت عامہ کسی بیرونی ڈاکٹر کی محتاج ہو جائے دوم ان کو اس حد تک اصول طب کی تعلیم بھی دے دی گئی ہے کہ اگر کہیں کفر سر نکالے تو اس کا آئینی علاج وہ خود کر سکتے ہیں- اگر اس پر وہ کاربند نہ ہوں تو یہ ان کا قصور رہے گا- پس یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے- ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوۃ کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی اور بڑی محرومی ہے مگر یہ روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمنا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے-

خفاجی نسیم الریاض کی شرح میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی جو شخص احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے میرے پاس آئے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا انہوں نے عرض کیا یہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ ارشاد ہوا یہ وہ ہیں جن سے زیادہ مجھے اپنی مخلوق میں کوئی

www.besturdubooks.net

عزیز نہیں- زمین و آسمان سے قبل ہی میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ساتھ عرش پر لکھ دیا تھا اور یہ بات طے کر دی تھی کہ جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہولیں کوئی اور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا- موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے اوصاف پوچھے- ارشاد ہوا کہ وہ امت ہر وقت ہماری تعریف کرے گی بلندی پر چڑھے گی تو تعریف کرتی ہوئی پستی میں اترے گی تو تعریف کرتی ہوئی غرض ہر حال میں ہماری حمد و ثنا کرے گی- اپنی کمریں باندھنے والی اپنے اعضاء دھونے والی' دن کی روشنی میں شیر کی طرح (بہادر) اور رات کی تاریکیوں میں درویش صفت ہوگی- ان کا تھوڑا سا عمل میں قبول کروں گا اور کلمہ شہادت پر انہیں جنت میں داخل کروں گا- موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ تو مجھے اسی امت کا نبی بنادے ارشاد ہوا کہ اس کا نبی تو خود ان ہی میں سے ہوگا- عرض کیا اچھا تو پھر اس نبی کی امت ہی میں بنادے- ارشاد ہوا کہ تم ان سے پہلے ہو وہ تمہارے بعد آئیں گے البتہ میں اپنے دار جلال میں تمہیں ان کے ساتھ جمع کروں گا۔[۱]

مسند ابوداؤد طیالسی واحمد اور ابویعلی میں ہے-

کادت هذه الامة ان تكونوا انبياء كلها. یہ امت مجموعی اعتبار سے بلحاظ کمالات انبیاء ہونے کے قریب ہے-

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسی مضمون کو بحوالہ تورات و انجیل کعب احبار سے نقل کیا ہے- کنز العمال میں اسی کے ہم معنی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے- جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ کے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں اگر نبوت باقی ہوتی تو ان کو اس منصب پر فائز کر دیا جاتا- مبشرات' الہام' تحدیث مع الملائکہ- نظم و نسق امت بدعت اور تحریف فی الدین کی اصلاح حتیٰ کہ خلافت حقہ کا صحیح قیام یہ سب اس امت کے مناصب و کمالات میں داخل ہیں- کتاب اللہ کی حفاظت' دین کی تکمیل' ایک ایسی مضبوط جماعت کا بقا جو ہمیشہ جادۂ مستقیم پر قائم رہنے والی ہو' اور حسب ضرورت ایسے افراد و جماعات کی بعثت جو پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریفات کی اصلاح کرتی رہیں ان سب امور کا خود قدرت ایزدی تکفل فرما چکی ہے- آپ ہی سوچئے کہ اس کے بعد اب کون سا کمال باقی ہے جو پہلی امتوں میں تھا اور اس امت میں نہیں ہے اور جس کے لیے نبوت کی ضرورت ہے بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں تو یہ ہے کہ سیاست امت کی جو خدمت پہلے انبیاء علیہم السلام انجام دیا کرتے تھے اب وہ خدمات اس امت کے خلفاء انجام دیا کریں گے- پس پہلی امتوں کا ایسا کوئی کمال نہیں ہے جو اس امت کو نہ ملا ہو- ہاں اس امت کے بہت سے ایسے خصائص ہیں جن سے پہلی امتیں محروم ہیں-[۲]

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا ختم نبوت کی وجہ سے ہوئی ہے اگر آپؐ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی- یہ بھی انتہائی جہل ہے خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپؐ سب سے آخری نبی ہیں اس لیے آپؐ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آچکا تھا اس لیے آپؐ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب نبوت ختم ہوگئی ہے تو اس کی دلیل بن کر آپ تشریف لائے ہیں اور اسی معنی سے

---

[۱] خفاجی فرماتے ہیں رواہ ابونعیم فی الحلیہ وورد بمعناہ من طرق کثیرۃ کمافی الخصائص (نسیم الریاض ج ا ص ۲۰۳)

[۲] اس جگہ اس حدیث کا نوٹ ضرور دیکھ لیا جائے-

www.besturdubooks.net

2!

آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے- اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کے لیے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور مؤخر ہو جاتا- آپ کا لقب خاتم النبیین اسی وقت واقع کے مطابق ہو سکتا ہے جب کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے اگر آپؐ کے بعد بھی کوئی نبی آتا ہے تو آپؐ کو آخری نبی کہنا ایسا ہی ہوگا جیسا درمیانی اولاد کو آخری اولاد کہنا- آپؐ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے پہلے رسول تھے' پس جس طرح ان سے پہلے کوئی رسول نہ تھا نہ ظلی نہ بروزی' اسی طرح آپ آخرالنبیین ہیں آپؐ کے بعد بھی نہ کوئی ظلی نبی ہونا چاہیے نہ بروزی-

تیسری غلطی یہاں سب سے زیادہ فاحش یہ ہے کہ اس پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لیے ہوتی تھیں اس لیے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی لیکن جب وہ نبی آ گیا جس کی نبوت کسی خطہ' کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانہ میں' اگر اس وقت یہ سوال بجا تھا تو اب بھی بجا ہے اور اگر اس وقت نامعقول تھا تو اب بھی نامعقول ہے- یہاں ذہن اس طرف جاتا ہی نہیں کہ آپ کا دورۂ نبوت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ختم نہیں ہوا- پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے- ہاں نبی کوئی اور باقی نہیں رہا- عجب بات ہے کہ یہاں بقاء نبوت ہی ختم نبوت کو مستلزم ہے یعنی آپ کی نبوت کا لقاء اس کو مستلزم ہے کہ کوئی اور نبی نہ ہو- نافہم الٹا یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ختم نبوت دوسروں کی نبوت کے بقاء کو مستلزم ہے یہ اس وقت تو معقول ہوتا جب کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف آپ کی نبوت بھی ختم ہو جاتی لیکن جب آپؐ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو صرف خاتم النبیین نہیں بنایا بلکہ رحمۃ للعالمین بھی بنایا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اب خاتم بذاتِ خود تمام جہان کے لیے رحمت بن کر آ گیا ہے- اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی- آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا نہ کسی اور رول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے- پہلے ہر امت کی داستانِ اطاعت وعصیان دوسری امتوں کے سامنے رکھی جاتی تھی مگر اس امت مرحومہ کی داستان عمل اب کسی امت کے سامنے نہیں رکھی جائے گی- خلاصہ یہ کہ ختم نبوت ایک رحمت نہیں بلکہ اس کے دامن میں بے شمار رحمتوں اور کمالات کا دریا بہہ رہا ہے اس لیے اس امت کو نبی بننے کی ضرورت نہیں- اب یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک اسرائیلی نبی کے امتی بن کر آنے کا انتظار ہو رہا ہے- کمالاتِ نبوت ختم نہیں- ہاں وہ دور ضلالت وگمراہی ختم ہو گیا ہے جس کے لیے جدید نبوت کی ضرورت پیش آتی ہے- یاد رکھو اب نبی نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی یا وہ جھوٹے نبی آئیں گے جن کو زبان نبوت نے دجال کہا ہے- انجیل میں ہے ''جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں ان کے پہلوں سے تم انہیں پہچان لو گے[1]''

اس کی طرف سے دل نہ پھرے گا کہ دوستو   وہ ہو چکا ہے جس کا طرفدار ہو چکا

---

[1] متی باب ۷ آیت ۱۵-۱۶-

www.besturdubooks.net

صفة النبي صلى الله عليه وسلم في التورات

تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض علامات

(۱۷۰) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاتِ قَالَ اَجَلْ وَ اللّٰهِ اِنَّهُ لَمَوْصُوْفٌ فِي التَّوْرَاتِ بِبَعْضِ صِفَتِهٖ فِي الْقُرْاٰنِ يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَ حِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِيْ وَ رَسُوْلِيْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَ لَا غَلِيْظٍ وَ لَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَ لَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَ لٰكِنْ يَعْفُوْ وَ يَغْفِرُ وَ لَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ يَفْتَحَ بِهَا اَعْيُنًا عُمْيًا وَ اٰذَانًا صُمًّا وَ قُلُوْبًا غُلْفًا . (رواه البخاري و كذا الدارمي عن عطاء عن ابن سلام)

(۱۷۰) عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا خدا کی قسم تورات میں بھی ان کی علامات قرآن کریم کے قریب قریب ہی مذکور ہیں چنانچہ تورات میں ہے اے نبی ہم نے آپ کو امت پر گواہ خوش خبری سنانے والا خدا کے عذاب سے ڈرانے والا اور ان پڑھ عربوں کے لیے حفاظت بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ ہمارے بندہ اور رسول ہیں۔ آپ کا نام ہم نے متوکل رکھا ہے (خدا پر بھروسہ رکھنے والا) آپؐ زبان دراز نہیں سخت دل نہیں بازاروں میں شور مچانے والے بھی نہیں برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس وقت تک نہیں بلائے گا جب تک آپؐ کے ذریعہ سے اس ملت کو جو ٹیڑھی ہوگئی ہے سیدھا نہ کردے اس طرح پر کہ وہ یہ اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اندھی آنکھوں سے پردے نہ اٹھادے اور بہرے کانوں کو شنوانہ بنادے اور نافہم دلوں میں فہم نہ ڈال دے۔ (اس حدیث کو بخاری اور دارمی نے روایت کیا ہے مگر دارمی نے ابن سلام سے روایت کیا ہے)

(۱۷۱) وَ عَنْ كَعْبٍ يَحْكِيْ عَنِ التَّوْرَاتِ قَالَ نَجِدُ مَكْتُوْبًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَبْدِيَ الْمُخْتَارُ لَا فَظٌّ وَ لَا غَلِيْظٌ وَ لَا سَخَّابٌ فِي الْاَسْوَاقِ وَ لَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَ لٰكِنْ

(۱۷۱) کعب تورات سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تورات میں ہم یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں محمد رسول اللہ میرے بندہ ہیں جن کو میں نے چن لیا ہے زبان دراز نہیں سخت دل نہیں بازاروں میں شور مچانے والے نہیں برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر فرمادیتے ہیں ان کی جائے پیدائش

---

(۱۷۱) ٭ قرآن کریم نے بھی اوقات صلوٰۃ کو آفتاب کے تغیر سے شروع کیا ہے:
﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ (الاسراء:۷۸) آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے۔ اس آیت کی تفصیل کتاب الصلوٰۃ میں کی جائیگی بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں اس امت کے جو اوصاف بطور شعار مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں گو ان میں مراتب کے لحاظ سے تفاوت ہو۔ (۱) بروقت نماز ادا کرنا۔ (۲) پستی اور بلندی کی ہر تبدیلی میں خدا کی تعریف کرنا۔ (۳) ازار اونچی باندھنا (۴) وضو کرنا۔ (۵) بلند جگہ اذان دینا۔ (۶) نماز میں سیدھا اور پاس پاس صف بنا کر کھڑا ہونا (۷) شب میں متوسط آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا تیسرا نمبر عرب کی پوشش کے لحاظ سے ہے ورنہ پاجامہ کا حکم بھی یہی ہے۔ ان ساتوں امور کی تفصیلات اپنے اپنے باب میں آئیں گی۔ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ جو امور خدا کی مقدس کتابوں میں اس لئے .....

www.besturdubooks.net

يَعْفُوْ وَ يَغْفِرُ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَ هِجْرَتُهٗ بِطَيْبَةَ وَ مُلْكُهٗ بِالشَّامِ وَ اُمَّتُهٗ الْحَمَّادُوْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ مَنْزِلَةٍ وَ يُكَبِّرُوْنَهٗ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ رُعَاةٌ لِلشَّمْسِ يُصَلُّوْنَ الصَّلٰوةَ اِذَا جَآءَ وَقْتُهَا يَتَأَزَّرُوْنَ عَلٰى اَنْصَافِهِمْ وَ يَتَوَضَّئُوْنَ عَلٰى اَطْرَافِهِمْ مُنَادِيْهِمْ يُنَادِيْ فِيْ جَوِّ السَّمَاءِ صَفُّهُمْ فِي الْقِتَالِ وَ صَفُّهُمْ فِي الصَّلٰوةِ سَوَاءٌ لَهُمْ بِاللَّيْلِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ. (هذا لفظ المصابيح و روى الدارمى مع تغيير يسير)

مکہ مکرمہ اور ہجرت کی جگہ مدینہ طیبہ اور ان کا ملک شام تک ہو گا' ان کی امت اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ثناء کرنے والی ہو گی نرمی اور گرمی کے ہر حال میں خدا کی تعریف کرے گی۔ ہر جگہ خدا کی حمد' ہر بلندی پر خدا کی تکبیر کہے گی (اپنے اوقات صلوٰۃ کے لیے) آفتاب (کے تغیرات) کا انتظار کرے گی' جب نماز کا صحیح وقت آ جائے گا فوراً نماز ادا کرے گی نصف ساق تک لنگیاں باندھے گی' اپنے ہاتھ پیر دھوئے گی (یعنی وضو) ان کا منادی (موذن) فضاء آسمان میں اعلان کرے گا (یعنی اذان بلند جگہ ہو گی) جہاد میں اور نماز میں ان کی صفیں یکساں ہوں گی' شب میں ان کے (تلاوت قرآن کی) آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے مشابہ ہو گی۔ (یعنی دھیمی دھیمی آئے گی) یہ لفظ مصابیح کے ہیں اور دارمی نے بھی تھوڑے تغیر کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

(۱۷۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱۷۲) عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت لکھی ہوئی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

﷽ ..... امت کے شعار قرار دیے گئے ہیں ان کی نگہداشت کرنا ہر امتی کا فرض ہونا چاہیے ورنہ اپنے شعار کو فنا کر کے اس امت میں ہونے کا دعویٰ بے دلیل رہ جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور تشریف آوری ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس کا ذکر انجیل سے لے کر قرآن کریم تک برابر ہوتا چلا آیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث تو اپنی جگہ آئے گی جو بات یہاں توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ اگر درحقیقت ان کی وفات ہو گئی تھی تو تاریخی لحاظ سے ان کی قبر آج تک کیوں لاپتہ رہی۔ درآنحالیکہ ان کی امت کا تسلسل کہیں درمیان میں نہیں ٹوٹا جو امت اپنے بزرگوں کے قبور کی پرستش کی ہمیشہ سے خوگر رہی ہو وہ اپنے نبی کی قبر کو یک لخت فراموش کر بیٹھے یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ یہ حق کسی اور شخص کو نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے ہر لامعلوم قبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بنا ڈالے اور صرف اس بے بنیاد دعویٰ پر قرآن کریم کے قطعی بیان کا انکار کر دے۔ یہ غور کرنا چاہیے کہ جو پیشگوئی یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے وہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمرؓ کے حق میں بھی موجود ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ یہ حضرات بعد از وفات آپؐ کے پہلو میں حقیقتاً ہی مدفون ہوئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسی پیشگوئی کا رخ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں کسی اور طرف تبدیل کر دیں۔ اس لیے تسلیم کرنا ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح آپؐ کے قریب مدفون ہوں گے۔ نیز راویوں کا یہ بیان کرنا کہ ابھی تک بیت عائشہؓ میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے ظاہر کرتا ہے کہ یہ پیشگوئی امت میں ہمیشہ اپنے ظاہر پر محمول رہی ہے اور اسی لیے راوی یہ بتاتا چلا جاتا ہے کہ اس کے پورا ہونے کے لیے بیت عائشہؓ میں ایک کھلی شہادت موجود ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کتب مقدسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات میں شمار کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مدفن آپؐ کے پاس ہو گا اس لیے ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سردست زندہ ہوں پھر وفات پائیں اور آپؐ کے پاس دفن ہوں۔ بہرحال بحث اس پر ختم نہیں ہوتی یہاں حدیث کے مناسب یہ صرف ایک مجمل نوٹ ہے۔

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ) وَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ (عليهما الصلوة و السلام) يدفن معه قال ابو مودود و قدبقي في البيت موضع قبر. (رواه الترمذی)

والسلام آپؐ کے پاس دفن کیے جائیں گے- ابومودود راوی حدیث کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جہاں آپؐ مدفون ہیں ابھی ایک قبر کی جگہ باقی ہے- (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۱۷۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ غُلَامًا يَهُوْدِيًّا كَانَ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَوَجَدَ اَبَاهُ عِنْدَ رَأْسِهِ يَقْرأُ التَّوْرَاتَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا يَهُوْدِيُّ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَاتِ نَعْتِيْ وَ صِفَتِيْ وَ مَخْرَجِيْ قَالَ لَا قَالَ الْفَتٰى بَلٰى وَ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَجِدُكَ فِي التَّوْرَاتِ نَعْتَكَ وَ صِفَتَكَ وَ مَخْرَجَكَ وَ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ رَأْسِهِ وَ لُوْا اَخَاكُمْ. (رواه البيهقي في دلائل النبوة)

(۱۷۳) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے گئے دیکھا تو اس کا باپ سراہنے بیٹھا ہوا تورات پڑھ رہا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اے یہودی تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کیا میری نعت وصفت اور میری آمد کہیں تجھے تورات میں ملتی ہے- اس نے کہا نہیں- لڑکا بولا خدا کی قسم یا رسول اللہ! کیوں نہیں' ہمیں آپؐ کی نعت وصفت اور آپؐ کی آمد کا ذکر سب چیزیں تورات میں ملتی ہیں- اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ اس یہودی کو اس کے سراہنے سے اٹھا دو اور اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کے تم خود متکفل ہو-

(اس حدیث کو بیہقی نے دلائل نبوت میں روایت کیا ہے)

(۱۷۴) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ يَهُوْدِيًّا كَانَ يُقَالُ لَهُ فُلَانٌ حَبْرٌ كَانَ لَهُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۷۴) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کے متعلق یہ مشہور تھا کہ فلاں یہودی بڑا عالم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

---

(۱۷۳) ✻ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت کے سوا چند اصولی فوائد بھی معلوم ہو گئے- (۱) کافر سے خدمت لینا درست ہے (۲) اپنا خادم خواہ یہودی ہی کیوں نہ ہو اس کی بھی عیادت کرنا چاہیے- (۳) بچے کا اسلام معتبر ہے- (۴) مسلمان کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کے ذمہ ہے-

(۱۷۴) ✻ تورات میں آپؐ کی جو صفات مذکور ہیں اس کا بہت بڑا عنصر آپؐ کی اخلاقیات سے متعلق ہے احادیث سے بھی یہی پتہ لگتا ہے کہ آپؐ کی بعثت کا بڑا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل تھی جو انسان' انسانوں کے ساتھ اخلاقیات میں فیل ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا- اسلام میں انسانی بلندی کا معیار اخلاق کی بلندی پر رکھا گیا ہے اس لیے خواص کو اخلاقیات میں عوام سے اونچا ہونا چاہیے نبی کو اپنے امتی سے بلند ہونا چاہیے اور اسی لیے انبیاء علیہم السلام میں جو سب سے بڑے نبی ہیں وہ اخلاقیات میں بھی سب سے بڑے...

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَنَانِيرُ فَتَقَاضَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ يَا يَهُوْدِيُّ مَا عِنْدِيْ مَا اُعْطِيْكَ قَالَ فَاِنِّيْ لَا اُفَارِقُكَ يَا مُحَمَّدُ حَتّٰى تُعْطِيَنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا اَجْلِسُ مَعَكَ فَجَلَسَ مَعَهُ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ وَ الْمَغْرِبَ وَ الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ وَ الْغَدَاةَ وَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَدَّدُوْنَهُ وَ يَتَوَعَّدُوْنَهُ فَفَطِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الَّذِيْ يَصْنَعُوْنَ بِهٖ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَهُوْدِيٌّ يَحْبِسُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَعَنِيْ رَبِّيْ اَنْ اَظْلِمَ مُعَاهِدًا وَغَيْرَهُ فَلَمَّا تَرَجَّلَ النَّهَارُ قَالَ الْيَهُوْدِيُّ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ شَطْرُ مَالِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمَا وَ اللّٰهِ مَا فَعَلْتُ بِكَ الَّذِيْ فَعَلْتُ اِلَّا لِاَنْظُرَ اِلٰى نَعْتِكَ فِي التَّوْرَاةِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَ مُهَاجَرُهٗ بِطَيْبَةَ وَ مُلْكُهٗ بِالشَّامِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَ لَا غَلِيْظٍ وَ لَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَ لَا مُتَزَيٍّ بِالْفُحْشِ وَ لَا قَوْلِ الْخَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ هٰذَا مَالِيْ فَاحْكُمْ فِيْهِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ وَ كَانَ الْيَهُوْدِيُّ كَثِيْرَ الْمَالِ.

(رواه البيهقى فى دلائل النبوة)

اس کے کچھ دینار قرض تھے اس نے آپؐ پر تقاضہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے یہودی تیرے دینے کے لیے اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے- وہ بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ آپؐ میرا قرض ادا نہ کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے اور ظہر' عصر اور مغرب و عشاء اور صبح کی نمازیں وہیں ادا کیں' آپؐ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (چپکے چپکے) اسے دھمکیاں دیتے اور ڈراتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اس حرکت کو محسوس فرمالیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی اور آپؐ کو روکے بیٹھا ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھے اس بات سے منع کیا ہے کہ میں معاہد یا کسی اور شخص کا حق دباؤں- جب دن چڑھ گیا تو یہودی نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ- اور اس بات کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں لیجیے میرا نصف مال اللہ کے راستہ میں ہے' خدا کی قسم جو حرکت بھی میں نے آپ کے ساتھ کی تھی وہ صرف اس لیے تھی کہ جو صفت آپؐ کی تورات میں موجود تھی میں اس کو آزما دیکھوں- وہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان کی پیدائش کی جگہ مکہ مکرمہ اور ہجرت کی مدینہ ہے اور ان کا ملک شام تک ہے وہ سخت زبان نہیں' سخت دل نہیں' بازاروں میں شور مچانے والے نہیں' فحش اور بیہودہ گوئی سے متصف نہیں' میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور بلاشبہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں- لیجیے یہ میرا مال حاضر ہے اب آپؐ اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں حکم فرمائیں- (راوی کہتا ہے) یہ یہودی بڑا مالدار شخص تھا-

(اس حدیث کو بیہقی نے دلائل نبوۃ میں روایت کیا ہے)

بقیہ ....آ گئے تھے- حتیٰ کہ ان کی نبوت کا معیار ہی ان کی اخلاقی آزمائش تھی اسی لیے اس یہودی نے اپنے نزدیک آپؐ کے اخلاق کو سب سے سخت کسوٹی پر کس کر دیکھا اور جو رنگ خالص سے خالص سونے کا ہو سکتا تھا وہی آپؐ کے اخلاق کا دیکھ لیا-

www.besturdubooks.net

الانبياء تنام عيناهم و لا تنام قلوبهم

(۱۷۵) عن شريك بن عبدالله رضي الله تعالٰى عنه قال سمعت انس بن مالك رضي الله تعالٰى عنه يحدثنا عن ليلة اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم من مسجد الكعبة جاءه ثلاثة نفر قبل ان يوحى اليه و هو نائم في المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو فقال اوسطهم هو خيرهم و قال اٰخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك فلم يرهم حتى جاء و الليلة اخرى فيما يرى قلبه و النبي صلى الله عليه وسلم نائمة عيناه و لا ينام قلبه و كذالك الانبياء تنام عيناهم و لا تنام

انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتے ہیں

(۱۷۵) شریک بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شب کا واقعہ جس میں آپؐ کو مسجد حرام سے (اعجازی طور پر آسمانوں پر) سیر کے لیے لے گئے تھے حضرت انسؓ سے خود سنا ہے وہ ہم سے بیان کرتے تھے کہ وحی آنے سے پیشتر آپؐ کے پاس تین فرشتے آئے اس وقت آپؐ مسجد حرام میں (کچھ اشخاص کے درمیان لیٹے ہوئے) سو رہے تھے ان میں سے پہلے نے کہا بھلا ان میں وہ شخص کون ہیں؟ درمیانی فرشتہ بولا جو درمیان میں لیٹے ہوئے ہیں یہی سب میں افضل ہیں۔ آخری فرشتے نے کہا اچھا تو جو ان سب میں بہتر ہیں ان کو لے چلو۔ اس شب تو اتنی ہی بات ہو کر رہ گئی۔ پھر آ[illegible]رہ کسی شب میں یہی فرشتے آپؐ کے خواب میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ جب سوتے تو صرف آپؐ کی آنکھیں سوتی تھیں دل بیدار رہتا تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا حال یہی ہوتا ہے کہ جب سوتے ہیں تو صرف ان کی

---

(۱۷۵) * شریک بن عبداللہ کی یہ روایت گو بخاری شریف میں موجود ہے مگر محدثین نے اس میں بہت سے اوہام شمار کیے ہیں۔ از انجملہ یہ کہ اس میں معراج کا واقعہ نزول وحی سے پہلا قرار دیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ واقعہ اسراء جو کہ جمہور کے نزدیک بیداری کا واقعہ تھا خواب کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ ان امور پر اپنی جگہ بحث کی جائے گی۔ یہاں ہمیں صرف انبیاء علیہم السلام کے قلبی صفت تیقظ کا بیان کرنا منظور ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام میں موجود ہوتی ہے پس جہاں آپؐ کے ساتھ خصوصیت کا شبہ ہو وہاں امت کے مقابلہ میں خصوصیت مراد لینا چاہیے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں۔ حافظ ابن حجرؒ کا رجحان بھی کچھ اسی طرف ہے۔ کتاب بدء الخلق میں اس باب کی مراجعت کی جائے۔ اصل یہ ہے کہ جن قلوب کو اللہ تعالیٰ مہبط وحی بنا لیتا ہے ان کو عالم قدس سے ایک غیر معمولی اتصال میسر آ جاتا ہے۔ اسی بیداری کا ثمرہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی سمجھے جاتے ہیں اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذبح کرنے کا خواب ہی دیکھا تھا کہ اتنی بڑی قربانی کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس حقیقت کو سمجھ کر بول اٹھے یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ - اے باپ جو حکم آپ کو ملا ہے اسے پورا کیجیے۔ یہاں خواب کی بات کو امر الٰہی فرمایا ہے۔ اس کے بالمقابل جو دجل و شیطنت کی باطل طاقتیں ہیں ان کو بھی ایک فطری بیداری حاصل ہوتی ہے۔ وہ بھی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ مگر عالم قدس سے انہیں کوئی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ انہیں شیاطین کے ساتھ اتصال میسر ہوتا ہے۔ اسی لیے جب ابن صیاد کے حالات کی تحقیق کے لیے آپ تشریف لے گئے تو اس نے بھی اپنی یہی صفت بیان کی کہ صرف میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل بیدار رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس کا امتحان لیا اور اس کو سمجھایا کہ عالم قدس سے اس کو کوئی اتصال حاصل نہیں ہے۔ وہاں ہر بات صاف ستھری اور طے شدہ موجود ہوتی ہے اس کو صرف شیطانوں سے اتصال میسر ہے اسی لیے غیب پر اُسے کوئی دسترس نہیں صرف قیاسات لله.....

www.besturdubooks.net

قُلُوْبُهُمْ فَتَوَلَّاهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ عُرِجَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ. (رواه البخاری)

آنکھیں سوتی ہیں ان کے دل بیدار رہتے ہیں- اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو اپنی سپردگی میں لیا اور آسمان پر لے گئے- (بخاری)

بصر النبی

نبی کی نظر

(۱۷۶) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَشْرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُطُمٍ مِنْ اٰطَامِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰى قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنِّيْ لَاَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ. (متفق علیہ)

(۱۷۶) اسامہ بن زیدؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بلند مقاموں سے کسی مقام پر چڑھے اور فرمایا کیا تم بھی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا نہیں آپؐ نے فرمایا کہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہیں جیسے بارش- (متفق علیہ)

(۱۷۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ فِيْ قِصَّةِ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَ لَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَ رَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ وَ رَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوْا لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَ يَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ

(۱۷۷) صلوٰۃ کسوف کے قصہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ ہم نے آپؐ کو دیکھا کہ اسی مقام پر آپؐ نے کسی چیز کے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا- پھر دیکھا کہ آپؐ پیچھے ہٹ گئے (یہ کیا بات تھی) فرمایا میں نے جنت دیکھی تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اس میں سے ایک خوشہ لے لوں' اگر لے لیتا تو جب تک دنیا رہتی تم اس میں سے کھاتے رہتے پھر دوزخ دیکھی تو ایسا خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا جیسا آج دیکھا تھا' میں نے دیکھا کہ اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں- انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ فرمایا اپنی حق ناشناسی کی وجہ سے' پوچھا گیا کیا خدا کی حق شناس نہیں ہوتیں؟ فرمایا اپنے شوہر کا حق نہیں پہچانتیں اور احسان فراموش ہوتی ہیں اگر کسی کے ساتھ تم عمر بھر بھی احسان کرو گے پھر تمہاری جانب سے کوئی

.... اور معمولی ادھورے ادتے سچے ہیں اسی کو انبیاء علیہم السلام کی صفت نبوت کے ہم پلہ سمجھ رکھا ہے اس لیے فرمایا اخسا فَلَنْ تعدو قدرک - (جا بدنصیب تو اپنے رتبہ سے آگے نہیں جا سکتا) انبیاء علیہم السلام کی یہ صفت تیقظ دائمی ہوتی ہے صرف حالت نوم پر منحصر نہیں- اس بیداری کی پوری حقیقت سمجھنا ہمارے ادراک سے باہر بات ہے- الفاظ اس غیبی حقیقت کو پورا ادا نہیں کر سکتے - صوفیاء کرام کی نسبت ''یادداشت'' شاید اس سے کوئی بعید مشابہت رکھتی ہو- و الغیب عند اللہ العظیم-

(۱۷۶) * یہ وہ فتنے تھے جو صحابہ کے درمیان آئندہ پیش آنے والے تھے آپؐ کی نظر دور بین سالوں پہلے انہیں دیکھ رہی تھی-

(۱۷۷) * جنت خود غیر فانی ہے اس کی ہر نعمت بھی غیر فانی ہے اس لیے اگر آپؐ اس کی کوئی چیز لے لیتے تو وہ بھی دائمی اور غیر فانی ہوتی- اس حقیقت کو بتانا بھی منظور تھا اور عالم غیب کو غیب کی حد تک باقی رکھنا بھی مد نظر تھا اس لیے صرف اتنا بتا کر دست مبارک ....

www.besturdubooks.net

ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ. (متفق علیہ)

ادنٰی کوتاہی دیکھ پائے تو یہی کہہ دیتی ہے کہ ہم نے تمہاری کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔ (متفق علیہ)

(۱۷۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَ حُقَّ لَهٗ اَنْ تَاَطَّ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَ مَلَكٌ وَ اضِعٌ جَبْهَتَهٗ لِلّٰهِ سَاجِدًا وَ اللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَ لَبَكَيْتُمْ

(۱۷۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے' آسمان چر چر کر رہا ہے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس میں کہیں چار انگشت برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ خدا کے سامنے سجدہ میں نہ پڑا ہوا ہو خدا کی قسم ہے جو میں جانتا ہوں اگر کہیں تم جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت اور اپنے نرم بستروں پر عورتوں

ﷺ ....آگے نہ بڑھے۔ اندازہ کیجئے کہ یہ روایت کتنی قوی روایت ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام اس جہان میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں۔

(۱۷۸) ❋ اس حدیث میں صفت سمع و بصر اور علم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں یہ تینوں صفات اتنی کامل ہوتی ہیں کہ عوام میں ان صفات کی کھپت ہی نہیں ہوتی۔ اگر ان کے مسموعات و مبصرات و معلومات کی دنیا کسی اور کے سامنے پیش کردی جائے تو اس کا نظام زندگی ہی معطل ہو جائے۔ پھر وہ نہ آرام کی نیند لے سکتا ہے اور نہ بستیوں میں آباد رہ سکتا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا ہی ظرف ہے کہ وہ قالبِ انسانی میں رہ کر ان سب امور کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جن کا نشأۃ ملکیتہ مشاہدہ کرتی ہے اور پھر نظام انسانیت کو درہم و برہم ہونے نہیں دیتے۔ کمال یہ نہیں کہ انسان فرشتہ بن جائے۔ فرشتے تو پہلے بھی موجود تھے کمال تو یہ ہے کہ انسان انسان رہے پھر اپنی بہیمیت کو قالب روحانیت میں ایسا ڈھال دے کہ یہ مجموعہ ملکیت کے لیے قابل صد رشک بن جائے۔ یہ ہے وہ انسان جو عام انسانوں کی طرح ایک انسان بھی نہیں اور فرشتہ بھی نہیں بلکہ وہ کامل انسان ہے جس کو ملک پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

انسان کامل کے علمی و عملی کمالات دیکھ کر بندۂ مادیت اس کا تصور نہیں لا سکتا اور اس لیے ان کو اتنا سادہ سے سادہ بنا دیتا ہے کہ ایک طور پر وہ ان کے انکار ہی کے مرادف ہو جاتا ہے جب وہ انسان کامل کی قوت سمع و بصر کا حال سنتا ہے پھر اس نوع کی قوت انسان اسفل میں نہیں دیکھتا تو نہایت سادگی سے اس کو راویوں کی مبالغہ آمیزی اور حاملان مذہب کی خوش عقیدگی پر محمول کر کے ان کو بھی اسی صف میں ملانے کی کوشش کرتا ہے جس میں وہ خود کھڑا ہے گویا اس کے نزدیک سمع و بصر کی طاقت صرف اسی قدر ہے جتنا اس کو خود محسوس ہے دوسری طرف ایک سفیہ عقیدت مند ہے وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوتا کہ راویوں کی بیان کردہ قوتوں ہی پر بس کر دے بلکہ اپنی جانب سے اور ہزار حاشیہ آرائیاں کرتا ہے اور آخر کار وہ بھی ایک بلند حقیقت کو بے حقیقت بنا کر چھوڑتا ہے۔ یہ دونوں راستے افراط و تفریط کے راستے ہیں ہم نہ اس کے مجاز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایک ذرہ برابر بھی اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھ سکیں جتنا کہ خود انہوں نے ہم کو بتایا ہے اور نہ اس کے حق دار ہیں کہ ان کے ان فضائل و کمالات کو بھی ناقابل تسلیم کہہ دیں جو قدرت نے ان عظیم القدر ہستیوں کو اپنا نشان قدرت دکھانے کے لیے عطا کیے ہیں افسوس کہ انسان خود اپنے نفس کی طاقتوں کو بھی نہیں پہچانتا کاش اگر وہ ان کو پہچان لیتا تو اس کو اپنے رب کی معرفت بھی آسان ہو جاتی۔ ایک ایٹم بم کی طاقت سے دنیا عالم حیرت میں پڑی ہوئی ہے اور ابھی دیکھیے کہ اقوام عالم کی مسلسل ریسرچ اس کی طاقت کا اور کہاں تک پتہ دیتی ہے۔ جنہوں نے عالم روحانیات کا ذائقہ چکھا ہے اور اس کی طاقتوں کا اندازہ لگایا ہے' ان کے نزدیک یہ کمالات ﷺ....

www.besturdubooks.net

كَثِيرًا وَ مَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَ لَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ إِلَى اللّٰهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ. (رواه الترمذی فی الزهد. و قدمر فی باب عظمة الله تعالٰی)

سے لطف اندوز نہ ہو سکتے اور یقیناً اللہ اللہ پکارتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاتے' یہ کہہ کر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میری تمنا ہے کاش کہ میں ایک درخت ہوتا جو کٹ کر نابود ہو جاتا۔

(ترمذی)

النبی قد یریٰ من وراء ظهره

نبی کبھی اپنے پشت کی جانب سے بھی دیکھ لیتا ہے

(۱۷۹) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی

(۱۷۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا

⇦ .... غلامانِ انبیاء علیہم السلام میں بھی بقدر نصیب تقسیم ہو گئے ہیں۔ کمالات انبیاء علیہم السلام کچھ اور ہیں اگر کہیں ان کو ظاہر کر دیا جائے تو ظاہر پرستوں کے لیے ایک تماشہ ہاتھ آ جائے اور عقیدت مندوں کی عقیدت سرد پڑ جائے۔ بھائی میرے وہ کمالات ان کی صبر و استقامت اخلاص و انابت' اولوالعزمی و شہامت' وقار و کرامت' بردیقین و ثلج صدر' اعتماد و انشراح مانند تاشیر فجر' امانت و صدق رأفت و رحمت خلق' طہارت ذیل' نظافت حبیب' اخبات الی اللہ و وسائل غیب' خصائل تضرع و تبتل' استدامت حمد و شکر توریث علم و عمل' عدم توریث مال و منال' ترک مالایعنی' حفظ ملت لسان' متابعت و مطاوعت حق' حظوظ دنیا میں زہادت زخارف دنیا سے بے التفاتی اور نشر و اشاعت دین ہیں۔ وہ کمالات ان کے ظاہر و باطن کی یک رنگی ہے ایسی یک رنگی جس میں سرمو کوئی فرق نہ آئے۔ ان کی پہاڑوں کی طرح استقامت ہے جو بادشاہوں کی تہدید و تخویف سے متزلزل نہ ہو' ان کی وہ بے طمعی ہے جس میں ارباب اموال کی دولت کوئی لچک پیدا نہ کر سکے۔ ان تمام کمالات کے باوجود ان کو نہ کبھی ناز ہو نہ تکبر وہ سرتاپا کمال ہو کر سرتاپا ناقص مخلوق میں بیٹھنا پسند کر لیں خود ایذائیں اٹھائیں کسی کو ایذائیں نہ دیں اور یہ جو کچھ ہو کسی ریاضت و کسب کا مرہون منت نہ ہو بلکہ سب کچھ عطاء رحمانی اور موہبت ربانی ہو ۔

دلبر ما است کہ از حسن خدا داد آمد

یہ وہ انسان کامل ہے جس کی طاقتوں کے سامنے تمام عالم ملکوت سر جھکاتا ہے۔ خدا کی تمام کائنات دست بستہ حکم برداری کے لیے حاضر ہے وہ خلیفہ ہے اور سب اس کے زبردست محکوم مگر افسوس یہ ہے کہ ان تمام طاقتوں سے انسان غافل ہے۔ غافل نہیں بلکہ منکر ہے۔ انبیاء علیہم السلام آکر بھی بتاتے اور دکھاتے ہیں مگر یہ پھر بھی نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔ فصبر جمیل۔

(۱۷۹) * یہ رؤیت تو اس عالم کی رؤیت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم دوربین اس عالم سے گذر کر کبھی کبھی جنت و دوزخ کا بھی مشاہدہ کر لیتی تھی۔ آپ تو آپ ہی ہیں آپ کے صحابہ تک جنگ کے موقعوں پر کبھی کبھی ملائکہ کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ کسی صحابی کو خدا کا فرشتہ سلام کرتا اور وہ اس کی آواز سن لیتا تھا۔ عمر فاروقؓ مقام نہاوند کی جنگ مدینہ میں بیٹھ کر دیکھتے تھے اور آپ کی یا ''ساریة الجبل'' کی آواز آپ کا جرنیل نہاوند میں سن لیتا تھا۔ آج ریڈیو کی ایجاد نے ''صوت'' یعنی آواز کا مسئلہ تو ختم کر دیا ہے۔ اگر ذرا سی وسعت دے کر بصر کے متعلق بھی آپ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو چنداں دشوار نہیں ہے۔ اب بھی خوردبین اور دوربین کے ذریعہ سے ہم جن چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں عام آنکھیں ان کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ خوردبین سے بیماریوں کے جراثیم چلتے پھرتے نظر آ جاتے ہیں۔ دوربین کے ذریعہ سے سینکڑوں میل کا فاصلہ کس طرح کف دست معلوم ہونے لگتا ہے اگر ارباب روحانیت وتزکیہ کی نظر بھی مادیات میں ڈوبی ہوئی نظروں سے کسی بلند عالم کا مشاہدہ کرتی ہیں تو ہمیں اس کا بھی انکار نہیں کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ بیماری کے باریک جراثیم کی طرح ان کے دیکھنے کا ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں ⇦ ....

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ھَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ ھٰھُنَا وَ اللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَ لَا | تم میرا قبلہ توجہ صرف سامنے کی طرف سمجھتے ہو خدا کی قسم تمہارا رکوع کرنا اور تمہارا قلبی خوف بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا' میں تمہیں اپنی پشت کی جانب

لله .... ہے۔ اگر فرض کرلو کہ وہ تیزی نظر ہمیں بھی میسر آ جائے تو ہم بھی خوردبین کے بغیر ان جراثیم کا مشاہدہ کرلیں یہاں انکار یا تاویل کرنا دونوں راستے غلط ہیں۔ انکار تو اس لیے کہ جو خود دیکھتا ہے نہ دیکھنے والے کو اس کے مشاہدہ کے رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسے اپنی قصور نظر کا اعتراف کرنا چاہیے نہ کہ ایک قوی النظر شخص کی رؤیت کا انکار۔ اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کو اپنا سلام کہلوایا تو آپؓ نے جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تری مالا نری یعنی آپؐ تو ان کو دیکھ رہے ہیں ہم نہیں دیکھتے۔ گویا اپنی قصور نظر کا اعتراف کیا اور آپ کے مشاہدہ کی تصدیق کی عالم روحانیات کے متعلق قرآن نے بطور کلیہ یہ بیان کیا ہے کہ ہماری ایک ایسی مخلوق ہے جسے تم نہیں دیکھتے اور وہ تمہیں دیکھتی ہے۔ انہ یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم۔

انبیاء علیہم السلام اور ارباب روحانیت کو ایسی حدت نظر مرحمت ہو جاتی ہے کہ وہ ان کا بھی مشاہدہ کرنے لگتے ہیں آخر جب عام طور پر نظروں میں قوت بصر کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے تو اگر انبیاء علیہم السلام کی نظر عام نظروں سے کچھ اور تیز مان لی جائے تو اس کے انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور تاویل کرنا اس لیے غلط ہے کہ جو شخص خود دیکھتا ہے اپنے متعلق یہی عقیدہ رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی یہی باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ درحقیقت دیکھتا ہے اور وہی الفاظ استعمال کرتا ہے جو صرف دیکھنے کے لیے مستعمل ہیں اور اس کے خلاف کوئی ادنیٰ ایماء و اشارہ تک نہیں کرتا تو ان کو کشف و الہام پر محمول کر لینا یقیناً غلط ہے۔ بلکہ ایک واقعہ کا انکار ہے۔ ہمیں اس کا کیا حق ہے کہ اگر ہماری آنکھیں کچھ چیزوں کو نہیں دیکھتیں تو جو آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں ہم ان کے لیے بھی تاویلیں تراشنے بیٹھ جائیں۔ بعض لوگوں نے تو اسی مغالطہ میں تمام جگہ آپؐ کے چشم دید حالات کو صرف کشف کہہ دیا ہے حتیٰ کہ معراج کو بھی ایک قسم کا کشف ہی کہہ ڈالا ہے تعجب ہے کہ خود دیکھنے والا تو اپنے متعلق دیکھنے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہی باور کرانے کی سعی کرتا ہے مگر سننے والا ہے کہ اس کی خیر خواہی میں صرف اس لیے اس کے الفاظ کی تاویل کرنے لگتا ہے اس کی آنکھوں نے اس کو نہیں دیکھا۔

بہت سے لوگ چاند نہیں دیکھتے مگر صرف دیکھنے والوں کے اعتماد پر روزہ رکھ لیتے ہیں اور اس بنا پر کہ چونکہ خود انہوں نے نہیں دیکھا روزہ سے انکار نہیں کرتے اور نہ دیکھنے والوں کے لیے کوئی تاویل کرتے ہیں بلکہ اپنا قصور نظر ہی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے جم غفیر کے مقابلہ میں مخلوق کو چاہیے کہ وہ اپنے قصور نظر کا اعتراف کر لے نہ یہ کہ ان کے مبصرات و مرئیات کا ہی انکار کر دے۔ اس تحقیق سے مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رؤیت کے متعلق کسی صاف اشارہ و ایماء کے بغیر ہم کوئی تاویل نہیں کریں گے اسی طرح رؤیت کو صرف مخصوص ایک جسم کے حصہ میں منحصر سمجھ لینا بھی غلط ہے۔ کائنات عالم میں سائنس آئے دن نئے سے نئے عجائبات پیش کرتی رہتی ہے اور وہ بھی اس لیے قابل انکار نہیں سمجھے جاتے کہ پہلے واقعات کے خلاف ہیں بلکہ ہر نئے واقعہ کو قدرت کا ایک نیا شاہکار سمجھا جاتا ہے اگر اس لحاظ سے نبی کی شخصیت بھی کچھ مجموعہ عجائبات مان لی جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بالخصوص جب کہ اس کی شخصیت اپنے دور کے انسانوں میں ہی نہیں بلکہ عالم کے عالم میں انقلاب برپا کرنے والی ہو۔ اگر وہ خود بھی قوتوں میں عام قوتوں سے اونچی نظر آئے تو اس کا کیوں انکار کیا جائے۔

ہمارے نزدیک نبی اور امتی کی قوت بصریہ میں ایک فرق یہ ہے کہ امتی کی نظر اس عالم میں صرف اسی عالم کی اشیاء تک محدود رہتی ہے جب وہ اس جہان سے گذر کر برزخ میں جا پہنچتا ہے تو پھر اس کی سیرگاہ عالم برزخ بن جاتا ہے اور جب برزخ سے آخرت کی طرف بڑھ جاتا ہے تو کائنات آخرت اس کے نظر کی جولانگاہ ہو جاتی ہیں۔ غرض جس عالم میں وہ خود ہوتا ہے اس کی نظر بھی اسی عالم میں محدود رہتی ہے۔ نبی کی نظر اسی عالم میں تمام عالمین کی سیر کر سکتی ہے وہ اسی عالم میں برزخ اور آخرت کی کائنات کا اس طرح مشاہدہ کر سکتی لله ....

www.besturdubooks.net

خُشُوْعُكُمْ وَ اِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ. (رواہ البخاری)

سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔
(اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

(۱۸۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ. اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتّٰی يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَ اَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا. (رواہ البخاری فی الایمان)

(۱۸۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا صحابہؓ کو حکم دیتے تو ایسی بات کا حکم دیتے جو ان سے بسہولت ہو سکے وہ (شوق شوق میں) عرض کرتے یارسول اللہ ہم آپ کی طرح تو نہیں' آپ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی سب ہی لغزشیں معاف کر دی ہیں اس پر آپؐ کو اتنا غصہ آتا کہ اس کا اثر چہرۂ مبارک پر نمایاں ہونے لگتا پھر آپؐ فرماتے دیکھو تم سب میں زیادہ پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا سب میں زیادہ عالم میں ہوں۔ (بخاری)

(۱۸۱) عَنْ عَائِشَةَ صَنَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيْهِ وَ تَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ

(۱۸۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) کوئی ایسا عمل کیا جس میں رخصت کا پہلو اختیار کیا'

لہ ..... ہے۔ جیسا امتی کی نظر اس عالم میں پہنچ کر کرتی۔ انبیاء علیہم السلام اس جہاں میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں اس لیے دنیا میں بھی ان کی قوتوں کے وہ آثار ملتے ہیں جو اہل جنت کے جنت میں منقول ہیں۔

اصل یہ ہے کہ رؤیت کی چار قسمیں ہیں دیکھنے والا اور جس کو وہ دیکھتا ہے دونوں مادی ہوں یا دونوں مجرد یا ایک مادی ہو' دوسرا مجرد' ان میں سے ہمارے دائرہ میں صرف پہلی صورت معہود ہے اس لیے ہم نے دیکھنے کا مفہوم اسی میں منحصر سمجھ لیا ہے اور جہاں کہیں اس کے خلاف رؤیت کا لفظ نظر آتا ہے تو ہمارا ذہن فوراً اس کی تاویل ہی کی طرف چلا جاتا ہے۔ حالانکہ رؤیت کا یہ صرف ۱/۴ حصہ تھا بقیہ تین صورتوں میں' مجرد کی مجرد کو اور مجرد کی مادی کو رؤیت بھی قابل تسلیم نظر آتی ہے جہاں عقل چکراتی ہے وہ صرف مادی کی رؤیت مجرد کو ہے۔ یہاں عالم مجردات چونکہ ہمارے مشاہدہ میں نہیں اس لیے جن کے مشاہدہ میں ہے ہم ان کے لیے بھی دیکھنا باور نہیں کرتے یہ قیاس غلط قیاس ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی مادیت اتنی مصفّیٰ ومزکیٰ ہوتی ہے کہ ملائکہ کا تجرد ان کے سامنے شرماتا ہے لوہے کی اور شیشہ کی مادیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے' عالم تجرد کے شیشہ میں جب تک مادیت کا حجاب قائم نہیں ہوتا وہ کسی کامل کی تجلی گاہ نہیں بنتا۔ اسی مادیت ہی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت اور فرشتوں کی محرومی کا راز مضمر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا عنصر مادیت بھی ایسا جوہردار ہوتا ہے کہ جب بھی عالم تجرد کی شعاعیں اس پر پڑتی ہیں تو وہ آئینہ سکندری کی طرح جگمگانے لگتا ہے اس لیے قدرت اگر چاہے تو وہ اسی عالم مادیات میں مجردات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں ہاں اگر ماوراء مجردات کا مشاہدہ مطلوب ہو تو انہیں بھی اس عالم کو چھوڑنا پڑتا ہے گویا عالم عنصری میں ان کی مادیت مجردات کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے جن امور کا مشاہدہ اہل جنت کے لیے موعود ہے وہ ان کے لیے نقدوقت بن جاتا ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(۱۸۱) ✱ علم دراصل خشیت الٰہی کا ہی نام ہے اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا ہے ﴿اِنَّمَا يَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸) اللہ کی ذات پاک سے ڈرنے والے صرف علماء ہیں۔ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی ذات کے استحضار عظمت کے ساتھ ہو' ہر خوف کو لہ .....

www.besturdubooks.net

فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ | بعض لوگوں نے اس عمل کے اختیار کرنے سے احتراز کیا' یہ بات آپؐ تک پہنچ گئی اسی وقت آپؐ نے خدا کی حمد وثناء (خطبہ) کے بعد فرمایا لوگوں کا بھی

☆ ..... خشیت نہیں کہتے عالم اگر ڈرتا ہے تو وہ خدا کی ذات کی عظمت وجلال کا تصور کر کے ڈرتا ہے' غیر عالم کو ان امور کا اتنا علم نہیں ہوتا اس لیے وہ ڈرتا ہے تو صرف اس کے عذاب کا تصور کر کے ڈرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی وقت کے سب سے زیادہ عالم ہونے کا مطلب یہی ہے کہ خدائے ذات وصفات کا سب سے زیادہ علم اس کو ہوتا ہے اور اس لیے سب میں زیادہ خدا سے ڈرنے والا بھی وہی ہوتا ہے۔ جس مقصد کے لیے نبی کو بھیجا جاتا ہے وہ مخلوق کی ہدایت ہے اسی لیے تمام علوم ہدایت اس کو مرحمت کیے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سب سے زیادہ کامل تر ہے اس لیے آپ کو یہ علوم بھی سب میں کامل تر ملے ہیں۔ اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو اور بھی بہت سے امور کا علم مرحمت ہوتا ہے جو مقصد دعوت وتبلیغ میں ان کے لیے کارآمد ہوں۔ اسی طرح بعض علوم وہ ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو قصداً نہیں سکھائے جاتے اور اس لیے نہیں سکھلائے جاتے کہ وہ شایان شان نبوت نہیں ہوتے ارشاد ہوتا ہے ﴿وَ مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْبَغِي لَهٗ﴾ (یٰس: ۶۹) ہم نے شعر گوئی آپ کو نہیں سکھائی اور یہ آپ کی شایان شان بھی نہیں تھی۔ گویا نبوت اور شاعری دو متضاد صفتیں ہیں اسی لیے شعر گوئی تو درکنار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر خوانی بھی ثابت نہیں ہوتی ایک آدھا شعر پڑھنا منقول ہے اس میں بھی علماء کو بحثیں ہیں۔ بہرحال کچھ علوم ایسے بھی ہیں جو بتصریح قرآن کریم شان نبوت کے مناسب نہیں سمجھے گئے۔ معلوم ہوا کہ اصولاً یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تمام علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اساسی طور پر ان کو وہی علوم سکھائے جاتے ہیں جن کی تبلیغ کے لیے ان کو دنیا میں بھیجا جاتا ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود اتنے راز ونیاز کے ان علوم کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا جس کا دریا حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے بہہ رہا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ظرف موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ان علوم کے تحمل کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی تھی وہ ہر موقعہ پر تلمذانہ صبر دکھانا چاہتے تھے مگر بے تاب ہو کر معترضانہ تنقید کر گذرتے تھے آخر چند یوم کی صحبت بھی نہ نبھا سکے اور اس پر تیار ہو گئے کہ جس کے سامنے کچھ دن استفادہ کے لیے آئے تھے ہمیشہ کے لیے اس کو ندائ الفراق سنادیں۔ یہی وہ بات تھی جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے دن کہہ دیا تھا۔ ﴿اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا﴾ (الکھف: ۷۸) اے موسیٰ علیہ السلام تم میرے علوم کا تحمل نہیں رکھتے اس لیے میرے ساتھ رہ بھی نہیں سکتے۔ وہی ہوا اور حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بار بار بے صبری دیکھ کر آخر یہ کہہ دینا پڑا ھذا فراق بینی و بینک. جایئے اب بہت ہو لیا میرا اور آپ کا ساتھ ختم ہوتا ہے اور لیجیے اب ان علوم کی تشریح بھی سنتے جایئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عجائبات موسیٰ وخضر علیہما السلام کا تذکرہ کر کے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کاش اگر موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر سے کام لے لیتے تو ہمیں کچھ اور عجائبات کا حال بھی کھل جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جو علوم انبیاء علیہم السلام کے دائرہ سے متعلق ہیں وہ صرف علوم ہدایت ہیں۔ سالم کشتی کے تختہ توڑ دینے اچھے خاصے کھیلتے ہوئے بچے کے قتل کر ڈالنے اور ایک ترچھی دیوار کو سیدھا کر کے نااہلوں پر احسان رکھنے کے رموز وحکم ان کے علوم میں داخل نہیں وہ یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ کسی محسن کی کشتی کا تختہ اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ پھینکیں خواہ اس کا انجام کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو نہ وہ کسی بچہ کے قتل کی اجازت دے سکتے ہیں۔ خواہ اس کے والدین کے لیے اس کی حیوۃ کتنی ہی مضر کیوں نہ ہو اور نہ وہ آئینی طور پر نااہلوں پر ایسے احسان کی ترغیب دے سکتے ہیں جو ان کی جہالت وبے حسی میں اور اضافہ کا موجب بن جائے بس ان کے علم کے متعلق نفی واثبات کی جو بحث ہوگی وہ ان کی نوعیت علم ہی کے دائرہ تک رہے گی۔ ایک سائنس داں شخص کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سب کچھ پڑھ چکا ہے یہ مطلب نہیں رکھتا کہ اس کو طباعت وکتابت کے علوم بھی حاصل ہیں ایک عالم کی علمی منقبت کا مطلب یہ کبھی نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ زراعت یا تجارت کے علوم بھی جانتا ہے۔ پس جس طرح ہر اہل فن کو اپنے ہی فن کا علم ☆ ....

www.besturdubooks.net

يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَ اَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً.

(رواه البخاري في الاعتصام)

کیا حال ہے بھلا اس عمل سے احتراز کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں خدا کی قسم ان سب میں زیادہ خدا کا علم رکھنے والا اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا تو میں ہوں۔ (بخاری)

(۱۸۲) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَأْبُرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ.

(رواه مسلم)

(۱۸۲) رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے کھجوروں کے درختوں کی "تابیر" کیا کرتے تھے آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا (پھلوں میں زیادتی کے لیے) ہم یہ کام پہلے سے کرتے آئے ہیں آپ نے فرمایا اگر اب نہ کرو تو شاید بہتر ہو یہ سن کر لوگوں نے تابیر کرنا چھوڑ دیا، پھل کم آنے لگا اس پر لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے فرمایا دیکھو میں بشر ہوں جب تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں اسے تو فوراً بلا پس و پیش اختیار کر لو اور جب (دنیا کے معاملات میں) کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں صرف ایک بشر ہوں۔ (مسلم)

(۱۸۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى قَوْمٍ يُلَقِّحُوْنَ فَقَالَ لَوْ لَمْ

(۱۸۳) انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف گذرے جو کھجوروں کے درختوں میں "عمل تلقیح" کیا کرتی تھی

لـه .... حاصل ہوتا ہے اور اس میں بھی اس کی مہارت کا معیار یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس فن کے ہر معمولی اور غیر معمولی معلومات کا علم رکھتا ہے بلکہ صرف اس کا اجمالی استحضار اس میں ایک ملکۂ رسوخ کا پیدا ہو جانا اس کے غیر معمولی عالم کہلانے کے لیے کافی ہو جاتا ہے بلکہ اس کے ادنیٰ مسائل کا ذہول اس کے لیے عیب شمار نہیں ہوتا اسی طرح خدا کے برگزیدہ نبیوں کا فن ہدایت کا فن ہے وہ جب دنیا میں آتے ہیں تو کبھی اپنے فن کے سوا دوسرے فن میں دخل انداز نہیں ہوتے نہ اس کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اگر دنیا کو مجبور کرتے ہیں تو اس علم پر عمل کے لیے مجبور کرتے ہیں جو ان کے منصب نبوت سے متعلق ہیں اس کے سوا دوسرے قسم کے علوم کا نہ انہیں دعویٰ ہوتا ہے نہ اس کے فصول و ابواب پر وہ بحث کرتے ہیں اور نہ اس فن کے ماہرین سے الجھنا پسند کرتے ہیں اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں غصہ صرف رخصت پر عمل نہ کرنے پر نہیں ہے بلکہ ان کے اس احتراز اور تنزہ پر ہے جو ایک غلط بنیاد پر ان کے دماغوں میں پیدا ہو چکا تھا۔ نبی کے مغفور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اب خدا کی عبادت کا محتاج نہیں رہا بلکہ اس کی عبادت اور بڑھ جاتی ہے اور اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے۔ اور ادا کر نہیں سکتا۔ افلا اکون عبدا شکورا کا یہی مطلب ہے۔

(۱۸۳) * عرب میں تابیر اور تلقیح کا قدیم سے رواج تھا۔ اس عمل کی صورت یہ تھی کہ وہ مذکر نخل کا خوشہ لے کر مؤنث کے ساتھ ملا دیتے تھے اس کے بعد جب پھل آتا تو بہت کثرت سے آتا۔ پہلی حدیث میں آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا تم سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں۔ یہاں یہ ارشاد ہے کہ دنیا کے دھندوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تم ہو۔ یہ علوم نبوت نہیں ہیں۔ ہر اہل فن کو اپنے فن کا علم حاصل ہونا کمال سمجھا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علوم یہ نہیں ہیں کہ دیسی آموں کو قلمی کیسے بنایا جاتا ہے کس زمین میں کیسا کھاد دیا جاتا ہے، کس فصل میں کیا بویا جاتا ہے، ان علوم کو دنیا ان کے آنے سے پہلے بھی جانتی ہے اور ان کے بعد بھی ان میں ہزاروں ترقیاں لـه ....

www.besturdubooks.net

تَـفْـعَلُوْا لَصَلُحَ قَالَ فَخَرَجَ شِيْصًا فَمَرَّ بِهِمْ فَقَالَ مَا لِنَخْلِكُمْ قَالُوْا قُلْتَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ.

(رواہ مسلم فی کتاب الفضائل فی باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا)

آپ نے ان سے فرمایا اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو اچھا ہو' راوی کہتا ہے کہ (اس سال) درختوں پر ردی پھل آئے- پھر اس طرف جب آپؐ گذرے تو پوچھا تمہارے درختوں کو کیا ہو گیا' انہوں نے عرض کیا آپؐ نے اس اس طرح ارشاد فرمایا تھا (حسب الامر ہم نے تلقیح نہیں کی) اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اپنی دنیوی زندگی کو تم خود بہتر جانتے ہو- (مسلم)

لله .... کرتی رہتی ہے- آج ہماری دنیا کے علوم جہاں تک پہنچ چکے ہیں ان کا ہر مخص کو تو تصور کرنا بھی مشکل ہے- جنگ کے متعلق محیر العقول ایجادات' زراعت میں بے موسم پیداوار' بجلی اور بھاپ کے انوکھے سے انوکھے کارنامے آنکھوں کے سامنے ہیں- کیا ان علوم میں سے کسی کی طرف صاحب نبوۃ نے تعرض فرمایا ہے- یہاں تمہاری عقول کو آزادی دی گئی ہے- اجتہاد اور جدوجہد کے جتنے مدارج ہیں طے کیے جائیں اور اپنی دنیا کو جتنا مزین کر سکتے ہیں کیے جائیں- ان علوم میں شریعت کوئی دست اندازی نہیں کرتی جب تک کہ آپ اس سے ٹکرائیں نہیں- ہاں جن علوم کے لیے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں وہ علوم ہدایت ہیں اور وہ اب اتنے مکمل ہو چکے ہیں کہ ایک نقطہ لگانے کی اس میں گنجائش نہیں رہی' یہ وہ علوم ہیں جن کو دنیا نہ انبیاء علیہم السلام کی آمد سے پہلے جانتی ہے نہ ان کے بعد اس میں ایک شوشہ کا اضافہ کر سکتی ہے وہی ان کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہی ان کا کمال سمجھے جاتے ہیں- ان کے سوا اور علوم کا نہ انہیں دعویٰ ہوتا ہے نہ ان میں دخل اندازی وہ پسند کرتے ہیں- یہاں کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ ہم نے دنیا کو دین سے علیحدہ کر دیا ہے اور اپنی دنیا کو ہدایات شریعت سے گویا بے نیاز سمجھ لیا ہے- حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا بڑا شعبہ ہمارے دین کا جزء ہے مگر وہ دنیا شریعت میں دین کے نام سے پکاری جاتی ہے- اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہوتے ہیں بلکہ اس کے مؤسس اور معلم وہی ہوتے ہیں- دنیا کا دوسرا شعبہ وہ ہے جو دین سے متعلق نہیں' وہ انبیاء علیہم السلام کی دنیا نہیں تمہاری دنیا ہے اسے تم خود جانتے ہو مثلاً زراعت کرنا انسانی زندگی کے لیے کس حد تک مفید ہے اس کے اصول کلیہ کیا ہیں' کب' کس سے' کن شرائط سے کرنا مناسب ہے- تجارت میں ایجاب و قبول' نفع کے حدود' بائع و مشتری کے اختیارات' اختلاف کی صورتوں میں فیصلہ کی راہ جنگ و صلح کے نقض و ابرام کے شرائط وغیرہ وغیرہ یہ سب انبیاء علیہم السلام کی دنیا ہے جسے وہ خود سکھاتے بتاتے ہیں' اس کے اصول و فروع' ابواب و فصول خود قائم کرتے ہیں- اس دنیا کو دین کہا جاتا ہے لیکن ان اصول و کلیات کے بعد زراعت کی یہ تفصیلات کہ اس کے لیے کس کس سامان کے فراہم کرنے کی ضرورت ہے کس کس قسم کے مصنوعات درکار ہیں یہ تمہاری دنیا ہے اسے تم خود جانتے بوجھتے ہو- اسی کی طرف حدیث مذکور میں لفظ "دنیاکم" سے اشارہ فرمایا گیا ہے جس کا حاصل ہے کہ دنیا کا ایک شعبہ خود دین کا جزء ہے- اس کی ہدایات بھی اس کے ذمہ ہیں- اس کا دوسرا شعبہ دین کا جز نہیں اس کو تمہارے صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ تمہاری دنیا ہے تم اس میں خود مختار رہو- ان حدود کو جدا جدا پہچاننے کے لیے ان تفصیلات کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے جو شرعی دنیا کے متعلق موجود ہیں ان کو پیش نظر رکھے بغیر صرف چند سطور لکھ کر کوئی ایسا واضح خط قائم نہیں کیا جا سکتا جو دنیا کے ان دونوں شعبوں میں پورا پورا امتیاز پیدا کر دے-

شیخ عبدالعزیز دباغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت مشاہدہ کے سلسلہ میں ضمناً اس حدیث پر بھی گذر گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو کائنات عالم کے ہر ہر ذرہ میں قدرت کی کارفرمائی کا ایسا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے کہ پھر مسببات کا اپنے اسباب کے ساتھ ارتباط صرف برائے بیت نظر آنے لگتا ہے یہ یقین و مشاہدہ ان پر ہمہ وقت مستولی رہتا ہے- اس لیے وہ عالم کی ہر حرکت و سکون کا حقیقی کارساز حق تعالیٰ ہی کو دیکھتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ دیکھتے ہیں جیسا کہ ہم اسباب کو- ایک مومن و لیکن انبیاء علیہم السلام کے طفیل لله ...

www.besturdubooks.net

(۱۸۴) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ تَلَا وَ كَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام:۷۵) رواه الدارمي مرسلا و للترمذی نحوه عنه و عن

(۱۸۴) عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار کو ایک بڑے حسین وجمیل انداز میں دیکھا۔ اس نے ارشاد فرمایا (بتایئے) ملائکہ مقربین کس مسئلہ میں گرما گرمی سے گفتگو کر رہے ہیں میں نے عرض کیا آپؐ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بعد پروردگارِ عالم نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا اس کی خنکی میں نے اپنے دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی اور آسمانوں اور زمین میں جو بات (چیت ہو رہی) تھی وہ سب جان گیا اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی کہ اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھلائی تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں ہو جائے۔ ترمذی نے

ﷺ ..... میں اس نوع کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے مگر نہ وہ اتنا قوی ہوتا ہے اور نہ دائم آخر بہت جلد اس پر غفلت طاری ہو جاتی ہے پھر اُسے اپنی طبعی کشش کے مطابق اسباب ہی کی کارفرمائی نظر آنے لگتی ہے۔ جس پر پہلا مشاہدہ غالب ہوتا ہے وہ بے شک اسباب کی ضعیف کڑیوں کو کوئی اہمیت نہیں دے گا قدرت بھی اس کے مشاہدہ و یقین کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرے گی۔ لیکن جس پر یہ مشاہدہ غالب نہیں وہ اسباب ہی کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے مشاہدہ کا پابند ہوتا ہے۔ قدرت بھی اس کے مشاہدہ کے مطابق اس سے معاملہ کرتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مقام میں تھے اس لیے آپؐ نے جو فرمایا درست فرمایا تھا لیکن صحابہ کرام پر چونکہ اس مشاہدہ کا غلبہ نہ تھا اس لیے انہیں اس درجہ کا جزم و یقین بھی حاصل نہ تھا قدرت نے بھی ان کے ساتھ ان کے اندازۂ یقین کے مطابق معاملہ کیا اور آخر درختوں پر پھل کم آیا' اگر وہ یقین کے اسی درجہ پر آ جاتے تو تابیر کیے بغیر بھی پھل کم نہ ہوتا آپؐ نے یہ محسوس کر کے کہ اس مشاہدہ پر دوام ان کے لیے مشکل ہے۔ جاذب طبعی انہیں اسباب کی طرف ہی مائل کرتا رہے گا انہیں معذور سمجھا اور فرمایا کہ اچھا تو پھر تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو[1] (ابریز ص ۱۱۸)

(۱۸۴) ٭ محققین کے نزدیک تجلیاتِ الٰہیہ کی رؤیت کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر ایک آگ ہی کی صورت دیکھی تھی لیکن جو آواز اس آگ سے آئی وہ 'انا ربک'' کی آواز تھی۔ اسی طرح خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت درحقیقت تجلیاتِ الٰہیہ کی رؤیت ہوتی ہے۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسے معاملہ کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ آسمان و زمین کے عجائبات کا مشاہدہ خلیل اللہ کو بھی کرایا گیا تھا۔ اسی قسم کا ایک مشاہدہ یہاں حبیب اللہ کو بھی کرایا گیا ہے لیکن اس تمام مشاہدہ میں سوال و جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل مقصد ان علوم کا ہی افاضہ کرنا تھا جن کے لیے انبیاء مبعوث ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب آپؐ سے سوال کیا گیا تو جامیٹری اور الجبرے کے کسی فارمولہ کا سوال نہ تھا اور نہ عالم تکوینیات کے کسی باریک مسئلہ کا سوال تھا بلکہ اسی دائرہ کا سوال تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہیں۔ رب العزت نے جب ان علوم کا ﷺ ....

[1] یہ شرح اپنی جگہ گو ایک حقیقت ہے مگر اس حدیث کے جو الفاظ صحیح مسلم میں مختلف راویوں نے بیان کئے ہیں افسوس ہے کہ اس پر وہ پورے طور پر منطبق نہیں ہوتے۔ علماء اور عرفاء ان الفاظ پر غور کر لیں۔ و اللہ تعالی اعلم بحقیقة الحال۔

www.besturdubooks.net

ابن عباس و معاذ بن جبل و زاد فیه قال یا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ نَعَمْ فِی الْکَفَّارَاتِ وَ الْکَفَّارَاتُ الْمُکْثُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَ الْمَشْیُ عَلَی الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ وَ اِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَکَارِهِ فَمَنْ فَعَلَ

حضرت ابن عباس و معاذ بن جبل سے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ہاتھ رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا اے محمدؐ اب بتائیے کہ ملائکہ مقربین کیا گفتگو کر رہے ہیں' میں نے عرض کیا جی ہاں ان اعمال کے متعلق کر رہے ہیں جن سے گناہ بخشے جاتے ہیں وہ اعمال یہ ہیں نمازوں کے بعد دوسری نمازوں کے انتظار میں مسجدوں میں رہنا- پیادہ پاچل کر نماز باجماعت کے لیے جانا تکلیفیں اٹھا کر وضو پورا پورا کرنا (جیسا جاڑوں میں) جس نے یہ عمل کیے اس کی زندگی بھی

لـہ ..... افاضہ چاہا تو اس کے لیے عالم رؤیا میں شفقت و کرم کی ایک نرالی صورت اختیار کی اور اس کے بعد جب پھر سوال ہوا تو وہی پہلا سوال تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب دونوں کے درمیان جن علوم کا افادہ و استفادہ ہو رہا تھا وہ وہی علوم تھے جو منصب نبوت سے متعلق ہیں- جب بحث صرف الفاظ کے عموم و خصوص پر ختم کر دی جائے اور متکلم و مخاطب کا ماحول دماغ سے نکال دیا جائے تو کبھی صحیح مراد حاصل نہیں ہو سکتی قرآن کریم میں بلقیس کے قصہ میں موجود ہے وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ - اسے ہر چیز میں سے ایک حصہ ملا تھا- سیاق و سباق کی رعایت کرنے والے کے نزدیک تو بات صاف ہے وہ جانتا ہے کہ یہاں بلقیس کی صرف عظمت مملکت کا بیان کرنا منظور ہے اور اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو خدم و حشم' ساز و سامان' کسی بادشاہ کو درکار ہوتے ہیں وہ سب اس کو بھی حاصل تھے لیکن اگر صرف الفاظ کے عموم کو دیکھ کر یہ بحث شروع کر دو کہ جب اس کو ہر چیز دی گئی تھی تو داڑھی بھی ضرور دی گئی ہو گی تو یقیناً نتیجہ غلط ہو گا- تورات کے متعلق ارشاد ہے تبیانا لکل شیء اس میں ہر چیز کا بیان ہے- اب اگر یہاں صرف اس عموم پر ہی فیصلہ کرو تو پھر قرآن کی ضرورت کیا رہتی ہے- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ-

قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامه ذلک الی قیام الساعة الاحدث به حفظه من حفظه ونسیه من نسیه قد علمه اصحابی هو لاء و انه لیکون منه الشیء قد نسیته فاراه فاذ کره کما یذکر الرجل وجه الرجل اذا غاب منه ثم اذا راٰه عرفه. (متفق علیه)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا اور قیامت تک جو حوادث شدنی تھے ان میں کوئی واقعہ نہیں چھوڑا جو بیان نہ کر دیا ہو جس نے یاد رکھا یاد رکھا' اور جو بھول گیا بھول گیا' یہ بات میرے یہ سب رفقاء بھی جانتے ہیں- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ مجھے یاد نہیں آتا- جب پیش آجاتا ہے اور میں اسے دیکھتا ہوں تو اس طرح یاد آجاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو غائبانہ یاد کرے اور یاد نہ آئے' جب دیکھے تو یاد آجائے اور پہچان لے-'' (متفق علیہ)

اس حدیث کو اگر دنیا کے فتنوں پر محمول کیا جائے تو اس کا مضمون بالکل صاف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس وعظ میں آپ نے قبل از قیامت جو خاص خاص فتنے پیش آنے والے تھے سب بیان فرما دیئے تھے' لیکن اگر نبی اور صحابہؓ کے مخصوص ماحول کو چھوڑ کر لفظی عموم پر اتر آؤ اور 'ماترک شیئا' کا مفہوم یہ لے لو کہ ہر چھوٹے بڑے واقعات خواہ وہ دنیا کے کسی معاملہ سے متعلق ہوں' آپ نے سب بیان کر دیئے تھے- تو پھر یہی حدیث عقل و نقل دونوں کے خلاف ہو جائے گی کیونکہ ایک وعظ میں دنیا بھر کے صرف ایک گھنٹہ بلکہ ایک منٹ کے واقعات بھی تمام نہیں سما سکتے - قیامت تک کے واقعات تو کجا اس قسم کی موشگافیاں اگر ہمارے روزمرہ کے محاورات میں پیدا کر دی جائیں تو یقیناً بات کرنا دوبھر جائے بلکہ نظام عالم درہم برہم ہو جائے- سوچئے اگر ایک ایسے شخص سے جو انگریزی کالج میں پی- ایچ- ڈی کی ڈگری لـہ .....

www.besturdubooks.net

ذَالِکَ عَاشَ بِخَیْرٍ وَ مَاتَ بِخَیْرٍ وَ کَانَ مِنْ خَطِیْئَتِهٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّیْتَ فَقُلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَ تَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاکِیْنَ فَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِکَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَ الدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ الصَّلٰوةُ بِاللَّیْلِ وَ النَّاسُ نِیَامٌ.

مطمئن اور موت بھی مطمئن حال میں ہوگی اور اس کی خطائیں ایسی رہ جائیں گی جیسے ماں سے پیدائش کے دن تھیں (یعنی کچھ نہ رہیں گی) اور نیز یہ فرمایا کہ اے محمد نماز کے بعد یہ کلمات بھی پڑھ لیا کیجئے - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ بھلائیاں کروں، برائیاں چھوڑ دوں، مسکینوں سے محبت رکھوں اور جب تو اپنے بندوں کی آزمائش کا ارادہ کرے تو میری آزمائش کے بغیر مجھے اٹھا لینا اور فرمایا کہ جن اعمال سے درجات بلند ہوتے ہیں وہ یہ ہیں ہر کس و ناکس کو سلام کرنا، اللہ کی راہ میں کھانا کھلانا اور شب میں اس وقت نماز ادا کرنا جب کہ لوگ پڑے سو رہے ہوں۔

(۱۸۵) اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِیْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰی لَهُمْ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ

(۱۸۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ظہر کی نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو منبر پر

☜ .... حاصل کر چکا ہے آپ یہ دریافت کریں کہ کیا وہ تمام کتابیں پڑھ چکا ہے تو یقیناً اس کا جواب اثبات ہی میں ہوگا اب اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ جب تو نے فلسفہ، علم الارض اور علم الاخلاق وغیرہ وغیرہ کی کتابیں نہیں پڑھیں تو پھر تیرا ''تمام'' کا لفظ کہنا جھوٹ ہے اس کا حاصل یہی ہوگا کہ اس پر آپ بات چیت کا دروازہ ہی بند کر دیں۔ اس حدیث میں بھی نبی اور خدا کے مابین تعلیم و تعلم کے ایک محفل کا ذکر ہے اس کے سیاق و سباق سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس مجلس کا خلاصہ ان علوم کا افاضہ تھا جو آسمانوں میں ایک اونچی سوسائٹی کے درمیان زیر بحث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم و تکریم ان علوم کو براہ راست آپ کو سکھا دیا آپ نے یہ کرم فرمایا کہ ان کو صیغہ راز میں نہیں رکھا بلکہ اپنی امت کو بھی پہنچا دیا اور اس طرح ''نبی رحمت'' کی وجہ سے آپ کی امت نے بھی ان علوم کو حاصل کر لیا۔ جس سے عام فرشتے بھی ناآشنا تھے۔ ہمیں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس حدیث میں جتنے امور بتائے گئے تھے بس وہ اتنے ہی تھے۔ نہ اس حسابی ماپ تول کا ہمیں حق ہے ممکن ہے کہ اور بھی بہت سے امور کا انکشاف ہوا ہو، لیکن جن علوم سے منصب نبوت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ان کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے اس سے زیادہ کی ہم نفی نہیں کرتے۔ کسی دلیل صریح کے بغیر اس کے اثبات پر تم اصرار مت کرو۔ درحقیقت یہ ایک بڑی گستاخی اور جہالت کی بات ہے کہ ایک حقیر مخلوق خدا اور اس کے رسول کے علوم کا احتساب شروع کر دے۔ ہمیں ہرگز اس کا حق نہیں کہ ہم خدائے تعالیٰ کے تمام علوم اٹھا کر نبی کے دامن میں ڈال دیں اور نہ اس کا کہ اپنی جانب سے کوئی ایسی صاف تقسیم کر دیں جس کے بعد خدا اور اس کے رسول کے علوم میں پورا پورا امتیاز ہو جائے، یہ سب مباحث تفریق بین المسلمین کی بنیاد ہیں۔ ہمارے ایمان کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اس میں سے وہ جس رسول کو جتنا چاہے دے دیتا ہے اس غیب الغیب میں سے جتنے علوم اس نے ہمارے رسول کو بخشے اتنا حصہ اپنے رسولوں میں کسی کو نہیں بخشا۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اس سے زیادہ بحث عبث اور لغو ہے۔

(۱۸۵) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر متعلق سوالات کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس پر بھی بعض طبائع سوال سے باز نہ آئیں تو ایک مرتبہ آپ کو اس قدر ناگواری پیش آئی کہ منبر پر کھڑے ہو کر آپ نے یہ اعلان فرما دیا کہ اچھا اب جسے جو پوچھنا ہے پوچھ ہی ☜ ....

www.besturdubooks.net

6

عَلَى الْمِنبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَ ذَكَرَ اَنَّ قَبْلَهَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْاَلَنِيْ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْاَلْنِيْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَادُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَاَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ بَرَكَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْ

کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اس ضمن میں یہ بھی ذکر کیا کہ قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے- اس کے بعد فرمایا جو شخص چاہے وہ مجھ سے جو چاہے پوچھ لے خدا کی قسم جب تک میں اس جگہ کھڑا ہوا ہوں تم مجھ سے جو دریافت کرو گے میں تم کو بتادوں گا- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں لوگ یہ سن کر بہت روئے ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے تھے کہ پوچھو پوچھو آخر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد کون ہیں (ان کے نسب میں لوگ تہمت لگاتے تھے) فرمایا تیرے والد حذافہ ہیں' جب اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ اور پوچھو اور پوچھو تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا ہم خدا کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہیں- راوی کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے- پھر فرمایا خبردار اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ابھی ابھی

ؔ ...... لے- اس ناگواری کا عام لوگوں نے احساس نہ کیا بالآخر حضرت عمرؓ نے بڑھتے ہوئے آثار ناگواری دیکھ کر معذرت کی کہ ہم میں سے خام طبائع کے یہ سوالات اپنی نااہلیت کی بناء پر ہیں ورنہ نہ تو آپ کی رسالت کی آزمائش منظور ہے' نہ دین اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش ہے- نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم نے کسی دوسرے کو اپنا رب بنانے کا ارادہ کیا ہے یہ سن کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ نے اپنا ایک بلند مشاہدہ بیان فرمایا جو جنت وجہنم سے متعلق تھا- یہاں جو کچھ آپؐ نے دیکھا ان ہی آنکھوں سے دیکھا تھا البتہ جنت و نار عالم مثال میں نظر آئیں- یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ نبی کی نظر عالم اجسام اور عالم مثال کو یکساں دیکھتی ہے-

امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو کتاب العلم میں بھی ذکر کیا ہے مگر کتاب الاعتصام میں ایک ایسی قید مذکور ہے جو اور جگہ مذکور نہیں اور وہ مادمت فی مقامی هذا ہے- یعنی جب تک میں اس جگہ ہوں- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ہر سوال کے جواب کے لیے تیار ہو جانا صرف ایک وقتی کیفیت تھی جیسا کہ سامنے دیوار پر اس وقت جنت اور نار کا تمثل- اس کی علت یہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو رسالت کے ذیل میں قیامت تک کے انسان اور ان کے باپ دادوں کے نام بھی بتا دیئے جاتے ہیں- اگر یہ علوم رسالت ہوتے تو ان کے دریافت کرنے سے آپ کو غصہ ہی کیوں آتا- لیکن ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ جب رسول کو زیادہ تنگ کیا جاتا ہے تو کبھی قدرت اس کا تکفل فرمالیتی ہے کہ جو ان سے پوچھا جائے گا اس کا جواب وہ اسی وقت انہیں القا کر دے گی جیسا کہ سیر معراج کے واقعہ میں جب آپ کا بیت مقدس کا سفر مشرکین مکہ کو بعید نظر آیا تو انہوں نے امتحاناً آپؐ سے مسجد اقصیٰ کے متعلق سوالات شروع کیے حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت آپؐ کو اتنی بے چینی ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی- ظاہر ہے کہ ایک دیکھنے والا ہمہ وقت اتنے غور سے تو دیکھتا نہیں کہ ہر چیز کے سب خط و خال محفوظ کر لے- اب اگر اللہ ....

www.besturdubooks.net

نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ انِفًا فِيْ عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَتْ اُمُّ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ مَا سَمِعْتُ بِابْنٍ قَطُّ اَعَقَّ مِنْكَ اَاَمِنْتَ اَنْ تَكُوْنَ اُمُّكَ قَدْ قَارَفَتْ بَعْضَ مَا تُقَارِفُ نِسَاءُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَفْضَحَهَا عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ وَ اللّٰهِ لَوْ اَلْحَقَنِيْ بِعَبْدٍ اَسْوَدَ لَلَحِقْتُهٗ. (رواه مسلم في باب توقيره صلى الله عليه وسلم و البخاري في كتاب الاعتصام)

دیوار کی طرف جنت اور دوزخ مثالی طور پر میرے سامنے پیش کی گئی تھیں میں نے برائی اور بھلائی کا ایسا منظر جیسا آج دیکھا تھا کبھی نہیں دیکھا۔ ابن شہاب اپنی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تجھ جیسی نالائق اولاد میں نے نہیں دیکھی تیرے پاس اس کی کیا ضمانت تھی کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح کوئی ناشایاں حرکت نہیں کی اگر کہیں ایسا ہوا ہوتا تو آج بھری محفل میں تو نے اپنی ماں کو رسوا کر دیا ہوتا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی حبشی غلام کی بھی اولاد قرار دیتے تو میں اپنے آپ کو اسی کی اولاد سمجھ لیتا۔ (مسلم و بخاری)

الانبياء اشد الناس بلاء

مخلوق میں سب سے شدید آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے

(۱۸۶) عَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ حَسْبَ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاءُهٗ وَ

(۱۸۶) سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے۔ فرمایا انبیاء کی۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ جو افضل ہو (قاعدہ یہ ہے) کہ آدمی کی آزمائش اس کی دین داری کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے اگر وہ

٭...آپ ان کے سوالات کے جوابات نہیں دیتے تو منکرین کو مذاق اڑانے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے اور اگر جواب دیتے ہیں تو اس ارادہ سے آپ نے بیت مقدس کو دیکھا نہ تھا کہ قریش مکہ کو اس کا امتحان بھی دینا ہے۔ یہ بے چینی آپ کے مربی حقیقی نے محسوس کی آپ فرماتے ہیں کہ بیت مقدس میرے سامنے کر دیا گیا وہ مجھ سے سوال کرتے جاتے میں بڑی سہولت سے دیکھ دیکھ کر اس کا جواب دیتا جاتا بہر حال اس قسم کی جزئیات بھی رسول کی زندگی میں ملتی ہیں مگر اس کو منصب رسالت و نبوت کا نہ جزء سمجھا جاتا ہے نہ کمال بلکہ حق تعالیٰ کی اس وقت مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو نااہلوں کی تسلی کے لیے خرق عادت کے طور پر اس قسم کا نقشہ بھی دکھلا دے۔ یہی حال تمام معجزات کا ہے وہ بھی نبی کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں اس کی طاقت سے ظاہر نہیں ہوتے نہ اصولی طور پر معجزات کی ان کو کلی طاقت دی جاتی ہے بلکہ وقت و مصلحت کے لحاظ سے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو اپنی غیر متناہی طاقت کا ان کے ہاتھوں پر اظہار کر دیتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ اسی لیے کفار کے اعجوبہ نماؤں کی فرمائشوں کی بھرمار کے جواب میں آپ سے یہ کہہ دیا گیا تھا ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۹۳) آپ کہہ دیجئے میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر اور رسول ہوں۔ اعجوبہ نمائیاں میرا کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فتح کے ساتھ شکست بھی کھانی پڑتی ہے۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح بہت سی آزمائشوں میں سے بھی گذرنا پڑتا ہے بلکہ آزمائش کے جوہر اصل انہیں طے کرنا پڑتے ہیں وہ کسی اور کو طے کرنا نہیں پڑتے بلکہ ان کی بزرگیوں اور فضیلتوں کا معیار ہی ابتلاء و محن کا یہی لق و دق خارستان ہوتا ہے۔ یہ آزمائشوں کی پرخار وادیوں میں سے نکل کر اپنی بشریت کا ثبوت دیا کرتے ہیں دنیا اپنی نظریات کے مطابق اسے مختلف رنگ دیا کرتی ہے۔ من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال۔

www.besturdubooks.net

اِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ رِقَّۃٌ ھُوِّنَ عَلَیْہِ فَمَا زَالَ کَذَالِکَ حَتّٰی یَمْشِیَ مَا لَہٗ ذَنْبٌ. (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ و الدارمی و قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر نرم ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوتی ہے آزمائشوں کا یہی دور رہتا ہے حتیٰ کہ اس طرح چلتا پھرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

(ترمذی)

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ یُوْعَکُ فَمَسِسْتُہٗ بِیَدِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ لَتُوْعَکُ وَ عْکًا شَدِیْدًافَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذَالِکَ لِاَنَّ لَکَ اَجْرَیْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُصِیْبُہٗ اَذًی مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاہُ اِلَّا حَطَّ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ سَیِّئَاتِہٖ کَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَۃُ وَ رَقَھَا. (متفق علیہ)

(۱۸۷) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار چڑھ رہا تھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو ہاتھ لگایا (تو بخار بہت تیز تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تو بخار بہت تیز ہے فرمایا ہاں مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں دو شخصوں کو ہوتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر بھی تو دوگنا ملتا ہے۔ فرمایا ہاں اس کے بعد فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو مرض وغیرہ کی کوئی تکلیف لاحق ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی برائیاں اس طرح ساقط کر دیتا ہے جیسا درخت اپنے پتے۔

(متفق علیہ)

(۱۸۸) عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَلْوَجَعُ عَلَیْہِ اَشَدُّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ. (متفق علیہ)

(۱۸۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے بیماری کی تکلیف اتنی سخت کسی پر نہیں دیکھی جتنی آنحضرت ﷺ پر دیکھی تھی۔ (متفق علیہ)

(۱۸۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عُظْمِ

(۱۸۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثواب کی زیادتی کا مدار آزمائش کی سختی پر ہے جتنی سخت آزمائش اسی قدر

---

(۱۸۹) * ان روایات سے معلوم ہوا کہ ابتلاء اور آزمائش نقص و عیب کی دلیل نہیں بلکہ کمال کی دلیل ہے کوتاہ فہم سمجھتے ہیں کہ مقربین وہ ہیں جو ہر قید سے آزاد ہو جائیں گویا محکومیت سے نکل کر دائرہ حاکمیت میں قدم رکھ دیں۔ سیرت انبیاء علیہم السلام یہ بتاتی ہے کہ یہاں جو سب سے بزرگ ہے وہی سب سے زیادہ پابند ہے۔ جس کے متعلق سب سے زیادہ حاکمیت کا گمان ہے وہی سب سے زیادہ محکومیت و عبدیت کا اقرار کر رہا ہے جس طرح سونے کی حقیقت بھٹی میں کھلتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے صبر و استقامت کے کمالات ابتلاء کی چکی میں پس کر نظر آتے ہیں۔ سونے کا کمال یہ نہیں کہ اس کو کسوٹی پر کسا نہ جائے اگر کسا نہ جائے تو اس کا کمال ظاہر کیسے ہو' کمال یہ ہے کہ جتنا کسا جائے اتنا ہی کھرا ثابت ہوتا جائے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا کمال یہ نہیں کہ انہیں شکست نہ ہو' سردی نہ لگے' گرمی نہ ستائے' فاقہ نہ پہنچے' بیمار نہ پڑیں' خلق خدا کی ایذائیں نہ اٹھائیں۔ کمال یہ ہے کہ جب شکست کھائیں تو ایسے ہی راضی نظر آئیں جیسے کہ فتح کے حال میں نظر آتے تھے جب سردی و گرمی' فاقہ و بیماری کی تکلیفیں جھیلیں تو ماتھے پر شکن نہ پڑے سب کی ایذائیں اٹھائیں اور کسی کو ایذا نہ دیں۔ ان کی بشریت ☜....

www.besturdubooks.net

اَلْبَلَاءِ وَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضٰى وَ مَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

زیادہ ثواب- اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے- پھر جو راضی رہا اس سے خدا بھی راضی رہتا ہے اور جو ناراض ہوا اس سے خدا بھی ناراض ہو جاتا ہے- (ترمذی و ابن ماجہ)

اسماء النبی صلی الله علیه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ

(۱۹۰) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِيْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِيْ

(۱۹۰) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے چند نام ہیں' میں محمدؐ ہوں' احمدؐ ہوں' اور ماحیؐ ہوں جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا-

---

٭..... کی ایک ایک خصلت سخت سے سخت آزمائش میں ڈالی جائے اور وہ ہر آزمائش میں کبریت احمر کی طرح کھری ثابت ہوتی رہے-

﴿وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ (البقرة: ١٢٤)

''ابراہیم کے پروردگار نے کئی باتوں میں اس کا امتحان لیا وہ ان سب میں پورا اور پکا نکلا-''

اگر یہ آزمائشیں نہ ہوتیں تو مدعی غیر عاشق اور عاشق غیر مدعی میں فرق کہاں سے نظر آتا- قرآن کریم میں غزوات کی ایک حکمت یہ بھی بتلائی ہے کہ مؤمن خالص اور منافق خالص کا امتیاز نہیں ہو سکتا- جب تک کہ ان کو آب شمشیر پر پرکھا نہ جائے- روزمرہ کی محفلوں میں تو دونوں یکساں نظر آتے ہیں- مسجدوں میں شرکت میں بھی کچھ برابر سرابری ہوتی رہتی ہے- مگر جہاں ایمان و نفاق نکھرتا ہے وہ احد کا میدان ہے- دشمن یوں خوش ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے مسلمان اس پر نازاں ہیں کہ چلو ایک موقعہ تو ایسا ملا جہاں ہماری عاشقی کی لاج رہ گئی۔

عاشق بلا کہ راحت او در بلا ءست   کوتاہ دیدگان ہمہ راحت طلب کنند

یہ تو خدامانِ انبیاء علیہم السلام کے جذبات ہیں انبیاء علیہم السلام کے صبر و رضا کا حال وہی جانیں-

(۱۹۰) ٭ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نام آپؐ کی کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے صرف ایک علم نہیں جس کا مقصد کسی ذات کا تعارف ہوتا ہے اور بس- یہی وجہ ہے کہ آپ کے اسماء بہت ہیں- عرب میں اسماء کنیتوں اور القاب کے تعدد کا کچھ دستور بھی تھا اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو پہلے گذر چکے ہیں- انبیاء علیہم السلام کی ذات اور ان کے افعال و اقوال خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری' عمداً ہوں یا بھول کر سب حقائق و اسرار کا ایک مجموعہ ہوتے ہیں- اسی طرح ان کے اسماء بھی صرف تعیین شخصیت کے لیے نہیں بلکہ وہ بھی اپنی جگہ ایک گنجینہ معارف ہوتے ہیں- دراصل یہ اسماء ان تمام اوصاف و مبادی کے ترجمان ہوتے ہیں- جو دست قدرت نے ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں اگر ان کو رحیم کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ درحقیقت پیکر رحمت ہوتے ہیں اگر ان کو ماحی کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ حقیقۃً آثار کفر کو مضمحل و کمزور بنا کر فنا کے قریب کر دیتے ہیں- اگر کسی کو عاقب کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ درحقیقت آخر میں آنے والا ہوتا ہے- غرض جتنی پر از حقیقت و اسرار ان کی ذات ہوتی ہے اسی قدر حقیقت سے لبریز ان کے اسماء ہوتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کو آپ صرف ناموں کا ایک ڈھیر نہ سمجھیں اور نہ ایسا بے حقیقت تصور کریں جیسا کہ ہر ماں صرف محبت میں اپنے بیٹے کا خوب صورت سے خوب صورت نام رکھ لیتی ہے خواہ اس نام کا اس میں کوئی اثر نہ ہو- وہ سیاہ فام بچے کو چاند کہہ کر پکارتی ہے اور غبی سے غبی لڑکے کا نام ذکی تجویز کر دیتی ہے مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے- کہیں علم کی اصل وضع اگر تعریف ٭.....

www.besturdubooks.net

اَلَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیَّ وَ اَنَا الْعَاقِبُ وَ الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ. (متفق علیہ)

اور حاشر ہوں وہ حاشر جس کے بعد ہی قیامت میں اور لوگوں کا حشر ہوگا اور عاقب ہوں۔ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (متفق علیہ)

(۱۹۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا تَعْجَبُوْنَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ وَ لَعْنَھُمْ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَ یَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَ اَنَا مُحَمَّدٌ. (بخاری)

(۱۹۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا یہ عجیب اور پرلطف بات بھی دیکھی؟ اللہ تعالیٰ کس خوبی سے قریش کی لعنت ملامت میرے نام پر پڑنے نہیں دیتا وہ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں، مذمم پر لعنتیں برساتے ہیں اور میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ (بخاری)

☆.... شخصیت کے لیے نہ ہوتی تو کذب اور جھوٹ بھی ہو جاتا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کو اس نظر سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو کمالاتِ محمدؐ کی رنگین چلمنیں سمجھیں، جن میں چھن چھن کر آپؐ کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں۔

(۱۹۱) ٭ کفار جلن کے مارے آپؐ کا اسم مبارک بھی زبان پر نہ لا سکتے تھے۔ قدرت نے آپ کا اسم مبارک بھی ایسا خوب صورت رکھا تھا کہ اس کا زبان پر لانا آپؐ کی بے شمار تعریفوں کے قائم مقام ہو جاتا تھا اس لیے محمدؐ کے بجائے وہ آپؐ کو مذمم کہا کرتے (یعنی مذمت کیا گیا) اور جب اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہتے تو ''مذمم'' نام لے کر برا بھلا کہتے اس میں خدا کی یہ عجیب حکمت تھی کہ اگر کفار آپؐ کا اصل نام لیتے تو صد با تعریفوں سے بڑھ کر ہوتا اور اگر مذمم کہتے تو وہ یوں خوش ہوتے کہ وہ آپؐ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور قدرت یوں ہنستی کہ ان کی تمام بیہودہ گوئیوں کی بوچھار بجائے آپؐ کے ایک فرضی شخص پر جا پڑتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہم آپؐ کے ان دو ناموں کی قدرے مزید تشریح کر دیں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

احمد و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک بے نظیر تھی، آپؐ کے یہ اسماء بھی بے مثل ہی تھے۔ آپؐ سے پہلے کسی کے ذہن میں ان اسماء کا خطور بھی نہ ہوا تھا حتیٰ کہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ نزدیک آ گیا؟ کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے نام لے لے کر آپؐ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس نبی منتظر کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد و احمد رکھنا شروع کر دیا۔ جہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے جن کے نام محمد و احمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ تک ہے۔ ساتواں کوئی شخص ثابت نہیں ہوتا۔ سہیلی صرف تین ہی بتلاتے ہیں۔ (۱) محمد بن سفیان بن مجاشع۔ (۲) محمد بن احیحہ بن الجلاح۔ (۳) محمد بن عمران بن ربیعہ۔ سہیلی سے پہلے ابو عبداللہ بن خالویہ کا خیال بھی یہی ہے۔ حافظ ابن حجر آٹھویں صدی میں جب پھر اس کے درپے ہوئے تو انہوں نے ان کی تعداد بیس تک پہنچا دی اور تکرار و اوہام حذف کرنے کے بعد منقح تعداد پندرہ قرار دی۔ جس میں سب سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ ہیں۔ ان کا واقعہ بغوی، ابن سعد، ابن شاہین اور ابن السکن وغیرہم نے اس طرح بیان کیا ہے:

''کہ خلیفہ بن عبداللہ نے محمد بن عدی سے پوچھا۔ تمہارے والد نے تمہارا نام زمانہ جاہلیت میں محمد کیسے رکھ دیا انہوں نے جواب دیا اس کے متعلق جیسا تم نے مجھ سے پوچھا ہے ایسا ہی میں نے اپنے والد سے پوچھا تھا انہوں نے فرمایا تھا کہ میں قبیلہ بنی تمیم کے

www.besturdubooks.net

تین اور شخصوں کے ہمراہ ابن حنفیہ غسانی کی ملاقات کے لیے ایک مرتبہ شام کی طرف روانہ ہوا- ہم ایک ایسے چشمہ پر جا کر اترے جو گرجا کے قریب تھا- گرجا کا منتظم ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں تم دوڑ کر ان کو قبول کر لینا' ہم نے کہا ان کا نام اس نے کہا ان کا نام محمدؐ- جب اس سفر سے ہم واپس ہوئے تو اتفاقاً ہم سب کے یہاں لڑکے' پیدا ہوئے اور اس لیے ہم سب نے اپنے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھ دیا-''

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے اور اشخاص کے نام بھی بہ تفصیل تحریر کیے ہیں دیکھو فتح الباری باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم- حافظ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ تورات میں آپؐ کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد ہے- حافظ ابن قیم اس رائے سے متفق نہیں وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ کی آمد کی پیش گوئی اسم محمد کے ساتھ بھی صاف موجود ہے- اس کے بعد حافظ ابن قیم اسم ''محمد'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں- محمود بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے مگر جو مبالغہ باب تفعیل میں ہوتا ہے وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا اس لیے محمد' محمود سے زیادہ بلیغ ہے- محمد اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے اسی لیے تورات میں آپ کا نام محمد ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آپؐ کے اوصاف حمیدہ' آپؐ کی امت اور آپؐ کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول کو بھی آپؐ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی-

احمد ☆ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے' اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنی میں مستعمل ہو سکتا ہے- پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں ''احمد الحامدین لربہ'' یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا- دوسری صورت میں اس کے معنی ہیں ''احق الناس و اولاھم بان یحمد'' تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق- اس بنا پر محمد و احمد میں فرق یہ رہے گا کہ محمد وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصافِ جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے اور احمد وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے پس محمد بلحاظِ کمیت ہے اور احمد بلحاظِ کیفیت- دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپؐ کی ہو- اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپؐ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں- اگر یہاں اسم تفضیل کو اسم مفعول کے معنی میں لیجیے تو خالق سے مخلوق تک انبیاء علیہم السلام سے لے کر جن و ملک تک' حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح سب ہی نے آپؐ کی تعریفیں کی ہیں اور آج بھی چالیس کروڑ انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپؐ کی تعریف کے لیے متحرک رہتی ہیں- حتیٰ کہ کفار میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کا دین تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت و امانت' عدل و انصاف' صداقت و راست بازی' ہوش و خرد کا ثناء خواں ہے اس لیے اگر اپنے خیال میں آپ ذرا علیحدہ ہو کر ازل سے ابد تک کی دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہوگی ؎

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد   کہ مرغ ہر چمنے گفت گوئی او دارد

اس لیے محمدؐ یا احمد (بمعنی اسم مفعول) نام کی مستحق جتنی کہ آپؐ کی ذات ہو سکتی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہو سکتی اور اگر احمد کو اسم فاعل کے معنی میں لیجیے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپؐ ہی کی ذات پاک ہے کیونکہ جس قدر خدا کی تعریف آپؐ نے کی ہے اتنی کسی بشر نے نہیں کی اور اسی طرح اپنی امت کو بھی موقعہ بموقعہ خدا کی اتنی حمد سکھائی کہ کتب مقدسہ میں اس امت کا لقب ہی حمادون پڑ گیا- یعنی خدا کی بہت تعریف کرنے والی امت- صحیحین میں ہے کہ محشر میں جب شفاعت کے لیے آپؐ تشریف لے جائیں گے تو آپ پر خدا کی حمد و ثناء کا دروازہ کھولا جائے گا جو اس سے پیشتر کسی پر نہیں کھولا گیا تھا- پس سب انبیاء تو حماد ہیں اور ان حمادون میں آپ احمد ہیں- قاضی عیاضؒ فرماتے

www.besturdubooks.net

ہیں کہ پہلے آپ احمد تھے پھر محمد ہوئے کیونکہ سب سے پہلے آپؐ نے خدا کی تعریف کی پھر آپؐ کے بعد مخلوق نے آپؐ کی تعریف کی۔ اسی طرح محشر میں سب سے پہلے آپ ہی خدا کی حمد کریں گے۔ جب آپ کی سفارش سے حساب شروع ہو جائے گا تو پھر اہل محشر آپ کی حمد کریں گے اس لیے آپ پہلے احمد ہیں اور بعد میں محمد۔ بلحاظِ وجود بھی پہلے آپ احمد ہیں اور بعد میں محمد۔ اسی وجہ سے کتب سابقہ میں آپؐ کی بشارت اسم احمد سے مذکور ہے اور جب عالم وجود میں تشریف لے آئے تو محمد کے نام سے پکارے گئے۔ (دیکھو فتح الباری)[1]

خلاصہ یہ کہ احمد بمعنی محمد ہو یا بمعنی احمد الحامدین یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حمد کو ہر پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے اسی بنا پر سورۂ الحمد خاص کر آپ کو ہی مرحمت ہوئی۔ آپؐ کی ہی امت کا لقب حمادون ہوا اور محشر میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) بھی آپؐ کے ہی ہاتھوں میں ہوگا اور آپؐ ہی کے مخصوص مقام کا نام مقام محمود ہے۔ آپؐ کی شریعت میں بھی کھانے کے بعد پینے کے بعد' سفر سے واپسی کے بعد غرض بہت سے مختلف مواضع پر خدا کی حمد سکھائی گئی۔ پھر یہ مختلف اور متنوع تعریفیں جب ہر زمانہ میں بے شمار انسانوں کی زبانوں سے ہوتی ہیں وہ درحقیقت آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے ان تمام تعریفوں کو بجا طور پر آپؐ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اب سوچو کہ جتنی خدا کی تعریف فضاء عالم میں آپ کے ذریعہ سے گونج کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ سے گونجی ہے۔ اور اسی کے ساتھ جتنی کثرت کے ساتھ خدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں۔ پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت آپ کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ اتنی کسی اور ذات کے ساتھ نہیں ہوتی اس لیے احمد محمد نام پانے کے لیے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہیے۔ اسی لیے آپؐ سے پہلے بھی جس نے یہ نام رکھا' آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں بھی جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ۔

شیخ اکبرؒ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے۔ جب ہم کھانا کھا کر فارغ ہو لیتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں۔ جب سفر ختم کر کے گھر واپس آتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو خدا کی حمد کریں گے۔ وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (دیکھو روض انف ج ۱ ص ۱۰۶)

اس دستور کے مطابق مناسب ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی آخر میں خدا کی حمد ہو۔ اس لیے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد رکھا گیا۔ بے شک جو ذات پاک کے حسن و خوبی کی تمام رعنائیوں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسما بھی اسمائی حسن و خوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔

---

[1] حافظ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ محمد کے وزن میں ہمیشہ تکرار کے معنی ملحوظ رہتے ہیں اس لیے محمد اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے اور احمد وہ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں اسماء واقع کے مطابق ہیں یعنی آپؐ احمد بھی ہیں اور محمد بھی لیکن پہلے آپؐ احمد ہیں پھر محمد ہیں بلکہ احمد ہونے کی وجہ سے ہی آپؐ محمد ہوئے آپؐ نے پہلے خدا کی تعریف کی اس لیے آپؐ احمد ہوئے نبوت سے سرفرازی کے بعد پھر مخلوق نے آپؐ کی تعریف کی اس لیے بعد میں محمد ہو گئے محشر میں بھی پہلے آپ خدا کی تعریف کریں گے اس لیے احمد پہلے ہوں گے۔ پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپؐ کی تعریف کرے گی۔ اس لیے بعد میں محمد ہوں گے۔ غرض ازل سے ابد تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ شانِ احمدی' شانِ محمدی پر مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب آپ کے نام کی بشارت سنائی تو اسم احمد ہی کے ساتھ سنائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب امت محمدیہ کے کمالات کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا اللھم اجعلنی من امۃ احمد۔ اے اللہ تو مجھے امت احمدؐ میں بنا دے۔ (اس بیان سے اس کا نکتہ بھی نکل آیا کہ جب آپ کا اسم مبارک محمد تھا تو پھر کتب سابقہ میں آپ کی بشارت میں اسم احمد کیوں ذکر کیا گیا)

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ حافظ ابن قیمؒ کو حافظ سہیلیؒ کے بیان سے سخت اختلاف ہے وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپؐ کا اسم مبارک محمد بھی موجود ہے۔ (دیکھو زاد المعاد) شروع بیان میں یہ بحث کی گئی ہے کہ آپ سے پیشتر عرب میں یہ اسماء معہود نہ تھے اب ان تمام تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکمتِ الٰہیہ نے ان دونوں ناموں کو آپؐ ہی کی ذات کے ساتھ کیوں مخصوص کر دیا تھا۔

www.besturdubooks.net

اسلام میں رسول کا تصور

اسلام میں خدا کے تصور کی طرح رسول کا تصور بھی تمام مذاہب سے جداگانہ اور بالاتر تصور ہے- یہاں انسانِ کامل کی آخری سرحد اور لاہوت وجبروت کے ابتدائی تصور میں کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا- ایک انسان اپنی فطری اور وہبی استعداد کا ہر کمال بالفعل حاصل کر لینے کے بعد بھی الوہیت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تصور کے قابل بھی نہیں ہو سکتا اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور اتنا بلند ہے کہ وہ حلول واتحاد و لادت و قرابت اور اس طرح کی تمام نسبتوں میں سے کسی نسبت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اسی معنی سے اس کو احد وصمد کہا جاتا ہے۔

دور بینان بارگاہ الست بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

رسول و اوتار و بروز ٭ اس لیے اسلام میں رسول نہ خدا کا اوتار ہو سکتا ہے کہ خدائی اس میں حلول کر سکے اور نہ خود خدا ہو سکتا ہے کہ ہیکل انسانی میں جلوہ نما ہو رسول کے متعلق خدائی کا تصور عیسائیت کا راستہ ہے اور خدا کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ رسول کی صورت میں بروز کرتا ہے براہمہ کا عقیدہ ہے- اسلام کی تعلیم ان دونوں سے علیحدہ ہے بلکہ یہ دونوں تصور اسلام میں بے مصداق، ناممکن اور محال ہیں- عام حیوانات کو دیکھیے قدرت نے ان میں بھی ہر ہر نوع کی جداجدا خصوصیات اور صورتیں بنائی ہیں اور اس طرح ہر نوع کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دیا ہے کہ ہزار ترقی کرنے کے بعد بھی ایک نوع دوسرے نوع کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی بلکہ ہر نوع اپنے ان ہی قدرتی حدود کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور اسی حد بندی سے اس عالم کا نظام قائم رہتا ہے-

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ. (یٰس:۴۰) نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے ہر چیز چکر میں پڑی گردش کھا رہی ہے-

جب مخلوقات کے دائرہ کی یہ سرحدیں اتنی مضبوط ہیں تو خالق کے متعلق یہ گمان کرنا کہ کوئی انسان اپنے دائرہ سے ترقی کر کے اس کی سرحد میں قدم رکھ سکتا ہے- سفیہانہ خوش عقیدگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے- اور اگر تھوڑی دیر کے لیے فلسفہ ارتقاء (Evolution) تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی مخلوقات کے کسی کڑی کا عالم قدس سے کوئی اتصال ثابت نہیں ہوتا اس لیے رسول کا تصور اسلام میں بلا کسی ادنیٰ شائبہ تنقیص کے یہ ہے کہ وہ ایک انسان کامل ہوتا ہے اور اپنی تمام عظمتوں اور مراتب قرب کے باوجود الوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے-

انسانیت رسول کا ایک کمال ہے ٭ رسول ایک انسان ہوتا ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا پیغمبر ہے- اس کی جانب سے منصب اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے اور اس لیے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کے لیے صرف علم کافی نہیں احساس کی بھی ضرورت ہے- جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غمزدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا- جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دل سوزی کرنا بھی نہیں جانتا- اور جو فطرت انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض بھی نہیں کر سکتا- اسی لیے قرآن کریم نے جا بجا بعثت کے ساتھ رسولوں کا انسان ہونا ایک مستقل انعام قرار دیا ہے- ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ الخ﴾ (آل عمران:۱۶۴) یہاں امتنان واحسان کے موقع میں منجملہ اور باتوں کے تین امور کو بالخصوص نمایاں کیا گیا ہے- بعثتِ رسول پھر اس انعام کے لیے سرزمین عرب کا انتخاب اور سب سے بڑھ کر اس رسول کا انسان ہونا- حضرت خلیلؑ نے جب بنی اسماعیل میں ایک نبی کے لیے دعا فرمائی تو انہوں نے بھی اس اہم نقطہ کو فراموش نہیں کیا اور اپنی دعا میں فرمایا:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (البقرۃ:۱۲۹) اے ہمارے رب ان میں رسول بھیج جو انہیں میں سے ہو-

www.besturdubooks.net

پھر جب اس دعاء مستجاب کے ظہور کا وقت آیا تو دعاء خلیل میں لفظ "منھم" کی استجابت کو مزید تاکید کے ساتھ لفظ من انفسھم سے ذکر کیا گیا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یعنی اس رسول کو انسانوں میں تو بھیجا ہی تھا مگر ان میں بھی جس سے انہیں قریب سے قریب تر علاقہ ہو سکتا تھا ان میں بھیجا ہے انسانوں میں عرب' عربوں میں قریشی اور قریش میں ہاشمی بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود پھر وہ ایک انسان ہی رہا۔ یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتداء میں اولاد آدم کو بنیادی طور پر بتا دیا گیا تھا۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. (الاعراف:۳۵)

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم ہی میں کے رسول آئیں جو تمہارے سامنے ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں تو جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے تو ان پر نہ کوئی خوف و ہراس ہے اور نہ کوئی غم۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی ابتداء میں جن باتوں کی اولاد آدمؑ کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثت رسول' دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا۔ اسی عقیدہ کے مطابق دنیا میں خدا کے بہت سے رسول آئے جن کی صحیح تعداد خدا ہی کو معلوم ہے مگر قرآن سے جس قدر اجمالاً معلوم ہو سکا ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے منصب نبوت کے لیے دو انسان منتخب ہوئے تھے پھر افراد و اشخاص کی بجائے خاندانوں کا انتخاب کیا گیا اس کے بعد جب خاندانوں نے انحراف اور کفران نعمت شروع کیا تو بنی اسماعیل کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس درمیان میں دنیا کی مقرر عمر آخر ہونے لگی ادھر رسولوں کی مقرر تعداد بھی پوری ہو گئی اس لئے آخری رسول کو بھیج کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور بساط عالم لپیٹنے کا اعلان کر دیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ. (آل عمران:۳۳،۳۴)

اللہ تعالیٰ نے پسند کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمران کو تمام جہان پر جو ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔

اس تمام سلسلہ میں جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے کوئی رسول ایسا نہ تھا جو انسان نہ ہوتا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ نصاریٰ کی نظروں میں کچھ مشتبہ تھا اس کو ذریۃ بعضھا من بعض کہہ کر صاف کر دیا گیا ہے یعنی جب وہ بھی انسانوں ہی کی اولاد تھے تو یقیناً ان کو بھی انسان ہونا چاہیے۔

علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے۔ نسل انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مصلح و مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے۔ اس لیے خود رسول اور نوع انسانی کا شرف و کمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔

لفظ رسول کی تشریح ❋ رسول کا صحیح مقام سمجھنے کے لیے خود لفظ رسول سے زیادہ صحیح اور آسان کوئی اور لفظ نہیں ہے اس لفظ سے محبت و عظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں جو ایک کامل سے کامل انسان کے لیے فطرت انسانی میں موجزن ہوتے ہیں اور عبد و معبود کی وہ ساری حدود بھی محفوظ رہتی ہیں جو کفر و ایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ رسول کے ذریعہ پیش کیا ہے اور آخر میں قرآن کریم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ میں پیش کیا وہ یہی لفظ رسول ہے۔

(۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. (الفتح:۲۹) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں۔

(۲) وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. (آل عمران:۱۴۴) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ تک نہیں رکھتے۔

www.besturdubooks.net

معلوم ہوا کہ یہ کلمہ ایسا پر عظمت کلمہ ہے کہ نبی الانبیاء کے تعارف کے لیے بھی اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کلمہ نہیں ہے- صوفیاء نے بڑے بڑے مجاہدات کے بعد یہاں کچھ خوشنما کلمات استعمال کیے ہیں- وجود کا نقطۂ اول حقیقۃ الحقائق برزخیۃ الکبریٰ- مگر انصاف یہ ہے کہ ان سب کلمات کے تکرار سے کچھ غلط فہمیاں تو پیدا ہو گئیں لیکن آپ کا صحیح مقام پھر اتنا دریافت نہ ہو سکا جتنا کہ لفظ رسول سے- اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ ہر دور میں مشہور و معروف تھا- اس کے لوازم سب کے ذہن نشین تھے' اس کے فرائض و خدمات سب کو معلوم تھے' اس کی شخصیت و احترام سے سب آشنا تھے اور یہ تو کسی ناسمجھ سے ناسمجھ انسان پر بھی پوشیدہ نہ تھا کہ بادشاہ اور اس کے رسول کے درمیان نوازش و کرم کے سوا برابری اور مساوات کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا- اس لیے جب کوئی رسول دنیا میں آتا تو یہی کہہ دیتا کہ میں احکم الحاکمین' ملک الملوک کا ایسا ہی ایک رسول ہوں جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کے رسول ہوا کرتے ہیں- بس اسی ایک لفظ سے سامعین کے دلوں میں وہ ساری عظمتیں دوڑنے لگتیں' محبت و توقیر' اطاعت و حکم برداری کے وہ تمام جذبات امنڈنے لگتے جو ایسے رسول کے لیے امنڈنا چاہئیں- اور بیک وقت وہ تمام حدود بھی نظروں کے سامنے آجاتیں جو ایک بادشاہ اور اس کے رسول کے درمیان فاصل رہنی چاہئیں- اس لیے محبت و اطاعت کے ان تمام جذبات کے ساتھ ان کا جوہر توحید بھی کفر و شرک کی گرد سے کبھی بے آب نہ ہوتا-

رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے ❋ درحقیقت یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ ایک طرف اسلام کی نازک توحید خدا ہی کی اطاعت اور اسی کی محبت کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے سوا رسول کی محبت و اطاعت کا بھی حکم دیتی ہے- قرآن کریم نے بتایا کہ نسبتِ رسالت کے بعد رسول کی ہستی درمیان میں صرف ایک واسطہ ہوتی ہے- پھر اس کی اطاعت و محبت خدا ہی کی محبت و اطاعت ہو جاتی ہے- اسی لیے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰) جو رسول کا کہنا مانے اس نے خدا ہی کا کہنا مانا-

یعنی اصل حکم برداری تو خدا کی چاہیے- ظاہری سطح میں رسول کی اطاعت گو اس کے خلاف نظر آئے مگر حقیقت میں وہ خدا ہی کی حکم برداری ہوتی ہے بلکہ اس کی اطاعت و محبت کے بغیر' خدا کی محبت و اطاعت کا کوئی اور راستہ ہی نہیں اور اس طرح یہ اطاعت و محبت کتنی ہی پھیلتی چلی جائے مگر اس کا اصل مرکز خدا ہی کی ذات پاک رہتی ہے-

رسول و وکیل ❋ مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ رسول خدا نہیں' اس کا اوتار و بروز نہیں اور اس کا بیٹا بھی نہیں- اب یہ سنیے کہ وہ اس کا وکیل و مختار بھی نہیں- عربی میں دوسرے کی خدمت سرانجام دینے کے لیے دو لفظ ہیں (۱) رسول (۲) وکیل- ان دونوں کا تصرف دراصل دوسرے کے لیے ہوتا ہے اپنے لیے نہیں ہوتا مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ وکیل کا تصرف بہ نسبت رسول کے زیادہ وسیع اور زیادہ قوی ہے- وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے مختار ہوتا ہے جو چاہے بطور خود بھی کر سکتا ہے اسی لیے خصومت و جواب دہی کا بھی اس کو حق حاصل ہوتا ہے- رسول صرف اس امانت کے پہنچا دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے-

مثلاً اگر ایک بادشاہ کسی شخص کو اپنا وکیل و مختار بنا دے تو اس کو حق ہے کہ وہ موقعہ و محل کے لحاظ سے جو مناسب سمجھے گفتگو کر لے بلکہ چاہے تو اس کے قوانین میں ترمیم و تنسیخ بھی کر ڈالے مگر ایک پیغامبر کو اس کے سوا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ جو پیغام اس کے ذریعہ بھیجا گیا ہے وہ بے کم و کاست اس کو پہنچا دے اس لحاظ سے وکیل کی حیثیت گو بلند ہے مگر بلحاظ ذمہ داری سخت بھی بہت ہے- قرآن کریم نے بہت جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ جنہیں ہم بھیجیں گے وہ صرف ہمارے رسول ہوں گے نہ کہ وکیل- بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا خود ہی سب کا وکیل بن گیا ہے تو اب اس کا وکیل کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے- دوسرے یہ کہ کسی بڑے سے بڑے انسان میں اس کی طاقت نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے- پھر اس کی طرف سے وکالت کیسے متصور ہو سکتی ہے-

www.besturdubooks.net

(۱) اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ. (الزمر:۶۲) اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کا وکیل و کارساز ہے۔

(۲) وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا. (النساء:۱۳۲) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملکیت ہے اور سب کے لیے خدا کی ذات کارساز کافی ہے۔

(۳) اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا. (الاسراء:۲) میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل و کارساز مت بناؤ۔

(۴) قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. (الانعام:۶۶) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا رسول مقرر ہوا ہوں۔

(۵) مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَ مَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. (یونس:۱۰۸) جو راہ یاب ہوا اپنے فائدہ کے لیے اور جس نے گمراہی اختیار کی اپنا ہی نقصان کیا اور میں تو تم پر وکیل و مختار مقرر نہیں ہوا کہ جوابدہی میرے سر ہو۔

(۶) بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ. (المائدہ:۶۷) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جاتا ہے وہ آپ پہنچا دیجئے۔

(۷) اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ. (الشوریٰ : ۴۸) آپ کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔

(۸) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ. (الاعراف:۶۲) میں اپنے پروردگار کے پیغامات تمہارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔

(۹) قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْۤ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ. (یونس:۱۵) آپ کہہ دیجئے کہ یہ میری طاقت نہیں ہے کہ میں قرآن کریم کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں میرے پاس تو جو حکم آئے اس کا تابعدار ہوں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسولؐ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ احکام الٰہیہ پہنچا دے اور بس۔ شریعت کے ایک شوشہ اور ایک نقطہ بدلنے کا حق اس کو نہیں کسی کی ہدایت و گمراہی کا بار اس پر نہیں اور نہ آخرت میں کسی کے اعمال کا وہ جواب دہ ہے۔ جہاں تک کارخانۂ عالم کی ذمہ داری و کارسازی کا تعلق ہے اس کے ذرہ ذرہ کی کفالت و وکالت خدائے تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی ہے اور اس کا اعلان بھی کر دیا ہے اور رسولوں کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے اپنی اور رسولوں کی زبانی یہ بات واضح کر دیا ہے کہ ان کی حیثیت صرف رسالت کی حد تک ہے وکالت کی نہیں ہے تاکہ ہر انسان سوچ سمجھ لے کہ ہدایت و ضلالت کی جواب دہی اسے خود براہ راست کرنی ہے جسے رسولوں کی ذات پر ٹالا نہیں جا سکتا۔

وکالت تو بہت دور کی بات ہے اگر کہیں ہر شخص سے خدائے تعالیٰ کا باتیں کرنا خالقیت کے خلاف نہ ہوتا تو شاید اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان رسالت کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ مگر جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنی رعایا سے بلاواسطہ کلام نہیں کیا کرتے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے بھی اپنی ہر مخلوق سے براہ راست کلام کرنا پسند نہیں فرمایا' بلکہ اس کے لیے کچھ ہستیاں منتخب کر لی ہیں جو اس کی نظر میں اس کے لیے اہل بنائی گئی تھیں پھر ان میں بھی یہ حوصلہ نہیں ہے کہ بے حجابانہ وہ جب چاہیں اس سے باتیں کر لیں اس لیے ان کی برداشت کے بقدر اپنے ہم کلامی کی صورتیں مقرر کر دی ہیں۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ. (الشوریٰ : ۵۱) کسی آدمی کی طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کر سکے مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجے' پھر وہ خدا کے حکم سے جو اسکو منظور ہو اسکا پیغام پہنچا دے۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (آل عمران : ۱۷۹) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو براہ راست غیب کی خبر دیدیا کرے لیکن اس کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چھانٹ لیتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر ہاں

www.besturdubooks.net

اِرْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن : ۲۶-۲۷) جس رسول کو چاہے پسند کر لیتا ہے اور انہیں جو بات بتانا چاہے بتا دیتا ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دستور نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ غیب کی یقینی خبریں دیا کرے بلکہ اس کام کے لیے وہ رسولوں کا انتخاب کرتا ہے اور ان کے ذریعہ سے پھر تمام مخلوق سے ہم کلام ہوتا ہے اور یہ دستور اس لیے رکھا ہے کہ عام بشر تو درکنار رسول بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ خدائے تعالیٰ سے جس طرح چاہیں بالمشافہ کلام کر سکیں۔ اس لیے ان سے کلام کرنے کی بھی چند صورتیں اختیار کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ متکلم خود ذات پاک ہو مگر سامنے نہ ہو بلکہ پس پردہ ہو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر کلام۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نبی خود بشریت سے ملکیت کے قریب آ جائے دوم یہ کہ ملک یعنی فرشتہ بشریت کے قریب آ جائے۔ ان دونوں صورتوں میں رسول سے بالواسطہ کلام ہوتا ہے۔ ان سب صورتوں میں چونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات پاک رسول کے سامنے نہیں ہوتی اس لیے کلام الٰہی کی شوکت وطاقت رسول کے لیے قابل برداشت ہو جاتی ہے اگر کہیں آمنے سامنے آ کر کلام ہو تو بشریت کی ضعیف تعمیر برباد ہو جائے۔

رسول اور مصلح ریفارمر ٭ جس طرح کہ رسول وکیل ومختار نہیں ہوتا' اسی طرح وہ صرف ایک مصلح وریفارمر بھی نہیں ہوتا۔ رسول اور ریفارمر میں بڑا فرق ہے ایک ریفارمر اور مصلح کی پرورش عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے ان ہی کی طرح وہ تعلیم حاصل کرتا ہے پھر اپنی فطری صلاحیت ودلسوزی کی بنا پر قومی اصلاح کی خدمت انجام دیتا ہے جب اس کی فہم وفراست' ہمدردی ونیک نیتی کے اثرات قوم میں نمایاں ہوتے ہیں تو قوم کی نظروں میں وہ خود بخود ایک مصلح وریفارمر کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے مگر رسولوں کی تربیت صفت اجتباء واصطفاء کے ماتحت ہوتی ہے ان کی ہر نشست وبرخاست ہر قول وفعل کی قدرت خود نگراں ہوتی ہے اور اسی حفاظت کی وجہ سے ان کو صفتِ عصمت حاصل ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک مناسب عمر پر وہ خود نہیں منصب اصلاح پر فائز کرتی ہے۔ ریفارمر عصمت کا مدعی نہیں ہوتا غلطی کا احتمال اس پر ہر وقت جائز ہے۔

رسول کی دو زندگیاں رسالت سے پہلی اور رسالت کے بعد اس قدر ممتاز ہوتی ہیں گویا بلحاظ ذمہ داری وہ دو انسان ہوتے ہیں۔ رسالت سے پہلے وہ عام انسانوں کی صف میں شامل ہوتا ہے' نہ کوئی دعویٰ کرتا ہے نہ عام انسانوں کے عقائد واعمال سے کوئی ذمہ دارانہ سروکار رکھتا ہے اس کی دعوت میں کوئی تدریج کوئی تمہید نہیں ہوتی وہ خود بھی اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ کل اسے کیا کہنا ہے وہ بالکل خاموش نظر آتا ہے اور جونہی کہ منصب رسالت پر فائز ہو جاتا ہے تو اس طرح بولتا ہے کہ کسی کا خوف وخطر اس کے آس پاس نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال پر نظر کیجئے یا تو وہ فرعون کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ رہے تھے یا رسالت کی دوسری ہی ساعت میں پھر اسی کی طرف واپس جاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور وہ بھی کس کام کے لیے؟ اس سرکش کو خدا کے عذاب سے ڈرانے کے لیے جس کے عذاب سے ڈر کر کل خود بھاگ رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے یا تو وہ عزلت نشینی تھی کہ غار حراء میں چالیس چالیس دن تک اس کی خبر بھی نہ رہتی تھی کہ دنیا کدھر جا رہی ہے یا اب کوئی بازار نہیں' کوئی مجمع نہیں' کوئی محفل نہیں جہاں دنیا کی اصلاح وخبر گیری کے لیے آپ چیخ نہ رہے ہوں خلاصہ یہ کہ رسول کی زندگی کسب واکتساب' تکلف وتصنع کے تمام قیود سے آزاد ہوتی ہے' وہ از خود نہ رسول بنتے ہیں نہ بن سکتے ہیں اور نہ خود قوم کسی کو رسول بنا سکتی ہے بلکہ یہ دست قدرت کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے جسے چاہے اس منصب کے لیے انتخاب کر لیتا ہے۔

رسول ریاضت سے نہیں بنتے وہ پہلے سے منتخب شدہ ہوتے ہیں ٭ رسالت ایک قسم کی سفارت ہے۔ ہر سفیر کے لیے قابل ہونا تو ضروری ہے مگر ہر قابل انسان کے لیے سفیر ہو جانا ضروری نہیں۔ یہ بادشاہ کی اپنی مصلحت اور صواب دید پر موقوف ہے کہ وہ کس کو اس کا اہل سمجھتا ہے۔ خدا کی زمین پر دنیا کے جس قدر رسول آئے آپ سب کی سیرت بالتفصیل مطالعہ کر جائیے ان کی زندگیوں کا ورق

www.besturdubooks.net

ورق لوٹ جایئے مگر قرآن وحدیث سے کہیں ثابت نہیں ہوگا کہ کسی کو منصب رسالت کسی رسول کی اتباع واطاعت کے صلہ میں ملا ہو- تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ بوقت ضرورت براہِ راست ان کو اس منصب سے نواز دیا جاتا ہے- بلکہ رسول کا خود مفہوم بھی یہ بتاتا ہے کہ یہ گروہ عام انسانوں اور خدائے تعالیٰ کے درمیان پیغامبری کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ ان کے واسطے سے لوگ شریعت پر عمل اور خدا کی عبادت کرنا سیکھیں اس لیے نہیں کہ شریعت پر عمل کر کے یہ خود خدا کے رسول بن جائیں- چنانچہ جب وہ آتے ہیں تو گمراہوں میں راہنما جاہلوں میں عالم' مفسدوں میں مصلح' اور کافروں میں اول مسلم بن کر آتے ہیں- رسالت سے پہلے بھی ان کا دامن شرک وکفر کی تمام نجاستوں سے پاک ہوتا ہے اور جو حرکات ادیان سادیہ میں ناقابل برداشت ہیں وہ نبوت ورسالت سے پہلے بھی ان سے دور ہی دور رہتے ہیں اور اپنی اس بےلوث اور پاک وصاف زندگی کی وجہ سے قوم میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لیتے ہیں- ان کی ریاضت وعبادت اس لیے نہیں ہوتی کہ انہیں رسول بننا ہے بلکہ اس لیے ہوتی ہے کہ ان کی یہ پاک وصاف زندگی قوم کی نظروں میں نمایاں کی جائے اور اس لیے نمایاں کی جائے کہ جب وہ رسالت کا دعویٰ کریں تو خود ان کی یہی زندگی ان کی تصدیق کا بڑا سامان ہو جائے-

اگر بالفرض رسالت کسب واکتساب کا ثمرہ ہوتی تو رسولوں کی بعثت یا فترت کا مدار عبادت کی سرگرمی یا عبادت میں سرد مہری پر ہوتا' حالانکہ یہاں معاملہ برعکس ہے یعنی جتنی عبادت زیادہ ہوئی اسی قدر رسولوں کی آمد میں تاخیر ہوئی اور جتنی گمراہی وضلالت نے شدت اختیار کی اسی قدر رسولوں کی آمد کا زمانہ قریب تر ہوتا گیا- پھر جب خدا کا کوئی رسول آ گیا اس کی زیر قیادت عبادت کر کے ایک بھی رسول نہیں بنا اور جب اس کی تعلیمات کے نقوش مٹنے لگے تو ایسے ایسے رسولوں کی آمد ہوئی جن کا پہلی شریعت سے کوئی تعلق بھی نہ تھا یا تعلق تھا تو اور نسخ کا تعلق تھا اس لیے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے کہ رسول کسی عبادت وریاضت سے نہیں بنتے بلکہ خود بنے بنائے آتے ہیں- قرآن کریم کے لفظ **"یاتینکم رسل منکم"** میں بھی اسی کی طرف اشارہ نکلتا ہے- یعنی اے بنی آدم تم میں کوئی فرد عبادت کر کے خود رسول نہیں بنے گا بلکہ رسول تمہارے پاس اس طرح آئے گا جیسا کہ حکومت کی جانب سے کوئی حاکم مقرر ہو کر آیا کرتا ہے- ڈگریاں بڑی سے بڑی حاصل کی جا سکتی ہیں مگر حکومت کا کوئی عہدہ بلا انتخاب حکومت حاصل نہیں ہوتا ہاں لیاقت واستعداد کے بعد اس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ نظر حکومت اگر اسے انتخاب کرنا چاہے تو کر لے اسی طرح رسالت ونبوت کی کیفیت ہے یہ ایک منصب اور عہدہ ہے نہ کہ انسان کے ممکن الحصول ارتقائی کمالات میں کوئی کمال- ہاں اس منصب کے متعلق کچھ کمالات ہیں جو اس منصب پر موقوف ہیں- اسی لیے حدیث میں ارشاد ہے **لو کان بعدی نبی لکان عمر** یعنی میری امت میں اگر بلحاظ کمال دیکھا جائے تو عمرؓ میں رسالت کی صلاحیت موجود ہے مگر چونکہ منصب نبوۃ پر تقرر کے لیے اب کوئی جگہ باقی نہیں رہی اس لیے نبی نہیں ہیں- اسی طرح فرمایا:

لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیا. ابراہیم (فرزند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اگر جیتے تو صدیق نبی ہوتے-

یعنی ان کا جوہر استعداد بھی نہایت بیش قیمت تھا انسانوں میں نبی بلکہ صدیق نبی بننے کے لائق تھے مگر یہاں ایک اور مانع بھی پیش آ گیا تھا وہ یہ کہ ان کی عمر وفا نہ کر سکی- امت میں ان دو شخصیتوں کے متعلق تو خود زبان نبوۃ سے تصریح آ گئی کہ بلحاظ لیاقت وکمال یہ دونوں منصب نبوۃ کے قابل تھے جن میں سے حضرت ابراہیمؑ کی تو عمر ہی نے وفا نہ کی حضرت عمرؓ کی عمر ہوئی تو تقرر نبوت کا زمانہ نہ رہا تھا ان کے علاوہ خدائے تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ اس امت میں اور کتنے انسان ایسے گذر گئے ہوں گے جو بلحاظ نفسی کمالات انبیاء سے کتنے مشابہ ہوں گے مگر عالم تقدیر میں چونکہ دنیا ہی کا ختم کر دینا ٹھیر چکا تھا اس لیے کوئی اس منصب پر نوازا نہیں گیا اور دنیا کی تاریخ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شور مچا مچا کر رسولوں کی آمد آمد پکار رہی تھی- اب یہ کہہ کر خاموش ہو گئی کہ دنیا کا آخری راہنما آ چکا اب اس کے بعد کوئی

www.besturdubooks.net

رسول نہیں ہوگا- بہر حال تمام رسولوں کی تاریخ سے ہمیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی ریاضت وعبادت کے صلہ میں رسول نہیں بنتے بلکہ عین لاعلمی کی حالت میں اچانک خدا کی طرف سے منصب رسالت پر مامور ہو جاتے ہیں-

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا- ابھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کا کوئی ذکر فکر بھی نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے بھائی میرے شریک کار ہو جائیں تو شاید خدمات نبوت کی ادائیگی میں میرے لیے سہولت رہے لیکن منصب نبوت چونکہ براہ راست خدائے تعالیٰ کے اصطفاء پر موقوف ہے اس لیے ان کو اسی ایک بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنی پڑی

وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ وَ اَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ. (طٰهٰ : ۲۹-۳۲)	میرے بھائی کو میرے گھرانے سے میرا وزیر بنا دے اور ان کے ذریعہ میری کمر مضبوط کرا اور میرا انہیں شریک کار بنا دے-

اگر نبوت اکتسابی ہوتی تو یہاں سفارش کے موقعہ پر ان کے ایسے اوصاف کا ذکر کرنا مناسب ہوتا جو نبوت کا سبب بن سکتے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن اسباب کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْءًا یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ. (القصص:۳۴)	میرا بھائی مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے اسے میری مدد کیلئے میرے ساتھ کردے وہ میری تصدیق کرے گا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ میری تکذیب نہ کریں-

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کو منظور کر لیا گیا اور ان کو بھی نبی بنا دیا گیا- سوچئے کہ فصاحت و بیان کو نبوت میں کیا دخل ہے- اس کے برخلاف جب کوہ طور جاتے ہوئے انہیں ایک خلیفہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہاں کوئی درخواست بارگاہ رب العزت میں پیش نہیں فرمائی اور براہ راست خود فرما دیا وَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ. (الاعراف:۱۴۲)

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ خلافت و نبوت میں کتنا فرق ہے خلیفہ نبی خود بھی بنا سکتا ہے مگر نبی کسی کو نہیں بنا سکتا ہاں اس کے لیے دعاء کر سکتا ہے- چونکہ حضرت علیؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت حاصل تھی، اس لیے گمان ہو سکتا تھا کہ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں نبوت کی دعا کی اور قبول ہوگئی- اسی طرح اگر آپ بھی ان کے لیے دعا فرمائیں تو قبول ہو جائے اس لیے حدیث نمبر ۱۵۷ میں آپ نے پڑھا کہ اس سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خیال گذرے اور آپ کے دست مبارک دعا کے لیے اٹھ جائیں آپ سے کہہ دیا گیا تم اپنے داماد علیؓ کے لیے جو دعا چاہو مانگ لو مگر ایک نبوت کی دعا مت کرنا کیونکہ عالم تقدیر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جو بات یہاں طے ہو جاتی ہے وہ پلٹا نہیں کرتی-

یہی صورت شب معراج میں پیش آئی جب تقدیر کو یہ منظور ہوا کہ اب آئندہ سلسلہ تخفیف ختم کیا جائے اور پانچ نمازیں امت کے لیے ایک واجب العمل دستور ہو جائے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا گیا مایبدل القول لدی تاکہ بعد میں مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ کا آئین آپ کے استجابت دعا میں حائل نہ ہو- یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار کے باوجود آپ پھر سفارش کے لیے تشریف نہیں لے گئے-

خلاصہ یہ کہ نبوت نہ پہلی امتوں میں کسب کا نتیجہ تھی نہ اب ہے ہاں پہلے منصب نبوت باقی تھا اس لیے دعا و سفارش کا موقعہ بھی تھا اب چونکہ منصب نبوت ہی نہیں رہا اس لیے نبوت کی دعا بھی نہیں کی جا سکتی- ہاں اس کی بجائے خلافت باقی ہے اور وہ تا قیامت جاری رہے گی-

پھر رسول جس طرح کہ خود بنتے نہیں اسی طرح خود بولتے بھی نہیں وہ خدائے تعالیٰ کے ترجمان ہوتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے وہی بولتے ہیں اور اسی لیے ان کا ہر حکم واجب التعمیل مفترض الطاعۃ ہوتا ہے ہر امر میں ان کو حکم و فیصل بنانا' ان کے ہر فیصلہ پر راضی ہو جانا اور اس

www.besturdubooks.net

طرح راضی ہو جانا کہ اس میں تنگ دلی بھی محسوس نہ ہو مومن کا اولین فرض ہوتا ہے۔ ریفارمر میں یہ خصوصیات نہیں ہوتیں وہ اپنی قومی خدمات کے صلہ میں ریفارمر تسلیم کیا جاتا ہے اس کا حکم صرف اخلاقی حد تک واجب العمل ہوتا ہے اس کے ساتھ نزاع کا حق ہر وقت حاصل ہوتا ہے اس کو خدائی ترجمانی کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا' اس کا تعلق ہماری زندگی کے صرف ایک شعبہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی معاش' جسمانی مبدأ و معاد سے اسے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ رسول کا تعلق ہمارے ہر گوشہ حیوۃ سے ہوتا ہے۔ ریفارمر کا کوئی حکم مذہب نہیں کہلاتا۔ رسول کا ہر حکم مذہب کی بنیاد بن جاتا ہے۔ کسی قوم کا ریفارمر و مصلح بننے کے لیے اس کا ہمزبان ہونا شرط نہیں ہے۔ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کا رسول ہو اسی کا ہم زبان بھی ہو۔ ﴿وَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ (ابراھیم:۴) رسول کا ہر علم قطعی ہوتا ہے۔ شک وتردد کا اس میں کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ ریفارمر کی ہر ہدایت زیر احتمال رہ سکتی ہے اس لیے رسول فلاح و کامیابی کا ضامن ہوتا ہے' ریفارمر کامیابی کی ضمانت نہیں لے سکتا۔

رسول کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ وحدت ملی کا ایک مستحکم مرکز ہوتا ہے اس لیے اس کی ذات ایمان وکفر کا محور ہوتی ہے یعنی اس سے وابستگی ایمان اور اس سے علیحدگی کفر کے نام سے موسوم ہوتی ہے ہزاروں اختلافات رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد وحدت واخوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بہت سی جمعیتیں رسول کے دامن سے علیحدہ ہو کر صفت وحدت سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا۔ ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران:۱۰۳) اور دوسری صورت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے اختلافات کا تصور کیجئے اور نقطہ رسالت پر جمع ہونے کے بعد ان کی شان وحدت کو ملاحظہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ہزاروں افراد یا تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے یا فرد واحد کی طرح ایسے ایک جان ہو چکے تھے کہ مشرقی مسلمان کی تکلیف سے مغربی مسلمان کو وہی تکلیف محسوس ہوتی تھی جو ایک انسان میں ایک عضو کی تکلیف سے تمام اعضاء کو محسوس ہوتی ہے وہ ابھی ابھی یا تو اینٹوں کے ڈھیر کی طرح میدان میں بکھرے پڑے ہوئے تھے یا ایک ہی ساعت کے بعد ایک مستحکم تعمیر کی شکل میں منظم و مرتب تھے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے مرتبط اور باعث استحکام تھی۔

و عن ابی موسی رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضاثم شبک بین اصابعه. (متفق علیه)	ابوموسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے ایک دوسرے کو قوت پہنچاتا اور مضبوط رکھتا ہے اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس کا نقشہ دکھایا۔ (متفق علیہ)
عن النعمان بن بشیر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المؤمنون کرجل واحدان اشتکی عینه اشتکی کله و ان اشتکی رأسه اشتکی کله. (مسلم)	نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مسلمان شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ درد کرتی ہے تو تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ اگر سر درد کرتا ہے تو تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

دنیا کی تمام وحدتیں اس حقیقی وحدت کے سامنے ہیچ ہیں۔ وحدت قومی' وحدت ملکی' وحدت وطنی' وحدت قبیلہ' وحدت حسب ونسب' کے سوا اور جتنی وحدتیں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب اس کے سامنے لاشئے ہیں جب کبھی اس وحدت حقیقیہ کی دوسری وحدتوں سے ٹکر ہوئی تو دوسری تمام وحدتیں پاش پاش ہو کر مٹ گئیں اور صرف یہی ملت کی ایک مرکزی وحدت باقی رہ گئی۔ ریفارمر کی ذات بھی قوم کی شیرازہ بندی کا بڑا سبب ہے مگر جو وحدت ایک کامیاب سے کامیاب ریفارمر کے نام پر پیدا ہوتی ہے وہ اس وحدت حقیقیہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ یہ وحدت

www.besturdubooks.net

نظام ملی اور حیوۃ بشری کے لیے بمنزلہ روح ہے اسی لیے جب یہ وحدت فنا ہونے لگتی ہے تو اس کو سرنو زندہ کرنے کے لیے خدا کے رسول آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ رسالت کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے اس لیے یہ کام خلافت راشدہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ شریعت میں خلافت اور امارت اور امامت درجہ بدرجہ اسی وحدت کے تحفظ کے لیے ہیں۔ اسی لیے جب خلافت سے یہ مقصد حاصل ہونا مفقود ہو جائے تو شریعت نے اس کا نام ملک عضوض رکھا ہے یہ اسی وحدت کی فنا کی طرف اشارہ تھا جو دراصل رسولوں کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون الحدیث۔ (متیفق عسیہ)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست کی نگہبانی انبیاء علیہم السلام فرمایا کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتا اس کے قائم مقام دوسرا آ جاتا چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس لیے اب عنانِ انتظام خلفا کے ہاتھ میں رہے گی اور وہ بہت ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ رسول میں اوتار و بروز و ابنیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور محض ایک ریفارمر و مصلح کی حیثیت بھی نہیں ہوتی۔ نصاریٰ نے رسالت کو ابنیت کے عنوان سے سمجھنے کی کوشش کی وہ بھی غلط راہ پر نکل گئے۔ براہمہ اور جوگیوں نے اس کو اوتار کا علاقہ بنا دیا وہ بھی حینیت یا حلول کے روگ میں پھنس گئے۔ نصاریٰ نے رسول کو خدا سے اتنا قریب سمجھا کہ پھر انہیں دوئی قائم رکھنا دشوار ہو گیا اور جدید روشنی میں اس کو خدا سے اتنا دور سمجھا گیا کہ اس کو صرف ایک ریفارمر کی حیثیت دی گئی۔ یہ دونوں راستے افراط و تفریط کے راستے ہیں اگر اس کی حیثیت رسول کے لفظ ہی سے قائم کی جاتی تو یہ مغالطے پیش نہ آتے اور واضح ہو جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا بعید نہیں ہوتا جیسا کہ عام انسان اور اتنا قریب بھی نہیں ہوتا جتنا کہ اوتار و ابن۔ وہ بعید ہو کر اللہ تعالیٰ سے انتہائی قریب ہوتا ہے اور انتہاء درجہ قرب کے باوجود پھر احد وصمد سے حلول و اتحاد کا کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ اس کا نام قرب ولایت نہیں یہ قرب رسالت ہے۔ یہ انسان کے لیے مدارج قرب کی وہ آخری منزل ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں اگر ان دونوں میں فرق سمجھ لیا جاتا تو ایک محب کی زبان سے جو کبھی اضطراب میں عاشقانہ کلمات نکل جاتے ہیں نہ نکلتے اور وہ اپنی تمام لن ترانیوں کی بجائے یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ؎

زلاف حمد و نعمت اولیٰ است بر خاک ادب خفتن
بجودے می تواں کردن درودے می تواں گفتن

اسی لیے آسمانی مذاہب نے رسول کی اس درمیانی ہستی کے لیے جو جامع سے جامع لفظ اختیار کیا تھا وہ خود لفظ رسول تھا اور اسی لیے اذانوں میں خطبوں میں نمازوں میں جس لفظ کا بار بار اعلان کیا جاتا ہے وہ یہی لفظ رسول ہے۔ آج دنیا رسول کی معرفت کے لیے خود لفظ رسول کو ناکافی سمجھتی ہے اور اپنی طفل تسلی کے لیے دوسرے عنوانات تراش تراش کر اپنے ذہن میں رسول کی حیثیت قائم کرنا چاہتی ہے۔ یاد رکھو یہ کبھی نہیں ہوگا کبھی نہیں ہوگا۔ رسول کی معرفت تم کو لفظ رسول سے زیادہ صحیح کسی اور لفظ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہمارے مضمون حجیت حدیث میں رسول کی حیثیت پر قرآن کی روشنی میں بھی کلام کیا گیا ہے مقدمہ دیکھا جائے۔

www.besturdubooks.net

ایمان کی تعریف پر اجمالی نظر

کامل ایمان کی تعریف ٭ شریعت میں ایمان و اسلام صفتِ انقیاد و اطاعت کی اس آخری منزل کا نام ہے جس کے بعد اوامر الٰہیہ اور منہیات شرعیہ کے قبول کرنے سے قلب میں کوئی انحراف باقی نہ رہے۔ مخبر صادق پر وہ اعتماد حاصل ہو جائے کہ پھر دل کی تمام خوش حالی اور روح کا کامل سرور اس کی تصدیق میں منحصر نظر آنے لگے۔ گویا جذبہ وفاداری طلب دلائل کی مہلت نہ لینے دے۔ راہِ حق میں بڑی قربانی ایک نئی لذت ہو اور ایک ادنیٰ نافرمانی وہ تلخ گھونٹ ہو جائے جو گلے سے اتارے نہ اترے۔

ایمان بالغیب ایمان کی سب سے بڑی صفت ہے ٭

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ . (بقرۃ: ۲-۳) (یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے (اللہ) سے ڈرنے والوں کو جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا۔

اس آیت میں ان ہی سرفروشوں کی اس سرمستی کا ذکر کیا گیا ہے یعنی یہ وہ جماعت ہے جو محض جذبۂ انقیاد میں دیکھی اور ان دیکھی باتوں کی یکساں تصدیق کر چکی ہے۔ آنکھ اگر دیکھتی اور تصدیق کرتی ہے کان اگر سنتے اور مان لیتے ہیں تو یہ ان کا فطری اقتضاء ہونا چاہیے لیکن آنکھیں اگر نہیں دیکھتیں کان اگر نہیں سنتے پھر ان آنکھوں اور کانوں کے اعتماد پر جن کی صداقت پر سارا جہان قربان اعتماد کر لیتے ہیں تو پھر بلاشبہ یہ ان کے ایثار و انقیاد کی آخری دلیل ہوگی یہی وثوق اور اعتماد ایمان کی روح ہے۔

دلائل کی حقیقت اور اس کا وزن ٭ دلائل کی روشنی بھی کوئی روشنی ہے جو ایک قدم پر اگر چمکتی ہے تو دوسرے ہی قدم پر گل ہو جاتی ہے۔ اگر نبی صاحبِ وحی ہے اور جو کہتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے تو اس کے اعتماد پر اس کے تمام دین کو تسلیم کر لینا ایک اقتضا طبعی ہونا چاہیے۔ کسی حقیقت کے مسلم ہو جانے کے بعد بھی دلائل کی تلاش روشن خیالی نہیں بلکہ ایک مختصر راہ کو اور طویل کر دینا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لانے کے بعد دعوت مناظرہ کے بجائے شروع سے عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر مدار صرف دلائل پر ہو تو دلائل کبھی کبھی ہر دو طرف پیدا ہو جاتے ہیں ماسوا اس کے مطالب کی نزاکت کبھی دلائل کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے۔ پھر مذاق کا تفاوت سمجھ اور فہم کا اختلاف اس پر وہم انسانی کی مزاحمت یہ سب وہ موانع ہیں جو اگر نفس تصدیق کے لیے نہ سہی مگر کم از کم عمل کے لیے تو یقیناً سدِ راہ بن جاتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے صرف اطاعت و انقیاد ہی کی ایک راہ بتلائی ہے۔

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا . (الحشر: ۷) جو چیز رسول تمہارے پاس لے کر آئے اس کو اختیار کر لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

دلائل کا وسیع دائرہ بھی کچھ دور جا کر آخر اسی صفت انقیاد پر ختم ہو جاتا ہے ورنہ ایک مقصد کے حصول کے لیے مقدمات کی اتنی بے شمار کڑیاں درکار ہوں گی کہ اگر سب کا طے کرنا ضروری ٹھہرے تو پھر تمام عمر میں ایک مقصد کا حصول بھی خواب و خیال سمجھ لینا چاہیے۔ بنظر انصاف ایک تجربہ کار محقق کا قول خود ایسی محکم دلیل ہوتی ہے جو تنہا ہزار دلائل کا وزن اپنے اندر رکھتی ہے۔ آج بھی ہم اپنے دلائل و براہین کا سلسلہ آخر میں یورپ کے فلاسفروں کی تھیوریوں پر جا کر ختم کر دیتے ہیں اور صرف ان کے اسماء کا حوالہ دے دینا دلائل کی وہ معراج تصور کرتے ہیں جس کے بعد تمام دلائل سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ یہ تھیوریاں بے دلیل مسلم ہونے کے قابل ہیں

www.besturdubooks.net

بلکہ اس کی تہ میں یہ علم یقین پہلے حاصل ہوتا ہے کہ یہ تھیوریاں ان فلاسفروں کے نزدیک چونکہ اپنے دلائل سے ثابت شدہ ہیں لہٰذا ان دلائل کا تلاش کرنا اور پھر ان کا دوہرانا محض ایک مسافت کا طویل کرنا ہو جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے علوم کا مرتبہ ٭ ٹھیک اسی پر علوم انبیاء کو قیاس کر لینا چاہیے۔ اگرچہ ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' ان کے علوم بھی اپنی جگہ ایسے دلائل سے ثابت شدہ ہوتے ہیں جہاں باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی بلکہ وہ علم یقین کے اس مقام پر جا پہنچتے ہیں جس کے بعد ان کا لقب برہان مجسم ہو جاتا ہے۔

یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا. (النساء: ۱۷۴)
اے لوگو! پہنچ چکی ہے تمہارے پاس ایک سند تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری۔

بندہ کا کمال تفویض و تسلیم ہے ٭ اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علوم ان کے اعتماد پر تسلیم کر لینا کورانہ تقلید نہیں بلکہ مجسم ایک برہان اور حجت بینہ کی تقلید ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کی تمام قیمت بندہ کی صرف یہ ادا ہے کہ وہ رسول وقت کے سامنے اپنی ساری لن ترانیاں ختم کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ اس کی ایک زبردست قربانی ہے جسے وہ اپنے ضعیف و ناتواں ہاتھوں سے اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ انسان کی بے صبر فطرت اپنی جیسی مخلوق کو ایسے مقام پر کبھی دیکھنا پسند نہیں کرتی' جہاں بے دلیل سرنگوں ہو جانا تمام انسانوں کے لیے وقت کا سب سے بڑا فریضہ ہو جائے (یعنی رسول) وہ خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کی اطاعت اپنا فرض تصور کر سکتا ہے۔ اسی لیے مشرکین عرب میں بھی تمام جہالتوں کے باوجود ایک جماعت خدا پرست تھی اور بزعم خود توحید کا انکار نہ کرتی تھی۔

اذا قیل لھم لا الہ الا اللّٰہ یستکبرون. (الصفت: ۳۵)
(اور) جب کہا جائے ان سے کہ سوائے اللہ کے کوئی (اور) معبود نہیں تو غرور کرنے لگتے ہیں۔

یہاں لفظ یجحدون اسی لیے ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ اس دعوت سے انہیں انکار نہ تھا البتہ مسلمانوں کی آواز پر ان کا ہم آہنگ ہو جانا ان کے نزدیک اپنی بڑائی کے خلاف تھا۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ کا امر فرمانے کا فلسفہ ٭ عالم کا سب سے پہلا شقی یعنی ابلیس خالق السموات والارضین کی عبادت سے کبھی منکر نہیں ہوا لیکن مشیت ایزدی نے اس کے دعوائے اتقیاد کا جب امتحان لیا تو اپنی عبادت کا امر فرما کر نہیں لیا بلکہ ایک مشت خاک کے سامنے سر جھکانے کا امر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ سر جھکا دینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر یہاں دشواری تھی تو یہ تھی کہ ایک ضعیف ہستی کے سامنے سر جھکانا جو مخلوق ہونے میں اس کی برابر کی شریک ہو اس کی آزاد فطرت کے برخلاف اور بظاہر ایک بے دلیل بات تھی۔ اس سے رہا نہ گیا اور:

انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین. (الاعراف: ۱۲)
میں بہتر ہوں اس سے (کیونکہ) مجھ کو بنایا ہے تو نے آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔

شیطان کے معارضہ کی حقیقت ٭ کافر دلائل نہیں دلائل کی چوری کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ہوا اس کا پوشیدہ کبر اور طبعی انحراف چھوتا اور آخر وہ تسلیم و رضا کی اس منزل میں چل کر نہ کام رہ گیا۔ جہاں خیر و شر کا سوال ہی باقی نہیں رہتا اور چون و چرا کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

طبعی انحراف و علوم کا خاصہ ٭ طبیعت کے انحراف کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تلاش حق کی تمام توفیق سلب کر دیتا ہے اور وہ نشہ پیدا کر دیتا ہے جس کے بعد اپنی ہوائے نفس کے سامنے دلائل و براہین کی کچھ پار نہیں بستی۔ اطراف و جوانب سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور اس بے شعوری کے عالم میں جو فیصلہ اپنے خیال میں آ جاتا ہے وہ آخری فیصلہ نظر آنے لگتا ہے۔

www.besturdubooks.net

فضیلت کے لئے صرف مادہ کا شرف کافی نہیں ہے ❊ ابلیس نے صرف عنصر آتش کے شرف پر نظر کی یہ اس کا قصور نظر تھا۔ عنصر خاک گو ضعیف ترین عنصر سہی مگر کیا ہو نہیں سکتا تھا کہ اس میں بھی کوئی جہت ایسی پیدا ہو جائے جو اسے قوی و برتر عنصر سے بھی افضل بنا دے اگر ابلیس انسان کی صورت کی طرف بھی نظر کر لیتا تو اپنے مادہ کا شرف اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ عنصر آتش ہزار اشرف سہی مگر یہاں صورت ایک حرف کن[1] نے عطا کی تھی۔ عنصر خاک پر جو نقش و نگار نظر آئے وہ نقاش ازل کے خود اپنے دست قدرت کا بلاواسطہ کمال تھا۔

لما خلقت بیدی کی لطیف تفسیر اور شیطان کے معارضہ کا جواب ❊

قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین۔ (ص:۷۵) فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ سجدہ کرتا اس کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا یہ تو نے غرور کیا یا تو درجہ میں بڑا تھا۔

مناظرۂ ابلیس میں نسل انسانی کے لئے ایک عظیم موعظۃ ❊ نصب خلافت سے پہلے ہی یہ سبق تمام نسل انسانی کو دے دیا گیا تھا کہ اسے بھی اپنی اطاعت و انقیاد کا امتحان دینا ہوگا اور کامیابی صرف اس صورت میں متصور ہوگی جب کہ خدائے رب العزت کی رضاء جوئی میں اس کے رسولوں کے لیے بھی بے دلیل وہی جذبہ اطاعت پیدا ہو جائے جو خود اس کے لیے موجزن ہو سکتا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ رسولوں کی باتوں پر بے دلیل یقین کر لینا کیوں رکن ایمان قرار دیا گیا ہے۔

انصار کی محبت علامت ایمان کیوں ہے؟ ❊ حدیث شریف میں انصار کی محبت کو علامات ایمان میں اسی لیے شمار کیا ہے کہ رسول اور اس کے کنبہ وقبیلہ یا ہم وطن کی محبت ہر مسلمان میں طبعی طور پر بھی ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے مگر انصار کی محبت جو نہ اس کا ہم قبیلہ تھے نہ ہم وطن اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس لیے کہ انہوں نے رسول کی ایسے آڑے وقت اعانت کی تھی جب کہ اس کے قبیلہ تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بلاشبہ یہ محبت کمال ایمان ہی کا ثمرہ ہو سکتی ہے۔ محبوب تو نظر عاشق میں سرتاسر محبوب ہوتا ہے مگر اس میں کمال کیا ہے کہ اس کی ہر ہر ادا عشاق کی دلربائی کا مستقل ایک ایک افسوں ہوتا ہے۔

کمال محبت، محبوب کی رضا میں فنا ہو جانا ہے ❊ کمال محبت تو یہ ہے کہ اس کی رضاء میں وہ فنا میسر ہو جائے کہ پھر یگانہ و بیگانہ محب و محبوب کا امتیاز جاتا رہے بلکہ تمام محبت و شفقت، ہمدردی وسلوک تعاون و سازگاری کا وہی ایک محور و مرکز بن جائے۔ مال و اولاد کا تو ذکر کیا ہے اپنے نفس سے اگر محبت رہ جائے تو وہ بھی اسی کی خاطر ہو۔ ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ اس کی راہ میں تمام قربانیاں شیریں بن جائیں اور اس کے خلاف میں ساری خوش حالیاں کانٹے نظر آئیں، اس کے نام پر گردنیں اتروا دینا حیوۃ ابدی معلوم ہو اور اپنی قربان گاہ سے ایک قدم پیچھے ہٹنا موت ابدی نظر آئے اور یہ سب کچھ اس تصور میں ہو کہ یہ ساری جاں نثاریاں گو اس قابل نہ سہی کہ محبوب کے لیے قابل نظر ہوں مگر ایک عاشق کی یہ حسرت ہونا چاہیے کہ راہ عشق میں جو قربانی وہ کر سکتا ہے کر گذرے حضرت بلالؓ و عمارؓ کے سرفروشانہ جذبات پر سیرت نگاروں کو حیرت ہے مگر خود ان کی زبانی اگر دریافت کیا جاتا تو ساقی کوثر کے

---

[1] عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما خلق اللہ ادم و ذریتہ قالت الملائکۃ یا رب خلقھم یا کلون و یشربون و ینکحون و یرکبون فاجعل لھم الدنیا و لنا الاخرۃ قال اللہ تعالی لا اجعل من خلقتہ بیدی و نفخت فیہ من روحی کمن قلت لہ کن فکان۔ (شعب الایمان مشکوۃ شریف) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالی نے آدم اور ان کی ذریت کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار تو نے ان کو ایسا بنایا ہے کہ یہ کھاتے پیتے، نکاح کرتے اور سوار ہوتے ہیں (ہم ان باتوں سے محروم ہیں) اس لیے دنیا ان کے حصہ میں لگا دے اور آخرت ہمارے حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح ڈالی ہے اس کو ان کے برابر نہیں کروں گا جن کو میں نے حرف کن سے بنایا ہے۔

www.besturdubooks.net

ہاتھ سے ان جام پینے والوں سے شاید انہیں شکایت ہوتی جنہیں اس کے ہاتھ سے جام پی کر تکلیف و راحت کا احساس باقی تھا۔

ازاں افیوں کہ ساقی کردہ بد مست
رفیقاں را نہ سر ماند نہ دستار

ایمان میں اسی منزل کا نام مقام یقین ہے دیکھو حجۃ اللہ صفحہ ۹۱ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عقل انسانی جب نشہ یقین سے مخمور ہو جاتی ہے تو قلب و نفس بھی اس سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ پھر عالم غیب پر ان کو محسوسات کی طرح یقین نصیب ہو جاتا ہے' فقر و غناء حیوۃ و موت کے خرخشہ سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے اسباب کی قید و بند سے رستگاری میسر آ جاتی ہے۔

ایمان مذہب کی روح اور بنیاد ہے ✵ یہ ہے وہ ایمان جس پر مذہب کی تمام بنیاد قائم ہے کوئی عقیدہ اپنے دامن میں خواہ کتنی ہی نزاہت اور رفعتیں کیوں نہ رکھتا ہو مگر اس نور ایمانی کے بغیر نظر شریعت میں وہ صرف ایک ظلمت کدہ اور سرتا سر تاریکی ہے۔ کوئی عمل مجاہدات و ریاضات کے خواہ کتنے ہی مراحل کیوں نہ طے کر چکا ہو مگر بدون اس روح ایمانی کے ایک تن مردہ اور میزان آخرت میں قطعاً بے وزن ہے۔ ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف:۱۰۵) (پس ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے) عقائد و اعمال کا تو ذکر کیا ہے کوئی معمولی سی معمولی نیت بھی خواہ کتنی ہی صاف و ستھری کیوں نہ ہو اس سرمایہ ایمان کے بغیر بارگاہ بے نیاز میں کوئی اعتبار نہیں رکھتی' یہ ایمان' عقائد و اعمال اور نیتوں کی وہ واحد روح ہے جس کے بعد کفر کی تو برتو تاریکیاں چشم زدن میں کافور ہو سکتی ہیں۔ آتش کدۂ جہنم اس کے روبرو سرد ہو سکتا ہے اور گلزار عدن اس کا ایک طے شدہ معاوضہ بن جاتا ہے۔ ایک معمولی سجدہ طاعات صد سالہ کے لیے مایہ رشک اور مٹھی بھر جو کا صدقہ بے شمار تضاعیف (زیادتیاں) کا مستحق نظر آنے لگتا ہے۔ غرض سعادت ابدیہ اسی مبدأ کی خبر ہے اور شقاوت ازلیہ اس سے محرومی کا نشان ہے۔ یہ سب کچھ اس سچی کتاب میں موعود ہے جو غلط گوئی سے بالکل منزہ اور مبالغہ آمیزی سے یکسر مبرا ہے۔

ایمان کی تعریف پر تفصیلی نظر

اشیاء کے وجود کی تین صورتیں ✵ کسی چیز کے وجود کی عالم میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

وجودِ لفظی ایک ناتمام وجود ہے ✵ ان ہر سہ اصناف میں لفظی وجود سب سے ضعیف اور کمزور وجود ہے' جو مقاصد و اغراض کسی شئے کے وجود میں ملحوظ ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وجود پر مرتب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اس وجود کو عدم کے برابر کہہ دیا جائے تو بے جا نہیں ہے۔ پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ کی پیاس نہیں بجھاتا اور نہ روٹی کا صرف زبانی تذکرہ کسی بھوکے کا پیٹ بھرتا ہے۔

وجودِ عینی لفظی وجود سے قوی ہے ✵ (۲) وجودِ ذہنی گو لفظی وجود سے قوی تر ہے مگر شئے کے تمام آثار و احکام مرتب ہونے کے لیے یہ بھی ناکافی ہے۔

کسی چیز کا وجود عینی ہی اس کا مکمل وجود ہوتا ہے ✵ (۳) وجودِ عینی وہ وجود ہے جو خارج میں کسی کے اعتبار کیے بغیر موجود ہوتا ہے اسی وجود کو در حقیقت وجود کہا جا سکتا ہے بقیہ اصناف اس کے توابع اور فروع ہیں۔ یہی مبدء آثار ہے اور اسی پر شئے کے سب احکام مرتب ہوتے ہیں۔ آنکھوں کی تر و تازگی' قلب و جگر کی سیرابی' اشجار و ثمار کی سرسبزی یہ سب پانی کے وجودِ عینی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں' اسی لیے جب کوئی پیاسا پانی مانگتا ہے تو اس کا مقصد پانی کا یہی عینی وجود سمجھا جاتا ہے اور اس کا لفظی یا ذہنی وجود کسی کے خواب و خیال میں نہیں آتا۔ اسی طرح ایمان کے وجود کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔

سابق تمہید کی بنا پر ایمان کا لفظی وجود بیکار محض ہونا چاہیے۔ جب کسی تشنہ کے لیے پانی کا صرف لفظی وجود کارآمد نہیں ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ایمان کا صرف لفظی وجود کیا مفید ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں ایک سخت مشکل یہ درپیش ہے کہ عالم بشریت کی

www.besturdubooks.net

سرتا سر محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ و حروف کا جامہ پہنائے بغیر ادا کر سکے۔ اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک ناتمام آلہ ہے اگر وہ بھی ناقابل اعتبار ٹھہرے تو عالم انسانی کا تمام کاروبار معطل اور بیکار محض ہو جائے۔ اس لیے چار و ناچار ایمان کا لفظی وجود بھی شریعت میں ایک حد تک قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللّٰہ۔ میں اس بات پر مامور ہوں کہ جب تک کفار لا الہ الا اللہ نہ کہیں ان سے جنگ جاری رکھوں۔

اب اسے ایمان کی رفعت اور بلندی کہیے یا اس کی فیاضی سے تعبیر کیجئے کہ محض زبانی کلمہ توحید پر اس نے جان بخشی کا اعلان کر دیا ہے اور کسی کے سرائر اور مکنونات صدر (دل کے راز) سے کوئی بحث نہیں کی۔[1]

اس جگہ یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ اسلام میں تصدیق قلبی کے بغیر صرف زبانی اقرار کر لینا بھی کوئی وزن رکھتا ہے کیونکہ قلبی تصدیق ایمان کا وہ اہم رکن ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی حالت میں قطع نظر کے قابل نہیں سمجھا گیا حتیٰ کہ بحالت اکراہ جب کہ اپنی جان پر بن رہی ہو زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی صرف اسی شرط سے اجازت دے دی گئی ہے کہ قلب کی گہرائیاں اذعان و ایقان سے لبریز اور معمور رہیں۔

الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔ (النحل: ۱۰۶) مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے۔

جو صورت حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اگر زبان اقرار کر رہی ہے اور دوسری کوئی دلیل جو قلبی انحراف پر دلالت کر سکے ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتی تو اس وقت ہم اس بات کے مامور ہیں کہ اس اقرار ہی کو قلبی تصدیق کی دلیل سمجھیں۔

اسلام جو اخلاق عالیہ کا سب سے اول معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی زبان کو بلاوجہ جھوٹا قرار دے یا اس کے متعلق کسی اندرونی کمزوری کی بناء پر اپنے ضمیر کے خلاف بولنے کا تصور لائے۔ دنیا میں ایک بڑے سے بڑا انسان خواہ اخلاق کے کتنے ہی بلند مقام تک کیوں نہ پہنچ چکا ہو بھی اپنے حریف پر وہ بھی بحالت جنگ اعتماد کا خیال نہیں کر سکتا' یہ اسلام ہے جو یہ دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے حریفوں کی زبان پر بھی اعتماد کرلو اور اس تشویش میں نہ پڑو کہ ان کے دلوں میں کیا ہے' اگر ان میں کوئی سعید روح ہوگی تو ایک دن وہ خود بخود اپنے اس صدق نما کذب پر نادم ہوگی اور دل بھی زبان کی طرح اسلام کا کلمہ پڑھ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک کافر کو بکریاں چراتے دیکھا۔ دوران جنگ میں ایک فریق دوسرے فریق کی گھات میں لگا ہی رہتا ہے۔ صحابہؓ نے ارادہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین لیں' اس نے اپنا پانسہ کمزور دیکھا اور وہ وقت آ گیا کہ جو اسلام مدت سے اس کے سینہ میں گھوم رہا تھا اب دل میں اتر آئے وہ اسلام لے آیا' مگر اس حال میں دشمن کا اقرار وفاداری' انسان کی کمزور فطرت کب قبول کرتی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ نے اس اسلام کو صرف مال کے بچاؤ کا ایک ذریعہ سمجھا اور اس کی بکریاں غنیمت کا مال بنالی گئیں۔ لیکن اسلام جو اخلاق کے آخری منازل صرف زبانی سکھانے نہیں آیا تھا بلکہ طے کرانے آیا تھا اس کمزوری کو کب برداشت کرتا' اس واقعہ کی اہمیت محسوس کی گئی اور اتنی کی گئی کہ وحی الٰہی کو دخل دینا پڑا اور اور نہایت تنبیہ آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا۔

---

[1] حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ثبوت کا دارومدار کسی ایسی ہی چیز پر ہونا چاہیے جس کا علم یکساں طور پر سب کو ہو سکے اگر خدا کے رسول کے علم پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً منافقین کا گروہ' کفار میں شمار ہوتا۔ اب اگر ان کو قتل کیا جاتا تو انہیں ناحق یہ بدنام کرنے کا موقعہ ہاتھ آ جاتا کہ آپ اپنے اصحاب و رفقاء کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ اس لیے کلمہ توحید کا زبانی اقرار ہی اسلام قبول کرنے کا معیار قرار دے دیا گیا اور اسی ایک کلمہ پر جنگ کے آغاز و خاتمہ کا دارومدار رکھ دیا گیا۔ (کتاب الایمان ص ۱۷۲)

www.besturdubooks.net

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا. (نساء: ۹۴)

اور مت کہو اس شخص کو جو تم سے "سلام علیک" کرے کہ تو مسلمان نہیں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا۔

کتب احادیث میں اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں' جہاں اسلام کے لفظی وجود یعنی صرف اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ اگر دوران جنگ میں دشمن میرا ایک بازو کاٹ دے اور جب میرا موقعہ لگے تو وہ جان بچا کر درخت کی آڑ میں آ جائے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو کیا میں اس کے اس مجرمانہ اقدام کے بعد بھی اس کا یہ متہم اسلام قبول کر لوں۔؟ ارشاد ہوا ضرور اور اگر اس کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھنا تم اب اسی طرح مباح الدم سمجھے جاؤ گے جیسا وہ اپنے اسلام لانے سے قبل مباح الدم تھا۔ (مسلم شریف)

دیکھو! یہاں بھی انسان کی کمزور فطرت کس طرح اپنے حریف کا اسلام متہم کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کے انتقام میں یہ لفظی اسلام حائل نہ ہونے پائے مگر یہ اسلام ہے جو اپنے ہمنواؤں کے سینکڑوں بازو حریفوں کی ایک زبان پر نثار کر رہا ہے۔ انتقام گو فطری حق سہی مگر اسلام اس نازک ماحول میں یہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ ایک کلمہ حق کے احیاء میں وہ اپنے فطری اور ذاتی حق سے بھی دست بردار ہو سکتا ہے۔

احادیث میں کچھ واقعات ایسے بھی نظر سے گذرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمنوں کی جان و مال کا تکفل' ان کی عزت و احترام کا تحفظ کچھ خاص اس کلمہ کے ادا کرنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ صرف اقرار وفاداری کی ضرورت ہے خواہ کسی زبان سے ہو اور کسی عمل سے۔

حضرت خالدؓ مسلمانوں کا ایک دستہ لیے ہوئے مصروف جہاد ہیں' دشمن چاہتا تھا کہ اسلام قبول کر لے مگر ناواقفی اور جہالت کی وجہ سے اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) کا لفظ نہ کہہ سکا اور اس کے بجائے صبأنا صبأنا کی صدا بلند کرنے لگا (یہ لفظ عربی زبان میں بددین ہونے کے لیے مستعمل ہے) اسی کمزوری فطرت کی وجہ سے یہاں بھی یہ نازک اسلام قبول نہ ہوا اور آخر اسی حالت میں سب کو موت کا جام پی لینا پڑا۔ رحمۃ للعالمین کو جب اطلاع ملی تو انتہاء درجہ مضطرب ہوئے اور اسی اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ اس تصور میں آسمان کی طرف اٹھ گئے کہ مبادا خدائے تعالیٰ کا قہر ان معصوموں کا انتقام لینے کے لیے کھڑا ہو جائے اور میں بھی اس میں شامل سمجھا جاؤں اس لیے فرمایا اے پروردگار! جو غلطی خالد سے سرزد ہوئی میں اس سے بری ہوں۔ (بخاری شریف)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لفظی وجود گو ضعیف تر بلکہ مرادف عدم ہے پھر اسلام نے اس کا کیوں اعتبار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اقرار سے مراد یہاں وہی اقرار ہے جسے ضمیر کی صحیح آواز کہا جا سکے ورنہ اسے اقرار ہی نہ کہا جائے گا بلکہ وہ انکار کی صرف ایک اقرار نما صورت ہوگی۔ اسلام کے اس لفظی وجود کو فقہاء کی اصطلاح میں اقرار باللسان کہا جاتا ہے۔

اقرار باللسان ✻ فقہاء کو اس میں اختلاف ہے کہ اسلام میں اقرار کی حیثیت کیا رکھنا چاہیے' ایک جماعت رکن کی حیثیت تجویز کرتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ پہلی جماعت کا خیال ہے کہ اقرار بھی ایک نوع کی تصدیق ہی کا نام ہے فرق ہے تو یہ کہ ایک تصدیق قلب سے ہوتی ہے اور اقرار زبان کی تصدیق ہے' اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دے دی جائے۔ یہ اور بات ہے کہ تصدیق قلبی رکن اصلی ہے یعنی کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت نہیں کیا جا سکتا اور اقرار رکن زائد یعنی بعض صورتوں میں یہاں اغماض و چشم پوشی کر لینا بھی ممکن ہے جیسا کہ اکراہ میں۔

شیخ ابو منصور ماتریدی' شیخ ابو الحسن اشعری' اور امام نسفی کا میلان خاطر اقرار کی شرطیت کی طرف ہے' یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ثبوت

www.besturdubooks.net

اسلام سے قبل ہی احکام اسلام کا نافذ کر دینا تو غیر معقول ہے اور زبانی اقرار کیے بغیر ہمارے پاس اسلام پر کوئی شہادت نہیں اس لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ نفاذِ احکام اسلامیہ کے لیے اقرار باللسان کو شرط کہا جائے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار کا صرف یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہیے بلکہ کم از کم مسلمانوں کے امیر کے سامنے ہونا چاہیے تاکہ اجراء احکام کا اصل مقصد حاصل ہو سکے۔ اس امر پر فریقین کا اتفاق ہے کہ مطالبہ کے بعد زبان سے اقرار کرنا بہرکیف ضروری ہے کیونکہ اب اقرار نہ کرنے کے معنی گویا انکار کرنا ہیں' یہ کفر جحود کہلاتا ہے۔

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ. (نمل:۱۴) اور انکار کیا ان (آیات) کا حالانکہ اپنے دل میں اس کا یقین کر چکے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کبھی دل اندر سے یقین کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے مگر زبان پھر بھی انکار سے باز نہیں آتی' اس کا نام اصطلاح میں کفر عناد ہے۔ حضرت استاذ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لیے اقرار کا اضافہ کر دیا ہے کہ جو تصدیق قلبی زبانی انکار کے ساتھ ہو وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہ رہے اور یہ سمجھا ہے کہ جب زبان کے لیے اقرار کرنا لازم ہو جائے گا تو اب انکار کی گنجائش ہی نہیں ہوگی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو دوسری طرح ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب تک اقرار نہ ہو' ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے قلب میں حقیقۃً تصدیق موجود ہے' لہٰذا اگر ایک شخص مطالبہ کے بعد بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اسی پر محمول کریں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ اگر اقرار کرنا اس مقصد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے جو حضرت استاذ مرحوم کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر رکنیت اور شرطیت کا اختلاف بہت بڑھانا نہ چاہیے۔ بلکہ اب مناسب یہ ہے کہ اختلاف کی تنقیح یوں کر دی جائے کہ اقرار کرنا بالاتفاق ضروری ہے مگر ایک فریق نے اس کی اہمیت زیادہ محسوس کر کے رکنیت کا لفظ کہہ دیا ہے اور دوسری جماعت نے گو اہمیت کو تسلیم کیا ہے مگر رکنیت کا لفظ نہیں کہا' پھر اگر پہلے فریق نے رکن کہا ہے تو لفظ زائد کہہ کر اسے ذرا پھیکا بھی کر دیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ یہاں ایک اور مفید تحقیق فرما گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار کے دو معنی آتے ہیں۔ (۱) زبان سے تصدیق کرنا (۲) التزام طاعت اور عہد عمل و فرمان برداری' آیت ذیل میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔[2]

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا. (آل عمران:۸۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم' پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے کہ سچا بتائے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا' وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اس آیت میں اقرار کا لفظ عہد عمل اور التزام طاعت ہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ یہاں انبیاءؑ سے کسی امر کی صرف تصدیق مطلوب نہیں بلکہ اس کا عہد لیا جا رہا ہے کہ جو رسول تمہارے پاس آئے گا تمہیں اس کی اطاعت کرنا ہوگی اس پر ایمان لانا ہوگا' اس کی نصرت

---

[1] کتاب الایمان ص ۸۸۔ [2] ایضاً ص ۱۶۱۔

www.besturdubooks.net

کرنی پڑے گی' التزام طاعت کا بھی یہی مفہوم ہے اب اگر اقرار سے یہ معنی مراد لیے جائیں تو ایمان کی تعریف میں صرف اقرار کی قید کافی ہوگی' ورنہ التزام طاعت کے تیسرے رکن کا اور اضافہ کرنا ضروری ہوگا - مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے -

ایمان کا وجودِ ذہنی ✱ تصدیق قلبی کو ایمان کا وجودِ ذہنی کہا جاتا ہے یہ تصدیق مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہے: (۱) کبھی دلائل و براہین کا قاہرانہ تسلط یقین کرنے کے لیے مجبور کر دیتا ہے - (۲) کبھی انسان از خود دلائل و براہین کا دروازہ جھانک کر علم یقین تک رسائی حاصل کر لیتا ہے - (۳) کبھی بلا وسائل و اسباب بداھۃً یقین میسر آ جاتا ہے - (۴) کبھی نہ دلائل کا شعور ہوتا ہے نہ اور کوئی فطری احساس صرف تقلیدی طور پر ایک اذعان پیدا ہو جاتا ہے - (۵) کبھی شمشیر کی جھنکار حجاب غفلت اٹھا دیتی ہے اور صداقت اسلام کا عکس پڑنے لگتا ہے (۶) کبھی جان و آبرو کی حفاظت کی طمع قلب کو تصدیق کرنے کے لیے ابھار دیتی ہے -

ان سب صورتوں میں گو اختیاری یا اضطراری طور پر تصدیق تو حاصل ہو جاتی ہے مگر ایمان کا وجودِ ذہنی اس وقت تک پھر بھی نہیں ہوتا جب تک کہ قلب اقرارِ وفاداری اور عہد فرمان برداری نہ کرے اسی کا نام انقیادِ باطن ہے یہ علم نہیں ایک عمل قلب ہے اور اختیاری ہے اسی لئے اس پر جزاء و سزا مرتب ہے' اسی کو عقد قلبی سے تعبیر کیا گیا ہے - فقہاء کی عبارات میں ضروری ہے کہ تصدیق سے اسی خاص نوع کا ارادہ کیا جائے یا اقرار سے مراد التزام طاعت لیا جائے ورنہ تصدیق و اقرار کے دو لفظ مل کر بھی ایمان کا پورا مفہوم شرعی ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں - حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الایمان میں اس جزء پر بہت زور دیا ہے - عام طور پر یہاں اعتراضات تو سینوں میں کھٹک رہے ہیں اور بہت سے قلم جواب کے لیے جنبش کرتے نظر آتے ہیں مگر تشفی بخش جواب صرف حافظ ابن تیمیہؒ کا ہے -

انسان ایک ضعیف مخلوق ہے مگر کبھی ایسی جسارت کر لیتا ہے کہ تصدیق اس کو حاصل ہوتی ہے مگر اقرار پھر نہیں کرتا اور کبھی اس سے بڑھ کر یہ غضب ڈھاتا ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار بھی کر لیتا ہے مگر اس کو اپنا عقیدہ بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا -

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ. (عبس:۱۷) انسان مارا جائے کس قدر ناشکر ہے -

ہرقل جیسے عالم کتاب کی تصدیق کا حال اس کے اور ابوسفیان کے مکالمہ سے ظاہر ہے اہل کتاب کی عام طور پر معرفت کا تذکرہ قرآن کریم نے بڑے وزنی الفاظ میں کیا ہے -

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ .(البقرة:۱۷) اس رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو -

مگر بایں ہمہ ان کے کفر میں کسی کو مجال شبہ نہیں ہے ابوطالب کی داستان جاں نثاری سے کتب سیر کے صفحات مملو نظر آتے ہیں مگر یہاں بھی جمہور محققین ان کے کفر ہی کی طرف جا رہے ہیں - [1]

---

[1] بعض اہل نظر کا یہ خیال ہے کہ جو بے نظیر جاں نثاری جناب ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ظاہر فرمائی تھی وہ یقیناً کبھی خالی جا نہیں سکتی اس لیے ان کا رجحان ان کے اسلام کی طرف ہے قائل کے ان جذبات محبت کا ہمیں بہت احترام ہے مگر جن کے احترام کی خاطر یہ سارا احترام ہے کیا کیجئے کہ خود ان سے اس زبردست دعویٰ کی کوئی صحیح سند نہیں ملتی - اعلانِ حق کی ذمہ داری اس موقعہ پر کچھ بسط کی متقاضی ہے - مگر محل کی نزاکت خاموشی سے گذر جانا چاہتی ہے - اس گویائی اور خاموشی کے مابین جو کچھ ایک مصنف کا متحیر قلم لکھ سکتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ رب العزت کی بلند بارگاہ ہے جہاں کسی کی عداوت و جاں نثاری دونوں سے بے نیازی حاصل ہے -

زمانہ جاہلیت میں عمر فاروقؓ کی شمشیر ایک بدترین ارادہ کے لیے بے نیام ہوتی ہے مگر شانِ بے نیازی ان پر سعادت کا دروازہ کھول دیتی ہے - ادھر جناب ابوطالب کی جاں نثاری دیر سے دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے مگر شانِ استغناء التفات تک نہیں کرتی اور یہ کہہ کر دروازہ بند کر دیتی ہے کہ **جف القلم** بما هو كائن. فريق في الجنة و فريق في السعير. .....

www.besturdubooks.net

ان سب امور سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک تصدیق کے ساتھ التزام طاعت اور انقیادِ قلبی نہ ہو ایمان حاصل نہیں ہوتا - ہرقل اور اس جیسے اور اہل کتاب نے تصدیق ضروری اور اقرار بھی کیا مگر کیا ایک لحہ کے لیے بھی اپنا قدیم مذہب ترک کر کے دین محمدی میں قدم رکھا؟ جناب ابوطالب نے جاں نثاری کا جونقشہ پیش کیا بلاشبہ وہ رہتی دنیا تک تاریخ صفحات کی زینت رہے گا - مگر کیا ایک مرتبہ بھی اس کلمہ کے لیے ان کی زبان متحرک ہوئی جس کے لیے دیر سے رسول خدا اصرار فرما رہے تھے -

انقیادِ باطن' التزام طاعت' عہد و فاداری یہ وہ اوصاف ہیں جن کے بغیر تصدیق صرف علم ہی کا ایک مرتبہ رہتا ہے ایمان کے وجودِ ذہنی کے لیے ضروری ہے کہ یہ علم ایسا صفت نفس بن جائے کہ پھر قلب اس کے سامنے سرتسلیم خم کر دینے پر مجبور ہو جائے' اسی کا نام ہم نے عمل قلب رکھا ہے - بعض ضعیف الاسناد روایات میں ایمان کی تعریف میں ''عقد بالقلب'' کا لفظ وارد ہے - اسی طرح عبارات سلف میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے' ہمارے نزدیک اس کی مراد بھی یہی عمل قلب ہے -

خلاصہ یہ کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ انقیادِ قلبی اور التزام طاعت بھی اس کا جزء اہم ہے اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہد و فاداری نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں کہلا سکتا اور اسی طرح اگر فرمانبرداری کے لیے تو آمادہ ہے مگر قلب و زبان سے تصدیق کے لیے آمادہ نہیں تو بھی وہ مؤمن نہیں ہے ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ قلب و زبان تصدیق سے مزین ہوں اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کا عزم بھی مصمم ہو - گویا شرعی تصدیق اسی کا نام ہے -

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں -[1] کہ قرآن و حدیث کے جو الفاظ خود شارع علیہ السلام کے بیان اور موارد استعمالات سے کسی معنی کے لیے متعین ہو چکے ہیں بس وہی اس کے صحیح معنی ہوں گے - لغت میں عموم یا خصوص اس کے معنی پر کچھ اثر انداز نہ ہوگا - ایک متکلم جب اپنے بار بار کے استعمال سے ایک لفظ کے معنی خود متعین کر دیتا ہے تو پھر کسی کو حق نہیں رہتا کہ لغت کی استعانت یا دیگر شواہد سے اس کے کلام میں کوئی دوسرے معنی مراد لے - مثلاً یہی ایمان کا لفظ لے لیجئے لغت میں گو یہ لفظ تصدیق کے لیے موضوع ہے مگر شارع علیہ السلام نے اس لفظ کو جب استعمال کیا ہے تو ایک خاص نوع کی تصدیق کے لیے ہی استعمال کیا ہے اس لیے اب احادیث میں اس لفظ سے وہی تصدیق مراد لی جائے گی جو اس کے مکرر سہ کرر بیانات سے متعین ہو چکی ہے - فرض کرو ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہوتا ہے اور تصدیق کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نہ آپؐ کے احکام بجالاؤں گا نہ جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے باز رہوں گا نہ فرائض خمسہ ادا کروں گا ہاں شراب

لله ..... کتب احادیث کے مطالعہ کرنے والوں سے حیرت ہے کہ بعینہٖ یہ سوال جب حضرت رسالتؐ سے بہت پہلے کیا جا چکا ہے اور اس کا جواب بھی خود زبان فیض ترجمان سے صادر ہو چکا ہے تو پھر اس کے بعد بھی قیاس آرائی کا کیا کوئی موقعہ باقی رہ جاتا ہے؟

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے چچا کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کے لیے ہمیشہ سربکف رہا کرتے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ میری وجہ سے ہی ان کے عذاب میں اتنی تخفیف کر دی گئی ہے کہ صرف آگ کے دو جوتے ان کو پہنا دیئے گئے ہیں جن کی تیزی سے ان کا دماغ کھول رہا ہے اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتے -

یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ یہ جاں نثاری رسول خداؐ کے لیے تھی یا ایک عم کی اپنے ابن عم کے لیے - انصار کی محبت اس لیے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ایمان کی علامت ہے اور اسی حیثیت سے ان سے بغض نفاق کی نشانی ہے مگر یہ حیثیت اگر ملحوظ نہ رہے تو نہ وہ ایمان کی علامت ہے اور نہ یہ نفاق کی -

[1] کتاب الایمان ص ۱۱۴ و ۱۱۴ -

www.besturdubooks.net

پیوں گا چوری' زنا' نکاح محارم کروں گا-غرض جو نا کردنی ہے وہ سب کچھ کروں گا کیا ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ محض لغوی تصدیق کے بعد رسول خدا اس کے لیے ایمان کا پروانہ تحریر فرما دیں گے' اس کی شفاعت کا وعدہ فرمالیں گے' جہنم سے نجات ابدی کی بشارت سنا دیں گے یا یہی جواب دیں گے کہ تو صرف کافر نہیں بلکہ بدترین کافر ہے-تیرا یہ ایمان' ایمان نہیں استہزاء ہے' یہ تصدیق نہیں بلکہ تکذیب کا بدترین مظاہرہ ہے اور اگر یہ بھی ایمان ہے تو پھر ابلیس کے ایمان میں کیا کسر تھی جس نے صرف ایک ہی سجدہ کا تو انکار کیا تھا پھر قرآن نے کیوں اس کو کافروں میں شمار کرلیا- ﴿استکبر و کان من الکافرین﴾ (ص: ۷۴)

حضرت استاذ فرماتے تھے کہ ایمان کا ترجمہ جاننا یا یقین کرنا' یا تصدیق کرنا اچھا نہیں ہے-ان تراجم سے ایمان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی بلکہ صحیح ترجمہ '' ماننا '' ہے جس سے التزام طاعت کا مفہوم بھی ادا ہو جاتا ہے- شاعر کہتا ہے-

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں کہنا نہیں مانتے کسی کا

اُردو داں حضرات کو حضرت استاد کا ایک یہ ترجمہ ہماری اس ساری تفصیل سے بے نیاز کر سکتا ہے- یہ ہے ایمان کا وجود ذہنی' یہی ایمان کا جزء اشرف ہے' نجات ابدی اسی پر دائر ہے اور آخرت کی ساری خوشیاں اسی کی ثمرات و برکات ہیں-

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ تصدیق و معرفت حاصل ہونے کے بعد انکار وجود کیسے ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک انسان تکمیل انسانیت سے پہلے انسان نہیں بنتا وہ ہمیشہ خصائل بہیمیہ کا محکوم بنا رہتا ہے اس کے علوم و معارف میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فطری و خلقی جذبات کو شکست دے سکے- وہ جانتا ہے کہ اس کی راحت ابدی صرف ایک انبیاء کی اطاعت میں منحصر ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ایمان لانا بہت سے لذائذ و مرغوبات کا ترک کر دینا اور بہت سے مکروہات میں اپنی جان کو مبتلا کر دینا ہے اس لیے قید ایمان کی لذت سے نا آشنا اپنے ہاتھوں سے اپنے بازوئے آزادی کترتے ہوئے کبھی اتراتا اور کبھی کتراتا ہے- ابلیس کے علم و تصدیق کا حال تو مشہور ہی ہے- فرعون کی تصدیق کا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی سن لو-

لقد علمت ما انزل ھؤلاء الا رب السموات و الارض بصآئر. (بنی اسرائیل: ۱۰۲) آپ جان چکے ہیں کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر آسمان و زمین کے مالک نے سمجھانے کے واسطے-

معلوم ہوا کہ فرعون جیسا شقی بھی نزول آیات کے منشاء کا صحیح علم رکھتا تھا مگر اس کے بعد بھی جو کفر اس نے کیا ہے کیا دنیا میں ضرب المثل نہیں؟ کیا اس کی وجہ بے علمی تھی یا سارے جہان پر اس کا علو و برتری کا جنون-

انّ فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعا. (قصص: ۶) فرعون ملک میں بڑائی کر رہا تھا اور وہاں کے لوگوں کو پارٹیاں بنا رکھا تھا-

اذھب الی فرعون انّہ طغی. (النازعات: ۱۷) فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت سر اٹھایا ہے-

اکثر کفار اسی طغیان کے شکار تھے اور یہی وجہ ہے کہ جو جواب انہوں نے نبی وقت کے بالمقابل کبھی دی ہے اس میں ایک حرف بھی ایسا پیش نہیں کیا جس کو ایک صحیح الدماغ انسان ایک منٹ کے لیے نبوت میں قادح سمجھ سکتا ہو- صرف اپنے حسد و بغض کا مظاہرہ کیا ہے اور بس معلوم ہوا کہ اپنی جگہ ان کی نبوتوں میں کفار کو بھی شبہ نہ تھا ورنہ کبھی ایک دلیل تو ایسی بیان کرتے جو ان کی کفر یا تردد کی کچھ تو پردہ پوشی کر لیتی-

آیات ذیل کا بغور ملاحظہ کرو اور فیصلہ کرو- حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کہتی ہے-

انؤمن لک و اتبعک الارذلون. (الشعراء: ۱۱۱) کیا ہم تیری فرمان برداری کریں حالانکہ تیری پیروی تو ذلیل لوگوں نے کی ہے-

www.besturdubooks.net

کیا اتباع ارذلین بھی صدق نبی کے منافی ہے یا کذب نبی کی کوئی دلیل بن سکتی ہے ہرگز نہیں - بات یہ تھی کہ متکبر اور مغرور انسان کبھی یہ پسند نہیں کر سکتا کہ ایک کمزور اور ذلیل انسان کو اپنے برابر یا اپنے نفس کو اس کے پہلو بہ پہلو دیکھ سکے اور یہ وہ خوب جانتا ہے کہ اسلام اس کے اس فاسد جذبہ کو ہرگز پورا نہیں کر سکتا - وہ اس فرق کو اٹھا دینے کے لیے آیا ہے - یہی تو وجہ تھی کہ مشرکین عرب نے بھی سرور کائنات ؐ کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ سعد بن ابی وقاص، ابن مسعودؓ خباب بن الارت، عمار بن یاسر، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان جیسے اور غرباء کو اپنے محفل سے نکال دیجئے تا کہ ہمارے آنے جانے کی جگہ ہو جائے - اس پر قرآن کریم نے جو جواب دیا وہ یہ تھا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ. (الانعام: ۵۲-۵۳)	اور مت دور کیجئے ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا آپ پر ان کے حساب میں کچھ نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر کچھ ہے کہ آپ ان کو دور کرنے لگیں تو بے انصافوں میں ہو جائیں اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعضے لوگوں کو بعضوں سے، تا کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہم سب میں - کیا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو خوب جاننے والا نہیں ہے -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا مغرورانہ جواب -

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ. (المومنون: ۴۷)	کیا ہم ایمان لائیں ایسے دو آدمیوں پر جو ہم جیسے ہیں، اور ان کی قوم ہماری تابعدار ہے -
اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ. وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ.	کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے یہاں لڑکا سا اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس...... الخ - (شعراء: ۱۸-۱۹)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی متمردانہ تقریر -

اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا. (ھود: ۸۷)	کیا تجھے تیری نماز اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت ترک کر دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادے کیا کرتے تھے یا اپنے مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں -

مشرکین عرب کا ایک لغو اعتراض -

لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ. (زخرف: ۳۱)	یہ قرآن ان دو بستیوں میں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہیں اتارا گیا -

ان بیانات کو پڑھ کر کیا آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کفار کو سچ مچ ان انبیاء کے متعلق کوئی شبہ درپیش تھا کیا ان بیانات میں ان کے صدق و کذب پر کوئی بحث ہے یا محض اپنے حسد و بغض کی ترجمانی ہے -

مشرکین عرب کا ایک بے معنی عذر -

اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا. (قصص: ۵۷)	اگر ہم راہ پر آ جائیں تیرے ساتھ تو اُچک لیے جائیں اپنے ملک سے -

دوسری جگہ کہتے ہیں -

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور اب ہم انہی کے مقتدی

www.besturdubooks.net

مُقْتَدُوْنَ. (زخرف : ۲۳) رہیں گے۔

کیا یہ ہیں وہ دلائل جو کسی رسول کی صداقت میں قادح ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ یہ سب کچھ لکھ کر فرماتے ہیں کہ جناب ابو طالب کی محرومی کا باعث ان باتوں میں سے کوئی بات نہ تھی وہ تو بدل و جان آپؐ کے لائے ہوئے دین کی برتری کے لیے ہمیشہ ساعی رہے مگر تقدیر یہاں دوسرے راستہ سے آئی یعنی آبائی دین کے ترک پر قریش کا طعن ان سے برداشت نہ ہو سکا۔ تصدیق موجود ہے' معرفت تامہ حاصل ہے' قدم قدم پر جاں نثاری ہو رہی ہے[1] یہ سب کچھ ہے مگر التزام طاعت کا ابھی ارادہ نہیں ہے۔ کیوں؟ تقدیر عصبیت جاہلیت اور قومی غیرت اور مذہبی جمود کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور آغوش اسلام میں آنے نہیں دیتی۔[2]

ان سب امور کے سوا ذلیل طبع افراد کے سامنے کبھی معمولی سے نفع و ضرر کا سوال بھی آ جاتا ہے اس لیے مقتضاء تصدیق پورا نہیں ہوتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَا اَسَرُّوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ. (مائدہ : ۵۴)

آپ دیکھئے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے ان میں دوڑ کر ملتے ہیں' کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر زمانہ کی گردش نہ آ جائے' سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح ظاہر فرما دے یا کوئی حکم اپنے پاس سے بھیجے تو اپنے دل کی (ان) پوشیدہ باتوں پر پچھتانے لگیں۔

ان تمام تفاصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بسا اوقات تصدیق قلبی میسر آ جاتی ہے مگر انسان کی طبعی غیرت یا قومی عصبیت و نخوت یا عزت و مال کی تھوڑی سی طمع اور اسی قسم کے دوسرے موانع باطنی انقیاد اور التزام طاعت سے مانع رہتے ہیں نعوذ باللّٰہ من شر الشیطان و شرکہ۔

ایمان اور ضروریات دین ✻ یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ اس تصدیق و انقیاد کا دائرہ صرف ذات و صفات کے مسائل یا رسالت کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ رسول کے ہر ہر قول اور ایک ایک اشارہ کو شامل ہے' ارشاد باری ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. (البقرۃ:۲۰۸) اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے۔

حضرت مجاہدؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسلمانوں کو شریعت کے ہر ہر جزء پر التزام طاعت کی دعوت دیتی ہے' خواہ وہ فرائض ہوں یا مستحبات' واجب علی الکفایہ ہوں یا علی الاعیان۔ اگر اسلام کے فرائض علی الاعیان ہیں تو اعتقاد فرضیت کے ساتھ ہر ہر شخص پر اس کا ادا کرنا بھی فرض ہوگا اور اگر واجب علی الکفایہ ہیں تو اس کے وجوب کا اعتقاد ضروری ہوگا اور اگر مستحبات ہیں تو اس کے استحباب کا اعتقاد لازم ہوگا۔ غرض کہ جس چیز کا دین محمدی میں داخل ہونا بداہۃً معلوم ہو چکا ہے وہ سب ایمانیات میں داخل ہیں اور کیوں نہ ہوں کیا ایمان رسولؐ خدا کی مطلقاً فرمان برداری کا نام نہیں؟ کیا التزام طاعت میں بھی کوئی تفصیل ہے؟ اگر رسول کا فرمان اس لیے واجب العمل ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کا پیغمبر ہے جو کہتا ہے وہ حق ہی کہتا ہے تو پھر انقیاد و تسلیم کا دائرہ اس کے سب اوامر و نواہی پر کیوں محیط نہ ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ زمانہ رسالت میں چونکہ وسائط نہ تھے' ہر بات براہ راست سنی جاتی اور دریافت کی جاتی تھی اور اگر وسائط تھے بھی تب بھی اس کی تحقیق بلا واسطہ ممکن تھی اس لیے التزام طاعت بلا استثناء لازم تھا لیکن بعد میں سند کا طویل سلسلہ حائل ہو گیا۔ جرح و تعدیل کے بے شمار مباحث نے احادیث میں ضعیف و قوی کی تقسیم پیدا کر دی اس لیے اب یہ بحث قائم ہوئی کہ کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کیا چیزیں ایمانیات میں داخل نہیں۔ جواب اب بھی وہی ہے یعنی جو فرمان رسول ہے اس سب کا ماننا فرض ہے مگر اب اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہ بات در حقیقت

---

[1] کتاب الایمان ص ۷۷۔ [2] ایضاً ص ۱۰۶۔

www.besturdubooks.net

رسول خدا کی فرمودہ بھی ہے؟ اس لیے علماء نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جس چیز کا دین محمدی میں ہونا اتنا روشن ہو جائے کہ محتاج دلیل نہ رہے ان سب کا ماننا ایمان کے لیے ضروری ہے۔ اسی کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ مثلاً فرائض خمسہ' زکوۃ' حج' روزہ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہونا' عذاب قبر' قیامت' قرآن کریم وغیرہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جس کے ثبوت میں دلائل کی حاجت نہیں بلکہ کفار بھی ان چیزوں کا دین میں داخل ہونا جانتے پہچانتے ہیں اس لیے اس کا انکار اسی طرح کفر ہوگا جیسا کہ توحید یا رسالت کا۔

ایمان اور غائبات سے اس کی خصوصیت ٭ چونکہ علماء نے ایمان کی تعریف میں عموماً تصدیق کا ہی لفظ ذکر کیا ہے اس لیے عام طور پر ایک غلط فہمی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ایمان گویا تصدیق کے مرادف ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن وسنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل تھا اس کی تشریح کے لیے بس تصدیق کا لفظ کافی سمجھ لیا گیا ہے' حالانکہ ان ہر دو لفظوں میں بہت بڑا فرق ہے اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ان احادیث و آیات کی اصل مراد ہی ہاتھ نہیں آسکتی۔ حافظ ابن تیمیہ کا خدا بھلا کرے جنہوں نے اس ضروری فرق کو بیان فرما کر ان بے شمار آیات واحادیث کے معانی سے حجاب غفلت اُٹھا دیا ہے اور ان کی صحیح مرادیں ہمارے سامنے واضح کر دی ہیں۔ ضروری ہے کہ پورے اعتناء کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا لفظ امن سے مشتق ہے اس لیے امانت واعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں ہے اس لیے ہر خبر میں خواہ وہاں مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو تصدیق کا لفظ یکساں مستعمل ہو سکتا ہے' ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جو اپنی چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں کیونکہ یہاں اگر تصدیق کی جائے گی تو وہ صرف مخبر کی امانت ودیانت' اس کے اعتماد ووثوق کی بنا پر کی جائے گی۔ اسی لیے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں ''آمنت'' نہیں کہہ سکتے' یا دو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اب ایک دوسرے کی تصدیق کے لیے ''صدق احدهما صاحبه'' کہا جاتا ہے ''امن له'' نہیں کہا جا سکتا' اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لیے دوسرے پر اعتماد ووثوق کی کیا ضرورت ہے' یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے۔ اس لیے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے واپس آکر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں جب اپنے بھائی کے قتل کا غلط افسانہ عرض کیا تو ''و ما انت بمومن لنا'' کہا'' و ما أنت بمصدق لنا'' نہیں کہا۔ چونکہ یہ واقعہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی عدم موجودگی میں تیار کیا گیا تھا' اس لیے اگر وہ اس کی تصدیق کر سکتے تو صرف ان کے اعتماد ووثوق کی بنا پر کر سکتے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چونکہ ان کو اعتماد نہیں تھا اس لیے اس بے اطمینانی و بے اعتمادی کے موقعہ پر ''و ما انت بمومن لنا'' سے زیادہ خوب صورت لفظ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ و ہمارے بیان کی تصدیق ہوتو کیونکر خود آپ تشریف فرما نہ تھے اور ہم پر آپ کو اطمینان واعتماد نہیں' لیکن بات یہ ہے کہ ہیں ہم سچے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق کو قرآن کریم نے اسی لفظ ایمان سے ادا کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فامن له لوط'' یہاں بھی ''فصدق له لوط'' نہیں فرمایا۔

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورۂ بقرہ میں ''یؤمنون بالغیب'' کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے یہاں غیب کا لفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ ہے۔ مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

اگر یہ حقیقت پورے طور پر سمجھ لی جاتی تو اخبار غائبہ میں بحث وتمحیص کا ایک مرحلہ بڑی حد تک ختم ہو جاتا - ناواقف صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق ہے تو کس چیز سے ہے - وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات پہلے اس طرح معقول بنائے جائیں کہ پھر ان کی تصدیق کے لیے اعتماد رسول کا واسطہ ہی نہ رہے اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال وافعال کے تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے - اسی تسلیم ورضا میں انسانی عقول کی آزمائش ہے - پختہ کار جانتا ہے کہ ایک صادق القول پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر کوئی اور دلیل اطمینان بخش نہیں ہو سکتی مگر ایک خام کار اپنی نارسائی اور بے شعوری کے باوجود دلائل کے بغیر شفاء حاصل نہیں کرتا -

حالانکہ دلائل کا راستہ سرتا سر تردد وشبہ کا راستہ ہے' عقل انسانی اگر غائبات پر ایک طرف کوئی دلیل قائم کر بھی لے تو دوسری عقل اس کے خلاف پر دلائل قائم کرنے سے عاجز نہیں رہ سکتی - یہی وجہ ہے کہ آج تک عقلاء میدان بحث میں کبھی کسی امر پر متفق نظر نہیں آتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف دلائل کا دروازہ کھٹکھٹاتے نظر آتے ہیں - آئے دن ان کی تحقیقات کی دنیا بدلتی رہتی ہے - ان پر طرہ یہ کہ اسی ایک عالم جہالت سے دوسرے عالم جہالت کی طرف منتقل ہونے کا نام (ریسرچ) اور تحقیق رکھ لیا جاتا ہے کاش کہ صاحب وحی کی ریسرچ پر اعتماد و وثوق کر لیتے تو یہ عمر عزیز ساحل کی تلاش میں یوں مفت برباد نہ ہوتی حقیقت کا راستہ شریعت نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے - اب جو کام ہمارا رہ جاتا ہے وہ اس پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ جانا ہے اور بس -

ایمان بالغیب کا راستہ بس یہی ایک راستہ ہے جس میں روح کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے - اس کے ماسوا جس قدر راہیں ہیں وہ تذبذب کی راہیں ہیں' تردد کی راہیں ہیں' نہ روح کے لیے ان میں کچھ تسلی ہے نہ نفس کو کچھ تشفی -

انّ هذا صراطي مُستقيمًا فاتّبعُوْهُ و لا تتّبعُوا السُّبُل فتفرّق بكُمْ عن سبيله. (الانعام : ۱۵۳)	یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو' دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو' کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کر دیں گے -

مذکورہ بالا بیان کا مقصد غور وفکر کی راہ بند کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس کا ایک دائرہ بتانا ہے اس کا نام عقل کا تعطل نہیں بلکہ طریق استعمال کی صحیح تعلیم ہے' آیات آفاقی وانفسی کا دائرہ کیا کم ہے کہ اسے چھوڑ کر عالم غائبات پر انکل کے تیر چلائے جائیں جو دارالعمل ہے اس میں خوب غور کرو اور جو دارالجزاء ہے اسے احکم الحاکمین کے حوالہ کر دو -

عالم غیب اور دلائل ٭ جب تک ایمان کا مقام انقیاد میسر نہیں آتا - آپ کو حجت بازی کا موقعہ رہتا ہے - لیکن جب رسالت کی تصدیق دلیل یا بے دلیل حاصل ہوگئی تو اب انقیاد باطن کا یہ نازک مقام زیادہ دلن ترانیوں کا متحمل نہیں رہتا اور آپ کا صرف ایک ہی فرض رہ جاتا ہے کہ رسول کہے اور آپ خاموش سنیں' وہ حکم دے اور آپ مانیں اور کیوں نہ مانیں اگر قلب طوقِ غلامی پہن چکا ہے تو زبان کو سرتابی کا حق کیا ہے - بقول غالب ؎

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو ۔ نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

رسول کی تصدیق کا بھی دعوی ہے پھر بات بات پر شبہات اور حجت بازی کی خلش بھی جاری ہے کیا بیک وقت یہ دو متضاد باتیں نہیں؟ کیا وثوق اور اعتماد اسی کا نام ہے کہ رسول جو کہتا ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ دلائل و براہین سے وہ ہمارا منہ بند نہ کر دے -

و يقُولُوْن امنّا باللّه و بالرّسُوْل و اطعْنا ثمّ يتولّى فريقٌ مّنهُمْ مّنْ بعْد ذلك و ما اُولئك بالْمُؤْمنيْن ○ و اذا دُعُوْآ الى اللّه و رسُوْله ليحْكم	اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو اور رسول کو مانا اور ہم ان کے فرمان بردار بن گئے - اس کے بعد پھر ان میں سے ایک جماعت پھر جاتی ہے' اور وہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں - جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ

www.besturdubooks.net

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ○ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (نور:۴۷-۵۱)

اور رسول کی طرف تاکہ ان میں فیصلہ کرے تب ہی ایک فرقہ ان میں منہ موڑ لیتا ہے اگر ان کو کچھ ملتا ہو تو اس کی طرف (فوراً) چلے آ ئیں قبول کر کے کیا ان کے دلوں میں (کوئی) روگ ہے یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کرے گا- کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں- ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کے لیے بلائے جائیں تو کہیں ہم نے سنا اور حکم مان لیا اور کامیاب یہی لوگ ہیں-

اشاعرہ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے-(اتحاف ج ۲ص ۲۴۰)

اب آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ ایمان کا وجود ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی معمولی تصور نہیں ہے جس کی حیثیت صرف ایک خواب و خیال کی سی ہو بلکہ قلب انسانی پر یہ وہ نقش ہے جو ایک لمحہ میں آبائی عقائد کے سب نقوش محو کر دیتا ہے- زمانہ جاہلیت کے مفاخر آنکھوں میں معائب نظر آنے لگتے ہیں حتیٰ کہ طعام و شراب' وضع وقطع' رفتار و گفتار سب میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے بلکہ سمع و بصر' ذوق و شم یعنی حواسِ خمسہ کی دنیا کی دنیا منقلب ہو جاتی ہے- یہاں تک کہ جو نغمہ پہلے دلکش تھا جو صورت پہلے دل فریب تھی' جو کھانا لذیذ معلوم ہوتا تھا' جو خوشبو بھلی لگا کرتی تھی' اب اسی نغمہ میں وہ دلکشی' اسی صورت میں وہ دلبری' اسی کھانے میں وہ لذت' اسی خوشبو میں وہ کشش باقی نہیں رہتی مدتوں کی صحبت سے طبیعت اگر کبھی مچلتی بھی ہے تو دل اندر ہی اندر سمجھانے لگتا ہے اور آخر تصدیق قلبی کی مضبوط کڑیاں آ مین اسلام سے ادھر ادھر جانے نہیں دیتیں- نفس چاہتا ہے کہ قدیم لذائذ کا پھر مزہ لوٹے مگر صفت انقیاد کا ذائقہ انہیں بے مزہ بنائے دیتا ہے- اسی لیے ہمارے فقہاء نے کفر کے بعد اسلام کو ایک حیوۃ نو سمجھا ہے اور کفر و اسلام پر بہت سے ایسے احکام متفرع کر دیئے ہیں جو حقیقی موت و حیات پر ہو سکتے ہیں- اسی لیے کفر و اسلام کی معمولی تبدیلی انسان کے آخرت کی تبدیلی بن جاتی ہے اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالم نقمت کو عالم نعمت سے اور عالم عذاب کو عالم ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہیے کہ آج عالم کفر کو عالم اسلام سے بدل لے- قدرت کے اس دست فیاض پر قربان جس نے عالم فانی کی اس ترمیم سے عالم جاودانی کی ترمیم کا وعدہ فرما لیا ہے بلکہ اس ابدی مقام کو اس عارضی ترمیم کا تابع بنا دیا ہے کیا اب بھی آپ سمجھ گئے کہ تصدیق قلبی کسے کہتے ہیں اور ایمان کا وجود ذہنی کیا ہے؟

ایمان کا وجودِ عینی ٭ ایمان کا لفظی اور ذہنی وجود آپ سن چکے یہ وجود جب اور رسوخ و پختگی اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہی ایمان جو اس منزل تک صرف ایک معنی تھا اب رفتہ رفتہ شکل و صورت اختیار کرنے لگتا ہے-

ارباب حقائق کے نزدیک تو معانی کا تجسد ثابت شدہ حقیقت ہے اور موجودہ تحقیقات کے مطابق بھی آج وزن جو در حقیقت مادہ کی صفت تھی حرارت کے لیے ثابت ہو چکی ہے بلکہ اس کے وزن کے لیے ایک مقیاس الحرارت بھی تیار کر لیا گیا ہے اور اب آسانی ہر شخص اپنی حرارت کا وزن کر سکتا ہے- اسی طرح آواز کو مدت تک محض ایک معنی تصور کیا گیا تھا جو ہوا میں آتی اور فنا ہو جاتی ہے مگر حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عالم کی پیدائش سے لے کر آج تک جتنی اصوات اس (فضا) میں نکلیں ہیں وہ سب کی سب محفوظ و موجود ہیں اور ان سے استفادہ کی سعی ہنوز جاری ہے- ریڈیو کی محیر العقول ایجاد کی بنیاد یہی جدید اکتشاف ہے- یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ تحقیقات عصر یہ باوجود اس تمام جد و جہد کے اب تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں جہاں ہمارے ارباب حقائق کی نظریں آج سے سینکڑوں سال پیشتر پہنچ چکی تھیں- شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں اصوات کے صرف وجود کی تصریح نہیں کرتے- بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی صورتوں کے بھی قائل

www.besturdubooks.net

ہیں اور یہ بھی کسی دلیل سے نہیں بلکہ اپنے چشم دید مشاہدہ سے۔ دیکھئے کہ سائنس اپنی اس برق رفتاری کے باوجود کب اس مقام تک پہنچتی ہے۔

اسی طرح ایمان بھی ابتداءً گو تصدیق قلبی کا نام ہے مگر یہ تصدیق اعمالِ صالحہ کے آبیاری سے نشوونما پا کر ایک نور کی سی شکل اختیار کر لیتی ہے اور یہی نورِ ایمان کا وجودِ عینی کہلاتا ہے۔ حضرت لقمان کی وصیت میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح کھیتی بلا آبیاری کے سرسبز نہیں ہو سکتی اسی طرح ایمان بلا علم و عمل کے پختہ نہیں ہو سکتا۔[1]

امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی اور امام ابوعبید اور امام اصبہانی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل پر قلب میں نمودار ہوتا ہے اور جتنا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو سارا قلب سفید ہو جاتا ہے یہی حال نفاق کا ہے کہ پہلے سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور بالآخر تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک مؤمن کا قلب نکال کر دیکھو تو بالکل سفید پاؤ گے اور ایک منافق کا قلب دیکھو تو بالکل سیاہ دیکھو گے[2] لیکن معانی کے اس تجسد کے مشاہدہ کے لیے وہی تیز آنکھیں درکار ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ **فبصرک الیوم حدید**۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا تو ایک سنہری طشت ایمان و حکمت سے لبریز لایا گیا اور اسے آپ کے صدرِ مبارک میں لوٹ دیا گیا تھا۔ عجب نہیں کہ اس سے مراد ایمان کا یہی وجودِ عینی ہو۔ انبیا کے کمالات اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے بلکہ قدرت اسی طرح ان کے منازلِ کمالات خود طے کرا دیتی ہے۔

یہ نورِ تصدیق جس قدر رسوخ پیدا کرتا جاتا ہے اتنا ہی خواہشاتِ نفسانیہ کے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں اسی قدر یہ نور اور منبسط ہوتا جاتا اور پھیلتا جاتا ہے شدہ شدہ یہاں تک پھیل جاتا ہے کہ انسان کے تمام جوارح کا احاطہ کر لیتا ہے اور یہ مؤمن گویا خود ایمان مجسم بن جاتا ہے جسے دیکھ کر بے ساختہ خدا یاد آنے لگتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم (بفتح غین و سکون نون) اور اسماء بنت یزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بہتر بندے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔[3]

اس نور کی وسعت کی بقدر اوامر الٰہیہ کے امتثال اور محظوراتِ شرعیہ سے اجتناب کا جذبہ عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ زائل ہو جاتے ہیں اور اخلاقِ فاضلہ اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور قلب کو وہ وسعت میسر آ جاتی ہے کہ سارا عالم اس کے پہلو میں مثل ایک نقطہ کے نظر آنے لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مؤمن کا یہ وہ قلب ہے جو اس کے پروردگار کی تجلی گاہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ. (الزمر: ۲۲)	بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ. (الانعام: ۱۲۵)	جس کسی کی ہدایت کا اللہ ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

یہ شرحِ صدر بھی گو ایک معنی ہیں جس کا مطلب صرف اسلام کا فراخدلی سے بلا پس و پیش قبول کر لینا سمجھا جا سکتا ہے مگر اس معنی کا

---

[1] اتحاف ج ۲ ص ۲۳۸۔ [2] اتحاف ج ۲ ص ۲۵۹۔ [3] مسند احمد و شعب الایمان مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان والغیبۃ۔

www.besturdubooks.net

بھی ایک وجودِعینی ہے وہ صرف یہ معنوی فراخی نہیں بلکہ وہ وسعت ہے جو مؤمن کامل اپنے قلب میں حساً بھی مشاہدہ کرتا ہے[1] اب حضرت رسالت کے حق میں شرح صدر کا جو مصداق ہوسکتا ہے اس کا خود اندازہ کرلو۔قرآن امتنان کے لہجہ میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (الشرح:۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جب نورِ یقین قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایک فراخی اور کشادگی نمودار ہو جاتی ہے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کی کچھ علامت بیان فرمایئے۔ارشاد ہوا اس کی تین علامتیں ہیں:

(۱) آخرت کی طرف میلان۔ (۲) دنیا سے نفرت اور یکسوئی۔ (۳) موت سے پیشتر اس کی تیاری۔[2]

یہ ہے ایمان کا وجودِ عینی۔یہی دعوت انبیاء علیہم السلام کا مقصد ہے اور اسی پر نجات مطلقہ (یعنی بلا عذاب) اور فلاح ابدی کا مدار ہے۔اس ایمان کے بعد مؤمن کے کان ''رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ'' کی پر کیف صدا سننے لگتے ہیں۔اس مؤمن کو اگر جلا کر خاک بھی کر دیا جائے' اس کے جسم و جان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے تو بھی اس کے ذرہ ذرہ سے اسی ایمان کی صدا بلند ہوگی۔یہ ایمان صرف ذہنی اور عقلی نہیں رہتا بلکہ دیگر محسوسات کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے اس کا نور آنکھیں دیکھتی ہیں۔

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح:۱۱۹) سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی علامت (ظاہر) ہے۔

قلب اس کی حلاوت اور شیرینی اس طرح محسوس کرنے لگتا ہے جیسا کہ زبان مٹھائی کی۔یہ ایمان فطرتِ انسانی کا ایک مقتضا بن جاتا ہے اور جس طرح فطری خصائل زوال پذیر نہیں ہوتے اسی طرح یہ ایمان بھی زوال کے خطرہ سے بڑی حد تک مامون رہتا ہے۔

ہرقل جو بہت بڑا عالم کتاب تھا اسی وجودِ عینی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس نے اپنے دورانِ مکالمہ میں ایک سوال ابوسفیان سے یہ بھی کیا تھا کہ اس پر ایمان لا کر کیا کوئی شخص مرتد ہوتا ہے' اس پر ہزار عداوت کے باوجود جو جواب ابوسفیان کی زبان سے نکلا وہ صرف نفی محض میں تھا۔یہ سن کر ہرقل نے جو کلمات کہے اس کی علمی گہرائی کا خوب پتہ دیتے ہیں۔

و کذلک الایمان اذا خالطت بشاشۃ القلوب. یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے کہ جب اس کی بشاشت اور تراوت دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتا۔

یہ ایمان کے وجودِ عینی ہی کی طرف اشارہ ہے اسی کا نام ایمان کامل ہے اسی کو معرفت بھی کہا جاتا ہے علوم ابتداء میں صرف علوم رہتے ہیں مگر کچھ رسوخ کے بعد قلب میں اپنا ایک رنگ پیدا کر دیتے ہیں جس کے بعد قلب میں لطف اندوزی یا انقباض کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اس وقت ان کا نام حال ہو جاتا ہے پھر اگر ترقی کر کے یہ لون اور رسوخ اور پختگی اختیار کر لیتا ہے تو اسی کا نام معرفت بن جاتا ہے اور اسی کو مرتبہ احسان سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ علوم کی انتہائی معراج ہے۔پھر اس معرفت میں بے نہایت مراتب و مدارج ہیں اور ان ہی مراتب کے لحاظ سے مؤمنین کا تفاضل ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. (الحجرات:۱۳) عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔

عمل و ایمان کا توازن ❋ ایک ظاہر بیں صرف عمل پر نظر رکھتا ہے اور اسی پر افضلیت و مفضولیت کا فیصلہ کر ڈالتا ہے' مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ اصلی روح انقیادِ باطن ہے اور عمل اس کا صرف ایک قالب اور ڈھانچا ہے اس لیے اس کی نظر قوت ایمانیہ پر ہوتی ہے اور

---

[1] علامہ مجدالدین فیروزآبادی نے اس شرح صدر کی تفصیل میں سفر السعادۃ میں مستقل ایک فصل لکھی ہے مراجعت کی جائے۔

[2] شعب الایمان للبیہقی۔مشکوۃ شریف۔

www.besturdubooks.net

یہی اس کا معیار فضیلت رہتا ہے صحیح احادیث میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب مذکور ہے کہ گویا کنویں پر ایک ڈول پڑا ہے۔ پہلے میں نے (جب تک خدا نے چاہا) اسے کھینچا میرے بعد پھر اسے ابوبکرؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈول نکالے مگر کچھ ضعف کے ساتھ پھر ان سے عمر فاروق ؓ نے لیا تو اس قوت سے ڈول کھینچے کہ اونٹ والوں نے اپنے اونٹوں کے پانی پی کر بیٹھنے کی جگہ وہاں تیار کر لی۔ بعض علماء نے یہاں ضعف سے ابوبکرؓ کی مدت خلافت مراد لی ہے اور بلاشبہ یہ مدت بہ نسبت خلافت عمرؓ کے نہایت قلیل تھی مگر کسی نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ جو عملی شدت وشوکت عہد فاروقی میں نظر آئی وہ عہد صدیقی میں ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ شاید اسی خصوصیت کے پیش نظر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام کے بعد ہم ہمیشہ معزز رہے اور کبھی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اب اگر تسلیم کر لو کہ عملی قوت کے لحاظ سے عمر فاروق ؓ حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ تھے تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوت ایمانی کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے کہیں فائق تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثۂ انتقال پر عمر فاروق ؓ کی بے صبری واضطراب اور حضرت ابوبکرؓ کا صبر واستقلال تاریخی واقعہ ہے۔ جب قوائے عملیہ جواب دے دیتے ہیں تو ایسے ہی وقت قوت ایمانیہ کا امتحان ہوتا ہے اگر کہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی قوت ایمانیہ نے فاروق اعظمؓ کو نہ سنبھالا ہوتا تو معلوم نہیں کہ اس جاں گداز واقعہ نے ان کو کتنا اور مدہوش بنا دیا ہوتا۔ خدا ہی جانے کہ اس ہنگامہ بے صبری میں ابوبکرؓ کی زبانی وہ چند کلمات کیا تھے جن کے بعد جلتے ہوئے سینوں کی آگ بجھ گئی۔ مدہوش عقول کو ہوش آ گیا اور (جو موت کا لفظ سننے پر قادر نہ تھے تجہیز وتکفین میں مشغول ہو گئے' اگر ابوبکرؓ کی قوت ایمانیہ اس طرح قلوب کی کایا نہ پلٹ دیتی تو نہیں معلوم واقعات کہاں تک نزاکت اختیار کر لیتے' ایسے نازک دور میں صحابہؓ کی جماعت کی جماعت میں بجلی کی طرح یہ انقلاب پیدا کر دینا صدیق اکبرؓ کی فضیلت کی وہ بروقت دلیل تھی جس کے بعد بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دینا ہر مسلمان کا ایک اضطراری فرض ہو گیا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب عمل وایمان کا توازن عالم میں آشکارا ہو رہا تھا۔

صحیح احادیث میں وارد ہے کہ ساری دنیا گویا ایک دن ہے جس میں امت محمدیہ کا وقت صرف عصر سے غروب تک ہے اور دوسری امتوں کا فجر سے ظہر تک' مگر قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مزدوری امت محمدیہ کو دوسری امتوں سے دوگنی ملتی ہے۔ بات وہی ہے کہ مدار قوت عمل پر نہیں بلکہ قوت ایمان پر ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران: ۱۱۰)

تم سب امتوں میں اس لیے افضل ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا شیوہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اپنے خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

آیت مذکورہ نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا کہ کچھ افراد کا نہیں بلکہ جماعات وامم میں بھی فضیلت کا قانون وہی ایک ہے اس کے بعد اگر انبیاء کی سوانح پر غور کرو تو جو مدت عمل خاتم النبیین کو مرحمت ہوئی وہ صرف چند سال ہیں اور جو زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کو ملا وہ بنص قرآن ہزار سال تھے پھر کون نہیں جانتا کہ فضیلت کا تاج کس کے سر پر ہے۔ الغرض افراد وامم اور انبیاء علیہم السلام میں افضلیت کا ایک ہی قانون ہے یعنی ایمانی روح اور الٰہی معرفت بلکہ جہاں یہ روح نہیں وہاں عمل کی کوئی قیمت نہیں۔

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا. (الکھف: ۱۰۵)

قیامت میں ہم کفار کے اعمال کے لیے کوئی ترازو قائم نہیں کریں گے۔

کیونکہ ترازو وزن کے لیے ہوتی ہے اور کافر کا عمل بے وزن ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں کہ مجھے ساری امت کے بالمقابل تولا گیا تو میرا پلا بھاری رہا پھر اس میں ابوبکرؓ کو رکھا گیا تو اسی طرح ساری امت سے وہ بھاری رہے۔ اس کے بعد پھر عمرؓ کو تولا گیا تو وہ سب سے وزنی رہے۔ یہ وزن نبی

www.besturdubooks.net

کی اس قوت ایمانی کا تھا جس کے مقابل ساری امت ہیچ نظر آئی - پھر اسی مناسبت سے ابوبکر و عمر کو قیاس کرلو-

بہر حال احادیث کا بے شمار ذخیرہ اسی طرف رہبری کرتا ہے کہ اصل قیمت انقیاد باطن کی ہے اور پھر اسی کے بقدر عمل کا وزن اور انسان کا فضل ہے۔[1]

ایمان اور معرفت ٭ جہم بن صفوان امام اعظم کا ہمعصر صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ ایمان صرف معرفت قلبیہ کا نام ہے زبان سے اقرار کرنا کچھ ضروری نہیں بلکہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے انکار بھی کر گذرے مگر اس کو معرفت قلبی حاصل ہو تو مؤمن کامل رہ سکتا ہے- حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں-[2] کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور یہی ایک مسئلہ نہیں بلکہ اور مسائل میں بھی اس کے ساتھ آپ کے مناظرے تصانیف میں کھلے طور پر موجود ہیں-[3] مگر اس پر بھی بعض نامنصف قلم حنفیہ کے سر جہمیہ کی تہمت تھوپنے سے باز نہ آئے-

تاریخ میں حنفیہ پر یہ پہلا ظلم نہیں بلکہ وہ اس قسم کے مظالم کے ہمیشہ تختۂ مشق بنے رہے ہیں- اگر ان بے محل انتسابات کے وجوہ و اسباب پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف بن سکتی ہے ہمارا مقصد اس وقت صرف یہ ہے کہ اگر تاریخ حنفیہ پر یہ جور و ستم روا رکھتی ہے تو رکھے مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس کی بے انصافی برابر دہراتے رہیں کان اگر دلچسپی سے نہیں سن سکتے تو نہ سنیں-

کتب کلام کی ورق گردانی کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہمیہ کے ساتھ حنفیہ کو مرجئہ بھی کہا گیا ہے لیکن اگر ذرا تحقیق سے کام لو گے تو روشن ہو جائے گا کہ حنفیہ کا دامن اس تہمت سے بھی قطعاً پاک و صاف تھا- فروعی اور اجتہادی مسائل میں اگر اختلاف ہو تو ہونا چاہیے مگر غم اس کا ہے کہ دین کے وہ اصولی مسائل جن میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے اور نہ درحقیقت کوئی اختلاف تھا پھر عجلت پسند طبائع نے کیوں ان کا ایک غلط افسانہ تیار کر دیا- خدا بھلا کرے حافظ ابن تیمیہؒ کا کہ اپنی کتاب الایمان میں وہ ایک سطر یہ لکھ گئے ہیں-

و مما ینبغی ان یعرف ان اکثر التنازع بین اهل السنة فی هذه المسئلة هو نزاع لفظی. (ص ۱۱۹ و ۸۸)	یعنی یہ بات ضروری طور پر پیش نظر رہنی چاہیے کہ اہل سنت والجماعت میں ایمان کے مسئلہ کے متعلق جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں درحقیقت وہ صرف نزاع لفظی ہیں-

ایک غریب عالم کی محنت اور جانفشانی کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اپنی پرسکون راتوں کو دن بنا بنا کر ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر لیتا ہے اور جب کسی نتیجہ کے لیے اس کا قلب مضطر ہونے لگتا ہے تو کسی مصنف کی ایک سطر اس کے سارے منصوبے یہ کہہ کر خاک میں ملا دیتی ہے۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اب ملاحظہ فرمایئے کہ حافظ ابن تیمیہؒ ۱۱۹ صفحات میں تحقیقات کے دریا بہا دیتے ہیں اختلافات اور جانبین کے پرزور ردوقدح سے عقل متحیر رہ جاتی ہے وہ چاہتی ہے کہ کوئی راستہ تلاش کرے مگر اختلافات کے اس برق و رعد میں اس کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور جب آخر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اکثر حصہ صرف نزاع لفظی تھا تو تھک کر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی اس دردسری کی فریاد کا موقعہ بھی نہیں دیکھتی- خوب کہا ہے کہ علم کیا ہے؟ کوہ کندن و کاہ برآوردن-

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگ کچھ نہ تھی تو پھر بیکار یہ قلعے کیوں بنائے گئے- غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ محدثین کو سارا

---

[1] دیکھو کتاب الایمان ص ۱۳۷ و ۱۳۸- [2] ایضاً ص ۱۶۴- [3] دیکھو اتحاف ج ۲ ص ۲۴۲-

www.besturdubooks.net

غصہ اس پر ہے کہ جو لفظ سلف سے منقول ہوتے چلے آرہے تھے فقہاء نے ان کو کیوں ترک کیا' بالخصوص جب کہ ان کے ترک سے فرق باطل کو کچھ اعانت بھی مل گئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں[1] کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجئہ میں شامل کیا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں کیا بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کیا ہے جن سے مرجئہ کی موافقت کی بو آتی ہے۔

مرجئہ ایک فرقہ ہے جس کا یہ خیال تھا کہ ایمان کے لیے صرف زبانی اقرار کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہمیہ نے ان سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہہ دیا کہ اقرار کی بھی کوئی ضرورت نہیں' صرف معرفت قلبیہ کافی ہے۔ ان فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں محدثین کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی عنوان ایسا اختیار کرلیا جائے کہ وہ عنوان ہی خود ان کی تردید کا ایک اعلان بن جائے اس لیے ایمان کی تفسیر میں ہی اقرار و عمل دونوں شامل کرلیے گئے اور الایمان قول و عمل مشہور ہوگیا یعنی ایمان اقرار و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ حتیٰ کہ شدہ شدہ جو عبارت اس مصلحت سے اختیار کی گئی تھی کچھ زمانہ کے بعد اہل سنت کے شعائر میں شمار ہونے لگی۔ اب جو شخص ایمان کی تعریف میں قول و عمل کہتا اہل سنت تھا اور جو شخص اس تعبیر کو ترک کرتا وہ صرف اس جرم میں ارجاء و جہمیہ کے القاب سے متہم ہوتا۔[2]

آج بھی اگر جماعتوں کے اختلافات پر نظر کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بناء یہی چند الفاظ تھے جن کو نا اہلوں نے اصولی اختلاف بنا ڈالا ہے۔ ؂ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ہماری بعض کتب میں امام اعظمؒ سے بھی ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ منقول ہے۔ بس اتنی بات حنفیہ کی طرف جہمیت کے انتساب کے لیے بہانہ بن گئی۔

الایمان هوا لا قرار و المعرفة بالله عزوجل و التسليم و الهيبة منه و ترک الاستخفاف بحقه[3]	یعنی ایمان کیا ہے؟ (۱) توحید و رسالت کا اقرار (۲) خدائے تعالیٰ کی معرفت (۳) اس کے سامنے سرتا سر نیاز ہو جانا۔ (۴) اس کا خوف۔ (۵) اس کے کسی حق کو معمولی نہ سمجھنا۔

پہلے تو ہمیں امام صاحب کی طرف اس تعریف کے انتساب میں ہی کلام ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو صرف اس بات سے یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ معرفت سے امام صاحب کی وہی مراد ہے جو جہم بن صفوان کے نزدیک ہے۔ جہم کے نزدیک ایمان کے لیے نہ عمل کی ضرورت ہے نہ اقرار کی بلکہ انکار کے بعد بھی ایمان کامل رہ سکتا ہے اور یہاں اقرار کی رکنیت و شرطیت کی بحث ہورہی ہے۔ رہ گیا انکار تو بلا اختلاف ایک بدترین کفر ہے۔ پھر جہم اور امام صاحب کے مذہب میں کیا اشتراک رہ سکتا ہے۔ بعض مصنفین نے یہاں معرفت کی تفسیر تصدیق کردی ہے تاکہ یہ تعریف بھی مشہور کے موافق ہو جائے مگر ہمارے نزدیک اس جگہ معرفت سے وہ عام تصدیق مراد نہیں بلکہ تصدیق کا وجود عینی مراد ہے جسے ایمان کامل کہا جاتا ہے اور بلاشبہ ایمان کامل بلا معرفت تامہ حاصل نہیں ہوتا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے ایمان میں بھی تقسیم پیدا کردی ہے[4] (۱) ایمان واجب (۲) ایمان مستحب۔ ایمان واجب ہر شخص پر فرض ہے اور اس مؤمن کا شمار زمرۂ ابرار اور اصحاب الیمین میں ہے۔ ایمان کی دوسری قسم مقربین و سابقین کا حصہ ہے۔ مذکورہ بالا تعریف اسی قسم ثانی کی ہے۔ جیسا کہ تعریف مذکور کے بقیہ الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ عبدالقادر بغدادی نے جمہور ائمہ و محدثین کا مذہب نقل کرکے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک بھی ایمان کے مراتب ہیں اور اعلیٰ مرتبہ یہی معرفت ہے۔

---

[1] کتاب الایمان ص ۱۹۰۔ [2] دیکھو کتاب الایمان ص ۱۲۳ و ۷۷۔ [3] اتحاف ج ۲ ص ۲۴۲۔ [4] کتاب الایمان ص ۷۶ و ۷۹۔

www.besturdubooks.net

اعلی الایمان معرفة بالقلب و اقرار باللسان و عمل بالارکان یزید بالطاعة و ینقص بالمعصیة[1] یعنی ایمان کا اعلیٰ مرتبہ-معرفت قلبیہ- زبان سے اقرار اور اعضاء کا عمل پیرا ہونا- یہ ایمان طاعات سے ترقی پذیر ہوتا ہے اور معاصی سے ناقص بھی ہوتا ہے-

اس کے سوا حافظ ابن تیمیہؒ نے خود محدثین سے ایمان کی تعریف میں معرفت کا لفظ نقل کیا ہے بلکہ جمہور ائمہ کے یہی لفظ پیش کیے ہیں-[2] اب ذرا انصاف کرو کہ اگر ایمان کی تعریف میں ایک لفظ معرفت استعمال کر لینا ہی کوئی جرم تھا تو کیا امام صاحب ہی اکیلے اس جرم کے مرتکب تھے- پھر ایک حنفیہ ہی کو کیوں ہدف ملامت بنا لیا گیا-

اسی طرح اگر حنفیہ نے ایمان میں عمل کو داخل نہیں کہا تو اس کے لیے بھی ان کے پاس دلائل ہیں مگر کیا اتنی سی بات سے ان کو مرجئہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ مرجئہ کے نزدیک ایمان کے لیے معاصی کچھ مضرت رساں نہیں اور حنفیہ کے نزدیک اعمال مکمل ایمان ہیں اور اگر صرف لفظی گرفت ہی کوئی چیز ہے تو کیا عمل کو جزء ایمان بنانے سے معتزلہ وخوارج کو تقویت نہیں ہوتی (معتزلہ وخوارج محدثین سے بھی ایک قدم آگے ہیں اور عمل کو ایسا جزء کہتے ہیں کہ ایک عاصی ان کے نزدیک مؤمن کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے) اب اگر ایمان میں عمل داخل نہ کرنے سے مرجئہ اور جہمیہ کو تقویت ہوتی ہے تو عمل کو جزء بنانے سے معتزلہ وخوارج کو شہ ہوتی ہے پھر محدثین کے غیظ وغضب کا نزلہ حنفیہ ہی پر کیوں گرتا ہے- فصبر جمیل و الله المستعان علی ما تصفون.

اعمال کی حیثیت ایمان میں ٭ یہ بحث نہایت دلچسپ ہے کہ عمل کی ایمان میں کیا حیثیت رہنی چاہیے- محدثین وفقہاء کا یہاں بھی خوب نزاع ہے فریقین کے دلائل ذکر کرنے کا یہ محل نہیں- ہمارے نزدیک یہاں حقیقت حال امام غزالیؒ کی ایک تحقیق ہے اور بس وہی فیصلہ کن ہے اس کے بعد الفاظ خواہ وہ رہیں جو محدثین استعمال کرتے ہیں یا وہ جو فقہاء نے استعمال کیے ہیں (یعنی اعمال کو جزء کہو جو کہ محدثین کا مذہب ہے یا ایمان سے خارج قرار دو جیسا کہ فقہاء کا مسلک ہے) ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

کہ باطن وظاہر بالکل دو جداگانہ عالم نہیں کہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں بلکہ ہر دو کا باہمی ایسا گہرا تعلق ہے کہ ہمیشہ ایک کا دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے اگر اعتقادِ باطن اعمالِ ظاہرہ کا مقتضی ہوتا ہے تو اعمالِ ظاہرہ اعتقادِ باطن کے مدد ومعاون رہتے ہیں- دیکھو اگر ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یتیم پر رحم کرنا انسانیت کا اوّلین فرض ہے تو اس کے اس عقیدہ کا یہ اقتضاء ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجسم رحمت ودل سوزی بن جائے- پھر جب اس کے اعضاء وجوارح اس دل سوزی کے لیے حرکت کرنے لگتے ہیں تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اعتقاد میں ایک نئی روح داخل ہو رہی ہے اور جتنا جتنا اس کا یہ عمل تلطف وترحم ترقی کرتا ہے اسی قدر اس کے باطن میں شفقت ورحمت کا جوش اور پیدا ہوتا ہے یا اگر ایک شخص تواضع کو نیک خصلت سمجھتا ہے تو اس کا مخلوق سے تواضع کا معاملہ یقیناً اس کے اس اعتقاد میں اور پختگی کا باعث بنتا ہے- غرض صفات قلبیہ جس قدر بھی ہیں سب کا حال یہی ہے پہلے وہ اعضاء انسانیہ کو جنبش عمل کے لیے مضطر کرتی ہیں اور جب جوارح مصروف عمل ہو جاتے ہیں تو ان کے آثار لوٹ کر پھر ان صفات کو اور روشن کرتے رہتے ہیں- ایمان واعمال کا حال بھی اسی پر قیاس کر لو- ایمان ایک عقیدہ ہے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جوارح توحید خالص اور تصدیق رسالت کی اپنے عمل سے گواہی دیں اور جب اعضاء اس اقتضاء کو پورا کرنا شروع کرتے ہیں تو یہ عقیدہ اور راسخ اور تروتازہ وسرسبز ہونے لگتا ہے-

---

[1] اتحاف ج ۲ ص ۲۵۴- [2] دیکھو کتاب الایمان ص ۱۲۰ و ۱۴۷ و ۱۵۹ و ۱۵۸-

www.besturdubooks.net

حافظ ابن تیمیہؒ حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہیں۔

لیس الایمان بالتحلی و لا بالتمنی و لکنه ما و قر بالقلب و صدقته الا عمال۔ (کتاب الایمان ص ۱۱۷)
یعنی ایمان صرف ظاہر داری کا نام نہیں بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں جو دل میں سرایت کر جائے اور اعمال اس کی تصدیق بھی کریں۔

اس کلام سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعمال انسان کی کیفیاتِ قلبیہ کا آئینہ ہیں۔ اب اگر وہ نیک عمل کرتا ہے تو یہ اس کے قلبی تصدیق کی دلیل ہوگی ورنہ اس کی بدعملی خود اس کے بے ایمانی کی شاہد بن جائے گی۔

محمد بن نصر مروزی نقل فرماتے ہیں کہ عبدالملک نے سعید بن جبیرؒ سے چند سوالات کئے منجملہ ان کے ایمان اور تصدیق کے متعلق بھی ایک سوال تھا انہوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور رسولوں اور قیامت کی تصدیق کا نام ہے مگر تصدیق کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کے حرف حرف پر عمل ہو اور جتنی کوتاہی رہ جائے وہ گناہ نظر آئے اس پر استغفار کرے اور آئندہ اصرار نہ ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اقرار کا نام ہے اور ایمان عمل کا۔ یہ ہر دو آپس میں قرین ہیں۔ ہر شخص کا قول و عمل تولا جائے گا اگر اس کا عمل وزنی ہے تو مقبول ہوگا اور آسمان کی طرف صعود کرے گا اور اگر قول وزنی ہے تو اس کا عمل نامقبول رہے گا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان بلا اقرار صحیح نہیں ہوتا اور ایمان و اقرار بلا عمل درست نہیں ہوتے اور ان تینوں کا اعتبار بلا نیت حسنہ کے نہیں ہوتا۔

ان سب ائمہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ اعمالِ جوارح تصدیق قلبی کے لیے بڑی حد تک ضروری ہیں گویا اس کے لوازم ہیں۔ حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان زبان سے اقرار کرنا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ...الخ (البقرۃ:۷۷)
پوری نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کو منہ کرلو (یعنی نماز میں) بلکہ اصل مدار ایمان پر ہے۔

ایمان و عمل کے اس نازک ارتباط کو صرف ایک اہل سنت نے سمجھا ہے۔ مرجئہ و جہمیہ نے ان ہر دو کو ایسا علیحدہ کر دیا کہ تصدیق قلبی کے لیے عمل کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور معتزلہ و خوارج نے ان کو ایسا مدغم بنا دیا کہ عملی کوتاہی کو تصدیق قلبی کا ضعف قرار دے دیا۔ اسی اختلاف پر یہ بحث قائم ہوگئی کہ مرتکب کبیرہ کا کیا حکم ہونا چاہیے۔

تصدیق قلبی پر معصیت کا اثر ✻ قدرت جو فطرتِ انسانی کی سب سے بڑی رازداں ہے خوب جانتی ہے کہ یہ مجموعہ عناصر اتنا پابند عہد نہیں رہ سکتا کہ عالم امکان کی نقاشی اس کی نظریں کبھی خیرہ نہ کرسکیں خواہشاتِ نفسانی کی بادِ صرصر اس کی شمع تصدیق کو کبھی حرکت نہ دے سکے، وہ کمزور ہے اور بہت کمزور ہے اس لیے معمولی خلاف ورزی پر اس کا نام وفاداروں کی فہرست سے نہیں کاٹتی اور اس حد تک اسے معذور سمجھے جاتی ہے کہ وہ خود ہی نقض عہد کا اعلان کر گذرے۔ ارباب ارجاء و اعتزال اگر تصدیق کے شرعی مفہوم اور ضعف انسانی کے دونوں پہلوؤں کی رعایت کر لیتے تو نہ ارباب ارجاء کو صرف تصدیق عمل کے بغیر کافی نظر آتی اور نہ رؤساء اعتزال صرف ایک عاصی کے لیے وہ سزا تجویز کرتے جو ایک باغی کے مناسب تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

و لیس من الحکمة ان یفعل بصاحب الکبیرة مثل ما یفعل بالکافر۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۷۹)
یہ حکمت سے بعید ہے کہ مرتکب کبیرہ کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو کافر سے ہونا چاہیے۔

www.besturdubooks.net

یہ سعادت صرف اہل سنت والجماعت کا حصہ تھا کہ ہر پہلو کی رعایت کی توفیق ان کو میسر آگئی اور ایمان و عمل کے پورے ارتباط کو انہوں نے ملحوظ رکھا۔ نہ اتنی سخت گیری کی کہ عمل کی کوتاہی کفر کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا تساہل کیا کہ اتنا بڑا قصور تصدیق قلبی پر ذرا داغ بھی نہ لگائے اور یہ اعلان کر دیا کہ انسان کی بدعملی اس کے دامن پر فسق کا ایک بدنما دھبہ ہے۔

بِئْسَ الاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ[1] (الحجرات: ۱۱) برا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد۔

حافظ ابن تیمیہؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ایمان کے بعد پھر تمہارا فاسق ہو جانا بہت بری بات ہے۔ (کتاب الایمان ص ۹۸) قرآن کریم جگہ جگہ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتا ہے۔

اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا. (الحجرات: ۶) اگر ایک فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔

وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (النور: ۴) یعنی جو لوگ زنا کی تہمت لگاتے ہیں آئندہ ان کی شہادت قبول نہ کی جائے کیونکہ اس جرم کے بعد وہ شریعت کی نظر میں فاسق ٹھہر چکے ہیں۔

یہ وہ بدترین لقب ہے جسے قرآن نے ایمان کے بعد بہت ہی ناپسند کیا ہے۔ اس علو و برتری کے بعد یہ خفیف الحرکاتی نہایت نازیبا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے۔

سباب المسلم فسوق. یعنی کسی مسلمان کو برا کہنا فسق کی بات ہے۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ قبیح حرکت اس کو اس کا مستحق بنا دیتی ہے کہ اس کو فاسق کہہ دیا جائے۔

اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا. (السجدۃ: ۱۸) یہ نہیں ہو سکتا کہ مؤمن اور ایک فاسق برابر ہو جائیں۔

ان آیات و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب مسلمان کو نہ تو کافر بنا دیتا ہے اور نہ اس کے دعویٰ اتقیاء کو بے داغ رہنے دیتا ہے۔ وہ مؤمن ہے مگر فسق سے اس کا دامن ملوث ہو چکا ہے۔ اس مجسم طہارت و پاکیزگی کے لیے لازم ہے کہ نجاست فسق سے اپنا دامن ہمیشہ بچائے رکھے اور جو لقب اس کے مولیٰ نے اس کے لیے پسند نہیں فرمایا خود بھی اس سے متنفر رہے۔ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان۔ (کتاب الایمان ص ۱۰۵)

اسلام و ایمان میں کیا فرق ہے ✻ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر بہت طویل بحث کی ہے مگر اس قدر منتشر ہے کہ اس کا خلاصہ نکالنا مشکل ہے۔ جہاں تک ہم نے ان کے کلام کا ملخص سمجھا ہے یہ ہے کہ لغت میں اسلام کے معنی اپنے نفس کو کسی کے سامنے جھکا دینا اور ذلیل بنا دینا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اس طرح جھک جائے کہ پھر اس کے سوا کسی کی عبادت کا رخ نہ کر سکے۔ یہ جھکنا اور ذلیل ہونا ایک عمل ہے۔ اس لیے اسلام دراصل ایک عمل ہی کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق قلب کا اسی طرح ایک کام ہے جیسا کہ اقرار زبان کا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دل اپنی گہرائیوں سے کسی کے لیے بول اٹھے گا تو اس کے سامنے جھکنا اور ذلیل بن جانا بھی اس کا اقتضاء طبعی ہو گا مگر فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے[2] اور ایمان ایک علم ہے۔ عمل یہاں تابع ہے۔ اس کے بعد اب اگر احادیث پر ایک اجمالی نظر ڈالو تو تم کو معلوم ہو گا کہ یہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر عمل اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔

(۱) حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ (مسند احمد) حدیث

---

[1] کتاب الایمان ص ۱۰۵ [2] ایضاً ص ۱۴۹

www.besturdubooks.net

مذکورہ میں اسلام کو علانیہ اسی بنا پر فرمایا ہے کہ اعمالِ ظاہرہ کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔لیکن معرفت الٰہیہ اس کی محبت' اس کا خوف' یہ سب اوصاف قلبیہ ہیں یہ باطنی چیزیں ہیں اس لیے ایمان کو علانیہ نہیں فرمایا بلکہ قلب میں کہا گیا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو ایذاء نہ پہنچے اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کی طرف سے خطرہ میں نہ رہیں۔

یہاں بھی اسلام کی علامت ایک ظاہری چیز قرار دی گئی ہے یعنی لوگوں کو ایذاء نہ دینا اور ایمان کی علامت ایک باطنی چیز یعنی دلوں میں اس کی طرف سے خطرہ باقی نہ رہنا یہ دوسری صفت پہلی صفت سے اعلیٰ ہے' ظاہر ہے کہ جو شخص ایسا مجسم پیغام امن بن جائے کہ قلوب میں اس کی طرف سے کوئی برا خطرہ تک باقی نہ رہے وہ کب کسی کو ایذاء دے سکتا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی لالچ سے ایذاء دہی ترک کر دے اس لیے حدیث مذکور میں جو صفت ایمان کی بیان ہوئی ہے وہ اسلام کی صفت سے بالاتر ہے۔

(۳) عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کسے کہتے ہیں آپ نے فرمایا لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا' اس نے کہا کہ اچھا ایمان کیا چیز ہے فرمایا سخاوت اور صبر۔[1]

پہلی دو باتیں ظاہری عمل ہیں اور آخری دونوں باتیں نفس انسانی کی ایک صفت ہیں اس لیے ان کو اسلام سے اور ان کو ایمان سے زیادہ تعلق ہے۔اسی طرح اکثر احادیث میں اسلام کی تفسیر میں اعمال ظاہرہ کا تذکرہ برابر ہوتا چلا جاتا ہے اور ایمان کا بیشتر تعلق باطن سے معلوم ہوتا ہے۔حدیث جبریل جو اس باب کی نہایت اہم حدیث ہے اسی فرق پر مبنی ہے اس کی تفصیل عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے اسلام و ایمان کا باہمی ربط بھی حل ہو گیا یعنی کیا اسلام بلا ایمان کے یا ایمان بلا اسلام کے پایا جا سکتا ہے۔اختلافات کی کثرت نے یہاں بھی حیرت میں مبتلا کر دیا ہے مگر ہمارے نزدیک امام سبکی کی رائے بہت وزنی ہے۔[2] وہ فرماتے ہیں کہ اسلام گو انقیادِ ظاہری کا نام ہے مگر ایمانِ باطن اس کے لیے شرط ہے۔اسی طرح ایمان گو انقیادِ باطن کو کہتے ہیں مگر انقیادِ ظاہری بھی اس کے لیے ضروری ہے۔اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام بلا ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے شرعاً معتبر نہیں ہوتا۔علامہ[3] زبیدیؒ نے اس تلازم پر اشاعرہ اور حنفیہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔غرض یہ ہے کہ حدیث کے عام نظریہ میں ایمان و اسلام یا تو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں صرف خصوصیات کا کچھ فرق ہے ورنہ کم از کم متلازم ضرور ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں[4] قرآن کریم سے ایک لطیف استنباط فرمایا ہے۔باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.[5] (بقرہ: ۱۱۲)	کیوں نہیں؟ جس نے تابع کر دیا اپنی ذات کو اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لیے ہے اس کا ثواب اس کے رب کے پاس اور نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

---

[1] سماحت و صبر فطرت انسانی کی ضد ہیں قرآن کریم کہتا ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ (المعارج: ۱۹-۲۱) یعنی ہلوع وہ ہے جسے نعمت میں سماحت نصیب نہ ہو اور مصیبت میں صبر کی توفیق میسر نہ آئے ان ہی دو خامیوں کی اصلاح کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد: ۱۷)

[2] اتحاف ج ۲ ص ۲۳۵۔ [3] اتحاف ج ۲ ص ۲۴۸۔ [4] کتاب الایمان ص ۱۰۴۔

[5] لاخوف علیہم میں جملہ اسمیہ اور لا ہم یحزنون میں جملہ فعلیہ استعمال کرنے کا نکتہ حافظ ابن تیمیہؒ نے نہایت لطیف لکھا ہے دیکھو کتاب الایمان ص ۱۰۴۔

www.besturdubooks.net

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (بقرہ:٦٤)	بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین - جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور نیک کام کیے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں اسلام اور عمل صالح پر جو وعدہ فرمایا گیا ہے دوسری آیت میں وہی وعدہ ایمان اور عمل صالح پر مذکور ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام دونوں متلازم چیزیں ہیں۔

ابو طالب مکی نے اس مضمون پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس کی خوب ایضاح کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایمان و اسلام کی مثال ایسی ہے جیسی شہادتین کی کہنے کو تو شہادۃ وحدانیت اور شہادۃ رسالت دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر پھر ان میں ایسا ارتباط ہے کہ بلحاظ حکم گویا ایک ہی ہیں۔ رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کار آمد نہیں ہوتی اور شہادت وحدانیت بلا شہادت رسالت کے بیکار رہتی ہے۔ ایک انسان کے لیے جس طرح قلب کی ضرورت ہے اسی طرح جسم کی ضرورت بھی ہے نہ کوئی قالب بلا قلب کے زندہ رہ سکتا ہے نہ قلب بلا قالب کے بسر کر سکتا ہے۔ خیمے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک اوپر کا کپڑا دوسرا اندرونی چوب' نہ یہ کپڑا بلا چوب کے تنا رہ سکتا ہے اور نہ صرف چوب بلا کپڑے کے خیمہ کہلائی جا سکتی ہے کلام کی حقیقت دو ہونٹ اور ایک زبان سے قائم ہے دونوں ہونٹ حروف جمع کر دیتے ہیں اور زبان ان کو بشکل کلام ادا کر دیتی ہے اگر ایک ہونٹ نہ رہے تو کلام کی حقیقت باطل ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح اعمالِ ظاہرہ اور اعتقادِ باطن یعنی اسلام و ایمان کا ارتباط ہے۔ صرف اعمالِ ظاہرہ بلا اعتقادِ باطن کھلا ہوا نفاق ہیں اور محض اعتقادِ باطن بدون اعمالِ ظاہرہ کے کفر کی ایک صورت ہے۔ اسلام یا ایمان کو اسی وقت معتبر کہا جا سکتا ہے جب کہ اعمالِ ظاہرہ کے ساتھ تصدیق باطن ہو اور تصدیق باطن کے ساتھ اعمالِ ظاہرہ بھی ہوں۔ قرآن کریم نے کفر کو ایمان و اسلام ہر دو کا مقابل قرار دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ. (آل عمران:٨٦)	خدائے تعالیٰ بھلا اس قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر کفر اختیار کیا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.(آل عمران:٨٠)	یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مسلمان ہو پھر رسول تم کو کفر کا حکم کرے۔

پہلی آیت میں کفر کو ایمان کے بالمقابل اور دوسری آیت میں اسلام کے بالمقابل رکھا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان ایک دوسرے سے جدا چیزیں نہیں ہیں' اسلام کا ترک کرنا' ایمان کا ترک کرنا ہے اور ایمان کا ترک کرنا اسلام کا ترک کر دینا ہے اور نتیجہ ہر دو کا وہی ایک کفر ہے۔ (قوت القلوب ج ۲ص ۱۲۹)

غرض اعمالِ ظاہرہ بلا انقیادِ باطن صحیح نہیں ہو سکتے اور نہ انقیادِ باطن بلا اعمال ظاہرہ کی شہادت کے ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر مسلم کے لیے ایمان اور ہر مؤمن کے لیے اسلام ضروری اور ناگزیر ہے۔

حضرت استاد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہو جائے تو اس کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی حقیقت ہے اختلافِ مواطن سے اس کے نام مختلف ہو گئے ہیں۔

www.besturdubooks.net

ہمارے نزدیک استاد مرحوم کا یہ بیان اسلام کامل اور ایمان کامل سے متعلق ہے اور غالباً اس کا منشاء امام غزالیؒ کی وہ تحقیق ہے جس کا بیان آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں- ہمارے فقہاء کے اختلافات بھی اپنی جگہ صحیح وجوہ واسباب پر مبنی ہیں مگر ہمیں تو یہاں وہ لکھنا تھا جو امت کے حق میں زیادہ نافع ہو تفصیل کے لیے علم کلام ہے-

ایمان میں زیادت ونقصان کی بحث ٭ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایمان قلب میں مختلف راستوں سے داخل ہو جاتا ہے کبھی اپنی جان و مال کا تحفظ التزام طاعت کا داعی ہوتا ہے جیسا کہ طلقاء مکہ کا اسلام کبھی چند دراہم مغشوشہ کی طمع التزام طاعت پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ مؤلفہ قلوب کا اسلام کبھی محض قومی تقلید اور جمہور کا اتباع اس کا محرک بن جاتا ہے جیسا کہ اکثر اعراب کا اسلام ان سب صورتوں میں اگر سینہ رسولؐ کی عداوتوں سے خالی ہو چکا ہے اور نفس نے دین الٰہی میں داخل ہو جانے کی تیاری کر لی ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہے مگر یہ ایسا اسلام ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ شبہات اس کے یقین کو متزلزل کر سکتے ہیں' ذرا ذرا سی تکلیفیں اس کو اپنے مذہب سے پھیر سکتی ہیں- مذہب کے لیے قربانی کا اس میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا- جہاد کی دعوت اس کے لیے پیام موت ہوتی ہے- آیات ربانیہ کا پیہم نزول اس کے ایمان میں کچھ افزونی نہیں بخشتا اور اسی امن و عافیت کی زندگی میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے- یہ بھی ایک اسلام ہے اور آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے-

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰـكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات:۱۴)	یعنی اعراب کہتے ہیں کہ ایمان ہمارے دلوں میں سرایت کر گیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ ایسا دعویٰ ابھی مت کرو ابھی اسلام صرف تمہارے ظاہر تک ہے- ہاں امید ہے کہ آئندہ دلوں تک اتر جائے-

یہ اسلام کے وجودِ لفظی کے ابتدائی حالات ہیں لیکن جب یہ ایمان اور ترقی کرتا ہے تو اس کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ اہل ایمان کی صحبت اسے اپنا ہم رنگ بنا لیتی ہے کبھی آیاتِ قرآنی پر غور و تفکر ایمان کی تر وتازگی کا باعث بن جاتا ہے کبھی محض موہبت الٰہیہ کشاں کشاں ایمانِ حقیقی تک لے آتی ہے- اچانک وہ دیکھتا ہے کہ پہلے جو قلب ظلمت کدہ تھا اب نور ایمانی سے وادیٔ ایمن بن گیا ہے حقائق ایمانیہ آناً فاناً منکشف ہوتی چلی جاتی ہیں- راہ اسلام میں ہر ضرب ایک نئی تازگی بخشتی ہے- طبل جنگ کی آواز صدائے سرود سے زیادہ سہانی اور مستانی معلوم ہوتی ہے- آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت وہ کام کرتی ہے جو ابر رحمت کے قطرے کھیتوں میں- قدرت اس کو طرح طرح آزماتی ہے مگر ہر امتحان اس کے لیے ایک نیا یقین بخشتا ہے- عبادت میں دلچسپی کا سوال درمیان سے ہٹ جاتا ہے- فتح وظفر اور شکست وانہزام سب برابر نظر آتے ہیں اور اس طرح انقیاد باطن کی ایک ایک منزل تمام طے ہو جاتی ہے- آس پاس کے تعلقات نظر سے گر جاتے ہیں اور صرف ایک تعلق رہ جاتا ہے اور وہ خدا کا تعلق ہے اب جس سے محبت ہے اسی کی خاطر ہے اور جس سے جنگ ہے اسی کے نام پر ہے ایک وہ مؤمن تھا اور اب یہ ایک مؤمن ہے اسی کا نام ایمان کی زیادتی ہے- اب آیات ذیل کو بغور پڑھ لو-

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا الخ... اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا. (الانفال:۲-۴)	مؤمن صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام آئے تو خوف زدہ ہو جائیں اور جب اس کی آیات ان پر تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان اور روشن ہوں- نمازیں نہایت خوبی کے ساتھ پڑھیں اور ہمارے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ مصارف خیر میں بھی صرف کرتے رہیں- پس ٹھیک مؤمن تو یہ ہیں-

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس زیادتی سے مراد صرف تصدیق ہے ہرگز نہیں بلکہ جب کبھی ایک مؤمن گوشِ انقیاد واطاعت سے کلام پاک

www.besturdubooks.net

کو سنتا ہے تو ہر بار معانی پر غور و تفکر اس کے قلب میں جنت کی نئی رغبت اور آخرت کا نیا خوف خدائے تعالیٰ کی ایک نئی محبت اس کی طاعت کا ایک نیا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور اسی کا نام قرآن کریم نے ایمان کی زیادتی رکھا ہے۔

عمر بن حبیبؓ صحابی فرماتے ہیں کہ جب ہم خدا کی تسبیح و حمد میں مشغول ہوں تو یہی ایمان کی زیادتی ہے اور جب غفلت و نسیان میں مبتلا ہو جائیں تو اسی کا نام ایمان کا نقصان ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے سمجھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہے کہ کچھ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا چونکہ دن رات کا یہی ایک مشغلہ تھا کہ وہ اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرتے جب کوئی آیت اترتی تو اپنی روح میں ایک نئی ایمانی تازگی محسوس کرتے۔ ادھر کفار کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ اس جذبہ کا تمسخر اڑاتے اور مذاق بنایا کرتے۔

(۱) وَ اِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ. (التوبة: ۱۲۴-۱۲۵)

جب کوئی سورت اترتی تو ان میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو یہ پوچھتی بھلا تم میں سے کس کا ایمان بڑھا۔ جی ہاں جو ایمان لا چکے ہیں ان کے ایمان میں تو ترقی ہوئی اور انہوں نے بڑی بشارت حاصل کی لیکن جن کے دلوں میں روگ تھا ان کی نجاست میں اور اضافہ ہو گیا۔

آیات قرآنی کا ادب و یقین سے سننا یقیناً ایمان میں ترقی بخشتا ہے۔ یہ زیادتی کبھی جدید جدید علوم حاصل ہونے سے پیدا ہوتی ہے کبھی سکینت و فرحت کی صورت میں میسر آتی ہے، کبھی ہدایت کے نام سے موسوم ہوتی ہے پہلی آیت میں اسی کا نام استبشار ہے۔

(۲) وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ. (الروم: ۴)

اس روز مؤمنین خدا کی نصرت پر مسرور ہوں گے۔

یہاں اس زیادتی کو فرح و سرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ. (الفتح: ۴)

خدا ہی کی وہ ذات تھی جس نے مؤمنین کے دلوں پر سکینت و اطمینان کی کیفیت نازل فرمائی تاکہ ان کے پہلے ایمان میں اور ترقی ہو۔

(۴) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبة: ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنا سکینہ اپنے رسول اور مؤمنین پر نازل فرمایا اور ایسا لشکر بھیج دیا جس کو تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا۔ (یعنی فرشتے)

(۵) اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا. (التوبہ: ۴۰)

جب کہ وہ دونوں غار میں پوشیدہ تھے اور خدا کا رسول اپنے رفیق کو سمجھا رہا تھا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکر کے ذریعہ سے قوت پہنچائی جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

(۶) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى. (محمد: ۱۷)

جو لوگ ہدایت یافتہ تھے خدا نے ان کو اور ہدایت میسر فرمائی۔

آیات بالا میں یہ سکینہ و یقین و ہدیٰ سب صفات قلبیہ ہیں مصائب میں یہ یقین کر لینا کہ یہ سب مقدرات ہیں جو ضرور پیش آمدنی ہیں، تقدیر پر ایمان کا ثمرہ ہے اور اسی کا نتیجہ سکینہ و اطمینان و تسلیم ہے۔

یہ ایمان جب اور عروج کرتا ہے تو اب ایک ذات وحدہ لا شریک لہ پر وہ توکل و اعتماد میسر آ جاتا ہے کہ دشمن کی دھمکی اور دلیری کا باعث بن جاتی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۷) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (آل عمران: ۱۷۳)

یہ وہ جماعت ہے جن کو کفار نے دھمکی دی کہ تمہارے لیے بڑی فوج تیار کی گئی ہے تو ذرا ڈرنا اس پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور بولے کہ ہمیں خدا کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔

اس قسم کا ایک امتحان نہیں بلکہ سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے ان کا بار بار امتحان لیا جاتا ہے۔ هنالك ابتلى المومنون و زلزلوا زلزالا شديدا۔ مگر شک و تردد کا ایک کانٹا بھی ان کے دامن یقین میں نہیں چبھتا۔ وہ کوہِ استقامت اور یقین کی ایک چٹان بن جاتے ہیں کہ مصائب کے لشکر اگر ان سے ٹکراتے ہیں تو خود پاش پاش ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی جگہ سے ذرا حرکت نہیں دے سکتے' جان و مال کی قربانی ان کے نزدیک ایک معمولی بات ہوتی ہے۔ ان امتحان کے بعد اب ایک مؤمن اپنے دعویٰ میں سچا مان لیا جاتا ہے۔

(۸) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحجرات: ۱۵)

مؤمن صرف وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ جب خدا و رسول پر ایمان لا چکے تو پھر شک و تردد کے پاس نہ پھٹکے بلکہ جان سے مال سے اللہ کے راستہ میں قربان ہو گئے بس یہی لوگ سچے کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اگر بناء بر بشریت کبھی ان سے ذرا کمزوری ظاہر بھی ہو جاتی تو قرآن فوراً تنبیہ کر دیتا ہے اور تفہیم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا کہ ایمان جو صرف عشق کی راہ ہے کمزوری اور بزدلی سے طے ہونے والی نہیں ہے ؎

ایں شربت عاشقیست خسرو ۔۔۔ بے خون جگر چشید نتواں

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ. (آل عمران: ۱۴۲)

تم نے کیا یہ خیال کر لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ جان و مال کی قربانی کے لیے تم میں کون کون تیار ہے۔

خدا کی راہ میں ایک بڑی قربانی یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے باپ' بیٹا' بھائی' قبیلہ سب کو ایک طرف رکھ دیا جائے بس ساری محبتوں اور عداوتوں کا محور ایک خدا کی ذات رہ جائے۔

(۹) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ. (المجادلہ: ۲۲)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرتا دیکھیں خواہ وہ ان کے والد یا اولاد یا بھائی یا قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں بس یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان نہایت مضبوط قائم ہو چکا ہے۔

اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ. (مائدہ: ۸۱)

بھلا اگر کہیں یہ لوگ اللہ نبی اور اس پر نازل شدہ وحی کا یقین رکھتے تو ان کو دوست بناتے مگر بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ حکم عدولی کرنے والے ہیں۔

تیسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ

اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دیجئے اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں' تمہارا کنبہ' تمہارا مال جو تم نے کمایا'

www.besturdubooks.net

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ. (توبہ:۲۴)

ہے۔تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو' تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے' اس کے رسول سے' اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو ایمان کے زیادت و نقصان پر برہانِ قاطع ہیں مگر آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اس کا تعلق ایمان کے وجودِ عینی سے ہے وجودِ ذہنی یعنی نفس تصدیق سے نہیں۔[1]

اسلام و ایمان کے یہ چند مباحث ہیں ان کی روشنی میں اب آپ بسم اللہ کر کے کتاب الایمان کی احادیث پڑھنا شروع کیجئے۔ جو مباحث یہاں رہ گئے ہیں وہ تشریحی نوٹوں میں موقع بہ موقع آپ کے ملاحظہ سے گذر جائیں گے لیکن ہر بحث کو پڑھتے وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ان بحثوں اور تفصیلوں کے صحیح مخاطب وہی افراد و اشخاص ہیں جو اسلام و ایمان کی روشنی خود اپنے قلب میں رکھتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کے مطالعہ سے اس کو اور روشن کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جن افراد کے قلوب میں سرے سے مذہب کے نقوش ہی نہیں یا ہیں تو مٹے ہوئے اور اُچٹے ہوئے ایسے اصحاب کو اس سلسلہ کے لیے پہلے کسی اور کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے' ان کے نقطہ نظر سے جو مباحث ضروری ہیں وہ اس کتاب میں غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیے گئے ہیں کیونکہ ان کی تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے۔ یہاں صرف احادیث نبویہ کی تشریح منظور ہے اور اس ضمن میں جو تفصیل طلب امور ہیں یا جو شبہات پیدا ہو سکتے ہیں ان کی تا مقدور توضیح و تفصیل کی گئی ہے۔ توحید و رسالت کے عقلی اثبات کا محل علم کلام ہے جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

❀❀❀

[1] حافظ ابن تیمیہؒ نفس تصدیق میں بھی تشکیک کے قائل ہیں دیکھو کتاب الایمان ص ۹۲ و ۱۶۵ و ۱۶۶۔

www.besturdubooks.net

كِتَابُ الايمان و الاسلام

کتاب الایمان والاسلام

فضل الایمان و الاسلام

ایمان اور اسلام کی فضیلت

اٰية محبة الله عزوجل التوفيق للايمان

(۱۹۲) عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ وَ اِنَّ اللهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَ مَنْ لَّا يُحِبُّ وَ لَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُحِبُّ. (رواه الحاكم في المستدرك (ص ۳۳) و قال الذهبی صحیح الاسناد)

خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان ایمان ہے سرمایہ و دولت نہیں

(۱۹۲) عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی کی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے اخلاق کی بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ و فراخ رکھا ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی کے وسیع رکھے ہیں) وہ دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولت ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہے۔

لايدخل الجنة الا المؤمنون

جنت میں صرف مؤمن جائیں گے

(۱۹۳) عَنْ عُمَرَ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ قُتِلَ

(۱۹۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر کی جنگ

---

(۱۹۲) * انسان کی تمام شرافت و کمال اس کی قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کے کمال پر موقوف ہے ان ہی کے سنور جانے کا دوسرا نام ایمان اور عمل صالح ہے کفر و ایمان کی تقسیم ان ہی کے بگڑنے اور سنورنے پر دائر ہے جس کی یہ دونوں قوتیں سنور گئیں وہ سنور گیا اور جس کی بگڑ گئیں وہ بگڑ گیا۔ اسی لیے سورہ والتین اور سورۂ والعصر میں انسانی شرافت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے اسفل السافلین اور ابدی خسارہ سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ حریت انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور عبدیت اس کے لیے بدترین داغ۔ لیکن اگر حریت کے ساتھ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور عبدیت کے ساتھ ایمان میسر آ جائے تو حریت کی شرافت 'شرافت' نہیں رہتی اور عبدیت کا عیب 'عیب' نہیں رہتا۔ ولعبد مؤمن خير من مشرك۔ ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک سے بدرجہا افضل ہے۔ پس اسلام میں خدا کے دوست و دشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ و دولت پر نہیں بلکہ ایمان و کفر پر ہے۔ دنیا کی دولت دوست و دشمن سب میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصہ میں لگا دی گئی ہے۔

سر مد غم عشق بو الہوس را نہ دہند   سوزِ دل پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار   ایں دولت سر مد یہ ہمہ کس را نہ دہند

(۱۹۳) * یہ حدیث جہاں ایک طرف یہ بتاتی ہے کہ جنت صرف مؤمنوں کا حصہ ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ 'المؤمن' کا خطاب حاصل کرنے میں ایک بے قیمت چادر اور ایک معمولی سے عباء کی چوری بھی حائل ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ جنت کوئی معمولی متاع نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں 'المؤمن' کا خطاب بھی معمولی خطاب نہیں۔ دنیا اپنے اندازۂ خیال پر ایک شخص کو شہید کہہ دیتی ہے لیکن اسلام ←.....

www.besturdubooks.net

بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا فَاِنِّيْ رَاَيْتُهٗ فِي النَّارِ فِيْ بُرْدَةٍ اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ اَنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ. فَنَادَيْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ. (اخرجه ابن ابی شیبة و احمد و مسلم و الترمذی و الدارمی و ابن حبان)

ہوئی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شہید ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک اور مقتول پر گذرے، تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں صحابی شہید ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے اس کو ایک چادر یا عباء (چرانے کی) سزا میں دوزخ میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو ''المومن'' یعنی پورے پورے ایمان دار ہیں میں گیا اور میں نے یہ اعلان کر دیا۔

(۱۹۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَ لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ

(۱۹۴) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں نہیں جاؤ گے اور جب تک باہمی محبت نہ کرو گے پورے مومن نہیں ہو گے تو کیا میں تم کو وہ بات نہ بتا دوں کہ

ﷺ...اب بھی اس کو ''المومن'' کا خطاب نہیں دیتا کوئی شخص صرف ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے خواہ وہ عذاب الٰہی کی دائمی گرفت سے نجات پانے کا مستحق ہو جائے لیکن ''المومن'' کے معزز خطاب کا اس وقت تک مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی نظری اور عملی دونوں قوتیں کامل نہ ہو جائیں یعنی وہ اسلام کے عقائد اور اعمال کا پورے طور پر پابند نہ ہو جائے اور اس پابندی میں وہی کیف آزادی محسوس کرنے نہ لگ جائے اس کے بعد پہلے جنت کا مشتاق وہ تھا اور اب جنت اس کی مشتاق ہو جائے گی۔

(۱۹۴) ✱ اس حدیث میں ایمان کو محبت پر اور محبت کو سلام پر معلق کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال بادی النظر میں گو معمولی نظر آتے ہیں مگر دوسرے اہم مقصد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سلام بظاہر ایک معمولی درجہ کا خلق ہے لیکن اس کا نتیجہ باہمی الفت و محبت ہے محبت صرف ایک جاذبیت و تاثر ہی کا نام ہے مگر اس کے باوجود وہ ایمان کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا کی محبت کی یہ راہ رسول کی محبت میں پھر رسول سے صحابہ کی محبت میں اور اسی طرح درجہ بدرجہ عامہ مومنین کی محبت میں سے ہو کر گذرتی ہے اس لئے خدا کی محبت تک رسائی کے لئے ان محبتوں کو بھی عبور کرنا ناگزیر ہے اور اس طرح مسلمانوں کی محبت کا نتیجہ ایمان باللہ اور ایمان باللہ کا نتیجہ مومنین کی محبت ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے مومنین سے بغض و کینہ کی زد براہ راست آدمی کے اسلام پر پڑتی ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں یہ دعاء تعلیم کی گئی ہے۔ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (اور ہمارے دلوں میں اس جماعت سے کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکی ہے) اس کینہ کو دور کرنے کا سب سے سہل اور فطری نسخہ یہی سلام ہے اسی لیے ذرا سی شکر رنجی میں مراسم محبت میں جو چیز پہلے ختم ہوتی ہے وہ یہی سلام ہے۔ اس بیان کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اسلام میں باہمی سلام کی حیثیت ایک رکن کی حیثیت ہوتی لیکن جن امور کو پورے ضبط میں لایا نہیں جا سکتا ان کی اہمیت کے باوجود شریعت ان کو رکن کا درجہ نہیں دیتی بلکہ ایمان کا ایک شعبہ قرار دے دیتی ہے۔ اسی لیے حیاء بھی ایمان کا صرف ایک شعبہ قرار دی گئی ہے یہاں بھی پورا پورا انضباط مشکل ہے۔ پس اس حقیقت سے کسی موقعہ پر بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ جن امور کو شریعت شعبہ قرار دیتی ہے وہ ہمیشہ معمولی اور غیر اہم ﷺ....

www.besturdubooks.net

2 عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

جب اس کے خوگر ہو جاؤ تو باہمی محبت کرنے لگو (وہ یہ ہے) کہ آپس میں ہر شخص کو سلام کیا کرو خواہ وہ تمہارا آشنا ہو یا نا آشنا۔

بشارۃ كمال الدين لم يعط احد من الامم

کمالِ دین کی بشارت اس امت کے سوا کسی کو نہیں دی گئی

(۱۹۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهٗ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰيَةٌ فِيْ كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا قَالَ اَيُّ اٰيَةٍ قَالَ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۳) قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَ الْمَكَانَ الَّذِيْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. (رواہ البخاری و مسلم و الترمذی عن ابن عباسؓ)

(۱۹۵) عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کے قرآن میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں اگر کہیں وہ ہم یہودیوں کے لیے نازل ہوتی تو ہم اس دن عید منایا کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ کون سی آیت ہے' اس نے کہا یہ آیت (آج ہم تمہارا دین کامل کر چکے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے حق میں دین صرف اسلام کو پسند کر لیا) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم وہ دن بھی جانتے ہیں اور وہ جگہ بھی جانتے ہیں جہاں یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی' جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے رکن وقوف ادا فرما رہے تھے (یعنی اس دن ہماری دو عیدیں تھیں)

ﷺ.... نہیں ہوتے کبھی کبھی ارکان کے درجہ کی چیزیں ان کے غیر منضبط ہونے یا قانون یسر کے تقاضہ سے شعبہ قرار دے دی جاتی ہیں۔

(۱۹۵) * یہود و نصاریٰ اسلام کے ساتھ ہمیشہ رقابت کا تعلق رکھتے تھے اور ہر موقعہ پر اس گھات میں رہا کرتے تھے کہ اپنے دین کی برتری یا اسلام کی کمتری ثابت کر دیں لیکن جب عین حج کے موسم میں آیت مذکورہ نازل ہوگئی تو ان کی حسرت کی حد باقی نہ رہی کہ ان کے پاس شریعت تورات جیسی بسیط شریعت موجود ہونے کے باوجود اکمالِ دین کی بشارت ان کے حصہ میں نہ آئی اور آئی تو کن کے حصہ میں جو ہمیشہ ان کے رقیب اور مدمقابل رہا کرتے تھے اس لیے جب ان سے کچھ اور بن نہ پڑا تو کھسیا کر ایک یہی اعتراض جڑ دیا کہ اگر یہ آیت ہمارے حق میں اترتی تو ہم اتنے خوش ہوتے کہ اس دن عید منایا کرتے ان کے علی الرغم حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ نادانو تمہیں یہ خبر نہیں کہ اس دن تو قدرتی طور پر ہماری دو عیدیں جمع تھیں۔ قرآن کریم کی یہ ایک ہی بشارت درحقیقت تین بشارتوں پر مشتمل ہے۔ اگر ان کی جدا جدا تفصیل کی جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی اس لیے ہم یہاں ابن عباسؓ کے صرف وہی کلمات نقل کرنے پر کفایت کرتے ہیں جو انہوں نے اس بشارت کی تشریح میں بہت مختصر مگر بہت جامع ارشاد فرمائے تھے۔

آج ہم تمہارا دین کامل کر چکے تو اب اس میں کبھی کسی زیادتی کی ضرورت نہ پڑے گی اور اپنی نعمت پوری کر چکے تو اب یہ دین کبھی ناقص نہ ہوگا اور تمہارے حق میں ہمیشہ کے لیے یہی دین پسند کر چکے تو اب کبھی اس سے ناراض نہ ہوں گے (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۹) شریعت موسویہ اپنے زمانہ میں گو کامل ہی شریعت تھی مگر کچھ زمانہ بعد اس میں پھر زیادتی کی ضرورت پیش آ گئی۔ مزید برآں یہ کہ وہ اس طرح مسخ ہوگئی کہ پھر اسی کی اتباع مغضوب علیہم اور ضالین کی شان بن گئی۔ اس آیت میں اہل اسلام کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ انقلابات کی آندھیاں یہاں بھی آئیں گی مگر ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اس دین میں زیادتی و نقصان کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔ یا یہ دین بھی ایسا محرف ہو جائے کہ اس کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کی رضاء کی بجائے اس کی ناراضگی کا موجب بن جائے۔ بالفاظِ دیگر اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ دین آخری دین ہے اس لیے تحریف اور نسخ دونوں سے محفوظ رہے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا دین مقبول نہ ہوگا۔

www.besturdubooks.net

بشارۃ المغفرۃ للمؤمن العاصی
مؤمن عاصی کے حق میں مغفرت کی بشارت

(۱۹۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الغفارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَبَشَّرَنِیْ اَنَّہٗ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِکَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ قُلْتُ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ قَالَ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ ثُمَّ قَالَ فِی الرَّابِعَۃِ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ. (رواہ الشیخان و الترمذی و عند البخاری فی باب الثیاب البیض و کان ابو ذر اذا حدث بھذا قال و ان رغم انف ابی ذر)

(۱۹۶) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور یہ خوش خبری لائے کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال پر مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیرایا ہو تو وہ جنت میں جائے گا میں نے عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء (جیسے کبائر کا) ارتکاب کیا ہو آپ نے فرمایا اگر چہ چوری و زناء کا ارتکاب کیا ہو' میں نے پھر عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زناء کا ارتکاب کیا ہو- آپ نے پھر وہی فرمایا چوتھی مرتبہ میرے اصرار پر فرمایا ہاں اگر چہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتنا ہی ناگوار گذرے- ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اس حدیث کو نقل کرتے تو آپ کے اس فقرہ کو بھی نقل کر دیتے تھے-

(۱۹۷) عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ نُعَیْمٍ قَالَ وَ کَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ. (رواہ احمد و الطبرانی)

(۱۹۷) سالم بن ابی الجعد سلمہ بن نعیم سے روایت کرتے ہیں (یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مر جائے کہ اس نے کسی کو اللہ تعالیٰ عز و جل کا شریک نہ ٹھیرایا ہو وہ جنت میں جائے گا اگر چہ چوری اور زناء کا مرتکب ہوا ہو- (اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

---

(۱۹۶) * آدمی بے چارے کی پرواز ہی کیا' یہ غریب رحمت کی وسعت کا اندازہ لگائے بھی تو کیا لگائے ایک کلمہ سے عمر بھر کے جرم بغاوت کی معافی کا اعلان سنتا ہے تو حیرت میں پڑ جاتا ہے- ادھر دیکھتا ہے کہ جو زبان اس کا اعلان کر رہی ہے وہ مبالغہ آمیزی کی عادی نہیں اس لیے مسرت و حیرت کے مابین وہ اس سوال کو بار بار دہرانے کے لیے مضطر ہو جاتا ہے جو حضرت ابوذرؓ کی زبانی ابھی آپ نے پڑھا- وہ چاہتا ہے کہ اپنے کانوں کے نارسائی اور قصور فہم کے جتنے موانع بھی ہو سکتے ہیں سب کو صاف کرے- اور یقین کرے کہ ان کے کانوں نے سننے میں غلطی نہیں کی عقل نے سمجھنے میں ٹھوکر نہیں کھائی اور بات درحقیقت یونہی تھی جو اس نے پہلی مرتبہ سنی- ابوذرؓ کے اس عالم حیرت کو ختم کرنے کے لیے یہی ایک تدبیر کارگر ہو سکتی تھی کہ ان سے ایسا محبت بھرا کلمہ سرزنش کہہ دیا جائے جو ان کی اس حیرت کو ختم کر دے اور اپنی لذت کو ان کے سینہ میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائے- اسی لیے حضرت ابوذرؓ جب اس روایت کو بیان فرماتے تو ساتھ ہی اس عتاب آمیز تلطف کو بھی ذکر کر دیتے خود محظوظ ہوتے اور ذوق محبت رکھنے والوں کو بھی محبت کی ان تلخیوں کی یاد دلا دلا کر محظوظ کرتے ؎

دادو دشنامے مرا محبوب جانی یک شبے   عمر بگذشت و ہنوزم لذت آں در دل است

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زناء و سرقہ کے بعد اگر زندگی کے آخری لمحات میں بھی اسلام نصیب ہو جائے یا ان گناہوں سے توبہ کر لے تو اس کے یہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور وہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا- (ص ۸۶۷)

www.besturdubooks.net

(۱۹۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ خَرَجْتُ لَیْلَةً مِنَ اللَّیَالِیْ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَمْشِیْ وَحْدَهٗ لَیْسَ مَعَهٗ اِنْسَانٌ قَالَ فَظَنَنْتُ اَنَّهٗ یَکْرَهُ اَنْ یَّمْشِیَ مَعَهٗ اَحَدٌ فَجَعَلْتُ اَمْشِیْ فِیْ ظِلِّ الْقَمَرِ فَالْتَفَتَ فَرَاٰنِیْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قُلْتُ اَبُوْ ذَرٍّ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاکَ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ تَعَالَهْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ سَاعَةً فَقَالَ اِنَّ الْمُکْثِرِیْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ خَیْرًا وَ نَفَخَ فِیْهِ یَمِیْنَهٗ وَ شِمَالَهٗ وَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ وَرَاءَهٗ وَ عَمِلَ فِیْهِ خَیْرًا قَالَ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ سَاعَةً فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ هٰهُنَا قَالَ فَاَجْلَسَنِیْ فِیْ قَاعٍ حَوْلَهٗ حِجَارَةٌ فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ هٰهُنَا حَتّٰی اَرْجِعَ اِلَیْکَ قَالَ فَانْطَلَقَ فِی الْحَرَّةِ حَتّٰی لَا اَرَاهُ فَلَبِثَ عَنِّیْ فَاَطَالَ اللَّبْثَ (و فی باب من اجاب بلبیک و سعدیک فسمعت فتخوفت ان یکون عرض لرسول الله صلی الله علیه وسلم فاردت ان اذهب ثم ذکرت قول رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تبرح فمکثت قلت یا رسول الله سمعت صوتا خشیت ان یکون عرض لک الخ) ثُمَّ اِنِّیْ سَمِعْتُهٗ وَ هُوَ مُقْبِلٌ وَ هُوَ یَقُوْلُ وَ اِنْ سَرَقَ وَ اِنْ زَنٰی قَالَ فَلَمَّا جَاءَ لَمْ اَصْبِرْ حَتّٰی قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ مَنْ تُکَلِّمُ فِیْ جَانِبِ الْحَرَّةِ مَا سَمِعْتُ اَحَدًا یَرْجِعُ اِلَیْکَ شَیْئًا قَالَ ذَاکَ جِبْرَئِیْلُ عَرَضَ لِیْ فِیْ جَانِبِ الْحَرَّةِ قَالَ بَشِّرْ اُمَّتَکَ اَنَّهٗ مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ یَا جِبْرَئِیْلُ وَ اِنْ سَرَقَ وَ اِنْ زَنٰی قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَ اِنْ سَرَقَ وَ اِنْ زَنٰی قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَ اِنْ سَرَقَ وَ اِنْ

(۱۹۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو باہر نکلا کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور شخص نہیں ہے میں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کسی کو لینا مناسب نہ سمجھا ہوگا لہٰذا میں چاندنی سے ہٹ کر اندھیرے اندھیرے میں چلتا رہا آپ نے رخ پھیرا تو مجھے دیکھا فرمایا کون؟ میں بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں ہوں ابو ذر۔ فرمایا اے ابوذر یہاں آؤ' میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یہاں بہت مال دار ہیں قیامت میں وہی سب سے زیادہ نادار ہوں گے مگر صرف وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے چاروں طرف (فقیروں کو خوب) دیا اور خوب اچھے اچھے کام کیے۔ پھر میں تھوڑی دیر ساتھ چلا تو مجھ سے فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے ایک صاف میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھر ہی پتھر تھے اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں بیٹھے رہنا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سنگستان کی طرف تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ میری نظروں سے غائب ہوگئے' آپ کو گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی (واپس آئے) تو میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے آ رہے تھے اگرچہ چوری کی ہو اگرچہ زنا کیا ہو جب میرے پاس تشریف لے آئے تو مجھ سے نہ رہا گیا آخر میں نے پوچھ ہی لیا یا نبی اللہ آپ پر قربان ہوں اس سنگستان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے بات چیت کرتے آ رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے کسی کی آواز نہیں سنی فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ اس سنگستان میں میرے پاس آئے تھے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو شرک سے پاک و صاف مر گیا وہ ضرور جنتی ہے۔ میں نے کہا اے جبریل علیہ السلام اگرچہ اس نے چوری اور زناء کیا ہو انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگرچہ اس نے چوری اور زنا کیا ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے پھر کہا اگرچہ اس نے چوری

www.besturdubooks.net

زَنٰى قَالَ نَعَمْ وَ اِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ. (رواہ البخاری فی الرقاق)

اور زناء کیا ہو انہوں نے فرمایا جی ہاں اگرچہ شراب بھی کیوں نہ پی ہو۔ (بخاری شریف)

الاسلام یھدم ما کان قبلہ من الذنوب

(۱۹۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا اَلْقَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ قَلْبِي الْاِسْلَامَ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَايِعَنِيْ فَبَسَطَ يَدَهٗ اِلَيَّ فَقُلْتُ لَا اُبَايِعُكَ حَتّٰى يُغْفَرَلِيْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِيْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَمْرُو

اسلام زمانہ کفر کے سب گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے

(۱۹۹) عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت ڈال دی تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا تا کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں آپ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا میں نے کہا میں اس وقت تک آپ سے بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ میرے سب پچھلے گناہ معاف نہ ہوں'

(۱۹۹) ٭ قرآن کریم نے رحمت کے اس عفو وکرم کے قانون کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الانفال:۳۸) "آپ! کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (اپنی حرکتوں سے) اب بھی باز آجائیں تو ان کے پچھلے قصور سب معاف کردیے جائیں گے" جو دین تمام ادیان کو ایک دین اور سب ملتوں کو ایک ملت بنانے آیا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ تمام اہل ملل کی سب سے زیادہ مشترک خواہش کو پورا کرنے کی ضمانت دے یہ ظاہر ہے کہ مذہب کی تلاش صرف اس لیے ہے کہ بندہ کو اپنے خالق کے قہر سے نجات حاصل ہوجائے اور فطرۃً یہی ایک گنہگار کی سب سے بڑی خواہش ہونا بھی چاہیے اس لیے اسلام اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہر ملک و ملت ہر نسل و رنگ کا جو گنہگار بھی اس کی آغوش میں آجائے گا وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور نجاتِ ابدی کے لیے ضامن ہوگا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں کے ساتھ ہے ان حقوق کے ساتھ نہیں جو قرض، عاریت، امانت اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں اس کے ذمہ ابھی موجود ہیں۔ اسلام ان سب حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں کرتا بلکہ اس کی ذمہ داری اور بڑھا دیتا ہے۔ قرض خواہ کا قرض ادا کرنا ہوگا۔ صاحب عاریت کی عاریت ضرور واپس کرنا ہوگی اور امانت دار کو اس کی امانت یقیناً سپرد کرنا پڑے گی۔ آیت مذکورہ اور عمرو بن العاص کی حدیث کا تعلق زناء و سرقہ، قتل و غارت جیسے جرائم اور صرف ان حقوق العباد کے ساتھ ہے جو کفر کے زمانہ میں ناحق تلف کردیے گئے تھے۔ اسلام کے بعد اب وہ سب محو ہوجائیں گے اور کیسے محو نہ ہوں جب کہ اسلام اس کے کفر و شرک کی اصل تاریکی ہی محو کرچکا ہے۔ کفر ایک موت ہے اور اسلام اس کے بعد ایک حیاتِ نو۔

لیکن جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار پڑ سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہوسکتے ہیں اس لیے اس کو ایسے اعمال کی ضرورت پھر باقی رہتی ہے جو اس کے اس جدید زندگی کے فروگذاشتوں کا کفارہ بن جائیں۔ حدیث مذکور نے اس کے لیے یہاں دو عمل بتائے ہیں ہجرت اور حج۔ یہ دونوں افعال اگر اپنے پورے شرائط کے ساتھ ادا کیے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اور خاص حج کے متعلق یہ بھی امید ہے کہ وہ حقوق العباد کا کفارہ بھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ صاحب حقوق کو اپنے خزانہ غیب سے ان کے حقوق کا عوض دے کر ان سے دست برداری دلا دے اور اسے معاف کردے۔ مشہور ہجرت تو ختم ہوچکی، حج روز ادا نہیں ہوتا اس لیے ایک کمزور انسان کو جو سرتاپا قصور ہی قصور ہے قدم قدم پر ایسے اعمال کی ضرورت ہے جو اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنتے رہیں اس لیے اسلام میں اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو اس کی اس درمیانی فروگذاشتوں کا کفارہ بن رہے ہیں۔ لیکن وہ سب اعمال کفارہ کے باب میں ملیں گے....

www.besturdubooks.net

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْهِجْرَةَ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ يَا عَمْرُو اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَجُبُّ مَا قَبْلَهٗ مِنَ الذُّنُوْبِ.

(رواه احمد و سعيد بن منصور فی سننه)

آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہجرت پہلے سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام پہلے گناہوں کا تمام قصہ پاک کر دیتا ہے۔

(سنن احمد)

(۲۰۰) عَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ الْمَهْرِیُّ قَالَ حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَ هُوَ فِیْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ يَبْكِیْ طَوِيْلًا حَوَّلَ وَجْهَهٗ اِلَی الْجِدَارِ فَجَعَلَ اِبْنُهٗ يَقُوْلُ يَا اَبَتَاهُ اَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا اَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا قَالَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ اِلَی الْجِدَارِ وَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ كُنْتُ عَلٰی اَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ لَقَدْ رَاَيْتُنِیْ وَ مَا اَحَدٌ اَشَدُّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّیْ وَ لَا اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَكُوْنَ قَدِ اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهٗ فَلَوْمُتُّ عَلٰی تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِیْ قَلْبِیْ اَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلَاُبَايِعُكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهٗ قَالَ فَقَبَضْتُ يَدِیْ قَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قَالَ قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَا ذَا قُلْتُ اَنْ يُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا

(۲۰۰) ابن شماسہ مہری سے روایت ہے کہ ہم عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کے دم واپسیں کے وقت حاضر تھے وہ زار و قطار رو رہے تھے اور دیوار کی طرف اپنا رخ کیے ہوئے تھے ان کے صاحبزادہ ان کو سمجھانے لگے۔ اے والد ماجد! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تو بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں یہ سن کر انہوں نے دیوار کی طرف سے اپنا رخ بدلا اور فرمایا بھئی سب سے افضل چیز جو ہم نے آخرت کے لیے تیار کی ہے وہ توحید و رسالت کی شہادت ہے۔ میری زندگی کے تین دور گذرے ہیں ایک دور تو وہ تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا مجھ سے زیادہ کوئی اور شخص نہ تھا اور جب کہ میری سب سے بڑی تمناء یہ تھی کہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا قابو چل جائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالوں یہ تو میری زندگی کا سب سے بدتر دور تھا۔ اگر (خدانخواستہ) میں اسی حال پر مر جاتا تو یقیناً دوزخی ہوتا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت ڈالی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے کہا لایئے ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ کیا: میں نے عرض کیا میں کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہ کہ میرے سب گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام تو کفر کی زندگی کے گناہوں کا تمام قصہ ہی پاک کر دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے تمام گناہ ساقط کر

ﷲ ..... فروعی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہجرت اسلامی زندگی کا ایک تاریخی عمل ہے اور حج جملہ ادیان میں اہمیت رکھتا چلا آیا ہے اس لیے ان دونوں کی حیثیت اصل کی ہے اور ان سب کے لیے اسلام کی حیثیت اصل الاصل کی۔

www.besturdubooks.net

عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَ اَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَ اَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَ مَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا اَجَلَّ فِيْ عَيْنِيَّ مِنْهُ وَ مَا كُنْتُ اُطِيْقُ اَنْ اَمْلَاَ عَيْنِيَّ مِنْهُ اِجْلَالًا لَهُ وَ لَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهُ مَا اَطَقْتُ لِاَنِّيْ لَمْ اَكُنْ اَمْلَاُ عَيْنِيَّ مِنْهُ وَ لَوْ مُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَ لِيْنَا اَشْيَاءَ مَا اَدْرِيْ مَا حَالِيْ فِيْهَا فَاِذَا اَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَ لَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَ يُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَ اَنْظُرَ مَا ذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ)). (رواہ مسلم)

دیتی ہے اور حج بھی پہلے سب گناہ ختم کر دیتا ہے- یہ دور وہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ و برتر میری نظروں میں کوئی اور باقی نہ رہا تھا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے میری یہ تاب نہ تھی کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر کر دیکھ سکتا اگر مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پوچھی جائے تو میں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے کبھی پوری طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں- کاش! اگر میں اس حال پر مر جاتا تو اُمید ہے کہ جنتی ہوتا- اس کے بعد ہم کچھ چیزوں کے متولی بنے اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا حال ان میں کیا رہا (یہ تیسرا دور زندگی تھا) اچھا دیکھو جب میری وفات ہو جائے تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ جانے پائے اور نہ زمانہ جاہلیت کی طرح آگ میرے جنازہ کے ساتھ ہو اور جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر میں اچھی طرح مٹی ڈالنا اور (جب فارغ ہو جاؤ) تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر کہ اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم ہو سکتا ہے تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگا رہے اور میں یہ معلوم کر لوں کہ اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوالات کے جوابات کیا دیتا ہوں-

(۲۰۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ قَتَلُوْا فَاَكْثَرُوْا وَ زَنَوْا فَاَكْثَرُوْا ثُمَّ اَتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَ تَدْعُوْ لَحَسَنٌ وَ لَوْ تُخْبِرُنَا اَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةٌ فَنَزَلَ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان:۶۸) و نزل ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر:۵۳)

(۲۰۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ مشرکوں نے خوب قتل اور خوب زنا کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور بولے جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جن کی دعوت دیتے ہیں وہ تو سب ٹھیک- کاش آپ ہمیں اس کا بھی اطمینان دلا دیتے کہ جو بدکاریاں ہم پہلے کر چکے ہیں ان کے بخشش کی بھی کوئی صورت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا نہیں مانتے اور جس کا خون اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر ضابطہ میں اور زنا نہیں کرتے اور جو یہ باتیں کریں وہ بڑے گناہ میں جا پڑے) اور یہ آیت بھی اتری (اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)-

www.besturdubooks.net

(۲۰۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْخٌ كَبِيْرٌ يُدَعِّمُ عَلٰى عَصَالَهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِنَّ لِيْ غَدَرَاتٍ وَ فَجَرَاتٍ فَهَلْ يُغْفَرُلِيْ قَالَ اَلَسْتَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ بَلٰى وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قَدْ غُفِرَلَكَ غَدَرَاتُكَ وَ فَجَرَاتُكَ. (رواه احمد و الطبرانی و سنده جید)

(۲۰۲) عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھا اپنی لکڑی کا سہارا لیے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کفر کے زمانہ میں بہت سی خیانتیں اور قسم قسم کی بیہودگیاں کر چکا ہوں کیا (اسلام کے بعد) وہ سب معاف کر دی جائیں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ؟ اس نے کہا کیوں نہیں میں تو یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جا تیری سب خیانتیں اور بیہودگیاں معاف ہو گئیں۔

(۲۰۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَ كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِاۃِ ضِعْفٍ وَ السَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا. (رواہ البخاری فی الایمان)

(۲۰۳) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام خوبصورت اسلام بن جاتا ہے تو جتنی برائیاں وہ پہلے کر گذرا تھا اللہ تعالیٰ سب معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی کے عوض میں دس نیکیوں سے سات سو گنا تک نیکیاں مل سکتی ہیں اور برائی کے بدلہ میں صرف ایک برائی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے (تو اب برائی کے بدلہ ایک برائی بھی نہیں لکھی جاتی)۔

---

(۲۰۲) * ہر عاصی فطرۃً اس کا متلاشی ہوتا ہے کہ اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے۔ اگر تبدیلی مذہب کے بعد بھی گناہوں کا بوجھ سر سے ہلکا نہیں ہوتا۔ تو پھر تبدیلی مذہب کا فائدہ؟ اس لیے اسلام یہ اطمینان دلاتا ہے کہ گنہگاروں کو مایوسی کا موقع نہیں ہے اگر دوسرے مذاہب یہ گارنٹی نہیں کرتے تو اسلام خوشی سے اس گارنٹی کے لیے تیار ہے ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

(۲۰۳) * حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ عقائد درست ہوں۔ ظاہر و باطن سے اسلام قبول کر لیا جائے اور ہر عمل کے وقت یہ تصور قائم رکھنے کی کوشش رہے کہ قادر مطلق کی نظر اس کو برابر دیکھ رہی ہے وہ اس سے دور نہیں بہت قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ رگ جان بھی اتنی قریب نہیں۔ جو نقل و حرکت وہ کرتا ہے اس کو خوب جانتا ہے۔ اس طرح اسلام قبول کرنے کا خاصہ یہ ہے کہ جو بدکاریاں وہ کفر کی زندگی میں کر چکا ہے وہ یک قلم معاف ہو جاتی ہیں اور اس کو ایک ایسی نئی اور پاک زندگی میسر آ جاتی ہے جیسا آج وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ شیخ محی الدین نووی فرماتے ہیں۔ کہ اسلام کی خوبصورتی یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے محض نمائشی اسلام نہ ہو کہ یہ نفاق ہے۔ پس جو دل سے مسلمان ہو گیا اس کے زمانہ کفر کے سب گناہ معاف ہو گئے اور جس کے دل میں نفاق رہا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔

www.besturdubooks.net

الاعمال بغير الایمان اجساد لا ارواح لها

(۲۰۴) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هٰكَذَا وَ رَفَعَ رَأْسَهُ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهُ فَمَا اَدْرِيْ اَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَكَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَ اٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ.

(رواه الترمذی و قال حدیث حسن غریب)

(۲۰۵) عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ

ایمان کے بغیر اعمال صرف خوشنما قالب ہیں جن میں روح نہیں

(۲۰۴) فضالہ بن عبید روایت فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطابؓ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شہید چار قسم کے ہیں ایک وہ کھرے ایمان والا جو دشمن کے مقابل ہوا اور اس بہادری سے لڑا کہ ثبات قدمی کی جو شان اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی بیان فرمائی تھی وہ اس نے اپنے عمل سے سچی کر دکھائی (اور نہایت دلیری سے لڑتا رہا) یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تو وہ مؤمن ہے جس کے مرتبے اتنے بلند ہوں گے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا کر اس طرح دیکھیں گے یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ راوی کہتا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے استاد کی مراد کس کی ٹوپی تھی حضرت عمرؓ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد فرمایا دوسرا وہ شخص ہے جس کا ایمان تو کھرا تھا لیکن وہ (بہادر نہ تھا) جب دشمن کے آمنے سامنے ہوا تو مارے بزدلی کے اس کا حال یہ ہو گیا کہ گویا اس کے جسم میں طلح درخت کے کانٹے چبھو دیے گئے۔ پھر کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر اس کے لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے۔ تیسرا وہ معمولی درجہ کا مؤمن ہے جس نے پہلے عمل کے ساتھ کچھ برے عمل بھی کیے تھے جب دشمن سے لڑا تو ایسی جانبازی سے لڑا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی جو شان بیان فرمائی تھی اس کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تیسرے نمبر کا شہید ہے۔ چوتھا وہ شخص ہے جس نے گناہ کرنے کی حد باقی نہ رکھی تھی (مگر بہادر تھا) جب لڑا تو اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کو سچا ثابت کر دیا اور خوب بہادری سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ چوتھے نمبر کا شہید ہے۔

(۲۰۵) ابو اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے براء کو یہ کہتے سنا ہے کہ

---

(۲۰۴) ✽ اس تقسیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد کبھی تو بہادر ہونے کے ساتھ متقی بھی ہوتا ہے کبھی صرف متقی ہوتا ہے بہادر نہیں ہوتا اس کے برخلاف کبھی ایک شخص بہادر تو ہوتا ہے مگر متقی نہیں ہوتا۔ پھر یہ غیر متقی یا تو معمولی طور پر گنہگار رہتا ہے اور کبھی کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے۔ طیبی فرماتے ہیں اس تقسیم سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعمال کی تمام قیمت ایمان ہی کے بعد ہے اسی لیے چوتھا شخص اگرچہ بہادر تھا اور دوسرا اگرچہ بزدل مگر ایمان ہی کے ضعف و قوت کے تفاوت سے یہ بہادر چوتھے نمبر میں اور وہ بزدل دوسرے نمبر میں پہنچ گیا ہاں اگر خوش قسمتی سے ایمان کے ساتھ بہادری بھی جمع ہو جائے تو اس کے کیا کہنے۔

(۲۰۵) ✽ یعنی زمانہ کفر کا بڑا عمل بھی بے وزن ہے اور ایمان کا تھوڑا سا عمل بھی بہت بھاری ہے۔ جاں نثاری کی تمام ✿ ....

www.besturdubooks.net

يَقُوْلُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيْدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُقَاتِلُ اَوْ اُسْلِمُ قَالَ اَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَاَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمِلَ قَلِيْلًا وَ اُجِرَ كَثِيْرًا. (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (زرہ پہنے) سرتاپا لوہے میں ڈھکا ہوا آیا اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں پہلے جہاد میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لے آؤں پھر جہاد کروں آپ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کر اس کے بعد جہاد کرنا۔ چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہوا اس کے بعد جہاد کیا اور شہید ہو گیا آپ نے فرمایا اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت پائے گا۔

مثل الذی یقرأ القران و لا یؤمن کالریحانة ریحها طیب و طعمها مر

اس کی مثال جو ایمان نہیں رکھتا اور قرآن پڑھتا ہے ناز بو کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی مگر ذائقہ تلخ ہوتا ہے

(۲۰۶) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَ يَعْمَلُ بِهٖ كَالْاُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيْحُهَا طَيِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِيْ لَا يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَ يَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيْحَ لَهَا وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ كَالْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ اَوْ خَبِيْثٌ وَ رِيْحُهَا مُرٌّ. (بخاری)

(۲۰۶) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مؤمن قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ سنگترے کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی اور جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا مگر خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان (ناز بو) کی سی ہے جس کی خوشبو تو بہت اچھی مگر ذائقہ تلخ اور جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اس کی مثال درخت حنظل کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی تلخ اور بو بھی ناگوار۔

(بخاری شریف)

لہ .... قیمت اس وقت ہے جب کہ وفاداری کا طوق گلے میں پڑا ہو ورنہ صرف وہ ایک غدار کی موت ہے جس صورت سے بھی آ جائے' خس کم جہاں پاک- اس لیے آپ نے اس شخص کو پہلے اسلام لانے کا مشورہ دیا- اس خوش نصیب کے گذشتہ گناہ تو اسلام سے معاف ہو گئے تھے پھر اس معصومی کی حالت میں جو پہلا عمل اس نے کیا وہ شہادت تھا اس لیے اس کے عمل کی مدت گو بہت قلیل رہی مگر ثواب کی بہت بڑی بازی جیت لے گیا- امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے ایک اور لطیف استنباط کیا ہے یعنی جہاد سے پہلے کوئی اچھا عمل کرنا مطلوب ہے تاکہ عمل خیر کی برکت ثبات قدمی میں معین ہو-

(۲۰۶) * یعنی جس طرح پھل کی صرف خوشبو سے اس کے ذائقہ کا حال معلوم نہیں ہوتا اسی طرح صرف قرآن پڑھنے سے کسی کے ایمان کا حال نہیں کھلتا اور جس طرح کہ پھل کی اصل خوبی اس کا خوش ذائقہ ہونا ہے صرف اس کی خوشبو نہیں وہ ایک سامان تفریح ہے اسی طرح انسان کی اصل خوبی ایمان ہے صرف تلاوت قرآن نہیں یہ مؤمن کے ایمان کی زینت ہے نہ کہ منافق کے نفاق کی مگر مشک جس کے پاس ہوگا خوشبو ہی دے گا اسی طرح قرآن جو تلاوت کرے گا اس کی خوشبو ضرور مہکے گی مگر صرف اتنی بات پر دھوکا نہ کھانا چاہیے عمل کی اصل روح ایمان ہے-

www.besturdubooks.net

بشارة التضعيف بعشر امثالها لمن اسلم

جو اسلام لے آئے اس کے لیے ایک نیکی پر دس نیکیوں کی بشارت

(۲۰۷) حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِىْ بِاَنْ يَّعْمَلَ حَسَنَةً فَاَنَا اَكْتُبُهَا لَهُ حَسَنَةً مَالَمْ يَعْمَلْ فَاِذَا عَمِلَهَا فَاَنَا اَكْتُبُهَا بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَ اِذَا تَحَدَّثَ بِاَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً فَاَنَا اَغْفِرُهَا لَهٗ مَا لَمْ يَعْمَلْهَا فَاِذَا عَمِلَهَا فَاَنَا

(۲۰۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرا بندہ جب اپنے دل میں کوئی نیک کام کرنے کا خیال کرتا ہے تو صرف اس خیال پر میں ایک نیکی لکھ دیتا ہوں' یہ تو اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اسے کرتا نہیں اور اگر یہ نیکی کر لیتا ہے تو اب اس کا دس گنا لکھتا ہوں اور جب دل میں کسی برائی کا خیال کرتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہوں اگر کر لیتا ہے تو اسے صرف ایک برائی لکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

---

(۲۰۷) * اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزم معصیت کے بعد اس پر عمل نہ کرنے پر نیکی صرف اس صورت میں لکھی جاتی ہے جب کہ اس معصیت کا نہ کرنا خدا کے خوف پر مبنی ہو' اگر نا سازگاری حالات کی وجہ سے یہ معصیت وجود میں نہ آ سکی یا کسی سہو ونسیان کی بناء پر ذہن سے نکل گئی تو اس قسم کی صورتوں میں صرف ترکِ معصیت سے وہ نیکی کا حق دار نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں اسراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنا ملنے کا ضابطہ ان خصوصی انعامات میں داخل ہے جو معراج کی پر اسرار شب میں آپؐ پر کیے گئے تھے۔ بہر حال جس امت کو قلیل مدت میں تمام امتوں پر فائق بنانا منظور تھا اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اس کے قلیل عمل کے لیے تضعیف کا ضابطہ وضع کر دیا جائے تا کہ اس جدید قانون کے ماتحت اس کے تھوڑے عمل بھی دوسری امتوں کے طویل مدتوں کے عمل سے بڑھ جائیں اور اس پیرایہ سے عمل کی بازی جس امت کو جتانی منظور تھی وہ جیت بھی جائے اور قانون عدل وفضل دونوں کا اقتضاء بھی پورا ہو جائے۔ اس حدیث میں کسی نیک یا بد کام کے عملی جامہ پہنانے یا ارادہ کرنے کی چار صورتیں مذکور ہیں۔

(۱) نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر لینا۔ (۲) نیکی کا صرف ارادہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا۔ عمل وارادہ کے اعتبار سے بدی کی بھی یہی دو صورتیں ہیں۔ اس طرح یہ چار صورتیں بن جاتی ہیں۔ پہلی صورت میں ایک نیکی دس گنا' سات سو گنا اور کبھی مراتب اخلاص کے اعتبار سے شمار کی حد بندی سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں صرف ارادہ پر پوری ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے لیکن بدی کا حکم یہ نہیں ہے۔ یہاں عمل کی صورت میں صرف ایک بدی لکھی جاتی ہے اور ارادہ کے بعد نہ کرنے پر بدی کے بجائے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں اسی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث النفس کی بجائے ھَمّ کا لفظ مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف خطرہ کا درجہ مراد نہیں بلکہ ارادہ کا وہ مرتبہ مراد ہے جس کے بعد عمل کے لیے دل میں فکر پیدا ہو جائے۔ اسی کا نام ھَمّ ہے۔ حزیم بن فاتک کے الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عزم مراد ہے صرف وسوسہ وخیال مراد نہیں۔

من هم بحسنة فلم يعملها فيعلم الله منه انه قد اشعر قلبه و حرص عليها كتبت له حسنة.

''جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات ثابت کر دی کہ وہ اس کا برابر احساس کر رہا ہے اور اس کو عمل میں لانے کے لیے حریص ہے پھر ان مراحل کے بعد بھی اگر اس کو نہ کیا تو بے شک اب اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔''

صرف حسنہ کے ارادہ پر ایک نیکی لکھے جانے میں تو کوئی تفصیل نہیں ہے لیکن سیئہ کے ارادہ کر لینے کے بعد نہ کرنے پر ایک ..... ؎

www.besturdubooks.net

اَكْتُبُهَا لَهُ بِمِثْلِهَا وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ رَبِّ ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيْدُ اَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً وَ هُوَ اَبْصَرُبِهٖ

فرشتے عرض کرتے ہیں اے پروردگار یہ تیرا بندہ برائی کرنے کا قصد کر رہا ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ان سے زیادہ ہوتا ہے) ارشاد ہوتا ہے ابھی اسے دیکھتے رہو اگر کرلے تو اس کی صرف ایک برائی لکھ لو اور اگر چھوڑ

لہ ..... حسنہ ملنے پر قدرے تفصیل کی حاجت ہے۔

عزم علی المعصیۃ کی وہ صورت جس سے مقصود شریعت کا استخفاف و استہزاء ہو یہاں زیر بحث ہی نہیں یہ تو کھلا ہوا کفر ہے۔ اسی طرح وہ صورت بھی زیر بحث نہیں ہے جہاں ایک شخص صرف اپنی خواہش نفس کی بنا پر کسی معصیت کا عزم کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد خدا کے خوف سے وہ اس معصیت کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہاں بھی بلاشبہ اس کے خوف و خشیت کی وجہ سے ایک حسنہ کا ثواب ملنا چاہیے جیسا کہ صورت مذکورہ میں اگر ترک معصیت کا داعیہ مخلوق کا خوف یا محض ریا کاری ہو تو اس سے مواخذہ ہونا چاہیے غور طلب صورت صرف یہ ہے کہ ایک شخص عزم کر لینے کے بعد خود بخود اپنے ارادہ میں سست پڑ جاتا ہے اور اس لیے عمل کرنے کی اسے نوبت ہی نہیں آتی۔ کیا اس کا صرف یہ عزم بھی معصیت شمار ہوگا یا جب کہ عمل کی حد تک پہنچا ہی نہیں تو معاف ہو جائے گا۔ فقہاء و متکلمین و محدثین کا مختار تو یہ ہے کہ چونکہ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لیے اس سے مواخذہ ہوگا گو یہ مواخذہ خود اس معصیت کے مواخذہ سے ہلکا ہے۔

ابن المبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے دریافت کیا کیا آدمی کے ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں جب پختہ ہو جائے امام شافعیؒ اور ابن حامد اس طرف ہیں کہ صرف عزم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جب تک کہ اس کو منہ سے نہ نکالے یا اس پر عمل نہ کرے۔ یہ تمام تفصیل ان معاصی کے ارادہ میں ہے جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہو مثلاً چوری' زنا' شراب خوری وغیرہ۔ رہ گئے وہ اعمال جن کو اعمال قلبیہ کہا جاتا ہے جیسے کفر' حسد' جذبہ ایذاء رسانی وغیرہ جہاں عمل جوارح کا سوال ہی نہیں تو یہاں بالا تردد صرف عزم بلکہ ہم پر بھی مواخذہ ہوگا۔

فقہاء و متکلمین اور امام شافعیؒ کے درمیان زیر اختلاف شق اب بھی تشنہ ہے۔ ہمارے نزدیک حافظ ابن رجب کی تفصیل یہاں بہت دل پذیر ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی معصیت کا پہلی ہی مرتبہ ارادہ کرتا ہے یعنی ابھی اس نافرمانی کی اپنی عمر بھر میں اسے نوبت ہی نہیں آئی تھی تو پہلی مرتبہ عزم پر اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ اس معصیت کا ذائقہ کبھی پہلے چکھ چکا ہے اور اب پھر اس کا عزم کر رہا ہے تو اس کے اس عزم پر بھی مواخذہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اب اسے صرف عزم نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اصرار کی تعریف میں آ جاتا ہے یہ قابل اغماض نہیں جیسا کہ وہ شخص جو عزم کے بعد اپنی جانب سے تو اس عمل کے تمام مقدمات پورے کر چکا ہو پھر کچھ آسمانی اسباب ایسے رونما ہو جائیں جو اس کو عملی جامہ پہنانے میں حائل ہو جائیں وہ بھی اس قدرتی معذوری کی بناء پر معذور نہیں کہا جا سکتا اب وہ بھی قابل درگذر نہیں ہے۔ اسی لیے جب آپ نے قاتل و مقتول کے متعلق جہنم کی وعید بیان فرمائی تو سامعین نے پوچھا کہ بے چارا مقتول دوزخ میں کیوں گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انه كان حريصا على قتل صاحبه ۔ وہ بھی تو اپنے بھائی کے قتل کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی سبب سے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قاتل و مقتول گناہ میں دونوں برابر ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ قاتل کا جرم شدید ہے اس کو سزا بھی شدید ملے گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو پورے عزم کے بعد عمل کے لیے قدم بھی اٹھا چکا ہے اگر چہ کسی سبب سے کامیاب نہ ہو سکا لیکن وہ اپنی اس غیر اختیاری ناکامی سے اپنے اس اختیاری عزم اور اس کو پورا کرنے کے اختیاری سعی کے جرم سے بری نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عزم کے بعد عمل کے لیے سعی کرنا قابل مواخذہ ہو سکتا ہے اسی طرح کسی معصیت کے ارتکاب کے بعد اس کا پھر ارادہ کرنا بھی قابل مواخذہ ہونا چاہیے کیونکہ اب یہ محض عزم باقی نہیں رہا بلکہ عمل کی ابتدائی کڑی سمجھا جائے گا اگر چہ وہ کتنی ہی تلہ .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ ارْقُبُوْهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِمِثْلِهَا وَ إِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّائِي. (رواه مسلم و البخاری نحوه)

دے تو اب اس کے حق میں اسے بھی ایک نیکی لکھ لو- کہ اس نے میرے ہی خوف سے اس برائی کو چھوڑا ہے-
(متفق علیہ)

بشارة التضاعيف لمن حسن اسلامه

جو اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرے اس کے لیے ایک نیکی پر سات سو گنا نیکیوں کی بشارت

(۲۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ بِإِسْلَامِهِ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَ كُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا وَ فِي رِوَايَةٍ إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا. (رواه الشيخان)

(۲۰۸) ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں کوئی سچا اور پکا مسلمان بن جاتا ہے تو پھر جو نیکی کرتا ہے وہ اس کے نامہ اعمال میں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جاتی ہیں اور جو برائی کرتا ہے وہ صرف اتنی ہی لکھی جاتی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ احتمال یہ بھی رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے (تو اب ایک بھی نہیں لکھی جاتی) (بخاری و مسلم)

ﷺ .... بعید ہو صرف عزم پر مواخذہ گونا مناسب معلوم ہوتا ہے مگر یہ واضح رہنا چاہیے کہ عمل کی تمام روح انسان کی قوت ارادی ہے- اگر انسان کی اس قوت کو پورے طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کے عزم پر کسی قسم کا کنٹرول قائم نہ رکھا جائے تو اس کے بعد معاصی و فواحش سے اس کو روکنا بہت مشکل بلکہ بے نتیجہ ہوگا لہٰذا اگر آپ صرف عزم پر مواخذہ کی مشکل پر غور کر رہے ہیں تو اس مشکل پر بھی ذرا غور کیجئے کہ اگر یہ اعلان کر دیا جائے کہ کسی بدتر سے بدتر گناہ جیسے قتل' چوری' زناء' شراب خواری کا پورا پورا عزم کرنے کے بعد بھی انسان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوتا تو کیا بالفاظ دیگر یہ ان افعال کی اجازت دینے کے مرادف نہ ہوگا- ارادہ کا یہ درجہ عمل سے بہت ہی قریب ہے- کیا اس مرتبہ سے اغماض اور دوسرے بالکل متصل نقطہ پر مواخذہ کرنا انسانی ضعف کے مناسب ہوگا- واللہ تعالیٰ اعلم-

(۲۰۸) ✱ حسنات کی اس تضعیف کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ایمان و اسلام سے گذر کر صفت احسان میں قدم رکھا جائے- حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ ایک نیکی پر اس کا دس گنا ملنا تو اس امت کے حق میں عام ضابطہ ہے لیکن خدا کی رحمت اپنا دروازہ اس حد پر پہنچ کر بند نہیں کرتی بلکہ سات سو اور اس سے بھی زیادہ دینے کے لیے کھلا رکھتی ہے جیسے جیسے یہ صفت احسان کامل ہوتی جائے گی یعنی عبادت میں جتنا خلوص اور اللہ تعالیٰ کی رویت کا جتنا تصور غالب ہوتا جائے گا اتنا ہی ایک نیکی کا ثواب بڑھتا جائے گا- اسی طرح بعض وقت خود عمل کی برتری و فضیلت اور کبھی ضرورت کا بروقت احساس کرنا بھی ایک نیکی کو بے شمار نیکیاں بنا دیتا ہے- ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ حسب ذیل آیت تو عام مسلمانوں کے بارے میں ہے-

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰) جو ایک نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ملے گا-

کہیے مہاجرین کے لیے کیا ضابطہ ہے- انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اور زیادہ ثواب اور یہ آیت تلاوت فرمائی - ﴿وَ إِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ۴۰) اگر نیکی ہو تو اس کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اور بڑا ثواب دیتا ہے- ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیاں بھی لکھ دیتا ہے جیسا کہ آیت بالا میں ہے کہ وہ اپنے پاس سے بڑا ﷺ ....

www.besturdubooks.net

اذا حسن اسلامه یکتب له فی الاسلام کل حسنة عملها فی الشرک

(۲۰۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْکَافِرَ اِذَا اَحْسَنَ اِسْلَامَهُ یُکْتَبُ لَهُ فِی الْاِسْلَامِ کُلُّ حَسَنَةٍ عَمِلَهَا فِی الشِّرْکِ. (ذکر الدارقطنی تلک الزیادۃ فی حدیث ابی سعید کما حکاہ النووی فی شرح مسلم)

اچھے اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیاں بھی نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں

(۲۰۹) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب آدمی کے اسلام میں خوب صورتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی تمام وہ نیکیاں جو اس نے شرک کے زمانہ میں کی تھیں اسلام کے بعد سب لکھ دی جاتی ہیں۔

(دار قطنی)

﴾..... ثواب اور بھی دیتا ہے۔ تو اب سوچو کہ اس ثواب کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۲۵۵)

بہر حال نیکیوں کی تضعیف اور زیادتی کا ضابطہ سات سو گنا پر جا کر ہی ختم نہیں ہوتا اس سے بھی کہیں اوپر پہنچتا ہے بے شک جس کی رحمت غیر متناہی ہو اس کے انعامات کی انتہا بھی نہ ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ علی الحساب داد و دہش اسلام کے اس اعلیٰ مرتبہ سے شروع ہوتی ہے جس کا نام احسان رکھا گیا ہے۔ اسلام و ایمان اور احسان کے ہر سہ ارتقائی مراتب کی تفصیل چند عنوانات کے بعد عنقریب آپ کے سامنے آنے والی ہے۔

(۲۰۹) * اس حدیث میں ایک بڑی اہم بحث یہ ہے کہ کیا زمانہ شرک و کفر کی نیکیاں بھی معتبر ہو سکتی ہیں۔ حافظ ابن حجر کا رجحان بظاہر نفی کی طرف معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کفر انسان کی اتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی نیک کام بھی نیک نہیں رہتا اور ابن منیر سے حدیث کی یہ توجیہ نقل کرتے ہیں کہ بحالتِ کفر کافر کے حسنات کا معتبر نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اسلام کے بعد بھی ان کو لکھا نہ جائے۔ اگر خدا تعالیٰ انسانی عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے زمانہ کے اعمال کا ثواب دے سکتا ہے تو اسلام کے بعد زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب کیوں نہیں دے سکتا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام لائے بغیر بھی کافر کی حسنات قابل ثواب شمار ہوں یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ وہ اس کے ضائع شدہ اعمال کو بھی بیش قیمت بنا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام جہاں ایک طرف اس کے خرمن معاصی کو خاک کر دیتا ہے دوسری طرف اس کی خاک شدہ نیکیوں میں پھر سر نو جان بھی ڈال دیتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ص ۲۸)

شیخ محی الدین نووی کا رجحان اس طرف ہے کہ زمانہ کفر کے اچھے کام بلکہ عبادتیں بھی معتبر ہو سکتی ہیں۔ وہ یہاں حدیث کی بجائے فقہاء کے قول کی تاویل کی طرف جا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ کافر کی کوئی عبادت صحیح نہیں ہوتی اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ دنیا میں ان پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا' رہ گیا ثواب کا معاملہ تو فقہاء نے اس کی نفی نہیں کی' یہ تو خدا کی دین کی بات ہے وہ چاہے تو عمل کے بغیر بھی نامہ اعمال میں نیکیاں درج کر دے تو اگر کافر کی کرائی عبادت پر ثواب بخش دے تو اس سے کیا بعید ہے۔ (نووی مصری ج ۱ص ۱۴۲) یہاں ابن بطال شارح بخاری ابراہیم حربی اور قرطبی جیسے متقدمین علماء و محدثین بھی امام نووی کے ہمنواء ہیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق ہم آئندہ ذکر کریں گے۔ اتنی بات یہاں بھی سن لیجئے کہ جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ کافر کی نیکیوں پر ثواب ملنے نہ ملنے کا ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نجات اسلام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

من اساء فی اسلامه یؤاخذ بما عمل فی الجاهلیة

جس نے اپنے اسلام کو بدنما بنا دیا اس سے دورِ جاہلیت کے اعمال پر بھی مواخذہ ہوگا

(۲۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ اُنَاسٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ اَمَّا مَنْ اَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْاِسْلَامِ فَلَا يُؤَاخَذُبِهَا وَ مَنْ اَسَاءَ اُخِذَ بِعَمَلِهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ الْاِسْلَامِ. (رواه الشيخان)

(۲۱۰) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا ہم سے ان افعال کی بھی باز پرس ہوگی جو ہم نے اپنے کفر کے زمانہ میں کیے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں اچھے کام کیے اس سے تو کچھ باز پرس نہ ہوگی لیکن جس نے اپنے اسلام میں بدنمائی پیدا کی اور برے کام کیے اس سے کفر و اسلام دونوں زمانوں کے افعال کی باز پرس کی جائے گی۔ (متفق علیہ)

---

(۲۱۰) * حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث بظاہر عمرو بن العاص کی گذشتہ حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ اسلام کسی تفصیل کے بغیر دورِ جاہلیت کی بداعمالیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اس حدیث سے کچھ تفصیل بھی ثابت ہو رہی ہے۔ شیخ محی الدین نووی وغیرہ کے مختار پر تو جواب ظاہر ہے' ان کے نزدیک اسلام کی خوبی یہ ہے کہ دل سے اسلام قبول کرے اور اس کی بدنمائی یہ ہے کہ محض زبان پر کلمہ اسلام ہو' دل ایمان و یقین سے یکسر خالی ہو' درحقیقت یہ اسلام ہی نہیں اس بنا پر اس حدیث کا خلاصہ یہ ہوگا کہ مذکورہ بالا بشارت اس اسلام پر ہے جس میں نفاق نہ ہو' منافقانہ اسلام سے صرف جان و مال کی عصمت تو حاصل ہو جاتی ہے مگر گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ ان کا بوجھ اور بڑھتا چلا جاتا ہے' حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ اسلام جو اس کا مدعی ہے کہ وہ دنیا میں تہذیب اخلاق کے لیے برائیاں مٹانے اور بھلائیاں پھیلانے کے لیے آیا ہے وہ روزِ اول ہی سے اپنے حلقہ بگوشوں سے یہ تقاضہ کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس کے دعوے کا ثبوت پیش کریں جو لوگ اس کے اس تقاضہ کو پورا کرتے ہیں ان کا اسلام سچا اور خوب صورت اسلام شمار ہوتا ہے۔ پس اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جب اسلام لائے تو دنیا کے سامنے عملاً اعلیٰ سے اعلیٰ تہذیب کا نمونہ پیش کرے' اپنے دل میں دورِ کفر کی بدکرداریوں اور بداخلاقیوں کی برائی محسوس کرے ان پر شرمندہ بھی ہو اور آئندہ اس کا عزم کرلے کہ اب اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد ان کا اعادہ پھر کبھی نہیں کرے گا' یہ ہے وہ مسلمان جو اپنے تمام گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا اپنی ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے لیکن ایک وہ ہے جو مسلمان تو ہو جاتا ہے مگر اآبائی طور پر مسلمان ہوتا ہے اور اب بھی شتر بے مہار کی طرح آزاد ہی پھرتا ہے اس کی بداخلاقی بدستور قائم ہے۔ طبیعت کی درشتی' نفس کی خست' مزاج میں خودغرضی و طمع کا وہی حال باقی ہے' غرض کہ اس کی عملی زندگی میں کوئی نمایاں انقلاب پیدا نہیں ہوتا' یہ بھی ایک مسلمان ہے لیکن اس کا اسلام خوب صورت اسلام نہیں اس میں معاصی کی بدنمائی بدستور موجود ہے اس نے اسلام کی صداقت کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا' وہ اس عظیم الشان بشارت کا حق دار نہیں۔ جو کل تک خدا کی نافرمانی سے شرمندہ نہیں تھا اور آج بھی اس پر نادم نہیں ہوا۔ اس کی نافرمانیوں کا بہی کھاتہ کیونکر پاک وصاف ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تفصیل نہایت منصفانہ اور معقول ہے۔ ملا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں اس کو شارح عقیدہ طحاوی سے توبہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔ وہ محققین کا قول یہی نقل کرتے ہیں کہ اگر اسلام کے ساتھ گذشتہ گناہوں پر توبہ بھی کی جائے تو ایسا اسلام تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اگر ان معاصی سے توبہ نہ کرے اور اسلام کے بعد اسی طرح گناہ کرتا رہے تو اس سے تمام گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔ (دیکھو شرح فقہ اکبر ص ۱۴۳)

www.besturdubooks.net

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیکار اور لایعنی باتوں سے کنارہ کش ہو جائے

(۲۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ

(۲۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار

---

(۲۱۱) ✱ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا آپ کو یہ رتبہ عالی کیسے ملا؟ آپ نے فرمایا تین باتوں سے (۱) راست گوئی۔ (۲) اداء امانت (۳) اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی عادت سے۔ (مؤطا)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بیکار باتوں سے مراد مباحات کا غیر ضروری سلسلہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مستحبات اور محرمات کے درمیان شریعت نے ایک درجہ مباحات کا بھی رکھا ہے اسے خدا کے محرمات کی سرحد کہنا چاہیے۔ یہاں پہنچ کر محرمات کی ظاہری دل فریبی کا نظارہ ہونے لگتا ہے اس لیے آپ مباحات کو اپنی نظر میں ہلکا نہ سمجھیں' عمل کے مسافر کے لیے یہ منزل بہت نازک منزل ہے جو اس منزل پر جا پہنچا اس کے لیے ہر وقت خطرہ ہے کہ اس کا دوسرا قدم اب محرمات ہی میں جائے گا۔ ان کی مشروعیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ مباحات کو خدا کی طاعات و عبادات کے لیے ذریعہ و وسیلہ بنائیں۔ اس کے احکام کی بجا آوری میں ان سے کام لیں۔ اب یہ مباحات بھی آپ کے لیے مستحبات کا حکم اختیار کرلیں گے لیکن اگر خدانہ کردہ آپ نے ان کو خدا کی معصیت کا ذریعہ بنالیا تو اب یہ مباح نہیں رہے ممنوعات و محظورات کی فہرست میں شمار ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ نکتہ سمجھ لیا ہے تو ان تمام احادیث کی مرادیں آپ پر روشن ہو جائیں گی جن میں مباحات پر بھی ثواب اور عقاب کا ذکر آ جاتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا۔ پانی پینا' شب میں سو رہنا حتیٰ کہ باہمی خوش طبعی کرنا بہت سے بہت مباح ہی کا درجہ رکھتے ہیں لیکن اگر یہ تمام کام آپ اس لیے کرتے ہیں کہ ان مباحات سے آپ کو خدا کی عبادت میں تقویت حاصل ہو۔ آپ کھائیں گے نہیں تو خدا کے فرائض بھی ادا نہیں کرسکیں گے۔ رات کو آرام نہیں کر سکے تو صبح کی نماز میں شریک بھی نہیں ہو سکیں گے' اگر اپنے بھائی سے خوش طبعی کریں گے تو باہمی محبت والفت پیدا ہوگی۔ اس کا دل خوش ہوگا آپ کا کچھ بگڑے گا نہیں۔ تو اب یہی سب مباحات موجب اجر بن جائیں گے۔ اسی طرح انگور کا عرق نکالنا مباح ہی ہے کچھ حرام نہیں لیکن اگر یہ فعل آپ نے اس لیے کیا ہے کہ اس کی شراب تیار کریں گے تو اب یہی فعل حرام کہلائے گا اسی لیے حدیث میں "عاصر" یعنی انگور کا عرق نکالنے والے پر لعنت آئی ہے۔ مباحات صرف اسی وقت تک مباحات ہیں جب تک ان میں نہ وہ نیت ہو نہ یہ' اگر آپ اسی عالم غفلت میں مباحات میں قدم رکھتے ہیں تو رکھ لیجئے مگر حدیث یہ کہتی ہے کہ یہ بھی فعل عبث ہے اور آپ کے حسن اسلامی پر ایک بدنما داغ ہے۔ شادی کی بہت سی رسمیں اباحت کا درجہ رکھتی ہیں اگر اعتدال کے ساتھ ادا کی جائیں اور شریعت کے حدود سے باہر نہ ہوں اور خوشی میں خوشی منانا مقصود ہے تو ان پر ثواب مل سکتا ہے لیکن ایسے انسان بہت کم ہیں جو مسرت اور غم میں اعتدال کی حالت قائم رکھ سکیں اس لیے وہ خدا کی اس وسعت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور مباحات کو محرمات بنا کر چھوڑتے ہیں اس پر طرہ یہ کہ وہ اسی خیال میں سرشار رہتے ہیں کہ ہم نے مباحات کے حدود سے قدم باہر نہیں نکالا حالانکہ ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ حدود شرعیہ سے ذرا تجاوز کرنے سے وہی مباحات محرمات کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ (دیکھو کتاب الایمان ص ۹ و ۳۰ و حجۃ اللہ ج ۳ ص ۱۰۱)

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ عنایت لغت میں کسی چیز کے خاص طور پر اہتمام کرنے کا نام ہے اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان یہ ہونا چاہیے کہ جو قول و فعل بھی اسلام کی نظر میں قابل اعتنا اور لائق اہتمام نہ ہو اس سے یک لخت کنارہ کش ہو جائے۔ پس جب تک ایک مسلمان محرمات و مشتبہات تو در کنار بے حاجت مباحات میں بھی قدم رکھنا ترک نہیں کرتا' اسلام کی صفت احسان تک ....

www.besturdubooks.net

تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ. (رواه الترمذی وغیرہ وحسنہ الحافظ ابن رجب الحنبلی فی جامع العلوم و الحکم) باتوں کا مشغلہ چھوڑ دے۔
(اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

لاحقہ ..... سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کسی خوش نصیب کو یہ مقام نصیب ہو جائے، خدا کا تصور اس پر اس درجہ غالب آ جائے کہ ہر حال میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ذات پاک گویا حاضر و ناظر ہو تو پھر بیکار باتوں کی طرف اس کا قدم خود بخود نہیں اٹھ سکتا اور اگر غفلت یا سہو نسیان کی بنا پر کبھی اس سے کوئی لغزش واقع بھی ہو گی تو اس کو ایسی ہی ندامت و شرمساری لاحق ہو گی جیسی کہ حقیقۃً خدا کے حضور میں یہ غلطی کر کے ہوتی اسی کو حدیث میں استحیاء من اللہ کہا گیا ہے یہ استحیاء اسی صفت احسان کا نتیجہ ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۸۰ و ۸۴)

اس حدیث کی اہمیت کے پیش نظر ما لایعنی کے لفظ کی کچھ اور توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ لفظی وسعت کے لحاظ سے تو ''لایعنی'' کا لفظ اقوال و افعال سب کو شامل ہے لیکن محاورہ و استعمال کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کا زیادہ تر اطلاق لغو باتوں پر ہوتا ہے اسی کی طرف حسب ذیل آیت و احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ. (ق:۱۸) ''کوئی بات اپنے منہ سے نہیں نکالتا مگر ایک نگران اس کے پاس لکھنے کو تیار رہتا ہے۔''

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ. (النساء:۱۱۴)
''ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بہتری اور خیر کا نام نہیں مگر ہاں جو خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کی صلاح دے۔''

(۱) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بیکار باتیں نہ کرے۔ (مسند امام احمد)

(۲) جو آدمی اپنے عمل اور باتوں کا موازنہ کرتا رہے گا وہ خود بخود صرف حاجت کی بات کرنے کا عادی بن جائیں گا۔ (ابن حبان)

(۳) اسی حقیقت کے مخفی رہنے کی وجہ سے حضرت معاذؓ نے یہ سوال فرمایا تھا یا رسول اللہ جو باتیں ہم کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے گرفت کی جائے گی آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ زیادہ تر تو لوگ اسی جا و بیجا زبان چلانے کی بدولت ہی دوزخ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے۔

(۴) حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ابن آدم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اس کے نقصان ہی نقصان کی ہوتی ہے نفع کی نہیں ہوتی بجز ان صورتوں کے بھلی بات کا حکم دینا، بری بات سے روکنا اور اللہ کی یاد کرنا۔ (ترمذی)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک صحابی کا انتقال ہو گیا تو کسی نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو آپ نے فرمایا تمہیں کیا خبر ہے شاید کبھی اس نے بیکار بات منہ سے نکالی ہو یا اپنی حاجت سے زیادہ چیز پر بخل کیا ہو۔ (ترمذی)

(۶) ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی قوم کا سردار ہوں جو کہتا ہوں میری مانتے ہیں ان سے کیا کہوں آپ نے فرمایا کہ ہر کس و ناکس کو سلام کیا کریں اور غیر ضروری باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ (ابن ابی الدنیا)

(۷) ایک صحابی کی بیماری میں (عیادت کے لیے) کچھ لوگ گئے دیکھا تو وہ بہت ہشاش بشاش تھے۔ سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا دو عمل میرے پاس ایسے ہیں کہ ان سے زیادہ بخشش کی امید مجھے کسی عمل پر نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ میں غیر ضروری باتیں نہ کرتا تھا۔ دوم یہ کہ تمام مسلمانوں کی طرف سے میرا سینہ صاف اور ٹھنڈا رہا کرتا تھا۔ (ابن ابی الدنیا)

(۸) حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کرنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس کو بیکار باتوں کے مشغلہ میں الجھا دے۔

(۹) سہل تستریؒ فرماتے ہیں جو بے ضرورت باتیں کرے گا وہ راست گوئی سے محروم ہو جائے گا۔

(۱۰) معروف کرخیؒ فرماتے ہیں آدمی کی بیکار باتوں کا مشغلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رسوا کرنے کی ایک علامت ہے۔ لاحقہ ....

www.besturdubooks.net

30 بشارة التجاوز عن حديث النفس و الخطأ و النسيان

دل کے خطرات اور بشری بھول چوک پر درگذر کی بشارت

(۲۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسَهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا اَوْ يَعْمَلُوْا بِهٖ. (رواه مسلم)

(۲۱۲) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے خاص میری امت کے حق میں وہ وساوس جو صرف ان کے دلوں میں گذریں معاف کر دیئے ہیں جب تک کہ وہ اپنی زبان سے ان کو ادا نہ کریں یا عملی جامہ نہ پہنائیں۔ (مسلم)

(۲۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ اَیُّ

(۲۱۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

☆..... اس قسم کی احادیث اور بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا زیادہ تر تعلق اقوال ہی کے ساتھ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان بیکار اور بے حاجت قول و فعل چھوڑنے اور ضرورت کے مطابق بات اور اسی کے موافق کام کرنے کا عادی بن جائے تو اسے بشارت ہو کہ اب اس نے صفت احسان میں قدم رکھ دیا ہے اور اب اس کی ایک نیکی صرف دس یا سات سو نیکیوں ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کے لیے رحمت کا وہ وسیع دروازہ کھل گیا ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نازک حسن بیکار باتوں کی ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا پھر آپ یہ کیا سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ کی غفلت اور من مانی آزادی کے بعد بھی اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔

(۲۱۲) ✻ جو وساوس کہ اپنے اختیار کے بغیر پیدا ہوں اور بلا توقف دل سے نکل جائیں یا کچھ ٹھہریں مگر اس کو عملی جامہ پہنانے کی دل میں کوئی فکر نہ ہو یا کچھ فکر تو پیدا ہو مگر کسی ایک جانب میلانِ خاطر نہ ہو یہ سب اقسام اس امت کے حق میں معاف کر دیئے گئے ہیں۔ ہاں اگر کسی جانب رجحان پیدا ہو گیا ہے تو اگر یہ رجحان خیر اور نیک عمل کی طرف ہے تو اس پر اجر ہے اور اگر برائی کی جانب ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اگر یہ خیال پختہ ہو کر عزم کی صورت اختیار کر گیا ہے تو پھر نیکی میں اجر یقینی ہے اور بدی کی صورت میں مواخذہ کا امکان ہے۔ حدیث مذکور میں جس مرتبہ کی معافی کا اعلان کیا گیا ہے وہ حدیث النفس ہے عزم نہیں۔ عزم کی تفصیل ابھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں وساوس و خطرات کی وہی قسم مراد ہے جو کسی قول یا عمل کے ابتدائی مراحل میں پیش آتی ہے۔ عقائد فاسدہ یا اخلاقِ رذیلہ جن کا تعلق صرف قلب سے ہے جوارح سے نہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں پس اگر خدا کی وحدانیت یا رسولؐ کی رسالت میں وساوس داخل ہو کر تردد کی حد تک پہنچ گئے ہیں تو قابل مواخذہ ہیں عقائد کے باب میں عزم ہی عزم درکار ہے۔ اسی طرح حسد' کینہ' کبر' فریب' مسلمان پر ناحق بدگمانی' یہ سب کے سب اعمال قلبیہ ہیں۔ حدیث مذکور سے ان کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس حدیث میں صرف ان وساوس کا ذکر ہے جو زنا و سرقہ جیسے افعال یا غیبت وغیرہ جیسے اقوال سے پہلے انسان کے دل میں گذرتے ہیں۔ پس اگر غیبت' زنا و سرقہ وغیرہ کرنے کی نوبت نہیں آتی اور یہ خیالات صرف دل میں گذر کر رہ جاتے ہیں تو شانِ رحمت ان کی معافی کا اعلان کرتی ہے۔

(۲۱۳) ✻ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ''الحنيفية'' وہ دین ہے جو ملت ابراہیمی کی طرح شعائر اللہ کے استحکام اور شعائر شرک کے استیصال اور رسوم فاسدہ و عقائد باطلہ کے ابطال پر مبنی ہے اور ''السمحة'' وہ ہے جس کی تعلیم میں رہبانیت اور ناقابل برداشت مجاہدات نہ ہوں اور اس میں ایسی رخصتیں بھی موجود ہوں جو بوقت ضرورت بشری ضعف کو نبھالیں اور ''العيها'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی علتیں اور حکمتیں ایسی ☆.....

www.besturdubooks.net

اَلْاَدْیَانِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَنِیْفِیَّۃُ السَّمْحَۃُ 30

(رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر و الاوسط و البزار و البخاری فی الادب المفرد و فی الصحیح تعلیقا)

علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب دینوں میں اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پیارا ہے؟ فرمایا ابراہیم علیہ السلام کا جو نہایت سہل اور آسان تھا۔

(مسند احمد' بزار' ادب المفرد' طبرانی)

لے .....واضح اور صاف ہوں کہ ہر ذی فہم کی سمجھ میں بآسانی آسکیں (دیکھو حجۃ اللہ ص ۱۲۸ مصری) حنیف دراصل وہ ہے جو ہر باطل سے بیزار ہو کر ایک مولیٰ حقیقی کا رخ کر چکا ہو۔ حضرت خلیلؑ کی زندگی طفولیت سے لے کر آخر تک اس خصوصیت کا مرقعہ تھی اس لیے انبیا علیہم السلام میں یہ لقب ان ہی کا مشہور ہو گیا ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام کا سب گروہ حنفاء تھا اب اصطلاح میں صرف ملت ابراہیمی ملت حنیفیہ کہلاتی ہے۔ دین محمدی چونکہ جملہ ادیان کی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور ملت ابراہیمی کی بڑی خصوصیت یعنی یسر و سہولت تو اس کا سب سے نمایاں عنصر ہے اس لیے اور ملتوں کی نسبت ملت محمدیہ اس کے قریب تر ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو اپنی تفسیر میں چالیس احکام شمار کر کے ایسے تحریر فرمائے ہیں جو ان ہر دو ملتوں میں تقریباً مشترک ہیں گویا دین محمدی کی زمین ملت ابراہیمی ہے اس لیے اس لقب پانے کی سب سے زیادہ مستحق یہی ملت ہے۔ ناظرین کے سامنے ان احکام کی مختصر فہرست پیش کرنا خالی از بصیرت نہ ہوگا۔

(۱) دشمنان خدا سے جہاد کرنا۔
(۲) بت شکنی۔
(۳) غیر اللہ کی منت نہ ماننا۔
(۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح نہ کرنا۔
(۵) رزق' شفا اور موت کو صرف مسبب الاسباب کے قبضہ قدرت میں تصور کرنا۔
(۶) اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا۔
(۷) کہانت باطل سمجھنا۔
(۸) بدفالی کا قائل نہ ہونا۔
(۹) کسی ساعت کو منحوس نہ سمجھنا۔
(۱۰) کواکب پرستی کا انکار کرنا۔
(۱۱) نجومیوں سے مستقبل کے واقعات دریافت نہ کرنا۔
(۱۲) آداب قربانی۔
(۱۳) خصال فطرت۔
(۱۴) جملہ افعال حج۔
(۱۵) کعبہ کا قبلہ ہونا۔
(۱۶) مصیبت پر صبر کرنا۔
(۱۷) نوحہ وغیرہ نہ کرنا۔
(۱۸) تصویر کی حفاظت اور مصوری سے اجتناب کرنا۔
(۱۹) ترک نکاح' ترک لذائذ' ترک لباس و نفائس اور گوشہ نشینی جیسے افعال اختیار نہ کرنا۔
(۲۰) عبادت میں اتنی افراط سے اجتناب کرنا جس سے حقوق العباد تلف ہوں۔
(۲۱) کسب معاش۔
(۲۲) بلا ضرورت سوال نہ کرنا۔
(۲۳) لباس صاف' ستھرا رکھنا۔
(۲۴) لہو و لعب سے احتراز کرنا۔
(۲۵) والد کو اولاد اور اولاد کو والد کے جرم میں گرفتار نہ کرنا۔
(۲۶) حرمت زنا وغیرہ۔
(۲۷) ستر عورت۔
(۲۸) ختنہ کرنا۔
(۲۹) عقیقہ کرنا۔
(۳۰) آداب ضیافت۔
(۳۱) پوشش و لباس کے احکام۔
(۳۲) عبادت کے وقت اچھی ہیئت کا خیال رکھنا۔ لہ....

www.besturdubooks.net

(۲۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ

(۲۱۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی بھول چوک اور وہ تمام

بقیہ ..... (۳۳) اشہر حرام کا احترام کرنا۔ (۳۴) محرمات نکاح۔
(۳۵) نکاح میں شاہدوں کا ہونا۔ (۳۶) زکوٰۃ۔
(۳۷) چاشت کی چار رکعتیں۔ (۳۸) تحریمہ میں رفع یدین کرنا۔
(۳۹) رکوع کا سجدہ پر مقدم ہونا۔ (۴۰) نماز کی ہر نقل و حرکت میں تکبیر کہنا۔

(فتح العزیز ص ۴۹۶ و ۴۹۷)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ہیں جو دونوں ملتوں میں مشترک ہیں یہاں سب کے استقصاء کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

(۲۱۴) ✱ خطاء و نسیان کی دو کمزوریاں انسان کے خمیر میں داخل ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ بنی ادم فنسیت ذریته خطاء ادم فخطاءت ذریته۔ حضرت آدم علیہ السلام بھولے تو بھولنے کی سرشت ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہوگئی' وہ چوکے تو اس قصور کا اثر ان میں بھی ظاہر ہو کر رہا اس لیے رحمت بھی ان پر مواخذہ نہیں کرتی اور ان کے عفو کا اعلان کرتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہیں ہوتا اور جبر و اکراہ کی حالت میں گو شعور' ارادہ اور اختیار موجود ہوتا ہے مگر جبر کی وجہ سے معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ان تینوں حالتوں کا ذکر کیا ہے خطاء و نسیان کا حسب ذیل آیت میں:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا. (البقرۃ: ۲۸۶) ''اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ فرما۔''

خطاء و نسیان گو انسان کے ایک فطری ضعف کا اثر ہے لیکن پھر ان میں کچھ نہ کچھ اس کے تساہل اور لاپرواہی کا دخل ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسیان اسی جگہ پیش آتا ہے جہاں آدمی کو زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح خطاء بھی ضرور کسی نہ کسی بے احتیاطی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پس دعاء کے ان الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کی شان عبدیت کے یہ نامناسب ہے کہ وہ اپنے تساہل کو کوئی جرم ہی تصور نہ کرے۔ اس تصور سے اس میں تساہل اور بے احتیاطی کی سرشت اور پختہ ہوگی۔ اس کو یہ احساس کرنا چاہیے کہ معصیت گو نسیان و خطاء کی بنا پر سرزد ہو اور گو شان رحمت اسے عفو بھی کر دے مگر ہے قابل گرفت و مواخذہ۔ اس لیے پہلے اسے اپنے اس تساہل اور لاپرواہی کے جرم کا اعتراف کر لینا چاہیے پھر بارگاہ رحمت کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس کے عفو کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ لفظ إِنْ جو شرط کے لیے آتا ہے یہاں اسی لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری سعی و کوشش تو یہی تھی اور یہی آئندہ بھی رہے گی کہ ہم سے بھول چوک سے بھی تیری معصیت نہ ہو۔ لیکن اگر ضعف بشری کی بنا پر ہو جائے تو پھر تو اپنی شان ربوبیت کے صدقہ میں اس پر مواخذہ نہ کرنا۔

اکراہ کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النحل: ۱۰۶)
''جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے مواخذہ نہیں)۔''

بندہ کی شان عبدیت تو یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں اس کی نظر اپنی کوتاہی کی طرف لگی رہے اور رب العزت کی شان رحمت یہ ہے کہ وہ ان مجرموں سے عفو و درگذر کا اعلان کرتی رہے۔

وہ باری خطا کی جتاتے رہیں
میں ان کے بھروسہ پہ ہارا کروں ..... بقیہ

www.besturdubooks.net

وَ النِّسْيَانُ وَ مَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ. — باتیں معاف کردی ہیں جو ان سے بہ جبر کرائی جائیں۔

(رواه ابن ماجة و البيهقي و ابن حبان في صحيحه و الدارقطني و قد خرجه الحاكم و قال صحيح على شرطهما قال الحافظ ابن رجب و لكن له علة و قد انكره الامام احمد جدًا و قد خرجه النسائي و لم يذكرا لا كراه و الحديث فخرج من رواية ابى قتادة في الصحيحين و السنن و المسانيد بدونها و حسنه الحافظ ابن رجب و راجع جامع العلوم و الحكم ص ٢٧١)

بشارة كون الدين يسرا كله — دین محمدی کے سرتاسر سہل اور آسان ہونے کی بشارت

(۲۱۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّيْنُ يُسْرٌ. (اخرجه احمد و البخاري في الادب المفرد وفي الصحيح في ترجمة الباب وعند احمد خَيْرُ دِيْنِكُمْ اَيْسَرُهُ. قال الحافظ اسناده حسن)

(۲۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دین بہت آسان ہے اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے تمہارے سب دینوں میں بہتر وہ ہے جو سب میں آسان ہو۔

(۲۱۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَ الرَّوْحَةِ وَ شَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ. (رواه البخاري في الايمان)

(۲۱۶) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین بہت آسان ہے جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آجائے گا لہٰذا سیدھے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں مت کرو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا ہے) صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کر کے (دین پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے کی) قوت حاصل کرو۔

(۲۱۷) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۱۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

لہ .... اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث کا تعلق صرف اس بے نیاز کے حق سے ہے جس کا معصیت سے کچھ بگڑتا نہیں اور عفو سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ بندوں کے حقوق کے ساتھ نہیں جو بہت بخیل اور کمزور ہیں اس لیے اگر ان صورتوں میں ان کے حقوق تلف ہوں گے تو ان کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ ہاں ان کے تساہل کا جو گناہ تھا وہ معاف ہو جائے گا۔

(۲۱۶) ٭ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کے ہم معنی ایک اور روایت محجن بن ادرع سے نقل کی ہے "انكم لن تنالوا هذا الامر بالمغالبة و خير دينكم اليسرة." (تم دین کو زور آزمائی کر کے ہرگز نہیں پا سکتے تمہارا سب سے بہتر دین وہ ہے جو آسان ہو) ابن منیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عبادت میں جد و جہد کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس افراط کی ممانعت ہے جس کا نتیجہ فرائض و واجبات کا ترک بن جائے۔ عزیمت پر عمل کرنا بے شک افضل ہے مگر خدا کی رخصتوں کو دائمی طور پر ترک کر بیٹھنا بھی سمجھ کی بات نہیں جو شخص تیمم کے موقعہ پر ہمیشہ وضو کرنا ضروری تصور کرے گا اسے آخر ایک دن جھک مار کر خدا کی رخصتوں کے دامن میں پناہ لینا پڑے گی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے زمانہ شباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ رخصتوں پر عمل نہ کیا آخر ضعف کے زمانہ میں انہیں پچھتانا پڑا اور یہ حسرت ہوئی کہ کاش انہوں نے آپؐ کی رخصت کو قبول کر لیا ہوتا۔

(۲۱۷) ٭ یہ نرمی اور سہولت ملت ابراہیمیہ کی بنیاد اور اساس ہے اور اس کی اسی بنیاد پر شریعت محمدیہ کی تعمیر اٹھائی گئی ہے۔ اگر اس پر تفصیلی بحث کی جائے تو ہمیں تمام شریعت پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ہوگی۔ اور اس اجمال میں پھر اتنی تفصیل پیدا ہو جائے گی جس کی ہمارے لہ ....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ مَتِيْنٌ فَاَوْغِلُوْا فِيْهِ بِرِفْقٍ وَ لَا تُبَغِّضُوْا اِلٰى اَنْفُسِكُمْ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَ لَا ظَهْرًا اَبْقٰى (قَالَ

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ دین نہایت موزوں اور مضبوط ہے اس کو نرمی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرو (اور زیادہ سختیاں اٹھا اٹھا کر) خدا کی عبادت سے اپنے دل میں نفرت نہ پیدا کرو کیونکہ زیادہ تیز رو مسافر اپنی

لله ....ان مختصر نوٹوں میں جگہ نہیں ہے اس لیے ہم یہاں صرف وہ اصول تیسیر پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں- جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمائے ہیں ان کی روشنی میں آپ تمام شریعت کا جائزہ لے کر بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ اس شریعت میں دوسرے ادیان کی نسبت سے کتنی سہولت کی رعایت رکھی گئی ہے- شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یسر و سہولت کے لیے حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے-

(۱) کسی عبادت کے لیے ایسی چیز کو رکن و شرط کی حیثیت نہ دی جائے جس کی ادائیگی میں دشواری ہو- شریعت محمدیہ میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا اسی لیے لازم قرار نہیں دیا گیا- لولا ان اشق علی امتی لا مرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ کا مفہوم یہی ہے- یعنی اگر اپنی امت کے مشقت میں مبتلا ہو جانے کا مجھے خطرہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے ساتھ انہیں مسواک کرنے کا حکم دے دیتا-

(۲) اگر کسی دشوار چیز کا حکم دیا جائے تو اس میں تدریج کا خیال رکھا جائے تا کہ اس دشواری میں پھر ایک سہولت پیدا ہو جائے شراب کی حرمت کا مسئلہ بالخصوص عرب کے لیے جتنی دشواری کا موجب ہو سکتا تھا ظاہر ہے لیکن اسی اصل کے پیش نظر اس کی صاف و صریح حرمت پہلے پہل نازل نہیں کی گئی بلکہ رفتہ رفتہ اس کی مذمت اور برائیاں اس انداز سے بیان کی گئیں کہ ان سے آئندہ صریح حرمت کے لیے قلب میں جگہ پیدا ہوتی چلی گئی- آخر کار تیسری بار صاف ممانعت نازل ہوگئی' اس طرح وہ حکم جو پہلے ناقابل عمل تھا اب خوشی خوشی قابل عمل بن گیا-

(۳) طبعی میلان اور طبعی تنفر کا لحاظ بھی رکھا جائے اسی بناء پر اسلام میں غلام' نابینا' مجہول النسب شخص کی امامت کو پسند نہیں کیا گیا کہ بہت سے حالات میں ان کی امامت تنفر کا موجب بن سکتی ہے اسی طرح امام یا کسی مقتدیٰ و بزرگ کی موجودگی میں ان کی امامت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے اسی لیے ان کی موجودگی میں دوسروں کی امامت ناپسندیدہ قرار دی گئی-

(۴) انسان کی فطرت میں مسرت و غم کے موقعہ پر کچھ رسوم منانا بھی داخل ہے جن کی ادائیگی وہ اپنی زندگی کا ایک ثبوت سمجھتا ہے اس کے اس اقتضاء کی بھی رعایت کی جائے- عیدین اور جمعہ کی مشروعیت اسی اقتضاء کے پورا کرنے کے لیے ہے-

(۵) اس دین کا ایک حصہ ایسا بھی ہونا چاہیے جس کی طرف رغبت کرنے میں طبیعت کے ساتھ عقل بھی شریک ہوتا کہ طبیعت و عقل ہر دو کی اجتماعی رغبت سے دین میں سہولت در سہولت پیدا ہو جائے- مسجد کی صفائی' جمعہ و عیدین کا غسل' خوش الحان مؤذن و امام وغیرہ کا حکم اسی نظریہ کے ماتحت ہے-

(۶) عوام کے جذبات کی تاامکان رعایت کی جائے- خانہ کعبہ میں آمد و رفت کے لیے دو دروازہ قائم کرنے کا ارادہ آپ نے اسی لیے فسخ فرما دیا تھا کہ اس میں قریش کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ تھا مبادا وہ یہ خیال کر گذریں کہ آپ نے ان کے بزرگوں کی یادگار کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور ان کی قدیم بنا کو توڑ کر نئی تعمیر کر ڈالی- یہاں اسی مفسدہ کی خاطر اس مصلحت کو ترک کر دیا گیا مگر اس کے حدود کہاں تک ہوں گے یہ بہت طویل الذیل مسئلہ ہے-

(۷) ارکان و شرائط کی تحدید و تعیین کی جائے مگر نہ اتنی کہ بجائے سہولت کے اور مصیبت بن جائے' ایک حد تک ان کو متعین بھی کر دیا جائے اور اس کے بعد ان کی عقلوں کے سپرد کر دیا جائے مثلاً قراءۃِ فاتحہ نماز کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے مگر مخارج' حروف کی ادائیگی اور طرز قراءت کو معروف طریقہ پر چھوڑ دیا گیا ہے نماز کے لیے استقبالِ قبلہ ضرور شرط کیا گیا ہے مگر تعیین سمت قبلہ کے لیے براہین ہندسیہ' طول و عرض بلدہ کا علم شرط نہیں کیا لله ....

www.besturdubooks.net

العراقی فی تخریج الاحیاء . (رواہ احمد من حدیث انس و البیہقی من حدیث جابر) سواری ہلاک کر دیتا ہے اور منزل مقصود طے کرنے سے بھی رہ جاتا ہے (یہی مثال عبادت میں حد سے زیادہ جدو جہد کرنے والے کی ہے)۔

... گیا۔ رمضان کے روزوں کے لیے ماہ رمضان شرط کیا گیا ہے مگر یہاں بھی زائچہ وجنتری کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ صرف چاند کے طلوع پر مدار رکھ دیا گیا ہے اور ابر وغبار کی صورت میں تیس دن پورے کر لینا کافی سمجھ لیا گیا ہے۔

(۸) جو شخص دوسروں کے حقوق تلف کر دے اس کے حقوق بھی تلف کر دیئے جائیں۔ اسی قاعدہ کے ماتحت قاتل کو وراثت سے محروم کیا گیا ہے۔

(۹) علم کی اہمیت' وعظ ونصیحت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اتنا اہتمام کیا جائے کہ قانون الٰہی پر عمل کرنے کی تازہ روح پیدا ہو جائے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعائیں کرنا چاہیے کہ وہ اس قوم کو مہذب اور کامل بنا دے اور سکینہ واطمینان ان کے قلوب میں نازل فرمائے۔ اسلام میں کتاب الاذکار اور کتاب الدعوات اسی مقصد کے پیش نظر ہے۔

اگر مذاہب عالم کو ان دس اصول پر پرکھا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان اصول کی جتنی رعایت مذہب اسلام نے کی ہے اتنی اور ادیان نے نہیں کی اسی لیے مجموعی لحاظ سے جتنی سہولت اسلام میں ملتی ہے اور ادیان میں نہیں ملتی لیکن یہ بحث کہ سہولت کا مفہوم اور اس کا معیار کیا ہے۔ دوسری طویل بحث ہے۔ علامہ شاطبی نے الموافقات میں اس پر عمدہ کلام کیا ہے۔

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (آل عمران:۸۵)

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

سوال یہ ہے ایسا کیوں ہوگا؟ جواب معلوم کرنے سے پیشتر عالم کے تمام مذاہب پر ایک نظر ڈال جائیے بہت سے مذاہب تو وہ ہیں جو الٰہی قانون ہونے کا اپنے پاس کوئی ثبوت نہیں رکھتے ان کے لیے تو معتبر مذہبوں کی صف میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے اور اس لیے ان کے ساتھ دین حق کے تقابل وتوازن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ وہ مذاہب جو اپنے آسمانی دین ہونے کا ثبوت رکھتے ہیں ان کو اس سوال کا حق ہے اور ان ہی کے غور وفکر کے لیے یہ اعلان کیا گیا ہے۔ اپنے اپنے زمانے میں تمام مذاہب حق اور کامل ہی تھے لیکن ان کی صداقت اور کمال کی حیثیت ٹھیک وہی تھی جو اپنے اپنے دور میں سلسلہ ارتقاء کی ہر کڑی کی ہوا کرتی ہے کوئی کڑی اپنے دور کے لحاظ سے ناقص شمار نہیں ہوتی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر بعد والی کڑی پہلی کڑی کے لحاظ سے کامل تر ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتو ارتقاء کا مفہوم ہی بے معنی ہو کر رہ جائے اس لیے اگر کوئی پہلی کڑی بعد والی کڑی کی جگہ رکھ دی جائے تو اس ارتقائی دور کے لحاظ سے اس کو ناقص کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔

پھر اگر ذرا اور غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں ناقص وکامل کا سوال کرنا ہی بے محل ہے۔ کیونکہ تقابل وتوازن کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دو چیزیں علیحدہ علیحدہ ہوں ایک ہی حقیقت کے مختلف مراتب ومدارج میں نقص وکمال کا سوال ہی بے حقیقت ہے جیسا کہ ایک شخص کے مختلف ادوار طفولیت وشباب میں۔ جب ایک چیز اپنے غیر ضروری اجزاء چھوڑتی اور اس سے کامل تر اجزاء اختیار کرتی

www.besturdubooks.net

چلی جاتی ہے تو اسی کو ارتقاء کہا جاتا ہے اس لحاظ سے ہر پہلی کڑی دوسری کے لیے بنیاد ہوتی ہے اور ہر دوسری کڑی پہلی کڑی کی نسبت سے کامل ہوتی ہے- اس کمال کے باوجود اس کی حقیقت پہلی کڑی کی حقیقت سے مختلف نہیں ہوتی - بلکہ اس کے تمام ضروری اجزاء اس کی حقیقت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں- اسی طرح جو صداقت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی اس کی حقیقت کبھی نہیں بدلی اس کے ضروری اجزاء ہر دور اور ہر زمانہ میں محفوظ ہی رہے پھر کچھ دور آئے جن میں دین حق کی شریعتوں کی گرفت قدرے سخت ہوگئی لیکن دور ارتقائی کی طبعی رفتار کے پیش نظر تھوڑے سے وقفے کے بعد گرفت کی وہ سختی ڈھیلی کر دی گئی اور اوامر ونواہی کے بوجھ ہلکے کر دیئے گئے اور جو پھندے کس دیئے گئے تھے ان کو کاٹ دیا گیا - یہاں تک کہ سچائی کی ایسی آسان راہ دکھا دی گئی جس میں نہ تو عمل کے لیے کوئی سختی تھی نہ عقل کے لیے کوئی بوجھ - اسی کا نام اسلام ہے اور اب یہ پیغام محمدی کا لقب مخصوص ہو گیا ہے ارتقاء کے ان ہی منازل کی جانب ذیل کی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے-

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (المائدۃ:١٣)

آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا - الخ

یعنی یہ کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ وہی دین ارتقاء کی منزلیں طے کرتے کرتے آج اپنے اوج کمال تک پہنچ گیا ہے- لفظ کمال میں دین کی اسی ارتقائی حرکت کی طرف اشارہ ہے- قرآن کریم کی سب سے بڑی خصوصیت ''مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ'' کا حاصل بھی یہی ہے اور ''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' کا عقیدہ بھی اس لیے سکھایا گیا ہے یعنی یہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں تھیں جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی رہیں اور اپنے اپنے دور میں سب ہی کامل تھیں' صورتیں بے شک مختلف رہیں مگر حقیقت ایک ہی تھی اس لیے یہاں تسلیم و انکار کی تفریق برداشت نہیں کی جا سکتی - ایک کا ماننے والا اس کا مکلف ہے کہ وہ دوسرے کو بھی مانے اسی طرح ایک کا انکار کرنے والا اس جرم کا مرتکب ہے کہ اس نے دوسرے کا بھی انکار کر دیا ہے ''لا تخیروا بین الانبیاء'' کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام میں افضل ومفضول ہونے کے باوجود تخییر کی بحث اس لیے ناموزوں ہے کہ یہ سب ایک ہی پیغام اور ایک ہی صداقت کے حامل تھے ''لو کان موسٰی حیا لما وسعہ الا اتباعی'' میں بھی یہی اشارہ ہے کہ دورِ کمال میں غیر کامل دور کی کسی کڑی کو لا کر رکھنے کے کوئی معنی نہیں وہ اپنے دور میں ہزار کامل سہی مگر اس دور میں ہرگز قابل عمل نہیں ہو سکتی' طلوع آفتاب کے بعد بجلی کے قمقموں سے روشنی حاصل کرنا دانائی نہیں کہا جا سکتا - اس لیے ارشاد ہوا کہ آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بقید حیات ہوتے تو ان کے لیے بھی خدا کا یہی مذہب (اسلام) جواب اپنی مکمل اور آخری صورت میں جلوہ گر ہو چکا ہے قابل اتباع ہوتا - پس اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کی تمام عظمتوں کے باوجود سوائے دین کامل کے اتباع کے کوئی راہ نہیں تو اب دنیا میں کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسری راہ پر عمل پیرا ہونے کا مجاز ہو - اب نہ دو ہزار پہلے کا انسان موجودہ ترقی یافتہ انسان کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے اور نہ ہزاروں سال پہلا آئین موجودہ ضروریات کا حل کر سکتا ہے- فوز وفلاح' نجات اور کامیابی کی اب صرف یہی ایک راہ ہے اور اگر اس فطری ارتقاء کے بعد بھی کوئی شخص قدرت کی بخشائش سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اور ان ہی راہوں پر چلنا چاہتا ہے جن کے صحیح نقوش اب مٹ چکے ہیں تو اس کو اختیار ہے لیکن اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اب اس کا یہ اتباع اسلام اور اس کی صداقتوں کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ خواہشات کا اتباع ہوگا' جسے فلاح ونجاح کی راہ سے دور کا بھی تعلق نہیں-

اسلام کیا ہے؟ خدا کی رضامندی کی ایک زبردست دستاویز' اعتقادیات وعملیات کا مکمل نقشہ' انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے غیر فانی دستور العمل' زمانہ کفر کی ہر گمراہی کے عفو کا ضامن اور آئندہ اس کے ہر ضعف ونسیان پر تسامح کرنے کا روادار' اپنے حلقہ بگوشوں کی معمولی جدوجہد کا بڑا قدر دان اور انتہائی شکر گذار - غور فرمایئے اس کے بعد آپ چاہتے کیا ہیں کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی زمین پر

www.besturdubooks.net

آپ کی عقل کا بنایا ہوا یا آپ کی پسند کے موافق قانون نافذ ہو تو کیا آپ کے نزدیک ایک انسانی دماغ تمام عالم کی مختلف ضروریات کا احاطہ کر بھی سکتا ہے یا پورے طور پر ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے اور اگر اس ناممکن مرحلہ سے گذر بھی جائے تو کیا ان کی ضروریات کے احساس کے بعد ان کے لیے مناسب آئین وضع بھی کر سکتا ہے اور اگر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ تمام عالم اس پر متفق بھی ہو سکتا ہے اور اگر فردِ واحد کے ساتھ اس آئین سازی میں کچھ اور افراد بھی شامل کر لیے جائیں تو یقیناً وہ بھی انسانوں کی غیر محدود کثرت کے مقابلہ میں ایک ہی فرد کا حکم رکھیں گے تو اگر درحقیقت ان سب مشکلات کا حل مشکل ہی مشکل ہے تو مذہب سازی کی دردسری اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اسی مذہب کو کیوں قبول نہیں کر لیتے جسے قدرت کے رمز شناس ہاتھ نے تمام مزاجوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے-جس میں گذشتہ مذاہب کے محاسن خود چن چن کر اٹھا لیے گئے ہیں پھر اس مجموعہ میں اور بہت سے محاسن شامل کر کے اس کو بہت مکمل اور انتہائی دلپذیر صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے دنیا اس پر عمل کر کے زمین کی مالک اور آخرت کی وارث بن چکی جنہوں نے اس کو چھوڑا انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اب اگر اس کے بعد بھی آپ کے تلاشِ مذہب کی تشنگی نہیں بجھتی تو یقین کیجیے کہ آئندہ تا قیامت بجھے گی بھی نہیں-فبای حدیث بعدہ یومنون-

اس مرحلہ پر آپ کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب کے ارتقاء کے بعد اسلام وجود میں آیا اسی طرح تیرہ سو سال گذرنے کے بعد اب کوئی اور نیا دین آنا چاہیے' لیکن اکمالِ دین کی بشارت کے ساتھ اگر دنیا کے خاتمہ کا اعلان بھی نہ کر دیا جاتا تو عالم پر ایک غیر معلوم مدت گذرنے کے بعد حرکت ارتقائی شاید کوئی اور قانون منصۂ شہود پر لے آتی یا اس آخری قانون ہی کو کچھ مدت کے لیے ابھی اور موخر کر دیا جاتا مگر محفل عالم کی برخاستگی کے نوٹس نے یہ اُمید منقطع کر دی ہے اور یہ یقین کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اب آخری قانون یہی ہے اور اس کے بعد کسی دوسرے قانون کا انتظار عبث ہے-

دنیا انصاف کے ساتھ غور کرے گی تو آسمانی ادیان میں آج روئے زمین پر اسے اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نظر نہیں آئے گا-
اسلام کا پہلا اعلان یہ ہے کہ ادیانِ ساویہ کی بنیاد فرقہ بندی اور تعصب پر نہیں ہے' ہر دین پہلے دین کا مصدق اور آئندہ کا مبشر بن کر آیا ہے-
یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یہ پیغام حق دنیا میں آیا تو اس نے خدا کے سب دینوں کی عظمت سرنو زندہ کر دی-
سب رسولوں کا احترام کرنا فرض ولازم قرار دے دیا-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کو اسی طرح کافر ٹھہرایا جیسا خدا کے سب سے بڑے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کو-پہلے نبیوں کے سر جو تہمتیں لگا دی گئی تھیں تحقیق وتنقید کی روشنی میں ان کو غلط ثابت کیا-خدا کی مقدس کتابوں میں خفیہ سازشوں کا انکشاف کیا اور اس طرح ان کی عظمت رفتہ کو پھر قائم کیا اس نے پہلے رسولوں سے کٹ کر' اور پہلے دینوں کو جھوٹا کہہ کر' کسی نئے دین کی دعوت نہیں دی بلکہ اسی حقیقت کی طرف بلایا جس کی ان کے پیغمبر انہیں وصیت کر گئے تھے-تورات یہ نہیں کہتی کہ انجیل کو مت مانو اور انجیل یہ نہیں بتاتی کہ تورات غلط ہے اسی طرح قرآن یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تورات وانجیل خدا کی نازل کی ہوئی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ماننے والوں پر یہ بھی حق لازم قرار دیتا ہے کہ تم ان کتابوں کو بھی خدا ہی کی کتابیں تصور کرو رسول عربیؐ یہ نہیں فرماتے کہ میرے سوا کسی پر ایمان نہ لاؤ بلکہ سب سے پہلے وہ خدا کے مقدس رسولوں کی عظمت کا سکہ دلوں میں قائم کرتے ہیں-اگر کسی مسلمان کی زبان سے جذباتِ محبت میں کوئی کلمہ ایسا نکل بھی جاتا ہے جس میں خدا کے دوسرے رسولوں کے ساتھ رقابت کی بو بھی پائی جاتی ہو تو آپ نہایت سختی کے ساتھ اسی حد پر اسے روک دیتے ہیں اور اس کے بعد اپنے متعلق عاجزی وانکساری سے ایسے بھرے ہوئے کلمات ارشاد فرمادیتے ہیں جن کے بعد جذباتِ رقابت یک لخت سرد ہو کر رہ جاتے ہیں-

www.besturdubooks.net

حقیقت بھی یہ ہے کہ جو دین اپنے عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اسے ایسی ہی تعلیمات کا مجموعہ بن کر آنا چاہیے جن میں تمام عالم کے لیے یکساں جاذبیت موجود ہو وہ زمانہ ماضی میں کسی صداقت پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہ کرتا ہو اور آج جب اپنی طرف دعوت دے تو یہ کہہ کر دعوت دے کہ تم میری دعوت کی اپنی کتاب سے تصدیق کرلو خدا چاہتا ہے کہ اب بکھرے ہوئے ادیان وملل کو ایک دین اور ملت بنادیا جائے۔ دنیا کی ابتداء میں ایک ہی دین تھا اس کے خاتمہ پر پھر ایک ہی دین' ایک ہی ملت رہ جائے صراطِ مستقیم میں عقلی طور پر بھی تعدد کی گنجائش نہیں اس لیے فرقے اور پارٹیاں جو کچھ بنائیں پیروانِ مذہب نے بنائیں' باہمی رقابت اور عصبیت کے جراثیم جو کچھ پھیلائے انہوں نے ہی پھیلائے۔ فروعی اختلاف کو دین کی اساس سمجھ لیا اور اساسی مسائل کی اہمیت کو پس پشت ڈال دیا۔ اگر یہود ونصاریٰ غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام ان سے ایسی کسی ایک بات کا بھی مطالبہ نہیں کرتا جو ان کی کتابوں کے خلاف ہو وہ مطالبہ کرتا ہے تو یہ کہ تم نے صحیح طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نہیں پہچانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو ٹھیک نہیں سمجھا۔ تورات وانجیل کی صحیح تعلیمات تم نے حاصل نہیں کیں' تم ایک فرضی عیسیٰ (علیہ السلام) ایک موہوم موسیٰ (علیہ السلام) ایک خودتراشیدہ تورات وانجیل پر ایمان رکھتے ہو اس لیے تم کو حقیقت کا سراغ نہیں لگتا۔ بس تم اتنا ہی کرلو کہ اپنے نبیوں کو صحیح طور پر پہچان لو اور ان کی تعلیمات پر صحیح طور سے عمل پیرا ہو جاؤ تو جو رسول تمہارے سامنے آیا ہے وہی تمہیں اپنا رسول نظر آنے لگے گا۔ خدا کی کتاب جو تمہارے لیے بھیجی جارہی ہے وہی اپنی کتاب معلوم ہونے لگے گی۔ وہی شعلہ طور' وہی ید بیضاء' وہی دم عیسیٰ دیکھنا ہو تو اب یہاں آکر دیکھو۔ تورات کے وہی پرشوکت احکام۔ انجیل کی وہی سادہ اور رقت انگیز تعلیمات' زبور کی حمد وثنا کے وہی ترانے' پھر سننے ہوں تو یہاں آکر سنو' یہ اس لیے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے تمام برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کی شانوں کا مجموعہ بن کر آگئے ہیں۔

حسن یوسف' دم عیسیٰ' ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

قرآن کریم خدا کی تمام متفرق صداقتوں کو اپنے دامن میں جمع کیے ہوئے نازل ہوا ہے' کیا وہی صداقت' وہی سچائی اگر تورات میں ہو' انجیل میں ہو تو قابل تسلیم ہو' اور اگر وہی قرآن میں ہو تو قابل انکار ہو سکتی ہے کیا وہی رسول اگر اس کی بشارت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام دیں تو قابل انتظار ہو اور جب وہی تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے تو لائق انکار ہو سکتا ہے۔ پھر صرف ان چند مسائل کی بنا پر جو تمہارے ہی لیے تخفیف' تمہارے ہی لیے سہولت کا موجب تھے یہ عداوت یہ ضد کیوں ہے ایسی عالمگیر تعلیم' جذبات سے اتنی خالی' فرقہ پرستی اور تعصب سے اتنی دور' گذشتہ اور موجودہ ادیانِ سادیہ کا اتنا احترام سکھانے والی' پھر ضروریاتِ زمانہ کے لیے اتنی مناسب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے ایک ایک شوشے کے ساتھ اتنی محفوظ۔ اگر دین اسلام کے سوا کسی اور دین میں موجود ہو تو بے شک اس کو اسلام کے مقابلہ میں آنے کا حق ہو سکتا ہے لیکن ان تمام صفات کے ساتھ موصوف تو کیا اگر کسی ایک صفت میں بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہے تو یقیناً آج بھی اس کی پیروی نامنظور اور کل بھی خسارہ ونقصان کا موجب ہونا چاہیے۔

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ۸۵)

نوٹ : یہ یاد رہنا چاہیے کہ مؤلف کے نزدیک یہاں ارتقاء سے ڈارون کا وہ تمام فلسفہ مراد نہیں ہے جو انہوں نے سلسلہ تخلیق انسانی میں بیان کیا ہے بلکہ کسی جنس کے انواع میں وہ حسی ارتقاء مراد ہے جو ڈارون سے پہلے بھی مسلم تھا اور ان کے بعد بھی مسلم ہے۔ اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر بحث کرنا یہاں ہمارا موضوع نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

(۲۱۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا

(۲۱۸) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اس بات پر مامور ہوں کہ اس وقت تک برابر جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے پیغمبر ہیں نمازیں اچھی طرح پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں جب ان

---

(۲۱۸) * یعنی جب مشرکین کے ساتھ کسی سبب سے جنگ چھڑ جائے تو اب اس کے ختم کرنے کی قطعی صورت صرف ایک ہے کہ وہ خدا کی توحید اور تمام پیغمبروں کی تصدیق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کر لیں۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کریں اس کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے سوا کسی بھی مذہب کی تبدیلی سے جنگ ختم نہیں کی جا سکتی بلکہ اگر اسلام کے کسی ایک رکن کے انکار پر بھی اصرار باقی ہے جب بھی اسلام کی تلوار برابر چمکتی رہے گی۔ ہاں دائرہ اسلام میں آ جانے کے بعد یہ تحقیق بھی نہیں کی جائے گی کہ یہ اسلام حقیقی تھا یا محض نمائشی اور وقتی۔ اس آئین کے ماتحت جب عہد نبوت کا نقشہ جنگ دیکھا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ٹھیک اس وقت جب کہ جنگ نہایت گرماگری سے ہو رہی تھی اگر دشمن نے "صبانا صبانا" (ہم اپنے دین سے نکل گئے) کے نامانوس الفاظ کے ساتھ بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا ہے اور خالد بن ولید جیسے جرنیل نے اپنی تلوار نیام میں نہیں کی تو اس کی خبر پہنچنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط تاثر سے فوراً آسمان کی طرف یہ کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیے ہیں "پروردگار! یہ جو کچھ کیا خالد نے کیا میں اس سے بری ہوں۔" یا اگر کسی مشرک نے کسی مسلمان کا بازو کاٹ ڈالا ہے اور جب دست برید مسلمان کا قابو چلتا دیکھا تو فوراً کلمہ اسلام پڑھ کر پناہ لینے کا ارادہ کیا ہے تو اس وقت بھی آپ نے اس مسلمان کی کوئی حجت نہیں سنی اور یہی حکم دیا کہ وہ اس کے بازو تک پہنچی ہوئی تلوار کھینچ کر لے۔

اس حدیث میں قتل کی بجائے قتال کا لفظ چاہتا ہے کہ یہاں اس جنگ کا تذکرہ ہے جس کی ذمہ داری تنہا مسلمانوں پر نہیں ہے بلکہ اس میں مشرکین کا بھی بڑا ہاتھ ہے اس لیے اس کو اسلام پر جبر و اکراہ کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ عبارت یوں ہونا چاہیے تھی "امرت ان اقتل الناس" مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرکین کو قتل کرتا رہوں تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک واقعہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا جہاں محض اسلام پر مجبور کرنے کے لیے آپ نے کسی پر چڑھائی کی ہو۔ اگر اسلام جبر و اکراہ اور زبردستی کے تبدیل عقیدے کو جائز قرار دیتا تو دائرہ اسلام میں آ جانے والوں کے لیے اتنا اغماض کیوں کرتا کہ امام یہ تحقیق بھی نہ کرے کہ ان کا یہ اسلام کہیں نمائشی تو نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہوتا کہ جب تک ان کے اسلام کی طرف سے مکمل اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے۔

صلح اور جزیہ بھی اگرچہ جنگ ختم کرنے کا سبب بنتے ہیں مگر یہ دونوں صورتیں طرفین کی رضامندی پر موقوف ہیں۔ فریق محارب صلح کی درخواست کرے گا یا جزیہ دینا قبول کرے گا تو اس کی درخواست قبول کی جا سکتی ہے لیکن جنگ ختم کرنے کا وہ حتمی اور یقینی سبب جو صرف دشمن کے ہاتھ میں ہے اسلام ہے۔ اس مرحلے پر قبول اسلام کے لیے جبر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہاں اس سبب کا بیان ہے جس کو اختیار کر کے مشرکین مسلمانوں کو جنگ ختم کرنے کے لیے مجبور کر سکتے ہیں۔

صحیح مسلم کے ایک طریقہ میں اتنا اور ہے کہ آپ نے حدیث مذکور بیان فرما کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۱-۲۲) آپ انہیں سمجھائے جائیے کیونکہ آپ کا کام سمجھانا ہی ہے آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کیے گئے ہیں۔

اب غور کیجئے اگر حدیث کے پہلے حصہ میں جبر و اکراہ کا کوئی ہلکا سا مفہوم بھی موجود ہوتا تو پھر اس کے ساتھ اس آیت کو تلاوت کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو کھلا ہوا اختلاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو دلوں میں ڈال دینا رسول کا منصب ہی نہیں یہ کام خدا کے ہے....

www.besturdubooks.net

ذَالِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ۔ (رواہ الخمسۃ)

احکام کو مان لیں تو اب مجھ سے اپنی جان اور مال کو بچالیں گے ہاں بجز اس صورت کے جو اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہو اس کے بعد ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے (وہ جانے کہ ان کا اسلام محض نمائشی تھا یا دل سے)

(۴۱۹) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَھُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَھُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْہُ الصَّلٰوۃُ فَلْیُصَلِّ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَ لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ

(۴۱۹) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ باتیں مجھے خاص طور پر عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پیشتر کسی نبی کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب وخوف ڈال کر میری مدد کی گئی ہے' تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور (پانی نہ ہونے کی حالت میں پاک کرنے کا آلہ بنادی گئی ہے تو میری امت میں جس کو جہاں نماز کا وقت آجائے وہیں پڑھ لے- میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے' مجھ سے

لہ .... قدوس کا ہے اس کا کام صرف وعظ وتذکیر کے ذریعہ اسلام کی خوبیاں بیان کر دینا ہے' تلوار کے ذریعہ سے کسی چیز کی خوبی نہ تو دلوں میں بٹھائی جا سکتی ہے اور نہ اس کا منصب نبوت سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے- جبر واکراہ کے مضمون کے ساتھ صحیح مسلم کے اس ٹکڑے کا کوئی جوڑ نہیں ملتا- جبر کے ہوتے ہوئے آپ مصیطر تو ہو سکتے ہیں مذکر نہیں ہو سکتے اس لیے یہ بدیہی ہے کہ یہاں قبول اسلام پر مجبور کرنے کے لیے جنگ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مشرکین کی جو جنگ اسلام کے ساتھ جاری تھی اس کے ختم کر دینے کی یہ ایک قطعی شکل بیان کی گئی ہے اور شکل بھی ایسی جو ان کی مرضی پر موقوف ہو- جنگ انہوں نے شروع کی اس لیے اب ختم بھی انہیں ہی کو کرنی ہوگی-

(۴۱۹) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا ان پانچ ہی میں انحصار نہیں ہے ان کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبری میں جمع کیا ہے اس سلسلہ میں سب سے بڑی خصوصیت آپ کی بعثت عامہ ہے- یعنی یہ کہ آپ کائنات ارضی کی تمام آبادیوں کے لیے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں- اسی بعثت عامہ کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ اب روئے زمین پر شریعت محمدی کے علاوہ کسی شریعت کی پیروی کرنا نجات کے لیے کافی نہیں- حتیٰ کہ دین کامل کے اس دور میں اگر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی تشریف لائیں تو ان کے لیے بھی اسی دین کی پیروی کرنا ناگزیر ہے کیونکہ اب یہی دین اور یہی شریعت ہے جس میں تمام آسمانی صداقتوں کی روح اپنے تمام کمالات کے ساتھ سموئی گئی ہے- حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے متعلق بھی عام ہونے کا شبہ کیا گیا ہے مگر وہ اس لیے صحیح نہیں کہ اول تو ان کے زمانہ تک معمورۂ عالم شاید اتنی وسعت کے ساتھ آباد بھی نہ ہوا ہوگا گمان غالب یہ ہے کہ اس نو آباد کرۂ زمین پر صرف ان ہی کی قوم ہوگی اس لیے عموم بعثت کا مفہوم قدرۃً ان ہی میں منحصر ہونا چاہیے اور اگر اس سے آگے بھی عموم تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے بہت اس کا احاطہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ حیات تک ہو سکتا ہے- شیخ تقی الدینؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ توحید اور اصول دین کے لحاظ سے اگرچہ تمام انبیاء کی بعثت عام تھی' مشترکہ صداقتوں کی دعوت ہر نبی جسے چاہے دے سکتا تھا لیکن منہاجوں اور شریعتوں کی دعوت اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ اس میں نہ تو قوموں کی تخصیص ہے' نہ شریعت میں کسی قوم کی' نہ زمان ومکان کی بلکہ حیات ووفات کی قید بھی نہیں- یہاں تک کہ جن وانس کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور اگر غیر مکلف یا جمادات بھی انوارِ نبوت سے غیر شعوری طور پر مستفیض ہو سکتے ہوں تو وہ بھی بلا شبہ اس کے احاطہ میں داخل ہیں- لہ ....

www.besturdubooks.net

قَبلِیُ وَ اُعْطِیتُ الشَّفَاعَةَ وَ کَانَ النَّبِیُّ یُبعَثُ اِلٰی قَومِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً۔ (رواه الخمسة الاابادائود)

پیشتر کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا- شفاعت کبریٰ کا حق صرف مجھے بخشا گیا ہے- مجھ سے پہلے جو نبی تھے وہ خاص اپنی ہی قوم کے لیے ہوتے تھے میں تا قیامت تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں-

من امن من اهل الکتاب یوتی له الاجر مرتین

اہل کتاب میں جو شخص ایمان لائے گا اس کو دو اجر ملیں گے

(۲۲۰) حَدَّثَنِی اَبُو بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ

(۲۲۰) ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں کو دو اجر ملیں گے ایک وہ اہل

ﷺ .... غرض یہ عموم و اطلاق یا خالق کی خالقیت و ربوبیت کے لیے ہے اور یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے لیے- وہ رب العالمین ہے تو یہ رحمۃ للعالمین- اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْهِ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی ۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

(۲) ساز و سامان کے ساتھ دشمن کا مرعوب ہونا عام بات ہے لیکن بے سرو سامانی میں اس کا لرزہ براندام ہو جانا آپ کی خصوصیات میں ہے- ایک ماہ کی مسافت کی تخصیص صرف اس بنا پر ہے کہ اس وقت آپ کی عداوت کا دائرہ زیادہ تر اسی مسافت کے اندر اندر تھا- (دیکھو عمدۃ القاری)

(۳) پہلی امتوں پر نماز کے لیے گرجا و کنیسہ کی پابندی تھی اس امت کے لیے وقت کی پابندی زیادہ ضروری ہے مسجد کے بغیر بھی نماز ادا ہو سکتی ہے اس لیے مسجد کی تلاش میں وقت نہ جانا چاہیے- یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مساجد کی تعمیر سے قبل مرابض غنم یعنی بکریوں کے بندھنے کی جگہ بھی نماز ادا کر لی گئی ہے- مسئلہ کی فقہی حیثیت اپنے محل پر ذکر کی جائے گی-

(۴) اس امت سے پیشتر بھی مال غنیمت خدا کی ملک سمجھا جاتا تھا اور اب بھی اسی کی ملک سمجھا جاتا ہے- فرق اتنا ہے کہ پہلے آگ آسمان سے آ کر اسے جلا دیتی تھی اور یہی بنی اسرائیل جیسی حریص قوم کے لیے مناسب بھی تھا- اب اس ناتوان و نادار امت کے مناسب یہ سمجھا گیا کہ اس مال کو خدا کی مقرر کردہ تقسیم کے مطابق پھیلا دیا جائے- یہاں نادان تو ہر لوٹ کے مال کو مال غنیمت کہہ دیتا ہے اور دانا دشمن اسے لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ سمجھتا ہے اصل بات نہ یہ ہے نہ وہ- تفصیل کتاب الجہاد میں آئے گی-

(۵) محشر میں جب شانِ کبریائی کسی سے خطاب نہ کرے گی تو اس عقدہ کشائی کے لیے اہل محشر کسی شفیع کی تلاش کریں گے رب العزت نے اس کام کے لیے اپنے قہر و غضب کے سب سے بڑے مظاہرے کے دن اپنی سب سے بڑی رحمت کو منتخب کیا ہے تا کہ جب عین غیظ و غضب کے حال میں رحمۃ للعالمین سامنے آ جائیں تو "سبقت رحمتی غضبی" کے قاعدہ کے مطابق اقتضاء رحمت غضب کے اقتضاء پر غالب آ جائے اور بے یار و مددگار مخلوق سے حساب و کتاب شروع ہو جائے اسی کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور یہ صرف آپؐ ہی کا حصہ ہے اس کے بعد بہت سی اور سفارشیں ہوں گی انہیں شفاعت صغریٰ کہتے ہیں' اس میں شفاعت اکبر کے بہت سے امتیوں کا بھی حصہ ہے-

(۲۲۰) * ہر شخص کی فطرت ہے کہ اس کو اپنے دین سے ایک والہانہ محبت اور دوسرے دین سے رقابت کا تعلق ہوتا ہے اس لیے اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرنا فطرۃً شاق گذرتا ہے- اسلام یہ کہتا ہے کہ ادیانِ سماویہ میں کوئی رقابت نہیں ہے' پارٹیاں نہیں ہیں اس لیے ﷺ ....

www.besturdubooks.net

أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَ آمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَ الْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ مَوَالِيهِ وَ رَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ يَطَأُهَا فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَ عَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ أَعْطَيْنَا كَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ وَ قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ.

(رواہ البخاری وغیرہ)

کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ دوسرا وہ غلام جو خدا کا حق ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا بھی' تیسرا وہ شخص جس کی باندی تھی وہ اس سے صحبت کرتا تھا پہلے اس کو خوب سلیقہ شعار بنایا' خوب تعلیم دی پھر آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا اس کو بھی دو اجر ملیں گے عامر (راویٔ حدیث اپنے شاگرد سے کہتا ہے) ہم نے تو ایسی بیش بہا حدیث تمہیں کسی رنج و تعب کے بغیر سنا دی پہلے اس سے معمولی حدیث کے لیے مدینہ تک سفر کیا جاتا تھا۔

(متفق علیہ)

المبايعة على الاسلام هو الحلف على الوفاء بذمة الله

اسلام پر بیعت کرنا خدا کی اسٹیٹ میں حلف وفاداری کے ہم معنی ہے

(۲۲۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ (وَ كَانَ شهد بدرا و هو احد النقباء ليلة العقبة) أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ

(۲۲۱) عبادہ بن صامت سے روایت ہے (یہ بدر میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ میں بیعت کرنے والوں میں شامل تھے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک مختصر جماعت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر

ﷺ.... ان مذاہب کے پیروؤں کو بھی یہی جذبہ رکھنا چاہیے یہ ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں' ایک دین کے مصدق کو دوسرے دین کی تصدیق لازم ہے اس لیے اگر کوئی اہل کتاب اسلام قبول کرے تو اس کو یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہیے کہ اپنے نبی پر اس کا ایمان رائیگاں چلا گیا۔ بلکہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے تو دو اجر کا مستحق ہوگا ہاں یہ یقینی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہ لایا تو پہلے ایمان کا اجر بھی حبط ہو جائے گا۔ کیونکہ رسولوں کے درمیان ایمان کے بارے میں تفریق نہیں کی جا سکتی جو ایک کا منکر ہے وہ سب ہی کا منکر شمار ہوگا۔ اس بشارت میں دراصل اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ آپؐ کی ذاتِ ستودہ صفات پر بھی ایمان لے آئیں اور کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ ان سب نبیوں پر ایمان لانا آپؐ کی دعوت کا جزء ہے۔ پس آپؐ پر ایمان لانا ان سب پر ایمان لانا اور آپؐ کا انکار ان سب کا انکار ہے اس لیے اگر وہ خدا کے دین یا خدا کے رسولوں کے متعلق فرقہ پرستی کی اسپرٹ رکھیں گے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام اس کو برداشت نہیں کرے گا اور الثاان کا حاصل کردہ اجر بھی برباد ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانا سب انبیاء علیہم السلام پر ضروری لیکن منہاج اطاعت صرف اسلام میں منحصر ہے۔

(۲۲۱) * یہ ایک عام دستور ہے کہ ہر اسٹیٹ کی ابتداء اس کے ساتھ حلف وفاداری اٹھانے سے ہوتی ہے کیونکہ جب تک کسی اسٹیٹ اور کسی نظام حکومت کے ساتھ پوری وفاداری کا عہد نہ کیا جائے اس نظام کا چلنا ہی ممکن نہیں۔ اس عہد کو کرنے کے بعد نہ صرف یہی کہ اس نظام حکومت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے بلکہ سر مو اس کی مخالفت کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اس کے ساتھ عملاً پوری ہمدردی کرنا بھی فرائض میں شمار ہوتا ہے اسی طرح اسلامی نظام حکومت بھی اپنے ہمنواؤں سے سب سے اوّل اپنے ساتھ حلف وفاداری اٹھانے کا مطالبہ کرتا ہے اس کی صورت یہاں کلمہ توحید اور رسالت کی شہادت مقرر کی گئی ہے اسی کا نام ایمان و اسلام ہے اور اسی عہد کو اور زیادہ ﷺ....

www.besturdubooks.net

حَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ لَا تَسْرِقُوْا وَ لَا تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَ لَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَ اَرْجُلِكُمْ وَ لَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهٗ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَ اِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ. (رواہ البخاری)

فرمایا مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو- خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے' چوری نہیں کرو گے' زنا نہیں کرو گے' اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گے' دیدہ دانستہ کسی پر افتراء پردازی نہیں کرو گے اور ان احکام میں جو شریعت کے مطابق ہوں میری نافرمانی نہیں کرو گے' جو شخص تم میں اس عہد کو پورا کرے گا اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے اور جو (حسب الاتفاق) ان باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا پھر دنیا میں اس کی سزا مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور اگر اس کو (سزا نہ ملی اور) اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا اگر چاہے تو آخرت میں بھی درگذر فرمائے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے- ہم نے ان سب شرطوں پر آپ سے بیعت کر لی- (بخاری شریف)

كيف يبايع الامام النّاس؟

امام کو لوگوں سے کن باتوں پر بیعت لینا چاہیے؟

(۲۲۲) عَنْ قَيْسٍ سَمِعْتُ جَرِيْرًا يَقُوْلُ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. (بخاری)

(۲۲۲) قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جریر سے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے (امام) کی بات سننے اور اس کے احکام ماننے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی- (بخاری)

لہ ....مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے بیعت لی جاتی ہے- پس ایمان اگرچہ بظاہر صرف رسالت اور توحید کے اقرار کا نام ہے مگر در حقیقت وہ پوری اسلامی اسٹیٹ کے ساتھ وفاداری کا ایک مؤکد اور مضبوط اقرار ہے اس لیے صرف ایمان لانے سے اسلام کے تمام احکام کا تسلیم کرنا بلکہ اس کی مشنری کا خود ایک پرزہ بن جانا ضروری ہو جاتا ہے- رسول خدا کی احتیاط کی یہ حد ہے کہ جب کسی کو بیعت فرماتے تو الفاظ بیعت میں یہ قید لگا دیتے کہ آپ کی اطاعت کی حدود بھی صرف معروف کے اندر اندر محدود رہیں گی حالانکہ آپ کے متعلق معروف کے سوا منکر کے حکم دینے کا خطرہ بھی نہیں کیا جا سکتا- اصل مقصود یہ بتانا تھا کہ جب خدا کی نافرمانی کی سرحد آ جائے تو اب خدا کی مخلوق میں کسی بڑے سے بڑے کی اطاعت بھی نہیں کی جائے گی بلکہ اب اس کی اطاعت اسلامی اسٹیٹ کے ساتھ غداری تصور کی جائے گی-

یہاں بیعت کے مذکورہ بالا الفاظ میں قتل اولاد وغیرہ کا ذکر بھی آ گیا ہے یہ صرف اس زمانہ کے ماحول کی رعایت تھی اب امام کے لیے اپنے زمانہ کے تقاضوں کی رعایت کر لینا مناسب ہے اور اس قسم کے جرائم پر بیعت لینا مناسب ہے جو اس کے زمانہ میں زیادہ پھیل چکے ہوں-

www.besturdubooks.net

(۲۲۳) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَكْرَهِ وَ اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَ اَنْ نَقُوْمَ اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُ مَا كُنَّا لَاتَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ (بخاری)

(۲۲۳) عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے حکم سننے اور ماننے پر بیعت کی تھی' خوشی اور ناخوشی دونوں حالوں میں اور اس پر کہ خلافت کے معاملہ میں ہم کسی حق دار شخص سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے' حق کو قائم رکھیں گے (راوی کو یہاں شک ہے کہ یا یہ لفظ تھے کہ حق کہتے رہیں گے) جہاں بھی ہم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھائیں گے۔ (بخاری)

(۲۲۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (بخاری)

(۲۲۴) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے احکام سننے اور ماننے پر بیعت کرتے تو آپ ہم سے کہتے کہ (یہ قید لگالو کہ) جتنی تم میں طاقت ہوگی۔

لایبایع رجلا للدنیا

دنیا کے لیے کسی سے بیعت کرنا نہیں چاہیے

(۲۲۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ

(۲۲۵) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت میں بات بھی نہ کرے گا' نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جو لب راہ اپنی حاجت سے زائد پانی رکھتا ہے اور مسافروں کو اس میں

---

(۲۲۳) ✽ اسلام میں مرکزی طاقت امیر و خلیفہ کو سمجھا گیا ہے۔ طاقت کو محفوظ رکھنے اور اس کی وحدت کو انتشار سے بچانے کے لیے مسلمانوں پر پہلا فرض یہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ امیر کا حکم خوشی اور ناخوشی کی بحث سے علیحدہ ہو کر ہر حال مانیں بشرطیکہ اس میں خدا کی نافرمانی کا کوئی پہلو نہ ہو اور دوسرا یہ کہ جب اس منصب کی کوئی اہل ہستی سامنے آ جائے تو اس کی راہ میں ہرگز آڑے نہ آئیں۔ تیسرا فرض جو اس مرکزی وحدت کا سب سے بڑا مقصد ہے وہ دنیا میں حق کا قیام ہے اس لیے اس کو بھی بیعت کا ایک اہم ترین عنصر قرار دیا گیا ہے۔ اس تیسرے جزء سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اس بیعت کے پہلو جملوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ مرکزی طاقت کے خلاف کسی نفسانیت یا نافہمی کی بنا پر ہنگامہ آرائی نہ کی جائے اسی لیے جہاں ایک طرف اس خاموشی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ اس صاف گوئی کا عہد بھی لیا گیا ہے جس میں امیر و غریب' مالک و آقا اور بادشاہ و رعایا کا کوئی فرق نہیں ہے۔ عہد سلف کی تاریخ آج بھی مسلمانوں کی اس صاف گوئی کی شاہد ہے۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے منصف اور بارعب امیر پر بھی کوئی ادنیٰ شبہ ہو گیا ہے تو برسر منبر ان کو ٹوک دینے میں ذرا تامل نہیں کیا گیا۔

(۲۲۵) ✽ اسلامی بیعت کا تعلق چونکہ امیر وقت اور مرکز سے وابستہ ہے اس لیے یہاں انسانی نیت میں بہت سی کمزوریاں داخل ہو سکتی ہیں' اس کی سب سے بڑی کمزوری دنیا طلبی ہے اس لیے یہاں اس پر متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اتنے اہم عمل کا مقصد اتنا ادنیٰ نہ بنانا چاہیے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام اس کے مذہبی نظام سے جدا نہیں بلکہ ان ہی تمام ہدایتوں کے نیچے ہے جس کے تحت مذہبی نظام تھا.....

www.besturdubooks.net

مَاءٍ بِالطَّرِيقِ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ وَ رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَ فِي لَهُ وَ إِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ وَ رَجُلٌ يُبَايِعُ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَ كَذَا فَصَدَّقَهُ وَ لَمْ يُعْطَ بِهَا. (رواہ البخاری)

سے استعمال کرنے نہیں دیتا- دوسرے وہ شخص ہے جو امام وقت سے صرف دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے اگر اس نے اس کے خیال کے مطابق کچھ دے دیا تب تو اس نے اس کے ساتھ وفا کی ورنہ نہ کی- تیسرے وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی کے ہاتھ مال بیچا اور (جھوٹی) قسم کھائی کہ اس چیز کی اس کو اتنی قیمت دی جاتی تھی حالانکہ اس کو وہ قیمت نہیں دی جاتی تھی اس بیچارہ نے اس کی بات کو سچ سمجھا (اور اس قیمت کو لے لیا) (بخاری شریف)

بيعة النساء

(۲۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا قَالَتْ وَ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَءَةٍ إِلَّا امْرَءَةً يَمْلِكُهَا. (بخاری)

عورتوں کی بیعت

(۲۲۶) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یہ آیت پڑھ کر صرف زبانی بیعت فرمالیا کرتے تھے "کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی" خدا کی قسم کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک سوائے آپ کی مملوکہ عورتوں کے کسی اجنبی عورت کو نہیں لگا- (بخاری شریف)

بيعة الصغير

(۲۲۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ وَ كَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ

بچے کی بیعت

(۲۲۷) عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور ان کی والدہ زینب ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لڑکے کو بیعت فرمالیجئے آپ صلی

لاع .... ہے- یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سیاست میں بھی ہمیشہ وہی اسپرٹ کارفرما رہی ہے جو مذہب میں ہوا کرتی ہے اور اسی بنا پر کسی کو یہ دھوکا لگ گیا ہے کہ آسمانی مذاہب بھی درپردہ انسانوں کی سیاست کا ایک صرف ایک نقاب تھے-

(۲۲۶) ✱ معلوم نہیں کہ جب دنیا کی اس سب سے مقدس ہستی نے بھی عورتوں کو بیعت کرنے کے وقت ہاتھ نہیں لگایا تو پھر کسی اور شخص کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے- واضح رہے کہ یہاں اچھی اور بری نیت کا سوال نہیں ہے بلکہ بیعت کے وقت عورت کو ہاتھ لگانا خواہ کسی نیت سے ہو آئین بیعت ہی نہیں رکھا گیا- درحقیقت شریعت کی یہ بڑی پر حکمت نظر ہے کہ جن مقامات پر انسان کوئی ادنیٰ خیانت بھی کرسکتا تھا اس نے مدار کار صرف ظاہر عمل پر رکھ دیا ہے اور نیت سے کوئی بحث نہیں کی-

(۲۲۷) بیعت کا مقصد شریعت پر عمل کرنے کا عہد لینا ہے جس پر ابھی خود اللہ تعالیٰ نے عمل کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا اس پر عمل کا بوجھ آپ کیسے ڈال سکتے تھے ہاں رحمۃ للعالمین نے یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ اس کو دعاء برکت دیے بغیر یونہی رخصت کردیا جائے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں شانیں حکمت وشفقت سے لبریز نظر آتی ہیں-

www.besturdubooks.net

31 اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَايِعْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَغِيْرٌ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَ دَعَالَهُ. (رواه البخاري)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

(بخاری شریف)

بيعة الرقيق

غلام کی بیعت

(۲۲۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَ لَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيْدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ اَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ اَحَدًا بَعْدُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ اَعَبْدٌ هُوَ.

(رواه الترمذي و قال حديث حسن صحيح)

(۲۲۸) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ غلام ہے اس کے بعد اس کا مالک اس کو لینے کے لیے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو اور سیاہ رنگ کے دو غلام دے کر اس کو خرید لیا اور آئندہ کبھی کسی کو اس وقت تک بیعت نہ کیا جب تک کہ یہ تحقیق نہ کر لی کہ کہیں وہ غلام تو نہیں ہے۔

(ترمذی)

بيعة الاعراب

بادیہ نشینوں کی بیعت

(۲۲۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَاَصَابَهُ وَعْكٌ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ

(۲۲۹) جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک گنوار آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی' اتفاق یہ کہ اس کو بخار ہو گیا' اس نے کہا آپ میری بیعت واپس فرما دیجئے آپ نے انکار کیا وہ پھر آپ کے

---

(۲۲۸) * یہاں ایک مشکل تو یہ درپیش تھی کہ اس غلام کو تحقیق سے قبل بیعت کر لینا یہ تقاضہ کر رہا تھا کہ اس کو فوراً اس کے مالک کے حوالہ کر دیا جاتا۔ دوسری مشکل اپنی بیعت کے احساس ذمہ داری کی تھی۔ جس کو بیعت کر کے ایک مرتبہ اپنی پناہ میں لے لیا گیا تھا اس کو دشمن کے حوالہ کر دینا خوشی سے کیونکر گوارا کر لیا جائے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں کو نبھایا اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ نبھایا۔ مالک کو یوں خوش کر دیا کہ ایک غلام کے بدلہ دو غلام دے دیئے اور غلام کے بیعت کی یوں لاج رکھ لی کہ اس کی حمایت میں جائز طور پر جو قدم بھی اٹھایا جا سکتا تھا اٹھا دیا۔ لیکن آئندہ کے لیے اپنا یہ دستور العمل ٹھیرا لیا کہ جب کسی کے متعلق ذرا شبہ پڑتا تو بیعت کرنے سے پہلے یہ تحقیق فرما لیتے کہ کہیں وہ کسی کا غلام تو نہیں۔ اس قسم کے روزمرہ کے واقعات سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عام معاملات میں بھی جبر و اکراہ سے کتنی دور رہتے تھے اور حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اپنے اور پرائے' مسلمان اور کافر کا کوئی امتیاز نہ کرتے تھے۔

(۲۲۹) * ایک گنوار وہ بھی عرب کا باشندہ جس کی فطرت میں بدفالی و نیک فالی کا عقیدہ رچا ہوا تھا بیعت اسلام کے بعد اتفاقاً بیمار پڑتا ہے تو العیاذ باللہ اس کو اپنے اسلام کی نحوست تصور کر لیتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اس کا علاج اب اس بیعت کو فسخ کر ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے کم علم اور نافہم کو آپ سمجھاتے بھی تو کیا سمجھاتے اور اسلام کی بیعت واپس کرنے کا اقرار بھی کرتے تو کیسے۔ یہ بیعت کوئی ﷲ ....

www.besturdubooks.net

۶۱ فَـاَبٰـى ثُـمَّ جَاءَهٗ فَاَبٰـى ثُمَّ جَاءَهٗ فَاَبٰـى فَخَرَجَ فَـقَـالَ رَسُوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْـمَـدِيْـنَةُ كَـالْـكِيْـرِ تَـنْفِيْ خَبَثَهَا وَ تُنَصِّعُ طَيِّبَهَا. (رواہ البخاری)

پاس آیا آپ نے پھر انکار کیا وہ پھر آیا آپ نے پھر انکار کیا آخر وہ مدینہ سے نکل گیا- آپ نے فرمایا مدینہ مثل ایک بھٹی کے ہے اپنے میل کچیل کو دفع کر دیتا ہے اور عمدہ کو اور خالص کر دیتا ہے- (بخاری شریف)

لے .... خرید و فروخت کی معمولی بیعت تو نہ تھی کہ جب چاہی کر لی اور جب چاہی فسخ کر ڈالی' یہ تو متاعِ حیوۃ گنوانے یا ٹھکانے لگانے کا سودا تھا- خدا سے محبت' اس کے احکام کی بجا آوری پر عہد لینے اور عہد کرنے کی اہم بیعت تھی- اگر یہ احمق اس کو واپس کرتا ہے تو کر دے لیکن داعی اسلام سے فسخ بیعت پر دستخط کر دینے کی تمنا کیوں کرتا ہے- آپؐ کی دعوت وارشاد کا یہ پہلو بھی عجب پر حکمت ہے کہ اس قسم کے احمقوں سے نہ تو ان کے ناسزاء کلمات کی بھی آپؐ تحقیق فرماتے اور نہ ان پر کچھ مواخذہ ہی کرتے بلکہ کوئی ایسا حقیقت اور نصیحت سے بھرا ہوا کلمہ ارشاد فرما دیتے جو اس کی نصیحت آموزی اور دوسروں کی عبرت پذیری کے لیے کافی ہو جاتا- یہاں بھی آپؐ صرف یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ مدینہ چھوڑ کر باہر چلا جانا اور اس کے سرد و گرم کی برداشت نہ کرنا اچھی علامت نہیں- یہاں کی تنگی و ترشی پر جو صبر کر گیا وہ گناہوں کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو گیا اور جو ان پر صبر نہ کر سکا اور گھبرا کر باہر نکل گیا وہ جیسا نجاست آلودہ داخل ہوا تھا ویسا ہی نجاست آلودہ چلا گیا- سوچو اور انصاف کرو کہ پورے اقتدار کے باوجود نہ تو اس کے اس طرزِ عمل پر آپؐ کوئی ادنیٰ سرزنش فرماتے ہیں اور نہ اس کو اسلامی بیعت قائم رکھنے پر مجبور ہی کرتے ہیں اور نہ اس تحقیق میں پڑنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ اس فقرہ سے اس کا اصل مقصد کیا تھا' کیا اتنی آزادی کے بعد بھی اسلام میں جبر و اکراہ کا کوئی تخیل لایا جا سکتا ہے-

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مدح و ذم کے ان مقامات پر بھی جہاں انسان کا قلم اور زبان دونوں بے قابو ہو جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا قدم ذرا نہیں ڈگمگاتا- وہ یہاں بھی اتنے اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں کہ ان کے اور کمالات کو چھوڑ کر اگر اسی ایک کمال پر غور کیا جائے تو ان کی حقانیت اور نبوت کے ثبوت کے لیے یہی ایک بات کافی ہے- کیا ممکن ہے کہ بڑے سے بڑے اشتعال آمیز اور زیادہ سے زیادہ مسرت بخش حالات میں بھی ان کے منہ سے ایک لفظ بھی ایسا نکل جائے جس میں مبالغہ آمیزی کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی پیدا ہو سکے اس وقت بھی ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلتے ہیں جو حقیقت کی ترجمانی کے لیے سب سے قریب تر ہو سکتے ہیں- پہلے ایک واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں جس میں ایک شخص اسلام لاتا ہے اور اس کے بعد فوراً شہید ہو جاتا ہے ایسے پاک و صاف انسان اور ایسے جان باز کی مدح سرائی کے لیے اگر کوئی شاعر مزاج زبان کھولتا تو نہ معلوم آسمان و زمین کے کتنے قلابے ملا دیتا یا اس گنوار جیسے بدبخت اور گستاخ کے ہجو کرنے پر آتا تو خدا جانے کیا کچھ کہتا مگر رسول خدا کی زبان سے اس شہید کے حق میں جو کلمات مدحیہ نکلے وہ صرف یہ تھے "عـمـل قليل و اجر كثير" اس نے عمل گو تھوڑا کیا تھا مگر ثواب بہت پایا اور اس گستاخ کے حق میں جو کلمات ارشاد ہوئے وہ بھی صرف یہ ہیں جو اس وقت آپ کے سامنے موجود ہیں- ان دونوں مقامات پر لسانِ نبوت کے کانٹے پر تلے ہوئے کلمات دیکھیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ استقامت و تمکین سے لبریز کلمات ایسے سمندر کے موتی ہیں جس میں ہواؤں کے طوفان خیز تموج سے بھی کوئی ادنیٰ جنبش نہیں ہوتی- ہم اس حقیقت کو جا بجا واضح کریں گے اور آپ ہر جگہ اس کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کیجیے گا کہ روزمرہ کی گفتگو' دن رات کی ان معمولی واقعات میں جن کو انسان کوئی اہمیت نہیں دیتا انبیاء علیہم السلام کا انداز بیان کیا رہتا ہے اس کے بعد آپ مجبور ہو جائیں گے کہ ان نفوسِ قدسیہ کی صداقت و امانت' علو ہمت و فکر اور ان کی بنی نوع انسانی کے ساتھ یکساں ہمدردی پر پورا یقین کر لیں-

www.besturdubooks.net

الذين وفدوا على النبی ﷺ من العرب للسوال عن الاسلام و الايمان

(۱) وفادة ضمام بن ثعلبة

(۲۳۰) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ كُنَّا قَدْ نُهِيْنَا اَنْ نَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْاَلُهُ وَ نَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ وَ جَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ قَالَ اللّٰهُ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ آللّٰهُ اَرْسَلَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا وَ لَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ

ان وفود کا ذکر جو اسلام و ایمان کی تحقیق کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے

(۱) ضمام بن ثعلبہ کی آمد

(۲۳۰) انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہمیں (قرآن میں) اس بات سے روکا گیا تھا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے ضرورت سوال کیا کریں اس لیے (ہم خود نہ پوچھتے اور) یہ پسند کیا کرتے تھے کہ کہیں کوئی جنگل کا رہنے والا سمجھدار آدمی آ نکلے اور وہ آپ سے پوچھے اور ہم سنیں' اتفاقاً ایک گنوار شخص آیا اور بولا اے محمدؐ آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا تھا اس نے ہم سے کہا کہ آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے آپؐ نے فرمایا اس نے سچ کہا- پھر اس نے پوچھا آسمان کس نے بنایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے- اس نے کہا زمین کو؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے- اس نے کہا اچھا تو ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا اور ان میں قسم قسم کی چیزیں کس نے بنائیں؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے- (یہ سن کر) وہ بولا اُسی کی قسم ہے جس نے آسمان و زمین بنایا اور ان پہاڑوں کو قائم کیا سچ بتائیے کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنایا ہے آپؐ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا آپؐ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی کہا تھا کہ شب و روز میں ہمارے ذمہ پانچ نمازیں فرض ہیں- آپؐ نے فرمایا سچ کہا (یہ سن کر) وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا ہے سچ بتائیے کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے آپؐ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا ہے ٹھیک بتائیے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں- پھر اس نے کہا آپؐ

---

(۲۳۰) * مؤرخین کو ضمام بن ثعلبہ کی آمد کے سال میں اختلاف ہے- ابن اسحٰق اور ابو عبیدہ وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ ۹ھ میں آئے ہیں- واقدی ۵ھ میں فرماتے ہیں مگر محققین نے اس کو تسلیم نہیں کیا- دوسرا اختلاف ان کے اسلام کے بارے میں ہے امام بخاریؒ وغیرہ کا میلانِ خاطر اس طرف ہے کہ جس وقت آپؐ کا قاصد پہنچا تھا یہ اسی وقت مسلمان ہو چکے تھے اور اب ان کا مقصد صرف اس کی تصدیق کرنا تھا- قرطبی کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ یہاں آ کر مسلمان ہوئے ہیں- ہماری رائے ناقص میں ان کے دل میں صداقت اسلام کا سکہ تو پہلے ہی قائم ہو چکا تھا لیکن باضابطہ مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہی ہوئے ہیں "امنت بما جئت به" کا ترجمہ ہم نے امام بخاریؒ کی رائے کے مطابق کیا ہے- ہماری گذارش کے مطابق یہ الفاظ اپنے ظاہر پر رہیں گے- ؎ .....

www.besturdubooks.net

اَللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَ زَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ نَعَمْ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اَللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَ زَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ ثُمَّ وَلّٰى فَقَالَ وَ الَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَ لَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ شَيْئًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ.

(رواه احمد و الشيخان و ابوداؤد)

کے قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے ذمہ ایک سال میں ماہ رمضان کے روزے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس نے سچ کہا- پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنایا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں- پھر اس نے کہا آپؐ کے قاصد کا یہ بھی خیال ہے کہ ہم میں جس کے پاس سواری اور توشہ سفر مہیا ہو اس پر بیت اللہ کا حج کرنا بھی فرض ہے آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا- راوی کہتا ہے کہ یہ سوالات کر کے اس شخص نے پشت پھیری اور کہا' تو اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا نبی بنایا ہے میں ان باتوں پر کچھ کم و بیشی نہ کروں گا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ سچ کہتا ہے تو یقیناً جنت میں جائے گا-

(احمد' بخاری شریف و مسلم شریف' ابوداؤد)

وعنه في رواية اخرى بنحو هذا و زاد قَالَ الرَّجُلُ اٰمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ وَ اَنَا رَسُوْلُ مَنْ وَرَائِيْ مِنْ قَوْمِيْ قَالَ وَ اَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ اَخُوْبَنِيْ سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ.

حضرت انسؓ سے یہی مضمون ایک اور طریقہ سے بھی مروی ہے اس میں یوں ہے- اس شخص نے کہا جو دین آپ لائے ہیں میں اس کو قبول کر چکا ہوں اور میں اپنی قوم کا قاصد ہوں جو میرے پیچھے ہے- میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میں بنوسعد بن بکر کا بھائی ہوں-

---

٭…. حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے روایت مذکورہ میں "و شرائع الاسلام كلها" کے الفاظ بھی پیش کیے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز روزے کے سوا کل احکام اسلام ان کے سامنے بیان کر دیے تھے اس پر مسند امام احمد سے ان کا یہ جواب نقل کیا ہے- وساؤدی هذه الفرائض و اجتنب ما نهيتني عنه لا ازيد و لا انقص -(میں ان تمام فرائض کو ضرور ادا کروں گا اور جن جن باتوں سے آپ نے روکا ہے ان سے احتراز رکھوں گا اور اس پر زیادتی' کمی کچھ نہیں کروں گا) ان الفاظ کے بعد کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ ضمام نے پورے دین پر عمل کرنے کا عہد کیا تھا- حافظ ابن حجرؒ نے ابو ہریرہؓ کی روایت میں اتنی بات اور نقل کی ہے فاماهذه الهناة فوالله انا كنا نتنزه عنها في الجاهلية يعني الفواحش -(یعنی رہ گئیں یہ بے حیائی کی حرکتیں تو ان سے تو ہم کفر کے زمانہ میں بھی بچا کرتے تھے) کس قدر تعجب خیز ہے کہ ضمام کی اس سلامت فطرت اور ان کے اس تفصیلی جواب کے بعد بھی صرف لا ازيـــد (میں اور اعمال نہیں کروں گا) کے ایک لفظ سے یہ خیال قائم کر لیا جائے کہ انہوں نے ان چند احکام کے سوا بقیہ احکام نہ کرنے کا قصد کر لیا تھا اول تو یہ ایک نو مسلم شخص تھے ان کے نزدیک کل دین اتنا ہی تھا جتنا اس وقت ان کے سامنے آ گیا تھا- جس حصہ کا اب تک انہیں علم ہی نہ تھا- اس کے کرنے نہ کرنے کا وہ کیسے قصد کر سکتے تھے- دوم ہمارے نزدیک جو الفاظ انہوں نے یہاں استعمال کیے تھے وہ امتثالِ امر کے لیے زیادہ سے زیادہ یہاں ٭….

www.besturdubooks.net

(۲۳۱) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ قَالَ لَا وَ سَاَلَهُ عَنِ الصَّوْمِ قَالَ صِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا قَالَ وَ ذَكَرَ الزَّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا قَالَ وَ اللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَ لَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ.

(رواه احمد و الشيخان و ابوداؤد و غيرهم. وفي كتاب الحيل من البخاري الا ان تطوع و فيه بعد ذكر الصلوٰة و الزكوٰة فاخبره بشرائع الاسلام قال و الذي اكرمك لا اتطوع شيئا و لا انقص مما فرض الله علي شيئا)

(۲۳۱) طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گنوار آدمی آپؐ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اسلام کی تفصیل بتایئے- آپؐ نے فرمایا شب و روز میں پانچ نمازیں' اس نے عرض کیا اس کے سوا میرے ذمہ کچھ اور نمازیں بھی ہیں آپؐ نے فرمایا کچھ نہیں- راوی کہتا ہے پھر اس نے روزہ کے متعلق دریافت کیا آپؐ نے فرمایا رمضان کے روزے- اس نے کہا ان کے سوا میرے ذمہ کچھ اور روزے بھی ہیں؟ فرمایا کچھ نہیں- راوی کہتا ہے اس نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا اور دریافت کیا کہ میرے ذمہ زکوٰۃ کے سوا بھی کچھ اور دینا ضروری ہے؟ فرمایا کچھ نہیں- اس نے کہا خدا کی قسم ہے کہ میں ان باتوں پر کچھ کم و بیشی نہ کروں گا- آپؐ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو کامیاب ہوگیا (مسند احمد شیخین وغیرہم امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں آپ کے جواب میں اتنا اور روایت فرمایا ہے کہ تجھ پر اور کچھ فرض نہیں مگر ہاں اگر تو اپنی طرف سے خود کرنا چاہے- نماز اور زکوٰۃ کے بعد راوی یہ بھی نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے اس کو اسلام کے اور احکام بھی سکھائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ خدا کی قسم جس نے آپ کو بزرگ بنایا ہے نہ تو میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کروں گا اور نہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کی ہیں کوئی کمی کروں گا-

---

لـه .... تاکیدی الفاظ تھے- بے کم و کاست پورا کرنا اردو میں بھی ایک عام محاورہ ہے جو کسی کام کو پورا پورا ادا کرنے کے موقعہ پر مستعمل ہے- پس ان کے اس لفظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ انہوں نے ان چند احکام کے سوا اور احکام پر عمل نہ کرنے کا عہد کیا تھا- الفاظ پر بے جا جمود ہے پھر اس کے جواب کے درپے ہونا اور بے جا دردسری ہے-

(۲۳۱) * اس روایت میں ''لا ازید'' کے بجائے ''لا اتطوع'' کا لفظ شارحین کے لیے ایک اور مشکل کا موجب بن گیا ہے اس لفظ سے ان کو یہ شبہ ہوگا ہے کہ اس اعرابی نے شاید عبادات نافلہ نہ کرنے کا عہد بھی کیا تھا- ہمارے نزدیک یہ صرف لفظی تفنن ہے اور ''لا انقص'' کے تقابل کی وجہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی اصل مراد اس لفظ سے بھی وہی ''لا ازید'' کا مفہوم تھا لہٰذا محض لفظی تفنن سے نئے نئے نتائج پیدا نہ کیے جائیں اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے جب بھی ایک نومسلم پر صرف اس کی تعبیر کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا-

www.besturdubooks.net

(۲) و فادة معاویه بن حیدة

(۲۳۲) عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ حَیْدَةَؓ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَ اللّٰهِ مَا اَتَیْتُکَ حَتّٰی حَلَفْتُ اَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ اُولَاءِ اَنْ لَا اٰتِیَکَ وَ لَا اٰتِیَ دِیْنَکَ وَ جَمَعَ بَهْزٌ بَیْنَ کَفَّیْهِ (و فی روایة حَتّٰی حَلَفْتُ عَدَدَ اَصَابِعِیْ هٰذِهٖ اَنْ لَّا اٰتِیَکَ وَ لَا اٰتِیَ دِیْنَکَ) وَ اِنِّیْ قَدْ جِئْتُ امْرَءً لَا اَعْقِلُ شَیْئًا اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِوَجْهِ اللّٰهِ بِمَ بَعَثَکَ رَبُّنَا اِلَیْنَا قَالَ بِالْاِسْلَامِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا اٰیَةُ الْاِسْلَامِ (و فی روایة ما الاسلام) قَالَ اَنْ تَقُوْلَ اَسْلَمْتُ وَ جْهِیْ وَ تَخَلَّیْتُ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِیَ الزَّکَاةَ وَ کُلُّ مُسْلِمٍ عَلٰی مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ اَخَوَانِ نَصِیْرَ انِ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِکٍ یُشْرِکُ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلًا اَوْ یُفَارِقَ الْمُشْرِکِیْنَ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ مَالِیْ

(۲) معاویہ بن حیدہ کی آمد

(۲۳۲) بہز بن حکیم اپنے دادا معاویہ بن حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں آپؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا مگر جب کہ ان انگلیوں کی گنتی سے زیادہ مرتبہ یہ قسم کھا چکا تھا کہ نہ تو میں آپؐ کے پاس آکر پھٹکوں گا اور نہ آپؐ کا دین اختیار کروں گا "بہز" نے اپنی دونوں مٹھیاں جمع کر کے (دس کے عدد کی طرف اشارہ کیا اور ایک روایت میں لفظ اولاء کی بجائے "اصابعی هذه" (ان انگلیوں کے) کا لفظ ہے اور میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا شخص آیا ہوں جو قطعاً بے علم اور یکسر ناسمجھ ہے بس وہی جانتا ہے جو خدا اور خدا کا رسول اس کو بتا دے۔ میں خدا کا واسطہ دے کر آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے پروردگار نے آپؐ کو ہمارے پاس کیا کیا احکام دے کر بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا (سب سے پہلے) اسلام کا حکم دیا ہے۔ اس نے عرض کیا اسلام کی نشانی کیا ہے (ایک روایت میں ہے اسلام کیا چیز ہے) آپؐ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو یہ اقرار کرے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر چکا اور شرک و کفر سب چھوڑ چکا' نماز پڑھے زکوٰۃ دے' ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے' مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں ایک دوسرے کا مددگار رہنا چاہیے جو مشرک اسلام لانے کے بعد پھر شرک کرے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ان کو چھوڑ کر

---

(۲۳۲) ٭ بہز بن حکیم کی اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے چند ایسے احکام کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کا عام روایات میں ذکر نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا اسلام کے مفہوم میں داخل ہے۔ اکثر احادیث میں آپؐ نے صرف ارکانِ اسلام پر کفایت کی ہے اور حسب موقعہ محل کہیں کہیں اسلام کے کچھ اور اہم احکام بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ اس حدیث میں اسلام کی جو تشریح کی گئی ہے وہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ سے ملتی جلتی ہے انہوں نے بھی خدا کی پوری پوری حکم برداری کے بعد "و ما انا من المشرکین" فرمایا تھا اور یہاں بھی "تخلیت" کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جس شدت کے ساتھ شریعت پر عمل کا عہد کرنا ضروری ہے اسی شدت کے ساتھ کفر و شرک سے دور رہنے کا عہد بھی ضروری ہے۔ شریعت کے فرائض و واجبات میں سستی کرنا فسق ہے اور خلافِ شریعت میں شدت اختیار نہ کرنا مداہنت ہے ایمان یہ ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھے اور ساتھ ہی معبودانِ باطل کے متعلق یہ یقین بھی کرے کہ ان میں معبودیت کی ایک شمہ برابر بھی اہلیت نہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے دربار ☜ ....

www.besturdubooks.net

اُمْسِکُ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ اَلَا اِنَّ رَبِّیْ دَاعِیَّ وَ اِنَّهُ سَائِلٌ هَلْ بَلَّغْتَ عِبَادِیْ وَ اَنَا قَائِلٌ لَهُ رَبِّ قَدْ بَلَّغْتُهُمْ اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ. ثُمَّ اِنَّكُمْ مَدْعُوُّوْنَ وَ مُفَدَّمَةٌ اَفْوَاهُكُمْ بِالْفِدَامِ وَ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُبِيْنُ (و فی روایۃ يُتَرْجِمُ) قَالَ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ عَلٰى فَخِذِهٖ (و فی روایۃ ثم اِنَّ اَوَّلَ مَا يُبِيْنُ عَنْ اَحَدِكُمْ لَفَخِذُهٗ وَ كَفُّهٗ) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) هٰذَا دِيْنُنَا قَالَ هٰذَا دِيْنُكُمْ وَ اَيْنَمَا تُحْسِنْ يَكْفِكَ.

(رواہ احمد و الحاکم و قال صحیح الاسناد و اقرہ الذھبی. و اخرجہ النسائی مختصرا)

پھر مسلمانوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جائے- یہ کیا بات ہے کہ میں تو تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ کی آگ سے بچا رہا ہوں (اور تم ایک نہیں مانتے) سن لو میرا پروردگار (قیامت کے دن) مجھے بلائے گا اور مجھ سے یقیناً یہ سوال کرے گا کہ آپ نے میرے بندوں کو تبلیغ کر دی؟ میں عرض کروں گا پروردگار! کر دی- سن لو تم میں جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام ان کو بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں پھر تم کو بھی بلایا جائے گا اور تمہارے منہ پر کپڑا لگا دیا جائے گا- (تاکہ غلط بات نہ بول سکو) پھر سب سے پہلے انسان کا جو حصہ بیان کرنا شروع کرے گا (اور ایک روایت میں ترجمانی کا لفظ ہے) راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنی ران کی طرف اشارہ کر کے بتایا (کہ وہ حصہ یہ ہوگا) دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلے تمہاری طرف سے جسم کا جو حصہ بولے گا وہ تمہاری ران اور تمہارے ہاتھ ہوں گے- میں نے کہا یا رسول اللہ بس ہمارا دین یہ ہے آپ نے فرمایا ہاں یہ تو تمہارا دین ہے پھر بھلائی جہاں بھی کرو گے کافی ہوگی-

---

ؒ ....میں ہمہ وقت مقہور و ذلیل ہیں چنانچہ ضمام جب آپ کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنی قوم کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے جو الفاظ ان کے منہ سے نکلے وہ یہ تھے ''بئست اللات و العزیٰ'' لات و عزیٰ دونوں ذلیل و خوار ہیں دیکھو شرح مواہب

از یکے گو وز ہمہ یکسوئے باش یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

پس اگر حریم معبودیت میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے سوا کسی غیر کے لیے کوئی ادنیٰ گنجائش باقی ہے تو یہ ایمان نہیں ہے ایمان و اسلام یہ ہے کہ باطن میں ایک اللہ کے سوا کسی غیر کی معبودیت اور قانونِ شریعت کے سوا کسی اور قانون پر راضی ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے- رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا کا مفہوم یہی ہے- با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک قلب میں کفر کی طرف میلان باقی ہے اسلام مسلمان کے ظاہر و باطن کے ساتھ کفر کا کوئی تسمہ لگا رکھنا نہیں چاہتا- اسلام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ''و ما انا من المشرکین'' کا نعرہ نہ لگا دیا جائے- الوہیت کے مقام میں ایک اللہ کے سوا بقیہ تمام معبودوں کو ذلیل سمجھنا دوسروں کی تذلیل نہیں بلکہ مقام الوہیت کی تعظیم ہے' قانونِ شریعت کے سوا باطل قوانین کو دستور العمل بننے کے ناقابل سمجھنا- دوسرے قوانین کی توہین نہیں بلکہ شریعت کا ایک حق ہے- اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام آپ کو دوسرے معبودوں کی تذلیل یا دوسرے مذاہب کی توہین کرنے کی دعوت دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سچائی کی سچائی ہونے پر آپ کو پورا پورا یقین اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ باطل کے باطل ہونے کا بھی آپ کو پورا پورا یقین ہو جائے اگر آپ کے قلب میں باطل پر بھی صداقت کا شبہ پڑ سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حق و باطل کو ابھی تک ٹھیک طور پر پہچانتے ہی نہیں- اسلام عقیدہ کے باب میں کوئی لچک نہیں رکھتا- ہاں جب دنیا کے ساتھ معاملات کا نمبر آتا ہے تو وہ اس میں بڑی سے بڑی رواداری کی بھی تعلیم دیتا ہے اور یہی و جادلھم بالتی ھی احسن کا مفہوم ہے- منہ پر کپڑا لگانا حقیقتاً نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ. الآیہ﴾ (یٰس: ۶۵) آج ہم ان کے منہ پر مہر کر دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ اور پیر تمام واقعات جو انہوں نے کیے تھے وہ خود بتائیں گے-

www.besturdubooks.net

(۳) و فادۃ ابی رزین العقیلی

(۲۳۳) عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) مَاالْاِیْمَانُ قَالَ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اَنْ یَکُوْنَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ اَنْ تُحْرَقَ بِالنَّارِ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ اَنْ تُشْرِکَ بِاللّٰهِ وَ اَنْ تُحِبَّ غَیْرَ ذِیْ نَسَبٍ لَاتُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا کُنْتَ کَذٰلِکَ فَقَدْ دَخَلَ حُبُّ الْاِیْمَانِ فِیْ قَلْبِکَ کَمَا دَخَلَ حُبُّ الْمَاءِ لِلظَّمْاٰنِ فِی الْیَوْمِ الْقَائِظِ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ لِیْ بِاَنْ اَعْلَمَ اَنِّیْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَا مِنْ اُمَّتِیْ اَوْ هٰذِهٖ

(۳) ابورزین عقیلی کی آمد

(۲۳۳) ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کی گواہی دے کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں' اللہ اور اس کا رسول تجھ کو تمام ماسوٰی سے زیادہ محبوب ہو جائیں اور آگ میں جل کر خاک ہو جانا اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے سے زیادہ پسند ہو جائے اور جن شخصوں سے رشتہ و نسب کا کوئی تعلق بھی نہ ہو ان سے اللہ ہی کے نام پر محبت ہو جائے- جب یہ علامات پائی جائیں تو (سمجھ لینا کہ) اب تمہارے دل میں ایمان کی محبت ایسی سما گئی ہے جیسے سخت گرمی میں پیاسے کے دل میں پانی کی محبت- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات کیسے سمجھوں کہ اب میں مؤمن کامل ہو گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ اس

---

(۲۳۳) ٭ حدیث مذکور میں پیاسے اور پانی کی تشبیہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا باطن جب ایمان کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے تو اب اس کی محبت صرف عقلی نہیں رہتی بلکہ تقاضاء طبیعت بن جاتی ہے-نفس کو جو راحت و سرور اپنی طبعی مرغوبات میں اور جو کراہت و نفرت طبعی مکروہات میں محسوس ہوا کرتی ہے وہی راحت و سرور ایک مؤمن کامل کو شریعت کی اتباع میں اور وہی نفرت و کراہت اس کی مخالفت میں محسوس ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ احکام شریعت کی محبت اور اس کے خلاف سے نفرت اختیاری نہیں رہتی- اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے-

﴿وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ﴾ (الحجرات: ۷)

''یعنی خدا کا یہ بڑا انعام ہے کہ اس نے ایمان کی محبت تمہارے دلوں میں ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا ہے اور کفر فسق اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے-''

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ مؤمن کے لیے صرف کفر سے نفرت کرنا کافی نہیں بلکہ فسق اور خدا کی نافرمانی سے نفرت کرنا بھی ضروری ہے- گناہ کی چند قسمیں ہیں جن میں کفر تو سب سے بڑا گناہ ہے- دوسری قسم فسق ہے یہ کفر سے ہلکا ہے- معصیت درمیانی چیز ہے- نہ ہمیشہ فسق ہوتی ہے نہ کفر زیادہ ترقی کر جائے تو کفر تک جا سکتی ہے اور اس سے کچھ کم رہے تو فسق بھی ہو سکتی ہے- اسی لیے معصیت ؎ ....

www.besturdubooks.net

الْاُمَّةِ عَبْدٌ يَعْمَلُ حَسَنَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا حَسَنَةٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَازِيْهِ بِهَا خَيْرًا وَ لَا يَعْمَلُ سَيِّئَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا سَيِّئَةٌ وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مِنْهَا وَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يَغْفِرُ اِلَّا هُوَ اِلَّا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ. (انفرد به احمد و في اسناده سليمان بن موسى، وثقه قوم و ضعفه آخرون)

امت میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں ہے (راوی کا شک ہے) کہ جب نیکی کرے تو اس کو محسوس ہو کہ یہ نیکی ہے اور اس پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بدلہ دے گا اور جب کوئی برائی کرے تو اسے محسوس ہو کہ یہ برائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور یہ یقین رکھے کہ بخشنے والا بجز اس کے کوئی نہیں تو یقیناً وہ شخص کامل مومن ہے۔

(اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)

(۴) وفادة عبدالقيس

وفد عبدالقیس کی آمد

(۲۳۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِمَّنِ الْوَفْدُ اَوْ قَالَ الْقَوْمُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ اَوْقَالَ الْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَ لَا نَدَامٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۲۳۴) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وفد عبدالقیس آپ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا یہ وفد کس قبیلہ کا ہے یا قوم کا لفظ فرمایا (راوی کا شک ہے) انہوں نے جواب دیا قبیلہ ربیعہ کا۔ آپؐ نے فرمایا خوش آمدید (تم لوگ خوشی سے مسلمان ہو کر آئے ہو) اس لیے نہ دنیا میں رسوائی کی نوبت آئی نہ آخرت میں شرمندہ ہو گے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بڑی دور دراز مسافت طے کر کے آ رہے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ مشہور جنگ جو قبیلہ پڑتا ہے اس

لـ .... میں کبیرہ وصغیرہ کی تفصیل ہے۔ پس ایمان کی اتنی محبت کہ وہ قلوب کی زینت بن جائے اور کفر کی اتنی نفرت کہ وہ اپنے تمام انواع و اقسام کے ساتھ قابل نفرت ہو جائے اس کی علامت ہے کہ اب ایمان انسانی فطرت ومزاج کا جزء بن گیا ہے۔ آیت بالا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت کسبی نہیں' خدا کی دین کی بات ہے جسے چاہے دے دے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے محدثین کے مذاق پر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ آیت میں کفر وفسق اور معصیت کی تفصیل کرنا اور ایمان میں فرائض و مستحبات وغیرہ کی تفصیل اختیار نہ کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان دراصل ان تمام کے مجموعہ ہی کا نام ہے صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں۔ پس ایمان کی محبت کے معنی تمام شریعت کی محبت ہیں۔ محدثین اعمال کو ایمان سے جدا کرنا نہیں چاہتے اور عملی دنیا کے لیے یہی نظریہ مفید بھی ہے۔ حقیقت ایمانیہ کا تجزیہ اور تحلیل کر کے اس کے اجزاء کی حیثیات اور مراتب میں بحث کرنا فقہ کے لحاظ سے گو اہم سہی لیکن عمل کے دائرہ میں یقیناً مفید نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب الایمان ص ۱۷)

(۲۳۴) * یہ وفد آپؐ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوا ہے ایک مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ میں یا اس سے بھی قبل اس مرتبہ یہ کل تیرہ یا چودہ آدمی تھے جن کے نام فتح الباری میں مذکور ہیں پھر دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں اس وقت یہ چالیس اشخاص مل کر آئے تھے۔ یہ لوگ بحرین کے باشندہ تھے۔ اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ ان ہی کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسجد عبدالقيس بجواثي من البحرين۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔ ← ....

www.besturdubooks.net

اَتَیْنَاکَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِیْدَةٍ وَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکَ هٰذَا الْحَیُّ مِنْ کُفَّارِ مُضَرَ وَ لَسْنَا نَسْتَطِیْعُ اَنْ تَاْتِیَکَ اِلَّا فِیْ شَهْرٍ حَرَامٍ فَاَخْبِرْنَا بِاَمْرٍ نَدْ خُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَ نُخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَ رَآئَنَا وَ سَاَلُوْا عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَ نَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ قَالُوْا اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَاءُ الزَّکٰوةِ وَ صَوْمُ رَمَضَانَ وَ اَنْ تُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَ نَهَاهُمْ عَنِ

لیے ہم آپ کی خدمت میں صرف ان مہینوں میں حاضر ہو سکتے ہیں جن میں کفار کے نزدیک جنگ کرنا حرام ہے اس لیے ہمیں تو آپ کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے جس پر عمل کر کے ہم جنت میں چلے جائیں اور جو لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس کی اطلاع کر دیں اور اسی کے ساتھ انہوں نے ان برتنوں کی بابت بھی پوچھا جن میں نبیذ بنائی جاتی تھی (کون سے استعمال میں لائے جا سکتے ہیں اور کون سے نہیں لائے جا سکتے) آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے روکا (۱) صرف اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا' یہ کہہ کر فرمایا جانتے بھی ہو اللہ پر ایمان لانا کس طرح ہوتا ہے انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ واقف ہیں' فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ قابلِ عبادت کوئی نہیں مگر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں' با قاعدہ نماز پڑھنا' زکوٰۃ'

؎ ....زرقانی نے شرح مواہب میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ابھی ایک قافلہ آنے والا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے حضرت عمرؓ ان کے دیکھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہیں ۱۳ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا انہوں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت سنائی پھر ان کے ساتھ ساتھ آپ ؐ کی خدمت میں آئے جب ان لوگوں نے دور سے آپ ؐ کو دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور فرطِ اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ ؐ کی خدمت میں دوڑ پڑے حاضر ہو کر آپ کا دست مبارک چومنے لگے- شیخ عبدالقیس جوان کے سردار تھے اگرچہ نوعمر تھے سب سے پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے پہلے تو سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا بکس کھول کر سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا سفید لباس پہنا پھر باطمینان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ؐ کے دست مبارک کو بوسہ دیا- آدمی بدشکل تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آدمی کی قیمت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی اس کی قیمت صرف اس کے دو چھوٹے سے چھوٹے اعضا سے ہوتی ہے زبان اور دل- آپ ؐ نے فرمایا تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں دانائی اور بردباری انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا میں نے اپنے کسب سے حاصل کی ہیں؟ فرمایا پیدائشی-

ان کی روایت میں عام طور پر حج کا ذکر نہیں ہے صرف بیہقی نے سنن کبریٰ کی کتاب الصیام میں "و تحجوا البیت الحرام" کا لفظ روایت کیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کو شاذ قرار دیا ہے مسند امام احمد میں بھی ایک طریقے میں حج کا ذکر موجود ہے-

یہ بات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کامل اور ایمان کامل بلحاظِ مصداق جدا جدا دو چیزیں نہیں ان میں جو کچھ فرق ہے وہ صرف بلحاظِ مفہوم ہے- وفد مذکور آپ ؐ کی خدمت میں ایمان و اسلام کا فرق دریافت کرنے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ صرف ایسا نظامِ عمل معلوم کرنے کے لیے آیا تھا جس پر وہ کاربند ہو کر نجات پا جائے اس لیے آپ ؐ نے ان کے سامنے ان کے سوال کے مطابق ایک مختصر نظام العمل بیان فرما دیا تھا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام (جن کی حدیث آئندہ آ رہی ہے) اسلام و ایمان اور احسان کی جدا جدا حقیقتیں دریافت کرنے کے ؎....

www.besturdubooks.net

الدُّبَاءِ وَ الحنتم و النقير وَ الْمُزَفَّتِ قَالَ وَ رُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ احْفَظُوْ هُنَّ وَ اَخْبِرُ وْ هُنَّ مَنْ وَّ رَاءَ كُمْ.

(رواه احمد و الشيخان وغيرهم)

دینا' ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت میں پانچواں حصہ بھی دیا کرو اور چار برتنوں کے استعمال سے منع کیا' دباء سے' حنتم سے' نقیر سے اور مزفت سے (ابن عباسؓ مزفت کے بجائے کبھی مقیر کہا کرتے تھے) اور فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور جو تم سے اس طرف مسلمان رہتے ہیں ان کو بھی ان باتوں کی خبر کر دو۔

(۵) وفادة ابن المنفتق

(۵) ابن المنفتق کی آمد

(۲۳۵) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ عَبْدِاللهِ الْيَشْكُرِيْ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اِلَى الْكُوْفَةِ لَاَجْلِبَ بِغَالًا قَالَ فَاَتَيْتُ السُّوْقَ وَ لَمْ تَقُمْ قَالَ قُلْتُ لِصَاحِبٍ لِيْ لَوْ دَخَلْنَا الْمَسْجِدَ وَ مَوْضِعُهُ يَوْمَئِذٍ فِيْ اَصْحَابِ التَّمْرِ فَاِذَا فِيْهِ رَجُلٌ مِنْ قَيْسٍ يُقَالُ لَهُ اِبْنُ الْمُنْفَتِقِ وَ هُوَ يَقُوْلُ وَصَفَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَطَلَبْتُهُ بِمِنًى فَقِيْلَ لِيْ هُوَ بِعَرَفَاتٍ فَانْتَهَيْتُ اِلَيْهِ فَزَاحَمْتُ عَلَيْهِ فَقِيْلَ لِيْ اِلَيْكَ عَنْ

(۲۳۵) مغیرہ بن عبداللہ یشکری اپنے والد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں خچر خریدنے کے لیے کوفہ گیا' بازار پہنچا تو اس وقت تک بازار ٹھیک نہ لگا تھا' میں نے اپنے رفیق سے کہا اتنی دیر مسجد ہی میں چلیں اس وقت اس کی جگہ کھجور والوں کے محلہ میں تھی' کیا دیکھتا ہوں کہ قبیلہ قیس کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کو ابن المنفتق کہتے تھے' وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں تلاش کیا تو کسی نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں ہیں' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو (بھیڑ بہت تھی اس لیے) زبردستی گھسنے لگا' مجھ سے کسی نے کہا آنحضرت صلی اللہ

۞ .... لیے آئے تھے ان کے سامنے کوئی مختصر اور مجمل نقشہ عمل بتانا ان کے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا تھا اس لیے ان سے ہر ایک کی حقیقت جدا جدا بیان فرمانا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دو حدیثوں میں آپؐ نے دو منصبوں کے فرائض انجام دیئے ہیں یہاں ایک واعظ و مذکر کے اور حضرت جبرئیلؑ کی حدیث میں ایک مدرس و معلم کے' ایک مذکر و واعظ کا فرض علمی چھان بین نہیں وہ صرف عمل کی ترغیب دیتا ہے اور معلم کا فرض علمی مشکلات کو واضح اور صاف کرنا ہے۔ ان دو منصبوں کے لحاظ سے طریقہ تعبیر بدلنا بھی ضروری ہے اس لیے یہ شبہ نہ کرنا چاہیے کہ ایمان کی جو تشریح یہاں کی گئی ہے جبرئیل علیہ السلام کی حدیث میں وہی تشریح اسلام کی کیسے قرار دے دی گئی۔ بات یہ ہے کہ ایمان و اسلام کا پورا پورا مفہوم تو بلاشبہ حدیث جبرئیل ہی میں ادا کیا گیا ہے لیکن عملی دائرہ میں چونکہ ایمان و اسلام جدا چیزیں نہ تھیں اس لیے ضمام کی حدیث میں ان کی حقیقتوں پر جدا جدا روشنی ڈالنا غیر ضروری سمجھا گیا ہے۔

(۲۳۵) ۞ امام بخاریؒ نے باب فضل صلۃ الرحم میں اس روایت کو بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں فقال القوم ما له ما له فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ارب ما له۔ یعنی جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ شخص بھیڑ میں زبردستی گھسا آ رہا ہے تو کہا ارے اسے کیا ہو گیا ہے' آپؐ نے فرمایا ہو کیا گیا ہے کوئی ضرورت مند شخص ہے۔ جو ترجمہ یہاں ہم نے کیا ہے وہ صحیح بخاری کی اسی روایت کی مدد سے کیا ہے۔ شارحین کو اس لفظ کے ترجمہ میں اختلاف ہے۔ بخاریؒ کی روایت میں محشی نے كانه كان على راحلة کی شرح ہمارے نزدیک صحیح نہیں کی جو احتمالات انہوں نے لکھے ہیں وہ سب یہاں چسپاں نہیں ہوتے۔ ۞ ....

www.besturdubooks.net

طَرِيقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعُوا الرَّجُلَ أَرِبَ مَالَهُ قَالَ فَزَاحَمْتُ عَلَيْهِ حَتّٰى خَلَصْتُ اِلَيْهِ قَالَ فَاَخَذْتُ بِخِطَامِ رَاحِلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ زِمَامِهَا هٰكَذَا حَدَّثَ مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ قَالَ قُلْتُ ثِنْتَانِ اَسْاَلُكَ عَنْهُمَا مَا يُنَجِّيْنِىْ مِنَ النَّارِ وَ مَا يُدْخِلُنِىْ الْجَنَّةَ قَالَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ نَكَسَ رَأْسَهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيَّ بِوَجْهِهٖ قَالَ لَئِنْ كُنْتَ اَوْجَزْتَ فِى الْمَسْاَلَةِ لَقَدْ اَعْظَمْتَ وَ اَطْوَلْتَ فَاعْقِلْ عَنِّىْ اِذًا اُعْبُدِ اللّٰهَ لَا تُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَ اَدِّ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ صُمْ رَمَضَانَ وَ مَا تُحِبُّ اَنْ يَفْعَلَهُ بِكَ النَّاسُ فَافْعَلْ بِهِمْ وَ مَا تَكْرَهُ اَنْ يَّاْتِىَ اِلَيْكَ النَّاسُ فَذَرِ النَّاسَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ خَلِّ سَبِيْلَ الرَّاحِلَةِ.

وَعَنْهُ مِنْ طَرِيْقٍ اٰخَرَ بِنَحْوِهٖ وَ فِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِىْ عَلٰى عَمَلٍ يُدْخِلُنِى الْجَنَّةَ وَ يُنَجِّيْنِىْ مِنَ النَّارِ قَالَ بَخٍ بَخٍ لَئِنْ كُنْتَ قَصَّرْتَ فِى الْخُطْبَةِ لَقَدْ اَبْلَغْتَ فِى الْمَسْئَلَةِ اِتَّقِ اللّٰهَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَ تُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَ تُؤَدِّى الزَّكٰوةَ

علیہ وسلم کے راستہ سے ایک طرف ہٹ جا' آپ نے فرمایا اس آدمی کو آنے دو ضرورت مند ہے (دیکھو) اسے کیا ضرورت ہے' وہ فرماتے ہیں میں گھس گھسا کر آپ کی خدمت میں جا ہی پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سانڈنی کی مہار پکڑ لی ایک راوی نے خطام کے بجائے زمام کا لفظ کہا ہے۔ محمد بن جحادۃ نے (مغیرہ کا شاگرد) ہم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا دو باتیں ہیں جنہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتا ہوں' آتش دوزخ سے مجھے کون سا عمل نجات دے سکتا ہے اور جنت کے لیے کیا عمل درکار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا پھر سر مبارک نیچے جھکا لیا اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگرچہ تو نے سوال تو بہت مختصر کیا مگر بات بڑی لمبی دریافت کی ہے اچھا تو اب اس کو مجھ سے خوب سمجھ لے۔ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کر' فرض نماز اچھی طرح پڑھا کر' فرض زکوٰۃ دیا کر' رمضان کے روزے رکھا کر اور جو بات تو چاہتا ہے کہ لوگ تیرے ساتھ کریں وہی تو ان کے ساتھ کیا کر اور جو بات تو نہیں چاہتا کہ لوگ تیرے ساتھ کریں دوسروں کو بھی اس سے معاف رکھا کر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا لے اب سانڈنی کا راستہ چھوڑ۔

اس روایت کے دوسرے طریقہ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے لیکن اس کے لفظ یہ ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو جنت میں پہنچا دے اور دوزخ کی آگ سے بچا دے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت خوب بہت خوب تم نے درخواست تو مختصر کی مگر سوال بہت گہرا کیا ہے اللہ سے ڈر اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کر' باقاعدہ نماز

ف ... صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت کے آخر میں وہی لفظ مذکور ہیں جو ضمام نے کہے تھے "و الذی نفسی بیده لا ازید علی هذا شیئا ابدا و لا انقص منه" یعنی میں آپ کے ارشاد پر کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔ ہمارے نزدیک امتثال امر کے لیے اس سے زیادہ ادب کے الفاظ اور نہیں ہو سکتے اس لیے جو صحیح الفطرت شخص بھی آپ کی خدمت میں آیا ہے اس نے ان ہی الفاظ کو دہرایا۔ الفاظ کی روح نظر انداز کر کے محض ان کی سطح سے سوال و جواب پیدا کرنا نا مناسب ہے۔

www.besturdubooks.net

وَ تَحُجُّ الْبَيْتَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ خَلِّ عَنْ طَرِيْقِ الرِّكَابِ.(رواه احمد و فى البخارى و تصل الرحم وليس فيه ذكر الحج و الاسلام)

پڑھا کر' زکوٰۃ دیا کر' حج کر' رمضان کے روزہ رکھا کر' اس کے بعد فرمایا اچھا اب میری سواری کے سامنے سے ہٹ جا۔

(اس حدیث کو بخاری اور احمد نے روایت کیا ہے)

(۲) وفد الازد

(۲) سوید ازدی کی آمد

(۲۳۶) عَنْ سُوَيْدِ الْاَزْدِيِّ قَالَ وَ فَدْتُ سَابِعَ سَبْعَةٍ مِنْ قَوْمِيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلْنَا عَلَيْهِ وَ كَلَّمْنَاهُ اَعْجَبَهٗ مَا رَاٰى مِنْ سَمْتِنَا وَ زِيِّنَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ قُلْنَا مُؤْمِنُوْنَ فَتَبَسَّمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ وَ قَالَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ قَوْلِكُمْ وَ اِيْمَانِكُمْ قُلْنَا خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً خَمْسٌ مِنْهَا اَمَرَتْنَا رُسُلُكَ اَنْ نُؤْمِنَ بِهَا وَ خَمْسٌ اَمَرَتْنَا اَنْ نَعْمَلَ بِهَا وَ خَمْسٌ تَخَلَّقْنَا بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَنَحْنُ عَلَيْهَا اِلَّا اَنْ تَكْرَهَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْخَمْسُ الَّتِيْ اَمَرَتْكُمْ بِهَا رُسُلِيْ قُلْنَا اَمَرَتْنَا اَنْ نُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَ مَا الْخَمْسُ الَّتِيْ اَمَرَتْكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهَا قُلْنَا اَمَرَتْنَا اَنْ نَقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ نُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ نُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَ نَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ نَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْنَا اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ وَ مَا

(۲۳۶) سوید ازدی روایت فرماتے ہیں کہ ہماری قوم کے سات آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں ساتواں شخص میں تھا جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے گفتگو کی تو جو طرز و انداز آپؐ نے ہمارا دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے عرض کیا مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا پندرہ چیزیں ہیں جن میں پانچ تو ایسی ہیں جن کے متعلق آپ کے قاصدوں نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان پر یقین رکھیں اور پانچ ایسی ہیں جن کے متعلق کہا ہے کہ ان پر عمل کیا کریں اور پانچ وہ ہیں جن کی عادت ہمیں زمانہ جاہلیت سے پڑی ہوئی ہے اور اب تک ہم ان پر قائم ہیں ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پسند نہ کریں تو البتہ ہم انہیں چھوڑ سکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو یقین رکھنے کے لیے کہا ہے' ہم نے عرض کیا یہ ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے' اس کی کتابیں اس کے سب رسولوں کو مانیں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین کریں فرمایا وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر عمل کرنے کے لیے کہا ہے ہم نے عرض کیا یہ کہ ہم اقرار کریں کہ ایک اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں' نماز باضابطہ پڑھیں' زکوٰۃ

---

(۲۳۶) * چونکہ یہ لوگ عام اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نظر آ رہے تھے اس لیے آپؐ نے ان کو اسلام کے ایک بلند مقام کی تعلیم دی یعنی توکل کی۔ جن پانچ چیزوں کا آپؐ نے ذکر فرمایا ہے ان کا زیادہ تعلق اسی صفت توکل کے ساتھ ہے توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب پر ترک اعتماد کا نام ہے۔ ترک اسباب آسان ہے اور اسباب کر کے ان پر ترک اعتماد مشکل ہے۔ بقدر ضرورت غذا کی تلاش' رہائش کا انتظام توکل کے منافی نہیں البتہ حاجت سے زیادہ غذاء' ضرورت سے زیادہ تعمیر یہ توکل کے منافی ہے اسی لیے یہاں آپ نے ۔۔۔۔

www.besturdubooks.net

اَلْخَمْسُ الَّتِیْ تَخَلَّقْتُمْ بِھَا فِی الْجَاھِلِیَّةِ قُلْنَا الشُّکْرُ عِنْدَ الرَّخَاءِ وَ الصَّبْرُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَ الرِّضَا بِمُرِّ الْقَضَاءِ وَ الصِّدْقُ فِیْ مَوَاطِنِ اللِّقَاءِ وَ تَرْکُ الشَّمَاتَةِ بِالْاَعْدَاءِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُکَمَاءُ عُلَمَاءُ کَادُوْا مِنْ فِقْھِھِمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ ثُمَّ قَالَ وَ اَنَا اَزِیْدُکُمْ خَمْسًا فَیَتِمُّ لَکُمْ عِشْرُوْنَ خَصْلَةً اِنْ کُنْتُمْ کَمَا تَقُوْلُوْنَ فَلَا تَجْمَعُوْا مَا لَا تَاْکُلُوْنَ وَ لَا تَبْنُوْا مَالَا تَسْکُنُوْنَ وَ لَا تَنَافَسُوْا فِیْ شَیْءٍ اَنْتُمْ عَنْہُ غَدًا زَائِلُوْنَ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ وَ عَلَیْہِ تُعْرَضُوْنَ وَ ارْغَبُوْا فِیْمَا تَقْدَمُوْنَ وَ فِیْہِ تَخْلُدُوْنَ فَانْصَرَفُوْا وَ قَدْ حَفِظُوْا مِنْ وَصِیَّتِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَعَمِلُوْا بِھَا. (رواہ ابو نعیم فی کتاب معرفة الصحابة کما فی شرح المواھب)

دیں' رمضان کے روزے رکھیں اور اگر زادِ راہ موجود ہو تو بیت اللہ کا حج بھی کریں فرمایا اچھا اب وہ پانچ باتیں بتاؤ جن کی کفر کے زمانہ سے تمہیں عادت ہے ہم نے عرض کیا' فراخی میں شکر کرنا' مصیبت میں صبر کرنا' مقدرات جب سامنے آ جائیں تو ان پر خوش رہنا' جنگ میں ثابت قدمی اور دشمنوں کی مصیبت پر ہنسی نہ اڑانا آپ نے فرمایا تم تو سب کے سب بڑے حکیم اور عالم نکلے قریب تھا کہ اپنے اس علم وفہم کی بدولت نبی بن جاتے (اگر نبوت جاری ہوتی) اچھا تو اب پانچ باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں تا کہ کل مجموعہ بیں باتیں ہو جائیں۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا تم کہتے ہو تو حاجت سے زیادہ کھانا جمع نہ کرو اور ضرورت سے زیادہ مکانات نہ بناؤ اور جس چیز کو چھوڑ کر کل تمہیں چلا جانا ہے اس میں ایک دوسرے کی حرص نہ کرو اور ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف پھر لوٹ کر تمہیں جانا ہے اور جس کے سامنے حساب دینے کے لیے پیش ہونا ہے اور اس گھر کی فکر رکھنا جس میں تمہیں آئندہ جانا اور ہمیشہ رہنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت سن کر وہ اپنے وطن کو واپس ہو گئے اور ان پر عمل کیا۔

وفادة رجال من العرب لم یُسموا

اُن وفود کی آمد جن کا نام روایات میں مذکور نہیں

(۲۳۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ اَنْ یُّسْلِمَ

(۲۳۷) عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لله .... بقدر حاجت غذاء یا مکان کی ممانعت نہیں کی۔
یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس لیے اس میں ہر ذوق اور ہر مزاج کے مناسب تعلیمات رکھی گئی ہیں اگر کوئی ورع وتقویٰ کی باریکیوں سے گذرتے ہوئے گھبراتا ہے تو اس کے لیے رخصتوں کے صاف اور کھلے ہوئے راستے موجود ہیں اور اگر کوئی بلند فطرت رخصتوں کی بجائے ان دشوار گذار وادیوں میں گذرنے کی تلاش رکھتا ہے جن سے گذرنے کی تمنا ہر عاشق مزاج کو ہوا کرتی ہے تو ایسی قربان گاہوں کی بھی یہاں کمی نہیں ہے' ان دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے جن میں نہ وہ سہولتیں ہیں نہ یہ دشواریاں' یہاں اپنی حاجت سے زیادہ جمع کرنے اور ضرورت سے زیادہ مکان تعمیر کرنے کی اجازت بھی مل جاتی ہے مگر پھر ان کے لیے کچھ حقوق بھی رکھے گئے ہیں جن کے ادا نہ کرنے میں مواخذہ کا کھٹکا لگا رہتا ہے اب یہ آپ کے پسند کی بات ہے چاہے تو وہ زندگی گذاریئے جو بے کھٹکے ہو اور چاہے وہ بسر کیجئے جس میں خطرات ہیں۔

(۲۳۷) * عمل کون سا بہتر ہے؟ اس کا ہمیشہ ایک ہی جواب نہیں ہو سکتا۔ فی نفسہ اس عمل کے وزن' مخاطب کے حالات اور لله ....

www.besturdubooks.net

قَلْبُكَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اَنْ يَسْلَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِكَ وَ يَدِكَ قَالَ فَاَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ الْاِيْمَانُ (وفي رواية قال خلق حسن) قَالَ وَ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (وفي رواية قَالَ وَ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَ السَّمَاحَةُ) قَالَ فَاَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ الْهِجْرَةُ قَالَ فَمَا الْهِجْرَةُ قَالَ تَهْجُرُ السُّوْءَ قَالَ فَاَيُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْجِهَادُ قَالَ اَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ اِذَا لَقِيْتَهُمْ قَالَ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَ اُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عَمَلَانِ هُمَا اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اِلَّا مَنْ عَمِلَ بِمِثْلِهِمَا حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ اَوْ عُمْرَةٌ.

(رواه احمد و الطبراني و رجاله موثوقون)

یہ کہ تیرا قلب اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائے اور تیری زبان اور ہاتھ کی ایذا رسانی سے تمام مسلمان محفوظ رہیں پھر اس نے پوچھا اچھا اسلام کا سب سے بہتر جزء کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان! (ایک روایت میں فرمایا اچھے اخلاق) اس نے پوچھا ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتے' اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو دل سے مانے اور مرنے کے بعد پھر جینے پر یقین رکھے (ایک روایت میں ہے اس نے پوچھا ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا صبر اور سخاوت) اس نے عرض کیا اچھا ایمان میں بہتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہجرت' اس نے عرض کیا ہجرت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو برائیاں چھوڑ دے' اس نے عرض کیا اچھا تو ہجرت سب سے بہتر کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا جہاد کرنا اور کافروں سے لڑائی کے وقت خوب لڑنا' اس نے عرض کیا اچھا تو جہاد کون سا بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا زخمی ہو جائے اور اس کا خون بھی بہا دیا جائے آپؐ نے فرمایا اس کے بعد دو کام اور ہیں جو سب سے عمدہ ہیں مگر ہاں وہ شخص جو یہی کام کرے ایک حج جس میں جنایت نہ ہو دوم عمرہ کرنا۔

(۲۳۸) عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ عَامِرٍ اَنَّهٗ اسْتَاْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَاَلِجُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِهٖ اُخْرُجِيْ اِلَيْهِ فَاِنَّهٗ لَا يُحْسِنُ الْاِسْتِيْذَانَ فَقُوْلِيْ لَهٗ فَلْيَقُلِ السَّلَامُ

(۲۳۸) ربعی بن حراش بنی عامر قبیلہ کے کسی آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے اجازت طلب کی (مگر جو لفظ اس کے لیے اسلام نے مقرر فرمائے تھے وہ استعمال نہ کیے اور کہا) کیا میں اندر گھس آؤں' آپؐ نے اپنی ایک باندی سے کہا اس شخص کو اجازت حاصل کرنے کا سلیقہ نہیں آتا' جا اور اسے بتا کہ پہلے اسے السلام علیکم کہنا

؎ .... زمانوں کے مختلف تقاضوں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ مختلف ہوتا جائے گا اسی لیے حدیثوں میں بھی اس سوال کے جوابات مختلف ہی دیئے گئے ہیں اس حدیث میں افضل ہجرت کی تفسیر جہاد کی گئی ہے۔ چونکہ جہاد میں بھی وطن' اہل وعیال کو ترک کرنا پڑتا ہے اس لیے اصل مفہوم کے لحاظ سے اس تفسیر میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اب اصطلاحی لحاظ سے ہجرت کا لفظ مسلمانوں کی ایک مشہور قربانی کے لیے مخصوص ہو گیا ہے' اس تعبیر کا حسن ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کسی مناسب مقام پر آئندہ ذکر کریں گے۔

(۲۳۸) ✱ اسلام ایک مکمل آئین ہے اس نے معمولی غیر معمولی تمام ضروریات کے لیے قانون مقرر کیے ہیں۔ موجودہ ترقی یافتہ ؎ ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ فَقَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ ذَالِكَ فَقُلْتُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ قَالَ فَأَذِنَ لِيْ أَوْ قَالَ فَدَخَلْتُ فَقُلْتُ بِمَ أَتَيْتَنَا بِهِ قَالَ لَمْ آتِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ أَتَيْتُكُمْ بِأَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ قَالَ شُعْبَةُ وَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَنْ تَدَعُوا اللَّاتَ وَ الْعُزّٰى وَ أَنْ تُصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَ أَنْ تَصُوْمُوْا مِنَ السَّنَةِ شَهْرًا وَ أَنْ تَحُجُّوا الْبَيْتَ وَ أَنْ تَأْخُذُوْا مِنْ مَالِ أَغْنِيَاءِ كُمْ فَتَرُدُّوْهَا عَلٰى فُقَرَاءِ كُمْ قَالَ فَقَالَ هَلْ بَقِيَ مِنَ الْعِلْمِ شَيْءٌ لَا تَعْلَمُهُ قَالَ قَدْ عَلَّمَنِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ خَيْرًا وَ إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللّٰهُ (إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ.

(قال الهيثمي اخرج ابوداؤد طرفا منه و قد رواه احمد و رجاله كلهم ثقات ائمة)

چاہیے اس کے بعد یوں کہنا چاہیے کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں' وہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی یہ بات میں نے بھی سن لی تو اسی کے مطابق میں نے عرض کیا السلام علیکم' کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ ان کو اجازت مل گئی یا یہ کہ میں اندر چلا آیا (راوی کو شک ہے) اور پوچھا آپ ہمارے پاس کیا دین لے کر آئے ہیں آپ نے فرمایا جو لایا ہوں سب بہتر ہی بہتر ہے' یہ لے کر آیا ہوں کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کا کوئی شریک نہیں۔ شعبہ (راویِ حدیث) کہتا ہے کہ مجھے خیال ہے کہ وحدہ لا شریک لہ کا لفظ آپ نے فرمایا تھا اور یہ کہ لات و عزیٰ بتوں کو یکلخت ترک کردو اور شب و روز میں پانچ نمازیں ادا کرو' سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھو' بیت اللہ کا حج کرو اور اپنے مال داروں سے روپیہ لے کر اپنے غریبوں پر تقسیم کردو اس نے پوچھا اچھا کوئی علم ایسا باقی ہے جو آپ نہ جانتے ہوں؟ آپ نے فرمایا ابھی تو بہت سی عمدہ عمدہ باتیں باقی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتائی ہیں ہاں علم کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا (اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی) ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ... الخ﴾ (لقمان:۳۴) قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہی بارش بھیجتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا کہ کل اسے کیا کرنا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ وہ کس ملک اور کس بستی میں مرے گا اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا خبردار ہے۔

(۲۳۹) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۲۳۹) جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جب مدینہ طیبہ سے باہر نکل لیے

؂ .... دور میں اجازت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اجازت نامہ (Visiting Card) بھیجا جائے اسلام نے اجازت کو ضروری اور کارڈ کو غیر ضروری سمجھا ہے اور اس کے لیے مختصر دعا کے ساتھ مناسب کلمات مقرر کر دیے ہیں آپ کے زمانہ میں ان آداب کی عملی طور پر بھی کافی نگرانی رکھی جاتی تھی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے' اب اگر اس زمانہ میں کوئی شخص اجازت کے بغیر داخل ہو جاتا ہے تو یہ قصور اس کا ہے نہ کہ ادب اسلامی کا۔

(۲۳۹) * عالم فانی سے گذرنے کے بعد ہی عالم آخرت کی نعمتوں سے کچھ نہ کچھ تمتع حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے یہی حال عذاب ؂....

www.besturdubooks.net

32 وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَرَزْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِذَا رَاكِبٌ يُوْضِعُ
نَحْوَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَاَنَّ هٰذَا الرَّاكِبَ اِيَّاكُمْ يُرِيْدُ قَالَ فَانْتَهَى
الرَّجُلُ اِلَيْنَا فَسَلَّمَ فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ اَقْبَلْتَ قَالَ مِنْ
اَهْلِيْ وَ وَلَدِيْ وَ عَشِيْرَتِيْ قَالَ فَاَيْنَ تُرِيْدُ
قَالَ اُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ فَقَدْ اَصَبْتَهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ مَا
الْاِيْمَانُ قَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ
مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِي
الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ وَ تَحُجُّ الْبَيْتَ قَالَ قَدْ
اَقْرَرْتُ قَالَ ثُمَّ اِنَّ بَعِيْرَهُ دَخَلَتْ يَدُهُ فِيْ شَبَكَةِ
جُرْذَانٍ فَهَوٰى بَعِيْرُهُ وَ هَوَى الرَّجُلُ فَوَقَعَ عَلٰى
هَامَتِهِ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ فَقَالَ فَوَثَبَ اِلَيْهِ عَمَّارُ بْنُ
يَاسِرٍ وَ حُذَيْفَةُ فَاَقْعَدَاهُ فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُبِضَ
الرَّجُلُ قَالَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا رَاَيْتُمَا اِعْرَاضِيْ عَنِ الرَّجُلِ فَاِنِّيْ
رَاَيْتُ مَلَكَيْنِ يَدُسَّانِ فِيْ فِيْهِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ
فَعَلِمْتُ اَنَّهُ مَاتَ جَائِعًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا وَ اللّٰهِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ
فِيْهِمْ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار ہماری طرف اپنی سواری بھگاتا ہوا آ رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارے ہی پاس آ رہا ہے اتنے میں وہ آ ہی پہنچا اور سلام کیا ہم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کدھر سے آ رہے ہو۔ اس نے عرض کیا بیوی' بچوں اور اپنے خاندان کے پاس سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ٹھیک مقصد پر پہنچ گئے' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سکھایئے ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کی گواہی دو کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ' محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز اچھی طرح ادا کرو' زکوٰۃ دو' رمضان کے روزے رکھو' بیت اللہ کا حج کرو۔ اس نے عرض کیا میں نے ان سب باتوں کا اقرار کیا راوی کہتا ہے اس کے بعد اس کے اونٹ کا پیر کسی جنگلی چوہے کے سوراخ میں جا پڑا وہ اونٹ گرا اور کھوپڑی کے بل یہ خود بھی جا گرا اور مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو ذرا بلا کر لانا فوراً عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بلانے کے لیے لپکے اس کو بٹھایا (تو وہ مر چکا تھا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی بجائے کسی اور سمت دیکھنے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے دیکھا کہ میں اس شخص کی بجائے دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا میں نے دیکھا تھا کہ دو فرشتے اس کے منہ میں جنت کے میوے ڈال رہے ہیں' یہ دیکھ کر میں سمجھا کہ ضرور یہ شخص بھوکا مرا ہوگا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم یہ ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (جو لوگ ایمان لا چکے پھر انہوں نے اپنے ایمان میں معصیت کا ذرا بھی

ﷺ .... کا بھی ہے پورے طور پر ثواب و عذاب قیامت کے بعد ہوگا۔ شہداء کے لیے رزق ملنا شریعت میں ثابت ہے۔ یہ شخص بھی کتنا خوش قسمت تھا کہ تعلیمات اسلامی حاصل کرنے کے بعد اس کو خدا کی نافرمانی کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ ادھر اسلام لایا اُدھر شہادت کی ﷺ ....

www.besturdubooks.net

2

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام:۸۲)
ثُمَّ قَالَ دُوْنَكُمْ اَخَاكُمْ قَالَ فَاحْتَمَلْنَاهُ اِلَى الْمَاءِ
فَغَسَّلْنَاهُ وَ حَنَّطْنَاهُ وَ كَفَّنَّاهُ وَ حَمَلْنَاهُ اِلَى الْقَبْرِ
قَالَ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حَتّٰى جَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ قَالَ فَقَالَ الْحَدُوْا
وَ لَا تَشُقُّوْا فَاِنَّ اللَّحْدَ لَنَا وَ الشَّقَّ لِغَيْرِنَا.

(وَ عَنْهُ اَيْضًا مِنْ طَرِيْقٍ ثَانٍ) قَالَ خَرَجْنَا مَعَ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ
نَسِيْرُ اِذْرُفِعَ لَنَا شَخْصٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ اِلَّا اَنَّهُ
قَالَ وَقَعَتْ يَدُبَكْرِهٖ فِيْ بَعْضِ تِلْكَ الَّتِيْ
تَحْفِرُ الْجُرْذَانُ وَ قَالَ فِيْهِ هٰذَا مِمَّنْ عَمِلَ
قَلِيْلًا وَ اُجِرَ كَثِيْرًا.

(و عنه ايضا من طريق ثالث) اَنَّ رَجُلًا جَاءَ
فَدَخَلَ فِي الْاِسْلَامِ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُ الْاِسْلَامَ وَهُوَ فِيْ مَسِيْرِهٖ
فَدَخَلَ خُفُّ بَعِيْرِهٖ فِيْ جُحْرِيَرْ بُوْعٍ فَوَقَصَهٗ
بَعِيْرُهٗ فَمَاتَ فَاَتٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَمِلَ قَلِيْلًا وَ اُجِرَ كَثِيْرًا قَالَهَا
حَمَّادٌ ثَلَاثًا اَللَّحْدُلَنَا وَ الشَّقُّ لِغَيْرِنَا.

داغ لگنے نہیں دیا یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں پھر فرمایا اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو' ہم اسے اٹھا کر پانی کے پاس لائے' غسل دیا' خوشبو لگائی' کفن پہنایا' اور قبر میں دفن کے لیے اٹھا کر لے چلے' راوی کہتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قبر کے ایک کنارہ پر بیٹھ گئے اور فرمایا بغلی بنانا صندوق نہ بنانا کیونکہ ہمارے لیے بغلی ہی مناسب ہے صندوق دوسروں کے لیے ہے۔

(اسی روایت کے دوسرے طریقے میں ہے) ہم کسی سفر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ابھی جا رہے تھے کہ دفعۃً ایک شخص نظر آیا اس کے بعد وہی مضمون مذکور ہے' اس طریقے میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے اونٹ کا ہاتھ ان سوراخوں میں سے کسی سوراخ میں جا پڑا جو جنگلی چوہے کھود لیا کرتے ہیں اور یہ مضمون اور ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے عمل تو تھوڑا کیا لیکن ثواب بہت پایا۔

(تیسرے طریقے میں ہے) کہ ایک شخص آیا اور مسلمان ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہی میں اس کو اسلام کی تعلیم دیتے جاتے تھے اس کے اونٹ کا ایک پیر کسی جنگلی چوہے کے سوراخ میں جا پڑا وہ اونٹ گرا اور یہ بھی گرا گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اس شخص نے عمل تو تھوڑا ہی کیا مگر ثواب بہت پایا۔ حماد نے تین بار فرمایا۔ بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور صندوق دوسروں کے لیے ہے۔

(رواه الطبراني و ابن ابي حاتم في تفسيره و الحكيم الترمذي مثله و الخطيب و حديث الباب في اسناده زاذان ابي عمر الكندي قال ابن معين ثقة و قال الحافظ في التقريب صدوق يرسل و فيه شيعية و قال يحي بن معين و النسائي و الدارقطني انه ضعيف و قال الحافظ ضعفوه لكثرة تدليسه)

لله ..... موت مر گیا۔ فرشتوں نے فوراً اکرام مومن کے فرائض انجام دیے اور اس کے لیے اس عالم کے مناسب نعمتوں کا دروازہ کشادہ ہو گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھ کر بے ساختہ فرمایا کہ اس خوش نصیب نے عمل تو بہت تھوڑا کیا تھا مگر ثواب کتنا عظیم الشان پایا۔

www.besturdubooks.net

حقيقة الايمان و الاسلام و الاحسان

(۴۴۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَ لَا يَعْرِفُهُ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَ وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَ تُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ

ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت

(۴۴۰) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے دفعۃً ایک شخص آیا اس کے کپڑے نہایت سفید، بال نہایت سیاہ[1] تھے نہ اس پر کوئی سفر کی علامت تھی (کہ ہم اسے مسافر کہتے) نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (کہ شہری سمجھتے) یہاں تک کہ وہ آپ کے اتنا قریب آ بیٹھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوئے مبارک پر رکھ دیئے[2] اور بولا - اے محمدؐ! مجھے[3] بتایئے اسلام کیا چیز ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کا اقرار کرے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اس کے پیغمبر ہیں- نماز پورے طور پر ادا کرے زکوٰۃ دے- رمضان شریف کے روزے رکھے اور اگر طاقت ہو تو خدا کے گھر کا حج بھی کرے وہ بولا کہ تو نے ٹھیک کہا- راوی کہتا ہے ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ (پہلے تو) آپ سے دریافت کرتا ہے پھر (خود ہی) آپ کی تصدیق بھی کر دیتا ہے (گویا واقف کار

---

(۴۴۰) * [1] ابن حبان نے شعر کی بجائے لحیۃ کا لفظ روایت کیا ہے یعنی اس کی ڈاڑھی کے بال سیاہ تھے- (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۹) کپڑوں کی صفائی اور بالوں کی سیاہی میں اس طرف اشارہ تھا کہ طالب علم کے لیے اپنا ظاہری لباس صاف رکھنا اور نوعمری میں طلب علم کے لیے نکلنا مناسب ہے-

[2] نسائی شریف میں اس کی تصریح ہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک ہی مراد ہیں-

[3] بخاری شریف کتاب التفسیر میں "یا محمد" کی بجائے "یا رسول اللہ" کا لفظ آتا ہے- شیخ بدر الدین نے ایک روایت میں السلام علیک کا لفظ بھی نقل کیا ہے- چونکہ اس آمد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقصد از اوّل تا آخر اخفاء حال تھا اس لیے ایسے متناقض حالات میں ان کی تشریف آوری ہوئی کہ یہ راز کھلنے ہی نہ پایا کہ یہ شخص کوئی گنوار آدمی تھا یا متمدن باہر سے آیا تھا یا اندرون شہر سے، معلم بن کر آیا تھا یا متعلم، حتیٰ کہ حافظ عینیؒ نے ایک روایت میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ لفظ نقل کیے ہیں کہ بخدا بجز اس مرتبہ کے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے ہوں اور میں نے انہیں نہ پہچانا ہو، اس لیے اگر ان کی زبان سے یا رسول اللہؐ کی بجائے یا محمدؐ کا لفظ ہی نکلا ہو تو بھی کوئی اعتراض کا موقعہ نہیں ہے اس وقت ان کے مناسب حال یہی تھا کہ اپنے نفس کو ایسے ہی متردد حالات کے ماتحت رہنے دیں کہ مخاطب ان کے متعلق کوئی رائے قائم ہی نہ کر سکے- بہر حال اس روایت سے یہ اور فائدہ معلوم ہو گیا کہ کسی محفل میں آنے کا ادب یہ ہے کہ پہلے سلام کرنا چاہیے-

www.besturdubooks.net

اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْأَلُهٗ وَ يُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَ اَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ

ہے) پھر بولا اچھا اب ایمان کے متعلق بتایئے؟ آپ نے فرمایا خدا' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور قیامت کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین کرو کہ برا بھلا جو کچھ ہے وہ سب نوشتہ تقدیر کے موافق ہے اس نے کہا تو نے صحیح کہا اب یہ بتایئے احسان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کی اس توجہ سے عبادت کرنا گویا تم اسے دیکھ رہے ہو' کیونکہ تم اگر چہ اس کو حقیقتاً نہیں دیکھتے مگر وہ تو تمہیں حقیقۃً دیکھتا ہے (پھر اتنی ہی خشوع سے عبادت کرنا چاہیے جتنا کہ اس علم صحیح کا اقتضاء ہے)[1] اس کے بعد اس نے قیامت کے متعلق سوال کیا (کب آئے گی؟) آپ نے فرمایا جس سے دریافت کرتے ہو' اس کا تو وہ خود بھی سائل سے زیادہ عالم نہیں ہے[2] اس نے پوچھا اس کی کچھ علامات ہی بتلا؟ آپ نے فرمایا کہ (۱) باندی[3] اپنی آقا جنے اور پیادہ پا' ننگے محتاج' بکریوں کے چرانے والے عمارتوں میں اکڑتے نظر آنے لگیں- راوی کہتا ہے اس کے بعد وہ شخص چلا گیا- میں نے کچھ عرصہ[4] توقف کیا اس کے بعد آپؐ نے (خود) ارشاد فرمایا اے

---

[1] یہ ترجمہ شیخ محی الدین نوویؒ کے مختار پر کیا گیا ہے- ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی فطرت حضور اور غیبت کا بڑا فرق کرتی ہے- ایک غلام اپنے آقا کی خدمت جب اس کے سامنے انجام دیتا ہے تو خشوع و خضوع اور حسن ادب کے جتنے مراتب ہو سکتے ہیں سب ہی صرف کر ڈالتا ہے لیکن جب اس کے سامنے سے ذرا علیحدہ ہو جاتا ہے تو اس کی یہ تمام مستعدی طبعی طور پر سرتا سر قصور اور کوتاہی بن جاتی ہے- غیبت اور حضور کا یہ فرق در حقیقت ایک قسم کا نفاق ہے شریعت چاہتی ہے کہ اس عیب سے اسے پاک کر کے اخلاصِ حقیقی کے بلند مقام تک پہنچا دے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ بندہ پر یہ حق ہے کہ وہ ہر حال میں ایسی ہی عبادت کا عادی ہو جائے جیسا کہ حالت حضور میں ہوتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ جد و جہد کی جتنی طاقتیں ہیں ان کا مصروفِ عمل ہو جانا اس تصور پر موقوف نہیں ہے کہ ہم اسے دیکھتے ہیں بلکہ حالتِ حضوری میں بھی تحسین عمل اور حسن ادب کا باعث یہی تصور ہوتا ہے کہ وہ ہمیں دیکھتا ہے اس لیے اگر ہم اس تصور سے عبادت نہیں کر سکتے کہ گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں تو یہ علم تو بہر کیف ہمیں حاصل ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے- خشوع و خضوع کا سبب اصلی جب یہ ٹھیرا اور یہ علم ہر وقت حاصل ہے پھر حضور و غیبت کا فرق کیوں ہو- الم یعلم بان اللہ یریٰ.

[2] انسان کو اگر اپنی ہی موت کا ٹھیک وقت معلوم ہو جائے تو اس کا کارخانہ حیات درہم و برہم ہو جائے- اگر کہیں تمام دنیا کے فناء کا صحیح وقت اس کو بتا دیا جائے تو نظام عالم کیونکر قائم رہے اس لیے مصلحت یہ ٹھہری کہ یہ وقت بصیغہ راز ہی رکھا جائے-

[3] ہمارے نزدیک یہاں علامہ طیبی کی شرح سب سے زیادہ دلچسپ ولطیف ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں جملے انقلاب حالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہو جائے کہ اپنی اولاد اپنی آقا اور حاکم بن جائے شرفاء کی جگہ ذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت نزدیک آ گیا ہے-

[4] نسائی' ابوداوٗد' ترمذی' میں اس عرصہ کی مدت تین شب بیان کی گئی ہے-

www.besturdubooks.net

قَالَ لِیْ یَا عُمَرُ اَتَدْرِیْ مَنِ السَّآئِلُ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّہٗ جِبْرِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ. رَوَاہُ الْخَمْسَۃُ وَ زِیْدَ فِیْ رِوَایَۃٍ فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ تَلَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ) الایۃ ثُمَّ اَدْبَرَ فَقَالَ رُدُّوْہُ فَلَمْ یَرَوْا شَیْئًا فَقَالَ ھٰذَا جِبْرِیْلُ جَآءَ یُعَلِّمُ النَّاسَ دِیْنَھُمْ.

عمرؓ جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں- آپ نے فرمایا یہ جبرئیلؑ تھے تمہارا دین (اس پیرایہ سے) تمہیں سکھانے آئے تھے- اس حدیث کو پانچ کتابوں میں روایت کیا ہے اور ایک روایت میں اتنی بات اور ہے (کہ قیامت کا علم ان[1] پانچ میں داخل ہے جنہیں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا- پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی- اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الخ (لقمان:۳۴) یعنی قیامت کا علم صرف خدا کو ہے- آخر آیت تک- جب وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا تو آپ نے حکم دیا جاؤ اسے واپس بلاؤ' وہ گئے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا- اس پر آپؐ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے لوگوں کو دین سکھانے تشریف لائے تھے-

(۲۴۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَجْلِسًا لَّہٗ فَجَاءَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَجَلَسَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا کَفَّیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حَدِّثْنِیْ بِالْاِسْلَامِ قَالَ

(۲۴۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ بے وہم و گمان جبرئیل علیہ السلام آ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانو مبارک پر رکھ کر سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے اسلام کی حقیقت بیان کیجئے آپؐ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا ہمہ تن تابعدار ہو جائے اور اپنے

---

[1] حافظ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہاں سائل نے ان پانچ ہی چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا اس لیے آیت میں ان پانچ ہی کا جواب دیا گیا ہے- یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے سواء اور اشیاء کا علم مخلوق کو حاصل ہو جاتا ہے- ہمارے نزدیک انسانی حیوۃ کے یہ پانچ گوشے وہ ہیں جس کے متعلق اس کا ضمیر ہمیشہ اس سے سوال کرسکتا ہے ممکن ہے کہ ان پانچ کی تخصیص کا یہ بھی ایک سبب ہو- حافظ ابن حجرؒ نے چودھویں جلد کے آخر میں اس پر اچھی بحث نقل کی ہے-

یہ ''حدیث جبرئیل'' کے عنوان سے مشہور ہے- اس میں ایک سوال اسلام و ایمان کے متعلق بھی ہے- جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا تعلق زیادہ تر ظاہر سے ہے اور ایمان کا باطن سے اس بنا پر ایمان کا رتبہ اسلام سے بڑھا ہوا ہوگا اور کوئی اسلام بغیر ایمان کے قابل اعتبار نہیں ہوگا-

(۲۴۱) * (الف) چونکہ اس واقعہ کے آخر میں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سائل حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اس لیے یہاں راوی نے روایت کے شروع ہی میں ان کا نام ذکر کر دیا ہے ورنہ اکثر روایات سے یہ ثابت ہے کہ سائل کی پوری تشخیص اس کی آمد کے وقت کوئی شخص نہ کر سکا تھا حتیٰ کہ خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی- اس کے سوا بعض بعض الفاظ میں یہاں راویوں کا کچھ اور اختلاف بھی ہے جو صرف لفظی اختلاف کہا جا سکتا ہے اصل واقعہ پر اس کا کوئی اثر نہیں- اس روایت میں اسلام کی تعریف میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اسلام صرف انقیاد ظاہری کا نام نہیں بلکہ اپنے آپ کو خالق کے پورے طور پر سپرد کر دینے کا نام ہے ایسی سپردگی جس کے بعد اپنی جان و مال پر اختیار باقی نہ رہے یہ وہی اسلام ہے جس کا مطالبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ سے کیا گیا تھا اور جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا تھا ''اسلمت للہ....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تُسْلِمَ وَجْهَکَ لِلّٰهِ وَ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالَ اِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَنَا مُسْلِمٌ قَالَ اِذَا فَعَلْتَ ذَالِکَ فَقَدْ اَسْلَمْتَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَحَدِّثْنِیْ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلَائِکَةِ وَ الْکِتَابِ وَ النَّبِيِّيْنَ وَ تُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ وَ بِالْحَيَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ تُؤْمِنَ بِالْجَنَّةِ وَ النَّارِ وَ الْحِسَابِ وَ الْمِيْزَانِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ کُلِّهٖ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذَالِکَ فَقَدْ اٰمَنْتُ قَالَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَقَدْ اٰمَنْتَ. قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِحْسَانُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنَّکَ اِنْ لَّمْ تَرَهُ فَاِنَّهٗ يَرَاکَ قَالَ يَا رَسُوْلَ

آپ کو اس کے سپرد کر دے اور یہ گواہی دے کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف وہی ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں' اس نے عرض کیا اچھا جب میں یہ گواہی دے دوں گا تو کیا میں مسلمان ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب تو یہ عہد کر لے گا تو یقیناً مسلمان ہو جائے گا - اس نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اچھا اب ایمان کی حقیقت بتایئے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ' قیامت' فرشتے' اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس کے سب نبیوں کو مانے اور موت پھر موت کے بعد جی اٹھنے' جنت اور دوزخ' حساب و کتاب اور اعمال کی ترازو کا یقین کرے کہ ہر بری بھلی بات تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اس نے کہا جب میں ان سب باتوں کو مان لوں گا تو کیا میں مؤمن بن جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو یہ باتیں مان لے گا تو مؤمن بن جائے گا - اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ فرمایئے کہ احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا اس طرح خوگر ہو جائے گویا تو اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے - کیونکہ تو اگر اسے نہیں

﴿.... لله رب العالمين" میں اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے سپرد کر چکا اور اُس کے سامنے سرِ تسلیم جھکا چکا - ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین لا شریک له 'میری نماز' میرے افعال حج حتی کہ میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں - ایمان کی تعریف میں بھی یہاں میزان اور حساب کا ذکر پہلی روایت سے زیادہ ہے ایسے اسلام اور ایسے ایمان والا شخص کامل مسلمان اور کامل مومن کہلاتا ہے - جو شخص صرف شہادتین ادا کرتا ہے اگر چہ وہ بھی ایک مسلمان ہے لیکن ابھی اسے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا باقی ہے -

(ب) نااہلوں میں سرداری اور مال داری علاماتِ قیامت میں اس لیے شمار کی گئی ہے کہ قیامت عالم پر سب سے بڑے انقلاب کا نام ہے اور نظام عالم کی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس کی زمام اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے جو اس کے اہل نہ ہوں یہ ظاہر ہے کہ ادنیٰ ہمت' پست فطرت' درشت خصلت اور جاہل لوگوں کے دلوں میں سوائے ایک جذبہ جلب مال کے کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہوتا وہ ہر موقعہ پر اپنے ہی اغراض کو مقدم رکھتے ہیں دنیا و دین کے نظام میں صرف کرنے کے لیے ان کے ہاتھ کبھی نہیں کھلتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے حقوق تلف ہونے لگتے ہیں قلوب میں ان سے نفرت و عداوت پیدا ہونے لگتی ہے - تعلیم دین کا نظم قائم نہ ہونے کے باعث دین سے عام جہالت روز بروز ترقی کرتی ہے اور عالم پر خدا کی معرفت کے لحاظ سے ایک عام تاریکی چھا جاتی ہے - ادھر علم و فکر کے فقدان کی وجہ سے ﴾....

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ فَحَدِّثْنِیْ مَتَی السَّاعَۃُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰہِ فِیْ خَمْسٍ مِنَ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا ھُوَ ﴿اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾(لقمان:٣٤) وَ لٰکِنْ اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُکَ بِمَعَالِمَ لَھَا دُوْنَ ذٰلِکَ قَالَ اَجَلْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَحَدِّثْنِیْ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَیْتَ الْاَمَۃَ وَلَدَتْ رَبَّتَھَا اَوْ رَبَّھَا وَ رَأَیْتَ اَصْحَابَ

دیکھتا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھتا ہے- اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ بتایئے قیامت کب آئے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ اس کا علم تو غیب کی ان پانچ باتوں میں داخل ہے جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا (قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' بارش کو وہی بھیجتا ہے' رحم مادر میں کیا ہے اس کا علم اسی کو ہے' اور کل کیا کرنا ہے اسے بھی کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ اس کا انتقال کہاں ہوگا بلاشبہ اللہ ہی ہر چیز کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے) ہاں اگر تو چاہے تو اس سے پہلے جو اس کی علامتیں ہیں وہ بتا سکتا ہوں اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا تو وہی بتایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو یہ دیکھے کہ باندیوں کی اولاد مالکوں کی طرح ان کی

بقیہ..... انہیں اس کا کوئی احساس بھی انہیں ہوتا اس لیے دین و دنیا ہر دو کا نظام تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے- جب اس طرح عالم کی بربادی سامنے آ جائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ اب خود عالم کی بربادی جس کا دوسرا نام قیامت ہے بہت نزدیک آ گئی ہے- اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم اسباب میں ہر چیز اسباب کے ساتھ وابستہ ہے حتیٰ کہ قیامت بھی اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک اس کے اسباب نہ آ جائیں-

(ج) حافظ فضل اللہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ مکالمہ حجۃ الوداع سے ذرا قبل واقع ہوا ہے جب کہ انقطاع وحی اور اکمال دین کا زمانہ قریب آ چکا تھا- حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ احتمال یہ بھی ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا ہو' ان حضرات کی نظر حافظ ابن مندہ کی ایک روایت پر ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ "ان رجلا فی اخر عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء الخ" (عمدۃ القاری ص ۳۴۰) یعنی ایک شخص آپ کی آخری عمر میں حاضر ہوا' "آخری عمر میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں- بہر حال اس لفظ سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ آمد آپ کے آخری زمانہ میں ہوئی تھی- چونکہ وحی ہمیشہ کے لیے بند ہو جانے والی تھی اس لیے عرب کی امی قوم کے لیے ضرورت تھی کہ جو دین تئیس سال میں تدریجاً اتر رہا ہے آخر میں اس کی ایک مختصر مگر مکمل فہرست ان کو دے دی جائے- اس کام کے لیے قدرت نے سب سے زیادہ سلیقہ شعار فرشتہ منتخب کیا اور جو اصولی سوالات تھے وہ اس کی زبان سے پیش کرا دیئے اور بارگاہِ رسالت سے اس کا جو آخری جواب ہو سکتا تھا وہ بھی دلوا دیا گیا اور اس طور پر صحابہ کرام نے اپنی خاموشی میں دین کی ایک تسلی بخش فہرست پھر سن لی- اس حدیث نے دین کے تین درجے بتائے ہیں ادنیٰ' اوسط' اعلیٰ پہلا درجہ یہ ہے کہ شہادتین کے ساتھ صرف ظاہری اعضاء و جوارح ارکانِ خمسہ سے مزین ہو جائیں اگرچہ حقائق ایمانیہ سے قلب ہنوز منور نہ ہو- اس ناتمام انقیاد کا نتیجہ یہ ضرور ہونا چاہیے کہ حجابِ غفلت میں کبھی کبھی معصیت بھی سرزد ہو جائے اسی کو قرآن کریم نے اپنے حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے- ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ... الخ﴾(الحجرات:١٤) اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے' آپ فرما دیجئے کہ یہ دعویٰ ابھی مت کرو ابھی تو صرف ظاہری انقیاد حاصل ہوا ہے ہاں اس کی توقع ہے کہ آئندہ دین تمہارے دلوں میں اتر جائے- پھر تمہارا باطن بھی ظاہر کی بقیہ.....

www.besturdubooks.net

الشَّاءِ تَطَاوَلُوْا بِالْبُنْيَانِ وَ رَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْجِيَاعَ الْعَالَةَ كَانُوْا رُءُوْسَ النَّاسِ فَذٰلِكَ مِنْ مَعَالِمِ السَّاعَةِ وَ اَشْرَاطِهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حکمراں بن گئی ہے' بھیڑ بکری چرانے والے یہ فخر کرنے لگیں کہ اونچی اور شاندار کوٹھی کس کی ہے- برہنہ پا' بھوکے اور محتاج لوگوں کے افسر بن جائیں تو بس یہی قیامت کی نشانیاں اور اس کے نزدیک آنے کی علامات

لله .... طرح پیکر تسلیم بن جائے گا- اسی کا نام ایمان ہے اور یہی دین کی اوسط منزل ہے- یہاں پہنچ کر واجبات کا تحفظ اور محرمات سے اجتناب ضروری ہو جاتا ہے اب اگر قسمت نے کسی صاحب نصیب کی دستگیری فرمائی اور اس سے بھی آگے عروج میسر آ گیا تو تیسرا درجہ یہ ہے کہ قلب میں حاضر و غائب کا فرق نہ رہے اور دنیا میں عین حجاب غیب میں عبادت کا وہ سلیقہ ہاتھ آ جائے جو عالم بے حجابی میں ہوتا- ان ہر سہ منازل کی طرف قرآن نے آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے- ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾(فاطر : ۳۲) پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں چھانٹ لیا تھا اس میں کوئی تو اپنی جان پر ظلم کرتا رہا اور کوئی میانہ چلتا رہا اور خدا کے حکم سے کوئی ہر نیکی میں آگے آگے رہا یہی اللہ کا بڑا فضل ہے- اس کے بعد گو اسے انبیاء کی سی عصمت تو حاصل نہیں ہوتی مگر ان کی وراثت میں اس کا کوئی نمونہ ضرور میسر آ جاتا ہے- اس تیسرے درجہ کا نام احسان ہے- (دیکھو کتاب الایمان ص ۱۴۴)

(د) قیامت کا وعدہ آفرینش عالم کی ابتداء سے ہوتا چلا آیا ہے مگر وہ آنے کا نام نہیں لیتی- انسان کی بے صبر طبیعت اتنا انتظار نہیں کر سکتی' اس لیے وہ اندر ہی اندر اس سوال کے لیے مضطرب رہا کرتی ہے "ويقولون متى هو" وہ کہتے ہیں کہ آخر وہ کب آئے گی- قد عسى ان يكون قريبا- آپ فرما دیجئے کہ اب آئی- قیامت کو جب آنا ہے وہ اپنے وقت پر آ جائے گی اس بارے میں طبیعت کا انتظار یا سوال و جواب کا بے معنی سلسلہ قائم کرنا عملی زندگی کے لیے مضر ہے- اس لیے آئندہ اس دروازہ کو یہ بتا کر بند کر دیا گیا ہے کہ دین کا علم رسول سے ہی حاصل ہو سکتا ہے مگر جب وہی اپنی آخری حیوۃ پر اس مسئلہ کو طے کرنا نہیں چاہتا تو اس کے بعد دوسرا کون ہو گا جو اسے طے کر سکے- صاحب موافقات فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قیامت کا علم دین کے ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کا جاننا ضروری ہو-

(ہ) یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ دنیا جس کو غیب دانی کے نام سے موسوم کرتی ہے عرب میں پہلے یہ ایک مستقل فن تھا اور اس کا نام کہانت تھا- ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے- حضرت استاد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ قرآن کریم کے محاورہ میں علم وہ ہے جو واقعہ سے مستفاد ہو اور جو اپنی جانب سے تیار کیا جائے اس کو ظن کہا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اتباع ظن کی جا بجا مذمت کی گئی ہے- مالهم به من علم الا اتباع الظن. یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل و صلب میں اختلاف کرنے والوں کو واقعہ کا کچھ علم نہیں ہے صرف اپنی جانب سے انکل لگاتے ہیں ان يتبعون الا الظن و ان هم الا يخرصون یہ لوگ صرف ظن کے متبع ہیں اور تخمینے لگاتے ہیں- مدعیین غیب کو واقعہ کا علم نہیں ہوتا- دھواں اٹھتا ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ آگ لگی ہے- ہوا چلتی ہے مٹی کی خوشبو سے پتہ لگتا ہے کہ بارش ہو گئی ہے- مون سون اٹھتا ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ برسات قریب ہے- ہوا کا تموج بتا دیتا ہے کہ سمندر میں طوفان کس سمت سے آنے والا ہے یہ سب استدلالات ہیں جن سے درجہ بدرجہ گو یقین حاصل ہو جاتا ہے مگر واقعہ کا علم کسی کو نہیں ہوتا- خدا تعالیٰ کو بلا واسطہ واقعہ کا علم ہے اور اتنا قطعی ہے کہ اس کا تخلف محال ہے- یہاں تک کہ اشیاء اپنے وجود میں اس کے تابع ہیں وہ اشیاء کا تابع نہیں ہے- مخلوق کے دائرہ میں کمال یہ ہے کہ اس کا علم لله ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ اَصْحَابُ الشَّاءِ وَ الْحُفَاةُ الْجِيَاعُ الْعَالَةُ قَالَ الْعَرَبُ. (رواہ احمد و قال الحافظ اسنادہ حسن و رواہ البزار ایضاً)

ہیں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چرواہوں' پیادہ پا' فاقہ مست اور محتاجوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی عرب کے عوام۔

(۲۴۲) عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ فِيمَا حَدَّثَهُ ابْنُ عُمَرَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَذَكَرَ مِنْ هَيْئَتِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْنُهْ فَدَنَا فَقَالَ اُدْنُهْ فَدَنَا حَتّٰى كَادَ رُكْبَتَاهُ تَمَسَّانِ رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ مَا الْاِيْمَانُ اَوْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ قَالَ سُفْيَانُ اُرَاهُ قَالَ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ قَالَ فَمَا الْاِسْلَامُ قَالَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَ حَجُّ الْبَيْتِ وَ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ وَ غُسْلٌ مِنَ الْجَنَابَةِ كُلُّ ذٰلِكَ قَالَ صَدَقْتَ صَدَقْتَ قَالَ الْقَوْمُ مَا رَاَيْنَا رَجُلًا

(۲۴۲) یحییٰ بن یعمر نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح روایت کیا ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا' راوی نے پھر اس کی صورت کا مفصل ذکر کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ذرا قریب آ جاؤ وہ قریب آ گیا۔ آپ نے فرمایا اور قریب آ جاؤ وہ اور قریب آ گیا یہاں تک کہ اس کے زانو آپ کے زانو سے آ لگے' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور قیامت کو مانو اور تقدیر پر یقین رکھو۔ سفیان کہتے ہیں کہ میرے خیال میں شاید آپ نے تقدیر کے ساتھ بری بھلی کا لفظ بھی ارشاد فرمایا تھا اس نے عرض کیا اچھا تو اسلام کے متعلق فرمایئے' آپ نے فرمایا نماز اپنے شرائط و آداب کے ساتھ پڑھنا' زکوٰۃ دینا' بیت اللہ کا حج کرنا اور ماہ رمضان شریف کے روزے رکھنا اور جنابت سے غسل کرنا۔ ہر بات پر وہ بجا اور درست کہتا جاتا تھا۔ حاضرین نے کہا اس سے بڑھ کر آپ کی توقیر و تعظیم کرنے والا شخص ہم نے

؎ ...واقع کے مطابق ہو جائے اور علم الٰہی کا کمال یہ ہے کہ خود اشیاء اپنے لباس وجود میں علم الٰہی کے تابع رہیں۔ ہاں کبھی خزانہ غیب سے خواص کو کوئی حصہ بخش دیا جاتا ہے تو وہ اس کے تعلق و خصوصیت کی ایک برہان بن جاتا ہے مگر یہ علم بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ ایک ضعیف انسان کا ظرف متحمل ہو سکتا ہے۔ مخلوق کسی ایک چیز کے علم میں بھی خالق کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ قدیم کا علم حادث میں کب سما سکتا ہے' ذرہ میں آفتاب چمکتا ہے مگر نہ ذرہ آفتاب بنتا ہے نہ آفتاب ذرہ بن سکتا ہے وللہ المثل الاعلیٰ۔ غرض خالق کی نوعیت علم ہی مخلوق کے علم کی نوعیت سے جداگانہ ہے ایک کو دوسرے پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا ہمسری تو کجا۔

(۲۴۲) * یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سوالات کی ترتیب میں یہاں کچھ اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ایمان کا سوال مقدم ہے اور بعض میں اسلام کا لیکن سائل کے اصل سوال اور آپ کے اصل جواب میں کہیں کوئی فرق نہیں ہے سب کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کا تعلق اعمالِ جوارح سے ہے اور ایمان کا اعتقادیات سے۔ اکثر روایات میں اعمال جوارح کی تفصیل شہادتین اور ارکانِ خمسہ ذکر کی گئی ہے۔ عمرہ' غسل جنابت اور وضو کی تکمیل صرف ابن حبان کی روایت میں مذکور ہے لیکن چونکہ عمرہ حج کے تابع ہے اور غسل جنابت اور اسباغ وضو نماز کے اس لیے یہ اختلاف کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایمان کی تشریح میں جن امور خمسہ کا احادیث میں ذکر ہے قرآن کریم نے بھی کئی جگہ اس ؎

www.besturdubooks.net

اَشَدَّ تَوْقِيْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا كَاَنَّهُ يَعْلَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِلَّا تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ كُلُّ ذٰلِكَ نَقُوْلُ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا اَشَدَّ تَوْقِيْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا فَيَقُوْلُ صَدَقْتَ صَدَقْتَ قَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ بِهَا مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ ذَاكَ مِرَارًا مَا رَأَيْنَا رَجُلًا اَشَدَّ تَوْقِيْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا ثُمَّ وَلّٰى قَالَ سُفْيَانُ فَبَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْهُ قَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ جَاءَ كُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ مَا اَتَانِيْ فِيْ صُوْرَةٍ اِلَّا عَرَفْتُهُ غَيْرَ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ. و فی روایة ابن حبان زیادات منها فی الاسلام قال و تحج و تعتمر و تغتسل من الجنابة و ان تتم الوضوء الی اخره خذواعنه و الذی

کوئی نہیں دیکھا- ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ پہلے سے آپؐ کو جانتا تھا- پھر اس نے کہا یا رسول اللہ احسان کے متعلق ارشاد ہو- آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو- اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں بلاشبہ دیکھتا ہی ہے- ہر مرتبہ ہم یہی کہتے کہ اس جیسا آپؐ کی تعظیم اور توقیر کرنے والا شخص ہم نے کوئی نہیں دیکھا' بات بات پر بجا و درست ہی کہہ رہا ہے اس کے بعد اس نے عرض کیا اچھا اب قیامت کے متعلق فرمایئے کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا اس بارے میں تو سائل اور جس سے پوچھا جا رہا ہے دونوں کا علم برابر ہے (نہ اسے معلوم نہ اسے معلوم) راوی کہتا ہے اس پر پھر اس نے وہی بجا و درست کہا- بار بار وہ یہی کہتا رہا- ہم نے کہا اس جیسا شخص ہم نے آپؐ کی توقیر کرنے والا نہیں دیکھا پھر وہ پشت پھیر کر چلا گیا- سفیان کہتے ہیں- ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اس شخص کو تلاش کرو لوگ تلاش کرنے کے لیے گئے مگر وہ نہ ملا آپؐ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے اس پیرایہ سے تمہارا دین تمہیں سکھانے آئے تھے اس سے قبل وہ جس صورت میں بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں ہمیشہ پہچان لیا ہے لیکن اس صورت میں میں ان کو پہچان نہیں سکا- ابن حبان نے بھی اس واقعہ کو روایت کیا ہے اس میں کچھ زیادتیاں اور بھی ہیں مثلاً اس میں اسلام کی تشریح میں حج' عمرہ' غسل جنابت اور پورے طور پر وضوء کرنے کا ذکر بھی ہے اور آخر میں ہے مجھ سے اپنا دین سیکھ لو- اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب سے کہ میرے پاس یہ تشریف لاتے ہیں کبھی مجھ پر مشتبہ نہیں ہوئے بجز

ﷺ .... کی طرف اشارہ کیا ہے-

(۱) ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۸۵) ہمارے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کتاب کو مان لیا جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی اور (پیغمبر کے ساتھ) دوسرے مسلمانوں نے بھی- یہ سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتے اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے-

(۲) ﴿وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ﴾ (البقرۃ:۷۷) بلکہ اصل بھلائی اور نیکی یہ ہے کہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے-

چونکہ رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ ان کی بیان کردہ سب باتوں کو تسلیم کیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات' قیامت ﷺ ....

www.besturdubooks.net

نفسی بیدہ ما اشتبہ علی منذا تانی قبل
مرتی ھذہ و ما عرفتہ حتی و لّی (جامع
العلوم و الحکم ص ۱۶) (وعنہ من طریق
ثان) جَاءَ جِبْرَئِیْلُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ مَا الْاِسْلَامُ فَقَالَ
تَعْبُدُ اللّٰہَ لَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَ تُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ
وَ تُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ وَ تَحُجُّ
الْبَیْتَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَنَا مُسْلِمٌ قَالَ
نَعَمْ صَدَقْتَ قَالَ فَمَا الْاِحْسَانُ قَالَ تَخْشَی
اللّٰہَ تَعَالٰی کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَاتَکُ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ
یَرَاکَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَنَا مُحْسِنٌ
قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَا الْاِیْمَانُ قَالَ
تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ
الْبَعْثِ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ وَ الْجَنَّۃِ وَ النَّارِ وَ
الْقَدَرِ کُلِّہٖ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَنَا مُؤْمِنٌ
قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ (زاد فی روایۃ و کان
جبرئیل یاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی صورۃ دحیۃ و عنہ من طریق ثالث اَنَّ
جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا

اس مرتبہ کے کہ میں ان کو شناخت نہیں کر سکا یہاں تک کہ وہ پشت پھیر کر چلے گئے) ابن عمرؓ کی روایت کے دوسرے طریقہ میں اس روایت کا مضمون یوں ہے جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے محمدؐ اسلام کی حقیقت کیا ہے آپؐ نے فرمایا اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرا' نماز ادا کر' زکوۃ دے' رمضان شریف کے روزے رکھ' بیت اللہ کا حج کر' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جب یہ باتیں میں کرلوں تو کیا میں مسلمان ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا ضرور' اس نے کہا آپؐ نے درست فرمایا- پھر پوچھا احسان کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا رہ گویا اسے تو آنکھوں سے دیکھتا ہے اگر تو اسے آنکھوں سے نہیں دیکھتا تو وہ تو یقیناً تجھے دیکھتا ہے- اس نے کہا اگر میں یہ صفت حاصل کرلوں تو کیا میں محسن ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا بے شک- اس نے کہا آپؐ نے بجا فرمایا- پھر بولا کہیے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں کو اور موت کے بعد جی اٹھنے کو' جنت و دوزخ اور ہر قسم کی تقدیر کو دل سے مان لے- اس نے کہا جب میں یہ تمام باتیں مان لوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا یقیناً- اس نے کہا ٹھیک فرمایا (ایک روایت میں یہ اور ہے کہ عام طور پر جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے) ابن عمرؓ کی روایت کے تیسرے طریقے میں یہ مضمون اس طرح ہے جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے پوچھا ایمان کسے کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں اور تمام رسولوں کو اور آخرت کے دن اور

اور جنت و دوزخ کی تمام تفصیلات' جیسے صراط و میزان وغیرہ سب کا تسلیم کرنا ایمان بالرسول میں داخل ہے- یہاں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان کے مفہوم میں فرق ہے اور وفد عبدالقیس کی حدیث میں آپ نے اسلام کی ٹھیک وہی تفسیر بیان فرمائی ہے جو یہاں ایمان کی مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں کوئی فرق نہیں- علماء نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایمان و اسلام مصداق کے لحاظ سے ایک ہی چیز ہیں یعنی اسلام کامل اور ایمان کامل جدا نہیں ہوتے اس لیے ایمان و اسلام کے اجزاء ایک دوسرے کی تعریف میں ذکر کیے جاسکتے ہیں-

حدیث جبرئیلؑ میں سائل کے سوالات کی نوعیت پھر بار بار اس کی تصدیق کرنے سے یہ اندازہ کرنا بہت ہی قرین قیاس تھا کہ....

www.besturdubooks.net

الْاِیْمَانُ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ فَقَالَ لَہٗ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ صَدَقْتَ قَالَ فَتَعَجَّبْنَا مِنْہُ یَسْأَلُہٗ وَ یُصَدِّقُہٗ قَالَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاکَ جِبْرِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ مَعَالِمَ دِیْنِکُمْ. و عنه عن طریق رابع قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَّھُمْ بَیْنَا ھُمْ جُلُوْسٌ اَوْ قُعُوْدٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ رَجُلٌ یَمْشِیْ حَسَنَ الْوَجْہِ حَسَنَ الشَّعْرِ عَلَیْہِ ثِیَابٌ بِیْضٌ فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ مَا نَعْرِفُ ھٰذَا اَوْ مَا ھٰذَا بِصَاحِبِ سَفَرٍ ثُمَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰتِیْکَ؟ قَالَ نَعَمْ فَجَاءَ فَوَضَعَ رُکْبَتَیْہِ عِنْدَ رُکْبَتَیْہِ وَ یَدَیْہِ عَلٰی فَخِذَیْہِ (وساق الحدیث بنحو ما تقدم و فیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بعد ان ذھب السائل) عَلَیَّ بِالرَّجُلِ

ہر بری بھلی چیز کو نوشتہ تقدیر مان لو- جبریل علیہ السلام نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک فرمایا- راوی کہتا ہے کہ ہم نے اس پر تعجب کیا کہ یہ شخص خود ہی پوچھتا ہے اور پھر خود ہی اس کی تصدیق بھی کرتا جاتا ہے- راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہارے پاس تمہارے دین کے اصول سکھانے آئے تھے روایت مذکورہ کے چوتھے طریقے میں ہے- ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ ایک شخص نہایت حسین، خوب صورت بالوں والا، سفید لباس پہنے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹہلتا ہوا آیا- لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا (اور کہا) ہم اس شخص کو پہچانتے تو نہیں یا یہ کہا کہ یہ شخص مسافر تو معلوم نہیں ہوتا- اس کے بعد وہ بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شوق سے وہ آیا اور اپنے دونوں زانو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو کے برابر اور اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے (اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا وہی مضمون بیان کیا اس میں یہ اور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے چلے جانے کے بعد فرمایا) اس کو میرے پاس لاؤ' لوگوں نے اسے ڈھونڈھا تو انہیں کوئی نظر نہ آیا- دو تین دن کے بعد آپ صلی

☜ .... کہ یہ مخاطب کوئی ذی علم اور ذی فہم شخص ہے اس لیے اس کے سامنے ہر ایک کی جداگانہ ماہیت اور علیحدہ علیحدہ حقیقت بیان کرنا اور ان باریک علمی گوشوں پر بھی متنبہ کر دینا جن سے ایمان و اسلام کی حقیقتیں ممتاز ہوتی ہیں نہایت مناسب تھا' وفد عبدالقیس میں آپ کے مخاطب چند نومسلم تھے ان کے سامنے علمی تحقیقات بیان کرنا غیر ضروری تھا- نیز وہ صرف ایک ایسا نظام عمل دریافت کرنے آئے تھے جو ان کی نجات کے لیے کافی ہو جائے اس لیے ان کے سامنے آپ نے ایسا ہی نظام عمل رکھ دینا مناسب سمجھا- یہاں اسلام و ایمان کا فرق بیان کرنا بالکل غیر ضروری تھا- خلاصہ یہ ہے کہ یہ تعبیری فرق صرف مخاطبین کے حالات کی رعایت سے کیا گیا ہے مسئلہ کا فرق نہیں ہے-

ابن عمرؓ کی روایت کے دوسرے طریقہ کے آخری الفاظ سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرت جبریلؑ کو شناخت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس مرتبہ وہ اپنی عام عادت کے مطابق دحیہ کلبی کی شکل میں تشریف نہ لائے تھے- تعجب ہے کہ نسائی شریف میں اس کے بالکل برعکس یہاں راوی یہ بیان کرتا ہے "انه جبريل نزل في صورة دحية الكلبي" (یہ جبریلؑ تھے دحیہ کلبی کی صورت میں آئے تھے) ☜ ....

www.besturdubooks.net

فَطَلَبُوْهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَمَكَثَ يَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ عَنْ كَذَا وَ كَذَا قَالَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذَاكَ جِبْرِيْلُ جَاءَ كُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ.

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جانتے ہو یہ سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی واقف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمہارا دین سکھانے کے لیے تمہارے پاس آئے تھے۔

(۲۴۳) عَنْ اَبِيْ عَامِرِ الْاَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهٖ وَ فِيْهِ ثُمَّ وَلّٰى (اي السائل) فَلَمَّا لَمْ نَرَ طَرِيْقَهٗ بَعْدُ قَالَ (اي النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) سُبْحَانَ اللّٰهِ ثَلَاثًا هٰذَا جِبْرِيْلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا جَاءَ نِيْ قَطُّ اِلَّا وَ اَنَا اَعْرِفُهٗ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ الْمَرَّةَ. (انفرد به الامام احمد و حسنه الحافظ)

(۲۴۳) ابو عامر اشجعی نے بھی جبریل علیہ السلام کی آمد کا واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں۔ پھر وہ شخص چلا گیا جب ہمیں اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو آپ نے تین بار سبحان اللہ سبحان اللہ فرما کر کہا یہ جبریل علیہ السلام تھے اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو اس پیرایہ سے دین کی تعلیم دیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مرتبہ کے سوا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ وہ میرے پاس آئے ہوں اور میں نے انہیں پہچان نہ لیا ہو۔

ؒ .... حافظ ابن حجرؒ نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے اور بجا قرار دیا ہے۔
چوتھے طریقہ میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ کا سائل کی شخصیت کے متعلق سوال کرنا اس واقعہ کے دو تین دن بعد ہوا ہے۔ ابوداؤد' نسائی اور ترمذی میں راوی نے بالاتر دو تین دن کا لفظ کہا ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف جو روایت بھی ہو اس کی تاویل کی جائے گی۔

(۲۴۳) ٭ حافظ ابن رجبؒ نے یہاں صحابی کی کنیت میں اختلاف نقل کیا ہے کہ ابن عامر ہے یا ابوعمر یا ابو مالک اور ان کی روایت کے الفاظ میں یہ بھی نقل کیا ہے' "کہ ہمیں بات کرنے والا وہاں کوئی شخص نظر نہ آتا تھا ہم صرف آپ کا جواب سن رہے تھے' مسند احمد کے یہ الفاظ اس باب کی تمام صحیح روایات کے خلاف ہیں' راوی عام طور پر سائل کو بچشم خود دیکھنا بیان کرتے ہیں اس لیے اگر کسی ایک روایت میں اس کے خلاف مذکور ہے تو یقیناً یہ بھی راوی کا وہم ہی سمجھا جائے گا۔ صحیحین کی روایات سے ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام کو ایک نوجوان شخص کی صورت میں سب نے دیکھا تھا۔ ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالم روحانیت موجود ہے' اس کو اپنی شکل بدلنے پر قدرت دی گئی ہے' وہ انسانی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اپنی شکل پر واپس بھی ہو سکتا ہے۔ نقل و حرکت اور سمع و بصر وغیرہ کی تمام صفات اس میں موجود ہیں۔ فرشتوں کی بحث میں اس پر مزید کلام کیا جائے گا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں تحقیق و تنقیح کی قوت نہیں ہوتی جب وہ کہیں راویوں کا اختلاف دیکھتے ہیں تو اس کی تنقیح کرنے کی بجائے اصل واقعہ ہی کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ایسی ہی بات ہے جیسے کسی واعظ و مقرر کی تقریر سننے والے اگر آپ کے سامنے اس کی تقریر میں کچھ اختلاف نقل کریں تو آپ سرے سے اس کی تقریر ہی سے انکار کر بیٹھیں پس اگر اس جگہ ناقلین کے اختلاف کی وجہ سے اس تقریر سے انکار کرنا غلط ہے تو پھر راویوں کے اختلاف سے جبرئیل علیہ السلام کی آمد اصل واقعہ ہی سے انکار کرنا کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے اس کا حاصل تو یہ ہے کہ جب تک ایک واقعہ کے نقل پر اس کے تمام ناقل کسی ادنیٰ اختلاف کے بغیر متفق نہ ہو جائیں اس واقعہ کا وجود ہی قابل تسلیم نہ ہو۔

www.besturdubooks.net

(۲۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهٖ وَ فِیْهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَلُوْنِیْ فَهَابُوْهُ اَنْ یَّسْأَلُوْهُ وَ فِیْهِ فَاِذَا

(۲۴۴) یہ مضمون ابو ہریرہؓ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے (صرف اتنا فرق ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی آمد کا سبب اس میں یہ مذکور ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا مجھ سے جو دریافت کرنا ہے وہ دریافت کرلو صحابہ (قرآن میں سوال کی ممانعت کی وجہ سے) سوال کرتے ہوئے ڈرے اس پر جبرئیل علیہ السلام آئے اور

---

(۲۴۴) ✽ اس روایت سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہاں جبرئیل علیہ السلام کو سائل بن کر تشریف لانے کی ضرورت کیا تھی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قرآن میں سوال کرنے کی ممانعت کا منشا تحقیق سے روکنا نہیں تھا بلکہ بیکار سوالات یا ایسے سوالات سے روکنا مدنظر تھا۔ جن سے دین میں تشدد پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ حدیث جبریل میں سب سے بڑی بحث احسان کی ہے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر احسان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہیں تقویٰ کے ساتھ، کہیں ایمان اور کہیں عمل صالح کے ساتھ۔

(۱) ﴿بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ (بقرہ:۱۱۲) بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے پروردگار کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ﴿وَ مَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ (لقمان:۲۲) اور جو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اور وہ نیکوکار بھی ہو (تو بس اس نے مضبوط رسی تھام لی)۔

(۳) ﴿لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (المائدہ:۹۳) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے تو جو کچھ ممانعت سے پہلے کھا پی چکے اس میں ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں جبکہ انھوں نے حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا جیسا کرنے کا حق ہے اور اللہ خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۴) ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ﴾ (یونس : ۲۶)

جن لوگوں نے دنیا میں بھلائی کی ان کے لئے آخرت میں بھی ویسی ہی بھلائی ہے اور کچھ بڑھ کر بھی۔

صحیح مسلم میں زیادہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے روئے انور کا دیدار کی گئی ہے۔ صفت احسان کے لئے یہ جزاء نہایت ہی موزوں ہے۔ جب احسان یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور کے ساتھ ادا کی جائے گویا اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے تو آخرت میں اس کے مناسب یہی جزاء ہوسکتی ہے کہ اس کو دیدار الٰہی سے حقیقتاً مشرف فرمایا جائے اس کے بالمقابل کافروں کا حال یہ ہے کہ دنیا میں بھی ان کے اور ان کے پروردگار کے درمیان غفلت کے حجابات پڑے ہوئے ہیں اس لئے ان حجابہائے غفلت کی جزاء آخرت میں دیدار الٰہی سے محرومی ہونا چاہئے اسی لئے فرمایا۔ ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (المطففین : ۱۵)

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احسان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور کے ساتھ ہو کہ وہ تم سے اتنا قریب ہے گویا تمہارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ تصور دشوار ہو تو پھر اس کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اس ایمان کا تصور جماؤ کہ وہ تمہاری تمام حرکات و سکنات دیکھتا ہے۔ یہ ایمان تو ہر شخص کو حاصل ہے جب اس حقیقت پر بار بار غور کرو گے تو لطف.....

www.besturdubooks.net

كَانَتِ الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ الْجُفَاةُ وَ فِيهِ وَ اِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْبُهْمِ فِي الْبُنْيَانِ وَفِيهِ بَعْدَ ذِكْرِ الْآيَةِ زِيَادَةٌ ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ

انہوں نے یہ سوالات خود شروع کیے اور علاماتِ قیامت میں ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ کی بجائے) یہاں یہ لفظ ہیں جب برہنہ جسم' پیادہ پا' گنوار درشت خصلت (لوگ قوم کے سردار ہو جائیں) اور ''ورأیت اصحاب الشاء'' کی بجائے یہ لفظ ہیں

ؐ..... اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی قرب و معیت کا تصور تم پر اتنا غالب آ جائے گا کہ پھر وہ ہر وقت گویا تمہیں اپنے سامنے نظر آئے گا۔ اس بنا' پر حدیث میں ایک ہی حال مذکور ہے اور دوسرا جملہ پہلے حال کی تحصیل کا صرف ایک ذریعہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو دو جداگانہ حال قرار دیے جائیں اور مطلب یہ ہو کہ اگر تمہیں پہلا حال میسر نہ آ سکے تو دوسرے حال ہی پر کفایت کر لو اور کم از کم اس تصور سے تو خالی نہ رہو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے' خشوع و خضوع عبادت کی روح ہے اور اس کے لئے یہ تصور بھی کافی ہے' بعض عارفین نے ان دو مقاموں کو مقام اخلاص اور مقام مشاہدہ سے تعبیر کیا ہے۔ پہلا مقام' مقام مشاہدہ ہے اور دوسرا مقام اخلاص۔ اگر یہ تصور میسر آ جائے کہ خدا تعالیٰ تمہیں ہمہ وقت دیکھتا ہے۔ تمہاری ہر ہر حرکت پر اس کی نظر پڑ رہی ہے تو اس حالت میں غیر اللہ کی طرف التفات یا عبادت میں غیر اللہ کی شرکت کا شائبہ بھی آنا ناممکن ہو گا۔ اس کا نام مقام اخلاص ہے لیکن اگر کسی بلند فطرت کا قلب نور عرفان و یقین سے اتنا لبریز ہو چکا ہے کہ حجاب اغیار اٹھا کر غیب الغیب کو دیکھنے لگا ہے تو یہ مقام مشاہدہ ہے اور در اصل احسان اسی یقین کا نام ہے یہ مشاہدہ اسی یقین کا ایک اثر ہوتا ہے جو کمال استحضار اور انتہائی رسوخ کے بعد یہ شکل اختیار کر لیتا ہے ورنہ ؎

عنقاء شکار کس نشود دام باز چین کا نجا ہمیشہ باد بدست است دام را

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس صفت احسان کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔

(۱) ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ (بقرہ : ۱۸۶)

ہمارے بندے جب ہمارے بارے میں دریافت کریں تو ان کو (سمجھا دو) کہ ہم ان کے بہت قریب ہیں۔

(۲) ﴿مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَمَا کَانُوْا﴾ (مجادلہ : ۷)

جب تین آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے تو ضرور ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور پانچ کا مشورہ ہوتا ہے تو ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۳) ﴿وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ﴾ (یونس : ۶۱)

اور اے پیغمبر تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو) کوئی سا عمل بھی تم کرتے ہو ہم (ہمہ وقت) جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔

(۴) ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق : ۱۶)

اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ؐ.....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوْا عَلَيَّ الرَّجُلَ فَاَخَذُوْا لِيَرُدُّوْهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ

اور جب جاہل بھیڑوں کے چرواہے عمارتوں پر فخر کرنے لگیں اور آیت ''ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ'' کے بعد تک ختم ہو ۔ اس کے بعد وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا آپ نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس واپس لاؤ لوگ چلے کہ اسے واپس لائیں مگر

ﷺ....(۵) ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَالَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ﴾ (نساء : ۱۰۸)
لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے - حالانکہ جب راتوں کو (بیٹھ بیٹھ کر) ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن سے خدا راضی نہیں تو خدا ان کے ساتھ (موجود) ہوتا ہے-

(۶) ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید : ٦)
''اور تم کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے-''

ان تمام آیات میں حق تعالیٰ کی یہ قرب و معیت اسی صفت احسان کا اثر ہے جس کو حدیث جبرئیل علیہ السلام میں بتایا گیا ہے-

احادیث ذیل میں بھی اسی کے اثرات ہیں-

ان احدکم اذا قام یصلی فانما یناجی ربه اور به بینه و بین القبلة و قوله ان الله قبل وجهه اذ اصلی.وقوله ان الله ینصب وجهه لوجه عبده فی صلا ته مالم یلتفت و قوله للذین رفعوا اصواتهم بالذکر انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا. و فی روایة وهو اقرب الی احدکم من عنق راحلته و فی روایته وهو اقرب الیکم من حبل الورید و قوله یقول الله عزوجل انا مع عبدی اذا ذکرنی و قوله یقول الله عزوجل انا مع ظن عبدی بی و انا معه حیث یذکرنی.

(۱) جب تم میں کوئی شخص نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے یا آپؐ نے یہ فرمایا کہ اس کا پروردگار گویا اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے-(۲) جب مصلی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس کے منہ کی جانب جلوہ گر ہوتی ہے-(۳) جب تک بندہ نماز میں اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے-(۴) کچھ لوگوں نے ایک سفر میں چیخ چیخ کر ذکر اللہ شروع کیا-آپ نے فرمایا اتنا چلاؤ مت تم کسی بہرے یا غیر حاضر ذات کو یاد نہیں کر رہے ہو' تم ایسی ذات کو یاد کر رہے ہو جو سننے والی ہے اور تمہارے بہت ہی قریب ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے-(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اپنے بندہ کے اعتقاد کے مطابق اس کے ... معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہوں-

قرب و معیت کی یہ تمام داستانیں بندہ کے اسی یقین و حضور کے کرشمے ہیں جس کے پیدا کرنے کا وہ بہر حال مامور ہے صوفیاء محققین نے اس قرب و معیت کو اپنے فن اور اپنے ذوق کے انداز میں دوسری طرح پیش کیا ہے مگر در حقیقت وہ سب کیفیات و وجدانیات ہیں جو الفاظ کی محدود تعبیرات میں مقید ہو کر فضول دماغی الجھاؤ کا باعث بن گئی ہیں-

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعبیر بہت صاف ہے اور علماء و صوفیاء دونوں کے مذاق کے قریب ہے-شریعت کا ﷺ....

www.besturdubooks.net

33 النَّاسَ دِيْنَهُمْ. وفي طريق اراد اَنْ تَعَلَّمُوْا اِذْلَمْ تَسْأَلُوْا.
(رواه احمد و الشيخان وغيرهما)

انہیں کوئی نظر نہ آیا آپؐ نے فرمایا یہ جبریلؑ تھے- اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو اس پیرایہ سے ان کا دین سکھلائیں- دوسرے طریقے میں یہ لفظ ہیں کہ چونکہ تم نے سوال نہ کیا اس لیے جبریل نے (خود یہ سوالات کیے) تا کہ تم اپنا دین سیکھ لو-

---

ﷺ.... اصل مقصد توحید و رسالت کا صرف علم حاصل کرنا نہیں بلکہ ان علوم کو حالات اور حالات سے مقامات کی حد تک پہنچانا ہے علوم جب تک حالات و وجدانیات کی شکل اختیار نہیں کرتے اس وقت تک طبیعت میں نہ تو جذبہ عمل پیدا ہو سکتا ہے اور نہ عمل میں کوئی ذوق نصیب ہو سکتا ہے- انسانی دماغ ان کو صرف ایک علمی تحقیق کی نظر سے دیکھا کرتا ہے اور یہ باور نہیں کر سکتا کہ یہ تمام علوم درحقیقت عالم غائبات کے وہ عظیم الشان حقائق ہیں جو خارج میں عالم مشاہدہ سے زیادہ مستحکم طور پر موجود ہیں- اسے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے مسائل' تقدیر و برزخ' جنت و دوزخ کے تمام غیبی حقائق صرف خیالی نظر آتے رہتے ہیں لیکن منازل یقین طے کرتے کرتے جب وہ منزلِ احسان تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جن کو پہلے وہ اوہام سمجھا کرتا تھا اب وہی حقائق ثابتہ نظر آنے لگتے ہیں اور جنھیں حقائق سمجھا کرتا تھا وہ اوہام سے زیادہ ناپائیدار اور بے حقیقت ہوتے چلے جاتے ہیں- انسان کے باطن میں جب یہ انقلاب رونما ہو جاتا ہے تو شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے- اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک سائنس کا ماہر مسلسل تجربات کرتے کرتے جب کسی ایک نقطہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کو اپنی اس تحقیق پر وہ یقین میسر آ جاتا ہے جو اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بھی کہیں بڑھ کر ہوتا ہے- ہر انسان مشاہدہ میں انسان ہے اور دوسرے انسان ہی سے پیدا ہوا ہے- تاریخ نے کبھی شہادت نہیں دی کہ کوئی انسان کسی جانور سے پیدا ہوا تھا لیکن جب محض دماغی فلسفہ نے اس کو ہڈیوں کے جوڑ و بند ملانے پر مجبور کر دیا تو اس نے اپنے تمام مشاہدات اور دنیا کی تمام موجودہ تاریخ کی صرف دلائل و براہین اور محض اپنے تجربات کی بنا پر تکذیب کر دی اور بڑی خوشی سے یہ کہنے لگا کہ انسان حیوان ہی کی ایک ارتقائی شکل ہے یہ کوئی علمی تحقیق نہیں بلکہ جب دماغ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ کسی ایک جانب مشغول ہو جاتا ہے تو اس کو حقائق کے قلب کرنے میں ایک ملکہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اوہام کو حقائق اور حقائق کو اوہام کا رنگ دینے لگتا ہے- اس کے یقین کی یہ ساری دنیا صرف اس کے دماغ کی تراشیدہ ہوتی ہے- آج بھی اوہام کے پرستار کھلے ہوئے امراض کو جنات کا خلل قرار دیتے ہیں- قدیم ہندو ذہنیت سے متاثر بعض جاہل مسلمان بھی چیچک کو دیوی کا تصرف خیال کرتے ہیں اور اس زمانہ میں گھر کے اندر گوشت پکانا چیچک بگڑنے کا سبب حقیقی تصور کرتے ہیں- اس کے برعکس روحانیات کے منکر روحانی تصرفات کے لئے بھی انجکشن تجویز کراتے پھرتے ہیں- اس پر تماشہ یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے اپنے دائرہ یقین کے موافق معالجہ کرتا ہے اور اس پر آثار مرتب ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے یہ سب حقائق نہیں بلکہ اپنے ہی یقین کے اثرات ہیں جو بصورت حقائق نظر آنے لگتے ہیں اس کا مقصد دلائل و براہین کو یکسر معطل کرنا اور دنیا کے اس سارے نظام کو جو ان دلائل پر ہر قائم ہے درہم و برہم کر دینا بھی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں صفت احسان کا دخل ہے وہ دنیا دلائل و براہین کی دنیا نہیں ہے وہ عالم مشاہدہ کا عالم ہے اس لئے وہاں تحصیل یقین کا راستہ صرف مشاہدہ ہے جس کی پہلی کڑی عمل ہے- عمل سے عقائد راسخ ہوتے ہیں اور جب عقائد راسخ ہو جاتے ہیں تو اسی پر صفتِ احسان کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور اسی راستے سے انسان کے عنصر مادیت کو عروج میسر آتا ہے- حقیقی ارتقاء یہی ہے- انسان جب تک مادیت میں ڈوبا ہوا ہے وہ صفتِ احسان سے آشنا نہیں ہو سکتا اور جونہی اس کے عنصر مادیت کو عروج میسر آیا اسی وقت سے اس کی ماہیت کا دوسرا پاک عنصر یعنی روحانیت چمکنے لگتا ہے اور صفت احسان کی ابتدا ہونے لگتی ہے اور جتنا اس کا یہ عنصر شریعت کے تطہیر و تزکیہ کے اثرات سے عنصر مادیت کو مسخر کرتا جاتا ہے اتنا ہی یہ عنصر ﷺ....

www.besturdubooks.net

ارکان الاسلام و دعائمه العظام

(۲۴۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اِقَامِ

ارکانِ اسلام

(۲۴۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کا قصر پانچ ستونوں پر (قائم کیا گیا) ہے- شہادتین' یعنی اس بات کا دل سے اقرار کرنا کہ سوائے ایک اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ

ﷺ ....بھی عنصر روحانیت کے ہمرنگ ہوتا چلا جاتا ہے- یہاں تک کہ اس کے ظاہر و باطن' مادیت و روحانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا- اس انقلاب کے بعد اب اس کے لئے فرشتے' جنت اور دوزخ پر یقین کرنا اسی طرح بدیہی ہو جاتا ہے جیسا اپنی آنکھوں کے مشاہدات پر' انبیاء علیہم السلام کے اکثر غیبی علوم کا تعلق اسی صفتِ احسان سے ہے- جو شخص صفتِ احسان سے جتنا بے بہرہ ہے اتنا ہی وہ ان علوم سے بھی بے بہرہ ہے یہ اس کی خوش فہمی ہے کہ وہ اس کا انکار اپنے روشن خیالی کا ثمرہ تصور کرتا ہے- حقیقت یہ نہیں بلکہ دراصل اس کا یہ تردد یا تمرد اس صفتِ احسان سے دوری اور محرومی کا ثمرہ ہے- اس کے برعکس جو لوگ دین اسلام کے منکر ہیں ان کا عنصر روحانیت رفتہ رفتہ ان کی مادیت کے ہمرنگ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت وہ آ جاتا ہے جبکہ ان کی روحانیت قطعاً مردہ ہو جاتی ہے اور اب ان کے لئے صرف عالم مادیت میں ڈوبنے اور ڈوب کر مر جانے ہی کی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے اور ان کے لئے صفت احسان تک رسائی کی کوئی امید باقی نہیں رہتی- شاید اسی کو قرآن کے الفاظ میں طبع اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے- حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کی اس صورت میں تمام علوم اسلامیہ کا خلاصہ موجود ہے فقہاء کا موضوع عبادات و معاملات ہیں' یہ تمام مسائل مفہوم اسلام میں درج ہیں اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لانا' جنت' دوزخ' تقدیر' اور قیامت پر یقین رکھنا متکلمین کا موضوع ہے' یہ تمام مباحث لفظ ایمان میں داخل ہیں' توکل' رضا' صبر اور بقیہ مقامات عشرہ وغیرہ عرفاء کا موضوع ہے یہ سب مقامات احسان کے ابواب ہیں- اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ حدیث کتنی عظیم الشان ہے-

(۲۴۵) ٭ (الف) مصنف عبدالرزاق میں یہاں **خمس دعائم** کا لفظ صراحۃً مذکور ہے- (دیکھو عمدۃ القاری ج ا ص ۱۴۱)

(ب) حدیثِ مذکور کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تعلیم اور قرآن کریم کا اسلوب بیان ہر دو فطری ہوتے ہیں یہاں روزمرہ کے معمولی مشاہدات سے آخرت کے بڑے بڑے علوم باتوں ہی باتوں میں حل کر دیئے جاتے ہیں- اب ذرا غور کرو کہ ایک امی قوم کو اسلام اور اعمال کا ربط' پھر اعمال میں باہمی مراتب کا تفاوت سمجھانا ہے- مسئلہ کس قدر مشکل ہے اور اس کے لئے تعبیر کتنی سادہ- ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے ماحول میں تم روزمرہ اپنا مکان دیکھتے ہو اس میں چھت ہوتی ہے' ستون ہوتے ہیں' در و دیوار ہوتے ہیں اور یہ مجموعہ مل کر ہی تمہارا مکان کہلاتا ہے پھر اس مکان کی کوئی بنیاد بھی ضرور ہوتی ہے جس پر یہ مکان قائم ہوتا ہے- پھر عجیب بات ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان مکان تو آنکھوں سے نظر بھی آتا ہے مگر وہ بنیاد جس پر اتنی بڑی عمارت قائم ہوتی ہے کہیں نظر نہیں آتی' وہ زمین کے نیچے ہوتی ہے- اسی طرح اسلام کو سمجھ لو وہ بھی ایک مجموعہ کا نام ہے اس کے بھی اجزاء ہیں اس کی بھی ایک بنیاد ہے- پھر اس کے اجزاء میں ایسا ہی تفاوت ہے جیسا کہ تمہارے مکان کے اجزاء میں' ہر جزء مکان کے لئے یکساں ضروری نہیں ہوتا- ظاہر ہے کہ مکان کی بقاء کے لئے جس قدر ستونوں کی حاجت ہے اتنی طاق' روشندان اور نقش و نگار کی نہیں اسی طرح یہاں ارکان خمسہ' اسلام کے بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر اسلام کا کارخانہ قائم نہیں رہ سکتا پھر ان ارکان میں بھی باہمی فرق ہے- آئندہ حدیث میں ابھی آپ ملاحظہ ﷺ ....

www.besturdubooks.net

الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَ الْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ مُسْلِمٌ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ)

اس کے رسول ہیں پورے آداب وحقوق کی رعایت کر کے نماز ادا کرنا- زکوٰۃ دینا- حج کرنا- رمضان شریف کے روزے رکھنا-

(اس حدیث کو بخاری ومسلم وترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے)

(۲۴۶) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَی ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا حَمَلَکَ عَلٰی اَنْ تَحُجَّ عَامًا وَ تَعْتَمِرَ عَامًا وَ تَتْرُکَ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ عَلِمْتَ مَا رَغَّبَ اللّٰهُ فِیْهِ قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ اِیْمَانٍ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الصَّلٰوةِ الْخَمْسِ وَ صِیَامِ رَمَضَانَ وَ اَدَاءِ الزَّکٰوةِ وَ حَجِّ الْبَیْتِ قَالَ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَا تَسْمَعُ مَا ذَکَرَ اللّٰهُ فِیْ کِتَابِهٖ ﴿وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا. اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ﴾(الحجرات:۹) ﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا

(۲۴۶) نافع سے یوں روایت ہے کہ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ان کی کنیت ہے) کیا وجہ کہ آپ حج اور عمرہ تو ہر سال کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ نہیں کرتے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی کیسی ترغیب دلائی ہے- ابن عمرؓ نے جواب دیا اے بھائی اسلام تو پانچ چیزوں کا نام ہے (۱) اللہ کی توحید اور رسول کی تصدیق (۲) پنج وقتہ نماز (۳) رمضان کے روزے (۴) زکوٰۃ (۵) بیت اللہ کا حج (اور آج کل جولڑائی ہے اس میں شریک ہونا کچھ اسلام کا جزء نہیں جو نہ کرنے سے کچھ نقصان ہو) اس نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہیں مانتے ﴿وَ اِنْ طَائِفَتَانِ... الخ﴾ یعنی اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو

... فرمائیں گے کہ ان ارکانِ خمسہ کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی بھی اہم ترین جزء ہے اسے مکان کی بنیاد کی مثال سمجھئے جس طرح وہ زمین میں مدفون ہوتی ہے اسی طرح یہ دل میں پوشیدہ رہتی ہے ارکانِ خمسہ کی یہ محکم تعمیر اسی پوشیدہ تصدیق پر قائم رہ سکتی ہے- ایک موٹی سی مثال سے کتنی بڑی حقیقت ذہن نشین کر دی اور لطف یہ کہ سامعین کو خبر تک نہ ہوئی کہ مشکل کیا تھی اور کیونکر حل ہوگئی- دورِ نبوت گذرا اور جب علوم رسمیہ کی نوبت پہنچی تو اسی صاف بات کو جب ضوابط کے شکنجوں میں کھینچا گیا تو اب وہی ایک لاینحل معمہ بن کر رہ گئی کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں یا صرف اس کی تکمیل کا سامان اسی پر یہ بحث قائم ہوگئی کہ ایمان اب بسیط رہا یا مرکب پھر اعمال کی ضرورت اگر رہی تو کس درجہ' ان مباحث نے یہاں تک طول پکڑا کہ مستقل مذاہب بن گئے اور ہزاروں اوراق صرف ہو جانے کے بعد بھی روشنی پھر اس سے زیادہ پیدا نہ ہو سکی جو اس مثال میں موجود ہے-

(۲۴۶) * حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے عبادت کے لئے سرنگوں ہو جانا- اب اگر دین اسلام کا تجزیہ کرو تو اس میں چند قسم کے احکام پاؤ گے- (۱) وہ احکام جو سب پر یکساں واجب ہیں- (۲) وہ احکام جو خاص خاص افراد سے متعلق ہیں پہلی قسم میں ایک بڑا حصہ صرف فرض علی الکفایہ ہے- ہر شخص پر واجب نہیں جیسا کہ جہاد' امر بالمعروف نہی عن المنکر' امارت' حاکم' قاضی' مفتی' شہادۃ' وغیرہ ان سب کا تعلق خاص مصالح اور عارضی اسباب سے وابستہ ہے- فرض کرلو اگر یہ مصالح ہماری نقل وحرکت کے بغیر حاصل ہو جائیں تو یہ احکام واجب نہیں رہتے اسی طرح حدود وغیرہ کے ابواب ہیں ان کا تعلق بھی چند جرائم کے ساتھ ہے- اگر اس کا انسداد ہو جائے تو ان ابواب کی حاجت بھی نہیں رہتی دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسا کہ ...

www.besturdubooks.net

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾(البقرۃ:۱۹۳) قَالَ فَعَلْنَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ الْاِسْلَامُ قَلِيْلًا فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِيْ دِيْنِهٖ اِمَّا قَتَلُوْهُ وَ اِمَّا يُعَذِّبُوْهُ حَتّٰى كَثُرَ الْاِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ. الحديث(رواہ البخاری فی التفسیر ص ۶۴۸)

تم ان میں صلح کرا دو (آخر آیت تک) دوسری جگہ ارشاد ہے کفار سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ہم نے حضرت کے زمانہ میں جب اسلام کم تھا ایسا ہی کیا (جو شخص فتنہ اٹھاتا اس کو مار دیا جاتا یا تکلیف دی جاتی) یہاں تک کہ اسلام بکثرت پھیل گیا اور کوئی فتنہ باقی نہ رہا۔

(۲۴۷) عَنْ اَبِيْ سُوَيْدِ الْعَبْدِيْ قَالَ اَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ فَجَلَسْنَا بِبَابِهٖ لِيُؤْذَنَ لَنَا قَالَ فَاَبْطَأَ عَلَيْنَا الْاِذْنُ قَالَ فَقُمْتُ اِلٰى جُحْرٍ فِي الْبَابِ فَجَعَلْتُ اَطَّلِعُ فِيْهِ فَفَطِنَ بِيْ فَلَمَّا اُذِنَ لَنَا جَلَسْنَا فَقَالَ اَيُّكُمْ طَلَعَ اٰنِفًا فِيْ دَارِيْ قَالَ قُلْتُ اَبْطَأَ عَلَيْنَا الْاِذْنُ فَنَظَرْتُ فَلَمْ اَتَعَمَّدْ ذَالِكَ قَالَ ثُمَّ سَأَلُوْهُ

(۲۴۷) ابوسوید عبدی بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دروازے پر بیٹھ گئے تاکہ اجازت ہو جائے (تو اندر داخل ہوں) اجازت میں کچھ دیر ہوئی تو میں دروازے میں ایک سوراخ کے اندر سے جھانکنے لگا وہ میری اس حرکت کو تاڑ گئے جب ہمیں اجازت مل گئی اور ہم بیٹھ گئے تو انہوں نے فرمایا ابھی میرے گھر میں تم میں کس نے جھانکا تھا میں نے عرض کیا کہ اجازت ملنے میں دیر ہوگئی

ﷺ .... کہ قرض کی ادائیگی۔ غصب و عاریت، ودیعت و امانت وغیرہ یہ تمام ابواب انسانوں کے حقوق کے تحفظ اور مظلوم کی دادرسی کے لئے ہیں اگر صاحبِ حق معاف کر دے تو یہ ابواب بھی معطل ہوتے ہیں۔ صلہ رحمی، حقوق زوجیت، حقوقِ اولاد، پڑوسی، شریک، فقیر وغیرہ ان احکام کا تعلق بھی سب کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص افراد سے ہے وہ بھی خاص خاص اوقات میں اسی طرح شریعت کے بقیہ ابواب پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال جایئے اور غور کیجئے کہ اب وہ کون سے احکام ہیں جو ہر ہر فرد پر واجب ہیں اور کسی وقتی مصلحت پر بھی مبنی نہیں اور انسان کے انقیاد ظاہری و باطنی کا ایک مکمل ثبوت بھی ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ یہی مبانی خمسہ ہیں۔ اسی لئے حدیث مذکور میں صرف ان پانچ ہی کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ (کتاب الایمان۔ ص ۱۲۶ و ۱۴۶)

اس حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جس جنگ کی شرکت کی دعوت دی جا رہی ہے وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جنگ کا واقعہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب یہاں کتنا عبرت آموز اور کتنا قیمتی ہے کہ کفار سے جنگ فتنہ فرد کرنے کے لئے ہوتی ہے اور مسلمانوں سے جنگ فتنہ پیدا کرنے کے لئے۔ تم جس آیت کو میری تردید کے لئے پڑھ رہے ہو در حقیقت وہی میری تائید کے لئے ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابن عمرؓ کا اس حدیث سنانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد فرض عین نہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے (دیکھو عمدۃ القاری ج ا ص ۱۴۳) بلکہ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے مذکورہ بالا بیان میں مفصل طور پر ذکر کیا ہے۔

(۲۴۷) * اسلام میں کسی غیر شخص کے گھر میں جھانکنے کی ممانعت کی گئی تھی اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے اس خلافِ شرع حرکت پر ان کو ٹوکا، آخر انھیں معذرت کرنی پڑی۔ اس سے زیادہ پیچھے پڑنا طریق دعوت و حکمت کے خلاف تھا اس لئے یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ان کا یہ عذر بھی شرعی طور پر کافی نہیں تھا۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیسے سکوت کر لیا۔ الفاظ بالا سے یہ اور صاف ہو گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا منشاء صرف اتنا تھا کہ ان کے زمانہ کا جہاد ارکانِ خمسہ کے ہم پلہ نہیں ہے۔ ایسے فتنوں کے موقعوں پر اس ﷺ ....

www.besturdubooks.net

عَنْ اَشْیَاءَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَ حَجِّ الْبَیْتِ وَ صِیَامِ رَمَضَانَ قُلْتُ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ مَاتَقُوْلُ فِی الْجِھَادِ قَالَ مَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ (و من طریق اخر) قَالَ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ وَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ الْجِھَادُ حَسَنٌ ھٰکَذَا حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. (الاولیٰ اخرجھا احمد و عبدالرزاق و الثانیۃ الشیخان و النسائی و الترمذی و الطبرانی)

تھی اس لیے میں نے جھانکا تھا (تاکہ تاخیر کا سبب معلوم ہو) جھانکنا مقصود نہ تھا اس کے بعد پھر ان سے بعض اور باتیں دریافت کیں انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت پر' نماز پڑھنے' زکوۃ دینے' بیت اللہ کا حج اور رمضان کے روزے رکھنے پر' ہم نے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جہاد کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں' فرمایا جو کوئی جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرے گا۔ دوسرے طریقے میں ہے ایک شخص نے ان سے پوچھا اور جہاد فی سبیل اللہ کیسا ہے فرمایا اچھا ہے (مگر) ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بیان کیا تھا۔

(احمد' عبدالرزاق)

(۲۴۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ قَبْلَ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَلَمَّا اَنْ اَصْبَحَ صَلّٰی بِالنَّاسِ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ اِنَّ النَّاسَ رَکِبُوْا فَلَمَّا اَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ نَعَسَ النَّاسُ فِیْ اَثَرِ الدُّلْجَۃِ وَ لَزِمَ مُعَاذٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْلُوْ اَثَرَہٗ وَ النَّاسُ تَفَرَّقَتْ

(۲۴۸) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو غزوہ تبوک کے لیے لے کر نکلے۔ جب صبح ہو گئی تو آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی' لوگ نماز پڑھ کر پھر سوار ہو گئے۔ جب آفتاب نکلا تو سب لوگ شب کی بیداری کی وجہ سے اونگھ رہے تھے۔ ایک معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو برابر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے لگے چلے آ رہے تھے بقیہ لوگوں کی سواریاں چرتی رہیں اور چلتی رہیں

لہ ....سے زیادہ صفائی سے بات کہنا بھی فتنہ کا موجب تھا۔ اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے' مانا کہ جہاد بہت اچھا عمل ہے مگر جو حدیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے وہ اتنی ہی ہے اس میں جہاد کا ذکر نہیں ہے اس لئے تم مجھے اس جہاد کی شرکت پر مجبور نہیں کر سکتے اور میں اس سے علیحدہ رہ کر معذور رہ سکتا ہوں۔

(۲۴۸) * اس حدیث میں کلمہ شہادت کے لئے ''راس'' اور نماز کے لئے ''قوام'' اور جہاد کے لئے ''ذروہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ترمذی کی روایت میں یہاں کچھ اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ ان الفاظ سے بڑھ کر ان عبادتوں کی حقیقتوں کی ترجمانی کے لئے دوسرے الفاظ میسر نہیں آ سکتے۔ الفاظ بالا میں توحید و رسالت کو سر کہا گیا ہے' شہادتین کی حقیقت سمجھانے کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور لفظ نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کا سر کٹ جائے تو اس کی روح نکل جاتی ہے اور وہ صرف ڈھانچہ ہی ڈھانچہ رہ جاتا ہے اسی طرح کلمہ شہادت کو سمجھنا چاہیے اگر یہ نہ ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی صرف ایک ڈھانچہ ہے جس میں کوئی روح نہیں۔ نماز کو قوام اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز دیکھنے میں گو ایک ہی عبادت ہے مگر جملہ عبادات کی روح اس میں موجود ہے۔ اس میں زکوۃ کا مفہوم بھی ہے اور صوم کا لہ ....

www.besturdubooks.net

بِهِمْ رِكَابُهُمْ عَلٰى جَوَادِّ الطَّرِيْقِ تَأْكُلُ وَ تَسِيْرُ فَبَيْنَمَا مُعَاذٌ عَلٰى اَثَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَاقَتُهٗ تَأْكُلُ مَرَّةً وَ تَسِيْرُ اُخْرٰى عَثَرَتْ نَاقَةُ مُعَاذٍ فَكَبَحَهَا بِالزِّمَامِ فَهَبَّتْ حَتّٰى نَفَرَتْ مِنْهَا نَاقَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ عَنْهُ قِنَاعَهٗ فَالْتَفَتَ فَاِذَا لَيْسَ مِنَ الْجَيْشِ رَجُلٌ اَدْنٰى اِلَيْهِ مِنْ مُعَاذٍ فَنَادَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ اُدْنُ دُوْنَكَ فَدَنَا مِنْهُ حَتّٰى لَصِقَتْ رَاحِلَتُهُمَا اِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْتُ اَحْسِبُ النَّاسَ مِنَّا كَمَكَانِهِمْ مِنَ الْبُعْدِ فَقَالَ مُعَاذٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ نَعَسَ النَّاسُ فَتَفَرَّقَتْ بِهِمْ رِكَابُهُمْ تَرْتَعُ وَ تَسِيْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا كُنْتُ نَاعِسًا فَلَمَّا رَاٰى مُعَاذٌ بُشْرٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ وَ خَلْوَتَهٗ لَهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِئْذَنْ لِيْ اَسْاَلُكَ عَنْ كَلِمَةٍ قَدْ اَمْرَضَتْنِيْ وَ اَسْقَمَتْنِيْ وَ اَحْزَنَتْنِيْ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ سَلْنِيْ عَمَّ شِئْتَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ حَدِّثْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ لَا

اور بڑی شاہراہوں پر انہیں لے کر تتر بتر ہوگئیں تھیں- اسی دوران میں کہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اونٹنی نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے کبھی چرتی اور کبھی چلتی جا رہی تھی دفعۃً ٹھوکر کھائی' معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو لگام کھینچ کر سنبھالا تو وہ اور تیز ہوگئی یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بھی بدک گئی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نقاب اٹھایا دیکھا تو لشکر بھر میں معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کوئی اور شخص آپ کے قریب نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی اے معاذ! انہوں نے جواب دیا یا نبی اللہ میں حاضر ہوں فرمایا اور قریب آ جاؤ' وہ قریب آ گئے اور اتنے قریب آ گئے کہ دونوں کی سواریاں ایک دوسرے سے بالکل مل گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا یہ خیال نہیں تھا کہ لوگ مجھ سے اتنی دور ہوں گے- معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگ کچھ اونگھ رہے تھے (اس لیے) ان کی سواریاں چرتی رہیں اور چلتی رہیں اور ادھر ادھر انہیں لے کر متفرق ہو گئیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اونگھ رہا تھا- معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش ہیں اور موقعہ بھی تنہائی کا ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے تو ایک بات پوچھوں جس نے مجھے بیمار ڈال دیا ہے اور غمزدہ بنا رکھا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا جو چاہتے ہو پوچھو' عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اس کے سوا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کچھ نہیں پوچھوں گا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت خوب' بہت خوب تم نے بڑی بات پوچھی' تین بار فرمایا ہاں جس کے لیے خدا

☆ ....صبر بھی نفس اور حج کی طرح حریم مقصود کے گرد طواف بھی جس نے اس عبادت کو چھوڑا اس نے گویا سب عبادتوں کو چھوڑ دیا- قرآن کہتا ہے- ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت:۴۵) ''نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے-'' اور اسی لیے دوسری جگہ یہ اعلان ہے- ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ (مریم:۵۹) ''پھر ان کے بعد ان کے جانشین نا اہل پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے-'' یہاں اضاعت صلوۃ کو اتباع شہوات ☆....

www.besturdubooks.net

اَسْأَلُکَ عَنْ شَیْءٍ غَیْرِھَا قَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَخٍ بَخٍ لَقَدْ سَأَلْتَ بِعَظِیْمٍ لَقَدْ سَأَلْتَ بِعَظِیْمٍ ثَلَاثًا وَ اِنَّہٗ لَیَسِیْرٌ عَلٰی مَنْ اَرَادَ اللّٰہُ بِہِ الْخَیْرَ فَلَمْ یُحَدِّثْہُ بِشَیْءٍ اِلَّا قَالَہٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ یَعْنِیْ اَعَادَہٗ عَلَیْہِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حِرْصًا لِکَیْمَا یُتْقِنَہٗ عَنْہُ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا حَتّٰی تَمُوْتَ وَ اَنْتَ عَلٰی ذَالِکَ فَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَعِدْلِیْ فَاَعَادَھَا لَہٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُکَ یَا مُعَاذُ بِرَأْسِ ھٰذَا الْاَمْرِ وَ ذِرْوَۃِ السَّنَامِ فَقَالَ بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ اَنْتَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ فَحَدِّثْنِیْ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَأْسَ ھٰذَا الْاَمْرِ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ وَ اَنَّ قِوَامَ ھٰذَا الْاَمْرِ اِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَ اَنَّ ذِرْوَۃَ السَّنَامِ مِنْہُ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَ یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ فَقَدِ اعْتَصَمُوْا وَ عَصَمُوْا دِمَائَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَ حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا شَحَبَ وَجْہٌ وَ لَا

بھلائی کا ارادہ کرے اس کے لیے کچھ اتنی دشوار بھی نہیں - کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نہیں فرمائی جو تین بار نہ دہرائی ہو' اس شوق میں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات خوب پختہ یاد کرلیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھو' نماز پڑھا کرو - اللہ کی عبادت کیا کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ' یہاں تک کہ اسی حال پر تمہاری موت آ جائے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ پھر ارشاد فرمائیے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاطر تین بار فرمایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو اس دین کے اونچے عملوں میں جو چوٹی کا عمل ہے اور جو اس کی جڑ ہے وہ تمہیں بتا دوں انہوں نے عرض کیا میرے ماں' باپ آپ پر قربان بتائیے آپ نے فرمایا سب میں جڑ کا عمل تو یہ ہے کہ تو اس کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں اور جس عمل سے دین کی بندش مضبوط رہتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوۃ دینا ہے اور اس کے اونچے اونچے عملوں میں سب سے چوٹی کا عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں جنگ اس وقت تک برابر جاری رکھوں جب تک کہ لوگ نماز نہ پڑھیں' زکوۃ نہ دیں اور اس بات کی شہادت نہ دیں کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں جب یہ باتیں کرلیں تو وہ خود بھی بچ گئے اور اپنی جان و مال کو بھی بچا لیا مگر ہاں جو ضابطہ میں ہو اور اس کے بعد ان کا حساب خدا کے سپرد ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کوئی چہرہ (عمل کرتے کرتے) متغیر نہیں ہوا اور کوئی قدم (سفر کرتے کرتے) غبار آلود

؎ .... کا پیش خیمہ قرار دیا گیا ہے - اسی لئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی قلم رو میں یہ حکم لکھ بھیجا تھا کہ نمازوں کی نگرانی رکھو جو شخص نمازوں کو ضائع کرے گا' اس کے بقیہ دین کا بھی خدا حافظ ہے - جہاد کو ذروۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ اونٹ میں کوہان پھر کوہان میں چوٹی ؎ ....

www.besturdubooks.net

اغْبَرَّتْ قَدَمٌ فِيْ عَمَلٍ تُبْتَغَى فِيهِ دَرَجَاتُ الْجَنَّةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَفْرُوْضَةِ كَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا ثَقَلَ مِيْزَانَ عَبْدٍ كَدَابَّةٍ تَنْفَقُ لَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ يُحْمَلُ عَلَيْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

نہیں ہوا۔ کسی ایسے عمل میں جس کا مقصد درجات جنت ہوں فرض نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کے برابر اور نہ بندہ کے میزانِ عمل میں کوئی نیکی اتنی وزن دار ثابت ہوئی جتنا کہ اس کا وہ جانور جو جہاد فی سبیل اللہ میں مرگیا یا وہ جو اس نے راہ خدا میں کسی کو دے ڈالا۔

(رواہ احمد و البزار و النسائی و ابن ماجۃ و الترمذی و قال حدیث حسن صحیح و حدیث الباب اسناد جید و شھر بن حد شب و ثقه ابن معین و الا مام احمد وغیرھما)

الارتباط بین ارکان الاسلام

ارکانِ اسلام کا باہمی ربط

(۲۴۹) عَنْ زِيَادِ بْنِ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ قَالَ

(۲۴۹) زیاد بن نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ

ﷺ ....سب سے نمایاں اور اونچی چیز ہوتی ہے اسی طرح اسلام میں وہ سب سے اونچا عمل جو خود بھی سب سے زیادہ نمایاں اور اسلام کی بلندی بھی سب سے زیادہ نمایاں کرنے والا صرف جہاد ہے اس لئے ان الفاظ کو صرف شاعرانہ استعارات نہ سمجھیے بلکہ یہ ان عبادات کی حقیقتیں ہیں۔

(۲۴۹) ٭ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور سے یہ تو سب ہی نے سمجھا کہ ارکان خمسہ اور مجموعہ دین کا وہ رشتہ ہے جو ایک قصر اور اس کے ستونوں کا ہوتا ہے اگر ارکان اسلام نہ ہوں تو دین کا قصر ہی گر جائے مگر خود ان ارکان کے درمیان رشتہ کیا ہے' ادھر کسی کا ذہن نہ گیا۔ اس نکتہ کی طرف حافظ ابن رجب کی نظر پہنچی ہے وہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ارکانِ اسلام میں باہم بھی گہرا ربط ہے اگر ان میں ایک نہ ہو تو بقیہ میں بھی ضعف نمایاں ہونے لگتا ہے کیونکہ یہ ارکان جس طرح پورے قصر کو سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے کو بھی سہارا دیتے ہیں اگر سب موجود ہوں تو پورے قصر کا وزن اپنے درمیان تقسیم کر لیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی ایک نہیں ہوتا تو اس کا وزن صرف بقیہ ارکان پر آ پڑتا ہے اور لازمی طور پر اس قصر کے لئے اور خود ان ستونوں کے لئے بھی خطرہ پیدا ہونے لگتا ہے' یہ تو ارکانِ ظاہری کا حال ہے' ارکان دین کا ربط اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان میں ایسا معنوی ربط ہے کہ ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ جزء بنا ہوا ہے ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی توفیق میسر ہوتی ہے اور ایک کے ترک کرنے سے دوسرے سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے صاحب نبوت کی اس پر اسرار تشبیہ میں ارکانِ خمسہ کا باہمی رشتہ بھی داخل سمجھنا چاہیے اور اب اس تشبیہ کا خلاصہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح ایک قصر کے لئے ستون ضروری ہے اسی طرح اسلام کے لئے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا کرنا ضروری ہے اور جس طرح کسی محل کے بعض ستون گر جانے سے اس کے اور ستونوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اسی طرح کسی رکن اسلامی کے ترک سے اس کے بقیہ ارکان کو بھی نقصان ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قصر کے قائم رہنے کے لئے جتنے ستون درکار ہیں ان سب ہی کا ہونا ضروری ہے اگر ان میں ایک بھی نہ ہو تو بقیہ کا وجود چنداں مفید نہیں ہوتا۔ اب رہ گئی بات کہ کس تعمیر کے لئے کتنے ستون ہونے چاہئیں پھر ان ستونوں میں اہمیت اور غیر اہمیت کا تناسب کیا ہونا چاہیے' ان میں کس کو کس کی احتیاج زیادہ ہے۔ ان مراحل کو وہی انجینئر خوب سمجھ سکتا ہے جس نے یہ نقشہ تعمیر تیار کیا ہے ہر ایک کے ادراک کی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد جب آپ قرآن وحدیث پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ اکثر آیات میں ایک ہی جگہ ملے گا۔ احادیث میں حیاء و ایمان کا تذکرہ ساتھ نظر آئے گا۔ اسی ربط کے پیش نظر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "من لم یزک فلا صلٰوۃ لہ" (جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے شراب پی اس کی چالیس دن کی ﷺ ....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فَرَضَهُنَّ اللّٰهُ فِي الْاِسْلَامِ فَمَنْ جَاءَ بِثَلَاثٍ لَمْ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے' چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے- نماز' زکوٰۃ' روزے اور بیت اللہ کا حج' جو شخص ان میں تین ادا

ؒ..... نمازیں قبول نہیں ہوتیں- دوسری حدیث میں ہے جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگ جائے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی احادیث بالا سے شراب نوشی اور اپنے مالک سے بیوفائی کا نماز سے بڑا گہرا ربط ثابت ہوتا ہے- اس ربط کا پورا پورا ادراک تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے جس نے دین کا یہ قصر تیار کیا ہے اور وہی دراصل اس کے اصول تعمیری کا راز داں ہے- تاہم حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے اور انسانی دماغ کے رسائی کی حد تک اسے خوب ہی سمجھا ہے-

مولانا فرماتے ہیں کہ عبادات درحقیقت عبدیت اور بندگی کی ایک عملی ٹریننگ ہے- عبدیت درحقیقت وہ صحیح رشتہ ہے جو بندہ اور اس کے معبود کے درمیان قائم ہے جتنے آسمانی دین آئے وہ اسی رشتہ کو سمجھانے اور اس کے حقوق بتانے آئے- باپ بیٹے' دوست دوست' ہمسایہ ہمسایہ کے رشتے حتیٰ کہ امتی اور رسول کا رشتہ بھی ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے- اسی طرح ان رشتوں میں تعدد کی گنجائش بھی ہے لیکن عبدیت اور معبودیت کا وہ تعلق ہے جو نہ باہمی مخلوق میں ایک دوسرے کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے اور نہ اس میں اثنینیۃ کی گنجائش ہے وہ صرف مخلوق اور اس کے خالق کے درمیان قائم ہے- اس رشتہ کو صرف سمجھانا نہیں ہے بلکہ اس کے ایک ایک طرز ادا سے ہم کو رنگین بنانا بھی ہے اگر اس رشتہ کا تجزیہ کرو تو جو اس کے بڑے عنصر نظر آئیں گے وہ صرف دو ہیں اطاعت و محبت- ہر غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے ہمہ تن اطاعت ہو مگر وہ اطاعت نہیں جو ذوق محبت سے خالی ہو' اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولیٰ سے محبت کرے- مگر وہ محبت نہیں جس میں سرمو خلاف کی گنجائش باقی ہو' یہ دونوں فرائض بڑی حد تک بندوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں- شریعت چاہتی ہے کہ ان مشترک فرائض کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دے جس کے بعد دونوں کی حدود میں کوئی اشتراک باقی نہ رہے اسی کا نام عبادت ہے- دشواری یہ ہے کہ انسان فطرۃً داغ عبدیت برداشت نہیں کرتا اس لئے اس کے سامنے ایک ایسا آئین رکھا گیا ہے جسے وہ سمجھے پھر اس پر عمل پیرا ہو کر اس منزل تک پہنچ جائے- جہاں یہ داغ عبدیت تاج خلافت کا سب سے آبدار موتی نظر آنے لگتا ہے اس لئے اسے صرف سمجھایا نہیں گیا بلکہ عملی طور پر بھی ایسی ٹریننگ دی گئی جس کے اثر سے تدریجاً اس کی فطرت اطاعت و محبت کی خوگر ہوتی چلی جائے- سب سے پہلے مولیٰ حقیقی نے اپنے ایسے ایسے خوبصورت نام بتائے جن میں حسن و خوبی کا جلوہ بھی ہے اور حکومت و سلطنت کا دبدبہ بھی اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ان ناموں سے اسے پکارا کریں- اس کا نتیجہ نفسیاتی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ اس کے حسن و جمال کا بے کیف و بے مثال نقش ہمارے دل پر جمتا چلا جائے اسی کے ساتھ اس کی بے پناہ قدرت و طاقت کا تسلط بھی قلب پر چھاتا چلا جائے اور ان اسماء کے لحاظ سے عبادات میں یہ تقسیم کر دی کہ کچھ عبادتیں تو وہ رکھیں جو اس کی حکومت کا سکہ دل پر قائم کریں اور کچھ وہ جو اس کا جذبہ محبت جڑ کائیں- اب اگر تم ذرا غور کرو گے تو اسلام کی عبادت میں نماز اور زکوٰۃ تمہیں پہلی قسم میں نظر آئیں گی اور روزہ و حج دوسری قسم میں- نماز و زکوٰۃ میں تمام تر بارگاہ سلطنت و حکومت کا ظہور ہے اور روزہ و حج میں سرتا سر محبوبیت و جمال کا جلوہ- نماز کیا ہے حاضری کے ایک عام نوٹس کے بعد لباس و جسم کی صفائی' اس کے بعد کورٹ کی حاضری کے لئے تیاری' وکیل کا انتخاب' پھر کورٹ میں پہنچ کر دست بستہ باادب قیام' دائیں بائیں دیکھنے' بات چیت کرنے' کھانے پینے' حتیٰ کہ بلاوجہ کھانسنے اور نظریں اٹھانے تک کی ممانعت' آخر میں بذریعہ وکیل درخواست پیش کرنا پھر باادب سلام کر کے رخصت ہو جانا- زکوٰۃ پر غور کیجئے تو اس میں بھی غلام کی طرح اپنی کمائی دوسرے کے حوالہ کر دینا' سرکاری ٹیکس وصول کرنے والے آئیں تو ان کو راضی کر کے واپس کرنا' اور جو وہ لینا چاہیں بے چون و چرا ان کے سپرد کر دینا- ؒ.....

www.besturdubooks.net

يُغْنِيْنَ عَنْهُ شَيْئًا حَتّٰى يَأْتِيَ بِهِنَّ جَمِيْعًا الصَّلٰوةُ وَ الزَّكٰوةُ وَ صِيَامُ رَمَضَانَ وَ حَجُّ الْبَيْتِ. (مسند احمد) کرے وہ اس کے لیے کچھ مفید نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ سب نہ کرے۔

(رواہ احمد و الحدیث مرسل و رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمارۃ بن حزم و فی اسنادہ ابن لهيعة ايضا و قد ضعفوه)

ﷺ .... اب سوچو کہ اگر پانچ وقت اس طرح حاضری اور اتنی عاجزانہ جبہ سائی کی تابعمر ٹریننگ حاصل کی جائے پھر سال بھر میں اپنا کمایا ہوا مال ایسی خاموشی اور بیچارگی سے سپرد کیا جائے تو کیا اس ذات کے ملکوت و جبروت کا نقش دل پر قائم نہیں ہوگا۔ جس کے پرشوکت اسماء پکارتے پکارتے اور یہ عاجزانہ عبادتیں کرتے کرتے عمر بسر ہوگئی ہے دوسری طرف اگر غور کرو تو محبت کا پہلا اثر کم خفتن' کم گفتن' کم خوردن ہی ہوتا ہے اس لئے اگر پہلے ہی قدم میں یہاں کوئی عاشق نہیں ہے تو یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس جمیل مطلق کی محبت کی عاشقانہ ادائیں ہی اختیار کرے' کھانا' پینا ترک کرے' راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی نیند خراب کرے اور ایک جگہ جمع ہو کر اس کلام کی ایک معقول مقدار سنا کرے جسے سن کر مردہ روحیں بھی تڑپنے لگتی ہیں۔ اگر ایک ماہ کی اس ٹریننگ سے اس کے رنگ ڈھنگ' طور وطریق میں کچھ عاشقانہ انداز پیدا ہوگیا ہے تو اب اس کو دوسرا قدم اٹھانا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جب کھانے' پینے' سونے' جاگنے اور دنیا کے دوسرے لذائذ میں اس کے لئے کوئی لذت نہیں رہی تو اس کو اب کوئے یار کی ہوا کھانا چاہیے۔ یہاں زیب وزینت' ترک و احتشام درکار نہیں بلکہ سرتا سر ذل و افتقار' ہمہ تن عجز وانکسار' شکستہ حال و اشکبار' برہنہ پا وجاں نثار' غرضیکہ سرتا پا دیوانہ وار بن کر چلنا مقصود ہے' یہی احرام کا خلاصہ ہے۔ پھر لق ودق میدانوں کی صحرانوردی اور لیلائے حقیقت کے سامنے چیخ و پکار یہی تلبیہ اور میدان عرفات کا قیام ہے۔ اس کے بعد ایک ایسے گھر کے سامنے حاضری ہوتی ہے جس کا مکین کوئی نہیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے حسن و جمال کی کرنیں اس کے ہر ہر پتھر سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور دلہائے عشاق کو پاش پاش کئے دیتی ہیں۔ ایسے دل کش نظارہ کے موقعہ پر بے ساختہ وہی فرض ادا کرنا پڑتا ہے جو مجنوں نے دیار لیلیٰ کو دیکھ کر ادا کیا تھا اسی کا نام طواف ہے۔ شاید صوم وحج کے اسی ربط کی وجہ سے ماہ رمضان کے بعد ہی حج کے ایام شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جذبہ محبت اس سے بھی آگے ترقی کر جائے تو آخری منزل جہاد ہے۔ یہ عشق ومحبت کی وہ آخری منزل ہے جہاں پہنچ کر محب صادق اور مدعی کاذب نکھر جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاد کی ایک حکمت یہ بھی بتائی گئی ہے' اس میدان سے جو بھاگ گا وہ اس لائق نہیں سمجھا جاتا کہ پھر خدا اور رسول کی محبت کا دم بھر سکے اور جس نے ذرا کوئی کمزوری دکھائی اس پر پھر بیوفائی کا دھبہ لگے بغیر نہیں رہتا۔ اس میدان کا مرد صرف وہ ہے جو اپنی موت کو اپنی زیست پر ترجیح دیتا نظر آئے۔ دشمن کی تلوار کی چمک اس کو اتنی محبوب ہو جائے کہ سو جان سے اسے گلے لگانے کی آرزو ہو اور وہ بڑے جذبہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا خدا کی راہ میں قربان ہو جائے۔

عمریست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار ورسن را

یہ وہ عاشق صادق ہے کہ جب اس طرح پروانہ وار اپنی جان دے دیتا ہے تو قرآن کو اسے مردہ کہنے پر غیرت آتی ہے' وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ زندہ ہے اگرچہ تمہیں اس کی زندگی اور اس زندگی کے مقام بلند کا شعور نہیں۔

مولانا مرحوم کے اس نقشہ کے مطابق نماز اور زکوٰۃ' روزہ اور حج کا علیحدہ علیحدہ ربط واضح ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چاروں عبادتیں اس تصور سے ادا ہوتی رہیں تو ممکن نہیں کہ اطاعت ومحبت کی دونوں شانیں جو ایک عبد کے لئے مطلوب ہیں پیدا نہ ہو جائیں' ہمارے ﷺ ....

www.besturdubooks.net

اوثق عری الایمان

(۲۵۰) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدْرُوْنَ اَىُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ قُلْنَا الصَّلٰوةُ قَالَ الصَّلٰوةُ حَسَنَةٌ وَ لَيْسَتْ بِذَاكَ قُلْنَا الصِّيَامُ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ حَتّٰى ذَكَرْنَا الْجِهَادَ فَقَالَ مِثْلَ

اسلام میں سب سے مضبوط عمل

(۲۵۰) براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو ایمان میں سب سے مضبوط عمل کون سا ہے؟ ہم نے عرض کیا نماز- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نماز کا تو کیا کہنا ہے لیکن اس کا دائرہ دوسرا ہے ہم نے عرض کیا تو پھر روزے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی یہی فرمایا یہاں تک کہ ہم نے جہاد کا نام لیا تو اس پر بھی

لله .... فقہاء نے بھی بڑی حد تک اس کو سمجھا ہے اور شاید اسی لئے قضا نمازوں کی ترتیب ساقط ہونے کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ پوری پانچ نمازیں قضا ہو جائیں بظاہر ایک دن کی پانچ نمازوں میں کوئی ایسا ربط پنہاں ہے کہ یہ پانچ گویا ایک ہی نماز ہے اور اسی لئے اگر کسی شخص کی چار نمازیں فوت ہو جائیں تو اسے ان کو بالترتیب قضاء کرنا چاہئے شافعیہ نے حالت سفر میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی اجازت دی ہے مگر یہ اجازت نہیں دی کہ پانچ میں سے جن دو کو چاہے جمع کر لے بلکہ صرف ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کرنا تجویز کیا ہے- شاید یہ بھی ان نمازوں کے کسی معنوی تناسب پر مبنی ہے- قاضی ابوالولید الباجی جملۂ حدیث "وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سلف ظہر کے بعد عصر اور مغرب کے بعد عشاء کا انتظار کیا کرتے تھے وجہ بھی شاید اسی ربط پر مبنی تھا- روزے کے باب میں جنون کے پورے ماہ یا اس کے کسی ایک حصہ میں ہونے کی بحث بھی شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے- پورے ایک ماہ کے روزوں کو بظاہر کوئی معنوی ربط حاصل ہے- ماہ رمضان کی تین عشروں پر تقسیم بھی ہر عشرہ کے کسی معنوی ربط کا پتہ دیتی ہے اور آخر عشرہ کی اکائیوں میں بھی شاید کوئی ایسی خصوصیت پنہاں ہے کہ لیلۃ القدر ان ہی میں رکھی گئی ہے- بہر حال جب حوادث عالم کی بکھری ہوئی کڑیاں بھی کسی اندرونی نظام کے ماتحت رونما ہوتی ہیں تو پھر احکام شریعت کو اتنا بے ربط کیوں سمجھا جائے اس موضوع پر غور کرنے کے لئے طبعی دلچسپی کی ضرورت ہے- فرصت نکالئے اور ان موتیوں کے حاصل کرنے کے لئے حدیث و قرآن کے سمندر میں غوطہ لگایئے گوہر مقصود مل جائے گا- دریا کے کنارے کھڑے ہو کر صرف تمسخر اور استہزاء کرنا علم کا راستہ نہیں-

(۲۵۰) ✱ حدیث و قرآن میں فرائض و ارکان کو زیر بحث لایا ہی نہیں گیا- ان کی اہمیت تو اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے- ہاں وہ اعمال جو کہ سب سے ارکان قرار نہیں دیئے گئے- لیکن بہ حقیقت رکنیت کا مقام رکھتے ہیں ان کو اس لیے ابھارا جاتا ہے کہ عام نظریں ان کا شمار ارکان اسلام میں نہ دیکھ کر کہیں ان اعمال کو نظر انداز نہ کر دیں ہمارے خیال میں یہ اعمال اکثر وہ ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ہے- بعض اجتماعی عمل اتنے اہم ہوتے ہیں کہ بہت سے انفرادی فرضوں کی ادائیگی ان اعمال پر موقوف ہوتی ہے- اس لحاظ سے ان کا اپنا مقام دیکھا جائے تو اگرچہ اس کی حیثیت فرض و رکن کی نہیں ہوتی- لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ارکان اسلام کے لیے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کا مرتبہ وہ ہوتا ہے جو قالب کے لیے قلب کا اور جسم کے لیے روح کا- از انجملہ خدا کے لیے محبت و عداوت کا عمل ہے- احادیث میں اسلام کے اس شعبہ کو کمال ایمانی کی علامت قرار دیا گیا ہے- فضیلت اسلام کی حدیثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جنت میں جانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک باہمی محبت پیدا نہ ہو جائے- اب محبت سے مراد یہی پر خلوص محبت ہے- مسلمانوں تله ...

www.besturdubooks.net

ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ اَوْثَقُ عُرَی الْاِیْمَانِ الْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ وَ الْمُعَادَاۃُ فِی اللّٰہِ وَ الْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ. (اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس و الطیالسی عن البراء)

آپ نے وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد کہا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ خدا ہی کے لیے دوستی اور خدا ہی کے لیے دشمنی' اسی کے نام پر محبت اور اسی کے نام پر بغض رکھنا۔

(طبرانی' مسند ابوداؤد طیالسی)

●●●

۞.... کا تنہا یہ عمل ان کے تمام دین کے ارکان کی ادائیگی میں جتنا مدد و معاون ہو سکتا ہے ظاہر ہے نماز سے لے کر جہاد تک معاملات سے مسائل امامت و سیاست تک کون سا شعبہ ایسا ہے جس میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت یعنی جہاد تو درحقیقت اسی کے مجموعہ کا نام ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہی وہ عروہ وثقیٰ ہے جو بہت سے اجتماعی امراض کا علاج اور بہت سے امراض سے تحفظ کا واحد سبب بھی ہے۔ حدیثوں میں مختصر مختصر ایسے اعمال بتا دیے گئے ہیں جو امت امیہ کو اجتماعی اور انفرادی زندگی کی پیچیدگیوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور جب یہ پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوتیں تو بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ عبادت رب العالمین ادا کرنے کی فرصت میسر آ جاتی ہے لیکن جب ان اعمال کو ترک کر دیا جاتا ہے تو زندگی کا ہر شعبہ ایسا پر پیچ بن جاتا ہے کہ انسان عبادت خداوندی کی بجائے صرف ان کے سلجھانے کے مشغلہ میں ہی پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہاں اس سے زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الایمان کلما ازدادت علاقته بالغیب کان افضل

ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوا اتنا ہی فضیلت کا موجب ہے

امام راغبؒ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والغیب فی قوله تعالیٰ ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ ما لا یقع تحت الحواس و لا تقتضیه بداهة العقل و انما یعلم بخبر الانبیاء علیهم السلام۔"

غیب کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آیت یؤمنون بالغیب میں غیب کا اطلاق ان چیزوں پر کیا گیا ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے معلوم ہوئی ہیں۔ ذیل کی آیتوں میں غیب کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۱) وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (ھود:۱۲۳) — آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

(۲) اَطَّلَعَ الْغَیْبَ. (مریم:۷۸) — کیا اسے غیب کی باتوں کی خبر لگ گئی ہے۔

(۳) لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا. (الجن:۲۶) — اللہ تعالیٰ اپنی غیب کی باتوں پر کسی کو قابو نہیں دیتا۔

(۴) لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ. — غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۵) وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ .(آل عمران:۱۷۹) — بھلا تم اس قابل کب ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی غیب کی باتوں کی بلاواسطہ خبر دے۔

(۶) عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (المائدۃ:۱۰۹) — اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔

(۷) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. (الانعام:۵۹) — غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس لیے غیب کا علم بھی صرف اسی کو ہے۔

(۸) وَ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ. (الاعراف:۱۸۸) — اگر میں غیب کی سب باتیں جانتا تو ساری بھلائیاں اپنے لیے جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہ سکتی۔

(حالانکہ میری زندگی شاہد ہے کہ نہ خیر کے تمام خزانے میرے ہاتھ میں ہیں اور نہ میں حوادثِ عالم سے مستثنیٰ ہوں)

یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ خدا پرست اور مادہ پرست۔ مادہ پرست تمام عالم کو صرف اپنے دائرۂ محسوسات میں محدود تصور کرتا ہے اس کے نزدیک کسی اور عالم بالا کا تصور صرف ایک وہم پرستی یا مذہبی خوش اعتقادی سے زیادہ نہیں ہوتا اس لیے وہ دعوت انبیاء علیہم السلام میں جب کسی ماوراءِ محسوساتِ عالم کا تذکرہ سنتا ہے تو بیساختہ اس کا تمسخر اڑانے کو تیار ہو جاتا ہے اس کے نزدیک جب عالم غیب کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو اس پر ایمان لانا بھی بے معنی ہے وہ اس

www.besturdubooks.net

ایمان کی حقیقت صرف ایک جہل یا جبری انقیاد سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ایسے ایمان سے نہ تو نفس انسانی میں کوئی ارتقائی تحریک ابھر سکتی ہے اور نہ اس میں اعمال صالحہ اور ملکات حسنہ کا کوئی ذوق پیدا ہوسکتا ہے۔

دوسری قسم خدا پرستوں کی ہے ان کے نزدیک موجودات کو دائرۂ محسوسات میں محدود سمجھنا ہی ایک بنیادی غلطی ہے جب عالم محسوسات میں بھی بہت سی چیزوں کا یقین ہمیں صرف مؤرخین اور جغرافیین کے بیانات ہی پر کرنا پڑتا ہے اور صرف اس بنا پر ان سے انکار کر دینا صحیح نہیں ہوتا کہ ہم نے بچشم خود ان کو نہیں دیکھا تو پھر ان ماوراء محسوسات عالم کا انکار کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جن کو اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا لیکن انبیاء علیہم السلام کی آنکھوں نے ہم سے زیادہ تحقیق کے ساتھ ان کو دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے نہ یہ کہ تحت الحس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے خدا پرست جماعت انبیاء علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سمجھتی ہے اور یہی تصدیق و اذعان ان کے ایمان کی ساری قیمت ہوتی ہے۔ اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ان کا ایمان بے قیمت ہو۔

غیر معقول اور غیر مدرک کا فرق ٭ مادہ پرستوں کو یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ وہ غیر معقول اور غیر مدرک میں فرق نہیں کرتے عالم غیب غیر مدرک تو ہے مگر غیر معقول نہیں۔ غیر معقول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل انسانی اس کو محال سمجھتی ہو یا اس کی تکذیب کرتی ہو۔ اب آپ غور کیجئے کہ ایمان کے اجزاء کیا ہیں اور ان میں کون سا جزء ایسا ہے جس کو محال اور خلاف عقل کہا جاسکتا ہے کیا ایک خالق کا وجود' کیا رسول کی رسالت' کیا خدا کی کتابیں' اس کے فرشتے' اس کی تقدیر اور ثواب و عذاب کے لیے دائمی مستقر۔ فرمایئے کہ غیب کے اجزاء ان کے سوا اور کیا ہیں۔ پھر ان باتوں میں کون سی بات ایسی ہے جو عقل کے نزدیک محال ہے۔ ہاں یہ حقائق ان حواسِ خمسہ کے احساس سے بالاتر ضرور ہیں مگر کیا یہ بات کوئی اصول موضوعہ میں داخل ہے کہ جو بات ہمارے ادراک یا مشاہدہ سے بالاتر ہو اس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ درآنحالیکہ ہمارے آلات ادراک سے زیادہ قابل وثوق آلات اس کا ادراک کر رہے ہوں۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فان الانبیاء علیهم السلام یخبرون الناس بما تقصر عقولهم عن معرفته لا بما یعرفون انه ممتنع فیخبر ونهم بمحاورات العقول لا بمحالات العقول. (الجواب الصحیح ج ۱ ص ۳۷۷)

اب رہا یہ سوال کہ اس بے دلیل انقیاد کا اثر نفس انسانی پر کچھ ہوتا ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ صحابہ کے وہ انقلابی کارنامے کریں گے جن کو تاریخ نے ارتقاء انسانی کی اساس و بنیاد قرار دے دیا ہے۔ ارتقائی زندگی کی جو مسافت مادہ پرستوں نے کبھی سالوں میں طے کی تھی وہ ان خدا پرستوں نے چند لمحات میں طے کر ڈالی ہے اسی لیے قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی عملی زندگی کا نقشہ بھی کھینچنا ضروری سمجھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ایمان بالغیب ایسا ایمان نہیں تھا جس کی سطح پر عمل صالح کا کوئی بلبلہ بھی اٹھتا نظر نہ آتا۔ بلکہ وہ ایک ایسا طوفان خیز سمندر تھا جس میں اقامت صلوٰۃ' ایتاء زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی موجوں کا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

www.besturdubooks.net

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰـھُمْ یُنْفِقُوْنَ. (البقرۃ: ۳) جولوگ یقین رکھتے ہیں بے دیکھی باتوں پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے دیا ہے اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں.

اقامت صلوۃ سے ان کی بدنی عبادت کے کمال کی طرف اشارہ تھا اور انفاق فی سبیل اللہ سے ان کی مالی قربانی کی طرف جس ایمان کے نتیجہ میں نفس انسانی میں جانی و مالی قربانی کی یہ اسپرٹ پیدا ہو جائے اس کو بے اثر اور خشک ایمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو دو قسم کے علوم لے کر تشریف لاتے ہیں ایک وہ جو صرف ان کی ضمانت وصداقت کے اعتماد پر بے چون وچرا تسلیم کر لیے جائیں وہ سرتاسر معقول ہی معقول ہوتے ہیں اگرچہ عقل انسانی بدیہی طور پر ان کا ادراک نہ کر سکے دوسرے علوم وہ ہوتے ہیں جو ہمارے ادراک و احاطہ عقل میں بھی داخل ہیں۔ ان میں اجتہاد و استنباط کی بڑی حد تک اجازت دی جاتی ہے بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل حسب ضرورت خود پھیلا لیں۔ قرآن کریم نے گذشتہ اقوام کے تذکرے اور تاریخ کے عبرت آموز واقعات اسی لیے بار بار دہرائے ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر آئندہ زندگی میں پوری بصیرت کے ساتھ چلنے کا سلیقہ آ جائے۔ دین کے اس حصہ پر غور وخوض کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس حصہ کی معقولیت اور گہرائی کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے دوسرے حصہ کی معقولیت کا یقین خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے محکمات و متشابہات کی تقسیم بھی اسی اصول پر قائم کی ہے اور راسخین فی العلم کی یہی علامت مقرر کی ہے کہ جب وہ آیات متشابہات پر گذریں تو (ان کی مرادیں معلوم کرنے کی بجائے) ان کے سامنے عجز واعتراف کا سر جھکا دیں اور اس کا نام جہل اور جمود نہیں رکھا بلکہ رسوخ فی العلم رکھا ہے اس کے برخلاف ان کی مرادوں کے درپے ہونے کا نام علم اور تحقیق نہیں رکھا بلکہ زیغ اور فطرت کی کجی قرار دیا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت آپ احادیث نبویہ پڑھتے جائیے اور عالم غیب کے مباحث کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد و وثوق پر تسلیم کرتے چلے جائیے۔ ھٰذا صراطٌ مُّستقیمٌ فَاتَّبِعُوْہُ.

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جب کہ عالم غیب پر ہو ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ﴾ (الحدید: ۲۵) یعنی دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید بن دیکھے کون کون کرتا ہے''۔ خدا کے مقدس فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے تو ان کا کمال کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ عالم غیب کا ذرہ ذرہ تحت الحجاب ہو اس پر اس کی تائید ونصرت میں وہ سرگرمی ہو جو عین مشاہدہ میں ہوتی یہ ہے وہ ایمان جو ملائکۃ اللہ کے لیے بھی قابل رشک ہے ان کا ایمان، ایمان بالغیب نہیں یہ ایمان ہمارا نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکلیفاتِ شرعیہ کا بار ڈالنے کے لیے قدرت نے اپنے اور انسان کے درمیان ایک حجاب غیب ڈال دیا ہے جس کے بعد جنت ودوزخ اور خدا کے فرشتے تو درکنار خود خالق کا بدیہی وجود بھی عالم غیب میں شامل ہو کر رہ گیا ہے۔ قیامت میں یہ حجاب غیب اٹھا دیا جائے گا اور اسی لیے تکلیفاتِ شرعیہ کا دائرہ بھی ختم ہو جائے گا

www.besturdubooks.net

نہ عالم کے وجود سے قبل انسان مکلّف تھا نہ عالم کے فنا کے بعد مکلّف رہے گا- دائرۂ تکلیف صرف غیب کی تاریکی تک محدود ہے- اسی عارضی حجاب نے عالم غیب کو نظری بنا رکھا ہے ورنہ جو آج نظری ہے وہ کل یقینی تھا اور قیامت کے بعد پھر یقینی بن جائے گا موجودہ تردد وانکار جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس حجاب غیب کا ثمرہ ہے- انبیاء علیہم السلام صرف اس لیے آتے ہیں کہ جو کچھ اس حجاب غیب کے ماوراء ہے اس کو بتادیں- اسی لیے ان کی حیثیت صرف ایک مبلغ اور مذکر کی ہوتی ہے- نہ غیب کے علوم حاصل کرنے میں وہ خود دماغ سوزی کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں پھر جو علوم ازخود قدرت ان پر فائز کردیتی ہے ان کو وہ کسی بخل کے بغیر سب کو سکھا دیتے ہیں ﴿وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾ (التکویر:۲۴) جو دلائل کی پرخار وادی میں گرفتار ہے وہ بحث زیادہ کرتا ہے اور عمل کم گویا مشقت سفر زیادہ اٹھاتا ہے اور منزل کم طے کرتا ہے- پھر یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا رخ صحیح مقصد کی طرف بھی ہوتا ہے یا نہیں اسلام نے مختصر عمر میں آخرت کی طویل منزل طے کرنے کے لیے یہ تعلیم دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر وقت کی تمام فرصت عمل میں صرف کرڈالے-

یہ بھی زیر نظر رہنا چاہیے کہ اس عنوان کے تحت احادیث کا منشا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے بغیر ایمان لانے والوں کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے یہی ہے کہ اس جماعت کے لیے رسول کی ذات اقدس بھی گویا عالم غیب ہی میں شامل ہوگئی ہے- اور اس حیثیت سے ان کا ایمان اور غیب درغیب بن گیا ہے اس کو جزئی فضیلت کا صرف ایک اسلوب بیان سمجھنا چاہیے- ورنہ دراصل رسول کی ذات کسی حال میں بھی عالم غیب میں شمار نہیں ہوتی وہ قطعی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے- البتہ اس کی رسالت ہر حالت میں عالم غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتی ہے جس پر ایمان لانے میں رسولؐ کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین ہوتی ہے چونکہ اس کی وفات کے بعد یہ مساعدت باقی نہیں رہتی اور صرف عالم غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے اس لیے اس پر ایمان لانا اس جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے اور اسی معنی سے رسول پر ایمان کو ایمان بالغیب کہہ دیا جاتا ہے-

❀❀❀

www.besturdubooks.net

(۲۵۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِيْ وَرَاٰنِيْ مَرَّةً وَّ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِيْ وَ لَمْ يَرَنِيْ سَبْعَ مَرَّاتٍ.

(۲۵۲) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارک باد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارک باد۔ (احمد)

(رواه احمد و ذكره السيوطى فى الجامع الصغير و رمزله بالصحة و نقل العزيزى عن شيخه تصحيحه. و اورد الحافظ السيوطى جميع طرقه فى الجامع الصغير و رمزلها بالحسن)

(۲۵۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ جُلُوْسًا فَذَكَرَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا سَبَقُوْنَا بِهٖ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّ اَمْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَيِّنًا لِمَنْ رَاٰهُ وَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ مَا اٰمَنَ اَحَدٌ قَطُّ اِيْمَانًا اَفْضَلَ مِنْ اِيْمَانٍ بِغَيْبٍ ثم قرأ (الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اِلٰى قوله المفلحون).

(۲۵۳) عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو' پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الٓمّٓ یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں' متقیوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

(هكذا رواه ابن ابى حاتم و ابن مردويه و الحاكم فى مستدركه من طرق عن الاعمش به فى التفسير و قال صحيح عى شرط الشيخين)

ب ترجمان السنہ جلد اول دو حدیثوں کا ایک ہی نمبر (۹۴ الف اور ۹۴ ب) لکھا ہوا ہے اس لیے جلد ثانی کے شروع میں حدیثوں کے نمبروں میں ایک عدد بڑھا دیا گیا ہے اور بجائے ۲۵۱ کے اس کو ۲۵۲ سے شروع کیا گیا ہے۔

(۲۵۲) * مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (دیکھو درمنثور ج ا ص ۲۷)

(۲۵۳) * اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنی سابقیت' دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ ومغازی میں صبر واستقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے فضائل کا ....

www.besturdubooks.net

2

(۲۵۴) عَنْ اَبِی مُحَیْرِیْزٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِی جُمْعَةَؓ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدِّثْنَا حَدِیْثًا سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ اُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا جَیِّدًا تَغَدَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَنَا اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ اَحَدٌ خَیْرٌ مِنَّا؟ اَسْلَمْنَا مَعَکَ وَ جَاهَدْنَا مَعَکَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِکُمْ یُؤْمِنُوْنَ بِیْ وَ لَمْ یَرَوْنِیْ.

(رواه احمد و اخرجه طرقه الحافظ ابن کثیر و اخرجه الحاکم و صححه و لم)

(۲۵۴) ابو محیریزؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو جمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا لو میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہوسکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ (احمد۔ حاکم۔ ابن کثیر)

(۲۵۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ دِدْتُ اَنِّیْ لَقِیْتُ اِخْوَانِیْ قَالَ فَقَالَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اِخْوَانُکَ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَ لٰکِنْ اِخْوَانِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِیْ وَ لَمْ یَرَوْنِیْ.

(رواه احمد و رمزله السیوطی بالصحة و قال العزیزی فی شرحه و اسناده حسن)

(۲۵۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا ہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔

(اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)

ﷺ.... تذکرہ بالکل برمحل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شانِ تواضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سننی گوارا نہ کی اور آئندہ امت کے لیے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کردی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہؓ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرامؓ اس میں بھی بقیہ امت سے پیش گام تھے لیکن رسول کی پرازصدق و صفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لیے اس بزرگ ہستی کو ان کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ (درمنثور میں بعینہ یہ مکالمہ حارث بن قیسؓ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ذکر کیا ہے۔ (دیکھو ج ا ص ۲۶)

(۲۵۵) ✻ یعنی تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انہیں رشتہ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

www.besturdubooks.net

2

(۲۵۶) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِی لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ رَاٰنِیْ بِاَهْلِهٖ وَ مَالِهٖ. (رواہ مسلم)

(۲۵۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

(۲۵۷) عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْجُهَنِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ رَاکِبَانِ فَلَمَّا رَاٰهُمَا قَالَ کِنْدِیَّانِ مَذْحِجِیَّانِ حَتّٰی اَتَیَاهُ فَاِذَا رِجَالٌ مِنْ مَذْحِجٍ قَالَ فَدَنَا اِلَیْهِ اَحَدُهُمَا لِیُبَایِعَهٗ قَالَ فَلَمَّا اَخَذَ بِیَدِهٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ مَنْ رَاٰکَ فَاٰمَنَ بِکَ وَ صَدَّقَکَ وَ اتَّبَعَکَ مَا ذَا لَهٗ قَالَ طُوْبٰی لَهٗ قَالَ فَمَسَحَ عَلٰی یَدِهٖ فَانْصَرَفَ ثُمَّ اَقْبَلَ الْاٰخَرُ حَتّٰی اَخَذَ بِیَدِهٖ لِیُبَایِعَهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ مَنْ اٰمَنَ بِکَ وَ صَدَّقَکَ وَ اتَّبَعَکَ وَ لَمْ یَرَکَ قَالَ طُوْبٰی لَهٗ ثُمَّ طُوْبٰی لَهٗ ثُمَّ طُوْبٰی لَهٗ قَالَ فَمَسَحَ عَلٰی یَدِهٖ فَانْصَرَفَ. (رواہ احمد والدولابی و البغوی و رجالہ من رجال الصحیح)

(۲۵۷) ابوعبدالرحمٰن جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ دو سوار (سامنے سے آتے) نظر آئے۔ جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج قبیلے کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آ گئے تو اس قبیلے کے کئی آدمی اور تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک شخص بیعت کے لیے آپؐ کے قریب آیا جب اس نے آپؐ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپؐ کی زیارت کی' آپؐ پر ایمان لے آیا اور آپؐ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپؐ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لیے آپؐ کا ہاتھ' ہاتھ لیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپؐ کو نہیں دیکھا اور آپؐ پر ایمان لے آیا' آپؐ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا اس کو مبارک ہو' مبارک ہو' مبارک ہو (تین بار مبارک باد دی) اس نے بھی آپؐ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا۔ (احمد)

---

(۲۵۶) * رحمۃ للعالمینؐ کی یہ صرف ایک قدر دانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپؐ نے آنے والی امت کے لیے بھی ایک سامانِ تسلی چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ آپؐ کے شرفِ دیدار سے محروم رہ گئی تو غم نہ کھائے اصل شرافت سے وہ بھی محروم نہیں ہے شرافت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ شرافت دیدار بھی اسی وقت شرافت شمار ہوتی ہے جب کہ اسی رشتہ ایمانی کے ساتھ ہو۔ اسی رشتہ سے صحابہؓ نے میدانِ فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہؓ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بے شک ان کا ایک بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر وہی جذبہ جاں نثاری' اسی نمونہ کے ایثار و قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر اس قسم کی ہمت افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آنے والی امت کے لیے یہ بڑے اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

www.besturdubooks.net

(۲۵۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَيْكُمْ اِيْمَانًا قَالُوْا الْمَلٰئِكَةُ قَالَ وَ مَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ وَ مَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ الْوَحْىُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَىَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا.

(۲۵۸) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابل تعجب ہے؟ انہوں نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپؐ نے فرمایا کیوں انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہمہ وقت حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا آپؐ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپؐ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہوگی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

(قال ابو حاتم الرازی فیه المغیرة بن قیس البصری و هو منکر الحدیث قال الحافظ ابن کثیر و لکن قدروی ابو یعلی فی مسنده و ابن مردویه فی تفسیره و الحاکم فی مستدرکه من حدیث محمد بن ابی حمید و فیه ضعف عن زید بن اسلم عن ابیه عن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم و قال الحاکم صحیح الاسناد و لم یخرجاه و قدروی نحوه عن انس بن مالک مرفوعا و الله تعالٰی اعلم قال الذهبی محمد بن ابی حمید ضعفوه)

---

(۲۵۸) ٭ یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابل تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہہ دیا گیا ہے وہاں بھی اسی تعجب کا اظہار منظور ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہ راست بارگاہ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی متکفل و مربی خود قدرت ہوتی ہے ان کا تعلق عالم غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر براہ راست ہوتا ہے تمہارا معاملہ بھی صاف ہے یعنی عالم غیب اگرچہ بالواسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہ ہو مگر میں عالم غیب کا بالواسطہ ترجمان تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھ کر عالم غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہو۔ اب رہ گئی صرف وہ امت جس کو نہ عالم غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری بصیرت افروز ہستی ہوگی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے وہ ان ہی کو دیکھ کر ایمان لے آئے گی ان کا ایمان اگرچہ نامساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو لیکن قابل تعجب ضرور ہوگا فضیلت کلی گو تمہیں حاصل ہو لیکن ایک جہت سے فضیلت جزئیہ کے حق دار وہ بھی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعالمینؐ کی ساری کی ساری امت قابل غبطہ بن جائے گی۔ کوئی کسی جہت سے اور کوئی کسی جہت سے اس لیے حدیث میں ارشاد ہے میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔ الخ....

www.besturdubooks.net

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَلَسْنَا اِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَوْمًا فَمَرَّ بِهٖ رَجُلٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَانِ رَاَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهِ لَوْ دِدْنَا اَنَّا رَاَيْنَا مَا رَاَيْتَ وَ شَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ فَاسْتُغْضِبَ فَجَعَلْتُ اَعْجَبُ' مَا قَالَ اِلَّا خَيْرًا' ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلٰى اَنْ يَّتَمَنّٰى مَحْضَرًا غَيَّبَهُ اللّٰهُ عَنْهُ لَايَدْرِىْ لَوْشَهِدَهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فِيْهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۲۵۹) عبدالرحمٰن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقداد بن الاسودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص ان کے پاس سے گذرا اور (انہیں دیکھ کر) بولا یہ دو آنکھیں مبارک ہوں جنھوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے۔ خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جو نظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم بھی شرکت کرتے (یہ سن کر) مقداد غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بے چارے نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات کہی تھی (پھر انہیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اُس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر و استقلال کا حال کیا ہوتا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی

☆ .... یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے شروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر آپؐ نے پوچھا' اچھا کوئی مشک ہے لوگ مشک لے آئے اور آپؐ کے سامنے رکھ دی۔ آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہہ گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بلال آواز دے دو کہ لوگ وضو کرلیں۔ اور لوگ تو وضو کرنے میں مصروف ہو گئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی کے پینے کی فکر لگ رہی تھی جب سب لوگ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد اپنے صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے۔ (درمنثور ج ا ص ۲۶)

(۲۵۹) ✽ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے خزانے لٹائے جارہے تھے مگر ان کے لیے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار تھیں۔ العطایا علی متن البلایا۔ اگر وہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ ایثار و قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں۔ اب بعد کی امت کے دلوں میں ان کمالات کی ہوس تو اٹھتی ہے مگر ان قربانیوں کے لیے آمادگی بھی ہے؟ وہ دور ایک ایسا نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی شمار ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم کا دورِ نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا بے شک بڑی نعمت تھی لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں باپ بیٹے سے خاوند بی بی سے جدا ہو رہا ہے اس نازک مرحلہ کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہیے اور اس دور کی تمنا نہ کرنی چاہیے جس میں فضائل کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے۔ یہ رضا بالقضاء کی منزل ہے جو پہنچ جائے وہی ان رموز کو جان سکتا ہے۔ ابتداء عشق کے سوز و گداز رکھنے والے بھلا اس سے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامٌ اَكَبَّهُمُ اللّٰهُ عَلٰی مَنَاخِرِهِمْ فِیْ جَهَنَّمَ لَمْ یُجِیْبُوْهُ وَ لَمْ یُصَدِّقُوْهُ اَوَلَا تَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ اِذْ اَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُوْنَ اِلَّا رَبَّكُمْ مُصَدِّقِیْنَ لِمَا جَاءَ بِهٖ نَبِیُّكُمْ قَدْ كُفِیْتُمُ الْبَلَاءَ بِغَیْرِكُمْ وَ اللّٰهِ لَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَشَدِّ حَالٍ بَعَثَ عَلَیْهَا نَبِیًّا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فِیْ فَتْرَةٍ وَ جَاهِلِیَّةٍ مَا یَرَوْنَ اَنَّ دِیْنًا اَفْضَلَ مِنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهٖ بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ وَ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَ وَلَدِهٖ حَتّٰی اَنْ كَانَ الرَّجُلُ لَیَرٰی وَالِدَهٗ وَ وَلَدَهٗ وَ اَخَاهُ كَافِرًا وَ قَدْ فَتَحَ اللّٰهُ قُفْلَ قَلْبِهٖ لِلْاِیْمَانِ یَعْلَمُ اَنَّهٗ اِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقَرُّ عَیْنُهٗ وَ هُوَ یَعْلَمُ اَنَّ حَبِیْبَهٗ فِی النَّارِ وَ اَنَّهَا الَّتِیْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ).

(رواه احمد ذكره الحافظ ابن كثیر فی تفسیره و قال اسناده صحیح)

موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا ہے اس لیے کہ انہوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپؐ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے زمانہ میں اپنے ہونے کی تمنائیں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جب کہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے محفوظ رہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ فترت و کفر کے ان سخت سے سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپؐ سے پیشتر اپنے نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جب کہ لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہ تھا اس وقت آپؐ ایک ایسی کتاب لے کر آئے جس نے حق و باطل کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث بھی وہی کتاب بنی۔ یہاں تک کہ ایک شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے لیے کھول دیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ (وہ خود تو مسلمان ہے اور) اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اسی حالت پر مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے یہ پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں گے اس کی آنکھیں بھلا کیسے ٹھنڈی رہ سکتی تھیں۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ (جو لوگ یہ دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما دے)۔ (احمد)

(۲۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْیٰی فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ

(۲۶۰) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لیے جا رہا تھا جب تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا (قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے لیے تو ہم پیدا نہیں کیے گئے ہم تو صرف زمین میں کھیتی کے کام کے لیے پیدا کیے

(۲۶۰) * حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن ایسی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے درمیان مستعمل ہو۔ سر دست ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرما دی۔ گویا آپؐ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپؐ فرما لیں پھر وہ ← ....

www.besturdubooks.net

الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّيْ اُؤْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ مَا هُمَا ثَمَّ وَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِيْ غَنَمٍ لَهُ اِذْعَدَا الذِّئْبُ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِيْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ اُؤْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ مَا هُمَا ثَمَّ.

(متفق علیہ)

گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر از راہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کو دبا لیا۔ مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا اچھا دیکھوں گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا راج ہوگا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہوگا (یہ عالم کی ویرانی کے زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے پھر تعجب سے کہا سبحان اللہ بھیڑیا اور باتیں کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے۔

(متفق علیہ)

؎ ....خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جاں نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا کلام کر لینا عقل کے نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے۔ قیامت سے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی حتی کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندنا اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی شعور پیدا کردے اور ہو سکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرمادے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کر جائے کہ بہائم کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے۔ نباتات بہت دنوں تک غیر ذی روح سمجھے گئے لیکن اب ان کا شمار ذی روح میں ہو گیا ہے۔ ان کی غذا اور صحت و مرض کے مفصل حالات بھی دریافت ہو چکے ہیں تم اپنی بہت محدود معلومات کی بناء پر حیوانات کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو' شاید وہ زمانہ آجائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کر لینا پڑے۔

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور عالم غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو بات ہم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیا علیہم الصلوۃ والسلام ان کی طرف سے اس کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اندازہ کرو کہ جب ان معمولی غیوب پر ان کا ایمان یہ ہو تو اور عالم غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا۔

ایمان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب اور اس کی زبان دونوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے مضطر ہو جائیں۔

www.besturdubooks.net

(۲۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَ لَمَّا اُسْرِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی اَصْبَحَ یَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذٰلِکَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِّمَّنْ کَانُوْا بِهٖ وَ صَدَّقُوْهُ وَ سَعَوْا بِذٰلِکَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالُوْا هَلْ لَکَ اِلٰی صَاحِبِکَ یَزْعُمُ اَنَّهٗ اُسْرِیَ بِهِ اللَّیْلَةَ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ قَالَ لَوْ قَالَ ذٰلِکَ لَقَدْ صَدَقَ قَالُوْا اَوْ تُصَدِّقُهٗ اَنَّهٗ ذَهَبَ اللَّیْلَةَ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ وَ جَاءَ قَبْلَ اَنْ یُّصْبِحَ قَالَ اِنِّیْ اُصَدِّقُهٗ فِیْمَا هُوَ اَبْعَدُ مِنْ ذَالِکَ اُصَدِّقُهٗ فِیْ خَبَرِ السَّمَاءِ فِیْ غَدْوَةٍ اَوْ رَوْحَةٍ فَلِذَالِکَ سُمِّیَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ۔

(رواہ الحاکم)

(۲۶۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس پر صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہوگئے اور یہ قصہ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپؐ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلاشبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کرلیں گے کہ وہ ایک ہی شب میں بیت المقدس جا کر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی ہیں (حالانکہ آسمانوں کی مسافت تو بیت المقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے) اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

الیقین الایمان کله

یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے

(۲۶۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْنَا عَامَ اَوَّلَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَکٰی وَ قَالَ سَلُوا الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَةَ فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا

(۲۶۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زار و قطار رو

---

(۲۶۱) * قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیے گئے ہیں سب سے پہلے نبیین پھر صدیقین اس کے بعد شہداء و صالحین۔ صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لحہ کے لیے بھی کبھی تردد نہیں گزرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کے چمک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپؐ کی تصدیق کی لیکن ابوبکرؓ وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں بوقت طلوع بھی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرتِ مناقب نہیں بلکہ سبقیت ایمان اور دین کے لیے اقدمیت انفاق اموال اور اولیت بذلِ نفس ہے یہ قابل قدر تحقیق ہے۔ (مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۷)

(۲۶۲) * یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے "الیقین الایمان کله" یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں ؎ ....

www.besturdubooks.net

مِنَ الْعَافِيَةِ. (رواه احمد و الترمذی قال المنذری من رواية عبدالله بن محمد بن عقيل و قال حسن غريب و رواه النسائی و احمد من طرق واحد اسانيده صحيح و قد رمز السيوطی لحسنه)

پڑے (پھر کہا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لیے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔

(احمد- نسائی- ترمذی)

(۲۶۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

(۲۶۳) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح

ﷺ.... ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے- مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے اللهم زدنا ايمانا و يقينا و فقها. اے اللہ ہمارے دل میں ایمان' یقین' اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے- جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے- و اقسم لنا من اليقين ماتهون به علينا مصائب الدنيا. اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوریؒ کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے- وہ فرماتے ہیں لو ان اليقين وقع فی القلب كما ينبغی لطارا شتيا قا الی الجنة و هربا من النار. (فتح الباری ج ا ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے- مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفیٰ نے ایک بار یہ آیت پڑھی ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ﴾ (المدثر:۸) (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے-

(۲۶۳) ✱ حضرت شاہ ولی اللہؒ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل و نفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء سمجھی جاتی ہے- (پس فناء ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل و خصائص ہوتے ہیں- یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس- عقل کا اصل خاصہ تصدیق' شک' توہم' اسباب کی تلاش اور جلب منافع' دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے- جب انسانی قلب و جوارح آداب الٰہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیت اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیت کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے' اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں' منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے- ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے عرش رحمٰن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں- (خلاصہ حجۃ اللہ)

امام شعرانیؒ لکھتے ہیں: المومن الكامل صار الغيب عنده كالشهادة فی عدم الريب. (الیواقیت ج ۲ ص ۲۵۷) مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عام شہادت کی برابر ہو جائے- یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آ گئی اس کی عقل کامل ہوگئی اور ﷺ....

www.besturdubooks.net

اَوَّلُ صَلاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْیَقِیْنُ وَ الزُّهْدُ وَ اَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخلُ وَ الْاَمَلُ.
(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔
(شعب الایمان)

؎ .... جس کی عقل کامل ہوگئی اس کے لیے نفس وقلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آپہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نواز دیا جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے۔

غلامی میں کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں　　جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلاتعب حاصل ہوگیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطہ سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔ متنبی کہتا ہے:

تخالف الناس حتّٰی لا اتفاق لهم ☆ الا علی شجب و الخلف فی الشجب

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ☆ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ نور ایمان کی دو قسمیں ہیں:

(القسم الاول) من امن من نظر باستدلال و برهان فهذا لا یوثق بثبات ایمانه لدورانه مع الدلیل و مثل هذا لا یخالط بشاشة نور ایمانه القلوب لا نه لا ینظر الا من خلف حجاب دلیله و ما من دلیل من ادلة اصحاب النظر الا وهو معرض محصول الدخل فیه و القدح و لو بعد حین فلهذا کان لا یمکن صاحب البرهان ان یخالط الایمان بشاشة قلبه للحجاب الذی بینوبینه.

(القسم الثانی) من کان برهانه حین حصول الایمان فی قلبه لامر آخر ضروری و هذا هو الایمان الذی یخالط بشاشة القلوب و لا یتصور فی حق صاحبه شک لان الشک لا یجد محلًا یعمره فان محله الدلیل و ما ثم دلیل فماثم مایرد علیه الدخل و لا الشک.

(پہلی قسم) اس شخص کا ایمان ہے جو دلیل و برہان کی بنیاد پر حاصل ہو۔ یہ ایمان قابل بھروسہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ دلیل کے ساتھ ساتھ گھومتا رہتا ہے (جس طرف کی دلیل واضح ہو جائے) اس قسم کے نور کی تر و تازگی دلوں میں اترا نہیں کرتی' کیونکہ اس کی بصیرت ہمیشہ دلیل ہی کے پس پردہ ہوتی ہے اور دلیل کوئی بھی ہو ایسی نہیں ہو سکتی جس میں شبہ پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو خواہ اب نہ سہی کچھ مدت کے بعد سہی یہی وجہ ہے کہ دلائل پرست کا ایمان کبھی خطرات سے بے خطر نہیں ہو سکتا۔

(دوسری قسم) کا ایمان اس شخص کا ہے جو صرف بداہت پر مبنی ہو یہی وہ ایمان ہے جس کی تر و تازگی دلوں میں سما جاتی ہے اس شخص کے حق میں شک وشبہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شک دلیل میں ہوا کرتا ہے جہاں دلیل ہی نہیں وہاں شک کا وجود بھی نہیں۔

(الیواقیت و الجواهر ج ۲ ص ۲۵۵)

www.besturdubooks.net

عين اليقين امر فوق علم اليقين

عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین کے مرتبہ سے اونچا ہے

(۲۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّکِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ

(۲۶۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہیں (اگر یہ سوال وہ ازراہِ شک کرتے) اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دے

---

(۲۶۴) * محبت وخلوص کی داستانوں کو پڑھنے اور سننے کے لیے رموز محبت سے کچھ آشنائی بھی درکار ہے- لذت محبت سے یکسر بیگانہ انہیں کیا جانے اور کیا سمجھے- یہاں کوئی بدذوق جب ''رَبِّ اَرِنِیْ'' کے ایک انداز ناز کا سوال سنتا ہے تو اس کو اسرار خلت کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے عام انسانوں کے سوالات کی سطح پر سمجھ لیتا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف شک وتردد کی نسبت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس پرخلت کی روشنی میں غور کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں شک وتردد کا کوئی موقعہ ومحل ہی نہ تھا بلکہ اذعان وایقان کے اس جبل عظیم پر جب محبت وخلت کی کیف آور ہوائیں چلنی شروع ہوئیں تو اس فضا میں ناز و نیاز کا ایک سا خود بخود پیدا ہو گیا اور اسی فضاء ناز میں حضرت خلیل علیہ السلام کی زبان اسرار احیاء کا مشاہدہ کرنے کے لیے بے ساختہ متحرک ہوگئی قصہ بہت طویل ہو گیا مگر شاید در پردہ کسی خلیل کو اپنی خلت کی گہرائی معلوم کرنے کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا ادھر قباء خلت پہنانے والے نے یہ قدر شناسی فرمائی کہ صرف ان کے اطمینان خاطر کے لیے اپنی صفت احیاء کا راز پنہاں ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا- ان ہی نزاکتوں اور کج فہمیوں کے پیش نظر قرآن کریم نے از خود ''اَوَلَمْ تُؤْمِنْ'' کا سوال اٹھا دیا تھا اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبانی یہ بات صاف کر دی تھی کہ ان کے سوال کا منشا ضعف یقین نہ تھا بلکہ ربط خلت تھا جس کے بعد ایسے ایسے نازک سوالات کرنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے-

خدا کے اس مقدس رسول کے دامن یقین کو شک وتردد سے پاک وصاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا- دوسرا طریقہ وہ ہے جو حدیث بالا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ فیصلہ خود ان صحابہ کی فہم پر چھوڑ دیا جائے جو آپ کی فیض صحبت سے یقین وایمان کی موجیں اٹھتی ہوئی اپنے سینوں میں مشاہدہ کر رہے تھے وہ سوچیں کہ جب ان کے قلب میں یقین واذعان کا عالم یہ ہے تو اس شمع فروزاں کے قلب میں ایمان و ایقان کا عالم کیا ہونا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلت کے رتبہ بلند سے نواز دیا تھا- اور اپنے نفس کی کیفیات یقین کے اس عینی مشاہدہ کے بعد انہیں یہ سمجھنا بالکل بدیہی ہو جائے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کو شک وتردد سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا- یہ دونوں طریقے اپنے اپنے انداز میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لیے بہت کافی ہیں- مگر آپ کی نسبت ابیت اور شانِ تواضع کے مناسب وہی طریقہ تھا جو ازراہِ ادب آپ نے یہاں اختیار فرمایا یعنی یہ کہ ہم ان کی ذریت اور ان کے متبع ہیں- اگر بالفرض ان سے یہ سوال کسی شک کی بنا پر سرزد ہوتا تو ہم اس شک کے ان سے زیادہ حق دار ہوتے لیکن جب ہمیں کوئی شک وتردد نہیں تو بھلا اس موحد اعظم کو کیا شک وتردد ہو سکتا ہے- علماء نے لکھا ہے کہ سوالِ مذکور کو ایمانیات سے کوئی تعلق ہی نہیں خدا تعالیٰ کی صفت احیاء پر ایمان لانا بے شک ضروری ہے مگر اس کی کیفیات پر ایمان لانا ہرگز ضروری نہیں- قیامت آئے گی اس پر ایمان لانا بے شک واجب ہے لیکن وہ کیسے آئے گی اس پر لانا کوئی ضروری امر نہیں- اس لحاظ سے جو سوال یہاں مذکور ہے وہ جواب وسوال کی دردسری کا محتاج ہی نہیں ہے- حیرت ہے کہ بعض للہ ....

www.besturdubooks.net

اَرِنِی کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ. الحدیث (رواہ مسلم)

کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ ارشاد ہوا اچھا تو کیا تمہیں اس پر یقین نہیں عرض کیا کیوں نہیں (یقین نہ ہوتا تو تجھ سے یہ سوال ہی کیوں کرتا) لیکن مقصد یہ ہے کہ (کیفیات احیاء کا مشاہدہ کر کے) میرا دل اور مطمئن ہو جائے۔

ﷺ... علماء نے اس اہم واقعہ کو صرف چند طیور کو مانوس کرنے اور متفرق کر دینے پھر ان کو جمع کر لینے کی ایک سادہ تمثیل قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا عجیب کرشمہ نہیں ہو سکتا جسے دیکھنے کے لیے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام درخواست کرتے یہ تو دنیا کے ان روزمرہ واقعات میں شامل ہے جنہیں دیکھنے کی نہ تو قلوب میں کوئی حرکت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ان سے صرف ایک طفل تسلی کے سوا کیفیات احیاء کا کوئی اطمینان بخش مشاہدہ نصیب ہو سکتا ہے اس لیے جمہور مفسرین کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چند مختلف پرندے لے کر پہلے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر ان کو باہم آمیز کر کے مختلف مقامات پر ڈال دیں اس کے بعد ایک مقام پر علیحدہ کھڑے ہو کر آواز دیں تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی شکل پر علیحدہ علیحدہ مرتب اور زندہ ہو کر چلے آئیں۔ تحلیل و ترکیب کا یہی وہ نقشہ ہو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی درخواست کی جا سکتی ہے اور یہی وہ حیرت انگیز نظارہ ہو سکتا ہے جس کے بعد علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی بآسانی ممکن ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذعان و یقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان و سکون میسر آ جانا ضروری امر نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہونے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے بجھانے کی تلاش نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے ایمانیات کا جزء شمار نہیں ہوتے اس لیے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ شوق کے سوال اور شک کے سوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ذوق و شوق عین تقاضائے یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے احیاء پر یقین نہ ہو تو کیفیت احیاء کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کر لیجئے کہ اس پر تو ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو کی جو آواز ہم سنتے ہیں یہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر نکل رہی ہے لیکن اس مکمل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ ہمارا یہ سوال ہی اس کی دلیل ہوگا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی یقینی ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتی کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں بڑھ کر خود بارگاہِ جمال کے بے حجابانہ دیدار کے لیے تھا "رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" کون کہہ سکتا ہے کہ محبت و عشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک و تردد کی بو بھی آ سکتی ہے بلکہ سرتا سر یقین ہی اس شوق کا محرک بن رہا تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ایمانیات کی حدود ہیں ان پر تو صرف خدا اور اس کے رسول کے بیان پر یقین لے آنا چاہیے ہاں جو گوشے ایمانیات سے متعلق نہیں ان میں اطمینان کے لیے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتماد ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جا سکتا۔

www.besturdubooks.net

(۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَبَرَ مُوْسٰى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهٗ فِي الْعِجْلِ فَلَمْ يَلْقَ الْاَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوْا اَلْقَى الْاَلْوَاحَ. (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ فی باب بدء الخلق و اخرجہ الحاکم فی التفسیر و رمزلہ الذھبی) (خ م)

(۲۶۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انہوں نے تورات کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو (صبر نہ کر سکے) اور (غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پٹخ دیں۔

(۲۶۶) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍؓ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَاَعْرَضَ وَ اَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَ اَشَاحَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ كَاَنَّمَا يَنْظُرُ اِلَيْهَا و فی رواية فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَ اَشَاحَ بِوَجْهِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ و فی رواية مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ. (رواہ مسلم)

(۲۶۶) عدی بن حاتمؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر فوراً ادھر سے اپنا رخ انور پھیر لیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو۔ پھر اپنا چہرۂ مبارک اس طرح پھیرا جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ گویا آپ اس وقت اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ (دوزخ کا ذکر کر کے) آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنا چہرۂ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہو۔ دوسری روایت میں یہ مضمون یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر دوزخ سے بچ سکے وہ ضرور بچ جائے۔ (مسلم)

---

(۲۶۵) ✽ یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین تو وحی الٰہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن وہ خاص تاثرات و کیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے متعلق ہوتی ہیں ابھی مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہی خبر مشاہدہ میں آ گئی تو اب یہ کیفیات و تاثرات بھی یکلخت ابھر آئیں موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گذرے۔

اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہیے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء پر پورے یقین واذعان کے باوجود اس کی خصوصی کیفیات کے مشاہدہ کی استدعا کرنی بالکل برمحل تھی۔ یہاں شک وتردد کا دخل سمجھنا روزمرہ کے معمولی حالات سے بھی ناواقفی ہے۔ مشاہدہ اور خبر کا فرق فطری ہے اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۱۱۷)

(۲۶۶) ✽ یہاں تو دوزخ کے ایک خاص نظارہ کا تذکرہ تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے عام حالات اور ان کے عام انداز بیان میں بھی جزم و یقین کی کیفیت اس درجہ نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے مخاطبین بھی حسب استعداد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ عالم غیب کی کسی حقیقت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اسی جزم کے ساتھ کرتے ہیں جیسا اپنے مشاہدات کا بلکہ بعض اوقات کسی داعیہ کے ماتحت اس کیفیت میں اس درجہ مستغرق نظر آتے ہیں گویا وہ عالم شہود کی مخلوق ہو کر خود عالم غیب کا جزء بن گئے ہیں اس لیے اس جہان کا تذکرہ اس انداز کے....

www.besturdubooks.net

(۲۶۷) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ عَوْفَ بْنِ مَالِكٍ فَقَالَ كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ ذٰلِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَظْلَفْتُ نَفْسِيْ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَ اَظْمَاْتُ هَوَاجِرِيْ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ وَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتَ اَوْ لُقِّنْتَ فَالْزَمْ. (رواه ابوبكر بن ابي شيبة كما في كتاب الايمان من الرحمة المهداة و راجع معه ترجمان السنه ص ٥٥٦ ايضًا)

(۲۶۷) محمد بن صالح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عوف بن مالک! کہو کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا بفضلہ تعالیٰ سچا اور پکا مؤمن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنالیا ہے۔ شب کو بیدار رہتا ہوں اور دوپہری گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ دار رہتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتادی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا۔

(ابوبکر بن ابی شیبہ)

﴿..... سے کرتے ہیں گویا وہ اس وقت اس میں خود موجود ہیں پھر ان کی اس محفل میں جو داخل ہو جاتا ہے وہ بھی علیٰ قدر النصیب اس نعمت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے ھم القوم لا یشقی جلیسھم امتیوں کے حق میں اس قسم کی کیفیات شاید احسان کی تعریف کے ذیل میں آجاتی ہوں اسی لیے ہم نے حدیث جبرئیل کی ذیل میں عرض کیا تھا کہ جس کو ایمان کا مرتبہ احسان نصیب ہو جاتا ہے اس کو حقائق غیبیہ کا یقین مثل مشاہدات کے حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲۶۷) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم و یقین ہے۔ یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجودِ لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کر کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجودِ ذہنی کہلاتا ہے اور جب رسوخ کے بعد اس میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجود خارجی کہلاتا ہے۔ مرتبہ احسان اسی کا نام ہے۔ ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیاء کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گویا علماء اور عام مؤمنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جد و جہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے۔

www.besturdubooks.net

اذا نشأ قلق فی نفس المؤمن من شدۃ شعورہ بالقدرۃ الازلیۃ و غناء الرب تبارک و تعالٰی فانما ھو اثر الیقین

ربّ العزۃ کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بناء پر جو اضطراب وقتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے وہ یقین کے منافی نہیں

(۲۶۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَ اِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَ خَرَجَ وَ دَخَلَ وَ اَقْبَلَ وَ اَدْبَرَ فَاِذَا مَطَرَتْ سُرِّیَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِکَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا و فی روایۃ وَ يَقُوْلُ اِذَا اُمْطِرَ رَحْمَةٌ. (متفق علیہ)

(۲۶۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے- اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بہتری اور جو بہتری اس میں ہو اور جس بہتری و برکت کے لیے وہ چلائی گئی ہو ان سب کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہو اور جس کے لیے وہ چلائی گئی ہو' ان سب سے تیری پناہ لیتا ہوں- اور جب آسمان پر بادل نظر آتے تو آپ کا رنگ فق پڑ جاتا کبھی باہر تشریف لاتے کبھی اندر جاتے کبھی اس طرف جاتے کبھی اس طرف جاتے' جب بارش ہونے لگتی تب کہیں جا کر آپ سے یہ اضطراب کی کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہؓ آپؐ کے اس اضطراب کو پہچان گئیں اور آپؐ سے اس کا سبب پوچھا- آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ ڈرتا ہوں کہیں یہ بادل ویسے نہ ہوں جیسے قوم عاد نے اپنی وادی کی طرف آتے دیکھے تھے اور کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے لیے بارش لائے ہیں (پھر اس میں عذاب آیا تھا) دوسری روایت میں ہے کہ جب بارش برسنے لگتی تو فرماتے یہ خدا کی رحمت ہے- (متفق علیہ)

(۲۶۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا يَخْشٰی اَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِيَامٍ

(۲۶۹) ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے ڈر رہے تھے کہیں قیامت نہ آ گئی ہو' مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام' رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کی

---

(۲۶۹) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قدسی جس طرح قیامت کی آمد سے مانع تھا اسی طرح کسی شبہ کے بغیر عذاب استیصال سے بھی مانع تھا- لیکن جب کبھی قدرت کی بے پناہ طاقت سے عالم کے کسی جزء میں آپ کو شکست و ریخت کے آثار نظر آنے لگتے تو عالم غیب کے اس مشاہدہ کرنے والے کی نظروں کے سامنے قدرت علی الاطلاق کی ہر آئین سے بالاتر ہونے کا یقین ایسا جلوہ گر ہو جاتا کہ جس کے بعد بشریت کی ضعیف فطرت کو ان دو متصادم یقینوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا حتیٰ کہ جب بارش برس جاتی اور سورج صاف ہو جاتا تو یہ امر منکشف ہو جاتا کہ قدرت نے آپؐ کے وجود کے امن ہونے میں کسی قید و شرط کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور اس لیے امت کی تباہی کے خطرہ سے جو بے چینی آپؐ محسوس کرتے وہ بھی ساتھ ہی رفع ہو جاتی تھی یہ اضطراب کسی تردد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ ایک یقین کے دوسرے یقین کے ساتھ تصادم سے پیدا ہوتا تھا اور جب بصورت توفیق ظاہر ہو جاتی تھی تو یہ تردد بھی زائل ہو جاتا تھا-

www.besturdubooks.net

وَرُکُوْعٍ وَ سُجُوْدٍ مَارَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَ قَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَیٰوتِہٖ وَ لٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَ دُعَائِہٖ وَ اسْتِغْفَارِہٖ۔ (متفق علیہ)

میں نے تو اتنے لمبے قیام ورکوع کرتے کبھی آپ کو نہ دیکھا تھا' نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا یہ انقلابات اللہ تعالیٰ کسی کی موت یا حیوۃ کی وجہ سے پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب اس قسم کے کسی انقلاب کو دیکھا کرو تو اس کی یاد' اس کے سامنے عجز و نیاز اور اس سے استغفار کرنے کے لیے دوڑ پڑا کرو۔

(۲۷۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ وَ ھُمْ اَلْفٌ وَ اَصْحَابُہٗ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَ تِسْعَ عَشَرَ رَجُلًا فَاسْتَقْبَلَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَۃَ ثُمَّ مَدَّ یَدَیْہِ فَجَعَلَ یَھْتِفُ بِرَبِّہٖ مَادًّا یَدَیْہِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی

(۲۷۰) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مشرکین کی تعداد ایک ہزار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صرف تین سو انیس تھی یہ دیکھ کر اسی وقت آپ روبقبلہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چیخ چیخ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنی شروع کی اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا اب وہ پورا کر۔ اے اللہ اگر اسلام کی اس مختصر جماعت کو تو ہلاک کر دے گا تو اس زمین پر تیری عبادت اور کون کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہاتھ پھیلائے ہوئے اسی طرح چیخ چیخ کر دعا

---

(۲۷۰) ✻ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امت کے غم میں آپ کی اس مشقت و بے چینی کو دیکھ دیکھ کر گھلے جا رہے تھے' انہیں اس بار کا بھلا کیا اندازہ ہو سکتا تھا جو ایک کمزور جماعت کی فتح و نصرت کے ذمہ دارانہ وعدہ سے آپ محسوس فرما رہے تھے ان کے سامنے صرف آپ کے اضطراب و سکون کا ایک مسئلہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اپنی مشقت کے بعد اس مختصر جماعت کی فناء و بقاء کا مسئلہ تھا۔ اس لیے یہ امت کا غم کھانے والے کی موجودگی میں بے غم نظر آ رہے تھے اور امت کا غم کھانے والا نقشہ جنگ دیکھ کر مضطرب نظر آ رہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت اور بے نیازی کا اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر علم میں کسی نہ کسی کوتاہی کی تاویل کا تصور کر سکتے ہیں مگر قدرت علی الاطلاق کے متعلق کسی قید و عجز کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کا تردد اسباب کی موافقت یا ناموافقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ جو اضطراب و بے چینی ان کو لاحق ہوتی ہے وہ صرف حق تعالیٰ کی بے نیازی اور اس کے غیر متناہی شئون کے نظارہ سے لاحق ہوتی ہے۔ دیکھو جنگ حنین شروع ہوئی تو اسباب کی ناموافقت سے آپ ذرا متاثر نہ ہوئے بلکہ نقشہ جنگ جتنا بدلتا گیا۔ رسول خدا کا عزم و ثبات اور آپ کو اپنی فتح و نصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پڑ گیا کہ آپ کے ساتھ قدم جما کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسول اب سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور بڑے جزم و یقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب ۔

''میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پھر جنگ بدر کے شروع ہونے سے قبل آپ کا اضطراب اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بناء پر تھا کہ اگر للہ .....

www.besturdubooks.net

الْاَرْضِ فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهٖ مَادًّا يَدَيْهِ حَتّٰى سَقَطَ رِدَاءُهٗ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ فَاَخَذَ رِدَاءَهٗ فَاَلْقَاهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ الْتَزَمَهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَاِنَّهٗ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِيْنَ مَا اَمَدَّهُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ...﴾ (رواہ مسلم)

مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر نیچے گر پڑی - ادھر سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر ڈال دی اور پیچھے کی جانب سے آ کر آپؐ کو چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس اب آپؐ اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو وعدہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہو گئی - ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِيْنَ مَاعَدَهُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ......﴾

المؤمن لا تصدر عنه المعصية و قلبه ممتلئ بالايمان و اليقين

مؤمن کا قلب جب تک نورِ ایمان ویقین سے منور ہوتا ہے اس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا

(۲۷۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِى الزَّانِىْ حِيْنَ يَزْنِىْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ

(۲۷۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - زنا کرنے والا شخص بحالتِ زنا مؤمن نہیں ہوتا

☆.... قدرت نے ان کی فتح ونصرت میں کہیں کوئی قید وشرط ملحوظ رکھ لی ہو اور اس لیے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو نبی کو غم یہ ہے کہ اس کا مشن تو ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت وغرض پورا ہونے کی اور صورت کیا ہوگی - علماء نے لکھا ہے کہ آپؐ کے ان دعائیہ فقروں میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہوگئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے آ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت اور بنالی لیکن چونکہ اب وہ نبی آ چکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس لیے اگر اب کی بار پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ختم کر دی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا اور چونکہ عالم کی غایت وغرض عبادت ہے اور اس کا پورا ہونا بلاشبہ ضروری ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز وزاری کے موقعہ پر الحاح کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھے یعنی یہ کہ اول تو فتح ونصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کے غایت وغرض کی تکمیل بھی اس مختصر جماعت کی بقاء پر موقوف ہے - یہ ہر دو سبب تیری فتح ونصرت کے نزول کے لیے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں - جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے فارغ ہوگئے اور اجابت دعا کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تو پھر آپؐ ہی تھے جن پر مسرت وخوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے - راوی بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ مسرور تھے کہ آپؐ کی مسرت کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے -

(۲۷۱) ٭ معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا - اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا - یہ نور ایمان کا وجود یعنی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لیے ☆....

www.besturdubooks.net

3 وَ لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِيْ عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هٰؤُلَاءِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَقُوْلُ وَ كَانَ اَبُوْهُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (رواه البخاري و مسلم و في طريق و التوبة معروضة بعد)

اور چور بھی بحالتِ چوری مؤمن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مؤمن نہیں ہوتا- ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مؤمن ہوتا ہے جب کہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہوکر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے-

(بخاری و مسلم)

(۲۷۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الْعَبْدُ حِيْنَ يَزْنِيْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَشْرَبُ حِيْنَ يَشْرَبُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَقْتُلُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْاِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ

(۲۷۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مؤمن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مؤمن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مؤمن نہیں ہوتا- عکرمہؒ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا- اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی

ﷲ.... انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کرڈالا- پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہوگا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے- انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لیے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح و ذم کے موقعہ پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہیے- آیت "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" میں بھی مشرکین کے لیے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے- اس لیے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کیے- (دیکھو بدایۃ المجتہد لابن رشد)

(۲۷۲) ٭ امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو "باب الزنا و شرب الخمر" میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے- و عن ابن عباسؓ ينزع عنه نور الايمان في الدنيا- حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کر دیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا- پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے- حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کرلیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کردیا جاتا ہے- طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مؤمن کا ایمان زائل ہوجاتا ہے- حضرت ابوجعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرۂ ایمانی سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے- گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ ﷲ....

www.besturdubooks.net

ثُمَّ اَخْرَجَهَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَيْهِ هٰكَذَا وَ شَبَّکَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًّا وَ لَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِيْمَانِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ.

انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کر لیا- اگر اس کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آ جاتا ہے- (یہ کہہ کر) پھر انگلیاں ملا لیں- امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکابِ معصیت کی حالت میں بندۂ مؤمن کامل نہیں رہتا اور اس کا نورِ ایمانی نکل جاتا ہے-

(۲۷۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَازَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ وَ كَانَ كَالظُّلَّةِ فَاِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ. (رواه الحاكم في المستدرك ص ۲۲ قال الذهبي على شرط الشيخين)

(۲۷۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے- جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے-

(مستدرک)

(۲۷۴) عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَنٰى وَ شَرِبَ الْخَمْرَ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِيْمَانَ كَمَا يَخْلَعُ الْاِنْسَانُ الْقَمِيْصَ مِنْ رَأْسِهٖ. (رواه الحاكم في المستدرك ص ۲۲)

(۲۷۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسا انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے-

(مستدرک)

لـــه .... اسلام سے بلندتر ہے- امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابونصر نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے- امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مؤمن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے- ایک مرتبہ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مؤمن نہیں تو فرمائیے اسے اور کیا کہیں؟ امام کو یہ سوال ناگوار گذرا- اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مؤمن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا- سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہو جاتا ہے- (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۲۶۰)

(۲۷۳) ❋ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے- ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں. انـه كـان يـقـول انـمـا الايمان كثوب احدكم يلبسه مرة و يخلعه اخرى. ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے- (کتاب الایمان)

(۲۷۴) ❋ آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہؓ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظِ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا- حضرت ابوہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں' اور اس لیے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے- حضرت ابن عباسؓ جو ان سے افقہ تھے انہوں نے عنوان لـــه ....

www.besturdubooks.net

من لقى الله بالشهادتين غير شاك فيها دخل الجنة

جس کی موت یقین پر آجائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے

(۲۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسِیْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ قَالَ حَتّٰی هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا

(۲۷۵) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوۂ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگوں کا زاد راہ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت اس کی آ گئی تھی کہ ان میں کسی کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ لوگوں کا باقی ماندہ زادِ راہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاء برکت فرما

ﷺ.... اگرچہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کر دی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب ائمہ کا دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لیے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مؤمن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابوہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محدث اور فقیہ کے مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے ارد گرد رہنا چاہتا ہے فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرضِ شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بُعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہؓ کے درمیان بھی ملتا ہے اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر نارضائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لیے بحثوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور یہ وسعت محدثین کے لیے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جارسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحزب کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی۔ اگر ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور تو رکھتا ہے مگر غلافِ چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لیے نابینا کے برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مؤمن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مؤمن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور تصدیق جوشِ بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرأت کے عالم میں اس پر مؤمن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (دیکھو کتاب الایمان ص ۱۳ و ص ۱۰۰ و ص ۱۲۳ و ص ۱۲۷ و ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳ و ص ۱۵۵) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں آ کر اتنے پھیل گئے۔

www.besturdubooks.net

بَقِيَ مِنْ اَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتِ اللّٰهَ عَلَيْهِ قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهٖ وَ ذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهٖ قَالَ وَ قَالَ مُجَاهِدٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَ ذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بِالنَّوٰى قَالَ كَانُوْا يَمُصُّوْنَهٗ وَ يَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتّٰى مَلَأَ الْقَوْمُ اَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيْهِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

دیتے (تو بہتر ہوتا) آپؐ نے ایسا ہی کیا- راوی کہتا ہے جس کے پاس گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جس کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا- میں نے پوچھا بھلا گٹھلیاں ان کے کس کام آتی تھیں؟ انہوں نے کہا کہ انہیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے آپؐ نے ان میں دعاء برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لیے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا پیغمبر ہوں- جو شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہو خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا- (مسلم)

(۲۷۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَامَ بِلَالٌ يُنَادِيْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه النسائي و الحاكم و ابن حبان)

(۲۷۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائے گا- (نسائی- حاکم ابن حبان)

(۲۷۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ لَاشَكَّ فِيْهِ وَ جِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِيْهِ وَ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ. (الحديث رواه النسائي)

(۲۷۷) عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا عملوں میں کون کون سے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو ایسا جہاد جس میں ذرہ برابر خیانت نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا اور نماز کون سی افضل ہے؟ فرمایا جس میں قیام لمبا ہو- (نسائی)

(۲۷۸) عَنْ عُثْمَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

(۲۷۸) عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا- (مسلم)

---

(۲۷۸) ❋ یہاں علم کے معنی صرف دانستن نہیں- صرف دانستن نہ تو شرعی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت و یقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری احادیث سے ظاہر ہے- اور خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدۂ جازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گذر جائے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا کیونکہ جنت اور دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے' اچھے برے اعمال پر نہیں-

www.besturdubooks.net

ذکر ما وقر فی قلوب اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الیقین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے یقین کی چند مثالیں

(٢٧٩) عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُوْنَ قَالَ نَعَمْ وَ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَ قَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَ يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا.

(رواہ فی شرح السنہ)

(٢٧٩) قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور اہداف کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے)۔ (شرح السنہ)

(٢٨٠) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَ قَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضْنَاهَا وَ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى

(٢٨٠) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوکر بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپؐ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ہم ابھی ڈال دیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گذریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لیے

---

(٢٧٩) * حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (النساء:٦٦) کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسر وچشم اس کا امتثال کرتے آپؐ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپؐ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اھلہ من الجبال الرواسی. ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالا الایمان اثبت فی قلوبھم من الجبال الرواسی. میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

www.besturdubooks.net

نَزَلُوا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آ کر مقیم ہو گئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا- راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو- (مسلم)

(۲۸۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ مَشْهَدًا لَاَنْ اَكُوْنَ صَاحِبَهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يَدْعُوْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا وَ لٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَ عَنْ شِمَالِكَ وَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَ خَلْفَكَ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَقَ وَجْهُهُ وَسَرَّهُ.

(رواہ البخاری)

(۲۸۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لیے ترغیب دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آ پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے- میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب نے آپ کو خوش کر دیا) (بخاری شریف)

(۲۸۲) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَيْئَةِ فَقَالَ يَا اَبَا مُوْسٰى اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰى اَصْحَابِهِ فَقَالَ اَقْرَاُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰى بِسَيْفِهِ اِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتّٰى قُتِلَ. (رواہ مسلم)

(۲۸۲) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابوموسیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں- اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا اسلام لو یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈال دی اور (ننگی) تلوار لے کر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا-

(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

---

(۲۸۱) ✻ بقول سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ؎

آں نہ من باشم کہ روزے جنگ بینی پشت من ☆ آں منم کاندر میان خاک وخوں بینی سرے

www.besturdubooks.net

(۲۸۳) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ انْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِلَّا رِجَاءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قِرَابِهٖ فَجَعَلَ يَاْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَيِيْتُ حَتّٰى اٰكُلَ تَمَرَاتِيْ اِنَّهَا حَيٰوةٌ طَوِيْلَةٌ قَالَ فَرَمٰى بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ. (مسلم)

(۲۸۳) انس رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بدر کی جنگ کے لیے نکلے یہاں تک کہ (میدانِ جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آ گئے تو آپؐ نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے- یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ- آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لیے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے- آپؐ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو- یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہو گی- راوی کہتا ہے یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے- (مسلم)

(۲۸۴) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ. (متفق علیه)

(۲۸۴) جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا جنت میں- یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا- (متفق علیہ)

المؤمنون فی اصل الایمان و العقائد سواء و انما التفاضل بینهم فی مراتب التقوی و الیقین

تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے

(۲۸۵) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّؓ اَنَّ رَسُوْلَ

(۲۸۵) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۲۸۵) * مومن میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم و یقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے- یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جان بازی کے موقعہ پر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایمانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے .....

www.besturdubooks.net

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَجْزَاءٍ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْ يَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِيْ اَشْرَفَ عَلٰى طَمْعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ احمد)

فرمایا مؤمن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مؤمن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک وتردد نہ کیا اور اپنی جان و مال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا- دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں بے خطر رہے- تیسرا وہ (جو اتنی جاں بازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقعہ پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا- (مسند احمد)

(۲۸۶) عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَ اَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَ وُزِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ فَرَجَحَ اَبُوْبَكْرٍ وَ وُزِنَ عُمَرُ

(۲۸۶) ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپؐ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولے گئے تو آپؐ بھاری اترے اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری اترے پھر عمرؓ و عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری

.... لَمْ يَرْتَابُوْا کے ساتھ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ کا لفظ رکھا گیا ہے- گویا جس نے جان و مال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان و یقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے- بقیہ دو مراتب بھی اگرچہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین کے ساتھ ہے-

(۲۸۶) * صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ دارمی حضرت ابوذرؓ سے اس قسم کا ایک خواب خود صاحب نبوۃ کا بھی نقل کیا ہے- آپ نے دیکھا کہ بطحاء مکہ میں دو فرشتے آپ کے پاس آئے ایک تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان معلق کھڑا رہا پھر ان کے باہم یہ گفتگو شروع ہوگئی کیا یہ وہی نبی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ہاں وہی ہیں- اس نے کہا اچھا تو پھر ان کو ایک شخص کے مقابلہ میں تول کر دیکھو چنانچہ تولا تو میں بھاری اترا- پھر اس نے کہا اچھا ان کو دس شخصوں کے مقابلہ میں تولو تو بھی میں ہی بھاری اترا- پھر اس نے کہا اب سو آدمیوں کے مقابلہ میں تولو تو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری رہا پھر اس نے کہا اچھا اب ہزار کے مقابلہ میں تولو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری اترا (آپؐ نے فرمایا کہ) ان کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ترازو سے ان کے بکھر بکھر جانے کا جو نقشہ اس وقت نظر آرہا تھا وہ اب تک میری نظروں کے سامنے ہے- اس پر ایک نے دوسرے سے کہا بھئی ان کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تول ڈالو گے جب بھی یہی بھاری اتریں گے-

عالم بالا کی اس میزان میں یہ وزن یقین و ایمان ہی کا وزن تھا- نبی اس میں سب سے بھاری اترا- اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ صدیقؓ و عمرؓ و عثمانؓ بھاری اترتے رہے- رفع میزان کی تعبیر آپؐ نے خود بنفس نفیس یہ بیان فرمائی کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت نبوۃ کا دور ختم ہو جائے گا اور صرف ملک گیری کا آغاز ہو جائے گا- حضرت علیؓ کا زمانہ اول تو تھا ہی کتنا پھر جتنا کچھ تھا وہ بھی جنگ و جدل کی نذر ہو گیا اور خلفاء ثلاثہ کے دور کا سادہ امن و انصاف پھر نہ لوٹ سکا- حضرت علیؓ کے بعد تو پھر کھلی ہوئی ملک گیری رہ گئی- صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ - تم....

www.besturdubooks.net

وَ عُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اترے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا کہ یہ ترازو خلافت نبوۃ کی ترازو تھی اس کے

ﷺ.... ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں یہاں ایک مفید مضمون تحریر فرمایا۔ ہم اس کو مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(و المؤمنون مستوون) ای مستاوون (فی الایمان) ای فی اصله (والتوحید) ای فی نفسه و انما قیدنا بهما فان الکفر مع الایمان کالعمی والبصیر و لا شک ان البصراء یختلفون فی قوة البصر و ضعفه فمنهم الاخفش و الاعمش و من یری الخط الثخین دون الرقیق الابزجاجة و نحوها و من یری عن قرب زائد علی العادة و اٰخر بضده و من ههنا قال محمد علی ما تقدم اکره ان یقول ایمانی کایمان جبرئیل علیه السلام بل یقول اٰمنت بما اٰمن به جبرئیل علیه السلام اھ۔

و کذا لا یجوزان یقول احد ایمانی کایمان انبیاء علیهم السلام و لا ینبغی ان یقول ایمانی کایمان ابی بکر رضی الله تعالی عنه و عمر رضی الله تعالی عنه و امثا لهما فان تفاوت نور کلمة التوحید فی قلوب اهلها لا یحصیه الا الله سبحانه فمن الناس من نور ها فی قلبه کالشمس و منهم کالقمر و منهم کالکوب الدری و منهم کالمشعل العظیم و اٰخر کالسراج الضعیف لقوله علیه الصلوة و السلام "و ذلک اضعف الایمان" وقوله علیه الصلوة و السلام المومن القوی احب الی الله من المؤمن الضعیف. و القوة تشمل القوة الظاهرية العملية و القوة الباطنية العلمية و هو علی منوال هذه الانوار فی الدنیا تظهر انوار علومهم و اعمالهم و احوالهم فی العقبی و کلما اشتد نورَ هذه الکلمة و عظمت مرتبتها احرق عن الشبهات و الشهوات بحسب قوتها بحیث ربما وصل الی حال لایصادف شبهة و لا شهوة و لا ذنبا و لا سیئة الا احرقهابل تقول النار جزیا مؤمن فان نورک اطفأ لهبی و من عرف هذا عرف معنی قوله صلی الله علیه وسلم ان الله تعالی حرم علی النار من قال لا اله الا الله یبتغی بذلک وجه الله و قوله علیه السلام لا یدخل النار من قال لا اله الا الله و امثال ذلک مما اشکل علی کثیر من الناس حتی ظنها بعضهم منسوخة و ظنها بعضهم قبل ورود الا و امر و النواهی و حملها بعضهم علی نار المشرکین و اول بعضهم الدخول بالخلود فان الشارع لم یجعل ذلک حاصلا بمجرد قول اللسان فقط و تأمل حدیث البطاقة فان من المعلوم ان کل موحد له مثل هذه البطاقة و کثیر منهم یدخل النار. (شرح فقه اکبر ص ۷۸)

اصل ایمان اور اصل توحید میں تو تمام مسلمان برابر ہیں لیکن قوت وضعف کے لحاظ سے ان میں مراتب کا بڑا تفاوت ہے۔ کیونکہ کفر و ایمان کی مثال ایسی ہے جیسی ایک بینا اور نابینا کی۔ دیکھئے دیکھنے والوں کی نظروں میں کتنا اختلاف ہوتا ہے۔ ایک شخص ہوتا ہے جو صرف رات ہی میں دیکھ سکتا ہے' دن میں نہیں دیکھ سکتا' ایک وہ ہوتا ہے جو دن میں دیکھ تو لیتا ہے مگر بہ دقت' ایک شخص موٹا خط دیکھ سکتا ہے لیکن باریک خط چشمہ کی مدد کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی ہوتا ہے کہ اسے عام عادت سے زیادہ نزدیک فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے اور کسی کو عام عادت کے خلاف ذرا دور فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے ان ہی اختلاف مراتب کی وجہ سے امام محمدؒ ....

www.besturdubooks.net

يَعْنِي فَسَاءَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ. (رواه الترمذي و ابوداؤد)

بعد (خلافت نبوت توختم ہوجائے گی اور ملک گیری شروع ہوجائے گی اور) خدائے تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک حوالہ کردے گا۔ (ترمذی - ابوداؤد)

ﷺ.... فرماتے ہیں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنے ایمان کے متعلق یہ تعبیر اختیار کرے کہ میرا ایمان جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کی طرح ہے بلکہ اس کو یوں کہنا چاہیے کہ جن چیزوں پر جبرئیل علیہ السلام کا ایمان ہے ان ہی پر میرا بھی ایمان ہے (گویا اتحاد مؤمن بہ اور اعتقادیات میں ہے نہ کہ کیفیت ایمان میں)۔

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میرا ایمان انبیاء علیہم السلام ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرام جیسا ایمان ہے کیونکہ اہل توحید کے قلوب میں کلمہ توحید کی نورانیت کے لحاظ سے جتنا اختلاف ہے اس کا صحیح اندازہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ کسی کے قلب میں یہ نور آفتاب کی طرح درخشاں ہے۔ کسی کے قلب میں چاند کی طرح کسی کے قلب میں روشن ستارے کی طرح اور کسی کے بڑے مشعل کی طرح اور کسی کے ایک ٹمٹماتے چراغ کی طرح۔ ان اختلاف مراتب ہی کی وجہ سے آپ نے (اس شخص کے ایمان کے متعلق جو برائی کی اصلاح تو نہیں کرتا مگر اس پر قلبی ناگواری محسوس کرتا ہے) فرمایا ہے کہ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ مضبوط مؤمن اللہ کو کمزور مؤمن سے زیادہ پیارا ہے۔ مرد مؤمن کی یہ قوت صرف اس کی ظاہری قوت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کی ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و ایمانی دونوں کو شامل ہے لوگوں کے اعمال و ایمان کے انوار میں جو تفاوت دنیا میں ہے یہی تفاوت ان کے انوار کے مابین آخرت میں رہے گا یہ نورِ ایمانی جتنا تیز اور شدید ہوتا ہے اتنا ہی وساوس اور خواہشات نفسانیہ کو وہ زیادہ سوخت کرنے والا ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے جب کہ تمام وساوس اور ہر قسم کی خواہشات فناء ہوجاتی ہیں اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جس کو جلا کر وہ خاکستر نہیں کردیتا۔ بلکہ اس کے سامنے آتش جہنم بھی یہ چیخنے لگتی ہے کہ اے مؤمن ذرا جلدی سے گذر جا کیونکہ تیرے ایمان کا نور میری بھڑکتی ہوئی لپٹوں کو بجھائے دیتا ہے۔ جو شخص یہ مضمون سمجھ لے اسے حسب ذیل حدیثوں کی مرادیں سمجھنا بھی آسان ہوجائے گا۔ ارشاد نبوی ہے۔ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کردیتا ہے ایک اور حدیث میں ارشاد ہے جو شخص لا الہ الا اللہ دل سے کہے وہ آتش دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اسی کے ہم معنی اور بھی حدیثیں ہیں جن کا سمجھنا اکثر لوگوں کو دشوار ہوگیا ہے۔ ان حدیثوں کو بعضوں نے تو منسوخ ہی کہہ ڈالا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ امر و نہی کی تفصیلات کے نزول سے قبل کے ارشادات ہیں۔ اور کسی نے آتش سے خاص وہ آتش مراد لی ہے جو صرف کفار کے لیے ہوگی اور کسی نے یہ تاویل کی ہے کہ ان حدیثوں میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی نفی کی گئی ہے۔ مطلقاً دخول کی نفی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تمام حدیثوں میں آتش دوزخ کے حرام ہونے کا حکم صرف کلمہ توحید پڑھنے پر نہیں ہے بلکہ اسی نورِ ایمانی پر ہے جس کا بیان ابھی آپ پڑھ چکے ہیں (اس حدیث کے مضمون پر ذرا غور کیجئے جس میں آتا ہے کہ ایک شخص کا اعمالنامہ تولا جائے گا اور اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں کے مقابلہ میں اس کی نیکی کا صرف ایک پرچہ رکھا جائے گا اور وہ ایک ہی پرچہ ان سب دفتروں کے وزن پر غالب آجائے گا (اس پرچہ میں کلمہ توحید لکھا ہوا ہوگا) یہ بات سب جانتے ہیں کہ یہ کلمہ ہر موحد کے نامۂ اعمال میں موجود ہے اس کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دوزخ میں جائیں گے (اس سے معلوم ہوا کہ آتش دوزخ کی حرمت کا مدار صرف اس کلمہ کے تلفظ پر نہیں بلکہ اسی نورِ ایمانی پر ہے جو اعمال کی آبیاری کے بعد قلب مؤمن میں پھوٹنا شروع ہوجاتا ہے۔) (شرح فقہ اکبر)

www.besturdubooks.net

(۲۸۷) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُصَلِّیْ فَقَرَأَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَۃً سِوٰی قِرَاءَۃِ صَاحِبِہٖ فَلَمَّا قَضَیْنَا الصَّلٰوۃَ دَخَلْنَا جَمِیْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ ھٰذَا قَرَأَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ وَ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰی قِرَاءَۃِ صَاحِبِہٖ فَاَمَرَھُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَّنَ شَأْنَھُمَا فَسُقِطَ فِیْ نَفْسِیْ مِنَ التَّکْذِیْبِ وَلَا اِذْ کُنْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِیَنِیْ ضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَی اللّٰہِ فَرَقًا فَقَالَ لِیْ یَا اُبَیُّ اُرْسِلَ اِلَیَّ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ فَرَدَدْتُّ اِلَیْہِ اَنْ ھَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرُدَّ اِلَیَّ الثَّالِثَۃَ اِقْرَأْہُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ وَ لَکَ بِکُلِّ رَدَّۃٍ رَدَدْتُکَھَا مَسْئَلَۃٌ تَسْاَلُنِیْھَا فَقُلْتُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ وَ اَخَّرْتُ الثَّالِثَۃَ لِیَوْمٍ یَرْغَبُ اِلَیَّ الْخَلْقُ کُلُّھُمْ حَتّٰی اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ.

(رواہ المسلم)

(۲۸۷) ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز کے لیے آیا اور اس نے کچھ نئے طرز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا- پھر دوسرا شخص آیا اس نے اس سے بھی علیحدہ طرز سے قراءت کی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو سب مل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا (یارسول اللہ ﷺ) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے نیا نیا معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا انہوں نے پھر اسی طرح پڑھ پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرمادی یہ سن کر میرے قلب میں آپ ﷺ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی- آنحضرتؐ نے جب میرے شک وتردد کی اس کیفیت کو محسوس کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے اذعان و یقین کا یہ عالم ہو گیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا ابی؟ میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھے- میں نے (امی امت کے خیال سے) درخواست کی کہ میری امت کے لیے کچھ اور سہولت کر دی جائے- تیسری بار مجھے یہ جواب ملا کہ آپ ﷺ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی ہر درخواست کے بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعا کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہیے مانگ لیجئے- آپ ﷺ نے دوبار تو یہی دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا اس دن کے لیے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو (شفاعت کے لیے) میری ہی تلاش ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی- (مسلم)

---

(۲۸۷) * شبہات کی دنیا دلائل کے لشکروں سے کبھی شکست نہیں کھاتی اس لیے آپ نے اس کے شبہات کا علاج پہلے ہی دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان و ایقان سے معمور ہو گیا اور نسبت احسان نے اس شدت سے ظہور کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا شبہات سب برطرف ہو گئے اور خدا کی ذات عظیم البرکات کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آ گیا- جب آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ اب مریض کا تردد اچھی طرح شفایاب ہو گیا ہے اس کا ایمان پھر تازہ ہو گیا ہے اور نور یقین پھر سر نو اس کے قلب میں بھڑک اٹھا ہے تو اب فہمائش کا موقعہ بھی نکل آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے لاعلمی اور ... .

www.besturdubooks.net

(۲۸۸) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍؓ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَ الْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍؓ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍؓ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَ فِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَ فِيْ طُرُقِكُمْ وَ لٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَ سَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (مسلم، مشکوٰۃ)

(۲۸۸) حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا ہے؟ میں نے عرض کیا (حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آ رہا ہوں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم آپؐ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپؐ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں جب تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (اندرون و بیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ حنظلہؓ تو منافق ہو گیا۔ آپؐ نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپؐ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ گاہ چنیں گاہ چناں۔ تین بار فرمایا۔ (مسلم)

☜ ..... بے خبری ہے۔ دونوں قراءتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی اپنی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امی امت کی سہولت کے لیے خود یہ درخواست کی تھی کہ اس کے لیے قراءت میں کچھ توسیع کر دی جائے۔ میری یہ درخواست قبول ہوگئی اور قرآن کے مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ لہٰذا یہ دونوں قراءتیں منزل من اللہ ہیں اور میری تعلیم کردہ ہیں۔

(۲۸۸) * حضرت حنظلہؓ جس قلبی کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے دراصل یہ یقین ہی کی ☜ .....

www.besturdubooks.net

(۲۸۹) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ غَدَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَ مَا ذَالِکَ قَالُوا النِّفَاقُ النِّفَاقُ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذَالِکَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّانِيَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكْنَا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَ مَا ذَاکَ قَالُوا النِّفَاقُ النِّفَاقُ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذٰلِکَ

(۲۸۹) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا ربّ کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کلمہ توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ ربّ کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق معلوم ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا کیا تم توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انہوں نے پھر یہی کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربّ کعبہ کی

☆ .... ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبہ احسان میں نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام یعنی اعمالِ جوارح سے قلب میں ایمان و تصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبہ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات نفسیہ میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بے شک اختیاری ہو سکتے ہیں یہ نعمت صرف ایک موہبت الٰہی ہے جو یقین کے عمل قلب ہے اور اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو۔ پھر یہی اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرمادے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام پہلے ہی قدم پر میسر آجاتا تھا اسی کو حنظلہؓ صحابی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آجاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے اور جب آپ کی صحبت سے اٹھ آتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قباء تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔ قلب ماہیت نہیں۔ ہاں رفتہ رفتہ جب انسان کے جسم ناسوتی کے ضعیف تعمیر تجلیاتِ ربانیہ کی عادی بن جاتی ہے تو پہلے جو شخص ایک گھونٹ کی تاب نہ لا سکتا تھا اب وہ خم کے خم چڑھا کر بھی مدہوش نہیں ہوتا۔ خواجہ حافظؒ نے ان ہی منازل کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو ☆ یعنی طمع مدار وصال دوام را

انسانی ترقی کا راز غیبت و حضور کے اسی غوطہ زنی میں مضمر ہے۔ اگر مسلسل غیبت ہو جائے تو بحر محبت کے شناوروں کی ہمت شکستہ ہو جائے اور اگر حضور بے غیبت دائمی بن جائے تو بھی وصل دوام کی وجہ سے حرارت عشق سرد پڑ جائے۔ اسی کی طرف حدیث کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ و لکن یا حنظلة ساعة و ساعة.

www.besturdubooks.net

النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا لِثَالِثَةٍ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقُ قَالُوا اَمَّا اِذَا كُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلٰى حَالٍ وَ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَ اَهْلُوْنَا قَالَ لَوْ اَنَّكُمْ اِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِيْنَةِ.

قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انہوں نے زیادہ تفصیل سے) کہا کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے۔ (ابو یعلی)

(رواہ ابو یعلی رجالہ و رجال الصحیح غیر غسان بن برزین و ھو ثقۃ- مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۰)

(۲۹۰) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَطِيْرَ. (رواہ البخاری ص ۷۲۲)

(۲۹۰) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ والطور پڑھتے سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ﴿اَمْ خُلِقُوْا ...... الخ﴾ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں۔ کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے ہیں تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا اب اڑا۔ (بخاری شریف)

www.besturdubooks.net

الایمان ھو اعتقادُ بتوحید اللّٰہ تعالٰی و تصدیق بالرسالۃ و ان الرسل عباد اللّٰہ و ان الجنۃ حق و النار حق و لا یدخل احدٌ الجنۃ الا بہ

خدا تعالٰی کی توحید، رسولوں کی رسالت، ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزء ایمان ہے اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا

واضح رہے کہ حدیثوں میں ایمان کی تعریف کے بارے میں اجمال و تفصیل کا تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے کہیں اس میں صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے اور کہیں اس کے ساتھ رسالت کی تصدیق بھی شرط معلوم ہوتی ہے اور کہیں ان دونوں کے ساتھ بعض اور اعتقادیات بھی شامل نظر آتے ہیں اور کہیں اعتقادیات کے ساتھ اعمال کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر کہیں صرف اعمال ہی کو ایمان کہہ دیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں جو صورت عام طور پر حدیثوں میں ذکر ہوتی ہے وہ توحید کے ساتھ رسالت کی بھی تصدیق ہے۔ اس عبارتی اختلاف کی وجہ سے اعمال کی جزئیۃ و عدم جزئیۃ میں تو محدثین و فقہاء کے مابین کچھ لفظی سا نزاع پیدا ہو گیا ہے مگر یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسلّم چلا آیا ہے کہ ایمان کے لیے خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کی تصدیق دونوں ہی اجزاء لاینفک ہیں۔ اس وقت یہاں ہماری غرض صرف اسی پر کلام کرنا ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی ہمیشہ توحید الٰہی کے برابر کا جزء سمجھا گیا ہے۔ آسمانی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو مدار نجات نہیں سمجھا گیا یہ صورت بالکل جدا گانہ ہے کہ اگر کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول ہی موجود نہ ہو یا کوئی ایسا مقام ہو جہاں کسی رسول کی آواز ہی نہ پہنچ سکتی ہو تو کیا اس کے لیے بھی رسول پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ ان فرضی صورتوں سے گذر کر ہمیں اس وقت اس پر کلام کرنا منظور ہے کہ کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول پر ایمان لانے سے مستثنیٰ ہو سکے۔ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے تواتر سے یہ ثابت ہے کہ رسولوں کی تصدیق نجاتِ ابدی کے لیے ایسی ہی ضروری چیز ہے جیسی کہ خدائے تعالیٰ کی توحید۔ اس میں کسی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مضمون پر ایمان بالرسول کے عنوان کے تحت ترجمان السنہ جلد اول میں بھی کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے یعنی توحید کی طرح ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا. (سورۃ النساء: ۱۳۶)	اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ یقیناً بھٹک کر دور جا پڑا۔

حضرت مجدد الف ثانی ؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً سب اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان رحمت ہیں ان ہی کے طفیل میں عالم کو نجات ابدی نصیب ہوئی اگر ان کا مبارک وجود نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کی ذات اتنی بے نیاز تھی کہ کسی کو اپنی ذات وصفات کی اطلاع تک نہ دیتی اور نہ کوئی فرد بشر اس کی ذات کو پہچان سکتا۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کسی کو ان اوامر و نواہی کا مکلف نہ بناتا جن میں سراسر مخلوق ہی کا نفع مضمر تھا اور کسی کو حق تعالیٰ کی

www.besturdubooks.net

مرضیات و نامرضیات کا علم نہ ہوتا پس اس نعمت عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام اصولِ دین میں سب متفق ہیں اور ان میں ایک متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے اور ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کو اپنا معبود نہ بنانا چاہیے یہ سعادت صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہوئی بلکہ یہ حقیقت بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کی زبان سے بھی ادا نہیں ہوئی۔ منکرین نبوت اگر خدائے تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں تو یا تو وہ صرف اہل اسلام کی تقلید میں کہتے ہیں اور یا پھر صرف صفت وجوب میں اس کو واحد کہتے ہیں استحقاقِ عبادت میں نہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات جس طرح صفت وجوب میں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح استحقاق عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ کے معنی بھی باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور معبودِ برحق کا اثبات ہے۔ دوسری بات جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہی تصور کرتے ہیں، صرف ایک اللہ ہی کی ذات کو معبود سمجھتے ہیں اسی کی عبادت کی مخلوق کو دعوت دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کو حلول و اتحاد سے منزہ تصور فرماتے ہیں۔ منکرین نبوت کی تعلیم یہ نہیں ان میں بعض تو یہاں تک تجاوز کر گئے ہیں کہ خود ہی مدعی الوہیت بن گئے ہیں اور اپنی ذات میں حق تعالیٰ کے حلول کے معتقد ہیں۔ لہٰذا اپنے نفس پر الوہیت کے اطلاق کرنے میں کوئی باک نہیں کرتے اور اس گمراہی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کسی بات کی ممانعت ہی کیا لہٰذا جو وہ کہہ دیں وہ سب درست اور جو کر گذریں وہ سب مباح ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قدم بندگی کی حدود سے ہی باہر نکل گیا پھر وہ ہر قسم کے برے افعال میں مبتلا ہوئے اور ان کی وجہ سے دوسروں کے لیے بھی ان افعال کی اباحت کا دروازہ کھل گیا۔

تیسری بات جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ یہ حضرات ملائکہ معصوم کے نزول کے قائل ہیں ان میں کسی قسم کا لوث تسلیم نہیں کرتے اور ان کو امین اور خدا تعالیٰ کی وحی کا حامل سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دین کی جو بات فرماتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے مؤید ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی اس کا تدارک کر دیتی ہے اس کے برعکس منکرین نبوت کے رؤسا جو کہتے ہیں اپنی جانب سے کہتے ہیں اور اپنی الوہیت کے گھمنڈ میں سب کو حق تصور کرتے ہیں انصاف کرنا چاہیے کہ بھلا ایسے بے عقلوں کی باتوں کا کیا اعتبار کرنا چاہیے اور ان کی اتباع کیسے کرنی چاہیے۔ (مکتوب نمبر ۶۳ جلد اول ص ۹۷ مکتوب سوم جلد سوم)

حضرت مجدد صاحبؒ کے اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ نفی استحقاق عبادت کے معنی میں صرف انبیاء علیہم السلام کی زبان فیض ترجمان سے شروع ہوتا ہے تو اب اس معنی کے لحاظ سے جو شخص بھی اس کلمہ کو پڑھے گا وہ درحقیقت صرف ان کی اتباع اور ان کی تصدیق کے بعد ہی پڑھے گا اس لیے اس کلمہ کا پڑھنا ہی خود رسالت کی تصدیق کو متضمن ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ کافروں کو براہ راست خدائے تعالیٰ کی ذات سے تو عداوت کبھی نہیں ہوئی ان کو جو کچھ عداوت تھی وہ رسول کی ذات سے تھی یا اس خدا سے تھی جس کی طرف اس رسول نے ان کو دعوت دی۔ پس انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی توحید کو تسلیم کر لینا یہ درحقیقت ان کی تصدیق ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یہ سوال محض فرضی ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر حاصل ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس کا وجود اتنا نادر ہوگا کہ ایسی نادر جزئیات پر حدیثوں کو حمل نہیں کیا جا سکتا تا کہ اس میں تاویل کی ضرورت ہو۔

www.besturdubooks.net

4 حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی حق کا کوئی وجود ہے وہ سب ان حضرات ہی کا طفیل اور ان ہی کے برکات کا بلاواسطہ یا بالواسطہ اثر ہے۔ پس جن کے وجود سے صحیح عقائد دنیا کو پہنچے اگر ان ہی کو درمیان سے علیحدہ کر دیا جائے تو کسی آسمانی دین کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔ چہ جائیکہ اس سے اس طرح صرف نظر کر لی جائے کہ رسول کی پوری زندگی اور اس کی پوری تعلیمات کا منکر صرف اپنی مزعوم توحید کی بنا پر نجات پانے کا مستحق ہو۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ توحید کے معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک سمجھنا نہیں ہے' نہ صرف وحدانیت کوئی کمال ہے بلکہ اجمالاً ان تمام صفات کمالیہ کے ساتھ واحد جاننا بھی ضروری ہے جو حق تعالیٰ کی درحقیقت صفات ہیں پھر ان صفات کا اجمالی علم بھی اسی وقت کافی ہو سکتا ہے جب کہ عقیدہ میں شرک کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو' اگر صفات کے اجمال بلکہ اس کی تفصیلات کے ساتھ کوئی ادنیٰ درجہ کا شرک بھی موجود ہے تو یہ توحید' توحید ہی نہیں کہلائے گی۔ ایمان کے لیے وہ توحید خالص درکار ہے جس میں شرک کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے یہ توحید صرف انبیاء علیہم السلام کے توسط سے حاصل ہو سکتی ہے[1] جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید صرف زبان سے اس کو ایک کہنے کا نام نہیں اسی طرح رسول پر ایمان بھی صرف اس کو ایک سچا انسان مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کو ان تمام عظمتوں کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن کریم نے اس کے لیے لازم قرار دیں۔ اسی طرح ان عقائد سے اپنی بیزاری کا اظہار بھی ضروری ہے جو اس کی حدود عظمت سے باہر ہوں اور اسی کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ آپ کی شریعت کو اپنی معاش و معاد کا واحد دستور العمل بنا لے۔ ایک نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لا کر اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ ان کو خدائے تعالیٰ کا ایک بندہ تسلیم نہ کر لے اور آپ کے دین کو مکمل طور پر قبول نہ کر لے۔ پھر جب رسول کی ہستی اس طرح واجب التسلیم ہو جاتی ہے تو بقیہ تمام مغیبات کی تصدیق بھی اسی کی تصدیق کے ضمن میں خود بخود لپٹ جاتی ہے۔ جنت و دوزخ' فرشتے' تقدیر اور آخرت کے تمام احوال سب اسی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حدیثوں میں صرف شہادتین کے ذکر پر کفایت کر لی گئی ہے اور کہیں ان کے ساتھ اور اعتقادیات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان کا پیغام رسول ہونا امت کو بذریعہ تواتر ثابت ہو گیا ہے تو امت نے ان کو بھی رسول ہی کے تصدیق کا جزء سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام مغیبات پر ایمان' رسول پر ایمان میں درج ہے اور رسول پر ایمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے میں درج ہے۔ اس لیے ان حدیثوں کے درمیان اصل مضمون کا کوئی اختلاف نہیں صرف اجمال و تفصیل یا محض ایک اسلوب بیان کا اختلاف ہے اس سے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی موشگافی کرنی تحقیق نہیں بلکہ زندقہ ہے۔

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ کی حسب ذیل تحقیق نہایت قابل قدر ہے وہ فرماتے ہیں:

"وقد بينا في (الصارم المسلول) ان التوحيد و الايمان بالرسل متلازمان و كل امة لا تصدق الرسل فلاتكون الا مشركة و كل مشرك فانه مكذب للرسل فمن دخل في نوع من الشرك الذي نهت عنه الرسل فانه مناقض لهم مخالف لموجب رسالتهم". (كتاب الرد على البكري ص ٢٦٦)

"ہم نے اپنی کتاب (الصارم المسلول) میں یہ بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے کہ توحید اور رسولوں پر ایمان لانا یہ دونوں باتیں باہم متلازم ہیں جو لوگ رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں اور جو مشرک ہیں وہ بلاشبہ رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے جو شخص شرک کی کسی نوع میں بھی مبتلا ہو گا وہ ان کا دشمن اور ان کی رسالت کے مقتضی کا مخالف کہلائے گا کیونکہ رسولوں نے شرک کی جملہ اقسام کی ممانعت کی ہے"۔

www.besturdubooks.net

اسی لیے حافظ ابن تیمیہؒ نے کلمہ طیبہ کی حقیقت کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے: 4

فدین الاسلام مبنی علی اصلین من خرج عن واحد منهما فلا عمل له و لا دین ان نعبد الله وحده و لا نشرک به شیئا و علی ان نعبده بما شرع لا بالحوادث و البدع وهو حقیقة قول لا اله الا الله محمد رسول الله. (صلی الله علیه وسلم) (الرد علی البکری ص ۵۳)

یعنی دین اسلام کے دو اصول ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کو ترک کر دے نہ اس کا دین معتبر ہے نہ کوئی عمل۔ ایک یہ کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ دوم یہ کہ ہم ان طریقوں سے اس کی عبادت کریں جو شریعت کے مقرر کردہ ہوں نو ایجاد طریقے نہ ہوں۔ یہی کلمہ طیبہ کی اصلی حقیقت ہے۔

عبارت بالا میں حافظ موصوف نے بڑی خوبی سے توحید و رسالت کی روح بتا دی ہے۔ یعنی دعوت انبیاء علیہم السلام کا اصل مرکز توحید فی العبادۃ ہے' لہٰذا صرف زبان سے خدائے تعالیٰ کو ایک کہہ کر کوئی شخص فرض توحید سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ دوم رسالت کے تسلیم کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں ان کے بتائے ہوئے طریقوں سے سر مو تجاوز نہ کرے۔ گویا اسلام یہ ہے کہ صرف ایک ہی کی عبادت کرے اور وہ بھی صرف اس طریقے سے کرے جس طرح کہ اس کے رسول نے بتائی ہو۔

یہاں حضرت استاد قدس سرہ نے ایک نہایت لطیف اور اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں ان میں جہاں کہیں صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے وہاں رسالت کا دوسرا جزء محذوف ہے اور جہاں اس کے ساتھ شہادۃ کا لفظ بھی موجود ہے وہاں رسالت کی شہادت کا دوسرا اجزاء بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔ ان کے سوا جن حدیثوں میں صرف توحید کی شہادت پر نجات کا وعدہ مذکور ہے اول تو وہ اس درجہ صحیح نہیں پھر وہ بھی بہت شاذ و نادر ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ شہادتین ایمان کے اجزاء ہیں اس کا ایک جزء دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا اور کلمہ طیبہ تمام شریعت کا ایک سرنامہ اور اسلام کا گویا ایک کلی عنوان بن گیا ہے۔ لہٰذا اس سرخی میں وہ سارا مضمون اجمالاً سمایا ہوا ہوتا ہے جس کی یہ سرخی قرار دی گئی ہے۔ اس لیے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دوسری شہادۃ کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان حدیثوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کلمہ کے قائل ہیں یعنی مسلمان' ان کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ اور جہاں شہادت کا لفظ اضافہ ہو جاتا ہے وہاں خاص ایک عقیدہ کا بیان کرنا منظور ہوتا ہے جس کی شہادت ایمان کے لیے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے چونکہ صرف توحید کی شہادت کافی نہیں اس لیے اس کے ساتھ محمدؐ رسول اللہ کی شہادت کا دوسرا اجزء بھی لازمی طور پر مذکور ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر یہ مضمون ادا کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس ایمان کی حقیقت کیا ہے جس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تو اس جگہ توحید و رسالت دونوں اجزاء کی شہادت لازمی طور پر ذکر ہوتی ہے اور جہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کون سی جماعت یا کون سا مذہب ہے جس کے لیے جنت کی بشارت ہے تو اس کو یوں ادا کر دیا جاتا ہے کہ جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو اور جس کا انتساب اس کلمہ کی طرف ہو۔ (دیکھو ترجمان السنہ ص ۳۴۵)

www.besturdubooks.net

(۲۹۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ وَ اَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ وَ کَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْہُ وَ اَنَّ الْجَنَّۃَ حَقٌّ وَ النَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ عَلٰی مَا کَانَ مِنْ عَمَلٍ و فی روایۃ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی الْجَنَّۃَ مِنْ اَبْوَابِھَا الثَّمَانِیَۃِ مِنْ اَیِّھَا شَاءَ دَخَلَ. (متفق علیہ)

(۲۹۱) عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ اس کے رسول' اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریم علیہا السلام پر القاء فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں- دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا (اور اسے اختیار دے گا کہ) وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے- (متفق علیہ)

---

(۲۹۱) ✱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے (والعیاذ باللہ) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا- اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط و تفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سرمو بھی متجاوز نہ تھے- روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا- نصاریٰ کو یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جزئیت کی نسبت سمجھنے لگے- (والعیاذ باللہ) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں' ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے- جیسی بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب بھی یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو تمکن کا حقیقۃ کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ اور کچھ نہیں- یہاں شیخ اکبرؒ نے ایک اور لطیف تحقیق لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں تمام ارواح سے عہد لے کر سب کو تو پھر اصلاب آباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اس کو حضرت جبرئیل کے سپرد کر دیا گیا تھا تا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الٰہیہ کو براہ راست حضرت مریمؑ کے حوالہ کر دیں- چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو وہ ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متمثل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے- حضرت عیسیٰؑ کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے- (دیکھو الیواقیت والجواہر ج اص ۱۱۸) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے-

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دارو مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے- اس میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت بھی قابل درگذر نہیں ہوسکتی- ہاں اعمال کی ہر کمزوری قابل درگذر ہوسکتی ہے- اسلامی تمام عقائد کی روح توحید و رسالت ہے مگر وہ توحید نہیں جس کو عقیدۂ تثلیث کے ساتھ نبھایا جا سکے بلکہ وہ توحید جس میں مثال و نظیر کی شرکت کی گنجائش نہ ہو اس لیے نصاریٰ کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے بندہ تھے اور یہود کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ملعون (والعیاذ باللہ) نہیں تھے بلکہ خدا کے مقدس رسول تھے' کلمۃ اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی راہ اعتدال بس یہی ہے اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہوسکتا-

اس روایت سے معلوم ہوا کہ توحید کا اصل رکن شرک سے بیزاری ہے- جن عقائد میں شرک کی بو آتی رہے وہ اسلامی توحید کے منافی ہیں- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توحید و رسالت اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ماننے سے انبیاء خود بھی مستثنیٰ نہیں ہیں- ان کے لیے بھی یہ اسی طرح واجب التسلیم ہیں جس طرح ان کی امت کے لیے- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف ایک علم نہیں بلکہ قلب کا اختیاری عمل ہے جیسا جوارح کے عمل ہیں-

www.besturdubooks.net

(الف۲۹۱) عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ بَيْنَهُمَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ سَمِعَ الْقَوْمَ وَ هُمْ يَقُولُونَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ ثُمَّ سَمِعَ نِدَاءً فِي الْوَادِي يَقُولُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَا اَشْهَدُ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا يَشْهَدَ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ.

(الف۲۹۱) عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرتے سنا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے عمل افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا' اللہ کے لیے جہاد کرنا اور جنایت کے بغیر حج کرنا۔ اتنے میں وادی سے ایک آواز سنائی دی کوئی کہنے والا کہتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی کہ جو شخص یہ گواہی دے اس نے شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (احمد)

(رواه احمد و الطبرانی فی الکبیر قال الھیثمی و رجال احمد موثوقون)

(ب۲۹۱) يَحْيَى عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَ هُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِي فَوَ اللّٰهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَاَشْهَدَنَّ لَكَ وَ لَئِنْ شُفِّعْتُ لَاَشْفَعَنَّ لَكَ وَ لَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَاَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَ اللّٰهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ خَيْرٌ اِلَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ اِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَ سَوْفَ اُحَدِّثُكُمُوهُ الْيَوْمَ وَ قَدْ اُحِيطَ بِنَفْسِي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (اخرجه مسلم)

(ب۲۹۱) یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبادۃ بن الصامت کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا ٹھہرو کیوں روتے ہو اگر تمہارے حق میں مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے لیے شہادت دوں گا اور اگر میری سفارش منظور کی گئی تو تمہارے لیے ضرور سفارش کروں گا اور اگر کوئی نفع رسانی میرے بس میں ہوگی تو میں ہرگز اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا بخدا کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں تمہارے لیے کوئی بہتری کی بات ہو اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو میں نے تم سے بیان کر دیا ہے صرف ایک حدیث باقی ہے اور آج جب کہ میرا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والا ہے اسے بھی تم سے بیان کیے دیتا ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص اس کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب دوزخ حرام کر دے گا۔ (مسلم)

(۲۹۲) عَنْ اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قُلْتُ يَا

(۲۹۲) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول

(۲۹۲) ٭ مسند امام احمد میں اس حدیث کے شروع میں حضرت عثمانؓ کا ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوۃ نے باب الکبائر میں نقل کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہؓ کے دلوں پہ غموں کے ؎ ....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلَ اللّٰہِ مَانَجَاۃُ ھٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ نَحْنُ فِیْہِ فَقَالَ مَنْ شَھِدَاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ لَہٗ نَجَاۃٌ.

(اخرجہ ابو یعلی و العقیلی و الدارقطنی فی الافراد)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں مدار نجات کیا چیز ہے؟ فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ بس یہی اس کے لیے باعث نجات ہے۔

(۲۹۳) زَعَمَ مَحْمُوْدٌ اَنَّہٗ عَقَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَجَّۃً مَجَّھَا مِنْ دَلْوٍ کَانَتْ مِنْ دَارِھِمْ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِکِ الْاَنْصَارِیَّ ثُمَّ اَحَدَ بَنِیْ سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنْ یُّوَا فِیْ عَبْدٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَقُوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْتَغِیْ بِہٖ وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ. (رواہ البخاری)

(۲۹۳) محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی پی کر میرے منہ پر ڈالی تھی۔ محمود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ صرف اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کردے گا۔ (بخاری شریف)

(۲۹۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَاَصَابَنَا جُوْعٌ شَدِیْدٌ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَ ھُمْ شِبَاعٌ وَ النَّاسُ جِیَاعٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَلَا نَنْحَرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمُھَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ

(۲۹۴) عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زادراہ کے فقدان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یارسولؐ اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں کو نہ کھلا دیں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ کسی کے کجاوہ میں جو کچھ ہو' یا یہ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو

لہ .... پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس گذرنے لگے میں بھی ان ہی میں کا ایک فرد تھا میں اسی غم واندوہ کے حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمرؓ میرے پاس سے گذرے انہوں نے سلام کیا مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی انہوں نے ابوبکرؓ سے اس بات کی شکایت کی وہ دونوں مل کر میرے پاس آئے اور سلام کیا ابوبکرؓ بولے آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ہرگز ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے ضرور یہ بے اعتنائی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا بخدا مجھے تو اپنے غم میں یہ خبر تک نہ ہوئی کہ آپ یہاں سے گذرے تھے اور مجھے سلام کیا تھا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا عثمانؓ نے سچ کہا انہیں ایک بڑے معاملہ کی فکر نے ادھر سے بے خبر بنا دیا تھا۔ میں نے کہا یہی بات تھی۔ انہوں نے فرمایا تو فرمایئے وہ فکر کیا ہے میں نے کہا فکر یہ ہے کہ آپؐ کی تو وفات ہوگئی اور ہم آپؐ سے یہ تحقیق نہ کر سکے کہ دین میں مدار نجات کیا چیز ہے۔ ابوبکرؓ بولے میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میں ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا اور میں نے کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں آپ ہی اس تحقیق کے سب سے زیادہ اہل تھے (تو بتایئے وہ بات کیا ہے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دین میں مدار نجات کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص وہی ایک کلمہ جو میں نے اپنے چچا کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے نہ مانا تھا۔ میرے جانب سے قبول کرلے گا تو وہی اس کے لیے نجات کا موجب ہو جائے گا۔

www.besturdubooks.net

يَجِئْ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِمَا فِي رَحْلِهِ وَ فِي لَفْظٍ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِئْ بِهِ وَ بَسَطَ نِطَعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالْمُدِّ وَ الصَّاعِ وَ اَكْثَرَ وَ اَقَلَّ فَكَانَ جَمِيْعُ مَا فِي الْجَيْشِ بِضْعًا وَ عِشْرِيْنَ صَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنْبِهِ وَ دَعَا بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ خُذُوْا وَ لَا تَنْتَهِبُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَاْخُذُ فِي جِرَابِهِ وَ فِي غِرَارَتِهِ وَ اَخَذُوْا فِي اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطُ كُمَّ قَمِيْصِهٖ فَيَمْلَاؤُهُ فَفَرَغُوْا وَ الطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَاْتِيْ بِهِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ اِلَّا وَ قَاهُ اللّٰهُ حَرَّ النَّارِ. (اخرجه ابن راهويه و العدني و ابويعلي و الحاكم وغيرهم)

وہ میرے پاس لے آئے اور (یہ کہہ کر) آپؐ نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا۔ کوئی ایک مد لایا، کوئی ایک صاع، کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم۔ اس وقت تمام لشکر میں سے کھانے کی جو مقدار جمع ہوسکی وہ بیس صاع سے کچھ زیادہ ہوگی آپ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اس میں برکت کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا لو بسم اللہ کہہ کر اب اس میں سے اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ۔ لوگ اپنے اپنے توشہ دان اور گونوں اور برتنوں میں بھر بھر کر لے جانے لگے۔ یہاں تک کہ (کسی کو کچھ نہ ملا تو اس نے) اپنی آستین ہی کا منہ باندھ کر اسی کو بھر لیا۔ یہ تمام لشکر اپنا راشن لے کر فارغ ہوگیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں، جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آنچ سے بچالے گا۔

(حاکم)

(۲۹۵) عَنْ رِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ اَوْ قَالَ بِقُدَيْدٍ فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَاْذِنُوْنَ اِلَى اَهْلِيْهِمْ فَيَاْذَنُ لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُوْنُ شِقُّ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ تَلِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْغَضَ اِلَيْهِمْ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَلَمْ نَرَ عِنْدَ ذٰلِكَ مِنَ الْقَوْمِ اِلَّا بَاكِيًا فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الَّذِيْ يَسْتَاْذِنُكَ بَعْدَهُ لَسَفِيْهٌ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ حِيْنَئِذٍ اَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ

(۲۹۵) رفاعہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدید یا قدید (شک راوی ہے) پہنچ گئے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیتے رہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہوگیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو نہ دیکھا جو رو نہ رہا ہو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اب جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا میں خدائے تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ ثُمَّ يُسَدَّدُ اِلَّا سَلَکَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ وَ قَدْ وَعَدَنِيْ رَبِّيْ اَنْ يَدْخُلَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَ لَا عَذَابَ وَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَا يَدْخُلُوْهَا حَتّٰى تَبَوَّئُوْا اَنْتُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِكُمْ وَ اَزْوَاجِكُمْ وَ ذُرِّيَّاتِكُمْ مَسَاكِنَ فِي الْجَنَّةِ.

دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس کو اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق ملے گی تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد کسی حساب و عذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم' تمہارے باپ' تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو بھی ان میں نیک ہوں گے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے نہ بیٹھ جائیں گے کوئی امت اس میں داخل نہ ہو سکے گی۔

(و عنه من طريق ثاني) قَالَ صَدَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْتَاْذِنُوْنَهٗ فذكر الحديث قَالَ وَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ الَّذِيْ يَسْتَاْذِنُکَ بَعْدَ هٰذِهٖ لَسَفِيْهٌ فِيْ نَفْسِيْ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ كَانَ اِذَا حَلَفَ قَالَ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَامِنْ عَبْدٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ثُمَّ يُسَدَّدُ اِلَّا سَلَکَ فِي الْجَنَّةِ فذكر الحديث.

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ (الحدیث) اس میں یہ بھی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ (الحدیث)

(وعنه من طريق ثالث) قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ اَوْ قَالَ بِعَرَفَةَ فذكر الحديث.

اس روایت کے تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کدید یا عرفہ کے پاس آ گئے۔ (الحدیث)

(رواه احمد و الطبراني و البغوي و الباردوي و ابن قانع و ابن ماجه بعضه قال الهيثمي و رجاله موثوقون)

(۲۹۶) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَا اُحَدِّثُکَ مَا هِيَ

(۲۹۶) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدقِ دل سے نہ کہے گا مگر وہ دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے آؤ میں تمہیں بتا دوں وہ کلمہ کیا ہے؟ وہ

www.besturdubooks.net

هِيَ كَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ الَّتِي أَعَزَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى مُحَمَّدًا وَ أَصْحَابَهُ وَ هِيَ كَلِمَةُ التَّقْوٰى الَّتِي أَلَاصَ عَلَيْهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا طَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. (رواہ احمد و لہ شواھد فی الصحاح)

کلمہ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعت کو عزت بخشی ہے اور یہ کلمہ وہی کلمۂ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے وقت منت کرتے رہے- وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ- (مسند احمد)

(۲۹۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

(۲۹۷) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے- (احمد)

(رواہ احمد قال الهيثمي و رواه البزار و فيه انقطاع قال صاحب التنقيح اخرجه ايضا ابوداؤد و الحاكم)

(۲۹۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِّنْ أُمَّتِيْ

(۲۹۸) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امیری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لائے گا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے سامنے

---

(۲۹۷) ٭ یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوتی ہے اور وہ اپنی اسی کنجی سے کھولا جا سکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی- وہ کنجی لا الٰہ الا اللہ یعنی عقیدۂ توحید ہے-

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟) تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لیے دندانے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی کنجی لے کر آؤ گے جس کے دندانے سالم ہوں تو تمہارے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا ورنہ تو نہ کھولا جائے گا-

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دے دینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک مؤثر اسلوب بیان تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے- لا الٰہ الا اللہ کے مفتاح ہونے سے آپ کا یہ مطلب تو تھا نہیں کہ اب نجات کے لیے اس کے علاوہ کسی اور امر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی موجود ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں- شجاعت کا ڈنکا پٹ رہا ہو اور عرب کی مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جا رہی ہو جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نہ ہو- اس لیے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں-

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ کلمہ ساتھ ہو- اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں اب رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسری حدیثیں ہیں-

(۲۹۸) ٭ اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو اھ ....

www.besturdubooks.net

عَلٰى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُنْشَرُ عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَ تِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلَ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كِفَّةٍ وَ الْبِطَاقَةُ فِيْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ. (رواه الترمذی و ابن ماجة)

(اس کے اعمالنامہ کے) ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر دفتر وسعت نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو میرے ان فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تمہارے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کیوں نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہوگا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمام دفتر ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں گے اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا تو دفتروں کا پلہ اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ کا نام پاک اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں پڑ سکتی۔ (ترمذی۔ احمد)

ﷺ.... اس لیے ذکر اسی کلمہ کو کیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں ان کی جو رائے ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے تلفظ کا نہیں بلکہ اس کی اس عمیق حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا کہ جو اس کا پورا وزن ہے وہ سب کا سب اس کے حصہ میں آ گیا ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ کبھی تو حلق سے اوپر بھی نہیں جاتا اور کبھی ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرش عظیم تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جا سکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاذؒ کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ اذکار میں ایک ذکر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ثواب اس ذکر کا ہو جیسا کہ ملا علی قاری کی رائے ہے مگر یہ کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ یعنی اس کلمہ کو پڑھنے سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے پس مؤمن کے قلب میں یہ کلمہ ایمان رہتا ہے اور جب وہ تبرک کے لیے اس کو پڑھتا ہے تو یہ اس کا ایک وظیفہ بھی بن جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ اس شخص کا ایمان ہوا گر چہ بظاہر محشر میں وزن صرف اعمال کا ہوگا یعنی نیکی اور بدی کا۔ کفر و ایمان غالباً میزانِ آخرت میں اعمال کے ساتھ تولے نہیں جائیں گے کیونکہ ایمان اگر تولا جا سکتا ہے تو کفر کے مقابلہ میں ہی تولا جا سکتا ہے اور کفر و ایمان کے جمع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لیے جب اعمال کا وزن شروع ہوگا تو بدیوں کے مقابلہ میں صرف مؤمن کی نیکیاں ہی رکھی جائیں گی۔ اس کا ایمان میزانِ آخرت میں نہ رکھا جائے گا لیکن قیامت خدائے تعالیٰ کے نکتہ نوازی اور شانِ بے نیازی دونوں کے ظہور کا دن ہوگا ﷺ....

www.besturdubooks.net

(۲۹۹) عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ وَ اَدْعُوْکَ بِہٖ فَقَالَ یَا مُوْسٰی قُلْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ یَا رَبِّ کُلُّ عِبَادِکَ یَقُوْلُ ھٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِہٖ قَالَ یَا مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَھُنَّ غَیْرِیْ وَ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ کِفَّۃٍ وَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کِفَّۃٍ لَمَالَتْ بِھِنَّ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ . (رواہ فی شرح السنۃ)

(۲۹۹) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک بار) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا وظیفہ تعلیم فرما دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کیا کروں اور تجھے پکارا کروں ارشاد ہوا موسیٰ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا پروردگار یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں میں تو ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص طور پر تو مجھے ہی تعلیم فرمائے۔ ارشاد ہوا موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور جو اس میں آباد ہیں میری ذات کے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو ان سب کے مقابلہ میں لا الٰہ الا اللہ کا پلہ ہی بھاری پڑے گا۔ (شرح السنہ)

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ

(۳۰۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ

ﷺ .... اس لیے جب اس گنہگار کی بخشش منظور ہوگی تو محض اپنے لطف وکرم سے اس کا ایمان اس کی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیں گے بلاشبہ ایمان کا وزن اتنا ہی ہے کہ اگر اسے میزان آخرت میں رکھ دیں تو پھر سیئات کا وزن اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ آخر جب کفر کی عمر بھر کی بدیاں اس کلمہ کی بدولت چشم زدن میں سب عفو ہو جاتی ہیں تو زمانہ اسلام کی برائیاں اس کے سامنے بھلا کب ٹھہر سکتی ہیں یہ کلمہ ایمانی سب کے پاس ہے اور سب کے ایمان کا وزن اتنا ہی ہے لیکن یہاں آئین فضل نے اس کی بخشش کے لیے اسی کے ایمان کے وزن کا ایک بہانہ نکال لیا تھا۔

(۲۹۹) ٭ اہل فہم کے لیے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آسمانوں اور ان کی آبادیات کے ذکر کے ساتھ تو غیری یعنی اللہ کی ذات پاک کا استثناء مذکور ہے مگر زمینوں کے ذکر کے ساتھ یہ استثناء مذکور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کے لیے جہت علو یعنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش ربوبیت کے لیے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہیں پھر اس مجاز میں اتنی حقیقت بھی ہے کہ تجلیات الٰہیہ کی جتنی حقیقت آسمانوں میں ہے زمینوں میں نہیں اس لیے فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سماوات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثناء عین مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت چیز ہے۔

(۳۰۰) ٭ یہ کلمہ نفی ماسوی اللہ کے لیے موضوع ہے اس لیے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہیے۔ اگر کہیں عرش پر رحمٰن کی تجلی نہ ہوتی تو یہ کلمہ عرش کو بھی یقیناً پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر اِلَّا اللّٰہ کے اثبات کا کچھ اتہ پتہ ملتا ہے اس لیے اس سرحد تک جا کر اس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب "لَیْسَ لَھَا دُوْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ" کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھ لیتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں ....

www.besturdubooks.net

حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتُنِبَ الْکَبَائِرَ وَ فِی رِوَایَةٍ لَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَیْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ حَتّٰی تَخْلُصَ اِلَیْهِ. (رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب– وضعف اسناد الثانیه)

یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے- جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا رہے اس کلمہ کی پرواز کا عالم یہی رہتا ہے- ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ اللہ کی ذاتِ پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے- مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے-

(۳۰۱) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ. (رواہ الترمذی و ابن ماجه)

(۳۰۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور خدا کو پکارنے کا سب سے افضل کلمہ الحمدللہ ہے- (ترمذی- ابن ماجہ)

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَکْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَ اَنَا اَکْبَرُ وَ اِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ یَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِیْکَ لِیْ وَ اِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْکُ وَ لَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْکُ وَ لِیَ الْحَمْدُ وَ اِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا

(۳۰۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بے شک خدا میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی شریک نہیں- اور جب وہ کہتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے ملک اور تعریف سب میرے لیے ہے اور جب وہ کہتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تو

لله .... لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے ۔

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشا نیست کز و نام و نشاں چیزے نیست

یہ اخص الخواص کی توحید ہے رہ گئے توحید وجودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو ان کا یہ محل نہیں- توحید وجودی کے مذاق والوں کے لیے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدتِ موجود تو حال ہے اور وحدتِ وجود حقیقت حال ہے- و اللّٰه تعالٰی اعلم بحقیقة الحال-

(۳۰۱) ٭ کلمہ طیبہ کا افضل الذکر ہونا تو ظاہر ہے اور اسی لیے اس کی پرواز بھی سب اذکار سے بلند ہے- حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اور الحمدللہ کا دائرہ صرف زمین اور آسمانوں کے درمیان درمیان ہی محدود رہتا ہے اور آسمانوں کو نفوذ کر کے عرش تک پہنچ جانا یہ صرف اسی کلمہ طیبہ کا خاصہ ہے- رہا الحمدللہ کا افضل دعا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا لفظ عربی زبان میں اردو کے استعمال سے ذرا جداگانہ ہے- عربی میں دعا کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پکارنے کو کہتے ہیں اور اس ذاتِ بے نیاز کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس کی تعریف سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں اسی لیے سورۂ فاتحہ کو الحمدللہ سے شروع کیا گیا ہے-

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِیْ وَ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ قَالَھَا فِیْ مَرْضِہٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْہُ النَّارُ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا میری مدد کے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

الایمان هو التصدیق بکل ماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ یُؤْمِنُوْا بِیْ وَ بِمَا جِئْتُ بِہٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَ حِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ۔

(رواہ البخاری و مسلم واللفظ لمسلم)

(۳۰۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لے کر آیا ہوں' جب یہ عہد کر لیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

---

(۳۰۳) * اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کیے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے' بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوۃ ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آ سکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لیے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا اس لیے اصلی مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔ دوسری حدیثوں میں ان ضمنی دفعات کا بھی ذکر ہے۔

www.besturdubooks.net

(۳۰۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدِّيْنُ خَمْسٌ لَا يَقْبَلُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ دُوْنَ شَيْءٍ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ وَ الْحَيٰوةِ بَعْدَ الْمَوْتِ هٰذِهٖ وَاحِدَةٌ وَ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ اِلَّا بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةُ طَهُوْرٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ وَ الصَّلٰوةَ اِلَّا بِالزَّكٰوةِ مَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانُ فَتَرَكَ صِيَامَهٗ مُتَعَمِّدًا لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِيْمَانَ وَ لَا الصَّلٰوةَ وَ لَا الزَّكٰوةَ وَ مَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَ وَ تَيَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَ لَمْ يَحُجَّ وَ لَمْ يُوْمِنْ بِحَجِّهٖ وَ لَمْ يَحُجَّ عَنْهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ الْاِيْمَانُ وَ لَا الصَّلٰوةُ وَ لَا الزَّكٰوةُ وَ لَا الصِّيَامُ.

(۳۰۴) ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالٰی کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالٰی' اس کے فرشتے' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب وکتاب کے لیے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں' اللہ تعالٰی نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے' زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالٰی ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لیے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالٰی نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لیے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان' نماز' زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

(رواہ فی الحلیہ. و قدمر نحوہ فی المجلد الاول من ترجمان السنہ ص ۵۲۲)

ﷲ ...موجود ہے اسلامی جنگ کے مقاصد' اس کے انواع اور اس کے ختم کرنے کی صورتوں کا مسئلہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اس کا اصل محل کتاب الجہاد ہے۔ اس جگہ ان مباحث کا انتظار قبل از وقت اور بے محل ہے۔ یہاں ترجمان السنہ ج اص ۴۷۴ بھی ضرور ملاحظہ فرما لیجیے۔

(۳۰۴) * یہ حدیث الرحمۃ المھداۃ سے نقل کی گئی تھی اس وقت اس کا اصل نسخہ میرے پاس موجود نہیں اس لیے و لم یؤمن بحجہ کا ترجمہ نہیں لکھا گیا ممکن ہے کہ اصل لفظ ولم یامر بحجہ ہو موجودہ لفظ کا کوئی مفید مطلب اس وقت ذہن میں نہیں آیا علماء غور کر لیں۔

اس حدیث سے ہمارے عنوان کا مضمون بخوبی واضح ہے اور اس کی اصل روح وہ ہے جو ترجمان السنہ جلد اول ص ۵۲۲ پر زیر عنوان ارکانِ اسلام کا باہم ربط بیان کی گئی ہے اس لیے اس کو دوبارہ دیکھ لینا چاہیے۔

www.besturdubooks.net

من اقام شعائر اللّٰہ فلہ ذمۃ اللّٰہ و ذمۃ رسولہ

جس نے شعائرِ اسلام ادا کر لیے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہو گیا

(۳۰۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ اَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ. (رواہ البخاری)

(۳۰۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہو چکا ہے اس لیے تم (بھی اس عہد کی رعایت کرو اور) اس کو مت توڑو۔ (بخاری)

---

(۳۰۵) ٭ اسی حدیث کی وجہ سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہو گیا ہے کہ سب اہل قبلہ مؤمن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نمازوں میں صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا ایسا کون سا مرکزی رکن ہے جس کے بعد عقائد کا تخلخل بھی مضرت رساں نہیں ہوتا اس کے ماسوا مسلمانوں کا ذبیحہ کھالینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ نیز اکل ذبیحہ مسلم اقامت صلوٰۃ یا استقبالِ قبلہ کے درجہ کی چیز بھی نہیں پھر اس کو ان اہم اجزاء کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کر دیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال مابہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق اگر چہ اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک قلبی صفت ہے اور اقرار اگر چہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ بھی وقتی چیز ہے دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعائر کے ذریعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا معاملہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کو یہ تعبیر اختیار کرنی پڑی۔ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (البقرۃ:۱۷۷) نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی لحاظ سے جس امر میں وہ ہم سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری سی نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کر لیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہم سے اتنا ملنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھا لیتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کر چکے ہیں اس لیے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہو جانا چاہیے اب ان کے ساتھ کوئی بد معاملگی درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بد معاملگی کے مترادف ہوگی۔ لیکن فرض کر لو کہ اگر کسی دور میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے مطابق کیا ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی صفائی کے لیے ان مخصوص شعاروں کو ترک کر کے ان کے بالمقابل اسلامی شعائر اختیار کریں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اقرار جتنا ایک نصرانی کے لیے ضروری ہے اتنا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لیے ضروری کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابنیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لیے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ اور رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان اندرونی ←....

(۳۰۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَ صَلَّوْا صَلَاتَنَا وَ اسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَ ذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَ اَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.

(رواه البخاری)

(۳۰۶) انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ' جب یہ اقرار کرلیں' ہماری طرح نمازیں پڑھیں' ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لیے ان کی جان و مال بھی قابل احترام سمجھی جائے گی ہاں آئینِ اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

من ابی قبول بعض الفرائض فقد ابی الاسلام کلمه

اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

(۳۰۷) اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

(۳۰۷) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

☜ .... فرقوں کے ساتھ نہیں جو مدعی اسلام ہوں بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ جو مدعی اسلام یہ تین افعال ادا کرلے وہ پکا مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعالِ کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجرؒ کی عبادت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۰۶) ٭ حافظ ابن حجر ان تین افعال کے تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

وحكمة الاقتصار على ماذكر من الافعال ان من يقر بالتوحيد من اهل الكتاب و ان صلو او استقبلوا و ذبحوا و لكنهم لا يصلون مثل صلوتنا و لا يستقبلون قبلتنا و منهم من يذبح لغير الله و منهم من لا ياكل ذبيحتنا و لهذا قال فى الرواية الاخرى و اكل ذبيحتنا. والا طلاع على حال المرء في صلوته واكله يمكن بسرعة فى اول يوم بخلاف غير ذلك من امور الدين.

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب توحید کے اقرار کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں' استقبال قبلہ بھی کرتے ہیں اور جانور ذبح کر کے ہی کھاتے ہیں مگر نہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور کوئی ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتا ہے۔ نماز اور ذبیحہ مسلم کھالینا ایسے کھلے ہوئے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع بسہولت اور بہت جلد ہو سکتی ہے۔ برخلاف دین کے اور افعال کے۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے ساتھ معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص جس دین کے شعاروں کو علی الاعلان ادا کرے گا اس کے ساتھ اسی دین و مذہب والوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس سے اس کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔

(۳۰۷) ٭ قطعیات اور متواتراتِ دین میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے ☜ ....

www.besturdubooks.net

قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ وَ كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ يَا اَبَابَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَ نَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَ اللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَ اللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ. (رواہ البخاری)

ہو گیا اور ان کے بعد ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بنا تھا وہ کافر بن گئے (تو ابو بکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو بکرؓ آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کر لے تو اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا- ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی- رہی یہ بات کہ اس کا یہ اقرار دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد- ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح) زکوۃ مالی عبادت ہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کر دیں گے جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے بھی جنگ کروں گا- عمرؓ کہتے ہیں خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ ان سے جنگ کے معاملہ میں ان کو پورا پورا شرح صدر ہو گیا ہے بالآخر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ حق بات یہی ہے- (بخاری شریف)

لہ .... منکر کا یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منکرین زکوۃ سے جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداءً اس معاملہ میں جو تردد رہا اس کا منشا حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک صورتِ واقعہ کی تشخیص میں اختلاف تھا- وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ منعِ زکوۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ باغیوں سے جنگ چھیڑ دی جائے- حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک یہ ارتداد کی دفعہ میں آتا تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ منکر صلوٰۃ اور منکر زکوۃ میں آخر کیا فرق ہے- اگر منکر صلوۃ پر ارتداد کی دفعہ عائد ہوتی ہے تو منکر زکوۃ پر کیوں عائد نہیں ہوتی- وہ عبادت بدنیہ ہے یہ عبادت مالیہ حافظ زیلعی تحریر فرماتے ہیں- وقد يقال ان عمر لم يتحقق ردتهم يدل على ذلك في القصة ان ابابكر لما استشارفيهم قال له عمر يا خليفة رسول الله انهم قوم مومنون و انما شحوابا موالهم' الخ یعنی اس اختلاف کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ابھی تک ان کا مرتد ہونا ہی ثابت نہ ہوا تھا جیسا کہ اس قصہ میں ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خدا کے رسول کے خلیفہ یہ تو مؤمن لوگ ہیں صرف اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں-

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جماعت مؤمن تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالات کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ان کا جرم ارتداد کی حد تک پہنچ چکا ہے جب بحث و تمحیص کے بعد یہ واقعات و حالات حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اسی درجہ واضح ہو گئے تو انہیں بھی حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا- حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں! فعمر وافق ابابكر على قتال اهل الردة مانعي الزكٰوة و ....

(۳۰۸) عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ ؓ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَ اِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَ عَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قَالَ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ. (رواہ ابو داؤد)

(۳۰۸) دیلم حمیریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور وہاں سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کاج کرتے ہیں اس لیے ہم گیہوں کی شراب بنا کر استعمال کر لیتے ہیں تا کہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ کر سکیں' آپؐ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے؟ میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے - فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا- (ابوداؤد)

(۳۰۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ جِيْءَ بِالْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا

(۳۰۹) ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہو چکی تو جو قیدی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بولو ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں فدیہ یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب

٭.... کذلک سائر الصحابۃ . (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۳۲) آخر کار حضرت عمرؓ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا- (منہاج السنہ) حضرت قبیصہؒ فرماتے ہیں ھم المرتدون الذین ارتد و اعلی عھد ابوبکر فقاتلھم ابوبکر - یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے اور اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کی تھی- (بخاری شریف ج ا ص ۴۹۰)

اس بحث سے یہ روشن ہو گیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن کا منکر اسلام ہی کا منکر ہے- تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ اکفار الملحدین مصنفہ حضرت استاذؒ-

(۳۰۸) ٭ پہلی حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوۃ سے جنگ کی تھی اور اس حدیث میں براہ راست ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ منع زکوۃ یا اقامت صلوۃ' استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے خلاف ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی قطعی فرض کا انکار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان میں سے کسی ایک کے انکار کا-

یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض احمقانہ ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر بھی موجب کفر نہیں رہتا- گویا کوئی شخص کھلے ہوئے اسباب کفر کے ارتکاب کے بعد بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا- حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان ہر سہ اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم پایہ شمار ہوتا ہے- (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۶۹)

www.besturdubooks.net

يَنْفَلِتَنَّ اَحَدٌ مِنْهُمْ اِلَّا بِفِدَاءٍ اَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ فَاِنَّهُ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَمَا رَاَيْتُنِيْ فِيْ يَوْمٍ اَخْوَفَ اَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ مِنِّيْ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ حَتّٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ قَالَ وَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِقَوْلِ عُمَرَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَاتِ. (رواه الترمذی)

نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا صرف ایک سہل بن بیضاء کا استثناء منظور کر لیا جائے کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر آ پڑے جتنا اس دن محسوس ہوا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے فرما دیا اچھا بجز سہل بن بیضاء کے۔ یہ کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق قرآن کریم نازل ہو گیا (اور وہ یہ آیت ہے) یہ بات نبی کی شایان شان نہیں کہ وہ قیدیوں کو قبول کرے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی زمین کا فروں کے خون سے رنگین نہ کرے۔ (آخر آیت تک) (ترمذی)

ليس الايمان محض العلم و انما هو عقد القلب

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں

(٣١٠) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ. (بخاری شریف)

(٣١٠) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا' پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے۔ (بخاری)

---

(٣١٠) * حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

www.besturdubooks.net

الایمان هو العهد بالتزام طاعة الرسول و الانقياد للدين كله و ليس مجرد التصديق و الاقرار

ایمان صرف تصدیق واقرار کا نام نہیں دین اسلام میں داخل ہو جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے

(۳۱۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرٰةِ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ.

(اخرجه الدارقطني في الافراد)

(۳۱۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ایک نصرانی شخص انجیل پر تو عمل کرتا ہے اور اسی طرح یہودی اپنی تورات پر تو عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی نہیں کرتا۔ تو فرمایئے اس کا کیا حکم ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نصرانی اور یہودی میری خبر سن پائے پھر میرے دین کی پیروی نہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ (دارقطنی)

(۳۱۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهٖ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْ لَا اَنْ تُعَيِّرَنِيْ قُرَيْشٌ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا حَمَلَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ الْجَزَعُ لَاَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ.

(رواه مسلم)

(۳۱۲) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں اس کی گواہی تو دے سکوں انہوں نے کہا کہ اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا داغ نہ لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور (آپ کا حکم مان لیتا اور) آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا (یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوگئی اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ الخ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے چاہے ہدایت نصیب فرمادے۔ (مسلم شریف)

---

(۳۱۱) ❋ اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمسک بالانجیل اور تمسک بالتورات بھی نجات کے لیے کافی نہیں۔ اگر ایک یہودی یا ایک نصرانی اللہ اور اپنے رسول پر ایمان رکھتا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تصدیق بھی کر لیتا ہے مگر آپ کے دین کی اتباع کا عہد نہیں کرتا تو اس کا ایمان بھی غیر معتبر رہے گا۔ کسی رسول کی تصدیق کے معنی ہی اس کی اتباع کرنی ہیں اسی لیے یہاں ایمان کو اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ تصدیق کی اصل حقیقت اتباع کرنی ہے یہ صرف علم کا مرتبہ نہیں۔

(۳۱۲) ❋ ابو طالب کی علمی تصدیق میں کسے شبہ ہو سکتا ہے اور ان کا اقرار بھی ان کے اشعار سے ظاہر ہے پھر وہ کس بات کا انکار کر رہے تھے؟ صرف آپ کے دین اختیار کرنے کا اور آپ کی اطاعت کرنے کا اور اسی عمل کے فقدان کی وجہ سے جمہور امت نے ان کو مسلمان قرار نہیں دیا۔ قلب جب تک اپنے اختیار سے عہد وفاداری کے لیے تیار نہیں ہوتا اس کی اضطراری تصدیق کارآمد نہیں ہوتی۔

www.besturdubooks.net

(۳۱۳) وَ کَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ اِیْلِیَاءَ وَ هِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰی نَصَارَی الشَّامِ یُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ حِیْنَ قَدِمَ اِیْلِیَاءَ اَصْبَحَ یَوْمًا خَبِیْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بِطَارِقَتِهٖ قَدِ اسْتَنْکَرْنَا هَیْئَتَکَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَ کَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً یَنْظُرُ فِی النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِیْنَ سَاَلُوْهُ اِنِّیْ رَاَیْتُ اللَّیْلَةَ حِیْنَ نَظَرْتُ فِی النُّجُوْمِ مَلِکُ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ یَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَیْسَ یَخْتَتِنُ اِلَّا الْیَهُوْدُ فَلَا یُهِمَّنَّکَ شَاْنُهُمْ وَ اکْتُبْ اِلٰی مَدَائِنِ مُلْکِکَ فَلْیَقْتُلُوْا مَنْ فِیْهِمْ مِنَ الْیَهُوْدِ فَبَیْنَا هُمْ عَلٰی اَمْرِهِمْ اُتِیَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِکُ غَسَّانَ یُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهٗ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ هُوَاَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَیْهِ فَحَدَّثُوْا اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَ سَاَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ یَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِکُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ کَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰی صَاحِبٍ لَهٗ بِرُوْمِیَةَ وَ کَانَ نَظِیْرَهٗ فِی الْعِلْمِ وَ سَارَهِرَقْلُ اِلٰی حِمْصَ فَلَمْ یَرِمْ حِمْصَ حَتّٰی اَتَاهُ کِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهٖ یُوَافِقُ رَاْیَ هِرَقْلَ عَلٰی خُرُوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَّهٗ نَبِیٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِیْ دَسْکَرَةٍ لَهٗ بِحِمْصَ ثُمَّ اَمَرَ بِاَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَکُمْ فِی الْفَلَاحِ وَ الرُّشْدِ وَ اَنْ یَثْبُتَ مُلْکُکُمْ فَتُبَایِعُوْا

(۳۱۳) ابن الناطور ایلیا کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لحاظ سے شام کے نصرانیوں کا سردار تھا- بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا اس کے بعض خواص نے پوچھا ہم (آج) آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا-علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو (حساب سے) مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ختنے کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سوائے یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیے جائیں- ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا- ہرقل نے جب اس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ لوگوں نے تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں- پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ کرتے ہیں- ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ یہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں- اس کے بعد ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم وفضل میں ہرقل ہی کے ٹکر کا تھا (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا ابھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا- اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں- اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لیے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لیے جائیں وہ (حسب الحکم) بند کر دیے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور یہ تقریر کی اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت

www.besturdubooks.net

هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَ اَيِسَ مِنَ الْاِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ اِنِّيْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اٰنِفًا اَخْتَبِرُبِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهُ وَ رَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ. (بخاری شریف)

قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کرلو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے- بالآخر ہرقل نے جب (اس درجہ) ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوگیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انہیں میرے پاس واپس بلاؤ- (جب وہ حاضر ہوگئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی مضبوطی کے امتحان کے لیے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہوگئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہوگئے- ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا-

(۳۱۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ لَا تَسْرِقُوْا وَ لَا تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

(۳۱۴) صفوان بن عسال مرادی بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے رفیق سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم ان سے اس آیت کی مراد دریافت کریں گے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى. الخ وہ بولا ایسا غضب نہ کرنا انہیں نبی نہ کہنا اگر کہیں انہوں نے تمہاری زبان سے نبی کا لفظ سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی- یہ مشورہ کر کے دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور ان آیات کے متعلق آپ سے پوچھا' آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر ضابطہ میں' جادو نہ چلاؤ' سود نہ کھاؤ' کسی بے گناہ کو کسی صاحب اقتدار کے پاس پکڑ کر نہ لے جاؤ تاکہ وہ

---

(۳۱۴) ٭ حافظ ابن کثیر نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے و هو حديث مشكل و عبدالله بن سلمه فى حفظه شيء وقد تكلموا فيه. اس حدیث کے مضمون میں کچھ الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو تسع آیات سے معجزات مراد ہیں- اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مصداق احکام ہیں وہ بھی بجائے نو کے یہاں دس ذکر کیے گئے ہیں- حافظ موصوف نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کو صحیح الفاظ کے بیان کرنے میں کچھ التباس پڑ گیا ہو- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل تذکرہ تورات کے وصایا عشرہ کے متعلق فرمایا ہو اور اس کی بجائے انہیں تسع آیات کا مغالطہ لگ گیا ہو-

حافظ ابن قیمؒ نے وفود کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے- و من تامل ما فى السير و الاخبار الثابتة من شهادة كثير من اهل الكتاب و المشركين له صلى الله عليه وسلم بالرسالة انه صادق فلم تد خلهم هذه الشهادة فى الاسلام علم ان الاسلام امر و راء ذلك و انه ليس هو المعرفة فقط ولا المعرفة و الا قرار فقط بل المعرفة و الاقرار و الانقياد و التزام طاعته و دينه ظاهراً و باطنا. (زادالمعاد ج ۳ ص ۵۵) یعنی جو شخص سیرت کے صحیح واقعات اور مشرکین اور اہل کتاب کی ان شہادتوں پر غور کرے گا جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق دی ہیں اور اس کے باوجود ان کو مسلمان نہیں سمجھا گیا وہ لا.....

www.besturdubooks.net

وَ لَا تَمْشُوْا بِبَرِیْءٍ اِلٰی ذِیْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَهٗ وَ لَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا وَ لَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَ لَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ یَوْمَ الزَّحْفِ وَ عَلَیْكُمْ خَاصَّةَ الْیَهُوْدَ لَا تَعْتَدُوْا فِی السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا یَدَیْهِ وَ رِجْلَیْهِ وَ قَالَا نَشْهَدُ اِنَّكَ نَبِیٌّ قَالَ فَمَا یَمْنَعُكَ اَنْ تَتَّبِعُوْنِیْ قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا یَزَالُ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ نَبِیٌّ وَ اِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ یَقْتُلَنَا الْیَهُوْدُ.

(رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

اسے مار ڈالے' کسی پاک باز عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور جہاد میں پشت نہ پھیرو' اور اے یہود خاص تمہارے لیے یہ حکم اور ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کے بارے میں اپنی شریعت سے تجاوز نہ کرو- یہ جوابات سن کر دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں- آپ نے فرمایا تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے (اس کے جواب میں انہوں نے یہ جھوٹا بہانہ بنا دیا اور) کہا اس لیے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہے گا اگر ہم آپ کی تابعداری قبول کر لیں تو اس کا خوف ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں-

(احمد' ترمذی' نسائی' ابوداؤد)

(۳۱۵) عَنِ الْحَارِثِ بْنِ ضِرَارِ الْخُزَاعِیِّ قَالَ قَدِمْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِیْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَدَخَلْتُ فِیْهِ وَ اَقْرَرْتُ بِهٖ وَ دَعَانِیْ اِلَی الزَّكٰوةِ فَاَقْرَرْتُ بِهَا وَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْجِعُ اِلٰی قَوْمِیْ فَاَدْعُوْهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اَدَاءِ الزَّكٰوةِ فَمَنْ

(۳۱۵) حارث بن ضرار خزاعیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ اسلام کی دعوت دی- میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کر لی اور اسلام میں داخل ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ دینے کے لیے فرمایا میں نے اس کا بھی اقرار کر لیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور ان سے زکوٰۃ دینے کے لیے کہتا

☆ ....یہ بات بخوبی سمجھ جائے گا کہ اسلام تصدیق کے ساتھ اور بھی کسی چیز کا نام ہے-صرف رسول کی معرفت یا اس کی صداقت کے اقرار کر لینے کا نام نہیں بلکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے آپ کے دین میں داخل ہونے کا عہد کرے- ورنہ بہت سے اہل کتاب نے آپ کی تصدیق کی ہے آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا ہے مگر آپ کا دین اسلام قبول نہیں کیا- اسی نکتہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں کہا گیا- (زادالمعادج ۳ ص ۵۵)

(۳۱۵) ✱ اس حدیث میں ''دخلت فی الاسلام'' کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ دراصل دین میں داخل ہو جانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے اس لیے اسلام میں داخلہ کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص حقانیت اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی بجا آوری کا عہد نہیں کرتا وہ اسلام کا حلقہ بگوش شمار نہیں ہو سکتا- اسی نکتہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے بہت سے اشخاص مسلمان شمار نہیں کیے گئے- حضرت ابوطالب کے حسب ذیل شعر کا مطلب بھی یہی تھا-

لو لا الملامة او حذار مسبة ☆ لو جدتنی سمحا بذاک مبینا

اگر مخالفین کی ملامت یا ان کے برا بھلا کہنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں آپ کے دین میں بڑی مسرت اور فراخ دلی کے ساتھ داخل ہو جاتا-

www.besturdubooks.net

اسْتَجَابَ لِیْ جَمَعْتُ زَكٰوتَهٗ فَتُرْسِلُ اِلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَسُوْلًا اِبَّانَ وَقْتِ كَذَا وَكَذَا لِیَأْتِیَكَ بِمَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّكٰوةَ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لَهٗ وَبَلَغَ الْاِبَّانَ الَّذِیْ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَبْعَثَ اِلَیْهِ احْتَبَسَ الرَّسُوْلُ فَلَمْ یَأْتِ فَظَنَّ الْحَارِثُ اَنْ قَدْ حَدَثَ فِیْهِ سَخَطٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَدَعَا سَرَوَاتِ قَوْمِهٖ فَقَالَ لَهُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقَّتَ لِیْ وَقْتًا یُرْسِلُ اِلَیَّ رَسُوْلَهٗ لِیَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِیْ مِنَ الزَّكٰوةِ وَلَیْسَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ وَلَا اَرٰی حَبْسَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا مِنْ سُخْطَةٍ كَانَتْ فَانْطَلِقُوْا فَنَأْتِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِیْدَ بْنَ عُقْبَةَ اِلَى الْحَارِثِ لِیَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا اَنْ سَارَ الْوَلِیْدُ حَتّٰی بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِیْقِ فَرِقَ فَرَجَعَ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِیْ مِنَ الزَّكٰوةِ وَاَرَادَ قَتْلِیْ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْبَعْثَ اِلَى الْحَارِثِ وَاَقْبَلَ بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰی اِذَا اسْتَقْبَلَ الْبَعْثَ وَفَصَلَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ لَقِیَهُمُ الْحَارِثُ فَقَالُوْا هٰذَا الْحَارِثُ فَلَمَّا غَشِیَهُمْ قَالَ لَهُمْ اِلٰی مَنْ بُعِثْتُمْ قَالُوْا اِلَیْكَ قَالَ وَلِمَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ

ہوں پھر جو شخص ان میں میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوۃ جمع رکھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اپنا کوئی قاصد فلاں فلاں وقت پر بھیج دیں تاکہ جو زکوۃ میں جمع کرلوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دے- حارث جب ان لوگوں سے زکوۃ وصول کر کے جمع کر چکے جنہوں نے دعوت اسلام قبول کر لی تھی اور وہ مقرر کردہ وقت بھی آ گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس وقت مقرر پر آپ کا قاصد نہ پہنچا- حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خطرہ ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان سے کوئی ناگواری تو پیش نہ آ گئی ہو (جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد نہ بھیجا ہو) اس لیے انہوں نے اپنی قوم کے چند سربرآوردہ اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تاکہ زکوۃ کا جو مال میرے پاس جمع ہو جائے وہ وصول کر لے- (مگر قاصد وقت مقرر پر نہیں آیا اور) وعدہ خلافی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لیے ہو نہ ہو میرا خیال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں- ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوۃ وصول کر لیں جب ولید روانہ ہو گئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ خطرہ محسوس ہوا اور ڈر کر وہ واپس لوٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے یارسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے زکوۃ دینے سے انکار دیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتقام کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا ادھر حارث اپنی جماعت کو لیے ہوئے مدینہ روانہ ہو چکے تھے جب اس لشکر سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے ہو انہوں نے جواب دیا آپ ہی کے لیے- یہ بولے آخر کیوں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کی وصولیابی کے لیے ولید کو تمہارے پاس

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ بَعَثَ اِلَیْکَ الْوَلِیْدَ بْنَ عُقْبَةَ فَزَعَمَ اَنَّکَ مَنَعْتَهُ الزَّکٰوةَ وَ اَرَدْتَ قَتْلَهُ قَالَ وَ الَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ مَارَأَیْتُهُ بَتَّةً وَ لَا اَتَانِیْ فَلَمَّا دَخَلَ الْحَارِثُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنَعْتَ الزَّکٰوةَ وَ اَرَدْتَّ قَتْلَ رَسُوْلِیْ قَالَ لَا وَ الَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَارَأَیْتُهُ وَ لَا رَاٰنِیْ وَ مَا اَقْبَلْتُ اِلَّا حِیْنَ احْتُبِسَ عَلَیَّ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَشْیَةَ اَنْ تَکُوْنَ کَانَتْ سُخْطَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ قَالَ فَنَزَلَتِ الْحُجُرَاتِ (یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ) اِلٰی هذا المکان فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ. (رواہ احمد)

بھیجا تھا ان کا بیان یہ ہے کہ تم نے ان کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور (الٹا) ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے' انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے- جب حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' حارث کہو تم نے زکوۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے قتل کا بھی ارادہ کیا انہوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے' میں نے تو ان کو اور انہوں نے مجھ کو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار کر کے) اس وقت چلا ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس نہیں آیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے- اسی پر سورۂ حجرات نازل ہوئی- یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ...... "مسلمانو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ" الخ.......

الایمان هو الرضاء بکل ماقضی به النبی صلی الله علیه وسلم

ایمان آنحضرت کے ہر فیصلہ پر رضاء وتسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے

(۳۱۶) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَیْرَ فِیْ شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ یُسْقٰی بِهَا النَّخْلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِ یَا زُبَیْرُ فَاَمَرَهٗ بِالْمَعْرُوْفِ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلٰی جَارِکَ قَالَ الْاَنْصَارِیُّ اَنْ کَانَ ابْنُ عَمَّتِکَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمَاءُ اِلَی الْجَدْرِ وَ اسْتَوْعٰی لَهٗ حَقَّهٗ فَقَالَ الزُّبَیْرُ وَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ اُنْزِلَتْ

(۳۱۶) عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیرؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا- اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آب پاشی کی جاتی تھی آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم آب پاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو' اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی- اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیر آپؐ کے چچازاد بھائی لگتے ہیں اسی لیے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا زبیر تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو- اس فیصلہ میں آپ نے زبیر کا پورا پورا حق دلوایا (اور پچھلے فیصلہ میں آپؐ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی (فلا

www.besturdubooks.net

فِـيْ ذٰلِكَ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. (رواه البخاری)

و ربک.... الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فراخ دلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

(۳۱۷) عَنْ ضَمْرَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِلْمُحِقِّ عَلَى الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَا اَرْضٰى فَقَالَ صَاحِبُهٗ فَمَا تُرِيْدُ قَالَ اَنْ نَذْهَبَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فَذَهَبَا اِلَيْهِ فَقَالَ الَّذِيْ قُضِيَ لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِيْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنْتُمَا عَلٰى مَا قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبٰى صَاحِبُهٗ اَنْ يَّرْضٰى فَقَالَ نَاْتِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِيْ عَلَيْهِ فَاَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَسَاَلَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ كَذٰلِكَ فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهٗ وَ خَرَجَ وَ السَّيْفُ فِيْ يَدِهٖ قَدْ سَلَّهٗ فَضَرَبَ بِهٖ رَاْسَ الَّذِيْ اَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَقَتَلَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الْاٰيَه. (تفسیر ابن کثیر)

(۳۱۷) ضمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہو گئے جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسولؐ خدا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئداد مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا مقدمہ رسول اللہؐ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا' کیا واقعہ اسی طرح ہے؟ اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ.... الخ (تفسیر ابن کثیر)

---

(۳۱۷) ✱ حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن الھیعہ ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابواسحٰق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا' اس کو ماننا' اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بلا آخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا کہ روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمانِ کامل ۔

سر مدگلہ اختصار می باید کرد　　یک کار ازیں دو کاری باید کرد
یا تن برضاء دوست می باید داد　　یا قطع نظر زیاری باید کرد

www.besturdubooks.net

(۳۱۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَلِمَۃٍ مِنْ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ کَنْزِ الْجَنَّۃِ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَ اسْتَسْلَمَ۔ (رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر و رواہ رزین عن ابن عمرؓ)

(۳۱۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے)- (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہوگیا اور پورا پورا مسلمان ہوگیا-

ذکر ماجاء فی رضاء اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما قضاہ لھم او علیھم

اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی شان رضا کی چند مثالیں

(۳۱۹) عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّہٗ تَقَاضٰی ابْنَ

(۳۱۹) کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ابن ابی حدرد پر ان کا کچھ قرضہ

---

(۳۱۸) ✻ اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا گیا- ﴿اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (بقرہ) جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کردے- اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کرچکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے- یہ استسلام وہ نہیں جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب اذ لم یکن الا سلام علی الحقیقۃ و کان علی الاستسلام میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الٰہیہ کے قہر وغلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت وطاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کرلینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گذارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حق کہ نہ کسی نقل وحرکت کا اس کی ہر ہر حرکت وسکون اور اس کا ایک ایک نطق وسکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امرونہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہوجاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی- جس طرح ایک غلام اپنے نفع ونقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندۂ مومن کا حال ہوجانا چاہیے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر لاحول ولاقوۃ الخ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہیے- زمین وآسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک درمکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہوجائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا-

(۳۱۹) ✻ آپ کا یہ حکم بطور کسی قضاء شرعی کے نہ تھا بلکہ صرف باہم مصالحت پر مبنی تھا- کعب کے لیے اتنی گنجائش تھی کہ وہ عذر ومعذرت کرنا چاہتے تو کردیتے لیکن صحابہ کی شان تسلیم ورضا کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک ضابطہ اور بے ضابطہ حکم کا فرق ہی باقی نہ رہا تھا ان کے نزدیک آپ کا قلبی میلان اور حکم ناطق دونوں برابر تھے اسی لیے دین ان کے نزدیک اپنی مجموعی شکل کا نام تھا جب اسلام کا لفظ.....

www.besturdubooks.net

اَبِیْ حَدْرَدٍ دَیْنًا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِیْ بَیْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَیْهِمَا حَتّٰی کَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰی یَا کَعْبُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَیْنِکَ هٰذَا وَ اَوْ مَاَلَیْهِ اَیِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ. (بخاری)

چاہیے تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آ کر اس کا تقاضہ کیا اس پر دونوں کی آوازیں اونچی ہوگئیں یہاں تک کہ آپؐ نے گھر میں سے سن لیا۔ آپؐ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا کر آواز دی کعب؟ وہ بولے یا رسول اللہ حاضر ہوں' آپؐ نے فرمایا اتنا قرض معاف کر دو اور نصف کا اشارہ کیا انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے معاف کیا۔ آپؐ نے فرمایا ابن ابی حدرد اٹھو اور اس کو ادا کر دو۔

(بخاری شریف)

(۳۲۰) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا قَبَاءً مِنْ دِیْبَاجٍ اُهْدِیَ لَهٗ ثُمَّ اَوْشَکَ اَنْ نَزَعَهٗ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی

(۳۲۰) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمایا جو آپؐ کے لیے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپؐ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہؐ (کیا بات تھی کہ) آپؐ نے اس قباء کو اتارنے میں

☆.... دور انحطاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونی شروع ہوگئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آ جاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں اور صرف یہی ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔

زندہ کنی عطاء تو　　　ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو　　　ہر چہ کنی رضائے تو

اگر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ رکھنے اور اس کا ورد کرنے والے اتنی بات سمجھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس نفی و اثبات میں راہ عشق کے کیسے کیسے دقیق رموز پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہو جاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں' صرف التزام طاعت اور انقیاد باطن بھی نہیں' بلکہ تسلیم و رضا کے اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیات نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدائے تعالیٰ کی ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتی　　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۳۲۰) ☆ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ رضاء و تسلیم نے یہاں محبوب و مکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپ کو محبوب ہوا اور مکروہ وہ تھا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہو متنبی کہتا ہے۔

ما الخل الا من او دبقلبه　　　واری بطرف لا یری بسوائه

فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بیع و شراء کے جواز کا مسئلہ استعمال کی اباحت و حرمت پر موقوف نہیں بلکہ ملکیت پر موقوف ہے دیکھیے ریشمی کپڑا مردوں کے لیے پہننا حرام ہے اس کے باوجود اس کی بیع درست ہے کیونکہ اس کی ملکیت میں کوئی نقصان نہیں۔ کلیاتِ دین معلوم کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے اس کے لیے دین کے تمام اصول و ضوابط کا پیش رکھنا بھی ضروری ہے اس لیے اس ایک ہی مسئلہ سے کلیات نہ بنائے جائیں۔

www.besturdubooks.net

عَنْهُ فَقِيْلَ قَدْ اَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِيْ عَنْهُ جِبْرَئِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ اَمْرًا وَ اَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِيْ فَقَالَ اِنِّيْ لَمْ اُعْطِكَهُ تَلْبَسَهُ اِنَّمَا اَعْطَيْتُكَهُ تَبِيْعُهُ فَبَاعَهُ بِاَلْفَيْ دِرْهَمٍ.

(رواہ مسلم)

بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرما دیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ایک چیز کو آپؐ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دے دیا۔ بھلا جب آپؐ اسے برا سمجھتے ہیں تو میں اسے برا کیوں نہ سمجھوں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تم کو اس لیے تو دیا نہیں تھا کہ تم اسے پہن لو۔ میں نے تو اس لیے دیا تھا کہ بیچ لینا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ (مسلم)

(۳۲۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَ نَحْنُ مَعَهُ فَرَاٰى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذِهٖ قَالَ اَصْحَابُهُ هٰذِهٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَكَتَ وَ حَمَلَهَا فِيْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَارًا حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيْهِ وَ الْاِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ وَ قَالَ وَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاُنْكِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ فَرَاٰى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰى قُبَّتِهٖ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْاَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فُعِلَتِ الْقُبَّةُ قَالَ شَكٰى اِلَيْنَا صَاحِبُهَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَ بَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَا لَا يَعْنِيْ اِلَّا مَا لَا بُدَّ مِنْهُ.

(رواہ ابو داؤد)

(۳۲۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہم بھی آپؐ کے ساتھ ساتھ تھے آپؐ نے ایک اونچا سا قبہ دیکھا تو فرمایا یہ قبہ کس کا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا فلاں انصاری کا ہے آپؐ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب اس کا مالک آیا اور اس نے سب لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا آپؐ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا چند بار اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ شخص آپ کا غصہ اور اپنی جانب سے آپؐ کی بے التفاتی سمجھ گیا اس نے اپنے رفقاء سے اس پر اظہار افسوس کیا اور کہا بخدا آپؐ کی یہ بات تو میں کچھ نئی سی دیکھتا ہوں انہوں نے کہا (ہمیں کچھ اور تو معلوم نہیں) بس اتنی بات ہوئی ہے کہ آپؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا قبہ دیکھا تھا وہ شخص فوراً اپنے قبہ کی طرف واپس آیا اور اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن کبھی پھر آپؐ (اس طرف) تشریف لے گئے تو اس قبہ کو نہ دیکھا پوچھا قبہ کیا ہوا؟ عرض کیا اس کے مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے التفاتی پر ہم سے افسوس ظاہر کیا تھا تو ہم نے جو واقعہ تھا وہ اس سے کہہ دیا تھا بس اس کے بعد ہی اس نے یہ قبہ گرا دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لیے وبال ہوگی مگر جو بقدر ضرورت ہو۔

---

(۳۲۱) ✱ بلند قبہ بنانا بھی حرام نہ تھا مگر جس دور میں حب دنیا کا تخم قلوب سے مٹایا جا رہا تھا اور جب آخرت کا تخم بکھیرا جا رہا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ حب دنیا کے اسباب ترقی کو بخوشی گوارا کر لیا جاتا اس لیے اس مصلح اعظم نے اپنے چشم وابرو کے اشاروں سے اپنی بے التفاتی کا ....

www.besturdubooks.net

(۳۲۲) عَنْ اَبِی اُسَیْدِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَ ھُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ.

(رواہ ابوداؤد و البیھقی فی شعب الایمان)

(۳۲۲) ابواسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نکل رہے تھے دیکھا تو مرد اور عورتیں سب راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو گئے تھے فرمایا تم مردوں کے پیچھے چلا کرو- راستہ کے بیچ میں چلنے کا تمہارا کوئی حق نہیں ہے تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہیے اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ ایک عورت دیوار سے اتنا مل کر چلا کرتی تھی کہ اس کا کپڑا دیوار سے رگڑا کرتا تھا-

(ابوداؤد)

(۳۲۳) قَالَ عَمْرٌو وَ کَانَ ھٰھُنَا رَجُلٌ اِسْمُہٗ نَوَّاسٌ وَ کَانَتْ عِنْدَہٗ اِبِلٌ ھِیْمٌ فَذَھَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرٰی تِلْکَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِیْکٍ لَہٗ فَجَاءَ اِلَیْہِ شَرِیْکُہٗ فَقَالَ بِعْنَا تِلْکَ الْاِبِلَ

(۳۲۳) عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اور اس کے پاس بیمار اونٹ تھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے- جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا (آج) تو میں نے وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے- اس نے کہا

؂..... کا اظہار ضروری سمجھا- آپ پر قربان ہونے والے صحابیؓ کے لیے یہ ادنی سی بے التفاتی ناقابل برداشت بن گئی- واضح رہے کہ اس قبہ کی اہمیت اس ماحول اور اس دور زندگی کے حالات کے اعتبار سے محسوس کی گئی تھی ہمارے دور ترقی میں اب اس قبہ کے حکم میں وہ عمارات داخل ہو سکتی ہیں جو اس زمانہ میں دوسری عمارتوں میں وہی نسبت رکھتی ہوں جو اس زمانہ کی عمارتوں میں قبہ کی نسبت تھی مسئلہ کبھی نہیں بدلتا مصلحت ہمیشہ بدل سکتی ہے اس نے کسی مزید تحقیق کے بغیر قبہ کو گرا دیا اور اتنی بڑی قربانی کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ آپ کی محفل میں آ کر اپنی سرخروئی کے لیے اس کا ذکر ہی کر دیتا ؎

فراق یار اگر اندک است اندک نیست   درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(۳۲۲) * عام راستہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا مگر آپ کا حکم سننے والی عورتوں نے اپنا حق صرف اتنے ہی حصہ میں سمجھ لیا تھا جتنے حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلنے کے لیے حکم دے دیا تھا بقیہ حصہ سے وہ کسی بحث کے بغیر دستبردار ہو چکی تھی اور اس حکم کی تعمیل بھی اس مبالغہ سے کی جاتی تھی جس کا نقشہ حدیث میں موجود ہے- حقیقت یہ ہے کہ جب تک طبیعت رضاء و تسلیم کی خوگر نہیں ہو جاتی شریعت پر پورا عمل بھی میسر نہیں آتا-

(۳۲۳) * نہایہ میں ہے آہیم اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پیئے اور سیراب نہ ہو- یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی- ابن عمرؓ چاہتے تو اس اونٹ کو بیع و شراء کے ضابطہ سے بائع کو واپس کر سکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے برقرار رکھنے میں اس کا استیصال ہوتا تھا اس لیے انہوں نے بیع فسخ نہیں کی- اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شان رضاء و تسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لے کر اسی کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کر دیا-

www.besturdubooks.net

فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهُ فَقَالَ إِنَّ شَرِيكِي بَاعَكَ إِبِلًا هِيمًا وَ لَمْ يَعْرِفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا قَالَ دَعْهَا رَضِينَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى. (رواہ البخاری)

بھلا کس کے ہاتھ بیچے اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں تھے اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے انہوں نے فرمایا تو ان کو لے جاؤ جب وہ انہیں لے جانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کوئی مرض اثر کر نہیں لگا کرتا۔ (بخاری شریف)

(۳۲۴) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ لِيْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ اُمِّيْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَ يَأْخُذُهَا. (رواہ ابوداؤد)

(۳۲۴) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر زلفیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (از راہ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۳۲۵) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَؓ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِيْ جُمَّةً اَفَاُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَكْرِمْهَا. قَالَ فَكَانَ اَبُوْ قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَكْرِمْهَا. (رواہ مالک)

(۳۲۵) ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر زلفوں والے بال ہیں کیا میں ان میں شانہ کرلیا کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ان کا لحاظ بھی رکھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بار تیل ڈال لیا کرتے تھے۔ (مالک)

---

(۳۲۴) ٭ ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہ ان کی والدہ کا صرف ایک جذبہ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپ کے دست مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے۔ اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی نفسہ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بنا پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان اشیاء تک محدود ہوگا جو مباح ہوں۔ منکرات اور منہیات کسی وقت بھی قابل مدح نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑ رہی ہے اور اسی جنس کی وہ معذرت ہے جو آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۳۲۵) ٭ یعنی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "واکرمھا" کا (بالوں میں دو دو بار تیل ڈالنا) اقتضاء لغوی نہ سہی لیکن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کرلیا جائے اس کا نام جذبات محبت ہے ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ اسی لیے سر میں دو بار تیل ڈالنا سنت نہیں کہا جاسکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل کی کچھ معذرت پیش کر رہا ہے۔

www.besturdubooks.net

من اتی بالشھادتین فقد رضی باللہ ربا و بالاسلام دینا و بحمد نبیا و رسولا

شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا ربّ اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول کی تلاش باقی نہ رہے

(۳۲۶) عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ فَعَجِبَ لَھَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْھَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) فَاَعَادَھَا عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ وَ اُخْرٰی یُرْفَعُ اللّٰہُ بِھَا الْعَبْدَ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ فِی الْجَنَّۃِ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ قَالَ وَ مَا ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. (رواہ مسلم)

(۳۲۶) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہوگیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی- ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خوش خبری بہت امید افزا معلوم ہوئی- انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مکرر فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے- ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے لیے جہاد کرنا' اللہ کے لیے جہاد کرنا' اللہ کے لیے جہاد کرنا- (مسلم)

(۳۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ وَ اِذَا اَمْسٰی ثَلَاثًا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّرْضِیَہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

(رواہ احمد و الترمذی)

(۳۲۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا... الخ (میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضامند ہوگیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ لازم کرلیتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کردے-

(احمد- ترمذی)

---

(۳۲۷) * قرآن کریم کی مختصری آیت میں اس رضاء کا تذکرہ اس انداز پر کیا گیا ہے "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ" (البینۃ: ۸) صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ شانِ رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے مابین رضی اللہ عنہم اُن کا ایسا طغرۂ امتیاز بن چکا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ ایسا ہی جزء لاینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ الفاظ درود کا-

www.besturdubooks.net

(۳۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَلَہٗ ذَنْبُہٗ۔ (رواہ مسلم)

(۳۲۸) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے مؤذن کو یہ کہتے سنا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ پھر اس کے جواب میں یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو اپنا دین مان کر دل سے راضی ہو چکا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

السرور و الحزن و ما اتی ذلک مما یتقاضاہ طبیعۃ البشر لیس فی شیء من مخالفۃ شان الرضی و التسلیم

خوشی اور غم اور انسان کے دوسرے فطری تاثرات اس کی شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں

(۳۲۹) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقَیْنِ وَ کَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاھِیْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِبْرَاھِیْمَ فَقَبَّلَہٗ وَ شَمَّہٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَیْہِ بَعْدَ ذٰلِکَ وَ اِبْرَاھِیْمُ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(۳۲۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دودھ پلائی کے شوہر تھے آپؐ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لیا اور ان کو خوب پیار کیا دوبارہ اس کے بعد پھر ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دنیا سے سفر کر رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک بہنے لگیں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے

---

(۳۲۸) * انسان میں دین کی تلاش اس کی فطرت ہے۔ پھر دین میں اللہ اور رسول کا تصور لازم ہے۔ شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام کے بعد فطرت میں اب کسی اور دین کا تقاضا نہ رہنا چاہیے وہ تقاضا اب دین اسلام سے پورا ہو جانا چاہیے۔ پھر دین اسلام نے ربوبیت کا ایسا ٹھیک ٹھیک پتہ دے دیا ہے کہ اس کے بعد اب ربوبیت کی تلاش بھی ختم ہو جانی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مقام رسالت کو ایسا پر کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد رسول کی تلاش بھی نہ ہونی چاہیے۔ اگر اسلام کے بعد بھی ان گوشوں میں کچھ تردد و تلاش کا سلسلہ باقی ہے تو یہ شہادتیں صرف زبانی ہوں گی۔ جب ان تمام گوشوں میں سکون ہی سکون پیدا ہو جائے اور نظروں میں دوسری جانب اٹھنے کی گنجائش ہی نہ رہے تو اب سمجھنا چاہیے کہ شہادتین دل میں اتر چکے ہیں۔

از یکے گو و زہمہ یکسوئے باش یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

(۳۲۹) * آپ کے یہ مختصر جملے اسرار شریعت و طریقت سے کتنے لبریز ہیں' ان میں آپؐ نے ہم کو یہ ہدایت کی کہ انسان جامع اس کو سمجھنا چاہیے جس میں قدرت کی جامعیت کا جلوہ نظر آئے اس میں اپنے محل پر شدت و قہر بھی ہو اور رحمت و کرم بھی اگر اپنے لخت جگر کی موت پر بھی اس کا دل غمگین نہیں ہوتا اور اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں تو وہ پتھر ہیں' ان میں قدرت کی بے نہایت شفقت و رحمت کا ایک ذرہ بھی اثر نہیں اس کا نام رضاء و تسلیم نہیں قساوت اور بے حسی ہے۔ اس میں فرشتوں کی سی صفت تو ہے مگر بشری سی کوئی صفت نہیں۔ درد کی ....

www.besturdubooks.net

6 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍؓ وَ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبَ يَحْزَنُ وَ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ. (متفق عليه)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روتے ہیں آپ نے فرمایا ابن عوف یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا اثر ہے- یہ کہہ کر آپؐ پھر آنکھوں میں آنسو بھرلائے اور فرمایا آنکھیں بے شک بہتی ہیں اور بے شبہ دل بھی غمگین ہے لیکن زبان سے صرف وہ نکلے گا جو اس حالت میں خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا- اے ابراہیم اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب تمہاری جدائی سے دردمند ہیں- (متفق علیہ)

(۳۳۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْتِيْ فِيْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَ عِزَّتِكَ وَ لٰكِنْ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ. (رواه البخاري)

(۳۳۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام (کسی مقام پر تنہا) برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آ کر گریں فوراً وہ انہیں اپنے کپڑوں میں جمع کرنے لگے- پروردگار کی طرف سے ندا آئی ایوب؟ کیا یہ مال و دولت دے کر جو تمہیں بھی نظر آ رہی ہے ہم نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تھا انہوں نے عرض کیا تیری عزت کی قسم کیوں نہیں لیکن میں تیری برکت سے بھلا کیسے بے نیاز بن سکتا ہوں- (بخاری شریف)

ﷺ .... بے چینی سے نہ وہ آشنا ہیں نہ یہ- بشر کی شانِ رضا یہ ہے کہ اس کے دل پر غموں کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی آنکھیں بھی روتے روتے بے نور ہو جائیں- وَ ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ. (یوسف: ۸۴)

مگر وہ ان صبر آزما حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر نہ لا سکے اور اپنے عجز و ضعف کا اس طرح برملا اعتراف کر کے خاموش ہو جائے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہمارا کمزور دل بے شبہ بہت دردمند ہے-

جلادت و شجاعت اور استغناء و بے نیازی وہ بھی مالک الملک علی الاطلاق کے مقدرات کے سامنے یہ بندہ کے عجز و نیاز کے شایانِ شان نہیں- ماسوی اللہ سے اعراض کر کے خدا کی جنت سے بھی اغماض کر لینا شانِ اولیاء ہے اور جنت کو خدا تعالیٰ کا ایک انعام سمجھ کر اس کے لیے دست سوال پھیلا دینا یہ شانِ انبیاء ہے (علیہم السلام) ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے سوا چشم زدن کے لیے بھی کسی غیر کی طرف نظر اٹھائی تو توحید مقصد فوت ہوگئی اور ان کے نزدیک اگر کسی حرکت سے بھی ذرا بے نیازی ٹپکی تو شانِ بندگی پر حرف آ گیا- پہلی صورت تقاضائے محبت ہے اور دوسری مقتضائے عبدیت- کمال یہ ہے کہ محبت کے پورے جوش میں بھی عبدیت کا پورا ہوش رہے-

(۳۳۰) ٭ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے یہی وہ باکمال بندے ہیں کہ قدرت نے جب بھی ان کو آزمایا ہے تو ان کی زبانوں سے ہمیشہ ایسے ہی صحیح اور خوب صورت جوابات نکلے ہیں جن پر اس نے خود ہی اپنی صناعی کی داد دی ہوگی یہاں ذرا سوال کی گرفت ملاحظہ کیجئے اور اس بے ساختہ جواب کی داد دیجئے کتنا صحیح اور شانِ بندگی میں کتنا ڈوبا ہوا ہے یعنی اے پروردگار مجھے تو نے غنی تو ضرور بنا دیا ہے مگر اپنی برکتوں سے تو نہیں- میں ساری دنیا سے بے نیاز ہوں مگر تیرے سامنے تو نیاز ہی نیاز ہوں- اغناء تیری شانِ غناء تھی اور تیری برکتوں کا ﷺ ....

www.besturdubooks.net

(۳۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسَی بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ اَجِبْ رَبَّکَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰی عَیْنَ مَلَکِ الْمَوْتِ فَفَقَاَهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَکُ اِلَی اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّکَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَّکَ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَاَ عَیْنِیْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ عَیْنَهٗ وَ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی عَبْدِیْ فَقُلِ الْحَیٰوةَ تُرِیْدُ فَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ

(۳۳۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کے رب نے آپ کو بلایا ہے چلئے تشریف لے چلئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ جاتی رہی۔ ملک الموت نے واپس آ کر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پروردگار تو نے تو مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کے پاس بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری ایک آنکھ بھی پھوڑ دی ہے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آنکھ بخش دی اور فرمایا جا میرے بندہ کے پاس پھر واپس جا اور ان سے عرض کر کیا

ﷺ .... محتاج بنا رہنا میری شانِ بندگی ہے۔ یہ وہی ایوب ہیں (علیہم السلام) جن کی ایک بار اور بھی مصائب و آلام میں ڈال کر قدرت نے آزمائش کی تھی مگر وہاں بھی ان کو اپنی شانِ احتیاج برابر یاد رہی آخر یوں بول اٹھے رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ.

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مرزا شہید جان جاناں کی سوانح حیات میں کسی جگہ نظر سے گذرا ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ولی نے اپنے مریدین کو جمع کر کے پوچھا دیکھو میرے جسم پر تمہیں کہیں کوئی جگہ ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی زخم نہ ہوانہوں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد فرمایا مگر میں نے اب تک اپنی زبان سے یہ کلمات نہیں کہے رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ اس ولی کا صبر اس مقدس رسول کے صبر پر شاید فوقیت رکھتا ہو مگر حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولی نے تو جذبہ محبت میں اپنی شانِ بے نیازی دکھلائی مگر اس نبیؑ نے بے نیازِ حقیقی کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ قرین ادب سمجھا۔ جب تک مشیت الٰہیہ ابتلاء کی نظر آتی رہی اس وقت تک یہ بھی لبوں پر مہر خاموشی لگائے بیٹھے رہے۔ مگر جب کچھ کچھ علامات صحت نظر آنے لگیں تو جھٹ خود آگے بڑھ کر دست سوال پہلے پھیلا دیا کہ شانِ بندگی اسی میں نظر آتی تھی کہ صحت ملے تو مانگ کر ملے۔ یہ اپنے مولیٰ کی بے نیازی اور قدم قدم پر اپنے احتیاج کی شان دکھلا رہے ہیں اور وہ اپنے عشق و محبت کی آن بان نباہ رہے ہیں۔ رضا و تسلیم کا ایک مقام یہ ہے اور دوسرا وہ۔ دونوں قابل تعریف ہیں۔ مگر بھلا اس کو اس سے کیا نسبت۔ اس میں محبت کا مظاہرہ تو ہے مگر وہ شانِ عبدیت کہاں۔

(۳۳۱) ٭ مادہ پرست اور منکرین حدیث ہر دو کی نظروں میں یہ حدیث ہمیشہ سے قابل مضحکہ بنی ہوئی ہے اور شروع ہی سے ائمہ حدیث بھی اس کی جواب دہی میں مشغول نظر آ رہے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ (۲۷۶) نے بھی اپنی تالیف مختلف الحدیث میں اس کی طرف تعرض کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کوئی مضمون درحقیقت قابل مضحکہ ہے بھی یا نہیں مادہ پرستوں کے نزدیک تو طبعیات کے سوا الٰہیات کا سارا باب ہی قابل مضحکہ ہے اور منکرین حدیث کے نزدیک صرف یہی ایک حدیث نہیں بلکہ وہ حدیثیں بھی جو معقول سے معقول مضامین پر مشتمل ہیں قابل اعتبار نہیں پس ان ہر دو فریق کے نزدیک قابل انکار خاص اس حدیث کا مضمون نہیں بلکہ ان کا ایک عام طبعی انحراف اور انکار ایک اصولی انکار ہے اگر ان کے انکار کی بنیاد خاص طور پر اس حدیث کا بعید از عقل ہونا ہوتی تو ان کا دائرۂ انکار بھی صرف اسی حدیث تک محدود رہتا مگر یہاں تو اس قسم کی حدیثوں کو دوسری اور معقول حدیثوں کے انکار کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے درحقیقت ایک بڑا مغالطہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص کی ہزاروں باتوں میں سے دو چار باتیں بھی اپنی نارسائی عقل کی وجہ سے قابل فہم نہ ﷺ....

www.besturdubooks.net

الْحَيٰوةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَإِنَّكَ تَعِيْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ تَمُوْتُ قَالَ فَالْآنَ مِنْ

آپ کو زندگی زیادہ عزیز ہے - اگر عزیز ہو تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی کمر پر رکھ دیجئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آجائیں گے اتنے ہی سال آپ اور جئیں گے (فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کر دی)

٭..... ہوں تو اس کی بقیہ بے شمار معقول باتیں بھی قابل قبول نہ رہیں - میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کو کوئی انسان بھی معقول نہیں کہے گا -

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی طبع کا ظہور کچھ اسی ایک واقعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کی تمام روئداد اور زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے - قرآن کریم میں موجود ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے گھونسا مارا اور اس کا دم نکل گیا - گوسالہ پرستی کے معاملہ میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا اور اسی سلسلہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان کا ایک پتھر کی طرف بھاگنا ثابت ہے اور جس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے وہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اصولاً کسی انسان کا فطرۃً نرم دل ہونا معیوب نہیں اور نہ کسی کا فطرۃً غصہ ناک ہونا قابل اعتراض ہے بشرطیکہ اس کا غصہ حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو' آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی حدیثوں میں موجود ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک چور کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے قسم کھا جانے پر فرمادیا کہ میں خدا تعالیٰ کے نام کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتا ہوں - پس رقت و شدت بھی حیاء و جرأت کی طرح غرائز طبعیہ میں سے ہیں یہ سب اگر اپنی حدود میں اور خدا کی راہ میں ہوں تو اپنی اپنی جگہ قابل ستائش ہی ہیں - اگر امت میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحم دلی ضرب المثل ہے تو اسی کے پہلو بہ پہلو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت بھی مشہور ہے - اور یہ دونوں ہی شانیں اپنی اپنی جگہ محبوب ہیں -

دوم یہ کہ حیات طبعاً ہر انسان کو محبوب ہوتی ہے - پھر انبیاء علیہم السلام کو محبوب کیوں نہ ہو جنہیں اپنی امت کو بندۂ خدا بنانے کی تمنا اپنی حیات سے بھی زیادہ ہوتی ہے - پس اگر خدا کا فرشتہ کسی لاعلمی کی حالت میں ان کے پاس اچانک آپہنچتا ہے اور اس پر انہیں غصہ آجاتا ہے تو یہ غصہ نہ تو ان کی بشریت سے بعید ہے - نہ ان کی نبوت کے منافی ہے - ان کی شانِ رضا کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس آکر کہے کہ لیجئے آپ ابھی اپنی موت کے لیے تیار ہو جایئے تو وہ انکشافِ حقیقت سے قبل اس سے یہ کہہ دیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح قبض کر لیجئے - فرشتہ کو ہمیشہ پہچان لینا کوئی ضروری نہیں ہے - آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط (علیہ السلام) کے عذاب کے سلسلہ میں ملائکۃ اللہ کا آنا اور ان کو آپ کا شناخت نہ کرنا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان کی لاعلمی میں آپ کے پاس آتا ہے اور ایسے ماحول میں آتا ہے جہاں مخالفین کی جماعت بھی موجود ہو تو کیا اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالی شان کتب سماویہ میں مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کر دینا کچھ قابل اعتراض ہو سکتا ہے یہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدائے تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا - حدیثوں میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل صرف ان کی تشریف و تکریم کے لیے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں اور اگر چاہیں تو دار آخرت کو اختیار کر لیں - اسی آئین کے مطابق خود خاتم الانبیاء علیہم السلام کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے ایک عام مجمع میں بیان بھی کر دیا تھا - پس اگر اس تخییر سے قبل خدائے تعالیٰ کا فرشتہ کسی عمیق حکمت کے ماتحت ان کے پاس آپہنچا ہو اور اس لیے اس وقت ان کی جلالی شان ظاہر ہو گئی ہو اس میں استبعاد کیا ہے اور کون سی بات اس میں شان نبوت کے خلاف ہے - پوری حدیث کو پڑھ جایئے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئے گا کہ جب خدائے تعالیٰ کے فرشتے نے دوبارہ آکر حسب دستور موت و حیات میں آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو اختیار کر لیا ٭.....

www.besturdubooks.net

قَرِيبٍ رَبِّ اَدْنِنِي مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهِ لَوْ اِنِّي عِنْدَهُ لَارَيْتُكُمْ قَبْرَهُ اِلٰى جَنْبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ. (متفق علیہ)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے عرض کیا پھر یہی موت ہے فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا تو مجھے بیت المقدس سے اتنا تو قریب کر دے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

لـــہ..... اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو شفقت پدری میں آکر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخش دیئے تھے لیکن جب اس میعاد پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آگئے ہو میری عمر میں سے اتنے سال اور باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں رہا آپ اپنی عمر میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بناء پر نسیان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی چلی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتے کی بے جا جرأت پر تھپڑ مار دینا قابل اعتراض ہے۔ اب رہا یہ کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹنا قابل فہم امر نہیں تو سن لیجئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجرد نہیں۔ عالم مادیات اور مجردات کے مابین ایک مخلوق ہیں اَجْنِحَۃ اور پروں کا ہونا ان کے لیے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر اور بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لیے یہ اعضاء حقیقۃً ثابت ہیں۔ اگرچہ مادی نہ ہوں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لیے ان میں تشکل اور تمثل کی قوت بھی ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا۔ عنصریات میں بھی جو عنصر زیادہ سخت ہے اسی قدر اس میں تشکل مشکل ہوتا ہے۔ پانی اور ہوا ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر مٹی میں یہ صفت نہیں' یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملا ئکۃ اللہ اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل انسانی میں جب چاہیں نمودار ہو جائیں۔ جبرئیل علیہ السلام کا تمثل خود قرآن کریم میں موجود ہے اور دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آپؐ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلانزاع ثابت ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس تمثل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج مسمریزم کی طاقت کا مشاہدہ کرنے والے کے لیے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ احقر کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہو تو شاید اس تمثل پر اس کا کوئی اثر ظاہر بھی نہ ہو لیکن نبی صرف مادی نہیں ہوتا اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہا درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اس ملکی عنصر پر خدائے تعالیٰ کی شانِ جلالی کا غلبہ تھا اس لیے ان کی ضرب کا اثر ملک پر بھی ظاہر ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ وجود ملکی ہی تھا جس کی مثالی صورت میں صرف آنکھ ہی میں نقصان آیا اگر انسان ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لا سکتا اور مر جاتا دیکھیے جب آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر آپؐ کو اپنے قریب کیا اور افاضہ ملکیۃ کے لیے دبایا بھی اور اتنا دبایا کہ آپؐ کو ضبط کرنا پڑا۔ لوگوں کو تو اس پر تعجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام کے اس تمثل اور دبانے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہو سکتا۔ یہ رسول اقدس کی ہی شان مطہر تھی کہ وہ جامہ بشری رکھنے کے باوجود شانِ ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کرتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس لـــہ.....

www.besturdubooks.net

(۳۳۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَيَعْدِلُ وَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا لَا اَمْلِكُ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

(۳۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے درمیان شب باشی میں برابر کی تقسیم کرتے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم میرے اس عمل میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ رہا (میرا قلبی رجحان) جس کا تو مالک ہے اس کا مواخذہ تو مجھ سے نہ فرمانا۔ (ترمذی۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی۔دارمی)

(۳۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ

(۳۳۳) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں آپؐ کی تلاش کے لیے نکلی (میں نے دیکھا) کہ آپ مسجد میں ہیں اور آپ کے دونوں قدم مبارک (بحالت

٭.....اگر صرف مادیت کا ملکیت سے تصادم ہوتو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوسکتا۔لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہوتو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔عالم رؤیا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں اس میں ایک شیر اگر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خوابی صورت پر کوئی مادی انسان حملہ آور ہوتو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں وہ صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے متصادم ہوتو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکۃ اللہ تعالیٰ تو عالم اجسام سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا ہے تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ہاں اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکر مارے۔ظاہر ہے کہ اسی کا سر زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیۃ سے ٹکرائے تو اس میں کوئی اثر ظاہر ہونا معقول نہیں لیکن نبی جو کہ ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقعہ پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہونا معقول نہیں۔اس لیے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قہرآلود تھپڑ نے فرشتے کی اس مثالی صورت میں کوئی نقص پیدا کر دیا تھا تو یہ عین عقل اور شرع کے مطابق ہے۔اگر آپ ان حقائق کو سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تو ذرا بازی گروں کے تماشہ ہی میں کبھی آ کر دیکھئے اگر ان کی محفل میں اس فن کا کوئی ان سے بڑھ کر ماہر آ جاتا ہے تو وہ اس کا کھیل چلنے نہیں دیتا اور وہ اپنی قوت نفس سے اس کے اس ساری خیال بندی کی دنیا کو بگاڑ دیتا ہے جو وہ تماشائیوں کو دکھا رہا تھا پہلے انسائیکلو پیڈیا اٹھا کر روح کی بحث اور اس کے احوال کا اس میں مطالعہ کیجئے اور موجودہ عقلاء کے نزدیک جو اس کے عجائبات ہیں ان کو زیر نظر رکھئے اس کے بعد پھر آپ اس واقعہ کو پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان حدیثوں کا مضحکہ آپ کے لیے خود ایک قابل مضحکہ امر تھا۔آپ کے نزدیک جب عالم روحانیات حد ثبوت کو ہی نہیں پہنچتا اور اس لیے نہیں پہنچتا کہ آپ نے اسی کا مطالعہ ہی نہیں کیا تو آپ اگر اس کا مضحکہ نہ اڑائیں تو اور کریں کیا۔

(۳۳۲) ٭ علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تقسیم واجب ہی نہ تھی لیکن جس کو امت کا معلم بنا کر بھیجا گیا تھا۔اس نے خود اپنے ذمہ اس کو ایک لازم حق بنا لیا تھا تاکہ جن کے ذمہ یہ لازم حق ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کرسکیں۔قلبی رجحان غیر اختیاری چیز ہے اور تکلیف کا دائرہ صرف اختیار کے حدود کے اندر اندر محدود ہے لیکن جہاں انسان کا نفس کوئی خیانت کرسکتا ہے وہاں صاحب شریعت اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسے کلمات فرما دیتے ہیں گویا زوجہ کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس میں غیر اختیاری رجحانات میں بھی ترجیح پر ڈرنے کی ضرورت ہے۔

www.besturdubooks.net

قَدَمَيْهِ وَ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَ هُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَ هُوَ يَقُوْلُ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ. (رواہ مسلم)

سجدہ) کھڑے ہوئے ہیں میرا ہاتھ آپؐ کے دونوں تلووں سے لگا (میں نے سنا) کہ آپؐ یہ دعا فرما رہے تھے اے اللہ میں تیری ناراضائی سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے بس تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ (مسلم)

(۳۳۴) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَ رَسُوْلُهٗ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ. (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ و زاد رزین ممن استحق النار و قال الترمذی سمعت محمداً یعنی البخاری یضعف ھذا الحدیث)

(۳۳۴) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپؐ کو (اپنے بستر) پر نہ پایا۔ تلاش کیا تو آپؐ بقیع میں تھے آپؐ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گذرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کر سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے یہ خطرہ گذرا تھا کہ شاید آپؐ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپؐ نے فرمایا شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بداعمالی کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے۔ (ترمذی)

(۳۳۵) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ

(۳۳۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش' میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے

---

(۳۳۴) ✱ مثل مشہور ہے ع عشق است ہزار بدگمانی۔ حضرت عائشہؓ نزاہت اور تقدس کے سارے میدان طے کر جانے کے باوجود بشری خصائل سے مستثنیٰ نہ تھیں۔ جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ پاتیں تو فطرۃً مضطرب ہو جاتیں' اپنے نفس کو ہزار سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے پھر معذور ہو جاتیں۔ آخر تلاش کے لیے نکل جاتیں۔ جب آپؐ سے ملاقات ہوتی تو معاملہ دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں من در چہ خیالم وفلک در چہ خیال۔ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپؐ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے متعلق ناانصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں نعم (جی ہاں) نہیں فرماتیں۔ بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں ادا کرتی ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں ناانصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل تصور نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں آپؐ کو نہ دیکھ کر آپؐ کا کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

(۳۳۵) ✱ انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصائل سے معرّیٰ ہو جانا نہیں' کسی کسی محل پر ناراضگی کی بھی....

www.besturdubooks.net

مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذَالِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّىْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ وَ اِذَا كُنْتِ عَلَىَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَ رَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ. (متفق عليه)

ہیں؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو رب محمدؐ کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو رب ابراہیمؑ کی قسم کھاتی ہو۔ میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسم مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے) (متفق علیہ)

(۳۳۶) عَنْ جَابِرٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ (رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) يَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِىْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ (رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ لَهٗ فَوَجَدَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَاؤُهٗ وَ اجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَ قُوْلَنَّ شَيْئًا اُضْحِكُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۳۳۶) جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لیے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپؐ کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت مل گئی انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے اردگرد آپؐ کی بیبیاں ہیں یہ دیکھ کر انہوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آ جائے (یہ سوچ کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگیں تو

ﷺ..... اداء بھی فطرت کا اقتضا اور محبوبیت کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی اندازِ محبوبیت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کمال بلاغت دیکھیے کہ اپنے محبوبانہ ناگواری کی حقیقت صرف ہجران اسمی تک محدود کر دینا چاہتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی اندازِ ناز کے موقعہ پر محبوب زوجہ کا اسمی ہجران اس کے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضاء ہے۔ دیکھیے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا حدود زوجیت سے نکل کر حدودِ شریعت میں داخل ہوتی دیکھ لیتی ہیں تو ہمہ تن ادب ہی ادب اور طاعت ہی طاعت بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے۔

(۳۳۶) ✽ انبیاء علیہم السلام کی اندرونی زندگی میں بھی تکوینی طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ملتا ہے۔ وہ انسانوں کی طرح دنیا میں آتے ان ہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے' کھاتے اور پیتے' جاگتے اور سوتے' شادی بیاہ کرتے اور اس کے بعد ان کے گھروں میں ایک حد تک وہ معاملات بھی پیش آ جاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں عملی طور پر امت کے لیے وہ مسائل سامنے آ جاتے جن کی امت کو ضرورت تھی اور ان نازک مراحل میں آپ کے ازواج کی وہ بے مثال استقامت بھی عیاں ہو جاتی جس کی بنا پر قدرت نے ان کو آپ کی زوجیت کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔ دیکھیے اسی فضا میں جب معاملہ یہ آ جاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے تو آپ کی سب بی بیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر سکتے ہیں مگر خدا کے محبوب رسول سے ایک لمحہ کے لیے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے۔ یہ اس لیے ﷺ....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ رَاَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَأَلَتْنِي النَّفَقَةَ فَقُمْتُ اِلَيْهَا فَوَجَأْتُ عُنُقَهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ هُنَّ حَوْلِيْ كَمَا تَرٰى يَسْئَلْنَنِي النَّفَقَةَ فَقَامَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى عَائِشَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا وَ قَامَ عُمَرُ اِلٰى حَفْصَةَ يَجَأُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا يَقُوْلُ تَسْئَلِيْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عِنْدَهٗ فَقُلْنَ وَ اللّٰهِ لَا نَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا اَوْ تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ حَتّٰى بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا) فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَا تَعْجَلِيْ فِيْهِ حَتّٰى تَسْتَشِيْرِيْ اَبَوَيْكِ قَالَتْ وَ مَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْاٰيَةَ قَالَتْ اَفِيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَيَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ اَسْأَلُكَ اَلَّا تُخْبِرَ

میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلا دبا دیتا' ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آ گئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو یہ میری بیبیاں بھی اسی سوال کے لیے میرے اردگرد بیٹھی ہوئی ہیں-اس پر فوراً حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپؐ کے پاس نہیں انہوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپؐ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے-اس سلسلہ میں آنحضرتؐ نے ایک ماہ (۲۹ دن تک) اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کر لی تو اور قرآن کی آیت قل لازواجک سے لے کر المحسنات منکن اجرا عظیما تک نازل ہوئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کے لئے کہا گیا تھا-یا وہ خدا و رسول کو اختیار کر لیں تو دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر لیں اور اس تقدیر پر آخرت میں ان کے لیے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیاتِ دنیا کو اختیار کر لیں تو پھر ان کو رسول اللہ سے علیحدگی کرنی پڑے گی) راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتداء سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہ دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے' آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنا دی' یہ بے ساختہ بولیں یا رسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی' میں کسی استخارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی

لـلـه .... کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری دنیا ہماری نظروں میں ہیچ ہے-حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے کم سن بی بی ہیں مگر ان کے انداز جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس مسئلہ کو قابل سوچ بچار ہی نہیں سمجھتیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بنا پر نہیں چاہتیں کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہو سکے-اس نازک مرحلہ میں رسول کی بزرگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتہ محبوبیت کے باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکا اور بڑی صفائی سے اس نے یہ کہہ دیا کہ میں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا میں معلم کا منصب لے کر آیا ہوں اس میں کسی سے خیر خواہی کی بات چھپانی خیانت ہے-اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی گو یہی تھی کہ آپ کی ازواج کہیں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں' لیکن اس کے باوجود آیت تخییر سنا دینے میں آپ نے کوئی تاخیر نہیں کی-طبعی جذبات اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا کمال نہیں-کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے-

www.besturdubooks.net

اِمْرَءَ ةٌ مِنْ نِسَائِکَ بِالَّذِیْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِیْ اِمْرَءَ ةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَبْعَثْنِیْ مُعَنِّتًا وَ لَا مُتَعَنِّتًا وَ لٰكِنْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُیَسِّرًا. (رواہ مسلم)

ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں- آپؐ نے فرمایا مجھ سے تو ان میں جو بھی دریافت کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہہ دوں گا- اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے- (مسلم)

(۳۳۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِیْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ یُقَالُ لَهٗ مُغِیْثٌ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ یَطُوْفُ خَلْفَهَا فِیْ سِكَكِ الْمَدِیْنَةِ یَبْكِیْ وَ دُمُوْعُهٗ تَسِیْلُ عَلٰی لِحْیَتِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ یَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِیْثٍ بَرِیْرَةَ وَ مِنْ بُغْضِ بَرِیْرَةَ مُغِیْثًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِیْهِ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْمُرُنِیْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِیْ فِیْهِ. (رواہ البخاری)

(۳۳۷) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا جاتا تھا ان کا وہ نقش گویا اب میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ ان کے پیچھے پیچھے روتے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا عباس! کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی اُلفت ہے اور بریرہ کو ان سے کتنی نفرت ہے' اس کے بعد آپ نے بریرہ سے کہا کاش تم مغیث کی زوجیت میں رہنا قبول کر لیتیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم ہے؟ (یا صرف سفارش) آپ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں (حکم نہیں دیتا) بریرہ نے عرض کیا تو پھر مجھے ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں- (بخاری شریف)

---

(۳۳۷) * بریرہؓ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابقہ نکاح کے قائم رکھنے نہ رکھنے میں شرعاً اختیار دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہ آزاد ہو گئیں تو ان کو بھی اختیار مل گیا اگر وہ چاہیں تو اپنے دیرینہ شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں اور چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیں- حضرت بریرہؓ اگر چہ ایک باندی تھیں لیکن زمانہ نبوت کے فیض عام کی وجہ سے کتنی حدود شناس ہو گئی تھیں کہ ان کے دو لفظوں میں ساری کتاب الایمان کی روح کھنچی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ اس امر کو خوب پہچانتی تھیں کہ ایک امتی کے حدود اختیارات کہاں تک باقی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں اس لیے وہ نہایت مؤدبانہ استفسار کرتی ہیں کہ یہ آپ کا حکم ہے یا صرف ایک سفارش کا مرتبہ- گویا نبی اگر کسی کی طرف سے سفارش کرے تو امتی کے لیے اس کا تسلیم کر لینا ایسی حتمی چیز نہیں ہو جاتی جس کے بعد پھر اس کے لیے کوئی اختیار اور آزادی رائے کا حق ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس صورت میں اس کے لیے شرعی حدود کا نباہ مشکل ہو گا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی آزادی رائے کو ملحوظ رکھے لیکن جس جگہ پہنچ کر امتی کے تمام اختیارات مسلوب ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے آزادی رائے کا کوئی حق نہیں رہتا وہ صاحب شریعت کا حکم ہے- رسول کے امر و نہی کے بعد اطاعت کرنے کے سوا اب کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی- مذہب پر نکتہ چینی کرنے والے اس نکتہ کو پورے غور سے ملاحظہ کریں کہ مذاہب عالم کی صفوف میں اسلام نے انسانوں میں ایک باندی کی رائے کا بھی کس حد تک احترام کیا ہے یعنی پرائیویٹ معاملات میں اس نے ایک ایسی حد قائم کر دی ہے جہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا حق نہیں ہوتا اور اس کو بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا لحاظ....

www.besturdubooks.net

الایمان عقد للقلب و لیست اعمال الجوارح اجزاء للایمان

ایمان دراصل قلبی اعتقاد کا نام ہے فرائض و اعمال ایمان کے اجزا نہیں

(۳۳۸) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَھُنَّ وَ صَلَّاھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَ اَتَمَّ رُکُوْعَھُنَّ وَ خُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدًا اَنْ یَّغْفِرَلَہٗ وَ مَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَلَہٗ وَ اِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ. (رواہ احمد و ابوداؤد وروی مالک و النسائی)

(۳۳۸) عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع و خشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔

(احمد-ابوداؤد-مالک-نسائی)

(۳۳۹) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُغِیْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَ کَانَ یَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَکَ وَ اِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْفِطْرَۃِ

(۳۳۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آ جاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے۔ جب اس نے یہ کہا

...صرف اظہار کر دے جو مذہب اپنے تسلیم کرنے والوں پر جبر کرنا پسند نہیں کرتا سوچو کہ وہ خود مذاہب کے اختیار کرنے پر کب جبر کرنا گوارا کر سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بدیہی اور غیر اختیاری سبق ملتا ہے کہ اتنی با اختیار ہستی ہو کر وہ کسی انسان پر کوئی دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے اور اگر ایک باندی اپنی جائز آزادی کے ماتحت آپ کی سفارش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کرتی ہے تو اس کا بھی کوئی برا نہیں مانتے۔ کیا ہے کوئی انسان جو اتنے اختیارات کا مالک ہو کر روزمرہ کے معاملات میں اتنی آزادی اور اتنی رواداری کو جائز رکھ سکے جب اس کے کسی شرعی حکم کا خلاف کیا جائے تو اسے برداشت نہ کر سکے اور بیک وقت جب ذاتی معاملات میں اس کی سفارش پر عمل درآمد نہ ہو تو ذرا چیں بہ جبیں نہ ہو کیا ایسے انسان کی ایک ایک حرکت صرف رضاء الٰہی کے لیے نہ ہوگی۔ اس موقعہ پر آپ کو ترجمان السنۃ ج ا ص ۳۹۷ پر حدیث (۱۸۲) کا ملاحظہ کرنا بھی مفید ہوگا۔

(۳۳۸) * یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائے گی معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء اور دوسری طرف اعتزال ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

(۳۳۹) * حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتین سن کر جنت کی بشارت دے دی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دی جاتی۔

www.besturdubooks.net

ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِیْ مِعْزًی. (رواہ مسلم)

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

(۳۴۰) عَنْ اَبِیْ جُحَيْفَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِیْ سَفَرٍ فَسَمِعَ مُؤَذِّنًا يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ الْاَنْدَادَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ خَرَجَ مِنَ النَّارِ الحديث.

(رواہ البزار و قال الهيثمي رجاله ثقات)

(۳۴۰) ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک مؤذن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔

(مسند بزار)

(۳۴۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ.

(رواہ الحاكم في التفسير و هو مروي غير مسلم وغيره)

(۳۴۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا وَ لَا يَشْفَعُوْنَ الخ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر اس کے لیے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لیے ہو گی جنہوں نے گناہ کبیرہ کیے ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۲) عَنِ الْحَسَنِ ثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ اِذْ ذَاكَ وَ نَحْنُ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِیْءُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِیْءُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ فَتَجِیْءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِیْءُ

(۳۴۲) حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی۔ نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں' ارشاد ہو گا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے ربّ میں صدقہ ہوں ارشاد ہو گا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے ربّ میں روزہ ہوں

---

(۳۴۱) * اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مؤمن نہ ہوتا اور نہ اس کے لیے شفاعت ہو سکتی۔

(۳۴۲) * اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جداگانہ مذکور ہے حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہوتا ہم وہ اس کے اجزاء نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین وفقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مؤمن عاصی سب کے نزدیک آخر کار جنت میں داخل ہو گا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔ تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

www.besturdubooks.net

الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَنَا الصِّیَامُ فَیَقُوْلُ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ تَجِیْءُ الْاَعْمَالُ عَلٰی ذٰلِکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ ثُمَّ یَجِیْءُ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ اَنَا الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ بِکَ الْیَوْمَ اٰخُذُ وَبِکَ اُعْطِیْ فَقَالَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ (وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ).

ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہے گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام ''سلام'' ہے اور میرا نام اسلام' ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے' آج گرفت اور انعام دونوں کا دارومدار تیری ہی ذات پر ہے' جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔) (احمد)

(تفرد بہ احمد و ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ و رجالہ ثقات و لکن یقال ان الحسن لم یسمع من ابی ھریرۃ)

(۳۴۳) عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّیْبَانِیِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ لَقَدْ عِشْنَا بُرْھَۃً مِنْ دَھْرٍ نَاوَ اِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتَی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَ یَنْزِلُ السُّوْرَۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَتَعَلَّمُ حَلَالَھَا وَ حَرَامَھَا وَ مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّوْقَفَ عِنْدَہٗ فِیْھَا کَمَا تَعَلَّمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ رِجَالًا یُؤْتٰی اَحَدُھُمُ الْقُرْاٰنَ فَیَقْرَاُ مَا بَیْنَ فَاتِحَتِہٖ اِلٰی خَاتِمَتِہٖ مَا یَدْرِیْ مَا اٰمِرُہٗ وَلَا زَاجِرُہٗ وَ لَا مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّوْقَفَ عِنْدَہٗ مِنْہُ یَنْثُرُہٗ نَثْرَ الدَّقَلِ.

(رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۳۵ قال الذھبی علی شرطھما)

(۳۴۳) قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب کہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال وحرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب واحترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنھیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر ونہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۴) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

(۳۴۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ

---

(۳۴۴) * اس مضمون کو ابن عمرؓ نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آجاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا۔ جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے سمجھ سمجھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ ....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَلَا اَجِدُ قَلْبِیْ یَعْقِلُ عَلَیْہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ قَلْبَکَ حُشِیَ الْاِیْمَانَ وَ اِنَّ الْاِیْمَانَ یُعْطَی الْعَبْدُ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ. (رواہ احمد و فی اسنادہ ابن لھیعۃ)

شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دل جمعی نہیں ہوتی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

(٣٤٥) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاِسْلَامُ عَلَانِیَۃٌ وَ الْاِیْمَانُ فِی الْقَلْبِ قَالَ ثُمَّ یُشِیْرُ بِیَدِہٖ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ یَقُوْلُ التَّقْوٰی ھٰھُنَا. (رواہ احمد و البزار و ابو یعلی و ابن ابی شیبۃ و سندہ جید)

(٣٤٥) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا' راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

و زعت الشریعۃ الجنۃ و النار علی الایمان و الکفردون الاعمال

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں

(٣٤٦) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(٣٤٦) جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لیے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ

....کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبہ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں لفظ یَعْقِلُ عَلَیْہِ قابل غور ہے میرے پاس اس وقت کوئی شرح موجود نہ تھی۔

(٣٤٥) * اس حدیث میں اعمالِ ظاہرہ کو اسلام اور تصدیقِ باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محلِ ایمان قلب ہے تو اعمالِ جوارح ایمان کا جزء کیسے ہو سکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

(٣٤٦) * بقول امام غزالیؒ "انسان اگر چہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لیے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے ﴿وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ (البقرۃ:٣٦) تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے' برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے' اس لیے مؤمن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے بھی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن ....

www.besturdubooks.net

قَالَ الْمُوجِبَتَانِ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هُوَ يُشْرِكُ بِهٖ دَخَلَ النَّارَ. (رواه مسلم)

کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

(۳۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَ قُلْتُ اَنَا مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخاری)

(۳۴۷) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرّة من نور الایمان

جس کے قلب میں نورِ ایمان کا ایک ذرّہ ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا

(۳۴۸) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۳۴۸) انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ

؎ ....اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان و کفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نیة المرء خیر من عمله اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے دیکھوص ۱۸۵ پھر اس کا خلاصہ شیخ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

لان تخلید الله العبد فی الجنة لیس لعمله و انما هو لنیته لا نه لو کان لعمله لکان خلوده فیها بقدر رمدة عمله او اضعافه الا انه جازاه بنیته لانه کان ناویا ان یطیع الله تعالی ابد الوبقی ابدا فلما اخترمنه منیته دون نیته جزاه الله علیها و کذا الکافر. (عمدة القاری ج ۱ ص ۴۲)

''جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیٰوۃ کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہیے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دوگنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جیے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اس لیے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام وخلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔'' (عمدۃ القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لیے حدود شناسی لازم ہے۔

(۳۴۸) ✽ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن اگر چہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار ؎....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَ يُخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَ يُخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. (رواہ البخاری)

نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نورِ ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرّہ برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۳۴۹) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَا اَوِ الْحَيَاةِ (شَكَّ مَالِكٌ) فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً. (رواہ البخاری و مسلم)

(۳۴۹) ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اُسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سڑگل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد زرد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

؎ .... دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجودِ خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (الاعراف: ۴۰) اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

(۳۴۹) ✽ اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجئہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مؤمن دوزخ میں نہ جاتا لہٰذا مرجئہ کے خیال کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہوگئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مؤمن ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہاء درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرّہ موجود ہے تو فقدانِ اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخرکار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لیے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

www.besturdubooks.net

(۳۵۰) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُھُمْ فِیْ بَعْضٍ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰی رَبِّکَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِاِبْرَاھِیْمَ فَاِنَّہٗ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاھِیْمَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِمُوْسٰی فَاِنَّہٗ کَلِیْمُ اللّٰہِ فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِعِیْسٰی فَاِنَّہٗ رُوْحُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَ لٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِمُحَمَّدٍ فَیَاْتُوْنِیْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَھَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیُؤْذَنُ لِیْ وَ یُلْھِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُہٗ بِھَا لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ وَ اَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَ اشْفَعْ

(۳۵۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں' تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرمادیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا (بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت

(۳۵۰) ✻ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کون سی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لیے ایمان بالرسالۃ کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لیے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا' اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیانِ سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بنا پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کیے جا سکتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالۃ گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لیے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آ سکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی رو سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آ سکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پہ باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر ✻.....

www.besturdubooks.net

تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَهْ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ

مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی' مانگو ملے گا' شفاعت کرو قبول ہوگی' میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہوا سے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر ان کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو کہو تمہاری بات مانی جائے گی' مانگو ملے گا' شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کم تر نور ایمان ہو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور

ﷺ ...گرد و پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیت کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جب کہ بساط عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پا سکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے مابین کیسے کیسے خوش نما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر ان سادہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہیے کہ نجات کے لیے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لیے ان کی نجات کا مشترکہ نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔ رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ رحمٰن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی ﷺ ....

www.besturdubooks.net

تُعْطَهْ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ وَ لٰكِنْ وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كِبْرِيَائِيْ وَ عَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَ شَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَ شَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ لَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قُبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحَبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَ لَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَاَيْتُمْ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ. (متفق علیہ)

وَ فِيْ حَدِيْثِ اَنَسٍ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ قَالَ لَيُصِيْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهِ وَ رَحْمَتِهِ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ.

پھران ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو۔ کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت و جلال' کبریاء اور بزرگی کی قسم۔ جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا۔ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مؤمنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے لہٰذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے' جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمک دار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہوں گی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمٰن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمٰن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کردیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی' ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

لله .... سفارش کی۔ قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۵) ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لیے رسولوں کی سفارش کر لینے لله ....

www.besturdubooks.net

(۳۵۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ. (رواہ البخاری)

(۳۵۱) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

المؤمن اذا عمل بالفرائض و احل الحلال و حرم الحرام دخل الجنة من غير عذاب انشاء الله تعالى

جوشخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے وہ پکا مؤمن ہے اور کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا

(۳۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَيْتُ اِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوْبَةَ وَ حَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَ اَحْلَلْتُ الْحَلَالَ اَ اَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. (رواہ مسلم)

(۳۵۲) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے جب میں فرض نمازیں ادا کرلوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

(۳۵۳) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ

(۳۵۳) سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول

ﷺ ..... کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہوگی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیا علیہم السلام کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے صاف واضح ہے۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہیے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضی پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

(۳۵۳) ✻ استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا" دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ. (حٰمٓ السجدہ: ۳۰) جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْ لِّیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَکَ وفی حدیث اسامة غَیْرَکَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (رواہ مسلم)

اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرما دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

من لم یعمل بفرائض الاسلام فانه مؤاخذ به وان کان مقرًا بالتوحید والرسالة

جو شخص فرائض واعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں اگرچہ توحید و رسالت کا معترف بھی ہو

(۳۵۴) عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ مَسِیْرٍ اِنَّا مُدْلِجُوْنَ اللَّیْلَةَ فَلَا یَرْحَلَنَّ مَعَنَا مُضْعِفٌ وَّ لَا مُصْعِبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلٰی نَاقَةٍ لَهٗ صَعْبَةٍ فَسَقَطَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهٗ فَمَاتَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّدْفَنَ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰی اَنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواہ الحاکم فی المستدرک فی کتاب قسمة الفیء ولم یتعقبه الذهبی)

(۳۵۴) ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے روانہ ہو جائیں گے لہٰذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا' اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ انہوں نے حسب الحکم یہ اعلان کر دیا۔ (حاکم)

(۳۵۵) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کَانَ عَلٰی ثَقَلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ

(۳۵۵) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لیے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام

ﷺ ....اور نہ غم اور اس جنت کی خوش خبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا سفیانؓ کی یہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوپر والی حدیث سے بھی زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصا من قلبه کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یبتغی بذلک وجه الله کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ماحصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکان اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آ جاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجئہ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہو گا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کر دے تو یہ اس کا فضل ہو گا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائے گی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

www.besturdubooks.net

يُقَالُ لَهُ كَرْ كَرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا۔ (رواه البخاری)

کرکرہ تھا اس کا انتقال ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مال غنیمت کا) ایک عباء ملا جو اس نے خیانت کر کے چرا لیا تھا۔

(۳۵۶) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا الرَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ۔ (رواه مالک و ابوداود و النسائی)

(۳۵۶) یزید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا (نماز جنازہ کے لیے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ سے کنارہ کشی دیکھ کر) لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے اس کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے منکوں میں کا ایک منکا ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

(۳۵۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَهُمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

(۳۵۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ یہ مدعم اونٹ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نا معلوم سمت سے ایک تیر آ کر لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لوگ بولے لو اس کے لیے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ ادنیٰ سی چادر

---

(۳۵۶) * آخر تو حید و رسالت کے ان معترفین سے بھی دو دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بناء پر کہ انہوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدائے تعالیٰ کی رحمت کا فیاض ہاتھ تو کون پکڑ سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دائرہ میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہو سکتی ہے مرجئہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لا کر جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اب خدائی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں اس کو شرعی اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہو گا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کر کے اپنے اقرار و فاداری کا امتحان بھی دینا ہو گا۔ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (البقرة:٢١٤)

(۳۵۷) * یہ غلام رفاعہ بن زید نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متصل ہی آپ کو یہ غزوہ پیش آ گیا اور اسی میں یہ بھی شہید ہو گیا (دیکھو بخاری شریف ص۹۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی فیض صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا تھا۔

www.besturdubooks.net

اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِیْ اَخَذَھَا یَوْمَ خَیْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْھَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَیْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاکٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَا کَانِ مِنْ نَارٍ. (متفق علیه)

جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چمڑے کے ایک یا دو تسمے لے کر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک یا دو تسمے درحقیقت آگ کے تسمے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۵۸) عَنِ[1] ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِّنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ وَ فُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنِّیْ رَاَیْتُهٗ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. (رواه مسلم)

(۳۵۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آ آ کر کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا' فلاں شہید ہو گیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گذرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے' اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عباء (راوی کو شک ہے) چرا لیا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے باہر آ کر اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں گے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

من ترک خصلة من خصال الاسلام نقص ایمانه

جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اُس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

(۳۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ لَا تُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِیَ الزَّکٰوةَ وَ تَصُوْمَ

(۳۵۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ' باضابطہ نماز پڑھو' زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے

---

[1] یہ حدیث ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۴۷ پر کچھ مغایرت کے ساتھ گذر چکی ہے اس کا نوٹ ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۳۵۹) * یہ حدیث محدثین کے مذاق کے موافق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ جزئیۃ کا تعلق ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیثوں میں اصل مسئلہ مختلف نہیں ہونا چاہیے اس لیے بعضوں نے تو اسلام کے دو اطلاق مان لیے ہیں ایک صرف شہادتین پر دوم مجموعہ دین پر۔ اور کسی نے اس کو اعمال کی اہمیت بتانے کا صرف ایک اسلوب بیان قرار دیا ہے۔

www.besturdubooks.net

رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ وَ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تَسْلِيْمُكَ عَلٰى اَهْلِكَ فَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْاِسْلَامِ يَدَعُهُ وَ مَنْ تَرَكَهُنَّ كُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۲۱)

رکھو بیت اللہ کا حج کرو' بھلی بات بتایا کرو' بری سے روکا کرو (گھر میں آ کر) گھر والوں کو سلام کیا کرو جو شخص ان باتوں میں کوئی بات نہیں کرتا وہ اسلام کا ایک جزء ناقص کرتا ہے اور جو ان سب ہی کو چھوڑ دے' اس نے تو اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔

(حاکم)

(۳۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِيٌّ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنِ الشَّقِيُّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ وَ لَمْ يَتْرُكْ لَهُ بِمَعْصِيَةٍ. (رواہ ابن ماجہ)

(۳۶۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کوئی نہ جائے گا مگر بد بخت' دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بد بخت شخص کون ہوگا فرمایا جو اللہ کے واسطے کوئی نیک کام نہ کرے اور اس کے ڈر سے کوئی گناہ نہ چھوڑے۔

(ابن ماجہ)

(۳۶۱) عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۳۶۱) اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے جو شخص جان بوجھ کر کسی ظالم کے ساتھ اس کے ظلم کا ساتھ دینے کے لیے گیا وہ اسلام کی سرحد سے باہر ہو گیا۔

(شعب الایمان)

(۳۶۲) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۳۶۲) بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غصہ ایمان کی حلاوت اس طرح برباد کر دیتا ہے جیسا ایلوا شہد کی۔

(شعب الایمان)

---

(۳۶۰) * یہ تمام تعبیرات کسی بات پر زور دینے کے لیے فقط ایک اسلوب بیان ہوتی ہیں گویا جو شخص ظلم کی مدد کے لیے اپنے گھر سے باہر قدم نکال رہا ہے وہ یہ سمجھ کر قدم نکالے کہ وہ گویا اب اسلامی احکام کے دائرہ سے قدم نکال رہا ہے۔

(۳۶۲) * بعض اعمال کی زد تو اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اس کی صرف ظاہری زیبائش بدنما ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اسلام کی شیرینی ختم ہو جاتی ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن سے اس کے ذائقہ میں تلخی آ جاتی ہے غصہ ایسی صفت ہے جس سے صرف انسان کا ذائقہ حس برباد نہیں ہوتا بلکہ ذائقہ ایمان بگڑ جاتا ہے عام حالات میں غصہ ایسی ہی خراب چیز ہے لیکن اگر اپنے مولیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہو تو یہ عین ایمان ہے اس سے ایمان کی چاشنی دونی ہوتی ہے۔ جس کو خلاف شرع امور پر غصہ نہیں آتا اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس کا ایمان پہلے سے بے ذائقہ ہے اس میں مداہنت اور مساہلت کا زہر پہلے سے شامل ہے۔

www.besturdubooks.net

(۳۶۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَ اَکْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّیْ رَاَیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَۃٌ مِنْھُنَّ جَزْلَۃٌ وَ مَا لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَکْثَرُ اَھْلِ النَّارِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَ دِیْنٍ اَغْلَبَ لِذِیْ لُبٍّ مِنْکُنَّ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ مَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ الدِّیْنِ قَالَ اَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَھَادَۃُ امْرَاَتَیْنِ تَعْدِلُ شَھَادَۃَ رَجُلٍ فَھٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ تَمْکُثُ اللَّیَالِیَ مَا تُصَلِّیْ وَ تُفْطِرُ فِیْ رَمَضَانَ فَھٰذَا نُقْصَانُ الدِّیْنِ. و لفظ البخاری اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَ لَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ دِیْنِھَا. (رواہ الخمسۃ)

(۳۶۳) ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے (ایک بار) فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہوکر پھر ایک دانش مند شخص پر غالب آ جانے والا کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے عرض کیا ہمارے عقل و دین کے نقصان کی تشریح فرما دیجئے آپؐ نے فرمایا تمہاری عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گذر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں یہ دین کا نقصان ہوا۔ اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا تو پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

---

(۳۶۳) * حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعۂ آئین پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کے لیے لے کر آئے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں' اس لیے جو شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اس کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائے گا۔ عورت اپنے فطری عذر کی بنا پر کچھ مدت نماز اور روزہ سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص ہونا چاہئے جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے عورت کے دینی نقصان کی ٹھیک شرح یہ ہے۔ (دیکھو کتاب الایمان ص ۹۴)

رہا یہ سوال کہ صنف نساء کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی تو بے شک ناانصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کیے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازوئے پرواز نہیں دیئے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے ناقص بنایا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کرسکے اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک نہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے۔ شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال و نقصان کی اس تقسیم سے اس پر اعتراض مت کرو۔ وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ .... وَ اسْاَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ. (النساء: ۳۲) اللہ سے ان فضیلتوں کی تمنا مت کرو جن کی بناء پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایت مانگا کرو۔ (جو تمہارے مقدر کا ہے تم کو مل جائے گا)

www.besturdubooks.net

ليس تائيد الدين او تلاوة القران و امثالهما فقط موجبا لدخول الجنة و انما يجب لها التصديق و العمل بالاحكام

(۳۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِى الْاِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَاَثْبَتَتْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ الَّذِىْ تُحَدِّثُ اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَرْتَابُ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهِ اِلٰى كِنَانَتِهِ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهٖ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (رواه البخاری ص ۹۷۷)

جنت دین کی وقتی تائید یا صرف تلاوتِ قرآن کرنے سے واجب نہیں ہوتی اس کے لیے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے

(۳۶۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ بھی کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی - یہ سماں دیکھ کر آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ایک شخص نے (آ کر) کہا یا رسول اللہ فرمائیے جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو (آج) اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں سے اس کا جسم چور چور ہوگیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں شبہ پڑنے لگا - ابھی وہ اسی حیص وبیص میں تھے کہ اس شخص کو زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی (اور وہ اس پر صبر نہ کرسکا) آخر اس نے اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکال کر اپنے سینے کے پار کردیا یہ دیکھ کر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ پڑے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیشگوئی سچی کردی، فلاں شخص نے اپنے سینے میں تیر مار کر خودکشی کرلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - بلال! اعلان کردو کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں گے اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرالیتا ہے - (بخاری)

---

(۳۶۴) * اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت وحی الٰہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اسی لیے صاحب نبوت کو یہ تنبیہ کرنی ضروری ہوگئی کہ دنیا اعانت ونصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے - ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۳۶۵) عَنْ اَبِی سَلَمَةَ وَ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهُمَا اَتَيَا اَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِیَّ فَسَاَلَاهُ عَنِ الْحَرُوْرِيَةِ اَسَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَدْرِیْ مَا الْحَرُوْرِيَةُ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَخْرُجُ فِی هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ لَمْ يَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ يَقْرَئُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ اَوْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمُرُوْقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَنْظُرُ الرَّامِیْ اِلٰی سَهْمِهٖ اِلٰی نَصْلِهٖ اِلٰی رِصَافِهٖ فَيَتَمَارٰی فِی الْفُوْقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَیْءٌ۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۲۴)

(۳۶۵) ابوسلمہ اور عطاء دونوں ابوسعید خدری کے پاس آئے اور حروریہ (خوارج) کے متعلق ان سے دریافت کیا' آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقہ حروریہ کے متعلق کچھ سنا ہے انہوں نے کہا میں تو یہ نہیں جانتا کہ حروریہ کیا فرقہ ہے ہاں میں نے آپ کو یہ فرماتے تو سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے (اور فی هذه الامة کی بجائے راوی نے منها کا لفظ نہیں کہا) اس درجہ عبادت گذار ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں ہیچ نظر آئیں گی۔ قرآن کی تلاوت بھی کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے تیر انداز اپنے تیر کی لکڑی دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پروں کو دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں۔ (بخاری شریف)

سرعة الناس على الصراط تكون بقدر اعمالهم فی الدنيا

پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت وضعف کے مطابق ہوگی

(۳۶۶) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

(۳۶۶) حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور ان کے سامنے جنت قریب کر دی جائے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار چلئے ہم لوگوں کے لیے جنت کا دروازہ

ﷺ..... قبولیت کا اصلی مدار ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے اگر یہ نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خواہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو مگر وہ بھی نظر رب العزۃ میں کچھ نہیں' یہاں قدرت کا ایک آئین اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے۔ مشہور ہے ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

مگر آج اس کے برعکس دنیا کی نظروں میں فیصلہ عمل پر رہ گیا ہے اور روح ایمانی سے کوئی بحث نہیں رہی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۳۶۵) ✽ قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مقدس کتاب نہیں اور اس کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی مقدس عمل نہیں مگر دین صرف اتنے ہی حصہ کا نام نہیں اس کے اصول وارکان کچھ اور بھی ہیں جن کے بعد اعمال کے حسن و قبح سے بحث ہو سکتی ہے۔ فروعی اعمال میں تو ایک کافر بھی مسلمان سے فوقیت لے جا سکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کی بلندی صرف ایک بے بنیاد تعمیر ہی کی مثال ہوگی۔

(۳۶۶) ✽ اعمال گو ایمان کا جزء نہ ہوں مگر جنت کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال میں شدت وضعف پر ہی منحصر ہے۔

www.besturdubooks.net

حَتّٰی تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ يَا اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ وَ هَلْ اَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰی اِبْنِیْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلًا مِنْ وَّرَاءَ وَرَاءَ اِعْمَدُوْا اِلٰی مُوْسَی الَّذِیْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰی عِيْسٰی كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَيَقُوْلُ عِيْسٰی لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَ تُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَ الرَّحِمُ فَيَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَ شِمَالًا فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَیُّ شَیْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَی الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَ يَرْجِعُ فِیْ طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَ شَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِیْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَ نَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَی الصِّرَاطِ يَقُوْلُ يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰی تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰی يَجِیْءَ الرَّجُلُ لَا يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا وَ قَالَ وَ فِیْ حَافَتَیِ الصِّرَاطِ كَلَالِيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَامُوْرَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَ مُكَرْدَسٌ فِی النَّارِ وَ الَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا. (رواہ مسلم)

کھلوا دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں، اپنے والد کی ایک فروگذاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس خدمت کے قابل کہاں میں تو بس دور دور ہی سے خلیل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے لائق کہاں، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں۔ اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ شفاعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائے گی کہ ان کو ایک حسی مشکل دے دی جائے گی۔ یہ) پل صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی (تاکہ اپنی رعایت کرنے والوں کی سفارش اور نہ رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں) پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گذر جائے گا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، بجلی کی طرح تیز گذرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح پل بھر میں گذر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گذرنا ہوگا) پھر ہوا کی طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر انسانوں کی دوڑ کی طرح غرض کہ جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لے جائیں گے اور تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گذار ان کو سلامتی سے گذار یہاں تک کہ اب ضعیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آئے گا حتیٰ کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھرونچ آئے گی وہ تو نجات پا جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائے گا۔ (ابوہریرہؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

www.besturdubooks.net

الاسلام يدرس بالمعصية كما يدرس وشي الثوب

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

(۳۶۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْرُسُ الْاِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ لَا يُدْرٰى مَا صِيَامٌ وَ لَا صَدَقَةٌ وَ لَا نُسُكٌ وَ يُسْرٰى عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقٰى فِي الْاَرْضِ مِنْهُ اٰيَةٌ وَ يَبْقٰى طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَ الْعَجُوْزُ الْكَبِيْرَةُ يَقُوْلُوْنَ اَدْرَكْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰى هٰذِهِ الْكَلِمَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَنَحْنُ نَقُوْلُهَا فَقَالَ صِلَةُ فَمَا تُغْنِيْ عَنْهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا يَدْرُوْنَ مَا صِيَامٌ وَ لَا صَدَقَةٌ وَ لَا نُسُكٌ فَاَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ فَرَدَّدَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ يَا صِلَةُ تُنْجِيْهِمْ مِنَ النَّارِ تُنْجِيْهِمْ مِنَ النَّارِ تُنْجِيْهِمْ مِنَ النَّارِ.

(۳۶۷) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نورِ اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز۔ ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ متفرق طور پر کچھ بوڑھے مرد اور کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سنا تھا اس لیے ہم بھی یہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انہیں روزہ، صدقہ، اور افعال حج کا بھی علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انہیں کیا سود مند ہوگا۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انہوں نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ ہر بار حذیفہ اعراض ہی کرتے رہے ان کے تیسرے بار اصرار کے بعد فرمایا اے صلہ یہ کلمہ ہی ان کو عذاب دوزخ سے نجات دلا دے گا۔ تین بار فرمایا۔ (حاکم)

(رواه الحاكم و قال صحيح على شرط مسلم و رواه ابن ماجه كما في كتاب الفتن من الرحمة المهداة)

---

(۳۶۷) * وہب بن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے اسنان سے یعنی کنجی کے دندانوں سے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جارہی ہے۔ نہ کنجی دندانے گھس جانے کے بعد زیادہ کار آمد رہتی ہے نہ کپڑا پرانا ہونے کے بعد قابل استعمال ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہو جائے ان کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے۔ رسالت کی شہادت ہونے نہ ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں گذرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جہاں متکلم خود ہی کلام کرتا تھا۔ آج ذرا سے حجاب نے بد ذوق ذہنوں میں بلاوجہ یہ سوال پیدا کر دیا ہے تفصیلی بحث پہلے کی جا چکی ہے اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے بسیط ارض پر خدا کی توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک دن آئے گا کہ وہی اس سے اتنی جاہل ہو جائے گی کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک نشانی بن کر رہ جائے گا۔ ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادا مغفرت کا حکم سن کر پست طبائع میں اور سہل انگاری پیدا ہو جائے لیکن جب ان کو مجبور کیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انہیں واضح کر دینی پڑی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مدار نجات صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بنا پر اس کو مفتاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ لله ....

www.besturdubooks.net

(۳۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَخْلَقُ فِيْ جَوْفِ اَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ الْخَلِقُ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ اَنْ يُّجَدِّدَ الْاِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ .

(۳۶۸) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان تمہارے سینوں میں اسی طرح پرانا اور کمزور ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان پھر سر نو نیا اور مستحکم کر دے۔ (مستدرک)

(رواه الحاكم في المستدرك ص ٤ قال الذهبي رواته ثقات)

(۳۶۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

(۳۶۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ایمانوں کی تجدید کر لیا کرو۔ آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ (حاکم)

(اخرجه الحاكم في كتاب التوبة و قال صحيح الاسناد قال الذهبي و فيه صدقة و ضعفوه)

ﷺ .... عقیدہ صرف تقلیدی طور پر قائم رہے جب بھی نجات کے لیے کافی ہے اور یہ بھی کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں اور یہ کہ ایمان کے بغیر اعمال بے قیمت ہیں مگر ایمان اعمال کے بغیر بھی بے قیمت نہیں وہ یوں بھی نصیب ہو جائے تو بھی زہے نصیب۔ مومن بے عمل کی مثال ایک غیر مہذب دوست کی ہے اور نیک عمل غیر مومن کی مثال ایک مہذب دشمن کی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

(۳۶۸) ٭ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں حضرت معاذ کا قول نقل کیا ہے قال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعة. آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان لائیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عربی سے اس کی شرح یہ نقل کی ہے انما اراد تجديد الايمان لان العبد يؤمن في اول مرة فرضاثم يكون ابدا مجددا كلما نظر و فكر. حضرت معاذ کا مطلب یہاں ایمان سے تجدید ایمان ہے کیونکہ بندہ ایمان ایک ہی مرتبہ لاتا ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے ثواب وعذاب آیات وعبر میں غور کر کر کے اپنے ایمان کی تجدید کیا کرتا ہے۔
(فتح الباری ج ا ص ۴۱)

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ اگر کسی کی زبان سے غلطی سے لات وعزیٰ کی قسم نکل جائے تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی دامن پر داغ معصیت یا کسی اور ناشایاں کلمہ کا دھبہ لگا جائے تو اسی طرح چھوڑ نہ دینا چاہیے بلکہ فوراً صاف کر دینا چاہیے تاکہ اس کے اثرات اور نہ بڑھنے پائیں یا کم از کم اس کے اسلام کی بدنمائی کا باعث نہ ہوں۔

(۳۶۹) ٭ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور بالخصوص تکرار کلمہ طیبہ کو تجدید ایمان میں بڑا دخل ہے اب انصاف کیجئے کہ اس ایمان کا حال کیا ہوگا جو ہر لحظہ پرانا تو ہو رہا ہے مگر اس کی تجدید کا سامان کچھ نہیں ہے۔ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تار تار ہو جائے۔ فاعتبرو ایا اولی الابصار . صحیح بخاری میں بھی یہ مضمون صحابہ کی زبان سے موجود ہے۔

www.besturdubooks.net

المعاصی قد تفضی الی حبط بعض الحسنات

گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی کبھی نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آجاتی ہے

(۳۷۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ. (رواہ البخاری)

(۳۷۰) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے عمل اکارت ہوئے۔ (بخاری)

(۳۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ.

(رواہ البزار)

(۳۷۱) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاک باز عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔

(البزار)

(۳۷۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا الخ... (ترمذی – نسائی – ابن ماجہ – دارمی)

(۳۷۲) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔

(ترمذی-نسائی-ابن ماجہ-دارمی)

(۳۷۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَ قَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ اَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ. (رواہ ابو داؤد)

(۳۷۳) سہل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے (جلد بازی میں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کردی اور آمدورفت کے لیے راستے بند کر دیئے (جب آپؐ کو یہ خبر ملی) تو آپ نے ایک منادی بھیج دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کردے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

(۳۷۴) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْيَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَ مَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَقَدْ وَلّٰى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (ابو داؤد)

(۳۷۴) ابودرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کر دیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کر دی۔ (ابوداؤد)

www.besturdubooks.net

(۳۷۵) عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ اَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ فَحَدَابِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَّاهُ اَمْتَعْتَنَا بِهٖ فَاُصِيْبَ صَبِيْحَةَ لَيْلَتِهٖ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَ هُمْ

(۳۷۵) سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہل خیبر سے جنگ کے لیے نکلے رفقاء میں سے ایک شخص بولا اے عامر ہمیں بھی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ عامر گا گا کر انہیں سنانے لگے اور ان کی مستانہ آواز سے اونٹوں نے بھی تیز تیز قدم اٹھادیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹوں کو حدی پڑھ کر یہ تیز چلانے والا کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا عامر ہیں آپ نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش عامر کی صحبت سے آپ ہمیں کچھ اور لطف اندوزی کا موقعہ دیتے اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ اسی شب کی صبح (انہوں نے ایک کافر پر حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ لوٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی اور وہ اپنی ہی

(۳۷۵) ٭ صحابہ کو یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ جنگ کے موقعہ پر جب کسی شخص کی نسبت آپ ''رحمہ اللہ'' کا کلمہ ارشاد فرما دیتے تو وہ ضرور شہید ہو کر رہتا اس لیے عامر کے متعلق یہ کلمہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیتے۔

واضح رہے کہ شرک وکفر تو سب کے نزدیک حقیقتاً حبط عمل کا موجب ہیں لیکن کبائر کے حبط عمل کے مفہوم میں ذرا اختلاف ہے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے اور کسی نے ظاہری معنی پر ہی محمول کرلیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہلسنت کا مذہب نہیں معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ صواب ہے وہ سورۂ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

و فی الکشف لا بد فی ھذا المقام من تحریر البحث بان یقال ان اراد المعتزلہ ان نحو الزناء اذا عقب الصلوٰۃ یبطل ثوابھا مثلا فذلک مما لا دلیل علیہ و ان ارادوا ان عقابہ قد یکبر حتی لا یعادلہ صغار الحسنات فھذا صحیح و الکلام فی تسمیتہ احباطا و لا باس بہ و لکن عندنا ان ھذا الا حباط غیر لازم و عندھم لازم و ھو مبنی علی جواز العفو و ھی مسئلۃ اخری و اما الکبیرۃ التی تختص بذلک العمل کالعجب و نحوا لمن و الاذی بعد التصدق فھی محبطۃ لا محالۃ اتفاقا. (ص ۲۶ - ۷۳ روح المعانی)

''کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہیے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ یہ مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کرنے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی کسی عمل کا گناہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا ثواب اس کی تلافی نہیں کرسکتا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس وقت گفتگو صرف اس میں رہے گی کہ اس کو حقیقتہً حبط کہنا بھی چاہیے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تو گناہ کبیرہ سے نیکیوں کا برباد ہو جانا لازم اور ضروری امر ہے اور اہل حق کے نزدیک ضروری اور لازم نہیں ہے درحقیقت یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی بخشش جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ بحث تو عام کبائر کے متعلق تھی اب رہے وہ گناہ جو کسی خاص عمل سے متعلق ہیں جیسے صدقہ دے کر اترانا' یا احسان جتانا اور بات مارنا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اس قسم کے ....

www.besturdubooks.net

يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ زَعَمُوْا اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا اِنَّ لَهٗ لَا جْرَيْنِ اِثْنَيْنِ اِنَّهٗ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَ اَيُّ قَتْلٍ يَزِيْدُهٗ عَلَيْهِ. (رواہ البخاری)

شمشیر سے زخمی ہو گئے) اور شہید ہو گئے صحابہؓ نے (یہ دیکھ کر کہ یہ اپنی ہی شمشیر سے ہلاک ہوئے ہیں اس کو خودکشی سمجھا اور) کہا عامرؓ نے خودکشی کر لی اور ان کی سب نیکیاں اکارت ہو گئیں۔ جب میں واپس ہوا تو وہ یہی گفتگو کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آ کر آپ ؐ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو گئے آپؐ نے فرمایا کون کہتا ہے۔ جس نے کہا غلط کہا اس کو دوہرا ثواب ملے گا وہ بڑا پکا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کون سا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

ؒ .... کے گناہ سے خاص اس عمل کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔'' (روح المعانی)

ہمارے نزدیک اعمال مکفرہ (یعنی وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں) میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ کون سا عمل کس گناہ کے لیے کفارہ بنتا ہے اسی طرح کبائر محبطہ (یعنی وہ گناہ جو نیکیاں برباد کر دیتے ہیں) میں بھی یہ تفصیل ہونی چاہیے کہ کس گناہ سے کس قسم کے نیک عمل کا ثواب برباد ہوتا ہے۔ نہ تکفیر علی الاطلاق ہے اور نہ حبط عمل علی الاطلاق ہونا چاہیے۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ کلیہ حدیثوں میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے تو صرف اسی ایک نیک عمل کا ثواب حبط ہوتا ہے جس سے وہ گناہ متعلق ہوتا ہے جیسے جہاد میں تضییق منازل یا صدقہ کے بعد من واذی (احسان جتانا اور بات مارنا) اور بعض گناہوں سے متعدد اعمال بھی حبط ہو سکتے ہیں پھر کبھی یہ تعلق ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اندرونی جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار شراب نوشی سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہاں شراب نوشی اور نمازوں کے درمیان کوئی اندرونی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر خاص نمازوں ہی پر پڑتا ہے۔ چالیس کے عدد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبط عمل کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں جتنا کہ معتزلہ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مقام پر نماز اور شراب کے مابین تناسب ہے اس کا ایضاح منظور نہیں ہے ورنہ اس عمیق ربط کی طرف قرآن کریم کی متعدد آیات میں اشارات ملتے ہیں۔

حضرت استاد قدس سرہ کے کلمات سے یہاں حبط عمل کی ایک اور شرح بھی مفہوم ہوتی ہے وہ امام بخاری کے ترجمہ ''باب خوف المؤمن ان يحبط عمله'' کی شرح کے ذیل میں فرماتے تھے کہ اس ترجمہ سے امام بخاریؒ کی غرض مرجئہ کی تردید ہے یعنی گناہ اتنی ہلکی چیز نہیں جتنی کہ مرجئہ نے سمجھی ان کی شامت سے بعض مرتبہ سوء خاتمہ اور سلب ایمان کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا نام شرعی کفر نہیں تکوینی کفر ہے یہاں بظاہر کوئی عمل کفر نظر نہیں آتا اس لیے ظاہر میں ایمان و اسلام کا حکم باقی رہتا ہے لیکن چونکہ قلب حقیقت ایمانیہ اور اذعان سے خالی ہو جاتا ہے اس لیے عالم آخرت میں اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں رہتا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا پھر وہ آخرت میں نہ پئے گا۔ ترمذی کی شرح میں صاحب قوت المغتذی اس کا یہ مطلب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر شراب خواری کی بدعادت رک نہ کی گئی تو اس کی شامت سے انجام خراب ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب خاتمہ بخیر نہ ہو تو آخرت میں وہ شراب جو صرف مومنین کا حصہ ہو گی کیونکر میسر آئے گی۔ اس بنا پر حبط عمل کا اصل سبب کفر ہی ہو گا لیکن چونکہ بظاہر یہاں کوئی سبب کفر موجود نہیں ہوتا صرف معصیت ہوتی ہے اس لیے حبط عمل کا حکم اس معصیت ہی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔'' حضرت ابو الدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے دینی معاملات میں برابر مستعد ؒ ....

www.besturdubooks.net

(۳۷۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ. (رواہ ابوداؤد)

(۳۷۶) ابوالدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان دار آدمی اپنے دین میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جب تک کسی کا خون ناحق اپنے سر نہیں لیتا جونہی اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۳۷۷) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَهُمْ. (رواہ الترمذی)

(۳۷۷) سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی بڑائی کے تصور میں بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام دنیا کے اور متکبرین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور آخر اس کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو دوسرے متکبروں کو ملی۔ (ترمذی)

ہ .... رہتا ہے لیکن جب کسی کا ناحق خون کر دیتا ہے تو پھر اس کی مستعدی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔'' (ابوداؤد)
گویا قاتل عمد کو تکوین اسی طرح آہستہ آہستہ خلود یا مکث طویل کی طرف لے چلتی ہے پس جس طرح یہاں فتویٰ اپنی جگہ قائم رہے گا اور تکوین اپنی جگہ کام کرے گی۔ اسی طرح معاصی صرف معاصی کہلائیں گے لیکن ان کا تکوینی اثر کشاں کشاں کفر کی طرف لیتا چلا جائے گا۔ پس اعمال اگرچہ اجزاء ایمان نہ ہوں مگر قوت ایمانیہ قائم رکھنے کے لیے ان کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درخت کی حیوۃ کے لیے پانی کا۔

(۳۷۶) * قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان وکفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطہ سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیا پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے عمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرما لیتی ہے اس کو بھی دفعۃً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرما لیتی ہے یہ ہر دو راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جائے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے اس لیے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بداطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اوج پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوشمند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عمداً قاتل کے لیے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعید یوں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہاء کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو اور آخر کار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہو جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہیے بعض قسم کے گناہوں سے سوء خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عمداً خون ناحق ہے اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لیے خدا کی طرف سے اعلانِ جنگ کا لفظ آیا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(۳۷۷) * اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے و ما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا آدمی راست گوئی کی صفت اختیار کرتے کرتے خدائے تعالیٰ کے یہاں صدیقوں کی فہرست میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثوں میں خیر وشر کے اسی تدریجی رفتار اور ان کے نتائج پر تنبیہ کی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

من سبق علی لسانه کلمة الکفر لم یکفر

اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا

(۳۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَ شَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ اَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ. (رواہ مسلم)

(۳۷۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ رہے وہ ابھی اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعۃً وہ اپنی سواری اپنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑ کے پھر مارے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

(۳۷۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِیْ حَلْفِهٖ بِاللَّاتِ وَ الْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ. (متفق علیہ)

(۳۷۹) ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر بلا ارادہ لات اور عزیٰ کا نام آ گیا تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہیے اور جس نے اپنے دوست سے کہا آؤ جوا کھیلیں اسے صدقہ دینا چاہیے۔ (متفق علیہ)

---

(۳۷۸) * خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اس کے برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا حالانکہ اس کے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۷۹) * یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح مسرت وغم میں انسان کی زبان قابو میں نہیں رہا کرتی اور کچھ کا کچھ کہہ ڈالتی ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں پر وہ رواں ہو چکی ہے ان میں بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات وعزیٰ کی قسمیں کھانے کا عادی تھے۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے اس قسم کے مواقع پر بے اختیار لغزش ہو جائے۔ دین حنیف نے ان کی اس غلطی پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس کفر نما حرکت کو فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دے دیا تا کہ اگر اس کی اس سبقت لسانی پر شیطان ایک مرتبہ خوش ہوا ہو تو اس کی زبان سے کلمہ توحید سن کر ہزار بار جل بھی جائے۔
دوسرے فقرہ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ شریعت نے قمار بازی کی بدخصلت ترک کرانے کے لیے نفسیاتی طور پر اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کچھ صدقہ دے دے اس کے نفس کے لیے یہ تعزیر بہت نتیجہ خیز ہوگی۔ .....

www.besturdubooks.net

لا یکفر المسلم بذنب

(۳۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِیْمَانِ الْکَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا تُکَفِّرْہُ بِذَنْبٍ وَ لَا تُخْرِجْہُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَ الْجِھَادُ مَاضٍ مُذْبَعَثَنِیَ اللّٰہُ اِلٰی اَنْ یُقَاتِلَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الدَّجَّالَ لَا یُبْطِلُہٗ جَوْرُ جَائِرٍ وَ لَا عَدْلُ عَادِلٍ وَ الْاِیْمَانُ بِالْاَقْدَارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہیے

(۳۸۰) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں اسلام میں داخل ہیں۔ (۱) جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس سے جنگ ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ۔ (۲) جب سے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آ کر دجال سے جنگ کرے گا۔ کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جا سکتا (۳) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا (ابوداؤد)

﴿﴾..... لیکن امام خطابی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جتنا مال اس نے قمار بازی کے لیے لگایا تھا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرے۔ قال معناہ فلیتصدق بقدر ما جعلہ خطراً فی القمار. (معالم السنن ج ۴ ص ۴۵)

(۳۸۰) * واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال کی بنا پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بداعمالی اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ کسی عقیدۂ کفریہ کا اعلان نہ کر دے۔ اسلام میں کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت یکساں ہے اس حدیث کا مقصد مؤمن عاصی کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا ہے نہ کہ کافر صریح کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا۔ حیرت ہے کہ متواترات دین کے منکرین کو اس حدیث سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جب کہ اس حدیث میں لفظ ذنب کی صاف تصریح موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذنب اور معصیت کی بنا پر کسی شخص کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرنی چاہیے۔ اس میں اختلاف کس کو ہے۔ بحث طلب یہ ہے کہ صریح کفر کے عقائد کے بعد بھی کیا یہ حدیث کسی کو کافر کہنے سے روکتی ہے اگر ایک شخص نماز پڑھ کر قبلہ کا استقبال کر کے ذبیحہ مسلم کھا کے کسی قسم کے عقائد کفریہ سے بھی کافر نہیں ہوتا تو پھر یا تو اس قسم کے عقائد کو عقائد کفریہ کہنا ہی غلط ہوگا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تین افعال کوئی ایسا مضبوط قلعہ ہیں جس کو کفر و شرک کی بمباری بھی مضرت رساں نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت بہت کمزور ہے وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکتی ہے اس میلان میں قدرت نے بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک و کفر کی طرف میلان انسان کی فطرت نہیں یہ خلاف فطرت ہے۔ اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جا سکتا یہ اپنے خالق سے کھلی مخالفت اور اعلان بغاوت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا شمار دشمنوں کی صف میں ہونے لگتا ہے یہ کمزوری نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اس اہم حدیث پر صحیح طور پر غور نہیں کیا گیا اس لیے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھار شروع کر دی اور کسی نے متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی۔

حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی گئی تھی کہ جن افعال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے وہ عقائد کفریہ ﴿﴾.....

www.besturdubooks.net

من قتل نفسه لم يكفر

خودکشی کرنے والا کافر نہیں

(٣٨١) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَّكَ فِيْ حِصْنٍ حَصِيْنٍ وَ مَنَعَةٍ قَالَ كَانَ لِدَوْسٍ حِصْنٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَبَى ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِيْ ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْاَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

(٣٨١) جابرؓ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی (اپنے قبیلہ کی طرف ہجرت کرنے کی درخواست لے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپؐ ایک مضبوط قلعہ اور محافظ جماعت کی طرف ہجرت کرنا منظور فرما سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیبی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقدر فرما دی تھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت

لہ..... ضروریات دین کا انکار اور دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگذاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب کہا جاتا ہے۔ فقہ میں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لیے اختیار کیا گیا تھا جنہیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں گویا قبلہ اصولِ اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس میں متفق ہو گیا اس کا بقیہ اصول میں بھی متفق ہونا ضروری ہے لہٰذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعات ہی میں ہوگا۔ صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار دینا صحیح نہیں۔ احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے۔ پس جس طرح احادیث میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک حدیث واستقبل قبلتنا ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال میں اسلامی زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے۔ کھلے ہوئے کافروں سے نہ اُس حدیث کا تعلق ہے نہ اِس کا۔ مسیلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھا گیا' کیا جن لوگوں نے صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اگرچہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے۔ ہمارے ذبیحہ کھانے سے بھی انہیں کوئی استنکاف نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہرگز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی اور اس بنا پر کی گئی کہ اس وقت جماعت صحابہؓ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کے کسی اور منکر فرضِ قطعی کو مرتد شمار نہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کی بنا پر کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے اسلامی زبان میں اس کا لقب ہے فاسق ہے کافر نہیں۔ یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر امت اس پر عمل کرتی تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا۔

(٣٨١) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغفرت میں بھی تجزیہ ہوسکتا ہے یہاں مغفرت نے طفیل کے رفیق کے سارے جسم کو تو گھیر لیا تھا مگر امانت الٰہیہ میں بے جادست اندازی کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا یہ شخص کیا ہی خوش نصیب تھا کہ اس کا مقدمہ رحمۃ للعالمین کے سامنے آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اس کی سفارش کے لیے اٹھ گئے پھر کیا تھا رحمت نے اس کی رگ رگ کو گھیر لیا۔

www.besturdubooks.net

هَاجَرَ اِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهِ فَرَاٰهُ وَ هَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَ رَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَلِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَالِيْ اَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيْلَ لِيْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا اَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (رواہ مسلم)

کی تو طفیل بن عمرو اور ان کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی ساتھ ساتھ ہجرت کی- اتفاق یہ کہ مدینہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی ان کا رفیق بیمار پڑ گیا اور تکلیف برداشت نہ کر سکا- اس نے اپنے تیر کا پیکان نکال کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہہ نکلا یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی- طفیل بن عمرو نے انہیں خواب میں دیکھا تو صورت ان کی بہت اچھی تھی مگر ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے- دریافت کیا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی برکت سے مجھے بخش دیا گیا پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہو؟ اس نے کہا مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تم نے جو خود بگاڑا ہم اسے نہیں سنواریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرما دے- (مسلم)

لايجب في الايمان العلم بصفات الله تعالى تفصيلا

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

(۳۸۲) عَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِيْ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ فَجِئْتُهَا وَ قَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ

(۳۸۲) معاویۃ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑیے نے

(۳۸۲) * ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موشگافیاں قطعاً غیر ضروری ہیں مثلاً یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی جہت موزوں ہے' اگر اس کو فلسفی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے- یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلف بنایا نہیں جا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے جو تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہو اس لیے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگرچہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ حیثیت تشبیہ ہی کیوں نہ ہو جائے- یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظی تشبیہ اسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو یا کم از کم نفیاً و اثباتاً اس سے کوئی بحث نہ ہو- لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہو جائے تو اب یہ حدود ایمان نہیں رہیں- مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہو سکتا ہے جب تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود رہے کہ اس نسبت کا اللہ ....

www.besturdubooks.net

فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَ كُنْتُ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَ عَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا. (رواه مالك و في رواية مسلم) اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

پھاڑ کھائی - مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لیے) ایک غلام آزاد کرنا بھی ہے- کہیے تو اسی باندی کو (اس کے عوض میں) آزاد کر دوں- آپ نے اس باندی سے پوچھا بتا اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول' فرمایا اچھا اسے آزاد کردو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مؤمنہ ہے-

(مؤطا مالک)

(۳۸۳) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ

(۳۸۳) عبیداللہ بن عبداللہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ

ﷺ .... مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں-

ہم پہلے بھی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں بتائی کہ ایک مادی انسان کے لیے اس کی ذات وصفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دے دی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی جاذبیت اس کو مقتضی ہوسکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اس آیت میں یہی تعبیر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ و مبرا ضرور ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع و بصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع و بصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لیے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکانی کی طرح نہیں- خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں ہمیں صرف اجمالی علم حاصل ہوسکتا ہے- البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہوسکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آنے لگتی ہے- سوچو کہ اگر اس کے لیے صفت سمع و بصر ثابت کرنا چاہیں تو اگر اسے سمیع و بصیر نہ کہیں تو اور کیا کہیں اس لیے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کر لی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلودہ نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا نازک موقعہ ہے جہاں اسلام و کفر کی سرحدیں بہت ہی نزدیک ہو جاتی ہے نصاریٰ نے خدا کے رسول کے لیے اپنے زعم میں صرف ایک پر عظمت کلمہ سمجھ کر ان کو ابن اللہ کہہ دیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمہ تشبیہی کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے اسی لیے فرمایا ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ (الانعام: ۱۰۱) بھلا خدا کے بیٹا کہاں سے ہوسکتا ہے جب کہ اس کے لیے بی بی نہیں-

پس نہ ہر تشبیہ قابل اغماض ہے اور نہ ہر شخص قابل معافی ہے اسی لیے علماء اللہ تعالیٰ پر معشوق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو ارباب سکر نے اپنے عالم بے خودی میں بڑے ذوق کے ساتھ استعمال کر لیا ہے- ان احوال و مواجید سے خالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے ۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(۳۸۳) ✽ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث پر حجۃ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر میں و منها ان الشارع لم يخاطبهم الاعلى ميزان العقل المودع في اصل خلقتهم قبل ان يتعاونوا دقائق الحكمة و الكلام و الاصول ﷺ....

www.besturdubooks.net

رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهٗ جَاءَ بِاَمَةٍ سَوْدَاءَ وَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَاِنْ كُنْتَ تَرٰى هٰذِهٖ مُؤْمِنَةً اَعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدِيْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَتُؤْمِنِيْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَعْتِقْهَا.

وہ ایک سیاہ باندی لے کر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مؤمنہ ہوتو میں اسے ہی آزاد کردوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ وہ بولی جی ہاں- آپؐ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے؟ وہ بولی جی ہاں- آپ نے فرمایا اسے آزاد کر سکتے ہو- (مسند احمد)

(رواہ احمد قال الهيثمي رجاله رجال الصحيح و رواه مالك ايضًا قال السيوطي في تنوير الحوالك و روى عن ابي هريرة موصولا ايضًا)

ﷺ.... و اثبت لنفسه جهة فقال الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. و قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا مرء ة سوداء اين الله فاشارت الى السماء فقال هي مؤمنة. (ج۱ص۸۹) اصول تیسیر میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلّف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقائق فلسفہ وعلم کلام پڑھنے سے پہلے قدرۃً صلاحیت موجود ہو مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے- ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کرلیا ہے اسی لیے قرآن وحدیث میں بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے- اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا آپ نے فرمایا یہ مؤمنہ ہے- دوسری جگہ باب طبقات الامة باعتبار الخروج الى الكمال المطلوب او ضده میں تحریر فرماتے ہیں: وقوم نقصت عقولهم كا كثرا لصبيان و المعتوهين و الفلاحين و الارقاء وكثير يزعمهم الناس انهم لاباس بهم و اذا نقح حالهم عن الرسوم بقوا لا عقل الهم فاولئك يكتفي من ايمانهم بمثل ما اكتفى رسول الله صلى الله عليه وسلم من الجارية السوداء سألها اين الله فاشارت الى السماء (هم اصحاب الاعراف) انما يراد منهم ان يتشبهوا بالمسلمين لئلا تتفرق الكلمة. (ج۱ص۹۲ حجۃ اللہ) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلیں قدرۃً ناقص ہوتی ہیں جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں- اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا مجمل سا ایمان کافی سمجھ لیا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمالیا تھا جس سے آپؐ نے دریافت کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا تھا-

حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان ہر دو تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دوصورتوں میں معتبر ہوتا ہے- کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے اور کہیں مکلّفین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے مثلاً جہت علو کا مسئلہ ہے- اس مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ دقائق فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لیے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لیے اس جہت کا اجمالاً انتساب جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں جا بجا اسی نسبت کو ﷺ....

www.besturdubooks.net

(۳۸۴) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنِ الشَّرِيْدِ (بن سويد) اَنَّ اُمَّهٗ اَوْصَتْ اَنْ يُّعْتِقَ عَنْهَا رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ عِنْدِیْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ نُوْبِيَّةٌ فَاَعْتِقُهَا فَقَالَ ائْتِ بِهَا فَدَعَوْتُهَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَهَا مَنْ رَّبُّكِ قَالَتْ اَللّٰهُ قَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) فَقَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

(۳۸۴) ابوسلمہ شرید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب سے ایک مؤمن بردہ آزاد کردیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبۃ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کردوں' آپ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آواز دی وہ آگئی۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ وہ بولی اللہ۔ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ وہ بولی اللہ کے رسول' آپ نے فرمایا جاؤ آزاد کردو یہ مؤمنہ ہے۔ (مسند احمد)

(رواه احمد قال الهيثمي و رواه البزار و الطبراني في الارسط الا انه قال لها من ربك فاشارت برأسها الى السماء فقالت الله. و رجاله موثوقون و رواه ابوداؤد و النسائي ايضًا)

(۳۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَاَمْسَكَ عِنْدَهٗ تِسْعًا وَ تِسْعِيْنَ رَحْمَةً وَ اَرْسَلَ فِیْ خَلْقِهٖ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَّاحِدَةً فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْأَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ. (رواه البخاری)

(۳۸۵) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کر دیئے تھے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لیے رکھ دیا تھا اس لیے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ رہیں اور اگر مؤمن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ رہیں۔ (بخاری شریف)

ﷺ.... استعمال کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے تاکہ موجب تفریق وتشتت نہ ہو۔ مثلاً یہی ناخواندہ باندی اگر اسے تشبیہ وتنزیہ کے مابین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر ہوتی اس لیے آپ نے اس کا اتنا اجمالی سا ایمان ہی کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو پوری عقل وفہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے لیے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہو سکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے۔ (والعیاذ باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی پس جس طرح اجمالی ایمان میں مسئلہ کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے اسی طرح ایک بے عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے۔ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ہر دو صورتوں کی مثال بن سکتا ہے۔

(۳۸۵) * بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی ہی تصور ہو سکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی طاقتوں کا اس کو علم ہو جائے ﷺ....

www.besturdubooks.net

(۳۸۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَتَى رَجُلُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِأْنِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّیْ وَ اشْتَدَّ قَلْبِیْ وَ غَلُظَ لِسَانِیْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرِأْنِیْ سُوْرَةً جَامِعَةً فَاَقْرَأَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَ الَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ. (رواه احمد و ابوداؤد)

(۳۸۶) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لیے بتا دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف - لام - راء ہے - اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہو چکی ہے اور میرا قلب و زبان سخت پڑ چکے ہیں آپؐ نے فرمایا اچھا تو جن تین سورتوں کے شروع میں حم ہے ان کو پڑھ لیا کرو' اس پر اس نے پھر وہی پہلا عذر کیا اور اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے تو کوئی جامع اور مختصر سی سورت بتا دیجئے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس کو سورۂ اذا زلزلت پڑھا دی یہاں تک کہ آپؐ اسے پوری پڑھا کر فارغ ہو گئے اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے میں بھی اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کروں گا یہ کہہ کر پشت پھیر کر چل دیا آپؐ نے دو بار فرمایا یہ بیوقوف بے چارہ کامیاب ہو گیا - (احمد - ابوداؤد)

لہ .... تو اس کی کمزوری تا تو اس فطرت کا توازن بگڑ جائے وہ رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے - اس کے عمل کی کشتی اسی وقت تک چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجاء کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں - اسی لیے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ' نعمت کے ساتھ نقمت اور عذاب کے ساتھ ثواب کا ذکر کیا ہے - ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ (الحجر: ۴۹' ۵۰) دیکھیے دونوں تعبیروں میں کتنا زور ہے پھر ان میں کتنا توازن ہے - اسی مضمون کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۸۴ پر بھی گذر گئی ہے -

(۳۸۶) * ترجمان السنہ جلد اول ص ۴۸۳ پر ضمام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمان برداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل بھی نہیں سکتے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادیات کے بارے میں اپنی امی امت کے لیے اجمالی ایمان کافی سمجھا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی دین کا بوجھ نہیں ڈالا ایک غیر تعلیم یافتہ بادیہ نشین کا توحید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرمایا اسی طرح ایک نو مسلم کو صرف فرائض دین پر عمل پیرا ہو جانے سے فلاح کی بشارت سنا دی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورت پر فوز و فلاح کی خوش خبری دے دی الـرُّوَيْـجِلُ کی تصغیر میں اس کی اسی معذوری کی طرف اشارہ تھا گویا غیر معذور شخص کے لیے تو اتنی سہولت پسندی نامناسب ہے مگر وہ معذور جس کی حقیقت ایک ناقص انسان رہ گئی ہو قابل اغماض ہو سکتا ہے اس کا نام دین حنیف ہے اس کی بنیاد تمام تر سہولت پر ہے یہاں معذور سے معذور شخص کے لیے بھی جنت میں جانے کا راستہ نکل آتا ہے مقصود ایزدی جہد و مشقت نہیں اظہار عبدیت ہے یہاں آپ کو دو حدیثوں کا مطالعہ کر لینا اور بصیرت کا موجب ہو گا - ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۹۱ حدیث نمبر ۴۳ جس میں ایک اسرائیلی شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے خدا سے ڈر کر وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کو جلا کر خاک کر دیا جائے -

www.besturdubooks.net

(۳۸۷) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَہٗ ثُمَّ عَقَلَھَا ثُمَّ دخل الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰی رَاحِلَتَہٗ فَاَطْلَقَھَا ثُمَّ رَکِبَ ثُمَّ نَادٰی اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِکْ فِیْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ ھُوَ اَضَلُّ اَمْ بَعِیْرُہٗ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰی مَا قَالَ قَالُوْا بَلٰی۔ (رواہ ابوداؤد)

(۳۸۷) جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اس کا زانو باندھا اور مسجد میں داخل ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب سلام پھیر کر فارغ ہوگیا تو اپنی اونٹنی کے پاس آیا اس کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہوگیا اور بلند آواز سے کہا اے اللہ مجھ پر رحم فرمادے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہم دو کے سوا اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں اور اس کے اونٹ میں زیادہ نافہم کس کو کہو گے تم نے بھلا سنا اس نے کیا کلمہ کہا ہے صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں سنا۔ (ابوداؤد)

اذا استشکل شیٔ من دقائق علم التوحید فلیعتقد بما ھو الصواب عند اللّٰہ

عقائد کے مسائل میں جب کہیں اُلجھن پیش آجائے تو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے

(۳۸۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ کَانَ اَھْلُ الْکِتَابِ یَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاۃَ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ وَ یُفَسِّرُوْنَھَا بِالْعَرَبِیَّۃِ لِاَھْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَھْلَ الْکِتَابِ وَ لَا تُکَذِّبُوْھُمْ وَ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا۔ (رواہ البخاری)

(۳۸۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاً اتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

---

(۳۸۷) * یہ حدیث کچھ لفظی مغایرت کے ساتھ ترجمان السنۃ جلد اول ص ۲۹۷ (نمبر ۵۱) پر بھی گذر چکی ہے وہاں اس اعرابی کے متعلق آپؐ نے جو اصلاحی کلمات فرمائے تھے وہ بھی گذر چکے ہیں۔ اس روایت میں آپؐ نے اس کے اس شدید کلمہ کا عذر اس کی کم فہمی اور بے عقلی قرار دی ہے۔ یہی کلمہ اگر کسی اور تربیت یافتہ صحابیؓ کے منہ سے نکلتا تو شاید قابل سرزنش ہو جاتا لیکن آپؐ کو ہر شخص کی مقدار صحبت اور علم و فہم کی رعایت بھی رہتی تھی اس لیے اگر کسی ناواقف کے منہ سے محبت و عظمت کے انداز میں کوئی نامناسب کلمہ نکل گیا ہے تو گو نوک کے بغیر تو آپ نے اس کو بھی نہیں چھوڑا مگر اس انداز کی سخت گیری بھی نہیں فرمائی جو کسی اونچے علم و فہم کے شخص سے کی جاتی۔ اور اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک اجمالی تصور قابل اغماض سمجھ لیا ہے۔

(۳۸۸) * یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات و صفات کے جن مسائل میں پر بھی حقیقت منکشف نہ ہوسکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہیے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔ ....

www.besturdubooks.net

(۳۸۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ الی قولہ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللّٰهُ (عَزَّوَجَلَّ) فَاحْذَرِيْهِمْ. (رواہ البخاری)

(۳۸۹) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی هُوَ الَّذِىْٓ الخ.... اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دوقسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہیے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لاچکے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو ان سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زائغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

الاحکام تجری علی الظاهر و الله يتولی السرائر

اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے اور اندرونی حالات کا حساب خدائے تعالیٰ کے حوالہ رہے گا

(۳۹۰) اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ

(۳۹۰) عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆.... واذا اشكل على الانسان شیٔ من دقائق علم التوحيد فينبغي له ان يعتقد في الحال ما هو الصواب عند الله تعالى الى ان يجد عالمًا فيسأ له و لا يسعه تاخير الطلب و لا يعذ ربا لوقف فيه و يكفران وقف و المراد بدقائق علم التوحيد اشياء يكون الشک و الشبهة فيها منا فيا للايمان و مناقضا للايمان بذات الله تعالى و صفته و معرفة كيفية المؤمن به باحوال اخرته. (شرح فقه اکبر ص ۱۰۰)

''جب علم توحید وعقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آ جائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اس پر ہمارا اعتقاد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق وتفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک وشبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔'' (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لیے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق وتفتیش کے لیے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لیے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لیے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیاتِ متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

www.besturdubooks.net

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اِنَّ اُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَ اِنَّمَا نَاْخُذُكُمُ الْاٰنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَ قَرَّبْنَاهُ وَ لَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْءٌ اَللّٰهُ مُحَاسِبُهٗ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ وَ مَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءً لَمْ نَاْمَنْهُ وَ لَمْ نُصَدِّقْهُ وَ اِنْ قَالَ اَنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ. (رواہ البخاری)

کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اور اب وحی تو منقطع ہوگئی اس لیے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کریں گے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے افعال کرے گا اس کو تو امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خدائے تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۹۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَلَقِيْتُ عِتْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ عَنْكَ قَالَ اَصَابَنِيْ فِيْ بَصَرِيْ بَعْضُ الشَّيْءِ فَبَعَثْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ اُحِبُّ اَنْ تَاْتِيَنِيْ تُصَلِّيْ فِيْ مَنْزِلِيْ فَاَتَّخِذَهٗ مُصَلًّى قَالَ فَاَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ شَاءَ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ مَنْزِلِيْ وَ اَصْحَابُهٗ يَتَحَدَّثُوْنَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ اَسْنَدُوْ اَعْظَمَ ذٰلِكَ وَ كُبْرَهٗ اِلٰى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ قَالَ وَ دُّوْا اَنَّهٗ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ وَ وَدُّوْا اَنَّهٗ اَصَابَهٗ شَرٌّ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ ذٰلِكَ وَ مَا هُوَ فِيْ قَلْبِهٖ قَالَ لَا يَشْهَدُ اَحَدٌ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ اَوْ تَطْعَمُهٗ قَالَ اَنَسٌ فَاَعْجَبَنِيْ هٰذَا الْحَدِيْثُ فَقُلْتُ لِاِبْنِيْ اُكْتُبْهُ فَكَتَبَهٗ. (رواہ مسلم و البخاری مع تغایر)

(۳۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتبان بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انہوں نے فرمایا (جی ہاں سنئے) میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آ کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپ کے ہمراہ آ گئے۔ آپ میرے گھر میں نماز ادا فرمانے لگے ادھر صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دخشم کو قرار دیا وہ چاہتے یہ تھے کہ آپ اس کے حق میں بد دعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اس کا رسول ہوں انہوں نے عرض کیا یہ گواہی تو دیتا ہے لیکن دل سے نہیں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اس بات کی گواہی بھی دے پھر دوزخ میں بھی داخل ہو سکے یا یہ فرمایا کہ آتش دوزخ اس کو جلا سکے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے قلم بند کرلو اس نے قلم بند کرلی۔ (بخاری و مسلم)

www.besturdubooks.net

(۳۹۲) عَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَاٰهُ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَثٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَ قَالَ اَصْحَابُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ قَالَ يَا عُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْاَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَ لٰكِنْ تُسْاَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. (رواه لبيهقي فى شعب الايمان)

(۳۹۲) ابن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کے لیے باہر تشریف لائے جب جنازہ نیچے رکھ دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ یہ فاسق و فاجر آدمی ہے آپ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا تم میں کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ اس نے ایک شب خدا کی راہ میں پہرہ داری کی ہے' (یہ سن کر) آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے خود اس کو مٹی بھی دی اور فرمایا تیرے ساتھی تو تیرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہوگا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے پھر فرمایا عمر! قیامت میں لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔

(شعب الایمان)

(۳۹۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اسْتَاْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهٗ اَنْ يَّكُوْنَ

(۳۹۳) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا

---

(۳۹۲) * اگر رحمۃ للعالمین امت کے اس عاصی پر نماز ادا نہ فرماتے تو امت محمدیہ کے سارے عاصی اس سعادتِ عظمٰی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے اس لیے آپ نے سمجھایا کہ کسی کی عملی کوتاہی کی بنا پر نماز جیسی سعادت سے اس کو محروم کر دینا میری شریعت کا آئین نہیں۔ کلمہ اسلام پڑھ لینے کے بعد کسی معمولی فسق و فجور سے اسلام کا عہد وفاداری نہیں ٹوٹتا۔ پس جب تک یہ عہد قائم ہے اپنے بھائی کے لیے دعاء مغفرت کرنا ہم پر اس کا ایک آخری حق ہے۔ اگر شریعت حنیفیہ کی اس سہولت اور نرمی سے عمرؓ کی طبعی شدت ساز نہیں کرتی تو نہ کرے مگر ان کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان معاملات میں سوال صرف اسلام ہی کے متعلق رہے گا۔ کسی کے اعمال کی تحقیق و تفتیش نہیں لگائی جائے گی۔ اگر کبھی کسی خاص وجہ سے کسی کے جنازہ پر نماز ادا نہ کی جائے تو یہ صرف جزئی اور وقتی مصلحت ہوگی قاعدہ نہ بنے گا۔

(۳۹۳) * حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک ایک شخص اسلامی احکام بجالا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لیے آپ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔
ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آسکتا ہے اور اگر خدانہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلاشبہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ رواداری کی بھی آخر حد ہے....

www.besturdubooks.net

يُصَلِّي فَقَالَ خَالِدٌ وَ كَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَمْ اُوْمَرْ اَنْ اَنْقِبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَ لَا اَشُقَّ بُطُونَهُمْ. (متفق عليه و هو فى البخارى مفصلا ايضًا)

(دیکھو) کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو' خالدؓ بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں' آپؐ نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کر کے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

يصح الاسلام على الشرط الفاسد

شرطِ فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہوسکتا ہے

(۳۹۴) عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمِ اللَّيْثِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ عَلٰى اَنْ لَّا يُصَلِّيَ اِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ مِنْهُ. (رواه احمد و سنده جيد و جهالة الصحابى لا تضر)

(۳۹۴) نصر بن عاصم لیثی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو نمازیں پڑھا کریں گے آپ نے ان کی یہ شرط بھی قبول کر لی۔ (مسند احمد)

(۳۹۵) عَنْ فَضَالَةَ اللَّيْثِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّي اُرِيْدُ الْاِسْلَامَ فَعَلِّمْنِيْ شَرَائِعَ مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَذَكَرَ الصَّلٰوةَ وَشَهْرَ رَمَضَانَ وَ مَوَاقِيْتَ الصَّلٰوةِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَذْكُرُ سَاعَاتٍ اَنَا فِيْهِنَّ مَشْغُوْلٌ وَ لٰكِنْ عَلِّمْنِيْ جُمَّاعًا مِنَ الْكَلَامِ قَالَ اِنْ شُغِلْتَ فَلَا تَشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَيْنِ قُلْتُ وَ مَا الْعَصْرَانِ وَ لَمْ تَكُنْ لُغَةَ قَوْمِيْ قَالَ الْفَجْرُ وَ الْعَصْرُ. (رواه الحاكم فى المستدرك)

(۳۹۵) فضالہ لیثی سے روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے کچھ احکام اسلام سکھا دیجئے۔ آپؐ نے ان کو رمضان کے روزے اور نماز کے اوقات تعلیم کر دیے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ آپ تو مجھے ایسے اوقات بتا رہے ہیں جن میں مجھے بڑی مصروفیت رہتی ہے مجھے تو کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ فرمایا اچھا تو کم از کم عصرین میں غفلت نہ کرنا۔ عصرین ہمارے قبیلہ کا محاورہ نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ (مستدرک)

☆ .....کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو دماغوں میں لاقانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے۔ وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیادِ باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیادِ باطن کی روح پیدا کر کے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنا دینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

(۳۹۵) ✱ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ نصر بن عاصم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نمازوں کی مطلقاً معافی دے دی تھی لیکن حضرت استاد اقدس سرہ کے نزدیک نمازوں کے معاملہ میں کبھی کسی کا کوئی استثناء گوارا نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ صبح و عصر کی نمازوں کا اہتمام بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ رکھنا چاہیے۔ قرآن کریم نے بھی ان دو نمازوں کا کئی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی خاص طور پر ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے پس جس طرح ان آیات و احادیث ☆.....

www.besturdubooks.net

(۳۹۶) عَنْ فَضَالَةَ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيْمَا عَلَّمَنِيْ وَ حَافِظْ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ اِنَّ هٰذِهٖ سَاعَاتٌ لِيْ فِيْهَا اَشْغَالٌ فَمُرْنِيْ بِاَمْرٍ جَامِعٍ اِذَا اَنَا فَعَلْتُهٗ اَجْزَاَ عَنِّيْ فَقَالَ حَافِظْ عَلَى الْعَصْرَيْنِ وَ مَا كَانَتْ مِنْ لُغَتِنَا فَقُلْتُ وَ مَا الْعَصْرَانِ؟ فَقَالَ صَلٰوةٌ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلٰوةٌ قَبْلَ غُرُوْبِهَا. (رواه ابو داؤد)

(۳۹۶) فضالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلامی احکام کی تعلیم دی منجملہ ان کے ایک بات یہ فرمائی کہ پنج وقتہ نماز کی نگرانی رکھنا میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑے کام رہتے ہیں کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے کہ جب وہ کرلوں تو وہی میرے لیے کافی ہو جائے آپ نے فرمایا تو پھر عصرین کی نگہداشت رکھنا۔ عصرین کا لفظ ہماری قوم کا محاورہ نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا عصران کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا دو نمازوں کا نام ہے ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ابوداؤد)

(۳۹۷) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْ لَّا اَخِرَّ اِلَّا قَائِمًا. (رواه احمد)

(۳۹۷) حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ (مسند احمد)

؎ ....میں دو نمازوں کی تخصیص سے بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح نصر بن عاصم کی حدیث میں بھی بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کرنا چاہیے۔ فضالہ کی ان دو مفصل روایتوں سے حضرت استاد قدس سرہ کی رائے کی صریح تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک جو صحابی نصر بن عاصم کی حدیث میں مبہم رہ گئے ہیں وہ یہی فضالہ ہیں اور اس بنا پر ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فضالہ ہی کا ایک واقعہ ہوگا۔ ان کی روایتوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ آپ نے ان کو بھی پہلے پانچ ہی نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان اوقات میں اپنی مصروفیت کا عذر کیا تو آپ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان کو زیادہ مقید کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا بلکہ جس طرح ایک مشغول انسان کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے اہم مقاصد کی زیادہ تاکید کردی جاتی ہے اسی طرح ان کو بھی ان دو نمازوں کی تاکید زیادہ فرمادی جن میں بڑی سے بڑی مشغولی کے بعد بھی کوئی فروگذاشت قابل برداشت نہیں ہوسکتی۔ یہاں کسی نماز کی معافی کا کوئی تصور نہ تھا پھر اس مفصل روئداد کو کسی راوی نے نصر بن عاصم کی حدیث میں اتنا مختصر کر ڈالا ہے کہ اس کے الفاظ سے تین نمازوں کی معافی کا ہی وہم پیدا ہونے لگا۔ لیکن جب نصر اور فضالہ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا تذکرہ ہے تو پھر کسی راوی کے صرف لفظی اختصار کی وجہ سے اس کو دو علیحدہ علیحدہ واقعہ کی صورت دے دینا بالکل خلاف واقع ہوگا۔ یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ دو نمازوں کے متعلق آپ نے محافظت کا لفظ استعمال فرمایا ہے لغت عربی کے لحاظ سے یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ جماعت، خشوع وخضوع اور رعایت آداب سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر دو نمازوں کی زیادہ تاکید اور تین نمازوں میں توسیع کا دائرہ ان ہی امور تک محدود سمجھنا چاہیے۔ یہاں نمازوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ نمازوں میں آداب وارکان کی زیادہ رعایت وعدم رعایت کا ذکر ہے پس آپ کی توسیع کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کو ان اوقات میں فرصت نہ ملے تو اور نمازوں میں جماعت کی پابندی اور وقت معین کی اتنی قید نہیں ہے جتنی ان دو نمازوں میں ہے۔

(۳۹۷) * اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے لا اموت الا مصلیا یعنی اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ امام احمدؒ اس کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نماز میں رکوع کیے بغیر سجدہ کیا کروں گا۔ نسائی نے ؎....

www.besturdubooks.net

(۳۹۸) عَنِ السَّدُوسِيِّ يَعْنِي ابْنَ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَايِعَهُ فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ وَ اَنْ اُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ اَنْ اُءَدِّيَ الزَّكٰوةَ وَ اَنْ اَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَ اَنْ اَصُوْمَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَ اَنْ اُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا اثْنَتَانِ فَوَاللّٰهِ مَا اُطِيْقُهُمَا الْجِهَادُ وَ الصَّدَقَةُ فَاِنَّهُمْ زَعَمُوْا اَنَّ مَنْ وَلَّى الدُّبُرَ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ فَاَخَافُ اِنْ حَضَرْتُ تِلْكَ جَشِعَتْ نَفْسِيْ وَ كَرِهَتِ الْمَوْتَ وَ الصَّدَقَةُ فَوَاللّٰهِ مَالِيْ اِلَّا غُنَيْمَةٌ وَ عَشْرُ ذُوْدٍهُنَّ رِسْلُ اَهْلِيْ وَ حَمُوْلَتُهُمْ قَالَ فَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ ثُمَّ حَرَّكَ يَدَهُ ثُمَّ قَالَ فَلَا جِهَادَ وَ لَا صَدَقَةَ فَلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِذًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اُبَايِعُكَ قَالَ فَبَايَعْتُ عَلَيْهِنَّ كُلِّهِنَّ.

(۳۹۸) سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا' آپؐ نے یہ شرط لگائی کہ میں گواہی دوں کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ نماز باضابطہ پڑھا کروں گا' زکوٰۃ ادا کیا کروں گا' اسلامی طریقہ پر حج کروں گا' ماہ رمضان شریف کے روزے رکھا کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کروں گا- میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں دو باتوں کی تو مجھ میں ہمت نہیں ایک جہاد' دوسرے صدقہ (جہاد کی تو اس وجہ سے) کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد میں بھاگ جائے اس پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں جہاد میں شریک ہوں تو میرا نفس کہیں بے صبری نہ کرے' اور موت سے ڈر نہ جائے- رہا صدقہ تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ بخدا میرے پاس صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں ان ہی کے دودھ پر میرے بچوں کی گذران ہے اور وہی ہم لوگوں کی سواریاں بھی ہیں- راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر فرمایا (واہ) جہاد بھی نہیں اور صدقہ بھی نہیں تو پھر جنت میں کیسے جاؤ گے- وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اچھا تو پھر میں ان شرائط ہی پر بیعت کیے لیتا ہوں اور ان سب باتوں پر بیعت کر لی- (مسند احمد)

(رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر و الاوسط و الحاکم فی مستدرکہ و صححہ الذھبی قال الھیثمی و رجال احمد موثوقون)

؎ .... اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "باب کیف یحنی للسجود" یعنی سجدہ کے لیے کیسے جانا چاہیے- اس عنوان سے یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ میں سجدہ کے لیے پورا کھڑا ہونے کے بعد جایا کروں گا- واللہ تعالیٰ اعلم- اس حدیث میں کوئی شرط فاسد نہیں ہے بلکہ صرف ایک شرط کی مناسبت سے ذکر کر دی گئی ہے- حدیث بالا کا ترجمہ امام ابو عبیدؒ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے-

(۳۹۸) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی فہم کے اختلاف اور ان کی مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے اپنا پیرایہ گفتگو بھی مختلف رکھا ہے یہاں ابن الخصاصیۃ کی معقول پسند طبیعت دیکھی اور اس کو جہاد اور صدقہ کی ادائیگی پر آمادہ پایا تو چند کلمات ترغیب ارشاد فرما کر اس کو ذرا ابھار دیا اور فضالہ کی حدیث میں جب وفد ثقیف کی مشہور درشت فطرت پر نظر کی تو ان سے کوئی حجت کرنی مناسب نہ سمجھی اور جن شرائط پر انہوں نے چاہا ان ہی پر بے تامل ان کو بیعت فرما لیا- مبادا افہام و تفہیم کی تنگی ان کو اسلام کی اتنی آمادگی سے بھی برگشتہ کر دے- بالخصوص جب کہ قرائن سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد احکام اسلامی کے ادائیگی میں جو پس و پیش سر دست ان کو تھا وہ آئندہ خود بخود جاتا رہے گا- اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ کی تفسیر میں ان جیسے واقعات کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے-

www.besturdubooks.net

(۳۹۹) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا. اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ نَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتْ امْرَءَةٌ مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فُلَانَةٌ اَسْعَدَتْنِي وَ اَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتْ امْرَءَةٌ اِلَّا اُمُّ سُلَيْمٍ وَ اُمُّ الْعَلَاءِ وَ ابْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ امْرَءَةُ مُعَاذٍ اَوْ ابْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ وَ امْرَءَةُ مُعَاذٍ.

(رواہ البخاری)

(۳۹۹) ام عطیہ روایت فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپؐ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی ''کہ خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی'' اور ہم کو نوحہ کرنے سے بھی روکا - اس پر ایک عورت نے (بیعت کرنے سے اپنا) ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلانی عورت ایک مرتبہ میرے یہاں نوحہ کر گئی تھی میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں یہ سن کر آپ نے کچھ نہ فرمایا وہ گئی اور نوحہ کر کے واپس آ گئی پھر (ان عورتوں میں جو اس وقت بیعت میں شریک تھیں) کسی عورت نے اس عہد کو پورا نہ کیا بجز ام سلیمؓ ام العلاء، اور ابوسبرۃ کی دختر کے جو معاذ کی بیوی تھیں یا ابوسبرۃ کی دختر اور معاذ کی بیوی کے (شک راوی ہے) - (بخاری شریف)

(۴۰۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ اَنَّ وَفْدَ ثَقِيْفٍ لَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْزَلَهُمُ الْمَسْجِدَ لِتَكُوْنَ اَرَقَّ

(۴۰۰) عثمان ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے ان کو مسجد میں مہمان ٹھہرایا تا کہ یہ ان کے دلوں پر اور زیادہ اثر انداز ہو انہوں نے اسلام لانے کے

---

(۳۹۹) * نوحہ کرنا اور اس کا بدلہ اتارنا عرب میں ایک ایسی لازمی سی رسم شمار ہوتی تھی کہ اس کو بخوشی ترک کر دینا ان کے لیے غیر ممکن تھا اس لیے آنحضرت نے اس مکروہ فعل کی گو صریح طور پر یہاں اجازت تو نہیں دی مگر اتنا اغماض ضرور فرمالیا کہ اگر کوئی چاہے تو اسلام لانے سے قبل اپنی اس حسرت کو بھی ایک بار اور نکال لے تا کہ اسلام کے بعد اس کے دل میں پھر کوئی خرخشہ ہی باقی نہ رہے - یہاں اس عورت کی اسی صاف گوئی کی تعریف منظور ہے کہ اگر انہوں نے ایک بار نوحہ کی آپ سے اجازت حاصل کر ہی لی تو کیا ہوا اس عہد کو اس طرح پورا بھی تو انہوں ہی نے کیا جس کی مثال بجز چند عورتوں کے اور پیش نہیں کر سکیں - صفائی کے موقعہ پر اس طرح عذر کرنا عرب کی فصاحت اور ان کا صرف ایک زور تعبیر تھا ان الفاظ سے یہ اخذ کرنا کہ دوسری عورتوں نے نوحہ کی عادت گویا ترک ہی نہ کی تھی اسالیب کلام سے بدذوقی کی دلیل ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام واقعات سے یہ سمجھنا نہیں چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت اسلام کے وقت خلاف شرع شرطیں لگانے کی عام طور پر آئینی اجازت دے رکھی تھی بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے آپؐ نے اسلام قبول کرنے سے کسی کو اس لیے نہیں روکا کہ اسلام ایک عقد ہی ایسا ہے جو فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا وہ شرطیں ہی خود فاسد ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط لگائے کہ وہ شراب برابر پیتا رہے گا تو اس کو مسلمان ہونے سے روکنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر وہ حرمت خمر کا معترف ہو کر شراب پیتا ہے تو بہت سے بہت فاسق ہو گا محض کافر سے تو پھر بہتر ہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کی حلاوت اس کی زبان سے شراب کا ذائقہ فراموش کرا دے تو پھر ایک گناہ کی وجہ سے اس کو ظلمات کفر میں ڈوبتا ہوا چھوڑ دینا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھو جامع العلوم والحکم ص ۵۹)

(۴۰۰) * خطابی فرماتے ہیں کہ تجبیہ لغت عرب میں جسم کا اگلا حصہ پست کرنے اور پچھلا بلند کرنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے نماز.....

www.besturdubooks.net

لِقُلُوبِهِمْ فَاشْتَرَطُوْا عَلَيْهِ اَنْ لَا يُحْشَرُوْا وَلَا يُعَشَّرُوْا وَ لَا يُجَبُّوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ اَنْ لَا تُحْشَرُوْا وَ لَا تُعَشَّرُوْا وَلَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ.

(رواه ابوداؤد فی باب خبر الطائف قال المنذری قد قیل ان الحسن البصری لم یسمع من عثمان)

لیے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ تو کبھی جہاد کے لیے بلایا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھنے کے لیے زور دیا جائے گا آپ نے فرمایا تم کو جہاد اور عشر کی تو معافی دی گئی۔ رہی نماز تو جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابوداؤد)

(۴۰۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اشْتَرَطَتْ ثَقِيْفُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَ لَا جِهَادَ وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَصَّدَّقُوْنَ وَ يُجَاهِدُوْنَ.

(رواہ احمد و ابوداؤد و اسنادہ لا باس بہ)

(۴۰۱) جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ (ہم مسلمان تو ہوتے ہیں) مگر ہمارے اوپر نہ صدقہ لازم ہوگا نہ جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کا اسلام قبول کرلیا) اور فرمایا آئندہ یہ لوگ خود بخود صدقہ بھی ادا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

ﷺ.... نماز پڑھنا مراد ہے۔ امام موصوف کا خیال ہے کہ جہاد اور زکوٰۃ کا استثناء بھی یہاں صرف صورۃً تھا کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا' زکوٰۃ بھی نصاب اور حولان حول پر موقوف ہوتی ہے اس لیے سردست ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جا سکتا تھا' رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ اس کا استثناء کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اس وفد ثقیف کے متعلق آپ کو یہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیر ضروری تھا۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

(۴۰۱) ✱ یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر کی حدیث میں ابھی گذر چکا ہے اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں آپ کا جہاد اور صدقہ کا استثناء فرمانا اس علم پر مبنی تھا کہ یہ لوگ اسلام کے رسوخ کے بعد اپنے شوق سے جہاد بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لیے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اور محض تعبیری اور لفظی مناقشات کرنا نامناسب ہے۔ بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

❁❁❁

www.besturdubooks.net

یصح ایمان المقلد و لا یجب علیه المعرفة بالنظر

مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اُس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں

معتزلہ اور متکلمین کا ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مقلد کا ایمان معتبر نہیں اس پر دلائل کی روشنی میں بھی توحید و رسالت حاصل کرنا واجب ہے۔ ان کے نزدیک ایمان ایسی تصدیق کا نام ہے جو تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو سکے ایسی تصدیق دلائل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ تاج الدین سبکی نے اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہوئے تقلیدی ایمان کی چند صورتیں لکھی ہیں۔ (۱) یہ کہ اسلام کی حقانیت ہی پورے طور پر دل نشین نہ ہو اور قلب میں شک و تردد کی خلش باقی رہے۔ (۲) یہ کہ اسلام کی حقانیت کا اذعان اگرچہ حاصل ہو مگر نجاتِ ابدی کے لیے تمام دین یکساں نظر آئیں اور ان میں جس دین کو چاہے اس کا اختیار کرنا جائز سمجھے۔ (۳) یہ کہ اسلام کی حقانیت میں کوئی شک و تردد باقی نہ ہو' نجاتِ ابدی صرف دین اسلام میں منحصر سمجھے۔ اور اسلام کے سوا کسی اور دین کا اختیار کرنا ایک لحہ کے لیے بھی جائز نہ سمجھے۔ پہلی دو صورتیں یقیناً معتبر نہیں اور تیسری صورت بے شبہ معتبر ہے۔ خواہ ان مقاصد کے لیے دماغ میں ایک دلیل کا بھی تصور موجود نہ ہو۔

اس حقیقت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کے عہد مبارک میں کفار کے جو جم غفیر عین جنگ کی رعد و برق میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ان سب کا اسلام معتبر مان لیا گیا اور کسی ایک واقعہ میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان نومسلموں کو اسلام کے فرائض و واجبات کی طرح نظر و استدلال سیکھنے کی بھی کبھی دعوت دی گئی ہو۔

صاحب روح المعانی بعض اکابر محققین سے ناقل ہیں کہ ایمان دراصل اس بدیہی تصدیق کا نام ہے جو خوش نصیبوں کے قلوب میں اس طرح سما جاتی ہے کہ اگر وہ خود بھی اسے نکالنے کی کوشش کریں تو نکال نہ سکیں' تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں کم نہیں جو دلائل پر غور و فکر کے بغیر اسلام لے آئے اور اس کے برخلاف ایسی مثالیں بہت ہیں جن کے سامنے حقانیت اسلام کے دلائل روزِ روشن کی طرح عیاں تھے مگر اس کے باوجود وہ اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہے۔ ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ﴾ (النمل : ١٤) اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ ایمان و یقین کا حاصل ہونا صرف دلائل کی پرورش ہی پر موقوف ہوتا ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ ایمان یکسر ناقابل وثوق اور حقیقت اذعان سے معریٰ ہوتا ہے۔ اس میں یہ احتمال ہر وقت قائم رہتا ہے کہ اگر دلائل دوسری جانب واضح ہو جائیں تو اسی وقت یہ ایمان بھی دوسری جانب منتقل ہو جائے۔

شیخ اکبرؒ فتوحاتِ مکیہ میں امام حجۃ الاسلام کی کتاب فیصل التفرقہ سے نقل فرماتے ہیں کہ متکلمین کی اس جماعت کا غلو اور

www.besturdubooks.net

حق سے انحراف بھی کس درجہ تعجب خیز ہے جو عوام کا ایمان صرف اس لیے معتبر نہیں مانتے کہ ان کو حقانیت اسلام کا یقین متکلمین کے مخترع دلائل کے مطابق حاصل نہیں ہوتا یہ جماعت ان متواتر واقعات سے بھی واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود اور صحابہؓ کے مبارک دور میں بہت سے جاہل بت پرستوں کا ایمان معتبر مان لیا گیا تھا حالانکہ نہ خود ان کو دلائل کا علم حاصل تھا اور نہ کسی نے بعد میں ان کو دلائل کی تعلیم دی تھی' اور اگر بالفرض ان کو تعلیم دی بھی جاتی تو وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کے قلب میں ڈال دیتا ہے اس کا ظاہری سبب کبھی تو کوئی باطنی تحریک ہو جاتی ہے جیسے کوئی خواب اور کبھی کسی دین دار کی زیارت روایات سے ثابت ہے کہ بعض منکرین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور آپؐ کے روئے انور پر نظر ڈالنے کے ساتھ ہی بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ چہرہ کاذب کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں ان میں ایک شخص بھی بعد میں دلائل کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہوا بلکہ وہی ایک نور ایمانی کا ذرہ جو ان کے قلب میں پہلی بار پڑ گیا تھا تلاوت قرآن وغیرہ کے ذریعہ خود بخود پھیلتا چلا گیا۔ کاش ہمیں کوئی بتا تا کہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدوث عالم کے دلائل شکل اول اور ایجاب صغریٰ اور کلیہ کبریٰ کے شرائط کے ساتھ کسی کو تعلیم دیئے تھے' کب کسی سے فرمایا تھا کہ العالم متغیر وکل متغیر حادث . یا اس کے ہم معنی الفاظ کی تعلیم دی تھی۔ ہاں اس کے برخلاف یہ ضرور ثابت ہے کہ ٹھیک جنگ میں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے پھر بعد میں ان کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے احکام تو سکھائے جاتے مگر توحید و رسالت کے دلائل کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ متکلمین کے دلائل بھی ایمان کا ایک سبب بن سکتے ہیں۔ مگر اس امر کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ ایمان صرف دلائل کی پشت پناہی پر موقوف ہے۔ میرے نزدیک وہ ایمان جو دلیل پر مبنی ہو ضعیف ترین ایمان ہے۔ راسخ اور قوی ایمان وہ ہے جو اخبار متواترہ کے ذریعہ سے دور طفولیت ہی میں نصیب ہو جاتا ہے یا بلوغ کے بعد ایسے قرائن کے ذریعہ میسر آ جاتا ہے جن کو اگر زبان سے ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا نہیں کر سکتے یہی وہ ایمان ہے جو شک و تردد سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ شک و تردد کا محل دلائل ہوتے ہیں جہاں دلائل نہیں وہاں شک و تردد بھی نہیں۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۵۷ و ۵۸ اور الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۵۵)

www.besturdubooks.net

(۴۰۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِلٰی بَنِیْ جَذِیْمَةَ فَدَعَاهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَلَمْ یُحْسِنُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا یَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ یَقْتُلُ وَ یَأْسِرُ وَ دَفَعَ اِلٰی کُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا اَسِیْرَهٗ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ یَّقْتُلَ کُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا اَسِیْرَهٗ فَقُلْتُ لَا اَقْتُلُ اَسِیْرِیْ وَ لَا یَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِیْ اَسِیْرَهٗ حَتّٰی قَدِمْنَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْنَا لَهٗ فَرَفَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَیْنِ.

(۴۰۲) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی انہیں لفظ اَسْلَمْنَا تو (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صبأنا صبأنا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا۔ (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کر دیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا نہ تو میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپؐ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپؐ کے سامنے پیش کیا آپؐ نے سن کر فوراً اپنے دست مبارک اٹھا دیئے اور دو بار فرمایا اے اللہ! خالد نے جو غلطی کی میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

یصح الاسلام و ان کان من خوف القتل

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے

(۴۰۳) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ مَالِکٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَرِیَّةً فَاَغَارُوْا عَلٰی قَوْمٍ فَشَذَّ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّبَعَهٗ رَجُلٌ مِّنَ السَّرِیَّةِ مَعَهُ السَّیْفُ شَاهِرٌ فَقَالَ الشَّاذُّ مِنَ الْقَوْمِ اِنِّیْ مُسْلِمٌ فَلَمْ یَنْظُرْ فِیْهَا فَضَرَبَهٗ فَقَتَلَهٗ فَنَمَی الْحَدِیْثُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَوْلًا شَدِیْدًا فَبَلَغَ الْقَاتِلَ فَبَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذْ قَالَ الْقَاتِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اللّٰهِ مَا قَالَ الَّذِیْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

(۴۰۳) عتبہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا ایک مختصر دستہ بھیجا انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا ان میں کا ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی نے کھینچی ہوئی تلوار لے کر اس کا پیچھا کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر اس سپاہی نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ٹھنڈا ہی کر دیا۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپؐ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو معلوم ہوئی تو (وہ حاضر ہوا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسولؐ اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا آپ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے

---

(۴۰۳) * قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ یہ فوجی دستہ دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو لفظ اسلام کہنے کا سلیقہ بھی حاصل نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سوچنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھ لیا گیا تھا۔

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنْ مَنْ قِبَلِهِ مِنَ النَّاسِ وَ اَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ مَا قَالَ الَّذِيْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنْ مَنْ قِبَلِهِ مِنَ النَّاسِ وَاَخَذَ فِيْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ اَنْ قَالَ الثَّالِثَةَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا قَالَ الَّذِيْ قَالَ اِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَفُ الْمَسَاءَةُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَبٰى عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا قَالَهَا ثَلَاثًا.

(رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۱۹ قال الذھبی علی شرط مسلم)

سب سے اپنا روئے مبارک پھیر لیا' اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ ادھر تھے ان سے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس شخص سے رہا نہ گیا اس نے پھر سہ بارہ کہا یا رسولؐ اللہ خدا کی قسم اس نے صرف جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا اب کی بار آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثارِ ناگواری چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مؤمن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی۔ تین بار فرمایا۔

(حاکم)

(۴۰۴) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِيْ فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ اَنَا اَقْتُلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ قَطَعَ يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَ اِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ قَالَ. (رواہ مسلم)

(۴۰۴) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر کافروں میں کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ مجھ سے جنگ کرنے لگے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اسلام قبول کرتا ہوں تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کلمہ کے بعد کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں' میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ اس وقت کہا ہے جب پہلے میرا ہاتھ کاٹ لیا ہے پھر میں اسے کیسے قتل نہ کروں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہرگز قتل نہ کرنا کیونکہ اگر اسے قتل کرو گے تو اب وہ ایسا ہی قابل احترام مسلمان ہو گیا ہے جیسا تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اب اسی طرح مباح الدم ہو جاؤ گے جیسا وہ اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

(۴۰۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

(۴۰۵) عقبہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۴۰۴) * یعنی تم اس کے قتل کرنے سے پیشتر ایک معصوم الدم مسلمان تھے اور اب اس کے قتل کے بعد ایک مباح الدم انسان ہو جاؤ گے جیسا وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے قبل ایک مباح الدم کافر تھا اور اب اس کلمہ کی بدولت ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا ہے۔

(۴۰۵) * ظاہر ہے کہ جنگ کے ان حالات میں دلائل پر غور کرنے کی کسے فرصت ہو سکتی ہے اس لیے ان حالات میں صرف تقلیدی اسلام ہو سکتا ہے پھر جب اس پر بھی نظر ڈالی جائے کہ جنگ کے بعد ان نو مسلموں کا حال کیا رہا تو نہ خود ان کی طرف سے دلائل حقانیت ☜.....

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الرَّجُلِ یَقْتُلُ الرَّجُلَ وَ ھُوَ یَقُوْلُ اَنَا مُسْلِمٌ فَقَالَ الْقَاتِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّمَا قَالَھَا مُتَعَوِّذًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ھٰکَذَا وَ کَرِہَ مَقَالَتَہٗ وَ حَوَّلَ وَجْھَہٗ عَنْہُ فَقَالَ اَبَی اللّٰہُ عَلَیَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا اَبَی اللّٰہُ عَلَیَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا۔

(رواہ الحاکم)

خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا اس شخص کا بھی کیا حال ہے جو ایسے شخص کو بھی مار ڈالتا ہے جو برابر اپنی زبان سے یہ اقرار کر رہا ہے کہ میں مسلمان ہوں- (یہ سن کر) قاتل نے عذر کیا یا رسول اللہ یہ کلمہ تو اس نے صرف پناہ لینے کے لیے کہہ دیا تھا' آپ کو اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا چہرۂ مبارک اُس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کے لیے مجھ سے انکار فرما دیا ہے- (دو بار فرمایا)

(حاکم)

(۴۰۶) اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ یَقُوْلُ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْحُرَقَۃِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَھَزَمْنَا ھُمْ وَ لَحِقْتُ اَنَا وَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ رَجُلًا مِنْھُمْ فَلَمَّا غَشِیْنَاہُ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَکَفَّ الْاَنْصَارِیُّ فَطَعَنْتُہٗ بِرُمْحِیْ حَتّٰی قَتَلْتُہٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اُسَامَۃُ اَقَتَلْتَہٗ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُلْتُ کَانَ مُتَعَوِّذًا

(۴۰۶) اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہم نے صبح صبح ان پر جا کر چھاپا مارا اور ان کو شکست دے دی- میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ (یہ سن کر) وہ انصاری تو رک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ مار ہی دیا' جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہ! کیا لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا' میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانہ سے اپنی جان بچا رہا تھا' آپ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں

☜ .....معلوم کرنے کا کوئی ذوق وشوق ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی گردن پر اس کا بار ڈالا جاتا ہے کیا اس سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایمان کے لیے دلائل کا حاصل کرنا کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف اطمینانِ قلبی اور آئندہ اطاعت کا عزم کر لینا کافی سمجھا جاتا تھا- اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ڈر کر اسلام لے آنا ہی معتبر ہے-

(۴۰۶) ٭ شارح عقیدہ سفارینی نے امام بخاری جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کی طرف یہ نسبت کر دی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا- (شرح عقیدہ سفارینی ج ۱ ص ۳۶۸) حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک یہ نسبت خلاف واقعہ ہے وہ فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف نمائشی طور پر ہو' قلب کو اذعان وسکون کا اس میں ایک ذرّہ بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک وتردد کی خلش باقی رہے- تو بے شبہ یہ اسلام معتبر نہ ہونا چاہیے اور اسی قسم کا اسلام امام بخاریؒ کی مراد ہو سکتا ہے لیکن اگر قلب یقین واذعان سے معمور ہو چکا ہے شک وتردد کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے- امام بخاریؒ ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے اور کیسے مخالف ہو سکتے ہیں جب کہ تاریخ اسلام ایسے افراد سے بھری پڑی ہے جو شمشیروں کی جھنکاروں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے باوجود ان کا اسلام قبول کرنے میں ذرا تردد نہیں کیا گیا اور اسی لیے جب خوف وہراس کی فضا چھٹ گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا- کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ خوف کی فضا میں قبول کر چکے تھے وہ صرف نمائشی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کر دیتے اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ خوف کی حالت ☜.....

www.besturdubooks.net

فما زال یکررھا حتی تمنیت انی لم اکن اسلمت قبل ذالک الیوم (متفق علیہ)(و فی طریق عن مسلم) قلت یا رسول اللہ انما قالھا خوفا من السلاح قال افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم قالھا ام لا وفی طریق ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا اسامۃ فسالہ الی ان قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا جاء ت یوم القیامۃ قال یا رسول اللہ استغفرلی قال فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا جاء ت یوم القیمۃ فجعل لا یزید علی ان یقول فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا جاء ت یوم القیمۃ.

تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا (تا کہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخش دیا جاتا) مسلم کے ایک طریقہ میں یہ اور ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے صرف زبانی پڑھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تا کہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ ایک اور طریقہ میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے استغفار فرمائیے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے۔ آپ ان کے اصرار پر بھی یہی ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔

الکراھیۃ الطبعیۃ لاتخالف صحۃ الاسلام اذا انقادلہ بقلبہ

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے

(۴۰۷) عن انس ان رسول اللہ صلی

(۴۰۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا

ﷺ .... میں یا دلائل کے بغیر یقین و اذعان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اسی طرح طمع دنیوی یا کسی خوف و ہراس کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور ہر صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور دین اسلام کے اختیار کر لینے پر راضی ہو چکا ہے تو گو اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وفد عبدالقیس کے حق میں آپ کے مدحیہ کلمات غیر خزایا و لاندامی۔ اسی طرف اشارہ تھے کہ ان کا اسلام کسی خوف و طمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کے سوا جن بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا وہ ہر چند کہ قابل تعریف نہ تھا مگر تاہم معتبر تھا۔

(۴۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر وہ طبعی کراہت جو مدت دراز تک کفر کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی رہ گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمان ہیں جن کو زکوۃ ادا کرنا' نماز باجماعت اور دیگر ارکان اسلام بجالانا بار گراں ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ گرانی غیر اختیاری ہوتی ہے اس لیے ان کے اختیاری اسلام کے منافی نہیں سمجھی جاتی پھر نور اسلام میں جتنا انفساح جتنی کشادگی پیدا ہوتی جاتی ہے اتنی ہی یہ گرانی' خود بخود کم ہوتی جاتی ہے ....

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اَسْلِمْ قَالَ اجِدُنِیْ كَارِهًا قَالَ اَسْلِمْ وَ اِنْ كُنْتَ كَارِهًا.

اسلام قبول کرلو اس نے کہا میں تو اپنے دل میں کچھ کراہت سی محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسلام قبول کرلو اگرچہ کراہت محسوس ہو۔ (رفتہ رفتہ یہ کراہت نکل جائے گی۔) (احمد)

(رواه احمد و رجاله من رجال الصحيحين و هو من ثلاثيات الامام احمد و اورده السيوطي في الجامع الصغير و عزاه للامام احمد و ابي يعلى و ايضاء المقدسي و رمزله بالصحة.)

يعتبر اسلام الاسير و ان لم يفلح كل الفلاح

قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا

(۴۰۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيفٌ حَلِيفًا لِبَنِىْ عُقَيْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِيفٌ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِىْ عُقَيْلٍ فَاَوْثَقُوْهُ فَطَرَحُوْهُ فِى الْحَرَّةِ فَمَرَّبِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيْمَا اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيْرَةِ حُلَفَاءِ كُمْ ثَقِيفٍ فَتَرَكَهٗ وَمَضٰى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَجَعَ قَالَ مَاشَاْنُكَ قَالَ اِنِّىْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذَيْنِ اَسَرَتْهُمَا ثَقِيفٌ. (رواه مسلم)

(۴۰۸) عمران بن حصین روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیؓ پکڑ لیے تھے اس لیے آپ کے صحابہؓ نے بھی بنی عقیل کا ایک شخص پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر مدینہ کے سنگستان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گذرے تو اس نے آپ کو او محمدؐ او محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کے آواز دی اور کہا بھلا مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم میں (انہوں نے ہمارے دو شخص گرفتار کر رکھے ہیں) آپ نے اسے پڑا رہنے دیا اور تشریف لے گئے اس نے پھر او محمدؐ او محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دی آپ کو اس پر رحم آ گیا آپ واپس ہوئے اور فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے وہ بولا میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو گرفتار نہ ہوا تھا تو پورے طور پر کامیاب ہو جاتا راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو ان دو شخصوں کے بدلہ میں دے دیا جن کو ثقیف نے پکڑ لیا تھا۔ (مسلم)

(۴۰۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ

(۴۰۹) ابوہریرہؓ سے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کے حق

ﷺ..... ہے۔ دور اول میں اکثری طور پر تو اسلام کی صداقت کا یقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا تھا انکار و انحراف جو کچھ بھی ہوتا وہ صرف ضد عصبیت اور غیرت قومی کی بنا پر ہوتا اس لیے جب کبھی وہ کسی باعث سے اسلام قبول کرتے تو ان کا اسلام قلبی طور پر ہی ہوتا تھا۔ اگر کسی کو طبعی کراہت ہوتی تو یہ بھی بہت شاذ و نادر تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ذکر کراہت کا ہے اکراہ کا نہیں۔ بعض نادان اس حدیث میں اکراہ اور کراہت میں فرق نہیں کرتے۔

www.besturdubooks.net

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ يَاتُوْنَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ حَتّٰى يَدْخُلُوْا فِي الْاِسْلَامِ. (بخاری)

میں تمہاری بہتری اور خیریت یہ ہے کہ تم کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال ڈال کر انہیں قید کر کے لاتے ہو یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت سما جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

جواز استسرار الایمان للخائف

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

(۴۱۰) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْلِيْ كَمْ يَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِائَةٍ اِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلُوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّيْ اِلَّا سِرًّا. (رواہ مسلم و البخاری)

(۴۱۰) حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے درمیان ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

---

(۴۱۰) * نووی کہتے ہیں کہ لفظ السِّتُّ مِائَة نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ستمائة الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد کے نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی دردسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لیے جائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جا سکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جا سکتی جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جا سکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آ جاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہیے اس لیے مصلحت کے وقت اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دے دی ہے حتیٰ کہ بصورت اکراہ دلی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دے دی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کر دے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔

دی کس خوشی سے جان تہہِ تیغ داغ نے — لب پہ تبسم اور نظر یار کی طرف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلماتِ کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کر سکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۴۱۱) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فِيْهَا الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ فَلَمَّا اَتَوُا الْقَوْمَ وَجَدُوْهُمْ قَدْ تَفَرَّقُوْا وَ بَقِىَ رَجُلٌ لَهٗ مَالٌ كَثِيْرٌ لَمْ يَبْرَحْ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَهْوٰى اِلَيْهِ الْمِقْدَادُ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَقَتَلْتَ رَجُلًا شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهِ لَاَ ذْكُرَنَّ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ رَجُلًا شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهُ الْمِقْدَادُ فَقَالَ اُدْعُوْا لِىَ الْمِقْدَادَ يَا مِقْدَادُ اَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَدًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمِقْدَادِ كَانَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ يُخْفِىْ اِيْمَانَهٗ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَاَظْهَرَ اِيْمَانَهٗ فَقَتَلْتَهٗ وَ كَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِىْ اِيْمَانَكَ بِمَكَّةَ.

(رواه البزار و روى اخره البخارى تعليقًا)

(۴۱۱) سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) ادھر ادھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا' وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ مقدادؓ اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپؐ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے دی تھی اس کے باوجود مقدادؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپؐ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ (مقداد آئے تو آپؐ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو! جب کہیں سفر کے لیے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لیے آئندہ تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدادؓ سے کہا یہ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

www.besturdubooks.net

يصح الاسلام باخص افعال الاسلام و ان لم يتلفظ بشيء

اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو اس کا اسلام معتبر ہو جائے گا خواہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے

(۴۱۲) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَاسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَلَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَ قَالَ اَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ قَالَ لَا تَتَرَا اٰى نَارَا هُمَا. (رواہ ابو داؤد)

(۴۱۲) جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خثعم کی سمت روانہ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی (لشکر اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی) اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہیے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔ (ابوداؤد)

---

(۴۱۲) * اسلام قبول کرنے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد ہی جان و مال دونوں کی عصمت فوراً نصیب ہو جاتی ہے فقہاء کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ۔ جس کے ازالہ سے صرف گناہ ہو اس کو عصمت مؤثمہ کہتے ہیں اور جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے۔ پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری دار الاسلام کی سکونت سے۔ اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دار الحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت مؤثمہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں۔ پس اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں قتل کر دیا جائے تو اس کے قاتل کو صرف گناہ ہوگا مگر اس پر دیت لازم نہ آئے گی لیکن بایں ہمہ چونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرما دیا اور آئندہ کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دار الاسلام کی اختیار کر لی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دار الحرب کی سکونت مسلمان کے لیے موزوں نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ دار الاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی خطہ پر دار الاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بدنصیبی سے صفحہ ہستی پر دار الاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی مسلسل غفلت کی وجہ سے دار الحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ دار الاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ہی ماحول میں رہ کر ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی میں لگے رہیں جس میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ باقی رہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ لیں۔ مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جائے گی۔ منتشر افراد و اشخاص یا مختصر جماعتیں تو "مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ" (ملک میں کمزور اور بے بس) ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن مقتدر اور بڑی بڑی جماعتوں کے لیے یہ عذر کرنا بھی غلط ہے اس لیے ان کا ایک ہی نصب العین ہو جانا چاہیے کہ وہ ایک مقہور زندگی سے نکل کر ایسی ﷲ .....

www.besturdubooks.net

(۴۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ بِنَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْعٰی غَنَمًا لَهٗ فَسَلَّمَ عَلَیْهِمْ فَقَالُوْا لَا یُسَلِّمُ عَلَیْنَا اِلَّا لِیَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمَدُوْا اِلَیْهِ فَقَتَلُوْهُ وَ اَتَوْا بِغَنَمِهٖ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ. (رواہ احمد و الترمذی فی التفسیر و قال حسن صحیح)

(۴۱۳) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چراتا چراتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اس نے سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر سلام کر رہا ہے پھر اس کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت اتر آئی' اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اگر کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں الخ.... (احمد - ترمذی)

لم یکره النبی صلی الله علیه وسلم احدًا علی الاسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کیا

(۴۱۴) عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

(۴۱۴) جابر بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد

☆.... زندگی کے لیے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے' یہ مقصد اگر دفعۃً حاصل نہ ہو سکے تو باقساط سہی لیکن اس سے قبل کسی ناتمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا نا قابل عفو جرم ہوگا جس کی پاداش بھگتنا ہوگی - یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کفار سے دور دور رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے وہ صرف اسی لیے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر نہ ہو- یہ خطرہ اسی مقام پر پیدا ہو سکتا ہے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو' جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور نفسیاتی کسی لحاظ سے بھی تاثر کا سوال ہی نہیں ہوتا - حدیث مذکور میں لا تراءای' الخ کا فقرہ ایسے ہی ماحول میں ارشاد فرمایا گیا تھا جہاں مسلمان مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے پس معاشرتی اور معاشی بُعد کا حکم اسی جگہ ہے جہاں کفر کا اقتدار ہو- کوئی شبہ نہیں کہ ایسی فضا میں گھس کر رہنا اسلامی اسپرٹ کو فنا کر دینے کے مرادف ہے اس لیے اگر علیحدہ ہونے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس زندگی کی کراہت سے کسی وقت قلب خالی نہ رہنا چاہیے اور صرف کراہت ہی نہیں بلکہ عملاً اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنا بھی زندگی کا نصب العین بنانا چاہیے-

(۴۱۳) ٭ نماز اور باہم ملاقات کے وقت السلام علیکم اسلام کا شعار ہے- مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ان اشخاص نے اپنے اسلام کا ثبوت اسلام کا لفظ صریح طور پر ادا کرنے کی بجائے اس کے شعائر کو ادا کر کے پیش کرنا چاہا تھا مگر ابتداء عہد میں مسائل کی پوری واقفیت نہ تھی اس لیے اس کو ناکافی سمجھا گیا یہاں تک کہ قرآن و حدیث نے بتایا کہ جس طرح اسلام پر جبر و اکراہ کرنا صحیح نہیں اسی طرح کسی کے اسلام میں بے سبب شک و شبہ پیدا کرنا بھی صحیح نہیں- تم مسلمان ہونے پر کسی کو مجبور مت کرو اور اگر کوئی شخص از خود مسلمان ہوتا ہے تو بے وجہ اس کے اسلام کو شک کی نظر سے بھی نہ دیکھو گویا اسلام کے معاملہ میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو بسر و چشم اسے قبول کرلو اور نہیں لاتا تو اس کی مرضی پر چھوڑ دو- کیا اس سے بڑھ کر آزادی رائے کا کوئی اور مفہوم ہو سکتا ہے؟-

(۴۱۴) ٭ امام بخاریؒ نے غزوہ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غورث بن الحارث نقل کیا ہے- قسطلانی واقدی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن اپنی قوم کے پاس واپس جا کر مسلمان ہو گیا تھا☆....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ وَ نِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَ اِذَا عِنْدَهُ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَ اَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَ هُوَ فِيْ يَدِهِ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلَاثًا وَ لَمْ يُعَاقِبْهُ وَ جَلَسَ. (متفق عليه) وفي رواية ابي بكر الاسمٰعيلي في صحيحه فقال مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

کی طرف غزوہ کرنے کے لیے گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپؐ کے ہمراہ یہ بھی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپؐ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا دی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہو گی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ ہمیں بلا رہے ہیں اور ایک گنوار شخص آپؐ کے پاس موجود ہے آپؐ نے فرمایا میں سو رہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے ارادہ سے کھینچ لی اتفاقاً میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا (بولو) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا ''اللہ''۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ بیٹھ گئے اور آپؐ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (متفق علیہ) ابوبکر اسماعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو میں نے کہا اللہ (یہ جواب سن کر ہیبت کے مارے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپؐ نے اٹھا لیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ بولا تلوار پر قبضہ کرنے والوں میں افضل آپؐ ہی بن جائیے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا کیا گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اللہ کا رسول

لہ .... اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی مشرف باسلام ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں اکراہ جائز ہوتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کرنے کا اور کون سا موقع بہم پہنچ سکتا تھا جب کہ دشمن کی تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر اقدام قتل کی دفعہ بھی عائد ہو چکی ہو وہ تنہا ہو اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت ہو۔ لیکن اس تمام اقتدار کے باوجود خدا کا رسول صرف اس کے سامنے اسلام کی تبلیغ تو کر دیتا ہے مگر اس کے صاف انکار کر دینے پر بھی کوئی باز پرس نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اقدام قتل پر نہ کوئی سزا دیتا ہے نہ اس کا انتقام لیتا ہے ادھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عرب کی فطرت اگر کسی کا جبر و تشدد برداشت کر سکتی تو اس سے زیادہ بے بسی کا وقت کسی پر اور کون سا آ سکتا تھا مگر یہاں بھی اس اعرابی کی درشت فطرت نے اس کے لیے بھی اسے آمادہ نہ کیا کہ وہ صرف زبانی طور پر ہی اسلام کا اقرار کر لیتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قوم کے حالات دونوں اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اسلام کے لیے بھی اکراہ نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی جاتا تو ہرگز کارگر نہ ہوتا۔ پس اسلام پر یہ ایک زبردست افترا ہے کہ اسلام جبر و اکراہ سے پھیلا ہے۔

www.besturdubooks.net

(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ أُعَاهِدُكَ عَلٰى أَنْ لَا أُقَاتِلَكَ وَلَا أَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَأَتٰى أَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ.

(ھکذا فی کتاب الحمیدی وفی الریاض مشکوٰۃ)

ہوں۔ اس نے کہا نہیں ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپؐ سے جنگ کروں گا اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپؐ سے جنگ کریں گے آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے۔ (کتاب الحمیدی الریاض)

(۴۱۵) عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِيْ قُرَيْشٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ أُلْقِيَ فِيْ قَلْبِي الْإِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا قَالَ إِنِّيْ لَا أَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنْ اِرْجِعْ فَإِنْ كَانَ فِيْ نَفْسِكَ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمْتُ. (رواہ ابوداؤد)

(۴۱۵) ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جب میں نے آپؐ کے روئے انور پر نظر ڈالی تو اسی ساعت میرے قلب میں اسلام کی صداقت سما گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو میں ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا میں عہد کے معاملہ میں دغل فصل نہیں کروں گا اور نہ ان کے قاصد کو اپنے پاس روکوں گا لہٰذا اب تو تم واپس چلے جاؤ ہاں اگر یہاں سے جا کر بھی تمہارے دل میں یہی بات باقی رہے جواب ہے تو پھر لوٹ آنا۔ وہ کہتے ہیں میں گیا اور آپؐ کی خدمت میں واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔ (ابوداؤد)

(۴۱۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى

(۴۱۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

(۴۱۵) ✹ دیکھئے یہاں کس طرح ایک شخص اسلام لانے کے لیے مضطرب ہے مگر آپؐ بدعہدی کے ذرا سے شبہ سے اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور دوبارہ غور و خوض کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں آزادی رائے کا عالم یہ ہو وہاں بھلا اکراہ کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے یہ بداہتاً ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نہ شمشیر کی طاقت سے پھیلا ہے نہ دلائل کی طاقت سے بلکہ ہمیشہ صاحب وحی کے متواتر صداقت اور ان وجدانی قرائن کی وجہ سے پھیلا ہے جو قلوب میں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم طور پر خود بخود جم جاتے تھے قرآن کریم نے آپؐ کے اس اضطراب کو جو کفار کے اسلام کے متعلق آپؐ کے سینہ میں موجزن تھا گواری کے انداز میں اکراہ سے تعبیر فرمایا ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. (یونس: ۹۹) تو کیا آپ لوگوں پر اتنی زبردستی کریں گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہی ہو جائیں یعنی ان کے اسلام کے متعلق آپؐ کا اضطراب و شوق اس حد پر نہ بڑھنا چاہیے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ گویا آپؐ ان کو زبردستی مسلمان بنا لینا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ قرآن میں تبدیل مذہب کے لیے کبھی اکراہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صاف لفظوں میں لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ فرمایا گیا ہے۔ رہا کسی صداقت کو قبول کرنے کی ترغیب دینا تو یہ بالکل جداگانہ بات ہے۔

(۴۱۶) ✹ علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلے دن ان تقتل تقتل ذادم (اگر آپؐ قتل کریں گے تو یاد رکھئے یہ ایک سردار کا قتل ہو گا کسی معمولی شخص کا نہیں) کا فقرہ کہنا اور دوسرے دن "ان تنعم تنعم علی شاکر" سے (اگر آپ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکرگذار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی بڑی بلاغت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان ؎.....

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ اِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهُ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ مَا كَانَ عَلٰى

علیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپؐ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمدؐ اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو (گرا پڑا نہیں) اپنی قوم کا سردار ہے (اس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان فراموش نہیں' اگر تم کو مال درکار ہو تو بولو کیا چاہتے ہو؟ آپؐ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ بولو اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں' اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گذار رہے گا۔ آپ پھر اسی طرح اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ قید سے رہا ہو کر وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اے محمدؐ روئے زمین میں

لہ ..... بخشی نہیں جائے گی۔ لیکن جب انہوں نے آپ کے عفو وکرم کا سماں دیکھا تو انہیں یہ امید لگ گئی کہ اگر وہ رحم کی کوئی درخواست پیش کریں گے تو وہ ضرور منظور ہو جائے گی اس لیے دوسرے دن انہوں نے آپ کے احسان اور اپنی شکر گذاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کا آغاز کرنا مناسب سمجھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب ثمامہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اسیری کی حالت ہی میں اپنے اسلام کا اعلان کیوں نہ کر دیا تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس حالت میں میرا اسلام قبول کرنا میری بزدلی اور پست ہمتی کا عنوان بن جاتا اس لیے میں نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ میرا اسلام کسی کے جبر واکراہ یا کسی سے خوف کی بنا پر نہیں تھا۔ جہاں طبیعت کا یہ زور موجود ہو وہاں تلوار کا زور بھلا کیا کار آمد ہو سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحات کی صحبت بھی کیا کیمیا اثر تھی کہ ادھر آپ نے کھڑے کھڑے ثمامہ سے چند کلمات کہے اُدھر اس کے باطن میں وہ انقلاب پیدا ہو گیا کہ جو سینہ ابھی ابھی آپ کی عداوت سے لبریز تھا وہ آپ کی محبت سے معمور ہو گیا اور ایسا معمور ہوا کہ آپ کی ذات مبارک ہی نہیں بلکہ آپ کا دین حتیٰ کہ آپ کا وطن بھی تمام وطنوں سے زیادہ محبوب بن گیا نہ یہاں کوئی شمشیر کھنچ رہی تھی نہ دلائل کا زور تھا صرف آپ کی فیض صحبت کا ایک دریا تھا جو کفر وشرک کے بڑے بڑے پتھروں کو اپنے ریلے میں بہائے لیے جا رہا تھا۔

www.besturdubooks.net

الْاَرْضِ وَجْـهٌ اَبْـغَـضُ اِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ فَقَدْ 10
اَصْبَحَ وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ اِلَيَّ وَ اللّٰهِ مَا
كَـانَ مِنْ دِيْنٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَاَصْبَحَ
دِيْـنُكَ اَحَبَّ الـدِّيْنِ اِلَيَّ وَ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ
بَـلَـدٍ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَاَصْبَحَ بَلَدُكَ
اَحَبَّ الْبِلَادِ اِلَيَّ وَ اِنَّ خَيْلَكَ اَخَذَتْنِيْ وَ اَنَا
اُرِيْـدُ الْـعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَهٗ اَنْ يَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ
مَكَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ صَبَوْتَ قَالَ لَا وَ لٰكِنْ اَسْلَمْتُ
مَعَ مُـحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
لَا وَ اللّٰهِ لَا تَاْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى
يَاْذَنَ فِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۴۱۷) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَـنْـهُ قَـالَ اَتَيْـتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هٰـذَا عَـدِيٌّ وَ كُـنْـتُ جِـئْـتُ بِغَيْرِ اَمَانٍ وَ لَا كِتَـابٍ فَـلَـمَّـا دُفِعْـتُ اِلَيْهِ اَخَذَ بِيَدِيْ وَ قَدْ كَـانَ بَـلَـغَـنِـيْ اَنَّـهٗ كَانَ قَالَ اِنِّيْ لَا رْجُوْ اَنْ يَّـجْـعَـلَ الـلّٰـهُ يَدَهٗ فِيْ يَدِيْ قَالَ فَقَامَ لِيْ قَالَ فَـلَقِيَتْهُ اِمْرَءَ ةٌ مَعَهَا صَبِيٌّ فَقَالَا اِنَّ لَنَا اِلَـيْكَ حَـاجَـةً فَـقَـامَ مَـعَهَا حَتّٰى قَضٰى حَاجَتَهُمَا ثُمَّ اَخَـذَ بِـيَـدِيْ حَتّـٰى اَتـٰى دَارَهٗ فَـاَلْقَـتْ لَـهُ الْـوَلِـيْـدَةُ وِسَـادَةً فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَ جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَـاعَـدِيُّ مَا يُفِرُّكَ مِنَ الْاِسْلَامِ اَنْ تَقُوْلَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰـهُ فَهَـلْ تَعْلَمُ مِنْ اِلٰـهٍ سِوَى اللّٰهِ

آپؐ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب چہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے- خدا کی قسم پہلے مجھے تمام دینوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی اور دین نہ تھا اور آج مجھے سب میں پیارا دین آپ ہی کا دین ہے- خدا کی قسم مجھے تمام شہروں میں آپؐ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا لیکن آج سب شہروں میں عزیز تر شہر آپؐ ہی کا شہر ہوگیا ہے- (عرض یہ ہے) کہ آپؐ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کرلیا تھا میں اس وقت عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا فرمایئے مجھے اب کیا کرنا چاہیے- آپ نے ان کو اسلام پر بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کرلیں جب یہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا ارے کیا اپنے دین سے پھر گیا' انہوں نے جواب دیا دین سے پھرنا کیا ہوتا ہے میں خدا کے رسول پر ایمان لایا ہوں- قسم ہے خدا کی جب تک آپ اجازت نہ دیں گے اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آسکے گا-

(۴۱۷) عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگوں نے (مجھ کو دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم (آگیا) آپ کی خدمت میں میں اچانک آ پہنچا تھا نہ پہلے امن کی کوئی درخواست پیش کی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہوگیا تھا جب میں پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا- (یہ اسی مشہور سخی ''حاتم طائی'' کے لڑکے تھے) آنحضرت ان کے (اکرام) کے لیے کھڑے ہوگئے' اس اثناء میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لیے ہوئے آگئی اور عرض کیا ہمیں آپؐ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپؐ ان کی بات سننے کیلئے ان کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور ان کی ضرورت کو پورا کرکے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپؐ اس پر بیٹھ گئے میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپؐ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد مجھ سے فرمایا عدی؟ اسلام سے کیوں منکر ہو آخر لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے- میں نے عرض کیا نہیں تو پھر

www.besturdubooks.net

۵۰

قُلْتُ لَا ثُمَّ تَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا تَفِرُّ اَنْ تَقُوْلَ اللّٰهُ اَكْبَرُ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا اَكْبَرَ مِنَ اللّٰهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ الْيَهُوْدَ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ وَ النَّصَارٰى ضُلَّالٌ قُلْتُ فَاِنِّيْ حَنِيْفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَاَيْتُ وَجْهَهٗ تَبَسَّطَ فَرَحًا ثُمَّ اَمَرَبِيْ فَاُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَعَلْتُ اَغْشَاهُ اٰتِيَةً طَرَفَيِ النَّهَارِ.

(رواه الترمذي)

آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپؐ نے فرمایا (موجودہ ادیان میں) یہود تو قہر الٰہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہ گئے نصاریٰ تو وہ پرلے درجہ کے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دین حنیف کا تابعدار بنتا ہوں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا۔ میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک انصاری کے ہاں مہمان ٹھہرا دیا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہو گیا) اور صبح وشام میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ (ترمذی شریف)

(۴۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاِسْلَامِ اَبِيْ ذَرٍّ قُلْنَا بَلٰى قَالَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ فَبَلَغَنَا اَنَّ رَجُلًا خَرَجَ بِمَكَّةَ فَزَعَمَ اَنَّهٗ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لِاَخِيْ اِنْطَلِقْ اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ وَ كَلِّمْهُ وَ اْتِنِيْ بِخَبَرِهٖ وفي رواية قال لَمَّا بَلَغَ اَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَخِيْهِ ارْكَبْ اِلٰى هٰذَا الْوَادِيْ فَاعْلَمْ لِيْ عِلْمَ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ يَاْتِيْهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَ اسْمَعْ مِنْ قَوْلِهٖ ثُمَّ اْتِنِيْ فَانْطَلَقَ الْاَخُ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَ سَمِعَ مِنْ قَوْلِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ فَقَالَ لَهٗ رَاَيْتُهٗ يَاْمُرُ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ كَلَامًا مَا هُوَ بِالشِّعْرِ فَقَالَ مَا شَفَيْتَنِيْ مِمَّا اَرَدْتُّ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهٗ فِيْهَا مَاءٌ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا يَعْرِفُهٗ وَ كَرِهَ اَنْ يَسْاَلَ عَنْهُ حَتّٰى اَدْرَكَهٗ بَعْضُ اللَّيْلِ فَاضْطَجَعَ فَرَاٰهُ عَلِيٌّ فَعَرَفَ اَنَّهٗ غَرِيْبٌ فَلَمَّا رَاٰهُ تَبِعَهٗ فَلَمْ يَسْاَلْ

(۴۱۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابو ذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں۔ ہم نے عرض کیا ضرور سنایئے۔ فرمایا کہ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کرو اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پر مذکور ہے کہ جب ابو ذر کو آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ۔ ان کے بھائی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر آپؐ کی گفتگو سنی اور ابو ذرؓ کے پاس واپس آ کر بیان کیا میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو از قسم شعر نہیں۔ انہوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی۔ اس کے بعد کچھ توشہ سنبھالا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے (مشکل یہ تھی) کہ نہ تو یہ آپؐ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپؐ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا یہ لیٹ رہے۔ حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب انہوں

www.besturdubooks.net

وَاحِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّى اَصْبَحَ ثُمَّ احْتَمَلَ زَادَهُ وَ قِرْبَتَهُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَظَلَّ ذَالِكَ الْيَوْمَ وَ لَا يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اَمْسَى فَعَادَ اِلَى مَضْجَعِهِ فَمَرَّبِهِ عَلِيٌّ فَقَالَ اَمَانَالَ الرَّجُلُ اَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَهُ فَاَقَامَهُ فَذَهَبَ بِهِ مَعَهُ وَ لَا يَسْأَلُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّى اِذَا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَقَامَهُ عَلِيٌّ مَعَهُ فَقَالَ لَهُ اَلَا تُحَدِّثُنِي مَا الَّذِي اَقْدَمَكَ هٰذَا الْبَلَدَ قَالَ اِنْ اَعْطَيْتَنِي عَهْدًا وَ مِيْثَاقًا لَتُرْشِدَنِّي فَعَلْتُ فَفَعَلَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ اِنَّهُ حَقٌّ وَّ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَاِذَا اَصْبَحْتَ فَاتَّبِعْنِي فَاِنِّي اِنْ رَاَيْتُ شَيْئًا اَخَافُهُ عَلَيْكَ قُمْتُ كَاَنِّي اُرِيْقُ الْمَاءَ فَاِنْ مَضَيْتُ فَاتَّبِعْنِي حَتَّى تَدْخُلَ مَدْخَلِي فَفَعَلَ فَانْطَلَقَ يَقْفُوْهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ دَخَلَ مَعَهُ فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ وَ اَسْلَمَ مَكَانَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ اِلَى قَوْمِكَ فَاَخْبِرْهُمْ حَتَّى يَاْتِيَكَ اَمْرِي وَ فِي رِوَايَةٍ اُكْتُمْ هٰذَا وَ ارْجِعْ اِلَى بَلَدِكَ فَاِذَا بَلَغَكَ ظُهُوْرُنَا فَاَقْبِلْ فَقَالَ وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَاَصْرُخَنَّ بِهَا بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتَّى اَتَى الْمَسْجِدَ فَنَادَى بِاَعْلَى صَوْتِهٖ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ ثَارَ الْقَوْمُ فَضَرَبُوْهُ حَتَّى اَضْجَعُوْهُ وَ اَتَى الْعَبَّاسُ فَاَكَبَّ عَلَيْهِ وَ

نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے مگر اس دن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہوگئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آ گئے یہ دن بھی گذر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نظر نہ آئے یہاں تک کہ شام کا وقت آ گیا پھر یہ اپنی آرام گاہ پر آ گئے (آج) پھر حضرت علیؓ گذرے اور فرمایا کیا اب تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا اور اٹھا کر پھر انہیں اپنے ہمراہ لے گئے مگر آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا یہاں تک کہ تیسرا دن ہو گیا تو پھر ایسا ہی ہوا اور حضرت علیؓ ان کو ہمراہ لے گئے اور ان سے کہا مجھے بتاؤ تو آخر اس شہر میں کیسے آنا ہوا انہوں نے کہا اگر آپ مجھ سے اس بات کا پکا پکا عہد کریں کہ مجھے ٹھیک بات بتا دیں گے تو میں ضرور اس راز کو کھول سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے عہد کیا اس کے بعد اس کے بعد ابوذرؓ نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بلاشبہ یہ شخص سچے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اچھا تو جب صبح ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آنا‘ جہاں مجھے تمہارے متعلق دشمنوں سے کوئی خطرہ نظر آئے گا وہیں میں ایسے ٹھہر جاؤں گا جیسے کوئی پیشاب کرنے کے لیے ٹھہر جاتا ہے۔ اگر میں چلا آؤں تو تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے تا آنکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے یہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ آپؐ کا کلام سنا اور اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بالفعل تو تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ اور انہیں بھی اس کی اطلاع کر دو اور وہاں ہی رہو یہاں تک کہ تم کو ہمارے عروج کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے اس وقت آ جانا انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں گا یہ کہہ کر باہر نکلے اور مسجد میں آ کر با آواز بلند کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔

www.besturdubooks.net

قَالَ وَيلَكُم اَلَستُم تَعلَمُونَ اَنَّهُ مِن غِفَارٍ وَ اَنَّ طَرِيقَ تُجَّارِكُم اِلَى الشَّامِ عَلَيهِم فَانقَذَهُ مِنهُم ثُمَّ عَادَ مِنَ الغَدِ لِمِثلِهَا وَ ثَارُوا اِلَيهِ فَضَرَبُوهُ فَاَكَبَّ عَلَيهِ العَبَّاسُ فَانقَذَهُ.

(رواه البخاری)

حضرت عباسؓ آ گئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کم بختو! تم کو خبر نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تاجروں کے جانے کا راستہ ان ہی کی طرف ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچالیا۔ دوسرے دن پھر انہوں نے یہی حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو خوب مارا اس دن پھر حضرت ابن عباسؓ ان کے اوپر الٹے لیٹ گئے اور ان کو پھر بچالیا۔ (بخاری شریف)

(۴۱۹) عَن اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبدُاللّٰهِ بنُ سَلَامٍ بِمَقدَمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِى اَرضٍ يَختَرِفُ فَاَتَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّى سَائِلُكَ عَن ثَلَاثٍ لَا يَعلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِىٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشرَاطِ السَّاعَةِ وَ مَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهلِ الجَنَّةِ وَ مَا يَنزِعُ الوَلَدَ اِلَى اَبِيهِ اَو اُمِّهِ قَالَ اَخبَرَنِيهِنَّ جِبرَئِيلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحشُرُ النَّاسَ مِنَ المَشرِقِ اِلَى المَغرِبِ وَ اَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاكُلُهُ اَهلُ الجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ المَرأَةِ نَزَعَ الوَلَدَ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ المَرأَةِ نَزَعَت قَالَ اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ. يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ اليَهُودَ قَومٌ بُهتٌ وَ اِنَّهُم اِن يَعلَمُوا بِاِسلَامِى مِن قَبلِ اَن تَسأَلَهُم يَبهَتُونِى فَجَاءَتِ اليَهُودُ فَقَالَ اَىُّ رَجُلٍ عَبدُاللّٰهِ فِيكُم قَالُوا خَيرُنَا وَ ابنُ خَيرِنَا وَ سَيِّدُنَا وَ ابنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ اَرَاَيتُم اِن اَسلَمَ عَبدُاللّٰهِ بنُ سَلَامٍ قَالُوا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِن ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبدُاللّٰهِ فَقَالَ اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالُوا شَرُّنَا وَ ابنُ

(۴۱۹) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت یہ اپنے باغ کے پھل توڑ رہے تھے یہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتائیے کہ علامات قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا اور تیسری بات یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جوابات مجھے ابھی بتائے ہیں (سنو) قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع کر کے لے جائے گی رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے ہوگی اب رہا بچہ کا مشابہ ہونا تو اگر مرد کی منی غالب ہو تو اُس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی غالب ہو تو اس کے۔ یہ جوابات سن کر انہوں نے آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشهَدُ اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ۔ (اس کے بعد فرمایا) یا رسول اللہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے۔ اگر آپ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے قبل میرے اسلام کا حال ان سے ذکر کر دیں گے تو فوراً وہ مجھ پر کوئی نہ کوئی بہتان بنا دیں گے (اس لیے پہلے آپؐ ان سے میرے متعلق دریافت فرمالیں) اس کے بعد جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا ہم سب میں بہتر اور ہمارے سب کے سردار۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ اسلام قبول کرلیں وہ بولے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بات سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا

www.besturdubooks.net

شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (رواه البخاری)

(پھر کیا تھا) فوراً کہنے لگے یہ شخص ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتروں کی اولاد ہے اس کے علاوہ اور قسم قسم کے عیب لگانے لگے۔ عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ان کی اسی افتراء پردازی کا ڈر تھا۔ (بخاری شریف)

(۴۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِیٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِیُّ. (رواه الترمذی و صححه)

(۴۲۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں کیسے پہچانوں کہ آپؐ نبی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آ کر یہ گواہی دے دے کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں (تو مانے گا) آپؐ نے اس کو آواز دی' فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپؐ کے سامنے آ پڑا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا واپس چلا جا' وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی)

(۴۲۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِیٌّ فَلَمَّا اَتٰى قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ قَالَ وَ مَنْ يَّشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِیْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبِتِهَا. (رواه الدارمی)

(۴۲۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک دیہاتی سامنے سے آتا نظر آیا جب وہ مجلس میں آ پہنچا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں وہ بولا آپؐ کی اس بات پر کوئی اور بھی گواہی دے گا۔ آپؐ نے فرمایا جی ہاں یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر کھڑا تھا آپؐ نے اس کو پکارا' وہ زمین پھاڑتا ہوا آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا' آپؐ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار یہ گواہی دی کہ جیسا آپؐ نے فرمایا' بات اسی طرح ہے اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس ہو گیا۔ (دارمی)

(۴۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّیْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَ هِیَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا

(۴۲۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے

(۴۲۰) * بے علم طبیعتیں ہمیشہ اعجوبہ نمائیوں کی گرویدہ ہوتی ہیں۔ ان ہی کو معیارِ کمال تصور کرتی ہیں اور ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں اس لیے نباضِ فطرت نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذبِ اسلام نظارہ پیش کر دیا تھا وہ مسلمان ہو کر جنت میں جا پہنچا اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی فلسفہ میں پھنسے رہیے کہ ایک غیر ذی روح کا متحرک ہو کر آہستہ آہستہ اترنا اور پھر واپس چلے جانا عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں۔ جی ہاں معجزات کے عالم میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔

www.besturdubooks.net

فَاسْمَعَتْنِيْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِيْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِيَ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّيْ خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَ سَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَ عَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِيْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَاللّٰهَ وَ قَالَ خَيْرًا. (رواه مسلم)

ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گذری- میں روتا ہوا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ تو دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے میں آپؐ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لیے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابو ہریرہ وہیں باہر رہنا- ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھیرا رہا؛ انہوں نے غسل فرمایا اپنا کرتا پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا- اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ . (یا تو میں ابھی ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یا اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپ کی خدمت میں واپس پہنچا- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے-(مسلم)

(۴۲۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَ كَانَ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَ كَانَ يَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ اَهْلِ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ اَنِّيْ رَاَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ قَالَ فَلَقِيَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ

(۴۲۴) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ ازد شنوءۃ کے آدمی تھے اور جن وغیرہ کے اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمدؐ آسیب زدہ ہوگئے ہیں- یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دے دیتا- راوی کہتا ہے کہ یہ آپؐ سے ملا اور کہا اے محمدؐ میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں- یہ سن کر رسول اللہؐ نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں- ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں- جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کردے اس کو ہدایت کرنے والا نہیں- میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمدؐ اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں- اما بعد (اس خطبہ کے سننے کے بعد ابھی آپؐ کچھ اور

www.besturdubooks.net

اَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ فَاَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَ قَوْلَ السَّحَرَةِ وَ قَوْلَ الشُّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَاءِ وَ لَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ هَاتِ يَدَكَ اُبَايِعْكَ عَلَى الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهٗ. (رواه مسلم)

(۴۲۴) عَنِ الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ رَاهِبَا نَجْرَانَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا اَسْلِمَا تَسْلَمَا فَقَالَا قَدْ اَسْلَمْنَا قَبْلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتُمَا يَمْنَعُكُمَا مِنَ الْاِسْلَامِ ثَلَاثٌ سُجُوْدُكُمَا لِلصَّلِيْبِ وَقَوْلُكُمَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَ شُرْبُكُمَا الْخَمْرَ فَقَالَا مَا تَقُوْلُ فِيْ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيَاتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِلٰى قَوْلِهٖ اَبْنَاءَ نَا وَ اَبْنَاءَ كُمْ فَدَعَا هُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُلَاعَنَةِ قَالَ وَ جَاءَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ وَ فَاطِمَةُ وَ اَهْلُهٗ وَ وَلَدُهٗ فَلَمَّا خَرَجَا مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَقِرَّ بِالْجِزْيَةِ وَ لَا تُلَاعِنْهُ فَرَجَعَا فَقَالَا نُقِرُّ بِالْجِزْيَةِ وَ لَا نُلَاعِنُكَ قَالَ فَاَقَرَّا بِالْجِزْيَةِ. (رواه احمد)

تالیف قلب من یخاف علی ایمانہ و النصرۃ لہ

(۴۲۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضماد نے کہا مجھے ان کلمات کو پھر سنایئے آپؐ نے پھر سنا دیئے تین بار ایسا ہی ہوا وہ بولا میں نے کاہنوں کا قول سنا' جادوگروں کے منتر سنے اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپؐ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا- خدا کی قسم یہ تو بحر معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں- لایئے اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپؐ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کر لی- (مسلم)

(۴۲۴) حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان سے فرمایا اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے- انہوں نے کہا ہم آپؐ کے ظہور سے قبل ہی مسلمان ہیں آپؐ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں- ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنالیا ہے اور سوم یہ کہ تم شراب پیتے ہو- انہوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں- راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے (اور ان کے مناظرہ کے جواب میں قرآن کی حسب ذیل آیات نازل ہوگئیں) یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الٰہی اور تحقیقی بیان ہے (آپؐ کہہ دیجئے) آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے- (آیت مباہلہ کے تلاوت فرمانے کے بعد) آپؐ نے ان دونوں پادریوں کو مباہلہ کرنے کے لیے بلایا- راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور آپ کے گھر کے لوگ آ گئے- جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آ گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی جزیہ دینا قبول کرلو اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جوان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو کر رہے گا) یہ مشورہ کر کے انہوں نے کہا ہم آپؐ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کرلیا- (مسند احمد)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہیے

(۴۲۵) عمر بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

(۴۲۵) * صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپؐ کا مہاجرین قریش کو مال دینا گوارا نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں للہ ....

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِمَالٍ اَوْ بِشَیْءٍ فَقَسَمَہٗ فَاَعْطٰی رِجَالًا وَ تَرَکَ رِجَالًا فَبَلَغَہٗ اَنَّ الَّذِیْنَ تَرَکَھُمْ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ اُعْطِی الرَّجُلَ وَ اَدَعُ الرَّجُلَ وَ الَّذِیْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الَّذِیْ اُعْطِیْ وَ لٰکِنْ اَعْطٰی اَقْوَامًا لِمَا اَرٰی فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَ الْھَلَعِ وَ اَکِلُ اَقْوَامًا اِلٰی مَا جَعَلَ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِنَ الْغِنٰی وَ الْخَیْرِ فِیْھِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰہِ مَا اَحَبَّ اَنَّ لِیْ بِکَلِمَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ۔ (رواہ البخاری)

(کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بے شک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لیے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں مال کے لیے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے خدائے تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے۔ (بخاری شریف)

(۴۲۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ جَمَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِنَّ قُرَیْشًا حَدِیْثُ عَھْدٍ بِجَاھِلِیَّۃٍ وَ مُصِیْبَۃٍ وَ اِنِّیْ اَرَدْتُّ اَنْ اُجِیْزَھُمْ وَ اَتَاَلَّفَھُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ یَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْیَا وَ تَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی بُیُوْتِکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ لَوْ سَلَکَ النَّاسُ وَادِیًا وَ سَلَکَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ وَادِیَ الْاَنْصَارِ اَوْ شِعْبَ الْاَنْصَارِ۔ (رواہ البخاری)

(۴۲۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو لے جاؤ۔ انصار بولے بے شک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری شریف)

(۴۲۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاہُ غَنَمًا بَیْنَ جَبَلَیْنِ

(۴۲۷) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک

٭..... جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپؐ کی شفقت و محبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اسی لیے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپؐ کی داد و دہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپؐ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپؐ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

www.besturdubooks.net

فَاَتٰی قَوْمَهٗ فَقَالَ اَسْلِمُوْا فَوَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) لَیُعْطِیْ عَطَاءَ رَجُلٍ لَا یَخَافُ الْفَاقَةَ وَ اِنْ کَانَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یُرِیْدُ اِلَّا الدُّنْیَا فَمَا یُمْسِیْ حَتّٰی یَکُوْنَ دِیْنُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ اَوْ اَعَزَّ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا۔ (رواہ مسلم)

وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کرلو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپؐ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لے کر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپؐ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا یا زیادہ معزز ہو جاتا تھا۔ (راوی کو شک ہے) (مسلم)

(۴۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَ اَنَا جَالِسٌ فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا ذَکَرَ ذٰلِکَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَ اَجَابَهٗ بِمِثْلِ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَیْرُهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْیَةَ اَنْ یُکَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْهِهٖ۔

(۴۲۸) سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا' میں کھڑا ہو گیا اور میں نے پوچھا آپؐ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مؤمن سمجھتا ہوں آپؐ نے فرمایا مؤمن کہتے ہو یا صرف مسلمان سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپؐ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لیے دیتا ہوں حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

(متفق علیه و فی طریق عند مسلم فسار رته فقلت یا رسول اللّٰه الخ)

---

(۴۲۸) * ابتداءِ اسلام میں نو مسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جو لوگ آپؐ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت ومحبت کی آزمائش کے لیے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر واکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دل جوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نومسلم نے آپؐ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپؐ نے اس کی خواہش بھی پوری فرما دی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا' علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گو ہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباضِ فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد برنگ اصحاب صورت را ببوا ارباب معنی را

بے چارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لیے آپؐ نے ان کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا لحاظ....

www.besturdubooks.net

الاعمال المرضیة التی لا بدان تنشعب من الاسلام انشعاب الاغصان من الشجرۃ منها اماطة الاذی عن الطریق وھی ادناھا

وہ چیدہ چیدہ اعمال جن کا اسلام سے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلنا ضروری ہوتا ہے جس طرح سبز درخت سے شاخوں کا ان میں ایک عمل راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ہے اور یہ ان میں کا سب سے گھٹیا درجہ کا عمل ہے

(۴۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَ الْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ. (متفق علیه)

(۴۲۹) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الٰہی کا اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے۔ (متفق علیہ)

☜ ....معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہیے۔ ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لیے ان کے لیے یہاں مؤمن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

(۴۲۹) ✽ حدیثوں میں بعض اعمال کو ارکان اور بعض کو شعبہائے اسلامی کہا گیا ہے۔ تعبیر کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا بعید نہیں ہے کہ اس کی غرض شاید ان اعمال کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ جن کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت اسلام میں کچھ بلند ہو اور جن کو شعبہ کہا گیا ہے ان کی حیثیت صرف ایک شاخ کی سی رہے جس کے کٹنے سے اصل درخت کو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف اس کی ظاہری زیبائش ہی میں فرق پڑتا ہے لیکن جب اس طرف بھی نظر کی جاتی ہے کہ ان شعبوں میں ایسے ایسے اہم شعبے بھی شامل ہیں جن کو اسلام سے ارکان کا سا گہرا ربط ہے اور ان کا تعلق اسلام کے صرف ظاہر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو پھر اس نکتہ طرازی میں کچھ شبہ گذرنے لگتا ہے۔

استاد قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا لفظ کا مقصد نہ تو اسلام کی بساطت وترکب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور نہ اعمال کے تفاوت مراتب کی طرف بلکہ ان دونوں سے ایک اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ایمان کے حیاۃ وموت کا معیار ہے یعنی دراصل ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تروتازہ ایقان و اذعان کا نام ہے جس میں اعمال صالحہ کی بے شمار شاخیں سدا پھوٹتی رہیں' اس پر رنگ برنگ کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع اعمال کی بہار آئے کہ رہ گذر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو۔ گویا انسان باہم ہمدردی اور غم خواری کا ایک ایسا پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چسک یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم انس ومحبت کی اس میں کوئی ☜ ....

www.besturdubooks.net

سلامة المسلمين من اللسان و اليد

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذاء نہ دینا

(۴۳۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ. (رواه البخاري و مسلم وغيرهما و زاد الترمذي و النسائي) وَ الْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ.

(۴۳۰) عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور پکا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم وغیرہما) ترمذی و نسائی نے اس حدیث میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ کامل مؤمن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امانت دار سمجھیں۔

☜.... لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں- مردہ ہے- قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پراز حقیقت سمجھے جاسکتے ہیں جب کہ اعمالِ صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کہا جاسکتا ہے جب کہ جوارح انسانی نیکی کے لیے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسمی ہے اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں- خلاصہ یہ کہ شعبہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ ایک مومن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے-

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے ﴿مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ (ابراهيم : ۲۴، ۲۵) آیت مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول و پھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار ہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے- اب محدثین کو اختیار ہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمالِ صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں-

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب و روز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمالِ صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں اور کون سی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا بھی باقی ہے- محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لیے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں ان میں امام بیہقی 'ابو حاتم' ابو عبداللہ حلیمی' شیخ عبدالجلیل اور اسحاق بن القرطبی جیسے اجلہ محدثین بھی شامل ہیں- امام ابو حفص عمر القزوینی نے بیہقی کی تصنیف شعب الایمان کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کا نام مختصر شعب الایمان رکھا ہے اس کتاب کی تالیف کے وقت شعب الایمان ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لیے اس کی احادیث ہم نے صاحب مشکوۃ سے نقل کی ہیں اور جن کو اسلامی شعبوں میں زیادہ اہم سمجھا ہے ان میں سے بقدر وسعت چند کو اس جگہ درج کر دیا ہے-

(۴۳۰) * عرب کی قوم جو قرنوں سے قتل و غارت اور جنگ و بدامنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ نباض تھا وہ ان کو یہ بتا دینا چاہتا تھا کہ صرف ارکانِ اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر لینے سے کوئی شخص مؤمن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہوسکتا' اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام ☜....

www.besturdubooks.net

(۴۳۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰذٰی مُسْلِمًا فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ.

(۴۳۱) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا۔ (طبرانی)

اخرجہ الطبرانی فی الاوسط. رمز السیوطی لحسنہ و فیہ موسی ابن خلف البصری العمی ضعفہ بعضھم و وثقہ بعضھم.

(۴۳۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَکَرَ بِہٖ. (رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب)

(۴۳۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

☆ ...موت نہیں رہی بلکہ سرتا سر مژدۂ سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کی اس میں وہ روح پیدا ہوگئی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے خوف و ہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر معاملہ میں کیا جان اور کیا مال اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مؤمن کا خطاب دے دیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا ملکہ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جا سکتا ایسا ہی سلامتی و امن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مؤمن نہیں کہا جا سکتا یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ عام طور پر ایذاء رسانی کے آلات یہی ہیں ورنہ اصل مقصد ترک ایذاء ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دو میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذاء کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذاء کا حاضر و غائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر در چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مذہب ابھی کاملین کو اور مکمل بنانا چاہتا ہے وہ یہ سمجھاتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترک وطن اور مال و اولاد کے ترک سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا اس کی حدود کے تحفظ میں بھی تہاون کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے حال میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو ''مہاجر'' جیسا معزز لقب دے دیا جائے۔ اس اسلوب بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ وہ صرف ترک وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں اس لقب کی تکمیل ابھی ایک ایسی طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا زندگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما چکا ہے اس کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع مملکت ہو گی جس کے لیے کوئی نہایت نہیں خوش دلی یا تنگ دلی سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے کامل سمجھ لے کہ ان صحرائے دراز اور وادیہائے پر خار کے طے کیے بغیر اس کا مکمل ہونا ناممکن ہے اور مکمل ہوشیار ہو جائے کہ اسلام کی شاہراہ کمال ابھی اور بہت آگے ہے۔

ہر نقابے روئے جاناں را نقابے دیگر است ہر حجابے را کہ طے کردی حجابے دیگر است

(۴۳۲) ☆ یعنی ایک مسلمان کی ایذاء رسانی صرف مخلوق کی ایذاء رسانی نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ رسول کی ذات سے بھی گذر کر خدا تک جا پہنچتی ہے یہی حال اس کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ہے۔ رسول کی ذات بھی کیسی بلند ہوتی ہے کہ اس کی ایذاء و محبت خدائے تعالیٰ کے ایذاء و محبت سے پکاری جاتی ہے۔ مسلمان جب اپنے رسول کا پورا پورا متبع ہو جاتا ہے تو پھر یہی نسبت اس کے اور رسول کے مابین قائم ہو جاتی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۴۳۳) عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ. (رواه ابن ماجه)

(۴۳۳) ابو برزہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

(۴۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَنْفَعَنِیْ بِهٖ قَالَ اُنْظُرْ مَا یُؤْذِی النَّاسَ فَنَحِّهٖ عَنِ الطَّرِیْقِ. (اخرجه ابن عساکر کما فی الجامع الکبیر)

(۴۳۴) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ سکھایئے' شائد اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخش دے آپؐ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

(۴۳۵) عَنْ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یَمْشِیْ وَ رَجُلٌ مَعَهٗ فَرَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِیْقِ فَقُلْتُ مَاهٰذَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِیْقِ کُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه الطبرانی فی الکبیر قال الهیثمی رجاله ثقات)

(۴۳۵) ابو شیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیادہ پا جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا (راستہ پر انہوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا) تو فوراً اسے راستہ سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اگر راستہ سے کوئی شخص پتھر ہٹا دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جائے گا۔ (طبرانی)

(۴۳۶) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ. قَالَ مُعَاوِیَةُ کُنْتُ مَعَ مَعْقِلٍ فِیْ بَعْضِ الطُّرُقَاتِ فَمَرَّ بِاَذًی فَاَمَاطَهٗ فَرَاَیْتُ مِثْلَهٗ فَنَحَّیْتُهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَکَ عَلٰی ذٰلِکَ قُلْتُ رَاَیْتُکَ صَنَعْتَ

(۴۳۶) معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گزر ہوا جو گزرنے والوں کے لیے باعث تکلیف تھا انہوں نے اس کو اُٹھا کر پھینک دیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈال دیا' انہوں نے مجھ

---

(۴۳۳) * غالباً یہاں سائل کا مقصد کسی ایسے امر کا سوال کرنا تھا جس کا کرنا اس کی قدرت میں ہو کیونکہ یہی نیک عمل سے نفع اٹھانے کی صورت ہو سکتی ہے نیک عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن اگر اس پر عمل نہ ہو سکے تو وہ کس کام کا آپؐ نے اس کو ایسا آسان عمل بتا دیا جو اس سے بھی بسہولت ادا ہو جائے اور تمام دنیا کے لیے بھی سہولت کا موجب ہو۔

(۴۳۶) * اس روایت سے پہلی روایت کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ مغفرت کے لیے صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی قبولیت بھی شرط ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لیے وہی ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہو جاتی ہے اور بحر عصیاں کے غریق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

www.besturdubooks.net

فَصَنَعْتُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَمَاطَ اَذًى عَنْ طَرِيْقٍ كُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَ مَنْ تُقُبِّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه البخاري في الادب المفرد قال الهيثمي سنده حسن و رمز السيوطي لحسنه)

سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہٰذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخر کار جنت میں چلا جائے گا۔ (ادب المفرد)

(۴۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

(۴۳۷) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گذر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تا کہ ان کو تکلیف نہ دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (متفق علیہ)

(۴۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِیْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ. (رواه مسلم)

(۴۳۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

(۴۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَ يُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَ كُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ يُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ. (متفق عليه)

(۴۳۹) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کرا دیا یہ ایک صدقہ ہو گیا کسی سوار شخص کی کوئی مدد کر دی اس کو سوار کر دیا یہ صدقہ ہو گیا اس کا کچھ سامان نیچے سے اٹھا کر اسے پکڑا دیا یہ صدقہ ہو گیا۔ کوئی بھلی بات زبان سے نکالی یہ صدقہ ہو گیا' ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھایا وہ صدقہ ہو گیا اور اگر راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز پڑی دیکھی اور ہٹا دی وہ صدقہ ہو گئی۔ (متفق علیہ)

---

(۴۳۹) ٭ سبحان اللہ! اگر خدائے تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندوں پر بہت سے صدقات واجب فرمائے تھے تو ان کی ادائیگی کی سبیل بھی کتنی آسان نکال دی ہے یعنی اس کی ہر ہر حرکت و سکون کو ایک ایک صدقہ بنا دیا ہے اس میں یہ تعلیم بھی مضمر ہے کہ انسان کو ایسا کامل ہو جانا چاہیے کہ اس کی حرکات و سکنات بہائم کی طرح نہ رہیں بلکہ ان میں تقرب الی اللہ کی وہ روح پیدا ہو جائے کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو بھی محض لله ....

www.besturdubooks.net

(۴۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَ صِیَامِهَا وَ صَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ فُلَانَةَ تُذْكَرُ قِلَّةُ صِیَامِهَا وَ صَدَقَتِهَا وَ صَلٰوتِهَا وَ اِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَ لَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ.

(رواہ احمد و البیهقی فی شعب الایمان)

(۴۴۰) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ فلاں بی بی کی نماز روزے اور صدقہ وخیرات کرنے کی بڑی شہرت اڑ رہی ہے مگر اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اپنے ہمسایوں کو برا بھلا کہتی ہے فرمایا وہ دوزخ میں ہے پھر اس نے کہا یا رسول اللہ اور فلانی عورت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ روزے' نماز' اور صدقہ خیرات اس کثرت کے ساتھ تو ادا نہیں کرتی صرف پنیر کے چند ٹکڑے راہ خدا میں دے دیتی ہے لیکن اس میں ایک بڑا ہنر یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (احمد-بیہقی)

(۴۴۱) وَ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَیْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَیْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَیْرُكُمْ مَنْ یُّرْجٰى خَیْرُهٗ وَ یُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَا یُرْجٰى خَیْرُهٗ وَ لَا یُؤْمَنُ شَرُّهٗ.

(رواه الترمذی و البیهقی فی شعب الایمان و قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

(۴۴۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا بولو کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ تم میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون- راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہو گئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپؐ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتایئے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون- آپؐ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔ (ترمذی-بیہقی)

ؔ ....اپنے اعمال کی بدولت بے شمار صدقات کے ثواب کا مالک بن سکے- اس امت میں بزرگی کا معیار غناء وفقر نہیں انسان کے اعمال ہیں اور ان میں سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے ہٹا دے۔

مباش درپے آزار خلق ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گنا ہے نیست

(۴۴۰) * عام انسانوں کی نظروں میں جتنا اہتمام بدنی اور مالی عبادتوں کا ہوتا ہے اتنا معاملات اور حقوق العباد کا نہیں ہوتا- شریعت تنبیہ کرتی ہے کہ عبادت ایک بے نیاز کا حق ہے اور معاملات باہمی محتاج انسانوں کے حقوق اس لیے ان کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیے- خدا کے فرائض کے بعد جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

(۴۴۱) * اس روایت نے بھی انسانوں میں خیر اور شر کی تقسیم صرف نماز اور روزہ میں جدوجہد پر نہیں کی بلکہ مخلوق کی ایذاء رسانی اور ترک ایذاء رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفل عبادتیں بے اثر رہتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذاء رسانی کے ساتھ ان کا جوہر نہیں کھلتا اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہو جائے تو ان کا جوہر کھلے۔

www.besturdubooks.net

(۴۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَ ثَلاَثِمِاَةِ مِفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَ حَمِدَ اللّٰهَ وَ هَلَّلَ اللّٰهَ وَ سَبَّحَ اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْكَةً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَ الثَّلٰثِمِاَةِ بِهٖ فَاِنَّهٗ يَمْشِىْ يَوْمَئِذٍ وَ قَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ. (رواه مسلم)

(۴۴۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا' یا الحمدللہ' یا لا الٰہ الا اللہ' یا سبحان اللہ' یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا نیک بات کہہ دی یا بری بات سے روک دیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اس دن زمین پر اس حال میں چلتا پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہو گا۔ (مسلم شریف)

(۴۴۳) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِىْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِىْ اَرْضِ الضَّلاَلِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِىَّ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَ الشَّوْكَ وَ الْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ اِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِىْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

(۴۴۳) ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے' کوئی نیک بات کہہ دینی بھی صدقہ ہے' تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے' راستہ سے پتھر' کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لیے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی ایک صدقہ ہے۔

(ترمذی شریف)

(۴۴۴) عَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَ يَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَاْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ. (متفق عليه)

(۴۴۴) ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو۔ فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کر دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہہ دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو (کم از کم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔ (متفق علیہ)

www.besturdubooks.net

افشاء السلام و اطعام الطعام

(۴۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (رواه البخاری و مسلم و غیرهم)

واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

(۴۴۵) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا نا آشنا سب کو سلام کرنا۔

(متفق علیہ)

---

(۴۴۵) * ایک گذشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتا دیے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مسلمان و کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی تعارف یا عدم تعارف کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی تھی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے انسانوں کو ایسا خوف زدہ بنا دیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو وہ اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل نہ ہو جاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا اسلام نے آکر یہ تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آ گیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لیے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تاکہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب میں تمہارے لیے صدائے موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردہ سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کر لیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار در بازار کوچہ در کوچہ پھرتے اور لوگوں کو سلام کر کر کے اپنے گھر واپس آ جاتے تھے جیسا کہ ابھی ان کی مفصل حدیث آپ کے مطالعہ سے گذرے گی۔ افشاء سلام کی اہمیت کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص ۴۴۹ پر بھی ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

رہی اطعام طعام کے ارشاد کی تعمیل تو وہ بھی اس گرم جوشی سے کی گئی کہ جو اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتا تھا اس نے بھی خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کر لیا... آیت ﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ (الحشر: ۹) میں اسی قسم کے ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے ہیں تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انہوں نے آپ کے دہن مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپؐ کے ایک بہت اہم خواب میں جن اعمال کو رفع درجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے درخشاں عمل اسی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ وہ حدیث ترجمان السنہ ج ا ص ۴۰۲ پر گذر چکی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مخلوق کی ہمدردی اور باہمی مساوات کا جذبہ صرف جبر و اکراہ کی راہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے دماغی تربیت اور عملی ٹریننگ کی بھی ضرورت ہے اس لیے اسلام نے لوگوں کو اپنی قوتِ بازو سے کمایا ہوا مال ان سے زبردستی چھین کر لینے....

www.besturdubooks.net

(۴۴۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ صِلُوا لْاَرْحَامَ وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ و الدارمی)

(۴۴۶) عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں نے آپ کا چہرۂ مبارک دیکھا اسی وقت پہچان گیا کہ یہ چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو نہیں سکتا جو سب سے پہلے بات اس وقت آپ نے فرمائی وہ یہ تھی لوگو باہم خوب سلام کیا کرو۔ محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو۔ رشتہ داری کے تعلقات میں حسن سلوک کی رعایت رکھا کرو اور جب لوگ سوتے پڑے ہوں تو تم راتوں کو نمازیں پڑھا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی وغیرہ)

(۴۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(۴۴۷) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کیا کرو اور محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو' جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

(۴۴۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِيْمَانُ فَقَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ بَذْلُ السَّلَامِ. (رواہ الشیخان)

(۴۴۸) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا۔ (بخاری و مسلم)

؎ ....دوسروں کے حوالہ کر دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو کچھ حقوق فرض و واجب قرار دیئے ہیں اور ان کا ادا کرنا ہر شخص پر طوعاً و کرھاً لازم کر دیا ہے دوسری طرف اسی کے ہم جنس بہت سے اور حقوق رکھ دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم قرار نہیں دیا بلکہ صرف ان کی ترغیب دے کر ان کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا ہے اس کا مقصد دراصل یہ آزمائش کرنی ہے کہ فرض و واجبات کی اس عملی ٹریننگ کے بعد اب اس کی فطرت میں انفاق و ایثار کی کتنی اسپرٹ پیدا ہوگئی ہے اور کسی کے جبر و اکراہ کے بغیر اب وہ اپنی خوشی سے دوسروں کی ہمدردی کا کتنا عادی بن چکا ہے۔

اسلام کے یہ دو مختصر شعبے اجتماعی حیات کے لیے دو اہم رکن ہیں اگر تنہا خوری اور ترکِ سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق و شقاق کے بجائے پھر گلہائے انس و محبت کھل سکتے ہیں۔

(۴۴۷) ٭ یہاں عبادت کے ساتھ رحمٰن کا اسم مبارک اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ چند حقیر اعمال کے ساتھ جنت جیسی بے بہا متاع کا ہاتھ جانا رحمت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل نسیمِ صبا یہ تری مہربانی

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکۃ اللہ اہلِ جنت کو سلام کریں گے اور اہلِ جنت بھی باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے حتیٰ کہ رب العزت بنفسِ قدسی اہلِ جنت کے لیے ان کو سلام فرمائے گا۔ جو لوگ اس روش کو دنیا میں قائم کرتے ہیں وہ یہاں بھی اہلِ جنت کے قدم پر ہیں اور فردائے قیامت میں صدائے تعالیٰ کی جنت میں داخل ہوں گے۔

www.besturdubooks.net

(۴۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ فَقِيْلَ مَا بِرُّ الْحَجِّ قَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ طِيْبُ الْكَلَامِ. (اخرجه احمد)

(۴۴۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں پھر آپؐ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں؟ فرمایا کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔

(مسند احمد)

(۴۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِذَا رَاَيْتُكَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَ قَرَّتْ عَيْنِیْ فَاَنْبِئْنِیْ عَنْ كُلِّ شَیْءٍ قَالَ كُلُّ شَیْءٍ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ قُلْتُ اَنْبِئْنِیْ بِشَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

(۴۵۰) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میری حالت یہ ہے کہ جب آپؐ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے میں کرلوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمٰن کی عبادت کر (لوگوں کو) خوب کھانے کھلایا کر' اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کر اور پھر جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد وغیرہ)

(اخرجه الامام احمد و الترمذی عن ابی هريرة و فی رواية احمد بصيغة الافراد و اخرجه البخاری فی الادب و الطبرانی فی الكبير و ابو نعيم فی الحليه و ابن حبان فی صحيحه عن عبدالله بن عمر و و لفظه تدخلوا الجنان.)

(۴۵۱) عَنْ مِيْنَاءَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ اَحْسِبُهٗ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَنْ حِمْيَرَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۴۵۱) میناء روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابو ہریرہ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلہ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا' اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلہ حمیر پر لعنت فرمایئے' آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے پھر آیا' آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیک کا لفظ رہتا ہے' ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے

---

(۴۵۰) ✽ اس قسم کی حدیثوں کی اصل روح یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور ہے' وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے' قدم اٹھاؤ' اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے۔ جس نے یہ دو قدم اٹھا لیے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق ادا کر دیے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کر دیئے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ معلوم رہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی متاع بے بہا کا ملنا ضروری ہو' البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارزاں کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جراءت کی ہے۔

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرَ اَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَ اَيْدِيْهِمْ طَعَامٌ وَ هُمْ اَهْلُ اَمْنٍ وَ اِيْمَانٍ. (رواه احمد و الترمذی)

ہیں' یہی لوگ ہیں جو بڑے امن اور ایمان والے ہیں (مسند احمد و ترمذی)
(سبحان اللہ خاتم المرسلین یعنی رحمت مجسم بن کر آئے لوگ ان سے لعنتوں کی درخواست کرتے تھے وہ رحمتوں کی دعائیں کر دیتے تھے)

(۴۵۲) عَنْ هَانِيٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ يُوْجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَ بَذْلِ الطَّعَامِ.

(۴۵۲) ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایئے جو جنت کا یقینی سبب ہو' فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ میں کھانے کھلانا - (مسند احمد وغیرہ)

(اخرجه البخاری فی الادب المفرد و الحاكم عن هانئ ابی شريح قال الحاكم صحيح و لا عنة له و علته عند هما ان هانئا ليس له راو غيرا بنه لكن له نظائر عندهما واقره الذهبی وقال الحافظ العراقی فی اماليه حديث حسن و اخرج ابن ابی شيبة و احمد و الطبرانی و الخرائطی و البيهقی بلفظ ان من موجبات المغفرة بذل السلام و حسن الكلام قال العراقی اسناده جيد و قال الهيثمی رجال احمد رجال الصحيح.)

(۴۵۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ فَقُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَ السَّمَاحَةُ قُلْتُ اَيُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ قُلْتُ اَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ. (رواه احمد)

(۴۵۳) عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا چیز ہے فرمایا نرم گفتگو کرنا' اور خدائے تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھلانا' میں نے عرض کیا اچھا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا' پھر میں نے پوچھا کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف نہ اٹھائیں' میں نے پوچھا اور ایمان کون سا افضل ہے؟ فرمایا اعلیٰ اخلاق-

(مسند احمد)

(۴۵۴) عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّاللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْكَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ تَابَعَ الصِّيَامَ وَ صَلّٰى بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ. (رواه البيهقی فی شعب الايمان و روی الترمذی عن علی نحوه)

(۴۵۴) ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بہت سے بالا خانے ایسے ہیں جو اتنے شفاف ہوں گے کہ ان کا بیرونی حصہ اندرونی حصہ سے اور ان کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ سے نظر آئے گا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو نرم گفتگو کے عادی ہوں' کھانے کھلائیں' پے در پے روزے رکھا کریں اور جب شب میں اور لوگ غفلت کی نیند سوتے رہیں تو یہ نمازیں پڑھا کریں-

(شعب الایمان)

---

(۴۵۳) * حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ صبر و سماحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے' اور سماحت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق و شوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا-

www.besturdubooks.net

(۴۵۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (فی قصته) قَالَ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ تَسْلِیْمُ الْخَاصَّةِ وَ فُشُوُّ التِّجَارَةِ حَتّٰی تُعِیْنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَی التِّجَارَةِ وَ قَطْعُ الْاَرْحَامِ وَ فُشُوُّ الْقَلَمِ وَ ظُهُوْرُ الشَّهَادَةِ بِالزُّوْرِ وَ کِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۵) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند یہ علامات بھی ضروری ہیں۔سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہو جانا۔تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل و نا اہل سب کا قلم چل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفاء کرنا۔ (الادب المفرد)

(۴۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ یُّسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَی الرَّجُلِ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا بِمَعْرِفَةٍ. (رواہ احمد)

(۴۵۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف اپنے تعارف کی بنیاد پر کرے گا۔ (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر) (مسند احمد)

(۴۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ السَّلَامَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَضَعَهُ اللّٰهُ فِی الْاَرْضِ فَاَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہٰذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

(۴۵۸) عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی

(۴۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۴۵۵) * یوں تو ان علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان میں سے شہادت کا حال جس درجہ ابتر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ وناطہ کے تعلقات ختم ہو ہی چکے ہیں تجارت کے لیے عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں نکل پڑیں بلکہ ساہوکار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی بیٹھی نظر آرہی ہیں تصنیف کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ اس کے لیے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لیے وہ انشاء پردازوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔اب قرآن وحدیث میں بھی اسی کا قلم معتبر ہوتا ہے۔لیکن ان سب میں اہم ہمارے موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام کے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتہ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتیٰ کہ ایسا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ بھی گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ طریقہ نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے۔ الا ما شاء اللّٰه. انا للّٰه و انا الیه راجعون.

(۴۵۸) * سلام کے فضائل کچھ آپ سن چکے اور ابھی بہت کچھ آپ کو آداب کی بحث میں سننا باقی ہیں۔رہ گیا کلمہ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ لله ....

www.besturdubooks.net

اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَ كُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ مَا حَسَدَ كُمْ عَلَى السَّلَامِ وَ التَّأْمِيْنِ.

(رواه البخاری فی الادب المفرد)

روایت کرتی ہیں کہ یہود تم پر جتنا حسد سلام اور آمین کے بارے میں کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔

(ادب المفرد)

(۴۵۹) اَخْبَرَ الطُّفَيْلُ بْنُ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِيْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَيَغْدُوْا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَ لَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَ لَا مِسْكِيْنٍ وَ لَا اَحَدٍ اِلَّا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ بِالسُّوْقِ وَ اَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَ لَا تَسْئَلُ عَنِ السِّلَعِ وَ لَا تَسُوْمُ بِهَا وَ لَا تَجْلِسُ فِيْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ يَا اَبَابَطْنٍ وَ كَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَا.

(رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۹) طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لے جاتے جس خوردہ فروش یا تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کر لیتے۔ طفیل کہتے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لے جانے لگے میں نے کہا آپ بازار جا کر کیا کریں گے نہ تو آپ کسی خرید و فروخت کے لیے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آیئے یہاں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوبطن (اس کنیت سے ان کو اس لیے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لیے بازار نہیں جاتے جس کے لیے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لیے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو جایا کرے اس کو سلام کر لیا کریں۔

(الادب المفرد)

ﷺ .... اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش میں آ جاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے لیے یہ فضائل دیکھ دیکھ کر اپنی حاسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا بھی ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہر حال آپ نے متنبہ کیا کہ امت محمدیہ ان خصائل کو ہلکا نہ سمجھے یہ خصائل دوسری امتوں کے لیے قابل حسد ہیں۔

www.besturdubooks.net

الحیاء

شرم وحیاء کرنا

حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک خلقی' دوم کسبی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے اس میں انسان کے کسب واکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیاء وشرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزء شمار کرلیا گیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث "الحیاء لا یاتی الا بخیر" میں اسی فطری حیاء کا ذکر ہے۔ یعنی یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی عظمت وجلال' اس کا بندوں سے قرب' اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند حدیثوں کے بعد آپ کے سامنے آرہی ہے۔ (جامع العلوم)

(۴۶۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ هُوَ يَعِظُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (متفق علیہ)

(۴۶۰) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہیے) آپؐ نے فرمایا رہنے دے (اور اسے غلط نصیحت نہ کر) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۶۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ لَا يَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ و فی روایة اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ. (متفق علیہ)

(۴۶۱) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم وحیاء تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۴۶۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (رواہ البخاری)

(۴۶۲) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم وغیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن۔ (بخاری)

---

(۴۶۲) * یعنی جب انسان میں نہ حیاء مکتسب ہو نہ فطری حیاء تو اب اسے ذلیل حرکات اور برے کام کے کرنے سے کوئی امر مانع نہیں رہتا۔

www.besturdubooks.net

(۴۶۳) عَنْ اَبِی اَیُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ الْحَیَاءُ و یروی و التَّعَطُّرُ وَ الْمِسْوَاکُ وَ النِّکَاحُ. (رواہ الترمذی)

(۴۶۳) ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم و حیاء (اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے) خوشبو لگانا' مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

(۴۶۴) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَ الْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَ الْجَفَاءُ فِی النَّارِ. (رواہ احمد و الترمذی)

(۴۶۴) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء و شرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی و فحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد' ترمذی)

(۴۶۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ.

(رواہ مالک مرسلًا و ابن ماجة و البیهقی فی شعب الایمان عن انس و ابن عباس)

(۴۶۵) زید بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

(۴۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَ الْاِیْمَانَ قُرِنَا جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ و فی روایة ابن عباس فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْاٰخَرُ.

(رواہ البیهقی فی شعب الایمان و الحاکم فی المستدرك ص ۲۳ و قال الذهبی علی شرطهما)

(۴۶۶) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

---

(۴۶۴) * انسان جنت یا دوزخ تک یکبارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے اس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کی ابتداء کچھ ہوتی ہے اور انتہاء کچھ' شریعت اس سلسلہ کو بتا کر یہ تنبیہ کر دیتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا منتہٰی جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لیے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔ حیاء و شرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور دراصل بہت اہم ہے۔

(۴۶۶) * حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے الحیاء و الایمان فی قرن فاذا نزع الحیاء تبعه الاخر. (جامع ص ۱۴۴) حیاء و ایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آجانے سے دوسرے کا آجانا اب تک کسی حدیث میں ہمارے نظر سے نہیں گذرا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مؤمن کو شرم و حیاء کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں ..... لله

www.besturdubooks.net

(۴۶۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ وَ مَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ. (رواہ الترمذی)

(۴۶۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور بدنما کر دیتی ہے اور شرم و حیاء جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوش نما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

(۴۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَاِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءُ لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهٗ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْاِسْلَامِ. (رواہ ابن ماجہ)

(۴۶۸) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو پہلے اس سے حیاء و شرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکارا ہوا مارا مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ اب اس سے رشتہ اسلام ہی چھین لیا جائے۔

(ابن ماجہ)

لے .... اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لیے یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان و حیاء کا وجوداً و عدماً فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے تا کہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا رخ بھی زیر بحث لایا جاتا۔

(۴۶۷) * حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ رکنیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے ہے جن کا انضباط اور صحیح انداز ہ ممکن ہو۔ حیاء اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے' اس لیے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

(۴۶۸) * سبحان اللہ' حیاء بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے نزع کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکلخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلی سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے لیے دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس تدریجی تنزل کی وجہ سے اس کو اپنے امروز و فردا کے تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شدہ شدہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آ جاتا ہے کہ اسلام کا عروۃ وثقیٰ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیاء' امانت' رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیاء و امانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ اور مختلف حدیثوں میں بھی آیا ہے' اب رہ گئی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہو گیا سمجھ لو کہ اس کے پلے اب کچھ نہیں رہا۔

www.besturdubooks.net

(۴۶۹) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَکُنْتُ اَسْتَحْیِیْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَکَانِ اِبْنَتِہٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ یَغْسِلُ ذَکَرَہٗ وَ یَتَوَضَّأُ. (متفق علیہ)

(۴۶۹) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لیے آپ سے براہ راست مسئلہ پوچھنے سے تو مجھے حیاء دامن گیر ہوئی اس لیے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کرلو انہوں پوچھو تو آپ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کرلینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ فَھَلْ عَلَی الْمَرْاَۃِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ. (متفق علیہ)

(۴۷۰) ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ دین کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمایئے) اگر عورت کو احتلام ہوجائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَءَ ۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَیْہِ نَفْسَھَا فَقَالَتْ ھَلْ لَکَ حَاجَۃٌ فِیَّ فَقَالَتْ اِبْنَتُہٗ مَا اَقَلَّ حَیَاءَ ھَا فَقَالَ ھِیَ خَیْرٌ مِنْکِ عَرَضَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَفْسَھَا. (رواہ البخاری)

(۴۷۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپ کے نکاح کے لیے پیش کرنا چاہتی تھی وہ بولیں کیا میرے معاملہ میں آپ کچھ غور فرما سکتے ہیں؟ یہ سن کر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ سے تو زیادہ سعادت مند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت ہی کے لیے تو پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

---

(۴۶۹) ✱ اتنی شرم جو اہل مروت میں کمال شمار ہو اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل بھی نہ ہو قابل مدح ہے اور وہ شرم جو اہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہو جائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے بے باکی اور گستاخی کی تعلیم بھی نہیں دی اور ادب و تعظیم میں اتنے غلو سے بھی روکا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کردے اور افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچا کر اس کے لیے متوسط حدود مقرر کر دی ہیں جن سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہو جاتی ہے۔

(۴۷۰) ✱ یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے اور ان کے آئندہ سوال کے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ اتنے مختصر جملے پھر اتنے زوردار کہ اس پر اعتراض کی کسی کو گنجائش بھی نہ ہو۔ جو حیاء حقوق اللہ یا حقوق العباد میں تقصیر کا موجب ہو وہ حیاء نہیں وہ ضعف اور بزدلی ہے وہ عجز اور احساس کمتری ہے۔

(۴۷۱) ✱ شرم و حیاء میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود نہ ٹوٹیں اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کرسکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

www.besturdubooks.net

(۴۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ. (رواه البخاری فی ترجمة الباب)

(۴۷۲) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں جن کو دین کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم دامن گیر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

(۴۷۳) حَدَّثَنَا بَهْزُبْنُ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِيْ مِنْهَا وَ مَا نَذَرُ قَالَ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مِنْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ قَالَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَا يَرَاهَا اَحَدٌ فَلَا تُرِيَنَّهَا قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِذَا كَانَ اَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنَ النَّاسِ. (رواه الترمذی و قال حدیث حسن)

(۴۷۳) بہز بن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کون سا حصہ کھول سکتے ہیں اور کون سا نہیں کھول سکتے' آپ نے فرمایا اپنا ستر چھپاؤ بجز اپنی بی بی یا اپنی باندی کے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا (مختصر بات یہ ہے) کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو' میں نے پوچھا اچھا تو یہ فرمایئے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو وہاں کوئی اور نہ ہو (کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اُس سے شرم و لحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

(۴۷۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَ التَّعَرِّيْ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَ حِيْنَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَ اَكْرِمُوْهُمْ. (رواه الترمذی و قال حدیث غریب لا معرفة الامن هذا الوجه)

(۴۷۴) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عریانی سے بچنا کیونکہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ کے وہ فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت' دوسرے اس وقت جب کہ آدمی اپنی بی بی سے ہم بستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

---

(۴۷۴) * یہ دونوں حدیثیں حیاء اکتسابی سے متعلق ہیں پہلی حدیث میں اسلام کے مرتبہ احسان کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مؤمن کے قلب و دماغ میں اپنے خالق کا تصور اس درجہ غالب اور قوی رہنا چاہیے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگ خدائے تعالیٰ کے تصور سے خالی الذہن ہوتے ہیں یہ ایسا مغلوب ہو کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے جلوت میں نہ کرتی ہو یہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں بھی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ستر و غیر ستر سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر بندہ کے اختیاری آداب میں تو فرق پڑتا ہے اس پر بس اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حدود آداب سے تجاوز نہ کرے دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا احترام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے ان کے ساتھ اس آداب اور شائستگی کے ساتھ پیش آنے میں انسانی خلافت کی لاج بھی رہ جاتی ہے اور ہم پر ان کے وحشت و بدتہذیبی کے اعتراض کا جواب بھی ہو جاتا ہے اسی لیے جہاں کہیں ہمارا فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا موقعہ آتا ہے شریعت وہیں ہم کو مؤدب اور مطیع رہنے کی ہدایت کر دیتی ہے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم اتنے ناشائستہ بھی نہیں اور نہ ایسے عاصی ہیں جتنی کہ ان کو ہماری نسبت بدظنی ہو گئی تھی۔

www.besturdubooks.net

(۴۷۵) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا.

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و البیھقی فی الدعوات الکبیر)

(۴۷۵) سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو شرم کی صفت بہت محبوب ہے' وہ بڑا کریم ہے اس کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دے تو وہ ان کو خالی واپس کر دے۔ (ترمذی)

(۴۷۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَ مَا حَوٰى وَ لْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَ مَا وَعٰى وَ لْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَ الْبِلٰى وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ.

(۴۷۶) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا' اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماؤ جیسا اس سے شرمانا چاہیے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ خدائے تعالیٰ کا شکر' کہ ہم اس سے شرماتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اسے چاہیے کہ دماغ کو' اپنے گوش و چشم کو' اپنی زبان و دہن کو اور اپنے شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیش نظر رکھے جو آخرت کا ارادہ کرلے اسے لازم ہے کہ دنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے جس نے یہ سب مراحل طے کرلیے اسے سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (احمد)

(رواہ احمد فی مسندہ و رواہ الترمذی مع بعض تغیر و صاحب المشکاۃ فی باب تمنی الموت)

---

(۴۷۵) * خدائے قادر توانا جب اپنے بندہ کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے شرماتا ہے تو بندۂ عاجز کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے بے حیائی کرنے سے شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حیاء ان معالی اخلاق میں سے ہے جس کی نسبت قدوسیوں اور خود عالم قدس کی طرف بھی آ گئی ہے اس لیے اس صفت کی جتنی نگہداشت کی جائے وہ انسان کے لیے اتنی ہی تقدیس کا موجب ہے اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے وہ اتنی اس کے تنزل کا باعث ہے۔

(۴۷۶) * ہم نے بار بار آپ کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اسلام میں احسان کا مرتبہ سب سے اہم مقصد ہے اور یہی ہر عبادت کی روح ہے۔ تمام عبادات اسی کیفیت کے پیدا کرنے کے لیے ہیں اگر عبادت سے یہ تصور پیدا نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اس کی ادائیگی میں ضرور کوئی قصور رہ گیا ہے اس حدیث کا مقصد بھی نسبت احسان کی تربیت ہے۔ صحابہؓ نے آپ کے سوال کا جواب حیاء کے عام مفہوم کے مطابق دے دیا تھا لیکن آپ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پختہ تصور مراد ہے جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصہ اس کی فرمان برداری کے لیے مضطر اور اس کی معصیت سے لرزاں و ترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب و دماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں رہتی کانوں میں ناجائز امور کے سننے' آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جنبش کرنے کی طاقت نہیں رہتی آخرت کا مقصد نظروں کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو و لعب نظر آنے لگتی ہے' موت اور مابعد الموت کے مناظر اس طرح للہ....

www.besturdubooks.net

الغيرة

(۴۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَغَارُ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَ غَیْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَا یَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ. (متفق علیه)

(۴۷۸) عَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَاَیْتُ رَجُلًا مَعَ اِمْرَاَتِیْ لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّیْفِ غَیْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذَالِکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَةِ سَعْدٍ وَ اللّٰهِ لَاَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَ مِنْ اَجْلِ غَیْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبَّ اِلَیْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ بَعَثَ الْمُنْذِرِیْنَ وَ الْمُبَشِّرِیْنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبَّ اِلَیْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذَالِکَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (متفق علیه)

غیرت

(۴۷۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے اور بندۂ مؤمن کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مومن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۸) مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے فرمایا اگر کہیں میں اپنی بی بی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلوار ماردوں وہ بھی چپٹی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ باغیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت کرنا پسند ہے یہی تو وجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو یہی تو وجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیج دیئے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی توجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

☆ ..... پیش نظر رہنے لگتے ہیں کہ متاع دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ جب نسبت احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہیے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو یوں عام طور پر اس کی معصیت سے احتراز کرنا بھی گو اس کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی صفت تم میں پیدا ہو چکی ہے لیکن دنیوی راحتوں میں گرفتار رہنا' اپنے جوارح پر پورا محاسبہ قائم نہ رکھنا اور موت اور مابعد الموت کے تصور سے گاہ گاہ غافل ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ صفت ہنوز پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا جو حق تھا وہ ابھی پورا ادا نہیں ہوا یہ یاد رہے کہ اگر بالفرض کوئی خوش نصیب اس نعمت عظمٰی سے فائز ہو جائے تو بھی اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک بے مایہ انسان کی صرف ایک بے قیمت جدوجہد ہے اور اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ اپنی اس بے قیمت جدوجہد سے اس نے مالک علی الاطلاق کے حق کا کوئی حصہ ادا کر دیا ہے یہ اس کا کرم ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کی صرف سعی ناتمام پر اپنے حقوق سے بے باقی کا اعلان کر دیتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۴۷۷) ٭ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ انسان غیرت ضرور کرتا ہے مگر اس میں وہ راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ حضرت سعد کے آئندہ قصہ سے واضح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ وارفع ہے اس کی ہر شان شانِ کمال ہے اس کی غیرت کا مصداق ہر حال قابل مدح رہتا ہے۔ (الجواب الکافی ص ۸۷)

www.besturdubooks.net

(۴۷۹) عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَ قَدْ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَ كَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَ تَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَ اللّٰهِ مَامِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا. (متفق عليه)

(۴۷۹) حضرت عائشہؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن میں نماز کا قصہ) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق ذکر فرمایا۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس نماز میں سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا۔ آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو ان کو کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر، جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد اور اس کی بزرگی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ دو۔ اس کے بعد فرمایا اے امت محمدؐ خدائے تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی مخلوق ہو کر زنا کرے اے امت محمدؐ جو جو پیش آمدنی خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت۔ (متفق علیہ)

(۴۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَ يَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَ اَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ الَّتِيْ كُسِرَ. (رواه البخاري)

(۴۸۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دے دیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آ گئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھہرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لیے دے دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (بخاری شریف)

• (۴۸۰) * غیرت حیاء کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی ہی مطلوب ہے جیسی حیاء اور افراط و تفریط اس میں بھی ایسی ہی ناپسندیدہ ہے جیسی حیاء میں۔ اسلام نے خلقی اور طبعی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف ان کی حدود مقرر فرما دی ہیں۔ ان صفات کے عالم قدس کی طرف انتساب میں ان کی برتری اور پسندیدگی کا اظہار منظور ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز ﷻ ....

www.besturdubooks.net

النصيحة لله و لرسوله و لعامة المسلمين | خدائے تعالیٰ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا

(۴۸۱) عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا

(۴۸۱) تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا خیر خواہی کرنا دین کا خلاصہ ہے' ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ

☜ ....کی جناب میں ثابت ہو سکے ایک نیاز والی مخلوق کے لیے وہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہیے مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ کمال یہ نہیں کہ اس میں اپنے نفس کی آزادی قائم رکھی جائے وہ اسی حد تک قابل تعریف ہے جہاں دوسرے کے حقوق اس کی زد میں نہ آجائیں اور جب اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہونے لگیں تو اب وہی صفت قابل تعریف ہونے کی بجائے قابل مذمت ہو جائے گی- سعد کی غیرت بے شک بڑی قابل تعریف تھی اگر شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جاتی اسی لیے آپ کا انداز بیان یہاں وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہیے بلکہ اس میں مدح کا بھی ایک پہلو نکل رہا ہے اسی طرح آپ نے ایک بی بی صاحبہ کے ایسے فعل پر جو اگر اس محل کے سوا کسی اور محل پر ہوتا تو شاید زیادہ قابل نکیر ہوتا زیادہ سخت گیری نہیں فرمائی بلکہ ایک سوتن کے لیے صبراً زما منظر کا عذر پیش کر کے جو اضطراری طور پر ان سے دوسرے کی حق تلفی ہوگئی تھی اس کی مکافات فرمادی- انبیاء علیہم السلام دنیا میں خدائے تعالیٰ کی میزان ہوتے ہیں یہاں ایک ایک ذرّہ عدل و انصاف کی ترازو میں برابر رہتا ہے- معقول عذر نامقبول نہیں ہوتا کسی کا نقصان گوارا نہیں ہوتا اور کسی کی مجبوری کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی پسند نہیں ہوتا-

(۴۸۱) ٭ لغت میں ''نصحت العسل'' اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کو موم سے صاف کرلیا جائے امام مازری فرماتے ہیں کہ نصح کے معنی کسی چیز کا کھوٹ نکال دینا ہے یہ معنی اسی محاورہ سے ماخوذ ہیں- محکم میں ہے کہ نصح کھوٹ کی ضد ہے- ابن طریف لکھتا ہے کہ 'نصح قلب الانسان' اس وقت بولتے ہیں جب دل میں کوئی کھوٹ باقی نہ رہے- اب بنا پر نصیحت للہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے اور خدا کے مابین کوئی کھوٹ کا معاملہ نہ رکھے اس کا سب سے بڑا کھوٹ یہ ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے' اس کی صفات جلال و جمال کا پوری تنزیہ کے ساتھ اعتراف نہ کرے اور اس کے اوامر و نواہی میں' پوری مستعدی کا اظہار نہ کرے' علماء نے لکھا ہے کہ نصیحت للہ کا حاصل بالفاظ دیگر اپنے ہی نفس کی نصیحت اور اپنی ہی خیر خواہی کرنی ہے-

کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے' بدل و جان اس کے معانی کی تصدیق کی جائے' اس کے علوم کی نشر و اشاعت کی جائے' اس کی پیروی کی تمام عالم کو دعوت دے جائے اور اس کے ہر ہر امر و نہی کے سامنے اعتراف و تسلیم کا سرخم کر دیا جائے-

رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لے کر آیا ہے اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقعہ پر اس کی نصرت کے لیے سر بکف حاضر رہے اس کے اصحاب اور اس کے اہل بیت کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے-

ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے' ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے' ان کے پیچھے نمازیں ادا کی جائیں جو صدقات بیت المال کا حق ہیں وہ ان کو ایمانداری کے ساتھ بآسانی پہنچا دیئے جائیں اور ان کے ساتھ غداری نہ کی جائے-

عام مسلمانوں کی نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ دنیوی اور اُخروی سب مصلحتیں ان کو بتا دی جائیں' ان کو ایذاء نہ دی جائے' ان کے ☜....

www.besturdubooks.net

لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ. (رواه مسلم)

کی' اس کی کتاب کی' اس کے رسول کی' ائمہ مسلمین کی' اور سب مسلمانوں کی۔ (مسلم شریف)

☜ ... عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

قرآن کریم میں نصح و خیر خواہی کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (اعراف : ٦١ و ٦٢)

''اس پر (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں تو گمراہی کی کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمہارے حق میں خیر خواہی کر رہا ہوں اور میں اللہ کے بتانے سے ایسی ایسی باتیں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔''

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ (اعراف:٦٧و٦٨)

''(حضرت) ہود (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں بیوقوفی کی تو کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا رسول ہوں تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور میں بھروسہ کے قابل تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔

﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ (اعراف:٧٩)

''جب ثمود پر عذاب نازل ہو چکا تو حضرت صالح (علیہ السلام) ان کے پاس سے چلے گئے اور چلتے وقت ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا بھائیو میں نے تو اپنے پروردگار کے احکام تم کو پہنچا دیئے اور تمہاری جو خیر خواہی کرنی تھی کر دی تھی مگر تم پر کچھ ایسی شامت سوار تھی کہ تم کب اپنے خیر خواہوں کی قدر کرتے۔''

حافظ ابن رجب" فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں نصیحت و خیر خواہی کو دین فرمایا گیا ہے اور حدیث جبریئل کے آخر میں اسلام و ایمان و احسان کے مجموعہ کو بھی دین فرمایا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام و ایمان و احسان سب ''نصیحت'' ہی کے اجزاء ہیں اور جس طرح کہ ان کا مجموعہ دین ہے اسی طرح خدا اور رسول کی خیر خواہی بھی دین ہے۔

محمد بن نصر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نصح للہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) نفل۔ فرض یہ ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے احکام کی بجا آوری میں بدل و جان سعی کی جائے اگر کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو اس کا عزم رکھے کہ جب کبھی موقعہ ملے گا اس کی تلافی کر لے گا۔ قرآن عزیز میں ارشاد ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبة : ٩١)

www.besturdubooks.net

(۴۸۲) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّا يَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَ مَنْ لَّمْ يُمْسِ وَ يُصْبِحْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِاِمَامِهٖ وَ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ.

(اخرجه الطبرانی)

(۴۸۲) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

(۴۸۳) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَحَبُّ مَا تَعَبَّدَنِيْ بِهٖ عَبْدِيْ النُّصْحُ لِيْ. (اخرجه احمد)

(۴۸۳) ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا طریقہ جو میرا بندہ میری فرمان برداری کے لیے اختیار کرتا ہے میری خیر خواہی کرنی ہے۔ (مسند احمد)

(۴۸۴) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ اَبِىْ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَنْصَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهٗ. (اخرجه احمد)

(۴۸۴) ابو یزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی سے خیر خواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیر خواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

(۴۸۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَ مُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْاَمْرِ وَ لُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.

(رواه احمد و قد اخرجه الدارقطنی فی الافراد باسناد جيد)

(۴۸۵) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا، خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنا۔ حکام کی خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔

(مسند احمد۔ دارقطنی)

لله .... ’’کمزوروں اور بیماروں پر کچھ گناہ نہیں اور نہ ان پر جن کو خرچ میسر نہیں بشرطیکہ جہاد سے پیچھے بیٹھ رہ کر بھی اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں لگے رہیں، ان نیک کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

گویا جن لوگوں کے قلوب میں نصح للہ کا مضمون باقی رہا وہ جہاد میں شریک نہ ہو کر بھی محسنین کی فہرست سے خارج نہیں ہوئے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عذر کی بنا پر اعمال جوارح اور فریضہ جہاد جیسا اہم فرض بھی ساقط ہو سکتا ہے مگر نصح للہ کا مطالبہ کسی وقت بھی قابل سقوط نہیں۔ ایک معذور شخص سے نماز جیسے اہم فرض کی ادائیگی مؤخر ہو سکتی ہے مگر قلبی ندامت اور آئندہ ادائیگی کا پورا پورا عزم اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہو سکتا بس نصح للہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی رضاء سے راضی اور ناراضائی سے ناراض ہو جائے۔

(۲) نصیحت نافلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے نفس کی محبت پر اس درجہ غالب کر دے کہ جب کسی چیز میں اپنے نفس اور شریعت کا مقابلہ آ پڑے تو شریعت ہی کی جانب کو ترجیح دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی تمام مرغوبات کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر قربان کر ڈالے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۵۶)

www.besturdubooks.net

(۴۸۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَرْضٰی لَكُمْ ثَلاَثًا یَرْضٰی لَكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَ لاَ تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَ اَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لاَ تَفَرَّقُوْا وَ اَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَّلاَّهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ. (رواہ مسلم)

(۴۸۶) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین باتیں پسند فرمائی ہیں- پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیر خواہی کرتے رہو- (مسلم)

(۴۸۷) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْهِ اللّٰهُ رَعِیَّةً ثُمَّ لَمْ یَحُطْهَا بِنَصِیْحَةٍ اِلاَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (متفق علیہ)

(۴۸۷) معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیر خواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا- (متفق علیہ)

(۴۸۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَیِّدِهٖ وَ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَیْنِ. (متفق علیہ)

(۴۸۸) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے- (متفق علیہ)

محبة المرء لاخيه ما يحب لنفسه

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اُٹھا دینا

(۴۸۹) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواہ الخمسة الا ابوداؤد)

(۴۸۹) حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے- (بخاری و مسلم وغیرہ)

---

(۴۸۷) * ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ سے لے کر رعایا تک فریضہ خیر خواہی میں سب مشترک ہیں اگر رعایا میں کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے جس مذہب میں باہم خیر خواہی کرنا اتنا اہم فرض ہو آج وہی قوم خیر خواہی سے اتنی خالی ہو جائے کہ کوئی کسی کا خیر خواہ ہی نظر نہ آئے ـ این چہ بوالعجبی است.

(۴۸۹) * کہنے کو تو یہ مختصری بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے- یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مدارج تہذیب طے کر چکا ہے اس میں خود غرضی اور طمع کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا- اسی کے لیے تمام ریاضات و مجاہدات کیے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر و نواہی کا بلند مقصد ہے- غالباً صوفیاء کرام اسی کو مرتبہ فناء سے تعبیر کرتے ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فناء کے اثرات میں ایک اثر ہے-

www.besturdubooks.net

(۴۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ وَ اَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا وَ اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا وَ لَا تُکْثِرِ الضَّحِکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضَّحِکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ.

(رواہ احمد و الترمذی و قال ھذا حدیث غریب)

(۴۹۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جوان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتا دے جوان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گذار بندے شمار ہو گے اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مؤمن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لیے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قہقہے نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

(مسند احمد۔ ترمذی)

(۴۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَ تُبْغِضَ لِلّٰهِ وَ تُعْمِلَ لِسَانَکَ فِیْ ذِکْرِ اللّٰهِ قَالَ وَ مَا ذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَ تَکْرَهُ لَهُمْ مَا تَکْرَهُ لِنَفْسِکَ. (رواہ احمد)

(۴۹۱) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہتر سے بہتر ہو آپ نے فرمایا اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یادِ الٰہی میں لگائے رکھنا' پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لیے پسند کرنا وہی سب کے لیے پسند کرنا اور جو اپنے لیے برا سمجھنا وہی سب کے لیے برا سمجھنا۔ (مسند احمد)

(۴۹۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحَاسِنُهُمْ اَخْلَاقًا الْمُوَطَّئُوْنَ اَکْنَافًا لَمْ یَبْلُغْ عَبْدٌ حَقِیْقَةَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ وَ حَتّٰی یَاْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ.

(اخرجه ابن عساکر وفیه کوثر بن حکیم متروک لکن له شواهد یبلغه مرتبة الحسن)

(۴۹۲) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مؤمنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مؤمن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکنے والے ہیں۔کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سب کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے۔ (ابن عساکر)

---

(۴۹۲) ✽ اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جز ہے یہ صفت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ سینہ حسد' بغض' کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک وصاف ہو جائے گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور بہت سے کمالات ☜.....

www.besturdubooks.net

(۴۹۳) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَسِيْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّ الْجَنَّةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَحِبَّ لِاَخِيْكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ. (اخرجه البخاري في التاريخ الكبير و اصحاب السنن الاربعة و الطبراني في الكبير و الحاكم و البيهقي في الشعب و هو في المسند لاحمد ايضا كما في الجامع)

(۴۹۳) یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کیا کرو۔ (مسند احمد، تاریخ کبیر، سنن اربعہ، طبرانی، حاکم، بیہقی)

(۴۹۴) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بطوله الى ان قال قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِيْ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهُ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَ نُوْرٌ لَكَ فِي الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَ عَوْنٌ لَكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ وَ اِيَّاكَ وَ كَثْرَةَ الضَّحِكِ فَاِنَّهُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَ يُذْهِبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَ اِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۴۹۴) ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی' اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے آپؐ نے فرمایا میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہر معاملہ میں خدائے تعالیٰ کا خوف رکھنا۔ بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہو جائے گا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لیے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی' میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے' ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معاف رکھنا۔ (بیہقی)

(۴۹۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ

(۴۹۵) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب

لہ ..... کے ثبوت اور بہت سے عیوب کے ازالہ کا محتاج ہے اسی لیے اس صفت کو ایمان کی حقیقت جنت کے لیے موقوف علیہ' کمال ایمانی کا معیار اور آپؐ کی وصیت میں جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔ یہ مختلف الفاظ نہیں بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو اسی ایک صفت میں پنہاں ہیں۔

www.besturdubooks.net

بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهٗ وَ يُجِيْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَ يُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطِسَ وَ يَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَ يَتْبَعُ جَنَازَتَهٗ اِذَا مَاتَ وَ يُحِبُّ لَهٗ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواہ الترمذی و الدارمی)

ملاقات ہوتو اس کوسلام کرنا' جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جانا' جب چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا' جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مرجائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا۔ (ترمذی۔دارمی)

(۴۹۶) عَنْ اَبِی الْوَلِيْدِ الْقُرَشِیِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ بِلَالِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالَ اَصْلَحَ اللّٰهُ الْاَمِيْرَ اِنَّ اَهْلَ الطَّفِّ لَا يُؤَدُّوْنَ زَكَاتَهُمْ وَ قَدْ عَلِمْتُ ذٰلِكَ فَاَخْبَرْتُ الْاَمِيْرَ قَالَ بِلَالٌ مِمَّنْ اَنْتَ قَالَ مِنْ عَبْدِالْقَيْسِ قَالَ مَا اِسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ فَكَتَبَ لِصَاحِبِ شُرْطَتِهٖ يَسْاَلُ عَنْهُ عَبْدَالْقَيْسِ فَقَالَ وَجَدْتُهٗ يَغْمُرُ فِیْ حِسْبَةٍ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ اَبِیْ مُوْسٰى عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (رواہ الطبرانی)

(۴۹۶) ابوالولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیرالمومنین کو ہمیشہ صحیح وسلامت رکھے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادانہیں کرتے اس لیے (از راہِ خیرخواہی) میں نے اس بات کی امیر المومنین کو اطلاع کردی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے؟ اس نے کہا قبیلہ عبدالقیس کا پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق عبدالقیس سے تحقیق کریں انہوں نے جواب دیا میں نے ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انہوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابوموسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (طبرانی)

(۴۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَ يُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهٗ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْتِیْ اِلَى النَّاسِ الَّذِیْ يُحِبُّ اَنْ يُؤْتٰى اِلَيْهِ. (رواہ مسلم)

(۴۹۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

(۴۹۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۴۹۸) ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

---

(۴۹۸) * ابوذر فطرۃً ایک نہایت عابد وزاہد اور یکسو مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی کو آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہوگا اس کو....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرِّ اِنِّي اَرَاکَ ضَعِيْفًا وَ اِنِّي اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَاَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ. (رواه مسلم)

فرمایا ابو ذر تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لیے دیکھو دو شخصوں کے بھی ہرگز امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

(۴۹۹) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ اِنِّي اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِي وَ اَكْرَهُ لَکَ مَا اَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رواه الترمذی)

(۴۹۹) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لیے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کتا اپنے سرین زمین پر رکھ کر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے۔

حسن العهد

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

(۵۰۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجُوْزٌ فَقَالَ مَنْ اَنْتِ قَالَتْ جَثَّامَةُ الْمُزَنِيَّةُ

(۵۰۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپؐ نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو؟ اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم

ﷺ.... کے لیے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لیے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابو ذر میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کر دی جاتی۔ پس آپ کی خیر خواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ولایت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیر خواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اس میں بھی اسی کی خیر خواہی مضمر تھی۔

(۴۹۹) ✱ اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی لیے بڑی سے بڑی خصوصیت کے موقعہ پر بھی اسلام کی یہ عمومی سنت غیر اختیاری طور پر زبان سے نکلی چلی جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرنے کے لیے مؤثر سے مؤثر تعبیر صرف یہ ہے کہ مخاطب کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر دوئی نہیں سمجھتا جب تک اغراضِ نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

(۵۰۰) ✱ حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا احاطہ کتنا وسیع ہے۔
آئندہ حدیثوں سے بھی اس مضمون کی اور زیادہ تصدیق ہوگی۔

www.besturdubooks.net

قَالَ بَلْ اَنْتِ حَسَّانَةُ الْمُزَنِيَّةُ كَيْفَ حَالُكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَيْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبِلُ هٰذَا الْاِقْبَالَ عَلٰى هٰذِهِ قَالَ اِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِيْنَا اَيَّامَ خَدِيْجَةَ وَ اِنَّ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْاِيْمَانِ. (اخرجه الحاكم و قال على شرطها و لاعلة له و اقره الذهبى)

تو حسانہ مزنیہ ہو اچھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گذرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ کی اتنی توجہ' آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے۔ (حاکم)

البذاذة

(۵۰۱) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ ذَكَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عِنْدَهُ الدُّنْيَا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِيْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ.

(اخرجه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه و الحاكم و قال العراقى حديث حسن و قال الديلمى هو صحيح و كذلك قال الحافظ ابن حجر)

گاہ بگاہ ترکِ زینت

(۵۰۱) ابو امامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ بگاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے۔

(ابن ماجہ۔ حاکم)

---

(۵۰۱) ✱ اسلام نے بناؤ سنگھار کرنا کسی وقت بھی پسند نہیں کیا اور ناز و نعمت اور عیش و طرب کی زندگی اگر چہ جائز حدود میں رہ کر ہو اس کو بھی مکروہ سمجھا ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت اور بدحالی اور عام طور پر تقشف سے بھی روکا ہے۔ جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ بگاہ ایسی زندگی گذارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ سے جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا نہ ہونے پائے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے اسی کے ساتھ ذلت و خواری کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لیے ہے اس لیے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو جو انسان کے لیے سوسائٹی میں موجب ذلت ہو۔ اس دعاء کو ملاحظہ فرمائیے اور اسلام کے اصلی مقصد کو پہنچ جائیے۔ **اللّٰهم اجعلنى فى عينى صغيرا و فى اعين الناس كبيرا.** ''اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں تو پست کر دے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کر دے۔'' پس تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیث نعمت کی نیت ہونی چاہیے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہیے تکبر کی نیت سے زینت اور احساس کمتری کی بنا پر بذاذت دونوں بلند اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ جب انسان کی عملی حالت میں گاہ گاہ بذاذت نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس کی یہ ترکِ زینت احساس کمتری کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بنا پر نہیں۔ بلکہ ایک عبد کی اپنے مولیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کے لیے ہے پس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیل خصائل و ملکات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں۔ **ان اللّٰه يحب معالى الهمم.** اللہ تعالیٰ علو ہمت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ...

www.besturdubooks.net

السمت الحسن و التؤدة و الاقتصاد

(۵۰۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَ التُّؤَدَةُ وَ الْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَ عِشْرِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ. (رواہ الترمذی)

(۵۰۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ اِنَّ الْهُدٰی الصَّالِحَ وَ السَّمْتُ الْحَسَنَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسٍ وَ عِشْرِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ. (رواہ ابوداؤد)

اچھا طور و طریق‘ متانت اور میانہ روی

(۵۰۲) عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طور و طریق متانت اور میانہ روی نبوۃ کا چوبیسواں جزء ہے۔ (ترمذی)

(۵۰۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور سمت حسن اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ (ابوداؤد)

ﷺ..... یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تکبر و وقار اور تواضع و ذلت میں بڑا فرق ہے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ التباس پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ وقار ایک مطلوب صفت ہے اور تکبر انتہا درجہ مذموم اسی طرح تواضع انتہاء درجہ مطلوب ہے اور ذلت اسی درجہ مکروہ حتیٰ کہ ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ان المؤمن لا یذل نفسه. مؤمن اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا اور کیسے ذلیل کر سکتا ہے جب کہ خود رب العزت نے اس کو عزیز بنایا ہے۔ مؤمن کے متعلق ذلت کا تخیل نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ جب رئیس المنافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق یہ کلمہ زبان سے نکالا ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (المنافقون:۸) تو ان کے بیٹے جو اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے فوراً تلوار کھینچ کر سامنے آ گئے اور فرمایا خدا کی قسم جب تک تو یہ اقرار نہ کر لے کہ ذلیل تو ہے اور عزت والے صرف آپ کے صحابہ ہیں اس وقت تک تیری خیر نہیں۔ آخر اس سے یہ اقرار لے کر چھوڑا پس تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے۔

(۵۰۲) ٭ انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ان ہی اجزاء کے اختیار کرنے سے سنور جاتی ہے اور ان کے ترک کرنے سے بگڑ جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک ایک لفظ انسان کی معاش اور معاشرت کا مستقل ایک ایک باب ہے۔

(۵۰۳) ٭ ان دونوں روایتوں میں صرف ایک جزء کا اختلاف ہے‘ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے دوسری احادیث میں سچے خوابوں کو نبوۃ کا چھیالیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ ختم نبوت کے باب میں اس قسم کی حدیثوں کی مفصل شرح گذر چکی ہے اس جگہ ملاحظہ کر لینی چاہیے۔

سمت حسن انسان کی قوت عاملہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ” تحریر فرماتے ہیں۔

و همچنیں در قوت عامله او مددے میدهد که بسبب آں سمت صالح نصیب او گرد دور عایات آداب و عادات و تدبیر منزل و سیاست مدینه بطورے که ازاں خوبتر نشود اهتمام فرما یدو خلق و شجاعت و سیاست و عدالت و کفایت و شناختن مصلحت هر وقتے اور اعطا میکنند بسوئے ایں جزء اشارت واقع شده در حدیث السمت الصالح جزء من خمسة و عشرین جزء من اجزاء النبوة. (قرة العینین ص ۴۱)

حق تعالیٰ جس طرح نبی کی قوت عاقلہ میں زیادتی عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی قوت عاملہ میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے اور اسی وجہ سے سمت صالح اس کے نصیب میں آ جاتی ہے پھر وہ سیاست مدینہ‘ تدبیر منزل اور جملہ آداب و عادات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آ سکتی اس کو اخلاق‘ بہادری اور سیاست و عدالت اور ہر وقت و محل کے مناسب نا مناسب مصلحتوں کی معرفت بھی بخش دیتا ہے اسی جزء کی طرف حدیث السمت الصالح میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ﷺ.....

www.besturdubooks.net

الحلم و الاناءة

حلم و بردباری

(۵۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَیْسِ اِنَّ فِیْکَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَ الْاَنَاءَةُ. (رواہ مسلم)

(۵۰۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تجھ میں دو عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں بردباری اور متانت۔ (مسلم شریف)

(۵۰۵) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَ الْعُجْلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ.

(۵۰۵) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متانت اور بردباری اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جلد بازی شیطان کی حرکت ہے۔ (ترمذی)

(رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب و قد تکلم بعض اهل الحدیث فی عبد المهیمن بن عباس الراوی من قبل حفظه)

علامات الایمان و الاسلام

ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

(۵۰۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

(۵۰۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ﷺ .... شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہوگئی اور اسی سے اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہو گئے۔ شاہ صاحبؒ موصوف نے کتاب مذکور کے ص ۴۴ پر اس کی مزید تشریح فرمائی ہے ملاحظہ کی جائے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ شعب اسلامیہ میں جن اعمال کو اجزاء نبوت یا سنت نبوت کہا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا سہل ممتنع کے قریب ہے ان اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے ارباب حقائق نے اعمال صالحہ سے جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں اس لیے جن سعید اور بلند طبائع میں قرب نبوت سے مناسبت ہوانہیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور ان حدیثوں کو محض ایک اسلوب تاکید خیال کر کے معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔

(۵۰۴) ✽ روایت میں موجود ہے کہ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ یہ خصلتیں مجھ میں فطری ہیں یا کسبی آپ نے فرمایا فطری اس سے معلوم ہوا کہ جو اخلاق حسنہ انسان کی فطرت میں ہوں اگرچہ وہ اس کے اختیاری نہیں ہوتے تاہم وہ بھی اس کے لئے قابل مدح اور اس کی سعادت کی علامت ہیں۔

(۵۰۵) ✽ تعجیل کارے شیاطین بود۔ تقریباً اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ یہاں عجلت سے مراد متانت کی ضد ہے تساہل بالکل علیحدہ چیز ہے عبادات میں تساہل عیب اور اس کے خلاف عجلت پسندیدہ ہے۔ مگر یہ وہ عجلت نہیں جس میں متانت ہاتھوں سے جاتی رہے۔

(۵۰۶) ✽ عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھی اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ چلنا مشکل تھا اس لیے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لیے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدا نہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفنن نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز و شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں ﷺ ....

www.besturdubooks.net

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْاِسْلَامِ ضُوْءً وَ مَنَارًا کَمَنَارِ الطَّرِیْقِ. (المستدرك)

وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (مستدرک)

الیقین بان اللّٰه تعالٰی معه حیث ما کان

اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

(۵۰۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بْنِ مُعَاوِیَةَ الْعَامِرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ عَبَدَاللّٰهَ وَحْدَهٗ بِاَنَّهٗ لَا اِلٰهَ

(۵۰۷) عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لیے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سوا معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ

لہ ...حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے بس نماز اور حیاء میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔ مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہیے جس کی بنا پر وہ اس کی صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان و شعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہوگا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل طور پر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لیے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور و خوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان — گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہوگئی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لیے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیر عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں کہ ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مؤمن کے لیے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان و اسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ ان علامات کو اپنے قلب و قالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہو جاتا ہے یا نہیں۔

www.besturdubooks.net

اِلَّا هُوَ وَ اَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهٖ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ فِيْ كُلِّ عَامٍ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ و في اخره فَمَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُمَا كَانَ.

(رواه البزار في مسنده)

سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمایئے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

(۵۰۸) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ.

(رواه الطبراني)

(۵۰۸) عبادہ بن صامتؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

(۵۰۹) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَ هُوَ مَعَكُمْ وَ الَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى وَ اَنَا خَلْفَهٗ اَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فِيْ نَفْسِيْ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (متفق عليه)

(۵۰۹) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ (متفق علیہ)

---

(۵۰۹) ✱ علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لیے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت وشہادت کا فرق نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو....

www.besturdubooks.net

صیرورة الاعمال کلها للہ سبحانہ

(۵۱۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ. (رواہ ابوداؤد و الترمذی) و زاد احمد و انکح للہ)

(۵۱۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَسْتَحِقُّ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰهِ وَ یُبْغِضَ لِلّٰهِ فَاِذَا اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوِلَایَةَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی. (رواہ احمد)

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

(۵۱۰) ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ امام احمد کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (یعنی عفت فرج مقصود ہو) (ابوداؤد۔ترمذی)

(۵۱۱) عمرو بن جموح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہو جائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نواز دے۔ (احمد)

☜ .....ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ و مبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع و بصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔ یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع و بصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہیے۔ تمہاری یہ چیخ و پکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لیے تم اس ادب و متانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع و بصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغہ لحمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مؤمن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیر و زبر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لیے اس مؤمن کی شان یہ ہو جاتی ہے ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ﴾ (الانبیاء:۱۰۳) یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لیے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ پورے مطمئن نظر آئیں گے۔ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا اس خطرناک موقعہ پر آپ کے لیے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ:۴۰) یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (الشعراء:۶۲)

(۵۱۱) ٭ ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دواعی قلب اور حرکات جوارح سب رضاء الٰہی کے تابع بن جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ چکا ہے قلب و زبان میں پوری یک رنگی پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی جب ترقی کی اس معراج پر ☜ .....

www.besturdubooks.net

الجہاد بالید و اللسان و القلب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا

(۵۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ اُمَّةٍ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَ يَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ

(۵۱۲) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں ایسے لوگ ضرور گذرے ہیں جو اس کے معین و مددگار' اس کے طریقہ کار کے متبع و پیروکار اور اس کے ہر حکم کے مقتدی و فرمان بردار ہوا کرتے تھے پھر ان کے بعد ان کے جانشین کچھ ایسے

.... جا پہنچتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے۔

گفت قدوسی فقیری در فناء و در بقاء

نفاق کے باب کے تفصیلی نوٹ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۵۱۲) * امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طارق بن شہاب کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان مراتب ثلاثہ کو وقتی استطاعت و قدرت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

''تم میں جو شخص کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس سے کیا کم کہ اپنے دل میں اس کی ناگواری برابر محسوس کرتا ہے اور یہ درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے''۔

اس حدیث میں ایمان کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں قوی' درمیانہ' اور ضعیف ان میں ہر ایک درجہ کا اقتضاء جدا جدا اور ہر ایک کی علامت علیحدہ علیحدہ ہے۔ سب سے ضعیف درجہ کی علامت یہ ہے کہ خلاف شرع امور سے قلب میں ہمہ وقت نفرت و کراہت محسوس ہو یعنی جب کہیں کوئی منکر نظر آئے تو فوراً قلب میں اس پر ناگواری محسوس ہو۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے ﴿وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷) (اللہ تعالیٰ نے (صرف اپنی مہربانی سے) تمہارے دلوں میں کفر' فسق' اور اپنی نافرمانی سے کراہت ڈال دی ہے) اس کراہت کے بھی ضعف و قوت کے لحاظ سے تین مراتب نکل سکتے ہیں سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ خدا کی زمین سے کفر و فسق کو اپنی قوت بازو سے مٹا ڈالے اور اس سے تو کیا کم کہ دل میں اس کی ناگواری محسوس کرتا رہے اگر اتنا احساس بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں ایمان کی کوئی نشانی بھی نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے ہمارے نزدیک سب سے اچھی شرح حافظ ابن تیمیہ کی ہے لیکن وہ محدثین کی اس تحقیق پر مبنی ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ تصدیق و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اسی مجموعہ پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مجموعہ میں جن باتوں پر ثواب کا وعدہ ہے وہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں صرف یہی تین باتیں ہیں۔ تغیر بالید ان میں سب سے اعلیٰ ہے اور انکار قلبی سب سے ادنیٰ۔ پس اگر کسی کا ہاتھ ازالہ منکر کے لئے حرکت نہیں کرتا' اس کی زبان روکنے کے لئے نہیں ہلتی اور اسکا قلب اندرونی طور پر بھی انکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد اب اعمال ایمانی میں ایسا کوئی عمل نہیں ....

www.besturdubooks.net

خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ يَفْعَلُونَ مَالَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ

بد اطوار لوگ ہوئے (جن کے قول و عمل میں بڑا فرق تھا) وہ جو بات اپنی زبانوں سے کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ حرکتیں کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا- جو شخص بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مؤمن

ﷲ..... ہے جس کی ادائیگی پر اس کو کسی ادنیٰ کا بھی استحقاق ہو- محدثین کے نزدیک چونکہ اعمال ایمان کے اجزاء شمار ہوتے ہیں اس لئے اس حدیث میں اجزاء ایمان کی نفی سے اعمال ہی کی نفی مراد ہے- ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل کی ٹھیک شرح یہ ہے یعنی انکارِ قلبی کے بعد اب رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا کوئی جزء ایسا نہیں رہا جس پر کوئی اجر مرتب ہو سکے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص مؤمن ہی باقی نہیں رہے گا- (دیکھو کتاب الایمان ص ۱۳۱ و ص ۱۷۴)

اصل حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے حسب ذیل آیت پر غور کیجئے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰) یعنی اس امت کی خیریت جن امور کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے' ان میں سب سے ممتاز ایمان باللہ کی صفت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کے لوازم میں ہیں اس لیے پہلی امتیں اگر ایمان باللہ میں ہم سے پیچھے رہیں تو امر بالمعروف میں بھی ان کا قدم ہم سے پیچھے ہی تھا اور یہ امت اگر ایمان باللہ میں سب سے فائق رہی تو امر بالمعروف میں بھی اس کا قدم سب سے آگے ہے- بہر حال ایمان باللہ کے ساتھ کسی نہ کسی مرتبہ میں امر بالمعروف ہونا بھی ضروری ہے جس کا سب سے ضعیف درجہ انکارِ قلبی ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ غور کرنا ہوگا کہ اب اس میں ایمان باللہ کی کتنی روح اور اس کی کیا علامت باقی ہے اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان' ہونٹوں پر روزوں کی خشکی اور بروقت زکوٰۃ کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی ایک بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے- اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے- ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر - اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالاتِ علمیہ و عملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کے تمام مخلوقات کے تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اس کا طغرۂ امتیاز ہے اور اسی بناء پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے-

یہ بات بہت زیادہ قابل غور ہے کہ جب ایک انسان کی ذاتی تکمیل کے لیے بھی قوت ایمانی کی ضرورت ہے تو اس امت کے لیے جس کو یہ دعوت دی گئی ہو کہ وہ تمام دنیا کی طاقتوں کو چیلنج دے کر ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تکمیل کر دے' کتنے عزم' کتنی قوت ایمانی اور کتنے وثوق باللہ کی ضرورت ہوگی' ایمان باللہ کے بغیر امر بالمعروف ہو ہی نہیں سکتا - اور یہ صفت جتنی کامل ہوگی انسان اتنا ہی امر بالمعروف کے لیے مضطر ہوگا اور اگر بد نصیبی سے وہ اس اضطرار سے خالی ہو چکا ہے تو جب تک اس میں نورِ ایمانی کا کوئی ذرہ موجود ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل احساسِ ناگواری سے تو خالی نہ رہے اگر اس میں یہ احساسِ ناگواری بھی نہیں تو پھر سمجھنا چاہیے کہ اس میں غیرت ایمانی کا کوئی شائبہ بھی نہیں- یہ تھی اس حدیث کی مختصر شرح اب امر بالمعروف کے متعلق چند اور اہم کلمات سنئے-

حدیث کے لفظ (اذا رأی منکرا) ''جب کوئی برائی دیکھے'' میں رویت سے مراد برائی کا ثبوت اور یقین ہے اس کا آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی ازالہ کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی ﷲ....

www.besturdubooks.net

جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ . (رواه الخمسه غير البخارى)

اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مؤمن اور جو صرف قلبی ناگواری پر کفایت کرلے وہ بھی ایک درجہ کا مؤمن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی جز نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

؏..... تک پہنچادے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور تعزیر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور دفعات تعزیر کا اجراء عوام کا حق نہیں ہاں امر بالمعروف ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموش نہیں ہے کہ شریعت میں جتنا امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنا ہی تجسس احوال کی ممانعت بھی ہے قاضی اس کا مامور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا زبردستی تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی معاملہ آجائے تو وہ اس کی تحقیق کرکے مناسب فیصلہ صادر کردے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابویعلی نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا تجسس نہ کرنے سے کسی کی جان آبرو یا مال ضائع ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے جیسا زناء چوری اور قتل تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہے دوم یہ کہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہوں جو بالاتفاق منکر ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے پر انکار کرنا قلت علم اور تنگ نظری ہے قاضی ابویعلی اس کی اور تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں اس اختلاف کا استثناء کرنا ضروری ہے جو جمہور کے بالمقابل ہو یا کسی متفق علیہ حرام کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے سود کہ جمہور کے نزدیک نقد ہو یا ادھار دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس مسئلہ میں اگرچہ بعض سلف کا کچھ خلاف منقول ہے لیکن چونکہ یہ جمہور کے خلاف ہے اس لیے اس پر بھی انکار کرنا ضروری ہوگا۔ امام احمدؒ نے یہاں ایک اور دلچسپ تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسئلہ پر عمل کرنے والے کو سزا تو دی جائے مگر بعض سلف کے خلاف کی وجہ سے اس کو فاسق نہ کہا جائے۔ نکاح متعہ بھی اسی قسم میں داخل ہے یہ بھی جمہور کے خلاف ہے اور اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو یہ صریح زناء کا ذریعہ بن سکتا ہے جو متفق علیہ حرام ہے اس لیے اس کی بھی ممانعت کی جائے اور اس کے مرتکب کو سزا بھی دی جائے۔ اور اگر یہ ثابت ہوجائے کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہ تھا تو اس کو فاسق بھی کہا جائے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۵۲)

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار جاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کی بجائے نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) یا اس کے ہموزن دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) یا اس سے بدتر برائی کا خطرہ ہو۔ صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر مشغلہ میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص ناول دیکھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بددین اور فاسد العقائد مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہوجائے گا تو اس کو ناول دیکھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص شراب نوشی اور قمار بازی میں مشغول ہے اور اس کی فاسد فطرت سے یہ اندیشہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ قتل و غارت میں مشغول ہوجائے گا تو ایسے شخص کو ان مشاغل میں رہنے دینا مناسب ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲)

عالم وہ ہے جو ان مراتب کو پہچانے اور ان کی صحیح رعایت بھی رکھے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

www.besturdubooks.net

الاجتناب عن الشبھات

(۵۱۳) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَ اِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَ بَیْنَھُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ

جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا

(۵۱۳) نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر

---

(۵۱۳) ٭ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگرچہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا' اس نے دین دار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت و محبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دے دیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھلائی اس نے اپنی دینی شخصیت صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لیے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لیے اتقاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہٗ کی محبت کے سوا کسی غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضامندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لیے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیاتِ شرعیہ تو درکنار امورِ مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق و شوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشاتِ نفسانی کا گرفتار بنا رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح و فساد کا مدار بادشاہ کے صلاحِ و فساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح و فساد کا مدار قلب کی صلاح و فساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لیے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں "لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ" کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ انی اسالک قلبا سلیما اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب و مجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک و کفر ←......

www.besturdubooks.net

لِدِيْنِهٖ وَ عِرْضِهٖ وَ مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ۔ كَالرَّاعِيْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَ اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَ اِنَّ اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَ اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (رواه البخاری و مسلم)

رہے گا۔اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے ارد گرد چراتا رہے۔قریب ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل رِزَرْوْ[1] اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رزرو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔
(متفق علیہ)

ﷺ .....کی خوفناک سے خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک وصاف گذر جاتے کہ ان کے دامن اعتقاد میں شک وشبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چھبتا۔ عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا ﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام:۷۹) ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔اگر قلب ماسوا اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہادرجہ کارہ ہو جائے گا' جوارح انسانی ممنوعاتِ شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس و حرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔

(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔

(۲) قرآن و حدیث نے اگر چہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان و توضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال و حرام تو ایسے ہیں جو خواص و عوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہو سکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہیے اس قسم کے مقامات پر ﷺ.....

[1] Reserve - جس پر کسی دوسرے کا استحقاق نہ ہو۔

www.besturdubooks.net

اطمینان النفس بالبر و ترددها بالاثم

نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا

(۵۱۴) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَ الْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَ كَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ. (رواہ مسلم)

(۵۱۴) نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

ﷺ..... حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہر چند کہ میدانِ شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کر دے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ آپ کی زیارت کے لیے تشریف لائیں واپسی میں ان کے رخصت کرنے کے لیے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کو ٹھہرا لیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کی بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لیے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۵۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگر چہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

www.besturdubooks.net

(۵۱۵) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَ الْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَ اطْمَأَنَّ اِلَيْهِ

(۵۱۵) وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹھک جائے وہ تو نیکی

---

(۵۱۵) * اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواسِ خمسہ میں اشیاءِ ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہ فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور برے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسہ فطرت بھی اوامر الٰہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیاتِ شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بنا پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال: ۲)
"سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیاتِ الٰہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔"

(۲) ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد: ۲۸) "سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔"

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بنا پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یا انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ و سفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے' حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لیے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ "وكرهت ان يطلع عليه الناس" اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو' کسی امر کے گناہ ہونے کی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لیے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کے .....

www.besturdubooks.net

اَلْقَلْبُ وَالْاِثْمُ مَاحَاکَ فِی النَّفْسِ وَ تَرَدَّدَ فِی الصَّدْرِوَاِنْ اَفْتَاکَ النَّاسُ وَاَفْتَوْکَ. (رواہ احمد و الدارمی فی مسندیھما باسناد حسن)

کی بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔

(مسند احمد و دارمی)

الترک لما فیہ ریب و الاختیار لما لا ریب فیہ

جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا

(۵۱۶) عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ رَیْحَانَتِهٖ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ

(۵۱۶) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کر

☜ ..... کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص ۱۸۴)

خلاصہ یہ کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہیے۔ ﴿وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۴۵)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لیے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نورِ ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بناء پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آ جائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کارآمد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

آب آمد تیمم برخاست

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''فتوحات مدنیہ مارا از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ۔'' سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ.

لو جس میں تمہیں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ (ترمذی ونسائی)

(رواہ النسائی و الترمذی و قال حسن صحیح قال ابن رجب و قدروی ھذا الکلام موقوفا علی جملعۃ من الصحابۃ منھم عمرو و ابن عمرو ابو الدرداء رضی اللہ تعالی عنھم)

ترک مالا بأس بہ حذرًا لمابہ باس

حرام میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کردینا

(۵۱۷) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِہٖ حَذَرًا لِمَابِہٖ بَأْسٌ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(۵۱۷) عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

---

(۵۱۷) ٭ ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقوی یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کردے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت مع ترجمہ کے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

و ھا ھنا امر ینبغی التفطن لہ و ھو ان التدقیق فی التوقف عن الشبھات انما یصلح لمن استقامت احوالہ کلھا و تشابھت اعمالہ فی التقوی و الورع فاما من یقع فی انتھا المحرمات الظاھرۃ ثم یرید ان یتورع عن شیء من دقائق الشبھہ فانہ لا یحتمل لہ ذلک بل ینکر علیہ کما قال ابن عمر لمن سالہ عن دم البعوض من اھل العراق یسالوننی عن دم البعوض وقد قتلوا الحسینؓ. و سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ھما ریحانتای من الدنیا و سال رجل بشر بن الحارث عن رجل لہ زوجۃ و امہ تأمرہ بطلاقھا فقال ان کان برامہ فی کل شیء و لم یبق من برھا الا طلاق زوجتہ فلیفعل. (جامع العلوم ص ۷۸)

"یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لیے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع و تقوی کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کے لیے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہیے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کرڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتوی پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کی....

www.besturdubooks.net

المسرۃ بالحسنات و المساءۃ علی السیئات

نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا

(۵۱۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ مَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَ سَاءَ تْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ.
(الحاکم فی المستدرك)

(۵۱۸) ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔
(مستدرک)

(۵۱۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ کَیْفَ لِیْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ وَ اِذَا اَسَأْتُ

(۵۱۹) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ برا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں

لـ ...کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دے دے اب اسے کیا کرنا چاہیے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق ادا کر چکا ہے اور اس کی فرمان برداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دے دینی چاہیے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہیے۔''

(۵۱۸) ٭ یہ حدیث بھی انسان کے حاسہ فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا. کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لیے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کی برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسہ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب ما بہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہیے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرار دادِ دین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہیے اور اگر اس کے خلاف ہے تو یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہیے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مؤمن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقتاً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اس کی روحانیت کے ہے پس جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہیے۔

(۵۱۹) ٭ اس حدیث میں صرف حسن جوار کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لیے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور اساءت کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر حسن جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل لـ ....

www.besturdubooks.net

قَالَ اِذَا سَمِعْتَ جِيْرَانَكَ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَ اِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ.

کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے برا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام برا ہی کیا ہے۔ (احمد-ابن ماجہ-طبرانی)

(اخرجه احمد و ابن ماجة و الطبرانی فی الكبير قال العراقی اسناده جيد و اخرجه ابن ماجة ايضا عن كلثوم الخزاعی قال المناوی فی الكبير رجال ابن ماجه رجال الصحيح الاشيخ محمد بن يحی فلم يخرج له مسلم و رواه ايضًا البزار قال الهيثمی و رجاله رجال الصحيح)

(۵۲۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِيْ فِيْكُمْ فَقَالَ اسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِيْ خَيْرًا ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ يَبْدَأُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُسْاَلَهَا وَ بِالْيَمِيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسْاَلَ لَهَا فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَ هُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَ لَا يَخْلُوَنَّ اَحَدُكُمْ بِامْرَءَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَ سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ.

(اخرجه الطحاوی فی مشكل الاثار و عند النسائی نحوه)

(۵۲۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لیے کھڑا ہوا ہوں' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہؓ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائے گا اور نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لیے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لیے آمادہ ہوگا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہیے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہیے کیونکہ شیطان (آ کر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مؤمن ہے۔ (مشکل الآثار)

(۵۲۱) عَنْ اَبِیْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِیِّ قَالَ قُلْتُ

(۵۲۱) ابو رزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ میں یہ کیسے

﴾.... روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرز خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دور فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

(۵۲۱) * اس حدیث میں احساسِ حسنہ اور احساسِ سیۂ کے ساتھ ایمان و ایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگا دینا کتنا مناسب ہے۔

www.besturdubooks.net

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ لِیْ بِاَنْ اَعْلَمَ اَنِّیْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَامِنْ اُمَّتِیْ عَبْدٌ یَعْمَلُ حَسَنَۃً فَیَعْلَمُ اَنَّھَا حَسَنَۃٌ وَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ جَازِیْہٖ فِیْھَا خَیْرًا وَّ لَا یَعْمَلُ سَیِّئَۃً فَیَعْلَمُ اَنَّھَا سَیِّئَۃٌ وَ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ مِنْھَا وَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجہ احمد و الطبرانی فی الاوسط)

سمجھوں کہ اب میں مؤمن ہوگیا' آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مؤمن ہے۔ (احمد۔طبرانی)

(۵۲۲) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اِسْتَغْفَرُوْا. (رواہ ابن ماجہ و البیھقی فی الدعوات الکبیر)

(۵۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کرلے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ۔دعوات کبیر)

شرح الصدر

احکامِ اسلامیہ کے لیے قلب میں کشادگی پیدا ہوجانا

(۵۲۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِتِلْکَ مِنْ عَلَمٍ یُعْرَفُ بِہٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَ الْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ. (شعب الایمان)

(۵۲۳) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ' الخ یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے پھر اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ نور ایمانی جب مسلمان کے سینہ میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ بات معلوم ہوسکے۔ فرمایا ہے۔ دنیا سے (جو دھوکے کی ٹٹی ہے) بیزاری۔ آخرت کی طرف (جو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے) توجہ۔ اور موت کے لیے اس کی آمد سے قبل تیاری۔ (شعب الایمان)

---

(۵۲۲) * دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہیں اور ان کی امت کے لیے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کرکے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہیں کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لیے دست بدعا رہتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سئیہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

(۵۲۳) * دنیا اور آخرت دو متضاد مقصد ہیں حدیث میں ان دوکو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے "ان رضیت احد اھما سخطت الاخری" کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہوجاتی ہے۔ اس لیے ایک کی طرف میلان کے لیے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے دار غرور سے بیزاری اور انابۃ الی اللہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لئے ....

www.besturdubooks.net

(۵۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ اَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطٰی زُهْدًا فِی الدُّنْیَا وَ قِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ یُلَقَّی الْحِکْمَةَ. (شعب الایمان)

(۵۲۴) ابو ہریرہؓ اور ابو خلاد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم سخنی کی صفت پیدا کر دی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آ کر بیٹھو کیونکہ (وقت آ گیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھا دی جائے۔ (شعب الایمان)

تعاهد المسجد

نمازوں کے لیے مسجد کی پابندی

(۵۲۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّکٰوةَ. (الآیة رواه الترمذی بسند حسن)

(۵۲۵) ابو سعیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لیے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

☜ .... لیے موت کی تیاری کرنا لازم ہے۔ یہ تینوں عنوانات عقائد اور علوم نہیں کیفیات قلبی ہیں جیسا نور ایمانی کہ وہ بھی کیفیت کا نام ہے علوم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ اربابِ حقائق کی نظروں میں یہ انسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

داد یم ترا ز گنج مقصود نشاں　　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(۵۲۴) ✽ علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ اس حدیث کے ساتھ آیت قرآنی و لقد اتینا لقمان الحکمة کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو وحی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القاء فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکات ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلماتِ حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اس کے برکات صفت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آ بیٹھا ان کو برکاتِ ایمانی اسی طرح لگ جاتی ہیں جیسا ڈاکٹروں کی نظروں میں متعدی امراض۔

(۵۲۵) ✽ جو آیت آپؐ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے ﴿مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ ..الخ﴾(التوبة:۱۷) مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لیے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ ☜ ....

www.besturdubooks.net

(۵۲۶) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى الصَّلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَ مَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ. (رواه ابن ماجه)

(۵۲۶) سلمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لے کر گیا۔ (ابن ماجہ)

الحفاظة على الطهارة

طہارت کی نگہداشت

(۵۲۷) عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِيْمُوْا وَ لَنْ تُحْصُوْا وَ اعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَ لَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ.

(رواه مالک و احمد و ابن ماجه و الدارمی)

(۵۲۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مؤمن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

(مالک۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

☜ ....کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ (البقرة:١٤٣) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دے۔ (یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت مقدس کی طرف پڑھیں) ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران:٩٧) لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

(۵۲۶) ✽ عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خاص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آ گئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ ادا کی اس نے اس کا ثبوت دے دیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دکھاتا ہوا نکلتا ہے ۔

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے ۔۔۔ کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے ۔۔۔ تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
علی الصباح چو مردم بکار و بار روند ۔۔۔ بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

(۵۲۷) ✽ نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان۔ اسی لیے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آئے گا اسی مناسبت سے یہاں مؤمن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لیے یہ کام تو کسی کامل ہی مؤمن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی ☜....

www.besturdubooks.net

الفرار من الفتن

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

(۵۲۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَّتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ. (متفق علیه)

(۵۲۸) ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب کہ مسلمان کے لیے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَ لَمَنْ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاهًا. (رواہ ابو داؤد)

(۵۲۹) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔

(ابو داؤد)

☜ .... نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضوء وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

(۵۲۹) ٭ فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین ناسمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دین دار ہیں وہ ان میں شرکت کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا' جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلاء ہو بھی جاتے تو کم از کم دین داروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دین داروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ واللّٰه المستعان ۔ امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لیے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مؤمن کے ایمان پر اثر انداز ہو گی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جب کہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے' حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا الٹا فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کے لیے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ ﴿قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (البقرۃ:۱۹۳) کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لیے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ ☜ ....

www.besturdubooks.net

صفات المؤمن

مؤمن کی صفات

الحزم و الاحتیاط

احتیاط اور ہوشیاری

(۵۳۰) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّ احِدٍ مَرَّتَيْنِ.

(اخرجه احمد و الشيخان و ابوداؤد و ابن ماجة)

(۵۳۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی ایک سوراخ سے دوبارڈ سانہیں جاتا۔

(احمد۔ بخاری و مسلم وغیرہما)

الغرارة و الكرم

سادگی و شرافت

(۵۳۱) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَ

(۵۳۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان دار آدمی بھولا' سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے

للہ ....اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کیے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لیے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔

(۵۳۰) ✱ امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابوغرہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لیے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آ گیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لیے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقع میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے وسئل ابن وهب عن تفسيره فقال الرجل يقع في الشيء يكرهه فلا يعود فيه (المعتصر ص ۴۰۵)

(۵۳۱) ✱ ملا علی قاری فرماتے ہیں و معنی "غر كريم اي ليس بذي مكر و هو ينخدع لا نقياده و لينه موضوعات ص ۷۶ مؤمن مکار نہیں ہوتا ہاں اپنی طبیعت کی نرمی کی وجہ سے دیدہ دانستہ دھوکا کھا لیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے جنت و جہنم کے ایک طویل مکالمہ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جنت کہے گی فما لي لا يدخلني الاضعفاء الناس و سقطهم و غرتهم . مجھ میں کیا کمی ہے کہ میرے اندر صرف وہی لوگ آئیں گے جو سب سے کمزور' گرے پڑے اور بھولے بھولے ہوں گے۔ اس حدیث میں غرارۃ مؤمن کی اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

صاحب مجمع البحار اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں اي من في طبعه الغرارة و قلة الفطنة للشر و تراه الخب عنه و ليس ذا جهل بل كرم و حسن خلق . یعنی مؤمن طبعاً اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی میں لگا رہے۔ یہ نہیں کہ وہ بیوقوف اور جاہل للہ ....

www.besturdubooks.net

اَلْمُنَافِقُ خَبٌّ لَئِيمٌ. اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

(رواہ الحاکم فی المستدرک و احمد و ابوداؤد و الترمذی قال المناوی اسنادہ جید. و فی الموضوعات الکبیر للقاری قال الصغانی موضوع من احادیث المصابیح و لم یصب فقد رواہ احمد عن ابی ہریرۃ بہ مرفوعا و لفظہ الفاجر بدل المنافق)

؎.... ہوتا ہے اس کا بھولا پن اور سادگی اس کی طبیعت کی شرافت کا تقاضہ ہوتی ہے وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کے عیوب نکال نکال کر ان کے منہ پر مارتا رہے اسی کے قریب ایک اور حدیث ہے جو بایں الفاظ مروی ہے "اکثر اھل الجنۃ بلہ" اکثر اہل جنت بھولے اور سادہ لوگ ہیں حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں اس کے جملہ طرق نقل کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ و ھـو للبزار مضعفا و القرطبی مصححا. (المصنوع)

حسب الانصاف اگرچہ حدیث مذکور بالفاظہ ضعیف سہی لیکن بڑے بڑے علماء و محدثین کا اس کی شرح کے درپے رہنا اس کی دلیل ہے کہ محض بے اصل بھی نہیں۔

حافظ سخاوی تستری سے نقل کرتے ہیں۔ ھم الذین و لھت قلوبھم و شغلت باللہ عز و جل. یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب ذکر اللہ میں فنا ہو کر ماسوا سے غافل ہو چکے ہیں۔

۱- ابوعثمان فرماتے ہیں ھو الا بلہ فی دنیاہ الفقیہ فی دینہ۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا کے معاملہ میں ناسمجھ اور آخرت کے معاملہ میں سمجھدار ہے۔

۲- امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں۔ ھـو الاعمی عن الشر البصیر بالخیر. (البیہقی فی الشعب) یہ وہ شخص ہے جو بری باتوں کے لیے نابینا اور بھلی باتوں کے لیے بینا ہے۔ (المقاصد الحسنہ)

۳- امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ وجـاء فـی الـحـدیـث اکثر اھل الجنۃ البلہ یراد الذی سلمت صدورھم للناس و غلبت علیھم الـغـفـلـہ و قال معاذ بن جبل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب الاخفیاء الا تقیاء الا بریاء الذین اذا غابوا لم یفتقدو و او اذا حضر و الم یعرفوا. (تاویل مختلف الحدیث ص۳۸۱) یعنی ابلہ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کے سینے لوگوں کی طرف سے صاف ہوں اور مخلوق کی عیب جوئی کی عادت سے وہ اتنے دور ہوں گویا غافل نظر آئیں ان ہی لوگوں کی شان میں معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند کرتا ہے جو گمنام پرہیزگار اور لوگوں کے حقوق سے بری ہوں اگر مجلس میں نظر نہ آئیں تو ان کی تلاش نہ ہو اور اگر موجود ہوں تو انہیں کوئی شناخت نہ کرے کہ یہ کون صاحب ہیں۔

اسی مضمون کو صاحب مجمع البحار نے اور واضح الفاظ میں ادا کیا ہے۔

۴- امام طحاوی نقل فرماتے ہیں۔ وقیـل الـمـراد بالبلہ عن محارم اللہ ھو الذی لا یخطر المحارم علی قلبہ لا شتغالھم بعبادۃ الـلّٰـہ و قد روی عن رجل من اھل العلم انہ قال ھذا علی التشاغل بالذات و ھو تاویل حسن. (المعتصر ص۴۲۳) یہ وہ شخص ہے جس کے قلب میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنے کی وجہ سے خداتعالیٰ کے محارم کا خطرہ بھی نہیں گذرتا۔

۵- صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں۔ ھـو الـغـافل عن الشر المطبوع علی الخیر و قیل من غلبت علیھم سلامۃ الصدرو حسن الظن بالناس لانھم اغفلوا امر دنیا ھم فجھلوا حذق التصرف فیھا و اقبلوا علی اخرتھم فاما الابلہ و ھو من لا عقل لہ فـغـیـر مـراد. (مجمع البحار ج اص ۱۱۶) یہاں ابلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاف سینہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی طرف ہمیشہ نیک ہی گمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے کی وجہ سے وہ دنیا کے اونچ نیچ سے ناواقف ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ ؎....

www.besturdubooks.net

الفراسة — دانائی اور مردم شناسی

(۵۳۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ

(۵۳۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤمن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی

ﷲ .... صاحب فہم نہیں ہوتے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے المؤمن لین تخاله من اللين احمق. (کنوز الحقائق للمناوی) ایمان دار آدمی نرم خو ہوتا ہے مگر تم اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے اس کو احمق تصور کر لیتے ہو۔

صاحب مقاصد حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل فرماتے ہیں۔ المؤمن كيس' فطن' حذر' وقاف لا يعجل. (الدیلمی والقضاعی) ایمان دار آدمی ہوشیار' سمجھدار انجام بین اور سوچ سمجھ کر کام کرنے والا ہوتا ہے جلد بازی نہیں کیا کرتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ احادیث اگر چہ بلحاظ اسانید ضعیف ہوں مگر حضرت ابوہریرہ کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

(۵۳۲) * حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مؤمن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''اما تشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند بایں وجہ تواند بود کہ کسے را از امت محدث وملہم کنند وایں معنی بدو طریق تواند بود دوم آنکہ فراست صادقہ او را نصیب کنند وعقل او را از حظیرۃ القدس تائید ے دہند کہ غالباً اصابہ کند در مجتہدات خود واز لوازم ایں معنی است کہ وحی برحسب رائے او نازل شود۔''

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث وملہم کا منصب عنایت فرمادیں اس کے دو طریقے ہیں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرمادیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۴)

شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مؤمن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوت عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے فراست کی حسب ذیل تشریح فرمائی ہے۔

''اما فراست پس عبارت است از مردم شناسی کہ از قرائن حالیہ ومقالیہ واز رفتار وگفتار صادق را از منافق ممتاز فہمد وخیر خواہ را از بدخواہ وطماع را از مخلص وخائن را از امین وپست ہمت وتنگ حوصلہ را از بلند ہمت وفراخ حوصلہ وعقل وکیاست ہر کس را بمیزان فراست خود بسنجد کہ کدام کس لائق کدام خدمت است وکدام کس لائق کدام منصب۔'' (منصب امامت ص ۴۷ و ۴۸) زیر تقسیم سیاست ایمانی وسیاست ملی۔

یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بدخواہ لالچی اور مخلص وخائن اور پست ہمت وبلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل وفہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔ ﷲ .....

www.besturdubooks.net

فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ. ذالک الخ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کیلئے۔ (ترمذی شریف)

(رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الحجر) و قال ھذا حدیث غریب و قال الحافظ السخاوی روی من طرق کلھا ضعیفه و فی بعضھا ما ھو متماسك لا یلیق مع وجوده الحکم علی الحدیث بالوضع لا سیما و للبزار و الطبرانی و غیرھما کابی نعیم فی الطب بسند حسن عن انس رفعه ان لله عباد ایعرفون الناس بالتوسم. و نحوه قول النبی صلی اللہ علیه وسلم لعمران بن حصین و قد اخذ بطرف عمامته من و رائه و اعنم ان الله یحب الناظر الناقد عند مجیٔ الشبھات.) (المقاصد الحسنه)

☜..... غرض ان تمام حدیثوں سے مؤمن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مؤمن کو اس کی سادہ لوحی کی بنا پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کاسد کو آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیارِ فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ اس سطحی ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیارِ فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیارِ فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانش مند اور مسلمانوں کو سفیہ کا لقب دے دیا تھا۔

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ﴾(البقرۃ:۱۳)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔''

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنہوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانش مندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کی فہم تھی کیا یہی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دوطرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاشِ حق کے لیے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آجاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانش مندوں کو سفہاء قرار دیا ہے وہاں احکامِ اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

﴿سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰھُمْ عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْھَا﴾ (البقرۃ : ۱۴۲)

''جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی''۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتداء ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آرہا ہے اور تعجب کیا ہے جب کہ رسولوں کے حصہ میں مجنون و ساحر کا لقب رہا ہو۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بنا پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

www.besturdubooks.net

(۵۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رَجُلًا یَسْرِقُ فَقَالَ لَهٗ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ (علیهما السلام) سَرَقْتَ قَالَ کَلَّا وَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَقَالَ عِیْسٰی اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ کَذَّبْتُ نَفْسِیْ. (رواه مسلم)

(۵۳۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھی بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

المؤمن لا ینجس

مؤمن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

(۵۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ

(۵۳۴) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپؐ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ

---

(۵۳۳) * معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لیے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو بہر حال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشہ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہیے۔ ایک وقت یہ اغماض قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارا یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاقِ فاضلہ کا ایک اثر ہے دراصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے انداز فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جهلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

(۵۳۴) * ابو ہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مؤمن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لیے آپ نے مؤمن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مؤمن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں نجاست سے جتنا دور رہنا ←....

www.besturdubooks.net

فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَ هُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ. (رواہ البخاری)

آ کر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پوچھا ابو ہریرہ کہاں گئے تھے- میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے ازراہ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مؤمن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے- (بخاری)

(۵۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنَجِّسُوْا مَوْتَاكُمْ فَاِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجِسٍ حَيًّا وَ لَا مَيِّتًا. (رواہ الدارقطنی)

(۵۳۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد- (دارقطنی)

الهون و اللين و التألف

نرم مزاجی اور ہر دل عزیزی

(۵۳۶) عَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَ اِنْ اُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ. (رواہ الترمذی مرسلاً)

(۵۳۶) مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے- (ترمذی شریف)

(۵۳۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا

(۵۳۷) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کیا میں تمہیں وہ لوگ نہ بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہیں اور آتش دوزخ ان پر

☜ .... ممکن ہو بہتر ہے مؤمن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک و صاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا-

(۵۳۵) ✱ اس حدیث میں بھی مرد مؤمن کی اسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دے دیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لیے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا-

(۵۳۶) ✱ امام احمدؒ نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت کیا ہے الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا- اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے- اس کی اسناد میں ایک راوی ابو خلف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے- قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے- ﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ (الفرقان: ۶۳) اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جائیں-

(۵۳۷) ✱ حافظ نور الدین نے اس کے قریب المعنی الفاظ حضرت ابو امامہ سے بھی روایت کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی وہی ہیں جو صحیحین کے راوی ہیں-

www.besturdubooks.net

اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ وَ بِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَیْهِ عَلٰی کُلِّ هَیِّنٍ لَیِّنٍ قَرِیْبٍ سَهْلٍ.

حرام ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نہایت فرمان بردار، نرم خو، ہر دل عزیز اور بااخلاق ہوں۔ (احمد۔ترمذی)

(رواہ احمد و الترمذی و قال هذا حدیث حسن غریب)

(۵۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ مَأْلَفٌ وَ لَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَایَأْلِفُ وَ لَا یُؤْلَفُ.

(۵۳۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکر محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔حاکم۔بیہقی)

(رواہ احمد و البیهقی فی شعب الایمان و الحاکم فی المستدرك و قال علی شرطهما و لا اعرف له علة و قال الذهبی فیه انقطاع و فصله فی المقاصد بان ابا حازم هو المدینی لا الا شجعی و هو لم یلق اباهریرة و لا لقیه و ذکره السیوطی فی الجامع الصغیر و بجانبه علامة الصحة)

(۵۳۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَهْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَکْبِرٍ. (متفق علیه)

(۵۳۹) حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش، منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

(۵۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَ عَبْدُ الْخَمِیْصَةِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَ انْتَکَسَ وَ اِذَا شِیْکَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰی بِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَأْسُهٗ

(۵۴۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لیے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ

---

(۵۳۹) * ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی بر سر منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دے دیتے۔ بہر حال مومن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی صناعی کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت شدت و لین، سادگی و فہم، زینت و بذاذت اور فصاحت و کم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گذشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

www.besturdubooks.net

مُغْبَرَّةٌ قَدَمَاهُ اِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَ اِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ اِنِ اسْتَاذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ. (رواہ البخاری)

اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) (بخاری شریف)

(۵۴۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ اَفْئِدَةِ الطَّيْرِ. (رواہ مسلم)

(۵۴۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

(۵۴۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا الْكَرْمَ فَاِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (رواہ مسلم و فی روایۃ و لکن قولوا العنب و الحنطۃ)

(۵۴۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مؤمن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے) (مسلم)

سلامة الصدر

صاف سینہ ہونا

(۵۴۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيْلَ

(۵۴۳) عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۵۴۱) * علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبۃً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گذار دیتے ہیں روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاش رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

(۵۴۲) * نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت و کرم کی محرک ہوتی ہے اس لیے وہ انگور کو کرم کہہ دیتے تھے۔ آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مؤمن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہہ دیا گیا ہے۔ جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہہ دیا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقم طراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات : ۱۳)

تو اس کا حق ہونا چاہیے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سوا کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تا کہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہو جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

www.besturdubooks.net

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ کُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ النَّقِیُّ التَّقِیُّ لَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَ لَا بَغْیَ وَ لَا غِلَّ وَ لَا حَسَدَ. (رواہ ابن ماجه و البيهقي في شعب الايمان)

دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو "مخموم القلب" اور زبان کا سچا ہو- صحابہؓ نے عرض کیا: صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموم القلب' ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرمادیں- فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور خدا ترس انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو نہ ظلم تعدی کا بار نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد- (ابن ماجہ-شعب الایمان)

(۵۴۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِیْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ سَلِيْمَ الصَّدْرِ. (رواہ ابو داؤد)

(۵۴۴) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو- (ابوداؤد)

تألم المؤمن لاهل الايمان

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

(۵۴۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَ الْحُمّٰى. (متفق علیه)

(۵۴۵) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان داروں کو باہم رحم دلی' باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کے لیے تیار ہو جاتا ہے- (متفق علیہ)

(۵۴۶) وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ وَ اِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ اشْتَكٰى كُلُّهٗ. (رواہ مسلم)

(۵۴۶) نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے- (مسلم شریف)

---

(۵۴۴) * نبی اپنی سلامتی صدر اپنے ہی فائدہ کے لیے نہیں چاہتا بلکہ اپنی امت کے فائدہ کے لیے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لیے ایمانی ضعف کا موجب ہو سکتی ہے اعوذ من غضب الله و غضب رسوله و غضب اولیاء ہ- حدیث میں ارشاد ہے من عادی لی و لیا فقد اذنته بالحرب- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک ساری نزاہتوں اور پورے تقدس کے باوجود غلط خبروں سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہمہ وقت ہر ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں الخ.....

www.besturdubooks.net

(۵۴۷) عَنْ اَبِی مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ. (متفق علیہ)

(۵۴۷) ابوموسیٰ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہیے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے اس کے بعد آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لیے فرمایا کہ اس طرح) (متفق علیہ)

(۵۴۸) عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ فِیْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ یَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِاَھْلِ الْاِیْمَانِ کَمَا یَأْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِی الرَّأْسِ. (رواہ احمد)

(۵۴۸) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مؤمنوں کی جماعت میں ایمان دار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہیے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان دار آدمی کو بھی اور مؤمنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

(۵۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَ جَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۴۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا مؤمن ہے جو اپنا تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا ہے۔ (شعب الایمان)

☜..... کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب ہی علیحدہ ہے۔

(۵۴۹) * بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے برا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہیے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لیے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشتت کی۔ اسی لیے قرآن کریم نے جب صحابہؓ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگر چہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چسک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

﴿وَ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران:۳:۱۰۳) ☜....

www.besturdubooks.net

الخوف من المعاصی

(۵۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَ اِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا. اَىْ بِيَدِهٖ فَذَبَّهٗ عَنْهُ. (رواه البخاری و ذکر معه الحدیث الاخر المرفوع ایضًا)

گناہوں سے ڈرنا

(۵۵۰) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مؤمن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑا دی۔

(بخاری شریف)

حفاظة عزة النفس

(۵۵۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا

(۵۵۱) حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

☜ ..... ''یاد کرو اللہ تعالیٰ کے انعام کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔''

دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرمادی:

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ (الحشر : ۱۴)

''آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔''

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوت ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللهم الف بين قلوبنا و اصلح ذات بيننا۔

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائے گی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتہ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاء ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ (الانفال:۶۳)

''اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈال دی ہے۔''

(۵۵۱) * صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آ سکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آکر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں ☜ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْا وَ كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ. (رواه الترمذی و ابن ماجه و البيهقی فی شعب الايمان)

مؤمن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہؓ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کر سکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھا لینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے)۔ (ترمذی۔ابن ماجہ۔شعب الایمان)

لزوم التوبة

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

(۵۵۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ. (رواه احمد)

(۵۵۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مؤمن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

تقيده بشرائع الاسلام مثل تقيد الفرس باخيته

احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسا گھوڑا اپنے کھونٹے کا

(۵۵۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ عَلٰى اٰخِيَّتِهِ يَجُوْلُ ثُمَّ يَرْجِعُ

(۵۵۳) ابو سعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مؤمن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو وہ اِدھر اُدھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے

⁂..... پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مؤمن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۵۵۲) * جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہیے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کی فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ و استغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ و استغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم و شرمسار رہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوش خبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے معصیت کا تخم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

(۵۵۳) * یعنی مؤمن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسا گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو و نسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں ؎

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن ۔۔۔ دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

www.besturdubooks.net

عَلٰى اٰخِيَتِهٖ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَسْهُوْ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَى الْاِيْمَانِ. (رواه احمد و سنده جيد و اخرجه ايضاء الضيا المقدسي في المختاره و حسنه الحافظ السيوطي)

اسی طرح مومن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے آخر کار وہ پھر کر ادھر ہی آ جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

كونه نصحا خالصا و نفعا محضا

از سرتا قدم خیر خواہی اور نفع محض بن جانا

(۵۵۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ نَفَخَ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَيَّرْ وَ لَمْ تَنْقُصْ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّحْلَةِ اَكَلَتْ طَيِّبًا وَ وَضَعَتْ طَيِّبًا وَ وَقَعَتْ فَلَمْ تُكْسِرْ وَ لَمْ تَضِرَّ.

(رواه احمد ذكره السيوطي في الجامع الصغير و قال المناوي اسناد احمد صحيح)

(۵۵۴) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا پھر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مومن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے اچھا شہد بنایا۔ اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (احمد)

(۵۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَ اِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْا فِيْ مَاهِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ. (متفق عليه)

(۵۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت ہے جو مومن کی مثال ہے۔ اچھا بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال تو جنگل کے اور اور درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں مگر میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن مجھے (اپنے سے بزرگ ہستیوں کے سامنے بولتے) شرم آئی اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی ارشاد فرمائیں (وہ درخت کون سا ہے) فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (متفق علیہ)

---

(۵۵۴) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مومن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں نکلتا جتنا اس کو آزماؤ اتنا ہی وہ اور کھرا نکلتا ہے وہ اس نقلی سونے کی طرح نہیں ہوتا جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی مشتبہ کھانا نہیں کھاتا۔ اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح جہاں بیٹھتا ہے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

(۵۵۵) ✱ عرب کی سرزمین میں کھجور کے درخت سے بڑھ کر کوئی اور درخت پر از منافع نہیں ہوتا۔ یہ اپنی پوری دور زندگی میں مجسم نفع ہی نفع ہوتا ہے اس کا کوئی جزء ایسا نہیں ہوتا جو نفع سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ اس کی گٹھلیاں بھی بیکار نہیں ہوتیں وہ بھی اونٹوں کے چارے کے لئے ....

www.besturdubooks.net

الحمد و الشکر للّٰہ عزوجل فی الاحوال کلھا

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گذار رہنا

(۵۵۶) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَ شَکَرَ وَ اِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَ صَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ اَمْرِہٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَۃِ یَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ اِمْرَءَتِہٖ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۵۶) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آ جاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مؤمن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۵۵۷) عَنْ صُھَیْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ وَ لَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَ اِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ. (رواہ مسلم)

(۵۵۷) صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے، یہ مؤمن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

رقۃ القلب

نرم دلی

(۵۵۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ اَھْلُ الْیَمَنِ ھُمْ

(۵۵۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں،

☜ .... کام آتی ہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز اور سایہ دار رہتا ہے اور جب تک خشک نہیں ہو جاتا ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے خشک ہونے کے بعد بھی اس کا تنا چھتوں کی کڑیوں کے کام آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہی صفت ایک مسلمان کی ہے جو سر سے لے کر قدم تک دور طفولیت سے لے کر پیری تک سرتا سر نفع ہوتا ہے۔

(۵۵۶) ✽ فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہیے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد و شکر بجا لانا جانیں۔

(۵۵۸) ✽ صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوائیے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آ نکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم ☜ ....

www.besturdubooks.net

اَرَقُّ اَفۡئِدَۃً اَلۡاِیۡمَانُ یَمَانٍ وَ الۡفِقۡهُ یَمَانٍ وَ الۡحِکۡمَةُ یَمَانِیَةٌ. (رواه مسلم)

ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

نزاهة اللسان
پاکیزہ زبان ہونا

(۵۵۹) عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لَیۡسَ الۡمُؤۡمِنُ بِالطَّعَّانِ وَ لَا بِاللَّعَّانِ وَ لَا الۡفَاحِشِ وَ لَا الۡبَذِیِّ.

(۵۵۹) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لیے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت لعن طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی - بیہقی)

(رواه الترمذی و البیهقی فی شعب الایمان و فی اخری له و لا الفاحش البذی و قال الترمذی هذا حدیث غریب و فی روایة لا ینبغی للمومن ان یکون لعانا)

ﷺ ....نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے بسر و چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا "جئنا لنتفقه فی الدین" ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں' الخ.... اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو زرّیں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک فقہ فی الدین یعنی دین کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے چون و چرا بشارت نبویہ کو لپک لے جانے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقتِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بالمقابل قلبی قساوۃ ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

﴿ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ مِنۡ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً وَ اِنَّ مِنَ الۡحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ وَ اِنَّ مِنۡهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ وَ اِنَّ مِنۡهَا لَمَا یَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ﴾ (البقرة : ۷۴)

''پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں''۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوۃ اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے' دین کی فہم کے لیے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیت الٰہی سے وہ یکسر خالی ہو جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ آثار تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت و لین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے اعضاء و جوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو نرم مزاج' شیریں طبیعت' صاحب محبت و مروت اور ہر کس و ناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ﴾ (الفتح: ۲۹) میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رقت و لین کے اثرات کا ذکر ہے۔

www.besturdubooks.net

(۵۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ یَكُوْنَ لَعَّانًا. (رواہ مسلم)

(۵۶۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایان شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

(۵۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَكْرٍ وَّ هُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَ صِدِّیْقِیْنَ كَلَّا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْبَكْرٍ یَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِیْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرمارہے تھے آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

(۵۶۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَكُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ وَ لَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (رواہ مسلم)

(۵۶۲) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم شریف)

---

(۵۶۲) * لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہوسکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانونِ شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہوسکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت سے دور کرکے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا۔ صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لیے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لیے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لیے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں آپ کو باہم اسبابِ افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔ اس لیے شریعت اپنی نظر حقیقت کے مطابق ان اسباب واثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہربین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوتِ اتحاد اور باہمی اسبابِ منافرت کا ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہیں۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لیے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراک عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا اپنایا ہوا فلسفہ بلا تعب ومشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

www.besturdubooks.net

الصدق ووفاء العهد واداء الامانة

راست گوئی امانت داری اور وفا شعار ہونا

(۵۶۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا اِلَّا الْخِيَانَةِ وَ الْكِذْبِ.
(رواه احمد و البيهقي في شعب الايمان عن سعد بن ابي وقاص)

(۵۶۳) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی فطرت میں تمام عادتیں ہوسکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کی عادت نہیں ہوسکتی۔ (احمد۔بیہقی)

(۵۶۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سَلِيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا.
(رواه مالك و البيهقي في شعب الايمان مرسلاً)

(۵۶۴) صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا' کیا بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا جی نہیں۔
(مالک۔شعب الایمان)

(۵۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ وَ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.
(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۵۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

(۵۶۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَرَادٍ قَالَ قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۵۶۶) عبداللہ بن جراد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مؤمن جھوٹ بولتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت

---

(۵۶۳) ✱ واضح رہے کہ اتفاقیہ خیانت اور اتفاقیہ جھوٹ مؤمن سے بھی سرزد ہوسکتا ہے لیکن وہ اس کا عادی نہیں ہوسکتا۔ اگر اس میں یہ عادت بد پیدا ہوگئی ہے تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اب اس میں نفاق کے جراثیم داخل ہونے لگے ہیں اور اس کا ایمان زخمی ہو چکا ہے۔ رہ گئی خیانت تو وہ تو امانت و ایمان کی ضد ہے یہ صفاتِ ذمیمہ بھی اس میں پیدائشی نہیں ہوسکتیں۔ عارضی اثرات سے سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں حدیث خلقت کی نفی کر رہی ہے۔

(۵۶۴) ✱ حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لیے بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات سہی مگر ہے غیراختیاری۔ اس لیے اگر ایک مؤمن میں بہادری نہ ہو یا حقوقِ اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہوسکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیراختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لیے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغ گوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رخی کا طالب ہے اس لیے دورخاپن اسلام و ایمان کے ساتھ نبھ نہیں سکتا۔ اس لیے مؤمن نہ خیانت کا عادی ہوسکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

(۵۶۶) ✱ اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لیے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

هَلْ يَكْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ. (الجامع الكبير)

یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

(۵۶۷) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَانَرٰى يَعْنِي الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَ اَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَ تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ. (رواه فی المؤطا)

(۵۶۷) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمائیے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا؟ انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی۔ اداء امانت۔ اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطا)

(۵۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْدُ حِفْظَهٗ فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَ قَالُوْا اَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهٗ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَ الرِّضَا فَاَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَوْمَاَ بِاِصْبَعِهٖ اِلٰى فِيْهِ فَقَالَ اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ. (رواه ابوداؤد)

(۵۶۸) عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلم بند کر لیتے ہو حالانکہ آپؐ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہوسکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیارِ اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپؐ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف وخطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

(۵۶۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ

(۵۶۹) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۵۶۷) * لایعنی اور بیکار باتوں کی شرح حدیث من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیه کے ضمن میں مفصل گذر چکی ہے۔ ترجمان السنہ جلد اول میں ملاحظہ کر لی جائے۔

(۵۶۸) * انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مذاق اور غصہ کی بشری حالات میں بھی ملکی نطق کی صفات موجود رہتی ہیں جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لیے مقام صدق وصفا کی اس منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

(۵۶۹) * آپ نے اس مختصر جواب میں یہ مسئلہ حل کر دیا کہ نبی فرشتہ نہیں ہوتا وہ بشر کے تمام خواص اپنے اندر رکھتا ہے مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ اس کی تربیت نظر ربوبیت کے تحت ہوتی ہے اس لیے وہ رضاء وغضب اور جد ومزاح کے تمام حالات میں کہیں لغزش نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر اس پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے تو وہ بھی کسی حکمت الٰہیہ پر مبنی ہوتا ہے۔ خوش طبعی اگر لایعنی اور خلاف واقع یا خفیف حرکات پر مشتمل ہو تو بے لطف.....

www.besturdubooks.net

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تَدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا. (رواه الترمذی)

سے تعجب کے طور پر سوال کیا- آپ بھی ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا مگر میں کوئی کلمہ حق کے سوا زبان سے نہیں نکالتا- (ترمذی)

(۵۷۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ الْجَنَّةِ قَالَ الصِّدْقُ وَ اِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَ اٰمَنَ فَاِذَا اٰمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْكَذِبُ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَ اِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَ اِذَا كَفَرَ دَخَلَ يَعْنِي النَّارَ. (رواه احمد)

(۵۷۰) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا- جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایمان دار ہو جاتا ہے اور جب ایمان دار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے- پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا' جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے- (احمد)

(۵۷۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَ اِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَ اِيَّاكُمْ وَ الْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ وَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق علیه)

(۵۷۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے- آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے- انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے- نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے- (متفق علیہ)

ﷺ ..... شک وہ نقصان کا موجب ہے لیکن اگر کوئی اس غفلت کی حالت میں بھی وقار و متانت اور صدق و حقانیت سے سر مو ادھر اُدھر نہیں ہوتا تو یہی انسان کامل کا زیور بھی ہے- اب تم میرے اور اپنے مزاح کا موازنہ کر کے دیکھو تمہارا تعجب جاتا رہے گا-

(۵۷۱) * یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے- پھر سلسلۂ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلۂ شر کے آخر میں دوزخ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہیے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا- قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۵۷۲) عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَ یَقُوْلُ خَیْرًا وَ یَنْمِیْ خَیْرًا. (متفق علیہ)

وزاد مسلم قَالَتْ وَ لَمْ اَسْمَعْهُ تَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُرَخِّصُ فِیْ شَیْءٍ مِمَّا یَقُوْلُ النَّاسُ اِنَّهٗ کَذِبٌ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ اَلْحَرْبُ. وَ الْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ وَ حَدِیْثُ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَهٗ وَ حَدِیْثُ الْمَرْاَةِ زَوْجَهَا.

(روی احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثله)

(۵۷۲) حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہہ دے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچا دے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں۔ لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لیے۔ اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لیے۔

(مسند احمد)

ﷺ .....کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آ جائے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبة: ۱۱۹) اور اس سے ڈرنا چاہیے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ﴿لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ﴾ (آل عمران: ٦١) اور یہ اس لیے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵۷۲) ❋ صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لیے ایسی ذو معنیین بات کہہ دینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انه کذب کے لفظ میں غالباً اسی طرح اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں ہی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں (اس کی تفصیل جنگ کے بیان میں آئے گی) اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لیے مشہور ہے

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لیے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہوگا اس لیے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لیے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جب کہ توریہ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کر لے۔ (مختصر کتاب الاذکار ص ۱۲۶) ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث میں اس کی خوب تفصیل کی ہے۔ (دیکھو ص ۴۳)

www.besturdubooks.net

(۵۷۳) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَ اَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ.

(رواه ابوداؤد و سكت عليه قال النووى و فى اسناده ضعف)

(۵۷۳) سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذو معنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

ان فى المعاريض لمندوحة عن الكذب

مجبوری میں توریہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح طریقہ ہے

(۵۷۴) عَنْ سُوَيْدِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ خَرَجْنَا نُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

(۵۷۴) سوید بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے ہمارے ہمراہ وائل بن حجر بھی

---

(۵۷۳) * نوویؒ فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لیے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس لیے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لیے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

ابن قتیبہؒ نے توریہ کی چند مثالیں سلف کے درمیان بھی پیش کی ہیں قابل مراجعت ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی اسی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (دیکھو از ص ۴۴ تا ۴۷)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مبالغہ اگرچہ فی نفسہٖ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آ سکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (دیکھو کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا' زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیت ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ﴾ (المؤمن: ۱۹) میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مؤمن کی رگ و پے میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مؤمن نہیں کہلاتا اسی لیے حدیث میں ہے۔ لا ايمان لمن لا امانة له.

(۵۷۴) * ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان مبارک سے بھی حضرت سارہ کے حق میں "انها اختى" کا کلمہ حق نکلا تھا وہ بھی ایک ظالم بادشاہ سے اپنی تحفظ ناموس و آبرو کی خاطر تھا اور بلاشبہ سچا تھا لیکن جب کسی کو اس قسم کے نازک مواقع پر کوئی صحیح لیت نہ آتی ہو تو وہ بیچارہ اپنے دامن تقدس کو سنبھالنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا انصاف کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اگر اخوتِ اسلامی کی بنا پر لفظ.....

www.besturdubooks.net

مَعنَا وَائِلُ بْنُ حُجرٍ فَاَخذَہٗ عَدُوٌّ لَّہٗ فَتَحَرَّجَ الْقَومُ اَنْ یَحْلِفُوْا وَ حَلَفْتُ اَنَّہٗ اَخِی فَخَلّٰی سَبِیلَہٗ فَاَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ اَنَّ الْقَوْمَ تَحَرَّجُوْا اَنْ یَحْلِفُوْا وَ حَلَفْتُ اَنَّہٗ اَخِی فَقَالَ صَدَقْتَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَ لَا یَخْذِلُہٗ وَ لَا یُسْلِمُہٗ.

(رواہ ابوداؤد و اخرجہ احمد الشیخان و عن ابن عمر)

تھے (راستہ میں) ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا اور لوگوں نے تو قسم کھانے میں کچھ تامل سا کیا مگر میں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس نے میری وجہ سے ان کو چھوڑ دیا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو قسم کھانے میں گناہ محسوس کیا مگر میں نے تو قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں- آپ نے فرمایا تم نے سچ تو کہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہی ہوتا ہے وہ نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے' نہ بروقت اس کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر سکتا ہے- (ابوداؤد)

(۵۷۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ اِشْتَکَی ابْنٌ لِاَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ فَمَاتَ وَ اَبُوْ طَلْحَۃَ خَارِجٌ فَلَمَّا رَأَتْ اِمْرَاَتُہٗ اَنَّہٗ قَدْمَاتَ ھَیَّأَتْ شَیْئًا وَ نَحَّتْہُ فِیْ جَانِبِ الْبَیْتِ فَلَمَّا جَاءَ اَبُوْ طَلْحَۃَ قَالَ کَیْفَ الْغُلَامُ قَالَ ھٰذَا نَفْسُہٗ وَ اَرْجُوْا اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ وَ ظَنَّ اَبُوْ طَلْحَۃَ اَنَّھَا صَادِقَۃٌ قَالَ فَبَاتَ فَلَمَّا اَصْبَحَ

(۵۷۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بچہ بیمار رہا اور اس کا انتقال ہو گیا اس وقت یہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے- ان کی بی بی نے جب دیکھا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کو نہلا دھلا کر مکان کے ایک گوشہ میں رکھ دیا- (شب میں) جب ابوطلحہ آئے تو انہوں نے پوچھا بچہ کی طبیعت کیسی ہے؟ یہ بولیں وہ خاموش ہو گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اب اسے بالکل آرام ہو گا- ابوطلحہ نے اپنی فہم کے مطابق یہ خیال کیا کہ بچہ صحت یاب ہو گیا ہو گا- (حالانکہ ان کا مقصد کچھ اور

لله ..... یہ قسم کھانے والا شخص نہ نکل آتا تو کیا ایک صحابی کا خون ناحق نہ بہا دیا گیا ہوتا' اسی لیے مفسدہ اور مصلحت کا علم نہایت اہم اور نازک ہے دین دار بیوقوف کے پلے پڑ جائے تو نہ معلوم وہ کتنے ناحق خون کر ڈالے اور بے دین سمجھدار کے ہاتھ آ جائے تو مصلحت کے پردوں میں نہ معلوم وہ کتنے احکام اسلامیہ کی بساط الٹ دے-

یہاں امام بخاریؒ نے بھی باب في المعاریض لمندوحة عن الکذب رکھ کر اسی تحقیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کے تحت میں حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے جو ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں اس کی بہت سی امثلہ ذکر فرمائی ہیں- (دیکھو ازص ۴۳ تا ۴۷)

(۵۷۵) * صحیح مسلم میں اس واقعہ کی اتنی تفصیل اور مذکور ہے کہ جب صبح ہوئی تو ان کی بی بی نے پوچھا ابوطلحہؓ بتاؤ اگر کسی نے کسی کے پاس اپنی کوئی چیز بطور عاریت رکھی ہو پھر وہ اسے مانگ لے تو کیا اس شخص کو اس کے روکنے کا کوئی حق ہے انہوں نے کہا نہیں وہ بولیں تو پھر اپنے بچہ پر صبر کرو (وہ بھی خدا کی امانت تھی اس نے لے لی ہے) اس پر انہیں غصہ آیا اور فرمایا مجھے یہ پہلے کیوں نہ بتایا تھا کہ اس غم کے حال میں میں ہم بستری نہ کرتا- اس حدیث سے عرب کے سلیقہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب عورت نے شب میں دفعۃً ایسے اضطراب انگیز حادثہ کی خبر دینا بھی نامناسب سمجھی اور جھوٹ بولنا بھی گوارا نہ کیا اس لیے ایک ایسا ذومعنی فقرہ کہہ دیا جو اپنی جگہ درست بھی تھا اور اس کے شوہر کے لیے اس میں کسی اور معنے سمجھنے کی گنجائش بھی نہ تھی-

www.besturdubooks.net

اِغْتَسَلَ فَلَمَّا اَرَادَاَنْ يَخْرُجَ اَعْلَمَتْهُ اَنَّهُ قَدْمَاتَ فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانَ مِنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُبَارِكَ لَهُمَا فِيْ لَيْلَتِهِمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَرَاَيْتُ تِسْعَةَ اَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرَؤُا الْقُرْاٰنَ. (رواه البخاری)

5 تھا) اور مطمئن ہو کر اپنی بی بی کے ساتھ ہم بستری کی جب صبح ہوئی تو غسل فرمایا جب باہر جانے لگے تو بی بی نے صاف بات کہہ دی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اس کے بعد ان کی بی بی کے واقعہ کی آپ کو اطلاع ہوئی آپ نے فرمایا کہ (اس کی حسن نیت) کی بدولت اس شب میں جو حمل اس کے استقرار پا گیا ہے امید ہے کہ اس میں بڑی برکت ہو۔ سفیان راوی حدیث کہتا ہے کہ ایک انصاری شخص نے بیان کیا کہ میں نے ان کی نو(۹) اولاد دیکھی ہیں سب کی سب حافظ تھیں۔ (بخاری شریف)

(۵۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ قَوْلُهٗ اِنِّيْ سَقِيْمٌ وَ قَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا. وَ قَالَ بَيْنَا هُوَذَاتَ يَوْمٍ وَ سَارَةُ اِذْ اَتٰى عَلٰى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَءَةٌ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ

(۵۷۶) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام عمر میں صرف تین مقامات پر توریہ سے کام لیا ہے جن میں دو تو خدائے تعالیٰ ہی کی راہ میں ہیں۔ ایک ان کا قول اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار پڑنے والا ہوں) دوسرا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (یہ کام اس نے کیا ہے جو ان میں بڑا ہے) اور تیسرا اس وقت جب کہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارہ ان کے ہمراہ تھیں راستہ میں ان کا ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گذر ہوا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسینہ ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

---

(۵۷۶) ✱ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں کواکب پرستی کا زور تھا ایک دن ان کی قوم نے عید منانے کے لیے باہر جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں انہوں نے پہلے سے اپنے دل میں بتوں کے خلاف ایک اسکیم تیار کر رکھی تھی جب چلتے وقت انہوں نے اصرار کیا تو انہوں نے ان کے دستور کے مطابق پہلے تو ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا گویا انہیں بھی علم نجوم میں بڑا دخل تھا پھر ادھر ادھر دیکھ کر فرمایا کہ ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' میں تو بیمار پڑنے والا ہوں۔ اب بھلا ایسا انسان کون سا ہے جو کبھی بیمار نہ پڑے۔ بات تو بالکل صاف اور سچی تھی لیکن وہ یہ سمجھے کہ انہوں نے یہ بات ستاروں کو دیکھ کر کہی ہے جب وہ چلے گئے تو ان کے پیچھے انہوں نے بتوں کو توڑ تاڑ برابر کیا واپس آ کر جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اس وقت ان کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا اس لیے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی سادگی سے فرمایا کہ یہ کام تو اس کا معلوم ہوتا ہے جو ان سب میں بڑا ہے۔ یہ بات بھی بالکل صاف تھی کہ ''میرا'' ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو پتھر پر یوں بھی قدرتی بزرگی حاصل ہے مگر ایسا لفظ استعمال فرمایا جس کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ یہ سب سے بڑے بت کا کام ہے ان سے پوچھ دیکھو اس طریقہ سے ان کو قائل کرنا منظور تھا کہ جو بت نہ اپنے آپ کو بچا سکیں اور نہ دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں اور نہ ایک حرف بول سکیں ان کی عبادت کرنی کتنی نامعقول بات ہے یہ دو واقعہ تو وہ تھے جو خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھے....

www.besturdubooks.net

فَسَأَلَهُ مَنْ هٰذِهِ قَالَ اُخْتِيْ فَاَتَى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا اِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ يَعْلَمْ اَنَّكِ امْرَأَتِيْ يَغْلِبُنِيْ عَلَيْكِ فَاِنْ سَأَلَكِ فَاَخْبِرِيْهِ اَنَّكِ اُخْتِيْ فِي الْاِسْلَامِ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِيْ وَ غَيْرُكِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا فَاُتِيَ بِهَا قَامَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّيْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهٖ فَاُخِذَ وَ يُرْوٰى فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِيْ وَ لَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَاُخِذَ مِثْلَهَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ اُدْعِي اللّٰهَ لِيْ وَ لَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهٖ فَقَالَ اِنَّكَ لَمْ تَأْتِنِيْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَيْتَنِيْ بِشَيْطَانٍ فَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَاَتَتْهُ وَ هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَاَوْمَأَ بِيَدِهٖ

پاس اپنا آدمی بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں انہوں نے فرمادیا میری بہن- اس کے بعد حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے بادشاہ کو یہ علم ہو گیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی چھین لے گا لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری (اسلامی) بہن ہو کیونکہ اس خطہ زمین پر میرے اور تمہارے سوا اس وقت کوئی اور مؤمن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو بلا بھیجا وہ حاضر کر دی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہو گئے جب وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بد بخت نے بد نیتی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا فوراً اس کا گلہ پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہاں تک کہ وہ اپنے پیر پٹخنے لگا اور کہنے لگا میرے واسطے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا- حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا بد بخت نے پھر ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح پھر اس کا گلا گھٹنے لگا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت- وہ پھر چیخا میرے لیے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ کہوں گا- حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا- اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا تو میرے پاس کوئی انسان نہیں لایا کسی بلا کو لے آیا ہے اور رخصت کے وقت حضرت سارہ کی خدمت میں حضرت

لله ..... پیش آئے- تیسرا واقعہ بھی خالص دینی ہی معاملہ تھا- عصمت ایک شرعی حق ہے اور اس کا بچانا بھی شرعی فرض ہے لیکن اس کا ایک گونہ تعلق خود ان کے ساتھ بھی تھا- یہ تینوں واقعات دینی اور دنیوی نظر سے جتنے اہم تھے اس کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے جو توریہ کے الفاظ استعمال فرمائے وہ ثناء ہی ثناء کے قابل تھے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی بلند نظر میں یہ توریہ بھی ایک جھوٹ نظر آ رہا ہو اور وہ اس پر بھی اتنے نادم ہوں کہ مارے شرم کے محشر میں نظر بھی اونچی نہ کر سکیں اور جب اہل محشر ان کی خدمت میں شفاعت کے لیے حاضر ہوں تو وہ یہ عذر کر دیں کہ مجھ سے دنیا میں تین جھوٹ سرزد ہو چکے ہیں آج بھلا میں اس قابل کہاں- بہر حال جب اس پیکر حق وصداقت کی نظروں میں اس توریہ کو کذب سمجھا گیا تو ان کے سب سے لائق فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہوا کہ وہ دنیا میں تشریف لا کر اپنے والد بزرگوار کی اس عظمت کو ظاہر کر دیں کہ جن کو وہ روز محشر کذب تصور فرمائیں گے اول تو وہ خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھے پھر ان کی حقیقت بھی اتنی تھی اس لیے حدیث میں اس توریہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لفظوں میں کذب ہی سے تعبیر کیا گیا ہے- بعض علماء کو یہ مشکل پیش آ گئی ہے کہ جب ان کی حقیقت صرف توریہ تھی تو پھر حدیث میں ان پر کذب کا اطلاق کیوں ہوا- اور ذرا سے اس عقلی شبہ کی بنیاد پر انہوں نے ایک متفق علیہ حدیث کا انکار کر دیا ہے- یہ طریقہ صحیح نہیں ہے- حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے شان کے نامناسب سمجھ کر اپنے حق میں ان کو کذب شمار کیا تھا تو حدیث میں بھی اس نقطہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے تا کہ صفائی جرم سے قبل فرد جرم معلوم ہو جائے اس کے بعد یہ واضح کر دیا جائے کہ جن واقعات کی حقیقت صرف ایک مستحسن توریہ ہو وہ بھی باقی لله .....

www.besturdubooks.net

مَهْيَمْ قَالَتْ رَدَّاللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِيْ نَحْرِهٖ فَاَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ تِلْكَ اُمُّكُمْ يَابَنِيْ مَاءِ السَّمَاءِ. (متفق عليه)

ہاجرہ کو پیش کیا۔ جب سارہ آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے اشارہ سے پوچھا کہو کیا حال رہا انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بدنیتی کا نتیجہ اس کو دکھادیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور نذر پیش کیا ہے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اے (پانی پر بسر کرنے والے) عرب یہ تھیں تمہاری ماں۔ (متفق علیہ)

(۵۷۷) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَ لْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَ لْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۵۷۷) عبدالرحمٰن بن قراد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرامؓ آپ کے وضو کا پانی لے لے کر اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ آپ نے پوچھا تم یہ حرکت کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا صرف خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ میں اس پر آپ نے فرمایا۔ اچھا تو جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ ٹھیک ٹھیک خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خود اس سے محبت کرنے لگیں تو اسے چاہیے کہ جب بات کیا کرے تو سچی بات کیا کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو پورا پورا ادا کیا کرے اور جو شخص بھی اس کا پڑوس اختیار کرے یہ اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کیا کرے۔ (شعب الایمان)

(۵۷۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ. (رواه مسلم)

(۵۷۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹ بولنے کے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ جو سن پائے اسی کو (قبل تحقیق) دوسروں سے نقل کر دے۔ (مسلم)

لہ ..... ملت حنفیہ کی نظر میں کتنی اہمیت اختیار کر گئے تھے حتیٰ کہ محشر میں بھی ان کی نظریں نیچی تھیں ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام میں سے جس جس نے بھی اپنی تقصیرات کا ذکر کر کے شفاعت سے انکار کیا ہے کیا وہ سب اسی درجہ کی تقصیرات تھیں کہ اگر ان حضرات کے سوا کسی اور بشر سے سرزد ہوتیں تو وہ ان کو اپنے حسنات کے دفتر میں ایک درخشندہ حسنہ شمار کرتا اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ و للعاقل تكفيه الاشاره۔

(۵۷۷) ✽ حدیث بالا میں محبوب رب العالمین نے مجذوبین راہ محبت کو سالک بننے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ جذبہ محبت بے شک بہت مبارک ہے مگر راہ محبت صرف جذب سے طے نہیں ہوگی۔ اس کے لیے سلوک بھی درکار ہے وہ چند پاکیزہ صفات اختیار کرنے سے ہوگی جن میں سب سے پہلی صفت صدق اور راست گوئی ہے۔ دوسری صفت امانت داری اور تیسری خدائے تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی ہے اس صفت میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری دیوار کے سایہ کے نیچے آ جائے وہ کسی تفریق کے بغیر تمہاری ہمدردیوں کا مرکز بن جائے۔ ان تین صفتوں کے بالمقابل جو صفتیں ہیں وہ مومن کی نہیں منافق کی صفتیں ہیں جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

www.besturdubooks.net

(۵۷۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَیَأْتِی الْقَوْمَ فَیُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِیْثِ مِنَ الْکِذْبِ فَیَتَفَرَّقُوْنَ فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهٗ وَ لَا اَدْرِیْ مَا اسْمُهٗ یُحَدِّثُ. (رواہ مسلم)

(۵۷۹) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) شیطان لوگوں کے سامنے ایک آدمی کی شکل بنا کر آتا ہے اور ان سے ایک جھوٹی بات کہہ دیتا ہے جب وہ اس مجلس سے اِدھر اُدھر جاتے ہیں تو ان میں کا کوئی شخص کہتا ہے کہ (آج) میں نے ایک آدمی کو یہ بات کہتے خود سنا تھا جس کو میں شناخت تو کر سکتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا کیا تھا۔ (مسلم)

(۵۸۰) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّةُ الرَّجُلِ.

(رواہ ابو داؤد قال ان ابا عبداللہ حذیفۃ)

(۵۸۰) ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہم ایک گفتگو میں یہ سوال کیا۔ (راوی کو شک ہے کہ یہ سوال کس نے کیا' ابو مسعودؓ نے حذیفہ سے یا حذیفہؓ نے ابو مسعود سے) کہ آپ نے کلمہ زَعَمُوْا (لوگوں کا گمان ہے) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ کلمہ بے تحقیق باتوں کے چلتا کرنے کا بہت برا ذریعہ ہے۔ (ابوداؤد)

الکف عن الفتک

اچانک قتل کرنے سے بچنا

(۵۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ قَیْدُ الْفَتْکِ لَا یَفْتِکُ مُؤْمِنٌ. (رواہ ابوداؤد)

(۵۸۱) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مومن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

---

(۵۷۹) ٭ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہر بات میں اور خاص کر حدیث رسول سننے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو شخص حدیث بیان کرے پہلے اس کے متعلق پوری تحقیق کر لینی چاہیے وہ کون ہے سچا ہے یا جھوٹا ہے بے تحقیق بات کو چلتا کر دینا بے وجہ اشاعت کذب کا موجب ہوتا ہے۔ اب رہا شیطان کا تمثل تو جو لوگ عالم ارواح کی کیفیات کا کچھ علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ بدیہیات میں سے ہے اور جو اس کے اب تک منکر ہیں ان سے یہاں خطاب لاحاصل ہے۔

(۵۸۰) ٭ ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس روایت پر طویل کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کا خود یقین نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اپنی گردن کو دروغگوئی سے رہا کرنے کے لیے اس کو لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کر دینا کافی نہیں۔ شریعت کی نظر میں یہ بھی قابل مؤاخذہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کذب اور اشاعت کذب کی شرعاً کتنی اہمیت ہے۔

(۵۸۱) ٭ قتل کرنا کوئی کار ثواب نہیں اور اچانک قتل کر ڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑا دے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آ کر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔ جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بے باک ہو سکتی ہے صحابہ کرامؓ کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں پاتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوگئی تو وہی تلواریں نکالے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جواب دہی کے لیے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

www.besturdubooks.net

لا یفرک مؤمن مؤمنۃ

(۵۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَکُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ کَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ.

(رواہ مسلم)

مؤمن مرد کا مؤمنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

(۵۸۲) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مؤمنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔

(مسلم شریف)

لا یروع مسلمًا لاعبًا او جادًا

(۵۸۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ رِجَالٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ الصَّحَابَةَ کَانُوْا یَسْرُوْنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰی حَبْلٍ مَعَهٗ فَاَخَذَهٗ فَفَزِعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُرَوِّعَ مُسْلِمًا.

کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

(۵۸۳) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ شب کے وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھہرا) تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لے کر (سو رہا) تھا اٹھا لی اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو (ہنسی مذاق میں بھی) پریشان کرے۔ (احمد۔ابوداؤد)

(اخرجه الامام احمد و ابوداؤد و الطبرانی قال الزین العراقی حدیث حسن و رمز السیوطی لصحته)

(۵۸۴) عَنِ الْوَاقِدِیْ قَالَ اَوَّلُ مَشْهَدٍ شَهِدَهٗ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَ کَانَ مِمَّنْ یَنْقُلُ التُّرَابَ یَوْمَئِذٍ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ غَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ یَوْمَئِذٍ فَرَقَدَ فَجَاءَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ فَاَخَذَ سَلَاحَهٗ وَ هُوَ لَا

(۵۸۴) واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ غزوہ جس میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک ہوئے۔غزوۂ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انہیں نیند آ گئی اور یہ سو رہے۔کہیں عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ادھر) آ نکلے اور ان کی بے خبری میں (چپکے سے) ان کے ہتھیار لے لیے۔(جب وہ بیدار ہوئے تو

---

(۵۸۲) ٭ حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دے دیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مؤمن کی شان ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی تسلی کے لیے یہ مؤثر اور مختصر اصول بتا دیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔پس ایک شوہر کے لیے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہیے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مؤمنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

www.besturdubooks.net

يَشْعُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَهُ عِلْمٌ بِسَلَاحِ هٰذَا الْغُلَامِ فَقَالَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَخَذْتُهُ فَرَدَّهُ فَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَوَّعَ الْمُؤْمِنُ اَوْ اَنْ يُؤْخَذَ مَتَاعُهُ لَا لَعِبًا وَ لَاجِدًّا. (اخرجه ابن عساكر)

آپ کی خدمت میں آ کر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں' میں نے لے لیے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرما دی کہ (آئندہ) کسی مؤمن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے۔ (ابن عساکر)

حقوق المسلم

مسلمانوں کے حقوق

(۵۸۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهُ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ. (متفق عليه)

(۵۸۵) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں' ظالم ہونے کی صورت میں میں اس کی کیسے مدد کروں۔ آپؐ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو' کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا بس یہی اس کی مدد کرنی ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِنْ رَاٰى بِهٖ اَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ رَوَاهُ التِّرمذى وَ ضَعَّفَهُ وَ فى رواية له و لابى داؤد المومن مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَ يَحُوْطُهُ مِنْ وَرَائِهٖ.

(۵۸۶) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لیے آئینہ کی مثل ہونا چاہیے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کا ازالہ کر دے (ترمذی و ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

---

(۵۸۶) * بعض علماء نے اسی حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے۔

صديقي مرآة اميط بها الاذى — وغضبٌ حسامٌ ان منعت حقوقي

''میرے لیے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی بدنمائی کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جب کہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔''

و ان ضاق امرٌ او المت ملمة — لجأت اليه دون كل شقيق

''اگر کوئی اڑا وقت آ جائے یا مصیبت درپیش ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اس کی پناہ لیتا ہوں۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیوب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لیے ہونا چاہیے۔

www.besturdubooks.net

(۵۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُوا لْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ وَ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه)

(۵۸۷) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔ جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کردیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کردیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمالیتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلَاثٌ فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْاَجْرِ وَ اِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَ خَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْهِجْرَةِ. (رواه ابوداؤد)

(۵۸۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مؤمن بھائی سے بات چیت کرنا بند کردے اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہیے کہ قصداً اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دےدے تو دونوں ثواب میں شریک ہوگئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہوجائے گا۔ (ابوداؤد)

(۵۸۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَ يَشْهَدُهُ اِذَا مَاتَ وَ يُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ وَ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَ يُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ وَ يَنْصَحُ لَهُ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ. (ذكره صاحب المشكوٰة برواية النسائى)

(۵۸۹) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے اگر بلائے تو اس کے یہاں چلا جائے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے اور حاضر و غائب یکساں اس کی خیرخواہی کرتا رہے۔ (نسائی)

توقير المسلم

مسلمانوں کا اکرام

(۵۹۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

(۵۹۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

---

(۵۸۷) * حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے یہ حدیث بھی ابھی باب کی ایک جزئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزاء میں سورۃ بھی تناسب کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ جیسا انسان عمل کرتا ہے اس کی جزاء بھی اسی عمل کے مناسب اس کو دی جاتی ہے۔

(۵۹۰) * اسلام میں چھوٹے کا حق شفقت اور بڑے کا تعظیم مقرر کیا گیا ہے رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو وہ ایک عام اسلامی حق ہے اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں صرف اسلامی شرکت کافی ہے۔

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَ یَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے، بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے مشرب کا انسان نہیں۔

(رواہ ترمذی)

(۵۹۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَکْرَمَ شَابٌّ شَیْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّہٖ اِلَّا قَیَّضَ اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَ سِنِّہٖ مَنْ یُکْرِمُہٗ۔ (رواہ الترمذی)

(۵۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نوجوان کسی بوڑھے شخص کی صرف اس کے بڑھاپے کی خاطر تعظیم نہیں کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھی، ایسا شخص مقدر فرما دیتا ہے جو اس کی ضعیفی میں اس کی تعظیم کرتا ہے۔ (ترمذی)

(۵۹۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرَ الْغَالِیْ فِیْہِ وَ لَا الْجَافِیْ عَنْہُ وَ اِکْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔(رواہ ابوداؤد و البیہقی فی شعب الایمان)

(۵۹۲) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظ قرآن کی جو اس میں افراط و تفریط سے کام نہ لے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اسی طرح اس بادشاہ کی تعظیم کرنا بھی جو منصف ہو۔

(ابوداؤد۔بیہقی)

(۵۹۳) عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَکَانَ النَّاسُ یَاْتُوْنَہٗ فَمِنْ قَائِلٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَعَیْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ

(۵۹۳) اسامہ بن شریکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے آیا تھا (میں نے کیا دیکھا) کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں پھر کوئی تو یہ پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی ہے یا فلاں کام پہلے کرلیا فلاں بعد میں کرلیا ہے (تو اب مجھے

---

(۵۹۲) ✱ وہ حافظ جو قرآن شریف کے بارے میں اور وہ بادشاہ جو عدل و انصاف میں راہ اعتدال پر قائم ہو خدائے تعالیٰ کی صفت کلام اور اس کی صفت عدل کے خاص مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان جو خدائے تعالیٰ کی فرمان برداری میں بوڑھا ہوگیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص مورد ہوتا ہے۔ اس لیے ان تینوں کا اکرام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام کرنے میں شامل ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بندہ براہ راست خدا تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو فطرۃً پس و پیش نہیں کرتا شیطان کو بھی حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے کوئی انحراف نہ تھا ہاں اس کو کچھ تامل ہوتا ہے تو اپنے ہم جنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس اسلوب بیان میں اس کی فطرت کو اپنے ہم جنس کے اکرام کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرے کیونکہ حافظ کے اکرام میں خدا کے کلام کا اکرام اور منصف بادشاہ کے اکرام میں خدائے تعالیٰ کے خلیفہ عدل کا اکرام ہے۔ رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں ایک خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور نیت کی گنجائش ہی نہیں اس تعلیم میں ایک بڑی گہری حکمت یہ ہے کہ جس قوم کے عادل بادشاہ اور اس کے دین کے حاملین اور اس کے کمزور مکرم و معزز رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کبھی دنیا میں ذلت کی زندگی بسر نہیں کرسکتی۔ ذلت کی ابتداء ان ہی تین گوشوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اس لیے وہ جو حرکت بھی کرتا ہے اسی کے لیے کرتا ہے اسی کا نام مرتبہ احسان ہے۔

www.besturdubooks.net

شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَ هُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِىْ حَرِجَ وَ هَلَكَ.

(رواه ابو داؤد)

کیا کرنا چاہیے) آپؐ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے ایک مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے۔ یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوگیا۔ (بخاری شریف)

(۵۹۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَ لَا يَخْذُلُهٗ وَ لَا يَحْقِرُهٗ. اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَ يُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَ مَالُهٗ وَ عِرْضُهٗ.

(رواه مسلم)

(۵۹۴) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کر سکتا ہے نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہوسکتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرسکتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا (کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لیے دل کا حال بھی دیکھنا چاہیے) برائی کے لیے بس اتنی ہی بات بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے (یاد رکھو) کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی' اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (مسلم)

---

(۵۹۴) * یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں عزت و احترام صرف ایک اللہ اور اس کے رسول یا پھر مسلمان کا حق ہے اس کی جان ہی کا نہیں بلکہ اس کی آبرو اور اس کے مال کا بھی جو شخص اس کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتا ہے وہ معمولی مجرم نہیں بلکہ ایک شرعی نصب العین کا مخالف ہے حتیٰ کہ ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا فناء ہوجانا بھی معمولی بات ہے۔ ابوسعید خدری اور ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ اسلام پستی و ذلت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں نرمی و تواضع اور تکبر و ذلت کے مابین فرق نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی فرقہ کے طرز عمل سے تم کو یہ شبہ ہوگیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں اس پر ہے اور اگر عزت کے مفہوم سمجھنے میں تم ہی نے غلطی کھائی ہے تو پھر اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی' عزت وہ نہیں جو دنیا کی کسی سربرآوردہ قوم کی نظروں میں عزت شمار ہو جائے بلکہ دراصل عزت وہ صحیح اخلاق و ملکات ہیں جو انسان کی علمی و عملی قوت کے ثمرات ہوسکتے ہیں ان ہی سے انسان کے ظاہر و باطن کو عزت حاصل ہوسکتی ہے اور یہی اسلام کی نظر میں بھی عزت کا موجب ہیں صرف کسی متغلب قوم کے آداب و معاشرت اختیار کر لینے کا نام عزت نہیں ہے۔ سوچو کہ قومی سربلندی کے لیے اس سے بڑھ کر سبق اور کیا ہوسکتا ہے کہ تحقیر مسلم کو مذہب کی سب سے سخت دفعہ قرار دے دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں باہم ایک دوسرے کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی نظروں میں کبھی معزز نہیں ہوسکتی اس لیے اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی عزت کرنا اپنا اولین فرض سمجھو تاکہ خود بخود دنیا کی نظروں میں معزز بن جاؤ۔ رہبانیت کا دور ختم ہوا' یہ دین محمدی کا دور ہے اب تم میں حاکمیت اور عزت کے جذبات پیدا ہوجانے چاہئیں۔ خود باعزت بنو اور دنیا کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دو تاکہ دنیا کی خلقت کا مقصد پورا ہو اور خدا کی دی ہوئی عزت سے تمام جہان معزز بن جائے۔

www.besturdubooks.net

(۵۹۵) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهُ.

(۵۹۵) واثلۃ بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی وہ بولا یا رسول اللہ (آپ تکلیف نہ فرمایئے) صف میں کافی گنجائش ہے- آپ نے فرمایا (میرا حرکت کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں) بلکہ مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اس کے پاس آئے تو اس کے احترام میں وہ تھوڑی سی حرکت کر جائے- (بیہقی)

(۵۹۶) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبٰوا الْاِسْتِطَالَةَ فِيْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواہ ابوداؤد والبیهقی فی شعب الایمان)

(۵۹۶) سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے-

(ابوداؤد و بیہقی)

(۵۹۷) عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ.

(رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب و لیس اسنادہ بمتصل لان خالدا لم یدرك معاذ بن جبل)

(۵۹۷) خالد بن معدان' معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اسی حرکت کو خود بھی نہ کرے- راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جسے وہ غلطی سے کر گذرا تھا اور اس پر اظہار ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا اخوتِ اسلامی کے خلاف ہے)- (ترمذی)

---

(۵۹۵) ✽ انبیاء علیہم السلام کا طریق تعلیم سب عملی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہے کہ اکرام مسلم اسلام کی سب سے اہم تعلیم ہے' اب بادشاہ ورعایا والد ومولود' بھائی بھائی اور اجنبی سے اجنبی کے ساتھ اکرام کے طور وطریق کیا ہیں اس کے لیے مفصل ابواب کو دیکھنا چاہیے-

(۵۹۶) ✽ اس اسلوبِ بیان میں ایک طرف مسلمان کی آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو ظاہر و باہر مضمون ہے دوسری طرف اس کی آبروریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو پورے طور پر ذہن نشین کرنا بھی ایک اہم مقصد ہے- گویا دین میں یہ ایسی قابل نفرت چیز ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہوتو اس سے ممانعت کے لیے جو سب سے قابل نفرت مثال ہوسکتی ہے وہ سود کی ہے-

(۵۹۷) ✽ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں پر جب ندامت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش قدمی کر کے فرمایا ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ﴾ (یوسف : ۹۲) خدا تمہیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا- اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام پر حد جاری کر دی جائے تو اس کے بعد (ولا یثرب) اب اس کو ملامت نہ کرو' اس حدیث کی شرح اور طرح بھی کی گئی ہے- ...

www.besturdubooks.net

(۵۹۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِيْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَ مَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواه ابوداؤد)

(۵۹۸) معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مؤمن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچا لیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے گوشت کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان پر عیب لگانے کے لیے کوئی تہمت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جانے نہیں دے گا اور پل صراط پر روکے رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی سزا نہ بھگت لے۔ (ابوداؤد)

(۵۹۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَ لَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَ لَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَ مَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَ لَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ. (رواه الترمذی)

(۵۹۹) ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اے وہ جماعت جن کا اسلام صرف زبانوں پر ہے اور ابھی دلوں میں نہیں اترا (دیکھو) مسلمانوں کو تکلیف نہ دو' ان کو عار نہ دلاؤ' اور ان کے عیب جوئی کے درپے نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور (یہ ظاہر ہے) کہ جس کی عیب جوئی کے خدا درپے ہوگا پھر (وہ کہاں چھپ سکتا ہے) وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی)

ﷺ..... خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد اس گناہ پر عار دلانے کا ہمیں کیا حق ہے جب کہ صاحب حق ہی اس سے درگذر کر چکا پھر نفسیاتی لحاظ سے اس کا اثر ایک مجرم کی نظر میں اس کے جرم کی اہمیت کو کم کرنا ہے اور اپنے حق میں بدخلقی کا ثبوت ہے شریعت چاہتی ہے کہ تم بار بار عار دلا کر اس کو بے غیرت نہ بناؤ اور جب مقصد حاصل ہو چکا تو اب اس فضول تذکرہ سے اپنی بداخلاقی کا ثبوت بھی نہ دو۔

(۵۹۸) * احادیث سے ثابت ہے کہ پل صراط سے گذر کر جنت سے قبل ایک مختصر پل اور ہے اس پر کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا اور جو سزا اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لیے مقدر ہے یہاں اس کو بھگتا کر جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی اہل جنت کو بھی باہم قلوب کی رنجشیں یہاں صاف کر لینی ہوں گی اسی لیے دنیا میں صاف سینہ رہنا بہت مفید ہے۔ باہمی عداوت کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوا تھا اسی عیب کو پھر ساتھ لے کر جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ (طٰہٰ : ۱۲۳)

(۵۹۹) * انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے ایسا کون بشر ہے جس کے احوال کا تفقد کیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی عیب اور خامی نہ نکل آئے اس لیے شریعت نے اس عادت ہی کو مذموم قرار دیا ہے پس اگر کسی شریف الطبع انسان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کر لینی چاہیے لیکن اگر کوئی بدطینت دن دہاڑے بے حیائی کا عادی ہو چکا ہے تو اس کے لیے سنت ستر نہیں ہے اس کے جرم سے چشم پوشی کرنا خود جرم ہے اس کا معاملہ حکومت تک پہنچا دینا چاہیے تاکہ وہ اس کی مناسب پاداش کو پہنچ جائے' حدیث کے لفظ ''اتباع عورت'' اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کے لیے اس کے عیوب کے پیچھے لگ جانا کھلے ہوئے مجرم کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے مجرم کسی ستر کا مستحق نہیں۔

www.besturdubooks.net

(۶۰۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اِمْرَءٍ مُسْلِمٍ یَخْذُلُ اِمْرَأً مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَھَکُ فِیْہِ حُرْمَتُہٗ وَ یُنْتَقَصُ فِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اِلَّا خَذَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ وَمَا مِنْ اِمْرَءٍ مُسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِہٖ وَ یُنْتَھَکُ فِیْہِ مِنْ حُرْمَتِہٖ اِلَّا نَصَرَہُ اللّٰہُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ.

(رواہ ابوداؤد)

(۶۰۰) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقعہ پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہوں اور اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (نازک) مقام پر اس کی اعانت اور نصرت ترک کردیتا ہے جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی شخص اس کی طرف سے جواب کے لیے کھڑا ہو جاتا اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لیے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی مٹی خراب کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے۔ جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کردیتا۔ (ابوداؤد)

(۶۰۱) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامِنْ مُسْلِمٍ یَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْہِ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَرُدَّ عَنْہُ نَارَ جَھَنَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ.

(رواہ فی شرح السنہ)

(۶۰۱) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لیے جواب دہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتش دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔ (شرح السنہ)

---

(۶۰۱) * ان جملہ حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حاضر و غائب اس کی آبرو و عزت کا نگران بنا رہے جس دن سے مسلمانوں نے اس سبق کو فراموش کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیماتِ اسلامی پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

www.besturdubooks.net

الاشراک باللّٰہ تعالیٰ واقسامہ

شرک کی حقیقت اوراس کی اقسام

دین اسلام کے بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ایمان ہے اور ان بدیہی مسلمات میں کسی ایک بات کے انکار کا نام کفر ہے پس ایمان کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دین کے تمام بدیہی مسلمات قلب وزبان سے مان لیے جائیں اور کفر کی صورتیں بہت ہیں۔ لیکن دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود رہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے اس کی مثال ترازو کے دو پلوں کی سی ہے کہ ان کے اعتدال کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے اور اختلاف کی بہت عجب نہیں کہ عالم میں مؤمنوں کی قلت اور کافروں کی کثرت کا ایک راز یہ بھی ہو ورنہ بظاہر عالم میں مومنوں کی تعداد کافروں سے زیادہ ہونی مناسب تھی۔ پھر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں۔ جو خاص خاص افعال انسان کے قلبی کفر کے صریح ترجمان سمجھے گئے ہیں ان کے صدور کے بعد زبانی انکار کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا صدور ہی کفر کی مستقل دلیل ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء ایسے افعال کے صدور سے بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو قلبی کفر کی گو صریح دلیل تو نہیں ہوتے مگر وہ صریح کافروں کے افعال سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے افعال پر فقیہ تو کفر کا حکم نہیں لگاتا مگر حدیث ان پر بھی کفر کا اطلاق کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام احادیث کا اسلوب بیان صرف وہ نہیں جو ایک آئینی کتاب کا ہوتا ہے بلکہ ان میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کا مجموعہ بھی ہیں اس لیے ان کا اسلوب بیان بھی وہی ہے جو عام گفتگو کا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ترغیب وترہیب کے موقعہ پر تمام شروط وقیود کا استیفاء نہیں ہوتا بلکہ ایسی تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں جو متکلم کے مقصد پر عمل پیرا ہونے کے لیے زیادہ سے زیادہ محرک ہوں۔ حضرت شاہ اسمٰعیلؒ نے انبیاء علیہم السلام کے اظہار دعوت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر تحقیق ہے۔ اس میں نبی کی طرز دعوت کی بڑی تفصیل کی ہے اور خوب سمجھایا ہے کہ ان کے کلام کا اسلوب بیان کیا ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے سمجھنے کا اسلوب کیا ہونا چاہیے۔ (دیکھو منصب امامت ص ۳۰)

حدیث وقرآن میں کفر کا اطلاق کچھ لغت کے قریب قریب ہے۔ کفر لغت میں حق ناشناسی کو کہتے ہیں اس لیے جہاں جہاں حق شناسی کی زیادہ ضرورت ہے اگر وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو حدیث ایسی حق ناشناسی کو کفر کہہ دیتی ہے۔ مثلاً ایک بی بی اگر اپنے شوہر کے احسانات کا حق نہیں پہچانتی تو وہ بھی بے شبہ بڑی حق ناشناسی کی مرتکب ہے اس لیے اس کو بھی حدیث میں کفر کہا گیا ہے اسی طرح ایک غلام اگر اپنے آقا سے منہ موڑ کر بھاگ جاتا ہے تو اس کی حق ناشناسی بھی کفر سے تعبیر کی گئی ہے اور سب سے بڑی حق ناشناسی یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ حقیقی سے منہ پھیر کر بھاگ جائے۔ بارش وہ برسائے یہ ستاروں کا شکر گذار ہو تمام بزرگیوں اور عظمتوں کا مرکز تو اس کی ذات ہو اور یہ دوسروں کی جبہہ سائی میں مستغرق ہو ان کی ناموں کی قسمیں اٹھائے اور ان کے ناموں کے جانور ذبح کرے۔ تمام نفع ونقصان کا مالک تو وہ ہو اور یہ مصیبتوں میں اس کی بنائی ہوئی مخلوق کو

www.besturdubooks.net

پکارے ان ہی سے مرادیں مانگے اور اپنی رغبت و رہبت کا اصل رشتہ ان ہی کے ساتھ قائم رکھے۔ اس قسم کی تمام باتیں حدیث و قرآن میں کفر کے ذیل میں آ جاتی ہیں خواہ ان میں نیت کچھ رہے اس تحقیق کی بنا پر کفر کی بہت سی اقسام اسلام وایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے فقہاء صرف اسی قسم کے کفر سے بحث کرتے ہیں جس سے ایک انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے ان کے نزدیک اسلام اور کفر کی کوئی قسم قابل اجتماع نہیں۔

اس کے علاوہ حدیثوں میں ایسے افعال جو کافروں میں بہ نیت شرک و کفر کیے جاتے تھے مطلقاً کفر ہی کے افعال سمجھے گئے ہیں خواہ ان میں اس درجہ کی فاسد نیت نہ ہو۔ جن افعال کا قالب اتنا خطرناک ہو کہ ان میں صریح کفر کی اتنی قریب استعداد موجود ہو کہ ذرا غفلت کرنے سے وہ کھلا کفر و شرک بن جائیں۔ شریعت ان میں منطقی تحلیل کرنی پسند نہیں کرتی بلکہ ان کو بھی کفر ہی کے ذیل میں شمار کر لیتی ہے۔ اس اختلاف نظر اور اختلاف اسلوب کی وجہ سے فقیہ مزاج اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں تاویل کرتا نظر آتا ہے۔ ناواقف یہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید یہاں درحقیقت مسئلہ کا کوئی اختلاف ہوگا' حالانکہ یہاں مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا اپنے اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف اختلاف نظر اور طریقہ تعبیر کا اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً وہ محدث جو ایک ناشکر بی بی کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کر دیتا ہے اگر آپ اس سے پوچھیں کہ کیا یہ عورت دائرۂ اسلام سے خارج ہوگئی تو اس کے جواب میں وہ آپ کو ٹھیک ایک فقیہ کے ہم آہنگ نظر آئے گا اور جواب نفی ہی میں دے گا۔ اسی طرح محدث کے نزدیک ایک مسلمان میں کفر کی باتیں پائی جا سکتی ہیں مگر اس کے باوجود اس کو کافر نہ کہا جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس مسلمان میں یہ خصلت کفر کی ہے اسی طرح ایک کافر میں اسلام کے شعبے پائے جا سکتے ہیں مگر صرف ان شعبوں کی وجہ سے اس کو مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ اس کافر کے بہت سے کام اسلام کے ہیں۔ محدث کے نزدیک اسلام اور کفر علیحدہ علیحدہ عقائد اور اعمال کا ایک ایک مجموعہ ہیں۔ اس مجموعہ میں بہت سے اجزاء ہیں اور یہ اجزاء بیش و کم ہوتے رہتے ہیں بلکہ کبھی اسلام کے اجزاء کافر میں اور کفر کے مسلمان میں بھی پائے جاتے ہیں مگر نہ صرف ان اجزاء کے ہونے سے ایک کافر مسلمان بنتا ہے اور نہ کوئی مسلمان کافر۔ ہاں ان کی یہ دو زندگیاں ضرور کافر یا مسلمان کی زندگیوں کے مشابہ بن جاتی ہیں۔ البتہ جب ان اجزاء میں اشتراک ہوتے ہوتے عقائد میں بھی اشتراک کی نوبت آ جاتی ہے۔ تو اس مرحلہ پر پہنچ کر اسلام و کفر کی سرحدیں پھٹ جاتی ہیں اب یا کافر ٹھیٹ مسلمان کہلانے لگتا ہے اور یا مسلمان پر صاف ارتداد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ فقیہ کے زیر بحث کفر و اسلام کا صرف وہی ایک نقطہ ہوتا ہے جس میں کفر و اسلام کے مابین اشتراک کا کوئی احتمال نہیں ہوتا کیونکہ جس جزء کے لحاظ سے احکام دنیا میں فرق پیدا ہوتا ہے وہ یہی ایک نقطہ ہوتا ہے۔ بقیہ اجزاء اگر مسلمان یا کافر میں کم و بیش ہوتے رہیں تو ان سے احکام دنیا میں کوئی تفاوت نہیں پڑتا یعنی مسلمان پر اسلام کے اور کافر پر کفر ہی کے احکام چلتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں محدث کی نظر میں صرف دنیوی احکام نہیں ہوتے وہ بارگاہ خداوندی کی پسندیدگی' ناپسندیدگی اور جنت کے مراتب پر بھی حاوی ہوتی ہے۔ اس لیے جن اجزاء سے اس بارے کوئی تفاوت پیدا ہو سکتا ہے وہ بھی دنیوی احکام کی طرح اس کے زاویہ نظر میں داخل رہتے ہیں۔

اس کی نظر میں مسلمان و کافر کی دو زندگیاں بالکل جداگانہ ہیں۔ عبادات ہی میں نہیں بلکہ باہم معاشرت کے ایک ایک جزء

www.besturdubooks.net

میں بھی- اس لیے وہ کبھی ایک مسلمان میں کافری زندگی کے مشابہت دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا خواہ دنیوی احکام کے لحاظ سے اس کا حکم کچھ بھی رہے- اگر فقیہ بھی ان حدیثوں کو محدثانہ نقطہ نظر سے دیکھے تو وہ بھی ان میں کبھی تاویل نہیں کرے گا اور اگر یہاں ایک محدث فقیہ کی جگہ آ جائے تو وہ بھی وہی رنگ اختیار کر لے گا جو یہاں ایک فقیہ اختیار کرتا پس ان دونوں فرقوں کے مابین مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں' ان میں اختلاف صرف تعبیرات اور اپنے اپنے موضوع فن کا ہے-

اس تحقیق کے بعد اب یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہیے کہ فلاں کافر سے جب کہ بہت سے نیک کام سرزد ہوتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ ایسے اچھے اچھے کام صادر ہوتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی صادر نہیں ہوتے تو پھر ایسے انسان کو کافر کیسے کہا جا سکتا ہے- حقیقت یہ ہے کہ جتنے اچھے کام ہیں بلاشبہ وہ اچھے ہی کام ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ بعض مرتبہ وہ اسلام کے شعبے بھی ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے بغیر کیا صرف ان شعبوں کے وجود سے کسی پر اسلام کا حکم لگایا جا سکتا ہے اس کے برعکس بعض مسلمانوں میں کافروں سے بدتر زشت کاریاں نظر آتی ہیں مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا وہ مرحلہ بھی آ گیا ہے جس کے بعد ایک شخص حریم اسلام سے حتمی طور پر باہر ہو جاتا ہے- اگر ایسا نہیں ہے تو ان تمام زشت کاریوں کے باوصف اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا- اگرچہ اس کا یہ اسلام کتنا ہی ناقص ہو مگر اس کو ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا- یہ اختلاف نظر تو وہ تھا جو علمی دائرہ میں داخل تھا- اس سے آگے چل کر اختلاف جذبات و مذاق کا نمبر آتا ہے- ایک دور وہ تھا جب کہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا بلند تھا کہ حنظلہؓ جیسے صحابی کو اپنے نفس کے متعلق نفاق کا شبہ ہونے لگتا تھا اور ان کو اتنا مضطرب بنا دیتا تھا کہ اس کی شکایت دربار نبوت تک میں پیش کرنے کی نوبت آ جاتی تھی اور ایک دور انحطاط یہ ہے جب کہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا گر چکا ہے کہ اس میں عقائد کی کوئی بحث ہی باقی نہیں رہی ایک شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خواہ کتنا ہی گندا ہو' اس کی ذات وصفات سے وہ کتنا ہی جاہل ہو' رسول کے مقام رفیع سے وہ کتنا ہی ناواقف ہو' عالم غیب اور اس کے ایک ایک جزء کا وہ کتنا ہی منکر ہو' اور اعمال شرعیہ کی ادائیگی میں وہ کتنا ہی مقصر ہو' نماز کے قریب نہ جاتا ہو' ساغر مے منہ سے جدا نہ کرتا ہو' مگر منصف ہو' ہمدرد ہو' متواضع ہو' ایثار پیشہ ہو اور نوع انسانی کا خادم کہلاتا ہو وہ ایک پکا مسلمان کہلا سکتا ہے بلکہ اس کا یہ اسلام ایک پکے مسلمان سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ سمجھا جا سکتا ہے- حضرت حذیفہؓ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے-

و یقال للرجل ما اعقله و ما اظرفه و ما اجلده و ما فی قلبه حبة خردل من ایمان.

یعنی ایک زمانہ آئے گا جب کہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل' کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و بہادر ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا-

یہ اسی دور انحطاط کی طرف اشارہ ہے اس لیے جو حدیثیں صحابہؓ کے ارفع و اعلیٰ مذاق پر آئی ہیں وہ بھی ہمارے دور میں قابل تاویل نظر آنے لگی ہیں ان کی تاویل کرنی بھی غلط ہے- اگر آج ہمارا مذاق پھر اتنا ہی بلند ہو جائے تو ہم بھی وہی تعبیرات اختیار کر لیں گے جو صحابہؓ نے کیں تھیں- خلاصہ یہ کہ محدثین وفقہاء کے اختلاف نظر یا ہمارے اور سلف کے اختلاف مذاق کی وجہ سے جو حدیثیں زیر بحث آ گئی ہیں ان میں اصل مقصد کا اختلاف نہیں ہے وہ سب ایک ہی اصول کے ماتحت ہیں- ان میں کسی قسم کا

www.besturdubooks.net

اختلاف سمجھنا خلاف واقع ہے۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے لیے سب سے بدنما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات' اس کی عبادت اور اس کی حدود عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا قرآن وحدیث اس کا اعلان کرتے ہیں کہ قدرت نے ہر انسان کی فطرت شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک وصاف بنائی ہے اس کو اس قسم کی نجاستوں سے ملوث کرنے کا مجرم یا تو وہ خود ہے یا اس کے والدین ہیں- پروردگارِ عالم نے تخلیق عالم سے پہلے یہ طے کردیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابل معافی ہوسکتی ہے مگر کفر وشرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا- اس کی سزا اس کو ضرور بھگتنی ہوگی اور خدائے تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی-

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ. (النساء:۱۱۶)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے' ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا-

(۲) اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ. (سورۃ المائدہ : ۷۲)

بیشک جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کی اور اس کا ٹھکانا دوزخ رہے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں شفاعت کی اجازت بھی نہ ہوگی-

قرآن کریم کہتا ہے کہ شرک خدائے تعالیٰ پر سب سے بڑا افتراء سب سے بڑھ کر بے دلیل بات اور نفس انسانی کے لیے ایک ابدی موت ہے جو روح قالب انسانی جیسے اشرف قالب میں بھی شرک کرنے سے نہیں ٹھرمائی وہ اس قابل نہیں ہے کہ قفس عنصری سے آزادی کے بعد اس کو کوئی عروج میسر ہو- اب وہ ذلتوں کی تاریک گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ گرتی ہی چلی جائے گی- اسی لیے قرآن عزیز میں مشرک کی مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے-

وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ. (الحج: ۳۱)

اور جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے تو اس کا حال ایسا ہے جیسا وہ آسمان پر سے گرا پھر یا تو اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دے-

' شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم جڑ سے فنا کردیتا ہے اور اس کی روحانی ترقی کی تمام استعدادیں باطل کردیتا ہے شدہ شدہ اس کی فطرت کا یہ استعدادی فقدان اس کے حواسِ ظاہرہ کو بھی اتنا متاثر کردیتا ہے کہ وہ پوری صحت وسلامتی کے باوجود اپنے فطری احساس سے بھی یکسر معری اور معطل ہوکر رہ جاتے ہیں اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا فرمایا ہے-

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ. (الاعراف : ۱۷۹)

ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں' ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں- یہی لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے-

www.besturdubooks.net

چونکہ ان کے حواس ظاہرہ کا یہ تعطل ان کے قلبی استعداد کے فقدان سے شروع ہوتا ہے اسی لیے آیت بالا میں سب سے پہلے ان کی قلبی موت اور قلبی بے حسی کو ذکر کیا گیا ہے- جب کسی کے ظاہری اور باطنی حواس اس طور پر معطل ہو جاتے ہیں تو اب اس سے عالم قدس کی طرف طیران کی کوئی توقع باقی نہیں رہتی اسی کو ختم اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے اسی حقیقت کو ذیل کی آیت میں ادا فرمایا گیا ہے-

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ. (البقرہ:۱۸) وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اور اندھے ہیں' سو وہ ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ تحریر فرماتے ہیں اگر راہ گیر کے کان ہوں تو وہ کسی کے بتائے سے راستہ پر آ سکتا ہے اگر منہ میں زبان ہو تو وہ از خود پوچھ سکتا ہے- اور اگر اس کی آنکھیں ہوں تو خود راستہ دیکھ بھی سکتا ہے لیکن جس کے یہ تمام حواس بیکار ہو چکے ہوں اس کے لیے راہ یاب ہونے کی کیا صورت ہے اس کے لیے تو یہی ایک صورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اسفل السافلین میں جا پڑے اور ان حیوانات سے بھی نیچے کے طبقے میں چلا جائے' جن کے حواس اپنے آقا کی شناخت میں اس درجہ تو معطل نہیں ہوتے-

حافظ ابن قیمؒ نے شرک پر ایک بسیط مقالہ سپرد قلم کیا ہے مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی اصل حقیقت' کسی مخلوق کو خالق کے مشابہ بنا دینا یا اپنے نفس کو خالق کے مشابہ سمجھ لینا ہے- یہ مشابہت ان صفات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو خدائے قدوس کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں- مثلاً اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نفع و نقصان اور عطاء و منع کا مالک وہی ہے- اس خصوصیت کو قرآن کریم میں جگہ جگہ نمایاں کیا گیا ہے اور مشرکین کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب تمہارے معبود اس خصوصیت کے حامل نہیں تو تم نے کیوں کر ان کو خدا کا شریک تسلیم کر لیا ہے-

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا. (مائدہ : ۷۶) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے برے کا مالک ہو نہ نفع کا-

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِہٖ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا. (بنی اسرائیل : ۵۶) آپ کہہ دیجئے جن کو تم اللہ کی ذات پاک کے سوا معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تو سہی وہ نہ تو تمہاری کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں-

وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَ لَا یَضُرُّکَ. (یونس : ۱۰۶) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان-

قُلِ اللّٰہُ یُنَجِّیْکُمْ مِنْھَا وَ مِنْ کُلِّ کَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ. (الانعام : ٦٤) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی سے بچاتا ہے اس پر بھی تم شرک کرتے ہو-

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبتوں میں اسی کو پکارا جائے' خوف و رجا کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ رکھا جائے اور اسی کی ایک ذات وحدہ لاشریک پر بھروسہ کیا جائے-

خدائے تعالیٰ کی ایک اور خصوصی صفت اس کے سامنے اظہارِ بندگی بھی ہے- عبودیت اور بندگی کی حقیقت دو چیزیں ہیں

www.besturdubooks.net

انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز۔ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو سجدہ کیا جائے' اسی کے نام کی قسم کھائی جائے اور اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جو ہر پہلو سے کامل ہی کامل ہو اور اس میں عیب ونقصان کا کوئی شائبہ نہ ہو اس لیے انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز بھی اسی کا حق ہو سکتا ہے اسی کا نام عبادت ہے۔ نہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک ہے نہ عبادت میں اس کا کوئی اور شریک ہونا چاہیے۔ اب اگر کوئی شخص مذکورہ بالا امور میں کسی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہ اس میں اس کی الوہیت کی صفت بھی تسلیم کرتا ہے۔ شرک کی یہ صورت تو مخلوق کو خالق کے ساتھ مشابہ بنانے کی تھی۔ اب خود خالق کے مشابہ بننے کی صورت یہ ہے کہ غرور وتکبر کی وجہ سے لوگوں سے اپنی مدح سرائی کا طلبگار رہے' اس کا خواہش مند ہو کہ وہ اس سے خوف کھائیں' اس سے امیدیں وابستہ رکھیں' اور اسی کو مشکلات میں اپنا مرجع و ماویٰ سمجھیں۔ یہ تو خاص الوہیت کی خصوصیات میں تشبیہ یا تشبہ کی صورتیں تھیں۔ خدائے قدوس کی بارگاہ بلند میں تو رسمی تشبہ کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اسی بنا پر حدیثوں میں ملک الاملاک (شاہانِ شاہ) نام رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (الجواب الکافی ص ۱۸۲ تا ۱۸۴)

شرک کی انواع واقسام اور عالم کے مختلف فرقوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہمارا مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لیے ہم یہاں صرف اس مختصر بیان پر کفایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عالم کے مشہور فرقے یہ ہیں۔

ثنویہ: یہ دو خالق مانتا تھا ایک خیر کا خالق دوسرا شر کا۔ اس کے سوا کوئی فرقہ خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کا قائل نہ تھا۔ البتہ شرک کی اور بہت سی مختلف صورتوں میں گرفتار تھا۔

صابئیہ: ان کا عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی خاص صفات جیسے صفت وجوب' قدرت اور علم وحکمت میں اگرچہ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں مگر چونکہ اسی نے عالم کا نظم ونسق ارواح کواکب کے حوالہ کر دیا ہے اس لیے تعظیم وتکریم اور عبودیت و نیاز کے جتنے آداب ہیں وہ سب ان ہی کے سامنے ادا کرنے چاہئیں۔ اس فرقے کی مفصل تحقیق ابوبکر رازیؒ نے جن کو جصاص بھی کہا جاتا ہے احکام القرآن میں بیان فرمائی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے صابئین اور اہل اسلام کی عبادت میں ایک اہم فرق پر تنبیہ کی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ گروہ کواکب اور ملائکہ کی عبادت میں مبتلا تھا اور ان کا نام عقول اور نفوس رکھا کرتا تھا اور خالق ومخلوق کے مابین ان کو ایک واسطہ تصور کرتا تھا ان کے مقابلہ میں ملت حنیفیہ تھی۔ جب ملت حنیفیہ نے ان کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا تو انہوں نے الزام کے طور پر کہا کہ خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ تم بشر کا واسطہ مانتے ہو یعنی رسول کا اور ہم روحانیات کا۔ اس لیے ہم تم سے افضل رہے۔ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روحانیات کی نسبت سے بشر ہی کو واسطہ بنانا افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے اس معارضہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہرستانی کو بھی دین حنیف کی پوری حقیقت منکشف نہیں ہو سکی حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف میں خدائے تعالیٰ کی عبادت

www.besturdubooks.net

میں واسطہ کسی کو بھی نہیں بنایا جاتا نہ کسی ملک کو نہ کسی بشر کو اور نہ کسی کی روحانیت کو- یہاں اگر رسولوں کا واسطہ ہوتا ہے تو صرف خدا تعالٰی کے امر و نہی پہنچانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کے لیے- رسول کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نماز کے امام کی یا حاجی کے ساتھ مسئلہ بتانے والے معلم کی جیسا معلم حاجی کو صرف احکام حج بتاتا چلتا ہے ایسا ہی رسول بھی صرف خدائے تعالٰی کی عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرتا ہے- حاجی کا معلم ہو یا نماز کا امام دونوں خدائے تعالٰی کی عبادت میں قطعاً واسطہ نہیں ہوتے بلکہ وہ خود بھی اور لوگوں کے ساتھ خدا تعالٰی کی بلا واسطہ عبادت کرنے میں شریک ہوتے ہیں اس کے برعکس صابئین عبادت ہی میں روحانیات کا واسطہ تعلیم کرتے ہیں- (کتاب الرد علی البکری ص ۳۰۲)

حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ تحقیق نہایت قابل قدر ہے اور اس سے اسلام کی توحید کی پاکیزگی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے- آج مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فرقے صابئین کی طرح انبیاء اور اولیاء کو خدائے تعالٰی کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور اسی کو اپنی عبادت کی قبولیت کا معیار سمجھتے ہیں بلکہ ان کا شرک صابئین سے بھی زیادہ عبرتناک ہے ان کا حال ان مشرکین سے بہت ہی مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (الزمر: ۳) — ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدائے تعالٰی کی بارگاہ میں ذرا قریب کر دیں-

ہنود: ان میں جو فرقہ ذرا ترقی یافتہ تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مدبر عالم درحقیقت حسین و جمیل روحانیات ہیں چونکہ وہ ہمیں آنکھوں سے نظر تو آتی نہیں اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے نام کے سونے اور چاندی کے خوبصورت خوبصورت بت تراش کر ان کے سامنے آدابِ عبودیت بجا لائیں تاکہ ان کا تقرب حاصل ہو اور وہ ہم سے خوش ہو کر ہمارے کاموں میں ہماری مدد کیا کریں-

دوسرا فرقہ جو ان میں ذرا جاہل ہے اس کا خیال یہ ہے کہ خدائے تعالٰی کی ذات پاک خود تو اپنی برتری و تجرد کی وجہ سے ہماری عبادت سے مستغنی اور بے نیاز ہے- اب اس کی عبادت کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہم اپنا قبلہ توجہ بنالیں لہٰذا حیوانات' نباتات اور جمادات میں جو بھی انہیں آثارِ عجیبہ اور خواصِ غریبہ کا حامل نظر آیا اسی کو انہوں نے اپنی عبادت کا قبلۂ توجہ مقرر کر لیا جیسے دریاء گنگا' یا تلسی کا درخت یا طاؤس وغیرہ-

ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالٰی کے مقدس و بزرگ بندے ریاضات و مجاہدات کے بعد جب منازلِ قرب طے کر لیتے ہیں تو وفات کے بعد ان کی روحوں کو ایسی وسعت اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر بن جاتے ہیں اور عالم میں پورے پورے تصرف کے مالک ہو جاتے ہیں اس لیے وفات کے بعد ان کی خوشنودی کے لیے ان کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیے اور ان کو سجدہ کرنا چاہیے تاکہ وہ ہم سے خوش رہیں اور دین و دنیا میں ہماری امداد کریں- ان سب فرقوں کا شرک یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کی ذات میں تعدد کے قائل تھے بلکہ توحید کے قائل ہو کر خدائی تصرفات اور خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کیا کرتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے-

www.besturdubooks.net

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (العنکبوت:٦١)

اگر آپ ان سے پوچھیں بولو کس نے زمین اور آسمانوں کو بنایا اور کس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (العنکبوت:٦٣)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے بارش نازل کی پھر اسی سے زمین کو زندہ کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں متعدد جگہ موجود ہیں ان میں کفار کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب خالق کی اصل صفات تمہارے نزدیک بھی ایک ہی ذات میں منحصر ہیں تو پھر تم الوہیت اور خالقیت کے حقوق میں دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔

قرآن کریم میں جو بات بہت صاف صاف اور بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت اور کسی میں نہیں اس کی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے یہ طاقت نہ کسی دوسرے میں بالذات موجود ہے اور نہ اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کے حوالہ کی ہے حتیٰ کہ دنیا میں سب سے بزرگ ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہیں پھر ان میں سب سے بزرگ تر ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہ طاقت وقدرت آپ کو اپنے جان ومال کے بارے میں بھی عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس بارے میں اپنے عجز کا دنیا کے سامنے صاف صاف اعلان کردیں تاکہ عجائب پرست دنیا نہ تو آپ سے اس قسم کے تصرفات کی فرمائش کر کے آپ کو تنگ کرے اور نہ آپ کی زندگی میں حوادثات کا مشاہدہ کر کے آپ کی رسالت میں شکوک وشبہات نکالے۔ شاید انبیاء علیہم السلام کی شکست میں ایک بڑی حکمت ان کے اسی عجز کا اظہار بھی ہو۔ اسی لیے فتح وظفر کے عظیم الشان مظاہرے اور ہزیمت وشکست کے حوصلہ شکن مواقع پر ہمیشہ یہی بات دہرائی جاتی تھی کہ ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:١٢٦) اترانے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں اگر کامیابی ہو تو یہ مت سمجھو کہ تمہاری طاقت کے بل بوتے پر ہوئی ہے اور اگر ناکامی ہو تو بھی یہ گمان مت کرو کہ فتح کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ فتح ونصرت کا تمام معاملہ صرف اسی کی ذات پر منحصر ہے وہ چاہے تو تیرتے کو ڈبا دے اور چاہے تو ڈوبتے کو ترا دے۔ اور یہ خوب سمجھ لو کہ جو تھوڑی بہت قدرت تم کو عطا ہوئی ہے وہ صرف تمہارے کام چلانے کے لیے عطا ہوئی ہے وہ اتنی نہیں کہ تم دنیا کے تمام فائدوں کو حاصل کرسکو یا اس کے نقصانات سے اپنی کمزور جان کو بچا سکو۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. (الاعراف:١٨٨)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے صرف اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری جگہ یہ بھی واشگاف کردیا گیا کہ جن کے متعلق تمہارا یہ خیال خام ہو وہ بھی اس کے مالک نہیں بلکہ خود الٹے خوف وہراس کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ

کہہ دو (ذرا ان کو) پکارو جن کو تم نے اس کے سوا (خدا) سمجھ رکھا ہے وہ اس کا اختیار نہیں رکھتے کہ تم سے تکلیف کو دور کردیں اور نہ اس کا کہ اس کو بدل کر کسی دوسرے پر ڈال دیں یا اس کو ہلکا ہی کردیں جن کو یہ

www.besturdubooks.net

اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا. (بنی اسرائیل:٥٦و٥٧)	لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے پروردگار تک وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں-

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے اور یہ اپنی قدیم جہالت پر قائم رہے اس پر یہ آیت اتری یا یوں کہا جائے کہ جن' فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ سب اس میں شامل ہیں- خلاصہ یہ ہے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود پکارتے ہو وہ نہ مستقل کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ تمہارے نفع نقصان پہنچانے کی ان میں قدرت ہے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے تقرب کی تلاش میں لیل ونہار سرگرداں ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے لئے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنائیں جو خود اپنی فکر میں ہیں وہ تمہارے تفکرات بھلا کیا دور کر سکتے ہیں وہ تو خود ہی رجاء و بیم کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں-

اصل یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدائے تعالیٰ کی غیب درغیب ذات کی طرف اگر کوئی میلان وانجذام پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف اسی لئے کہ اس کے نزدیک اس کے نفع ونقصان کا رشتہ اسی کی قادر وتوانا ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر اس کے اس اعتقاد میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ میلان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ بندۂ خدا ہونے کے بجائے بندۂ اسباب بن جاتا ہے- اس کی زبان پر اگر ذکر ہوتا ہے تو اسباب کا' اس کے قلب میں اگر محبت ہوتی ہے تو ان ہی کی' خوف ہوتا ہے تو ان ہی سے- حتیٰ کہ اس کے جملہ عواطف ومیلانات کا مرکز یہی اسباب بن جاتے ہیں اور شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفع ونقصان کے اصلی مالک سے اس کو ایسا ذہول ہو جاتا ہے کہ اس کے تذکرہ سے بھی اسے کوئی لگاؤ نہیں رہتا بلکہ انقباض ہونے لگتا ہے جو کیف اور جو ذوق وشوق اس کو یارسول اللہ اور یاغوث کے نعروں میں میسر آتا ہے وہ نعرۂ یااللہ میں نصیب نہیں ہوتا جس محبت سے وہ بزرگوں کی نذر و نیاز کرتا ہے اس کے عشرعشیر سے خدا کی واجب کردہ قربانی ادا نہیں کرتا یہ توحید کا عمق نہیں بلکہ مبادی کفر وشرک ہیں- ذیل کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے-

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ.(البقرة:١٦٥)	انسانوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو بتوں سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی خدا تعالیٰ کی ذات سے مگر جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے-
وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ' الخ. (الزمر : ٤٥)	اور جب نام لیا جاتا ہے ایک اللہ کا تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل رک جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا نام لیا جائے تو خوش ہونے لگتے ہیں-
وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَکَآئِنَا	اور وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں اس کے نام کا ایک حصہ رکھتے ہیں پھر اپنے خیال کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ (نیاز) تو

www.besturdubooks.net

فَمَا لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَاءِ هِمْ. (الانعام: ۱۳۶) — اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو حصہ (نیاز) ان کے شریکوں کا ہوتا وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہ پہنچتا اور جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسفل السافلین اسی وادیٔ شرک کا نام ہے جو ضلالت کی اس کھائی میں جا پڑا۔ سمجھ لو کہ وہ مخلوقات کے سب سے نیچے طبقے میں جا پہنچا۔ اب وہ اشرف المخلوقات نہیں رہا بلکہ سب سے رذیل تر مخلوق بن گیا۔ سورہ و التین میں انسان کے اس سوء انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عالم ایسے نادان فرقے بہت ہی شاذ و نادر گذرے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی ذات میں شرکت کے قائل ہوں۔ اکثر فرقے عبادت ہی میں شرک کیا کرتے تھے اور اس ضلالت میں یہاں تک تجاوز کر گئے تھے کہ ان کے نزدیک معبودِ حقیقی کا نمبر باطل معبودوں سے بھی نیچے گر گیا تھا۔ اس تمام گمراہی کی بنیاد صرف یہی تھی کہ ان کے عقیدے میں ان کے نفع و نقصان کا رشتہ غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مرکز بھی شرک فی العبادت کی تردید ٹھہر گیا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنَ. (الانبیاء: ۲۵) — یعنی اس جہان میں جو رسول بھی آیا وہ یہی ایک سبق لے کر آیا کہ جب اللہ ایک ہی ہے اور اس کا شریک کوئی نہیں تو پھر تم صرف اسی ایک ہی کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور اس میں دوسروں کو کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ توحید الوہیت کا اصل منشا توحید فی العبادۃ ہی کی تعلیم تھی۔ الوہیت کی توحید امر مسلّم ہونے کی وجہ سے اس وقت ایک تمہیدی چیز سمجھی گئی تھی۔ مشرکین عرب اگرچہ بہت سے خدا تسلیم کرتے تھے مگر صاحب تصرف ایک ہی کو مانتے تھے بقیہ سب کو اس کا ماتحت سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے پوچھا بتاؤ کفر کے زمانہ میں تم کتنے خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا سات خداؤں کی چھ زمین میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا اچھا تو امید و بیم کے مواقع پر کس کو یاد کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا اس کو جو آسمان میں ہے۔

وَ إِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ. (العنکبوت: ۶۵) — جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بڑے خلوص سے خدا ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو نجات پاتے ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب کبھی کفار کسی نرغے میں پھنس جاتے تو اس وقت سب کو بھول کر اللہ ہی کی ذات پاک کو یاد کرتے۔

ہمارا منشا یہ نہیں کہ قرآن کریم یا انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شرک فی الذات کی تردید شامل ہی نہ تھی بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے کلام میں جس امر پر زیادہ زور دیا گیا تھا وہ شرک فی العبادت کی تردید تھی۔ اسلام کے جملہ ابواب میں اور ہر بات کے جملہ

www.besturdubooks.net

فصول میں جس نکتہ کی ہر ہر جگہ رعایت ملحوظ رہی ہے وہ بھی شرک فی العبادۃ ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے اصل مقصد توحید فی العبادۃ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ. (الذاریات:۵۶) ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے بنایا ہے۔

اس لیے شیطانی طاقتیں ہمیشہ اسی مقصد میں خلل اندازی کی فکر میں رہتی ہیں اور اسی لیے انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ اسی کے مقابلہ کے لیے آنے چاہئیں۔ اور ان کی بساط شریعت بھی اتنی صاف ہونی چاہیے کہ اس میں شرک فی العبادۃ کی کوئی ادنیٰ سی شکن بھی پیدا ہونے کا امکان نہ رہے۔ اسی لیے شرائع سماویہ میں سب سے کامل شریعت وہی ہونی چاہیے جس کے حدود توحید سب سے زیادہ مستحکم ہوں۔ اسی نکتہ کے پیش نظر اسلام نے ہر اس رگ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے جس میں کفر و شرک کی ادنیٰ رمق بھی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں حد سے تجاوز کرنے کی بدولت شرک میں مبتلا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ذات کے متعلق اطراء اور مبالغہ آمیز کلمات سے ہی نہیں روک دیا بلکہ عام توقیر و تعظیم کی بھی ایسی حد بندی فرما دی کہ پھر اس راستہ سے کفر و شرک کا کوئی احتمال ہی نہ رہا۔ اسلام میں الوہیت کا تخیل صرف مجرد ہی مجرد نہ تھا اس میں خوف و طمع کے دونوں جذبات بھی شامل تھے۔ اس لیے یہاں بھی ایسے مضبوط بند لگا دیئے کہ اب نفع و نقصان اور خوف و طمع کے لیے ایک مسلم کی نظر میں کوئی دوسری چوکھٹ ہی باقی نہ رہی مگر اس کو یہ نہیں سکھایا کہ وہ کسی سے محبت نہ کرے کسی کا خوف نہ رکھے بلکہ یہ سکھایا کہ محبت کرے تو خدا کی خاطر اور ڈرے تو اسی ایک خدا کی خاطر۔ اس نے غیر اللہ سے نفع و نقصان کے تمام رشتے توڑ ڈالے اور صرف مالک حقیقی سے بیم و رجاء کا ایک رشتہ اس کے قلب میں راسخ فرما دیا اس کے دماغ کو صرف صریح شرک و کفر کی نجاستوں ہی سے پاک و صاف نہیں کیا بلکہ اس کو ایسا نازک بنا دیا کہ اگر اس کے گرد و پیش میں کہیں کفر و شرک کا احتمال بھی ہو تو مارے تعفن کے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ اپنا نام غلام غوث اور عبدالنبی رکھنے میں وہی ناگواری محسوس کرنے لگا جو عبدالمطلب یا عبد شمس یا عبد مناف یا عبدالعزیٰ جیسے نام رکھنے میں محسوس کرتا۔ اس کی نظر میں سب سے پیارا نام وہ بن گیا جس میں اس کی نسبت عبدیت اسی ذات کی طرف ہو' جس کا وہ درحقیقت عبد تھا یعنی عبداللہ اور عبدالرحمن۔ اسے جان آفریں کے سوا کسی اور کے نام پر جان قربان کرنے میں غیرت آنے لگی۔ وہ خدا کے گھر کی طرح اپنے گھروں کو لباس پہنانے سے شرمانے لگا بتوں کی طرح اینٹوں اور پتھروں پر غلاف چڑھانے سے نفرت کرنے لگا جب اس کے کان میں ھو البارئ المصور کی آواز آئی تو مصورِ حقیقی کی نقالی کرنے سے اس کی آنکھیں نیچی ہو گئیں اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا اور اس کا قلم تصویر ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

اسلامی توحید کی ان نزاکتوں کا اندازہ آپ کو ذیل کی احادیث سے ہوگا۔ نسائی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ لفظ کہا ماشاء اللّٰہ و شئت (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے فوراً اس کو منع کیا اور ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔ جعلتنی للہ ندا' تو نے تو مجھے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرا دیا" قل ماشاء اللّٰہ وحدہ" (بس یوں کہہ جو صرف ایک اللہ چاہے)۔

امام احمد' ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقولوا ماشاء

www.besturdubooks.net

اللّٰہ و شاء فلان قولوا ماشاء اللّٰہ ثم شاء فلان - یعنی اگر سبب حقیقی کے ساتھ تم کسی وقت سبب ظاہری کا بھی ذکر کرنا چاہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے بالکل برابر اس شخص کا نام ذکر کرو جو ظاہر میں اس کا سبب بنا ہے - بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ادب یہ ہے کہ پہلے تم صرف اللہ تعالیٰ کا نام لو اس کے بعد پھر دوسرے نمبر میں اس شخص کا نام بھی لے سکتے ہو - حدیث شریف میں تین آدمیوں کے امتحان کا ایک طویل قصہ مذکور ہے ان میں ایک مبروص (مرضِ برص والا) تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا - ان کا امتحان یوں مقدر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بصورت آدمی ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آیا اور ان سے اپنی حاجت ان الفاظ میں ظاہر کی فلا بلاغ لی الیوم الا باللّٰہ ثم بک. آج کے دن میری حاجت روائی کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا پھر اس کے بعد ظاہری اسباب میں آپ کی ذات نظر آتی ہے - پس جب اسلامی توحید کی نزاکت اتنا بھی برداشت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی مخلوق کے نام کی صرف عبارتی اور لفظی مساوات بھی گوارا کی جائے تو اس کے حقوق میں کسی کی مساوات کب برداشت کر سکتی ہے - اسلام نے توحید صرف علمی دائرہ میں نہیں سکھلائی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی تاکید کی ہے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کس طرح اس کا نقش انسان کے قلب و دماغ پر جم سکتا ہے اس لیے اس نے عام گفتگو میں بھی کسی کو یہ آزادی نہیں دی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوسرے ناموں کی طرح جس طرح جی چاہے زبان پر لے آئے بلکہ یہ تنبیہ کی ہے کہ اس کی ہستی کا نقش عظمت اس کے قلب میں اتنا گہرا ہونا چاہیے کہ جب کبھی بات کرتے کرتے وہ اس کے باعظمت نام پر جا پہنچے تو یہاں پہنچ کر اس کی زبان لکنت کر جائے اور وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے نام کے ساتھ اس کی تعبیری مساوات بھی گوارا نہ کر سکے یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان کے ایک ایک عمل سے توحید اس طرح نہ ٹپکنے لگے اس وقت تک اس کی توحید بھی صرف ایک دماغی فلسفہ کہلائے گی، عملی دائرہ میں اس کو شرک سے کیا امتیاز ہوگا -

ایک سطحی نظر کا شخص تو حدیث مذکور کو صرف ایک تعبیری اصلاح سمجھے گا مگر ایک علم النفس کا ماہر اس کا پورا ادراک کر لے گا کہ فطری طور پر کسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی اس سے زیادہ مؤثر کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی - اگر آپ کو کتاب الایمان میں احسان کی بحث فراموش نہیں ہوئی تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ آپ کو اس مقام پر احسان کا ایک اور سبق دیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک مؤمن کے قلب و دماغ پر حق تعالیٰ کی ذاتِ قدسی صفات کی محبت کا اس درجہ استحضار اور غلبہ ہو جانا چاہیے کہ کچھ عبادات ہی میں نہیں بلکہ عام بات چیت میں بھی اس کی غیرت - اس کی عظمت و توحید کے خلاف کوئی ادنیٰ ٹھیس برداشت نہ کر سکے - بقول شخصے

شرکت غم میں نہیں چاہتی غیرت میری   غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری
غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم   گوش را نیز حدیثے تو شنیدن ندہم

جب تک ایک مؤمن کا قلب خدائے تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے پر اسی درجہ غیور نہ ہو جائے وہ مقام محبت سے آشنا نہیں ہوتا اور جب تک وہ اس وادی سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک ذوقِ احسان سے بھی آشنا نہیں ہوتا - جب اس تصور کے ساتھ آپ اپنی زبان سے ماشاء اللہ و شاء فلاں کا فقرہ ادا کریں گے تو اس وقت اس معمولی سے کلمہ کی تلخی آپ کی زبان محسوس کر لے گی اور اسی وقت حدیث کی اس تعبیری گرفت کی حکمت بھی آپ پر روشن ہو سکے گی - اسی قسم کے ضمنی مقامات سے ایک فہیم شخص کو یہ اندازہ لگانا

www.besturdubooks.net

چاہیے کہ اس نبی عظیم الشان کی معرفت کا عالم کیا ہوگا جس کی شریعت میں توحید ربانی کا ایک عام ادب یہ ہو کہ سرسری بول چال میں بھی خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ شرکت و مساوات قائم کرنا حقیقی شرک کی برابر مکروہ سمجھا جاتا ہو۔ اسلام کی توحید سمجھنے کے لیے آپ کھلی کھلی آیات اور واضح احادیث کی طرف مت جایئے یہ تو اس کے ابتدائی اسباق ہیں بلکہ ان عملی گوشوں کو بڑے غور سے ملاحظہ کیجیے جن کی سطح میں بظاہر توحید کا کوئی سبق نظر نہیں آتا مگر جب ذرا غور کیجیے تو اس کے عمق میں اصل مقصد وہی ایک درس توحید ثابت ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مسلسل ایک نوع کا عمل نہیں کر سکتا اس کی طبیعت اکتا جاتی ہے اس لیے شریعت نے اس کے لیے مختلف لذتوں کی مختلف عبادتیں مقرر فرمادی ہیں لیکن ان سب کا اصل مقصد وہی ایک نشہ توحید پیدا کرنا ہے اب آپ ذرا جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجیے وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لیے ہوتی ہے جس کے لیے اور فرض نمازیں پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں۔ اگر آپ غور سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک جسد میت کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رکوع و سجود کرنا شاید اسلام کی توحید برداشت نہیں کرتی۔ خیر یہ تو ایک انسان تھا جس کو جاہل قومیں کبھی سجدہ کر بھی لیتی ہیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لیے سامنے گاڑ دی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ بھی ٹھیک سامنے نہ ہونی چاہیے بلکہ ذرا دائیں بائیں سمت مائل ہونی چاہیے تاکہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عبادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ آنے پائے جو ان کی قدیم خصلت کی یاددہانی میں ذرا بھی مدد و معاون ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو دریائے نیل کے پار لے کر اتر آئے تو یہاں ان کی قوم نے دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بڑے حسرت کے انداز میں وہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ. (اعراف: ۱۳۸)	وہ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کے لیے بھی ایسا ہی ایک بت بنا دیجیے جیسے بت ان کے ہیں انہوں نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر صحبت تربیت یافتہ صحابہ اتنے تو نہیں گرے لیکن ایک موقعہ پر جب انہوں نے دیکھا کہ مشرکین نے ایک درخت مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکا دیا کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کو ذاتِ انواط کہا کرتے ہیں تو وہ بھی بے ساختہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی درخت مقرر فرما دیجیے ہم بھی اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کریں گے ذرا سوچیے اس میں شرک کی کیا بات تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات کو بھی نہایت اہمیت دی اور بہت تشدید آمیز لہجہ میں اس طرح تنبیہ کی کہ تمہاری یہ فرمائش ٹھیک ایسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی وہ فرمائش تھی اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔ یہی راز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب معاملات میں جہاں آپ کی کوئی خاص شریعت نازل نہ ہوتی مشرکین عرب کی نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے۔ پس اسلام نے ہر ہر موقعہ پر جہاں کسی دور کے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہو سکتی تھی اس کو بھی جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی

www.besturdubooks.net

ہے- ہمارے فقہاء اس حقیقت کو خوب سمجھے تھے اور اسی لیے انہوں نے فرمایا کہ جو حیوان کبھی کسی قوم کا معبود رہ چکا ہو یا کوئی اور ایسی چیز جو کبھی معبود لغیر اللہ بن چکی ہو اس کو بھی سترہ نہ بنانا چاہیے اور اس کی طرف بھی نماز نہ ادا کرنی چاہیے- اسی طرح طلوع و غروب میں نماز سے ممانعت کی حکمت بھی یہی ہے کہ یہ اوقات بھی مشرکین کی عبادت کے اوقات ہیں ہماری عبادت جہاں ان سے مقصد نیت اور اپنی ترتیب و صورت میں ممتاز ہے اسی طرح وقت میں بھی ممتاز رہنی چاہیے یہ کوئی تنگ نظری نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کی بعید سے بعید رشتوں کے قطع کرنے کی سب سے بہتر صورت ہے-

ایک حدیث میں ارشاد ہے لا تأتوا الصلوۃ و انتم تسعون و أتوھا و علیکم السکینۃ ' الخ نماز کے لیے دوڑتے بھاگتے نہ آیا کرو بلکہ اس طور پر وقار کے ساتھ آیا کرو گویا تم سرتا پا سکون و وقار ہو-

شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مخصوص ادب میں جو بڑی حقیقت پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے لیے جب ایک مخصوص مکان مقرر کر دیا گیا' اس کے لیے ایک اعلان بھی کیا گیا اور اس کے بعد یہ نظر آنے لگا کہ مختلف سمتوں سے مختلف جماعتیں کسی ایک مقصد کے لیے کسی ایک جگہ جمع ہونے جا رہی ہیں اگر وہ بہت زیادہ بھاگ بھاگ کر جائیں گی تو دیکھنے والوں کے دماغ میں یہ نقشہ آ سکتا ہے کہ جس طرح اور مذاہب کو ان کے معبود کسی ایک جگہ رکھے ہوئے مل جاتے ہیں شاید ان کو بھی اپنا معبود کسی مسجد وغیرہ میں رکھا ہوا مل گیا ہے جس کی طرف یہ ایسے والہانہ انداز میں بھاگے جا رہے ہیں اس لیے فرمایا کہ تم بھاگا مت کرو بلکہ اس طرح جایا کرو کہ ہر دیکھنے والا سمجھ جائے کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں کچھ بھی نہیں ہے تم کسی ایسے معبود کی تلاش میں ہو جو اس مکان میں بھی ہے اور اس سے باہر بھی ہر حال میں وہ تمہارے ساتھ ہے- وہ تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے- شیخ اکبرؒ کے اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ شدت شوق میں کسی سفر میں چیخ چیخ کر نعرہائے تسبیح و تہلیل لگا رہے تھے آپ نے ان کو اتنے چیخنے سے منع فرمایا اور کہا کہ تمہاری اس حرکت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا رب شاید تمہارے پاس نہیں کہیں غائب ہے یا اگر موجود ہے تو سنتا نہیں ہے اس کو آہستہ پکارو کیونکہ وہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی تمہارے قریب ہے اونٹ پر سواری کے وقت جو چیز سوار کو سب سے قریب نظر آتی ہے وہ اس کی گردن ہی ہوتی ہے اس لیے نفسیاتی طور پر اس کے قرب کا نقشہ جمانے کے لیے یہی سب سے عمدہ مثال تھی فرمایا انکم لا تدعون اصم و لا غائبا - تم تو اس کو پکارتے ہو جو ہمہ وقت سنتا ہے اور جواب دیتا ہے پس اسلامی توحید تو اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ تمہارے کسی عمل سے خدائے تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے متعلق کوئی ایسا موہوم سے موہوم نقش بھی پیدا ہو سکے جو اس کی شان تقدیس و تنزیہ کے خلاف ہو- چہ جائیکہ اس میں شرک کے آثار صاف صاف نمایاں ہو رہے ہوں- کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع و سجود سے منع کرے قبور کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے حالانکہ وہ قابل تعظیم جسد اب زمین میں مدفون ہو چکا ہے-

یہی حقیقت مشرکین کے لباس' وضع قطع اور معاشی و معاشرتی مخالفت میں بھی پنہاں ہے اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ توحید و شرک کا امتیاز صرف علمی مرتبہ میں نہ رہے بلکہ ایک موحد و مسلم کی رگ رگ سے بھی ٹپکنے لگے- اس کے معنی یہ نہیں کہ جو حق تعالیٰ کا مقرر کردہ طریقہ عبادت ہو اگر مشرکین بھی اسے اختیار کر لیں تو ہمیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہمارا خود

www.besturdubooks.net

کوئی اصل مرکز اور مقام ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راہِ مستقیم کے ہم مالک ہیں اگر اس میں دوسرے لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں تو یہ ان کے شرک میں اسلامی تعلیم کا ایک عکس ہوگا اگر اس میں کچھ ناگواری کی بات ہو تو ان کے لیے ہونی چاہیے نہ یہ کہ ہمیں اپنا مقام چھوڑ کر اس سے ہٹ جانا چاہیے۔ اسی لیے مشرکین کی مخالفت میں اسلام نے ملت حنیفیہ کی اتباع ترک نہیں کی بلکہ الٹا ان کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ تو ہمارا حق ہے اس میں تم ہمارے متبع ہوا گر تم اس کی اتباع کرتے ہو تو اس وجہ سے ہم اپنے اصل حق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. (آل عمران:٦٨)

ابراہیم کے ساتھ خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور مسلمان (جو ایمان لائے)۔

یہ فرق اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ تم ملت حنیفیہ کا دعویٰ تو کرتے ہو مگر اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہو اور ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں آؤ دیکھیں ملت حنیفیہ کی صحیح اتباع کیا ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ. (بقرہ:١٣٥)

کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہ یاب ہو گئے آپ کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے حضرت ابراہیم کی راہ اختیار کی جو ایک ہی طرف کے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ تم تو صرف مدعی ہو مگر ان کے متبع ہم ہیں بلکہ ان کی اتباع کا بڑا حق ہمارا ہے اس لیے ہم کسی حالت میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جو نعرۂ مستانہ حضرت خلیل اپنی ذریت میں بطور یادگار چھوڑ گئے وہ تو یہ ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ.(الانعام: ١٦٢)

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادات، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرمان برداروں میں پہلا فرمان بردار ہوں۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ. (آل عمران: ٦٧)

(حضرت) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی لیکن حنیف تھے یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم کے بڑے فرمان بردار اور مشرک نہ تھے۔

ان عمیق اور حقیقت سے لبریز کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی توحید کا پورا پورا نقشہ صرف زبان سے کلمہ توحید پڑھ لینے سے عیاں نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ انسانی زندگی کے ہر ہر چھوٹے بڑے گوشے سے بھی ظاہر نہ ہونے لگے اور اس کا ہر ہر عمل اسی ایک ذاتِ پاک کے لیے اس طرح خالص ہو کر نہ رہ جائے کہ اس میں اللہ اور لاشریک لہ کے مثبت اور منفی ہر دو پہلو جدا جدا ممتاز نظر نہ آنے لگیں یعنی اس کا اللہ ہونا بھی نمایاں ہو جائے اور شرک کے خلاف ہونا بھی اسی درجہ پر نمایاں ہو جائے۔ توحید کے دعوے کے ساتھ جہاں پہنچ کر مداہنت کی ادنیٰ سی ادنیٰ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے وہ اس کا یہی منفی پہلو ہے اور اسی پہلو کے نمایاں ہو جانے

www.besturdubooks.net

سے اسلام و کفر میں کھلا ہوا امتیاز ہو جاتا ہے۔ شرک کی عام فضاؤں میں جب بھی خدا کے برگزیدہ نبی آئے تو ان کا مقصد صرف توحید کا پرچم لہرا دینے سے پورا نہیں ہوا جب تک کہ انہوں نے علم کفر کو سرنگوں بھی نہیں کر دیا۔ اس لیے ان کے دعووں میں کبھی کوئی ایسا تخلخل نہیں ہوا جس کے بعد کفر لوان سے اپنے ساتھ سازگاری کی کوئی ادنیٰ سی طمع بھی باقی رہ گئی ہو۔ وہ ہمیشہ ایک ٹھوس اور علیحدہ جماعت بنانے کا پروگرام لے کر دنیا میں آئے اور جب تک ان کا یہ مقصد پورا نہ ہولیا روز و شب اسی کے لیے سرگرم عمل رہے ان کی اس پالیسی سے اگر کسی فرد یا جماعت نے اتفاق نہ کیا اور دونوں طرف لگے رہنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کو منافق کا لقب دے کر اپنی جماعت سے ہمیشہ ایک علیحدہ جماعت سمجھا۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے مرحلے پر جتنا اس کا مثبت پہلو اہم ہوتا ہے اتنا ہی اہم اس کا منفی پہلو ہو جاتا ہے اگر آپ اتنی بات سمجھ گئے ہیں تو اب سورۂ قل یا ایھا الکافرون میں ایک ہی مضمون کو دو دو پہلوؤں سے ادا کرنے کا راز بھی سمجھ گئے ہوں گے یعنی کفر و اسلام کے دو راستوں کی واضح علیحدگی کے لیے یہی ایک تعبیر تھی جس کے بعد ان کے مابین سازگاری کی کوئی توقع باقی نہیں رہ سکتی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام و کفر کے درمیان کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا جس جگہ کفر ہے وہاں اسلام نہیں اور جہاں اسلام ہے وہاں کفر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کے ساتھ ساتھ کفر کی کسی ایک ادا کو بھی نبھایا نہیں جا سکتا اسی لیے قرآن کریم نے ایمان پر امن مرتب ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ اس میں شرک کا کوئی میل نہ ہونا چاہیے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ. (سورۃ انعام : ۸۲)	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی بس یہی لوگ امن کے مستحق ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

ایک نصرانی شخص صرف کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا بھی صاف و صریح اقرار نہ کر لے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ ہی تھے یہ اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ لاشریک لہ کا مظاہرہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک جملہ شرکاء پر لا کی شمشیر نہیں چلائی جاتی اس وقت تک صحیح طور پر نعرۂ توحید بلند نہیں ہوتا۔

اسلام نے جہاں ظاہری افعالِ شرک سے منع کیا ہے اسی طرح ان باریک باریک فروگذاشتوں سے بھی روکا ہے جن سے ایک موحد کا اچھا خاصا عمل مشرک کے عمل کے مشابہ بن جاتا ہے مثلاً ریاء و شہرت پسندی جو عمل خواہ وہ اپنی شکل و صورت میں کتنا ہی توحید کا عمل سمجھا جائے لیکن اگر وہ ریاء و شہرت پسندی سے آلودہ ہو جائے تو اسلامی نظر میں وہ بھی ایک قسم کا شرکیہ عمل سمجھا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے عمل کے صالح ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ شرک کی اس قسم سے بھی پاک وصاف ہونا چاہیے اور ایسے ہی عمل کا نتیجہ لقاء رب ہو سکتا ہے۔

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا. (الکھف : ۱۱۰)	تو جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

www.besturdubooks.net

یہاں ''لایشرک'' کی تفسیر لاریائی سے کی گئی ہے یعنی جس شخص کے پیش نظر لقاء رب جیسا اہم مقصد ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک عمل کیا کرے اور اپنی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ بنایا کرے۔ اس آیت میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس امر پر یہاں زیادہ زور دیا گیا ہے وہ وہی خدائے تعالیٰ کی عبادت میں شرکت کی ممانعت ہے۔ ذاتی شرکت کا مسئلہ بھی گو کم اہمیت نہیں رکھتا وہ بھی ایک بدترین کفر ہے لیکن شرک کی جس خطرناک جھاڑی میں ایک مدعی توحید بھی الجھ سکتا ہے وہ صرف شرک فی العبادۃ ہے اور اس کی ایک نہایت دقیق اور باریک قسم ریاء و شہرت پسندی ہے قرآن کریم نے شرک میں عام ابتلاء کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ۔ (یوسف: ۱۰۶) اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔

یعنی ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو ایمان کے زبانی دعوے کے ساتھ شرک جلی اور شرک خفی کے ہر ہر شعبے سے احتراز رکھتے ہوں۔ غرض قرآن عزیز یہ اعلان کرتا ہے کہ محبوب حقیقی کے متلاشی کہاں مارے مارے پھرتے ہیں ان کے لیے اس کی ملاقات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ نیک عمل کریں یہ تو اس کا مثبت پہلو ہوا اور اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس کی عبادت میں شرک کی کسی نوع کی آلودگی بھی پیدا نہ ہونے دیں یہ منفی پہلو اس لیے ضروری ہے کہ بسا اوقات نیک عمل میں بھی شرک خفی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ایسا عمل گو نیک نظر آئے مگر درحقیقت نیک نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح خدائے تعالیٰ کی توحید بھی اس وقت تک خالص توحید نہیں کہلاتی جب تک کہ اس کے ساتھ لا شریک له اور ما انا من المشرکین کا اعلان بھی صاف صاف نہیں کر دیا جاتا۔ آج بھی اگر آپ اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں تو اس میں بھی آپ کو توحید کا مثبت پہلو جتنا صاف اور واضح نظر آئے گا اتنا واضح اس کا دوسرا منفی پہلو نظر نہیں آئے گا خوب یاد رکھئے جب تک کہ اس کا یہ پہلو بھی اتنا ہی واضح نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کی توحید کا نقشہ بھی نامکمل رہے گا۔ مشکل دعویٰ توحید نہیں اس میں تو اکثر تو میں آپ کی ہم آہنگ ہیں جو مرحلہ مشکل ہے وہ تمام شرکاء اور باریک سے باریک شریکوں سے بیزاری ہے اور اس سے بڑھ کر اس بیزاری کا اعلان ہے اسی لیے کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں مثبت پہلو کی بنیاد منفی پہلو پر قائم کی گئی ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد غالباً اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلامی توحید کو اور مذاہب کی توحید سے کتنا امتیاز ہے ان کی توحید تو ابنیت اور تثلیث کے عقیدہ کے باوجود قائم رہ سکتی ہے مگر اسلام کی توحید ریاء و شہرت پسندی کے بار کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی پس جس شرک سے ایک مسلمان کو بچنا ہے وہ صرف خدا کی ذات میں شرک نہیں اس کی عبادت میں شرک بھی نہیں بلکہ شرک کی وہ نوع بھی ہے جو اس کے خالص سے خالص عمل میں بھی خفیہ طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مسلم کو بھی اس سے رستگاری نصیب نہیں ہوتی۔

برائی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینہ میں بنا لیتی ہے تصویریں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک فی الذات شرک فی الصفات (یعنی خدا تعالیٰ کی مخصوص صفات میں کسی کو اس کے برابر سمجھنا) اور

www.besturdubooks.net

شرک فی العبادت تو حقیقی شرک کے اقسام تھے۔ شرک فی القمیہ، شرک خفی (یعنی ریا و شہرت پسندی) اور عقیدۂ توحید کے ساتھ بعض اور ناز یبا طریقے جو اگرچہ شرک نہ ہوں مگر عملاً شرک حقیقی کے مشابہ ہوں یہ سب شرک اور قابل ترک ہی سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ ان کی سرحدیں حقیقی شرک کے ساتھ اتنی ملی جلی ہوتی ہیں کہ ان میں ذرا سی لغزش سے حقیقی شرک میں جا پڑنے کا ہر وقت احتمال ہوتا ہے اس لیے مذہب کی صحیح اتباع یہ نہیں کہ ایسے افعال کو تاویل کر کے کیا جائے اور خوب اصرار کے ساتھ کیا جائے صحیح اتباع یہ ہے کہ جن افعال سے کفر کی بو بھی آئے ان کو بھی کفر کی طرح ترک کر دیا جائے تاکہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا پہلو اپنی پوری حقیقت کے ساتھ نمایاں ہو جائے اور كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ کا پورا پورا نقشہ سامنے آجائے۔ اس کے بعد یہاں شرک کی ایک قسم اور بھی ہے جس کی طرف عام نظریں نہیں پہنچیں اس پر محقق امت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے۔

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم شرک فی الطاعت بھی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی اطاعت کرنی ایسی اطاعت کہ اس میں خدا تعالیٰ کے رسول اور اس کے مبلغ ہونے کی حیثیت بھی ملحوظ نہ رہے حتیٰ کہ اگر اس کا حکم خداوندی حکم کے خلاف بھی ہو جب بھی اسی کی اطاعت کی جائے اس کا نام مستقل اطاعت ہے یہ صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کا حق ہے اس لیے اس میں بھی کسی کو شریک بنانا ایک قسم کا شرک ہی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے اہل کتاب کی اس نوع کی اطاعت کو شرک ہی سے تعبیر کیا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (توبہ : ۳۱) ان لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے) عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔

آیت بالا کی تفسیر میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل کتاب نے تو اپنے احبار و علماء کو کبھی ارباب نہیں بنایا تھا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیوں نہیں، کیا انہوں نے اپنے احبار کو مستقل مطاع کی حیثیت نہیں دی کیا جس کو انہوں نے حلال کہہ دیا انہوں نے اس کو حلال نہیں سمجھ لیا اور جس کو حرام بنا دیا اس کو حرام نہیں سمجھ لیا۔ اطاعت کا یہ منصب صرف ایک رب العزت کے لیے زیبا تھا جب انہوں نے یہ منصب اٹھا کر اپنے احبار کے سپرد کر دیا تو یہی اتخاذ ارباب اور شرک ہے۔ اس مضمون سے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ استنباط فرمایا کہ قرآنی نظر میں اس درجہ کی اطاعت بھی شرک کی ایک قسم ہے جس کو مستقل اطاعت کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کی اطاعت کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ. (الانعام: ۱۲۲) اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو گے۔

رہی غیر مستقل اطاعت جس میں مطاع کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی بلکہ یہ اطاعت رب العزت کے حکم کے ماتحت ہوتی ہے جیسے رسول، مجتہدین امت، سلاطین و امراء، شوہر، والدین اور غلام کی اپنے مالک کی اطاعت اس لیے یہ شرک بھی نہیں بلکہ بعض مرتبہ فرض اور واجب بھی ہوتی ہے۔ عبادت اور اطاعت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت غایت تذلل اور انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار ہے۔ یہ اسی کے لیے مناسب ہے جس میں غایت درجہ عظمت موجود ہو، ایسی عظمت کہ اس سے

www.besturdubooks.net

برتر و ہم و گمان میں نہ آ سکے۔ اس درجہ کی عظمت صرف ایک ذات میں منحصر ہے اس لیے اس میں غیر مستقل طور پر بھی کسی کی شرکت کے لیے گنجائش نہیں اس میں ہر قسم کی شرکت شرک ہے۔ اور اطاعت کے لیے صرف حکمرانی کی لیاقت درکار ہے یہ بطریق نیابت مخلوق میں بھی پیدا ہو سکتی ہے اس لیے نیابۃً غیر اللہ کی اطاعت شرک نہیں۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے امت کے چند فریق افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں ایک تو تاویل کر کے غیر اللہ کی عبادت جائز سمجھنے لگا اور دوسرا اطاعت مجتہدین کو شرک سمجھنے لگا اور کوئی اطاعت رسول کو بھی شرک کا ایک شعبہ قرار دے بیٹھا۔ یہ تمام راہیں حقیقت سے ناآشنا ہونے کی دلیل ہیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی ہر دو پہلوؤں سے پورے طور پر صاف کر دیا ہے۔ علمی لحاظ سے تو اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ اطاعت نہیں ہوتی اس کو مستقل اطاعت سمجھنا ہی غلط ہے اس لیے وہ شرک کیسے ہو سکتی ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰) جس نے رسول کا کہا مانا اس نے خدا ہی کا حکم مانا۔

اور عبادت کے متعلق اس قسم کا کہیں ایک حرف بھی نہیں فرمایا جس سے یہ خطرہ بھی گذر سکے کہ غیر اللہ کی عبادت کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہی جا سکتی ہے اور عملی دائرہ میں رسول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کو خود قرآن کریم ہی نے فرض و واجب قرار دے دیا پھر اس کو شرک کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس عبادت میں کسی کی شرکت کو کسی نہج سے بھی گوارا نہیں کیا بلکہ ایک ادنیٰ سی ریاء کی نیت کو بھی شرک سے تعبیر فرمادیا اور فوز و فلاح کے لیے اس سے بھی احتراز کرنا شرط اول قرار دے دیا پس جتنی بات قرآن کریم سے کسی تاویل کے بغیر صاف اور صریح طور پر سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ اشخاص یا جماعتوں کی اطاعت تو جائز ہے اور عبادت میں اس کا حکم ہی یہ ہے کہ اس میں کسی کو شریک بھی نہ کیا جائے۔

اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (یوسف: ۴۰) اللہ نے اس بات کا حکم دیدیا ہے کہ عبادت بجز اسکے اور کسی کی نہ کی جائے۔

پس مسئلہ تو اتنا صاف اور واضح ہے جتنا کہ ہو سکتا ہے لیکن تاویل کا دروازہ کب بند ہوا اس کو عبادت لغیر اللہ کے مشتاق اور اطاعت رسول سے بیزار دونوں جماعتیں کھڑی کھٹکھٹا رہی ہیں اللہ تعالیٰ دونوں کو صحیح فہم مرحمت فرمائے اطاعت رسول کے متعلق ہم حجیت حدیث کے ذیل میں زیادہ بسط کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

www.besturdubooks.net

الاشراک باللّٰه تعالٰی ممالم یفطر علیه الانسان

(۶۰۲) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فِيْ خُطْبَةٍ اَلَا اِنَّ رَبِّيْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِيْ يَوْمِيْ هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهٗ عَبْدًا حَلَالٌ وَ اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَ اَنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ وَ حَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَهُمْ وَ اَمَرَتْهُمْ اَنْ يُشْرِكُوْا بِيْ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَ اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَ عَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَ قَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِاَبْتَلِيَكَ وَ اَبْتَلِيْ بِكَ وَ اَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهٗ نَائِمًا وَ يَقْظَانَ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ اِذًا يَثْلَغُوْا رَاْسِيْ فَيَدَعُوْهُ خُبْزَةً قَالَ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا اَخْرَجُوْكَ وَ اغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَ اَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ وَ ابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهٗ وَ قَاتِلْ بِمَنْ اَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ.

(رواه مسلم)

شرک انسان کی فطرت نہیں

(۶۰۲) عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا سن لو میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ میں تم کو بھی بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لیے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور اس پر اُبھارا کہ میرا شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب و عجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لیے بھیجا ہے تاکہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا' تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو۔ (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے نہ پانی اسے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لیے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ میں قریش کو جلا کر تباہ کر ڈالوں اور اس پر میں نے عرض کیا وہ تو میرے سر کو کچل ڈالیں گے اور اس کو ایک روٹی کی طرح بنا کر رکھ دیں گے فرمایا تم ان کو نکال باہر کرو جیسا انہوں نے تم کو وطن سے نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خوب لشکر پر خرچ کرو ہم تمہیں خرچ دیں گے اور ان پر فوج کشی کرو ہم ان کی پچگنی اپنی جانب سے اور بھیجیں گے اور اپنے تابعداروں کو ساتھ لے کر ان سے جنگ کرو جو تمہاری نافرمانی کرے۔ (مسلم شریف)

---

(۶۰۲) * عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ بتوں کے نام کے بہت سے جانور اپنے اوپر حرام کرلیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کیے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک و کفر سے پاک پیدا فرمائی ہے اس سے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کسی کے کہنے پر حلال کو حرام سمجھ لینا بھی تھ....

www.besturdubooks.net

(۶۰۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ اَنَّ اَبَا سَلَّامٍ حَدَّثَهُ اَنَّ الْحَارِثَ الْاَشْعَرِيَّ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَ يَاْمُرَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْا بِهَا وَ اَنَّهُ كَادَ اَنْ يُبْطِئَ بِهَا قَالَ عِيْسٰى اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَ تَاْمُرَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَعْمَلُوْا بِهَا فَاِمَّا اَنْ تَاْمُرَهُمْ وَ اِمَّا اَنْ اٰمُرَهُمْ فَقَالَ يَحْيٰى اَخْشٰى اِنْ سَبَقْتَنِيْ بِهَا اَنْ يُخْسَفَ بِيْ اَوْ اُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَاَ وَ قَعَدُوْا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ اَعْمَلَ بِهِنَّ وَ اٰمُرَكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهِنَّ اَوَّلُهُنَّ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ اِنَّ مَثَلَ مَنْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرٰى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ اَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هٰذِهٖ دَارِيْ وَ هٰذَا عَمَلِيْ فَاعْمَلْ وَ اَدِّ اِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَ يُؤَدِّيْ اِلٰى غَيْرِ سَيِّدِهٖ فَاَيُّكُمْ يَرْضٰى اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدُهٗ كَذٰلِكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ فَاِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهٗ لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ

(۶۰۳) زید بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ان سے ابوسلام نے کہا کہ حارث اشعری نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان پر وہ خود بھی عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے کہہ دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے کہنے میں کچھ تاخیر ہونے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے بھی عمل کرنے کے لیے کہہ دیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہہ دیجئے یا پھر میں ان سے کہہ دوں- حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لیے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں اس کے بعد انہوں نے فوراً لوگوں کو بیت مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کر دوں- پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس غلام کی جس کو ایک شخص صرف اپنے' سونے چاندی کے مال سے بلا شرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتادے کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دے دیا کرنا- یہ غلام مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دے دیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو- دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہٰذا جب تک نماز میں رہو اِدھر اُدھر دیکھا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ

ﷺ .... خدا کے شریک ٹھہرانے کے ہی مرادف ہے اسی کو شرک فی الطاعۃ کہا جاتا ہے- خلاصہ یہ کہ شرک فی الذات ہو یا فی العبادت یا فی الطاعت یہ سب انواع انسانی فطرت کے خلاف ہیں ان کا بانی صرف شیطان ہے اور جو اس کی تقلید کرتا ہے وہ عبدرحمٰن نہیں اسی کا بندہ ہے- جب خارجی اثرات یا والدین کی تعلیم سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو پھر عقائد شرکیہ فطرت کا تقاضہ معلوم ہونے لگتے ہیں-

(۶۰۳) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان پانچ باتوں کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر پہلی باتوں پر بھی پورا عمل نہیں ہو سکتا- نماز' روزہ اور بالخصوص زکوٰۃ وصدقات یہ مسلمانوں کی صرف انفرادی عبادتیں نہیں بلکہ ان کی اجتماعی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی عبادتوں کا نظم ﷺ ....

www.besturdubooks.net

مَالَمْ يَلْتَفِتْ وَ اَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِيْ عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيْهَا مِسْكٌ وَ كُلُّهُمْ يَعْجَبُ اَوْ يُعْجِبُهُ رِيْحُهَا اِنَّ رِيْحَ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَ اَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهُ اِلٰى عُنُقِهِ وَ قَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهُ فَقَالَ اَنَا اَفْدِيْهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ فَفَدَا نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَ اَمَرَكُمْ اَنْ تَذْكُرُوا اللّٰهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِيْ اَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَاَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ. اَلسَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ وَ الْجِهَادُ وَ الْهِجْرَةُ وَ الْجَمَاعَةُ فَاِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُرَاجِعَ وَ مَنِ ادَّعٰى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهُ مِنْ جُثَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنْ صَلّٰى وَ صَامَ فَقَالَ وَ اِنْ صَلّٰى وَ صَامَ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ.

(رواہ الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح غريب)

رہتا ہے جب تک وہ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا- تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے روزہ کی مثال ایسی ہے جیسی کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے- چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کر لیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لیے اس کو لیے جا رہے ہوں- یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے چھڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آ رہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط قلعہ کے اندر آ جائے اور اس میں آ کر اپنی جان کو دشمن سے بچا لے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں تم کو ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدائے تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے- اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا جہاد کرنا' ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے اسی کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے اسلام میں پھر زمانہ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس و خاشاک میں داخل ہوا ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگر چہ وہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے- فرمایا اگر چہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے- اس لیے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم اور مؤمن رکھ دیا ہے- (ترمذی شریف)

لہ ...ونسق بلا جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی جماعت بلا کسی امام و امیر کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لیے آپ نے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا ہے جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادتیں پوری طاقت اور آزادی کے ساتھ ادا نہیں کی جا سکتیں آخری شریعت درحقیقت پہلی شریعتوں کے لیے مکمل ہے-

www.besturdubooks.net

الاشراک باللّٰہ اقبح الاشیاء عند اللّٰہ

(۶۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِیْلَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَ ھُوَ خَلَقَکَ ثُمَّ قَالَ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَ لَدَکَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّاْکُلَ مَعَکَ ثُمَّ قَالَ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِکَ فَاَنْزَلَ تَصْدِیْقَ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ. (بخاری شریف)

(۶۰۵) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ قَالَ اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَ ھُوَ خَلَقَکَ قَالَ قُلْتُ لَہٗ اِنَّ ذٰلِکَ لَعَظِیْمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَ لَدَکَ مَخَافَۃَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِکَ. رواہ مسلم و فی طریق اٰخر فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ تَصْدِیْقَھَا (وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا).

(۶۰۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَ اِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَتْرُکْ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَکَھَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ وَ لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ. (رواہ ابن ماجۃ)

شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے

(۶۰۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھہرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد' فرمایا کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مار ڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہو جائے' اس نے کہا پھر اس کے بعد' فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے- آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہوگئی- والذین لا یدعون... الخ-

(بخاری شریف)

(۶۰۵) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بے شک یہ تو بہت بڑا جرم ہے- میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مار ڈالے کہ وہ (بڑا ہو کر) کھانے میں تیرا شریک ہوگا- میں نے عرض کیا پھر' فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بی بی سے زنا کرے- صحیح مسلم کے دوسرے طریقے میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی- (وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا).

(۶۰۶) ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تمہاری بوٹی بوٹی کر دی جائے اور تم کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے- (ابن ماجہ)

www.besturdubooks.net

(۶۰۷) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَعْبُدُ اللّٰہَ وَ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَ یُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَ یَجْتَنِبُ الْکَبَائِرَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ قَالَ فَسَأَلُوْہُ مَا الْکَبَائِرُ قَالَ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَ الْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

(۶۰۷) ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائے' نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے' کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں۔ (مستدرک)

(۶۰۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَغْفِرُ لِعَبْدِہٖ مَا لَمْ یَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ وَّ ہِیَ مُشْرِکَۃٌ۔ (رواہ البیہقی فی کتاب البعث و النشور)

(۶۰۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشتا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت (اور اس کے بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑتا۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ پردہ یہ ہے کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آ جائے۔ (کتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یَعْدِلُ بِہٖ شَیْئًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ کَانَ عَلَیْہِ مِثْلُ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ۔ (ایضًا)

(۶۰۹) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے بغیر مرجائے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دے گا اگرچہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں۔ (ایضًا)

(۶۱۰) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ احمد و الشیخان)

(۶۱۰) ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے خود سنا ہے جو شخص شرک سے پاک وصاف مرجائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (احمد و شیخین)

(۶۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَۃٍ عَلٰی مَغْفِرَۃِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَہٗ وَ مَا اُبَالِیْ مَا لَمْ یُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا۔ (رواہ فی شرح السنہ)

(۶۱۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخش دوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں۔ (شرح السنہ)

(۶۱۲) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

(۶۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّوَاوِيْنُ ثَلَاثَةٌ دِيْوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ. اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ دِيْوَانٌ لَا يَتْرُكُهُ اللّٰهُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ حَتّٰى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَ دِيْوَانٌ لَا يَعْبَأُ اللّٰهُ بِهٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اللّٰهِ فَذَاكَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَ اِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے'' خدائے تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔'' دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لیے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگذر فرمادے۔ (شعب الایمان)

(۶۱۳) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ اِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَ اِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَ مَالِكَ وَ لَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ لَا تَشْرِبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَ اِيَّاكَ وَ الْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ وَ اِيَّاكَ وَ الْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَ اِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَ اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَ اَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَ لَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَ اَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ. (رواہ احمد)

(۶۱۳) معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک بھی کر دیا جائے۔ (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا بھی حکم دیں۔ (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگرچہ اور لوگ بھاگ جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں وباء پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا (اور بھاگنا مت) (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے رہنا۔ (۹) بنظر ادب اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹانا (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے بھی رہنا۔ (احمد)

(۶۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا

(۶۱۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو

(۶۱۴) ✽ اگر شرک کے متعلق حتمی وعید میں قدرت کوئی استثناء گوارا کرتی تو شاید ان سے بڑھ کر اس کا کوئی اور محل نہ ہوتا مگر یہاں بھی صحیح حدیثوں میں خدا کی وعید میں کوئی استثناء ثابت نہیں ہوتا۔ بعض روایات میں جو تفصیلات مذکور ہیں وہ حد ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ یہ حدیث بالفاظ مختلفہ وارد ہوئی ہے ہم نے اس کے مختلف الفاظ سے مختلف فوائد اخذ کیے ہیں اس لیے اس کو کئی جگہ ذکر کیا ہے مگر ہر جگہ لفظ نئے ہیں۔

www.besturdubooks.net

اَبُوْ طَالِبٍ وَ هُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهَا دِمَاغُهٗ. (رواہ البخاری)

گا وہ صرف آگ کے دو چپل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللّٰه منه) (بخاری شریف)

(٦١٥) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَطَّلِعُ فِیْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا مُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ.

(٦١٥) ابوموسیٰ اشعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ۔احمد)

(رواہ ابن ماجة و رواہ احمدعن عبداللہ بن عمرو بن العاص و فی روایته لاثنین مشاحن و قاتل نفس)

(٦١٦) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ دَعُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا. (رواہ مسلم)

(٦١٦) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے پیر' اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ان میں تمام ان بندوں کی بخشش کر دی جاتی ہے جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتے بجز ان کے جن کے دل میں اپنے بھائی کا کینہ ہو۔ ایسے دو شخصوں کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان کا معاملہ ملتوی رکھو تا آنکہ وہ دونوں صلح کر لیں۔ (مسلم)

لاينفع الايمان مع الاشراك بالله

شرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں

(٦١٧) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ

(٦١٧) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت اَلَّذِيْنَ آمَنُوْ... الخ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کسی قسم کا ظلم شامل نہیں کیا الخ) نازل ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔

---

(٦١٦) * آسمانوں میں دروازے ہیں وہ کھولے بھی جاتے ہیں اور بند بھی کیے جاتے ہیں یہ سب عالم غیب کے حقائق ہیں ان میں جگہ جگہ نہ الجھئے اگر کلی طور پر آپ کو عالم غیب کا وجود مسلم ہو چکا ہے تو یہ سب اسی کی معمولی جزئیات ہیں اور اگر ابھی اس کے وجود ہی میں کچھ تردد ہے تو پہلے اسی کو طے کر لیجئے یہاں مقصد یہ ہے کہ ارحم الراحمین کی مہربانیوں کی ایسی ایسی ساعات میں بھی شرک کرنے والا محروم ہی رہتا ہے اپنے ایک مسلمان بھائی سے بغض رکھنے والا شخص بھی کتنا بدنصیب ہے جو محرومی میں ایک مشرک کا شریک بن رہا ہے۔

(٦١٧) * ایمان میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ زبان پر تو خدا کی توحید کا دعویٰ ہو اور عملاً اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا شکوہ فرمایا ہے۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ. ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان لله ....

www.besturdubooks.net

اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ۔ (متفق علیہ)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہاں ظلم سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے- کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جوانہوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز! دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ یہ بڑا ظلم ہے- (متفق علیہ)

(۶۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَءَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَ لَا دِيْنٍ وَ لٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَ طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً۔ (رواہ البخاری)

(۶۱۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں- آپ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جوانہوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کر سکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں- آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دے دو- (بخاری شریف)

لاتقبل الشفاعة في المشرك

مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں

(۶۱۹) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِنْ عِنْدِ

(۶۱۹) عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس

....میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہوگا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اسے امن واطمینان نصیب ہوگا- ایمان اسی وقت نجات بخش ہوتا ہے جب کہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو حتیٰ کہ جس عمل میں شرک خفی یعنی ریاء کی بھی بو ہو وہ بھی آخرت میں کالعدم ہو جائے گا-

(۶۱۸) ✽ ثابت بن قیس پست قد تھے ان کی بی بی کا دل ان سے ملتا نہ تھا جب دل نہیں ملتا تو معاشرتی زندگی میں بے سبب اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں- یہ بی بی کتنی سچی، کتنی دانا اور کتنی دیانت دار تھیں کہ اپنی مقصد براری کے لیے اپنے شوہر کے سر کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر کھڑا نہیں کرتیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنے قلبی اختلاف کا اظہار کر دیتی ہیں کتنی دین دار ہیں کہ جدائی کی درخواست اس لیے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے اسلام میں کفر کی ادنیٰ آمیزش بھی برداشت نہیں کر سکتیں- جس انس ومحبت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ بہ صورت موجودہ اس کو نباہ نہیں سکتیں ایک محسن کے ساتھ قلبی کراہت بھی ایک قسم کا کفر ہے جو اسلام خدائے تعالیٰ کے ساتھ کفر سے روکتا ہے وہی اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتا ہے اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ہو تو وہ انسان کے اسلام کو بدنما کر دیتا ہے- مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلام سے کفر نما افعال کی جڑ بنیاد نکال پھینکے- اس وقت اس کا اسلام سچا اور پکا اسلام کہلانے کا مستحق ہے-

(۶۱۹) ✽ یعنی آپ کی شفاعت کے لیے اور کسی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیتہً اجتناب رہے کیونکہ شرک آپ کی شفاعت کے لیے بھی حجاب ہوگا-

www.besturdubooks.net

رَبِّیْ فَخَیَّرَنِیْ بَیْنَ اَنْ یَّدْخُلَ نِصْفُ اُمَّتِی الْجَنَّۃَ وَ بَیْنَ الشَّفَاعَۃِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَۃَ وَ هِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا.

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہو جائے اور چاہوں تو امت کے لیے شفاعت اختیار کرلوں- میں نے شفاعت کو پسند کرلیا ہے اور یہ ہر اس شخص کے لیے ہو کر رہے گی جو اس حالت پر مر جائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے- (ترمذی-ابن ماجہ)

(۶۲۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَلْقٰی اِبْرَاهِیْمُ اَبَاهُ اٰزَرَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ عَلٰی وَجْهِ اٰزَرَ قَتَرَۃٌ وَ غَبَرَۃٌ فَیَقُوْلُ لَهٗ اِبْرَاهِیْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ لَهٗ اَبُوْهُ فَالْیَوْمَ لَا اَعْصِیْکَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاهِیْمُ یَا رَبِّ اِنَّکَ وَعَدْتَنِیْ اَلَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَاَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِی الْاَبْعَدِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّۃَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ لِاِبْرَاهِیْمَ مَا تَحْتَ رِجْلَیْکَ فَیَنْظُرُ فَاِذَا هُوَ بِذِیْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ. (رواہ البخاری)

(۶۲۰) ابوہریرۃؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور وہ غبار آلود ہوگا تو وہ فرمائیں گے کیا میں نے آپ سے دنیا میں نہیں کہہ دیا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجئے وہ جواب دیں گے اچھا اب نہیں کروں گا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جوش محبت میں) دعا فرمائیں گے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ محشر میں مجھے رسوا نہ کرے گا- آج میرے اس رحمت سے دور افتادہ والد کی حالت سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی- ارشاد ہوگا میں تو جنت کو کافرین پر حرام کر چکا ہوں- اس کے بعد ان سے کہا جائے گا اچھا ذرا اپنے پیروں کے پاس تو دیکھو کیا چیز ہے وہ دیکھیں گے تو ایک کیچڑ میں لتھڑی ہوئی ہنڈار کی مسخ شدہ صورت ان کو نظر آئے گی (یہ مکروہ صورت دیکھ کر تکوینی طور پر ان کے قلب سے شفقت پدری نکل جائے گی) پھر آزر کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا- (بخاری شریف)

(۶۲۱) عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا یَسْتَغْفِرُ

(۶۲۱) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک

---

(۶۲۰) * یہ والد بزرگوار کے لیے سفارش نہیں تھی اس کی ممانعت تو پہلے ہو چکی تھی بلکہ یہ اس وعدہ کی یاددہانی ہے جو ان کی رسوائی سے حفاظت کے متعلق کیا جا چکا تھا- قدرت نے اس کا یوں ایفء کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تا کہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں اگرچہ اس یاددہانی میں دوسرے پیرایہ سے سفارش کی بو بھی آ رہی تھی مگر یہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مشرک امت کے حق میں شفاعت سے بچ بچ کر فرمایا ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (المائدۃ:۱۱۸) یعنی میں آج بحق نبوت تو کچھ بول نہیں سکتا مگر تیری خدائی اور ان کے رشتہ بندگی کو یاد دلاتا ہوں اب تو چاہے تو اپنے بندے سمجھ کر ان کو عذاب دے دے اور چاہے تو بخش دے اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچانہ بچا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچا لے اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کر دیئے- کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا- وله الحمد فی الاولیٰ و الآخرہ-

(۶۲۱) * اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے دعاء مغفرت بھی نہ کرنی چاہیے کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان ہو.....

www.besturdubooks.net

لابویہ و ھما مشرکان فقلت لا تستغفر لا بویک و ھما مشرکان فقال الیس قد استغفر ابراھیم لابیہ و ھو مشرک فذکرتہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت ما کان للنبی و الذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین و لو کانوا اولی قربی من بعد ماتبین لھم انھم اصحاب الجحیم و ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم۔ (رواہ الحاکم فی التفسیر و صححہ الذھبی ایضا و الحدیث یروی فی الصحاح)

والدین کے لیے استغفار کرتے سنا تو میں نے کہا کہ تو ان کے لیے استغفار نہ کر کیونکہ وہ مشرک تھے۔ اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے مغفرت طلب نہ کی تھی حالانکہ وہ بھی تو مشرک تھے۔ یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی اور مؤمنین کے لیے یہ شایان شان نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہو کہ مشرکین سب دوزخی ہیں۔ رہا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کا معاملہ تو وہ صرف ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب ان کو یہ واضح ہو گیا کہ ان کا والد خدائے تعالیٰ کا دشمن تھا تو وہ بھی ان سے الگ ہو گئے (اور سفارش ترک کر دی) ابراہیم مزاج کے نہایت نرم اور بڑے گریہ وزاری کرنے والے نبی تھے۔ (حاکم)

(۶۲۲) عن ابی ھریرۃ قال زار النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر امہ فبکی و ابکی من حولہ فقال استاذنت ربی فی ان استغفر لھا

(۶۲۲) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرلوں تو مجھ کو دے دی اور میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان

☜ ....کر دیا گیا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنی قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابو طالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کی تخفیف کے لیے ہوگی اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے بہر حال مغفرت کا دروازہ کافر کے لیے بند ہے۔

(۶۲۲) ✽ اس قسم کی احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کا جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اس پر کسے باشد سب یکساں ماخوذ ہوں گے اب اگر فرض کر لیجیے کہ کسی کی خاطر رحمت کوئی کرشمہ قدرت دکھا دے اور کسی کو اسی عالم میں دوبارہ زندہ کر کے ایمان کی توفیق بخش دے تاکہ مشرک کے حق میں اس کا آئین بھی محفوظ رہے اور رعایت کرنے کا ایک سبب بھی پیدا ہو جائے تو یہ اس کی مرضی کی بات ہے اس میں کون مداخلت کرسکتا ہے لیکن اس قسم کا مضمون صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا صحیح حدیثوں سے جتنا ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں کی گئی۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی اہم خصوصیت پر حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے۔

واصل ضلال المشرکین انھم ظنوا ان الشفاعۃ عند اللہ کالشفاعۃ عند غیرہ و ھذا اصل ضلال النصاری ایضًا فمن ظن ان الشفاعۃ المعھودۃ من الخلق للخلق تنفع عند اللہ مثل ان یشفع الانسان عند من یرجوہ المشفوع الیہ او یخافہ کما یشفع عند الملک ابنہ او اخوہ او اعوانہ او نظر انہ الذین یخافھم او یرجوھم فیجیب سؤالھم۔ لا جل رجائہ و خوفہ منھم۔ فیمن یشفعون فیہ عندہ و ان کان الملک ☜....

www.besturdubooks.net

فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي وَ اسْتَأْذَنْتُهُ فِي اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاُذِنَ لِي فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ. (رواه مسلم)

کی مغفرت کے لیے درخواست پیش کروں تو مجھ کو اس کی اجازت نہ دی۔ تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مسلم شریف)

(۶۲۳) عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِنْدَهُ اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ اَيْ عَمِّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اُحَاجُّ لَكَ

(۶۲۳) ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا' آپؐ نے ان سے کہا چچا جان لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے تا کہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں

.... او الا میرا وغیرھما یکره الشفاعة فیمن شفعوا فیه فیشفعهم فیه علی کراهة منه و یشفعون عنده ایضا بغیر اذنه فالله تعالی هورب کل شیء و ملیکه و خالقه فلا یشفع احد عنده الا باذنه و لا یشفع احد فی احد الا لمن اذن الله للشفیع ان یشفع فیه فاذا اذن للشفیع شفع و ان لم یسأله الشفیع. و لو سأل الشفیع الشفاعة و لم یأذن الله له لم تنفع شفاعته کما لم تنفع شفاعة نوح فی ابنه و لا ابراهیم فی ابیه و لا مراجعة لوط فی قومه و لا صلوة النبی صلی الله علیه وسلم علی المنافقین و استغفاره لهم.

(الرد علی البکری ص ۶۰)

''یعنی مشرکین اور نصاریٰ کی گمراہی کی اصل حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کا معاملہ بھی مخلوق کی سفارش پر قیاس کر رکھا تھا جیسے یہاں ایک انسان اپنی سفارش کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی سفارش کا اثر پڑ سکے گا یا تو اس لیے کہ اس کا اس سے کوئی تعلق ہے یا وہ اس سے ڈرتا ہے مثلاً بادشاہ کے سامنے اس کے بیٹے یا بھائی یا کسی اس کے مشیر کی سفارش لے جاتا ہے یا پھر اس کے کسی ایسے ہمعصر کی سفارش لے جاتا ہے جس سے بادشاہ کو کوئی خوف ہوتا ہے تو یہ سفارشیں بادشاہ کو بعض اوقات اپنی طبیعت کے خلاف بھی سنی پڑتی ہیں پس جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش بھی اسی نوع کی سمجھی اس نے سخت غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا پروردگار' سب کا مالک' اور خالق ہے اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی کسی کو تاب و طاقت نہیں وہاں اجازت ملنے پر شفاعت ہو سکتی ہے خواہ شفیع نے اپنی جانب سے درخواست بھی نہ کی ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو اگر شفیع ستر بار بھی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی جیسی حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے والد کے لیے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کے حق میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین کے بارے میں قبول نہ ہوئی''۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہِ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی ان ہی کی مرضی پر موقوف ہے انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب و طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں اور جب ذرا آثارِ ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ (التوبۃ : ۱۱۴)

www.besturdubooks.net

بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ وَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُمَيَّةَ يَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَا لَا يُكَلِّمَاهُ حَتّٰى قَالَ اٰخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهٖ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ وَ نَزَلَتْ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ. (رواه البخاری)

آپ کے لیے کچھ گفت وشنید کا موقع مل جائے اس پر ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ فوراً بولے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کا آبائی دین چھوڑ دو گے اور اس سلسلہ میں وہ ابو طالب کو اتنا ورغلاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے جو سب سے آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب ہی کی ملت پر ہوں آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری۔ نبی اور مؤمنوں کے لیے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریب رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ (بخاری شریف)

❁ ❁ ❁

www.besturdubooks.net

الکافر یجازی بحسناتہ فی الحیوۃ الدنیا

کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے

قرآن کریم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کر دیا ہے کہ کافر کے اعمال آخرت میں سب اکارت ہو جائیں گے کیونکہ عمل صالح کی ہستی صرف ان کو عملی جامہ پہنا دینے سے قائم نہیں ہوتی بلکہ روح ایمانی سے قائم ہوتی ہے روح ایمانی کے بغیر وہ صرف ایک بے جان قالب اور عمل صالح کا ایک خول رہتا ہے جس میں نہ تو کچھ حقیقت ہوتی ہے نہ وزن' اسی کو قرآن میں حبط سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کے وہ اعمال جو دنیا میں بظاہر حسنات نظر آتے تھے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ وہ اس کی شامت کفر کی وجہ سے حسنات کا صرف ایک ڈھانچا تھے ان میں حقیقت کی کوئی روح نہ تھی اسی لیے ان اعمال پر وہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہ ہوں گے اور اسی لیے ان کو میزان آخرت میں تولا بھی نہیں جائے گا کیونکہ وزن ہمیشہ اسی چیز کا ہوا کرتا ہے جو ذی مقدار ہو جس کی کوئی مقدار نہیں اس کا وزن کرنا بھی ممکن نہیں' ہاں ان کے اعمال چونکہ حسنات کی صورت ضرور رکھتے ہیں اس لیے آئین رحمت کے ماتحت ان کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو جائے گا' اب وہ خواہ دنیوی وسعت کی شکل میں ہو یا عذاب اخروی کی تخفیف کی صورت میں بہر حال نجاتِ ابدی جس کو قرآن کریم میں فوزِ عظیم کہا گیا ہے' کافر کے اعمال پر کبھی مرتب نہیں ہو سکتی ہاں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے اور یہ بھی ان کے اعمال کے صلہ میں نہیں بلکہ محض فضل ایزدی کے صدقہ میں اور وہ بھی ہر کس و ناکس کے لیے نہیں بلکہ اسی کے لیے جس کے حق میں مولائے کریم فضل کرنا چاہے۔ کافر و مؤمن کے درمیان اس تفریق کی وجہ بھی خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کر دی ہے۔ پہلے آپ ان آیات کو ملاحظہ کیجئے جن میں اعمال کفار کی حیثیت اور ان کے حبط ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے بعد وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں اس تفریق کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

(۱) وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرہ : ٦)

اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور کفر ہی کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا (کیا) دنیا اور (کیا) آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور یہی ہیں دوزخی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

www.besturdubooks.net

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ مَا لَھُمْ مِنْ نّٰصِرِیْنَ. (آل عمران : ۲)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے اور نیز ان لوگوں کو قتل کرتے جو انہیں انصاف کرنے کو کہتے ہیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے یہی ہیں جن کا سارا کیا دھرا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور خدائے تعالیٰ (کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(۳) وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ. (المائدہ:۷)

اور جو ایمان کی (ان باتوں کو) نہ مانے تو اس کا کیا دھرا اکارت ہوا اور آخرت میں بھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

(۴) وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اِنَّھُمْ لَمَعَکُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ. (المائدہ : ۷)

اور مسلمان (کفار کے حال پر افسوس کر کے) کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے اور ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اندر اندر یہود کی تائید میں کوشش کرتے تھے) تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہوا اور وہ سراسر نقصان میں آ گئے۔

(۵) ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ لَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (الانعام : ۹)

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس طرح کی ہدایت دے اور اگر یہ پیغمبر شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا ضائع ہو جاتا۔

(۶) وَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (الاعراف:۱۶)

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو نہ مانا ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا' یہ سزا ان کو ان ہی اعمال بد کی دے جائے گی جو دنیا میں وہ کرتے تھے۔

(۷) مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ وَ فِی النَّارِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ. (التوبۃ : ۲)

مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھیں اور شرک کے افعال (واقوال) سے اپنے اوپر کفر کی شہادت بھی دیے جائیں یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

(۸) وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْکُفَّارَ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ھِیَ حَسْبُھُمْ وَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ

منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے حق میں خدا نے دوزخ کی آگ کی قرارداد کر لی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہی ان کو بس کرتی ہے اور خدا نے ان کو پھٹکار دیا ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے یہی وہ لوگ تھے کہ دنیا اور آخرت دونوں

www.besturdubooks.net

أُولٰئِکَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ. (التوبة : ٧)

میں ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی نقصان میں بھی رہے۔

(٩) مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَ هُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَ بَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (هود : ١)

جن کا مطلب دنیا کی زندگی اور دنیاوی رونق ہوتی ہے ہم ان کے عملوں کا بدلہ یہیں دنیا میں ان کو پورا پورا بھر دیتے ہیں اور وہ دنیا میں کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہتے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں اور جو نیک عمل انہوں نے دنیا میں کیے وہ آخرت میں سب گئے گذرے ہوئے اور ان کا جو کیا دھرا تھا سب لغو تھا۔

(١٠) اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیَاتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَائِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا. (الکهف : ١١)

جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو اور قیامت کے دن اس کے حضور میں حاضری کو نہ مانا تو ان کے عمل اکارت ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(١١) اُولٰئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ. (الاحزاب : ١)

یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل (جو کچھ بھی کیے تھے) اکارت کر دیے۔

(١٢) وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ. لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ. (الزمر : ١١)

اے پیغمبر بلا شبہ تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو گذرے وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے عمل حبط ہو جائیں گے اور ضرور تم گھاٹے میں آ جاؤ گے۔

(١٣) وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ. (النور : ٤)

اور جو لوگ منکر اسلام ہیں ان کے اعمال نرے دھوکے کی ٹٹی[1] ہیں جیسے چٹیل میدان میں چلکتا[2] ہوا ریت کہ پیاسا اس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور (پیاسا تڑپ تڑپ کر مر گیا) اور دیکھا تو خدائے تعالیٰ نے اس کے اعمال کا حساب پورا پورا چکا دیا۔

(١٤) کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ. (الحدید : ٢)

دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی مثال ہے کہ اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور کاشت کار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں منانے لگتا ہے پھر پک کر خشک ہو جاتی ہے تو اے مخاطب تو دیکھے گا کہ وہ پیلی پڑ گئی ہے پھر وہ آخر کار روند میں آ جاتی ہے' الخ

---

[1] سرکنڈوں کا بنا ہوا جال۔ شکار کو دھوکے میں رکھنے کے لیے آڑ۔ [2] چمکدار ' روشن

ان آیات میں صاف طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کی سب نیکیاں آخرت میں اکارت ہو جائیں گی اور ان کے لیے ہرگز نجات بخش نہ ہوں گی ان کی امیدیں سب غلط ہیں' ان کو نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قابل قبول اعمال کو بے وجہ یونہی رد کر دے گا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے مارکیٹ میں اس بے قدر متاع کو لانے میں خود انہوں نے غلطی کی ہے۔ سورۂ محمد کی آیتوں میں کافروں کے اعمال کے نامقبول ہونے کی ذمہ داری خود ان ہی کے سر ڈالی گئی اور یہ کہا گیا ہے کہ جب کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نفرت سے دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو رغبت کی نظر سے کیسے دیکھتا انہوں نے خدا کے احکام سے نفرت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال سے نفرت اختیار کی۔ جب انہوں نے اس کی نارضائی کو پسند کیا اور اس کی رضا جوئی کو مکروہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال کو مکروہ سمجھا اور ان کا اجر حبط کر دیا۔

ان کے اس معاندانہ رویہ کی سزا تو یہ تھی کہ انہیں اور الٹا عذاب دیا جاتا مگر شانِ رحمت نے ان بے روح اعمال پر بھی علی الحساب دنیوی انعامات دے کر ان کا منہ بند کر دیا ہے تاکہ آخرت میں ان کو ثواب کے مطالبہ کا کوئی حق ہی باقی نہ رہے۔ اب حسب ذیل آیات پڑھیے اس کے بعد اس باب کی حدیثوں کو مطالعہ فرمائیے:

(۱۵) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ. (محمد : ۱)

جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا' خدا نے ان کے کئے کرائے اعمال اکارت کر دیئے۔

(۱۶) ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّھِمْ. (محمد : ۳)

مؤمن کے اعمال کی قبولیت اور کفار کے اعمال کی نامقبولیت اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا وہ غلط راستے پر چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے ٹھیک راستے پر چلے۔

(۱۷) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ○ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ. (محمد : ۸، ۹)

اور جو لوگ دین حق سے منکر ہیں ان کے لیے ہلاکت اور ان کا سارا کیا دھرا خدائے تعالیٰ برباد کر دے گا اور یہ اس سبب سے کہ خدا نے جو دین اتارا اس کو انہوں نے پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔

(۱۸) ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰہَ وَ کَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ. (محمد : ۲۸)

یہ نوبت اس لیے آئی کہ جو بات خدا کی ناراضگی کی تھی یہ لوگ اسی کے پیچھے چلے اور اس کی رضا مندی کو ناپسند کیا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ملیامیٹ کر دیئے۔

www.besturdubooks.net

(۱۹) أُولَـٰئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ
مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّـٰاتِهِمْ فِيْ
اَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ۝ وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيٰوتِكُمُ
الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ.
(الاحقاف : ۱٦، ۲۰)

یہ (مسلمان) لوگ ہیں کہ جنتیوں کے ساتھ ہم ان کے نیک عملوں کو قبول فرمائیں گے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کریں گے- اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے دنیا میں کیا گیا تھا........اس دن جب کہ کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا کی زندگی میں اپنے اعمال کے مزے لوٹ چکے اور ان کا خاطر خواہ فائدہ حاصل کر چکے (اب ان کے بدلہ میں تمہارے لیے کیا رکھا ہے) تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم ناحق زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے-

www.besturdubooks.net

(۶۲۴) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا ھُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی رِمَالِ حَصِیْرٍ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَہٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِہٖ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُھَا لِیْفٌ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُدْعُ اللّٰہَ فَلْیُوَسِّعْ عَلٰی اُمَّتِکَ فَاِنَّ فَارِسَ وَ الرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَیْھِمْ وَ ھُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ فَقَالَ اَوَ فِیْ ھٰذَا اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِیْ روایة اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ لَھُمُ الدُّنْیَا وَ لَنَا الْاٰخِرَةُ. (متفق علیه)

(۶۲۴) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا جال بھرا ہوا تھا اور ایک کھرے بوریئے پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے جسم مبارک اور بوریئے کے درمیان کوئی کپڑا تک نہ تھا اس لیے بوریئے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر اُبھر آئے تھے۔ یہ ساد کھ کر میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت پر بھی کچھ وسعت فرمادے۔ دیکھئے تو سہی آخر یہ فارس و روم بھی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں' آپ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی پیچیدگی میں پھنس رہے ہو' ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ پیشگی طور پر دنیا ہی میں دے دیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا رہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔ (بخاری و مسلم)

(۶۲۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اِسْتَسْقٰی یَوْمًا عُمَرُ فَجِیْ بِمَاءٍ قَدْ شِیْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّہٗ طَیِّبٌ لٰکِنَّنِیْ اَسْمَعُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ نَعٰی عَلٰی قَوْمٍ شَھَوَاتِھِمْ فَقَالَ اَذْھَبْتُمْ طَیِّبَاتِکُمْ فِیْ حَیٰوتِکُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِھَا فَاَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ یَشْرَبْہُ. (رواه رزین)

(۶۲۵) زید بن اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لیے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزے دار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اُڑا چکے' اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جارہا ہو۔ یہ کہہ کر شربت ہرگز نہ پیا۔ (رزین)

(۶۲۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً یُعْطٰی بِھَا فِی الدُّنْیَا وَ یُجْزٰی بِھَا فِی الْاٰخِرَةِ وَ اَمَّا الْکَافِرُ فَیُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِھَا لِلّٰہِ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا اَفْضٰی اِلَی الْاٰخِرَةِ لَمْ یَکُنْ لَہٗ حَسَنَةٌ یُجْزٰی بِھَا. (رواه مسلم)

(۶۲۶) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مؤمن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدائے تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں نمٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے۔ (مسلم)

(۶۲۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اُتِیَ بِطَعَامٍ وَ کَانَ

(۶۲۷) سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا

www.besturdubooks.net

صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّي كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَاْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَ اِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَارَ اْسُهُ وَ اُرَاهُ قَالَ وَ قُتِلَ حَمْزَةُ وَ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّي ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْقَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَ لَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ. (رواه البخاری)

گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کے لیے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدر جہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لیے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہوئی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جارہا ہو' یہ کہہ کر اتنا روئے کہ کھانا (اسی طرح) چھوڑ دیا۔ (بخاری)

(۶۲۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَحْسَنَ مِنْ مُّسْلِمٍ وَ لَا كَافِرٍ اِلَّا اَثَابَهُ اللّٰهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اِثَابَةُ الْكَافِرِ قَالَ اِنْ كَانَ قَدْ وَصَلَ رَحِمًا اَوْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اَوْ عَمِلَ حَسَنَةً اَثَابَهُ اللّٰهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَ الصِّحَّةَ وَ اَشْبَاهَ ذَالِكَ قَالَ فَقُلْنَا مَا اِثَابَتُهُ فِي الْاٰخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُوْنَ الْعَذَابِ قَالَ وَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ.

(۶۲۸) حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے' یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال اولاد' تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دے دیتا ہے ہم نے عرض کیا یہ تو دنیا میں بدلا ہوا آخرت میں ان کا بدلا کیا ہوگا۔ فرمایا عذاب کی تخفیف' اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی اُدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ ...الخ فرعونیوں کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ (مستدرک)

(اخرجه الحاکم فی التفسیر ص ۲۵۳ ج۲ و قال الذهبی فیه عتبة یقظان واه)

حسنات الکافر اذا اسلم

اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو سکتی ہیں؟

(۶۲۹) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۶۲۹) حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے میرے وہ نیک کام جو میں زمانہ جاہلیت

---

(۶۲۸) * بظاہر آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہٰذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

(۶۲۹) * اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کے نیک عمل اسلام کے بعد معتبر ہو سکتے ہیں لیکن بحث طلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو جب بھی ان کا کوئی نفع ظاہر ہوگا یا نہیں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو زکوٰۃ' عتق' اور صلہ رحمی کے مختلف ابواب میں روایت کیا ہے ؒ .....

www.besturdubooks.net

اَرَأَيْتَ اُمُوْرًا كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ اَوْ عَتَاقَةٍ اَوْ صِلَةِ رَحِمٍ اَفِيْهَا اَجْرٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ.

(رواه البخاری و مسلم و الحاکم فی مستدرکه فی مناقب حکیم)

میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنا کیا ان کا بھی مجھ کو ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا تم جتنی نیکیاں پہلے کر چکے ہو ان سب کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے ہو۔ (یعنی ان کا بھی ثواب ملے گا) (بخاری۔ مسلم۔ مستدرک)

حسنات الکافر اذا لم یسلم

اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں

(۶۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَغْنَيْتَ عَنْ عَمِّكَ فَاِنَّهُ كَانَ يَحُوْطُكَ وَ يَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَّارٍ وَ لَوْ لَا اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ.

(رواه البخاری فی قصة ابی طالب)

(۶۳۰) عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے چچا (ابو طالب) کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ فرمایا دوزخ میں ان کو ٹخنوں تک عذاب ہوگا۔ اگر کہیں میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں ہوتے۔ (بخاری)

(۶۳۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذُكِرَ

(۶۳۱) ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کے متعلق آپ کو یہ

.....اور ہر جگہ اس پر صدقہ مشرک اور عتق مشرک کا عنوان قائم کر کے "ثم اسلم" (یعنی پھر اسلام قبول کر لے) کی قید لگا دی ہے۔ یعنی اگر مشرک صدقہ یا غلام آزاد کر کے مسلمان ہو جائے تو کیا اس کے یہ اعمال موجب ثواب ہوں گے؟ حافظ ابن حجرؒ نے غالباً اسی لیے یہ تفصیل اختیار فرمائی ہے کہ کافر اگر اسلام قبول کر لے جب تو اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک امام بخاری نے ان تراجم میں اس مسئلہ کے فیصلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیچیدہ اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب جزم کرنا خلاف احتیاط سمجھا ہے اور اس لیے الفاظ حدیث ہی کو عنوان باب بنا دیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کافر کے طاعات معتبر ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے یہی اس کے حق میں بہت بڑی بات ہے اس کے سوا اس کے حق میں نجات ابدی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا پوری بحث عن قریب آنے والی ہے۔

(۶۳۱) * ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہو سکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خاص موقعہ پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جاتی۔ مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے "شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم لابی طالب و التخفیف عنه بسببه" اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابو طالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی سفارش میں ان کی اس جاں نثاری کا دخل بھی ضرور تھا۔ .....

www.besturdubooks.net

عِنْدَهُ عَمُّهُ اَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ تَغْلِيْ مِنْهُ اُمُّ دِمَاغِهٖ.

(رواه البخاری)

فرماتے سنا' قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دے دے اور اس کی وجہ سے وہ تھیلی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔

(بخاری شریف)

(۶۳۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَ يَفْعَلُ وَ يَفْعَلُ فَهَلْ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ يَعْنِيْ مِنْ اَجْرٍ قَالَ اِنَّ اَبَاكَ طَلَبَ اَمْرًا فَاَصَابَهٗ.

(رواه احمد قال الهيثمي و رجاله ثقات و الطبراني في الكبير)

(۶۳۲) عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے تھے انہیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ کچھ ان کا ثواب ملے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ تمہارے والد کی جونیت تھی وہ انہیں حاصل ہوگی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ اتنی ہوگئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت ضرب المثل ہوگئی یہ کمال بلاغت تھی کہ بیٹے کے منہ پر باپ کی عدم مغفرت بیان کرنے سے اعراض فرمایا)۔ (احمد و طبرانی)

(۶۳۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۶۳۳) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ابن

ك..... حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول کی ذات سے متمتع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں:

الداعي انما ينتفع من وجهين اما بدعاء الرسول و اما بايمان الداعي به و طاعته و محبته فاذا كان الرسول لم يدع له و هو لم يؤمن به لم ينتفع بالرسول صلى الله عليه وسلم فابو طالب مع كفره لما كان يحوط الرسول و يمنعه شفع فيه حتى خفت عنه العذاب. (كتاب الرد على البكرى ص ۶۲)

''کسی دعا کرنے والے کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعا و سفارش کرے' یا یہ شخص خود اس رسول پر ایمان رکھتا ہو' اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو پس اگر نہ تو رسول اس کے حق میں دعا کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ابو طالب باوجودیکہ کافر تھے لیکن چونکہ وہ آپؐ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی) اس لیے ان کے حق میں آپؐ کی سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔''

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے برخلاف قرآن کی تصریح یہ ہے کہ ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ﴾ (المدثر: ۴۸) کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس کا سب سے بہتر اور بے تکلف جواب امام قرطبی کا ہے وہ فرماتے ہیں:

المراد بها في الاية الاخراج من النار و في الحديث المنفعة بالتخفيف. (فتح الباری)

''آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں مل سکتی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نجات نہیں۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْنَ جُدْعَانَ كَانَ يَقْرِى الضَّيْفَ وَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَ يَفْعَلُ وَ يَفْعَلُ اَيَنْفَعُهُ ذَالِكَ قَالَ لَا اِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا قَطُّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِيْئَتِیْ يَوْمَ الدِّيْنِ.

(رواه مسلم و ابن جرير و الحاكم و صححه)

جدعان بڑی مہمان نوازی‘ بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتا تھا‘ کیا یہ کام اس کے لیے کچھ سودمند ہوں گے فرمایا؟ نہیں اس نے کسی دن (بھولے سے) بھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار قیامت میں میری خطاؤں سے درگذر کرنا۔

(ابن جریر و حاکم و مسلم)

(۶۳۴) عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِیْ قِصَّةِ اَنَّ ثُوَيْبَةَ مَوْلَاةٌ لِاَبِیْ لَهَبٍ وَ كَانَ اَبُوْ لَهَبٍ اَعْتَقَهَا فَاَرْضَعَتِ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ لَهَبٍ اُرِيَهُ بَعْضُ اَهْلِهِ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيْتَ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَ كُمْ غَيْرَ اَنِّیْ سُقِيْتُ فِیْ هٰذِهِ بِعَتَاقَتِیْ ثُوَيْبَةَ. (رواه البخاری)

(۶۳۴) زہری سے روایت ہے کہ عروہ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اس آزاد شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے پوچھا کہو کیا گذری؟ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی راحت نہیں مل سکی بجز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس لیے اس کے بدلہ میں مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

(وفی الفتح ذکر السهیلی ان العباس قال لما مات ابو لهب رأيته فی منامی بعد حول فی شر حال فقال ما لقيت بعدکم راحة الاان العذاب يخفف عنی فی کل يوم اثنين قال و ذلک ان النبی صلی الله عليه وسلم ولديوم الاثنين و کانت ثويبة بشرت اباالهب بمولده فاعتقها.)

فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباسؓ کہتے ہیں جب ابولہب مر گیا تو میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ صرف پیر کے دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپؐ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے خوشی میں آ کر اس کو آزاد کر دیا تھا۔

(۶۳۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةَ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ اِبْنُهٗ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَاَرَادَ اِبْنُهٗ عَمْرٌو اَنْ يَّعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةَ

(۶۳۵) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے تھے دوسرے فرزند عمرو نے بقیہ پچاس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہؐ میرے والد ماجد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت فرمائی تھی پچاس تو

www.besturdubooks.net

رَقَبَةٍ وَ اِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَ بَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَالِکَ. (رواہ ابو داؤد)

میرے بھائی ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں اور پچاس ابھی باقی ہیں اور اجازت ہو تو ان کی طرف سے وہ میں آزاد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا کچھ صدقہ دیتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب بے شک ان کو پہنچتا۔ (ابوداؤد)

(۶۳۶) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ يَزِيْدَ الْجُعْفِيِّ قَالَ انْطَلَقْتُ اَنَا وَ اَخِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّنَا مُلَيْكَةَ كَانَتْ تَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَقْرِي الضَّيْفَ وَ تَفْعَلُ وَ تَفْعَلُ هَلَكَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَالِکَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ قُلْنَا فَاِنَّهَا كَانَتْ وَ اَدَتْ اُخْتًا لَنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَالِکَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ الْوَائِدَةُ وَ الْمَوْؤُدَةُ فِي النَّارِ اِلَّا اَنْ تُدْرِکَ الْوَائِدَةُ الْاِسْلَامَ فَيَعْفُوَ اللّٰهُ عَنْهَا.

(۶۳۶) سلمہ بن یزید سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے (حاضر ہو کر) پوچھا یا رسول اللہ ہماری والدہ ملیکہ بڑی (نیک اور پارسا بی بی تھیں) صلہ رحمی کرتیں، مہمان نوازی کرتیں اور بھی اچھے اچھے کام کیا کرتی تھیں۔ کفر ہی کے زمانہ میں ان کا انتقال ہو گیا ہے کیا ان کے یہ اعمال انہیں کچھ سودمند ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کچھ نہیں پھر ہم نے پوچھا کہ انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اس معصوم کو (گناہ کی تمیز سے پہلے مر جانے سے) کوئی فائدہ ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رسم بد ادا کرنے والی اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں ہیں ہاں اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والی اسلام قبول کر لیتی اور اللہ تعالیٰ اس کا یہ جرم بخش دیتا تو پھر نجات کی صورت ہو سکتی تھی۔ (احمد وطبرانی)

(رواہ احمد و الطبرانی قال الهيثمي رجال احمد رجال الصحيح و في مشكل الآثار عن سلمة بن زيد بدل يزيد كما في اسباب الورود ج ۲ ص ۲۹۷ و فيه فهل ينفعه عمل ان عملناه عنها' الخ)

(۶۳۷) عَنْ اَبِيْ نُعَيْمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اَوْ

(۶۳۷) ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص یا ایک

---

(۶۳۶) ✱ یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف اتنا قصہ مذکور ہے "الوائدة و الموؤدة في النار" اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کلیہ ہے اور اس وجہ سے اطفالِ مشرکین کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو گیا کہ اس کا شانِ نزول ایک خاص واقعہ ہے لہٰذا موؤدہ سے یہی خاص موؤدہ مراد ہو گی۔ ابوداؤد میں حسناء اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں اس میں اس کے خلاف یہ ہے والوئيد في الجنة. (مشکوٰۃ ص ۳۳۵) مسئلہ کی تفصیل کتاب الجنائز میں کی جائے گی۔ آخرت میں اصل نفع چونکہ عذاب دوزخ سے نجات ہے اس لیے سائلین کے سوال پر آپ مجملاً نفع کی نفی فرماتے رہے۔ نیز کافروں کے اعمال کے معمولی سے نفع کی بے وجہ تشریح کرنا صاحب نبوۃ کے لیے ذرا موزوں بھی نہ تھا۔ آپؐ دنیا کو شرک سے نفرت دلانے کے لیے آئے تھے خدا کی رحمتوں اور اس کی رحمتوں کے کرشموں کے بیان کرنے کا محل اور ہے۔

(۶۳۷) ✱ یہ امر تو تقریباً طے شدہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اس کے اسلام کے بعد معتبر ہو سکتی ہیں یعنی رحمت ان پر بھی اس کو ثواب ملے....

www.besturdubooks.net

شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَنَزَلَ عَلٰى مَسْرُوْقٍ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُوْلُ قَالَ

بوڑھا شخص (راوی کو شک ہے) آیا اور مسروق کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی

ﷺ .... دے سکتی ہے بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر مسلمان نہ ہو تو کیا پھر بھی اس کی نیکیوں کا کوئی ثمرہ آخرت میں ظاہر ہو سکے گا یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان کی نیکیاں کس درجہ میں قابل اعتبار ہوں کیا یہ حکم ان کی عبادتوں کو بھی شامل ہے یا عبادتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان دونوں مسئلوں میں علماء کا اختلاف ہے۔

پہلے مسئلہ کے بارے میں محققین کے مختلف اقوال کا خلاصہ یہ ہے:

و ذهب ابن بطال و غيره من المحققين الى ان الكافر اذا اسلم و مات على الاسلام يثاب على ما فعله من الخير في حال الكفر و استدلوا بحديث ابي سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اسلم الكافر فحسن اسلامه كتب الله له كل حسنة زلفها الخ ذكره الدار قطني في غريب حديث مالك ورواه عنه من تسع طرق و ثبت فيها كلها ان الكافر اذا حسن اسلامه يكتب له في الاسلام كل حسنه عملها في الشرك. (النووی ج ۱ ص ۷۷)

''ابن بطال اور دوسرے محققین کا مختار یہ ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے اور اسی حالت پر اس کا انتقال ہو جائے تو جو نیک کام وہ کفر کے زمانہ میں کر چکا ہے ان کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے اس کی دلیل ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کافر مسلمان ہو جائے اور خوب اچھی طرح مسلمان ہو جائے تو جو نیکیاں پہلے وہ کر چکا تھا اللہ تعالیٰ وہ سب نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ دار قطنی نے اس حدیث کو مالک کی غریب حدیثوں میں ذکر کیا ہے اور نو طریقوں سے صحیح طور پر یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جب کافر سچے طور پر مسلمان ہو جاتا ہے تو تمام وہ نیکیاں جو شرک کے زمانہ میں وہ کر چکا تھا اسلام کے بعد لکھ دی جاتی ہیں''۔ (نووی)

قال الحافظ و الحق انه لا يلزم من كتابة الثواب للمسلم في حال اسلامه تفضلا من الله و احسانا ان يكون ذلك لكون عمله الصادر منه في الكفر مقبولاً و الحديث انما تضمن كتابة الثواب و لم يتعرض للقبول و يحتمل ان يكون القبول يصير معلقًا على اسلامه فيقبل و يثاب ان اسلم و الا غلا و هذا قوى.

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کافر کے متعلق اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی نیکی کا ثواب لکھے جانے کا ذکر ہے اس سے زمانہ کفر کے عمل کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے بعد یہ کتابت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس پر ایک انعام و احسان کی طور پر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قبولیت کی بنا پر مگر یہ قبولیت اس کے اسلام لانے پر موقوف رہے اگر مسلمان ہو گیا تو قبول ہو جائے ورنہ قبول نہ ہو اور یہی جواب زیادہ قوی ہے۔

قال ابن المنير المخالف للقواعد دعوى ان يكتب له ذلك في حال كفره و اما ان الله يضيف الى حسناته في الاسلام ثواب ما كان صدر منه لا مما كان يظنه خير افلا مانع منه كما لو تفضل عليه ابتداء من غير عمل و كما يتفضل على العاجز بثواب ما كان يعمل و هو قادر فاذا جازله ان يكتب له ثواب مالم يعمل البتة جازله ان يكتب له ثواب ما عمله غير موفي الشرط. (فتح الباری)

ابن منیر کہتے ہیں کہ جو بات قواعد شریعت کے خلاف ہے وہ صرف یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں کفر ہی کے زمانہ میں لکھی جائیں رہی ﷺ....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا لَمْ تَضُرُّہٗ مَعَہٗ خَطِیْئَۃٌ وَ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت پر مرجائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو کوئی گناہ اس کو جنت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا

.... یہ بات کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں ان نیکیوں کے ثواب کا بھی اضافہ فرمادے جن کو وہ عہد کفر میں اچھے عمل سمجھ کر کرچکا ہے تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے جب کہ اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کسی کو عمل کیے بغیر یونہی ابتداء ثواب دے دے یا عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے اعمال کے برابر ثواب بخش دے تو اس کے اسلام کے بعد زمانہ کفر کے کیے ہوئے اعمال پر ثواب دینے کی قدرت کیوں نہیں اگرچہ ان کی قبولیت کی شرط اس وقت موجود نہ تھی۔ (یعنی اسلام)۔ (فتح الباری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اسلام کے بعد تو معتبر ہوسکتی ہیں لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوا تو پھر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ دوسرے مسئلہ میں امام نووی کی رائے یہ ہے کہ کافر کی عبادات طاعات اور قربات ہر قسم کی نیکیاں معتبر ہوسکتی ہیں۔ اس پر ان کو یہاں تک اصرار ہے کہ وہ فقہاء کے قول میں بھی تاویل کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں۔

لا تصح عبادۃ الکافر و لو اسلم لم یعتدبھا.

کافر کی عبادت صحیح نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر وہ مسلمان بھی ہوجائے جب بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

شیخ اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں:

مرادھم انہ لا یعتدلہ بھا فی احکام الدنیا و لیس نعرض لثواب الاخرۃ.

فقہاء کی مراد یہ ہے کہ احکام دنیا میں ان کا اعتبار نہ ہوگا آخرت کے ثواب کے متعلق ان کے قول میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ (گویا اسلام کے بعد کافر کی گذشتہ عبادات کا ثواب آخرت میں مل سکتا ہے)۔

یہاں حضرت استاد مرحوم کا فیصلہ یہ ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں نفع بخش ہوسکتے ہیں گو اس کی صورت صرف تخفیف عذاب ہو۔ آخر ایک منصف اور ظالم کافر کے عذاب میں فرق بدیہی ہے۔ اس فرق کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ منصف کافر کا انصاف ہی اس کے حق میں تخفیف[1] عذاب کا موجب ہو ورنہ اصل کفر میں تو دونوں برابر ہیں۔ پس حافظ ابن حجرؒ کا حدیثوں کی ....

---

[1] شیخ محی الدین نوویؒ امام بیہقیؒ سے نقل فرماتے ہیں:

قال البیھقی و قد یجوز ان یکون حدیث ابن جدعان و ما وردبین الایات و الاخبار فی بطلان خیرات الکافر اذا مات علی الکفر ورد فی انہ لا یکون لھا موقع التخلص من النار و ادخال الجنۃ و لکن یخفف عنہ من عذابہ الذی یستوجبہ علی جنایات ارتکبھا سوی الکفر بما فعل من الخیرات اھ (مجتبیٰ ص ۱۱۵) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابن جدعان کی حدیث اور سب آیتیں اور حدیثیں جن میں کہ کافر کے بحالت کفر مرجانے کے بعد اس کی نیکیوں کے برباد ہوجانے کا ذکر آیا ہے وہ اس پر محمول ہوں کہ ان نیکیوں کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب دوزخ سے نجات اور جنت نہ ہوسکے گا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے کفر کے علاوہ اس کے اور برے افعال کی سزا میں ایک گونہ تخفیف کردی جائے۔

امام بیہقیؒ کی اس عبارت میں یہ اور وضاحت ہوگئی کہ تخفیف عذاب سے مراد بھی اس کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف ہے۔ کفر کے عذاب میں نہیں۔ گویا نیکیوں کا اثر کفر کے معاملہ میں کچھ نہیں ہوگا۔

www.besturdubooks.net

مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يُشْرِكُ بِهِ لَمْ تَنْفَعْهُ مَعَهُ حَسَنَةٌ.	اور جو شخص شرک کی حالت پر مرے تو کوئی نیکی اس کو سود مند نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔ (احمد وطبرانی)

(قال الهيثمي رواه احمد و الطبراني في الكبير و رجاله رجال الصحيح ما خلا التابعي فانه لم يسلم و رواه الطبراني فجعله من رواية مسروق و رواه عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما كما في رحمة المهداة)

﴾.... تاویل کرنا اور یہ فرمانا کہ کافر کے اعمال کا نفع ہو تو سکتا ہے مگر یہ نفع اسی وقت ظاہر ہوگا جب وہ مسلمان ہو جائے ظاہر کے خلاف ہے۔ ہاں شیخ محی الدین نووی کی اتنی تعمیم کر دینی کہ ان کی سب نیکیاں معتبر ہیں یہاں تک کہ عبادتیں بھی' یہ بھی دلپذیر نہیں۔ متوسط فیصلہ یہ ہے کہ کافر کی عام نیکیاں تو معتبر ہو سکتی ہیں مگر اس کی عبادت کوئی معتبر نہیں ہو سکتی۔ عبادات اور دوسرے اچھے کاموں میں فرق یہ ہے کہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ عبادت میں نیت اور صاحب حق کی معرفت بھی درکار ہے۔ کافر کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی عبادت خدائے تعالیٰ کی عبادت ہی نہیں ہوتی وہ صرف اپنے ایک خیالی معبود کی عبادت ہوتی ہے۔ اور نیک کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کو انسان اپنی فطرت سے مذہب کی قیود و بند کے بغیر بھی اچھا سمجھتا ہے ان میں نیت کرنا شرط نہیں۔ احادیث بالا میں اسی قسم کے اعمال کا ذکر ہے جیسے بنی نوع انسان کی ہمدردی' عدل و انصاف' صدقہ و خیرات' صلہ رحمی' مہمان نوازی' غلام آزاد کرنا' اور اسی قسم کے اور اعمال[1]

ظاہر ہے کہ یہ کام ایک کافر کے بھی اسی طرح اچھے کہلاتے ہیں جس طرح ایک مسلمان کے' پس اس قسم کے کام تو کافر کے بھی معتبر ہو سکتے ہیں خواہ وہ اسلام لائے یا نہ لائے۔ ہاں عذاب دوزخ سے ابدی نجات صرف اسلام پر موقوف ہوگی۔ اسی طرح تمام عبادتوں کی قبولیت بھی بغیر اسلام کے نصیب نہیں ہو سکتی۔

اس لیے ممکن ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں عذاب کی تخفیف کا فائدہ دے سکیں مگر یہ بھی مشیتِ الٰہیہ کے تابع ہے بشکل ضابطہ نہیں۔ اب رہ گئیں وہ آیات جن میں کفار کے حق میں تخفیف عذاب کی نفی مذکور ہے تو ان سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کی رعایت کر کے جو عذاب ان کے لیے مقرر کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی تخفیف نہ کی جائے گی اور جو تخفیف ہم نے یہاں ذکر کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر کے پاس حسنات نہ ہوں تو جتنا عذاب اس کو اس وقت ہوتا ان حسنات کے ہوتے ہوئے اتنا عذاب نہیں ہوگا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ عذاب مقرر شروع ہو جانے کے بعد پھر اس میں کسی قسم کی تخفیف کی جائے گی۔ اس لیے جو تخفیف ہم نے ذکر کی ہے وہ صرف ایک ذہنی امر ہے خارج میں اس کا کوئی ثمرہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مشرک پر جس شدت کے ساتھ مغفرت کے دروازے بند ہیں شاید تخفیف عذاب کے دروازے اس شدت کے ساتھ بند نہیں۔ کسی کی سفارش یا کرشمہ رحمت کے صدقہ میں عذاب آخرت کے تخفیف کی گنجائش نکل سکتی ہے البتہ دنیوی فراوانی کو اس کے حق میں بھی ضابطہ کہا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مختصری بحث ترجمان السنہ جلد اول ص ۵۲ پر بھی گذر چکی ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

[1] شیخ محی الدین نووی ایک حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ و صرح في هذا الحديث بان يطعم في الدنيا بما عمله من الحسنات اما بما فعله متقربا به الى الله تعالىٰ مما لا يفتقر الى النية كصلة الرحم و الصدقة و العتق و الضيافة و تسهيل الخيرات و نحوها. (ج ۲ ص ۳۷۴)

یعنی جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ کافر کی نیکیوں کا بدلہ اس کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے اس میں اسی قسم کی نیکیوں کا ذکر ہے جن کو انسان ثواب کے لیے کیا کرتا ہے مگر ان میں نیت شرط نہیں ہوتی جیسے عزیزوں کے ساتھ سلوک۔ صدقہ۔ غلام آزاد کرنا اور مہمانی وغیرہ۔

www.besturdubooks.net

العبادة لغير الله شرک و ان اعتقد ان النفع و الضرر بید الله سبحانه

(۶۳۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ حُصَيْنٍ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَ وَاحِدًا فِي السَّمَآءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَ رَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ الَّتَيْنِ وَعَدْتَّنِيْ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَ اَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ.

(رواہ الترمذی)

غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے اگرچہ عقیدہ میں نفع ونقصان کا مالک خدائے تعالیٰ کی ذات ہی کو تصور کرتا ہو

(۶۳۸) عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے پوچھا تم موجودہ حالت میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا سات خداؤں کی جن میں چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں- آپ نے پوچھا اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لیے تم نے کس کو بنا رکھا ہے انہوں نے جواب دیا آسمان والے کو- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا حصین! اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تم کو بڑے سودمند ہوتے- راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا یا رسول اللہ جن دو کلموں کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے- آپ نے فرمایا اچھا یہ پڑھ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ الخ... خدایا میرے مقدر کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے (کہ میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچا لے- (ترمذی)

ان الله لا مكره له و لا يتعاظم عنده شيء

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے

(۶۳۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۶۳۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(۶۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور سادہ سوال و جواب نے حصین کی سلیم فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ جب محبت اور خوف کا علاقہ اس کے نزدیک بھی صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر مفت میں بقیہ چند خداؤں کے آستانہ پر جبہ سائی کا فائدہ؟ یہ صرف ہدایت کا ایک معمولی قالب تھا اس میں اصلی روح آپ کی چند لحوں کی وہ کیمیا اثر صحبت تھی جو بجلی کی طرح سعادت مند قلوب میں دوڑ جایا کرتی تھی اور آن کی آن میں ان کے باطن کی کایا پلٹ دیتی تھی اسی نے یہاں حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا- اس حدیث سے مشرکین عرب کے شرک کی کچھ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید کی اصل روح توحید فی العبادت ہے جب تک رشتہ عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے توحید نصیب نہیں ہوتی اور اس کا شمار مشرکوں ہی میں رہتا ہے اگرچہ اپنے زعم میں نفع و نقصان کا مالک ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہو اسی لیے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو توحید فی العبادت ہے- آج بھی بہت سے مسلمان ہیں جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں- درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں- اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم دماغ میں آجائے تو پھر ان افعال کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت لغیر اللہ کی ذرا بھی بو آسکے-

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَ لْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهُ اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَ لَا مُكْرِهَ لَهُ. (رواه البخاري)

جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہا کرو' اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرمادے اور تو چاہے تو مجھے روزی دے دے بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و تردد کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

(٦٤٠) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ وَ لٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَ لِيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ اَعْطَاهُ. (رواه مسلم)

(٦٤٠) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلا شرط دعا مانگا کرو اور اپنی ہمت بلند رکھا کرو' کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی۔ (مسلم شریف)

(٦٤١) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَ اَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ.

(٦٤١) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لیے میری مدد فرما۔ (نسائی۔ابوداؤد)

(رواه احمد و ابوداؤد و النسائي الا ان ابا داؤد لم يذكر قال معاذ و انا احبك)

(٦٤٢) عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

(٦٤٢) ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سو رہا تھا جب آپ کے وضوء کے لیے پانی اور دیگر ضرورت کی

---

(٦٤٠) * حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں' یا تو متکلم اپنی شان بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اس لیے وہ انداز استغناء میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقعہ ہے اور نہ اس کے لیے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے بخشنے میں کوئی دشواری ہے پھر دعا کے الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہوئے۔

(٦٤٢) * مطلب یہ تھا کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدوں کی چکیوں میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے العطایا علی متن البلایا یعنی انعامات سخت ترین آزمائشوں میں گذر کر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ کامل دین یہ نہیں سکھاتا کہ فوز و فلاح کا راستہ بے عملی کے ساتھ صرف دعاؤں سے طے ہو جائے گا وہ عمل اور صرف عمل سے طے ہوگا۔ نسبی شرافتوں اور بزرگوں کے لئے....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهٖ وَ حَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (رواه مسلم)

اشیاء لے کر حاضر ہوا تو آپ نے (مسرور ہوکر) مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو- میں نے عرض کیا جنت میں آپ کے قرب میں رہنے کا سوال رکھتا ہوں- فرمایا یہ کیا مانگتے ہو کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے- فرمایا تو اس اہم مقصد کے لیے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے لیے نمازوں میں سجدے کرکر کے میری بھی کچھ مدد کرو- (مسلم)

(٦٤٣) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَ خَصَّ فَقَالَ يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ

(٦٤٣) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا وہ جمع ہو گئے آپ نے ان کے عام اور خاص سب قبائل کو پکار پکار کر کہا اے کعب بن لوی کی اولاد دوزخ کی آگ سے اپنی جانوں کو بچاؤ- اے کعب ابن مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذابِ دوزخ سے بچاؤ- اے عبدالمطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذابِ دوزخ سے بچاؤ- (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچا' کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی مدد نہیں کرسکتا- ہاں

لہ ...توسل کے بھروسہ پر عمل سے تغافل برتنا اسلامی تعلیم نہیں- کمال و تکمیل کی اس اصل روح کے ساتھ یہاں آپ نے کس خوبی سے اپنی عبدیت وعجز کا اظہار بھی فرمادیا یعنی تمام مراتب قرب کے باوجود بارگاہ بے نیاز میں خلاف آئین سفارش کرنے میں اور سب درماندہ ہیں- اگر عمل کا قدم اٹھا کر تم میری مدد کرنے کا دعدہ کرتے ہو تو سفارش کا قدم اٹھانے کا وعدہ میں کرتا ہوں- حسن خدمات کے ساتھ اگر یہ اچھی سفارش مل جائے تو فوز وفلاح کی امید رکھنا- قرآن شریف میں ارشاد ہے ''وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ'' سجدے کر کے آپ ہمارا قرب تلاش کیجئے- اس آیت میں قرب خداوندی کا جو آئین آپ کو بتایا گیا تھا وہی آئین آپ نے یہاں قرب رسول کے اس متلاشی کو بتادیا اور اس ضمن میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ جنت میں تمہارے رسول کا مقام تجلیاتِ الٰہیہ کی سب سے قریب ترین منزل ہے جہاں پہنچنے کے لئے قدسیوں کے پر جلتے اور مقربین کے ہوش اڑتے ہیں- اس کے قرب کی تمنا کرنا بہت بڑا سوال ہے- اب اگر اس سوال کی ہمت رکھتے ہو تو عمل کی ہمت بھی پیدا کرو یہی وہ حقیقت تھی جس کا اعلان آپ نے بطون عرب کو خطاب کرنے کے بعد اپنی سب سے محبوب ترین صاحبزادی کے سامنے کردیا تھا- خلاصہ یہ کہ اسلام کی توحید یہ ہے کہ کامیابی وناکامی کا معاملہ صری دست قدرت میں سمجھنا چاہیے- عمل کا قدم اٹھائے ہو جاؤ اور رسول کی شفاعت کے بعد اپنے ان ہیچ در ہیچ اعمال کے قبولیت کی امید رکھو- خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کا خلاف کر کے یہ امید رکھنا کہ رسول خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہم کو زبردستی بخشوالیں گے- رسول کی محبت نہیں اس کی صریح مخالفت ہے- اسی سفاہت پر ابوہریرہؓ کی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے-

www.besturdubooks.net

اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا.

(رواه مسلم و هو فی المتفق علیه مع بعض تغییر)

میرے تمہارے مابین جو رشتہ کا تعلق ہے میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

(۶۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ

(۶۴۴) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اس میں آپؐ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور سے زور دے کر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ لدا ہوا بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص مجھے آواز دے یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں اس کے جواب میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گدی پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں اس سے کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ بول رہی ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص قیامت کے دن آئے اور اس پر کوئی انسان بیٹھا چیخ رہا ہو اور یہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص

---

(۶۴۴) ✱ اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دو قسم کے مالوں کا ذکر ہے ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح کی حرکت کے تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اول تو کاندھے پر لدا ہوا مال ہی کب پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لیے بھی ہر شخص کی نظر ادھر اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ کسی کو محض رشتے ناطے کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہیے۔ خدائے تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ عمل کیے جاؤ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کیے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　　که دریں راه فلاں بن فلاں چیزے نیست

www.besturdubooks.net

تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ.

(متفق علیه و هذا لفظ مسلم و هو اتم)

قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑا لدا ہوا ہوا میں اڑ رہا ہو اور یہ شخص پکارے یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہہ دوں بھلا آج میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں' میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا' دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کے اوپر سونا چاندی لدا ہوا ہو اور وہ پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے' تو میں کہہ دوں میں آج بھلا تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو دنیا ہی میں تجھ سے سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔

(۶۴۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ لَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اغْدُوْا وَ رُوْحُوْا وَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَ الْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا. (متفق علیه وروى البيهقي نحوه عن عائشة في الدعوات الكبير كما في باب قيام شهر رمضان من المشكاة)

(۶۴۵) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کو بھی صرف اس کا عمل آخرت میں نجات نہیں دے گا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی فرمایا ہاں مجھ کو بھی بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں گھیر لے لہٰذا میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو۔ پس کچھ صبح و شام کچھ شب کی تاریکی میں میانہ رفتار کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔ (متفق علیہ)

ليسأل العبد من ربه جميع حاجاته

بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے

(۶۴۶) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ. (رواه الترمذي)

(۶۴۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہیے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدائے تعالیٰ سے مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسل طور پر اتنا اور اضافہ منقول ہے کہ نمک بھی اس سے مانگو۔ (ترمذی)

---

(۶۴۵) * رسول بارگاہ ایزدی میں مقرب سے مقرب ہو کر بھی سرتاپا آداب عبودیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ عین عالم استغراق میں بھی ایک حرف اپنی زبان پر ایسا نہیں لاتے جو ان کی شان عبدیت سے ذرا بھی اُترا ہوا ہو۔ دیکھو یہاں رحمۃ للعالمین کے سامنے جب بارگاہ رب العالمین کا ذکر آجاتا ہے تو وہ اس کی رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کا بھی کوئی استثناء نہیں فرماتے اور بڑے مضطربانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت کا تو وہ بھی محتاج ہے جس کو اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پس یہاں رحمت کے بغیر نہ عملی سرگرمی سے کچھ کام بنتا ہے اور نہ صرف رحمت کا بھروسہ کچھ کارآمد ہو سکتا ہے مسافر آخرت پر لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم بڑھائے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

www.besturdubooks.net

(۶۴۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُ لِيْ اَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئًا. (رواه ابو داؤد و النسائی)

(۶۴۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ ثوبان نے عرض کیا میں۔ اس کے بعد وہ کسی سے کوئی چیز بھی مانگا نہیں کرتے تھے۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

(۶۴۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يَشْتَرِطُ عَلَىَّ اَنْ لَا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَ لَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَاْخُذَهُ. (رواه احمد)

(۶۴۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا میں نے کہا قبول ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاتھ سے کوڑا گر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا یہاں تک کہ اُتر نا اور اس کو خود اٹھالینا۔

(احمد)

(۶۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۶۴۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھوک کی تکلیف ہو یا اس کو کوئی اور حاجت پیش آجائے پھر وہ اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہوگا کہ اس کو ایک سال کی حلال روزی دے دے۔

(شعب الایمان)

---

(۶۴۸) * یہ تمام مقامات وہ ہیں جہاں اگر کسی انسان سے سوال کرلیا جائے تو اس سے حدودِ اسلامی پر کوئی ضرب نہیں لگتی صرف ادبِ اسلامی میں فرق آتا ہے لیکن جہاں پہنچ کر حدودِ اسلامی پر ضرب لگتی ہے وہ مردوں سے یا غائب کو حاضر جان کر سوال کرنا ہے یہ صفت ایک خدائے قدوس کی ہے کہ اس کے لیے شہود وغیبوبتہ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو ذات مکان و زمان میں مقید ہے قرب وبُعد اور غیبوبتہ وشہود کا فرق بھی اسی کے لیے ہے اور جو مادیت کی قیود سے منزہ ومبرا ہو وہ ان فروق سے بھی منزہ ومبرا ہے۔ اسی طرح اس کی ذاتِ پاک نیند اور موت کے آثار سے بھی بالاتر ہے۔ پس جو شخص مردوں کو زندوں کی طرح اور بعید کو قریب کی طرح اور غائب کو حاضر کی طرح پکارتا ہے وہ گویا ایک مخلوق میں خالق کی صفات تسلیم کرتا ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ﴾ (الاحقاف: ۵)

''اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچے اور ان کی پکار سے بھی غافل ہو''۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ (الاعراف: ۱۹۴)

''جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں بھلا انہیں پکار دیکھو تو چاہیے کہ وہ تمہارے پکارنے کو قبول کریں''۔

(۶۴۹) * یہ ایک وعدہ ہے اور جیسے دوسرے وعدہ و وعید کے لیے قیدیں اور شرطیں ہوتی ہیں اس کے لیے بھی ہیں۔ یہاں متردد بھی کامیاب نہیں ہوتا اور یقین رکھنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔

www.besturdubooks.net

(۶۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ. (رواہ ابوداؤد)

(۶۵۰) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل میں صرف ایک جنت ہی ایسی متاع ہے جو طلب کی جاسکتی ہے۔ (ابوداؤد)

اسناد الامور كلها الى الله سبحانه رأس التوحيد

مسلمان کے قلب پر ایک اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا نقش ہو جانا توحید کا سب سے بلند مقام ہے

(۶۵۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِيْكُمْ وَ لَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ. (رواه البخارى)

(۶۵۱) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں تم کو اپنی طرف سے کچھ مال دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں اٹھا کر بس اس کو رکھ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۶۵۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا

(۶۵۲) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی فہم

---

(۶۵۰) ٭ جنت بھی اللہ تعالیٰ کے اسم کے طفیل میں اس لیے مانگی جاسکتی ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کا محل ہے ورنہ مخلوقات میں ایسی چیز جس کو خالق کے روئے انور کے طفیل میں طلب کیا جاسکے کوئی بھی نہیں۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتی   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ان احادیث میں ایک موحد کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تا امکان وہ کسی انسان سے سوال کرنے کا خیال بھی اپنے دل سے نکال ڈالے حتیٰ کہ اگر کوئی ابوذرؓ جیسا زاہد مزاج نظر پڑ گیا تو اس سے یہ ایک شرط ٹھہرالی گئی۔ سوچئے کہ جس شریعت میں ادنیٰ ادنیٰ چیز مانگنے کے لیے بھی ایک رب العزت ہی کا دروازہ بتایا گیا ہو اس میں غیر اللہ سے ایسی ایسی مرادیں مانگنا جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت بھی نہ ہو کب گوارا ہوسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال تقسیم کرتے پھر خود فرمادیتے انما انا قاسم و الله يعطى۔ دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں دراصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۶۵۱) ٭ یعنی جیسی رسول کی خود اپنی ہستی بندہ اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتی ہے ایسے ہی وہ مال کی تقسیم میں بھی صرف ایک واسطہ ہی رہتی ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کے حکم کے مطابق صرف ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے۔ سبحان اللہ جس جگہ اعطاء و منع کا فعل حقیقت بھی آپؐ کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اس جگہ بھی آپؐ مسلمان کی نظر کو اور بلند کر کے ایک ایسی عمیق حقیقت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جہاں حقیقت بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام کی توحید کا یہ وہ بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر قادر مطلق کی فاعلیت و اختیار منکشف ہوتا ہے۔ بقیہ صرف آلات و وسائل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔

(۶۵۲) ٭ مال کی تقسیم سے زیادہ نازک مسئلہ فہم کی تقسیم کا ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ بھی اسی ایک ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ رسول وحی الٰہی کی تبلیغ میں اپنی جانب سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کرسکتا وہ تو اس کو اپنے سب امتیوں کو برابر سنا دیتا ہے اب اگر مراتب فہم کے لحاظ.....

www.besturdubooks.net

9

يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ يُعْطِيْ. (متفق عليه)

عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو وہی ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۵۳) عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَ اللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ أُتِيَ بِثَلٰثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى فَحَمَلَنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَ اللّٰهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوْا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُذَكِّرُهُ فَأَتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ وَ إِنِّيْ إِنْشَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَأَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَ كَفَّرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ. (رواه البخاري)

(۶۵۳) ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اشعریوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری مانگنے کے لیے حاضر ہوا آپ نے قسم کھا کر فرمایا میں تم کو سواری نہیں دے سکتا اور نہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لیے سواری موجود ہے۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد پھر جتنا وقفہ اس حال پر گذرنا مقدر تھا گذر گیا پھر کہیں سے سفید کوہان والے تین اونٹ آپ کی خدمت میں آ گئے آپ نے وہ ہم کو دے دیئے۔ جب ہم ان کو لے کر چلے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا (راوی کو اس بارے میں شک ہے) خدا کی قسم ان میں کبھی ہمارے لیے برکت نہ ہوگی کیونکہ ہم آپ سے سواری مانگنے کے لیے آئے تھے اور آپ نے نہ دینے کی قسم کھائی تھی پھر غالباً بھولے سے آپ نے ہم کو یہ اونٹ دے دیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تاکہ آپ کو آپ کی قسم کی یاددہانی کرا دیں۔ یہ کہہ کر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تو تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے یہ تو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اور اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھا لوں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کر لوں گا یا پہلے وہ کام کر لوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ (راوی کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی)۔ (بخاری شریف)

﴿..... اختلاف سے ان کے علم وفضل کے مراتب میں کوئی تفاضل پیدا ہو جائے تو یہ رسول کے اختیار کی بات نہیں خدا کے دین کی بات ہے کسی کو زیادہ فہم دے دی کسی کو کم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے چاہے افضل اور جسے چاہے مفضول بنا دے۔ ﴿وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ يَخْتَارُ﴾ (القصص: ۶۸) یعنی صفت خلق پھر اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ دونوں صفتیں خدائے تعالیٰ ہی کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات کو نہ مال کی تقسیم میں متہم سمجھنا چاہیے اور نہ وحی کی تقسیم میں اور یہ سب کچھ اس بنا پر کہ اصل متصرف صرف خدا تعالیٰ کی توانا اور قادر مطلق ذات ہے۔ رسول درمیان میں صرف ایک سبب و واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۶۵۳) * خطابی فرماتے ہیں کہ آپ کا جملہ ما انا حملتکم (یہ اونٹ میں نے تم کو نہیں دیئے) ایک اخلاقی جملہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس میں میرا تم پر کوئی احسان نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کے حکم سے میں نے تم کو یہ اونٹ دیئے ہیں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میرے حلف کا مطلب مطلقاً دینے سے انکار نہیں تھا بلکہ خاص اس وقت دینے سے انکار تھا۔ جب اونٹ میرے پاس آ گئے تو میں نے تم کو دے دیئے یہ ہمارے لیے ایک انعام ایزدی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۶۵۴) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (متفق عليه)

(۶۵۴) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں' ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کے لیے کچھ سودمند نہیں۔

(متفق علیہ)

الاعتقاد بان لغير الله اثرًا فوق ما اراد منه كفر

کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سببیت سے بڑھ کر حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

(۶۵۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ اَنَّهٗ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اِثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَ اَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ. (رواه البخاری)

(۶۵۵) زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ شب کو پانی برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں (دو فریق ہو گئے) ایک مؤمن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ ہم پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا' اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

(بخاری شریف)

---

(۶۵۴) * سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے جس میں منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان موحد اس کا مامور ہے کہ وہ نفی و اثبات کی صورت میں خدا کی ان صفات کو پنج وقتہ دہرایا کرے یعنی جس طرح لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں وہ معبودانِ باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ کی شکل سے وہ اس کی ان دو صفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے' کیونکہ جب ملک اس کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہیے' وہی دینے والا ہے اور وہی چھیننے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں' قرب کا مدار دولت پر ہو وہاں تو صرف اخلاص و عمل کارآمد ہوگا کسی کی ثروت دولت کچھ کارآمد نہ ہوگی۔

www.besturdubooks.net

(۶۵۶) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِیْقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِیْنَ یُنَزِّلُ اللّٰهُ الْغَیْثَ فَیَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا. (رواہ مسلم)

(۶۵۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ) بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔

(مسلم شریف)

---

(۶۵۶) یہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں کو ناشکرا انسان سے یہ شکوہ ہے کہ وہ اس کی فیاضی کا کتنا بڑا ناقدر شناس ہے کہ بارش تو وہ بھیجے اور یہ اس کو اس کی مخلوق کی طرف نسبت کردے جس کو اس میں کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کوئی جماعت کسی مخلوق میں حقیقی یا خلاف واقع تاثیر کا اعتقاد رکھتی ہے وہاں شریعت اپنا لب ولہجہ سیاق تردید میں ذرا سخت کردیتی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ محض اپنے اوہام کی بنا پر ان کو عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح مؤثر سمجھتے تھے جیسا کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھ لیتے ہیں اور تاثیر بھی ایسی جو محض ان کے دماغوں کی تراشیدہ اور صرف وہمی ہوتی۔ شریعت نے عالم اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر اس سے روکا ہے کہ غیر سبب کو سبب یا سببیت کو بڑھا کر مؤثر حقیقی کے برابر بنا دیا جائے اس نے عالم میں ایک غیر مرتبط سلسلہ کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا دیا ہے اور محض اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالم اسباب رکھ دیا ہے اور بندہ کو یہ فہمائش کردی ہے کہ وہ اصل کار فرما اسی کی قدرت کو سمجھتا رہے۔ اسلام کی توحید اس تخلخل کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش میں بھی یدِ قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقۃً شریک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز بارش تھی اگر اس میں بھی اس کے نزدیک تاثیر ستاروں کی رہے تو پھر مومن کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ دراصل شوق وخوف کے دو بازو ہی ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً وکرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف اڑائے لیے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں ایک بھی کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی وہی جانب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر وہ خوف یا طمع سے اس کو خالق کے ساتھ شریک کرنے پر فطرۃً مجبور ہو جاتا ہے اس لیے شریعت نے جابجا یہ تنبیہ کی ہے کہ حوادث عالم میں صرف اسی کی ذات مؤثر ہے اور اسی کو مؤثر سمجھنا چاہیے اور اس حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہے کہ جس سے بعض اوقات کسی کوتاہ اندیش کو یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ شاید وہ سلسلہ اسباب ہی کی منکر ہے۔ جی ہاں جن مقامات پر صرف وہم پرستی ہو وہاں ایسا ہی ہونا چاہیے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو جو قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں اُلجھ کر رہ گئی تھی وہ مؤثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف اسی اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بنا پر ہے جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ضرورت کیا ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷)

جو لوگ ذوقِ ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور ان مقہور اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور دستِ قدرت کی اصلی طاقت پر بھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ دیتے ہیں یہ بڑا قصورِ نظر ہے۔ خدائے تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

www.besturdubooks.net

(۶۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَخْبَرَنِی رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهُمْ بَیْنَاهُمْ جُلُوْسٌ لَیْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُمِیَ بِنَجْمٍ وَ اسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اِذَا رُمِیَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ کُنَّا نَقُوْلُ وُ لِدَا للَّیْلَةَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ اَوْمَاتَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَا یُرْمٰی بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَیٰوتِهٖ وَ لٰکِنْ تَبَارَکَ اِسْمُهٗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ التَّسْبِیْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْیَا ثُمَّ قَالَ الَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ فَیُخْبِرُوْنَهُمْ مَا قَالَ فَیَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ بَعْضًا حَتّٰی یَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَیَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَیَقْذِفُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَاءِ هِمْ وَ یُرْمَوْنَ فَمَا جَاءُوْا بِهٖ عَلٰی وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَ لٰکِنَّهُمْ یَقْرِفُوْنَ فِیْهِ وَ یَزِیْدُوْنَ. (رواہ مسلم)

(۶۵۷) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلہ انصار میں کا تھا- مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہو گیا- آپؐ نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ پہلے تو انہوں نے (ادباً) کہا کہ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے- آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے- اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور مسلسل ہو جاتا ہے- اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں- اس کے بعد ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں- یہاں تک کہ نوبت اس آسمان والوں تک آ جاتی ہے (یہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لیے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) اور ان میں کوئی کوئی بات سن کر اُچک بھی لے جاتے ہیں پھر وہی بات اپنے عاملوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثناء میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے' اب جو کلمہ وہ پورا پورا لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ (اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں (اس لیے ان کی بہت باتیں غلط نکلتی ہیں) (مسلم)

---

(۶۵۷) ٭ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بیجا عظمت پیدا کر دی تھی اور کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقادِ عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اسی لیے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلہ سببیت کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کوتاہ فہموں کو تو یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے- یاد رکھو خدائے تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے- ﷺ....

www.besturdubooks.net

(۶۵۸) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَ قَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَ اَنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيٰوتِهٖ وَ لٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَا شَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا. (رواہ النسائی)

(۶۵۸) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپؐ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے' وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے- لہٰذا جب کسی کو گہن لگا کرے تو نمازیں پڑھا کرو تا آنکہ یا تو گہن چھوٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا کرشمہ دکھلائے (یعنی قیامت آجائے)- (نسائی)

ﷲ.....حدیث کا مضمون از اول تا آخر بار بار پڑھئے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت سے خالی ہو کر ایک قادر علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہو جائے گا-

رہی یہ بات کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا اور غیب کی معمولی خبریں لے بھاگنا تو جو لوگ شیاطین کے تسخیر کے اعمال کرتے ہیں' ان سے آج بھی اس کی تصدیق ہو سکتی ہے- آپ کا علم تو بس یہ ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز بھی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے گو اس کا آپ کو کوئی ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو- آپ کے اقرار و انکار کے یہ دونوں پہلو آپ کی انتہائی ناانصافی پر مبنی ہیں-

(۶۵۸) ٭ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے- صحیح مسلم میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیمؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کا انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس قسم کے موقعہ پر جو آپؐ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا' مبادا کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج بھی گرہن آپؐ کے صاحبزادہ کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے آپؐ نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ بالکل خلاف واقع بات ہے- کسی مخلوق پر کسی مخلوق کی موت و حیات سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات ہیں وہ اپنی قدرت کے کرشمے طرح طرح سے دکھایا کرتا ہے تمہارا یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں افراط اور خدائے تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت میں تفریط پر مبنی ہے- خدائی تصرفات کو کسی مخلوق کا اثر اقرار دینا بھی ایک قسم کا شرک و کفر ہے- مخلوق اور اس کے حدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خدائے قادر کے تصرفات لامحدود- ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے- یہ معلوم رہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب و مسببات کے سلسلہ میں داخل ہے- حدیث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن خواہ کسی اسباب کی بنا پر ہو لیکن قابل عبرت امر یہ ہے کہ بہر حال وہ اسباب بھی اسی کی حکومت کے نیچے ہیں جس کے نیچے یہ شمس و قمر خود ہیں- قرآن کریم نے لیل و نہار کی گردش کو بھی قدرت کا بہت بڑا نشان قرار دیا ہے کیا اس کے اسباب نہیں پس یہاں اسباب سے انکار نہیں ﷲ.....

www.besturdubooks.net

(۶۵۹) عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ النُّجُومَ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَاءِ وَ رُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ وَ عَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا فَمَنْ تَاَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَأَ وَ اَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَ تَكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ. (رواه البخاري تعليقًا)

(۶۵۹) قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لیے بنایا ہے۔ آسمان کی خوشنمائی اور زینت کے لیے، غیب کی خبریں سننے والے شیطانوں کو مار بھگانے کے لیے، اور (شب میں مسافروں کے لیے) راستہ پانے کی علامتیں۔ اب جس شخص نے بھی ان تین فائدوں کے سوا اس میں اور فائدے تلاش کیے اس نے غلطی کھائی، اپنا وقت ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایسی بات کے درپے ہوا جس کا اس کو علم نہیں۔ (تعلیقات بخاری)

(۶۶۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ اَلْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَ الْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَ السَّاحِرُ كَافِرٌ. (رواه رزين)

(۶۶۰) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نجوم میں ان فائدوں کے سوا جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے کوئی اور نیا فائدہ حاصل کیا تو بے شبہ اس نے سحر کے ایک شعبہ کا استعمال کیا نجومی کاہن کی طرح غیب کی خبریں بتاتا ہے اور کاہن ایک قسم کا جادوگر ہوتا ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (رزین)

☜ .... بلکہ اس کا انکار ہے کہ جہاں سببیت بھی نہ ہو وہاں حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپؐ کی حیات میں قیامت کا اگرچہ کوئی امکان نہ تھا لیکن ایک فاعل مختار کی قدرت کا تماشہ دیکھنے والے کی نظروں میں آئین وضوابط کا استحضار نہیں رہا کرتا اس لیے اس کا خوف غیر اختیاری اور اس کا اضطراب فطری ہوتا ہے۔

(۶۶۰) ٭ عرب میں عام طور پر غیب دانی کے یہی تین اسباب تھے یا سحر جس میں عموماً ارواحِ خبیثہ اور شیاطین سے استعانت ہوتی تھی یا نجوم یا کہانت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق چونکہ ان تینوں سے جدا تھے اس لیے وہ مبہوت ہو کر کبھی تو آپ کو کاہن کبھی ساحر اور کبھی مجنوں کہا کرتے تھے نبوت سے ان کو آشنائی نہ تھی کہ یہ احتمال بھی ان کے دماغوں میں آتا۔ قرآن کریم نے ان میں سے ایک ایک کی بڑے دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

یہ معلوم رہنا چاہیے کہ غیب دانی کبھی فطری بھی ہوتی ہے قدرت نے انسان کے باطن میں کچھ قوتیں ایسی ودیعت فرمائی ہیں جن کی بنا پر اس کو عالم بالا سے ایک قسم کا اتصال میسر آجاتا ہے اور اس کی استعداد کے بقدر کچھ مادی غیوب بھی اس کے آئینۂ فطرت میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔ محقق ابن خلدون نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

اسلام ان بیکار مشغلوں میں ڈالنا پسند نہیں کرتا کیونکہ اول تو یہ طریقے بے بنیاد اور کلماتِ کفر پر مبنی ہوتے ہیں دوم انسان کی روحانی ترقیات کے لیے انتہا درجہ مضرت رساں بھی ہیں۔ یہ مشغلہ اس میں عالم قدس کی طرف طیران کی استعداد باطل کر دیتا ہے۔ جتنا غیب انسانی ترقیات کے لیے درکار تھا اتنا انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے اس کو بتا دیا گیا ہے اور جو نہیں بتایا گیا وہ نہ تو اس کی حاجت کا تھا اور نہ اس کے دریافت کرنے کا کوئی صحیح راستہ ہے پھر اس میں پڑنا غلطی اور اضاعت وقت کے سوا اور کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نجوم میں کچھ اور تفصیلات بھی لکھی ہیں یہ سب ظنیات اور اپنی اپنی علمی کاوشوں کے ثمرات ہیں جتنی بات پر عقیدہ رکھا جا سکتا ہے اور اس کی دعوت دی جا سکتی ہے وہ صرف وہی امور ہیں جن کی طرف احادیث بالا میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

www.besturdubooks.net

الاهلال بحیوان لغیر اللّٰہ کفر

غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے

(۶۶۱) عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ھَلْ خَصَّکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَیْءٍ لَمْ یَعُمَّ بِہِ النَّاسَ اِلَّامَا فِیْ قِرَابِ سَیْفِیْ ھٰذَا فَاَخْرَجَ صَحِیْفَۃً فِیْھَا. لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَہٗ وَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا.

(رواہ مسلم)

(۶۶۱) ابوالطفیل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہئے کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت سے علیحدہ کچھ خاص خاص تعلیمات بھی دی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (اس بارے میں آپؐ نے کوئی فرق نہیں کیا) ہمیں کوئی بات ایسی نہیں بتائی جو عام لوگوں کو نہ بتائی ہو بجز ان چند اُمور کے جو میری اس تلوار کی میان میں لکھے ہوئے رکھے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تحریر نکالی جس میں یہ احکام درج تھے۔ خدائے تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی راستہ کے نشانات چرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو اِدھر اُدھر کر دے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے اور خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی مجرم کو پناہ دے۔ (مسلم)

---

(۶۶۱) * غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم قبیح قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے آ کر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفریں کے لیے قربان کی جا سکتی ہے یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لیے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سور کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو تو بھی حلال نہیں ہو سکتا جانوروں کے معاملہ میں تین غلط طریقے رائج تھے ان کو بت یا اور کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا جیسا آج کل ہندوستان میں سانڈ وغیرہ چھوڑے جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا یا ان کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا اسلام نے ان ہر سہ طریقوں کو قابل نفرت سمجھا ہے رہا اپنے والد پر لعنت کرنا تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ شخص دوسرے کے والد پر لعنت کرے اس کے جواب میں وہ اس کے والد پر لعنت کرے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ چونکہ یہ شخص اپنی بداخلاقی کی وجہ سے اپنے والد پر لعنت کا سبب بنا ہے اس لیے یہ بھی اس جرم کا مرتکب شمار ہوگا اور اب اس دور جفاء میں تو براہ راست والد پر لعنت کرنے میں بھی کچھ تعجب نہیں رہا اسی طرح کسی مجرم کو پناہ دینی خواہ اس کا جرم قتل و غارت ہو یا بد دینی و بدعت یہ بھی لعنت کا موجب ہے نسائی میں سائل کے جواب میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپؐ پوشیدہ طور پر مجھے کوئی بات علیحدہ تعلیم فرماتے۔ ہاں صرف اتنا ہوا ہے کہ جس وقت یہ چار باتیں آپؐ نے فرمائی میں اس وقت اتفاق سے میں اور آپؐ ہی گھر میں موجود تھے۔ غرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ میں جو جو افسانے تیار کیے گئے ہیں یہ سب بعد کے من گھڑت ہیں۔ تعلیم و تعلّم میں منصب نبوت ہرگز کسی تفریق کو برداشت نہیں کر سکتا۔

www.besturdubooks.net

(٦٦٢) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ يَرْفَعُهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فِيْ ذُبَابٍ وَ دَخَلَ رَجُلٌ النَّارَ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَ كَيْفَ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يَجُوْزُهُ اَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهُ شَيْئًا فَقَالُوْا لِاَحَدِهِمَا قَرِّبْ فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ قَالُوْا قَرِّبْ وَ لَوْ ذُبَابًا فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ فَدَخَلَ النَّارَ وَ قَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُقَرِّبَ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه احمد كما في الجواب الكافي لابن القيم ص ٤١)

(٦٦٢) طارق بن شہاب مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صرف ایک مکھی کی بدولت ایک شخص تو جنت میں داخل ہو گیا اور دوسرا دوزخ میں' لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص اس پر بھینٹ چڑھائے بغیر ادھر سے گذر نہیں سکتا تھا اتفاق سے یہ دو شخص ادھر سے گذرے انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھا وہ بولا اس کے لیے میرے پاس تو کچھ نہیں وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھا دے خواہ ایک مکھی ہی سہی- اس نے ایک مکھی چڑھا دی اور اس وجہ سے وہ تو دوزخ میں گیا انہوں نے اس کو تو چھوڑ دیا اب دوسرے سے کہا کہ تو بھی کچھ چڑھا وہ بولا اللہ کی ذات کے سوا میں تو کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا' یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑا دی اس لیے یہ جنت میں داخل ہو گیا- (رواہ احمد)

(٦٦٣) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَعْتِرُ عَتِيْرَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اِذْبَحُوْا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَيِّ شَهْرٍ كَانَ وَ بَرُّوْا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَطْعِمُوْا. (رواه النسائي)

(٦٦٣) نبیشہ ہزلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کفر کے زمانہ میں ماہ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے- فرمایا بس (جب جانور ذبح کرو) تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمان برداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو- (نسائی)

(٦٦٤) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ

(٦٦٤) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مقام بلدح کی تحتانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات

---

(٦٦٣) * یعنی یہ سب مصارفِ خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو- اگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے اچھے کام بھی نیکی نہیں رہتے- غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بتا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہیے-

(٦٦٤) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نزولِ وحی سے قبل بھی رسوم شرکیہ سے ہمیشہ علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ اور بھی موجود تھے جو ملت ابراہیمی کے اثر سے افعالِ شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے- لہ.....

www.besturdubooks.net

بِاَسْفَلِ بَلْدَحٍ قَبْلَ اَنْ يُنْزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةٌ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ اِنِّيْ لَسْتُ اٰكُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰى اَنْصَابِكُمْ وَلَا اٰكُلُ اِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيْبُ عَلٰى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ وَ يَقُوْلُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللّٰهُ وَ اَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَ اَنْبَتَ لَهَا مِنَ الْاَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُوْنَهَا عَلٰى غَيْرِ اسْمِ اللّٰهِ اِنْكَارًا لِّذٰلِكَ وَ اِعْظَامًا لَهٗ. (رواہ البخاری)

ہوئی اس وقت تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا' آپؐ کے سامنے کھانے کا دستر خوان پیش کیا گیا آپؐ نے اس کو کھانے سے انکار فرمادیا- اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو- زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے' وہی اس کے لیے آسمان سے بارش بھیجے اور وہی اس کے لیے سبزہ اُگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرو اس تقریر سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا-

(بخاری شریف)

(٦٦٥) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَاَيْتُ فِيْهَا اِمْرَءَةً مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَ لَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاسِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَ رَاَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهٗ فِي النَّارِ وَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ. (رواہ مسلم)

(٦٦٥) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت کو عذاب ہو رہا ہے اس بنا پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو وہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی یہاں تک کہ وہ بھوک کے مارے مرگئی اور میں نے اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیے- (مسلم شریف)

الحلف بغير اللّٰه كفر من الشرك

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے

(٦٦٦) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ

(٦٦٦) ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم

ﷺ ..... حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کا ایک حکم تھا- (دیکھو ترجمان السنۃ ج ا ص ۴۸۳)

(٦٦٦) * اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے پس چاہیے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی جائیں اور اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی قسم کھائی جائے' باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے- امام بخاریؒ نے (مناقب مہاجرین کے باب سے قبل) ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے- کانوا یضربوننا علی الشهادة و ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اِلَّا بِاللّٰهِ فَكَانَتْ قُرَيْشٌ يَحْلِفُ بِاٰبَائِهَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِ كُمْ.

(رواه البخاری وغیره)

کھائے۔قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرمادیا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔

(بخاری شریف)

(٦٦٧) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ. (رواه الترمذی)

(٦٦٧) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

مسلمان کو سخت وسست کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنی کفر کی حرکت ہے

(٦٦٨) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ. (رواه البخاری وغیره)

(٦٦٨) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

(٦٦٩) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

(٦٦٩) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

(رواه البخاری عن ابن عباس و ابی بکرة ایضا و الحدیث متفق علیه)

﴾ .... العهدو نحن صغار (لڑکپن میں ہمیں اس بات پر تنبیہ کی جاتی تھی کہ ہم باہمی گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ بے محابا استعمال نہ کریں تاکہ ان کی اہمیت ہمارے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔ (ج ا ص ٥١٥)

(٦٦٧) * امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقۃً حکم لگا دینا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے اس لیے ان کو تغلیظاً شرک کہہ دیا گیا ہے۔بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔اس لیے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

(٦٦٨) * گویا سب وشتم کی بدنمائی تو کسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل وقتال کرنا قابل برداشت نہیں ہو سکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتۂ اسلامی کو قطع کر دیتی ہے۔

(٦٦٩) * ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام دراصل صرف شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں جو اس کی اس شہادت باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں۔ان افعال کو شہادتین کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لیے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگرچہ اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے لیکن کفر ﴾ ....

www.besturdubooks.net

صنع صور الحیوان تشبه بخالقیة اللّٰه تعالٰی

(٦٧٠) عَنْ عائشۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الَّذِیْنَ یُضَاھِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ. (متفق علیہ)

(٦٧١) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّۃً اَوْ شَعِیْرَۃً. (متفق علیہ)

(٦٧٢) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَہٗ بِکُلِّ صُوْرَۃٍ صَوَّرَھَا نَفْسًا فَیُعَذِّبُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ کُنْتَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَ مَا لَا رُوْحَ لَہٗ فِیْہِ. (متفق علیہ)

تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کی نقالی ہے

(٦٧٠) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور)۔ (متفق علیہ)

(٦٧١) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' بھلا اس سے بڑھ کر ظالم آدمی کون ہوگا جو (مخلوق ہوکر) میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہے اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھا دے (یہ نہ سہی) ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھا دے۔ (متفق علیہ)

(٦٧٢) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا ہے کہ جتنے مصور ہوں گے ان کی ہر تصویر کے مقابلہ میں جو انہوں نے دنیا میں بنائی ہوگی ایک ایک شخص مقرر کیا جائے گا جو ان کو دوزخ میں عذاب دیا کرے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے بعد بھی اگر تمہیں تصویر بنانا ہی ہو تو درخت کی بنالو اور ایسی چیزوں کی بنالو جو جان دار نہ ہوں۔ (متفق علیہ)

ﷺ.... کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا بین ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مؤمن کے لیے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعال کفر نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اس قسم کے افعال سے کافر تو نہیں کہا جا سکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔

(٦٧٢) * خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا سب سے بڑا مظہر انسان ہے اسی لیے قرآن کریم نے جابجا انسان کی پیدائش پر غور و تفکر کی دعوت دی ہے اور اس کو اپنی ہستی کا یقین دلانے کا سب سے آسان راستہ یہی بتایا ہے پھر بت پرستی کی ابتداء تصویروں سے ہی شروع ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ پتھروں سے تراشیدہ ہوتے ہیں۔ اور تصویر قلم کی کشیدہ نیز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اس کا ایک اسم مبارک "المصور" بھی ہے قدرت کو اپنی اس صفت پر بڑا ناز ہے اس نے اپنی مصوری کے کارنامے جابجا پیش کیے ہیں اور اس کا سب سے بڑا شاہکار انسان کی صورت ہی کو قرار دیا ہے جو قدرت کے اس شاہکار کی نقل اتارنا چاہتا ہے قدرت اس کو معاف ﷺ....

www.besturdubooks.net

(۶۷۳) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ وَ صَعِدَ عَلٰی مَنْکِبِیْ فَذَهَبْتُ لِاَ نْهَضَ بِهٖ فَرَاٰی مِنِّیْ ضُعْفًا فَنَزَلَ وَ جَلَسَ لِیْ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ لِیْ اِصْعَدْ عَلٰی مَنْکِبِیْ فَصَعِدْتُ عَلٰی مَنْکِبَیْهِ قَالَ فَنَهَضَ بِیْ فَاِنَّهٗ یُخَیَّلُ اِلَیَّ اَنِّیْ لَوْشِئْتُ لَنِلْتُ اُفُقَ السَّمَاءِ حَتّٰی صَعِدْتُ عَلَی الْبَیْتِ وَ عَلَیْهِ تِمْثَالُ صُفْرٍ اَوْنُحَاسٍ اَنَا وِلُهٗ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ حَتّٰی

(۶۷۳) حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے آپؐ نے (بیت اللہ کے اندر جا کر) مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ‘ اور آپؐ میرے کاندھوں پر چڑھ گئے میں آپؐ کو لے کر کھڑا ہونے لگا تو آپؐ نے محسوس کیا کہ مجھے اُٹھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے یہ دیکھ کر آپؐ اتر پڑے اور میرے سامنے خود بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا تو تم میرے کاندھوں پر چڑھ جاؤ- میں آپؐ کے کاندھوں پر چڑھ گیا- یہ فرماتے ہیں- آپؐ مجھ کو لے کر کھڑے ہوئے تو مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں- اتنا اونچا ہوا کہ بیت اللہ پر پہنچ گیا- اس وقت بیت اللہ میں پیتل یا تانبے کے بت رکھے ہوئے تھے میں ان کو اپنے دائیں‘ بائیں‘

ﷺ ....نہیں کرتی- نیز خالقیت اس کی ایسی صفت ہے جس میں ایک موٹے دماغ کے انسان کے نزدیک بھی شرکت کا احتمال نہیں اسی لیے قرآن کریم نے توحید فی العبادت کو معقول بنانے کے لیے جگہ جگہ اپنی خالقیت کو ہی سامنے رکھا اور یہ یہ مطالبہ کیا ہے کہ جب کسی چھوٹی بڑی مخلوق کی پیدائش میں ہمارا کوئی شریک نہیں تو پھر ہمارے خاص حق عبادت میں کوئی شریک کیوں ہو- لہٰذا تصویر کشی میں انسانی استطاعت کی حد تک خدا کی خالقیت کا ایک قسم کا مقابلہ بھی نظر آتا ہے اور اس میں خدائے تعالیٰ کے سب سے بڑے حق عبادت پر زد بھی پڑتی ہے اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ ہر قسم کی تصویر کشی ممنوع ہو جاتی- غالباً اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے درخت وغیرہ کی تصویر بنانے کی اجازت تو دے دی مگر بادل ناخواستہ دی لیکن اسلام کی یہ فراخ حوصلگی ہے کہ اس نے کسی جگہ بھی سہولت کے دروازے بند نہیں کیے اور ہر باب میں انسانی دماغ کی ترقی اور منافع دنیا سے تمتع کی بڑی حد تک اجازت دے دی ہے دیکھیے ریشم کو صرف مردوں کے حق میں حرام فرمایا پھر ان کے لیے بھی ایک خاص مقدار تک اجازت دے دی- اسی طرح کھانے اور پینے کی بہت چیزیں حرام کیں لیکن ان سے زیادہ حلال فرمائیں- سونے چاندی کے ظروف ممنوع قرار دیئے مگر عورتوں کے حق میں ان کے زیورات پھر جائز کر دیئے اور مردوں کے کھیل تماشہ کے لیے بھی چاندی کی ایک مخصوص مقدار کی اجازت دے دی- تعظیم و تکریم میں اگر ایک سجدہ کی ممانعت کی تو اس کے سینکڑوں اور طریقے جائز رکھے اسی طرح مصوری میں اگر ایک ذی روح کی تصویر سے روکا تو اس کے علاوہ فن تصویر کی ترقی کے لیے بہت سی صورتیں مباح کر دیں مگر انسان حریص ہی نہیں بلکہ ایک بدترین قسم کا باغی ہے کہ ان مباحات کی بے شمار وسعتوں سے بھی اس کی نیت نہیں بھرتی آخر وہ ٹھیک حرام میں قدم رکھ کر ہی دم لیتا ہے- قتل الانسان ما اکفرہ - یہاں مسئلہ تصویر پر بحث کرنا مقصود نہیں صرف ان اعمال کو بتانا مقصود ہے جن سے اسلام کی مقدس اور نازک توحید کو کہیں دور کے علاقہ سے بھی صدمہ پہنچ سکتا ہے-

(۶۷۳) ٭ نبوت کے اس جبل عظیم الشان کا بار اسد اللہ بھی جتنا سنبھال گئے تعجب خیز تھا آخر اس کی تاب نہ لا سکے اور بیٹھ گئے پھر جب آپ کے کاندھوں پر جگہ مل گئی جن کی رفعت کے سامنے عرش بریں بھی نیچا تھا تو آسمانوں کی بلندیوں کو ہاتھ لگانا ایک تماشہ نظر آنے لگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا- معلوم رہے کہ یہ خاص خاص مناظر ہیں جو خاص خاص مواقع پر ظہور پذیر ہوتے ہیں- بیت اللہ کی دیواروں سے بتوں کے مجسمے اتارنے کے وقت ایسے ہی نظارے کی ضرورت تھی چنانچہ قدرت نے وہی نظارہ حضرت علیؓ کے سامنے کر دیا تھا- ﷺ ....

www.besturdubooks.net

اِسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْذِفْ بِهٖ فَانْكَسَرَ كَمَا يَنْكَسِرُ الْقَوَارِيْرُثُمَّ نَزَلْتُ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتّٰى تَوَارَيْنَا بِالْبُيُوْتِ خَشْيَةَ اَنْ يَلْقَانَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. (رواہ احمد)

سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا یہاں تک کہ میں نے سب اٹھا لیے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینک دو (میں نے ان کو پھینک دیا) اور وہ گر کر شیشے کی طرح چور چور ہو گئے پھر میں اتر آیا اور میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھروں کی دیواروں میں چھپتے ہوئے واپس آ گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمیں دیکھ پائیں- (احمد)

الضرب بكتاب الله بعضه ببعض كفر

قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

(۶۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَؤُنَ فِي الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ وَ اِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللّٰهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَ مَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوْا اِلٰى عَالِمِهٖ. (رواہ احمد و ابن ماجه)

(۶۷۴) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ بھی یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کے لیے مصدق ہو کر اتری ہے اس لیے تم اس میں اختلاف پیدا کر کے اس کی تکذیب نہ کرو اس کا جو حصہ سمجھ لو وہ تو بیان کرو اور جو تم نہ سمجھو اسے اس کے حوالہ کر دو جو اس کا جاننے والا ہے- (احمد وابن ماجہ)

ﷺ .....اس سے قبل جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام خانہ کعبہ کی بنا فرما رہے تھے تو جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی بنا ہو رہی تھی وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی اونچا ہو جاتا تھا- یہاں جو نظارہ نظر آیا اس کا سماں کچھ اور ہی تھا- اس جگہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی فروتنی بھی قابل دید تھی کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں کس طرح اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے نفس کو پیش کر دیا تھا-

(۶۷۴) ✽ دارمی کی ایک طویل حدیث میں ابو الدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے- امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ المراء في القران كفر- (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مراء کا مصداق بھی یہی تدارء اور قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرنا ہے- سبع قراءت جو بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں انما هي في الامر تكون واحدًا لا تختلف في حلال و لا حرام .(بخاری و مسلم) یہ تمام قراءتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے- حلال و حرام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پس حدیث کی ہدایت یہ ہے کہ قرآن حکیم کو دوسری معمولی کتابوں کی طرح معرکہ بحث نہ بنانا چاہیے- خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہوتا ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف و تناقض ممکن نہیں اس کے بعد اگر کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہو تو اسے اپنا ہی قصور علم سمجھنا چاہیے اور اسلوبِ بحث وہ اختیار کرنا چاہیے جس میں ان آیات کے درمیان توافق پیدا ہو- علمی زور خرچ کر کے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اپنے لیے کفر اور دوسروں کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لیے اس کو ہادم اسلام قرار دیا ہے-

www.besturdubooks.net

الریاء شرک خفی

(٦٧٥) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِی غَیْرِیْ تَرَکْتُهُ وَ شِرْکَهُ وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهُ.

(رواہ مسلم)

(٦٧٦) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَکَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ.

(رواہ احمد)

(٦٧٧) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَ مَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَ مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ. (رواہ احمد)

(٦٧٨) وَ عَنْهُ اَنَّهُ بَکٰی فَقِیْلَ لَهٗ مَا یُبْکِیْکَ قَالَ شَیْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ فَذَکَرْتُهٗ فَاَبْکَانِیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی الشِّرْکَ وَ الشَّهْوَةَ الْخَفِیَّةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُشْرِکُ اُمَّتُکَ مِنْ بَعْدِکَ قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا

ریاکاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

(٦٧٥) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لیے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ اسی کے لیے رہے جس کے لیے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

(٦٧٦) ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی یہ اعلان کرے گا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہیے کہ (آج) اس کا ثواب اسی غیر سے جا کر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز اللہ کی ذاتِ پاک ہے۔ (احمد)

(٦٧٧) شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نمائش کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے نمائش کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کے لیے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔

(رواہ احمد)

(٦٧٨) شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات یاد آ گئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے خود سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرکِ خفی اور شہوتِ خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں' میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و ماہتاب کی عبادت کرے گی اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے

www.besturdubooks.net

قَمَرًا وَ لَا حَجَرًا وَ لَا وَثَنًا وَ لٰكِنْ يُرَاؤُنَ بِاَعْمَالِهِمْ وَ الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ اَنْ يُصْبِحَ اَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَهٗ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهٖ فَيَتْرُكُ صَوْمَهٗ. (رواہ احمد و البیهقی فی شعب الایمان)

اعمال میں ریاء کاری کا شکار ہو جائے گی (یہ تو شرک خفی ہوا) اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آ جائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد۔ شعب الایمان)

(۶۷۹) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ رواه احمد و زاد البيهقى فى شعب الايمان يَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازِى الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُنَ فِى الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً وَ خَيْرًا.

(۶۷۹) محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر ہے تو شرکِ اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ شرکِ اصغر کیا چیز ہے؟ فرمایا ریاء اور نمائش۔ (مسند امام احمد) بیہقی نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اس دن ریاء کاروں سے کہے گا جاؤ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاء کاری کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب ملتا ہے؟

(۶۸۰) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِىْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِيُّ اَنْ يَقُوْمَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّىْ فَيَزِيْدُ صَلٰوتَهٗ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ. (رواہ ابن ماجة)

(۶۸۰) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شئے نہ بتاؤں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتایئے۔ فرمایا وہ شرکِ خفی ہے اور شرکِ خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لیے اور لمبا کر دے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

---

(۶۸۰) * مسیح دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت محدود زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام کو تو اس فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرکِ خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کے لیے ہے اس لیے جن کی زبانوں پر ایک مستقبل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے ساتھ آ رہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے اور ان کو بھی ہو سکتا ہے۔ وقتی طور پر متاثر قلوب کو کسی اور اہم معاملہ سے متاثر کرنے کا یہ بھی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

www.besturdubooks.net

2 النهي عن السجود لغير الله عزوجل

غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت

(۶۸۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّيْ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يُسْجَدَ لَكَ فَقَالَ لِيْ اَرَاَيْتَ

(۶۸۱) قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں مقام حیرہ میں پہنچا تو میں نے وہاں کے باشندوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا' میں مقام حیرہ گیا تھا میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپؐ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا بتاؤ اگر

---

(۶۸۱) ✱ اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدۂ تعظیمی بجالانے کا عام رواج تھا۔ قیصر روم اور ابوسفیان کے طویل واقعہ کے آخر میں اس کی قوم کا سجدہ کرنا اسی رسم کے ماتحت تھا۔ اسلام نے اس رسم کا تو استیصال کیا ہی تھا لیکن اسی کے ساتھ اس نے اس کی بھی ممانعت کردی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے۔ ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا جب کبھی وہ آپ کو دیکھتے تو بے اختیار اپنی چشم و ابرو کے بل کھڑا ہونا چاہتے مگر وہ اس کے باوجود کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ ان کا قیام آپ کو ناپسند ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے پوچھا یارسولؐ اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تواضعاً جھک سکتے ہیں' آپؐ نے اس سے بھی منع فرمادیا' پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی پسند نہ کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدوں کی بھلا کیا اجازت مل سکتی ہے۔

اسلام کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر امر میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے عبادات تو درکنار مسرت و غم' عداوت و محبت اور تعظیم و تکریم کی معمولی سی عادتوں میں بھی۔ سجدہ انسان کی اختیاری تعظیم کی آخری حد ہے اس لیے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص کردیا ہے وہ توحید کا سب سے بڑا علم بردار ہے اس لیے ہر ہر نقطہ پر اس نے عبد و معبود کے حقوق ممتاز کردیئے ہیں' خالق کے حقوق مخلوق کے حقوق سے اور مخلوق کے حقوق خالق کے حقوق سے۔ ان حقوق میں عملی لحاظ سے خالق کا ایک واضح حق سجدہ بھی ہے اسی لیے قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو ہی زیبا ہے۔ ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۳۷) نہ تو آفتاب کو سجدہ کرو اور نہ ماہتاب کو بلکہ اس کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ پس سجدہ خالق اور صرف خالق کا حق ہے اس میں مخلوق کے لیے شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ وسعتیں جو شاید ایک کامل شریعت کے نزول سے پہلے قابل اغماض ہوں گی۔ اب سب ختم ہوگئیں اب دین ان تمام حقیقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوچکا ہے جو خالق کی نظر میں پسندیدہ ٹھہر چکی ہیں اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے آپ کو سجدے کرنے کی سنت قائم کی ہو۔ بلکہ آنحضرتؐ کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بناڈالا تھا۔ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابی صرف دوسروں کی نقالی میں آپ کو سجدہ کرنے کے لیے مضطرب تھا آپؐ کی قبر کو سجدہ کرنا اس کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا یہاں آپ کے جواب سے ایک لطیف اشارہ حیاۃ النبی کے مسئلہ کی طرف بھی نکل سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر ☜ ....

www.besturdubooks.net

لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ کُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ یَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِھِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَھُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ حَقٍّ.

(رواہ ابو داؤد و رواہ احمد عن معاذ بن جبل)

تم میری قبر پر گذرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا تو پھر اب بھی مت کرو اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو یقیناً عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو کیا کریں کیونکہ شوہروں کا حق اپنی بیبیوں پر بڑا حق ہے۔

(ابوداؤد-احمد)

(۶۸۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّہٗ اَتَی الشَّامَ فَرَاَی النَّصَارٰی تَسْجُدُ لِبَطَارِقَتِھَا وَ اَسَاقِفَتِھَا قَالَ فَقُلْتُ لِاَیِّ شَیْءٍ تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا ھٰذَا کَانَ تَحِیَّۃُ لِلْاَنْبِیَاءِ قَبْلَنَا فَقُلْتُ نَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَصْنَعَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّھُمْ کَذَبُوْا عَلٰی

(۶۸۲) معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں- یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہ سجدے کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم سے پیشتر نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا- میں نے کہا تو پھر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کرنے کے ان سے زیادہ حق دار ہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے سر یہ

ؒ ....انبیاء علیہم السلام کی موت انسانوں کی موت کی طرح ہوتی تو آپ کا اس سے یہ سوال کرنا کہ اگر تو میری قبر پر گذرتا تو کیا اس کو سجدہ کرتا' چنداں موزوں نہ ہوتا کیونکہ وہ اس پر یہ عذر کر سکتا تھا کہ قبر میں تو آپ زندہ نہ ہوں گے اور اب تو زندہ موجود ہیں اس لیے اگر قبر پر سجدہ نہ کروں تو اب سجدہ کرنے سے کیا امر مانع ہے لیکن آپؐ کے سوال سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حیات و وفات کے تغیر سے ان کی حدود تعظیم و تکریم میں شاید کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا وہ وفات کے بعد بھی زمانہ حیات ہی کی طرح قائم رہتی ہے- یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں جب کوئی شخص مسجد نبوی میں ذرا آواز بلند کرتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی تھی- خلاصہ یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی آپؐ نے اپنی حیات میں بھی جائز قرار نہیں دیا- رہا وفات کے بعد سجدہ کرنا تو یہ تو کسی کے نزدیک قابل تصور چیز ہی نہ تھی- اس ممانعت کو آپؐ نے اس پیرایہ سے ذہن نشین کیا کہ سجدۂ تعظیمی جو قدیم سے کیا جا رہا ہے وہ درحقیقت حکومت کے درباروں کی ایک رسم ہے اگر اسلام اس رسم کو برداشت کرتا تو سب سے پہلے زن و شوہر کے مابین برداشت کرتا کیونکہ انسانی تعلقات میں جہاں حاکمیت و محکومیت کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہی رشتہ ہے- والدین اگرچہ بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر حاکمیت و محکومیت کا جو رنگ زن و شوہر کے درمیان ہوتا ہے وہ یہاں نہیں ہوتا- اسی لیے سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہِ مصر سمجھ کر سجدہ کرنا مذکور ہے- بارگاہِ نبوت اپنی ساری عظمتوں کے باوجود بارگاہِ حکومت نہیں ہوتی بلکہ عبدیت کاملہ کا مظہر اتم ہوتی ہے- اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عبد و معبود کے حقوق اور ان کے صحیح صحیح امتیازات اس طرح واضح کر دے کہ خدائی کی ساری عظمتیں معبود حقیقی کے لیے مخصوص ہو جائیں اور انسانی تعظیم و تکریم کے آداب بندوں کے لیے باقی رہ جائیں- اگر ایسا نہ ہو تو ان کی تعلیم کردہ توحید کا نقشہ بھی صرف خیالی رہ جائے- عملاً اس کو شرک سے کوئی امتیاز باقی نہ رہے پس جو تعظیم سیرتِ اسلام میں نہیں اسے تو اسلام کے سر مت چپکاؤ اور جہاں تک تعظیم کی اس نے اجازت دے دی ہے اس کا انکار بھی نہ کرو یہ ہے راہِ اعتدال-

اَنْبِیَائِهِمْ كَمَا حَرَّفُوْا كِتَابَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَبْدَلَنَا خَیْرًا مِنْ ذَالِكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ اَهْلِ الْجَنَّةِ. (رواه احمد)

جھوٹ اسی طرح لگا دیا ہے جس طرح اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ہم کو سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ لفظ السلام (علیکم) ہے' یہ طریقہ اہل جنت کے باہم سلام کرنے کا ہے۔ (احمد)

(۶۸۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰی عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواه ابو داؤد)

(۶۸۳) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے لوگ کھڑے ہو کر بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

(۶۸۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِیَتِهٖ لِذٰلِكَ. (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح)

(۶۸۴) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب و محترم نہ تھا' اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناپسند ہوتی ہے۔ (ترمذی)

(۶۸۵) عَنْ اَبِیْ خُزَیْمَةَ اَنَّهٗ یَرٰی فِیْمَا یَرَی

(۶۸۵) ابوخزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب میں یہ دیکھا

---

(۶۸۳) ٭ عرب کی محبت بے تکلف اور مخلصانہ ہوتی ہے اس سے اسلام کے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا عجم کی محبت پر تکلف ہوتی ہے اس میں اسلامی حدود کے ادھر ادھر ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے آپ نے ان کو تعظیم کی اسی منزل پر روک دیا جہاں تک محبت بے لوث رہتی ہے اور عبادت کے ہمرنگ ہونے نہیں پاتی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا رہنا کھڑے رہنے والوں کی بھی ایک نفسی تحقیر ہے اور جس کے لئے یہ تعظیم کی جائے اس کے حدودِ تعظیم سے بھی زیادہ بات ہے۔

(۶۸۴) ٭ سبحان اللہ! صحیح محبت اسی کا نام ہے۔

ارید وصاله ویرید هجری ☆ فاترك ما ارید لما یرید

شاعر کہتا ہے کہ میں تو اپنے دل میں اس کے وصل کی تڑپ رکھتا ہوں مگر وہ میرے فراق پر تلا ہوا ہے اب میری محبت کا فیصلہ یہ ہے کہ میں اس کی آرزو کے سامنے اپنی آرزو خاک میں ملا دوں اور شربت وصل کے بجائے تلخی فراق پر راضی ہو جاؤں۔ قیام فی نفسہ جائز ہے مگر جہاں جہاں جذبات محبت میں حدود سے تجاوز کرنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو ان کے جائز حسرت و ارمان نکال لینے کی اجازت بھی نہیں دی اور ان کو یہ تلخ گھونٹ اسے لئے پلا دیے کہ آئندہ کہیں امت کے نادیدہ محبین اپنی فرط محبت میں تعظیم کی حدود سے نکل کر عبادت کی سرحد میں نہ کود پڑیں۔

(۶۸۵) ٭ کسی کے دل کی حسرت اگر اس طرح پوری ہوتی ہے تو بھلا اس فیاض بارگاہ میں اس سے کیا بخل ہو سکتا تھا' کتنی فروتنی فرمائی کہ کھڑے سے لیٹ گئے اور اپنے جسم کو بھی اسی خاک پر لٹا دیا جس پر وہ اپنے خدا کو سجدہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر لے.....

www.besturdubooks.net

النَّائِمُ اَنَّهٗ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَاَخْبَرَهٗ فَاضْطَجَعَ لَهٗ وَ قَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاکَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ.

(رواہ فی شرح السنه کما فی المشکوة)

کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں یہ خواب آپؐ سے بھی ذکر کیا آپؐ لیٹ گئے اور فرمایا لو اپنا خواب پورا کر لو' اس نے آپؐ کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کر لیا-

(مشکوۃ شریف)

(۶۸۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهٗ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَکَ الْبَهَائِمُ وَ الشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَکَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ اَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ لَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَ مِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهٗ.

(۶۸۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور اس نے آپؐ کو سجدہ کیا یہ دیکھ کر آپؐ کے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپؐ کو جب جانور اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کریں' آپؐ نے فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو' اگر میں کسی کو یہ اجازت دیتا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرلے اگر اس کا شوہر اسے یہ حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زردی کی جگہ اٹھا کر رکھ دے تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کے لیے بھی تیار ہو جائے- (مسند امام احمد)

(رواہ احمد و روی الترمذی قوله صلی الله علیه وسلم لو كنت امر احدا الخ عن ابی هریرة)

(۶۸۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ

(۶۸۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا

ﷺ .... خواہ اس زمین پر ہو یا اس جسم پر گویا سجدہ کا رخ بدلنے نہ پائے مکان سجدہ خواہ کچھ رہے سبحان اللہ وہ کیسا خوش نصیب ہوگا جسے آج اپنے بزرگ و برتر خدا کے سجدہ کے لئے وہ مکان ہاتھ آ گیا جو عرش و کرسی سے بھی افضل تھا- جواب میں اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ صورت بھی صرف رؤیاء مومن کی تصدیق کی خاطر گوارا کی گئی ہے ورنہ یہ نفس سجدہ کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں- قربان جایئے ان صحابہ پر جنھوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور پھر کسی نے یہ درخواست نہ کی- دراصل وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف ایک امتی کی دلداری ہے شریعت نہیں-

(۶۸۶) ✱ اس حدیث میں آپ نے بڑے ایجاز و بلاغت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ اخوت کا حق صرف تعظیم و تکریم ہے عبادت نہیں- یہ صرف ایک ہی کا حق ہے اور اسی کے لیے بلا شرکت ادا کرنا چاہیے- ایک غیر مکلف جانور کے سجدہ کی ایک مکلف انسان کو نقل اتارنا غلط ہے یہ اس کا سجدہ تھا جس سے شریعت کا کوئی خطاب نہیں اور یہاں بحث اس کی ہے جس کی ایک ایک جنبش کراماً کاتبین کے قلم کے نیچے ہے- اسوۂ صحابہ چھوڑ کر اسوۂ حیوان اختیار کرنا انسانی عقل کا کام نہیں-

(۶۸۷) ✱ اسلام نے مسرت و غم اور تعظیم و تکریم سب کی حدود مقرر فرمائی ہیں بندگی ان کی پابندی ہی میں ہے جو ان حدود سے جتنا باہر گیا یقین کر لو کہ اس نے اتنے ہی اپنے حدود بندگی توڑ ڈالے- اگر وہ اس پر خوش ہے تو یہ اس کی نادانی ہے-

www.besturdubooks.net

اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِىْ لَهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهُ وَ يُقَبِّلُهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَأْخُذُهُ بِيَدِهِ وَ يُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ. (رواہ الترمذی)

یارسول اللہ اگر ہم میں ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی تعظیم کے لیے جھک سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو کیا اس کو چپٹ کر بوسہ دے سکتا ہے؟ فرمایا اس کی بھی کیا ضرورت ہے پھر انہوں نے پوچھا کیا اس سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کرسکتا ہے؟ فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)

النهي عن اتخاذ قبور الصالحين مساجد و ايقاد السرج عليها

بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت

(٦٨٨) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ. (رواہ مالک مرسلاً)

(٦٨٨) عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے خدایا میری قبر کو ایک بت نہ بنا دینا کہ اس عبادت کی جائے۔ خدائے تعالیٰ کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بناڈالا۔ (مالک)

(٦٨٩) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً تُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَ كَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَ اُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَ تَصَاوِيْرِهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ. (متفق علیہ)

(٦٨٩) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیبیوں نے اس گرجے کا قصہ ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہ پہلے وہاں جاچکی تھیں جب انہوں نے اس کے حسن و خوبی اور تصویروں کا حال بیان کیا تو آپؐ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں ان کی تصویر بنا دیتے تھے یہی لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

---

(٦٨٨) * غضب الٰہی کا مشہور مورد فرقہ یہود ہے' حتیٰ کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ان کا ایک لقب بن گیا ہے پھر نصاریٰ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل پڑے اور چونکہ انبیاء یہود ان کے نزدیک بھی قابل احترام تھے اس لیے انہوں نے بھی اس بدعملی میں ان کی نقل اتاری اور جب کبھی ان کے کسی بھلے آدمی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی ان کی قبر کو مسجد بنا لینے کا وہی دستور جاری رکھا اسی لیے حدیث میں جب خاص نصاریٰ کی گمراہی کا ذکر آتا ہے تو رجل صالح کا لفظ آتا ہے اور جب خاص یہود کا ذکر آتا ہے تو صرف انبیاء کا تذکرہ آتا ہے اور جب ان کی مشترکہ گمراہی کا حال مذکور ہوتا ہے تو انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ ذیل سے ظاہر ہے اس کے علاوہ راوی کے توسعات ہیں۔

(٦٨٩) * حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کا تو وہیں انتقال ہو گیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپؐ کے ساتھ کر دیا تھا اور ان ← ....

www.besturdubooks.net

(۶۹۰) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ. (رواہ مسلم)

(۶۹۰) جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے بغور سن لو کہ تم سے پیشتر امتیں اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتی تھیں۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کیے جاتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۶۹۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ. (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

(۶۹۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جا جا کر ان کو سجدے کرتی اور چراغ جلاتی ہیں۔ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

النهي عن كسوة الحجارة و الطين

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

(۶۹۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۶۹۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

لله ..... کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کر کے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آ کر ہوا ہے اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آ گئیں تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کنیسہ ماریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطر داری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی محفل میں اس کا ذکر بھی آ گیا تھا مگر خدا کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدائے تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لیے آپ کی زبان اپنی حیوۃ کے آخری لمحات تک جس امر کے لیے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

(۶۹۰) * ابتداء میں ان بزرگوں کی تصاویر گرجوں میں محض تبرکاً رکھی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ جاہلوں نے ان کی عبادت بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا الفاظ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے اردگرد معہ ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چہار دیواری بھی کھنچوا دی گئی تا کہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے جس نے جیتے جی اپنے لیے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔

(۶۹۲) * سوچو کہ اگر اپنی حیات میں آپ کو اپنے گھر کی در و دیوار کی یہ زینت پسند نہ آئی تو کیا یہ زینت وفات کے بعد اپنی قبر کی پسند آ سکتی ہے پھر آپ نے اس کو پھاڑ ڈالنے پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کی لغویت کو اس طرح واضح بھی فرما دیا کہ جو نعمت لباس لله .....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَاَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَ الطِّيْنَ. (متفق علیہ)

غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے- میں نے (آپؐ کے پیچھے) ایک نقشین چادر لے کر دروازہ کے اوپر ڈال دی جب آپؐ تشریف لائے اور آپؐ نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں- (متفق علیہ)

(۶۹۳) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ

(۶۹۳) محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث اس شخص نے ذکر کی ہے جس نے خود حضرت علی سے سنا تھا- وہ کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیرؓ آ نکلے اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کا پیوند لگ رہا تھا آپؐ نے جب ان

٭.... ہمارے باپ آدمؑ کو بڑی آہ وزاری کے بعد میسر آئی تھی کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سب سے ذلیل مخلوق کی نذر کر دیا جائے یعنی اینٹوں اور پتھروں کے- بالخصوص جب کہ اس میں اس قوم کے ساتھ پوری پوری مشابہت بھی پیدا ہوتی ہو جو اسی طرح بتوں کو بغرضِ تعظیم مزین کیا کرتی تھی جہاں عمل شرک کا ہو وہاں شریعت نیتوں کا فرق نہیں کرتی- ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عائشہ کی نیت نہ تو پتھروں کی تعظیم تھی اور نہ ان کی زینت' بلکہ آپؐ ہی کی تعظیم اور آپؐ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی- مگر خدائے تعالیٰ کے رسول ایسی تعظیم سے بھی خوش نہیں ہوتے جو بے معنی ہونے کے ساتھ ان کی حدودِ تعظیم سے متجاوز اور اعمالِ شرک سے ملتبس ہوں- اس کے بعد اب یہ انصاف تم ہی پر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی اپنے گھر کی دیواروں پر چادریں لٹکانا پسند نہیں فرمائیں تو کیا اس کی امت کے برگزیدہ افراد اپنی قبر پر بیش قیمت دوشالے پڑے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے- اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ انبیاءِ کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ ایسی بے جا عقیدت نہ رکھیں جو ان کے لیے موجب تکلیف و ندامت ہو-

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرنے کے لیے عرض کیا جائے گا تو وہ ان الفاظ میں معذرت فرمائیں گے "انی عبدت من دون الله" مجھے تو ایک قوم کی قوم خدا کے سوا معبود بنائے بیٹھی ہے اس میں غلطی اگرچہ سراسر اسی کی ہے مگر چونکہ وہ ہے میری امت اس لیے ان کی غلطی سے آنکھیں میری نیچی ہیں- عیسائی اس فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ عیسیٰ پرستی سے اپنی محبت کا حق اور ان کا تقرب حاصل کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سراسر خدا کی حق تلفی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ایذاء رسانی کے جرم کے مرتکب ہیں- افسوس اس امت پر جو آخر میں اس لیے آئی تھی کہ پہلی امتوں کی گمراہیاں سن سن کر ان سے احتراز کرے مگر وہ چھانٹ چھانٹ کر ان میں ایک ایک کو اختیار کر رہی ہے- صدق الله و رسوله لتتبعن سنن من قبلكم شبر ابشبر و ذراعا بذراع-

(۶۹۳) ٭ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پوشش کا دستور آپؐ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ اسی کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی جس طرح خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی تعظیم' بندوں کی تعظیم سے ممتاز تھی اسی طرح اس کے گھر کی تعظیم بھی بندوں کے گھروں کی تعظیم سے علیحدہ تھی- قبروں کے اوپر چادریں چڑھانے کا تو وہاں کوئی تخیل ہی نہ تھا آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبوب ترین ہستیاں سپرد خاک کیں حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کے متعلق تو یہ فرمایا کہ اگر مجھے ان کی ہمشیرہ کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی نعش کو یونہی پڑا ہوا چھوڑ دیتا تا کہ ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا کہ اس بے کسی پر ان پر تو خدائے تعالیٰ کی رحمتیں اور متوجہ ہوتیں اور ان کے دشمنوں پر نگاہِ خشم اور سخت ہو جاتی ٭....

www.besturdubooks.net

مَا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى لِلَّذِىْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَ الَّذِىْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِىْ حُلَّةٍ وَ رَاحَ فِىْ حُلَّةٍ وَ وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَ رُفِعَتْ اُخْرٰى وَ سَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَ نُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الترمذی)

کو دیکھا تو آپ کو بے اختیار رونا آ گیا ان کے اس حالت ناز و نعمت کو یاد کر کے جو کفر کے زمانہ میں ان کی تھی اور اس خستہ حالت کو دیکھ کر جو اسلام کے بعد بن گئی تھی پھر فرمایا بتاؤ اس زمانہ میں تمہاری دینی رفتار کیسی ہوگی جب کہ تم پر فارغ البالی کا یہ عالم ہوگا کہ صبح کو ایک لباس پہنا کرو گے اور شام کو دوسرا اور کھانے پر ایک پیالہ تمہارے سامنے سے اٹھایا جائے گا اور پھر دوسرا رکھا جائے گا- اور رہائش میں رفاہیت کا یہ حال ہوگا کہ اپنے گھروں کو لباس سے اس طرح آراستہ کیا کرو گے جیسا خانہ کعبہ کیا جاتا ہے- انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج کی نسبت ایسے زمانہ میں تو ہمارا حال بہت ہی بہتر ہوگا- معاش کے لیے محنت' مشقت کی حاجت نہ ہوگی بس عبادت کے لیے فرصت ہی فرصت مل جائے گی- فرمایا نہیں اس دن کی نسبت تم اس عسرت ہی کے زمانہ میں بہتر ہو- (ترمذی شریف)

(۶۹۴) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ هِنْدٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَ بُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِنْهَا وَ يَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا يَحْمِلُهُ وَ اَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اُرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِىْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ. (رواه ابوداؤد)

(۶۹۴) سعید بن ابی ہند ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ شیاطین کے اونٹ اور شیاطین کے مکانات ہوں گے- شیاطین کے اونٹ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے- شیاطین کے اونٹ تو یہی ہیں کہ تم میں ایک شخص عمدہ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فربہ کر رکھا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوار ہونے کی نوبت نہیں آتی اور اپنے ایک ایسے خستہ حال بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہے اور اس غریب کو سواری کے لیے نہیں دیتا- رہ گئے شیاطین کے مکانات وہ میں نے نہیں دیکھے- سعید (راوی حدیث) کہتے تھے میرے خیال میں ہوں نہ ہوں وہ یہی پنجرے سے کجاوہ ہیں جن کو لوگ ریشم ڈال کر مزین کرتے ہیں- (ابوداؤد)

لله ...مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے لیے بھی آپ نے ایک چادر کے ٹکڑے کی بھی تمنا کی ہو جو اس کی قبر پر ڈالی جائے بلکہ کفن میں بھی یہی تاکید فرمائی کہ زیادہ قیمتی نہ ہو پھر جب براہ راست میت کے لباس کا قیمتی ہونا پسند نہ ہوا تو اس کی قبر پر پیش بہا چادروں کا خود ہی اندازہ کر لو-

(۶۹۴) ✱ معلوم نہیں کہ جب سعید بن ابی ہند کی نظر میں ان اقفاص (کجاووں) کا نام بیوت شیطان تھا تو وہ ان قبور کو کیا کہتے جو ان اقفاص سے کہیں بیش بہا ریشمیں چادروں سے مزین ہوتی ہیں پھر یہاں تو بے جا زینت اور اسراف کے سوا اور کوئی جرم بھی نہیں ہے مگر وہاں رسوم شرک سے بہت کچھ مشابہت پیدا ہو رہی ہے- خوب سن لو اس کی جواب دہی ہرگز ان بزرگوں کے ذمہ نہیں ہو سکتی جنہوں نے اپنی ساری زندگی ایک پھٹی کملی میں گذار دی ہو اس کا جواب اُن کو دینا ہے جنہوں نے اِن کی وفات کے بعد حدودِ شریعت کو توڑا ہے-

www.besturdubooks.net

(۶۹۵) عَنْ اَبِی الْهَیَّاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَ لَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ. (رواہ مسلم)

(۶۹۵) ابوالہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو بھی اسی خدمت پر مامور نہ کروں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ جس تصویر کو دیکھوا سے مٹا ڈالنا اور جس قبر کو اونچا دیکھوا سے نیچا کر دینا۔ (مسلم شریف)

(۶۹۶) عَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَ لَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا. (رواہ مسلم)

(۶۹۶) ابومرثد غنوی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو) قبروں پر نہ تو بیٹھا کرو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مسلم)

الصلوة حين يعبد الكفار تشبه بمن يعبد غير الله

کفار کی عبادتوں کے اوقات میں نماز پڑھنی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے

(۶۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَ مَعَهَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا سْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا

(۶۹۷) عبداللہ صنابحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آفتاب نکلتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ شیطان ہو جاتا ہے پھر جب آفتاب بلند ہو جاتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب ٹھیک درمیان میں آ جاتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جب

---

(۶۹۶) * قبروں کے معاملہ میں متوسط تعلیم یہ ہے جو مردوں کی توہین اور ان کی حد سے متجاوز تعظیم دونوں سے خالی ہے انسان ایک اشرف نوع ہے توحید کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی قبر کی بلاوجہ توہین کی جائے اور نہ اس میں اتنا تخلل قابل تحمل ہے کہ بتوں کی طرح اس کو سامنے رکھ کر اس کی طرف نمازیں ادا کی جائیں۔ افسوس کہ دنیا اس متوسط تعلیم کو بھی قائم نہ رکھ سکی یا تو اس نے قبروں کو کھود کر پھینک ڈالنا اقتضاء توحید سمجھا یا پھر اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا بھی خلاف توحید نہ جانا بلکہ قبروں کو سجدہ کرنا اور ان پر جا جا کر چراغ جلانا فرض و واجب کے درجہ پر سمجھ لیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس کی قبر میں عمل کی روشنی نہ ہو اس کی قبر پر چراغ کی روشنی کرنے سے کیا حاصل ہے۔ رہا پہلی حدیث میں قبروں کے نیچا کرنے کا مطلب۔ تو اگر ان کو مسمار کر دینا دین کی سنت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو صحابہ کا پورا مجمع زمین سے ایک بالشت اونچا کیوں رکھتا۔ ابوداؤد کی روایت میں قاسم بن محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جا کر دیکھا تو وہ بالکل زمین کے برابر نہ تھی۔ افراط و تفریط کے دونوں راستے غلط ہیں۔ نیز قبروں کے متعلق جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی کی صورت کیا رہتی۔

(۶۹۷) * لغت میں قرن کے متعدد معانی مذکور ہیں۔ امام ابن قتیبہؒ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں کہ یہاں اس کے معنی جانبین رأس کے ہیں اسی محاورہ کے مطابق وہ حدیث ہے جو شرق کی مذمت کے بارے میں آئی ہے "من ھھنا یطلع قرن الشیطان" یعنی اس سمت سے شیطان کا سر ظاہر ہوگا۔ (یعنی اس کے فتنہ کا آغاز ہوگا) یہاں بھی قرن کے معنی سینگ کے نہیں بلکہ ۔۔۔۔

www.besturdubooks.net

زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ. (رواه مالك و احمد و النسائي)

ڈھل جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جب غروب ہونے لگتا ہے تو پھر وہ آ جاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز سے روک دیا ہے۔ (مالک۔احمد۔نسائی)

لله.... جانب راس ہی کے ہیں اور اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ہم کو اس حقیقت کی اطلاع دی ہے کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت چونکہ کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے شیطان اس کے ساتھ اس طرح رہتا ہے کہ آفتاب اس کے سر کے اوپر سے گذرتا ہے۔ اس لیے شریعت ہم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں کیونکہ ان اوقات میں کفار آفتاب اور شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ تمام حقیقت ایک غیبی حقیقت ہے اگر عقل کے نزدیک اس میں کوئی امر قابل انکار ہوتا تو ہم اس کی تاویل کر لیتے۔ لیکن جب عقلاً ممکن ہے اور شریعت ہمیں اس کی اطلاع دیتی ہے تو جہاں اس کے اعتماد پر اور غیبی حقائق تسلیم کی گئی ہیں یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے۔ (ص ۱۵۵ و ۱۵۶)

جس گرجا میں تصویریں ہوں اس میں نمازیں پڑھنے کی ممانعت کے ذیل میں حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: **فالمصلي فيها مشابه لمن يعبد غير الله و ان كانت نيته الصلوة كما ان المصلي عند طلوع الشمس و عند غروبها لما شابه من يعبد غير الله نهي عن ذلك سدا للذريعه** - (كتاب الرد على البكري ص ۳۰۰) جو شخص باتصویر گرجا میں نماز پڑھتا ہے وہ اس شخص کے مشابہ ہو جاتا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اگر چہ اس کی نیت نماز ہی کی کیوں نہ ہو اسی طرح وہ شخص بھی جو آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھتا ہے وہ بھی غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے مشابہ بن جاتا ہے اس لیے سد ذریعہ کے لیے ان اوقات میں بھی شریعت نے نماز ادا کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ جو قوم بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کرتی ہے درحقیقت وہ شیطان ہی کی عبادت کرتی ہے چنانچہ مشرکین میں ایک جماعت فرشتوں کی عبادت کی قائل تھی وہ بزعم خود یہی سمجھتی تھی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کر رہی ہے مگر درحقیقت ان کی عبادت شیطان کے لیے بن جاتی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُوْنَ﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱) حق تعالیٰ جس دن ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کہ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے وہ جواب دیں گے تیری ذات پاک ہے تو ہمارا ولی ہے۔ یہ نہیں بلکہ یہ لوگ حقیقت میں شیطانوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر ان ہی کے معتقد تھے۔

کواکب پرست بھی اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ ان کواکب کی روحانیت کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے عجز و نیاز کا سر شاید ان ہی کے سامنے جھک رہا ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہاں بھی ان کا معبود درحقیقت شیطان ہی ہوتا ہے اسی لیے جب ان کی عبادت کا وقت آتا ہے تو شیطان آفتاب کے ساتھ ہو لیتا ہے تاکہ وہ آفتاب کو مبدأ سمجھ کر سجدہ کریں اور درحقیقت ان کا یہ سجدہ اس کے لیے ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جو کوئی بھی دوسرا معبود بنایا گیا ہے درحقیقت وہ شیطان ہی ہوا ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (یس: ۶۰) اے اولاد آدم کیا ہم نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شرک کے جملہ انواع و اصناف میں چونکہ خدائے تعالیٰ کا شریک اس کو ٹھہرایا جاتا ہے جو اس کی مخلوق میں سب سے ارذل اور سب سے بدتر ہے اس لیے شرک کا گناہ بھی سب سے بدتر گناہ ہے۔ (الجواب الکافی ص ۱۹۲)

www.besturdubooks.net

(٦٩٨) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَدَ خَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَ حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَ حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءُ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوْءَهُ وَ يَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَ فِيْهِ وَ خَيَاشِيْمِهِ ثُمَّ

(٦٩٨) عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمایئے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ لو جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو جب تک آفتاب طلوع ہو رہا ہو کوئی نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ اونچا نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ نکلتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان نکلتا ہے اور اسی وقت کفار اس کی عبادت کرتے ہیں- پھر نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آگے لگے کیونکہ اس نماز میں خدائے تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہو لے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کفار اس کی عبادت کرتے ہیں- پھر میں نے عرض کیا یا نبی اللہ اچھا وضو کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے- فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضو کے لیے پانی لے کر وضو کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس

---

(٦٩٨) * یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں کفار کی عبادت اور قرنِ شیطانی کے مجموعہ نے ایک حقیقت شرکیہ پیدا کر دی ہے- اس لیے ان حدیثوں میں اسی حقیقت کے پیش نظر ہم کو عبادت سے روکا گیا ہے اور اسی لیے ان اوقات کے سوا جن میں کہ کفار اس کی عبادت نہیں کرتے شیطان بھی ہمارے قبلہ کی جانب آ کر کھڑا نہیں ہوتا- اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح خاص خاص اوقات باری تعالیٰ کی رحمت کے لیے مقرر ہیں ان میں اس کی رحمت سماء دنیا پر ظاہر ہوتی ہے دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں- بندوں کے اعمال نامے آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح طاغوتی مظاہروں کے بھی کچھ مخصوص اوقات مقرر ہیں شریعت نے اوقات رحمت کی اطلاع دے کر ان میں عبادات کی ترغیب دی ہے اور اوقات شیطان میں نمازوں سے روک دیا ہے اس کے برخلاف شرکیہ مذاہب میں ٹھیک ان ہی اوقات کی ترغیب دی گئی ہے جن میں شیاطینی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے اس روحانی اعانت و مدد کی وجہ سے دونوں جگہ ہر دو قسم کے عبادت گذاروں کو اپنی اپنی عبادتوں میں خوب لطف حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے اپنے مذاق کے موافق جدا جدا دونوں اسے آثارِ قبولیت سمجھتے رہتے ہیں بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے اور ایک معبودِ حقیقی کا عبادت گذار مؤذن کی صدائے اللہ اکبر میں ﷲ .....

www.besturdubooks.net

اِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهِ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهِ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَ مَجَّدَهُ بِالَّذِيْ هُوَ لَهُ اَهْلُهُ وَ فَرَّغَ قَلْبَهُ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَاتِهِ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ. (رواہ مسلم)

کے بعد شریعت کے حکم کے موافق منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی ڈاڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں' اس کے بعد جب وہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ہاتھوں کی کوتاہیاں بھی نکل جاتی ہیں' پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کی کوتاہیاں بھی پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں' پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی کوتاہیاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہوگیا اور نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللھم پڑھ کر خدا کی حمد وثنا کی' ایسی حمد وثنا جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اللہ کے واسطے خالی کرلیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہوگا تو گناہوں سے ایسا پاک' صاف ہوگا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

النهي عن الصلوة الى السترة

نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

(۶۹۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى عُوْدٍ اَوْ عَمُوْدٍ وَ لَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهُ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَ لَا يَصْمُدُلَهُ صَمْدًا. (رواہ ابو داؤد)

(۶۹۹) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ اس کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کرلیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔

(ابوداؤد)

٭ ....سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس التباس کو دور کردیتے ہیں اور توحید حقیقی کا ایسا نشہ پلا دیتے ہیں کہ پھر سوائے احد احد کے نہ دل میں کسی کی سمائی رہتی ہے نہ زبان پر کسی کی گنجائش۔ اکثر مقامات پر شریعت نے صرف امر ونہی پر کفایت کی ہے لیکن انسانی معرفت اور اس کی علمی ترقی کے لیے جہاں کسی باطنی علت پر تنبیہ فرمائی ہے وہاں ہی نادان انسان اور الجھ گیا ہے۔ اب سوچو کہ اگر تمہارے خیال کے موافق شریعت ہر جگہ اسباب وعلل کو واضح کرجاتی تو تمہاری ضدی طبیعت اعتماد وتسلیم کے بجائے جنگ وجدل کے کتنے راستے تلاش کرلیتی۔

(۶۹۹) ٭ کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھ لینا بھی شرعی مصلحت کی بنا پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے کی عادی قوم اسلام میں بھی اس نقشہ کو کہیں دیکھنے نہ پائے اس لیے اس مصلحت کے قائم رکھنے اور اس مفسدہ سے بچنے کے لیے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں بائیں کرلیا جائے تاکہ جس جگہ معبودِ حقیقی کے لیے سجدہ ادا کیا جارہا ہے وہاں اسی کا تصور ہو اور کوئی نہ ہو۔

www.besturdubooks.net

النهي عن عتق بعض العبد لئلا يكون فيه شريكا للّٰه عزوجل

ناتمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے

(۷۰۰) عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلّٰهِ شَرِيْكٌ فَاَجَازَ عِتْقَهُ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۰۰) ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم دے دیا۔ (ابوداؤد)

ترک الصلٰوة من غير عذر كفر

کسی عذر کے بغیر نماز قضا کردینا کفر ہے

(۷۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ. (رواہ مسلم)

(۷۰۱) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی اُدھر نماز چھوڑی اِدھر کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

(۷۰۲) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ اَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَ اِنْ قُطِّعْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً

(۷۰۲) ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدائے تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیری بوٹی بوٹی اُڑادی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کردیا جائے اور کوئی فرض

---

(۷۰۰) * توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے۔ شامہ مسلم کفر و شرک کی بدبو سونگھنے میں اتنا ہی زیادہ نازک ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک حتی کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ کسی امر سے نفرت پھیلانے کے لیے اس کے سامنے شرک کا نام آ جانا ہی کافی ہوتا ہے اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت یا رغبت دلانے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتادیا جائے کہ فلاں بات میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بھلا شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں سے اس کا بقیہ مملوک غلام بھی آزاد کرادیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت میں ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے آزاد کرنے کے لیے مضطر ہو جائے اس لیے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ تیرے اس عمل خیر میں بڑا عیب یہ ہے کہ اب اس کی ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے۔ آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت توحید اپنے لیے یہ شرکت برداشت کرے گی کہ اس تعبیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں محظوراتِ شرعیہ مکروہاتِ طبعیہ کی جگہ نہ آجائیں۔

ع ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

(۷۰۲) * اس حدیث میں شرب خمر اور ترکِ صلٰوة کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔ جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کردی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیت ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ (البقرہ) اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

www.besturdubooks.net

مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَ لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواہ ابن ماجة)

نماز جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز قضا کرے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور (ایک بات یہ نہ بھولنا) کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

(۷۰۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ. (رواہ الترمذی)

(۷۰۳) عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔ (ترمذی شریف)

(۷۰۴) عَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. (رواہ احمد و الترمذی۔و النسائی و ابن ماجة)

(۷۰۴) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بنا پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہو گیا۔ (احمد و ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

النهی عن اطراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طراء النصاری ابن مریم علیہ الصلوۃ و السلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں ایسی مبالغہ آمیزیاں کرنے کی ممانعت جیسی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کیں

(۷۰۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۷۰۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(۷۰۴) * بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت دراصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک بھی رہتی تھی اس لیے اس روشن عمل کے بعد ان کو کھلا کافر کہنا آئین اسلام کے تحت نہ آ سکتا تھا' جب ان سے یہ عمل چھوٹ جائے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی کافر تھے اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہو گئے لہٰذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں اس میں دو ہی قسم کی جماعتیں نظر آتی ہیں یا نمازی مؤمن یا کافر۔ کافر کو تو نماز سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اس نقشے کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترکِ صلوٰۃ ہی تھی دور انقلاب و انحطاط نے اب درمیان میں ایک طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے جو مؤمن ہونے کے ساتھ تارکِ صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کر دیا اور اتنا اشکال پیدا کر دیا۔ کہ بعض علماء کے نزدیک صلوۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزء بن گیا ہے کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر بھی جائز سمجھا گیا ہے اگر چہ اکثر کا رجحان اس کی تاویل ہی کی طرف ہے۔ بہر حال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل اور عدم تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر مؤمن کا یہ تو بہر حال فرض ہونا چاہیے۔ کہ وہ ایسے عمل سے دور ہی رہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آ چکا ہو۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِي كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ. (متفق علیه)

میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں کیں' میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہٰذا مجھ کو عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

(۷۰۶) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِي وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللّٰهُ فَقُلْنَا وَ اَفْضَلُنَا فَضْلًا وَ اَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَ لَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ. (رواہ احمد و ابوداؤد)

(۷۰۶) مطرف بن عبداللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا دراصل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے برتر کہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تمہیں زیادہ جری اور بہادر نہ بنا دے۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد)

(۷۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ. (رواہ مسلم)

(۷۰۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ کو یوں خطاب کیا' اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپؐ نے (ازراہِ کسرِ نفسی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایان شان ہے۔ (مسلم)

(۷۰۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ تَلَقَّى عِيْسٰى حُجَّتَهٗ وَ لَقَّاهُ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهٖ يَا عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَّاهُ سُبْحَانَكَ مَايَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ الآيه. (رواہ الترمذی)

(۷۰۸) ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ ءَاَنْتَ قُلْتَ ' الخ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرا لو۔ تو اس کا جواب ان کو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ (ترمذی شریف)

---

(۷۰۸) * دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عقید تمندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی آخر یوم حساب میں جب ان جاہلوں نے ادعاء الوہیت کی تہمت اس معصوم رسولؑ کے سر رکھ ہی دی تو انصاف الٰہی کا تقاضا ہوا کہ مدعیٰ علیہ سے کم از کم اس کی صفائی تو طلب کر ہی لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ دنیوی عدالتوں میں بھی کیسا کٹھن ہو جاتا ہے یہ تو احکم الحاکمین کی بارگاہ تھی کس کے منہ میں زبان تھی کہ جواب دیتا۔ آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلماتِ توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی۔ اسی نے آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی راہنمائی فرمائی اور انہوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرما کر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ ﷺ ....

www.besturdubooks.net

(۷۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ یَطْعَنُ الشَّیْطَانُ فِیْ جَنْبَیْهِ بِاِصْبَعَیْهِ حِیْنَ یُوْلَدُ غَیْرَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذَهَبَ یَطْعَنُ فَطَعَنَ فِی الْحِجَابِ. (متفق علیه)

(۷۰۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

(۷۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ رَجُلٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ

(۷۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم کچھ تیز تیز باتیں ہوگئیں مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس

٭..... اس کے بعد اپنے جواب میں بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور اس میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ اپنی اس نااہل امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب ان ہی کلمات کے تکرار میں گذار دی اور اتنا مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو وہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم رہے کہ محشر میں حق تعالیٰ نے اپنے علم ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لیے نبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لیے اس دن رسولوں کو بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر یا اس کی ابنیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے۔ (العیاذ باللہ)

(۷۰۹) ٭ عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصیت کا اس لیے خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوگئی اور اس طرح پوری ہوئی۔

﴿اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ﴾ (آل عمران : ۳۶)

"میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان پھٹکارے ہوئے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں"۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کر دیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لیے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی خوش عقیدگی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے' انبیاء علیہم السلام کے شانوں میں ذرا سا مبالغہ اور ذرا سی گستاخی دونوں بڑی خطرناک غلطیاں ہیں یہ وہ پل صراط ہے جس کی دونوں ہی طرف آتش دوزخ ہے۔

(۷۱۰) ٭ انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس ساری جماعت میں اول سے لے کر آخر تک ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی تعلیم میں اصولاً کوئی ادنیٰ اختلاف ہو اور نہ ان میں کوئی ایسا ملتا ہے جو ایک دوسرے کے احترام کے خلاف ادنیٰ کلمہ بھی برداشت کر سکتا ہو' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں ورنہ جن کے مابین ہزاروں سال کی مدت ٭.....

www.besturdubooks.net

21 وَ الَّذِیْ اِصْطَفٰی مُحَمَّدًا عَلَی الْعَالَمِیْنَ فَقَالَ الْیَهُوْدِیُّ وَ الَّذِیْ اِصْطَفٰی مُوْسٰی عَلَی الْعَالَمِیْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ یَدَهٗ عِنْدَ ذَالِکَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْیَهُوْدِیِّ فَذَهَبَ الْیَهُوْدِیُّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا کَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَ اَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَاَلَهٗ عَنْ ذٰلِکَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی فَاِنَّ النَّاسَ یُصْعَقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ یُفِیْقُ فَاِذَا مُوْسٰی بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِیْ کَانَ فِیْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِیْ اَوْ کَانَ فِیْمَنِ اسْتَثْنَی اللّٰهُ۔ (متفق علیہ)

نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی اور یہودی بولا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی۔ یہ سننا تھا کہ مسلمان نے فوراً ایک تھپڑ اٹھا کر اس کے منہ پر رسید کر دیا یہودی چلا اور اس نے آ کر اپنا اور اس کا سارا قصہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلایا اور اس معاملہ کی تحقیق کی' اس نے جو بات تھی صاف کہہ دی۔ آپ نے سن کر فرمایا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام پر تم مجھے اس طرح فضیلت مت دو' کیونکہ قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے میں بھی ان میں ہوں گا پھر سب سے پہلے ہوش مجھے آئے گا کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش عظیم کا پایہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اب میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے' یا مجھ سے پہلے ہوشیار ہو چکے تھے' یا ان میں داخل تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ (متفق علیہ)

(۱۱۷) عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۱۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

﴿.....حائل ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے اصول میں سر موبھی کوئی اختلاف نہ ہو سکے یا ان میں کا افضل سے افضل تعصب سے اتنا خالی ہو کہ اپنے کسی فرد کے متعلق کوئی ادنیٰ کلمہ سننا بھی برداشت نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ آپ جس جماعت کو دیکھیں گے ان میں آپ کو یہ یک رنگی نظر نہ آئیگی۔ حتیٰ کہ صوفیاء کرام کی جماعت جن کی پوری زندگی مجاہدہ و ایثار کا مجسم مرقع ہوتی ہے ان کی تعلیمات میں بھی بڑا اختلاف نظر آتا ہے بلکہ تعلیم سے آگے چل کر ان کے مابین خود ان کی شخصیات کی مقبولیت اور نامقبولیت کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان جماعتوں سے علیحدہ ہو کر یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جو دنیوی علوم کی ریسرچ میں عمریں کھپا گئے ہیں۔ یہ ایک اور صرف ایک ہی جماعت ہے جس کا پہلا انسان اور آخری انسان نہ اپنی تعلیم میں کوئی اختلاف رکھتا ہے اور نہ اپنی جماعت میں کسی کے احترام کے خلاف کوئی ادنیٰ کلمہ برداشت کر سکتا ہے۔ دیکھیے خاتم الانبیاء علیہم السلام کو اس کلی فضیلت کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی یہ برداشت نہ ہو سکا کہ آپ کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اس درجہ پامال کی جائے کہ ان کی شان میں کوئی مبالغہ کرنے والا معتقد مار کھانے کا مستحق سمجھا جائے۔

بلاشبہ یہاں آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بڑی فضیلت بیان فرمائی مگر فضیلت کلیہ تو اسی کے لیے لکھی جا چکی ہے جو عرش پر یمین رحمان میں جلوہ افروز ہو گا۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان سارے فضائل کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں آپ کو اپنی لاعلمی کے اظہار کرنے میں ذرا تامل نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ جن علوم کا احاطہ خالق کے لیے کمال ہو۔ اگر وہ کسی افضل سے افضل مخلوق کے دامن میں نہ ہوں تو یہ اس کے لیے کسی ادنیٰ نقصان کا بھی موجب نہیں ہو سکتا۔

www.besturdubooks.net

21

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْشِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ جَاءَ نِيْ مَلَكٌ وَ اِنَّ حُجْزَتَهُ لَتُسَاوِيْ الْكَعْبَةَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا فَنَظَرْتُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَشَارَ اِلَىَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَكَ وَ فِىْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ كَالْمُسْتَشِيْرِ لَهٗ فَاَشَارَ جِبْرَئِيْلُ بِيَدِهٖ اَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَّكِئًا يَقُوْلُ اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ.

(رواه فی شرح السنه)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا اس کے تہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی' اس نے کہا آپؐ کا پروردگار آپؐ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟ نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے - ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح دیکھا جیسا کوئی مشورہ لینے والا دیکھا کرتا ہے انہوں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ تواضع اختیار کیجئے - میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے- (شرح السنہ)

(۷۱۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَقُوْلَ اِنِّيْ خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى. (متفق علیه)

(۷۱۲) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں- (متفق علیہ)

---

(۷۱۲) ✻ حضرت یونس علیہ السلام کے بشری ضعف اور اس پر عتاب الٰہی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ بارگاہ نبوت کی شان کے مناسب خالق السمٰوات و الارضین کے مؤاخذہ کی باتیں ہیں- افضل الرسل نے اپنی امت کو یہ ادب سکھلایا کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی امتی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لا سکے- یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی تعصب کی طرف لے جائیں یہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی جماعت بھی ہے اس میں افضل ومفضول تو ضرور ہیں مگر کمتر کوئی نہیں اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں - یہ سب ایک ہی صداقت کے منظم ہوتے ہیں- جن میں بڑا چھوٹا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی بھی نہیں- پس اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے اجماعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں ہے- اس قسم کی جتنی حدیثیں ہیں ان سب کا تعلق ایسی افضلیت اور تخیر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گذرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی ہو گی- بہر حال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی رہتا ہے وہ نہ کسی نبی کے متعلق اطراء کا کوئی کلمہ سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس للہ....

www.besturdubooks.net

(۱۴ــ۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَكْرَمُ قَالَ اَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَاَكْرَمُ النَّاسِ يُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ (متفق علیہ)

(۱۴ــ۷) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ تر ہستی کس کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو انہوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ تر ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو خود نبی اور ان کی چار پشتیں نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو انہوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

لے .... کے متعلق کوئی ادنیٰ مبالغہ آمیزی برداشت کرسکتا ہے اتنی احتیاطوں کے باوجود انصاف سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امت کے بہت سے افراد ہیں جنہوں نے رسولؐ کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا یا ان کو خالق کی جانب میں اتنا بلند کیا کہ پھر دوئی کا تصور بھی ان کے نزدیک کلمہ کفر بن گیا اور یا عوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقام رسالت بھی معنی سے خالی ہو کر رہ گیا و اللّٰہ یهدی الحق وهو یهدی السبیل۔

(۱۴ــ۷) ٭ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا لاعلم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے۔ ہمیشہ اور ہر ہر جزئی کا علم حاصل ہونا تو علیحدہ بات ہے' یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف شخصی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار اس کے کمالات اور اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بناء پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اور زور دیا تب بھی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بلحاظ جملہ کمالات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے ایک اور رسول کا ذکر فرما دیا جن میں انسان کے اور ظاہری کمالات کے سوا یہ خصوصیت بھی تھی کہ اس کی چار پشتوں میں خدا کے مقدس رسول گذرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہیے۔ یعنی وہی فقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا اور انہیں مطمئن کیا کہ تمہارا قدیم شرف بھی ضرور ملحوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جب کہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سارے انسانی کمالات وفضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بزرگی بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمۃ کے طریق پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت جانچنے کے لیے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

(۷۱۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَاٰى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ وَ مَالِيْ لَا يَغَارُ مِثْلِيْ عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَعِيْ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَ مَعَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ نَعَمْ وَ لٰكِنْ اَعَانَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ.

(رواہ مسلم)

(۷۱۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپؐ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپؐ تشریف لے آئے اور آپؐ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آ گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپؐ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ اس شیطان نے ڈال دیا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے آپؐ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر میں نے پوچھا یا رسول کیا آپؐ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۷۱۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

(۷۱۵) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی

---

(۷۱۴) * اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر و شر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں۔ خدائی مدد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتیں۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی بار بار شق صدر کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح شر کی طرف رجحان سے بعید سے بعید رکھنے اور خیر کی طرف میلان کی قریب سے قریب استعداد پیدا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے۔ پس ان کا کمال یہ نہیں کہ وہ انسان نہیں ہوتے یہ اگر کمال ہوتا تو خدا کے وہ فرشتے جو خلیفہ کے وجود سے پہلے موجود تھے اس کمال کے لیے کافی تھے وہ شر سے اتنے بعید تھے کہ ان کے خمیر ہی میں شر کی کوئی استعداد موجود نہیں۔ ﴿ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (تحریم : ٦)

لیکن اگر وہ شر کی استعداد نہ رکھتے ہوئے شر کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے تو یہ کمال کیا ہے وہ اگر خدائے تعالیٰ کی معصیت کرنی بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے۔ کمال اس ضعیف انسان کا ہے جو ساری استعدادوں کا مالک ہو کر شر کی طرف اقدام سے اپنے نفس کو روکتا ہے پھر ان کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کچھ ایسے نفوس بھی پیدا فرما دیتا ہے جو انسانوں کی طرح مخلوق ہو کر خدائی تزکیہ کے ماتحت اس طرح تربیت پاتے ہیں کہ ملائکۃ اللہ بھی ان کی صحبت سے تقدیس کے منازل طے کرنے لگتے ہیں۔ پس نبیوں کی انسانیت اور بشریت کا انکار درحقیقت آنکھوں سے نظر آنے والی حقیقت کا انکار ہی نہیں بلکہ ان کے اصل کمال کا بھی انکار ہے۔

(۷۱۵) * دیکھئے فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان بد عائیہ کلمات کی معذرت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنی بشریت کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف نادانستہ طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں ہی دعا نہیں فرماتے بلکہ فرط محبت میں اپنی ساری امت کو یاد للہ ....

www.besturdubooks.net

قَالَتْ دَخَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَسِيْرٍ فَلَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْاَسِيْرُ قَالَ لَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَالَكِ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ اَوْ يَدَيْكِ فَخَرَجَ فَاٰذَنَ بِهِ النَّاسَ فَطَلَبُوْهُ فَجِئَ بِهٖ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَ اَنَا اُقَلِّبُ يَدَيَّ فَقَالَ اَجُنِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتَ وَ اَنَا اُقَلِّبُ يَدَيَّ اَنْظُرُ اَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ اَوْ مُؤْمِنَةٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَهٗ زَكٰوةً وَ طُهُوْرًا. (رواہ احمد)

لے کر میرے گھر تشریف لائے۔ میں عورتوں کے ساتھ بات چیت میں اس قیدی کی طرف سے ذرا غافل ہوگئی تو وہ چل دیا' آپ تشریف لائے تو آپؐ نے پوچھا وہ قیدی کدھر گیا۔ میں نے صاف عرض کر دیا کہ عورتوں کے ساتھ بات چیت میں مجھ سے غفلت ہوگئی اور وہ نکل بھاگا آپؐ نے فرمایا تم نے یہ غفلت کیوں کی' اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اطلاع دی وہ تلاش کر کے اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپؐ اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو لوٹ پلٹ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بے عقلی کی حرکت کر رہی ہو۔ میں نے عرض کیا جب سے کہ آپ کی زبان سے بد دعا کے کلمات نکلے ہیں' میں اپنے ہاتھوں کو اسی طرح کر رہی ہوں' دیکھتی ہوں کہ ان دونوں میں کون سا قطع ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے پھیلا دیئے اور فرمایا اے اللہ میں ایک آدمی ہی ہوں اور جس طرح آدمی کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے تو جس کسی مومن مرد یا عورت کے متعلق میری زبان سے بد دعا کے کلمات نکل گئے ہوں اس کے حق میں ان کو پاکی اور صفائی کا موجب بنا دے۔ (احمد)

لاعبرة لمشية العبد بجنب مشية الله تعالى

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں

(۷۱۶) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۷۱۶) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں

لقیہ .... فرمالیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر ان مقبول ہونٹوں سے کسی اور کے حق میں بھی کوئی کلمہ نکل گیا ہو تو آج جس برکت میں آپ کی یہ اہل بیت شریک ہوں وہ بھی شریک ہو جائے یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ دعا میں استجابت دعا یہ کلمات کے تابع رہتی ہے خواہ ان میں نیت کچھ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "قطع اللہ یدک" سے آپ کا منشاء مبارک یہ تو ہو نہیں سکتا کہ درحقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رسول کی مقبول زبان سے جو کلمات نکل گئے تھے وہ اپنا اثر دکھائے بغیر یہاں بھی نہیں رہے۔ پس اس بارے میں بڑی احتیاط لازم ہے کہ کبھی کسی کے حق میں خراب کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں ممکن ہے کہ اگر کوئی زبان زیادہ مقدس نہ ہو تو وہ وقت استجابت دعا کا آ گیا ہو اور ان کا اثر ظاہر ہو جائے اسی بنا پر قدیم دستور تھا کہ بچوں کو غصہ میں بھی کوسا نہیں جاتا تھا اب بھی اس طریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷۱۶) * یعنی ایک مومن کی زبان کو شرک کے موہم کلمات سے بھی احتراز کرنا چاہیے اور اس کے قلب و زبان پر صرف ایک اللہ کی فاعلیت کا نقش ہونا چاہیے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلامی آداب سے متعلق ہے عقائد سے نہیں چونکہ واو عربی زبان میں جمع اور لقیہ....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ. (رواہ احمد ج۵ ص۳۸۴ و ج۵ ص۳۹۴ و ج۵ ص۳۹۸) و فی شرح السنۃ منقطعا کما فی المشکوۃ فی باب الاسامی لا تقولوا ما شاء اللّٰہ وشاء محمد و قولوا ما شاء اللّٰہ وحدہ)

مت کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے (یعنی مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہا بلکہ یوں کہو کہ پہلے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد جو فلاں نے چاہا (یعنی ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے برابر کسی کا ذکر بھی نہ آئے۔ پہلے ہر چیز کی نسبت اس کے نام کی طرف ہو پھر کسی اور کی طرف ہو۔) (مسند احمد)

(۷۱۷) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ مَدَحْتُ اللّٰهَ بِمِدْحَةٍ وَ مَدَحْتُكَ بِاُخْرٰى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ وَ ابْدَأْ بِمِدْحَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (رواہ احمد کما فی الرحمۃ المهداۃ)

(۷۱۷) اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک مدحیہ قصیدہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں لکھا ہے اور دوسرا آپ کی شان میں۔ آپ نے فرمایا اچھا لاؤ (سناؤ) لیکن پہلے وہ قصیدہ شروع کرو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے۔ (مسند احمد)

(۷۱۸) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِاَسِيْرٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَتُوْبُ اِلَيْكَ وَ لَا اَتُوْبُ اِلٰى مُحَمَّدٍ

(۷۱۸) اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قیدی حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا اے اللہ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے نہیں

لـه ....شرکت کے لیے آتا ہے اور ثم ترتیب کے لیے۔ اس لیے آپ نے بتایا کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت کو حرف واو کے ساتھ جمع نہ کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جیسا کہ تمام مشیتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کی تقدیم ثم حرف ترتیب کے ساتھ ظاہر بھی کرنا چاہیے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) حافظ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کا ایک محل اور بھی بیان کیا ہے۔ دیکھو کتاب الرد علی البکری ص ۱۹۵۔ یہاں ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۲۷۹ کا نوٹ بھی ملاحظہ کیا جائے۔

(۷۱۷) ✽ اگرچہ رسول کی تعریف میں بھی اصل تعریف خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کی نکلتی ہے مگر جہاں دونوں تعریفیں جمع ہو جائیں وہاں آپ نے خدائے تعالیٰ کی بلاواسطہ تعریف کو مقدم کرنا طریقہ ادب سمجھا۔ اب بھی دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے خدائے تعالیٰ کی ثنا کی جائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی جائے اس کے بعد اپنی حاجت کے لیے دعا کیجیے۔

(۷۱۸) ✽ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ توبہ۔ حلف ونذر و سجود و طواف بیت کی طرح خاص اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اس میں کسی غیر اللہ کے شرکت کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے اس توحید بھرے کلمہ کی داد دی۔ (دیکھو الجواب الکافی ص ۱۸۱)

حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی کے قریب قریب وہ کلمات ہیں جو حضرت عائشہ کی زبان مبارک سے قصہ افک میں نکلے تھے جب کہ قرآن کریم میں ان کی براءت نازل ہوگئی اور ان کی والدہ ماجدہ نے فرط مسرت میں آکر فرمایا قومی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ! اٹھو اس خوشی میں کھڑی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرو تو انہوں نے ناگواری و ناز کے مابین عالم میں یہ جواب دیا و اللہ لا اقوم الیہ و لا احمدہ و لا ایاکم لقد سمعتم فلا انکرتم و لا غیر تم و لا احمد الا اللہ الذی انزل براءتی. میں آپ کی یا اپنے والدین کی اس معاملہ میں کیا تعریف کروں آپ لوگوں نے تو جو سنا اس پر نہ تو کچھ انکار کیا نہ اس کے ازالہ ﷺ....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَفَ الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ.
کرتا-آپ نے فرمایا اس شخص نے تو بہ جس کا حق تھا اس کو پہچان لیا-
(مسند احمد)

(رواہ احمد کما فی الرحمۃ المھداۃ و رواہ ابو عبید فی الاموال عن عبدالرحمٰن بن مھدی عن سلام)

☆ ....کی کوئی فکر کی- میں تو اپنے اس خداعزوجل کی تعریف کروں گی جس نے آسمان سے میری براءت نازل فرمائی- (بخاری شریف)
امام بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ کے ان کلمات ناز کے متعلق جو جواب حضرت عبداللہ بن المبارک سے باسنا دنقل کیا ہے وہ ٹھیک یہی ہے جو اس وقت آپ کے سامنے لسان نبوت سے موجود ہے یعنی تعریف دراصل ایک حق سبحانہ تعالیٰ کا ہی حق ہے اس بیرون از قیاس و گمان انعام پر حضرت عائشہ کی زبان سے تعریف کا کلمہ بے ساختہ اسی ذات کے لیے نکلا جو درحقیقت تعریف کی مستحق تھی اور اس وقت انہیں اس میں کسی کے لیے شرکت کی گنجائش نظر نہ آئی- (کتاب الرد علی البکری)
اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بلیغ تحقیق ذکر فرمائی ہے اس کا ملحوظ خاطر رکھنا ایمان وکفر میں امتیاز کا ایک اہم ترین نکتہ ہے- رسول کی تعظیم اور خدا کی توحید دونوں اسلامی رکن ہیں مگر یہاں بھی نافہموں نے ایک عبارتی کشمکش پیدا کر دی ہے بعض موحدین تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک رسول کی شان رفیع میں گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں اس وقت تک گویا خدائے تعالیٰ کی توحید کا حق ادا ہی نہیں ہوتا اور محبت رسول کے مقام کے دم بھرنے والے بعض جاہل یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ توحید خداوندی کی زیادہ توضیح کرنے سے بھی رسول کی عظمت شان کو گویا ٹھیس لگتی ہے وہ اگر اپنی زبان سے ایک مرتبہ یا اللہ کہہ دیتے ہیں تو جب تک سو مرتبہ یا رسول اللہ نہیں کہہ لیتے ان کو چین نہیں پڑتا- حتیٰ کہ بعض مزارات پر جا کر دیکھو تو تم کو محسوس ہوگا کہ اس فضاء میں جہاں کبھی صرف ایک اللہ ہی کا نام پاک گونجا کرتا تھا آج یا اللہ کہنا سب سے بڑا کفر بنا ہوا ہے- یہ دونوں راہیں افراط وتفریط کی راہیں ہیں-
حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں بہت بسیط بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تعظیم کے مواضع کیا ہیں اور تنقیص کے مواضع کیا اور اس کی بڑی تفصیل کی ہے- بعض مرتبہ نیت کے بدل جانے سے کلمہ تنقیص تنقیص نہیں رہتا جیسے ''رَاعِنَا'' یہود جب اس کلمہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے تو چونکہ ان کی نیت فاسد ہوتی تھی اس لیے ان کی زبان سے یہ کلمہ تنقیص تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی یہ نیت نہ تھی اس لیے ان کی زبان سے یہی کلمہ ادنیٰ تنقیص کا موجب بھی نہ تھا- یہ دوسری بات تھی کہ یہود چونکہ اس کو غلط طور پر استعمال کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو بھی اس کے استعمال سے روک دیا گیا تھا-
اسی طرح جب کہ گفتگو سیاق توحید میں ہو تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے سلب کرنا موجب کسر شان شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ بلند بارگاہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں کوئی نہیں اس لیے اس کی ذاتی خصوصیات سلب کرنے میں کسی کی کوئی کسر شان نہیں ہوتی- مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ رسول گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گناہوں کی مغفرت کر سکتی ہے- (ہاں رسول مغفرت کی سفارش کر سکتا ہے اور حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ میں رسول کی سفارش کبھی خالی نہیں جاتی) تو اس میں رسول کی کوئی کسر شان نہ ہو گی- کیونکہ یہاں جس صفت کو رسول کی ذات سے سلب کیا گیا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے ثابت ہی نہیں تھی وہ خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے-
ہاں بے حاجت ان صفات کی نفی کا مشغلہ لگائے رکھنا بھی سوء ادب گستاخی اور انتہا درجہ خطرناک ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کو نصاریٰ نے خدا بنایا تو ان کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کرنی عین حکمت ہے- لیکن جن انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ کسی کا اس قسم کا عقیدہ ہو نہ اس کا اندیشہ تو ان کے حق میں اس قسم کی عبارتیں توہین کی حد میں بھی داخل ہو سکتی ہیں- یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو اسلوب بیان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اختیار کیا ہے وہ اور رسولوں کے لیے اختیار نہیں کیا حالانکہ ☆....

www.besturdubooks.net

(۷۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَ اَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّبْتَلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَكًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَ جِلْدٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّی الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَ اُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَ جِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْاِبِلُ اَوِ الْبَقَرُ شَکَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ وَ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلَ وَ قَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرَ قَالَ فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَ اُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِیَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَعْمٰی فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ اَنْ یَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِیَ شَاةً وَ الِدًا

(۷۱۹) ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص[1]، ایک گنجا اور ایک اندھا- اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا- پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہئے! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ اس نے کہا خوب صورت رنگت اور خوب صورت کھال اور یہ بات کہ جس بدنما رنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے- فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بدنمائی ختم ہوگئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہو گئے- اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے اونٹ بتائے یا گائے- راوی حدیث اسحٰق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ابرص اور گنجے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے- غرض اس کو ایک ایسی اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہوگئی تھی اور وہ بیانے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے نے یہ دعا دی- جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے- اس کے بعد وہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ اس نے کہا خوب صورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے- اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوب صورت ہو گئے- اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے کہا گائے' اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی- فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی گائے میں برکت دے- اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا' کہئے صاحب آپ کو سب سے زیادہ کیا بات پسند ہے؟ اس نے کہا' یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں' فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد

ﷺ .... جب متکلم خود اللہ تعالیٰ ہو اور معاملہ رسولوں کا آجائے تو وہاں تو ہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پس بے وجہ رسولوں کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کا مشغلہ بھی توحید کا اقتضا نہیں اور نہ توحید کو گندہ کرنا رسول کی کوئی عظمت کی بات ہے- (کتاب الرد علی البکری)

(۷۱۹) ٭ اس حدیث میں فرشتے کی زبان سے وہی عظمت و ادب سے بھرا ہوا کلمہ نکلا ہے جو پہلی حدیثوں میں آپ کو بتایا گیا تھا ﷺ ....

[1] برص بیماری والا- جس میں جلد پر بدنما نشان پڑ جاتے ہیں-

www.besturdubooks.net

فَانْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ
الْاِبِلِ وَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ
الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهُ اَتَى الْاَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَ
هَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ
الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا
بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِيْ اَعْطَاكَ
اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَ الْجِلْدَ الْحَسَنَ وَ الْمَالَ
بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ
كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهُ كَاَنِّيْ اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ
اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ
اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ اِنَّمَا وُرِّثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا
عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ
اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فِيْ
صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَاقَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ
مِثْلَ مَارَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا
فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ وَ اَتَى
الْاَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ وَ هَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ
مِسْكِيْنٌ وَ ابْنُ سَبِيْلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ
فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ
بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ
شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ
اَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَ
دَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْيَوْمَ

پوچھا آپ کو کون سا مال مرغوب ہے؟ وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جننے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے بیا گئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہوگیا (اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے اونٹ ہو گئے اور گنجے کے پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں ہوگئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں رہا' سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دے کر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوش نما رنگ اور یہ خوش نما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا میری ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں۔ کہئے کیا آپ مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادے سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی پہلی ہی شکل میں گنجے کے پاس پہنچے اور اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کرلوں اس نے کہا بے شک میں نابینا تھا اور بے شک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی

لہ .... یعنی اس نے بے انتہاء خوشامد کے موقعہ پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی اتنی مساوات برداشت نہ کی اور یہی کہا کہ میری اصل مشکل کشا تو اس کی ذات ہے ہاں ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے۔

www.besturdubooks.net

بِشَیْءٍ اَخَذْتَهٗ لِلّٰهِ فَقَالَ اَمْسِکْ مَالَکَ فَاِنَّمَا ابْتُلِیْتُمْ فَقَدْ رَضِیَ عَنْکَ وَ سَخِطَ عَلٰی صَاحِبَیْکَ.

(متفق عليه)

بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لے گا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دے دوں گا۔ فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے ساتھ دو شخص اور تھے ان سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

(۷۲۰) عَنْ حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ رَاٰی فِی النَّوْمِ اَنَّهٗ لَقِیَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ اَنْتُمْ لَوْ لَا اَنَّکُمْ تُشْرِکُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ وَ ذَکَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا وَ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُ لَا عْرِفُهَا لَکُمْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ. (رواه ابن ماجه ص ١٥٤ ورواه احمد الطيالسي بتغير يسير كما فى ترجمان السنة ص ٣٠١ ج ١)

(۷۲۰) حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہل کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یوں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری اس فروگذاشت کو میں بھی محسوس کر رہا تھا لہٰذا آئندہ اب میرا تذکرہ (ایسی عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظی شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور وشاء محمد کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔

(ابن ماجہ)

(۷۲۱) عَنْ قُتَیْلَةَ اِمْرَاَةٍ مِنْ جُهَیْنَةَ اَنَّ یَهُوْدِیًّا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّکُمْ تُنَدِّدُوْنَ وَ اِنَّکُمْ تُشْرِکُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ وَ تَقُوْلُوْنَ وَ الْکَعْبَةِ فَاَمَرَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادُوْا اَنْ یَّحْلِفُوْا اَنْ یَقُوْلُوْنَ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ وَ یَقُوْلُ اَحَدٌ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ. (رواه النسائى ص ٥٩١ و اخرجه ابن سعد ابسط من هذا كما فى الدر المنثور ج ١ ص ٣٥ تحت قوله تعالى فلا تجعلو لله اندادا)

(۷۲۱) قبیلہ جہینہ کی ایک بی بی مسماۃ قتیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدائے تعالیٰ کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو ایک تو تم یوں کہتے ہو ماشاء اللّٰهُ وَ شِئْتَ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت اور اللہ کی مشیت کو برابر برابر ذکر کرتے ہو) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے ہو (حالانکہ کعبہ مخلوق ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دے دیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کیا کریں بلکہ خدا کی مشیت کے بعد اس کا ذکر دوم نمبر میں کریں۔ (نسائی شریف)

(۷۲۲) عَنْ طُفَیْلِ بْنِ سَنْجَرَةَ اَنَّهٗ رَاٰی فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ کَاَنَّهٗ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ الْیَهُوْدِ فَقَالَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّکُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّ عُزَیْرَ ابْنَ اللّٰهِ فَقَالُوْا وَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّکُمْ تَقُوْلُوْنَ

(۷۲۲) طفیل بن سنجرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک یہودی کی جماعت کے پاس سے گذر ہوا انہوں نے اس سے کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ ہوتے وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا

www.besturdubooks.net

مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ النَّصَارٰى فَقَالَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَ اَنْتُمْ نِعْمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ طُفَيْلًا رَاٰى رُؤْيَا وَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي الْحَيَاءُ مِنْكُمْ فَلَا تَقُوْلُوْهَا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. (اخرجه احمد و ابن ماجة و البيهقي كما في الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵)

ایک ساتھ ذکر نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ مانع آتا رہا' اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کیا کرو' جس کا کوئی شریک نہیں۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ بیہقی)

الجمع بين الله و رسوله في ضمير و احد يخالف الادب الاسلامي

خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے

(۷۲۳) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّ خَطِيْبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ مَنْ يَعْصِهِمَا فَقَالَ قُمْ اَوْ قَالَ اذْهَبْ فَبِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ.

(رواه ابوداؤد (كتاب الادب و كتاب الجمعه)

و في رواية المسلم و من يعصهما فقد غوىٰ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بئس الخطيب انت قل و من يعص الله و رسوله)

(۷۲۳) عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور اثناء خطبہ میں یوں کہا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہ راست پر رہا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس پر آپ نے فرمایا کھڑا ہو جا' یا چلا جا (راوی کو اصلی لفظ میں شک ہے) تو نالائق خطیب ہے۔ (ابوداؤد)

مسلم کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ خطیب نے یوں کہا کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ یقیناً گمراہ ہو گیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تو نالائق خطیب ہے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔

---

(۷۲۳) ✻ یعنی لائق خطیب وہ ہے کہ جب وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اور معصیت کا ذکر کرے تو دونوں کے ناموں کو بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کرے صرف ایک ضمیر میں جمع نہ کر دے۔ یہاں اس خطیب نے اطاعت کے ذیل میں تو خدا اور رسول کا نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا لیکن جب ان کی نافرمانی کے ذکر پر پہنچا تو اس نے ان کو ایک ہی ضمیر میں جوڑ دیا اس میں ایک قسم کی مساوات کی بو آتی ہے۔ اسلام کی توحید اتنی سی مساوات کی بھی روادار نہیں۔ کبھی قائل اور کبھی مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے ذرا سی فروگذاشت اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب تک کسی نو آموز قوم کے قلب و زبان میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت کا امتیاز پورے طور پر قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی معمولی فروگذاشت پر بھی تحت الفاظ میں ٹوکنا ضروری ہوتا ہے ہاں جب توحید کا نقش اپنی اصل صورت پر قائم ہو جائے تو اب ضمیر کی شرکت قابل اغماض ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں امام طحاوی کا جواب بہت لطیف تھا مگر وہ ابوداؤد کے الفاظ میں تو چل سکتا ہے صحیح مسلم کے ایک لفظ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

www.besturdubooks.net

نهي المولٰى عن قوله في غلامه عبدى

آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت

(۷۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰهِ وَ کُلُّ نِسَاءِ کُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَ لٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَ جَارِیَتِیْ وَ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ وَ لَا یَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ وَ لٰکِنْ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَ فِیْ رِوَایَةٍ وَ لَا یَقُلِ الْعَبْدُ لِسَیِّدِهٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاکُمُ اللّٰهُ. (رواہ مسلم و هو عند البخاری و ابی داؤد و غیرهما ایضاً)

(۷۲۴) ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص یوں نہ بولا کرے ''میرا بندہ'' ''میری باندی'' کیونکہ تم میں جتنے مرد ہیں درحقیقت وہ سب عبد خدا کے ہیں اسی طرح جتنی عورتیں ہیں۔ وہ باندیاں اسی کی ہیں ہاں اس کے بجائے ''میرا غلام'' اور ''میری لونڈی'' کا لفظ بول سکتے ہو اسی طرح کسی غلام کو اپنے آقا کے حق میں رب کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے ہاں سردار اور آقا کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ غلام کو اپنے آقا کو میرا مولیٰ نہ کہنا چاہیے کیونکہ تم سب کا مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (مسلم شریف)

(۷۲۵) عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْ فَرَاَی الَّتِیْ بِظَهْرِهٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اُعَالِجُهَا فَاِنِّیْ طَبِیْبٌ قَالَ اَنْتَ رَفِیْقٌ وَ اللّٰهُ الطَّبِیْبُ وَ فِیْ

(۷۲۵) ابورمثہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے تو میں اس کا علاج کر دوں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو رفیق ہو طبیب حقیقی تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات

---

(۷۲۴) * یہ حدیث بھی عقائد کے باب کی حدیث نہیں صرف ادب وتہذیب کے باب کی حدیث ہے یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ عبدیت کی جو نسبت بڑی پر معنی ہے اس کو محل و بے محل استعمال کر کر کے بے معنی نہ بنا دینا چاہیے وہ حقیقی طور پر ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس لیے اس کا استعمال بھی اسی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے گو مجازی طور پر اس میں شرکت کی گنجائش سہی مگر چونکہ اس میں اصل حقیقت سے غفلت کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لیے اس مجاز و استعارہ سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری میں ہم نے اس حدیث کی اور زیادہ تشریح کی ہے۔

(۷۲۵) * مہر نبوت پر مرض کے اس گمان کرنے والے کے جواب میں کسی ادنیٰ ناگواری کے بجائے آپؐ نے اس سے ایسے بصیرت افروز کلمات فرمائے کہ خود اس طبیب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھ گیا کہ انسانی بہی خواہی کی حد بہت سے بہت ظاہری ہمدردی اور رفاقت تک ہو سکتی ہے اس لیے اس کی حیثیت بھی ایک رفیق کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہو سکتی شفاء و مرض کا اصل رشتہ خدائے تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لیے طبیب کا اصل لقب پانے کے لیے اسی کی ذات پاک موزوں ہے وہ بھلا طبیب ہونے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے جس کو مرض اور منبع شفاء کے درمیان بھی تمیز نہ ہو۔

عرفی نظر میں گو کسی انسان کو طبیب کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ایک مؤمن کے قلب میں توحید کا نقش ایسا گہرا ہونا چاہیے کہ اس کی نظر میں ایک قابل سے قابل طبیب کی حیثیت بھی ایک ضعیف رفیق کی رہ جائے اور طبیب کا لقب صرف اس ذات کے ساتھ مخصوص نظر آئے جو شفاء و مرض کا سر رشتہ ہے۔

طبیب و رفیق کا یہ فرق صرف وقتی اور لفظی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کی رگ و پے میں اس طرح ☜ ....

www.besturdubooks.net

روایته رَأَیْتُ عَلٰی کَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَاحَةِ قَالَ اَبِیْ اِنِّیْ طَبِیْبٌ اَلَا اُطِبُّهَا لَکَ فَقَالَ طَبِیْبُهَا الَّذِیْ خَلَقَهَا. (رواہ احمد و اخرجه صاحب المشکاۃ فی باب القصاص)

ہے- دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ میں نے آپؐ کے بازو مبارک کی جانب سیب کی طرح اُبھری ہوئی ایک چیز دیکھی (یعنی مُہر نبوت) تو میرے والد نے عرض کیا میں طبیب ہوں ارشاد ہو تو میں اس کا علاج کر دوں آپ نے فرمایا اس کا طبیب تو وہی ہے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے- (احمد)

ﷺ ....سرایت کر گیا تھا کہ جب ان میں کسی کسی سے بیماری میں طبیب کی طرف مراجعت کے لیے کہا جاتا تو تمام طبیبوں سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ایک طبیب حقیقی ہی کو یاد کرتا- چنانچہ شمس الائمہ کردری امام اعظمؒ کے مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب صدیق اکبرؓ کی علالت میں کسی طبیب کے بلانے کے لیے ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ فرما کر روک دیا کہ الطبیب امرضنی (مناقب الامام الاعظم ج ص ۷) طبیب (حقیقی ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کو حسب ذیل تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے-

و اخرج ابن سعد و ابن ابی الدنیا عن ابی السفر قال دخلوا علی ابی بکر فی مرضه فقالوا یا خلیفة رسول اللّٰه الا ندعولک طبیبا ینظر الیک قال لا قد نظر الی فقالوا ما قال لک قال انی فعال لما یرید. (تاریخ الخلفاء ص ۶۰)

''ابن سعد اور ابن ابی الدنیا نے ابو السفر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی دورانِ علالت میں صحابہ کرام ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خدا کے رسول کے خلیفہ! ارشاد ہو تو ہم کسی طبیب کو بلا کر آپؐ کو دکھا دیں؟ آپؓ نے فرمایا نہیں طبیب (حقیقی) مجھے دیکھ چکا ہے انہوں نے پوچھا تو پھر اس نے دیکھ کر کیا کہا- فرمایا یہ کہا ہے کہ جو ارادہ ہم کر لیتے ہیں پھر وہی کر کے رہتے ہیں''-

حافظ ابن کثیرؒ نے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابن مسعودؓ کا نقل کیا ہے-

و قد شهد ابن مسعود بعد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مواقف کثیرة منها الیرموک و غیرها و کان قدم من العراق حاجا فمر بالربذة فشهد و فاة ابی ذر و دفنه ثم قدم الی المدینة فمرض بها فجاءہ عثمان عائدا فیروی انه قال له ماتشتکی قال ذنوبی قال فما تشتهی قال رحمة ربی قال الا امرلک بطبیب فقال الطبیب امرضنی فقال الا امرک بعطائک و کان قدترکه سنتین فقال لا حاجة لی فیه فقال یکون لبناتک بعدک قال اتخشی علی نباتی الفقرانی امرت بناتی ان یقرأن کل لیلة سورة الواقعه و انی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول من قرأ الواقعة کل لیلة لم تصبه فاقة ابدا. (البدایه و النهایه ج ۷ ص ۱۶۳)

''حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت سے غزوات میں شریک ہوئے ہیں ان میں سے ایک غزوۂ یرموک بھی تھا- یہ حج کر کے عراق سے واپس آ رہے تھے جب مقام ربذہ پر گذرے تو (ان کو معلوم ہوا کہ ابوذرؓ اس جہانِ فانی سے گذر رہے ہیں) یہ ان کی وفات میں شریک ہوئے اور ان کو دفن کر کے پھر مدینہ طیبہ آئے اور یہاں آ کر بیمار پڑ گئے- حضرت عثمان غنیؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے- بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ان سے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے فرمایا اپنے گناہوں کی- حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت- حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلا لیں انہوں نے جواب دیا کہ طبیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے پھر حضرت ﷺ....

www.besturdubooks.net

النهي عن التسمية بملك الاملاك

(۴۲۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَی الْاَسْمَاءِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ یُسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ. (رواه البخاری و فی روایة مسلم قَالَ اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ اَخْبَثُهٗ رَجُلٌ کَانَ یُسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ لَا مَلِکَ اِلَّا اللّٰهُ)

شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

(۴۲۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ)۔ (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے بدتر ہوگا وہ شخص جس کا نام شاہان شاہ رکھا جائے۔ حالانکہ دراصل شاہی صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ہے۔

النهي عن التكني بابي الحكم

(۴۲۷) عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیءٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ

ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت

(۴۲۷) شریح بن ہانی اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب

٭ ....عثمانؓ نے فرمایا آپ کا وظیفہ نہ جاری کردوں یہ دو سال سے سرکاری وظیفہ چھوڑ چکے تھے فرمایا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو آپ کی لڑکیوں کے کام آجائے گا۔ فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے متعلق احتیاج کا خطرہ ہے (سن لیجئے!) میں ان سے تاکید کر چکا ہوں کہ وہ ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھ لیا کریں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھتا رہے گا اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ)

ان اولوالعزم اور مقدس ہستیوں کے بعد جب امت کے دوسرے جانفروشوں کا دور شروع ہوا تو انہوں نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں دنیا کے تمام طبیبوں سے بے نیاز ہوکر طبیب حقیقی ہی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے ؎

اے طبیب جملہ علت ہائے ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

یہ تمام تاثرات جواب تک آپ نے ملاحظہ فرمائے قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہیں:

﴿وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾ (الشعراء: ۸۰) (جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔)

(۴۲۶) ٭ ہمارے دور میں اسماء میں کوئی تاثیری نہیں سمجھی جاتی مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو بھی نفس کی اصلاح و تخریب میں بہت بڑا دخل ہے انسان کو ایسے نام رکھنے چاہئیں جو اس کے ضعف و نقصان پر شاہد رہیں۔ ان کے ہمہ وقت استعمال سے ہر وقت آپ کے نفس پر نقص در نقص ہونے کا اثر پڑتا رہے اس کے برخلاف ایسے اسماء جو کمالات میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کے معنی پر مشتمل ہوں اس کے لیے موزوں نہیں کیونکہ پہلے تو وہ اس کی ناقص ہستی کا صحیح تعارف نہیں بن سکتے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ خالق کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں ایک ذلیل مخلوق کے لیے یہ کتنا نامناسب ہے کہ وہ اس عزیز و جبار ہستی کے ناموں میں اپنا حصہ جالڑائے جو اس کی خالق ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو اسماء خالق کے لیے معروف ہو چکے ہیں ان کا استعمال مخلوقات کے دائرہ میں ممنوع ہے اور اسی طرح جو اسماء مخلوق کے دائرہ میں معروف ہو چکے ہیں ان کا اطلاق بارگاہ بے نیاز میں ممنوع ہے۔ یہاں صرف لفظی صلاحیت کافی نہیں کچھ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہیے اور اس طرح مخلوق و خالق کے مابین جہاں ذاتی اور صفاتی شرکت نہیں وہاں اسمی شرکت بھی ختم ہو جانی چاہیے۔

www.besturdubooks.net

لَمَّا وَفَدَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ سَمِعَهُمْ يَكْنُوْنَهٗ بِاَبِی الْحَكَمِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَ اِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكَنّٰى اَبَا الْحَكَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِیْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِیْ شَیْءٍ اَتَوْنِیْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِیَ كِلَا الْفَرِيْقَيْنِ بِحُكْمِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ هٰذَا فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِیْ شُرَيْحٌ وَ مُسْلِمٌ وَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ فَمَنْ اَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَيْحٍ.

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

وہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ وہ لوگ ان کو ابوالحکم کی کنیت سے بلاتے تھے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا (دیکھو) الحکم تو اللہ کا نام ہے اور اس لیے ہے کہ تمام جہان کا مقدمہ فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا۔ تم کہو تمہاری کنیت ابوالحکم کیسے پڑی انہوں نے عرض کیا کہ قصہ یہ ہے کہ میری قوم کے لوگ جب بھی کسی معاملہ میں اپنا جھگڑا لے کر میرے پاس آجاتے تو میں ان کے باہم ایسا فیصلہ کر دیتا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہو جاتے اس لیے میری کنیت ابوالحکم پڑ گئی) آپ نے فرمایا یہ بات تو بہت اچھی ہے (مگر اس پر بھی مخلوق کو اپنے خالق کے نام کی کنیت رکھنا بڑی نازیبا حرکت ہے) یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں' یہ بولے تین ہیں۔ شریح' مسلم' عبداللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے یہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا شریح۔ فرمایا اچھا جاؤ تو تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔ (کہ یہ درست بھی ہے اور عرب کے دستور کے مطابق بھی) (ابوداؤد' نسائی)

ينبغي للمؤمن ان يجتنب رسوم الجاهلية و ان لم تكن كفرا

مؤمن کو چاہیے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دُور رہے اگرچہ وہ کفر کی حد تک نہ ہوں

(۷۲۸) عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ اَبَا ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِالرَّبَذَةِ وَ عَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰی غُلَامِهٖ حُلَّةٌ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ

(۷۲۸) معرورؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذرؓ سے مقام ربذہ میں ملاقات کی۔ وہ ان کا غلام ایک ہی قسم کا حلّہ پہنے ہوئے تھے (حلّہ ایسی چادر اور لنگی کو کہتے ہیں جو ایک ہی قسم کی ہوں) میں نے ان سے اس یک رنگی کا سبب پوچھا' اس پر انہوں نے یہ

---

(۷۲۸) * ابوذرؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ذرا تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں اتنا اور مذکور ہے کان بيني و بين رجل كلام و كانت امه اعجمية فنلت منها یعنی میرے اور ایک شخص کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہو گئیں اس کی والدہ عجمی عورت تھی میں نے عرب کے خیال کے موافق اس کی نسبت کو ازراہِ تحقیر ادا کیا اس پر آپ نے فرمایا انک امرؤ فیک جاهلية ابوذرؓ تجھ میں ابھی تک وہی زمانہ جاہلیت کی خو بو چلی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا على ساعتي هذه من كبر السن' قال نعم ۔ کیا اب تک جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں ابھی تک۔

ماں کی عار دلانا اگرچہ کفر تو نہیں مگر اسلامی اخلاق کی بات بھی نہیں۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفر تو کفر عادات کفر سے بھی علیحدہ رہنا چاہیے۔ اسلام و کفر صرف چند اچھے یا برے عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ ان عقائد کے ساتھ کچھ مخصوص افعال و شعائر کا نام بھی ہے جو ان عقائد کے لازمی اثرات ہوتے ہیں مثلاً جس کے قلب و دماغ میں توحید کا نقش قائم ہو چکا ہے ضروری ہے کہ اس کے افعال میں بھی اس نقش کے اثرات نمایاں ہوں وہ اپنی عبادات میں ایک ہی خدا کا تصور رکھے مصیبتوں میں اسی کو پکارے اور اسی کے سامنے ☜.....

www.besturdubooks.net

اِنِّی سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَیَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ عَیَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ اِنَّکَ امْرَءٌ فِیْکَ جَاهِلِیَّةٌ اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَ لَا تُکَلِّفُوْهُمْ مِمَّا یَغْلِبُهُمْ فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِیْنُوْهُمْ.

(رواه البخاری)

واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو کچھ سخت وست کہا اور اس سلسلہ میں اس کو ماں کی عار دلائی (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی ہے ابھی تک تم میں جاہلیت کی خوبو باقی ہے تمہارے غلام دراصل تمہارے بھائی ہیں- اللہ تعالیٰ نے (صرف کفر کی پاداش میں) انہیں تمہارا زیردست بنادیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے (اس لیے میں نے وہی حلہ اس کو پہنایا ہے جو خود پہنا ہے) اور دیکھو اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لو جو (ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور) انہیں عاجز کردے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ- (بخاری شریف)

(۷۲۹) عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاکِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ هَلْ کَانَ فِیْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ یُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ کَانَ فِیْهَا عِیْدٌ مِنْ اَعْیَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِکَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ وَ لَا فِیْمَا لَا یَمْلِکُ ابْنُ اٰدَمَ.

(رواه ابو داؤد و روی رزین بنحوه قصة امرءة)

(۷۲۹) ثابت بن ضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا- وہ آپ کے پاس آیا اور اپنی نذر کا قصہ بیان کیا آپ نے پوچھا کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت رکھا تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا اچھا وہاں کا فر کوئی عید منایا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں- آپ نے فرمایا تو (جاؤ) اپنی نذر ادا کردو کیونکہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے ہو وہ پوری نہیں کرنی چاہیے اور نہ وہ جس کا ابن آدم خود مالک نہ ہو- (ابوداؤد)

لـ..... عجز وانکسار کا سر جھکائے- اس کے برخلاف جس کا نفس نجاست کفر وشرک سے آلودہ ہو چکا ہے اس کے افعال میں بھی اس آلودگی کے نشانات پائے جانے ضروری ہیں- حدیث مذکور کہتی ہے کہ وہ اسلام کچھ خوش نما اسلام نہیں جس کے ساتھ رسوم جاہلیت اور زمانہ کفر کی بدعادات بدستور قائم رہیں اب اسے چاہیے کہ ان تمام رسوم کو کلیۃً ترک کردے اور کفر کا کوئی تسمہ لگا نہ رکھے- آپ نے یہاں ابوذر کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اب زیبائش اسلام کے بعد کفر کے دور کی خامیاں تم پر زیب نہیں دیتیں-

(۷۲۹) * اس شخص نے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے قربانی کی نذر کی تھی مگر صرف اس لیے کہ عہد جاہلیت ابھی بہت قریب گذرا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نذر اسلامی کی ادائیگی میں زمانہ جاہلیت کے ساتھ کوئی مشابہت پیدا ہو جائے اس لیے آپ نے تحقیق کے بغیر اس جگہ نذر اسلامی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی- اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت بھی اسی مشابہت سے اجتناب پر مبنی ہے- حدیث کہتی ہے کہ یہ کفار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا تم اس وقت عبادت مت کرو- ایام حج میں کفار کا یہ دستور تھا کہ مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہوتے لـ.....

www.besturdubooks.net

(۷۳۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ حَتّٰى تَشْرُقَ عَلٰى ثَبِيْرَ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۷۳۰) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین مزدلفہ سے اس وقت تک واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ آفتاب ثبیر پہاڑ پر چمکنے نہ لگتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کی مخالفت کی اور آپ آفتاب طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔ (بخاری شریف)

(۷۳۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَ مَجَنَّةُ وَ ذُو الْمَجَازِ اَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ تَاَثَّمُوْا مِنَ التِّجَارَةِ فِيْهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَاَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. (رواہ البخاری)

(۷۳۱) حضرت ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ مجنۃ اور ذوالمجاز میں بازار لگا کرتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو صحابہؓ نے ان بازاروں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اگر تم ان بازاروں میں تجارت کرو) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی حج کے ایام میں۔ ابن عباسؓ اس لفظ کو (بطور تفسیر) پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۷۳۲) عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى امْرَاَةٍ مِنْ اَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ فَرَاٰهَا لَا تَكَلَّمُ قَالُوْا حَجَّتْ مُصْمِتَةً

(۷۳۲) قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر قبیلہ احمس کی ایک عورت کی طرف گذرے اس کو زینب کہتے تھے دیکھا تو اس نے بات چیت کرنا بند کر رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا

⁂.....آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی مخالفت کرو اور طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو جایا کرو لیکن اس مخالفت کی حدود کہاں تک ہیں یہ بہت اہم مسئلہ ہے مخالفت محرف اور نامعقول امور میں کی جائے گی نہ کہ مشروع اور معقول باتوں میں بھی۔

(۷۳۱) ٭ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ حج کے موسم میں مقام عکاظ میں ایک بازار یکم ذیقعدہ کو لگتا بیس دن کے بعد پھر یکم ذی الحجہ تک وہ بازار مقام مجنہ میں لگتا اس کے بعد ۸ ذی الحجہ تک ذوالمجاز میں لگتا اس کے بعد لوگ منیٰ جایا کرتے تھے۔ ان بازاروں میں عرب اپنے آباء واجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے اس لیے یہ بازار زمانہ کفر کی ایک یادگار بن گئے تھے۔

قسطلانی لکھتے ہیں کہ یہ بازار خوارج کے زمانہ تک لگتے رہے۔ ۱۲۹ھ میں سب سے پہلے عکاظ کا بازار اُکھڑا پھر مجنہ کا بازار اُکھڑا اور آخر میں ذوالمجاز کا بازار بھی اُکھڑ گیا۔

جب اسلام کا دور آیا تو ایام حج میں پھر ان ہی بازاروں میں تجارت کرنا صحابہ کو تشبہ بالکفار معلوم ہونے لگا۔ قرآن کریم نے یہ فیصلہ کیا کہ تجارت ایک معاشی چیز ہے عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لیے یہاں اپنے معاش کا سامان کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں اور نہ تشبہ کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے۔

(۷۳۲) ٭ اس عورت کی یہ جرأت آمیز گفتگو دیکھیے اور حضرت ابوبکرؓ کا عاجزانہ جواب ملاحظہ فرمائیے تو یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ملوکیت اور اسلامی خلافت میں کتنا تفاوت ہے۔ یہاں خلیفہ اول کو اپنے متعلق یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ عام انسانوں سے کوئی علیحدہ امتیازی شان بھی رکھتا ہے وہ ایک عورت کے سوال کرنے پر اپنا تعارف عام سے عام صورت میں پیش کرتا ہے اور جب بہت مجبور ⁂.....

www.besturdubooks.net

22

فَقَالَ لَهَا تَكَلَّمِيْ فَإِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ. هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَكَلَّمَتْ فَقَالَتْ مَنْ اَنْتَ قَالَ امْرَأٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَتْ اَيُّ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ اَيِّ قُرَيْشٍ اَنْتَ قَالَ اِنَّكِ لَسَؤُلٌ اَنَا اَبُوْبَكْرٍ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِيْ جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاءُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ اَئِمَّتُكُمْ قَالَتْ وَ مَا الْاَئِمَّةُ قَالَ اَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُؤُسٌ وَ اَشْرَافٌ يَأْمُرُوْنَهُمْ فَيُطِيْعُوْنَهُمْ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَهُمْ اُولٰئِكَ عَلَى النَّاسِ. (رواہ البخاری)

ارادہ کیا ہے آپ نے اس سے کہا بی بی بولو یہ خاموشی ناجائز خاموشی ہے یہ جاہلیت کی حرکت ہے اس نے بولنا شروع کر دیا اور ابوبکر سے پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا ایک مہاجر آدمی ہوں وہ بولی مہاجرین میں کس قبیلہ کے ہیں فرمایا قبیلہ قریش کا اس نے کہا آخر قریش میں آپ کون ہیں؟ فرمایا تو تو بڑی سوال کرنے والی عورت معلوم ہوتی ہے (سن) میں ہوں ابوبکرؓ اس کے بعد اس نے پوچھا فرمایئے ہم لوگ اس عمدہ دین پر جو جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمایا ہے کب تک قائم رہیں گے فرمایا جب تک تمہارے امام تمہیں سیدھے سیدھے لیے چلے جائیں گے اس نے پوچھا اماموں سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا کیا تیری قوم میں پہلے ایسے سردار نہ ہوتے تھے جو لوگوں کو حکم دیتے ہوں اور لوگ ان کے احکام مانتے ہوں' اس نے کہا بے شک ہوتے تھے فرمایا تو پھر اماموں سے یہی حاکم لوگ مراد ہیں- (بخاری شریف)

(۷۳۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَأْخُذُوْنَ اَوْ

(۷۳۳) عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ روایت فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لیے نکلے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینک دی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (جنازہ کے ساتھ ساتھ) جا رہے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا یہ جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ

ﷺ.....ہو جاتا ہے تو صرف اپنا نام بتا کر خاموش ہو جاتا ہے- ملوکیت کا دماغ ان عاجزانہ کلمات سے آشنا نہیں ہوتا- پھر ابوبکر کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر قوموں کے اسبابِ عروج و زوال پر کتنی گہری تھی انہوں نے اسلام کے عروج و نزول کے متعلق چند جملوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو زمانہ ماضی کی تاریخ کے مفصل مطالعہ کے بعد کہا جا سکتا تھا- انہوں نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کی خصوصیات کو بھی خوب سمجھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کی ترقی ان کے امام کے دم سے وابستہ ہے جب اماموں کی رفتار بگڑ جائے تو اسلام کے اجتماعی نظام کا بھی خاتمہ سمجھ لینا چاہیے اس کے بعد اگر کوئی خیر باقی رہے گی تو وہ صرف انفرادی خیر ہوگی- انفرادی خیر صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتی ہے' قومی حیات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا- اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی حیات پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں-

(۷۳۳) ✽ عرب فطرۃً درشت خصلت تھے نوحہ کی رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھیں- نباض فطرت رسول نے چاہا کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لیے نکل جائیں-

www.besturdubooks.net

بِضَيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَ لَمْ يَعُوْدُوْا لِذَالِكَ. (رواہ ابن ماجہ)

سے مشابہت مقصود ہے۔ میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بد دعا دوں کہ تمہاری صورتیں بگڑ جائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (یہ سن کر) انہوں نے (چپکے سے) اپنی اپنی چادریں سنبھال لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت نہ کی۔ (ابن ماجہ)

(۷۳۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعٰى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (متفق علیہ)

(۷۳۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح چیخ و پکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ (متفق علیہ)

(۷۳۵) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ عَاشُوْرَاءَ يَوْمٌ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَ مَنْ شَاءَ لَا يَصُوْمُهُ. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۷۳۵) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اس دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے خود اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا۔ (بخاری شریف)

(۷۳۶) عَنْ اَبِيْ وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ اَنَّهُمْ خَرَجُوْا مِنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى حُنَيْنٍ قَالَ وَ كَانَ لِلْكُفَّارِ سِدْرَةٌ يَعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَيُعَلِّقُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ خَضْرَاءَ عَظِيْمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ قُلْتُمْ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى

(۷۳۶) ابوواقد لیثی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آ کر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو ''ذات انواط'' (یعنی ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گذرے جو بہت بڑا اور سرسبز و شاداب تھا تو بولے یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک ''ذات انواط'' مقرر کر دیجئے جیسا مشرکوں کے لیے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے

---

(۷۳۵) ✽ یہ روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود رکھا کرتے تھے اگر کفار کسی اچھے کام میں شریک رہیں تو ان کی مخالفت میں اچھا کام ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی لیے مخالفت اور موافقت کے حدود پہچاننے کے لیے بڑا علم درکار ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

www.besturdubooks.net

لِمُوْسٰى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيْهِ وَ بَاطِلٌ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (رواه ابن كثير ج ٤ ص ٢٣٨ و ابن جرير و احمد و ابن ابی حاتم)

قبضہ میں میری جان ہے یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتا دیکھ کر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دے جیسا ان کا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ (ابن کثیر)

(۷۳۷) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ السَّبْتِ وَ يَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَ يَقُوْلُ اِنَّهَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ. (رواه احمد)

(۷۳۷) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یک شنبہ کے دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے عید منانے کے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں۔

(احمد)

(۷۳۸) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُوْنَ وَ لَا يَأْتَزِرُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَرْوَلُوْا وَ اْتَزِرُوْا وَ خَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ. (رواه احمد)

(۷۳۸) ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب پاجامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پاجامہ اور ازار دونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

(احمد)

---

(۷۳۷) * ایک دور تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے کہ شاید یہ بدبخت رسول عربی کے ان اخلاق سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور اسلام کو اپنے قریب تر دیکھ کر اس کو قبول کرلیں لیکن جب آپ کی ملاطفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الشرائع کا دوسرا اصل فائدہ پورا ہو جہاں تک یاد ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس تغیر کی تاریخ فتح مکہ تحریر فرمائی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کس حد تک سلسلہ ملاطفت جاری رکھا اور آخر تنگ آ کر بالکل آخر دور میں دوسری راہ اختیار فرمائی حدیثوں میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا دائرہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوتی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت و عدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا۔

(۷۳۸) * یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت نے کسی موقعہ پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کرنی اپنا نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوب صورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ رکھا تھا' اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی ہاں اس کا عنوان ضرور مخالف رکھا ہے۔ اسی مذکورہ بالا چھوٹی سی جزئی کو لے لیجیے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپ پاجامہ پہننے کی بھی ممانعت فرما دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پاجامہ پہننے سے بے وجہ احتراز کرنا چونکہ خود ایک نامعقول حرکت تھی اس لیے آپ نے ازار و پاجامہ ہر دو پہننے کی اجازت دے دی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یکشنبہ کے دن روزہ رکھنے میں دراصل صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے یوم عید کے انتخاب میں ایک اصولی اور قومی غلطی کھائی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان لیا گیا تھا سب لله ....

www.besturdubooks.net

(۷۳۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰی وَ احْفُوا الشَّوَارِبَ۔ (متفق علیہ)

(۷۳۹) ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی معاشرت اور طور' طریق میں مشرکین سے جدا رہو' اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (متفق علیہ)

(۷۴۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَجُوْسَ فَقَالَ اِنَّھُمْ یُوَفِّرُوْنَ سِبَالَھُمْ وَ یَحْلِقُوْنَ لُحَاھُمْ وَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَسْتَقْرِضُ سَبْلَتَہٗ فَیَجُزُّھَا کَمَا تُجَزُّ الشَّاۃُ۔ (رواہ فی الحلیہ کما فی الرحمۃ المھداۃ)

(۷۴۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی مونچھوں کے دوطرفہ بال لمبے لمبے رکھتے ہیں اور اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اسی لیے ابن عمر اپنی مونچھیں اس طرح باریک کر دیتے تھے جیسے بکری کے بال باریک کرا دیئے جاتے ہیں۔

(الرحمۃ المھداۃ)

(۷۴۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی لَا یَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ۔ (متفق علیہ)

(۷۴۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے اس لیے تم اپنی ہیئت ان سے جدا رکھو اور خضاب کیا کرو۔ (متفق علیہ)

ﷺ .... نے غلطی کھائی صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت وہ دن جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنا لیا۔ اب سوچئے کہ اس مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہوگئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مدنظر رہی ہے مگر اس کا عنوان مخالفت اس لیے رکھا گیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آچکی ہے جو جملہ ادیان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروع میں ان کے لیے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور اس کے ان ہر دو پہلوؤں میں اس کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ حکم ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق ہیں۔ بہر حال مخالفت صرف عنوان میں ہے ورنہ دراصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک معقول طریقہ کو چھوڑ کر غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کی تکمیل شریعت کے لیے لازم ہے اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کرنی دونوں احقاق کے لیے ضروری ہیں مخالفت کے صرف عنوان سے بدکنا نہیں چاہیے بلکہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آسکے اس کو اہل علم سے دریافت کر لیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علم ناتمام پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں وفوق کل ذی علم علیم۔

(۷۴۰) ✱ اس ہیئت کا حکم بھی صرف مخالفت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ دراصل یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سنت تھی تمام عرب ان ہی کا متبع تھا اور دین محمدی کی زمین بھی یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمی کو دین فطرت کہا گیا ہے اس لیے ان امور کا اختیار کرنا فطرت کے مطابق اور ان کا ترک فطرت کی مخالفت پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ اگر فرنچ کٹ ڈاڑھی اور کرزن فیشن مونچھوں میں کوئی عظمت پنہاں ہے تو ملت ساویہ کے ماننے والوں میں اسوۂ ابراہیمی کی اتباع میں اس سے زیادہ عظمت پنہاں ہے اب جس کو جس کی طرف انتساب کا شوق ہو وہ جائے۔ اگر کسی بدنصیب مسلمان کو کسی وحشی انگریز کی اتباع ہی میں اپنی شان نظر آتی ہو تو اس کا علاج مناظرہ نہیں دعا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کون سی فلسفیانہ بات ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور فلسفہ بیان کیا جائے۔

www.besturdubooks.net

(۷۴۲) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَ لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ. (رواہ الترمذی و رواہ النسائی عن ابن عمرو الزبیر)

(۷۴۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو اور بڑھاپے کی سفیدی ذرا خضاب لگا کر بدل لیا کرو۔

(ترمذی۔نسائی)

(۷۴۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَالَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ وَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهٗ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ. (متفق علیہ)

(۷۴۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی اس میں آپ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بیچ سے مانگ نکالتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔ (متفق علیہ)

(۷۴۴) عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِیْ الْمُغِيْرَةُ قَالَتْ وَ اَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَ لَكَ قَرْنَانِ اَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَ بَرَّكَ عَلَيْكَ وَ قَالَ اِحْلِقُوْا هٰذَيْنِ اَوْ قُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا ذِیُّ الْيَهُوْدِ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۴۴) حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے۔ انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاء برکت فرمائی اور فرمایا یا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹوا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے۔

(ابوداؤد)

(۷۴۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَاْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ احمد و الترمذی)

(۷۴۵) زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(احمد۔ترمذی)

(۷۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ اَوْ يَاْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ (صلوات الرحمن علیہ) يفعله (رواہ الترمذی)

(۷۴۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشوایا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(ترمذی)

---

(۷۴۲) * اگر شریعت کسی مکروہ شکل کے بدلنے اور کسی معقول صورت کے اختیار کرنے کا نام مخالفت رکھتی ہے تو کیا صرف لفظ مخالفت کی وجہ سے اس پر آپ کو کوئی اعتراض ہونا چاہیے یا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نامعقول امور کی مخالفت ہی حقانیت مذہب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

www.besturdubooks.net

(۷۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیَّ ثَوْبَیْنِ مُعَصْفَرَیْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِیَابِ الْکُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَ فِی رِوَایَةٍ اِغْسِلْهُمَا قَالَ بَلْ اِحْرِقْهُمَا۔ (رواہ مسلم)

(۷۴۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو زرد رنگ کے معصفر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو- ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھلوالوں؟ فرمایا بلکہ جلادو-

(مسلم شریف)

(۷۴۸) عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا رَفَعَ الْحَدِیْثَ اَنَّهٗ کَانَ یَاْمُرُ بِقَتْلِ الْحَیَّاتِ وَ قَالَ مَنْ تَرَکَهُنَّ خَشْیَةَ ثَائِرٍ فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رواہ فی شرح السنہ)

(۷۴۸) عکرمہؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انہوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپؐ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو ان کے انتقام کے ڈر سے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں- (شرح السنہ)

(۷۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَ مَنْ تَرَکَ شَیْئًا مِنْهُمْ خِیْفَةً فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابو داؤد)

(۷۴۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سانپوں سے ہماری جنگ فطری ہے- جنگ کے بعد سے کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں-)

(ابوداؤد)

(۷۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْحَیَّاتِ کُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

(۷۵۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قسم کے سانپوں کو ماردیا کرو جو ان کے بدلہ کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں-

(ابوداؤد و نسائی)

(۷۵۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَیْنَا السَّیْفَ فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رواہ مسلم)

(۷۵۱) سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے-

(مسلم شریف)

(۷۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ

(۷۵۲) ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان

---

(۷۵۰) ✽ جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے- چنانچہ اہل ہنود کی جماعت سانپوں کو بھی دیوتا کہتی ہے- اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہیے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں- شرک صرف یہ نہیں کہ ذات و صفات ہی میں شرکت کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوق الوہیت میں شرکت بھی شرک ہے-

www.besturdubooks.net

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا. (رواہ البخاری و زاد مسلم من غشنا فلیس منا)

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمانوں پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

(۷۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَاَةً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۵۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بھڑکائے۔ (ابوداؤد)

(۷۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَیْسَ مِنَّا. (رواہ ابو داؤد)

(۷۵۴) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو دن دہاڑے یہ جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگرچہ اس پر سارق کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہوسکے) (ابوداؤد)

(۷۵۵) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ لَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۵) جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصبیت کی دعوت دے اور صرف عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۵۶) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِیَّةُ قَالَ اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَکَ عَلَی الظُّلْمِ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۶) واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصبیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے۔ (ابوداؤد)

(۷۵۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهٗ عَلٰی غَیْرِ الْحَقِّ فَهُوَ کَالْبَعِیْرِ الَّذِیْ اُرْدِیَ فَهُوَ یُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۷) ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کہیں اوندھا گر جائے پھر اس کو دُم پکڑ کر نکالنا چاہیں (اور وہ نکل نہ سکے)۔ (ابوداؤد)

(۷۵۸) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ کَثِیْرَةَ الشَّامِیِّ مِنْ اَهْلِ فَلَسْطِیْنَ عَنْ اِمْرَءَةٍ مِنْهُمْ یُقَالُ لَهَا فُسَیْلَةُ اَنَّهَا

(۷۵۸) عبادہ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنے ہی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں

---

(۷۵۳) * یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گندہ کرنے کے درپے ہے وہ اسلام کے لیے ایک بدنما داغ ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لیے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

www.besturdubooks.net

قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ قَالَ لَا وَ لٰکِنْ مِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ عَلَی الظُّلْمِ. (رواہ احمد و ابن ماجہ)

نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنی بھی عصبیت میں داخل ہے فرمایا قطعاً نہیں۔ عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔

(احمد۔ ابن ماجہ)

(۷۵۹) عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِکِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُکُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ مَالَمْ یَأْثَمْ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۹) سراقہ بن مالک بن جعشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

(۷۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِیْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَیَکُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِیْ یُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَ فَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ النَّاسُ کُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

(۷۶۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یا تو لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں جو مر چکے ہیں اور دوزخ میں جل کر کوئلہ بن چکے ہیں نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بڑھ کر ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں یا متقی مومن' یا شقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی میں ہے اب باہم فخر کرنے کی بات کیا رہی)۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

(۷۶۱) عَنْ اَبِیْ عُقْبَةَ وَ کَانَ مَوْلًی مِنْ اَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنَ

(۷۶۱) ابوعقبہ فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اُحد میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے ایک مشرک کے تلوار ماری اور یہ کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں' یہ ضرب میری جانب سے لیتا

---

(۷۶۱) * مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں جہاں لیس منا (ہم میں سے نہیں) کا کلمہ آ گیا ہے علماء نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں یہاں سب سے اچھی شرح امام طحاویؒ کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے:

(۱) ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَ مَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ﴾ (البقرۃ : ۱۴۹)

''جس نے اس نہر کا پانی پیا وہ ہمارا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک ہمارا ہے''۔

(۲) ﴿فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (ابراھیم : ۳۶)

''جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بے شک تو بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔ ....

www.besturdubooks.net

اَلْمُشْرِكِيْنَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّيْ وَ اَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ اِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّيْ وَ اَنَا الْغُلَامُ الْاَنْصَارِيُّ. (رواہ ابو داؤد)

جا۔ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تو نے اس کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ (ابوداؤد)

(۷۶۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِ نَالَا تَشَبَّهُوْا

(۷۶۲) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوسروں کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اس لیے تم سلام کرنے میں نہ تو یہود کی

للہ .... ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کے حکم اور اس کی شریعت کا متبع ہوتا ہے وہ اس کا اور اس کی جماعت کا فرد شمار ہوتا ہے اور جو اس کا متبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسلامی شریعت سے کسی ایسے نہج کا علاقہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدگی گویا اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقعہ پر حدیث اس کلمہ کا اطلاق کر دیتی ہے۔ اگر یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنی سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا۔

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ (ھود: ٤٦) ''وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں''۔

لہٰذا اس تعبیر سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جا کر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ بعض مرتبہ اس سے آگے بھی تجاوز کر سکتی ہے۔

(۷۶۲) * حافظ ابن قیمؒ کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبہ بالکفار کا تعلق اضطراری یا ان اختیاری افعال کے ساتھ نہیں ہے جو انسان کے فطری تقاضہ سے سرزد ہوتے ہیں بلکہ یا تو صرف عبادات کے ساتھ ہے یا اگر وہ عادات اور معاشرت سے متعلق ہیں تو پھر ان کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ افعال ایسے ہیں جو خود قبیح ہیں جیسے ٹخنوں سے نیچا یا ریشمیں کپڑا پہننا یا کوئی اور ایسی حرکت جس سے باطل معبودوں کی کوئی عظمت ظاہر ہوتی ہو اس قسم کے امور تو فی نفسہٖ بھی ممنوع ہوں گے اور ان میں شبہ بالکفار ان کے لیے دوسری وجہ ممانعت رہے گی۔ اور اگر وہ امور ایسے ہیں جن میں فی نفسہٖ کوئی قباحت نہ ہو تو اگر وہ کسی قوم کا شعار بن چکے ہوں یعنی کسی قوم کے ساتھ اس طرح مخصوص ہو چکے ہوں کہ ان کا اختیار کرنے والا بظاہر اسی قوم کا فرد معلوم ہوتا ہو تو ان میں بھی تشبہ ممنوع ہوگا اور اگر وہ امور مباح ہیں اور کسی کا شعار نہیں تو پھر اگر ہمارے پاس ان کا بدل موجود ہے تو پھر بھی ان کا ترک کر دینا اولیٰ وانسب ہوگا کہ یہی اسلامی غیرت کا تقاضا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے ہاتھ میں ایک فارسی طرز کی کمان دیکھی تو فرمایا اپنے ہاتھ میں یہ کیا لیے ہوئے ہے ایسی عربی طرز کی کمان رکھ جیسی میرے ہاتھ میں ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتوحات نصیب فرمائی ہیں اور اگر وہ اشیاء ایسی ہیں۔ جن کا ہمارے پاس کوئی بدل نہیں جیسا جدید مصنوعات تو ان کے استعمال میں کوئی مضایقہ نہیں بشرطیکہ ان میں تشبہ کی نیت نہ ہو اور اگر ان کے استعمال میں کفار کے ساتھ تشبہ ہی کی نیت ہو تو وہ بھی ممنوع ہوں گے۔ قال فی البحر اعلم ان التشبہ باھل الکتاب لایکرہ فی کل شیء فانا ناکل و تشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموما و فیما یقصد بہ التشبہ. اھ اس باب کی اصل روح یہ ہے کہ قوموں کی معاشرہ اور ان کا تمدن جب مشترک ہو جاتا ہے تو پھر اس کی سرحدیں بہت جلد مذہب اور دین سے بھی ٹکرانے لگتی ہیں کیونکہ اسلام کا دائرہ ایسا وسیع ہے جس سے ہمارا تمدن بھی خارج نہیں ہے اس لیے معاشرت کے عام شعبوں میں تشبہ بالکفار سے بھی اسلامی معاشرت کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ ٹکر عبادات کی حدود میں بھی ہونے لگتی ہے اور شدہ شدہ دین للہ ....

www.besturdubooks.net

بِالْيَهُوْدِ وَ لَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَ تَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ.

مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی۔ یہود تو سلام کے لیے انگلی کا اشارہ کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنی ہتھیلی کا۔ (تم صرف لفظ السلام علیکم پر کفایت کیا کرو۔ ضرورت ہو تو دوسری بات ہے)۔ (ترمذی شریف)

(رواه الترمذی و قال اسناده ضعيف قال علی القاری فی المرقاة و لعل وجهه انه من عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده و فيه خلاف و قد اسنده السيوطی فی الجامع الصغير الی ابن عمر فارتفع النزاع)

(۷۶۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِی الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَ اَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ. (رواه ابو داؤد)

(۷۶۳) عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم سلام کے موقعہ پر یوں کہا کرتے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور اطمینان و آرام کے ساتھ تمہیں صبح نصیب ہو۔ جب اسلام کا دور آیا تو اس نے ہم کو اس طریقہ سے روک دیا۔ (اور اس کے بجائے السلام علیکم کا لفظ تعلیم کیا)۔ (ابوداؤد)

(۷۶۴) عَنْ عَقِيْلِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اَنَّهٗ

(۷۶۴) عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنی جشم کی

٭.... اسلام کی صورت ہی مسخ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ شریعت نے ان امور سے بھی احتراز کرنا لازمی قرار دیا ہے جو کسی پہلو سے مشتبہ الحکم ہوں خواہ ان میں کفار کے ساتھ کوئی تشبہ بھی نہ پایا جائے۔ پس مسئلہ تشبہ کی بنیاد صرف کفار کے ساتھ مخالفت پر نہیں بلکہ دراصل دین کی حدود کے تحفظ پر ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عورت کو مرد کے ساتھ اور ایک مرد کو عورت کے ساتھ تشبہ کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے اگرچہ وہ دونوں مسلمان ہوں اسی طرح اس کی بنیاد کسی تنگ نظری پر بھی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی حقیقت اپنی کوئی صورت فی نفسہا رکھتی ہے تو جب تک اس کے حدود ممتاز و متمیز نہ ہوں وہ دوسری حقیقت سے ممتاز ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ خارجی اشیاء کا باہم امتیاز بھی ان کے حدود کے تحفظ ہی پر موقوف ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک سے ایک دریا دوسرے دریا سے ایک درخت دوسرے درخت سے اور ایک حیوان دوسرے حیوان سے اپنی الگ الگ شکل و صورت کی بدولت ہی ممتاز نظر آتے ہیں پس جس طرح ان کے یہ امتیازات کسی تعصب یا مخالفت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی اپنی حقیقت کے تحفظ کی بنیاد پر ہیں۔ اسی طرح دین و مذہب کی حدود کا تحفظ بھی کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ صرف اپنی حقیقی شکل و صورت کے تحفظ پر مبنی ہے اور اگر بالفرض اسلام کے لیے کفر کے ساتھ تشبہ کی کوئی وجہ جواز پیدا کر لی جائے تو پھر ان دونوں کو ایک دین کہنے کے لیے کوئی وجہ ممانعت نہیں نکل سکتی۔ الحاصل مسئلہ تشبہ کی مخالفت نہ تو کسی دلیل پر مبنی ہے اور نہ کسی عمیق سیاست پر بلکہ صرف اس حقیقت کے عمق سے ناواقفی پر مبنی ہے جس سے ادیان کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے جہاں تک مجھے خیال آتا ہے محقق ابن خلدون نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب کسی قوم سے قومی تعصب نکل جاتا ہے تو وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے لیکن اسلام نے عصبیت سے تو روکا ہے۔ مگر تشبہ بالکفار کی بھی اجازت نہیں دی عصبیت اور تشبہ کا فرق آپ اس باب کی احادیث کے ضمن میں معلوم کر لیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۷۶۳) ٭ عرب کا طریقہ تھا کہ جب وہ کہیں غارت گری کرتے تو صبح ہی کے وقت کرتے اس لیے ان کے مذاق کے مطابق یہ لفظ دعا عافیت کے مرادف تھے اسلام نے ان الفاظ سے روکا کیونکہ اس میں ایک بری رسم کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ آج کل انگریزی زبان میں سلام کے موقعہ پر جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں وہ بھی اسی کے ہم معنی ہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی فرمالیجئے کہ جب یہ مضمون عربی زبان میں پسندیدہ نہیں تو کیا انگریزی زبان میں پسندیدہ ہوگا۔

www.besturdubooks.net

تَزَوَّجَ اِمْرَءَةً مِنْ بَنِي جُشَمٍ فَقَالُوْا بِالرِّفَاءِ وَ الْبَنِيْنَ فَقَالُوْا لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِمْ. (رواه النسائي و ابن ماجه و احمد بمعناه)

ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے ان کو مبارکبادی دینے کے لیے وہی الفاظ کہے جو اس موقعہ پر زمانہ جاہلیت میں کہے جاتے تھے یعنی نکاح مبارک ہو اور باہم انس و محبت اور اولاد ذرینہ نصیب ہو۔ اس پر دوسرے لوگوں نے کہا یوں مت کہو بلکہ وہ کلمات کہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ اے اللہ ان کے نکاح میں برکت دے۔ اور خود ان کے اوپر بھی برکت نازل فرما۔ (نسائی۔ابن ماجہ۔احمد)

(۷۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَ لَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَ لَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمُ الْاَضْحٰى وَ يَوْمُ الْفِطْرِ. (ابو داؤد)

(۷۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں (سال میں) دو دن مقرر تھے جن میں وہ خوشی منایا کرتے تھے آپؐ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہم ان میں زمانہ جاہلیت سے خوشی مناتے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تمہاری خوشی منانے کے لیے اس سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں ایک عید قربان کا دوم عید فطر کا۔ (ابوداؤد)

(۷۶۶) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَ الْفَرَعُ اَوَّلُ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَ الْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبٍ. (متفق عليه)

(۷۶۶) ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ فرع اور عتیرہ اسلام میں کوئی چیز نہیں (فرع) جانور کے اس پہلے بچہ کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا اور عتیرہ وہ ہوتا تھا جو رجب میں بتوں کے نام پر ذبح ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

(۷۶۷) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۷۶۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

---

(۷۶۵) * اہل اسلام کے ایام عید ان کی خاص خاص عبادتوں کی یادگاریں ہیں ان میں مسرت اور خوشی منانا صرف ایک پیرایہ ہے' ان کی اصل حقیقت عبادت ہے۔ پس کفار کے ایام عید کو ان ایام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان کی حقیقت آخرت سے غفلت اور لہو و لعب ہے اور ان ایام کی حقیقت تکبیرات اور ذکر اللہ۔ سوچو کہ جس قوم کی مسرت و خوشی میں بھی عبادت کی حقیقت پنہاں ہو اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہوگی۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یہ بہت بڑی غفلت اور جہالت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایام عید کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک تہوار سمجھ لیا ہے۔ تمہارے ان ایام میں خوشی منانے کی اصل روح یہ ہے کہ تم نے ان ایام میں ایک بڑے شرعی پروگرام کی تکمیل کی ہے اس لیے اس خوشی میں بھی ذکر و عبادت کی شان غالب ہونی چاہیے نہ کہ لہو و لعب کی۔

(۷۶۷) * اسلام میں حفاظت حدود کی بڑی تاکید کی گئی ہے خواہ وہ ایام ہوں یا ایام میں ساعات کیونکہ جب قوم میں کسی اجنبی تمدن' اجنبی معاشرت یا مذہبی اثرات کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے اس کا اثر ان حدود ہی کے اندر ظاہر ہوتا ہے پہلے یہ حدود ہی مٹتی ہیں اور پھر....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجه)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں دیر نہ کریں گے دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود ونصاریٰ دیر سے افطار کرتے تھے۔ (ابوداؤد-ابن ماجہ)

(۷۶۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَتَانِ فِى النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ الطَّعْنُ فِى النَّسَبِ وَ النِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (رواه مسلم)

(۷۶۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مُردوں پر نوحہ کرنا۔ (مسلم شریف)

الرغبة عن الاباء و اباق العبد عن مواليه كفر

اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلّہ ہے

(۷۶۹) عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ. (رواه مسلم)

(۷۶۹) عراک بن مالکؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابوہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (صرف فخر ومباہات کے لیے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

(۷۷۰) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةٌ و في رواية عنه قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ

(۷۷۰) جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے

ﷺ..... جب یہ درمیانی حدود مٹنے لگتی ہیں تو پھر قوموں کے جملہ طور وطریق اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جس قوم کی یہ حدود پہلے مٹیں سمجھو کہ اس کی مغلوبیت کا آغاز ہو گیا ہے تعجیل فطر بھی ان حدود کی ایک کڑی ہے۔ جن گوشوں سے نصرانیت اسلام میں داخل ہو سکتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ عبادات میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اس لیے اس میں بھی اپنی حدود سے تغافل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے گوشوں میں بھی خاصا تخلخل پیدا ہو چکا ہے۔

(۷۶۸) ﷺ اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ عرب کے مفاخر میں چونکہ نسب بھی شامل تھا اس لیے دوسروں کے نسبوں پر طعن کرنا بھی ان کی مغرورانہ شان کا ایک جزء بن گیا تھا نوحہ بھی ان کے نزدیک اپنی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا یہ عارضی نمائشیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

(۷۶۹) ﷺ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ مخلوقیت خالق سے توڑ کر غیر خالق سے جوڑ لے اور دوسرے نمبر کا کفر یہ ہے کہ (محض بڑائی کی نیت سے) رشتہ وابنیت اپنی والد کے بجائے غیر والد کے ساتھ قائم کرے اسی کے قریب وہ غلام ہے جو اپنے آقا و مالک کو چھوڑ کر بھاگ جائے یا رشتہ مولات اپنے مالک کے سوا غیر مالک کے ساتھ قائم کرے۔

www.besturdubooks.net

فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ و في رواية عنه قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ. (رواه مسلم)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے پاس پھر واپس نہ آ جائے۔

(مسلم شریف)

لا ينبغي للمؤمن ان يقول انا بريء من الاسلام

یوں کہنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میں مسلمان نہیں

(۷۷۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَ اِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا. (رواه النسائي و ابوداؤد و ابن ماجه)

(۷۷۱) بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر اس نے یہ جھوٹ کہا تھا جب تو وہ درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح و سالم نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ زخمی ہو جاتا ہے)۔

(ابوداؤد۔نسائی۔ابن ماجہ)

من رمى اخاه المسلم بالفسوق او الكفرار تد عليه

جو مسلمان بھائی پر بے بات فسق و کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ لوٹ کر اسی پر آ پڑتی ہے

(۷۷۲) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَ لَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ. (رواه البخاري وغيره)

(۷۷۲) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ لوٹ کر اسی کے اوپر آ پڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے اس کا اہل نہیں ہوتا۔ (بخاری)

---

(۷۷۱) * مذکورہ بالا مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے زید سے بات کی پھر یہ کہا کہ اگر میں نے زید سے بات کی ہو تو میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب یہی ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اگر وہ سچا تھا اور درحقیقت اس نے زید سے بات نہ کی تھی پھر بھی اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی نہ کسی صورت میں قابل ترک فرض کیا جا سکتا ہے۔ ایمان کی نزاکت بے تعلقی کی اتنی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتی۔ اسی طرح یوں قسم کھانا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا کروں تو مجھے مرتے دم ایمان نصیب نہ ہو بہت بے جا سخاوت ہے اسلام سے محرومی کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہ ہونی چاہیے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کر سکتا ہے مگر ترک ایمان کا تصور کبھی نہیں کر سکتا۔ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ میں اسی عزیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کس کے بس کی بات ہے۔ اسلام انقیاد و اطاعت کے صرف چند کلمات کا نام ہے اسی لیے وہ اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح بھی ہو جاتا ہے۔

www.besturdubooks.net

(۷۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِه اَحَدُهُمَا۔

(رواه البخاری وغیره)

(۷۷۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو او کافر! کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ کلمہ چسپاں ہو کر رہتا ہے۔

(بخاری شریف)

من کفر متا و لا اوجا هلا لم یکفر

تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

(۷۷۴) حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ کَانَ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَاْتِیْ قَوْمَهٗ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ صَلٰوةً فَقَرَاَبِهِمِ الْبَقَرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلّٰی صَلٰوةً خَفِیْفَةً فَبَلَغَ ذٰلِکَ مُعَاذًا فَقَالَ اِنَّهٗ مُنَافِقٌ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الرَّجُلَ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِاَیْدِیْنَا

(۷۷۴) جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبل کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قراءت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہوگئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہؐ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعہ سے پانی بھرتے ہیں۔ آج شب معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

(۷۷۳) ✽ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتا۔ ظاہر بین سمجھتا ہے کہ وہ صرف ایک سیال صورت تھی جو منہ سے نکلی اور فضاء عالم میں معدوم ہوگئی۔ لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ سب بدستور محفوظ رہتا ہے صرف کراماً کاتبین کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے رحمت کی سمت جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا ہے جس پر یہ لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو آخر لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آ جاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں حدیث سمجھاتی ہے کہ وہ سب سے اشرف نوع ہے اس کو اپنے ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور اسی لیے وہ کسی عاقل بالغ شخص کے کسی کلام کو تاامکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔ کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں "یا کافر" صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔

(۷۷۴) ✽ عہد نبوتؐ میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوت عمل کے زمانہ میں معذوریوں کی طرف کس کا خیال جاتا اس لیے معاذؓ نے حسب ضابطہ اس کو بھی منافق کہہ دیا۔ ﷺ ....

www.besturdubooks.net

وَ نَسْقِي بِنَوَا ضِحِنَا وَ اِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ اَنِّيْ مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ ثَلَاثًا اِقْرَأْ وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى. (رواه البخاری وغیرہ)

ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ شروع کر دی اس لیے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں' آپؐ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے- تین بار فرمایا- صرف وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو-

(بخاری شریف)

ادمان الخمر يشبه عبادة الوثن

شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے

(۷۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ.

(۷۷۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا- (احمد)

(رواه احمد و روى ابن ماجة عن ابى هريرة و البيهقى فى شعب الايمان عن محمد بن عبيد الله عن ابيه و قال ذكر البخارى فى التاريخ عن محمد بن عبدالله عن ابيه)

(۷۷۶) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى (الْاَشْعَرِيِّ) اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ. (رواه النسائى)

(۷۷۶) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کرلوں میں تو ان دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا- (نسائی)

لايغفر لمشرك و لا لقاتل المؤمن عمدًا

مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

(۷۷۷) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّغْفِرَهُ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا اَوْ مَنْ يَّقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا.

(رواه ابو داؤد و روى النسائى عن معاوية)

(۷۷۷) ابوالدرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں-

(ابوداؤد - نسائی)

لہ ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قراءت پر تو خاص طور پر تنبیہ کی مگر منافق کہنے پر اتنی تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گو غلط تھا تاہم کچھ تاویل کی بنا پر تھا- اگر تاویل قابل نفاذ ہو تو قائل پر سخت گیری نہیں کی جاتی-

www.besturdubooks.net

23

نهي المؤمن عن تكثير سواد المشركين

مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل رہ کران کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے

(۷۷۸) عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلٰى اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ بَعْثٌ فَاكْتُتِبْتُ فِيْهِ فَلَقِيْتُ عِكْرِمَةَ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَاَخْبَرْتُهُ فَنَهَانِيْ عَنْ ذٰلِكَ اَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَانُوْا مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ يُكْثِرُوْنَ سَوَادَ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِي السَّهْمُ فَيُرْمٰى بِهٖ فَيُصِيْبُ اَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهٗ اَوْ يُضْرَبُ فَيُقْتَلُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ الآية. (رواه البخاری)

(۷۷۸) عبدالرحمٰن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے اہل شام سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے شدت سے منع فرمادیا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مسلمان مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقعہ پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگرچہ ان کی دلی منشاء لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیرآ کر لگتا اور وہ ختم ہو جاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مرجاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ان الذین توفا هم الملا ئكة ' الخ وہ لوگ جن کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ بوجہ ضعف ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کر سکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ماری گئی تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے۔ (بخاری شریف)

(۷۷۹) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَكَنَ مَعَهٗ فَهُوَ مِثْلُهٗ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۷۹) سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا رہنا سہنا مشرکوں کے ساتھ رہے وہ ان ہی کی مثل ہے۔ (ابوداؤد)

---

(۷۷۸) * اس واقعہ کے نقل کرنے سے عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کے لیے یہ پسند ہی نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں تو میں بھی موجودہ جنگ میں تمہاری شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تمہاری وجہ سے کم از کم ان کو جماعتی شوکت تو حاصل ہوگی یہ بھی باطل کی اعانت میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا بخوشی برداشت کرے اس کے بیے صرف دو راستے ہیں یا ہجرت کر جائے اور یا بدرجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لیے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (مصحح)

www.besturdubooks.net

23

(۷۸۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ كَانُوْا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لِاَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَكَانَ مِنَ الْاَنْصَارِ مُهَاجِرُوْنَ لِاَنَّ الْمَدِيْنَةَ كَانَتْ دَارَ شِرْكٍ فَجَاءُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ.

(رواہ النسائی)

(۷۸۰) حضرت جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تو اس لیے مہاجر کہلائے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا لیکن انصار میں بھی کچھ لوگ مہاجر تھے کیونکہ ابتداء میں مدینہ بھی دار شرک تھا۔ جب کچھ لوگ ان مشرکین کو چھوڑ کر لیلۃ العقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے (تو اس لحاظ سے وہ بھی مہاجر کہلائے)۔

(نسائی شریف)

(۷۸۱) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَ النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَ عَلٰى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَ فِيْ لَفْظٍ عَلٰى اَنْ تُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ. (رواہ النسائی)

(۷۸۱) جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور ذیل پر بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا اور مشرکوں سے علیحدہ رہنا۔

(نسائی شریف)

---

(۷۸۰) * ہجرت بظاہر ترکِ وطن کا نام ہے مگر ترکِ وطن کوئی مطلوب چیز نہیں۔ مکہ مکرمہ جیسا وطن ایسا وطن نہ تھا جس کو بخوشی کوئی ترک کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت مڑ مڑ کر مکہ مکرمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے اے شہر مکہ اگر میری قوم ہی مجھ کو تجھ سے زبردستی نہ نکالتی تو میں ہرگز اپنے اختیار سے تیرے سوا کہیں اور رہنا پسند نہ کرتا اس لیے ہجرت کی روح ترکِ وطن نہیں بلکہ شرک اور مشرک سے علیحدہ رہنا ہے جہاں شرک کا اقتدار ہو وہاں اسلامی حیات ہرگز نشوونما نہیں پا سکتی اس حالت میں اسلام کی حفاظت صرف ہجرت سے ہو سکتی ہے۔ (فتح مکہ کے بعد مسئلہ ہجرت کا فیصلہ اس قدر تشنہ بیان سے نہیں ہو سکتا)۔ (مصحح)

(۷۸۱) * اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ تمام اقتدار کفر کے ہاتھ میں تھا مشرکوں سے علیحدہ رہنا بھی بیعت کا ایک اہم جزء قرار دے دیا گیا تھا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے جب اپنی قوم کے زشت افعال کے باوجود ان سے متارکت اختیار نہ کی اور ان ہی کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہے تو اس مداہنت کی وجہ سے بے دینی کے جراثیم ان میں بھی سرایت کر گئے اور آخر کار وہ بھی لعنت کے تحت آ گئے۔ دوسروں نے اسی فلسفہ کے تحت چھوت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا افسوس کہ انہوں نے تو ایک غلط قدم کو دین سمجھ لیا اور ہم نے دین کی ایک ضروری دفعہ کو تعصب سمجھ کر ترک کر دیا۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۲ ص ۱۵۲ و ۱۵۳ بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے۔

www.besturdubooks.net

التطير و تصديق الكاهن و نحوهما نوع من الشرك

بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

(۷۸۲) عَنْ اُمِّ کُرْزٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلٰی مَكِنَاتِهَا. (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

(۷۸۲) ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور انہیں اُڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو)۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

(۷۸۳) عَنْ قَبِيْصَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَافَةُ وَ الطَّرْقُ وَ الطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۸۳) قبیصہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا یا رمل کا عمل کرنا یا بدفالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۸۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْکٌ قَالَ لَهٗ ثَلاثًا. (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

(۷۸۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداً تین بار یہی فرمایا۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

(۷۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ اَوْ اَتٰی اِمْرَءَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰی اِمْرَءَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِیٔ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم). (رواہ احمد و ابوداؤد)

(۷۸۵) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے (غیب کی خبریں بتانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بی بی سے صحبت کرے یا اس محل میں صحبت کرے جس میں صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے تو جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل ہوا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد۔ابوداؤد)

(۷۸۶) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِی الْجَاهِلِيَّةِ. كُنَّا نَاْتِی الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَالِکَ شَیْءٌ يَجِدُهٗ اَحَدُكُمْ فِیْ نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَ مِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاکَ.

(۷۸۶) معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کچھ باتیں ہم کفر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (اب ان کا کیا حکم ہے) ہم کاہنوں کے پاس جا کر (غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے) فرمایا اب ان کے پاس مت جاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ ہم پرندے اڑا کر نیک و بدفال کے بھی قائل تھے فرمایا بدفالی ایک ایسی چیز ہے جس کے تم سدا سے عادی چلے آتے ہو اس لیے تمہارے دلوں میں اس کا اثر تو ہوگا لیکن تم کو چاہیے کہ اس کی وجہ سے اپنے کام سے نہ رکو۔ میں نے عرض کیا ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچ کر غیب کی خبریں معلوم کرلیا کرتے تھے فرمایا خدا کے نبیوں میں ایک نبی ضرور اس علم کے مالک تھے۔ اب اگر کسی کا خط ان

(رواہ مسلم)

کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہو جاتا ہوگا (مگر یہ خبر کیسے ہو) (مسلم)

(۷۸۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَ لَا عَدْوٰى وَ لَا طِيَرَةَ وَ اِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَ الْفَرَسِ وَ الْمَرْأَةِ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۸۷) سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہامہ اور عدوی اور نحوست یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی ۔ گھر، گھوڑا، عورت۔ (ابوداؤد)

(۷۸۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَ لَا هَامَةَ وَ لَا نَوْءَ وَ لَا صَفَرَ. (رواہ مسلم)

(۷۸۸) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا، الو، پچھتر، صفر یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

---

(۷۸۷) * انسانی معیشت کا بڑا تعلق یا اپنے گھر سے ہوتا ہے یا اپنے گھوڑے سے یا اپنی بی بی سے آج دوسری قسم کی سواریاں ایجاد ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ گھوڑے کا تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر کل تک عرب میں گھوڑا ضروریات زندگی کا سب سے اہم جزء سمجھا جاتا تھا نحوست کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ان چکروں میں اس کا قائل ہونا فی الجملہ ایک معقول بات تھی کیونکہ انسان کو ان سے ہر وقت کا واسطہ پڑتا ہے لیکن ہر معاملہ میں پرندوں کو اڑا اڑا کر نحوست یا سعادت کے تصورات جمانا یہ کسی طرح بھی معقول بات نہیں۔ کسی جانور کا تجربہ سے اچھا برا ثابت ہو جانا کسی مکان کا حسب منشاء آرام دہ نہ ہونا یا اس کی آب و ہوا نا درست ہونا اسی طرح کسی عورت کا بدمزاج یا غیر منتظم ہونا یہ سب اپنی اپنی جگہ حقائق ہیں۔ ان کو نحوست کے غلط نظریہ سے کیوں تعبیر کیا جائے خود حدیثوں میں بہت سے گھوڑے قابل پسند سمجھے گئے ہیں اور بہت سے ہٹی اور خراب قرار دیئے گئے ہیں۔ لیکن کسی حیوان کے داغ دھبہ یا کسی عورت کے صرف شکل وشمائل یا کسی مکان کی ساخت سے ڈر کر اس کو منحوس سمجھ لینا مسلمان تو مسلمان ایک ادنیٰ ہوشمند انسان کا بھی کام نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ جب انسان غلط یا صحیح طریقہ پر کسی عقیدہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا بھر کے تمام حوادث اسی کے زاویہ خیال کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر ہر بات کو اپنے وہم کی ایک ایک دلیل سمجھتا چلا جاتا ہے۔ عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے۔ ان الوهم خلاق ۔ درحقیقت یہ تمام کارفرمائی اس کے وہم کی عنایت کردہ ہوتی ہے اور بس غیر اللہ سے اتنا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصرف سے اتنا ذہول یہ شرک ہے ورنہ اس کا پیش خیمہ تو ضرور ہے۔

(۷۸۸) * مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں سببیت قطعی طور پر دریافت ہو جائے وہ علیحدہ بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوت ایمانی یا آپ کی زبان میں قوت ارادی اور قوت عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں عدوی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور جہاں مرض نہیں لگتا اس کے لیے وہ عذر تراشنے لگتا ہے۔

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالطت و مجالست اس کے ساتھ خورد و نوش میں بے احتیاطی اور اس کے جسمانی رطوبات سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بیمار پڑ سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں۔ یہ عدوی جاہلیت نہیں۔ عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ نہ اتنی بے احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط۔ ہندوستان کے قدیم ہندو اسی دوسری قسم کے عدوے کے قائل ہیں۔ (تاویل مختلف الحدیث ص ۱۲۰۔ وزاد المعاد) ؎ ....

www.besturdubooks.net

(۷۸۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا عَدْوٰى وَلَا صَفَرَ وَ لَا غُوْلَ. (رواه مسلم)

(۷۸۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا' صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۷۹۰) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَ لَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَ لَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (رواه ابو داؤد مرسلاً)

(۷۹۰) عروہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدفالی کا ذکر آ گیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس حد تک تو درست ہے کہ کسی کا نام اچھا سننا اور اس سے خوش ہو جانا لیکن فال کسی مسلمان کو اپنے کام سے روکتی نہیں۔ (کیونکہ فال کا مقدرات پر کوئی اثر نہیں پڑتا) لہٰذا اگر تم میں کوئی شخص ایسی بات دیکھے جس کی وجہ سے اس کے دل میں بدفالی پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کلمات پڑھے: اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ' الخ اے اللہ تو ہی بھلائی پہنچاتا ہے اور تو ہی بلاؤں سے حفاظت کرتا ہے اور بھلائی کے حاصل کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت بھی تو ہی عنایت فرماتا ہے۔ (ابوداؤد)

﴾.... ہامہ اور صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں پکارتی پھرتی کہ میرا قصاص لیا جائے میں پیاسی ہوں۔ اور صفر ایک جانور ہے جس کے کاٹنے سے انسان کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اور اس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

(۷۸۹) * غول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالت خوف میں متشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشہ دیکھو گے۔

(۷۹۰) * امام ابن قتیبہ عکرمہ سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ابن عباسؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اس طرف سے کہیں ایک پرندہ چیختا ہوا نکلا حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا چلو خیر ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپ اچھا نام اور نیک فال پسند فرماتے تھے۔ اصمعی سے منقول ہے کہ انہوں نے ابن عون سے فال کے معنی پوچھے انہوں نے فرمایا کہ نیک فال یہ ہے کہ کوئی مریض ''یا سالم'' کی آواز سنے اور اپنی تندرستی کی بشارت پر محمول کرے یا کسی کا مال گم ہو گیا ہو اور وہ ''یا واجد'' کا لفظ سنے اور اسے اپنے مال کے ملنے کی خوش خبری سمجھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ صرف اتنی بات کو عرب کی فال اور بدفالی سے کوئی علاقہ نہیں یہ انسان کے فطرت ہے کہ اسے اچھی بات اچھی اور بری بات بری لگتی ہے۔ مثلاً بیمار کے پاس جا کر صحت کے کلمات اور پریشان شخص کے سامنے بشارت کے کلمات کہنا ہر شخص کو پسند ہوتا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں کہنے والے اور سننے والے دونوں کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس کے ان کلمات سے تقدیراتِ الٰہیہ بدلتی ہیں اسی طرح اچھی صورت سے مسرت اور بری صورت سے انقباض بھی انسان کی فطرت ہے۔ پھولوں سے مہکتا ہوا چمن اور بہتا ہوا پانی ہر شخص کو پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس کے برخلاف صورتیں ہر شخص کو فطرتاً ناپسند ہیں۔ ﴾....

www.besturdubooks.net

رقی الجاھلیۃ من عمل الشیطان

کافروں کی چھومنتر بھی شیطانی کام ہیں

(۷۹۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَۃِ فَقَالَ ھُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۹۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۲) عَنْ عِیْسٰی بْنِ حَمْزَۃَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ حَکِیْمٍ وَ بِہٖ حُمْرَۃٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِیْمَۃً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ

(۷۹۲) عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس گیا انہیں سرخ بادہ کی تکلیف تھی میں نے کہا کہ اس کے لیے آپ گلے میں منکے کیوں نہیں لٹکا لیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔

﴿.... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اچھے نام سے خوش ہونا اور بدنما نام سے ناخوش ہونا اسی فطرت کے ماتحت تھا۔ (تاویل مختلف الحدیث ص۱۳۰و۱۳۱) عرب جو قدیم سے بدفالی کا خوگر رہتا چلا آیا تھا۔ جب اس نے اسلامی دور میں قدم رکھا تو پہلے ہی قدم پر اس کو ان سب خیالات کو چھوڑنا پڑا۔ یہ بہت ممکن تھا کہ اپنی قدیم عادت کی وجہ سے کسی بدفالی کے موقعہ پر اس کے دل میں غیر اختیاری تاثرات پیدا ہوتے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت کے لیے چند مقدس کلمات تعلیم فرمادیے جن کی برکت سے یہ تمام باطل تاثرات اعتماد باللہ اور توکل سے بدل جائیں گے۔ اللّٰھم لایاتی بالحسنات' الخ...

اسلامی توحید کا یہ وہ بلند تصور ہے کہ جس کے دل میں یہ تصور قائم ہوگیا پھر اس کے قلب میں غیر اللہ کا کوئی خوف و ہراس باقی نہیں رہتا اور اس کا قبلہ توجہ ایک ہی ذات پاک رہ جاتی ہے' درحقیقت یہی توحید کی اصل روح ہے۔ جب عقیدۂ توحید میں یہ روح باقی نہیں رہتی تو پھر اس میں شرک کے وہ تمام شعبے پھوٹنے لگتے ہیں جو آپ عرب کے نقشۂ زندگی میں ملاحظہ کرچکے ہیں۔

(۷۹۱) ✱ نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہوجاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہوگیا ہے وہ اس منتر سے اپنا علاج کرلیا کرتا تھا۔ عرب کا گمان تھا کہ اس منتر کی جنات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

(۷۹۲) ✱ نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے لے کر اپنے بچوں کے گلوں میں نظر گذر کے خیال سے ڈال دیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لیے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی مؤثر صرف خالق کا ارادہ ہے چند منکے اور خرزات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کرلینا کہ یہ خوب صورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جاہلانہ وہم پرستی ہے۔ تولہ بھی اسی کی دوسری شکل تھی وہ اس جادو کو تولہ کہا کرتے تھے جس کے ذریعہ زن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہوجاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے تقدیر الٰہی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے۔ اسی طرح اسماء الٰہیہ اور کلام الٰہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کلام پاک اور اس کے اسماء کے محیر العقول اثرات و برکات سے احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں لیکن انسان کی فطرت میں توازن مفقود ہے اسی لیے قرآن نے اس کا لقب "ھلوع" اور "منوع" رکھا ہے۔ ﴿ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر منوعا﴾ (معارج:۱۹'۲۱) انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو بے صبرا ہوجاتا ہے اور جب اس پر فراغت کا دور آتا ہے تو بے توفیقا ﴾....

www.besturdubooks.net

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ اِلَيْهِ. (ابو داؤد)

(۷۹۳) عَنْ زَيْنَبَ امْرَءَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهٗ فَقَطَعَهٗ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِاللّٰهِ لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے گلے میں اس قسم کی چیزیں لٹکائے اس کی جان کی حفاظت خود اسی کے حوالہ کردی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۳) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی بیان کرتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے میری گردن میں ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھا پوچھا یہ دھاگا کیسا ہے۔ میں نے کہا پڑھا ہوا گنڈا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ابن مسعودؓ نے اسے لے کر توڑ پھینکا اور فرمایا ابن مسعودؓ کے گھر والو! تمہیں تو شرک کی باتوں سے بے نیاز رہنا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود

لـه..... ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگر گرتا ہے تو وہم پرستی پر اتر آتا ہے اور ابھرتا ہے تو انکار حقائق سے بھی باک نہیں کرتا۔ خدا کے کلام‘ اس کے اسماء اس کے رسول کے کلمات‘ بلکہ اس کے رسول کے مستعمل پانی اور اس کے مستعمل کپڑوں میں بڑی برکتیں ہیں مگر یہ سب برکتیں خدا ہی کے نام کی ہیں۔ سمندر موں سون پیدا کرتا ہے سورج ضوء افشانی میں مشغول ہے۔ ابر و باد بارش لاتے ہیں مگر نہ ان میں حقیقۃً کوئی تاثیر و فاعلیت ہے اور نہ مقدرات الٰہیہ کے خلاف حرکت کرنے کی تاب و طاقت ہے۔ ﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ﴾(یٰس : ۴۰) نہ آفتاب اپنی لیل و نہار کے دوڑ میں کبھی چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن کے خاتمہ سے پہلے آسکتی ہے یہ سب ایک ارادۂ الٰہی کے سامنے سرنگوں ہیں اسی طرح تمام برکتیں اور تمام تبرکات نہ مؤثر حقیقی ہیں اور نہ مقدرات کو پلٹ سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں عقیدے موجود تھے اور جن چیزوں کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ان کو قلب حقائق یا قلب مقدرات میں تاثیر ہے۔ ان سب میں معمولی سببیت بھی موجود نہ تھی اس لیے اسلام نے اس کو صرف ایک وہم پرستی قرار دیا اور اس کی بجائے اس کو صحیح عقائد کے ساتھ تبرک باسماء اور تبرک بآثار الصالحین کا صحیح راستہ بتا دیا ہے اس تبرک کی بھی حدود ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے ورنہ پھر وہ بھی رسوم جاہلیت میں داخل ہو جائے گا۔

(۷۹۳) ٭ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانی اجسام میں اس قسم کے تصرفات بھی کرسکتا ہے۔ آخر جب انسان کی نظر لگ سکتی ہے اور اس کے دست و پا سے دوسرے انسانوں کو ایذا پہنچ سکتی ہے تو شیاطین کی ایذا رسانی سے انکار کی کیا وجہ ہے وہ تو اس سے کہیں زیادہ قوی مخلوق ہے۔ احادیث سے شیاطین کے بہت سے تصرفات ثابت ہیں۔ استحاضہ کو شیاطین کا اثر کہا گیا ہے‘ برے خوابوں میں ان کا دخل تسلیم کیا گیا ہے۔ نماز اور وضوء میں وساوس ڈالنا‘ مال چرا کر لے جانا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی طرف ایک آگ کا شعلہ لے کر بڑھنا اور بچہ کی پیدائش کے وقت ان کا چھیڑنا یہ سب کچھ حدیثوں میں آچکا ہے گو علماء نے کہیں کہیں اس کی تاویلات بھی کی ہیں مگر پھر بھی ان میں قدرے مشترک شیطانی تصرف ایک ناقابل انکار حقیقت ثابت ہوتی ہے اور اسی حقیقت کی بنا پر شریعت نے اس کی مضرتوں سے حفاظت کے معنوی طریقے تعلیم فرما دیئے ہیں۔ مادی نظریں نہ ان کی مضرتوں سے آشنا ہیں اور نہ ان سے حفاظت کے طریقے جانتی ہیں اس لیے وہ ان کلمات اور تعویذات کا تمسخر اڑا دیتی ہیں جو اس سلسلہ میں شریعت نے تعلیم کیے ہیں جب ان کے نزدیک شیطان اور اس کے تصرفات کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو پھر کلمات تعوذ اور ادعیہ کا سارا باب بھی محض ایک وہم پرستی نہ ہو تو اور کیا ہو لیکن جن کے نزدیک ان کی ہستی پھر انسانی معیشت میں ان کی طرح طرح خلل اندازی اور دست درازی دونوں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں ان کے نزدیک ان کلمات تعوذ کی اہمیت بھی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لـه.....

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰی وَ التَّمَائِمَ وَ التِّوَلَۃَ شِرْکٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ ھٰکَذَا لَقَدْ کَانَتْ عَیْنِیْ تَقْذِفُ وَ کُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰی فُلَانِ الْیَھُوْدِیِّ فَاِذَا رَقَاھَا سَکَنَتْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ اِنَّمَا ذٰلِکَ عَمَلُ

سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جھاڑ پھونک، نظر کے لیے منکے اور زوجین کے لیے محبت کے جادو یہ سب باتیں شرک ہیں میں نے کہا آپ ایسی بات کیسے فرماتے ہیں- اس سے پیشتر جب بھی میری آنکھ دکھتی تو میں فلاں یہودی کے پاس چلی جایا کرتی تھی وہ اس کو جھاڑ دیا کرتا تھا اور فوراً آرام ہو جایا کرتا تھا- عبداللہ نے فرمایا یہ شیطان کی حرکت تھی وہ آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے

ﷺ..... اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اسباب ظاہری کے تعطل کے قائل ہیں اور ہر بیماری و اختلال مزاجی کا سبب ان معنوی اسباب ہی میں منحصر سمجھتے ہیں یہ تو بداہت کا انکار ہوگا بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس طرح علوم کی دقت نظر یوماً فیوماً اسباب ظاہری میں بھی دقیق تر اسباب کی طرف راہنمائی کرتی جارہی ہے حتی کہ موجودہ زمانہ میں اکثر بیماریوں کا سبب ایسے جراثیم ثابت ہو گئے ہیں جو ان آنکھوں سے نظر بھی نہیں آسکتے تو اگر شرعی تحقیق سے کچھ ایسے اسباب بھی دریافت ہو جائیں جو ہماری اس خوردبین کے دسترس سے باہر ہوں تو اس کے انکار کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے- حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ شریعت اسباب ظاہری کی منکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور اسباب باطنی کی بھی اطلاع دیتی ہے جو ان اسباب ظاہری کے پس پردہ مستور ہوتے ہیں اور اس حقیقت کو بہت مشرح بیان فرمایا ہے- جو قابل دید ہے (دیکھو تفسیر مذکور ص ۱۱۵)..... اس حدیث سے ایک اور اہم بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ گمراہی کا سبب جس طرح شیطانی وساوس ہوتے ہیں اسی طرح بعض مرتبہ اس قسم کے شیطانی تصرفات بھی ہو جاتے ہیں- دیکھیے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی یہاں یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ ان کی آنکھ کو کاہن کی شرک آمیز جھاڑ پھونک سے شفا ہو جاتی ہے اور معلوم یہ ہوا کہ اس میں شیطان کا تصرف شامل تھا- اس نے ایسی صورت پیدا کر رکھی تھی کہ ان کے دماغ میں خود بخود یہ گمراہی پیدا ہو جائے- بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان آج بھی اسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نظر آتے ہیں جب ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اس مہینہ میں ہم نے فلاں بزرگ کی نذر و نیاز نہیں کی تھی اس لیے ہم کو یہ نقصان پہنچ گیا اور اتنا نہیں سوچتے کہ جن بزرگوں نے اپنی تمام عمریں مخلوق کی ایذائیں برداشت کرنے میں صرف کی ہوں اور اسی کو اپنا معیار بزرگی سمجھا ہو وہ کسی غریب کے نیاز نہ دلانے پر اس کو کب کوئی ایذاء دے سکتے ہیں- حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے حسب ذیل شعر سے ذرا اندازہ کیجئے کہ جو لوگ ان کے درپے آزار تھے ان کے حق میں ان کا جذبہ کیا تھا۔

ہر کہ مارا رنج سازد یار او را یار باد ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس آئین کے تحت ساری دنیا کو نفع و نقصان پہنچتے ہیں اسی آئین کے ماتحت اس کو بھی یہ نقصان پہنچا ہو اور کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح شیاطین انسانوں کے عقائد فاسد کرنے کے لیے اس قسم کے کچھ تماشے دکھایا کرتے ہیں یہ تماشہ بھی اسی قسم کا ایک تصرف ہو، بزرگوں کی طرف اس کی نسبت کرنے کی ضرورت کیا ہے کفار بھی اپنے معبودوں کے متعلق اسی قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو پاگل بنا دیں (معاذ اللہ) تو انہوں نے جو جواب دیا وہ یہ تھا- و لا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی یعنی میں ان سے بھلا کیا ڈرتا جن کے قبضہ میں خود اپنا نفع و نقصان بھی نہ ہو- تکلیف و راحت سب اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے اس کا سبب بنا دے یہاں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے فوائد قابل مراجعت ہیں- ﷺ.....

www.besturdubooks.net

الشَّيطَان كَانَ يَنخَسُهَا بِيَدِهِ فَإذَا رُقِيَ كَفَّ عَنهَا اِنَّمَا يَكفِيكِ اَن تَقُولِيْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَذْهِبِ البَأسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشفِ اَنتَ

کر دیا کرتا تھا جب وہ جھاڑی جاتی تھی تو کرید نا بند کر دیتا تھا (تم کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ سکون جھاڑ کا اثر ہے) تمہیں یہ بات کافی ہے جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے وہی تم پڑھ لیا کرو اذھب الباس الخ اے لوگوں کے پروردگار بیماری دور کر دے اور شفاء بخش دے

ﷺ .... حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کو یہی دھمکی دی تھی ﴿ان نقول الا اعتراک بعض الھتنا بسوء﴾ (ھود: ٥٤) ہمارے خیال میں تو ہمارے کسی معبود نے تجھے ستا رکھا ہے۔ ان کے جواب میں انہوں نے فرمایا ﴿انی توکلت علی اللہ ربی و ربکم ما من دابة اللہ الا ھو اخذ بنا صیتھا﴾ (ھود: ٥٦) میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے جو چیز بھی زمین پر چلتی ہے سب اسی کے تصرف میں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ شیطانی تصرفات کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فکثیر من ھو لاء الذین یعظمون القبور و المشائخ و یستغیثون بھم و یطلبون حوائجھم منھم یطیعھم الشیاطین بسبب ذلک فی بعض الا مور و ذلک من جنس السحر و الشرک .... و انما تقترن بہ الشیاطین و تخدمہ لما فیہ من الکفر و الزندقة و من الفسوق و العصیان .... و انا اعرف من ھو لاء عددا کثیر ابا لشام و مصر و الحجاز و الیمن و اما الجزیرة و العراق و خراسان و الروم ففیھا من ھذا الجنس اکثر مما بالشام و غیرھا. (الردعلی البکری ص ٤٩ و ٥٠) جو لوگ قبور اور مشائخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں ان سے فریادیں کرتے ہیں اور اپنی ضروریات میں عقدہ کشائی طلب کرتے ہیں کبھی کبھی شیطان اس اعتقاد کو پختہ کرنے کے لیے ان کے مسخر ہو جاتے ہیں درحقیقت یہ ایک قسم کا سحر اور شرک ہوتا ہے اسی کفر زندقہ اور فسق کی وجہ سے شیطان ان کے مددگار بن جاتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے لوگ شام و مصر اور حجاز و یمن میں بہت دیکھے ہیں اور جزیرہ عراق خراساں اور روم میں تو اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ موجود ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ والذین یسجدون للشمس و القمر و الکواکب و یدعونھا تتنزل علیھم ارواح من الجن و تقضی لھم کثیر امن حوائجھم و یسمونھا روحانیة ذلک الکوکب و ھو شیطان. و من الشیاطین من یطیر بصاحبہ من الانس فی الھواء و یضعہ علی رأس الجبل و یدخل بہ النار فیمنعہ حرھا. (الردعلی البکری ص ٧٣) یعنی جو لوگ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے اور مصیبتوں میں ان کو پکارتے ہیں ان کی امداد کے لیے جنات کی ارواح آتی ہیں اور ان کی بہت سی ضروریات پوری کر دیتی ہیں یہ لوگ حقیقت سے تو آشنا نہیں ہوتے اور ان کو ان کی روحانیات سمجھتے ہیں حالانکہ یہاں ان ستاروں کی روحانیت کچھ نہیں ہوتی یہ صرف شیطان ہوتے ہیں پھر بعض شیطان ایسے تصرفات بھی کرتے ہیں کہ ایک انسان کو اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر رکھ دیتے ہیں اور کبھی اس کو آگ میں لے جاتے ہیں اور آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔

حافظ نے اس قسم کے بہت سے واقعات اپنے ہی زمانہ کے تحریر فرمائے ہیں اور تصنیف مذکور ہیں بہت سے مقامات پر اس قسم کے جناتی تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

غرض اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نفع و نقصان انسان کو اسباب کے ساتھ پہنچتا ہے اس میں بھی اصل مؤثر خدائے تعالیٰ ہی کی قدرت کو سمجھنا چاہیے اسباب ظاہری محض اس کے ارادہ کے مظاہر ہیں خود ان میں کوئی تاثیر نہیں۔ اگر فرض کر لو کہ کوئی خبیث روح یا سرکش جن ہماری توحید کو گندہ کرنے کے لیے کوئی صورت اختیار کرتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ ان کلمات سے اس کا مقابلہ کریں جو اس کے لیے شریعت ﷺ ....

www.besturdubooks.net

الشَّافِي لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا. (رواہ ابو داؤد)

کیونکہ شافی صرف تو ہے- درحقیقت شفا تیری ہی طرف سے ہے' ایسی شفا دے کہ پھر بیماری کا نام ونشان باقی نہ رہے- (ابوداؤد)

ﷺ ... نے ہم کو بتائے ہیں اگر اس کو ایذاء کی قدرت دی گئی ہے تو ہم کو اس سے حفاظت کی تدبیر بھی بتادی گئی ہے ہم کو چاہیے کہ ہم جنگ میں اپنے دشمن پر غالب آنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ اسی کو خدا بنا بیٹھیں والعیاذ باللہ اگر مؤمن کی قوت ایمانی پورے طور پر مستحکم ہو جائے تو بہت سے نقصانات جو اس کی قوت واہمہ کی بدولت اس کو پہنچتے ہیں صرف اس کی قوت عزم سے ٹل سکتے ہیں- عرب کی قوم تو ضعف اعتقاد میں یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی معیشت کی تمام بنیاد فال اور بدفالی پر قائم تھی یہ سب خدائے تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی اور اپنے اوہام پر اعتماد کرنے کے نتائج تھے- کسی بچہ کی اتفاقاً حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی انہوں نے اس بچہ سے خوش ہو کر فرمایا بیٹا مانگ کیا مانگتا ہے وہ بچہ خاموش رہا جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو اس نے کہا اچھا مجھے وہ دے دیجئے جو میری تقدیر میں نہ ہو کیونکہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ تو مجھے مل کر ہی رہے گا خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے ہو- سبحان اللہ یہ بچہ بھی کیسا مستحکم العقیدہ بچہ تھا- حضرت خضر علیہ السلام اس کا یہ جواب سن کر بہت مسرور ہوئے اور اس کو بڑی دعائیں دیں-

اس مقام پر حافظ ابن تیمیہؒ کی ایک اور اہم تحقیق بھی قابل یادداشت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اسباب کے ارتکاب کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے ان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ وہمی یا غیر مؤثر ہی ہوں بلکہ جن اسباب کی تاثیر واقعی ثابت ہو جائے اگر ان میں کوئی اسلامی مضرت موجود ہو تو بھی ان سے ممانعت کی جائے گی- مثلاً جادو (جس کی حقیقت شرک اور شیطان کے ساتھ تلبس ہے) اگر اس کی تاثیر حتمی طریقہ پر ثابت بھی ہو جائے تو بھی ممنوع رہے گا خواہ اس کا مقصد کسی کافر اور دشمن اسلام کا ہلاک کرنا ہی کیوں نہ ہو- (کتاب الرد علی البکری ص ۱۷۲) جو لوگ سحر کو بے حقیقت سمجھتے یا اس کی تاثیر کے منکر ہیں اس وقت ہمارا ان سے خطاب نہیں ہے بلکہ جن کے نزدیک سحر کی تاثیر ثابت ہے ان کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ تولہ عدوی اور طیرہ وغیرہ کی ممانعت دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ کلیہ نہ بیٹھ جانا چاہیے کہ شریعت کے نزدیک اسباب کے ارتکاب کی اصل بنیاد صرف ان کا وہمی اور بے حقیقت ہونا ہے اس لیے جہاں اسباب کی تاثیر میں واقعتاً یہ ثابت ہو جائے وہاں شریعت علی الاطلاق اجازت دے دے گی بلکہ ان کی واقعیت کے بعد بھی یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ ان میں فی نفسہ کوئی شرعی محظور تو نہیں ہے- پس اگر شرعی محظور موجود ہے تو بھی وہ ممانعت ہی کے تحت رہیں گے- اس بنا پر اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی بی بی کی آنکھ کی شفاء میں شیطانی تصرف کو تسلیم نہ بھی کیا جائے جب بھی کاہن کے پاس جا کر کلمات شرکیہ کے ذریعہ سے استشفاء ممنوع رہے گا- بلکہ دراصل یہی ممانعت کی اصل وجہ ہے-

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ شریعت بعض اوقات امر و نہی کے سلسلہ میں ایسے اسباب کا ذکر بھی کر دیتی ہے جو محض غیبی ہوتے ہیں اس کی وجہ مؤمنین متقین کے سامنے اس غیبی حقیقت کا واشگاف کرنا اور اس امر و نہی کے مقتضی پر پورے جذبات کے ساتھ عمل کرنے کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوتی ہے- ایسے اسباب کو شرعی حکمت تو کہا جا سکتا ہے فقہی علت نہیں کہا جا سکتا جب ان اسباب کا وجود ہی ہمارے ادراک سے بالاتر ہے تو ہم کو ان پر احکام دائر کرنے کا مکلف کیسے بنایا جا سکتا ہے- مثلاً سنت یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ پیادہ پا جانا چاہیے اس کی فقہی علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس عمل ہے لیکن اس عمل کی حکمت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ سوار ہو اور خدا کے فرشتے پیادہ پا جا رہے ہیں- یہ تعلیل اس کے لیے تو مناسب ہو سکتی ہے جن کی نظروں نے یہ مشاہدہ کر لیا ہو مگر ﷺ ....

www.besturdubooks.net

(۷۹۴) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. (رواہ مسلم)

(۷۹۴) عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اب ان منتروں کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: ان کو میرے سامنے پیش کرو۔ اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مسلم)

(۷۹۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ اِذَا وُلِدُوْا فَتَدْعُوْا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فَاُتِيَتْ بِصَبِيٍّ فَذَهَبَتْ وِ سَادَتَهُ فَاِذَا تَحْتَ وِسَادَتِهٖ مُوْسٰى فَسَأَلَتْهُمْ عَنِ الْمُوْسٰى فَقَالُوْا نَجْعَلُهَا مِنَ الْجِنِّ فَاَخَذَتِ الْمُوْسٰى فَرَمَتْ بِهَا وَ نَهَتْهُمْ عَنْهَا وَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ الطِّيَرَةَ وَ يُبْغِضُهَا وَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَنْهٰى عَنْهَا. (رواہ البخاری فی الادب المفرد ص ۱۳۱)

(۷۹۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لیے برکت کی دعا فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹوٹکوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی اس قسم کے ٹوٹکوں کی ممانعت فرماتی تھیں۔ (الادب المفرد)

☜.... ہمارے نزدیک پیادہ جانے کی اصل علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی ہوگا۔ ہاں حکمت کے درجہ میں ہم یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح مسجد میں قصداً حدث کرنا' گھروں میں تصویریں لٹکانا اور کتے پالنا وغیرہ ان تمام مقامات پر ممانعت کی اصل علت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا اس کے بعد جو کچھ اس جگہ حدیثوں میں مذکور ہے ہمارے حق میں وہ حکمتیں کہلائیں گی' دیکھو خدائے تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہمہ وقت فرض ہے' تلاوتِ قرآن ہمہ وقت عبادت ہے اور روزہ بھی اسلام کی محبوب ترین خصلت ہے مگر ان کی عام حکمتوں کے پیشِ نظر کیا ان کو علی الاطلاق ادا کیا جا سکتا ہے یا طلوع وغروب کے وقت نماز ممنوع رہے گی' رکوع وسجود میں تلاوتِ قرآن اور ایامِ تشریق میں روزہ ممنوع رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت درود شریف عبادت ہوگی اور قیام بے معنی ہوگا اور یہ محفل تو آپ کی شانِ مبارک میں ایک بڑی گستاخی ہوگی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ہر بدعقیدہ شخص جب چاہے جہاں چاہے آپ کی ذات کو حاضر کرسکتا ہے یہاں شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا رسول کا اس وقت ہم کو وہ کرنا ہے جس کا ہم کو حکم ملا ہے اور بس۔

(۷۹۴) ٭ معلوم ہوا کہ رقیہ اور تعویذات ایک حد تک جائز ہیں جب اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور حدودِ شرک میں داخل ہو جائیں تو پھر ناجائز ہیں۔ اسلام حدود میں رہ کر رقیہ وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور جب شرک یا وہم پرستی کی حدود میں داخل ہو جائیں تو اس کی ممانعت کرتا ہے۔ یہاں اگرچہ تقاضائے مصلحت تو یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت کے ہر قسم کے جھاڑ پھونک سے ممانعت کر دی جاتی مگر قانونِ یسر کا تقاضا یہ ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آچکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے اغماض کرلیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں شریعت کے ☜....

www.besturdubooks.net

(۷۹۶) عَنْ اَبِیْ بَشِیْرِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَا تُبْقَيَنَّ فِیْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ. (متفق علیہ)

(۷۹۶) ابو بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ یا کوئی قلادہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔
(متفق علیہ)

(۷۹۷) عَنْ اَبِیْ وَهْبِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوا الْخَيْلَ وَ امْسَحُوْا بِنَوَاصِيْهَا وَ اَعْجَازِهَا اَوْ قَالَ اَكْفَالِهَا وَ قَلِّدُوْهَا وَ لَا تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ. (رواہ ابو داؤد و النسائی)

(۷۹۷) ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلہ جہاد ہے) اور ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی پٹہ ڈال دیا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالا کرو (کہ یہ دورِ جاہلیت کا طریقہ ہے)۔
(ابوداؤد-نسائی)

لامقدار لعلم النبی بجنب علم اللہ تعالیٰ

نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی

(۷۹۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قِصَّةِ الْخَضِرِ وَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ الْخَضِرَ قَالَ يَا مُوْسٰى اِنِّیْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ

(۷۹۸) حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لیے تم

ﷺ.... خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنفیہ کی تمام تر بنیاد یسر پر قائم ہے۔ الدین یسر کی شرح کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث گذر چکی ہے۔ ترجمان السنہ جلد اول میں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۷۹۶) * آپ کے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں مگر امام مالکؒ کی جو رائے ان کی کتاب مؤطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر گذر کے خیال سے حیوانات کی گردنوں میں تانت وغیرہ کا گنڈا ڈال دیا کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوہام کو باطل قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو ایک خدا سے نہیں ڈرتا اس کو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق سے ڈرنا پڑتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ نفع و نقصان سوائے ایک خالق کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ڈر سے آزاد ہو گیا۔

(۷۹۸) * حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گو زیر اختلاف ہے مگر پھر بھی بڑی ہستی ہیں۔ ان دونوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مرحمت ہوا تھا اور تشریعی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بقول ان کے خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علم الٰہی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا آخر میں سب سے بزرگ و برتر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ﷺ....

www.besturdubooks.net

لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ. وَ اَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَ لَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمَاهُمْ اَنْ يَحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخِضْرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخِضْرُ يَا مُوْسٰى مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذِهِ الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ ثم سرد قصتهما و فی اخرها قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا.

(رواہ البخاری فی کتاب العلم)

میرے ساتھ چل نہیں سکو گے) انہوں نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے- میں کسی معاملہ میں بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں جاؤں گا- اس عہد و معاہدہ کے بعد دونوں نے سفر شروع کیا چلتے چلتے سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی- اتفاقاً ایک کشتی ادھر سے گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے بات چیت شروع کی کہ انہیں سوار کر کے دریا پار اتار دیں تو کیا لیں گے؟ اس درمیان میں حضرت خضر علیہ السلام کو کسی نے پہچان لیا اور کرایہ لیے بغیر ان کو کشتی میں بٹھالیا (راستہ میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی- اس نے سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ ہمارے اور تمہارے دونوں کے علموں نے مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اتنی کمی نہیں کی جتنی سمندر کے پانی میں اس چڑیا کی ایک دو چونچوں نے- اس کے بعد راوی نے ان کے سفر کا تمام واقعہ نقل کر کے آخر میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کو مراتب علیا عطا فرمائے ہمیں تمنا تھی کہ موسیٰؑ اگر کچھ صبر فرما لیتے تو ان دونوں کے کچھ اور واقعات بھی ہمارے سامنے بیان میں آ جاتے- (بخاری شریف)

للہ .... ارشاد بھی سن لیجئے آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کر لیتے تو ہمیں کائنات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا- معلوم ہوا کہ کائنات ہستی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم پر بھی پورا احاطہ حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین بہت ہی محدود زمانہ میں پیش آئے- علم الٰہی کے متعلق ان تین مقدس ہستیوں کا عقیدہ تو یہ ہے اب جو عقیدہ آپ کا ہو وہ آپ جانیں بندہ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے حدودِ بندگی سے باہر ہو جائے بلکہ کمالِ بندگی بندگی کامل میں ہے کسی مخلوق کی صفات کا موازنہ مخلوقات ہی کے دائرہ میں کرنا چاہیے نہ کہ خالق کے دائرہ میں مخلوق کی کوئی صفت خالق کی ہمسری نہیں کر سکتی ان دونوں میں اگر کوئی شرکت ہو سکتی ہے تو صرف اسم کی شرکت ہو سکتی ہے- بندہ کو خدائے تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں-

صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا سانحہ سفر صرف ان کے اس کلمہ کا نتیجہ تھا جو ایک سائل کے جواب میں ان کی زبان سے اپنے اوپر اعلم اطلاق کر کے نکل گیا تھا- کوئی شبہ نہیں کہ نبی وقت اپنی امت میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا یہ قول یقیناً صحیح اور واقع کے مطابق تھا مگر صفت علم کے بارے میں علیم مطلق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اطلاق بھی ناپسند ہوا اور آخر ان کو ایک ایسے بندے کی ملاقات کی طرف دعوت دی گئی جس کے علم کی جزئیات میں سے ان کو ایک جزئی کا بھی علم حاصل نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت علم ہی ایسی تھی جس کے ایک سبق کو بھی ان کو صبر کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا- للہ ....

www.besturdubooks.net

النهي عن اسناد علم الغيب الى احد

کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہیے

(۷۹۹) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَىَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ وَجُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ حَتّٰى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَ فِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلِيْ هٰكَذَا وَ قُوْلِيْ مَا كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ. (رواه البخاری)

(۷۹۹) ربیع دختر معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو۔ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں ایک لڑکی نے یہ کہا۔ ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فوراً منع فرما دیا اور کہا یوں مت کہو بس وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ رہی تھیں۔

(بخاری شریف)

---

*۔۔۔۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی جو خاص خاص صفات ہیں جیسے احیاء وامانت یا غیب کا علم وغیرہ بابان میں عموم واطلاق کا دعویٰ کرنا بڑی بے احتیاطی ہے یہاں صحیح اور معتدل راہ یہ ہے کہ ان صفات کو علی الاطلاق تو صرف صانع حقیقی کے لیے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے۔ یہاں مبہم الفاظ یا محض ظنی دلائل یا جذبات محبت کی بنا پر کلی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سادہ کلمات کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جائیے اور آخر میں جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزل مقصود سمجھئے اسی مقصد کے پیش نظر ہم بہت محدود اور بہت محدود واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف مشتے نمونہ از خروارے کہا جا سکتا ہے آپ ان کو اپنے دماغ کو پورے طور پر صاف کر کے پڑھ جائیے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھیے۔

(۷۹۹) * نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ انداز غصہ و مسرت بھی بڑا پر اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفل مسرت تھی نہ کہ مجلس تعلیم و تعلم (جہاں مقصود ہی تعلیم عقائد ہوا کرتی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ نظم تھی نہ کہ ایک متین عبارت' پڑھنے والی بھی کچھ نو عمر لڑکیاں تھیں نہ کہ فہیم اور سن رسیدہ عورتیں اور جو کلمہ اپنی زبانوں سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کلیت میں کلام ہو لیکن صاحب نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت بھی برداشت نہ فرما سکے جو قرآن کریم کی ظاہر آیت سے ذرا بھی ٹکرائے۔ سورۂ لقمان میں ہے کہ پانچ باتیں مفاتیح غیب میں داخل ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا منجملہ ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بنا پر نہیں بلکہ علم الٰہی کے سامنے اپنی بے مائیگی کے اعتراف کا سر جھکا کر۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانہ غیب سے کچھ عطا فرما دیتا ہے اس سے وہ غیب داں نہیں کہلاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہلانے لگتے ہیں۔ دنیا اس صداقت کے بجائے خود انہیں ہی غیب داں کہنے لگتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتا دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں بنے مگر عیسائی نہ مانے آخر انہیں غیب داں خدا یا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

www.besturdubooks.net

(۸۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ. إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (انفرد باخراجه البخاری)

(۸۰۰) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا - قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بے شک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے - (بخاری شریف)

(۸۰۱) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اُمَّ الْعَلَاءِ اِمْرَءَةً مِنَ الْاَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهُمُ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِيْنَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَلَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ وَ اَنْزَلْنَاهُ فِيْ اَبْيَاتِنَا فَوَجِعَ وَ جَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ غُسِلَ وَ كُفِّنَ فِيْ اَثْوَابِهِ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا

(۸۰۱) خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک انصاری بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرالیا - اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے - وفات کے بعد جب انہیں غسل دے دیا گیا اور ان کے کپڑوں میں انہیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابوالسائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں

---

(۸۰۰) * قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو خود واقعہ سے حاصل ہو اور کسی واقعہ کے متعلق جو اپنی جانب سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے - موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا براہ راست علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا - جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بنا پر ہوتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا - اطباء نے حمل کے مذکر و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں اسی طرح ہمارے دور میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں - یہ علم استدلالی تو ہے لیکن براہ راست واقعہ کا علم نہیں - واقعات کا براہ راست علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے - ہم حوادث سے غائب رہ کر بذریعہ استدلال ان کو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے - واللہ علیٰ کل شئی شھید کا یہی مطلب ہے - اس حدیث کے متعلق حدیث جبرئیل علیہ السلام کا تفصیلی نوٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے - اور اسی کے ساتھ حدیث ربعی بن حراش مذکورہ ترجمان السنۃ ا ص ۴۹۶ بھی ضرور ملاحظہ کیجئے -

(۸۰۱) * حدیث مذکور میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے :

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ﴾ (الاحقاف : ۹)

www.besturdubooks.net

السَّائِبِ فَشَهَادَتِیُ عَلَیْکَ لَقَدْ اَکْرَمَکَ اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا یُدْرِیْکَ اِنَّ اللّٰہَ اَکْرَمَہٗ فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَنْ یُکْرِمُہُ اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا ھُوَ فَوَ اللّٰہِ لَقَدْ جَاءَ ہُ الْیَقِیْنُ وَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْلَہُ الْخَیْرَ وَ وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَاذَا یُفْعَلُ بِیْ فَقَالَتْ وَ اللّٰہِ لَا اُزَکِّیْ بَعْدَہٗ اَحَدًا اَبَدًا.

(رواہ البخاری فی ص ۱۰۳۷)

تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے ضرور نواز دیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ، آپؐ پر قربان یا رسول اللہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو نوازے گا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہوگئی اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ سن کرام علاء نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ کروں گی۔ (بخاری شریف)

(۸۰۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی جَنَازَۃِ صَبِیٍّ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طُوْبٰی لِھٰذَا عُصْفُوْرٌ مِنْ عَصَا فِیْرِ

(۸۰۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچے کے جنازہ کی نماز کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ اس بچے کے متعلق میری زبان سے کہیں یہ نکل گیا کہ یہ بچہ کیسا خوش نصیب تھا یہ تو جنت کی چڑیوں میں ایک چڑیا تھی نہ اس نے کوئی گناہ کیا نہ اتنی عمر پائی کہ گناہ کرتا

---

(۸۰۲) * خلاصہ یہ کہ بخشش و مواخذہ کا معاملہ تمام تر عالم غیب سے متعلق ہے اس میں کسی انسان کو رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مغفرت و عدم مغفرت کے مختلف آئین ہیں کسی کو کیا معلوم کہ قادر مطلق نے کہاں کس آئین کے نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ پس اس حدیث میں بھی کسی مقامی غلطی کی اصلاح منظور نہیں۔ بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کی اصلاح منظور ہے خواہ مقامی اعتبار سے وہ کتنا ہی صحیح ہو۔ مثل مشہور ہے کہ خطا اگر راست آید تاہم خطا است۔ قرآن کریم نے علم غیب کو جابجا خدائی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور کسی استثناء کے بغیر عالم الغیب کا لقب صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص قرار دیا ہے۔ اسی لیے حدیثوں میں بھی اس معاملہ میں احتیاط برتنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ غیب کے امور میں جزم و وثوق کے ساتھ کوئی ادنیٰ دخل اندازی کر سکے حتیٰ کہ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے نفس نفیس کو شامل کر کے ارشاد فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے شب و روز میں نہ معلوم کتنے غیوب سے پردے اٹھائے جاتے ہیں اپنی مغفرت کی تفصیلات کے بارے میں پورے پورے علم کا وہ بھی مدعی نہیں بنتا۔

قرآن کریم کی کھلی کھلی آیات، احادیث رسولؐ کے بے شمار ذخائر اور صحابہ کرام کے عشق نبوی سے لبریز کلمات کے انبار آپ کے سامنے ہیں۔ ان سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ رسولوں کو عالم الغیب کہنا بھی اسلامی عقیدہ سمجھا گیا ہو۔ مذہب اسلام کی سب سے واضح خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ اور بندوں کی صفات اتنی واضح بتائی گئی ہیں کہ ان میں کسی موقعہ پر بھی التباس پیدا نہیں ہوتا۔ صفت علم جو حق تعالیٰ کی ایک نمایاں ترین صفت ہے اس کے مظاہرے کے لیے ازل میں ملائکۃ اللہ کا وہ معرکۃ آراء واقعہ پیش آیا تھا جس میں انہیں اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا عتاب آمیز فقرہ سننا پڑا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک کلمہ "انا اعلم" کی بدولت کتنا حیران و پریشان ہونا پڑا.....

www.besturdubooks.net

24 الُجنَّةِ لَمْ یَعْمَلِ السُّوْءَ وَ لَمْ یُدْرِکْهُ فَقَالَ اَوْ غَیْرَ ذَالِکَ یَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَ هُمْ فِیْ اَصْلَاب

یہ سن کر آپ نے فوراً فرمایا تم تو یقین کے ساتھ حکم لگا رہی ہو کیا خبر ہے کہیں معاملہ کچھ اور ہو۔ اے عائشہ (جنت و دوزخ کا فیصلہ کچھ ظاہری اعمال پر ہی منحصر نہیں) اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق جنت کے لئے بنائی ہے اور

لے ..... ہونا پڑا اور سب سے آخر میں وہ رسول بھی آ گیا جس کو علم الاولین و الآخرین کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا تھا مگر خالق السمٰوات والارضین کے علم کے سامنے وہ بھی ہمیشہ اپنے عجز و نیاز کا سر جھکائے رہا۔ اور ''رب زدنی علما'' کی ہی دعائیں مانگا کیا اور کسی نے کبھی شاعرانہ رنگ میں بھی اگر اس کے متعلق عموم و اطلاق کے ساتھ علم غیب کی نسبت کر دی تو اس نے وہیں اس کو روک دیا۔ یہاں بالذات اور بالواسطہ کا فرق پیدا کرنا ایک مضحکہ خیز تخیل ہے۔ بندے میں خدائے تعالیٰ کی کوئی صفت نہ بالذات سما سکتی ہے نہ بالعرض خدائے تعالیٰ ایسا یکتا و یگانہ ہے کہ نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی شریک ہے نہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔

بس جس جگہ تک میری رسائی ہے اس کے بس اس طرف تیری خدائی ہے

اسی طرح کائنات ہستی کے جمیع ما کان اور ما یکون کا علم بھی کسی کے حق میں تسلیم کرنا اسلامی عقیدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے ماوراء اگرچہ بے شمار علوم اور بھی ہیں مگر وہ انسانی دماغ کے تصور سے باہر ہیں انسانی دماغ صرف ان ہی علوم کا تصور کرتا ہے جو کائنات میں اس کو نظر آتے ہیں پس اگر ان علوم میں خالق اور مخلوق مساوی ہوں تو پھر صفت علم کے بارے میں وہ خالق کی برتری کا کوئی تصور کر ہی نہیں سکتا حالانکہ اسلام میں خالق کی برتری کا تصور اتنا اعلیٰ سکھایا گیا ہے کہ اس کے نام کے برابر بھی کسی مخلوق کا نام لینا اس کی برتری کے خلاف سمجھا گیا ہے پھر ذرا یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ کائنات ہستی میں ایسی اشیاء بھی بے شمار موجود ہیں جن کا علم خالق کے لیے تو ضرور موجب کمال ہے مگر انسان کے لیے کوئی کمال نہیں۔ مثلاً کسی میدان کے ریت کے ذرات یا کسی درخت کی شاخوں کے پتے یا اسی قسم کے اور علوم جو انسانیت کی تکمیل کے لیے غیر ضروری بلکہ اور مخل ہیں یہ سب جب عام انسانوں کے حق میں کوئی کمال نہیں سمجھے جاتے تو ان میں جو سب سے بزرگ تر ہستیاں ہوں ان کے لیے کیا موجب کمال ہو سکتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ خوش عقیدگی ہے جس کو شرف انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو اسلامی عقیدہ کہا جائے۔ خدا کے مقدس رسولوں کے علم کے متعلق اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کے پورے پورے وزن کرنے کی کوشش کی جائے کیا اتنا کہنا کافی نہیں ہو سکتا کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان مباحث میں پڑ کر بے وجہ اپنے ایمان کو زخمی نہ کیجئے رسولوں کی پوری عظمت سے دل معمور رکھئے اور ان میں خاتم الرسل کی امتیازی شان کو اپنا دین و ایمان سمجھئے بس یہی راہ سیدھی ہے فاتبعوہ۔

یہ یاد رہے کہ اسلامی عقائد اور اس کے مذاق کا اندازہ صرف قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قدسیہ سے لگانا چاہیے۔ عشاق کے پراز جذبات کلمات یا شاعروں کے مبالغہ آمیز بیانوں سے نہیں۔ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو الفاظ مقام مذمت یا مقام مدح کے ذیل میں آجاتے ہیں ان سے کسی مسئلہ کا استنباط کرنا صحیح نہیں وہ صرف متکلم کے جذباتِ احترام یا اس کے جذباتِ توہین کے ترجمان ہوتے ہیں ان کا مقصد مخاطب کے ذہن میں کسی کی محبت یا کسی سے نفرت قائم کرنا ہوتا ہے کسی عقیدہ کی تعلیم دینا نہیں ہوتا۔

دیکھو قرآن حکیم نے بلقیس کے شاہی ساز و سامان کی فراوانی کے متعلق و اوتیت من کل شیء (اس کو تمام چیزیں عطا ہوئی تھیں) لے .....

www.besturdubooks.net

24

اٰبَائِهِمْ وَ خَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَ هُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ. (رواه مسلم)

اس کو اسی وقت جنتی بنا دیا تھا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھی اور اسی طرح ایک مخلوق دوزخ کے لیے بنائی ہے اور ان کو بھی اسی وقت دوزخی بنا دیا تھا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں موجود تھی۔ (مسلم شریف)

(۸۰۳) عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ مَيْمُوْنَةَ فَاُتِيَ بِضَبٍّ مَحْنُوْذٍ فَاَهْوٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ اَخْبِرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يُرِيْدُ اَنْ يَاْكُلَ فَقَالَ هُوَ ضَبٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَرَفَعَ يَدَهٗ فَقُلْتُ اَحَرَامٌ

(۸۰۳) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بھنی ہوئی گوہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اس پر آپ کی بیبیوں میں سے کسی نے کہا جس چیز کے تناول فرمانے کا آپ ارادہ فرما رہے ہیں آپ کو اس کی اطلاع دے دو۔ اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے یہ سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا یا رسول

☆..... کا کتنا عام لفظ استعمال فرمایا مگر کیا اس فصیح و بلیغ انداز بیان سے کوئی شخص یہ عقیدہ رکھنے کا مجاز ہو سکتا ہے کہ اس کو حقیقۃً تمام اشیاء عطا کر دی گئی تھیں حتیٰ کہ تمام غیوب کا علم بھی۔ یا یہ صرف اس کی شان ملوکیت کی عظمت کا ایک بلیغ انداز بیان تھا۔ یاد رکھو کہ صفاتِ الٰہیہ میں صفت علم ایک بڑی ممتاز صفت ہے اس میں کسی بندہ کو اس طرح شریک کر دینا کہ خدا اور بندہ کے درمیان اس میں کوئی التباس پڑنے لگے یہ ٹھیک مشرکانہ رسم ہے۔ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں شریک ٹھہراتے اور جب ان پر مساوات اور شرک کا اعتراض کیا جاتا تو اسی طرح مختلف قسم کے حیلے بہانے بنا دیتے۔ کبھی یہ کہہ دیتے کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم کو ذرا قریب کر دیں اور کبھی ان کی شفاعت کا بہانہ کر دیتے ان تمام تاویلوں کے باوجود ان کا سر نیاز اگر جھکتا تو ان بتوں ہی کے سامنے جھکتا اور جب کبھی ان کے سامنے خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کا ذکر آ جاتا تو وہ ہمیشہ اکڑ جاتے۔ خوب سن لیجیے کہ مذہب اسلام میں نہ کسی ایسے عقیدہ کے لیے کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی مشرکانہ عمل کے لیے وہ ذہنی اور عملی ہر لحاظ سے کفر سے اتنا ممتاز ہے جتنا دن رات سے۔ و اللّٰہ ولی الامور۔ اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مشتے نمونہ از خروارے چند روزمرہ کے وہ واقعات ملاحظہ فرمایئے جن سے آپ کو صحیح صحیح انداز ہو جائے گا کہ جس کے سینہ میں علوم ہدایت کے سمندر بہا دیئے گئے تھے دنیا کے غیر ضروری امور میں اس کا حال کیا تھا۔

(۸۰۳) ☆ یہ روزمرہ کا ایک سادہ واقعہ ہے دیکھیے یہاں حاضرین مجلس حتیٰ کہ امہات المومنین جیسی خاص ہستیوں میں سے کسی ایک کے ذہن میں بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کا اس طرح احاطہ حاصل تھا کہ عالم کا کوئی ذرہ آپ کے علم سے باہر نہ تھا وہ کس صفائی سے ایک معمولی سی کھانے کی چیز کے متعلق آپ کو ٹوک دیتی ہیں اور آپ بھی فوراً متنبہ ہو کر اس کے تناول فرمانے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ یہ تو میں خود بھی جانتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت میمونہؓ سے عقد کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو آپ کی بہت آخر عمر کا ہے۔

www.besturdubooks.net

هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَ لٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَاَكَلْتُهُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ. (رواه البخاری)

اللہ کیا یہ جانور حرام ہے؟ فرمایا نہیں تو لیکن ہمارے ملک میں نہیں ہوتا اس لیے مجھے اس سے نفرت ہے خالد کہتے ہیں میں نے اس کو کھینچ کر اپنی طرف بڑھالیا اور آپ کے سامنے اس کو کھا تا رہا۔

(بخاری شریف)

(۸۰۴) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَ لَعَلَّ

(۸۰۴) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں ایک انسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے جھگڑے لے لے کر میرے پاس آتے رہتے ہو' ہوسکتا ہے کہ تم میں ایک آدمی اپنے دلائل بنا سنوار کر بیان کرنے

---

(۸۰۴) * شرح معانی الآثار میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح منقول ہیں انما انا بشر و لا ادری باطن ماتتحاکمون فيه عندی و تختصمون فيه لدی و انما اقضی بينکم علی ظاهر ما تقولون -یعنی میں ایک انسان ہوں اور جن معاملات کے فیصلے تم میرے پاس لے کر آتے ہو ان کی حقیقت تو میں جانتا نہیں- میں تو جیسا تم مجھ سے بیان کر دیتے ہو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں- امام بخاریؒ نے باب اثم من خاصم فی باطله و هو يعلمه. (ص۳۳۲) میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یہ لفظ روایت کیے ہیں فلعل بعضکم ان يکون ابلغ من بعض فاحسب انه قد صدق. یہ ہوسکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے زیادہ ولسان ہو' اور اس بنا پر میں یہ خیال کرلوں کہ جو بات اس نے کہی ہے وہ سچ ہی کہی ہے-علامہ قسطلانی انما انا بشر کی وجہ حصر میں لکھتے ہیں- لانه حصر خاص ای باعتبار علم البواطن و يسمى عند علماء البيان قصر القلب لانه اتى به على الرد على من زعم ان من كان رسولا يعلم الغيب فيطلع على البواطن و لا يخفى عليه المظلوم و نحو ذلک فاشار الى ان الوضع البشرى يقتضى ان لا يدرک من الامور و الا ظواهر ها فانه خلق خلقا لا يسلم من قضايا تحجبه عن حقائق الا شياء فاذا ترک على ماجبل عليه من القضايا البشرية و لم يؤيد بالوحى السماوى طرأ عليه مايطرأ على سائر البشر– (ج۴ص۲۶۲) یعنی یہاں آپ نے اپنی بشریت کو بصیغہ حصر اس لیے ذکر کیا ہے حالانکہ آپ بہت سے اوصاف میں عام بشریت سے کہیں بالا و برتر تھے تا کہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جب رسول کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو اس پر ہر معاملہ کی حقیقت بھی ٹھیک ٹھیک طور پر روشن ہو جاتی ہوگی اور وہ یہ بھی جان لیتا ہوگا کہ فریقین میں مظلوم کون ہے اور ظالم کون- اس خیال کی تردید کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ بشری ساخت ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ بشر صرف ظاہری حالت ہی کا ادراک کر سکتا ہے اور اس کو ایسے حالات پیش آئے بغیر چارہ نہیں ہوتا جو اس کے لیے اشیاء کی حقیقت کے ادراک سے مانع آجائیں پس جب تک قدرت اس کو اپنی فطرت کے خلاف نہ چلائے اور آسمانی وحی سے اس کی تائید نہ فرمائے اس پر وہی حالات طاری ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں پر طاری ہوا کرتے ہیں-

علامہ قسطلانی کے بیان سے یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب کیوں نہیں ہوتے اور وہ یہ کہ انسان کی بشری ساخت ہی میں اس کی صلاحیت نہیں- اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے حالات و اوصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے جن کی وجہ سے اس کو غائبات کا بلا واسطہ علم ہو ہی نہیں سکتا اور جن باتوں کا اس کو علم ہوتا ہے یہ ان کی فطرت کا تقاضہ نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی وقتی اطلاع سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس میں اطلاق و عموم کہاں اس کے بعد علامہ موصوف اس کی حکمت بھی لکھتے ہیں کہ رسول کو اپنے مقدمات کے متعلق غیب کا علم للہ ....

www.besturdubooks.net

بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ. (متفق علیه)

میں دوسرے شخص سے زیادہ ماہر ہو اور میں (اس کے بیان سے متاثر ہو کر) جیسا اس کا بیان سنوں اسی کے مطابق فیصلہ صادر کردوں تو اگر میں کسی کے بھائی کے حق کا فیصلہ اس کے حق میں اس طرح دے دوں تو اسے چاہیے کہ وہ میرے اس طرح کے فیصلہ پر اعتماد کر کے اس کا مال دبا نہ لے اور یہ سمجھے کہ جو مال اس کو اس فیصلہ سے ملا ہے وہ حقیقت میں آگ کا ایک انگارہ ہے۔ (متفق علیہ)

ﷺ ....کیوں نہیں دیا۔ تاکہ شاہد و یمین کا قصہ ہی ختم ہو جاتا اور رسول اپنے یقین کی بنا پر جس طرح اور احکام شریعت بیان کیا کرتا ہے اسی طرح مقدمات کے فیصلے بھی صادر کر دیا کرتا۔ و لم يطلعه الله تعالى على حقيقة الامر في ذلك حتى لا يحتاج الى بينة و يمين تعليما لتقتدى به امته فانه لو حكم في القضايا بيقينه الحاصل من الغيب لما امكن الحكم لامته من بعده. (ج ۱ص ۲۳۰)

اور نوویؒ لکھتے ہیں لكن لما امر الله امته باتباعه...... اجرى له حكمهم في عدم الا طلاع على باطن الامور ليكون حكم الامة في ذلك حكمه فاجرى الله تعالى احكامه على الظاهر الذى يستوى فيه هو و غيره ليصح الاقتداء به و تطيب نفوس العباد للانقياد للاحكام الظاهرة من غير نظر الى الباطن و الله تعالى اعلم۔ (ج ۲ص ۷۴)

علامہ قسطلانی اور امام نووی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو تمام مقدمات میں صحیح صحیح حالات کی اطلاع دے دیا کرتا تاکہ وہ صرف اپنے علم کی بنا پر مقدمات کے فیصلے صادر کر دیا کرتے تو ان کی امت اس بارے میں کیسے ان کی اتباع کر سکتی۔ اس لیے اس نے واقعات اور معاملات کی اطلاع دینے کی بجائے تفتیش و اجتہاد کرنا اور مدعی سے ثبوت اور مدعی علیہ سے قسم لینا ان کے لیے آئین مقرر کیا اور تمام امت کو یہ حکم دیا کہ وہ بھی اسی طرح معاملات کے فیصلے کیا کریں۔ البتہ مدعی کو یہ اخلاقی فہمائش بھی کر دی کہ وہ اس شرعی آئین سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور یقین رکھے کہ اگر وہ اپنی چرب زبانی کی بدولت ظاہری آئین سے فائدہ اٹھالے گا تو باطنی آئین کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتا اگر کوئی مال اس نے ناجائز شہادت سے حاصل کر لیا ہے تو قیامت میں وہ اس کے لیے آتش دوزخ کی شکل میں نظر آئے گا۔ مدعی علیہ اگر یہاں کسی آئینی مجبوری سے ناکام رہ گیا ہو تو وہ احکم الحاکمین کی عدالت میں ناکام نہیں ہوگا۔ کچھ اسی جگہ نہیں بلکہ اسلام میں ظاہری آئین کی روح ہر جگہ یہی تعلیم کی گئی ہے اگر ظاہری آئین کی پشت پر عالم باطن کی گرفت کا خوف نہ ہو تو پھر صرف ظاہری آئین نظم و نسق کے بجائے مزید شر و فساد کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ رہا واقعات کی پوری اطلاع کے بعد پھر نبی کو واقعات کے خلاف فیصلے دینے کا حکم تو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ یہاں صرف یہی دو راہیں تھیں ایک یہ کہ اگر ظاہری آئین پر فیصلے دینے کا آئین مقرر کیا جائے تو تمام واقعات کی صحیح صحیح اطلاع دینا آئین نہ ہو اور اگر صحیح صحیح واقعات کی اطلاع دینا آئین مقرر ہو تو پھر شہادت اور قسم پر فیصلہ کرنا آئین مقرر نہ ہو۔ یہی سبق ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے ملتا ہے دیکھیے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر شریعت کا مکلف بنایا گیا تھا تو حقائق کے چہروں سے نقاب کشائی کا ان سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا اور اگر حضرت خضر علیہ السلام پر اسرار کائنات کھولے گئے تھے تو پھر انہیں ظاہر شریعت کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا تاکہ انکشاف حقائق جگہ جگہ ظاہری آئین کے خلاف کا تقاضا نہ کرے اور اسی طرح ظاہری آئین حوادث عالم کے تسلسل میں خلل انداز بھی نہ ہوں وہ نظر قدرت میں جس طرح یکے بعد دیگرے بچھے ہوئے ہیں اسی طرح ظہور پذیر ہوتے چلے جائیں اور آئین شریعت جس طرح اپنا نفاذ چاہتا ہے وہ بھی اسی طرح نافذ ہوتا چلا جائے ﷺ...

www.besturdubooks.net

(۸۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا کَبَّرَ اِنْصَرَفَ وَ اَوْمٰی اِلَیْهِمْ اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَ رَأْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ. (رواه احمد و روی مالك عن عطا بن یسار مرسلاً)

(۸۰۵) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے- قریب تھا کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپؐ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا غسل کر کے پھر باہر تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا' آپ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا- (احمد- مالک)

(۸۰۶) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّیْتُ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ اِلٰی بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ فَرَاٰی اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَکَرْتُ شَیْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَکَرِهْتُ اَنْ یَحْبِسَنِیْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ. (رواه البخاری)

(۸۰۶) عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی- آپ سلام پھر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لے گئے- لوگ آپؐ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے- جب آپؐ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپؐ کی اس عجلت پر حیران ہیں- آپؐ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی رکھی ہوئی یاد آ گئی تھی- مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے- اس لیے میں اس کو تقسیم کرنے کے لیے کہہ آیا ہوں- (بخاری شریف)

ﷺ... خواہ واقعات کے حقائق کا اقتضاء کچھ بھی ہو' اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول حضرت خضر علیہ السلام کی اتباع صبر و سکون کے ساتھ نہ کر سکا تو یہ بے صبر امت اپنے رسول کی اتباع بھلا کیا کر سکتی- بایں ہمہ یہ اعتراف ہے کہ بیسیوں مقامات پر نبی کو حقیقت حال پر متنبہ بھی کر دیا جاتا ہے مگر یہ اعجاز کے طور پر نہ کہ آئین کے طور پر-

(۸۰۶) * سچ کہا ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو پیدا ہی ایسی وضع پر کیا ہے کہ غیب کے علوم کا احاطہ تو درکنار اس کو حاصل شدہ علوم کا دائمی استحضار رہنا بھی مشکل ہے- ایک وقت انسان کی ملکی قوت عروج کرتی ہے تو وہ عرش کی خبریں دینے لگتا ہے اور ایک وقت اس پر بشریت کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ خود اپنی معلومات بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اسی مد و جزر میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے- خطاء و نسیان انسان کے لیے عیب نہیں- غیر محدود اختیار اور جزئیات و کلیات غیب کا احاطہ اس کی نوع کا کمال نہیں- قدرت نے اس کی فطرت ایسے ہی ضعف و ناتوانی کے اندر بنائی ہے کہ وہ خطا بھی کرے گا اور بھولے گا بھی مگر اس کا یہ فطری ضعف اس کے لیے موجب نقصان نہ ہو گا بلکہ اور موجب کمال ہو گا- ایک روایت میں ہے انما انسی لاسن یعنی لوگ تو خود بھولتے ہیں مگر مجھ پر قدرۃً نسیان ڈالا جاتا ہے تا کہ بنی آدم نسیان کے احکام سیکھیں- پس جس طرح نبی کے نسیان سے مقصد نسیان کی سنت بتانی ہے اسی طرح واقعات و حوادث کی حقیقت سے بے خبر رکھ کر صرف ان کی سطح پر نبی کو فیصلہ صادر فرمانے کے حکم سے مقصد مقدمات میں فیصلہ کرنے کا آئین سکھانا ہے-

www.besturdubooks.net

(۸۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِىْ سَمِعْتُهُ وَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۸۰۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان)

(۸۰۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ اِنَّ حَبْرًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَ قَالَ اَسْكُتُ حَتّٰى يَجِیْءَ جِبْرَئِيْلُ فَسَكَتَ وَ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَ لٰكِنْ اَسْأَلُ رَبِّىْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنِّىْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَادَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَ كَيْفَ كَانَ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ كَانَ بَيْنِىْ وَ بَيْنَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَ خَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا.

(۸۰۸) ابوامامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمایئے سب سے بہتر جگہ کون سی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبرئیل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آ گئے' آپؐ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس سے آپؐ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھیے میں اپنے پروردگار سے جا کر پوچھتا ہوں اس کے بعد انہوں نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپؐ نے پوچھا اے جبرئیل آخر کتنا قرب نصیب ہو گیا؟ عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

(رواه ابن حبان فی صحیحه عن ابن عمر و حديث ابغض البقاع و احب البقاع مروی عن ابی هريرة عند مسلم و لکن بدون تلك القصة)

---

(۸۰۷) * یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی' ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے البتہ قریب و بعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم و نسق قائم رہتا ہے بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں۔ پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات ہمہ وقت رسول کو ہر ہر جزئی وکلی کا علم ہوتا ہے یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا وہ بھی مقام رسالت سے قطعاً ناآشنا و نابلد ہے۔

www.besturdubooks.net

(۸۰۹) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِیْهِمْ فَذَکَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِیْ ذَالِکَ. (رواہ مسلم)

(۸۰۹) ابوقتادہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے' اس میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری خطائیں بخش دی جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا' اچھا پھر پوچھ کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی- آپ نے فرمایا بے شک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے- مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے- جبرئیل علیہ السلام نے ابھی ابھی آ کر مجھ سے کہا ہے-

(مسلم شریف)

(۸۱۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِیْ مَا یُفْتَحُ عَلَیْکُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ یَاْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهُ یُنْزَلُ عَلَیْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ وَ قَالَ اَیْنَ

(۸۱۰) ابوسعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی وہ رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو نصیب ہوں گی- اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی) بھلا کیا نعمت بھی کسی خطرہ کا سبب بن سکتی ہے اس پر آپ اس طرح خاموش ہو گئے جس سے ہم یہ سمجھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے- راوی کہتا ہے کہ حسب دستور آپ نے اپنے روئے انور سے پسینہ پونچھا (جو بوقت نزول وحی آ جایا کرتا تھا) اور فرمایا وہ سوال کرنے والا کدھر گیا

---

(۸۱۰) * حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب کے لیے کبھی تو جبرئیل علیہ السلام از خود تشریف لے آتے اور کبھی آپؐ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور آپ کے جواب میں اگر کوئی اجمال رہ جاتا تو جبرئیل علیہ السلام فوراً اس کی ضروری تفصیل کر دیتے در حقیقت یہ نبی کا بہت بڑا کمال ہے اور اس کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہے کہ وہ دین کے بارے میں ایک حرف بھی اپنی جانب سے نہیں کہتا- جس طرح نبی کی فتح و شکست اس کی صداقت کی دلیلیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کا نطق و سکوت بھی اس کی صداقت کا ایک محکم ثبوت ہوتا ہے- یہاں بے علم برعکس اس کو نقصان کا موجب ہے ....

www.besturdubooks.net

السَّائِلَ وَ کَأَنَّهٗ حَمِدَهٗ فَقَالَ اِنَّهٗ لَا یَأْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ وَ اِنَّ مِمَّا یُنْبِتُ الرَّبِیْعُ مَا یَقْتُلُ حَبَطًا اَوْ یُلِمُّ اِلَّا اٰکِلَةَ الْخَضِرِ اَکَلَتْ حَتّٰی اِمْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اِسْتَقْبَلَتْ عَیْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَ بَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَاَکَلَتْ وَ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِحَقِّهٖ وَوَضَعَهٗ فِیْ حَقِّهٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَ مَنْ اَخَذَهٗ بِغَیْرِ حَقِّهٖ کَانَ کَالَّذِیْ یَأْکُلُ وَ لَا یَشْبَعُ وَ یَکُوْنُ شَهِیْدًا عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

(متفق علیہ)

(آپ نے اس طرح پوچھا) گویا اس کے سوال کی تعریف کی اور فرمایا بھی نعمت تو کسی نقصان کا موجب نہیں بنتی (البتہ اس کا بے جا استعمال نقصان کا موجب بن جاتا ہے) آخر موسم بہار سبزا اگاتا ہے اور وہی سبزا کبھی جانور کی موت کا باعث بھی بن جاتا ہے یا اس کو موت کے قریب پہنچا دیتا ہے- ہاں ایک وہ جانور جس نے خوب کھایا اور جب اس کی دونوں کوکھیں تن گئیں تو دھوپ میں جا بیٹھا پھر چھیرا اور پیشاب کیا' اس کے بعد پھر گیا اور پھر سبزہ کھایا- اسی طرح مال و دولت کی حالت ہے وہ بھی دیکھنے میں خوش نما اور ذائقہ میں شیریں چیز ہے جو شخص اسے جائز طور پر حاصل کرتا ہے اور اس کو برمحل صرف کرتا ہے اس کا تو کیا کہنا وہ تو انسان کے لیے ایک عمدہ سہارا ہے لیکن جو اس کو ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھائے چلا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے (کاسہ چشم حریصاں پر نہ شد) اور یہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا- (متفق علیہ)

(۸۱۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِاَصْحَابِهٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ یَسَارِهٖ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهٗ قَالَ مَا حَمَلَکُمْ عَلَی اِلْقَاءِ نِعَالِکُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاکَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْکَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْهِمَا قَذَرًا اِذَا

(۸۱۱) ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دفعۃً آپؐ نے نعلین مبارک اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لیے- یہ دیکھنا تھا کہ صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے چپل اتار ڈالے- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری فرما چکے تو ان سے پوچھا تم لوگوں نے اپنے چپل کیوں اتار دیئے- انہوں نے عرض کیا ہم نے آپؐ کو چپل اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار ڈالے- آپؐ نے فرمایا میرے پاس تو جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ (آپؐ کے) چپلوں میں کچھ گندگی لگی ہوئی ہے- تم جب مسجد میں آیا کرو تو پہلے اپنے چپل دیکھ لیا کرو- اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو صاف کر کے پھر

﷽ ....گردان لیتا ہے- مذکورہ بالا سوال ہی کو دیکھئے اگر یہ ہم سے کہا جاتا تو ہم اپنی عقل سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی جواب تراش دیتے مگر نبی اجتہاد کے لیے بھی پہلے وحی کا انتظار کرتا ہے اسی لیے اس کا نطق و سکوت دونوں وحی سمجھے جاتے ہیں- الحاصل یہ تیئس سال تک جو کچھ بھی آپؐ سے کہا جاتا تھا سارا کا سارا غیب ہی کا علم تو تھا پس کیا اس میں کسی مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے کہ قدرت نے آپؐ کے سینے میں بے شمار غیوب کے سمندر بہا دیئے تھے مگر بحث تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کیا عالم کی ہر ہر جزئی کا ہمہ وقت بھی آپؐ کو علم حاصل تھا؟ اس طرح کے علم کا ثبوت حدیثوں سے ہم کو تو نہیں مل سکا- اگر کسی ایک حدیث میں کوئی لفظ مبہم ملا بھی تو بیسیوں حدیثوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی تشریح بھی مل گئی- پھر کیا صاف صاف تشریحات کو چھوڑ کر مبہم الفاظ کو عقیدہ بنالینا کوئی دین کی بات ہوگی-

www.besturdubooks.net

جَاءَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی قَذَرًا فَلْیَمْسَحْهُ وَ لْیُصَلِّ فِیْهِمَا. (رواہ ابو داؤد)

ان سے نماز پڑھ لیا کرو۔

(ابوداؤد)

(۸۱۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَیْنَ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَ هُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ اَوَ مَا شَعُرْتِ اَنِّیْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ یَتَرَدَّدُوْنَ وَ لَوْ اَنِّیْ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْیَ مَعِیْ حَتّٰی اَشْتَرِیَهُ ثُمَّ اَحِلَّ کَمَا حَلُّوْا. (رواہ مسلم)

(۸۱۲) حضرت عائشہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے قصہ میں نقل کرتی ہیں) کہ آپؐ چوتھی پانچویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جب میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے عرض کیا آپؐ کو کس نے خفا کیا' خدائے تعالیٰ اس کا برا کرے۔ آپؐ نے فرمایا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ میں لوگوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے اس میں اور پس و پیش کرتے ہیں۔ کاش اگر میں اس کو پہلے سے جانتا تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی کا جانور نہ لاتا اور یہاں سے ہی خرید لیتا اور اپنا احرام بھی اسی طرح کھول ڈالتا جس طرح اور لوگوں نے کھولا۔ (مسلم شریف)

(۸۱۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَ مَنْ شَرِبَ لَمْ

(۸۱۳) سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں' تمہارے لیے پانی پینے کا بندوبست کروں گا جو شخص میرے حوض پر آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو اس کا پانی

---

(۸۱۲) ❋ مکہ مکرمہ میں پہنچ کر آپؐ نے ایک دینی مصلحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے احرام کھول ڈالیں اور حج کے بجائے عمرہ ادا کرلیں۔ پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرلیں یہ تمتع کی شکل ہو جائے گی لیکن جو لوگ حج کا احرام باندھ چکے تھے ان کو حج کی ادائیگی سے پہلے اپنا احرام کھول دینا بہت شاق گذرا بالخصوص جب کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپؐ نے بھی اپنا احرام نہ کھولا تھا۔ آپؐ چونکہ اپنے ہمراہ ہدی لائے تھے اس لیے ہدی کی موجودگی میں احرام کھول دینا آپ کے لیے درست نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس بنا پر لوگ اپنے احراموں کے کھولنے میں تردد کریں گے تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی نہ لاتا اور ان کے ساتھ ہی احرام کھول دیتا۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اب بے لطفی کا باعث کل یہ ہوا کہ رسول کو ہمیشہ ہر بات کا علم نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ آپؐ اپنے ہمراہ ہدی ہی نہ لاتے۔ اب اس جہان سے گذر کر کچھ محشر کا حال سنئے۔

(۸۱۳) ❋ بعض روایات میں اصیحابی اصیحابی کا لفظ بصیغہ تصغیر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جماعت بہت مختصری جماعت ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وہ منافقین کی جماعت ہوگی جو جہادوں میں بجبوری آپؐ کے ساتھ لگی رہا کرتی تھی اور در اصل کافر تھی دیکھو کتاب تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۲۹۶۔ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (توبۃ : ۱۰۱) ....

www.besturdubooks.net

یظمأ ابدًا لیردن علیّ اقوام اعرفھم و یعرفوننی ثم یحال بینی و بینھم فاقول انھم منّی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقًا سحقًا لمن غیّر بعدی. و فی کتاب الحوض فیقال انک لا علم لک بما احدثوا بعدک. (متفق علیہ)

پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے حوض پر کچھ لوگ میرے شناسا بھی آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کے اور میرے درمیان ایک حجاب ڈال دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے متبعین ہیں مجھے جواب ملے گا آپ کو یہ علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی باتیں پیدا کر ڈالی تھیں اس وقت میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے۔ (متفق علیہ)

(۸۱۴) عن ابی الدرداء قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انا اول من یؤذن لہ بالسجود یوم القیامۃ و انا اول من یؤذن لہ ان یرفع رأسہ فانظر الی مابین یدی فاعرف امتی من بین الامم و من خلفی مثل ذالک و عن یمینی مثل ذلک و عن شمالی مثل ذلک فقال رجل یا رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک قال ھم غرّ محجلون من اثر الوضوء لیس احد کذالک غیرھم و اعرفھم انھم یؤتون کتبھم بایمانھم و اعرفھم

(۸۱۴) ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضوء کے پانی کے نشانوں سے ان کے چہرہ روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کروں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ

لـ..... کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہ مختصر سا فرقہ ہے جو عہد صدیقؓ میں مرتد ہوگیا تھا۔ بہر حال محشر میں ملائکۃ اللّٰہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کے ارتداد کا آپ کو کچھ علم نہ ہوگا اسی طرح آئندہ حدیث بھی محشر کی ہے اس میں بھی سامعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز خطاب سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپؐ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوہ کثیر میں کسی مختصر جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپؐ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اس بنا پر مجھے اپنی امت کی معرفت ہمہ وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لیے بھی دشواری کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔

(۸۱۴) * اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہیے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں میں علم محیط کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو سائلین آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت قطع کرنے میں جھجکتے اور نہ آپ اس غلطی پر ان کو تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے۔

www.besturdubooks.net

تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ذُرِّیَّتُھُمْ.
(رواہ احمد و عند مسلم عن ابی ھریرہ نحوہ)

ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑ رہی ہوگی۔
(احمد)

(۸۱۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَ مَغَارِبَھَا وَ اَنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَازُوِیَ لِیْ مِنْھَا وَ اُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْیَضَ وَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ اَنْ لَا یُھْلِکَھَا بِسَنَۃٍ عَامَّۃٍ وَ اَنْ لَا یُسَلِّطَھَا عَلَیْھِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِھِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَھُمْ وَ اَنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّہٗ لَا یُرَدُّ وَ اِنِّیْ اَعْطَیْتُکَ لِاُمَّتِکَ اَنْ لَا اُھْلِکَھُمْ بِسَنَۃٍ عَامَّۃٍ وَ اَنْ لَا اُسَلِّطَ عَلَیْھِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰی اَنْفُسِھِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَھُمْ وَ لَوِ اجْتَمَعَ عَلَیْھِمْ مَنْ بِاَقْطَارِھَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُھُمْ یُھْلِکُ بَعْضًا وَ یَسْبِیْ بَعْضُھُمْ بَعْضًا. (رواہ مسلم)

(۸۱۵) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے سامنے سکیڑ کر دکھا دیا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت کیے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لیے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے انڈے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمدؐ جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔
(مسلم شریف)

---

(۸۱۵) ٭ بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو نہ معلوم کن کن خصوصیتوں سے نوازا ہوگا ان کی تفصیل تو وہی جانے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت و جہنم جیسی وسیع مخلوق کا نقشہ کسی دیوار پر دکھا دیا گیا ہے ایسے ہی ایک بار سارا کرۂ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔ جیسا کسی بڑی چیز کے فوٹو کو چھوٹا کر کے دکھایا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا ﴿وَ کَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام: ۷۵) لیکن غور کرنا تو یہ ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک انسان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر سطح زمین کی بڑی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے بڑے بڑے دریا اس کو تاگے کی طرح بہتے ہوئے نظر آ جاتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے نقطوں کی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اپنے اس وسیع مشاہدہ میں ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس غیر معمولی نظارہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ اس کے الفاظ میں کتنا عموم ہوگا لیکن پھر بھی اس مشاہدہ میں اس کو علم کتنے حصہ کا ہوگا اگر آپ ان حسی واقعات سے اس غیبی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

www.besturdubooks.net

(۸۱۶) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّ بَنِىْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِى الْحِجْرِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَا لَتْنِىْ عَنْ اَشْيَاءَ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَجَلَّى اللّٰهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَ اَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ و عند مسلم فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِىْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا يَسْأَلُوْنِىْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْبَأْتُهُمْ.

(۸۱۶) جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم میں ہے کہ قریش نے مجھ سے (بیت مقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس وقت مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جس بات کو وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

(۸۱۷) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ غَضْبَانُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُوْنِىْ عَنْ شَيْءٍ الْيَوْمَ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ وَ نَحْنُ نَرٰى اَنَّ جِبْرَئِيْلَ مَعَهٗ. قلت فذكر الحديث الى ان قال فَقَالَ عُمَرُ

(۸۱۷) انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپؐ پر غصہ کے آثار تھے آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو جو سوالات کرو گے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا

---

(۸۱۶) * صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بحالت بیداری ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) اس کی بہت سی چشم دید باتیں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں بلکہ اس وقت آپ نے شاید ان کو بغور دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا پورا پورا علم حاصل ہونا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا بقاء و دوام بھی ضروری نہیں۔ (۵) تجلی علم تفصیلی کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا عینی مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگرچہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے خود دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس کی تجلی سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو اجمالی انکشاف یہاں ہو جاتا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا بقاء بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کے افاضہ کا مقصد نفس انسانی میں کمال کی استعداد پیدا کرنی یا صرف ایک اکرام اور تشریف ہوتی ہے جس طرح علوم رسمیہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ملکہ پیدا کرنا ہوتا ہے خود ان علوم کا استحضار نہیں۔

(۸۱۷) * یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور ''علم النبی'' کے زیرعنوان ترجمان السنہ جلد اول میں بھی گذر چکی ہے مگر یہاں مسند ابویعلی کی روایت میں صحابہؓ کے ان الفاظ کی زیادتی اور ہے و نحن نری الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک آپؐ کے فرمان ''تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب دوں گا'' کی بنیاد یہ نہ تھی کہ نبی کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے ﷲ ......

www.besturdubooks.net

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا حَدِيْثِيْ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ فَلَا تُبْدَّ عَلَيْنَا سَوْاٰتِنَا فَاعْفُ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ. (رواه ابو يعلى قال الهيثمي و رجاله رجال الصحيح)

واقعہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہ ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دورا بھی قریب ہی گذرا ہے آپ ہماری غلطیوں اور عیوب پر سخت گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگذر فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابویعلی)

(۸۱۸) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِيْ هٰؤُلَاءِ وَ اَنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (متفق عليه)

(۸۱۸) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کر ڈالے۔ جس نے یاد رکھے' یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے' بھلا دیئے۔ یہ بات میرے یہ سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح یاد آ جاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا رہے اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

و عند ابی داؤد عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ. (الحديث)

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کے بعد خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ سب آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے' یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے' بھلا دیئے' الخ۔

(۸۱۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَ اللّٰهِ مَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَصْحَابِيْ اَمْ تَنَاسَوْا وَ اللّٰهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ

(۸۱۹) حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں' خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ میرے رفقاء فی الواقع بھول چکے ہیں یا وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک فتنوں کا کوئی ایسا سرغنہ نہیں چھوڑا جس کی جماعت

ﷺ.... اوقات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے ساتھ ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی اسی وقت آپؐ کو سائلین کے سوالات کے جوابات کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

(۸۱۹) * پہلی حدیث میں ماترک شیئا کے لفظ میں اگرچہ بہت عموم ہے لیکن یہ عموم ایسا ہی ہے جیسا و اوتیت من کل شی میں کسی کلام کے معنی سمجھنے کے لیے متکلم و مخاطب کے مفروضات اور ماحول کے اقتضاء سے قطع نظر نہ کرنی چاہیے سوچو کہ اگر یہاں آپؐ نے تمام واقعات پورے استیعاب کے ساتھ بیان کر ڈالے تھے حتیٰ کہ ریت کے ذرّات اور بارش کے قطرات بھی تو اول تو صحابہؓ کے سامنے اس قسم کے علوم بیان کرنے سے نبوت کے کس باب کی تکمیل ہوتی تھی؟ پھر کیا اس کے بعد تمام صحابہ کو بھی عالم الغیب کہنا صحیح تھا۔ اور اگر نسیان کے ﷺ....

www.besturdubooks.net

فِتْنَةٍ اِلَى اَنْ تَنْقَضِىَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهُ ثَلٰثَمِائَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَ اسْمِ اَبِيْهِ وَ اسْمِ قَبِيْلَتِهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

تین سو یا اس سے اوپر تک پہنچی ہو مگر اس کا اور اس کے باپ اور قبیلہ کا نام لے لے کر ہم کو بتا دیا ہے۔ (ابوداؤد)

☆..... بعد وہ عالم الغیب نہیں رہے تھے تو کچھ مدت کے لیے ان کو عالم الغیب بنانے سے کیا فائدہ متصور تھا پھر کیا اس کا کوئی قطعی ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی نسیان طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس مجلس میں آپؐ نے فتن اور قائدین فتن کے متعلق کوئی بسیط بیان فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں اس درجہ تفصیل فرمائی تھی کہ سننے والوں کا تخمینہ یہ تھا کہ آپؐ نے اب کوئی اہم فتنہ اٹھا نہیں رکھا جس کو اس وقت ذکر نہ کر دیا ہو۔ اسی ابہام کو حذیفہ کی دوسری حدیث میں کھول دیا گیا ہے جس امت میں فتنوں کی کثرت مقدر تھی اس کے نبی کے لیے یہ باب کتنا اہم تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پوری پوری توضیح و تشریح سے کام لیا ہے اس علم کے سب سے زیادہ صحیح مخاطب حضرت رسالت کی نگاہ میں غالباً حذیفہ ہوں گے اسی لیے اس نوع کی اکثر حدیثیں انہیں سے مروی ہیں ان کے تتبع سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں الفاظِ حدیث کا تمام رخ اسی ہی قسم کے واقعات کی طرف ہے۔ دنیا کے غیر متعلق حوادث سے ان کا کوئی تعلق نہیں یہ کتنا مضحکہ خیز تخیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مجلس میں مکھیوں اور حشرات الارض تک کے اعداد و شمار پیش کیے ہوں اور اسی قسم کے ایسے غیر متناہی امور کا تذکرہ فرمایا ہو جن سے امت کی ہدایت کا ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔ اس قسم کی خوش عقیدگی سے مقام رسالت کی بزرگی صرف اپنے ہی ذہن میں ثابت ہو تو ہو مگر کوئی دانش مند انسان اس کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ فالی اللّٰہ المشتکی۔

اس جگہ ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ علم حصولی کی جو قسم بھی ہے اس پر نسیان طاری ہو سکتا ہے یہاں جب اس شئ کی صورت مدرکہ انسانی سے غائب ہو جاتی ہے تو اس کا علم بھی غائب ہو جاتا ہے۔ علم کی دوسری قسم جس کو علم حضوری کہا جاتا ہے صورت کے واسطہ سے نہیں ہوتا بلکہ یا تو خود وہ شئ عالم کا عین ہوتی ہے یا اس کا معلول ہوتی ہے یا اس کی صفت ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں ذہول ممکن نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا جتنا علم بھی ہوتا ہے وہ سب علم حصولی کی صورت میں ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ ان پر ان علوم کا اس طرح افاضہ فرما دیتا ہے کہ ان کی صورت ان کے ذہنوں میں منتقش ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نبی کے ذہن میں یہ القاء فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص کے باپ کا نام یہ ہے یا فلاں واقعہ اس طرح ہوگا گویا تعلیم کی جو صورت عام انسانوں میں معلم و متعلم کے درمیان معروف ہے اسی نوع کی کوئی صورت حق تعالیٰ اپنے اور رسولوں کے درمیان پیدا فرما دیتا ہے۔ اب وہ خواہ ملک کے ذریعہ سے ہو یا بلا واسطہ ملک ہو لیکن خود حق تعالیٰ کے علم کی نوعیت اس طرح نہیں اس کے سامنے سارا عالم خود حاضر ہے اسی لیے اس کی جناب میں غیب و شہود کی کوئی تقسیم نہیں یہ تقسیم صرف ہمارے لحاظ سے ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے رسولوں کے متعلق کلی علم غیب کا دعویٰ کیا ہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بھی کرنا پڑا ہے گویا کائنات کے ایک ایک ذرہ کے ساتھ جس نوعیت سے پروردگار عالم کی معیت ہے۔ اسی نوعیت کی معیت انبیاء علیہم السلام کی بھی تسلیم کی ہے پس یہاں صرف یہ غور کرنا نہیں ہے کہ عالم کی تمام جزئیات کا علم انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا نہیں بلکہ ان کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی اسی کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن کریم سے ان کے علوم کی یہی نوعیت ثابت ہوتی ہے اور کیا تمام جہان میں حق تعالیٰ کی طرح ان کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (والعیاذ باللہ)

یہ واضح رہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کائنات کا علم علم حضوری ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ تمام کائنات ☆.....

www.besturdubooks.net

الطاعة فيما خالف الشرع من الشرک

خلافِ شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

(۸۲۰) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ عُنُقِيْ صَلِيْبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اِطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ وَ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِيْ سُوْرَةِ بَرَاءَةٍ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ وَ اِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ.

(۸۲۰) عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک- اس وقت میں نے آپ سے سورۂ براءت کی یہ آیت بھی سنی- اتخذوا احبارھم الخ..... اس کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خوب سن لو کہ وہ لوگ ان احبار و رہبان کی صریح عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جس چیز کو وہ حلال بتادیتے اس کو وہ حلال سمجھ لیتے اور جس کو حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے (اسی کو قرآن کریم نے رب ٹھہرانے سے تعبیر کیا ہے)- (ترمذی شریف)

(رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث عبدالسلام بن حرب. و اخرجه السيوطي في الدر المنثور في طرق ج ۲ ص ۲۳۰)

(۸۲۱) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (رواه في شرح السنه)

(۸۲۱) نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے- (شرح السنہ)

لله..... ان کی معلول ہیں اور وہ ان کی علت ہیں اسی لیے جس جماعت نے رسولوں کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس نے گو صاف لفظوں میں آپؐ کو عالم کی علت تو نہیں کہا مگر متصرف اور کارساز ہونا تسلیم کرلیا ہے یہاں تک کہ دبے لفظوں میں یہ بھی اقرار کرلیا ہے کہ احمد و احد میں صرف ایک حرف میم ہی کا پردہ تھا جو شب معراج میں اٹھ گیا تھا کیا اس تعلیم کو نصاریٰ کے عقائد سے کوئی ادنیٰ امتیاز حاصل ہے- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی اور گھروں کے واقعات کی خبریں بتانے سے ان کی قوم کو یہ مغالطہ لگا کہ یہ خدائی اوصاف ہیں لہٰذا ہوں نہ ہوں یا تو وہ خدا ہیں' نہیں تو پھر اس سے کوئی ایسی نسبت ضرور رکھتے ہیں جس میں اتحاد کے ساتھ اتحاد کی بھی گنجائش ہے' اگر اسلام کی توحید بھی یہی ہے تو سوچو کہ اس کو انجیل کی توحید سے کیا امتیاز ہوگا اس قسم کے عقائد سے شان رسالت کی عظمت تو ثابت نہیں ہو سکتی ہاں شان ربوبیت کی توہین ضرور ہوتی ہے انصاف شرط ہے-

اللهم ارنا الحق حقاً و الباطل باطلاً.

(۸۲۰) ✻ شرک کے اقسام کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اسی طرح غیر اللہ کی ناواجب اطاعت بھی شرک ہے-

www.besturdubooks.net

(۸۲۲) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَرِیَّۃً وَ اسْتَعْمَلَ عَلَیْھِمْ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ وَ اَمَرَھُمْ اَنْ یَسْمَعُوْا لَہٗ وَ یُطِیْعُوْہُ فَاَغْضَبُوْہُ فِیْ شَیْءٍ فَقَالَ اجْمَعُوْا اِلَیَّ حَطَبًا فَجَمَعُوْا لَہٗ ثُمَّ قَالَ اَوْقِدُوْا نَارًا فَاَوْقَدُوْا ثُمَّ قَالَ اَلَمْ یَاْمُرْکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تَسْمَعُوْا اِلَیَّ وَ تُطِیْعُوْا قَالُوْا بَلٰی قَالَ فَادْخُلُوْھَا فَنَظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ وَ قَالُوْا اِنَّمَا فَرَرْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَکَانُوْا کَذٰلِکَ حَتّٰی سَکَنَ غَضَبُہٗ فَطَفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَکَرُوْا ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْھَا مَاخَرَجُوْا مِنْھَا اَبَدًا وَ قَالَ لَا طَاعَۃَ فِیْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ اِنَّمَا الطَّاعَۃُ فِی الْمَعْرُوْفِ۔ (متفق علیہ)

(۸۲۲) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اس نے غصہ میں آ کر حکم دے دیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرو انہوں نے جمع کر دیں اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو دہکا کر ان کے انگارے بنا دو۔ انہوں نے بنا دیئے۔ پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ فرو ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

عناية السلف بسدّ مداخل الشرک

استیصالِ شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

(۸۲۳) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عُمَرَ بَلَغَہٗ اَنَّ قَوْمًا یَاْتُوْنَ الشَّجَرَۃَ فَیُصَلُّوْنَ عِنْدَھَا فَتَوَعَّدَھُمْ ثُمَّ اَمَرَ بِقَطْعِھَا۔

(رواہ ابن سعد کما فی القسطلانی)

(۸۲۳) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ کر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے بیعت لی تھی اس پر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور درخت کے کاٹنے کا حکم دے دیا چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (ابن سعد)

---

(۸۲۳) ✽ صحیح بخاری میں تصریح موجود ہے کہ یہ اصل درخت کچھ دنوں بعد ہی اکثر صحابہ کے ذہنوں سے فراموش ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود لوگ یونہی تخمینی طور پر کسی درخت کے پاس آ کر تبرکاً نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شانِ حزم و احتیاط نے بروقت اس طرف توجہ کی وہ جانتے تھے کہ بعض مرتبہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم آئندہ چل کر ان کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے ان حالات میں ایک مشکوک تبرک کے قائم رکھنے سے یہ بدرجہا بہتر تھا کہ اس مظنہ شرک کو جڑ سے ختم ہی کر دیا جاتا۔ اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کے خلاف تمسک کرنا بھی زیادتی ہے۔ مستند تبرکات اگر اپنی حد پر رکھے جائیں تو بلاشبہ برکات کا موجب ہیں ان کا استیصال بھی بے اعتدالی ہے اور فرضی تبرکات کو عوام کے سامنے ایک تماشہ بنائے رکھنا بھی ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

www.besturdubooks.net

25

(۸۲۴) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَ يَقُوْلُ اِنِّىْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَ لَا تَضُرُّ وَ لَوْلَا اَنِّىْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ. (متفق علیہ)

(۸۲۴) عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے دیکھا وہ بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

---

(۸۲۴) ✱ یہ پتھر کتنا ہی متبرک پتھر سہی' جنت سے آیا' زمین میں یمین اللہ کہلایا' نہ معلوم کتنے انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام نے اس کو بوسے دیئے' اور نہ معلوم کیسے کیسے خواص کا وہ حامل بھی ہے۔ مگر ان سب اوصاف کے باوجود وہ نبی عربی (فداہ ابی و امی) کے ایک زیر تربیت صحابی کی نظر میں ایک پتھر ہی رہا۔ دیکھو یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جو غیر مستند تبرک کی تو جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نیا معاملہ کرنا پسند نہیں فرماتے جو بڑھ کر آئندہ کسی ادنیٰ فتنہ کا موجب ہو سکے اور پھر یہی وہ ہیں جو ایک مستند پتھر کے سب سے بڑے محافظ بنے ہوئے ہیں' یہ اس کو بوسہ تو دیتے ہیں مگر اس کی بے جا تعظیم کے جذبہ میں نہیں بلکہ رسول عربی کے والہانہ اتباع کے جذبہ میں اور اپنے اسی محبانہ انداز میں اپنی زبان سے ایسے توحید الٰہی سے لبریز کلمات بھی ادا فرماتے جاتے ہیں جن کے بعد امت کے کسی بوسہ دینے والے کی نظر میں اس پتھر میں اتباع رسول کے سوا اور کوئی کشش ہی باقی نہیں رہتی۔

ہم ایک بار پہلے بھی تنبیہ کر آئے ہیں کہ مناسب انداز میں کسی حقیقت کا اظہار توہین شمار نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حجر اسود ایک بہت بڑا متبرک پتھر ہے' اس کی تقبیل بڑی سعادت اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کے لیے جذاب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس میں نفع وضرر رسانی کی کوئی ادنیٰ طاقت بھی نہیں ہے اس لیے اس کی ذات سے ان اوصاف کا سلب کرنا ہرگز اس کی توہین شمار نہیں ہو سکتی۔ ہاں ان کلمات کا بلا داعیہ اور بلا سبب یونہی مشغلہ لگائے رکھنا بھی فعل عبث ہوگا لیکن یہی اگر اپنے گردوپیش کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے ہوں تو بے شک برمحل اور ضروری بھی ہے۔

www.besturdubooks.net

25

النفاق و اقسامہ

اسلام کی تاریخ میں ایک گروہ انتہاء درجہ خطرناک گذرا ہے جس کو منافق کہا جاتا تھا- کفار تو اسلام کی دشمنی کھلم کھلا کر کے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے اور یہ مار آستین بن کر اندر ہی اندر اس کی جڑ کاٹنے کی فکر میں لگے رہتے- بظاہر تو وہ سب کچھ کرنے کو تیار نظر آتے جو مخلصین صحابہ کرتے، مگر بباطن اسلام کی بیخ کنی میں کھلے کافروں سے بھی دس قدم آگے رہتے- حافظ ابن تیمیہؒ (کتاب الایمان میں) لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کفار چونکہ پورے اقتدار و طاقت کے مالک تھے اس لئے یہاں تو انھیں اسلام کی برملا دشمنی سے کوئی امر مانع نہ تھا- لیکن مدینہ طیبہ میں آ کر جب اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو اب پہلے کی طرح علی الاعلان دشمنی کرنے کا ان کو حوصلہ نہ رہا اس لئے اب عداوت کی شکل بدل دینی پڑی اور یہیں سے نفاق کی بنیاد قائم ہوگئی- یعنی بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہنا اور اندرونی طور پر کافروں کا ہمنوا ہونا- جب مسلمانوں میں آ بیٹھنا تو ان کی سی باتیں بنا دینا اور جب کافروں میں جانا تو اپنا قلبی رجحان ان کے ساتھ ظاہر کرنا- اس جماعت کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت ''المنافقون'' نازل فرمادی گئی اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں ان کی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا-

تعجب ہے کہ اتنی تفصیلات کے باوجود اس جماعت کی صحیح تنقیح و تشخیص میں کیسی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں کسی نے تو یہ خیال کرلیا کہ یہ جماعت مسلمانوں کی ہی ایک جماعت تھی اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتی تھی البتہ ان کے ایمانوں میں کامل مؤمنین کا سا جذبہ نہ تھا اور کسی نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کافروں کی کوئی جماعت تھی جو کہیں سے آ کر مسلمانوں کے بھیس میں جاسوسی کی خدمت انجام دیا کرتی تھی- یہ دونوں باتیں ایک واضح حقیقت کے مخفی رہ جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں- صحیح یہ ہے کہ یہ پکے کافروں کی جماعت تھی جو اپنے فطری جبن اور بزدلی کی وجہ سے نہ کھلم کھلا مقابلہ کی طاقت رکھتی تھی اور نہ اپنے قلبی کفر کے باعث کشادہ دلی سے اسلام قبول کرنے کی روادار تھی اور اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ اپنے آپ کو حقیقتاً مسلمان سمجھتی تھی منافقین کی اس تاریخ کو جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے قطعاً بدل دینے کے مرادف ہے یہ درست ہے کہ ان کی اولاد میں مخلص مؤمن بھی تھے مگر کیا کافروں کی اولاد میں کوئی مخلص مؤمن نہ تھا پھر گھر کے کسی فرد کے مخلص مؤمن ہو جانے سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جس کو منافق کہا گیا تھا وہ بھی مسلمان تھا اور اپنے نفس کو مسلمان ہی تصور کرتا تھا- حقیقت یہ ہے کہ منافقین نے کبھی دل سے اسلام قبول نہیں کیا' اور ہمیشہ اسی حقیقت کا وہ اپنی محفلوں میں اعلان کرتے رہے- اگر بالفرض وہ ایسا کر لیتے تو وہ کھلے ہوئے کفریات جو شب و روز ان کی زندگی کا مشغلہ بنے ہوئے تھے کیوں کر ان سے سرزد ہوسکتے اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ نفاق کی حقیقت کفر و ایمان کے درمیان ہے جس کی انتہا کفر تک بھی ہوسکتی ہے بلکہ وہ ایسے بغض ایمانی کا نام ہے جو ایسے زشت اعمال کا منشاء ہو کہ اگر وہ اعمال کسی مؤمن سے بھی سرزد ہو جائیں تو اس پر نفاق کی تہمت لگ جائے پس نفاق کی حقیقت ایمان و کفر کے درمیان نہیں بلکہ کفر سے بھی بالاتر ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم نے ان کا مقام دوزخ میں کافروں سے بھی نیچے بیان فرمایا ہے اور اسی لئے ان کی تفصیل میں بڑا اہتمام فرمایا ہے- تصدیق و اقرار ایمان کے دو رکن ہیں-

www.besturdubooks.net

اوران کے لحاظ سے یہاں عقلی طور پر بھی تین قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اگر دونوں موجود ہوں تو وہ مؤمن ہے اگر دونوں نہ ہوں تو کھلا کافر ہے۔ اگر صرف اقرار ہو اور تصدیق نہ ہو تو یہ منافق ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صورت صرف اسلام کی طاقت وشوکت کا نتیجہ تھی۔ وہی کفر جو مکہ مکرمہ میں علی الاعلان مقابل تھا اسلامی شوکت کے بعد اب اس صورت میں بدل گیا تھا۔ لہٰذا یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ یہ کافروں کا گروہ مسلمانوں میں کہیں باہر سے جاسوس بن کر آ گیا تھا بلکہ ان ہی کافروں کا یہ ایک بدنصیب گروہ تھا جو اپنے دیگر بھائیوں کی طرح اسلام قبول نہ کر سکا بلکہ برعکس کفر کے اسی قعر مذلت میں پڑا رہا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گروہ بھی کہیں باہر سے نہیں آیا تھا ان ہی میں سے پیدا ہوا تھا مگر یہ وہ خوش نصیب جماعت تھی جو قلب وقالب کے ساتھ آپ کی جاں نثار بنی اور آخر شرف صحابیت سے مشرف ہوگئی مگر جس کا ایمان صرف زبان تک رہا اور اس کا قلب بدستور کفر میں ڈوبا رہا وہ بدنصیب کافروں ہی کی صف میں کھڑا رہا جس نے خود ہی اپنے نفس کو کافروں میں شامل رکھنا پسند کیا ہو اس کو اسلام اپنے وفاداروں کی فہرست میں کیونکر شمار کرتا۔ پس نہ تو منافقوں کی جماعت کہیں باہر سے جاسوس بن کر آئی تھی اور نہ صحابہ کی جماعت کہیں باہر سے آپ کی ہمدرد بن کر آئی تھی بلکہ یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے جذبات اطاعت و وفاداری کے فرق سے ان ہی کافروں میں بن گئی تھیں جنھوں نے کسی قسم کی کوئی حرکت بھی نہ کی تھی وہ اب بھی اسی جگہ تھے جہاں آپؐ کی بعثت سے قبل کھڑے تھے ہاں آفتاب رسالت کے طلوع کے بعد ان کی ناحق شناسی کا جرم اب اور زیادہ قابل مواخذہ بن گیا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی کوئی اصلاحی تحریک پیدا ہوئی ہے تو اس فضا میں یہ تینوں قسم کے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ایک اس کو پوری طرح تسلیم کرنے والا' دوسرا پورا مد مقابل اور تیسرا وہ گروہ جو اندرونی طور پر اپنے خیالات کا حامل رہ کر صرف ظاہر میں شامل ہونے والا۔ یہ تیسرا گروہ ہمیشہ دوسرے سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ تو کھلا ہوا دشمن ہوتا ہے اور یہ دوست نما دشمن۔ اسلام ایک ایسے مضبوط و مستحکم عقد کا نام ہے جس میں جزم واعتقاد کے لحاظ سے ذرا بھی تردد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس اعتقاد کا یہ عالم ہو کہ اس میں ہمہ وقت تردد ہی تردد رہے اس کو اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ قلب عداوت سے معمور ہو اور جو بظاہر نمائشی انقیاد ہو اس میں بھی تذبذب' کسل مندی' ریاکاری اور فتنہ پردازی کے آثار کھلے طور پر نمایاں ہوں۔ ایسے ایمان کو کمزور ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کا نام کفر ہوگا جس کا رخ ایمان کی طرف کہا جا سکتا ہے' اگر سعادت دستگیری فرمالے تو ہو سکتا ہے کہ اس ریب وتردد کے عالم سے نکال کر یقین کی طرف رہنمائی فرمادے اور اس وقت اس کا نام ایمان بن جائے گا۔

اب رہی وہ خامی جو قلبی جزم ووثوق حاصل ہو جانے کے بعد ظاہری اعمال میں نظر آتی ہے تو وہ بھی یقیناً ایک بڑی خامی اور بڑی کوتاہی ہے لیکن یہ خامی وہ نہیں جس کے لئے مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہ نکل سکتی ہو۔ ایسے مسلمانوں کو دشمن کی صف میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ کہ اس کی سیہ کاری کی نوبت یہ آ جائے کہ پھر اس کی قلبی تصدیق بھی مشکوک نظروں سے دیکھی جانے لگے۔ اس لئے منافقین حقیقت کے لحاظ سے کوئی تیسری جماعت نہ تھے وہ کافر ہی تھے مگر انھوں نے اسلام کا صرف ایک لفظ ڈال لیا تھا قلب ان کا بیمار تھا البتہ ان کی زبانیں تندرست نظر آتی تھیں۔ اسلامی صحت کے آثار یہ ہیں کہ قلب وجوارح سب ہی اسلامی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔ قلب کے بیمار پڑ جانے کے بعد صرف جوارح کی صحت قطعاً کارآمد نہیں ہو سکتی چونکہ منافق کا ایک رخ

www.besturdubooks.net

ہمیشہ تندرست نظر آتا ہے اور دوسرا اصل باطنی رخ آفت زدہ ہوتا ہے اس لئے اس کا مرض بھی ظاہری صحت کی وجہ سے ادراک میں نہیں آتا اس لئے قرآن کریم نے ان ظاہری تندرستوں کی بیماری پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے "فی قلوبھم مرض" ان کی بیماری ان کے قلوب میں ہے[1] اور جب قلب بیمار ہو تو ان کے جوارح کی سلامتی بے سود ہے۔ اب حسب ذیل آیت کو پڑھئے:۔

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ. (المنافقون : ۱)

اے پیغمبر جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو (آپ کو خوش کرنے کے لئے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم دل سے قائل ہیں کہ آپ بیشک خدا کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسول ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ کہتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بات خوب واضح کردی گئی ہے کہ منافقین ظاہر میں جتنے کٹر مسلمان بنتے ہیں اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ باطن میں اتنے ہی کٹر کافر ہیں اگرچہ ان کا دوسرا رخ یعنی جسم کتنا ہی تندرست نظر آئے۔

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ. (المنافقون : ۴)

(اے پیغمبر) اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری ڈیل ڈول آپ کی نظروں میں کھپ جائیں اور بات کریں تو (اس فصاحت سے) کہ آپ بڑے ذوق شوق سے اس کو سنیں (آپ کے سامنے اس طرح ٹیک لگا لگا کر بیٹھتے ہیں گویا کہ وہ لکڑیوں کے کندے ہیں جو دیواروں کے سہارے لگے رکھے ہیں۔ ہر ایک زور کی آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان ہی پر بلا آئی (آپ کے جانی دشمن) یہی ہیں تو آپ ان سے بچتے رہیے ان کو خدا کی مار کدھر بہکے جا رہے ہیں۔

آیت مذکورہ میں ھم العدو فاحذرھم (آپ کے دشمن یہی ہیں ان سے بچتے رہئے) کے الفاظ ان کا باطنی نقشہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ سورۂ توبہ میں یہ بات اور صاف کردی گئی ہے کہ یہ گروہ ہرگز مسلمان نہ تھا صرف خوف اور ڈر کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے باتیں بنا دیتا تھا۔

وَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ وَ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَ لٰکِنَّھُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ. (التوبۃ : ۵۶)

خدائے تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں کے ہیں حالانکہ وہ تم میں نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ تم سے ڈرتے ہیں۔ (اس لیے ایسی باتیں بنا دیتے ہیں)

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے:

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا

تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کرلیں حالانکہ اگر یہ واقعی مؤمن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا

---

[1] قاضی بیضاویؒ اس متن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ونفوسھم کانت مؤوفۃ بالکفر و الاعتقاد و معاداۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اس جماعت کے قلوب کفر اور اعتقادات بد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کے مریض تھے۔

www.besturdubooks.net

مُؤْمِنِيْنَ. (التوبة : ٦٢) زیادہ حق دار ہے کہ اسے راضی رکھیں-

سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں یہ تصریح ہے کہ منافقوں کا یہ نسیانی ایمان بھی محض خداع اور مسلمانوں کے ساتھ ایک قسم کا فریب تھا- سورۂ منافقون میں بھی ان کی جھوٹی قسموں کا یہی منشاء بیان فرمایا گیا ہے اتخذوا ایمانھم جنة. انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے صرف ایک ڈھال بنایا ہے پھران کے مکروفریب کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان سے تجاوز کر کے خدائے تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والسرائر تک بھی چلا جاتا تھا بلکہ اس جہاں سے گذر کر محشر تک رہے گا-

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ. (النساء : ١٤٢)

منافق لوگ اللہ تعالیٰ سے دغا بازی کرتے ہیں اور وہی ان کو دغا کا بدلہ دے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے ہوئے صرف لوگوں کے دکھانے کے لیے-

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ. (المجادلہ:١٨)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو (قیامت میں) اٹھائے گا تو اس دن بھی وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں-

اب رہے ان کے ظاہری اعمال تو ان کی بنیاد بھی ایقان واذعان پر نہ تھی بلکہ اپنے ظاہری نقاب کی صرف ایک پاس داری تھی-

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ. (التوبة : ٥٤)

ان کی خیرات قبول نہ ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور نماز کو آتے ہیں تو بس الکسائے ہوئے اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بس مجبور ہو کر بے دلی سے-

اس آیت میں اس امر کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان کی ظاہری نماز اور ان کے ظاہری صدقات کی طرف نظر نہ کرنی چاہیے وہ محض بے روح ہیں وہ نمازوں میں تمہارے ساتھ چلے تو ضرور آتے ہیں مگر طوع ورغبت سے نہیں بلکہ صرف نمائش کے لیے- یہی وجہ ہے کہ جن نمازوں میں کھسک سکتے ہیں کھسک جاتے ہیں جیسے عشاء وفجر ہے وہ صدقے بھی ضرور دیتے ہیں مگر محض بہ جبر ان کی نمازیں جو اسلام کا سب سے بڑا عمل ہیں ذکر کی روح سے قطعاً معریٰ ہوتی ہیں- ان میں ذکر اللہ کا صرف اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا تم کو ان کے ظاہری رکوع وسجود میں نظر آتا ہے مگر ان کے باطن میں کوئی روح نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں- ان کے اس کفر کو حسب ذیل آیت میں اور زیادہ شد ومد سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے-

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (توبة : ٨٠)

آپؐ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں کیونکہ) اگر آپؐ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں جب بھی خدائے تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فاسق قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کیا کرتا-

www.besturdubooks.net

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ. (التوبة : ٨٤)	ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔

ان آیات میں ان کا قلبی کفر جو جس تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے حتیٰ کہ آپ کی اس پیغمبرانہ دل سوزی کو جو ان کے ساتھ رہ رہ کر پیدا ہوتی تھی اس طرح ختم کیا گیا ہے۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ. (التوبة : ٨٤)	آپ کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ آپ ان سے راضی ہو جائیں تو اگر آپ ان سے راضی بھی ہو جائیں جب بھی اللہ تعالیٰ یقیناً فاسق قوم سے راضی نہیں ہوگا۔

سورۂ توبہ میں ان کے صدری مکنونات اور جبلی خصائل کی اور زیادہ تفصیل کی گئی ہے اور ان کی علامات خوب کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ جہاد کے موقعہ پر ہچر مچر کرنا تا امکان اس میں شریک نہ ہونا اور اگر شرکت کی نوبت آ ہی جائے تو اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور فتنہ پردازی کے سوا کچھ نہ ہونا۔ نمازوں میں ست اور اعتراض کرنے میں بڑے چست۔ نہ مسلمانوں کو چھوڑیں نہ خدا کے مقدس رسول کو بخشیں' بڑے باتون' دوطرفہ باتیں ملانے والے' پرلے درجہ کے جھوٹے اور وعدہ خلاف انتہا درجہ کے بزدل اور ڈرپوک ان کے دلوں کو دیکھو تو ان میں ہمہ وقت تردد و شک کی کھٹک' مگر کفر پر اسی طرح اڑیل۔ اس تمام سورت میں جو چیز ان کی زیادہ تر روشن کی گئی ہے وہ ان کا اندرونی کفر اور خدا و رسول اور جماعت اسلام کے ساتھ ان کا بغض و عداوت ہے۔ یہ کچھ ایسے امور نہ تھے جن کو قرآن کریم نے ان کے سر الزام کے طور پر لگایا ہو بلکہ اپنی اس پالیسی کو خود بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اسی لیے برابر ڈرا کرتے تھے کہ کہیں اس پالیسی کا راز فاش نہ ہو جائے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ. (التوبة : ٦٤)	منافق اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ مبادا پیغمبر کے ذریعہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کا راز فاش کر دے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ وہ بات ظاہر کر کے رہے گا جس کا تم کو ڈر ہے۔

بالآخر کو ان کا یہ خوف سامنے آ گیا اور سورۂ توبہ میں ان کے قلبی کفر و عناد کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی اس کے بعد ان کے جتنے حیلے بہانے تھے سب مردود قرار پائے۔ اسی لیے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بھی رکھا گیا ہے۔

قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ. (التوبة : ٩٤)	آپ کہہ دیجئے معذرت کی باتیں نہ بناؤ اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ منافقین اور کافروں کو ایک ہی صف میں شامل رکھا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ باطنی لحاظ سے یہ کوئی جدا گروہ نہ تھا بلکہ یہ وہی کافر تھے جو اپنی دورخی پالیسی نبھانے اور دوطرفہ نفع حاصل کرنے کے لیے بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی لگے رہا کرتے تھے۔

www.besturdubooks.net

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ. (التوبۃ : ۷۳)

اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَ الْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا. (النساء : ۱۴۰)

اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا۔

پھر خاص منافقین کے حق میں ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (النساء : ۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ کہنا کتنا سخت مشکل ہے کہ منافقین کا گروہ کافروں کا گروہ نہ تھا بلکہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی ایسا متوسط گروہ تھا جو تھا تو درحقیقت مسلمان مگر ان کا کچھ رجحان کفر کی طرف تھا ہاں اگر اس لحاظ سے ان کو متوسط کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے لحاظ سے نہ مسلمان کہلانے کے قابل تھے نہ کافر تو بجا ہوگا کیونکہ ان کے ظاہر کا ایک رخ اگر مسلمانوں کے ساتھ رہتا تھا تو ان کے باطن کا دوسرا رخ کافروں کے ساتھ رہا کرتا تھا اسی کو قرآن کریم نے ان کے تذبذب سے ادا کیا ہے۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ. (النساء : ۱۴۳)

درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف۔

اس آیت میں ان کی عملی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہ ان کے اعتقادی پہلو کا اور جب کہ اسی آیت کے شروع میں یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کو بھی دھوکا دیتے ہیں تو پھر ان کے اعتقاد میں بھلا کیا تذبذب ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں یہ پوری وضاحت موجود ہے کہ ادعاء اسلام سے ان کا مطمع نظر اپنی جان و مال کی حفاظت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی نکتہ کی بنا پر قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ان کے حق میں لفظ اسلام کا اطلاق آ گیا ہے اس کے ساتھ ہی فوراً ان کا کفر بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ صرف اس ظاہری اطلاق کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا شبہ نہ کر لیا جائے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ. (منافقون : ۳)

یہ اس لیے کہ پہلے وہ ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔

وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ. (توبہ : ۷۴)

اور انہوں نے اسلام لانے کے بعد پھر انکار کیا۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جب منافقین اپنی زبانوں سے کلمہ اسلام پڑھتے تھے' نمازوں میں بھی شرکت کر لیتے تھے اور زکوٰۃ بھی دے دیتے تھے تو ان ظاہری اعمال کے لحاظ سے ان کی طرف اسلام کا انتساب بھی صحیح تھا لیکن جب قرآن کریم نے ان کے کفر باطن کی وجہ سے ان کو مشخص اور معین طور پر کافر قرار دے دیا تو اب ان کے کفر میں کسی کو کیوں تامل ہو۔ لیکن کسی کے باطن کا علم چونکہ

www.besturdubooks.net

ہم کو نہیں ہو سکتا اس لیے ہم کو حق نہیں کہ ہم کسی کے ظاہر کو متہم کریں۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ فرماتے تھے کہ آئندہ اب کسی پر یہ حکم نہ لگایا جائے نزولِ وحی کا زمانہ بالکل جدا تھا اس وقت وحی الٰہی جس کے متعلق نفاق کا حکم لگا دیتی تھی لگ سکتا تھا اب معاملہ صرف ظاہر پر رہے گا جو اسلامی احکام ادا کرے گا مسلمان ہوگا اور جو اس سے منحرف ہوگا کافر شمار ہوگا۔ قلبی حالت کا نہ ہم کو علم ہو سکتا ہے نہ اس بنا پر کسی پر کوئی حکم لگایا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تعجب ہے کہ جس جماعت میں کفار بد اندیش کی ساری ہنگامہ آرائیاں نظر آ رہی ہوں' اسلام کے برخلاف ان کے منصوبے برابر چلے جا رہے ہوں' خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء' ان کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کرنی ان کا اہم پروگرام ٹھہر چکا ہو' ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے قدم اکھاڑنا ان کی اسکیم میں داخل ہو' دشمنوں سے ساز باز کرنا ان کا مستقل نصب العین بنا ہوا ہو' راہ حق کی کسی قربانی میں وہ پورے نہ اترتے ہوں' اور اسلام کے ہر عمل میں ان کے قدم ہمیشہ لڑکھڑاتے ہوں' دین حق کے بارے میں ان کی زبانیں جھوٹی ثابت ہو چکی ہوں' عہد شکنی ان کا شعار بن چکا ہو' اور پے بہ پے تنبیہوں کے بعد بھی وہ متنبہ نہ ہوتے ہوں تو کیا صرف ایک زبانی کلمہ پڑھ لینے سے ان کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح دین اسلام کو بطور عقیدت قبول کر چکے تھے اور کیا صرف ان نمازوں کی وجہ سے' ان صدقات کی وجہ سے' جس کا منشا صرف نمائش اور اپنی جان و مال کی حفاظت ہو ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اسی تمام حقیقت کو قرآن کریم نے واضح سے زیادہ واضح طریق پر بیان فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نفاق کی حقیقت صرف ایک قسم کا ایمانی ضعف قرار دی جائے جو ترقی کر کے کفر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ یوں تو صریح کفر بھی شدت سے اترتے اترتے کبھی اسلام کی صورت قبول کر سکتا ہے اور بڑھتے بڑھتے شدید سے شدید تر بن سکتا ہے مگر کیا اس لیے کفر کو کوئی درمیانی حالت کہا جا سکتا ہے؟ کسی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منافقین کا ایمان صرف نمائش اور کذب و خداع کے سوا کوئی حقیقت بھی رکھتا تھا۔ ان کے باطن اور قلب کی وہ روئداد معلوم ہو جانے کے بعد جو قرآن کریم نے ذکر کی ہے ایک لمحہ کے لیے یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ اس اسلام کو اپنے خیال میں بھی اسلام تصور کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کو پرلے درجہ کا جھوٹا اور دھوکہ باز قرار نہ دیا جاتا۔ کذب و خداع یہ دو خصلتیں آج بھی مسلمانوں میں موجود ہیں مگر منافقین کے کذب و خداع میں بڑی بات باعث شناخت یہی تھی کہ انہوں نے اپنے ایمانوں کی بنیاد ہی ان پر قائم کر دی تھی اب یہ معمولی فریب و کذب نہ رہا تھا جس کا دائرہ باہمی فریب و کذب پر رہتا یہ خداع و کذب کی وہ صورت تھی جو خدا اور رسول کے ساتھ بھی پیدا کر لی گئی تھی۔ سوچنا چاہیے کہ جو صفات باہم مخلوق میں بھی انتہا درجہ خسیس شمار ہوں اگر ان کو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی جائز سمجھ لیا جائے تو ان کی شناعت کس درجہ پر جا پہنچے گی۔ ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب نفاق اتنی بدتر قسم کا کفر تھا تو حدیثوں میں اس کی علامات اتنی معمولی کیوں مقرر کی گئی ہیں آئندہ اپنے موقعہ پر اس سے زیادہ تفصیل آ رہی ہے۔

لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح ایمان و کفر کی قسمیں مختلف تھیں اسی طرح نفاق کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ جس طرح ایک ایمان کامل تھا اور دوسرا ناقص۔ پھر کامل ایمان کے بہت سے شعبوں کو بھی ایمان کہہ دیا گیا ہے یا جیسا کفر ایک وہ تھا جس کی

www.besturdubooks.net

جزاء جہنم میں خلود ہے پھر بہت سی نافرمانیوں پر بھی کفر کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح نفاق بھی چند قسم پر ہے ایک نفاق اعتقادی ہے اور وہی حقیقی نفاق ہے جس کا تذکرہ آپ ابھی سن چکے ہیں۔ پھر اس جماعت کے جو جو خصائل بد تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خصائل انسان کی امانت و دیانت کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اس لیے ان کو ایک لمحہ کے لیے بھی ایمان کے آثار نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اس کی اس غفلت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو بزدلی یا طمع دنیوی کے وجہ سے اس کے ایمان پر طاری ہو جاتی ہے پھر جتنی یہ غفلت غالب آتی جاتی ہے اتنا ہی ان افعال کا صدور بھی بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آ جاتا ہے کہ اس کے اعمال کی سطح پر منافقین کے اعمال کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور اس کا نقشہ عمل ٹھیک وہی ہو جاتا ہے جو ایک کھلے منافق کا۔ وہ بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور جھگڑے پر آمادہ ہوتا ہے تو حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتا یہاں تک کہ اس مسلمان کو اعمال ظاہری کے لحاظ سے منافقین سے کوئی بھی امتیاز باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ اس کے گوشہ قلب میں خدا اور رسول پر ایمان ہوتا ہے اور منافق کے قلب میں یہ بھی نہیں ہوتا لیکن قلبی شہادت ایسی شئے نہیں جو آنکھوں سے نظر آ سکے اس لیے حدیث تو کفر کے اطلاق کی طرح کبھی کبھی ایسے مسلمان کو منافق کہہ دیتی ہے لیکن فقیہ جس کا موضوع دنیوی احکام ملحوظ رکھنا ہے وہ اگر اس کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو اعمال کی شہادت اس کے برخلاف نظر آتی ہے اور اگر منافق کہتا ہے تو اس کا اندرونی ایمان اس کو اس خطاب سے مانع ہوتا ہے اس لیے وہ نفاق کی تقسیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ایسے نفاق کو نفاق عملی کہہ دیتا ہے۔ حدیث اس تفصیل کو پسند نہیں کرتی کہ اس تقسیم سے عملی نفاق کی ہیبت قلوب سے گھٹتی ہے۔ اشراک باللہ کے باب میں حدیث وفقہ کے اس تعبیری اختلاف کی تفصیل گذر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل نفاق تو وہی نفاق اکبر یا نفاق اعتقادی تھا لیکن جب دور انحطاط میں مسلمانوں کے اندر بھی منافقوں کی خصوصی صفات پیدا ہونے لگیں تو اصحاب اصطلاح نے ان کو عملی منافق کہہ دیا۔ پس نفاق اکبر تو یہ ہے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی توحید‘ رسول کی رسالت فرشتے اور حشر ونشر کا اعتقاد رکھنا مگر قلب میں اس کا پورا پورا انکار و انحراف مضمر ہونا۔ اسی حقیقت کو سورہ منافقون وغیرہ کی گذشتہ آیات میں ادا کیا گیا ہے اور یہی آپ کے دور کا نفاق تھا اسی کو قرآن کریم نے کفر کہا ہے اور درک اسفل کی وعید بھی اسی کے بارے میں آئی ہے۔

رہا نفاق عملی تو وہ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لفظوں میں انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے اس بنا پر جو شخص باطنی طور پر اسلامی عقائد کا معتقد ہو مگر ظاہری اعمال میں مقصر ہو اس کو عملی منافق کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کے برخلاف ہے‘ ہاں تنبیہ کے سیاق میں اس کو صاف منافق کہا جائے گا البتہ تحقیق کے موقعہ پر اس کے نفاق کو عملی نفاق سے تعبیر کیا جائے گا پھر جو تارک صلوٰۃ پر کفر کے اطلاق سے مقصد تھا وہی مقصد اس کے منافق کہنے سے رہے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس تعبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ صرف مصلحت ہی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے یقیناً اس کی بھی بڑی حقیقت ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ نفاق عملی کبھی کبھی نفاق حقیقی کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ بعض اوقات معصیتوں کا ارتکاب کرتے کرتے کفر حقیقی کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ آخر شجرۂ ایمانی اعمال ایمانی کی بجائے اعمال کفر کی آبیاری کے ساتھ ساتھ کب تک شاداب رہ سکتا ہے اس میں نفاق کی

www.besturdubooks.net

بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔

لغت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق ایک قسم کے فریب وخداع کا نام ہے منافق کی پوری کی پوری زندگی چونکہ اسی مذموم صفت کا مرقع ہوتی ہے اسی لیے اس کو منافق کہا جاتا ہے نفاق اکبر ہو یا نفاق اصغر لغت کی یہ حقیقت دونوں جگہ ٹھیک موجود رہتی ہے لیکن جب انسان فریب ومکر کی یہ چال خدا اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلنے لگتا ہے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اب یہ جرم ناقابل برداشت بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد سلف میں جب کبھی کسی کے متعلق فسادِ باطن کا شبہ پڑ گیا ہے تو اب اس کو ناقابل عفو مجرم سمجھ لیا گیا ہے۔ آخر حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بدری صحابی ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے ایک ذرا سے شبہ پر ان کے حق میں **دعنی اضرب عنق هذا المنافق** (مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں) کے سخت کلمات فرما ہی دیئے۔ اب اندازہ کیجئے کہ ان کی نظروں میں نفاق کا جرم کس درجہ کا سمجھا گیا ہوگا۔ اگر درحقیقت نفاق انسان کی صرف کسی کمزوری کا نام ہوتا تو کیا مسلمان کے حق میں ان کی یہ تعبیری شدت گوارا کر لی جاتی۔ جنگ کے میدانوں میں جب کبھی مقابل شدید سے شدید تہمت کے موقعہ پر بھی کلمہ اسلام پڑھ لیتے یا عملی طور پر صرف کوئی اسلامی علامت ظاہر کر دیتے تھے تو بارگاہ نبوت سے اسی وقت سر پر کھچی ہوئی تلوار کو نیچی کر دینے کا حکم صادر ہو جاتا تھا اور اگر کسی فرد نے کبھی لاعلمی میں اس طرزِ عمل کے خلاف کیا بھی تو اس کا کوئی عذر ہرگز مسموع نہ ہوتا تھا۔ ضعیف الاسلام افراد کے ساتھ جو طرزِ عمل عہد نبوت میں ثابت ہوتا ہے وہ تالیف قلوب کا ہے نہ کہ منافق کہہ کر ان کو دشمن کی صف میں شمار کرنے کا۔ پس منافقین کے معاملہ میں یہ سمجھ لینا کتنی مہلک غلط فہمی ہے کہ یہ جماعت مسلمانوں کی جماعت تھی لیکن ایمان ان کے حلق کے نیچے نہیں اترا تھا۔ اگر ان کا یہ ایمان اس درجہ پر آ چکا تھا کہ اس کو خدا اور رسول بھی ایمان کہہ دیں تو پھر اسی وقت سے ان کے ساتھ طرزِ خطاب بدل جاتا ہے وہ اسلامی آغوش میں آ جانے کے بعد اب ہرگز اس قابل نہیں رہ سکتے کہ ان کو کافروں کے ساتھ ساتھ مخاطب بنایا جائے اور اگر ان کا ایمان اس قابل نہ تھا تو اس کا نام کفر رکھ دینے میں پس وپیش کیا ہے اور کیوں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں منافق کی تلاوت قرآن کو نازبو کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی خوشبو بڑی خوشگوار ہوتی ہے مگر مزا بڑا ناگوار ہوتا ہے۔ اس تشبیہ میں یہی تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح نازبو کی ظاہری خوشبو اور مہک عمدہ ہوتی ہے مگر اس کا اندرونی ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اسی طرح منافق کی تلاوت کا رخ تو بڑا خوش نما نظر آتا ہے مگر اس کے باطن کا دوسرا رخ نازبو کی طرح سخت تلخ ہوتا ہے کسی پھل کی خوبی صرف اس کی خوشبو میں نہیں جب تک کہ اس کا ذائقہ بھی عمدہ نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اصل خوبی صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ باطن اور قلب کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے اگر قلب بیمار ہے تو ظاہر کی سلامتی بیکار ہے۔

کبھی کبھی حدیثوں میں اولوالعزم صحابہ کی زبانوں سے اپنے نفسوں پر بھی نفاق کے خطرہ کے الفاظ نظر آتے ہیں حالانکہ یہاں نفاق کے کسی قسم کا شائبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے کمال ایمانی اور اپنے اعمال کے پورے پورے محاسبہ کا ثمرہ ہوتا ہے جب ایک کامل مؤمن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے تو اس کو اپنی ہر حرکت وسکون پر یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ کہیں

www.besturdubooks.net

اس میں سر و علانیہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے اس لیے وہ اپنی ظاہری و باطنی صلاح و فلاح پر کبھی مغرور نہیں ہوتا وہ ہر ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے آخر اس سعی میں اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معیار کے مطابق ایک سجدۂ بے ریا کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف اس کو برداشت ہی نہیں کرتا کہ کسی عبد حنیف میں دو رخ باقی رہیں۔ اس کے باطن کا رخ کچھ اور ہو اور ظاہر کا کچھ اور، وہ اس کو ایک ایسی یک رنگی کی دعوت دیتا ہے جس کے بعد ظاہر و باطن میں سر مو اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی کو اس احسان کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جس کا تذکرہ آپ پہلے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں۔

جب انسان کے دماغ پر عالم ربوبیت کا یقین عالم شہود کی طرح مستولی ہو جاتا ہے تو پھر اپنے اعمال و نیات کو متہم کرنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے جہاں پہنچ کر وہ نماز جس کے عجز و نیاز میں کوئی ادنیٰ خامی رہ جائے ایک منافق کی نماز معلوم ہونے لگتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے **خشوع النفاق ان ترى الجسد خاشعا و القلب ليس بخاشع** ۔ پس انسان کا ایمانی کمال جس کو حدیث جبرئیل میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے ظاہر و باطن کی کامل یک رنگی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے جب اس میں یہ یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے تو اب جتنا اس کا ظاہر عجز و نیاز میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے اس کا باطن اس سے زیادہ اس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اپنے اہل و عیال میں جا کر ان کے قلب کا وہ رنگ نہیں رہتا جو آپؐ کی محفل تذکیر میں رہتا تھا تو ان کی نظر خشیت میں اتنا سا اختلاف بھی بشکل نفاق کھٹکنے لگا اور ان کو اس غیر اختیاری اختلاف کا شکوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتبہ احسان میں جتنا جتنا کمال میسر آتا جاتا ہے اسی کے بقدر یک رنگی کے شرائط بھی سخت تر ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور جس درجہ اخلاص و یک رنگی کی طبیعت متلاشی ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا **ما مضى مؤمن قط الا و هو من النفاق غيرا من و ما مضى منافق قط و لا يبقى الا و هو من النفاق امن** ۔ (کوئی مؤمن جو پہلے گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گذرتا ہو اور کوئی منافق جو گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو)۔ (جامع العلوم)

ایک شخص نے دیکھا کہ ابو الدرداء نماز سے فارغ ہو کر نفاق سے پناہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا بھلا آپ کو نفاق کا کیا خطرہ ہے انہوں نے بقسم فرمایا کہ آدمی اچھا خاصا مؤمن ہوتا ہے پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں اس کا دل پلٹ جاتا ہے اور وہ نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جامع العلوم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاقِ اصغر سے تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ نفاقِ اصغر پر اصرار سے نفاقِ اکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ تیس صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا

www.besturdubooks.net

رہتا تھا' ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ومیکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمانوں کی طرح خطرۂ نفاق سے مامون ہے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے قول وعمل کو ملاتا تو ہمیشہ مجھ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار پاؤں- امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گذرتا ہو اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے انہوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مؤمن ہوسکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو- (جامع العلوم)

ان جملہ اکابر کے پیش نظر یا تو نیات اور اعمال کی وہ باریکیاں تھیں جن میں سرمو اختلاف سے اچھے سے اچھا عمل ایک منافق کا سا عمل بن سکتا ہے یا قادر مطلق کی وہ طاقت تھی جس کے سامنے ایک مخلص کا قلبی منافق بن جانا کوئی دشوار نہیں ہوتا- بہر حال یہاں ان سب خطرات کا منشا کمال ایمانی تھا- نفاق کی کسی قسم کا یہاں کوئی محل نہ تھا- امام غزالیؒ نے انا مومن انشاء اللہ کے ضمن میں اس کی بڑی تفصیل فرمائی ہے- (دیکھو احیاء العلوم ص ۹۲ و ۹۳)

واضح رہے کہ نفاق عملی نفاق کی کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ جب منافقین کے اعمال مسلمانوں سے بھی سرزد ہونے لگے تو لاچار علماء کو نفاق کی تقسیم کردینی پڑی- وہی اعمال جو نفاق اعتقادی کے اثرات کہلاتے ہیں اگر تصدیق قلبی کے ساتھ بھی نظر آنے لگیں تو اسی کا نام نفاق عملی رکھ دیا جاتا ہے- پس اگر نفاق اعتقادی نہ ہوتا تو نفاق عملی کی یہ تعبیر ہی پیدا نہ ہوتی جیسا کہ اگر شرک وکفر حقیقی معنوں کے لحاظ سے نہ ہوتے تو ریاء وترکِ صلوٰۃ کو بھی شرک وکفر نہ کہا جاتا-

پس جس طرح کفر کی اصلی حقیقت کفر باللہ ہے اور کسی معصیت پر کفر کا اطلاق آجانے سے یہ حقیقت نہیں بدلی- اسی طرح اصلی نفاق اسی فساد باطن کا نام ہے اور چند مخصوص معاصی پر نفاق کے اطلاق سے اس کی حقیقت بھی نہیں بدلی' چونکہ نفاق حقیقی انسان کی ایک باطنی حالت کا نام ہے اس لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوت کے بعد اب کسی کو کسی کے باطن پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں رہا اس لیے یہ حکم لگانا عہد نبوت پر ختم ہوگیا ہاں نفاق عمل کا محاسبہ ہمیشہ جاری رہنے والی چیز ہے-

❀❀❀

www.besturdubooks.net

المنافقون في عهد النبي صلى الله عليه وسلم

(۸۲۵) حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ اَصْحَابِ هٰذِهِ الْآيَةِ (قَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ) اِلَّا ثَلَاثَةٌ وَ لَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اِلَّا اَرْبَعَةٌ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ اِنَّكُمْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُوْنَا لَا نَدْرِیْ فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَنْقُرُوْنَ بُيُوْتَنَا وَ يَسْرِقُوْنَ اَعْلَاقَنَا قَالَ اُولٰئِكَ الْفُسَّاقُ اَجَلْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ اِلَّا اَرْبَعَةٌ اَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهٗ.

(رواه البخاری و فی التفسیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

(۸۲۵) زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی زندہ نہیں رہا قاتلوا ائمة الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اور اسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں رہا۔ اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں ہم سے ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو کچھ سمجھ نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کر کر کے لے جانے والے لوگ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۲۶) عَنْ قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ اَرَأَيْتُمْ صَنِيْعَكُمْ هٰذَا الَّذِیْ صَنَعْتُمْ فِیْ اَمْرِ عَلِیٍّ اَرَأْيًا رَأَيْتُمُوْهُ اَوْ شَيْئًا عَهِدَهٗ اِلَيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهِدَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْهُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَ لٰكِنْ حُذَيْفَةُ اَخْبَرَنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ فِیْ اَصْحَابِیْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِيْهِمْ ثَمَانِيَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ وَ اَرْبَعَةٌ لَمْ اَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَةُ فِيْهِمْ. (رواه مسلم)

(۸۲۶) قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمایئے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا۔ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو۔ لیکن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے۔ آٹھ ان میں ایسے کٹر ہیں کہ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کے پشت پر ایک ہی پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لیے کافی ہو جائے گا۔ (ان کے شر سے حفاظت کے لیے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یعنی اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو جائے گی) اور چار کے متعلق مجھے یاد نہیں رہا شعبہ (راوی حدیث) نے کیا کہا تھا۔ (مسلم)

www.besturdubooks.net

(۸۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ اٰخِذًا بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُوْدُ بِهٖ وَ عَمَّارٌ يَسُوْقُ النَّاقَةَ اَوْ اَنَا اَسُوْقُهٗ وَ عَمَّارٌ يَقُوْدُهٗ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْعَقَبَةِ فَاِذَا اَنَا بِاِثْنَيْ عَشَرَ رَاكِبًا قَدْ اِعْتَرَضُوْهُ فِيْهَا قَالَ فَاَنْبَهْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فَصَرَخَ بِهِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانُوْا مُلْتَثِمِيْنَ وَ لٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ مَا اَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ اَرَادُوْا اَنْ يُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوْهُ مِنْهَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَبْعَثُ اِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ اِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا اَكْرَهُ اَنْ تَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا اَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰى اِذَا اَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِهِمْ. ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ اَحَدِهِمْ فَيُهْلِكُ.

(رواه البيهقي في كتاب دلائل النبوة و اخرجه ابن كثير في تفسير سورة البراءة)

(۸۲۷) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اس کو آگے سے کھینچ رہا تھا اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پیچھے پیچھے تھے یا معاملہ اس کے برعکس تھا - یہاں تک کہ چلتے چلتے جب ہم گھاٹی پر پہنچے تو دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ بارہ اشخاص اونٹوں پر سوار سامنے سے آرہے ہیں - میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے متنبہ کیا آپؐ نے ان کو زور سے آواز دی تو وہ پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا تم نے ان کو کچھ پہچانا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافقین تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا - ہم نے عرض کیا بھی نہیں - آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھاٹی میں گرا دینا چاہتے تھے - ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کی طرف کہلا بھیجئے تاکہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیں - آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو پھر وہ ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بددعا فرمائی خدایا! ان کو دبیلہ میں مبتلا فرما - ہم نے پوچھا یا رسول دبیلہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے -

(دلائل النبوۃ)

---

(۸۲۷) ٭ طبرانی نے مسند حذیفہ میں ان اصحاب عقبہ کے نام پر ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان منافقین کے حسب ذیل نام روایت فرمائے ہیں - معتب بن قشیر ودیعہ بن ثابت جد بن عبداللہ حارث بن یزید اوس بن قیظی حارث بن سوید سعد بن زرارہ قیس بن فہد سوید داعش قیس بن عمرو زید بن اللصیت سلالۃ بن الحمام - (تفسیر ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر و ممن حولکم من الاعراب منافقون کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں "و هذا تخصیص لا یقتضی انه اطلع علی اسمائهم و ...."

www.besturdubooks.net

(۸۲۸) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ تَكَادُ اَنْ تُدْفِنَ الرَّاكِبَ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا مُنَافِقٌ عَظِيْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْمَاتَ. (رواہ مسلم)

(۸۲۸) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آرہے تھے کہ اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کردے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ شریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مرگیا ہے۔

(مسلم شریف)

(۸۲۹) حَدَّثَنَا اِيَاسٌ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ قَالَ عُدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَوْعُوْكًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ وَ اللّٰهِ مَا رَاَيْتُ كَالْيَوْمِ رَجُلًا اَشَدَّ حَرًّا فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَشَدَّ حَرًّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَيْنِكَ الرَّجُلَيْنِ الرَّاكِبَيْنِ الْمُقَفِّيَيْنِ لِرَجُلَيْنِ حِيْنَئِذٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ.

(رواہ مسلم)

(۸۲۹) ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہا خدا کی قسم بخار میں اتنا جلتا ہوا شخص جتنا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتادوں جو روزِ محشر اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپؐ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔

(مسلم شریف)

(۸۳۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَقَامَ اِلَيْهِ فَلَمَّا وَ قَفَ عَلَيْهِ يُرِيْدُ الصَّلٰوةَ تَحَوَّلْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِيْ صَدْرِهٖ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَعَلٰى عَدُوِّ اللّٰهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ الْقَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا.

(۸۳۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی (منافق) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا گیا آپؐ تشریف لے چلے جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوئے تو میں آپؐ کے سامنے آگیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبداللہ بن ابی خدا کے دشمن پر بھی آپؐ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے (حضرت عمرؓ نے اس کے گذشتہ ایام کے کفریات سب گن گن کر

للہ .... اعیانھم کلھم" (ج ۲ ص ۳۸۴) اس تخصیص کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ نے ان کو جتنے منافقین بھی تھے سب ہی کے اسماء اور اشخاص بتا دیئے تھے۔

واضح رہے کہ جن روایات میں منافقین کی تعداد بارہ آتی ہے وہ خاص اس واقعہ میں شریک ہونے والے منافقین تھے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بعض مصنفین نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ یہ تعداد کل بڑے منافقوں کی تھی۔

www.besturdubooks.net

كذا و كذا يعدّد ايامه قال و رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يتبسّم حتّى اذا اكثرت عليه قال اخّر عنّي يا عمر انّي قد خيّرت فاخترت قد قيل لي استغفر لهم اولا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرّة فلن يغفر الله لهم لو اعلم انّي لو زدت على السّبعين غفرله لزدت ثمّ صلّى الله عليه و مشى معه فقام على قبره حتّى فرغ منه قال فعجب لي و جرأتي على رسول الله صلّى الله عليه وسلّم و الله و رسوله اعلم فو الله ما كان الّا يسيرا حتّى نزلت هاتان الاٰيتان و لا تصلّ على احد منهم مات ابدا و لا تقم على قبره الى اخره الاية قال فما صلّى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بعده على منافق و لا قام على قبره حتّى قبضه الله.

بتائے) راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے سنتے رہے اور مسکراتے رہے حتیٰ کہ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا عمر! جانے بھی دو جب مجھے دو باتوں میں اختیار دیا گیا ہے تو جو میرے لیے ان میں مناسب تھی وہ میں نے اختیار کر لی ہے (مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ خواہ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں- اگر آپ ستر بار ان کے لیے استغفار فرمائیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا) اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ضرور اس سے زیادہ استغفار کروں گا یہ کہہ کر آپؐ نے اس کی نماز پڑھا دی اور اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ بھی تشریف لے گئے اور اس وقت تک برابر قبر پر کھڑے رہے جب تک اس سے فراغت نہ ہوگئی- بخدا ابھی ذرا سا وقفہ ہی گذرا ہوگا کہ یہ دو آیتیں نازل ہوگئیں- **و لا تقم علی قبرہ** الآیۃ ... اس کے بعد آخری دم تک پھر نہ تو آپ نے کسی منافق کی نماز پڑھائی نہ کسی کی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے-

(رواہ الترمذی و ھو فی الصحیحین ایضا) (ترمذی)

(۸۳۱) عن ابن عمر قال جاء عبد الله بن ابيّ الى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم

(۸۳۱) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

---

(۸۳۰) * علماء کو یہاں یہ سخت اشکال گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی کھلی ہوئی حقیقت کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا ہے- امام الحرمین یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ہی نہیں- امام غزالیؒ اور داؤدیؒ جیسے علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے مقامات کا رمز شناس زمخشری جیسا شخص ہو سکتا ہے' علماء کرام یہاں اپنی علمی دقتوں میں ہی الجھے رہا کرتے ہیں- حقیقت یہ ہے کہ بلا شبہ ان امور کو آپؐ سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس انتہائی دل سوزی کی بنا جس کا جوش نبی کے سینہ میں ہوتا ہے- نبی قصداً الفاظ کی ظاہری گنجائشوں سے فائدہ اٹھا لینا چاہتا ہے وہ اپنی امت کے معاملہ میں دوسرے خلاف پہلو کو تا امکان ذہن میں لاتا ہی نہیں جب تک کہ الفاظ میں اس کے لیے آخری گنجائش بھی ختم نہ کر دی جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک ہمدرد وکیل آئین کی وسعتوں سے آخری حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں اور بڑھ کر چنانچہ اسی واقعہ میں جب صراحت سے ممانعت آ گئی تو پھر کسی واقعہ میں آپ کی نماز ثابت نہیں ہوئی-

(۸۳۱) * شارحین بخاری شریف نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر اس منافق کو دی ضرور تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا و ما يغني عنه قميصي و صلوتي من الله و الله اني كنت ارجوان يسلم به الف من قومه و روى انه اسلم الف من قومه لما رأوه يتبرك بقميص النبي صلى الله عليه وسلم. بھلا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ قمیص اور نماز ﷺ ....

www.besturdubooks.net

حِيْنَ مَاتَ اَبُوْهُ فَقَالَ اَعْطِنِيْ قَمِيْصَكَ اُكَفِّنْهُ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرْ لَهٗ فَاَعْطَاهُ قَمِيْصَهٗ وَ قَالَ اِذَا فَرَغْتُمْ فَاٰذِنُوْنِيْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يُّصَلِّيَ جَذَبَهٗ عُمَرُ وَ قَالَ اَلَيْسَ قَدْنَهَى اللّٰهُ اَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ فَقَالَ اَنَا بَيْنَ خِيَرَ تَيْنِ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَتَرَكَ الصَّلٰوةَ عَلَيْهِمْ.

(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح)

عرض کیا آپ اپنی قمیص مرحمت فرما دیں تو میں اپنے باپ کو اس کا کفن دے دوں اور اس کی نماز بھی پڑھائیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت بھی فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا قمیص دے دیا اور فرمایا جب اس کے غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دے دینا۔ جب آپؐ اس کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپؐ کو کھینچ لیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ممانعت نہیں فرمائی کہ آپؐ منافقین کی نماز پڑھائیں' آپؐ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں میں اختیار ملا ہے خواہ ان کے حق میں استغفار کروں یا نہ کروں یہ کہہ کر اس کی نماز پڑھا دی اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوگئی و لا تصل علی احد' الخ ...... پھر آپ نے منافقین پر نماز ترک فرما دی۔

(۸۳۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ كُنَّا فِيْ غَزَاةٍ قَالَ سفيان يرون انها غزوة بنى المصطلق فَكَسَعَ رَجُلٌ

(۸۳۲) عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ۔ غزوۂ بنی المصطلق تھا) کہ ایک مہاجر نے ایک

ﷺ ....اس کو کیا فائدہ دے سکتی ہے مجھے تو یہ امید تھی کہ اس عمل سے شاید اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب اس کی قوم نے آپؐ کی شفقت و رحمت کا یہ عالم دیکھا تو ہزار افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ ان تصریحات سے یہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل کس جذبہ کے ماتحت تھا۔ آپ اس کی قوم کے اسلام کی آس لگائے بیٹھے تھے یا یہ کہ درحقیقت اس کی مغفرت کے خیال میں تھے۔ حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپؐ کا خاموش رہے چلے جانا پھر آخر میں مسکرا دینا کیا اسی کی غمازی نہیں کررہا تھا کہ آپؐ یہاں ایک اہم مقصد کے پیش نظر محض آئینی وسعتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ عمرؓ اپنی طبعی حلاوت کی وجہ سے جس طرف مائل ہوئے ان کو اسی طرف مائل ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اس عمیق حکمت تک کہاں پہنچ سکتے تھے جس کا ظہور بعد میں ہوا اور جس کی بدولت ایک جماعت اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئی اسی کے قریب جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے بڑھتی ہوئی الحاح وزاری سے دردمند ہو ہو کر اور زیادہ الحاح وزاری سے آپؐ کو روک رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اتنے بے اختیار ہوئے چلے جاتے تھے کہ آپ کی ردائے مبارک بھی آپؐ کے شانوں سے گری جارہی تھی مقام نبوت والے ہی اس اضطراب کو یا اس واقعہ میں اتنے سکون کو پہچان سکتے ہیں۔

(۸۳۲) ✽ امام بخاریؒ نے ابواب المناقب کے باب ماینھی عنہ من دعوی الجاھلیة کے ضمن میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں اس مہاجر شخص کے متعلق یہ لفظ روایت کیے ہیں و کان من المھاجرین رجل لعاب شارحین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور ذرا مذاق کا مضمون تھا اور کسی نے لکھا ہے کہ یہ نیزہ گھمانا خوب جانتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا نام جہجاہ بن قیس لکھا ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح کرتے ہوئے ﷺ....

www.besturdubooks.net

مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ وَ قَالَ الْاَنْصَارِيُّ يَا لَلْاَنْصَارِ فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوْا رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَسَعَ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ ذَالِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ ابْنُ سَلُوْلَ فَقَالَ اَوَ قَدْ فَعَلُوْهَا لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِيْ اَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهُ وَ قَالَ عمرو فَقَالَ لَهُ اِبْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَ اللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اَنَّكَ الذَّلِيْلُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيْزُ فَفَعَلَ۔

انصاری کے لات ماردی اور اس پر مہاجر نے دوسرے مہاجروں کو جھگڑے کی دعوت دی اور انصاری نے دوسرے انصاروں کو آپؐ نے یہ غل شور سنا تو فرمایا یہ کیا زمانہ جاہلیت کی سی آوازیں آ رہی ہیں۔ لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر کچھ ہنگامہ برپا ہو گیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو۔ یہ قصہ کہیں عبداللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے کہا اچھا کیا مہاجر نے یہ فعل کیا ہے چلو ذرا مدینہ چلیں تو جو باعزت فریق ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ اس پر عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟ آپؐ نے فرمایا رہنے دو۔ کہیں لوگ یہ مشہور نہ کر دیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کر دیتا ہوں۔ عمرو بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ ابن ابی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا خدا کی قسم تو مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار نہ کر لے کہ تو ہی ذلیل ہے اور معزز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آخر اس نے اس کا اقرار کر لیا۔

(رواہ الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح)

(۸۳۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَاِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا

(۸۳۳) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ٹیلہ پر جس کا نام مرار ہے پہلے کون چڑھے گا کہ اس کے گناہ اسی طرح معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے قبیلہ بنی خزرج کے گھوڑے اس پر چڑھ گئے اس کے

ؒ ... امام خطابیؒ تعبیر فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب کھل جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا قلبی ایمان واذعان معلوم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار مقرر کیا جائے اب اگر منافقوں کے صرف باطنی کفر پر صریح کفر کے سے احکام لگا دیئے جاتے تو دشمنان دین کو یہ بدظنی پھیلانے کا موقع مل جاتا کہ مسلمان اسلام کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطن کا بہانہ لے کر جب چاہتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں اس لیے اسلام کی صریح حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان و مال کے محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ جب تک کسی کے ظاہری اعمال سے بھی کفر ثابت نہ ہو جائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے۔

www.besturdubooks.net

خَيلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَهُ اِلَّا صَاحِبُ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَاَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْلَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَ اللّٰهِ لَئِنْ اَجِدُ ضَالَّتِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَسْتَغْفِرَلِيْ صَاحِبُكُمْ قَالَ وَ كَانَ رَجُلٌ يَنْشُدُ ضَالَّةً لَهُ. (رواه مسلم)

بعد پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے آپ نے فرمایا مغفرت میں تم سب ہی شریک ہو گئے صرف وہ سرخ اونٹ والا شخص رہ گیا ہم اس کے پاس آئے اور ہم نے اس سے کہا چل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری بخشش کی بھی دعا کرا لیں۔ وہ بولا خدا کی قسم تمہارے اس صاحب کی مغفرت کی دعا سے میں یہ بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور مل جائے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنا جانور تلاش کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ (مسلم شریف)

(۸۳۴) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِيْ حَلْقَةِ عَبْدِ اللّٰهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ خَيْرٌ مِّنْكُمْ قَالَ الْاَسْوَدُ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فَتَبَسَّمَ عَبْدُاللّٰهِ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) وَ جَلَسَ حُذَيْفَةُ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ فَتَفَرَّقَ اَصْحَابُهُ فَرَمَانِيْ بِالْحَصَا فَاَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَجِبْتُ مِنْ ضِحْكِهِ وَ قَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ كَانُوْا خَيْرًا مِّنْكُمْ ثُمَّ تَابُوْا فَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

(رواه البخاری فی التفسیر)

(۸۳۴) اسود بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حذیفہؓ آ کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ سلام کیا اس کے بعد فرمایا (مطمئن رہنے کا مقام نہیں) نفاق ان لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے جو تم سے بہتر تھے (کیونکہ وہ عہد صحابہ میں تھے اور تم طبقہ تابعین میں ہو) یہ سن کر اسود نے از راہِ تعجب کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو منافقین کی شان میں فرماتا ہے ان المنافقین' الخ وہ دوزخ کے سب سے تحتانی طبقے میں ہوں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسکرائے۔ حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے اس کے بعد حضرت عبداللہؓ کی مجلس ختم ہو گئی اور ان کے شاگرد بھی متفرق ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری مار کر بلایا اور فرمایا مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسکراہٹ سے تعجب ہوا وہ میری مراد سمجھ گئے تھے۔ بے شک ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا لیکن آخر انہوں نے توبہ کی اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (پہلے حضرت حذیفہؓ نے بغرضِ تنبیہ صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرما دیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا۔ (بخاری شریف)

(۸۳۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰى اُحُدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَكَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى

(۸۳۵) زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احد کے لیے نکلے تو بعض منافقین جو آپؐ کے ساتھ آ گئے تھے واپس لوٹ گئے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں

---

(۸۳۴) * اس روایت سے بھی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ منافقین کے بارے میں سلف کا تصور کیا تھا۔

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ قَالَ بَعْضُهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ لَا فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ. (رواه مسلم)

ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں- اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی- تم کو کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہو گئیں- (مسلم شریف)

(۸۳۶) عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوْا عَنْهُ وَ فَرِحُوْا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَذَرُوْا اِلَيْهِ وَ حَلَفُوْا وَ اَحَبُّوْا اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ. (رواه مسلم)

(۸۳۶) ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپؐ کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپؐ واپس تشریف لے آتے تو آپؐ کے سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھا جاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام وہ نہیں کر سکے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی- جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ عذاب کی گرفت سے باہر ہیں-

(مسلم شریف)

النفاق العملی

عملی نفاق

(۸۳۷) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَاْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ. (متفق عليه)

(۸۳۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دو رخا ہو ان کے پاس آئے تو ان کی سی باتیں بنا دے اور ان کے پاس جائے تو ان کی سی باتیں بنا دے- (متفق علیہ)

(۸۳۸) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ. (رواه الدارمی)

(۸۳۸) عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دورخی باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی-

(دارمی)

---

(۸۳۸) * امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں- و اتفقوا علی ان ملاقاۃ الاثنین بوجھین نفاق - یہ متفق علیہ بات ہے کہ دوطرفہ باتیں بنانا نفاق کی خصلت ہے پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خصلت چغل خوری سے بدتر ہے کیونکہ چغل خوری تو صرف ایک دشمن کی بات دوسرے کے سامنے نقل کرنے کا نام ہے اور یہاں دوطرفہ ایک کی مخالف بات دوسرے کے سامنے نقل کرنی ہوتی ہے- اگر اس نے دو دشمنوں کے کلمات نقل تو نہیں کیے مگر ان کے مخالفانہ کلمات کو سن سن کر دونوں ہی کی تصدیق کرتا رہا اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا- الخ ....

www.besturdubooks.net

(۸۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّهُ قِیْلَ لَهُ اِنَّا نَدْخُلُ عَلٰی سُلْطَانِنَا فَنَقُوْلُ لَهُ بِخِلَافِ مَا نَتَکَلَّمُ اِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ کُنَّا نَعُدُّ هٰذَا نِفَاقًا. (رواہ البخاری)

(۸۳۹) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا ہم لوگ جب اپنے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو ان سے اور قسم کی باتیں بناتے ہیں اور جب ان کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں (اس اختلاف بیانی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں) انہوں نے فرمایا اس حرکت کو ہم ایک قسم کا نفاق شمار کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۸۴۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی

(۸۴۰) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس امت پر اگر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو باتیں

لله .... یا ہر ایک کے سامنے ان کی باہم دشمنی پر تعریف کرتا رہا یا ان میں سے ہر ایک کی مدد کا وعدہ کرتا رہا تو ان سب صورتوں میں اس کو ذوالوجہین اور ذواللسانین کہا جائے گا اسے چاہیے یا تو بسبب معذوری خاموش رہے یا ان میں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اس کے سامنے بھی، پس پشت بھی اور اس کے دشمن کے روبرو بھی۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۳۹) * امام بخاری نے کتاب الاحکام میں حدیث مذکور کو کسی قدر اور تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن رجب نے مسند امام احمد سے بروایت حذیفہؓ یہی مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے انکم متکلمون کلاما ان کنا لنعده علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم النفاق و فی روایة قال ان کان الرجل لیتکلم بالکلمة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یصیر بها منافقا وانی لا سمعها من احدکم فی الیوم او المجلس عشر مرات. تم آج ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہو جن کو ہم عہد نبوت میں نفاق شمار کیا کرتے تھے ایک روایت میں یہی مضمون اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جس کلمہ کو زبان سے نکالنے پر آدمی منافقوں میں شمار ہو جاتا تھا آج وہ دن ہے کہ اسی کلمہ کو ہم ایک مجلس میں تمہاری زبانوں سے دس دس بار سن لیتے ہیں۔ (جامع العلوم) اللہ اکبر کتنی جلدی زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا جو بات کل تک نفاق گنی جا رہی تھی آج وہ زبانوں پر بے محابا آ رہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں نفاق سے وہی ظاہر و باطن کا اختلاف مراد ہے پھر جس کا تقویٰ جتنا زیادہ تھا اس کی گرفت بھی اسی قدر باریک تھی سلف کے حالات کو اپنے حال پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے سامنے جا کر اس قسم کی باتیں بنانا اس وقت نفاق شمار ہوگا جب کہ ان کے پاس جانے کی اور ثنا خوانی کی کوئی مجبوری نہ ہو۔ اب اس شخص کا جا جا کر ان کی تعریفیں کرنا اور باہر آ کر مذمت کرنا یقیناً بلا حاجت ہے اور نفاق ہے۔ کیونکہ اس نے محض حب جاہ و مال کے لیے اپنے ضمیر کے خلاف تعریف کی اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حب مال و جاہ قلب میں نفاق کی اس طرح پرورش کرتے ہیں جیسا پانی سبزہ کی۔ یعنی دو خصلتیں انسان کو اس پر ابھارتی ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں جا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں بنائے اور نفاق میں گرفتار ہو لیکن اگر ان کے درباروں میں جائے بغیر گذر نہ ہو اور ان کی تعریف کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اب دفع شر کے قصد سے جو تعریف ہوگی وہ نفاق شمار نہ ہوگی۔ حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ ہمیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دانت نکال دینے پڑتے ہیں جن پر ہمارا دل لعنت کرتا ہے۔ سلف میں جہاں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ان کا دائرہ صرف ظاہری توجہ، مسکراہٹ اور کشادہ روئی کے اندر محدود ہے۔ صریح جھوٹ اور صریح تصدیق پھر بھی مکروہ عمل ہے۔ (احیاء ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۴۰) * حافظ ابن رجب نے اسی مضمون کو حضرت عمرؓ سے بالفاظ ذیل موقوفاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے منبر پر فرمایا لله .....

www.besturdubooks.net

هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلُّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَ يَعْمَلُ بِالْجَوْرِ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

بڑی پر حکمت بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔ (شعب الایمان)

(۸۴۱) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّوْنَ وَ الْيَوْمَ يَجْهَرُوْنَ. (رواہ البخاری فی الفتن)

(۸۴۱) حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے زیادہ بے حیاء ہیں۔ اس وقت کے منافق تو اپنا نفاق چھپاتے پھرتے تھے اور آج تو بے دھڑک ظاہر کرتے پھرتے ہیں (اور جنگ میں مقابلہ پر نکل آتے ہیں)۔ (بخاری شریف)

(۸۴۲) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَاِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ. (رواہ البخاری)

(۸۴۲) حذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر ختم ہو گیا اب ہم اس کو ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد شمار کریں گے۔ (بخاری شریف)

شعب النفاق

نفاق کے شعبے

(۸۴۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ يَغْزُوْا وَ لَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِّفَاقٍ. (رواہ مسلم)

(۸۴۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گذرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ (مسلم شریف)

(۸۴۴) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۸۴۴) ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ﷺ ..... تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس شخص کا ہے جو منافق علیم ہو لوگوں نے پوچھا منافق ہو کر پھر اس کو علیم بھی کہا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا اس کی باتیں بڑی پر حکمت ہوں گی مگر اس کا عمل حق کے خلاف ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ سے منافق کی تعریف میں منقول ہے الذی یصف الایمان و لا یعمل به. بلال بن سعد فرماتے ہیں المنافق یقول ما یعرف و یعمل ما ینکر ۔ (جامع العلوم والحکم) یہ سب عبارتیں ایک ہی مضمون کی مختلف تعبیرات ہیں ان سب میں جزیل الفاظ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہیں اور یہاں نفاق سے ان کی مراد نفاق عملی ہے۔

(۸۴۳) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوات ہی سے مؤمن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا۔ جو مؤمن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مؤمن کی شان یہی ہونی بھی چاہیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب آ چکی ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا نادر موقعہ اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ تڑپتا رہنا چاہیے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لیے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

(۸۴۴) ✱ عــی (جھجکنے) سے یہاں مراد وہ نہیں جو زبان میں کسی عیب کی وجہ سے پیدا ہو جائے بلکہ وہ ایک صفت ہے جس کی وجہ سے مؤمن بے خوفی اور بے باکی سے بات نہیں کرتا وہ اپنے ہر ہر لفظ کو کراماً کاتبین کے قلم کے تحت تصور کرتا ہے اور ایک ایک کلمہ سے خدائی محاسبہ کا ﷺ ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَاءُ وَ الْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَ الْبَذَاءُ وَ الْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ. (رواہ الترمذی)

شرم و کم سخنی اور جھجک ایمان کے دو شعبے ہیں اور بد زبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے۔

(ترمذی شریف)

(۸۴۵) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَ الْعَفَافَ وَ الْعِيَّ عِيَّ اللِّسَانِ لَا عِيَّ الْقَلْبِ وَ الْفِقْهَ مِنَ الْإِيْمَانِ وَ هُنَّ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَ يَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا يَزِدْنَ

(۸۴۵) عون بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی وساطت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلاشبہ شرم، پاک بازی، کم سخنی اور سمجھ یہ سب ایمان کی باتیں ہیں اور کم سخنی سے مراد لسانی اور زبانی طمطراق کا ترک کر دینا ہے قلبی ناقہمی نہیں (یعنی وہ کم سخنی نہیں جو نا سمجھی کی وجہ سے پیدا ہو) اور یہ تمام باتیں اُخروی ترقیات کا موجب ہیں اور دنیوی نقصان کا اور ان کا اخروی نفع ان کے دنیوی نقصان

ﷺ ...خوف رکھتا ہے وہ مجمع پر اپنے زور بیان سے چھا جانا نہیں چاہتا اس کے انداز گفتگو میں تواضع، الفاظ میں سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ غرض جب گفتگو کرتا ہے تو کسی تصنع کے بغیر بقصد حاجت گفتگو کرتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے کلام میں فصاحت نہیں ہوتی اس کا بیان غیر مرتب اور بے مغز ہوتا ہے اور اس میں کوئی رونق و جاذبیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ساری زیبائش و آرائش کے باوجود انتہاء درجہ مؤثر اور نہایت پر شوکت اور وزنی بھی ہوتا ہے اس کے خلاف وہ بیان ہے جس کا مقصد اظہارِ علم اور افہام خصم ہو، حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے دکھلانا ہو اور اپنے الفاظ کے طمطراق سے مخاطب کو صرف مرعوب کر دینا ہو اسی کو حدیثوں میں تقطع اور تشدق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بیان سرتاسر تصنع اور تکلف ہی تکلف ہوتا ہے۔قلوب میں اس کا فوری اثر تو ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے انقلابات بھی رونما ہو جاتے ہیں مگر ان سب کا وجود اسلام کی نظر میں وہ نفاق کا ایک شعبہ ہی رہتا ہے یہ وہ بیان نہیں جس کو سورۂ الرحمٰن میں '' علمه البيان'' میں بطریق امتنان فرمایا گیا ہے بلکہ وہ بیان ہے جس کی طرف غالباً و ان من البيان لسحراً - میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسی لیے حدیث مذکور میں بیان کے ساتھ بذاء کا لفظ اور عی کے ساتھ حیاء کا لفظ رکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں بیان سے وہ بیان مراد ہے جو انسان کی بے باکی اور بدزبانی کا اثر ہوتا ہے اسی طرح عی سے وہ کم سخنی مراد ہے جو انسان کی ایمانی حیاء کا اثر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مؤمن چونکہ شرمیلا ہوتا ہے اس لیے تڑاخ تڑاخ باتیں نہیں کرتا اور منافق چونکہ بے باک ہوتا ہے اس لیے بڑھ بڑھ کر بولنے سے نہیں جھجکتا امام ابن قتیبہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے حضرت ایوبؑ سے ان کے زمانہ ابتلاء میں کچھ عرض کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے یہ ارشاد فرمایا کہ تجھے خبر بھی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کو صرف اس کے خوف نے ساکت و صامت بنا رکھا ہے۔ نہ وہ گونگے ہیں، نہ ان کی زبانوں میں کوئی عیب ہے بلکہ بڑے فاضل، بڑے بولنے والے بڑے فصیح و بلیغ ہیں اور اللہ اور اس کی کرشمہ سازیوں کے بڑے عارف ہیں لیکن جب ان کے سامنے خدائی عظمت کا نقشہ آ جاتا ہے تو مارے خوف کے ان کے دلوں کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور ان کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ (تاویل مختلف الاحادیث ص ۳۸۲) پس نہ ہر بیان نفاق کا شعبہ ہے اور نہ ہر کم سخنی ایمان کا شعبہ۔ موارد مدح اور موارد ذم کو سمجھنا محض الفاظ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے کیفیات نفسانیہ اور مختلف حالات کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔ حدیث کے مطالب پر غور و خوض کرنے کے لیے آپ ہر جگہ اس دقیقہ پر نظر رکھیے۔ (دیکھو تاویل الاحادیث لابن قتیبہ ص ۳۸۳)

www.besturdubooks.net

فِی الْاٰخِرَةِ اَکْثَرُ وَ اَنَّ الْبَذَاءَ وَ الْجَفَاءَ وَ الشُّحَّ مِنَ النِّفَاقِ وَ هُنَّ مِمَّا یَزِدْنَ فِی الدُّنْیَا وَ یَنْقُصْنَ فِی الْاٰخِرَةِ وَ مَا یَنْقُصْنَ فِی الْاٰخِرَةِ اَکْثَرُ. (رواہ احمد)

سے زیادہ ہے۔ اسی طرح بدزبانی' درشت مزاجی اور بخل نفاق کی باتیں ہیں اور یہ چیزیں دنیوی ترقیات کا موجب ہیں اور اخروی نقصان کا اور ان کا اخروی نقصان ان کے دنیوی نفع سے زیادہ ہے۔

(احمد)

صفات المنافق

منافق کی صفتیں

(۸۴۶) عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَیِّئُهَا الرِّیَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَ تَعْدِلُهَا اُخْرٰی حَتّٰی یَاْتِیَ اَجَلُهٗ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِیَةِ الَّتِیْ لَا یُصِیْبُهَا شَیْءٌ حَتّٰی یَکُوْنَ اِنْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً. (متفق علیہ)

(۸۴۶) کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس پتلی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں اِدھر اُدھر گراتی رہتی ہیں اس طرف کی ہوا چلی تو ادھر دے پٹخا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یونہی رہا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جمے ہوئے چیڑ کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۸۴۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیْرُ اِلٰی هٰذِهٖ مَرَّةً وَ اِلٰی هٰذِهٖ مَرَّةً. (رواہ مسلم)

(۸۴۷) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو نر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔

(مسلم شریف)

---

(۸۴۶) * اس حدیث میں مؤمن و منافق کی کچھ قدرتی صفات مذکور ہیں اور ان کے اظہار سے مقصد مؤمن کی تسلی اور منافق کو انتباہ ہے مؤمن ساری دنیا کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور سارے جہان کو اپنا مدمقابل بنالیتا ہے پھر رحمت اس کی عملی کوتاہیوں کی طرح طرح سے مکافات کرتی رہتی ہے اس لیے وہ ہر طرف سے حوادث کی آماجگاہ بن جاتا ہے منافق کو نہ دنیا ستاتی ہے نہ وہ رحمت کے انتباہ کا اہل ہے اس کے لیے استدراج و امہال کا قانون ہے وہ ایک باغی کی طرح جب گرفتار ہوتا ہے تو ایک ہی سزا یعنی سزاء موت پالیتا ہے۔ سبحان اللہ کتنے مختصر کلمات ہیں مگر حقیقت سے کتنے لبریز اور عبرت سے کتنے بھرے ہوئے۔

(۸۴۷) * منافق ذلیل کی مثال اس بکری سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو نر کی تلاش میں بکھری بکھری پھرتی ہے اسی طرح یہ مادہ صفت بزدل جماعت کبھی اپنے نفع کی خاطر مسلمانوں میں اور کبھی کافروں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کا سارا نقطہ نظر صرف دنیا کا مال اور جان کی حفاظت ہوتا ہے مردوں کی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے اور عورتوں کی طرح دوسروں کی آغوش میں عافیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس مرض سے نفرت پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر تشبیہ اور کیا ہوگی۔

www.besturdubooks.net

(۸۴۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَ مَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَ اِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ عُوْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَ لِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا الْاَسْقَامُ وَ اللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا. (رواہ ابوداؤد)

(۸۴۸) عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ کامل مؤمن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے دیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کے لیے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لیے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفایاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ یہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا۔ حاضرین مجلس میں ایک شخص بولا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز، خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اس پر آپ نے فرمایا جا تو ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۸۴۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ. (رواہ النسائی)

(۸۴۹) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کرکر کے علیحدہ کر لیتی ہیں وہ بھی منافق ہیں۔ (نسائی)

(۸۵۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۸۵۰) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۸۴۸) ✱ اس حدیث کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث کعب بن مالک کا تھا اس میں بھی یہی سمجھایا گیا تھا کہ منافق کو دنیوی مصائب کی آنچ بھی نہیں لگتی۔ باطنی اسباب کے علاوہ یہاں کچھ ظاہری اسباب بھی اس کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ شرعی قیود ات اور آخرت کا غم مؤمن کے لیے ایسا بار بن جاتے ہیں جو اس کو ابھرنے نہیں دیتے منافق ان تمام غموں سے آزاد ہوتا ہے اس لیے اول تو بیمار ہی کم پڑتا ہے اور اگر پڑتا ہے تو عبرت پذیری کی اس میں کوئی روح نہیں ہوتی۔

یہاں اس شخص نے بڑی گستاخی کی کہ ایسے نازک مرحلہ پر جب کہ آپ کی محفل میں مؤمن و منافق کے امتیازات بیان ہو رہے تھے اپنے نفس میں خود منافقین کی صفت بیان کر دی مگر لسانِ نبوت سے پھر بھی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جا تو منافق ہے صرف اپنی غلطی کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اس محفل میں شمار نہ ہو سکا اب اگر یہ شخص کوئی منافق ہی تھا جب تو بات ظاہر ہے ورنہ پھر بھی بڑی محرومی رہی۔

(۸۴۹) ✱ جو عورتیں نکاح کے بعد بے وجہ خلع کرنے پر تیار ہوتی ہیں ان کا ظاہر و باطن بھی یکساں نہیں ہوتا۔ اگر وہ دل میں رضامند ہوتیں تو اب خلع کیوں کرتیں۔ یہی خصلت منافق کی ہے یہاں اس عمل کی مذمت ذہن نشین کرنے کے لئے مختلعات کو منافقات کا لقب دے دیا گیا ہے۔ مالک علی الاطلاق کے ساتھ فریب کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے اور جو اپنے شوہر کے ساتھ یہ چال چلے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شوہر کو شریعت میں کچھ مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں اب بھی عوام میں شوہر کو مالک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی تناسب سے شوہر کی حق ناشناسی کو حدیثوں میں کفر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ۔

(۸۵۰) ✱ حدیث مذکور سند کے لحاظ سے گو کوئی بڑا پایہ نہ رکھتی ہو مگر بلحاظ مضمون بہت جزیل ہے اور اس کے ہم معنی اعلیٰ درجہ کی اور حدیثیں بھی ملتی ہیں معتبر علماء نے بھی اس کی شرح میں کافی دلچسپی لی ہے۔ ﷲ....

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِنْ عَمَلِہٖ وَ عَمَلُ الْمُنَافِقِ خَیْرٌ مِنْ نِیَّتِہٖ وَ کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی نِیَّتِہٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا ثَارَ فِیْ قَلْبِہٖ نُوْرٌ۔ (رواہ فی الحلیۃ)

فرمایا مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے- جب مؤمن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے- (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لیے اس کا عمل بے نور رہتا ہے) (حلیہ)

علامات النفاق

نفاق کی نشانیاں

(۸۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْمُنَافِقِیْنَ عَلَامَاتٍ یُعْرَفُوْنَ بِهَا تَحِیَّتُهُمْ لَعْنَةٌ وَ طَعَامُهُمْ نُهْبَةٌ وَ

(۸۵۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی چند علامتیں ہیں جن کے ذریعہ سے وہ شناخت کیے جاسکتے ہیں- سلام کی بجائے ان کی زبانوں پر لعنت کا لفظ رہتا ہے- لوٹ کا مال ان کی

☆ ....امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان کی عبادات و طاعات کا تمام کارخانہ اس کے دو عملوں سے مل کر بنتا ہے- عمل جوارح اور نیت- یہ دونوں اس کے عمل ہیں' فرق صرف یہ ہے کہ نیت قلب کا عمل ہے اور ظاہری عمل اعضاء ظاہری کا اس کے یہ دونوں عمل اپنی اپنی حد پر موجب اجر ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہی بہتر شمار ہوں گے- لیکن اگر سوال ان دونوں میں افضل کے متعلق ہو تو حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ نیت اس کے عمل جوارح سے بہتر رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا جو اصل مقصد ہے اس میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی - مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہار عجز و نیاز ہے ظاہری ارکان اس کے لئے صرف ایک وسیلہ ہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا محکم علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف و صدمہ آپڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں اسی طرح جب کسی یتیم و مسکین کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت و نرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے- رکوع و سجود کا مقصد بھی صرف ان اعضا کو جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہے پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوسکتا پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہوا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت ہی باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو گئے اور اگر کہیں اس نے کسی کی نمائش دریا کی نیت کر لی تو اب معاملہ اور سخت ہو جاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عمل خیر معصیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ مؤمن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے- (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۶۳)

امام غزالیؒ کی اس شرح سے حدیث کے دوسرے جملہ کی شرح خود بخود روشن ہو جاتی ہے یعنی منافق انسان جو عمل خیر بھی کرتا ہے اس کی روح بس اتنی ہی ہوتی ہے جو ظاہر میں نظر آ رہی ہے لیکن اس کا عمل باطن یعنی نیت وہ بالکل بے روح ہوتا ہے- اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے اس عمل کا اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا- اس کے برخلاف مؤمن کے عمل سے اس کا قلب منور ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی امام غزالیؒ کے کلام سے معلوم ہوا-

(۸۵۱) ☆ معلوم رہے کہ روس منافقین کے کافر ہونے کے باوجود حدیثوں میں جب ان کی علامات ذکر کی گئی ہیں تو وہ صرف چند معاصی ہیں- اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق کی ظاہری سطح ہمیشہ مسلمانوں ہی کے ساتھ ملتی جلتی ہے- اگر اس کا کفر بالکل عریاں ہو جائے تو اس کو منافق ہی کیوں کہا جائے اس لیے اس کی علامات بھی از قسم معاصی ہی ہو سکتی ہیں- فرق اتنا ہے کہ یہ معاصی مسلمان سے تو اتفاقاً سرزد ہوتے ہیں اور منافق کی سرشت میں داخل ہوتے ہیں- ان معاصی کا خلاصہ- بد اخلاقی' مطلب پرستی' خیانت اور دین سے بیزاری ہے جب انسانی ☆....

www.besturdubooks.net

غَنِيمَتُهُمْ غُلُولٌ وَ لَا يَقْرَبُونَ الْمَسَاجِدَ إِلَّا هُجْرًا وَ لَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا دُبْرًا مُسْتَكْبِرِينَ لَا يَأْلِفُونَ وَ لَا يُؤْلَفُونَ خُشُبٌ بِاللَّيْلِ صُخُبٌ بِالنَّهَارِ. (رواه احمد و اخرجه الحافظ ابن كثير في تفسير سورة المنافقين)

خوراک ہوتی ہے' خیانت کا مال ان کا مال غنیمت ہوتا ہے' مسجدوں کے قریب نہیں آتے بجز بیہودہ بکواس کرتے ہوئے' اور نمازوں میں شریک نہیں ہوتے مگر سب سے آخر میں۔ اتراتے ہوئے' نہ خود کسی سے الفت رکھتے ہیں۔ نہ ان سے کوئی الفت رکھتا ہے' شب میں شہتیر کی طرح بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور دن میں شور مچاتے پھرتے ہیں۔ (احمد)

ﷺ .... اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو اس کی زبان گندی اور اس کی حرکات خفیف ہو جاتی ہیں جب اس میں امانت کا مضمون نہیں رہتا تو لوٹ کا مال اس کو مال طیب نظر آنے لگتا ہے اور خیانت کرنا اس کی نظر میں مال غنیمت کی طرح محبوب بن جاتا ہے جب اس میں مطلب پرستی کی خصلت سرایت کر جاتی ہے تو اس کے پیش نظر بجز اپنے مطلب کے اور کچھ نہیں رہتا' اس کے دل میں کسی سے الفت نہیں رہتی اور اس لیے دوسرے لوگوں کے قلوب سے بھی اس کی الفت نکل جاتی ہے۔ خود غرض انسانوں کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے اور جب قلب میں دین سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے تو نماز میں چستی باقی نہیں رہ سکتی۔ منافقین کی معاشی اور معادی زندگی کا یہ اتنا سچا نقشہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کا اس سے زیادہ نقشہ کھینچنا چاہے تو نہیں کھینچ سکتا۔ ان میں سے ایک ایک عمل تقاضاء ایمانی کے برخلاف ہے۔ ایمان امن اور امانت سے مشتق ہے وہ خیانت' خود غرضی اور ایذاء رسانی کو برداشت نہیں کرتا۔ رہا نماز کا معاملہ وہ تو اس کا ایسا عمل ہے کہ قرآن کریم میں اس کو ٹھیک ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ۔ اس میں سستی بھلا مومن سے کیسے ممکن ہے لیکن جس طرح خارجی اسباب کی بنا پر کبھی کبھی ایک مومن سے بھی کفر کے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی اس سے نفاق کے اعمال بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ ایسا مسلمان جو اپنی عملی زندگی میں کھلے منافق سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا حدیث کے الفاظ میں منافق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور جب کہ اس کا نقشہ عمل ٹھیک منافقوں کی طرح ہو تو وہ اسی کا مستحق ہے لیکن باطنی تصدیق رکھتا ہے اس لیے بلحاظ احکام اس کو اس منافق کے برابر بھی نہیں رکھا جا سکتا جس کا باطن تصدیق سے خالی ہے اس لیے فقہی تعبیرات یہاں مختلف ہو گئی ہیں۔ کسی نے اس کا نام نفاق عمل رکھا اور کسی نے اس کو نفاق اصغر کہہ دیا ہے۔

یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کسی کلام کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے ماحول کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس لیے ان احادیث کو بھی اسی ماحول میں پڑھیے جب کہ ایک طرف منافقین کی جماعت تھی جو ان مذموم خصائل میں از سرتا پا غرق تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی وہ جماعت تھی جو ان کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ نو مسلم یا غیر صحبت یافتہ جماعت زیر بحث آ ہی نہیں سکتی یہ طبقہ کچھ عرصہ بعد یا تو مہذب و مرتب ہو کر قدیم العہد مسلمانوں کی طرح بن چکا تھا۔ اگر اسلام ان کے حلقوم کے نیچے نہیں اترا تو وہ اپنا راستہ اختیار کر چکا تھا بہر حال مسلمانوں کا وہ گروہ جس کو اسلامی جماعت کہا جاتا تھا ان زشت اعمال سے اسی درجہ بیزار تھا جتنا کہ ان کو ہونا چاہیے ان حالات میں ان احادیث میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن ہمارے دور انحطاط میں جب ایک قدیم العہد مسلمان میں بھی یہ خصائل موجود نظر آنے لگے تو بلاشبہ اب معاملہ قابل بحث بن گیا اور نفاق اصلی اور عملی کی تقسیمیں کرنی پڑیں۔ اس سے غرض یہ نہیں کہ یہ تقسیم پہلے موجود نہ تھی بلکہ یہ مقصد ہے کہ سلف کی نظروں میں عملی نفاق بھی اصلی نفاق کی برابر نظر آتا تھا اس لیے وہ اس تقسیم کے قائل نہ تھے وہ اسلام کے خلاف اعمال میں ایسی تاویلات سوچنا ہی پسند نہیں کرتے تھے جن کی بنا پر ان اعمال کی اسلام میں کوئی گنجائش نکل سکے۔ ان کے نزدیک اسلام کے ساتھ بس اسی کے اجزاء ہونے چاہئیں اگر کفر و نفاق کی کوئی خصلت وہ کسی مسلمان میں دیکھ لیتے تو یہ ان کے نزدیک ایک غیر معقول صورت تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان میں وہی اعمال نظر آنے چاہئیں جس کا اسلام تقاضا کرتا ہو اس لیے ﷺ ....

www.besturdubooks.net

(۸۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ. (رواه البخاری)

(۸۵۲) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری شریف)

(۸۵۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَ

(۸۵۳) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں وہ تو پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک

ﷺ ....اس دور میں ایمان اور کفر و نفاق میں کوئی تقسیم نہیں تھی، وہ اسلام کے مجموعہ اعمال کو اسلام سمجھتے تھے اور کفر و نفاق کی ایک ایک خصلت سے انتہاء درجہ بیزار تھے تقسیمیں اور تاویلیں کرنا ان کے بلند مذاق کے خلاف چیزیں تھیں۔ اس قسم کی حدیثوں کا اصل منشا یہ تنبیہ کرنی ہے کہ مسلمان کے لیے یہ ہرگز بس نہیں کہ وہ اپنی زبان سے تو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتا رہے اور اس میں کھلے ہوئے منافق کی علامتیں پائی جائیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نفاق کی ایک ایک خصلت سے بیزار ہو اگر وہ اسلام کا مدعی ہے تو اپنے ظاہر و باطن میں پوری یک رنگی پیدا کرے اور نقشۂ عمل کو اتنا بدنما ہونے سے بچائے جسے دیکھ کر یہ حکم لگانا درست ہو کہ یہ ٹھیک ایک منافق کا نقشۂ عمل ہے۔

(۸۵۳) ✱ حافظ ابن رجب ... فرماتے ہیں کہ نفاق عملی اگرچہ صرف انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے جس کی بہت شکلیں نکل سکتی ہیں مگر ان کے اصول صرف پانچ ہیں: (۱) جھوٹ بولنا۔ (۲) امانت میں خیانت۔ (۳) وعدہ خلافی (۴) غصہ میں آ کر بے قابو ہو جانا۔ (۵) عہد کر کے غدر کرنا۔ (جامع العلوم)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین نے یہ تمام چالیں جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیامت تک کے لیے ان کے قلوب میں نفاق کا روگ پیدا ہو گیا ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴾ (التوبۃ : ۷۷) پس اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق کا روگ اس وقت تک کے لیے بیٹھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملیں (یعنی اب دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لیے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا اسے جان بوجھ کر پورا نہیں کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کا ثمرہ نفاق ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان جرائم میں زیادہ شدت اس لیے پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ان کا ارتکاب جائز رکھا بلکہ اپنی عادت بنا لیا اسی طرح ان کی بقیہ بداطواریاں بھی خدا اور رسول کے ساتھ رہیں جیسا کہ سورۂ براءۃ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات بھی خوب روشن ہو گئی کہ یہ جرم جن کی اہمیت بظاہر اتنی نہ ہونی چاہیے تھی اتنی اہم کیوں بن گئیں۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نفاق کی حقیقت دھوکا دہی اور فریب کاری اور ظاہر و باطن کا اختلاف ہے ان خصائل میں سے ہر ایک خصلت میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں پس اگر کسی شخص میں یہ ساری کی ساری خصلتیں بیک وقت جمع ہو جائیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ پورا پورا منافق ہوگا۔

ہم پہلے تنبیہ کر آئے ہیں کہ حدیث و قرآن میں بہت سے مقامات پر کفر لغت کے ہم معنی مستعمل ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے اسی طرح نفاق بھی حدیثوں میں لغت کے مترادف مستعمل ہے۔ نفاق اصلی ہو یا نفاق عملی حقیقت لغویت دونوں قسموں میں پوری پوری طرح ملحوظ ہے۔ اصلی منافقین کی فریب کاری کا پردہ تو خود قرآن کریم ہی نے چاک کر دیا ہے اور بہت سی آیتوں میں ان کے نفاق کی حقیقت بلفظ خداع ﷺ ....

www.besturdubooks.net

مَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ

خصلت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ

ﷺ .... (فریب) ہی ادا فرمائی ہے۔ رہ گئے وہ منافقین جنہوں نے خدائے تعالیٰ کو تو دھوکا دینے کا قصد نہیں کیا مگر اس کی مخلوق کو فریب دینے کا ارادہ کیا ہے ان کو حدیث نے لے لیا ہے نفاق کی یہ خطرناک قسم ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی اس کے بعد عہد نبوۃ کے منافقین کی کچھ علامات ملاحظہ فرمایئے۔ بعض وہ علامات جو سورۂ براۃ میں ذکر کی گئیں۔

(۱) ﴿وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (التوبة : ٤٢)
''قسمیں کھا کر کہیں گے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلتے (یہ قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں''۔

(۲) ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (التوبة : ٤٥)
''تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں''۔

(۳) ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ (التوبة : ٤٧)
''اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل) نکلتے تو تمہارے اندر سوائے خرابی کے کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے۔ (کہ ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی ادھر لگاتے)''۔

(۴) ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٠)
''اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آجائے تو ان منافقین کو بری لگے اور اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو کہنے لگیں اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں اور پھر گردن موڑ کر خوش خوش چل دیں''۔

(۵) ﴿وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٤)
''اور ان کا خرچ کیا ہوا مال قبول نہیں کیا گیا مگر صرف اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انکار کیا اور نہیں آتے نماز میں مگر کاہلی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ''۔

(۶) ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٧)
''اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا اور کوئی چھپ بیٹھنے کا کوئی سوراخ تو دوڑ کر اسی کا رخ کریں''۔

(۷) ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴾ (التوبة : ٥٨)
''اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں۔ پر خود ان کی (دون ہمتی) کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں نہ دیا جائے تو بس بگڑ بیٹھیں''۔

(۸) ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (التوبة : ٦٥)
''اگر تم ان سے پوچھو (ایسی کفری باتیں کیوں کرتے ہو) تو یہ ضرور جواب میں کہیں ہم نے تفریح اور مذاق کے طور پر ﷺ ....

www.besturdubooks.net

خان وَ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (متفق علیہ)
بولے جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو بے قابو ہو جائے۔ (متفق علیہ)

..... یہ بات کہی تھی۔ تم ان سے کہو کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے''۔

(۹) ﴿اَلْمُنَافِقُوْنَ وَ الْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ (التوبة : ٦٧)

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب باہم ایک ہیں۔ برائی کرنے کا اور اچھی باتوں سے روکنے کا حکم دیتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کھینچتے ہیں''۔

(۱۰) ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّا اٰتَاهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (التوبة : ٧٥)

''اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنا فضل (مال و دولت) عطا فرمادے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوں میں شامل ہونے کی سعی کریں گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فضل (مال) عطا فرمایا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے''۔

(۱۱) ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾ (التوبة : ٨٩)

''اور دراصل جو لوگ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مؤمنوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور جن مؤمنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں ان پر تمسخر کرتے ہیں''۔

آیات بالا سے جو نمبروار نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱ و ۲۔ جہاد کے موقعہ پر جھوٹی قسمیں کھا کر جان بچالینا۔
۳۔ اور اگر شریک ہوں تو ان میں فتنہ پردازی کی فکر رکھنا۔
۴۔ مسلمانوں کی خوشی میں ناخوش ہونا اور ان کی ناخوشی میں خوش ہونا۔
۵۔ نمازوں میں کاہلی سے شریک ہونا اور جب خرچ کرنا تو بے دلی سے مجبور ہو کر۔
۶۔ اپنی اس دورخی پالیسی کی وجہ سے ہر وقت ڈرے سہمے رہنا اور اس تردد میں پڑے رہنا کہ فتح و نصرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کیے گئے ہیں کہیں وہ پورے ہی نہ ہو جائیں جیسا کہ نمبر ۲ آیت سے ظاہر ہے۔
۷ و ۱۱۔ مسلمانوں اور خدا کے رسول پر نکتہ چینی کرنا پھر غرض کے ایسے بندے کہ ان کی خوشی و ناخوشی کا مدار صرف متاع دنیوی ہونا۔
۸۔ خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء اور جب تحقیق کی جائے تو مذاق و تفریح کا بہانہ بنا دینا۔
۹۔ ان کا اصل رشتہ تعلق منافقوں کے ساتھ ہونا امر بالمعروف کے بجائے بری باتوں کا حکم دینا اور بھلی باتوں سے روکنا۔
۱۰۔ خدا کے ساتھ عہد کر کے توڑ دینا۔

جب آپ ان خصائل پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ٹھیک وہی خصائل ہیں جو مسند امام احمد اور متفق علیہ حدیث میں پہلے آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ وہی دروغ گوئی، وہی وعدہ خلافی، وہی خود غرضی، وہی بد اخلاقی اور وہی خیانت کی باتیں جو آپ نے حدیثوں میں پڑھیں۔ ان آیات میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ بری خصلتیں اگر صرف انسانوں ہی کے درمیان ہوں تو کیا کم ہیں۔ چہ جائے کہ بندہ اور اس کے مولیٰ کے درمیان ہوں وہ جھوٹی قسمیں کھائے، وہ خدائے تعالیٰ سے وعدے کرے کہ اگر تو مجھ کو غنی کر دے تو میں تیری .....

www.besturdubooks.net

الکذب | دروغ گوئی

(۸۵۴) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهٗ وَيْلٌ لَّهٗ. (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

(۸۵۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کے لیے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کر دے اور ان کو ذرا ہنسا دے۔ (احمد۔ترمذی۔ابوداؤد۔دارمی)

(۸۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهٖ. (رواہ الترمذی)

(۸۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کلمہ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

(۸۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ اُمِّيْ يَوْمًا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۸۵۶) عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں

؎ ....راہ میں سخاوت سے خرچ کروں پھر اس وعدہ کو پورا نہ کرے اس درجہ خود غرض ہو جائے کہ صرف مال اس کی خوشی ناخوشی کا محور بن جائے عام مسلمانوں کی خوشی و ناخوشی سے کوئی واسطہ ہی نہ رہے اخلاق کی بدتری کی یہ نوبت آ جائے کہ خدا کے مقدس رسول اور اس کی مخصوص جماعت پر نکتہ چینی اور ان پر استہزاء و مذاق کی عادت پڑ جائے عبادات بدنیہ و مالیہ سے اتنی بے التفاتی کہ نہ یہ ادا ہو سکیں نہ وہ' مکر و فریب کا یہ عالم کہ ہر قربانی کے موقعہ پر جان چھڑانے کے لیے بہانہ بنا لے اور اگر پیچھا نہ چھوٹے تو پھر مسلمانوں کو جا کر طرح طرح بہکانا۔ منافقین کے یہ تمام خصائل خدا اور رسول اور عامہ مؤمنین کی اخروی زندگی میں اس طرح پھیلے رہے کہ پھر ان میں سے ایک ایک خصلت نفاق کی ایک ایک علامت بن گئی۔ یہاں یہ تفصیلات کیا کی جا سکتی تھیں کہ کس کا تعلق براہ راست خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور کس کا مخلوق کے ساتھ ہے یہ تو صرف نیت اور باطن کی بات تھی اس لیے صرف خصائل کو نفاق کی علامت قرار دے دیا گیا اور جس میں یہ سب خصلتیں جمع ہو جائیں اس کو تنبیہ کر دی گئی کہ اب اس کا نقشہ زندگی ٹھیک منافق کے برابر ہو گیا ہے اگر وہ مدعی ایمان ہے تو یہ نقشہ اس کے لیے مناسب نہیں۔

(۸۵۴) ٭ امراء اور بڑے لوگوں کے درباروں میں کچھ لوگ ظریف بھی مقرر ہوا کرتے تھے جن کے سپرد صرف یہی خدمت ہوتی تھی کہ وہ جھوٹ یا سچ بول کر ان کی محفل کو گرم کیا کریں۔ اسلام نے اس کو صرف ایک کذب ہی کا مرتبہ نہیں دیا بلکہ انسانیت اور اخلاق سے گری ہوئی بات قرار دی ہے کہ ایک انسان صرف اپنے جیسے انسان کی خاطر ایسی خفیف حرکات پر آمادہ ہو جائے۔

(۸۵۵) ٭ تلخی اور شیرینی کی طرح خوشبو اور بدبو بھی روحانیات کے عالم میں محسوسات میں سے ہیں ان کو مجاز اور استعارات پر حمل نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمت بلند کر کے وہ قدم اٹھانا چاہیے جہاں حاسہ شامہ کو وہ قوت میسر آ جائے کہ صدق و کذب کی خوشبو اور بدبو بھی عام خوشبو اور بدبو کی طرح محسوس ہونے لگے۔

(۸۵۶) ٭ اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان جیسے روزمرہ اور چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہیے جہاں صدق و کذب کا وہم و گمان بھی نہیں گذرتا۔ اسلام وہاں بھی زبان پر اپنا محاسبہ قائم کرتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قسم کے مواقع پر توریہ کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے۔

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيَهُ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ.

رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپؐ نے پوچھا تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی سی خلافِ واقع بات بھی تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

(ابوداؤد - بیہقی)

(رواه ابو داؤد و البيهقي في شعب الايمان قال ابن رجب الحنبلي و في اسناده من لا يعرف نعم ذكره الزهري عن ابي هريرة من قوله)

(٨٥٧) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ.

(٨٥٧) خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہوکر فرمایا (آج جھوٹی شہادت شرک کے برابر کر دی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔ بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔ (احمد۔ ترمذی)

(رواه ابو داؤد و ابن ماجه و رواه احمد و الترمذي عن ايمن بن خريم الا ان ابن ماجة لم يذكر القراٰن)

(٨٥٨) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ أَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِيْ هٰذَا عَلٰى يَمِيْنٍ اٰثِمَةٍ وَ عَلٰى سِوَاكٍ أَخْضَرَ إِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (رواه مالك و ابو داؤد و ابن ماجه)

(٨٥٨) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آ کر جھوٹی قسم کھائے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں کر لیا یا اس کے لیے دوزخ کا عذاب واجب ہو گیا (راوی کو شک ہے)۔

(مالک۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

---

(٨٥٧) * قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ہی جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ شرعی نظر میں ان تینوں کے مابین کوئی اندرونی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند امور کو ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بنا پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادت زور ایسی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

(٨٥٨) * غرض یہ ہے کہ جھوٹ کی انواع جتنی سخت ہوتی جائیں گی اس کا عذاب بھی اتنا ہی سخت ہوتا چلا جائے گا۔ جھوٹی شہادت اور جھوٹی قسم سے جہاں ایک گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اسی کے ساتھ نظام عالم بھی برباد ہوتا ہے گناہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور نظام کی تباہی کا سب انسانوں سے۔ شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لیے جابجا اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق العباد محتاج انسانوں کے حق ہیں اور حقوق اللہ ایک بے نیاز کا۔

www.besturdubooks.net

(۸۵۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ خُلُقٌ اَبْغَضَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَذِبِ وَ لَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَكْذِبُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِذْبَةَ فَمَا يَزَالُ فِيْ نَفْسِهِ عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ بِهَا تَوْبَةً. (رواہ احمد)

(۸۵۹) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ اور کوئی عادت قابل نفرت نہ تھی کوئی شخص آپ کے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کر لیتا آپ کے قلب مبارک میں اس کی طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔ (احمد)

(۸۶۰) عَنْ صَفْوَانَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْذِبُ امْرَاَتِيْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا خَيْرَ فِي الْكَذِبِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعِدُهَا وَ اَقُوْلُ لَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ. (رواہ مالک)

(۸۶۰) صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں' اس نے عرض کیا اچھا تو پھر اس سے وعدہ کر لوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(احمد)

(۸۶۱) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهٗ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَ مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَ هُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ وَ مَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا. (رواہ الترمذی)

(۸۶۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے اس کا صحن جنت میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لیے وسط جنت میں مکان بنے گا۔ اور جس نے اپنے اخلاق درست کر لیے اس کے لیے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا۔ (ترمذی)

(۸۶۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَ

(۸۶۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک

---

(۸۶۰) * زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر بی بی کی رضامندی کے لیے شوہر کوئی تسلی آمیز کلمہ اپنی زبان سے نکال دے تو خاص اس موقعہ کے لیے اس کو وسعت دی گئی ہے صدق کی بحث میں آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔

(۸۶۱) * جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصلتیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑنا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں وہ سچے معاملات میں بھی اعلیٰ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اسی لیے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لیے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کر لیا۔

(۸۶۲) * اس حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک مؤمن کی صدق و صفات کی منزل صرف اس کے نطق پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گذر کر اس کے ظنون اور خیالات تک بھی پہنچتی ہے یعنی خلاف واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر جھوٹ یہ دوسرا جھوٹ ہے۔ کسی سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی ٹوہ....

www.besturdubooks.net

الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَ لَا تَحَسَّسُوْا وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا تَنَا جَشُوْا وَ لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا . (رواه البخاری)

بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی فکر میں نہ رہو' دھوکا بازی مت کرو- باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو' آپس میں بغض نہ رکھو' غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندہ بھائی بھائی کی طرح بن جاؤ- (بخاری شریف)

(۸۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَبَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَ لَنْ يَفْعَلَ وَ مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَ هُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَ كُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَ لَيْسَ بِنَا فِخٍ. (رواه البخاری)

(۸۶۳) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں (راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے' اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (بالآخر اس کو بھی عذاب ہوگا)- (بخاری شریف)

(۸۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَالَمْ تَرَيَا. (رواه البخاری)

(۸۶۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بدنما بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے)- (بخاری شریف)

لـہ..... چھان بین کی جائے اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے جو عیب پہلے نہ ہوں ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اس کے برخلاف حسن ظن سے انس و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت و کرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں- پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بنا پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے- معاملات کو تا امکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلاوجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیاۃ کا ایک اہم اصول ہے- سورۂ حجرات میں آیت و لا تجسسوا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے-

(۸۶۴) * ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق و صفا کا احاطہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا' بلکہ حالت نوم تک بھی کھنچتا ہے- اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹا کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مؤمن کا خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اسے بھی گندہ کرتا ہے-

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گذر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزل صدق کو حاصل کر سکتے ہیں- یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں- ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مؤمن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے وہ مؤمن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں کہ مؤمن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبرؓ ہیں- رضی اللہ تعالیٰ عنہ- يٰآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.

www.besturdubooks.net

الخلف فی الوعد

(۸۶۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَ مِنْ نِيَّتِهِ اَنْ يَّفِيَ لَهُ فَلَمْ يَفِ وَ لَمْ يَجِيءْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. (رواہ ابوداؤد والترمذی قال لیس اسنادہ بالقوی وروی رزین نحوہ)

(۸۶۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَ لَا تُمَازِحْهُ وَ لَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ. (رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب)

(۸۶۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَبِي الْحَمْاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُبْعَثَ وَ بَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ اَنْ آتِيَهُ فِي مَكَانِهِ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ اَنْتَظِرُكَ. (رواہ ابوداؤد)

الخصومة و الجدال

(۸۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَاصَمَ فِيْ بَاطِلٍ وَ هُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ. (رواہ ابوداؤد)

(۸۶۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَرْفَعُهُ قَالَ اَبْغَضُ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ. (رواہ الشیخان)

(۸۷۰) عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ

وعدہ خلافی

(۸۶۵) زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر اتفاقاً پورا نہ کر سکے اور وقت مقرر پر نہ آ سکے تو اب اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(ابوداؤد۔ ترمذی)

(۸۶۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے زیادہ مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آ جائے۔ (ترمذی)

(۸۶۷) عبداللہ بن ابی الحمار سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لا کر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابوداؤد)

لڑائی اور جھگڑا

(۸۶۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر جھوٹے معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تا آنکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ (ابوداؤد)

(۸۶۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو لیچڑ قسم کا جھگڑالو ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۷۰) زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا

---

(۸۷۰) * منافق کی جتنی خصائل بد ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا رخ کتاب اللہ کی طرف ہے۔ خصائل نفاق عملی جب راسخ ہو جاتے ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں ....

www.besturdubooks.net

هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَ جِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَ حُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ. (رواہ الدارمی)

جانتے ہو اسلام کو ڈھا دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے ظالمانہ اور جاہلانہ فیصلے۔ (دارمی)

اضاعة الصلوات

نمازوں میں کاہلی اور سستی

(۸۷۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَ مَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ اَوْ مَرِيْضٌ. اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَ اِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ. (رواہ مسلم)

(۸۷۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے بس دو ہی شخص پیچھے رہتے تھے یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آ کر نماز ادا کی جائے جہاں پنجوقتہ اذان دی جاتی ہو۔

(مسلم)

(۸۷۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَ كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا. (رواہ مسلم)

(۸۷۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تو منافق کی نماز ہے کہ آفتاب کو دیکھتا رہے (اور اس میں اتنی تاخیر کرے) کہ جب وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کی عبادت کا وقت آ جائے تو اب اٹھے اور (جلدی جلدی) چار چونچ مار لے کہ ذکر اللہ (جو نماز کا اصل مقصد ہے) اس میں بس یونہی رہ جائے۔ (مسلم شریف)

(۸۷۳) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلٰوتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهَا وَ لَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَ اِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ

(۸۷۳) ابی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا کیا فلاں شخص جماعت میں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا منافقین پر یہ دو نمازیں سب نمازوں میں زیادہ بار گذرتی ہیں کاش جو اجر ان میں ہے اگر تم لوگ جانتے تو گھسٹ گھسٹ کر گھٹنوں کے بل بھی آیا کرتے خوب سن لو کہ تمہاری پہلی صف ایسی افضل ہوتی ہے جیسی فرشتوں میں پہلی صف،

ﷺ.... ہیں اور آخر اس کا ثمرہ نفاق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

(۸۷۲) ✱ یہ منافق کی نماز کا نقشہ ہے جس کا دل اول تو نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں اور اگر بہ ہزار مشکل پڑھتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے جب کہ نماز کا وقت بالکل تنگ ہونے لگتا ہے پھر ایسی بے دلی سے پڑھتا ہے کہ اس کے سجدوں کی حقیقت صرف پرندے کے چونچ مارنے کے برابر رہ جاتی ہے اور چونکہ تعدیل ارکان بھی نہیں کرتا اس لیے اس کے دو سجدے گویا ایک چونچ مارنے کے برابر ہوتے ہیں۔ پھر وہ نماز جس کو ولذکر اللہ اکبر فرمایا گیا ہے اس بری طرح ادا کرتا ہے کہ اس میں ذکر کی روح بس اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی اس کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتی ہے۔

(۸۷۳) ✱ یہاں آپؐ کا نام لے کر دریافت فرمانا پتہ دیتا ہے کہ منافقین کا علم آپ کو تھا کہ کون کون ہیں۔

www.besturdubooks.net

عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَ لَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَ اِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَ صَلَاتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَ مَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ. (رواه ابوداؤد والنسائي)

کاش تم اس کی فضیلت جانتے تو لپک لپک کر آتے اور یہ بھی سن لو کہ آدمی کی وہ نماز جو ایک شخص کے ساتھ ہو وہ اس کی تنہا نماز سے افضل ہوتی ہے اور جو دو شخصوں کے ساتھ ہو وہ ایک شخص کی جماعت سے افضل ہے اس کے بعد جماعت جتنی بڑھتی جائے گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

(۸۷۴) عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ الْاَذَانَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَ هُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ. (رواه ابن ماجه)

(۸۷۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اس کے باوجود وہ بے ضرورت مسجد سے باہر چلا جائے اور اس کا ارادہ واپسی کا نہ ہو تو یہ شخص منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

(۸۷۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَ لَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ. (رواه الترمذي)

(۸۷۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں کسی منافق میں یکجا نہیں ہوتیں اچھا طریقہ اور دین کی سمجھ۔ (ترمذی شریف)

(۸۷۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۸۷۶) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

---

(۸۷۵) * پہلی حدیثوں میں تو ایسے خصائل کا ذکر کیا گیا تھا جن کے موجود ہونے سے ایک مؤمن پر بھی خالص منافق ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اور یہاں ان فضائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بعد اس پر منافق ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پہلی حدیثوں کا منشا یہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہونا چاہیے کہ اس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت بھی نظر آئے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہنا چاہیے جس میں یہ فضائل بیک وقت موجود نظر نہ آئیں خلاصہ یہ کہ ایک مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ جملہ خصائل ایمانی سے مرصع ہو اور نفاق کی ایک ایک خصلت سے منزہ ہو۔ دین کی فہم کے ساتھ اگر کوئی اپنے ظاہری افعال کو بھی حسین و خوبصورت بنا لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظاہر و باطن درست ہو چکا اب اس میں نفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ظاہری حالات بہت اچھے نظر آئیں مگر اس کا باطن فہم دین کی رعنائی سے خالی ہو یہ انسان ظاہر پرست انسان ہے یہ خود بھی دھوکے میں مبتلا ہے اور اپنے حسن ظاہر سے دوسروں کو بھی حسن باطن کا دھوکا دینا چاہتا ہے اسی طرح جو کچھ نہ کچھ دین کی فہم تو رکھتا ہے مگر اس کے مقتضا کے مطابق اپنے ظاہر کو درست نہیں کرتا یہ بھی محروم القسمت ہے اور نفاق عملی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف باطن کی اصلاح کا نام نہیں اپنی ظاہری شکل وصورت اور حرکات وسکنات کا خوبصورت بنانا بھی اس کا ایک جزء اہم ہے اس کی توفیق کامل مسلمان ہی کو میسر آ سکتی ہے۔ جو فرقہ صرف اصلاح باطن کے درپے ہے اور اصلاح ظاہر سے غافل ہے وہ بھی اسلام کی اصل تعلیم سے ناواقف ہے اور جو صرف ظاہری بناؤ سنوار میں لگ رہا ہے اور دین کی اصل فہم کی فکر نہیں کرتا وہ بھی جہل مرکب کا شکار ہو رہا ہے۔

(۸۷۶) * یہاں غیبت کرنے والے شخص کو منافق کہا گیا ہے اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث کی اصطلاح میں منافق کا اطلاق کن معنوں ؎ ....

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰی مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰہُ مَلَکًا یَحْمِیْ لَحْمَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ نَارِ جَھَنَّمَ وَ مَنْ رَمٰی مُسْلِمًا بِشَیْءٍ یُرِیْدُ بِہٖ شَیْنَہٗ حَبَسَہُ اللّٰہُ عَلٰی جِسْرِ جَھَنَّمَ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابوداؤد)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کسی منافق کی غیبت سے بچا لیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا- اور جس نے کسی مسلمان کے سر ایسی بات لگائی جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت کر فارغ نہ ہو لے- (ابوداؤد)

اسباب النفاق

نفاق کے چند اسباب

(۸۷۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۸۷۷) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو- (شعب الایمان)

(۸۷۸) عَنْ نَافِعٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِیْ طَرِیْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ وَ نَاءَ عَنِ الطَّرِیْقِ اِلَی الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِیْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ یَا نَافِعُ ھَلْ تَسْمَعُ شَیْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَیْہِ مِنْ اُذُنَیْہِ قَالَ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ یَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَ کُنْتُ اِذْ ذَاکَ صَغِیْرًا. (رواہ احمد و ابوداؤد)

(۸۷۸) حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک راستہ پر جارہا تھا کہ انھوں نے بانسری کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے دوسری جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز سنتا ہے میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا- نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا (اس لئے میں کان کھولے رہا) (ابوداؤد)

(۸۷۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ کُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ کِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَ لَا یُبَدَّلُ. و فی بعض الروایات ثلاثًا- (رواہ الشافعی کما فی المشکاۃ)

(۸۷۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جس شخص نے کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھ دیا جائے گا جس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاتی- (مشکوۃ شریف)

لے .... میں آیا ہے- غیبت کرنے والے کا ظاہر و باطن بھی مختلف ہوتا ہے وہ بھی ذوالوجہین ہوتا ہے- غیبت کی عادت بزدلی اور بداخلاقی کا ثمرہ ہے غیبت کے مقاصد بھی وہی ہوتے ہیں جو نفاق کے اس لیے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے- یہ دراصل غیبت کی عادت سے نفرت دلانے کے لیے سب سے زیادہ مؤثر تعبیر بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لیے سب سے قریب بھی-

(۸۷۷) * صرف خوش آوازی منع نہیں سر اور سرود کے ساتھ گانا ممنوع ہے-

www.besturdubooks.net

البراءة من النفاق

(۸۸۰) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ. (رواه الترمذی و الصحیح وقفه)

نفاق سے علیحدہ ہونا

(۸۸۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن برابر جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو باتوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ عذاب دوزخ سے اور مرض نفاق سے۔ (ترمذی شریف)

اکرام المنافق

(۸۸۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلَنَّ لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَاِنَّهُ اِنْ يَكُنْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ. (رواه ابو داؤد)

منافق کی تعظیم کرنا

(۸۸۱) عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہنا کیونکہ اگر درحقیقت وہ سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کرلیا۔ (ابوداؤد)

التعوذ من النفاق

(۸۸۲) عَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَ لِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَ عَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ. (رواه البیهقی فی الدعوات الکبیر)

نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

(۸۸۲) ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے خود سنا ہے' خدایا! میرے قلب کو نفاق سے' میرے عمل کو ریا سے' میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک و صاف کر دے۔ تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ (بیہقی)

---

(۸۸۰) * چالیس کے عدد میں کوئی ایسی خاص برکت پنہاں ہے کہ اس کا تذکرہ آپ کی حراء کی خلوتوں تک میں ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس میقات کو پورا کیا وہ بھی قرآن کریم میں چالیس راتیں بتائی گئی ہیں۔ حدیثوں میں اور بہت جگہ بھی اس خاص عدد کا ذکر آیا ہے صوفیاء کرام نے اس کا نام ہی چلہ رکھ لیا ہے۔ اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص ایک چلہ با جماعت نماز پڑھ لے اس کو یہ دو براءتیں نصیب ہو جاتی ہیں یا اپنے دل کو یوں تسلی دے لیجئے کہ ایک چلہ پابندی وہی کر سکے گا جس کے نصیب میں یہ دو سعادتیں لکھی جا چکی ہیں۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند　　کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد

(۸۸۱) * یعنی اگر شومئ قسمت سے منافق سردار بن بھی جائے جب بھی اس کے حق میں تعظیمی کلمہ کہنا رب العزۃ کی ناراضائی کا موجب ہے یاد رکھئے جس طرح اکرام مؤمن دین اسلام کا ایک شعبہ اور رب العزت کی رضامندی کا باعث ہے اسی طرح اکرام منافق اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔

(۸۸۲) * قلب کا مرض نفاق ہے عمل کا نمائش' زبان کا دروغگوئی اور آنکھوں کا نظریں چرا کر محرمات کو دیکھنا' سبحان اللہ خاتم الانبیاء ﷺ...

www.besturdubooks.net

(۸۸۳) عَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَیْرِ الضَّالِّ وَ لَا الْمُضِلِّ. (رواہ الترمذی)

(۸۸۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدایا! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنا دے خدایا! میں تجھ سے وہ تمام اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو عطا فرماتا ہے' نیک بی بی' حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو۔ (ترمذی شریف)

(۸۸۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ. (رواہ ابوداؤد و النسائی)

(۸۸۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ خدایا! میں تیری پناہ لیتا ہوں اختلاف' نفاق اور برے اخلاق سے۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

☆..... صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزیل ہیں کہ ان مختصر سے کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا سکھادی۔ جو ان قیمتی اعضاء کو فاسد کر سکتے تھے۔

(۸۸۳) ٭ نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لیے آپ ؐ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کے لیے ارشاد فرمایا کہ ظاہر بھی بہتر فرما دے گویا انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے دونوں رخ حسین ہوں اور اس کا باطنی رخ ظاہر سے بھی حسین تر ہو۔ منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے۔ وہ نفاق حقیقی یا نفاق عملی سے متعفن ہوتا ہے۔

(۸۸۴) ٭ شقاق اور بدخلقی یہ نفاق کے لوازم میں سے ہیں اس حدیث میں گویا نفاق اور اس کے لوازم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس قسم کے دعائیہ کلمات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شرعی نظر میں نفاق کی اہمیت کیا ہے اور قلوب میں اس مرض کے پیدا ہونے کا کتنا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گذشتہ احادیث میں آپ صحابہ کرامؓ کے خوف و خشیت کا حال پڑھ چکے ہیں۔ جو اعمال نفاق آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھے ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتے ہیں کسی موقعہ پر انسانی لغزش سے جھوٹ بھی سرزد ہو جاتا ہے وعدہ خلافی بھی ہو جاتی ہے کبھی بر بنا بشریت انسان جھگڑا بھی کر لیتا ہے پھر خیانت کی کوئی جزئی بھی پیش آ ہی جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کے معیار دین کے مطابق بعض مرتبہ ان اسماء کا اطلاق ایسے اعمال پر ہو جاتا ہے جو در حقیقت اس کے مصداق نہیں ہوتے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی ذات گرامی کو ملاحظہ کیجئے انہوں نے کیسی کیسی بچی باتوں کو بھی اپنی شانِ رفیع کے مطابق کذب سمجھا اور ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ محشر میں نظر نہ اٹھائیں گے۔

www.besturdubooks.net

2

اعتراف واعتذار

ہم کواس امر کا پورا اعتراف ہے کہ اس جلد میں چند حدیثیں ایسی بھی آ گئی ہیں جو محدثین کے نزدیک زیادہ ضعیف ہیں' مگر یہ ان ہی مقامات میں آئی ہیں جہاں نہ تو کسی عقیدہ کی بحث ہے اور نہ عمل کی' پھر اس موضوع میں اس سے زیادہ نکھری ہوئی حدیثیں ہماری نظر سے کسی کتاب میں نہیں گذریں' نیز اسی کے ساتھ ان کے خلاف بھی کوئی حدیث خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو نظر سے نہیں گذری' غالباً ان ہی وجوہات کی بناء پر اخبار وفضائل کی حدیثیں جمع کرنے والے محدثین نے اس قسم کی حدیثیں بھی اپنی مؤلفات میں شامل کر لی ہیں اور اس علم کے ساتھ شامل کی ہیں کہ ان کی اسنادی حیثیت کیا ہے' اس لئے یہاں منکرین حدیث کے لئے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

ہمیں اس جلد میں یہ مزید تنبیہ کرنی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپؐ کی سیرت کے حصے کے لئے بھی عقائد و اعمال کی حدیثوں کی طرح اعلیٰ درجہ کی اسنادوں کی شرط لگانی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ تشدد بے جا تشدد ہے' بلکہ سیرت کے ایک بیش قیمت حصہ کا عظیم الشان نقصان ہے' آخر آج ہمارے سامنے دنیا کی دیگر تاریخیں بھی موجود ہیں جن کو اعتبار ہی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے' مگر کیا ان کو اسنادی لحاظ سے یہ مقام بھی حاصل ہے یا وہ محض معاصرین کے بے سند بیانات یا چند قدیم کتبوں اور محض افواہوں کی بناء پر مرتب ہوئی ہیں' یہی وجہ ہے کہ یہاں اصولِ درایت کو سامنے رکھے بغیر ان کو اعتبار کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں اسی عادت کے پیش نظر بعض سیرت نگاروں نے اعداء اسلام کے محض متعصبانہ اعتراضات سے خائف ہو کر یہ ضرورت محسوس کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر بھی دوبارہ نظر ڈالی جائے اور مافوق العادۃ اور غیبی عجائبات سے خالی کر کے جہاں تک اس کو مادی عقول کے قریب لایا جاسکتا ہے قریب کر دیا جائے' ہمیں اس سے انکار نہیں کہ جن مصنفین نے سیرت کے صرف اتنے حصہ کو جمع کیا ہے جو صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یہ بھی ایک مستحسن سعی ہے' لیکن سیرت کے اس حصہ کو جو دوسرے یا تیسرے نمبر کی حدیثوں سے ثابت ہے' بالکل نظر انداز کر دینا یہ طریقہ مستحسن نہیں ہے' جب یہ تشدد احکام کی حدیثوں میں قائم نہیں رکھا جاسکا اور صحیحین کی شرائط سے کم تر دوسرے اور تیسرے نمبر کی احادیث بھی جمع کی گئیں بلکہ معاجم اور مسانید میں اور ہلکے سے ہلکے معیار کی حدیثیں بھی لے لی گئیں تو پھر سیرت کے عام حصوں کے لئے اس معیار کو معیوب کیوں سمجھا جائے' جب دینی مسائل کی تفصیلات کے لئے اعلیٰ معیار سے اترنا پڑا ہے تو پھر سیرت کے حصے کی پوری تفصیلات صرف اعلیٰ معیار کی حدیثوں سے کیونکر سامنے آسکتی ہیں' ہمیں یہاں نہ تو محض حسن عقیدت سے آپؐ کی سیرت میں کوئی بات اضافہ کرنی چاہئے اور نہ صرف اعداء اسلام کی خاطر آپؐ کی سیرت میں قطع برید کرنی چاہیے۔ نیز ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس وقت ہمارے سامنے آپؐ کا کونسا حصہ ہے ظاہر ہے کہ واقعات و حالات کی نوعیت کے ساتھ ان کے ثبوت کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے بعض کی واقعات محض قرائن سے تصدیق کر لی جاتی ہے اور ان کے لیے اسناد کا مطالبہ کسی کے ذہن میں بھی نہیں گزرتا مثلاً ایک قدیم بیمار کے متعلق شہرت ہوتی ہے کہ اس کی وفات ہوگئی' یا کسی گھر میں اُمید کا سال معلوم ہوتا ہے اور خبر اڑتی ہے کہ فلاں گھر میں ولادت ہوگئی تو فوراً اس کا یقین پیدا ہو جاتا ہے' کون ہے جو یہاں ان خبروں

www.besturdubooks.net

پر یقین کر کے فوراً ان کے مناسب انتظامات کرنے میں مشغول نہ ہو جاتا ہو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہر خبر کے اعتماد کا دارو 2
مدار صرف اسناد پر قرار دے دینا عام دستور بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے' پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ان حصوں کے لیے بھی جن کا تعلق آپ کے ابتدائی حالاتِ زندگی کے ساتھ ہے' اعلیٰ درجہ کی اسانید کا مطالبہ کرنا انصاف کا مطالبہ نہیں' کیا کوئی سلیم الفطرت انسان یہ حکم لگا سکتا ہے کہ ایک ایسی ہستی کے ابتدائی واقعات کے لیے جن کے متعلق کسی کے ذہن میں ابھی یہ نہ گزرا ہو کہ قدرت ان کو کل کس منصبِ جلیل سے نوازنے والی ہے شروع سے پورا پورا اہتمام کیا گیا ہوگا بالخصوص ایک امی ماحول میں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ چند در چند وجوہات کی بناء پر ان واقعات کے قانونِ روایت و درایت کے تحت باضابطہ لانے میں کچھ امور مانع آ گئے ہوں مثلاً اس وقت ان کے زیر مشاہدہ ہونے کی وجہ سے ان کے تحفظ کی اہمیت ذہنوں میں نہ آئی ہو اور آئندہ دور میں چل کر شغل جہاد کی وجہ سے ان کے اعلیٰ معیار پر جمع کرنے کا اہتمام نہ ہو سکا ہو یا ان کے عقائد و اعمال کے مسائل نہ ہونے کی وجہ سے ان سے عام طور پر بحث ہی نہ کی گئی ہو' یا قدرت کے عجائبات کے خوگر دماغوں نے ان کو خلافِ عقول امور کی فہرست میں داخل ہی نہ کیا ہو' ظاہر ہے کہ جہاں نبوت' ملائکہ' وحی الٰہی اور متواتر معجزات کا شب و روز سماں بندھا ہو وہاں ان چند واقعات کی اہمیت کیا ہوگی جو اوّل تو نبوت سے پہلی زندگی کے ہیں پھر ان میں ایک واقعہ بھی ان واقعات سے عجیب تر نہ ہو جو روز و شب ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آ رہے تھے- اس قسم کے وجوہات کی بنا پر اگر ان کی اعلیٰ درجہ کی اسانید دستیاب نہ ہو سکی ہوں تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم آئندہ آنے والی نسلوں کے غور و فکر کا یہ سارا مواد ہی آپ کی سیرت سے حذف کر ڈالیں یا اپنے ثبوت کی نوعیت کے لحاظ سے ان کو سیرت کا جزء رہنے دیں' حافظ ابن کثیر جو بالاتفاق معتمد محدثین میں شمار ہوتے ہیں اسی قسم کا ایک واقعہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں:

وهذا سياق حسن عليه البها و النور و سيماء الصدق و ان كان في رجالة من هو متكلم فيه. (البدايه و النهايه ج ۲ ص ۲۱۹)

اس واقعہ کی اسناد میں اگر چہ ایسے راوی موجود ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے بایں ہمہ یہاں ایسے قرائن موجود ہیں' جن کی وجہ سے اس خبر پر صدق و صفا کا نور چمک رہا ہے-

آپ کی سیرت کے اس حصہ کے روایتی پہلو کے ساتھ اگر ہم اس پر درایتی پہلو سے نظر ڈالیں تو ہم کو پہلے یہ غور کرنا بھی ضروری ہوگا کہ یہ حالات ہیں کس ہستی کے متعلق؟ کیونکہ حالات کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس شخصیت کو بھی سامنے رکھا جائے جس کی نسبت یہ واقعات نقل کیے گئے ہیں- ظاہر ہے کہ انور بے اور ہٹلر جیسے عاقل افراد کے متعلق ہر بعید سے بعید واقعہ کی تصدیق معقول سمجھی جا سکتی ہے گو اس کی نوعیتِ ثبوت کتنی ہی کمزور ہو' لیکن اگر ان میں سے ایک حیرت انگیز واقعہ بھی کسی دوسری عام شخصیت کی طرف منسوب کیا جائے تو قوتِ واہمہ اس میں سو طرح کے احتمالات نکال کھڑے کرتی ہے خواہ اس کی نوعیتِ ثبوت کتنی ہی پختہ کیوں نہ ہو' پس اس لحاظ سے جب ہم نظر کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ادیانِ سماویہ کے جتنے حاملین ہیں وہ سب متفقہ طور پر اپنے اپنے رسولوں کے متعلق کچھ نہ کچھ مافوق العادۃ عجائبات نقل کرتے چلے آئے ہیں' یہ امر یقینی ہے کہ ان میں اکثر واقعات کی نوعیت روایت و درایت ہر پہلو سے صفر کے برابر نظر آتی ہے مگر اس قدرِ مشترک اتفاق سے اتنا تو ماننا پڑتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی زندگیوں میں کچھ امور عام انسانوں کی زندگیوں سے ضرور ممتاز تھے خواہ اس کے اسباب و وجوہات کچھ بھی

www.besturdubooks.net

ہوں‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دورِ طفولیت‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے حمل اور ولادت اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات خود قرآن کریم میں بھی موجود ہیں جن کا روایتی پہلو اگر اتنا مضبوط نہ ہوتا تو شاید صرف درایت کے لحاظ سے ہمارے روشن خیال مسلمانوں کے لیے ان کا باور کرنا مشکل ہوتا‘ لیکن یہاں تو گفتگو اس شخصیت کے متعلق ہے جس کے بارے میں دعویٰ یہ ہے کہ وہ عالم کی سب سے عظیم ترہستیوں میں بھی عظیم ترہستی تھی پس اگر ان کی حیات میں کچھ ایسے عجائبات کا ظہور ملتا ہے جو اس نوع کے انسانوں میں تواتر کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے تو کیا ان کو اصولِ درایت کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔

ہمیں یہاں اس جماعت کے ساتھ بھی شدید اختلاف ہے‘ جنہوں نے پیغمبر اسلام کی حیات میں محض بے سروپا موضوعات داخل کر کے ان کو بھی عقائد کی فہرست میں داخل کر لیا ہے‘ زیر بحث امر صرف یہ ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی کے واقعات جو اسانید کے ساتھ ثابت شدہ ہیں‘ گو وہ ضعیف سہی مگر غیر معقول بھی نہیں بلکہ اس قسم کی شخصیاتِ بارزہ کی زندگیوں میں ہمیشہ نظر آتے رہے ہیں‘ کیا ان کو یکسر آپ کی سیرت سے خارج کر دیا جائے یا ان کے ثبوت کی نوعیت پر تنبیہ کے ساتھ ان کو سیرت کا جزو رہنے دیا جائے تاکہ وہ آپ کی نبوت کے مابعد حالات پر غور وخوض کرنے میں کارآمد ہوں۔

ترجمان السنہ کا مقصد اپنے مخاطبوں میں کسی ایک فریق کے ساتھ ساتھ چلنا نہیں ہے بلکہ اس کے پیش نظر احادیث کی روشنی میں جو بات منقح ہوئی ہو صرف اس کو واضح کر دینا ہے‘ سعید ہیں وہ جو اپنے عقائد کی روشنی میں حدیثوں کا مطالعہ نہیں فرماتے بلکہ حدیثوں کی روشنی سے اپنے عقائد کی اصلاح کر لیتے ہیں‘ اس لیے ہم نے بلا خوف لومۃ لائم آپ کی زندگی کے وہ سب حالات جو محدثین کے نزدیک اس سے قبل ذکر میں آتے رہے ہیں یہاں بھی ذکر کر دیئے ہیں‘ اگر کوئی فریق اس پر چیں بجبیں ہوتا ہو تو ہو‘ ان مشکلات و حالات کو سامنے رکھ کر اب آپ ہی غور فرما لیجئے کہ اس طرح مسائل کلامیہ کے عنوانات حدیث کی کتاب میں قائم کرنا پھر اس کے لیے بعید سے بعید مقامات سے حدیثیں تلاش کر کر کے لانا اور ساتھ ساتھ جگہ جگہ ان پر محدثانہ نظر بھی کرتے جانا اور عنوانات واحادیث میں ایسی ترتیب قائم کرنا کہ مسئلہ کے تمام پہلو روشن ہو جائیں پھر ایسے متعدد مقالات لکھنا جو تمام تر حدیثوں کی روشنی ہی میں لکھے گئے ہوں‘ یہ کتنی فرصت کا محتاج ہے‘ بس یہی کچھ باتیں تھیں جو اس جلد کی تصنیف میں اتنی تاخیر کا باعث بن گئیں میں نے اس تاخیر کو تو بخوشی گوارا کر لیا مگر میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا تھا کہ رسالت اور نبوت کے اتنے اہم مضامین اپنی مقدور بھر سلجھائے بغیر یوں ہی جوں کے توں ناظرین کے سامنے اٹھا کر رکھ دوں‘ اب یہ فیصلہ آپ کے سپرد ہے کہ اپنے ان مقاصد میں میں کہاں تک کامیابی حاصل کر سکا۔

مسودہ اب بھی اس حیثیت میں نہ تھا کہ بخوشی اس کو روانہ کیا جا سکتا‘ مگر چونکہ وہ صرف حجاج ہی کی معرفت روانہ ہو سکتا تھا‘ اس لیے اگر اصلاح وترمیم کا اور انتظار کیا جاتا تو پھر بات ایک سال پر جا پڑتی اس لیے بادلِ نخواستہ اپنے قبضہ سے جدا کرنا پڑا‘ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس ادھوری اور پراگندہ کوشش کو قبول فرما کر امت مسلمہ کے لیے نافع بنائے‘ آمین۔

نوٹ: ہر باب کے تشریحی نوٹوں کے ملاحظہ سے قبل از بس ضروری ہے کہ اس موضوع کے متعلق جو مقالہ لکھا گیا ہے اس کو بغور اور بار بار پڑھ لیا جائے ورنہ اگر تشریحی نوٹوں کے سمجھنے میں کوئی الجھن رہ گئی تو اس میں مؤلف کے قصور کے ساتھ تھوڑی سی کوتاہی آپ کی بھی ہوگی۔ والحمدللہ اولاً و آخراً۔

بندۂ محمد بدر عالم نزیل مدینہ منورہ

www.besturdubooks.net

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

القضاء والقدر

قال الشاه ولى الله رحمه الله تعالٰى اعلم انّ الله تعالٰى شمل علمه الازلى الذاتى كل ما وجد او سيوجد من الحوادث محال ان يختلف عليه عن شيء او يتحقق غير ما علم فيكون جهلا لا علما' و هذا مسئلة شمول العلم و ليست بمسألة القدر و لا يخالف فيها فرقة من الفرق الاسلامية انما القدر الذى دلت عليه الاحاديث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قضاء وقدر اور اس پر ایک لمحہ فکریہ

مسئلہ قضاء وقدر بے شک بہت مشکل ہے لیکن ہمارے نزدیک خالق کا وجود تسلیم کرنے کے بعد اس کا انکار کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ جس نے یہاں شریعت کی بیان کردہ راہِ اعتدال چھوڑی اس کو ہدایت کا انکار کرنا پڑا یعنی یا تو بندہ کو پتھر کی طرح مجبور ماننا پڑا اور یا اس کو خالقیت میں خالق کے برابر تسلیم کرنا پڑا۔ ہم یہاں آپ کے غور وفکر کی دعوت کے لیے چند سطور پیش کرتے ہیں۔ مسئلہ گو ان سے حل نہ ہو مگر ممکن ہے کہ کسی حد تک مزید انکشاف کا باعث ہو جائے وبہ نستعین۔

اسلامی جملہ فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ان سب کا حق تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے' اور یہ بات بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق جو کچھ ہونا ہے وہ سب کچھ قید کتابت میں بھی آچکا ہے اور اب عالم کا ایک ذرہ اس کے خلاف جنبش نہیں کرسکتا۔ اس لیے بحث یہ پیدا ہوگئی ہے کہ اب انسانی افعال کی حقیقت کیا ٹھہری؟ کیا اس کو ان میں مجبور سمجھ لیا جائے یا مختار کہا جائے۔ اگر مختار کہا جاتا ہے تو پھر لازمی طور سے اس میں قدرت اور اختیار کی صفت بھی تسلیم کرنی ہوگی۔ ادھر قدرت اور اختیار تسلیم کر لینے کے بعد پھر قضاء وقدر کے سامنے اس کو مجبور کہنے کا مفہوم باطل ہو جاتا ہے اور اگر مجبور کہہ دیا جائے تو یہ ضروری ہوگا کہ اس میں قدرت واختیار کی صفت کا بھی انکار کر دیا جائے اس لیے قضاء وقدر کی بحث میں اصل نقطہ غور وفکر ''افعالِ عباد'' یعنی بندوں کے افعال بن جاتے ہیں۔ اس پر غور کرنے سے قبل جب آپ عالم پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ کے سامنے دو قسم کی مخلوقات نظر آئے گی' ایک وہ جو اختیار وارادہ کے بداہۃً ایک نہیں وہ کھلے طور پر قدرتِ الٰہیہ کی مسخر بنی ہوئی ہے۔ مثلاً آفتاب حرکت کرتا نظر آتا ہے یا زمین وآسمان میں جو بھی متحرک ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اپنے ارادہ سے متحرک نہیں' بلکہ ارادہ وقدرت الٰہیہ سے متحرک ہیں۔ دوسری قسم کی مخلوق وہ ہے جو بداہۃً ارادہ واختیار کی مالک نظر آتی ہے۔ یہ تین قسم کی ہے' ایک وہ جو صرف خیر ہی کا ارادہ کرتی ہے' شر کا ارادہ کر ہی نہیں سکتی۔ یہ فرشتے کہلاتے ہیں' ان کی شان لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ہے۔ یعنی جو حکم ان کو ملتا ہے وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتے' اور صرف وہی کرتے ہیں جس کا ان کو

www.besturdubooks.net

المستفیضة و مضی علیه السلف الصالح و لم یوفق له الا المحققون و یتجد علیه السؤال بانه متدافع مع التکلیف و انه فیم العمل هو القدر الملزم الذی یوجب الحوادث قبل وجودها فیوجد بذلک الایجاب لایدفعه هرب و لا ینفع منه حلیة. (صفحہ ۶۵ حجۃ اللہ)

الواحد منا یعلم بداهة انه بمدیده ویناول القلم مثلاً و هو فی ذلک مرید قاصد یستوی بالتسبه الیه

حکم دیا جاتا ہے' یہاں نفی و اثبات دونوں کو جمع کرنے سے اسی مضمون کی تاکید مقصود ہے- دوسری مخلوق اس کے برعکس ہے وہ شر کے سوا خیر کا ارادہ کرتی ہی نہیں' یہ شیطان ہے' تیسری قسم وہ جو ہر دو نوع کے ارادہ کی مالک ہے' اور دونوں قسم کے ارادے کرتی بھی ہے یہ حضرت انسان ہیں- انسانوں کی پھر تین قسمیں ہیں ایک وہ جس کا ایمان اور جس کی عقل و معرفت اس کی خواہشاتِ نفسانی پر غالب ہوتی ہے' یہ تو ترقی کر کے فرشتوں سے جا ملتا ہے- دوسری اس کے برعکس ہے' یہ برادرِ شیطان بن جاتا ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس کی عقل اس کی قوتِ شہوانیہ کی مفتوح ہو جاتی ہے' یہ بہائم اور حیوانات سے ملحق ہو جاتا ہے' جس طرح ان جملہ مخلوقات کا وجود محض حق جل وعلا کی بخشائش ہے' اسی طرح ان کا ارادہ و اختیار بھی اسی کا عطا کردہ ہے-

اب ہم پہلے اصطلاحات اور مذاہب کی تفصیلات سے علیحدہ ہو کر سادہ طور پر اس مسئلہ پر نظر کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات ہم کو ماننی پڑتی ہے کہ بندہ میں اختیار و قدرت کی صفت یقینی ہے اس کا انکار کرنا اپنے بدیہی وجدان کا انکار ہوگا- ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اختیاری حرکات اور ایک رعشہ زدہ شخص کی حرکات کے مابین فرق سمجھتا ہے اور ہرگز دونوں کو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا' لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بندہ کا خود وجود اور اسی کے ساتھ اس کی دیگر صفات کمزور اور ضعیف ہیں' اسی طرح اس کی یہ قدرت اور اختیار بھی ضعیف در ضعیف ہے- دیکھیے انسان دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے' اس لیے اس کو شنوا اور بینا کہا جاتا ہے' مگر چونکہ اس کی یہ صفات ضعیف ہیں اس لیے ان کی کچھ شرائط بھی ہیں' اگر وہ نہ ہوں تو وہ نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے- پھر ان شرائط کے ساتھ جہاں وہ سنتا اور دیکھتا بھی ہے وہاں بھی کچھ دور چل کر اس کی شنوائی اور بینائی کی دونوں صفتیں معطل نظر آتی ہیں مثلاً ایک خاص فاصلہ کے بعد نہ وہ کچھ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے' مگر کیا اس کی اس معذوری پر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس میں سمع و بصر کی صفت ہی نہیں ہے- ہمارے خیال میں یہاں دو رائیں پیدا نہیں ہو سکتیں بالاتفاق یہی کہا جائے گا کہ ضرور ہیں مگر اتنی ضعیف ہیں کہ زیادہ دور چل کر کام نہیں دے سکتیں- اگر صفتِ اختیار بھی ایسی ہی ضعیف صفت ہو جس کا کچھ دور تک تو اثر ظاہر ہوتا رہے لیکن ذرا آگے چل کر اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو کیا اس ضعف کی وجہ سے اس کے وجود ہی کا انکار کر دینا صحیح ہوگا یا اگر اس کا اقرار کر لیا جائے تو کیا پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ آخر تک اس کا اثر تسلیم کیا جائے- پس اگر ہم اپنے اختیار کے اثرات کچھ دور چل کر مضمحل یا معدوم دیکھتے ہیں تو اس بناء پر ہم کو اپنے بدیہی وجدان کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' اسی طرح اگر ہم اپنے بدیہی وجدان کی بنا پر اپنے نفس میں صفتِ اختیار تسلیم کر لیتے ہیں تو یہ بھی کوئی لازمی امر نہیں ہے کہ پھر اس کے اثرات آخر تک بھی تسلیم کرتے چلے جائیں' اس لیے ہم پوری بصیرت کے ساتھ اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم میں قدرت و اختیار کی صفت موجود ہے مگر ہاں خود

www.besturdubooks.net

الفعل والترک بحسب هذا لقصد وبحسب هذه القوی المتشجه فی نفسه وان کان کل شئ بحسب للمصلحة الفوقانیه اما واجب الفعل او واجب الترک فکذلک الحال فی کل ما یستوجبه استعداد خاص فینزل من باری الصور نزول الصور (۱) علی المواد المستعدة لها کالا ستجابة عقیب الدعاء مما فیه دخل لمتجدد حادث بوجه من الوجوه و لعلک تقول هذا جهل بوجوب الشیء بحسب المصلحة الفوقانیة فکیف یکون فی موطنٍ

اس صفتِ اختیار پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے یعنی اس پر ہم قدرت نہیں رکھتے کہ اس اختیار کو جدھر چاہیں لگا دیں بلکہ ہماری یہ صفت مشیت الٰہیہ کے تحت اسی طرح جبری حرکت کرتی ہے جس طرح ایک سنگ انداز کے ہاتھ کا پھینکا ہوا پتھر نہ اس پتھر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس سمت کو چھوڑ کر جدھر سنگ انداز نے اس کو پھینکا ہے کسی اور سمت چلا جائے' نہ بندہ میں طاقت ہے کہ وہ اس جانب کے سوا جس جانب قدرت نے اس کے اختیار کو لگا دیا ہے کوئی ادنیٰ حرکت کر سکے- لہٰذا بندہ جو کرتا ہے یقیناً اپنے اختیار ہی سے کرتا ہے' مگر وہ اپنے اختیار سے کرتا وہی ہے جو مختارِ مطلق اس سے کرانا چاہتا ہے- پس اس لحاظ سے کہ ہم جو کرتے ہیں اپنے اختیار سے ہی کرتے ہیں مختار کہلاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ اختیار سے وہی کر سکتے ہیں جو مشیت الٰہیہ ہوتی ہے' مجبور کہلاتے ہیں یا بمنزلہ مجبور' مگر یہ ایسا جبر ہے جو جبرِ مطلق سے ممتاز ہے' کیونکہ جبرِ مطلق میں مجبور کو اپنے ارادہ کے ساتھ مزاحمت محسوس ہوتی ہے- مثلاً اگر کسی مؤمن کو کلمہ کفر کہنے کے لیے مجبور کیا جائے تو اگر چہ وہ کلمہ کفر زبان سے کہہ تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس خارجی جبر کی مزاحمت کا احساس بھی کرتا رہتا ہے یا مثلاً ایک منافق زبان سے کلمہ ایمان ادا تو کرتا ہے مگر یہاں بھی ظاہری خوف اس کے باطنی ارادہ کے لیے مزاحم رہتا ہے- لیکن جو چیز یہاں ہے اس کی ارادۂ مجبور کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں ہوتی- انسان جو افعال بھی کرتا ہے وہ اپنے احساس کے مطابق آزادانہ اور پوری خود اختیاری سے کرتا ہے' حتیٰ کہ اگر تقدیر کا جبر اس کو بتایا بھی جائے تو وہ اس کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے- جس طرح یہاں بندہ کا جبر جبرِ مطلق سے ممتاز ہے اسی طرح اس کا اختیار بھی مطلق اختیار سے ممتاز ہے کیونکہ وہ جو چاہے اختیار نہیں کر سکتا بلکہ وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا اختیار مختارِ مطلق نے اس کو دے دیا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے مگر چاہتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرانا چاہتا ہے- اب اگر اس اختیار کے ساتھ کوئی شخص اپنے نفس کو مجبور کہتا ہے تو کہے مگر وہ ایسا مجبور ہوگا جو معذور نہیں ٹھہر سکتا- پروردگارِ عالم کی خالقیت کا یہ کرشمہ بھی عجیب ہے کہ اس نے ایک مجبورِ محض کو کس حکمت سے ایسا مختار بنا دیا ہے کہ وہ اپنے گردو پیش میں اپنے احساس کے مطابق ادنیٰ سا جبر بھی محسوس نہیں کرتا ہے حالانکہ جبر کی گرفت اس پر اس درجہ سخت ہوتی ہے کہ وہ جنبش کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا- حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے پیدا ہوگئی ہے کیونکہ یہاں افعال پر جبر نہیں افعال تو اپنے اختیار سے ہوتے ہیں' مگر خود اس کا اختیار حق تعالیٰ کی مشیتِ کاملہ کے تحت ہوتا ہے' اس لیے اس مختار کو اپنے جبر کا احساس نہیں ہوتا اگر جبر افعال پر ہوتا تو ضرور اس کا احساس ہوتا- یہ صفت صرف ربِ قدیر کی ہے وہ بندوں کے اختیار پر بھی حکومت کرتا ہے' قضاء وقدر کے رازہائے سربستہ سب اسی نقطہ میں پنہاں ہیں- بندہ مجبور ہو کر اپنے مختار ہونے کا مدعی بھی اسی لیے رہتا ہے کہ اس کو اپنا اختیار ہی اختیار محسوس ہوتا ہے' اور چونکہ اس کو یہاں اپنے ارادہ کے ساتھ کوئی

www.besturdubooks.net

من مواطن الحق؟ فاقول حاش لله بل هو علم و ايفاء لحق هذا الموطن انما الجهل ان يقال ليس بواجب اصلا و قد نفت الشرائع الالٰهية هذا الجهل حيث أثبتت الايمان بالقدر و ان ما اصابک لم یکن لیخطئک و ما اخطأک لم یکن لیصیبک و اما اذا قیل یصح فعله و ترکه بجسب هذا الموطن فهو علم حق لا محالة کما انک اذا رأیت الفحل من البهائم یفعل افعال الفحلیه و رأیت الانثٰی تفعل افعال الانثویه فان حکمت بان هذه الافعال صادرة جبرًا

مزاحمت محسوس نہیں ہوتی اس لیے فوقانی جبر کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا اور جب جبر و اختیار اس طرح مدغم ہو جائیں تو پھر اپنے افعال پر مسئول ہونے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کیا ایسا مختار بھی مسئول نہ ہونا چاہیے جو اپنے وجدان میں بھی خود مختار ہو۔ اس فوقانی جبر کا حال تو صرف انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے۔ حیرت ہے کہ یا تو انسان ایک طرف مختارِ مطلق بننا چاہتا ہے ایسا مختار کہ تقدیر کے جبر کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا اور مسلمان ہو کر بھی اس کی تصدیق میں ہزار حجتیں نکالنے کو بیٹھ جاتا ہے' اور دوسری طرف جب تقدیر کا جبر تسلیم کرنے پر آتا ہے تو یہاں بھی اس کی روش معاندانہ ہی نظر آتی ہے۔ یعنی پھر جزاء و سزا میں الجھنے لگتا ہے' و لقد صدق الله عزوجل ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلاً﴾ (الکھف: ٥٤) (انسان فطرۃً جھگڑالو ہے) حالانکہ سوچنا تو یہ چاہیے تھا کہ کیا محکومیت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ محکوم ہمیشہ حاکم کے زیر دست رہے پھر یہاں تو رشتہ صرف محکومیت کا ہی نہیں' بلکہ مخلوقیت کا بھی ہے کیا یہ معقول نہیں کہ یہاں ہمارا غیر مستقل اختیار بھی مختارِ کل کی مشیت کا محکوم بنا رہے' جب یہ معقول بات سامنے رکھی جاتی ہے تو دنیا شور بپا کر دیتی ہے کہ ہم کو مجبور بنا دیا' حالانکہ غور کی بات تو یہ تھی کہ جو سرے سے موجود ہی نہ تھا وہ مختار تھا کس دن' پھر جتنا کچھ مختار تھا تقدیر نے اس کو ختم کب کیا بلکہ آئینی طور پر اور تسلیم کر لیا ہے' پس یہاں تو یہ احسان کہ ایک معدوم محض کو شرفِ وجود بخشا پھر اپنی حکمتِ کاملہ سے ایک جمادِ محض (یعنی نطفہ) کو سمیع و بصیر اور مختار بنا دیا' ادھر یہ احسان فراموشی کہ شکوہ یہ ہے کہ مختار کو مجبور بنا دیا۔

یہاں ایک مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ تقدیر اور بندہ کے اختیار کو علیحدہ علیحدہ سمجھ کر تقدیر کو بندہ کے اختیار پر حاکم مانا گیا ہے حالانکہ ہمارا اختیار بھی خود تقدیر کے دائرہ میں شامل ہوتا ہے' اسی قسم کا سوال ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا تھا ''یارسول اللہ امراض میں دواء کا استعمال اور جنگ میں ڈھال کا کیا خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے' یعنی جب نہیں ٹال سکتا ہے تو پھر ان کے استعمال کا فائدہ؟ آپؐ نے جواب کتنا مختصر مگر کیسا تشفی بخش ارشاد فرمایا میرے صحابہ تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج سمجھتے ہی کیوں ہو۔ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دواء کرو گے تو شفایاب ہو گے' سپر استعمال کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے۔ پس ارتکابِ اسباب بھی احاطہ تقدیر میں داخل ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ وباء شام کے قصہ میں نقل فرماتے ہیں کہ جب عمرؓ مقام سرغ کے پاس پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ شام میں تو وباء پھیل رہی ہے یہ سن کر آپ نے لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس پر ابوعبیدہؓ نے تعجب سے فرمایا ''اچھا آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟'' یعنی اگر موت مقدر ہو چکی ہے تو پھر اس واپسی کا فائدہ؟ عمرؓ نے اس کا کیا حکیمانہ جواب دیا' فرمایا: ابوعبیدہؓ اگر دو وادیاں ہوں ایک سرسبز دوسری خشک' بولو اپنے اونٹ کس میں چراؤ گے؟ اگر سرسبز وادی میں چراؤ اور یقیناً اسی میں چراؤ گے تو کیا

www.besturdubooks.net

كـحـركة الـحـجـر فـي تدحرجة كذبت و ابن حكمت بانها صادرة من غير علة موجبة لها فلا المزاج الفحلى يـوجـب هـذا الباب و لا المزاج الانثوى يوجب ذلك كذبت و ان حكمت بان الا رادة المتشجه في انفسهما تحكي وجوبًا فوقا نيا و تعتمد عليه و انها لا تفور فورانًا (۳) استقلا ليا كان ليس و راء ذلک عرفي فقد كذبت بـل الـحـق الـيـقـيـن امر بيـن الامـريـن و هـو ان الاختيار معلول لا يختلف عن علله و الفعل المراد توجبه العلل

یہ تقدیر سے گریز ہوگا یا یہ بھی اسی تقدیر کے تحت ہوگا' اسی طرح میری واپسی کو احاطہ تقدیر سے باہر کیوں سمجھتے ہو- اگر موت کی وادی سے بچ کر جا رہا ہوں تو یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہوگا' جب ہی تو جا رہا ہوں- (مؤطا مالک)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ تقدیر و تدبیر میں جنگ نہیں ہے اور جنگ تو اس وقت ہوتی جب کہ تدبیر تقدیر کے احاطہ سے کہیں باہر ہوتی اب تو تدبیر بھی تقدیر کا جزء بنی ہوئی ہے تقدیر و تدبیر کے مراتب کو اس طرح محفوظ رکھنا یہ علوم نبوت کا فیض ہے' دیکھیے حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے فرزندوں کو مصر روانہ کر رہے ہیں تو نظر گزر کے خطرہ سے تحفظ کے لیے یہ بھی فرماتے جاتے ہیں ﴿يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَّ ادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ (یوسف :٦٧) بچو! دیکھنا کہیں ایک ہی دروازہ سے سب کے سب مت داخل ہو جانا بلکہ متفرق دروازوں سے جانا (کہیں خاندانِ نبوت کو کسی کی نظر نہ کھا جائے) ادھر شفقتِ پدری نظر گزر سے تحفظ کی یہ تدبیر بھی کرتی جاتی ہے اُدھر لسانِ نبوت رمز تقدیر سے بھی آگاہ کیے جاتی ہے اور فرماتی ہے ﴿وَمَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (یوسف :٦٧) یعنی میری یہ تدبیر صرف عالم اسباب کی ایک تسلی ہے' جو مقدر ہو چکا ہے کہیں اس کو میں ٹال سکتا ہوں-

یہاں اس پر بھی ذرا غور کیجیے کہ جس کو آپ تقدیر کا جبر سمجھتے ہیں اس کی حقیقت ہے کیا- یہی تو کہ قدرت نے اپنے دیئے ہوئے اختیار کو اپنے ہی کنٹرول میں رکھا ہے' یا یہ کہ جو اختیار عطا فرمایا تھا اس کو سلب کر لیا ہے پھر اس جبر کا اثر ہے تو کہاں ہے' کیا ان اشیاء میں ہے جہاں آپ کو تقدیر سے قبل اختیار حاصل تھا' یا ان میں جہاں پہلے بھی آپ مجبور ہی مجبور تھے اس لیے یوں نہ کہیے کہ تقدیر نے ہم مختاروں کو مجبور بنا دیا' بلکہ یوں کہیے کہ ہم مجبوروں کو ایک محدود پیمانہ پر مختار بنا دیا ایسا مختار کہ وہ اختیار بھی ہماری حیثیت سے کہیں زیادہ تھا' ایک مجبور میں نہیں بلکہ معدوم محض میں اختیار کا تصور کرنا ہی کب معقول ہے یہ تو مختارِ مطلق کا کرم تھا کہ اس نے محض اپنے کرشمہ قدرت سے ایک جماد کو اختیار بخش دیا اور اس کے اس اختیار کے سامنے اپنا جبر ایسا پس پردہ کر دیا کہ اس عالم میں اس جبر کا ادراک کرنا مشکل ہو گیا- ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾- (الانفال:۲)

ذرا اور دقتِ نظر سے کام لیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارا یہ ناتمام اختیار قائم ہی جب رہ سکتا ہے جب کہ قدرت کا اختیار اس کے ساتھ ساتھ لگا رہے اگر قدرت کا اختیار کہیں اس کی سرپرستی چھوڑ دے تو ہمارا اختیار خود بخود فناء ہو جائے- اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ بچہ جب ہٹ کرتا ہے کہ چلے اور اپنے پیروں ہی چلے' اس کے والدین جانتے ہیں کہ اس غریب کے پیروں میں خود چلنے کا دم نہیں ہے اس لیے اپنی طاقت سے اس کو چلاتے ہیں اور جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے اسی طرف چلاتے ہیں- اس کا

www.besturdubooks.net

و لا یمکن ان لا یکون و لکن ھذا الاختیار من شانہ ان یتبھج بالنظر الی نفسہ و لا ینظر الی مافوق ذلک فان ادیت حق ھذا الاختیار من شانہ ان یتبھج بالنظر الی نفسہ و لا ینظر الی مافوق ذلک فان ادیت حق ھذا الموطن و قلت اجد فی نفسی ان الفعل و الترک کانا مستویین و انی اخترت الفعل فکان الاختیار علۃ لفعلہ صدقت و بررت فاجزت الشرائع الالٰھیۃ عن ھذہ الارادۃ المتشجۃ فی ھذہ الموطن' و بالجملۃ فقد ثبتت ارادۃ

ناتمام اختیار جب اس طرح والدین کے اختیارِ مستقل کے سہارے سہارے کام کرنے لگتا ہے تو اس بچہ کے ارمان تو یوں پورے ہو جاتے ہیں کہ جو اس کی ضد تھی وہ پوری ہوگئی اور والدین یوں خوش ہو جاتے ہیں کہ اس طرح ان کا بچہ خوش ہوگیا' اور ان کا کچھ بگڑا نہیں۔ اگر کہیں یہ بچہ اس کی ضد کر بیٹھے کہ والدین کی دستگیری کے بغیر خود اپنی ہی طاقت سے چلے تو ظاہر ہے کہ جتنا فاصلہ اپنے اس ناتمام اختیار کے ساتھ اس نے طے کر لیا تھا یہ بھی طے نہ ہو۔ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے' کیونکہ بچہ تو اپنی مشیت بھی رکھتا ہے اور کچھ طاقت بھی ادھر اس کے والدین گو طاقت اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں۔ مگر اپنی مشیت اور اپنی طاقت کو اس بچہ کے تابع بنائے رکھتے ہیں اور ادھر ہی اس کو صرف کرتے ہیں جدھر وہ بچہ ارادہ کرتا ہے مگر خالق کے معاملہ میں بندہ کی مشیت کی ہستی ہی نہیں ہوتی' وہ اگر کچھ قدم چل سکتی ہے تو خالق کی مشیت کے سہارے سہارے ہی چل سکتی ہے ﴿وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ﴾ یعنی تم ارادہ ہی وہ کر سکتے ہو جو مشیتِ الٰہیہ چاہتی ہے۔ تعجب ہے کہ اتنی محکومیت کے باوجود اگر سطحی نظر ڈالو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس عالم میں مشیتِ الٰہیہ ہمارے ارادہ کے تابع بنی ہوئی ہے اور جو ہم کرنا چاہتے ہیں وہی وہ پورا کرتی رہتی ہے۔ یہ تمام کرشمہ اسی حکمت کا ہے کہ ہمارے افعال پر قدرت نے جبر نہیں فرمایا بلکہ خود ہمارے اختیار ہی کو اپنے اختیار میں لے رکھا ہے' لہٰذا مجبورِ محض ہونے کے باوجود ہمارا احساس یہی رہتا ہے کہ ہم مختارِ مطلق ہیں اور اس عالم کے لحاظ سے یہ غلط بھی نہیں' جو جبر یہاں ہے وہ عالمِ غیب کے لحاظ سے ہے' اور وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ اب اس کے سواء چارہ کار نہیں کہ اس معاملہ میں صرف انبیاء علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کیا جائے یہاں دلائل کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو انسان اپنے ذاتی وجدان کے بالمقابل ان کو باور نہیں کر سکتا' اس لیے اسلام نے یہاں صرف تسلیم و رضاء کی ایک راہ بتا دی ہے۔ حقیقت سے بے خبر بھی نہیں رکھا اور اس کو پورے طور پر حل کرنا چونکہ ہمارے بس سے بالاتر تھا اس لیے بحث کرنے سے بھی روک دیا۔ ﴿فَاتَّبِعُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾

بالفاظ دیگر اس مضمون کو یوں سمجھئے کہ بعض مرتبہ شیء کا وجود ہی اتنا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے کہ وہ خود بخود قائم نہیں رہ سکتا' اس کے وجود کی کل حقیقت ہی اتنی ہوتی ہے کہ کسی موجودِ حقیقی کے ساتھ اس کو کوئی صحیح نسبت لگی رہے اور اس لیے اس کا وجود بھی اسی وقت قائم رہتا ہے جب تک کہ یہ نسبت قائم رہتی ہے جہاں یہ نسبت ختم ہوئی اس کا وجود بھی ختم ہوا۔ دیکھو دن میں دھوپ کی تمازت و تیزی کا کیا عالم ہوتا ہے۔ موسم گرما میں فضاء عالم گویا کرۂ ناری بنی ہوئی نظر آتی ہے' مگر جہاں آفتاب نے غروب ہونے کے لیے رختِ سفر باندھا اسی کے ساتھ ساتھ حرارت کے آثار بھی مضمحل اور مدھم پڑنا شروع ہوئے' ادھر آفتاب غروب ہوا اور ادھر یہ آثار بھی معدوم ہوئے' اور وہی فضاء جو ابھی ابھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی ایک دم میں تیرہ و تاریک بن گئی۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ یہاں

www.besturdubooks.net

يتحدد تعلقها و ثبتت المجازاة في الدنيا و الأخرة و ثبت ان مدبر العالم دبر العالم يا يجاب شريعة يسلكونها لينقنعوا فكان الامر شبيها بان السيد استخدم عبيده و طلب منهم ذلك و رضى عمن خدم وسخط على من لم يخدم فنزلت الشرائع الالهية بهذه العبارة لما ذكرنا أن الشرائع تنزل في الصفات وغيرها بعبارة ليس هنالك افصح و لا ابين للحق منها أكانت حقيقةً لغوية او مجازا متعارفاثم مكنت الشرائع الهية هذه المعرفة الغامضة

آفتاب نے کچھ ظلم کیا ہے کہ ہماری یہ بزم کی ساری رونق اپنے ساتھ ہی لوٹ کر لے گیا' نہیں نہیں حقیقت یہ ہے کہ عالم کی فضاء پہلے سے تاریک ہی تھی جو نور اس کو عطا ہوا تھا یہ آفتاب ہی کی سخاوت تھی مگر کیا کیا جائے کہ اس میں استعداد ہی اتنی تھی کہ جب تک اس کی نسبت آفتاب کے ساتھ درست رہے وہ روشن رہے اور جب یہ نسبت ختم ہونے لگے تو اس کا وجود بھی معرضِ خطر میں نظر آئے۔ یہاں اس فضاء میں اتنی سکت ہی نہیں کہ اس کا بخشا ہوا نور تھوڑی سی دیر کے لیے جذب ہی کیے رہے' چار و ناچار نتیجہ یہ نکل کر رہتا ہے کہ اس کی اصل مظلم و تاریک شکل پھر عود کر آتی ہے اس میں آفتاب کا ظلم کیا ہے۔ جتنی دیر فضاء منور رہی یہ اس کا کرم تھا اور جب مکدر و مظلم ہوئی تو یہ خود اس فضا کا اپنا ہی قصور ہے۔ اسی طرح ممکنات کی حقیقت وجود سے معریٰ اور خالی ہے جو عارضی وجود ان کو ملا ہے یہ خالق کل کا عطا کردہ ہے۔ اب سوچیے کہ ایسے موجود کی صفات کا حال کیا ہوگا' اسی سے اس کی صفتِ اختیار کو بھی قیاس کر لیجئے' پس اس کا اگر وجود قائم ہے تو اسی موجودِ حقیقی کے انتساب سے قائم ہے اور اگر اس کا اختیار ہے تو بھی اسی کے اختیارِ مطلق کے زیر سایہ رہ کر ہے۔ حق تعالیٰ عالم کو پیدا فرما کر اس سے علیحدہ نہیں ہوگیا' بلکہ اسی نے پھر اس کی ہستی کو برقرار رکھ چھوڑا ہے' اگر اس کی یہ نگرانی نہ رہے تو اسی آن میں سارا عالم درہم و برہم ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس کا نام قیوم بھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ﴾ (فاطر: ٤١)

پس جب ممکنات کا نفسِ وجود ہی اتنا ضعیف ہو کہ موجود ہونے کے بعد آئندہ اپنی بقا کے لئے بھی سہارے کا محتاج رہے تو پھر کیا اس کی صفات مستقل ہو کر قائم رہ سکتی ہیں۔ ظل کی کیا مجال کہ اپنی اصل سے مستغنیٰ ہو سکے ناواقف اظلال کی طوفان خیز حرکت کو دیکھتا ہے تو ان حرکات کا خالق ان اظلال ہی کو سمجھنے لگتا ہے' واقف خوب جانتا ہے کہ ان میں کیا رکھا ہے' یہ سب بے حقیقت ہے جو کچھ ہو رہا ہے یہ حرکات اصل ہیں جو اظلال میں بطریق عکس نمایاں ہو رہی ہیں اگر یہ اظلال اپنے اصول کے استقبال کی درخواست پیش کرنے لگیں تو یہ کیسی نادانی ہوگی ظاہر ہے کہ خیریت اسی میں ہوگی کہ یہ سب درخواستیں مسترد کر دی جائیں' ورنہ ظاہر ہے کہ ظلال کی حقیقت ہی اتنی ضعیف ہے کہ ان کا استقلال بس یہی ان کی فناء ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جب چیونٹی کے پر نکلنے لگتے ہیں تو اس کے فناء کا زمانہ قریب ہوتا ہے اسی لئے بعض سلف کا مقولہ ہے:

والله ما احب ان يجعل امرى الى و كون امرى بيدالله خيرمن ان يكون بيدى. (موقف ص ٢٢٤)	بخدا میں اپنے معاملہ کو خدا تعالیٰ کی قدرت کے تحت رکھنا اس سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنی قدرت میں رکھوں۔

غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جبر کا سوال نہ تو تقدیر سے متعلق ہے نہ پروردگارِ عالم کے عدل سے بلکہ یہ ذاتِ ممکن کا خود اپنا ہی قصور ہے اور جب یہ قصور خود اپنی حقیقت کا ہے تو پھر اس کے ازالہ کی فکر بھی عبث ہے۔ اتنی تطویل کے بعد بھی یہ مشکل پھر جوں کی توں رکھی ہوئی ہے کہ انسان اپنے وجود کو ضعیف سمجھے کیونکر وہ اپنے نفس ہی کو موجود حقیقی سمجھتا اور جس کی خبر انبیاء

www.besturdubooks.net

من نفوسهم بثلاثة مقامات مسلمة عندهم جارية مجری المشهورات البدیهیة بینهم' احدهم انه تعالٰی منعم و شکر المنعم واجب و العبادة شکراً له علٰی نعمه' و الثانی انه یجازی المعرضین عنه التارکین لعبادته فی الدنیا اشد الجزاء' و الثالث انه یجازی فی الأخرة المطیعین و العاصیین فانبسطت من هنالک ثلاثة علوم' علم التذکیر بالأء الله' و علم التذکیر بأیام الله' و علم التذکیر بالمعاد فنزل القران العظیم شرحًا لهٰذه العلوم. (صفحہ۲۸ حجۃ اللہ)

علیہم السلام دیتے ہیں اس کو آنکھوں سے دیکھتا نہیں' اگر کہیں اس کو دیکھ لیتا ہے تو مسئلہ تقدیر اسی وقت بدیہی بن جاتا- اب نہ قیامت سے قبل موجودِ حقیقی کا دیدار ممکن ہے اور نہ مسئلہ تقدیر کا حل ممکن ہے' بس یہاں صحیح راستہ ایک ہی ہے وہ یہ کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر خالق کا وجود مان لیا گیا ہے اسی طرح ان ہی کے اعتماد پر خالق کی تقدیر پر بھی اعتماد کرلیا جائے-

مسئلہ مجازات

جزاء وسزا کے مسئلہ میں الجھنا بھی بیکار ہے' اوّل تو اس لیے کہ یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ مالک اور خالق سے کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا بلکہ مالک کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو ہر قسم کا تصرف کرنے کا مجاز ہو آپ ایک چیز عاریۃً لیتے ہیں' کرایہ پر بھی لیتے ہیں مگر یہاں الٹی اور اس کی حفاظت ہی آپ کے سر پڑتی ہے اور آپ صرف وقتِ مقرر تک وہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے کے مجاز ہوتے ہیں' اس کو فروخت نہیں کر سکتے' ہبہ نہیں کر سکتے' اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کر سکتے اس کو توڑنا اور خراب کرنا تو درکنار لیکن جس چیز کے آپ مالک کہلاتے ہیں اس میں آپ کو ان تمام تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے' بلکہ ایک قیمتی چیز کے ضائع کر دینے پر بھی آپ مسئول نہیں ہو سکتے- جب ایک مجازی مِلک کے حقوق یہ ہیں تو حقیقی مِلک کے حقوق کیا ہوں گے پھر یہاں علاقہ صرف ایک مملوکیت کا ہی نہیں مخلوقیت کا بھی ہے اور چونکہ اس نے بلاشرکت غیرے پیدا فرمایا ہے اس لیے مالکیت حقیقیہ کا حق بھی صرف اسی کا رہنا چاہیے- ایسے مالک سے جو خالق بھی ہو جزاء وسزا کا سوال ہی کیا؟

دیکھئے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے مالکیت نہیں صرف ملوکیت عطا فرمائی تھی وہ بھی بہت محدود پیمانہ پر لیکن اس ناتمام ملوکیت کے لیے بھی جو امتیازی شان عطا فرمائی وہ ان الفاظ سے ظاہر ہے:

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (ص: ۳۹) یہ ہماری بخشش ہے اب آپ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں آپ سے اس کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا-

حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تاریخ البدایۃ والنہایۃ کی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی مرحمت ہوئی تھی اس لیے یہ تنبیہ کردی گئی کہ یہ بادشاہت ہے تو ہمارا عطیہ مگر چونکہ بادشاہ سے کوئی باز پرس نہیں ہوا کرتی اس لیے جاؤ اس بارے میں تم سے بھی کوئی حساب نہیں ہوگا-" اسلام میں غلامی کے مسئلہ سے ذرا سی مالکیت کا پتہ چلتا ہے' اگرچہ وہ صرف یہ جتانے کے لیے مقرر کی گئی ہے کہ جو مولائے حقیقی اور مالک حقیقی کی مالکیت پر راضی نہیں ہوتا اس کو پھر غلاموں کی مالکیت پر راضی ہونا پڑتا ہے مگر اس مالکیت کے بھی جتنے حقوق ہیں وہ اس سے ظاہر ہیں کہ جو ابھی غلامی سے قبل خود مالک بننے کی اہلیت رکھتا تھا' ملوکیت کا لفظ سی

www.besturdubooks.net

افعال العباد اختيارية' لكن لا اختيارلهم في ذلك الاختيار' و انما مثلهٗ كمثل رجل ارادأن يرمي حجرًا' فلو انه كان قادرًا حكيما خلق في الحجر الحركة ايضًا' و لا يرد عليه ان الافعال اذا كانت مخلوقة اللّٰه تعالٰى و كذلك الاختيار ففيم الجزاء' لان معنى الجزاء يرجع الى ترتب بعض افعال اللّٰه تعالٰى على البعض' بمعنٰى ان اللّٰه تعالٰى خلق هذه الحالة في العبد' فاقتضى ذلك في حكمته ان يخلق فيه حالة اخرى من النعمة أو الا لم كما

پہلو سے اس پر عائد ہو نہیں سکتا تھا ہر تصرف اس کا نافذ اور ہر حکم اس کا ناطق تھا وہی غلامی کے بعد اس طرح مملوک بن جاتا ہے کہ مالکیت کی اس میں اہلیت ہی نہیں رہتی نہ اس کا کوئی تصرف درست ہوتا ہے نہ کوئی حکم نافذ ہونے کے قابل ہوتا ہے اور اس کے مالک کو اس کو بیچ ڈالنے کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ اس کو مار بھی ڈالے جب بھی بعض ائمہ کے نزدیک گو اس کو گناہ کتنا ہی بڑا ہو مگر دنیا میں اس سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ باپ بیٹے میں خالقیت سے ذرا سی مشابہت پائی جاتی ہے' وہاں بھی بیٹے کے قتل کرنے کا قصاص باپ سے نہیں لیا جاتا۔ پس جب کہ مالکیت وخالقیت کی ادنیٰ سی مشابہتوں کے بعد سوال وجواب کا مرحلہ ختم ہو جاتا ہو تو جہاں یہ دونوں باتیں اپنی پوری حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوں بھلا وہاں محاسبہ اور سوال کا حق کس کو ہو سکتا ہے اس لیے فرمایا ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (الانبیاء:۲۳)

دوم آپ نے کبھی اس مسئلہ پر بھی غور کیا ہے کہ آخر اس عالم کی آفرینش ہوئی کیوں؟ یہاں صرف ذات جامع صفات کا ایک اقتضاء ہی تو تھا۔ لہٰذا اب جس صورت سے بھی یہ اقتضاء پورا ہوگا وہی مناسب ہوگی۔ کمال یہ چاہتا ہے کہ مہر وقہر دونوں ہی کا ظہور ہو اس لیے ضروری ہوا کہ دونوں کے لیے اسباب بھی پیدا فرمائے جائیں اور چونکہ جزاء وسزا کا عنوان چاہتا ہے کہ جزاء میں عمل کی کچھ تاثیر بھی عیاں رہے تاکہ اچھے پر اچھی جزاء اور برے عمل پر اس کی سزا دی جا سکے اس لیے ضروری ٹھہرا کہ بندہ کو کچھ اختیار دے دیا جائے اس تناسب کے لیے جتنا اختیار عقلاً ممکن تھا وہ عطا کر دیا گیا اور اسی پر جزاء وسزاء کو دائر کر دیا گیا۔ اب جب کبھی بندہ اپنے اس عطا کردہ اختیار سے برا عمل کرتا ہے وہ دنیا میں بھی برا کہلاتا ہے اور اگر بھلا کرتا ہے بھلا کہلاتا ہے جب اس کے ان افعال پر دنیا میں تعریف ومذمت کرنا معقول ہوگئی تو آپ میں معقول کیوں نہ سمجھی جائے۔

چلا عدم سے میں ہستی کو بول اٹھی تقدیر بلا میں پھنسنے کو کچھ اختیار لیتا جا

رہ گئی یہ بات کہ جب برے افعال کرنا بری بات ہے تو اس کا پیدا کرنا کمال کیونکر سمجھا جائے تو سمجھئے کہ خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے۔ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ عمل اس کے ساتھ اس طرح قائم ہوتا ہے جیسے کپڑے کے ساتھ سفیدی اور سیاہی۔ اب جب اس لحاظ سے کپڑے کو سفید اور سیاہ کہہ سکتے ہیں تو ان اعمال کے لحاظ سے بندہ کو برا اور بھلا بھی کہہ سکیں گے' مگر مخلوق خالق سے علیحدہ رہتی ہے وہ اس کے ساتھ قائم نہیں ہو جاتی' لہٰذا بری مخلوق خالق کی صفت نہیں ہو سکتی' البتہ اس کا پیدا کرنا اس کی صفت ہوتی ہے۔ صفت خلق بہر کیف کمال ہے' اسی لیے ناقص نہ خیر پیدا کر سکتا ہے نہ شر کیونکہ خلق مطلقاً ایک کمال ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ خلق شر کمال کیوں ہے؟ تو ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ جب خلق کفر میں ظہور قہر کی مصلحت بھی ہو تو پھر اس کو بھی مقتضائے کمال کیوں نہ کہا جائے۔

درکار خانہ خلق از کفر ناگزیر است آتش کرا بسوز دگر بولہب نباشد

شاعر یہاں یہی مضمون کہہ رہا ہے کہ عالم میں کفر اس لیے ضروری ہے کہ اگر ابولہب جیسا کافر نہ ہو تو پھر جہنم کی پیدائش کا فائدہ؟

www.besturdubooks.net

انہ یخلق فی الماء حرارہ' فیقتضی ذلک ان یکسوہ صورۃ الھواء' و انما یشترط وجود اختیار و کسب العبد فی الجزاء بالعرض لابالذات' و ذلک لان النفس الناطقۃ لا تقبل لون الاعمال التی لا تستند الیھا بل الی غیرھا من جھۃ الکسب و لا الا عمال التی لا تستند الی اختیارھاو قصدھا' و لیس فی حکمۃ اللہ ان یجازی العبد بما لم تقبل نفسہ النا طقۃ لونہ' فاذا کان الامر علی ذلک کفی ھذہ الاختیار غیر المستقل فی الشرطیۃ اذا کان مصححال

بادشاہی کا کمال دونوں قسم کی طاقتوں ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے کافر کے حق میں کفر کتنا ہی قبیح سہی لیکن خالق کے حق میں تو مظہر کمال ہوتا ہے۔ دیکھیے بیت الخلاء یعنی پاخانہ خود کتنی ہی کمتر چیز ہو لیکن ایک بڑی سے بڑی کوٹھی اس وقت تک ناقص ہی سمجھی جاتی ہے جب تک کہ اس میں یہ ناقص درناقص چیز بھی موجود نہ ہو۔ جس طرح ایک کوٹھی کے لیے بیت الخلاء کا وجود ضروری ہے اسی طرح عالم کے کمال کے لیے بھی صدیق اکبرؓ جیسے مؤمن کامل کے بالمقابل ایک ابولہب جیسے کافر کی بھی ضرورت ہے' پھر جس طرح کوٹھی میں یہ سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے کہ اس زمین نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو بیت الخلاء بنا دیا' اور اس ٹکڑے میں کیا کمال تھا کہ اس کو شہ نشین بنادیا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ ابولہب نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو کافر بنا دیا' اور صدیق اکبرؓ میں کیا کمال تھا کہ ان کو صدیقیت سے نواز دیا یہ سب مالک کے اپنے ارادہ اور پسند کی بات ہے' کسی کو اس میں دخل در معقولات کا حق نہیں ہے ۔

بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فوائد قرآن کریم میں زیر تفسیر آیۃ ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکھف: ٤٩) مسئلہ تقدیر کا حل اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''رب جو کرے سو ظلم نہیں سب اسی کا مال ہے پر ظاہر میں جو ظلم نظر آئے وہ بھی نہیں کرتا بے گناہ دوزخ میں نہیں ڈالتا اور نیکی ضائع نہیں کرتا' اور جو کوئی کہے (یعنی اعتراض کرے) گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے؟ سو (یہ) بات نہیں (ہے) اپنے دل سے پوچھ لے' جب گناہ پر دوڑتا ہے اپنے قصد سے دوڑتا ہے اور جو کوئی کہے قصد بھی اسی نے دیا تو قصد دونوں طرف لگتا ہے' اور جو کوئی کہے اسی نے ایک طرف لگا دیا' سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے' بندہ سے معاملہ ہوتا ہے اس کی سمجھ پر' بندہ بھی پکڑے گا اسی کو جو اس سے بدی کرے' یہ نہ کہے گا کہ اس کا کیا قصور اللہ نے کرا دیا''۔

ان سطور کو بار بار بغور پڑھیے مسئلہ تقدیر کا جتنا واضح حل اور جتنی سادگی سے آپ کو یہاں ملے گا بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملے گا' بشرطیکہ سمجھنے کا ارادہ بھی ہو۔ خاتمہ بحث پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی جو نظم ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین کردی جائے' اس میں تمام گزشتہ تفصیلات کو بہت مختصر اور عمدہ پیرایہ میں سمیٹ دیا گیا ہے' اگر آپ نے ان تفصیلات کو سمجھ کر ذہن نشین کرلیا ہے تو پھر آپ ان اشارات سے جو اس مختصر نظم میں اس مسئلہ میں اشکالات کے حل کے لیے کیے گئے ہیں پورے طور پر محظوظ ہوسکتے ہیں:

ایا صاحبی ان الکلام بقدر تک طویل و تحریر الخلاف یطول

عزیز من! تمہاری قدرت کی داستان بہت دراز ہے' اگر اس میں مذاہب کی تفصیلات بھی بیان کی جائیں تو افسانہ اور دراز ہوتا ہے۔

www.besturdubooks.net

قبول لون العمل، و هذا الکسب غیر المستقل اذا کان مصححا لتخصیص هذا العبد بخلق الحالة المتأخرة فیه دون غیره، وهذا تحقیق شریف مفهوم من کلام الصحابة و التابعین فاحفظه. (صفحہ ۱۶۷ حجۃ اللہ)

ففیک اختیار لیس منک و ذلک لجبر اختیار لا یکنک ذهول

اس لیے مختصر یہ سن لو کہ تم میں اختیار کی صفت تو یقیناً پیدا فرمائی گئی ہے، مگر اس اختیار پر تمہارا اختیار نہیں ہے اس لیے یہاں جبر بھی ہے مگر افعال پر نہیں اختیار پر ہے۔

و اما اختیار مستقل فانه محال فلا یسالک عنه سئول

اب رہا ایسا اختیارِ مطلق جس کے اوپر کسی کا جبر نہ ہو تو وہ مخلوق کے حق میں محال ہے، نہ مخلوق خالق بن سکتی ہے نہ اختیار مستقل اس کو مل سکتا ہے، لہٰذا اس کے متعلق تم سے کوئی حریص سوال نہ کرے۔

فافعالنا منا علی اختیارنا و لکنها نحو القدیر یؤل

خلاصہ یہ ہوا کہ ہمارے افعال ہماری قدرت سے سرزد ہوتے ہیں اور ہمارے اختیار ہی سے صادر ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہماری قدرت واختیار قادرِ مطلق کی عطا فرمودہ ہیں اس لیے افعال کی نسبت اس طرف بھی رہتی ہے۔

وهذا هو الکسب الذی کلفوا به و فیه اقتصاد فلیکنک قبول

امام ماتریدی نے اس مسئلہ میں خلق وکسب کا جو فرق فرمایا ہے اس کی تفسیر بھی یہی ہے اور یہی درمیانی راہ بھی ہے اس لیے چاہیے کہ تم اس کو بسر وچشم قبول کرلو۔

و یثمر شرّ شرما ینبغی له فیز عمه الظلم الصریح جهول

رہا جزاء وسزا کا مسئلہ تو وہ واضح ہے کہ شر سے شر ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ جاہل آدمی اس کو ظلم سمجھنے لگتا ہے۔

کایراث خبث البذر خبث نباته طباعاً و لا یاتیه قال یقول

دیکھو اگر خراب درخت کا تخم ہو تو کیا اس سے ویسا ہی درخت طبعًا پیدا نہیں ہوتا پھر یہاں کون سوال و جواب کرتا ہے کہ اس تخم سے یہ خراب درخت ہی کیوں پیدا ہوا؟

ولیس جزاء ذاک عین فعالنا و لکن ستراً حال سوف یزول

اگر غور کرو تو جس کو تم جزاء سمجھ بیٹھے ہو یہ جزاء نہیں وہی دنیا میں کیے ہوئے تمہارے اچھے برے اعمال ہیں جو دوزخ اور جنت میں ثواب وعذاب کی شکل میں نظر آئیں گے۔ جو حجاب یہاں ہماری آنکھوں پر اس حقیقت کے دیکھنے سے مانع ہو رہا ہے قیامت میں وہ اٹھ کر رہے گا، اس وقت یہ بات صاف صاف نظر آجائے گی۔

و لا یستوی المیزان الا بحضلة تفوت بادنی میلة فیعول

ترازو کے دونوں پلوں کے برابر رہنے کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے، جہاں ایک طرف جھکاؤ پیدا ہوا اور وہ ختم ہوئی۔ اسی طرح تقدیر کے جبر واختیار کے پلوں کو بھی برابر رکھنا چاہیے ورنہ جبریہ یا قدریہ میں شامل ہو جاؤ گے۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه و خیرته سیدنا محمد صلی اللہ علیه وسلم تسلیما کثیرا

www.besturdubooks.net

مسئلہ قضاء وقدر علمی نظر میں

قضاء وقدر اور اکتشافاتِ عصریہ کا اس پر اثر

مسئلہ قضاء وقدر اگرچہ عہد قدیم سے عقلاء کے درمیان معرکہ بحث بنا ہوا ہے' مگر ہمارے دور میں جس نظریہ کے ماتحت اس پر نظر ڈالی جارہی ہے وہ قدیم نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ عہد ماضی میں خالق کی زبردست ہستی تو سب کو مسلّم تھی بحث صرف اسی میں تھی کہ بندوں کے افعال قدرت کی گرفت سے آزاد ہیں یا ان پر بھی اس کا فولادی شکنجہ کسا ہوا ہے؟ لیکن دورِ حاضر کا انسان تو یہ سمجھتا ہے کہ جب اکتشافاتِ عصریہ نے یہ ثابت کر کے دکھا دیا ہے کہ انسان اپنے افعال کی دنیا ہی نہیں بلکہ اپنی ضروریات کی جملہ مصنوعات کی تخلیق وتخریب کے لیے خود کافی ہے تو اب کسی خارجی قدرت کو بے وجہ تسلیم کیے چلے جانا محض بے معنی اور کورانہ تقلید ہے۔ گویا اب بحث یہ نہیں رہی کہ کوئی خارجی طاقت تو موجود ہے مگر ہمارے افعال پر اس کا کنٹرول کتنا ہے' بلکہ نقطہ بحث یہ بن گیا ہے کہ انسانی قدرت کے ان مظاہروں کے بعد کیا اس پر کسی خارجی قدرت کا تسلط تسلیم کر لینا معقول بھی ہے؟ عالم غیب سے اس ناآشنا جماعت کو یہ خبر ہی نہیں کہ مسئلہ تقدیر انسانی جدوجہد یا اس کی درماندگی کی وجہ سے کسی وقت بھی زیر بحث نہیں رہا بلکہ ہمیشہ زیر بحث یہ رہا ہے کہ انسانی افعال خواہ وہ معمولی سے معمولی ہوں یا مشکل سے مشکل درحقیقت ان میں انسانی قدرت کا دخل ہوتا بھی ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو کتنا؟ جس جماعت کا خیال یہ ہے کہ انسان گو خود مخلوق ہے مگر اپنے افعال کی تخلیق کی اس کو پوری پوری قدرت عطا کر دی گئی ہے اس کے نزدیک اس کے محیر العقول کارنامے اور اس کے معمولی سے معمولی افعال دونوں کے دونوں اسی کی قدرت کے رہین منت ہیں اور جس کے نزدیک اس کو یہ قدرت عطا نہیں ہوئی اس کے نزدیک بھی انسانی افعال میں معمولی اور غیر معمولی کی کوئی تفریق نہیں خواہ وہ سائنس کی جدید ایجادات ہوں یا ادنیٰ سے ادنیٰ افعال دونوں کے دونوں اس کی قدرت سے خارج اور براہِ راست قدرتِ الٰہیہ کے زیر اثر ہیں۔

پس انسان کی مصنوعات کی حیرت انگیز ترقیات دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا گویا اب مسئلہ تقدیر سے حجاب اٹھ گیا ہے' صرف ایک خوش فہمی ہے۔ یاد رکھیے کارخانہ عجائبات جتنا پھیلتا چلا جائے گا قضاء وقدر کا سوال بھی اتنا ہی اور پھیلتا چلا جائے گا' کیونکہ قضاء وقدر کا سبق ہمیں اپنی مصنوعات اور مساعی سے کہیں باہر جا کر پڑھنا نہیں ہے بلکہ خود اپنے ان افعال ہی کے ضمن میں پڑھنا ہے اس لیے ہمارے افعال کا عمق جتنا اور بڑھتا رہے گا قضاء وقدر کا سوال بھی اتنی ہی گہرائی میں اٹھتا رہے گا۔

قضاء وقدر اور انسانی جدوجہد سے اُس کا تعلق

موجودہ مفکرین کو ایک مغالطہ یہاں یہ بھی ہے کہ مسئلہ قضاء وقدر انسانی ترقیات میں ایک بہت بڑی رکاوٹ کا باعث ہے' ان کے زعم میں انسانی دماغ پر کسی فوقانی طاقت کی قہرمانی کے اعتقاد کا اثر اس کے عزائم اور قوائے عملیہ پر پڑے بغیر رہ نہیں سکتا وہ

www.besturdubooks.net

تقدیر پر یقین کر کے عزم و ہمت کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی پوری پوری جدو جہد کر نہیں سکتا بلکہ اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا اور نوشتہ تقدیر پر اعتماد کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہتا ہے- یہ مغالطہ بھی محض اپنی ہی خام خیالی کا ثمرہ ہے' کیونکہ اس مسئلہ کا حاصل محض ایک غیبی حقیقت کا انکشاف ہے' یعنی یہ کہ عالم اسباب میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے خواہ وہ اسباب ہوں یا ان کے نتائج یہ دونوں حالتیں اس کے وسیع احاطہ میں شامل ہوتی ہیں- یوں نہیں ہے کہ تقدیر تو کہیں جداگانہ لکھی ہوئی رکھی ہے اور انسانی افعال اس سے کہیں ایک طرف ہو رہے ہیں بلکہ وہ انسانوں کی ان ہی مختلف جدو جہد میں پنہاں ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی یہ ظاہری جدو جہد سب اسی کی مسخر اور اسی کے تابع ہے' اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے بھی تو کر نہیں سکتا بلکہ اس کے دل میں اس ارادہ کا خطور بھی نہیں ہوسکتا-

اگر تقدیر کے تحت صرف ثمرات و نتائج ہوتے اور اسباب و وسائل اس سے باہر تو اب اسباب و وسائل میں ضعف کا امکان ہوتا اور ہر انسان یہ خیال کر سکتا تھا کہ جب نتائج طے شدہ ہیں تو اب اپنی جدو جہد بے سود ہے لیکن جب کہ نتائج کی طرح اسباب بھی احاطۂ تقدیر میں شامل ہو چکے ہیں تو صرف اس عقیدہ سے ترکِ اسباب کا اثر کیسے پیدا ہوسکتا ہے' بالخصوص جب کہ ثمرات و نتائج کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا- فرض کر لو اگر ہمیں کسی معاملہ میں اپنی کامیابی یا ناکامی کا علم ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ ہماری عملی جدو جہد بھی سرد پڑ جائے' لیکن اگر نتائج کا علم ہی نہ ہو اور اسباب کے علم کے ساتھ ساتھ ان پر قدرت بھی حاصل رہے تو کیا کوئی انسان ان کے ارتکاب سے باز رہ سکتا ہے یا اس کے عزم میں کوئی ادنیٰ سا اضمحلال بھی پیدا ہوسکتا ہے- ظاہر ہے کہ وہ نتائج سے لاعلمی کی وجہ سے اسباب کے ارتکاب کرنے پر فطرۃً مجبور ہوگا اور اسے ہونا بھی چاہیے- بلکہ اگر نتائج کا علم بھی ہو جائے پھر بھی قضاء و قدر پر اعتقاد کسی ادنیٰ ضعف کا موجب نہیں ہوسکتا کیونکہ تقدیر یہ تعلیم نہیں دیتی کہ جب نتائج میرے احاطہ میں شامل ہو چکے ہیں تو اب وہ برآمد ہو کر ہی رہیں گے خواہ تم سعی کرو یا نہ کرو' بلکہ یہ حکم دیتی ہے کہ تم میری طرف مت تکو تم اپنی عملی جدو جہد جاری رکھو اور اپنی حماقت سے یہ مت سمجھو کہ اسباب و وسائل کا ارتکاب کرنا میرے وسیع احاطہ سے خارج ہے' وہ بھی ٹھیک نتائج کی طرح اس کے اندر داخل ہے' اس لیے جس طرح نتائج مقدرہ کا ظہور ضروری ہے اسی طرح اسبابِ مقدرہ کا ارتکاب کرنا بھی لازمی ہے' ہاں یہ ضروری ہے کہ قضاء و قدر پر ایمان رکھنے کے بعد اسباب پر وہ اعتماد نہیں رہتا جو منکرین قدر کو ہوتا ہے تو ہمیں اس بات کا اعتراف کر لینے میں ذرا تامل نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک اسباب پر یہ بے اعتمادی ایمان باللہ کا لازمی ثمرہ ہے- لیکن اس کے باوجود قضاء و قدر کا نتیجہ ترکِ اسباب نہیں نکلتا' مؤمن بالقدر بھی پوری سعی کرتا ہے مگر اس یقین پر کہ فتح و نصرت صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگی لیکن چونکہ ارتکابِ اسباب کے لیے اس کا حکم ہے اور ان ہی کے ضمن میں اس کا وعدۂ نصرت بھی ہے' اس لیے ان کا ارتکاب لازم ہے اور جو منکرِ قدر ہے سعی وہ بھی کرتا ہے مگر بندۂ اسباب بن کر-

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ صرف ایک علمی اور مخفی حقیقت کا انکشاف ہے' اگر اس کو انسانی جدو جہد کے ساتھ کوئی ادنیٰ بھی اختلاف ہوتا تو اس عقیدہ پر ایمان لانے کے ساتھ شریعت ہم پر عملی جدو جہد کا بوجھ کبھی نہ ڈالتی' حالانکہ قرآن کریم کی صدہا آیات' احادیث کے دفتر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک لمحہ ہم کو یہی سبق دیتا ہے- اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی

www.besturdubooks.net

3 عملی زندگی اگر دیکھی جائے تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قضاء وقدر پر اعتماد کا سبق انہوں نے ہمیشہ عملی جدوجہد کے ضمن ہی میں پڑھا ہے- فتح وشکست کے میدانوں اور نماز و نیاز کی عبادت گاہوں میں دونوں جگہ یکساں جو عملی سرگرمی ان کی نظر آتی ہے تقدیر کا انکار کرنے والے شاید اس کا کوئی شمہ اپنی زندگی میں پیش نہیں کر سکتے-

قضاء وقدر کی حقیقت اور شرعی نظر میں اِس کی اہمیت

شرعی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی طرح ایمان بالتقدیر کو بھی اسلام کا ایک رکن لازم قرار دیا ہے' گویا جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ اللہ اور اس کے رسول پر بھی ایمان نہیں رکھتا- اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو ماننا اسی وقت صحیح طور پر ماننا کہا جا سکتا ہے جب کہ ان کی فرمودہ تمام باتوں کو بھی تسلیم کیا جائے- لہٰذا صرف تقدیر ہی نہیں بلکہ اس کی تمام کتابوں کا ماننا' اس کے رسولوں اور فرشتوں کا ماننا' جنت و دوزخ اور اسی طرح قیامت کا ماننا بھی لازم ہوگا- ادیانِ سماویہ میں کسی دین کو بھی ان امور میں کوئی اختلاف نہیں رہا' اسی لیے ان امور کو اصولِ دین کہا جاتا ہے- رسولِ خدا نے تنہائی میں' محفلوں میں' کوچوں میں اور بازاروں میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی جہاں پہنچ پہنچ کر ایک بار نہیں بار بار ان کا اعلان نہ کیا ہو- فرمائیے کہ اس شد و مد کے اعلان کے بعد بھی اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کر گزرتا ہے' کیا وہ درحقیقت رسول خدا کو مانتا ہے اور کیا جو رسول کو نہیں مانتا وہ صحیح طور پر خدا کو مانتا ہے؟

ایمان بالتقدیر کی پوری اہمیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے اس کی حقیقت کو ذرا تفصیل کے ساتھ سمجھ لیں اس کے بعد آپ کو یہ سمجھ لینا آسان ہوگا کہ اس کو رکن اسلام کی حیثیت کیوں دی گئی ہے-

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ تقدیر صرف اس یقین کا نام نہیں ہے کہ کائنات میں جو حرکت وسکون ہو رہا ہے ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم حاصل ہے' کیونکہ یہ تو قضاء وقدر کی بحث نہیں ہے یہ تو صفتِ علم کا مسئلہ ہے' اس میں تو اسلامی فرقوں میں سے کسی کو بھی کلام نہیں' جو شخص اس کا منکر ہے وہ تو کھلا کافر ہے- تقدیر کے جس معنی کے سمجھنے کی توفیق صرف اہل حق کے حق میں آئی ہے وہ یہ ہیں کہ تقدیر کے آگے تمام عالم مجبور ہے اس کا کوئی ذرہ اس کے خلاف جنبش نہیں کر سکتا' جس کے حق میں جنتی ہونا طے پا چکا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جنتی شخص ہی کے سے عمل کرے اور جس کے لیے اس کے خلاف طے ہو گیا ہے اس کے لیے بھی یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ کوئی دوسرا عمل کر سکے- اس کے باوجود انسان سے افعالِ شرعیہ کا مطالبہ کیا گیا ہے-

تفصیل یہ ہے کہ کارخانہ عالم تمام کا تمام اسباب ومسببات کے پورے پورے تناسب کے ساتھ قدرت نے باہم اس طرح اُلجھا دیا ہے کہ اس کی ظاہری سطح کو دیکھ کر یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اپنا نظام قائم رکھنے کے لیے شاید یہی خود بخود کافی ہو- انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لا کر کسی ظن وتخمین سے نہیں بلکہ پوری تحقیق سے یہ تعلیم فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوگئی اسی طرح اس کا نظام عمل بھی خود بخود نہیں بن گیا بلکہ خالق کائنات نے اس کو شرفِ وجود بخشنے سے قبل ہی اس کا نظام عمل بھی بنا کر رکھ دیا تھا- عالم نہ خود اپنا کوئی نظام حیات بنا سکتا ہے نہ اس پر خود عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ جس طرح سرتاسر اپنے

www.besturdubooks.net

3 وجود میں خالق کا محتاج ہے اسی طرح اپنے نظام حیات میں بھی بلکہ اس پر عمل کرنے میں بھی اسی کا محتاج ہے- جب انبیاء علیہم السلام کی زبانی انسان کو اپنی بے کسی و بے بسی کی یہ داستان معلوم ہوتی ہے تو پھر اس کے اعتقاد کی دنیا بھی بدل جاتی ہے اور اس میں ایک عظیم انقلاب برپا ہونے لگتا ہے- اسبابِ سفلیہ اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتے ہیں' دنیا کے ہوش ربا نظارے اس کی نظروں میں ہیچ بن جاتے ہیں' اسبابِ مجازیہ کی تاثیر کا تصور اس کے دماغ سے نکل جاتا ہے وہ ان کا ارتکاب کرتا تو ضرور ہے مگر ان کو معبود بنا کر ان سے چپک نہیں جاتا بلکہ اس حالت میں بھی اس کی دور بین نظریں برابر مؤثرِ حقیقی کی طرف لگی رہتی ہیں اور اس طرح معبودانِ باطلہ سے کٹ کر معبودِ برحق سے ملنے کا راستہ صاف ہوتا چلا جاتا ہے-

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ ایمان بالقدر کی اہمیت صرف اس لیے نہیں ہے کہ اس کے بغیر انسان کو اپنی خود مختاری کے گھمنڈ سے نجات حاصل نہیں ہوتی یا عالم غیب کی ایک ضروری حقیقت سے جہل کا داغ دور نہیں ہوتا بلکہ اس لیے بھی ہے کہ اس کے بغیر پروردگارِ عالم سے عالم کا کوئی ربط ہی قائم نہیں رہتا' جو لوگ اس کے قائل نہیں وہ یا تو خالق سے مستغنی بن چکے ہیں یا اس کو ایسی حیثیت دے چکے ہیں جس کے بعد اس کا خالق ماننا نہ ماننا برابر ہو جاتا ہے- ہمارے اس بیان سے جہاں اس عقیدہ کی اہمیت ظاہر ہو گئی اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے میں تقدیر کا ماننا بھی کیوں داخل ہے اور تقدیر کا انکار اللہ تعالیٰ کے انکار کے مرادف کیوں ہے؟ اس لیے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

ایمان بالقدر نظام التوحید فمن آمن و کذب بالقدر فھو نقض للتوحید. (کتاب السنہ للامام احمدؒ ص ۱۲۳) یعنی نظام توحید ایمان بالقدر پر دائر ہے' جو شخص ایمان لائے اور تقدیر کا انکار کرے اس نے توحید کو بھی باطل کر دیا-

اسی طرح قیامت کا انکار بھی اللہ تعالیٰ کے انکار ہی کے برابر ہے سورۂ والتین میں ﴿الیس اللہ باحکم الحاکمین﴾ (آیت :۸) فرما کر اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ اس کی حکومت سب پر ہے پھر لازم ہوگا کہ وہ ایک دن اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ بھی کرے ورنہ وہ احکم الحاکمین تو کیا ہوتا حاکم بھی نہ ہوا' اسی طرح جنت و دوزخ کا انکار بھی اللہ تعالیٰ کے انکار ہی کے مرادف ہے' تفصیل اپنے اپنے موقعہ پر آئے گی یہاں صرف اشارہ کر دیا گیا ہے-

مسئلہ مذکورہ میں زمانہ قدیم کے چیدہ خیالات

اور

مذہبِ اہلِ حق کی توضیح و تحقیق

مذکورۂ[1] بالا مسئلہ میں اصولی مذاہب چار ہیں- جبریہ' معتزلہ' اشاعرہ' ماتریدیہ' جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ کے افعال صرف اللہ

---

[1] تعجب ہے کہ مسئلہ قضاء و قدر میں اگر ہمارے دور میں کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے تو انسان کے مجبور کہنے میں ہوتا ہے اگر اس کو مختارِ مطلق ......

www.besturdubooks.net

تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں' اس میں خود کوئی قدرت نہیں - معتزلہ کا یہ خیال ہے کہ اس میں صفت قدرت بھی ہے اور اسی کی تاثیر سے انسانی افعال صادر ہوتے ہیں - اشاعرہ کہتے ہیں کہ بندہ میں صفت قدرت تو ہے مگر اس کے افعال میں اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ جب کبھی بندہ کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو پیدا فرما دیتا ہے' گویا اشاعرہ کا مذہب ان دونوں کے درمیان ہے ان کے نزدیک بندہ نہ تو جبریہ کی طرح مجبور محض ہے اور نہ معتزلہ کی طرح مختارِ مطلق -

بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جبریہ کے نزدیک بندہ میں نہ قدرت ہے نہ ارادہ بلکہ نہ فعل' وہ بالکل جمادِ محض کی طرح بے اختیار ہے اور اشاعرہ قدرت' ارادہ اور فعل تینوں کے قائل ہیں' مگر یہ کہتے ہیں کہ اس کی قدرت کو صدور افعال میں کوئی تاثیر نہیں' اس کے افعال کو اللہ تعالیٰ خود پیدا فرما دیتا ہے' اسی طرح بندہ میں صفت ارادہ بھی ہے اور اس کے افعال اس ارادہ کی طرف منسوب بھی ہوتے ہیں' مگر ارادہ و اختیار کی یہ صفت از خود انسان میں نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے جیسا خود انسان کو پیدا فرمایا ہے اس کی اس صفت ارادہ و اختیار بلکہ تمام صفات کو بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے' اسی وجہ سے انسان کو مختار کہا جاتا ہے - اگر اس میں اختیار کی صفت نہ ہوتی تو اس کو مختار کیسے کہا جا سکتا ہاں چونکہ یہ اختیار خود اس کے اختیار میں نہیں اس لحاظ سے اس کو مضطر اور مجبور کہنا بھی صحیح ہے' لہٰذا کہا جاتا ہے کہ بندہ مختار بھی ہے اور مجبور بھی یعنی اپنے افعال میں تو مختار کیونکہ صفت اختیار اس میں پیدا کی گئی ہے اور خود اس صفت اختیار میں مجبور ہے کیونکہ یہ صفت نہ اس کی پیدا کردہ ہے اور نہ اس صفت پر اس کا اختیار ہے کہ جس طرف چاہے اس کو لگا دے وہ اسی جانب لگنے پر مجبور ہے جس طرف مختارِ مطلق اس کو لگا دے - اشاعرہ نے صفت قدرت کا اقرار کر کے اپنے مذہب کو جبریہ کے مذہب سے ممتاز کرنے کی کوشش تو کی مگر چونکہ قدرت غیر مؤثرہ کے اقرار اور نفس قدرت کے انکار میں بلحاظِ نتیجہ کوئی فرق نہیں نکلتا اس لیے ان کا مذہب جبریہ کے مذہب سے زیادہ ممتاز نہیں ہوتا اس لیے اس فرق کی وضاحت کے لیے کسی قدر اور تفصیل کی ضرورت ہے -

شیخ اشعریؒ کے مذہب کی توضیح کے لئے حسب ذیل امور کو صاف کر لینا ضروری ہے:

(۱) انسانی افعال میں جب اس کی قدرت و اختیار کی کوئی تاثیر نہیں تو پھر انسان اور اس کے افعال میں صحیح رشتہ کیا ٹھہرا اور ان کی نسبت انسان کی طرف کرنا کیونکہ درست ہوئی -

(۲) افعالِ انسانیہ میں جب کہ اس کی قدرت و اختیار کی تاثیر بداہۃً محسوس ہوتی ہے تو اس کا انکار کیسے کر دیا جائے -

(۳) اگر افعالِ انسانیہ میں اس کی قدرت کی کوئی تاثیر نہیں تو پھر ان پر نہ مدح و ذم معقول ہے اور نہ جزاء و سزا -

پہلی تنقیح کا جواب یہ ہے کہ شیخ کے نزدیک ان افعال کا علاقہ انسان کے ساتھ صرف اتنا ہوتا ہے کہ جب بندہ کسی فعل کا

بقیہ ..... پھر دماغوں میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی حالانکہ جن کی اتباع میں آج اسلام کی ہر بات کے اندر نکتہ چینیاں کی جا رہی ہیں ان کا ایک ایسا طبقہ جس کو مسائل فلسفیہ کا ہیرو کہنا چاہیے جبریہ ہی کی طرف مائل تھا' چنانچہ سینٹ اوغسٹن' لوتھر' کانون' جانسن نیوس سب جبریہ تھے اور آخر دور میں ہربس (Hobes) اسپینوزا (Spinoza) ڈیویڈ ہیوم' کولنس' بیل' لائبنچ بھی جبری تھے - اسی طرح کانٹ (Kant) سٹورٹ میل' دیدرو' درلباخ' لامتری - سب جبر کے قائل تھے - (دیکھو دائرۃ المعارف - الموقف البشر ص ۲۳۸)

www.besturdubooks.net

ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنی قدرت کاملہ سے اس بندہ میں پیدا فرما دیتا ہے' بس اس کا ان افعال کے لیے محل ہونا یہی انسان اور اس کے افعال کا علاقہ سمجھنا چاہیے اسی کا نام کسب ہے گویا اب بندوں کے افعال کا حاصل یہ ہے کہ وہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی ہیں اور مکسوب بندوں کے' لیکن چونکہ بندہ کا محل بننا یہ ہوتا ہے اس کی صفت اختیار کے ساتھ ساتھ اس لیے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ یہ افعال اسی کے اختیار سے ہو رہے ہیں' اس کو ایک مثال سے سمجھیے مثلاً ایک ٹرین جو لاکھوں ٹن کی ہوتی ہے اس کو حرکت دینے والا حقیقت میں تو انجن ہی ہوتا ہے' لیکن اگر ایک بچہ بھی اس کو اسی جانب حرکت دے رہا ہو تو بظاہر یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید اس بچہ کی طاقت کی بھی یہاں کچھ تاثیر ہو گی' بالخصوص جب کہ اس میں بھی قدرت موجود ہے خواہ وہ کتنی ہی ضعیف سہی مگر اس کے باوجود چونکہ یہاں حقیقتِ حال روشن ہو چکی ہے اس لیے یہی کہا جاتا ہے کہ ٹرین کی حرکت میں صرف انجن کی طاقت مؤثر ہے' بچہ میں گو طاقت تو ہے مگر وہ ٹرین کی حرکت میں کچھ مؤثر نہیں صرف انجن کی طاقت کے ساتھ ساتھ اور اس کے مقارن ہو رہی ہے' اسی طرح ''خلق'' بھی بڑی وزنی چیز ہے' وہ ممکن کے بس کی بات نہیں یہاں انسانی قدرت کو اپنے افعال کے خلق میں بس اتنی ہی تاثیر ہوتی ہے جتنی کہ ابھی آپ نے مثال مذکور میں بچہ کی دیکھی بلکہ اتنی بھی نہیں کیونکہ وہاں پھر بھی کسی درجہ میں تو تاثیر کہی جاسکتی ہے گو وہ کتنی ہی قلیل ہو' اور یہاں تو کسی درجہ میں بھی کوئی تاثیر نہیں کہی جاسکتی- مگر چونکہ انسانی قدرت صرف ہونے کے ساتھ ساتھ افعال اس کے ساتھ قائم ہوتے چلے جاتے ہیں اور خالق حقیقی رہتا ہے پردۂ غیب میں اس لیے یہ حکم لگانے کا موقعہ پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ افعال خود انسان ہی کی قدرت کی پیداوار ہیں-

اب رہا انسانی قدرت کے تاثیر کا بدیہی ہونا تو جہاں بڑے بڑے عقلاء کا اتنا اختلاف موجود ہو وہاں بداہت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے- یہاں بدیہی صرف اپنی قدرت کا ادراک ہے- آگے اس قدرت کی ان افعال میں تاثیر ہے بھی یا نہیں' اور اگر ہے تو کتنی' یہ بدیہی نہیں ہے اور کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اس میں اختلاف آراء بدیہی ہے' بس جتنی بات بدیہی تھی اس کا شیخ نے بھی اقرار کرلیا ہے' یعنی انسان میں صفت قدرت تسلیم کرلی ہے' اور جتنی بات بدیہی نہیں ہے اس کے تسلیم کرنے سے شیخ نے انکار کردیا ہے-

دیکھو قدرت نے بے شبہ آگ کو پیدا کیا ہے لیکن اس کے ساتھ چونکہ جلانا ہمیشہ سے اس کا فعل نظر آرہا ہے اس لیے یہاں بھی یہ حکم لگا دیا جاتا ہے کہ آگ بداہۃً جلاتی ہے' حالانکہ جلانے میں آگ کی تاثیر کا گمان کرلینا یہ اپنے ذہن کا حکم ہے' بدیہی نہیں اگر ابتداءِ آفرینش سے آگ جلایا نہ کرتی تو کسی کو بھی اس تاثیر کا وسوسہ نہ گزرتا لیکن اس عالم میں چونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ جب آگ کہیں ہوتی ہے تو وہ اس کے ساتھ ساتھ جلانے کا فعل بھی پیدا کردیتا ہے اس لیے یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ شاید یہ اسی کی تاثیر ہو گی- اسی طرح انسان اور اس کے افعال کا حال سمجھنا چاہیے' یہاں تاثیر کا گمان کرنا مغالطہ کے سواء اور کچھ نہیں- اہل عرف کی نظریں چونکہ اتنی دوررس اور باریک بین نہیں ہوتیں اس لیے وہ صرف اس ظاہری معیت کو دیکھ کر خود انسان ہی کو اپنے افعال کا فاعل کہہ دیتے ہیں' اور ظاہر کے لحاظ سے درست کہتے ہیں-

خلاصہ یہ ہے کہ افعالِ انسانیہ کا علاقہ انسان کے ساتھ صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ ان افعال کے لیے محل ظہور ہوتا ہے اور چونکہ یہ افعال اس کے ساتھ قائم ہوتے ہیں' اس لیے ان پر اس کی تعریف یا مذمت بھی کی جاتی ہے- دیکھو خوب صورتی اور بدصورتی

www.besturdubooks.net

ان پر بھی انسان کی تعریف یا مذمت ہوتی ہے حالانکہ یہ بھی اس کی اختیاری صفت نہیں' معلوم ہوا کہ مدح وذم کے لیے ان صفات کا بالاختیار صدور ضروری نہیں ہے بلکہ صرف ان کا قیام کافی ہوتا ہے۔

شارح عقیدۃ الطحاویہ اس کی مزید وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ یہاں فعل ومفعول اور خلق ومخلوق کے مابین خلط ہو رہا ہے اس لیے بات صاف نہیں ہوتی' یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بندہ کا جو فعل ہوتا ہے مثلاً نماز' یہ بے شبہ اسی کا فعل ہے اور حقیقتاً ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے ہاں اس کا مفعول اور اس کی مخلوق ہے۔ اس جگہ جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہ فعل صلوٰۃ کا خلق یعنی اس کا پیدا فرمانا ہے۔ پس جس طرح بندہ کا فعل الگ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فعل الگ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل الگ ہے اور اس کی مخلوق الگ۔ دیکھو جب صلوٰۃ کو یہاں بندہ کا فعل قرار دیا گیا تو جس کا وہ فعل ہے اسی کے ساتھ وہ قائم بھی ہوتی ہے اور جو خدا کا فعل ہے یعنی اس کو پیدا فرمانا یہ خلق اس کی صفت ہے اور وہ اس کے ساتھ قائم ہے۔ نماز اس کا فعل نہیں یہ اس کی مخلوق ہے' لہٰذا اس کے ساتھ قائم بھی نہیں ایسے فعل کو جس کا نفع ونقصان اس کے فاعل کی طرف عود کرے کسب کہتے ہیں' اس لیے کہا جاتا ہے کہ بندے اپنے افعال کے کاسب ہیں اور حق تعالیٰ ان کا خالق ہے اس کا نہ ہماری نماز سے کوئی فائدہ نہ نقصان۔ بندوں کا نماز سے فائدہ بھی ہے اور نہ پڑھنے سے نقصان بھی۔ اس سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے افعال کا علاقہ ہمارے ساتھ کیا۔ اسی کو علماء خلق وکسب سے اداء کرتے ہیں یعنی ہمارے افعال کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے خلق کا ہے اور بندہ سے کسب کا' اس بنا پر جزاء وسزا عطا فرماتا ہے بلکہ یہاں دونوں افعالِ الٰہیہ ہیں اور افعالِ انسانی پر جزاء وسزا کا حاصل خود بعض افعال باری کا بعض پر ترتب کے مرادف ہے جیسے ابھی آپ نے سنا کہ آگ پر اللہ تعالیٰ جلانا مرتب فرما دیتا ہے' اسی طرح بدعملی پر سزا پیدا فرما دیتا ہے نہ وہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ آگ نے جلایا کیوں نہ یہاں یہ سوال ہونا چاہیے کہ بدعملی پر سزا کیوں دی گئی' بلکہ انسان کے افعالِ اختیاریہ میں اس کی دوسری غیر اختیاری صفات جن پر اس کی مدح ومذمت کی جاتی ہے اتنی خصوصیت اور زیادہ ہے کہ جن افعال پر صرف مدح وذم ہوتی ہے وہ انسانی قدرت واختیار سے مخلوق نہیں ہوتے بایں ہمہ ان پر تعریف بھی کی جاتی ہے اور مذمت بھی لیکن جن افعال پر جزاء وسزا مرتب ہوتی ہے۔ ان کی تخلیق انسانی قدرت واختیار کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے' اس لیے یہاں تعریف وہجو اور زیادہ معقول ہے۔

شارح عقیدۃ الطحاویہ اس حقیقت کی یوں توضیح فرماتے ہیں کہ انسانوں کے افعال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اس کی قدرت اور ارادہ سے صادر نہیں ہوتے جیسے رعشہ زدہ انسان کی حرکات۔ ان افعال کو اگرچہ انسان کی صفت تو کہا جاتا ہے مگر ان پر انسانی افعال کا اطلاق نہیں کیا جاتا چنانچہ اگر کسی ایسے شخص کا ہاتھ غیر اختیاری طور پر متحرک ہو تو چونکہ یہ حرکت اس کی صفت ہے لہٰذا اس کو متحرک تو کہا جائے گا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص اپنا ہاتھ ہلا رہا ہے۔ یعنی یہ حرکت اس کا فعل ہے۔ دوسرے قسم کے افعال وہ ہیں جو بظاہر اس کے اختیار وقدرت سے موجود ہوتے ہیں ان کو اس کی صفت بھی کہا جاتا ہے اور ان پر انسانی فعل کا بھی اطلاق ہوتا ہے جیسے سارے افعالِ اختیاریہ۔ ثواب وعذاب انسان کے صرف ان افعال اختیاریہ ہی پر ہوتا ہے' غیر اختیاری افعال پر نہیں ہوتا۔ اب مسئلہ مجازات کی حقیقت یوں سمجھنی چاہیے کہ جس طرح زہر کھانے سے موت آنا ضروری ہے' اسی طرح زناء سے عذاب ہونا

www.besturdubooks.net

ضروری ہے' ظلم کا سوال نہ وہاں پیدا ہوتا ہے نہ یہاں پیدا ہونا چاہیے' جس طرح یہ کہا جائے گا کہ زہر کھانا سبب ہی تھا موت کا اسی طرح یہ کہا جائے گا کہ زناء بھی سبب ہی تھا عذاب کا' گویا یہ دونوں باتیں قدرت کی اسی ترتیب سے پیدا کردہ ہیں جب کوئی شخص خدائی تقدیر سے زہر کھالیتا ہے تو اس پر وہی قدرت دوسرا فعل یعنی موت پیدا فرما دیتی ہے' ٹھیک اسی طرح جب اسی تقدیر کی بناء پر کوئی شخص زنا کر لیتا ہے تو قدرت نے جب یہ فعل پیدا کیا تھا تو اسی کے ساتھ وہ دوسرا فعل عذاب کا پیدا کر دیتی ہے اور اس طرح مسئلہ مجازات کی حقیقت بعض افعالِ الٰہیہ کا بعض پر ترتب ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد بھی غیر مؤثر قدرت کے اقرار اور سرے سے قدرت کے انکار میں کوئی خاص فرق واضح نہیں ہوتا اور نہ یہ بات نکھر کر صاف ہوتی ہے کہ کسب انسانی کا تعلق کس چیز کے ساتھ ٹھہرا صرف اتنا کہہ دینا کہ کسب بندہ کا اپنے لیے صرف محل بن جانے کا نام یہاں تشفی بخش نہیں۔ اس لیے امام ماتریدی نے کسب کی اس تفصیل کو بے مصداق سمجھا ہے اور اس سے ذرا آگے بڑھ کر اس کا مصداق بھی معین فرمایا ہے کہ بندہ جب کوئی فعل کرتا ہے تو یہاں بداہتہً دو چیزیں نظر آتی ہیں ایک اس کا فعل دوم اس فعل کی ہیاۃ پہلی چیز کو معنی مصدری اور دوسری کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی شخص اپنا ہاتھ اوپر سے نیچے ہلاتا ہے تو ایک چیز تو اس کا یہ ہلانا اور یہ حرکت ہوئی یہ تو معنی مصدری ہیں اور دوسری چیز وہ نقشہ ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہاتھ کے اوپر سے نیچے آنے میں نظر آتا ہے' یہ حاصل بالمصدر کہلاتا ہے ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ فعل تو ایک موجود چیز ہے اور انسان کے ہاتھ کے ساتھ قائم ہے دوسری چیز صرف اعتباری ہے اس کا خارج میں کہیں وجود نہیں نہ وہ جوہر ہے نہ عرض' گویا معنی مصدری تو موجود ہیں گو اس کا وجود بھی خود قائم نہیں ہاتھ کے ساتھ قائم ہے لیکن حاصل بالمصدر موجود ہی نہیں ہوتا' وہ صرف ایک خیالی حقیقت ہے جیسا کہ کسی تنکہ کو روشن کر کے دائرہ کی شکل پر زور سے حرکت دی جائے تو حرکت کی سرعت کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے ایک روشن دائرہ سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس دائرہ کا بھی حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہوتا' اسی طرح حاصل بالمصدر کو سمجھنا چاہیے۔

امام ماتریدی فرماتے ہیں کہ یہاں یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور حاصل بالمصدر بندہ کی اور چونکہ حاصل بالمصدر کا وجود محض خیالی ہوتا ہے اس لیے اگر وہ خدا تعالیٰ کی خالقیت سے خارج رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اشعری اس اعتباری حرکت کو بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق قرار دیتے ہیں۔ بہر حال بندوں کے افعال میں جملہ اہل حق کا اس پر تو اتفاق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں اور بندہ ان کا صرف کاسب ہے اختلاف ہے تو کسب کی تفسیر میں ہے۔ اشعری انسان کے ساتھ ان افعال کے صرف قیام کو کسب فرماتے ہیں اور ماتریدی حاصل بالمصدر کو کسب فرماتے ہیں۔ علماء کلام نے ماتریدیہ کے نزدیک کسب کے اور معانی بھی بیان فرمائے ہیں مگر ان تمام تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے۔

مسئلہ تقدیر کے لاینحل ہونے کا راز

یہاں دو حقیقتیں اپنی اپنی جگہ اس طرح ثابت شدہ ہیں کہ جب انسان ان کو جدا جدا دیکھتا ہے تو ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے' مگر جب دونوں کو جمع کرنے کی سعی کرتا ہے تو یکسر ناکام ہو کر رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دو باتیں ہیں تو جس طرح وہ

www.besturdubooks.net

علیحدہ علیحدہ صحیح ہیں اسی طرح دونوں کومل کر بھی صحیح رہنا چاہیے' مگر اس مسئلہ میں جب ان دو ثابت شدہ حقیقتوں پر یکجا نظر ڈالی جاتی ہے تو ان میں کھلا تضاد نظر آنے لگتا ہے۔ اس لیے نہ تو انسان بیک وقت دو متضاد باتوں پر جزم ہی کر سکتا ہے اور نہ ثابت شدہ حقیقتوں کے صاف انکار کر دینے کی جرأت کر سکتا ہے' اس لیے اس کے سامنے تفویض و تسلیم کے سوا اور کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

دیکھئے انسان جب اپنے وجدان کی طرف غور کرتا ہے تو اپنے نفس میں جبر کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی محسوس نہیں کرتا اور اس کو اتنا ہی مختار پاتا ہے جتنا کہ صفتِ اختیار کا تقاضہ ہونا چاہیے اپنے اس بدیہی وجدان کے ساتھ جب وہ مذہب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اس کو یہ باور کراتا ہے کہ کائناتِ ہستی کا کوئی ذرہ حتیٰ کہ خود اس کے ارادات وخطراتِ قلبیہ بھی اس کی قدرت میں نہیں ہیں' بلکہ وہ سب ارادۂ الٰہیہ کے تحت گردش کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ قدرت کے سامنے مجبور محض ہے' اسی کے ساتھ جب وہ اس طرف بھی نظر ڈالتا ہے کہ اس جبر کے باوجود آخرت میں وہ اپنے افعال پر مسئول بھی ہے تو اس کی حیرت اور بڑھ جاتی ہے اور یہ مسئلہ اس کے سامنے اور پر پیچ بن جاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو جب انسان کو اپنا مختار ہونا آفتاب کی طرح محسوس ہو تو وہ اپنے مجبور ہونے کا یقین کرے تو کیسے کرے اور اگر مجبور فرض کر لے تو ایک مجبور کو مسئول مانے تو کیونکر مانے مگر جب کہ ایک سچا مذہب اس کو یہی تعلیم دیتا ہے تو وہ انکار کیسے کر سکتا ہے۔ اب ایک طرف تو اس کے سامنے اپنے وجدان کا یقین ہوتا ہے دوسری طرف مذہب کا یقین ہوتا ہے اور رہوتے ہیں دونوں متضاد' آخر مسئلہ تقدیر اس کے لیے ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہاں محض عقلی شہسوار تو آزاد ہے مشکل اُس کی ہے جس نے مذہب کی قید و بند بھی اپنے سر لے رکھی ہے۔

اس عالمِ سراسیمگی میں جبریہ پر تو قدرتِ الٰہیہ کا اس درجہ غلبہ ہوا کہ انہوں نے انسانی وجدان ہی کو غلط قرار دے دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ انسان میں نہ تو قدرت ہے اور نہ اختیار وہ محض ایک پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے قدرتِ الٰہیہ جس طرح اور جس طرف چاہتی ہے اس کو کشاں کشاں لیے پھرتی ہے۔ ان کے نزدیک جو قادرِ مطلق اور مالک علی الاطلاق ہو وہ مجبور محض سے بھی سوال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لہٰذا اب مجبور کے مسئول ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں رہا۔ یہ فیصلہ تسلیم کر لینا اس فرقہ کے لیے خواہ کتنا ہی خوش کن ہو لیکن ایک خالی الذہن انسان کے لیے اپنے وجدان کے خلاف اس کو تسلیم کر لینا سخت مشکل ہے۔ اس لیے دوسری جماعت نے اس کو قطعاً غیر معقول سمجھا' اور ان پر انسان کو پتھر کی طرح مجبور سمجھ لینا پھر اس مجبور کو مسئول ٹھہرانا اتنا بارگراں ہوا کہ انہوں نے بندوں کو اپنے افعال کا خود خالق قرار دے ڈالا اور یہ تسلیم کر لیا کہ بندہ میں اپنے افعال کی تخلیق کی قدرت ہے اور اسی قدرت سے وہ افعال کرتا ہے اور جب اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اس کو مسئول بھی ہونا چاہیے۔ اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ مسئلہ تقدیر گو مشکل ہے مگر اس کا انکار اس سے زیادہ مشکل ہے۔ یہاں آپ نے دیکھا کہ ان دونوں جماعتوں نے اپنے خیال کے مطابق اس مسئلہ کا حل تلاش تو کر لیا مگر یا بداہت کی تکذیب کی یا نصوصِ قرآنیہ کی تخصیص کی' یہاں اہل سنت نے معاملہ سلجھتا ہوا نہ دیکھ کر تفویض کی راہ لی اور اس اعتراف میں کوئی باک نہ سمجھا کہ اگر کوئی عقدہ ان سے حل نہ ہو سکا تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حل شدہ نہیں ہے۔ اس بناء پر اس کا انکار اور تاویل دونوں ہی غلط ہیں۔

اس حد پر پہنچ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کے دلوں میں مذہب کی جانب سے کچھ شکوک پیدا ہونے نہیں چاہئیں کیونکہ سب

www.besturdubooks.net

سے پہلے تو ان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب کبھی دنیا نے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی حقیقت کا سراغ لگانا چاہا ہے تو وہ ہمیشہ ناکام ہی ہو کر اٹھی ہے' حتیٰ کہ قدیم عقلاء نے تو قاعدہ کلیہ کے طور پر کہہ دیا ہے: "التحدید الحقیقی عسیر جداً" کسی چیز کی ٹھیک ٹھیک حقیقت کا پتہ چلانا یا تو ناممکن ہے یا اتنا مشکل ہے کہ اس کو قریب قریب ناممکن کہہ دینا چاہیے- بے چارے قدیم عقلاء نے تو بعض جگہ اپنے عجز کا اعتراف بھی کرلیا ہے لیکن آج کے عقلاء زمانہ اس اعتراف میں بھی اپنی کسر شان سمجھتے ہیں' دیکھو ہوا اور پانی کتنی کثیر الاستعمال چیزوں میں سے ہیں لیکن اب تک جو ان کے آخری اجزاء سمجھے گئے تھے اب ثابت ہو گیا ہے کہ وہ آخری نہیں تھے ان کا تجزیہ ابھی اور ہو سکتا ہے اور ہو گیا ہے- جب اتنی تگ و دو کے بعد ایسی معمولی معمولی اشیاء کی حقیقت دریافت نہیں ہو سکی تو باریک مسائل میں اگر ذرا توقف کرلیا جاتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا' اس سے بڑھ کر خود انسان ہی کو لے لیجئے' جب اس نے اپنی حقیقت دریافت کرنے کے لیے قدم اٹھایا تو صدیوں کے بعد جس نتیجہ پر وہ پہنچا وہ یہ تھا کہ اصل میں وہ ایک بندر تھا- میں اس وقت یہ بحث نہیں کرنا چاہتا کہ یہ تحقیق کس حد تک صحیح تھی' لیکن صرف یہ تنبیہ کرنی چاہتا ہوں کہ بہت جلد اس خیال کی بھی تغلیط کر دی گئی اور ابھی تک خود انسان کی حقیقت بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے' یہی حال اس جگہ بھی سمجھئے' چونکہ یہاں بھی افعالِ انسانی اور قدرتِ انسانی کی حقیقت میں گفتگو ہو رہی ہے اس لیے ضروری ہے کہ جو دشواری ہر چیز کی حقیقت تلاش کرنے میں پیش آئی ہے یہاں بھی پیش آئے' اگر یہاں شریعت اپنی جانب سے تقدیر کی حقیقت کا اعلان نہ کر چکی ہوتی تو اس مسئلہ میں بھی آپ کی بحث و تمحیص کی وہی حیثیت رہتی جو اس قسم کے دوسرے مسکوت عنہ مسائل میں ہے لیکن یہاں تو بڑی مشکل یہ ہے کہ بعض مصالح کی بناء پر شریعت یہاں خود اس کی حقیقت کا اعلان کر چکی ہے' اس لیے اب آپ پر اسی کا تسلیم کر لینا لازم ہو گیا ہے' اتنی عقل ناقص العقل انسان میں بھی نہیں کہ وہ رازہائے قدرت کو پورا پورا پا سکتا اس لیے مذہب نے یہاں ایک ہی راستہ تعلیم کیا ہے اور وہ تفویض و تسلیم کا ہے- جس مذہب کی صداقت اور معقولیت اور ہزاروں مسائل میں ثابت ہو چکی ہو کچھ حرج تو نہ تھا اگر انسان صبر کر کے اس ایک مسئلہ کو اسی کے بیان پر مان لیتا' مگر وہ اتنا کم عقل ہے کہ اپنی کم عقلی کو بھی نہیں سمجھتا اور جتنا اس کو روکا جاتا ہے اُتنا ہی اس کی تحقیق کے اور درپے ہونے لگتا ہے-

حضرت علامہ انور شاہ قدس سرہ فرماتے تھے کہ سر تقدیر فہم سے بالاتر کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو بندہ کے افعال میں خود اس کی قدرت کا احساس بدیہی ہے ادھر مذہب یہ کہتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے اختیار و قدرت سے ہوتے ہیں لہٰذا کوئی چارہ کار نہیں کہ دونوں قدرتوں کو تسلیم کر لیا جائے- اب جو فعل بھی بندہ سے صادر ہوتا ہے ہر جگہ اس میں ان دو قدرتوں کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے- یہاں جو باریکی پیدا ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم کتنا ہی تجزیہ کریں مگر کسی مرتبہ میں بھی جا کر بندہ کی قدرت کو اور حق تعالیٰ کی قدرت کو علیحدہ علیحدہ ممتاز نہیں کر سکتے یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس فعل میں اتنا کام تو بندہ کی قدرت سے ہوا اور اتنا قدرتِ الٰہیہ سے- آپ بندہ کے افعال کا تجزیہ کرتے چلے جایئے آپ کو کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں قدرتِ الٰہیہ کا اثر نہ ہو اور جب تک یہ بات صاف نہ ہو اس وقت تک بندہ کا مختار کہنا بھی مشکل ہے' اور مجبور کہنا بھی- اس لیے اب اس کو نہ مختار کہے بنتی ہے نہ مجبور- دیکھئے ایک شہسوار گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے ارادہ و اختیار سے اس کو چلاتا ہے اور گھوڑا گو اس کے اختیار کے ماتحت ہی چلتا ہے مگر آپ یہ بھی بداہۃً جانتے ہیں کہ چلتا ہے وہ اپنی قدرت سے اپنے مالک کی قدرت سے نہیں چلتا' مگر یہاں دو قدرتیں علیحدہ

www.besturdubooks.net

علیحدہ سمجھتے ہیں آپ کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی لیکن یہاں قدرتِ عبد کی حقیقت یہ نہیں اس کے جس مرتبہ میں بھی غور کیجئے گا وہ قدرتِ الٰہیہ سے علیحدہ ثابت نہیں ہوسکتا اس لیے آپ تجزیہ کیے چلے جایئے مگر قدرتِ عبد کے علیحدہ اور قدرتِ الٰہیہ کے علیحدہ علیحدہ کرنے سے آخر عاجز ہو جائیں گے اور جب تک یہ امتیاز پیدا نہ کرلیں اس وقت تک جبر و اختیار کے اشکالات حل نہیں ہوتے اس لیے یہ مسئلہ بھی حل نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ کا اشکال یوں نہیں ہے کہ یہاں کوئی غیر معقول چیز موجود ہے بلکہ یوں ہے کہ اس کی نظیر کوئی ملتی نہیں اور حسیات میں جہاں نظائر نہیں ملتے عقل خود اپنا ہی حکم مقدم رکھتی ہے' اسی لیے شریعت نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جو مجھ کو تسلیم کر چکا ہے اس کو میرا حکم ماننا ہوگا اور یہی ایمان بالتقدیر ہے' آخر جنت و دوزخ کو کس نے دیکھا بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات کو کس نے دیکھا یہ تمام حقائق غیب ہیں' یہاں جو شخص محض انبیاء علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کر کے ان کو تسلیم کر چکا ہے بس وہی مؤمن ہے اور جس نے راہِ انحراف اختیار کی وہ دوسری طرف شمار ہو جاتا ہے۔

ناتمام اختیار کا فائدہ

اس ساری تحقیق کا حاصل اگر یہی ہے کہ انسان میں اختیار تو ہے مگر ہے ناتمام اور ناتمام بھی ایسا جو صرف انسان کے لفظی طور پر مختار کہلانے کے لیے کافی ہو اور بس تو صرف اتنے سے اختیار کے مان لینے سے تو جزاء و سزا کا مسئلہ صاف نہیں ہوتا۔ اس کا جواب پہلے تو یہ ہے کہ اگر حاکم علی الاطلاق ایسا ہی کر دیتا تو ظلم پھر بھی نہ تھا مگر اس کی حکمت نے چاہا کہ عمل اور اس کی جزاء و سزا کے مابین کچھ صوری مناسبت بھی باقی رکھے اس لیے اس نے انسان کو ایک ناتمام سا اختیار مرحمت فرما دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ قدرت نے انسان کو عملی اور علمی ہر دو پہلوؤں میں دوسرے حیوانات سے امتیاز بخشا ہے۔ اس کا عملی امتیاز یہ ہے کہ اس کا نفس اپنے برے بھلے افعال کے اثرات کو اس طرح جذب کر لیتا ہے جیسا سیاہی کو جاذب۔ حیوانات کے نفوس میں یہ خاصیت نہیں' ان سے بھی افعال اختیاریہ سرزد ہوتے ہیں' مگر اُدھر صادر ہوئے اِدھر فناء ہو گئے' ان کے نفس میں ان افعال سے کوئی رنگ پیدا نہیں ہوتا' مگر انسان جب افعال اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اس کا نفس اسی کے مناسب اثرات سے رنگین ہوتا چلا جاتا ہے۔ افعالِ غیر اختیاریہ کا یہاں بھی کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا' یہی وجہ ہے کہ ان پر نہ مدح کی جاتی ہے نہ قدح۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح زہر مہلک ہوتا ہے مگر اس کے مہلک ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ حلق کی راہ سے پیٹ میں پہنچے' اسی طرح افعال کی تاثیر کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کا صدور اختیار کی راہ سے ہو اور اس کی یہی وجہ ہے کہ جب تک ان افعال کا صدور اختیار سے نہیں ہوتا نفس انسانی میں ان کا رنگ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ حکمتِ الٰہیہ چاہتی ہے کہ جس فعل کا رنگ نفس انسانی میں پیدا ہو چکا ہے اس پر یا تو انعام فرمائے یا اس کا انتقام لے اور جس عمل کا اس میں کوئی اثر پیدا نہیں ہوا اس کی باز پرس نہ فرمائے اب اگر یہ اختیار صرف اسی مناسبت کے پیدا کرنے کے لیے شرط کیا گیا ہے تو اس کے لیے مستقل اختیار ضروری ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہاں دو عالم علیحدہ علیحدہ موجود ہیں ایک عالم تقدیر وہ غیب در

www.besturdubooks.net

غیب ہے دوسرا عالم تکلیف یعنی جس میں ہم کو افعال شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے یہ مشہود ہی مشہور د ہے- عالم تکلیف میں بندہ کھلا ہوا مختار رکھا گیا ہے حتیٰ کہ جب تک اس کا اختیار مستقل نظر آنے نہیں لگتا یعنی وہ بالغ نہیں ہو جاتا اس سے افعالِ شرعیہ کا مطالبہ بھی نہیں ہوتا مگر یہاں عالم تقدیر ظاہر نہیں ہے اور جہاں عالم تقدیر ظاہر ہے وہاں اس کو مجبور ہی مجبور بنایا گیا ہے مگر وہاں ہم مکلف بھی نہیں ہیں ان دونوں عالموں کے درمیان خلط کر دینے سے مفت میں اشکالات پیدا ہو گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ غیبی نظر میں ہم صرف ایک مجبور مخلوق ہیں، حکمتِ ایزدی نے اس جہان میں ہم کو بصورتِ مختار ظاہر فرما دیا ہے اب چاہو تو اس کو نا تمام اختیار سے تعبیر کر لو اور چاہو تو اس جہان کے لحاظ سے مستقل اختیار کہہ دو- جزاء و سزا کا مسئلہ بس اسی پر دائر ہے- جو اس عالم میں موجود ہے اس کو دوسرے عالم میں اپنے مجبور ہونے کا عذر کرنا نہ چاہیے اور نہ یہ معقول ہو سکتا ہے- مشہور ہے قصہ زمین بر سر زمین- یہاں جب کبھی اپنے نفس کو دیکھو گے تو اس کو مختار ہی پاؤ گے پھر اپنے اس بدیہی وجدان کو چھوڑ کر تقدیر میں الجھنا کٹ حجتی نہیں تو اور کیا ہے- مولانا رومی فرماتے ہیں کہ انسان جب کتے کے لاٹھی مارتا ہے تو کتا کبھی لاٹھی کو قصور وار نہیں سمجھتا وہ انسان ہی پر حملہ کرتا ہے یا اگر کسی پھل دار درخت سے کوئی پھل اس پر آ گرتا ہے تو وہ کبھی درخت پر حملہ نہیں کرتا' معلوم ہوتا ہے کہ مجبور و مختار کے فرق کو ایک کتا بھی سمجھتا ہے جس کو مختار سمجھتا ہے اس پر حملہ کرتا ہے اور جس کو مجبور سمجھتا ہے اس پر حملہ بھی نہیں کرتا- لہٰذا اس کھلے ہوئے فرق کو نظر انداز کر کے محض تقدیر کے مسئلہ میں الجھنے کے لیے اپنے نفس کو مجبور محض کہہ دینا کتنا غیر معقول ہے- واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه و خیرته محمد وسلم تسلیما کثیرا

❀❀❀

www.besturdubooks.net

فرقہ قدریہ کی مختصر تاریخ

اور

اُن کے کفر کی ضروری تنقیح

احادیثِ قضاء وقدر پڑھنے سے قبل ضروری ہے کہ فرقہ قدریہ کی مختصر تاریخ معلوم کر لی جائے' تا کہ یہ بات بخوبی واضح ہو جائے کہ احادیث میں اس فرقہ کے متعلق جو تعبیری شدت اختیار کی گئی ہے وہ کیوں کی گئی ہے اور ائمہ وعلماء نے اس فرقہ کی جو تکفیر کی ہے وہ کس بنیاد پر کی ہے- حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے عہدِ مسعود میں اس فرقہ کا نام ونشان نہ تھا' صحابہ کرام کے آخری دور میں اس کا ظہور ہوا اور جو صحابہ اس وقت بقیدِ حیات تھے انہوں نے پوری قوت کے ساتھ اس کے استیصال میں حصہ لیا جن میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت واثلہؓ بن اسقع کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے-عراق سے اس فتنہ کا آغاز ہوا اور بصرہ کے ایک یہودی النسل شخص نے اس کی بنیاد ڈالی جس کا نام سوسن یا سیبویہ تھا' پھر اس سے معبد جہنی نے اور معبد جہنی سے غیلان نے اس عقیدہ کو سیکھا' شدہ شدہ یہ فتنہ بصرہ سے لے کر شام وحجاز تک پھیل گیا- لکھتے ہیں کہ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ جب خانہ کعبہ کو آگ لگی تو کسی شخص کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ تقدیر الٰہی یوں ہی ہوگی' اس پر کسی دوسرے شخص نے کہا اللہ تعالیٰ بھلا ایسا کیوں مقدر فرماتا بس اتنی بات پر قضاء وقدر کی بحث چل پڑی-

قدریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ''الامر انف'' عربی زبان میں ''روض انف'' اس باغ کو کہتے ہیں جس میں سرسبزی کے باوجود کسی جانور نے منہ نہ ڈالا ہو- اور یہاں اس سے غرض یہ ہے کہ بندہ کی سعادت وشقاوت بھی خود اپنے ہی عمل سے پیدا ہوتی ہے' حق تعالیٰ کو پہلے سے نہ اس کا علم ہوتا ہے اور نہ کہیں اس کی کتابت ہوتی ہے- ہر انسان جب کسی عمل کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے وہی خود اس کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے پھر اسی کے مطابق اس کو عملی جامہ پہنا دیتا ہے' اسی ذہنی نقشہ تیار کرنے کا دوسرا نام خلق ہے- کسی شاعر نے ذیل کے شعر میں خلق کا لفظ اسی معنی میں اختیار کیا ہے:

و لا نت تفری ما خلقت و بعض الناس یخلق ثم لا یفری

یعنی یہ شان تو ایک تمہاری ہے کہ جو ذہن میں سوچ لیتے ہو اس کو خارج میں عملی جامہ بھی پہنا کر رہتے ہو اور تمہارے سوا اور لوگ ہیں کہ وہ خیالات تو پکا لیتے ہیں مگر بسا اس کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے-

اس بناء پر قدریہ کو بندہ کے خالق کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا- اس بدبخت جماعت کا یہ عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ گو اپنے بندوں کے لیے شریعت نازل فرماتا ہے مگر اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون اس کی فرمان برداری کرے گا اور کون نافرمانی' کون ان میں دوزخی ہوگا اور کون جنتی' حتیٰ کہ جب بندے خود عمل کر کے دوزخ اور جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں تو اب اس کو بھی دوزخیوں اور جنتیوں کا علم ہو جاتا ہے- **نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات** - اس عقیدہ کا بطلان اظہر من الشمس ہے' قرآن کریم ان دونوں

www.besturdubooks.net

باتوں کے خلاف بھرا پڑا ہے- وہ تصریح کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کو جملہ اشیاء کا پہلے سے علم بھی حاصل ہے اور آئندہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اسی کے مطابق ہوتا ہے- نیز وہ اپنے اس علم کو قید کتابت میں بھی لا چکا ہے- چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ. (القمر:۴۹) بلاشبہ ہم نے ہر چیز پہلے سے طے کر کے بنائی ہے-

کبھی وہ اپنے علم ازلی کا اظہار بھی فرما دیتا ہے' جیسا کہ شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

لَاَمْلَـئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَ مِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ. (صٓ:۸۵) مجھ کو تجھ سے اور ان میں جو جو تیری تابعداری کرے گا ان سب سے دوزخ کو بھرنا ہے-

دوسری جگہ ایک موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَوْ لَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّی. (طٰہٰ:۱۲۹) اگر آپ کے پروردگار کی جانب سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور عذاب کا ایک مقررہ وعدہ نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً عذابِ الٰہی آ جاتا-

رسولوں کے متعلق فرمایا:

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ. (الصافات:۱۷۱-۱۷۳) اور ہمارے بندوں میں جو مرسلین ہیں ان کے لیے ہمارا یہ حکم پہلے ہو چکا ہے کہ بے شک وہی منصور اور فتح مند ہیں اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہے-

ایک اور موقعہ پر فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ وَ لَوْ لَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ. (ھود:۱۱۰) اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی پھر اس میں اختلاف کیا گیا اگر کہیں تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے متعلق فیصلہ کر دیا جاتا-

اسی طرح تقدیر کی کتابت کے متعلق بھی بہت سی آیات میں تصریح موجود ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ. (الحج:۷۰) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ بھی آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے-

حضرت ابن عباسؓ آیت بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا' پھر جو عمل بھی وہ کرنے والی تھی ان سب کا اس کو پہلے سے علم حاصل تھا' اس نے اپنے اس علم کو کتاب کی شکل عنایت فرمائی' چنانچہ اب وہ کتاب کی شکل میں موجود ہے چاہو تو اس کی تصدیق کے لیے مذکورہ بالا آیت پڑھ لو-

دوسری جگہ ارشاد ہے:

www.besturdubooks.net

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ. (الحدید:۲۲)

جب کوئی مصیبت ملک میں یا تمہاری جانوں میں پیش آتی ہے تو اس سے قبل کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ. (الانبیاء:۱۰۵)

اور نصیحت کرنے کے بعد ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ آخرکار زمین کے مالک میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

محو و اثبات کے متعلق فرمایا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ. (الرعد:۳۹)

اللہ جو چاہتا ہے لوحِ محفوظ میں سے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اس میں باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔

الغرض علم ازلی اور اس کی کتابت کے متعلق قرآن کریم میں بے شمار آیات موجود ہیں یہاں ان سب کا احصار مقصود نہیں ہے' صرف بطور مشتے نمونہ از خروارے چند آیات کو پیش کیا گیا ہے۔ اسی لیے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اس فرقہ کی تکفیر کی ہے' اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بھی اسی فرقہ کے حق میں ہے۔

علماء اسلام نے جب اس عقیدہ کو باطل کر دکھایا اور اس کی دھجیاں اڑا دیں تو ان کو لاچار ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹانا پڑا اور وہ علم الٰہی کے تو قائل ہو گئے مگر افعال عباد کا مشیتِ الٰہیہ کے تحت ہونے کا ان کو پھر بھی انکار رہا۔ اس جماعت کو کافر کہنا تو مشکل ہے' البتہ ان کو بدعتی کہنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلق افعال عباد کا مسئلہ خود ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کی تحقیق میں خود اہل سنت کا قلم بھی کسی ایک رائے پر نہیں جم سکا' ایسے مسئلہ میں کفر کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو مسائل عہد سلف میں مسلّم ہوں اور قطعی ثبوت کے ساتھ ہم تک پہنچ جائیں ان میں تاویل یا ان کا انکار تو ایک لمحہ کے لیے بھی قابل برداشت نہیں ہے جیسا مسئلہ ختم نبوت یا نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن جو مسائل اس وقت زیر بحث نہیں آ سکے اور بعد میں دماغی کاوشوں' عقلاء کی نکتہ سنجیوں یا زائغین کی مغالطہ آمیزیوں سے پیدا ہو گئے ہیں اگر شریعت اسلام میں اس کا کوئی واضح حکم نہیں ملتا تو اس کے انکار یا اقرار سے تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ خلق افعال عباد کا مسئلہ بھی ان ہی میں داخل ہے لہٰذا اس مسئلہ میں جو فرقے بھی اہل حق سے جدا ہو گئے ہیں ان کو کافر نہیں کہا جائے گا البتہ بدعت کے حکم سے بھی کوئی امر مانع نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے قدریہ کے متعلق ائمہ کی جو تکفیر نقل کر دی ہے اس کو اسی تفصیل کے ماتحت سمجھنا چاہیے۔ یعنی یہ وہ فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا ان کے وجود سے قبل کوئی علم نہیں ہوتا اور نہ پہلے سے لوحِ محفوظ یا کہیں ان کی کتابت ہوتی ہے۔ دیکھو کتاب الایمان ص ۱۵۴ و ۱۵۵ ائمہ حدیث جیسے بخاری و مسلم نے اگر کہیں کسی قدری راوی کی روایت اپنی اپنی صحیح میں درج فرمائی ہیں تو وہ اسی دوسرے فرقہ کا شخص ہوا ہے کیونکہ پہلا فرقہ بالاتفاق کافر ہے اور کافر کی روایت کے مردود ہونے میں کوئی اختلاف نہیں' البتہ بدعتی کی روایت کے قبول و رد میں اختلاف ہے' جس کی تفصیل کا محل اصولِ حدیث ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے

www.besturdubooks.net

حاشیہ ابی داؤد میں قدریہ اور چند بدعتی فرقوں کے ظہور کی تاریخ اس ترتیب سے تحریر فرمائی ہے۔

و اما الارجاء، و الرفض، و القدر، و التجهم، و الحلول و غيرها من البدع: فانها حديث بعد انقراض عصر الصحابه.

و بدعة القدر: ادركت اخر عصر الصحابه، فانكرها من كان حيًا، كعبد الله بن عمر، و ابن عباس و امثالهما رضي الله عنهم. و اكثر ما يجئ من ذمهم: فانماهو موقوف على الصحابة من قولهم فيه ثم حدثت بدعة الارجاء بعد انقراض عصر الصحابة، فتكلم فيها كبار التابعين الذين اوركوها كما حكيناه عنهم.

ثم حدثت بدعة التجهم بعد انقراض عصر التابعين. و استفحل أمرها، و استعار شرها في زمن الائمة كالامام احمد و ذويه.

ثم حدثت بعد ذلك بدعة الحلول، و ظهر امرها في زمن الحسين الحلاج.

یعنی تقدیر کے انکار کی بدعت صحابہ کرام کے آخری دور میں شروع ہوئی اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور اس قسم کے اور صحابہ نے جو اس دور میں بقیدِ حیات تھے اس کی تردید میں کافی حصہ لیا' اسی لیے اس فرقہ کی مذمت جن احادیث میں آئی ہے وہ کثرت سے صحابہؓ ہی کے اقوال ہیں۔ اس کے بعد ارجاء کی بدعت نکلی' ان کی تردید میں اکابر تابعین نے حصہ لیا' پھر جب عہد تابعین بھی ختم ہوا تو جہمیہ فرقہ پیدا ہوا اور امام احمدؒ وغیرہ جیسے ائمہ کے دور میں اس کا خوب چرچا رہا' اس کے بعد حلول کا عقیدہ ظاہر ہوا اور حسین حلاج کے زمانہ میں اس کا زور وشور ہوا۔

❀❀❀

www.besturdubooks.net

قضاء وقدر کے مسئلہ میں امام ماتریدی کے مسلک کی اہم توضیح

امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسباب میں تاثیر اور اشیاء میں طبعی خواص کا انکار کرنا آیات واحادیث کے ظاہری الفاظ کے قطعاً خلاف سمجھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس طرح قدرت نے مسببات میں اسباب کی تاثیر ودیعت فرمائی ہے اسی طرح بندہ کے افعال میں بھی اس کی قدرت کی تاثیر رکھی ہے۔ عالم اسباب کے طویل وعریض سلسلہ میں ہر جگہ تاثیر کا انکار کر کے یہ کہہ دینا کہ یہاں دو چیزوں کے درمیان صرف وقتی مقارنت ہے اور ان میں باہم تاثیر وتاثر کا کوئی علاقہ نہیں بداہت کے بھی خلاف ہے، عرف کے بھی خلاف ہے اور آیات واحادیث کے بھی خلاف ہے۔ ہم کو صاف آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ آدمی زہر کھاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ تریاق زہر کا اثر باطل کر دیتا ہے پھر اسی عرفی نسبت کو آیات واحادیث میں بھی قائم رکھا گیا ہے لہٰذا ہم کو ان کا مفہوم وہی لینا ہو گا جو اہل عرف اس نسبت سے سمجھتے ہیں۔ ان تمام آیات میں اور اپنے حسی مشاہدات میں صرف مجازی نسبتیں مراد لے لینا کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ ان جملہ مقامات میں تاثیر کا اقرار کیا جائے، مگر یہ تاثیر ہوتی ہے اسی کے اذن سے۔ بندہ کی صفت اختیار اور اس کے افعال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے یہاں بھی اختیار کی صفت حق سبحانہ کی پیدا فرمودہ ہے اور بندہ کے افعال میں تاثیر بھی اسی کے اذن سے ہوتی ہے پھر جس طرح دوسرے مقامات میں کسی چیز کے وجود کے لیے صرف اسباب کا وجود کافی نہیں ہوتا بلکہ موانع کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ موانع بھی قدرت ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ جہاں یہ موانع موجود ہوتے ہیں وہاں بندہ کی صفتِ اختیار کے باوجود پھر افعال کا صدور نہیں ہوتا۔

(ج ۲ ص ۱۷-۱۸-۲۶ منہاج السنہ- وشفاء العلیل ص ۱۵۲)

اس مسئلہ کی تقریر کرتے ہوئے حافظ موصوف ایک دوسرے مقام پر اور زیادہ زور دے کر تحریر فرماتے ہیں کہ تمام کتب سماویہ میں کسی ایک کتاب نے بھی قرآنِ کریم سے بڑھ کر اسباب کا اثبات نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ پھر کیونکر اسباب کی تاثیر کا انکار کر دیا گیا ہے اور کیونکر اس تاثیر کو توحید کے خلاف سمجھا گیا ہے جب کہ عقیدہ یہ ہے کہ سبب اور مسبب دونوں کا خالق وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور سبب کی اپنے مسبب میں تاثیر بھی اسی کی قدرت اور مشیت سے ہے۔ اگر وہ چاہے تو سبب کی تاثیر باطل بھی فرما سکتا ہے جیسا کہ اپنے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں آتش نمرود کی تاثیر باطل فرما دی اور اگر چاہے تو اسباب کی تاثیر قائم رکھتے ہوئے پھر کچھ موانع ایسے فرما دے سکتا ہے جو ان کی تاثیر سے مانع ہو جائیں اور اگر ارادہ فرمائے تو ان کو اٹھا بھی دے سکتا ہے کہ پھر پہلے کی طرح وہی تاثیر کرنے لگیں۔ ایسی تاثیر کے اعتقاد سے بھلا توحید کو کیا ٹھیس لگ سکتی ہے اور شرک کا کیا وہم ہو سکتا ہے، لیکن بے علم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پکی توحید یہ ہے کہ نہ آگ میں جلانے کی تاثیر ہے نہ پانی غرق کرنے کی اور نہ روٹی میں پیٹ بھرنے کی اور نہ تلوار میں قطع کرنے کی یہ اثرات سب براہ راست قدرت کا فیض ہیں یہ توحید ایسی ناقابل فہم توحید ہے کہ جس کو سن کر آج دشمنانِ اسلام 'اسلام' ہی سے منکر ہوئے جا رہے ہیں واقعی سچی مثل ہے کہ ''نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے''۔ (دیکھو شفاء العلیل ص ۱۸۹ و ۱۹۰)

www.besturdubooks.net

اس لیے امام ماتریدی فرماتے ہیں کہ بندہ میں قدرت و اختیار کی صفت بھی ہے اور اس کے افعال میں اس کے اختیار و قدرت کی تاثیر بھی ہے- امام کے مذہب کی بناء پر اگر بندہ کو مجبور کہا جائے گا تو صرف اس معنی سے کہ قدرت نے اختیار کی صفت اس میں جبراً پیدا فرمائی ہے- اس میں بندہ کے اختیار اور پسندیدگی کا کوئی دخل نہیں پس جس طرح ایک پتھر اپنے غیر مختار ہونے میں مجبور ہے اسی طرح بندہ اپنے مختار ہونے میں مجبور ہے- یہاں جبر اسی معنے سے نہیں ہے کہ اس اختیار کے استعمال کرنے پر بھی کوئی اور جبر اس پر مسلط کیا گیا ہے کہ بلکہ ہر طرف کے راستے اس کے سامنے کشادہ رکھے گئے ہیں- اب جس طرف بھی وہ چاہے اپنی صفت اختیار کو استعمال کر سکتا ہے قدرت نے ہر طرف اس کی معاونت فرمانے کا وعدہ فرما لیا ہے اور اس کے عزم کے موافق جب بھی وہ ارادہ کرتا ہے تو قدرت اس عمل کو پیدا فرما دیتی ہے گویا رشتہ خالقیت ہر جگہ دستِ قدرت ہی کے ساتھ مربوط رہتا ہے- اس صفت اختیار کو کسی ایک جانب استعمال کرنے کا نام کسب ہے' اور اسی کے لحاظ سے اس کو بندہ کا فعل اور اس کو اس کا حقیقی فاعل کہا جاتا ہے اور خلق کے لحاظ سے اس فعل کو حق سبحانہ کی مخلوق کہا جاتا ہے- گویا ایک ہی عمل میں بندہ کی تاثیر صرف اس کے کسب کرنے میں ہوتی ہے اور خالق کی اس کے پیدا فرمانے میں- اس لحاظ سے وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی اور مکسوب بندہ کا ہوتا ہے- یہ یاد رکھیے کہ مخلوق ہمیشہ اپنے خالق سے علیحدہ موجود ہوتی ہے اور فعل اپنے فاعل کے ساتھ قائم ہوتا ہے- بندہ کا فعل جو اس کے کسب سے متعلق ہے وہ بندہ کی صفت ہے اور اسی کے ساتھ قائم ہے اور چونکہ وہ حق سبحانہ کی مخلوق ہے اس لیے ہمیشہ اس سے علیحدہ موجود ہوتا ہے' قدرت جب بندہ کا عزم دیکھ لیتی ہے تو اس کے پیدا فرمانے کی سب شرائط موجود فرما دیتی ہے اور اس کو بندہ میں پیدا بھی کر دیتی ہے- یہی وجہ ہے کہ برے اور بھلے ہر قسم کے افعال سے خالق کو نہ برا کہہ سکتے ہیں نہ بھلا کیونکہ ان افعال کی وجہ سے برا یا بھلا اسی کو کہہ سکیں گے جس کی یہ صفات ہوں اور اس کے ساتھ قائم ہوں- خالق کے ساتھ بندہ کے یہ افعال چونکہ قائم نہیں ہوتے اس لیے نہ اس کی صفت بنتے ہیں اور نہ اس کو ان کے لحاظ سے برا یا بھلا کہا جا سکتا ہے- دیکھو سیاہ یا سرخ رنگ دینے سے اس کپڑے کو تو سیاہ یا سرخ کہا جاتا ہے مگر جو اس کا رنگنے والا ہے اس کو نہ سیاہ کہا جاتا ہے نہ سرخ کیونکہ یہاں بھی سیاہی اور سرخی کپڑے کی صفت ہوتی ہے رنگنے والے کی نہیں- حقیقت یہ ہے کہ ایک ضعیف مخلوق کے اختیار کی تاثیر صرف اس حد تک ہی ہو سکتی ہے کہ جب وہ چاہے اپنے اس اختیار کو کسی ایک جانب استعمال کر لے' رہی وہ طاقت اور قدرت جو کسی چیز کو عدم سے نکال کر لباسِ وجود عطاء کر دے تو یہ صرف قدرتِ قدیمہ کا خاصہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہی ہر جگہ اس کی مالک بنی ہوئی ہے- خلاصہ یہ کہ ایک ہی عمل دو اعتبار سے خدا تعالیٰ اور بندہ دونوں کی طرف منسوب رہتا ہے جیسا کہ مال و املاک یہ سب خدا تعالیٰ کے پیدا فرمودہ ہیں اور مِلک بھی حقیقتاً سب اسی کی ہیں- اس اعتبار سے ان کی نسبت حق سبحانہ کی طرف ہوتی ہے- لیکن اس کے باوجود ان کی نسبت بندہ کی طرف بھی ہوتی ہے- پس اموال کی طرح اعمال کا قصہ بھی ہے- یہ بھی سب انہی کے پیدا کردہ ہیں مالوں کا مالک اور اعمال کا کاسب اسی نے بندوں کو بنایا ہے اور جس طرح کہ دنیا میں مال بندہ کے کسب سے حاصل ہوتا ہے حالانکہ وہ پیدا کردہ حق سبحانہ کا ہوتا ہے' اسی طرح اعمال بھی بندہ کے کسب سے حاصل ہوتے ہیں اور پیدا کردہ حق سبحانہ کے ہوتے ہیں- فرق صرف یہ ہے کہ مال تو قدرت کا پہلے سے پیدا کردہ ہوتا ہے اور بندہ کے اعمال اس کے ارادہ اور عزم کے بعد پیدا کیے جاتے ہیں اس لیے یہاں قدریہ کو مغالطہ لگ گیا

www.besturdubooks.net

4 ہے اور انہوں نے ان کا خالق خود بندوں کو قرار دے ڈالا ہے۔ اسی طرح ناک' کان' زبان سب قدرت ہی نے پیدا فرمائے ہیں اور ان میں جدا جدا قوتیں بھی سب قدرت ہی نے پیدا فرمائی ہیں اور ان کو اپنے اختیار سے استعمال کرنے کی طاقت بھی سب اسی نے مرحمت فرمائی ہے۔ بندہ جب چاہتا ہے اپنی ان قوتوں کا استعمال کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے نہیں کرتا۔ اسی طرح اس میں اختیار کی بھی ایک صفت ہے اس کو بھی وہ جب چاہتا ہے استعمال کرتا ہے اور جب چاہتا ہے استعمال نہیں کرتا۔ خالق ان سب مقامات پر وہی ذات وحدہ لاشریک لہ رہتی ہے اور بندہ بھی ان کے ساتھ اپنا ایک اعتباری علاقہ پیدا کر کے ''کسب'' کی نسبت حاصل کرتا رہتا ہے کسی عمل کے بندہ کی طرف صرف منسوب ہو جانے سے یہ سمجھ لینا کہ اس میں شرک ہو گیا ہے سخت بے علمی اور نافہمی ہے۔ کیا ایک بچہ کی نسبت اپنی ماں کی طرف اور غلہ کی کسی خاص زمین کی طرف اور پھل کے کسی خاص درخت کی طرف نہیں کی جاتی اور کیا پھر ان سب اشیاء کی نسبت خالق کی طرف بھی نہیں کی جاتی۔ مگر ان دونوں نسبتوں کا مفہوم بالکل جدا جدا ہوتا ہے۔ کیا یہاں کسی کو شرک کا وہم گزر سکتا ہے۔ اس لیے محض اس وہم کی بناء پر جبریہ کا بندہ سے اس کے افعال کی نسبت قطع کر کے اس کو مجازی نسبت قرار دینا اور براہ راست ان کو حق سبحانہ کی طرف منسوب کر دینا کھلی ہوئی غلطی ہے۔[1]

مسئلہ مذکورہ پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک اور بہت لطیف بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جبر و قدر کا مسئلہ سمجھنے کے لیے پہلے جبر کے معنی سمجھ لینے چاہئیں۔ جبر کے ایک معنی تو اکراہ کے ہیں یعنی کسی کی رضامندی اور اختیار کے خلاف اس سے کام لینا۔ اس معنی سے اللہ تعالیٰ نے کسی پر جبر نہیں کیا۔ جب وہ بندوں سے کسی عمل کرانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے ان کو اختیار بخش دیتا ہے پھر ان میں اس عمل کے کرنے کی رغبت یا اس سے نفرت پیدا فرما دیتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ کسی کام کو کرتے ہیں یا نہیں کرتے تو دونوں صورتوں میں اپنی خوشی اور اختیار ہی سے کرتے ہیں۔ یہ اس کی کمالِ قدرت ہے کہ وہ دوسروں کے اختیار و رغبت سے وہی کرا لیتا ہے جو اس کی مشیت ہوتی ہے۔ لہٰذا اب وہ کسی پر اکراہ کرے تو کیونکر کرے۔ یہ اکراہ تو وہ شخص کرتا ہے جس کو

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ افعال عباد کے من العباد ہونے کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں۔

انها قائمة به حاصلة بمشية و قدرته و هو المتصف بها فانه قد يقال لما اقصف به المحل و خرج هذا منه و ان لم يكن له اختيار كما يقال هذا الريح من هذا الموضع و هذه الثمرة من هذه الشجرة و هذا الزرع من هذا الارض فلان يقال لما صدر من حي باختياره هذا منه بالطريق الاولى. وهي من الله بمعنى انه خلقها قائمة بغيره و جعلها عملاً له و كسبًا و هو خلقها بمشيئة نفسه و قدرة نفسه بواسطة خلقه بمشيئة العبد و قدرته كما تخلق المسببات باسبابها فيخلق السحاب بالريح و للطر بالسحاب و النبات بالمطر. (و الخلاصه) ان الحوادث تضاف الى خالقها باعتبار و الى اسبابها باعتبار فهي من الله مخلوقة له في غيره وهي من العبد صفة قائمة به و ح فلا شركة بين العبد و بين الربّ كما انا قلنا هذا الولدمن المراء ة بمعنى انهاولدته و من الله بمعنى انه خلقه الخ. و لذا كان غير الله يعاقب عبده علٰى ظلمه و ان كان مقرا بان الله خالق افعال العباد و ليس ذلك ظلمًا منه فالله سبحانه ان لايكون ظلما منه محكون الرب خالق كل شيء لايمنع كون العبد هو الملوم على ظلمه كما ان غيره من المخلوقين يلومه على ظلمه و عدوانه مع اقراره بان الله خالق' افعال العباد. ص ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ ج ۲ منهاج السنه.

www.besturdubooks.net

4

دوسرے کومختار بنا کراس کی خوشی سے کام لینے کی قدرت حاصل نہ ہو لیکن جس کو یہ قدرت بھی حاصل ہو کہ وہ دوسرے کو مختار اور فاعل بالارادہ بنا کراس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا داعیہ فرما سکے تو اس کو اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ کسی سے زبردستی کام لے- بندہ کو چونکہ اتنی وسیع قدرت حاصل نہیں ہوتی اس لیے لازمی طور پر اس کو دوسروں کو مجبور کرنا پڑتا ہے اور اس طرح وہ اس کو مجبور کر کے اپنی منشاء کے موافق کام لے لیتا ہے- جبر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی میں اختیار کی صفت پیدا فرما کر پھر اس سے اپنی مرضی کے موافق کام لے لیتا ہے- اس لحاظ سے بے شک یہاں جبر موجود ہے اور اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم جبار بھی ہے چنانچہ محمد بن کعب قرظی اس اسم کی تشریح میں فرماتے ہیں: "هو الذی جبر العباد علی ما اراد" یعنی جبار اس کو کہتے ہیں جو اختیار عطا فرما کر اپنی مرضی کے مطابق کام لے- (دیکھو منہاج السنہ ص ۵۱ ج ۲)

حافظ ابن قیمؒ اس مضمون کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالجبر بهذا المعنی معناه القهر و الغبه و الغلبه و انه سبحانه و تعالٰی قادر علی ان یفعل لعبده ماشاء و اذا شاء منه شیئًا و قع و لا بدوان لم یشاء لم یکن لیس کا لعاجز الذی یشاء مالا یکون و یکون مالا یشاء.
(شفاء العلیل ص ۱۲۹)

یعنی جبر کے ایک معنی قہر و غلبہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایسا قاہر و غالب ہے کہ وہ ان سے جو چاہے کام لے سکتا ہے اگر وہ کسی کام کے کرانے کا ارادہ فرمائے تو وہ ہو کر رہتا ہے اور اگر ارادہ نہ فرمائے تو پھر وہ ہو نہیں سکتا اس عاجز شخص کی طرح نہیں کہ جو کسی بات کا ارادہ تو کرے اور پھر وہ ہو نہ سکے اور وہ ہوتا رہے جس کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو-

حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں اس مسئلہ کی طویل تقریر کر کے آخر میں لکھا ہے کہ یہی مسلک جمہور کا مسلک ہے اور یہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے اس میں نہ تو قدریہ کی طرح بندوں کو اپنے افعال کا خالق تسلیم کیا گیا ہے نہ جبریہ کی طرح ان کو ایک پتھر کی طرح قدرت و اختیار سے معریٰ مانا گیا ہے- اشعریؒ نے اگرچہ یہاں صفتِ قدرت کو تسلیم کر کے جبریہ سے ایک قدم آگے ضرور بڑھایا لیکن افعالِ عباد میں اس کو غیر مؤثر ٹھہرا کر پھر نا قابل فہم بنا دیا- حتیٰ کہ اب ہر نا قابل فہم بات کے لیے یہ مثل بن گئی ہے کہ "یہ بات تو اشعری کے کسب سے بھی زیادہ باریک ہے" یعنی نا قابل فہم ہے- لیکن تحقیق یہ ہے کہ شیخ اشعریؒ بھی تاثیر کے قائل تھے- جس کسی نے ان کی طرف محض نفی کی نسبت کر دی ہے اس نے نا تمام نظر کی ہے- حاشیہ اسماعیل کلنبوی ص ۲۵۰ میں ہے

قال بعضهم ان التحقیق ان مذهبه موافق لمذهب الماتریدیة.

تنبیہ: قضاء و قدر کا پہلا مقالہ حاشیۃ الجرجانی علی شرح العقائد للدوانی سے ماخوذ ہے- دیکھو ص ۲۵۷-

www.besturdubooks.net

قضاء وقدر کے باب میں تغیراتِ حمل کی حدیث کے متعلق ایک اہم حاشیہ

داؤد انطا کی اپنی مشہور تصنیف "التذکرہ" میں حمل کے تغیرات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اطباء کے نزدیک نطفہ میں اس تقسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ پہلے ہفتہ میں وہ پانی کی شکل پر ہوتا ہے پھر اس کے باہر ایک جھلی بنتی ہے اور اندر منجمد نطفہ ہو جاتا ہے اور سولہ دن میں اس پر لمبے لمبے خطوط کی شکل نمودار ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ سرخ رنگ کا خون بن جاتا ہے اس کے بعد اس کی شکل گوشت کے لوتھڑے کی ہو جاتی ہے اور سب سے پہلے اس میں قلب کی شکل نمودار ہوتی ہے پھر دماغ کی۔ بتیس دن میں اس میں ہڈیوں کے نشانات قائم ہوتے ہیں اور حمل کے بچہ بننے کی یہ کم سے کم مدت ہے۔ پچھتر دن کے بعد وہ اپنی غذاء جذب کرنے لگتا ہے اور اس پر گوشت آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اب وہ پہلے سے بالکل علیحدہ ایک جدید مخلوق کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس میں حرارتِ عزیزیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اب اس میں طبعی نمو شروع ہو جاتا ہے (اسی کا نام روح طبی ہے) اور سو دن کے بعد اس میں نباتات کی طرح نمو ہونے لگتا ہے اس کے بیس دن کے بعد وہ ایک سوتا ہوا حیوان معلوم ہونے لگتا ہے اور اب اس میں حقیقی روح پھونکی جاتی ہے۔ اس تقریر سے جو اختلاف نفخ روح کے بارے میں فلاسفہ اور اہل شرع کے مابین تھا وہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک نفخ روح کی مدت ستر دن ہے اور اہل شرع کے نزدیک چار ماہ ظاہر ہے کہ فلاسفہ روحِ شرعی کو نہیں پہچانتے ان کے نزدیک روح طبی ہی ایک روح ہے اسی کے ذریعہ سے انسان کا نشو و نما ہوتا ہے اہل شرع کے نزدیک انسان کی حقیقت اس کا جسم نہیں بلکہ دراصل وہ روحِ انسانی ہے جس میں اپنے خالق کی معرفت مرکوز ہوتی ہے وہ روح چار ماہ کے بعد پھونکی جاتی ہے اور جو روح طبی ہے وہ مذکورۂ بالا تحقیق کے مطابق اہل اسلام کے نزدیک بھی پچھتر دن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے دونوں طبقوں کے درمیان روح طبّی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ دیکھو حاشیہ ابن عابدین الشامی ص ۲۷۸ ص ۱۔ از باب النفاس"۔

❀❀❀

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الایمان بالقدر رُکنٌ مِن اِرکَانِ الاِسلام

قضاء وقدر پر ایمان لانا اسلام کا ایک رکن ہے

(۸۸۵) عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ فِي مُسْلِمٍ قَالَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ فِي الْقَدْرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدَ الْجُهَنِيُّ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ اَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا لَوْ لَقِيْنَا اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدْرِ فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهُ اَنَا وَ صَاحِبِيْ اَحَدُنَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَ الْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهِ فَظَنَنْتُ اَنَّ صَاحِبِيْ سَيَكِلُ الْكَلَامَ اِلَيَّ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنَّهُ قَدْ ظَهَرَ لَنَا قِبَلَنَا اُنَاسٌ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ يَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَ ذَكَرَ مِنْ شَاْنِهِمْ وَ اَنَّهُمْ يَزْعَمُوْنَ اَنَّ لَا قَدَرَ وَ اَنَّ الْاَمْرَ اُنُفٌ قَالَ اِذَا لَقِيْتَ اُولٰئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْهُمْ وَ اَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّيْ وَ الَّذِيْ يَحْلِفُ بِهٖ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ اَنَّ

(۸۸۵) یحییٰ بن یعمر بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر میں جس نے سب سے پہلے کلام کیا وہ بصرہ میں ایک شخص معبد جہنی تھا- میں اور میرے ساتھ حمید بن عبدالرحمٰن حمیری حج یا عمرہ کرنے کی نیت سے نکلے تو ہم نے کہا کاش ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کوئی شخص مل جاتا تو ہم اس سے ان شبہات کے متعلق جو یہ لوگ تقدیر کے بارے میں نکالتے رہتے ہیں' کچھ باتیں دریافت کر لیتے- حسب الاتفاق ہمیں عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات نصیب ہوگئی اس وقت وہ اور میں مسجد میں داخل ہو رہے تھے بس میں اور میرا ساتھی ایک ان کی دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں جانب سے ان کو لپٹ گئے- میں جانتا تھا کہ میرا رفیق سلسلہ گفتگو کا آغاز میرے ہی سپرد کرے گا اس بناء پر میں نے ہی عرض کی اے ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے) ہمارے اطراف میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم میں بہت کدوکاوش بھی کرتے ہیں- پھر ان کی مفصل روئداد بیان کی' ان کا عقیدہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور دنیا کے واقعات کسی تقدیر کے بغیر یونہی چلتے رہتے ہیں- انہوں نے فرمایا جب ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو مطلع کر دینا کہ نہ میرا ان سے کوئی تعلق رہا نہ ان کا مجھ سے- اس ذات کی قسم جس کے نام کی قسم عبداللہ بن عمر کھاتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی

---

(۸۸۵) * قدریہ کی تاریخ میں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اس کی ابتداء کیونکر ہوئی' اور یہ کہ معبد جہنی بھی اس فتنہ کے بانیوں کی ابتدائی صف میں داخل تھا اور الامر انف کے معنی بھی معلوم کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ عبداللہ بن عمرؓ کے اس فرمان کا تعلق اس فرقہ کے ساتھ ہے جو علم الٰہی کا بھی منکر تھا- اب غور طلب امر صرف یہ ہے کہ اس عقیدہ کو آخر اتنی اہمیت کیا ہے کہ اس کو دین کا ایک رکن قرار دے دیا گیا ہے- تو اس کے متعلق بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر بندہ کا اللہ تعالیٰ سے کوئی رابطہ ہی قائم نہیں ہو سکتا وہ اگر اس کی خالقیت کا اقرار کر بھی لیتا ہے مگر آئندہ اس کی زندگی میں جب اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں دیکھتا بلکہ اپنی دنیا کے خود خالق ہونے کا گمان کر بیٹھتا ہے تو اس کو اس کے عالم کی خالقیت کے اعتقاد پر بھی پورے طور پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے' سوچو کہ جب ایک شخص اپنا اور اپنے افعال کی ساری دنیا کا تعلق خالق السمٰوٰت و الارضین کے ساتھ قائم نہیں رکھ سکتا تو بھلا اس کو اسلام ہی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے- اب اگر وہ اُحد کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالے تو یہ صرف ایک کافر کا صدقہ ہوگا جس کا بارگاہِ بے نیاز میں کوئی وزن نہیں ہے-

www.besturdubooks.net

لِاَحَدِهِمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فَاَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ. (رواه مسلم فی کتاب الایمان و ابوداؤد و الامام احمدؒ فی کتاب السنه ص ۱۱۹)

کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اس کو خیرات کر ڈالے جب بھی وہ اس وقت تک اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو۔

(مسلم شریف)

(۸۸۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ وَ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَ اَنَّ مَا اَخْطَاءَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ. (رواه الترمذی و قال غریب وفیه عبدالله بن میمون منکر)

(۸۸۶) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک بندہ اس پر ایمان نہ لائے کہ برا' بھلا سب تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کا یقین نہ کرے کہ جو خیر و شر اس کو پہنچ گیا یہ ناممکن تھا کہ اس کو نہ پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اس کو پہنچ جاتا۔ اس وقت تک اس کا ایمان کچھ نہیں۔

(ترمذی)

(۸۸۷) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ بِاَرْبَعٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ وَ يُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَ يُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ يُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ. (رواه الترمذی و ابن ماجة. و اخرجه الحاکم فی المستدرک و قال علی شرط الشیخین و لم یتعقبه الذھبی)

(۸۸۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب تک بندہ چار باتوں کی دل سے گواہی نہ دے مؤمن نہیں ہوتا۔ اس بات کی کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کہ مَیں کسی تردد کے بغیر اس کا رسول ہوں' اس نے سچا دین دے کر مجھ کو بھیجا ہے۔ اور مر کر قیامت میں پھر جینے کا یقین نہ کرے' اور جب تک کہ تقدیر کو نہ مانے۔

(ترمذی' ابن ماجہ)

(۸۸۸) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةٌ وَمَا

(۸۸۸) ابو درداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے' اسی طرح ایمان کی بھی

---

(۸۸۷) * احادیث درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان گفتگوؤں کا ایک مجموعہ ہیں جو آپ اپنی مجلسوں میں وقتاً فوقتاً فرمایا کرتے تھے اس لیے ان کا انداز بیان کتابی شکل کا نہیں ہوتا' اس کی تفصیل جلد ثانی ہی میں ملاحظہ فرمایئے' اس لیے یہاں بھی ایمانیات کے صرف وہی چند اجزاء بیان کر دیئے گئے ہیں جو اس محفل میں کسی وقتی مناسبت سے زیادہ اہم سمجھے گئے تھے۔ ان امور کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکۃ اللہ اور اس کی سب کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے' مگر چونکہ یہ جملہ امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار میں آ جاتے ہیں اس لیے ان سب کی ہر جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہوتی ظاہر ہے کہ جس نے آپ کو رسول مان لیا ہے وہ ان سب باتوں کو بھی ضرور مانے گا جن کی آپؐ نے خبر دی ہے' ورنہ ان کا انکار آپ کی رسالت ہی کا انکار ہوگا۔

(۸۸۸) * انسان اس عالم میں مختار ہی مختار نظر آتا ہے اگر کہیں انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس پر عالم غیب کے جبر کی اطلاع ☜ .....

www.besturdubooks.net

بَلَغَ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَ مَا اَخْطَاَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ. (رواه احمد و الطبرانی قال الهيثمی و رجاله ثقات)

ایک حقیقت ہے- بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت نہیں پا سکتا جب تک اس کا یقین نہ رکھے کہ جو کچھ اس کو پہنچ گیا یہ ناممکن تھا کہ اس کو نہ پہنچتا' اور جو نہیں پہنچا یہ بھی ناممکن تھا کہ اس کو پہنچ جاتا- (احمد' الطبرانی)

(۸۸۹) عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الْكُوْفَةَ اَتَيْنَاهُ فِيْ نَفَرٍ مِنْ فُقَهَاءِ اَهْلِ الْكُوْفَةِ فَقُلْنَا لَهٗ حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَدِيُّ بْنَ حَاتِمٍ اَسْلِمْ تَسْلَمْ قُلْتُ وَ مَا الْاِسْلَامُ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُؤْمِنُ بِالْاَقْدَارِ كُلِّهَا خَيْرِهَا وَ شَرِّهَا حُلْوِهَا وَ مُرِّهَا. (رواه ابن ماجة و فی الزوائد هذا اسناد ضعيف لاتفاقهم علی ضعف عبدالاعلی و له شاهد من حديث جابر رواه الترمذی)

(۸۸۹) امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوفہ آئے تو ہم اہل کوفہ کے کچھ سمجھ دار لوگوں کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے ان سے گزارش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں آپ نے سنی ہیں وہ ہمیں بھی سنائیے- انہوں نے فرمایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدی! اسلام قبول کرلو تو امن وچین سے رہو گے- میں نے عرض کی اسلام کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ کہ اس بات کی دل سے گواہی دو کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ کی ذات (عزوجل) اور اس بات کی کہ میں کسی تردد کے بغیر اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس پر بھی یقین کرو کہ برا بھلا اور تلخ وشیریں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے وہ سب پہلے سے مقدر ہو چکا ہے- (ابن ماجہ)

(۸۹۰) عَنْ اَبِيْ حَفْصَةَ قَالَ قَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ لِاِبْنِهٖ يَا بُنَيَّ اِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ حَتّٰى تَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ

(۸۹۰) ابوحفصہ روایت فرماتے ہیں کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند سے کہا اے میرے عزیز فرزند تم کو اس وقت تک ایمان کی حقیقت کی لذت نہیں آ سکتی جب تک کہ تم اس کا یقین نہ کرو کہ جو خیر وشر تم

تلہ ..... نہ دیں تو وہ مدت العمر اپنے اسی جہل میں مبتلا رہے- وہ نظر حقیقت میں اس کی مجبوری کو پیرایہ بہ پیرایہ سمجھاتے ہیں- اس تاکید کے ساتھ سمجھاتے ہیں کہ اگر اس کو اپنی اس مجبوری کا یقین نہیں تو وہ اس کا بھی یقین رکھے کہ ابھی اس کو ایمان کی حقیقت بھی حاصل نہیں- پس جب کہ حقیقت یہ ٹھہری کہ انسان مختار ہونے کے ساتھ مجبور بھی ہے تو پھر ان احادیث کی اہمیت بھی واضح ہوگئی مسئلہ کی تفصیل پہلے معلوم ہو چکی ہے-

(۸۹۰) * پہلی حدیث میں اسی پختہ اعتقاد کو حقیقت ایمان سے تعبیر کیا گیا تھا- اعتقاد جب پختہ ہو جاتا ہے تو پھر قلب سے گزر کر تمام جسم کو اس کی لذت کا احساس ہونے لگتا ہے اس لیے اعتقاد اب ذائقہ کی چیز بن جاتا ہے اسی کو اس حدیث میں اس سے تعبیر کیا گیا ہے- قضاء و قدر پر اس درجہ کا اعتقاد چونکہ ہر شخص کا حصہ نہیں ہوتا اس لیے ان دونوں حدیثوں میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ مقام کامل مؤمن کا ہے- ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ جان و دل سے اس مقام اعلیٰ پر پہنچنے کی کوشش کرے تا کہ جو اب تک صرف مؤمن تھا وہ حقیقی مؤمن بن جائے اور جس کا ایمان آج تک صرف ایک علمی حیثیت رکھتا تھا اب وہ وجدانی اور وجدانی سے حسی بن جائے- یہی وہ احسان کا مرتبہ ہے جس کا تذکرہ آپ حدیث جبرئیل میں پھر ترجمان السنہ جلد اول وثانی میں موقعہ بموقعہ دیکھتے چلے آئے ہیں-

www.besturdubooks.net

يَكُنْ لِيُخْطِاكَ وَ مَا اَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْقَلَمَ وَ قَالَ لَهُ اُكْتُبْ فَقَالَ رَبِّ وَ مَاذَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ يَابُنَيَّ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَاتَ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا فَلَيْسَ مِنِّي. (رواہ ابوداؤد)

کو پہنچ گیا وہ کبھی خطا نہیں کر سکتا تھا اور جو نہیں پہنچا اس کا پہنچنا ممکن نہ تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بنائی وہ قلم ہے پھر اس کو حکم دیا کہ لکھ- اس نے عرض کی پروردگار کیا لکھوں- ارشاد ہوا قیامت تک جس چیز کے لیے جو کچھ مقدر ہو چکا ہے وہ سب لکھ- اے میرے فرزند عزیز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ جو شخص اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مرے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا-

(ابوداؤد)

التشديد فيمن انكر القدر

منکرین تقدیر کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید کلمات

(۸۹۱) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَ اِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ.

(۸۹۱) ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تقدیر کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوسی ہیں' اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت بھی نہ کرنا اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہونا-

(احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ)

(رواه احمد و ابوداؤد روى الطبراني في الاوسط عن انس الوعيد في القدرية و المرجئة كليهما قال اليثمي و رجاله رجال الصحيح غير هارون بن موسىٰ الفروى و هو ثقة و ماردى عن ابن عمر فيه زكريا بن منطور و ثقه احمد بن صالح وغيره و ضعفه جماعة قال السندى و قد جاء اصل هذا المتن من حديث ابن عمر ايضا عند ابى داؤد و قد اخرجه الترمذى و حسنه و قد صححه الحاكم و قال على شرط الشيخين ان صح سماع ابى حازم عن ابن عمر و حقق الحافظ ابن حجرانه صحيح على شرط مسلم فى الاكتفاء بالمعاصرة فلاوجه للحكم بوضعه كما قيل (وفى النسخه بوصفه و هو غلط) يقول العبد الضعيف و قد اخرجه السيوطى فى الدر المنثور بلفظ المكذبون بالقدر مجر موهذه الامة و فيهم انزلت هذه الآية ان المجرمين فى ضلال و سعر الى قوله انا كل شىء خلقنه بقدر ج ٦ ص ١٣٨)

---

(۸۹۱) * حدیث مذکور میں عیادت اور جنازہ کی شرکت کے متعلق خاص طور پر ممانعت فرمانے کا نکتہ یہ ہے کہ یہ ان حقوق میں سے ہیں جو عام مسلمانوں کے لیے بھی واجب ہیں- پس جب منکرین قدر کے لیے یہ عام حقوق بھی واجب نہ رہے تو سوچو ان کا شمار کیا مسلمانوں کے زمرہ میں ہوگا- قدریہ چونکہ تقدیر کے منکر ہیں اور بندوں کے افعال کا خالق خود ان کو قرار دیتے ہیں اس لیے وہ بھی گویا خالق میں تقسیم کے قائل ہو گئے جس طرح کہ مجوس قائل ہیں' یہ خیر و شر کے خالق کو جدا جدا مانتے ہیں اور منکرین قدر بندوں کے افعال کے خالق جدا جدا مانتے ہیں اس لحاظ سے اس امت کے مجوس یہ ہوئے- بلکہ یہ ان سے بھی بدتر ہیں کہ مجوس تو صرف دو خالق کے قائل ہیں اور یہ بے شمار خالقوں کے قائل ہو گئے- نعوذ باللہ منہ.

www.besturdubooks.net

(۸۹۲) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ اِبْنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهُ بَلَغَنِي اَنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِي هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوْ فِي اُمَّتِي اَلشَّكُّ مِنْهُ خَسْفٌ اَوْ مَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِي اَهْلِ الْقَدَرِ. (رواہ الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح غريب و رواه احمد قال الهيثمی و رجاله رجال الصحيح)

(۸۹۲) نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا میں نے سنا ہے اس نے تقدیر کے متعلق کوئی نیا عقیدہ اختیار کیا ہے۔ اگر اس نے کوئی نیا عقیدہ اختیار کیا ہو تو میری جانب سے اس کو سلام مت کہنا' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ اس امت میں یا میری امت میں (یہ شک راوی کی جانب سے ہے) جو لوگ تقدیر کا انکار کریں گے ان پر عذاب نازل ہوگا زمین میں دھنسا کر یا اس کی شکل بدل کر یا اُوپر سے پتھر برسا کر۔

(ترمذی' مسند احمد)

(۸۹۳) عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ لِابْنِ عُمَرَ صَدِيْقٌ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ يُكَاتِبُهُ فَكَتَبَ اِلَيْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّهُ بَلَغَنِي اَنَّكَ تَكَلَّمْتَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ فَاِيَّاكَ اَنْ تَكْتُبَ اِلَيَّ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَّهُ سَيَكُوْنُ فِي اُمَّتِي اَقْوَامٌ يُكَذِّبُوْنَ بِالْقَدَرِ. (رواه الحاكم و قال صحيح على شرط مسلم و اقره الذهبی)

(۸۹۳) نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک شامی دوست تھا' ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اُس کو اِس مضمون کا ایک خط لکھا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے تقدیر کے بارے میں کچھ بات چیت شروع کی ہے' لہٰذا آئندہ سے ہرگز مجھ سے خط و کتابت نہ رکھنا' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے۔

(مستدرک)

(۸۹۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَلَاثَةٌ اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِي الْاِسْتِسْقَاءُ بِالْاَنْوَاءِ وَ حَيْفُ السُّلْطَانِ وَ تَكْذِيْبُ بِالْقَدَرِ. (رواه احمد)

(۸۹۴) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ مجھے اپنی امت کے متعلق تین باتوں کا اندیشہ ہے۔ پچھتروں سے بارش طلب کرنا' بادشاہ کا ظلم کرنا اور تقدیر کا انکار کرنا۔ (احمد)

---

(۸۹۳) * اس حدیث میں اس سے پہلی حدیث سے کچھ زیادہ تفصیل تھی اس لیے اس کو دوبارہ درج کیا گیا ہے۔ جو لوگ اسلامی تعلیمات سے دور ہو جائیں ان کے ساتھ مذاقِ سلف کیا تھا! اس حدیث سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ جہاں معمولی باتوں پر سخت گیری اسلامی معاشرت سے ناواقفی کی دلیل ہے وہاں اہم امور میں تساہل بھی اسلامی تعلیمات سے جہالت کا ثمرہ ہے۔

(۸۹۴) * حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کا تخم کلیۃً ایسا فنا نہیں ہوگا کہ ان کا انفرادی طور پر بھی کہیں وجود باقی نہ رہے بلکہ کسی نہ کسی خطہ میں کسی نہ کسی درجہ تک یہ اعتقاد باقی رہے چلا جائے گا۔ آپ کا فرمودہ صبح صادق کی طرح پورا ہو رہا ہے۔ آج بھی لوگ گو اپنے منہ سے تقدیر کا اقرار کرتے ہیں مگر کیا اپنے باطن میں بھی اس پر صحیح اعتقاد رکھتے ہیں۔ بادشاہوں کے ظلم کا افسانہ تو کب کا کہنہ ہو چکا' بارش کا معاملہ بھی ظاہر ہے۔

www.besturdubooks.net

(۸۹۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدَرِ وَ لَا تُفَاتِحُوْهُمْ. (رواه ابوداؤد. و اخرجه الحاكم و لم يتكلم عليه الذهبي)

(۸۹۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا منکرین تقدیر کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو اور نہ ان کے ساتھ سلام میں پیش قدمی کرو۔ (ابوداؤد) یعنی متعدی بیماری اگر ہے تو یہ ہے اس لیے اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ ان کی صحبت سے بھی بچا جائے۔

(۸۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ كُلُّ نَبِيٍّ مُجَابٌ اَلزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ الْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَ الْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ فَيُعِزُّ بِذٰلِكَ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَ يُذِلُّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَ الْمُسْتَحِلُّ لِحُرَمِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ التَّارِكُ لِسُنَّتِيْ. (اخرجه الترمذی و حاكم عن علیؓ و اخرج نحوه الطبرانی فی الاوسط قال الهيثمی رجاله ثقات و قد صححه ابن حابن. و مروی عن واثلةؓ و جابرؓ و ابی سعیدؓ صنفان من هذه الامة الحديث فكلها صعاف)

(۸۹۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے (اور تم جانتے ہو) کہ ہر نبی کی دعاء مقبول ہی ہوتی ہے (لہٰذا میری لعنت معمولی بات نہیں) (۱) کتاب اللہ میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے والا (۲) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا منکر (۳) ظلم و تعدی کر کے بادشاہ بن بیٹھنے والا۔ جس کی حرکات ناشائستہ یہ ہوں کہ خدا کے نزدیک قابل عزت بندوں کو ذلیل کر ڈالے اور جو قابل ذلت ہوں ان کو عزت دے (۴) خدا تعالیٰ کے حرم میں جو باتیں ناروا ہوں ان کو حلال کر دینے والا (۵) میری اولاد کا احترام نہ رکھنے والا (۶) میرا طریقہ چھوڑ بیٹھنے والا۔

كتابة القدر

قضاء وقدر لکھی جاچکی ہے

(۸۹۷) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ

(۸۹۷) عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے۔ پھر اس کو حکم دیا کہ لکھ۔ اس نے عرض کیا کیا لکھوں؟ حکم ہوا

---

(۸۹۶) * حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعتقادی یا عملی پہلوؤں میں جب کبھی اسلام کے مرکزی نقطہ سے کوئی ادنیٰ سا ٹکراؤ بھی پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس کی نظروں میں قابل برداشت نہیں سمجھا جاتا اور اسی مقام پر اس قسم کی تعبیرات آ جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا جتنی باتیں ہیں ان سب ہی میں یہ ٹکر موجود ہے۔

(۸۹۷) * یہاں اس بحث میں پڑنا کہ سب سے اوّل قلم ہی کو پیدا کیا گیا ہے یا اس سے پہلے کچھ اور بھی۔ اسی طرح اس قلم کی تصویر کشی کے درپے ہونا یہ سب امور زیر بحث آ تو چکے ہیں مگر ہمارے نزدیک ہیں غیر ضروری مشغلہ۔ ہاں اگر کسی کو عالم کا تلو.....

www.besturdubooks.net

اَلْقَدَرِ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ. (رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب اسنادا) جو کچھ مقدر ہو چکا ہے وہ سب لکھ تو اس نے قیامت تک جو ماضی و مستقبل میں شدنی تھا سب لکھ دیا۔ (ترمذی)

لله ..... جغرافیہ لکھنا ہوتو اس کے لیے بے شک ضروری ہوں گے۔ہمیں تو یہاں صرف اتنی بات بتانی ہے کہ حق تعالیٰ نے جب عالم کو بتدریج بنایا تھا اور اس میں اسباب و مسببات کا سلسلہ بھی قائم فرمایا تھا تو اس کی بنیاد سے لے کر آخر تک جملہ امور بھی اسی مناسبت سے پیدا فرمائے تھے۔ یہاں قلم اور اس کی کتابت وغیرہ کو بھی اسی کی مناسبت سے سمجھنا چاہیے' ورنہ جس کی شان کن فیکون ہو وہ کسی شئے کا محتاج نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کتابتِ تقدیر میں کچھ مختلف فوائد بھی ہیں:

(۱) تقدیر اس بات کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کو جمیع مخلوقات کا علم پہلے سے حاصل تھا۔ کیونکہ یہ بدیہی ہے کہ جب تک کسی کو پہلے سے علم حاصل نہ ہو' وہ کسی مخلوق کو کسی حکیمانہ نظام کے ساتھ پیدا نہیں کر سکتا۔ تعجب ہے کہ بعض غالی معتزلہ نے بندوں کے افعال پر حق تعالیٰ کے علم ازلی کا بھی انکار کر دیا ہے۔

(۲) تقدیر میں چونکہ ہر چیز کا پورا پورا اندازہ اور اس کی مخصوص مقدار و شکل بھی لکھی ہوئی موجود ہے اس لیے یہ اس کے علم کی اور واضح دلیل ہے گویا خلق اور پیدا کرنے کے لیے جہاں پہلے سے اس شئے کا علم ضروری ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس کا صحیح صحیح اندازہ اور اس کی پوری پوری شکل کا بھی علم ہوتا کہ اسی کے مناسب اس کو پیدا کیا جا سکے ارشاد ہے:

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا. (طلاق:۳) اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کا اپنے علم میں ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيرًا. (فرقان:۲) یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا فرمایا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

(۳) تقدیری حالات چونکہ مخلوقات کے وجود سے بھی پیشتر مفصلاً لکھ کر رکھ دیئے گئے ہیں' جن کا بقدر ضرورت انکشاف انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ان کے وقوع سے قبل بھی ہوتا رہتا ہے تو یہ اس بات کا اور بدیہی ثبوت ہوگا کہ جب ان امور کا علم بندوں کو ممکن ہے تو پھر خالق کو بھلا کیونکر نہ ہوگا۔

(۴) تقدیر کی کتابت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح نہیں جیسا کہ آفتاب سے دھوپ کا صدور اضطراراً ہوتا ہے۔

(۵) چونکہ تقدیر عالم کے وجود سے قبل لکھی گئی اس لیے جہاں ایک طرف یہ حق تعالیٰ کے اختیار و مشیت کی دلیل ہے اسی طرح تمام مخلوق کے حدوث کی بھی دلیل ہے۔ حدوث کے معنی یہ ہیں کہ یہ تمام کی تمام مخلوق کسی زمانہ میں معدوم تھی' پھر مشیتِ الٰہیہ اور اس کی قدرت سے پیدا ہوئی ہے' یوں نہیں ہے کہ ہمیشہ سے اسی طرح بنی بنائی موجود تھی۔ (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۲۰۵ و ۲۰۶)

علامہ سید رشید رضا مرحوم تفسیر المنار میں فرماتے ہیں کہ جب صانع عالم نے عالم کو پیدا فرمایا اور اس طرح پیدا فرمایا کہ اس کے ساتھ عرش و کرسی بھی پیدا فرمائے' اس کے نظام قائم رکھنے کے لیے ابر و باد بھی بنائے اور باطنی نظام چلانے کے لیے ملائکۃ اللہ بھی مقرر فرمائے تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اس کا نظام بھی مقرر فرما کر لکھ دیا جاتا۔ بس یہی قضاء و قدر اور اس کی کتابت کی حکمت ہے۔ (دیکھو تفسیر مذکور۔ ص ۲۷۷ ج ۷)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن طاہر نے ایک مرتبہ حسین بن الفضل سے پوچھا کہ جب سب کچھ طے ہو کر لکھا بھی جا چکا ہے تو کیسے پھر ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الرحمٰن:۲۹) کا کیا مطلب ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ هي شئون يبديها لا شئون يبتديها. (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۹۶) لله ...

www.besturdubooks.net

(۸۹۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ قَوْمٌ مِنْ بَنِیْ تَمِيْمٍ فَقَالَ اقْبَلُوا الْبُشْرٰی يَا بَنِیْ تَمِيْمٍ قَالُوْا بَشَّرْتَنَا فَاَعْطِنَا فَجَاءَ نَاسٌ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اِقْبَلُوا الْبُشْرٰی يَا اَهْلَ الْيَمَنِ اِذْلَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْ تَمِيْمٍ قَالُوْا قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِی الدِّيْنِ وَ لِنَسْأَلُكَ عَنْ اَوَّلِ هٰذَا الْاَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَ لَمْ يَكُنْ شَیْءٌ قَبْلَهٗ وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضَ وَ كَتَبَ فِی الذِّكْرِ كُلَّ شَیْءٍ ثُمَّ اَتَانِیْ رَجُلٌ فَقَالَ يَا عِمْرَانُ اَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ اَطْلُبُهَا فَاِذَا السَّرَابُ يَنْقَطِعُ دُوْنَهَا وَ اَيْمُ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنَّهَا قَدْذَهَبَتْ وَ لَمْ اَقُمْ.

(رواه الشيخان)

(۸۹۸) عمران بن حصین بیان فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ بنی تمیم قبیلہ کے کچھ لوگ آ گئے آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اے بنی تمیم کے لوگو! لو بشارت قبول کرو انہوں نے عرض کیا اچھا آپ بشارت دیتے ہیں تو اب دیجئے کیا دیتے ہیں؟ اس کے بعد کچھ لوگ یمن والے آ گئے آپؐ نے ان سے بھی یہی فرمایا اے یمن والو! بنو تمیم نے تو اس بشارت کو قبول نہ کیا لو تم قبول کر لو وہ بولے یا رسول اللہ ہم نے بسر و چشم قبول کیا' ہم تو دین سیکھنے کے لیے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور یہ بات بھی دریافت کرنی ہے کہ اس عالم کی ابتداء کیسے ہوئی تھی؟ آپؐ نے فرمایا بس اللہ تعالیٰ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا' اس کے بعد اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اور لوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھ کر ثبت فرما دی ہے اتنے میں میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا عمران اپنی ناقہ کو پکڑو وہ تو بھاگ گئی- میں اس کو تلاش کرنے کے لیے نکلا تو وہ اتنی دور جا چکی تھی کہ ریت کی چمک بھی نظر نہ آ سکے- (حالانکہ وہ بہت دور سے چمکتا رہتا ہے' یعنی بہت دور جا چکی تھی) اور خدا کی قسم مجھے یہ پسند تھا کہ وہ چلی جاتی اور میں اپنی جگہ سے نہ اٹھتا-

(متفق علیہ)

لله ..... یعنی اپنی ان نئی نئی شانوں کا وہ ہر دن اظہار فرمایا کرتا ہے اگر چہ طے پہلے کر چکا تھا' یہ نہیں کہ ان کی ابتداء ہی اب کرتا ہے- یہ جواب سن کر عبداللہ بن طاہر امیر خراسان اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا-

(۸۹۸) * یہاں آپ کو بنی تمیم کی یہ ادا پسند نہ آئی کہ انسان اتنا گر جائے کہ اس کی نظر میں خوش خبری کا محور بس دنیوی منفعت کے سواء اور کچھ باقی ہی نہ رہے- آپؐ نے سکوت فرمایا اور یہ ناگواری کا سکوت تھا' اس پر بھی ان کو کچھ تنبہ نہ ہوا اور طبائع جب گرنے لگتی ہیں تو یہ قاعدہ ہے کہ ان کا احساس بھی گرنے لگتا ہے- اتنے میں یمن کے کچھ عالی ہمت لوگ آ نکلے وہ اس بشارت کو لپک لے گئے اور ان کے سوال کے جواب میں یہ بات بھی ذکر میں آ گئی کہ عالم کی تقدیر لکھی جا چکی ہے- یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ عالم غیب چونکہ ہم سے غائب ہی ہے اس لیے اگر وہ ہمارے سامنے بیان میں آتا بھی ہے اس وقت بھی بسا اوقات اس کے گوشوں میں ابہام ہی رہتا ہے گویا ذکور ہو جانے کے بعد بھی وہ مشہود کے درجہ میں نہیں آتا اس کے علاوہ بعض حالتوں میں ابہام فی نفسہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے- انعام و اکرام کے مواقع پر دنیا کا بھی یہی دستور ہے' یہاں بھی بشارت منظور تو ہوئی تھی مگر وہ کس کے نصیب میں ہے' یہ گوشہ مبہم چھوڑ دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب بانصیب جماعت آ گئی تو یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کے نصیب کی تھی- ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ایک جماعت کو عالم خواب میں ایک خاص انداز کی فضیلت میں دیکھا- جب آپؐ نے اس خواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ محفل مبارک میں لله ...

www.besturdubooks.net

متٰی کُتبَ القدرُ

قضاء وقدر کی کتابت عالم کی پیدائش سے کتنی قبل ہوئی؟

(۸۹۹) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِیْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَ کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ۔ (رواہ مسلم)

(۸۹۹) عبداللہ بن عمرو روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کے لیے جو بھی مقدر فرمادیا تھا وہ سب قیدِ کتابت میں لاکر محفوظ کردیا ہے اور اس سے پیشتر اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم شریف)

(۹۰۰) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ کَّلَ اللّٰہُ بِالرَّحِمِ مَلَکًا

(۹۰۰) انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے رحم مادر پر ایک فرشتہ مقرر فرما

بقیہ ..... حاضر تھے' بے ساختہ بول اٹھے یارسول اللہ دعاء فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جماعت میں بنادے۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم ان میں سے ہوگئے۔ اس پر پھر دوسرے صاحب اٹھے اور انہوں نے بھی یہی درخواست پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا "سبقک بھا عکاشہ" وہ تو عکاشہ لے اڑے' یعنی اس وقت کسی مبہم کے حق میں اس جماعت میں ہونا طے پایا تھا وہ عکاشہ کے نصیب سے ان کو مل گیا' اب تیسرے اور چوتھے کی گنجائش نہیں ہے۔ جہاں ایک طرف تقدیر لکھی جاچکی تھی وہاں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی قبولیت بھی اہل یمن کے حصہ میں لکھی جاچکی تھی۔

(۸۹۹) * حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تقدیر کے پانچ مراتب تحریر فرمائے ہیں سب سے پہلا مرتبہ ارادۂ ازلیہ ہے جو تمام کائنات کا اصل مبداُ و منشاء ہے اس کے بعد دوسرا نمبر یہ کتابت ہے' جس کا یہاں ذکر ہے' تیسرا نمبر وہ ہے جب کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمالیا اور ارادہ کیا کہ نوع انسانی کی ان سے بنیاد قائم ہو تو ان کی تمام اولاد کو ان سے نکالا اور ان میں مطیع و عاصی' اور مؤمن و کافر کی تقسیم فرمائی چوتھا نمبر وہ کتابت ہے جو رحم مادر میں ہوتی ہے۔ اس کا تذکرہ آئندہ حدیثوں میں آرہا ہے پانچویں نمبر کی تفصیل یہاں عوام بلکہ اکثر خواص کے ذہن سے بھی بالاتر ہے اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ دیکھو حجۃ اللہ۔ ص ۶۵ و ۶۶۔ عرش اور پانی کے درمیان میں جب تک آسمان و زمین کا وجود ہی نہ تھا اس وقت تک یہی کہا جائے گا کہ نیچے پانی اور اوپر عرش پھر جب درمیان میں آسمان و زمین آگئے تو اب تعبیر یہ ہوگی کہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ درحقیقت عرش جہاں پہلے تھا اب بھی وہیں ہے یہ تغیرات سب تحتانی ہوئے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ نے تقدیری مراتب کو ایک دوسرے پیرایہ میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ایک تو وہ مرتبہ ہے جو زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار سال پہلے لکھا گیا تھا' دوسرا وہ ہے جو زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد لکھا گیا ہے' مگر ذریت ابن آدم کی پیدائش سے قبل۔ اس کا پتہ حدیث میثاق سے چلتا ہے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہے جو شکم مادر میں لکھا جاتا ہے اور چوتھا مرتبہ حولی ہے یعنی وہ سالانہ لکھا جاتا ہے' یعنی شب قدر میں اور پانچواں یومی یعنی جو روزمرہ لکھا جاتا ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ۔ حق تعالیٰ کی شان ہر دن نرالی ہے کسی کو پست کرتا ہے اور کسی کو بلند۔ ان میں سے ہر مرتبہ پہلے مرتبہ کی صرف ایک تفصیل ہی ہوتی ہے۔ شفاء العلیل ص ۲۳ و ۲۴۔ اس کی مثال اس عالم میں بھی ہے یہاں بھی سالانہ بجٹ کی منظوری کے بعد پھر تحتانی دفاتر میں علیحدہ علیحدہ منظوریاں بھی ہوتی ہیں مگر یہ سب بجٹ میں داخل ہوتی ہیں۔

(۹۰۰) * واضح رہے کہ اس حدیث کی اصل غرض اطوار جنین کی پوری تفصیلات بیان کرنی نہیں ہیں یہ موضوع علم تشریح کا ہے بقیہ .....

www.besturdubooks.net

فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ نُطْفَةٌ اَىْ رَبِّ عَلَقَةٌ اَىْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَقْضِىَ خَلْقَهَا قَالَ اَىْ رَبِّ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى اَشَقِىٌّ اَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْاَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ.

(رواہ البخاری)

رکھا ہے' وہ یہ عرض کرتا رہتا ہے پروردگار ابھی تک یہ نطفہ ہے' پروردگار اب یہ خون بستہ کی شکل ہو گیا- پروردگار اب یہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا- اب اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ اس کو پیدا فرما دے تو وہ عرض کرتا ہے پروردگار اس کے متعلق کیا لکھوں مرد ہوگا یا عورت' بد بخت ہوگا یا نیک بخت پھر اس کا رزق فراخ ہوگا یا تنگ اور عمر کتنی ہوگی؟ تو اس طرح یہ ساری باتیں ماں کے پیٹ کے اندر ہی اندر لکھ دی جاتی ہیں- (بخاری شریف)

التحذير عن التنازع فى القدر

قضاء وقدر میں بحث و مباحثہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے

(٩٠١) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَتَنَازَعُ فِى

(٩٠١) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم تقدیر کے مسئلہ میں

ﷺ ..... یہاں اطوار جنین یعنی حمل کے تغیرات اور بچہ کی تدریجی ترقیات کا تذکرہ صرف مسئلہ تقدیر کے لیے ایک تمہید کے طور پر آ گیا ہے تا کہ تقدیر کی کتابت کی نشان دہی ہو سکے- اس لیے اس کو پورے طور پر علم تشریح کے ساتھ منطبق کرنا قطعاً غیر ضروری ہے- نطفہ اور علقہ اور مضغہ کی تینوں حالتیں بلاشبہ ہر جنین کے لیے ضروری ہیں' اب ان کی درمیانی ترقیات کیا کیا ہوتی ہیں نہ ان کا یہاں ذکر ہے اور نہ چالیس دن کی مدت جیسا کہ آئندہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں آ رہی ہے' وہ پوری تحدید ہے- صحیح مسلم میں اس روایت کے الفاظ میں راویوں کی جانب سے کچھ اور اختلاف بھی ملتا ہے- ادھر اطباء نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی ان کی آراء کے اختلاف کے سوا خود جنین کے اختلاف سے بھی مختلف حالتیں ہو جاتی ہیں- حضرت شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب تک نطفہ میں مکمل تغیر نہیں ہوتا اس کو یہاں نطفہ ہی سے تعبیر کیا گیا ہے- پھر جب اس میں معمولی سا انجماد ہو جاتا ہے اس کو علقہ سے ادا کیا گیا ہے' جب اس سے زیادہ انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہا گیا ہے' خواہ اس میں ہڈیاں بھی نمایاں ہو چکی ہوں پھر جس طرح کہ دنیا میں گٹھلی لگا کر باغبان جانتا ہے کہ کتنے کتنے دنوں میں اس میں کیا کیا تغیرات ہوتے ہیں پھر زمین اور پانی کی موافقت کے لحاظ سے کہاں کہاں درخت عمدہ اور کہاں کہاں خراب پیدا ہوتا ہے اسی طریقہ پر وہ فرشتے جو رحم مادر پر موکل و مقرر ہیں حق تعالیٰ کی جانب سے اس کے احوال کو جانتے پہچانتے ہیں-

(٩٠١) ٭ انسانی عاقبت نا اندیشی کی بھی انتہاء ہے کہ جس مسئلہ میں گفتگو کرنے کی عاقبت معلوم ہو چکی ہو اس میں بھی ممانعت کے باوجود وہ الجھنے سے باز نہیں آتا- یہاں ممانعت اس لیے نہیں کہ درحقیقت یہاں کچھ پانی مرتا ہے بلکہ دریا میں جہاں پانی زیادہ گہرا اور خطرناک ہوتا ہے وہاں ہر شفیق' نا آموزوں کو تیراکی سے روکا ہی کرتا ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

انسانی تفتیش کی اس طبعی حرص کو ختم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہ تھی کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر آثارِ غضب نمایاں ہوں اور بس یہ دیکھتے ہی مخاطبین کے قلوب اس بحث سے ایسے متنفر ہو جائیں کہ دلوں میں کبھی اس کا خطرہ بھی نہ گذر سکے- سبحان اللہ یہ غصہ بھی کیسی شانِ رحمت لیے ہوئے تھا-

www.besturdubooks.net

الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَلَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ. (رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب' و اخرجہ ابن ماجہ باسناد عمرو بن شعیب عن جدہ و صححہ فی الزوائد قال السندی و ھو مبنی علی عدم الاعتبار بالتکلم فی روایۃ عمرو بن شعیب)

بحث کر رہے تھے- اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غصہ آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے سرخ ہو گیا یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں میں انار کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے- فرمایا کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی بات کے لیے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں خوب یاد رکھو تم سے پہلی امتوں نے جب اس بارے میں جھگڑے نکالے تو وہ برباد کر دی گئیں اس لیے میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ہرگز اس بارے میں بحث و تمحیص نہ کرنا-

(ترمذی شریف)

التکلم فی القدر

قضاء وقدر میں گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہے

(۹۰۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْئَلْ عَنْهُ.

(۹۰۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں ذرا بھی زبان ہلائی قیامت میں اِس کی اُس سے باز پرس کی جائے گی اور جس نے کوئی گفتگو نہیں کی اس سے کوئی باز پرس بھی نہ ہوگی- (ابن ماجہ)

(رواہ ابن ماجہ قال الھیثمی اسنادہ ضعیف لاتفاقھم علی ضعف یحیی بن عثمان قال فیہ ابن معین و البخاری و ابن حبان منکر الحدیث زاد ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بہ و یحیی بن عبداللہ بن ابی ملیکۃ قال ابن فی الثقات یعتبر بحدیثہ اذا روی عنہ غیر یحیی بن عثمان)

(۹۰۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخِّرَ الْكَلَامُ فِي الْقَدَرِ لِشِرَارِ اُمَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ. (رواہ الطبرانی و الحاکم)

(۹۰۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ تقدیر کے بارے میں جھگڑے کرنا میری امت کے بدترین افراد کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے' یہ قیامت کے قرب میں ہوں گے- (طبرانی - حاکم)

---

(۹۰۲) * قضاء وقدر کا مسئلہ ایسا دقیق مسئلہ ہے کہ اس میں جھگڑا تو درکنار گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہوتا' کیونکہ ایسے باریک مسائل میں جہاں گفتگو کی وہیں کوئی نہ کوئی پہلو بحث وجدل کا نکلا اور جہاں بحث وجدل کا پہلو نکلا بس انکارِ قدر کے امکانات پیدا ہوئے جس گفتگو کی انتہاء یہ ہو شریعت اس کی ابتداء سے بھی روکتی ہے' لیکن اگر ہزار ممانعت کے باوجود گفتگو شروع ہو ہی جائے اور انفرادی انکار سے نکل کر معاملہ کی نوعیت اجتماعی بننے لگے تو اب اثباتِ قدر کے لیے گفتگو کرنا شاید مذموم گفتگو نہ رہے گی' لیکن یہ اجازت ایک دوسرے پہلو سے پیدا ہوگی- خطرہ کی بات بہرحال خطرہ ہی کی ہے- امارت اور قضاء کے بڑے فضائل ہیں اگر ان کے حقوق کی ادائیگی کی جائے مگر ہیں پھر دونوں مناصب خطرہ ہی کے- اس لیے سلف تا امکان ان سے بچا ہی کرتے تھے- حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خطرہ کی بات کرتے ہی کیوں ہو کہ جواب دہی کی نوبت آئے-

www.besturdubooks.net

(۹۰۴) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُ اَمْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُرَامِرًا اَوْ قَالَ مُقَارِبًا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا فِي الْوِلْدَانِ وَ الْقَدْرِ. (قال الحاكم على شرط الشيخين و اقره الذهبی)

(۹۰۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے معاملات درست رہیں گے جب تک کہ وہ دو مسئلوں میں گفتگو نہ کریں۔ ایک وفات شدہ بچوں کی نجات و عدم نجات کے متعلق دوم تقدیر کے معاملہ میں۔ (مستدرک)

يجب الرضاء بالقضاء و هو علامة لسعادة الانسان

قضاء وقدر کے فیصلہ پر رضامندی ضروری ہے اور یہ انسان کی بڑی سعادت کی علامت ہے

(۹۰۵) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ اِبْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ وَ مِنْ شَقَاوَةِ اِبْنِ اٰدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَ مِنْ شَقَاوَةِ اِبْنِ اٰدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ. (رواه الترمذی قال هذا حديث غريب)

(۹۰۵) سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر کے فیصلہ پر راضی ہو جانا آدمی کی سعادت کی دلیل ہے اور اس کی بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نیکی کی توفیق مانگنا چھوڑ دے، اور تقدیر کے فیصلہ پر ناراض ہونا تو اس کی انتہائی بدبختی کا ثبوت ہے۔ (ترمذی شریف)

---

(۹۰۴) ٭ صاحبِ شریعت یہ چاہتے ہیں کہ امت اپنی حدِ استطاعت تک صرف عمل کرنے کی سعی میں لگی رہے۔ دقیق امور میں بحث کرنے سے صرف دماغی انتشار پیدا ہوتا ہے اور اس دماغی انتشار سے مذہب کا شیرازہ بھی منتشر ہونے لگتا ہے۔ وحی کے علوم دماغی مشاق سے مستغنی ہوتے ہیں، اس لیے ان کو جتنا بتا دیا جائے بس اس پر ایمان لے آنا چاہیے اور آئندہ عملی قدم اٹھائے چلا جانا چاہیے۔ راہِ سلامتی یہ ہے، اس کے سوا ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ پھر جن مسائل سے ہمارے عمل کا تعلق ہے ان کا صاف صاف فیصلہ کیا جا چکا ہے اور اگر ان میں اختلاف ہے بھی تو ہر صورت میں اجر کا وعدہ موجود ہے۔ رہے وہ معاملات جو ہمارے عمل سے متعلق نہیں ہیں ان کا تذکرہ بھی گو کافی حد تک مل جاتا ہے مگر کسی بدیہی چیز کا قبل از وقت معرضِ بحث میں لانا چونکہ کبھی بے وجہ الجھاؤ کا باعث بھی بن جاتا ہے اس لیے ان کی اتنی تفصیلات جتنی کہ انسان کا نفس بے وجہ کرنا چاہتا ہے نہیں ملتیں، اور ان کو اپنے وقت پر چھوڑ دیا جاتا ہے قیامت میں یہ دونوں مسئلے بدیہی ہو کر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے پھر ابھی سے اس کے درپے ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جتنا اس کو منع کیجئے تحقیقات کے لیے وہ اتنا ہی اور بے چین ہوتا ہے، حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ بعض مرتبہ اگر مسئلہ کی تفصیلات اس کی خاطر سب سامنے کر دی جائیں تو اس کے لیے شاید اس سے بڑھ کر کسی اور مصیبت کا باعث ہو جائے۔

(۹۰۵) ٭ حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء حدیث میں جب خدا تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر رضامندی کی تاکید آئی تو کسی کے دل میں یہ وہم گزر سکتا تھا کہ پھر اگر انسان سے معصیت ہو جائے تو اس پر بھی اس کو راضی ہونا چاہیے۔ اس لیے فرمایا کہ انسان کے لیے جہاں یہ ضروری ہے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر اور اس کی مرضیات ہی کی توفیق مانگا کرے۔ اگر اس نے یہ دعاء چھوڑ دی تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی سمجھنی چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قضاء اور فیصلہ خداوندی تو اس کا حکم ہے اس لیے اس پر تو رضامندی ضروری ۔۔۔۔۔ ؎

www.besturdubooks.net

(۹۰۶) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلَاءِ وَ اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاھُمْ فَمَنْ رَضِیَ فَلَہُ الرِّضَاءُ وَ مَنْ سَخِطَ فَلَہُ السُّخْطُ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(۹۰۶) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔جتنی آزمائش سخت ہوتی ہے اس کا بدلہ بھی اتنا ہی بڑا ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو ضرور آزمائش میں بھی ڈالتا ہے' پھر جو اس پر راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو ناراض ہوا وہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

(ترمذی۔ابن ماجہ)

(۹۰۷) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّہُ عَذَابٌ یَبْعَثُہُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ یَشَاءُ وَ اَنَّ اللّٰہَ جَعَلَہُ رَحْمَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ لَیْسَ مِنْ

(۹۰۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا آپؐ نے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے' جس پر چاہے نازل فرمائے لیکن مؤمنوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت بنا دیا ہے۔لہٰذا جو شخص بھی طاعون میں مبتلا ہو' اور یہ یقین رکھتا ہو کہ جو

لله ..... ہے لیکن اگر وہ چیز خود قبیح ہے تو اس پر نارضائی ضروری ہے۔کافر کا کفر بھی ایزدی تقدیر سے ہوتا ہے پس اس کا حکم تو پر حکمت ہونے کی وجہ سے بہتر ہی کہا جائے گا گو یہ خود قبیح ہو۔دیکھو خود بیت الخلاء کیسی گندی چیز ہے مگر کسی مکان کے لیے اس کا بنانا بھی ضروری ہے اور یہ کمال ہے۔

(۹۰۶) * بات یہ ہے کہ امتحان کے بغیر کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔قدرت چاہتی ہے کہ روز محشر جب اپنی مخلوق کو انعام تقسیم فرمائے تو اس کا معیار صرف اپنے علم ازلی پر نہ رکھے بلکہ انصاف وعدالت کے دن ایسا معیار مقرر کر دے جس کا مشاہدہ ہماری آنکھیں بھی کر سکیں وہ چاہتی ہے کہ جن شرکاء اُحد کو انعام شہادت دے تو اس طرح دے کہ ان کے جسم زخموں سے چور ہوں لیکن اس خستگی میں بھی لبوں پر مسرت کی مسکراہٹ نظر آئے اور جن منافقین کو جہنم میں داخل فرمائے تو اس طرح کہ بروقت رسول سے دغابازی کا ٹیکہ اُن کی پیشانی پر لگا ہوا ہو۔

(۹۰۷) * طاعون جیسا تکلیف دہ مرض دنیا میں اپنے اسباب سے ہی آتا ہے' مگر دنیا آج تک اس نکتہ سے غافل تھی کہ اس بیماری کے آنے کا مقصد کیا ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انکشاف فرمایا کہ یہ بیماری ظاہر تو ہوئی تھی ایک قوم کے عذاب کے لیے لیکن میری امت کے حق میں رحمت بنا دی گئی ہے' لیکن اس کی چند شرائط بھی رکھی گئی ہیں۔یہ کہ جب اس کے شہر میں طاعون آئے تو ڈر کر وہاں سے بھاگ نہ جائے یہ مسلمان کی پختگی اور تقدیر پر اعتماد کے خلاف ہے یہ کہ شہر میں رہنا بھی ہو تو صابر بن کر ہو کسی مجبوری سے نہ ہو۔یہ کہ اس میں ثواب کی نیت اور شامل کر لے اور یہ کہ اس کے اس عقیدہ میں کوئی تزلزل بھی نہ آنے پائے' بس یہ یقین رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ میرے مقدر میں لکھ چکا ہے نہ اس کے خلاف وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور نہ اس سے رستگاری ممکن ہے۔اگر ان شرائط کی ادائیگی کے بعد تقدیری طور پر اس کی موت آ گئی تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملتا ہے۔ذیل کی روایت سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں'' کہ عام طور پر مرنے والوں اور شہیدوں کے مابین لله .....

www.besturdubooks.net

اَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنَ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُهٗ اِلَّا مَا كَتَبَهُ اللّٰهُ لَهٗ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ شَهِيْدٍ. (رواه البخاری)

کچھ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے اس کے سوا اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی' پھر صبر کے ساتھ ثواب کی امید میں اسی شہر میں پڑا رہے (اور اس کو موت آ جائے) تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔

(۹۰۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا ابْنُ ثَمَانِ سِنِيْنَ خَدَمْتُهٗ عَشَرَ سِنِيْنَ فَمَا لَامَنِيْ عَلٰى شَيْءٍ قَطُّ اُتِيَ فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَامَنِيْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ شَيْءٌ. (هذا لفظ المصابيح و رواه البيهقي في شعب الايمان مع تغيير يسير)

(۹۰۸) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شروع کی اور دس سال تک خدمت کی ہے اس عرصہ میں جب کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو گیا تو مجھے آپ نے اس پر کبھی ملامت نہیں فرمائی' اگر گھر والوں میں سے کبھی کسی نے کچھ کہا بھی تو آپ نے فرما دیا رہنے دو کچھ نہ کہو اگر مقدر یوں ہوتا (یعنی نقصان نہ ہونا) تو یونہی ہو جاتا۔ (مصابیح۔بیہقی)

لله ..... ان مُردوں کے معاملہ میں جھگڑا ہوتا ہے جن کا انتقال مرضِ طاعون میں ہوتا ہے۔شہداء تو یہ کہتے ہیں پروردگار جیسا ہم قتل کیے گئے یہ بھی اسی طرح قتل کیے گئے ہیں' لہٰذا یہ ہمارے بھائی ہوئے ان کا شہیدوں میں شمار ہونا چاہیے' اور عام مردے کہیں گے کہ ان کی موت بستر پر آئی ہے جس طرح ہماری موت اس لیے یہ ہمارے بھائی ہیں۔ پروردگار کا ارشاد ہوگا اچھا ان کے زخم کی شکل دیکھو اگر وہ شہیدوں کے زخموں کے مشابہ ہوں تو ان کا شمار بھی ان میں ہوگا اور یہ ان ہے کہ ساتھ رہیں گے جب اس کی تحقیق کی جائے گی تو ان کے زخم شہیدوں کے مشابہ ملیں گے اس لیے فیصلہ شہداء کے حق میں ہو جائے گا'' (احمد ونسائی) اس روایت سے اوپر کی حدیث کی پوری وضاحت ہوگئی اور شہید کے اجر ملنے کی تفصیل بھی معلوم ہوگئی' اور یہ بھی کہ اسباب ومسببات کے اثرات اس عالم سے گزر کر بھی شاید دوسرے عالم میں بھی ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں وہاں بھی شہادت کا ثواب دینے کے لیے اسباب وعلل کا ایک نقشہ جمایا گیا اس میں بحث وتمحیص ہوئی پھر جس جانب پلہ بھاری دیکھا گیا اس جانب فیصلہ صادر کر دیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہید کا اجر ملے تو پہلے شہید کا سا عمل ہونا چاہیے اگر وہ نہ ہو تو اس عمل کا کوئی اثر ہونا چاہیے۔شہید بھی بڑے دشوار گزار موقعہ پر صبر کر کے محض رضاء الٰہی کی خاطر جان قربان کرتا ہے' طاعون کا مریض بھی بظاہر اپنی جان کو معرضِ خطر میں ڈال کر صرف رضاء الٰہی کے لیے وہیں جان دیتا ہے۔ جنگ میں میدانِ قتال اور طاعون میں وباء زدہ علاقے موت کی گرما گرمی کے یکساں سے بازار نظر آتے ہیں رحمت بھی اس مشابہت کی رعایت کر لیتی ہے۔ جب ایک ہی بیاری قوموں کے اختلاف سے ثواب وعذاب کی دو متضاد شکل اختیار کر سکتی ہے تو ایک ہی عمل خالق ومخلوق کے فرق سے حسن اور قبیح کیوں نہیں ہو سکتا۔ یہاں تو فرق بھی واضح ہے کہ جو خدا کا فعل ہے وہ اور ہے اور جو بندہ کی صفت ہے وہ دوسری چیز ہے۔ جس پر قبیح ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے وہ خالق کی صفت ہی نہیں ہے' اور جس کو حسن کہا جاتا ہے وہ بندہ کی صفت نہیں بلکہ ایک ہی چیز کا وہ تعلق جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے یعنی اس کا پیدا کرنا یہ حسن ہے اور وہ تعلق جو بندہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اس کے ساتھ قائم ہو جانا یہ بعض جگہ قبیح کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔

(۹۰۸) ✱ دیکھنے میں تو یہ ایک معمولی سی بات ہی معلوم ہوتی ہے لیکن غور کیجئے گا تو آپ کو رضاء بالقضاء کا ایک کرشمہ ہی معلوم ہوگا کہ اول تو دس سال کی طویل زندگی پھر نہ معلوم اس میں کتنی بار اس قسم کے واقعات پیش آئے ہوں گے۔ ان تمام واقعات میں بلا استثناء اس طرح راضی بالقضاء رہنا کیا یہ کسی معمولی انسان کی استقامت ہو سکتی ہے' بلاشبہ یہ کمال صرف اس شخصیت ہی کا ہو سکتا تھا جس کی نظروں لله .....

www.besturdubooks.net

(٩٠٩) عَنْ اُسَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهٗ رَسُوْلُ اِحْدٰی بَنَاتِهٖ وَ عِنْدَهٗ سَعْدٌ وَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ وَ مُعَاذٌ اَنَّ ابْنَهَا يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَبَعَثَ اِلَيْهَا لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَ لَهٗ مَا اَعْطٰی كُلٌّ بِاَجَلٍ فَلْتَصْبِرْ وَ لْتَحْتَسِبْ. (رواه البخاری)

(٩٠٩) اسامہ بیان کرتے ہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دفعتہً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صاحبزادی کی طرف سے قاصد آیا' اس وقت حضرت سعدؓ اور ابی ابن کعب اور معاذ بھی آپ کی مجلس میں حاضر تھے پیغام یہ تھا کہ ان کا لختِ جگر سفرِ آخرت کے لیے تیار ہے- آپؐ نے کہلا بھیجا کہ جو دیا تھا وہ بھی اسی کا تھا اور جو لیا ہے وہ اسی کی مِلک ہے اور ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہو چکی ہے- لہٰذا صبر کرنا چاہیے اور اس میں ثواب کی نیت رکھنی چاہیے- (بخاری شریف) 5

الاذعان بان تعذيب المطيع و رحمة العاصی كلاهما عدل فی جنابه تعالی روح مبحث القدر

یہ اعتقاد رکھنا کہ فرمان برداروں کو دوزخ میں ڈال دینا یا نافرمانوں کو جنت بخش دینا مختارِ کُل کی بارگاہ میں دونوں باتیں انصاف ہیں مسئلہ قدر کی جان ہیں

(٩١٠) عَنْ اِبْنِ الدَّيْلَمِیِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَیَّ بْنَ

(٩١٠) ابن دیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں ابی ابن کعب کی خدمت میں حاضر

لله ..... کے سامنے عالمِ غیب عالمِ شہادت سے پہلے متحضر رہا کرتا ہو اور وہ تو کیا جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اس کی محفل میں بیٹھ گیا اس کا سینہ بھی اس معرفت سے لبریز ہو گیا- یہاں معمولی نقصانات کا تو ذکر ہی کیا ہے آپؐ کے لختِ جگر کا انتقال ہوتا ہے وہاں بھی عین حالت اضطراب میں زبان سے ایسے نپے تلے کلمات نکلتے ہیں جو ایک طرف ضعیف امت کے لیے اسوہ بن سکیں اور دوسری طرف رضاء بالقضاء کا مرقع ہوں آنکھیں اشکبار ہیں مگر آپؐ دردبھری آواز سے جو فقرے فرما رہے ہیں وہ یہ ہیں: و لا نقول الا مايرضی به ربنا. یعنی ان صبر آزما حالات میں بھی زبان سے بجز ان کلمات کے جو رضاء الٰہی کا موجب ہوں ایک کلمہ نہیں نکل سکتا-

(٩٠٩) ✽ انتہائی اضطراب اور صبر شکن مقام میں اطمینان و سکون پیدا کرنے کے لیے ان جامع اور مختصر کلمات سے زیادہ مؤثر اور کلمات نہیں ہو سکتے یہاں سب سے اہم اور سب سے پہلا جو تصور ذہن نشین کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے اور مالک کے کسی فعل پر ناراضائی کا کسی کو حق ہی نہیں' پس اگر کسی کی اولاد اس نے لے لی ہے تو یہ دی کس نے تھی- دوم یہاں اس کی بھی یاددہانی کی گئی ہے کہ تقدیر میں ہر چیز کی ایک مدت معین کی جا چکی ہے لہٰذا جو چیز دی جاتی ہے اتنی ہی معین مدت کے لیے دی جاتی ہے پس اگر ایک مقرر وقت کے لیے دی ہوئی چیز اپنے وقت مقرر پر لے لی جائے تو اس میں بے صبری کی وجہ کیا- یہ تو ایک علمی درس ہوا- اب عملاً یہ ضروری ہے کہ صبر کیا جائے اور اس صبر میں ثواب کی نیت بھی کی جائے تا کہ ثواب اور زیادہ حاصل ہو- یہ نکتہ یاد رکھیے کہ مصیبت میں صبر کا اجر تو ملتا ہی ہے لیکن اگر اس میں ثواب کی نیت تفصیلی طور پر بھی ہو تو اس کا ثواب اور بڑھ جاتا ہے- احتساب کا لفظ اسی نکتہ پر تنبیہ کے لیے آتا ہے- آپ نے دیکھا کہ ایمان بالتقدیر انسان کے لیے کتنی قوت کا باعث ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشہ میں کس طرح کارآمد ہے-

(٩١٠) ✽ مسئلہ تقدیر میں گفتگو کی تان جس جگہ جا کر ٹوٹتی ہے وہ یہی باب مجازاۃ ہے یعنی انسانی جزاء و سزا کا مسئلہ- اس لیے صحابی نے یہاں اسی دُکھتی رگ کو پکڑ لیا ہے اور اپنے کلام کا آغاز ہی یہیں سے فرمایا ہے- لله .....

www.besturdubooks.net

كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِيْ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَ اَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَ هُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ وَ لَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَ لَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَ تَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَ اَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَ لَوْ مُتَّ عَلٰى

ہوا' اور میں نے عرض کی تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہات پڑ گئے ہیں لٰہذا آپ کچھ فرمایئے شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ میرے قلب سے ان کا ازالہ فرمادے۔ انہوں نے فرمایا (سنو) اگر اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں ڈال دے تو بھی اس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا اور اگر سب پر رحم فرمادے تو اس میں کسی کا استحقاق نہیں' اس کی رحمت ان کے اعمال سے کہیں بڑھ کر ہوگی (سنو) جب تک تم تقدیر پر یقین نہ کرو اور اس کا یقین نہ رکھو کہ جو کچھ تم کو پہنچ گیا ناممکن تھا کہ نہ پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ بھی غیر ممکن تھا کہ تم کو پہنچ جاتا' اس وقت تک اگر تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خیرات کر ڈالو جب بھی وہ تم سے قبول نہ فرمائے گا۔ اور

لہ ..... حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ دنیوی حوادث میں انسانوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا مالک ہے' اس کو ہر امر پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اور وہ جو ارادہ فرماتا ہے کرتا ہے لٰہذا یونہی اس کی مشیت ہوگی' یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو اس کو قادر اور مالک ہونے کے ساتھ منعم اور مہربان بھی سمجھتا ہے مگر خاص اپنے اس معاملہ میں اس کی کسی نعمت کا ادراک نہیں کرتا۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جس کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا مہربان ہے کہ جو بھی کرتا ہے وہ مومن کے حق میں خیر ہی خیر ہوتا ہے اس لیے اس کو تلخ سے تلخ حوادث میں بھی نعمت ہی نعمت کا کیف حاصل ہوتا رہتا ہے۔ چوتھا وہ ہے جس کی نظر مرتبہ صفات سے گزر کر ذات قدسی صفات پر جا پہنچی ہے وہ سمجھتا ہے کہ ذاتِ باری خود مستحق عبادت ہے اور اس کے احسان و انعام سے قطع نظر وہ جو بھی کرے اس کو بہر کیف اس کا حق حاصل ہے وہ ہر حالت میں لائق ستائش ہی ہے' کیونکہ وہ علیم ہے' رحیم ہے اور حکیم ہے' جو بھی کرتا ہے اس میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ پس وہی اس کا مستحق ہے کہ اسی سے محبت کی جائے' اس کی عبادت کی جائے اور اس کی حمد و ثناء کی جائے۔ اس شخص کی حمد و ثناء براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ کی ہوتی ہے گو اس کو صفات کا علم ہوتا ہے مگر وہ ان صفات کو بھی ذاتِ باری تعالیٰ کا ایک کمال سمجھتا ہے اور اس کی حمد و ثناء ان صفات کے استحضار کے ساتھ نہیں بلکہ براہ راست ذاتِ منبع صفات کی کرتا ہے۔

پہلا طبقہ صابرین کا ہے' دوسرا راضی بقضاء کا' مگر غیر شاکر کا' تیسرا راضی بقضاء کا جو شاکر بھی ہے۔ اور چوتھا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کو احادیث میں "متمادون" کا لقب دیا گیا ہے اور جن کے حق میں یہ بشارت ہے کہ جنت کی طرف سب سے پہلی آواز ان ہی کو دی جائے گی۔ دوسرے اور تیسرے طبقہ کی معرفت جس نے صرف خدا تعالیٰ کی ربوبیت' مشیت اور قدرت کو پہچانا ہے یا زیادہ سے زیادہ اس کے انعام و احسان کو بھی پہچان لیا ہے ناقص معرفت ہے۔ جہمیہ اور جبریہ تو صرف پہلی قسم کی معرفت رکھتے ہیں' قدریہ معتزلہ دوسری قسم کی اور تام المعرفۃ وہ اہل علم ہیں جو ذاتِ باری کو صفات سے قطع نظر بھی ہر حالت میں موجب حمد و ثناء سمجھتے ہیں ان کی نظر صرف حکم حاکم کی طرف رہتی ہے نہ کسی مطیع کی اطاعت اور نہ کسی عاصی کی معصیت کی طرف لٰہذا اگر وہ مطیع کو دوزخ میں داخل فرمادے یا عاصی کو جنت میں' دونوں حالتوں میں وہ عادل' منصف اور حکیم ہی رہے گا۔ ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (تفسیر سورۂ اخلاص ص ۱۶ و ۱۷ مع تہذیب و ترتیب) لہ .....

www.besturdubooks.net

غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ. (رواہ احمد، ابوداؤد و ابن ماجه و الحاکم فی صحیحه)

اگر اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مروگے تو یاد رکھو دوزخ میں جاؤ گے۔ ابن دیلمی کہتے ہیں اس کے بعد میں عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی یونہی فرمایا پھر میں حذیفہ بن یمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی یونہی فرمایا' اور پھر زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے یہ مضمون خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نقل فرمایا۔

(احمد۔ ابوداؤد۔ حاکم۔ ابن ماجہ)

لله ..... حافظ ابن تیمیہ کی اس تفصیل کے بعد آپ اس صحابی کے جواب کی بلندی ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔ جبر وقدر کے مسئلہ میں جو شکوک پیدا ہو سکتے ہیں وہ درحقیقت اس معرفت سے محرومی کا ثمرہ ہیں' اگر انسان کو ذات باری کے کمال کا اندازہ ہو جائے تو شبہات کی ساری دنیا خود بخود نیست و نابود ہو جائے۔ جب تک اس کمال خداوندی کا استحضار حاصل نہ ہو شکوک ختم نہیں ہو سکتے' یہ استحضار ہر ایک کے لیے مشکل مرحلہ ہے' اس لیے صاحب شریعت نے بجائے جواب وسوال کرنے کے اس مسئلہ میں گفتگو ہی کی ممانعت فرمادی ہے۔ آپ اس سارے بیان کو ایک بار پھر پڑھ جائیے جو اس موضوع کے متعلق ہم نے ان صفحات میں مختلف عنوانات سے پھیلایا ہے۔ آپ کو لوٹ پلٹ کر پھر اسی نقطہ پر آنا پڑے گا جس کی اس صحابی نے اپنی پہلی مختصر تقریر میں رہبری کی ہے۔ قضاء وقدر ایک غیبی حقیقت ہے اور جب تک کہ انسان حقائق غیبیہ تسلیم نہ کرلے اس مسئلہ میں اس سے گفتگو لا حاصل ہے۔ دیکھئے یہاں صحابی نے قضاء وقدر کے معاملہ میں جس تقریر کی تمناء ظاہر کی ہے اس سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف دلائل سننا نہیں چاہتا بلکہ وہ طریقہ چاہتا ہے جس سے قلب کو شفا ہو جائے اور ایک ایسا باطنی نور پیدا ہو کہ شبہات کی کھٹک ہی سینہ سے نکل جائے۔ اسی لیے جواب میں بھی صرف ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے جس کو سن کر ایک خدا پرست کی دل پر الٰہی قدرت وسطوت کا ایسا اثر پڑنا ضروری ہے کہ پھر شبہات خود بخود ختم ہو جائیں۔ اگر دل اپنی گہرائیوں میں اس عقیدت سے خالی ہے (والعیاذ باللہ) تو پھر اس ضعیف الایمان کے لیے یہ جواب بھلا کب شافی ہو سکتا ہے۔ یہ قصور جواب کا نہیں بلکہ خود اسی کا ہے یا مصرف القلوب صرف قلوبنا الی طاعتک و معرفتک۔

اصولی بات تو اتنی تفصیل کے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن پورے طور پر یہ سمجھنے کے لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے تو بھی اس کو ظالم کیوں نہیں کہہ سکتے۔ ضروری ہے کہ آپ عدل وظلم کے معنی سمجھ لیں۔ تو سنیے عدل ہر اس تصرف کو کہتے ہیں جو اپنی ملکیت میں ہوتا ہے اور ظلم کہتے ہیں کسی کے حق دبالینے کو۔ اب سوچئے کہ زمین وآسمان میں ایسا کون ہے جس کو ثواب دینا حق تعالیٰ پر لازم اور ضروری حق ہو' پس اگر یہ حق کسی کا بھی نہیں تو اگر کسی کو بھی جنت عطا نہ فرمائے تو یہ ظلم کیوں ہو' بلکہ چونکہ یہ تصرف اپنی ہی ملک میں ہوگا اس لیے اس کو عین عدل کہا جائے گا' اور فضل یہ ہے کہ جو کسی کا حق نہ ہو اس کو محض اپنے کرم سے عطا کر دینا' لہٰذا اگر وہ سب کو ثواب عطا فرمادے تو یہ اس کا فضل ہی فضل ہوگا۔ فضل کے متعلق یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ فلاں شخص پر کیوں کیا اور فلاں پر کیوں نہیں کیا یہ تو مالک اور حکیم کی اپنی مرضی کی بات ہوتی ہے جس پر چاہے کرے جس پر نہ چاہے نہ کرے' پھر حکمت والا ہی یہ خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے فضل کا محل بنایا ہے اور کس کو اس کا محل نہیں بنایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿وَ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (الحدید: ۲۹) دوسری جگہ جب مشرکین نے سوال کیا تھا ﴿قَالُوْا اَهٰؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا﴾ (الانعام: ۵۳) کافر کہتے ہیں اچھا ہم سب میں بس یہ مسلمان ہی رہ گئے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا ہے۔ لله .....

www.besturdubooks.net

العباد مختارون فی افعالھم و ھم مسوقون الیھا و مھیاؤن بہ للقدر السابق فھم مجبورون ایضًا

بندے اپنے افعال میں مختار ہیں مگران کے اِس اختیار سے کرایا وہی جاتا ہے جو پہلے مقدر ہو چکا ہے اِس لیے وہ مجبور بھی ہیں

(۹۱۱) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ یَسَارِ الْجُھَنِیِّ اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِ ھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ فَقَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْھَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَھْرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْہُ ذُرِّیَّۃً فَقَالَ خَلَقْتُ ھٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّۃِ وَ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَھْرَہٗ فَاسْتَخْرَجَ

(۹۱۱) مسلم بن یسار جہنی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ ....الخ انہوں نے فرمایا اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے میں نے خود سنا تھا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر ایک مرتبہ دایاں ہاتھ پھیر کر کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ یہ میں نے جنت کے لیے بنائے ہیں اور جنتیوں ہی کے سے عمل کریں گے' اس کے بعد پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پھر کچھ اولاد نکالی اور ان کے متعلق فرمایا کہ یہ میں نے دوزخ کے لیے بنائے ہیں اور دوزخیوں ہی کے

لٰہ ..... تو ان کے جواب میں ارشاد ہوا ﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ﴾ (الانعام : ۵۳) یعنی جی ہاں یہ بات ہم ہی جانتے ہیں کہ کون ہماری نعمتوں کا قدر دان اور شکر گزار ہوگا اور کون ناقدر اس لیے نہ بنجر زمین میں کوئی تخم پاشی کرتا ہے نہ ہم ناشکر پر اپنا فضل فرماتے ہیں۔ (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۲۷۳)

(۹۱۱) ✱ اس حدیث میں سب سے پہلے عالم تقدیر کے فیصلہ شدہ عالم ہونے پر تنبیہ کی گئی' اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ عمومی حالات وہاں کے فیصلہ اعمال کس نوعیت پر دائر کیے گئے ہیں پھر عمل کی نسبت بندوں کی طرف ظاہر فرما کر ان کے اختیار پر بھی تنبیہ کر دی گئی اور اس پر بھی کہ اختیاری اعمال پر جزاء وسزا معقول ہے لیکن چونکہ یہ سب کچھ ہو چکا تھا انسان کے عالم وجود میں آنے سے قبل ہی قبل' اس لیے آخر کار انسان مجبور ہی ٹھہرا عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام کو مسئلہ تقدیر میں جب کہیں شبہ ہوا ہے تو اپنے معاملہ میں ہوا ہے' یعنی جب قضاء و قدر کا فیصلہ ہو چکا ہو تو اب ہماری عملی جدوجہد بیکار رہو گی۔ یہ شبہ کبھی نہیں ہوا کہ جب ہم مجبور ہیں تو پھر ہم کو دوزخ میں ڈالنا ظلم ہوگا' گویا شبہ ہے تو اپنی مجبوری کی بناء پر نہ کہ مختار کل کے اختیار پر۔ حق تعالیٰ کو خالق' مالک اور مختار کل مان کر پھر تو اس پر کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے آپ کے جواب کا رخ بھی اسی طرف رہا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ قضاء وقدر نے تمہارا اختیار سلب نہیں کیا ہاں یہ ضروری ہوگا کہ تم وہی جانب اختیار کر سکو گے جو قضاء وقدر کے تحت ہوگی' مگر اختیار کرو گے اپنے اختیار ہی سے ظاہر ہے کہ انسان بیک وقت کسی عمل کی دونوں جانبوں کو تو اختیار کر نہیں سکتا ایک ہی جانب کو بھی وہ اختیار کرے گا بس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہی جانب اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ تقدیر کا جبر تمہارے اختیار پر ہے تمہارے عمل پر نہیں اگر تم یہ کہو کہ عمل گو ہمارے اختیار سے صادر ہوتا ہے مگر ہمارا اختیار جب جبر کے تحت ہوا تو بواسطہ گویا عمل بھی جبر کے تحت آ گیا تو یہ درست ہے اس لحاظ سے یقیناً تم مجبور ہو گئے مگر ایسے مجبور نہیں جو معذور ٹھہر سکو جہاں جبری عمل پر جزاء وسزا ظلم نہ ہو وہاں اختیاری عمل پر جزاء وسزا بھلا کیا ظلم ہو سکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَفِيْمَ الْعَمَلُ؟ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهُ بِهٖ وَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اِسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ بِعَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهُ النَّارَ.

سے عمل کریں گے۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ تو پھر اب عمل کس لیے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتی شخص کے سے عمل بھی کرالیتا ہے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی اسی قسم کے عملوں پر ہو جاتا ہے اور آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب کسی کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے عمل بھی دوزخی شخص کے کرالیتا ہے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی ان ہی اعمال پر ہو جاتا ہے جو دوزخی لوگوں کے عمل ہیں اور آخر وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

(رواه مالك في الموطا و الترمذي و ابوداؤد و قال الحاكم على شرط مسلم و قال الحافظ ابن عبدالبر هو حديث منقطع ثم قال هذا الحديث و ان كان عليل الانساد فان معناه قدروى عن النبي صلى الله عليه وسلم من وجوه كثيرة عن عمر بن الخطاب وغيره و ممن روى معناه في القدر على بن ابي طالب' و ابى بن كعب' و ابن عباس' و ابن عمر و ابوهريره و ابو سعيد الخدرى و ابو سريحة الغفارى و عبدالله بن مسعود و عبدالله بن عمرو بن العاص و ذوالنحية الكلابى و عمران بن الحصين و عائشه و انس ابن مالك و سراقة بن جعشم و ابو موسى الاشعرى و عبادة بن الصامت و زاد غيره حذيفة اليمان و زيد بن ثابت و جابر بن عبدالله و حذيفة ابن اسيد و ابا ذر و معاذ بن جبل و هشام بن حكيم فاحاديث القدر متواتر المعنى)۔ (انظر و اشفاء العليل ص ۱۰)

(۹۱۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَرَجَ اِلَى الشَّامِ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ اُمَرَاءُ الْاَجْنَادِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَ اَصْحَابُهُ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّ الْوَبَاءَ

(۹۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ شام کی طرف تشریف لے گئے جب مقام سرغ میں پہنچے تو لشکروں کے جرنیل ابوعبیدہ اور ان کے ہمراہیوں نے یہ اطلاع دی کہ ملک شام میں تو طاعون ہو رہا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا ان لوگوں کو ذرا بلاؤ جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ان کو بلا کر اس

---

(۹۱۲) ✽ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں اسی نکتہ کو واضح کیا ہے کہ جو افعال ہم کرتے ہیں اگر چہ وہ اپنے اختیار ہی سے کرتے ہیں لیکن اس اختیار کی وجہ سے قضاء وقدر کے جبر سے خارج نہیں ہو جاتے' وہ رہتے ہیں پھر اسی کے نیچے نیچے لہٰذا اگر میں یہاں سے اپنے اختیار سے بھاگ رہا ہوں تو کیا ہوا' مجھ کو بھگا بھی قضاء وقدر رہی رہی ہے' اگر یہاں رہتا تو بھی تقدیر کے تحت رہتا' اور اب جا رہا ہوں تو یہ بھی تقدیر ہی کے تحت ہے۔

حضرت عمرؓ ان صائب الفکر صحابہ میں سے تھے جن کی رائے کی موافقت بسا اوقات خود وحی نے بھی فرمائی تھی' آج پھر کسی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی آنکلا اور اس سے پھر معلوم ہوا کہ جو رائے اس معاملہ میں ان کی قائم ہو چکی تھی وہی عین وحی الٰہی کا منشاء تھا۔

www.besturdubooks.net

قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ اُدْعُ لِيَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ فَدَعَاهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَ اَخْبَرَهُمْ اَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفُوْا فَقَالَ بَعْضُهُمْ قَدْ خَرَجْتَ لِاَمْرٍ وَ لَا نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا نَرٰى اَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ اِرْتَفِعُوْا عَنِّيْ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِيَ الْاَنْصَارَ فَدَعَوْتُهُمْ فَسَلَكُوْا سَبِيْلَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ اخْتَلَفُوْا كَاخْتِلَافِهِمْ فَقَالَ اِرْتَفِعُوْا عَنِّيْ اُدْعُ لِيْ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ مِنْهُمْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ فَقَالُوْا نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَ لَا تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَنَادٰى عُمَرُ فِي النَّاسِ اِنِّيْ مُصَبِّحٌ عَلٰى ظَهْرٍ فَاَصْبِحُوْا عَلَيْهِ قَالَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا اَبُوْ عُبَيْدَةَ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ اِبِلٌ هَبَطَتْ وَ ادِيًا لَهٗ عُدْوَتَانِ اِحْدَاهُمَا خَصِيْبَةٌ وَ الْاُخْرٰى جَدْبَةٌ اَلَيْسَ اِنْ رَعَيْتَ الْخَصِبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ وَ اِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ قَالَ فَجَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَ كَانَ مُتَغَيِّبًا فِيْ بَعْضِ حَاجَتِهٖ فَقَالَ عِنْدِيْ فِيْ هٰذَا عِلْمًا سَمِعْتُ

معاملہ میں ان سے مشورہ کیا اور کہا کہ شام میں تو طاعون ہو رہا ہے یہ سن کر ان کی رائے باہم مختلف ہو گئی' کسی نے تو یہ کہا کہ جب آپ جہاد کے ارادہ سے نکل چکے ہیں تو ہمارے خیال میں اب آپ کی واپسی مناسب معلوم نہیں ہوتی اور کسی نے یوں کہا کہ آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے کھچے صحابہ ہیں ہمارے نزدیک تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ان کو اس طاعون زدہ علاقہ میں لے جا کر ڈال دیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا آپ لوگ تشریف لے جائیں' اس کے بعد فرمایا اب انصار کو بلاؤ۔ میں نے ان کو بلا لیا' انہوں نے بھی مہاجرین کا سا جواب دیا اور جیسے ان کی رائے مختلف ہو گئی تھی انہوں نے بھی مختلف جوابات دیئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے بھی فرمایا کہ آپ لوگ بھی تشریف لے جایئے' اس کے بعد فرمایا اچھا ان مہاجرین قریش حضرات کو بلاؤ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ میں ان کو بلا کر لایا تو ان میں سے دو شخصوں نے بھی ذرا اختلاف نہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا ایسی حالت میں ہمارے نزدیک واپس ہو جانا ہی مناسب ہے اور ہمارے نزدیک لوگوں کو اس وباء زدہ علاقہ میں لے جانا نامناسب ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کرا دیا کہ کل صبح کو سواریوں پر جانے کے لیے تیار ہو جائیں میں بھی چلوں گا۔ اس پر حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا اے عمرؓ کیا یہ واپسی کا حکم تقدیرِ الٰہی سے بھاگ کر دیا جا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابو عبیدہؓ یہ بات تو تمہارے شایانِ شان نہیں تھی کاش کہ تمہارے سواء ایسی موٹی بات تو کوئی اور شخص کہتا' جی ہاں میں تقدیرِ الٰہی سے بھاگ کر جا رہا ہوں مگر تقدیرِ الٰہی کی طرف ہی جا رہا ہوں۔ فرمایئے تو سہی اگر آپ کے پاس کچھ اونٹ ہوں اور آپ ان کو لے کر کسی وادی میں اتریں جس کے دو کناروں میں ایک کنارہ خشک ہو اور دوسرا سرسبز تو فرمایئے اگر آپ اپنے اونٹوں کو اس سرسبز جانب چرائیں گے تو کیا یہ تقدیرِ الٰہی کے موافق ہی نہ ہو گا' اور اگر خشک جانب چرائیں گے تو کیا یہ بھی تقدیر کے تحت ہی نہ ہو گا۔ راوی کہتا ہے کہ اس درمیان میں عبدالرحمٰن بن عوف واپس آ گئے وہ اپنی کسی ضرورت سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے' انہوں نے فرمایا کہ

www.besturdubooks.net

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدِمُوْا عَلَيْهِ وَ اِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَ اَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ثُمَّ انْصَرَفَ. (رواه البخاری و مالک فی الموطا)

اس معاملہ کے متعلق میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ علم موجود ہے۔ میں نے آپؐ سے خود سنا ہے کہ جب کسی خطہ میں طاعون ہو جائے تو اس میں تم جاؤ مت اور اگر طاعون اس جگہ ہو جائے جہاں تم موجود ہو تو موت کے ڈر سے وہاں سے بھاگو مت یہ سن کر حضرت عمرؓ نے خدا تعالیٰ کی حمد کی اور مدینہ طیبہ واپس ہو گئے۔ (بخاری و مؤطا مالک)

لایسوغ لاحدا لا عتذا ربالقدر

حکم عدولی کے لیے تقدیر کا عذر تراشا روا نہیں

(۹۱۳) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهٗ وَ فَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ اَلَا تُصَلِّيَانِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَاِذَا شَاءَ اَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ حِيْنَ قُلْتُ ذٰلِكَ وَ لَمْ يَرْجِعْ اِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهٗ وَ هُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهٗ وَ هُوَ يَقُوْلُ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا. (رواه البخاری و البیهقی و فی کتاب الاسماء و الصفات)

(۹۱۳) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شب میں تشریف لے آئے اور فرمایا تم لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا۔ یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا' جب آپ پشت پھیر کر تشریف لے جا رہے تھے تو میں سن رہا تھا کہ آپ اپنا دست مبارک اپنی ران پر مار کر یہ آیت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے وَ كَانَ الْاِنْسَانُ الخ.. انسان بہت جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (بخاری شریف)

---

(۹۱۳) * آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ انسان کو جب مختار بنایا گیا ہے اور اسی اختیار پر اس کو احکام شریعت کا مکلف بھی کیا گیا ہے تو اب اس اختیار پر تقدیری جبر کا عذر کرنا بے موقعہ عذر ہونا چاہیے کیونکہ یہ جبر اپنے احساس میں نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں چونکہ یہ عذر اس لیے نہیں کیا گیا تھا کہ نماز تہجد کے لیے اٹھنے سے کوئی انحراف تھا' حضرت علیؓ جو امام الاولیاء ہوں ان کی عبادت و ریاضت کا حال کس سے پوشیدہ ہے لیکن بعض مرتبہ کسی عمل کا ارادہ رکھنے کے باوجود انسانی فطرت اپنی گزشتہ فروگزاشت کا وقتی عذر کر دیتی ہے۔ پوری عقیدت کے ساتھ اگر ناز کا کوئی رشتہ بھی حاصل ہو تو اس مقام میں ایسی تعبیری آزادی کے لیے کچھ نہ کچھ وسعت بھی نکل آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین کے خانگی معاملات میں گفتگو سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ دیکھو ترجمان السنہ ج ا ص ۳۷۳۔ نوٹ حدیث (۹) مگر معاملہ چونکہ یہاں نبی وقت کے سامنے کا تھا اس لیے کچھ اغماض اور کچھ تنبیہ ضروری ہوگئی۔ تنبیہ تو اس لیے کہ ہر شخص سے تخاطب اس کے منصب کے مناسب ہوا کرتا ہے اور اغماض اس لیے کہ جو پیرایہ عذر یہاں اختیار کیا گیا تھا وہ بہر حال ایک حقیقت کا حامل تھا۔ لہٰذا آپ نے ان دونوں باتوں کی رعایت فرما کر کوئی معارضہ بھی نہیں فرمایا صرف اپنی ایک ادنیٰ بے التفاتی سے یہ ظاہر فرما دیا کہ صحیح بات اگر بے موقعہ منہ سے نکل جائے تو بے مزہ رہتی ہے اور صراحتاً ان کے اس عذر کی تصویب بھی نہیں فرمائی۔ اگر بات صحیح ہو مگر بے محل واقع ہو جائے تو وہاں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

www.besturdubooks.net

الالتجاء الی القدر عند المصیبة من سنة ادم علیه السلام

مصیبت میں تقدیر کا سہارا لینا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے

(۹۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَ مُوْسٰی عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی قَالَ مُوْسٰی اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِیْ خَلَقَکَ اللّٰهُ بِیَدِهٖ وَ نَفَخَ فِیْکَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ اَسْجَدَ لَکَ مَلَائِکَتَهٗ وَ اَسْکَنَکَ فِیْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِیْئَتِکَ اِلَی الْاَرْضِ قَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسَی الَّذِیْ اصْطَفَاکَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهٖ وَ بِکَلَامِهٖ وَ اَعْطَاکَ الْاَلْوَاحَ فِیْهَا تِبْیَانُ کُلِّ

(۹۱۴) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کے مابین اپنے پروردگار کے سامنے گفتگو ہوگئی اس میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے- موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی آپ وہی آدم تو ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ مبارک سے پیدا فرمایا' پھر آپ میں اپنی خاص روح پھونکی' آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں بسایا- آپ نے یہ کیا کیا کہ اپنی ایک خطا کی بدولت اپنی تمام اولاد کو زمین پر نکلوا پھینکا- آدم علیہ السلام نے فرمایا- اچھا تم بھی وہی موسیٰ تو ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور شرف ہم کلامی کے لئے منتخب کیا' تورات کی تختیاں عنایت

---

(۹۱۴) خلاقِ عالم نے عالم کو پیدا فرما کر جہاں عالم کے جملہ حوادث طے فرما کر لکھ دیے تھے اس کے ساتھ ہی نسل انسانی کی سبق آموزی کے لئے تقدیر کے ایک واقعہ کا ذکر بھی کر دیا ہے وہ یہ کہ ہماری ہی مشیت تھی کہ زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنائیں اس لئے ہم نے ہی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ہم نے ہی ان کو گیہوں کھانے سے منع کیا اور پھر ہم نے ہی ان کو اس کی قدرت دے کر ان سے اس کا ارتکاب بھی کرایا اس کے بعد پھر ہم نے ہی آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ سوال کیا ''اے آدم کیا ہم نے تم کو اس درخت کے پاس پھٹکنے سے بھی منع نہیں کر دیا تھا اور کیا اس سے بھی خبردار نہیں کر دیا تھا کہ دیکھو شیطان تمہارا بڑا پکا دشمن ہے اس کے کہے میں نہ آنا' پھر تم ان سب باتوں کو فراموش کر کے کیوں گیہوں کھا بیٹھے-

اب نسل انسانی کو خوب سن لینا چاہیے کہ اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ صرف گریہ وزاری تھا اس کے سواء ایک حرف تک منہ سے نہیں نکالا اور کلماتِ استغفار بھی اُس وقت کہنے کی جرأت کی جب کہ پروردگار ہی کی طرف سے ان کا القاء کیا گیا- اس واقعہ میں بھی بڑا سبق تھا کہ جو خالق اور مالک ہو اس سے سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا یہ حق صرف اسی کا ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے باز پرس کرے- یہاں ممکن تھا کہ کسی کے دل میں یہ وسوسہ گزر جاتا کہ شاید حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں اس وقت جواب نہ آ سکا ہوگا اس لیے عالم غیب میں اس عقدہ کے حل کے لیے بھی ایک محفل مکالمہ مرتب فرمائی گئی اور عالم غیب میں کشف اسرار کے لیے یہ بھی ایک طریقہ ہے اور ''گفتہ آید در حدیث دیگراں'' کی صورت سے معاملہ کی حقیقت واضح کر دی گئی- یہاں ابو البشر سے مکالمہ کے لیے مشیتِ الٰہیہ نے ان کی اولاد میں سے ایسے فرزند کو منتخب فرمایا جو فطرۃً تیز مزاج اور ناز پروردہ تھے تا کہ ان سے گفتگو کی ابتداء کر سکیں اور ان کے سامنے سوال و جواب کے لیے یہی موضوع رکھ دیا اور اس ضمن میں یہ واضح کر دیا کہ ابو البشر کے پاس جواب تو تھا اور ایسا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر بھی اس کے جواب سے عاجز ہو گیا' مگر یہاں معاملہ مخلوق کا مخلوق کے سامنے تھا لیکن جب یہی معاملہ خالق کے سامنے پیش آیا تھا تو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے لاجواب تھے کہ گریہ وزاری کے سواء ان کے پاس کوئی اور جواب ہی نہ تھا- ﷺ .....

www.besturdubooks.net

شَيْءٍ وَ قَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاتَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰى بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيْهَا وَ عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِيْ عَلٰى اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى .(وفي لفظ اخرجتنا و نفسك من الجنة و في لفظ خيّبتنا) (رواه مسلم)

فرمائیں جس میں ہر ہر بات کی تفصیل موجود تھی' پھر تم کو اپنی سرگوشی کے لئے قریب بلایا- ذرا بتاؤ تو سہی اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنے پہلے تورات لکھ دی تھی- موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چالیس سال پہلے- آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم کو اس میں یہ لکھا ہوا بھی ملا تھا وَ عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۔ انہوں نے عرض کی جی ہاں- آدم علیہ السلام نے فرمایا پھر بھلا ایسی بات پر مجھے کیا ملامت کرتے ہو جس کا کرنا اللہ تعالیٰ میری قسمت میں میری پیدائش سے بھی چالیس سال پیشتر لکھ چکا تھا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اس بات پر آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے-

(مسلم شریف)

(۹۱۵) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْ

(۹۱۵) ابوقتادہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں سفر کیا کچھ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ کاش

لـه ..... یہ واضح رہنا چاہیے کہ جو سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ آپ نے گیہوں کھایا کیوں' بلکہ یہ ہے کہ آپ نے ہم کو اس دار التکلیف میں رہنے کی مصیبت میں کیوں ڈال دیا' مگر چونکہ یہاں آنا گیہوں کھانے کے نتیجے میں ہوا تھا اس لیے اس کا ذکر بھی ضمناً آ گیا ہے- علماء نے لکھا ہے کہ اپنی معصیت کے لیے تقدیر کا عذر کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ نبی کے لیے ورنہ تو پھر تمام بساطِ شریعت ہی درہم برہم ہوئی جاتی ہے اور دنیا اپنے تمام معاصی کے لیے یہی تقدیر کا عذر پیش کر کے اپنا پیچھا چھڑا سکتی ہے- پس آدم علیہ السلام نے تقدیر کا عذر اپنی معصیت کے لیے نہیں کیا بلکہ دنیا میں آنے کی جو مصیبت ان کی اولاد کو پیش آ گئی ہے اس کی تسلی و تشفی کے لیے کیا تھا- مطلب یہ تھا کہ یہ مصیبت تمہارے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی تھی پھر جو بات پہلے سے مقدر ہو چکی تھی اس کے لیے باعث گو میں ہی ہوا لیکن اس پر مجھے ملامت کرنا درست نہیں وہ تو شدنی امر تھا' ہو کر رہتا- مصیبت میں تقدیر کا ذکر کرنا رضاء بقضاء کی علامت ہے اور گناہ پر تقدیر کی آڑ لینا انتہائی جسارت ہے- آج بھی دنیا اس قسم کے مواقع میں تقدیر ہی کا تذکرہ کر کے اپنے دل کی تسلی کا سامان کیا کرتی ہے- مثلاً اگر کوئی شخص تجارت کا ایک شعبہ چھوڑ کر دوسرا شعبہ اختیار کر لے اور اس میں اس کو کافی نقصان ہو جائے تو اگر لوگ اس تبدیلی پر اس کو ملامت کریں تو ان سے پیچھا چھڑانے اور اپنے نفس کو تسلی دینے کے لیے وہ تقدیر ہی کا پہلو اختیار کرتا ہے اور میں کہتا ہے کہ میرے مقدر کی بات تھی اس لیے نقصان ہونا تھا ہو گیا' حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی مختلف تصانیف میں اس واقعہ کی بھی توجیہ فرمائی ہے اور یہی سب سے مستحسن اور بے تکلف بھی ہے مگر اس کی پوری وضاحت حافظ ابن قیم نے فرمائی ہے' اس کے علاوہ بھی اور جوابات دیئے گئے ہیں مگر وہ سب تکلف معلوم ہوتے ہیں- حافظ ابن قیم نے ان کی تردید بھی فرمائی ہے- دیکھو شفاء العلیل ص ۱۸ و شرح عقیدہ الطحاویہ ص ۷۹- البدایۃ والنہایہ ج ۱ ص ۸۵-

(۹۱۵) ٭ نبی کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو کر رہتی ہے آپ کے دہن مبارک سے نماز کے قضاء ہونے کا خطرہ نکلا دیکھو لـه .....

www.besturdubooks.net

عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَخَافُ اَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ بِلَالٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَا اُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَ اَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهٗ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا بِلَالُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَيْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا اُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ وَ رَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَ ابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى.

(رواه البخاري في او اخر مواقيت الصلوٰة)

شب میں آرام کی اجازت ہو جائے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ تم صبح کی نماز سے نہ رہ جاؤ۔ بلالؓ بولے میں آپ لوگوں کو بیدار کر دوں گا۔ اس پر سب لوگ لیٹ رہے' ادھر بلالؓ نے اپنی سواری سے ذرا کمر لگائی (اور خیال یہ تھا کہ بیٹھا صبح صادق کو دیکھتا رہوں گا) وہ بھی اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ سکے اور سو گئے اب آپ بیدار ہوئے تو آفتاب کا کنارہ چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بلال! وہ بات جو تم کہتے تھے کہاں گئی (آخر جس کا مجھے خطرہ تھا وہ واقع ہو گیا یا نہیں) بلالؓ نے عرض کی یا رسول اللہ اتنی سخت نیند تو مجھے کبھی نہیں آئی (معذور ہوں معاف کیجئے) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور تم سو گئے اور جس وقت چاہا ان کو چھوڑ دیا اور تم بیدار ہو گئے۔ بلال! لو کھڑے ہو اور اذان دے کر لوگوں کو نماز کی اطلاع کر دو۔ پھر وضوء فرمایا جب آفتاب اونچا ہو گیا اور طلوع کی زردی کی بجائے سفید روشنی ہو گیا۔ آپ کھڑے ہوئے اور صبح کی نماز قضاء فرمائی۔ (بخاری شریف)

ﷺ ..... آخر وہ قضاء ہو کر رہی۔ سورۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے نکلا تھا ﴿وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ﴾ ڈرتا ہوں کہیں میری یوسف کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ آخر بھائیوں نے وہی بہانا بنایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے نکلا رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ" پروردگار جس کام کے لیے یہ مجھے دعوت دے رہی ہے اس سے تو مجھے جیل خانہ پیارا ہے۔ آخر وہ پورا ہوا اور جیل خانہ بھگتنا پڑا۔ یا یوں کہہ دو کہ بعض مرتبہ جو مقدرات ہوتے ہیں وہ مقربین کی زبانوں پر کبھی اپنے وقوع سے قبل غیر اختیاری طور پر آجاتے ہیں۔ اس واقعہ میں غور تو کیجئے' حضرت بلالؓ نے کس مستعدی سے پہرہ دینے کا ارادہ کیا ہے یعنی آفتاب کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے لیٹے بھی نہیں' مگر کیا اس تدبیر سے قضاء وقدر ٹل گئی نہیں وہ آئی اور آخر بلالؓ کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں' نیند وہ بھی آخری شب میں پھر مسلسل سفر کے بعد آنکھ نہ کھلنے کا معقول عذر تھا مگر یہاں بلال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں تقدیر کا عذر پیش کیا۔ اس روایت کے اور الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی اس تقصیر سے تمام صحابہؓ پر پریشانی اور خوف کا عجیب عالم تھا۔ لہذا اب اس کا موقع آ گیا تھا کہ تقدیر ایزدی کا حوالہ دے کر اپنی بے چینی واضطراب کو تسلی دیتے۔ دیکھیے یہ وہی الفاظ تو تھے جو ابھی ابھی حضرت علیؓ نے آپ کے تہجد کی نماز میں تاکید پر آپ کے جواب میں فرمائے تھے مگر وہاں یہ عذر قبل از وقت تھا' اگر کوشش کے بعد بھی آنکھ نہ کھلتی تو بے شک غم وافسوس کی تسکین کے لیے موزوں ہوتے۔ لیکن چونکہ سعی کرنے سے قبل ہی یہ عذر پیش کیا گیا تھا اس لیے آپ کی مسرت کا باعث نہ ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ادھر تقدیر پردۂ غیب میں نافذ ہوا کرتی ہے ادھر عالم اسباب میں انسان پر ارتکاب اسباب کی ذمہ داری بھی پوری پوری عائد رہتی ہے' بلکہ اسباب کے ارتکاب کرنے کے بعد بھی تقصیر وکوتاہی کا الزام پھر عائد رہتا ہے اور اس الزام کے جواب میں ﷺ .....

www.besturdubooks.net

لا یعزب عن احاطہ القدر شیءٌ

قضاء وقدر کے احاطہ سے کوئی شئے باہر نہیں ہے

(۹۱۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ شَیْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّی الْعَجْزُ وَ الْکَیْسُ. (رواہ مسلم و مالك فی الموطا)

(۹۱۶) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے' یہاں تک کہ انسان کی درماندگی اور ہوشیاری بھی- (مسلم-موطا)

(۹۱۷) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ خَالِقُ کُلِّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَہٗ.

(رواہ الحاکم فی المستدرك وقال وهو الذهبی علی شرط مسلم قال الحافظ ابن القیمؒ)

(۹۱۷) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے کاریگر ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور جو ان کے کام ہیں ان کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے-

(مستدرک-خلق افعال عباد)

(۹۱۸) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا شَجِّ عَبْدِالْقَیْسِ اِنَّ فِیْکَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ الْحِلْمُ وَ

(۹۱۸) ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا (یہ اپنے وفد اور قبیلہ کے سردار تھے) تم میں دو عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں- ایک برداشت

ﷺ ..... کسی کو تقدیر کی آڑ لینے کی اجازت نہیں ہے' اور کیوں ہو جب ہم اس عالم میں اپنے احساس کے مطابق پورے پورے مختار ہیں تو ہم سے ہمارے اس علم کے مطابق باز پرس ہونی چاہیے- حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں نزول کی مصیبت میں مبتلا کرنے کا الزام دیا محض تسلی کے لیے تقدیر کا نوشتہ یاد دلایا تھا- وہاں بھی جو کچھ ہوا ارادۃً نہیں ہوا- اپنی سی کوشش ختم کر لینے کے بعد ہوا اور یہاں بھی جو کچھ تقصیر ہوئی وہ پوری جدوجہد ختم کر لینے کے بعد ہوئی مگر اس کے باوجود سوال حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا اور یہاں بلالؓ سے بھی ہوا اگر چہ نتیجہ کے لحاظ سے کچھ تو واقعہ اور متکلم کی نوعیت کے اختلاف سے اختلاف بھی رہا-

(۹۱۶) ٭ ہوشیاری اور عجز انسان کی دو صفتیں ہیں- حدیث کہتی ہے کہ ان کا تعلق بھی تقدیر ہی کے ساتھ ہے پس تقدیر کو صرف جنت و دوزخ تک محدود رکھنا غلط ہے وہ انسانی حیات کے ہر ہر شعبہ کو حاوی ہے خواہ وہ اس کے خلقی اوصاف ہوں یا کسبی اعمال بلکہ اس عالم سے گذر کر دوسرے عالم میں اس کے اعمال کے جو نتائج ہیں وہ بھی اس کے وسیع احاطہ میں شامل ہیں- ظاہر ہے کہ جب کاتب تقدیر کا قلم قیامت تک کے جملہ احوال کی کتابت کر رہا تھا تو وہ انسان کے ان احوال کی کتابت سے کیسے چوک سکتا تھا- اس وسعت کے بیان سے مقصد قضا وقدر کی عظمت کا نقش قائم کرنا ہے-

(۹۱۷) ٭ عقلاء کو افعالِ عباد میں بحث ہے یعنی یہ کہ بندہ تو ضرور مخلوق ہوا لیکن آگے چل کر جو ان کے افعال ہوتے ہیں کیا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مخلوق ہوتے ہیں یا وہ بندوں کے اپنے اختیار کے اثرات ہیں- اس بارے میں یہ حدیث بہت صریح ہے اس لیے ہم نے اس کو یہاں نقل کیا ہے- مسئلہ پر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی طرح اس کے افعال بھی خدا تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ ہیں اب ذرا انسان اپنی ہستی اور اس کی بیچارگی پر غور کرے کہ اس کی حقیقت ہے کیا اور وہ اس کو سمجھتا کیا ہے-

(۹۱۸) ٭ یہ حدیث ایک بار ترجمان السنہ ج ۲ ص ۲۰۷ پر مجملاً گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الْاَنَاۃُ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ خَلَّتَیْنِ تَخَلَّقْتُ بِھِمَا اَوْ جُبِلْتُ عَلَیْھِمَا قَالَ بَلْ جُبِلْتَ عَلَیْھِمَا قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ جَبَلَنِیْ عَلٰی خَلَّتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ۔ (رواہ مسلم)

دوم بردباری- انہوں نے دریافت کیا یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی طور پر رکھی گئی ہیں یا میری حاصل کردہ ہیں؟ فرمایا پیدائشی ہیں- یہ سن کر انہوں نے کہا خداتعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ میں دو عادتیں ایسی پیدا فرمادیں جن کو وہ پسند فرماتا ہے- (مسلم شریف)

(۹۱۹) عَنْ اِبْنِ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ بُرْدَۃَ قَالَ اَتَیْتُ عَائِشَۃَ فَقُلْتُ یَا اُمَّاہُ حَدِّثِیْنِیْ بِشَیْءٍ سَمِعْتِیْہِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الطَّیْرُ تَجْرِیْ بِقَدَرٍ وَ کَانَ یُعْجِبُہُ الْفَالُ الْحَسَنُ۔

(رواہ الحاکم فی المستدرک و قال قدا حتج بہ الشیخان برواۃ ھذا الحدیث عن آخر ھم غیر یوسف بن ابی بردۃ و الذی عندی انھما لم یھملاہ بجرح و لا بضعف بل لقلۃ حدیثہ فانہ عزیز الحدیث جدا و اقرہ الذھبی)

(۹۱۹) ابو بردہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے مادر محترم! آج تو مجھے آپ کوئی ایسی حدیث سنا دیجئے جو آپ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو- اس پر انہوں نے فرمایا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ جو پرندہ اڑ کر جاتا ہے یہ تو تقدیر کے موافق اڑ کر جاتا ہے' (لیکن اس سے فال بد لینا جو عرب کا طریق ہے یہ بات بے اصل ہے اور آپ کو ناپسند تھا) ہاں نیک فال لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے-

(مستدرک)

ﷺ ..... لیے صفت کیس اور عجز مقدر ہوتی ہے اسی طرح حلم اور اناءۃ جیسی صفات بھی مقدر شدہ ہیں- حلم غضب کے مقابل صفت کا نام ہے اور اناءت عجلت کے مقابل صفت کا- یہ صفتیں اگر کسب سے حاصل ہوں تو بھی وہ تقدیر کے احاطہ سے خارج نہیں ہوں گی مگر اس وقت تقدیر میں لکھا ہوا بھی یونہی ہوگا کہ یہ شخص اس صفت کے حاصل کرنے میں سعی کرے گا اور اس طرح حق تعالیٰ اس کو کسی حد تک ان کا کوئی حصہ عطا فرمادے گا اگر چہ کسبی صفات پیدائشی صفات کے مرتبہ کو نہ پہنچیں مگر ایک کمال بہرحال کمال ہی رہتا ہے- شیخ عبدالقیس نے اسی فرق کے لحاظ سے یہ سوال کیا تھا کہ یہ صفتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا کسبی ہیں؟ اور اسی لیے جب ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ پیدائشی ہیں تو زیادہ مسرت ہوئی- عربی کا شاعر کہتا ہے لیس التکحل فی العینین کا لکحل. سرمہ لگا کر سرگیں چشم ہونے کے برابر بھلا کب ہوسکتا ہے-

(۹۱۹) ✱ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ پرندہ کی پرواز بھی کیا کوئی شئے ہے مگر قضاء وقدر کے احاطہ میں یہ معمولی سی بات بھی آچکی ہے آگے اس کو نحوست یا برکت کا باعث سمجھنا یہ عرب کی اپنی وہم پرستی ہے اور بے اصل بات ہے- جس فال کے متعلق یہاں ذکر آیا ہے یہ بھی زمانہ جاہلیت کی فال نہیں بلکہ اس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں صرف اتنی ہے کہ اگر کسی پیش آمدہ معاملہ کے وقت آپ کے سامنے کوئی اچھا نام آجاتا تو اس کو سن کر آپ خوش ہوجاتے تھے- گویا اس کو اس معاملہ کی حسب دلخواہ طے ہوجانے کی ایک بشارت تصور فرماتے تھے یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ مریض عیادت کرنے والوں سے اپنی شفاء کے کلمات سن کر خوش ہوجاتا ہے اور اس کو نیک فال تصور کرتا ہے حالانکہ ان کے کہہ دینے سے کہیں شفاء ہوتی ہے' جو مقدر ہوچکا ہے ہوتا تو وہی ہے' مگر ان کلمات سے مریض کا دل ضرور خوش ہوجاتا ہے- اچھا نام سن کر آپ کی مسرت بھی اسی نوع کی ایک چیز تھی-

www.besturdubooks.net

(۹۲۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قُبْضَةٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ اٰدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَ الْاَبْیَضُ وَ الْاَسْوَدُ وَ بَیْنَ ذٰلِکَ وَ السَّھْلُ وَ الْحَزْنُ وَ الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ. (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد)

(۹۲۰) ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرقسم کی زمین میں سے ایک مٹھی بھری پھر اس مٹھی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے اس لیے ان کی اولاد بھی زمین کے رنگوں کی طرح مختلف رنگوں کی پیدا ہوئی- کوئی سرخ' کوئی گورا' کوئی کالا' اور کوئی درمیانی اسی طرح کوئی نرم خوتو کوئی تند خو کوئی خبیث طبیعت تو کوئی شریف طبیعت-

(۹۲۱) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ یُصِیْبُکَ فِیْ کُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِیْ اَکَلْتَ قَالَ مَا اَصَابَنِیْ شَیْءٌ مِنْھَا اِلَّا وَ ھُوَ مَکْتُوْبٌ عَلَیَّ وَ اٰدَمُ فِیْ طِیْنَتِہٖ. (رواہ ابن ماجہ)

(۹۲۱) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ خیبر کے یہود نے زہر آلود بکری کا جو گوشت آپؐ کو کھلا دیا تھا (میں دیکھتی ہوں) کہ اس کی تکلیف ہر سال ہی آپ کو ہوتی ہے- آپؐ نے فرمایا- اس کی وجہ سے جو تکلیف بھی مجھ کو اب ہوتی ہے وہ میرے مقدر میں اس وقت لکھی جا چکی تھی جب کہ حضرت آدم علیہ السلام گارے کی شکل میں تھے (یعنی ان کا پتلہ بھی تیار نہ ہوا تھا)

---

(۹۲۰) ٭ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے رنگوں کا معمولی سا اختلاف بھی قدرت کا پیدا کردہ ہے- زمین کے مختلف رنگ بھی قدرت نے بنائے پھر جو مخلوق ان سے مرکب کی اس کے رنگ بھی مختلف ہوئے' مگر یہ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے مادہ کا اقتضاء تھا بلکہ یہ بھی براہ راست قدرت ہی کا فیض ہے- فطرت پرست تو دو چیزوں کے مابین صرف ظاہری تناسب دیکھ کر ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے فارغ ہو جاتا ہے مگر قدرت کا قائل صرف اس حد پر جا کر ٹھہر نہیں جاتا وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ قدرت کے وسیع احاطہ میں کالے سے سفید اور سفید سے کالا بنانا بھی ہے لیکن وہ بسا اس تناسب کا نقض پسند نہیں کرتی - اور اس عالم کی زیبائش قائم رکھنے کے لیے کالے سے کالا اور گورے سے گورا ہی بناتی رہتی ہے پس مواد میں جو خواص ہیں وہ بھی قدرت نے رکھے ہیں اور ان کے مناسب جو آثار ان سے رونما ہوتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں اور اس کے بعد ان آثار کا ترتب بھی قدرت ہی کے تحت رہتا ہے اور یہ کچھ اسی ایک جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دائرہ مخلوقات میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے کہ جو خواص اس نے مادہ میں رکھے ہیں وہ ان کے مناسب ہی ان پر آثار مرتب فرماتی رہتی ہے اور اس صورت میں ایک طرف قدرت کا کمال دوسری طرف عالم کی مرتب زیبائش دونوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے- (دیکھو حجۃ اللہ ص ۱۷)

(۹۲۱) ٭ یہ حدیث عقائد شرعیہ کو حقائق بنا کر ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دیتی ہے- ہر ہر موقعہ پر تقدیر کی یاددہانی اس کے استحضار کا موجب ہوتی ہے اور بار بار استحضار سے انسان کو ایک فطری سا یقین میسر آ جاتا ہے عالم غیب پر یقین کرنے کا راستہ بس ایک یہی ہے- وہ دلائل کی رسائی سے بہت بلند عالم ہے انبیاء علیہم السلام کا احسان ہے کہ وہ اس سے خبردار کرتے ہیں پھر اتنا ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر ہر چھوٹے بڑے شعبوں میں قدم قدم پر اس کو استعمال کر کر کے یقینی بھی بنا دیتے ہیں- اب دیکھئے حضرت ام سلمہؓ نے آپ کی تکلیف بقیہ .....

www.besturdubooks.net

(۹۲۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَتْ خَدِيجَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَا لَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَى الْكَرَاهَةَ فِي وَجْهِهَا قَالَ لَوْ رَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَأَبْغَضْتِيهِمَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَوَلَدِي مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ أَوْلَادُهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَ إِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ وَ أَوْلَادُهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. (رواہ احمد)

(۹۲۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے دو بچے جو کفر کے دور میں پیدا ہوئے تھے وہ دوزخ میں ہیں یا جنت میں؟ فرمایا دوزخ میں- یہ سن کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر غم کے آثار دیکھے تو فرمایا اگر تم ان کا ٹھکانا دیکھ لو تو تمہارے دل میں بھی ان سے نفرت پیدا ہو جائے- اس کے بعد انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ اچھا جو میری اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ان کا حال بتایئے؟ فرمایا وہ جنت میں ہے- اس کے بعد فرمایا مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں جائیں گی اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں اس کے بعد اس کی تصدیق کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی: وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. جو لوگ ایمان لا چکے ہیں- (مسند احمد)

لــه ..... کا احساس کر کے محض ایک کلمہ محبت کہا تھا جیسا کہ محبت میں ہر محبت بھرا شخص کہہ دیا کرتا ہے لیکن آپ نے فوراً ان کو ایک ایسی حقیقت کی طرف متوجہ فرما دیا جس کے بعد یہ اثر تو ہلکا ہو گیا اور اس سے کہیں بڑھ کر دوسرا اثر پیدا ہو گیا اور وہ قضاء وقدر پر اعتقاد جازم تھا' آپ کی یہ شانِ تعلیم دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

جب علوم شرعیہ مشاہدہ کی کیفیت میں بدلنا شروع ہو جائیں تو بشارت ہونی چاہیے کہ اب احسان کا میدان شروع ہو گیا ہے' یہ وہی احسان ہے جس کا سوال و جواب حدیث جبرئیل علیہ السلام میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں- اس زمانہ میں اعتقادیات کا تذکرہ چونکہ صرف کتابوں میں رہ گیا ہے جن کا ذکر تعلیم و تعلم میں صرف ایک کہانی کے طور پر آ جاتا ہے اور بس' اس لیے ہمارے ایمان کا حال بھی ناگفتہ بہ ہو چکا ہے- اگر کاش وہ موقعہ بموقعہ اسی طرح استعمال بھی ہوتے رہیں تو مذہب میں شکوک و شبہات کا یہ عالم پیدا ہی نہ ہو اور دلائل کی دردسری کے بغیر وہ نعمت یقین نصیب ہو جائے جس کو پہاڑوں کی ٹکر بھی نقصان رساں نہ ہو سکے-

(۹۲۲) ٭ دوزخ اور جنت کی جو تقدیر شکم مادر میں لکھ دی جاتی ہے' علم الٰہی میں وہ بھی کسی ضابطہ کے تحت ہوتی ہے اس کا ضابطہ اسی کو معلوم ہے کہیں اس کا مدار ظاہری عمل پر ہوتا ہے اور کہیں صرف اس استعداد پر جو اچھے برے عمل کا اصلی سبب ہوتی ہے (حجۃ اللہ ص ۱۶۲) تقدیر کا یہ پہلو بھی قدرت نے صیغہ راز میں رکھا ہے اور جس طرح قیامت کے وقت کا اخفا کیا گیا ہے' کیونکہ نظام عالم اسی میں مضمر ہے اسی طرح محشر سے قبل جنتی اور دوزخی ہونے کا آخری فیصلہ بھی مستور رکھا گیا ہے- ہاں اجمالی طور پر اتنا پتہ دے دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی اولاد جنتی ہے اور کفار و مشرکین کی دوزخی- تقدیر کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ سوال بالکل بے معنی رہ جاتا ہے کہ جب بچہ نے کوئی برا لــه .....

www.besturdubooks.net

(۹۲۳) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُلَامُ الَّذِیْ قَتَلَہُ الْخَضِرُ طُبِعَ یَوْمَ طُبِعَ کَافِرًا. (رواہ الترمذی)

(۹۲۳) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا' وہ جب شکم مادر میں جما تھا اس کی تقدیر میں کافر ہی لکھا گیا تھا. (ترمذی شریف)

و قال هذا حديث صحيح غريب و اخرجه مسلم و ابوداؤد و الترمذی. قال الحافظ ابن القيمؒ المراد به انه كتب كذلك و قدر و ختم فهو من طبع الكتاب و لفظ الطبع لا صار يستعمله كثير من الناس الطبيعة التي هي بمعنى الخلقه و الجبله ظن الظان ان هذا لمراد الحديث اھ. شفاء العليل ص ۲۹۵)

..... عمل ہی نہیں کیا تو پھر اس کے لیے دوزخ کیوں ہے- اوّل تو یہ اعتراض اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ جزاء سزا کا ضابطہ صرف ایک عمل ہی ہو پھر یہ تو بتایئے کہ جس نے عمل کر لیے ہیں اسی کے لیے دوزخ کیوں ہو' جب کہ دوزخ کے عمل کرا کے دوزخ میں ڈالنا بھی قابل اعتراض ہونا چاہیے- اگر یہ کہا جائے کہ عمل اس بات کی شہادت ہوتا ہے کہ اس میں استعداد ناقص تھی- پھر اگر مدار استعداد پر ہو تو بچوں میں بھی قدرت نے مختلف نوع کی استعدادیں رکھی ہیں' بری استعداد کا بچہ اسی طرح قابل رحم نہیں ہوتا جیسا سانپ اور بچھو کا بچہ یہاں کوئی بے رحمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا' بلکہ ان کے کاٹے ہوئے بغیر بھی ان کو مار ڈالنا دنیا کے حق میں بڑی رحم دلی ہوتا ہے- حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کا حال اسی درجہ پر تباہ دیکھا تو آخر بددعاء کے لیے ہاتھ اٹھانے کے لیے مجبور ہو ہی گئے- اور اس کا یہی عذر بیان فرمایا رب ﴿اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا﴾ (نوح: ۲۷) یعنی اب یہ تخم ہی خراب ہو چکا ہے اگر آگے باقی رہا تو اس سے جو پیداوار ہوگی وہ ایسی ہی بد بخت قوم کی ہوگی- پس جس کو دوزخ میں ڈالنا منظور ہوگا اس کی استعداد بھی اسی کے مناسب ہوگی اور اس کی اس کی علامت یہ ہے کہ وہ کافر و مشرک کے یہاں پیدا ہوگا- یہ بھی صرف ایک علامت کے طور پر ہے پوری بات یہاں بھی ہم کو بتانا منظور نہیں کیونکہ یہ بھی تقدیر کا ایک شعبہ ہے اور اس کو بھی محشر سے قبل کھول دینا پسند نہیں ہے- اسی لیے حدیث میں بچوں کی نجات و ہلاکت کے مسئلہ میں بحث کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے- اس جگہ حدیث نمبر ۸۰۲ کو بھی دیکھ لینا چاہیے- ملاحظہ ہو ترجمان السنہ ج ۲ ص ۳۶۸-

(۹۲۳) ✱ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شقاوت و سعادت شکم مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہے اور اس کتابت کے تحت وہ مولود ایسا مسخر ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر وہی افعال کرتا ہے جو اس کتابت کے مطابق ہوتے ہیں- گو کرتا ہے اپنے اختیار ہی سے- تقدیر کا سارا جغرافیہ کیسے بتایا جاسکتا ہے' اور اگر بتا دیا جائے تو کون اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے- دیکھیے یہاں والدین مسلمان ہیں ادھر تقدیر بچہ میں ایسی استعداد ودیعت فرما چکی ہے کہ بڑے ہو کر اس سے کفر ہی کے افعال سرزد ہوں اور ادھر مقصد یہ ہے کہ والدین اس کی محبت میں آ کر کافر نہ ہو جائیں تو ان دونوں مقدرات میں جوڑیوں لگایا جاتا ہے کہ اس نوبت سے قبل ہی قبل بچہ کو ان سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے- ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر بڑا ظلم ہوا کیسا خوش رو بچہ اور کس طرح موت کے زبردست ہاتھوں نے ان سے چھین لیا مگر تقدیر یہ کہتی ہے کہ بہت بہتر ہوا کیونکہ اگر اس کی حیات مقدر ہو جاتی تو اس کے ساتھ ساتھ ان کا کفر بھی مقدر ہو جاتا بچہ کی حیات سے یہ زندگی تو بہت پر لطف گزرتی مگر آخرت کی زندگی برباد ہو جاتی- اب اگر یہ راز یہیں کھول دیا جاتا ہے تو بتایئے کہ اس بچہ کی وفات پر والدین کے صبر میں کیا بات رہ جاتی- تقدیر کے اخفاء کے ساتھ جب وہ صبر کرتے ہیں تو پروردگار کی طرف سے ان کو رضا بالقضاء کا تمغہ مل جاتا ہے' حالانکہ ان کا صبر بھی قضاء الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے مگر عالم اسباب میں یہ تمام باتیں مستور رہتی ہیں ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے کہ ایک شخص کے بچہ کا انتقال ہوتا ہے اور وہ محض خدا تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد .....

www.besturdubooks.net

الحوادث کلها تحت سیطرۃ القدر — کائنات کا ذرّہ ذرّہ قضاء وقدر کے فولادی شکنجہ میں کسا ہوا ہے

(۹۲۴) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا — (۹۲۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیۃ الذین یجتنبون

ﷺ ..... کرکے صبر کر لیتا ہے بس اس عالم ظاہر کے اختیار ہی پر یہ جزاء وسزا مرتب ہو جاتی ہے' اگر عالم غیب ظاہر ہو جائے تو جزاء وسزا کے لیے اس دنیا کو اتنی تفصیل کے ساتھ بچھانے کی ضرورت نہ تھی۔

اور دیکھئے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرزند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں استعداد تو وہ رکھی جاتی ہے کہ اگر عمر پائیں تو نبوت سے سر فراز ہوں' ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج پہنایا جا چکا ہے اب اگر ان کو حیات بخشی جاتی ہے تو اس استعداد کے ماتحت ان کا نبی ہونا مناسب ہوتا' اگر یہ استعداد نہ رکھی جاتی تو قدرت کو یہ گوارا نہ ہوتا کہ خاتم النبیین کی اولاد ایسی ہو جس میں منصب نبوت کی استعداد بھی نہ ہو۔ اس لیے ان دونوں باتوں میں ربط یوں قائم کیا جاتا ہے کہ ان میں تو نبوت کی استعداد رکھ دی گئی اور اس کے ساتھ ہی وہ عمر مقدر نہ فرمائی جس میں نبوت ملا کرتی ہے تاکہ خاتم النبیین کے بعد دوسرا نبی پیدا نہ ہو خواہ وہ آپ کا خاص فرزند ہی کیوں نہ ہو اور اس طرح ختم نبوت کا کمال اپنی جگہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کی استعداد کی بلندی اپنی جگہ درخشاں رہے۔ اتفاق سے اس معاملہ میں بھی اس حکمت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ پہلی جلد میں آپ زیر شرح حدیث ج ا ص ۱۵۶ پڑھ چکے ہیں جس میں صاف موجود ہے کہ اگر (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) زندہ رہتے تو نبی ہوتے' اور اسی لیے جب آیت خاتم النبیین میں قرآن کریم نے آپ کے باپ ہونے کی نفی کی تو اس کو مردوں کے ساتھ مقید کر دیا۔ ورنہ تو آپ کی دختری اور پسری دونوں اولادیں تھیں' لیکن پسری اولاد سن بلوغت کو کوئی نہیں پہنچی۔

(۹۲۴) * اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قدرت نے انسان میں قوت شہوانیہ اور رغبت الی النساء خلقۃً ودیعت فرمائی ہے اور اس میں ہاتھ' آنکھیں' زبان اور نفس بھی پیدا فرما دیئے ہیں جو اس کی لذت کا مرتبہ بہ مرتبہ ادراک کرتے ہیں' اگر چہ اس فعل کی حقیقت انسانی شرم گاہ کے ساتھ تمام ہوتی ہے' مگر شریعت میں مقامات زناء کو بھی ایک مرتبہ کا زناء قرار دیا گیا ہے لہٰذا بدنظری سے غیر محرم کو دیکھنے والا یہ نہ سمجھے کہ اس نے کسی محظور امر کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے آنکھوں کا زناء کر لیا' اسی طرح غیر محرم کو ہاتھ لگانے والا بھی یہ نہ سمجھے کہ اس نے کوئی بری حرکت نہیں کی بلکہ اس کو یقین کرنا چاہیے کہ اس کے ہاتھوں نے زنا کر لیا اور ان کا زناء یہی ہے کہ انہوں نے غیر محرم کو چھو لیا۔ مگر چونکہ یہ اقتضاء انسان میں قدرت نے رکھ دیا ہے اس لیے اگر انسان کسی غفلت کے موقعہ پر ان مقدمات میں مبتلا ہو جائے اور پھر خدا کے خوف سے اس فعل کی تکمیل سے باز رہے تو اسے پروردگار عالم کی رحمت سے امیدوار رہنا چاہیے کہ جو ناجائز حرکات اس سے سرزد ہو چکیں وہ "لمم" یعنی صغائر میں شمار ہوں گی اور ان کی مغفرت ہو جائے گی۔

تقدیر کا دائرہ بھی کتنا وسیع ہے کہ اس میں صرف حسنات اور سیئات ہی نہیں ان کے مقدمات بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ انسان سمجھتا ہے کہ جب اس نے زناء نہیں کیا تو شاید اس سے قبل جو حرکات اس سے سرزد ہو گئیں وہ نہ ہونے کی برابر ہوں گی۔ اس لیے شاید وہ محاسبہ تقدیر میں داخل نہ ہوں' مگر اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ بھی مقدرات میں شامل ہیں۔ پھر تقدیر کی گرفت بھی کتنی زبردست ہے کہ جو حصہ زناء اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے اس کا ارتکاب کیے بغیر بھی اس کو چارہ کار نہیں تعجب ہے کہ جبر تو اتنا پھر جو کچھ آگے ظہور پذیر ہوتا ہے اپنے ہی اختیار سے۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ.

حافظ ابن تیمیہ سورۂ اخلاص کی تفسیر میں اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی لا بد للانسان من مقدمات ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اشبه بالـلـمم مما قال ابوهريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الله كتب على ابن ادم حظه من الزنى ادرك ذلك لا محالة فزنى العين النظر وزنى اللسان المنطق و النفس تمنى و تشتهي و الفرج يصدق ذلك و يكذبه. (رواه البخاري و عند مسلم مثله و في المتفق عليه عن ابي هريرة ايضا)

(۹۲۵) عن ابن مسعود قال حدثنا رسول

کبائرالاثم و الفواحش الااللمم میں "اللمم" کی تفسیر میں ان باتوں سے زیادہ مناسب مجھے اور کوئی بات معلوم نہیں ہوسکی جوابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا ہے وہ اس کو ضرور مل کر رہے گا۔ پس آنکھ کا زنا تو غیر محرم کو دیکھنا ہے اور زبان کا زنا اس قسم کی بات چیت کرنا اور نفس کا کام اس کی خواہش کرنا اور تمناء کرنا ہے۔ پھر آخر میں شرمگاہ اس کی تصدیق کر دیتا ہے یا تکذیب کر دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۹۲۵) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

☜ ..... الكبيرة و كثير منهم يقع لى الكبيرة فيومر بالتوبة و يومرون ان لايصرو اعلىٰ صغيرة فانه لا صغيرة مع اصرار و لا كبيرة مع استغفار (ص ۱۸)۔ یعنی بشر آخر بشر ہے کبیرہ گناہ سے اگر بچ رہے تو بچ رہے مگر اس کے مقدمات ومبادی سے بچنا مشکل ہے کبھی نہ کبھی نظر اٹھ ہی جاتی ہے اس سے ترقی کر کے کبھی اور اعضاء بھی اس میں ملوث ہو ہی جاتے ہیں پھر کوئی بدنصیب آخر کبیرہ گناہ میں بھی مبتلاء ہو جاتا ہے۔ اب جو کبیرہ سے بچ نکلا اس کو حکم یہ ہے کہ آئندہ یہ حرکت نہ کرے اور جو پھنس گیا اس کو حکم یہ ہے کہ فوراً توبہ کرے۔ پس اس طرح اگر صغائر پر اصرار نہ ہو اور کبائر پر ہمیشہ توبہ ہوتی رہے تو اس کو سن لینا چاہیے کہ نہ صغائر صغائر رہتے ہیں اور نہ کبائر کبائر بارگاہ رحمت میں سب پر قلم عفو کھینچ دیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ زنا کی تکمیل تو بہ صرف زبان سے نہیں ہوتی اس کی واضح شہادت یہ ہے کہ شرعی حکم اپنے نفس پر جاری بھی کرائے اور جس جرم کی گہرائی اتنی ہو کہ اس میں اس کا عضوعضو شریک ہو چکا ہو اس کی سزا بھی اس کے ہر ہر عضو کو بھگتنی چاہیے شاید جنابت میں تمام جسم کا غسل بھی اسی لیے فرض قرار دیا گیا ہو (اس کی پوری بحث اپنے محل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدھ واقعہ ایسا بھی ہو گیا ہے اور جب ہو گیا ہے تو اس صحابی نے اپنی جان قربان کرنے کے سواء کوئی چارۂ کار نہیں دیکھا۔ ایسے صحابی کے متعلق اگر اس وقت کے اسلامی معیار کی بلندی کی بناء پر کسی کی زبان سے کوئی کلمہ کچھ کمی کا مشعر نکل گیا ہے تو آپ نے فرمایا ہے؟ "لقد تاب توبة لو قسمت على اهل المدنية لو سعتهم" اُس نے تو ایسی زبردست توبہ کرلی کہ اگر اس کو سارے اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا جاتا تو ان کے گناہوں کی بخشش کے لیے بھی کافی ہو جاتی۔ (او كما قال)

(۹۲۵) ✱ صحیح مسلم میں اس حدیث میں کچھ اضافات ہیں اس میں اس حدیث کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص شقی ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ ہی سے شقی پیدا ہوتا ہے اور سعید کی شناخت یہ ہے کہ جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت حاصل کر لے۔ اس پر کسی صحابی نے سوال کیا۔ عمل کیے بغیر شقاوت کیسی؟ اس پر اس شخص نے جواب دیا۔ اس میں تعجب کیا ہے اس کے بعد حدیث مذکورہ بالا بیان کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سعادت و شقاوت شکم مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہے۔ اور اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ثم يخرج الملك بالصحيفة في يده - یعنی پھر فرشتہ اپنے ہاتھ میں جو دفتر تھا وہ نکالتا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جن چار اموری کی کتابت کا یہاں ذکر ہے ان کی کتابت کسی متعلقہ دفتر میں ہوتی ☜ .....

www.besturdubooks.net

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يَجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَ اَجَلَهٗ وَ رِزْقَهٗ وَ شَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهَا

اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خود بیان فرمایا اور بے شبہ آپ صادق تھے ایسے صادق جن کی جہان تصدیق کرتا ہے تم چالیس دن تک اپنے شکم مادر میں بشکل نطفہ رہتے ہو پھر ایک فرشتہ چار باتوں کی تحریر کے لیے بھیجتا ہے وہ اس کے عمل اس کی عمر اس کا رزق اور نیک و بد ہونا لکھ دیتا ہے' اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے اس خدا کی قسم ہے جس کے سواء معبود کوئی نہیں کہ (پیدائش کے بعد) تم میں کا ایک شخص (ساری عمر) جنتی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن آخر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخی شخص کے

لله ..... ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور دونوں آنکھوں کے درمیان لکھے جاتے ہیں' واللہ تعالیٰ اعلم- شاید یہ بھی کتابت کا محل ہو- اہل عرف کو دیکھا کہ وہ آج بھی پیشانی پر ہاتھ مار کر ہائے مقدر کہا کرتے ہیں- ابن ابی حاتم نے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جانب سے چار باتوں کے علاوہ پانچویں چیز مقام موت کا ذکر بھی ہے- مسند بزار میں ابن عمرؓ مرفوعاً روایت فرماتے ہیں: "ثم يكتب بين عينيه ما هو لاق حتى انكبة ينكبها" یعنی پھر اس کی آنکھوں کے درمیان جو جو امور پیش آمدنی ہیں وہ سب لکھ دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ جو ذرا سی خراش کبھی اسی کو لگنی ہے وہ بھی لکھ دی جاتی ہے- ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابوذرؓ سے بھی اس تعمیم کو نقل کیا ہے- ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ایک اور مفید ٹکڑا بھی نقل کیا ہے: فيقال اذهب الى ام الكتاب فانك تجد فيه قصة هذه النطفة. (جامع العلوم) حق تعالیٰ کی جانب سے اس فرشتہ کو جو رحم مادر پر مقرر ہے حکم ہوتا ہے- جا اور لوح میں جا کر دیکھ وہاں تجھ کو اس نطفہ کے متعلق پوری پوری تفصیلات مل جائیں گی- ان مختلف آثار کے نقل سے مقصد یہ ہے کہ ہر مقام پر سوالات تو بہت پیدا ہو جاتے ہیں جن کے جوابات بعض مرتبہ کچھ نہ کچھ مل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نہیں ملتے- یہ چیزیں ان ضروریات میں شامل نہیں ہیں جن کا معلوم ہونا امت کے لیے فرض و لازم ہو' اس لیے نہ بیان میں اس کی اہمیت رہی ہے نہ آپ کو اس کی اہمیت چاہیے- جتنا بیان آ بھی چکا ہے وہ بھی اتنا مکمل نہیں ہوتا کہ اب اس کا کوئی پہلو ہی تشنہ نہ رہے- پھر اس میں بھی راویوں کے اختلاف سے بڑی حد تک اشتباہ لگ جاتا ہے اس کو براہ راست اسلام کے سر نہ لگانا چاہیے- یہاں راوی کا قصور اس لیے نہیں ہوتا کہ ہر شخص اپنے اندازِ فکر کے مطابق اور اپنے ہی شرائط حفظ کے مطابق روایت کرتا ہے جس کی دوسرے راوی کو نہ اطلاع ہوتی ہے اور نہ وہ ان امور کی پابندی کر سکتا ہے' اس طرح ایک ایک حدیث بیس بیس مختلف صحابہ سے ملک کے مختلف گوشوں سے سننے میں آتی ہے' ضروری طور پر یہاں لفظی اختلاف ہو جانا چاہیے- حیرت ہے کہ ایک طبقہ تو یہاں اسی اختلاف کو حدیث سے دست برداری کا ایک اچھا بہانہ بنا لیتا ہے اور دوسرا اسی کو حفاظتِ حدیث کی دلیل سمجھتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ جب ایک ہی بات ملک کے مختلف حصوں' زمانہ کے مختلف ادوار اور مختلف اشخاص سے مسلسل سنی گئی ہے تو اگر اس کے الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف بھی پایا جائے تو بھی یہ اس کا بین ثبوت ہے کہ اصل واقعہ یقیناً اپنی جگہ ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے لہٰذا ایسے مقامات پر جو بات متفقہ طور پر ثابت ہو جائے اس کو مان لینا چاہیے اور جس میں اختلاف باقی رہے اور کوئی راہ ترجیح یا توفیق بھی نہ کھل سکے تو اس کو راویوں کے اختلاف کا نتیجہ سمجھنا چاہیے نہ یہ کہ اصل بیان ہی کو ناقص سمجھ کر اس کو شریعت کے سر رکھا جائے-

www.besturdubooks.net

اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (متفق عليه)

سے عمل کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی طرح تم میں ایک شخص ساری عمر دوزخی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے اور وہ جنتی شخص کے سے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۹۲۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ يَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ. (متفق عليه)

(۹۲۶) سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ دوزخی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے اور ہوتا ہے وہ جنتی اور اسی طرح جنتی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے اور ہوتا ہے وہ دوزخی۔ بات یہ ہے کہ دارومدار صرف خاتمہ پر ہے (اس وقت جیسے عمل ہوں) (متفق علیہ)

وفي لفظ عند مسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الرجل ليعمل عمل اهل الجنة فيما يبدو للناس و هو من اهل النار و ان الرجل ليعمل عمل اهل النار فيما يبدو للناس و هو من اهل الجنة.

(۹۲۷) وَ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

(۹۲۷) ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

---

(۹۲۶) ✻ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل فیصلہ وہی ہوتا ہے جو قضاء وقدر کر چکی ہے رہے اعمال ظاہری تو وہ انسان کے اچھے اور برے ہونے کی صرف ظاہری نشانیاں ہیں' اسی کے مناسب ایک حدیث آپ جلد ثانی میں پڑھ چکے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کی راہِ خدا میں جانبازی دیکھ کر بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہاں اچھے اعمال سے حسن خاتمہ کی امید اور برے اعمال سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ضرور ہونا چاہیے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جہان میں فیصلہ بیشتر عمل کے تابع رکھا گیا ہے لہٰذا جس کو جنت عطا فرمائیں گے اس سے عمل بھی اہل جنت کے کرائیں گے اور جس کو بخشنا منظور نہیں اس سے پہلے اعمال بھی اسی کے مناسب کرا لیے جائیں گے تاکہ اعمال اور جزاء کے درمیان ظاہری تناسب بھی باقی رہے اگرچہ وہ اصل علت نہ سہی۔ حق تعالیٰ اچھے عمل والے کو دوزخ میں اور برے عمل والے کو جنت میں بھی داخل فرما سکتا ہے' مگر وہ خود یہ خبر دے چکا ہے کہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ جو دوزخی ہو اس سے عمل بھی اہل دوزخ کے سے کرا لیے جائیں تاکہ عمل و جزاء کے مابین مماثلت باقی رہے۔ صحیح مسلم میں یہ لفظ ہیں: ان الرجل ليعمل عمل اهل الجنة فيما يبدو للناس. یعنی ایک شخص لوگوں کو جنتی شخص کے سے عمل کرتا نظر آتا ہے گویا حقیقت کی انہیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ دوزخی ہے' پس جب مدار خاتمہ پر رہا تو اب ظاہر پر قطعی حکم کیسے لگایا جائے' اسی حدیث نے اولیاء اللہ کا خون پانی بنا رکھا ہے' کیونکہ یہ خبر کس کو ہے کہ اس کا خاتمہ کیسے اعمال پر ہوگا اور اسی خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر صحابی بھی یہاں گریہ وزاری میں مبتلاء ہے۔ دیکھو حدیث ۹۲۸۔

(۹۲۷) ✻ سیاہ و سفید شاید یہ عالم تقدیر میں کامیاب و ناکامیاب کے رنگ مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم میں شاید اس وقت ارواح کو کسی خاص قسم کا مختصر سا جسم بھی مرحمت کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کا نام ہی عالم ذر رکھ دیا ہے۔

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ حِيْنَ خَلَقَهُ فَضَرَبَ كَتِفَهُ مَالْيُمْنٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيْضَاءَ كَاَنَّهُمُ الذَّرُّ وَ ضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ كَاَنَّهُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَمِيْنِهِ اِلَى الْجَنَّةِ وَ لَا اُبَالِيْ وَ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى اِلَى النَّارِ وَ لَا اُبَالِيْ. (رواہ احمد)

کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کے دائیں بازو پر ایک ضرب لگائی تو اس سے سفید رنگ کی ایسی چھوٹی چھوٹی ذریۃ نکالی جیسی چیونٹی پھر بائیں بازو پر ضرب لگائی تو سیاہ رنگ کی ایسی ذریۃ نکالی جیسا کوئلہ پھر دائیں طرف والی کو فرمایا کہ یہ جنت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور جو بائیں جانب تھے ان کو فرمایا کہ یہ دوزخ میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

(٩٢٨) وَ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ دَخَلَ عَلَيْهِ اَصْحَابُهُ يَعُوْدُوْنَهُ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقَالُوْا لَهُ مَا يُبْكِيْكَ اَلَمْ يَقُلْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ ثُمَّ اَقِرَّهُ حَتّٰى تَلْقَانِيْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِيَمِيْنِهٖ قُبْضَةً وَ اُخْرٰى بِالْيَدِ الْاُخْرٰى وَ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَ لَا اُبَالِيْ وَ لَا اَدْرِيْ فِيْ اَيِّ الْقُبْضَتَيْنِ اَنَا. (رواہ احمد۔ و قال الهيثمی رجاله رجال الصحيح)

(٩٢٨) ابونضرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک شخص کے پاس جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی عیادت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آئے تو اس وقت وہ رو رہے تھے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رونے کا سبب پوچھا اور کہا کیا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنی لبیں تراشتے رہنا اور اسی طریق پر ہمیشہ قائم رہنا یہاں تک کہ مجھ سے آملو انہوں نے کہا کیوں نہیں ضرور فرمایا تھا' لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بھی خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک مٹھی بھری اور دوسری دوسرے ہاتھ سے پھر فرمایا کہ یہ دائیں مٹھی والے تو جنت کے لیے بنائے ہیں اور یہ بائیں والے دوزخ کے لیے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دوستو! مجھے کیا علم ہے کہ میں اس کی کس مٹھی میں آ گیا۔

(٩٢٩) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قَتَادَةَ السُّلَمِيِّ

(٩٢٩) عبدالرحمٰن بن قتادہ سلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ

---

(٩٢٨) ✻ تقدیر کی قہرمانی کا جس کسی کے دل پر ایسا تسلط ہو وہی اس کا ادراک بھی کر سکتا ہے کہ اس ہیبت کے سامنے کیا کسی کا حافظہ ساتھ دیا کرتا ہے یا سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے اور صرف ایک دعاء کے سواء کچھ بن نہیں آتی۔ جو قلوب اس خشیت سے خالی ہیں وہ اس کو کیا سمجھیں۔ یہاں انکشاف حال سے قبل اطمینان کی کوئی صورت ہی نہیں ہوتی۔ جب صحابی کا یہ حال ہو تو عامہ مؤمنین کا حال کیا ہونا چاہیے۔ اللهم اقسم لنا من خشيتك ما تحول به بيننا و بين معاصيك.

(٩٢٩) ✻ ان تمام احادیث کے آخر میں لفظ "لا ابـالـي" (ہمیں کوئی پرواہ نہیں) حق تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کے اظہار کے لیے بیان ہوتا جا رہا ہے وہاں نہ اس کی پرواہ ہے کہ جنتیوں پر اس انعام و اکرام کا انتظام کہاں سے ہوگا اور نہ اس کا غم ہے کہ یہ سارے جہنمی مل کر ہمارے خلاف کیا سازش بنا ئیں گے۔

www.besturdubooks.net

سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ ثُمَّ خَلَقَ الْخَلْقَ مِنْ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَ لَا اُبَالِيْ وَ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَ لَا اُبَالِيْ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَعَلٰى مَاذَا نَعْمَلُ قَالَ مُوَافَقَةَ الْقَدَرِ. (رواه الحاكم قال الذهبي على شرطهما الى الصحابي)

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اس کے بعد ان کی پشت سے بقیہ انسانوں کو نکالا اور فرمایا یہ تو جنت کے لیے بنائے ہیں اور یہ دوزخ کے لیے اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ اس پر کسی نے عرض کی یا رسول اللہ معاملہ جب یوں ہے تو اب عمل کس لیے؟ فرمایا وہ تو تقدیر میں لکھے جا چکے۔ (اس کے موافق ہو کر رہیں گے)

(مستدرک)

(۹۳۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اَسْمَاءُ اٰبَاءِ هِمْ وَ قَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَ لَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهٖ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَ اَسْمَاءُ اٰبَاءِ هِمْ وَ قَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَ لَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَ اِنْ

(۹۳۰) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ ہمیں کیا پتہ آپ ہی بتائیں تو کچھ پتہ چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں تھی' یہ وہ کتاب ہے جس میں پروردگارِ عالم نے تمام جنتی اشخاص کے نام اور ان کے باپ دادوں کے اور قبیلوں کے نام لکھ دیے ہیں۔ اور آخر میں ان کی میزان بھی لگا دی ہے اب اس میں نہ کسی اور نام کا اضافہ ہوسکتا ہے نہ کمی ہوسکتی ہے پھر جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں تھی اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں تمام دوزخی اشخاص کے نام ہیں اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں۔ ان کے آخر میں بھی میزان لگا دی ہے اب اس میں بھی کسی نام کا اضافہ اور کمی نہیں ہوسکتی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے فرمایا رسول اللہ اگر دوزخی اور جنتی ہونا پہلے سے لکھا جا چکا ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلند پروازیاں چھوڑ و اور سیدھے سیدھے عمل کیے جاؤ' کیونکہ جنتی

---

(۹۳۰) ٭ اس حدیث کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں جو دو کتابیں تھیں وہ حقیقتاً دو کتابیں ہی تھیں۔ حدیث کے الفاظ از اوّل تا آخر بار بار پڑھیے ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو یہ خیال نہیں آ سکتا کہ یہاں راوی نے کسی حقیقت کو مجازی صورت سے بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے' پھر جب کہ نبی کا تعلق خود عالم غیب سے اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنت کے باغوں میں سے انگور کا خوشہ توڑ لائے اور ہم کو دے دے' چاند کی طرف اشارہ کرے تو اس کے دو ٹکڑے کر دے' انگلیوں کو جھکا دے تو اس سے چشمے للہ ......

www.besturdubooks.net

صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَ اِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ. (رواہ الترمذی)

شخص کا خاتمہ ایسے ہی اعمال پر ہوگا جو دوزخی اشخاص کے ہوتے ہیں اگرچہ اس سے قبل کیسے ہی اچھے کام کرتا ہو۔ اس کے بعد آپ نے اشارہ کر کے دونوں کتابوں کو اپنے پیچھے کی طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ تمہارا پروردگار سب کچھ لکھ لکھا کر فارغ ہو چکا' بس اسی کے مطابق اب کچھ لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کچھ دوزخ میں۔ (ترمذی شریف)

(۹۳۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ شَابٌّ وَ اَنَا اَخَافُ عَلٰى نَفْسِي الْعَنَتَ وَ لَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰى ذٰلِكَ اَوْ ذَرْ. (رواہ البخاری)

(۹۳۱) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نوجوان شخص ہوں عورتوں سے نکاح کے مصارف میرے پاس نہیں مجھے اپنے نفس پر کسی مصیبت میں مبتلاء ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے (اجازت ہو تو خصی ہو جاؤں) یہ سن کر آپ خاموش رہے' میں نے پھر عرض کی آپ پھر خاموش ہو رہے میں نے پھر مکرر عرض کی اور پھر بدستور خاموش رہے (ابوہریرہ کا منشاء یہ تھا کہ آپ ان کو خصی ہونے کی اجازت دے دیں) جب میں نے چوتھی بار وہی سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا۔ تمہیں جس جس مصیبت میں بھی گرفتار ہونا ہے وہ تو تقدیر کا قلم لکھ لکھا کر فارغ بھی ہو چکا' اب چاہو تو خصی ہو جاؤ اور چاہے رہنے دو۔ (بخاری شریف)

ﷺ ..... چھوٹ نکلیں اگر ایسے ہاتھوں میں آپ دو کتابوں کا ذکر سنتے ہیں تو اس پر چونکتے کیوں ہیں اور کیوں اس کی تاویل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جو لوگ عالم غیب پر ایمان نہیں رکھتے وہ اسی ایک جگہ کیا ہر جگہ عالم تردد ہی میں پڑے رہتے ہیں ان کا غم نہ کھایئے۔ ان کے تو یہ بھی فہم سے بالاتر ہے کہ اتنی غیر متناہی مخلوق کے اسماء کے لیے اتنا مختصر دفتر کیسے ہو سکتا ہے' وہ صرف دنیا کا شارٹ ہینڈ ہی جانتے ہیں' وہ مسکین کیا جانیں کہ غیب کے اختصار و طول کا عالم کیا ہوتا ہے ﴿وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون﴾ نبی کی پر اسرار ہستی اگر عالم غیب کی دو کتابیں اپنے ہاتھوں میں لے آتی ہے اور ایک اشارہ سے پھر انہیں عالم غیب میں پہنچا دیتی ہے تو اس کو بسر و چشم قبول کر لیجئے اور فکر یہ کیجئے کہ معلوم نہیں آپ کا نام کس فہرست میں درج ہو چکا ہے۔

یہاں کمی و بیشی کے لیے جتنے احتمال ہو سکتے تھے سب کو ذکر کر کے میزان کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ جس طرح اس صورت میں زیادتی کمی کا کوئی موقع نہیں رہتا اسی طرح اب نئے جنتی اور نئے دوزخی بننے کا بھی کسی کے متعلق کوئی احتمال باقی نہیں رہا۔ قضاء و قدر کی قہرمانی اور تسلط کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۹۳۱) * آپ کی بار بار کی خاموشی بتا رہی تھی کہ منشاء مبارک کیا ہے مگر حاجت مند اور حکم کا منتظر چاہتا تھا کہ کسی طرح بھی ہو اگر اس کو خصی ہو جانے کی صراحۃً اجازت مل جائے تو وہ اس تکلیف کو برداشت کر کے زناء جیسی مصیبت سے بچ رہے۔ سبحان اللہ معصیت سے صحابہؓ کے تنفر کا عالم بھی کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی زناء سے اس درجہ نفرت گو قابل داد تھی مگر ان کے بار بار اصرار سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۹۳۲) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُصَرِّفُہٗ کَیْفَ یَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ۔ (رواہ مسلم)

(۹۳۲) عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرف چاہتا ہے ان کو پھیر سکتا ہے' اس کے بعد آپ نے یوں دعا فرمائی اے دلوں کے لوٹنے پلٹنے والے ہمارے دلوں کو تو اپنی تابعداری ہی کی طرف جھکائے رکھنا۔

(مسلم شریف)

(۹۳۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ اَنْ یَقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ فَقُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِکَ وَ بِمَا جِئْتَ بِہٖ فَھَلْ تَخَافُ عَلَیْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

(۹۳۳) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات یوں دعا فرماتے اے قلوب کے پلٹنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر جمائے رکھ' ایک مرتبہ میں نے عرض کی یا نبی اللہ ہم تو آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لا چکے ہیں کیا آپ کو ہمارے متعلق اب بھی کوئی خطرہ باقی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ان کو جیسے چاہے پلٹ سکتا ہے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

لـ ..... وہ اپنی اس تدبیر سے گویا تقدیر کو بھی پلٹ دیں گے' اس لیے صاحب شریعت نے بڑے تاثر کے انداز میں فرمایا: ابوہریرہ! تقدیر کے سامنے تدبیر کی کچھ پیش نہیں جاتی 'تقدیر کا قلم چل چکا ہے۔ اب اگر تمہاری قسمت میں زنا لکھا جاچکا ہے تو وہ ہو کر رہے گا اور اگر مقدر نہیں ہوا تو پھر اگر خصی نہ بھی ہو گے جب بھی نہیں ہو سکتا' اب چاہو تو خصی بن جاؤ اور چاہو تو رہنے دو۔ آپ کے جملوں کے بعد قضاء وقدر کی گرفت کا جتنا اثر ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ اس لیے اس کے بعد حضرت ابوہریرہ کو آئندہ سوال کی نہ جرأت ہوئی نہ ضرورت رہی۔ دوسری جگہ حدیثوں میں موجود ہے کہ اس قسم کی ضرورت کے وقت شریعت نے روزہ رکھنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ روزہ اگر ہماری سی سحری و افطاری کے ساتھ نہ ہو تو اس خواہش کے قطع کرنے کا بہترین علاج ہے۔ اس کے بعد ایسے خلافِ فطرت فعل کا حاصل کیا؟

(۹۳۲) ✽ حق تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور بندہ کی انتہائی بے چارگی اور بے بسی کا نقشہ اس سے زیادہ مؤثر اور مختصر انداز میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک نیم مختار انسان جب کبھی اپنے اختیارِ کلی کے اظہار کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مخاطب کے سامنے انگلیوں کا اشارہ کر کے ہی اس کو سمجھاتا ہے۔ یہاں اسی معہود طریقہ کو استعمال کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ اعضاء سے منزہ ومبرا ہے۔ احادیث میں بندہ کو مختار ثابت کیا گیا ہے مگر ایسا مختار جس کے اوپر قدرت کا اختیار اس طرح مسلط ہے کہ اس کے بعد اس اختیار کی ہستی فناء ہو جاتی ہے اور حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اعتقاد کے بعد انسان کی زبان پر جو بے ساختہ درخواست آنی چاہیے وہ سب سے پہلے ایک یہی۔ پروردگار! ہمارے دلوں کو اپنی تابعداری کی طرف ہی جھکائے رکھنا۔

(۹۳۳) ✽ یہاں صحابہ کرام کے فہم وادب پر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سنتے ہیں آپ لـ .....

www.besturdubooks.net

(۹۳۴) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَةٍ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ یُقَلِّبُهَا الرِّیَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ. (رواه احمد و ابن ماجة و فی الزوائد اسناده صعیف ففیه یزید الرقاشی و قد اجمعو اعلی ضعفه)

(۹۳۴) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- انسان کے قلب کی مثال اس پر کی سی ہے جو بیابان زمین میں پڑا ہوا ہو اور ہوائیں اس کو کبھی سیدھا اور کبھی الٹ کر رہی ہوں-

(ابن ماجہ' مسند امام احمد)

(۹۳۵) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاکَرُمَا یَکُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ فَاِنَّهٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَا جُبِلَ عَلَیْهِ. (رواه احمد قال الهیثمی و رجاله رجال الصحیح الاان الزهری لم یدرك ابا الدرداء)

(۹۳۵) ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کے عادات واخلاق کے متعلق کچھ ذکر کر رہے تھے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو اس کی تصدیق کر لینا اور اگر یہ سنو کہ کسی شخص کی فطری عادات بدل گئی ہیں تو اس کی تصدیق نہ کرنا- آخر کار ایک دن وہ پھر ان ہی خصائل کی طرف لوٹے گا جس پر کہ اس کی پیدائش ہوئی ہے- (احمد)

لـه ..... کے حق میں اور سمجھتے ہیں اپنے حق میں' اسی لیے سوال یہ کرتے ہیں کہ جب ہم آپ پر ایمان لا چکے تو کیا پھر بھی آپ کو ہمارے متعلق کوئی خطرہ ہے- آپ کا جواب یہ ہے جی ہاں مقام صحابیت پر فائز ہو جانے کے بعد بھی کوئی شخص قضاء وقدر کے قاہرانہ تصرف سے نڈر نہیں ہو سکتا- خوف کی بات بہر حال خوف ہی کی رہتی ہے شانِ بندگی اسی میں ہے کہ کسی بلند سے بلند مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی مختارِ کل کے اختیار سے ڈرتا رہے- اس جگہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ صحابہ کرامؓ جو بڑی حد تک ان خطرات سے مامون تھے جب ان کے متعلق بارگاہِ نبوت سے جواب یہ ملا تو پھر ماوشما کا تو ذکر ہی کیا ہے-

(۹۳۴) ✻ ایک وسیع جنگل میں تند و تیز ہوا اور ایک ذرا سے پر کا بھلا کیا مقابلہ لیکن پھر یہ دونوں مخلوق ہی مخلوق ہیں اور دونوں کے دونوں محکوم ہی محکوم ہیں- قلوب بنی آدم کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے وہ تو خالق ومخلوق اور حاکم ومحکوم کی ہے یہاں اس بے چارگی کا اندازہ ہی کیا لگایا جا سکتا ہے' یہاں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو عدم کو وجود سے' لیکن احادیث میں بسا اوقات حقیقت سے ہٹ کر محاورات کے مطابق کلام اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کا اصل مقصد تفہیم وتعلیم ہوتا ہے انسان جتنا جلد اپنے محاورات سے کسی حقیقت کو سمجھ سکتا اور متاثر ہو سکتا ہے اتنا وہ فلسفیانہ تعبیرات سے کسی حقیقت کو نہیں پا سکتا اور نہ ان سے متاثر ہو سکتا ہے- اسی لیے کہیں احادیث میں اصـابع (انگلیوں) کا لفظ بھی آیا ہے اور کہیں مذکورۂ بالا حدیث کے اندازِ بیان کو اختیار کیا جا رہا ہے تا کہ ان امثال سے انسان اپنی بے چارگی کا اندازہ لگا سکے اور اس کے بعد حق تعالیٰ کی بالا دست قدرت واختیار کے سامنے جتنا اسے جھکنا چاہیے جھک جائے-

(۹۳۵) ✻ انسان کی عادات واخلاق بھی چونکہ کاتب تقدیر کے قلم کے نیچے آ چکی ہیں اس لیے جس طرح قضاء وقدر کے دوسرے شعبوں میں تبدیلی وترمیم نہیں ہو سکتی اسی طرح اس میں بھی نہیں ہو سکتی اسی لیے مشہور ہے: ''جبل گردد جبلی نہ گردد'' عقلاء کے مابین ایک مسئلہ یہ بھی زیر بحث ہے کہ اخلاق کسبی ہیں یا خلقی؟ اس حدیث سے اس پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے- غرض انسانی اختیار کا افسانہ جتنا اس لـه ....

www.besturdubooks.net

(۹۳۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ يَعْنِيْ ابْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَذَكَرَ الْقَوْمُ رَجُلًا فَذَكَرُوْا مِنْ خُلُقِهٖ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اَرَأَيْتُمْ لَوْ قَطَعْتُمْ رَأْسَهٗ أَكُنْتُمْ تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تُعِيْدُوْهُ قَالُوْا لَا قَالَ فَيَدَهٗ قَالُوْا لَا قَالَ فَرِجْلَهٗ قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تُغَيِّرُوْا خُلُقَهٗ.

(رواہ الطبرانی قال الھیثمی و رجالہ ثقات)

(۹۳۶) عبداللہ بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اسی ضمن میں اس کے عادات و اخلاق کا ذکر بھی آ گیا- اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: تم لوگ بتاؤ اگر تم اس کا سر کاٹ دو تو کیا اس کو پھر جوڑ سکتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں- فرمایا اچھا اگر اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو تو کیا پھر اس کو جوڑ سکتے ہو؟ وہ بولے نہیں- آخر میں فرمایا اچھا پیر؟ انہوں نے کہا یہ بھی نہیں- فرمایا اگر تم یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو یاد رکھو اسی طرح اس کے عادات و اخلاق کو بھی بدل نہیں سکتے- (طبرانی)

(۹۳۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَتْ اُمُّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَمْتِعْنِيْ بِزَوْجِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَ بِأَبِيْ. اَبِيْ سُفْيَانَ،

(۹۳۷) عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ دعا مانگی کہ الہ العالمین میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کا سایہ مدت دراز تک مجھ پر قائم رکھنا- یہ دعا سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بقیہ ..... عالم میں گرم ہے عالم غیب میں وہ اتنا ہی سرد ہے- یہ قدرت کا کمال ہی کمال ہے کہ جو سرتا پا مجبور ہے وہ مختار ہی مختار نظر آتا ہے-

(۹۳۶) ✽ اس حدیث سے اوپر کی حدیث کی ذرا اور تشریح ہو جاتی ہے اس لیے اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے- ابو درداء کی اوپر والی حدیث میں ایک نہایت لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ حدیث میں ''جبل'' کا لفظ استعمال کیا ہے ''جبر'' کا نہیں استعمال کیا گویا بندہ خیر و شر پر مجبول یعنی مخلوق تو ہوتا ہے مگر ان پر مجبور نہیں ہوتا- بے شک جیسا حدیث میں انسان کا انجام وہی ہوگا جس پر وہ مخلوق ہوا ہے مگر اس سے خیر و شر کا ظہور ہوگا بالاختیار ہی اس لیے اس کو مجبول تو کہا جائے گا لیکن مجبور نہیں کہا جا سکتا- دیکھو شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۳۷۳-

(۹۳۷) ✽ دیکھئے یہاں بھی حضرت ام حبیبہؓ کی دعاء کچھ ایسی دعاء نہ تھی جس کو انسان کی فطرت نہ کہا جا سکے لیکن صاحب نبوت کو یہاں ایک دوسرا تاثر پیدا کرنا تھا جو انسان کی فطرت میں خود بخود موجود نہیں ہوتا' ہاں نبی جیسا معلم اس کو پیدا کر دیتا ہے- کسی بی بی کے پہلو میں اپنے محبوب ترین شوہر' کسی لڑکی کے دل میں اپنے مکرم ترین والد اور کسی ہمشیرہ کے قلب میں اپنے عزیز ترین بھائی کی حیات کے کتنے ارمان ہو سکتے ہیں یہ ظاہر ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے جذبات کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیتے ہیں کہ یہ تو سب طے شدہ باتیں ہیں' جس کا جتنا رزق جس کی جتنی عمر اور جو وقت موت لکھ دیا گیا ہے اس سے ایک انچ بھر بھی اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا- یہ دعاء مانگنی اتنی اہم نہیں' اہم یہ ہے کہ دوزخ یا قبر کے عذاب سے نجات کی دعاء مانگی جائے' حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ جس طرح پہلی باتیں مقدر ہو چکی ہیں عذاب وثواب کا مسئلہ بھی مقدر ہو چکا ہے مگر انسان کو اس کا علم تو حاصل ہوتا ہے لیکن اس دعاء کے لیے اس کے قلب میں وہ جذبات نہیں اٹھتے جو شوہر یا والد کی درازیٔ عمر کے لیے اٹھتے ہیں آپ چاہتے ہیں کہ آخرت کا استحضار اتنا ہو کہ دعاء کے موقعہ پر عزیز سے عزیز کی درازیٔ عمر سے پہلے اپنی آخرت کا تصور آ جائے اور اس طرح شریعت اُس جگہ آ جائے جہاں انسان کی فطرت ہوتی ہے- جب آخرت کا استحضار اتنا نصیب بقیہ .....

www.besturdubooks.net

وَ بِاَخِي مُعَاوِيَةَ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَأَلْتِ اللّٰهَ لِاٰجَالٍ مَضْرُوْبَةٍ وَ اَيَّامٍ مَعْدُوْدَةٍ وَ اَرْزَاقٍ مَقْسُوْمَةٍ لَنْ يُعَجِّلَ شَيْئًا قَبْلَ حِلِّهِ اَوْ يُؤَخِّرَ شَيْئًا عَنْ حِلِّهِ وَ لَوْ كُنْتِ سَأَلْتِ اللّٰهَ اَنْ يُعِيْذَكِ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ اَوْ عَذَابٍ فِي الْقَبْرِ كَانَ خَيْرًا اَوْ اَفْضَلَ. قَالَ وَ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ الْقِرَدَةُ قَالَ مِسْعَرٌ وَ اُرَاهُ قَالَ وَ الْخَنَازِيْرُ مِنْ مَسْخٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ لِمَسْخٍ نَسْلًا وَ لَا عَقِبًا وَ قَدْ كَانَتِ الْقِرَدَةُ وَ الْخَنَازِيْرُ قَبْلَ ذٰلِكَ. (رواہ مسلم)

تم نے اللہ تعالیٰ سے دعاء تو کی مگر ایسی مدتوں کے لیے جو پہلے سے مقرر شدہ ہیں - ان کی زندگی کے ایام سب شمار کیے جا چکے ہیں' ان کے رزق بھی سب تقسیم شدہ ہیں اللہ تعالیٰ وقت سے پہلے ان میں سے نہ کسی چیز کو مقدم کرے گا اور نہ وقت کے بعد اس کو مؤخر کرے گا - کاش اگر تم دوزخ کے عذاب یا قبر کے عذاب سے پناہ مانگتیں تو اس سے بہتر رہتا (یہاں راوی کو خیر یا افضل کے لفظ میں تردد ہو گیا ہے) راوی کہتا ہے کسی شخص نے اس وقت بندروں کا ذکر چھیڑ دیا کہ کیا وہ مسخ شدہ قوم ہے' مسعر کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ سؤروں کے متعلق بھی ذکر آیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسخ شدہ قوم کی نسل جاری نہیں کی اور نہ وقت مقرر کے بعد ان میں سے کسی کو باقی رکھا ہے - آخر بندر اور سور ان سے پہلے بھی تو ہوا کرتے تھے - (مسلم شریف)

ف ..... ہو جائے تو اب امید کرنی چاہیے کہ وہ جاں کنی کی تکالیف میں' ملک الموت کی ہیبت' شیطان کے اغواء اور منکر و نکیر کے سوال کے وقت بھی ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح و سالم رہے گا - قضاء وقدر کے تسلط اور آخرت کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا یہ بھی کیا نرالا انداز ہے - موت کی گھڑیاں بھی کیسی گنی چنی ہوتی ہیں کہ آپ نے جلد اول حدیث نمبر ۸۳ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ملاحظہ فرمایا ہوگا - دیکھیے حق تعالیٰ کو اپنے نبی کی یہاں کتنی خاطر داری بھی منظور ہے اس لیے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ ایک بیل کی کمر پر ہاتھ رکھ دو جتنے بال تمہارے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے سال تمہاری عمر اور ہو گی' مگر اس کے بعد بھی موت کا وقت مقرر نہیں ٹلتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ جب اتنے سالوں کے گزرنے کے بعد بھی موت سے چارہ نہیں ہے تو پھر اس جام کو آج ہی کیوں نہ منہ سے لگا لیا جائے یہ کہہ کر وہ اپنی جان خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں - پس موت کا وقت نبی کا بھی ٹلا نہیں کرتا اور کسی کا تو ذکر [illegible] ہے - اب بھی آپ کچھ سمجھے کہ تقدیر کا جبر انسان کے اختیار پر کس طرح مسلط ہے اور وہ کتنی آسانی سے انسانی اختیار کو اپنی طرف گھسیٹ لیتا ہے دیکھیے ابھی ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی موت پر کیسے ناراض تھے یا ابھی کیسے خوش نظر آ رہے ہیں -

دوسرا مسئلہ یہاں مسخ شدہ قوموں کے متعلق تھا - سوال و جواب کے انداز سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جن حضرات نے مسخ سے معنوی مسخ اور طبائع کی کجی مراد لی ہے وہ محض باطل اور غلط خیال ہے اس بناء پر نہ کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ آپ کا جواب منطبق ہوتا ہے' ہاں یہ بات بھی مسلّم ہے کہ شکلیں اسی وقت مسخ کی جاتی ہیں جب کہ قلوب پہلے مسخ ہو جاتے ہیں - پس مسخ کا تعلق صرف ظاہر شکلوں ہی کے ساتھ نہیں ہوتا باطن پر [illegible] پڑتا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ میں اسی طرف اشارہ ہے - انسان جب اپنے باطن بندر اور سؤر کے خصائل اختیار کر لے تو پھر اس کے لیے احسن تقویم کی صورت زیبا نہیں رہتی اور مشیۃ الٰہیہ کبھی کبھی ان کے ظاہر کو بھی باطن کے ہم شکل بنا دیتی ہے تاکہ آئندہ انسان اس کے ذکر سے عبرت حاصل کرے -

www.besturdubooks.net

(۹۳۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهُ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَ یُطِیْبُ بِنَفْسِهٖ . (رواہ الترمذی و ابن ماجه و قال الترمذی غریب)

(۹۳۸) ابو سعید روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- جب تم کسی بیمار کی عیادت کو جایا کرو تو اس کی درازیٔ عمر کے کلمات کہا کرو کیونکہ تمہارے اس کہنے سے کچھ تقدیر تو بدلتی نہیں البتہ مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے-

(ترمذی شریف- ابن ماجہ)

(۹۳۹) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ اِلَیْهِمُ الْعَیْنُ اَفَاسْتَرْقِیْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابِقُ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَیْنُ. (رواہ الترمذی و احمد و ابن ماجه و قال الترمذی حسن صحیح)

(۹۳۹) اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ جعفرؓ کے بچوں کو نظر بڑی جلدی لگ جاتی ہے کیا میں ان پر یہ منتر پڑھ سکتی ہوں؟ فرمایا پڑھ سکتی ہو' کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر بھی غالب آ سکتی تو وہ نظر ہوتی-

(ترمذی- ابن ماجہ- احمد)

---

(۹۳۸) ٭ اسلام کو باہم مروت و اخلاق اور ہمدردی کی بھی کس حد تک رعایت منظور ہے کہ وہ ایک بیمار کے حق میں ایسے کلمات کہہ دینے کی بھی اجازت دے دیتا ہے جن کے متعلق اگر کہیں صریح اجازت نہ آ جاتی تو شاید ممانعت کا شبہ لگ سکتا تھا- لیکن یہ انبیاء علیہم السلام کا کمال ہے کہ وہ عام تخاطب میں بھی اس کا خیال رکھتے ہیں کہ کسی گوشہ سے بھی اسلام کے کسی اہم نقطۂ نظر کو ٹھیس نہ لگنے پائے- دیکھئے یہاں کس طرح عیادت کے بیان میں تقدیر کا سبق تازہ کیا جا رہا ہے اور کس طرح تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ عالم ناقابل ترمیم ہے اور اس کے فیصلے سب اٹل ہیں لیکن جب وہ ہمارے علم میں نہیں تو پھر اگر کسی تعبیری طریقہ سے ہمارے بھائی کا دل خوش ہوتا ہے تو اس سے بخل کیوں کیا جائے مگر یہ نکتہ پھر فراموش نہ ہو کہ ہوگا یہ سب کچھ لفظی جمع خرچ' جو مقدر ہے وہی ہو کر رہے گا-

واضح رہے کہ اخلاق اس کا نام نہیں کہ محض کسی کا دل خوش کرنے کے لیے خلافِ واقع کلمات کہہ دیئے جائیں یہ تو کذب ہے- اخلاق یہ ہے کہ جہاں ہمارا علم قاصر ہو وہاں ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی ہی امید رکھیں اور وہی اپنی زبانوں سے نکالیں انا عند ظن عبدی بی - یہ تمام وسعتیں صرف اس لیے ہیں کہ تقدیر پردۂ غیب میں رکھی گئی اگر کہیں ظاہر کر دی جائے تو دنیا کی ساری چہل پہل ایک آن میں ختم ہو جائے- اس پر بھی عاقبت نا اندیش انسان تقدیر ہی کے سراغ لگانے کی فکر میں پڑا رہتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اس کے حق میں اس کا اخفاء اس کے اظہار سے کہیں سودمند ہے-

(۹۳۹) ٭ نظر لگنے کی حقیقت کچھ بھی سہی لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ نظر ضرور لگتی ہے- دو چار مغلوب العقل انسانوں کے صرف مذاق اڑا دینے سے ہزاروں انسانوں کے تجربے کی تکذیب نہیں کی جا سکتی حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کے وجوہ و اسباب اور اس کی حقیقت پر بصیرت افروز بحث کی ہے- پھر جس طرح نظر لگنے کی حقیقت عام طور پر نہیں سمجھی جاتی اسی طرح اس کے علاج بھی اکثر اسی طرح کے کلمات ہیں جو بیشتر معقول المعنیٰ نہیں ہوتے اس قسم کے مقامات پر حدیث کا رویہ کتنا معتدل ہے کہ وہ نہ تو واقعات کا انکار کرتی ہے اور نہ غیر معقول امور کی حقیقت کے دریافت کے درپے ہوتی ہے- بلکہ اس امر کے متعلق جو عوام کا دستور چلا آتا ہے اگر اس میں کوئی شرعی سقم نہیں لہ .....

www.besturdubooks.net

(۹۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا وَ كَادَ الْحَسَدُ اَنْ يَغْلِبَ الْقَدَرَ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۹۴۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احتیاج میں کفر تک نوبت پہنچ سکتی ہے اور حسد ایسی سخت چیز ہے کہ کہیں تقدیر پر بھی غالب نہ آ جائے۔

(شعب الایمان)

يمحوا الله مايشاء و يثبت و عنده ام الكتاب

حق تعالیٰ کے علم ازلی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی قضاء وقدر کے تحتانی مراتب میں تبدیلی بھی ہوجاتی ہے

(۹۴۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَسَقَطَ عَنْ ظَهْرِهٖ كُلُّ نَسَمَةٍ

(۹۴۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کرلیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان کی نسل سے جتنی اولاد اس کو تا قیامت پیدا کرنی تھی

لله ..... ہوتا تو اس میں دست اندازی نہیں کرتی۔ اسی ضابطہ کے مطابق نظر لگنے کا معاملہ بھی ہے اہل تجربہ کے نزدیک جو کلمات یا جو طریقے اس بارے میں مفید ثابت ہو چکے ہیں اگر وہ کلمات شرکیہ پر مشتمل نہ ہوں تو یہ صرف ایک علاج کے طور پر ہوں گے اس لیے شریعت ان سے ممانعت بھی نہیں فرماتی اور نہ ان کے استعمال کی رغبت دلاتی ہے۔ نظر اور سانپ بچھو کا کاٹا یہ سب ایسی موذی چیزیں ہوتی ہیں کہ اس میں مریض طبیب کا انتظار بھی نہیں کرسکتا اور ان میں تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر جھاڑ پھونک فوری فائدہ بخش ہو جاتی ہیں کہ اس میں مریض طبیب کا انتظار بھی نہیں کرسکتا اور ان میں تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر جھاڑ پھونک فوری فائدہ بخش ہو جاتے ہیں اس لیے ایسے مواقع پر جھاڑ پھونک سے آپ نے روکا بھی نہیں اور اجازت دے دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ چونکہ نظر کی تاثیر اتنی قوی ہوتی ہے کہ اگر تقدیر بھی کسی چیز سے بدل سکتی تو نظر سے بدل جاتی۔ اس لیے اس بارے میں اپنے تجربوں پر عمل کر سکتے ہو بشرطیکہ وہ ممنوعات شرعیہ سے خالی ہوں۔

(۹۴۰) ٭ فقر جب حد سے تجاوز کر جائے تو اس کا نتیجہ کبھی کفر کی صورت میں بھی نکل آتا ہے۔ دوسری چیز جو انتہاء درجہ خطرناک ہے وہ حسد ہے اسی لیے سورۂ فلق میں حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی گئی ہے اس کی تاثیر کو اس انداز میں ادا کیا گیا ہے کہ جو چیز کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتی وہ تقدیر ہے کہ سب اس کے زیر اثر ہیں اور وہ کسی کے زیر اثر نہیں اور حقیقت ہے بھی یہی کہ جو علم الٰہی ہے وہ کسی کے زیر اثر ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز تقدیری فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکتی تو وہ حسد ہوتا۔ سلسلہ اسباب ومسببات میں انسانی عزائم کو بڑا دخل ہی حاسد کا نفس جب ہمہ وقت پوری عزیمت کے ساتھ کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو یہاں بھی ایسے ایسے شگوفے کھلنے لگتے ہیں جس سے شبہ ہونے لگتا ہے کہ شاید تقدیر ہی بدل دی گئی ہے۔

(۹۴۱) ٭ تقدیر کی کتابت کے پانچ نمبروں میں سے یہ وہی دوسرا نمبر ہے جس کو ابھی آپ حدیث کی شرح میں بحوالہ حضرت شاہ ولی اللہ پڑھ چکے ہیں۔ اس سے پہلا مرتبہ علم الٰہی کا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اس مرتبہ کے لحاظ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال ہی کی تھی مگر اس حساب سے ۶۰ + ۴۰ = ۱۰۰۔ یعنی حق تعالیٰ جس کو عالم کا ذرہ ذرہ روشن ہے یہ جانتا تھا کہ آئندہ واقعہ اس طرح پیش لله .....

www.besturdubooks.net

هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ جَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَ بِيْصًا مِنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى اٰدَمَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَاٰى رَجُلًا مِّنْهُمْ فَاَعْجَبَهٗ وَ بِيْصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ قَالَ اَىْ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَىْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهٗ قَالَ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِىْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ اٰدَمَ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ جَاءَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ اٰدَمُ اَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِىْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِ ابْنَكَ دَاوٗدَ فَجَحَدَ اٰدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَ

وہ سب ظاہر ہو گئی ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک چمکتا چمکتا نور پیدا فرمایا اور اس کے بعد ان سب کو آدم علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی پروردگار یہ لوگ کون ہیں؟ ارشاد ہوا یہ تمہاری ہی اولاد ہے۔ آدم علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو ایک شخص کی آنکھوں کے درمیان چمکتا ہوا نور ان کو بہت پیارا معلوم ہوا۔ عرض کی پروردگار یہ کون ہیں ارشاد ہوا داؤد (نبی اللہ علیہ السلام) عرض کی پروردگار تو نے ان کی کتنی عمر مقرر فرمائی ہے؟ ارشاد ہوا ساٹھ سال۔ عرض کی پروردگار ان کی عمر میں تو میری عمر میں سے چالیس سال اور بڑھا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی اور صرف چالیس سال باقی رہ گئے تو ملک الموت قبض روح کے لیے ان کے پاس آ گئے۔ آدم علیہ السلام نے کہا ابھی تو میری عمر میں چالیس سال باقی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کیا آپ وہ اپنے فرزند داؤد کو بخش نہیں چکے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ (باپ کے خصائل

ﷺ ..... آئے گا ان کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ ہوگا اور مجموعہ سو ہو جائے گی۔ پس اگر اس تفصیل کو دیکھو تو یوں کہہ دو کہ چالیس سال کا اضافہ ہوا اور اگر نظر ذرا اس سے اور اوپر کر کے دیکھو تو حق تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے آخری بات یہی تھی کہ ان کی عمر سو سال ہو گی' اس لیے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ دوسرے مرتبہ کے اس ذرا سے ایر پھیر سے حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی میں اتنا نمایاں اثر پیدا ہو گیا کہ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی اتنی بڑی تعداد میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد خلیفہ کا لقب صرف ان ہی کو دیا ہے۔ ﴿يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ﴾ ان کے علاوہ جتنے اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ظاہر ہے کہ سب انبیاءؑ خلیفۃ اللہ ہی تھے مگر چونکہ اصل خلیفۃ اللہ کی عمر کے چالیس سال صرف داؤد علیہ السلام ہی کو ملے تھے اس لیے تقدیر کی اس حقیقت کا اثر قرآنی الفاظ میں بھی اتنا سا نمایاں ہونا ضروری ہوا عالم غیب حقیقت ہی حقیقت کا عالم ہے وہاں جو بھی ہوتا ہے اس عالم میں اس کا اثر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ رہا اس جگہ یہ سوال کرنا کہ کیا کہ اور نبی کی پیشانی کا نور اتنا پیارا نہ تھا یہ محض بے علمی کا سوال ہے۔ عالم غیب کی ساری تفصیل نہ ہم کو بتائی گئی ہے نہ اس کی ضرورت تھی۔ اس حدیث میں تمام انبیاء کی خصوصیات بیان کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا گیا۔ قضاء وقدر کا یہ ایک واقعہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے معرض بیان میں آ گیا ہے۔ جو عالم ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور قصداً پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اس کی کچھ کچھ جزئیات اس لیے بھی ذکر کر دی جاتی ہیں کہ اس عالم کو اس عالم کی باتیں سن سن کر یہ تنبہ ہوتا رہے کہ اس عالم کے سواء کوئی اور دوسرا عالم بھی ہے اور اس طرح اس پر ایمان لانے میں مدد مل سکے۔

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔ ترجمان السنہ جلد ثانی میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب موت کا ﷺ .....

www.besturdubooks.net

نَسِیَ اٰدَمُ فَاَکَلَ مِنَ الشَّجَرَۃِ فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُہٗ وَ خَطَأَ اٰدَمُ وَ خَطَأَتْ ذُرِّیَّتُہٗ.

(رواہ ترمذی)

اولاد میں ظاہر ہوا کرتے ہیں) اس لیے ان کی اولاد میں بھی کہہ کر مکر جانے کی عادت ظاہر ہوئی وہ بھولے تھے اور شجرۂ ممنوعہ کھالیا تھا اور خطاء کی تھی اس لیے اولاد میں بھی بھولنے اور خطاء کاری کی سرشت باقی رہی- (ترمذی)

(۹۴۲) عَنْ اِبْنِ شِھَابٍ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ وَ ابْنُ حَزْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَضَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰی خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً فَرَجَعْتُ بِذٰلِکَ حَتّٰی

(۹۴۲) ابن شہاب انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن حزم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں جب میں ان کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا آپ (صلی

لے ..... فرشتہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو اس پر غصہ آ گیا اور انہوں نے اس کے تھپڑ مارا آخر میں بات یہاں پہنچی کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ بیل کی کمر پر ہاتھ رکھ دو جتنے بال تمہارے ہاتھ کے نیچے آ جائیں اتنے سال تمہاری عمر- یہاں عمر کی زیادتی کا سوال ہی نہیں ہے کیونکہ جہاں یہ اختیار دیا گیا تھا اسی کے ساتھ ان کے اختیار کو اس طرف لگا دیا گیا تھا کہ وہ موت ہی کو اختیار فرمالیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس صورت سے نبی اولوالعزم کا اکرام بھی پورا ہو گیا اور جو تقدیر الٰہی تھی وہ بھی پوری ہوگئی-

تنبیہ: مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے یہ لازم کر دیا گیا کہ آئندہ ملک الموت جس کی روح بھی قبض کرنے جائیں اپنی اصل صورت میں جائیں- اس سے یہ بات بھی حل ہو گئی کہ فرشتے پر اس رسول اولوالعزم کو غصہ آیا کیوں تھا یعنی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وہ بشری صورت پر حاضر ہو گئے تھے-

(۹۴۲) ✽ یہ حدیث بہت مجمل ہے تفصیلی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہر بار پانچ پانچ نمازوں کی معافی ہوتی رہی ہے اور جب پانچ ہی رہ گئی تھیں تو چلتے وقت کچھ ایسے کلمات ارشاد ہو گئے تھے جن سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اب اس سے زیادہ تخفیف کی گنجائش نہیں رہی اس نکتہ کے سمجھ جانے کے بعد گو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپؐ سے واپس جانے کا اصرار بھی فرمایا اور یوں بھی امت کے حق میں تخفیف کے لیے آپؐ کے قلب مبارک میں نہ معلوم کتنے ارمان ہوں گے لیکن شانِ عبدیت حکم کے سامنے جھک گئی اور جو اتنی بار آمد و رفت سے نہ تھکے تھے وہ اس مرتبہ جانے میں شرم محسوس فرمانے لگے- سبحان اللہ! شانِ معبودیت بھی کیسی بلند ہے اور اس کے بالمقابل شانِ عبدیت بھی کتنی کامل ہے- ادھر جب آخری فیصلہ فرما دیتے ہیں تو پھر کوئی نہیں جو اس میں ذرا سی ترمیم بھی کرا سکے اور ادھر شانِ عبدیت کا کیا کمال ہے کہ جب آخری حکم ہونے کا احساس بھی ہو جاتا ہے تو پھر ترمیم کی درخواست پیش کرنے کے لیے قدم ہی نہیں اٹھتے اس لیے ایک طویل حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ جب ان کو جیل خانے سے نکلنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے تو یہ فرما دیا تھا کہ پہلے جا کر ان عورتوں کے حال کی تحقیق کرو جنہوں نے مجھے متہم کیا تھا- لیکن اگر یہی واقعہ مجھ کو پیش آتا تو میں تو فوراً اس بلانے والے کے ساتھ ساتھ ہو لیتا- علماء نے لکھا ہے کہ اس میں بھی آپؐ کی کمالِ عبدیت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک مشیت الٰہیہ جیل میں رکھتی جیل میں رہتا اور جب باہر نکالتی تو باہر نکل آتا- نہ عذر اس میں ہوتا نہ تاخیر اس میں ہوتی-

عالم تقدیر میں ایک ترمیم و تبدیل کی شکل تو وہ تھی جو آپ نے ابھی پہلی حدیث میں پڑھی تھی یعنی ساٹھ سال کی عمر میں چالیس سال کا اور اضافہ ہو گیا دوسری شکل یہ ہے کہ پچاس میں ترمیم ہو کر پانچ رہ گئیں مگر اس کے باوجود ایک لحاظ سے وہ پچاس ہی رہیں- غور لے .....

www.besturdubooks.net

مر بموسى عليه السلام قال ما فرض ربك على امتك قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال موسى فراجع ربك عزوجل فان امتك لاتطيق ذلك فراجعت ربى عزوجل فوضع شطرها فرجعت الى موسى فاخبرته فقال راجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك فراجعت ربى عزوجل فقال هى خمس و هى خمسون لايبدل القول لدى فرجعت الى موسى فقال راجع ربك فقال انى استحييت من ربى عزوجل وفى لفظ انى يوم خلقت السموات و الارض فرضت عليك و على امتك خمسين صلوة.

(رواه النسائي و الحديث اخرجه الشيخان وغيرهما)

اللہ علیہ وسلم) کے پروردگار نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں- میں نے کہا پچاس- انہوں نے فرمایا جائیے پھر جا کر کچھ تخفیف کی درخواست کیجئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں ان کی ادائیگی کی سکت نہیں ہے- میں واپس ہوا اور پروردگار کی خدمت میں عرض معروض کی اس نے ایک حصہ معاف فرمادیا- میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور سرگزشت بیان کی- انہوں نے کہا میں کہتا ہوں کہ پھر جائیے ابھی اور تخفیف کرائیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں اس کی بھی طاقت نہیں ہے- میں پھر گیا اور پروردگار سے درخواست کی ارشاد ہوا دیکھو اب یہ پانچ ہیں مگر ہمارے یہاں وہی پچاس کی پچاس شمار ہوں گی' ہمارے یہاں جو بات ایک بار طے ہو جاتی ہے پھر وہ بدلا نہیں کرتی- میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر واپس جا کر مزید تخفیف کے لیے فرمایا- میں نے کہا اب تو مجھے بار بار جانے میں شرم آتی ہے-

(نسائی شریف- صحیحین وغیرہ)

لله ..... کیجئے تو پہلی جگہ بھی علم الٰہی میں کوئی ترمیم نہیں اس کو معلوم تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال ہوگی مگر ہوگی اس طرح کہ اس میں چالیس سال کے اضافہ کی حضرت آدم علیہ السلام درخواست فرمائیں گے اور وہ ہم منظور کریں گے یہاں یہ صورت ہوئی کہ پچاس کو پانچ تو کیا گیا مگر ایک دوسرے ضابطہ کے تحت پھر ان پانچ کو پچاس بنا دیا گیا وہ یہ کہ اس کی ایک نیکی کا ثواب دس گناہ لکھا جائے' اس لحاظ سے جو دنیا میں پانچ ہوں گی وہ آخرت کے دفتر میں پھر پچاس رہیں گے- اگر پہلی امتوں کے ضابطہ کے مطابق حساب رکھا جاتا تو ایک نیکی پر ایک ہی کا ثواب ملتا اس لیے یا تو تخفیف ہی نہ کہہ جاتی اور یا پھر پچاس کی کو پانچ ہی کر دیا جاتا' مگر چونکہ ادھر طے شدہ قدر کی ترمیم منظور نہ اُدھر خالی ہاتھ آپ کو واپس کر دینا گوارا نہیں اس لیے طے یہ پایا کہ ایک دوسرے ضابطہ کے ماتحت یہ دونوں باتیں قائم رکھی جائیں- مگر اسی کے ساتھ یہ اظہار بھی کر دیا جائے کہ تقدیر کے فیصلے ٹلا نہیں کرتے- یہ جو کچھ بھی ہوا ہے آپ کی خاطر داری اور اکرام میں ہوا ہے اور اسی لیے صرف پہلی بار مراجعت پر آخری فیصلے کا اعلان نہیں کیا گیا کہ آپ کی بار بار آمد ہو اور درخواست ہو اور ہر بار اس کو منظور کر کے آپ کے اکرام میں اور اضافہ فرمایا جائے مگر آخر میں ہر فیصلے پر قضاء وقدر کی حاکمیت کا اعلان بھی کر دیا جائے-

یہاں ایک اور واقعہ بھی مطالعہ کر لینا مفید ہوگا- ترجمان السنہ جلد دوم ص ۳۷۹ میں حدیث نمبر ۸۱۵ ملاحظہ کیجئے اس میں ثوبانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعاء کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ آپ نے پروردگار عالم سے اپنی امت کے حق میں یہ دعاء فرمائی تھی پروردگار میری امت پر ایسا عام قحط نازل نہ فرمانا جو ان سب کی ہلاکت کا باعث بن جائے- اور ایک یہ کہ غیروں کو ان پر مسلط نہ کیجیو ورنہ لله .....

www.besturdubooks.net

(۹۴۳) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَ لَا يَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهُ. (رواہ ابن ماجہ)

(۹۴۳) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر کو کوئی چیز پلٹ نہیں سکتی مگر صرف دعاء اور مقررہ عمر میں کوئی شئے زیادتی نہیں کر سکتی مگر نیکی اور یقیناً آدمی گناہوں کی شامت سے کبھی رزق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

لله ..... وہ ان کی جڑ نکال کر پھینک دیں گے۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی یہ دونوں دعائیں تو منظور کر لیں انی اذا قصیت قضاء فانه لا یرد. لیکن جو فیصلہ ہم ایک بار کر دیتے ہیں پھر وہ بدلا نہیں کرتا۔

دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک دعاء یہ بھی فرمائی تھی کہ ان کو باہمی اختلاف اور آپس کی جنگ کے عذاب میں بھی گرفتار نہ کرنا' مگر یہ نامنظور ہوئی اور خدائی فیصلہ اپنی جگہ برقرار رہا۔ عالم غیب میں ایک چیز کو پہلے مبہم رکھنا پھر رفتہ رفتہ اس کی تفصیل کرنا بھی ایک طریقہ رکھا گیا ہے۔ اسی باب میں اس کی چند مثالیں آپ کی نظروں سے گزر چکی ہیں۔

(۹۴۳) ✽ اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر آیا ہے تقدیر' عمر اور رزق اسی کے اجزاء ہیں۔ ان تین کے بالمقابل آپ نے یہاں تین چیزیں اور بیان فرمائی ہیں جن کی تاثیر سے آج تک دنیا ناواقف تھی یعنی دعاء' نیکی اور گناہ۔ ان میں سے دعاء کی برکت سے کبھی نوشتہ تقدیر بھی ٹل جاتا ہے اور نیکی کی بدولت کبھی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بھی مقرر شدہ ہے اور گناہوں کی شامت سے وہ رزق بھی جو مقرر شدہ ہے کبھی منقطع ہو جاتا ہے پھر یہ سب کچھ احاطہ تقدیر میں شامل ہوتا ہے۔ یعنی کوئی دعاء کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرمادے گا' نیکی کرے گا تو اتنی عمر دے دی جائے گی اور فلاں گناہ کے باعث رزق گھٹ جائے گا اور یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دعاء کرے گا یا نہیں نیکی کی توفیق ملے گی یا نہیں اور اسی طرح گناہ کا صدور ہوگا یا نہیں۔ پس اگر تقدیر کے پہلے نمبر کی طرف نظر کی جائے جس میں رد بلاء دعاء کے ساتھ اور عمر کا اضافہ نیکی کے ساتھ اور رزق کا انقطاع گناہ کے ساتھ معلق ہوتا ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مقدرات بھی قابل تبدیل ہوتے ہیں اور جب اس سے اوپر نظر کی جائے جہاں تعلیقات کچھ نہیں صرف احکام ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقدرات میں جو ترمیمات ہیں وہ سب تحتانی مراتب میں ہیں حقیقت میں کوئی ترمیم نہیں۔

اس جگہ مکتوبات امام ربانی کا مطالعہ کرنا ضروری ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''حضرت قبلہ گاہی ام قدس سرہ میفرمودند کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ دربعضے رسائل نوشتہ اند کہ درقضاء مبرم ہیچ کس رامجال نیست کہ تبدیل کند مگر مرا کہ اگر خواہم آنجا ہم تصرف کنم'' پھر اس مقولہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ''قضاء معلق بردو گونہ است قضائے است کہ تعلیق اور ادرلوح محفوظ ظاہر ساختہ اند وملائکہ رابراں اطلاع دادہ وقضائے کہ تعلیق اونزد خدا است جل شانہ وبس درلوح محفوظ صورت قضاء مبرم دارد وایں قسم اخیر از قضائے معلق نیز احتمال تبدیل دارد در رنگ قسم اول وبقضاء کہ بہ حقیقت مبرم است تصرف وتبدیل دراں محال است عقلاً وشرعاً۔ مکتوبات شریفہ نمبر ۲۱۷ ص ۲۲۲ بنام ملا طاہر بدخشی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی کے لحاظ سے تو تقدیر کے سب ہی فیصلے مبرم اور اٹل ہوتے ہیں لیکن جہاں اس عالم اسباب کا نقشہ کھینچ کر رکھا گیا ہے وہاں کچھ دور تک اسباب ومسببات کا الجھاؤ دکھانا بھی مناسب معلوم ہوا ہے۔ جس طرح اس عالم میں اسباب ومسببات میں فعل و انفعال ظاہر ہے۔ اسی طرح عالم غیب میں بھی اسباب ومسببات کا جو سلسلہ دکھایا گیا ہے اس میں بھی تاثیر اور ثمرات موجود ہے اب جہاں تقریر کے احکامات کے استحکام پر زور دینا منظور ہوتا ہے وہاں پیش نظر اس کا وہ مرتبہ ہوتا ہے جس میں نہ کوئی تعلیق ہے نہ ترمیم اور جہاں لله .....

www.besturdubooks.net

مساعی الناس الیوم هی من عوامل القدر المکنونه

دنیا میں لوگوں کی جو کچھ بھی جدوجہد نظر آ رہی ہے درحقیقت یہ تقدیر ہی کی خفیہ کارفرمائیاں ہیں

(۹۴۴) عَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَ دَوَاءً نَتَدَاوَیٰ بِهٖ وَ تُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ.

(رواه احمد و الترمذی و ابن ماجه)

(۹۴۴) ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ فرمائیے یہ جومنتر ہم لوگ پڑھتے ہیں یا دواء کا استعمال کرتے ہیں یا ہتھیاروں سے جنگ میں اپنا بچاؤ کرتے ہیں کیا یہ چیزیں تقدیر کو بدل دیتی ہیں؟ فرمایا نہیں یہ چیزیں خود تقدیر کے اندر لکھی ہوئی موجود ہوتی ہیں۔ (اور یہ ظاہری جدوجہد اسی کی کارفرمائی ہوتی ہے)۔ (احمد ترمذی ابن ماجہ)

(۹۴۵) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ مِنْ مُزَیْنَةَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ مَا یَعْمَلُ النَّاسُ الْیَوْمَ وَ یَکْدَحُوْنَ فِیْهِ اَشَیْءٌ قُضِیَ عَلَیْهِمْ وَ مَضٰی فِیْهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ اَوْ فِیْمَا یُسْتَقْبَلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ نَبِیُّهُمْ وَ ثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَیْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَیْءٌ قُضِیَ عَلَیْهِمْ

(۹۴۵) عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ مزینہ کے دو شخصوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ فرمائیے آج دنیا اپنے اعمال میں جو کچھ بھی جدوجہد کر رہی ہے کیا یہ سب کچھ ان کی تقدیر میں پہلے سے طے شدہ تھا یا جب انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر خدائی حجت ان پر پوری کر دیتے ہیں تو اس کے بعد لوگ اپنے اعمال کا سلسلہ کسی تقدیر کے بغیر خود شروع کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یوں نہیں ہے بلکہ ان کی تمام جدوجہد

لـ..... کسی عمل کے اچھے یا برے ہونے پر زور دینا مقصود ہوتا ہے وہاں تقدیر کا وہ درجہ لے لیا جاتا ہے جس میں احکامات اپنے اسباب کے ساتھ معلق ہوتے ہیں۔ حدیث مذکور میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو تین باتیں ناقابل ترمیم ہیں جن میں سے عمر اور رزق کی فکر ہر انسان کے سر پر سوار رہتی ہے عالم غیب میں اگر ان میں ترمیم کا کوئی سبب نظر آتا ہے تو صرف وہ یہ تین ہی اعمال ہیں دعا، نیکی یا نقصان رزق کے لیے معصیت۔

(۹۴۴) * حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضاء وقدر اسباب کی سببیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسباب خود قضاء وقدر کے اندر داخل ہوتے ہیں (حجۃ اللہ ص ۶۷) صحابہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ جب اسباب تقدیر کو بدل نہیں سکتے تو ان کا ارتکاب کرنا ہی لاحاصل ہے آپ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ ارتکاب کرنا بھی تقدیری احاطہ میں داخل ہے لہٰذا اس کے ارتکاب کرنے نہ کرنے کا سوال ہی بے محل ہے اب چاہے تو یوں سمجھ لو کہ جو مقدر ہو چکا ہے ہم کرتے وہی اسباب ہیں اور چاہے یوں کہہ دو کہ جو اسباب بھی ہم اس عالم میں کرتے ہیں یہ سب اسی خفیہ تقدیر کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں نتیجہ دونوں باتوں کا ایک ہی نکلتا ہے۔

(۹۴۵) * اس حدیث کے بعض الفاظ میں کچھ لفظی تشویش ہے بعض الفاظ مراد میں واضح ہیں ہم نے یہاں ان کو بھی نقل کر دیا ہے اس لیے ان الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے تاکہ مطلب سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہاں بھی آپ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ اس عالم میں جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ سب عالم تقدیر کی کارفرمائیاں ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آیۃ ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا﴾ میں الہام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نفس میں تقویٰ و فجور کی صورت پیدا فرما دیتا ہے جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شکم مادر ہی میں شقاوت لکھ دی جاتی ہے اس کا لـ.....

www.besturdubooks.net

وَ مَضٰی فِیْهِمْ وَ تَصْدِیْقُ ذٰلِکَ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا. (رواہ مسلم)

طے شدہ تقدیر کے تحت ہوتی ہے چنانچہ اس کی شہادت خود قرآن شریف میں بھی موجود ہے۔ ارشاد ہے "وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا" یعنی اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست کیا پھر اس کو بدکاری اور نیکوکاری دونوں کا الہام فرمایا' یعنی دونوں کی صورت پیدا فرمادی۔

(قلت و قد اخرجه السيوطي في الدر المنثور في تفسير سورة و الشمس و فيه "في قدر سبق" مكان "من قدر سبق" و "ما اتاهم به نبيهم" الخ و "و اتخذت عليهم به الحجة" مكان "ثبتت عليهم الحجة" و فيه زيادة و هي "قال فيم يعملون اذًا قال من كان الله خلقه لواحدة المنزلتين هيأه لعملها و تصديق ذلك" الخ ج ٦ ص ٣٥٢ و اخرجه في سورة و الليل عن جابر و فيه اسم السائل ايض و لفظه ان سراقة بن مالك قال يا رسول الله أفي اى شيء نعمل أفي شيء ثبتت فيه المقاد ير و جرت فيه الاقلام ام في شيء نستقبل فيه العمل قال بل في شيء ثبتت فيه المقادير و جرت فيه الاقلام ج ٦ ص ٣٥٩ و اخرج نحوه ابن ماجة عن سراقة بن جعشم و هو مالك بن جعشم قال قلت يا رسول الله العمل فيما جف به القلم و جرت به المقادير ام امر مستقبل قال فيما جف به القلم و جرت به المقادير و كل ميسر لما خلق له و في الزوائد في اسناده فقال فان مجاهد الم يسمع من سراقة فنزم الانقطاع و عطاء مختلف فيه انتهى قال السندى و المتن قد ذكره ابوداؤد و من رواية ابن عمر. و عند مسلم عن جابر قال جاء سراقة بن مالك بن جعشم قال يا رسول الله بين لنا ديننا (اى ما نعتقد من حال اعمالنا) كانا خلقنا الآن (اى نهم غيرعا ملين بتلك المسئلة) فيما العمل اليوم ايما جفت به الاقلام و جرت به المقادير ام فيما نستقبل' الخ)

الحوادث الكونية مع اسبابها كائنة تحت القدر

دنیا کے واقعات کے ساتھ اُن کے اسباب بھی قضاء وقدر کے تحت ہی ہوتے ہیں

(۹۴۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُرِیْتُکِ قَبْلَ اَنْ اَتَزَوَّجَکِ مَرَّتَیْنِ رَاَیْتُ الْمَلَکَ یَحْمِلُکِ

(۹۴۶) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شادی سے قبل مجھے تم کو دو مرتبہ خواب میں دکھایا گیا تھا۔ میں نے کیا دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے جو ایک ریشمین کپڑے میں تم کو لیے ہوئے ہے' میں

ﷺ ..... خلاصہ بھی یہی ہے۔ الہام اصل میں اس صورتِ علمیہ کو کہتے ہیں جس کی بناء پر کسی کو عالم کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ صورتِ اجمالیہ جو آثار کے لیے مبدء ومنشاء ہو الہام کے نام سے موسوم ہو جاتی ہے' خواہ اس کی بناء پر عالم کا اطلاق نہ کیا جاتا ہو۔ اس جگہ الہام کے یہی معنی مراد ہیں۔ (حجۃ اللہ ص ۱۶۹)

شرح عقیدۃ الطحاویہ میں اس جگہ ایک اور لطیف بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ لفظ اَلْهَمَهَا (جس کا ترجمہ ہے اسی نے نفس کو الہام کیا اور سکھایا) قدر کی طرف اشارہ ہے اور فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا میں فجور اور تقویٰ کے نفس کی اضافت سے اس کے اختیار کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بندہ کا بھی کوئی فعل ضرور ہوتا ہے' جس کی بناء پر اس کا نفس فاجرہ یا متقیہ بن جاتا ہے' اسی طرح آئندہ آیت میں زَکّٰهَا اور دَسّٰهَا میں تزکیہ اور تدسیس کی انسان کی طرف نسبت بھی دلالت کرتی ہے کہ یہاں عبد کا بھی کچھ فعل ہوتا ہے۔ گویا تقدیر کے جبر اور بندہ کے فاعل بالاختیار ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ دیکھو ص ۱۳۶۸ اس کے اختیار کے ساتھ ساتھ تقدیر کا جبر بھی لگا جا رہا ہے۔

(۹۴۶) ✱ انبیا علیہم السلام کی شخصیت بھی کتنی پاکیزہ اور بلند ہوتی ہے کہ بیداری کی حالت ہو یا خواب کی امور تشریعیہ ہوں یا ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فِيْ سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ فَقُلْتُ لَهُ اكْشِفْ فَإِذَا كَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَقُلْتُ أَنْ يَكُ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ. (رواه البخاری في التعبير)

نے اس کہا ذرا پردہ ہٹانا اس نے پردہ ہٹایا' دیکھتا کیا ہوں کہ وہ تم ہو میں نے اپنے دل میں کہا اگر اللہ تعالیٰ نے اس خواب کو اپنی اسی ظاہری شکل پر پورا کرنا مقدر فرمادیا ہے تو وہ پورا کر کے رہے گا- (بخاری شریف)

(٩٤٧) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ صَيَّادٍ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيْأً قَالَ الدُّخُ قَالَ اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِيْ فَاضْرِبْ عُنُقَهٗ

(٩٤٧) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے امتحاناً فرمایا میں نے تیرے امتحان کرنے کے لیے ایک بات دل میں چھپائی ہے بتا وہ کیا ہے اس نے کہا کہ وہ دُخ کا کلمہ ہے- آپؐ نے فرمایا جا تو اپنی مقدر اوقات سے تجاوز نہیں کرسکتا اس پر عمرؓ نے فرمایا اجازت

ﷺ ..... تکوینیہ ان کے ذاتی معاملات ہوں یا دوسروں کے کسی وقت بھی ان کا تعلق ملاء اعلیٰ سے علیحدہ نہیں ہوتا' اس لیے ان کی خواب کو بھی وحی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے' اب ذرا دیکھئے یہ کیا چھوٹا سا معاملہ تھا بات بھی خواب کی تھی اور وہ بھی ایک ذاتی معاملہ میں جس کا کوئی ظاہری سامان بھی نہ تھا مگر یہاں بھی نبی کی ذات اس پر اسی طرح یقین رکھتی ہے جس طرح کہ اپنی بیداری کی وحی پر- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اتنی بھی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ بیداری کے بعد اس ظاہری حلیہ کا کوئی سراغ ہی لگاتے بلکہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ کر اس کو تقدیر کے حوالہ کر دیتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ نے اس خواب کا اسی ظاہری شکل پر پورا ہونا مقدر فرمادیا ہے تو وہ پورا ہو کر رہے گا اور اس کے اسباب بھی ہو کر رہیں گے-

(٩٤٧) * تقدیر کا قطعی فیصلہ اگر کہیں کسی کے لیے ٹل سکتا تو آج عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر مایوس نہ کر دیا جاتا کہ تم اس بچہ کو قتل کر ہی نہیں سکتے- دیکھیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانا اور تشریف لا کر دجال کو قتل کرنا تقدیر کے ان حتمی فیصلوں میں داخل ہو چکا ہے جو ٹل ہیں یہاں فاروق اعظمؓ جیسے کی قوت آزمائی بھی بیکار ہے- یہ قدرت کے راز ہیں اگر آج وہ کسی قید و شرط کا اظہار فرما کر اپنے اس فیصلہ کو ٹال دیتی تو آج ہی امت محمدیہ ان تمام ہولناک مصائب سے نجات پا لیتی جن کے تصور سے بھی رونگٹا کھڑا ہوتا ہے مگر ذات بے نیاز کو اس کی پرواہ نہیں ہے اس نے شیطان کی درخواست منظور کر لی اور قیامت تک کے لیے اس کو طویل حیات بخش دی- تقدیر کے فیصلے اسی طرح ٹلا نہیں کرتے اور اگر کہیں ٹل سکتے تو ایک بار ایسا نازک موقعہ بھی آچکا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ عالی مقام کی روح قبض ہو رہی تھی اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بندھی ہوئی تھیں مگر یہاں بھی یہ سب کچھ گوارا کر لیا گیا مگر ختم نبوۃ کے فیصلہ پر نظر ثانی نہیں کی گئی آخر آپؐ کے فرزند گرامی کی وفات ہو گئی- اگر اس فیصلہ میں بھی کوئی قید یا کوئی شرط مستور ہوتی تو آج سے زیادہ اس کے لیے کوئی دوسرا موقعہ نہ تھا- یہاں یہ بات کتنی قابل غور ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد عمرؓ کے قلب میں اب یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ لاؤ ذرا آزمائش تو کر کے دیکھوں کہ مجھ میں اس کے قتل کی طاقت ہے بھی یا نہیں بلکہ وہ ہاتھ جو ابھی ابھی شمشیر کے قبضہ پر اس طرح رکھا ہوا تھا کہ اب اجازت ملے تو فوراً شمشیر بے نیام کر لے' وہی ہاتھ اس حکم کے سننے کے بعد اس طرح مفلوج بن چکا تھا گویا کہ اس میں اس آزمائش کے لیے کوئی حس و حرکت ہی نہ تھی- جب تک قضاء و قدر پر یہ ایمان نصیب نہ ہو اس وقت تک مؤمن بھی کیا مؤمن ہے خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر میں جس طرح دجال کا قتل مقدر ہو چکا ہے اس کا قاتل بھی مقدر ہو چکا ہے- اس لیے یہ ناممکن ہے کہ قتل تو ہو جائے مگر ہو کسی اور سبب سے- نہیں وہ ضرور ہوگا اور اسی اپنے سبب کے ذریعہ ہوگا جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے- پھر جب دونوں ﷺ .....

www.besturdubooks.net

قَالَ دَعْهُ اَنْ یَکُنْ هُوَ فَلَا تُطِیْقُهُ وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ هُوَ فَلَا خَیْرَ لَکَ فِیْ قَتْلِهٖ.

(رواہ البخاری فی ابواب القدر)

دیجئے تو میں ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا جانے دو کیونکہ اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو تم چاہو بھی جب بھی اس کو قتل نہیں کر سکتے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر اس نابالغ بچہ کے قتل سے کیا فائدہ۔ (بخاری شریف)

(۹۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْاَلِ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَ لْتَنْكِحْ فَاِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا.

(رواہ البخاری ص ۷۷٤ و ابوداؤد وغیرھما)

(۹۴۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو یہ نہ چاہیے کہ وہ دوسری عورت کی طلاق کا اس نیت سے مطالبہ کرے کہ جو اس کے نصیب کا لکھا ہے وہ بھی سب یہی حاصل کر لے‘ اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ جو اس کے نصیب کا ہوگا وہ اسی کو ملے گا۔ (دوسری کو نہیں مل سکتا) (بخاری شریف۔ ابوداؤد شریف وغیرہما)

(۹۴۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ جَارِیَةً هِیَ خَادِمَتُنَا وَ اَنَا اَطُوْفُ عَلَیْهَا وَ اَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ

(۹۴۹) جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری ایک باندی ہے جو میرے کام کاج کرتی ہے اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اس لیے مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ حاملہ ہو جائے (کیا میں عزل کر سکتا ہوں؟) آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو

لے..... باتیں قضاء وقدر کے تحت داخل ہو چکی ہیں تو یہ سوال کیسے ہو سکتا ہے کہ جب تقدیر کے فیصلے اٹل ہیں تو ہمارے مساعی کی ضرورت کیا؟ جی ہاں ان مساعی کا کرنا بھی آپؐ کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ان فیصلوں کا منصۂ شہود پر آنا لہٰذا آپ کا سوال ہی مہمل ہے آپ ایسے فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال فرما رہے ہیں جس کی ایک جانب پہلے سے آپ کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے۔ اس لیے اگر آپ بضد آ کر سعی نہ کریں تو یقین رکھیے کہ یہی جانب آپ کے مقدر میں تھی‘ لیکن چونکہ اس فعل کو اپنے اختیار ہی سے کیا ہے اس لیے جو جبر آپ کے اختیار پر مسلط تھا (یعنی آپ کے اختیار ہی کو اس طرف لگا دینا) وہ آپ کو محسوس نہیں ہوتا۔ ابن صیاد کون تھا‘ اس کے متعلق بحث ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں کی جائے گی۔

(۹۴۸) ✽ انسانی پست ہمتی اور خست کی یہ ایک بدترین مثال ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو پہلے وہ اس سے یہ شرط لگائے کہ جو عورت اس کے نکاح میں موجود ہے اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو یہ اس سے نکاح کر سکتی ہے اور یہ بھی ہو صرف اس لالچ میں کہ اس صورت میں وہ شوہر کے پورے مال پر قابض رہے گی حتیٰ کہ جو اس وقت اس کی اسلامی بہن کا حصہ ہے وہ بھی اسی کے پاس آ جائے گا۔ اسلام اپنے نفع کی خاطر دوسرے کو نقصان رسانی کی اس بدتر صورت کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کٹھن سبق کو یہ کہہ کر آسان کر دیتا ہے کہ سرے سے لالچ کا یہ تخیل ہی غلط ہے کیونکہ کسی کے مقدر کا رزق دوسرے کو مل جائے یہ ممکن ہی نہیں تو پھر مفت میں اس دنائت اور خست کے اظہار کی ضرورت۔ اب آپ نے دیکھا کہ تقدیر کا مسئلہ کتنی مشکلات کا حل ہے حیات وموت کا کوئی گوشہ جب انسان کے لیے لاینحل بن رہا ہو تو تقدیر کا سبق بڑی آسانی سے اس کو حل کر دیتا ہے۔

(۹۴۹) ✽ عزل لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ جب مرد انزال کے قریب پہنچے تو اپنے عضو کو باہر نکال کر باہر انزال کر دے تاکہ لے.....

www.besturdubooks.net

فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا.

(رواہ مسلم)

عزل کرلو مگر اس کے مقدر میں جو بچہ لکھا جا چکا ہے وہ اسے جن کر رہے گی۔ کچھ عرصہ گزرا ہوگا کہ وہی شخص پھر حاضر ہوا اور عرض کی کہ وہ تو حاملہ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ جو بچہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ اس سے ضرور پیدا ہو کر رہے گا۔ (مسلم شریف)

(۹۵۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُونُ الْوَلَدُ وَ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ.

(رواہ مسلم)

(۹۵۰) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا آپؐ نے فرمایا مرد کی ساری منی سے تو بچہ بنتا نہیں (تو پھر عزل سے فائدہ) اور اللہ تعالیٰ جب کسی بچے کے پیدا فرمانے کا ارادہ کرے تو پھر کوئی شئے اس کے لیے مانع نہیں ہوسکتی۔

(مسلم شریف)

(۹۵۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى

(۹۵۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

ﷺ ..... استقرار حمل نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ اگر بات غیر پسندیدہ ہوتی تو اس کی اجازت تو دیتے مگر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر۔ مشکل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا رسول اگر منع فرمادے تو حرمت کا مرتبہ آ سکتا ہے اور اگر کھلی اجازت دے دے تو یہ خلافِ مقصود ہوتا ہے اس لیے یہاں لفظ "اِنْ شِئْتَ" (یعنی اگر تو چاہتا ہے تو کرلے) فرما کر تنبیہ فرمادی کہ ہماری مرضی کی تو یہ بات ہے نہیں۔ دوم اس عمل کے بیکار ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔ حدیث کی مراد یہ نہیں ہے کہ اگر تقدیر میں اولاد مقدر ہوگی تو مرد کے نطفہ کے بغیر بھی ہو کر رہے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد مقدر ہوگی تو عزل کے بعد بھی غیر شعوری حالت میں اتنا مادہ رحم میں پہنچ جائے گا جو بچہ بننے کے لیے کافی ہوگا اور اس طرح تقدیر کا نوشتہ تو پورا ہو کر رہے گا اور یہ عمل آخر کار بیکار ثابت ہوگا' چنانچہ یہاں ایسا ہی ہوا اور اس وقت آپ نے پھر اس کو اپنا مقولہ یاد دلایا۔

(۹۵۰) ✽ اس حدیث میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ تقدیر آ کر رہتی ہے' مگر اسباب کو توڑ کر نہیں بلکہ اس طرح کہ اس کے اسباب بھی ہو کر رہتے ہیں مثلاً یہ کہ اس صورت میں عزل سے قبل نطفہ کا کوئی نہ کوئی حصہ نکل جائے اور اسی سے لڑکا پیدا ہو جائے۔ اولاد کی پیدائش کے لیے پورے کا پورا مادہ تو ضروری ہے نہیں۔ پھر عزل کرنے والے کو ایسے وقت میں بھلا اس کی احتیاط کیا رہ سکتی ہے کہ وہ اس طرح عزل کرے کہ ایک قطرہ منی بھی اندر نہ نکلنے پائے۔

(۹۵۱) ✽ انسانی بخل کی بھی حد ہوگئی کہ وہ اپنے خالق کی بارگاہ میں بھی اس وقت تک مال خرچ کرنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ اس سے بھی اس کا کوئی معاوضہ وصول نہ کرلے اور وہ بھی پیشگی یعنی وہ نیاز ادا کرنے کا عزم بھی جب کرتا ہے جب کہ مثلاً پہلے اس کا مریض شفایاب ہو جائے' حدیث کہتی ہے کہ کارکنان قضاء وقدر کے سامنے یہ مشروط نذر ونیاز بیکار اور لا حاصل بات ہے وہ طے شدہ معاملہ ہے اور اسی طرح ہو کر رہے گا۔ مشروط نذریں تقدیری فیصلوں پر ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ صدقہ کرنے سے بے شک کبھی ردِ بلا ہو جاتا ہے اس لیے تم اگر یہ چاہتے ہو تو شرط کیے بغیر صدقہ دیتے رہو۔ اگر عالم تقدیر میں یہ طے پا چکا ہے کہ تم صدقہ کروگے تو یہ بلاء تم سے ٹل جائے گی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّذْرِ وَ قَالَ اِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَ اِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيْلِ. (رواه البخاری)

علیہ وسلم نے منتیں ماننے سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ منتیں ماننے سے تقدیر تو بدلتی نہیں ہاں اس بہانہ سے بخیل آدمی کا مال اس کے قبضہ سے زبردستی نکلوا لیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

القدر تأتي على وجه لاينخرم نظام الاسباب

قضاء وقدر کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ نظام تقدیر اور نظام تدبیر ٹکراتے نہیں

(۹۵۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهُ فَقِيْلَ وَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ يُوَفِّقُهُ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث صحيح)

(۹۵۲) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے متعلق بھلائی کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس سے نیک کام کرا لیتے ہیں۔ دریافت کیا گیا نیک کام کرانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ موت سے قبل اس کو نیک کام کرنے کی توفیق بخش دیتے ہیں۔

(۹۵۳) عَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۹۵۳) ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کو یہ بیان کرتے خود سنا ہے کہ اگر کوئی بندہ ہر صبح و شام کو تین بار یہ کلمات پڑھ لیا

ﷺ..... تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا' اور تمہارے اس بخل کا مظاہرہ بھی نہ ہوگا۔ حدیث میں جہاں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ امور مقدرہ کے لیے اسباب بھی مقدرہ ہوتے ہیں' اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کا ارتکاب عبث ہے۔ عالم تقدیر میں ان کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ ایسے اسباب نہیں ہیں جیسے عمر میں برکت کے لیے صدقہ۔ اس لیے ان کا ارتکاب کرنا اضاعت وقت کے ساتھ ساتھ حماقت بھی ہے۔ عورت کا کسی مرد سے نکاح کرنے کے لیے دوسری بی بی کے طلاق کا مطالبہ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

(۹۵۲) ⁕ یعنی جنتی جنت میں یا دوزخی دوزخ میں جائے گا تو اپنے مقدر ہی سے مگر خانہ پری کے لیے پہلے اس سے اعمال ویسے ہی کرا لیے جائیں گے تاکہ دوزخ یا جنت ملے تو ان کے اسباب کے ساتھ ملے اور قضاء وقدر بھی نافذ ہو تو اسی طرح نافذ ہو کر عالم اسباب میں جو نظام اسباب رکھا گیا ہے وہ درہم برہم نہ ہونے پائے۔ جب اسباب ظاہریہ قضاء وقدر کے اس طرح جزء بنے ہوئے ہوں تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنے والے اسباب کے بیکار ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

(۹۵۳) ⁕ دیکھئے یہ صحابی اسباب اور قضاء وقدر کا باہم ربط کتنا ٹھیک ٹھیک سمجھے ہوئے ہے۔ وہ بہت مختصر الفاظ میں یہ بتاتا جاتا ہے کہ جب کوئی امر ظہور پذیر ہونا مقدر ہوتا ہے تو وہ اسباب کو توڑ کر مقدر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے اسی کے مناسب اسباب بھی مقدر ہو جاتے ہیں' وہ کہتا ہے کہ میرے لیے فالج کی بیماری مقدر ہوئی تو یوں نہیں ہوئی کہ میں اس سے حفاظت کے اسباب تو پورے کرلوں اور اس کے باوجود پھر فالج میں مبتلا ہو جاؤں بلکہ یوں مقدر ہوئی کہ آج اس کے سامان تحفظ ہی نہ کروں تاکہ نظام تقدیر اور نظام تدبیر دونوں کے دونوں قائم رہیں۔ مستدرک حاکم میں ابن عباسؓ کے جلیل القدر شاگرد عکرمہ نے اپنے استاد حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ آپ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہدہد زمین میں چونچ مار کر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانی کا سراغ لگا دیتا تھا۔ تعجب ہے کہ زمین کی تہہ کا پانی تو اس کو نظر ﷺ.....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَ مَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَاءِ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَيَضُرَّهٗ شَيْءٌ فَكَانَ اَبَانٌ قَدْ اَصَابَهٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ اَبَانُ مَا تَنْظُرُ اِلَيَّ اَمَا اِنَّ الْحَدِيْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَ لٰكِنِّيْ لَمْ اَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِيَ اللّٰهُ عَلَيَّ قَدَرَهٗ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

کرے تو پھر کوئی چیز اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی - بسم اللہ الذی لا یضر الخ اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کی برکت سے کوئی چیز نہ زمین پر نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں اور وہ جاننے والا ہے سننے والا ہے ابان کو اتفاق سے فالج پڑ گیا تھا' تو جس شخص سے ابان یہ روایت بیان کر رہے تھے وہ ان کو از راہ تعجب دیکھنے لگا - اس پر ابان نے فرمایا دیکھتے کیا ہو سن لو حدیث تو ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح کہ میں نے تم سے بیان کی ہے لیکن آج مجھ کو یہ کلمات پڑھنے ہی یاد نہ رہے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تقدیر جاری فرمادے - (ترمذی - ابن ماجہ)

ﷺ ..... آجائے لیکن جب بچے جال بچھا کر ایک مٹھی بھر خاک اس پر ڈال دیں تو وہ اس کو نظر نہ آئے اور وہ ان کے جال میں پھنس جائے - حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا خدا تجھے فہم دے اذا جاء القضاء ذھب البصر. جب قضاء آجاتی ہے تو اسی طرح آنکھیں بیکار ہو جایا کرتی ہیں - غالباً اسی لیے فارسی کی مثل ہے ''چون قضاء آید طبیب ابلہ شود'' اس جواب کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ نفاذِ قضاء کے لیے اسباب سے غفلت یہ بھی حکمت تقدیر ہے -

یہاں یہ اہمیت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے دنیا میں آکر مذاقِ سخن اور اندازِ غور وفکر بھی اتنا بدل دیا تھا کہ جب تک آپ اسی سانچے میں ڈھل نہ جائیں ان کے کلمات کی گہرائی کو پا نہیں سکتے - اگر آج یہی سوال ہمارے سامنے کیا جاتا تو ہم بڑی آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حیوانات میں قدرت نے کچھ خصوصی شعور طبعاً رکھ دیے ہیں وہ صرف اسی حد تک ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں جس حد تک کہ وہ ان میں رکھے گئے ہیں - کسی جانور میں پانی کا کھوج لگا لینے کا خاصہ رکھا گیا ہے تو یہ اس کا کوئی ہنر نہیں بلکہ ایک طبعی شعور ہے اسی طرح کے دوسرے حیوانات میں بھی دوسرے قسم کے علیحدہ علیحدہ خواص موجود ہیں اور حیوانات ہی میں نہیں جمادات میں بھی یہ خواص نظر آتے ہیں - مقناطیس ایک خاص تناسب کے ساتھ لوہے جیسے بھاری چیز کو تو گھسیٹ سکتا ہے مگر کاغذ جیسی خفیف چیز کو ادنیٰ جنبش بھی نہیں دے سکتا - مگر یہ جواب اور یہ مذاقِ سخن اسی وقت تک باقی رہ سکتا ہے جب تک کہ عالم حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا - جن کے سامنے عالم غیب عالم حقیقت ہے ان کے نزدیک یہ سارا جہان ایک تاکیز سینما سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اس لیے ہر سوال و جواب کے موقعہ پر ان کے سامنے پہلے عالم غیب آجاتا ہے اس لیے وہی کلمات ان کی زبان سے نکلتے ہیں جو اس کی ترجمانی کر رہے ہوں - دنیا کے واقعات پر بھی آپ ذرا غور کریں یہاں ایک مورخ' ایک فلسفی' پھر ان میں نفسیات کے ماہرین' علم طبقات الارض کے رمز شناس سب علیحدہ علیحدہ نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں اور اسی طبقہ کے پہلو بہ پہلو ایک کمتر سے کمتر طبقہ جوتشیوں کا بھی اپنی پوتھی لیے غور کرتا نظر آتا ہے ان دونوں سے بلندتر اسلام کا بھی یہاں ایک نقطہ غور وفکر ہوتا ہے اور جس طرح کسی ایک واقعہ کے جواب میں ان سب کے جوابات مختلف ہوتے ہیں یہاں اسلام کا بھی ایک علیحدہ جواب ہوتا ہے - وہ دنیوی اسباب کا انکار نہیں کرتا بشرطیکہ وہ محض وہم پرستی نہ ہو' مگر اسی کے ساتھ دوسرے اسباب سے خبردار کرتا ہے - جن سے عام عالم بےخبر ہوتا ہے' اس لیے یہاں ابن عباسؓ نے وہی جواب دیا ہے جو اس وقت عبرت آموز اور سخن شناس طبائع کے لیے مناسب تھا -

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

www.besturdubooks.net

(۹۵۴) عَنْ اَبِیْ عَزَّۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضَی اللّٰہُ بِعَبْدٍ اَنْ یَمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَہٗ اِلَیْھَا حَاجَۃً اَوْ قَالَ بِھَا حَاجَۃً.

(۹۵۴) ابوعزہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی موت کسی جگہ مقدر فرما دیتے ہیں تو اس جگہ اس کو کوئی ضرورت پیدا فرما دیتے ہیں (جس کے پورا کرنے کے لیے وہ جاتا ہے اور اس ذریعہ سے وہ اپنی موت کی جگہ جا پہنچتا ہے)

(رواہ احمد و الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح و ابو عزۃ لہ صحبۃ اسمہ یسار بن عبد و روی الحاکم فی المستدرک عن ابن مسعودؓ و عروۃ بن مفرس و مطر بن عکامس نحوہ)

(۹۵۵) عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ صَدِیْقًا لِاُمَیَّۃَ بْنِ خَلَفٍ وَ کَانَ اُمَیَّۃُ اِذَا مَرَّ بِالْمَدِیْنَۃِ نَزَلَ عَلٰی سَعْدٍ وَ کَانَ سَعْدٌ اِذَا مَرَّ بِمَکَّۃَ نَزَلَ عَلٰی اُمَیَّۃَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ اِنْطَلَقَ سَعْدٌ

(۹۵۵) سعد بن معاذ روایت فرماتے ہیں کہ ان کا اور امیہ بن خلف کا باہم دوستانہ تھا جب کبھی امیہ مدینہ طیبہ آتا تو ان کا مہمان بنتا اور جب یہ مکہ مکرمہ جاتے تو اس کے مہمان ہوتے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو ایک بار سعد عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے اور حسب قاعدہ امیہ کے مہمان ہوئے اور اس سے کہا ذرا دیکھنا کوئی خالی

---

(۹۵۴) ✱ ان احادیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عالم میں بعض واقعات محض اسباب کا بھرم قائم رکھنے کے لیے پیش آتے ہیں اگر تقدیر عالم اسباب کو توڑ کر سامنے آ جائے تو اسباب کی تاثیر کا سارا راز فاش ہو جائے - دیکھیے آدمی سفر کرتا ہے اپنی ضرورت کی خاطر' ادھر تقدیر کھینچتی ہے موت کی خاطر - ظاہر میں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہاں آنا ہوا تھا ایک ضرورت کے لیے' اس لیے یہاں موت آ گئی اور تقدیر یہ کہتی ہے کہ چونکہ موت ہی یہاں کی مقدر تھی اس لیے یہاں آنا ہوا - پہلی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال رہ رہ کر آ سکتا ہے کہ اگر کاش یہ شخص یہاں نہ آتا تو اس کی موت اپنے وطن ہی میں آتی اور موت غربت سے بچ جاتا - لیکن دوسری صورت میں اس خیال کی بجائے دل میں یہ جزم حاصل ہوتا ہے کہ جب موت یہاں کی مقدر تھی تو یہ اپنے وطن میں رہتا کیونکر -

نقول میں کسی جگہ نظر سے گزرا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے اجلاس میں ایک مرتبہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی بصورت انسان موجود تھے وہ بار بار ایک شخص کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اس درمیان میں اس شخص نے کسی بعید مقام پر پہنچا دینے کی ان سے درخواست کی' اس پر حضرت عزرائیل علیہ السلام کے چہرہ پر مسکراہٹ سی آ گئی - دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس شخص کے متعلق مجھ کو فلاں مقام پر اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا ہے وہ مقام یہاں سے بہت طویل مسافت پر ہے اور اس کی قبض روح میں اتنے وقت کی گنجائش نہیں' پھر یہ ہوگا کیسے - جب اس نے یہ درخواست پیش کی تو مجھ کو اس پر ہنسی آ گئی کہ اس کے وہاں پہنچنے کے سامان حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ مقدر تھی ادھر اب یہ وہاں پہنچتا ہے اور ادھر ٹھیک محل ٹھیک وقت پر حکم ربی نافذ ہوتا ہے -

حضرت سلیمانؑ کی تسخیر کا تذکرہ خود قرآن عزیز میں موجود ہے اس لیے اس خاص واقعہ کو صرف اس کے برمحل ہونے کی وجہ سے ذکر کر دیا گیا ہے اسی لیے اس کے اسناد وغیرہ کی تفتیش بھی ضروری نہیں سمجھی گئی - اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو اس پر بھی تحقیق کر لی جاتی -

(۹۵۵) ✱ آپ نے دیکھا مٹی کی کشش کیسی ہوتی ہے اور یہ کہ جب کسی شخص کی موت کسی جگہ مقدر ہوتی ہے تو وہ کس طرح مجبور ہو کر آخر اسی جگہ پہنچ جاتا ہے - یہاں امیہ نے ہزار جتن کیے مگر ایک نہ چلا اپنے ارادہ کے خلاف اس کو جنگ میں شریک ہونا بھی پڑا اور وہ اونٹ للہ .....

www.besturdubooks.net

مُعْتَمِرًا فَنَزَلَ عَلٰى اُمَيَّةَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لِاُمَيَّةَ اُنْظُرْ لِيْ سَاعَةَ خَلْوَةٍ لَعَلِّيْ اَنْ اَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَخَرَجَ بِهٖ قَرِيْبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ فَلَقِيَهُمَا اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ مَنْ هٰذَا مَعَكَ فَقَالَ هٰذَا سَعْدٌ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْجَهْلٍ اَلَا اَرَاكَ تَطُوْفُ بِمَكَّةَ اٰمِنًا وَ قَدْ اٰوَيْتُمُ الصُّبَاةَ وَ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ تَنْصُرُوْنَهُمْ وَ تُعِيْنُوْنَهُمْ اَمَا وَ اللّٰهِ لَوْلَا اَنَّكَ مَعَ اَبِيْ صَفْوَانَ مَا رَجَعْتَ اِلٰى اَهْلِكَ سَالِمًا فَقَالَ لَهٗ سَعْدٌ وَ رَفَعَ صَوْتَهٗ عَلَيْهِ اَمَا وَ اللّٰهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِيْ هٰذَا لَاَمْنَعَنَّكَ مَا هُوَ اَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ طَرِيْقَكَ عَلٰى اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ اُمَيَّةُ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ عَلٰى اَبِي الْحَكَمِ سَيِّدِ اَهْلِ الْوَادِيْ فَقَالَ سَعْدٌ دَعْنَا عَنْكَ يَا اُمَيَّةُ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُمْ قَاتِلُوْكَ قَالَ بِمَكَّةَ قَالَ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ اُمَيَّةُ وَ اللّٰهِ لَا اَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ اِسْتَنْفَرَ اَبُوْجَهْلٍ النَّاسَ قَالَ اَدْرِكُوْا عِيْرَكُمْ فَكَرِهَ اُمَيَّةُ اَنْ يَّخْرُجَ فَاَتَاهُ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ اِنَّكَ مَتٰى يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ وَ اَنْتَ

سا وقت ملے تو مجھے بیت اللہ کا طواف کرنا ہے۔ دوپہر کے قریب یہ طواف کے لیے نکلے اتفاقاً ابوجہل کی ان دونوں سے ملاقات ہوگئی اس نے پوچھا' ابوصفوان! (امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون آدمی ہے؟ اُس نے کہا سعد بن معاذ ہیں۔ اس پر ابوجہل بولا میں دیکھ رہا ہوں' تم بڑے اطمینان سے بیت اللہ) کا طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے ان لوگوں کو جو یہاں سے اپنا آبائی دین چھوڑ کر چلے گئے ہیں اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اور تمہارا گھمنڈ یہ ہے کہ جنگ میں تم ان کی مدد بھی کرو گے۔ خدا کی قسم اگر اس وقت تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر زندہ نہیں جا سکتے تھے۔ اس پر سعد برہم ہو کر ذرا بلند آواز سے بولے خدا کی قسم اگر تو مجھ کو طواف سے روکے گا تو میں تجھ کو ایسی بات سے روکوں گا جو اس سے زیادہ تجھ پر شاق ہوگی۔ یعنی اہل مدینہ کی طرف سے تیرا تجارتی راستہ بند کر دوں گا۔ امیہ نے کہا دیکھو سعد ان سے ایسی تیزی سے گفتگو نہ کرو آخر یہ بھی اس وادی کے سردار ہیں۔ سعد نے امیہ سے مخاطب ہو کر کہا بس آپ بھی رہنے دیجئے خدا کی قسم میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ وہ تم کو قتل کریں گے۔ امیہ بولا ارے کیا مکہ میں۔ سعد نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ امیہ نے کہا خدا کی قسم میں مکہ سے کہیں باہر نکلوں گا ہی نہیں۔ اس گفتگو کے بعد جب غزوۂ بدر کی نوبت آئی تو ابوجہل نے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور یہ تقریر کی۔ تمہارا تجارتی قافلہ روک لیا گیا ہے لوگو! تم اس کی خبر لو۔ لیکن امیہ کو جنگ کے لیے نکلنا سخت ناگوار تھا۔ ابوجہل کو جب یہ احساس ہوا تو وہ اس کے پاس آیا اور سمجھانے لگا۔ ابوصفوان! دیکھئے آپ اس وادی کے سردار ہیں جب لوگ آپ ہی کو دیکھیں گے کہ آپ جنگ سے ہٹ رہے ہیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ ہی رہ جائیں گے۔ ابوجہل اس کو برابر سمجھاتا رہا یہاں تک کہ وہ بولا۔ اچھا بھی جب تم

لـه ..... جس کو جان کے ساتھ لگائے لگائے پھرتا تھا وہ بھی خاک کام نہ آسکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیش گوئی تھی وہ صبح صادق کی طرح پوری ہو کر رہی۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار گو زبانوں سے آپ کی نبوت کا اقرار نہ کرتے ہوں مگر دلوں میں اس کا یقین رکھتے تھے کہ آپ کا فرمودہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے' ٹل نہیں سکتا۔ یہاں ابوصفوان کی بیوی چلتے چلتے سمجھاتی رہی مگر قضاء وقدر جہاں کی موت لکھ چکی تھی وہاں ابوصفوان کو کسی نہ کسی حیلہ بہانہ سے آنا ضروری تھا کچھ نہ سہی تو ابوجہل کا اصرار اور قوم کی عار ہی کے سبب سہی۔

www.besturdubooks.net

سَیِّدُ اَھْلِ الْوَادِیْ تَخَلَّفُوْا مَعَکَ فَلَمْ یَزَلْ بِهٖ اَبُوْ جَھْلٍ حَتّٰی قَالَ اَمَّا اِذَا غَلَبْتَنِیْ فَوَاللّٰهِ لَاَ شْتَرِیَنَّ اَجْوَدَ بَعِیْرٍ بِمَکَّةَ ثُمَّ قَالَ اُمَیَّةُ یَا اُمَّ صَفْوَانَ جَھِّزِیْنِیْ فَقَالَتْ لَهٗ یَا اَبَا صَفْوَانَ وَ قَدْ نَسِیْتَ مَا قَالَ لَکَ اَخُوْکَ الْیَثْرِبِیُّ قَالَ لَا وَ مَا اُرِیْدُ اَنْ اَجُوْزَ مَعَھُمْ اِلَّا قَرِیْبًا فَلَمَّا خَرَجَ اُمَیَّةُ اَخَذَ لَا یَنْزِلُ مَنْزِلًا اِلَّا عَقَلَ بَعِیْرَهٗ فَلَمْ یَزَلْ بِذٰلِکَ حَتّٰی قَتَلَهُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ.

(رواه البخاری فی باب من یقتل ببدر)

میرا پیچھا چھوڑتے ہی نہیں تو دیکھو میں مکہ میں جو بڑھیا سے بڑھیا اونٹ ہوگا وہ خریدتا ہوں- اس کے بعد اپنی بیوی ام صفوان سے کہا سامان سفر تیار کر- اس نے کہا ابوصفوان کیا وہ بات جو تمہارے یثربی بھائی نے تمہارے متعلق کہی تھی بھول گئے ہو؟ ابوصفوان نے کہا نہیں تو مگر میرا ارادہ ان کے ساتھ صرف دو ایک دن ہی رہنے کا ہے- یہ انتظام کر کے جب امیہ جنگ کے لیے نکلا تو جس پڑاؤ پر ٹھہرتا اپنا اونٹ پاس ہی باندھتا (تا کہ ذرا خطرہ ہو اور اونٹ پر بیٹھ بھاگ لے) یہ انتظامات وہ برابر کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں اس کو ہلاک کیا-

(بخاری شریف)

اعتقاد القدر لا یمنع ارتکاب الاسباب بل یحث علیھا

قضاء وقدر کا اعتقاد اسباب کے ارتکاب سے نہیں روکتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے

(۹۵۶) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَضٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقَالَ الْمَقْضِیُّ عَلَیْهِ لَمَّا اَدْبَرَ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَلُوْمُ عَلَی الْعَجْزِ وَ لٰکِنْ عَلَیْکَ بِالْکَیْسِ فَاِذَا غَلَبَکَ اَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ.

(رواه ابوداؤد)

(۹۵۶) عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے ایک معاملہ میں فیصلہ فرمایا- جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا جب وہ پشت پھیر کر چلنے لگا تو اس نے افسوس کے ساتھ کہا حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ یعنی مجھے خدا تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے- یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سعی و کوشش نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے اس لیے ہمیشہ پہلے اپنے معاملات میں دانائی سے کام لیا کر پھر اس کے بعد بھی اگر حالات خلاف ہو جائیں تو اس وقت حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھا کر-

(ابوداؤد شریف)

(۹۵۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْکَیِّسُ مَنْ وَ انَ

(۹۵۷) شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے- درحقیقت دانا شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنا تابعدار بنالیا

---

(۹۵۶) * سبحان اللہ تقدیر کا سبق دینے والے تو تدبیر میں ادنیٰ سے تساہل کا نام بھی عجز رکھیں' اس کو نفرت سے دیکھیں اور دانائی و ہوش سے کام لینے کی سخت تاکیدیں فرمائیں اور جب تمام کوششیں پوری کرنے کے بعد بھی گھٹنے ٹک جائیں اس کے بعد اپنی تسلی کے لیے تقدیر کو یاد کرنے کی ہدایت فرمائیں اور لوگ یہ سمجھیں کہ آپ خود گھٹنے توڑ کر بیٹھ رہنے' اسباب کو یکسر معطل کر ڈالنے کے عقیدہ کی تعلیم دے رہے ہیں-

(۹۵۷) * یہ حدیث کہتی ہے کہ جو جدوجہد کے میدان میں سرگرمی دکھا رہا ہے اس کا نام تو دانا ہے اور جو اسباب کیے بغیر بیٹھا للہ.....

www.besturdubooks.net

نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (رواه الترمذي و ابن ماجه)

اور اپنی موت کے بعد کی زندگی کے لیے سامان کیا اور درماندہ شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو تو اس کی خواہشات کے تابع رکھا اور اس پر لگا اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھنے- (ترمذی-ابن ماجہ)

(۹۵۸) عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ وَ اِلَى مِصْرَ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَاَتَيْتُ اِلَى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَالَكَ وَ لِمَتْجَرِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِاَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهُ اَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ. (رواه احمد و ابن ماجه)

(۹۵۸) نافع بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنا سامانِ تجارت ملک شام اور مصر کی طرف لے جایا کرتا تھا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عراق لے گیا (واپسی میں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے ام المؤمنین پہلے میں اپنا سامانِ تجارت شام لے جایا کرتا تھا- اس مرتبہ عراق لے گیا تھا- آپ نے فرمایا آئندہ ایسا مت کرنا آخر تم نے اپنی پہلی تجارت گاہ میں کیا نقصان دیکھا (جو دوسری بدلی) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی روزی کسی حیلہ سے لگا دے تو جب تک وہ صورت خود ہی نہ بدل جائے اس وقت تک اس کو ترک نہ کرنا چاہیے- (احمد-ابن ماجہ)

للہ ..... ہوا ہے اور اس بے عملی میں پڑا ہوا بڑی بڑی تمناؤں میں پھنسا ہوا ہے اس کا نام متبع نفس اور درماندہ انسان ہے- پھر مخالفین کو یہ شبہ کیسے پیدا ہو گیا کہ عقیدۂ تقدیر ہی امت مسلمہ کے عملی ضعف کا باعث بنا ہوا ہے اور اسی لیے یہ امت دنیوی ترقیات میں سب سے پیچھے رہ گئی ہے- یہاں دنیوی ترقیات میں پیچھے رہ جانا تو صحیح ہے مگر اس کا سبب ہے کیا؟ اس کے جواب میں ہر شخص کا جواب مختلف ہے- منکر تقدیر تو تقدیر پر اعتقاد سمجھتا ہے- سود خور یہ کہتا ہے کہ سود نہ لینا اس کا سبب ہے- کمیونسٹ کہتا ہے کہ اس کسل کا اصل راز مذہب کی افیم کھانا ہے- یہاں اسلام بھی کچھ کہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل سبب جس کے دامن سے وابستہ ہو کر بام عروج پر پہنچے تھے اسی کو چھوڑ بیٹھنا ہے-

(۹۵۸) ✱ اس حدیث کو بار بار پڑھنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت ام المؤمنین نے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ تیری یہ شکایت کرنا ہی غلط ہے تیری قسمت میں اس مرتبہ تھوڑا ہی رزق ہوگا اگر شام جاتا تو بھی تجھ کو تھوڑا ہی نفع ہوتا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جن مما لک میں تجارت فائدہ بخش ہو چکی ہو اس کو ترک کرنا اسباب ظاہریہ کے بھی خلاف ہے آپ بھی جانتے ہیں کہ آمد و رفت کی جگہ آدمی کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے اور بھی تجارتی منافع ہو جاتے ہیں' اجنبی جگہ میں نہ انسان کی معرفت ہوتی ہے نہ وہ تجارتی منافع تو پھر بے وجہ تقدیر آزمائی کی ضرورت- جتنی بات تقدیر کے حق میں ہم پر لازم قرار دے گئی ہے وہ اس پر ایمان رکھنا ہے یعنی یہ سمجھ لینا کہ ہماری ہر نقل و حرکت سب پہلے سے لکھی جا چکی ہے مگر اس طویل دفتر میں سے ہمیں علم ایک شوشہ کا بھی نہیں ہوتا اس لیے عملی طور پر ہم کو صرف صحیح طور پر جدوجہد کرتے رہنے کا ہی مکلف بنایا گیا ہے-

غور فرمایئے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کس طرح اسباب اور قضاء وقدر دونوں کے اسرار لپیٹے ہوئے ہیں- رزق کا معاملہ چونکہ مقدرات میں داخل ہے مگر ہے اپنے اسباب کے ساتھ اس لیے فرماتے ہیں کہ رزق کا سبب ہونا تو ضروری ہے مگر للہ ......

www.besturdubooks.net

(۹۵۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا کُنَّا فِیْ دَارٍ کَثُرَ فِیْهَا عَدَدُنَا وَ اَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰی دَارٍ قَلَّ فِیْهَا عَدَدُنَا وَ اَمْوَالُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْهَا ذَمِیْمَةً. (رواہ ابوداؤد)

(۹۵۹) انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے ہم ایک ایسے مکان میں رہتے تھے جس میں ہماری جانوں اور ہمارے مال دونوں میں بڑی برکت ہوئی اب جو دوسرے مکان میں آئے ہیں تو وہاں جان و مال دونوں میں گھاٹا ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسے خراب کو چھوڑ دو۔ (ابوداؤد)

(۹۶۰) عَنْ یَحْیَی بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَحِیْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنِ مُسَیْکٍ یَقُوْلُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَ نَا اَرْضٌ یُقَالُ لَهَا اَبْیَنُ وَ هِیَ اَرْضُ رِیْفِنَا وَ مِیْرَتِنَا وَ اِنَّ وَ بَاءَ هَا شَدِیْدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْکَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفُ. (رواہ ابوداؤد)

(۹۶۰) یحیٰ کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے اطلاع دی ہے جس نے فروہ بن مسیک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرتے ہوئے خود سنا ہے کہ یا رسول اللہ صلی ہماری ایک زمین ہے جس کا نام ''ابین'' ہے ہمارے کھانے پینے اور کھیتی کی جگہ وہی ہے لیکن وہاں کی آب و ہوا بہت خراب ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کیونکہ ایسی جگہ بود و باش رکھنے سے جان کا نقصان ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

ﷺ ..... اس کو سبب بنانے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے' اب سبب پر تو نظر کرنا اور مسبب سے قطع نظر کرنا یہ کس درجہ ناانصافی اور احسان فراموشی کی بات ہے۔ پھر جب اس نے تمہاری روزی کا کوئی سبب پیدا فرمادیا ہے تو اب اچھی خاصی لگی لگائی روزی پر لات مارنا بھی کتنی ناشکری ہے۔ ناشکری کی جزاء ہے یہی کہ دی ہوئی نعمت لے لی جائے۔ حدیث کا ہر ہر جملہ اس کا ثبوت ہے کہ آپ کو جوامع الکلم مرحمت ہوئے تھے عمیق حقائق کو اس طرح سادے سادے الفاظ میں پھر اتنی بے تکلفی اور برجستگی سے کیا یہی ایک کمال آپ پر ایمان لانے کے لیے کافی نہیں ہے۔

(۹۵۹) * یہ وہ برکت و نقصان نہیں جو زمانہ جاہلیت کے قدیم لوگ صرف کسی مکان کا اثر سمجھا کرتے تھے خواہ وہ کتنا ہی بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو یا آج بھی جیسا بعض ضعیف الاعتقاد نحوست وغیرہ کے قائل ہو جاتے ہیں بلکہ وہ برکت و نحوست ہے جو مکان کے محل وقوع یا اس کی ناموزونیت یا اس کے تعمیری سقم سے عالم اسباب کے تحت پیدا ہونی ناگزیر ہے۔ قضاء و قدر کا اعتقاد یہ تعلیم نہیں دیتا کہ رہائش کے لیے ایسا مکان انتخاب کیا جائے جس میں نہ وسعت ہو نہ ہوا کی آمد و برآمد ہو اور نہ اس کا محل وقوع ہی مناسب ہو انسان کو دنیا میں مختار بنایا گیا ہے اور اعمال شرعیہ کا مطالبہ اس کے اسی اختیار کی بناء پر ہے پس جس طرح وہ اچھے اعمال کے کرنے اور برے اعمال کے نہ کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے اسی طرح اپنی دنیوی زندگی میں بھی اس کو ان دونوں راہوں کا امتیاز لازم ہے۔

(۹۶۰) * وبائی امراض اچھی آب و ہوا کے ملکوں میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا حکم ان علاقوں سے بالکل علیحدہ ہے جن کی آب و ہوا مستقلاً خراب ہو۔ اس حدیث نے یہ درمیانی راہ تعلیم دی کہ انسان کو نہ تو اتنا ضعیف الاعتقاد ہونا چاہیے کہ اگر اچھی آب و ہوا کے ملک میں اتفاقاً کوئی وبائی مرض آ جائے تو وہاں سے بھاگ پڑے اور نہ اتنا جامد ہونا چاہیے کہ بود و باش ہے ایسے ملک میں رکھے جہاں کی آب و ہوا ہلاکت کا باعث ہو۔ بندہ مختار ہے اور قضاء و قدر کے تحت بھی ہے۔ ان دونوں اعتقادوں کا ثبوت اس کے عمل سے ظاہر ہونا چاہیے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۹۶۱) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ فَلَا تَقْدِمُوْا عَلَيْهِ وَ اِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَ اَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ. (متفق عليه)

(۹۶۱) اسامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون خدا تعالیٰ کا عذاب تھا جو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں پر نازل ہوا تھا (آپؐ نے یہ لفظ کہے یا ''تم سے پیشتر کے لوگوں پر'' فرمایا) لہٰذا جب تم کسی جگہ طاعون سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر طاعون اس جگہ آ جائے جہاں تم رہتے ہو تو طاعون کے خوف سے بھاگ کر بھی نہ جاؤ۔ (متفق علیہ)

(۹۶۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ. (رواه مسلم)

(۹۶۲) عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وفد (جماعت) ثقیف (قبیلہ کا نام ہے) میں ایک شخص تھا جس کو جذام کا مرض تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا۔ ہم نے تجھے بیعت کر لیا ہے لہٰذا وہیں سے واپس چلا جا۔ (مسلم شریف)

لے ..... پس خراب آب وہوا میں رہنا اس کے قدر کے اعتقاد کی پختگی کا ثبوت ہے۔ مگر اس عالم اسباب میں انسانی اختیار کی نفی کرتا ہے اور اچھے مقام سے وبائی امراض میں بھاگ پڑنا صرف اس کے مختار ہونے کا ثبوت ہے مگر قضاء وقدر پر اس کے اعتقاد کی نفی کرتا ہے۔ اس عالم اسباب میں اعتدال کی راہ درمیان کی ہے نہ خراب آب وہوا میں بود وباش رکھو اور نہ اتفاقی وباء سے ڈر کر بھاگ نکلو۔

(۹۶۱) ٭ اس حدیث میں ''فرارا منہ'' کی قید بہت زیادہ قابل لحاظ ہے۔ وباء زدہ علاقہ سے نکلنا اگر کسی اتفاقیہ ضرورت سے ہو تو وہ ممنوع نہیں جس بات سے روکا گیا ہے وہ بندہ کا ایسا عمل ہے جو قضاء وقدر کی تکذیب کرتا ہو۔ طاعون کے خوف سے بھاگنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس تدبیر سے یا تو تقدیر الٰہی کو بدل دے گا یا اس کے نزدیک یہ معاملہ قضاء وقدر کے تحت ہی نہیں ہے۔ لیکن جس کا اعتقاد یہ ہو کہ اس کی موت وحیات سے لے کر اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی کاتب تقدیر کے قلم کے تحت آ چکی ہے اور اس کا اعتقاد بھی ہو کہ کسی صورت میں بھی اس کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں وہ وباء زدہ علاقہ سے ڈر کر ہرگز ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ دین اسلام میں اعتقاد کے ساتھ ضرورت اسباب اور انسانی ضعف کی اس حد تک خود رعایت کر لی ہے جس سے اس کے اعتقاد کی تکذیب لازم نہ آتی ہو۔

(۹۶۲) ٭ فطرۃً کمزور انسان کو اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالے۔ وباء زدہ علاقوں میں جا جا کر نہ گھسے جو مریض موذی امراض میں گرفتار ہیں ان کو بلا بلا کر نہ لائے اعتقاد علی القدیر کے ساتھ اپنی کمزور فطرت کی رعایت بھی ضروری چیز ہے۔ ہاں اگر طاعون اسی کے شہر میں آ جائے یا گھر میں ہی کوئی شخص کسی موذی مرض میں مبتلاء ہو جائے تو اب اپنی استقامت کا ثبوت دے اور تقدیر کو یاد کر کر کے اپنے فطری ضعف کا مقابلہ کرتا رہے۔ چونکہ بہت سے انسانوں کے دلوں میں اختلاط تعدیہ امراض کے اعتقاد کا سبب ہو جاتا ہے اس لیے بے وجہ شریعت اپنی فطرت کے ساتھ زور آزمائی کی اجازت نہیں دیتی۔ اور جب ضرورت سر پر آ جائے تو اب ضعف بشری کے بہانے کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ اسلام ثبات قدمی کی دعوت دیتا ہے۔ مگر ہوش کے ساتھ صرف جوش کے ساتھ نہیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا لا تتمنو القاء العدود (دشمن سے جنگ ہو یہ تمنائیں نہ کیا کرو) یہ بڑے فضیلت کی چیز مگر اتنی ہی پرخطر بھی ہے اگر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو پھر کہیں ٹھکانا بھی نہیں اس لیے اس کی تمنا نہ کرو اور جب سر پر آ جائے تو پہاڑوں سے بڑھ کر ثابت قدمی دکھاؤ۔

www.besturdubooks.net

(۹۶۳) عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى.
(رواہ مسلم)

(۹۶۳) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر مرض کے لیے دوا ہے جب کسی بیماری کے لیے ٹھیک دواء پہنچ جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے شفاء ہو جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

(۹۶۴) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَتِ الْاَعْرَابُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَتَدَاوٰى قَالَ نَعَمْ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً اَوْ قَالَ دَوَاءً اِلَّا دَاءً وَاحِدًا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُوَ قَالَ الْهَرَمُ. (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح)

(۹۶۴) اسامہ بن شریک روایت کرتے ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہم بیماریوں کا علاج کیا کریں؟ فرمایا ہاں دواء کا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے مگر صرف ایک بیماری۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی بیماری ہے؟ فرمایا حد سے گذرا ہوا بڑھاپا۔
(احمد' ترمذی' ابوداؤد)

(۹۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اِخْوَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اَحَدُهُمَا يَاْتِى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْاٰخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَى الْمُحْتَرِفُ

(۹۶۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے ان میں ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر رہا کرتا اور دوسرا تجارت کرتا۔ جو بھائی تجارت کرتا تھا اس نے اپنے بھائی کے کام میں شرکت نہ کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۹۶۳) ✱ اس عالم میں بیماری اور اس کی دواء دونوں قدرت ہی نے پیدا فرمائی ہیں' لہٰذا دواء کا استعمال کرنا تو ضروری ٹھہرا لیکن یہ غلط ہوگا کہ شفاء تو شافی مطلق دے اور تم تعریف کرو دواء کی۔ سوچنا یہ چاہیے کہ اس جمادِ محض میں یہ اثر پیدا کس نے فرمایا؟ کہو اس نے جس نے بیماری پیدا فرمائی۔ اس جگہ ترجمان السنہ جلد ثانی حدیث ۶۵۲ ص ۳۳۸ کو ضرور ملاحظہ فرمالیجئے۔

(۹۶۴) ✱ یہاں دوا کرنے کا صریح حکم ہو رہا ہے' کیا اس کے بعد بھی یہ وسوسہ لانا چاہیے کہ قضاء و قدر اسباب سے تعطل کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر کہیں انسان کے قبضہ میں بڑھاپے کی دواء بھی آ جائے تو شاید وہ بڑی جرأت سے قدرت کا انکار کر دے عام بیماریوں کے معالجات پر بھی اب تک اس نے جتنا قابو پالیا ہے وہی اس کے اعتقاد کو متزلزل بنا رہا ہے اب اگر کہیں بوڑھے بھی جوان بن بن کر خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی دنیا میں ڈٹے رہتے تو خالق کا کون یقین کرتا' اس لیے ہر دروازہ پر شکست دینے کے لیے قدرت کوئی نہ کوئی مسئلہ ایسا لاینحل بنا دیتی ہے جہاں انسان متحیر کھڑا نظر آتا ہے۔ یہاں پہنچ کر نصیب والے کی تو آنکھیں کھل جاتی ہیں اور بدنصیب آئندہ انکشاف کی امید میں پھر بھی یہ سبق بھی قدرتِ الٰہیہ کا قائل ہو کر نہیں دیتا۔

(۹۶۵) ✱ تقدیر کے معلم اوّل نے کبھی کسی کو ایک مرتبہ بھی یہ سبق نہیں دیا کہ وہ کسب معاش چھوڑ کر صرف تقدیر کے بھروسہ پر معطل ہو کر بیٹھ جائے' البتہ جب کہیں یہ دیکھا ہے کہ کسب معاش کا خمار اتنا چڑھ چکا ہے کہ دوسروں کا رزق بھی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے تو اس جگہ اتنی سی تنبیہ کر دینی ضروری سمجھی ہے کہ معاملہ کہیں اس کے برعکس نہ ہو یعنی تمہارا ہی رزق اس کی بدولت نہ مل رہا ہو۔ یہاں بھی آپ نے اس لئے .....

www.besturdubooks.net

اَخَاهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث صحيح غريب)

شکایت کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تجھے رزق اُسی کے مقدر سے ملتا ہو۔

(ترمذی شریف)

الايمان بالقدر من اعظم منابع القوة

قوتِ ارادیہ کے استحکام میں قضاء وقدر پر اعتقاد کا عجب اثر ہوتا ہے

(۹۶۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَ اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَ

(۹۶۶) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا' آپ نے فرمایا اللہ کو یاد رکھا کرو وہ تمہارا نگہبان رہے گا' اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو تو اس کو اس طرح پاؤ گے جیسے وہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ جب مانگنا تو خدا تعالیٰ سے ہی مانگنا اور جب مدد طلب کرنا تو

لِلّٰہ ..... محترف کو اس کے حرفہ سے نہیں روکا لیکن جب حرفہ پر اعتماد کی یہ نوبت آ گئی کہ جو بھائی علم نبوت کی تحصیل میں مشغول تھا اور اس وجہ سے کسی حرفہ کے کرنے سے معذور تھا اس کی شکایت کی گئی تو اس وقت آپ نے ضروری سمجھا کہ اب اس کے سامنے ایک دوسرا ورق بھی کھول دیا جائے - اور فرمایا جیسا ماں کی چھاتیوں میں دودھ بچہ ہی کے مقدر کا اترتا ہے ایسا ہی کبھی کبھی حرفہ کرنے والے کو بھی کسی غیر محترف کے مقدر کا رزق مل جاتا ہے اس لیے یہ سمجھنا تو صحیح کہ رزق کے لیے کسب کی ضرورت ہے مگر یہ صحیح نہیں کہ جس کا رزق ہو اسی کے لیے کسب کرنا بھی ضروری ہے' بلکہ کبھی کسب کوئی کرتا ہے اور اس میں رزق کسی کا ہوتا ہے دولت اور کسب کے مابین کیا رشتہ رہنا چاہیے اس حدیث سے اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ یہاں ایک خیال تو یہ ہے کہ کسب کا دولت سے کوئی تعلق ہی نہیں لہٰذا جو کماتا ہے اس کا اپنی کمائی ہوئی دولت میں کوئی حق نہیں ہوتا - دوسرا خیال اس کے بالمقابل ہے وہ یہ کہ کسب کا دولت سے اتنا گہرا ربط ہے کہ انسان کی کمائی ہی دولت سرتاسر کمانے والے ہی کی ملکیت ہوتی ہے ایسی ملکیت کہ اس میں کسی غیر کا کوئی حق نہیں ہوتا - اسلام کی رائے یہاں کتنی معتدل ہے وہ کہتا ہے کہ کسب سے ملکیت تو ضرور ثابت ہو جاتی ہے آخر کمائی ہوئی دولت اسی کی محنت کا ثمرہ ہے مگر غریبوں کے حقوق واجب اور غیر واجب منضبط اور منتشر اس میں اتنے ہیں کہ پھر یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ سارا کا سارا کمایا ہوا مال خالص اسی کی ملکیت تھا اس لیے اسلام نہ تو امپریلیزم کا حامی ہو سکتا ہے نہ کمیونزم کا وہ اپنا ایک مستقل مقام رکھتا ہے' اس میں یہ لچک نہیں ہے کہ کبھی اس کو اس طرف کھینچ لیا جائے کبھی اس طرف۔
اس حدیث سے ایک اور بلند نظریہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی مدد کرے تو اس کو یہ سمجھنا زیبا نہیں ہے کہ خود وہ اس کی مدد کر رہا ہے بلکہ یہ تصور کرنا مناسب ہے کہ جو رزق اس کے پاس اس کے مقدر کا جمع تھا وہ اس نے اُس کے حوالہ کر دیا ہے گویا حق بحق دار رسید کا مصداق ہے۔

(۹۶۶) ✻ پہلی جلدوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کا اعلیٰ مرتبہ احسان کا ہے یہاں اسی کو پھر تازہ کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہم سے دور نہیں وہ ہم سے اتنی قریب ہے کہ اگر ہم توجہ کریں تو اس کو اپنے سامنے ہی پائیں گے' جو بُعد اور دوری ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے بس حجاب غفلت اُٹھا دو پھر قرب در قرب دیکھو گے۔ جب یہ قرب میسر آ جائے تو کب مناسب ہوگا کہ ایسے داتا کو چھوڑ کر ہاتھ کسی اور کے سامنے پھیلاؤ' اور ایسے توانا کو چھوڑ کر مدد کسی اور سے مانگو مگر انسان فطرۃً اتنا کچا ہے کہ سوال کی ذلت اٹھائے بغیر اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا وہ ایک محتاج مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلائے بغیر باز نہیں آتا اور ذرا سی مشکل میں جب کبھی مدد کی ضرورت لِلّٰہ .....

www.besturdubooks.net

٤ إذا استعنت فاستعن بالله و اعلم ان الامة لو
اجتمعت على ان ينفعوك بشيء لم ينفعوك
الا بشيء قد كتبه الله لك و لو اجتمعوا على
ان يضروك بشيء لم يضروك الا بشيء
قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام و جفت
الصحف. (رواه احمد و الترمذی)

(۹۶۷) عن علی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما منکم من احد الا و قد کتب مقعده من النار و مقعده من الجنة قالوا یا رسول الله افلا نتکل علی کتابنا و ندع العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق له اما من کان من اهل السعادة فسییسر لعمل السعادة و اما من کان من اهل الشقاوة فسییسر لعمل اهل الشقاوة ثم قرأ فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی الآیه متفق علیه و فی مسند عمر عند احمد زاد مسدد دقلت ففیم العمل قال لاینال الا بالعمل قلت اذا نجتهد. و فی حدیث ابن عباس عند

اسی سے طلب کرنا اور اس کا یقین رکھنا کہ اگر سارے لوگ مل کر بھی تم کو کچھ نفع پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ وہ تمہاری تقدیر میں پہلے سے لکھ چکا ہے' اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانا چاہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر بس اتنا ہی جتنا کہ وہ تمہاری تقدیر میں پہلے لکھ چکا ہے- تقدیر کا قلم سب کچھ لکھ لکھا کر کاغذ سے اٹھا لیا گیا ہے اور تقدیر کے کاغذات کی سیاہی خشک ہو چکی ہے-(اب کوئی جدید نوشت وخواند کا موقعہ ہی باقی نہیں) (ترمذی-مسند امام احمد)

(۹۶۷) حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ایسا کوئی نہیں ہے جس کا ٹھکانا دوزخ میں یا جنت میں لکھا نہ جا چکا ہو- صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ تو کیا پھر اس نوشتہ خداوندی پر بھروسہ کر کے عملی جدوجہد کو ترک نہ کر دیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کیے جاؤ کیونکہ جو شخص جن اعمال کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس سے اسی قسم کے اعمال سرزد ہوں گے تو جو نیک ہوگا اسے توفیق ہی نیک کام کی ملے گی اور جو بدبخت ہوگا اس سے کام بھی بدبختی کے لیے جائیں گے- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی فاما من اعطی الخ مسند امام احمد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں- میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ جب سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے تو پھر عمل کس لیے ہوا؟ اس پر آپؐ نے ارشاد

لـ ..... محسوس کرتا ہے تو اسی کی طرف اس کی نظریں اٹھتی ہیں' اس لیے فرمایا کہ اس فطری خامی کا علاج قضاء وقدر کا استحضار ہے بس جب یہ عقیدہ جما لو گے کہ نفع ونقصان پہنچانا جہان بھر میں کسی کے بس کی بات نہیں' اور یہ کہ یہ سارے معاملات سب طے شدہ ہیں تو تمہارے دل میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ جب کبھی تم کو کوئی ضرورت ہوگی تو تمہارے ہاتھ صرف اسی کی طرف اٹھیں گے جو سارے جہاں کو دیتا ہے اور جب کبھی مدد کی ضرورت ہوگی تو صرف اسی سے مدد مانگو گے جو ہر محتاج کا فریاد رس ہے- پس قضاء وقدر کا عقیدہ اسباب کے ارتکاب سے بے نیازی کی تعلیم نہیں دیتا' ہاں مخلوق سے بے نیازی کی تعلیم دیتا ہے- اس لحاظ سے اس کی عملی جدوجہد اب اور بھی بڑھ جانی چاہیے جو انسانوں کا بھروسہ رکھتا ہے وہ بسا اوقات اسباب میں بھی تساہل کر جاتا ہے-

(۹۶۷) * حیرت ہے کہ جس حدیث کو آج سننے والے سن کر ترک عمل کا عہد کرتے ہیں اسی کو کل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سننے والے صحابہ سن کر جدوجہد کا عہد کر رہے تھے- بات یہ ہے کہ وہ حکم کے تابعدار تھے اور ہم عقل کے بندے ہیں- عقل لـ .....

www.besturdubooks.net

البزار فقال القوم بعضهم لبعض فالجداذا و عند الطبراني في اخر حديث سراقة قال الان الجدالان الجد و عند الفريابي بسند صحيح الى بشير بن كعب احد كبار التابعين قال سأل غلامان رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما العمل فيما جفت به الاقلام و جرت به المقادير ام شيء نستأنفه قال بل فيما جفت به الاقلام قالا ففيم العمل قال اعملوا و كل ميسر لما هو عامل قال فالجد الان.

(کذافی فتح الباری ملخصًا ج۷ ص ۴۰۱)

فرمایا کہ عمل کیے بغیر تو جنت نہیں مل سکتی - میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم عمل میں جان توڑ کوشش کریں گے - مسند بزار میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے آخر میں ہے کہ مذکورہ بالا سوال و جواب کے بعد صحابہؓ نے فرمایا اب تو کوشش کرنے کے سواء چارۂ کار نہیں اور طبرانی میں حضرت سراقہ کی حدیث کے آخر میں ہے اب تو کوشش کرنی ہے' کوشش کرنی ہے - فریابی نے صحیح سند کے ساتھ دونو جوانوں کا واقعہ ذکر کیا ہے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی مذکورہ بالا سوال کیا - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری جتنی جدوجہد ہے یہ سب تقدیر کا قلم لکھ کر فارغ ہو چکا ہے - اس پر انہوں نے عرض کی پھر عمل کا فائدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمل کرنے والا عمل ہی وہ کر سکے گا جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے یہ سن کر انہوں نے کہا تو پھر تو کوشش کیے بغیر چارہ کار نہیں -

(۹۶۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ وَ فِیْ کُلٍّ خَیْرٌ اِحْرِصْ

(۹۶۸) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - مضبوط مؤمن کمزور سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہوتا ہے اور یوں ہیں دونوں ہی بہتر (یاد رکھو) جو چیز تم کو نفع رساں ہو اس کے لیے حریص بنے رہنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے مدد مانگا کرنا اور درماندہ

لله ..... نارسا بچاری دنیا کی معمولی الجھنوں کو سلجھا نہیں سکتی وہ تقدیر کے مسئلہ کو کہاں سمجھتی ہاں جب وہ بھی اسلام قبول کر لیتی ہے تو پھر مسائل شرعیہ میں اس کے نزدیک بھی کوئی الجھن الجھن نہیں رہتی' پھر اس میں وہ بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اختیار اس کو مل چکا ہے اس کو وہ کام میں لے آنا اپنا فرض سمجھتی ہے اور تقدیر میں ہے کیا اس سے کوئی بحث نہیں کرتی وہ اس کے علم سے بالاتر ہے - کس کو یہ خبر ہے کہ فلاں معاملہ میں ہماری تقدیر میں کیا لکھا ہے' جب یہ خبر نہیں تو پھر محسوس اختیار سے کام کیوں نہ لیا جائے -

(۹۶۸) ٭ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کے اسماء و صفات کا مظہر بنا رہے - مثلاً اس کا اسم مبارک ''القوی'' ہے' تو وہ یہ پسند کرتا ہے کہ مؤمن بھی قوی ہو - وہ جمیل ہے اس لیے وہ جمال کو بھی پسند فرماتا ہے' وہ علیم ہے اس لیے علماء کو پسند فرماتا ہے' اسی طرح اس کا اسم محسن اور صابر بھی ہے اس لیے وہ محسنین اور صابرین کو بھی پسند فرماتا ہے - جو مسئلہ یہاں ہمارے موضوع بحث سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں حریص بننے کا حکم دیا گیا ہے - حرص کے معنی یہ ہیں کہ جدوجہد کی جو طاقت بندہ میں ودیعت فرمائی گئی ہے اس کو اپنی معاش و معاد میں ختم کر ڈالنا لیکن یہ حرص کمال اسی وقت شمار ہوگی جب کہ ہوان ہی چیزوں میں جو اس کے لیے نفع رساں ہوں پس مؤمن قوی وہی ہے جس میں حرص کا مادہ موجود ہو اور ہر نیکی میں وہ مسابقت کے لیے تیار رہے - وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ - معاصی اور گناہوں پر حرص کرنا اتنا ہی بڑا عیب بھی ہے - چونکہ یہ حرص بھی انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہے اس لیے یہ حکم لله .....

www.besturdubooks.net

عَلٰی مَا یَنفَعُکَ وَ اسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَ لَا تَعجِزْ وَاِنْ اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَ کَذَا وَ لٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰہُ وَ مَا شَاءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ. (رواہ مسلم)

بن کر سعی کرنے سے بیٹھ مت رہنا اور اگر کبھی کوئی نقصان ہو جائے تو یہ مت کہنا - اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا بلکہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یونہی مقدر فرما دیا تھا' لہٰذا جیسا اس نے چاہا تھا اسی کے موافق ہو گیا - کیونکہ اس ''اگر'' کے کلمہ سے آئندہ ایک شیطانی عقیدہ کا دروازہ کھلتا ہے (یعنی تدبیر کی حاکمیت) (مسلم شریف)

(۹۶۹) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

(۹۶۹) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

لـہ ..... دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں بھی مدد طلب کرنی چاہیے - حدیث کہتی ہے جو شخص مفید اور نافع اعمال میں حریص نہیں وہ عاجز انسان ہے کمال عاجز بن جانے میں نہیں ہے بلکہ کامیابی کے لیے جان توڑ کوشش کرنے میں ہے اور یہ سمجھ کر کرنے میں ہے کہ جو ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے ہماری یہ کوشش سب اسی کے لیے ہے پس تدبیر کرنا تو ضروری ہوا مگر اس کو حاکم بنا کر نہیں بلکہ تقدیر کا محکوم سمجھ کر - اب اگر تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اسباب کر لینے کے بعد بھی مقصد برآری نہ ہو سکی تو یہ کہنے لگنا اگر ہم یوں کرتے تو کامیاب ہو جاتے یہ بھی درحقیقت تقدیر کو تدبیر کا محکوم بنانے کے مرادف ہے - اس لیے یہ عبد مؤمن کی شان نہیں' یہ شیطان کی حرکت ہے کیونکہ اب ''اگر' اگر'' کہنے سے سوائے ندامت' پشیمانی اور افسوس کے ہوتا ہی کیا ہے' جو مقدر تھا وہ تو واقع ہو ہی چکا لہٰذا اب اس دروازہ کو کھولنے سے نفع؟ ہاں جدوجہد کے بعد بھی جب مقصد حاصل نہ ہو تو اب اس کو قضاء الٰہی کے حوالہ کر دینا یہ مؤمن کی شان ہے اور یہ اس کے لیے باعث تشفی و تسکین بھی ہے - پس ظہورِ نتائج سے قبل تدبیر سے غفلت کا نام تو عجز ہے' اعتماد علی القدر نہیں اور نتائج کے خلاف ہونے کی صورت میں اپنی ضعف تدبیر کو یاد کرنا عمل شیطانی ہے اور اس کو تقدیر الٰہی کے سپرد کر دینا یہ شانِ مؤمن ہے - خلاصہ یہ کہ قضاء و قدر اپنی جگہ ہیں اور کسب و اختیار اپنی جگہ' اور شانِ مؤمن اسی میں ہے کہ کامیابی ہو یا ناکامیابی دونوں حالتوں میں وہ اپنی بندگی اور عبودیت کو قائم رکھے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے معاملات کے لیے پوری جدوجہد کرے پھر اگر نتیجہ موافق برآمد ہو تو اس پر اترائے نہیں اور اگر خلاف ہو جائے تو بے صبری بھی نہ دکھائے - اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے -

﴿لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ﴾ (الحدید:۲۳) تاکہ اس پر تم غم نہ کھایا کرو جو تم کو حاصل نہ ہو سکا اور نہ اس پر شیخی مارا کرو جو تم کو عطا فرمایا -

یعنی تقدیر میں ہر چیز کی نوشت موجود ہے اس پر تم کو اس لیے اطلاع بخشی ہے کہ تم خوب سمجھ لو کہ جو تمہارے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور پہنچ کر رہے گا اور جو مقدر نہیں ہوا وہ کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ٹھہر چکا ہے بس ویسا ہی ہو کر رہے گا لہٰذا جب فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین و مضطرب نہ ہو اور جو مقدر سے ہاتھ لگ جائے اس پر اکڑو اور اتراؤ نہیں' بلکہ مصیبت و ناکامی میں صبر و تسلیم اور راحت و کامیابی میں ثناء و شکر سے کام لو -

(۹۶۹) ٭ اس حدیث میں عالم غیب کے چند مہم اسباق کی تعلیم دی گئی ہے - پہلا یہ ہے کہ انسان کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مرنے کے بعد دفعۃً جنت یا دوزخ میں پہنچ جاتا ہے بلکہ اپنے عملی مساعی کے لحاظ سے کبھی وہ اس طرف قریب ہو جاتا ہے کبھی اس طرف - پس زندگی کیا ہے وہ دوزخ و جنت کی مسافت کا نام ہے جتنا وہ ختم ہوتی ہے اتنا ہی وہ ایک طرف کا راستہ طے کر لیتا ہے ہر چند کہ اصل دارومدار تو خاتمہ لـہ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَ اَنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ.

(رواہ فی شرح السنۃ و البیہقی فی شعب الایمان)

علیہ وسلم نے فرمایا - لوگو! اب ایسی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی جو تم کو جنت سے قریب کردے اور دوزخ سے دور کردے مگر ان سب کا میں تم کو حکم دے چکا ہوں اور اسی طرح نہ ایسی کوئی چیز رہ گئی ہے جو دوزخ سے تم کو قریب کردے اور جنت سے دور مگر میں تم کو اس سے بھی روک چکا ہوں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابھی میرے قلب میں یہ بات ڈالی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنا مقدر رزق پورا نہیں کر لیتا وہ ہرگز مر نہیں سکتا - دیکھو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رزق حاصل کرنے میں صاف ستھرے طریقے اختیار کرو' ایسا نہ ہو کہ رزق کی ذرا سی تاخیر تم کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کردے کیونکہ تمہارا رزق خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور جو چیز اس کے قبضہ میں ہو وہ صرف اس کی فرمان برداری ہی کر کے حاصل کی جا سکتی ہے -

(شرح السنہ - شعب الایمان)

❁❁❁

لے ..... ہی پر رکھا گیا ہے' لیکن ایک مؤمن قانت کو اپنے اوقات و اعمال کا محاسبہ ہمہ وقت لازم ہے کہ وہ اپنی عمر میں کتنا کس طرف قریب ہو رہا ہے جتنا وہ جس طرف بھی قریب ہو گیا بظاہر امید یہی ہوتی ہے کہ بقیہ عمر میں بھی وہ اسی سمت کی بقیہ مسافت طے کرے گا لہٰذا زندگی کا ہر قدم بہت پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے کسی جگہ سے قریب ہو کر پھر دفعۃً دور ہو جانا بڑا مشکل کام ہے - اس لیے عموماً جس حالت میں بھی عمر گزرتی ہے اسی پر خاتمہ بھی ہو جاتا ہے گو کبھی کبھی اس کے خلاف بھی پیش آ جاتا ہے -
دوسری بات اہم یہ ہے کہ انسان عبث ایسی چیز کے پیچھے لگا رہتا ہے جو خود اسی کے پیچھے لگی ہوئی ہے یعنی رزق - انسانی مقدرات میں جہاں اور باتیں لکھی جاتی ہیں اس کے مقدر کا رزق بھی لکھا جاتا ہے' پھر کیسے ممکن ہے کہ اس کو پورا کیے بغیر وہ سفر آخرت کر سکے - تیسری بات اہم تر یہ ہے کہ انسان رزق کی ہوس میں یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ حلال ذریعہ سے رزق تھوڑا حاصل ہوتا ہے' اور حرام ذرائع سے زیادہ اس لیے حرام ذرائع اختیار کر لیتا ہے' حدیث اس کو سمجھاتی ہے کہ تمام مخلوق کا رزق رزاق کے پاس ہے - جب یہ ہے تو پھر جس کے ہاتھ میں رزق ہو تم اس کی مخالفت کو کیسے رزق کا ذریعہ سمجھ لیتے ہو - چہارم یہاں کسب حلال پر اتنا ہی زور دیا گیا ہے جتنا کہ تقویٰ کی تحصیل پر - حلال کے بارے میں جد و جہد کرنا اور حرام سے بچنے کے لیے تقدیر کو یاد رکھنا اسلامی معیشت کے لیے سہل ترین نسخہ ہے -

www.besturdubooks.net

الانبیاء والرسل علیہم الصلوۃ والسلام

فی ضوء الاحادیث و التاریخ

حضرات انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیوں کا مختصر تذکرہ احادیث اور تاریخ کی روشنی میں

اس مقدس گروہ کے تذکرہ سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ کے سامنے نبوت اور رسالت کے متعلق قدیم عقلاء کے خیالات کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جو قیاس آرائیاں آج کی جارہی ہیں یہ زمانہ قدیم کے وہی فرسودہ خیالات ہیں کوئی جدید تحقیق نہیں ہے۔

متاخرین علماء میں سے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر مبسوط بحثیں کی ہیں ان کی دیگر تصانیف کے سواء ''شرح عقیدۃ الاصفہانیہ'' اور ''الجواب الصحیح'' میں بھی اس پر کافی بحث ہے اور ''کتاب النبوات'' تو اس موضوع پر ان کی ایک مستقل تصنیف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قدیم عقلاء میں سے ارسطو اور اس کے متبعین تو انبیاء علیہم السلام کی تاریخ سے کچھ آشنائی نہیں رکھتے تھے اس لیے ان کے یہاں تو نبوت اور رسالت کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ملتا' البتہ فارابی نے اس پر کچھ بحث کی ہے۔ پھر ابن سیناء نے آکر اس کی مزید تشریح و تفصیل کی ہے اس کے نزدیک نبی کے متین خاصے ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا مقام ابن سیناء کی نظر میں ✻ (۱) نبی وہ ہوتا ہے جس کی قوت عقلیہ اتنی کامل ہو کہ کسی سے سیکھے بغیر اس کو خود بخود علم حاصل ہو جائے' اس کا نام اس نے قوت قدسیہ رکھا ہے۔

(۲) نبی اپنے علم کے مطابق خود اپنے نفس میں کچھ نورانی صورتیں دیکھتا ہے اور مختلف نوع کی آوازیں بھی سنتا ہے مگر خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ عام انسان خواب کی حالت میں مختلف صورتیں مشاہدہ کرتے اور مختلف آوازیں سنتے ہیں مگر یہاں بھی خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ گو نبی کو محسوس یہی ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ خارجی عالم میں ہو رہا ہے' جیسا کہ خواب دیکھنے والا شخص بھی اپنے مرئیات اور مسموعات کے متعلق عقیدہ یہی رکھتا ہے کہ یہ سب کچھ وہ خارجی عالم میں دیکھ رہا ہے۔ ابن سیناء کے نزدیک اسی مسموع صوت کا نام ''کلام اللہ'' ہے۔ والعیاذ باللہ۔ خلاصہ یہ کہ ابن سیناء کے نزدیک نبی کے مبصرات و محسوسات کی حقیقت وہ ٹھہری جو عالم رویاء کے مبصرات و محسوسات کی ہوتی ہے نہ وہ بالکل بے حقیقت ہے نہ یہ بے حقیقت ہیں۔ مگر خارجی عالم میں دونوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ (والعیاذ باللہ)

(۳) نبی کو عالم کے مادہ میں تصرف کرنے کی فطری طاقت حاصل ہوتی ہے اور اس فطری طاقت سے ہی وہ عجیب عجیب افعال کی قدرت رکھتا ہے' اسی کا نام ''معجزہ'' ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک اس مادی عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ سب انسانی قوت نفسیہ یا قوت طبعیہ یا عقل فعال کا فیض ہے۔ شیاطین اور فرشتوں کی یہ جماعت قائل ہی نہ تھی کہ عالم کے تصرفات کو ان کی طرف منسوب کر سکتی۔ ہنود اور ترک' شیاطین و جنات کے قائل تھے' ان کے نزدیک یہ تصرفات' جنات کے تصرفات تھے۔

فلاسفہ کے نزدیک نبوت کیوں کیسی چیز تھی؟ ✻ جب ان کے نزدیک نبوت' کلام اللہ' معجزہ اور فرشتے کی حقیقت یہ ٹھہری

www.besturdubooks.net

تو ظاہر ہے کہ یہ تمام امور کسب انسانی اور ریاضت سے بھی حاصل ہونا ممکن ہیں' اس لیے ان کے نزدیک نبوت و رسالت بھی دیگر صنعتوں کی طرح کسبی چیز تھی۔ سہروردی مقتول اور ابن سبعین اسی جدو جہد میں مصروف تھے کہ ان کو نبوت کا مقام حاصل ہو جائے۔ اسی لیے ان فلاسفہ کے نزدیک ایک فلسفی کو نبی پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ فلسفی کی نظر بہ نسبت نبی کے پھر پراز حقیقت ہوتی ہے۔ (والعیاذ باللہ)

اسلامی الفاظ و اصطلاحات کا صرف استعمال کرنا کافی نہیں جب تک کہ ان کی اس حقیقت کا اعتراف بھی نہ ہو جو اسلام نے بیان کی ہے ✻ نبوت کے متعلق فلاسفہ کی اصل تحقیق تو یہ تھی لیکن جب اسلامی دور میں فلاسفہ کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پہنچیں تو انہوں نے ان کے اور فلاسفہ قدیم کے علوم کے مابین پیوند لگانا چاہا اور اسلامی اصطلاحات یعنی وحی' نبوت' فرشتہ' قیامت' جنت اور دوزخ وغیرہ کو اپنے تراشیدہ معنوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اب جس کو اس حقیقت کا متنبہ نہ ہوا وہ تو اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا کہ شاید یہ جماعت بھی ان سب امور کی قائل تھی۔ جن کے انبیاء علیہم السلام قائل تھے۔ مثلاً جب انہوں نے ابن سینا کے کلام میں نبوت' معجزہ وغیرہ کے الفاظ دیکھے تو یہ خیال قائم کر لیا کہ شاید ابن سینا بھی ان سب امور کا قائل تھا لیکن جب دیکھا جاتا ہے کہ ان الفاظ کی حقیقت اس کے نزدیک وہ نہیں جو انبیاء علیہم السلام کے نزدیک تھی تو پھر محض ان الفاظ کے استعمال کر لینے سے اس کو اسلامی تعلیمات کا حامل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ یہ بھی ثابت نہ کر دیا جائے کہ ان الفاظ کی حقیقتیں بھی اس کے نزدیک وہی تھیں جو ادیانِ سماویہ کے نزدیک مسلّم تھیں۔[1]

---

[1] مثلاً ختم نبوت اور نزولِ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ ہمیشہ سے امت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ مستعمل ہوتے چلے آئے ہیں' لیکن ہمیشہ ان کا یہی ایک مفہوم سمجھا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنفس نفیس خود آسمان سے اپنے اسی جسم عنصری کے ساتھ تشریف لانے والے ہیں اور کبھی اس کا یہ مفہوم نہیں سمجھا گیا کہ ان کا کوئی معنوی نظیر یا مشابہ شخص اسی امت میں سے پیدا ہوگا۔ اسی طرح ختم نبوت کا مفہوم بھی صرف یہی سمجھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی جدید نبوت کا کوئی امکان نہیں ہے' خواہ وہ کسی قسم اور کسی مرتبہ ہی کی کیوں نہ ہو' ظلی ہو یا بروزی اور صفحاتِ تاریخ نے بھی ہمیشہ اسی کی تائید کی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک جب کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو آپؐ نے اور آپؐ کے بعد ہمیشہ امت مسلمہ نے اس کو کاذبین اور دجالین کی فہرست میں شمار کیا ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ اور اگر زمانہ کے دستور کے مطابق کبھی کسی قلیل جماعت نے اس کی تصدیق کی بھی ہے تو ہمیشہ تاریخ نے اس کو مسلمانوں کی عام جماعت سے علیحدہ شمار کیا ہے اور اس جماعت کا ہمیشہ ایک جداگانہ لقب کے ساتھ علیحدہ تذکرہ کیا ہے۔ س لیے اگر کوئی جماعت صرف نزولِ مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت کا لفظ تو استعمال کرتی ہے مگر ان معنوں سے نہیں جن میں کہ عام مسلمان ان کو ستعمال کرتے چلے آئے ہیں تو محض ان الفاظ کے الفاظ استعمال کرنے والے فلاسفہ کو صرف ان الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمانوں کے عقائد سے متفق نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ان الفاظ کے استعمال ان ہی معنوں میں کرتے ہیں جن میں کہ عام مسلمان ان کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا نصاریٰ اور ہنود بھی توحید کا اقرار نہیں کرتے' مگر کیا صرف لفظ توحید کے استعمال کر لینے سے ن کو اسلامی توحید کا معتقد کہا جا سکتا ہے اس لیے اس نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کے لیے یہ ضروری ہے کہ ن حقائق کو اپنے ان ہی معنوں میں مانا جائے جن میں کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں میں مسلّم رہے ہیں' صرف اسی الفاظ کی نقالی بے سود ہے۔

www.besturdubooks.net

اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ ہمارے دور کے عقلاء نبوت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہتے ہیں؟ یہاں ابن سیناء اور اس کے ہمنواؤں کی کل کائنات تو یہ تھی اب آپ ذرا علوم نبوت سے روشن دماغوں کی بات بھی سنئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں نبوت کی حقیقت اور اس کے ارکانِ ثلاثہ یعنی ملوکیت و سیاست، علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی فطری اور غیر معمولی استعداد ☼ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نبی اور اس کے خواص جاننا چاہتے ہو تو یوں سمجھو کہ حیاتِ انسانی کے نظم و نسق کے لیے جن جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ بیک وقت نبی کی ذات میں تمام انسانوں سے بڑھ کر پیدا فرمائی جاتی ہیں وہ ایک بادشاہ کی طرح ہوتا ہے جس کے نفس ناطقہ کی قوتِ عاقلہ اور قوتِ عاملہ کے سایہ کے نیچے اہل قلم بھی، بڑے بڑے جرنیل اور سیاست داں بھی، کاشت کار اور تاجر بھی غرض تمام عالم اپنی اپنی زندگی کے مطابق تربیت حاصل کرتا ہے اور ہر ہر شعبہ کا نظام اس کے اقوال و افعال کے دم سے قائم رہتا ہے۔ وہ اسی کے ساتھ ایک حکیم بھی ہوتا ہے جو علم اخلاق و تدبیر منزل اور سیاست مدن کا ماہر ہو وہ حکیم نہیں جو صرف ان علوم کے الفاظ سے آشنا ہو بلکہ وہ حکیم جس کی یہ تمام صفات طبیعت ثانیہ بن چکی ہوں حتیٰ کہ اس کے حرکات و سکنات سے یہ علوم ٹپکتے نظر آ رہے ہوں۔ وہ ایک مرشد کامل بھی ہوتا ہے جو جماعت صوفیاء میں مصدر کرامات و خوارق بنا ہوا ہو اور طاعات و عبادات کے ان تمام طریقوں سے آگاہ ہو جو تہذیب نفس کے لیے ضروری ہیں اور ان علوم حقہ کا ماہر ہو جن سے کہ انسانوں پر عالم ملک و ملکوت کے اسرار پنہاں روشن ہوتے ہیں اور اسی طرح اعمالِ جوارح اور اذکار لسانی کے علیحدہ علیحدہ تمام خواص سے بھی پورا پورا آشنا ہو۔ وہ جس طرح کہ آسمانوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام تدبیر الٰہی کا جارحہ اور علوم الٰہی اخذ کرنے میں واسطہ ہیں اسی طرح انسانوں میں ان تمام صفاتِ جبرئیلیہ کا مالک بھی ہوتی کہ ﴿ لَایَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَایُؤۡمَرُوۡنَ﴾ (یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اس بات میں جس کا وہ ان کو حکم دیتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے) اس کی شان بن چکی ہو اور اس طرح اس کی فطرت کو عالم بالا سے وہ مناسبت حاصل ہو کہ علومِ الٰہیہ اور یقین و اطمینان کی نعمت اس کے قلب و قالب پر برس رہی ہو اور اس کے یہ سب کمالات اس میں فطری ہوں کسی معلم اور درس گاہ کے رہین منت نہ ہوں۔ نبی کے ان علوم، اس کی حکمت، اس کے تزکیہ اور اس کے اس نظامی لیاقت کی طرف جس سے کہ وہ ان صفات کے اثرات خدا تعالیٰ کی مخلوق میں پھیلاتا ہے، ذیل کی آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَ یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾ (جمعہ : ۲)	یہ خدا ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول پیدا فرمایا جو خود انہی میں کا ہے پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے کتاب اور عقلمندی کی باتیں اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلاء تھے۔

اب آپ آیت بالا کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا ایک ورق ملاحظہ فرمائیے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ اہم خدمت امیوں میں کس حکمت سے شروع کی گئی اور کس تدبیر و تدبر سے پایہ تکمیل کو پہنچی جس دور میں آپ تشریف لائے اس وقت ضلالت و ظلمت کی حالت کیا تھی؟ عبادت میں شرک کرنا ان کا دین بن چکا تھا، قیامت کا وہ انکار کرتے تھے اور ملت

www.besturdubooks.net

حنیفیہ کی صورت انہوں نے بالکل مسخ کر ڈالی تھی پھر آپ ؐ نے تشریف لا کر کیا کیا؟ عبادات میں سے شرک کی رسم مٹادی' قیامت کا وجود ثابت کیا اور ملت حنیفیہ کو تحریفات سے پاک کر کے پھر سرنو اس کو اصل بنیادوں پر راست فرمادیا- اس پر جب عرب کے عوام و خواص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو آخر کار جہاد کی طاقت سے اس کو برباد یا چھوٹی چھوٹی بے سروسامان جماعت کو لے کر جرار لشکروں کا مقابلہ کیا' مگر تائید ربانی سے فتح و کامرانی آپ کے حصہ میں آئی اور شکست و ہزیمت کفار کا حصہ رہا- اوران میں ایسے علوم کے دریا بہا دیئے جن سے کہ وہ اس سے قبل قطعاً آشنا نہ تھے یعنی علم قرآن' علم ایمان یعنی ارکان' پنجگانہ اسلام وغیرہ- علم معاد یعنی احوال برزخ وحشر ونشر و جنت و دوزخ علم احسان جس کو آج کی اصطلاح میں حقیقت اور معرفت کہا جاتا ہے- علم شرائع و تدبیر منزل و سیاست مدن وطریق معاش' علم اخلاق' علم آداب' علم فتن یعنی آئندہ واقعات وحوادث کے متعلق خبریں' علم فضائل اعمال' علم مناقب پھر ان علوم کو اس خوبی سے مشرح بیان کیا کہ تھوڑی سی مدت میں قوم کی قوم کا وہ طبعی مذاق بن گئے اور خورد و کلاں' ذکی وغبی میں کوئی ایسا نہ رہا جس کے دل و دماغ میں وہ نقش کالحجر نہ بن گئے حتیٰ کہ جو آپ کی بعثت سے قبل صحرا نشین بدو تھے وہ اب مقربین بارگاہ صمدیت اور دنیا کے حکمران نظر آنے لگے- نبوت جیسی نعمت کی حقیقت اور اس کی برکات کا اسی سے کچھ اندازہ کر لینا چاہیے- (قرۃ العینین -ص ۴۱ و ۴۲)

میں کہتا ہوں کہ اسلامی دور کے اس آخری فلسفی نے جو کچھ اپنی علمی زبان اور اصطلاحی الفاظ میں یہاں بیان فرمایا ہے اگر اس کا لب لباب فنی اصلاحات کی قید و بند سے آزاد ہو کر انتہائی سادگی اور مؤثر الفاظ میں آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ تقریر پڑھ لیجئے جو حضرت جعفر طیار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے شاہ حبشہ کے سامنے فرمائی تھی انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ نبوت کے ان تمام خواص کی طرف اشارہ فرمادیا ہے' جس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے مذکورۂ بالا بیان میں فرمائی ہے-

تعلیماتِ نبوتؐ کے متعلق ایک غلط فہمی اور اُس کا ازالہ ✻ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات کے متعلق کج فہموں کو ہمیشہ سے یہ مغالطہ رہا ہے کہ ان کا تعلق صرف ایک ایسی غیر محسوس حیات کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جس کے وجود میں بھی مادی عقول بہت سے شکوک وشبہات رکھتی ہیں- ان کے نزدیک گویا مذہبی تعلیمات کا تعلق اگر ہے تو صرف قبر' حشر ونشر اور مابعد الموت زندگی کے مسائل کی حد تک ہے دنیوی نظم ونسق کے ساتھ اس کا کوئی محکم رشتہ ثابت نہیں- ادھر عالم غیب اور اس کے علوم سے چونکہ مادی عقول بالکل خالی ہوتی ہے اس لیے وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات کے لیے کوئی بلند مقام تجویز کرنے سے قاصر رہتی ہیں لیکن دوسری طرف مذہب کا رشتہ اس پر ان کو مجبور کرتا ہے کہ ان کی برتری کو چار و ناچار تسلیم کیا جائے اس کشمکش کی وجہ سے ان کو ایسی توجیہات کرنی پڑتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت و امانت اور فہم و دانائی بھی اپنی جگہ مسلّم رہے اور پھر مادی عقول کو ان کی کوئی خاص فوقیت بھی تسلیم کرنی نہ پڑے-

اس لیے اسلامی دور کے فلاسفہ نے تو ان کی قوتِ عقلیہ اور قوتِ عملیہ کی برتری کا اعتراف کر کے یہ سمجھ لیا کہ بس اتنی بات سے انہوں نے مقامِ نبوت کا حق ادا کر دیا مگر اسی کے ساتھ ان کے علوم کی حیثیت ایک خوابیدہ شخص کے منامات کی برابر قرار دے کر ان کو ایسا بے وقعت بنایا کہ حقیقت کی دنیا میں وہ از اول تا آخر لایعنی بن کر رہ گئیں- والعیاذ باللہ-

www.besturdubooks.net

تعجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی قوتِ عقلیہ اور عملیہ کی عام برتری تسلیم کر لینے کے بعد ان کے مدرکات کی حقیقت اتنی بے حقیقت بنا دینا کون سی عقل اور کیا فلسفہ کی بات ہے۔ اگر آج یہی حیثیت ڈارون، ہٹلر اور لینن کے علوم کی قرار دے دی جائے تو شاید اس شخص کو مخبوط الحواس سمجھا جائے، حالانکہ اگر ان کے فلسفوں پر غور کیا جائے تو وہ بھی ابتداء میں نامعقول بات ہی سمجھے جاتے تھے۔ ہٹلر کی ساحرانہ کرشمہ سازیاں، لینن کی اشتراکیت اور مذہب کشی اور ڈارون کا فلسفہ ارتقاء بھلا کس شخص کے ذہن میں آنے والی باتیں تھیں لیکن کیا کچھ عرصہ بعد ہی پھر وہی ایک دنیا کا دین و مذہب نہیں بن گئیں؟ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات گو آج پھر اس سے ناآشنا دماغوں کو بعید از عقل نظر آ رہی ہیں، مگر کیا عہدِ ماضی کے عقلاء نے اس کی معقولیت کا اعتراف نہیں کیا اور کیا آج بھی مذہبی دنیا کا بڑا حصہ اس کا اعتراف نہیں کرتا۔ اگر آپ ان کے لائے ہوئے آئین پر کبھی نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں ملوکیت سے لے کر دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ معاملات کے متعلق پوری پوری ہدایات موجود ہیں اس میں صرف عقائد و عبادات کا باب نہیں بلکہ بیع و شراء، ہبہ و عاریۃ، رہن و شفعہ، نکاح و طلاق، وصیت و وراثت غرضیکہ جملہ معاملات و تعزیرات حتیٰ کہ صلح و جنگ کے قوانین بھی پوری روشنی کے ساتھ موجود ہیں۔ اس میں تہذیب اسماء اور تہذیب الفاظ کے ابواب تک بھی ہیں۔ غرض کھانے پینے، سونے جاگنے اور ہنسنے بولنے جیسی معمولی اشیاء کے متعلق بھی تمام اہم ہدایات ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ منافقوں نے طعن کے طریق پر کہا کہ تمہارا نبی تم کو سب ہی باتیں سکھاتا ہے حتیٰ کہ پیشاب و پاخانہ کا طریقہ بھی۔ اس پر صحابہؓ نے کیا اچھا جواب دیا ہے۔ جی ہاں، وہ ہمیں ان جیسی معمولی باتوں کے متعلق بھی ہدایات دیتے ہیں مگر سنو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنی عمیق اور ضروری ہوتی ہیں یہاں آپ کی ہدایت یہ ہے کہ اس حالت میں قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھو، اپنی شرم گاہ کو دایاں ہاتھ نہ لگاؤ اور تین بار سے کم ڈھیلے کا استعمال نہ کرو وغیرہ اگر ہم اس کی شرح کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حیاتِ انسانی کے ہر ہر شعبہ کے متعلق اسلامی آئین میں کتنی مکمل اور کتنی ضروری ہدایات موجود ہیں۔ حدیث و تفسیر اور فقہ کا مطبوع ذخیرہ آج کتب خانوں کی شکل میں آپ کے سامنے ہے بلکہ اس کا کچھ حصہ دوسری زبانوں میں بھی منتقل ہو چکا ہے۔ اگر عملی لحاظ سے دیکھنا ہو تو قرآن شریف اٹھا کر پڑھ لیجئے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ملوک دنیا کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی بحث و نظر اور جنگی معرکوں کی سرگرمیوں کا نقشہ کیا تھا۔ یعنی کیا وہ صرف ایک معلم کی حیثیت رکھتے تھے یا عمل کے ہر میدان میں سب سے پیش پیش نظر آتے تھے۔ صحیح حدیثوں میں تو آج کل کی اصطلاح کا لفظِ سیاست بھی انبیاء علیہم السلام کی شان میں موجود ہے کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء الخ یعنی بنی اسرائیل کی سیاست اور نظم و نسق یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام چلایا کرتے تھے۔ میں چونکہ خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اس لیے میری امت کا نظم و نسق خلفاء کے حوالہ ہو گیا ہے۔ (دیکھو ترجمان السنۃ ج ۱)

ان واضح حقائق کے ہوتے ہوئے اس بے وجہ غلط فہمی کا کوئی موقعہ تو نہ تھا کہ نبوت کا رشتہ مادی دنیا کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم السلام صرف ایک خیالی عالم کے مالک ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے مذکورہ بالا بیان میں بڑی خوبی کے ساتھ اس خیال کی تردید کر دی گئی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم سے انبیاء علیہم السلام کی ان صفات پر روشنی ڈالی ہے جن کے انبیاء علیہم السلام حامل ہوتے ہیں اور تاریخ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حقیقت کی دنیا میں ان صفات کے اثرات کیا نکل چکے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اس مضمون

www.besturdubooks.net

کی ذرا اور تفصیل کر دیں تاکہ پورے طور پر اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے اور انبیاء علیہم السلام کا صحیح صحیح تعارف ہو جائے۔

نبوت کے ارکانِ ثلاثہ کی مزید تشریح ⁕ حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ دنیوی انسان تو حیاتِ انسانی کے صرف ایک ایک شعبہ کی ہدایت کرتے ہیں اور وہ بھی ناتمام اور انبیاء علیہم السلام انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کے متعلق ہدایات فرماتے ہیں اور وہ بھی انتہاء درجہ مکمل گویا عالم کو اپنے نظام کے لیے جن مختلف قابلیتوں کے مختلف انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام قابلیتیں بیک وقت اعلیٰ سے اعلیٰ طریق پر تنہا ایک نبی میں موجود ہوتی ہیں یہاں سب سے پہلے بادشاہی اور ملوکیت کی صفت کو لے لیجئے اور اسی صفت میں شاہانِ دنیا کے ساتھ اس مقدس گروہ کا مقابلہ کر لیجئے۔

مقدمہ

ہر شئے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت مگر اعتبار حقیقت کا ہے اور کمال مجموعہ میں ہے ⁕ پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جس طرح کہ ہر چیز کے لیے اس کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت' مثلاً انسان اس کی ایک خاص صورت ہے اور اسی طرح انسانیت کی چند مخصوص صفات بھی ہیں جو اس کی حقیقت کہلاتی ہیں۔ مکمل انسان وہ ہے جو ان دونوں کا جامع ہو۔ صورت بھی انسان کی رکھتا ہو اور خواص و صفات بھی اسی کو رکھتا ہے۔ بندر میں صرف انسان کی سی صورت تو ہے مگر چونکہ وہ انسانی صفات سے بالکل معریٰ ہے اس لیے کوئی اس کو انسان نہیں کہتا۔ اسی طرح اگر کسی انسان میں ہیکل انسانی تو ہو مگر انسانیت کی صفات ناقص ہوں تو فوراً اس کی انسانیت پر نقصان کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ ایک بیوقوف کو آپ گدھا اور لڑاکو شخص کو بھیڑیا کہہ دیتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس کی صورت گو انسان کی نظر آتی ہے مگر اس میں کسی ایک انسانی صفت کی کمی ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل اعتبار صورت کا نہیں بلکہ حقیقت کا ہے اگر کسی کی حقیقت انسان کی ہے' پھر اس کی صورت میں خواہ کتنا ہی نقص کیوں نظر نہ آئے مگر اس کا شمار انسانوں ہی کے زمرہ میں رہتا ہے' لیکن اس کے برخلاف اگر کسی میں انسان کی حقیقت ہی نہ ہو تو صرف اس کی صورت کے انسانی صورت ہونے سے کوئی اس کو انسانوں میں شمار نہیں کرتا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اصل اعتبار حقیقت کا ہے۔ ہاں مکمل انسان وہی کہا جائے گا جس میں صورت اور سیرت دونوں جمع ہوں۔ اس فرق کو کسی شاعر نے کیا اچھے انداز میں ادا کیا ہے' وہ کہتا ہے:

نالۂ من صورتے بگرفت بلبل ساختند لخت ہائے دل بیک جا جمع شد گل ساختند

یعنی دنیا جس کو بلبل شوریدہ کہتی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ میرا نالہ وفغاں قدرت نے اس حقیقت کو بلبل کی صورت عطا کر دی ہے۔ اسی طرح جس کو دنیا گل کہتی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ میرے پارہائے جگر۔ قدرت نے انہی کو گل کی صورت پہنا دی ہے۔

ملوکیت کی صورت اور اس کی حقیقت ⁕ اسی طرح آپ بادشاہی کو بھی سمجھ لیجئے اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اس کی حقیقت پر غور فرمایئے تو یہ صفات ہیں:

معاشی' معاشرتی' تمدنی انتظامات' ملک کی اندرونی و بیرونی حفاظت' رعایا کی تعلیم و تربیت کے پورے نظم ونسق کی پوری استعداد و قابلیت' اولوالعزمی' بہادری و فیاضی' عدل و انصاف' دل سوزی و ہمدردی اور عام اخلاق کی برتری اور ان صفات کے ساتھ

www.besturdubooks.net

اس کے نمایاں اوصاف یہ بھی ہیں مثلاً طبعی نخوت وتکبر، تعیش وتلذذ اور تنعم وتکلف وغیرہ - اس کی ظاہری صورت دیکھئے تو یہ ہے - جاہ وجلال، شان وشوکت، تخت وتاج، دولت وخزانہ فوج ولشکر، محل وقلعہ، داد ودہش، یعنی انعام میں تبذیر واسراف اور انتقام میں ظلم و تعدی وغیرہ -

پس اگر ایک انسان تاج وتخت کا تو مالک ہو مگر ملوکیت کے معنوی اوصاف میں کورا ہو تو دنیا اس کو بادشاہ نہیں کہتی وہ صرف صورت کا بادشاہ ہے حقیقت میں وہ ایک قزاق لٹیرا اور نفس پرور انسان سمجھا جاتا ہے - اسی طرح اگر کسی میں یہ اوصاف مذکورہ تو ہوں مگر وہ تخت وتاج کا مالک نہ ہو تو دنیا اس کو بھی بادشاہ نہیں کہتی مگر ان دونوں میں جو سیرت ملوکیت کا مالک ہوتا ہے وہ اپنی درویشی میں بھی بادشاہ کہلاتا ہے، اس کی حکومت جسموں سے تجاوز کر کے مخلوق کی جانوں تک ہوتی ہے - اس کے برخلاف جو صرف ظاہری صورت ملوکیت رکھتا ہے اس کی حکومت صرف جسموں تک محدود رہتی ہے، لوگوں کے قلوب اس پر لعنت کرتے ہیں اور عزت کی بجائے اس کو ذلیل ترین انسان شمار کرتے ہیں -

ملوکیت نبوت کی صورت وحقیقت ⁕ اب اس معیار سے آپ انبیاء علیہم السلام کو دیکھیں اور صرف اعتقاد کی روشنی میں نہیں بلکہ تاریخ اور واقعات کی روشنی میں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ بہترین صفات ملوکیت کے حامل ہوتے ہیں اور اسی طرح ان میں ملوکیت کی صحیح صورت بھی موجود ہوتی ہے - دیکھئے جب دنیا میں وہ آتے ہیں تو اس وقت دنیا کے عام اخلاق، ان کا عام تمدن ان کی زندگی کا عام نظم ونسق، ان کی عام تعلیم وتربیت کا عالم کیا ہوتا ہے؟ رہا عالم قدس سے ان کا تعلق تو اس جگہ ہم اس کا تذکرہ ہی نہیں کرتے - پہلے یہاں اس پر نظر کیجئے کہ جب اس ماحول میں رسول آئیں تو عقلاً رسولوں کو کن صفات کا ہونا چاہیے - پھر یہ دیکھئے کہ وہ ہوتے ہیں کن صفات کے - اسی کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھیے کہ یہ صفات ان میں کسبی اور تعلیم کا ثمرہ ہوتی ہیں یا محض فطری اور قدرتی، پھر وہ بھی کس اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں - ان کی اولوالعزمی اور فیاضی، ان کا عدل وانصاف اور ان کی عام ہمدردی کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ وہ صدق وامانت میں کیا مقام رکھتے ہیں، ان کا کیریکٹر کیسا ہوتا ہے؟ اگر یہ تمام صفات ان میں بادشاہوں بلکہ شہنشاہوں جیسی موجود نظر آتی ہیں تو عقل وانصاف کی روشنی میں آپ کو یہ حکم لگانا ہوگا کہ وہ یقیناً بادشاہ سیرت ہوتے ہیں - اب اگر اس کے ساتھ ان میں بادشاہی کی صورت بھی موجود ہو تو پھر ان کے مکمل بادشاہ ہونے میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی - اس معیار پر ہم سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ملوکیت اور بادشاہی کے جتنے اوصاف حمیدہ عقل تصور کر سکتی ہے وہ سب آپ کی ذات ستودہ صفات میں اعلیٰ مرتبہ کے جمع تھے - عرب کے بگڑے ہوئے نظام میں آپ تشریف لائے جہاں تعلیم کا دور دور تک پتہ نہ تھا، قوم اتنی درشت اور جنگجو جس کی انتہا نہیں، عادات واطوار اتنے بگڑے ہوئے کہ خدا کی پناہ، اخلاق اتنے گرے ہوئے کہ العظمۃ للہ ملک میں وہ بدامنی کہ انسانوں کا جینا مشکل، تمدنی نظم ونسق کی اتنی ابتری کہ ہر فرد خودمختار اور بادشاہ کی جہالت کی یہ نوبت کہ برہنگی شراب خواری وحرام کاری باعث ناز وافتخار اور قتل وغارت ان کی شرافت کا معیار -

ایسے پست ماحول میں آپ کا ظہور ہوا تو آپ کن صفات کے مالک تھے، کسی سے تعلیم حاصل کی تھی یا فطرۃً ممتاز صفات رکھتے تھے؟ کسی شاہی خاندان سے متعلق تھے یا صرف ایک شریف گھرانے کے نونہال تھے؟ ان سب باتوں کا جواب اگر سننا ہو تو

www.besturdubooks.net

ہرقل وابوسفیان کی زبانی سن لیجیے جس میں دونوں غیر مسلم ہیں- پھر ایک شہنشاہ ہے اور دوسرا اپنی قوم کا دانا سردار- تاریخ کی روشنی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ عقل و ہنر' علم و دانائی' تہذیب و اخلاق' عدل و انصاف' شجاعت و سخاوت اور جملہ ملوکیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کے مالک تھے- جو ملک بھی آپ کی زیر تعلیم آ گیا اس کی کایا پلٹ گئی اور وہ انسانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر جا پہنچا- عرب کی تاریخ آپ کی بعثت سے قبل اور بعد کی ملا کر دیکھ لیجئے' تو آپ کو یوں معلوم ہوگا کہ وہ ایک ایسی قوم بن گئے تھے جو صفحات عالم پر گویا اب پہلی بار نمودار ہو رہی ہے ان کے اوضاع و اطوار بدل چکے ہیں وہ اب قتل و غارت کی زندگی کے بجائے امن کے شہزادے اور سارے جہان کے لیے پیغام سلامتی بن چکے ہیں' حرام و حلال کی تمیز کرنا معروف و منکر کو پہچاننا' عہد و پیمان کا پورا پابند رہنا' معاملات میں دوست و دشمن کو ایک نظر سے دیکھنا اور انسانوں کو چھوڑ کر خدا کی بے زبان مخلوق یعنی حیوانات کے ساتھ بھی بے رحمی سے اجتناب رکھنا ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے- عفت و پاک بازی' حیاء و غیرت' صلہ رحمی اور عام خلق اللہ کی ہمدردی ان کی فطرت کا جز ٹھہر چکی ہے- وہ جس ملک میں نکل گئے ہیں وہ ملک ان کا گرویدہ بن گیا ہے- آخر وہ نوبت بھی آ گئی ہے جب کہ دشمن اہل کتاب نے ان کو دیکھا تو بے ساختہ بول اٹھے ہیں کہ یہ امت وہی امت ہے جس کا تذکرہ ہم پہلے سے اپنی کتابوں میں پڑھتے چلے آئے ہیں اور کسی جنگ کے بغیر اپنا ملک ان کے حوالہ کر دیا ہے اتنے عظیم پھر اس سرعت کے ساتھ انقلاب اور وہ بھی اتنے پائدار انقلاب کی تاریخ دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آتی کیا آپ کی شاہانہ قابلیتوں کے لئے اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور ثبوت درکار ہے-

اب اگر ملوکیت کی ظاہری صورت پر نظر کیجئے تو یہاں بھی جاہ و جمال' شان و شوکت میں کئی کمی نظر نہیں آئی بلکہ آپ کے رعب و ہیبت کا جو عالم یہاں نظر آتا ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی- دشمنوں کے قلوب دور دور سے ہی آپ سے سہمے ہوتے رہتے تھے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے جن مخصوص صفات سے مجھ کو نوازا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میرا رعب بے سروسامانی میں بھی ایک ماہ کی مسافت سے دشمن کے دل پر پڑتا ہے ابوسفیان جب زمانہ جاہلیت میں ہرقل کے دربار سے واپس آئے تو باہر آ کر ان کا جو احساس تھا وہ انہوں نے اپنے ان الفاظ میں ادا کیا ہے' **"انه یخافه ملک بنی لاصفر"** "یعنی مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور غالب رہیں گے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان سے شاہ روم تک خائف ہے- صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اہل مکہ نے عروہ بن مسعود کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو انہوں نے آپ کی محفل کو دیکھ کر اپنے تاثرات کا جن الفاظ میں اظہار کیا تھا وہ یہ تھے-

> "اے قریش میں نے شاہ حبش' شاہ قسطنطنیہ اور شاہ ایران کے دربار دیکھے' لیکن کوئی بادشاہ ایسا نظر نہیں آیا جس کی عظمت اس کے دربار والوں کے دلوں میں ایسی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابیوں کے دلوں میں محمدؐ کی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب دہن زمین پر گرنے سے پہلے لوگ اس کو ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ پر مل لیتے ہیں- جب وہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو سب اسی تعمیل کے لئے دوڑ پڑتے ہیں' ان کے دل میں محمدؐ کا اتنا ادب و احترام ہے کہ وہ ان کے دربار میں نظر اٹھا کر دیکھ نہیں سکتے"

رہی آپ کی فوج و لشکر اور اس کے تقسیم و نسق تو وہ بھی تاریخوں میں موجود ہے' آلات حرب کی فراہمی اور ان کی حفاظت کے حالات' فوجی راشن اور اس کی تقسیم کے انتظامات بھی سب سیرت کی کتابوں میں مدون ہیں- آپ کے دربار میں شاہانہ داد و

www.besturdubooks.net

دہش اور انعام و اکرام کا حال بھی ایک ایک نا قابل انکار حقیقت ہے- لیکن جس طرح انبیاء علیہم السلام کی ملوکیت کی سیرت میں شاہانِ دنیا کے بعض اجزاء نظر نہیں آتی اسی طرح ان کی ملوکیت کی صورت میں بھی اس کے کچھ نمایاں اجزاء نہیں ملتے' ان کی شاہانہ سیرت میں نخوت وتکبر کی بجائے تواضع وانکسار' تعیش وتلذذ کی بجائے جفاکشی وتعب اور تکلف وتنعم کی بجائے انتہاء درجہ سادگی اور بے تکلفی ہوتی ہے' اسی طرح اس کی صورت میں بھی تخت وتاج دولت وخزانہ اور شاہانہ محل سرائے کا نام ونشان نہیں ملتا اور ان کی اس انوکھی ملوکیت کی وجہ سے ہی تاریخ نہ تو ان کو ملوک دنیا کی فہرست میں شمار کر سکتی ہے اور نہ اس سے پورے طور پر انکار ہی کی قدرت رکھتی ہے- انبیاء علیہم السلام کی اس بلند شخصیت کا اگر آپ کو اندازہ ہو جائے تو آپ اس حقیقت کو باور کر لیں کہ وہ دنیا میں جو نظامِ حیات لے کر آئے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا نظام ممکن ہی نہیں ہے- کاش ملوکیت کا جو تصور اسلام نے دنیا کے سامنے رکھا ہے اگر دنیا اس کو محفوظ رکھتی تو یقین کیجئے کہ آج امپیریلزم اور کمیونزم کی یہ عالمگیر اور بھیانک جنگ دنیا کے کسی خطہ میں آپ کو نظر نہ آتی- اور اگر آج بھی اس پر غور کر لیا جائے تو دنیا کو پھر اس جنگ زرگری سے نجات مل سکتی ہے-

ملوکیت نبوت کا اہم رکن عالم غیب سے اس کا رشتہ ہے ❋ انبیاء علیہم السلام کی ملوکیت کی حقیقت اگر صرف اسی حد تک جا کر ختم ہو جاتی تو یقیناً مادی عقول کے لیے ملوکیت کے اس تصور سے بڑھ کر کوئی دوسرا تصور نہ ہوتا' لیکن یہاں ملوکیت کی حقیقت میں جس اہم جزء کا وہ آ کر اضافہ فرماتے ہیں بس وہی ان کے لیے نقطہ اختلاف بن جاتا ہے یعنی عالم غیب کے ساتھ ان کا رشتہ اور وہ بھی اس شدومد کے ساتھ کہ سطحی نظروں کو یہ متوہم ہونے لگتا ہے کہ مادی نظام کے ساتھ ان کا رشتہ گویا کٹ چکا ہے- وہ اپنی کسی حالت میں بھی اس رشتہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتے- وہ چلتے ہیں تو عالم غیب ان کے سامنے ہوتا ہے' نماز پڑھتے ہیں تو عالم غیب ان کے سامنے ہوتا ہے' حتیٰ کہ جب سو جاتے ہیں تو بھی بیداری کی طرح عالم غیب ان کے سامنے ہی رہتا ہے' اسی لیے ان کے خواب کو بھی وحی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے- وہ عالم غیب میں کبھی خود جا کر اس کا مشاہدہ کرآتے ہیں اور کبھی خود عالم غیب ان کے اتنا قریب آ جاتا ہے کہ اگر چاہیں تو اس کے باغات کے پھل توڑ کر لوگوں کے حوالہ کر دیں اور اس طرح عالم شہادت میں عالم غیب کی گویا وہ ایک مجسم دلیل ہوتے ہیں- جس نے ان کو دیکھ لیا گویا اس نے پورے عالم غیب کو دیکھ لیا- یہی سبب ہے کہ جو ان کا منکر ہو گیا وہ عالم غیب کا بھی منکر ہو گیا' اور جو ان کا معتقد ہو گیا وہ عالم غیب کا بھی معتقد بن گیا- اس لیے ان کی ملوکیت بھی تمام تر عالم غیب سے جڑی ہوئی ہوتی ہے- دشمنوں کی سازشوں کی اطلاعات مخلصین صحابہ کرامؓ سے پہلے ان کو خدا تعالیٰ کے فرشتے بلکہ خود اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق سے ہو جاتی ہے- آپ کی حیات میں دشمنوں نے کتنی سازشیں خفیہ در خفیہ کیں مگر یہاں دیکھا تو آپ کو پہلے سے ان کی اطلاع مل چکی تھی ایک بار یہود نے آپ کو کھانے میں زہر دیا' آپ نے فوراً ان کو بلا کر پوچھا بتاؤ تم نے کھانے میں زہر ملایا ہے انہوں نے اس کا اعتراف کیا مگر حیرت زدہ ہو کر پوچھا- آپ کو یہ راز بتایا کس نے؟ آپ نے اسی کھانے میں سے بکری کا دست اٹھا کر فرمایا- اس نے- پس یہاں گھر' باہر دوست ودشمن کی بہت سی خبریں ظاہری انتظام سے پہلے ہی ان کو عالم غیب سے مل جاتی ہیں- قرآن کریم میں آپ کے ایک خانگی معاملہ کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ ایک واقعہ کے متعلق آپ کی بیوی صاحبہ نے اپنی ایک رازدارانہ گفتگو پر آپ کو خبردار دیکھ کر تعجب سے پوچھا "من انبأک ھذا؟" یارسول اللہ بھلا یہ تو بتا دیجئے کہ اتنی پوشیدہ بات کی

www.besturdubooks.net

اطلاع آپ کو دی کس نے؟ آپ نے فرمایا "نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ" اس نے جس سے بڑھ کر نہ کوئی جاننے والا ہے اور نہ کوئی خبر رکھنے والا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تو قرآن کریم میں ایک معجزہ ہی یہ موجود ہے کہ تم لوگ جو اپنے گھروں میں کھاتے پیتے اور جمع کر کر کے رکھتے ہو وہ سب میں جانتا ہوں' اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کی ملوکیت کا رشتہ کسی جگہ بھی عالم غیب سے کٹ جائے۔ ان کے نزدیک ان کی ملوکیت کی حقیقت قوتِ تنفید سے ایک ذرہ آگے نہیں ہوتی' اپنی ذاتی حکومت کا وہ کوئی تصور ہی نہیں رکھتے اور جو آئین وہ لے کر آتے ہیں وہ کسی انسان کا ساختہ پرداختہ نہیں ہوتا۔ وہ یہ اعلان کر کر کے کہتے ہیں کہ جس آئین کی ہم تم کو دعوت دیتے ہیں وہ آئین خود خالق کائنات ہی کا بنایا ہوا ہے' ہم اس میں ایک شعشہ کا نہ اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ اس میں ذرا سی کمی کر سکتے ہیں۔ ﴿قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ﴾ (یونس:۱۵) کہہ دو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں (کسی قسم کا) ردوبدل کروں بلکہ اس پر عمل کرنے میں خدا تعالیٰ کی دوسری تمام مخلوق کے ساتھ ہم بھی شریک ہیں وہ اپنے غیبی رشتہ کو صرف عقیدہ کی حد تک نہیں رکھتے بلکہ بدر وحنین کے میدانوں میں اس کا تجربہ بھی کرا دیتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں۔ اب بتاؤ فتح ونصرت تمہاری قلت وکثرت پر منحصر ہے' یا خالق کائنات کی غیبی مدد پر۔

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ (انفال:۱۰)

فتح تو اللہ کی طرف سے ہے' بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

اور اسی غیبی رشتہ کے اعتماد پر اپنی بے سروسامان فوج لے کر دنیا کی بڑی سے بڑی حکومت سے بھڑ جاتے ہیں اور اس کا وسوسہ بھی نہیں لاتے کہ فتح ان کو نہیں ہوگی' وہ تن تنہا کھڑے ہوکر بڑی بے جگری کے ساتھ اپنے پروگرام کا اعلان کر دیتے ہیں اور یہ واضح کر دیتے ہیں کہ ہم تنہا نہیں ہیں' ہماری پشت پر خالق کائنات کی غیبی مگر حقیقی طاقت موجود ہے' اس لیے تم جو بھی کر سکتے ہو کر کے دیکھ لو۔

﴿فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ﴾ (یونس:۷۱)

پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرا لو تمہاری وہ بات تم میں کسی پر مخفی نہ رہے (تاکہ سب اس کی تکمیل میں شریک ہوسکیں) پھر (جو کچھ تم کو کرنا ہے) میرے ساتھ کر چکو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔

وہ دشمن کے مقابلہ میں جب صف آرا ہوتے ہیں تو اپنی فوج کو بینڈ کی بجائے ذکر اللہ کا ترانہ گانے کا حکم دیتے ہیں اور ان کی نظر ظاہری ساز وسامان ہونے کے باوجود دعاؤں کے بم اور ملائکۃ اللہ کی ایٹمی طاقت پر زیادہ لگی رہتی ہے۔ اسی لیے عین حالت جنگ میں بھی وہ نمازوں کو اپنے اوقات سے مؤخر نہیں کرتے گو وہ اس حالت میں اپنی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھنا بھی لازم سمجھتے ہیں۔ ان کی جنگ کا مقصد صرف قتل وغارت اور اقتدار وملکیت نہیں ہوتا وہ اس نازک موقعہ پر بھی مجرم اور غیر مجرم کی تمیز رکھتے ہیں اور یہ ہدایت کرتے ہیں۔ کسی بچہ کو قتل نہ کیا جائے کسی عورت پر ہاتھ نہ ڈالا جائے' جو شخص خدائی حکومت کا اقرار کرے اس سے فوراً درگزر کر دیا جائے۔ جو مال دشمن سے حاصل ہو اس کو اپنی ملکیت نہ سمجھا جائے' جو ملک قبضہ میں آئے اس کے باشندوں

www.besturdubooks.net

کے ساتھ عادلانہ سلوک کیا جائے۔ عام ملکی حقوق جان و مال کی حفاظت میں ملکی اور غیر ملکی کا کوئی امتیاز نہ رکھا جائے' کافر کا دعویٰ مسلمان پر اسی نوعیت کے ساتھ سنا جائے جیسا مسلمان کا کافر پر اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ ملک دراصل اللہ تعالیٰ کا ہے' ہماری جنگ و صلح بھی اسی کے حکم کے تابع ہے' وہ خالق کائنات ہے اس لیے جو حقوق کائنات کی بقاء کا موجب ہیں اس میں مساوات رکھی جائے گی۔ دوست و دشمن' کافر و مسلم کے درمیان پورے امتیاز کا دن فردائے قیامت ہے۔ ﴿إِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی ہماری موت و حیات تک کا اصل مقصد بھی صرف رضاء الٰہی ہے۔ بس اسی نقطہ پر پہنچ کر ملوکیت اور نبوت کی راہیں علیحدہ علیحدہ پھٹ جاتی ہیں۔ ملوکیت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ ملک اس کا ہو' ملک اس کی ہو' آئین اس کا ہو' دولت و خزانہ اس کا ہو' قوت اس کی ہو اور اختیار و اقتدار تمام تر اس کا ہو۔ اس کے برعکس نبوت کا اعلان یہ ہے کہ یہ ملک اس کا ہے نہ مِلک اس کی نہ آئین اس کا ہے' نہ حکومت و اقتدار اس کا۔ دولت و خزانہ اور طاقت و اختیار جو کچھ بھی ہے وہ سب مالک علی الاطلاق کی ہے۔ اس لیے وہ اپنی بادشاہت کا نام حاکم اور ملک کی بجائے خلیفہ رکھتی ہے۔

<u>ملوکیت نبوت کی حقیقت خلافت ہے</u> ٭ یعنی اس کی جانب سے ایک مقرر شدہ نائب اور بس۔ ان کے سامنے بس یہی ایک پروگرام ہوتا ہے کہ وہ خدائی آئین کو اس کی پیدا کردہ مخلوق میں پوری جدوجہد کے ساتھ نافذ کردیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے طویل و عریض سلسلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملوکیت کی ظاہری شان و شوکت کا تذکرہ خود قرآنی اوراق میں موجود ہے' مگر اس کی حقیقت بھی قدم قدم پر خلافت سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوتی' وہ اس اقتدار اور حکومت کے بعد بھی ہر ہر موقعہ پر یہی اعلان کرتے رہے کہ میں ایک نائب کی حیثیت سے زیادہ کچھ نہیں ہوں۔ نصب العین میرا بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کا تھا یعنی احکام الٰہیہ کی تنفیذ۔

مادی عقول اس غیبی رشتہ کا ادراک نہیں کرتیں' اس لیے وہ ہر موقعہ پر رسولوں کا یہ رشتہ سن کر بدکتی ہیں اور وہ خلافت کی بجائے انسان کو خود مستقل مالک و حاکم کی حیثیت دے دینا معقول بات سمجھتی ہے حالانکہ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو ملوکیت کی صحیح حقیقت اگر ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہو سکتی ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں نظر آتی ہے اور صرف اسی کی نظامِ عالم کو ضرورت بھی ہے۔ اس سے زیادہ ملوکیت کا جو تصور مادی عقول نے تراش لیا ہے نہ تو اس کی کوئی حقیقت ہے اور نہ نظامِ عالم کو اس کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کو اپنی مستقل مالکیت و حاکمیت کا دعویٰ کرنا حقیقت کی نظر میں کتنا خلاف واقع ہے پھر اس پر آئین سازی اور اختیارِ مطلق کے جو شاخسانے اس نے اور لگا لیے ہیں وہ اور بھی زیادہ مضحکہ خیز ہیں۔ اور ان بے حقیقت خیالات کی نظامِ عالم کو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ عالم میں فتنہ و فساد کی جڑ ملوکیت کا یہی مادی تخیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی مملکت بھی گو ظاہر میں کتنے ہی اقتدار و حکومت کی مالک ہو مگر اس کی زیردست رعایا کے قلوب پر بھی اس کا سکہ نہیں جمتا اور اسی لیے ہمیشہ دنیوی بادشاہوں کو اپنے گرد و پیش سے خطرات لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک نہ ایک دن صفحۂ ہستی سے ان کو نابود ہو جانا پڑ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جس ملوکیت کے حامل ہوتے ہیں اس میں چونکہ انسانی فلاح و بہبود کے سوا کوئی تخیل ہی نہیں ہوتا وہ اپنی مالکیت و حکومت کا کوئی دعویٰ ہی نہیں رکھتے اس لیے فطرتِ انسانی کو ان سے ٹکرانے کا موقعہ ہی نہیں ہوتا' اور اس لیے ان کی محبت

www.besturdubooks.net

اور محبت کے ساتھ عقیدت بھی دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے حتی کہ ان کی محفل کا نقشہ وہ بن جاتا ہے جو ابھی عروہ بن مسعود کی زبان سے آپ سن چکے ہیں اور اسی لیے ان کی عقیدت میں حیات اور بعد حیات کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قلوب جس طرح ان کی حیات میں ان کا انتہائی درجہ احترام کرتے ہیں ان کی وفات کے بعد بھی ان کے احترام کے لیے اتنے ہی مضطر رہتے ہیں۔ اس مقام سے یہ بات بھی حل ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ اتنی والہانہ محبت اور عقیدت کیوں تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ محض بے سمجھے سوچے آپ پر فدا ہو گئے تھے بلکہ وہ آپ کی ذات مبارک میں جاذبیت کے جو متفرق سامان متعدد انسانوں میں جمع ہو سکتے تھے وہ یہاں بیک وقت زیادہ سے زیادہ جمع دیکھتے تھے وہ تجربہ کر کر کے دیکھ چکے تھے کہ رسول خدا کی ذات میں ان کی خیر خواہی خود ان کی اپنی جانوں سے زیادہ موجود ہے۔ اس لیے بادشاہ والد محسن اور ان کے علاوہ محبت کے جتنے رشتے تصور میں آ سکتے ہیں وہ سب کے ساتھ آپ میں جمع ہو گئے تھے۔ سچ پوچھیے تو ان کی محبت و ادب کا جو نقشہ عروہ بن مسعود نے اپنے الفاظ میں ادا کیا تھا وہ بھی ناتمام تھا۔

نبوت کے لیے قدرت جن نفوس کا انتخاب کرتی ہے ان میں اعلیٰ قابلیتیں بھی ودیعت فرمادیتی ہے ✻

اور اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ یہ شاہانہ حکومت انبیاء علیہم السلام کے یونہی حوالہ نہیں کی جاتی بلکہ اس نوع کی حکومت اور شاہی کی قابلیت چونکہ صرف ان ہی میں پیدا کی جاتی ہے اس لیے خدا تعالیٰ کی تمام مخلوق میں صرف وہی اس کے اہل ہوتے ہیں کہ خدائی حکومت کا نازک اور اہم منصب ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ اسی لیے مقام نبوت کا انتخاب انسانوں کے سپرد نہیں کیا جاتا بلکہ جو خالق کائنات ہے وہی خود ان کا انتخاب فرماتا ہے۔

﴿اللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ﴾ (الحج: ۷۵) — اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بعض کو اپنے احکام پہنچانے کے لیے انتخاب فرمالیتا ہے اور اسی طرح بعض کو آدمیوں میں سے بھی۔

اگر تاریخی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کا یہ جوہر استعداد دیکھنا ہو تو سورۂ یوسف اٹھا کر پڑھ لیجیے۔ کس طرح فوطی فار فرعون کی فوج کے سردار نے پہلے غلام سمجھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا پھر تجربہ کے بعد کس طرح اپنی سلطنت کا نظم و نسق سب ان کے حوالہ کر دیا۔ حسب بیان تورات ان کے حسن انتظام سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہوگئی تھی۔ (پیدائش ۳۹: ۴)

کون باور کر سکتا ہے کہ اگر انبیاء میں یہ جوہر استعداد نہ ہوتا تو جو کل زرخرید غلام نظر آ رہا تھا وہ بہت تھوڑی سی مدت میں مصر کے تاج و تخت کا مالک نظر آ سکتا تھا' بالخصوص جب کہ وہ اپنے گھرانے سے جدا ہوا تو اس کے ماحول کی زندگی بدویانہ زندگی تھی اور جہاں آ کر اس نے زمام حکومت سنبھالی وہ انتہاء درجہ پر متمدن ملک تھا۔ اسی خدا نے آخر میں پھر ایک صحرانشین ہی کو پیدا فرمایا اور فارس و روم جیسی متمدن حکومتیں سب اس کے زیر نگیں کر دیں۔ کیا اب بھی کوئی یہ شبہ کر سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں ملوکیت کا جوہر نہیں ہوتا۔

آدم علیہ السلام کی سرگزشت میں اسی حقیقت پر ایک اہم تنبیہ ✻

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آدم علیہ السلام کی خلافت اور ملائکۃ اللہ کی سرگزشت کا جگہ جگہ تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ اور خوب واضح کیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو زمین

www.besturdubooks.net

کی خلافت صرف یونہی سپرد نہیں کر دی گئی تھی بلکہ قدرت نے پہلے سے ان میں وہ اعلیٰ جوہر بھی ودیعت فرما دیئے تھے جو خدائی خلافت اور نیابت کے لیے ہونے چاہئیں۔ اور اسی لیے زیر حکومت آنے والی اشیاء کی تعلیم خاص طور پر ان ہی کو دی گئی تھی۔ تعجب کی بات ہے کہ ملائکۃ اللہ ہزار اپنی تسبیح و تقدیس کا بڑے عجز و نیاز کے ساتھ اظہار کرتے رہے مگر قدرت کا فیصلہ پھر ان کے خلاف ہی رہا یہ اس لیے کہ دنیا کو یہ سبق ملے کہ اسلامی حکومت یا خلافت میں سب سے پہلے صلاحیت و قابلیت کو جانچا جاتا ہے۔

آدم علیہ السلام اور ملائکۃ اللہ میں مقابلہ کا امتحان اور اس کا نتیجہ ✻ صرف مصلیٰ اور تسبیح کی فضیلت سے ملک حوالہ نہیں کر دیا جاتا۔ اس قابلیت کے فقدان کی وجہ سے خلافت تو درکنار اشیاء کے اسماء کی بھی ان کو تعلیم نہیں دی گئی۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت ملا اور ان کو معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ان کو فرعون کا مقابلہ کرنا ہے۔ ایسے بددماغ کو یہ بات سمجھانی کہ تو نہ حقیقی مالک ہو سکتا ہے نہ حقیقی ملک۔ کتنی فصاحت لسانی کا محتاج ہے‘ ادھر میری زبان میں لکنت ہے تو ان کی نظر بھی اسی طرف گئی اور انہوں نے یہ درخواست پیش کی کہ اگر مجھے ایک فصیح البیان وزیر بھی مددگار کے طور پر عنایت ہو جائے تو میرے کام میں بہت سہولت پیدا ہو جائے پھر جب اس امت کا دور آیا تو یہاں بھی خلافت کے وقت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے زاہد کی طرف کسی کی نظر نہ اٹھی بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرابت کی طرف بھی اس وقت نظریں نہ گئیں۔ معلوم ہوا کہ دنیوی خلافت ہو یا اخروی ہر جگہ قابلیت و صلاحیت کی رعایت انبیاء علیہم السلام نے بھی سب سے مقدم رکھی ہے‘ ان کے خلفاء نے بھی اور خود خالق کائنات نے بھی۔ پھر یہ خیال کس قدر سفیہانہ خیال ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کے لیے صرف تسبیح و تہجد کی تلاش ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو زمین کی خلافت کے لیے تسبیح و تقدیس سے زیادہ نظامی قابلیت کا ہونا ضروری ہے۔ بھلا جو مخلوق اپنی زیر حکومت اشیاء کے ناموں تک سے ناآشنا ہو وہ ان کی ضروریات کی رعایت کیا کر سکتی ہے‘ اور ان کا نظم و نسق کیا چلا سکتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب کسی منصب کے لیے دنیا میں اس کی قابلیت کا ہونا ضروری ہو اور اس کے لیے مقابلہ کا امتحان بھی لازم سمجھا جائے تو جس کے قبضہ میں قابلیتوں کی آفرینش ہے وہ قابلیت اور امتحان مقابلہ کے بغیر صرف یونہی اپنی نیابت کا اہم منصب آدم علیہ السلام کے سپرد کر دیتا۔ بے شک حکومت کے لیے جہاں صرف تسبیح و تہجد کو دیکھا نہیں جائے گا وہاں یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو نیابت کے فرائض ہی سے ناآشنا ہو اور حکومت الٰہیہ کی بجائے خود اپنے تراشید و قوانین نافذ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ خدا تعالیٰ کی زمین اس کے حوالہ کر دی جائے۔ دنیا کی تاریخ میں جب کبھی ایسا ہوا ہے تو خدا تعالیٰ کی زمین ہمیشہ طغیان و سرکشی اور شر و فساد سے بھر گئی ہے‘ لہٰذا اسلامی حکومت کے لیے وہی شان جامعیت درکار ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام میں ذکر ہو چکا ہے۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ مغالطہ بھی دور ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اس غیبی رشتہ کا مطلب یہ ہے کہ مادی نظام ان کی نظروں میں بالکل معطل ہوتا ہے۔ علل و اسباب ظاہری کا قدرتی نظام سب بیکار ہوتا ہے اور اب حصول مقاصد کے لیے صرف دعاؤں اور خدا تعالیٰ کے مقدس فرشتوں کا انتظار کرنا چاہیے۔ نہیں نہیں‘ مادی نظام کی رعایت مادہ پرستوں سے کم یہاں بھی

www.besturdubooks.net

نہیں ہوتی مگر یہاں اس کو صرف اسباب وعلل ظاہری کی حد تک ہی سمجھا جاتا ہے' موثر حقیقی نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے لشکر کی صف آرائی بھی ہوگی' جس سمت سے دشمن کا خطرہ ہو اس طرف پہرہ بھی مضبوط رکھا جائے گا۔ جدید آلات بھی استعمال کیے جائیں گے' خندق بھی کھودی جائے گی' جنگی راشن اور اس کی تقسیم کا انتظام بھی پورا پورا کیا جائے گا۔ غرض تمام نظام زندگی کے ہر ہر گوشہ میں مادی اسباب کی بھی پوری رعایت رہے گی یہ سب کچھ ہوگا مگر ہوگا اسی استحضار کے ساتھ کہ اصل تاثیر صرف وحدہٗ لاشریک لہ کے قبضہ میں ہے۔ اس لیے اگر ان کے پیچھے دشمن ہو اور سامنے سمندر اور موت کے اسباب ظاہری سب جمع نظر آئیں پھر بھی ان کو ذرا ہراس نہیں ہوتا اور بڑے اطمینان کے لہجے میں وہ یہ کہہ دیتے ہیں ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ﴾ جب میرے رب کی حقیقی طاقت میری پشت پر موجود ہے تو مجھے غم کیا ہے۔ سیال پانی بھی مجھ کو راستہ دینے پر مجبور ہوگا۔ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اس میں جھونک دینے پر دشمن تلے نظر آتے ہیں مگر ان کے بحر سکون میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوتی' اس لیے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جس نے آگ میں جلانے کی فطری صفت پیدا کی ہے وہ اس کو بدل بھی سکتا ہے۔ بس عالم غیب پر ان کے اس اعتماد کو دیکھ کر ہی ناواقف عقول کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ مادی نظام ان کے یہاں معطل ہوتا ہے۔ حالانکہ مادی نظام کی غیبی نظام کے سامنے حقیقت ہی اتنی ہوتی ہے کہ مادی نظام صرف ایک صورت کی حیثیت رکھتا ہے اس کی روح وہی غیبی نظام ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ضعیف نظریں اس غیبی نظام کا ادراک ہی نہ کر سکیں۔

اب آپ دنیوی حکومت اور اسلامی خلافت کا فرق سمجھ گئے ہوں گے۔ ہم آخر میں پھر اس کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام صرف جبرئیل صفت نہیں ہوتے بلکہ وہ ملوکیت مگر شرعی ملوکیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کے حامل بھی ہوتے ہیں' بے شک ان کے پورے کے پورے آئین کا رشتہ خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی ہدایت ربانی سے کٹ نہیں سکتا اور نہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے۔ جب دنیا میں ہر کمزور کی سیاست یہ ہے کہ وہ کسی طاقتور کی پناہ میں رہے تو انبیاء علیہم السلام جیسے حقائق آگاہ سے کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد خلافت میں خود اپنی حکومت کی اصل طاقت ہی کو فراموش کر بیٹھیں۔ یہ تو ان کی ملوکیت کی کچھ تفصیل تھی اب اسی پر ان کے علم وحکمت اور رشد وہدایت کے معاملہ کو قیاس کر لیجئے۔

نبوت کا رکن ثانی یعنی علم وحکمت ٭ انبیاء علیہم السلام جو علوم لے کر آتے ہیں اس کی تفصیل آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بیان میں ملاحظہ فرما چکے ہیں یہ وہ علوم ہیں جن سے کہ نفس انسانیہ کے شرف وکمال اور تمام نظام عالم کی اصلاح کا تعلق ہوتا ہے' اگر عالم ان علوم سے غافل رہے تو انسانیت کا کمال ہی عالم سے معدوم ہو جائے۔

علوم نبوت کی پہلی خصوصیت حقوق انسانیت کا تحفظ اور مصالح عالم کی رعایت ہے ٭ اب مثال کے طور پر آپ صرف معاملات کے ایک شعبہ ہی کو لے لیجئے' جیسے بیع وشراء اور نکاح وطلاق' یوں تو سب دنیا ہی اس پر ہمیشہ سے غور کرتی چلی آئی ہے۔ اور اپنے اپنے زاویہ خیال کے مطابق ان کا ایک آئین بھی مقرر کرتی رہی ہے مگر اس کی انتہاء صرف بائع ومشتری اور صرف زوج وزوجہ کی بہبودی کی حد تک ہے یا اس سے اور آگے اپنے ملک کی حد تک سمجھ لیجئے لیکن بقیہ عالم پر اس کے اثرات کیا ہوں گے اس بحث سے ان کو کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی نظر اس طرف بھی رہتی ہے کہ ان کے آئین میں ایک دفعہ بھی ایسی

www.besturdubooks.net

نہیں ہوسکتی جو عالم کے کسی خطہ کے حق میں بھی مضرت رساں ہو۔[۱] یہ اس لیے کہ وہ حقوقِ انسانیت کے سب سے بڑے محافظ بنا کر بھیجے جاتے ہیں' اور دراصل خلافتِ الٰہیہ کا تقاضہ بھی یہی ہے اور اسی لیے ان کی ملوکیت کا بڑا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر آپ انبیاء علیہم السلام کے آئین کی تلاش کریں گے تو اس میں حیوانات تک کے حقوق کے تحفظ کا بھی ایک مستقل باب دیکھیں گے۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی احادیث میں کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اس وقت اگر ہم اس پر تفصیلی کلام کریں تو اصل موضوع سے بہت دور ہو جانے کا خطرہ ہے اس لیے ہم صرف معاملات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی نظام میں اگر کوئی جزء اہم سمجھا گیا ہے تو وہ صرف طرفین کی رضامندی ہے' اگر طرفین کسی معاملہ پر راضی ہو جاتے ہیں تو اس معاملہ کا اثر خواہ نظامِ عالم پر کچھ بھی ہو اور حقوق انسانیت اس کی بدولت کتنے ہی پامال ہوتے نظر آئیں مگر مادی قانون میں وہ جائز تصور کیا جاتا ہے' اسی بناء پر سود کا لین دین جائز ہی نہیں بلکہ ایک بڑے طبقہ کی نظر میں ترقی کی سب سے بڑی شاہراہ سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح زناء اگر طرفین کی رضامندی کے ساتھ ہو تو وہ کوئی جرم متصور نہیں ہوتا لیکن انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں طرفین کی رضامندی بھی گو اہم جزء ہے مگر صرف اتنی بات کسی عقد کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی وہ اس پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ اس معاملہ کا اثر بقیہ عالم اور حقوق انسانیت پر کیا پڑتا ہے' اس لیے اسلام طرفین کی رضامندی کے باوجود سود کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ سود اگرچہ ایک طبقہ کے لیے جلب زر کا ذریعہ ہو جائے مگر دوسرے طبقہ کے لیے یقیناً نقصان کا موجب ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے آئین کی ایک دفعہ بھی ایسی ہو جس سے اصولی طور پر عالم انسانی کے کسی طبقہ کی بربادی کا خطرہ یقینی ہو جائے اس لیے ان کی نظروں میں یہاں طرفین کی رضامندی کوئی چیز نہیں ہے۔

اسی طرح زناء کا مسئلہ ہے یہاں بھی ان کے آئین میں رضامندی کوئی حقیقت نہیں رکھتی' ان کے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے انسان کو خدا تعالیٰ کی زمین پر جینے کا کوئی حق ہی نہیں رہتا۔ اسی لیے اگر شرعی ثبوت کے بغیر کسی انسان کے متعلق یہ تہمت لگائی جائے تو ہمیشہ کے لیے اس تہمت لگانے والے کی گواہی قابل قبول نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ معاملہ صرف دو انسانوں کا معاملہ نہیں ہوتا' بلکہ تمام ماحول اور آئندہ نسل تک بھی اس کے برے اثرات متعدی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس فعل کا کسی حیوان کے ساتھ بھی مرتکب ہو تو اس حیوان کی نقل و حرکت سے چونکہ اس مخرب اخلاق فعل کی یاد تازہ ہوتی ہے اس لیے اس کے بھی

---

[۱] . کمیونسٹ بھی گو آج یہی دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں مگر یہ دعویٰ ان کا صرف زبانی ہے۔ وہ ریاست کے نام سے وہ تمام مظالم جائز سمجھتے ہیں جو ملوک شخصی نام سے جائز سمجھتے رہے ہیں' بس ع وہی فتنہ ہے لیکن یاذرا سانچے میں ڈھلتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی انہوں نے ملوکیت کی نفی میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ نظام عالم کو جس مہذب ملوکیت کی ضرورت تھی اس کی بھی نفی کر ڈالی ہے اور اس طرح اب گو یہ وہ ملوکیت تو نہیں رہی جس کے ظلم سے تنگ آ کر دنیا چیخ اٹھی ہے لیکن اس سے بدتر وہ صورت بن گئی ہے کہ جس کے مظالم سے دنیا کے نابود ہو جانے کے خطرات آنکھوں کے سامنے نظر آ رہے ہیں' جو آج نہیں تو کل ضرور آپ کے مشاہدہ میں آ کر رہیں گے اس وقت آپ چیخ چیخ کر کہیں گے کہ رحم اللہ علی النباش الاولی ۔ یعنی اس سے تو پہلی ہی ملوکیت غنیمت تھی۔ درحقیقت ملوکیت کا اگر کوئی صحیح تصور ہو سکتا ہے تو وہ صرف خلافت کے لفظ سے ادا ہو سکتا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل آپ سطور بالا میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

www.besturdubooks.net

معدوم کر دینے کا حکم ہے- یہ شدت اسی لیے رکھی گئی ہے کہ اس حیاء سوز حرکت سے حقوق انسانیت کو بھی دھبہ لگتا ہے اور نظام عالم بھی درہم برہم ہوتا ہے-

مادی دنیا کے نزدیک دولت جمع کرنے کا اصول دولت کی آمد و صرف کا صحیح علم حاصل کرنا ہے- انبیاء علیہم السلام کی معاشیات میں بھی اس نقطہ سے غفلت نہیں ہوتی ان کے یہاں بھی مالی مسئلہ صرف ان دو سوالوں ہی کے ماتحت دائر ہے- حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت میں سب سے پہلا سوال جو مالیات کے متعلق ہوگا وہ یہی ہوگا "من این اکتسبہ و این انفقہ" یعنی اس کے ذرائع آمدنی اور مواقع صرف بتاؤ- مگر مادی دنیا میں اس سوال کی جوابدہی خالق عقل کے سامنے بھی کافی ہو سکتی ہے یا نہیں- اس لیے ان کے یہاں آمد اور صرف کے ذرائع میں پہلی بحث یہ ہوتی ہے کہ یہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے یا حرام ذرائع سے اور اسی طرح اس کا صرف بھی کس محل پر ہوا ہے-

حلال وحرام کا صحیح مفہوم ✱ حلال وحرام کی تعبیر سے آپ متوحش نہ ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آمد و صرف میں نظام عالم کی صلاح و بہبودی کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں یعنی کسی انسان پر ظلم تو نہیں کیا گیا' کسی ظلم کے لیے صرف تو نہیں ہوا' جو چیز مال کی تعریف میں نہیں آتی اس کو مال تو نہیں بنا لیا گیا- اس قسم کے دوسرے مصالح کی رعایت سے شریعت حلال وحرام ہونے کا حکم لگا دیتی ہے اب رہے وہ علوم جو انسان کی خارجی ضروریات سے متعلق ہیں چونکہ ان کا تعلق زندگی کے ارتقاء و انحطاط کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے اس لیے وہ خود انسانی عقل کے حوالے کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ حسب ضرورت جتنا چاہے ان کو پھیلا لے- یہاں صرف اتنی ہی مداخلت کی گئی ہے کہ ان میں شریعت کے اہم اصول پیش نظر رہنے چاہئیں یعنی نہ حرام طریقے پر وہ حاصل کیے جائیں اور نہ حرام مقصد سے حاصل کیے جائیں' وغیرہ وغیرہ-

علوم نبوت کی دوسری خصوصیت حقیقت کی صحیح ترجمانی ہے ✱ انبیاء علیہم السلام کے علوم کی دوسری امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ حقیقت کی ترجمانی کے لیے پورے ضامن ہوتے ہیں اسی لیے کسی نبوت میں بھی ان کے اصول قابل ترمیم نہیں ہوتے جس طرح ایک حقیقت ہمیشہ حقیقت رہتی ہے اسی طرح ان کے اصول بھی یکساں رہتے ہیں- رہ گئے فروعی تغیرات تو چونکہ وہ انسانی تغیرات کے تابع ہیں اس لیے ان میں ترمیم اور کمی بیشی ہونا ضروری ہے مگر یہ بھی ان ہی اصول کی روشنی میں ہوتی ہے جو روزِ ازل مقرر ہو چکے ہیں- دنیا کے جتنے بھی علوم ہیں وہ کسی جگہ بھی اپنے متعلق حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے' اسی لیے یہاں ہر شخص کو طبع آزمائی کا موقعہ ملتا ہے اور ہر نئے دن ایک نئی تحقیق دنیا کے سامنے آ جاتی ہے اور وہ بھی متناقض- ابھی چند روز کی بات ہے کہ فلسفہ ارتقاء کا کس زور شور سے نقارہ پیٹا جا رہا تھا' یا فوراً کچھ ہی مدت کے بعد اس کو ایک علمی جرم سمجھا جانے لگا- کمیونزم ابھی اپنے شباب کو بھی نہیں پہنچا کہ افراط و تفریط کی کتنی صورتیں بدل چکا ہے اور ابھی اس کا انتظار کیجئے کہ وہ جا کر ٹھہرتا کہاں ہے- یا پھر واپس ہو کر ادھر ہی آتا ہے جدھر اسلام نے راہنمائی کی ہے-

علوم نبوت کی تیسری خصوصیت جزم وقطعیت ہے ✱ انبیاء علیہم السلام کے علوم کی تیسری امتیازی صفت قطعیت ہے- وہ یقین کے اس نقطہ پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی' اسی صفت کو قرآن کریم میں جا بجا

www.besturdubooks.net

﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ کہہ کر ادا کیا گیا ہے- عجیب بات ہے کہ عالم غیب مادی عقول کے نزدیک جتنا علم و یقین سے دور ہے' انبیاء علیہم السلام کے نزدیک وہ اس سے زیادہ علم و یقین میں ہوتا ہے- مثلاً قیامت کا عقیدہ- دیکھ لیجئے ہمیشہ سے مادی عقول اس کو قابل مضحکہ سمجھتی رہی ہیں اور اس کے خلاف عقلی دلائل کا زور بھی صرف کرتی رہی ہیں- عقلاء کو چھوڑ کر اگر عرب کو دیکھئے وہ ہر بعید سے بعید بات کو مان لیتے تھے مگر یہاں ان کو بھی صاف انکار تھا' مگر تمام عالم کے اس انکار اور خلاف دلائل کی بھرمار کے باوجود کیا کوئی نبی بھی ایسا گزرا ہے جس کو قیامت کے وجود میں ادنیٰ سا بھی شبہ گزرا ہو- حتیٰ کہ آخر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ مبارک آیا تو یہاں پھر جتنے زور کے ساتھ اس کا انکار کیا گیا اتنے ہی زور کے ساتھ اس کا اثبات کیا گیا' اور اس مسلسل اور مدلل انکار سے ادنیٰ شبہ بھی پیدا نہ ہو سکا-

﴿قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ﴾ اے پیغمبر کہہ دو ہاں مجھ کو اپنے پروردگار کی قسم کہ قیامت تم پر ضرور آ کر رہے گی- (السبا : ۳)

دنیا کے کسی علم میں اتنی قطعیت نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے- یہ بات دوسری ہے کہ محض توہمات اور ظنیات کے دفتر کو قطعیات سمجھ لیا جائے' یہ اپنے قصورِ علم اور قصورِ فہم کا نتیجہ ہے- پھر ان کے یہ سب علوم وہ ہوتے ہیں جن کے حصول کا انسانوں کے ہاتھ میں کوئی ذریعہ نہیں ہوتا- اسی لیے آپ قرآن کریم میں جابجا ان کا یہ اعلان پڑھیں گے- ﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی میرے جو علوم ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں تم ان کو نہیں جانتے- پھر چونکہ ان علوم کی نوعیت ہی کسبی اور اصطلاحی علوم سے جداگانہ ہوتی ہے اس لیے جو کسبی اور فنی علوم کے خوگر دماغ ہیں وہ ان کے ان علوم کو بھی اسی معیار پر پرکھنا چاہتے ہیں اور جب وہ انسانی دماغ کے تراشیدہ علوم سے مطابقت نہیں رکھتے اس پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرنے لگتے ہیں- حالانکہ معقول بات ہمیشہ معقول ہی رہتی ہے اگر وہ علوم درحقیقت معقول ہیں تو اس بناء پر کہ وہ چونکہ موجودہ کتابوں میں کہیں مدون نہیں ملتے' بس اس لیے ان کو تسلیم نہ کرنا کوئی معقول بات نہیں وہاں اگر آپ کے پاس چشم بینا ہو تو آپ ان کو خود اپنے صحیفہ فطرت اور صحائفِ عالم میں پڑھ بھی سکتے ہیں-

<u>انبیاء علیہم السلام کے رُشد و ہدایت اور جمیع کمالات کی نوع علیحدہ ہوتی ہے</u> ✵ ان کے رشد و ہدایت کا معاملہ بھی الفاظ میں کیا ادا کیا جا سکتا ہے- بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ جو ان کی صحبت میں ایمان کے ساتھ ایک مرتبہ آ بیٹھا وہ باجماع امت جنیدؒ و شبلیؒ سے کہیں بڑھ کر بن کر اٹھ گیا- اگر یہ ہستیاں دنیا میں نہ آتیں تو نہ کوئی جنیدؒ بنتا نہ شبلیؒ- خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جملہ کمالات خواہ وہ ان کی قوتِ علمیہ کے ہوں یا قوتِ عملیہ کے سب کی نوع ہی تمام مخلوقات کے کمالات سے علیحدہ ہوتی ہے- ان کی صفات کا منبع براہِ راست حق تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ ہوتی ہیں' خدا تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں مالک الملک' علیم' حکیم' رشید بھی ہیں- انبیاء علیہم السلام کے مذکورہ بالا کمالات ان اسماء حسنیٰ کے مظاہر ہوتے ہیں- ان کی صفت ملوکیت وہ نہیں ہوتی جو قیصر و کسریٰ کی تاریخوں میں مدون ہے بلکہ خود حاکم حقیقی اور مالک علی الاطلاق کا ظل ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ گو وہ خود حکومت کا دعویٰ نہیں کرتے مگر ان کی نیابت کا احترام ارضی اور سماوی سب طاقتیں کرتی ہیں- سمندر دو ٹکڑے ہو کر ان کی فوج کو راستہ دے دیتے ہیں اور

www.besturdubooks.net

آسمان کے فرشتے نمازوں میں اور جنگوں میں حاضر ہو کر ان کے ساتھ شرکت کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ ان کی حکمت اور ان کا علم بھی وہ نہیں ہوتا جس پر یونان کو یا ڈارون اور ہٹلر کو ناز تھا' بلکہ وہ اس علم بیکراں اور حکمت بے پایاں سے سیراب کیے جاتے ہیں جس کے احاطہ کے لیے اگر دنیا کے اشجار قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی تو بھی ناکافی رہیں۔ ان کی رشد و ہدایت بھی وہ ہوتی ہے کہ اگر کہیں اس کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو تمام جہان میں رشد و ہدایت کی ایک کرن بھی چمکتی نظر نہ آتی۔ اس لیے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ان بیان کردہ صفات کا اندازہ صرف اتنا ہی نہیں کرنا چاہیے کہ نبی میں قوت علمیہ بھی ہوتی ہے اور عملیہ بھی' بلکہ یہاں تمام مخلوقات میں کسی کو ان کے ساتھ شرکت حاصل نہیں ہوتی اور جو شرکت محسوس ہوتی ہے وہ صرف اسمی شرکت ہوتی ہے' ان کی حقیقت میں کوئی شرکت نہیں ہوتی۔ اگر کچھ اجمالاً اشارہ کیا جا سکتا ہے تو صرف اتنا کہ جس طرح نبوت و رسالت کسب سے بالاتر کمال ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے رشد و ہدایت کا معاملہ بھی کسب سے بالاتر ہوتا ہے۔ ع قلم اینجا رسید و سر بشکست۔ تفصیل دیکھنی ہو تو مکتوبات امام ربانیؒ کا مطالعہ فرمائیے۔

نبی کی عام صفات کی حقیقت بھی مخلوق کی عام صفات سے علیحدہ ہوتی ہے ❋ یہاں ایک بات قاعدۂ کلیہ کے طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی مذکورہ بالا صفات کے سواء ان کی جتنی اور صفات ہیں ان کی حقیقت بھی عام مخلوق کی صفات سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔ مثلاً صداقت' دیانت و امانت' اخلاق کی رفعت' خلق اللہ کے ساتھ ان کی عام ہمدردی اور ان کا عدل وانصاف وغیرہ۔ جب کبھی انبیاء علیہم السلام کے تعارف کے ذیل میں آپ ان صفات کا تذکرہ پڑھتے ہیں تو آپ کا قلب اس کا ضرور اعتراف کر لیتا ہے کہ اپنے اپنے دور میں بے شک و شبہ وہ بلند کردار کے حامل انسان تھے مگر اسی کے ساتھ آپ ہر دور میں ایسے اور انسان بھی تاریخ میں دیکھ لیتے ہیں جن میں یہ صفات موجود ہوتی ہیں مگر وہ نبوت و رسالت کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے اس لیے آپ اپنے ذہن میں ان صفات اور نبوت و رسالت کے مابین کوئی ایسا ربط نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے آپ کسی انسان کو ان صفات کا مالک دیکھ کر کوئی ایسا غیر مدرک بالعقول منصب دے دیں جو مادی عالم میں ممکن الحصول نہ ہو اس لیے آپ اس کو صرف فرط عقیدت اور دنیا کی تاریخ سے ناواقفیت کا ثمرہ تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ دنیا میں جب کبھی ایسی ہستیوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے تو ہمیشہ عقلاء نے ان کے متعلق ان کے اخلاق' ان کی صفات' ان کی تعلیمات اور متبع جماعت ہی کی تفتیش کی ہے جیسا کہ ہرقل کی حدیث میں عنقریب آپ ملاحظہ فرمائیں گے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان صفات اور اس دعوے کے درمیان عقلی لحاظ سے گو کوئی تلازم نہ ہو مگر خارجی تاریخ کے لحاظ سے کوئی ایسا ربط ضرور ہے جس کے سبب ایسا دعویٰ غور و تامل کا محتاج ہو جاتا ہے اور اگر اس وقت ایسے دعوے کا امکان ہو تو اس کی تصدیق کے لیے شاہانہ عقل بھی مضطر ہو جاتی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ یہ صفات گو عام انسانوں میں بھی پائی جا سکتی ہیں مگر اس کی وہ خاص نوعیت نہیں ہوتی جو نوعیت کہ انبیاء علیہم السلام کی صفات کی ہوتی ہے مثلاً صدق و امانت عام انسانوں میں بھی موجود ہو سکتی ہے۔ مگر جب آپ انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے صدق و صفا پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہاں اگر کوئی والدہ اپنے بچہ کو کچھ دینے کے بہانہ سے بلائے اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہو تو یہ بھی ایک جھوٹ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح دو شخص اگر باتیں کر رہے ہیں اور باتیں کرتے کرتے

www.besturdubooks.net

ان میں سے کوئی دفعۃً اپنے دائیں بائیں دیکھ لیتا ہے تو ان کے نزدیک یہ بات بھی امانت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کو اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے سامنے کہنا روا نہیں رہتا۔ جب عام امت کے لیے ان معمولی اوصاف میں ان کا معیار یہ ہو تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کی نوعیت کیا ہوگی اس کا اندازہ آپ خود فرمالیں یہی وجہ تھی کہ صدق و امانت کی صفت اگرچہ آپ کے زمانہ میں بھی بہت سے شرفاء میں موجود تھے خود ابوسفیان کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ آئندہ لوگ میری نسبت دروغ گوئی کا عیب نقل کرتے رہیں گے تو ہرقل کے سامنے میں آپ کے متعلق ضرور کوئی بات جھوٹی لگا کر رہتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی کذب کی تہمت ناقابل برداشت عیب سمجھا جاتا تھا۔ اب سوچئے کہ ایسے ماحول میں پھر وہ بات کیا تھی جس کی بناء پر لوگوں نے صدوق وامین کا لقب صرف آپ ہی کی ذات گرامی کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ اسی طرح تاریخ میں ایک عبداللہ بن سلام کی نہیں بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جو لوگ آپ کی صفات کا حال سن کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکے مگر جب انہوں نے بچشم خود ان کا نظارہ کر لیا تو پھر ان کا صرف یہی ایک فیصلہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ بات یہی تھی کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ آپ کی صفات کے صرف سننے اور پڑھنے والے ان کا کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے تھے اور مشاہدہ کرنے والے یہ اندازہ لگا لیتے تھے کہ یہ صفات گو عام انسانوں ہی کی ہیں مگر یہاں ان کی نوعیت کچھ علیحدہ نظر آتی ہے۔

ساحرین فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کا حال جب تک سنا ہی سنا تھا' اس وقت تک وہ ذرا مرعوب نہ تھے بلکہ خود اپنی رسیاں لے لے کر ان سے مقابلہ کرنے کے لیے آ ڈٹے تھے مگر جب آ کر بچشم خود اس کا مشاہدہ کر لیا تو اپنے منہ کے بل جا پڑے اور حق کی اس قاہرانہ طاقت کو دیکھ کر بے ساختہ ایمان لے آئے۔ پس انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صفات ہوتی تو وہی ہیں جو عام انسانوں میں ہوتی ہیں مگر ان کی حقیقت اور ان کے مراتب کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا نہ الفاظ میں وہ ادا کی جا سکتی ہے۔

گر مصور صورتے آں دلربا خواہد کشید　　　لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اسی لیے جب ایک بار حضرت عائشہؓ سے آپ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا' وہ کیا تھے اور کیسے تھے؟ تو اس کے جواب میں وہ صرف ایک یہ جملہ کہہ کر خاموش ہو گئیں **کان خلقه القرآن**۔ آپ کا اخلاق دیکھنا چاہو تو بس یہ قرآن دیکھ لو۔ اگر وہ چاہتیں تو یہاں آپ کے اخلاقِ حسنہ کا ایک دفتر کھول دیتیں مگر ان کے سامنے اخلاقِ نبوت کی حقیقت بے حجابانہ جلوہ نما تھی وہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کی تفصیل کرنی حیطہ بیان سے باہر ہے اگر اداء کریں تو اس کے لیے الفاظ کہاں سے لائیں' اور اگر بیان نہ کریں تو جواب کیا دیں۔ سبحان اللہ آپ کی اس نو سالہ صحبت یافتہ زوجہ مطہرہؓ نے کیا فصاحت و بلاغت سے لبریز جواب دیا جس کو سن کر ایک فہیم انسان کے سامنے آپ کے معجز اخلاق اور ان کی ادائیگی کے لیے الفاظ کی کوتاہی کا پورا پورا فوٹو کھنچ جاتا ہے۔ فرماتی ہیں **کان خلقه القرآن** - یہ سارا کا سارا قرآن آپ کا اخلاق ہی تو ہے۔ اسی طرح آپ کی تہجد کی رکعات کے متعلق جب ان سے پوچھا گیا۔ ذرا بتایئے وہ کس کیفیت اور کس انداز کی ہوا کرتی تھیں تو یہاں بھی ان کا پورا نقشہ کھینچنے سے وہ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر کے خاموش ہو گئیں۔ **یصلی اربعًا فلا تسئل عن حسنهن و طولهن** - آپ چار چار رکعتیں پڑھتے مگر وہ کتنی لمبی لمبی رکعتیں ہوا کرتی تھیں اور کیسی دلفریب ہوتی تھیں اس کا حال نہ پوچھو بس اتنا ہی سن لو کہ وہ پڑھنے والے تھے اور میں ان کا نظارہ کرنے والی' وہ زبان

www.besturdubooks.net

میرے پاس نہیں کہ جس سے ان کا طول و حسن ادا کرسکوں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سارا عالم ہی نرالا ہوتا ہے' ان کی صورتوں کا بھی ان کی سیرتوں کا بھی۔ آپ چاہتے ہیں کہ یہاں بھی صرف تاریخ کے چند الفاظ پر ہی فیصلہ کر ڈالیں۔ اور ادھر ذرا توجہ نہیں فرماتے کہ تاریخ اتنا ہی کر سکتی ہے کہ ان کی صفات اور ان کے اخلاق کو صرف الفاظ کا جامہ پہنا کر آپ کے سامنے لے آئے یہ فرض آپ کا ہونا چاہیے کہ خارجی حالات و واقعات سے ان کے مراتب اور ان کی نوعیت کا اندازہ لگائیں مگر ان سے بھی حقیقت کا انکشاف کیا ہوسکتا ہے کیونکہ جب واقعات آپ کے سامنے آئیں گے تو وہ بھی الفاظ کا نقاب ڈال کر آئیں گے اس لیے حقیقت پھر مخفی کی مخفی رہ جائیں گی بس یہی ذرا سی بات تھی جس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں آنے والی امت کے ایمان کا رتبہ بہت بلند ہوگیا تھا۔ جمالِ رسالت کے مشاہدہ کی دولت گو صحابہ کے نصیب میں آ گئی تھی مگر اس وجہ سے ان کو ایمان لانے میں بھی بڑی سہولت بہم پہنچ گئی تھی اس لیے وہ اگر ایمان نہ لاتے تو یہ قابل تعجب ہوتا اور پچھلی امت گو اس نعمت سے محروم رہی لیکن ان نا مساعد حالات میں بھی چونکہ وہ ایمان لے آئی اس لیے ان کا ایمان لانا قابل تعجب بن گیا۔ (تفصیل کے لیے ترجمان السنہ جلد دوم کا پہلا باب ملاحظہ فرمائیے)

قرآن کریم اور دیگر معجزات میں ایک خاص امتیاز ٭ بے موقعہ نہ ہوگا اگر ہم یہاں اتنا اور عرض کردیں کہ آئندہ امت کے سامنے جس طرح رسول کی ہستی موجود نہیں تھی اگر کہیں ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خاص معجزہ بھی اپنی اصل صورت پر موجود نہ ہوتا اور وہ بھی صرف تاریخ اور راویوں کے بیان پر رہ جاتا تو نہ معلوم ایمان لانے والوں کی راہ میں کتنے کانٹے اور پیدا ہوجاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فلق بحر کا معجزہ دکھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بڑھ کر شق قمر کا معجزہ دکھایا مگر یہ دونوں کے دونوں قاہرانہ معجزے صرف ناظرین کے سامنے ہی سامنے ظاہر ہوئے اور ختم ہوگئے آئندہ امت کے سامنے صرف ان کی نقل در نقل باقی رہ گئی گو ان کی صداقت کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے اٹھالی اور اپنی واضح اور محکم آیات میں جا بجا اس کا تذکرہ بھی فرمایا مگر کیا کج فطرت انسانوں نے پھر ان مقدس الفاظ کی گردن مروڑ کر نہیں رکھ دی اور کیا آفتاب کی چمکتی ہوئی روشنی اور شب کے چمکتے ہوئے چاند کے یہ دونوں معجزے پھر مخفی کے مخفی نہ رہ گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ کی اصل صورت دیکھنے اور صرف اس کے سن لینے یا پڑھ لینے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کی صفت ملوکیت' علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا تو کہنا ہی کیا ہے یہاں ان کے روزمرہ کے اخلاق و عادات کی گہرائی کا بھی اندازہ لگانا مشکل ہے۔ غریب ابن سیناء تو یہ کہتا ہے کہ ان کی بیداری کے علوم کی حیثیت منامات کی برابر ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے منامات کی حیثیت بیداری کی وحی کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا خیال تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مدرکات کی خارج میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی وہ صرف ان کے نفس کے اندرونی خیالات ہوتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ خارج میں درحقیقت کوئی حقیقت ہوتی ہے تو صرف ان کے علوم ہی کی ہوتی ہے۔

www.besturdubooks.net

قرآن کریم کو دیکھو وہ تم کو بتائے گا کہ مادی عالم سارا کا سارا لہو و لعب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا- یہاں جو کچھ نظر آ رہا ہے سب بے حقیقت ہے' حقیقت کا عالم دوسرا ہے اور یہ عالم وہ ہے جس کا علم انبیاء علیہم السلام کو مرحمت ہوتا ہے کتنا تعجب ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علوم سے عالم خارجی کے گوشہ گوشہ میں جو عظیم الشان انقلابات مشاہدہ میں آ چکے ہیں ان کے بعد بھی عقلاء کو یہ کہنے کی جرأت کیسے ہو جاتی ہے کہ ان کو خارجی عالم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا- اگر ان کے علوم کو خارجی دنیا سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو بھی عقل مندی اور دانائی کی ہر بات قابل غور ہوتی ہے- مگر یہاں تو جتنا گہرائی میں جایئے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جن امور کو انسانی زندگی سے جتنا زیادہ لگاؤ ہوتا ہے وہ اتنا ہی انبیاء علیہم السلام کے لیے زیادہ دلچسپی کا موجب ہوتے ہیں اور جتنا ان کا انسانی زندگی سے تعلق نہیں ہوتا اتنا ہی وہ ان کے نزدیک دلچسپی کے قابل نہیں رہتے- اسی لیے افلاک و نجوم کے مباحث ان کے دائرہ علوم سے بالکل خارج ہوتے ہیں بلکہ جن علوم کا تعلق صرف خیالات کے ساتھ وابستہ ہو خواہ وہ کتنے بھی قابل ستائش اور ناز کے لائق شمار ہوں مگر وہ ان کے منصب سے گرے ہوئے سمجھے جاتے ہیں- عرب میں شاعری کا جو درجہ تھا سب کو معلوم ہے کیا یہ ممکن نہ تھا کہ قرآن کریم ایک دیوان کی شکل ہی میں نازل ہو جاتا' مگر یہ تو کیا ہوتا وہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ہی کو شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا تھا کہ اگر شاذ و نادر طور پر کسی دوسرے شاعر کا شعر کبھی آپ کی زبان مبارک پر آ گیا ہے تو آپ نے قصداً اس کا وزن شعری کسی کلمہ کو مقدم مؤخر کر کے توڑ دیا ہے- گویا شعر گوئی تو در کنار شعر خوانی بھی نبوت کے شایانِ شان نہیں ہوتی پھر دنیا جانتی ہے کہ ظرافت بھی حیاتِ انسانی کا ایک باب ہے جس میں ملوک و سلاطین بھی شریک ہوتے ہیں مگر یہاں ظرافت میں بھی کیا مجال کہ ایک کلمہ زبان سے ایسا نکل جائے جو ہو بہو حقیقت نہ ہو' اسی طرح غصہ کی حالت میں ایک ضابطہ سے ضابطہ انسان کی زبان پر بھی ایسے کلمات آ جاتے ہیں جو صرف حالتِ غضب کا مظہر ہونے کے سواء کوئی حقیقت نہیں رکھتے- مگر یہاں حالتِ غضب کا عالم بھی یہ ہے کہ جو بات اس حالت میں آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتی ہے وہ بھی اتنی ہی اہمیت سے قابل ضبط و کتابت ہوتی ہے جیسا کہ عام حالات کی- پس جن شخصیتوں کی ظرافت اور غصہ کے کلمات بھی حقیقت سے سر مو تجاوز نہ کرتے ہوں ان کے علوم کو منامات کے برابر سمجھنا کتنا ظلم عظیم ہے اسی طرح جن کے نظام زندگی کا خارجی عالم سے اتنا گہرا تعلق ہو اور عالم حقیقت کے فوز و فلاح کا اسی پر دار و مدار ہو ان کے متعلق یہ خیال قائم کر لینا کہ خارجی عالم سے ان کو کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا کتنی بے بنیاد بدظنی ہے-

امید ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس بیان سے آپ نے نبوت کے کمالات کا کچھ اندازہ کر لیا ہو گا اور اسی طرح اس کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی شخصیتوں کا بھی آپ کو کچھ نہ کچھ تعارف حاصل ہو گیا ہو گا' لیکن چونکہ اس کو پورے طور پر سمجھنا علم و دقت فہم کا محتاج ہے اس لیے ہم یہاں آپ کے سامنے دوسرا وہ طریقہ بھی پیش کیے دیتے ہیں جو نہایت سادہ اور صاف ہے اور اس کا سمجھنا زیادہ غور و فکر کا محتاج بھی نہیں ہے-

حافظ ابن تیمیہؒ کی نظر میں انبیاء علیہم السلام کی معرفت کا طریقہ بھی دوسرے انواع انسانی کی طرح ان کے امتیازات و خواص ہیں ✵ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی شناخت کا طریقہ وہی ہے جو دوسرے انواع انسانی کی شناخت کا ہوتا ہے' دنیا میں اس مقدس نوع کے افراد بھی اسی طرح کثرت سے آتے رہے ہیں جس طرح کہ اطباء' شعراء'

www.besturdubooks.net

ساحرین، مجنون اور کاہنوں کے۔ ان میں سے ہر ہر نوع کے ہر زمانہ میں کچھ ایسے خواص و امتیازات بھی صفحات تاریخ میں مدون ہوتے چلے آئے ہیں جن سے کہ وہ نوع کسی دور میں خالی نہیں رہی اس لیے بعد کی نسلوں نے ان کی ان ہی خصوصیات سے ان کو کسی تکلیف و تکلف کے بغیر پہچان لیا ہے۔ مثلاً جن اطراف میں طبیب پیدا ہوتے رہے ہیں یا کم از کم طبیبوں کی تاریخ سے ان کو پوری آگاہی حاصل ہوئی ہے ان کو اپنے دور کے کسی طبیب کی شناخت میں کبھی کوئی لاینحل دشواری پیش نہیں آئی۔ اسی طرح سحر و کہانت بھی مدت سے دنیا کی جانی پہچانی باتیں ہیں اس لیے یہاں بھی ساحر و کاہن کا حکم لگانے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی اور اگر بالفرض کچھ دشواری ہوتی بھی ہے تو اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ پاگل اور مجنون اور صفراوی بیماروں کا حال اس سے بھی زیادہ روشن ہے کیونکہ اس نوع کا وجود پہلی انواع سے بھی زیادہ عام ہے اس لیے ان کی خصوصیات بھی ان سے زیادہ روشن ہیں۔ اس لیے عام آدمی بھی مجنون اور غیر مجنون میں فرق کر لیتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا گروہ بھی آفرینش عالم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہوتا چلا آیا ہے۔ ان کی بھی ایک تاریخ زندگی اور اس کی خصوصیات معلوم ہیں۔ لہٰذا جس طرح انسانوں کی دوسری انواع اپنی اپنی خصوصیات سے آسانی معلوم ہو سکتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی نوع کا معلوم کرنا بھی ذرا دشوار نہیں ہے۔ یہاں دشواری اگر ہے تو صرف اس کے لیے ہے جس کو اس نوع کی تاریخ ہی کا صحیح علم نہیں یا اس کا صحیح مطالعہ نہیں تو پھر ایک ان ہی پر کیا انحصار ہے طبیب اور ڈاکٹروں سے ناواقف کے لیے ان کی شناخت بھی اتنی ہی دشوار ہے۔ اب یہ بات بھی حل ہو گئی کہ یہ بدیہی مسئلہ آخر فارابی و ابن سیناء جیسے عقلاء کو حل کیوں نہیں ہوا اور آج بھی وہ کیوں لاینحل بنا ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو چونکہ انبیاء علیہم السلام کے صحیح حالات نہیں پہنچے اور جن کو پہنچے انہوں نے غور کے ساتھ ان کا مطالعہ نہیں کیا اس لیے لازمی طور پر ان کو یہاں صرف انکل کے تیر ہی چلانے پڑے جیسا کہ ابن سینا نے صاف ہی کہہ دیا ہے کہ نبوت کی یہ تحقیق ہم نے اس وقت لکھی جب کہ ہم کو ایک جماعت کے کچھ حالات پہنچے تو ہم نے چاہا کہ دوسری اشیاء کی طرح اس کے بھی کچھ اسباب لکھ دیں۔

اس جگہ آپ کے دماغ میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ نبوت اور معجزات و وحی یہ سب اشیاء دین کے اہم مبادیات میں داخل ہیں۔ جب تک پہلے یہی مفہوم و معقول نہ ہو جائیں اس وقت تک دین کے آئندہ مسائل بھلا کیسے قابل تسلیم ہو سکتے ہیں اور جب ان مبادی کی حقیقتوں کے سمجھنے سے ارسطو اور فارابی اور ہمارے موجودہ دور کے عقلاء بھی عاجز ہوں تو ایسے امور کو دین کی مبادیات میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟

نبوت و رسالت کی حقیقت دریافت کرنی گو مشکل ہے مگر نبی کی معرفت بدیہی ہے ❋ یہ اہم سوال درحقیقت ایک ذرا سا نکتہ فروگزاشت کر دینے سے پیدا ہوتا ہے اگر آپ اس پر غور کر لیں کہ بہت سی اشیاء بدیہی ہوتی ہیں، لیکن جب بحث ان کی حقیقت معلوم کرنے میں آتی ہے تو وہی ہر نظری سے بڑھ کر نظری بن جاتی ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوگا، بے شک نبوت، معجزہ اور وحی کی حقیقت معلوم کرنی صرف عقلاء غیر مسلمین کے لیے ہی دشوار نہیں خود اہل اسلام کے لیے بھی لاینحل مسئلہ ہے، چنانچہ آج تک کتب کلام وغیرہ میں اس کی حقیقت کی تنقیح میں مختلف اقوال موجود نظر آتے ہیں لیکن اس دقت کے باوجود پھر خود نبی، وحی اور معجزہ کی معرفت اتنی بدیہی ہے کہ اس سے بڑھ کر شاید کوئی بات بدیہی نہ ہو اہل کتاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور

www.besturdubooks.net

آپ کو اس طرح پہچان لیا جیسے باپ اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے عرب کے امی ایک دو نہیں ہزاروں ہزار کی تعداد میں آپ کی خدمت میں آئے‘ بہتوں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ کے نبی برحق ہونے کا یقین کا لیا اور بہتوں نے کسی معجزہ کو دیکھا اور اس معجزہ کو بھی بداہتہً سمجھا اور پھر کسی دقت کے بغیر آپ کی نبوت پر بھی یقین کرلیا- اس کے بعد کسی کو آپؐ کے فیض صحبت سے کوئی خاص حصہ مل گیا وہ رموزِ وحی سے یہاں تک آشنا ہوگیا کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو وہ فوراً پہچان لیتا کہ اب آپ پر وحی نازل ہورہی ہے اور اس سے زیادہ اگر کسی کو اور قرب نصیب ہوگیا تو نزول وحی کے وقت اس کے قلب پر وحی کا کبھی اتنا انعکاس بھی ہوگیا کہ وحی کے ظاہری شکل میں آنے سے قبل ہی اس کا کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہوگیا- اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ عناصر اربعہ یعنی پانی‘ آگ‘ ہوا اور خاک یہ ان بدیہیات میں داخل ہیں‘ جن کے سمجھنے اور شناخت کرنے میں کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے- ذرا سا بچہ بھی پیاسا ہوتا ہے تو پانی کہہ کر اپنی ماں سے مانگ لیتا ہے اور اپنی تشنگی دور کرلیتا ہے- لیکن اگر اسی پانی کی حقیقت اس سے دریافت کی جائے تو وہی بچہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب کالج سے باہر نکلتا ہے تو بھی اس کی پوری تشریح سے قاصر نظر آتا ہے- یہی حال ہوا کا ہے وہ پانی سے کہیں لطیف عنصر ہے اتنا لطیف کہ آنکھوں سے اس کا ادراک بھی نہیں ہوسکتا‘ لیکن اس کا بھی ایک بچہ ادراک کرلیتا ہے اور گرمی کے وقت پنکھا ہاتھ میں لے کر ہوا حاصل کرلیتا ہے لیکن کیا وہ اس کی حقیقت بتا سکتا ہے-

یہ حال تو ان بدیہی محسوسات میں ہے آپ اگر اس سے ذرا قدم آگے بڑھا کر عقلیات میں قدم رکھیے تو یہاں ان کی حقیقت کے ادراک میں آپ کو اور تاریکی در تاریکی نظر آئے گی- اسی لیے عقلاء قدیم نے عاجز آکر یہ بطور قاعدۂ مسلّمہ لکھ دیا کہ ان التحدید الحقیقی عسیر جداً. یعنی کسی چیز کی حقیقت کا صحیح صحیح پتہ دینا یہ بہت مشکل ہے آپ اس فیصلہ کو تسلیم کریں یا نہ کریں مگر بہر حال ہے یہ بھی ایک عقلاء کی جماعت ہی کا فیصلہ یہی وجہ تھی کہ کسی نبی نے ان اشیاء کی نہ تو حقیقت بیان کرنے کی طرف خود کوئی خاص توجہ کی اور نہ اس کا بوجھ ہماری ضعیف عقول پر ڈالا ہے اور نہ کبھی ان پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اور صرف بدیہی معجزات دکھا کر اپنے نبی ہونے کی بدیہی شناخت کرائی ہے‘ اس کے بعد وحی کے آبِ زلال سے تشنگانِ راہ خدا کی پیاس بجھائی ہے- پس نبوت اور معجزہ کی حقیقت کی پہچان خواہ کتنی ہی دقیق ہو لیکن خود نبی اور معجزہ کی شناخت میں کوئی دشواری نہیں ہے اور یہی شناخت دین کی بنیاد ہے- حقیقت کے ادراک کی بحث کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے- نبوت تو درکنار ولایت و الہام جو اس کے تحت کی اشیاء ہیں ان کی حقیقتوں کا ادراک بھی ناممکن ہے جب تک کہ خود اس شخص کو مقام ولایت حاصل نہ ہو- اسی وجہ سے مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد- اگر اس ضرب المثل مقولہ پر بھی آپ ذرا گہری نظر ڈالیں گے تو یہ بھی آپ کو محل تامل نظر آئے گا اور واقعات شہادت دیں گے کہ یہ مقولہ بھی اطلاق کے ساتھ قابل تسلیم نہیں ہے بسا اوقات ایک ولی کو بھی دوسرے ولی کی ولایت کا پورا ادراک نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ نفس ولایت کے بارے میں خود اولیاء کرام میں بڑا اختلاف موجود ہے- پھر نبوت کا تو ذکر ہی کیا ہے- شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں:

فلاینبغی ان یتکلم فی مقام الرسول الا رسول ولا فی مقام الانبیاء الانبی ولا ذوق	اس لیے رسول کے مقام میں رسول ہی کو اور انبیاء علیہم السلام کے مقام میں صرف نبی ہی کو گفتگو کرنا مناسب ہے- انبیاء علیہم

www.besturdubooks.net

لنا في مقام الانبیاء حتی تتکلم علیه. — السلام کے مقامات ہی سے جب ہم آشنا نہیں تو ان سے بحث
(الیواقیت ج ۲ ص ۴۷ و ۷۲) — کیا کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قدرت نے جس امر کا مخلوق کو مکلّف بنایا ہے اس کو ہمیشہ آسان تر رکھا ہے اور جس حقیقت کا پورا ادراک نہیں ہوسکتا اس کا ہم کو مکلّف بھی نہیں بنایا۔ یہ شیطان کا ایک گہرا فریب ہے کہ جب وہ کسی کو راہِ حق سے روکنا چاہتا ہے تو مقاصد سے ہٹا کر ہمیشہ ایک عبث مشغلہ میں اُلجھا دیتا ہے اور ایسا اُلجھاتا ہے کہ انسان اسی میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور مقاصد تک اس کو رسائی کی نوبت ہی نہیں آتی۔ والعیاذ باللہ۔ اس لیے ہم یہاں ان مباحث میں پڑنے کی بجائے خود انبیاء علیہم السلام کے تعارف اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام جب کبھی دنیا میں تشریف لائے ہیں تو اپنے کامل تعارف کے ساتھ آئے ہیں

یہ واضح رہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں جب کبھی دنیا میں ظاہر ہوئی ہیں تو اپنے پورے تعارف کے ساتھ ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ اچانک دنیا کے سامنے یونہی نہیں آ گئیں بلکہ پہلے سے ان کی ذات کا تعارف، ان کے مقام کا تعارف، اور ان کی خدمات کا تعارف بھی کرا دیا جاتا رہا ہے حتیٰ کہ ان کی آمد سے قبل ایک طبقہ کو جو اس تعارف سے آشنا ہوتا ہے ان کی آمد کا اس طرح انتظار ہونے لگتا ہے جیسا کسی متعارف اولوالعزم شخصیت کی آمد کا انتظار ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر اس وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تاریخ اور معتبر احادیث اس کی شاہد ہیں اور کتب سابقہ بھی اس کی گواہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل آپ کے ظہور کی علامات آپؐ کا آبائی وطن اور آپ کی ہجرت کا مقام، بلکہ اس کا نقشہ، آپؐ کا اسم مبارک اور مکمل حلیہ شریفہ، حتیٰ کہ آپ کے خاص اصحاب اور ان کے ساتھ عام امت کی صفات بھی اس تفصیل سے بیان میں آ چکی تھیں کہ آپ کے ظہور سے قبل عام محفلوں میں بھی آپ کا تذکرہ آنے لگا تھا، دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ قسیس اور رہبان آپ کی تلاش میں چشم براہ تھے اور سلمان فارسی جیسے عشاق گھر بار چھوڑ کر آپؐ کی جستجو میں صحراء بصحراء خاک چھانتے پھرتے تھے۔ جس طرح دن نکلتا ہے اور اس کے اجالے سے قبل روشنی کے آثار افق عالم پر چمکنے لگتے ہیں، شب کی تاریکی آتی ہے اور اس کے چھانے سے پہلے افق کا اجالا مدھم پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی دستور کے مطابق اس آفتابِ ہدایت کے طلوع سے پہلے بھی آسمان کے افق اور زمین کے اطراف میں طرح طرح کے عجائبات کا ظہور ہونا لازمی امر تھا جن کے سبب سے بے علم انسانوں میں بھی کچھ کچھ شعور پیدا ہونے لگا تھا اور خفتہ طبیعتیں بیدار ہونے لگی تھیں۔ حتیٰ کہ ذی شعور انسانوں اور جنات سے گزر کر بے شعور مخلوق حجر و شجر بھی اس عظیم الشان انقلاب انگیز ہستی کی آمد آمد کے اثرات سے متاثر ہونے لگے تھے اور اس طرح ایک غیر معمولی واقعہ کے انتظار میں عالم کی آنکھیں لگ گئی تھیں۔ دوسری طرف حاسدین کی جماعت تھی، جو جزم و یقین میں تو اس طبقہ کی شریک تھی لیکن اس مبشر نبی کی آمد سے قبل ہی اس کا سینہ عداوت سے بھڑک رہا تھا اس نے بھی اپنی فرطِ عداوت سے چاروں طرف آدمی دوڑا دیے تھے۔ خدا ہی جانے کہ آپ کی آمد سے قبل آپ کا یہ تعارف کس درجہ کا

www.besturdubooks.net

تعارف ہوگا کہ کھوج لگانے والوں نے ٹھیک اس راستہ اور مقام کا بھی کھوج لگا لیا تھا جس راستہ سے آپ سفر کر رہے تھے۔ اس سے بڑھ کر بعض روایات سے یہاں تک بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ملوک وسلاطین کے پاس تو آپؐ کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی شکل و شمائل کی تفصیلات سن کر ہی ہو بہو تصاویر بھی تیار کر لی گئی تھیں۔ یہاں اگر اس بیان کی جزئیات سے کسی معاند کو اختلاف ہو تو ہو مگر اس حقیقت سے ایک دشمن سے دشمن معاند کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آپ کی آمد سے قبل اہل علم طبقہ کو ایک نبی آمد کا حد درجہ انتظار تھا۔ ہم اس کو ایک تاریخی حقیقت سمجھتے ہوئے اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتے' کیونکہ اس وقت ہمارا موضوع صرف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق صرف دماغی فلسفیانہ مباحث سے ہٹا کر آپ کو واقعات کی اس دنیا میں لے آئیں جہاں ان کی شخصیات کا سابق تعارف ان کی معرفت کے لیے دماغ سوزی سے مستغنی کر دیتا ہے۔ یہاں ان نا منصف اور جاہل قوموں کا تذکرہ کرنا بالکل عبث ہے جنہوں نے اتنے تعارف کے بعد بھی ان کو نہیں پہچانا یا اگر پہچانا تو محض ضد کی راہ سے ان کی بات نہیں مانی۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام نے دنیا میں آ کر جس سادہ اور واضح انداز سے اپنا تعارف امتوں کے سامنے رکھا ہے آپ اس کو خالی الذہن ہو کر مطالعہ کر لیجئے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کے بعد عدل وانصاف کی دنیا میں کسی شک وتردد کا محل ہی باقی نہیں رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل کی حالت تو خود قرآن کریم ہی میں موجود ہے اور ملوک وسلاطین کے بیانات سے کچھ ان اوراق میں بھی آپ کے سامنے عنقریب آنے والی ہے۔ ارشاد ہے: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ یعنی ان اہل کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ آپؐ کی تشریف آوری سے قبل تو یہ لوگ کافروں کے مقابلہ میں آپ کے توسل سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور جب آپ تشریف لے آئے تو اب انکار کرنے لگے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کو پیش نظر رکھ کر اب خود یہ فیصلہ کر لیجئے کہ سطح عالم پر اس منظم سلسلہ کے ظہور کی حقیقت کیا صرف اتنی ہی ہونی چاہیے جتنی کہ فارابی اور ابن سیناء نے سمجھی یا جیسا کہ آج ہمارے فلسفیانہ دماغ اس کو سمجھ رہے ہیں؟

مشرکین عرب نے آپؐ کو ساحر ومجنون کیوں ٹھہرایا؟ ✱ مشرکین عرب اور جو اس زریں تاریخ سے جاہل تھے انہوں نے ازراہِ جہالت کبھی تو انبیاء علیہم السلام کو بے علم و نافہم سمجھ کر مجنون قرار دے دیا اور کبھی ان کے علوم کی تاثیر دیکھی تو زیادہ سے زیادہ ان کو ساحر کہا' مگر جس طرف ان کا دماغ نہ چل سکا وہ یہی ایک بات تھی کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (الشعراء:۲۷) تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے یقیناً مجنون ہے۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ﴾ (الشعراء: ۳۴-۳۵) یہ بہت علم والا جادوگر ہے اس کی نیت یہ ہے کہ تم لوگوں کو اپنے جادو کے زور سے اپنے ملک سے نکال دے۔

دیکھئے پہلی آیت میں خدا کے سچے رسول کو بے علم سمجھا تو دیوانہ قرار دیا' اور دوسری آیت میں اگر اس کے علم سے مرعوب ہوئے تو اس کو جادوگر کا لقب دیا۔ گو عناد اور جہالت کی باتوں کے اسباب بیان کرنے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے تاہم رسولوں کے مجنون کہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جن باتوں کو کفار سودمند سمجھا کرتے تھے خدا تعالیٰ کے رسول آ کر ان کو مضرت رساں کہتے' اور جن

www.besturdubooks.net

کو وہ مضرت رساں سمجھا کرتے تھے وہ آ کر ان کو سود مند بتاتے۔ چونکہ دیوانہ بھی نفع ونقصان میں امتیاز نہیں کرتا اس لیے یہ احمق جماعت اپنے زعم باطل میں برعکس رسولوں ہی کو دیوانہ قرار دیتی تھی' پھر جب کبھی قرآن کریم پر نظر کرتے تو اس کو نظم ونثر کے درمیان ایک تیسری نوع کا کلام دیکھتے تھے جس سے وہ اب تک آشنا نہ تھے اس لیے کبھی تو مبہوت ہو کر اس کو شعر قرار دیتے اور کبھی کاہنوں کے کلام سے تشبیہ دیتے تھے۔ قرآن کریم نے ان تمام طبقوں کو اسی کی دعوت دی ہے کہ وہ ان طبقات کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات سے آپ کو جانچ لیں۔

سب سے پہلے خود نبی کی ذات پر نظر ڈالیں وہ سب میں معزز گھرانے سے تعلق رکھتا ہے' اس کے اخلاق' اس کی سلامت فطرت اور اس کی اولوالعزمی ضرب المثل ہوتی ہے۔ اس کی صداقت' اس کی دیانت وامانت اور اس کی خدا ترسی پر کسی کو حرف رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی وہ عدل وانصاف اور غم خواری وہمدردی میں خدا کے بندوں میں کوئی تفریق نہیں کرتا' کبر ونخوت طمع ولالچ کا کہیں اس کے کوچہ میں بھی گزر نہیں ہوتا اور اس قسم کے جملہ اوصاف اس کی حیات میں اتنے نمایاں ہوتے ہیں کہ وہ اپنے دورِ طفولیت ہی سے ان میں گویا ایک علیحدہ ممتاز انسان نظر آتا ہے۔ اس کی زندگی میں سب سے نمایاں عنصر اس کی راست بازی اور دیانت ہوتی ہے' وہ راست بازی اور دیانت جس کا دشمن بھی اعتراف رکھتے ہیں اور عین عداوت کی حالت میں بھی اس میں ذرا لب کشائی کی مجال نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں جذبات امنڈتے ہیں کہ کسی حیلہ سے اگر وہ اس پر تہمت لگا سکتے ہیں تو لگا دیں۔ مگر پھر اس کی جرأت اس لیے نہیں کر سکتے کہ اس کی دیانت وامانت کو ایک بدیہی مسئلہ دیکھتے ہیں۔ اس کا ایک راز یہ بھی ہے کہ جو ''نبی اللہ'' ہوتا ہے' اس کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا۔

نبوت کے صدق وصفا کا بلند مقام ✻ اس لیے جس نبی کا دعویٰ یہ ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ غیب کی خبریں دیتا ہے اس میں بھی صدق وصفا کا اتنا ظہور ہونا چاہیے کہ وہ اس صفت میں بھی تمام کلاموں میں ممتاز نظر آئے۔ یہاں اس کی کوئی تفریق نہیں ہوتی کہ وہ خبریں کس نوعیت کی ہیں معمولی معاملات کے متعلق ہیں یا غیر معمولی' قریبی دور سے متعلق ہیں یا بعید زمانہ سے' دوستوں کے متعلق ہیں یا دشمنوں کے وہ اس عالم کے حوادث سے تعلق رکھتی ہیں یا عالم غیب کے عجائبات سے یہاں بلا تفریق دو باتیں ان سب میں یکساں نمایاں نظر آتی ہیں ایک تو صدق وصفا، دوم جزم ویقین واقعات اور اسباب کا رخ خواہ کسی جانب کیوں نظر نہ آئے مگر نہ تو ان خبروں میں اس کو ادنیٰ سے کذب کا احتمال ہوتا ہے اور نہ اس کے جزم ویقین میں ذرا سا تذبذب پیدا ہوتا ہے۔ ایک جنگ کا واقعہ ہے کہ آپ کا ایک جانباز صحابی اس بے جگری سے جنگ کرتا نظر آیا کہ دوسرے صحابہ کو بھی اس پر غبطہ ہونے لگا' مگر جب آپ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے فرمایا ''وہ تو دوزخی ہے'' دیکھئے واقعات کیا ہیں اور رسول اعظم کی خبر اس کے متعلق کتنی برخلاف ہے۔ لیکن کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک شخص آ کر شہادت دیتا ہے۔ یارسول اللہ جو خبر آپ نے دی تھی وہ موبمو سچی نکلی۔ اس شخص نے زخمی ہو کر خودکشی کر لی۔ (دیکھو ترجمان السنہ)

جنگ حنین کے واقعہ پر نظر کیجئے جہاں دشمنوں کے شدید حملوں سے تھوڑی دیر کے لیے تو صحابہ کی صفیں بھی چھٹ گئی تھیں اور میدان کا رخ کچھ دوسری طرف نظر آنے لگا تھا حتیٰ کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب صرف چند افراد ہی باقی رہ

گئے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ جنگ جتنی خطرناک ہوتی جاتی تھی۔ خدا تعالیٰ کے رسول کا پائے ثبات اتنا ہی اور مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ ابو سفیانؓ کوشش کر رہے تھے کہ اس خطرناک حالت میں آپؐ کی سواری کا ایک قدم دشمن کی جانب بڑھنے نہ پائے، مگر دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا رخ دونا دونا دشمن ہی کی جانب کیے جا رہے ہیں حتیٰ کہ جب بہادروں کی آنکھوں کے سامنے بھی صرف موت کا نقشہ تھا، ادھر دیکھتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اترے کھڑے ہیں اور بڑے جزم و یقین کے ساتھ یہ کلمات زبان پر رواں ہیں:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں اور میں ہوں وہی عبدالمطلب کا بیٹا

انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر یہاں تمام زندگی کی خبروں میں ایک بھی خلاف نکل آئے تو سارا کارخانہ نبوت ہی درہم برہم ہو جائے کیونکہ ان کو خبر دینے والا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اس کی خبر میں ذرہ برابر بھی کذب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات آج بھی دوست و دشمن سب کے سامنے کھلی پڑی ہے کیا اس قسم کا کوئی ایک واقعہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے جہاں دشمنوں نے بھی آپ کے متعلق ادنیٰ سی کذب بیانی کا کوئی حرف رکھا ہو، یہاں فیصلہ اکثری حالات پر نہیں ہوتا بلکہ یہاں ساری عمر کی صداقت ایک غلط بیانی سے ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جب اس کی خبروں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان کی نوعیت بھی عام خبروں سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے ان میں مختلف انواع، مختلف ادوار اور مختلف طبقات و بلاد کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی سب ہی قسم کی خبریں ہوتی ہیں مگر کیا مجال کہ کسی میں ذرا سا بھی خلاف ثابت ہو جائے۔ اس کے صدق و صفا کی یہ حالت اس کی نبوت کے بعد کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہوتی بلکہ اس کی پہلی زندگی بھی اتنی ہی صاف ستھری ہوتی ہے۔ اسی لیے ہرقل شاہ روم نے اس معاملہ میں آپ کی پہلی زندگی کا حال دریافت کیا، اور جب اس کو اطمینان بخش جواب مل گیا تو وہ یہ معقول بات کہنے پر مجبور ہو گیا۔ "یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ انسان جو دوسرے انسانوں کے معاملات میں کبھی جھوٹ نہ بولے وہ خدا تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ باندھنے کے لیے تیار ہو جائے"۔ یہاں ابوسفیان اپنے دور جاہلیت میں بڑے پیچ و تاب کھاتا ہے مگر اس کا سر نیچا ہے اور وہ ایک حرف بھی اس کے خلاف بولنے پر قادر نہیں ہے۔

قرآن کریم کا مشرکین کے مقابلہ میں اعلان کہ آپ ہرگز کاہن نہیں ٭ بھلا اس مقدس جماعت کو کاہنوں یا شاعروں کے گروہ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے لیکن چونکہ اس وقت عرب میں کثرت سے کاہن موجود تھے جو غیب کی خبریں بیان کیا کرتے تھے اس لیے عرب کو یہ تہمت لگانے کا موقعہ مل گیا تھا کہ آپ بھی ان ہی کی طرح ایک کاہن ہیں، مگر یہاں قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ تم کہتے ہو آپ کاہن ہیں۔ اچھا تو دونوں کے خصائص تمہارے سامنے ہیں، جماعتی خصوصیات ہی سے افراد کی شناخت کی جاتی ہے۔ اس معیار پر آپ کو بھی پرکھ کر دیکھ لو۔ تم جانتے ہو کہ کاہنوں کی خبریں اگر دو سچی نکلتی ہیں تو دس جھوٹی، پھر بھی بالکل ادھوری اور نا تمام ہوتی ہیں اور اگر خود ان کی ذات کی طرف نظر کرو تو عام طور پر جھوٹے فریبی اور لالچی اس کا راز یہ ہے کہ کاہن کو غیب کی خبریں دینے والا شیطان ہوتا ہے اور شیطان چونکہ خود کذب و زور اور فسق و فجور کا مجسمہ ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی وحی کے

www.besturdubooks.net

لیے بھی ایسی ہی جماعت کا انتخاب کرتا ہے جو اسی کی مذاق کی ہوتی ہیں مشہور ہے: کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ☆ کبوتر با کبوتر باز با باز
خداتعالیٰ کی نافرمانی اور بہتان طرازی کر کر کے عالم میں شر و فساد کی بنیادیں قائم کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ. (۲۲۲-۲۲۱)

آؤ میں تم کو بتاؤں شیطان کس قسم کے لوگوں کے پاس وحی لے کر آتا ہے۔ ان کے پاس آتا ہے جو سخت بہتان طراز اور سخت گنہگار ہوں۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''ابن صیاد'' نامی شخص کے حالات سن کر اس کی تحقیق حال کے لیے تشریف لے گئے اس وقت آپ نے اپنے دل میں یہ آیت سوچ کر اس سے پوچھا ''بتا میرے دل میں کیا ہے؟'' ﴿يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الدخان: ۱۰) تو جیسا نا تمام خبریں دینا کاہنوں کا خاصہ ہوتا ہے اس نے بھی کہا آپؐ کے دل میں کچھ دخ دخ کا لفظ سا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا یہ نا تمام جواب سن کر آپؐ نے فوراً اس کے کاہن ہونے کا فیصلہ فرمادیا اور کہا۔ اخسأفلن تعدو قدرک انما انت من اخوان الکھان۔ جا دور ہو جا تو اپنی اوقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو تو ٹھیک ٹھیک کاہنوں کی جماعت میں سے ہے اور بس۔

جس طرح کاہنوں کی ذات اپنے قبیح اوصاف میں ممتاز اور علیحدہ ہوتی ہے' اسی طرح ان کے کلام کی نوعیت بھی رسولوں کے کلام سے علیحدہ اور جدا ہوتی ہے۔ وہ بہ تکلف اپنے کلام میں سجع بندیاں کرتے ہیں اور یہاں ان کو حق و باطل سے کوئی بحث نہیں ہوتی چنانچہ آپ کے زمانہ میں ایک شخص حمل بن مالک نے آپؐ کے ایک فیصلہ پر جو آپؐ نے ایک عورت کے حمل ضائع کر دینے پر مجرم کے متعلق صادر فرمایا تھا یہ کلمات کہے: ایودی من لاشرب و لا اکل' و لا نطق و لا استھل ' فمثل ذلک یطل ۔ یعنی بھلا ایسے حمل ضائع کرنے کی دیت بھی کہیں لازم ہوا کرتی ہے جس نے اب تک نہ کھایا ہو نہ پیا ہو بلکہ آواز تک بھی نہ نکالی ہو وہ تو قابل معافی ہونا چاہیے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا انما انت من اخوان الکھان. تو تو کاہنوں کی طرح فقرہ باز شخص معلوم ہوتا ہے۔ اس مسجع کلام کی مناسبت ہی سے قرآن کریم نے کاہن اور شاعر کو ایک سیاق میں جمع فرمادیا ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ. وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ' تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الحاقه: ۴۰-۴۳)

یہ قول ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا اور نہیں ہے یہ قول کسی شاعر کا' تم تھوڑا یقین کرتے ہو اور نہیں ہے قول کاہنوں کا تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔ یہ اتارا ہوا ہے جہان کے رب کا۔

قرآن کریم کا اعلان کہ آپؐ شاعر بھی نہیں ✵ غرض جب آپ کی صفات اور آپ کے کلام کی صفات دونوں کاہنوں کی جماعت سے جدا جدا ہیں تو پھر آپؐ پر کاہن کا شبہ کرنا کیسے درست ہے۔ تم کہتے ہو آپؐ شاعر ہیں۔ اچھا شاعروں کو بھی تم خوب جانتے پہچانتے ہو ان کی اور آپؐ کی خصوصیات کا موازنہ کرلو تم کو خود معلوم ہو جائے گا یہ شاعر بھی نہیں ہیں۔ ارشاد ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ. (یٰسین:۶۹)

ہم نے نہ شعر گوئی آپ کو سکھائی نہ یہ شانِ نبوت کے مناسب تھی

وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ. (الشعراء:۲۲۴)

شاعروں کی بات مانتے ہیں بے راہ چلنے والے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ. (الشعراء:۲۲۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں' اور کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں۔

www.besturdubooks.net

یعنی اس رسول امی کو جو کچھ سکھایا یا پڑھایا ہے ہم ہی نے سکھایا پڑھایا ہے۔ پس پہلی بات تو یہ ہے کہ جو اس کا معلم ہے وہی خود اس کا اعلان کرتا ہے کہ ہم نے شعر گوئی کی اس کو تعلیم نہیں دی تو پھر یہ شاعر ہو کیسے سکتے ہیں اور جو بات انسان کو سکھائی نہیں جاتی اگر وہ اس کو نہیں جانتا تو یہ اس کا کوئی عیب بھی نہیں اور یہاں تو برعکس اس علم کی تعلیم ہی ان کے حق میں عیب ہے' کیونکہ منصب نبوت شاعری سے کہیں بلند تر ہوتا ہے۔ شاعروں کو دیکھو تو ان کے پیچھے لگنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو صحیح اور پر از حقیقت باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ شاعر محض مبالغہ آمیزی' خیال بندی اور بے حقیقت باتوں کی حقائق کے رنگ میں دکھانے کے درپے ہوتے ہیں ان کے اشعار دیکھو تو معرفت سے لبریز' اعمال کا جائزہ لو تو رند مشرب۔ ادھر انبیاء علیہم السلام کو دیکھو تو ان کے اقوال و اعمال میں سرمو مخالفت نہیں ہوتی' وہ جو بات زبان سے نکالتے ہیں پہلے اس پر خود عمل کرتے ہیں' ان کے کلام کو دیکھو تو اس کو مبالغہ اور خیال بندی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا اگر کہیں وہ بھی مبالغہ آمیزی کا مزاج رکھتے تو جنت و دوزخ' ثواب و عذاب اور اس سے بڑھ کر ذات و صفات کا نازک اور پر از حقیقت کارخانہ سب درہم و برہم ہو کر رہ جاتا' ان کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حقیقت کے کانٹے پر تلا ہوا نکلتا ہے یہاں رضاء و غضب کی بے اختیاری حالت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا حتیٰ کہ ان کے کلام میں تشبیہات کا باب بھی اس معیار سے نہیں اترتا۔ ان کی تشبیہات میں بھی ایک حقیقت اور اس حقیقت میں صداقت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں تشبیہ و استعارات عام محاورات کے مطابق کثرت سے نہیں ملتے۔ اس کے باوجود جب اس کو بلاغت کے معیار پر پرکھا جاتا ہے تو وہ اعجاز کی سرحد سے ملا ہوا نظر آتا ہے جو تاثیر دوسرے کلاموں میں سو طرح کی مبالغہ آمیزیوں کے بعد بھی پیدا نہیں ہوتی وہ ان کے روزمرہ کے کلام میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ بس اسی تاثیر کو دیکھ کر کافر مجبور ہو جاتے تھے کہ اس کو سحر کہہ دیں یا شاعر قرار دیں' مگر قرآن کریم کا معقول فیصلہ یہاں بھی یہ ہے کہ آپ کی صفات کو دیکھو کیا ان میں شاعروں کی ایک صفت بھی ہے۔ پھر آپ کے کلام پر بھی غور کرو اس میں عالم غیب اور انبیاء علیہم السلام کے مقدس گروہ اور ان کے دوستوں اور دشمنوں کے عواقب کے سواء کہیں شاعرانہ مضامین کا تذکرہ ہے؟ اگر ان کی ذات شاعروں کی صفات سے منزہ و مبراء ہے اور اسی طرح ان کا کلام بھی شعر سخن کی خصوصیات سے بالکل ممتاز ہے تو پھر ان کو شاعر کہنا کتنا نامعقول ہے۔

قرآن کریم کا اعلان کہ آپ کو ساحر و مجنون کہنا بھی انتہاء درجہ ظلم اور سفاہت ہے ✱ اچھا تم کہتے ہو آپ ساحر و مجنون ہیں تو لو اس جماعت کی خصوصیات پر بھی آپ کو جانچ لو۔ ساحر بدعمل صرف انسانوں میں کچھ تصرف کرنے کی مشق رکھتا ہے خواہ وہ نظر بندی کی حد تک ہو یا اس سے زیادہ مرض اور ہلاک کرنے کی حد تک بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو ساحر مقابلہ کے لیے آئے تھے ان کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جادو کا اثر کچھ نہ کچھ حواسِ انسانی پر ضرور پڑتا ہے۔ ارشاد ہے:

فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ. (الاعراف:۱۱۶)	جب انہوں نے ڈالا تو باندھ دیں لوگوں کی آنکھیں اور ان کو ڈرا دیا اور بڑا جادو کیا۔

پھر ساحر کی زندگی دیکھو تو ہمیشہ ایک پست زندگی ہوتی ہے' اس کا نصب العین صرف چند دراہم ہوتے ہیں آخرت کی لازوال حیات ان کے دائرۂ فکر میں بھی کہیں نہیں گذرتی' ان کے عملیات کو دیکھو تو اپنے عملوں میں وہ ہمیشہ ارواحِ خبیثہ اور شیاطین

www.besturdubooks.net

سے استعانت طلب کیا کرتے ہیں اور جو امرِ خارق دکھاتے بھی ہیں وہ اس انداز ہ کے مطابق ہی ہوتا ہے جتنا کہ شیاطین کا مقدور ہوا کرتا ہے- چنانچہ قرآن کریم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ساحروں کے سامنے آخرت کا کوئی پروگرام نہیں ہوتا -

و لقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق.	اور وہ اچھی طرح جان چکے ہیں کہ جس نے جادو اختیار کیا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں-

اب اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو دیکھو تو ان کی تمام زندگی تقویٰ وطہارت' عفت و پاکیزگی اور اخلاق و مروت کا مرقع ہوتی ہے ان کا بڑا نصب العین آخرت کے فوز و فلاح اور بنی نوع انسان کے دارین کی فلاح و بہبود ہوتی ہے ذاتی منافع کا ان کے دماغوں میں کہیں گزر نہیں ہوتا' شرک و کفر اور استعانت لغیر اللہ سے بیزاری تو ان کے دین کی بنیاد ہوتی ہے- ان کے معجزات کے مقابل جو بھی آتا ہے اس کو ہمیشہ شکست فاش ہوتی ہے ساحرین موسیٰ علیہ السلام کا حشر جابجا قرآن کریم میں مذکور ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قرآن کریم کے بالمقابل جو کلام پیش کیے گئے ہیں وہ آج تک اپنے قائلین کے لیے صفحاتِ تاریخ پر قابل مضحکہ بنے ہوئے ہیں پھر ساحر تو حواس کو معطل اور بیکار کرتا ہے اور یہ جماعت معطل شدہ حواس کو اور بیدار کرتی ہے چنانچہ جب عطاء بن یسار نے عبداللہ بن عمرو سے آپ کے ان اوصاف کے متعلق پوچھا تھا جو توراۃ میں مذکور تھے تو انہوں نے منجملہ دیگر صفات کے یہ بھی بیان کیا تھا ولن اقبضہ حتی اقیم بہ املۃ العوجاء فافتح بہ اعینا عمیا و اذانہ صما و قلوبنا غلفا. یعنی وہ رسول ایسا ہوگا کہ میں اس وقت تک اس کو نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ اس کے ذریعہ کج شدہ ملت کو پھر سیدھا نہ کردوں اور اندھی آنکھوں کو پھر بینا اور بہرے کانوں کو پھر شنوا اور غافل دلوں کو پھر سر نو کھول نہ دوں-

حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق کہ نبی و ساحر میں فرق بدیہی ہے ❋ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نبی اور ساحر و مجنون میں زمین و آسمان کا فرق ہے- بلکہ ان میں کوئی اشتراک ہی نہیں- ان دونوں میں خبر' مخبر اور غایت ہر لحاظ سے فرق ہے- نبی کو خبر دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہوتی ہے اور ساحر کو شیطان- نبی کی وحی سرتاسر ہدایت ہی ہدایت ہوتی ہے اور شیطان کی ضلالت ہی ضلالت نبی کے کلام میں صدق ہی صدق اور حقیقت ہی حقیقت ہوتی ہے اور ساحر و مجنون کا کلام بیشتر کذب ہی کذب اور بے معنی باتوں سے مملو اور صرف خیال ہی خیال پر مبنی ہوتا ہے- اسی لیے ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ٥ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ٥ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ٥ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ٥ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ٥ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ٥ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ (التکویر: ١٩-٢٧)	یہ قرآن اس فرشتہ کا آوردہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے' عزت والا ہے' قوت والا ہے' عرش کے مالک کے نزدیک بڑے درجہ والا ہے اور سب کا مانا ہوا ہے اور وہاں کا معتبر ہے اور یہ تمہارے رفیق کچھ دیوانے تو نہیں اور وہ اس فرشتہ کو آسمان کے صاف کنارے پر ایک بار پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اور نہ وہ غیب کی بات بتانے میں بخیل ہیں- یہ قرآن کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے پھر تم کدھر جا رہے ہو یہ تو جہاں بھر کے لیے ایک نصیحت (کا پیغام) ہے-

www.besturdubooks.net

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کا تخیل کیسے ہوسکتا ہے یہ ایک فرشتہ کا آوردہ ہے جو آپ سے منفصل اور اپنا علیحدہ وجود رکھتا ہے اور وہ بھی اپنی جانب سے خود کچھ نہیں کہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوتا ہے جو اس کو حکم ملتا ہے بس وہی کہتا ہے۔ اور نہ یہ قرآن شیطان مردود کا قول ہوسکتا ہے بھلا کجا وہ فرشتہ جس کی صفات یہ ہوں کہ جس کی جانب سے وہ یہ قرآن لاتا ہے اس کے نزدیک وہ حرمت وعزت والا ہو اور مراتبِ قرب میں سب فرشتوں میں بلند پایہ ہو' آسمانوں کے سب فرشتے اس کی بات مانتے ہوں اور اس پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہوں' اور کجا وہ شیطان لعین جس کی دنائت اور خست کے لیے صرف اس کا مردود ہونا ہی کافی ہے' وہ بھلا ایسا کلام کیسے نازل کرسکتا ہے جس میں بنی آدم کی سرتا سر بھلائی ہو اور جس میں خود جا بجا اسی کی مذمت کی گئی ہو۔ یہ فرق تو مخبر کی جہت سے تھا اب اگر رسول ملکی سے گزر کر خود اس کی ذات یعنی رسول بشری کی صفات ملاحظہ کرو تو تم چالیس سال سے برابر اس کو دیکھتے چلے آئے ہو یہ فیصلہ کرسکتے ہو کہ وہ تم میں عاقل سے عاقل مسلم رہا ہے یا نہیں' پھر اس کو مجنوں کیسے کہا جاسکتا ہے' پھر جس کی سخاوت کا یہ عالم ہو کہ وہ آخرت کے لازوال خزانے دنیا کو مفت لٹا رہا ہو اس کو بھلا اس ساحر اور کاہن سے کیا نسبت ہوسکتی ہے جو ذرا سی بات بھی شیرینی لیے بغیر بتانا نہیں جانتا' اس کے بعد اگر اس پر نازل شدہ کلام کی نوعیت پر غور کرو گے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ یہ قرآن کسی خاص ملک یا کسی خاص زمانہ کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور تمام جہانوں کے لیے ایک مجسم نصیحت ہے۔ ایسے مفید کلام کا بھلا کاہن وساحر اور مجنونوں سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ ساحر و مجنون کے کلام کی غایت وغرض چند دراہم مغشوشہ جمع کرنا ہوتا ہے اور یہاں قرآن کریم دارین کی فلاح و بہبود کے لیے ایک پیغام ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام اور ساحر و کاہن کے مابین اتنا ہی فرق سمجھنا چاہیے جتنا کہ فرشتہ اور شیطان کے درمیان ہوتا ہے۔

مجنون کا تو پوچھنا ہی کیا ہے وہ تو حق تعالیٰ کی سب سے عام نعمت یعنی نعمت عقل ہے سے محروم ہوتا ہے اس کے اقوال و افعال کسی اخلاقی معیار پر تو کیا تولے جاتے وہ سرتا پا لغویات اور بے معنی ہوتے ہیں۔ یہ الزام اس شخصیت پر لگانا جس کی ایک ایک بات دانائی وفراست' علم وعاقبت اندیشی سے لبریز ہو کیسے معقول ہے۔ ارشاد ہے:

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍo وَ اِنَّ لَکَ	تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانہ نہیں ہو اور تمہارے لیے
لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍo وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ	ثواب ہے بے انتہاء اور تم تو فطرۃً بلند اخلاق ہو۔
عَظِیْمٍ o (القلم:۲-۴)	(سورہ القلم)

مشرکین کے بے حقیقت اعتراض کی طرف قرآن کریم کے التفات فرمانے کی حکمت ✸ قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب عرب تھے' ان کے دماغوں کی رسائی یہیں تک تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ساحر و شاعر اور کاہن و مجنون ہونے کے بدیہی البطلان الزامات تھوپ دیں۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ مگر قرآن نے ان بے معنی الزامات کا جواب بھی بڑا مدلل' بڑی فراخدلی اور بڑے معقول انداز سے دیا ہے' اور اندازِ بیان ایسا انوکھا اختیار فرمایا ہے کہ اس سے جہاں ایک طرف معاند مخاطبین کی زبانیں بند ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح اس قسم کی آئندہ موشگافیوں کا بھی شافی خواب ہوجاتا ہے۔ نیز اس تقریب سے بہت سے حقائق بلند اور معارف ارجمند بیان میں آجاتے ہیں۔ مثلاً آیاتِ بالا ہی کو ملاحظہ فرمالیجیے۔ سیاق کلام تو

www.besturdubooks.net

ایک ایسے بے سروپا الزام کے جواب میں ہے جس کا یہاں کوئی احتمال ہی نہ تھا' مگر کیا کیا جائے کہ جب اس وقت قرآن کریم کے مخاطبین قرآنی دعوت قبول نہ کرنے کے لیے یہ بھی ایک بہانہ بنا رہے تھے' تو مقاصد تبلیغ کے پیش نظر یہ بھی ضروری ہوا کہ اس کا بھی جواب دے دیا جائے' مگر قرآنِ کریم نے جب ادھر توجہ فرمائی تو اس انداز سے فرمائی کہ ان کے جواب کے ساتھ ساتھ مقام رسالت و نبوت کے بعض ایسے گوشے بھی سامنے آ گئے جن کی طرف کسی کا ذہن جا ہی نہیں سکتا تھا - اس نے یہ تنبیہ کی کہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت بہت سی صفات میں ممتاز ہوتی ہے' ان کی پرورش ابتداء ہی سے نعمت کے گہوارہ میں ہوتی ہے حتیٰ کہ سب سے اول اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کا مصداق وہ ہوتے ہیں - گویا خدا تعالیٰ کی تمام مخلوق یہاں ان کی طفیلی نظر آتی ہے - پھر جس ذات برتر کا تذکرہ آج تمہارے سامنے ہے وہ تو اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں بھی وہ شان رکھتی ہے جس کو وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی منعم حقیقی نے اپنے انعامات کی دولت تو بہتوں پر تقسیم کی ہے - مگر ان کی ذات پر تو اپنی خاص نعمت کو پورا فرما دیا ہے - اب سوچو کہ جو خدا تعالیٰ کی مخلوق میں منعم علیہم کی پہلی صف میں ہو پھر ان میں بھی اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ کا تاج اس کے سر پر نظر آ رہا ہو حتیٰ کہ رحمۃ للعالمین اس کا لقب بن چکا ہو کیا اس کو مجنون کہا جا سکتا ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی عام نعمت جس میں سب شریک ہوتے ہیں یعنی عقل اس میں بھی حصہ دار نہیں ہوتا - اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی دوسری امتیازی شان ان کا مستقبل ہے' وہ اتنا شاندار ہوتا ہے کہ بقیہ تمام مخلوق کا مستقبل گویا ان کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا ہے - خدا تعالیٰ کی تمام مخلوق کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمانے والے وہی ہوتے ہیں اس لیے امت میں جو فرد بھی کوئی حسنہ کرتا ہے اس کا ثواب ان کو بھی ملتا ہے اور اس طرح اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ تمام امت کے اعمال کا ثواب بھی ان کے اعمالنامہ میں درج ہو جاتا ہے پھر ان کے مستقبل کا پوچھنا کیا اور جن کا تذکرہ یہاں ہے چونکہ ان کی امت کے بعد کوئی دوسری امت نہیں اس لیے جب ان کی امت اور ان کے اعمال کا ثواب لامتناہی ہے تو پھر آپ کے ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے وہ بھی بے انتہاء اور بے حساب ہے کیا ایسی ذات پر بھی مجنون کی تہمت لگائی جا سکتی ہے جس کے ایک عمل کا بھی کچھ ثواب نہیں ہوتا - تیسری سب سے کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ ہر نبی اپنے زمانہ میں اخلاق جمیلہ کی تصویر ہوتا ہے - خدا کی مخلوق میں جو بھی صحیح اخلاق سیکھتا ہے ان سے سیکھتا ہے - پھر جس ہستی کا تذکرہ تمہارے سامنے ہے ان کے اخلاق کے متعلق تو خود خالق کائنات خلق عظیم فرماتا ہے - ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ (القلم : ٤) ایسی مجسم اخلاق ذات پر مجنون کی تہمت' کتنا عظیم ظلم ہے - غریب مجنون کا تو ایک عمل بھی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اخلاق کے معیار پر نہیں تولا جا سکتا - آپ نے دیکھا کہ یہاں جو مخاطبوں نے کہا وہ تو ان کے ظرف کے مطابق تھا لیکن جو جواب ان کو قرآن نے دیا وہ اس کی شانِ رفیع کے مطابق تھا - اس لیے یہ دیکھنا نہیں چاہیے کہ الزامات اور اعتراضات کی حیثیت کتنی رکیک ہے - دیکھنا یہ چاہیے کہ جواب کی جو نوعیت قرآن نے اختیار فرمائی وہ کتنی بلند ہے جو ابن سیناء جیسے عاقل پر نہ کھل سکا - قرآن کریم کے اسی فیصلہ کے ماتحت اب یہاں ابن سیناء جیسے عقلاء کو بھی غور کر لینا چاہیے کہ دنیا میں کیا صفراوی مریضوں کے اوصاف بھی یہی ہوئے ہیں - کیا کبھی تاریخ نے ان کی صفات اور ان کے متبعین کی صفات' ان کی مخالفت اور موافقت کے نتائج اسی طرح مدون کیے ہیں جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام کے - کیا صفراوی مریضوں نے اسی تسلسل کے ساتھ اپنے بعد میں آنے والوں کی بشارتیں اسی طرح سنائی ہیں - کیا عالم کی ہوشمند جماعتوں نے ان

www.besturdubooks.net

کے ہذیانات کو اسی طرح اپنا نصب العین بنایا ہے- بس اسی ایک نقطہ پر نظر کرنے سے جہاں عرب کے جاہلوں کا جواب ہو جاتا ہے اسی طرح ابن سینا جیسے عقلاء کا جواب بھی نکل آتا ہے-

یہاں ابن سیناء اور اس کے ہم مشربوں کو غور کرنا چاہیے کہ اگر کارخانہ نبوت عالم خیال سے متعلق ہوتا تو خیالات سے تاثر کی زیادہ صلاحیت یا عورتوں میں ہوتی ہے یا پھر بچوں میں عورت بھی اپنے صنفی ضعف کی وجہ سے ان کا زیادہ اثر لیتی ہے اور اسی طرح بچہ بھی خیالات کا اثر زیادہ قبول کرتا ہے' اسی لیے مسمریزم کے لیے جب کسی معمول کی تلاش ہوتی ہے تو بچہ ہی تلاش کیا جاتا ہے- لیکن جب آپ نبوت کی تاریخ اٹھا کر پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں نہ عورتوں میں کوئی نبی گزرا ہے اور نہ بچپن میں نبی مبعوث ہوئے ہیں- نبوت کے لیے قدرت نے ابتداء ہی سے وہی صنف پسند فرمائی ہے جو تاثر سے نسبۃً بالاتر تھی اور ان میں بھی جن کو نبوت سے سرفراز کیا ہے ان کو جسمانی طاقتوں میں بھی دوسرے افراد پر فوقیت بخشی ہے پھر بعثت کے لیے بالعموم وہی عمر مقرر کی گئی ہے جو خیالات سے آزاد ہونے کی عمر ہے' یعنی چالیس سال- اس کے بعد جو تعلیمات ان کو دی جاتی ہیں جب ان پر نظر کیجئے تو وہ بھی شاعرانہ مضامین کی طرح صرف نازک خیالی کا مجموعہ نہیں ہوتیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا ایک مکمل دستور العمل ہوتی ہیں ان کی تعلیمات کا اگر ایک حصہ عالم غیب کی غیر مدرک جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے تو دوسرا بڑا حصہ باہمی معاشرت و معاملات کے متعلق بھی ہوتا ہے اس میں جہاں بانی کے اصول بھی ہوتے ہیں جو ہمیشہ معیار عقل پر پرکھے جاتے رہے ہیں ان پر عمل کر کے جو قوم بکریاں چرایا کرتی تھی وہ تخت و تاج کی مالک بن چکی ہے- صفحہ عالم پر کوئی جماعت ایسی نہیں ملتی جس کے اصول میں کچھ نہ کچھ تفاوت موجود نہ ہو' لیکن انبیاء علیہم السلام کی ایک لاکھ سے زیادہ کی عظیم الشان جماعت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ملتا جس کی اصولی تعلیمات میں ایک ذرہ کا بھی فرق ثابت کیا جا سکے ان کی عظیم الشان جماعت میں کبھی کوئی نبی دوسرے کی کاٹ پر نظر نہیں آتا' ہمیشہ ایک دوسرے کا احترام کرتا ہے اور اپنی امتوں کو بھی اسی کی ہدایت کرتا ہے اور اگر اس میں کوئی ذرا سی بھی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو ایسا ہی مجرم قرار دیتا ہے جیسا اپنی اہانت کرنے والے کو ان معمولی اور کھلے ہوئے امتیازات کے بعد بھی انبیاء علیہم السلام کی جماعت اور ان کے علوم کا نہ پہچاننا یا ان کو شعبدہ بازوں اور خفتہ انسانوں سے تشبیہ دینا بداہت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے- حقیقت یہ ہے کہ ان کی تاریخ کو انصاف و غور کے ساتھ مطالعہ کرنے کی کبھی فرصت ہی تلاش نہیں کی گئی اور اگر کبھی ادھر توجہ کی گئی ہے تو صرف اسی نظریہ سے کی گئی ہے کہ ان کے انکار کو کس طرح اور مدلل و مبرہن کیا جائے اور اس طرح اس کھلے ہوئے مسئلہ کو خود بخود بھول بھلیاں بنا دیا گیا ہے- اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ-

آپ ﷺ کی صفاتِ حمیدہ کے مشاہدہ کر لینے کے باوجود ابتداء میں مشرکین عرب نے آپ کو کیوں نبی نہیں مانا؟

❋ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ عام طور پر عرب انبیاء علیہم السلام کی جنس ہی سے ناآشنا تھا- اس لیے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت بالکل ایک جدید اور اجنبی آواز تھی وہ آپ کے متعلق بعید سے بعید بات سوچ سکتے تھے' مگر جو بات ان کے دماغوں میں نہیں آ سکتی تھی وہ صرف آپ ﷺ کی نبوت تھی- اسی لیے ان کے مقابلہ میں قرآن کریم نے اپنا اسلوب بیان بدل دیا ہے- اس نے مکی سورتوں میں جس بات پر خاص طور پر زور دیا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی جنس کی آمد کا اثبات ہے' اس نے بتایا ہے کہ تم

www.besturdubooks.net

خود ان کے حالات پڑھو پھر اہل کتاب سے بھی جو اس جنس کے قائل ہیں جا کر پوچھ لو- ان کے مخالفوں کا حشر دیکھو- ارم کے اجڑے ہوئے سبزہ زار‘ قوم لوط کے الٹے ہوئے دیار اور عاد و ثمود کی ویران بستیاں یہ سب تم کو شہادت دیں گے کہ جن اقوام نے خدا تعالیٰ کے رسولوں کی مخالفت کی ہے وہ کس طرح برباد ہو کر رہ گئی ہیں- دریائے نیل اور کوہ جودی اس کے گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے رسولوں کی بات نہ ماننے والوں کا نام و نشان صفحۂ عالم سے کس طرح مٹ گیا ہے اور جنہوں نے ان کی اتباع کی ہے وہ کس طرح کامیاب اور خدا کی زمین کے وارث بن گئے ہیں- ان واقعات پر اگر انصاف سے نظر کرو گے تو تم کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ بے شک یہ اولوالعزم ہستیاں اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ اور اس کی رسول تھیں-

پس اگر ان حالات پر غور کرنے کے بعد تم اس نتیجہ پر پہنچتے ہو تو اب تمہارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر یقین لانا ایک بدیہی مسئلہ ہوگا‘ یہاں بھی آپ کے مخالفوں کا حشر اور متبعین کی سربزی و کامیابی اپنے سامنے رکھو‘ آپؐ کے کمالات اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا موازنہ کرلو‘ آسمانی صحائف سب ایک طرف اور دوسری طرف اکیلے قرآن کریم کو رکھو‘ تم کو روشن ہو جائے گا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے یا نہیں- اسی کے ساتھ اگر آپ کے آثار و برکات کا موازنہ کرنا ہو تو آپ کی امت موجود ہے‘ اس کی جاں نثاری‘ اس کی بے مثال قربانی‘ اس کی ہمدردی اور خدا ترسی‘ اس کا عدل و انصاف اور اس کے اخلاق و شمائل سب تاریخ میں مدون ہیں‘ تم بہت آسانی کے ساتھ فیصلہ کرلو گے کہ یہ امت ان اوصاف اور برکات میں جملہ امتوں سے آگے ہے یا نہیں- پھر کیا وجہ ہے کہ اگر پہلی امتوں کے رسول خدا کے سچے رسول تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول نہ ہوں ارشاد ہوتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ. (الفتح:۲۹)	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ شدید ہیں کافروں کے حق میں اور رحم دل ہیں آپس میں تم ان کو دیکھو گے رکوع میں ہیں اور سجدہ میں ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشی کے جویاں ہیں-

آیت بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر غور کرنے کے لیے آپ کے آثار و برکات اور خاص طور پر ان انقلابی اثرات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو عرب کی فطرت ہی کے بالکل متضاد تھے دیکھو وہ آپؐ سے قبل کس طرح باہم دشمن تھے اور آپ کے بعد کیسے فدا کار دوست بن گئے تھے- اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ عبودیت کتنا کٹ چکا تھا اور آپؐ کے بعد کتنا مستحکم اور عمیق ہو گیا تھا کہ ان کے سامنے ایک اُس کی رضا کے سواء کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہا تھا- ان کے باطن کے تذلل و عبودیت کی کیفیات ان کے چہرہ بشرہ بلکہ جسم کے ایک ایک روئیں سے کس طرح ٹپکتی تھیں- پس جس نے ایک ایسی امت کی دنیا میں بنیاد ڈالی ہو اس کے آثار و برکات کا پوچھنا کیا ہے- لہٰذا جو شخص بھی یہاں رسولوں کی جنس کا قائل ہوگا اس کو آپ کی رسالت بھی طوعاً و کرہاً تسلیم کرنی ہوگی-

درحقیقت گزشتہ اقوام کے حالات کی تکرار میں بڑی روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے-

www.besturdubooks.net

ارشاد ہے:

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ. (الحج:۴۵-۴۶)

تو کتنی بستیاں ہم نے غارت کر ڈالیں اور وہ گنہگار تھیں وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں نکمے پڑے ہیں اور کتنے پختہ محل کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی جوان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے تو یہ بات نہیں ہے کہ آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اسی طرح کفار مکہ کی تکذیب پر آپ کے لیے جو سامانِ تسلی بیان فرمایا گیا ہے وہ بھی انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تلخ سرگزشت ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ. (الاحقاف:۹)

کہہ دو! کہ میں کوئی نیا رسول نہیں آیا ہوں۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ ثَمُوْدُ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ. (الحج:۴۲-۴۴)

اور اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے قوم نوح، قوم ثمود، قوم عاد، قوم ابراہیم، قوم لوط اور مدین کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ (علیہ السلام) بھی جھٹلائے گئے پھر میں نے ڈھیل دی ہے منکروں کو پھر ان کو پکڑ لیا تو (دیکھا) میرے انکار کا حشر کیا ہوا۔

غرض ان حقائق کے ماتحت یہ انصاف کرلو کہ یہ مقدس گروہ خدا تعالیٰ کے سچے رسول تھے یا نہیں اس کے بعد یہ فیصلہ کرلو کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کی صف میں شامل ہو کر دنیا میں صرف کہانیاں بن کر رہنا پسند کرتے ہو یا اس کے وارث اور خدا تعالیٰ کے ملک کے مالک بن کر باقی رہنا چاہتے ہو۔ جو قوم رسولوں کی مقدس تاریخ سے واقف نہ تھی ان کے سامنے علامات نبوت اور سابق بشارات بیان کرنا بے سود ہے۔ اب آپ یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ عرب کیوں آپ کی نبوت کی طرف نہیں آتا تھا اور کیوں ساحر و مجنون کے بے جا الفاظ آپ کے متعلق کہتا تھا۔

ضرورتِ نبوت و رسالت

مذکورہ بالا عنوان ترتیب کے لحاظ سے تو سب سے پہلا عنوان ہے مگر ہم نے اپنے مخاطبوں کی رعایت سے اس کو دوم نمبر میں رکھا ہے۔ ہمارا خطاب یہاں ان اصحاب کے ساتھ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا چکے ہیں اور صرف اپنے اطمینان قلبی کی خاطر کسی قدر اس کی وضاحت کے متلاشی ہیں اس جماعت سے ہمارا خطاب ہی نہیں ہے جو انبیاء علیہم السلام کی علی التواتر آمد اور اب ان کے خاتمہ کے قطعی اعلان کے بعد بھی ابھی اسی میں بحث کر رہی ہے کہ عالم انسانی کو اپنی ہدایت کے لیے کسی سماوی ہدایت اور

www.besturdubooks.net

سماوی ہادی کی ضرورت ہے بھی یا نہیں- ساری یوسف زلیخا پڑھ لینے کے بعد یہ سوال کرنے والے کہ زلیخا مرد تھی یا عورت ہمارے نزدیک قابل خطاب نہیں ہیں-

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفت حاکمیت اور ملوکیت کا یہ تقاضا ہے کہ جس طرح شاہانِ دنیا اپنی رعایا کے پاس اپنے ملک کا قانون خود لے کر نہیں آیا کرتے بلکہ اس کے لیے اپنے پیغمبر اور رسول مقرر کیا کرتے ہیں اور ان کے واسطہ سے اپنا ملکی قانون بھیجا کرتے ہیں' اسی طرح وہ بھی اپنی مخلوق کے پاس اپنے رسول بھیجے اور ان کی معرفت اپنا قانون ان کو بتائے پھر اس کی صفت حکمت یہ چاہتی ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں کو انعام اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا بھی دے گو اس کے علی الاطلاق خالق اور حاکم ہونے کی وجہ سے اس کے بغیر بھی جزاء و سزا دینے کا اس کو حق حاصل تھا لیکن اس کی صفت حکمت نے یہ تقاضا کیا کہ جن کو سزا دے ان کو پوری تفہیم کے بعد دے تا کہ عام عدالت کے دن کسی کو اپنی لاعلمی کے عذر کا موقعہ بھی نہ رہے' ارشاد ہے-

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ. (المائدہ:١٩)	اے اہل کتاب جب رسولوں کا آنا مدتوں تک نہ ہوا پھر ہمارے یہ رسول تمہارے پاس آئے جو صاف صاف احکام الٰہی بیان کرتے ہیں اور ان کو ہم نے اس لیے بھیجا ہے مبادا کل تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی رسول خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ ڈرانے والا تو لو اب تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آ گیا-

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ لَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى. (طٰہٰ:١٣٤)	اگر ہم قرآن اتارنے سے قبل ہی کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور یہ عذر کرتے کہ ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ذلیل و رسواء ہونے سے پہلے ہم تیرے حکموں پر چلتے-
وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (بنی اسرائیل:١٥)	ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ پہلے اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں-

امام موصوف لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت عقلاً تمام مخلوق پر واجب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بغیر یہ معرفت حاصل ہونا ہی ناممکن ہے اس لیے نبوت و رسالت کا انکار درحقیقت حق تعالیٰ کی ذات پاک کا ہی انکار ہے' ارشاد ہے:

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ. (انعام:٩١)	انہوں نے حق تعالیٰ کے کمالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہی نہیں لگایا جب کہ یہ کہا کہ اس نے کسی بشر پر کوئی کتاب ہی نازل نہیں فرمائی-

یعنی جب یہ لوگ رسولوں پر شریعت کے نزول کا انکار کرتے ہیں تو گویا خدا تعالیٰ کی جانب سے رسالت ہی کا انکار کرتے ہیں اور رسالت کا انکار اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو خدائی صفات اور اس کے کمالات کی برتری کا کوئی اندازہ ہی نہ ہو سکا- آج دنیا کی اقوام پر نظر ڈال لیجیے آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ جو قوم نبوت و رسالت کی منکر ہوئی ہے اس کو پھر خدائی معرفت میں بھی کوئی

www.besturdubooks.net

حصہ نصیب نہیں ہوا بلکہ جو رسولوں کی معرفت میں جتنی پیچھے رہ گئی ہے وہ اتنی ہی خدا تعالیٰ کی معرفت میں بھی پیچھے رہ گئی ہے۔ آج نصاریٰ جو عقلاء زمان کہلاتے ہیں جب انہوں نے اپنے رسول کے صحیح مقام کو پہچاننے میں ٹھوکر کھائی تو پھر دیکھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت میں بھی ان کا حصہ کتنا رہا حتیٰ کہ توحید فی التثلیث کا بنیادی مسئلہ بھی ان کے نزدیک تقدیر کی طرح مذہب کا ایک راز بن کر رہ گیا۔ اس کے بالمقابل امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب وہ اپنے رسول کا صحیح مقام پہچاننے میں پیش گام رہی تو اس کو اپنے رب کی معرفت کا جام بھی سب میں بھرپور نصیب ہوا۔ اسی لیے یہ امت تمام امتوں پر فوقیت لے گئی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران: ۱۱۰)	تم امتوں میں سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر صحیح ایمان رکھتے ہو۔

آیت بالا کی روشنی میں اب یہ فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف نہیں کرتے اور صرف توحید کے قائل ہیں کیا ان کو صحیح معنی میں توحید اور ''ایمان باللہ'' نصیب ہو سکتا ہے۔ اسی لیے امام موصوف فرماتے ہیں:

من انکر النبوة و الرسالة فهو في الحقيقة ماعرف الله عزوجل. (تفسیر کبیر ج ٤ ص ۱۲۸)	جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی معرفت ہی سے بے نصیب رہا۔

پس رسالت اور ربوبیت کا رشتہ اتنا مستحکم ہے کہ اس میں تفریق کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا ہے:

وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ. (النساء: ۱۵۰)	اور اللہ میں اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰)	جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ تعالیٰ کا۔

اب اندازہ فرمالیجئے کہ جن ہستیوں کی معرفت و عدم معرفت حق تعالیٰ کی معرفت و عدم معرفت کا معیار ہو۔ دنیا میں خدا تعالیٰ کے دوست و دشمن کی تفریق اور آخرت میں دوزخ و جنت کی تقسیم ان کے وجود پر دائر ہو گویا دنیا و آخرت کا کارخانہ ان کے دم کے ساتھ وابستہ ہو وہ کتنی بلند ہستیاں ہوں گی۔ درحقیقت قدرت کی رافت و رحمت کا سب سے بڑا مظہر یہی ہستیاں ہوتی ہیں ان ہی کی تشریف آوری سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ''رحمٰن'' کو اپنی مخلوق پر کتنی رحمت ہے کہ جب وہ سرکشی اور طغیانی کی حد کر دیتی ہے' اس کے دوستوں کی صف سے نکل کر دشمنوں کی صف میں جا کھڑی ہوتی ہے اور ہدایت کی روشنی چھوڑ کر گمراہی کی تاریکی اختیار کر لیتی ہے اور جنت کی لازوال نعمت سے محروم ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتی ہے تو وہ ان کو مٹا دینے کی بجائے پھر ان کی بقاء کے سامان پیدا فرما دیتا ہے۔ دشمنوں کی صف سے نکال کر پھر دوستوں کی صف میں شامل فرما لیتا ہے' تاریکی در تاریکی میں پھنس جانے کے بعد پھر ہدایت کی چمکتی ہوئی روشنی میں لا کھڑا کرتا ہے اور ہلاکت کے گڑھے سے نکال کر پھر جنت الفردوس کا مالک بنا دیتا ہے' مگر اس کے یہ سارے انعامات اور اس کی یہ ساری نعمتیں میسر آتی ہیں ان ہی نفوس قدسیہ کے طفیل میں۔ سبحان اللہ رسولوں کی شخصیتیں بھی کتنی بلند اور پر اسرار ہوتی ہیں' جو ان سے جڑ جاتا ہے اس کا رشتہ عالم قدس سے جڑتا ہے اور جو ان سے کٹ جاتا ہے اس کا رشتہ بھی

www.besturdubooks.net

عالم قدس سے کٹ جاتا ہے۔

وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. (آل عمران:۱۰۳) اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی۔

حافظ ابن قیمؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اقوال واعمال واخلاق کی وہ صحیح میزان ہوتے ہیں کہ جو اس پر پورا اتر گیا وہ ہر معیار پر پورا اتر گیا اور جو یہاں سرمو او چھارہ گیا ہے وہ ان تمام امور میں بھی ناقص رہ گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جتنی ضرورت جسم کو جان کی اور آنکھوں کو نور کی ہے اس سے زیادہ ضرورت عالم کو انبیاء علیہم السلام کی ہے' کیونکہ جسم کو جان اور آنکھ کو نور کی ضرورت صرف حیاتِ دنیا تک محدود ہے اور حیاتِ دنیا خود بھی محدود ہے' لیکن ان نفوسِ قدسیہ کی ضرورت دونوں جہان کے ساتھ وابستہ ہے انسان اپنی عارضی اور دائمی دونوں حیات میں ان کا یکساں محتاج ہے۔ اسی کے ساتھ ضمناً امام موصوف انبیاء علیہم السلام کی شناخت پر بھی مختصر سا کلام کر گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی صفت ملوکیت کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ اپنی مخلوق کے پاس اپنے رسولوں کو بھیجے اسی طرح اس کی صفتِ قدرت کا یہ تقاضہ تھا کہ رسولوں کے ہاتھوں پر ایسے افعال کا ظہور فرمائے جو عام انسانوں کی طاقت سے بالاتر ہوں تا کہ یہ اس کی علامت ہوں کہ درحقیقت کسی ایسی ہی ذات کی طرف سے آئے ہیں جس کی قدرت کے سامنے سب عاجز ہیں اور اس طرح رسولوں کی شخصیت کا پورا تعارف ہو جائے۔ لہٰذا جو شخص معجزات کا منکر ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی صفت قدرت ہی کا منکر ہے۔ امام موصوف کا مطلب یہ ہے کہ معجزات خود انبیاء علیہم السلام کے افعال نہیں ہوتے اور اسی لیے دوسرے افعال کی طرح وہ ان کی قدرت اور اختیار سے سرزد نہیں ہوتے کہ جب چاہیں اپنے دوسرے افعال کی طرح معجزات دکھا دیا کریں جیسا کہ آئندہ معجزات کی بحث میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کی تفصیل کریں گے۔ پس یہاں معجزات کا اندازہ دوسرے انسانی افعال سے لگانا ہی غلطی ہے یہاں اگر ان کا موازنہ کرنا چاہیے تو قدرت کے براہ راست افعال کے ساتھ کرنا چاہیے۔ زمین وآسمان میں قدرت کی خالقیت اور عجائبات کی جتنی عجیب وغریب داستان بکھری پڑی ہے کسی نبی کا کوئی معجزہ ان سے عجیب تر نہیں ہے قرآن کریم کے بیان کردہ معجزات اور احادیث کے تمام معجزات قدرت کے بلاواسطہ افعال کے مقابلہ میں اٹھا کر رکھ لیجئے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ اگر وہ بلاواسطہ افعال معقول ہیں تو پھر اس قدرت کے سامنے یہ معجزات بھی نامعقول نہیں ہو سکتے۔ لیکن جو شخص نبی کے واسطہ سے قدرت کے عجائبات کا انکار کرتا ہے اس کے لیے پھر قدرت کے دیگر براہ راست افعال کے قبول کرنے کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ امام موصوف کے اس مختصر بیان سے رسالت ونبوت کی ضرورت اور ان کی شناخت کے دونوں مسئلے عقلاً ونقلاً ہر دوطریقہ پر ثابت ہو گئے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾

حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مخلوق کو اپنی دین ودنیا میں جس چیز کی حاجت جتنی شدید تھی خالق کائنات نے اتنی ہی زیادہ سخاوت اور بہتات کے ساتھ اس کو پیدا فرمایا ہے۔ دیکھئے سانس لینے کے لیے ہوا کی ضرورت سب کو ہے اور ہر ضرورت سے زیادہ' لہٰذا اس کو پیدا بھی اس افراط کے ساتھ فرمایا ہے کہ اپنی حاجت روائی میں کسی کو کہیں بھی ذرا تکلیف نہیں ہوتی اس سے دوم نمبر میں پانی کی حاجت ہے اس کے بعد پھر کھانے اور پینے کی ہے اس لیے پانی کو بھی اسی فراوانی سے پیدا فرمایا ہے' لیکن اس

www.besturdubooks.net

فراوانی سے نہیں جس سے کہ ہوا کو اسی طرح اب دینی پہلو کو لیجئے تو یہاں سب سے زیادہ حاجت ربوبیت کی معرفت کی ہے اس لیے اپنی ربوبیت کے دلائل انسان کی شش جہت میں اس کثرت کے ساتھ پھیلا دیئے ہیں کہ ذرہ ذرہ اس کی ربوبیت کا شاہد بنا ہوا ہے۔

ففی کل شئ لہ اٰیۃ تدلّ علٰی انہ و احد

اس سے دوم نمبر کی حاجت نبوت کی ہے' کون نہیں جانتا کہ ایک انسان جب اپنے جیسے دوسرے انسان کی خوشی اور ناخوشی کے ذرائع و اسباب اس کے بتائے بغیر نہیں جان سکتا تو خالق کی خوشی و نارضائی کے اسباب اس کے فرمائے بغیر بھلا کون جان سکتا ہے اس لیے اس نے انبیاء علیہم السلام بھیجے تا کہ ان کے ذریعہ وہ اس کے تمام اسباب بتفصیل بیان فرما دے- اور ان کی شناخت کے دلائل بھی اتنی کثرت سے ظاہر فرمائے کہ پھر ایک ان پڑھ سے ان پڑھ انسان کے لیے بھی ان کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے- اگر عقلی مناقشات کا میدان چھوڑ کر آپ خود ان کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی معرفت کے سامان قدرت نے ہر دور میں اس کثرت کے ساتھ جمع کر دیئے تھے کہ ان پڑھ جاہلوں کے لیے بھی انبیاء علیہم السلام کی شناخت میں کبھی کوئی دشواری نہیں ہوئی- حتیٰ کہ دشمنوں کے لیے ان سے انکار کرنا ایک بڑا غور طلب مسئلہ بن گیا- قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون جیسے مدعی الوہیت کے مقابلہ کا واقعہ مذکور ہے دیکھئے کس طرح ساحرین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آ کر ذرا سی دیر میں ان کی نبوت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہ بھی کس یقین کے ساتھ کہ پر فرعون نے ہزار دھمکیاں بھی دیں مگر کیا وہ ذرا ٹس سے مس ہوئے؟ بلکہ اور صاف یہ اعلان کر دیا:

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَا اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ. (طٰہٰ: ۷۲-۷۳)	تو اب جو تو کرنے والا ہے کر گزر تو اس دنیا کی زندگی پر ہی حکم چلا سکتا ہے (یعنی بہت سے بہت مروا دے) بس ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے اور خاص کر جادو کے گناہ کو جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا-

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کے گرد و پیش میں جو دلائل کی بارش برسی اس کی کیفیت تو آج دنیا کی زندہ تاریخ سے ظاہر ہے کن نامساعد حالات میں تشریف لائے اور کس قبول اور جاذبیت کے ساتھ جہان کو چند سالوں میں فتح کر ڈالا' جس میں بادشاہ بھی تھے اور فقیر بھی' کاہن اور ساحر بھی تھے اور سخن شناس شاعر بھی- پھر جن ضدی اور ہٹ دھرموں نے آپ کو نہیں مانا تو اس انکار کے لیے ان کو کتنی سازشیں' کتنے ظلم اور کتنے اور حربے استعمال کرنے پڑے اور اس پر بھی کوئی جماعت ان کے ساتھ نہ ہو سکی آخر کار شقاوت کا داغ اپنی ہی پیشانی پر لگا کر محروم اور ناکام دنیا سے گزر گئے' جیسا کہ آئندہ اوراق میں اس کا مختصر نمونہ آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا- اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی - فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ. (الجواب الصحیح ص ۲۸۴ ج ۴)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے مکتوبات شریف میں متعدد مقامات پر ضرورت نبوت پر طویل بحث فرمائی ہے- جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رب کریم کی ان عام بخشائشوں میں سے جو کسی ملک' کسی خطہ اور کسی خاص جماعت سے

www.besturdubooks.net

ساتھ مخصوص نہیں رہیں سب سے بڑی بخشائش یہ ہے کہ اس نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان ہم کلامی کی راہ کھول دی۔

﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّاخَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر: ۲۴) یعنی ہر ہر جماعت میں ایک ایک ڈرانے والا آ چکا ہے۔ جس نے آ کر وہ راز ہائے گران مایہ جن سے ایک انسان بھی رشک ملک بن سکتا تھا سب ارزاں کر دیئے ہیں۔

وجود کی نعمت، ابر و باد کی نعمت، شمس و قمر کی نعمت اور ان سب سے برتر شرف انسانی کی نعمت گو یہ سب ہی ان عام نعمتوں میں داخل ہیں جو دوست و دشمن اور شاہ و گدا سب ہی میں عام رکھی گئی ہیں، لیکن ان سب میں بیش بہا نعمت نبوت کی نعمت ہے کہ اگر یہ نعمت نہ ہوتی تو ساری نعمتیں ہیچ ہو جاتیں۔ اسی نعمت کے ذریعہ پروردگارِ عالم نے اپنی ذات و صفات کا اشرف علم بخشا، حشر و نشر، جنت و دوزخ اور انسان کی دائمی و ابدی زندگی کی اطلاع دی اور عالم غیب کے بیش بہا حقائق سے حجاب اٹھا دیا۔ ان ہی نفوسِ قدسیہ کے ذریعہ اپنی رضامندی کے راستے بتلائے۔ عقل انسانی خواہ کتنی ہی دوربین کیوں نہ ہو مگر اس کی جولانگاہ صرف عالم امکان تک ہے اور وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی دائرۂ محسوسات و مشاہدات میں محدود ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تک اگر کروڑوں عقلاء میں سے کسی کی رسائی ہوئی بھی تو وہ بہت ناتمام اور ناقص در ناقص تھی، اگر یہاں دلائل کے بڑے تیر چلائے بھی گئے تو زیادہ سے زیادہ یہی دریافت ہو سکا کہ اس عالم کے لیے کوئی فاعل مختار ہونا ضروری ہے جس کی صناعی کی شہادت ذرہ ذرہ میں عیاں ہے، لیکن اس کی توحید اور اس توحید کی نزاکتیں، اس کی صفات اور ان صفات کی دقتیں تو یہاں آ کر عقل بے چاری پھر حیران و سراسیمہ رہ گئی۔ اس وادی میں جب عقلاء قدیم نے قدم رکھا اور بزور عقل خالق تک رسائی کی سعی نافرجام کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو فاعل اور علت تو مانا مگر بالا یجاب یعنی بے اختیار۔ اس کی ذاتِ اقدس اور عالم کے درمیان بہت سے اور قدماء گھڑ لیے، اور عالم اشرف کا وجود جس کے حوالہ کیا اس کا نام عقل عاشر رکھا۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ (الکہف: ۵) وہ افلاک جن کے وجود کا بھی آج کوئی ثبوت نہیں ملتا قدیم مانے گئے بلکہ متحرک بالارادہ کہے گئے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان میں خرق و التیام یعنی ٹوٹ پھوٹ کا تغیر بھی محال سمجھا گیا اور آخر کار یہاں تک نا فہمی کا ثبوت دیا کہ براہ راست عالم کا صدور ہی حق تعالیٰ کی ذات سے محال قرار دے دیا۔ رہ گئیں صفاتِ باری تعالیٰ تو ان سے بھی ان کو کوئی بہرہ و نصیب نہ ہوا ملائکۃ اللہ اور دوسرے غیوب کا تو ذکر ہی کیا ہے، آپ نے دیکھا کہ جب انسان ماوراء محسوسات و مشاہدات میں قدم رکھتا ہے تو اس کا حشر کیا ہوتا ہے۔ پھر جب ہمارے عقلاء کا دور آیا تو ان بلند پروازوں کی نظر اتنی پیچھے رہی کہ انہوں نے تو سرے سے خالق کا انکار کر دیا اور عالم کا وجود خود عالم ہی کے سپرد کر کے اپنی عقل کا سب زور خواص مادیات کی تلاش پر صرف کر ڈالا، پھر اس ضمن میں بھی جو سوال سب سے اہم ان کے سامنے آیا وہ ایسا سوال تھا جس کو انسانی شرافت ہمیشہ خست کی نظر سے دیکھتی رہی ہے یعنی دولت و زر کی تقسیم اور پیٹ کا مسئلہ۔[1]

---

[1] جب سے اس مسئلہ کا حل اس جدید انداز سے شروع ہوا ہے عالم جس دورِ حیات سے گزر رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اب عنقریب اس مسئلہ کا حل ایٹم بم سے ہونے والا ہے اور اس کے استعمال کے بعد امید ہے کہ پیٹ کا مسئلہ اور دولت کی تقسیم کا قضیہ خود بخود اتنا مختصر ہو جائے گا کہ اس پر غور و خوض کی حاجت ہی نہ رہے گی اور اس وقت انبیاء علیہم السلام کے علوم اور ان کے برکات اور عقلاء کے علوم اور ان کے نتائج کا موازنہ کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔

www.besturdubooks.net

کاش یہ عقلاء اگر زرا اس پر غور کر لیتے کہ قدرت نے جس طرح ان کو مختلف ذرائع علم عطا فرمائے ہیں اسی طرح ان کے معلومات کی انواع بھی مختلف بنائی ہیں' حواس خمسہ کو دیکھئے ہر حاسہ دوسرے حاسہ کے محسوسات سے کتنا بے خبر ہے مثلاً حاسہ سمع عالم مبصرات سے اسی طرح ناآشنا ہے جس طرح کہ حاسہ بصر عالم مسموعات سے ایک حدید البصر سے حدید البصر انسان ہزار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اگر آواز کو اپنی آنکھوں سے سننا چاہے تو نہ اس کو سن سکتا ہے اور نہ دیکھ ہی سکتا ہے' اسی طرح اگر مبصرات کو حاسہ سمع کے قریب سے قریب تر لے آؤ تو اس کو بھی اس کے رنگ و ہیات کا ادنیٰ سا ادراک بھی نہیں ہو سکتا - پس اگر یہاں فیصلہ صرف ایک ہی حاسہ کے ادراک پر ختم کر دیا جائے تو نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ محسوسات کے ایک بڑے حصہ کا انکار کر دینا پڑے گا مگر یہاں ہر شخص اس کے انکار کے بجائے اپنے اس حاسہ ادراک ہی کا قصور سمجھتا ہے اگر کہیں قدرت اس کے ادراک کے لیے اس کو دوسرا حاسہ عطا نہ فرما دیتی تو جاہل انسان آپ کو یہاں صرف انکار کرتا ہوا نظر آتا پھر ان حواسِ خمسہ سے بالاتر انسان کو ایک آلہ ادراک اور مرحمت ہوا ہے جس کا نام عقل ہے' ان حواسِ خمسہ کی حقیقت عقل کے سامنے ٹھیک وہی ہے جو ایک حاسہ کی دوسرے حاسہ کے سامنے یعنی یہاں حواس خمسہ کا مجموعہ مل کر بھی مملکت عقل کے ایک چھوٹے سے چھوٹے گوشہ کے ادراک سے عاجز نظر آتے ہیں - اگر رحمت کی فیاضی اس کے علوم کے ادراک کے لیے اس کو دوسرا آلہ ادراک عطا نہ فرما دیتی تو یہ مسکین صرف اپنے حواسِ خمسہ کے بھروسہ پر عقل کے جملہ ادراکات کا منکر ہی نظر آتا - اس میں شبہ نہیں کہ قوتِ ادراک میں عقل کا نمبر سب سے فائق تر ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے گویا کسی امر کے ادراک سے بھی وہ عاجز نہیں ہے لیکن اگر فیصلہ صرف کسی ایک ہی حاسہ کے تابع رکھا جائے تو ہر حاسہ اپنے ماحول میں اتنی ہی وسعت اور حدت رکھتا ہے مگر جب دوسرے آلاتِ ادراک کی طرف بھی نظر کی جاتی ہے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ ساری وسعت اپنے ہی دائرۂ احساس میں محدود تھی' اسی طرح عقل کا حال بھی سمجھنا چاہیے - عالم غیب جو حواس اور مشاہدہ اور اسی طرح عقل کی دسترس سے باہر ہے اس کے ادراک سے عقل بھی ٹھیک اسی طرح درماندہ ہے جیسا کہ حواس خمسہ عقل کے علوم کے ادراک سے - پس جس طرح وہاں راہِ صواب یہی ہے کہ حواسِ خمسہ ہی کا قصور تسلیم کر لیا جائے اور عقل کی معلومات کا انکار نہ کیا جائے - اسی طرح یہاں بھی یہی ایک بات درست ہے کہ ادراکاتِ نبوت اور وحی کا اعتراف کر لیا جائے اور اپنی عقل کوتاہ کی نارسائی کی وجہ سے اس کا انکار نہ کیا جائے - فرق اگر کچھ ہے تو صرف یہ کہ وہاں آلہ ادراک یعنی عقل سب کو ملی ہے اور یہاں وحی و نبوت صرف چند مخصوص اور چیدہ افراد کو پھر جس طرح عقلیات میں ہر انسان دوسرے کی عقل پر اعتماد کر لیتا ہے - اسی طرح یہاں بھی انبیاء علیہم السلام کی عقول اور دیگر عقلاء کے ان کی تصدیق کرنے پر اعتماد کر لینا چاہیے تھا اور ان کے علوم غیبیہ کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیے تھا - مگر یہاں ہر انسان یہی مطالبہ کرتا ہے کہ جب تک براہِ راست وہ خود بھی ان علوم کا ادراک نہ کر لے محض انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر ان کو تسلیم نہیں کر سکتا - قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ. (دیکھو مکتوباتِ امام ربانی جلد ثالث ص ۳۸)

❀❀❀

www.besturdubooks.net

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ورق

حق پسند انسانوں کے غور وفکر کے لیے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس طویل وعریض بحث کے بعد آپ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ورق پیش کر دیا جائے جس کو مذکورہ بالا مضمون کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ورسالت آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہی محدود ہوگئی تھی۔ چنانچہ بعد میں جو نبی آیا ان ہی کی ذریت میں آیا آپ کے دو فرزند تھے اسحٰق اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کا تذکرہ تورات میں موجود ہے۔ حسب بیان تورات حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نسل میں صرف ایک ہی نبی کی بشارت تھی۔ حضرت خلیل علیہ السلام جب بناء بیت سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جو بناء بیت میں ان کے شریک تھے ان کی ذریت کے حق میں ایک رسول مبعوث ہونے کی دعاء فرمائی تھی جو اسی بلدۂ مبارکہ میں پیدا ہوں جہاں انہوں نے خدا تعالیٰ کا بیت تعمیر فرمایا تھا' چنانچہ دعاء ابراہیمی کے مطابق آپ تشریف لائے۔ نسب میں سب سے عالی' حسب میں سب سے برتر' اپنی عہدِ طفولیت ہی سے ہمیشہ ممتاز سیرت' ممتاز صورت' عادات وشمائل میں قوم سے علیحدہ' عبادات ورسوم میں ان سے الگ' لہو ولعب سے مجتنب' شرک و کفر سے متنفر' صدق وصفا' احسان وسلوک سے مزین' ظلم وعدوان اور جملہ فواحش سے کوسوں دور' جنگ وجدال سے نفور' مال وجاہ کی محبت سے بالاتر' عدل وانصاف کے شاہزادے۔ غرض جملہ اخلاقِ فاضلہ سے محلیٰ اور جملہ اخلاقِ رذیلہ سے معریٰ' جوانی میں عصمت وعفت کے فرشتے' پیری میں وقار ورعب کا پیکر' بال بال سے حسن ٹپکتا' کلمہ کلمہ سے پھول جھڑتے' روئیں روئیں سے فہم و فراست چمکتی' غصہ ومحبت اور جدل وہزل میں یکساں حق گو۔ عفو ودرگزر کرنے والے' مخلوق خدا کے سب سے بڑے ہمدرد' عہد و پیمان کے سب سے پکے' سب سے زیادہ راست گو' سب سے بڑھ کر امانت دار' لطف یہ کہ خود امی اور قوم بھی سب امی۔ تورات و انجیل کو نہ آپ جانتے نہ آپ کی قوم جانتی' نہ کسی سے کوئی حرف پڑھا' نہ اہل علم کے پاس نشست وبرخاست رکھی قسیس ورہبان آپ کے موعود نبی ہونے پر سب متفق اور مشرکین عرب سب آپ کی ان صفات کے معترف۔ اسی حالت پر چالیس سال گزارے' کبھی نبوت کا ایک حرف زبان سے نہ نکالا۔ جب عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی تو ایک ایسا عجیب وغریب دعویٰ کیا جس سے نہ ملک آشنا' نہ باپ دادے آشنا اور ایک ایسا کلام لوگوں کے سامنے پیش کیا جو آج تک نہ کسی نے سنا اور نہ آئندہ اس کی نظیر ممکن' صحف سماویہ سب اس کے سامنے سرنگوں نہ الٰہیات وعملیات میں کوئی اس کے ہم پلہ نہ سیاسیات ومعاشیات میں کوئی اس کا ہمسر' اسرار کا مخزن' علوم کا سمندر' قصص وامثال' نصائح وعبر کا دریا' طیبات کے حلال کرنے والے اور خبائث کے حرام کرنے والے' بھلائی کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے' کوئی بھلی چیز ایسی نہ تھی جس کو عقولِ سلیمہ بھلی سمجھیں کہ اس کا حکم نہ دیا ہو اور کوئی برائی ایسی نہ تھی جس کو عقولِ سلیمہ برا جانیں مگر اس سے روک نہ دیا ہو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جس کا آپ حکم دیں

www.besturdubooks.net

طبائع سلیمہ کی خواہش یہ ہو کہ آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کبھی ایسی بات سے روکا جس کے متعلق طبائع سلیمہ کی تمنا یہ ہو کہ آپ نہ روکتے - اس پر ریاست و سرداری سے بیزار' دشمنوں اور مخالفوں سے لاپرواہ' احباب و انصار سے بے نیاز' نہ ہاتھ میں کوئی دولت' نہ پشت پر کوئی طاقت' نہ قبضہ میں کوئی ملک' زن' زر کی کوئی دولت نہیں جو قدموں پر ڈال نہ دی گئی ہو اور آپ نے اس کو ٹھکرا نہ دیا ہو' حبس و قید' جلاء وطنی حتیٰ کہ قتل کی کوئی تدبیر اٹھا کر نہیں رکھی گئی جس کو پورا نہ کر لیا گیا ہو' مگر آپ دشمنوں کے جھرمٹ میں اسی طرح خدا کے دین کے بے خوف و ہراس منادکو چوں میں بازاروں میں ایام حج میں کوئی جگہ نہ چھوڑی جہاں پہنچ کر اعلانِ حق نہ کر دیا ہو' تنہائی میں بھی اور محفلوں میں بھی' عوام میں بھی اور خواص میں بھی' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنے دین قبول کرنے کے لیے کسی کو قتل کی دھمکی دی ہو یا کسی قسم کی طمع و لالچ دی ہو' تیرہ سال اسی طرح گزار دیئے نہ ساز و سامان اور نہ کوئی یار و مددگار' مگر نہ دل میں کسی کا خوف نہ چہرہ پر کچھ ہراس - جب اقتدار ملا تو دشمنوں سے درگذر اور ایذاء رسانوں کے لیے عفو کا اعلان کسی پر ذرا ظلم و تعدی ہو کیا مجال - تمام عمر کا نٹے پر تلی ہوئی - امن ہو یا خوف' فراغت ہو یا تنگی' شکست ہو یا فتح' اپنے متبعین کی قلت ہو یا کثرت ہر حال میں وہ استقامت کہ ایک انچ قدم اِدھر اُدھر پڑ جائے کیا ممکن -

خلاصہ یہ کہ جب دنیا میں تشریف لائے تو فضائے عالم تاریک نہ دنیا سے باخبر نہ ہدایت سے آشنا' بت پرستی سے خدا کی زمین ناپاک' خوں ریزی اور قتل و غارت سے نالاں' نہ مبدء کی خبر نہ معاد کا علم اور جب آپ تشریف لے گئے تو وہی سب سے بڑھ کر عالم' سب سے زیادہ مہذب' سب میں ممتاز دیندار' انصاف و امن کے قائم کرنے والے اور دنیا کی نظروں میں ایسے سر بلند کہ اگر ان پر بادشاہوں کی نظر پڑتی تو وہ مرعوب ہو جاتے اور اگر اہل کتاب ان کو دیکھتے تو بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری بھی بھلا ان سے کیا افضل ہوں گے -

اس اقتدار و قبول کے ساتھ جب آپ نے دنیا کو چھوڑا تو ترکہ میں نہ درہم و دینار نہ کوئی ملک و خزانہ صرف خچر اور زرہ مبارک کہ وہ بھی ایک یہودی کے ہاتھ تیس صاع جو کے عوض میں مرہون -

جب آپ کے خلفاء پر نظر کیجئے تو ان میں اوّل خلیفہ وہ جو سب میں مشہور عاقل' اخلاق میں برتر' قوم میں محبوب بستی کے بزرگ' جس دن سے آپ کا دامن پکڑا پھر مرتے دم تک کسی خطرناک سے خطرناک جگہ ساتھ نہ چھوڑا - ہر موقعہ پر اپنی جان قربان کی اپنا سارا مال آپ کی حمایت میں لٹا دیا اور جب آپ کے بعد خلیفہ ہوئے تو شروع میں پھیری پھر کر اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالتے - آخر میں جب بجبوری وظیفہ قبول کیا تو وہ بھی صرف اتنا کہ بشکل گزران کے لیے کافی ہو اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو بیت المال کے یہ محدود مصارف بھی بے باق کر گئے - (دیکھو فتح الباری ص ۲۴۳ ج ۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہی کیا - روم و فارس کی سلطنتیں فتح کیں - پھر بیت المال سے ادھار لے کر کھایا - آخر جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو بیت المال کا حبہ حبہ ادا کر گئے اور اس کے لیے ایک گھر جو اپنی ملکیت تھا اس کی فروختگی کی وصیت کر گئے -

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بات ہی کیا خود غنی مگر ان کا سب مال ہمیشہ مسلمانوں کے لیے بے حساب لٹتا رہا - پورے اقتدار

www.besturdubooks.net

کے ساتھ مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ بہنا گوارا نہ فرمایا آخر اپنی جان قربان کردی۔

حضرت علیؓ اور صاحبزادگانِ اطہار کا کیا پوچھنا کس مظلومیت میں دین پر جانیں دیں اور صرف حق کی خاطر جی قربانی کی جو مثالیں قائم کیں وہ تاریخ میں ہمیشہ کے لیے اپنی یادگار رہ گئیں۔

امت پر نظر کیجیے تو وہ امت جس کی دیانت داری' بےلوثی اور بے طمعی بھی مدتوں تک ضرب المثل اپنے مذہب کے اتنے بڑے نگراں اور اپنی ساوی کتاب کے بلکہ اپنے رسول کے حرف حرف کے بھی ایسے محافظ جس پر جہان ششدر' نہ ان سے قبل اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے نہ ان کے بعد ممکن۔ حکمرانی میں اتنے ممتاز کہ صدیوں تک اطراف عالم پر حکمراں رعایا میں یگانہ و بیگانہ سب یکساں مداح' اور اپنی پستی میں بھی اتنے بھاری کہ عالم ان سے خائف' قوموں نے جتنا ان کو مٹایا اتنے ہی وہ ابھرے۔ الغرض اس دور پستی میں بھی ان کی وہ دھاک کہ عالم کفر کو اگر کچھ خطرہ ہے تو صرف ایک ان سے!

گو یہ کوئی طریقہ عدل و انصاف کا نہیں ہے کہ جب کسی قوم پر نظر ڈالی جائے تو صرف اس کے انحطاط ہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس کے دور عروج کی تاریخ دیگر اقوام کے بالمقابل کیا تھی؟

اب آپ اس رسولِ اعظم کے یہ اجمالی صفات اور ان کی آمد سے یہ عظیم انقلابات سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ فرمالیجئے کہ نبوت کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کیا ہوتے ہیں اور ان سب میں افضل الرسل اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام رفیع کیا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ ہماری آنکھیں نیچی ہیں اور قلم شرمندہ کہ بحث ونظر کا جو طریقہ کبھی اہل کتاب اور منکرین کے سامنے اختیار کیا گیا تھا آج بصد افسوس وہی طریقہ مسلمانوں کو ان کے عقائد کی تفہیم کے لیے اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال اب تک جو سبق آپ نے تاریخ وعقل کی روشنی میں پڑھا اب ایک بار پھر اس کو حدیثوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمالیجے۔

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ.

www.besturdubooks.net

الذین کان لھم علم بسیر الانبیاء علیھم السلام ومعرفۃ بممیزاتھم کانوا یعرفونھم بسیماھم او بنبذۃ من احوالھم من غیر تامل

جن کو انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اور ان کی خصوصیات کا ذرا بھی علم تھا وہ اُن کو دیکھ کر یا اُن کے مختصر حالاتِ زندگی سن کر فوراً اُن کو پہچان لیتے تھے

(۹۷۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ اَبَا سُفْیَانَ ابْنَ حَرْبٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّ هِرَقْلَ اَرْسَلَ اِلَیْهِ فِیْ رَکْبٍ مِنْ قُرَیْشٍ کَانُوْا تُجَّارًا بِالشَّامِ فِی الْمُدَّۃِ الَّتِیْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِیْهَا اَبَا سُفْیَانَ وَ کُفَّارَ قُرَیْشٍ فَاَتَوْهُ وَ هُمْ بِاِیْلِیَاءِ فَدَعَاهُمْ وَ حَوْلَهٗ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ ثُمَّ دَعَاهُمْ فَدَعَا بِالتَّرْجُمَانِ فَقَالَ اَیُّکُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ قَالَ اَبُوْ سُفْیَانَ فَقُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ فَقَالَ اُدْنُوْهُ مِنِّیْ وَ قَرِّبُوْا اَصْحَابَهٗ فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهٖ ثُمَّ

(۹۷۰) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے (یہ واقعہ ان کے اسلام سے پیشتر کا ہے) ان سے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے ان کے بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا جب کہ وہ قریش کے ایک ایسے قافلہ میں شامل تھے جن کی تجارت ملک شام سے ہوتی تھی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور دیگر کفارِ قریش کے ساتھ ایک معین مدت کے لیے صلح کر رکھی تھی۔ القصہ ابوسفیان مع اپنے قافلہ کے ہرقل کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت یہ لوگ اتفاق سے مقام ایلیاء میں تھے۔ ہرقل نے ان کو اپنے سامنے طالب کیا اس وقت اس کی مجلس میں روم کے اور بڑے بڑے لوگ بھی موجود تھے پھر ان کو ذرا اور قریب بلایا اور ایک ترجمان طلب کیا اور قریشی لوگوں سے کہا کہ بلحاظِ نسب تم میں وہ شخص کون ہے جو ان کا سب سے زیادہ

---

(۹۷۰) ✽ یہ ایسے دو شخصوں کا باہم مکالمہ ہے جن میں ابھی تک دونوں غیر مسلم ہیں یعنی ہرقل شاہِ روم اور ابوسفیان رئیس قافلہ پھر کیا بات تھی کہ ہرقل تو چند سوالات کے بعد ہی حقیقت تک جا پہنچا اور ابوسفیان آپؐ کے چشم دید حالات کے بعد بھی جس بات کے سمجھنے سے قاصر رہا وہ صرف ایک بات یہی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ غور کیجیے گا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فرق صرف یہ تھا کہ ہرقل چونکہ اہل کتاب میں سے تھا اس لیے اس کو انبیاء علیہم السلام کے خصائص و امتیازات اور ان کی تاریخ کا پورا علم حاصل تھا اور ابوسفیان ان امور سے قطعاً لاعلم تھا وہ نہ تو خود اہل کتاب میں سے تھا نہ ان سے استفادہ کا اس کو موقعہ مل سکا تھا اس کے ماحول میں ساحر و شاعر اور کاہنوں کے سواء انبیاء علیہم السلام کا کوئی تذکرہ نہ تھا اس لیے نبوت کے مسئلہ کو سمجھنا اس کے لیے ایک لاینحل مسئلہ بنا ہوا تھا۔ عرب کے امیوں کے لیے ایمان لانے کا راستہ دوسرا تھا جو آئندہ خود ان کے بیانات سے واضح ہوگا۔

ہرقل نے یہاں جتنے سوالات بھی کیے ہیں ان سے قدم قدم پر آپ کو یہ ظاہر ہوتا چلا جائے گا کہ اس کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے اہم اسباق آپ کی سیرت میں بھی مطالعہ کر لے اور صرف اسی ایک بات سے آپؐ کے صدق و کذب کا فیصلہ کر دے۔ چنانچہ اس نے آپؐ کے خاندان کی تحقیق سب سے پہلے کی اور اس کا جواب سن کر جو پہلی بات کہی وہ یہی تھی کہ گذشتہ رسول بھی ہمیشہ عالی خاندان ہی ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب آپ کے متبعین کے متعلق یہ جواب سنا کہ اس میں بڑی تعداد عوام اور کمزور طبقہ کی ہے تو اس کے بعد جو لفظ اس نے کہے وہ بھی یہی تھے کہ یہی جماعت ہے جو پہلے بھی ہمیشہ رسولوں کی متبع ہوا کرتی تھی اسی طرح جب ☜ .....

www.besturdubooks.net

قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ قُلْ لَهُمْ اِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ
هٰذَا الرَّجُلِ فَاِنْ كَذَّبَنِیْ فَكَذِّبُوْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ لَا
الْحَیَاءُ اَنْ یُؤْثِرُوْا عَلَیَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ
كَانَ اَوَّلَ مَا سَاَلَنِیْ عَنْهُ اَنْ قَالَ كَیْفَ نَسَبُهٗ
فِیْكُمْ قُلْتُ هُوَ فِیْنَا ذُوْ نَسَبٍ قَالَ فَهَلْ قَالَ
هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهٗ قُلْتُ لَا قَالَ
فَهَلْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ لَا قَالَ
فَاَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ قُلْتُ
ضُعَفَاءُهُمْ قَالَ اَیَزِیْدُوْنَ اَمْ یَنْقُصُوْنَ قُلْتُ
بَلْ یَزِیْدُوْنَ قَالَ فَهَلْ یَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ
سُخْطَةً لِّدِیْنِهٖ بَعْدَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهِ قُلْتُ لَا قَالَ
فَهَلْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْلَ مَا قَالَ
قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ یَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَ نَحْنُ مِنْهُ
فِیْ مُدَّةٍ لَا نَدْرِیْ مَا هُوَ فَاعِلٌ فِیْهَا وَ لَمْ
یُمْكِنِّیْ كَلِمَةٌ اُدْخِلُ فِیْهَا شَیْئًا غَیْرَ هٰذِهِ
الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ
فَكَیْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ اِیَّاهُ قُلْتُ الْحَرْبُ بَیْنَنَا
وَ بَیْنَهٗ سِجَالٌ یَنَالُ مِنَّا وَ نَنَالُ مِنْهُ قَالَ فَمَاذَا

قریبی رشتہ دار ہو جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں- ابوسفیان کہتے ہیں میں نے کہا ان کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار میں ہوں- یہ سن کر ہرقل نے کہا اچھا ابوسفیان کو میرے اور قریب لے آؤ اور اس کے رفقاء کو اس کی پشت کی جانب پاس بٹھا دو- اس کے بعد اپنے ترجمان سے کہا اس کے رفقاء سے کہہ دو کہ میں ان کے متعلق اس شخص سے چند سوالات کرتا ہوں' اگر یہ ذرا بھی غلط بیانی سے کام لے تو تم لوگ فوراً اس کی تکذیب کر دینا- ابوسفیان کہتا ہے خدا کی قسم اگر مجھ کو اس بات کی غیرت نہ ہوتی کہ میری نسبت لوگ ہمیشہ دروغ گوئی کا عیب لگاتے رہیں گے تو یقیناً میں آپ کے متعلق جھوٹی جھوٹی باتیں بیان کر کے رہتا- اس کے بعد سب سے پہلا سوال جو ہرقل نے مجھ سے کیا یہ تھا- جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اس کا خاندان کیسا ہے؟ میں نے کہا بڑا اشریف گھرانا ہے- پھر اس نے پوچھا اس کے خاندان میں سے کسی اور نے بھی پہلے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا جی نہیں- اس نے پوچھا کیا اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ میں نے کہا جی نہیں- پھر ہرقل نے پوچھا اچھا جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں وہ رئیس لوگ ہیں یا غریب؟ میں نے عرض کی جی کمزور اور غریب لوگ- پھر ہرقل نے پوچھا ان کی مردم شماری بڑھ رہی یا گھٹ رہی ہے؟ میں نے عرض کی بڑھ رہی ہے- پھر اس نے پوچھا کوئی شخص اس کے دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں- اس کے بعد ہرقل نے سوال کیا پیغمبری کے دعوے سے بھی پہلے تم لوگوں نے کبھی اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں- پھر اس نے پوچھا یہ

لہ ..... اس کو معلوم ہوا کہ آپ کی جماعت برابر ترقی پر ہے اور ان میں اپنے دین سے ناراض ہو کر اس کو ترک کرنے والا ایک متنفس بھی نہیں ہے تو یہاں بھی اس نے انبیاء سابقین پر ایمان لانے والوں کا حال بھی بیان کیا ہے- پھر جب اس نے آپؐ کے صدق وکذب کا حال دریافت کیا جو کسی نبی کے لیے سب سے پہلی شرط ہوتی ہے تو جو کلمات ابوسفیان کی زبان سے نکلے وہی سب سے زیادہ زوردار تھے' وہ کہتا ہے کہ آپ کے صدق وصفا کا پوچھنا ہی کیا ہے' یہاں دوست تو دوست دشمن بھی آپ کو صدوق وامین کے لقب سے پکارتے ہیں- اس سے بھی زیادہ نازک مسئلہ جنگ کا ہے' یہ معاملہ قوی ہوتا ہے اور یہاں ایک راست باز سے راست باز انسان بھی لغزش کر سکتا ہے' مگر جب ہرقل کو معلوم ہوا کہ آپؐ کے پائے استقلال کو یہاں بھی ادنیٰ سی لغزش نہیں ہوتی اور یہاں بھی آپ ایفاء عہد میں نفع ونقصان سے بالاتر ہو کر اس کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں تو یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ استقامت تو صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا حصہ ہوتی ہے- صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ جنگ کے نتائج کا حال سن کر ہرقل نے کہا کہ شکست وفتح میں انبیاء سابقین کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ ان دونوں لہ .....

www.besturdubooks.net

يَأْمُرُكُمْ قُلْتُ اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ اتْرُكُوْا مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَ الصِّدْقِ وَ الْعَفَافِ وَ الصِّلَةِ فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهٗ اِنِّيْ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهٖ فَذَكَرْتَ اَنَّهٗ فِيْكُمْ ذُوْنَسَبٍ وَ كَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِيْ نَسَبِ قَوْمِهَا وَ سَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهٗ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ اَحَدٌ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهٗ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَّتَأَسّٰى بِقَوْلٍ قِيْلَ قَبْلَهٗ وَ سَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ فِيْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَّلِكٍ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَّلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَّطْلُبُ مُلْكَ اَبِيْهِ وَ سَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقَدْ اَعْرِفُ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لِّيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَ سَأَلْتُكَ اَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ اَنَّ ضُعَفَاءَهُمْ اتَّبَعُوْهُ وَ هُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَ

شخص کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتے ہیں میں نے جواب دیا نہیں- لیکن ان کے ساتھ اس سال جو ہمارا معاہدہ ہوا ہے دیکھنا ہے کہ اس کو وہ پورا کرتے ہیں یا نہیں- ابو سفیان کا بیان ہے کہ ایک بات کے سواء آپ کے حالات میں نکتہ چینی کا ایک حرف بھی میں داخل نہ کر سکا- پھر اس نے سوال کیا اچھا ان کے ساتھ کبھی تمہاری جنگ بھی ہوئی ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں- اس نے پوچھا تو اس کا نتیجہ کیا رہا؟ میں نے عرض کی اس کے اور ہمارے درمیان جنگ ڈول کی طرح سے رہتی ہے کبھی وہ جیت جاتے ہیں (بدر) اور کبھی ہم (احد) پھر اس نے پوچھا وہ تم کو کس بات کی تعلیم دیتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ' آباء واجداد کی بت پرستی چھوڑ دو' نماز پڑھو' سچ بولو' پاکباز بنو' رشتہ کا حق پہچانو- یہ تمام حالات سن کر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا ابوسفیان سے کہہ دو میں نے ان کے خاندان کے متعلق تجھ سے تحقیق کی تو تو نے جواب دیا وہ بڑے شریف النسب ہیں اور اسی طرح نبی ہمیشہ شریف گھرانے کے ہوتے چلے آئے ہیں- پھر میں نے تجھ سے پوچھا اس کے دعویٰ نبوت سے قبل تم میں سے کسی اور نے تو کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا؟ تو تو نے جواب دیا نہیں- اس پر میں نے سوچا کہ اگر کوئی شخص ان سے پہلے بھی یہ دعویٰ کر چکا ہوتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ یہ اس دعوے کی ریس کرتے ہیں- پھر میں نے پوچھا تھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ تو نہیں گذرا؟ تو تو نے جواب دیا نہیں- اس پر میں نے خیال کیا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ وہ اس بہانہ سے اپنے باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتے ہیں- پھر میں نے تم سے اس

..... حالتوں سے گزرتے تھے پھر آخر کار کامیابی ان ہی کو نصیب ہوتی تھی- اس مسئلہ پر اگر عقلی طور سے غور فرمایئے تو شاید آپ یہ حکم لگائیں کہ صداقت کی علامت دائمی فتح ہونی چاہیے- مگر یہاں ہرقل اس کے برعکس گاہ گاہ شکست کو بھی صداقت کی علامت سمجھتا ہے کیونکہ وہ انبیاء سابقین کی تاریخ پڑھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ بشر ہوئے ہیں اور اس لیے ان کی حیات میں انسانی حیات کے سب نشیب و فراز نظر آنے چاہئیں- آخر میں اس نے آپ کی تعلیمات کے متعلق اہم سوال کیا ہے' اور جب خوب دیکھ لیا کہ آپ کی تاریخ نبوت کی تاریخ سے کہیں بھی سرمو خلاف نہیں جاتی تو آپ کے رسول برحق ہونے کے اظہار پر مجبور ہو گیا یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کی عارضی بادشاہت کی طمع نے آخرت کی لازوال بادشاہت سے اس کو محروم رکھا-

یہ واضح رہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام جب کبھی صفات عالم پر نمودار ہوئے ہیں تو ان کے سامنے مختلف طبقات کے لوگ آئے ہیں ایک طبقہ تو ان لوگوں کا تھا جو رسولوں کی جنس ہی سے انکار کرتے تھے' جیسے قوم نوح علیہ السلام اور قوم عاد و ثمود علیہما السلام' اسی لیے .....

www.besturdubooks.net

سَأَلْتُکَ اَیَزِیْدُوْنَ اَمْ یَنْقُصُوْنَ فَذَکَرْتَ اَنَّھُمْ یَزِیْدُوْنَ وَ کَذٰلِکَ اَمْرُ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یَتِمَّ وَ سَأَلْتُکَ اَیَرْتَدُّ اَحَدٌ سَخْطَۃً لِدِیْنِہٖ بَعْدَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْہِ فَذَکَرْتَ اَنْ لَا وَ کَذٰلِکَ الْاِیْمَانُ حِیْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُہُ الْقُلُوْبَ وَ سَأَلْتُکَ ھَلْ یَغْدِرُ فَذَکَرْتَ اَنْ لَا وَ کَذٰلِکَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَ سَأَلْتُکَ بِمَا یَأْمُرُکُمْ فَذَکَرْتَ اَنَّہٗ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَ لَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَ یَنْھَاکُمْ عَنْ عِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ وَ یَأْمُرُکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَ الصِّدْقِ وَ الْعَفَافِ فَاِنْ کَانَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَسَیَمْلِکُ مَوْضِعَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ وَ کُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّہٗ خَارِجٌ لَمْ اَکُنْ اَظُنُّ اَنَّہٗ مِنْکُمْ فَلَوْ اَعْلَمُ اَنِّیْ اَخْلُصُ اِلَیْہِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَہٗ وَ لَوْ

کی تحقیق کی کہ کیا اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟ تو تو نے بیان کیا نہیں۔ اس پر میں نے سوچا یہ نہیں ہوسکتا کہ جس شخص نے کبھی لوگوں پر جھوٹ نہیں بولا ہے وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔ اس کے بعد میں نے سوال کیا کہ اس کو ماننے والا طبقہ غریبوں کا ہے یا رئیسوں کا؟ تو تو نے بتایا غریب مسکینوں کا اور ہمیشہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو رسولوں کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا ان کی مردم شماری بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے تو تو نے بتایا بڑھتی ہے اور درحقیقت ایمان کا یہی نقشہ ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے آخر حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا کوئی شخص ان کا دین قبول کرنے کے بعد اس سے کبھی بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے؟ تو نے جواب دیا نہیں اور لذت ایمان کی تاثیر درحقیقت یہی ہوتی ہے کہ جب وہ دلوں میں گھر کر جاتی ہے تو پھر نکالا نہیں کرتی۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا وہ عہد شکنی تو نہیں کرتے؟ تو نے جواب دیا نہیں۔ اور تمام نبیوں کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ کبھی عہد شکنی نہیں کرتے۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا تم کو تعلیم کیا دیتے ہیں؟ تو نے بیان کیا یہ کہ صرف ایک خدا کی پرستش کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور بتوں کی پوجا سے تم کو منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں

ﷺ ..... قرآن کریم نے ان کا حال ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: ﴿کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِیْنَ ○ کَذَّبَتْ قَوْمُ عَادِ الْمُرْسَلِیْنَ ○ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ○﴾ دوسرا طبقہ وہ تھا جن کو رسولوں کی ضرورت اور ان کی جنس تو مسلم تھی مگر ان کو یہ بحث رہتی تھی کہ رسول وہی بشر رسول ہے یا نہیں۔ یہاں ہرقل چونکہ اہل کتاب میں سے تھا اس کے سامنے ضرورت نبوت و رسالت کا مسئلہ نہ تھا اس لیے اس کے سوالات بھی اس نوعیت کے نہ تھے جو رسالت کی ضرورت پر روشنی ڈالتے اس کو صرف یہ تحقیق کرنی تھی کہ جس رسول کی بشارات وہ کتب سابقہ میں پڑھتا چلا آ رہا ہے جس کا حلیہ جس کی صفات اور جس کی زندگی کی مفصل تاریخ اس نے مطالعہ کی ہے کیا یہ وہی رسول منتظر ہیں؟ اسی لیے حقیقت تک رسائی میں اس کو صرف ایک ہی قدم کی دیر تھی اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی آمد کی تاریخ مقرر ہو جائے تو اس مقررہ تاریخ پر ہوائی جہازوں کی آمد اور توپوں کی آوازوں کے سننے کے ساتھ ہی فوراً یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کی آمد ہوگئی ہے یہاں کسی وہمی مزاج شخص کو بھی یہ خطرہ نہیں گزرتا کہ بادشاہ کی آمد کے سواء یہاں کوئی دوسرا احتمال بھی ہوگا۔ چنانچہ ہرقل نے آخر میں خود ہی اس کی تصریح کردی کہ مجھے ان کی آمد کا تو یقین تھا مگر تحقیق طلب بات صرف یہ تھا کہ وہ رسول منتظر کہاں مبعوث ہوئے ہیں۔ میرے گمان میں یہ نہ تھا کہ اس رسول اعظم کی آمد کے لیے نظر ربوبیت امیوں کا انتخاب کرچکی ہے۔ ترجمان السنہ ج ۲ ص ۶۸ میں آپ یہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ابن ناطور نے بھی جو اہل کتاب میں ہرقل ہی کے مرتبہ کا دوسرا عالم سمجھا جاتا تھا جب آپ کی تفصیلات سنیں تو آپ کے آخری رسول ہونے میں ہرقل کے ساتھ قطعی طور پر اتفاق کیا۔ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

كُنْتُ عِنْدَهٗ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهٖ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ بَعَثَ بِهٖ دِحْيَةَ اِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى فَدَفَعَهٗ اِلٰى هِرَقْلَ فَقَرَاَهٗ فَاِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ. سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ وَ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا

کہ نماز پڑھو سچ بولو پاکباز ہو- اگر تم نے یہ سب جوابات سچ سچ دیئے ہیں تو ایک دن وہ میرے ان قدموں کی جگہ یعنی شام و بیت مقدس کے مالک ہو کر رہیں گے مجھے اس کا تو پہلے سے علم تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں مگر یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے- اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو آپ کی ملاقات کے لیے پوری سعی کرتا اے کاش کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے قدم مبارک دھو کر پیتا- اس کے بعد اس نے آپ کا وہ نامہ مبارک جو دحیہؓ نے بصریٰ کی معرفت بھیجا تھا طلب کیا' انہوں نے ہرقل کی خدمت میں پیش کیا- اس کو پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- یہ خط ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہے ہرقل کے نام جو روم کا بڑا معزز شخص ہے- وہ لوگ سلامت رہیں جو سیدھی راہ چلیں- میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرلو دونوں جہان کی آفتوں سے محفوظ رہو گے اور تم کو اللہ تعالیٰ اس کا دوگنا ثواب دے گا اور اگر تم نے انکار کیا تو اریس کے سب متبعین کا گناہ تمہارے سر رہے گا- اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جس میں ہمارے تمہارے درمیان کوئی

ﷺ ..... اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ رسول صرف عالی نسب یا صادق القول ہونے سے رسول نہیں بن جاتے- رسول بننے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رسول بنا دے- البتہ جس کو وہ رسول بنا دیتا ہے اس کے لیے پھر یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان تمام صفات کا مالک ہو جو حدیث ہرقل میں آپ نے پڑھی ہیں- نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جہاں چند امور کے مجموعہ سے یقین حاصل ہو گیا ہو وہاں ہر ہر جزء علیحدہ بھی یقین کا فائدہ دے سکے اس لیے یہ بھی غلط ہے کہ اس مجموعہ کے بعض اجزاء کو لے کر نبوت کی دلیل بنا دیا جائے-

یہاں ایک تیسرا طبقہ امت محمدیہ کا ہے جس کے سامنے ان مسائل میں سے اب کوئی مسئلہ بھی باقی نہیں ہے' وہ نبوت کی ضرورت سمجھنے سے جس طرح مستغنی ہے اسی طرح کسی جدید نبی کی آمد کے انتظار اور اس کی تعیین کی بحث سے بھی فارغ ہو چکی ہے- کتنی بدنصیبی ہو گی کہ جو امت ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی اجمالی اور تفصیلی تاریخ پڑھ چکی ہو اس کے افراد یا تو نبوت کی ضرورت پر بحث کرنے والوں کی صف میں نظر آئیں یا پھر کسی جدید رسول کی تلاش میں سرگرداں و سراسیمہ ہوں- یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رسول جب دنیا میں آتے ہیں تو وہ پہلے سے اپنا پورا تعارف بھی رکھتے ہیں' ان کی بشارت بیان ہو جاتی ہے- ان کی علامات بلکہ مختصر تذکرہ بھی امت کے سامنے ذکر میں آ جاتا ہے- اس لیے جب وہ ان تمام خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں جو اس نوع کی ہمیشہ ہوتی چلی آئی ہیں- تو یہاں ان کے مخالفین میں ان کو مجنون سمجھنے والی صرف وہی ایک جماعت ہوتی ہے جو تاریخ نبوت سے جاہل ہوتی ہے- کیا مجنون اور صفراء کے مریض اسی اہتمام اور اسی تاریخ حیات کو لے کر آیا کرتے ہیں؟ لیکن ناشکرا انسان جب اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی نعمت کا انکار کرنے پر آمادہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَقُولُوا اشْهَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. قَالَ قَالَ اَبُوْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَ فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَ ارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ وَ اُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِاَصْحَابِيْ لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ اِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْاَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتّٰى اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْاِسْلَامَ.

(رواه البخاری و قدمضی باقی الحدیث فی ترجمان السنة ج ۲ ص ۶۶)

اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور آپس میں کوئی کسی کے لیے خدائی کا درجہ تجویز نہ کرے- اگر اہل کتاب اتنی بات بھی نہ مانیں تو تم ان سے صاف کہہ دو کہ ہم تو خدا کے فرمان بردار ہو چکے- ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابو سفیان کہتے ہیں جب ہرقل کو جو کہنا تھا اس نے کہہ لیا اور آپ کا نام مبارک پڑھ کر وہ فارغ ہو گیا تو اس کی محفل میں ایک چیخ و پکار اور غوغا مچ گیا- اور ہم لوگ باہر نکال دیئے گئے تو میں نے باہر آ کر اپنے رفقاء سے کہا ابن ابی کبشہ (اس کنیت سے مراد آپ کی ذات تھی) کا معاملہ تو اب ایسا بڑھ گیا کہ روم کا بادشاہ تک ان سے ڈرتا ہے اس کے بعد سے مجھے ہمیشہ اس بات کا یقین رہا کہ آپ عنقریب سب پر غالب آ جائیں گے یہاں تک کہ وہ روز سعید آ پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف باسلام فرما دیا- (بخاری شریف)

(۱۷۹۷) قَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِيْ خُرُوْجِهٖ اِلَى الْمُقَوْقِسِ مَعَ بَنِيْ مَالِكٍ وَ اَنَّهُمْ لَمَّا دَخَلُوْا عَلَى الْمُقَوْقِسِ قَالَ كَيْفَ خَلَصْتُمْ اِلَيَّ مِنْ طَائِفَتِكُمْ وَ مُحَمَّدٌ وَ اَصْحَابُهٗ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ؟ قَالُوْا اَلْصَقْنَا بِالْبَحْرِ وَ قَدْ خِفْنَاهُ

(۱۷۹۷) مغیرہ بن شعبہؓ (اپنے اسلام لانے سے قبل) اپنے اس سفر کا حال بیان کرتے ہیں جس میں وہ قبیلہ بنی مالک کے ساتھ شاہ مقوقس کے پاس گئے تھے- وہ کہتے ہیں جب وہ پہنچے تو شاہ مقوقس نے پوچھا- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفقاء کے ہوتے ہوئے تم یہاں میرے پاس تک بھلا کیسے پہنچ گئے- انہوں نے کہا ہم دریا کے کنارہ کنارہ آباد ہو گئے تھے مگر ہم کو

..... ہوتا ہے تو اس سے زیادہ حیا سوز کلمات سے بھی نہیں شرماتا- ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ﴾

لفظ اریسین کی تحقیق: اس لفظ کے ضبط و تحقیق میں شارحین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں- لیکن تاریخ کی روشنی میں جو بات راجح قرار پاتی ہے وہ یہ ہے کہ ''عبداللہ بن اریس'' ایک مشہور پادری تھا یا اسکندریہ میں قسیس کا منصب رکھتا تھا اور اس کا عقیدہ توحید ہی کا تھا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا بندہ ہی سمجھتا تھا- اس کا زمانہ وہی تھا جس میں قسطنطین اوّل بانی قسطنطنیہ ہوا ہے- شاہان روم میں سب سے پہلے نصرانی مذہب اختیار کرنے والا یہی تھا اور اسی ''اریس'' پادری کا مقلد تھا- اس لحاظ سے جو لوگ اس کے متبع تھے ان کو اریسین کہا جاتا تھا- یہ ہرقل اور اس کی رعایا بھی چونکہ اسی کی متبع تھی اس لیے ان کو اریسی کہا جاتا تھا- لہٰذا آپؐ نے اپنے نامہ مبارک میں اس کو یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ اگر تو اسلام سے منحرف ہوا تو تیری اتباع میں اریس کے جتنے متبعین ہیں تیری رعایا ہونے کی وجہ سے یہ بھی منحرف ہو جائیں گے اس لیے اس لیے ان کے انحراف کا گناہ بھی تیری گردن پر رہے گا (دیکھو مشکل الآثار امام طحاوی- الملل والنحل ابن حزم ج ا ص ۴۸ اور الجواب الصحیح ج ۳ ص ۱۴) ہماری اس تحقیق سے جنہوں نے اس لفظ کے معنی رعایا لکھے ہیں ان کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی- یعنی چونکہ اریس کے متبع لوگ ہی اس کی رعایا تھے اس لیے بلحاظ مصداق رعایا کو اروسی کہنا بھی صحیح ہے گو بلحاظ لغت اس کا صحیح ترجمہ ''اروس والے لوگ'' ہی صحیح ہو- تاریخ میں اس کا نام اروس اور اریوس دونوں طرح نظر سے گذرا ہے-

www.besturdubooks.net

عَلٰی ذٰلِکَ قَالَ فَکَیْفَ صَنَعْتُمْ فِیْمَا دَعَا
کُمْ اِلَیْهِ قَالُوْا مَا تَبِعَهٗ مِنَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ قَالَ وَ
لِمَ ذٰلِکَ؟ قَالُوْا جَاءَ نَابِدِیْنٍ مُجَدَّدٍ لَا تَدِیْنُ
بِهِ الْاٰبَاءُ وَ لَا یَدِیْنُ بِهِ الْمَلِکُ وَ نَحْنُ عَلٰی
مَا کَانَ عَلَیْهِ اٰبَاءُ نَاقَالَ فَکَیْفَ صَنَعَ قَوْمُهٗ
قَالُوْا تَبِعَهٗ اَحْدَاثُهُمْ وَ قَدْ لَاقَاهُ مَنْ خَالَفَهٗ مِنْ
قَوْمِهٖ وَ غَیْرِهِمْ مِنَ الْعَرَبِ فِیْ مَوَاطِنَ مَرَّةً
تَکُوْنُ عَلَیْهِمُ الدَّائِرَةُ وَمَرَّةً تَکُوْنُ لَهٗ قَالَ اَلَا
تُخْبِرُوْنِّیْ اِلٰی مَاذَا یَدْعُوْا اِلَیْهِ قَالَ یَدْعُوْنَا اِلٰی
اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ نَخْلَعَ مَا
کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَ یَدْعُوْ اِلَی الصَّلَاةِ وَ
الزَّکَاةِ قَالَ وَ مَا الصَّلٰوةُ وَ الزَّکَاةُ اَلَهَا وَقْتٌ
یُعْرَفُ وَ عَدَدٌ تَنْتَهِیْ اِلَیْهِ؟ قَالُوْا یُصَلُّوْنَ فِی
الْیَوْمِ وَ اللَّیْلَةِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ کُلَّهَا
لِمَوَاقِیْتَ وَ عَدَدٍ سَمُّوْهُ لَهٗ وَ یُؤَدُّوْنَ مِنْ کُلِّ
مَا بَلَغَ عِشْرِیْنَ مِثْقَالًا نِصْفَ مِثْقَالٍ وَ اَخْبَرَهٗ
بِصَدَقَةِ الْاَمْوَالِ کُلِّهَا قَالَ اَفَرَاَیْتُمْ اِذَا
اَخَذَهَا اَیْنَ یَضَعُهَا؟ قَالُوْا یَرُدُّهَا عَلٰی
فُقَرَائِهِمْ وَ یَاْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَ وَفَاءِ الْعَهْدِ وَ
تَحْرِیْمِ الزِّنَاءِ وَ الْخَمْرِ وَ لَا یَاْکُلُ مِمَّا ذُبِحَ
لِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَالَ الْمَقَوْقَسُ هٰذَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ
اِلَی النَّاسِ وَ لَوْ اَصَابَ الْقِبْطَ وَ الرُّوْمَ اتَّبَعُوْهُ
وَ قَدْ اَمَرَهُمْ بِذٰلِکَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ وَ هٰذَا
الَّذِیْ تَصِفُوْنَ مِنْهُ بُعِثَ بِهِ الْاَنْبِیَاءُ مِنْ قَبْلِهٖ وَ
سَیَکُوْنُ لَهُ الْعَاقِبَةُ حَتّٰی لَا یُنَازِعَهٗ اَحَدٌ وَ
یَظْهَرَ اِلٰی مُنْتَهَی الْخُفِّ وَ الْحَافِرِ وَ مُنْقَطَعِ

یہاں بھی ان کا خوف لگا رہتا تھا- اس نے کہا اچھا بتاؤ ان کی باتوں پر تم نے کیا عمل کیا؟ انہوں نے کہا- ہم میں سے تو کسی ایک نے بھی ان کی بات نہیں مانی- اس نے کہا کیوں؟ ہم نے کہا اس لیے کہ وہ ایک ایسا انوکھا دین لے کر آئے ہیں جس کو نہ ہمارے بڑوں نے مانا نہ ملک اس کو مانتا ہے اور ہم تو اپنے بڑوں ہی کے دین پر قائم ہیں اس نے پوچھا کہ اچھا تو اس کی قوم کے لوگوں نے کیا کیا؟ ہم نے کہا نوجوانوں نے تو اس کو مان لیا ہے، جو لوگ مخالف تھے خواہ وہ عرب تھے یا غیر عرب انہوں نے ان کے ساتھ جنگ کی نتیجہ میں کبھی ان کو شکست ہوتی رہی کبھی آپ کو پھر اس نے پوچھا اچھا یہ تو بتاؤ کہ آخر وہ کن باتوں کی دعوت دیتا ہے؟ ہم نے کہا اس کی کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں- اور جن بتوں کی ہمارے بزرگ عبادت کرتے آئے ہیں ان کو یکلخت چھوڑ دیں اور نماز اور زکوٰۃ کی بھی دعوت دیتے ہیں- اس نے کہا- نماز اور زکوٰۃ کیا چیز ہے؟ کیا اس کا کوئی وقت بھی مقرر ہے جس کو لوگ جانتے ہوں اور کوئی مقرر عدد بھی ہے؟ انہوں نے کہا شب و روز میں وہ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں اور پانچوں کی پانچوں اپنے اپنے وقتوں میں پھر اس سے ان کا عدد بھی بیان کیا- نیز یہ لوگ ہر مال میں سے جس کی قیمت بیس مثقال ہوتی ہے نصف مثقال ادا کرتے ہیں- اس کے بعد مال کے جملہ اقسام میں جو جو صدقہ واجب ہوتا تھا وہ سب تفصیلاً بیان کیا- اس نے پوچھا اچھا بتاؤ تم سے وصول کر کے پھر یہ صدقہ وہ کہاں خرچ کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا- جن کے مال داروں سے وصول کرتے ہیں ان ہی کے فقیروں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور عہد پورا کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں، زناء اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور بجز اللہ کے نام کے کسی اور کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے- یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا- خوب سن لو کہ یہ اللہ کے برحق نبی ہیں جن کو اللہ نے سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے- اگر وہ مصر اور روم کے پاس بھی پہنچیں گے تو وہ لوگ بھی ان کی اتباع کریں گے کیونکہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی ان کی اتباع کا حکم دے گئے ہیں اور جو جو باتیں تم لوگ بیان کر رہے ہو ان ہی سب باتوں کو لے کر پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے ہیں- یقین رکھو کہ نتیجہ ان ہی کے

www.besturdubooks.net

الْبُحُورِ وَ يُوشِكُ قَوْمُهُ اَنْ يُدَافِعُوهُ بِالرَّاحِ
قَالُوْا فَلَوْ دَخَلَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مَعَهُ مَا دَخَلْنَاهُ
قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَانْغَضَ الْمُقَوْقِسُ رَأْسَهُ وَ قَالَ
اَنْتُمْ فِي اللَّعِبِ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فِيْ قَوْمِهِ؟
هُوَ اَوْسَطُهُمْ نَسَبًا قَالَ كَذٰلِكَ[1] وَ الْمَسِيْحُ
الْاَنْبِيَاءُ تُبْعَثُ فِيْ نَسَبِ قَوْمِهَا ثُمَّ قَالَ
فَكَيْفَ صِدْقُ حَدِيْثِهِ قَالَ قُلْنَا مَا يُسَمّٰى اِلَّا
الْاَمِيْنَ مِنْ صِدْقِهِ قَالَ انْظُرُوْا فِيْ اَمْرِكُمْ
اَتَرَوْنَهُ يَصْدُقُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُ وَ يَكْذِبُ
عَلَى اللّٰهِ قَالَ فَمَنْ تَبِعَهُ قُلْنَا الْاَحْدَاثُ قَالَ
هُمْ[2] وَ الْمَسِيْحُ اَتْبَاعُ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَهُ قَالَ فَمَا
فَعَلَتْ يَهُوْدُ يَثْرِبَ فَهُمْ اَهْلُ التَّوْرَاةِ قُلْنَا
خَالَفُوْهُ فَاَوْقَعَ بِهِمْ فَقَتَلَهُمْ وَ سَبَاهُمْ وَ
تَفَرَّقُوْا فِيْ كُلِّ نَاحِيَةٍ قَالَ هُمْ قَوْمٌ حَسَدَةٌ
حَسَدُوْهُ اَمَا اِنَّهُمْ يَعْرِفُوْنَ مِنْ اَمْرِهِ مِثْلَ مَا
نَعْرِفُ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَقُمْنَا مِنْ عِنْدِهِ وَ قَدْ
سَمِعْنَا كَلَامًا ذَلَّلَنَا لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَ خَضَعْنَا لَهُ وَمُلُوْكُ الْعَجَمِ يُصَدِّقُوْنَهُ
وَ يَخَافُوْنَهُ فِيْ بُعْدِ اَرْحَامِهِمْ مِنْهُ وَ نَحْنُ
اَقْرِبَاؤُهُ وَ جِيْرَانُهُ وَ لَمْ نَدْخُلْ مَعَهُ وَ قَدْ جَاءَ
نَا دَاعِيًا اِلٰى مَنَازِلِنَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَرَجَعْتُ اِلَى
مَنْزِلِنَا فَاَقَمْتُ بِالْاِسْكَنْدَرِيَّةِ لَا اَدَعُ كَنِيْسَةً
اِلَّا دَخَلْتُهَا وَ سَأَلْتُ اَسَاقِفَتَهَا مِنْ قِبْطِهَا وَ

موافق نکل کر رہے گا- یہاں تک کہ ایک متنفس کو بھی یہ طاقت نہ ہوگی کہ ان کے ساتھ مقابلہ کر سکے- خشکی و تری کے آخری حصوں تک ان کا غلبہ ہو جائے گا- عنقریب اس کی قوم اس کے ساتھ دست بدست جنگ کرے گی- مگر یہ سب سن سنا کر انہوں نے کہا اگر تمام لوگ بھی اس کے ساتھی ہو جائیں پھر بھی اس کا ساتھ نہیں دیں گے- مغیرہ کہتے ہیں یہ سن کر شاہ مقوقس نے ناگواری سے اپنا سر ہلایا اور کہا تم بڑی غفلت میں پڑے ہوئے ہو- اس کے بعد پوچھا اپنی قوم میں اس کا خاندان کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا- سب سے بہتر- اس نے کہا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قوم میں بہترین خاندان میں سے ہوئے ہیں- پھر اس نے پوچھا اچھا اس کی راست گوئی کی کیا کیفیت ہے؟ ہم نے جواب دیا- اس کی راست گوئی کی وجہ سے ہی اپنی قوم میں اس کا لقب امین مشہور ہے- اس نے کہا اب تم خود ہی غور کر لو- کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو جو شخص باہم اپنے معاملات میں راست باز ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ بول سکتا ہے- پھر اس نے پوچھا- کن لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے؟ ہم نے کہا- نوجوانوں نے- اس نے کہا یہی لوگ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاء کے متبعین ہیں- پھر اس نے کہا کہ یثرب (مدینہ) کے یہودیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے' کیونکہ وہ لوگ تو توریت کے ماننے اور جاننے والے ہیں- ہم نے کہا انہوں نے تو اس کی مخالفت کی ہے اور اس وجہ سے اس نے ان کو سزا دی ہے- یعنی بعض کو قتل کیا ہے اور بعض کو قید کیا ہے- بقیہ ادھر اُدھر اطراف میں تتر بتر ہو گئے ہیں- شاہ مقوقس نے کہا یہ لوگ تو ہمیشہ سے بڑے حاسد ہیں' انہوں نے ان پر بھی حسد کیا ہے' ورنہ یہ لوگ آپ کی صداقت ہماری طرح پہچانتے ہیں- مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم مقوقس کے دربار سے ایسی گفتگو سن کر اٹھے جس کے بعد ہمارے حوصلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پست ہو گئے اور ہم نے اپنے دل میں کہا کیا غضب ہے کہ شاہانِ عجم تو اس کے ساتھ

---

۱ بظاہر عبارت یہ ہے: كذلك المسيح و الانبياء تبعث في نسب قومه.

۲ بظاہر عبارت یہ ہونی چاہیے: لم اتباع المسيح و الانبياء من قبله.

www.besturdubooks.net

رُوْمِهَا عَمَّا يَجِدُوْنَ مِنْ صِفَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ اُسْقُفٌ مِنَ الْقِبْطِ هُوَ رَأْسُ كَنِيْسَةِ يُوْحَنَّس كَانُوْا يَأْتُوْنَهُ بِمَرْضَاهُمْ فَيَدْعُوْ لَهُمْ لَمْ اَرَقَطُّ اَشَدَّ اِجْتِهَادًا مِنْهُ فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ هَلْ بَقِيَ اَحَدًا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ قَالَ نَعَمْ هُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ اَحَدٌ وَ هُوَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَ اَمَرَنَا عِيْسٰى بِاتِّبَاعِهِ وَ هُوَ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ الْعَرَبِيُّ اسْمُهُ اَحْمَدُ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَ لَا بِالْقَصِيْرِ فِيْ عَيْنَيْهِ حُمْرَةٌ وَ لَيْسَ بِالْاَبْيَضِ وَ لَا بِالْاٰدَمِ يُعْفِيْ شَعْرَهُ وَ يَلْبَسُ مَا غَلُظَ مِنَ الثِّيَابِ وَ يَجْتَزِئُ بِمَا بَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ سَيْفُهُ عَلٰى عَاتِقِهِ وَ لَا يُبَالِيْ بِمَنْ لَاقٰى يُبَاشِرُ الْقِتَالَ بِنَفْسِهِ وَ مَعَهُ اَصْحَابُهُ يَفْدُوْنَهُ بِاَنْفُسِهِمْ هُمْ لَهُ اَشَدُّ حُبًّا مِنْ اَوْلَادِهِمْ وَ اٰبَائِهِمْ يَخْرُجُ مِنْ اَرْضِ حَرَمٍ وَ يَاْتِيْ اِلٰى حَرَمٍ يُهَاجِرُ اِلٰى اَرْضِ سِبَاخٍ وَ نَخْلٍ يَدِيْنُ بِدِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَقُلْتُ لَهُ زِدْنِيْ فِيْ صِفَتِهِ قَالَ يَاْتَزِرُ عَلٰى وَسْطِهِ وَ يَغْسِلُ اَطْرَافَهُ وَ يَخُصُّ بِمَا لَا تَخُصُّ بِهِ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلَهُ وَ كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهِ وَ يُبْعَثُ هُوَ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَ جُعِلَتْ لَهُ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا اَيْنَمَا

نسب ورشتے کا دور کا تعلق بھی نہ رکھتے ہوئے اس کی تصدیق کریں اور اس سے خوف کھائیں اور ہم اس کے عزیز وقریب اور پڑوسی ہو کر بھی اس کا دین قبول نہ کریں بالخصوص جب کہ وہ خدا تعالیٰ کا داعی بن کر ہمارے گھروں میں خود آیا ہے- مغیرہ کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میں اپنے گھر واپس آیا اور مقام اسکندریہ میں آکر ٹھہر گیا- میں نے کسی گرجہ کو نہیں چھوڑا جس میں نہ گیا ہوں اور اس کے ہر ہر پادری سے خواہ وہ مصری تھا یا رومی ان علامات کی تحقیق کی جو یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتب سابقہ میں دیکھتے چلے آئے ہیں- اس وقت ایک مصری پادری تھا جو کنیسہ یوحنس میں سب کا سردار سمجھا جاتا تھا' جس سے بڑھ کر عابد وزاہد کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا تھا' اس کا یہ حال تھا کہ لوگ اپنے مریضوں کو لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور وہ ان کی صحت کے لیے دعاء کیا کرتا تھا میں اس کی خدمت میں پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا کیا انبیاء علیہم السلام میں کوئی نبی ایسا رہ گیا ہے جس کی آمد ابھی باقی ہو- وہ بولا ہاں ایک نبی باقی ہے اور وہی آخر الانبیاء ہے- ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے- اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اتباع کرنے کا ہم کو حکم دیا ہے- وہ ایسا نبی ہے جس نے کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی- عرب کا رہنے والا ہے اسم مبارک اس کا احمد ہے- نہ حد سے زیادہ دراز قامت اور نہ انتہا سے زیادہ کوتاہ قد اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے نہ چونے جیسا سفید رنگ نہ بالکل گندم گوں- زلفیں رکھنے والا- موٹا جھوٹا سادہ لباس پہننے والا- بچا کھچا کھا لینے والا- جہاد کے لیے تیار- اس کی تلوار اس کے کاندھے پر- اپنے مقابل دشمن کی پرواہ نہ کرنے والا اور جنگ میں خود شریک ہونے والا- اس کے ساتھ سو جان سے اس پر قربان- اپنی اولاد اور والدین سے زیادہ ان پر شفیق- ایک حرم محترم سے نکل کر دوسرے ایسے ہی حرم محترم کی طرف ہجرت کرنے والا جس میں زمین کا ایک حصہ شور دوسرے حصہ

(۹۷۱) * روایت بالا میں خط کشیدہ جملہ بہت اہمیت رکھنے کے قابل ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات ذکر کی گئی تھیں ان میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہ ہو.....

www.besturdubooks.net

اَدْرَکَتْهُ الصَّلَاةُ تَیَمَّمَ وَ صَلّٰی وَ مَنْ کَانَ قَبْلَهٗ کَانَ مُشَدَّدًا عَلَیْهِمْ لَا یُصَلُّوْنَ اِلَّا فِی الْکَنَائِسِ وَ الْبِیَعِ قَالَ الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَوَعَیْتُ ذٰلِکَ کُلَّهٗ مِنْ قَوْلِهٖ وَ قَوْلِ غَیْرِهٖ وَ مَا سَمِعْتُ مِنْ ذٰلِکَ فَذَکَرَ الْوَاقِدِیُّ حَدِیْثًا طَوِیْلًا فِیْ رُجُوْعِهٖ وَ اِسْلَامِهٖ وَ مَا اَخْبَرَ بِهٖ مِنْ صِفَاتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ کَانَ ذٰلِکَ مِمَّا یُعْجِبُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ یُحِبُّ اَنْ یَسْمَعَهٗ اَصْحَابُهٗ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ قَالَ الْمُغِیْرَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَکُنْتُ اُحَدِّثُهُمْ بِذٰلِکَ وَ هٰذَا اَمْرٌ مَعْرُوْفٌ عِنْدَ عُلَمَاءِ اَهْلِ الْکِتَابِ وَ عُظَمَائِهِمْ.

(رواہ محمد بن عمر الواقدی. کذافی الجواب الصحیح)

میں کھجور کا باغ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر اس کا دین -مغیرہ کہتے ہیں میں نے اس پادری سے کہا ذرا ان کی علامات کے متعلق کچھ اور ارشاد فرمایئے- اس نے کہا وہ پنڈلیوں تک تہ بند باندھنے والا اور اپنے ہاتھ پیر اور چہرے کو دھونے والا اور اس کے علاوہ ایک ایسی خصوصیت کا مالک جو اس سے قبل انبیاء علیہم السلام میں نہ تھی- یعنی ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کے لیے مبعوث ہو کر آیا اور وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوگا- تمام زمین اس کے لیے مسجد اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنادی جائے گی- یعنی جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جائے گا اسی جگہ وہ تیمم کر کے نماز ادا کر لے گا- اس سے قبل انبیاء پر اس بارے میں تنگی تھی وہ گرجوں اور مندروں کے سوائے کسی اور جگہ نماز ادا نہیں کر سکتے تھے-مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں یہ تمام باتیں میں نے اس کی زبانی اور اس کے سواء دوسروں کی زبانی بھی سنی ہیں- اس کے بعد واقدی (مشہور مورخ) نے مغیرہ کی واپسی ان کے اسلام اور آنحضرتؐ کی جن علامات کو انھوں نے بیان کیا بتفصیل ذکر کیا ہے- سرور کائناتؐ کو مغیرہ کی یہ حدیث بہت پسند آتی تھی اور آپ چاہتے تھے کہ آپؐ کے اور صحابہؓ بھی اس کو سنیں- مغیرہ کہتے ہیں اس لیے میں اس حدیث کو صحابہ کرام کے سامنے بیان کیا کرتا تھا- یہ تمام واقعہ اہل کتاب اور ان کے بڑے بڑے پادریوں کے درمیان معروف و مشہور واقعہ ہے- (الجواب الصحیح)

(۹۷۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجَ جَیْشٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَا اَمِیْرُهُمْ حَتّٰی نَزَلْنَا الْاِسْکَنْدَرِیَّةَ فَقَالَ عَظِیْمٌ مِنْ عُظَمَائِهِمْ اَخْرِجُوْا اِلَیَّ رَجُلًا یُکَلِّمُنِیْ وَ اُکَلِّمُهٗ فَقُلْتُ لَا یَخْرُجُ اِلَیْهِ غَیْرِیْ قَالَ فَخَرَجْتُ اِلَیْهِ وَ

(۹۷۲) عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر باہر نکلا جس کا میں امیر تھا- یہاں تک کہ ہم مقام اسکندریہ میں جا کر اترے وہاں کے بڑے پادریوں میں سے ایک بڑے پادری نے کہا کہ میرے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجو جس سے میں کچھ گفتگو کروں اور وہ مجھے جواب دے سکے- میں نے سوچا کہ میرے سوائے اس کے پاس بھلا اور کون جائے گا- یہ کہتے

ﷺ ..... ہوگا- اس کے بعد جن حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''ہمارے دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے- اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے- ورنہ دو نبیوں کے درمیان کسی نبی کا ہونا یا نہ ہونا کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جس کے بیان کی کوئی خاص اہمیت ہو- اب اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ چونکہ یہ بھی آپ کی ایک علامت تھی اس لیے جس طرح آپ نے اپنی دوسری علامات کا اعلان فرمایا ہے اسی طرح اس کا بھی اعلان فرمایا ہے-

www.besturdubooks.net

مَعِیَ تَرْجُمَانِیْ وَ مَعَهٗ تَرْجُمَانُهٗ فَقَالَ مَا اَنْتُمْ؟ فَقُلْتُ نَحْنُ الْعَرَبُ وَ نَحْنُ اَهْلُ الشِّرْکِ وَ نَحْنُ اَهْلُ بَیْتِ الْحَرَامِ کُنَّا اَضْیَقَ النَّاسِ اَرْضًا وَّ اَجْهَدَهُمْ عَیْشًا نَاْکُلُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ یُغِیْرُ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ حَتّٰی خَرَجَ فِیْنَا رَجُلٌ لَیْسَ بِاَعْظَمِنَا یَوْمَئِذٍ وَ لَا بِاَکْثَرِنَا مَالًا فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ فَاَمَرَنَا بِمَا لَا نَعْرِفُ وَ نَهَانَا عَمَّا کُنَّا عَلَیْهِ وَ کَانَ عَلَیْهِ اٰبَاءُنَا فَکَذَّبْنَاهُ وَرَدَدْنَا عَلَیْهِ مَقَالَهٗ حَتّٰی خَرَجَ اِلَیْهِ قَوْمٌ غَیْرُنَا فَقُلْنَا وَ ظَهَرَ عَلَیْنَا وَ غَلَبَنَا وَ تَنَاوَلَ مَنْ یَلِیْهِ مِنَ الْعَرَبِ فَقَاتَلَهُمْ حَتّٰی ظَهَرَ عَلَیْهِمْ وَ لَوْ یَعْلَمُ مَنْ وَرَائِیْ مِنَ الْعَرَبِ مَا اَنْتُمْ فِیْهِ مِنَ الْعَیْشِ لَمْ یَبْقَ اَحَدٌ اِلَّا جَاءَکُمْ یَشْرُکُکُمْ فِیْمَا اَنْتُمْ فِیْهِ مِنَ الْعَیْشِ فَضَحِکَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمْ قَدْ صَدَقَ قَدْ جَاءَتْنَا رُسُلُنَا بِمِثْلِ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ رَسُوْلُکُمْ فَاِنْ اَنْتُمْ اَخَذْتُمْ بِاَمْرِ نَبِیِّکُمْ لَمْ یُقَاتِلْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبْتُمُوْهُ وَ لَنْ یُشَادِرَکُمْ اَحَدٌ اِلَّا ظَهَرْتُمْ عَلَیْهِ وَ اِنْ فَعَلْتُمْ مِثْلَ الَّذِیْ فَعَلْنَا وَ تَرَکْتُمْ اَمْرَ نَبِیِّکُمْ لَمْ تَکُوْنُوْا اَکْثَرَ عَدَدًا مِنَّا وَ لَا اَشَدَّ مِنَّا قُوَّةً.

(اخرجه ابو حاتم فی صحیحه)

کہ میں اس کے پاس گیا میرے ساتھ میرا ترجمان اور اس کے ساتھ اس کا ترجمان تھا- اس نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ میں نے کہا- عرب ہم شرک کیا کرتے تھے- درانحالیکہ ہم بیت الحرام کے باشندے تھے- ہمارے پاس رہنے کے لیے زمین بہت تنگ تھی' ہمارا گذران بہت عسرت کی حالت میں تھا- مردار اور خون کھایا کرتے تھے- ہمارا ایک قبیلہ دوسرے پر لوٹ مار مچایا کرتا تھا ہم اسی عسرت اور جہل کے عالم میں تھے کہ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جو اس وقت ہم میں نہ سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا نہ سب سے زیادہ مال دار تھا- اس نے اعلان کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارے پاس رسول ہو کر آیا ہوں' اس نے ہم کو ایسی باتوں کا حکم دیا جن سے ہم آشنا نہ تھے اور ان تمام باتوں سے روکا جن کے ہم اور ہمارے باپ دادے ہمیشہ سے خوگر تھے- اس لیے ہم نے اس کی تکذیب کی اور اس کی بات ٹھکرادی تا آنکہ ہمارے علاوہ کچھ اور لوگ اس کے ساتھ ہو کر ہم سے جنگ کے لیے نکلے اور ہم کو قتل کیا اور ہم پر غالب آ گئے- اس کے بعد انہوں نے عرب کے گردونواح کا قصد کیا اور ان پر بھی غالب آ گئے- اور بزرگ من! اگر عرب اس پر عیش زندگی کو جان لیں جو اس وقت آپ کی ہے تو ان میں ایک متنفس بھی ایسا نہ رہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے عیش و عشرت میں حصہ دار نہ بن جائے- یہ سن کر وہ ہنس پڑے اور بولے کہ تمہارا رسول سچا ہے- ہمارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کے رسول اسی قسم کی باتیں لے کر آئے تھے' جیسی تمہارے رسول تمہارے پاس لے کر آئے ہیں- اب اگر تم اپنے نبی کے حکم پر کاربند ہو گے تو جو قوم بھی تم سے جنگ کرے گی اس پر تم غالب ہی رہو گے اور جو بھی تم سے برسرپیکار ہو گا' وہ مغلوب ہو کر رہے گا- اور اگر کہیں تم نے وہی حرکت کی جو ہم نے کی تھی اور اپنے نبی کا حکم نہ مانا تو یاد رکھو کہ تم نہ تو مردم شماری میں ہم سے زائد ہو اور نہ قوت و طاقت میں بڑھ کر- (صحیح ابو حاتم)

(۹۷۳) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ فِیْ قِصَّةِ الْهِجْرَةِ وَ

(۹۷۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ کی طرف اپنی ہجرت اور

---

(۹۷۳) * یہاں سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہیے کہ حضرت جعفرؓ نے اپنے اسلام لانے کا جو بڑا سبب ذکر فرمایا ہے وہ ایک نبیﷺ .....

www.besturdubooks.net

سُوَالِ النَّجَاشِیِّ عَنْ سَبَبِ مُفَارِقَتِهِمْ مِنْ دِیْنِهِمْ قَالَتْ فَکَانَ الَّذِیْ کَلَّمَهٗ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ اَیُّهَا الْمَلِکُ کُنَّا قَوْمًا اَهْلَ جَاهِلِیَّةٍ نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ وَ نَأْکُلُ الْمَیْتَةَ وَ نَاْتِی الْفَوَاحِشَ وَ نَقْطَعُ الْاَرْحَامَ وَ نُسِیْئُ الْجِوَارَ وَ یَأْکُلُ الْقَوِیُّ مِنَّا الضَّعِیْفَ فَکُنَّا عَلٰی ذٰلِکَ حَتّٰی بَعَثَ اللّٰهُ اِلَیْنَا رَسُوْلًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهٗ وَ صِدْقَهٗ وَ اَمَانَتَهٗ وَ عَفَافَهٗ فَدَعَانَا اِلَی اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهٗ وَ نَعْبُدَهٗ وَ نَخْلَعَ مَا کُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَ اٰبَاءُ نَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْحِجَارَةِ وَ الْاَوْثَانِ وَ اَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِیْثِ وَ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَ صِلَةِ الرَّحِمِ وَ حُسْنِ الْجِوَارِ وَ الْکَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَ الدِّمَاءِ وَ نَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَ قَوْلِ الزُّوْرِ وَ اَکْلِ مَالِ الْیَتِیْمِ وَ قَذْفِ

نجاشی کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اس سوال کے جواب میں کہ انہوں نے اپنا قدیم دین کیوں چھوڑا بیان فرماتی ہیں کہ ہماری طرف سے جنہوں نے گفتگو کی وہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا۔ اے بادشاہ ہم لوگ جاہلیت کی ایک قوم تھے' بتوں کی پوجا کرتے مردار کھاتے' بے حیائیوں میں مبتلا رہتے' آپس کے رشتہ کاٹتے' اپنے پڑوسی سے برا سلوک کرتے اور جو شخص ہم میں مضبوط اور بااقتدار ہوتا وہ کمزور کو کھالیا کرتا تھا' ہم اسی تاریکی میں زندگی بسر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی اندر سے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا کہ جس کا نسب' جس کی راست گوئی' جس کی امانت داری اور جس کی پاک دامنی ہم اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اس نے ہم کو ایک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی کہ ہم اس کو ایک جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادے جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے ان کو یکسر چھوڑ دیں اور اس کا حکم دیا کہ سچ بولیں' امانت کو ادا کریں اور رشتہ داری کا لحاظ رکھیں۔ پڑوسی

لہ ..... تاریک ماحول میں آپ کی درخشاں تعلیمات ہیں جن سے یک لخت ان کی کایا پلٹ گئی تھی یا تو وہ ابھی ابھی عباد اوثان میں داخل تھے یا دوسری ہی ساعت میں عباد الرحمٰن میں شامل تھے' جن کے متعلق قرآن کریم نے ﴿اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ کی صفت بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد اپنی ہجرت کا سبب یہ بتایا ہے کہ ہماری قوم ہمارے اور ہمارے دین میں حائل بن گئی ہے۔ گویا اب اس مقدس دین کی محبت ان پر اتنی غالب ہو چکی تھی کہ اس کے مقابلہ میں مال و متاع اور احباب و وطن کا چھوڑنا سب آسان تھا۔ سوچئے کہ یہ حالات سن کر شاہ حبشہ آخر سوچ میں کیوں پڑ گیا۔ اگر اس قسم کا واقعہ آج بھی فرض کر لیا جائے تو اس قسم کی گری ہوئی قوم کی ایسی غیر مانوس باتیں کیا بادشاہوں کے لیے کچھ درخور اعتناء ہو سکتی ہیں' مگر یہاں شاہ حبشہ غور کر رہا ہے اور پھر یہ سوال کرتا ہے کہ اچھا اس کلام کا کچھ حصہ پڑھ کر مجھ کو بھی سناؤ جو ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور جب اس کا ذرا سا حصہ سنتا ہے تو اتنا متاثر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے تمام اہل محفل سب آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ غور کیجئے کہ یہ کلام کیسا ہوگا اور جن پر یہ کلام اترا ہے ان کی ذات کن عالی صفات کی مالک ہوگی' پھر جو کلمات اس کی زبان سے یہاں نکلے ہیں وہ اس کی شاہانہ فہم اور عالمانہ دقت نظر کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کی چند آیات ہی سن کر کس طرح یہ دریافت کر لیتا ہے کہ قرآن کریم اور تورات دونوں ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی کتابیں ہیں' اور وہ ان میں ایک دوسرے کے ساتھ اس یکسانیت کو بھی پالیتا ہے جس کے بعد اس کو یہ حکم لگا دینا آسان ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں ایک ہی مصدر کا فیضان ہیں اگر شاہ حبشہ کو تاریخ انبیاء اور ان پر نازل شدہ کلاموں کا پورا پورا ذوق نہ ہوتا تو وہ ذرا سی خبر سے چند بادیہ نشینوں کو لے کر نہ بیٹھتا اور نہ اتنی جلد یہ حکم لگا سکتا کہ قرآن کریم جو عربی زبان میں ہے اور وہ انجیل جو عبرانی یا سریانی زبان میں تھے ان کی متکلم ایک ہی ذات معلوم ہوتی ہے۔ لہ .....

www.besturdubooks.net

الْمُحْصَنَةِ وَ اَمَرَنَا اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ لَا نُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَ اَمَرَنَا بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّکَاةِ وَ الصِّیَامِ قَالَتْ فَعَدَّدَ عَلَیْهِ اُمُوْرَ الْاِسْلَامِ. قَالَ فَصَدَّقْنَاهُ وَ اٰمَنَّا بِهٖ وَ اتَّبَعْنَاهُ عَلٰی مَا جَاءَ بِهٖ فَعَبَدْنَا اللّٰهَ فَلَمْ نُشْرِکْ بِهٖ شَیْئًا وَ حَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَیْنَا وَ اَحْلَلْنَا مَا اَحَلَّ لَنَا فَعَدٰی عَلَیْنَا قَوْمُنَا فَعَذَّبُوْنَا وَ فَتَنُوْنَا عَنْ دِیْنِنَا لِیَرُدُّوْنَا اِلٰی عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَ اَنْ نَسْتَحِلَّ مَا کُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ فَلَمَّا قَهَرُوْنَا وَ ظَلَمُوْنَا وَ شَقُّوْا عَلَیْنَا وَ حَالُوْا بَیْنَنَا وَ

کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور حرام اور خوں ریزی سے اجتناب کریں اور ہم کو بے حیائیوں سے اور جھوٹ بات منہ سے نکالنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانے کی سخت ممانعت فرمائی اور اس کا حکم دیا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور ہم کو نماز' زکوٰۃ' روزے کا بھی حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کے اور بقیہ احکام بھی گنوائے۔ اس پر ہم نے آپ کو خدا تعالیٰ کا پیغمبر مانا اور آپ پر ایمان لے آئے اور جو دین آپ لے کر آئے تھے اس کی پیروی کی چنانچہ اب ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ذرہ برابر بھی کسی کو اس کا شریک

﴿﴾ ...... انجیل و قرآن کریم کی اس اندرونی یک رنگی سمجھنے کے لیے پہلے ذرا اس پر غور کر لیجیے کہ ہر اہل کمال اپنی مصنوعات میں اس طرح صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ جس کو اس صنعت کا ذرا سا بھی ذوق ہو اس کو فوراً پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہی کی صنعت ہو سکتی ہے' مثلاً ایک مشہور معمار اگر دس عمارتیں تعمیر کرتا ہے تو وہ سب عمارتیں اس کی دست کاری کی اس طرح شہادت دیا کرتی ہیں کہ جس کو ذرا بھی سلیقہ ہو وہ فوراً شناخت کر لیتا ہے کہ یہ ایک ہی معمار کی بنائی ہوئی ہیں۔ دہلی کی عمارات کی سیر کر جائیں شاہ جہاں کو اس سلسلہ میں جو ذوق تھا اس کے دور کی بنی ہوئی عمارات آپ کو الگ بتا دیں گے کہ یہ شاہ جہاں کی تعمیر کردہ ہیں حالانکہ شاہجہاں نے ان کو ہاتھ تک بھی نہیں لگایا۔ اسی طرح ایک خیاط کا حال ہے۔ کسی جگہ' کسی دکان پر آپ کسی مشہور خیاط کا سلا ہوا کپڑا دیکھ لیتے ہیں تو فوراً حکم لگا دیتے ہیں کہ ہو نہ ہو یہ فلاں خیاط کا سلا ہوا ہے۔ اس سے اور اوپر اگر نظر اٹھائیے تو شعر و سخن کا حال ہے یہاں ایک ایک شعر اور اس کی ہر ہر بندش میں شاعر اس طرح نظر آیا کرتا ہے کہ اہل ذوق سامعین ہزار اشعار میں سے اس ذوق کا شعر الگ پہچان لیتے ہیں۔

در سخن مخفی مہم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اگر اس حقیقت سے ان موٹی موٹی مثالوں میں آپ روشناس ہو چکے ہیں تو پھر یہیں سے قرآن کریم کے طرز استدلال کو بھی سمجھ لیجیے وہ آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی دونوں کی طرف آپ کو متوجہ کر کے کہتا ہے کہ دونوں پر اپنی اپنی جگہ غور کرو گے تو تم کو دونوں میں ایک ہی کامل کا کمال نظر آئے گا۔ آسمان کی خلقت' بارش کا نزول اور اس سے رونق کے پیدا شدہ باغوں پر نظر کر۔ تم کو یقین ہو جائے گا کہ یہ سب نیرنگیاں ایک ہی کامل کا کمال ہیں۔ اس کے بعد زمین کی طرف نظر بڑھاؤ' اس میں پہاڑوں کو دیکھو اور بڑے بڑے سمندروں کو بھی دیکھو کس طرح ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ تم کو منکشف ہو جائے گا کہ جس کی دیکھو اور بڑے بڑے سمندروں کو بھی دیکھو کس طرح ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ تم کو منکشف ہو جائے گا کہ جس کی صنعت کا کمال آسمانوں میں نظر آ رہا ہے اسی کی صناعی کا مظاہرہ زمین کی اس بے مثال صنعت میں ہے۔ آسمان اور ملک سماوی کے کمالات اگرچہ زمین اور ارضی انقلابات سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں۔ مگر اس اختلاف میں پھر ایک ایسی یک رنگی نمایاں ہے کہ اس کے بعد یہ جزم حاصل ہونا ضروری ہے کہ ان سب کمالات کا سرچشمہ ایک ہی ذات پاک ہے۔

گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے ﴿﴾ .....

www.besturdubooks.net

بَيْنَ دِيْنِنَا خَرَجْنَا اِلٰى بَلَدِكَ وَ اخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ وَ رَغِبْنَا فِيْ جِوَارِكَ وَ رَجَوْنَا اَنْ لَا نُظْلَمَ عِنْدَكَ اَيُّهَا الْمَلِكُ قَالَتْ فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِيُّ هَلْ مَعَكَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ عَنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالَتْ فَقَالَ لَهُ جَعْفَرٌ نَعَمْ فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِيُّ فَاقْرَأْهُ عَلَيَّ فَقَرَأَ عَلَيْهِ صَدْرًا مِنْ سُوْرَةِ مَرْيَمَ كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا اِلٰى قَوْلِهٖ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ. قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ فَبَكٰى وَ اللّٰهِ النَّجَاشِيُّ حَتّٰى اخْضَلَّ لِحْيَتَهٗ وَ بَكَتْ اَسَاقِفَتُهٗ حَتّٰى اخْضَلُّوْا مَصَاحِفَهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا مَا تُلِيَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ النَّجَاشِيُّ اِنَّ هٰذَا وَ الَّذِيْ جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكٰوةٍ وَاحِدَةٍ. (رواه احمد و ابن سعد و ابو نعيم في الحلية و غيرهم قال الحافظ ابن تيمية و

نہیں کرتے جو چیزیں اس نے ہمارے حرام کر دیں بس ان کو حرام سمجھتے ہیں اور جو حلال فرما دیں ان کو حلال جانتے ہیں۔ بس اسی بات پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی ہے اور ہم کو دین سے ہٹانے کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں دی ہیں تا کہ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت کی بجائے پھر بتوں کی پوجا کرنے لگیں اور جو خبیث چیزیں ہم نے پہلے حلال بنا رکھی تھیں ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت زور ڈالا اور ہم پر ظلم کیا اور ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روکنے لگے تو ہم نے آپ کے شہر کا رخ کیا ہے اور سب کو چھوڑ کر آپ کو اور آپ کے پڑوس کو پسند کیا ہے اے بادشاہ ہم کو آپ سے امید ہے کہ اب یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے پوچھا جو کلام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لے کر آئے ہیں کیا اس کا کوئی حصہ تم کو یاد ہے؟ جعفر بولے جی ہاں اس پر نجاشی نے کہا اچھا اس کو میرے سامنے بھی پڑھو انہوں نے سورۂ مریم کی شروع کی آیتیں پڑھیں (جس کی ابتداء یہ ہے) کٓھیٰعٓصٓ ...... حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں یہ سن کر بخدا نجاشی ایسا زار و قطار رویا کہ اس کی

لله ..... اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ. (النمل: ٦٠)

بھلا کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر ہم نے اگائے اس سے باغ رونق والے تمہارے بس کی بات نہ تھی کہ تم اگاتے ان کے درختوں کو کیا کوئی اور معبود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ' کوئی نہیں' وہ لوگ کجروی کرتے ہیں۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (النمل: ٦١)

بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور پیدا کر دیں اس کے بیچ میں نہریں اور بنا دیئے اس کے لیے پہاڑ اور رکھی دو سمندروں میں اوٹ۔ کیا کوئی اور معبود ہے اللہ کے ساتھ۔ کوئی نہیں۔ بلکہ ان میں بھتیرے جانتے نہیں۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. (النمل: ٦٢)

بھلا کون بیقرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اٹھا دیتا ہے سختی کو اور تم کو بناتا ہے نائب زمین میں کیا لله .....

www.besturdubooks.net

ذکرھا اھل التفسیر و الحدیث و الفقہ وھی متواترہ عند العلماء و قدروی جمل ھذہ القصۃ ابو داؤد فی سننہ من حدیث ابی موسیٰ وفی الصحیحین ایضًا کما فی الجواب الصحیح ج۱ ص ۸۱ و ۸۷)

داڑھی تر ہوگئی اور اس کے اردگرد پادری لوگ بھی اتنے روئے کہ ان کے سامنے جو صحیفے تھے وہ بھی تر ہو گئے۔ اس کے بعد نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے بلا شبہ ایک ہی چشمہ سے نکلے ہوئے ہیں۔

(احمد۔ ابونعیم وغیرہما)

(۹۷۴) عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ قَالَ ثُمَّ قَدِمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرُوْنَ رَجُلًا وَ ھُوَ بِمَکَّۃَ اَوْ قَرِیْبٌ مِنْ ذٰلِکَ مِنَ النَّصَارٰی حِیْنَ ظَھَرَ خَبَرُہٗ فِی الْحَبْشَۃِ فَوَجَدُوْہُ فِی الْمَجْلِسِ فَکَلَّمُوْہُ وَ سَائَلُوْہُ وَ رِجَالٌ مِنْ قُرَیْشٍ فِیْ اَنْدِیَتِھِمْ حَوْلَ الْکَعْبَۃِ فَلَمَّا فَرَغُوْا مِنْ مَسْأَلَتِھِمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَمَّا اَرَادُوْا دَعَاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ تَلٰی عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا سَمِعُوْا فَاضَتْ اَعْیُنُھُمْ مِنَ الدَّمْعِ ثُمَّ اسْتَجَابُوْا لَہٗ وَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَ صَدَّقُوْہُ وَ

(۹۷۴) محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب آپ کی خبر حبشہ میں پھیلی تو آپ کی خدمت میں بیس یا اس سے کچھ کم و بیش اور نصرانی حاضر ہوئے اس وقت آپ مکہ مکرمہ ہی میں تھے انہوں نے آپ کو ایک مجلس میں تشریف فرما پایا، دیکھا آپ سے کچھ گفتگو کی اور کچھ سوالات بھی کیے۔ قریش کے چند لوگ بھی کعبہ شریف کے اردگرد اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے (یہ ماجرا دیکھ رہے تھے) جب ان لوگوں کو جو سوالات آپ سے کرنے تھے کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ انہوں نے سنیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی، آپ کی تصدیق کی اور وہ سب علامتیں جو آپ کے متعلق ان کی کتاب میں بیان کی گئی تھیں آپ میں دیکھ لیں۔ جب یہ لوگ آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلنے لگے تو

لے ..... کوئی اور معبود ہے اللہ کے ساتھ (کوئی نہیں) تم بہت ہی کم غور کرتے ہو۔

اَمَّنْ یَّھْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ. (النمل: ۶۳)

بھلا کون تم کو راہ دکھاتا ہے جنگل اور سمندر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے والی اپنی رحمت (بارش) کے آگے آگے کیا کوئی اور معبود ہے اللہ کے ساتھ (کوئی نہیں) اللہ اس سے بہت بلند ہے یہ لوگ شریک کرتے ہیں۔

اس اندرونی یک رنگی ہی کو قرآن کریم نے لفظ "مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ" سے تعبیر کیا ہے عام لوگ اس کے معنے صرف لفظی تصدیق تک ہی محدود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ لفظ اسی بلند حقیقت کا حامل ہے اور اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ قرآن کریم اور انجیل و توراۃ میں گو زبانی اور بہت سے احکام کا اختلاف بھی سہی لیکن اپنی اپنی جگہ ان کے کمالات میں ایک ایسی یک رنگی بھی ہے کہ ان کو سامنے رکھ کر ایک سلیقہ شعار یہ حکم لگانے پر مجبور ہوگا کہ یہ دونوں کلام ایک ہی سرچشمہ کا فیض ہے جیسا آپ نے یہاں شاہ نجاشی کا حال دیکھا اسی کے قریب ورقہ بن نوفل کی شہادت ہے۔

www.besturdubooks.net

عرفوه منه ما كان يوصف لهم في كتابهم من امره فلما قاموا من عنده اعترضهم ابوجهل في نفر من قريش فقال خيبكم الله من ركب بعثكم من وراء كم من اهل دينكم ترتادون لهم فتاتون لهم بخبر الرجل فلم تطمئن مجالسكم عنده حتى فارقتم دينكم و صدقتموه بما قال لكم ما نعلم ركبا احمق منكم او كما قال لهم فقالوا سلام عليكم لا نجاهلكم لنا اعمالنا و لكم اعمالكم لا تألوا لانفسنا الا خيرا.

(كما في جواب الصحيح) (محمد ابن اسحاق)

راستہ میں ابوجہل چند اور قریشی لوگوں کو لے کر سامنے آیا اور بولا تمہاری جماعت کو خدا ناکام کرے تمہارے ہم عقیدہ لوگوں نے تم کو بھیجا تو اس لیے تھا کہ تم تلاش کر کے اس شخص کے متعلق ذرا تحقیق حال کرنا اور اس کی اطلاع جا کر اپنی قوم کو دینا مگر تم اس کے پاس آ کر ابھی اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی اپنا دین چھوڑ بیٹھے اور جو بات اس نے کہی بس اس کی تصدیق کر لی' ہم نے کوئی جماعت تم سے زیادہ احمق نہیں دیکھی یا اسی قسم کے اور سخت وست کلمات کہے انہوں نے اس کے جواب میں بس اتنا ہی کہا آپ صاحبان کو ہمارا اسلام ہم آپ سے الجھنا نہیں چاہتے- ہم کو ہمارا دین مبارک اور آپ کو آپ کا دین مبارک- اپنی جانوں کی خیر خواہی کرنے میں خود ہم کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کر سکتے-

(سیرت محمد بن اسحاق)

(٩٧٥) عن عائشة ام المؤمنين رضي الله عنها قالت اول ما بدئ به صلى الله عليه وسلم الرؤيا الصالحة في النوم فكان لا يرى رؤياء الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب اليه الخلاء فكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه و هو التعبد الليالي ذوات العدد قبل ان ينزع الى اهله و يتزود

(٩٧٥) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں سب سے پہلی وحی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی وہ اچھے خواب تھے' چنانچہ جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرف صاف صاف ظاہر ہو جاتا اس کے بعد آپ کو تنہائی اور خلوت گزینی پسند ہوگئی- چنانچہ آپ غارِ حرا میں آ کر تنہا رہا کرتے اور وہاں کئی کئی شب تحنث کیا کرتے تھے- راوی تحنث کی تفسیر عبادت کرنا' کرتا ہے یعنی عبادت کیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آتے' اور اس مدت کے لیے زادِ راہ اپنے

---

(٩٧٥) * ابن ہشام اپنی سیرت میں صدیقہ عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب صدیق اکبرؓ نے کفار کی ایذاء رسانی سے تنگ آ کر ترک وطن کا قصد کیا تو ابن الدغنہ نے ان سے پوچھا آپ کہاں جاتے ہیں؟ صدیق اکبرؓ نے کفار کی ایذا رسانی کا سارا ماجرا بیان کیا' اس پر جو کلمات اس نے صدیق اکبرؓ کی شان میں کہے وہ ان الفاظ سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں جو حضرت خدیجہؓ نے یہاں آپ کی شانِ مبارک میں فرمائے ہیں وہ کہتا ہے و الله انك لتزين العشير' و تعين على النوائب' و تفعل المعروف' و تكسب المعدوم' ارجع و انت في جواري. (ص ٢٣١ ج ١- مطبوعہ بر حاشیہ روض انف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ اوصاف خیر لوگوں میں عام طور پر مشہور تھے اور کسی انسان کی بلندی کا سب سے اعلیٰ معیار سمجھے جاتے تھے اسی بناء پر حضرت خدیجہؓ نے بے ساختہ یہاں ان کا تذکرہ کیا ہے- ......

www.besturdubooks.net

1 لِذٰلِکَ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی خَدِیْجَۃَ ؓ فَیَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا
حَتّٰی جَاءَهُ الْحَقُّ وَ هُوَ فِیْ غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ
الْمَلَکُ فَقَالَ اِقْرَأْ قَالَ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ
فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ ثُمَّ
اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ
فَغَطَّنِی الثَّانِیَةَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ
فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی
الثَّالِثَةَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ
خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ
الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ . فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْجُفُ فُؤَادُهٗ
فَدَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَةَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ
زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ
لِخَدِیْجَةَ وَ اَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی

ساتھ لے جاتے پھر جب یہ زادِ راہ ختم ہو جاتا تو اتنی ہی مدت کے لیے اور زادِ راہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ کے پاس حق کا پیغام غارِ حراء میں آ پہنچا- چنانچہ خدا کا فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا پڑھو- آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں- آپ فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے مجھ کو پکڑا اور اتنی زور سے دبایا کہ مجھ کو تکلیف ہوئی پھر چھوڑ کر مجھ سے کہا پڑھو- تو میں نے وہی کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس پر فرشتہ نے پھر مجھے پکڑ کر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی' پھر چھوڑ کر کہا پڑھو تو میں نے پھر کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہو- تیسری بار اس نے مجھے پکڑ کر زور سے دبایا پھر مجھے چھوڑ کر کہا- اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ . یعنی اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا (اور) انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا- پڑھو تمہارا پروردگار بہت بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا- آپ ان آیات کو لے کر واپس آئے اور اس واقعہ سے آپ کا دل کانپ رہا تھا- آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو-

---

ف ..... یہ حدیث نزولِ قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلی ہے اور اتصالِ ملکی و بشری کے بہت سے رموز کی حامل ہے- ابتدائی واقعہ میں وحی کا ثقل' آپ کا اضطراب اور حضرت خدیجہؓ کے تسلی آمیز کلمات سب بالکل قرین قیاس اور معقول باتیں ہیں' اور آپ کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہیں- دیکھیے ورقہ بن نوفل ذرا سا واقعہ سن کر کس طرح یہ سمجھ گئے کہ یہ فرشتہ جو آپ پر وحی لے کر آیا ہے وہی فرشتہ ہے جو آپ سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا- اس سے جہاں آپ کی بے لوث صداقت کا ثبوت ملتا ہے اسی کے ساتھ وحی اور نبوت کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے مگر کیا تاریخ نبوت کے علم کے بغیر محض عقلی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جو یہاں چند جملوں سے ورقہ نے اخذ کر لیا اور وہ بھی کس جزم اور یقین کے ساتھ-

یہ بات بھی قابلِ یادداشت ہے کہ جب نزولِ وحی شروع ہوتا ہے تو ایسے حال میں شروع ہوتا ہے جب کہ آپ اس سے قطعاً لاعلم تھے- اور جب آپ وحی سے آشنا ہو چکے تھے تو ایک مدت کے لیے نزولِ وحی ایسا بند ہو جاتا ہے کہ اس کے اشتیاق میں بارہا آپ کے قلب مبارک میں یہ خیال گذرتا ہے کہ کسی پہاڑ پر جا کر اپنے آپ کو گرا دیں مگر وحی کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوتا- وحی کی اس ابتداء اور اس انقطاع سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالم نبوت پرواز خیال سے کتنا بالاتر عالم ہے- کیونکہ خیالی معاملات تمام تر انسان کے خیال کرنے نہ کرنے پر موقوف ہوا کرتے ہیں- اور یہاں نبوت کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب وحی کا خیال بھی نہ تھا تو وحی نازل ہوئی اور جب انتہائی شوق و ذوق موجود تھا تو مدت تک وحی کا ایک حرف بھی سننے میں نہیں آیا- ف .....

www.besturdubooks.net

نَفۡسِیۡ فَقَالَتۡ خَدِیۡجَۃُ کَلَّا وَ اللّٰہِ مَایُخۡزِیۡکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحۡمِلُ الۡکَلَّ وَ تَکۡسِبُ الۡمَعۡدُوۡمَ وَ تَقۡرِی الضَّیۡفَ وَ تُعِیۡنُ عَلٰی نَوَائِبِ الۡحَقِّ فَانۡطَلَقَتۡ بِہٖ خَدِیۡجَۃُ حَتّٰی اَتَتۡ بِہٖ وَرَقَۃَ بۡنَ نَوۡفَلِ بۡنِ اَسَدِ بۡنِ عَبۡدِالۡعُزّٰی بۡنِ عَمِّ خَدِیۡجَۃَ وَ کَانَ امۡرَأً قَدۡ تَنَصَّرَ فِی الۡجَاھِلِیَّۃِ وَ کَانَ یَکۡتُبُ الۡکِتَابَ الۡعِبۡرَانِیَّ فَیَکۡتُبُ مِنَ الۡاِنۡجِیۡلِ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنۡ یَّکۡتُبَ وَ کَانَ شَیۡخًا کَبِیۡرًا قَدۡ عَمِیَ فَقَالَتۡ خَدِیۡجَۃُ یَا ابۡنَ عَمِّ اِسۡمَعۡ مِنِ ابۡنِ اَخِیۡکَ فَقَالَ لَہٗ وَرَقَۃُ یَا ابۡنَ اَخِیۡ مَاذَا تَرٰی فَاَخۡبَرَہٗ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰی فَقَالَ لَہٗ وَرَقَۃُ ھٰذَا النَّامُوۡسُ الَّذِیۡ نَزَّلَ اللّٰہُ عَلٰی مُوۡسٰی عَلَیۡہِ السَّلَامُ یَالَیۡتَنِیۡ فِیۡھَا جَذَعًا یَا لَیۡتَنِیۡ حَیًّا اِذۡ یُخۡرِجُکَ قَوۡمُکَ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَوَ مُخۡرِجِیَّ ھُمۡ قَالَ نَعَمۡ لَمۡ یَاۡتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثۡلِ مَا جِئۡتَ بِہٖ اِلَّا عُوۡدِیَ وَ اِنۡ یُّدۡرِکۡنِیۡ یَوۡمُکَ اَنۡصُرۡکَ نَصۡرًا مُّؤَزَّرًا ثُمَّ لَمۡ یَنۡشَبۡ وَرَقَۃُ اَنۡ تُوُفِّیَ وَ فَتَرَ الۡوَحۡیُ. (رواہ البخاری)

گھر والوں نے آپؐ کو کمبل اڑھا دیا- یہاں تک کہ جب آپ کے قلب مبارک سے خوف کا وہ عالم جاتا رہا تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا خدا کی قسم مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا- حضرت خدیجہؓ بولیں ہرگز نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں' بے وسیلہ شخص کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور محتاج کو مال کما کر دے دیتے ہیں' مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق کے حادثوں میں لوگوں کی امداد کرتے ہیں (پھر آپ ناکام کیسے رہ سکتے ہیں) پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ کے پاس لے کر آئیں' یہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھا کرتے تھے اس لیے انجیل جس قدر اللہ کو منظور ہوتی عبرانی میں لکھا کرتے تھے اور اس وقت بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو چکے تھے- حضرت خدیجہؓ نے فرمایا اے ابن عم! ذرا اپنے بھتیجے سے ان کا حال تو سنیے- ورقہ نے آپ سے کہا بھتیجے تم نے کیا واقعہ دیکھا- آنحضرتؐ نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا- یہ سن کر ورقہ نے آپؐ سے کہا یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا' اے کاش کہ میں آپ کے زمانہ نبوت میں توانا جوان ہوتا' اے کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا- جب آپ کی قوم آپؐ کو مکہ مکرمہ سے نکالے گی آنحضرتؐ نے تعجب سے فرمایا اچھا کیا میری قوم مجھ کو نکالے گی ورقہ نے کہا جی ہاں' ہمیشہ جب کوئی رسول وہ دین لے کر آیا ہے جیسا تم لے کر آئے ہو تو ضرور اس کے ساتھ دشمنی کی گئی ہے اور اگر مجھ کو آپ کی نبوت کا زمانہ مل گیا تو میں آپ کی بہت زوردار مدد کروں گا- مگر ایسا ہوا کہ چند ہی روز بعد ورقہ کی وفات ہو گئی اور ادھر وحی کی آمد کچھ مدت کے لیے بند ہو گئی- (بخاری شریف)

لله ..... نیز حضرت خدیجہؓ جو خود بڑی عاقلہ تھیں اور مدت دراز تک آپ کے روز و شب حالات کا جائزہ لے چکی تھیں وہ اس واقعہ کو سن کر ایک لمحہ کے لیے بھی کسی شبہ میں نہیں پڑتیں اور قسم کھا کر پورے جزم و وثوق کے ساتھ کہتی ہیں کہ آپ کا معاملہ ہر ایسے تصور سے جو آپ کے شایانِ شان نہ ہو بالاتر ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کے اوصاف خود اس کے شاہد عدل ہیں کہ خدا ایسے نیک طینت اور بلند فطرت انسان کو ناکام نہیں کر سکتا' اس کے بعد جب یہ واقعہ ورقہ کے سامنے آتا ہے تو وہ صرف اس کا اجمالی حال سن کر آنے والے فرشتے' آپ کی وحی' آپ کی نبوت اور آئندہ آپ کے حالات کا اس طرح اندازہ کر لیتے ہیں گویا یہ سب پہلے سے مسلّم باتیں ہیں- حدیث مذکور میں آپ کے قبل از نبوت دور کے مجاہدات کا کچھ نقشہ بھی ملتا ہے صوفیاء کرام نے غارِ حراء کے اس قیام کو چلہ کی اصل قرار دیا ہے-

www.besturdubooks.net

(۹۷۶) عَنْ خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ أَنَّهَا قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْعَمِّ أَتَسْتَطِيْعُ إِذَا جَاءَكَ هٰذَا الَّذِيْ يَأْتِيْكَ أَنْ تُخْبِرَنِيْ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَتْ خَدِيْجَةُ فَجَاءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَاتَ يَوْمٍ وَ أَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ يَا خَدِيْجَةُ هٰذَا صَاحِبِي الَّذِيْ يَأْتِيْنِيْ قَدْ جَاءَ فَقُلْتُ لَهٗ قُمْ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِيْ فَجَلَسَ عَلَيْهَا فَقُلْتُ هَلْ تَرَاهُ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ تَحَوَّلْ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِي الْيُسْرٰى فَجَلَسَ فَقُلْتُ هَلْ تَرَاهُ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ خَدِيْجَةُ فَتَحَسَّرْتُ فَطَرَحْتُ خِمَارِيْ فَقُلْتُ هَلْ تَرَاهُ قَالَ لَا فَقُلْتُ هٰذَا وَ اللّٰهِ مَلَكٌ كَرِيْمٌ

(۹۷۶) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے میرے چچازاد بھائی! کیا یہ ممکن ہے کہ یہ شخص جو آپ کے پاس آتے ہیں اب کی بار آئیں تو آپ مجھ کو بھی بتا دیں؟ آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ کہتی ہیں ایک دن ایسا ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور میں اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس ہی بیٹھی تھی تو آپ نے فرمایا لو میرے رفیق جو میرے پاس آیا کرتے ہیں وہ اس وقت تشریف لائے ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا اچھا آپ اٹھ کر ذرا میری دائیں ران پر آ بیٹھیے' آپ ادھر آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر میں نے کہا اچھا اب آپ میری بائیں ران پر آ جائیں آپ ادھر آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں پھر میں نے اپنی اوڑھنی اتار کر (سر ننگا کر کے) پوچھا اچھا کیا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا نہیں؟ میں نے کہا خدا کی قسم یہ تو خدا تعالیٰ کا بزرگ فرشتہ

---

(۹۷۶) ✽ حضرت خدیجہؓ گو اہل کتاب میں سے نہ تھیں مگر اپنی فطری دانش مندی سے اتنا ضرور جانتی تھیں کہ جس طرح نبی و ساحر اور کاہنوں کی شخصیتوں میں پاکیزگی و بلندی کا بڑا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح جو ان کے پاس غیبی خبریں لانے والا ہوتا ہے ان میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہونا چاہیے اس امتحان کے لیے جو فوری اور آسان صورت ان کے ذہن میں آئی اس پر انہوں نے صورتِ حال کو پرکھا اور اس کے بعد جو عقیدہ ان کا پہلے قائم ہو چکا تھا وہ اور مستحکم ہو گیا۔ یہ بات تو اس وقت کی تھی جب کہ آپ نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے لیکن آپ کے حالات تو کچھ ابتداء ہی سے اس قسم کے تھے کہ جب حلیمہ سعدیہ شق صدر کے واقعہ سے خائف ہو کر آپ کو آپ کی والدہ کی خدمت میں پہنچانے کے لیے آئیں تو انہوں نے متحیر ہو کر پوچھا تم تو اصرار پر اصرار کر کے ان کو مجھ سے اپنے گھر لے گئی تھیں کچھ بات بتاؤ آخر آج کیوں ازخود ان کو لے کر آ رہی ہو انہوں نے مجبور ہو کر سارا واقعہ بیان فرما دیا اس پر آپ کی والدہ کے جو کلمات ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

قالت افتخوفت عليه الشيطان قالت قلت نعم قالت كلا و الله ما للشيطان عليه من سبيل و ان لبني لشانا (فذكرت ما رأت في حمله و عند و لادته من كرامته تعالى عليه صلى الله عليه وسلم)

آپ کی والدہ ماجدہ نے حلیمہ سعدیہؓ سے کہا کیا ان کے متعلق تم کو کسی شیطانی دخل کا خیال ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا خدا کی قسم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرا یہ فرزند بہت بڑی شان والا ہے شیطان کو ان پر ذرا بھی دسترس نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے حالتِ حمل اور آپ کی ولادت کے وقت کے سارے مشاہدات بیان فرمائے۔ لخ .....

www.besturdubooks.net

لَا وَ اللّٰہِ مَا ھٰذَا شَیْطَانٌ ثُمَّ ذَکَرَتْ لَوْ رقۃ ما اَخْبَرُھَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ فِیْ روایۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ جَالِسًا مَعَ خَدِیْجَۃَ یَوْمًا مِنَ الْاَیَّامِ اِذْ رَأٰی شَخْصًا بَیْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ لَا یَزُوْلُ فَقَالَتْ خَدِیْجَۃُ اُدْنُ مِنِّیْ فَدَنَا مِنْھَا فَقَالَتْ لَہٗ اَتَرَاہُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَتْ خَدِیْجَۃُ اَدْخِلْ رَأْسَکَ تَحْتَ دِرْعِیْ فَفَعَلَ ذٰلِکَ فَقَالَتْ خَدِیْجَۃُ لَہٗ اَتَرَاہُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا قَدْ اَعْرَضَ عَنِّیْ قَالَتْ خَدِیْجَۃُ اَبْشِرْ فَاِنَّہٗ مَلَکٌ کَرِیْمٌ لَوْ کَانَ شَیْطَانٌ مَا اسْتَحْیٰی ثُمَّ ذکرت اسلامھا. (رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ و الطبرانی فی الاوسط قال الحافظ الھیثمی و اسنادہ حسن. و ذکرہ ابن ھشام فی سیرتہ)

ہی ہے' خدا کی قسم یہ شیطان نہیں ہو سکتا- اس کے بعد آپ کا سارا واقعہ نوفل سے بیان کیا (جو پہلے مذکور ہو چکا ہے) دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں- ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص زمین و آسمان کے درمیان نظر آ رہا ہے جو نہ اوپر جاتا ہے نہ نیچے اترتا ہے (میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کہا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا میرے قریب آ جائیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب آ گئے- انہوں نے پوچھا کیا اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے ہیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں- اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اچھا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گریبان میں منہ ڈال لیجئے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ ڈال لیا- پھر پوچھا کہیے کیا اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے ہیں آپؐ نے فرمایا نہیں- اب انہوں نے ادھر سے اپنا رخ پھیر لیا ہے- حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت ہو یہ خدا تعالیٰ کا بزرگ فرشتہ ہے اگر شیطان ہوتا تو بھلا یہ شرم کہاں کرتا- (دلائل النبوۃ)

(۹۷۷) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ اَبُوْ طَالِبٍ اِلَی الشَّامِ وَ خَرَجَ مَعَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

(۹۷۷) ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو طالب ملک شام کے ارادہ سے نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے اور قریش کے کچھ اور بڑے لوگ بھی تھے جب یہ قافلہ بحیرا کے پاس پہنچا

ﷺ ..... حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات شروع سے ہی ایسے صفات و حالات کی حامل رہی ہے کہ مخالفین نے بھی گو آپ کو رسول نہ مانا ہو مگر نبوت کے معاملہ کے سواء ہر موقعہ پر آپ کے غیر معمولی انسان ہونے کا اعتراف کیا ہے- اگر فطری سعادت امداد نہ کرے تو جنہوں نے نہ تو کسی نبی کی تاریخ کبھی دیکھی ہو اور نہ سنی ہو بلکہ اس کے برعکس ضد اور جہل نے اور ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہو وہ اس کھلی ہوئی صداقت سے کیا فائدہ اٹھاتے-

آپ نے دیکھا کہ تاریخ نبوت کے جاننے والے یا آپ کی شخصیت کے مشاہدہ کرنے والوں میں سے کسی کے دل میں کبھی یہ وسوسہ نہیں گزرا کہ جو کچھ آپ دیکھتے یا سنتے ہیں یہ صرف آپ کے نفس ہی کے خیالات ہیں ان کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے-

(۹۷۷) * تاریخ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل دو سفر ایسے معلوم ہوتے ہیں جن میں اہل کتاب کے علماء کے ساتھ آپ کا اجتماع ہوا ہے ایک ''بحیراء'' راہب اور دوسرے ''نسطوراء'' پہلا سفر آپ کا بالکل صغر سنی میں ہوا ہے- البتہ دوسرا سفر آپ کے عہد ﷺ .....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ فِیْ اَشْیَاخٍ مِّنْ قُرَیْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوْا عَلَی الرَّاھِبِ ھَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَھُمْ فَخَرَجَ اِلَیْھِمُ الرَّاھِبُ وَ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ یَمُرُّوْنَ بِہٖ فَلَا یَخْرُجُ اِلَیْھِمْ وَ لَا یَلْتَفِتُ قَالَ فَھُمْ یَحُلُّوْنَ رِحَالَھُمْ فَجَعَلَ یَتَخَلَّلُھُمُ الرَّاھِبُ حَتّٰی جَاءَ فَاَخَذَ بِیَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ھٰذَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ ھٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یَبْعَثُہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ فَقَالَ لَہٗ اَشْیَاخٌ مِّنْ قُرَیْشٍ مَا عِلْمُکَ فَقَالَ اِنَّکُمْ حِیْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَۃِ لَمْ یَبْقَ شَجَرٌ وَ لَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّسَا جِدًا وَ لَا یَسْجُدُوْنَ اِلَّا لِنَبِیٍّ (صَلَّی اللّٰہُ

جو اس وقت نصرانیوں کا بڑا درویش تھا تو یہاں آ کر انہوں نے اپنے کجاوے کھول دیئے' اور اس سے قبل جب کبھی ان کا اس طرف سے گزر ہوتا تو یہ درویش کبھی ان کے پاس نہ آتا اور نہ ان کی طرف کوئی توجہ کرتا' اس مرتبہ خلافِ معمول وہ نکل کر ان کے پاس آیا' لوگ ابھی اپنے کجاوے کھولنے ہی میں مشغول تھے یہ قافلہ کے درمیان گھس کر کچھ ٹٹولنے لگا یہاں تک کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص ہیں جو تمام جہانوں کے سردار ہیں' یہ وہ ہیں جو سارے جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس پر قریش کے مشائخ نے پوچھا تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا جب تم لوگ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو نہ کوئی درخت ایسا رہا اور نہ کوئی پتھر جو سرنگوں نہ ہو گیا اور جمادات و نباتات نبی کے علاوہ کسی اور کے لیے اس طرح سرنگوں نہیں ہوا کرتے اور ان کو تو میں ایک اور خاص علامت سے بھی پہچانتا ہوں یعنی مہر نبوت جو آپ کے شانہ کی باریک ہڈی کے نیچے سیب کے سے انداز کی ہے۔ اس کے بعد

ﷺ ..... شباب کا ہے لیکن ان ہر دو سفروں میں کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ان راہبوں سے کہیں تنہائی میں ملاقات کی ہو چہ جائیکہ ان سے کوئی تعلیم حاصل کی ہو اس کے علاوہ آپ کا مفصل لایا ہوا دین آج بھی سب کے سامنے موجود ہے جس میں بہت سے مقامات پر نصاریٰ کے دین سے صراحۃً اختلاف موجود ہے۔ سب سے بنیادی مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا جابجا رد کیا ہے اور ان کے معاملہ میں اہل کتاب میں جو جو غلط یا بے تحقیق باتیں مشہور تھیں ان کی تردید کی ہے' پھر کیسے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ قرآن اس ملاقات کا نتیجہ ہے۔ رہا فروع اور عملی احکام کا معاملہ تو پہلے تو انجیل میں یہ حصہ ہی بہت کم ہے اور نصاریٰ کے اپنے خیال کے مطابق تو ان کے یہاں حلال و حرام کا کوئی منظم باب ہی نہیں اس کے برخلاف ہماری شریعت میں جس تفصیل کے ساتھ یہ ابواب موجود ہیں وہ کسی شخص پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ اسلام میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ عملی احکام میں اختلاف ایک بنیادی سا مسئلہ بن گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیتِ مقدس کا سولہ سترہ ماہ استقبال فرما کر پھر کعبۃ اللہ کا استقبال فرمایا' کیا ان لوگوں کے ساتھ یہ معمولی اختلاف تھا۔ اگر آپ شروع سے ہی بیت مقدس کا استقبال نہ فرماتے تو بھی ایک بات تھی لیکن اس کی طرف استقبال کر کے پھر قبلہ بدلنا کتنے طعن اور ناگواریوں کا موجب بنا۔ اس کا تذکرہ خود قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر شریعتِ اسلام کچھ دو چار کلمات کی شریعت نہیں۔ رہ گئے قرآنی قصص تو وہ کچھ افواہ کا مجموعہ نہیں۔ اس تفصیل اور اس تحقیق اور اس شرح و بسط کے ساتھ واقعات کا بیان فرمانا بلکہ ان واقعات کا بھی بیان کر دینا جن کے متعلق تورات خاموش نظر آتی ہے کیا چند لمحات کی صحبت کے تعلم سے حاصل ہو سکتا ہے' پھر عجیب تر حکمت ایزدی یہ ہے کہ قرآن کریم تورات کی طرح لکھا لکھایا نہیں اترا۔ آپ کی تیس سالہ زندگی میں ہر ضرورت کے مناسب اترتا رہا ہے۔ مگر نزول کی ترتیب اور تالیف کی ترتیب پھر مخالف رہی ہے آپ کی ہدایت آیتوں کو اپنی اپنی سورتوں میں علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا تھا' ایک ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) وَ اِنِّیْ اَعْرِفُہٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّۃِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ کَتِفِہٖ مِثْلَ التُّفَّاحَۃِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَھُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاھُمْ بِہٖ وَ کَانَ ھُوَ فِیْ رِعْیَۃِ الْاِبِلِ فَقَالَ اَرْسِلُوْا اِلَیْہِ فَاَقْبَلَ وَ عَلَیْہِ غَمَامَۃٌ تُظِلُّہٗ فَلَمَّا دَنٰی مِنَ الْقَوْمِ وَ جَدَھُمْ قَدْ سَبَقُوْہُ اِلٰی فَیْ ءِ الشَّجَرَۃِ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَیْ ءُ الشَّجَرَۃِ عَلَیْہِ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰی فَیْ ءِ الشَّجَرَۃِ مَالَ عَلَیْہِ۔ قَالَ فَبَیْنَمَا ھُوَ قَائِمٌ عَلَیْھِمْ یُنَاشِدُھُمْ اَنْ لَا یَذْھَبُوْا بِہٖ اِلَی الرُّوْمِ فَاِنَّ الرُّوْمَ اِنْ رَاَوْہُ عَرَفُوْہُ بِالصِّفَۃِ فَیَقْتُلُوْنَہٗ فَالْتَفَتَ فَاِذَا

وہ واپس ہو گیا اور اس نے ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا جب وہ کھانا لے کر آیا تو آپ اس وقت اونٹ چرانے نکل گئے تھے اس نے کہا کسی کو آپ کے پاس بھیج دو۔ آپ تشریف لے آئے تو سب لوگ آپ سے پہلے درخت کے سایہ میں جا چکے تھے جب آپ آ کر بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ اس درویش نے کہا دیکھو ذرا درخت کے سایہ کو دیکھو کیسا آپ کی طرف جھک گیا ہے۔ ابھی یہ درویش ان سے کھڑے یہ اصرار ہی کر رہے تھے کہ آپ کو وہ اپنے ہمراہ روم نہ لے جائیں کیونکہ وہ لوگ اگر آپ کو دیکھ پائیں گے تو آپ کی خاص علامت کی وجہ سے آپ کو پہچان جائیں گے اور آپ کو قتل کے درپے ہو جائیں گے۔ اس نے جو رخ بدلا کیا دیکھتا ہے کہ سات آدمی روم سے آ رہے ہیں۔ درویش صاحب نے ان کا استقبال کیا اور پوچھا آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ نبی اسی مہینہ میں اپنے وطن سے باہر نکلنے والا ہے' کوئی راستہ ایسا نہیں رہا جس پر لوگ نہ

بقیہ ..... ہی زمانہ میں کئی کئی سورتیں جداگانہ جداگانہ اترتی رہتی تھیں پھر علیحدہ علیحدہ ہی ان کی ترتیب دی جاتی تھی کیا کوئی شخص ہر سوال کا مناسب جواب اور ہر مصلحت پر مناسب مناسب احکام کا نزول دیکھ کر یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ یہ کتاب تقریباً چالیس سال قبل کسی کی تعلیم سے مرتب ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر حیرت یہ کہ جن کو اس راز کا بانی کہا جائے ان سے اس کی کوئی شہادت بھی نہ ملے۔ کیا اس موقعہ پر صرف مابعد کے لوگوں کی غلط اور غیر معقول قیاس آرائیوں پر فیصلہ کر دینا بھی کوئی عقل کا فیصلہ کہا جا سکتا ہے۔ مدعی ست اور گواہ چست اسی کو کہتے ہیں۔ اس بارے میں اگر مذکورہ بالا روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیراء راہب سے ملاقات ثابت ہوتی ہے تو اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بحیراء کے نزدیک جس آنے والے نبی کی پیش گوئی گزشتہ کتابوں میں کی گئی تھی وہ آپ ہی کی ذات ہے۔ چلیے اگر خود ان راہبوں سے اس امر کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ انہوں نے دین کے حرف کا کوئی کلمہ آپ کو بتایا ہے تو پھر دوسرے نمبر کی شہادت آپ کے رفقاء سفر کی ہے کم از کم ان میں سے ہی کسی کا یہ بیان ہونا چاہیے اور اگر یہ بھی اس کی شہادت نہیں دے سکتے تو سب سے کمزور شہادت آپ کے زمانہ کے اہل کتاب کی ہے کم از کم وہی یہ شہادت دیں کہ آپ نے ان راہبوں سے دین یا غیر دین کی کوئی تعلیم تھوڑی یا بہت حاصل کی تھی لیکن اگر یہ شہادت نہ خود ان راہبوں کی ہے جن کو اس افسانہ کا بانی قرار دیا جاتا ہے اور نہ ان رفقاء کے جو واقعہ کے مشاہدہ کرنے والے اور آپ کے ہم سفر تھے اور نہ اس زمانہ کے اہل کتاب ہی یہ دعویٰ رکھتے ہیں تو پھر بعد کی قیاس آرائیوں کی کیا وقعت کی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بعد کے اہل کتاب نے ایک رسول امی کی زبان سے علوم و معارف کا وہ سمندر موجیں مارتا دیکھا جس کے سامنے انجیل و تورات سرنگوں کھڑی تھیں تو فطرۃ میزان مستوی ملانے کے لیے یہی ایک عذر گناہ بدتر از گناہ تراش سکے کہ یہ علوم درحقیقت ان ہی کے گھر کا فیض ہیں مگر کیا آپ کے عہد کے کسی ایک شخص کی شہادت بھی وہ اپنے اس دعوے کے لیے پیش کر سکتے ہیں۔ ان بے چاروں کو اتنی فہم بھی نہ آئی کہ ان کے راہبوں کا تو ذکر کیا ہے قرآن کے علوم کا براہ راست انجیل و توریت سے موازنہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ ان میں کون معلم بقیہ .....

www.besturdubooks.net

بِسَبْعَةٍ قَدْ اَقْبَلُوْا مِنَ الرُّوْمِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ الرَّاهِبُ فَقَالَ مَاجَاءَ بِكُمْ؟ قَالُوْا جِئْنَا لِاَنَّ هٰذَا النَّبِيَّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) خَارِجٌ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ فَلَمْ يَبْقَ طَرِيْقٌ اِلَّابُعِثَ اِلَيْهِ بِاُنَاسٍ وَ اِنَّا قَدْ اُخْبِرْنَا خَبَرَهٗ بِطَرِيْقِكَ هٰذِهٖ. فَقَالَ اَرَأَيْتُمْ اَمْرًا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَقْضِيَهٗ هَلْ يَسْتَطِيْعُ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ رَدَّهٗ؟ قَالُوْا فَبَايَعُوْهُ وَ اَقَامُوْا مَعَهٗ قَالَ اُنْشِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ اَيُّكُمْ وَلِيُّهٗ فَقَالَ اَبُوْطَالِبٍ اَنَا فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهٗ حَتّٰى رَدَّهٗ اَبُوْ طَالِبٍ وَ زَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَ الزَّيْتِ وَ بَعَثَ مَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِلَالًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.

بھیجے گئے ہوں اور ہم کو اطلاع ملی ہے کہ وہ آپ کے اسی راستہ پر ہیں- درویش صاحب نے کہا ذرا بتاؤ تو سہی جس بات کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرما چکا ہو کہ وہ پوری کر دے پھر لوگوں میں وہ کون ہے جو اس کو ٹال سکتا ہو- یہ سن کر وہ لوگ اس کی بات مان گئے اور کچھ دن اس کے یہاں قیام پذیر رہے- اس کے بعد ان درویش صاحب نے کہا اے عرب کے لوگو قسم کھا کر بتاؤ تم میں سے اس کا ولی کون ہے؟ ابوطالب بولے میں- اس پر وہ آپ کی واپسی پر برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے آپ کو مکہ مکرمہ واپس کر دیا- اور رخصت کے وقت درویش صاحب نے آپ کے ساتھ زادِ راہ کے لیے کچھ زیتون کا تیل اور چپاتیاں پیش کیں اور ابوبکرؓ نے بلال کو آپؐ کے ساتھ بھیج دیا (ترمذی وغیرہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اچھی ہے اگرچہ اس کا راوی تنہا ہے- حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور اس میں آخری جملہ کے سواء کوئی بات منکر نہیں ہے- بظاہر ابوبکر کا بلال کو آپ کے ہمراہ بھیجنا کسی اور سفر کا واقعہ تھا کسی راوی کو وہم ہو گیا ہے اور اس نے اس کو اس قصہ کے ساتھ لگا دیا ہے-

قال الترمذی هذا حديث حسن غريب لانعرفه الا من هذا الوجه. و رواه البيهقي في كتاب دلائل النبوة من حديث العباس بن محمد عن قراد بن نوح. و قال العباس لم يحدث به يعني بهذا الاسناد غير قراد و سمعه يحيى و احمد بن قراد قال البيهقي ارادانه لم يحدث بهذا الاسناد سوى هؤلاء فاما القصة فهي عند اهل المغازي مشهورة. و اخرجه ابن سعد في الطبقات ايضوابن الجوزی كما ذكره الحافظ ابن تيمية في الجواب الصحيح ص ٢٠٥ ج ١. و فيه و تابعوه

﴿ ..... کی حیثیت میں اور کون متعلم کی حیثیت میں نظر آ رہا ہے- باادب نجاشی کے کانوں نے جب یہاں سورۂ مریم کی چند آیتیں ہی سنیں تو اس نے معلم اور متعلم کی بجائے کیا سچے اور ادب سے لبریز کلمات کہے کہ جو کلام موسیٰ پر اترا تھا وہ اور یہ ایک ہی چشمہ سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں-

پھر اگر صرف ان دو راہبوں کی ملاقات سے آپ کی تعلیمات پر کوئی حرف آ سکتا ہے تو صحیح بخاری میں ورقہ بن نوفل سے بھی آپ کی ملاقات ثابت ہے اور یہ تو اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ کو قباء نبوت پہنایا جا چکا تھا اور ان راہبوں کے سواء بھی بہت سے نصرانی آپ سے ملتے رہے ہیں ان کے ساتھ آپ کو بڑی بڑی دیر تک گرم مجلسیں بھی رہی ہیں یہاں تو اس قیاس کا اور بھی بہت اچھا موقعہ تھا پس محض دشمنوں کے بے سروپا اعتراضات سے ثابت شدہ حدیثوں کو آپ کے تذکرہ سے نکال ڈالنا نہ علم کی بات ہے نہ دانش مندی کی-

اب ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ اگر اس اعتراض کا کوئی بھی محل ہوتا تو کیا قرآن اس سے سکوت اختیار کرتا آخر مشرکین عرب نے بھی آپ پر یہی تہمت تو رکھی تھی کہ مکہ مکرمہ میں یہ جو ایک عجمی آدمی ہے یہی آپ کو سب کچھ سکھاتا پڑھاتا ہے- لیکن اس محض بے اصل بکواس کو قرآن نے نقل بھی کیا ہے اور اس کے بعد اس کا مسکت جواب بھی دیا ہے- ﴿ .....

www.besturdubooks.net

بدل بايعوه و معناه كما في السيرة الحلبية اي على عدم التعرض منه كما يدل عليه لفظ تابعوه ثم قال الحافظ ابن تيمية في المجلد الرابع منه عند ذكر ما ينقله كثير من اهل الجهل من معجزات النبي صلى الله عليه وسلم مثل قول كثير من العامة ان الغمامة كانت تظلّه دائما فهذا لا يوجه في شيء من كتب المسلمين المعروفة عند علمائهم و لا نقله عالم من علمائهم بل هو كذب عندهم و ان كان كثير من الناس ينقله. و انما نقل ان الغمامة اظلّته لما كان صغيرا فقدم مع عمه الى الشام تاجرًا و راٰه بحيرا الراهب و معهذا فهذا لا يجزم بصحته (الجواب الصحيح فحه ۲۳۰ و ۲۳۱

ﷺ ..... وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ. (النحل:۱۰۳)

ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک آدمی سکھاتا ہے اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے۔

قدرت کے عجب رموز ہیں کہ مشرکین عرب کی زبانوں سے اگر کوئی اعتراض نکلا بھی تو یہ کہ فلاں فخص قریشی کا فلاں غلام آپ کو یہ قرآن سکھاتا ہے۔کتنی بے جوڑ بات تھی کہ اس دریائے علوم کا منبع کس کو قرار دیا جائے اس کو جو خود غلام ہے اور پھر عجمی ہے نہ وہ عربی سے آشنا ہے اور نہ آپ عجمی زبان سے واقف ہیں۔ اگر یہ تہمت لگائی تھی تو یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ باتیں آپ علماء اہل کتاب سے سیکھ کر آتے ہیں' مگر وہ اتنے احمق نہ تھے کہ جس بات کے لیے کوئی بھی قرینہ موجود نہ ہو اس کو اپنے منہ سے نکال کر مفت میں رسوا ہوتے۔ یہ غلام گو عجمی تھا مگر اس کے ساتھ ہم شہر ہونے کی وجہ سے آپ کا اختلاط بعید از قیاس نہ تھا مگر اہل کتاب کے علماء کے ایسے مشتبہ اختلاط کا چونکہ کوئی وجود ہی نہ تھا اس لیے ان سے تعلیم حاصل کرنا بالکل بیرون از قیاس بات تھی۔ معلوم ہوا کہ انتہائی دشمنوں کے نزدیک بھی آپ پر علماء اہل کتاب سے تعلیم حاصل کرنے کی تہمت رکھنے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

و لم يقل احد منهم ما يمكن ان يكون شبهة في تعلمه انباء الغيب من علماء اهل الكتاب و نحو ذلك و انما قالوا ما ظهر بطلانه لكل احد و لم ينقل عن احد منهم انه قال قولا يخفى بطلانه بل ما يظهر كذبه لكل احد فتبين انه لم يمكنهم ان يقولوا انه تعلم اخبار الغيوب من احد.

مشرکین عرب میں سے جب کسی نے ایک بات بھی ایسی بات نہیں کہی جس سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی یہ خبریں اہل کتاب کے علماء سے سیکھ لیتے ہیں' اور کہی بھی تو وہ بات کہی جو بدیہی البطلان تھی تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان علوم کو کسی کی تعلیم کا نتیجہ قرار دینا غیر ممکن تھا۔

(الجواب الصحيح ج ٤ ص ٢٦)

یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ قرآنی نظم اور اس کا اسلوب بیان آپ کی چالیس سالہ عمر اور آپ کی بے لوث صداقت کی زندگی میں بھی کیا اس شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے' اسی لیے آپ نے اہل فکر و انصاف کو اپنی ماسبق زندگی پر غور کرنے کی دعوت دی اور فرمایا:

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ.

میں اس سے قبل ایک بڑی مدت سے تم ہی میں رہا ہوں تو کیا تم اتنی بات سمجھتے نہیں۔

بہر حال اگر صحیح طریقوں سے ایک نہیں ایک ہزار راہبوں کی ملاقات بھی آپ کے ساتھ ثابت ہو تو ہم نصاریٰ کے محض ﷺ .....

www.besturdubooks.net

ج ٤) و اخرجه الحافظ ابن كثير فى البداية و النهاية و قال هكذا رواه الترمذى و الحاكم و البيهقى و ابن عساكر و غير واحد من الحفاظ و معهذا فى حديثه غرابة ثم عددها فقال انه من مرسلات الصحابة فان ابا موسى الاشعرى انما قدم فى سنة خيبر سنة سبع من الهجرة.... و لعله تلقاه من النبى صلى الله عليه و سلم فيكون ابلغ او من بعض كبار الصحابة او كان هذامشهورًا مذكورًا اخذه من طريق الاستفاضة. الثانى ان الغمامة لم تذكر فى حديث اصح من هذا و الثالث قوله و بعث معه ابوبكر بلالاً. ثم ذكر سياق الواقدى و ابن سعد و قال عند ذكره قصة بحيرا الواهب و.قد اورده الحافظ ابن عساكر شواهد و سائغات فى ترجمة بحير او لم يوردما رواه الترمذى و هذا عجب. قال الحافظ ابن حجر فى الاصابة الحديث رجاله ثقات و ليس فيه منكر سوى هذا اللفظ و بعث معه ابوبكر بلالاً فتحمل علىٰ انها مدرجة فيه

لہ ..... بے بنیا داعتراضوں کی خاطر ہرگز اس سے اغماض نہیں کر سکتے اور نہ ہم کو کرنا چاہیے بلکہ اس کے برعکس ہم کو یہ تلاش کرنا چاہیے کہ کس کس راہب سے آپ کی ملاقات ثابت ہوئی ہے اور اس نے ظلم یا انصاف کی راہ سے آپ کے متعلق کیا کیا رائے ظاہر کی ہے' کیونکہ تورات وانجیل کے وہی حامل تھے اور اگر آپ کے بارے میں ان ہی کی جانب سے ہم کو کوئی مفید شہادت ملتی ہے تو یہ بڑی مضبوط شہادت ہو گی- اور اگر وہ آپ کے خلاف شہادت دیتے ہیں جس پر وہ ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں- قرآن کریم نے ذیل کی آیتوں میں اسی لیے مشرکین کے سامنے اہل کتاب کی شہادت رکھی ہے-

اَوَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ. (الشعراء:۱۹۷)	کیا ان کے لیے یہ بات نشانی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس کی خبر رکھتے ہیں-
قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ. (الرعد:۴۳)	کہہ دو اللہ تمہارے اور میرے درمیان گواہ کافی ہے اور جس کو کتاب کی خبر ہے-
وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ. (السبا:۶)	اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے-
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ. (القصص:۵۲-۵۳)	جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر یقین کرتے ہیں اور جب وہ ان کو سنائی جائے تو کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے یہی ٹھیک ہے ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں-
وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ. (انعام:۱۱۴)	اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ یقیناً تیرے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے-
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ. (البقرۃ:۱۴۶)	جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو پہچانتے ہیں جیسا پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو-
وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ	اور جب اس کو سنتے ہیں جو نازل ہوا ہے رسول پر ان کی آنکھیں دیکھو تو ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس لیے کہ انہوں نے پہچان لیا ہے

www.besturdubooks.net

مقتطعة من حديث اخر و هماً من احد رواته كذافي الخصائص (ص ٨٤ ج ١) و ذكره ابن الاثير في تجريد الصحابة و قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل البعث و امن به ذكره ابن منده و ابو نعيم في الصحابة و هكذا في تاريخ الخميس ايضا ص ٢٥٧ ج ١ - و حقق ابن حجر في الاصابة تحت تذكرة ورقة ما حاصله انه ينبغي ان يكون حال ورقة و بحيراء سواء و اما الذهبي فقد ضعف الحديث لكن قال الحافظ الحلبي في سيرته و لا حل هذا الوهم

ﷺ ..... الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ. (المائده:٨٣-٨٤)

حق بات کو وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو تو ہم کو ماننے والوں کے ساتھ لکھ اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اس پر یقین نہ لائیں اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم کو حق سے پہنچی اور توقع رکھیں اس کی کہ ہمارا رب ہم کو نیک بختوں کے ساتھ داخل فرمائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا. (بنی اسرائیل:١٠٧)

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم ملا ہے جب ان کے سامنے اس کو پڑھا جائے تو جھک جاتے ہیں ٹھوریوں سے سجدہ میں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ. (اعراف ١٥٧)

وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ. (یونس:٩٤)

تو اگر تم کو اس کتاب میں کچھ شک ہو جو ہم نے اتاری ہے تو تم ان لوگوں سے پوچھ دیکھو جو تم سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ (یعنی اہل کتاب)

اس روایت کا ایک رخ تو یہ تھا۔ آیئے اب ہم آپ کو اس روایت کا دوسرا رخ بھی دکھائیں اور وہ اس کا افادی رخ ہے۔ اس روایت میں دوسرے اہل دین کی زبان سے آپ کی نبوت کی شہادت ہے جب کہ ابھی آپ کی عمر دس بارہ سال ہی کی ہے اور وہ بھی محض ظن وتخمین سے نہیں بلکہ ان علامات کی بناء پر ہے جو اہل کتاب کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے سواء کسی دوسرے شخص میں پائی نہیں جاتیں۔ اسی کے ساتھ اس میں وہ خاص علامت بھی ہے جو کتب سابقہ میں خاص سید العالمین اور رحمۃ للعالمین کے لیے بیان کی گئی تھی یعنی ''مہر نبوت'' اس کے بعد اس واقعہ میں چند ایسی وقتی علامات اور خصوصی خارجی قرائن کا بھی تذکرہ ہے جو آسمانی شخصیات بارزہ کے ساتھ ہمیشہ نظر آیا کرتی ہیں یعنی درختوں اور پتھروں کا سجدہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ جس نبی کے معجزات میں حیوانات کا سجدہ' پتھروں کا سلام کرنا' اس کے دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور جس کے حکم سے کھجور کے درخت کے خوشہ کا آجانا اور جس کے حکم سے دو درختوں کا آکر باہم مل جانا اور پھر اس کے حکم سے جدا جدا اپنی جگہ جاکر کھڑے ہو جانا مستند طریقوں سے ثابت ہو وہاں اتنی بات پر ایک پر کیا تعجب کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ درخت کی شاخوں کا جھک جانا یا بادل کا امرایزدی کے ماتحت صرف ایک واقعہ میں آپ کے ساتھ حرکت کرنا ان امور میں سے نہیں جو انبیاء علیہم السلام کے معاملوں میں موجب حیرت ہوں آخر اسی نبی اولوالعزم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقہ میں ابو طالب نے بارش مانگی تو کیا بادل نہ آگئے اور نہ برسے پھر کیا اسی رسول کی دعاء پر بارہا بادلوں نے اپنی بارش کے دہانے نہیں کھول دیئے اور کیا پھر اسی رسول کی انگلی کے اشارہ پر بادلوں نے مدینہ طیبہ کی بستی کو چھوڑ کر ٹیلوں اور پہاڑوں کا رخ نہیں کرلیا۔ جی ہاں جس کے اشارہ پر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے اس کے اشارہ پر بادلوں کی اتنی حرکت کیا بعید ہونی چاہیے۔ پھر جب کہ میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ فگن رہنا قرآن ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(ای لما فیہ من ذکر ابی بکر رضی اللہ عنہ و بلال رضی اللہ عنہ) قال الذھبی فی الحدیث اظنہ موضوعًا ثم نقل عن الحافظ الدمیاطی و ھمین و اجاب عن کل منھما و ھناک قصۃ اخری فی سفرہ الی الشام ثانیًا مع میسرۃ و فیھا ملاقاتہ مع نسطورا الراھب بمثل بحیراء و قد بسطھا صاحب السیرۃ الحلبیہ بما لھا و ما علیھا. و اعلم ان بحیراء مکبر لا مصغر کما ضبطہ صاحب القاموس وغیرہ.)

(۹۷۸) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ حَدَّثَنِیْ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فِیْ قِصَّۃِ اِسْلَامِہٖ مِنْ فِیْہِ قَالَ لَحِقْتُ بِصَاحِبِ عَمُوْرِیَّۃٍ فَاَخْبَرْتُہٗ خَبَرِیْ قَالَ اَقِمْ عِنْدِیْ فَاَقَمْتُ عِنْدَ خَیْرِ رَجُلٍ عَلٰی ھُدٰی اَصْحَابِہٖ وَ اَمْرِھِمْ. قَالَ وَ اکْتَسَبْتُ حَتّٰی کَانَتْ لِیْ بَقَرَاتٌ وَ غُنَیْمَۃٌ قَالَ ثُمَّ نَزَلَ بِہٖ اَمْرُ اللّٰہِ فَلَمَّا حَضَرَ قُلْتُ لَہٗ یَا فُلَانُ اِنِّیْ کُنْتُ مَعَ فُلَانٍ فَاَوْصٰی بِیْ اِلٰی فُلَانٍ ثُمَّ اَوْصٰی بِیْ فُلَانٌ اِلٰی فُلَانٍ ثُمَّ اَوْصٰی بِیْ فُلَانٌ اِلٰی فُلَانٍ ثُمَّ اَوْصٰی بِیْ فُلَانٌ اِلَیْکَ

(۹۷۸) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے یہ واقعہ خود سلمان فارسی کی زبان سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں اصبہان کے ایک گاؤں میں ایک پارسی مذہب کا آدمی تھا اور میرے والد اپنے گاؤں کے سردار تھے' میں ان کو بہت پیارا تھا' اس لئے انہوں نے لڑکیوں کی طرح گھر کے اندر رکھ کر میری پرورش کی تھی میں مجوسیت کی عبادت میں ہر وقت لگا رہا کرتا' یہاں تک کہ آگ کے اس نگراں کی طرح بن گیا تھا جو ہر وقت اس کو روشن رکھتا ہے اور ایک لحہ کے لئے بھی گل ہونے نہیں دیتا- میرے والد کی بڑی زمین تھی ایسا ہوا کہ وہ ایک دن کسی تعمیری کام میں لگ گئے اور مجھ سے فرمایا فرزند عزیز میں آج اس کام لگ گیا ہوں اس لئے آج زمین پر نہیں جا سکتا تم ذرا جا کر اس کو دیکھ لو اور جو کام کرنے کا وہاں ان کا زیادہ تھا وہ مجھ کو بتا دیا اور تاکید سے کہہ دیا کہ میرے پاس آنے میں دیر نہ لگانا' اگر تم نے دیر کی تو یاد رکھنا

ﷺ ..... کریم میں موجود ہو اس کے بعد بادل کے ایک ٹکڑے کا آپ پر سایہ کر لینا کون سی بیرون از قیاس بات ہونی چاہیے- مگر جو نفوس یہاں متردد ہیں وہ کچھ اسی ایک واقعہ میں نہیں معجزات اور خوارق کا سارا باب ہی ان کی مادی عقول کے لیے ایک پہاڑ بنا ہوا ہے- وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ.

اب رہا اس حدیث کا اسنادی پلہ تو اس پر بھی ہم عربی کے حاشیہ میں مختصر سا کلام کر چکے ہیں- ہمارے نزدیک امام ترمذیؒ، بیہقیؒ اور آخر میں حافظ ابن حجرؒ جیسے متفق علیہ محدثین نے جب اس حدیث کو مستند مان لیا ہے اور حافظ ابن تیمیہؒ جیسے شخص نے نصاریٰ کے مقابلہ پر اس کو بطور حجت پیش کیا ہے تو اب اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نکالنا بہت ناموزوں ہے- صرف کتب رجال سے اٹھا اٹھا کر مخالفین کے اقوال نقل کرنا اور موافقین کا ذکر تک نہ کرنا انصاف نہیں ہے کون نہیں جانتا کہ اوہام سے صحیحین کی حدیثیں بھی خالی نہیں رہیں- ان کے رجال پر بھی کہیں کہیں کلام کیا گیا ہے بعض رواۃ کا حال تو یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ کی بناء پر امام مالکؒ جیسے شخص نے اس کو دجال تک کا لفظ کہہ دیا ہے مگر جو لوگ اس فن کا کچھ بھی مطالعہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس کا بھی ایک معیار ہے- ہم کو یہاں مناظرہ کا اکھاڑہ قائم کرنا نہیں ہے اس لیے ان تفصیلات کے درپے ہونا نہیں چاہتے اور مذکورہ بالا کبار محدثین کی رائے کی متابعت میں اس حدیث کو یہاں درج کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے-

(۹۷۸) * سلمانؓ فارسی کی شخصیت ایک عظیم تاریخی شخصیت ہے- مذہب حق کی تلاش کی جو تڑپ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ میں ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَالِی مَنْ تُوصِی بِی وَ بِمَ تَأمُرُنِی قَالَ اَیْ بُنَیَّ وَ اللّٰہِ مَا اَعْلَمُ اَصْبَحَ اَحَدٌ عَلٰی مِثْلِ مَا کُنَّا عَلَیْہِ مِنَ النَّاسِ اٰمُرُکَ اَنْ تَأتِیَہٗ وَ لٰکِنَّہٗ قَدْ اَظَلَّ زَمَانُ نَبِیٍّ مَبْعُوْثٌ بِدِیْنِ اِبْرَاھِیْمَ یَخْرُجُ بِاَرْضِ الْعَرَبِ مُھَاجِرُہٗ اِلَی الْاَرْضِ بَیْنَ حَرَّتَیْنِ بَیْنَھُمَا نَخْلٌ بِہٖ عَلَامَاتٌ لَا تَخْفٰی یَأکُلُ الْھَدِیَّۃَ وَ لَا یَأکُلُ الصَّدَقَۃَ بَیْنَ کَتِفَیْہِ خَاتَمُ النُّبُوَّۃِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَلْحَقَ بِتِلْکَ الْبِلَادِ فَافْعَلْ. قَالَ ثُمَّ مَاتَ وَ غُیِّبَ وَ مَکَثْتُ بِعَمُوْرِیَّۃِ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ اَمْکُثَ ثُمَّ مَرَّبِیْ نَفَرٌ کَلْبٍ تُجَّارًا فَقُلْتُ لَھُمْ اَحْمِلُوْنِیْ اِلٰی اَرْضِ الْعَرَبِ وَ اُعْطِیْکُمْ بَقَرَاتِیْ ھٰذِہٖ وَ غُنَیْمَتِیْ ھٰذِہٖ قَالُوْا نَعَمْ فَاَعْطَیْتُمُوْھَا وَ حَمَلُوْنِیْ مَعَھُمْ حَتّٰی اِذَا بَلَغُوْا وَادِی الْقُرٰی ظَلَمُوْنِیْ فَبَاعُوْنِیْ مِنْ رَجُلٍ یَھُوْدِیٍّ عَبْدًا فَکُنْتُ عِنْدَہٗ وَ رَاَیْتُ النَّخْلَ فَرَجَوْتُ اَنْ یَّکُوْنَ الْبَلَدُ الَّذِیْ وَصَفَ لِیْ صَاحِبِیْ وَ لَمْ یَحِقْ فِیْ نَفْسِیْ فَبَیْنَا اَنَا عِنْدَہٗ اِذْ قَدِمَ ابْنُ عَمٍّ لَّہٗ مِنْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ فَابْتَاعَنِیْ مِنْہُ فَاحْتَمَلَنِیْ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ فَوَ اللّٰہِ مَا ھُوَ اِنْ رَاَیْتُھَا فَعَرَفْتُھَا بِصِفَۃِ صَاحِبِیْ لَھَا فَاَقَمْتُ

مجھ کو زمین سے زیادہ تمہاری فکر ہو جائے گی اور میں یہاں کسی کام کا بھی نہ رہوں گا۔ یہ کہتے ہیں گھر سے نکلتے وقت تو میرا ارادہ اسی زمین پر جانے کا تھا جس کے لئے انہوں نے مجھ کو بھیجا تھا۔ لیکن درمیان میں نصاریٰ کے گرجوں میں سے ایک گرجے سے میرا گزر ہوا میں نے وہاں اس کی کچھ آوازیں سنیں وہ نمازیں ادا کر رہے تھے۔ چونکہ والد نے مجھے گھر میں بند کر رکھا تھا۔ اس لئے مجھے اس کا پتہ ہی نہ تھا کہ لوگ کس جہان میں بستے ہیں ان کی آوازیں سن کر میں اندر چلا گیا اور جا کر یہ دیکھنے لگا کہ وہ کرتے کیا ہیں جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھے ان کی نماز پسند آئی اور میں نے ان میں شامل ہونے کی کوشش کی اور دل میں کہا خدا کی قسم جس دین میں میں اس وقت ہوں اس سے یہ دین بہتر معلوم ہوتا ہے یہ سوچ کر میں ان ہی کے ساتھ رہا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور اپنے والد کی زمین تک نہ جا سکا پھر میں نے کہا آپ لوگ اس دین کی اصل جگہ بتائیے۔ انہوں نے کہا ملک شام۔ میں اپنے والد کے پاس واپس آ گیا۔ ادھر انہوں نے میری تلاش کے لئے آدمی بھیج رکھے تھے اور سب اپنے کاروبار سے معطل پڑے تھے۔ جب میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا عزیز فرزند تم کہاں تھے تم کو جو بات ضروری تھی کیا وہ بتا نہ دی تھی کہ دیر نہ لگانا۔ میں نے عرض کیا پدر بزرگوار بات یہ ہوئی کہ چند لوگوں کے پاس سے میرا گزر ہوا جو اپنے گرجوں میں نمازیں پڑھ رہے تھے مجھے ان کا دین پسند آیا اور اس لیے خدا کی قسم شام تک میں وہاں ہی رہا۔ والد نے فرمایا فرزند عزیز اس دین میں تو کوئی بھی خوبی نہیں تیرا اور تیرے بزرگوں کا دین اس سے کہیں بہتر ہے میں نے عرض کیا خدا کی قسم ہرگز نہیں وہ دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے۔ یہ کہتے ہیں والد نے مجھے بہت ڈرایا دھمکایا اور میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر میں بند کر لیا۔ یہ کہتے ہیں

لـه ..... ودیعت فرمائی تھی اس کا اندازہ آپ کو ان چند سطور سے ہو سکتا ہے۔ ہمیں یہاں جس چیز پر تنبیہ کرنی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کے واقعہ سے آپ یہ اندازہ فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معاملہ اہل کتاب علماء کے درمیان کس درجہ شہرت اور وضاحت کے ساتھ مشہور و معروف تھا اور یہ کہ آپ کی چند علامات معلوم کر لینے کے بعد آپ کے شناخت کر لینے میں کیا سلمان رضی اللہ عنہ کو کوئی ادنیٰ سی دشواری بھی پیش آئی۔ اگر ان علامتوں پر محض عقلی لحاظ سے بحث کی جاتی اور نبوت و رسالت کے معنی محض عقلی اعتبار سے سمجھنے کی لـه .....

www.besturdubooks.net

بِهَا وَبُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ مَا اَقَامَ وَ لَا اَسْمَعُ لَهٗ بِذِكْرٍ مِمَّا اَنَا فِيْهِ مِنْ شُغْلِ الرِّقِّ ثُمَّ هَاجَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَفِيْ رَأْسِ عِذْقٍ لِسَيِّدِيْ اَعْمَلُ فِيْهِ بَعْضَ الْعَمَلِ وَ سَيِّدِيْ جَالِسٌ تَحْتِيْ اِذْ اَقْبَلَ ابْنُ عَمٍّ لَهٗ حَتّٰى وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا فُلَانُ قَاتَلَ اللّٰهُ بَنِيْ قَيْلَةَ وَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمُجْتَمِعُوْنَ الْاٰنَ بِقُبَاءٍ عَلٰى رَجُلٍ قَدِمَ مِنْ مَكَّةَ الْيَوْمَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهٗ نَبِيٌّ قَالَ سَلْمَانُ فَلَمَّا سَمِعْتُهَا اَخَذَتْنِي الرِّعْدَةُ حَتّٰى ظَنَنْتُ اِنِّيْ سَاقِطٌ عَلٰى سَيِّدِيْ فَنَزَلْتُ عَنِ النَّخْلَةِ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لِابْنِ عَمِّهٖ مَاذَا تَقُوْلُ مَاذَا تَقُوْلُ قَالَ فَغَضِبَ سَيِّدِيْ فَلَكَمَنِيْ لَكْمَةً شَدِيْدَةً ثُمَّ قَالَ مَالَكَ وَ لِهٰذَا اَقْبِلْ عَلٰى عَمَلِكَ قَالَ فَقُلْتُ لَاشَيْءَ اِنَّمَا اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَثْبِتَهٗ عَمَّا قَالَ. قَالَ وَ قَدْ كَانَ عِنْدِيْ شَيْءٌ قَدْ جَمَعْتُهٗ فَلَمَّا اَمْسَيْتُ اَخَذْتُهٗ ثُمَّ ذَهَبْتُ بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ بِقُبَاءٍ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّهٗ قَدْ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ رَجُلٌ صَالِحٌ وَ مَعَكَ اَصْحَابٌ لَكَ غُرَبَاءُ ذُوْحَاجَةٍ وَ هٰذَا شَيْءٌ كَانَ عِنْدِيْ

میں نے نصاریٰ کے پاس کہلا بھیجا کہ جب کبھی شام کا کوئی قافلہ تمہارے پاس آئے تو مجھے بھی خبر کرنا- یہ کہتے ہیں جب شام جانے والا ایک قافلہ ان کے پاس آیا تو وہ میرے پاس آئے اور مجھے اس کی خبر کی- میں نے کہا جب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو لیں اور پھر شام واپسی کا ارادہ کریں تو اس وقت مجھے خبر کرنا چنانچہ جب وہ اپنے کام پورے کر چکے تو انہوں نے مجھے اس کی اطلاع دی یہ کہتے ہیں میں نے زنجیریں اپنے پیروں سے نکال پھینکیں اور ان کے ساتھ روانہ ہو لیا- یہاں تک کہ شام جا پہنچا- وہاں جا کر میں نے پوچھا اس دین کا یہاں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس گرجے کا پادری- یہ کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا- مجھے یہ دین پسند ہے اور میری تمنا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں اور اس گرجے میں آپ کی خدمت کیا کروں اور آپ سے نماز سیکھوں اور پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھوں اس نے کہا اچھا آ جاؤ میں اس کے ساتھ گرجے میں داخل ہو گیا- یہ شخص بدنیت آدمی تھا لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دیتا اور جب لوگ صدقہ لاتے تو اس کو اپنی ذات کے لیے جمع کرتا اور مسکینوں کو تقسیم نہ کرتا یہاں تک کہ اس تدبیر سے اس نے سات مٹکے چاندی اور سونے کے جمع کر لیے- یہ کہتے ہیں مجھے اس سے سخت بغض ہو گیا' ان حرکات کی وجہ سے جو میں نے اس کو کرتے دیکھا تھا- اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا- اس کے دفن کے لیے نصاریٰ جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا یہ بڑا خراب انسان تھا' تم کو صدقہ کی ترغیب دیا کرتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقے لاتے تو اس کو اپنی ذات کے لیے جمع کر لیتا تھا اور مسکینوں کو کچھ نہ دیتا تھا- انہوں نے کہا تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ میں نے کہا میں تم کو اس کے خزانہ کا پتہ بتاتا ہوں- انہوں نے کہا اچھا بتاؤ- چنانچہ وہ جگہ میں نے ان کو دکھائی- انہوں نے

ﷺ ..... کوشش کی جاتی تو جس آسانی سے سلمان رضی اللہ عنہ کو ساحل مقصود ہاتھ آ گیا کیا یہ ممکن تھا حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے ہیں اس لیے قدرت نے ان کی شناخت بھی آسان سے آسان تر رکھی ہے اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کے دلائل تو اور بھی زیادہ روشن رکھے ہیں-

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ کتب سابقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات سو مقامات سے بھی زیادہ مذکور ہیں ﷺ .....

www.besturdubooks.net

لِلصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُكُمْ اَحَقُّ بِهٖ مِنْ غَيْرِكُمْ قَالَ فَقَرَّبْتُهُ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَ اَمْسَكَ يَدَهٗ فَلَمْ يَاْكُلْ قُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ هٰذِهٖ وَاحِدَةٌ ثُمَّ صَرَفْتُ عَنْهُ فَجَمَعْتُ شَيْئًا وَ تَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ثُمَّ جِئْتُهٗ وَ قُلْتُ اِنِّيْ رَاَيْتُكَ لَا تَاْكُلُ الصَّدَقَةَ وَ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَكْرَمْتُكَ بِهَا .قَالَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا وَ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ فَاَكَلُوْا مَعَهٗ قَالَ فَقُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ هَاتَانِ ثِنْتَانِ قَالَ ثُمَّ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ بِبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ قَدْ تَبِعَ جَنَازَةَ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ وَ عَلَيْهِ شَمْلَتَانِ وَ هُوَ جَالِسٌ فِيْ اَصْحَابِهٖ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ اسْتَدَبَرْتُهٗ اَنْظُرُ اِلٰى ظَهْرِهٖ هَلْ اَرَى الْخَاتَمَ الَّذِيْ وَصَفَ لِيْ صَاحِبِيْ فَلَمَّا رَاٰنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَدْبَرْتُهٗ عَرَفَ اَنِّيْ اَسْتَثْبِتُ فِيْ شَيْءٍ وُصِفَ لِيْ فَاَلْقٰى رِدَاءَهٗ عَنْ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلَى الْخَاتَمِ فَعَرَفْتُهٗ فَاَكْبَبْتُ عَلَيْهِ اُقَبِّلُهٗ وَ اَبْكِيْ فَقَالَ لِيْ

سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے وہاں سے برآمد کیے- جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو کہا ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہیں کریں گے- اس کو سولی پر لٹکایا اور پتھروں سے سنگسار کیا' اور دوسرا آدمی بلا کر اس کی جگہ بٹھلا دیا- سلمانؓ کہتے ہیں میں نے اس آدمی سے بڑھ کر کوئی شخص جو پنجوقتہ نماز کا پابند' دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا طالب اور روز و شب عبادت میں مشغول ہو نہیں دیکھا' لہٰذا مجھے اس سے اتنی محبت ہوگئی کہ اس سے پہلے دنیا کی کسی چیز سے نہ تھی- میں اس کے پاس ایک مدت تک مقیم رہا پھر جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے ان سے عرض کیا میں اتنی مدت آپ کی خدمت میں رہا اور آپ سے اتنی محبت رکھتا ہوں کہ اس سے قبل دنیا کی کسی چیز سے مجھ کو اتنی محبت نہیں ہوئی- اب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے پاس پیغام اجل آ پہنچا ہے تو آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جاتے ہیں اور میرے لیے آئندہ اب کیا حکم ہے- انہوں نے فرمایا' فرزند عزیز! خدا کی قسم میرے علم میں اب کوئی شخص نہیں ہے جو صحیح طور پر اس دین پر قائم رہا ہو جس پر کہ میں تھا' لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں اور جس دین پر پہلے تھے اس کو اکثر بدل سدل کر چکے ہیں ہاں موصل میں ایک شخص ہے جس کا نام فلاں ہے' وہ شخص اسی دین پر ہے جس میں میں ہوں اس کے پاس چلے جانا- یہ کہتے ہیں جب ان کی وفات ہوگئی اور دفن ہو چکے تو میں ان موصل والے پادری کے پاس چلا گیا- میں نے ان سے کہا اے فلاں مجھ کو فلاں پادری نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور یہ بتایا تھا کہ آپ ان ہی کے دین پر پورے پورے قائم ہیں- انہوں نے فرمایا اچھا تو میرے پاس قیام کرو- میں نے ان کے پاس قیام کیا' اور میں نے ان کو

؎ ..... (الجواب الصحیح ج ۲ ص ۲۷۷) اسی لیے یہود مدینہ کی حالت تو یہ تھی کہ آپؐ کے ظہور سے قبل وہ اوس و خزرج کے مقابلہ میں ہمیشہ آپؐ کے وسیلہ سے دعاء فتح و نصرت مانگا کرتے تھے لیکن جب آپ کا ظہور ہوا تو پھر سب سے بڑھ کر آپ کے دشمن یہی تھے چنانچہ معاذ بن جبل' بشر بن براء اور داؤد بن سلمہ نے یہود کو یہی طعنہ دیا کہ ہم مشرک تھے اور تم اہل کتاب ہمارے مقابلہ میں جب جنگ ہوتی تو تم لوگ آپؐ کے وسیلہ سے دعاء فتح مانگتے اور ہمارے سامنے آپ کی علامتیں اور آپ کی صفات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا کرتے اب تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ ورالٹے برسرپیکار نظر آتے ہو- ؎ .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَوَّلْ فَتَحَوَّلْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثِيْ كَمَا حَدَّثْتُكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَعْجَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَسْمَعَ ذَاكَ اَصْحَابُهُ ثُمَّ شَغَلَ سَلْمَانَ الرِّقُّ حَتّٰى فَاتَهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدْرٌ وَ اُحُدٌ قَالَ سَلْمَانُ ثُمَّ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاتِبْ يَا سَلْمَانُ فَكَاتَبْتُ صَاحِبِيْ عَلٰى ثَلَاثِمِائَةِ نَخْلَةٍ اُحْيِيْهَا لَهٗ بِالْفَقِيْرِ وَ اَرْبَعِيْنَ اُوْقِيَةً. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ اَعِيْنُوْا اَخَاكُمْ فَاَعَانُوْنِيْ فِي النَّخْلِ الرَّجُلُ بِثَلَاثِيْنَ وَ دِيَّةً وَ الرَّجُلُ بِعِشْرِيْنَ وَ دِيَةً وَ الرَّجُلُ بِخَمْسَ عَشْرَةَ وَدِيَّةً وَ الرَّجُلُ بِعَشْرَةٍ يَعْنِيْ الرَّجُلُ بِقَدْرِ مَا عِنْدَهٗ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ لِيْ ثَلَاثُمِائَةِ وَدِيَّةٍ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبْ يَا سَلْمَانُ فَفَقِّرْلَهَا فَاِذَا فَرَغْتَ فَاْتِنِيْ اَكُنْ اَنَا اَضَعُهَا بِيَدِيْ قَالَ فَفَقَرْتُ وَ اَعَانَنِيْ اَصْحَابِيْ حَتّٰى اِذَا فَرَغْتُ جِئْتُهٗ فَاَخْبَرْتُهٗ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

بھی بہت نیک شخص پایا۔ جس دین پر ان کے پہلے رفیق تھے یہ بھی اسی پر تھے۔ ابھی کچھ مدت نہ ہوئی تھی ان کی بھی وفات کا وقت آ گیا تو میں نے ان سے عرض کیا۔ اے فلاں مجھ کو فلاں پادری نے آپ کے لیے وصیت کی تھی اور یہ حکم دیا تھا کہ آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں اب جیسا آپ دیکھ رہے ہیں آپ کے پاس بھی حکم ربی آ چکا ہے تو آپ مجھے کس کی وصیت فرماتے ہیں اور میرے لیے کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بخدا میں اس دین پر جس پر کہ خود قائم ہوں آج ایک شخص کے سواء کسی اور کو نہیں جانتا وہ شخص نصیبین میں ہیں ان کا نام فلاں ہے تم ان کے پاس چلے جانا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا اور دفن ہو چکے تو میں ان نصیبین والے شخص کے پاس چلا گیا اور اپنا قصہ عرض کیا اور دو میرے بزرگ جو پہلے حکم دے چکے تھے وہ سب بیان کیا۔ انہوں نے کہا اچھا میرے پاس ٹھہرو میں نے ان کو بھی پہلے دو بزرگوں جیسا پایا اور میں اس مرد صالح کی خدمت میں رہا۔ خدا کی قسم ابھی ان کو بھی کچھ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ ان کی بھی وفات کا وقت آ گیا۔ اسی طرح میں متعدد بزرگوں کی خدمت میں گذرتا ہوا عموریہ والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے بھی اپنا سارا واقعہ عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا اچھا میرے پاس ٹھہرو۔ اب میں ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں قیام پذیر تھا جو نہایت نیک اور اپنے سے پیشرو بزرگوں ہی کے قدم بقدم تھے۔ اس اثناء میں میں نے تھوڑا مال بھی کما لیا تھا اور میرے پاس کچھ گائے اور تھوڑی سی بکریاں ہو گئی تھیں آخر کار ان کے پاس بھی فرمانِ الٰہی آ پہنچا۔ جب ان کی نزع روح کا وقت ہوا تو میں نے عرض کی کہ فلاں فلاں بزرگوں نے مجھ کو ایک دوسرے کی وصیت فرمائی تھی تا آنکہ میں آپ تک آ پہنچا اب آپ مجھے کس

ﷺ ..... حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل یہود مدینہ میں آپ کا بڑا چرچا رہا کرتا تھا اور یہی باعث تھا کہ انصار کسی پس و پیش کے بغیر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ ایک یہود مدینہ پر کیا منحصر تھا شاہ ہرقل، مقوقس اور شاہ حبشہ جیسے بڑے بڑے بادشاہوں نے آپ کی تصدیق کی اور اہل کتاب کا بڑا طبقہ آپ کی بشارات دیکھ دیکھ کر ہی اسلام میں داخل ہوا اور جو ان میں داخل نہیں ہوا اس کو بھی آپ کے معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی، بلکہ محض عناد، عداوت اور اپنی ریاست کی خاطر داخل نہ ہوا۔ یہ بیان اہل اسلام کا نہیں بلکہ خود ان کا ہے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنی زبانوں سے ان سب امور کا اقرار کیا ہے۔ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعِيَ اِلَيْهَا فَجَعَلْنَا نُقَرِّبُ اِلَيْهَا الْوَدِيَّ وَ يَضَعُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ حَتّٰى اِذَا فَرَغْنَا فَوَالَّذِيْ نَفْسُ سَلْمَانَ بِيَدِهٖ مَا فَاتَتْ مِنْهَا وَ دِيَّةٌ وَّاحِدَةٌ فَاَدَّيْتُ النَّخْلَ وَ بَقِيَ عَلَيَّ الْمَالُ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ بَيْضَةِ الدُّجَاجَةِ مِنْ ذَهَبٍ مِنْ بَعْضِ الْمَعَادِنِ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْفَارِسِيُّ الْمُكَاتَبُ قَالَ فَدُعِيْتُ لَهٗ قَالَ خُذْ هٰذِهٖ فَاَدِّ مِمَّا عَلَيْكَ يَا سَلْمَانُ قَالَ قُلْتُ وَ اَيْنَ تَقَعُ هٰذِهٖ مِمَّا عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ خُذْهَا فَاِنَّ اللّٰهَ يُؤَدِّيْ بِهَا عَنْكَ قَالَ فَاَخَذْتُهَا فَوَزَنْتُ لَهُمْ مِنْهَا وَ الَّذِيْ نَفْسُ سَلْمَانَ بِيَدِهٖ اَرْبَعِيْنَ اُوْقِيَّةً فَاَوْفَيْتُهُمْ حَقَّهُمْ وَ عَتَقَ سَلْمَانُ فَشَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقَ حُرًّا ثُمَّ لَمْ يَفُتْنِيْ مَعَهٗ مَشْهَدٌ. رواه محمد ابن اسحٰق و الحاکم و البیهقی فی کتاب دلائل النبوة قال الحافظ ابن کثیر و طریق محمد ابن اسحاق اقوی اسنادا و احسن اقتصاصا الی ما رواه البخاری فی صحیحه

بات کا حکم دیتے ہیں انہوں نے فرمایا بخدا میرے علم میں اب کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس دین پر قائم رہا ہو جس پر کہ ہم لوگ تھے تا کہ میں تم کو ان کی خدمت میں حاضری کے لیے کہہ سکوں لیکن ایک نبی کے مبعوث ہونے کا وقت بالکل سر پر آ چکا ہے جو دین ابراہیمی لے کر آئیں گے' سرزمین عرب میں ان کا ظہور ہوگا' اور وہ ایسی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائیں گے جس کے دو طرف سنگستان ہوگا اس میں کھجوروں کے باغات ہوں گے اس نبی میں ایسی کھلی علامتیں بھی موجود ہوں گی جو کسی پر پوشیدہ نہ ہوں گی' وہ ہدیہ کھالیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے ان کے دونوں شانوں کے درمیان ''مہر نبوت'' ہوگی اگر تم ان مقامات میں پہنچ سکتے ہو تو پہنچ جانا اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور دفن کر دیے گئے۔ ان کے بعد جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا میں مقام عموریہ میں قیام پذیر رہا۔ پھر قبیلہ کلب کے کچھ تاجروں کا میری طرف سے گذر ہوا میں نے ان سے کہا مجھے بھی سرزمین عرب میں لے چلو اور میں اپنی یہ گائیں اور بکریاں (اس کے عوض میں) سب تم کو دیتا ہوں انہوں نے کہا اچھا۔ چنانچہ میں نے وہ سب ان کو دے دیں۔ انہوں نے مجھ کو اپنے ساتھ لے لیا لیکن جب مقام ''وادی القریٰ'' میں پہنچے تو انہوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا اور ایک یہودی کے ہاتھ مجھ کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ میں اس کے پاس رہا گیا اور جب میں نے یہاں کھجور کے درخت دیکھے تو مجھے کچھ امید ہوئی کہ شاید یہ وہی مقام ہوگا جس کے متعلق عموریہ والے بزرگ نے مجھ کو ہدایت کی تھی' لیکن میرے دل میں اس کا پورا پورا یقین نہ ہوا ابھی میں اس کے گھر ہی میں تھا کہ اس کا ایک چچازاد بھائی مدینہ (شریف) سے آیا جو بنو قریظہ کے خاندان سے تھا اس یہود نے مجھ کو اپنے چچازاد بھائی کے ہاتھ فروخت

لہ ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف صفات ہی نہیں بلکہ بعض علماء اہل کتاب اور بادشاہوں کے پاس تو ان علامات کے مطابق آپ کی تصویریں تک بھی موجود تھیں چنانچہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شام جانے کے ارادہ سے نکلا' بصریٰ پہنچ کر چند اہل کتاب علماء سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا تم حرم کے باشندہ ہو۔ میں نے کہا جی ہاں۔ یہ سن کر مجھ کو وہ ایک بڑے گرجا میں لے گئے جہاں متعدد تصویریں موجود تھیں انہوں نے مجھ سے کہا پہچان سکتے ہو ان میں تمہارے صاحب کون ہیں؟ میں نے ایک تصویر کو دیکھا تو وہ ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی اس کے بعد دیکھا تو آپ کے قریب ہی ایک دوسرے بزرگ نظر آئے جو آپ کے پیر کی ایڑی پکڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا ان کو بھی پہچانتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ اس نے کہا یاد رکھو یہی شخص ہیں جو ان کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ جتنے اور انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں سب کے بعد کوئی نہ لہ .....

www.besturdubooks.net

عن سلمان انه تداوله بضعة عشر من رب الى رب ای معلم و مربّ الى مثله و الله تعالى اعلم قال السهيلى تداوله ثلاثون سيدًا من سيد الى سيد فالله اعلم. و كذلك استقصى قصة اسلامه الحافظ ابو نعيم فى الدلائل و اورد لها اسانيد و الفاظاً كثيرة . و قد حذفنا صدر القصة روماً للاختصار فتنبه.

کر دیا وہ مجھ کو مدینہ لے آیا- خدا کی قسم جوں ہی کہ میں نے مدینہ کو دیکھا تو میں نے اپنے ان بزرگوں کے بیان کردہ علامات سے اس کو فوراً پہچان لیا- اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی لیکن اس وقت آپ کا قیام مکہ ہی میں تھا اور چونکہ میں غلامی کے فرائض ادا کرنے میں پڑا رہا کرتا اس لیے مجھ کو آپ کی کوئی خیر خبر معلوم نہ ہو سکی کچھ عرصہ بعد ایسا اتفاق ہوا کہ آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی- بخدا میں اس وقت ایک کھجور کے درخت کے اوپر اپنے آقا کے کسی کام میں مشغول تھا اور میرا آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کا چچازاد بھائی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا اے فلاں خدا تعالیٰ بنو قیلہ کو موت دے یہ سب کے سب ایک شخص کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں جو آج ہی مکہ سے آیا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے- سلمانؓ کہتے ہیں بس یہ سننا تھا کہ میرے جسم پر رعشہ پڑ گیا اور مجھے یقین ہوا کہ میں اپنے آقا پر جا گروں گا اس لیے درخت کے اوپر سے اتر آیا اور اس کے چچازاد بھائی سے پوچھنے لگا- ہیں کیا کہتے ہو' کیا کہتے ہو؟ اس پر میرا آقا بھڑک اٹھا اور مجھے ایک سخت لات ماری اور بولا تجھ کو اس کی کیا پڑی تو اپنے کام میں لگ- میں نے کہا کچھ نہیں میں تو صرف وہ بات سمجھنی چاہتا تھا جو انہوں نے کہی تھی- میں نے کچھ تھوڑا سا مال جمع کر لیا تھا جب شام کا وقت ہوا تو میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچا- ابھی آپ قباء ہی میں رونق افروز تھے' میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپؐ سے عرض کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ بے وطن غریب لوگ بھی ہیں- میرے پاس یہ کچھ صدقہ کا مال تھا میں نے دوسروں کی بجائے آپ لوگوں کو اس کا زیادہ حق دار سمجھا ہے- چنانچہ میں نے وہ مال آپؐ کے سامنے پیش کر دیا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء سے مخاطب ہو کر فرمایا اس کو تم لوگ کھالو اور آپؐ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور خود تناول نہ فرمایا- میں نے اپنے دل میں کہا یہ ایک علامت تو پوری ہو گئی- پھر میں واپس آیا اور میں نے کچھ مال جمع کیا' اب آپ مدینہ تشریف لا چکے تھے اور میں نے حاضر ہو کر عرض کی- میں نے دیکھا کہ آپؐ صدقہ کا مال نہیں کھاتے ہیں لہٰذا یہ ہدیہ ہے آپ کی خدمت میں اکراماً حاضر ہے- سلمانؓ کہتے ہیں اس کو آپؐ نے بھی تناول فرما لیا اور اپنے رفقاء سے بھی فرمایا تو انہوں نے بھی آپؐ کے ساتھ کھایا- میں نے اپنے دل میں کہا یہ دو علامتیں پوری ہوئیں اس کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپؐ اپنے کسی صحابی کے جنازہ کے ساتھ بقیع غرقد میں آئے ہوئے تھے اور اس وقت آپ دو چادریں اوڑھے ہوئے اپنے رفقاء میں رونق افروز تھے- میں نے آپ کو

للہ ..... کوئی نبی ہوتا رہا ہے صرف یہ ایک ایسے نبی ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا- اس واقعہ کو ابو نعیم نے بھی دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے-

اسی طرح موسیٰ بن عقبہ ذکر کرتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہشام بن العاص' نعیم بن عبداللہ اور تیسرے ایک شخص اور شاہِ روم کے پاس بھیجے گئے تھے یہ کہتے ہیں کہ ہم جبلہ بن ایہم سے ملے اس وقت یہ مقام غوطہ میں تھے وہ ہم کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- بادشاہ نے ہم کو چند تصویریں دکھائیں پھر ایک تصویر کے متعلق کہا کہ یہ سب سے آخری تصویر تھی لیکن میں نے تم کو پہلے اس لیے دکھائی ہے کہ ان کے متعلق تمہارا خیال معلوم کروں- یہ تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی اس کے بعد اس نے دیگر سب للہ .....

www.besturdubooks.net

سلام کیا پھر میں آپ کے پیچھے کی جانب گھوما تا کہ پشت والی علامت بھی دیکھوں کہ مہر نبوت جو علامت میرے بزرگ نے مجھ سے بیان کی تھی وہ بھی ہے یا نہیں۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ میں آپ کی پشت کی جانب گھوما ہوں تو آپ پہچان گئے کہ کوئی علامت مجھے بتائی گئی ہے میں اس کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اپنی پشت کے اوپر سے اپنی چادر اتار دی۔ میں نے مہر نبوت دیکھ لی اور اس کو خوب پہچان لیا اور یہ دیکھتے ہی میں اس کے اوپر گر پڑا' بس اس کو چومتا تھا اور روتا تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا ادھر آؤ۔ میں سامنے حاضر ہو گیا اور میں نے اے ابن عباس جس طرح اپنا قصہ آپ کے سامنے پورا بیان کیا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کہہ سنایا۔ آپ کو یہ پسند ہوا کہ اس قصہ کو آپ کے اور صحابہؓ بھی سنیں۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ سلمانؓ اپنی غلامی کے دھندوں میں پھنسے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ بدر واحد میں شریک نہ ہو سکے۔ سلمانؓ بیان کرتے ہیں مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سلمان دیکھو تم اپنے آقا سے عقد کتابت کر لو (یعنی کچھ مقرر رقم دے کر آزاد ہو جاؤ) چنانچہ میں نے اپنے آقا سے عقد کتابت کر لیا اس معاوضہ میں کہ میں اس کو تین سو کھجور کے درخت لگا کر دوں گا یہاں تک کہ وہ پھل لے آئیں اور ان کے نصب کرنے کے لیے گڑھے کھودنے بھی میرے ہی ذمہ ہوں گے اور چالیس اوقیہ سونا نقد بھی دوں گا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ترغیب دی کہ تم لوگ اپنے بھائی سلمان کی امداد کرو۔ چنانچہ انہوں نے میری مدد کی کسی شخص نے تیس پودے کھجوروں کے دیئے اور کسی نے بیس کسی نے پندرہ اور کسی نے دس غرض ہر شخص نے اپنی اپنی وسعت کے مطابق میری امداد کی یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے جمع ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ سلمان اب جا کر ان گڑھوں کا انتظام کرو اور جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا تاکہ میں خود اپنے ہاتھ سے پودے نصب کروں۔ چنانچہ میں گیا اور گڑھے خود بھی کھودے اور میرے اصحاب نے بھی ان میں میری امداد کی یہاں تک کہ جب میں کھود کر فارغ ہو گیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اطلاع دی' آپ میرے ساتھ وہاں تشریف لے آئے۔ ہم آپ کے سامنے ایک ایک پودہ پیش کرتے جاتے اور آپ اس کو اپنے دست مبارک سے نصب کرتے جاتے یہاں تک کہ ہم سب کو نصب کر کے فارغ ہو گئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے کہ ان پودوں میں ایک پودا بھی ایسا نہ تھا جو مرا ہو (اس کے بعد وہ باغ اگلے ہی سال پھل لے آیا) اور میں نے اس کو اپنے مالک کے حوالہ کر دیا۔ اب میرے ذمہ صرف نقد کی قسط باقی رہ گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کسی کان میں سے آپ کے پاس مرغی کے انڈے کے برابر کچھ سونا آیا تو آپ نے فرمایا وہ فارسی مکاتب کدھر گیا۔ اس پر میں بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا سلمان! لو اس کو لے لو اور جو قرض تم پر ہے اس کو ادا کر دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے قرض کے مقابلہ میں اتنا سا سونا بھلا کیا کافی ہو گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کو لے لو اور اللہ تعالیٰ اسی سے تمہارا سب قرض ادا کرا دے گا۔ میں نے اس کو لے لیا اور وزن کر کے چالیس اوقیہ ادا کر دیئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے' میں نے اسی سونے سے اس کا سب حق ادا کر دیا اور یہ سلمان آزاد ہو گیا۔ اور میں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خندق میں شریک ہوا' اور پھر کوئی غزوہ ایسا نہ تھا جس میں میں شریک نہ رہا ہوں۔ (دلائل النبوۃ از بیہقی' حاکم وغیرہما)

لہ ..... انبیاء سابقین علیہم السلام کی تصاویر بھی دکھائیں۔ مغیرہ بن شعبہ نے شاہ مقوقس کا واقعہ بھی اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے ان تاریخی شہادتوں سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ اہل کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کس حد تک تھا اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کا تعارف کس درجہ تھا۔

www.besturdubooks.net

(۹۷۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَضَرَتْ عَصَابَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَوْمًا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْئَلُكَ عَنْهَا لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا نَبِيٌّ فَقَالَ سَلُوْنِيْ مِمَّا شِئْتُمْ وَ لٰكِنِ اجْعَلُوْا لِيْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ مَا اَخَذَ يَعْقُوْبُ عَلٰى بَنِيْهِ اِنْ اَنَا حَدَّثْتُكُمْ بِشَيْءٍ تَعْرِفُوْنَهُ صِدْقًا لَتُتَابِعُوْنِيْ عَلَى الْاِسْلَامِ قَالُوْا لَكَ ذٰلِكَ قَالَ فَسْئَلُوْنِيْ مِمَّا شِئْتُمْ قَالُوْا اَخْبِرْنَا عَنْ اَرْبَعِ خِلَالٍ اَخْبِرْنَا عَنِ الطَّعَامِ الَّذِيْ حَرَّمَ اِسْرَائِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ وَ اَخْبِرْنَا عَنْ مَاءِ الرَّجُلِ كَيْفَ يَكُوْنُ الذَّكَرُ مِنْهُ حَتّٰى يَكُوْنَ ذَكَرًا اَوْ كَيْفَ يَكُوْنُ اُنْثٰى حَتّٰى يَكُوْنَ اُنْثٰى وَ اَخْبِرْنَا كَيْفَ هٰذَا النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ فِي التَّوْرَاتِ وَ مَنْ وَّلِيُّهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالَ فَعَلَيْكُمْ عَهْدُ اللّٰهِ وَ مِيْثَاقُهٗ لَئِنْ اَنَا حَدَّثْتُكُمْ لَتُتَابِعُوْنِيْ فَاَعْطَوْهُ مَاشَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَ مِيْثَاقٍ قَالَ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ اِسْرَائِيْلَ مَرِضَ مَرَضًا شَدِيْدًا طَالَ سَقَمُهٗ فِيْهِ فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهٖ لَيُحَرِّمَنَّ اَحَبَّ الشَّرَابِ وَ اَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَيْهِ وَ كَانَ اَحَبَّ الشَّرَابِ اِلَيْهِ اَلْبَانُ الْاِبِلِ وَ اَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَيْهِ لُحُوْمُ الْاِبِلِ

(۹۷۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن یہود کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' اور بولی یا رسول اللہ! ہم کو چند باتوں کا جواب دیجئے جو ہم آپ سے ابھی پوچھنے والے ہیں' ان کو نبی کے سوا اور کوئی شخص نہیں جانتا- آپ نے فرمایا جو دل چاہے شوق سے پوچھو- لیکن اگر میں ایسا جواب دے دوں جس کی صداقت کا تم بھی اعتراف کرلو تو مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ تم اسلام قبول کرلو گے اور اُس بات کا بھی عہد کرو جس کا عہد یعقوبؑ نے اپنی اولاد سے لیا تھا' یعنی خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے- انہوں نے کہا منظور ہے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اب جو تمہاری مرضی میں آئے مجھ سے پوچھو وہ بولے ہم کو آپؐ چار باتیں بتا دیجئے- پہلی یہ کہ تورات کے نزول سے قبل وہ کھانا کیا تھا جو اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا- دوم یہ بتایئے کہ مرد کی منی سے جب لڑکا بنتا ہے تو کیسے بنتا ہے اور عورت کی منی سے جب لڑکی بنتی ہے تو کیسے بنتی ہے- تیسرے یہ بات بتایئے کہ تورات میں اس نبی امی کی کیا علامت بیان کی گئی ہے- چوتھی یہ کہ فرشتوں میں سے کون فرشتہ ان کا رفیق کار مقرر کیا گیا ہے- آپؐ نے فرمایا مجھ سے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ عہد کرو کہ اگر میں ان کا جواب دے دوں تو تم لوگ اسلام قبول کرنے میں میرا کہا مان لو گے- اس پر انہوں نے خوب لمبے چوڑے عہد کیے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اچھا میں اس خدا تعالیٰ کی تم کو قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تھی بتاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل جب سخت بیمار پڑے اور ان کی علالت بہت طویل ہوگئی تو انہوں نے یہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے بیماری سے صحت بخشی تو جو مجھے کھانے پینے کی چیزوں میں سب سے زیادہ پسند ہوگی میں اس کو چھوڑ دوں گا اور واقعہ یہ تھا کہ پینے کی اشیاء میں اونٹ کا دودھ اور کھانے کی چیزوں میں اونٹ کا گوشت ان کو بہت پسند تھا (لہٰذا صحت کے بعد انہوں نے اپنی منت کے مطابق ان کا استعمال ترک فرما دیا تھا) انہوں نے (یہ جواب سن کر) کہا اے اللہ بے شک یہی بات ہے- آپؐ نے

---

(۹۷۹) * یہاں یہ بحث کرنی کہ ان امور کا علم خصائص نبوت سے ہوسکتا ہے یا نہیں بالکل غیر متعلق بحث ہے- ہمارا مقصد یہاں تو .....

www.besturdubooks.net

قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ فَاَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَ اَنَّ مَاءَ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَاَيُّهُمَا عَلَا كَانَ الْوَلَدُ وَ الشَّبَهُ لَهٗ بِاِذْنِ اللّٰهِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ قَالَ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ هٰذَا النَّبِيَّ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَ لَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ قَالُوْا اَنْتَ الْاٰنَ حَدِّثْنَا مَنْ وَلِيُّكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَعِنْدَهَا نُجَامِعُكَ نُفَارِقُكَ قَالَ وَلِيِّيْ جِبْرَئِيْلُ وَ لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا وَ هُوَ وَلِيُّهٗ قَالُوْا فَعِنْدَهَا نُفَارِقُكَ وَ لَوْ كَانَ غَيْرُهٗ لَا تَبِعْنَاكَ وَ قَدْ قْنَاكَ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُصَدِّقُوْا بِهٖ قَالُوْا اِنَّهٗ عَدُوُّنَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۹۷)

(رواہ ابو داؤد الطیالسی)

فرمایا الٰہی تو بھی اس پر گواہ رہ- پھر آپ نے فرمایا میں تم کو اس خدا کی ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جس نے موسیٰ پر تورات نازل فرمائی- کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مرد کی منی سفید رنگ اور گاڑھی ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور پتلی اور ان میں جو غالب رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ اسی کے مشابہ پیدا ہوتا ہے- وہ بولے اے اللہ بے شک یہی بات ہے- آپ نے فرمایا اے اللہ تو بھی اس پر گواہ رہ پھر آپ نے فرمایا تم کو اس خدا تعالیٰ کی ذات کی قسم جس کے سواء معبود کوئی نہیں اور جس نے موسیٰ پر تورات نازل فرمائی' کیا تم نہیں جانتے کہ اس نبی کی ایک علامت یہ ہے کہ نیند صرف اس کی آنکھوں پر طاری ہوگی اس کے دل پر نہیں وہ اس حالت میں بھی بیدار رہے گا وہ بولے اے اللہ بے شک یہی بات ہے آپ نے فرمایا الٰہی تو بھی گواہ رہ اس کے بعد انہوں نے کہا آپ ایک آخری بات اور بتا دیجئے بس اس کے بعد یا تو ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے علیحدہ ہو جائیں گے اور وہ یہ کہ فرشتوں میں کون فرشتہ آپ کا رفیق کار ہے- آپ نے فرمایا میرے ولی اور رفیق کار جبرئیل ہیں اور مجھ سے پہلے جو نبی بھی ہوا ہے یہی اس کے رفیق کار رہے ہیں- یہ سن کر وہ بولے بس اسی بات پر ہم آپ سے علیحدہ ہوتے ہیں اگر ان کے سوا آپ کا رفیق کار کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے اور آپ کی تصدیق کرتے- آپ نے پوچھا ان کی تصدیق کرنے سے تمہیں کیا بات مانع ہے' انہوں نے کہا فرشتوں میں یہ ہمارا دشمن ہے- اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو (وہ ہو) کسی شک کے بغیر انہوں نے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن پاک آپ کے قلب پر نازل کیا ہے جو اس تورات کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہے-''

(ابوداؤد طیالسی)

ﷺ ..... صرف اتنا ہے کہ جس امر کو اہل کتاب نبوت کی نشانی سمجھتے چلے آئے تھے اور جو اشیاء ان کے بیان کے مطابق علوم نبوت میں شمار تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں سب موجود تھیں- آپ کے جواب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پوری دیانت داری کے ساتھ ہر امر کا صاف صاف اعلان کر دیا تھا اور ان کے ایمان کی خاطر اپنے بیان کے کسی پہلو میں ذرا سی لچک پیدا نہیں کی- حضرت جبرئیل علیہ السلام کے معاملہ میں جب انہوں نے اپنی عداوت کا اظہار کیا تو آپ بہت صفائی کے ساتھ یہاں ان سے الگ ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے دوست و دشمن میں بے وجہ سازگاری پیدا کرنے کی کوئی سعی نہیں کی- آپ کے اس بے لاگ اور واضح طرز عمل میں اہل فہم و انصاف کے لیے انبیاء علیہم السلام کی شناخت کے لیے ایک بڑی شاہراہ کھلتی ہے-

www.besturdubooks.net

(۹۸۰) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ حِبْرٌ مِنْ اَحْبَارِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ فَدَفَعْتُهُ دَفْعَةً كَادَ اَنْ يُصْرَعَ مِنْهَا فَقَالَ لِمَ تَدْفَعُنِيْ قَالَ قُلْتُ اَلَا تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّمَا سَمَّيْتُهُ بِاسْمِهِ الَّذِيْ سَمَّاهُ بِهِ اَهْلُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِسْمِيَ الَّذِيْ سَمَّانِيْ بِهِ اَهْلِيْ مُحَمَّدٌ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ جِئْتُ اَسْأَلُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفَعُكَ شَيْءٌ اِنْ حَدَّثْتُكَ قَالَ اَسْمَعُ بِاُذُنِيْ فَنَكَتَ بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ سَلْ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ اَيْنَ النَّاسُ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوَاتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّلْمَةِ دُوْنَ الْجِسْرِ. قَالَ فَمَنْ اَوَّلُ النَّاسِ اِجَازَةً قَالَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ. فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ فَمَا تُحْفَتُهُمْ حِيْنَ يَدْخُلُوْنَ قَالَ زِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ قَالَ فَمَا غِذَاؤُهُمْ عَلٰى اِثْرِهٖ قَالَ يُنْحَرُ لَهُمْ ثَوْرُ الْجَنَّةِ الَّذِيْ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ اَطْرَافِهَا قَالَ فَمَا شَرَابُهُمْ عَلَيْهِ. قَالَ مِنْ عَيْنٍ فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ وَ جِئْتُ اَسْأَلُكَ عَنْ شَيْءٍ لَا يَعْلَمُهٗ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْ رَجُلٌ اَوْ رَجُلَانِ قَالَ يَنْفَعُكَ اِنْ حَدَّثْتُكَ قَالَ اَسْمَعُكَ بِاُذُنِيْ قَالَ جِئْتُ اَسْأَلُكَ عَنِ الْوَلَدِ قَالَ مَاءُ الرَّجُلِ اَبْيَضُ وَ مَاءُ الْمَرْءَةِ

(۹۸۰) ثوبان بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑا ہوا تھا کہ یہود کا ایک عالم آیا اور بولا السلام علیک یا محمد- یہ سن کر میں نے اس کو ایسا دھکا دیا کہ وہ گرنے کے قریب ہوگیا- اس نے کہا تم نے مجھے کیوں دھکا دیا- میں نے کہا اس لیے کہ تو نے یا رسول اللہ کیوں نہیں کہا- وہ بولا میں نے آپ کا وہی نام تو لیا ہے جو آپ کے گھر والوں نے آپ کا رکھا ہے- یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- میرے گھر والوں نے میرا نام محمد ہی رکھا ہے اس کے بعد اس یہودی نے کہا میں آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے آیا ہوں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تجھ کو وہ باتیں بتا دوں تو تجھ کو کچھ فائدہ ہوگا؟ اس نے کہا میں اپنے کانوں سے سن لوں گا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زمین کریدنے لگے (جیسا کچھ سوچ رہے ہیں) اور فرمایا اچھا پوچھو- یہودی نے کہا (جس دن زمین دوسری صورت میں بدل دی جائے گی اور آسمان الخ) اس دن بھلا لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا- ایک تاریکی میں ہوں گے جو پل صراط سے پہلے ہو گی- اس نے پوچھا اچھا بتایئے سب سے پہلے پل صراط سے گزرنے والے کون لوگ ہیں؟ آپ نے جواب دیا مہاجرین کے فقیر- یہودی نے پوچھا جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان کا پہلا ناشتہ کیا ہوگا- آپ نے جواب دیا- مچھلی کے جگر کا جو حصہ بڑھا ہوا ہوتا ہے- اس نے پوچھا اس کے بعد پھر ان کو کیا کھانا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا- ایک بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے کناروں میں چرا ہوا ہوگا- اس نے پوچھا اچھا اس کے بعد ان کا پانی کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس چشمہ کا پانی ہوگا جس کا نام سلسبیل ہے اس کے بعد اس نے کہا بس ایک بات اور پوچھتا ہوں جس کو نبی کے سواء زمین پر بسنے والوں میں کوئی انسان نہیں جانتا یا ایک دو شخص اور- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں بتا دوں تو تجھ کو کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ اس نے کہا میں اپنے کان سے سن تو لوں گا- اس کے بعد اس نے کہا فرمایئے لڑکا کیسے بنتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

www.besturdubooks.net

اَصْفَرُ فَاِذَا اجْتَمَعَا فَعَلَ مَنِيُّ الرَّجُلِ مَنِيَّ الْمَرْاَةِ ذَكَرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اِذَا عَلَامَنِيُّ الْمَرْاَةِ مَنِيَّ الرَّجُلِ اُنْثٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ صَدَقْتَ وَ اِنَّكَ لَنَبِيٌّ ثُمَّ انْصَرَفَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ سَاَلَنِيْ هٰذَا الَّذِيْ سَاَلَنِيْ عَنْهُ وَ مَا اَعْلَمُ شَيْئًا مِنْهُ حَتّٰى اَتَانِيْ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(رواه مسلم و رواه عبد بن حميد في تفسيره)

یہ بات تو معلوم ہے کہ مرد کی منی سفید رنگ کی اور عورت کی زرد رنگ کی- جب دونوں جمع ہو جاتی ہیں تو اگر مرد کی منی غالب رہی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی غالب ہوئی تو اس کے حکم سے لڑکی ہوتی ہے- یہودی بولا آپ نے ٹھیک بتایا اور یقیناً آپ سچے نبی ہیں- یہ کہہ کر وہ چلا گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو باتیں اس نے مجھ سے دریافت کی تھیں اس کے پوچھنے سے پہلے ان میں کسی ایک بات کا بھی مجھ کو علم نہ تھا یہاں تک کہ (جب اس نے پوچھا) تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان کا علم عطا فرمادیا-

(مسلم شریف)

(۹۸۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيْظَانِ وَ كَانَ اِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ اِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ اِلَى الْمَيْسَرَةِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا تُرِيْدُ اِنَّمَا يُرِيْدُ اَنْ تَذْهَبَ بِمَا لِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ اِنِّيْ مِنْ اَتْقَاهُمْ وَ اٰدَّاهُمْ لِلْاَمَانَةِ.

(رواه الترمذي و النسائي)

(۹۸۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر دو موٹے موٹے کپڑے تھے جب آپ بیٹھتے اور آپ کو پسینہ آتا تو وہ پسینہ میں بھیگ کر اور بھاری ہو جاتے- حسب اتفاق شام سے فلاں یہودی کا کچھ کپڑا آیا تو میں نے عرض کی کاش آپ اس یہودی کے پاس کسی کو بھیج کر (دو ہلکے ہلکے) کپڑے خرید لیتے اس شرط سے کہ جب آپ کو گنجائش ہوگی تو اس کی قیمت ادا فرمادیں گے- آپ نے اس یہودی کے پاس کہلا بھیجا- اس نے یہ سن کر کہا اچھا میں آپ کا مطلب سمجھ گیا' آپ کا مقصد اس بہانہ سے صرف میرا مال مار لینا ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا یہ جھوٹ کہتا ہے' یہ خوب جانتا ہے کہ میں ان سب سے زیادہ متقی ہوں اور سب سے بڑھ کر امانت کا اداء کرنے والا ہوں-

(ترمذی-نسائی)

---

(۹۸۱) ٭ یہودی کی ناہموار فطرت کا تجربہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ہوتا چلا آرہا تھا اس یہودی سے بھلا کیا بعید تھا کہ وہ آپ پر بھی اس قسم کی بہتان طرازی سے کام لیتا لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کن بلند اخلاق کے مالک تھے کہ پورے اقتدار کے باوجود اس یہودی پر کوئی دفعہ جرم نہیں لگاتے اور صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ میری صفت کتب سابقہ میں موجود ہے- جس کو یہ بھی خوب جانتا ہے اس لیے میرے متعلق اس کا یہ بیان کسی غلط فہمی سے نہیں ہے بلکہ صریح کذب پر مبنی ہے- جہاں نبوت اور دلائل نبوت پر کسی نے کوئی حملہ کیا ہے آپ نے وہاں کھلے طور اس کی تردید کی ہے- اخلاق و رواداری اور اعلانِ حق اور اعلانِ حق اور کسی نصب العین کے تحفظ کے حدود اس ایک واقعہ سے سمجھ لینے چاہئیں-

www.besturdubooks.net

(۹۸۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَتْ قُرَيْشُ النَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَ عُقْبَةَ بْنَ اَبِيْ مُعَيْطٍ اِلَى اَحْبَارِ يَهُوْدَ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالُوْا لَهُمْ اَسْأَلُوْهُمْ عَنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَ صِفُوْا لَهُمْ صِفَتَهٗ وَ اَخْبِرُوْهُمْ بِقَوْلِهٖ فَاِنَّهُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ الْاَوَّلِ وَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ مَا لَيْسَ عِنْدَنَا مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِيَاءِ فَخَرَجَا حَتّٰى قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلُوْا اَحْبَارَ يَهُوْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ وَصَفُوْا لَهُمْ اَمْرَهٗ وَ بَعْضَ قَوْلِهٖ وَ قَالَا اِنَّكُمْ اَهْلُ التَّوْرَاةِ وَ قَدْ جِئْنَاكُمْ لِتُخْبِرُوْنَا عَنْ صَاحِبِنَا هٰذَا قَالَ فَقَالَتْ لَهُمْ اَحْبَارُ يَهُوْدَ سَلُوْهُ عَنْ ثَلَاثٍ فَاْمُرُكُمْ بِهِنَّ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِهِنَّ فَهُوَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَ اِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَالرَّجُلُ مُتَقَوِّلٌ فَرَوْا فِيْهِ رَأْيَكُمْ سَلُوْهُ عَنْ فِتْيَةٍ ذَهَبُوْا فِي الدَّهْرِ الْاَوَّلِ مَا كَانَ مِنْ اَمْرِهِمْ فَاِنَّهٗ قَدْ كَانَ لَهُمْ (حَدِيْثٌ عَجِيْبٌ وَ سَلُوْهُ عَنْ رَجُلٍ طَوَّافٍ بَلَغَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا مَا

(۹۸۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں' کہ قریش مکہ نے نضر بن الحارث اور عقبہ کو مدینہ کے یہودی علماء کے پاس بھیجا اور ان سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ کی ذرا ان سے تحقیق کریں اور ان کے سامنے ان کی شکل وشمائل بھی بیان کریں اور جو قرآن یہ ہم کو سناتے ہیں اس کی بھی ان کو خبر کردیں کیونکہ وہ لوگ پہلی کتابوں کے جاننے والے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو معلومات ان کو ہیں وہ ہم کو نہیں ہیں- یہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے اور یہود کے علماء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تحقیق کرنے لگے' ان سے کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی بیان کیے اور کلام پاک کا کچھ حصہ بھی سنایا اور کہنے لگے کہ آپ لوگ تورات کے عالم ہیں ہم اس لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے اس ہم وطن کے متعلق آپ ہم کو صحیح صحیح بات بتادیں- وہ بولے اس شخص سے جاکر تین باتیں پوچھنا اگر وہ تم کو بتادیں تو وہ یقینی خدا کی طرف سے نبی اور رسول ہیں اور اگر نہ بتائیں تو سمجھنا کہ افتراء پرداز آدمی ہے اور پھر جو سلوک تمہاری رائے میں آئے وہ کرنا- پہلی بات تو یہ پوچھنا کہ گذشتہ زمانہ میں نوجوانوں کی جو جماعت اپنے شہر سے باہر چلی گئی تھی ان کا قصہ کیا ہے- کیونکہ ان کا قصہ ایک عجیب قصہ ہے- دوسری بات یہ دریافت کرنا کہ جس شخص نے مشرق ومغرب کی سیاحت کی تھی اس کا قصہ کیا ہے اور روح کے متعلق بھی دریافت کرنا اس کی حقیقت کیا ہے اگر وہ ان

---

(۹۸۲) * حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین ارکان ہیں ایمان باللہ' ایمان بالرسول اور ایمان بالقیامۃ -اصحاب کہف کے اس قصہ میں ایمان کے ان ہر سہ اصول کی دلیلیں موجود ہیں- حسب بیان قرآن چونکہ اصحاب کہف تین سو سال کی مدت سے زیادہ عالم خواب میں پڑے رہے اس کے باوجود ان کے جسم بدستور صحیح وسالم تھے ان پر تغیر کا ذرا کہیں نام نہ آیا تھا اس سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ثبوت ملتا ہے- پھر جب اتنی طویل مدت کے بعد وہ بیدار ہوئے تو اس سے ثابت ہوتا کہ قیامت میں مردوں کا جی اٹھنا بھی حق ہے وہ بھی اسی طرح پھر زندہ ہوسکتے ہیں- اسی لیے اس واقعہ کو بیان فرما کر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا. (الکہف: ۲۱)

اور اسی طرح ہم نے ان کو خبر ظاہر کردی کہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے- ؎.....

www.besturdubooks.net

كَانَ نَبَأُهُ وَ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ مَا هُوَ فَإِنْ اَخْبَرَكُمْ بِذٰلِكَ فَإِنَّهُ نَبِيٌّ فَاتَّبِعُوْهُ وَ إِنْ هُوَ لَمْ يَفْعَلْ فَهُوَ رَجُلٌ مُتَقَوِّلٌ فَاصْنَعُوْا فِيْ اَمْرِهٖ مَا بَدَالَكُمْ فَاَقْبَلَ النَّضْرُ وَ عُقْبَةُ حَتّٰى قَدِمَا مَكَّةَ عَلٰى قُرَيْشٍ فَقَالَا يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ قَدْ جِئْنَاكُمْ بِفَصْلِ مَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ اَمَرَنَا اَحْبَارُ

سب باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیں تو یقیناً وہ سچے نبی ہیں' ان کی پیروی کرنا اور اگر نہ بتا سکیں تو وہ کوئی افتراء پرداز آدمی ہے پھر اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرنا- نضر اور عقبہ یہ باتیں سن کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے اور جب یہاں پہنچے تو قریش سے کہا- اے قریش ہم تمہارے پاس ایک ایسی بات لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں فیصلہ کن ہے- ہم سے یہود کے علماء نے یہ کہا ہے کہ ہم ان سے چند باتیں دریافت کریں اور وہ سب باتیں بیان کیں- اس کے بعد رسول اللہ

ﷺ ..... اور چونکہ اس عجیب درعجیب قصہ کی اطلاع آپ نے کسی سے حاصل کیے بغیر یہود کو دے دی اس لیے آپ کی نبوت بھی ثابت ہو گئی کیونکہ یہود کو یہ معلوم تھا کہ اس قصہ کی اطلاع یا تو نبی کو ہو سکتی ہے یا اس کو ہو سکتی ہے جس کو نبی اطلاع دے یہ بات تو ظاہر تھی کہ آپ کو کسی اور شخص نے اس کی اطلاع نہیں دی- اب رہا کسی نبی کا براہِ راست آپ کو اطلاع دینا تو اس کا یہاں کوئی امکان ہی نہ تھا- لہٰذا ایک صورت اب بھی باقی رہ گئی تھی کہ وحی الٰہی نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہو- اسی لیے انہوں نے اس کو آپ کی نبوت کا معیار قرار دے دیا تھا-

حافظ سہیلیؒ اصحابِ کہف پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان واقعات کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کر دینا گویا یہ سب آپ کے چشم دید حالات تھے- حتی کہ ان کے کتے کی نشست کی صورت بھی بالخصوص جب کہ ماحول ایسا ہو کہ ایک بہادر انسان بھی اس کو غور کے ساتھ دیکھ نہ سکتا ہو اس کی صریح دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں- (الروض الانف ص ۱۹۲ ج ۱)

اس تاریخی اور اہم واقعہ کے متعلق بعض آزاد خیال مصنفین اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دعوتِ مسیحی کی ابتدائی صدیوں ہی میں رہبانیت کی بنیاد پڑ چکی تھی اور کچھ لوگ عبادت کے شوق میں پہاڑوں میں چھپ چھپ کر اپنی عمریں اسی طرح ختم کر دینے کے عادی ہو چکے تھے کچھ عرصہ کے بعد مختلف شکلوں سے جو عبادتیں وہ کرتے اسی حالت میں ان کا انتقال ہو جاتا اور آخر سوکھ سوکھ کر ان کے ڈھانچے اسی شکل پر رہ جاتے- یہ لکھ کر انہوں نے اس واقعہ کا سرا بھی محض اپنی قیاس آرائی سے اس مسیحی رہبانیت سے جا ملایا ہے اور پھر اسی مفروضہ صورت پر قرآنی آیات کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ واقعہ اتنا اہم تھا کہ اس کو پورے طور پر تاریخی روشنی میں پیش کرنے کی ضرورت تھی- یہاں صاحب معجم کا بیان تو یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے بھی چار سو سال قبل کا واقعہ ہے- حافظ ابن کثیر کا میلان بھی اسی طرف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اس قصہ کا چرچا یہود کے درمیان بھی تھا تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے یقیناً قبل کا ہے- لہٰذا بعض مفسرین کا اس کو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا واقعہ کہنا درست نہیں ہو سکتا- البدایہ والنہایہ ص ۱۱۴ ج ۲- اسی کے ساتھ انہوں نے عبادۃ بن صامتؓ سے ایک روایت پیش کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب ان کو شاہِ روم کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا گیا تو قسطنطنیہ کے ایک پہاڑ میں جا کر انہوں نے بچشم خود اصحاب کہف کو دیکھا تھا' پھر ان کا عدد وشمار' ان کی صورتیں اور ان کے لباس کی پوری تفصیل بھی بیان کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک بھی ان کے جسم پورے طور پر محفوظ تھے یہ سب کچھ تحریر فرما کر صاحب معجم لکھتے ہیں "هذا ما نقلته من كتب الثقات و الله اعلم بصحته" معجم البلدان ص ۳۷۴ ج ۴- ﷺ .....

www.besturdubooks.net

يَهُودَ اَنْ نَسْأَلَهُ عَنْ اُمُوْرٍ فَاَخْبَرُوْهُمْ بِهَا	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
فَجَاءُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)	آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو ان سوالوں کا جواب بتایئے اور وہ سوالات
فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ خَبِّرْنَا فَسَأَلُوْهُ عَمَّا اَمَرَ وَهُمْ	ذکر کیے جو یہود نے ان کو بتائے تھے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں
بِهٖ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	ان کا جواب دیتا ہوں- اس پر جبرئیل علیہ السلام سورۂ کہف لے کر تشریف
وَسَلَّمَ اُخْبِرُكُمْ وَ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ مِنَ اللّٰهِ	لے آئے جس میں ان نوجوانوں کا اور اس سیاح شخص کا قصہ بیان کیا
بِسُوْرَةِ الْكَهْفِ فِيْهَا خَبَرُ مَا سَأَلُوْهُ عَنْهُ مِنْ	گیا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾

لہ ..... حافظ سہیلیؒ نے ان کے جسموں کی بقاء اور عدم بقاء کے متعلق صرف ابن عباسؓ سے اتنا نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ باقی نہیں رہے تھے- ان حالات میں اس کو مسیحی رہبانیت کا نتیجہ قرار دے دینا اور اصحاب کہف کے اجسام کا عام انسانوں کی طرح سڑ گل کر برابر ہو جانا تاریخی بیان کے سراسر خلاف ہے رہا یہ کہ قرآنی آیات میں اس کے لیے کتنی گنجائش ہے تو اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں- پھر عجائبات قدرت کا صرف اصحاب کہف ہی ایک نمونہ نہ تھے بلکہ اس کی اور بہت مثالیں قرآن پاک میں موجود ہیں:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ	مثال کے طور پر اس شخص کو دیکھو جن کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر
عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ	اوندھی گری پڑی تھی وہ بولے بھلا ایسی (برباد شدہ) بستی کو اللہ تعالیٰ پھر کہاں
بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ	زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی- اور وہ سو سال تک اسی طرح
بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ	مردہ رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندگی بخشی اور ان سے پوچھا بتاؤ تم اس
بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ	حالت میں کتنی مدت سے ہو؟ انہوں نے عرض کی دن بھر یا صرف چند گھنٹے
فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ	گذرے ہوں گے- فرمایا نہیں تم پر سو سال اسی حالت میں گذر چکے ہیں اب
يَتَسَنَّهْ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ	ذرا اپنے کھانے اور پینے کو دیکھو اس میں ذرا تغیر نہیں ہوا دوسری طرف اپنے
لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى	گدھے کو دیکھو (کہ اس کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی ہیں) یہ سب اس لیے ہوا
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا	کہ ہم نے چاہا کہ تم کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں اب ان ہڈیوں کو دیکھو
لَحْمًا.	کس طرح ہم ان کو ابھار کر جوڑ دیتے ہیں اور پھر کس طرح ان پر گوشت پوست
(البقرہ : ۲۵۹)	چڑھاتے ہیں-

ان دونوں واقعات کو سامنے رکھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اصحاب کہف کے قصہ میں بھی اپنی نیند کی مدت کے متعلق باہم سوال ہوا تھا "قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ" تم لوگ کتنی مدت اس حالت پر رہے- پھر ان کا جواب یہ تھا قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ - اور یہاں خدا تعالیٰ کے یہ برگزیدہ نبی جب دوبارہ جی اٹھے تو ان سے بھی سوال یہی ہوا "كَمْ لَبِثْتَ" جواب ان کا بھی یہی تھا "لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" (ایک دن یا ایک دن سے بھی کم) فرق یہ ہے کہ اس برگزیدہ رسول کو ان کی موت کی مدت بتا دی گئی اور اصحاب کہف کے متعلق صرف اتنی بات پر اکتفاء کی گئی "رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ" اسی طرح اصحاب کہف کے ساتھ بھی ایک جانور تھا اور یہاں بھی ایک جانور تھا- فرق یہ ہے لہ .....

www.besturdubooks.net

اَمْرِ الْغِيبَةِ وَ الرَّجُلِ الطَّوَّافِ وَ قَوْلِ اللّٰهِ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ . (ذكره محمد ابن اسحق كما فى الجواب الصحيح)

یہ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں - آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ایک حکم ہے -
(الجواب الصحیح)

(۹۸۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا اَرَادَ هُدٰى زَيْدِ ابْنِ سَعْنَةَ قَالَ زَيْدٌ لَمْ يَبْقَ شَيْءٌ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُهَا فِيْ وَجْهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ نَظَرْتُ اِلَيْهِ اِلَّا اثْنَتَيْنِ لَمْ اُخْبَرْبِهِمَا مِنْهُ يَسْبِقُ عِلْمُهُ جَهْلَهُ وَ لَا يَزِيْدُهُ شِدَّةُ الْجَهْلِ عَلَيْهِ اِلَّا حِلْمًا قَالَ فَكُنْتُ اَتَلَطَّفُ لَهُ لِاَنْ اُخَالِطَهُ

(۹۸۳) عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا تو یوں ہوا کہ زید نے (اپنے دل میں کہا) کہ نبوت کی جتنی علامتیں تھیں وہ سب کی سب تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں پہچان چکا ہوں بجز دو علامتوں کے جن کے متعلق مجھ کو (ہنوز) کوئی بات معلوم نہیں ہوئی - ایک تو یہ کہ ان کی بردباری ان کی ترش مزاجی سے بہت بڑھی ہوئی ہوگی دوم یہ کہ جتنا ان کے ساتھ بگڑو گے اتنا ہی ان کی شانِ بردباری اور زیادہ ہوتی جائے گی - وہ کہتے ہیں کہ میں

ؒ ..... کہ اصحابِ کہف کا کتا صحیح وسلامت موجود تھا لیکن ان بزرگ نبی کا کھانا تو بدستور تھا مگر ان کا گدھا گل سڑ کر برابر ہو گیا تھا - دونوں واقعات میں اللہ تعالیٰ کی زبردست نشانیاں موجود ہیں - مگر یہ ظاہر کہ جتنا مردہ انسان کا اتنی طویل مدت کے بعد پھر زندہ ہو جانا عجیب ہے چند افراد کا چند صدیاں حالتِ خواب میں رہ کر بیدار ہو جانا اتنا عجیب نہیں - اسی طرح ایک کتے کا اتنی طویل مدت تک صحیح و سالم رہنا اتنا بعید نہیں جتنا بعید کہ کھانے جیسے سریع الفساد چیز کا نہ سڑنا اور گدھے کا آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جانا عجیب ہے - اس لیے فرمایا ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا﴾ (الكهف : ۹) کیا تم خیال کرتے ہو کہ اصحابِ کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں عجیب تھے - یعنی ہماری نشانیاں اور ہماری قدرت کے کرشمے اس سے بھی زیادہ عجیب در عجیب موجود ہیں - پس اگر ایک اصحابِ کہف کے عجیب قصہ کو دنیا کے واقعات کے عام سطح پر سمجھ لیا جائے تو بھی فائدہ کیا ہے جب تک کہ سارے قرآن کریم ہی کو از اول تا آخر بدلا نہ جائے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے انحطاط کے ہر دور میں دماغ اس کے در پے رہے ہیں کہ اس قسم کی تمام آیات پر بھی ہاتھ صاف کریں اور گویا اس طرح اپنے زعم باطل میں اسلام کو مادی عقول کے فہم کے لیے زیادہ سے زیادہ قریب لے آئیں مگر اس قسم کے واقعات قرآن کریم میں اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اب تک یہ سعی نافرجام پوری نہیں ہو سکی - اسلام کی اس مزعوم خیر خواہی کے ساتھ ساتھ اس کے اس پہلو پر بھی نظر ڈالنی بھی ضرور تھی کہ اگر قرآن کریم کے اوراق سے ان سب آیات کو اس طرح مسخ کر دیا گیا تو پھر اس میں دلائل ربوبیت کا حصہ کتنا باقی رہ جاتا ہے - اگر دنیا میں احیاء موتی کی ایک مثال بھی باقی نہیں رہتی تو پھر قیامت کے یقین اور خدا تعالیٰ کے اسم "الحیی" کا ثبوت کیا ہوگا؟

(۹۸۳) * چونکہ زید یہاں ایک معیاری آزمائش کرنے کے لیے آئے تھے اس لیے انہوں نے آتے ہی ایسی ناشائستہ حرکات اور ایسے نازیبا کلمات منہ سے نکالنے شروع کر دیئے جن کو سن کر ایک مرتبہ تو ٹھنڈے سے ٹھنڈے انسان کی رگِ حمیت بھی بھڑک اٹھے - اوّل تو آتے ہی مجرم کی طرح آپ کو لپٹ گئے پھر کسی گفتگو کے بغیر نہ صرف آپ کی ذات بلکہ آپ کے سارے خاندان پر ایسی بات کا بٹہ لگانے ؒ .....

www.besturdubooks.net

فَاَعْرِفُ حِلْمَهُ وَ جَهْلَهُ فَذَكَرَ قِصَّةَ اِسْلَافِهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا فِيْ ثَمَرَةٍ قَالَ فَلَمَّا حَلَّ الْاَجَلُ اَتَيْتُ فَاَخَذْتُ بِمَجَامِعِ قَمِيْصِهِ وَ رِدَائِهِ وَ هُوَ فِيْ جَنَازَةٍ مَعَ اَصْحَابِهِ وَ نَظَرْتُ اِلَيْهِ بِوَجْهٍ غَلِيْظٍ وَ قُلْتُ يَا مُحَمَّدُ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَلَا تَقْضِيْنِيْ حَقِّيْ؟ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُكُمْ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَمُطْلٌ قَالَ فَنَظَرَ اِلَى عُمَرَ وَ عَيْنَاهُ يَدُوْرَانِ فِيْ وَجْهِهِ كَالْفَلَكِ الْمُسْتَدِيْرِ. ثُمَّ قَالَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ اَتَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَسْمَعُ وَ تَفْعَلُ مَا اَرٰى فَوَاللّٰهِ الَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَوْ لَا اُحَاذِرُ لَوْمَهُ لَضَرَبْتُ بِسَيْفِيْ رَأْسَكَ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَى عُمَرَ فِيْ سُكُوْنٍ وَتُؤَدَةٍ وَ تَبَسُّمٍ. ثُمَّ قَالَ اَنَا وَ هُوَ كُنَّا اَحْوَجَ اِلَى غَيْرِ هٰذَا مِنْكَ يَا عُمَرُ اَنْ تَأْمُرَنِيْ بِحُسْنِ الْاَدَاءِ وَ تَأْمُرَهُ بِحُسْنِ التِّبَاعَةِ اِذْهَبْ بِهِ يَا عُمَرُ فَاقْضِهِ حَقَّهُ وَ زِدْ عِشْرِيْنَ

اس تدبیر میں لگا رہا کہ ذرا ان سے بے تکلفی پیدا کرلوں تو ان کی بردباری اور ترش مزاجی کا بھی کچھ اندازہ لگالوں- اس کے بعد انہوں نے پھلوں کے معاملہ میں آپ کو کچھ مال قرض دینے کا قصہ ذکر کیا یہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرض کی مدت پوری ہوگئی تو میں آپ کے پاس آیا اور میں نے آپ کے قمیص اور چادر کے کنارے پکڑ لیے اس وقت آپ اپنے کسی صحابی کے جنازہ میں جارہے تھے اور میں نے خوب غصہ کا منہ بنا کر آپ کو دیکھا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا حق کیوں ادا نہیں کرتے خدا کی قسم جہاں تک میرا تجربہ ہے تم سب عبدالمطلب والوں کی عادت قرض کے معاملہ میں یونہی ٹال مٹول کرنے کی ہے- یہ بیان کرتے ہیں یہ سن کر عمرؓ نے غضب ناک صورت میں میری طرف دیکھا اور مارے غصہ کے اس وقت ان کی آنکھیں چرخ دوار کی طرح تیزی کے ساتھ گردش کررہی تھیں- اس کے بعد بولے او خدا کے دشمن تو آپ کی خدمت میں یہ بکواس کررہا ہے اور میں سن رہا ہوں اور آپ کے ساتھ ایسی گستاخانہ حرکات بھی کررہا ہے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے اگر مجھے آپ کی ناراضی کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار ابھی تیرے سر پر رسید کرتا- ادھر عمرؓ یہ فرمارہے تھے' ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سکون و وقار کے ساتھ ان کو دیکھتے جاتے تھے اور مسکراتے جاتے تھے- اس کے بعد آپ نے فرمایا تم مجھ کو اور اس کو ان باتوں کی بجائے کچھ اور سمجھاتے تو زیادہ مناسب ہوتا- مجھ سے یہ کہتے کہ اس کا قرض تاخیر کے بغیر پورا پورا ادا کردو'

لـه ..... لگے جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا' مگر جو ذات ہر کسوٹی پر کھری اور ہر امتحان میں پوری اتری تھی وہ یہاں بھی اپنا جوہر دکھائے بغیر نہ رہی یعنی اس سب کے بعد بھی یوں معلوم ہورہا تھا گویا آپ کے ساتھ کچھ ہوا ہی نہیں تھا- عمر رضی اللہ عنہ کی اتیانہ غیرت ہزار جوش مار رہی تھی مگر حلم نبوت کے سامنے کیا تاب وطاقت تھی چہرہ پر بل پر بل آتے رہے مگر نہ ایک قدم اپنی جگہ سے آگے ہلا سکے اور نہ کچھ سخت وست کہہ کر ہی دل کی بھڑاس نکال سکے- فداکاروں کی حالت تو یہ تھی اور جن کی خاطر یہ سارا غصہ تھا ان کی شان حلم یہ تھی کہ چہرہ مسکرارہا تھا اور اسی حالت میں جو موتی دہن مبارک سے بکھرے وہ آپ کے خزانہ نبوت کے سچے گواہ بن کر بکھرے- سبحان اللہ وہ جماعت کدھر ہے جو کہتی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے- حقیقت یہ ہے کہ جس کے سامنے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کچھ بھی رہی ہے اس کو آپ کی تصدیق میں کبھی ذرا پس وپیش نہیں ہوا- وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

www.besturdubooks.net

صاعًا من ثمرٍ فاسلم زيد بن سعنة و شهد بقية المشاهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم و توفي عام تبوك رحمه الله تعالى.

(رواه ابن كثير في البداية ص ۳۱۰ ج ۲ و ابو نعيم في الدلائل ابسط منه)

اوراس سے یہ کہتے کہ خوبصورتی کے ساتھ تقاضہ کرنا اے عمر جاؤ اوراس کا قرض اداء کردو اور کھجور کے بیس صاع اس کو اور دے دینا- آپ کی بردباری کا یہ نقشہ دیکھ کر زید اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بقیہ جنگوں میں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہی رہے اور جس سال تبوک کی جنگ ہوئی تھی اس سال میں ان کی وفات ہوئی- رضی اللہ تعالیٰ عنہ-

(دلائل النبوۃ لابی نعیم)

(۹۸۴) عن ابی سلمة بن عبدالرحمن رضی الله تعالى عنه ان جابر بن عبدالله قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم نجني الكباث و ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عليكم بالاسود منه فانه اطيبه قالوا اكنت ترعى الغنم قال و هل من نبي الا وقد رعاها.

(رواه البخاری)

(۹۸۴) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ایک موقع پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیلو کے درخت کے پھل توڑ رہے تھے آپ نے فرمایا دیکھو ان میں سے جو سیاہ ہوں وہ توڑنا کیونکہ وہی بہتر ہوتے ہیں- اس ذیل میں صحابہؓ نے آپ سے پوچھا کیا آپ نے کبھی بکریاں چرائی ہیں (کیونکہ جنگل کے اس قسم کے پھلوں کا تجربہ بیشتر ایسے ہی لوگوں کو ہوتا تھا جن کو اس سلسلہ سے جنگل میں رہنے کا زیادہ اتفاق ہو) آپ نے فرمایا ایسا کون نبی گذرا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں- (بخاری شریف)

(۹۸۵) عن ابی هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ما بعث الله الا رعى الغنم فقال اصحابه و انت فقال نعم كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة. (رواه البخاری)

(۹۸۵) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا ہے اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں صحابہؓ نے عرض کی کیا آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا جی ہاں میں بھی چند قیراط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا- (بخاری شریف)

---

(۹۸۵) * بکریاں چرانی ایک بہت ہی معمولی چیز ہے لیکن تاریخ نبوت میں چونکہ اس کو بھی ایک اہمیت حاصل تھی- اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کا ثبوت بھی ملنا ضروری تھا- اس کا یہ مطلب نہیں کہ بکریاں چرانا نبوت کے ایسے لوازم میں سے ہے کہ ہر چرواہا نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو نبی ہوا ہے اس کی زندگی میں یہ جزئی ضرور پیش آئی ہے- چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا خود قرآن کریم کے اشارات سے ثابت ہے- اب رہی یہ بحث کہ بکریاں چرانے کی اتنی اہمیت کیا ہے یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے- اس پر علماء نے علیحدہ بحث کی ہے- اتنا سب جانتے ہیں کہ طبیعت کو غم کا خوگر بنانے کے لیے مشکل سے شاید کوئی دوسری ٹریننگ اس سے زیادہ مؤثر ہوتی کہ فارسی زبان میں یہ ایک مثل ہی بن گئی ہے کہ ''غم نہ داری بز بخر'' پھر انجیل میں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بازبان مبارک سے بنی اسرائیل کو جگہ جگہ بھیڑوں کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے گویا ایک گمراہ امت کا نقشہ سمجھنے کے لیے جو کسی ایسے میدان میں نکل گئی ہو جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ ہو اور پھر چاروں طرف سے ڈاکوؤں اور قزاقوں میں گھر گئی ہے بکریوں للہ .....

www.besturdubooks.net

(۹۸۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ خَرَجْنَا مِنْ قَوْمِنَا غِفَارٍ وَ كَانُوْا يُحِلُّوْنَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ فَخَرَجْتُ اَنَا وَ اَخِيْ اُنَيْسٌ. فَنَزَلْنَا عَلٰى خَالٍ لَنَا فَاَكْرَمَنَا وَ اَحْسَنَ اِلَيْنَا فَقَالَ اُنَيْسٌ اِنَّ لِيْ حَاجَةً بِمَكَّةَ فَانْطَلَقَ اُنَيْسٌ حَتّٰى اَتٰى مَكَّةَ فَقُلْتُ مَا صَنَعْتَ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا بِمَكَّةَ يَزْعُمُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ قُلْتُ فَمَا يَقُوْلُ النَّاسُ قَالَ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ كَاهِنٌ سَاحِرٌ وَ كَانَ اُنَيْسٌ اَحَدَ الشُّعَرَاءِ قَالَ اُنَيْسٌ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ فَمَا هُوَ بِقَوْلِهِمْ وَ لَقَدْ وَضَعْتُ قَوْلَهٗ عَلٰى اَقْرَاءِ الشُّعَرَاءِ فَمَا يَلْتَئِمُ وَ عَلٰى لِسَانِ اَحَدٍ يَقْرِئُ بَعْدِيْ اَنَّهٗ شِعْرٌ وَ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَصَادِقٌ وَ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ و ذكر القصة و صفة اسلامه. (رواه الشيخان)

(۹۸۶) عبداللہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا میں اور میرے بھائی انیس اپنی قوم غفار کے ساتھ ایک مرتبہ سفر کے لیے نکلے اور اپنے ماموں کے یہاں جا کر مہمان ہوئے' انہوں نے ہمارا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ انیس نے کہا مجھے مکہ میں کچھ کام ہے یہ کہہ کر انیس چل پڑے یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے (واپسی پر) میں نے کہا آپ نے وہاں کیا کام کیا؟ انہوں نے کہا وہاں میں نے ایک شخص سے ملاقات کی جس کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے کہا اچھا تو ان کے متعلق لوگوں کا خیال کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کہتے ہیں کہ شاعر ہے' کاہن ہے' جادوگر ہے' یہ انیس خود بھی شاعر تھے۔ انیس کہنے لگے۔ میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے یہ ان کا سا کلام نہیں ہے اور میں نے اس کو شعراء کے اوزان پر بھی رکھ کر دیکھا تو کسی ایک وزن کے رنگ سے میل نہیں کھاتا۔ خدا کی قسم وہ یقیناً سچے ہیں جو لوگ یہ باتیں بناتے ہیں وہ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے مشرف باسلام ہو جانے کا سب قصہ بیان کیا۔

(شیخین)

(۹۸۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ الْمَلَاُ وَ اَبُوْ جَهْلٍ لَقَدْ غَلَبَنَا اَمْرُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَلَوِ الْتَمَسْتُمْ رَجُلًا عَالِمًا بِالشِّعْرِ وَالْكَهَانَةِ وَ

(۹۸۷) جابر بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل اور اس کے سب اہل محفل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ نے تو ہم کو اب عاجز کر دیا ہے۔ کوئی آدمی ایسا تلاش کرو جو شعر و سخن' کہانت اور جادو کا ماہر ہو وہ اس کے پاس جائے اور پھر ہم سے آ کر حقیقت حال بیان کرے۔ اس پر عتبہ نے کہا خدا

لله ..... کے اس گلہ سے زیادہ کوئی اور دوسرا صحیح نقشہ نہیں ہو سکتا جو ایک بے آب و گیاہ میدان میں بھیڑیوں کے بیچ میں جا پھنسا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف ان کی ناسمجھی' دوسری طرف بھیڑیوں سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ان کے بقاء حیات کے لیے ایسے محل میں خورد و نوش کا انتظام کرنا یہ کتنی دردسری' کتنی دردمندی اور کتنے نظم و ہوشیاری کا محتاج ہوگا اس لیے انبیاء علیہم السلام کو انسانوں کے حوالے کرنے سے قبل تھوڑی سی ٹریننگ حیوانات سے شروع کی جاتی ہے تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کے پہلے سے خوگر ہو جائیں۔ وہ اپنی امت کو محرمات کی چراگاہوں سے بچا بچا کر حلال کے میدانوں میں لے جائیں اور جوان سے بھاگ کر محرمات میں منہ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کو پکڑ پکڑ کر کھینچ لیں۔ اس جگہ حدیث نمبر ۶۶ اور اس کا نوٹ جلد اول ''ترجمان السنۃ'' میں ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ اس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا حال سمجھنے کے لیے چراغ میں جلنے والے پروانوں اور ان کے بچانے والوں کا نقشہ بیان فرمایا گیا ہے اور قابل ملاحظہ ہے۔

www.besturdubooks.net

السحر فاتاه فكلمه فاتانا ببيان من امره قال عتبة بن ربيعة و الله لقد سمعت الشعر و الكهانة و السحر و علمت من ذلک علما فما يخفى علىّ ان كان ذلک فاتاه فخرج اليه فلما فرغ قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم "بسم الله الرحمن الرحيم. حم تنزيل من الرحمن الرحيم كتاب فصلت ايته الى قوله فقال ﴿انذرتكم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود﴾ (فصلت: ۱-۱۳) فامسک عتبة على فيه و ناشده بالرحم ان يكف و رجع الى اهله فلم يخرج الى قريش فاحتبس عنهم عتبة فقال ابوجهل يا معشر قريش و الله ما نرى عتبة الا قد صبى الى محمد (صلى الله عليه وسلم) فاتاه ابوجهل فقال يا عتبة ما حبسک عنا الا انک صبوت الى محمد فغضب و اقسم ان لا يكلم محمدا ابدا و قال لقد علمتم انى من اكثر قريش ما لا و لكنى و قصصت عليه القصة فاجابنى بشيء و الله ما هو بشعر و لا كهانة و لا سحر. (رواه ابن مردويه فى كتاب التفسير و يحيى بن معين و ابو يعلى فى مسنده و رواه عبد بن حميد عن شيخ ابى يعلى كما فى الجواب الصحيح ص ٤٥ ج ٤. و راجع قصة ضماد من ترجمان السنة ص ١٦٤ ج ٢)

کی قسم میں نے شعر' کہانت اور سحر سب سنے ہیں اور مجھے ان کا اچھا علم حاصل ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی ہوگی تو وہ مجھ سے چھپ نہ سکے گی- عتبہ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا (اور آپؐ سے طرح طرح کی لالچ کی باتیں کرنے لگا- آپؐ سب خاموش سنتے رہے) جب وہ سب کہہ چکا تو اس کے جواب میں آپؐ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں یہاں تک کہ جب پڑھتے پڑھتے آپ ان آیتوں پر پہنچے ﴿فقد انذرتكم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود﴾ (فصلت: ۱-۱۳) (جس میں یہ جتایا گیا تھا کہ اگر باز نہ آؤ گے تو پھر عاد و ثمود کی طرح برباد ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ) تو (عتبہ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ عذاب اب آیا چاہتا ہے) اس نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا آپ اور آگے نہ پڑھیں وہ اپنے گھر آ کر بیٹھ رہا اور قریش کے پاس ہی نہ گیا اور مدت تک ان سے ملاقات نہیں کی- اس پر ابوجہل نے کہا خدا کی قسم ہمارا خیال ہے ضرور عتبہ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف مائل ہو گیا ہے- اس کے بعد ابوجہل اس کے پاس گیا اور کہا- عتبہ! کہو ہم سے کیوں نہیں ملتے' یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ تم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب ڈھل گئے ہو- اگر کچھ ضرورت ہو تو ہم تم کو مال جمع کر کے دے دیں تا کہ تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کھانے سے بے نیازی ہو جائے- یہ سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور قسم کھائی کہ محمدؐ سے آئندہ کبھی بات چیت بھی نہ کرے گا- اور کہا تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال دار آدمی ہوں لیکن بات یہ ہوئی کہ جب میں ان کے پاس گیا- اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا- اس کے جواب میں انہوں نے مجھ کو ایسا کلام سنایا جو نہ شعر تھا نہ کہانت اور نہ جادو اور سورہ حم سجدہ کی آیتیں مجھے سنائیں جب اس میں پہلی قوموں کے عذاب کا ذکر آیا تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور ان کو اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ بس آگے نہ پڑھیں- تم سب جانتے ہو کہ محمدؐ جب کوئی بات منہ سے نکالتے ہیں تو اس میں ذرا جھوٹ نہیں ہوتا- مجھے یہ ڈر ہو گیا تھا کہیں تم پر بھی عذاب نہ آ جائے- (تفسیر ابن مردویہ' کذا فی الجواب الصحیح)

www.besturdubooks.net

(۹۸۸) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَامَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ وَ اللّٰهِ لَقَدْ نَزَلَ بِكُمْ اَمْرٌ مَا ابْتُلِيْتُمْ بِمِثْلِهٖ لَقَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فِيْكُمْ غُلَامًا حَدَثًا اَرْضَاكُمْ فِيْكُمْ وَ اَصْدَقَكُمْ حَدِيْثًا وَ اَعْظَمَكُمْ اَمَانَةً حَتّٰى اِذَا رَاَيْتُمْ فِيْ صُدْغِهِ الشَّيْبَ وَ جَاءَكُمْ بِمَا جَاءَكُمْ بِهٖ قُلْتُمْ سَاحِرٌ لَا وَ اللّٰهِ مَا هُوَ بِسَاحِرٍ قَدْ رَاَيْنَا السَّحَرَةَ وَ نَفْثَهُمْ وَ عُقَدَهُمْ وَ قُلْتُمْ كَاهِنٌ لَا وَ اللّٰهِ مَا هُوَ بِكَاهِنٍ قَدْ رَاَيْنَا الْكَهَنَةَ وَ سَمِعْنَا سَجْعَهُمْ وَ قُلْتُمْ شَاعِرٌ لَا وَ اللّٰهِ مَا هُوَ بِشَاعِرٍ لَقَدْ رَوَيْنَا الشِّعْرَ وَ سَمِعْنَا اَصْنَافَهٗ كُلَّهَا مُخَرَّجَهٗ وَ رَجَزَهٗ وَ قَرِيْضَهٗ وَ قُلْتُمْ مَجْنُوْنٌ وَ لَا وَ اللّٰهِ مَا هُوَ بِمَجْنُوْنٍ لَقَدْ رَاَيْنَا الْمَجْنُوْنَ فَمَا هُوَ بِخَنَقِهٖ وَ لَا تَخْلِيْطِهٖ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اُنْظُرُوْا فِيْ شَاْنِكُمْ فَاِنَّهٗ وَ اللّٰهِ لَقَدْ نَزَلَ بِكُمْ اَمْرٌ عَظِيْمٌ وَ كَانَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ مِنْ شَيَاطِيْنِ قُرَيْشٍ وَ مِمَّنْ يُؤْذِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَنْصِبُ لَهُ الْعَدَاوَةَ.

(رواه ابن اسحاق كما في الجواب الصحيح)

(۹۸۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نضر بن الحارث کھڑا ہوکر بولا! اے جماعت قریش خدا کی قسم تم اس وقت ایک ایسی آزمائش میں پھنس گئے ہو کہ اس سے پہلے کبھی نہ پھنسے تھے۔ تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ہی میں کے ایک نوجوان شخص ہیں جو تم میں سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ راست گو اور سب سے بڑھ کر امانت دار شخص تھے یہاں تک کہ جب ان کی عمر پختہ ہوگئی اور ان کی کنپٹیوں میں تم نے بڑھاپے کی سفیدی دیکھ لی اور تمہارے پاس دین لے کر وہ آئے تو اب تم نے ان کو جادوگر کہہ دیا۔ خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں ہو سکتے، ہم نے جادوگروں کو دیکھا ہے نہ تو ان کی طرح سے وہ منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں اور نہ ان کی طرح گنڈے بناتے ہیں اور کبھی تم نے ان کو کاہن ٹھہرایا خدا کی قسم وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے کاہن بھی بہت دیکھے ہیں اور ان کی تک بندیاں بھی سنی ہیں اور کبھی تم نے ان کو شاعر کہا خدا کی قسم وہ شاعر بھی نہیں ہمارے سامنے شعر کی روایات بھی ہیں اور ہم نے ان کی سب اقسام سنی ہیں (ان کا کلام نہ تو کاہنوں کے سجع بندیوں سے ملتا ہے نہ شاعروں کے شعروں سے) تم میں کسی نے ان کو مجنون بھی قرار دیا۔ خدا کی قسم وہ مجنون بھی نہیں ہم نے دیوانے بہت دیکھے ہیں، دیوانوں کی ایک علامت بھی ان میں نہیں۔ نہ ان کی سی بے ہوشی ان پر طاری ہوتی ہے نہ یہ ان کی سی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ اے قریش کی جماعت اپنے معاملہ میں ذرا پورے غور سے کام لو، بخدا تم بڑی آزمائش میں پڑ گئے ہو۔ راوی بیان کرتا ہے یہ نضر بن حارث قریش بھر میں پرلے درجہ کا شیطان شخص تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف دیتا اور آپ کی دشمنی کے سامان تیار کرتا تھا۔ (محمد ابن اسحق)

(۹۸۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْوَلِيْدَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ اِجْتَمَعَ وَ نَفَرٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَ كَانَ ذَاسِنٌّ فِيْهِمْ وَ قَدْ حَضَرَ الْمَوْسِمُ فَقَالَ اِنَّ

(۹۸۹) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ولید بن المغیرۃ اور قریش کے چند افراد ایک جگہ جمع ہوئے حج کا موسم سر پر آ چکا تھا چونکہ یہ ولید بن مغیرہ عمر میں ان سب سے بڑا تھا اس لیے بولا بھئی اب عرب کے لوگ تمہارے پاس ان

---

(۹۸۹) ✱ بادشاہ، راہب اور اہل کتاب علماء کی چند آراء آپ نے ملاحظہ کر لیں۔ اب یہ عرب کے چند ہوش مندوں کے واقعات ملاحظہ.....

www.besturdubooks.net

وُفُوْدُ الْعَرَبِ سَتَقْدُمُ عَلَيْكُمْ فِيْهِ وَ قَدْ سَمِعُوْا بِاَمْرِ صَاحِبِكُمْ هٰذَا فَاجْمِعُوْا فِيْهِ رَأْيًا وَاحِدًا وَ لَا تَخْتَلِفُوْا فَيُكَذِّبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَ يَرُدُّ بَعْضُكُمْ قَوْلَ بَعْضٍ فَقَالُوْا فَاَنْتَ يَا اَبَا عَبْدِ شَمْسٍ فَقُلْ وَ اَقِمْ لَنَا رَاْيًا نَقُوْمُ بِهٖ فَقَالَ بَلْ اَنْتُمْ فَقُوْلُوْا وَ اَنَا اَسْمَعُ فَقَالُوْا نَقُوْلُ كَاهِنٌ فَقَالَ مَا هُوَ بِكَاهِنٍ لَقَدْ رَاَيْتُ الْكُهَّانَ فَمَا هُوَ بِزَمْزَمَةِ الْكُهَّانِ فَقَالُوْا نَقُوْلُ مَجْنُوْنٌ فَقَالَ مَا هُوَ بِمَجْنُوْنٍ رَاَيْنَا الْمَجْنُوْنَ وَ عَرَفْنَاهُ فَمَا هُوَ بِخَنْقِهٖ وَ لَا تَخَالُجِهٖ وَ لَا وَسْوَسَتِهٖ قَالُوْا فَنَقُوْلُ شَاعِرٌ فَقَالَ مَا هُوَ بِشَاعِرٍ قَدْ عَرَفْنَا الشِّعْرَ بِرَجَزِهٖ وَ هَزَجِهٖ وَ قَرِيْضِهٖ وَ مَقْبُوْضِهٖ وَ مَبْسُوْطِهٖ فَمَا هُوَ بِالشِّعْرِ قَالُوْا فَنَقُوْلُ سَاحِرٌ قَالَ فَمَا هُوَ بِسَاحِرٍ قَدْ رَاَيْنَا السُّحَّارَ وَ سِحْرَهُمْ فَمَا هُوَ بِنَفْثِهٖ وَ عُقَدِهٖ فَقَالُوْا مَا نَقُوْلُ يَا اَبَا عَبْدِ

ایام میں آئیں گے اور یقیناً ان کو تمہارے اس ہم وطن شخص کی خبریں پہنچ گئی ہوں گی تو آؤ سب مل کر ایک بات طے کر لو ایسا نہ ہو کہ ان کے جواب میں کہیں باہم اختلاف پھیلاؤ اور خود ایک دوسرے ہی کی تکذیب کرنے لگو انہوں نے کہا اے ابو عبد شمس (ولید کی کنیت تھی) پھر آپ ہی ایک آخری رائے بتا دیں ہم سب اسی پر متفق ہو جائیں گے اس نے کہا نہیں پہلے تم ہی بولو اور میں سنوں گا وہ بولے ہم یہ کہیں گے کہ یہ شخص کاہن ہے' وہ بولا کاہن تو نہیں ہے میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے ان کا کلام کاہنوں کے منتروں کی طرح نہیں ہے جو یہ لوگ گنگنا گنگنا کر پڑھا کرتے ہیں- وہ بولے اچھا تو ہم کہیں گے وہ دیوانہ ہے اس نے کہا دیوانہ بھی نہیں- ہم نے دیوانوں کو بھی دیکھا ہے اور ہم ان کو خوب جانتے پہچانتے ہیں نہ تو دیوانوں کی طرح ان کا دم بند ہوتا ہے نہ یہ ان کی سی بہکی بہکی بے ربط باتیں کرتے ہیں نہ دیوانوں کی طرح ان کے مزاج میں وسواس ہے' وہ بولے اچھا تو ہم کہیں گے یہ شاعر ہے- اس نے کہا یہ شاعر بھی نہیں- ہم نے شعر کے جتنے اقسام ہیں سب دیکھے ہیں' ان کا کلام شعر کے وزنوں میں سے کسی وزن کے ساتھ نہیں ملتا- وہ بولے اچھا تو ہم کہیں گے یہ جادوگر ہیں- اس نے کہا میں نے بہت سے جادوگر بھی دیکھے ہیں اور ان کے جادو بھی دیکھے ہیں نہ تو ان کی طرح یہ منتر

لـــه ..... ہیں جن سے آپ یہ اندازہ فرمالیں گے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت میں کوئی دشواری پیش آئی تھی یا کچھ مشکلات تھیں تو آپ کے انکار کرنے میں تھیں- اگر واقعات سے یہی ایک بات ثابت ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت اس درجہ بدیہی ہوتی ہے کہ ان کے انکار کرنے کے لیے کوئی حیلہ بہانہ بنانا بھی آسان نہیں ہوتا تو پھر آپ بھی یہاں عقلی بحث اور خیالی پرواز کو چھوڑ کر تاریخ نبوت کے مطالعہ پر وقت کیوں صرف نہیں فرماتے دیکھئے یہاں مکہ کے مشرک کس صفائی سے کہہ رہے ہیں کہ کاہن اور ساحر کی نوع دنیا میں ہمیشہ ہوتی چلی آئی ہے ہم ان کو خوب جانتے پہچانتے ہیں- یہ شخص ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے- اگر ہم ان میں سے کوئی بات بھی کہیں گے تو وہ اپنے کذب پر خود شاہد ہوگی کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نبوت کا معاملہ کس درجہ واضح اور صاف ہوتا ہے یہاں اگر آپ ان سے سحر کی حقیقت اور کہانت کی ماہیت پر بحث شروع کر دیں تو ان غریبوں کو شاید اس کی ابتدائی معلومات بتانا بھی مشکل ہو جائیں لیکن ساحر اور کاہنوں کو وہ آپ سے زیادہ جانتے پہچانتے تھے- کیونکہ یہ انواع ان کے درمیان ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا قدیم سے تعارف رہا ہے اس لیے نبی اور ساحر کے درمیان ان کو کوئی التباس نہیں ہوا اور ان چند جملوں ہی میں جس سادگی کے ساتھ انہوں نے مجنون' ساحر اور کاہنوں کی خصوصیات ادا کر دی ہیں محض عقلی اعتبار سے ان پر بحث کرنے والے شاید طویل دفتروں میں بھی ان کو ادا نہ کر سکیں-

www.besturdubooks.net

شَمْسٍ قَالَ وَ اللّٰهِ اِنَّ لِقَوْلِهٖ حَلَاوَةً وَ اِنَّ اَصْلَهٗ لَغَدَقٌ وَ اِنَّ فَرْعَهٗ لَجَنِيٌّ فَمَا اَنْتُمْ بِقَائِلِيْنَ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اِلَّا عُرِفَ اَنَّهٗ بَاطِلٌ وَ فِيْ لَفْظٍ اِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَ اِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَ مَا يَقُوْلُ هٰذَا الْبَشَرُ وَ فِيْ لَفْظٍ اِنَّهٗ لَيَعْلُوْ وَ مَا يُعْلٰى وَ اَنَّهٗ لَيَحْطِمُ مَا تَحْتَهٗ. (رواه عبد الرزاق و روى ابن اسحاق قصة النضر بن الحارث نحوه كما سيجئ)

پڑھتے ہیں نہ گنڈے بناتے ہیں- وہ بولے اے ابوعبد شمس تو اب آپ ہی فرمایئے ہم کہیں تو کیا کہیں اس نے کہا خدا کی قسم ان کے کلام میں غضب کی شیرینی ہے' اس کا باطن دیکھو تو چشمہ کی طرح ابل رہا ہے اور ظاہر دیکھو تو پھل دار درخت کی طرح بارآور ہے- ان باتوں میں سے جو بات بھی تم کہو گے وہ فوراً معلوم ہو جائے گی کہ بالکل غلط ہے' یہ کلام بشر کا ہے ہی نہیں' وہ سب پر غالب آ جاتا ہے اور کسی سے مغلوب نہیں ہوتا' یوں معلوم ہوتا ہے کہ تہ تک اس کے سب تختے پھٹے ہوئے ہیں کہ اس کی تہ کا پتہ ہی نہیں لگتا-

(۹۹۰) عَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ وَ كَانَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غُنَيْمَةٍ لِاَبِيْ طَالِبٍ نَرْعَاهَا فِيْ اَوَّلِ مَا رَاٰى' اِذْ قَالَ لِيْ ذَاتَ يَوْمٍ هَلْ لَكَ اَنْ تُصَارِعَنِيْ قُلْتُ لَهٗ اَنْتَ قَالَ اَنَا فَقُلْتُ عَلٰى مَاذَا قَالَ عَلٰى شَاةٍ مِنَ الْغَنَمِ فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِيْ فَاَخَذَ مِنِّيْ شَاةً ثُمَّ قَالَ لِيْ هَلْ لَكَ فِي الثَّانِيَةِ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِيْ فَاَخَذَمِنِّيْ شَاةً فَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ هَلْ

(۹۹۰) رکانہ سے روایت ہے اور یہ لوگوں میں سب سے قوی مشہور تھے کہ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی چند بکریوں کو چرا رہے تھے- یہ بات آپ کی نبوت کے شروع شروع کی ہے ایک دن آپؐ نے فرمایا کیا مجھ سے کشتی لڑتے ہو؟ میں نے کہا اچھا کیا آپؐ سے؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں مجھ سے- میں بولا اچھا کیا دو گے آپؐ نے فرمایا جو جیتے اس کی ایک بکری- میں نے آپؐ سے کشتی کی آپؐ نے مجھے زیر کر دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی- پھر مجھ سے فرمایا کیا دوبارہ پھر کشتی لڑو گے؟ میں بولا بہت اچھا- میں نے پھر آپؐ سے کشتی کی- آپؐ نے پھر مجھ کو زیر کر دیا اور ایک بکری مجھ سے اور لے لی- اس مرتبہ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہیں

---

(۹۹۰) ٭ ہر صاحب ہنر اپنے ہنر پر نازاں ہوتا ہے اور پھر جتنا اس ہنر میں اس کی فوقیت مسلّم ہوتی ہے اتنا ہی اس پر اس کا ناز بڑھتا چلا جاتا ہے- حتیٰ کہ آخر کار مثل مشہور کے مطابق ہچو ما دیگرے نیست اس کے دماغ میں اپنی یکتائی کا غرور پیدا ہو جاتا ہے اب سوچئے کہ جس ماحول میں تعلیم و تعلم کا حرف نہ ہو کسی کو متاثر کرنے کے لیے کیا اس سے زیادہ بھی کوئی اور بات مؤثر ہو سکتی تھی- اسی لیے اس کے قلب پر اس کا سکہ اس طرح جم چکا تھا کہ آپ کے دعوئے نبوت کی شہرت کے بعد اس کے دل کا مرہم بن گئی- اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس تمام معاملہ سے آپ کا اصل مقصد کیا تھا اور جب آپ نے سب سے پہلے اس کی بکریاں اس کے حوالہ کر دیں تو یہ بات پورے طور پر صاف ہو گئی کہ اس ہار جیت کا راز کچھ اور ہی تھا نہ آپ کو اپنی طاقت کا اظہار مقصود تھا اور نہ چند بکریوں کے حاصل کرنے کی طرف کوئی توجہ تھی- اس واقعہ سے عرب کی بلند فطرت کا بھی اندازہ لگانا چاہیے کہ رکانہ کو سب سے بڑا غم یہ تھا کہ مالک کو اس کی بکریوں میں اپنی اس خیانت کا جواب کیا دوں گا یہ قصہ حضرت عباسؓ سے باسناد جید بھی مروی ہے- اس میں اس طرح سے ہے کہ جب تین بار وہ زیر ہو گیا تو اس نے فوراً آپ کی نبوت کا یقین کر لیا تھا- علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصارعت کے چند واقعات اور بھی نقل کیے ہیں- ابو رکانہ' ابو اسد جمحی جیسا کہ بیہقی اور ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے- (حاشیہ شفاء ص ۶۹)

www.besturdubooks.net

يَرَانِيْ اِنسانٌ فَقَالَ مَالِكٌ قُلْتُ لَا يَرَانِي بَعْضُ الرِّعَاةِ فَيَجْتَرِؤُوْنَ عَلَيَّ وَ اَنَا مِنْ اَشَدِّهِمْ قَالَ هَلْ لَكَ فِي الصِّرَاعِ الثَّالِثَةِ وَ لَكَ شَاةٌ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهُ فَصَرَعَنِي وَ اَخَذَ مِنِّيْ شَاةً فَقَعَدْتُ كَئِيبًا حَزِيْنًا فَقَالَ مَالَكَ قُلْتُ اِنِّيْ اَرْجِعُ اِلٰى عَبْدِ يَزِيْدَ وَ قَدْ اَعْطَيْتُ ثَلَاثًا مِّنْ غَنَمِهِ وَ الثَّانِيَةُ اَنِّيْ كُنْتُ اَظُنُّ اَنِّي اَشَدُّ قُرَيْشٍ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي الرَّابِعَةِ فَقُلْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ اَمَّا لَكَ فِي الْغَنَمِ فَاِنِّيْ اَرُدُّهَا عَلَيْكَ فَرَدَّ عَلَيَّ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ ظَهَرَ اَمْرُهُ فَاَتَيْتُهُ فَاَسْلَمْتُ فَكَانَ مِمَّا هَدَانِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنِّيْ عَلِمْتُ اَنَّهُ لَمْ يُصْرِعْنِيْ يَوْمَئِذٍ بِقُوَّتِهِ وَ لَمْ يُصْرِعْنِيْ يَوْمَئِذٍ اِلَّا بِقُوَّةِ غَيْرِهِ . رواه البيهقي و قد اخرجه من طريق ابن اسحاق عن ابيه و ابي امامة ايضا و اخرجه ابو نعيم ايضا كذا في الخصائص ص ۱۲۹ ج ۱ قال ابن كثير اخرجه ابو داؤد و الترمذي ثم اخرجه من رواية ابي بكر الشافعي عن ابن عباسؓ بنحوه و قال اسناده جيد.
(البداية و النهاية ص ۱۰٤ ج ۳)

مجھ کو پچھڑتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کیا دیکھ رہے ہو۔ میں نے کہا یہ دیکھ رہا ہوں کہ مجھ کو کہیں کوئی اور بکری چرانے والا دیکھ نہ رہا ہو اور میرے مقابلہ کی اس کو بھی ہمت ہو جائے کیونکہ میں سب سے زوردار آدمی مشہور ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اچھا تیسری بار پھر لڑتے ہو اور جیتو گے تو ایک بکری ملے گی۔ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر کشتی کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر مجھ کو زیر کر دیا' اب تو میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا غمگین کیوں ہو۔ میں نے کہا: سب سے پہلے تو اس بات پر کہ جب میں عبد یزید کی بکریاں لے کر واپس ہوں گا تو ان میں تین بکریاں جو میں آپ کو دے چکا ہوں (وہ کم ہوں گی) دوسری بات یہ ہے کہ مجھ کو یہ بڑا گھمنڈ تھا کہ قریش میں سب سے زیادہ مضبوط آدمی میں ہوں (مگر آج اس کے خلاف نکلا) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اچھا چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟ میں نے کہا کیا اب تین بار پٹ جانے کے بعد بھی۔ آپؐ نے فرمایا اچھا لو بکریوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں تم کو سب واپس کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ سب واپس کر دیں پھر اس کے متصل ہی آپ کی نبوت کا شہرہ ہو گیا اس وقت میں آپ کی خدمت میں آیا اور مشرف باسلام ہو گیا۔ اور میرے اسلام کا باعث یہی بات تھی کہ میں یقین کر چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی طاقت سے زیر نہیں کیا بلکہ ضرور کسی اور دوسری (الٰہی) طاقت سے زیر کیا ہے۔
(بیہقی وغیرہ)

(۹۹۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ يَمُرُّبِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهُ

(۹۹۱) عمرو بن سلمہ کہتے ہیں۔ ہم ایک ایسے پانی پر ٹھہرے ہوئے تھے جو لوگوں کی گزرگاہ پر واقع تھا۔ ان کے قافلے ہماری طرف سے گذرتے تو ہم ان سے دریافت حال کے لیے پوچھا کرتے کہ لوگوں کا اب کیا رنگ ہے

---

(۹۹۱) * غیر تعلیم یافتہ اشخاص اکثر بھیڑ چال ہوا کرتے ہیں۔ ان کا معیار تصدیق ہی کیا۔ اس لیے عرب کے عام لوگوں نے اپنے نزدیک آپ کی نبوت کے لیے یہی ایک معیار بنا رکھا تھا کہ اگر آپ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو بس یہی آپ کی صداقت کی سب سے.....

www.besturdubooks.net

اَوْحیٰ اِلَیْہِ اَوْحیٰ اِلَیْہِ کَذَا فَکُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِکَ الْکَلَامَ فَکَاَنَّمَا یغرٰی فِیْ صَدْرِیْ وَ کَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِھِم الْفَتْحَ فَیَقُوْلُوْنَ اُتْرُکُوْہُ وَ قَوْمَہٗ فَاِنَّہٗ اِنْ ظَھَرَ عَلَیْھِمْ فَھُوَ نَبِیٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا کَانَتْ وَقْعَۃُ الْفَتْحِ بَادَرَ کُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِھِمْ وَ بَدَرَ اَبِیْ قَوْمِیْ بِاِسْلَامِھِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُکُمْ وَ اللّٰہِ مِنْ عِنْدِ النَّبِیِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلٰوۃَ کَذَا فِیْ حِیْنِ کَذَا وَ صَلٰوۃَ کَذَا فِیْ حِیْنِ کَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَلْیُؤَذِّنْ اَحَدُکُمْ فَلْیَؤُمَّکُمْ اَکْثَرُکُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَکْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّیْ لِمَا کُنْتُ اَتَلَقّٰی مِنَ الرُّکْبَانِ فَقَدَّمُوْنِیْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِیْنَ وَ کَانَتْ عَلَیَّ بُرْدَۃٌ کُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّیْ فَقَالَتْ اِمْرَاَۃٌ مِنَ الْحَیِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِکُمْ فَاشْتَرَوْا لِیْ قَمِیْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَیْءٍ فَرْحِیْ بِذٰلِکَ الْقَمِیْصِ۔ (رواہ البخاری)

اور اس شخص کی کیا خیر خبر ہے- لوگ کہتے ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ان پر وحی نازل فرماتا ہے چنانچہ اب ان پر یہ یہ آیتیں تازہ تازہ اتری ہیں- میں ان آیتوں کو (سنتا اور) چپکے سے یاد کر لیتا- اور وہ مجھ کو اس طرح یاد ہو جاتیں جیسے میرے سینہ میں نقش ہو گئی ہیں- ادھر عرب کے لوگ اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے- کہتے تھے ابھی ان کو اور ان کی قوم کو نبٹ لینے دو اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو بس جان لو کہ وہ سچے نبی ہیں- جب یوں ہوا کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو اب مسلمان ہونے کے لیے لوگ دوڑ پڑے- میرے والد اپنی قوم سے پہلے لپک کر مشرف باسلام ہو گئے اور اپنی قوم سے آ کر کہا بخدا میں تمہارے پاس ایک سچے نبی کے دربار سے آ رہا ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ فلاں نماز اس وقت میں اور فلاں اس وقت میں پڑھا کرو اور جب نماز کا وقت آ جائے تم میں سے کسی کو اذان دینی چاہیے اس کے بعد پھر جس کو سب سے زیادہ قرآن محفوظ ہو اس کو امام بننا چاہیے- چونکہ ان میں مجھ سے زیادہ قرآن کسی اور شخص کو یاد نہ تھا اور اس کا سبب یہی تھا کہ میں پہلے سے قافلہ والوں سے سن کر قرآن شریف یاد کر لیا کرتا تھا اس لیے انہوں نے مجھ کو ہی اپنے آگے بڑھا دیا- اس وقت میری عمر کل چھ سات سال کی ہو گی اور میرے جسم پر اس وقت صرف ایک مختصر سی چادر تھی- جب سجدہ کرتا تو پیچھے کی جانب سے سکڑ کر جسم کے اوپر کے حصہ پر آ جاتی- ہماری قوم کی ایک عورت یہ دیکھ کر بولی اپنے قاری صاحب کے سرین تو ذرا ہمارے سامنے سے ڈھانک لیا کرو- یہ سن کر لوگوں نے میرے لیے ایک قمیص خرید لی مجھے اس وقت اس قمیص سے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ کسی چیز سے نہ ہوئی تھی- (بخاری شریف)

ﷺ..... سے بڑی دلیل ہو گی- اس کے برخلاف آپ شاہ روم کا حال پڑھ چکے ہیں وہ جب یہ سنتا ہے کہ آپ کو اپنی قوم پر کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست تو وہ اس کے برعکس آپ کی شکست ہی کو حقانیت کی دلیل قرار دیتا ہے- یہاں عمرو بن سلمہ کا گو بچپن ہی میں فرضوں میں امام ہونا ثابت ہوتا ہے مگر اسی کے ساتھ انہی کے بیان سے اس کی وجہ بھی ظاہر ہو چکی ہے کہ اسلام کے بعد یہ ایک ابتدائی واقعہ تھا- تفصیلی مسائل رفتہ رفتہ ہی سیکھے جاتے ہیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے جب یہ سنا کہ جس کو قرآن شریف کا زیادہ حصہ یاد ہو امامت حق اسی کا ہے اور یہاں پہنچ کر جب دیکھا تو اس معیار پر عمرو بن سلمہ ہی کو اترتے دیکھا اس لیے ان کے لیے لازم ہو گیا کہ ان کو ہی اپنا امام مقرر کریں- حدیثوں میں اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جو ابتدائی حالات میں صرف اجمالی تعلیم کے تحت ہو گئے- پھر بعد میں تفصیلی ہدایات کے مطابق ان کو ادا کیا گیا- دیکھیے کہ اس امام کے پاس اتنی چادر بھی نہ تھی جو جسم کے مختلف حرکات کے ساتھ ساتھ اس کے ستر کی ﷺ.....

www.besturdubooks.net

(۹۹۲) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَنَمًا بَیْنَ جَبَلَیْنِ فَاَعْطَاہُ اِیَّاہُ فَاَتٰی قَوْمَہٗ فَقَالَ اَیْ قَوْمِ اَسْلِمُوْا فَوَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا لَیُعْطِیْ عَطَاءً مَا یَخَافُ الْفَقْرَ.

(رواہ مسلم و راجع ترجمان السنہ ص ۱۵۲ ج ۲)

(۹۹۲) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ سب بکریاں مانگیں جو اس وقت دو پہاڑوں کے درمیان چر رہی تھیں آپ نے اس کو وہ سب کی سب دے دیں (یہ دیکھ کر) وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے میری قوم بس اسلام قبول کر لو خدا کی قسم محمدؐ ایسے سخی اور عالی ہمت شخص ہیں کہ بے دریغ مال لٹاتے ہیں اور فقر کا ذرا خطرہ نہیں رکھتے۔ (مسلم شریف) یہ قصہ اسی کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ ترجمان السنہ ص ۱۵۲ ج ۲ پر گزر چکا ہے۔

لہ ..... حفاظت کر سکتی۔ مگر یہ بھی ایک بات تھی جو ابتداء میں ہوگئی۔ پھر جب ستر کے مسائل معلوم ہو گئے تو آئندہ انہی کی روشنی میں امت کا عمل بھی ہوتا رہا۔ فقہی تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے۔

(۹۹۲) ✽ ہر شخص کے فہم میں میں بلند انسانیت کا ایک جدا معیار ہوتا ہے' کسی کے مزاج پر عالی ہمتی اور سخاوت کا اثر پڑتا ہے تو کسی کے مزاج پر ضبط و تحمل کا اثر ہوتا ہے۔ ترجمان السنہ ج ا ص ۳۸۸ میں آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت پڑھ چکے ہیں جس میں ایک یہودی نے اپنے قرض کے تقاضے میں آپؐ کے ساتھ ناروا درشتی سے کام لیا تھا لیکن اس پر بھی جب اس نے دیکھا کہ آپ کے ضبط و تحمل میں ذرا فرق نہیں آتا' تو بول اٹھا کہ میرا مقصد آپؐ کو ایذاء رسانی نہ تھا بلکہ صرف آپ کے تحمل کا امتحان کرنا تھا اور جب اس نے اپنے معیار کے مطابق آپؐ کے پیمانہ تحمل کا تجربہ کر لیا تو دوسری ساعت ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ اسی طرح کسی کا معیار اس درجہ گرا ہوا تھا کہ اس میں دشمنی کی حقیقت کے سواء فہم کی ذرا سی بو بھی نہیں آتی جیسا بعض یہود نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کی اطلاع دے دی تو آپ کے استفسار پر ان کو اس کا اقرار کرتا پڑا اور انہوں نے کہا ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہوں گے تو زہر بھلا آپ کا کیا بگاڑ سکے گا ورنہ آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی اس بے جا کجروی کا بھی کوئی علاج ہے۔ کسی کی طبیعت پر اعجوبہ پرستی غالب ہوتی ہے تو وہ ایسی ہی بات رسول کی ذات میں دیکھنی چاہتا ہے جو اس کے نزدیک کسی انسان سے ممکن نہ ہو خواہ اس بات کا کرنا نبی کے لیے لازم ہو یا نہ ہو۔ مثلاً ایک اعرابی آیا اسکی اعجوبہ پسند فطرت کی رغبت اس طرف معلوم ہوئی کہ کھجور کا ایک خوشہ یا کیکر کا درخت آ کر آپ کی نبوت کی شہادت دے یہاں ترجمان السنۃ از ص ۱۴۱ تا ص ۱۵۱ ج ۲ ص اور حدیث نمبر ۷۴۲ ص ۱۵۲ ج ۲ کا تشریحی نوٹ ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ ہاں کوئی ایسا بھی نکل آتا ہے جس کو دلائل پر غور و خوض کیے بغیر ایک ہی نظر میں کھرا کھوٹا صاف نظر آ جاتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام جب مدینہ آئے' بس آپؐ کے رخِ انور پر نظر پڑی اور بے ساختہ بول اٹھے یہ چہرہ تو کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو ترجمان السنہ ص ۱۶۲ ج ۲۔ کسی کی فطرت میں اپنا ذاتی کوئی کمال ہوتا ہے اور وہ اپنی موٹی عقل کے مطابق اسی کو معیار بنا لیتا ہے کہ جو اس کمال میں اس کو شکست دے دے بس یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ جیسا رکانہ پہلوان کا واقعہ ابھی آپ نے پڑھا۔ یہاں اب یہ بحث کرنی کہ نبوت کے لیے یہ معیار بھی کوئی معیار بن سکتا ہے یا نہیں۔ مخاطب کی فطرت پر قبل از وقت ایسا بار ڈالنا ہے جس کو وہ اس حالت میں اٹھا نہیں سکتا اس لیے رحمت جس کے لیے سبقت کر چکی ہے۔ اس کے لیے یہ سب کچھ گوارا کر لیا جاتا ہے اور ان کی ہر معقول اور نامعقول ضد کو پورا کر کے ان کو آغوشِ اسلام میں زبردستی کھینچ لیا جاتا ہے۔

www.besturdubooks.net

(۹۹۳) عَنْ اَبِیْ جُرَمِیٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَرَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِهٖ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَیْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْکَ السَّلَامُ عَلَیْکَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَیِّتِ قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ اِنْ اَصَابَکَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ کَشَفَهٗ عَنْکَ وَ اِنْ اَصَابَکَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَکَ وَ اِذَا

(۹۹۳) جابر بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو یہاں میں نے ایک شخص دیکھے جن کی ہر بات لوگ غور سے سنتے اور جو بات بھی وہ فرما دیتے بس لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے- میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں- میں نے یہ سن کر آپ کو دو بار سلام کیا (اور یوں کہا) علیک السلام یا رسول اللہ- آپ نے فرمایا علیک السلام علیک السلام مت کہا کرو- ''یہ طریقہ (زندوں کے سلام کرنے کا نہیں) یہ تو مردوں کو سلام کرنے کا ہے-'' لہٰذا ''السلام علیک'' کہا کرو- میں نے عرض کی آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اسی خدا کا رسول ہوں جو اگر تم کو کوئی تکلیف ہو اور تم اس سے دعاء مانگو تو وہ اس کو دور فرما دے اور اگر تم قحط سالی میں مبتلاء ہو اور اس سے دعا مانگو تو وہ تمہارے واسطے اس کو

---

(۹۹۳) * آپ کی اس ایک ہی گفتگو میں الٰہیات' معاشیات اور معیشت کے جتنے شعبے تھے سب کے متعلق ایک ایسی مختصر فہرست بیان میں آ گئی ہے کہ اگر آپ کی یہی ایک گفتگو سامنے رکھ کر اس پر غور کیا جائے تو ایک امی زبان سے نکلے ہوئے یہ بیش قیمت علوم ہی آپ کی نبوت کی تصدیق کے لیے کافی ہیں- آپ حدیث کے الفاظ پر ایک بار پھر غور کر کے نظر ڈال لیں اور اپنے دماغ میں خود ان کو پھیلا لیں کہ آپ نے ان مختصر جملوں میں کس طرح خدا تعالیٰ کی ان صفات کا تذکرہ فرمایا ہے جو عرب کی فطرت پر خدا تعالیٰ کی ذات کے تعارف کے لیے سب سے زیادہ اثر انداز ہو سکتی تھیں- اس کے بعد آدابِ سلام' آدابِ گفتگو' آدابِ لباس اور علم الاخلاق کے کتنے اہم اسباق کی طرف اشارات فرمائے ہیں- جابر بن سلیم کی فطرت کو جس امر نے یہاں سب سے پہلے بیدار کیا تھا وہ آپ کی محفل کا نقشہ تھا' اور درحقیقت رسولوں کی صداقت کی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کی محفل مادیت کے ساز و سامان سے یکسر خالی ہونے کے باوجود اتنی جاذبیت رکھتی ہے کہ سعید نفوس اس کو ایک نظر دیکھتے ہی ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں- خلاصہ یہ کہ عالم میں قدرت نے انسانوں کے مختلف طبقات پیدا فرمائے ہیں ان میں بادشاہ بھی ہیں اور گدا بھی' عالم دقیق النظر بھی ہیں اور ان پڑھ نادان بھی' سلیم الفطرت بھی ہیں اور درشت فطرت بھی لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے بلاتفریق شاہ و گدا اور عالم و جاہل سب ہی کے لیے رسول بنا کر بھیجا تھا' اس کی ذات میں ہر طبقے کی تصدیق کے لیے قابل اطمینان اور تشفی بخش دلائل سب ہی جمع کر دیئے تھے- آپ نے ان اوراق میں ہر طبقہ کا بیان نمونۃً پڑھا ہے- بادشاہوں نے اپنے شاہانہ مزاج کے موافق آپ کو جانچا' علماء و اہل کتاب نے اپنی کتابوں کے بیان کردہ نقشوں سے ملا ملا کر آپ کو دیکھا' راہبوں نے اپنی فطری رہبانیت سے آپ کی طرف نظر کی قیافہ شناسوں نے اپنے قیافے دوڑائے' کاہنوں نے اپنے علوم کے سب زور صرف کر ڈالے اور سخن شناسوں نے آپ کے قرآن کو اپنے مذاق پر خوب تولا مگر ہر طبقے کے منصف مزاج جس نتیجہ پر پہنچے وہ صرف ایک ہی بات تھی کہ آپ بے شبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد　　　برنگ اصحاب صورت را بیوار باب معنی را

حیرت ہے کہ ان میں سے کسی ایک طبقہ کا ہم کو یہ بیان نہیں ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو بزورِ شمشیر بھی مسلمان کیا ہو.....

www.besturdubooks.net

كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اِعْهَدْ اِلَيَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَ لَا عَبْدًا وَ لَا بَعِيْرًا وَ لَا شَاةً قَالَ وَ لَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ اَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَ اَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ ارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِيَّاكَ وَ اِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَ اِنِ امْرُءٌ شَتَمَكَ وَ عَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَ بَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ.

(رواه ابو داؤد و روى الترمذى منه حديث السلام و فى روايته فيكون لك اجر ذلك و وباله عليه)

سبزہ زار کر دے اور اگر تم کسی بیابان جنگل میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے پھر تم اس سے دعاء مانگو تو وہ تمہاری سواری تم کو عطا فرما دے۔ میں نے عرض کی اچھا تو مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا دیکھو! کسی کو برا بھلا نہ کہنا۔ یہ کہتے ہیں آپ کے اس فرمان کے بعد میں نے نہ تو کسی آزاد انسان کو برا کہا اور نہ غلام کو بلکہ کسی بکری اور اونٹ کو بھی برا لفظ نہیں کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دیکھنا! کسی اچھی بات کو ہرگز حقیر مت سمجھنا اور اپنے مسلمان بھائی سے کشادہ روئی سے گفتگو کرنا کیونکہ یہ بھی ایک نیک کام ہے۔ اور دیکھنا! ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے سے بہت احتراز کرنا کیونکہ یہ خصلت تکبر کی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر بہت ناپسند ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص تم کو برا بھلا کہے اور تم کو ایسے عیب کی عار دلائے جو تمہارے اندر موجود ہو تو تم یہ حرکت مت کرنا کہ جو عیب تم اس میں دیکھو تم بھی اس کو اس کی عار دلانے لگو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں تو اس کا ثواب ملے گا اور اس کی اس حرکت کا وبال اسی پر پڑے گا۔ (ابوداؤد)

لله..... بنایا تھا۔ پھر معلوم نہیں کہ متاخر مفکرین نے اسلام میں جہاد کے مسئلہ کو ایک ہوا کیوں سمجھ رکھا ہے۔ جہاد خواہ جارحانہ ہوا ہو یا مدافعانہ لیکن اس کا مقصد اشاعت اسلام سمجھنا ہی محل بحث ہے۔ فرض کر لیجئے کہ اگر اسلام میں جہاد جارحانہ بھی ہوا ہے تو کیا یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد زبردستی مسلمان بنانا تھا۔ اگر یہی مقصد ہوتا تو قانونِ اسلام میں جزیہ کی ایک مستقل دفعہ کیوں رکھی جاتی۔ بہر حال آج مخالفین اسلام کچھ بھی کہیں لیکن جن لوگوں کے سروں پر اسلام کی تلوار چمکی اور جن کے خاندان کے خون بہے ان میں مشرف باسلام ہونے والے بھی ہیں اور اپنے کفر پر قائم رہنے والے بھی مگر کوئی یہ بیان نہیں کرتا کہ اسلام نے یہ جہاد ان کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے کیا تھا۔ یہ موضوع اس وقت ہمارا نہیں ہے۔ ہمیں تو یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ ان جملہ طبقات کا پیچ و تاب کھانا اسی وقت تک ثابت ہوتا ہے جب تک کہ انہوں نے آپ کو متصفانہ نظر سے نہیں دیکھا' لیکن جس ساعت بھی تقدیر نے یہ موقعہ ان کو دے دیا تو پھر وہ اہل کتاب تھے یا مشرکین مکہ کسی کو آپ کی نبوت میں تردد نہیں ہوا اور کیسے ہو سکتا تھا جب کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے دو چار رسول تو نہیں آئے تھے بلکہ اتنی بڑی تعداد آ چکی تھی کہ ان کے حالات زندگی مطالعہ کرنے والوں کے نزدیک ان کو پہچاننا سب سے واضح مسئلہ بن گیا تھا۔ مشرکیں عرب گو رسولوں سے آشنا نہ تھے مگر دعویٰ ان کا بھی یہی تھا کہ ہم ملت حنیفیہ رکھتے ہیں اور اپنی جبلی جہالت پر اتنے معقول پسند وہ بھی تھے کہ اس بارے میں اہل کتاب کی رائے اپنی رائے پر مقدم سمجھتے تھے اور یہ اسی بنیاد پر کہ ان کے نزدیک "لکل فن رجال" کے مطابق نبیوں کو پہچاننا یہ ان کا ہی فن تھا مگر یہ وسوسہ ان کو بھی نہیں گذرا کہ بندہ کی حقیقت صفراء کے مرض یا خواب سے کچھ ملتی جلتی ہے۔ یہ بحث ان ہی کے دماغ میں پیدا ہوئی جن کو انبیاء کی تاریخ مطالعہ کا کوئی موقع نہیں ملا بلکہ انہوں نے محض عقلی طور پر اس مسئلہ کو سامنے رکھا اور صرف عقل کی روشنی میں اس کو حل کرنے کی کوشش کی حالانکہ وجدانیات وحسیات اور مشاہدات بلکہ جملہ محسوسات کا تعلق جتنا کہ ذوق صحیح کے ساتھ ہے اتنا دلائل کے ساتھ نہیں۔ آخر عبداللہ بن سلام اپنی یہودیت کے زمانہ میں آپ کے چہرہ پر نظر کرتے ہیں بے ساختہ کس دلیل سے بول اٹھے کہ "ھذا الوجه ليس بوجه كذاب" دیکھو ترجمان السنہ ص ۱۴۸ ج ۲ یہ چہرہ تو جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

www.besturdubooks.net

الانبیاء علیھم السلام بینھم اخوۃ النبوۃ یعظم اوّلھم اٰخرھم و اٰخرھم اوّلھم و لا یوجد بینھم اختلاف

انبیاء علیہم السلام میں وہ اخوت نبوت ہوتی ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کے لیے ہمہ تن احترام ہوتا ہے اور ان میں کہیں اختلاف کا نام ونشان نہیں ملتا

(۹۹۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

(۹۹۴) ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ سب سے قریب تر میں

---

(۹۹۴) ٭ دنیا میں اخوت کی مختلف قسمیں ہیں انسانی اخوت' ملک ووطن کی اخوت' کسی حرفہ و پیشہ کی اخوت' نسلی اخوت' نسبی اخوت اور عرب میں تو ان کے علاوہ ایک اور اخوت کا بھی رواج تھا جو باہم معاہدہ سے پیدا ہو جاتی تھی ان کے عرف میں اس کا نام ''مواخات'' تھا ہمارے لفظوں میں اس کو منہ بولا بھائی کہنا چاہیے مگر اس کے حقوق ان کے ہاں مثل نسبی اخوت کے سمجھے جاتے تھے- ان تمام اخوتوں کا حاصل درجہ بدرجہ انس ومحبت اور تعاون وتناصر ہے- ایک مشرق کے باشندہ کو اگر مغرب کے باشندہ کی مصیبت پر کسی درجہ کا غم ہوتا ہے تو کیوں؟ صرف اسی انسانی اخوت کی بناء پر اس سے بڑھ کر وطنی اخوت ہے- جب کبھی دو غیر متعارف انسانوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ہی ملک ووطن کے باشندے ہیں تو یہ سنتے ہی ان کے دلوں میں محبت وانس کے جذبات فوراً امنڈنے لگتے ہیں- نسل ونسب کی اخوت اس سے بھی بالاتر ہے' اس کے مقابلہ میں تمام اخوتیں ماند پڑ جاتی ہیں' یہاں ایک انسان بعض مرتبہ حق وناحق کی بحث سے بھی علیحدہ ہو جاتا ہے' لیکن یہ تمام اخوتیں ذرا ذرا سے عوارض سے بہت جلد ختم بھی ہو جاتی ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر حسد ورقابت کے جذبات سے تبدیل ہو جاتی ہے جس کی شہادت کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی سرگزشت کافی ہے' لیکن ان سب اخوتوں سے الگ ایک اخوت اور بھی ہے جو خاص انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظر آتی ہے جس کا نام اخوت نبوت ہے' یہ تمام اخوتوں سے بالاتر اخوت ہے یہاں کسی حالت میں بھی ذرا سے اختلاف کی گنجائش نہیں ہوسکتی ان میں محبت وانس کے وہ جذبات نظر آتے ہیں کہ اگر بڑے اور چھوٹے کا تفاوت معلوم نہ ہو تو یہ محسوس کرنا ہی مشکل ہے کہ ان میں باہم ایک دوسرے پر کسی کو فوقیت بھی ہے یا نہیں' ہر ایک کے جذبات دوسرے کی تعظیم وتکریم کے لیے وقف ہوتے ہیں پھر یہاں وہ روحانی تناسب موجود ہوتا ہے کہ ہر نبی کو پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسی الفت ومحبت ہوتی ہے گویا کہ وہ اب اس کی آنکھوں کے سامنے زندہ موجود ہیں ایک سعید لڑکا بھی کچھ وقفہ کے بعد اپنے والد کی یاد اس طرح تازہ نہیں رکھ سکتا جس طرح کہ ایک نبی دوسرے گزشتہ نبی کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے' گویا ان کے صرف قالب مختلف ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ سب یک جان ہوتے ہیں اسی لیے کوئی نبی دوسرے نبی کے احترام کے خلاف ایک کلمہ بھی برداشت نہیں کرسکتا بلکہ ہر نبی کی شریعت کی ایک دفعہ ہی یہ ہوتی ہے کہ جو کسی ایک نبی کا منکر ہو وہ خود اس کا بھی منکر ہے- یہی وجہ ہے کہ جب وہ دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو اپنی امتوں میں ایک ایسی اخوت پیدا فرماتے ہیں جو ان کے مابین اخوت سے مشابہ ہوتی ہے اس کا نام ''اخوتِ ایمانی'' ہے- اس اخوت کے مقابلہ میں عام انسانوں کی تمام قسم کی اخوتیں ہیچ ہو جاتی ہیں حتی کہ آپ نے فرمادیا کہ اخوتِ ایمانی کے بعد اب عقدِ مواخات کرنا اصولاً غلط ہے کیونکہ محبت وانس کے جتنے جذبات ہو سکتے ہیں وہ سب ''اخوتِ ایمانی'' میں پنہاں ہیں- اس لیے آئندہ اب ''مواخات'' کا دستور منسوخ ہے وَ اذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا. یعنی اس دور کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے لئے .....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ الْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ مِّنْ عَلَّاتٍ وَ
ہوں- اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سب انبیاء علیہم السلام باہم علاتی (سوتیلے) بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا والد ایک ہوتا ہے اور مائیں

﴾..... دشمن ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے انہوں نے آ کر تمہارے درمیان وہ الفت پیدا کر دی کہ تم سب بھائی بھائی بن گئے اور اب ایک دوسرے کی خاطر جان نثاری کے لیے تیار ہو گئے- آیت بالا میں اسی ''اخوت ایمانی'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- ایک حدیث میں سب مسلمانوں کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح ایک مکان کی اینٹ دوسری اینٹ کے لیے باعث استحکام ہوتی ہے اسی لیے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ہونا چاہیے اب مثال کے طور پر آپ یہاں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لے کر آپ کو یہ خطاب فرمایا تھا ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ یعنی جیسا اولوالعزم رسول ہمیشہ صبر کرتے رہے ہیں تم بھی اسی طرح صبر سے کام لو اور صاحب حوت (یعنی یونس علیہ السلام) کی طرح نہ بنو- اس طرزِ خطاب سے شاید خطاباتِ ربانی سے کسی ناآشنا شخص کو ایک نبی کے حق میں کسی کوتاہی کا وہم گزر سکتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کا ازالہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مجھ کو یونس نبی پر فضیلت مت دو'' دیکھو ترجمان السنۃ ص ۳۲۲ ج ۲- مدتوں اس حدیث کی مراد سمجھ میں نہ آ سکی حتیٰ کہ ترجمان السنۃ میں بھی اس کی وہی مراد درج کر دی گئی جواب تک شارحین کے کلام سے سمجھی تھی- جب اس تیسری جلد کا وقت آیا تو اس طرف ذہن متوجہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ انبیاء علیہم السلام میں یہاں خاص حضرت یونس علیہ السلام کا نام لینا ضرور کسی حکمت پر مبنی ہو گا اسی وقت خیال قرآن کریم کی طرف گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی خاص طور پر ان ہی کا نام لے کر آپ سے کہا گیا تھا کہ تم ان کی طرح بے صبری کا کوئی قدم نہ اٹھانا- سبحان اللہ اخوت نبوت بھی کتنی بلند اخوت ہوتی ہے- آپ نے فوراً ان ہی کا نام لے کر فرمایا ''تم مجھ کو ان پر فضیلت مت دو'' امت کے جذبات اس قسم کے مواقع پر حدود سے تجاوز کر جایا کرتے ہیں اس لیے بہت اہمیت کے ساتھ ان کو ہدایت فرما دی کہ اس خدائی طرزِ خطاب سے امت کا کوئی فرد بھی ان کے حق میں ادنیٰ سا کسرِ شان کا کلمہ منہ سے نہ نکالنے پائے یہ خالق کا اپنے رسول سے خطاب ہے یہاں کسی امتی کو مداخلت کرنا خطرناک ہے- حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کے حق میں ایک موقعہ پر عمرؓ اور صدیق اکبرؓ سے جو تنبیہی حرکات صادر ہوئی تھیں کس کی مجال ہے کہ ان کی نقل اتار سکے یا امہات المؤمنین کی شانِ عالی میں نصف کلمہ بھی زبان پر لا سکے- پس جب بندوں کے درمیان مراتب اور حقوق کے لحاظ سے فرق پڑتا ہے تو خالق اور مخلوق کے درمیان جتنا فرق ہونا چاہیے اس کو قیاس کر لیجئے بالخصوص جب کہ مخاطب رسول کی ذات ہو جہاں ادنیٰ سے ادنیٰ لغزش پر سخت سے سخت باز پرس ہوتی ہے- اس کے بعد قلب مطمئن ہو گیا اور معلوم ہوا کہ اس حدیث کو جب آیت بالا کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو یہاں کسی سوال و جواب کی ضرورت ہی نہیں رہتی- یہ عقیدہ کا باب نہ تھا بلکہ اخوتِ نبوت کا کرشمہ تھا- اسی قسم کا دوسرا واقعہ ترجمان السنۃ ص ۳۲۲ ج ۲ میں گزر چکا ہے وہاں بھی بڑی ناگواری کے انداز میں آپ نے فرمایا تھا تم لوگ مجھ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا سے کچھ عرصہ کے لیے رخصت ہو رہے تھے تو اس وقت اپنی امت کے سامنے تسلی کے جو کلمات انہوں نے فرمائے تھے وہ حسب بیان انجیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی عظمت شان ظاہر کرتے ہیں اس کا اندازہ ان کے مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے- ماضی اور آئندہ آنے والے رسولوں کا اس درجہ احترام انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کہیں نہیں ملتا یہاں ایک لاکھ سے زیادہ کی بڑی جماعت سب میں یہی صفت نظر آتی ہے- پھر عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح خود ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوتا اسی طرح ان کے اصولی علوم ﴾.....

www.besturdubooks.net

اُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَاحِدٌ وَلَیْسَ بَیْنَنَانَبِیٌّ۔ (متفق علیہ)

مختلف اسی طرح ان سب کا دین یعنی اصولی عقائد ایک ہوتے ہیں اور شریعتیں مختلف مختلف اور میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (متفق علیہ)

(۹۹۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عِفْرِیْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ

(۹۹۵) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا آج کی شب ایک سرکش جن میری ایذاء رسانی کے لیے چھوٹ نکلا

بقیہ ..... میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوتا فروع اور جزئیات میں گو یہاں بھی اختلاف ہو جاتا ہے مگر ایک شریعت نے دوسری شریعت کی کبھی تکذیب وتغلیط نہیں کی بلکہ ہمیشہ پہلی شریعت کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہہ دیا ہے کہ بعض احکام وقتی ہوتے ہیں اور وہ کسی خاص دور کے ساتھ مخصوص بھی ہو سکتے ہیں اس لیے مثلاً فلاں فلاں احکام جو گزشتہ دور کے مناسب تھے اب جدید آئین سے خارج کیے جاتے ہیں اور فلاں فلاں احکام کا جدید اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس تغیر وتبدل کو تغلیط نہیں کہا جا سکتا اس کا نام ''نسخ'' ہے۔ یہ رسول کا اپنا فعل ہی نہیں ہوتا یہ حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ وہ جو احکام چاہتا ہے نسخ فرما دیتا ہے اور جو چاہتا ہے جدید احکامات نازل فرما دیتا ہے' اس لحاظ سے یہ کہنا بھی بالکل درست ہے کہ رسولوں کے علوم میں مطلقاً کوئی اختلاف نہیں ہوتا نہ اصول میں اور نہ فروع میں۔ اسی کے ساتھ اگر اس پر بھی غور کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے علوم میں الٰہیات' اور عالم غیب کا ایک بڑا باب ایسا بھی ہوتا ہے جس میں عقل انسانی قطعاً درماندہ اور عاجز ہے اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود تک اس میں کہیں ایک نقطہ کا اختلاف نہیں ملتا تو اس سے بداہۃً یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم کا سرچشمہ یقیناً ایک ہی تھا اور یقیناً یہاں جو حضرت آدم علیہ السلام کا معلم تھا وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی معلم تھا یہی وجہ تھی کہ ان کے زمانے' ان کی زبانیں اور ان کے بعثت کے مقامات گو کتنے ہی مختلف تھے مگر علوم میں ایک شوشہ کا کہیں اختلاف نہ تھا۔ ان عمیق مسائل پر اگر صرف بزور عقل غور کیا جائے تو کیا اتنے کثیر التعداد انسانوں میں جو عالم کے اتنے مختلف خطوں میں اتنے مختلف مختلف زمانوں میں ظاہر ہوئے ہوں اتنا اتحاد عقلاً ممکن ہے؟ پھر خود ان کے درمیان اتنی محبت' اتنی ایک دوسرے کی عظمت اور ایک دوسرے کے ساتھ ارتباط نظر آ سکتا ہے جس کی مثال دو حقیقی بھائیوں میں بھی نہ مل سکو۔ یہاں حدیث کے الفاظ ''فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ'' خاص طور پر قابل لحاظ ہیں شاید یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری بہ حیثیت آپ کے امتی ہونے کے ابھی باقی ہے اور آپ کی یہ حیثیت لازمی طور پر آخرت میں بھی ظاہر ہوگی ورنہ آپ کی نسبت سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اولویت کی نسبت کی۔ اس کے سوا کوئی وجہ حدیث کی روشنی میں ثابت نہیں ہوتی۔ اس روایت میں ایک فقرہ اور بہت زیادہ قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے ''لَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ'' یعنی ہمارے درمیان کوئی اور ہی نہیں۔ مدت دراز تک اس کی صحیح مرحل نہ ہو سکی اور یہ منکشف نہ ہو سکا کہ اس امر کے بیان فرمانے کی اہمیت کیا ہے۔ اس کے بعد نظر سے گذرا کہ کتب سابقہ میں آپ کی علامت میں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس رسول کے درمیان کوئی اور نبی نہ ہوگا' اس کے بعد سے پھر اس جملہ کی قدر وقیمت کا کچھ اندازہ ہونے لگا۔ دیکھو حدیث نمبر ۸۸۶ جس میں مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاہ مقوقس کے دربار میں جانے کا واقعہ مذکور ہے۔

(۹۹۵) * حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ہر نبی جس طرح دوسرے نبی کی نبوت کا مصدق ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اس کے معجزات کا بھی مصدق ہوتا ہے اور ان کا بھی پورا پورا احترام کرتا ہے۔ یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ کسی نبی نے دوسرے نبی کے مقابلہ پر کوئی معجزہ دکھلایا ہو۔ بقیہ .....

www.besturdubooks.net

عَلَی الْبَارِحَۃَ اَوْ کَلِمَۃً نَحْوَھَا لِیَقْطَعَ عَلَیَّ الصَّلٰوۃَ فَاَمْکَنَنِیَ اللّٰہُ مِنْہُ وَ اَرَدْتُ اَنْ اَرْبِطَہٗ
تھا تا کہ کسی طرح میری نماز قطع کرا دے مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھ کو قدرت عنایت فرمادی اور میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے

لله ..... اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو معجزہ ایک نبی کا ہو وہ دوسرے کا نہیں ہو سکتا بلکہ ایک ہی جنس کا معجزہ متعدد نبیوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ احیاء موتی۔ گو مشہور یہ ہے کہ یہ معجزہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ یہی معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ظاہر ہوا ہے۔ (دیکھو کتاب النبوات ص ۱۱۲) لیکن یہاں ہر ایک کا معجزہ جس طرح خود اس کی نبوت کی دلیل ہوتا ہے اسی طرح گزشتہ نبی کی صداقت بھی دلیل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف کاہنوں اور ساحروں کی جماعت ہے یہاں ہمیشہ ایک ساحر دوسرے ساحر کی کاٹ پر نظر آتا ہے اور اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ دوسرے کا عمل باطل کر دے۔

سبحان اللہ! اب آپ حدیث مذکور میں ذرا اخوت نبوت کی اس پاسداری کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ جس خاص تسخیر کے متعلق ایک پیغمبر کی زبان سے یہ دعاء نکل چکی تھی "پروردگار مجھے وہ بادشاہت دے جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے" دوسرا پیغمبر اس کا کتنا احترام ملحوظ رکھتا ہے کہ مذکورۂ بالا واقعہ میں اقتدار حاصل ہو جانے کے باوجود اس کو صرف اس لیے نافذ نہیں کرتا کہ کہیں اس میں دوسرے پیغمبر کی دعاء کے خلاف کا ادنیٰ سا شائبہ پیدا نہ ہو جائے حریفانہ ہمسری سے اتنا احتراز اور اخوت نبوت کا اس درجہ احترام' پس نبوت کا ایک اعجاز سمجھنا چاہیے۔ کیا اتنی بڑی جماعت میں بلا استثناء اس احترام کی مثال دنیا کی کسی دوسری جماعت میں مل سکتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسخیر جنات سے بڑھ کر ایک اور نعمت عطا فرمائی تھی اور وہ جنات کے لیے آپ کی بعثت تھی۔ اس لیے آپ کا عام پیغمبرانہ سلوک ان کے ساتھ بھی وہی تھا جو نوع انسانی کے ساتھ تھا' دونوں مخلوق کو آپ نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت دی ہے اور مالکانہ تصرف سے ہر جگہ احتراز فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ مالکانہ تسخیر سے دعوت الی الحق کہیں افضل ہے۔ (کتاب النبوت ص ۱۲۶) حافظ سیوطیؒ نے بھی الخصائص الکبریٰ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک جس رسول اعظم نے اپنی پسند سے شانِ عبدیت اختیار فرمائی تھی اس کی فطرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اب کوئی عمل بھی اس سے ایسا سرزد ہو جو عہدِ سلیمانی کے دور شاہانہ سے ملتا جلتا رہے۔ یہ نکتہ بھی ہو سکتا ہے۔ (دیکھو ترجمان السنۃ ص ۳۲۱ ج ۲ حدیث ۱۱۷)

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ شیطان چونکہ یہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں وہ وسوسہ اندازی سے تو عاجز ہے اس لیے اس نے یہ سعی کی کہ کسی صورت آپ کی نماز ہی میں خلل انداز ہو جائے اور آپ کو عمل کثیر کے لیے مجبور کر دے مگر حق تعالیٰ کے فضل سے اس کو اس پر بھی قدرت نہ ہو سکی آخر کار مایوس ہو کر پھٹکارا ہوا واپس ہو گیا۔ (دیکھو الیواقیت والجواہر: ص ۳۲ ج ۲)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ یہ شیطان بلی کی شکل پر آیا تھا۔ عالم روحانیات میں صورت کی تبدیلی ممکن ہے اگر کہیں انسان میں اس کی ٹھوس مادیت حائل نہ ہو جاتی تو وہ بھی اپنی صورت بدل سکتا۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کی تبدیلی کا ذکر بہت سے مواقع میں آیا ہے غالباً یہ بھی ان کے "روح اللہ" لقب کے اثرات میں سے ہوگا۔ بہر حال اس بنا پر آپ کا اس کو پکڑ کر ستون سے باندھنا اور بچوں کا اس کو دیکھنا وغیرہ سب معقول ہے۔ روحانیات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب ہمت اپنی قوت ہمت سے کسی روح کو کسی جسم میں مقید کر دے تو پھر وہ اس کو بدل نہیں سکتا اور اسی میں محصور ہو کر رہ جاتا ہے۔ ترجمان السنہ جلد دوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرشتہ کے تھپڑ مارنا اور اس کی آنکھ پھوٹ جانا بھی اس کی نظیر سمجھنا چاہیے اگر وہاں بھی فرشتہ اپنی اصل صورت میں آتا تو خدا تعالیٰ کا مقدس لله .....

www.besturdubooks.net

اِلٰی سَارِیَۃٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰی تُصْبِحُوْا اَوْ تَنْظُرُوْا اِلَیْهِ کُلُّکُمْ فَذَکَرْتُ قَوْلَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهٗ خَاسِئًا۔ (رواه البخاری)

کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں یہاں تک کہ صبح کو تم سب کے سب اس کو آنکھوں سے دیکھ لو۔ لیکن پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آ گئی "پروردگار مجھے ایسی بادشاہت عنایت فرما جو میرے بعد کسی اور کو زیبا نہ ہو۔ روح (حدیث کا ایک راوی) بیان کرتے ہے کہ (اس وجہ سے آنحضرتؐ نے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا) اور اس کے مقصد میں اس کو ناکام واپس کر دیا۔ (بخاری)

(۹۹۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ مِنْ دُعَاءِ

(۹۹۶) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابوداؤد علیہ السلام ایک دعاء یہ بھی فرمایا کرتے

ﷺ ..... رسول نہ اس کے تھپڑ مارتا اور نہ اس کی آنکھ ہی پھوٹتی یہ سب بشری صورت میں آنے کے کرشمے تھے۔

حضرت شاہ اہل اللہ کا تاریخی واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے پاس قلمداں رکھا ہوا تھا' ایک بار نظر اٹھی تو کیا دیکھتے ہیں کہ چھوٹا سا سانپ سامنے موجود ہے۔ آپ نے اپنے اسی انہماک کی حالت میں قلمدان سے چاقو نکال کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور پھر بدستور لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں نظر اٹھی تو اس سانپ کو وہاں نہ پایا اور ایک سپاہی مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا نظر پڑا۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت آپ کو بلاتے ہیں۔ یہ خالی الذہن اس کے ساتھ ہو لیے۔ جب اس نے جنگل کا رخ کیا تو ان کو کچھ شبہ گذرا یہاں تک کہ اس نے ایک غار میں داخل ہونے کے لیے ان سے کہا۔ اب یہ سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہے کچھ دور چل کر ان کو شاہی عدالت نظر آئی جہاں ایک شخص مقتول پڑا تھا۔ مدعی نے دعویٰ کیا کہ اس کا قاتل یہ انسان ہے۔ انہوں نے انکار فرمایا۔ بالآخر بادشاہ نے جو دو سفید ریش شخص اس کی دائیں بائیں طرف بیٹھے تھے ان کو دیکھا تو ان میں سے ایک صاحب نے ایک حدیث پڑھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو اپنی صورت بدلے اس کو قتل کر دو۔ اس جن نے چونکہ اپنی صورت بدل کر سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا بموجب حدیث مذکور اس کے قاتل پر قصاص واجب نہیں ہوتا۔ شاہ اہل اللہ نے ان کی زبانی یہ کلمات سن کر پوچھا۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پایا۔ انہوں نے جواب دیا ہم جن ہیں اور ہماری عمریں اتنی طویل ہو سکتی ہیں۔ بہر حال جب جن سانپ کی شکل میں آ کر مقتول ہو سکتا ہے۔ اپنی لاعلمی میں حقائق کا صرف استہزاء کرنا علم نہیں۔

(۹۹۶) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات سے کچھ یہ اندازہ لگانا چاہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں حب خداوندی کی آگ کس درجہ بھڑکی ہوئی ہوتی ہے مگر محبت کا کمال ہے یہی کہ اگر اس کے شرارے سر بفلک بھی پہنچ رہے ہوں جب بھی ایک محبت کی تمناء یہی ہو کہ کاش یہ آتش محبت اور زیادہ بھڑکتی۔

بشری محبت یہ ہے کہ اس کا قدم جتنا محبت الٰہی کی طرف اٹھتا چلا جائے اتنا ہی وہ اس کی عبادت میں تیز گام ہوتا چلا جائے۔ اس لیے ابوالدرداءؓ یہاں وہ کلمات بھی نقل فرماتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے برادر نبوت حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کی شان میں فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ خود عبدیت کا سب سے کامل مظہر تھے اس لیے آپ کی نظروں میں اپنے بھائی داؤد علیہ السلام کی جو ادا سب سے زیادہ پیاری معلوم ہوئی وہ ان کی عبادت ہی تھی پھر آپ کی عبدیت کا دوسرا کمال یہ تھا کہ جب ان کی عبادت کا ذکر فرماتے تو اس طرح فرماتے گویا وہ اپنی نظیر خود ہی تھے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اپنی شکر گذاری کے لیے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

دَاوٗدَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ وَ الْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَ مَالِیْ وَ اَھْلِیْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ قَالَ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَکَرَ دَاوٗدَ یُحَدِّثُ عَنْہُ یَقُوْلُ کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ. رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب.

تھے- الٰہی میں تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور وہ نیک عمل جو تیری محبت پیدا کر دے- الٰہی میرے دل میں اپنی محبت میری جان و مال' میرے گھربار اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیدا فرما دے- اور یہ بھی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتے تو یہ بھی فرمایا کرتے تھے' 'وہ بہت بڑے عبادت گزار بشر تھے-

(ترمذی شریف)

(۹۹۷) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

(۹۹۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ﷺ ..... حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے خاص طور پر خطاب فرمایا تھا اس لیے انہوں نے بھی عبادت الٰہی کا ایک ایسا نظام قائم فرمایا تھا کہ شب و روز میں کوئی ساعت بھی ایسی نہ تھی جس میں کہ ان کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد ان کے عبادت خانہ میں عبادت کرتا ہوا نہ ملتا ہو- ارشاد ہے- ﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا﴾ (سبا:۱۳)

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کبھی اپنے ان برادر نبوت کا تذکرہ آجاتا تو آپ ان کی شان عبادت کی توصیف میں بے ساختہ رطب اللسان ہو جاتے یہ کون ہیں؟ وہ کہ جن کی عبادت کی فرشتوں میں بھی دھوم مچی ہوئی تھی' حتیٰ کہ خود معبود حقیقی نے جو لقب چھانٹ کر ان کو عطا فرمایا تھا وہ بھی عبد اللہ کا لقب تھا- سورۂ اسراء میں جب آپ کا تذکرہ فرمایا تو اسی لقب سے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا﴾ اور سورۂ والنجم میں جب آسمانوں پر آپ کے ساتھ راز و نیاز کا ذکر کیا تو بھی اسی لقب سے ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی﴾ یہ ہے اخوت نبوت کہ عبودیت کے اس کمال تک پہنچنے کے بعد بھی اپنی عبادت کا ایک حرف زبان پر انہیں آتا اور جتنی مدح و ثناء زبان پر آتی ہے وہ اپنے ایک برادر نبوت کی ہے-

(۹۹۷) * حدیث مذکور میں یکجائی طور پر تین نبیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' جس کو پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نبیانہ اخوۃ دوسرے نبیوں کے عزت و احترام بیان کرنے اور اپنی فروتنی کے اظہار کے لیے گویا بہانہ کی متلاشی رہا کرتی تھی- اگر کہیں اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذرا ذکر آ گیا تو عظمت و برتری کے جتنے زوردار کلمات ہو سکتے تھے وہ ان کے حق میں اور عجز و نیاز کے جتنے کلمات ممکن تھے- وہ سب اپنے حق میں ادا ہونے لگے اور جب کہیں اپنے دوسرے علاتی بھائیوں کی یاد تازہ ہو گئی تو فوراً آپ کے تلطف و ترحم کے سمندر موجزن ہو گئے اور رحمت و رافت سے لبریز دعائیں ان کے لیے زبان سے نکلنے لگیں- پھر یہ سب کچھ محض شاعرانہ اور مبالغہ آمیزی کے طور پر نہیں بلکہ ٹھیک ٹھیک حقیقت پر مبنی-

دیکھئے یہاں جو کلمات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آپ کی زبان مبارک سے نکلے وہ کتنی عمیق حقیقت کے حامل تھے یقیناً اگر کہیں فطرت ابراہیمی شک و تردد سے پاک و صاف نہ ہوتی تو ان کے بعد جو حنیف بھی آتا اس میں شک و تردد کے جراثیم ضرور سرایت کر کے رہتے- حضرت آدم علیہ السلام سے سہو و نسیان سے ایک غلطی ہو گئی مگر آخر کار پھر ان کی ذریت کی سرشت میں داخل ہو کر رہی- اور اسی طرح ہر موسس کے نقصان و کمالات اس کے متبعین کے آئینوں میں چمکا کرتے ہیں- پس اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اگر رب ارنی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّکِّ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہم ہوتے (اگر

لہ ..... کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتٰی کا کلمہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے کہیں از راہِ شک ادا ہوتا تو پھر شکِ وتردد ملت حنیفہ کی بنیاد ہی میں داخل ہو جاتا۔ اس کی بقیہ شرح ترجمان السنہ ص ۲۶ ج ۲ پر ملاحظہ فرمایئے۔

حدیث کا دوسرا جملہ ذرا شرح طلب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جب انکار وتمرد کی حد کر دی اور معاصی وفواحش میں خلاف وضع فطرت عمل کا ایک ایسا باب کھول دیا جس سے دنیا اس سے قبل آشنا نہ تھی تو آخر ان کی ہلاکت کی ساعت سر پر آ گئی اور خدا تعالیٰ کے مقدس ملائکہ خوب صورت لڑکوں کی شکل میں آ پہنچے صورت یہ ہوئی کہ پہلے وہ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان بن گئے' ان کو ابھی کچھ علم نہ تھا کہ اصل ماجرا ہے کیا' انہوں نے حسب دستور انبیاء علیہم السلام اپنے مہمانوں کو احترام سے لیا' ادھر ان کی قوم کو اس کی خبر لگی تو نشہ معصیت میں مخمور ان کے مکان پر آ چڑھے اور ان کے معزز مہمانوں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اندازہ فرمایئے کہ قوم کے سارے ناہنجار افراد ایک طرف اور حضرت لوط علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی آبرو کا معاملہ ایک طرف' نہ خود اپنے دست وبازو میں ان کی مدافعت کی طاقت نہ قبیلہ ہی اتنا زوردار کہ اس موقع پر ان کی مدد کر سکے۔ اس حیرت اور مجبوری کے عالم میں ان جاہلوں کو بڑی فہمائش کی اور جو ایک بلند حوصلہ اور بامروت انسان اپنے مہمانوں کی خاطر بڑے سے بڑا ایثار کر سکتا ہے وہ بھی کر گزرے یعنی ابھی تک کفار اور مسلمانوں کے درمیان نکاح درست تھا' خود حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی بھی کافرہ تھی اور ہماری شریعت کے ابتداء میں بھی یہ نکاح درست سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے خدائی حدود کے تحفظ اور اپنے مہمانوں کے ناموس کی خاطر وہ بات بھی برداشت کر لی جس کو جواز کے باوجود وہ بے اختیار برداشت نہ فرماتے اور یہ بات کہی کہ تم میری لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہو یہ ایک شرعی راستہ ہے لیکن ایک حرام فعل کا ارتکاب اور وہ بھی میرے گھر پر پھر وہ بھی اپنے معزز مہمانوں کے ساتھ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔[۱] اس پر ان کی جاہل قوم نے جو فواحش کے خوگر انسانوں کا لہ .....

---

[۱] اگر یہاں لفظ بنات سے مراد بنات قوم لی جائے تو بے شبہ اس مجازی معنے کا استعمال خلاف محاورہ تو نہیں کہا جا سکتا مگر پہلے یہ غور کر لینا ضروری ہوگا کہ نبی کی معنوی ابوت کے لحاظ سے عرف قرآن میں کہیں امت کی لڑکیوں پر نبی کی زبان سے ''بناتی'' کا اطلاق ہوا ہے؟ اس وقت ہمارے ذہن میں تو کوئی ایسی آیت نہیں آتی۔ دوم جب اخوتِ اسلامی کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ کو ''ھذہ اختی'' کہنا ایک کذب کی برابر سمجھا ہو تو پھر بالکل اجنبی عورتوں کو کسی معنوی رشتہ سے ''بنات'' کہہ کر پکارنا انبیاء علیہم السلام کے عرف میں کہاں تک قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ سوم ''بناتی'' میں خاص اپنی طرف نسبت کرنے سے جس خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے اس کا کوئی نکتہ بھی بیان کرنا ضروری ہوگا بالخصوص جب کہ وہ عورتیں کافرہ تھیں۔ چہارم یہ کہ قرآن کریم نے کفر کے ساتھ جب اپنے نسبی عزیز کو ''ان ابنی من اھلی'' کہنے کی اجازت نہیں دی بلکہ صاف ''اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ'' فرما دیا تو پھر جن کافرہ عورتوں کے ساتھ نسبی کوئی رشتہ بھی نہ ہو ان کو ''بناتی'' کا پیارا کلمہ کہنا کہاں تک جائز ہوگا۔ کیا ان کافروں کی اولاد پر جو نبی کی فضیحت کے لیے چڑھ آئے تھے اپنے اس معنوی رشتہ کے اظہار کا یہی محل رہ گیا تھا۔ پنجم اگر ان مجبور کن حالات میں بھی اپنی حقیقی بنات کی جائز پیشکش قابل اعتراض ہو سکتی تھی تو کیا دوسروں کی لڑکیوں کی پیشکش پھر وہ بھی اسی قابل اعتراض عنوان سے کچھ کم قابل اعتراض ہے کیا نبی کی شان کے یہ مناسب ہوگا کہ وہ اپنی بلا ٹالنے کے لیے اپنی امت کی لڑکیوں کی پیشکش کرے اور صرف ''بناتی'' کے ایک محبت آمیز کلمہ کی آڑ لے کر وہی بلا ان کے سر ڈالنے کا ارادہ کر لے۔ ہمارے نزدیک تو یہ پہلے سے بھی زیادہ ناموزوں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام پر اپنے مہمانوں کی اس فضیحت سے اخلاقی طور پر جو ناقابل برداشت دباؤ پڑ رہا تھا اس کا کچھ اندازہ ہی نہیں لگایا گیا کہ کن حالات میں یہ جائز کلمہ ان کی زبان سے نکلا تھا۔ ایک بے حیا' بدمعاش اور مضبوط ٹولی کے ہجوم کے سامنے تہذیب وآداب اور مروت ←

www.besturdubooks.net

مِنْ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ یہ سوال انہوں نے از راہ شک کیا ہوتا) جب کہ عرض کیا تھا۔ میرے

..... جواب ہوا کرتا ہے وہی جواب دے دیا اب حضرت لوط علیہ السلام کی اس بے چارگی اور قوم کی اس سرکشی اور فاسد ارادوں کا نقشہ سامنے رکھیے اور اندازہ لگایئے کہ یہ سماں دیکھ کر ایک باعصمت نبی کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی آپ کے دل کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبیانہ اخوت کے سامنے جب یہ نقشہ آیا تو آپ پر اس گزشتہ مصیبت کی ایک تازہ واقعہ کی طرح چوٹ لگی۔ اور بڑے درد کے انداز میں فرمایا 'الٰہی میرے بھائی لوط پر بڑی رحمتیں نازل فرما کہ قوم کی نالائقیوں اور ایذاؤں سے تنگ آ آ کر انہیں ان کلمات کے کہنے کی نوبت آ گئی جو فطرتِ بشری سے بدرجہ مجبوری نکلا کرتے ہیں۔ یعنی کاش اس معصیت وفضیحت کا نقشہ بدلنے کی طاقت خود میرے دست وبازو میں ہوتی یا میرا کوئی زوردار قبیلہ[1] ہوتا تو ان نابکاروں کو مناسب سزا دی جا سکتی۔ انبیاء علیہم السلام کے مخلصانہ اور عاجزانہ کلمات کبھی خالی نہیں جاتے البتہ ان کی یہ آواز بھی آسمانوں پر سنی گئی اور اسی دن کے بعد سے سنۃ الٰہیہ یہی ٹھہر گئی کہ جب کوئی نبی آتا تو ہمیشہ مضبوط قبیلہ کا آتا۔

انسان کا خاصہ ہے کہ جب وہ طرح طرح کی ایذاؤں اور مصائب کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کے صبر کے لیے اس قسم کے گزشتہ واقعات کا تصور بڑا تسلی بخش ہوتا ہے اس لیے جب آپ بھی مصائب وآلام کے اسی دور سے گزر رہے تھے تو ایک مرتبہ آپ کو اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد بے ساختہ آ گئی پھر کیا تھا ان کی عظمتِ شان بیان کرنے کا گویا پھر ایک بہانہ مل گیا اس لیے فرمایا رحم اللہ موسی لقد اوذی اکثر من ذلک فصبر - خدا تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحمتیں نازل فرما بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں اور ان مصائب سے بھی زیادہ شدید مصیبتیں جھیلیں مگر انہوں نے صبر ہی کیا۔

آپ نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب بھی اپنے بھائیوں کے شدائد کا نقشہ آیا تو ہمیشہ ان کے حق میں بزرگی اور دعاء کے کلمات ہی نکلے اور ہر ہر موقعہ پر اپنی فروتنی اور تواضع کا ہی اظہار ہوتا رہا اور کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ سالوں ایک گھاٹی میں بے آب و گیاہ قید رہنے کی حالت میں یا طائف کے میدانوں میں خون سے رنگین ہو جانے یا سر کے زخمی اور دندان مبارک کے شہید ہو جانے کے بعد بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بالمقابل کبھی یہ کلمہ زبان پر آیا ہو کہ ان مصائب پر جس طرح میں نے صبر کیا مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں کیا۔

تیسرا جملہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ تھا آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان بڑی ہوتی ہے مگر ان کی باز پرس بھی بڑی ہوتی ہے' ان سے مواخذہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ایک بار یہ کلمہ نکل گیا "انا اعلم" اس وقت سب سے زیادہ علم مجھ کو ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی وقت سے زیادہ علم اور کس کو ہو سکتا ہے مگر ان کا یہ کلمہ بھی گرفت میں آ گیا حتی کہ اس .....

← کی تجاویز پیش کرنے کا وقت تھا یا کسی بھی صورت سے اپنے معزز مہمانوں کی آبرو بچا لینے کا مرحلہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''بنات'' کے مجازی معنی اختیار کرنے کے لیے اگر صرف یہی عقلی اعتراض داعی ہوا ہے تو اس کی کوئی معقول وجہ اب تک ہمارے ذہن میں نہیں آ سکی۔ مفسرین میں سے جن بعض حضرات نے اس مجاز کو استعمال کیا ہے اس کی وجہ اور ہے' یہ عقلی شبہ نہیں ہے۔ زیادہ تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔

[1] جن صاحبان نے "رُكْنٍ شَدِيْدٍ" سے یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات مراد لی ہے انہوں نے قرآنی آیت "اَوْ اٰوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ" میں او حرف تردید پر غور نہیں کیا اور صحیح بخاری کی ایک لفظ کی مراد بھی خود اسی معنے کی موید سمجھ لی ہے حالانکہ اس روایت کا مطلب بھی دوسرا ہے۔ ابن حزم نے مل ونحل میں لکھا ہے کہ اس سے مراد ملائکۃ اللہ ہیں۔

www.besturdubooks.net

الْمَوْتٰى وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِىْ پروردگار دکھلا دے تو مردہ کیسے زندہ کرتا ہے؟ خدا تعالیٰ لوط علیہ السلام پر

ﷺ ..... کی سرگزشت سورۃ الکہف میں مستقلاً بیان کی گئی جو تا قیامت تلاوت کرنے والوں کی زبانوں پر تازہ ہوتی رہے گی-حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے اپنی بی بی کے متعلق ایک نازک سے نازک وقت میں ''ھذہ اختی'' کا کلمہ نکل گیا مگر وہ ہمیشہ اس پر اتنے نادم رہے کہ محشر تک بھی زبان سے اس کی تلخی نہ گئی آخر جب اہل محشر ان سے شفاعت کے لیے عرض کریں گے تو اپنے اسی قسم کے کلمات یاد کر کے فرطِ ندامت سے اپنا سر جھکا لیں گے اور فرمائیں گے کہ میں اس بلند مقام کا اہل نہیں-پس اس طرح لفظی گرفت اور اپنی ذرا سی بات پر اس طرح ندامت صرف اسی مقدس گروہ کا خاصہ ہے-انبیاء علیہم السلام کی معصومیت کا مقام کو کتنا ہی بلند ہو مگر بشریت پھر ان سے الگ نہیں ہوتی-حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بھی جب زنانِ مصر کی دعوت کا ہوش ربا منظر آیا اور جیل خانہ کی سخت دھمکی بھی ان کے کانوں نے سنی اور ان کو یہ یقین دلایا گیا کہ اب تمہارے لیے صرف دو ہی راستے ہیں یا ان کی دعوت کو قبول کر و یا پھر جیل خانہ کے لیے تیار ہو جاؤ-اب انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا اندازہ آپ یہاں سے فرمالیجئے کہ تو جوانی کے عالم میں سامنے سے حسن اپنی پوری شوکت و طاقت کے ساتھ خود دعوت دے رہا ہے مگر نبیانہ عصمت ہے کہ پہاڑ کی طرح ذرا متزلزل نہیں ہوتی اور جواب صرف یہ ہے کہ اگر میرے لیے راہیں صرف یہی دو ہیں تو مجھ کو اپنی عصمت کے مقابلہ میں جیل خانہ اختیار کر لینا بخوشی پسند ہے-بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ جواب زنانِ مصر کے سامنے تو ایک نبی کا نہیں فرشتہ کا جواب تھا' لیکن چونکہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر اپنے رب کی طرف اٹھی ہوئی تھی جس نے ان کی تربیت نبیانہ تربیت فرمائی تھی اس لیے یہ بلند جواب بھی گرفت میں آ گیا رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ (پروردگارا جس بات کی دعوت یہ عورتیں مجھ کو دے رہی ہیں اس کے مقابلہ میں قید میں جانا میرے نزدیک قابل ترجیح ہے-ان مفسرین کا خیال یہ ہے کہ جب معاملہ پروردگار کے سامنے آ گیا تھا تو اب یہاں ایک تیسرا راستہ اور بھی تھا اور وہ پوری عافیت تھی یعنی نہ ان کی دعوت کو لبیک کہنا پڑے اور نہ جیل خانہ کی مصیبت سہنی پڑے-رب کے سامنے نہ یہ مشکل ہے نہ وہ مشکل ہے اس قسم کی گرفتیں صرف انبیاء علیہم السلام ہی کے ساتھ ہوتی ہیں اور ان کا مقصد ان کے منصب کی بلندی اور نزاکت کا اظہار اور عام انسانوں کو یہ سبق دینا ہے کہ ضعیف انسان کو کسی موقعہ پر بھی ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالنا چاہیے جو اس کے ضعف بشری کے مناسب نہ ہو بلکہ اپنے پروردگار سے ہر حالت میں عافیت ہی عافیت طلب کرنی چاہیے انسان کی استقامت کتنی ہی مضبوط ہو مگر اس کو آزمائش میں ڈالنا کیا ضرور-یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کی شان ہے کہ جتنی آزمائشوں میں وہ پھنستے ہیں اتنے ہی اور کھرے ثابت ہوتے ہیں-چنانچہ اس کلمہ کو بھی جس صداقت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے منہ سے نکالا تھا پھر آخر دم تک اسی مضبوطی کے ساتھ اس کو نباہا بھی حتیٰ کہ جب ان کو رہائی کی خبر ملی تو جلدی سے فوراً اس طرح باہر نہیں آ گئے کہ پہلے جو بات ان کے منہ سے نکل گئی تھی گویا وہ بے سوچے سمجھے نکل گئی تھی یا صرف وقتی جذبات تھے جس پر بعد میں ان کو ندامت ہو سکتی تھی بلکہ بڑی استقامت کے ساتھ فرمایا کہ تم رہائی کا حکم لے کر آئے ہو مگر جس نے اپنی خوشی سے جیل خانہ پسند کیا تھا وہ اس وقت تک اپنی رہائی پسند نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے سر تہمت رکھنے والی عورتیں خود بھی اس کے بے گناہی کا اعتراف نہ کر لیں-

آپ نے دیکھ لیا کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ نکل گیا تھا وہ اس کے قلب کی کس گہرائی سے نکلا تھا اور آخر تک کس شان کے ساتھ اس کو نباہا گیا-یہ شان انبیاء علیہم السلام ہے' مگر سنت اللہ یہاں بھی پوری ہو کر رہی-آخر ان کے الفاظ کے جو آثار ہونے تھے وہ نمایاں ہو کر رہے' یہ شانِ الٰہی تھی یہ دونوں شانیں اپنی اپنی جگہ قابل داد ہیں اور عام انسانوں کی زندگی کے لیے اہم اسباق ہیں-اس کے پڑھنے کے لیے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ   رحمت نازل فرمائے وہ کسی اور اگر کہیں میں حضرت یوسف کی برابر مدت تک

ﷺ ..... ان کے اوراق زندگی متحمل نہیں یہ صرف انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی جگہ قابل داد ہیں اور عام انسانوں کی زندگی کے لیے اہم اسباق ہیں۔ اس کے پڑھنے کے لیے ان کے اوراق زندگی متحمل نہیں یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کے صحیفہ حیات میں پڑھے جاسکتے ہیں۔

اس عمیق اور نازک پہلو کو بعض مفکرین نے نہیں سمجھا اور صرف یہ کہہ کر ان مفسرین پر رد کرنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کا معاملہ ان مفسرین کے نزدیک گویا صرف ان کی اپنی بدشگونی اور بد فالی کا نتیجہ تھا حالانکہ ان مفسرین کے سامنے اس قسم کی گرفتوں کا ایک پورا باب ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک بات جو دو انسانوں کے مابین کتنی بھی معقول سے معقول سمجھی جائے لیکن جب وہی بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان آ جائے تو پھر ضروری نہیں کہ اسی درجہ میں معقول ثابت ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر سوال و جواب کیے تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو اتنا معقول جواب دیا کہ آخر ان کو خاموش ہو جانا پڑا۔ لیکن جب یہی سوال ان سے پروردگار نے فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام جواب کا ایک حرف زبان پر نہ لا سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب اپنے بھائی یوسف کی اس مصیبت کا نقشہ آیا تو آپ ان کی داد دینے کے لیے یہاں بھی فوراً بے تاب ہو گئے اور صرف اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ ان کی عزت و احترام کی خاطر تواضع کے ہی کلمات اپنے حق میں استعمال فرما سکتے تھے وہ استعمال فرما لیے۔ یہ ہے اخوت نبوت کہ سر پر سرداری کا تاج رکھا ہوا ہے مگر یوں نظر آتا ہے کہ آپ اپنے بھائیوں پر فوقیت کے جذبات سے اتنے خالی ہیں گویا ادھر التفات ہی نہیں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ ساری داستان صرف ایک ایسے خواب ہی کی بدولت تو پھیلی تھی جس سے ان کی برتری ظاہر ہوتی تھی مگر آپ کی شان یہاں بالکل جدا تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی کامل کا کمال جتنا بڑھتا جاتا ہے اس کی شان تواضع اتنی ہی اور بڑھتی چلی جاتی ہے اس کے انکسار و تواضع کے کلمات اس کے نقص کا موجب نہیں ہوتے بلکہ اور اس کے کمال کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے مصائب کا نقشہ بار بار آپ کے سامنے آنے کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہوگی کہ قرآن کریم نے خاص طور پر آپ سے خطاب فرمایا تھا فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل۔ یعنی جس طرح سب اولوالعزم رسول ہمیشہ صبر کرتے چلے آئے ہیں اسی طرح تم بھی صبر پر قائم رہنا۔ پس چونکہ قرآن کریم ہی نے آپ کے صبر کے لیے انبیاء سابقین کا تصور آپ کے سامنے رکھا تھا اس لیے ہر ہر صبر آزما موقعہ پر آپ صبر فرماتے اور سابق انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ صبر سامنے رکھتے جاتے اور جب یہ صورت حال حسب الاتفاق بیان میں آ جاتی تو ہر جگہ یوں معلوم ہوتا گویا آپ کی نظروں میں صبر کا پلہ ان ہی کا بھاری ہے۔

آپ کی اس شانِ تواضع و انکسار میں بڑا دخل اس کا بھی تھا کہ آپ کی فطرت میں عبدیت اس طرح گوندھی گئی تھی کہ آپ کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، غصہ و رضاء، مقہوری اور اقتدار کی ہر ہر اداء میں وہ بے اختیار ٹپکتی نظر آتی تھی، انبیاء علیہم السلام اپنی زبان سے جو نکالتے ہیں وہ صرف ان کے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ ان کی فطرۃ کے ترجمان ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ابھی آپ پڑھ چکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت کا تذکرہ عنقریب آپ اسی جلد میں پڑھنے والے ہیں پس ایک موقعہ پر آپ نے چونکہ عبدیت کو ملوکیت پر از خود ترجیح دے کر اپنے حق میں عبدیت ہی کو پسند فرما لیا تھا اور اس لیے پسند فرمایا تھا کہ یہ جو ہر روزِ ازل ہی سے آپ کی فطرت میں ودیعت فرما دیا گیا تھا اس لیے عمد و نسیان کے ہر ہر موقعہ پر اختیار و بے اختیار جو کلمات بھی آپ کی زبان مبارک سے نکلتے وہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ.	جیل خانہ میں قید رہتا اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے میرے بلانے کے
(متفق علیہ وراجع ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۱۷)	لیے کوئی شخص آتا تو میں اس کے ساتھ ہو لیتا۔ (متفق علیہ)
الانبياء والرسل عليهم الصلوة والسلام	انبیاء علیہم السلام سب بشر تھے اور سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے
كلهم بشر وكلهم عبادا الله تجرى	تھے اور اللہ تعالیٰ کی جو سنت نوعِ بشری کے لیے ٹھہر چکی ہے
عليهم سنة الله ماتجرى فى سائر عباده	وہ ہمیشہ اُن پر بھی جاری ہوتی چلی آئی ہے
(۹۹۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ	(۹۹۸) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ

ﷺ ..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کے سچے گواہ ہوتے۔ اس لیے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات ہر موقع پر کسی خاص ارادہ یا خاص مصلحت ہی سے نکلا کرتے تھے بلکہ عربی کے محاورہ کا مصداق تھے (الاناء تير شيح بما فيه) یعنی برتن سے وہی ٹپک ٹپک کر نکلتا ہے جو اس میں بھرا ہوا ہوتا ہے۔

اب آپ اس خاص صفت عبدیت کے پیش نظر سوچئے کہ ایک عبد کا نقشہ یہاں کیا ہونا چاہیے کیا یہی نہیں کہ جب اس کا آقا اس کو جیل خانہ میں بھیجے تو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ وہ جیل خانہ میں داخل ہو جائے اور جب اس کو باہر آنے کا حکم دے تو اسی طرح خوشی خوشی باہر نکل آئے۔ گویا قید و رہائی کے دونوں معاملے اپنے آقا کے حکم برداری کے سامنے اس کے لیے برابر ہوں۔ اگر آپ کا جواب آپ اس روشنی میں پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو فروتنی کے جملے یہاں آپ کے دہن مبارک سے نکلے رہے تھے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری کے سب سے کھلی دلیل تھے۔

آپ نے اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں پانچ مشہور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کی اخوۃ نبوت ملاحظہ فرمائی۔ اب چند اور واقعات بھی ترجمان السنہ کے ان صفحات پر ضرور ملاحظہ فرمالیجئے: ترجمان السنہ ج ۴ ص ۳۱۸ تا ۳۲۳۔ امید ہے کہ اخوۃ نبوت کا مفہوم اور اس کی اہمیت ذہن نشین کرنے کے لیے یہ واقعات آپ کے لیے کافی ہوں گے۔ اور اس کے بعد ان احادیث میں جو سوال و جواب کیے گئے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی کوئی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ اگر ان احادیث پر نظر کرنے کے وقت اس طرف بھی خیال کر لیا جاتا کہ یہ الفاظ کن تاثرات کے ماتحت تھے تو ان کی تاویل کی بجائے یہ روشن ہو جاتا کہ اخوت نبوت کے ہوتے ہوئے ان الفاظ کے اداء کیے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہتا۔

(۹۹۸) ✱ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مسئلہ کوئی حدیثی مسئلہ نہیں بلکہ قرآنی مسئلہ ہے' اس نے ان کی بشریت کو جابجا مسلمات اور بدیہیات کی طرح پیش کیا ہے۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے جو تو قیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا بلند مذاق رکھتے ہیں اپنی تصنیف ''الشفاء'' میں مسئلہ عصمت پر بحث کرتے ہوئے آخر میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ رسول یقیناً معصوم ہوتے ہیں مگر بشریت سے معصوم نہیں ہوتے وہ بشر کی طرح پیدا ہوتے ہیں اور انسانی زندگی کے جملہ ادوار طفلی' شباب اور شیخوخت سب سے عبور کرتے ہوئے آخر میں ہمیشہ کے لیے اسی طرح زمین میں جا کر مدفون ہو جاتے ہیں جیسا جنس بشری ہمیشہ سے مدفون ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت عام انسانوں کے برخلاف صرف ایک صنف عورت سے ہوئی تھی بس اتنی سی بات سے نصاریٰ نے ان کا رشتہ عالم بشر سے کاٹ کر خالق بشر کے ساتھ جا جوڑا۔ مگر یہاں قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے لیے تو نہ والد تھے نہ والدہ جب وہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهُ أَزِيْدَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَ | علیہ وسلم نے سہواً ظہر کی پانچ رکعتیں ادا فرمائیں اس پر آپ سے عرض کیا گیا ظہر کی نمازوں کی رکعتیں کیا بڑھا دی گئی ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟

..... بشر ہی رہے بلکہ ابوالبشر تو یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تو تھیں۔ تعجب ہے کہ جن کی والدہ ماجدہ بھی تھیں اور والد ماجد بھی پھر ان کی بشریت سے انکار کی جرأت کیونکر ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان کی عقل پر جب اہواء و خواہشات کے حجابات پڑ جاتے ہیں تو وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کا بھی انکار کرنے لگتا ہے اور اتنا بھی نہیں سوچتا کہ جب تمام مخلوقات میں بشر ہی سب سے افضل اور سب سے اشرف مخلوق ہے تو پھر رسولوں کی بشریت کا انکار کر کے وہ ان کو آخر اور کس مخلوق میں شامل کرے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خالق کی جانب میں تو کسی امر میں بھی شرکت کی گنجائش نہیں نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں۔ پھر خالق سے ہٹ کر مخلوق ہی کا دائرہ ہے۔ اس میں سب سے افضل و اشرف یہی نوع انسانی ہے' اسی کو قدرت نے اپنی خلافت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی بشریت سے انکار صرف قرآن و حدیث کا انکار نہیں اپنے مشاہدہ کا بھی انکار ہے' بلکہ اس مقدس گروہ کی سب سے بڑی فضیلت کا انکار ہے۔ تعجب ہے کہ انسان نے مسجود ملائک ہونے کے بعد بھی اپنی شرافت کو نہیں سمجھا اور تاج خلافت کے بعد بھی اپنی قدر نہیں پہچانی اگر وہ اس کی حقیقت سمجھتا تو رسولوں کو بشر کہنا اس کو ہرگز بار نہ گذرتا۔ اس کے برعکس یہاں دوسرا طبقہ وہ ہے کہ جب وہ بشریت کا قائل ہوا تو اس نے رسولوں کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں اس طرح سمجھ لیا کہ پھر ان کے حق میں کسی امتیاز کا قائل ہونا ان کے نزدیک گویا ان کی بشریت ہی کے انکار کے مرادف بن گیا اس لیے اس بدیہی مسئلہ کی تفہیم کے لیے مجبوراً ہمیں یہ لکھنا پڑتا ہے کہ عالم میں قدرت نے مختلف انواع اور انواع میں مختلف اصناف پھر اصناف میں مختلف استعداد کے افراد پیدا فرمائے ہیں دیکھئے جمادات' نباتات' حیوانات اور انسان۔ یہ مختلف انواع ہیں۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ ان انواع میں کتنا فرق ہے جمادات بالکل بے حس و شعور نظر آتے ہیں نباتات یہاں کچھ ان سے پیش گام ہیں اور حیوانات کچھ کچھ ادراک و علم سے بھی فیضیاب معلوم ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب آخری نوع کا نمبر آتا ہے تو اس کے شعور و حس' علم و ادراک کے سامنے دوسری انواع ایک ذرہ بے مقدار نظر آتی ہیں مگر کیا اس کی اس برتری کی وجہ سے دوسری انواع کے ساتھ اس کی مخلوقیت میں شرکت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح اب اگر اصناف برابر ہیں ان میں باہم کوئی تفاضل نہیں۔ اسی طرح اب اگر ہر صنف کے افراد پر غور کرو تو ہر صنف کے افراد میں بھی فضل و قیمت کا اتنا بڑا تفاوت نظر آئے گا کہ اس کا ضبط و احصاء مشکل ہے لعل و جواہرات کی قیمتوں کے تفاوت پر غور کرو۔ اسی طرح حیوانات میں گھوڑے کی صنف کے افراد کی قیمتوں پر غور کرو تو تم کو یہاں فضیلت کے اتنے درجات نظر آئیں گے کہ صنفی اشتراک کے بعد بھی ان میں گویا کوئی اشتراک ہی نہیں ہے۔ اسی طرح نوع انسانی کا حال ہے بلکہ یہ نوع جتنی شریف تر ہے اس کے افراد میں تفاوت بھی اتنا ہی بے اندازہ ہے۔ کافر بھی انسان ہی کا فرد ہے اور مسلم بھی' پھر مقبولین کے افراد کو اگر مجملاً ضبط کرو تو قرآن کریم کے الفاظ میں وہ چار طائفہ ہیں انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین۔ ان کے مابین فضائل و کمالات میں بے اندازہ تفاوت ہے' پھر یہی حال ان میں سے ہر طائفہ کا ہے۔ اس لیے کسی صنف یا نوع کے افراد میں ان کے باہم تفاضل کا انکار کرنا نہ تو یہ حقیقت پر مبنی ہے اور نہ ان کے تفاضل کا اقرار کر کے ان کے صنفی یا نوعی اشتراک کا انکار کرنا یہ علم کی بات ہے۔

واضح رہے کہ بشر گو اضعف المخلوقات ہے مگر اس میں ترقی و عروج کی اتنی عظیم صلاحیت موجود ہے کہ ایک انسان ترقی کرتے کرتے ایسے عالی سے عالی مقام تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے جہاں مقرب سے مقرب ملک بھی جانے کی طاقت نہیں رکھتا شب .....

www.besturdubooks.net

مَاذَاکَ قَالُوْ صَلَّیْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَ تَیْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ

انہوں نے عرض کیا' آج آپ نے پانچ رکعتیں ادا فرمائی ہیں- یہ سن کر آپ نے سلام کے بعد سہو کے لیے دو سجدے کیے اور ایک روایت میں ہے

ﷲ ..... معراج کے سارے سفر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے لیکن ایک موقعہ ایسا بھی آیا جہاں سے آگے تجاوز کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور جب ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفاقت ترک کرنے کی وجہ دریافت فرمائی تو بڑے خوف کے انداز میں اتنا ہی عرض کر سکے۔

اگر یک سرموئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب کے لیے بس اپنا ایک ایک مقام مقرر ہے- اس لیے اگر میں یہاں سے ایک بال بھر بھی آگے پرواز کروں تو تجلی ربانی میرے بال و پر سب سوخت کر دے- اس تجلی کی تاب و طاقت تھی تو ایک بشر ہی میں تھی آخر وہی آگے بڑھا اور صرف آگے ہی نہیں بلکہ منازل قرب طے کرتے کرتے وہاں جا پہنچا جہاں کا نقشہ اگر الفاظ میں کچھ ادا ہو سکتا ہے تو فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ ہے اور ابھی اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ اس میں "اَوْ اَدْنٰی" کی گنجائش اور نکل آئی پھر اس کی حد کیا تھی- یہاں پہنچ کر قرآن کریم نے بھی سکوت اختیار کر لیا ہے- پھر کس کی مجال ہے کہ اس کے بعد لب کشائی کر سکے ع

قلم اینجا رسید و سر بشکست

مگر کیا ان مدارجِ قرب کے بعد بشر مخلوقیت کے دائرہ سے ایک قدم بھی باہر نکل سکا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ- چنانچہ وہی بشر جو قرب کے اتنے منازل طے کر چکا تھا جب پھر واپس ہوا تو اس پر بشریت کی قباء پہلے سے زیادہ مزین تھی اور اس عظیم الشان قرب کے بعد جو انعام ساتھ لایا وہ عبادت کا خاص طریقہ اور عبدیت کی ایک نرالی شان تھی- ہجرت سے پہلے پہلے ان سارے کمالات سے اس کو نوازا گیا اور ہجرت کے بعد تا وفات اپنی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں جس امر کا اس نے مظاہرہ کیا وہ سرتاپا عبدیت ہی عبدیت تھی- شیخ اکبرؒ لکھتے ہیں کہ مقام عبدیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے ایک مرتبہ مجھ پر سوئی کے ناکہ کی برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل گیا ہوتا- سبحان اللہ جہاں جبرئیل علیہ السلام قدم نہ اٹھا سکے وہاں شیخ اکبرؒ کے قدم کیا سنبھلتے-

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں عبداللہ بطور لقب صرف دو نبیوں کی شان میں آیا ہے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے اور دوسری ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ولادت کے بعد جو پہلا کلمہ زبان سے نکالا وہ یہ تھا ﴿اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ﴾ (کسی شبہ و تردد کے بغیر میں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہوں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿فَلَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْ ایَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا﴾ (الجن: ۱۹) دونوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں عبداللہ کا لقب اپنے حق میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے استعمال کیا ہے اور یہاں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خود حق تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے چنانچہ اسراء کا ذکر شروع فرماتے ہوئے ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ میں آپ کی اسی صفت عبدیت کو ذکر کیا ہے بلکہ اس کو خاص طور پر اپنی طرف منسوب کر کے اور مشرف و مکرم بنا دیا ہے پس معراج کا ثمرہ یہ نہیں تھا کہ آپ کی بشریت کی قباء اتار کر آپ کو کوئی دوسری قباء پہنا دی گئی تھی بلکہ اسی کی اور تکمیل کی گئی تھی- سچ تو یہ ہے کہ مولیٰ کی نوازش جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے عبد کی عبدیت میں اتنا ہی اور اضافہ ہوتا جاتا ہے- اس لیے جس فریق نے انبیاء علیہم السلام کے امتیازات اور فضائل کا باب پڑھ کر ان کے بشر ہونے کا ہی انکار کر ڈالا وہ بھی تاریکی میں ﷲ .....

www.besturdubooks.net

مِثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِىْ وَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ. (متفق علیہ)

کہ یہ فرمایا میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم بشر ہو اور بھول بھی جاتا ہوں جیسا تم بھول جاتے ہو اس لیے جب میں بھولا کروں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور ایک مسئلہ یہ اور سن لو کہ جب تم کو نماز میں شک پیش آ جائے تو پہلے کسی ٹھیک بات پر اپنی رائے جمانے کی کوشش کرو پھر اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کر لو پھر سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر لیا کرو۔ (متفق علیہ)

(۹۹۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ وَ يَخِيْطُ ثَوْبَهٗ وَ يَعْمَلُ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِىْ بَيْتِهٖ وَ

(۹۹۹) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چپل کو خود درست فرما لیا کرتے' اپنے کپڑے خود سی لیتے اور اپنے گھر میں اسی طرح سب کام کاج کر لیا کرتے تھے جیسا تم سب لوگ

..... ہے اور جس نے ان کی بشریت کا اقرار کر کے ان کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ وہ بھی مقام رسالت سے بڑا بے بہرہ رہا۔ انبیاء علیہم السلام کا ٹھیک مقام یہ ہے کہ وہ بشر ہوتے ہیں' بلکہ سید البشر ہوتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے رسول بشر نہ ہوتے تو نوع بشری کے لیے کوئی فضیلت ہی نہ ہوتی بلکہ وہ اسفل السافلین میں پڑی ہوئی نظر آتی۔ سورہ والتین کے شروع میں چار بڑی نبوتوں کا تذکرہ فرما کر انسان کا احسن تقویم پر ہونا اس لیے بیان فرمایا گیا ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی انسان کی اس فضیلت کا ثبوت ملتا ہے ورنہ عام انسان جو نہ تو ایمان سے آشنا ہیں نہ عمل صالح سے ان کا رتبہ خس و خاشاک سے بھی بدتر ہے۔ ان کو دیکھ کر کون باور کر سکتا ہے کہ انسان سب سے اشرف مخلوق ہو سکتی ہے۔ جس کو زندگی کے باہم تعلقات میں محارم و غیر محارم' حلال و حرام' دغاء و فریب' قتل و غارت' عریانی و ستر' حتیٰ کہ بول و براز تک کی تمیز نہ ہو کیا وہ انسان ہے جس کو دیکھ کر اشرف المخلوقات کہا جا سکتا ہے۔ معیشت و معاشرت کی یہ سب اصلاحیں صنف بشری میں صرف ان بشر کے ذریعہ ہوتی ہیں جو رسول کہلاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ترجمان السنہ جلد اول میں ''اسلام میں رسول کا تصور'' کا مضمون دیکھیے۔

(۹۹۹) * یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنی چاہیے کہ ہر انسان کی بیرونی اور اندرونی زندگی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بلند انسان کیوں نہ ہو بلکہ اس کی اندرونی زندگی میں ایک نہ ایک گوشہ ضرور ایسا ہوتا ہے جو خود اس کی نظروں میں بھی اس کی کمزوری کا ثبوت ہوتا ہے اسی لیے وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی اندرونی زندگی کا ہر ہر گوشہ باہر آ جائے لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان بشریت بھی عجیب در عجیب ہوتی ہے ان کی ان دونوں حالتوں میں ذرا فرق نہیں ہوتا بلکہ ان کی اندرونی زندگی بھی اسی طرح شریعت کا ایک جزء ہوتی ہے جیسا کہ بیرونی زندگی اور اسی مقصد کے پیش نظر ازواج کی کثرت ان کے حق میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہوتی ہے۔ انسانی معیشت کی خوبی یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر کے کسی کام سے بھی عار نہ ہو وہ ایک طرف گھر کا آقا بھی ہو اور دوسری طرف اپنی ہر ضرورت کو بے تکلف خود بھی انجام دے لیتا ہو۔ جو تین کام یہاں حدیث میں مذکور ہیں گو یہ بہت معمولی سے ہیں مگر انسان کی نفسی بشریت کے ثبوت کے لیے بہت اہم ہیں صرف صورت کے بشر تو بہت ہوتے ہیں لیکن جو سیرت میں بھی بشر ہوں وہ کم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معمولی اعمال آپ کی بشریت کی تکمیل کے لیے نہ تھے بلکہ جس کامل بشریت کے آپ مالک تھے ان کے طبعی آثار تھے۔ .....

www.besturdubooks.net

قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهٗ وَ يَحْلُبُ شَاتَهٗ وَ يَخْدِمُ نَفْسَهٗ. (رواہ الترمذی)

کر لیتے ہو اور فرماتی تھیں آپ بھی ایک بشر ہی تھے اپنے کپڑوں کی جوئیں تلاش کر لیتے - اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے اور اپنی ضروریات کو خود انجام دے لیتے - (ترمذی)

(۱۰۰۰) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ اِلَيَّ فَكَتَبْتُهٗ لَهٗ فَكَانَ اِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَ اِذَا ذَكَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَ اِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهٗ مَعَنَا فَكُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ الترمذی)

(۱۰۰۰) خارجہ روایت کرتے ہیں کہ چند لوگ ان کے والد حضرت زید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں سنا دیجئے - انہوں نے فرمایا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا - جب آپ پر وحی آتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے میں جا کر لکھ دیتا تھا اور جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس میں شریک ہو جاتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر فرمانے لگتے - پھر جب ہم کھانے پینے کا تذکرہ کرتے تو آپ اس میں بھی شریک رہتے - یہ ساری باتیں میں تم سے آپ ہی کی باتیں بیان کر رہا ہوں -
(ترمذی شریف)

ﷺ ..... حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولوں کا کمال یہ نہیں ہوتا کہ وہ راہبوں کی طرح ایک راہب بن جائیں' بلکہ ان کے دنیوی مشاغل بھی ان کی عبادت ہی کی ایک دوسری شکل ہوتے ہیں - اگر رسول بشر نہ ہوتے تو ان کی عبادت بھی فرشتوں کی طرح صرف تسبیح و تقدیس میں منحصر ہو کر رہ جاتی لیکن چونکہ وہ بشر ہوتے ہیں اس لیے ان کی عبادت کی ایک مستقل نوع وہ ہے جس سے خدا تعالیٰ کے مقدس فرشتے یکسر نا آشنا ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق سے تمتع حاصل کرنا مگر شرعی حدود میں رہ کر - پیٹ بھر لینا اور اسی طرح جملہ طبعی حاجات پوری کر لینا تو ایک عام بات ہے لیکن کس طریق پر ان کو پورا کرنا اور کس حد تک پورا کرنا حرام طریقوں سے اعراض کرنا اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنا یہ ضعیف اور محتاج بشر کی وہ عبادت ہے جس کا مقابلہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس نہیں کر سکتی - حدیثِ مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صرف صورت کے بشر نہ تھے بلکہ سیرت کے بھی بشر تھے -

(۱۰۰۰) ✽ اوپر کے نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دنیا کی معمولی باتوں میں شرکت کرنا بھی رسولوں کا ایک کمال ہے اور ایسا کمال ہے جس کی ہر بشر کو ضرورت ہے - زید بن ثابت نے اس سارے بیان میں یہ بتا دیا کہ رسول اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سننے کے لیے تم کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں - تم اگر چاہو تو اپنے روزمرہ کے معمولی امور میں رسول اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یاد تازہ کر سکتے ہو - اگر حضرت زیدؓ چاہتے تو یہاں آپ کی عبادت کا دفتر کھول کر رکھ دیتے مگر ان کو اسی نکتہ پر متنبہ کرنا تھا کہ رسالت کی شان ترکِ دنیا نہیں ہوتی وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ ان کی دنیا میں بھی شریک ہوتے ہیں اور اسی ضمن میں دنیا کو دین بنا دینے کی خُو ان میں پیدا کر دیتے ہیں ان کی دنیا ان کی آخرت سے کسی جگہ بھی علیحدہ نہیں ہوتی اور جب کسی کو دنیا آخرت سے علیحدہ ہونے لگتی ہے تو وہیں وہ سختی کے ساتھ ٹوک دیتے ہیں -

www.besturdubooks.net

(۱۰۰۱) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ تَعْنِيْ خِدْمَةَ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ.

(رواہ البخاری۔ و فی مصنف عبدالرزاق کان یخصف نعلہ و یخیط ثوبہ و یعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ)

(۱۰۰۱) اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں آکر کیا کیا کرتے تھے؟ فرمایا اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری فرماتے تھے، مگر جہاں نماز کا وقت آتا بس اسی وقت نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

(بخاری شریف)

(۱۰۰۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَ لَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ.

(رواہ البخاری راجع ترجمان السنہ ص ۳۷۵ ج ۲ و لابد)

(۱۰۰۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مجھ کو اگر ذرا سے گوشت پر دعوت دی جائے تو میں اس کو بھی قبول کروں اور اگر میرے سامنے بکری کی ایک دست کا بھی ہدیہ پیش کیا جائے تو میں اس کو بھی قبول کروں گا۔

(رواہ البخاری)

(۱۰۰۳) عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّمَ رَجُلًا فَاُرْعِدَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوِّنْ

(۱۰۰۳) ابو حازم روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کچھ بات کی تو وہ مارے خوف کے کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میاں گھبراؤ مت میں کوئی بادشاہ تو نہیں، میں تو ایک قریشی

(۱۰۰۱) ❋ بس بشر کی یہی وہ دینا ہے جس کو عبادت بھی کہا جاتا ہے۔ گھر کا کاروبار نہ کرنا کچھ مشکل نہیں مگر اس کاروبار کو چھوڑ کر خدائی عبادت کے لیے طبعی حاجات کی طرح بے تکلیف چل پڑنا بہت مشکل ہے۔ عبد کامل وہ ہے جو بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے مولیٰ کے حقوق بھی اور جب دونوں میں معاوضہ آپڑے تو مولیٰ حقیقی کا حکم اس طرح بجالائے گویا اب اس کے سامنے کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا۔ جس رسول اعظم کی تمام زندگی میں دنیا کے حقوق کی اس طرح ادائیگی اور آخرت کے فرائض کی یہ ترجیح ایک غیر متبدل دستورالعمل نظر آتا ہو کیا اس کے کمال میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے۔

(۱۰۰۲) ❋ یہ وہ ہیں جنہوں نے وادی میں بھری ہوئی بکریاں لوگوں کو تقسیم کر دی ہیں اور خود دوسروں کے ذرا سے گوشت کی دعوت یا معمولی گوشت کے ٹکڑے کا ہدیہ قبول کرنے میں ذرا عار نہیں رکھتے۔ عبدیت معمولی دعویٰ نہیں اس کا امتحان زندگی کے ہر ہر گوشہ میں ہوتا ہے۔ انسانی ضعف کے نازک مقامات اس کی حیات کے شاندار واقعات نہیں بلکہ روزمرہ کے معمولی واقعات ہیں جہاں اس کو یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ میرے امتحان کے یہ بھی کوئی محل ہو سکتے ہیں۔ یہاں آپ ترجمان السنہ ص ۳۲۲ ج ۲ خاص طور پر ملاحظہ فرمایئے۔

(۱۰۰۳) ❋ بادشاہوں کے درباروں میں مخاطبوں پر جو رعب پڑتا ہے وہ ان کی شاہانہ سطوت وشوکت کا اثر ہوتا ہے اور یہاں اس کمال سادگی میں جو رعب تھا وہ آپ کی کمال عبدیت کا اثر تھا۔ جب عبدیت کامل ہو جاتی ہے تو اس کا رعب صرف عام انسانوں ہی تک محدود نہیں رہتا وہ بادشاہوں پر بھی پڑتا ہے بلکہ حیوانات پر بھی اس کا اثر پہنچتا ہے۔

www.besturdubooks.net

عَلَیْکَ فَاِنِّیْ لَسْتُ بِمَلِکٍ اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَءَۃٍ مِنْ قُرَیْشٍ کَانَتْ تَاْکُلُ الْقَدِیْدَ۔

عورت کا لڑکا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت بھی کھالیا کرتی تھی۔ (ابن جوزی)

(رواہ ابن الجوزی من طرق بعضھا متصلا عن ابن مسعود و جریر قال ابن الجوزی و روی متصلا و الصواب ارسالہ)

(۱۰۰۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْکَبُ الْحِمَارَ وَ یَلْبَسُ الصُّوْفَ وَ یُجِیْبُ دَعْوَۃَ الْمَمْلُوْکِ وَ لَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَوْمَ خَیْبَرَ عَلٰی حِمَارٍ خِطَامُہٗ لِیْفٌ۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی)

(۱۰۰۴) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر بھی سوار ہو جاتے، صوف کا بنا ہوا کپڑا بھی پہن لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے۔ جنگ خیبر میں میں نے آپ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھی۔ (ابوداؤد طیالسی)

(۱۰۰۵) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ کَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَصْعَۃٌ یَحْمِلُھَا اَرْبَعَۃُ رِجَالٍ یُقَالُ لَھَا الْغَرَّاءُ فَلَمَّا اَضْحَوْا وَ سَجَدُوْا

(۱۰۰۵) عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک اتنا بڑا پیالہ تھا جس کو چار آدمی اٹھا کر لاتے تھے اس کا نام غراء تھا۔ ایک مرتبہ جب لوگ چاشت کی نماز اداء کر کے حاضر

(۱۰۰۴) * اللہ تعالیٰ جب کسی کی بشریت میں کمال عطا فرما دیتا ہے تو اس کی نظر لباس اور سواری جیسی معمولی اشیاء سے بلند فرما دیتا ہے، وہ وقت و حاجت اور اپنے ملک کے رسم و رواج کے مطابق ہر جائز چیز کے استعمال میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا، وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ اگر بشریت کا کمال حاصل ہے تو لباس یا سواری کی کمتری سے وہ کمتر نہیں ہوسکتا اور اگر وہ بشریت کے کمال سے محروم ہے تو صرف لباس یا سواری کی برتری سے برتر نہیں ہوسکتا۔ صدر ہر جا کہ نشیند صدر است۔ نہ ملک کی مروج اشیاء کے استعمال سے پرہیز کرنا کمال ہے اور نہ زمانہ کی ترقیات سے فائدہ نہ اٹھانا کمال ہے، بشر ہونا ضرور ایک کمال ہے مگر بشر کا سارا کمال عبدیت کے ساتھ ہے۔ جس بشر میں عبدیت کے بجائے فرعونیت ہو وہ صرف صورت کا بشر ہے بلکہ یہ بھی نہیں۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ.

(۱۰۰۵) * پہلے زمانہ میں بڑے بڑے برتنوں کا عام رواج تھا اور اس زمانہ کی صنعت کے لحاظ سے وسیع اور بھاری برتن عمدہ سمجھے جاتے تھے۔ بالخصوص عرب علیحدہ علیحدہ کھانے کے عادی نہ تھے اس لیے ان کے یہاں مہمانی کے موقعہ پر لکڑی وغیرہ کے بڑے برتن استعمال ہوتے تھے۔ ثرید عرب میں عمدہ کھانوں میں شمار ہوتا تھا اور طبی لحاظ سے بھی وہ نہایت زود ہضم ہوتا ہے پھر ایسی نوبت شاذونادر آتی تھی کہ کبھی اس قسم کا موقعہ مل جائے، اس لیے جب ایسا موقع مل جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمع کر لیتے ان میں شہری اور دیہاتی ہر شخص ہوتا۔ یہ کوئی بادشاہ کا دسترخوان نہ تھا جہاں کسی بے پڑھے دیہاتی کو تاب لب کشائی نہ ہوئی جس کے دل میں جو آتا وہ اپنی زبان سے کہہ گذرتا یہاں بھی ایک دیہاتی نے آپ کی اس نشست کو جب خلافِ معمول دیکھا تو ٹوکا۔ مگر اس اخلاق پر قربان جایئے کہ آپ کو ذرا نا گوار نہ گذرا بلکہ یہاں بھی دہن مبارک سے جچے تلے وہ کلمات نکلے جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے ہدایت کا ایک سبق بن گئے یعنی انسانی بندگی اور مزاج کی شرافت یہی ہے کہ ان موقعوں پر دوسروں کا خیال مقدم رکھے آخر اس وقت میں میزبان ہوں جگہ کی تنگی میں بھی اپنی راحت کا خیال رکھنا اور ذرا جنبش نہ کرنا یہ تکبر اور سرکشی ہے۔ اتنا سا جملہ فرما کر جو دوسری بات دہن مبارک سے نکلی وہ کھانے کا .....

www.besturdubooks.net

الضُّحٰی اُتِیَ بِتِلْکَ الْقَصْعَةِ وَ قَدْ ثُرِدَ فِیْهَا فَالْتَفُّوْا عَلَیْهَا فَلَمَّا کَثُرُوْا جَثَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ مَا هٰذِهِ الْجِلْسَةُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِیْ عَبْدًا کَرِیْمًا وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا عَنِیْدًا ثُمَّ قَالَ کُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَ دَعُوْا ذِرْوَتَهَا یُبَارَکْ فِیْهَا. (رواہ ابوداؤد)

ہوئے تو یہ پیالہ سامنے لایا گیا' اس میں روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں پکے ہوئے تھے- لوگ اس کے اردگرد بیٹھ گئے' جب مجمع زیادہ ہو گیا تو آنحضرت (جگہ کی تنگی کی وجہ سے) اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اس پر ایک بادیہ نشین شخص نے کہا نشست کا یہ کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک شریف بندہ بنایا ہے' متکبر اور سرکش نہیں بنایا- اس کے بعد فرمایا- کنارہ کنارہ سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ- کھانے میں برکت ہو گی- (ابوداؤد)

(۱۰۰۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ مَعَهٗ صَاحِبٌ لَهٗ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَ هُوَ یُحَوِّلُ الْمَآءَ فِیْ حَائِطٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَ عِنْدَکَ مَاءٌ بَارِدٌ فِیْ شَنَّةٍ وَ اِلَّا کَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِیْ مَاءٌ بَاتَ فِیْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ اِلَی الْعَرِیْشِ فَسَکَبَ فِیْ قَدَحٍ مَاءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَیْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ جَاءَ مَعَهٗ. (رواہ البخاری)

(۱۰۰۶) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے یہاں تشریف لے گئے' آپ کے ہمراہ ایک صحابی اور تھے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا- اس انصاری نے جواب دیا- اس وقت وہ اپنے باغ کو پانی دے رہا تھا- آپ نے فرمایا میاں اگر کسی پرانی مشک میں باسی پانی موجود ہو تو لیتے آؤ ورنہ ہم منہ لگا کر ہی پانی پی لیں گے- اس نے عرض کیا میرے گھر میں پرانی مشک کا باسی پانی موجود ہے یہ کہہ کر وہ اپنے مکان میں گیا اور ایک پیالہ میں پانی نکال کر اس پر گھر کی پلی ہوئی بکری کا تھوڑا سا دودھ دوہا گویا لسی تیار کی- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نوش فرمایا- اس کے بعد وہ پھر گیا اور پھر لسی بنا کر لایا اور جو شخص آپ کے ہمراہ آئے تھے وہ انہوں نے پی- (بخاری شریف)

ﷺ ..... کے متعلق ایک عام ہدایت تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ قلب مبارک پر اس کا ادنیٰ سا میل بھی نہ تھا- سوچو کہ اگر اس زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آ جائے تو محفل اسی گفت وشنید میں تمام ہو جائے- کیا انسانوں میں ہے کوئی اور بندہ جو اس منصب واختیار کے ساتھ اس بزرگی کا مالک ہو اور اپنی اس اعلیٰ بندگی کا ہر مجلس میں اس طرح ثبوت دے سکے-

(۱۰۰۶) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تواضع اور اظہارِ عبدیت کا یہ نقشہ بھی قابل یادداشت ہے کہ اتنی نزاکت ونفاست مزاج کے باوجود جب آپ ایک کسان کے کھیت پر تشریف لاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ بھی شاید ان ہی جیسے ایک عام انسان ہیں جنہوں نے پانی پینے کے آداب کا ایک پورا باب سکھایا ہو- آج وہ اس کسان پر باریک آداب کا بوجھ نہیں ڈالتے بلکہ بڑی سادگی سے فرما دیتے ہیں کہ میاں اگر باسی پانی نہ مل سکے تو ہم تازہ ہی پی لیں گے- اور اگر تمہارے پاس برتن مہیا نہ ہو تو ہمیں عام عرب کے دستور کے مطابق منہ لگا کر پانی پی لینے میں بھی کوئی عار نہیں ہے- مگر جس کے قلب میں حلاوتِ ایمان رچ چکی تھی وہ اپنے اس سارے جہاں سے معزز مہمان کے لیے وہ تکلف کر کے لایا جو ایک مہذب سے مہذب انسان اس موقعہ پر کر کے لا سکتا تھا ادھر یہاں چونکہ دوسرے کی مہمانی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الرسول العظيم کان یبتلی بالجوع کما یبتلی به سائر البشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کی شدت اسی طرح پیش آئی جیسا عام بشر کو بھی پیش آجاتی ہے

(۱۰۰۷) عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِہٖ عَنْ حَجَرَیْنِ.

(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب و الحدیث مروی فی البخاری فی غزوۃ الخندق مع تغیر یسیر. و راجع ترجمان السنۃ ص ۴۴۹ ج ۱)

(۱۰۰۷) ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ خندق میں شدتِ بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ جو کھولا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

(بخاری شریف و ترمذی شریف)

(یہاں ترجمان السنۃ ص ۴۴۹ جلد اول ضرور ملاحظہ فرمالی جائے)

الرسول العظیم لدغته عقرب فاسترقی منه کما یسترقی سائر البشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھو نے ایک بار کاٹا اور آپ نے اس پر اسی طرح دم فرمایا جیسا بشر کو دم کرنا چاہیے

(۱۰۰۸) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ بَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ یُصَلِّیْ فَوَضَعَ یَدَہٗ

(۱۰۰۸) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز اداء فرمارہے تھے۔ آپ نے اپنا دست مبارک زمین پر رکھا تو کسی

لـه ..... تھی اس لیے پہلے آپ نے خود پانی نوش فرمایا پھر اپنے رفیق کو دیا لیکن جہاں آپ خود میزبان کی حیثیت میں ہوتے وہاں پہلے دوسروں کی خاطر فرماتے اور اپنے نفس کو سب کے آخر میں رکھتے کہاں تو یہ شانِ عبدیت اور کہاں لوگوں کے خیالاتِ خام۔

(۱۰۰۷) * شکم سیری اور بھوک بھی انسان کی ضعیف زندگی کا ایک جزو ہیں۔ رسول اس سنت سے بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے بلکہ جس طرح ان کی بیماری دوسروں سے شدید تر ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی وہ دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں بھوک میں عام طور پر پیٹ میں ایک خاص قسم کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، پتھر باندھنے سے کچھ تو اس کی خنکی سے سکون مل جاتا ہے اور کچھ پیٹ کا خلاپر ہو جاتا ہے اور اس طرح بھوک میں کچھ فائدہ مند ہوتا ہے۔ بہر حال بھوک میں پیٹ سے پتھر باندھنے کا محاورہ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ اس شدت کی حالت میں جب صحابہؓ نے مضطرب ہو کر اپنی تکلیف اپنے سب سے شفیق و مہربان رسول کے سامنے پیش کی تو معلوم ہوا کہ ان کا رسول دوہری تکلیف میں ان کا شریک تھا۔

(۱۰۰۸) * اگر ایک طرف حیوانات نے آپ کو سجدہ کیا اور پتھروں نے سلام کیا ہے تو دوسری طرف بچھو نے آپ کو کاٹا بھی ہے۔ پہلی صورت اگر آپ کی نبوت کی علامت تھی تو دوسری آپ کی بشریت کی دلیل تھی۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مبارک و ملعون کی تقسیم حیوانات میں بھی ہے جو حیوانات جبلی طور پر موذی ہیں ان کی ایذاء کے لیے شعور شرط نہیں یہ ان کی فطرت ہے۔ نیش عقرب نہ از پے کین است۔ مقتضائے طبیعتش این است۔ پس جب ایک بے شعور بچھو اپنی فطرت کی وجہ سے ملعون ہو سکتا ہے تو ایک ذی شعور انسان کا اپنے اختیاری فعل پر معذب ہونے میں کیا اشکال رہا۔

www.besturdubooks.net

عَلَی الْاَرْضِ فَلَدَ غَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَا وَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَ لَا غَيْرَهٗ اَوْ نَبِيًّا وَغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَ مَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِیْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰی اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَ يَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

بچھو نے آپ کے ہاتھ میں کاٹ لیا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چپل لے کر اس کو مار دیا جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا خدا تعالیٰ بچھو پر لعنت کرے نہ نمازی کو بخشے نہ غیر نمازی کو یا یہ کہا کہ نہ نبی کو بخشے اور نہ غیر نبی کو اس کے بعد ذرا سا نمک اور پانی منگا کر ایک برتن میں ڈالا اور جس جگہ پر کہ بچھو نے کاٹا تھا اس جگہ اس کو ڈالتے رہے اور معوذتین پڑھ پڑھ کر انگلی پر ہاتھ پھیرتے اور دم کرتے رہے-
(بیہقی شریف)

الرسول العظيم سحر مرة فمرض منه كما يمرض سائر البشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چلایا گیا اور آپ پر بھی اسی طرح چل گیا جیسا عام بشر پر چل جاتا ہے

(۱۰۰۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُحِرَ حَتّٰی كَانَ يَرٰی اَنَّهٗ يَاْتِی النِّسَآءَ وَ لَا يَاْتِيْهِنَّ (قَالَ سُفْيَانُ و هذا اشد ما يكون من السحر اذا كان كذا) قَالَ فَانْتَبَهَ مِنْ نَوْمِهٖ

(۱۰۰۹) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چلایا گیا- یہاں تک کہ اس کے اثر سے آپ کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسا آپ اپنی بیبیوں کے پاس گئے ہیں مگر آپ کو اس کی قدرت نہ ہوتی تھی (سفیان کہتے ہیں کہ جادو کی یہ سب سے سخت ترقسم تھی) یہ کہتے ہیں ایک دن آپ نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا- عائشہؓ جانتی ہو آج اللہ تعالیٰ نے جس

(۱۰۰۹) ❋ جادو کی تاثیر اتنی قوی ہوتی ہے کہ اس سے کسی کا بچنا مشکل ہوتا ہے- اسی لیے سورۂ فلق میں جادو کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی ہے گمان ہو سکتا تھا کہ شاید رسول اس سے مستثنیٰ ہوں لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے اثبات کے لیے آپ کی حیاتِ طیبہ میں ایک واقعہ آپ پر جادو چل جانے کا بھی دکھلا دے تاکہ خوب معلوم ہو جائے کہ جن چیزوں سے عام انسان متاثر ہوتے ہیں رسول بھی ان سے متاثر ہو سکتے ہیں پھر ان کے رسول ہونے کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ وہ اس کے ازالہ کے لیے خود جادو چلانے کے بجائے ایسے کلمات استعمال فرما لیتے ہیں جو قدرت ان پر نازل فرماتی ہے- وہ سحر سے اتنے ممتاز ہوتے ہیں کہ نہ اس میں کہیں ارواحِ خبیثہ سے استمداد کا حرف ملتا ہے اور نہ کلماتِ کفریہ کا کوئی لفظ اور اس طرح یہ بدیہی ہو جاتا ہے کہ یہ دوسروں پر تو جادو چلانا کیا جانتے یہ تو اپنے نفس کو بھی جادو سے بچانا نہیں جانتے حافظ ابن قیمؒ سورۂ فلق کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تکلیف میں چھ ماہ تک مبتلا رہے- جن میں تین دن تو اس کی تکلیف کی شدت رہی اس طویل مدت میں دشمن یوں خوش رہے کہ ان کا جادو چل گیا اور قدرت نے یہ ثابت کر دیا کہ ساحروں کی نوع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علاقہ نہ تھا اور جب اس کے ازالہ کا وقت مقدر آ گیا تو اپنے رسول کی شفاء کے لیے عالم غیب سے فرشتے نازل فرمائے جنھوں نے مرض کی تشخیص' ساحر کا اتہ پتہ اور شفاء کے سب راستے مفصل بیان کر دیے- اس کے بعد آپ نے اس جادو کو نکلوا دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفا عطا فرمائی تو جادوگروں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا وسوسہ بھی نہ آیا کہ آؤ اب ان پر جادو چلایا جائے یا کسی اور تدبیر سے ان کو اس کا بدلہ دے دیا جائے بلکہ خاموش ہو گئے اور للہ ......

www.besturdubooks.net

ذَاتَ یَوْمٍ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا) أَعَلِمْتِ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَفْتَانِیْ فِیْمَا اسْتَفْتَیْتُہٗ فِیْہِ اَتَانِیْ رَجُلَانِ فَقَعَدَ اَحَدُھُمَا عِنْدَ رَأْسِیْ وَ الْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلَیَّ فَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَ رَأْسِیْ لِلْاٰخَرِ مَا بَالُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَ مَنْ طَبَّہٗ قَالَ لَبِیْدُ بْنُ الْاَعْصَمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ زُرَیْقٍ حَلِیْفٌ لِیَھُوْدَ کَانَ مُنَافِقًا قَالَ وَ فِیْمَ قَالَ فِیْ مُشْطٍ وَ مُشَاقَۃٍ قَالَ فَاَیْنَ قَالَ فِیْ جُفِّ طَلْعَۃِ ذَکَرٍ تَحْتَ رَعُوْفَۃٍ بِئْرِ ذِیْ اَرْوَانَ قَالَ فَاَتَی الْبِئْرَ حَتّٰی اسْتَخْرَجَہٗ فَقَالَ ھٰذِہِ الْبِئْرُ الَّتِیْ اُرِیْتُھَا وَ کَاَنَّ مَاءَھَا نُقَاعَۃُ الْحِنَّاءِ وَ کَاَنَّ نَخْلَھَا رُؤُسُ الشَّیَاطِیْنِ قَالَ فَاسْتَخْرَجَ قَالَتْ فَقُلْتُ اَفَلَا تَنَشَّرْتَ فَقَالَ اَمَّا اللّٰہُ فَقَدْ شَفَانِیْ وَ اَکْرَہُ اَنْ اُثِیْرَ عَلٰی اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا.

(رواہ البخاری)

بات کو میں نے اس سے پوچھا تھا اس کا پتہ دے دیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ دو فرشتے میرے پاس آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا میرے پیروں کی طرف بیٹھ گیا۔ جو میرے سرہانے بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ اس نے کہا کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن اعصم نے جو قبیلہ بنی زریق کا ایک آدمی ہے اور یہود کا حلیف ہے۔ یہ شخص منافق تھا اس نے پوچھا اچھا یہ جادو کس چیز پر کیا ہے؟ اس نے کہا ایک کنگھی اور کنگھی کشیدہ بالوں میں۔ اس نے پوچھا۔ اچھا تو وہ ٹونا کہاں ہے اس نے کہا وہ ایک نر کھجور کے خوشہ کے غلاف میں رکھ کر ذی اروان کنوئیں کے اندر کے پتھر کے نیچے ہے چنانچہ آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور اس جادو کو نکالا اور فرمایا۔ یہی کنواں تھا جو مجھ کو دکھایا گیا تھا اس کا پانی ایسا تھا جیسا مہندی کا پانی سرخ ہوتا ہے اور اس کے اردگرد درختوں پر ایسی وحشت برستی تھی گویا وہ شیطانوں کے سر ہیں۔ یہ کہتے ہیں آپؐ نے وہ جادو نکال لیا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپؐ نے اس کو کھول کیوں نہیں؟ دیا آپؐ نے فرمایا۔ مجھ کو تو اللہ تعالیٰ نے شفاء عطاء فرما ہی دی اور اب مجھ کو یہ بات گوارا نہیں کہ میں کسی کو بھی کسی شر میں مبتلا کروں۔ (بخاری شریف)

ﷺ ..... عام طور پر لوگوں کے سامنے جادو کی ان اشیاء کو نکال کر دکھانا بھی پسند نہیں فرمایا مبادا مسلمانوں کو ناگواری ہو اور کوئی نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ کیا ہے کوئی بندہ جو ایسی شانِ بندگی دکھا سکے۔

واضح رہے کہ حدیث مذکور میں صاف موجود ہے کہ اس سحر کی تاثیر صرف آپ کی ازدواجی حیات تک محدود تھی اور اسی قسم کو سب سے زیادہ سخت جادو مانا گیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام نہ امراض سے مستثنیٰ ہوتے ہیں نہ ایسے کلمات کے اثر سے جو کسی مرض کا سبب بن جائیں۔ سحر کی تاثیر کے متعلق آج لوگ منکر ہیں مگر یہ ان کی کوئی جدید تحقیق نہیں ہے معتزلہ کی جماعت پہلے سے اس کی منکر ہے لیکن جس امر کا ثبوت تواتر کے ساتھ آنکھیں مشاہدہ کر چکی ہوں دلائل سے اس کی نفی کرنا محض خام خیالی ہے۔ اس خاص قسم کے سحر کے لیے عرب میں ایک علاج بھی تھا جس کو نشرہ کہتے تھے۔ حدیث میں علا جاً ان کلمات کی اجازت بھی آئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس علاج کا تذکرہ فرمایا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو سورۂ فلق اور سورۂ والناس کے ذریعہ سے شفاء عطاء فرمادی ہے اس لیے میں یہ علاج نہیں کرتا۔

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم سم مرة فتالم کما منه یتالم منه سائر البشر

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلایا گیا اور اس کے اثر سے آپ کو بھی اسی طرح تکلیف ہوئی جیسی بشر کو ہونی چاہیے

(۱۰۱۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ یَهُوْدِیَّةً مِنْ اَهْلِ خَیْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَصْلِیَّةً ثُمَّ اَهْدَتْهَا الرَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الذراع فَاَكَلَ مِنْهَا وَ اَكَلَ رَهْطٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْسَلَ اِلَی الْیَهُوْدِیَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمِعْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ اَخْبَرَكَ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ هٰذِهٖ فِیْ یَدِیْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ اِنْ كَانَ نَبِیًّا فَلَنْ تَضُرَّهٗ وَ اِنْ لَمْ یَكُنْ نَبِیًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمْ یُعَاقِبْهَا وَ تُوُفِّیَ اَصْحَابُهُ الَّذِیْنَ اَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی كَاهِلِهٖ مِنْ اَجْلِ الَّذِیْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهٗ اَبُوْهِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَ الشَّفْرَةِ وَ هُوَ مَوْلًی لِبَنِیْ بَیَاضَةَ مِّنَ الْاَنْصَارِ.

(رواہ ابوداؤد و الدارمی)

(۱۰۱۰) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے ایک بھونی ہوئی بکری زہر ملا کر آپ کے سامنے بطور ہدیہ پیش کی آپ نے اس میں سے کچھ کھایا اور آپ کے بعض صحابہؓ نے بھی کھا لیا۔ آپ نے فرمایا کھانے سے ہاتھ اٹھا لو۔ اور اس یہودی عورت کے بلانے کے لیے آدمی بھیجا اور اس سے پوچھا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے دست کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سن کر وہ بولی جی ہاں میں نے اپنے دل میں کہا تھا اگر یہ نبی ہوں گے تو ان کو یہ زہر کیا نقصان دے گا اور اگر نبی نہ ہوں گے تو ان سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودن کو معاف فرما دیا اور اس کو کوئی سزا نہیں دی اور آپ کے جن بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے وہ گوشت کھا لیا تھا ان کا تو انتقال ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس زہر آلود بکری کے اثر سے ہمیشہ اپنے شانوں کے درمیان سینگی لگوالیا کرتے تھے۔ سینگی لگانے والا ابو ہند انصار کے قبیلہ بنو بیاضہ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے سینگ اور نشتر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینگی لگائی تھی۔

(ابوداؤد۔ دارمی)

(۱۰۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ یَا عَائِشَةُ مَا اَزَالُ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْتُ بِخَیْبَرَ وَ هٰذَا اَوَانُ وَجَدْتُ اِنْقِطَاعَ اَبْهَرِیْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ. (رواہ البخاری)

(۱۰۱۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس بیماری میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے اس میں آپؐ فرماتے تھے۔ عائشہ! جو زہر آلود کھانا میں نے خیبر میں کھا لیا تھا اس کی تکلیف مجھے ہمیشہ ہی محسوس ہوتی رہی لیکن اب اسی کے زہریلے اثر سے مجھ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ (میرا آخر وقت آ گیا ہے اور) میری شہ رگ کٹ گئی ہے۔ (بخاری شریف)

(۱۰۱۱) * عالم تقدیر نے اس طرح اس یہودی عورت کا عذر بھی زائل کر دیا اور اس کے اس حیلہ کو ناکام بنانے کے لیے ایک مدت تک آپ کو بقید حیات رکھا اور آخر میں جس نوع کی شہادت ختم نبوت کے ساتھ جمع ہو سکتی تھی اس سے نوازنے کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ پھر اسی زہر کا اثر ابھرا اور عالم اسباب میں وہی آپ کی وفات کا سبب بن گیا اور اس طرح آپ کو موتِ شہادت کی فضیلت بھی میسر آ گئی۔

www.besturdubooks.net

الرسول العظيم جرح مرة حتى كسرت رباعة فتداوى منه كما يتداوى سائر البشر

(١٠١٢) عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ اَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ وَ هُوَ يَسْأَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَا عُرِفُ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ جُرْحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ كَانَ يَسْكُبُ الْمَاءَ وَ بِمَا دُوْوِیَ قَالَ كَانَتْ فَاطِمَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْسِلُهُ وَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ يَسْكُبُ الْمَاءَ بِالْمِجَنِّ فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيْدُ الدَّمَ اِلَّا كَثْرَةً اَخَذَتْ قِطْعَةً مِنْ حَصِيْرٍ فَاَحْرَقَتْهَا فَاَلْصَقَتْهَا فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ وَ كُسِرَتْ رُبَاعِيَتُهُ يَوْمَئِذٍ وَ جُرِحَ وَ جْهُهُ وَ كُسِرَتِ الْبَيْضَةُ عَلٰی رَأْسِهِ.

(رواه البخاری فی المغازی ص ٥٨٤)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار زخمی ہوئے حتیٰ کہ آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے آپ نے اس کا علاج اسی طرح کیا جیسا اور بشر کرتے ہیں

(۱۰۱۲) ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زخم کے متعلق دریافت کیا گیا جو جنگ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگا تھا۔ انہوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا یہ جواب خود سنا تھا وہ فرماتے تھے میں خوب جانتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا دھلانے والا اور اس پر پانی ڈالنے والا کون کون تھا اور وہ دوا بھی کیا تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر استعمال کی گئی تھی۔ یہ کہتے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تو زخم دھوتی جارہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ڈھال سے پانی لے کر اس پر ڈالتے جاتے تھے لیکن جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ پانی سے تو خون کسی طرح بند ہوتا نہیں بلکہ دونا دونا اور زیادہ ہی ہوتا جارہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ لے کر زخم پر لگائی جب کہیں جا کر خون بند ہوا۔ اس جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت شہید ہوئے' روئے انور زخمی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر جو خود تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔

(بخاری شریف)

(۱۰۱۲) * شکست و فتح کے حالات بھی ایسے ہیں جو مسلم و کافر عام انسانوں میں یکساں رکھے گئے ہیں۔ ہرقل نے جب ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طویل سوالات کیے تو ان میں ایک سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و شکست کے متعلق بھی تھا۔ پھر جب اس کو یہ معلوم ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شکست بھی ہوتی ہے تو وہ بے ساختہ بول اٹھا کہ رسولوں کی شان یہی ہے۔ وہ شکست بھی کھاتا ہیں مگر آخر کار بول بالا انہی کا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے میدان میں یہ سنت بھی پوری ہوگئی اور اس درد آمیز نظر کے ساتھ پوری ہوئی کہ روئے انور زخمی ہے' دانت شہید ہو چکے ہیں اور سر مبارک کا خود چکنا چور ہو گیا ہے۔ کیا اب بھی اس شبہ کا کوئی موقعہ ہے کہ رسول بشر نہیں ہوتے۔ رسولوں کی جو سنت نہیں جانتے یہاں ان کو اگر تردد ہو تو ہو' مگر جو اس سے واقف تھے ان میں شاہ ہرقل جیسے دانا نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست ہی کو صداقت کی علامات میں شمار کیا تھا۔

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم کان یھمه کما یھم سائر البشر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان امور کی فکر لاحق ہوتی تھی جن کی فکر بشر کو فطرۃً لاحق ہونی چاہیے

(۱۰۱۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِنِسَائِهٖ اِنَّ اَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِيْ مِنْ بَعْدِيْ وَ لَنْ يَّصْبِرَ عَلَيْكُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ لِاَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَقَى اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ وَ كَانَ ابْنُ عَوْفٍ قَدْ تَصَدَّقَ عَلٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِحَدِيْقَةٍ بِيْعَتْ بِاَرْبَعِيْنَ اَلْفًا. (رواه الترمذی)

(۱۰۱۳) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے فرمایا کرتے تھے۔ تمہارا معاملہ بھی ایسا ہے جس کی مجھ کو اپنے بعد فکر ہے اور تمہاری نگرانی میں حصہ لینے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو بڑے ضبط و ہمت والے ہوں گے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت عائشہؓ ابو سلمہؓ کے لیے دعائیہ کلمات فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد کو جنت کے اس چشمہ کے پانی سے سیراب کرے جس کا نام سلسبیل ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد عبدالرحمن بن عوف نے امہات المومنین کی خدمت میں ایک باغ پیش کیا تھا جو چالیس ہزار درہم میں فروخت ہوا تھا۔
(ترمذی شریف)

(۱۰۱۳) * یہ پہلے بار بار گذر چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی فطرت ان تمام چیزوں سے متاثر ہوتی ہے جن سے کہ بشری فطرت کو متاثر ہونا چاہیے وہ جس طرح بھوک پیاس اور سرد و گرم کے احساس میں عام بشر کے شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسرت و غم میں بھی ان کے شریک ہوتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ غمگین ہوئے اور آپ کی چشم مبارک سے آنسو بہ نکلے۔ اسی طرح بیبیوں کا بھی معاملہ ہے ان کے متعلق بھی آپ کو اس حد تک فکر تھی جس حد تک بشر کو ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ آپ نے ان کے لیے خاص طور کے متعلق بھی آپ کو اس حد تک فکر تھی جس حد تک بشر کو ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ آپ نے ان کے لیے خاص طور پر مال و اسباب کا کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا تھا' مگر جس امر میں یہاں بھی انبیاء علیہم السلام کو امتیاز ہوتا ہے وہ ان کے ان صبر آزما حالات میں ان کے استقامت اور شرعی حدود کا پورا پورا تحفظ ہے۔ وہ بھی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ بڑی خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے۔ ان کے قلب پر اس کا وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ ان حالات میں ان کا قدم حدود شریعت سے سرمو ادھر اُدھر جائے۔ یہاں جس طرح ان کا احساسِ غم ان کی فطرت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر اپنی شریعت کی حدود کا تحفظ بھی ان کی فطرت ہوتی ہے پھر یہ فطری احساسات بھی قدرت ان میں اس لیے ودیعت فرماتی ہے تاکہ وہ عام بشر کے لیے ان حالات کی سنت کا عملی نمونہ پیش کر سکیں۔ گزشتہ صفحات میں انسانی حیات کے معمولی سے معمولی حوادث آپ نے ملاحظہ فرمائے اور حدیثوں میں اس قسم کے علاوہ بھی اور بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے لیکن ان تمام مقامات میں آپ اسی سنت اللہ کے ماتحت نظر آئے جو نوع انسانی کے لیے روز ازل سے مقدر ہو چکی ہے۔ کیا یہ آپ کی بشریت کا قطعی ثبوت نہیں۔ روایت مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امہات المومنین کا مقام حضرت رسالت میں کیا تھا' اسی لیے ائمہ حدیث نے حدیث مذکور کو مناقب کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ جن نفوسِ طاہرہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کی وساوی کے لیے انتخاب فرمایا تھا ان سے رسول کی ذاتِ اقدس کا تعلق بھی اسی دل سوزی کا ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات تلطف امہات المومنین کی بزرگی و عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

www.besturdubooks.net

الرسول العظيم لحق بالرفيق الاعلى على سنة سائر البشر

(۱۰۱۴) عَنْ اَبِیْ سَلِمَةَ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ اَقْبَلَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰی فَرَسِهٖ مِنْ مَسْكَنِهٖ بِالسُّنْحِ حَتّٰی نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ یُكَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰی دَخَلَ عَلٰی عَائِشَةَ فَتَیَمَّمَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ مُسَجًّی بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ اَكَبَّ عَلَیْهِ فَقَبَّلَهٗ ثُمَّ بَكٰی فَقَالَ بِاَبِیْ اَنْتَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ لَا یَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَیْكَ مَوْتَتَیْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْكَ فَقَدْ مُتَّهَا قَالَ اَبُوْ سَلِمَةَ فَاَخْبَرَنِیْ اِبْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ خَرَجَ وَ عُمَرُ یُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اِجْلِسْ فَاَبٰی فَقَالَ اِجْلِسْ فَاَبٰی فَتَشَهَّدَ اَبُوْبَكْرٍ فَمَالَ اِلَیْهِ النَّاسُ وَ تَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَنْ كَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) فَاِنَّ مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ

بشری سنت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت

(۱۰۱۴) ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بی بی صاحبہ یعنی حضرت عائشہؓ نے ان سے بیان کیا کہ ابوبکرؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر) اپنی قیام گاہ مقام سخ سے گھوڑے پر سوار ہوکر تشریف لائے اور یہاں آ کر مسجد میں داخل ہوئے اور کسی سے بات کیے بغیر حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف لے گئے اور سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے- آپؐ پر اس وقت ایک یمنی چادر ڈھکی ہوئی تھی' انہوں نے آپ کے چہرۂ مبارک سے چادر اٹھائی اور جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور رو پڑے اور فرمایا یا نبی اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا' جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقدر فرمائی تھی وہ تو آپ کو آ چکی ہے- ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے بعد ابوبکرؓ باہر تشریف لائے تو عمرؓ لوگوں سے کچھ فرما رہے تھے- صدیق اکبرؓ نے ان سے فرمایا آپ بیٹھ جائیں لیکن وہ نہ مانے آپ نے ان سے پھر کہا آپ بیٹھ جائیں' مگر انہوں نے پھر انکار کیا- اس پر صدیق اکبرؓ نے خود خطبہ دینا شروع کر دیا لوگ عمرؓ کو چھوڑ کر فوراً ان کی جانب متوجہ ہو گئے انہوں نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا- جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا ہوا اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو

(۱۰۱۴) ✽ موت انسان کی بشریت کا آخری ثبوت ہے' جو شخص ولادت اور موت جیسے واضح عوارض کو بھی بشریت کی دلیل نہیں سمجھتا وہ پھر خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھ سکتا- اس حدیث سے یہ احکام ثابت ہوتے ہیں- وفات کے بعد آپ پر چادر ڈھانکنا- آپؐ کے روئے انور کو بوسہ دینا- وفات کے بعد آپ کو یا نبی اللہ سے خطاب کرنا- آپ کی وفات کا منبر پر اعلان کرنا اور یہ خطبہ دینا کہ عبادت کے قابل صرف وہی ایک ذات ہے جس کو کبھی فنا نہیں وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا-

عرب میں ندا کے بہت سے اقسام ہیں- نثر و نظم میں غائب و حاضر اسی طرح حی و میت بلکہ جمادات کو ندائیہ کلمہ سے یاد کرنا ان کا عام دستور تھا- محض اس لفظ سے عقائد بگاڑ لینے اور کفر کے فتوے لگا دینے دونوں علم سے ناواقفیت اور مبالغہ کی باتیں ہیں' جس کو اپنے ایمان کی قدر ہو اس کو شرکیہ عقائد سے دور دور رہنا چاہیے اور اسی طرح بات بات پر کفر کے فتوے لگانے سے بھی احتراز رکھنا چاہیے-

www.besturdubooks.net

یَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا یَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلَی الشَّاکِرِیْنَ. وَ اللّٰهِ لَکَاَنَّ النَّاسَ لَمْ یَکُوْنُوْا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ حَتّٰی تَلَاهَا اَبُوْبَکْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ فَمَا یَسْمَعُ بَشَرٌ اِلَّا یَتْلُوْهَا. (رواہ البخاری)۔

انتقال ہو گیا- اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے' اس کو موت کبھی نہیں آئے گی- اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ...... الشَّاکِرِیْنَ﴾ تک- یہ خطبہ سن کر لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلاوت فرمانے سے قبل یہ آیت اللہ تعالیٰ نے گویا نازل ہی نہیں فرمائی تھی (اور آج ہی نازل ہوئی ہے) اس کے بعد جس نے بھی اس آیت کو سنا وہی اس کو تلاوت کرتا ہوا نظر آتا تھا- (بخاری شریف)

الانبیاء علیه السلام لهم میزات و مزایا یمتازون بها عن سائر البشر

حضرات انبیاء علیہم السلام میں بہت سی خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام نوعِ بشر سے ممتاز بھی ہوتے ہیں

(۱۰۱۵) عَنْ اَبِيْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اَیُّکُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَ یَسْقِیْنِيْ. (متفق علیه)

(۱۰۱۵) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ دو روزے درمیان میں افطار کیے بغیر ایک ساتھ رکھے جائیں- اس پر ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ آپ تو ایسا بھی کر لیتے ہیں- آپ نے فرمایا جی ہاں' مگر کیا تم میں کوئی میری طرح ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں اس حالت میں کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے- (متفق علیہ)

(۱۰۱۵) ✱ انبیاء علیہم السلام بشر ضرور ہوتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں- متنبی مشہور شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی معقولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے۔

وان تفق الانام و انت منهم فانّ المسک بعض دم الغزال

اے ممدوح اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر پھر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے آخر مشک بھی تو اسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ متعفن اور یہ معطر' وہ ناپاک اور یہ پاک پس اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی نفس بشریہ میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں' صرف اپنی سیرت میں نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی انبیاء علیہم السلام کی شانِ رفیع تو بہت بلند ہے- قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ ان کی بیبیاں بھی عام عورتوں سے کچھ علیحدہ شان کی ہوتی ہیں- یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ. (اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو تمہاری بات ان سے بالکل الگ ہے- پس جس طرح کہ امہات المؤمنین صنف نساء میں شامل ہونے کے بعد پھر احکام میں ان طے.....

www.besturdubooks.net

(۱۰۱۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَأْسِهٖ فَقَالَ مَالَکَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّکَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ وَ اَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَ لٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ.
(رواه مسلم)

(۱۰۱۶) عبداللہ بن عمرو نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی کے نوافل کا ثواب جو بیٹھ کر پڑھے جائیں نصف نماز کا ہوتا ہے- یہ کہتے ہیں اتفاق ایسا ہوا کہ میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کی بیٹھ کی ہی نوافل پڑھتے پایا- میں نے آپ کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا آپ نے پوچھا عبداللہ بن عمرو! کہو کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آدمی جو نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے اس کا ثواب اس کو نصف ملتا ہے- اور آپ تو بیٹھ کر ہی نماز ادا فرما رہے ہیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں میں نے یہ ضرور کہا ہے لیکن میری بات اور ہے مجھے اپنے اوپر قیاس نہ کرو' میں تمہاری طرح نہیں ہوں-
(مسلم)

منها ما يتعلق بيده الكريمة (عليه السلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی امتیازی خصوصیت

(۱۰۱۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى

(۱۰۱۷) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

لہ ..... سے ممتاز بھی تھیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بشر ہو کر ان سے ممتاز بھی ہوتے ہیں- دیکھو اس حدیث میں کس صفائی کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ میری بشریت کے سب خواص وہی نہیں ہیں جو تمہاری بشریت کے ہیں' میری بشریت آب وغذا میں بھی تم سے مختلف ہے- پھر یہاں آب وغذا کی نوعیت جو بھی ہو مگر عبارت کا کتنا حسن ہے کہ آپ نے اس کو بھی شب کے ساتھ مقید فرما دیا ہے' اگر "انی ابیت" کی بجائے "انی اصبح" فرمادیتے- یعنی میں صبح کرتا ہوں اس حالت پر' الخ تو عام انسانوں کے لیے آب وغذا کے ساتھ روزہ کی حقیقت کا قائم رکھنا کتنا بھاری ہو جاتا- یہ علیحدہ بحث تھی کہ جو غذاء آپ کو ملتی تھی روزہ اس سے افطار ہو سکتا بھی ہے یا نہیں- بہر حال اگر ایک طرف انبیاء علیہم السلام میں بشریت کی وہ عام صفات موجود ہوتی ہیں جو ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ہوتی ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری طرف ان میں وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو عام بشریت سے ان کی فوقیت کا اس سے زیادہ بدیہی ثبوت ہوتی ہیں-

(۱۰۱۶) * جو بات عام طور پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذہن نشین تھی وہ یہی تھی کہ شرعی احکام میں خدا کے رسول بھی عام بشر کے شریک رہتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو صاف کر دیا کہ اس کی شرکت کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ اب کسی جہت سے کوئی امتیاز ہی نہیں رکھتے وہ عبادت کی شدت اور اس کی خفت دونوں میں عام بشر سے ممتاز ہوتے ہیں- صوم وصال یعنی افطار کیے بغیر دو یا زیادہ روزے مسلسل رکھنا جس طرح ان ہی کی شان ہوتی ہے' اسی طرح بیٹھ کر نوافل کا پورا ثواب یعنی بیٹھ کر نوافل کا پورا ثواب ملنا بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے- ثواب کا دارو مدار صرف مشقت ہی پر نہیں اس کا انحصار نظر ربوبیت کی پسندیدگی پر ہے- نیز انبیاء علیہم السلام کے عمل سے ہی چونکہ جواز وعدم جواز کا ثبوت ملتا ہے اس لیے جائزات پر عمل کرنے میں بھی ان کو واجبات کا ثواب ملتا ہے-

(۱۰۱۷) * یوں تو آپ کے دست مبارک کے اعجازی کرشمے بہت سی حدیثوں میں آتے ہیں- انگشتانِ مبارک سے چشمے بھی لہ .....

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَکٰی نَفَثَ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ مَسَحَ عَنْہُ بِیَدِہٖ فَلَمَّا اشْتَکٰی وَجَعَہُ الَّذِیْ

یہ تھا کہ جب بیمار ہوتے تو پہلے اپنے ہاتھوں پر آپ معوذات پڑھ کر دم کرتے اس کے بعد ان کو اپنے سارے جسم پر پھیر لیتے - جب ایسا ہوا کہ

لہ ..... جاری ہوئے ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے بھی ہو گئے اور ایک اشارہ سے مدینہ طیبہ سے ہٹ کر بادلوں نے اطراف کا رخ کر لیا وغیرہ وغیرہ - ترجمان ص ۳۷ ج ۲ و ص ۲۱ ج ۲ ملاحظہ فرمائیے آپ کو ثابت ہو گا کہ آپ کے دست مبارک کی ایک ضرب سے یقین کی وہ کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ عالم قدس گویا آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا - لیکن حدیث مذکور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست شفاء میں شفاء کی خاصیت عام معجزات کی طرح وقتی اور غیر اختیاری نہ تھی بلکہ اس کا طبعی اثر تھا - یہاں حضرت عائشہ کی فہم کتنی قابل داد ہے کہ وہ اس رمز کو جانتی تھیں اور اس لیے آپ کی بیماری کے معمول کو اس طرح پورا کرتی تھیں کہ جہاں تک معوذات پڑھنے کا تعلق تھا وہ تو خود پڑھ لیتیں اور بیماری میں آپ کو اس کی تکلیف نہ دیتیں لیکن جہاں دیکھتیں کہ اب یہاں وہ نیابت سے قاصر ہیں وہاں مجبور ہو کر آپ ہی کے دست مبارک کو استعمال کرتیں - معلوم ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں کوئی امتیازی خاصیت ہوتی ہے جس میں عام بشر تو کیا امہات المؤمنین بھی شرکت نہیں رکھتیں -

امام رازی نے تفسیر کبیر میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ جس طرح عام بشر سے اپنی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح جسمانی طاقتوں میں بھی ممتاز ہوتے ہیں - اپنی سامعہ، باصرہ، شامہ اور ذائقہ سب ہی طاقتوں میں دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۵۵ ج ۴ -

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سے پتھروں کے نرم ہو جانے کے متعلق سوال و جواب کی شکل میں تحریر فرماتے ہیں:

ھل ورد فی کتب الحدیث ان سیدنا ابراھیم علی نبینا و علیہ افضل الصلوٰۃ اثرت قدماہ فی الحجر الذی کان یبنی علیہ البیت و ھو المقام صغم. و ردذلک. اخرجہ الازرقی فی تاریخ مکۃ من طریق ابی سعید الخدریؓ عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ موقوفا علیہ بسند صحیح و اخرجہ عبد بن حمید فی تفسیرہ عن قتادۃ. اما الان الصخرۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فثبت فی حفر الخندق و لم یکتب غیر ھذا. (الحاوی ج ۲ ص ۱۰۸)

کیا کتب حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی اس پر آپ کے قدم مبارک کا نشان پڑ گیا تھا - اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک عبداللہ بن سلامؓ سے ازرقی کی تاریخ مکہ میں اس پر ایک روایت بسند صحیح موجود ہے مگر وہ موقوف ہے اور عبد بن حمید نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو نقل کیا ہے - رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھر کا نرم ہونا تو وہ صرف غزوہ خندق میں تو ثابت ہے اس کے سواء ثابت نہیں -

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کے قدم مبارک کی تاثیر کا کرشمہ تو حافظ سیوطی نے تسلیم کیا ہے گو وہ موقوف ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے متعلق جو عام حکایات مشہور ہیں اس کے بسند صحیح ثبوت کا قطعی انکار کر دیا ہے - واللہ تعالیٰ اعلم - اس جگہ ان ناحق پسندوں کو غور کر لینا چاہیے جو محدثین کو مورخین کے درجہ میں بھی رکھنا نہیں چاہتے کہ انکا جو متوسط مزاج طبقہ تھا نقد لہ .....

www.besturdubooks.net

تُوُفِّیَ فِیْهِ کُنْتُ اَنْفُثُ عَلَیْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَ اَمْسَحُ بِیَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (متفق علیه)

آپ کی آخری بیماری ہوئی تو میں یوں کرتی کہ معوذات پڑھ کر دم تو خود کرتی لیکن جب ہاتھ پھیرنے کا نمبر آتا تو خود آپ ہی کا دست مبارک لے کر آپ کے جسم اطہر پر پھیرتی۔ (متفق علیہ)

منها ما یتعلق بحاسة الذوق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ ذائقہ کی امتیازی خصوصیت

(۱۰۱۸) عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَةٍ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَی الْقَبْرِ یُوْصِی الحافِرَ یَقُوْلُ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ

(۱۰۱۸) ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کی شرکت کے لیے نکلے میں نے دیکھا کہ آپ قبر کے اوپر سے گورکن کو یہ ہدایت فرماتے جاتے تھے دیکھنا ذرا پائتی کی جانب سے اور کشادہ کرنا ذرا سرہانے کی جانب سے اور کشادہ کرنا۔ جب اس کو دفن کر کے آپ واپس ہوئے تو سامنے سے اس کی بیوی کی جانب سے ایک شخص آپ

ﷺ ..... حدیث میں ان کا ذوق بھی کتنا بلند اور منصفانہ تھا۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے فضائل کے باب میں خاص طور پر نقد کا معیار سخت نہیں رکھا اس کے باوجود جو فضیلت ان کے علم میں کسی ادنیٰ معیار پر بھی اتر نہیں سکی خواہ وہ کتنی ہی شہرت رکھتی تھی مگر انہوں نے اس کا ثبوت تسلیم نہیں کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اگر اس کو تسلیم بھی کیا ہے تو اس کے مرفوع ہونے کا اقرار نہیں کیا اور صاف تحریر فرما دیا ہے کہ یہ صرف عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت قتادہؓ کا بیان ہے۔ پھر یہ کتنا ظلم ہے کہ اتنے محتاط حضرات کو بھی غیر محتاط کہہ دیا جائے اور اپنے خیالات کو ان لوگوں کے اوپر بھی فوقیت دے دی جائے جن کے سامنے حدیثوں کے دفتر ہمہ وقت کف دست رہا کرتے تھے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی ایک ضرب سے پتھر کا ریزہ ریزہ ہو جانا چونکہ غزوۂ خندق میں بسند صحیح ثابت تھا اس لیے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کو انبیاء علیہم السلام کے دست مبارک یا قدم مبارک کے اثر سے ایک پتھر کا نرم ہونا قابل تعجب معلوم ہو رہا ہے اور وہاں قرآن کریم حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں لوہے کا نرم ہو جانا نقل کر رہا ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ آپ کے نزدیک قرآنی بیان اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی حقیقت بھی صرف ایک عام محاورہ کے برابر ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ اگر قرآن کریم صرف اس دور کے لیے محدود ہوتا جب کہ لوہے کی زرہ بنانے میں طرح طرح کی مشکلات حائل تھیں جب بھی "الانة حدید" کو صرف ایک محاورہ سمجھ لینا اس کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف تھا مگر جب کہ عقیدہ یہ ہے کہ قرآن عظیم قیامت تک کے لیے حکمت و موعظت کی کتاب ہے تو انصاف کیجئے کہ آج کی روشنی میں داؤد علیہ السلام کے اس معجزہ کو اگر صرف آپ کے مزعومہ خیال پر رکھا جائے تو اس کے پڑھنے والوں کی نظروں میں اس معجزہ کی حقیقت کتنی مضحکہ خیز ہو کر رہ جائے گی۔

(۱۰۱۸) ✽ تلخ و شیریں کا احساس تو عام بشر کی زبانیں بھی کر لیتی ہیں، مگر نبی و رسول وہ ہوتے ہیں جن کی زبان حلال و حرام کا بھی احساس کرتی ہے۔ سبحان اللہ۔ اسلام کتنا نازک اور کتنا پاکیزہ مذہب ہے کہ اس کے نزدیک ضیافت کا کھانا غیر ذمہ دارانہ اجازت کے بعد بھی کھانے کے قابل نہیں ہوتا وہ ایسے ہی مصرف میں آ سکتا ہے جہاں زیادہ چھان بین کا محل نہ ہو۔ جو لوگ میت کے مال میں قرض اور تقسیم وراثت سے قبل ہی کھانے پکا پکا کر خود کھا لیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ اس قسم کے کھانے اور اس قسم کے کھانے والوں سے میت کو ثواب ملتا ہے وہ ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر بھی غور کر لیں۔

www.besturdubooks.net

رِجْلَيْهِ اَوْسَعُ مِنْ قِبَلِ رَاْسِهٖ فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَ دَاعِیَ اِمْرَاَتِهٖ فَاَجَابَ وَ نَحْنُ مَعَهٗ فَجِیْئَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ یَدَهٗ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَاَکَلُوْا فَنَظَرْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلُوْکُ لُقْمَةً فِیْ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ اَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ اُخِذَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَاَرْسَلَتِ الْمَرْاَةُ تَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَرْسَلْتُ اِلَی النَّقِیْعِ وَ هُوَ مَوْضَعٌ یُبَاعُ فِیْهِ الْغَنَمُ لِیُشْتَرٰی لِیْ شَاةٌ فَلَمْ تُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلٰی جَارٍ لِیْ قَدِ اشْتَرٰی شَاةً اَنْ یُرْسِلَ بِهَا اِلَیَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ یُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلَی امْرَاَتِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِلَیَّ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمِیْ هٰذَا الطَّعَامَ الْاَسْرٰی.

(رواہ ابو داؤد و البیهقی فی دلائل النبوة)

کو بلانے کے لیے آیا - آپ اس کے ہمراہ ہو لیے اس وقت ہم بھی آپ کے ساتھ تھے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا' حسب دستور کھانے کے لیے پہلے آپ نے ہاتھ بڑھایا اس کے بعد صحابہؓ نے ہاتھ بڑھائے اور کھانا شروع ہو گیا - ہم نے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لقمہ چبارہے ہیں مگر نگلتے نہیں - اس کے بعد فرمایا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے - میت کی بیوی نے جواباً کہلا بھیجا یا رسول اللہ! واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے مقام نقیع کے بازار میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی تھیں ایک آدمی بھیجا تھا تا کہ وہ میرے لیے ایک بکری خرید لائے جب وہاں بکری نہ ملی تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا - اس نے ایک بکری خریدی تھی کہ جس قیمت میں اس نے وہ خریدی ہو اسی قیمت میں وہ مجھے بھیج دے - اتفاقاً وہ نہ ملا پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا اس نے مجھ کو یہ بکری بھیج دی ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کھانے کو قیدیوں کو کھلا دو -

(ابوداؤد و بیہقی)

منها ما یتعلق بصوته صلی الله علیه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا ایک کرشمہ

(۱۰۱۹) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ اجْلِسُوْا فَسَمِعَهٗ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ رَوَاحَةَ وَ هُوَ فِیْ غَنَمٍ فَجَلَسَ فِیْ مَکَانِهٖ. (رواہ البیهقی و ابو نعیم کما فی الخصائص ج ٦٦ ج ١)

(۱۰۱۹) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ - آپ کی یہ آواز عبداللہ بن رواحہ کے کان میں بھی پہنچ گئی اس وقت وہ بکریوں میں تھے آپ کی آواز کا سننا تھا کہ وہ فوراً وہیں بیٹھ گئے -

(الخصائص)

(۱۰۲۰) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذِ التَّیْمِیِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(۱۰۲۰) عبدالرحمٰن بن معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اس کو سننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے

(۱۰۲۰) ✱ ہوا کی مخالفت و موافقت سے اور آواز کی قدرۃً بلندی و پستی سے دور تک آواز کے پہنچنے نہ پہنچنے کا فرق تو عام بشر میں بھی ہو جاتا ہے مگر ایک ہی انسان میں اس کے معمول کے برخلاف اس کی آواز ہر ہر خیمہ میں اس طرح جا پہنچی جیسے وہ یہاں کھڑا بات کر رہا ہے کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام ہی میں ثابت ہوتا ہے - صحابہ بھی کتنے فہیم' کتنے باایمان اور مستحکم عقیدہ کے لوگ تھے کہ نہ تو انہوں نے آپ کی اس غیر معمولی لطف .....

www.besturdubooks.net

بِمعنًى فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا وَ فِيْ لَفْظٍ فَفَتَحَ اللّٰهُ اَسْمَاعَنَا حَتّٰى اَنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ وَ نَحْنُ فِيْ مَنَازِلِنَا. (رواه ابن سعد كما في الخصائص)

ہمارے کان اس طرح کھول دیئے تھے کہ ہم تمام حجاج جہاں تھے بیٹھے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سب وہیں سن رہے تھے۔

(خصائص)

منها ما يتعلق بحاسة البصر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک کی امتیازی خصوصیت

(۱۰۲۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَ تَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ. (رواه البخاري و راجع ترجمان السنة ص ٤٣٦ ج ١)

(۱۰۲۱) انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ایک مرتبہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا رخ پھیر کر فرمایا۔ اپنی صفیں سیدھی کرو اور خوب مل مل کر کھڑے ہو' کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

(بخاری شریف)

(۱۰۲۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۰۲۲) انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ﷺ ..... آواز کو ہوا کی موافقت کا کرشمہ سمجھا اور نہ اس کو غیر معقول تصور کیا بلکہ بڑی آسانی کے ساتھ یوں حل کر لیا کہ جس قدرت نے ہم کو ایک محدود فاصلہ پر شنوائی کی قوت عطا فرمائی ہے۔ اسی نے آج اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر شنوائی کی قوت بخش دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام تو اپنے جسمانی خواص میں ممتاز ہوتے ہی تھے' مگر حق یہ ہے کہ ان کے مخاطب بھی ساری مخلوق میں ممتاز صفت ہوتے تھے۔ آواز کی وسعت کا یہ کرشمہ کچھ آپ ہی کے عہد پر ختم نہیں ہو گیا تھا' بلکہ ان کمالات میں سے تھا جس میں آپ کی امت کو بھی حصہ ملا تھا' اس لیے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی آواز نہاوند کی فوج میں بھی سنی جا چکی ہے۔ جیسا کہ کرامات کے باب میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔ غنیمت ہے کہ ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر نے اب روشن خیالوں کے لیے بھی اس کی وجہ جواز پیدا کر دی ہے۔

(۱۰۲۲) ٭ اپنے سامنے کی چیز دیکھ لینا تو ہر انسان کا خاصہ ہے لیکن رسول وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سامنے اور پیچھے دیکھنے کی یکساں طاقت عنایت فرما دیتا ہے۔ اگر آنکھ میں اپنے سامنے دیکھنے کی طاقت عام طور پر نہ ہوتی تو کیا کوئی انسان صرف عقل سے یہ حکم لگا سکتا تھا کہ اس عضو میں دیکھنے کی طاقت ہونی چاہیے پس جس نے اس میں صرف ایک سمت دیکھنے کی طاقت عام طور پر رکھ دی ہے کیا اس کو قدرت نہیں کہ وہ کسی کے حق میں مخالف سمت میں دیکھنے کی طاقت بھی پیدا فرما دے۔ قرآن کریم میں روز محشر انسانی جوارح کی بات چیت کرنا ثابت ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ جب انسان اپنے خلاف ان کی شہادت سن کر ان سے تعجب سے کہے گا "لم شهدتم علينا" تو اس کے جواب میں وہ بھی کہیں گے "جس نے اور چیزوں کو قوت گویائی عطا فرمائی تھی اس نے آج ہم کو بھی یہ طاقت عطا فرما دی۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہم اپنے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی تسبیح خود سنتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کھانے میں سے بکری کی دست اٹھا کر یہود سے فرمایا تھا کہ کھانے میں زہر ملانے کی خبر مجھ کو اس نے دی ہے۔ جب ان اعضاء میں نطق کی طاقت پیدا ہو جانا ممکن ہوا تو آنکھ میں صرف بینائی کی طاقت کا اور ترقی کر جانا ناممکن کیوں سمجھا جائے۔ یہاں آپ کے قسم کھانے کے بعد بھی اگر کسی کو یقین نہ آئے تو اس کے لیے اب اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ یہاں ترجمان السنۃ ج اول حدیث نمبر ۱۸ ضرور ملاحظہ فرما لیجیے۔

www.besturdubooks.net

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ. (رواہ ابوداؤد)

فرمایا کرتے تھے (جماعت میں) سیدھے سیدھے کھڑے ہو جاؤ' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے۔ (ابوداؤد)

(۱۰۲۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ وَ فِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ. (رواہ احمد)

(۱۰۲۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی ۔ اس میں ایک شخص نے جو آخری صف میں شامل تھا نماز میں کچھ کوتاہی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو اس کو آواز دے کر فرمایا اے فلاں' اللہ سے ڈرتا نہیں؟ دیکھتا نہیں کیسی نماز پڑھتا ہے۔ تم لوگوں کا خیال شاید یہ ہوگا کہ جو حرکتیں تم کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ رہتی ہیں' بخدا جیسا میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔ (رواہ احمد)

منها ما يتعلق بحاسة السمع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سامعہ کی امتیازی خصوصیت

(۱۰۲۴) عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ لِبَنِی النَّجَّارِ عَلٰی بَغْلَۃٍ لَہٗ وَ نَحْنُ مَعَہٗ اِذْ حَادَتْ بِہٖ دَابَّتُہٗ فَکَادَتْ تُلْقِیْہِ وَ اِذَا اَقْبُرٌ سِتَّۃٌ اَوْ خَمْسَۃٌ فَقَالَ مَنْ یَّعْرِفُ اَصْحَابَ ھٰذِہِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰی مَاتُوْا قَالَ فِی الشِّرْکِ

(۱۰۲۴) زید بن ثابتؓ بیان فرماتے ہیں ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنو النجار کے کسی باغ میں ایک خچر پر سوار تھے اس وقت ہم لوگ بھی آپ کے ہمراہ حاضر تھے کہ دفعۃً آپ کی سواری اس زور سے بدکی قریب تھا کہ آپ گر جاتے ۔ دیکھا تو وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں ۔ آپ نے پوچھا کوئی ہے جو ان مدفون شخصوں کو پہچانتا ہو ایک شخص بولا میں پہچانتا ہوں ۔ آپ نے پوچھا یہ مردے کس زمانے کے ہیں ۔ اس نے جواب دیا

(۱۰۲۳) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک کی یہ صفت بھی مختلف صحابہؓ سے مختلف طور پر روایت کی گئی ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ظہر کی نماز کا تھا ۔ جو شخص اس ارشاد کا باعث بنا وہ سب سے آخر صف میں شامل تھا یہاں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ نمازوں میں تمہاری ہر ہر حرکت کا مجھے علم ہو جاتا ہے وہ بھی کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ خاص دیکھ کر اور اس لیے آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس طرح میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں ۔ راہ اعتدال یہ ہے کہ حدیثوں میں جو صفات جس حد تک ثابت ہوں ان کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا جائے نہ ان میں تاویلات کی جائیں اور نہ ان میں اپنی جانب سے مبالغے کیے جائیں۔

(۱۰۲۴) ✽ بیمار اور غم رسیدہ انسانوں کی آہ و بکا تو ہر بشر سنتا ہے لیکن رسول وہ ہوتے ہیں جو مردہ انسانوں کے نالہ و فریاد بھی سن لیتے ہیں چونکہ ان کے یقین کے عالم میں عقیدہ اور چشم دید حالت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا اس لیے جو باتیں وہ جانتے ہیں اس کو دیکھنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں عام انسانوں میں یہ بات نہیں ہوتی اس لیے بعض شنیدہ واقعات کے دیکھنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی ۔ یہاں آپ نے مستقبل ہولناک حوادث میں سے سب سے پہلے عذاب دوزخ کی یاد دلائی اور سب سے آخر میں ایک ایسے فتنہ کی یاد تازہ کی جو امت میں سب سے زیادہ ہولناک ہوگا ۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ہولناک فتنہ کا اثر بعض اہل قبور پر بھی ہوگا ۔ اس لیے اس موقعہ للہ .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِىْ قُبُوْرِهَا فَلَوْ لَا اَنْ لَا تَدَ افَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. (رواہ مسلم)

شرک کے زمانے کے اس پر آپ نے فرمایا اس امت کا قبر میں امتحان ہوتا ہے- اگر کہیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مارے دہشت کے تم دفن کرنا ہی بھول نہ جاؤ گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا کہ جو عذابِ قبر میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنا دے- پھر آپ نے ہماری طرف رخ بدل کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے عذابِ دوزخ سے پناہ مانگو- لوگوں نے فوراً کہا ہم اللہ کے سامنے عذابِ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں- پھر فرمایا عذابِ قبر سے بھی پناہ مانگو ہم نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر سے پناہ مانگی اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا تمام فتنوں سے بھی پناہ مانگو ظاہر ہوں یا پوشیدہ- ہم نے فوراً کہا ہم اللہ تعالیٰ سے تمام قسم کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں- آخر میں آپؐ نے فرمایا کہ دجال کے فتنے سے بھی پناہ مانگو ہم نے فوراً دعاء مانگی- ہم اللہ تعالیٰ سے دجال کے فتنے سے بھی پناہ مانگتے ہیں- (مسلم)

منها ما يتعلق بريقة صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی امتیازی خصوصیت

(۱۰۲۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ اِذَا اشْتَكَى الْاِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ اَوْ كَانَتْ بِهٖ قَرْحَةٌ اَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُصْبُعِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا. (متفق علیہ)

(۱۰۲۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں- جب کوئی شخص بیمار پڑتا یا اس کے جسم میں کہیں زخم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مٹی میں ذرا سا اپنا لعابِ مبارک ڈال کر انگلی سے ملاتے جاتے اور یہ کلمات پڑھتے جاتے بسم اللہ الخ یعنی یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارا لعاب دہن ہے ہم اس کو ملا کر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لگاتے ہیں تا کہ ہمارے رب کے حکم سے ہمارا بیمار شفاء یاب ہو جائے-

---

ﷺ..... پر اس سے بھی تعوذ کی تعلیم فرمائی گئی ہے- افسوس ہے کہ آنحضرتؐ نے کس کس طرح ہر ہر موقعہ پر جن فتنوں کی یاد دہانی فرمائی تھی امت کے ناخلف افراد آج یا تو ان کا صاف انکار کر رہے ہیں' ورنہ تاویل پر آمادہ ہیں-

(۱۰۲۵) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات میں یہاں آپ کے لعاب دہن کا تذکرہ ہے اس کے معجزانہ کرشمے تو آپ کے سامنے معجزات کی بحث میں آئیں گے- ان شاء اللہ تعالیٰ کسی کی آنکھ کا آشوب اس طرح صاف ہو گیا جیسے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ تھی' کسی کی شکستہ ہڈی اس طرح جڑ گئی جیسے کبھی اس میں کوئی نقصان ہی نہ ہوا تھا- یہاں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے سامنے مرہم شفاء کا یہ ایک عام نسخہ بھی تھا- سبحان اللہ کیا کمال تھا' پھر اس کمال کے ساتھ کتنی فروتنی تھی اور اس فروتنی میں کتنی حقیقت تھی کہ اس مرہم کی ساری شفاء کا تصور آپ اسی کے نام کی برکت کے ساتھ وابستہ فرماتے ہیں جو ربِّ محمد ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى - غور فرمایئے کہ رسول کس طرح ہر ہر موقعہ پر انسانی نفع و ضرر کا رشتہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں- کون تھا جس کو شفاء تو اس کیمیاوی نسخہ سے ہوتی مگر اس کے سامنے تصور یہ ہوتا کہ یہ ساری شفاء ہے سب حکم ربانی کے تحت- اس لیے انسان کی کمزور فطرت کے لیے اس جملہ کا ہر کلمہ میں اس حقیقت پر تنبیہ ضروری سمجھی گئی آپ کا یہ مختصر جملہ کیا تھا گویا شفاء کا تعویذ بھی تھا اور رسالت و توحید کا ہدایت نامہ بھی- آج اصولِ طب کے لحاظ سے بھی مٹی میں بہت سے امراض کے لیے شفاء مسلّم ہو چکی ہے-

www.besturdubooks.net

منها ما يتعلق بالنوم

(۱۰۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَ لَا يَنَامُ قَلْبِيْ. (رواه الشيخان راجع ترجمان السنة ص ۴۳۲ ج ۱)

(۱۰۲۷) عَنْ عَطَاءٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ تَنَامُ اَعْيُنُنَا وَ لَا تَنَامُ قُلُوْبُنَا. (اخرجه ابن سعد كذا في الخصائص)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی خصوصیت

(۱۰۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا نمازِ وتر پڑھنے سے قبل آپ سو سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا عائشہ! صرف میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا وہ بیدار رہتا ہے۔ (شیخین)

(۱۰۲۷) عطاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ ہم لوگ جو انبیاء ہوتے ہیں ہماری صرف آنکھیں ہی آنکھیں سوتی ہیں، ہمارے دل نہیں سوتے۔ (خصائص الکبریٰ)

(۱۰۲۶) * حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ سونے سے وضوء جاتا رہتا ہے۔ اس لیے جو شخص سو کر اٹھے اور نماز کا ارادہ ہو تو اس کو وضوء کرنا لازم ہے مگر جب یہاں انہوں نے دیکھا کہ آپ سو جاتے ہیں اور پھر وضوء کیے بغیر وتر پڑھ لیتے ہیں۔ تو آپ کی فہم پر قربان کہ یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے وضوء کیوں نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کیا آپ نماز سے قبل سو جاتے ہیں یعنی پھر اٹھ کر وضوء کیے بغیر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اب تک گو آپ کی نیند کی خصوصیت نہ جانتی ہوں مگر اتنا جانتی تھیں کہ نبی اپنی بہت سی باتوں میں عام بشر سے ممتاز ہوتا ہے یہ صورت بھی ضرور کسی امتیاز ہی پر مبنی ہوگی۔

(۱۰۲۷) * بیداری کی حالت میں تو عام بشر کے قلوب بھی بیدار رہتے ہیں مگر رسول وہ ہوتے ہیں جن کے قلوب سونے میں بھی بیدار رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہ بیداری نہیں ہے جس کا آپ ادراک کر سکیں۔ یہ وہ بیداری ہے جس کے سامنے عالم غیب سب کھلا ہوا ہوتا ہے۔ عام بشر جس طرح بیداری میں عالم شہادت کا ادراک کرتے ہیں، انبیاء علیہم السلام حالتِ خواب میں بھی اس سے بڑھ کر عالمِ غیب کا ادراک فرما لیتے ہیں گویا عام بشر پر جن حالات میں پوری غفلت طاری ہوتی ہے وہ ان حالات میں بھی پورے ہوشیار رہتے ہیں پھر ان کے ادراک کی نوعیت بھی ہمارے ادراک سے بالکل مختلف ہوتی ہے جس کی حقیقت سمجھنے سے بھی وحی کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے ایک واقعہ میں جو "لیلۃ التعریس" کے نام سے مشہور ہے حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں وکنا لا نوقظ نبی الله صلى الله عليه وسلم من منامة اذا نام حتى يستيقظ. (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۴۰) یعنی صحابہؓ کا دستور یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ استراحت میں ہوتے تو ہم آپ کو اس وقت تک بیدار نہ کرتے جب تک کہ آپ از خود بیدار نہ ہو جائیں۔ بخاری شریف (ص ۶۸۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی یہی طریقہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چلتے چلتے ٹھیک منزل مقصود پر پہنچ گئے تو ان کی آنکھ لگ گئی مگر حضرت یوشع نے جو ان کے رفیق سفر تھے فرمایا "لااوقظه" میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا اس کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام خود بیدار ہوئے تو وہ مچھلی کے عجیب واقعہ کا ذکر کرنا ان سے بھول گئے اور آگے چل پڑے الى آخر القصة۔

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اسی سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیے، کیونکہ "النوم اخ الموت" مشہور ہے وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے۔ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

منها تخييرهم قبل الوفاة

وفات سے قبل انبیاء علیہم السلام کو اپنی حیات وموت میں اختیار ملنے کی خصوصیت

(۱۰۲۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَهُ اللّٰهُ بَیْنَ اَنْ یُؤْتِیَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْیَا مَاشَاءَ وَ بَیْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَدَیْنَاكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاٰبَائِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا قَالَ فَعَجِبْنَا فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْا اِلٰی هٰذَا الشَّیْخِ بِخَبَرِ

(۱۰۲۸) ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا ہے اگر وہ چاہے تو دنیا کے مال و دولت کی رونق جیسی وہ چاہتا ہے اس کو عطا فرما دے اور اگر چاہے تو جو انعامات و اکرام حق تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے تیار ہیں ان کو اختیار کر لے اللہ تعالیٰ کے اس بندہ نے ان دونوں میں سے ان انعامات ہی کو پسند کر لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہیں- یہ سن کر ابوبکرؓ بے ساختہ بول اٹھے یا رسول اللہ آپ پر ہم اپنے ماں باپ سمیت قربان ہوں- ابوبکرؓ کے اس فرمانے سے ہم کو تعجب ہوا اور

لله ..... قرآن جب شہداء کی موت کے متعلق صرف اس پر کفایت نہیں کرتا کہ تم ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان کو مردہ کہو بھی مت اور اس کی تشریح یوں کرتا ہے کہ ان کو رزق بھی ملتا ہے' گویا جس کو رزق تک ملے وہ مردہ کہاں ہیں- تو اب انبیاء علیہم السلام جو شہداء سے کہیں اونچا مقام رکھتے ہیں ان کی موت کو عام انسانوں کی طرح کہہ دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے' مگر یہ ظلم بھی کتنا بڑا ظلم ہے کہ صرف اس امتیاز کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کو جنس بشر ہی سے خارج سمجھ لیا جائے- خوب یاد رکھو رب العالمین کی بارگاہ بلند وہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہے لاتاخذه سنة و لانوم وہ ایسا زندہ ہے جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے- پھر جس کو نیند بھی آتی ہو اور جو موت سے بھی مستثنیٰ نہ رہے اس کو خدا تعالیٰ کی کسی صفت میں شریک کر دینا کتنا بڑا شرک ہوگا- بشر کو خالق سے ممتاز کرنے کے لیے صرف اس کی مخلوقیت کی بیچارگی ہی بہت کافی ہے- اس جگہ ترجمان السنہ ۳۹۱ ج ا کا نوٹ ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے-

(۱۰۲۸) ✱ حدیث مذکور میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص امتیازی صفت کا ذکر آیا ہے' اسی کے ساتھ صدیق اکبرؓ کے متعلق بھی ایک خاص امتیازی نوازش کا ذکر آ گیا ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری تو امت کے سامنے ایک بدیہی مسئلہ تھا- پھر آپ کی شانِ عبدیت نے نام لے کر اس کو صاف صاف بیان کرنا پسند نہ کیا مگر اپنی وفات کے ساتھ ساتھ جس امر کا وضاحت کے ساتھ ذکر فرمانا احکام و مسائل کی طرح امت کے سامنے ضروری سمجھا وہ ابوبکر صدیقؓ کی ایک امتیازی شان تھی- اس پر بحث کرنا بہت نامناسب ہے کہ خلت کی حقیقت کیا ہے جس میں کسی کے لیے بھی شرکت کی گنجائش نہیں نکل سکتی مگر اتنا آپ کی زبان مبارک سے پھر نکل گیا کہ اگر اس میں شرکت کا کوئی امکان ہوتا تو اس کے حق دار بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہوتے اور اس کی بنیاد اس کے سواء اور کچھ نہیں کہ اسلام کے لیے جان و مال کی جو قربانی اور جتنی برمحل انہوں نے پیش کی اس میں دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں تھا- آپ کے بیان میں ان کے حق میں جو بلند سے بلند کلمات آ سکتے تھے وہ بھی آ گئے اور اسی کے ساتھ عملی لحاظ سے "فتح خوخة" یعنی مسجد کی جانب صرف ایک ان کا دروازہ کھلا رکھنے کی اجازت اور دوسروں کے تمام دروازوں کے بند ہونے کا حکم بھی صادر ہو گیا- ادھر آپ کی عمر بھر کے صحبت یافتہ صحابہ کی زبانوں سے لله .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ اَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَ بَيْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ هُوَ يَقُوْلُ فَدَيْنَاكَ بِاٰبَائِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرَ وَ كَانَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ هُوَ اَعْلَمُنَا بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اٰمَنِ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَ مَا لِهٖ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَلِيْلًا وَ لٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا خَوْخَةُ اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.

(رواه الترمذی و قال هذا حديث صحيح)

لوگوں نے کہاان بزرگ کو دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندہ کا حال نقل فرمار ہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دے دیا ہے اگر وہ چاہے تو جتنی وہ چاہے اس کو دنیا کی زیبائش وآرائش مرحمت فرمادے اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کے انعامات واکرام پسند کر لے۔اس پر یہ بزرگ کیا فرمار ہے ہیں کہ آپ پر ہم اپنے ماں باپ سمیت قربان ہوں۔پھر بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا تھا وہ تو خود آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ ہم سب میں اس راز کو زیادہ سمجھنے والے ابوبکرؓ ہی تھے اس کے بعد رسول اللہؐ نے فرمایا۔جس کی رفاقت اور جس کے مال کا احسان مجھ پر سب سے زیادہ ہے وہ ابوبکر کی ذات ہے اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو صرف ابوبکرؓ ہی کو بناتا (لیکن میرا یہ تعلق صرف ایک ذاتِ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے) اب ایک اخوتِ اسلامی باقی ہے لہٰذا مسجد کی جانب کی جتنی کھڑکیاں ہیں ان میں سے کوئی کھلی نہ رہے بس صرف ایک کھڑکی ابوبکرؓ کے گھر کی کھلی رہے (کہ میرے بعد خلافت کی ذمہ داری کی وجہ سے ان کو آمدورفت کی ضرورت زیادہ ہوگی) (ترمذی شریف)

منها ما يتعلق بتخييرهم عند الوفاة

وفات کے وقت انبیاء علیہم السلام کو پھر اختیار ملنے کی خصوصیت

(۱۰۲۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَ هُوَ صَحِيْحٌ اِنَّهٗ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهٖ وَ رَأْسُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَاشْخَصَ بَصَرَهٗ اِلَى سَقْفٍ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ

(۱۰۲۹) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بالکل تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کسی نبی کی وفات نہیں ہوتی جب تک کہ جنت میں اس کا مقام اس کو دکھا نہیں دیا جاتا اس کے بعد پھر اس کو یہ اختیار بھی دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے پسند کر لے۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا اس وقت آپ کا سر مبارک میری ران پر رکھا ہوا تھا تو آپ کے اوپر بے ہوشی طاری ہوگئی اس کے بعد جب آپ کو ذرا ہوش آیا تو

لے ..... ضمنی طور پر جو کلمہ یہاں نکل گیا اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس رفیق غار کے علم وفہم میں برتری کا مسئلہ ان کے درمیان ایک مسلّم مسئلہ تھا پھر اس کا بھی جس طرح عملی ظہور ہوا وہ صدیق اکبرؓ کے خطبہ سے ظاہر ہے۔اب جس کے متعلق صحابہ کی شہادت یہ ہو اور خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز وتکریم کے کلمات یہ ہوں ان کے متعلق اب امت کا عقیدہ کیا رہنا چاہیے۔

(۱۰۲۹) * ترجمان السنۃ ص۸۲ ج۲ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اسی ضابطہ کے ماتحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اختیار دیا گیا تھا۔اگر وہ ابھی دنیا میں اور جینا پسند کرتے ہیں تو جتنا چاہیں اور جی سکتے ہیں لیکن اس اختیار کا منشاء چونکہ صرف ان کی تشریف وتکریم تھا لہ .....

www.besturdubooks.net

اَلرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اِذَنْ لَا يَخْتَارُنَا قَالَتْ وَ عَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَدِيْثُ الَّذِىْ كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهٖ وَ هُوَ صَحِيْحٌ فِىْ قَوْلِهٖ اَنَّهُ لَنْ يُقْبَضَ نَبِىٌّ قَطُّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَكَانَ اٰخِرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى. (متفق علیه)

آپ نے اپنی نظر چھت کی طرف اٹھا کر فرمایا- الٰہی میں سب سے بڑے رفیق کو اختیار کر چکا میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم کو اختیار نہیں کریں گے اور اب یہ وہی وقت ہے جس کو آپ صحت کی حالت میں ہم سے بیان فرمایا کرتے تھے اور بے شک آپ اپنے بیان میں بالکل سچے تھے- جب تک نبی کو اس کا جنت کا مقام دکھایا نہیں جاتا اس کی وفات بھی نہیں ہوتی اس کے بعد پھر اس کو اختیار دے دیا جاتا ہے- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کی زبانِ مبارک سے جو آخری کلمہ نکلا تھا وہ یہ حرف تھے- الٰہی میں سب سے بڑے رفیق کو اختیار کر چکا- (متفق علیہ)

(۱۰۳۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَحْرِىْ وَ نَحْرِىْ فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُهٗ لَمْ اَجِدْ رِيْحًا قَطُّ اَطْيَبَ مِنْهُ. (اخرجه البزار و البيهقى بسند صحيح)

(۱۰۳۰) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال میری ٹھوڑی اور سینہ کے درمیانی حصہ میں ہوا ہے- جب آپ کی روح عالم قدس کی طرف پرواز کرنے لگی تو میں نے ایک ایسی خوشبو محسوس کی جو پھر کبھی محسوس نہ کی- (بزار)

لہ ..... اس لیے ان کا دل اسی طرف مائل ہو گیا جو عالم تقدیر میں ان کے لیے مقرر ہو چکا تھا- پس موت انبیاء علیہم السلام کو بھی آتی ہے مگر عام بشر کی طرح اچانک نہیں بلکہ اطلاع کے بعد اور روح ان کی بھی قبض کی جاتی ہے مگر ان کی بلا اجازت نہیں بلکہ اجازت کے بعد- پھر جس طرح بانصیب امتی اپنے انبیاء کے کمالات میں حصہ رسد شریک ہو جاتے ہیں اسی طرح یہاں بھی ان کو اتنا حصہ مل جاتا ہے کہ جبر و اکراہ سے ان کو بھی موت نہیں آتی بلکہ عالم تکوین میں قدرت کچھ ایسے سامان پیدا فرما دیتی ہے کہ وہ موت سے پہلے دنیا کو بخوشی چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں- دیکھو ترجمان السنہ ص ۲۸۸ ج ۱- مذکورہ بالا حدیث کو ترجمان السنہ کی ان دونوں حدیثوں کے ساتھ ملا کر پڑھیے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی وحی انسانی خیالات سے کتنی بلند ہوتی ہے جس میں کہیں اختلاف و انتشار کا نام نظر نہیں آتا- ان کے کسی زمانہ کسی محل اور کسی حالت کے کلام کو ملا لیا جائے ان میں کہیں سر مو اختلاف نہیں ملتا- ہر جگہ وہ ایک ہی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں- انبیاء علیہم السلام کا اس تخییر کے مسئلہ پر ہی غور کر لیجیے- جو بات کبھی صحت میں آپ کی زبان مبارک سے نکلی تھی اور جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو اس غیر اختیاری حالت میں بھی وہی حقیقت ثابت ہوئی اس لیے اختیاری اور غیر اختیاری حالتوں میں وحی کی یہ تعجب انگیز حقیقت دیکھ کر حضرت عائشہؓ کی زبان سے بے ساختہ آپ کی صداقت کی داد نکل گئی-

اس جگہ انبیاء علیہم السلام کی خلوت و جلوت کا کچھ اندازہ بھی کرنا چاہیے کہ جو ابھی ابھی تمام تر امت کی طرف مخاطب تھے اور اپنی کرب و بے چینی کی حالت میں بھی ان کی نصیحت و خیر خواہی کے لیے گھلے جا رہے تھے- جب رفیق اعلیٰ کی جانب سے ان کو دعوت نامہ پہنچ گیا تو اتنے یکسو ہو کر سب سے بیگانہ بن گئے کہ سب سے محبوب بی بی بھی مایوس ہو کر بڑی حسرت کے لہجہ میں فرماتی ہیں میں سمجھ گئی اب آپ ہم کو اختیار نہیں فرمائیں گے-

www.besturdubooks.net

(۱۰۳۱) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ وَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى صَدْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ فَمَرَّ بِيْ جُمَعٌ اٰكُلُ وَ اَتَوَضَّأُ مَا يَذْهَبُ رِيْحُ الْمِسْكِ مِنْ يَدِيْ. (اخرجه البيهقي كما في الخصائص ص ٢٧٤ ج ٢)

(۱۰۳۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا میں نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر رکھ کر آپ کو دیکھا تھا۔ بس کیا کہوں کئی جمعے گزر چکے ہیں۔ کھاتی بھی ہوں اور وضو بھی کرتی ہوں مگر وہ مشک کی سی خوشبو میرے ہاتھوں سے نہیں جاتی۔

منها ما تتعلق بتجريده صلى الله عليه وسلم عن ثيابه عند غسله

بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی خصوصیت

(۱۰۳۲) عَنْ عَائِشَةَ لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا وَ اللّٰهِ مَا نَدْرِيْ اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابِهِ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَمْ نَغْسِلُهُ وَ عَلَيْهِ ثِيَابُهُ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّوْمَ حَتّٰى مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَذَقْنُهُ فِيْ صَدْرِهِ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ مُكَلِّمٌ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ اَنْ اِغْسِلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ. (اخرجه ابن سعد و ابوداؤد والحاكم و البيهقي و صححاه و ابو نعيم كما في الخصائص ص ٢٧٥ ج ٢. و اخرج ابن ماجة عن بريدة و ابن بريدة و ابن سعد و الطبراني عن ابن عباس نحوه)

(۱۰۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو باہم یہ گفتگو ہونے لگی بخدا ہم کو اس کا علم نہیں کہ جس طرح ہم اپنے مردوں کے جسم کے کپڑے اتار لیتے ہیں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے کپڑے بھی اتار لیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کپڑوں ہی میں غسل دے دیں۔ جب اختلاف زیادہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی نیند غالب کی کہ ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ بچا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے جا نہ لگی ہو پھر گھر کے ایک گوشہ سے کسی کہنے والے نے کہا معلوم نہیں وہ تھا کون ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں ہی میں غسل دے دو۔

منها ماتتعلق بالصلوٰة صلى الله عليه وسلم

آنحضرتؐ پر نماز جنازہ کی ایک امتیازی خصوصیت

(۱۰۳۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ

(۱۰۳۳) حضرت ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ

(۱۰۳۲) ❋ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل کی سنت میں یہاں عام بشر کے شریک بھی ہیں مگر اتنے ممتاز بھی ہیں کہ صحابہؓ آپ کے غسل میں متحیر کھڑے ہیں اور یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ جس طرح عام انسانوں کے کپڑے اتار لیے جاتے ہیں اسی طرح آپ کے کپڑے بھی اتار لیے جائیں پھر یہاں ندائے غیبی سے اس صورت پر عمل کر لیا جاتا ہے جو خود بھی قرین قیاس نظر آ رہی تھی۔ خدا تعالیٰ کی اس حکمت کے قربان کہ دین کامل بھی ہوا مگر پھر بہت سے معاملات میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رہا اور اس طرح جس امت میں اب کوئی جدید رسول آنے والا نہ رہا تھا اس کے لیے بڑی سہولت اور وسعت پیدا ہو گئی۔

(۱۰۳۳) ❋ اللہ اکبر انبیاء علیہم السلام کی ہر ہر بشری عوارض میں شرکت بھی اور قدم قدم پر ان کے امتیازات بھی کس طرح ثابت للہ .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْنَا مَنْ یَغْسِلُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ رِجَالٌ مِنْ اَھْلِ بَیْتِی الْاَدْنٰی فَالْاَدْنٰی مَعَ مَلَائِکَۃٍ کَثِیْرَۃٍ یَرَوْنَکُمْ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ قُلْنَا مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ قَالَ اِذَا اغْتَسَلْتُمُوْنِیْ وَ حَنَّطْتُمُوْنِیْ وَ کَفَّنْتُمُوْنِیْ فَضَعُوْنِیْ عَلٰی سَرِیْرِیْ ھٰذَا عَلٰی شَفِیْرِ قَبْرِیْ ثُمَّ اَخْرُجُوْا عَنِّیْ سَاعَۃً فَاِنَّ اَوَّلَ مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیَّ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ مِیْکَائِیْلُ ثُمَّ اِسْرَافِیْلُ ثُمَّ مَلَکُ الْمَوْتِ مَعَ جُنُوْدٍ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ ثُمَّ لِیُصَلِّ عَلَیَّ اَھْلُ بَیْتِیْ ثُمَّ ادْخُلُوْا عَلَیَّ اَفْوَاجًا وَ فُرَادٰی قُلْنَا فَمَنْ یُدْخِلُ قَبْرَکَ قَالَ اَھْلِیْ مَعَ مَلَائِکَۃٍ کَثِیْرِیْنَ یَرَوْنَکُمْ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ. اخرجہ ابن سعد و ابن منیع و الحاکم و البیھقی و

علیہ وسلم کی علالت زیادہ بڑھ گئی تو ہم لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کو غسل کون دے؟ آپ نے فرمایا میرے گھر کے وہ آدمی جو نسب میں مجھ سے زیادہ سے زیادہ قریب تر ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اور فرشتے بھی شامل ہوں گے جو تم کو دیکھتے ہیں اور تم ان کو نہیں دیکھتے۔ پھر ہم نے عرض کی اچھا آپؐ کی نماز کون پڑھائے؟ فرمایا جب تم مجھے غسل دے کر، خوشبو لگا کر اور کفن پہنا کر فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو میری اس چارپائی پر رکھنا اور اس کو میری قبر کے کنارہ رکھ دینا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے تم سب باہر ہو جانا کیونکہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھیں گے وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور اس کے بعد پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اور ان کے ساتھ اور بہت سے فرشتے ہوں گے اس کے بعد میرے اہل بیت مجھ پر نماز پڑھیں اس کے بعد تم لوگ جماعتیں جماعتیں اور علیحدہ علیحدہ داخل ہونا۔ ہم نے پوچھا اچھا تو آپ کو قبر میں کون اتارے؟ آپ نے فرمایا میرے گھر کے مرد اور ان کے ساتھ اور بہت سے فرشتے ہوں گے جو تم کو دیکھتے ہیں اور تم ان کو نہیں دیکھتے۔ (خصائص الکبریٰ)

الطبرانی فی الاوسط قال البیھقی تفردبہ سلام الطویل عن عبد الملک بن عبدالرحمن و تعقبہ ابن حجر فی المطالب العالیہ بان ابن منیع اخرجہ من طریق مسلمۃ بن صالح عن عبدالملک بہ فھذہ متابعۃ لسلام الطویل و اخرجہ البزار من وجہ اخر عن ابن مسعود و اخرجہ البیھقی وغیرہ عن ابن عباس ان الناس صلوا علیہ بغیر امام ارسالا کذا فی الخصائص ص ۲۷۶ ج ۲ و قد تکلم فی اسنادہ الحافظ ابن کثیرؒ فی البدایۃ و النھایۃ ص ۲۵۴ ج ۵ و ذکر فی ص ۲۶۵ ج ۵ ان فی صحتہ نظرا و معھذا قال ان صلاتھم علیہ فرادی لم یؤمھم احد علیہ امر مجمع علیہ لا خلاف فیہ.

؎ ..... ہوتے چلے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود بعض نادان ان کا صحیح مقام سمجھنے میں پھر مغالطہ کھاتے ہیں حالانکہ بات بالکل صاف ہے کہ بخدا وہ بشر ہوتے ہیں بلکہ افضل البشر ہوتے ہیں اور ابو البشر کی ذرّیت کو بھی اگر بشر نہ کہا جائے تو بولو اور کیا کہا جائے ان کے امتیازی صفات میں ایک صفت بھی ایسی نہیں ہوتی جو بشریت کی صفت نہ ہو ان صفات سے جتنا ان میں اور عام بشر میں امتیاز ہو جاتا ہے اس سے زیادہ امتیاز ان میں اور رب العالمین میں بدیہی بن جاتا ہے۔ خود قرآن کریم نے اپنے سب سے مقرب اور محبوب رسول کے ساتھ جو خاص خاص مواقع پر اندازِ خطاب اختیار فرمایا ہے وہ اس لیے ہے کہ ہر ہر جگہ یہ واضح ہوتا رہے کہ قرب و بلندی کے سارے مقامات طے ہو جانے کے بعد بھی رب العالمین کے سامنے کسی کی ہستی بندگی سے آگے نہیں جاتی۔

﴿ سُبْحَانَہٗ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴾

www.besturdubooks.net

منها ما تتعلق تبعزیة النبی صلی الله علیه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کی غیبی تعزیت کی خصوصیت

(۱۰۳۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَسْمَعُوْنَ الْحِسَّ وَ لَا يَرَوْنَ الشَّخْصَ فَقَالَتْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ اِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِّنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَ خَلَفًا مِّنْ كُلِّ فَائِتَةٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَ اِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ.

(۱۰۳۴) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تو آپ کے اہل بیت کی تعزیت ملائکہ نے بھی کی صرف ایک آواز آتی تھی مگر کوئی شخص نظر نہ آتا تھا اور تعزیت کے الفاظ یہ تھے ''اے اہل بیت السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ- ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک صبر کا سبب ہے اور ہر چیز کا جو ہاتھوں سے نکل جائے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بہتر جانشین ہے (اس کا بدل دے دیتا ہے) لہٰذا صرف اسی کی ذات پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اُمید لگائے رکھو کیونکہ محروم صرف وہ کہا جاتا ہے جو ثواب سے بھی محروم ہو جائے (تم کو صبر کا ثواب ملے گا تم محروم نہیں) السلام علیکم ورحمۃ اللہ. (خصائص الکبریٰ)

(اخرجه الحاكم و صححه و البيهقي و روياه عن انس و اخرج ابن ابي حاتم و ابو نعيم عن علي و سيف بن عمر عن ابن عمر نحوه كذا في الخصائص ص ۲۷۹ ج ۲. و في مشكوٰة المصابيح نحوه. و ذكر البيهقي له اسنادًا اخر و قال و هذان و ان كانا ضعيفين فاحدهما يتا كدبا لاخرو يدل على ان له اصلا. البداية و النهاية ص ۲۷۷ ج۵)

(۱۰۳۴) ٭ جن اہل بیت کی شان میں اور جن کے گھروں میں کبھی وحی ربانی اترا کرتی ہو ان کے گھروں میں صرف ایک غیبی آواز پر تعجب کیا ہے- عام بشر کی تعزیت عام بشر کر لیتے ہیں- مگر رسول وہ ہیں جن کے گھر والوں کی تعزیت میں خدا کے مقدس فرشتے بھی شریک رہتے ہیں-

واضح رہے کہ اس حدیث کے بعض طریقوں میں یہ تصریح ہے کہ یہ غائب شخص خضر علیہ السلام تھے مگر حافظ ابن کثیرؒ نے ان سب روایتوں کی سخت تضعیف کی ہے دیکھو البدایہ والنہایہ ص ۲۹۹ و ۳۳۱ و ۳۳۲ ج ۱ اس کے بعد کتاب مذکور کے ص ۳۳۶ ج ۱ پر حافظ سہیلیؒ کی مندرجہ ذیل رائے نقل کی ہے-

و رجح السهيلي رحمة الله تعالىٰ عليه بقاءه و حكاه عن الاكثرين قال و اما اجتماعه مع النبي صلى الله عليه وسلم و تعزيته لاهل البيت بعده فمروي من طريق صحاح ثم ذكر ما تقدم مما ضعفناه و لم يورد اسانيدها و الله و اعلم.

حافظ سہیلیؒ نے خضر علیہ السلام کی حیات اور ان کی بقاء کو ترجیح دی ہے اور اکثر علماء کا یہی قول نقل کیا ہے- اور فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی ملاقات اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے اہل خانہ کی ان کی تعزیت کرنا صحیح طریقوں سے مروی ہے- اس کے بعد وہ روایتیں نقل کی ہیں جن کو ہم ضعیف قرار دے چکے ہیں- حافظ سہیلیؒ نے ان کی اسنادیں نقل نہیں کیں-

www.besturdubooks.net

منها ما يتعلق بالدفن

انبیاء علیہم السلام کے دفن میں امتیازی خصوصیت

(۱۰۳۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضَعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ اِدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضَعِ فِرَاشِهٖ. (رواه الترمذى)

(۱۰۳۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوگئی تو آپ کے دفن کے متعلق لوگوں کی رائیں مختلف تھیں، اس پر صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات خود سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو وفات نہیں دی مگر اسی مقام پر جہاں وہ چاہتا ہے کہ اس کو دفن کیا جائے لہٰذا آپ کو وہیں دفن کرو جہاں آپ کا بچھونا تھا۔ (ترمذی شریف)

(۱۰۳۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَ مَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَ اِنَّا لَفِيْ دَفْنِهٖ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا. (رواه الترمذى و قال هذا حديث صحيح غريب و قد صححه ابن كثير كما فى البداية و النهاية ص ٢٧٤ ج ٥)

(۱۰۳۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو تمام مدینہ جگمگا اٹھا اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو تمام مدینہ تاریک تھا، اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی دے کر ابھی اپنے ہاتھ جھاڑنے بھی نہ پائے تھے کہ اپنے قلوب کی حالت دیکھی تو دگرگوں تھی۔

(ترمذی شریف)

(۱۰۳۵) ✽ خدا تعالیٰ کے رسول بھی دفن ہوتے ہیں مگر جس طرح ان کی ولادت اور موت کے حالات میں امتیاز ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے دفن کے حالات میں بھی امتیاز ہوتا ہے وہ عام دستور کے مطابق ہر جگہ دفن نہیں ہوتے بلکہ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی تمنا ہوتی ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہوئی اس لیے یہ اس کی دلیل تھی کہ اسی جگہ دفن ہونے کی آپ کی تمنا تھی لہٰذا آپ وہیں دفن کیے گئے۔ گویا جو آپ کی قیام گاہ تھی وہی آپ کا مدفن رہا۔ اب غور فرمایئے وہ بشر کیسے بشر ہوں گے جن کی وفات کے بعد محل رہائش کا بھی فرق نہیں پڑا صرف اس کی صورت ذرا بدل گئی اور جب ذرا ایک قدم اور آگے بڑھائیں تو حدیثیں پتہ دیتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم زندوں کی طرح زمین کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں اور اگر اس سے ذرا اور آگے قدم اٹھایئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں مگر پھر ان سب فضائل سے ان کی بشریت اور عبدیت ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ جب دینا میں ایک محسوس حیات کے مالک ہو کر وہ بشر ہی رہے تو وفات کے بعد ان کی غیر محسوس حیات سے آپ اپنا عقیدہ کیوں خراب کرتے ہیں۔

(۱۰۳۶) ✽ جس ذات کو مجسم نور بنایا گیا اور جن کا لقب قمر منیر رکھا گیا تھا اگر حقیقت میں نظروں کے سامنے ان کی آمد سے نور اور ان کے دفن کے بعد تاریکی چھا گئی تو کیا تعجب ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی روایت گذر چکی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ کی صحبت سے ذرا الگ ہوتے تھے تو ہماری قلبی کیفیت بدل جاتی تھی پھر جب کہ عالم کا تفاوت ہو گیا ہو تو بولو قلبی کیفیات کیوں نہ بدل گئی ہوں گی۔ یہ عقیدت نہیں حقیقت تھی مگر جو انبیاء علیہم السلام کی شانِ رفیع کو نہیں پہچانتے وہ ان حقائق کو سمجھ نہیں سکتے۔ مثل مشہور ہے: من لم يذق لم يدر

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

www.besturdubooks.net

منها انهم لایورثون

(۱۰۳۷) عَنْ اَبِی بَکْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ. (متفق علیه)

انبیاء علیہم السلام کی وراثت میں امتیازی خصوصیت

(۱۰۳۷) حضرت ابوبکرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہوتے ہیں ہمارا وارث کوئی نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ سب راہِ خدا میں صدقہ ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

منها مناجاتهم مع الملائکة

(۱۰۳۸) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا فَلْیَعْتَزِلْنَا اَوِ

فرشتوں کے ساتھ آپ کی ہم کلامی کی خصوصیت

(۱۰۳۸) جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو کچا لہسن یا کچی پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ رہے یا یہ لفظ فرمائے کہ ہماری مسجد سے علیحدہ رہے (راوی کو ان الفاظ میں شک ہے) اس کو چاہیے

(۱۰۳۷) ✽ عام بشر جب مر جاتے ہیں تو ان کا ترکہ ان کے عزیزوں میں تقسیم ہو جاتا ہے' مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی شان یہاں بھی مختلف نظر آتی ہے ان کی میراث کسی کو نہیں ملتی وہ سب راہِ خدا میں صرف کی جاتی ہے سبحان اللہ جو ہستیاں اپنی حیات میں دنیوی طمع کا کوئی داغ اپنے دامن پر لگنا گوارا نہیں کرتیں' ان کے لیے یہ بھی مناسب نہیں سمجھا گیا کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر اس داغ کے لگانے کی کوئی دشمن جرأت کر سکے اسی لیے ان کی خاص ذریت کے حق میں زکوٰۃ کا مال حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اب اندازہ کر لینا چاہیے کہ ان کی موت عام بشر تو درکنار شہداء سے بھی کتنی ممتاز ہوتی ہے شہداء کے حق میں قرآن کریم نے حیات کا لفظ گو استعمال فرمایا ہے اور ان کو بھی رزق ملنے کی بشارت دی ہے مگر ان کا ترکہ پھر عام انسانوں کی طرح ان کے عزیزوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں اس کی بھی اجازت نہیں بلکہ آپ کی ازواج کو آئندہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ شہداء ہوں یا بڑے سے بڑا بزرگ کسی کی ازواج کو بھی شوہروں کی وفات کے بعد نکاح کرنے سے روکا نہیں گیا مگر نبی کے حق میں اس کو اتنا اہم سمجھا گیا ہے کہ اس دفعہ کا خود قرآن کریم نے اعلان فرمایا ہے۔ مگر ان کے حق میں یہ سخت دفعہ ان کی مرضی کے بغیر لگائی نہیں گئی۔ بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں ان کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا وہ چاہیں تو دنیا کو اختیار کر لیں اور چاہیں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کر لیں گویا اس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اگر انہوں نے دوسری صورت کو ترجیح دی تو پھر آئندہ نکاح کا ان کو کوئی حق نہیں رہے گا' یہی وجہ تھی کہ آپ نے اس کی بڑی اہمیت محسوس کی اور سب بیویوں کو خود جا کر یہ پیغام سنا دیا اور جب ان میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ نے یہ جواب دے دیا کہ یہ بات نہ استخارہ کی محتاج ہے نہ کسی سے مشورہ کرنے کی ہم ایک طرف ہو کر آخرت اختیار کرتے ہیں تو گویا یہ بات برضاء و رغبت خود اختیار کر لی گئی تھی دیکھو ترجمان السنہ ص ۹۷ و ۸۰ ج ۲۔ اس میں رسول کا احترام بھی ملحوظ تھا۔ باپ کی منکوحہ جو اپنی والدہ نہ ہو وہ بھی اولاد پر حرام ہے زمانہ جاہلیت میں وہ سب سے بڑی اولاد کے نکاح میں آ سکتی تھی مگر اسلام نے اس کو والد کے احترام کے خلاف سمجھا اور ہمیشہ کے لیے اس کو اولاد پر حرام کر دیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ابوت چونکہ ساری امت کے ساتھ تھی اس لیے یہاں تمام امت کے حق میں اس احترام اور حرمت کو باقی رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جب ان کی حیات کا مسئلہ سب سے ممتاز رکھا گیا تھا تو وفات کے بعد اس صفت میں بھی ان کو عام بشر سے ممتاز رکھا گیا۔

(۱۰۳۸) ✽ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک چیز حلال ہوتی ہے مگر کبھی مخاطب کی خاطر اس کا استعمال ترک کیا جاتا ہے فرشتے ←.....

www.besturdubooks.net

لِیَعْتَزِلْ مَسْجِدَ نَا وَ لِیَقْعُدْ فِیْ بَیْتِہٖ وَ اَنَّہٗ اُتِیَ بِبَدْرٍ قَالَ ابْنُ وَھْبٍ یَعْنِیْ طَبَقًا فِیْہِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَلَھَا رِیْحًا فَسَأَلَ عَنْھَا فَاُخْبِرَ بِمَا فِیْھَا مِنَ الْبُقُوْلِ فَقَالَ قَرِّبُوْھَا اِلٰی بَعْضِ اَصْحَابِہٖ کَانَ مَعَہٗ فَلَمَّا رَاٰہُ کَرِہَ اَکْلَھَا قَالَ کُلْ فَاِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَا تُنَاجِیْ. (رواہ البخاری)

کہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کے سامنے ایک طشت پیش کیا گیا جس میں کچھ سبزی تھی آپ نے ان کی بومحسوس کی تو پوچھا یہ کیا ہے؟ فوراً عرض کیا گیا کہ اس میں لہسن یا پیاز ہے آپ نے جو صحابی آپ کے ہمراہ تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ان کے سامنے رکھ دو مگر جب آپ نے دیکھا (کہ آپ کے انکار کی وجہ سے) وہ بھی اس کا کھانا پسند نہیں کرتے تو فرمایا تم کھالو میں تو اس لیے نہیں کھاتا کہ میں اس مخلوق کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہوں جس سے تم نہیں ہوتے۔ (بخاری شریف)

ؒ ..... چونکہ نورانی مخلوق ہیں مادیت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں اس لیے جس طرح ان کو کفر و شرک بلکہ ہر معصیت سے نفرت ہے اسی طرح بدبو اور نجاست وغیرہ سے بھی نفرت ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ مقدس مخلوق انبیاء علیہم السلام کی محفل کی ہمہ وقت حاضر باش ہوتی ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام اپنے اہل محفل کی خاطر خود بھی اس قسم کی اشیاء سے احتراز کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مسجدیں بھی خاص طور پر ان کا محل ہیں۔ یہاں بھی ان کی رعایت کی گئی ہے۔ چونکہ عام انسانوں کو یہاں صرف کچھ وقت کے لیے دعوت دی جاتی ہے۔ اس لیے ان کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ جب وہ کسی کی خاص رہائش کی جگہ جائیں تو ان کو چاہیے کہ یہاں وہ تھوڑے ضبط نفس سے کام لیں اور ایسی اشیاء سے پرہیز رکھیں جو اس مقدس مقام کے ساکنوں کے لیے موجب اذیت ہو۔ اگر مسجدوں میں فرشتوں کا یہ احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے تو وہ بھی اپنے ان بشری مہمانوں کی دعاء خیر سے خوب تواضع کرتے ہیں اور اس طرح عام بشر کے مسجد میں بلانے کا جو اہم مقصد تھا وہ اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گنہگاری جس مخلوق کے ضمیر کا جزء ہو اس کے لیے اس مخلوق کی صحبت کتنی ضروری ہوگی جو صرف معصیت سے بھی آشنا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک بڑی عمیق حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی بشر کے ملکوتی صفات سے انصباغ تکوینی نظم و نسق کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ اس انعکاس و انصباغ کی صورت صحبت سے زیادہ مؤثر اور کوئی نہیں ہو سکتی اس لیے کبھی تو فرشتوں کو مؤمنوں کے گھروں میں بھیجا جاتا ہے تاکہ ان کی صحبت سے ان میں معصومیت کی صفت پیدا ہوتی چلی جائے اور اس صورت میں ہم کو یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ کوئی حرکت ہم ایسی نہ کریں جو ان کے آمد و شد کے لیے مانع ہو۔ مثلاً کتا گھروں میں نہ رکھیں' نجاست نہ رکھیں اور اسی طرح تصاویر نہ لٹکائیں کیونکہ یہ سب باتیں ان کے آنے سے مانع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کبھی ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم خود ان کے مستقر پر جا کر ان کی شرف صحبت سے مستفید ہوں اور ان کا سب سے بڑا مستقر مساجد ہیں اس صورت میں ہم کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہاں جا کر جو چیز ان کے لیے طبعاً قابل نفرت ہے اس کا استعمال نہ کریں اور شب و روز کی ان صحبتوں سے معصیت سے نفرت اور عبادت کی رغبت کا جو اہم مقصد ہے وہ عاصی انسانوں میں بھی فرشتوں کی طرح پیدا ہو جائے جو شریعت کے ان اسرار کو پیش نظر نہیں رکھتے ان کی عبادتیں بھی صرف عبادت کا ایک بے روح خاکہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ صفتِ احسان میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ عام بشر کو انبیاء علیہم السلام سے کیا نسبت یہ اگر کچھ دیر کے لیے ان کی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں تو خود ان کے مقام پر جا کر وہ بھی لطفیل ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام ہی کا اور رسول وہ ہوتے ہیں جن کی محفل میں خود ملائکۃ اللہ حاضر ہو کر ان کے شرف صحبت سے مستفیض ہوتے ہیں۔[1] اہل جنت کو جس نوعیت کا مکالمہ اور صحبت فرشتوں کے ساتھ جنت میں جا کر نصیب ہوگی انبیاء علیہم السلام کو وہ اسی عالم میں میسر ہوتی ہے' بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۳۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَ اجِمًا وَ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ وَ عَدَنِيْ اَنْ يَلْقَانِي اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقِنِيْ اَمْ وَ اللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِيْ ثُمَّ وَ قَعَ فِيْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتُ وَ عَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيْ الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَ لٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَ لَا صُوْرَةٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اَنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَ يَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ. (رواہ مسلم)

(۱۰۳۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں- ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مغموم تھے اور فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آج کی شب مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر آئے نہیں خدا کی قسم وہ مجھ سے وعدہ خلافی تو نہیں کر سکتے- پھر آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے نیچے کتے کا پلہ ہے آپ نے حکم دیا وہ فوراً نکال دیا گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پانی لے کر اس جگہ پر چھڑکا- جب شام ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے آپؐ نے فرمایا- آپ نے تو گزشتہ شب میں مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا- انہوں نے کہا جی ہاں لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے ہم جو فرشتوں کی جماعت ہیں اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے- اسی دن صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ کتے مار دیئے جائیں اور اس تاکید سے حکم دیا کہ اگر کسی کا باغ چھوٹا ہو اور وہ خود اس کی حفاظت کر سکتا ہو تو جو کتا اس کی نگرانی کے لیے ہو وہ بھی مار دیا جائے' ہاں اگر باغ بڑا ہو تو اس کی نگرانی کا کتا چھوڑ دیا جائے- (مسلم شریف)

(۱۰۳۹) * کتا ایک ایسا جانور ہے جس کی فطرت کو شیاطین سے مناسبت ہے اور تصویر خالق حقیقی کی نقالی کا بدترین مظاہرہ ہے اس لیے فرشتے ان دونوں سے بیزار ہوتے ہیں- نبی و رسول کا گھر گوان کے لیے مرکز ثقل کی سی کشش رکھتا ہے مگر جس طرح آب و آتش کا اجتماع فطرۃً ناممکن ہے اسی طرح ملائکۃ اللہ اور خبائث کا اجتماع بھی ان کی فطرت کے خلاف ہے- ظاہر ہے کہ اس جلیل القدر فرشتے کی آمد کے لیے جو امر مانع بن گیا ہو اور وقتی طور پر آپ کو بھی کتنا شاق گذرا ہوگا- کتا باغات کی حفاظت کے لیے اس وقت بہت ضروری چیز سمجھا جاتا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اس کی مضرت ذہن نشین کرنے کے لیے کچھ مدت کے لیے ایسا حکم نافذ کر دیا جائے کہ پھر اس کا استعمال مجبوری کے درجہ ہی میں محدود ہو جائے- افسوس ہے کہ جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر میں فرشتوں کی آمد کی مانع ہوگئیں آج وہی ہمارے گھروں کی سب سے بڑی زینت بنی ہوئی ہیں- اب یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ جب فرشتوں کی آمد کے لیے لاعلمی میں بھی صرف ایک کتے کا وجود مانع بن سکتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ان کی آمد کے لیے مانع نہ ہوگی- خوب یاد رکھیے کہ فرشتوں کو جس طرح نجاسات اور خبائث سے بالطبع نفرت ہوتی ہے- اسی طرح خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی ان کو شدید نفرت ہوتی ہے- ترجمان السنہ ص ۴۱۵ ج ۲- میں آپ ملاحظہ فرما چکے کہ جھوٹ کی بدبو سے فرشتے ایک میل دور نکل جاتے ہیں- جاندار کی تصویر دیکھنا وہ برداشت نہیں کرتے لہسن و پیاز کی بدبو سے ان کو سخت ایذاء ہوتی ہے- اگر العیاذ باللہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہ ہوں تو کیا محفل کی حضوری اور ہر ہر مقامات میں ان کی بلکہ ان کی اُمتوں کی اعانت وہ اپنی سعادت تصور کر سکتے ہیں-

www.besturdubooks.net

منها صلوة النبی صلی الله علیه وسلم علی الجنائز فانها کانت نورًا لاهل القبور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ جنازہ کی ایک خصوصیت

(۱۰۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ اِمْرَءَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْشَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ عَنْهَا اَوْ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالَ فَكَاَنَّهُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَهَا اَوْ اَمْرَهٗ فَقَالَ دُلُّوْنِیْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا وَ اِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلٰوتِیْ عَلَيْهِمْ.

(متفق علیه و اللفظ لمسلم)

(۱۰۴۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا وہ کوئی نوجوان مرد تھا (راوی کو اس میں شک ہے) ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا اس کا تو انتقال بھی ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا تم نے مجھ کو اس کی خبر کیوں نہیں کی؟ راوی کہتا ہے گویا لوگوں نے ایسی عورت کی موت کا معاملہ بہت معمولی سمجھا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے؟ چنانچہ آپ کو قبر بتائی گئی۔ آپؐ نے اس پر نماز ادا کی اس کے بعد ارشاد فرمایا یہ جو مردوں کی قبریں ہیں یہ تاریکی در تاریکی سے بھری ہوئی ہیں میری نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو روشن اور منور فرما دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

منها تمثل الجنة و النار صلی الله علیه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت و دوزخ کی تمثل کی خصوصیت

(۱۰۴۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَسَفَتِ

(۱۰۴۱) ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات

(۱۰۴۰) ✱ نبی کی نماز، اس کی امامت اور اس کی اقتداء کے مسائل بھی سب سے ممتاز ہوتے ہیں فضائل کے یہ سب گوشے چونکہ صرف آپ کی ذات سے متعلق تھے اس لیے وہ کسی تقریب سے بیان میں آ گئے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں پر ہمیشہ جنازہ کی نمازیں پڑھی جائیں گی مگر کیا ہے کوئی جس کی نماز تاریک قبروں کو منور کرنے کے لیے قطعیت کے ساتھ ضامن ہو سکے۔

ایک واقعہ ایسا بھی ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کی غیر حاضری میں امام بن گئے تھے اتفاق سے آپ عین نماز کی حالت میں تشریف لے آئے۔ ابوبکرؓ نے یہ محسوس کرنے کے ساتھ ہی امامت کے مصلے سے فوراً اپنے قدم پیچھے ہٹا لیے آپؐ نے اشارہ سے فرمایا بھی کہ نماز پوری کر لو مگر حضرت ابوبکرؓ سے نہ ہو سکا اور بعد میں یہ عذر بیان کیا یا رسول اللہ ابوقحافہ (ان کے والد کی کنیت ہے) کے بیٹے کی مجال کہ جہاں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہوں وہاں اس کا قدم آگے نظر آئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ نبی کی امامت اس کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔ غالباً آپ کی وفات کے بعد آپؐ کے جنازے کی نماز امام کے بغیر اسی نکتہ کی بناء پر ادا کی گئی تھی اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد امام مہدی نماز کے مصلے سے پیچھے ہٹ آئیں گے اور آئندہ کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مستقل امام ہوں گے۔

(۱۰۴۱) ✱ انبیاء علیہم السلام کے طفیل میں اولیاء کرام کو بھی کبھی کبھی جنت و دوزخ کا مشاہدہ ہو جاتا ہے مگر یہ مشاہدہ صرف اسی حد تک ہوتا ہے کہ ان کو یہ وسوسہ بھی نہیں گزرتا کہ وہ جنت کی کوئی چیز اٹھا لیں۔ مگر آپؐ کا یہ مشاہدہ اس درجہ پر حقیقت تھا کہ اس کے اظہار کے لئے .....

www.besturdubooks.net

الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَ لَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَ كَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا.

(رواه البخاری فی باب رفع البصر الی الامام فی الصلوة راجع ج ۱ ص ۴۳۴ ترجمان السنة و فيه قصة رؤية امرئة فی النار دخنتها فی هرة كما فی البخاری ص ۱۰۳ قالت عائشةؓ ان المرئة كانت كافرة الخ كما فی المجمع)

میں ایک بار سورج گہن ہوا تو آپؐ نے صلوٰۃ الکسوف اداء فرمائی - لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ہم نے دیکھا تھا جب آپؐ نماز کے لیے کھڑے تھے تو آپ نے کوئی چیز سامنے سے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا' اس کے کچھ بعد ہم نے یہ دیکھا تھا کہ آپؐ اپنے پیچھے کی جانب ہٹے تھے (یہ کیا بات تھی) آپؐ نے فرمایا جب میں سامنے کی جانب بڑھا تھا تو اس وقت میں نے جنت دیکھی تھی - میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں اس میں سے ایک خوشہ لے لوں اور اگر کہیں میں لے لیتا تو تم اس کو کھاتے رہتے جب تک دنیا باقی رہتی (اور وہ ختم نہ ہوتا) اور جب پیچھے کی جانب ہٹا تھا تو اس وقت دوزخ دیکھی تھی - (بخاری شریف)

(۱۰۴۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَاَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ

(۱۰۴۲) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لا کر اپنے دونوں ہاتھوں سے قبلہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا - میں نے ابھی ابھی جب تم کو

للہ ..... لیے سب سے مناسب تعبیر وہی ہو سکتی تھی جو حدیث مذکور میں آپؐ نے اختیار فرمائی - یہ ظاہر ہے کہ خود جنت بھی غیر فانی ہے اس لیے اس کی جو چیز ہو وہ بھی غیر فانی ہونی چاہیے - یقیناً اگر آپؐ اس کے باغات کا کوئی خوشہ لے لیتے تو رہتی دنیا تک وہ بھی فنا نہ ہوتا - آپؐ نے اس حقیقت کو واضح کر کے یہ سمجھا دیا کہ آپؐ نے بعینہٖ جنت ہی کو دیکھا تھا اور اسی لیے ایک قدم آگے بڑھایا تھا مگر چونکہ فانی غیر فانی لذتوں سے موت سے قبل متمتع نہیں ہو سکتا اس لیے صرف ایک قدم اٹھا کر آپؐ رک گئے - اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات کی حقیقت خواب و خیال کی برابر سمجھے تو اس کی کج فہمی کا کیا علاج - اسی واقعہ میں آپؐ نے ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھ کر پھر اس کے آب و دانہ کی خبر نہ لی تھی - حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ عورت کافرہ تھی یہ عذاب اس کو اسی لیے ہوا تھا - كما فی مجمع الزوائد -

(۱۰۴۲) ٭ عام عبادت کی حالت میں بھی اور بالخصوص نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع خدا ہی جانے کتنی بلند ہو جاتی تھی گویا اس جہان میں بس آپؐ کا جسم ہی جسم رہ جاتا تھا روح مبارک عالم بالا سے جا ملتی تھی - حضوری بھی وہ حضوری میسر آتی تھی کہ ملکوت و جبروت کے عجائبات طرح طرح سے سب کھلے ہوئے نظر آ جاتے تھے - رسولِ اعظم کی یہ شان بھی کتنی نرالی تھی کہ کبھی عالم غیب خود ایک صورت بن کر یعنی عالم مثال میں ان کے سامنے آ جاتا تھا اور کبھی وہ خود بنفس نفیس عالم غیب میں جا کر اس کی سیر کرآتے تھے اُن کے لیے نہ یہ مشکل تھا نہ وہ مشکل تھا -

اس حدیث میں جنت و دوزخ کے عینی مشاہدہ کی حقیقت کی طرف بھی اشارہ موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کے لیے للہ .....

www.besturdubooks.net

رَأَیْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّیْتُ لَکُمُ الصَّلٰوۃَ الْجَنَّۃَ وَ النَّارَ مُمَثَّلَتَیْنِ فِیْ قِبْلَۃِ ھٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ کَالْیَوْمِ فِی الْخَیْرِ وَ الشَّرِّ ثَلاثًا. (رواہ البخاری قلت و ھذا فی واقعۃ الظھر کما یعلم مما عند البخاری فی باب وقت الظھر عند الزوال ج ۱ ص ۷۷ و فیہ واقعۃ سوال حذیفۃ "من ابی")

نماز پڑھا رہا تھا تو جنت اور دوزخ کو اس قبلہ والی دیوار کی طرف دیکھا تھا کہ وہ متمثل ہو کر میرے سامنے ہیں کیا پوچھتے ہو کہ خوف و خوشی کا جیسا منظر آج میں نے دیکھا تھا ایسا عمر بھر کبھی نہیں دیکھا۔

(بخاری شریف)

منھا رؤیۃ صلی اللہ علیہ وسلم الی الجنۃ و النھار بعینھما

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت دوزخ مشاہدہ فرمانے کی خصوصیت

(۱۰۴۳) عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

(۱۰۴۳) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ صبح کے

ﷺ ..... دو وجود ہیں ایک خارجی دوم مثالی یعنی جیسا خارج کا عالم ایک عالم ہے اسی طرح عالم مثال بھی مستقل ایک عالم ہے خارجی عالم میں اس شئے کا مادہ اور اس کی مقدار و کیفیت دونوں موجود ہوتی ہیں۔ عالم مثال میں صرف اس کی مقدار اور کیفیت ہی محفوظ رہتی ہے اس کا مادہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے عالم مثال خارجی عالم سے زیادہ قوی مانا گیا ہے۔ عالم مثال خواب کے عالم سے بالکل مختلف ہے لیکن بطور نظیر کے اس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ ایک خوابیدہ شخص بحالت خواب آسمان و زمین کا کتنا وسیع احاطہ دیکھ لیتا ہے جو اپنی وسعت میں عالم خارجی کے آسمان و زمین سے کسی طرح کم نہیں ہوتا مگر اتنا وسیع عالم پھر اس کے عالم خیال میں سمٹ کر اس طرح آ جاتا ہے کہ اس سارے عالم کی سمائی کے بعد بھی خیالی وسعت میں پھر گنجائش رہتی ہے اسی طرح جنت و دوزخ کی وسعت اتنی ہے کہ سبع سماوات معہ زمینوں کے اس کے ایک گوشہ میں ہیں لیکن عالم مثال دوسرا عالم ہے اس کی یہ ساری وسعت بآسانی اس عالم کے کسی گوشہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ اس عالم کا اس عالم سے علاقہ نہ ظرف و مظروف کا ہے نہ داخل و خارج کا اس لیے وہاں یہ سوالات ہی پیدا نہیں ہو سکتے جو اس عالم کے اشیاء کے متعلق پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت قرآن کریم تک بھی سرایت کر گئی ہے۔ حضرت مریمؑ کے قصہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا.

اب سوچئے کہ جبرئیل علیہ السلام کی یہ آمد کتنی پر از حقیقت تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سارا واقعہ اسی آمد کے ساتھ مربوط ہے لیکن جبرئیل علیہ السلام کی اس آمد کی بھی بلفظ تمثل ہی ادا فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ بشری صورت میں متمثل ہو کر نہ آتے تو ان کے دیکھنے کی تاب حضرت مریم علیہا السلام میں کہاں تھی پھر خدا تعالیٰ کا اتنا عظیم فرشتہ جب متمثل ہو کر آیا تو وہ اتنا ہی مختصر نظر آ رہا تھا جیسا عام انسان ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر جنت و دوزخ اپنی وسعت کے باوجود صرف قبلہ کی دیوار میں سمٹ کر آپ کو نظر آ گئی تو اس کو ایک کشف یا خیال تصور کرنا قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا عالم غیب کے ساتھ علاقہ کتنا قوی ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اس کا تصور ہو جائے تو پھر ان امور کے یقین آنے میں کوئی دیر نہیں۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں اس لیے جو معاملات اہل جنت کے حق میں فرمائے قیامت کے بعد قابل تصدیق ہیں وہ اس مقدس گروہ کے حق میں آج بھی لائق ایمان ہیں شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسم کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام اسی جنتی جسم کو لے کر اس زمین پر اترے تھے۔ پس ثابت یہی ہوتا ہے کہ ان کے جسم دنیا میں بھی اہل جنت کے سے خواص رکھتے ہیں۔ ان کے حق میں یہاں بھی وہ گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔

(۱۰۴۳) * مذکورۂ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں داخل ہونے کا اکثر اتفاق ہوا کرتا ﷺ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَ مَا اَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّاْتُ عِنْدَهٗ وَ رَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا. (رواه الترمذی و عند البخاری نحوه فی باب فضل الظهور باللیل و النهار و فضل الصلوة بعد الوضوء)

وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور پوچھا تم کس عمل کی وجہ سے مجھ سے بھی پہلے جنت میں جا پہنچے- میں جب بھی جنت میں داخل ہوتا ہوں تمہارے پیروں کی آہٹ اپنے آگے آگے سنتا ہوں- انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب اذان دیتا ہوں تو دو رکعتیں نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں اور جب وضوء کی ضرورت ہو جاتی ہے تو فوراً وضوء ضرور کرتا ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ دو رکعتیں میں نے اپنے لیے فرض سمجھ لی ہیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی بات ہے-

(ترمذی شریف)

(۱۰۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۰۴۴) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا-

---

ﷺ ..... تھا اور بلال رضی اللہ عنہ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ آج ان کا تذکرہ بیان میں بھی آ گیا تھا- نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان اپنے فرائض کا پابند رہے تو بعض مرتبہ اس کے خیال میں جو معمولی اعمال ہوتے ہیں وہ اس کے حق میں کسی بلند مرتبہ کا سبب بن جاتے ہیں- یہاں تحیۃ الوضوء کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہی ہے' مگر اصولاً نوافل ادا کرنے کا فائدہ بھی معلوم ہو جاتا ہے- یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں آپ نے صرف اپنا مشاہدہ نقل نہیں فرمایا بلکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مشاہدہ کا ذکر کیا ہے اب اس دخول کی نوعیت کیا تھی اس پر بحث کرنا ہمارے دائرہ علم سے باہر بات ہے اس قسم کے کئی واقعات حدیثوں میں آتے ہیں اور قیاس نہیں کہتا کہ وہ سب کے سب خواب کی حالت کے واقعات ہوں گے اور جب تک حدیث میں اس کی تصریح نہ آ جائے اس وقت تک کسی کو اپنی جانب سے اس کا حق بھی نہیں ہے بالخصوص ان کے حق میں جن کا اسی جسم کے ساتھ ایک مرتبہ آسمانوں اور جنت کی سیر کرنا بلکہ دیدار الٰہی سے مشرف ہونا بھی امت کے نزدیک مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے- یہاں ترجمان السنہ ص ج ا ص ۲۱ ملاحظہ فرمالیجئے- غالباً یہ خواب اور شب معراج کے علاوہ کوئی اور صورت ہوگی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

(۱۰۴۴) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو یہ سارے نظارے اب ہو رہے تھے لیکن جن کے حق میں یہ نظارے ہو رہے تھے ان کے لیے اس کے ظہور کا وقت فردائے قیامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم دوربین نے تو وہ سبؐ اہم واقعات جو امت میں گزرنے والے تھے وہ بھی بہت پہلے دیکھ لیے تھے- جنت تو آپ کے نظارہ کی مخصوص جگہ تھی اس کے نہ معلوم کتنے عجائبات آپؐ نے اور دیکھیں ہوں گے جو بیان میں نہیں آئے یہ ان تین مقدس ہستیوں کا نصیب تھا کہ ان کے حتمی طور پر جنتی ہونے کی بشارت اس زبان سے نکل گئی جو سب سے بڑھ کر راست گو تھی- پھر بشارت بھی وہ جو چشم دید تھی- یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری دیکھیے کہ وہاں بھی اپنے جاں نثار کی خاطر گو قلبی تقاضہ تو رہا کہ ان کے جنت کی زیب و زینت اندر جا کر تفصیلاً بھی دیکھ آتے مگر پھر ان کی غیور طبیعت کا خیال اس سے مانع آ گیا- ادھر اس جاں نثار کا جذبہ دیکھیے کہ جو شرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جانے سے اس کو نصیب ہوتا اس کی محرومی پر وہ ایک حسرت بھرا کلمہ کہہ کر خاموش ہو گیا-

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ امْرَءَةِ أَبِي طَلْحَةَ وَ سَمِعْتُ خَشْفَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالَ هٰذَا بِلَالٌ وَ رَأَيْتُ قَصْرًا بِفَنَائِهِ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا فَقَالُوا الْعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرُ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَعَلَيْكَ أَغَارُ. (متفق عليه)

میں جنت میں داخل ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ابوطلحہؓ کی بیوی رمیصاء موجود ہیں (انس کی والدہ ام سلیم کا نام تھا) پھر میں نے پیروں کی آہٹ سنی تو پوچھا یہ کون؟ کسی نے کہا کہ یہ بلالؓ ہیں- اس کے بعد میں نے ایک محل دیکھا اس کے آنگن میں ایک جاریہ نظر آئی میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے بتایا عمرؓ کا - میں نے ارادہ کیا کہ اندر داخل ہوکر بھی ذرا اس کو دیکھوں فوراً مجھے تمہاری طبعی غیرت کا خیال آ گیا- یہ سن کر عمرؓ بے اختیار بول اٹھے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یارسول اللہ کیا میں آپؐ کے داخل ہونے پر بھی غیرت کرتا- (متفق علیہ)

من أجل ميزات الانبياء عليهم السلام وحى النبوّة و قد انقطع بعد نبيّنا و سيّدنا محمد صلى الله عليه وسلم

انبیاء علیہم السلام کی سب سے ممتاز خصوصیت وحی نبوت ہے اور اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی ہے

(۱۰۴۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَبُوبَكْرٍ لِعُمَرَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ

(۱۰۴۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آؤ بھی جس طرح کبھی آنحضرت صلی اللہ

(۱۰۴۵) * وحی کیا ہے؟ خدا تعالیٰ سے قطعی ہم کلامی کا ایک شرف ہے جو نوع بشری میں خاص قسم کے افراد کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے' قرآن کریم نے آپ کی شانِ بشریت کے ساتھ آپ کی اسی امتیازی صفت کا تذکرہ فرمایا ہے- ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (فصلت:٦) یعنی میں بھی یقیناً ایک بشر ہوں مگر میرا امتیاز یہ ہے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور اس کا سب سے اہم سبق توحید الٰہی ہے- ہر بشر میں اس کی اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے خالق کے ساتھ بلاواسطہ ہم کلامی سے مشرف ہو سکے اس لیے قدرت اپنی جانب سے اس صلاحیت کے چند افراد منتخب فرمالیتی ہے پھر ان کے ذریعہ سے عام بشر تک اپنے احکام پہنچادیتی ہے اگر وہ چاہتی تو عام بشر میں بھی یہ استعداد پیدا فرمادیتی مگر یہ اس کی حکمت کا تقاضہ نہ تھا اس کو عالم میں کافر و مسلم' مطیع و عاصی کی تقسیم پیدا فرما کر اپنے قہر و مہر کے کمالات کا اظہار بھی منظور تھا اس لیے اگر وہ سب افراد اسی صلاحیت کے پیدا فرمادیتی تو انکار و نافرمانی کا تخم دنیا سے نیست و نابود ہو جاتا پھر اس کی طاعت کے لیے فرشتوں کی مخلوق ہی کیا کم تھی- دنیوی بادشاہوں کا دستور بھی یہی ہے کہ وہ اپنی رسالت کے لیے مخصوص صفات کے افراد ہی کا انتخاب فرماتے ہیں اور اپنی رعایا میں ہر ہر شخص سے خود ہمکلام ہونا نہ اپنی ہی شانِ ملوکیت کے مناسب سمجھتے ہیں اور نہ ان کی شانِ رعیت کے واللہ سبحانہ اعلیٰ واجل.

یہ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مولات یعنی آزاد کردہ باندی تھیں-محمد علان شافعی ریاض الصالحین کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ یہ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد ماجد کے ترکہ میں ملی تھیں اور ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم للہ .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيْكِ اَمَا تَعْلَمِيْنَ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّىْ لَا اَبْكِىْ اِنِّىْ لَا اَعْلَمُ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لٰكِنْ اَبْكِىْ اَنَّ الْوَحْىَ قَدْ اِنْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا.

(رواه مسلم و اخرجه صاحب مشكوٰة فى باب وفاة النبى صلى الله عليه وسلم)

علیہ وسلم ام ایمن کی ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے ہم بھی ان کی ملاقات کے لیے چلیں جب یہ دونوں حضرات ان کے گھر پہنچے تو ان کو دیکھ کر بے ساختہ ان پر گریہ طاری ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا آپ روتی کیوں ہیں کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ عیش و آرام کے سامان موجود ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں اس پر تو نہیں روتی کہ اتنا بھی نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہتر سے بہتر راحتیں مہیا ہیں۔ رونا اس پر ہے کہ اب آسمان سے وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ یہ کہہ کر ام ایمن نے ان دونوں حضرات کو بھی خوب رلایا اور یہ بھی ان کے ساتھ مل کر رونے لگے۔

(مسلم شریف)

ﷺ ..... کی خدمت آیا کی طرح انجام دیا کرتی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماں کی طرح ان کا اکرام فرماتے تھے اور ان کی ملاقات کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے (دلیل الفالحین ص ۲۵۰ ج ۳) کتنی خوش نصیب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے۔ کتنی فہیم تھیں کہ خالق اور اس کی مخلوق کے مابین سلسلہ گفت و شنید کی اہمیت کو پورا پورا سمجھ چکی تھیں اور کتنی باایمان بی بی تھیں کہ اس نعمت عظمیٰ کے گم ہو جانے کے غم میں کس طرح گھلی جارہی تھیں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ بھی کسی کی یاد تازہ کرنے کے لیے جارہے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں جب ام ایمن کا دل پارہ پارہ ہو تو یہ حضرات اس غم سے کب خالی رہ سکتے تھے گو بڑے بہادر اور بڑے متحمل تھے۔ لیکن دکھے ہوئے دلوں کا چھیڑ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ ام ایمن کی زبان سے ایک فقرہ سننا تھا کہ ان کا پیمانہ صبر بھی چھلک پڑا اور بے اختیار اشکہائے غم ان کی آنکھوں سے بھی بہہ نکلے ابھی ابھی یہ محفل یا تو مسرت و ملاقات کی ایک محفل تھی یا ذرا سی دیر میں بے ارادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں گریہ وزاری کی ایک مجلس بن گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیہ کو ہر طرح مکمل ہو چکی تھی مگر اپنے خالق کے ساتھ ہم کلامی گو بالواسطہ سہی ایسا شرف نہ تھا جس سے محرومی باایمان قلوب کے لیے غم کا پہاڑ نہ بن جاتی۔

دیکھیے صحابہ اکرام کی ہر ہر گفتگو میں جہاں ذرا بھی موقعہ ہوتا ہے یہ بات کس طرح نکلتی چلی آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے نزدیک نبوت کا انقطاع کیسا متفقہ اور یقینی عقیدہ تھا یہاں کسی کے دل میں وحی کی کسی قسم کے بقاء کا وسوسہ بھی نہ تھا خواہ وہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔ اس حدیث کے فوائد میں ایک یہ ہے کہ خالق و مخلوق کے مابین ہم کلامی گو بالواسطہ ہو انسانیت کا بڑا شرف ہے اور یہ کہ جب دنیا کی عمر آخر ہوئی تو یہ شرف بھی ختم ہوگیا اور یہ کہ باہم مسلمانوں کی ملاقات سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور یہ کہ بڑا بھی چھوٹے کی ملاقات کے لیے جا سکتا ہے اور یہ کہ بڑوں کی یاد تازہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے بعد ان کے مراسم مودت و محبت کو نبھایا جائے۔ اس ایک حدیث میں اخلاقیات و معاشرت زندگی کے یہ کتنے اہم اسباق ہیں۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۴۶) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰي عَنْهُمَا قَالَ لِعُثْمَانَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا اَقْضِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ كَانَ يَقْضِيْ فَقَالَ اِنَّ اَبِيْ لَوْ اَشْكَلَ عَلَيْهِ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَوْ اَشْكَلَ عَلٰي رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ سَأَلَ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَ اِنِّيْ لَا اَجِدُ مَنْ اَسْأَلُهُ وَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۱۰۴۶) نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ (کے فرمان پر ان) سے (معذرت کی اور) کہا کہ میں دو شخصوں کے معاملہ کا فیصلہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا انہوں نے فرمایا آخر کیوں تمہارے والد ماجد تو فیصلے کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی میرے والد کو اگر مشکل پیش آتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر اس کو حل کر لیتے تھے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش آ جاتی تو آپ جبرئیل علیہ السلام سے معلوم کر لیتے تھے میرے پاس کون ہے جس سے دریافت کر کے میں اپنی مشکلات حل کر سکوں گا (اب عرض یہ ہے کہ) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے

(۱۰۴۶) * دیکھئے یہاں ابن عمر بھی اسی حقیقت کا پتہ دے رہے ہیں کہ جزم و یقین اور حقیقت رسی کی راہ صرف وحی کی راہ ہے اور اب وہ بند ہو چکی ہے فہم انسانی خواہ کتنی بھی عالی ہو اور اس کے ذرائع تحقیق و تفتیش خواہ کتنے بھی وسیع ہوں مگر اس کے باوجود حقیقت رسی اور جزم و یقین کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنے جہل کی بناء ظن کو یقین اور کجروی کو صراط مستقیم سمجھ بیٹھے یہی وجہ ہے کہ عقلاء ہمیشہ باہم اختلاف و نزاع کے گرداب میں غوطہ زن نظر آتے ہیں۔ اگر عقل انسانی حقیقت تک رسائی کی ضامن بن جاتی تو بھلا حقیقت میں اختلاف کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔ اسی لیے مشہور ہے ۔

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

پس کسی جدوجہد کے بغیر حقیقت تک رسائی کا یہ انعام قدرت کا سب سے بڑا انعام تھا' کاش انسان اس کی قدر کرتا۔ یہاں ابن عمرؓ خدا تعالیٰ کی اس نعمت اور اپنے اسی نقصان پر تنبیہ فرما رہے ہیں کہ میرے پاس نہ تو خود حقیقت تک رسائی کا کوئی ذریعہ ہے اور نہ دوسرے کسی واسطہ سے اس کے حصول کا اب کوئی امکان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت تک رسائی اوّل تو بلاواسطہ تھی اور اگر کوئی واسطہ تھا تو جبرئیل امین کا تھا' جن کی حقیقت تک رسائی بلاواسطہ تھی اسی لیے آپ کے علوم سب حقیقت ہی حقیقت کے ترجمان تھے اور ان میں کوئی شک و تردد بھی نہ تھا۔ قرآن پاک نے جو اپنی پہلی صفت بیان فرمائی ہے وہ یہی ہے "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" پس علوم کا کمال یہی ہے کہ ان میں شک و تردد نہ ہو اور یہ صفت وحی کے بغیر پیدا ہونی مشکل ہے۔ رہا عالم غیب وہ تو عقل کی دسترس ہی سے بالاتر ہے' اس میں تو عقل انسانی کا غور و خوض کرنا ہی سرتاسر ظلم ہے۔ ابن عمرؓ نے اپنی فطری شدت پسندی کی بناء پر اس کو یہاں ایسے محل پر گلوخلاصی کا بہانہ بنایا جہاں انسان صرف ظن ہی کی تحصیل کا مکلف ہے لیکن جب انسان پر خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اس قسم کے امور کو اپنی جان بچانے کا آلہ بنا لیا کرتا ہے۔ شرعیات میں شدت پسندی کا ذوق بھی عیب ذوق ہے ۔

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

حضرت عثمانؓ چونکہ ان کے فطری تاثرات پہچان چکے تھے اس لیے انہوں نے اب زیادہ اصرار کرنا پسند نہیں کیا۔ کیونکہ زبردستی کسی پر اس ذمہ دار عہدہ کا بار ڈالنا بھی غیر ذمہ دارانہ فعل تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ فہمائش بھی کر دی کہ آئندہ کسی سے اس کا تذکرہ نہ ہو ورنہ ہر شخص.....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَ بِعَظِيْمٍ وَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تَجْعَلَنِيْ قَاضِيًا فَاَعْفَاهُ وَ قَالَ لَا تُخْبِرْ اَحَدًا.

(رواہ رزین و روی الترمذی نحوہ)

اللہ تعالیٰ کی پناہ لی اس نے سب سے بڑے کی پناہ لے لی اور میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پناہ مانگے اس کو پناہ دے دو لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے نام کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ آپ مجھے قاضی بنائیں- یہ سن کر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پھر اصرار نہیں کیا اور یہ بھی فرما دیا دیکھو اس معاملہ کی خبر کسی کو بھی نہ کرنا- (رزین - ترمذی)

بدء تعارف النبیؐ مع عالم الغیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم غیب سے تعارف کی ابتداء

(۱۰۴۷) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً يَسْمَعُ الصَّوْتَ وَ يَرَى الضَّوْءَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَ لَا يَرٰى شَيْئًا وَ ثَمَانَ سِنِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَ اَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَ تُوُفِّيَ وَ هُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَ سِتِّيْنَ سَنَةً. (متفق علیہ)

(۱۰۴۷) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے جن میں سات سال تک آپ صرف روشنی دیکھا کرتے اس کے علاوہ فرشتہ وغیر کچھ نہ دیکھتے اور آٹھ سال آپ پر وحی نازل ہوتی رہی اس کے بعد آپ نے دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور پینسٹھ سال کی عمر میں وفات فرمائی-

(متفق علیہ)

لله ..... شخص یہی بہانے کر کے اپنی جان بچالے گا اور مسلمانوں کے لیے یہ اہم عہدہ آخر خالی ہی پڑا رہے گا- اب آپ ہی ذرا انصاف کے ساتھ اندازہ لگا لیجیے کہ جس دور میں مسلمانوں کے صرف ایک قاضی بننے کے متعلق احساسات یہ ہوں وہاں امیر یا خلیفہ بننے کے جذبات بھلا کیا ہوں گے- اگر تاریخ میں اس قسم کے نزاعات کا کہیں اثر ملتا ہے تو اس کو ٹھیک ایسا ہی سمجھ لینا چاہیے جیسا کہ فرشتوں نے اپنی بالا تفاق معصومیت کے باوجود اپنی خلافت کے سلسلہ میں کچھ کلمات کہہ دیئے تھے- کیا ان کے ان کلمات کی بناء پر جو قرآن کریم میں ان کی جانب سے مذکور ہیں ان کو ادنیٰ سا بھی متہم کیا جاسکتا ہے- حالانکہ خلافتِ ارضی امارتِ ملکی سے کہیں بالاتر مقام تھا' ہرگز نہیں-

اسی طرح اگر کسی دور میں صحابہؓ کے مابین بھی اس قسم کا کوئی نزاع نظر پڑتا ہے تو محض جلد بازی کی بناء پر ان کی پاک نفسی کو متہم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے وہاں بھی تاریخ صحیح صحیح حالات کا پتہ دیتی رہی ہے بشرطیکہ کسی جماعت سے خدا واسطے کی بدظنی عقیدہ کا جزء نہ بن چکی ہو-

یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ جو عوام میں مشہور ہوگیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب جبرئیل علیہ السلام کا نزول بھی منقطع ہو گیا ہے یہ بالکل بے اصل بات ہے- حافظ سیوطی نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی ہے- چونکہ صاحب وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں اس لیے وحی نبوت کے انقطاع سے ان کے نفس نزول کی شہرت بے وجہ اڑ گئی ہے- اس لیے اگر جبرئیل علیہ السلام خدا کی رحمتوں کی بارشیں لے کر شب قدر اور اس کے سواء دوسرے اوقات میں جب بھی نازل ہوں یہ سب ممکن ہے' ہاں چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اس لیے وحی نبوت کا بند ہونا بھی لازمی ہے- حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک جلیل القدر فرشتہ ہیں اور نبوت کے ختم ہونے سے فرشتوں کے نزول کا انقطاع سمجھ لینا یہ صرف وہم کا فیصلہ ہے-

(۱۰۴۷) * یہاں عالم غیب سے آپ کے تعارف کی پہلی صورت ''نور'' سے معلوم ہوتی ہے اور ایک نورانی عالم کا تعارف نور سے لله ....

www.besturdubooks.net

(۱۰۴۸) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّىْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ. (رواہ مسلم قال ابو شامۃ و قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یری عجائب قبل بعثتہ کذا فی البدایۃ)

(۱۰۴۸) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ مکرمہ میں اس پتھر کو خوب پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے قبل مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں اب بھی اس کو خوب پہچانتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۱۰۴۹) عَنِ الشَّعْبِيِّ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ النُّبُوَّةُ وَ هُوَ ابْنُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَقُرِنَ بِنُبُوَّتِهٖ اِسْرَافِيْلُ ثَلَاثَ سِنِيْنَ فَكَانَ يُعَلِّمُهُ الْكَلِمَةَ وَ الشَّيْءَ وَ لَمْ يَنْزِلِ الْقُرْاٰنُ فَلَمَّا مَضَتْ ثَلَاثُ سِنِيْنَ قُرِنَ بِنُبُوَّتِهٖ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَزَلَ

(۱۰۴۹) شعبی روایت کرتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی ابتداء نبوت میں تین سال تک اسرافیل علیہ السلام آپ کے ہمراہ رہے اور کبھی ایک کلمہ کبھی کوئی بات آپ پر القاء فرماتے رہتے، مگر قرآن ہنوز نہیں اترا تھا۔ جب تین سال کی مدت گذر گئی تو اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آپ کے ہمراہ رہنے لگے پھر ان کی معرفت بیس سال تک آپ پر قرآن

؎ ..... شروع ہونا ہی مناسب بھی تھا۔ اس حدیث میں راوی نے آپ کی عمر پینسٹھ سال بیان کی ہے اور کسی روایت میں تریسٹھ سال بھی ہے۔ اگر وفات وولادت کے ناتمام سالوں کو شمار کر لیا جائے تو پینسٹھ ورنہ تریسٹھ سال ہوتے ہیں اس لیے ان دونوں باتوں میں چنداں اختلاف نہیں ہے۔

(۱۰۴۸) * جس طرح عام دستور کے خلاف روشنی کا دیکھنا عالم غیب سے تعارف کا ذریعہ بنا اسی طرح پتھر جیسی غیر ذی شعور چیز سے سلام کی آواز بھی اس کا ایک ذریعہ بن گئی اور اس پیرایہ سے آپ کو اس عالم کا رفتہ رفتہ تعارف پیدا ہوتا رہا جو عالم اسباب سے بالاتر ہے۔ انبیاء علیہم السلام گو عالم غیب سے تعارف پیدا کرانے کے لیے ہی مبعوث ہوتے ہیں مگر چونکہ ان کا جسم عنصری عام انسانوں کی طرح عالم شہادت میں پیدا ہوتا ہے اس لیے ان کو عالم غیب کا فرد بنانے کے لیے قدرت ان کی بھی تدریجی تربیت فرماتی رہتی ہے اور اس تربیت کے بعد پھر عالم غیب بھی ان کے لیے اسی طرح قطعی ہو جاتا ہے۔ جیسا عالم شہادت بلکہ ان کی صحبت میں جو آ بیٹھتا ہے صدق و یقین سے اس کا قلب بھی ایسا جگمگا اٹھتا ہے کہ اس کو بھی عالم غیب گویا عالم شہادت کی طرح سامنے نظر آنے لگتا ہے جب تک عالم غیب پر یہ یقین نصیب نہ ہو اس کی برکات سے پورا استفادہ نہیں ہو سکتا حضرت حنظلہ کی حدیث آپ ترجمان السنہ جلد دوم میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور حدیث جبرئیل (علیہ السلام) میں اسی کا نام احسان رکھا گیا ہے۔

(۱۰۴۹) * کہتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو ارواح کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ اسی وجہ سے ''نفخ صور'' کی خدمت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ اس مدت میں قدرت کو منظور تھا کہ آپ کی روحانیت اور بلند سے بلند مراتب طے کر لے اور آئندہ آپ میں اس قرآن کریم کے نزول کے تحمل کی صلاحیت اور مکمل ہو جائے جس کے تحمل کی طاقت پہاڑوں میں نہیں ہے۔ سبحان اللہ کلام الٰہی بھی کیا پر عظمت کلام ہے جس کے نزول کے لیے کتنی تمہیدیں ہو رہی ہیں۔ کبھی جمادات سلام کرتے ہیں، کبھی صرف غیبی آواز آتی ہے، ایک مدت مسلسل سچے خواب دکھائے جا رہے ہیں اور اسی حد پر خاتمہ نہیں بلکہ ایک فرشتہ بھی ایک ایک کلمہ القاء کر کے اس صلاحیت میں اضافہ کر رہا ہے ؎ .....

www.besturdubooks.net

الْقُرْآنُ عَلٰى لِسَانِهٖ عِشْرِيْنَ سَنَةً عَشْرًا بِمَكَّةَ وَ عَشْرًا بِالْمَدِيْنَةِ فَمَاتَ وَ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَ سِتِّيْنَ سَنَةً. (رواه احمد باسناد صحيح

شریف اترتا رہا' دس سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں اس حساب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ (مسند احمد)

قلت و قد وقع في نقله سهواً من النساخ في بعض نسخ فتح الباري فاینتبه و راجع البداية و النهاية ص ٤ ج ٣)

انواع الوحي و ايها كان اشدّ على النبي صلی اللہ علیہ وسلم و كيف كان صوت الوحي

وحی کے اقسام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید تر وحی اور وحی کی آواز

(۱۰۵۰) عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ

(۱۰۵۰) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ؟ آپؐ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کبھی تو یہ صورت ہوتی ہے کہ مجھے ایک گھنٹی کی سی آواز آتی ہے اور

ﷺ ..... لیکن اتنی تمہیدات کے بعد بھی جب قرآن کریم کے نزول کے لیے اصل مقرر شدہ فرشتہ ظہور فرماتا ہے تو آپ کی بشریت کا ملہ کی بنیاد پھر متزلزل ہونے لگتی ہے۔ یہاں سے ان دو کلاموں کی حقیقت پر غور کرو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کان میں ڈالا گیا تھا اور جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا گیا۔ کیا وحی کی اتنی عظیم الشان حقیقت کو بھی خواب و خیال کے برابر کہا جا سکتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے مطالعہ کے بعد بھی خواب و خیال اور نبوت کے درمیان فرق واضح نہیں ہوتا تو پھر ہمارے نزدیک دنیا میں کوئی حقیقت ایسی نہیں ہوگی جس پر ہم پورا اعتماد کر سکیں ہر گہری سے گہری حقیقت کے متعلق یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ بھی صرف ایک خواب و خیال ہے جو ہم کو سونے والے کے خواب کی طرح پر از حقیقت نظر آ رہی ہے۔

(۱۰۵۰) ✽ حافظ ابن تیمیہؒ نے ''کتاب الایمان'' میں ایک ضروری تنبیہ فرمائی ہے اور وہ یہ کہ بعض الفاظ جب شریعت کی اصطلاح میں کسی خاص معنی کے لیے مخصوص ہو جائیں تو اب قرآن و حدیث میں ان کے لغوی یا عام معنی مراد لینا صحیح نہیں مثلاً صلوٰۃ ایمان اور اسلام کے الفاظ۔ یہ سب الفاظ شریعت کی اصطلاح میں خاص خاص معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں اس لیے اب قرآن و حدیث میں عام طور پر اس کے وہی معنی مراد ہوں گے جو شرعی استعمال سے ایک مرتبہ متعین ہو چکے ہیں مثلاً لفظ ایمان لغت میں گو مطلقاً تصدیق کے معنی میں آتا ہے لیکن اصطلاحِ شریعت میں اس کا عام استعمال صرف عالم غیب کی تصدیق میں آیا ہے اس لیے اس کے جو معنی اب شرعی اصطلاح قرار پا چکے ہیں قرآن و حدیث میں وہی معنی مراد لیے جائیں گے۔ اسی طرح ''وحی'' کا لفظ ہے۔ لغت میں وہ کس معنی کے لیے ہے اب اس پر بحث کرنی غیر ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم میں جب اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے دائرہ میں ہوا ہے تو اس کے معنی بندہ اور حق تعالیٰ کے مابین ہم کلامی کے ہوئے ہیں اس لیے اب جب کہیں وحی کا لفظ انبیاء و رسل کے بارے میں مستعمل ہوگا تو اس کے یہی معنی مراد لیے جائیں گے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی اس تحقیق کا حاصل یہ نہیں ہے کہ شرعی استعمال لغت کے برخلاف ہوتا ہے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص استعمال میں جب کسی لفظ میں کوئی تخصیص پیدا ہو جائے تو اب لغت میں عموم کی وجہ سے اس کی یہ خصوصیت نظر انداز نہیں کی جائے گی۔ اب دیکھئے کہ لغت میں وحی کا لفظ خفیہ اشاروں میں بات چیت کے لیے آیا ہے۔ یرمون بالخطب الطوال وتارة ::: وحی الملاحظه خیفة الرقباء کبھی تو یہ لمبی لمبی تقریریں اور کبھی رقیبوں کے ڈر سے چپکے چپکے صرف آنکھوں کے اشارے۔ اس لحاظ سے ہر خفیہ اشارہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَاْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَ هُوَ اَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصِمُ عَنِّيْ وَ قَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَ اَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَ لَقَدْ رَاَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَ اِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا. (متفق عليه)

یہ قسم مجھ پر سب سے دشوار تر ہوتی ہے اس کے بعد جب وہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو جو وحی میں ارشاد ہوا تھا وہ مجھ کو محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ فرشتہ خود کسی شخص (دحیہ کلبیؓ) کی صورت بن کر میرے سامنے آجاتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ پھر جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے سخت جاڑوں کے موسم میں آپ کو بچشم خود دیکھا ہے کہ جب آپؐ پر وحی آ کر تمام ہو جاتی تو آپؐ کی پیشانی مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی۔ (متفق علیہ)

(۱۰۵۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَاُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ قَالَ اللّٰهُمَّ زِدْنَا وَ لَا تَنْقُصْنَا وَ اَكْرِمْنَا وَ لَا

(۱۰۵۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کے پاس ایک ایسی آواز محسوس ہوا کرتی تھی جیسی شہد کی مکھیوں کے گنگنانے کی ہوتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ پر وحی آئی تو ہم تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے جب وحی کے آنے کی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جاتی رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ دعاء کے

..... اور خفیہ بات چیت پر وحی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا استعمال حیوانات اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی ہوا ہے' لیکن جب اس کا استعمال خاص رسولوں میں ہوا ہے تو پھر شریعت کی اصطلاح میں صرف اس کلام کو وحی کہا گیا ہے جو رسول اور حق تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے اس تخصیص کے بعد بھی لغت کے اصل معنی یہاں ملحوظ رہتے ہیں کیونکہ یہاں بھی متکلم اور اس کا کلام دونوں اتنے خفیہ ہوتے ہیں کہ اس کی اطلاع سوائے رسول کے اس کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی نہیں ہوتی خلاصہ یہ ہے کہ اب وحی کے مختصر معنی یہ ہیں کہ وہ رسول اور خدا تعالیٰ کے مابین کلام کا نام ہے اب اس کی حقیقت کیا ہے یہ مسئلہ وحی کے اقسام اور اس کی کیفیات کے معلوم کرنے سے جتنا اجمالاً حل ہو سکتا ہے بس اسی حد تک اس کو حل شدہ سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ بحث کرنا اپنی حد سے تجاوز کرنا ہے اور ہمارے لیے غیر ضروری بھی ہے۔

(۱۰۵۱) * اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی کسی قسم میں کبھی ایسی آواز بھی ہوتی تھی جس کو کبھی کوئی بلند فطرت صحابی بھی سن لیا کرتا تھا۔ مگر پھر بھی اس کا ادراک صرف ایک غیبی صوت کے سواء کچھ نہ ہوتا نہ تو اس کے حروف مسموع ہوتے نہ معنے مفہوم ہوتے بلکہ صرف ایک بسیط آواز ہوتی۔ عجیب بات ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس آواز کو تشبیہ دی تو گھنٹی کی آواز سے تشبیہ دی اور یہاں جب حضرت عمرؓ نے اس کو تشبیہ دی تو دوی نحل یعنی شہد کی مکھی کی آواز سے تشبیہ دی ہے علماء نے لکھا ہے کہ گھنٹے کی آواز گو شرعاً ناپسندیدہ ہے مگر وحی کو اس کے ساتھ اس لحاظ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی ایک بسیط آواز ہوتی ہے اور بے جہت مسموع ہوتی ہے۔ مکھیوں کی مسلسل بھنبھناہٹ سے بھی اس قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے یعنی اس کا مبداء و مقطع بھی معلوم نہیں ہوتا صرف گھنٹے کی طرح ایک بسیط آواز .....

www.besturdubooks.net

تُھِنَّا وَ اَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ اٰثِرْنَا وَ لَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَ اَرْضِنَا عَنْکَ وَ اَرْضَ عَنَّاثُمَّ قَالَ اُنْزِلَ عَلَیَّ عَشْرُ اٰیَاتٍ مَنْ اَقَامَھُنَّ دَخَلَ الْجَنَّۃَ ثُمَّ قَرَأَقَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی خَتَمَ عَشْرَ اٰیَاتٍ. (رواہ احمد و الترمذی فی تفسیر سورۃ المؤمنین و تکلم فی اسنادہ فلیراجع و رواہ النسائی ثم قال النسائی منکر لا نعرف احدًا رواہ غیر یونس بن سلیم و لا نعرفہ. کذافی البدایہ والنہایہ ص ۲۱ ج ۳)

لیے اٹھائے اور یہ دعاء فرمائی اے اللہ ہمیں اور زیادہ کر اور گھٹا مت' ہمیں اور شرف عطا فرما اور ذلیل نہ فرما' ہمیں اور زیادہ دے اور محروم نہ رکھ' ہمیں دوسروں پر ترجیح دے اور دوسروں کو ہم پر ترجیح نہ دے اور ہم کو اپنے سے راضی رہنے کی توفیق بخش اور تو ہم سے راضی ہو جا- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں جو شخص ان پر پورا پورا عمل پیرا ہوگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا- پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دس آیتیں آخر تک پڑھیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ الخ.. یقیناً وہ مؤمن کامیاب ہوگئے' الخ-

(احمد-ترمذی)

(۱۰۵۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَی اللّٰهُ الْاَمْرَ فِی

(۱۰۵۲) ابو ہریرہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان پر کسی بات کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے اس فرمان کی عظمت و دہشت سے اپنے پر

﴾..... معلوم ہوتی ہے ان دونوں تشبیہوں پر اگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک ہی حقیقت کی ترجمانی کر رہی ہیں فرق ہو تو شاید صرف اتنا ہی ہو کہ صاحب وحی کو وہ آواز کچھ زیادہ تیز محسوس ہوتی ہو اس لیے آپ نے اس کو 'صلصلۃ' یعنی گھنٹے کی آواز سے تشبیہ دی ہو اور سامعین میں جس کو اس غیبی صوت کا سننا نصیب ہوتا ہو اس کو خفیف اور ہلکی محسوس ہوتی ہو اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی حقیقت خواب و خیال سے بالکل بالاتر ہے- عالم رؤیا کا سارا تماشہ صرف سونے والے کے سامنے ہوتا ہے اور یہاں آثار وحی بقیہ سامعین پر بھی درجہ بدرجہ نمودار ہوتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات وحی کی بے کیف آواز کا ادراک بھی ہوتا تھا- ابھی آپ کے سامنے آنے والا ہے کہ نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو متاثر ہوتے ہی تھے لیکن اس حالت میں اگر آپ کا جسم اطہر کسی دوسرے کے جسم کے ساتھ ذرا متصل ہو جاتا تو وہ بھی وحی کی عظمت سے پس پس جاتا تھا- اب مختلف صحابہؓ کے ان مختلف احساسات کے بعد بھی کیا وحی کو محض ایک دماغی تخیل کہا جا سکتا ہے- والعیاذ باللہ-

(۱۰۵۲) * اس حدیث میں وحی کے وقت ایک تیسری قسم کی آواز کا بھی ذکر ہے لیکن ان تینوں پر اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اصل غرض سب جگہ ایک ہی ہے- پتھر پر زنجیر کی آواز بھی گھنٹہ کی آواز کی طرح ایک گونج رکھتی ہے اس میں بھی سننے والے کو کسی خاص جہت کا ادراک نہیں ہوتا اور یہاں بھی انسانی کلام کے برخلاف مبدأ ومقطع یعنی شروع اور خاتمہ علیحدہ علیحدہ ممتاز محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک بسیط اور مسلسل آواز محسوس ہوتی ہے اور بس- شارحین حدیث میں اس آواز کے متعلق اختلاف ہے- کوئی کہتا ہے کہ یہ خود اس وحی کی آواز ہوتی ہے اور کسی کا خیال ہے کہ یہ فرشتے کے پروں کی آواز ہوتی ہے- ہم اس قسم کی بحثوں کا فیصلہ کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں اور غیر مفید بھی- فلاسفہ قدیم کو عام انسانی آواز کی سماع کی حقیقت میں اختلاف رہا ہے پھر ہمارا کیا حوصلہ ہے کہ ہم وحی کی آواز کی حقیقت میں لب کشائی کر سکیں- غائبات یعنی عالم غیب کے متعلق سب سے صحیح اور آسان راستہ یہی ہے کہ اس پر یقین رکھا جائے اور اس کا اعتراف کر لیا جائے ﴾.....

www.besturdubooks.net

السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ وَ قَالَ غَيْرُهٗ صَفْوَانٌ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا

اس طرح مارتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر لگتی ہے اور اس سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہاں بعض راویوں نے یہ اور اضافہ کیا ہے کہ وہ آواز ان کے آر پار ہو جاتی ہے۔ جب خوف و دہشت کی یہ کیفیت ان کے قلوب سے دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں "پروردگار نے کیا حکم دیا"

ﷺ..... اور بس۔ اگر وہ ہمارے دائرہ ادراک کی چیز ہوتی تو پھر اس کو عالم غیب کہنا ہی کیونکر درست ہوتا۔ عالم غیب ہے وہی جو ہمارے حواس و ادراکات کے دسترس سے باہر ہو۔ اسی لیے اس کی اطلاع کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں اور ان ہی کے اعتماد پر اس پر یقین کرنے کے لیے ہم مکلف بنائے گئے ہیں۔ لیکن صرف ایک نظیر کے طور پر ٹیلیگراف یعنی تار کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ یہاں بھی عام سامعین کو صرف ایک کھٹکے کی بے معنی آواز آتی ہے لیکن جو اس کا رمز شناس ہوتا ہے وہ اس آواز کو اسی طرح سمجھ لیتا ہے جس طرح کہ آپ عام بات چیت کو سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی وحی کی آواز صلصلۃ الجرس کی طرح سنتے اور اس کا مطلب پورا پورا سمجھ لیتے یا دوسری شکل ٹیلیفون کی ہے جس میں خود متکلم باتیں کرتا ہے مگر یہاں بھی مخاطب کے سواء کوئی دوسرا شخص اس آواز کو نہیں سنتا لیکن جو نہیں سنتا وہ سننے والے کے اعتماد پر ٹیلیفون کی تمام خبروں کا پورا یقین کر لیتا ہے اور اپنے دل میں دروغ بیانی یا اس کے وہم و خیال ہونے کا کوئی احتمال بھی نہیں لاتا۔ فرق ہے تو بس اتنا ہے کہ یہاں اس کو یہ اعتماد حاصل ہوتا ہے کہ اس آواز کو ہر انسان سن سکتا ہے اور اگر چاہے تو وہ خود بھی سن سکتا ہے، مگر وحی نہ ہر انسان پر آتی ہے اور نہ ہر انسان اس کی آواز سن سکتا ہے مگر کسی بات پر یقین کرنے کے لیے کیا یہ بھی کوئی اصول ہے کہ جب تک خود اس بات کو بلا واسطہ معلوم نہ کر لیا جائے اس کا یقین نہ کیا جائے۔ پھر کیا بنی اسرائیل کی ضدی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی فرمائش نہیں کی تھی کہ جب تک ہم رب العزت کا کلام خود بلا واسطہ نہ سن لیں اس وقت تک محض آپ کے بیان پر یقین نہیں لا سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خاطر آخر ان کی یہ ہٹ بھی پوری کی گئی۔ لیکن جن کو نہیں ماننا تھا وہ اس پر بھی نہ مانے اور ایک یہ حیلہ اور نکال کھڑا کیا کہ جب تک متکلم خود ہمارے سامنے آ کر بالشافہ آمنے سامنے گفتگو نہ کرے ہمیں اس پس پردہ گفتگو پر کوئی اعتماد نہیں ہوسکتا گویا اس قوم کا مطالبہ یہ تھا کہ جو بات خود ان کے نبی کے لیے ممکن نہ تھی وہ ان کے لیے ممکن ہو جائے اور اگر بالفرض یہ بھی ہو جاتا تو یقیناً وہ کوئی اور تیسرا بہانہ نکال لیتے۔ پس نبوت، وحی اور عالم غیب کے ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ دلائل کی فکر میں نہ پڑیے اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لے آنے کے بعد جو بات وہ کہتے ہیں ان کے اعتماد پر آپ اس کو مان لیجیے۔ وحی کے باب کی حدیثیں، اس کی کیفیات اور دوست و دشمن کے سامنے اس کے نزول کے متعدد حالات آپ کے سامنے ہیں۔ ان کو بار بار خالی الذہن ہو کر پڑھیے تو آپ اس فیصلہ پر مجبور ہوں گے کہ ضرور یہ کوئی قطعی حقیقت ہے، خیالی افسانہ نہیں والعیاذ باللہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس کا اثر نہ صرف آپ ہی کی ذات تک محدود رہتا بلکہ سعید اہل مجلس پر بھی ہوتا اور پڑھے ہوئے اور ان پڑھ جو بھی اس وقت وہاں موجود ہوتے وہ وحی کا نزول اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور یہ یقین کر لیتے کہ ضرور یہ کوئی ایسی بلند حقیقت ہے جس سے ہر بشر آشنا نہیں ہوسکتا۔ یہاں نزول وحی کی دوسری ساعت بعد ہی خفیہ سازشیں سب عریاں ہو جاتی تھیں۔ ہر سائل اپنے مشکل سے مشکل سوال کا جواب پا لیتا تھا، تشنگانِ ہدایت کے لیے وہ وہ ہدایات نصیب ہو جاتی تھیں جن سے صحف سماویہ اب تک خالی تھیں اور عقل انسانی آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز و درماندہ ہے۔ اگر آپ کو یہاں علمی مباحث کا شوق ہو تو تفسیر رازی ص ۷۰۶ ج ۷۔ التفسیر القیم سورۂ فاتحہ کی تفسیر زیر لفظ ہدایت، اور الروض الانف اور شروحِ حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ ﷺ.....

www.besturdubooks.net

لِلَّذِیْ قَالَ الْحَقَّ وَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ. (رواہ البخاری ص ۷۰۸ و ۱۱۱۴)

تو جو ان میں مقرب ہیں وہ جواب دیتے ہیں- وہی حکم دیا جو درست و مناسب تھا اور وہ بڑا عالیشان اور سب سے بڑا ہے- (بخاری شریف)

النفثُ فِی الروع

فرشتہ کا غیبی طور پر قلب میں کوئی بات ڈالنا

(۱۰۵۳) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّھَا النَّاسُ لَیْسَ

(۱۰۵۳) ابن مسعود روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا- لوگو! جو بات بھی تم کو جنت سے قریب

؎ ..... پھر جب وحی کی حقیقت ہی ایک غیبی حقیقت ہے تو اس کے اقسام میں بھی یقیناً یہی صفت ہونی چاہیے- اس لیے ہم اس پر بھی کچھ زیادہ کلام کرنا نہیں چاہتے- جتنا قرآن کریم کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وحی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ خود نبی کے باطن میں کوئی بات القاء فرمادے نہ کوئی آواز مسموع ہو اور نہ فرشتے کا واسطہ ہو- دوسری صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی پر کچھ القاء فرمائے مگر پس پردہ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوہ طور پر تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ آئے اور اس کے ذریعہ سے وحی نازل ہو اس کی پھر دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ فرشتہ خود انسانی صورت میں متمثل ہو کر آئے دوم یہ کہ نبی کے باطن میں تصرف کر کے اس کو ملکوتیت کے قریب کر دیا جائے- اس دوسری صورت میں چونکہ خود آپ کی ذاتِ قدسی صفات میں تصرف کیا جاتا تھا- اس لیے وحی کی یہ قسم آپ پر شدید ہوتی تھی یوں تو وحی کی جو قسم بھی تھی وہ شدید ہی تھی- مگر اس قسم میں اس تصرف کی وجہ سے اس کی شدت میں اور اضافہ ہو جاتا تھا- اس کے علاوہ وحی کی جتنی قسمیں ہیں وہ سب ان ہی میں سے کسی نہ کسی قسم میں داخل ہیں-

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ. (الشوریٰ: ۵۱)

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کرے مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیجے پھر پہنچادے اس کے حکم سے جو وہ چاہے-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو اس باب میں سب سے پہلے ذکر کی گئی ہے تیسری قسم ہے دوسری قسم کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس کا وجود ہی نادر تھا- وحی کی یہ صورت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر پیش آئی تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شب معراج میں پیش آئی- حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہ قدس سرہ کا مختار یہ تھا کہ شب معراج میں نوازش کی ابتداء مکالمہ اور وحی سے شروع ہوئی تھی اور رویۃ پر جا کر منتہی ہوگئی تھی- یعنی شروع میں مکالمہ ہوتا رہا مگر اس وقت تک رویت نہ ہوئی اور جب مکالمہ ختم ہو گیا تو رب السموات والارضین نے اپنے دیدار سے آپ کو مشرف فرمایا- فسبحان من منعم مفضال.

(۱۰۵۳) ﷺ حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتہ کا براہ راست نبی کے قلب میں کوئی بات ڈال دینا بھی وحی کی ایک قسم ہے لیکن وحی ربانی شک و تردد سے کتنی پاک و صاف ہوتی ہے- اسی لیے اس کی ہر نوع صاحب نبوت کے لیے روشن ہوتی ہے اور امت کے لیے اس پر ایمان لانا پہلا فرض ہوتا ہے- سیرت کے پڑھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ حالات کی پوری نامساعدت کے باوجود خدا کے رسولوں کو خدائی وعدہ میں کبھی ذرا تردد پیش نہیں آیا- صلح حدیبیہ کی صلح کتنی دب کر کی گئی تھی جس کی ہر ہر دفعہ مسلمانوں کے ضعف و کمزوری کی گویا ایک ایک دلیل تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی مخلص نے سوال کیا تو آپ نے کسی تردد کے بغیر اسی صلح نامہ کو مسلمانوں کی فتح سے تعبیر کیا چنانچہ بہت ہی قلیل مدت کے بعد واقعات نے اس کی تصدیق کی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا- یہاں رزق کا معاملہ بھی جس جزم ؎ .....

مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَ اِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رَوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَ لَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ.

(رواه في شرح السنة و البيهقي في شعب الايمان)

کرنے والی اور آتش دوزخ سے دور کر دینے والی تھی میں تم کو اس کا حکم دے چکا ہوں اور جو بات بھی تم کو آتش دوزخ سے قریب اور جنت سے دور کر دینے والی تھی اس کے کرنے سے میں تم کو روک چکا ہوں۔ اس سلسلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ بات بھی القاء فرمائی ہے کہ کوئی نفس جب تک کہ وہ اپنے مقدر کا رزق پورا نہ کر لے ہرگز مر نہیں سکتا' لہٰذا خبردار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ذرا صبر کے ساتھ رزق طلب کرو اور اگر مقدر کا رزق ملنے میں کچھ تاخیر ہو تو اس کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ سے حاصل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو جایا کرو۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو رزق دستِ قدرت میں ہے وہ صرف اس کی حکم برداری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ (شرح السنۃ بیہقی)

الرؤيا

خواب

(۱۰۵۴) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۰۵۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب میں اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر رہا جب کچھ شب گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ

لله ..... ویقین کے ساتھ ادا کیا گیا ہے وہ لفظ ''لــــن'' سے ظاہر ہے۔ عربی میں یہ لفظ تاکید کے لیے آتا ہے۔ کیا خواب اور صفراء کے تخیلات اور وحی میں اب بھی کوئی التباس ہو سکتا ہے۔

انسان کی کمزور فطرت رزق کو انسانی جدوجہد کے تابع سمجھتی ہے' مگر وحی کہتی ہے کہ یہ معاملہ صرف تقدیر کے تابع ہے اور مشکوک نہیں یقینی ہے اور اتنا یقینی ہے کہ موت جیسی یقینی چیز بھی اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ انسان اپنے مقدر کا رزق پورا پورا حاصل نہ کر لے۔ انسان سمجھتا ہے کہ رزق آزاد ذرائع سے بآسانی اور وسعت سے حاصل ہوتا ہے حدیث یہ سمجھاتی ہے کہ یہ خیال غلط ہے رزق صرف خدا تعالیٰ کی حکم برداری سے مل سکتا ہے اور اس کو یوں آسان طریقہ سے دلنشین کرتی ہے کہ رزق خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اور جب یہ ہے تو پھر بھلا اس کی نافرمانی کر کے رزق کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سے آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ حدیث میں کسب واکتساب کی ممانعت نہیں بلکہ حرام ذرائع کی ممانعت ہے۔ انسان یہ سوچتا ہے کہ سود' لوٹ مار' دغا و فریب اور اسی قسم کے دوسرے ناجائز ذرائع سے اس کو مال حاصل کرنا کچھ عیب نہیں۔ حدیث کہتی ہے یہ صرف اس کی ایمانی کمزوری ہے اس کو حلال ذرائع سے جدوجہد کرنی چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو رزق اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ اس ذریعہ سے بھی پہنچ کر رہے گا۔ رزق کو مقصد زندگانی بنانا بلند خیالی نہیں ہے۔ انسانی خلقت کا اصل مقصد خلافت کے فرائض کے انجام دہی ہے۔ لہٰذا یہ ضروریات ضمنی ہی رہنی چاہئیں۔

(۱۰۵۴) ✱ عالم نبوت سے ناآشنا تو یہ کہتے ہیں کہ نبوت کی حقیقت عالم خواب کی طرح بے حقیقت ہوتی ہے اور جو اس سے آشنا ہیں وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے عالم خواب کے ادراکات دوسروں کی بیداری کے ادراکات سے بھی کہیں بڑھ کر پر از حقیقت اور قطعی لله .....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ عَنْ مُعَلَّقٍ وَضُوْءً خَفِيْفًا يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَ يُقَلِّلُهُ جِدًّا ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَحَوَّلَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ صَلّٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ فَاَتَاهُ الْمُنَادِيْ يُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ مَعَهٗ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَ لَمْ يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو وَ اِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علیہ وسلم اٹھے اور ایک مشک سے جو لٹکی ہوئی تھی وضوء فرمایا حدیث کا راوی عمرو کہتا ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کم پانی صرف کیا اس کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوئے- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور جیسا وضوء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسی طرح میں نے بھی کیا پھر آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بدل کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا اس کے بعد جتنی رکعتیں اللہ تعالیٰ کو منظور تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائیں پھر آپ آ کر لیٹ گئے- یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی آواز آنے لگی مؤذن حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی آپ اٹھ کر یوں ہی اس کے ساتھ نماز کو تشریف

ﷺ ..... ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ بھی وحی ربانی کی ایک قسم شمار ہوتے ہیں- دیکھیے بیٹے کے ذبح کرنے کا معاملہ کتنا اہم معاملہ تھا جس کی اجازت نہ شرعاً ہے نہ عقلاً مگر جب خدا تعالیٰ کا برگزیدہ نبی اپنے خواب میں یہ دیکھ لیتا ہے تو اس کو پورا کرنے میں ذرا تردد نہیں کرتا اور فوراً اس کی تیاری شروع کر دیتا ہے پھر جو بیٹا نبی اولوالعزم ہونے والا تھا اس کی فطری استقامت بھی کتنی حیرت انگیز ہے کہ حکم رب کے سامنے جس مسرت اور رضامندی کے ساتھ وہ سر جھکا رہا ہے اس کی مثال نوع بشر میں ملنی مشکل ہے- عام انسانوں کے خواب کے ادراکات چونکہ حواس کے تعطل اور قوتِ واہمہ کے غلبہ کی حالت میں ہوتے ہیں اس لیے ان کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی انبیاء علیہم السلام کی نیند ان دونوں علتوں سے بالاتر ہوتی ہے- وہ عین خواب میں بھی اپنی بیداری کی طرح عالم غیب سے خبردار رہتے ہیں اس لیے ان کی نیند کے عوارض صرف وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق اس آنکھ کے ساتھ ہوتا ہے- یعنی وہ انسانوں کی آوازیں نہیں سنتے ان کی صورتیں نہیں دیکھتے اور اسی طرح دوسرے امور جن کا تعلق صرف ظاہری حواس کے ساتھ ہوتا ہے ان سے معطل ہو سکتے ہیں مگر عالم غیب جس کا تعلق دراصل ان حواسِ ظاہری کے ساتھ نہیں ہوتا اس سے وہ کسی حالت میں بھی غافل نہیں ہوتے اس لیے ان کے خواب کے ادراکات کی حیثیت وہی رہتی ہے جو ان کی بیداری کے ادراکات کی ہوتی ہے- واللہ تعالیٰ اعلم-

حضرت ابن عباسؓ اپنی اس نوعمری میں بھی کتنے فہیم تھے- اسی غرض کے لیے یہاں ایک شب گذارنے آئے کہ آپ کی شب کی عبادت کا نقشہ خود اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں ابھی بچپن کی عمر ہے مگر معلوم نہیں کہ اس شوق میں کیا تمام شب جاگ کر ہی کاٹ دی تھی کہ ادھر آپ کے اٹھنے کی آہٹ ہوئی اُدھر جھٹ ان کی آنکھیں اپنے مقصد پر جالگیں کتنے باادب تھے کہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر اس طرح خاموش پڑے رہے گویا بےخبر سو رہے ہیں- جب دیکھ لیا کہ آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے تو اب خود بھی اٹھے اور مو بمو اسی طرح نقل کرنے کی کوشش کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا- ابھی ذرا سی عمر تھی مسئلہ معلوم نہ تھا اس لیے بائیں طرف آ کر آپ کی نماز میں شامل ہو گئے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے لیل و نہار میں صغیر و کبیر کے لیے معلم بنا کر بھیجا تھا اس نے ذرا توقف نہ کیا اور ﷺ .....

www.besturdubooks.net

تَنَامُ عَيْنُهُ وَ لَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ اِنَّ رُؤْيَا الْاَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ.

(رواہ البخاری فی باب التخفیف فی الوضوء ص ۲۵ و فی باب وضوء الصبیان ص ۱۱۹ ج ۱ و عند الترمذی فی مناقب عمر و یروی عن ابن عباس انه قال رؤیا الانبیاء وحی ص ۲۰۹ ج ۲)

لے گئے اور نماز اداء فرمائی اور وضوء نہیں کیا - ہم نے عمرو راوی حدیث سے پوچھا لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آنکھیں ہی آنکھیں سوتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اس حالت میں بھی بیدار رہتا تھا - عمرو کہتے ہیں میں نے عبید بن عمیر کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے - اس پر قرآن کریم کی یہ آیت دلیل کے طور پر پڑھی اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ الخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں - (بخاری شریف)

الرسول العظیم و مشهده عند نزول الوحی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا ایک منظر

(۱۰۵۵) اِنَّ صَفْوَانَ بْنَ يَعْلٰى اَخْبَرَهُ اِنَّ يَعْلٰى اَخْبَرَهُ قَالَ لِعُمَرَ اَرِنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ قَالَ فَبَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ وَ مَعَهُ نَفَرٌ مِنْ اَصْحَابِهِ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ رَجُلٍ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَ هُوَ مُتَضَمِّخٌ بِطِيْبٍ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَاَشَارَ عُمَرُ اِلٰى يَعْلٰى فَجَاءَ يَعْلٰى وَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبٌ قَدْ اُظِلَّ بِهٖ فَاَدْخَلَ رَأْسَهُ فَاِذَا

(۱۰۵۵) صفوان بن یعلی بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد یعلی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا مجھے بھی دکھا دیجئے گا - راوی کہتا ہے ایسا اتفاق ہوا کہ آپ مقام جعرانہ میں تھے اور صحابہ کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی کہ ایک شخص آیا اور اس نے یہ مسئلہ پوچھا یا رسول اللہ ایک شخص خوشبو میں لت پت ہو رہا تھا اور اسی حالت میں اس نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اب وہ کیا کرے آپ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ایک کپڑا اوڑھا تک دیا) اور یعلی کو اشارہ کیا آگئے آؤ وہ آگئے اس وقت آپ کے چہرۂ مبارک پر کپڑا پڑا ہوا تھا انہوں نے اپنا سر اس

بقیہ ..... نماز ہی کی حالت میں ان کو اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا جو درحقیقت تنہا مقتدی کا صحیح موقف تھا - اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کی حالت میں کوئی مکروہ فعل پیش آ جائے تو اسی وقت اس کی اصلاح کر لینی چاہیے - اس کے بعد جو عجیب بات انہوں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سو گئے تھے لیکن اس کے باوجود جب نماز کا وقت آیا تو اپنے پہلے وضوء سے ہی نماز ادا فرمائی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقص وضوء نہ تھی - خدا ہی جانے اس بیداری کا عالم کیا ہو گا جس میں اپنی طہارت اور غیر طہارت کا ادراک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم خواب میں بھی رہتا تھا -

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ وَ هُوَ يَغِطُّ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ اَيْنَ الَّذِيْ سَأَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ فَاُتِيَ بِرَجُلٍ فَقَالَ اِغْسِلِ الطِّيْبَ الَّذِيْ بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ انْزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ وَ اصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجِّكَ فَقُلْتُ لِعَطَاءٍ اَرَادَ الْاِنْقَاءَ حِيْنَ اَمَرَهُ اَنْ يَغْسِلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ نَعَمْ.

(رواه البخاري في باب غسل الخلوق ثلاث مرات ص ۲۰۸ ج ۱ - و في باب يفعل بالعمرة ما يفعل في الحج فانزل الله على النبي صلى الله عليه وسلم فستر بثوب)

کے اندر داخل کیا - کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا ہے اور وحی کی شدت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپؐ کا دم گھٹ رہا ہو اس کے بعد جب وہ کیفیت جاتی رہی تو آپؐ نے فرمایا وہ عمرہ کا مسئلہ دریافت کرنے والا شخص کدھر گیا - اسی وقت اس کو آپؐ کی خدمت میں حاضر کیا گیا آپؐ نے اس سے فرمایا جو خوشبو تیرے جسم پر لگی ہوئی ہے اس کو تین بار دھو ڈال اور اپنا جبہ اتار دے اور پھر جیسے اپنا حج کرتا تھا اسی طرح عمرہ اداء کر لے میں نے عطاء راوی سے پوچھا - تین مرتبہ خوشبو کے دھونے سے آپؐ کی غرض یہی ہوگی کہ وہ خوب صاف ہو جائے - انہوں نے کہا جی ہاں - (بخاری شریف)

(۱۰۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ يَتَحَدَّثُ يُكْثِرُ اَنْ يَّرْفَعَ طَرْفَهُ اِلَى السَّمَاءِ.

(رواہ ابوداؤد)

(۱۰۵۶) عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تو اکثر آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔

(رواہ ابوداؤد)

(۱۰۵۷) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذٰلِكَ وَ تَرَبَّدَ وَجْهُهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ نَكَسَ رَأْسَهُ وَ نَكَسَ اَصْحَابُهُ رُؤُسَهُمْ فَلَمَّا اُتْلِيَ عَنْهُ رَفَعَ رَأْسَهُ. (رواہ مسلم)

(۱۰۵۷) عبادۃ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو اس کی شدت سے آپؐ کو اتنی تکلیف ہوتی کہ چہرۂ مبارک تک متغیر ہو جاتا - ایک روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ آپؐ اپنا سر مبارک جھکا لیتے اور آپؐ کے صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے پھر جب وحی کا نزول ختم ہو جاتا تو آپؐ اپنا سر اٹھا لیتے - (مسلم شریف)

(۱۰۵۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَأَلْتُ

(۱۰۵۸) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے

(۱۰۵۶) * یہ نظروں کا اٹھانا وحی کے انتظار میں ہوتا تھا جیسا کہ تحویل قبلہ کے وقت بھی آپؐ کا نظریں اٹھا اٹھا کر وحی کا انتظار کرنا قرآن شریف میں مذکور ہے ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا﴾ (البقرة: ۱۴۴)

(۱۰۵۸) * تعجب ہے کہ جب سب سے پہلی بار آپؐ پر قرآن کریم کا نزول شروع ہوا تھا تو اس وقت بھی حضرت خدیجہؓ کے پاس آ کر جو الفاظ آپؐ نے فرمائے تھے وہ بھی یہی تھے "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ" مجھے اپنی جان کا فطرہ ہو گیا تھا اہل اہواء نے آپؐ کے اس لفظ کو لے کر اس پر اتنا طومار باندھا کہ استغفر اللہ اگر کاش ان کو وحی کی حقیقت کا علم ہوتا پھر قرآن کریم کی عظمت کا کچھ اندازہ ہوتا - اس کے بعد آپ کی آخر عمر تک نزول وحی کے وقت آپ کے حالات دیکھنے کی فرصت ہوتی تو جوبات ان کی عقول کے لیے پہاڑ بن گئی تھی وہی بات سب سے آسان بن جاتی - اس باب کی پہلی حدیث جعرانہ کا واقعہ ہے مگر آپؐ پر وحی کی شدت کا عالم قریب قریب وہی نظر آ رہا تھا جو روز اول .....

www.besturdubooks.net

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تُحِسُّ بِالْوَحْيِ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلَاصِلَ ثُمَّ اَسْكُتُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَمَا مِنْ مَرَّةٍ يُوْحٰى اِلَيَّ اِلَّا ظَنَنْتُ اَنَّ نَفْسِيْ تُقْبَضُ. (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ جب آپ پر وحی آتی ہے تو آپ کو وہ محسوس ہوتی ہے؟ فرمایا پہلے میں گھنٹیوں کی سی آواز سنتا ہوں پھر اس وقت بالکل خاموش ہو جاتا ہوں اور جب کبھی مجھ پر وحی آتی ہے تو مجھ کو یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ میری جان اب نکلی۔ (مسند احمد)

(۱۰۵۹) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ بِالْوَحْيِ وَ كَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهٖ لِسَانَهٗ وَ شَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَ كَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ الْاٰيَةَ الَّتِيْ فِيْ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ قَالَ عَلَيْنَا اَنْ نَجْمَعَهٗ فِيْ صَدْرِكَ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ

(۱۰۵۹) سعید بن جبیر آیۃ لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ پہلے یوں ہوتا تھا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتے تو آپؐ اس کے یاد کرنے کی فکر میں وحی کے ساتھ ساتھ اپنے ہونٹ اور زبان ہلاتے جاتے۔ اس کی وجہ سے آپؐ کو اتنی تکلیف ہوتی کہ سب کو اس کا احساس ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ لَا اُقْسِمُ کی یہ آیت نازل فرمادی کہ جلدی سے یاد کرنے کی فکر میں آپ نزول وحی کے ساتھ ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کریں' قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے تھے مطلب یہ تھا کہ آپ کے سینہ مبارک میں اس کا محفوظ کر دینا پھر اس کا پڑھوانا یہ دونوں باتیں ہمارے ذمہ ہیں اس کے بعد آئندہ

ؒ ..... اول تھا اس کے بعد حضرت عبادۃؓ بن صامت اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیثیں آپ کے سامنے ہیں۔ ان تمام حدیثوں سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ نزول وحی کی شدت آپؐ ہمیشہ ہی محسوس فرمایا کرتے تھے تو پھر اس وقت جب کہ آپ کو اس سے قبل نزول وحی سے کوئی سابقہ ہی نہیں پڑا تھا' اگر اس شدت کا احساس ہوا اور آپؐ کی زبان مبارک سے خوف کے وہی کلمات نکلے جو اس پر شوکت کلام کے نزول سے نکلنے چاہئیں تھے تو یہ آپؐ کی اور زیادہ تصدیق کا سبب ہونے چاہئیں تھے نہ کہ برعکس تکذیب کا چنانچہ جب حضرت خدیجہؓ نے ان کو سنا تو فوری طور پر گو وہ کوئی قطعی فیصلہ تو نہیں دے سکیں مگر یہ اندازہ انہوں نے بھی اچھی طرح لگا لیا کہ ہے ضرور یہ کوئی ربانی معاملہ عرب نبوت اور وحی کی صفات سے کوسوں دور پڑا ہوا تھا لہٰذا فوراً آپؐ کو لے کر ورقہ کے پاس پہنچیں انہوں نے واقعہ کی اجمالی صورت سنتے ہی حقیقت حال معلوم کر لی اور آپؐ کی رسالت کی تصدیق کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے واقعہ کی تفصیلات اسی جلد میں پہلے آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہیں۔

(۱۰۵۹) * اس جگہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں راوی نے جو الفاظ نقل کیے ہیں اس سے زیادہ واضح الفاظ وہ ہیں جو کتاب التفسیر میں موجود ہیں اس لیے علماء کو چاہیے کہ یہاں ان الفاظ پر ہی اعتماد کریں۔

ان احادیث کے پیش نظر اب یہ فیصلہ فرمایئے کہ وحی کا نزول جب اس میں جلالت وعظمت کے ساتھ ہوتا تھا۔ خود آپ کا معاملہ بھی وحی کے ساتھ وہ نہ تھا جو انسان کے اپنے خیالات اور مدرکات کے ساتھ ہوا کرتا ہے' وحی کے ذریعہ جو جو انکشافات ہوتے وہ ہو بہو واقعہ کے مطابق اور انسانی علوم سے مختلف ہوتے تو کیوں اس کو ادراک کا ایک علیحدہ سبب تسلیم نہ کیا جائے۔

www.besturdubooks.net

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا اَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ عَلَيْنَا اَنْ نُبَيِّنَهٗ بِلِسَانِكَ قَالَ فَكَانَ اِذَا اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَطْرَقَ فَاِذَا ذَهَبَ قَرَأَهٗ كَمَا وَعَدَهُ اللّٰهُ.

(اللفظ للبخاری)

آپ یوں کیا کیجئے کہ جب ہم آپ پر قرآن نازل فرما چکیں تو نزول کے وقت تو آپ صرف سنا ہی کیجئے اس کے بعد خود پڑھ لیا کیجئے اس کے بعد اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے- ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے بعد جب جبرئیلؑ تشریف لاتے تو آپؐ اپنا سر مبارک جھکا لیتے- جب وہ تشریف لے جاتے تو حسب وعدہ الٰہی جیسا قرآن شریف اترتا اسی کے موافق پڑھتے- (بخاری شریف)

(۱۰۶۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَبَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِيْ قِبَلَ السَّمَاءِ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَنِيْ بِحِرَاءَ قَاعِدٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ حَتّٰى هَوَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ فَجِئْتُ اَهْلِيْ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاهْجُرْ قَالَ اَبُوْ سلمة فَاهْجُرِ الْاَوْثَانِ ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ وَ تَتَابَعَ.

(و اللفظ للبخاری)

(۱۰۶۰) جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس زمانہ کا تذکرہ جس میں آپ پر وحی کی آمد کچھ مدت کے لیے بند ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی خود سنی ہے- آپؐ فرماتے تھے کہ میں جا رہا تھا اچانک آسمان کی جانب سے مجھے ایک آواز آئی میں نے فوراً آسمان کی طرف نظر اٹھائی- کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا بڑی ہیبت وجلال کے ساتھ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر معلق بیٹھا ہوا ہے اس حالت کو دیکھ کر مجھ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ میں زمین پر گر پڑا اور اپنی اہلیہ کے پاس آیا اور میں نے کہا مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ- اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے فَاھْجُرْ تک ابوسلمہ کہتے ہیں کہ فَاھْجُرْ کا مطلب یہ تھا کہ بتوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو اس کے بعد پھر وحی گرما گرمی کے ساتھ پے در پے نازل ہونے گی- (بخاری شریف)

الوحي و ثقله علٰی بعض اصحابه

وحی اور اس کا وزن آپؐ کے بعض صحابہ پر

(۱۰۶۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ اَنَّهٗ رَأٰى مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ فِي الْمَسْجِدِ فَاَقْبَلْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَاَخْبَرَنَا اَنَّ

(۱۰۶۱) سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ انہوں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں ان کے پاس آیا اور ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا انہوں نے ہم سے کہا کہ زید بن ثابت نے ان سے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے آیت لا یستوی

(۱۰۶۰) * اس روایت سے ظاہر ہے کہ اس مرتبہ آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو کسی خاص ہیبت میں دیکھا تھا اب وحی کی عظمت ایک طرف اور فرشتے کی ہیبت ایک طرف عام بشر کی کیا مجال کہ اس عظمت و ہیبت کی تحمل کر سکے- یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ تھی کہ ان کو سنبھالا اور اس مرتبہ بھی گو آپؐ پر اثر تو ضرور ہوا مگر اتنا نہیں اسی لیے آئندہ تسلسل کے ساتھ وحی کا نزول شروع ہو گیا-

(۱۰۶۱) * سبحان اللہ صرف ایک کلمہ کا وزن جب زید بن ثابت کو اتنا محسوس ہوا تو جن پر یہ کلمہ نازل ہوا تھا ان کو اس کا وزن کتنا محسوس ہوا ہوگا- اب اندازہ کر لینا چاہیے کہ جن پر قرآن کریم پورا کا پورا نازل ہوا تھا عام بشر سے ان کو کتنا امتیاز ہوگا-

www.besturdubooks.net

زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْلٰى عَلَيْهِ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَجَاءَهُ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ وَ هُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ قَالَ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَسْتَطِيْعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ وَ كَانَ اَعْمٰى فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ فَخِذُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتّٰى خِفْتُ اَنْ تُرَضَّ فَخِذِيْ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ غَيْرَ اُولِي الضَّرَرِ.

(رواه البخاری)

اَلْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ (مؤمنوں میں جو لوگ جہاد سے بیٹھ رہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا برابر نہیں ہو سکتے) زید بن ثابت سے قلم بند کرائی ابھی آپ اس کو قلم بند کرا ہی رہے تھے کہ آپ کی خدمت میں ابن ام مکتوم آ گئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ بخدا اگر میں جہاد کر سکتا تو ضرور جہاد کرتا۔ بات یہ تھی کہ یہ نابینا تھے ان کے عذر کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی اس وقت آپؐ کی ران میری ران کے اوپر رکھی ہوئی تھی (یعنی بے تکلفی کے ساتھ گھٹنے کے ساتھ گھٹنا ملائے بیٹھے تھے) تو میری ران پر اتنا وزن پڑا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب چورا چورا ہوئی۔ اس کے بعد جب وحی کی کیفیت آپؐ سے دور ہوگئی تو جو کلمہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا وہ صرف یہ تھا "غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ" (یعنی یہ حکم ان کا ہے جو معذور نہ ہوں) (بخاری شریف)

(۱۰۶۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ لَمْ يَسْتَطِعْ اَحَدٌ مِّنَّا يَرْفَعُ طَرْفَهٗ اِلَيْهِ حَتّٰى يَنْقَضِيَ الْوَحْيُ. (اخرجه مسلم و الحاكم و صححه)

(۱۰۶۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو جس وقت تک تمام نہ اتر لیتی کس کی مجال تھی کہ وہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکتا۔

(مسلم۔ حاکم)

الوحيُ وثقله على الناقة

نزولِ وحی کے وقت آپ کی اونٹنی کی بے چینی

(۱۰۶۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ وَ هُوَ عَلٰى نَاقَتِهٖ وَ ضَعَتْ جِرَانَهَا فَمَا تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَتَحَوَّلَ حَتّٰى يُسَرّٰى عَنْهُ وَ تَلَتْ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا.

(رواه احمد و عبد بن حميد و ابن جرير و ابن نصر و الحاكم و صححه و قال الهيثمي رجاله رجال الصحيح)

(۱۰۶۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر ہوتی تو وحی کے وزن سے وہ بھی اپنی گردن نیچے ڈال دیتی تھی اور جب تک وحی کی آمد ختم نہ ہو لیتی اپنی جگہ سے گردن ہلا نہ سکتی تھی اس کے بعد اس مضمون کی تصدیق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ الخ ہم آپ پر ایک بہت وزنی کلام اتارنے والے ہیں۔

(احمد۔ عبد بن حمید ابن جریر۔ ابن نصر۔ حاکم) (كذافي الدر المنثور)

(۱۰۶۳) ٭ اس روایت سے معلوم ہوا کہ وحی کے بار کا احساس صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ حیوانات کو بھی ہوتا تھا۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۶۴) عَنْ اَبِیْ اَرْوٰی الدَّوْسِیِّ قَالَ رَاَیْتُ الْوَحْیَ یَنْزِلُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّهٗ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ فَتَرْغُوْ وَ تَفْتِلُ یَدَیْهَا حَتّٰی اَظُنُّ اَنَّ ذِرَاعَیْهَا تَنْفَصِمُ فَرُبَّمَا بَرَكَتْ وَ رُبَّمَا قَامَتْ مُوَتِّدَةً یَدَیْهَا حَتّٰی یُسَرّٰی عَنْهُ مِنْ ثِقْلِ الْوَحْیِ وَ اِنَّهٗ لَیَنْحَدِرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجُمَانِ. (رواه ابن سعد كما في الخصائص ص ۱۱۹ ج ۱)

(۱۰۶۴) ابواروی دوسی کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتے اس وقت دیکھا ہے جب آپ اپنی سواری کے اوپر تھے کہ وحی کے وزن سے آپ کی اونٹنی آواز کرتی تھی اور اپنے دونوں پیر اس طرح ادلتی بدلتی تھی کہ مجھ کو یہ گمان ہوتا تھا گویا اس کے بازو ٹوٹے جاتے ہیں کبھی بیٹھتی اور کبھی اپنے پیروں پر سہارا لے کر کھڑی ہو جاتی۔ وحی کے وزن سے اس کی یہی کیفیت رہتی تھی یہاں تک کہ وحی کی آمد ختم نہ ہو جاتی ادھر آپ کی پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔

(خصائص الکبری)

الرسول العظیم كان يعرف عند نزول الوحی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی آتی تو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ پر وحی آرہی ہے

(۱۰۶۵) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا اَمْشِیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ حَرْثٍ اَوْخَرِبِ الْمَدِیْنَةِ وَهُوَ یَتَوَكَّاُ عَلٰی عَسِیْبٍ مَعَهٗ فَمَرَرْنَا عَلٰی نَفَرٍ مِنَ الْیَهُوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْاَلُوْهُ اَنْ یَجِیْءَ فِیْهِ بِشَیْءٍ تَكْرَهُوْنَهٗ فَقَالَ بَعْضُهُمْ وَ لَنَسْاَلَنَّهٗ فَقَامَ اِلَیْهِ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ یَا اَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَكَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ یُوْحٰی اِلَیْهِ فَقَالَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا قَالَ الاعمش هكذا فی قراءتنا.

(و البخاری ص ۱۱۱۱ و رواه الترمذی فی سورة بنی اسرائیل و فيه لفظ حتى انوحى صعد)

(۱۰۶۵) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آپ صلی علیہ وسلم کی ہمراہی میں مدینہ کے کھیت یا کسی ویرانہ میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک شاخ پر سہارا دے کر کھڑے ہوئے تھے اتنے میں ہمارا گذر یہود کی ایک جماعت پر ہوا انہوں نے باہم ایک دوسرے سے کہا اس شخص سے روح کے متعلق دریافت کر کے دیکھو اس پر کسی نے یہ مشورہ دیا کہ نہ پوچھو کہیں وہ ایسا جواب نہ دے دیں جو تمہارے لیے اور کوفت کا سبب ہو۔ اس پر دوسرے لوگ بولے واہ ہم ضرور پوچھیں گے چنانچہ ان میں ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا اے ابوالقاسم (آپ کی کنیت تھی) روح کے متعلق کچھ فرمایئے؟ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے چنانچہ ان کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور جتنا حصہ علم کا ان کو دیا گیا ہے وہ بہت ہی قلیل ہے اگرچہ وہ نادانی سے اس کو بہت سمجھیں) اعمش کہتے ہیں کہ ہماری قرأۃ میں اس آیہ میں او تیتم کی بجائے او توا کا ہی لفظ ہے۔

(۱۰۶۵) * خلاصہ یہ ہے کہ وحی کی حقیقت خواہ کتنی ہی دقیق کیوں نہ ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول دیکھتے تھے لے.....

www.besturdubooks.net

و من ميزات الانبياء عليهم السّلام انّ لهم في الدنيا خواص اهل الجنّة و من تلك الخواص انّ اجساد هم لاتبلى و لا تفنى

انبیاء علیہم السلام کو اپنی صفات میں اہلِ جنت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ ان کے جسم تغیر سے محفوظ رہتے ہیں

(۱۰۶۶) عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۱۰۶۶) اوس بن اوس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ﷺ..... وہ اتنی واضح ہو چکی تھی کہ جو آپ کے رفقاء تھے وہ اس کو فوراً پہچان لیتے تھے۔ مشکل جو کچھ بھی ہے وہ ان کے لیے ہے جنہوں نے وحی کا نزول خود تو دیکھا نہیں اور بدقسمتی یہ کہ جنہوں نے دیکھا تھا ان کے بیان پر ان کو اعتماد نہیں آتا۔

اس روایت میں امام ترمذی نے ایک خاص لفظ روایت کیا ہے اور وہ "حتی صعد الوحی" یعنی میں سمجھ لیتا تھا کہ اب آپ پر وحی آ رہی ہے یہاں تک کہ وحی چڑھ جاتی۔ وحی کے بارے میں نزول کا لفظ تو عام روایات میں آتا ہے لیکن اس روایت میں "صعود" کا لفظ بھی آ گیا ہے اور بظاہر اس سے مراد صاحب وحی یعنی فرشتہ کا صعود ہے۔

(۱۰۶۶) * حدیث مذکور الصدر میں انبیاء علیہم السلام کے ایک جسمانی امتیاز کا تذکرہ ہے۔ یعنی یہ کہ عام انسانوں کے جسم میں تو صرف ایک جزء ایسا ہوتا ہے جو تمام جسم کے فنا ہو جانے کے بعد بھی فنا نہیں ہوتا جیسا ابھی آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے پورے کے پورے عنصری اجسام کی ساخت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ زمین کے تخریبی اثرات سے بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ یوں تو ادویات کے ذریعہ سے اجسام کا محفوظ رکھنا مصر کی عام صنعت تھی اور اسی صنعت کی بدولت آج عجائب گھروں میں ہزاروں سال کی لاشیں آپ کو موجود نظر آتی ہیں اور آج کی ایجادات میں بھی ایسے آلات موجود ہیں جن کے ذریعہ پانی اور آگ کے اثرات سے کافی حفاظت ہو جاتی ہے۔ واٹر پروف، فائر پروف کا استعمال عام طور پر ہمارے زمانہ میں سب جانتے ہیں۔ تھرماس میں برف جیسی جلد گھل جانے والی چیز بے تامل چوبیس چوبیس گھنٹے تک محفوظ رہ سکتی ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کے اجسام کا محفوظ رہنا بھی کوئی بہت بعید از قیاس بات تو نہ تھی بالخصوص جب کہ تاریخی واقعات سے بعض صحابہؓ کے اجسام کا محفوظ رہنا بھی صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہو لیکن ہم صرف آپ کی تسکین خاطر کی خاطر کچھ مزید وضاحت بھی کیے دیتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جس طرح عناصر کی تلطیف و تکثیف سے کون و فساد ہو سکتا ہے اسی طرح مرکبات عناصر میں بھی تلطیف و تکثیف سے مادیت و روحانیت کا تغیر ہو سکتا ہے دیکھیے پانی کو اگر آگ پر رکھا جائے تو وہ ایک دوسرے لطیف تر عنصر کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی ہوا بن جاتا ہے پھر اس کے خواص بھی بدل جاتے ہیں، اسی طرح بھاپ کو اگر ٹھنڈا کر دیا جائے تو پھر وہ پانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو اس سے کثیف عنصر ہے۔ یہاں بھی اب اس کے خواص میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی جسم جو عناصر اربعہ کا مرکب ہے اس میں بھی ریاضت و معصیت کے اثرات سے لطافت و کثافت کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں میں طبقہ صوفیاء نصاریٰ میں راہبین اور ہندوؤں میں جوگیوں کی تاریخ پڑھنے سے یہ حد یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ ان کے ظاہری اجسام ریاضات کے اثرات سے اتنے لطیف ہو جاتے تھے کہ عام جسمانی انقلابات ان پر کم اثر انداز ہوتے تھے اس کے برعکس جو جماعت تن پروری کی ریاضت میں منہمک ہے ان کے اجسام بھی اسی قدر کثیف ہو جاتے ہیں آج کل کی اصطلاح میں اس مسئلہ کا نام "تجسد ارواح اور تروح الاجساد" ہے۔ یعنی روحوں میں یہ طاقت ہو جاتی ہے کہ وہ کسی جسم کی صورت اختیار کر لیں اور جسم لطیف ہو کر روح کے خواص پیدا کر لے۔ انبیاء علیہم السلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ﷺ.....

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِیْہِ قُبِضَ وَ فِیْہِ النَّفْخَۃُ وَ فِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا

فرمایا تمہارے سب دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اسی میں ان کی وفات ہوئی' اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں صور کی آواز سے لوگوں پر بے ہوشی

؎ ..... کی پیدائش چونکہ عام دستور کے خلاف صرف نفخہ جبرئیلی سے ہوئی تھی اس لیے ان کے جسم عنصری میں بھی روح کے خواص اتنے نمایاں تھے کہ موجودہ انجیل کے بیان کے مطابق بعض مرتبہ بات کرتے کرتے ان کی شکل مبارک تبدیل ہو جایا کرتی تھی اور ہماری شریعت میں بھی ان کا لقب ''روح اللہ'' رکھا گیا ہے۔ ان کا آسمانوں پر جانا اور پھر اترنا بھی اسی کے اثرات میں سے ہے اسی طرح ان کے معجزات میں احیاء موتی کا ایک معجزہ سونا بھی ان کے ''روح اللہ'' ہونے کے مناسبات میں سے تھا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ معصیت کا اثر مادیت میں ترقی ہے اور طاعات کا اثر روحانیت میں اضافہ' اس لیے اہل جہنم پر مادیت غالب کر دی جائے گی اور ان کی جسامت دنیوی جسامت سے سینکڑوں گنا بڑھا دی جائے گی تا کہ ایک طرف ان کے عذاب میں شدت ہو اور دوسری طرف جہنم کے بھرنے کا جو وعدہ گزر چکا ہے وہ تکثیر افراد کی بجائے ایک ایک فرد کی جسامت میں اضافہ کر کر کے پورا کر دیا جائے۔ اس کے برخلاف اہل جنت پر روحانیت غالب ہو جائے گی اور اس وجہ سے جنت کی نعمتوں سے لطف اندوزی اور پروردگار عالم کی رویت جو عالم مجردات سے بھی وراء الوراء ہے ان کے لیے آسان ہو جائے گی۔ بے شک جو اجسام اپنی ساری عمر ریاضت و عبادت میں صرف کر کے یہاں بھی روح کے کچھ خواص حاصل کر چکے تھے جنت میں پہنچ کر ان کی اس صفت میں اور ترقی ہو جانی چاہیے۔ حیرت ہے کہ جب اس دنیا میں بھی موسم زمین کے شور ہونے نہ ہونے اور خود جسم کے بلغمی غیر بلغمی ہونے کے اختلاف سے لاش کے بگڑنے اور نہ بگڑنے میں فرق آ سکتا ہے تو معصیت و طاعت کے اثرات سے بھی اگر یہ اختلاف رونما ہو تو اس کا انکار کیوں کیا جائے۔ اگر مشاہدہ اور کچھ واقعات وہاں تصدیق کے لیے مجبور کرتے ہیں تو یہاں بھی اس سے زیادہ قوی ثبوت کے ساتھ مشاہدہ موجود ہے جیسا ابھی آپ کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

اب تک جو ہم نے بیان کیا یہ تو کسب و اکتساب کے اثرات و نتائج تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی جماعت چونکہ صفت اصطفاء و اجتباء کے ماتحت ہوتی ہے اس لیے ان کے اجسام کے ابتدائی نہاد ہی ان کمالات سے بالاتر ہوتی ہے جو کسب و اکتساب کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ قالب انسانی ان کو بھی ملتا ہے مگر وہ قالب جو منور ہو' روح بشری ان میں بھی ہوتی ہے اگر روح جو نشہ عبودیت میں سرشار ہو اور اس طرح وہ ظاہر و باطن منور ہستیاں جب عالم میں ظاہر ہوتی ہیں تو کفر کا تیرہ و تاریک عالم ان کے وجود سے منور ہو جاتا ہے۔ پسینہ ان کو بھی آتا ہے مگر وہ پسینہ نہیں جو دماغ کو متعفن کر دے بلکہ وہ جو مشام جان کو معطر کر دے' سوتے وہ بھی ہیں مگر وہ نیند نہیں جو دل کو غافل کر دے' کھاتے وہ بھی ہیں مگر وہ کھانا نہیں جس کی احتیاج عام انسانوں کی طرح ہو بلکہ عین نیند کی حالت میں ان کے دل دوسرے تمام بیداروں سے زیادہ بیدار رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کا خواب وحی ہوتا ہے اور ان کی نیند ناقض وضوء نہیں ہوتی۔ وہ روزہ رکھتے ہیں تو کئی کئی دن کھانے کے قریب نہیں جاتے پھر اس وجہ سے ان کو کوئی ضعف بھی لاحق نہیں ہوتا۔ اس پر جب آپ کے فداکار آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ بڑی شفقت کے انداز میں ان سے یہ فرما دیتے ہیں کہ تم میری طرح نہیں ہو۔ میں اگر جسمانی غذاء ترک کرتا ہوں تو میرا پروردگار مجھے روحانی غذا سے سرفراز فرماتا ہے۔ تم لہسن' پیاز سب کھا سکتے ہو مگر میں نہیں کھا سکتا کہ میرے اصحاب محفل تمہارے علاوہ نوع ملائکہ بھی ہے' نکاح وہ بھی کرتے ہیں مگر وہ نکاح نہیں جس سے مقصود کسی درجہ میں بھی تلذذ ہو بلکہ وہ نکاح جس کا مقصد صرف عبادت و تقرب ہو۔ قوت باصرہ' سامعہ ؎ .....

www.besturdubooks.net

عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ

طاری ہوگی تو اس دن میں تم لوگ مجھ پر یہ کثرت درود بھیجا کرو کیونکہ تمہاری درود میرے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ راوی کہتا ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تعجب سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہماری درود بھلا آپ صلی اللہ

ﷺ ..... ذائقہ وہ بھی رکھتے ہیں مگر وہ قوت نہیں جو صرف عالم مادیت تک محدود ہو بلکہ وہ جو ماوراء مادیات کو بھی نفوذ کر جائے۔ زبانیں اگر صرف خوش مزہ اور بدمزہ کا ادراک کرتی ہیں تو ان کی زبان حرام وحلال غذاء کا بھی ادراک کر لیتی ہو۔ حتیٰ کہ بول و براز میں وہ بھی عام انسانوں کے شریک نظر آئیں مگر یہاں اس کے متعلق جذب کر لینا بھی منقول ہو اور سب سے آخر میں موت کا فرشتہ ان کے پاس بھی آئے مگر اجازت کے بغیر جبر واکراہ سے نہیں بلکہ اذن واجازت سے اور دفن اگرچہ وہ بھی ہوں مگر یہاں بھی اپنی جائے وفات میں مدفون ہونے کا امتیاز باقی رہے۔ اب سوچئے کہ اگر ان کے جسم عنصری ہی میں کوئی امتیاز وخصوصیت نہیں ہوتی تو جس غذاء کے اثر سے دوسرے جسموں کو متعفن پسینہ آتا ہے وہ ان کو کیوں نہیں آتا' وہ عام انسانوں کی طرح غذاء کے محتاج کیوں نہیں ہوتے' ان کے حواس کے ادراک کا دائرہ عام انسانوں سے بالاتر کیوں ہوتا ہے اور کیوں ان کی نیند عام انسانوں کی سی نیند نہیں ہوتی۔ دنیا میں غفلت کی نیند صحت کی علامت ہو اور ان کے یہاں تیقظ کی نیند موجب کمال ہو۔ کیا اس سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کے اجسام عنصریہ کی نہاد ہی کچھ عام اجسام سے نرالی ہوتی ہیں بعض ضعیف حدیثوں میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل جنت کی غذاء کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ معطر پسینہ بن کر ختم ہو جائے گی اس سے فضلہ نہیں بنے گا۔ اگر کہیں غذاء کی اذیت حائل نہ ہو جاتی تو شاید انبیاء علیہم السلام کا فضلہ اس عالم میں بھی پسینہ بن کر رہ جاتا گویا فرق اگر کچھ رہا تو وہ صرف غذاء کی نوعیت کے فرق سے رہا ورنہ بلحاظِ خواص جسم کا جو خاصہ اہل جنت کے جسم میں تھا وہی یہاں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں رہ کے جب غذاء کھائی تو وہی جسم جو فضلہ کا محتاج نہ تھا اب فضلہ دفع کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ پس جسم ایک ہی تھا فرق جو ہوا وہ غذاء کی نوعیت سے پیدا ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنتی جسم لے کر اس جہان کی آبادی کے لیے تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بھی جسم عنصری لے کر خدا تعالیٰ کے دیدار کے لیے تشریف لے گئے اور اسی جسم اطہر کے ساتھ جنت کو شرف قدوم سے نوازا۔ پس کیا شبہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں' اگر ان کا قالب عنصری بھی اہل جنت کی طرح کون وفساد کے اثرات سے آزاد ہو تو بعید کیا ہے۔ پھر اس پر بھی ذرا غور کرنا چاہیے کہ انسانی زندگی میں عام انسانوں کے اجسام کے بگڑنے سے کیا چیز مانع ہے تو ظاہر ہوگا کہ وہ علاقہ روح یعنی حیات ہے اِدھر روح نے جسم سے پرواز کی اُدھر جسم کے اندر تغیر شروع ہوا۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا ان کے جسموں کے ساتھ علاقہ شہداء سے کچھ زیادہ تسلیم کر لیا جائے تو کیا پھر بھی ان کے جسموں کے محفوظ رہنے میں کوئی وجہ اشکال ہو سکتی ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

و اعلم ان تمام الكلام في هذا الباب ان النفس القدسية النبوية مخالفة بماهيتها لسائر النفوس و من لوازم تلك النفوس الكمال في الذكاء و الفطنة و الحرية و الاستعلاء و الترفع عن الجسمانيات و الشهوات فاذا كانت الروح في غدية

یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوسِ قدسیہ عام انسانوں سے اپنی ماہیت میں ہی مختلف ہوتے ہیں ان نفوس میں فہم وفراست اور جسمانیات وشہوات سے ایک عجب قسم کی برتری ہوتی ہے جب ایک طرف روح کی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ. (رواہ ابوداؤد و النسائی و الدارمی و البیھقی فی الدعوات الکبیر و احمد و ابن حبان و الحاکم. قال الحاکم ھذا حدیث صحیح علی شرط البخاری و لم یخرجاہ و کذا صححہ النووی فی الاذکار و قال الحافظ عبدالغنی النابلسی انہ حسن صحیح و قال المنذری انہ حسن و قال ابن دحیۃ انہ صحیح محفوظ و اجاب الحافظ ابن القیم مما ذکر فیہ من العلۃ فراجع جلاء الافھام ص ۴۲ و ص ۴۳ و رواہ ابن ماجہ عن ابی الدرداء قال الحافظ المنذری اسنادہ جید)

علیہ وسلم کے سامنے کس طرح پیش ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر تو اس وقت تک مٹی میں مل چکا ہوگا - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام پر کوئی اثر کر سکے۔

(ابوداؤد - نسائی - ابن ماجہ - دارمی - بیہقی)

(۱۰۶۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ تَاْکُلُهُ الْاَرْضُ اِلَّا عَجْبَ

(۱۰۶۷) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ابن آدم کا سب جسم زمین کھالیتی ہے صرف اس کی ریڑھ کی

لے ..... الصفاء و الشرف و کان البدن فی غایۃ النتاثر و الطھارۃ کانت ھذہ القوی المحرکۃ و المدرکۃ فی غایۃ الکمال لانھا جاریۃ مجری انوار فائضۃ من جوھر الروح واصلۃ الی البدن و متی کان الفاعل و القابل فی غایۃ الکمال کانت الآثار فی غایۃ القوۃ و الشرف و الصفاء.

(تفسیر کبیر ص ۴۵۶ ج ۲)

پاکیزگی و شرف کا یہ عالم ہو دوسری طرف جسم بھی غایۃ درجہ پاک وصاف ہو تو لازمی طور پر ان کے قوی محرکہ اور مدرکہ بھی انتہاء درجہ کامل ہوں گے کیونکہ جب فاعل اور قابل دونوں کامل ہوں تو پھر اس کے آثار قوت و شرف و پاکیزگی میں کیوں کامل نہ ہوں۔

(تفسیر کبیر)

مگر ان تمام کمالات کے بعد بھی کیا انبیاء علیہم السلام کا قدم سرمو بھی بشریت سے باہر گیا - ہرگز نہیں جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر ہیں ان کو نہ تو بشریت کے کمالات سے آگاہی ہے نہ خدائی صفات کا اندازہ ہے ان جملہ کمالات میں سے ایک کمال بھی ایسا نہیں جو بشر کو خدا تعالیٰ کی کسی ایک صفت میں بھی شریک وسہیم بنا سکے - انسانی سارے کمالات کے بعد بھی قباء بشریت پر حدوث وامکان کا ایک ہی داغ اس کو خالق بشر سے ممتاز کر دینے کے لیے کافی ہے - انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں خواہ کتنی بھی خصوصیات ہوں مگر وہ پھر جسم کی خصوصیات ہوں گی جو ان کے عام اجسام سے بالاتر ہونے کی دلیل تو بن سکتی ہیں مگر جو ذات کہ جسم وجسمانیات سے ہی بالاتر ہو بھلا اس کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا اشتراک کیسے پیدا کر سکتی ہے انصاف کیجیے کہ جسم کی پیدائش خواہ کتنی بھی نرالی ہو' پسینہ خواہ کتنا ہی معطر سے معطر ہو' بول و براز کی خصوصیات خواہ کتنی ہی عجیب در عجیب ہوں' موت و دفن کے واقعات اور سلامتی جسم کی حقیقت خواہ کتنی ہی حیرت انگیز ہو اگر کیا ان عوارض یا ان سے بھی برتر عوارض کے ساتھ کسی انسان کو اس ذات اقدس کے ساتھ کوئی اشتراک پیدا ہو سکتا ہے جو ان صفات کی خالق ہے اور ان میں سے ہر صفت جس کے لیے نقص در نقص اور عجیب در عجیب ہے پس نہ تو آپ کے کمالات بشریت کے اقرار سے خدائی توحید کو مکدر کرنا چاہیے اور نہ خدائی توحید کا کمال آپ کے کمالات بشریت کے انکار میں مضمر سمجھنا چاہیے۔

(۱۰۶۷) * جدید تحقیق کے بموجب انسانی پیدائش کی ابتداء سلس (Sells) قرار دی گئی ہے جو قدرت الٰہی سے نہیں بلکہ اپنی فطرت سے ارتقاء کرتے کرتے انسانی صورت اختیار کر گئے ہیں - یہاں حدیث یہ کہتی ہے کہ انسانی جسم کی بنیاد ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے لے .....

www.besturdubooks.net

الذَّنَب. مِنهُ خُلِقَ وَ فِيهِ يُرَكَّبُ. (رواہ مالك و الحاكم فی مستدركه و صححه و قرأه الذهبی
والحديث مروی عند الشيخين و لكنه جزء من الحديث الذی جله فی المدة بين النفختين)

ہڈی کا ایک حصہ نہیں کھاتی - اسی سے اس کی پیدائش کی ابتداء ہوئی تھی اور اسی سے وہ پھر بنایا جائے گا - (مالک - حاکم)

(۱۰۶۸) مَالِكٌ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَةَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَمْرُو بْنَ الْجَمُوْحِ وَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيَّيْنِ ثُمَّ السُّلَمِيَّيْنِ كَانَا قَدْ حَفَرَ السَّيْلُ مِنْ قَبْرَيْهِمَا وَ كَانَا قَبْرَاهُمَا يَلِی السَّيْلَ وَ كَانَا فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَ هُمَا مِمَّنْ اُسْتُشْهِدَ يَوْمَ اُحُدٍ فَحُفِرَ عَنْهُمَا لِيُغَيَّرَا مِنْ مَكَانِهِمَا فَوُجِدَ الَمْ يَتَغَيَّرَا كَاَنَّهُمَا مَاتَا بِالْاَمْسِ وَ كَانَ اَحَدُهُمَا قَدْ جُرِحَ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰی جُرْحِهٖ فَدُفِنَ وَ هُوَ كَذٰلِكَ فَاُمِيْطَتْ يَدُهٗ عَنْ جُرْحِهٖ ثُمَّ اُرْسِلَتْ فَرَجَعَتْ كَمَا كَانَتْ وَ كَانَ بَيْنَ اُحُدٍ وَ بَيْنَ يَوْمَ حُفِرَ عَنْهُمَا سِتٌّ وَ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً.

(رواہ مالك فی الموطا من او اخر ابواب الجهاد)

(۱۰۶۸) مالک عبدالرحمٰن سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار میں سے تھے ان کی قبریں سیل (رو) کے متصل واقع ہوئی تھیں ایسا اتفاق ہوا کہ سیل آئی اور اس نے ان کی قبریں کھود ڈالیں - یہ دونوں انصاری غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا جب دوسری جگہ دفن کرنے کے لیے ان کی قبروں کو کھودا گیا - دیکھا تو ان میں ذرا بھی تغیر نہ تھا' یوں معلوم ہوتا تھا کل دفن کیے گئے ہیں - ان میں سے ایک صاحب جب زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا اور اتفاق سے اسی طرح ان کو دفن کر دیا گیا تھا - قبر سے نکالنے کے بعد ان کا ہاتھ جب زخم سے علیحدہ کر کے چھوڑا جاتا تو پھر اسی طرح زخم پر جا چمٹتا حالانکہ غزوۂ احد اور جس دن ان کی قبریں کھودی گئی تھیں ان کے درمیان چھیالیس سال کی مدت گذر چکی تھی -

(مؤطا مالک)

(۱۰۶۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا حَضَرَ اُحُدٌ دَعَانِیْ اَبِیْ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِیْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِیْ اَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ

(۱۰۶۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ احد سامنے آیا تو میرے والد ماجد نے مجھے شب کے وقت بلا کر فرمایا - میرا خیال ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں جو شہید ہونے والے ہیں

لہ ..... جو دم علقہ اور مضغہ کی جملہ ارتقائی صورتوں میں محفوظ رہتا ہے حتیٰ کہ جب جسم کے سب اجزاء فناء ہو جاتے ہیں وہ اس وقت بھی فناء نہیں ہوتا مگر یہ تمام سلسلہ ہوتا ہے سب قدرت کے ماتحت جس نے ایک بار پہلے اس ارتقائی سلسلہ سے اس کو بنایا تھا دوسری بار پھر اس ارتقاء کے بغیر وہی اس کو بنا کر کھڑا کر دے گی -

لے جس حدیث کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے -

(۱۰۶۹) * یہ چند واقعات تو خود اسی امت کے ہیں اور بسند صحیح ثابت ہیں' ان کے علاوہ اس امت کے کچھ اور واقعات اور پہلی امت کا ایک واقعہ ابھی آئندہ حدیث کے ذیل میں آپ کے سامنے آنے والا ہے اس لیے یہ ناگزیر طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ موت اور دفن کے بعد بھی جسم انسانی تغیرات سے محفوظ رہ سکتا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جو بیان حدیث مذکورہ بالا میں لہ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنِّي لَا اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَ اسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَيْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِيْلٍ وَ دُفِنَ مَعَهُ اٰخَرُ فِيْ قَبْرِهِ ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِيْ اَنْ اَتْرُكَهُ مَعَ اٰخَرَ فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَاِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَ ضَعْتُهُ هُنَيَّةً غَيْرَ اُذُنِهِ .(رواه البخاری)

ان سب میں پہلے میں مقتول ہوں گا اور دیکھو میرے بعد ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستثنیٰ کر کے تم سے بڑھ کر مجھ کو کوئی اور پیارا نہیں ہے- دیکھو میرے اوپر قرض ہے اس کو ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا- جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے میرے والد ماجد ہی شہید ہوئے اور (شہداء کی کثرت کی وجہ سے) ایک صحابی اور ان ہی کے ساتھ دفن کر دیے گئے مگر میرے دل کو یہ گوارا نہ ہو سکا کہ ان کے اس لیے چھ ماہ کی مدت کے بعد میں نے ان کو نکالا تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا ابھی ان کو دفن کیا تھا صرف ان کے کان پر ذرا سا اثر آ یا تھا-

(بخاری شریف)

و ذکر الحافظ ابن حجرؒ من فوائد الحديث كرامته بكون الارض لم تبل جسده مع لبثه فيها. و قد ذكر السهيلي في الروض الانف ص ٣٤ و ما وجد في صدر هذه الامة من الشهداء احد و غيرهم على هذه الصورة لم يتغيروا بعد الدهور الطويلة كحمزة بن عبدالمطلب فانه وُجد حين حفر معاوية العين صحيحًا لم يتغير و اصابت الفأس اصبعه فدميت و كذلك ابو جابر عبدالله بن حرام (و عمرو بن الجموح) و طلحة بن عبيدالله رضي الله تعالى عنهم استخرجته بنتهُ عائشة (من قبره) حين رأتهُ في المنام فامرها ان تنقله من موضعه فاستخرجته من موضعه بعد ثلاثين سنة لم يتغير ذكره ابن قتيبة في المعارف و الا خبار بذلك صحيحة ثم ذكر قصة الغلام و اصحاب الاخدو دو ذكر انه اخرج في زمن عمرؓ بن الخطاب واصبعه على صدغه كما وضعها حين قتل كما رواه الترمذي قلت نعم و للارض من كأس الكرام نصيب)

لے ..... آپ پڑھ چکے ہیں اس میں ذرا سا بھی تردد کیا جا سکے- پھر جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ اتنی طویل مدت کے بعد بھی مردہ جسم سے خون کیونکر برآمد ہوا تو شہداء کی حیات کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے مگر وہ ایسی حیات نہ ہو جس کی جملہ کیفیات کا ہم ادراک کر سکیں مگر یہ تو ماننا پڑے گا کہ عام مردوں سے ان کو امتیاز ضرور ہوتا ہے کہ ان کی مردہ نعشوں میں سالوں کے بعد بھی خون کا اثر موجود ہو سکتا ہے اب ایسا کیوں ہوتا ہے تو اس کا جواب ہم صرف یہی دے سکتے ہیں کہ یہ اس لیے کہ وہ کسی درجہ میں حیات رکھتے ہیں- رہا یہ کہ اس کی تفصیلات کیا ہیں تو ہم یہاں اپنے جہل کا اعتراف کرتے ہیں- ہم تو ابھی یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ بیداری اور سونے کی حالتوں میں ہماری روح اور جسم کے تعلق میں پورا فرق کیا ہے حالانکہ یہ دونوں حالتیں ہر شخص پر اس کی حیات کی حالتیں ہیں اور سالہا سال اس پر گذرتی ہیں لہٰذا اگر اس حالت کا ہم پتہ نہ دے سکیں جو موت کے بعد کی ہے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے-

جب شہداء کے حیات کی کیفیات یہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام جن کے رتبے ان سے کہیں بالاتر ہیں ان کی حیات کی نوعیت کیا ہو گی اس سے اس کا کچھ اندازہ کر لینا چاہیے- یہاں ان مشاہدات کے بعد محض اپنے خیالات سے نہ تو اس کا انکار کر ڈالنا مناسب ہے اور نہ اس پر ہزار خرافات کا اور اضافہ کر کے اصل حقیقت کا بھی گم کر دینا عقل کی بات ہے' ظاہر ہے کہ جو بشر دنیا میں ایک مشاہد حیات کے مالک رہ چکے ہیں اگر وفات کے بعد کسی غیر مشاہد حیات کے مالک بن گئے ہیں تو اس سے ان کی بشریت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے اور کیوں- لہٰذا للہ .....

www.besturdubooks.net

(۱۰۷۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ خَرِبَةً اُخْتُصِرَتْ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَوَجَدُوْا عَبْدَاللّٰهِ بْنِ تَامِرٍ وَاضِعًا یَدَهٗ عَلٰی ضَرْبَةِ رَأْسِهٖ اِذَا اُمِیْطَتْ یَدُهٗ عَنْهَا انْبَعَثَتْ دَمًا وَ اِذَا تُرِکَتْ اِرْتَدَّتْ مَکَانَهَا وَ فِیْ یَدِهٖ خَاتَمُ حَدِیْدٍ فِیْهِ مَکْتُوْبٌ رَبِّیَ اللّٰهُ فَبَلَغَ ذٰلِکَ عُمَرَ

(۱۰۷۰) عبداللہ بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک اجاڑ زمین کھودی گئی تو اس میں عبداللہ بن تامر کی لاش نکلی کہ اپنے سر کے زخم پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں' جب اس زخم سے ان کا ہاتھ جدا کر لیا جاتا ہے تو خون بہنے لگتا ہے اور جب اس کو چھوڑ دیتے ہیں تو پھر اپنی جگہ جا چمٹتا ہے- ان کے ہاتھ میں لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اس پر ''ربی اللہ'' کا نقش کندہ تھا- جب یہ اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو آپ نے لکھ بھیجا تم نے

☜..... انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام کی حیات تسلیم کر لینے کے بعد بھی ان کے بارے میں کسی ایک بات کا اضافہ کر دینا جو انہوں نے اپنی حسی حیات میں نہیں فرمائی بلکہ اس سے روکا ہے- جہاں دین پر افتراء ہے اسی طرح خود ان کی ذاتوں پر بھی افتراء ہوگا-

(۱۰۷۰) ✱ امام قرطبی نے اصحاب اخدود کے قصہ کے ساتھ بعض اور واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں:

و قال الامام القرطبی و کان اصحاب الاخدود فی ایام الفترۃ بین عیسٰی و محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کما فی صحیح مسلم و روی نقلۃ الاخبار ان معاویۃؓ لما اجری العین التی استنبطھا بالمدینۃ وسط البقرۃ و امر الناس بتحول موتاھم و ذلک فی ایام خلافتہ و بعد احد من نحو خمسین سنۃ فوجد و اعلی جالھم حتّٰی ان الناس رؤا السحاۃ اصابت قدم حمزۃؓ بن المطلب فسال الدم منھا وروی کافۃ اھل المدینۃ ان جدار قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما انھدم ایام خلافۃ الولید بن عبدالملک بن مروان ولایۃ عمر بن عبدالعزیز علی المدینۃ مدت لم قدم فخافوا ان تکون قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فجزع الناس حتّٰی روی لھم سعید بن المسیب ان جثۃ الانبیاء علیھم السلام لاتقیم فی الارض اکثر من اربعین یوما ثم ترفع و جاء سالمؒ بن عبداللّٰہ بن عمرؓ بن الخطاب و عرف الناس انھا قدم جدہ عمرؓ بن الخطاب.

(مختصر تذکرۃ القرطبی ص ۴۰)

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حسب بیان صاحب مسلم اصحاب اخدود کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درمیانی مدت کا تھا- اس سلسلہ میں مؤرخین سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ میں نہر نکالنے کا ارادہ فرمایا تو اس کی گذر گاہ حسب الاتفاق قبرستان احد کے درمیان تھی لہٰذا انہوں نے اعلان کر دیا کہ لوگ اپنے اپنے مردے یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیں جب مردے اس غرض کے لیے نکالے گئے تو بالکل اپنی اصلی حالت پر تر و تازہ معلوم ہوتے تھے حتیٰ کہ کھودنے میں کدالی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر میں جا لگی تو اسی وقت اس سے خون جاری ہو گیا- یہ واقعہ احد سے پچاس سال بعد کا ہے- اس کے علاوہ عام اہل مدینہ اس واقعہ کے ناقل ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جانب والی دیوار خستگی کی وجہ سے گر گئی تو ایک قدم نظر آیا جس کے متعلق لوگ پریشان ہوئے مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم نہ ہو یہاں تک کہ سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آ کر اس کو پہچانا اور کہا یہ تو میرے دادا حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قدم ہے-

(مختصر تذکرہ قرطبی ص ۴۰)

www.besturdubooks.net

فَكَتَبَ اَنْ اَعِيْدُوْا عَلَيْهِ الَّذِىْ وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ. جس حال پر ان کو پایا ہے ان کو اسی حالت پر دفن کردو۔ (تفسیر خازن)

(رواہ محمد بن اسحاق فی تفسیر الخازن. و محمد بن اسحاق موثوق بہ فی الاخبار و ان تکلم فیہ فی باب الاحادیث و معذلک فقد روی عنہ الائمۃ فی باب الاحکام ایضًا)

منها حياتهم و شغلهم بالعبادات — اہل جنت سے دوسری مشابہت ان کی دائمی حیات اور دائمی عبادت ہے

(۱۰۷۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ. (رواہ ابویعلی و البزار قال الهیثمی و رجال ابی یعلی ثقات کما فی المجمع و عزاہ السهیلی فی المسند کما فی الروض و قال انفردبہ ثابت البنانی عن انس و قدروی ان ثابتا التمس فی قبرہ بعد ما دفن فلم یوجد فذکر ذلک لبنتہ فقالت کان یصلی فلم تروہ لان کنت اسمعہ اذا تہجد باللیل یقول اللهم اجعلنی ممن یصلی فی قبرہ بعد الموت و قد صنف البیهقی فی حیاۃ الانبیاء رسالۃ مستقلۃ)

(۱۰۷۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ (ابویعلی)

(۱۰۷۲) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا عَلَىَّ الصَّلٰوةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَ اِنَّ اَحَدًا لَا يُصَلِّىْ عَلَىَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَىَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِىُّ اللّٰهِ حَىٌّ يُرْزَقُ. (رواہ ابن ماجۃ قال السخاوی و رجالہ ثقات لکنہ منقطع)

(۱۰۷۲) ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن کا لقب مشہور ہے کیونکہ اس میں فرشتوں کی بکثرت آمد ہوتی ہے اور جو شخص اس دن مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی درود جب تک وہ اس میں مشغول رہتا ہے میرے سامنے پیش ہوتی رہتی ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا موت کے بعد بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو گلا سڑا دے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کا نبی زندہ ہی رہتا ہے اور اس کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۱۰۷۲) ✽ اہل جنت کی حیات اور دائمی عبادت ذکر حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادات اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے بلکہ دوسروں کی درود بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے ان کے جسموں کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ یہ جملہ صفات حیات کی صفات ہیں اس لیے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے۔ لہٰذا جب اس مسئلہ پر غور کرنا ہو تو احادیث کی روشنی میں کرنا چاہیے یہاں صرف اتنی ہی باتوں کو سامنے رکھنا حیات کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہے اس سے زیادہ اپنی جانب سے محض قیاس آرائیاں کرنا بے وجہ عقائد کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور ان کی موت کو بالکل عام انسانوں جیسی موت سمجھنا بھی محدثین علماء کے خلاف ہے جب کہ حدیث میں ان کے غسل ان کے دفن ان کی نماز ان کے ترکہ اور ان کی بیویوں سے حرمت نکاح کے مسائل صاف صاف موجود ہیں تو ان کے حق میں بالکل عام موت کا عقیدہ رکھنا بھی کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّارَدَّ عَلَیَّ اللّٰهُ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ. (رواہ ابوداؤد)

(۱۰۷۳) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص مجھ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور میری روح کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو جواب بھی دیتا ہوں۔ (ابوداؤد)

(۱۰۷۳) * اس مقام پر حافظ سیوطی نے اپنے فتاوی میں بڑی طویل بحث کی ہے اور لفظ "رد علی روحی" کے جملہ کی بہت مفصل شرح فرمائی ہے اور اس کی تقریر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

ان قوله رد اللّٰه علی روحی جملة حالية و قاعدة العربية ان جملة بحال اذا وقعت فعلاً ماضيا قدرت فيه قد كقوله تعالى اوجاؤكم حصرت صدورهم اى قد حصرت... ولو اخذ يمعنى الحال اوالا ستقبال لزم تكرره عند تكرر سلام المسلمين... ثم بعد ذلك رائيت الحديث المسئول عنه مخرجا فی كتاب حياة الانبياء للبيهقی بلفظ الاو قد رد اللّٰه علی روحی فهواقوی الاجوبة عندی و مرا و الحديث عليه الاخباره بان اللّٰه پر داليه روحه بعد الموت فيصير حيا علی الدوام حتی لو سلم عليه احد رد عليه السلام لوجود الحيات ص ۱۵۴ ج ۲ من الفتاوی و قال حياة النبی فی قبره و سائر الانبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عند نامن الادلة فی ذلك وتواترت به الاخبار و قد الف البيهقی جزء فی حياة الانبياء فی قبورهم... و نقل عنه من كتابه فی الاعتقاد الانبياء عليهم السلام بعد ما قبضوا ردت اليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء و قد افرونا لاثبات حياتهم كتابا وقد نقل عن القرطبی من تذكرته فی حياتهم ان موتهم انما هو راجع الی ان غيبوا عنا بحيث لاندركهم... كالحال فی الملائكة. (ص ۱۴۷ ج ۲)

آپ کا فرمان "رد اللہ علی روحی" یہ جملہ حالیہ ہے اور عربی قاعدہ ہے کہ جملہ حالیہ جب فعل ماضی ہو تو وہاں لفظ "قد" مقدر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول او جاؤکم حصرت صدورھم میں لفظ "قد" مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ "قد حصرت" اگر یہاں آپ کے قول کے معنی ماضی کے بجائے حال یا استقبال کے لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ ہر بار جب کوئی شخص آپ کو سلام کرے تو آپ کی روح کا بدن سے تعلق ہو اور ہر بار یہ تعلق پھر بدن سے جدا ہوا کرے اس کے کچھ زمانہ کے بعد میں نے بیہقی کی کتاب "حیات الانبیاء" میں دیکھا۔ انہوں نے ایک روایت ہی صراحۃً لفظ "قد" کے ساتھ پیش کی ہے اس لیے اب میرے نزدیک سب جوابوں سے یہی جواب زیادہ قوی ہے اور اس بناء پر حدیث کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وفات دینے کے بعد آپؐ کو پھر حیات دائمی عطا فرما دی ہے اس لیے جو شخص آپؐ کو آ کر سلام کرتا ہے آپؐ خود اس کا جواب دیتے ہیں۔ غرض آپؐ کی اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی قبر میں حیات کا دلائل کے ساتھ ہم کو قطعی علم ہے اور اس بارے میں تواتر کے درجہ کو حدیثیں پہنچ چکی ہیں امام بیہقی نے اس پر ایک مستقل تصنیف لکھی ہے اور اس میں یہ تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض کرنے کے بعد پھر واپس کر دی جاتی ہیں اس لیے وہ شہداء کی طرح اپنے پروردگار کی حضوری میں زندہ رہتے ہیں۔ نیز امام قرطبی سے نقل کیا ہے کہ ان کی موت کا حاصل اتنا سمجھو کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے ہیں اور ان کا حال ایسا ہو گیا ہے جیسا فرشتوں کا۔ ہم نہ ان کا ادراک رکھتے ہیں نہ ان کا۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۷۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِّيْ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ.

(اخرجه احمد و النسائي و الحاكم و صححه والبيهقي في الشعب و البزار و اخرج ابن عدی عن ابن عباس مثله. راجع ترجمان السنة ص ٤٣٦ ج ٢ حديث نمبر ٨٠٧)

(۱۰۷۴) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں جو زمین پر گشت لگاتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔

(احمد' نسائی' مستدرک حاکم' بیہقی' ابن عدی)

(۱۰۷۵) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَ الْمَدِيْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَيُّ وَادٍ هٰذَا قَالُوْا وَادِي الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهٖ وَ شَعْرِهٖ شَيْئًا وَ اضِعًا اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ لَهٗ جُؤَارٌ اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ

(۱۰۷۵) ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے پوچھا اس وادی کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ "وادی ازرق" ہے۔ آپ نے فرمایا گویا میں اپنی آنکھوں سے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ فرما کہ آپ نے ان کا رنگ اور بالوں کا کچھ نقشہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دیئے ہوئے ہیں اور اپنے رب کے نام کا تلبیہ زور زور سے پڑھتے

(۱۰۷۴) * جو لوگ خود حاضر ہو کر آپؐ پر درود و سلام پیش کرتے ہیں وہ تو آپؐ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود و سلام پڑھتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے معین فرما دیئے ہیں وہ اس کو آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہی طریقہ دنیا میں ہے اپنی موجودگی میں سلام کی سنت آپؐ خود ادا کرتے ہیں اور غائب ہو کر کسی دوسرے شخص کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں۔ چونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ قائم نہیں رہ سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لیے یہاں ملائکۃ اللہ مقرر فرما دیئے ہیں جو اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں آثار حیات نہیں تو پھر یہ کس لیے ہوتا ہے اور اگر یہاں حضور و غیبت کا کچھ فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا یہ تقرر کس لیے ہے۔ اس لیے نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی حیات کو عام لوگوں کی حیات کے برابر سمجھا جائے اور نہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اتنے مبالغہ کی ضرورت ہے کہ العیاذ باللہ حاضر و ناظر کی صفت ان کے لیے ثابت کر دی جائے۔ دین میں افراط و تفریط کی گنجائش کہیں نہیں اعتدال کا راستہ یہی صراط مستقیم ہے۔ فاتبعوہ۔ اس جگہ ترجمان السنہ ص ۴۳۷ ج ۲ حدیث نمبر ۸۰۷ کا تشریحی نوٹ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

(۱۰۷۵) * ان احادیث صحیحہ سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان رفیع کیا ہوتی ہے۔ ان کی موت کیا عام بشر ہی کی موت کی طرح ہے یا جس طرح وہ بحالت حیات حج و نماز میں مشغول رہا کرتے تھے اسی طرح وہ اپنی وفات کے بعد بھی ان میں مشغول رہتے ہیں پھر یہ ظاہر ہے کہ یہ بالکل بیداری کا ایک مشاہدہ تھا اور اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مبارک ہستیوں کو دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا بحالت بیداری بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے اس بناء پر اگر اولیاء کرام اپنی بیداری کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نقل کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس کا انکار کر دیں۔ جن علماء نے بحالت بیداری آپؐ کے مشاہدہ کا انکار کر دیا ہے ہماری رائے یہاں ان کے ساتھ متفق نہیں ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل آئندہ مذکور ہوگی۔

www.besturdubooks.net

مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِیْ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی ثَنِیَّةٍ قَالَ اَیُّ ثَنِیَّةٍ هٰذِهٖ قَالُوْا هَرْشٰی اَوْ لِفْتٌ فَقَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَةٍ حُمْرَاءَ عَلَیْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهٖ خُلْبَةٌ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِیْ مُلَبِّیًا. (رواہ مسلم)

ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں- راوی بیان کرتا ہے پھر ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک گھاٹی اور آئی آپ نے پوچھا اس گھاٹی کا کیا نام ہے لوگوں نے عرض کیا یہ "ہرشی" ہے یا "لفت" کہا- آپ نے فرمایا گویا میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ یونس ایک سرخ اونٹنی پر ہیں ان کا جبہ اون کا ہے اور اس اونٹنی کی مہار درخت کی چھال کی ہے وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گذر رہے ہیں- (مسلم شریف)

(۱۰۷۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَتٰی وَادِیْ عُسْفَانَ قَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَیُّ وَادٍ هٰذَا قَالَ هٰذَا وَادِیْ عُسْفَانَ قَالَ لَقَدْ مَرَّ بِهٰذَا الْوَادِیْ نُوْحٌ وَ هُوْدٌ وَ اِبْرَاهِیْمُ عَلٰی بَکَرَاتٍ لَهُمْ حُمْرٍ خُطُمُهُمُ اللِّیْفُ اُزُرُهُمُ الْعَبَاءُ وَ اَرْدِیَتُهُمُ النِّمَارُ یَحُجُّوْنَ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ. (رواہ الحافظ ابو یعلی) قال الحافظ ابن کثیر فی البدایة فیه غرابة ج ۱ ص ۱۱۹ و اخرجه عن مسند الامام احمد عن ابن عباس بنحوه و فیه ذکر هود و صالح علیهما السلام و لیس فیه ذکر نوح و ابراهیم علیهما السلام و قال هذا اسناد حسن کما فی البدایة ج ۱ ص ۱۳۸)

(۱۰۷۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا ابوبکر! اس وادی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کی اس کا نام وادی عسفان ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وادی سے حضرت نوح علیہ السلام ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گزرے جو سرخ اونٹوں پر سوار تھے ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی ان کی لنگیاں عباء اور ان کی چادریں اون کی تھیں، خدا تعالیٰ کے قدیم بیت کا طواف کرنے جا رہے تھے-

(ابو یعلی والطبرانی و مسند امام احمد)

(۱۰۷۷) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ قَالَ لَمَّا کَانَ اَیَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ یُؤَذَّنْ فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا وَ لَمْ یُقَمْ وَ لَمْ یَبْرَحْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ الْمَسْجِدَ وَ کَانَ لَا یَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ یَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ الدارمی)

(۱۰۷۷) سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جب حرہ کا واقعہ پیش آیا ہے تو تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اذان نہیں دی گئی اور سعید بن مسیب ان ایام میں بھی مسجد سے نہیں نکلے اور نماز کے اوقات صرف ایک گنگناہٹ کی آواز سے پہچانا کرتے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے سنا کرتے تھے-

(الدارمی شریف)

(۱۰۷۸) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ لَمْ اَزَلْ اَسْمَعُ الْاَذَانَ وَ الْاِقَامَةَ فِیْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَّامَ الْحَرَّةِ حَتّٰی عَادَ النَّاسُ. (کذا فی الخصائص ص ۲۸۱ ج ۲)

(۱۰۷۸) سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں اذان اور اقامت ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے سنا کرتا تھا یہاں تک کہ لوگ پھر جماعت میں آنے لگے تھے-

(خصائص الکبریٰ)

www.besturdubooks.net

(۱۰۷۹) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ لَيَالِيَ الْحَرَّةِ وَ مَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرِيْ وَ مَايَأْتِيْ وَقْتُ صَلٰوةٍ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ.

(رواہ ابو نعیم کذافی الخصائص ج ۲۸۰ ج ۲)

(۱۰۷۹) سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں میرے سواء اور کوئی نہ تھا جب نماز کا وقت آتا تو میں ہر نماز کے لیے قبر مبارک سے اذان کی آواز سنا کرتا۔

(ابونعیم)

(۱۰۸۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهِ. (رواہ مسلم)

(۱۰۸۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

(مسلم)

(۱۰۷۹) * جنگ حرہ کا واقعہ تاریخی واقعہ ہے۔ حدیثوں میں اس کے متعلق پہلے پیشگوئی موجود تھی۔ جس طرح اس کی ہولناکی کا نقشہ حدیثوں میں کھینچا گیا تھا اپنے وقت پر ٹھیک وہ اسی طرح نکلا۔ جہاں مخلوق خدا کا خون پانی کی طرح بہا بہا پھر رہا ہو وہاں مسجد شریف میں حاضری کی ہمت کسے تھی مگر سعید بن المسیب خود بھی اور سعید بن عبدالعزیز بھی ان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ مرد خدا اس حالت میں بھی مسجد شریف سے جدا نہ رہے اور برابر نمازیں اپنے وقت پر وہیں اداء کرتے رہے۔ یہاں یہ سوال طبعًا پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں نماز کے اوقات کے معلوم ہونے کا ذریعہ کیا تھا۔ یہ صاحب واقعہ کا خود اپنا بیان ہے کہ وہ قبر مبارک سے اذان سنا کرتے تھے اور اسی پر اپنی نماز ادا کر لیتے تھے۔ کئی دن تک مسلسل ٹھیک اوقات پر اذان کی آواز سننا اور امن کے بعد پھر فوراً اس آواز کا منقطع ہو جانا یہ کسی وہم و خیال پر مبنی نہیں ہوسکتا۔

(۱۰۸۰) * اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں لیکن سب سے صحیح بات وہ ہوگی جس کی واقعات بھی شہادت دیں۔ کتاب الدعوات اور کتاب الاذکار کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیل ونہار میں جتنے مختلف جدا ہوتے پیش ہوتی تو جدا ہوتے' قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو تعوذ کے خاص کلمات پڑھتے اور جب فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے تو خاص انداز کا شکر ادا فرماتے۔ اسی طرح کھانے پینے' سونے جاگنے' گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے غرض کہ انسانی زندگی کے جتنے مختلف شعبے ہیں سب کے متعلق آپ کے مقدس کلمات حدیثوں میں مدون موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی شریعت میں ایک باب ایسا بھی ملتا ہے کہ اگر انسان اس پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا رہے تو اس کی نیند بھی عبادت میں شمار ہو جاتی ہے پھر کچھ کلمات ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کو پڑھ لیا جائے تو اگر مخصوص اوقات کے اذکار کی ادائیگی میں غفلت ہو جائے تو ان کے پڑھنے سے اس کی بھی تلافی ہو جاتی ہے اور اس طرح انسان کی تمام زندگی گویا ذکر اللہ ہی میں شمار ہونے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک حالت میں بھی گو آپ کی زبان مبارک سے مختلف اذکار ثابت ہوتے ہیں مگر بظاہر حدیث کی مراد وہی مختلف حالات ہیں جو انسانی زندگی میں مختلف طور پر پیش آتے ہیں۔ اہل جنت کی جنت میں یہی صفت ہوگی۔ وہ بھی ہمہ وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں گے۔ انبیاء علیہم السلام میں دوام ذکر کی یہ صفت اسی عالم میں موجود ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنی امت کو بھی اس صفت کے پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ میں انسان کے ان ہی مختلف اوقات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ حدیث مذکور اسی قسم کی آیتوں کی شرح سمجھنی چاہیے۔

www.besturdubooks.net

منھا ما یتعلق بفضلاتھم علیھم الصلوٰۃ و السّلام
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی فضلات میں اہل جنت سے مشابہت

(۱۰۸۱) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرَاکَ تَدْخُلُ

(۱۰۸۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا کرتی ہوں کہ آپ

(۱۰۸۱) ✱ انسانی فضلات میں اس کے بول و براز کا درجہ سب سے گرا ہوا ہے مگر اس میں بھی انسانی غذاء اور اس کی جسمانی صحت کے فرق سے کیفیات کا بلکہ مقدار کا بھی بڑا فرق پڑ جاتا ہے- انبیاء علیہم السلام بھی اس بشری صنف سے مستثنیٰ نہیں ہوتے مگر چونکہ ان کے جسمانی خواص عام انسانوں سے کہیں بالاتر ہوتے ہیں، چنانچہ ان کے جسم اور جسم کا پسینہ خوشبودار ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے' اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کے یہ فضلات بھی بعض احکام میں عام انسانوں سے ممتاز ہوں- حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فضلات کو زمین فوراً جذب کر لیتی تھی- چونکہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں اس لیے اگر کہیں غذاء کی مادیت حائل نہ ہو جاتی تو یہ بھی ممکن تھا کہ اہل جنت کی طرح آپ کی غذاؤں کا فضلہ بھی محض پسینہ کی راہ سے خارج ہو جاتا- شیخ بدرالدین عینی نے صحیح بخاری کی شرح میں حنفیہ کی طرف اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بعض کبار علماء کی طرف آپؐ کے فضلات کے متعلق طہارت کا قول بھی نقل کیا ہے-

حدیث مذکور کا روایتی پہلو گو کمزور ہے مگر یہ مسئلہ کوئی عقائد یا عمل کا مسئلہ تو نہیں جس کے متعلق اعلیٰ درجہ کی صحت درکار ہو صرف ایک فضیلت کا باب ہے اور وہ بھی زندگی کے ایک ایسے شعبہ سے متعلق ہے جس کی عوام کو اطلاع نہیں ہوسکتی- نیز ان امور تبلیغیہ میں داخل بھی نہیں ہے جن کا تعلق امت کے ساتھ وابستہ ہو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذاتی خصوصیت ہے جس پر ایمان لانے کی کسی کو دعوت بھی نہیں دی گئی ہے- پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص حیات کا کوئی مستور گوشہ ضعیف اسناد کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے تو اسی درجہ میں اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ظاہر ہے کہ یہاں اگرچہ ثبوت ضعیف ہے مگر اس کے خلاف کوئی ضعیف سے ضعیف دلیل بھی موجود نہیں ہے نہ اس امر کے تسلیم کر لینے میں کسی عقیدہ پر کوئی زد پڑتی ہے پھر وہ علماء اور محدثین کے درمیان ہمیشہ نقل بھی ہوتا چلا آیا ہے حتیٰ کہ بعض ائمہ اس کے طہارت کے بھی قائل ہو چکے ہیں ان وجوہات کی بناء پر یہاں قطعیت کے ساتھ اس کا انکار کر ڈالنا قطعاً بے احتیاطی ہے-

جامع ترمذی میں بہت سے ابواب کے تحت ایسی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں جن پر امام موصوف نے خود ضعف کا حکم لگایا ہے اگرچہ وہ دوسری کتب حدیث میں اچھی اسانید کے ساتھ بھی مل جاتی ہیں لیکن امام موصوف نے اسی ضعیف اسناد کو ذکر فرما کر اس پر عمل کرنے والے صحابہ و تابعین کے اسماء گرامی کی ایک ایک فہرست پیش کر دی ہے- اس کی وجہ یہی ہے کہ بعض مرتبہ حدیث کا اسنادی پہلو کسی خاص سبب کی بناء پر گو ضعیف ہوتا ہے مگر وہاں خارجی قرائن اور متواتر عمل یا دوسری وجوہات کی بناء پر اس کی اصلیت ثابت ہو جاتی ہے- اس لیے اعلیٰ درجہ کی اسنادی ثبوت نہ ملنے کے باوجود پھر وہ کسی مرتبہ میں معمول بہ رہتی ہے' حتیٰ کہ شیخ ابن ہمامؒ نے باب الصلوٰۃ علی المیت کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ الاستحباب یثبت بالحدیث الضعیف غیر الموضوع (ص ۶۴ ج ۲ فتح القدیر) یعنی اگر حدیث موضوع نہ ہو تو بھی ضعیف حدیث سے بھی استحباب ثابت ہوسکتا ہے- اس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل اگر ضعیف ہوتی ہے تو اس کا اثر بھی ضعیف ہی رہتا ہے.....

www.besturdubooks.net

اَلْخَلاءَ ثُمَّ یَجِیْئُ الَّذِیْ بَعْدَکَ فَلایَرٰی لِمَا یَخْرُجُ مِنْکَ اَثَرًا فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اَمَا عَلِمْتِ — صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں پھر وہاں سے واپس آتے ہیں اس کے بعد جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاتا ہے وہ آپ

لے ..... ہے فرائض اور واجبات اس سے ثابت نہیں ہو سکتے یہ بھی اس وقت جب کہ خارجی قرائن اس کی تائید میں ہوں' لیکن اگر خارجی قرائن ساتھ نہ دیں اور ضعف بھی شدید ہو تو پھر وہ حدیث معطل ہو جاتی ہے' یعنی اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا' اور اگر اس کے خلاف ثبوت موجود ہے تو پھر اس کو رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ نے امام احمدؒ کے فقہ کی ایک اصل ہی حدیث ضعیف پر عمل کرنا قرار دی ہے بشرطیکہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری حدیث نہ ہو' اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی قرار دیا ہے۔ دیکھو اعلام الموقعین۔ ص ۲۵ ج ۱۔[1]

مزید وضاحت کے لیے ہم آپ کے سامنے بعض مسائل پیش کرتے ہیں جن میں نقل کی بہت قلت نظر آتی ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے مسائل چونکہ یہ مسائل بھی وقتی اور خاص آپ کی ذات سے متعلق تھے ادھر جہاد کے معرکہ ہمہ وقت گرم رہا کرتے تھے ان سے فرصت ملی تو تازہ تازہ احکام اتر رہے تھے اس لیے عام صحابہؓ کے افکار اس طرف متوجہ نہ ہو سکے جب یہ حادثہ جانکاہ رونما ہوا تو اب آپؐ کے غسل' صلوٰۃ جنازہ' اور دفن کے خصوصی مسائل سامنے آ گئے آخر رفیق غار صدیق اکبرؓ نے اس طرف راہبری کی اور فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دفن کے لیے سب سے پسندیدہ مقام وہی ہوتا ہے جہاں ان کی وفات ہوتی ہے۔ کسی بحث کے بغیر سب نے فوراً اسی وقت اس پر عمل کر لیا اور کسی نے خلاف کی ایک آواز بھی نہیں نکالی۔ اسی طرح ایک غیبی آواز پر غسل کے وقت آپ کی قمیص جسم اطہر سے نہیں اتاری گئی اور قبر کی نوعیت کا فیصلہ بھی قدرت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ جب لحد کھودنے والا شخص پہلے آ گیا تو سب کی رائے یہی قائم ہو گئی کہ آپؐ کے حق میں قدرت کو لحد ہی پسند ہے۔ اس کے برخلاف وہ مسائل تھے جن کا تعلق عام امت کے ساتھ تھا وہاں خوب گرم و نرم بحثیں ہوتیں اور جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا تو ہر شخص اپنی رائے پر مختار چھوڑ دیا جاتا یہی راز تھا کہ مسائل صلوٰۃ اس نقد و تبصرہ کے باوجود بعض جگہ مختلف فیہا باقی چلے جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فضلات کا مسئلہ تو آپؐ کی ان خصوصیات میں سے تھا جس کا امت کے ساتھ کسی لحاظ سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ اگر حضرت عائشہؓ اپنی فطری ذہانت اور دانائی کی بناء پر اس طرف توجہ نہ فرماتیں تو شاید آپؐ کی اس خصوصیت کا تذکرہ کسی ضعیف حدیث میں بھی آپ کے سامنے نہ آتا۔ آپؐ کے سایہ نہ ہونے کا مسئلہ اس سے ذرا مختلف ہے کیونکہ یہ ہمہ وقت سب کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ عقل یہ باور نہیں کرتی کہ اگر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی اس فضیلت کو ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے درخشاں دیکھا ہوتا تو وہ اس کے بیان سے سکوت اختیار کر سکتے تھے یقیناً وہ بھی آپ کے جسم اور آپ کے پسینہ کی خوشبو کی طرح روایات و حکایات میں مہک اٹھتا۔ آپ کے قد و قامت کی غیر معمولی صفت بھی چونکہ سب کی آنکھوں کے سامنے تھی اس لیے عام طور پر یہ چرچا رہا کرتا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم .....

---

[1] الاصل الرابع الاخذ بالمرسل و الحدیث الضعیف اذالم یکن فی الباب شیء یدفعه و هوالذی رجحه علی القیاس و لیس المراد بالضعیف الباطل و لا المنکر و لا فی روایة من هو مهتم بحیث لایسوغ الذهاب الیه و لیس احد من الائمة الا وهو موافقه علی هذا الاصل. اعلام الموقعین (اعلام الموافقین) ج ا ص ۲۵ و ج ا ص ۲۶ یہاں حافظ ابن تیمیہؒ نے اور ان کی اتباع میں بعض علماء نے جو تاویل کی ہے اس کی تصدیق خود امام احمدؒ کے مسند سے نہیں ہوتی اس لیے ہمارے نزدیک امام کے مختار کی وہ تاویل قرار نہیں دی جا سکتی ہاں خود ان کا اپنا مسلک وہ ہو تو ہو۔

www.besturdubooks.net

اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْاَرْضَ اَنْ تَبْتَلِعَ مَا خَرَجَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ. (رواہ السیوطی فی الخصائص

صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلہ کا کوئی نشان تک نہیں پاتا - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ

ﷺ ..... اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بھی کتنی عجیب ہے کہ جب تنہا ہوتے ہیں تو نہایت میانہ قد نظر آتے ہیں اور جہاں مجمع میں آگئے تو یوں معلوم ہونے لگا کہ سب سے دراز قامت آپ ہی ہیں - آپ کے بول و براز کا معاملہ ایسا نہیں ہے اس لیے اگر محدثین اس کو نقل کرتے ہیں تو اس کو مان لینا آپؐ کی محبت کا تقاضا ہونا چاہیے - اس کا بلند آہنگی سے انکار آپؐ کی محدثی کا ثبوت تو نہیں مگر آپؐ کی بے نمکی کا ثبوت ضرور ہے -

اس جگہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بہت مفید تنبیہ فرمائی ہے جو اس قسم کے مواضع میں محدثین کا نظریہ سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے:

الخبر ان قام دليل على صدقه او كذبه و الابقى ممالم تصدقه و لم نكذبه و اهل العلم بالحديث اذقالوا هذا الحديث رواً فلان و هو مجروح او ضعيف اوسئى الحفظ او ممن لاتقبل روايته و نحو ذلك فهو كقول القائل هذا الشاهد مجروح اوسئى الحفظ او ممالم تقبل شهادته و هذا يفيدانه لا يحكم به و لا يفيد الحكم بانه كاذب بل قد يمكن انه صادق فلا يقال انه كاذب الابحجة و ان قالوا في الحديث انه ضعيف فهذا مراد هم هي انه لم يثبت و لا يحتج به و لا يجوز الحكم بصدقه ليس مراد هم انه بمجرد ذلك يحكم بكذب الناقل و ينفي انقله و يقول ان هذالم يكن من غير علم منا بهذا النفي بل ان قام دليل علىٰ انتفاء اخبربه حكمنا بذلك والا سكتنا لم تنفه و لم متبته فهذا اصل يجب معرفته فان كثيراً من الناس لايميز بين ماينفيه لقيام الدليل على نفسيه وسيس مالم شيبة لعدم دليل اثباته بل ترون نيفون ما لم يعلموا اثباته فيكونون قد نفوا ماليس لهم به علم و قالوا بافوا ههم ماليس لهم به علم. (الجواب الصحيح ص ٢٩٦ ج ٤)

کسی خبر کے صدق و کذب کا اگر ثبوت مل جائے جب تو اس پر صادق یا کاذب ہونے کا حکم لگا دینا صحیح ہے ورنہ ہم اس کی نہ تصدیق کریں گے نہ تکذیب - محدثین جب کسی حدیث کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کو فلاں شخص نے روایت کیا ہے اور وہ مجروح یا ضعیف ہے تو اس کا مطلب ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا کوئی شخص یہ کہے کہ یہ شاید مجروح یا ضعیف ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس جرح کی وجہ سے اس پر کاذب ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ نفس الامر میں صادق ہو اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس کو صادق نہیں کہا جائے گا اور بس اب رہا یہ کہ اس کو کاذب بھی کہہ دیا جائے تو یہ حکم کسی دلیل کے بغیر لگانا صحیح نہیں ہے - ایسا ہی جب کسی حدیث کے متعلق محدثین یہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے تو ان کی مراد یہی ہوتی ہے کہ اس پر صدق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس کی یہ مراد ہرگز نہیں ہوتی کہ بس صرف اتنی بات سے اس کے راوی پر کذب کا حکم لگا دیا جائے یا جو مضمون اس نے نقل کیا ہے اس کی نفی کردی جائے اگرچہ اس کی نفی کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہو - لہٰذا اس قسم کے مقامات پر ہم سکوت کریں گے نہ اس کا اثبات کریں گے اور نہ نفی - اس قاعدہ کو یاد رکھنا اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کیونکہ بہت سے لوگ کسی بات کی مدلل نفی کرنے میں اور بے دلیل بات پر ثبوت کا حکم نہ لگانے میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے اور ہر ایسی بات کی نفی کر ڈالتے ہیں جس کا ثبوت ان کے علم میں نہیں ہوتا اور لَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کا خلاف کرتے ہیں -

ثم قال و ما كان من الامور مستلزمًا لوازم لو كان موجودًا فانه يستدل بانتفاء الازم على انتفاء الملزوم ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الکبریٰ من سبع طرق و قال ھذا من انبیاء علیہم السلام کے خارج شدہ فضلہ کو جذب کر لے۔
اقولھاو نقل عن ابن دحیة انه سند ثابت و فی طرقه انا معاشر الانبیاء تنبت احسادنا علی ارواح اھل الجنة
واعلم ان الحدیث الضعیف اذالم یکن مخالفا لنص او حدیث صحیح او عقیدة مجمعة علیھا

لہ ..... کالامور التی لو کانت موجودة لوجب ان ینقل نقلاً متواتراً شائعًا کما لو قال قائل انه بنی بین العراق و الشام مدینة اعظم من بغداد و الموصل ... و نحو ذلک فانه یعلم کذبه فان ھذا مما تتوفر ھمم الناس علی نقله لو کان موجودًا. (الجواب الصحیح ص ۲۹۷ ج ٤)

اس کے بعد لکھتے لکھتے فرماتے ہیں کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ موجود ہوں تو یقینی طور پر ان کے یہ لوازم ہوں گے اس قسم کے مقام پر اگر یہ لوازم موجود نظر نہ آئیں تو ملزوم کے نہ ہونے کا بھی حکم لگانا صحیح ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ عراق اور شام کے درمیان بغداد اور موصل سے بھی بڑا ایک اور شہر ہے اب ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً لوگ اس کو نقل کرتے اس کے باوجود جب ایک شخص بھی ان دونوں شہروں کے درمیان اتنی بڑی بستی کا وجود بیان نہیں کرتا تو اس کے غلط کا حکم لگا دینا بالکل صحیح ہے۔

ثم قال... ثم ھذه اللوازم منھا جلی و منھا خفی یعرفه الخاصته فلمذا کان اھل العلم باحوال الرسول یقطعون بکذب احادیث لا یقطع غیر ھم بکذبھا لعلمھم بلوازم تلک الاحادیث و انتفاء لوازمھا.... و ھکذا یعلمون ان فلانا اخطاء فی ھذا الحدیث علی فلان لانھم قد علموا من وجوه ثابتة ان ذلک الحدیث انما رواه علی صورة معینة فاذا روی غیر الثقة ماینا قض ذلک علموا بطلان ذلک و انه اخطاء او تعمد الکذب. (ص ۲۹۸ و ۲۹۹ ج ٤)

پھر لکھتے ہیں کہ یہ لوازم کبھی تو بالکل واضح ہوتے ہیں اور کبھی دقیق ہوتے ہیں جن کو خاص خاص لوگ ہی جانتے ہیں ہر شخص ان کو نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حدیثوں پر محدثین تو قطعی طور پر کذب کا حکم لگا دیتے ہیں مگر جو ان دقیق لوازم کو نہیں پہچانتا وہ یہاں قطعی حکم نہیں لگاتا.....اسی طرح محدثین یہ بھی جانتے ہیں کہ اس حدیث میں فلاں شخص نے فلاں موقعہ میں غلطی کی ہے کیونکہ ان کو مستند طریقوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث دراصل اس خاص صورت پر روایت کی گئی ہے لہٰذا جب کوئی غیر ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہے تو وہ اس کے بطلان کا حکم لگا دیتے ہیں۔

فالصدق له دلائل مستلزمة له تدل علی الصدق و الکذب له دلائل مستلزمة له تدل علی الکذب.... و ما لم یعلم صدقه و لا کذبه و لا ثبوته و لا انتفاؤہ فانه یجب الامساک عنه و یقول القائل ھذا لم اعلمه و لم یثبت عندی و لا اجزم به و لا احکم به و لا استدل به و لا احتج به و لا ابنی علیه مذھبی و اعتقادی و عملی و نحو ذلک. لا یقول ھذا اقطع بکذبه و انتفائه... فالقطع بجھل مشبته المعتقدله غیر القطع بانتفائه فمن قطع بشیء بلا دلیل یوجب القطع قطعنا بجھله و ضلاله و خطاه. (الجواب الصحیح ص ۳۰۰ ج ٤)

خلاصہ یہ ہے کہ جس بات کے صدق یا کذب کی دلیل معلوم نہ ہو اس کے متعلق بس اتنا ہی کہنا مناسب ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا یا میرے علم میں یہ بات ثابت نہیں ہوئی یا مجھے اس بات کا یقین نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ کہنا کہ مجھے اس کے ثبوت کا یقین حاصل نہیں ہو سکا اور بات ہے اور یہ کہنا کہ اس کے نہ ہونے کا مجھ کو یقین حاصل ہے بالکل اور بات ہے۔ لہٰذا جو شخص دلیل کے بغیر کسی ایک بات کا حکم بھی قطعیت کے ساتھ لگائے گا ہم بھی اس پر قطعیت کے ساتھ جہل کا حکم لگا دیں گے۔ لہ .....

www.besturdubooks.net

ولم يكن يتعلق بامر كثير الوقوع و يكون من خصوص الاحوال التى لا يطلع عليها احد فانه لا حيلة لردها سيما اذا كان من باب الفضائل و المزايا اللازمة)

ﷺ ..... لايجوز للانسان ان ينفي علم غيره و قطع غيره من غير علم منه بالاسباب التي يعلم بها و يخبر فانه كثيرا ما يكون للانسان دلائل كثيرة تدل علي صدق شخص معين و ثبوت امر معين و ان كان غيره لا يعرف شيئا من تلك الدلائل و هذا ايضًا مما يغلط فيه كثير من الناس نيظرون فى انفسهم و مبلغ علمهم فاذا لم يجدوا عندهم ما يوجب العلم بذلك الامر جعلوا غير هم كذلک من غير علم منهم بانتفاء اسباب العلم عند ذلک الغير و قد يقيمون حججًا صفيفة علي ان غير هم لا يعلم ذلک مثّل ما يفعله كثير من الناس بالنظر و الاستدلال و الاعتبار و من لم يساويهم فى نظر هم و ادلتهم و قوة اذهانهم لا يعلم ما علموه' و كثير من الناس يعلم بالاخبار و النقل و الا ستدلال بذلک امورًا كثيرة و من لم يشار كهم فيما سمعوه و فيما عرفوه من احوال المخبرين و المخبربه و كمال معرفتهم بذلک لا يعلم ما علموه فلهذا كان لاهل النظر العقلى طرق لايعرفها اهل الاخبار ولاهل الاخبار السمعية طرق لاتعرف بمجرد العقول و لهذا كان لهولاء من الطرق الدالة على صدق الرسول و نبوته و الاستدلال على ذلک امور كثيرة لايعرفها اهل الحديث و الآثار و عند هؤلاء من الاحديث المتواترة عند هم و الآثار المستفيضه عندهم ما يعلمون بها صدق الرسول و ان كان اولئک لا يعرفونها بل طرق معرفة الصانع و تصديق رسوله قد يكون لكل قوم منها طريق او طرق لا يعلمها آخرون وهم مشتركون فى الاقرار بالله و رسوله..... بل ماتواتر عندهم من احوال الرسول قد يكون المخبرون لهؤلاء الذين تواتر عندهم ما اخبروهم به من آياته و شرائعه غير المخبرين لاولئک كما كان الصحابة المخبرون لاهل الشام بآيات الرسول و بالقران و شرائع الاسلام غير الصحابة المخبرين لاهل العراق و لكن خبر هؤلاء يصدق هؤلاء و ان كان كل من الطائفتين لايعلم اعيان اولئک الذين اخبروا اولئک و عامة ما يعلمه الناس بالحس هو من هذا الباب فان الانسان يحس باحوال نفسه من جوعه و عطشه و شبعه و ريه و جسد بغضه و شهوته و نفرته و المه و لذته بل يحس باعضائه كبطنه و فرجه و لا يحس باحوال غيره و لكن يشتركان فى الجنس العام خيشتركون فى جنس الاحساس بجوعهم و شبعهم. (ص ۳۰۲ و ۳۰۳ الجواب الصحيح جلد ٤)

اسی طرح یہ بات بھی کسی شخص کے لیے درست نہیں کہ جب تک اس کو ان اسباب کا علم حاصل نہ ہو جائے جن سے کہ وہ خبر معلوم ہوئی ہے تو وہ دوسرے شخص کے علم کی نفی کر ڈالے۔ کیونکہ بسا اوقات کسی بات کے ثبوت کے لیے ایک شخص کے پاس بہت سے دلائل موجود ہوتے ہیں جن کو دوسرا شخص نہیں جانتا یہاں بھی یہی مصیبت ہے کہ بہت سے لوگوں کو جب خود ان اسباب کا علم نہیں ہوتا تو جس کو ان اسباب کا علم ہوتا ہے وہ اس کو بھی اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں اور اتنی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ اتنی بات معلوم کر لیں کہ اس خبر کے معلوم ہونے کے جو ذرائع اور اسباب ہیں وہ اس شخص کو معلوم ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہیں تو اس کو لاعلم سمجھنا کیونکر صحیح ہے چنانچہ بہت سے لوگوں کو دنیا کے واقعات اور اس کے بیان کرنے والوں کے وہ حالات معلوم نہیں ہوتے جو مؤرخین کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان واقعات کے علم کے جو اسباب ہیں ان کو مؤرخ تو جانتا ہے اور یہ نہیں جانتے اور جب ان اسباب ہی کو نہیں جانتے تو پھر ان کو ان واقعات کا علم کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۱۰۸۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ کُنْتُ اَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُدْنُ مِنِّیْ فَدَنَوْتُ مِنْہُ فَمَا شَمَمْتُ مِسْکًا وَ لَا عَنْبَرًا اَطْیَبَ مِنْ رِیْحِ رَسُوْلِ اللّٰہِ. (رواہ البزار کما فی الخصائص. و اخرج الشیخان نحوہ)

(۱۰۸۲) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا میرے قریب آنا میں قریب گیا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سی خوشبو نہ تو مشک میں دیکھی نہ عنبر میں۔

(بزار)

(۱۰۸۳) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْلُکْ طَرِیْقًا فَیَتْبَعُہٗ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اَنَّہٗ قَدْ سَلَکَہٗ مِنْ طِیْبِ عَرْفِہٖ اَوْقَالَ مِنْ رِیْحِ عَرَقِہٖ. (رواہ الدارمی)

(۱۰۸۳) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستہ پر جاتے پھر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص اسی راستہ پر جاتا تو وہ ضرور پہچان لیتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اس طرف سے ہوا ہے کیونکہ آپ کی خوشبو سے راستہ مہکا ہوا ہوتا تھا۔ (دارمی)

لہ ..... اہل نظر و عقل کے بہت سے دلائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مؤرخ نہیں جانتا اور محدثین کے بہت سے دلائل ایسے ہوتے ہیں جن کا علم صرف عقل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صداقت رسول کے بہت سے وہ دلائل جو اہل نظر کو معلوم ہوتے ہیں ان کا اہل حدیث کو کوئی علم نہیں ہوتا بہت سے ایسے واقعات جو اہل حدیث کے نزدیک تواتر کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں جن سے کہ صداقت رسول ثابت ہوتی ہے ان کا اہل نظر کو کوئی علم نہیں ہوتا' یہاں کسی فریق کے لیے بھی یہ صحیح نہیں ہے کہ ان دلائل اور اسباب کے علم کے بغیر وہ اس خبر کا انکار کر ڈالے گاہ گاہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسول کے ان احوال متواترہ کے بیان کرنے والے مختلف جماعتوں کے سامنے مختلف لوگ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وہ صحابہ جو اہل الشام کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور قرآن کریم اور دینی احکام کے ناقل تھے اور تھے اور وہ جو اہل عراق کے سامنے ناقل تھے اور تھے لیکن پھر ان دونوں جماعتوں کے بیانات ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے کے لیے مصدق تھے اگرچہ ان میں ایک جماعت کو دوسری جماعت کا کوئی علم نہ تھا۔ یہاں ان راویوں کا صرف کسی خبر میں مشترک ہونا کافی سمجھا جاتا ہے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس خبر کا بیان کرنے والا ایک ہی گروہ ہو تمام حیات و وجدانیات کا حال یہی ہے ایک انسان اپنے حالات مثلاً بھوک' پیاس' محبت' عداوت اور تکلیف و لذت وغیرہ کا خود تو احساس رکھتا ہے مگر دوسروں کے ان حالات کا احساس نہیں رکھتا لیکن چونکہ وہ جنس عام میں ان کا شریک ہوتا ہے لہٰذا وہ دوسروں کے متعلق بھی یہ حکم لگا دیتا ہے کہ ان کو بھی ہماری طرح ان حالات کا احساس ہوتا ہے۔

(۱۰۸۲) ✽ حضرت معاذ بن جبلؓ یہاں آپ کے پسینہ کی ایک خصوصیت بیان فرما رہے ہیں اور اس کو جس انداز سے نقل فرما رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف ان کی حسن عقیدت کی بات نہ تھی بلکہ سرتاسر حقیقت تھی۔ آپ کے اس عطر بیز پسینہ کا راوی ایک صرف یہی نہیں بلکہ دوسرے اور صحابہ بھی ہیں پھر ہر ایک نے اس کو مختلف صورتوں اور مختلف محل پر اس طرح نقل کیا ہے جس سے آپ کے فضلات کی برتری کا اعتراف کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے اس کی چند مثالیں ذیل کی احادیث میں آپ کے سامنے ہیں۔

(۱۰۸۳) ✽ دیکھیے یہاں راوی معاذؓ کی بجائے حضرت جابرؓ ہیں اور وہ آپ کی اس خوشبو کا حال استدلالی رنگ میں بیان فرما رہے ہیں اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ اس میں کسی خاص یا عام شخص کی کوئی بحث نہیں ہے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ کے راستے سے جو شخص بھی گذرتا وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے یہ پہچان لیتا تھا کہ یہ آپ ہی کی مہک ہے۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے ۔۔۔ کہے دیتی ہے خوشبو جسم و جان کی

www.besturdubooks.net

(۱۰۸۴) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ وَ جَاءَ تْ اُمِّىْ بِقَارُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلِتُ الْعَرَقَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِىْ تَصْنَعِيْنَ قَالَتْ هٰذَا عَرَقٌ نَجْعَلُهٗ لِطِيْبِنَا وَ هُوَ اَطْيَبُ الطِّيْبِ. (رواه مسلم وَ فِىْ رِوَايَةٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْ بَرَكَتَهٗ لِصِبْيَانِنَا قَالَ اَصَبْتِ.

(و روى البخاري نحوه)

(۱۰۸۴) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور ایسا ہوا کہ دوپہر میں آپ نے ہمارے ہی گھر استراحت فرمائی آپ کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لائیں اور آپ کا پسینہ پوچھ پوچھ کر اس میں ڈالنے لگیں آپ بیدار ہو گئے اور پوچھا اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو۔ انہوں نے عرض کیا یہ آپ کا پسینہ ہم اپنے عطروں میں اس کو ملا لیتے ہیں اور یہ عطر ہمارے یہاں سب سے زیادہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ (مسلم شریف) ایک روایت میں اتنا اور ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا ہمیں امید ہے کہ اس کی برکت ہمارے بچوں کو بھی لگ جائے۔ آپ نے فرمایا تم نے درست کہا۔

(۱۰۸۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ

(۱۰۸۵) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز اداء کی پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے تو

(۱۰۸۴) * یہ آپ کی خوشبو کے بیان کا تیسرا انداز ہے اور اس سے بہت روشن طریق پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی یہ خوشبو اس لیے نہ تھی کہ آپ خوشبو کا استعمال زیادہ فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ یہ آپ کے ان فضلات کی ہی خوشبو تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب میں جو خوشبوئیں مستعمل تھیں وہ بھی یقیناً بہتر ہی ہوتی ہوں گی مگر ان میں آپ کے پسینہ کے قطروں کو اس جانفشانی سے جمع کر کر کے ڈالنا اور یہ تصریح کرنا کہ ہمارے جس عطر میں آپ کا یہ عطر بیز پسینہ شامل ہو جاتا ہے وہ سب سے مہک دار اور عمدہ سمجھا جاتا ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ راویوں کا یہ بیان صرف حقیقت ہی حقیقت تھا۔ خلاصہ یہ کہ پسینہ جسم کے ان فضلات میں سے ہے جس میں کہ عام طور پر بدبو ہوتی ہے مگر یہ وہ رسول اعظم تھے جن کا پسینہ بھی عرب کے عطروں کو شرمندہ کرتا تھا۔

(۱۰۸۵) * آپ کے پسینہ کی بجائے اس حدیث میں آپؐ کے جسد اطہر کی خوشبو کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک آپؐ کا جسم مبارک معطر نہ ہو اس کا پسینہ کیسے معطر ہو سکتا ہے ان سب راویوں کے ان سب مختلف بیانوں کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ کیا یہاں کسی شاعرانہ مبالغہ آمیزی کا احتمال ہو سکتا ہے یا بات یہ ہے کہ نبی اپنے جسم اور اس کے فضلات میں بھی عام بشر سے ممتاز ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنتی کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی مگر نہ تھوکیں گے اور نہ ان کو پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوگی اور نہ وہ ناک صاف کریں گے صحابہؓ نے عرض کی پھر ان کا یہ کھانا پینا کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ خوشبودار ڈکار اور مشک بیز پسینہ کی راہ سے خارج ہو جائے گا اور خدا کی تسبیح و تحمید ان کے لیے اس طرح غیر اختیاری ہو جائیں گی جیسا کہ سانس لینا غیر اختیاری فعل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ اسلامی جنت صرف روحانی اور خیالی نہیں اس میں کھانا پینا بھی ہے مگر مادیت کے جو کثیف اور فانی اجزاء دنیا میں ہیں وہ ان میں نہیں۔ مثلاً تھوک، سنک اور دوسرے گندے اجزاء یہ سب کے سب چونکہ اس کثیف ......

www.besturdubooks.net

الْاُوْلٰی ثُمَّ خَرَجَ اِلٰی اَھْلِہٖ وَ خَرَجْتُ مَعَہٗ فَاسْتَقْبَلَہٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ یَمْسَحُ خَدَّیْ اَحَدِھِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا وَ اَمَّا اَنَا فَمَسَحَ

میں بھی آپؐ کے ساتھ ہولیا سامنے سے کچھ بچے آ نکلے آپؐ نے از راہِ محبت ان سب کے ایک ایک رخسار پر ہاتھ پھیرا- جب میرا نمبر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا' اس وقت میں نے آپ

لـــه ..... مادہ کے خصائص میں سے ہیں اس لیے وہ جنت میں نہ ہوں گے اور نہ ہونے چاہئیں- اس پر صحابہؓ نے نہایت معقول سوال کیا کہ پھر یہ غذائی اجزاء جسم سے کس طرح خارج ہوں گے- معلوم ہوا کہ معقول سوال ان کے دماغوں میں بھی پیدا ہوتے تھے اور ان کا کبھی کبھی وہ حل بھی دریافت کر لیتے تھے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو جواب ان کو ملا وہ کتنا معقول تھا کہ جنت کی غذاء کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جب دنیوی غذاؤں کے فرق سے انسانی فضلات کی کثافت اور لطافت بلکہ ان کی کیت اور مقدار میں بھی فرق ہو سکتا ہے تو آخرت میں اگر فرق ہو تو اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ ان کی غذا معطر پسینہ کی شکل سے خارج ہو جایا کرے گی' دوم یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی عبادت دائمی ہوگی اور سانس کی طرح غیر اختیاری بھی ہوگی- انبیاء علیہم السلام میں یہ دونوں صفتیں اسی جہان میں نظر آتی ہیں یعنی ان کے فضلات کا خوشبودار ہونا اور سونے کی حالت میں بھی ان کی قلبی بیداری اور بیداری کے تمام حالات میں ذکر اللہ اور وفات کے بعد بھی عبادات میں مشغولی یہ سب ان کی دائمی صفات ہوتی ہیں علماء حقائق کا خیال ہے کہ مرکز حیات ذکر اللہ ہے چونکہ جنتیوں کی حیات دائمی ہوگی اس لیے ان کو اس معنی سے موت نہیں آتی جس سے کہ عام بشر کو آتی ہے- دوام ذکر کے ساتھ موت یعنی عبادتِ الٰہی سے تعطل کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا- اسی لیے حدیثوں میں انبیاء علیہم السلام کو زندہ کہا گیا ہے اور اس کی حقیقی حیات ہونے کی طرف زندگی کی دو اہم خصوصیات بتا کر تنبیہ کی گئی ہے ایک عبادات اور دوم رزق یعنی وفات کے بعد وہ عبادت بھی کرتے رہتے ہیں اور ان کو رزق بھی ملتا رہتا ہے- ظاہر ہے کہ رزق روح کی صفت نہیں اس کے لیے جسم کی ضرورت ہے- پس جب کہ ان کو رزق بھی ملتا ہے تو یقیناً جسم کے ساتھ بھی ان کا کوئی نہ کوئی رشتہ قائم ہونا چاہیے- مگر جب اس جہان کے رزق کی کیفیت بھی مختلف ہے تو اس کی حیات کی کیفیات بھی ضرور مختلف ہوں گی- اس کو اسی جہان کی کیفیات پر قیاس کرنا غلط ہے اس سے زیادہ اس مسئلہ پر گفتگو کرنی اپنی مقدار علم نہ جاننے کی بات ہے- ظاہر ہے کہ اگر ان کی حیات تسلیم کر لی جائے تو اس سے ان کی بشریت کے خلاف ذرہ برابر بھی کوئی بات نہیں نکلتی- کیونکہ جب وہ اس دنیا میں ایک محسوس اور مشاہد حیات کے مالک ہو کر بھی بشر ہی تھے تو وفات کے بعد اگر ان میں آثار حیات ثابت ہوں تو اس غیر محسوس حیات سے اور کیا نئی بات ثابت ہو سکتی ہے- جس جماعت نے انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کو توحید کے خلاف سمجھ کر ان کو مضمحل بنانے کی سعی کی ہے یہ محض عبث سعی ہے- اگر کسی انسان میں عام بشریت کے خلاف ایک ہزار خصوصیات بھی موجود ہوں تو بھی اس کا مخلوق ہونا ہی ایک ایسا بڑا داغ ہے جو تنہا بارگاہ الوہیت سے اس کو ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے- عیسائیوں نے جب خدائی توحید میں شرک کی آمیزش شروع کی تو قرآن کریم نے ایک ہی کلمہ سے ان کا رد کر دیا یعنی "بل لہ ما فی السمٰوٰت و الارض" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ابنیت کا عقیدہ اس لیے باطل ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اس کی مملوک ہے اور مملوک ہونے کا ایک ہی عیب ایسا ہے جو ابنیت کی تردید کے لیے کافی ہے- اسی لیے ہمارے فقہاء نے یہاں سے اس مسئلہ کا استنباط فرمایا ہے کہ اگر والد اپنی اولاد کو کسی سے خرید لے تو وہ لڑکا والد کے اختیار کے بغیر خود بخود آزاد ہو جائے گا کیونکہ بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہو سکتا- پس جب عیسیٰ علیہ السلام اس کے مملوک ہیں تو ان کو بیٹا کیسے کہا جا سکتا ہے- لہٰذا جب کہ صرف ملکیت کا لـــه .....

www.besturdubooks.net

خَدَّيَّ فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْدًا اَوْ رِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ. (رواه مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی خنکی محسوس کی اور اس کی خوشبو سونگھی ایسا مہک رہا تھا جیسا ابھی عطر فروش کے ڈبہ سے نکالا ہے۔ (مسلم)

منها جواز مكثهم فى المسجد جُنبًا

بحالت جنابت آپ کے لیے مسجد میں قیام کی اجازت اور اس میں اہل جنت سے ایک مشابہت

(۱۰۸۶) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۰۸۶) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

..... ایک علاقہ ہی توحید کونکھارنے کے لیے کافی ہے تو مخلوقیت کا داغ تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے اگر انبیاء علیہم السلام کی حیات محدثین کے نزدیک بھی ثابت شدہ حقیقت ہے تو اس کو توحید کے خلاف سمجھنا کسی طرح درست نہیں۔ اسی طرح اس حقیقت کو پرورش کرتے کرتے سو طرح کے اور برگ و بار اپنی طرف سے اس پر لگا دینا بھی خطرناک راستہ ہے یہی وجہ ہے کہ سلف اس بحث میں نہیں پڑے۔ نہ اس کے اثبات میں انہوں نے غلو کیا نہ اس کی نفی کا کوئی اہتمام محسوس کیا۔ اس قسم کی مباحث ارباب حقائق نے شروع کیں پھر علماء شریعت نے ان کو نکھارا پھر شدہ شدہ وہ نااہلوں کے ہاتھوں میں پہنچ کر خطرناک مسائل بن گئے۔ ہم نے بھی گو جا بجا اس پر تنبیہ کی ہے مگر ان کے زیر بحث آ جانے کے بعد اور وہ بھی بدرجہ مجبوری' مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان مسائل میں جس حد تک حدیث نے تفصیل فرمادی ہے اسی پر قناعت کر لینی چاہیے۔ و اللّٰه الموفق.

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے اس موضوع پر ''آب حیات'' ایک مستقل ضخیم رسالہ لکھا ہے۔ ہم نے اپنی استعداد کے موافق اس کا مطالعہ بھی کیا ہے اور کچھ سمجھا بھی ہے مگر اس کا اقتباس نقل کرنا بھی عوام کے فہم سے بالاتر معلوم ہوا' اس لیے اس کا خلاصہ نقل کرنے سے بھی ہم نے عنان قلم کو روک لیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے مروی ہے ''حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب اللّٰه و رسوله'' (آخر کتاب العلم) یعنی لوگوں کے سامنے بس وہی باتیں بیان کیا کرو جوان کے اندازۂ فہم کے مناسب ہوں ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ان باتوں کو سمجھیں گے نہیں اور اپنے جہل کی بناء پر اس کی تکذیب کریں گے اور اس طرح خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلند علوم کی تکذیب کا باعث تم بنو گے۔ امام بخاریؒ نے اس کی اتنی اہمیت محسوس فرمائی ہے کہ اس پر مستقل ایک عنوان ہی قائم کر دیا ہے۔ اس زمانہ میں مصنفؒ کی اس احتیاط کی قدر ہوتی ہے۔

(۱۰۸۶) ✱ اس استثناء کی ایک ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ مسجد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا مقام ہی تھا ہر وقت آپ کی وہاں آمد و رفت رہتی تھی اس لیے آپ کے حق میں بحالت جنابت اس میں گزر جانے اور قیام کرنے کی گنجائش بھی دے دی گئی تھی مگر اس گنجائش سے آپ نے کتنا فائدہ اٹھایا یہ مشکل سے کوئی واقعہ نکل سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مساجد چونکہ عرف شریعت میں ریاض جنت کہلاتی ہیں اور غالباً یہ سب ٹکڑے محشر میں جنت ہی میں لے لیے جائیں گے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں اس لیے جس طرح اہل جنت اپنی ہر حالت میں جنت ہی میں رہیں گے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم میں بھی اس کی اجازت حاصل تھی۔ نہ عام بشر کی دنیا میں یہ صفت ہے نہ ان کو اس حالت میں مسجد میں رہنے کی اجازت ہے۔ رہا حضرت علیؓ کا استثناء تو چونکہ ان کا راستہ بھی اسی طرف سے تھا اس لیے ان کو بھی اس اجازت میں تبعاً داخل کر لیا گیا تھا۔ اس سے زیادہ وضاحت آئندہ حدیث کے نوٹ میں آتی ہے۔

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ لَایَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یُّجْنِبَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَ غَیْرُکَ.

اخرجه الترمذی و البیهقی و البزار عن سعد و ابو یعلی عن عمر بن الخطاب و البیهقی عن ام سلمة.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس مسجد میں میرے اور تمہارے سواء کسی کو جنابت کی حالت میں رہنا درست نہیں ہے۔

(ترمذی۔بیہقی۔ابویعلی۔بزار)

(۱۰۸۷) عَنْ اَبِیْ حَازِمِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ مُوْسٰی اَنْ یَبْنِیَ مَسْجِدًا طَاھِرًا لَا یَسْکُنُہٗ اِلَّا ھُوَ وَ ھَارُوْنُ وَ اِنَّہٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَبْنِیَ مَسْجِدًا طَاھِرًا لَا یَسْکُنُہٗ اِلَّا اَنَا وَ عَلِیٌّ وَ اَبْنَا عَلِیٍّ. (و اخرجه ابن عساکر نحوه عن جابرؓ و ابن عساکر عن ام سلمة و البیهقی عن عائشةؓ کما فی الخصائص)

(۱۰۸۷) ابو حازم اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک پاک وصاف مسجد بنائیں جس میں ان کے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے علاوہ کسی اور شخص کو سکونت کا حق نہیں ہوگا اور مجھ کو بھی اس کا حکم دیا ہے کہ میں بھی ایک پاک وصاف مسجد بناؤں اور اس میں بھی میرے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے فرزندان کے علاوہ کوئی اور شخص سکونت کا حق نہیں رکھے گا۔

(ابن عساکر۔بیہقی)

(۱۰۸۷) ✱ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی جائے عبادت اور جائے سکونت ایک ہوسکتی ہے۔ جب فقہاء نے قرآن شریف پڑھنے والے بچوں کو وضوء کے بغیر قرآن شریف چھونے کی اجازت دے دی تو پھر رسولوں کی ہمہ وقت آمدورفت کی وجہ سے اگر مسجد کو ان کا بیت سکونت بھی قرار دے دیا جائے تو اس میں اشکال کیا ہے اور کیوں۔ ادھر ترجمان السنہ ص ج ا میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بحق حضرت علیؓ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ تمہاری اور میری وہ نسبت ہے جو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کے مابین تھی۔ اس نسبت کی حقیقت صرف اسی پر ختم نہیں ہوگئی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں حضرت ہارون علیہ السلام نے جانشینی کے فرائض انجام دیئے تھے اسی طرح حضرت علیؓ نے ایک جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی جانشینی کی خدمت انجام دی تھی بلکہ اس کا اثر یہاں تک بھی پھیلا کہ ایک روز مزید خصوصیت جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاصل تھی وہ بھی ان کو نصیب ہوگئی اور اس بناء پر ان کے استثناء میں ایک بڑی حقیقت پنہاں منکشف ہوگئی۔ سبحان اللہ! انبیاء علیہم السلام کے دہن مبارک سے جو تشبیہات بھی نکلتی ہیں وہ حقیقت سے کتنی لبریز ہوتی ہیں۔

یہ واضح رہے کہ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک جزئی واقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلشکنی کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا ہے مگر یہاں بھی آپؐ نے یہ بات صاف کردی تھی کہ اس نسبت سے نبوت کا کوئی تعلق نہیں یہ منصب میرے بعد ختم ہو چکا ہے اس لیے نبی نہ تم ہو نہ کوئی اور اس کے بعد بھی اگر دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر کسی کو نبی بنالے تو شقاوت ازلیہ کے سواء اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ نیز حضرت ہارون علیہ السلام چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں وفات پاچکے تھے لہٰذا اس حدیث کو مسئلہ خلافت سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف ایک خاص موقعہ پر ایک ایسی نیابت تھی جس میں دوسرے مواقع پر آپؐ کے دوسرے صحابہ کو بھی شرکت کا شرف کسی حد تک حاصل ہو چکا ہے لہٰذا اس حدیث کو آپؐ کے بعد خلافت کے مسئلہ میں کھینچنا غلط ہے۔

www.besturdubooks.net

و من خَواص اهلِ الجنّة کثرة الازواج | کثرتِ ازواج میں انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت سے مشابہت

(۱۰۸۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ | (۱۰۸۸) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی

(۱۰۸۸) * شریعت میں عام طور پر ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک مرد میں یقیناً اتنی طاقت بھی ضرورت ودیعت فرمائی گئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ جسمانی اور روحانی طاقتوں میں عوام سے کہیں اونچا ہوتا ہے' اگر ان کی جسمانی طاقتیں بھی ان کے منصب کے بقدر زیادہ نہ ہوں تو ان کو امت کی جفا کاریوں پر صبر اور دوسری طرف بار وحی کا تحمل کرنا ناممکن ہو جائے' اس لیے حکمت ایزدی نے ان کی جسمانی قوتیں بھی عام انسانوں سے کہیں زیادہ قوی بنائی ہیں' اسی لیے نکاح میں بھی ان کے لیے عوام سے زیادہ وسعت دی گئی ہے۔ لیکن اس کمال طاقت وقوت کے باوجود انبیاء علیہم السلام کی ساری طاقتیں صرف تبلیغ دین اور خدا تعالیٰ کی راہ میں مصائب و آلام کے جھیلنے میں ہی صرف ہو گئی ہیں۔ سیرت پڑھنے والے حضرات خوب جانتے ہیں کہ ان کی طاقت وقوت کی یہ بہتات کسی ایک ہی جانب میں نہ تھی بلکہ غزوہ خندق میں جب ایک موقعہ پر ایک سخت پتھر کسی کی کدال سے ٹوٹ نہ سکا تو اس وقت جس کی کدال نے اس کو ریزہ ریزہ کر ڈالا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی قوت بازو کا کرشمہ تھا۔ یہ آپ کی طبعی طاقت تھی یا معجزہ تھا مگر اس کا تعلق تھا تو آپ کی قوت جسمانی ہی کے ساتھ۔ رکانہ جیسے مشہور پہلوان سے کشتی لڑی اور اس کو تین بار زیر کیا یہ کرشمہ بھی آپ کی قوت جسمانی کا تھا (کمافی الخصائص) ایک مرتبہ جب صحابہ کرامؓ نے اپنی بھوک کی بے تابی اپنے پیٹوں سے پتھر بندھے ہوئے دکھا کر ظاہر کی تو اس وقت معلوم ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ سے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایک موقعہ پر سواریوں کی قلت کی وجہ سے ایک ایک سواری دو دو شخصوں میں تقسیم کی گئی ہر شخص کچھ دور پیادہ پا چلتا اور پھر اس لیے آپؐ کے حصہ میں بھی ایک مشترک سواری آئی۔ آپؐ کے جاں نثار شریک نے ہزار سر پٹکا کہ آپ سوار رہیں اور وہ آپ کے عوض بھی پیادہ پا چل لے گا لیکن اس کے جواب میں اس خلق عظیم والے رسول کا جواب یہ تھا "ما انت بالتحوی منی و ما اما باغنی عن الاجر منک" (اَوْ کَمَا قَالَ) تو مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور میں تجھ سے زیادہ ثواب آخرت سے بے نیاز نہیں یعنی اس کی ضرورت مجھ کو بھی ہے۔ یہاں آپؐ کے پہلے جملوں پر غور کیجیے۔

دراصل بات یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک شعبہ صحابہ کرامؓ کے سامنے آتا تھا اور کیونکر نہ آتا جس کی ذات کو مجسم "اسوہ حسنہ" اور نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا ضرور تھا کہ اس کی زندگی کا ہر ہر گوشہ اندرونی بھی اور بیرونی بھی سب کا سب سامنے آ جاتا اس لیے حسب الاتفاق یہ ایک واقعہ بھی معمول کے مطابق ضمنی طور پر ذکر میں آ گیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر چونکہ اب ایک مدت کے لیے احرام وحج کے مشاغل درپیش تھے اس لیے آپؐ نے مناسب سمجھا کہ ایک بار جملہ ازواج کے یہاں شب باش ہو جائیں ورنہ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری عمر کی سنت ہمیشہ شب باشی میں تقسیم ہی رہی ہے پس چونکہ یہ ایک ہی واقعہ تھا جو آپ کے عام طریق کے خلاف پیش آیا تھا اس لیے صحابہ اکرامؓ کے مابین اس کا تذکرہ بھی آ گیا اور اس ضمن میں آپؐ کی جسمانی طاقت کا تذکرہ بھی ہو گیا' ورنہ احادیث کے دفتر آپؐ کے سامنے کھلے پڑے ہیں جس میں ہر رطب و یابس بھی جمع کر دیا گیا ہے آپؐ اس پر ایک بار گذر جائیے اور پوری تنقید کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے کہ کیا اس رسول عظیم کی جسمانی طاقتیں صرف جہاد' مصائب و آلام کے تحمل اور تبلیغ دین میں دشمنوں کی جفائیں سہنے کے سواء کسی اور جانب بھی صرف ہوئی ہیں۔ آپؐ کی سب سے مقرب بی بی حضرت عائشہ کو ایسی نوبت ﷺ.....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهِ فِى السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُنَّ اِحْدٰى عَشْرَةَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَوَ كَانَ يُطِيْقُهُ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهُ اُعْطِىَ قُوَّةَ ثَلاثِيْنَ. (اخرجه البخاری و من طریق عبادۃ کذافی الخصائص)

اللہ علیہ وسلم نے شب و روز میں کبھی بیک وقت بھی سب بیبیوں کے ساتھ شب باشی کی ہے' حالانکہ آپ کی گیارہ بیبیاں تھیں۔ میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی طاقت تھی۔ انہوں نے جواب دیا ہمارے درمیان تو یہاں تک تذکرہ ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔ (بخاری شریف)

بقیہ..... بھی آئی ہے کہ وہ آپ کو بستر پر نہ دیکھ کر جوش غیرت میں آپ کی تلاش کے لیے نکل کھڑی ہوئی ہیں لیکن جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے سامنے سربسجود پڑے ہیں تو متحیر ہو کر بول اٹھیں یا رسول اللہؐ میں کس خیال میں تھی اور آپؐ کس جہاں میں ہیں۔ اس عمر بھر میں ایک واقعہ پر نظر کرنے والے تریسٹھ سال کی اس زندگی سے کیسے چشم پوشی کر لیتے ہیں جس میں آپؐ کی عبادت و زہادت صحراؤں اور غاروں میں طویل طویل مدتوں کی اقامت اور ساری عمر روزہ کی وہ کثرت جس کا مادی عقول کو تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ سب اس کثرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ معتدل مزاج دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں اگر محض اپنی ہوس رانی کے مذاق کی بناء پر صحیح احادیث کا انکار کر دینا معیار تحقیق ہے تو بس دین کا اللہ تعالیٰ ہی حافظ و محافظ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس صحیح حدیث پر تنقید کرنے والے کیا دشمنوں کو طرح آپؐ کے تعداد ازدواج پر بھی اعتراض کر دیں گے یا اس واقعہ کا بھی انکار کر جائیں گے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر اپنی ذہنیت صاف ہے تو نہ اس ایک واقعہ میں کوئی اشکال ہے اور نہ ان جیسے دوسرے واقعات میں یہی وجہ ہے کہ یہی واقعات صحابہ کرام کے مابین بھی تذکرہ میں آئے اور ان کے قلوب مطہر میں ایک لحہ کے لیے بھی کوئی ادنیٰ شبہ نہیں گذرا اور یہی واقعات جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو اگرچہ ان کی اسانید کتنی بھی صحیح ہوں مگر ہماری ذہنی ظلمت و کثافت ان کو جس نظریہ سے دیکھتی ہے پھر وہ اس کو انکار یا تاویل کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ جیسا آپ پڑھ چکے ہیں انبیاء علیہم السلام کے جسم دنیا میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں آخرت میں پہنچ کر ان کے مراتب کے مناسب ان میں بھی اسی طرح اور اضافہ ہو جائے گا جیسا کہ عوام امت کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان میں اضافہ ہوگا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام اہل جنت کی طرح کون و فساد سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کے فضلات اہل جنت کی طرح معطر ہوتے ہیں۔ ان کا سونا اہل جنت کی طرح غفلت کی نیند نہیں ہوتا' اسی طرح ان کی دوسری طاقتیں بھی اس جہان میں اہل جنت کی طرح ہوتی ہیں' اگر طبیعت میں گنجائش ہو تو تعداد ازدواج کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی سمجھ لیجئے۔ پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ حسب بیان قرآن کریم امت کے حق میں چار بیبیوں کی قید اس لیے ہے کہ ان سے ان کے حقوق کی ادائیگی بھی مشکل ہے جہاں حق تلفی کا کوئی احتمال نہیں وہاں اس تحدید کے لیے بھی کوئی وجہ نہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان کی حیات طیبہ اہل جنت کی حیات کا ایک نمونہ ہوتی ہے وہ اسی حیات میں اپنے رب سے ہم کلام ہوتے ہیں' خدا تعالیٰ کے مقدس فرشتے ان کی مجلسوں میں آتے جاتے ہیں۔ جنت و دوزخ کا ان کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور کسی کو تو دیدار الٰہی جیسی عظیم الشان نعمت سے بھی نواز دیا جاتا ہے تو کیا اب بھی اس پاک باز ہستی کے متعلق اس ایک واقعہ میں آپ کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ یہ بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خود نہیں ہے بلکہ آپؐ کے ایک واقعہ پر صرف صحابہ کرام کا باہم تذکرہ ہے گو وہ کتنی ہی حقیقت پر مبنی ہو لیکن پھر آپؐ کے اپنے بیان اور صحابہ کے باہم تذکروں میں مسئلہ کی اہمیت اور غیر اہمیت کا بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ اب یہ نکتہ چینی ان پر کیجئے کہ انہوں نے آپؐ کے متعلق ایسا خیال کیوں قائم کر لیا۔ اگر یہاں عرب بقیہ.....

www.besturdubooks.net

(۱۰۸۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سُلَیْمَانُ لَاَطُوْفَنَّ اللَّیْلَۃَ عَلٰی تِسْعِیْنَ اِمْرَءَۃٍ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ بِمِاْۃٍ

(۱۰۸۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا آج کی شب میں اپنی حرم سرائے میں نوے اور ایک روایت میں سو بیبیوں کے پاس جاؤں گا اور

بقیہ ..... کے اس عام ماحول کا بھی لحاظ کرلیا جاتا جو اس وقت کی عام تاریخوں سے ثابت ہے تو جبر و مقابلہ کے بے وجہ حسابات جو یہاں شروع کردیئے گئے ہیں وہ شروع نہ کیے جاتے- اسی کے ساتھ جس بشر کا تعلق تمام امت کے ساتھ ہو اس کے لیے نسوانی احکام کی تعلیم و تفہیم کے لیے ازواج کی کثرت کتنی اہم ہوگی یہ سوال بھی قابل غور ضرور ہے-

تنبیہ: یہ یاد رہے کہ صرف قواعد پر چلنے والے یہاں لفظ "کان" میں ضرور کچھ الجھیں گے مگر حقیقت شناس اور واقعات پر نظر رکھنے والے کسی راوی کے ایک لفظ سے تاریخ کے اوراق پر بھی پانی نہیں پھیر سکتے-

(۱۰۸۹) * سہو و نسیان کے واقعات خال خال انبیاء علیہم السلام کے زندگیوں میں بھی نظر آتے ہیں اور یہ بڑی حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں ان میں صرف ان محیر العقول ہستیوں کی بشریت کی طرف اشارہ ہی نہیں ہوتا بلکہ انبیاء علیہم السلام کے مقام کی بلندی کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے- گویا یہ ہستیاں وہ ہیں جن کا سہو و نسیان بھی دوسرے انسانوں کی ارادی خطاؤں کی طرح قابل گرفت ہوتا ہے اب یہ اندازہ فرمالیجئے کہ انبیاء علیہم السلام بشر ہی نہیں ہوتے یا ایسے کامل بشر ہوتے ہیں جن سے مواخذہ کے شرائط عام انسانوں سے کہیں شدید تر ہیں- جب اس واقعہ کو سامنے رکھ کر آپ یہ آیت پڑھیں گے تو اس کی پوری تفصیل آپ پر کھل جائے گی:

وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ. (الکہف:۲۳-۲۴)

اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا- مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا-

سرسری نظر میں آیت بالا کو آپ صرف ایک علمی اصلاح اور عقیدہ کا مسئلہ سمجھتے ہوں گے اب آپ کو اس واقعہ کی روشنی میں اس کی اہمیت کا عملاً بھی کچھ اندازہ ہوسکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے واقعات کے دوہرانے سے قرآن کریم کا مقصد کیا ہے- حقیقت یہ ہے کہ جب تک نقصانات کے باریک سے باریک پہلو ایک ایک کرکے سامنے نہ آجائیں کسی کمال کی معراج حاصل ہونا ممکن نہیں- لیکن ان باریکیوں کا میدان عام انسانوں کی زندگی بنائی نہیں جاسکتی- اس لیے تقدیر نے کچھ ہستیاں اتنی بلند پیدا فرمائی ہیں جن کی درخشاں زندگی میں سہو و نسیان کے اثرات کا نمایاں ہونا بھی ان کے رتبہ سے بعید ہوتا ہے اس لیے پھر اس پر ان سے مواخذہ فرمانا بھی بالکل موزوں نظر آتا ہے- جس امت کو خیر امت بنانا منظور تھا اس کے سامنے یہ تمام سرد و گرم سرگزشتیں اس لیے رکھ دی گئی ہیں کہ ان کے معراج کمال تک پہنچنے کے اسباق ہی ہیں- یہ واقعہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات میں ایک ہی واقعہ ہے اور جب ان کو شاہی بھی وہ شاہی عطا ہوئی تھی جو رہتی دنیا تک کسی کو نصیب نہ ہوسکے یعنی جن و ملک حتیٰ کہ ہوا پر بھی ان کی قاہرانہ حکومت قائم تھی- تو اس شان و شکوہ کے ساتھ کثرت ازواج جو اس دور میں ظاہری ملوکیت کے لیے لازم تھی اگر مرحمت فرمادی گئی تو اس پر اعتراض کیا ہے- دیکھنا یہ ہے کہ اس ایک واقعہ میں ان کی تمناء کیا تھی وہ خود حدیث میں موجود ہے- پھر اس پاکیزہ مقصد میں ذرا سے نسیان کا نتیجہ کیا نکلا وہ بھی آپ کے سامنے ہے- فرشتہ کی یاد دہانی کے باوجود پھر نسیان ہونا اس کی دلیل ہے کہ جو بات تقدیر میں طے ہوجاتی ہے وہ اپنے اسباب کے ساتھ طے ہوتی ہے پس جس طرح ان کا ظہور قطعی اور یقینی ہوتا ہے اسی طرح ان اسباب کا پیش آنا بھی قطعی و ضروری ہوتا ہے- بقیہ .....

www.besturdubooks.net

امْرَءَ ۃٍ کُلُّهُنَّ تَأْتِیْ بِفَارِسٍ یُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَکُ قُلْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَمْ یَقُلْ وَ نَسِیَ فَطَافَ عَلَیْهِنَّ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ اِلَّا امْرَءَ ۃٌ وَاحِدَۃٌ جَاءَ تْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَ اَیْمُ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا اَجْمَعُوْنَ. (متفق علیه)

سب کی سب کے یہاں ایک ایک بچہ ایسا پیدا ہوگا جو راہِ خدا میں جہاد کرے گا اس پر فرشتے نے کہا ان شاء اللہ تو کہہ لیجئے تقدیری بات کہ وہ یہ کلمہ کہنا بھول گئے جب زنان خانہ تشریف لے گئے تو صرف ایک بی بی حاملہ ہوئیں اور اُن کے بھی ایک ناتمام بچہ پیدا ہوا' اس کے بعد آپ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب کے بچے ہوتے اور سب گھوڑوں پر سوار ہوکر راہ خدا میں جہاد کرتے۔ (متفق علیہ)

ﷺ ..... کثرت وازدواج کے متعلق ایک بدیہی مگر اہم تنبیہ: جن اعداد اسلام کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج کی کثرت باعث اعتراض بنی ہوئی ہے ان کی نظریں کبھی اس طرف نہیں گئیں کہ ازدوج کی کثرت کن حالات میں سامان عیش وعشرت ہوسکتی ہے۔ آج اور آج سے پہلے دنیا کی تاریخ پر نظر ڈال لیجئے آپ کو معلوم ہوگا کہ جس طبقہ کا نصب العین تعیش بن گیا ہے پھر اس کا ماحول کیا تھا' نیز اس کے اثرات اس کی زندگی' اس کے ہم جنسوں' اس کی محکوم رعایا بلکہ بعد کے دور تک بھی کتنی کتنی دور تک پھیل گئے ہیں۔ اس جگہ ہمیں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے لیکن بتانا صرف یہ ہے کہ صورت حال یہاں کیا تھی۔ یہاں اگر گھر کا جائزہ لیجئے تو اس کی بے سروسامانی کا نقشہ دیکھ دیکھ کر عمرؓ جیسے مخلص کی آنکھوں میں آنسو بھر بھر آتے ہیں آخر جب ان سے رہا نہ گیا تو یہ درخواست کر ہی بیٹھے یا رسول اللہؐ دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی امت پر وسعت فرمادے یہ ہمت تو کہاں تھی کہ خود آپؐ ہی کے متعلق یہ درخواست کرتے کیونکہ جب نظر اٹھا کے دیکھا کہ ایک خشک چٹائی جو آپؐ کے جسم نازک میں گھسی جارہی تھی' آپؐ کا بچھونا تھی اور ایک آدھا خشک مشکیزہ لٹکا ہوا نظر آرہا تھا یہ پانی کا سامان تھا اور بس۔ کھانے کے تکلفات کا ذکر ہی کیا ہے' مہینوں گھر میں آگ جلنے کی نوبت نہ آتی' لباس کی یہ حالت کہ عائشہؓ نے آپؐ کی وفات کے بعد وہ پیوندلگی ہوئی موٹی چادریں نکال کر دکھائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کپڑوں میں ہوئی ہے۔ گھر اتنا سادہ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے نقشین چادر آپؐ کی زینت کے خیال سے لے کر لٹکادی تو آپؐ گھر میں داخل نہ ہوئے جب تک کہ اس کو پھاڑ کر اس کے تکیے نہ بنادیے گئے کہ زمین پر پڑے رہیں۔ بیبیوں کے درمیان وہ انصاف کہ مجال کیا کسی کا دل ذرا میلا ہوجائے۔ شب باشی میں تقسیم آپ پر واجب نہ تھی مگر پھر اس کی اتنی رعایت کہ ہر ہر بی بی کے ہاں رہنے کا دن مقرر تھی کہ سفر بھی قرعہ اندازی کے بعد ہوتا۔ پھر جب آپؐ کے شب کے حالات کے کھوج لگایئے تو خود حضرت عائشہؓ کا بیان یہ ہے کہ ایک شب اپنی باری میں جب میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ دیکھا تو طرح طرح کے وہموں نے مجھ کو گھیر لیا جب تلاش میں نکلی تو آپ کو سربسجود دعاء میں مشغول دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئی۔ آپ کی صلوٰۃ لیل اور صیام کی بہت سی حدیثوں کا ذخیرہ ان ہی امہات المؤمنین کے ذریعہ ہمارے سامنے آیا ہے۔ اگر آپؐ کے ہم جنسوں کا حال دیکھنا ہو تو جس جماعت میں آپؐ مبعوث ہوئے تھے تو ان کا تعیش ضرب المثل تھا اور جب وہ کچھ مدت آپ کی صحبت سے مستفیض ہوچکے تو ان کا زہد ضرب المثل تھا۔ پھر کون نہیں جانتا کہ جہاد کی زندگی تعیش کی زندگی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ پھر جہاں ہمہ وقت جہاد سامنے ہو وہاں تعیش کا تصور کیسے آسکتا ہے۔ پھر یہ سب کچھ اس لیے نہیں تھا کہ سامان تعیش جمع نہ ہوسکتے تھے۔ نہیں نہیں فتوحات پر فتوحات ہوچکی تھیں' لیکن جو کچھ ہاتھ آتا وہ سب غرباء ومساکین اور دوسرے مسلمانوں پر تقسیم کے لیے تھا' اپنے گھر میں جمع کرنے کے لیے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

بعض الاسرار فی انکحۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں میں قدرت کے بعض تکوینی اسرار

(۱۰۹۰) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَتَاهُ جِبْرَئِیْلُ بِصُوْرَتِیْ وَ قَالَ هٰذِهٖ زَوْجَتُکَ وَ تَزَوَّجَنِیْ وَ اِنِّیْ لَجَارِیَةٌ عَلٰی حَرْفٍ فَلَمَّا تَزَوَّجَنِیْ اَلْقَی اللّٰهُ عَلٰی حَیَاءً وَ اَنَا صَغِیْرَةٌ. (رواہ الحاکم فی المستدرك و صححه الذهبی)

(۱۰۹۰) عبدالرحمٰن بن الاسود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھ سے نکاح فرمانے سے قبل ہی حضرت جبرئیل نے میری صورت لاکر آپ کو دکھادی تھی اور فرمایا تھا یہ آپ کی بی بی ہیں- مجھ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا ہے تو اس وقت میں بالکل لڑکی تھی- پھر جب آپ نے عقد فرمالیا تو نوعمری میں ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حیاء وشرم غالب فرمادی تھی- (مستدرک)

(۱۰۹۱) قَالَ قَالَتْ جُوَیْرِیَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ

(۱۰۹۱) حضرت جویریہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

لِلّٰہ ..... کچھ نہ تھا- اب آپؐ ہی انصاف سے کہیے کہ عسرت درعسرت میں کثرت ازواج امتحان وابتلاء کی منزل تھی یا سامان تعیش آج بھی اگر عسرت میں اولاد کی کثرت شروع ہوجاتی ہے تو ان لخت ہائے جگر کے لیے بھی زیادتی کے بجائے انسان موت کی تمناء کرنے لگتا ہے پس اعتراض کرنے والے صرف ایک ہی پہلو دیکھتے ہیں کاش اگر آپؐ کی پوری زندگی سامنے رکھ لیں تو ان کو معلوم ہوجائے کہ نبی کے مجاہدات میں سے ایک بڑا مجاہدہ کثرت ازواج بھی تھا- عام مسلمانوں کو چار ازواج کی گنجائش دی گئی مگر اس تنبیہ کے ساتھ کہ ان کے درمیان عدل و انصاف پورا پورا کرنا ہوگا- اور یہ منزل اتنی کٹھن ہے کہ تم شاید بمشکل ہی اس سے عبور کرسکو گے- لیکن جن کو تمام جہان میں عدل وانصاف قائم کرنا کچھ دشوار نہ تھا ان کو چند ازواج کے درمیان انصاف قائم رکھنا کیا مشکل ہوتا-

(۱۰۹۰) ✱ جس ذات قدسی صفات کو رسولوں میں بھی منتخب رسول فرمایا گیا تھا جس کا محل ولادت' مقام ہجرت' جس کے ہم جلیس صحابہ اور جس کے خلفاء بھی پہلے سے سب منتخب ہوچکے تھے یہ کیسے ممکن تھا کہ عالم تقدیر میں اس کی زوجیت کے لیے عورتوں کا انتخاب پہلے نہ ہوچکا ہوتا- جب قرآن کریم اپنا عام اعلان یہ کرتا ہے اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ. تو یہ کیونکر ہوتا کہ سارے جہان میں جو سب سے زیادہ طیب تھے ان کے لیے تمام جہاں سے بڑھ کر طیبات انتخاب نہ کی جاتیں- اس لیے قدرت نے آپ کی خاص زوجیت کے لیے نبیوں کے بعد سب سے اشرف انسان یعنی صدیق اکبرؓ کی سب سے اشرف صاحبزادی کو منتخب کیا اور عالم رؤیا میں یہ راز کھول بھی دیا کہ ہم نے ان کو شروع سے آپ کی زوجیت کے لیے منتخب کرلیا تھا مقصد یہ ہے کہ نکاح انبیاء علیہم السلام بھی کرتے ہیں مگر صرف ان سے کرتے ہیں جو ان کے حق میں پہلے سے منتخب شدہ بیبیاں ہوتی ہیں- اگر یہاں صرف صورت اور ظاہری عادات ہی دیکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ بعض دوسری عورتیں بھی ان اوصاف میں مشترک مل جاتیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عام صفات کے سواء آپ کی دائمی رفاقت کے لیے اندرونی طور پر کچھ اور خصوصی شرائط بھی ضرور مرعی تھیں- سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام بھی کیسے کامل بشر ہوئے ہیں-

(۱۰۹۱) ✱ حضرت جویریہؓ کا یہ نکاح کتنے کثیر التعداد نفوس کی آزادی کا سبب بنا یہ اپنی جگہ خود ایک بڑی حکمت ہے لیکن ہمیں تو یہاں لِلّٰہ .....

www.besturdubooks.net

رَأَیْتُ قَبْلَ قُدُوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثِ لَیَالٍ کَانَ الْقَمَرَ اَقْبَلَ یَسِیْرُ مِنْ یَثْرِبَ حَتّٰی وَقَعَ فِیْ حَجْرِیْ فَکَرِهْتُ اَنْ اُخْبِرَبِهَا اَحَدًا مِنَ النَّاسِ حَتّٰی قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سُبِیْنَا رَجَوْتُ الرُّؤْیَا فَلَمَّا اَعْتَقَنِیْ وَ تَزَوَّجَنِیْ وَ اللّٰهِ مَا کَلَّمْتُهُ فِیْ قَوْمِیْ حَتّٰی کَانَ الْمُسْلِمُوْنَ هُمُ الَّذِیْنَ اَرْسَلُوْهُمْ وَ مَا شَعُرْتُ اِلَّا بِجَارِیَةٍ مِّنْ بَنَاتِ عَمِّیْ تُخْبِرُنِی الْخَبَرَ فَحَمِدْتُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ الحاکم فی المستدرك ج ٤ ص ٢٧ و الحاکم فی الاکلیل کما فی العمدۃ ص ١٠٢ ج ٥)

تشریف آوری سے تین شب قبل میں نے خواب میں ایسا دیکھا تھا کہ چاند یثرب کی جانب چلتا آ رہا ہے یہاں تک کہ میری گود میں آ گیا ہے- میں نے کسی شخص کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا' یہاں تک کہ آپؐ تشریف لے آئے تو اتفاق ایسا ہوا کہ ہم لوگ قید کر لیے گئے تو مجھے اب اپنے خواب کی تعبیر پوری ہونے کی امید ہوئی اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں قبول فرما لیا تو بخدا میں نے اپنی قوم کی آزادی کے معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ خود مسلمانوں نے ہی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رشتہ کی خاطر) ان سب کو رہا کر دیا اور مجھ کو تو اس واقعہ کی خبر بھی جب ملی ہے جب کہ میری ایک چچا زاد بہن نے آ کر مجھ کو اس کی اطلاع دی- میں نے اس احسان پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا-

(مستدرک)

(۱۰۹۲) عَنْ زَیْنَبَ اَنَّهَا کَانَتْ عِنْدَ زَیْدِ بْنِ حَارِثَةَ فَفَارَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ فِیْهَا نَزَلَتْ فَلَمَّا قَضٰی

(۱۰۹۲) حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ حضرت زید کے نکاح میں تھیں (ان کے طلاق کے واقعہ کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرما لیا تھا- قرآن کریم کی یہ آیت فَلَمَّا قَضٰی

لله ..... یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کس طرح پہلے سے عالم تقدیر میں منتخب ہو چکی تھیں یہ بیان کسی غیر کا نہیں ہے بلکہ خود ان ہی کا ہے جو آپ کے شرف زوجیت سے مشرف ہوئیں- ان کی خودداری دیکھئے کہ وہ اپنی قومی آزادی کا بار بھی اپنی گردن پر لینا نہیں چاہتیں اور بڑی صفائی کے ساتھ یہ فرما دیتی ہیں کہ میں نے اس معاملہ میں زمانہ کے عام دستور کے مطابق آپ سے سفارش کا ایک کلمہ تک منہ سے نہیں نکالا' لیکن یہ میری قوم کا نصیب تھا اور مسلمانوں کی اولوالعزمی اور اپنے رسول کا احترام کہ انہوں نے اس رشتہ کے بعد خود یہ ایثار کیا-

(۱۰۹۲) ✱ حضرت زینبؓ کے نکاح پر تو خود قرآن کریم نے روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر نبی کا مسئلہ خود رسول کی زندگی میں اس طرح عملاً نہ دکھا دیا جاتا تو قلوب میں اس کی طرف سے پوری صفائی کی کوئی شکل ہی نہ تھی ورنہ حضرت زینبؓ وہی تھیں جن کو آپ ہمیشہ سے جانتے پہچانتے تھے' آپ ہی نے حضرت زید کے ساتھ ان کا عقد کیا تھا اور جب آپ کو ان کی باہم ناچاقی کا علم ہوا تو آپ نے حضرت زید کو بہت سمجھایا بھی مگر جو امر کہ عالم تقدیر میں طے پا چکا تھا آخر کار اس کے لیے ایسے ہی اسباب بن گئے کہ حضرت زینبؓ آپؐ کے نکاح میں آ کر رہیں- پھر تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان حضرت زینب کی طرف کچھ غیر معمولی تھا' بلکہ اس سے قبل جس طرح حضرت عائشہؓ آپ کی خاص مقرب تھیں اسی طرح وہ اس کے بعد بھی مقرب رہیں- یہاں دشمنانِ دین کی لله .....

www.besturdubooks.net

زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَ طَرًا زَوَّجۡنَا كَمَا قَالَ فَكَانَتۡ تَفۡخَرُ عَلٰى اَزۡوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ تَقُوۡلُ زَوَّجَنِيَ اللّٰهُ مِنۡ رَسُوۡلِهٖ وَ زَوَّجَكُنَّ اٰبَاؤُكُنَّ وَ اَقَارِبُكُنَّ.

(رواہ الحاکم فی المستدرک)

زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَ طَرًا الخ ان ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی راوی کہتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری بیبیوں کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ یہ بیان فرمایا کرتی تھیں کہ میرا نکاح تو اپنے رسول کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے پڑھایا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے باپ اور دوسرے عزیزوں نے پڑھایا ہے۔ (متدرک)

(۱۰۹۳) عَنۡ عَائِشَةَ قَالَتۡ وَقَعَتۡ جُوَيۡرِيَةُ بِنۡتُ الۡحَارِثِ بۡنِ الۡمُصۡطَلِقِ فِيۡ سَهۡمِ ثَابِتِ بۡنِ قَيۡسِ بۡنِ شَمَّاسٍ اَوۡ ابۡنِ عَمٍّ لَهٗ فَكَاتَبَتۡ عَلٰى نَفۡسِهَا وَ كَانَتۡ اِمۡرَءَةً مَلَاحَةً تَاۡخُذُهُ الۡعَيۡنُ قَالَتۡ عَائِشَةُ فَجَاءَتۡ تَسۡاَلُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ كِتَابَتِهَا فَلَمَّا قَامَتۡ عَلَى الۡبَابِ فَرَاَيۡتُهَا كَرِهۡتُ مَكَانَهَا وَ عَرَفۡتُ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ سَيَرٰى مِنۡهَا مِثۡلَ الَّذِيۡ رَاَيۡتُ فَقَالَتۡ يَا

(۱۰۹۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ جنگ میں آ گئی تھیں اور انہوں نے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقد کتابت کر لیا تھا یعنی اتنی رقم آپ کو ادا کر کے میں آزاد ہوں۔ یہ بڑی حسین اور جاذب نظر تھیں۔ عقد کتابت کی رقم حاصل کرنے کے لیے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جب میں نے ان کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو ان کا آنا مجھ کو پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ جو جاذبیت میں نے ان میں دیکھی ہے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملاحظہ میں آئے گی۔ بہر حال انہوں نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا نام جویریہ

..... بے وجہ رنگ آمیزیاں ان حقائق کی روشنی میں کیا قابل التفات ہو سکتی ہیں۔

حق تعالیٰ کی رحمت ورافت کا یہ نقشہ بھی محو ہونے کے قابل نہیں ہے کہ حضرت زینبؓ کے ساتھ عقد کرنے کا بار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ڈالا گیا بلکہ وہ خود ہی اس کا متکفل ہو گیا اور معاملہ کی نزاکت کی ایک بڑی مشکل خود اس نے حل فرما دی۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس اہم تشریع کے لیے بھی یہ صورت اختیار نہیں کی گئی کہ پہلے نکاح کے قائم رہتے ہوئے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوجیت میں منتقل کر دیا جاتا اور نہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ان پر اس کا زور ڈالا گیا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں بلکہ جب خود بخود واقعات اس قسم کے رونما ہو گئے کہ اب باہم نباہ کی کوئی دوسری صورت ہی باقی نہ رہی اور قانونی طور پر متارکت عمل میں آ گئی اور قانونی طور پر ہی نکاح کے لیے وجہ جواز پیدا ہو گئی تو خود رب العالمین نے اس عقد کا تکفل فرما لیا جس پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر بھر فخر کیا کریں۔

اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی بزرگی اور عظمت شان کا پتہ ملتا ہے جن کی بشری زندگی میں کبھی کبھی خالق کائنات براہ راست خود بھی مداخلت فرما دیتا ہے۔ کجا یہ بشر اور کجا وہ بشر

(۱۰۹۳) ✱ حضرت جویریہؓ اس سے قبل اپنا امہات المؤمنین میں شامل ہونا خواب میں دیکھ چکی تھیں اور حسب بیان خود اس انتظار میں لگ رہی تھیں کہ اس کی تعبیر کب پوری ہوتی ہے۔ واقعات سب خلاف جا رہے تھے یعنی اسیر ہو چکی تھیں اور پھر ثابت بن قیسؓ کے حصہ .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ وَ اِنَّمَا كَانَ مِنْ اَمْرِيْ مَالَا يَخْفٰى عَلَيْكَ وَ اِنِّيْ وَقَعْتُ فِيْ سَهْمِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ وَ اِنِّيْ كَاتَبْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَجِئْتُكَ اَسْأَلُكَ فِيْ كِتَابَتِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ لَّكِ اِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ قَالَتْ وَ مَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُؤَدِّيْ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَ اَتَزَوَّجُكِ قَالَتْ قَدْ فَعَلْتُ قَالَتْ فَتَسَامَعَ تَعْنِي النَّاسَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَزَوَّجَ جُوَيْرِيَةَ فَاَرْسَلُوْا مَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِنَ السَّبْيِ فَاَعْتَقُوْهُمْ فَقَالُوْا اَصْهَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَا امْرَءَةً كَانَتْ اَعْظَمَ بَرَكَةً عَلٰى قَوْمِهَا مِنْهَا اُعْتِقَ فِيْ سَبْيِهَا مِائَةُ اَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ. (رواه ابو داؤد فی باب بیع المکاتب اذا فسخت الکتابة قال ابن کثیر فی تاریخه تفرد به ابو داؤد)

ہے اور میں حارث کی دختر ہوں' میری جو سرگزشت ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ قیدی ہو کر ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آ گئی ہوں میں نے ان کے ساتھ اپنی آزادی کی غرض سے کتابت کا عقد کر لیا ہے' اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زر کتابت کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے سامنے اس سے ایک اور بہتر بات رکھتا ہوں۔ وہ بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا زر کتابت تو میں اپنی جانب سے اداء کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ انہوں نے فوراً کہا مجھے بخوشی منظور ہے۔ یہ فرماتی ہیں لوگوں نے جیسے ہی یہ خبر سنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا ہے اسی وقت ان کی قوم کے جتنے قیدی تھے سب نے آزاد کر ڈالے اور کہا یہ تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال کا خاندان ہو گیا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ ہم نے کوئی عورت جو اپنے خاندان بھر کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ باعث برکت ہو نہیں دیکھی۔ ان کی وجہ سے قبیلہ بنو مصطلق کے سو گھر آزاد ہو گئے۔

(ابوداؤد)

(۱۰۹۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ عِنْدَ السَّكْرَانِ بْنِ عَمْرٍو اَخِيْ سُهَيْلِ

(۱۰۹۴) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سودہؓ پہلے سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں جو سہیل بن عمرو کے بھائی تھے یہ خواب میں کیا دیکھتی ہیں

لے ..... میں آ کر بظاہر اس مقام عالی تک رسائی کی اب کوئی امید نہ رہی تھی مگر جس قدرت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے نکال کر تاج شاہی بخشا تھا اس کو اپنی قدرت کا نمونہ یہاں پھر دکھانا تھا یعنی عقد کتابت ایک بہانہ بن گیا اور اس طرح تقدیر کشاں کشاں ان کو در مقصود پر خود لے آئی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معاملہ بھی ان کے معاملہ سے بہت ہی ملتا جلتا ہے اور ابھی آپ کے سامنے آنے والا ہے۔ رہا ان کے حسن و جمال کا معاملہ تو وہ جب ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی نظروں میں قابل اعتناء نہ تھا حتیٰ کہ انہوں نے عقد کتابۃ منظور فرما لیا تو بھلا خاتم الانبیاء علیہ السلام کی نظروں میں بھلا کیا قابل التفات ہوتا۔ یوں کہیے کہ اس کا تذکرہ صرف ایک شدنی بات کے لیے پیرایہ بیان بن گیا تھا۔ اس سے زیادہ تفصیل حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی تشریحی نوٹ میں عن قریب آپ کے ملاحظہ سے گذرے گی۔

www.besturdubooks.net

بْنِ عَمْرٍو فَرَاَتْ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ يَمْشِيْ حَتّٰى وَطِیءَ عَلٰى عُنُقِهَا فَاَخْبَرَتْ زَوْجَهَا بِذٰلِكَ فَقَالَ لَئِنْ صَدَقَتْ رُؤْيَاكِ لَا مُوْتَنَّ وَ لَيَتَزَوَّجَنَّكِ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ثُمَّ رَاَتْ فِي الْمَنَامِ لَيْلَةً اُخْرٰى اَنَّ قَمَرًا انْقَضَّ عَلَيْهَا مِنَ السَّمَاءِ وَ هِيَ مُضْطَجِعَةٌ فَاَخْبَرَتْ زَوْجَهَا فَقَالَ لَئِنْ صَدَقَتْ رُؤْيَاكِ لَمْ اَلْبَثْ اِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى اَمُوْتَ وَ تَتَزَوَّجِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ فَاشْتَكَى السَّكْرَانُ مِنْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ فَلَمْ يَلْبَثْ اِلَّا قَلِيْلًا حَتّٰى مَاتَ وَ تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں- یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گردن پر قدم مبارک رکھ دیا ہے- یہ خواب انہوں نے اپنے شوہر سے نقل کیا اس نے یہ تعبیر دی کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں عن قریب مرنے والا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں گے- دوسری شب پھر کیا دیکھتی ہیں کہ وہ لیٹی ہوئی ہیں تو آسمان سے چاند ٹوٹ کر ان پر آ پڑا ہے- اس خواب کو بھی انہوں نے اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اس کی بھی اس نے یہی تعبیر دی کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو میں اب بہت کم زندہ رہوں گا اور مر جاؤں گا اور تم میرے بعد نکاح کر لوگی پھر ایسا ہوا کہ اسی دن سکران بیمار پڑا اور کچھ مدت نہ گذری تھی کہ اس کی وفات ہوگئی اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا-

(خصائص الکبریٰ)

(كذافي الخصائص ج ١ ص ١٨١ عن ابن سعد كذافي العمدة ص ٦٠٣ ج ٥)

(۱۰۹۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ بِعَيْنَيْ صَفِيَّةَ خُضْرَةٌ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاهٰذِهِ الْخُضْرَةُ بِعَيْنَيْكِ قَالَتْ قُلْتُ لِزَوْجِيْ اِنِّيْ رَاَيْتُ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ كَاَنَّ

(۱۰۹۵) ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ کی آنکھ پر کچھ نیلا سا نشان تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تمہاری آنکھوں پر یہ سبز نشان کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اپنے شوہر سے ایک بار کہا کہ جیسا لوگ خواب دیکھا کرتے ہیں میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے گویا چاند

(۱۰۹۵) * والد اور شوہر کے قتل کی تلخی کا احساس ہر ذی حس طبیعت کو طبعی اور غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے- حضرت صفیہؓ نے کس صفائی کے ساتھ کہہ دیا کہ اس سے میں بھی خالی نہ تھی لیکن جب ایمان کی حقیقی حلاوت دل کی تہ میں اتر جاتی ہے تو طبعی تلخی کا اثر بھی سب کافور ہو جاتا ہے- حضرت صفیہؓ بھی کتنی بانصیب تھیں بھلا یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ ایک یہودی سردار کی بی بی کل امہات المؤمنین کے زمرہ میں شامل ہونے والی ہیں- مگر چونکہ وہ عالم تقدیر کی نظر انتخاب میں آ چکی تھیں لہٰذا کچھ دن قبل یہ راز سب سے پہلے خود ان ہی پر افشاء کر دیا گیا- یہاں دیکھنا یہ بھی ہے کہ اس کا شوہر یہودی ہے مگر وہ اس خواب کو سنتے ہی کس طرح یہ تعبیر دے دیتا ہے کہ اس چاند کا مصداق عالم میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی بشر ہو نہیں سکتا- یہ بات بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ آپؐ کی ازواج میں اس قسم کی بیبیاں ہونے کے باوجود جن کے باپ اور شوہر آپ کے حکم سے مقتول ہوئے ہوں تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ کی پاکیزگی اور برتری کے خلاف مدت العمر کبھی ان کے منہ سے ایک کلمہ بھی نکلا تھا- یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا کتنا بدیہی ثبوت ہے- عجب نہیں کہ اس قسم کے نکاحوں میں قدرت کا یہ بھی ایک راز ہو-

www.besturdubooks.net

قَمَرًا وَقَعَ فِیْ حَجْرِیْ فَلَطَمَنِیْ وَ قَالَ اَتُرِیْدِیْنَ مَلِکَ یَثْرِبَ قَالَتْ وَ مَا کَانَ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَتَلَ اَبِیْ وَ زَوْجِیْ فَمَا زَالَ یَعْتَذِرُ اِلَیَّ وَقَالَ یَا صَفِیَّۃُ اِنَّ اَبَاکِ اَلَّبَ عَلَیَّ الْعَرَبَ وَ فَعَلَ مَا فَعَلَ حَتّٰی ذَھَبَ ذٰلِکَ مِنْ نَفْسِیْ.
(رواہ الطبرانی و رجالہ رجال الصحیح کذا فی المجمع ص ۲۵۱ ج ۹)

میری گود میں آ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی فوراً انہوں نے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا کیا تیرا ارادہ اس شاہ یثرب سے نکاح کرنے کا ہے۔ وہ کہتی ہیں (بھلا میرا یہ ارادہ کیسے ہوسکتا تھا) میرے والد اور میرے شوہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیے گئے تھے اس لیے مجھے تو آپ کی طرف سے اس کی سخت ناگواری تھی لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ سمجھایا کہ تمہارے والد ہی تمام عرب کو میرے مقابلہ کے لیے چڑھا کر لائے تھے اور میرے ساتھ یہ یہ عداوتیں کی تھیں تو پھر میرے دل سے یہ بات نکل گئی۔ (الطبرانی)

(۱۰۹۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَدِمْنَا خَیْبَرَ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰہُ

(۱۰۹۶) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم خیبر میں داخل ہوئے اور جب اللہ تعالیٰ نے خیبر کا قلعہ فتح کرا دیا (اور حسب ضابطہ دشمنوں کی اسارت اور قید کا

(۱۰۹۶) ✱ حضرت صفیہ کا یہ دوسرا نکاح تھا اور اب تیسری بار تقدیر الٰہی ان کو آپ کی زوجیت میں لانے والی تھی اس لیے ایک خواب کے ذریعہ پہلے ہی خود حضرت صفیہ کو اس کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اب ذرا دیکھئے تقدیر کیا ہے اور واقعات کتنے خلاف ہیں یعنی وہ خود یہودی ہیں اور ایک یہودی کے نکاح میں ہیں پھر قلعہ خیبر سر ہو جانے کے بعد دحیہؓ کی درخواست پر ان کے نامزد بھی ہو چکی ہیں' لیکن اچانک تقدیر غالب آتی ہے اور واقعات کا رخ کتنی دور جا کر پھر کدھر بدلتا ہے۔ کسی کے منہ پر ان کے حسن کا تذکرہ آتا ہے اور کسی کی زبان پر ان کی سرداری کا ذکر آ جاتا ہے اور خود صحابہ کی جانب سے یہ مشورہ پیش ہو جاتا ہے کہ ان حالات میں مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آپؐ ان کو بجق نبوت قبول فرما لیں تو پھر یہ سارے خیالات دلوں سے یکسر نکل سکتے ہیں۔ عرب میں باندیوں کا عام دستور تھا اس سے قبل اور اس کے بعد ہمیشہ ہر قسم کی باندیاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں' جن میں حسین سے حسین بھی تھیں اور شریف سے شریف بھی مگر کبھی کسی کے دل میں یہ وسوسہ بھی نہ گذرا کہ فلاں باندی کو صرف آپؐ ہی کی ملک ہونا چاہیے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوا بھی اور پھر وہیں ختم ہو کر نہیں رہ گیا بلکہ آپؐ کے روبرو بھی اس کا تذکرہ آ گیا۔ اس کے بعد بھی قیاس یہی کہہ سکتا تھا کہ اب یہ بجائے دحیہؓ کے آپ کی باندی رہیں گی لیکن تقدیر میں طے شدہ یہ تھا کہ ان کو ام المؤمنین بنانا ہے اس لیے آپؐ نے اس معاملہ کو قبول بھی کیا اور پھر ان کو آزاد کر کے ان سے عقد فرمایا اور اس طرح حضرت صفیہ کا خواب پورا تو ہوا مگر ہوا اسباب کے پردہ میں۔ اس واقعہ کی اس وقت کچھ بھی اہمیت نہ ہوئی اور ان کا ولیمہ بھی جس انداز کا ولیمہ بحالت مضر ہوسکتا تھا ہو گیا اور ان کے سردار ہو کر دحیہ کی ملک میں آنے کی جو نا موزونیت کا خیال پیدا ہو کر کسی اختلاف کا موجب بن سکتا تھا اس طرح وہ بھی سب ختم ہو گیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر نکاح میں خدا جانے کیا کیا اسرار ربانی ہوں گے جو ہم کو معلوم نہیں ہو سکے اگر اتفاق سے کسی روایت کی بدولت ان کے رُخ سے کہیں ذرا سا نقاب اٹھ گیا ہے تو اس کی ذرا سی چمک بھی نظر آ گئی ہے۔ ابوداؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بدلہ دحیہؓ کو آپؐ نے اپنی جانب سے سات راسیں عطا فرمائی تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت خضر کی پوری پوری سرگزشتیں الٰہی حکمتوں اور واقعات کی سطحوں کی بے ارتباطی اور ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بِنْتُ حُيَيِّ بْنِ اَخْطَبَ وَ قَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَ كَانَتْ عَرُوْسًا فَاصْطَفَاهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فَخَرَجَ بِهَا حَتّٰی بَلَغْنَا سَدَّ الصَّهْبَاءِ حَلَّتْ فَبَنٰی بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِیْ نِطْعٍ صَغِيْرٍ ثُمَّ قَالَ لِیْ اٰذِنْ مَنْ حَوْلَكَ فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيْمَةَ عَلٰی صَفِيَّةَ ثُمَّ خَرَجْنَا اِلَی الْمَدِيْنَةِ فَرَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَوِّیْ لَهَا وَرَاءَهٗ بِعَبَاءَةٍ ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيْرِهٖ فَيَضَعُ رُكْبَتَهٗ وَ تَضَعُ صَفِيَّةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا رِجْلَهَا عَلٰی

معاملہ شروع ہو گیا تو اس میں صفیہؓ بھی قید کر لی گئیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کے جمال کا ذکر کیا گیا' ان کے شوہر جنگ میں مقتول ہو چکے تھے' تازہ تازہ ان کی شادی ہوئی تھی اور ابھی وہ دلہن ہی شمار ہوتی تھیں اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہؓ کی فرمائش پر پہلے ان کو دے دیا تھا- پھر کسی نے آپؐ سے عرض کی یا نبی اللہ وہ تو قبیلہ قریضہ ونضیر کی سردار عورت ہیں آپؐ کے سواء ان کو کسی اور کو دینا مصلحت نہیں ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحق نبوت خود لے لیا اور ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا- چلتے چلتے جب ہم لوگ مقام سد صہباء میں پہنچے تو اب صفیہؓ اپنے نسوانی عذر سے فارغ ہو چکی تھیں یہاں آپ نے اپنا ولیمہ کیا یعنی ایک مختصر سے دستر خوان پر تھوڑا سا حلوہ تیار کرا کے رکھا اور فرمایا کہ آس پاس جو لوگ ہوں ان کو بھی بلالو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ بس صرف یہ تھا- اس کے

لہ ..... ان کے اندرونی ارتباط کی واضح مثالیں ہیں- یعنی مثلاً مقصد تو یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی نظروں میں اونچے سے اونچا ثابت کیا جائے' مگر واقعات کی سطح میں مسلسل ذلتیں ہی ذلتیں نظر آ رہی ہیں' موت کے کوئیں میں گرنا' غلام بن کر مصر کے بازار میں فروخت ہونا اور مجرم کی حیثیت میں قید میں پڑ جانا ایک سے ایک بڑی ذلت تھی کون کہہ سکتا تھا کہ اس کا نتیجہ جو آخر میں ظاہر ہوگا وہی ان کے خواب کی تعبیر ہوگی- پھر جب آخر کار اس کی تعبیر کا دن آیا تو ظاہر ہو گیا کہ یہی ذلتوں کے گڑھے درحقیقت عزت و احترام کی سیڑھیاں تھیں-

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کا مقصد تو اپنے محسن ملاحوں پر احسان کرنا تھا مگر اس کی صورت کیا ہے یہ کہ ان غریبوں کے رزق کا جو چھوٹا سا سہارا تھا اس کو بھی توڑ دیا- ان کا مقصود ایک بچہ کے والدین کی خیر خواہی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان کی ہزاروں آرزوؤں کے پھول کو مسل ڈالا- کون باور کر سکتا تھا کہ ان واقعات کی تہ میں کوئی معقول حکمت بھی ہو سکتی ہے- لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان کے چہروں سے ذرا نقاب اٹھایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ تمام واقعات بڑی حکمتوں پر مبنی تھے-

پس اسی طرح آپ انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی پر جلدی سے تنقید کرنے کی عادت نہ ڈالیں اور ان کی حکمتوں کے دریافت کے درپے بھی نہ ہوں- ایمان کا راستہ یہ ہے کہ اگر کہیں آپ کو شبہ گذرتا بھی ہو تو اس کو اپنی عقل کی کوتاہی سمجھیں- یہی بات دانش مندی کی بھی ہے اور دیانت کی بھی- اگر اس کا کچھ شوق دامن گیر ہو تو آپ بھی کسی خضر راہ کی تلاش رکھیے ممکن ہے کہ حکیم علی الاطلاق کی حکمتوں کا کوئی شمہ آپ کے علم میں آ جائے-

اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقوق شناسی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہ اگر باندیوں کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرنے کی ترغیب آپؐ نے اپنی امت کو دی ہے تو اس سے اپنے نفس کو بھی عملاً مستثنیٰ نہیں رکھا اور اس طرح باندیوں کی آزادی کا سامان اپنے قول و عمل سے مہیا فرما دیا ہے- اگر اسلام کا مقصد کسی کو دائمی غلامی میں رکھنا ہوتا تو ہرگز اس سخاوت کے ساتھ باندیاں لہ .....

رُكْبَتِهِ حَتّٰى تَرْكَبَ.

(رواه البخاري في غزوة خيبر ص ٦٠٦ ج ٢ و في باب مايذكر في الفخذ عنده فجاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا نبي الله اعطيت دحية صفية بنت حيي سيدة قريظة و النضير لا تصلح الالك ج ١ ص ٤٥)

بعد جب ہم مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے بیٹھنے کے لیے اپنی سواری پر پردہ کا انتظام فرما رہے ہیں (اس سے اب خوب معلوم ہو گیا کہ وہ باندی کی حیثیت سے نکل کر امہات المؤمنین کے شرف سے مشرف ہو چکی ہیں) آپؐ اپنے اونٹ کے قریب بیٹھ کر اپنا زانو ٹیک دیتے ہیں تاکہ حضرت صفیہؓ اس پر اپنا پیر رکھ کر بآسانی اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ (بخاری شریف)

(۱۰۹۷) عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا رَأَتْ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ اٰتِيًا يَقُوْلُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ فَفَزِعَتْ وَ اَوَّلَتْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَزَوَّجُنِيْ ذكره ابن سعد كذافي العمدة ج ٥ ص ٢٠٢ و رواه الحاكم في المستدرك مفصلاً.

(۱۰۹۷) حضرت ام حبیبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انہوں نے آپ کی زوجیت میں آنے سے قبل خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی شخص ان کو یا ام المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے اس خواب سے یہ ذرا متحیر سی ہو گئیں اور انہوں نے اس کی یہی تعبیر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں گے۔ (مستدرک)

(۱۰۹۸) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اَخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهُ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ اَبِيْ سَلَمَةَؓ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّيْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم)

(۱۰۹۸) حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ وہی کلمات پڑھ لے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اَخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ضرور اس سے بہتر اس کو اور عنایت فرما دے گا۔ جب ابو سلمہؓ میرے شوہر کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ بھلا ان سے کون سا مسلمان افضل ہو سکتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے ان کلمات کو پڑھ ہی لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف بخشا۔ (مسلم شریف)

ﷺ ..... رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں صدیق اکبر کی صاحبزادی کے برابر بن کر نظر نہ آسکتیں۔

(۱۰۹۸) * دیکھئے یہاں بھی حضرت ام سلمہ کو کہیں دور دور تک اس کا وسوسہ نہیں گذرتا تھا کہ ایک دن ان کو ام المؤمنین کے خطاب سے سرفراز ہونا ہے لیکن اس کے باوجود وہ آپؐ کے فرمان پر پورے یقین کے ساتھ عمل کر لیتی ہیں۔ اس کا صلہ پھر قدرت وہ دیتی ہے جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ ہمارا مقصد یہاں نہ تو تعداد ازدواج کی حکمتوں پر بحث کرنا ہے اور نہ خاص ان برکات کا تذکرہ کرنا ہے جو آپؐ کے نکاحوں میں ظاہر ہوئیں تھیں بلکہ صرف ان احادیث کو پیش کرنا تھا جو چند ازواج مطہرات کے غیبی اشارات میں ہمارے سامنے آ گئی تھیں۔ علماء کو چاہیے کہ بقیہ ازواج مطہرات کے لیے بھی وہ اس قسم کی احادیث کی تلاش رکھیں اور ان کو بھی ان حدیثوں کے ساتھ اضافہ کر لیں۔

www.besturdubooks.net

و من اخص خواص اھل الجنۃ فھیم عصمتھم من الذنوب صغائرھا و کبائرھا

انبیاءؑ میں اہل جنت کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ تمام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں

عنوانِ مذکور در حقیقت علم کلام کا موضوع تھا لیکن اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر علم اصولِ فقہ میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے اور محدثین و مفسرین نے بھی اس میں کافی حصہ لیا ہے۔ اس لیے ہم نے بھی مناسب سمجھا کہ اس موضوع کے متعلق تھوڑا سا اظہار خیال کر دیا جائے۔ مگر ہمارا اہم مقصد ان جزئی واقعات کی توجیہ یا اُن آیتوں کی تفسیر کرنی نہیں ہے جو یہاں ملحدین کی نظروں میں ہمیشہ سے کھٹکتی چلی آ رہی ہیں' بلکہ اس پر حدیثی روشنی میں صرف اصولی حیثیت سے بحث کرنی ہے۔ آیتوں کی تفسیر پر کتب تفسیر اور کتب کلام میں سیر حاصل بحثیں کی جاچکی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔

مسئلہ عصمت میں اختلاف کا سبب ✿ کتب کلام وغیرہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس مسئلہ پر غور و خوض کی ابتدائی بنیاد ہی ان آیات پر قائم کی گئی ہے جو بظاہر عصمت کے خلاف نظر آتی ہیں' اس لیے لامحالہ مسئلہ کا رخ شروع ہی سے بدل گیا ہے' پھر متکلمین کی بحث و نظر کا میدان چونکہ زیادہ تر عقلی ٹھہر چکا تھا اس لیے ان کے نزدیک کسی قطعی مسئلہ کے زیر تردد آ جانے کے لیے صرف عقلی احتمالات کا وجود بھی کافی ہو جاتا ہے چہ جائے کہ وہ مسئلہ جہاں قرآنی آیات بظاہر خلاف نظر آ رہی ہوں بھلا ان کے ذوق پر وہ کیسے قطعی مسئلہ بن سکتا تھا۔ اس کے برخلاف فقہاء کی جماعت ہے وہ ہمیشہ اپنے فیصلے واقعات کی روشنی میں کرتے ہیں اور کسی جگہ صرف عقلی احتمالات سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس لیے یہاں بھی فقہاء حنفیہ تو تقریباً ایک زبان ہو کر انبیاء علیہم السلام کے مطلقاً عصمت کے قائل ہیں۔ اگر ان اصولی نظریات کے اختلاف کو سامنے رکھا جائے تو قیاس کہتا ہے کہ شاید اس مسئلہ میں در حقیقت کوئی اختلاف ہی نہ ہوگا۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف لفظی اختلاف کے قریب ہے جو جماعت یہاں اختلاف رکھتی ہے وہ در حقیقت یا تو اس کی قطعیت میں اختلاف رکھتی ہے یا صرف معصیت کے امکان و جواز میں کلام کر رہی ہے اور اگر ان کے وقوع کی بھی قائل ہے تو اس کی نظر ان آیات پر ہے جو بظاہر اس کے خلاف نظر آتی ہیں اور جس جماعت نے فیصلہ کی بنیاد خارجی واقعات پر رکھی ہے وہ بلا اختلاف عصمت کی قائل ہوگئی ہے۔

ہم یہاں علمی مباحث پھیلانا نہیں چاہتے بلکہ حقائق کی دنیا میں اس پر نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ عصمت کا مفہوم معلوم کر لیا جائے اس میں بھی علماء کے کلمات بہت منتشر ہیں۔

عصمت کی حقیقت امام ماتریدی کی نظر میں ✿ امام ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ عصمت حق تعالیٰ کی اس خاص عنایت و مہربانی کا نام ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ہمہ وقت خدا تعالیٰ کی حکم برداری پر مستعد رکھتی ہے اور اس کی ادنیٰ سی معصیت کے ارتکاب کرنے سے بھی دور رکھتی ہے مگر اس طریقہ پر نہیں کہ یہ طاقت و قوت ہی ان کی ذات سے سلب کر لی جائے کیونکہ جس کو مکلف بنایا گیا ہے ضرور ہے کہ اس میں صفت اختیار باقی رکھی جائے تاکہ جزاء و ثواب کا مسئلہ معقول رہے اور جس مخلوق میں یہ صفت پیدا نہیں فرمائی گئی اس کو مکلف بھی نہیں بنایا گیا پھر اس کے اعمال سے جزاء و سزاء کا تعلق بھی نہیں رکھا گیا۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۴۶)

www.besturdubooks.net

امام ماتریدیؒ کے ان الفاظ کی تشریح حضرت شاہ اسمٰعیل نے اپنے سادہ الفاظ میں اس طرح فرمائی ہے:

ومعنی عصمت آنست کہ انچہ بایشاں تعلق میدارد اقوال و افعال و عبادات وعادات و معاملات و مقامات واخلاق واحوال آں ہمہ راحق جل وعلا از مداخلت نفس و شیطان و خطاء ونسیان بقدرت کاملہ خود محفوظ می دارد و ملائکہ حافظین را برایشاں می گمارد تا غبار بشریت دامن پاک ایشاں رانہ آلاید. (تنبیہ ثانی در حقیقت ولایت از منصب امامت ص ۸)

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اقوال ہوں یا افعال و عبادات ہوں یا عادات' معاملات و مقامات ہوں یا اخلاق و احوال ان سب کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے نفس و شیطان کی دخل اندازی سے محفوظ فرماتا ہے خواہ وہ خطاء ونسیان کی صورت ہی سے کیوں نہ ہوں اور اپنے حفاظت ونگرانی کرنے والے فرشتے ان کے ساتھ ساتھ رکھتا ہے تاکہ غبار بشریت بھی ان کے دامن پاک پر ذرا سا دھبہ نہ لگا سکے۔

مؤلف کے نزدیک مسئلہ عصمت میں غور وخوض کے لیے سب سے اہم نقطہ انبیاء علیہم السلام کی صفات و ملکات سے بحث ہے ❊ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ چونکہ خود ان کی ذات اور ان ہی کے کاروکردار سے متعلق ہے اس لیے ضروری ہے کہ یہاں سب سے پہلے ان کے جوہر فطرت ان کی تربیت' ان کی صفات و ملکات' ان کی بعثت کی غایت وغرض' ان کے منصب کی اہمیت سے پھر ان کے طریق تعلیم سے اور جو اس کے اثرات خود ان کی ذات' ان کے ہم جلیسوں اور ان کے تمام ماحول پر پھر ان کی تمام امت پر نمایاں ہوتے چلے آئے ہیں ان سب سے بحث کی جائے۔ اگر یہ تمام امور ان کے حق میں طے ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی معصومیت کا عقیدہ واقعات کی روشنی میں ایک بدیہی مسئلہ ہو جانا چاہیے۔ اس تفصیلی نظر کے بعد جب آپ ان آیات کی طرف نظر اٹھائیں گے تو یقیناً آپ کا فیصلہ بدل جائے گا اور جو آیات پہلے آپ کو اس مسئلہ کے خلاف نظر آ رہی تھیں اب وہی اس مسئلہ کا سب سے بڑا ثبوت نظر آنے لگیں گی۔ یہاں براہ راست صرف ان خطاباتِ الٰہیہ پر فیصلہ کر ڈالنا جن کے لب ولہجہ میں حالات و مخاطب کی رعایت سے گرمی ونرمی پیدا ہو جاتی فصاحت و بلاغت کا ایک عام باب ہے مناسب نہیں ہے۔ یہاں نہ تو صرف عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں صرف ''روح اللہ'' اور ''کلمۃ اللہ'' کی نسبت سے کوئی نیا مقام تراش لینا درست ہے اور اسی طرح نہ حق تعالیٰ کے اپنے مخصوص بندوں کے ساتھ کسی عتاب آمیز لہجہ سے ان کے خلاف کوئی اصولی نتیجہ نکال لینا صحیح ہے۔

اس حقیقت کے اصولاً تسلیم کر لینے کے بعد اگر اوراق نقل میں کوئی جزئی واقعہ ایسا ملتا بھی ہو جو ایک ثابت شدہ حقیقت کے خلاف نظر آئے تو کسی عاقل کے لیے بھی محض ایک مشتبہ یا مجمل اور شاذ واقعہ کی بنیاد پر اس قطعی فیصلہ کو رد کر دینا جائز نہیں ہو سکتا آج بھی تاریخ کے اصولی فیصلے جزئی واقعات کی بناء پر کبھی قابل ترمیم تصور نہیں کیے جاتے بلکہ ان واقعات ہی کے لیے وجوہ واسباب تلاش کیے جاتے ہیں تاکہ ان کو اصولی تحقیق سے کوئی ٹکراؤ باقی نہ رہے اس لیے ہمارے نزدیک یہاں بھی بحث ونظر کا یہی طریقہ قائم رکھنا چاہیے۔

لہٰذا اگر مفسرین ومحدثین نے اس جگہ کچھ جزئی واقعات کی توجیہات بیان فرمائی ہیں تو ان کو صرف ان کے حسن ظن کا نتیجہ سمجھ لینا صحیح نہیں بلکہ وہ بھی اسی اصولی حقیقت پر مبنی ہیں۔ پھر جیسا اس قسم کے مقامات میں گفتگو کرتے کرتے قریب و بعید ہر قسم کے احتمالات زیر بحث آ جاتے ہیں وہ یہاں بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔ ادھر جب علماء اسلام کو اعداد اسلام کے ساتھ بحثوں کی نوبتیں

www.besturdubooks.net

آ ئیں تو بحث وجدل کے میدان میں پڑ کر ایک معقول سے معقول بات بھی جس طرح محل بحث بن جایا کرتی ہے یہ مسئلہ بھی نظری اور محل بحث مسئلہ بن گیا ہے۔

افسوس ہے کہ گزشتہ اقوام وامم نے اپنی نااہلیت کی بدولت اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کی کوئی ایسی مستند تاریخ ہمارے سامنے نہیں چھوڑی جو کسی بنیادی مسئلہ کے فیصلے کے لیے قابل اعتماد سند بنتی۔ ان کی سیرت کے جو گنے چنے واقعات ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں ان میں قابل اعتماد حصہ صرف اتنا ہی ہے جو کسی تقریب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا ہے اور بس۔ اس لیے اب ہمیں صرف آپ ہی کی حیاتِ طیبہ پر غور کرنا ہے۔ کیونکہ بلحاظِ نبوت ورسالت یہ تمام جماعت ایک ہی جماعت تھی نبوت کے لوازم سب میں یکساں تھے فرق جو کچھ تھا وہ فضائل وکمالات میں تھا۔ قرآن کریم نے بھی آپ کے معاملہ میں جابجا بیان کا یہی نہج اختیار کیا ہے اور جب بھی کفار نے آپ کی دعوت پر اعتراض کیا یا آپ کی ذات پر حملے کیے یا آپ سے ناجائز فرمائشیں شروع کیں یا ایک موقع پر خود مسلمانوں کی جماعت آپ کی وفات کی خبر سے ضرورت سے زیادہ دل شکستہ ہونے لگی تو ان سے یہی ایک بات کہی گئی ہے کہ یہ سنتِ سب رسولوں کی سنت ہے جو پہلے بھی سب پر جاری ہوتی چلی آئی ہے لہٰذا اگر آپ کے اوپر بھی جاری ہوتی ہے تو تعجب کیوں ہے؟ چنانچہ ارشاد ہے:

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ. (فصلت:۴۳)	تم سے بھی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے پیغمبروں کو کہی گئی ہیں۔

اسی طرح مسلمانوں کی تسلی کے لیے بھی یہی فرمایا وما محمد الا رسول ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسولوں کی طرح ایک رسول ہی ہیں اور جس طرح دنیا سے گذرنے کی سنت ان پر جاری ہوتی رہی ہے' اگر آپ پر بھی جاری ہو جائے تو گھبرانے کی اور اس کوئی بات سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کے اس طرز سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں نفس نبوت ورسالت کے جو لوازم تھے وہ سب میں یکساں تھے۔[1] اس لیے اگر ہمیں آپ کی حیاتِ طیبہ سے آپ کی پوری پوری معصومیت کا ثبوت ملتا ہے تو پھر جملہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھی یہی ناطق فیصلہ سمجھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبوت اور عصمت ایک ہی حقیقت کے دو اعتبارات سے دو نام ہیں یعنی جو معصوم ہے وہ صرف نبی ہی کی ایک ذات ہے اور جو نبی ہے وہ یقیناً معصوم بھی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ نبوت کسب وریاضات سے بتدریج حاصل ہونے والی نعمتوں میں سے نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ نقص سے کمال تک کی راہ طے کرنے میں معصیتوں کی ٹھوکریں لگ جائیں لیکن جہاں کسب واکتساب کا ذرا دخل نہ ہو اور معاملہ براہِ راست خدا تعالیٰ کے اجتباء واصطفاء کا آ جائے۔ پھر وہاں کسی ٹھوکر کا احتمال کیا ممکن۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں ''از رفتن تا بردن فرق ظاہر است'' یعنی خود چلنے میں اور کسی دوسرے کے لیے چلنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ صفت اجتباء واصطفاء کے تحت پر درو وہ خود نہیں چلتے کہ بشری ضعف ان کے لیے ٹھوکر کا باعث بن جائے۔ یہاں ان

---

[1] امام قرطبیؒ ایک موقعہ پر لکھتے ہیں: ان المنع من التفضیل انما ھو من جھۃ النبوۃ التی ھی خصلۃ واحدۃ لا تفاضل فیھا و انما التفاضل فی الاحوال و الخصوص و الکرامات..... تفسیر قرطبی ج۲ص۲۶۳۔

www.besturdubooks.net

کو بچا بچا کر خود قدرت لے چلتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ﴾ (الحج:۷۵)

''یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو نوع ملکی اور نوع بشری میں سے اپنی رسالت کے لیے انتخاب براہِ راست خود ہی فرماتی ہے۔''

﴿وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (الطور:۴۸)

''آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کیجئے۔ آپ تو ہماری نگرانی میں اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔''

﴿وَ لَوْ لَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۷۴)

''اگر ہم آپ کو تھام نہ لیتے تو قریب تھا کہ کچھ نہ کچھ آپ ان کی طرف جھک جاتے۔''

ترجمان السنۃ ج ا ص ۲۸۸ و ج ا ص ۲۸۹ میں ایک صحیح حدیث آپ کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے کہ بندہ عباداتِ نافلہ کرتے کرتے آخر اس بلند مقام تک جا پہنچتا ہے جہاں رضاء الٰہی میں وہ اس طرح گم ہو کر رہ جاتا ہے کہ پھر نہ خود اس کی کوئی ہستی باقی رہتی ہے اور نہ اس کے اعمال کی بلکہ وہ سب براہِ راست حضرت حق سبحانہ کی طرف منسوب ہونے لگتے ہیں۔ وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے تو صرف وہی جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ ہو اور ہاتھ بڑھاتا اور قدم اٹھاتا ہے تو صرف اسی طرف جدھر حق جل وعلا کی مرضی ہوتی ہے اب سوچئے کہ اس کی اس طرح گم شدگی کے بعد اس کے اعضاء و جوارح میں کیا کسی معصیت کے لیے حرکت کرنے کی مجال باقی رہ سکتی ہے اور جب اس کے اعضاء مرضیات ایزدی کے اس طرح منقاد و مطیع بن جائیں تو اس کے اعمال میں کیا کسی ادنیٰ سی معصیت وہ بھی ارادی معصیت کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔ جب ان افراد کا حال یہ ہو جن کے کمالات کسب و اکتساب کا ثمرہ ہوتے ہیں تو پھر ان اولوالعزم ہستیوں کی عصمت کا پوچھنا کیا ہے جن کو یہ نعمت صفت اجتباء و اصطفاء کی بدولت روزِ اوّل ہی سے میسر ہو۔ جن کی عصمت کے اندازہ کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جو ان کے نقش قدم پر چل پڑا اس کے اعضاء بھی خدائی معصیت کے لیے شل ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی اس اجتبائی صفت کا نظارہ کرنے کے لیے صوفیاء کرام اور ان سے پہلے صحابہ عظام کے اعمال پر نظر ڈال لینا چاہیے۔ یہاں حدیث نمبر ۱۴۱ ترجمان السنۃ ج ا ص ۲۸۸ کے نوٹ پر نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ اس جگہ ترجمان السنۃ کا مقدمہ از ص ۱۳۰ تا ۱۳۶ ملاحظہ فرمالیجئے۔

انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کی خلقت ہی عام انسانوں سے الگ ہوتی ہے' ان کی تربیت کا طریقہ بھی سب سے الگ ہوتا ہے۔ ان کی طفولیت اور ان کا شباب بھی الگ' ان کا تجرد اور ان کی حیات ازدواجی بھی الگ' ان کا رضاء و غضب اور جد و ہزل بھی سب سے الگ' ان کی عبادت بھی سب سے الگ ہوتی ہے اور ان کا استغفار و توبہ بھی سب سے الگ' ان کا ثواب بھی سب سے الگ ہوتا ہے اور ان سے مواخذہ بھی سب سے الگ۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کہ نظر ربوبیت شروع ہی سے خود ایک الگ نوع کی طرح ان کو پیدا فرماتی ہے اور پھر اپنی رسالت کے لیے خود ہی ان کا انتخاب فرماتی ہے۔

﴿وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ (القصص:۶۸)

''یعنی پیدا کرنا اور پھر پیدا کر کے جس کو چاہیں اس کو چھانٹ لینا یہ دونوں صفتیں تیرے پروردگار کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کسی کا حصہ نہیں لگتا''۔

www.besturdubooks.net

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (الزخرف:۳۱)
''یعنی کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑے شخص کے اوپر کیوں نہ اتارا گیا''۔
﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ﴾ (الزخرف:۳۲)
''اچھا کیا تیرے پروردگار کی رحمت یہ تقسیم کرتے ہیں''۔
اور یہ انتخاب وہ خود اس لیے کرتی ہے کہ اس منصب جلیل کی صلاحیتوں کو اس کے سواء کوئی دوسرا پا ہی نہیں سکتا۔
﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الانعام:۱۲۴)
''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کون سا محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے''۔

انبیاء علیہم السلام کا جوہر فطرت ❋ ان کی خلقت اور ان کے اختیار و انتخاب کی یہ اہمیت کیوں ہوتی ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ بھی مشرکوں میں ایک مشرک، کاہنوں میں ایک کاہن اور شاعروں میں ایک شاعر بن کر پیدا ہوں والعیاذ باللہ یا اس لیے کہ شرک و کفر کی تہ بہ تہ تاریکیوں میں توحید و عبودیت کی شمع فروزاں بن کر چمکیں۔ اسی لیے اور یقیناً اسی لیے ان کا خاکی قالب گو وہی ہوتا ہے جو عام انسانوں کا مگر ان کا جوہر فطرت خلقۃً ایسا پاکیزہ اور منور بنایا جاتا ہے کہ اس کو حرف معصیت سے ذرا آشنائی نہیں ہوتی پھر اس کو طرح طرح سے اور مجلی کیا جاتا ہے یہاں تک کہ ان کے خواب اور بیداری کی دونوں حالتیں یکساں ہوتی ہیں وہ اپنی حالت خواب میں بھی عام انسانوں کی بیداری سے زیادہ بیدار رہتے ہیں محبت و بغض کے طوفان خیز جذبات ان کے بحر اعتدال میں ذرا سی جنبش بھی پیدا نہیں کر سکتے وہ ہر حالت میں انصاف پسند، حق گو اور بے لاگ انسان ہوتے ہیں خلق اللہ کی ہمدردی سے ان کے سینے اس درجہ لبریز ہوتے ہیں کہ ان کی غم خواری میں ان کی جان گھلی جاتی ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ان کے سینے حق جل وعلا کے احکام رضاء و غضب کے لیے آئینہ ہوتے ہیں اور ان کی ان ہی کامل صلاحیتوں کی وجہ سے خالق کائنات براہ راست خود ان کو اپنی شرف ہم کلامی سے نواز دیتا ہے۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا. یہ شرف یا صرف اُس نوع ملکی کو میسر ہے جو فطرۃً معصوم پیدا کی گئی ہے ایسی معصوم کہ اس کو حق تعالیٰ کی معصیت کرنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی یا پھر نوع بشری میں ان مخصوص افراد کو میسر ہے جن میں اختیار کی صفت گو موجود ہو مگر ان کی معصومیت پر فرشتوں کی معصومیت بھی رشک کرتی ہے اس لیے ارشاد ہوا ہے اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (الحج:۷۵) آیت بالا میں بعض انسان اور فرشتوں کو غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر جمع کیا گیا ہے کہ نظر اصطفاء جب اپنی رسالت کے لیے کسی کا انتخاب کرنا چاہتی تو اسی کا انتخاب کرتی ہے جس میں اس کی نافرمانی کرنے کا کوئی احتمال نہ ہو اس لیے یا وہ اس نوع کے افراد کا انتخاب کرتی ہے جس میں معصیت کرنے کا اختیار ہی نہیں اور اگر دوسری نوع میں کسی کا انتخاب کرتی ہے تو ان افراد کا کرتی ہے جن سے معصیت کے صدور کا کوئی احتمال نہیں۔
ملوک دنیا بھی انتخاب میں کسی ایسے شخص کا انتخاب نہیں کرتے جس میں ان کے نزدیک ایک فیصدی بھی ان کے خلاف جانے کا احتمال ممکن ہو لیکن چونکہ ان کا علم ناقص در ناقص ہوتا ہے اس لیے اس میں ان کو غلطیاں لگتی ہیں اور بعض مرتبہ ان کے تباہ کن نتائج بھی دیکھنے پڑ جاتے ہیں۔ پروردگار عالم کے علم میں یہ امکان نہیں اس لیے اپنی رسالت کے انتخاب فرمانے کا حق اس نے خود اپنا

www.besturdubooks.net

رکھا ہے اور اس کو نہ تو کسی انسان کے مجاہدہ و ریاضت پر موقوف رکھا ہے اور نہ کسی کی دعاء و سفارش پر منصب نبوت کی اہمیت خدا تعالیٰ کی رسالت و سفارت کا کام اتنا نازک ہے کہ اگر اس میں ذرا سی اونچ نیچ ہو جائے تو کارخانہ رسالت سارا کا سارا درہم و برہم ہو جائے۔

انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے لیے اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں ❋ خدا تعالیٰ کے مقدس رسول دنیا میں آ کر نظام مدارس کی طرح صرف زبانی تعلیم نہیں دیتے بلکہ ان کی تعلیم کا نقشہ وہ ہوتا ہے جو ماں باپ کا اپنی اولاد لے لیے ہوا کرتا ہے یعنی جس طرح بچہ والدین کی فصیح یا غیر فصیح زبان سن سن کر اسی طرح کی زبان سیکھتا چلا جاتا ہے اور جس طرح کہ ان کے مہذب یا غیر مہذب افعال دیکھ دیکھ کر اسی کی نقل اتارنے لگتا ہے۔ اسی طرح رسول کی مجسم ذات تمام امت کے لیے نمونہ بنا کر بھیج دی جاتی ہے اور مخلوق خدا کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس طرح وہ اس کے مقدس کلمات سن کر علم دین حاصل کرتے ہیں اسی طرح اس کی ہر ہر نقل و حرکت کو سامنے رکھ کر دین کا دوسرا حصہ سیکھیں یہاں قول و فعل کی تخصیص کے بغیر رسول کی ذات تمام کی تمام دین کا مکمل نقشہ ہوتی ہے اسی لیے ہر ہر امر میں ان کی اتباع کا حکم دیا جاتا ہے اگر یہاں کچھ احکام مستثنیٰ ہو سکتے ہیں تو صرف وہ کہ جن کے متعلق خود وہی کسی خصوصیت کا اعلان فرما دے۔ ان کو اس کا بھی اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو کسی مصلحت کے پیش نظر عام قانون سے کسی کو مستثنیٰ بھی فرما دیں کیونکہ رسولوں کے عواطف و میلانات بھی اللہ تعالیٰ ہی کے زیر نگرانی رہتے ہیں۔ اس لیے ان کی عام تشریع اور اس سے استثناء یہ دونوں باتیں اسی کی مشیت کا ظل ہوتی ہیں ان کا سکوت اختیار کر لینا بلکہ کسی جانب سے منہ موڑ لینا یا ہاتھ کا ذرا اشارہ کر دینا جیسے امور بھی دین کے باب میں حجت شرعیہ شمار ہوتے ہیں۔

انبیاء پیدائشی طور پر نفس مطمئنہ رکھتے ہیں اور ضلالت کی تمام طاقتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوتی ہیں ❋ انسان میں شر کی طاقتیں صرف دو ہیں ایک نفس یہ اندرونی طاقت ہے۔ دوسری شیطان یہ بیرونی طاقت ہے یہاں ان کو پیدائشی طور پر وہ نفس مرحمت ہوتا ہے جو فطرۃً ہر معصیت سے نفور اور نشۂ عبودیت سے چور ہوتا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے ولادت کے بعد ہی جو کلمہ نکلا تھا وہ یہی تھا۔ **اِنِّی عبدُاللہ**.

اب اس سے اندازہ لگا لینا چاہیے کہ وہ اپنے غیر شعوری دورِ حیات میں بھی توحید و عبودیت کا کتنا شعور رکھتے ہیں اگر اس دار الابتلاء میں اپنی ابتدائی حیات میں اپنی شانِ عبودیت کا عام طور پر اس طرح اظہار کر دینا کہیں خلافِ مصلحت نہ ہوتا تو شاید خدا تعالیٰ کا ہر ہر نبی اپنی ولادت کے ساتھ ان ہی کلمات سے مترنم نظر آتا مگر حکیم مطلق کی حکمت نے اس قسم کی کھلی ہوئی شہادت صرف اسی رسول کے ساتھ خاص فرما دی تھی جن پر خدائی کی تہمت لگائی جانے والی تھی تاکہ الوہیت کی اس بہتان طرازی میں کسی کے لیے بھی عذر و معذرت کا موقعہ باقی نہ رہے۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوس میں تزکیہ کی یہ صفت اتنی کامل ہو جاتی ہے کہ آزمائش کے کسی نازک سے نازک موقعہ پر ان سے ذرا سی کمزوری کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہاں زنانِ مصر اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نفس مطمئنہ کی استقامت کا نقشہ سامنے رکھیے تو آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ ان کی آزمائش کا میدان جتنا خطرناک ہوتا چلا گیا ان کی عفتِ نفس کا جوہر اتنا ہی اور زیادہ کھلتا چلا گیا۔ انبیاء علیہم السلام خود تو کسی خلاف ورزی کا تصور کیا لا سکتے ہیں دوسروں کی خلاف ورزی بھی ان کے آئینہ فطرت کو مکدر کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے اس لیے نہ وہ احکام الٰہیہ کے خلاف خود کوئی قدم اٹھاتے ہیں اور نہ کسی کا قدم

www.besturdubooks.net

ان کے خلاف اٹھتا ہوا دیکھنا برداشت کر سکتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی سرگزشت قرآن کریم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمالیجئے کتنی مشقتوں اور تمناؤں کے بعد تو وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تھے پھر کتنے عہد و پیمان کرنے کے بعد بھی صرف اپنی نبیانہ فطرت کے بدولت چند قدم بھی ان کے ساتھ نہ چل سکے۔ حتیٰ کہ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ اب ان کے لیے صرف دو ہی راہیں باقی رہ گئی ہیں رفاقت قائم رکھنی ہے تو ہر معاملہ میں سکوت کرنا ہوگا اور اگر ٹوکنا ہے تو فراق۔ تو بڑی خوشی کے ساتھ انہوں نے دوسری صورت کو پسند فرمالیا مگر اس کا اقرار نہ کیا کہ اپنی شریعت کے خلاف ایک قدم بھی اٹھتا ہوا دیکھ کر وہ سکوت کر سکیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو ان کی اس نبیانہ فطرت کا پورا اندازہ تھا اس لیے انہوں نے پورے وثوق کے ساتھ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرے ساتھ رہنا اور ہر معاملہ پر سکوت کرنا یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے آپ اس کا تجربہ نہ کریں' چنانچہ وہی ہوا۔ قرآن کریم نے اس سرگزشت کی اتنی اہمیت محسوس کی کہ ایک سورت میں مستقل طور پر اس کی پوری پوری تفصیلات بیان فرمادیں تاکہ منجملہ اور رموز کے یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ نبی کی معصومانہ فطرت کس درجہ بلند ہوتی ہے۔ خود معصیت کرنا تو درکنار کسی دوسرے کا قدم معصیت کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ کر بھی وہ سکوت کی قدرت نہیں رکھتے اس جگہ اگر ہم حضرت خضر علیہ السلام کے افعال اور ہر عمل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے چینی اور بعد میں حقیقت کے تسلی بخش انکشاف اور ظاہری افعال کی ناموزونیت اور باطنی مصالح کی خوشنمائی کی تفصیل کریں تو ہمارا مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ ہم نے اپنے محل پر اس کی طرف صرف چند اشارات کر دیے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں ان پر غور کر لیا جائے۔

یہ تو انسان کی اندرونی شر کی طاقت تھی اور اسی کا نام نفس امارہ ہے۔ شریعتوں کا سب سے اہم مقصد اسی نفس امارہ کی شائستگی اور تہذیب ہے۔ جب کوئی رسول دنیا میں آیا تو اس نے اپنی فیض صحبت اور اتباع شریعت کے ذریعہ عام مخلوق کے نفوس کی اصلاح کی جدوجہد کی ہے۔ پھر جتنے انسانوں کے نصیب میں سعادت لکھی جا چکی تھی انہوں نے خواہشات واہوا کا راستہ چھوڑ کر رسولوں کی پیروی کی یہاں تک کہ ان کے نفوس کی سرشت بدل گئی اور شریعت کے خلاف امور میں ان کے لیے کوئی لذت باقی نہ رہی پھر کسی صاحب نصیب کا مقدر اور جاگا تو اس کے نفس کو اتباع شریعت میں وہی طبعی راحت محسوس ہونے لگی جو پہلے کبھی شریعت کے خلاف امور میں محسوس ہوا کرتی تھی اب اس کا نام امارہ کی بجائے بدل کر نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو ترجمان السنہ ج اص رہے انبیاء علیہم السلام تو ان کے نفوس پیدائشی طور پر مطمئنہ ہوتے ہیں وہ اپنے کسی دور حیات میں بھی کسی خفیف ناشایاں حرکت کی طرف میلان نہیں رکھتے۔ دیکھیے حضرت یوسف علیہ السلام نے جب سن کے دلربا منظر کے مقابلہ پر اپنے ملکوتی نفس کے اطمینان کا اظہار فرمایا تو اس کو بھی بڑی بلند آہنگی سے نہیں بلکہ بڑے نرم لہجہ میں اداء فرمایا اور یہ ان کے اطمینان نفس کا پہلے سے بڑھ کر مظاہرہ تھا اگر ان کی جگہ یہاں کوئی اور انسان ہوتا تو نہ معلوم اس زبردست آزمائش اور اس کے مقابلہ میں اپنی اس روشن کامیابی پر نہ معلوم تعریف و تزکیہ کی کتنی لن ترانیاں ہانکتا مگر جو فقرہ یہاں ان کی زبان سے نکلا وہ صرف یہ تھا ﴿وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ یعنی میرے اس استقلال میری اس پاک بازی وعفت اور میرے اس شان استغناء کا حاصل دعویٰ تقدس کرنا نہیں ہے اور یہ دعویٰ میں کیونکر کر سکتا ہوں جب کہ نفس کی بالعموم خصلت صرف برائی پر برانگیختہ کرنا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ

www.besturdubooks.net

رحمت ایزدی نے یہاں اپنے کسی خاص بندہ کے نفس کی سرشت بدل دی ہو مگر سانپ کے زہر کی پوٹلی اگر توڑ بھی دی جائے پھر بھی سانپ ڈرنے ہی کی چیز ہوتا ہے- غور فرمایئے کہ جب اپنے نفس کے متعلق دعویٰ تقدس کی نفی فرمائی تو یہاں "نفسی" (میرا نفس) کا لفظ فرمایا- پھر جب اس کا سبب بیان فرمایا تو وہاں "نفسی" کی بجائے "ان النفس" کا لفظ فرمایا ہے- یعنی میرے اس دعویٰ تقدس سے انکار کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میرے نفس میں بھی امارگی کی صفت موجود ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اگر کسی ناشائستہ جنس کا کوئی فرد شاذونادر طور پر شائستہ سے شائستہ بھی نکل آئے تو بھی اس جنس کی مذمت اپنی جگہ بحال ہی رہتی ہے- یہاں ان کا پہلا جملہ تو ان کی شان تواضع کا مظہر ہے اور "ان النفس لا مارة بالسوء" فرمانا یہ ایک حقیقت کا بیان ہے عام انسانوں کے ایک ہی کلام میں یہ تو ازن نہیں مل سکتا جب وہ تواضع پر اترتے ہیں تو حقیقت کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگتا ہے اور جب حقیقت کے بیان کرنے پر آتے ہیں تو ان کی تواضع کا پلہ ہلکا نظر آنے لگتا ہے انبیاء علیہم السلام کی نہ تو تواضع کسی تصنع سے ہوتی ہے اور نہ اظہار حقیقت کسی تکلف سے اس لیے وہ ہر موقعہ پر بے ارادہ ان دونوں باتوں کو نبھائے چلے جاتے ہیں-

یہاں ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کو سامنے رکھ کر آپ انبیاء علیہم السلام کے نفس کا کچھ اندازہ لگائیں ان کے عمل سے بھی اور خود ان کے بیان سے بھی جب ان کے عمل سے یہی ثابت ہو کہ کسی موقعہ پر ان کی استقامت میں ذرا سی لغزش نہیں ہو سکی اور ان کی تواضع کے پرزور کلمات میں بھی ایک حرف ایسا نہ مل سکا جس میں ان کے نفس کے خلاف ادنیٰ سا اشارہ بھی ہو تو پھر ان کی عصمت کے خلاف ہم کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالنا کتنی بڑی بے احتیاطی ہوگی-

انبیاء علیہم السلام کی برکات صحابہ اور ماحول پر ⁕ اب رہی بیرونی طاقت یعنی شیطان تو ان کے تقدس کے سامنے وہ بھی اس طرح بے چارہ اور سرنگوں ہو جاتی ہے کہ کسی برائی کی دعوت دینے کا اس میں کوئی حوصلہ ہی باقی نہیں رہتا بلکہ جس طرح ایک مقہور دشمن کے لیے ساز کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا اسی طرح یہاں شیطان کو بھی طوعاً و کرہاً ان کی ملکی طاقت کے ہم آہنگ ہوئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا- پھر ان کی اس قہرمانی کا اثر صرف ان کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ حسب مناسب ان کے ہم جلیس اور رفقاء سے تجاوز کر کے اس تمام خطہ کو بھی محیط ہو جاتا ہے جو ان کی بعثت کا میدان ہوتا ہے- ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے شیاطین بھی دن بدن کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ بھی ہر میدان میں شکست کھاتے کھاتے اتنے مایوس ہو جاتے ہیں کہ اگر ہزار کوشش کے بعد کسی سے کوئی معصیت سرزد ہو گئی تو اسی کو اپنی بڑی کامیابی تصور کرنے لگتے ہیں اور جس طرح ہر ضعیف اپنے سے قوی تر سے ڈرا کرتا ہے اسی طرح شیاطین بھی توحید کے ان علمبرداروں سے ہمہ وقت ترساں و لرزاں نظر آنے لگتے ہیں' اور کسی کسی کی دینی شدت سے تو اتنے مرعوب ہو جاتے ہیں کہ جس طرف اس کا گذر ہو جائے وہ اس راستہ ہی سے کترا کر نکل جاتے ہیں ایک طرف تو ضلالت کی طاقتوں یعنی نفس و شیطان کی پسپائی اور زبونی کا عالم یہ ہوتا ہے' دوسری طرف ملکوتی طاقتیں اپنے پورے عروج پر آ جاتی ہیں اور ان کے اثرات بھی اسی طرح متعدی ہو کر عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیلنے لگتے ہیں اسی لیے مقابلہ کے ہر میدان میں مستقل فتح و کامرانی ان کا حصہ ہو جاتی ہے اور دائمی ذلت و ناکامی نصیب اعداء بن جاتی ہے-

اعتقادات و عادات کی دنیا آباء و اجداد کی رسومات اور فطری خو بو اتنی تیزی کے ساتھ بدلنے لگتی ہے کہ منکرین کو یہ گمان

www.besturdubooks.net

کرنے کے سواء کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ ضرور یہ جادو یا سحر کا اثر ہے۔ مگر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جہاں فرش سے عرش تک عصمت و تقدس ہی کا سماں بندھا ہوا ہو ضلالت کی قوتیں دن بدن مضمحل ہو ہو کر فنا ہو رہی ہوں وہاں حق کی فتح وظفر اور اسباب ہدایت میں نمو اسی طرح فطری بن جاتا ہے جیسا کہ موسم خزاں میں زمین کا خشک ہو جانا اور موسم بہار میں چپہ چپہ کا سبزہ زار ہو جانا فطری ہو جاتا ہے۔ جس طرح موسم بہار کے چند قطرے صحراؤں کا رنگ بدل دیتے ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی آمد کے بعد قلب و دماغ کا رنگ و بو بھی بدلنے لگتا ہے۔ وہ سینے جو کبھی ظلمات کفر سے تیرہ و تاریک تھے ان کی فیض صحبت سے ایسے جگمگا اٹھتے ہیں گویا عالم قدس کی وہ سب سے بلند جلوہ گاہ ہیں۔ حضور و یقین کی بیش بہا نعمت ان کو آسانی اس درجہ پر ہاتھ آ جاتی ہے جیسا عالم آخرت ان کے سامنے کھلا ہوا رکھا ہے۔ اپنی اپنی مناسبت کے لحاظ سے کوئی کوئی فرشتوں کی جماعت میں اس طرح بھی گھل مل جاتا ہے کہ وہ اس کو سلام کرتے ہیں اور یہ اس کو سنتا ہے۔ یہ تمام کرشمے اس مرکز نور کے ہوتے ہیں جو ان کے درمیان آفتاب درخشاں کی طرح موجود ہوتا ہے اور اسی کے قلب مبارک کے انسلاک کے ساتھ دوسروں کے قلوب میں بھی حسب استعداد یہ نور اس طرح تقسیم ہوتا رہتا ہے جس طرح کہ مختلف قوتوں کے بلبوں میں پاور ہاؤس سے روشنی تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ اس فیضان بصیرت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے رفقاء کی نظروں میں بھی متاع دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ دل فریب نظاروں کی فریب کاری ان پر بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے اور آخرت کا جزم و یقین ان کے دلوں میں اس طرح راسخ ہو جاتا ہے کہ معصیت کی جرأت کرنا تو درکنار ناموزوں خطرات اور وساوس کا دل میں گذرنا بھی ان کے لیے اتنا شاق ہو جاتا ہے کہ اپنا جل کر خاک ہو جانا ان کو اس سے بدر جہا بہتر معلوم ہونے لگتا ہے۔ دیکھو ترجمان السنہ ج اص ۲۸۰ اور اگر کسی سے شاذ و نادر حالات میں معصیت کا صدور ہو جاتا ہے تو وہ آخرت کی گرفت کے مقابلہ میں شریعت کی سخت سے سخت سزا کے نفاذ پر اس طرح بے چین و مضطر ہو جاتا ہے گویا اب اس کی ساری راحت اور کامل سرور اس سزا کے نفاذ ہی میں ہے۔ اب ان کے اس پاکیزہ ماحول اور اس قدسی صفت جماعت کو سامنے رکھیے پھر ان کی بلند صفات پر بھی نظر ڈالیے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ جن کی ذاتی صفات یہ ہوں اور جن کے اثرات سے ماحول اتنا پاکیزہ بن جاتا ہو کیا ان سے کسی معصیت کا صدور ہو سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے خصائل و عادات کا اثر ان کی امتوں پر اسی طرح ہوتا ہے جیسا والد کا اس کی اولاد پر بلکہ اس سے بڑھ کر ✸ یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح استاد کے خصائل اس کے شاگردوں میں اور والدین کے ان کی اولاد میں منتقل ہونے ضروری ہوتے ہیں' اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے کمالات و نقائص کا ظہور بھی ان کی امتوں میں لازمی ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے خطاء و نسیان کا ایک قدم اٹھ گیا تو یہی ان کی اولاد کی سرشت بن گئی' یہ بات دوسری ہے کہ جو مؤاخذہ اس پر ہونا تھا وہ ان سے ہی ہو لیا اور جب رحمت ایزدی نے اصل انسانی سے اس کو درگزر فرما دیا تو اب وہ نسل انسانی کے لیے بھی قابل چشم پوشی بن گیا۔ اگر کہیں معصیت کرنی انبیاء علیہم السلام کی سرشت میں داخل ہو جائے (والعیاذ باللہ) تو عاصی انسانوں کا بیڑا بحر عصیان میں غرق ہو کر رہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شب معراج میں دو جام پیش کیے گئے ایک دودھ کا دوسرا شراب کا۔ نبی کی معصوم فطرت نے فوراً آگے بڑھ کر دودھ کا جام لے لیا۔ آپ سے کہا گیا کہ اس تخییر و انتخاب

www.besturdubooks.net

کو معمولی بات نہ سمجھنا اگر کہیں آپ مے کا جام لے لیتے تو معاملہ صرف اسی پر ختم نہ تھا بلکہ آپ کی ساری اُمت گرداب ضلالت میں غرق ہو کر رہ جاتی سبحان اللہ! عین تعظیم واکرام کی شب میں ایسے ایسے نازک اور خطرناک امتحان بھی گذر رہے تھے مگر جب قدرت کو اپنے انعامات واکرام کی تکمیل منظور تھی تو آپ کو اس انعام کی بشارت سے کیسے محروم رکھا جا سکتا تھا جس کے لیے نبی کا قلب سب سے زیادہ بے چین ہوتا ہے یعنی امت کی بہبودی بے شک امتحان بہت خطرناک تھا لیکن جب تک معاملہ کی ہولنا کی معلوم نہ ہو اس وقت تک اس سے نجات کی نعمت کا بھی پورا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

ان سطور میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہؓ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا ایک حصہ تو ترجمان السنہ کی حدیثوں کے ضمن میں پہلے آپ کے ملاحظہ سے گذر چکا ہے اور جو باقی رہ گیا ہے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ احادیث ہی کی روشنی میں ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آنے والا ہے۔ ان کو بیک وقت سامنے رکھ کر یہ فیصلہ فرمالیجئے کہ ان نفوسِ قدسیہ سے کیا عمداً کسی معصیت کا ارتکاب کرنا ممکن ہے؟ یہ واضح رہے کہ معصیت کی جو قسم بھی ہے اس میں قصد وارادہ ہونا ضروری ہے۔ انسان کے وہ افعال جو اس کے قصد واختیار سے نہ ہوں وہ معصیت کی تعریف میں نہیں آتے۔ پس جب نافرمانی اور قصداً نافرمانی کا تصور عام انسانوں کے تقدس پر بدنما داغ سمجھا جاتا ہے تو پھر کیا وہ انبیاء علیہم السلام کے لیے شایانِ شان سمجھا جا سکتا ہے؟۔

ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی ایک ذوقی اور وجدانی دلیل یہ بھی ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں جس کی شہادت گزشتہ اوراق میں آپ کے سامنے گذر چکی ہے تو پھر اہل جنت کے صفات میں سے اگر معصومیت کی صفت بھی ان میں موجود ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ لہٰذا یہ جنتی جنت میں خدا تعالیٰ کی معصیت کریں گے نہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں معصیت کرتے ہیں اسی لیے اپنی اُخروی فلاح و بہبود کا ان کو جزم حاصل ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شانِ تواضع اور اپنی کمال خوف وخشیت کے باوجود مرض الوفات میں حضرت فاطمہؓ سے پورے وثوق کے ساتھ فرمایا۔ "**لا کرب علی ابیک بعد الیوم**" آج کے بعد تیرے والد پر بے چینی کا نام ونشان ہوگا۔ سب چین ہی چین ہوگا اور جب کہ یہ مقررہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب اپنی امتوں کے لیے شافع ہوں گے تو کیا جو خود مجرم ہوں وہ شفاعت کے مستحق ہو سکتے ہیں شفاعت کبریٰ کے لیے جو کلمات انبیاء علیہم السلام نے استعمال فرمائے وہ اس لیے تھے کہ یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پہلے سے رزرو ہو چکا تھا۔ تمام جہان کے حق میں سفارش وہی کر سکتا ہے جس کی ساری عمر کے متعلق مغفرت وعفو کا حتمی اعلان ہو چکا ہو۔ اگر آپ کے حق میں یہ اعلان نہ ہو چکا ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ آپ بھی رب العزت کی بارگاہ بلند میں پیش ہونے سے شاید معذرت کا کوئی پیرایہ اختیار فرمالیتے لیکن چونکہ رحمت حق نے اس عقدہ کشائی کے لیے آپ کو منتخب فرمالیا تھا اس لیے آپ اہل محشر سے بڑے تسلی کے انداز میں فرمائیں گے "انا لھا انا لھا" "بے شک آج شفاعت کرنے کا حق میرا ہی ہے۔" اس کے بعد جب باب شفاعت کھل جائے گا تو پھر ہر ہر نبی اپنی اپنی امت کی شفاعت کرے گا۔ اس مسئلہ پر بحث ونظر کا ایک طریقہ تو یہ تھا۔ بعض علماء نے یہاں دوسرا طریقہ استدلالی اختیار کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ عصمت کے ظاہری اسباب چار ہیں۔

عصمت کے ارکانِ اربعہ ✵ عدالت وثقاہت خیر وشر کے عواقب کا قطعی علم۔ پھر وحی الٰہی سے ان علوم کی مزید تائید وتاکید۔

www.besturdubooks.net

نسیان اور ترک اولیٰ پر بھی مواخذہ کا خطرہ (الروضۃ البہیہ ص ۵۹) چونکہ انبیاء علیہم السلام میں یہ چاروں صفتیں کامل طور پر موجود ہوتی ہیں اس لیے ان میں عصمت کی صفت بھی کامل طور پر موجود ہونی ضروری ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں ان صفات کے علاوہ دائمی حضوری کی ایک صفت ہی ایسی ہوتی ہے کہ تنہا یہ صفت ہی ان کی عصمت کے لیے کافی ہے۔ اسی کے ساتھ عصمت کے جتنے موانع ہو سکتے ہیں وہ بھی ان میں موجود نہیں ہوتے یعنی ان کی اندرونی اور بیرونی طاقتیں سب کی سب اپنے رب کی حکم برداری کے نشہ میں اس طرح ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں کہ اس کی نافرمانی کا ان کو بھی تصور ہی نہیں آتا۔ دوسرے انسانوں میں اس حضوری میں! کچھ نہ کچھ فرق پڑھ سکتا ہے لہٰذا ان کی قوم کی غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے یہاں دائمی حضوری میں ادنیٰ سے فرق کا کوئی امکان نہیں ہوتا وہ بظاہر جتنی غفلت میں نظر آتے ہیں اتنے ہی اور ہشیار ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کی نیند کے علوم بھی بیداری کے علوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر غفلت و تکلیف کا وقت انسان کی نزع روح کا وقت ہوتا ہے وہ اس نازک وقت میں اور اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ رفقاء دینار سے ان کی نظر یکسر منقطع ہو کر صرف "الرفیق الاعلی" کی طرف لگ جاتی ہے۔ پھر بھوک و پیاس' مسرت و غم اور شکست و فتح کے حالات کا تو ذکر ہی کیا ہے یہ تو غفلت کی بجائے برعکس ان کی گرمی محفل کے سامان ہوتے ہیں۔ عین جنگ کی گرم بازاری کے موقع پر آپ کی توجہ اور انابت الی اللہ کا جو نقشہ رہا ہے وہ احادیث اور کتب سیر میں موجود ہے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کا اپنی عصمتوں کے متعلق نظریہ کیا تھا ٭ انبیاء علیہم السلام کی پاک نفسی' ان کی اندرونی و بیرونی طاقتوں کی شائستگی و تہذیب' ان کی بعثت کی غایت و غرض' ان کے منصب کی اہمیت' ملائکۃ اللہ کے ساتھ ہمہ اوقات ان کی صحبت اور ان سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ ان کی شرف ہم کلامی کے بعد یہ سوال بھی اہم ہے کہ خود ان کا عقیدہ اس مسئلہ میں اپنے متعلق کیا تھا۔ کیا وہ اپنے نفس کا معاصی کے ساتھ ملوث ہونا تسلیم کرتے تھے' کیا اپنے متعلق عدل و انصاف کے خلاف ذرا سا تصور کرنا یا اپنے کسی فیصلہ کو کسی طبعی رجحان کا اثر سمجھ لینا یا ان کے کسی عمل کو خلاف اولیٰ پر حمل کرنا کسی کے لیے جائز سمجھتے تھے۔ یا اس کے برعکس جہاں ان کے متعلق کسی ادنیٰ سے وسوسہ کا احتمال بھی پیدا ہو سکے اس کے ازالہ کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ جہاں تک حدیثوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان عبدیت و تواضع کے باوجود اپنے حق میں اس قسم کے تصور کی کسی کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں دی بلکہ اگر کسی نے آپ کے عمل کو آپ کی رفعت شان اور اپنی کمتری کی وجہ سے بھی ناقابل اتباع سمجھا ہے تو اس پر بھی آپ کو سخت ناگواری گذری ہے۔ دیکھو ترجمان السنۃ ج ۱ص ۳۹۵ و ۳۹۶ اور ج ۲ص ۳۷ و ۳۹۸ یہ بات دوسری ہے کہ جب بھی مخلوقات کے دائرہ سے نکل کر معاملہ بارگاہ صمدیت کے سامنے آ گیا ہے تو پھر وہ عجز و نیاز احد انابت و استغفار کا ایک پیکر بن گئے ہیں اور یہی شانِ انبیاء علیہم السلام ہونی چاہیے۔

مسئلہ عصمت کی بحث میں ایک فروگذاشت ٭ درحقیقت اسی دقیق فرق کے ذہول سے ان کی عصمت کے خلاف بے وجہ ایک تعمیر کھڑی کر لی گئی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس رخ پر بھی اصولی طور پر قدرے روشنی ڈال دی جائے۔

سب سے پہلے یہاں دو باتیں سامنے رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ لغت عرب میں خطاء' ذنب' زلۃ' اسراف اور معصیت سب

www.besturdubooks.net

مترادف الفاظ نہیں ہیں۔ ہم یہاں صرف ان کے اردو ترجموں پر کفایت کرتے ہیں۔ اردو میں بھی غیر ارادی غلطی۔ ناشایاں کام۔ لغزش۔ زیادتی۔ اور نافرمانی کا مفہوم الگ الگ ہے یہاں سب کا ترجمہ گناہ کر دینا صحیح نہیں ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کسی عمل پر بھی معصیت کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ صرف ایک آدم علیہ السلام کے معاملہ میں یہ لفظ ضرور استعمال ہوا ہے مگر اس کی تشریح ابھی آپ کے سامنے آتی ہے۔

دوم یہاں بڑی اہمیت کے ساتھ اس پر بھی توجہ کرنی چاہیے کہ جن آیات کو ان کی عصمت کے خلاف سمجھا گیا ہے۔ کیا وہ عمل ان کی نظروں میں بھی ان کی عصمت کے خلاف تھے؟ اس کے فیصلہ کے لیے سب سے واضح حدیث شفاعت کی حدیث ہے جہاں ہر نبی نے شفاعت کے لیے قدم نہ اٹھانے کا سبب اپنی اپنی زبانوں سے خود بیان کیا ہے یہاں ہم کو کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے متعلق شرک فی التسمیہ کا ایک حرف بھی کہا ہو یا حضرت خلیل علیہ السلام کی زبان مبارک سے ﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ کی فرمائش پر اپنی ندامت کا ایک کلمہ بھی نکلا ہو بلکہ یہاں جو فہرست ہمارے سامنے آتی ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا شجرہ ممنوعہ کھالینا' حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے ایک عزیز کے حق میں طوفان سے حفاظت کے لیے نادانستہ طور پر سفارش کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی زبان سے دین کی حمایت میں تین مختلف مقامات پر توریہ کے کلمات کہہ گذرنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عمل ہے جو نبوت سے پہلی زندگی میں ان کے دشمن کی موت کا باعث بن گیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کا ان کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لینا معلوم ہوتا ہے اور بس۔

حضرت آدم علیہ السلام کی زلت قرآن کریم کی نظر میں ٭ جب قرآن کریم کی روشنی میں اس پر نظر کی جاتی ہے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ نظر ربوبیت میں سب سے اہم سمجھا گیا تھا مگر خود قرآنی تفصیلات جو ان کے اس اقدام کے متعلق نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں:

هَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْکٍ لَّا یَبْلٰی. (طٰه:۱۲۰)	(شیطان نے ان سے کہا تھا کہ) کیا میں تم کو بتاؤں صدا زندہ رہنے کا درخت اور لازوال بادشاہت۔
وَ قَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ. (اعراف:۲۱-۲۲)	اور ان کے آگے قسم کھائی کہ یقین کرو میں تمہارا خیر خواہ دوست ہوں اور اس طرح فریب دے کہ ان کو مائل کر لیا تھا۔
فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا. (طٰه:۱۱۵)	آدم بھول گئے تھے اور اس میں ہم نے ان کا ارادہ ذرا بھی نہ پایا تھا۔

ان آیات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بات ان کے سامنے ان کی فریب دہی کے لیے رکھی گئی وہ خدا تعالیٰ کی جنت میں ان کی دائمی زندگی تھی اور اس کی توثیق و تصدیق کے لیے خدا تعالیٰ کا نام لے کر ان کے سامنے قسم کھائی گئی پھر جس طرح ہر انسان اپنی کسی انتہائی کامیابی اور بے نہایت فوز و فلاح کے تصورات و تمناؤں میں پڑ کر دوسری جانب سے ذہول میں پڑ جایا کرتا ہے۔ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو قرب ایزدی کی تمناؤں پھر شیطان کی قسموں کے سامنے یہ خیال بھی نہ رہا کہ مجھ سے کہا کیا گیا تھا بس اس فریب میں آ کر پوری فراموشی کے عالم میں ان سے اس خلاف ورزی کا ارتکاب

www.besturdubooks.net

ہو گیا۔[1] قرآن کریم نے ضرور اس کو معصیت کہا ہے' لیکن اس کی تشریح بھی جو خود اس نے بیان کی ہے اس کے بعد کسی انسان کو ایک لمحہ کے لیے بھی اس پر معصیت کا لفظ اطلاق کرنے کا حق نہیں رہتا یعنی یہاں معاملہ کی نوعیت ہے اتنی نازک ہو گئی تھی کہ اس کے سامنے کسی فرد سے تحمل وصبر کرنا مشکل تھا۔ اِدھر ان کے نسیان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے درحقیقت وہی ان کی عصمت اور بے گناہی کا بڑا ثبوت ہے۔ پھر غور فرمایئے کہ صرف ان کی فراموشی کے ذکر پر کفایت نہیں کی گئی بلکہ پورے مبالغہ کے ساتھ اس کا منفی پہلو بھی صاف کر دیا گیا ہے اور اس کو بھی لفظ "و لم یعزم" سے ادا نہیں کیا گیا جس کا ترجمہ یہ ہوتا کہ انہوں نے پختہ ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ یوں فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں ان کے ارادہ کا ذرا بھی دخل نہ تھا۔ پس اگر قرآن کریم سے ان کے اس عمل کا معصیت ہونا ثابت ہوتا ہے تو اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف نسیان کا ایک قدم تھا۔

مقام عصمت کی نزاکت کا تقاضہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شانِ رفیع میں کسی ناشایاں عمل کی صورت بھی حقیقت کی برابر شمار ہو

اب اگر ان دونوں باتوں کو جمع کر لو تو نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا غیر ارادی عمل بھی دوسروں کے ارادی عمل کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں معصیت کی حقیقت گو نہیں ہوتی مگر جس عمل کی صورت نافرمانی کی صورت ہو وہ بھی ان کے حق میں اس عمل کے مشابہ سمجھا جاتا ہے جو حقیقت میں بھی معصیت ہو۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے سمجھنے کے لیے دو باتیں سامنے رکھنی چاہئیں مقام عصمت کی نزاکت۔ دوم بارگاہ الوہیت کی شان عظمت مقام عصمت کی نزاکت چاہتی ہے کہ جب ایک طرف عصمت ہے تو دوسری طرف نسیان بھی کیوں ہو اور اگر کسی مصلحت کے پیش نظر ایسا ہو جائے تو اس پر مواخذہ کیوں کیا جائے۔ ترجمان السنہ جلد دوم کے اوائل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے یہ سوال کیا بتاؤ سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے تو اپنے اندازہ فہم کے موافق جو جواب انہوں نے دیا وہ یہی تھا کہ فرشتوں کا اور انبیاء علیہم السلام کا مگر آپ نے اس پر یہ فرمایا ان کے سامنے تو عالم قدس سب کھلا ہوا موجود ہوتا ہے وہ کیوں ایمان نہ لائیں (پوری حدیث اور اس کی تشریح وہاں دیکھ لی جائے) اس سے معلوم ہوا کہ جو بات عام لوگوں کے حق میں کمال شمار ہوتی ہے' اگر یہاں وہ موجود ہو تو کچھ قابل تعجب نہیں ہوتی۔ آفتاب سے اگر روشنی نکلتی ہے تو نکلنی چاہیے تعجب کی بات کیا ہے کامل سے کمالات ہی کا صدور ہوا کرتا ہے۔ یہاں تعجب ہوتا ہے تو اس پر کہ اس کمال پر ان کے منصب کے خلاف کوئی بات سرزد ہوتی ہے تو کیوں عام انسان اگر بھولتے ہیں تو رحمت اس کو درگذر کرنے کے لیے تلی ہوئی نظر آتی ہے لیکن جن کے قالب بھی اس جہان میں اہل جنت کے

---

[1] کتاب الانبیاء صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے چوری کی جب عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو سرزنش کی تو اس نے قسم کھا کر کہا میں نے چوری نہیں کی اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے صرف دو راستے تھے یا وہ اس قسم کھانے والے کو متہم کرتے یا اپنی نظر کو متہم کرتے۔ انہوں نے سنت آدم علیہ السلام پر عمل کیا اور اپنی نظر کا قصور قرار دینا اس سے آسان تر سمجھا کہ وہ کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے کی تہمت لگائیں۔ فتح الباری میں حافظ ابن القیمؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ابلیس کے قسم کھانے کے بعد تصدیق کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس چور کی تصدیق کرنے کی صفت نبوت یکساں نظر آتی ہے۔ (دیکھو ترجمان السنہ ص ۲۳۶ ج ۲ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں منقول ہے" و کان و قافا عند سماع آیۃ من القرآن" وہ بھی اسی جنس کی ایک صفت تھی۔

www.besturdubooks.net

مشابہ ہوں ان سے کسی ادنیٰ سی بات کا ذہول ہوتا ہے تو اس پر فوراً مؤاخذہ ہونے لگتا ہے قدرت نے اگر ایک طرف ان کو معصوم پیدا کیا ہے تو دوسری طرف ان کی گرفت بھی سخت کر دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب عصمت ہے تو پھر یہ فروگذاشت کیوں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول بھی ہوگئی اور ان کو خلعت خلافت سے نواز بھی دیا گیا مگر اپنے اس نسیان کا انفعال پھر محشر تک ان کے قلب سے محو نہ ہو سکا یہ اس لیے نہیں کہ یہاں معصیت کی حقیقت کا کوئی وجود تھا بلکہ یہ صرف ان کی عصمت کا اقتضاء تھا کہ جب عصمت تھی تو نسیان سے بھی ایسا عمل کیوں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب اہل محشر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں سفارش کے لیے آئیں گے تو وہ بڑے انفعال کے ساتھ یہ عذر فرمائیں گے کہ مجھ کو تو میری قوم نے خدا تعالیٰ کے سواء معبود بنالیا تھا۔ اب سوچئے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جرم کیا تھا۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی فطرت اتنی پاکیزہ ہوتی ہے کہ ان کی امتوں کی معصیتوں کی چھینٹیں بھی ان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ دیکھئے یہاں صرف معصیت کا گو کوئی شائبہ نہ تھا مگر پھر مقام عصمت اپنوں کی معصیت سے منفعل تھا۔ پس جہاں دوسروں کی معصیت سے تاثر کا یہ عالم ہو وہاں بھلا خود کسی معصیت کا تصور کیا ہو سکتا ہے۔

یہ تو مقام عصمت کی نزاکت کا مختصر سا حال تھا اب خدائے قدوس کی رفعت و بلندی کا ہلکا سا نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے متعلق بھلا کیا لب کشائی کی جا سکتی ہے۔ بس اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ جو متفق علیہ معصوم مخلوق ہے جب اس کا معاملہ بھی خالق کائنات کے سامنے آ گیا تو وہ بھی سرتا سر قصور نظر آنے لگی۔ اسی معاملہ میں فرشتوں کی سرگذشت ذرا سامنے رکھ لیجئے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حرفِ معصیت سے یہ مسلوب الاختیار مخلوق بھی شاید انسانوں کی صف میں کھڑی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے سلسلہ میں فرشتوں کا ایک ہی واقعہ ہمارے سامنے آیا ہے' اگر کہیں دو چار واقعات اسی طرح کے اور سامنے آ جاتے تو شاید ہمارے علماء کلام کو یہاں بھی تردد پیدا ہو جاتا مگر چونکہ اس طرف ان کا ایک ہی واقعہ سامنے تھا دوسری طرف ان کی عصمت کا عقیدہ حاصل تھا۔ اس لیے اس واقعہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی' حالانکہ حقیقت واضح ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ یہاں حقیقت معصیت کا صدور ہوتا ہے لیکن جب بھی مخلوق کا معاملہ خالق کائنات کے سامنے آ جائے تو ایک طرف قادر مطلق دوسری طرف مجسم بے چارگی موجود ہوتی ہے اس لیے ہزار عصمت کے باوجود یہاں معاملہ قصور در قصور ہی کا نظر آتا ہے اسی لیے جب اسی معاملہ کو خالق کائنات کے دربار سے الگ کر کے صرف ایک معاملہ کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے تو اس میں ایک حرف رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ مقدمہ جب حق تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوا تو اس میں معصیت کا لفظ تک بھی استعمال ہوا اور یہاں تک بھی اس نے طول پکڑا کہ عالم کے ایک بہت بڑے انقلاب کی یہی ایک لغزش بنیاد بن گئی۔ لیکن جب اسی واقعہ کو خالق کائنات کے حضور سے اٹھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مابین رکھا گیا تو حسب بیان حدیث شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب ہو جانا پڑا یعنی (جب حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے یہ فرمایا ''والد بزرگوار! آپ نے ذرا سی لغزش کر کے اپنی ساری اولاد کو جنت سے باہر نکلوا دیا۔'' تو اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ''اے موسیٰ تم کو تورات ملی ہے جو میرے وجود سے بھی سالوں پہلے علم الٰہی میں موجود تھی کیا اس میں میری اس لغزش کا ذکر نہیں؟ پھر والد پر اس عمل کے ارتکاب سے کیا اعتراض جو اس کے وجود سے بھی

www.besturdubooks.net

پہلے اس کے لیے مقدر ہو چکا تھا-'' یہ وہی آدم ہیں کہ جب ان کا مقدمہ خالق کائنات کے سامنے پیش تھا اور سوال بعینہ یہی تھا تو بجز اعتراف وتوبہ کے جواب کا ایک حرف نہ تھا- پس جب مخلوق کا کوئی معاملہ خالق کائنات کے سامنے آجائے بس سمجھ لو کہ اب اس کی صفائی مشکل ہے یہاں اعترافِ خطاء ہی ایک صحیح راستہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب محشر میں تمام مخلوق کے حساب کا کٹھن مرحلہ سامنے آئے گا تو وہ رحمت جو اہل دنیا میں صرف ایک حصہ نازل فرمائی گئی ہے پورے سو حصوں کے ساتھ مخلوق کا حساب لینے کے لیے آجائے گی- اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل محشر میں ایسا کون تھا جو محض اپنے عمل کے بل بوتہ پر فردوس بریں کا مستحق بن سکتا-

افسوس ہے کہ لغزشوں کو چن چن کر اس طرح بیان فرمانے کی روح تھی تو کیا اور اس کو سمجھا گیا کیا- مقصد تو یہ ظاہر کرنا تھا کہ کن حالات میں کیا قدم اٹھایا گیا تھا پھر وہ بھی عمر بھر میں گنتی کے کتنے واقعات تھے مگر ان کو بھی ان کی شان سے کتنا بعید سمجھا گیا- اس سے نتیجہ تو یہ نکالنا چاہیے تھا کہ جن کی اتنی سی فروگذاشت پر بھی اتنی گرفت ہو وہ کس درجہ معصوم ہوتے ہیں مگر یہاں جو نتیجہ نکالا گیا وہ بالکل اس کے برعکس تھا' والعیاذ باللہ اگر مقامِ عصمت کی نزاکت اور بارگاہِ الوہیت کی بلندی کو سامنے رکھ کر یہ واقعات پڑھے جاتے تو یہی ان کی معصومیت کا سب سے بڑا ثبوت نظر آنے لگتے-

الحاصل اگر فیصلہ صرف قرآنِ کریم کے طرز خطاب پر ہی دائر کر دیا جائے اور متکلم ومخاطب کی ان خصوصیات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر یہاں کبائر وصغائر کی بحث تو درکنار بلکہ شاید کفر واسلام میں بھی بحث پیدا ہو سکتی ہے والعیاذ باللہ بلکہ اگر بحث و نظر کا یہی طریقہ ملائکۃ اللہ کے معاملہ میں بھی قائم رکھا جائے تو پھر ان کی متفق علیہ عصمت سے بھی شاید ہاتھ دھونے پڑ جائیں-

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فعلم ان الانبياء عليهم السلام لا يشاركون غيرهم في ارتكاب حرام و لا مكروه الا لبيان الجواز و لكن لما شرف مقامهم سمى الله تعالى و قوعهم في خلاف الاولى معصية و خطيئة.

(الیواقیت و الجواهر ج ۲ ص ۵۹)

ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام ارتکاب حرام یا مکروہ میں دوسرے انسانوں کے شریک نہیں ہوتے اگر کسی مکروہ تنزیہی فعل کا وہ ارتکاب کرتے ہیں تو وہ بھی صرف اس کے جواز کا پہلو بنانے کے لیے کرتے ہیں ان کا قدم اگر اتفاق سے کہیں خلاف اولیٰ میں جا پڑتا ہے تو ان کے مقام کی نزاکت کی وجہ سے اسی کا نام معصیت اور خطا بن جاتا ہے-

و القاعدة ان كل من عظمت مرتبه عظمت صغيرته. (ج ۲ ص ٦٢)

یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کا مرتبہ جتنا بلند ہوتا ہے اس کی معمولی باتوں پر گرفت بھی اتنی ہی سخت ہوتی جاتی ہے-

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے چند جزئی واقعات کے علاوہ کچھ آیتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کو ان کی عصمت کے خلاف سمجھا گیا ہے- مثلاً معاصی' رذائل' اور دیگر نوع کے قبیح افعال سے اجتناب کے خطابات- ہمارے نزدیک یہ بھی کلام کی فصاحت وبلاغت کے اسلوب سے ناآشنائی کا ثمرہ ہے- کون نہیں جانتا کہ دنیا میں کلام کا ایک طریقہ ۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں بھی ہے

www.besturdubooks.net

فالخطاب له و المراد غیره. ان الحق من شانه ان یؤدب الکبیر بالصغیر و کما ادب اللّٰه الامة بتأدیب رسولها.

ان مقامات پر خطاب گو آپ کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ کبھی چھوٹوں کی تنبیہ کے ذریعہ بڑوں کو ادب سکھاتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ خطاب رسول کو ہوتا ہے اور مقصود ان کی امت کو ادب سکھاتا ہوتا ہے۔

بعض آیتوں میں شرک و کفر اور اس قسم کے دوسرے افعال سے اجتناب رکھنے کی بھی ان کو ہدایت کی گئی ہے۔ شیخ لکھتے ہیں کہ یہاں بھی ان کی ذات مقصود نہیں ہوتی بلکہ کفار مراد ہوتے ہیں مگر حق تعالیٰ کو یہ اظہار منظور ہوتا ہے کہ ان کو اپنا مخاطب بنانا بھی اس کو پسند نہیں ہے۔ اگر وہ ہمارے رسول سے ہمارے کلام کا بغور سننا پسند نہیں کرتے تو ہم بھی ان کو اپنا مخاطب پسند نہیں کرتے۔

و الحکمة فی هذا الخطاب مقابلة لا عراض الکفار عن استماع ماجاء به الرسولؐ فلذلک اعرض الحق عنهم مقابلة اعراض باعراض مع کونهم هم المراد بذلک الخطاب فاسمعهم فی غیرهم عقوبة لهم و استهانة بامرهم. (ج ۲ ص ۱۴)

اس طرز خطاب میں یہ بھی حکمت ہوتی ہے کہ چونکہ وہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہمارے کلام کے سننے سے اعراض کرتے ہیں اس لیے اس کی جزاء یہ ہے کہ ہم بھی ان کو نا قابل التفات سمجھ کر ان سے خطاب نہ کریں اگرچہ مراد وہی ہوں۔

ہمارے نزدیک شیخ موصوفؒ کی یہ رائے بہت صحیح ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض آیتوں میں آپ کو ان امور سے بھی خطاب کیا گیا ہے جن کا عقلاً کوئی امکان ہی نہ تھا مثلاً والدین کے ادب و احترام کے سلسلہ میں آپ کو اس کی ممانعت کی گئی ہے کہ ان کے سامنے اف کا کلمہ بھی نہ نکالا جائے **ولا تقل لهما اف و لا تنهر هما**. اب کون نہیں جانتا کہ اس وقت آپ کے والدین موجود ہی کہاں تھے اس لیے مخاطب گو یہاں آپ نظر آئیں مگر یقیناً مراد آپ کی امت ہے۔ اس کے علاوہ اس طرز خطاب میں ایک بڑی حکمت ان امور کی اہمیت پر تنبیہ کرنی ہوتی ہے۔ یعنی مثلاً شرک و کفر جب ایسے خطرناک عمل ہیں کہ اگر بالفرض رسول کے حق میں بھی ان کا تصور کیا جائے تو اس کے اعمال کے لیے بھی تباہ کن ہوں گے تو بھلا دوسروں کے اعمال کے لیے تباہ کن کیونکر نہ ہوں گے۔

یہی وجہ تھی کہ یہ سب آیتیں دشمنوں کے سامنے تلاوت کی جاتی تھیں اور وہ ان پر غیر معقول سے غیر معقول اعتراضات بھی کرتے تھے مگر یہ کبھی ثابت نہیں ہوتا کہ رسول کے کیرکٹر اور اس کے ذاتی کاروکردار پر بھی کبھی ان کو کوئی اعتراض ہوا ہے یا ان آیات کو انہوں نے خود رسول کے برخلاف شہادت سمجھا ہے کیونکہ وہ ذوقِ سخن سے خوب واقف تھے اور اس قسم کے خطابات کا مقصد بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔

انبیاء علیہم السلام کی شانِ استغفار عصمت کے خلاف نہیں ٭ اسی طرح رسولوں کی شان استغفار و توبہ کا مسئلہ بھی واضح ہے۔ یہ بھی اس بناء پر نہیں ہوتا کہ وہ درحقیقت کسی ادنیٰ سی معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ مقام عصمت کی نزاکت اور بارگاہ صمدیت کی بے نیازی کا استحضار اپنے نفسوں کی برأت اور تزکیہ کا ان کو تصور کرنے نہیں دیتا اس لیے وہ اس بارگاہ میں جہاں بے قصوری کا دعویٰ کرنا ہی سب سے بڑا قصور ہے اپنے لیے توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں اور مقصود یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے مقبول

www.besturdubooks.net

احاطہ میں ان کی امتیں بھی شامل ہو جائیں- کیونکہ نظر رحمت اگر مجرموں کی طرف نظر کرتی ہے تو ان ہی کے واسطہ سے کرتی ہے اور ہماری استغفار کی اس دربار عالی تک کوئی رسائی ہو سکتی ہے تو ان نفوسِ قدسیہ ہی کے واسطہ سے ہو سکتی ہے- اب آیات ذیل پر توجہ کے ساتھ ذرا غور فرمایئے کہ درحقیقت ان کا مصداق ہے کون- پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو یہاں پہلے نمبر میں رکھا گیا ہے تو کیوں؟:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا. (توبہ:۱۱۷-۱۱۸)	اور اللہ تعالیٰ مہربان ہوا نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں- اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جائیں پھر مہربان ہوا ان پر بے شک وہ ان پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا-
يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ. (التحریم:۸)	جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ-
قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ. (الاعراف:۱۵۵)	انہوں نے عرض کی اے رب اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہیں ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی-
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ. (محمد:۱۹)	اور استغفار کر واپنے گناہ کے لئے اور مومنوں کے گناہ کے لئے-

پہلی آیت میں غزوہ تبوک کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں تین صحابہ سے کچھ تساہل ہو گیا تھا لیکن جب ان کی توبہ کی قبولیت کا وقت آیا تو یہاں سب سے پہلے اپنے معصوم رسول کا ذکر کیا گیا ہے- دوسری آیت قیامت کے دن کا واقعہ ہے جہاں نبی کی ذات کے لئے رسوا ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں تیسری آیت بنی اسرائیل کی اس خودسری کے متعلق ہے جب کہ انہوں نے کوہ طور پر جا کر خود اپنے کانوں سے کلام الٰہی سن لیا تھا' مگر اس پر بھی وہ ایمان نہ لائے اور ایک دوسری گستاخی یعنی رؤیت باری تعالیٰ کی ناممکن بات کی فرمائش کر بیٹھے آخر اس گستاخی کی ان کو سزا ملی اور سب ہلاک کر دیئے گئے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے ترحم کی درخواست میں یہ کلمات نکل گئے- حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے فوائد سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس قسم کے مواضع پر سب سے پہلے اپنے نفسوں کو اس لئے شامل فرما لیتے ہیں کہ ان کو معصوم نفوس کی شمولیت کی برکت سے مجرموں کے لئے بھی یہ درخواستیں قابل توجہ بن جائیں- رحمت ان کے نام پر جھک پڑتی ہے پھر اس کی وسعت مجرموں سے کترانا گوارا نہیں کرتی اور اس طرح مجرموں کی بخشش کا یہ ایک یقینی ذریعہ بن جاتا ہے- انبیاء علیہم السلام کی استغفار و توبہ میں اس حکمت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے-

ہماری اس تفصیل کے بعد اب آپ کو عصمت انبیاء علیہم السلام کا مفہوم خوب واضح ہو گیا ہوگا اور یہ بات بھی صاف ہو گئی ہو گی کہ عصمت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ان میں معصیت کا داعیہ تو پیدا ہوتا ہے مگر پھر قدرت ایزدی ان کو اس کے ارتکاب کرنے سے روک لیتی ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی نہاد ہی میں جو بشری قوتیں رکھی جاتی ہیں وہ فطرۃ اتنی شائستہ اور مذہب رکھی جاتی ہیں

www.besturdubooks.net

کہ ان میں کسی معصیت کی طرف ادنیٰ سا رجحان ہی نہیں ہوتا - جس طرح کہ ایک لطیف مزاج انسان کو نجاست اور گندگی سے طبعی نفرت ہوتی ہے اسی طرح ان نفوس قدسیہ کو معصیت کی ہر نوع سے طبعی نفرت ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی حکم برداری میں ان کو وہ طبعی راحت[1] محسوس ہوتی ہے جو مچھلی کو پانی میں اس لیے وہ اپنے قصد و ارادہ سے کسی ادنیٰ سی معصیت کا تصور بھی نہیں لا سکتے - اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان میں بھوک' پیاس' غضب' محبت اور اسی قسم کی دوسری بشری قوتیں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتیں - اگر ان میں یہ قوتیں موجود نہ ہوں تو پھر ان کی عصمت اتنا بڑا کمال ہی کیوں ہو اور ملائکۃ اللہ کی عصمت سے ان کو امتیاز ہی کیا رہے - یہاں فرق ہے تو یہی ہے کہ ملائکۃ اللہ اگر معصوم ہیں تو اس لیے کہ ان میں سرے سے یہ قوتیں ہی موجود نہیں وہ اگر معصیت کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے - اسی لیے ان کی شان میں ارشاد فرمایا گیا ہے -

﴿لا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ (تحریم:٦) وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اس میں جس کا ان کو حکم ہوتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے -

انبیاء علیہم السلام اور ملائکۃ اللہ کی عصمتوں میں فرق ✻ آیت بالا کا مقصد ملائکہ کی صرف عصمت بتانی نہیں ہے بلکہ الگ اپنی ایک ایسی مخلوق بتانی ہے جس میں خیر کے سوا شر کی طاقت ہی نہیں اس لیے وہ معصیت کر ہی نہیں سکتے بلکہ نیکی بھی صرف وہی کر سکتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اسی لیے نہ ان میں ترقی کا کوئی احتمال ہوتا ہے نہ تنزل کا -

﴿وَ مَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ (الصافات:١٦٤) اور ہم میں جو بھی ہے اس کا ایک معلوم مقام ہے (اس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا)

اور اسی لیے قرآن کریم میں کسی جگہ اپنے حق میں توبہ و استغفار کی نسبت ان کی طرف نہیں کی گئی وہ اگر استغفار کرتے ہیں تو بنی آدم کے لیے' ان کے حق میں توبہ و استغفار کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں اس لیے وہ حق تعالیٰ کی صفات میں سے صفت غفار و قہار' رزاق کا ذوق بھی نہیں رکھتے -

﴿وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ:٥) اور فرشتے تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں -

یعنی فرشتوں کا وظیفہ اپنے لیے صرف تسبیح و تحمید ہے اور اہل زمین کے حق میں استغفار اور ان کے لیے بخشش مانگنا - وظائف کی یہ تقسیم اتفاقی نہیں بلکہ انسانی اور ملکی خلقت کی تقسیم میں مبنی ہے - فرشتے چونکہ معصیت سے منزہ بنائے گئے ہیں اس لیے ملکوتی وظیفے یعنی تسبیح و تقدیس کے ساتھ استغفار بھی اس کے وظیفہ میں شامل ہے پھر چونکہ بشریت اس کی جوہر ذات ہے اور ملکیت اس کی صفت اس لیے اس کا خاص وظیفہ استغفار ہے -

اب یہ غور کر لینا چاہیے کہ ان دو عصمتوں میں سے بلند عصمت کون سی ہے کیا وہ عصمت جو جبری ہو؟ یا وہ عصمت جو اختیاری

---

[1] ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ارحنی یا بلال پھر ایک حدیث میں فرمایا جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ.

www.besturdubooks.net

ہو؟ کمال یہ ہے کہ قوتیں سب ہوں مگر سب شائستہ اور مہذب ہوں یا کمال یہ ہے کہ سرے سے وہ قوتیں ہی مفقود ہوں؟ ملک اور فرشتہ ہونا بھی بے شک ایک کمال ہے مگر اس کمال میں تمام تر کمال صانع ہی کا ظاہر ہوتا ہے خود فرشتوں کی اس میں تعریف کیا ہے' لیکن بشر ہو کر اگر پھر وہ فرشتہ صفت ہو تو یہ اس کی بھی تعریف ہے اور اس سے بڑا کمال ہے۔ زنانِ مصر ایک طرف تو اس کا یقین رکھتی تھیں کہ جس کے حسن و جمال کا وہ نظارہ کر رہی ہیں وہ بے شبہ ایک بشر کی صورت ہے مگر جب وہ اس کی عفت و عصمت کا نقشہ دیکھتی تھیں تو ان کو اپنے اس چشم دید یقین میں بھی شبہ گذرنے لگتا تھا۔ ذیل کی آیت میں ان کی اس حیرت کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے:

﴿مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ (یوسف:۳۱) یہ شخص آدمی نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

گویا کھلے طور پر بشر ہو کر یہ پاک بازی ایسی ہے جیسی فرشتوں میں بھی کسی بڑے فرشتہ کی ہو سکتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اس قسم کی گویا کوئی طاقت ہی نہیں ہے۔ پس اسباب و دواعی موجود ہونے کے باوجود معصیت سے نفور ہونا جتنا قابل تعجب ہے ان اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں معصیت سے نفور ہونا اتنا قابل تعجب نہیں۔ ملک اگر پاک بازی دکھلائے تو یہ اس کی فطرت ہے مگر تعجب تو اس پر ہے جو ہے تو بشر مگر اس کی پاک بازی کا نقشہ پھر وہ ہے جو ملک کا ہونا چاہیے۔

اچھا جب ان کی صفت عصمت کا عالم یہ ہوتا ہے تو پھر ان کی حفاظت الٰہی اور فرشتوں کی اعانت کا مطلب کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انسان خلقۃً ضعیف بنایا گیا ہے جیسا کہ وخلق الانسان ضعیفا سے ظاہر ہے اس لیے بعض مرتبہ وہ مقابل طاقتوں کا پورا پورا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس کا امکان نظر آنے لگتا ہے کہ اپنے قصد و ارادہ کے بغیر اس کا قدم لغزش کر جائے۔ انبیاء علیہم السلام کا معاملہ صرف ایک انفرادی معاملہ نہیں ہوتا' پھر ان کی آزمائش بھی معمولی انسانوں کی آزمائش کی طرح نہیں ہوتی۔ ایک طرف تن تنہا وہ ہوتے ہیں دوسری طرف کفر کا پورا جتھا سامنے ہوتا ہے جو ان کے مقابلہ پر ایسی ایسی تدابیر اختیار کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ پہاڑ بھی ہو تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

﴿وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ (ابراهیم:٤٦)

انہوں نے اپنی سب تدابیر کر ڈالی تھیں اور ان کی یہ سب تدابیر اللہ تعالیٰ کے سامنے تھیں۔ اگرچہ ان کی تدابیر ایسی تھیں کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دیں۔

اس لیے قرآن کریم نے ان کی اس پاک نفسی کو بھی ذکر کیا ہے اور اسی کے ساتھ ان کے ماحول کی اس نزاکت پر بھی تنبیہ فرمائی ہے۔ پھر یہ بتایا ہے کہ ان حالات میں اگر کسی میں غلط قدم اٹھانے کے دواعی و اسباب نہ بھی ہوں تو بھی اگر کسی خارجی باعث سے انسان کا قدم اس طرف اٹھ جائے تو کچھ بعید نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کے نگراں ہم ہوتے ہیں اس لیے وہ ان نازک مواضع میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور ان موانع کے باوجود ان کی عصمت میں ذرا فرق نہیں پڑتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں دیکھیے حالات کتنی نزاکت اختیار کر چکے تھے یعنی جس طرف سے انکار کا خطرہ ہو سکتا تھا اب اسی جانب سے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت دی جا رہی تھی۔ سوء اور فحشاء کی بھیانک صورت سے وہ خود خواہ کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں مگر وہ از خود ان کے اتنا قریب آ چکا تھا کہ اگر کوئی طاقت اس کو دھکا نہ دے دیتی تو اگر یہ از خود اس میں نہ گرتے

www.besturdubooks.net

تو یقیناً وہ خود آ کر ان کو گھیر چکے تھے۔ جب صورت حالات اتنی نزاکت اختیار کر گئی تو دیکھو پروردگار کی حفاظت کس طرح مدافعت کے لیے سامنے آ گئی اور کس طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر اس کا ذرا سا داغ بھی نہ لگ سکا۔ صورت حالات کی اسی نزاکت کو اس آیت میں ادا کیا گیا ہے:

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ[1] (یوسف: ۲۴)

عورت نے تو یوسف کا ارادہ کر لیا تھا اور اگر یوسف اپنے پروردگار کی محبت اور برہان نہ دیکھتے تو وہ بھی عورت کا ارادہ کر لیتے۔

یعنی ایک جانب تو ارادہ ہو ہی چکا تھا اور اس بناء پر دوسری جانب میں عصمت کے خلاف جتنے اسباب ہو سکتے تھے وہ سب موجود ہو گئے تھے اور نقشہ کچھ ایسا بن گیا تھا کہ اگر کہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے برہان رب نہ آ جائے تو اس طرف سے بھی قصد پیدا ہو جانا کچھ بعید نہ تھا مگر ان حالات کے باوجود پھر یہ ارادہ بھی کیوں نہ ہو سکا؟ اس لیے کہ ان کے رب کی برہان ان کے سامنے تھی پھر جب اس طرف ارادہ کا بھی وجود نہ تھا تو عصمت کے اس بلند مقام کو ادا کرنے کے لیے جو تعبیر یہاں اختیار کی گئی ہے وہ بھی کتنی بلند ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ. (یوسف: ۲۴)

یہ برہان دکھانا اور اس طرح ثابت قدم رکھنا اس لیے تھا تاکہ ہم ہٹا ئیں اس سے برائی اور بے حیائی کو بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہے۔

یہاں لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ نہیں فرمایا گیا یعنی صرف کا تعلق جو کچھ بھی رہا وہ سوء اور فحشاء کے ساتھ رہا اس کا تعلق حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کچھ نہ تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سواء اور فحشاء چونکہ خود بڑھ کر ان کی طرف آ رہا تھا اس لیے فعل صرف کا تعلق اسی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اپنی جگہ بدستور ثابت قدم رہے اس لیے یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو سوء اور فحشاء سے باز رکھا یہ تعبیر اس وقت مناسب تھی جب کہ یہاں ان کا ادنیٰ سا قدم بھی اٹھانا ثابت ہوتا۔ پس اندازہ لگایئے کہ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی عصمت بیان کرنے میں کتنی احتیاط سے کام لیتا ہے اور اس کے لیے تعبیر بھی وہ اختیار فرماتا ہے جو ان کی شان عصمت کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کر سکے۔ اسی طرح ایک موقع پر آپ کے سامنے منافقین نے ایک مسلمان پر جھوٹی تہمت لگائی اور اس کے لیے اس قسم کے قرائن اور شہادتیں مہیا کر دیں کہ ایک خالی الذہن انسان کے لیے ان کے موافق فیصلہ دیئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس لیے اگر یہاں آپ مسلمان کے خلاف فیصلہ فرما دیتے تو بالکل قرین قیاس ہوتا، مگر خدائی عصمت نے آپ کو ایسے فیصلہ سے بچا لیا اور وحی الٰہی نے تمام حقیقت کھول کر رکھ دی دیکھیے

---

[1] اس جگہ یہ بحث کرنی کہ وہ برہان رب تھی کیا غیر ضروری بحث ہے جس کے بیان سے سکوت کر لیا گیا اس کی تحقیق میں پڑنا ہمارے لیے بھی مناسب نہیں۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہ کوئی ایسی بات ہوگی جو عین اس وقت ان کے سامنے آئی اس سے قبل اس کا ظہور نہ تھا، دوم یہ کہ وہ کوئی ایسی چیز تھی جس سے رویت متعلق ہوئی تھی۔ یعنی نظر آنے کی چیز تھی۔ یہاں اس کا مصداق صرف نفس کی پاکی قرار دینا ظاہر کے خلاف ہے اور یوں باطل کو قلم کے زور سے حق ثابت کر دینا علیحدہ بات ہے و ان من البیان لسحرا کی ایک شرح یہ بھی کی گئی ہے۔

www.besturdubooks.net

واقعہ کی اس نزاکت پھر آپ کی غیبی عصمت کو قرآن کریم نے کس انداز سے ادا کیا ہے:

وَ لَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا. (بنی اسرائیل:۷۴)

اور اگر ہم تم کو سنبھالے نہ رکھتے تو تم ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے۔

یہاں بھی آپ کے حق میں احتیاط کے جتنے پہلو ممکن تھے ان سب کی رعایت کر لی گئی ہے یعنی جس بات کا خطرہ ظاہر کیا گیا ہے وہ آپ کا کوئی عملی قدم نہ تھا بلکہ صرف میلانِ طبع تھا' پھر اس پر لفظ کدت اضافہ فرما کر یہ بتا دیا گیا کہ آپ کا یہ میلان بھی ہوا تو نہ تھا مگر حالات اس کے قریب آ لگے تھے کہ اگر ہم نہ سنبھال لیتے تو ایسا ہو جاتا اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ شیاء کے ساتھ قلیلا کی صفت بڑھا کر یہ اور تنبیہ کی گئی کہ اگر آپ کا رجحان ہوتا تو وہ بھی بہت خفیف ہوتا - اس معاملہ میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں یوں معلوم ہوتا ہے گویا بہت سنبھال سنبھال کر الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں ادھر ان کی عصمت کی یہ رعایت ہے دوسری طرف اس کا امتنان بھی منظور ہے کہ اتنی عصمت پر بھی ان میدانوں میں ایسی صاف گلوخلاصی صرف ہماری حفاظت کا ثمرہ ہے - اگر ہماری دست گیری نہ ہو تو یہ ممکن نہیں - پھر جہاں کسی تکوینی مصلحت سے قدرت یہ دستگیری نہیں فرماتی بس وہیں قدم لڑکھڑانے لگتا ہے -

دیکھیے حضرت آدم علیہ السلام کے معاملہ میں جب مشیت الٰہی نے ان کی ایک ذرا سی لغزش میں عالم کی آبادی کا راز پنہاں فرما دیا تھا تو یہی نازک مراحل ان کے سامنے آ گئے - شیطان نے آ کر جو بات ان کے سامنے رکھی وہ خدا تعالیٰ کے دار الرضوان میں دائمی حیات کی دولت تھی جس کے لیے نبی تو نبی ایک عام مسلمان کا دل بھی بے چین ہوتا ہے - پھر اس پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ ایسا سماں باندھا کہ جو بات ان سے کہی گئی تھی وہ اس وقت ان کے دماغ سے بالکل نکل گئی مگر چونکہ تکوینی طور پر قدرت ہی کو یہ لغزش منظور تھی اس لیے یہاں ان کو سنبھالا نہیں گیا - آخر کار ان کا قدم پھسلا اور یہ آواز آئی -

وَ نَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. (اعراف:۲۲)

اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں نے اس درخت سے تم کو منع نہیں کیا تھا اور نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے-

مگر آدم علیہ السلام نے گریہ و زاری کے علاوہ عذر و معذرت کا ایک کلمہ تک منہ سے نہ نکالا کیونکہ جانتے تھے کہ اگر نسیان کا عذر کرتا ہوں تو یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اچھا یہ نسیان بھی کیوں ہوا؟ پھر جب انہوں نے یہ شان عبودیت دکھلائی تو ادھر سے شان معبودیت اس طرح ظاہر ہوئی کہ عفو و درگزر کے ساتھ اب خود اس کا عذر بھی بیان فرما دیا گیا - سبحان اللہ! انبیاء علیہم السلام بھی کتنے ادب شناس ہوتے ہیں - فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ) یعنی جو لغزش بھی ان سے ہوگئی وہ صرف نسیان کی بناء پر ہوئی - عزم و ارادہ کا تو یہاں نام و نشان بھی نہ تھا' ابھی ابھی یا تو یہ باز پرس تھی مگر جب اعتراف جرم ہے تو ابھی یہ نوازش ہے گویا جرم کچھ بھی نہ تھا انبیاء علیہم السلام کی لغزش بھی تمام جہان سے نرالی ہوتی ہے پھر ان کی بخشش بھی سب سے نرالی ہوتی ہے -

انبیاء علیہم السلام پر نسیان بھی قدرت ہی کی طرف سے ڈالا جاتا ہے اسی لیے وہ بہت سے انعامات اور جدید احکام الٰہی کا منشاء بن جاتا ہے - دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کتنے اہم مقصد کے لیے تو سفر کیا پھر ان کے رفیق کو ٹھیک مقصود پر پہنچ کر کیا

www.besturdubooks.net

نسیان ہوا اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے جو علامت ان کو بتائی گئی تھی وہ بچشم خود دیکھنے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور آگے چل پڑے مگر چونکہ یہ نسیان[1] قدرتی طور پر ڈالا گیا تھا اس لیے اس کی یاد دہانی کی شکل بھی قدرت ہی نے پیدا فرمائی وہ یہ کہ اس تمام سفر میں ایک دن بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکان محسوس نہ ہوا تھا مگر آج ذرا دور چل کر ہی ان کو تکان محسوس ہونے لگا اور وہ ذرا دم لینے کے لیے یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا. آج کے سفر میں تو ہم کو تکان ہو گیا۔ آخر بیٹھ کر جب ناشتہ دان کھولا گیا دیکھا تو مچھلی ندارد تھی، اسی وقت ان کے رفیق کو پچھلی منزل کی بات یاد آ گئی اور انہوں نے کہا کہ مچھلی تو میرے سامنے زندہ ہو کر پانی میں گھس گئی تھی، ادھر قدرت نے یہ سامان کر رکھا تھا کہ جس جگہ مچھلی گھستی تھی اس جگہ پانی منجمد ہو کر رہ گیا تھا اور وہ جگہ طاق کی شکل میں کھلی کی کھلی باقی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تو وہ جگہ تھی جس کی ہم کو تلاش تھی آخر وہ لوٹے اور وہیں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی اور ان کے سہو و نسیان کے واقعات میں اس پر بھی نظر رکھی جاتی کہ ان میں کیا کیا اسرار اور موعظت و عبر کے کتنے سبق پنہاں ہوتے ہیں تو قرآن کے تکرار قصص کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک شب اپنی حرم سرائے میں جانے کا اس لیے ارادہ کیا کہ ہر ہر بی بی سے ایک ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے اس پر فرشتے نے بھی یاد دلایا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے مگر ان کو یہ مبارک کلمہ کہنا پھر یاد نہ رہا آخر اس کا جو کچھ نتیجہ ظاہر ہوا وہ اسی جلد میں آپ کے سامنے ہے۔ بہر حال انبیاء علیہم السلام کے نسیان کا قدم بھی گرفت میں آ جاتا ہے۔ اگر کہیں قدرت ان کو سنبھالے نہ رہے تو اپنی گوناگوں ذمہ داریوں میں نہ معلوم ان کے کتنے قدم نسیان کے اٹھ جائیں۔ عام انسانوں کو معمولی پریشانیوں میں اہم سے اہم باتیں بھول جاتی ہیں پھر ان نفوس کا تو حال کیا ہوگا جن کے سر پوری نوع انسانی کے بننے اور بگڑنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

لہٰذا اس قسم کی جتنی آیتیں ہیں ان کو بھی عصمت کے خلاف سمجھنے کے بجائے براہین عصمت سمجھنا چاہیے ہم پہلے ترجمان السنہ میں لکھ چکے ہیں کہ نبی کے قول و عمل کا تو کہنا ہی کیا اس کی رائے کو بھی عصمت حاصل ہوتی ہے اور اگر کہیں اس پر ٹوکا گیا ہے تو یہ ان کی عصمت ہی کی بناء پر ٹوکا گیا ہے کیونکہ یہی اس کی دلیل ہے کہ ان کی ہر ہر نقل و حرکت بلکہ ان کی رائے بھی سب پروردگار کے زیر نگرانی ہوتی ہے اور اسی باطنی حفاظت کے اظہار کے لیے شاذ و نادر صورتوں میں کہیں ان کو ٹوک بھی دیا جاتا ہے اس کے برخلاف ان کی امتوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے اگر اجتہاد و کوشش کے بعد ان سے خطاء واقع ہو جائے تو اس پر بھی ان کے لیے ایک اجر کا وعدہ ہے۔

ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھ کر یہ اندازہ لگایئے کہ مقام نبوت کی نزاکت اور اس کا حسن کیا کسی ادنیٰ سی معصیت کے داغ کا بھی متحمل ہے۔ حاشا و کلا۔ و الحمد للہ اولاً و آخراً۔

---

[1] اس جگہ ترجمان السنہ جلد دوم ص ۳۷۲ حدیث نمبر ۸۰۶ کا تشریحی نوٹ ملاحظہ فرمالیں۔

www.besturdubooks.net

چونکہ اس موضوع کے متعلق مجھ کو قدیم سے شغف رہا ہے اس لیے اس مضمون کی تصانیف مطالعہ کرنے کا مجھ کو ہمیشہ موقعہ ملتا رہا ہے۔ حسن اتفاق سے آج سے تیس سال پہلے اسی مضمون پر ایک مطبوعہ فارسی مکتوب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا تحریر کردہ میرے ہاتھ آ گیا تھا اور مجھ کو اتنا پسند آیا تھا کہ میں نے اسی وقت اس کی ایک نقل لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی اور الحمد للہ کہ آج بھی یہاں وہ میرے دم کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے بعد جب قسمت نے متقدمین و متاخرین کی چند کتب کے مطالعہ کا موقع بخشا تو اندازہ یہ ہوا کہ جو کچھ ان متفرق اوراق میں بکھرا پڑا تھا وہ اس مکتوب میں یکجا جمع شدہ موجود ہے۔ پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فطری جدت پسندی نے طرز استدلال کا اس پر ایک اور ایسا نیا روغن چڑھا دیا ہے کہ وہی استدلال جس کو ملانہ کہا جا سکتا تھا اب فلسفیانہ بن گیا ہے۔ مجھ کو اس کا تصور بھی نہ تھا کہ میں کسی مناسب صورت میں اپنے قدر دانوں کے سامنے کبھی اس کو پیش کرسکوں گا مگر الحمد للہ کہ آج قدرت نے مجھ کو اس کا موقعہ عنایت فرما دیا اور بڑی مسرت کے ساتھ میں اس کو آپ کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ پہلے فارسی زبان ہی علمی زبان تھی' اسلامی معلومات کا بڑا ذخیرہ اسی زبان میں منتقل ہوا ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہ اس میں بھی تمام علماء سے جداگانہ اپنی ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ ہمارے زمانہ میں فارسی زبان تو بالکل متروک ہی ہو چکی ہے اور اردو بھی ترقی کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے۔ پھر اتنی طویل مدت گزر جانے کی وجہ سے میری نقل کردہ تحریر جگہ جگہ سے مشکوک بھی ہو چکی ہے۔ میں نے اس پر بھی تھوڑا سا وقت خرچ تو کیا ہے کہ حتیٰ المقدور اس کی تصحیح کردوں پھر اس کا ترجمہ بھی کسی حد تک قابل فہم کر دوں۔ اس فکر میں زیادہ میں اس لیے نہیں پڑا کہ ہیں مصنفؒ کا اصل مقصود ہی فوت نہ ہو جائے۔ اب آپ پورے غور کے ساتھ میرے تحریر کردہ مقالہ کو پڑھیں جو اسی مکتوب کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اس سے زیادہ غور کے ساتھ مکتوب مذکور کا بسم اللہ کر کے ترجمہ دیکھیں۔ و اللّٰہ المیسر۔

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوب حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
در معصومیت انبیاء علیہم السلام وہم تحقیق حقیقۃ کل طبعی

مکتوب اصل بزبان فارسی

بزعم احقر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام از صغائر و کبائر قبل النبوۃ و بعد النبوۃ بہر طور کہ باشد معصوم اند. وایں رائے جدید ہر چند کہ بظاہر مخالف اقوال اکابر است اما ہر کرا بہرہ از فہم دادہ اند ان شاء اللہ بعد تنقیح اصل مراد موافق اقوال اکابر خواہند یافت چوں ہر دعویٰ را دلیل بکار است نہ فقط لانسلم و انکار می باید کہ ایں دعویٰ را اولاً موجہ نمایم. برادر من در کلام اللہ می فرمایند "قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ" وہم چنیں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرمودہ اند ایں دو آیت باتبل مطلق ہدایت می فرمایند و ایں طرف آیت. "وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون. و ما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین" باہم پیوستہ بایں جانب مشیر اند کہ مقصود از انسان ہمانست کہ مامور بآنست و آں جز عبادت ہیچ نیست- مگر می دانی کہ ہر چیز را از لوازم ذات خود نا گزیر است چہ "الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ" وایں ظرف در تعریف ملائکہ و شیطان می خوانی کہ

ترجمہ اردو

احقر کے نزدیک انبیاء صغائر و کبائر ہر دو قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اپنی نبوت سے قبل بھی اور بعد بھی- میری یہ رائے اگر چہ بظاہر اقوال اکابر کے خلاف نظر آتی ہے لیکن مسئلہ کی پوری تقریر کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ موافق نظر آئے گی- چونکہ ہر دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہے صرف کسی بات کا انکار کر دینا کافی نہیں' اس لیے پہلے ہم اپنے دعویٰ کی دلیل قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں- ارشاد ہوتا ہے- "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو-" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" یعنی تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے! ان ہر دو آیات میں جب ہر معاملہ میں آپ کی اتباع اور ہر بارہ میں آپ کی ہستی کو نمونہ فرمایا گیا ہے اب اگر آپ کے افعال و اقوال میں معصیت کا احتمال ہو تو لازم ہوگا کہ معصیت میں بھی آپ کی اتباع ضروری ہو حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں- دوسری جگہ ارشاد ہے وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. اُن کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں- ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد صرف عبادت ہے نہ کہ معصیت! اور اس کو صرف اسی کا حکم دیا گیا ہے تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ معصیت میں بھی اس کو اتباع کا حکم دیا جا سکے- اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے اس کی ذات کے کچھ لوازم ہوتے ہیں جس جگہ وہ ذات موجود ہوتی ہے وہاں اس کے یہ لوازم بھی ضرور موجود ہوتے ہیں اسی لئے ان کی اس ذات کے لوازم کہا جاتا ہے جیسے آگ اس کے لئے جلانا لازم ہے جہاں آگ ہوگی ضرور جلائے گی- اس قاعدہ کے موافق ہمارے سامنے دو قسم کی مخلوق

www.besturdubooks.net

ہیں-ملائکہ وشیاطین ان کی ذات کے لئے بھی کچھ لوازم ضروری ہیں-قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذات کے لئے کفر لازم ہے كَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. اور ملائکہ کے لئے فرمانبرداری لازم ہے وہ فرماں برداری جس میں سرتابی و نافرمانی کی مطلق گنجائش نہ ہو وَلَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.

پس شیطان را عصیان و ملائکہ را اذعان فرمان لازم آمد و چون ایں قدر پیشتر گوش خوردہ آں عزیز است کہ لازم ذات از ملزوم خود عام نمی باشد لازم ذات اوست بجائے دیگر نمی رود و چگونہ تواں شد الواحد لا یصدر الا عن الواحد لازم آمد کہ در مصداق (خلطوا عملاً صالحا و اخر سیئا) از ہر دو نوع پارہ در خمیر نہادہ باشند نے بلکہ ہر کہ اخیال خیر و خطرۂ شر بہ دل می رود از ہر دو نوع چیزے در آغوش دادہ اند و از ہر قسم قدرے قدرے در بر نہادہ اندورنہ لازم آید کہ لازم ذات عام باشد اندریں صورت مثال ترکیب ارواح انسانی ازیں دو قسم مادہ چناں باشد لہ در ہر مادہ ترکیب انواع مرکبہ از اربع عناصر شنیدہ بلکہ چنانکہ از خواص اربعہ یبوست و رطوبت و برودت و حرارت کہ در اجسام مرکبہ یافتہ یشوند و لوازم ذات خاک و آب و باد و آتش اند ترکیب اجسامِ مرکبہ ازیں اجسام چار گانہ پے بردہ اند ورنہ کیست کہ وقت آفرینش نگریست ہم چنیں ترکیب ارواح انسان ما و شما از دو عنصر ملکی و شیطانی پے تواں برد گو ماورائے ایں دو چیز ہائے دیگر باشند. اندریں صورت لازم افتاد کہ ذات با برکات حضرت خلاصہ موجودات سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوات و اکمل التسلیمات از شائبہ شیطانی مبرا باشد و رنہ اتباع مطلق چگونہ صورت بندد ہاں اگر از لوازم ذات امید مفارقت بودے می تواں گفت کہ ہر چند کہ در ذات شریف حضرت حبیب رب العالمین جزوی از نوع شیطانی است اما عصیان کہ لازم آن بود در این مادہ مفارقت

چونکہ یہ امر بھی مسلم ہے کہ ذات کے لوازم ہوتے ہیں وہ اس ذات کے علاوہ دوسری جگہ نہیں پائے جاسکتے-اس لئے ملائکہ اللہ کے علاوہ اذعان و فرماں برداری اور شیطان کے علاوہ کفر سرکشی کسی دوسری جگہ پائی نہیں جاسکتی-لیکن ان دو مخلوق کے سواء یہاں ایک تیسری مخلوق اور نظر آتی ہے یعنی حضرت انسان جس میں یہ دونوں باتیں جمع نظر آتی ہیں ارشاد ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا یعنی انہوں نے نیک عمل کے ساتھ کچھ برے عمل بھی کئے ہیں لہٰذا حسب بیان سابق ضروری ہے کہ انسان میں ہر دو قسم کا مادہ موجود ہو-مادہ شیطانی بھی اور مادہ ملکی بھی ورنہ برائی اور بھلائی جو دراصل ان دو قوتوں کے ذات کے لوازم تھے عام بن جائیں گے-ان اجزاء سے انسان کی ترکیب پر یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ عناصر اربعہ سے اس کی ترکیب پر ظاہر ہے کہ انسان کے لئے عناصر اربعہ کے اجزاء ترکیبی ہونے کا ثبوت بھی ہمارے پاس بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ جو ان عناصر کے لوازم ہیں مثلاً رطوبت' یبوست' برودت اور حرارت یہ سب انسان میں موجود نظر آتے ہیں-رطوبت کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ آب جس کے لئے رطوبت لازم ہے انسان میں موجود ہے اسی طرح بقیہ اثرات کو دیکھ کر بھی تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ اس میں باد و آتش و خاک کے عناصر بھی موجود ہیں ورنہ ایسا کوئی شخص ہے جس نے انسانی آفرینش کے وقت ان اجزاء کا مشاہدہ کیا ہو-پس جس طرح ہم نے یہاں صرف لوازم کے وجود سے ان عناظر کے وجود پر استدلال کیا ہے اسی طرح عام انسانوں میں اعمال صالحہ اور اعمال سیہ کے اثرات کو دیکھ کر تسلیم کرنا بھی لازم ہوگا کہ اس

www.besturdubooks.net

نمود بالجملہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ اگر نعوذ باللہ مادہ شیطانی در خمیر حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بودے اتباع مطلق را نشائستے آخر کم از کم کیفیتے ازاں عارضِ حال اوشان شدے ورنگے از عصیان پدید آمد پس اگر ہر گونہ اتباع او خان فرمودہ شود بعصیاں نیز ارشاد کردہ شود اندریں صورت تصحیح این حصر و ما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین چگونہ تواں شدو چوں منشاء گناہ صغیرہ باشد یا کبیرہ ہماں مادہ شیطانی است لازم آمد کہ حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم معصوماں از اندیشہ گناہ معصوم باشند باز باید شنید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را ارشاد میفر ماید فبھداھم اقتدہ وایں ارشاد نیز باقتدار مطلق شدہ است تخصیص نوعی از افعال وتقلید قسمے از اخلاق واقوال نیست وہم مقرر است کہ چوں صلہ را بے قرینہ حذف میکنند چنانکہ در اللہ اکبر صلہ اکبر را حذف فرمودہ اند. ایں حذف تعمیم میباشد لہٰذا اکبریت اللہ تعالیٰ مخصوص باحدے نیست پس لازم آمد کہ حضرت و دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نیز ازیں عیب مبرا باشند. علاوہ بریں در آیۃ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی ضمیر است راجع بسوئے خدا تعالیٰ وضمیر مفعول کہ راجع بسوے من است محذوف باز ارتضی را مطلق داشتہ اند یعنی ایں نفرمودہ اند کہ ارتضی فی الاعمال او الاخلاق او فی ھذا الامر وبعد ایں ہمہ من رسول گفتہ اند و پیدا است کہ من در من رسول بیانیہ است نہ غیر آں. لہٰذا ضروری افتاد کہ ہمہ عناصر روحانی رسل محبوب ومرضی خداوندی باشند وجہش ایں است کہ چنانکہ زر و نقرہ را بر معیار سودہ میگرند تا غش از خالص معلوم شو ہم دچنیں امتحان

میں وہ دونوں قوتیں بھی ضرور ہیں جس کے یہ دو لوازم ہوگا یعنی مادہ ملکی مادہ شیطانی - اس تمہید کے بعد اب یہ ضروری ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مادہ شیطانی سے مبرا ہوں - ورنہ اگر آپ کی ذاتِ اقدس میں بھی یہ مادہ موجود ہو تو یہ لازم آئے گا کہ جو اس کے لوازم ہیں یعنی معصیت وہ بھی آپ کی ذات میں موجود ہو العیاذ باللہ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو جب قرآن کریم ہر معاملہ میں آپ کی اتباع کا حکم دیتا ہے تو یہ بھی لازم ہوگا کہ اس معصیت میں بھی آپ کی اتباع ضروری ہو- حالانکہ (وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ) میں حصر کے ساتھ فرمادیا گیا ہے کہ تم کو صرف عبادت کرنے کا ہی حکم دیا گیا ہے معصیت کا نہیں - یہاں اب اگر معصیت میں بھی آپ کی اتباع تسلیم کی جائے تو یہ حصر باطل ہو جائے گا - لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آپ میں مادہ شیطانی جو منشاء گناہ ہے موجود نہیں' اور چونکہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ دونوں کے صدور کا منشاء مادۂ شیطانی ہے- لہٰذا جب آپ میں یہ مادہ شیطانی نہیں تو آپ کا ہر قسم کی معصیت سے معصوم ہونا بھی ضروری ہے- (اب رہی یہ بحث کہ اس بیان سے صرف آپ کی ذات کا معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے جمیع انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے) تو قرآن کریم میں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ آپ انبیاء علیہ السلام سابقین کے طریقے کی پیروی کیجئے - یہاں بھی آپ کو ان کے طریقے کی پیروی کرنے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے کسی خاص قول وفعل کی تخصیص نہیں کی گئی - اور یہ نحو کا قاعدہ ہے کہ جب صلہ حذف کرتے ہیں تو وہاں مراد عموم ہوتا ہے جیسا اللہ اکبر میں دیکھو یہاں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس سے بڑا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ہر چیز سے بڑا

www.besturdubooks.net

عناصر روحانی اعنی اخلاق و ملکات وقوی باعمال میکلند تا نیک از بد متمیز شود چنانچہ خود میفر مایند. لیبلوکم ایکم احسن عملا وظاہر است کہ فعل وادودہش از آثار ملکہ سخاوت ومعرکہ آرائی از آثار شجاعت دردنہا ہم چنیں جملہ افعال از آثار ملکات وقویٰ وخلاق کامن می باشند و ایں آثار وافعال راباآں اخلاق وملکات ہماں نسبت است کہ خطوط معیار رابازاء نقرہ پس چناں کہ درزرونقرہ قدر وقیمت ہماں زرونقرہ راباشد نہ آں خطوط راد مقصود اصلی ومحبوب زرونقرہ بودنہ آن خطوط بلکہ آں خطوط فقط مظہر حسن وقبح زرونقرہ باشند نہ اصل مقصود ومحبوب وبلیغ و مرغوب ہمیں ساں قصہ دین است اصل محبوب ومقصود و مطلوب اخلاق مرضیہ اندنہ اعمال ودربازار آخرت دراصل قدر وقیمت ہماں اخلاق راباشد نہ ایں اعمال را ایں اعمال مظہر آں اخلاق وملکات اندنہ بذات خود محبوب ومرضی اندریں صورت ضروراست کہ ہمہ اخلاق وملکات وقویٰ دررسولاں محبوب ومرضی خدا تعالیٰ باشند ایں نتواں شد کہ بعض از آنہا منجملہ مرضیات باشند وبعض ازاں خلاف مرضی ورنہ اطلاق ''ارتضی'' باطل گرددمگردانی کہ اندریں صورت معصومیت انبیاء از صغائر وکبائر ضروری است وازانجا کہ بعد ارتضی بایرادمن رسولٍ کہ درآں من بیانیہ آوردہ اند بیان ایں معنی فرمودہ اند کہ ہر کہ مصداق من ارتضی باشد رسول شدنش ضروری است ہمہ فہمیدہ باشند کہ سواء انبیاء کسے رابمعصومیت اعنی امتناع صدور عصیاں صغیرہ باشد یا کبیرہ صفت نتواں کرد مگر غرضم ازصدور ایں است کہ مصدر معصیت اعنی قوتیکہ مقتضائش عصیان باشد درخمیر بودنہ اینکہ مثل آب گرم کہ از ذات

ہے- اسی طرح جب یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ کس بات میں ان کی پیروی کیجئے تو ثابت ہوا کہ مراد یہ ہے ''ہر بات میں'' لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح جملہ انبیاء علیہم السلام کی معصومیت بھی ثابت ہوگئی- اس کے علاوہ قرآن کریم میں ایک اور عام دلیل بھی ہے جس سے جملہ انبیاء علیہم السلام کی معصومیت ثابت ہوتی ہے- عَالِمُ الْغَيْبِ الخ فعل ارتضٰی میں ارتضٰی کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے- یہاں بھی فعل کو مطلق رکھا گیا ہے- جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے- اور اس کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی کہ حق تعالیٰ کی اس رضاء کا تعلق ان کے کس خاص عمل کے یا کسی خاص قول کے ساتھ ہے- تو ماننا پڑے گا کہ یہاں بھی عموم واطلاق ہی مراد ہے اور ''من رسولٍ'' میں من چونکہ بیانیہ ہے اس لیے ثابت ہوا کہ مَنِ ارْتَضٰی یعنی جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ رسول ہیں- لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول جتنے بھی ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مرتضیٰ ہیں اور وہ بلاتخصیص ہر بات اور ہر اداء میں محبوب ومرتضیٰ ہوتے ہیں- اب اگر ان سے معصیت کا صدور ممکن ہوتو وہ علی العموم محبوب و مرتضیٰ کیسے ہوسکتے ہیں- اس کے بعد یہ سمجھے کہ جس طرح چاندی اور سونے کو کسوٹی پر اس لیے گھستے ہیں تاکہ اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا معلوم ہوجائے- یہاں کسوٹی پر گھسنے سے جو لکیریں پیدا ہوجاتی ہیں وہ خود مقصود نہیں ہوتیں بلکہ وہ چاندی اور سونے کے کھرے یا کھوٹے ہونے کا صرف ایک معیار ہوتی ہیں اصل قدر وقیمت اسی چاندی اور سونے کی ہوتی ہے- اسی طرح عناصر روحانی یعنی اخلاق وملکات اور انسانی افعال وکردار کی مثال ہے- یہاں بھی اعمال کی تشریح کا اصل مقصد اختلاق حسنہ واخلاق سیئہ کا امتحان ہے- چنانچہ ارشاد ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا زندگی اور موت کو ہم نے اس لیے پیدا کیا

www.besturdubooks.net

خود میتواں شد معروض عصیاں از خارج ہم نمی تواں بعروض حرارت خارجیہ از ذات خود میتواں شد معروض عصیان از خارج ہم نمی تواں شد آری باوجود امکان عروض عصیاں انبیاء را از عروض آن نگاہ میدارند چنانچہ فرمودہ اند کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین مگر آنکہ بعض اقسام معصیت از سوء و فحشاء ہم خارج باشند بالجملہ ایں آیت بر امکان عروض ہم دلالت دارد ورنہ ''صرف'' بچہ کار آمدے در محفوظ ماندن انبیاء ہم شاہد است ورنہ بیکار رفتے بہر حال معصومیت بمعنی مذکور مخصوص بانبیاء است اولیاء را ہم شریک اوشاں بدیں صفت نتواں گفت ان اولیاء ہ الا المتقون کہ بہ تعریف اولیاء فرمودہ اند بہ ایں معنی اشارہ دارد تفصیل ایں اجمال اینکہ متقون صیغہ اسم فاصل است وضمیرش راجع سوء اولیاء و مفعولش ہرچہ باشد محذوف لیکن حاصل اتقاء ہمیں اجتناب از معاصی وغیر مرضیات بو دزیں بعد بشنو کہ حاصل متقی ازایں است کہ موصوف بوصف بوصف اتقاء مبنی للفاعل باشد بر تعدی الی المفعول ضرور نیست و ایں بداں ماند کہ در ایام برشگال مثلاً وقت رفتار خود را از افتادن باز میدارند و باایہمہ گاہے پائے روندہ می لغزد و از پائے افتند و بریں بناء بدیگراں میگویند کہ من ہر چند خود را از افتادن نگاہ بداشتم مگر نتوانستم غرض ازیں تعریف کہ در کلام اللہ مذکور شد عدم امکان صدور معاصی نمی برآید آرے بشہادت بجو آیۃ یثبت اللّٰہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ. محفوظ ماندن اوشان از معاصی می برآید زیرا کہ اطلاق امنوا اشارہ بکمال ایمان می کند فرمودہ اند المطلق یراد بہ الفرد الکامل

ہے تاکہ تمہاری آزمائش کریں کہ تم میں بلحاظ عمل کون بہتر رہتا ہے- دیکھئے انسان کی داد و دہش کا عمل اس کا شاہد ہوتا ہے کہ اس میں ملکہ سخاوت موجود ہے' اسی طرح اس کی معرکہ آرائی اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اس میں شجاعت کی صفت پنہاں ہے- علیٰ ہذا القیاس انسان کے جتنے اعمال بھی ہیں وہ سب درحقیقت اس کے ان اخلاق کی دلیل ہوتے ہیں جو اس میں پوشیدہ موجود ہیں- یہاں بھی کسوٹی کے خطوط کی طرح خود یہ اعمال مقاصد نہیں ہوتے بلکہ اصل مقصود وہ مخفی اخلاق و ملکات ہوتے ہیں اور یہ اعمال اس پر دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں- بازار آخرت میں تمام تر قیمت انسان کے ان مخفی اخلاق ہی کی ہے- اس بنا پر ضروری ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے یہ عناصر روحانی یعنی اخلاق و ملکات جو کہ مبداء اعمال ہیں سب کے سب حسنہ اور رب العزت کی نظر میں پسندیدہ ہوں- یہ نہیں ہو سکتا کہ بعض پسندیدہ اور بعض غیر پسندیدہ ہوں ورنہ ارتضیٰ من رسول میں رسولوں کو بلا کسی استثناء کے پسندیدہ فرمانا کیونکر مستقیم ہو سکتا ہے- لہٰذا جب ان کے جملہ اخلاق و ملکات پسندیدۂ حق ہو گئے تو ان کے جملہ اعمال کا بھی حسنہ ہونا ثابت ہو گیا اور ان کی معصومیت بھی ثابت ہو گئی من ارتضیٰ کے بعد من رسول میں اسی نکتہ پر تنبیہ کے لیے من بیانیہ لائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مِنْ رَّسُوْلٍ یہ مَنِ ارْتَضٰی کا بیان ہے یعنی جو شخص اس عموم کے ساتھ حق سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ ہو وہ صرف ایک رسول ہی ہو سکتا ہے اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے سواء کسی کو اس معنی سے معصوم نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے گناہ کا صدور ناممکن ہو- یہ واضح رہے کہ گناہ صادر نہ ہونے سے یہاں ہماری مراد یہ ہے کہ اس کی ذات میں وہ قوت ہی موجود نہ ہو جو صدور عصیان کی مقتضی ہو' یہ مطلب نہیں ہے کہ جس طرح اس کی ذات میں نافرمانی کرنے کا منشاء موجود

www.besturdubooks.net

و پیدا است کہ کمال ایمان با ولایت وساز است باز بار استعانت در بالقول الثابت براین امر دلالت دارد کہ انچہ بداں ثابت میدارد آں چیز دیگر است لیکن پیدا ست کہ انچہ در تحققش قول ثابت یعنی لا الہ الا اللہ را دخل است ہمی طاعت وتقویٰ است نظر براین اگر گویند کہ مؤمنان کامل را بہ برکت لا الہ الا اللہ ابر طاعت وتقویٰ ثابت می دارند بجاست و ظاہر است کہ ایں وقت محفوظیت از معاصی ضرورست. باقی وجہ تخصیص معصومیت بہر انبیاء و محفوظیت بہر اولیاء با آنکہ ہر دو متحد المفہوم می نمایند درخور ایں عجالہ نیست ورنہ ان شاء اللہ دریں بارہ ہم چیزے رقم میزدم باقی[1] ماند اینکہ ایں جرائم مسلم الثبوت از کجا خاستند اگر مادہ مذکور نبود صدور جرائم محال بود جوابش این است کہ افعال را دو جہت است یکے نیت ومبادی آنکہ آنرا مصدر افعال تواں گفت دوم پیکر وہویات آنکہ مظہر آں تواں خواند. لیکن پیدا است کہ مصدر ومظہر را بیک وتیرہ نداشتہ اند یک فعل بیک مظہر میباشد وانواع نیات بلکہ مدارج یک نوع ہم ازاں متفاوت اندریں صورت میتواں شد کہ پیکرے ومظہرے دریوزہ گر مصادر شتی باشد ہاں ازیں قدر انکار نتواں کرد کہ بعض مظاہر ارتباط طبعی بابعض مصادر دارند و ازیں جہت درصورت صدور آں از مصدر دیگر بینندہ را بغلط اندازد و

نہ ہو اسی طرح کسی عارضی اور خارجی سبب سے بھی اس سے کوئی عمل ایسا نہ ہو سکے۔ جس پر عصیان کا شبہ ہو۔ دیکھو گرم پانی میں گرمی پانی کی ذات سے نہیں ہے، مگر خارج سے پیدا ہو سکتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر عصیان گو خارجی عوارض کی وجہ سے طاری ہو سکتا ہے مگر قدرت ان کی نگہبان رہتی ہے۔ اور اس خارجی سبب کی وجہ سے بھی نافرمانی سے بچالیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے (كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ) آیۃ بالا سے چند فوائد معلوم ہوئے۔ اول یہ کہ جو نوع سوء اور فحشاء کی تعریف میں نہ آتی ہو اس کا صدور کسی عارضی وجہ سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ دوئم یہ کہ سوء اور فحشاء کا تحقق خارجی اسباب سے یہاں بھی ہو سکتا ہے سوئم یہ کہ اس امکان کے باوجود قدرت ان کے صدور سے بھی نگہبان رہتی ہے اگر خارجی اسباب سے معصیت کا صدور ناممکن ہوتا تو پھر آیت بالا لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ یعنی صرف کا کوئی فائدہ ہی نہ رہتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معصومیت بایں معنی کہ اس کی ذات میں صدور معاصی کا منشاء نہ ہو صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اس معنی میں اولیاء اللہ بھی ان کے شریک نہیں ہیں۔ اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد ہے (اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ) یہاں اولیاء کی شان میں متقی ہونا فرمایا گیا ہے۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں بچنے والا۔ یہاں بھی مفعول محذوف ہے جس کا مطلب وہی عموم ہے۔ یعنی ہر قسم کی معصیت سے بچنے والا' مگر جو خود بچنے والا ہو اُس کے لیے یہ لازم نہیں۔ ہے کہ بچ بھی جائے۔ برسات کے موسم میں جب راستے کچے ہوتے

---

[1] حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تحقیق سے جو فرق فہم ناقص میں آتا ہے اس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے یعنی معصوم اور محفوظ گناہوں سے معصوم ہونے میں گو دونوں شریک ہوں لیکن معصوم میں مبداء عصیان ہی نہیں ہوتا اس لیے اس سے معصیت کا صدور ممکن ہی نہیں اور محفوظ کی فطرت تقدس کے اس مرتبہ میں نہیں ہوتی اس سے معصیت کا صدور ممکن ہے گویا انبیاء علیہم السلام میں یہ صفت ذاتی ہوتی ہے اور اولیاء اکرام میں خارجی اور عارضی۔ واللہ اعلم بالصواب.

www.besturdubooks.net

خود با مصدر دیگر سازد مثلاً پیکر صلوٰۃ اعنی ایں صورت خاصہ از رکوع و سجود علاقہ طبعی با مصدر خاص کہ اخلاص است میدارد و با اینہمہ با مصادر دیگر اعنی نیات فاسدہ نیز گاہے خود را می سپار دوز یر پردہ نیات دیگر مثل ریاء و سمعہ سر می برآید لیکن بوجہ ہماں علاقہ طبعی کہ مذکور شد در بادی النظر بر اخلاص کہ عین تعبدست محمول میشود وہمیں است کہ درحق منافقان سرمایہ اطمینان دامن شد ورنہ در کفر او شاں چہ کمی بود کہ آب تیغ جند اللہ بخشیدند ہمیں طور بعض پیکر و ہیاکل بعض افعال را مثل سب وشتم ونقصان مال و جان دوست وگریاں شدن یکے بدیگرے و دروغ و امثال آں علاقہ خاص باعصیان ست گو گاہ بگاہ مصدر آنہا چیزے دیگر شدہ باشد. مقاتلہ جہاد و کشت و خون فساد و عناد ہر چند ہمرنگ یک دیگر اند لیکن بوجہ آنکہ ایں قصد را عناد و فساد اتحادی است طبعی گو دستاویز بغض فی اللہ و مظہر اطاعت نیز میتواں شد ہمیں است کہ بسیارے از انسان صورت آں جہاد را ظلم وستم انگاشتہ دل از حقیقت دین اسلام برداشتہ اند چوں ایں مقدمہ ممہد شد سخن دیگر کہ ہم از اں سر میزند باید شنید بحکم. انـمـا الاعـمـال بالنيات و ان الله لا ينظر الى صوركم و اعمالكم و لكن الله يـنـظـر الـى قـلـوبـكم و نياتكم او كما قال مدار اعتبار کاروبار بنی آدم بر مصادر اعنی نیات و مبادی آں خواہد بود. جسے یا قبحے کہ در ذات افعال ودیعت نہادہ اند از اں حساب نخواہند فرمود اندریں صورت نوعے از حسن و قبح از طرف مصادر بسوئے مظاہر خواہد آمد لاجرم آں حسن و قبح درحق مصادر لازم ذات و درحق مظاہر عارضی خواہد بود پس اگر مصادر آں قبیح بالذات و مذموم حضرت رفیع

ہیں آدمی کوشش کرتا ہے کہ سنبھلے مگر پیر کبھی پھسل جاتا ہے اور گر جاتا ہے- اس لیے کہا کرتے ہیں کہ میں نے بہت کوشش کی مگر آخر پھسل گیا اور بچ نہ سکا- پس آیت بالا سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے جو اولیاء ہیں وہ گناہوں سے بچتے ہیں مگر یہ کہ صدور معصیت کا ان سے امکان نہیں ہوتا یہ ثابت نہیں ہوتا- ہاں ایک اور آیت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت امکان عصیان کے باوجود ان کو بھی گناہ کے ارتکاب سے بچا لیتی ہے ارشاد ہے- (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. یہاں الـذيـن امـنـو ا) یعنی مؤمنین سے مراد وہی اولیاء اللہ ہیں چونکہ یہاں بھی یہ صفت مطلق رکھی گئی ہے اور چونکہ مطلق سے فرد کامل ہی مراد ہوتا ہے اس لیے یہاں مؤمنین سے مراد ان کے مرد کامل ہوں گے وہ اولیاء اللہ ہیں اگر چہ آیت بالا میں جس امر پر ثابت وقائم رکھنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ حسب تصریح آیت القول الثابت ہے یعنی کلمہ طیبہ مگر ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ پر ثابت قدمی نتیجہ اسی تقویٰ اور ان کی اطاعت شعاری کا ہے اس بناء پر اولیاء کی معصومیت بھی ثابت ہوگئی- لیکن علماء نے اولیاء کے حق میں معصومیت کی بجائے محفوظیۃ کا لفظ استعمال کرنا مناسب سمجھا ہے- اس وقت اس عجلت میں ان دونوں کے فرق پر روشنی ڈالی نہیں جاسکتی فرصت ہوتی تو اس کے متعلق بھی کچھ تحریر کرتا- اب رہا یہ سوال کہ جب انبیاء علیہم السلام میں معاصی کا منشا ہی موجود نہ تھا تو پھر ان سے ان افعال کا صدور کیسے ہوا جن کی نسبت قرآن کریم کی تصریحات موجود ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال کی دو جہتیں ہوتی ہیں ایک ان کی نیت و مبادی جن کو مصادر افعال کہنا مناسب ہے- دوم ان کے قوالب اور اشکال جن کو مظاہر سے تعبیر کرنا موزوں ہے- یہ ظاہر ہے کہ مصادر و مظاہر افعال دونوں ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی فعل کا مظہر یعنی شکل اپنے مبادی یعنی نیات کے اختلاف سے مختلف ہوسکتا ہے بلکہ ایک ہی نوع کی

www.besturdubooks.net

الدرجات است مثل جو و عناد و تکبر ہواؤ ہوس آنرا گناہ باید پنداشت و ہرچہ مصادر آں حسن بالذات و محمود خالق کائنات است اگر از قسمے است کہ آنرا علاقہ طبعی با مصادر قبیحہ و ذمیمہ است بدو حال متصور است یکے آں کہ غلط فہمی باعث تحرک اخلاق حمیدہ گشتہ کہ ایں پیکر بداں وابستہ است. آں را خطائے اجتہادی باید گفت دوم آنکہ غلط فہمی را دریں سلسلہ مداخلتے نباشد ایں قسم را از زلات باید خواند مثال اول مناقشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام با حضرت ہارون علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام است و مثال ثانی معاملہ برادران حضرت یوسف علیہ السلام بادشان وقصہ گریختن حضرت یونس علیہ السلام بنماید چہ مصدر ایں حرکات و باعثِ صدور آں از اخوان یوسف علیہ السلام محبت دنیا نبود جملہ لیوسف واخوہ احب الی ابینا منا خود برایں قد رگواہ است کہ باعث این حرکات عنایاتِ حضرت یعقوب علیہ السلام بود. ظاہر است کہ یعقوب علیہ السلام از ملوک روزگار و امراء وقت و سردار نبودند کہ عنایاتِ اوشان بحال یوسف علیہ السلام موجب حصول مناصب دنیوی می شد و ازیں باعث عرق حسد برادران بجوش می آمد نے بلکہ توجہ حضرت یعقوب علیہ السلام مورثِ برکات دینی بود و موجب حصول مقاصد یقینی زیں باعث برادران اوشاں را حسد از دیں سرزد وی دانی کہ حسد از لوازم بحث و آثار آنست ہر قسم محبت کہ باشد پس اگر محبت دنیوی است حسد نیز لازم و در حکم و اعتبار تابع آن خواہد بود اگر محبت خداوندی است ہمچنان حسد آں ہماں حساب شمردہ خواہد شد. بالجملہ ایں رشک اوشاں از آثار محبت خداوندی می نماید آرے

نیت میں بھی بے شمار مراتب پیدا ہو سکتے ہیں- اس بناء پر یہ ہو سکتا ہے کہ فعل کی صورت و مظہر تو بظاہر یکساں نظر آئے مگر اس کے مبادی یعنی نیتوں اور مصادر میں زمین و آسمان کا فرق رہے اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ بعض افعال کی صورتوں کو بعض مصادر و نیات کے ساتھ طبعی ربط ہوتا ہے اس بناء پر اگر اسی فعل کا صدور کسی دوسرے مصدر اور کسی دوسری نیت سے ہو جس کے ساتھ اس کو وہ طبعی ربط حاصل نہ ہو تو دیکھنے والے کو یہاں مغالطہ لگ جاتا ہے اور وہ اس طبعی ربط کی وجہ سے یہاں بھی مصادر کے اتحاد کا حکم لگا دینے پر مجبور ہو جاتا ہے مثلاً نماز کی خاص ہیات جو رکوع و سجود سے مرکب ہے اس کو اخلاص کے ساتھ ایک ایسا ربط حاصل ہے جس کی وجہ سے نماز مصلّی کے اخلاص کے لیے برہان بن جاتی ہے- بایں ہمہ کبھی نماز مصادر فاسدہ سے بھی اداء کی جا سکتی ہے یعنی اس میں فاسد نیت بھی ہو سکتی ہے- لیکن اسی طبعی علاقہ کی وجہ سے نمازی پر گمان غالب یہی ہوتا ہے کہ وہ مخلص ہے اور یہی وجہ تھی کہ منافقین کے حق میں بھی یہ نمازیں سرمایہ اطمینان بنی ہوئی تھی اور ان کے جان و مال دونوں محفوظ تھے ورنہ ان کے کفر میں شبہ کیا تھا- اس کے برعکس بعض اشکال و صور کو بھی بعض معاصی کے ساتھ طبعی ربط ہوتا ہے- جیسے سب و شتم، جنگ و جدل اور قتل و غارت وغیرہ یہاں بھی نیات کے تفاوت کی وجہ سے ان افعال کے معصیت اور طاعت ہونے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور اسی طبعی ربط کی وجہ سے مغالطہ لگ جاتا ہے- یہی وجہ ہے کہ جہاد کی صورت چونکہ ناحق کشت و خون کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور کشت و خون کو عناد و فساد کے ساتھ طبعی ربط حاصل ہے اس لیے جہاد پر کشت و خون کا مغالطہ لگ جاتا ہے حالانکہ یہ بغض فی اللہ کا مظہر اور اطاعت ربانی کا مرقع ہے ان کا قالب گو یکساں نظر آئے مگر ان کا مصدر قطعاً مختلف ہے' اسی اشتباہ کی وجہ سے بعض کوتاہ فہموں کے لیے تو جہاد کی مشروعیت حقانیت اسلام کے سمجھنے میں شبہ کا موجب بن گئی ہے-

www.besturdubooks.net

پیکرِ نازیبا در برگرفتہ بود ظاہر بیناں ایں را جریمہ خوانند و مرتبان را گناہگار انگارند و بندۂ گمنام ایں را از قسم زلآت می شمارد و ہمیں است کہ مغفور شدند ورنہ فساد ذات البین را حالقہ فرمودہ اند و ازیں جا معنی لا حسد الا فی اثنین پیدا شدہ باشد و ہم ہویدا شدہ باشد کہ دریں حدیث حسد بمعنی خود است حاجت آں نیست کہ بمعنی غبط گیرند مگر غرضم نہ آنست کہ کار بند ایں قسم حسد ہم باید شد و بزدوکوب و ایذاء رسانی باید پرداخت نے بلکہم ادم آنست کہ ایں قسم حسد کہ از آثار محبت خداوندی است و در عروضش بر طبع کے را اختیار نیست بذات خود مذموم نبست ازیں جا دریافت کردہ باشی کہ جرم چیزے دیگرست و زلہ و خطار اجتہاد چیزے دیگر بلحاظ پیکر یکے را از قسم دیگر شمردن نشاید و ہم دریافتہ باشی کہ کذب وغیرہ کہ منشاء آں ہمیں حسد متفرع بر محبت خداوندی شدہ باشد در حکم و اعتبار وشمار ہماں حسد خواہد بود اندریں صورت کذبات اخوان یوسف را جرم نباید گفت زلت باید خواند باقی وجہ تسمیہ ہم ازیں بیان خواہد یافت لیکن ایں قدر باید نوشت کہ در صورتے کہ مصدر گناہ صغیرہ باشد یا کبیرہ ہماں مادۂ شیطانی شد چہ پیش آمد کہ اکابر دین امتناع کبائر پس و پیش نبوت برابر شمر دند و صغائر را مخصوص بزمانہ پس نبوت دانستند مقتضائے اتحی د منشاء آں بود کہ ہر دو یکساں می بودند در جوابش آنچہ بفہم احقر می آید انیست کہ کبائر بذات خود مقصود می باشند و صغائر ذرائع کبائر می بودند. قبح کبائر بہ نسبت صغائر ذاتی میباشد و قبح آں عرضی چہ کبائر را بجز یک مصدر معین مصدرے دیگر نمی باشد و ذرائع را مصادر کثیرہ می بود و آنھم بسا اوقات متبدل یشود ہمیں ست کہ زناء باہر کہ

اسی مقدمہ کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ بمقتضائے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اصل محاسبہ کا مدار مصادر افعال رہیں گے نہ ان کے مظاہر و اشکال لہٰذا محاسبہ صرف افعال کے مظاہر حسنہ اور قبیحہ پر نہ ہوگا بلکہ اصل حسن و قبح کا مدار ان کے مصادر یعنی نیتوں پر رہے گا اور ان نیتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہی ان کے مظاہر و اشکال پر بھی حسن و قبح کا حکم لگایا جا سکے گا یہ حسن و قبح ان مصادر کے حق میں تو ذاتی اور اصلی ہوگا اور مظاہر کے لیے عارضی لہٰذا اگر مصادر افعال بالذات قبیح ہوں اور حق تعالیٰ کے نزدیک قابل مذمت و نفرت ہوں جیسے توحید کا انکار' عناد و تکبر' ہواء و ہوس' یہ افعال ہر حالت میں معاصی شمار ہوں گے- کیونکہ یہ افعال ایسے ہیں جن کا قبح بالذات اور اصلی ہے عارضی نہیں اور جن افعال کے مصادر حسن بالذات ہوں اور خالق کائنات کے نزدیک عمدہ ہوں تو ان کے متعلق یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کو مصادر قبیحہ کے ساتھ کوئی طبعی علاقہ تو نہیں ہے اگر ہے تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے اخلاق حمیدہ ان مظاہر کے ارتکاب کا محرک بن سکتے ہیں دوم یہ کہ کسی غلط فہمی کا محل ہی نہ ہو- پہلی صورت کو خطاء اجتہادی کہا جاتا ہے اور دوسری کا نام زلت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ پہلی قسم میں داخل ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سلوک ان کے ساتھ کیا تھا وہ صرف اس غلط فہمی میں تھا کہ بنی اسرائیل کے معاملہ میں ان سے کچھ نہ کچھ تساہل ہوا ہے- اس کے برخلاف برادرانِ یوسف علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کا معاملہ دوسری قسم یعنی زلت میں داخل ہے- کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام سے جو فعل سرزد ہوا اس کی بنیاد دنیا کی محبت نہ تھی بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان کی جانب غیر معمولی میلان تھا جیسا کہ وَ اَخُوْہُ اَحَبُّ اِلٰی اَبِیْنَا اس پر شاہد ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کوئی ظاہری بادشاہ تو نہ تھے

www.besturdubooks.net

باشد ممنوع و بوس و کنار با اولاد خود محمود و دانی کہ اندریں صورت کبائر موصوف بالذات و صغائر بالعرض و قابل عروض خواہند بود قبل عروض اطلاع قابلیت لغایت عسیر مثل اطلاع موصوف بالذات سہل و آشکار ایست مع ہذا تحدید حدود کار خداوند معبود ست نبی را ہم اگر ایں علم میسری آید بذریعہ وحی میسری آید و غالباً ووجدک ضالاً فھدیٰ ہمیں معنی داشتہ باشد مگر علم حدود کبائر بایں وجہ کہ بوجہ مقصود بودن آں و اشتہار مذمت آن قرناً بعد قرن ۔ اتفاق انبیاء دراں روشن تر است چنداں محتاج وحی نیست . بایں وجہ لازم آمد کہ ہم پیش از نبوۃ و ہم بعد از نبوۃ ممتنع باشد باقی ماند صغائر چوں آنہا دراں مرتبہ اشتہار نمی باشند و نہ چناں مقصود و برروے کار گونہ اختفاء دراں راہ یافت کہ بے نزول وحی علم بسیارے ازاں در حکم ممتنع باشد آخر کیست کہ نمی داند کہ ممانعت ذرائع زناء کہ از حدیث و کلام اللہ می برآید ہرگز بخیال احدے نمی آید ہاں بعضے ازاں مثل کذب کہ علم بطلان آں طبعی ست دربارۂ امتناع و انتہاء انبیاء ازاں محتاج وحی نیست مگر اینہمہ تا ہماں دم است کہ جریمہ باشد و اگر از قسم زلت بود امتناعش در حق اوشاں ممتنع نمی نماید ہاں ایں قدر صحیح کہ قوت علمیہ و قوت عملیہ از کمالات ذاتیہ بلکہ اصل آنست۔ و کذب بظاہر دلالت بر فساد اول دارد کہ اشرف ست و بعد اطلاع تعمد کذب در اخبار دنیوی رافع اعتماد مطلق ست پس خدارا چہ امید کہ وحی بجنسہ خواہد رسانید و بنی نوع را چہ یقیں کہ ہرچہ از خدا آوردہ بے کم و کاست آوردہ بایں وجہ کسیکہ کذب مقتضاء طبعش بود نبوت رانشاید لیکن از پاک نہاداں بوقت غلبہ مصدر چنانچہ صدور کبائر ممکن است و جملہ لولا ان رأی برھان

کہ ان کے میلان میں کسی ظاہری نفع کا خیال پیدا ہوسکتا ہو بلکہ ایک نبی تھے جن کی محبت پر صرف آخرت ہی کا نفع باعث حسد بن سکتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حسد لوازم محبت میں سے ہے خواہ وہ دنیوی محبت ہو یا اخروی لہٰذا جیسی محبت ہوگی اس کے حسد کا حکم بھی اسی کے تابع رہے گا چونکہ برادرانِ یوسف علیہ السلام کے حسد کا باعث خداوندی محبت تھی اس لیے ان کے حسد کا باعث بھی محبت خداوندی کے آثار میں شمار ہوگا ہاں یہ ضرور ہے کہ جو اس کا قالب اختیار کیا گیا وہ یقیناً نازیبا تھا- یہاں ایک ظاہر بیں جو صرف افعال کی ظاہری صورت پر نظر رکھتا ہے اس کو معصیت اور گناہ ہی شمار کرے گا لیکن ہمارے نزدیک وہ زلت میں داخل ہے یہی وجہ تھی کہ یہ ذات البین جس کے حق میں حالقہ کا لفظ وارد ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کی سفارش پر بارگاہ رب العزت میں معاف ہوگئی- اس تقریر سے حدیث **لا حسد فی الاثنتین** کے معنی میں کسی تاویل کی ضرورت نہ رہی (کیونکہ نیات کے تفاوت سے بعض مواضع میں حسد کی گنجائش نکل آئی) اس بیان سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس قسم کا حسد کرنا اپنے اختیار سے بھی درست ہے اور کسی مسلم کی ایذاء رسانی خواہ کتنی ہی اچھی نیت سے ہو حلال ہوسکتی ہے- بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس حسد کا باعث خداوندی محبت ہو وہ غیر اختیاری ہوتی ہے اس لیے قابل درگزر ہوسکتی ہے برخلاف اس حسد کے جس کی بنیاد حُبِ دنیا ہو اس تقریر سے جرم٬ زلت اور خطائے اجتہادی میں فرق واضح ہوگیا یہاں سب کی صورت گو ایک ہی نظر آتی ہے مگر معنی اور احکام کے لحاظ سے ان میں بڑا فرق ہوتا ہے- جرم قصداً معصیت کرنے کا نام ہے اور خطاء اجتہادی اس غلطی کو کہتے ہیں جہاں غلط فہمی کا کوئی منشاء پیدا ہوسکتا ہے- اس کے برخلاف زلت ہے جہاں غلط فہمی کا کوئی منشاء تو نہیں ہوتا مگر اس میں احتیاط کے باوجود غیر اختیاری طور پر انسان مبتلا ہو جاتا ہے (جیسا کہ خود زلت کا لفظ جس کے معنی لغزش

www.besturdubooks.net

ربہ شاہد برآں کذب وآنہم بطور زلت بدرجہ اولی ممکن باشد البتہ کبیرہ بوجہ تعیّن مصدر بطور زلت صادر نتواں شد زیں وجہ عصمت لازم افتا۔

اور پھسلنے کے ہیں اس پر دلالت کرتا ہے) اب رہا یہ سوال کہ جب مصدر گناہ خواہ وہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ایک ہی ٹھہرا یعنی مادۂ شیطانی تو پھر علماء نے ان دونوں کے صدور میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں تفریق کیوں کی ہے اگر ان میں مادۂ شیطانی نہیں ہے تو پھر ان سے ہر دو لوع کا صدور ممنوع ہونا چاہیے اور قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی کوئی تفصیل بھی نہ ہونی چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جو بذات خود مقصود ہوتے ہیں اور صغائر وہ ہیں جو بذات خود مقصود ہوتے ہیں اور صغائر وہ ہیں جو بذات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ کسی کبیرہ کے لیے ذریعہ اور تمہید ہوتے ہیں اس لیے کبائر کا قبح صغائر کی نسبت سے ذاتی اور صغائر کا عرضی ہوتا ہے کیونکہ کبائر میں نیت فاسدہ کے سوائے کوئی اور دوسری نیت ہی نہیں ہوتی اور اُن کے ذرائع یعنی صغائر میں مختلف نیات بھی ہو سکتی ہیں اور ان نیتوں کے اختلاف سے اُن افعال کا حکم بھی مختلف ہو سکتا ہے دیکھو زنا، جو کبائر میں ہے مطلقاً حرام ہے خواہ وہ کسی کے ساتھ ہو اور بوس وکنار جو صغائر میں شمار ہے اگر اجنبی عورت کے ساتھ ہو تو حرام ہے مگر اپنی بیوی کے ساتھ حرام نہیں بلکہ مطلوب ومحمود ہے۔ پس جب صغائر میں قبح عارضی ہوا یعنی کہیں ہوا اور کہیں نہ ہوا تو ان کا قبح بھی کبائر کی طرح کھلا ہوا واضح اور ظاہر نہیں ہوگا اس لیے یہاں وحی کی اطلاع کے بغیر یہ حکم لگانا مشکل ہوگا کہ قبح کہاں عرضی ہے اور کہاں اصلی ان حدود کی تحدید صرف ایک احکم الحاکمین کا حق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اگر اس حقیقت کی اطلاع ہوتی ہے تو بذریعہ وحی ہوتی ہے۔ غالباً و وجدک ضـالاً فهدىٰ کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں اس کے برخلاف کبائر کا معاملہ ہے وہ شرائع سابقہ سے لے کر آج تک اتنا روشن ہوتا چلا آیا ہے کہ ان کے قبح پر وحی الٰہی کو تنبیہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے انبیاء علیہم السلام سے ان کا صدور نہ قبل از نبوت ہو سکتا ہے نہ بعد از نبوت صغائر کا قبح اس درجہ شہرت پذیر نہیں ہوتا اس لیے ان کا معاملہ اتنا دقیق ہوتا ہے کہ بعض اوقات ان کی شناخت وحی کے بغیر ناممکن ہوتی ہے کون نہیں جانتا کہ جس طرح زنا ہر شخص کے نزدیک معصیت ہے اسی طرح اس کے مقدمات کھلی ہوئی معصیت نہیں اگر قرآن وحدیث ان کی ممانعت نہ فرماتے تو کسی کے ذہن میں بھی ان کی اتنی مذمت نہ آ سکتی۔ ہاں بعض معاصی ایسے ہیں کہ ان کے مذموم ہونے کی شہرت بھی کبائر کی طرح ہے جیسے کذب یہاں بھی اس کے قبح کے لیے وحی کی تنبیہ کی احتیاج نہیں ہے مگر یہ بھی اسی وقت ہوگا کہ اس کا صدور قصداً ہو نہ کہ زلت کے طور پر غیر اختیاری۔ انسان کے کمالات کی دو قسمیں ہیں کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ کذب انسان کے کمالات علمیہ کے فساد پر ضرور دلالت کرتا ہے اس لیے اگر کوئی شخص قصداً جھوٹ بولے تو نہ وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابل اعتماد ہو سکتا ہے نہ انسانوں کی نظروں میں کیا معلوم جب اس کی عادت کذب کی ٹھہری تو وہ وحی الٰہی کو بجنسہ پہنچائے گا یا نہیں۔ ہر بنی نوع انسان کو کیا اطمینان کہ جو وحی اس پر آئی تھی وہی اس نے بعینہٖ پہنچائی ہے۔ اس لیے جس کی فطرت میں دروغ گوئی کی صفت ثابت ہو جائے وہ منصب نبوت کے قابل نہیں ہو سکتا ہاں اگر کذب کا صدور غیر اختیاری شور پر ہو جائے تو اس کا امکان ہو سکتا ہے مگر کبائر میں چونکہ مصادر متعین ہوتے ہیں یعنی ان میں فاسد نیت کے سواء کوئی دوسری نیت ممکن ہی نہیں اس لیے بطور زلت بھی ان کا صدور ناممکن ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۰۹۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اسْتُخْلِفَ خَلِیْفَۃٌ اِلَّا لَہٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالْخَیْرِ وَ تَحُضُّہٗ عَلَیْہِ وَ بِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالشَّرِّ وَ تَحُضُّہٗ عَلَیْہِ وَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَ اللّٰہُ ۔

(رواہ البخاری فی کتاب القدر)

(۱۰۹۹) ابو سعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جو خلیفہ بھی ہوتا ہے اس کے لئے دو قسم کے مشیر ضرور ہوتے ہیں ایک مشیر وہ جو اس کو نیکی کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور اسی کی رغبت دلایا کرتا ہے' دوسرا وہ جو برائی کا مشورہ دیتا ہے اور بری باتوں کی طرف اُبھارتا رہتا ہے پھر برائی سے محفوظ تو صرف وہی رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(بخاری شریف)

الرَّسُوْلُ الْعَظِیْمُ وَ عِصْمَتُہٗ فِیْ عَہْدِ طُفُوْلِیَّتِہٖ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عہدِ طفولیت

(۱۱۰۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(۱۱۰۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول

(۱۰۹۹) ٭ حدیث مذکور پر امام بخاریؒ نے "بطانۃ الامام و اھل مشورتہ" کا عنوان قائم کر کے غالباً اس طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ یہاں مشیر مراد ہیں جو ہر خلیفہ و حاکم کے ساتھ عام طور پر ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت حدیث مذکور کا تعلق فرشتہ اور شیطان کی خیر و شر کی ان دو طاقتوں سے مخصوص نہ ہوگا جو عام انسانوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ جب انسانی فطرت ظاہری مشیروں سے متاثر ہو سکتی ہے تو خیر و شر کی ان دو مرکزی طاقتوں سے بھلا کیونکر متاثر نہ ہوگی اس بناء پر اگر حدیث کو عام رکھا جائے تو اس میں بھی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ حدیث کا آخری جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ مقام عصمت یعنی وہ مقام کہ انسان شیطان یا غلط مشیر کا کوئی اثر قبول نہ کر سکے یہ اپنے بس کی بات نہیں جس کو خدا تعالیٰ محفوظ رکھے بس وہی محفوظ رہ سکتا ہے یہ شان صرف انبیاء علیہم السلام کی ہے چونکہ ان کو خود اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے انتخاب فرماتا ہے اس لیے وہی ہر قسم کی غلطی سے ان کو بچاتا بھی ہے ان کے علاوہ جتنے انسان ہیں ان کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

(۱۱۰۰) ٭ نور محمدی قرنہا قرن سے قوالب انسانیہ سے گذرتا ہوا آرہا تھا اور اب وہ وقت آچکا تھا جب کہ بطن آمنہ سے براہ راست پیکر انسانی میں وہ جلوہ گر ہو جائے۔ اس لیے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ قالب انسانی کے خواص سے یکسر خالی ہوتا۔ مگر قدرت چاہتی ہے کہ آپ کا قالب بھی تمام دوسرے بشر سے علیحدہ اور ممتاز رہے' اس لیے اس کام کے لیے وہ اپنا سب سے مقدس فرشتہ بھیجتی ہے وہ آکر سب سے مقدس پانی سے اس کو صاف کرتا ہے پھر ایمان کے آب زلال میں اس کو غوطہ دیتا ہے یہ تو ہو سکتا تھا کہ آپ کے جسد اطہر میں پیدائشی طور پر ہی یہ حصہ نہ رکھا جاتا مگر عالم اسباب کے تحت جب یہ قالب مبارک اسی صورت سے منتقل ہوتا چلا آرہا تھا جیسا کہ عام انسانی قالبوں کا انتقال ہوتا ہے تو ان خواص سے علیحدہ رہنا کیسے ممکن تھا' ادھر یہ بھی منظور تھا کہ اپنی خصوصی نظر تربیت کا اظہار کیا جائے۔ تربیت کا ترجمہ پرورش ہے یہ تدریج کی متقاضی ہے اس لیے رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتا تھا کہ اپنی خصوصی پرورش کا اظہار فرمائے اور قدم قدم پر یہ روشن فرمائے کہ یہ ذاتِ قدسی صفات کسی دوسرے کی نگرانی میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھو والد کا سایہ' والدۂ مبارکہ کا سایہ اور آخر میں عم بزگوار کا سایہ یہ سب سائے اٹھے مگر اٹھے رفتہ رفتہ اور آخر میں پھر ایک اسی ذات پاک کا سایہ رہ گیا جس نے شروع سے آپ کو براہ راست اپنی تربیت میں لے رکھا تھا۔ حافظ سہیلیؒ نے یہاں ایک عجیب نکتہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کے لیے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قالبِ انسانی کی تخلیق کی اصل نطفہ ہے جس کا ظہور شہوت سے ہوتا ہے۔ یہی نطفہ تدریجی طور پر بستہ خون' پھر تو تھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہی بستہ خون مغز شیطان کہلاتا ہے۔ چونکہ شہوات کے تمام مقامات پر شیاطین دلچسپی کے ساتھ نظر رکھتے ہیں اس لیے قالب انسانی کے اس جزء پر بھی خاص ...... ؎

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ وَ هُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَا حَظُّ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ بچوں کے ساتھ کھیل تماشہ دیکھنے میں مشغول تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر اس میں سے خونِ بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا کہ

لے ..... طور پر ان کی نظر رہتی ہے اور اسی کو وہ ہر جدید مولود میں تلاش کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش چونکہ اس معہود طریقہ کے برخلاف صرف نفخہ جبرئیلی سے ظہور پذیر ہوئی تھی اس لیے اس میں یہ حصہ ابتداء سے شامل نہ تھا۔ اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ولادت کے بعد ہر بچہ کو شیطان آکر انگلی سے چھیڑتا ہے سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے (دیکھو ترجمان السنہ ص ۳۷۳ ج ۲) ان کی پیدائش چونکہ نطفہ کی بجائے نفخہ سے ہوئی تھی اس لیے اس میں مغز شیطان ہی نہ تھا۔ اس لیے یہاں آکر وہ غمز کرتا تو کس چیز کو کرتا۔

اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت چونکہ نوع انسانی کے دستور کے مطابق ہوئی تھی اس لیے اس میں اس مغز کا ہونا لازمی تھا، مگر یہ ظاہر ہے کہ اس مغز کا جو تعلق بھی تھا وہ تمام تر والد کی طرف سے تھا مولود مبارک کی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ پھر جیسا کچھ بھی تھا مگر عہد طفولیت ہی میں اس مغز کو نکال کر پھینک دیا گیا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا ایک طشت لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ڈال دیا گیا تھا، وہ بھی آب زم زم سے دھو کر پھر روح القدس جیسے مقدس فرشتے کے ہاتھوں سے۔ (الروض الانف ص ۱۱۰ ج ۱)

ہمارے نزدیک قدرت کی یہ حکمت بہت زیادہ قابل غور ہے کہ ان دونوں مسعود ولادتوں میں جس فرشتہ کا تعلق ثابت ہوتا ہے وہ ایک ہی فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں فرق ہے تو یہ کہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول کی تخلیق ہی ملکی تھی۔ اور سب سے آخری رسول کی تخلیق گو بشری تھی مگر تطہیر پھر ملکی تھی، دونوں مقامات میں ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ﴾ کا نظارہ ایک سے ایک بڑھ کر تھا، لیکن یہ بحث کہ عالم بشری کی تکمیل کی صورت ان دونوں میں کون سی کامل تر تھی اس کا کچھ فیصلہ ہر دو رسولوں کی بعثت کے آثار کی طرف نظر کرنے سے ہو سکتا ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور اول میں گو ملکیت کے عجیب در عجیب نظارے دنیا نے دیکھے مگر رسولوں کے لیے بشریت کا مظاہرہ بھی کتنا ضروری ہوتا ہے یہ اس سے ظاہر ہے کہ نزول کے بعد ان کی بشریت کے نظارے بھی جب تک دنیا اسی شدومد کے ساتھ دیکھ نہ لے اس وقت تک ان کی وفات نہ ہوگی۔ آخر وہ بھی اسی جگہ آکر مدفون ہو جائیں گے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے مدفون ہو چکے ہیں اس سے زیادہ اس نازک مرحلہ میں بڑھنا موزوں نہیں۔ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ ابوالبشر کی خلافت کا مقصد ایک بشر ہی کے عہد مسعود میں آکر پورا ہو۔ مگر جو قدرت کے اس راز کو نہیں سمجھتے وہ چاہتے ہیں کہ یہ اہم مقصد جس رسول کے دور میں پورا ہو وہ ملکی خلقت کا رسول ہو۔ یاد رکھیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت یہ نہیں کہ آپ کی بشریت ہی سے انکار کر دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ آپ کی بشریت کی وجہ سے جنس بشری کی افضلیت کا یقین پیدا کر لیا جائے۔

برزمیں کہ نشانِ کفِ پائے تو بود   سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اس تفصیل سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ دنیا میں بچے سب ہی معصوم ہوتے ہیں، مگر ان کی عصمت کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ گناہ نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور کوئی کوئی ان میں بداطوار بھی ہوتا ہے پھر ان کی عصمت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قانون یسر کے ماتحت قدرت ان کے ان افعال پر قلم عفو کھینچ دیتی ہے اور مواخذہ نہیں فرماتی مگر یہ وہ معصوم ہیں جن کی معصوم فطرت لے .....

www.besturdubooks.net

الشَّیطَانِ مِنکَ ثُمَّ غَسلَهُ فِیْ طَستٍ مِنْ ذَهَبٍ مَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَاَمَهُ وَ اَعَادَهُ فِیْ مَکَانِهٖ وَ جَاءَ الْغِلْمَانُ یَسْعَوْنَ اِلٰی اُمِّهٖ یَعْنِیْ ظِئْرَهُ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنهُ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَ هُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ فَکُنْتُ اَرٰی اَثَرَ الْمُخِیْطِ فِیْ صَدْرِهٖ.

(رواہ مسلم)

آپ میں یہ تھا شیطان کا حصہ جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے۔ پھر آپ کے قلب مبارک کوزم زم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اس کوسی دیا اور اپنی جگہ پر رکھ دیا بچے آپ کی دودھ پلائی کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قتل کر دیئے گئے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے نکلے تو آپ کا رنگ فق پڑا تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نشان آپ کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

الرَّسُول العَظِیم وُعِصمته فی ابان شبابه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عہدِ شباب

(۱۱۰۱) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا هَمَمْتُ بِقَبِیْحٍ مِّمَّا کَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ یَهُمُّوْنَ بِهٖ اِلَّا مَرَّتَیْنِ مِنَ الدَّهْرِ کِلْتَا هُمَا یَعْصِمُنِیَ اللّٰهُ مِنْهُمَا قُلْتُ لِفَتًی کَانَ مَعِیَ مِنْ قُرَیْشٍ بِاَعْلٰی مَکَّةَ فِیْ

(۱۱۰۱) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جن ناشائستہ حرکات کا جاہلیت کے لوگ عام طور پر ارادہ کیا کرتے تھے بجز دو مرتبہ کے میرے دل میں کبھی ان کا خطرہ بھی نہیں گذرا اور ان دونوں مرتبہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان میں شرکت کرنے سے بچا لیا ہے۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ ایک قریشی نوجوان جو مکہ مکرمہ کی بالائی جانب میں اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا وہ میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے کہا تم ذرا میری

ﷺ ..... کو اور طرح طرح سے معصوم بنایا جا رہا ہے تاکہ گناہ کا صدور تو در کنار اس میں کسی ادنیٰ سی معصیت کی طرف میلان بھی نہ رہے اس لیے یہ وہ معصوم ہیں جو گناہ کرنا جانتے ہی نہیں اب اندازہ فرمایئے کہ جس تعمیر کی اساس میں اس طرح عصمت کوٹ کوٹ کر بھر دی جائے تو اس تعمیر کی عصمت کا عالم کیا ہوگا۔

(۱۱۰۱) * ملکی اور وطنی عادات انسان میں خلقی عادات کی طرح راسخ ہوتی ہیں۔ اگر نزولِ وحی سے قبل آپ کے قلب میں ان کا خطرہ خطرہ بھی نہ گزرتا تو یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہوتا لیکن اگر آپ کی اس میں اس طرح قدرت کی تکوینی حفاظت ثابت نہ ہوتی تو یہ صفت عصمت کے مناسب نہ ہوتا اس لیے آپ کا ارادہ ہونا بھی ضروری تھا۔ پھر ایسے اسباب بھی سامنے آنے ضروری تھے کہ آپ اس میں شرکت نہ فرمائیں۔ اچھا اگر فرض کرلو ایک بار ایسے موانع پیش آ بھی گئے تھے تو دوبارہ پھر ایسا ہی کیوں ہوا؟ اور اس کے بعد پھر آپ کا قلب مبارک اس خیال سے خالی کیوں ہوگیا؟ جب آپ ان سوالات پر غور کریں گے تو جواب صرف یہ ہوگا کہ صفت عصمت کا تقاضہ یہی تھا۔ پھر یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ جس بات کا یہاں ارادہ ہوا تھا اس کی حیثیت تھی کتنی؟ صرف ایک افسانہ گوئی کی شرکت۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا کہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس کو بداخلاقی کی فہرست ہی میں شمار کیا جا سکتا۔ مگر چونکہ نبوت کے پُر از صدق و صفا فطرت کو صدق و صفا ہی کے ماحول میں رکھنا منظور تھا اس لیے فرضی افسانوں سے بھی اس کو دور رکھا گیا اور اس طرح عصمت کے اسباقِ قدرت خفیہ در خفیہ آپ کو واقعات کے ضمن ہی میں پڑھاتی رہی۔

www.besturdubooks.net

اَغْنَامٍ لَهَا تَرْعَى اَبْصِرْلِيْ غَنَمِيْ حَتّٰى اَسْمَرَ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ بِمَكَّةَ كَمَا يَسْمُرُ الْفِتْيَانُ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا خَرَجْتُ فَجِئْتُ اَدْنٰى دَارٍ مِنْ دُوْرِ مَكَّةَ سَمِعْتُ غِنَاءً وَ صَوْتَ دُفُوْفٍ وَ زَمِيْرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالُوْا فُلَانٌ تَزَوَّجَ فُلَانَةَ لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَهَوْتُ بِذٰلِكَ الْغِنَاءِ وَ بِذٰلِكَ الصَّوْتِ حَتّٰى غَلَبَتْنِيْ عَيْنِيْ فَمَا اَيْقَظَنِيْ اِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ اِلٰى صَاحِبِيْ فَقَالَ لِيْ مَا فَعَلْتَ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ شَيْئًا فَوَاللّٰهِ مَا هَمَمْتُ بَعْدَهَا بِسُوْءٍ مِمَّا يَعْمَلُ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى اَكْرَمَنِيَ اللّٰهُ بِنُبُوَّتِهٖ.

(رواہ ابن زاھویہ فی مسندہ و ابن اسحاق و البزار و البیھقی و ابو نعیم و ابن عساکر قال ابن حجر اسنادہ حسن متصل و رجالہ ثقات کذافی الخصائص)

بکریوں کی بھی دیکھ بھال رکھنا میں بھی اور نو جوانوں کی طرح آج مکہ مکرمہ جا کر افسانہ گوئی کے شغل کا ارادہ کر رہا ہوں اس نے کہا اچھی بات ہے جب میں چلا اور مکہ مکرمہ کی آبادی کے قریب ایک گھر کے نزدیک پہنچا تو میں نے گانے' دف اور باجہ بجانے کی آوازیں سنیں- میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے لوگوں نے کہا فلاں قریشی شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہوا ہے میں اس گانے بجانے کے قصہ میں پڑ کر قصہ گوئی کی محفل کی شرکت سے غافل ہو گیا اور اس زور کی نیند آئی کہ پھر دھوپ کی تیزی سے ہی میری آنکھ کھلی- میں اپنے رفیق کے پاس لوٹ آیا اُس نے پوچھا کہو یہاں سے جا کر تم نے کیا کیا- میں نے از اول تا آخر سارا ماجرا اس کو سنا دیا- ایک شب پھر میں نے اس سے ایسا ہی کہا وہ راضی ہو گیا اور پھر میں قصہ گوئی کے لیے نکلا پھر مجھے گانے کی آواز آئی اور جیسا شادی کا قصہ مجھ سے پہلے کہا گیا تھا اس مرتبہ پھر وہی مجھ سے کہا گیا- اس قصہ میں لگ کر میں پھر ایسا غافل ہوا کہ مجھ کو نیند آ گئی حتیٰ کہ دھوپ کی تیزی سے میری آنکھ کھلی- جب میں لوٹ کر اپنے رفیق کے پاس آیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہو یہاں سے جا کر تم نے کیا کیا میں نے کہا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا- خدا کی قسم اس کے بعد پھر کبھی میں نے کسی ایسی حرکت کا ارادہ نہیں کیا جس کے جاہلیت کے لوگ عادی تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے مجھ کو نواز دیا- (بزار' بیہقی' خصائص)

(۱۱۰۲) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ

(۱۱۰۲) عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جابر

(۱۱۰۲) ٭ اس واقعہ کے وقت آپ کے سن مبارک میں مورخین کا اختلاف ہے- تاہم یہ متفق علیہ ہے کہ یہ واقعہ نبوت سے قبل کا ہے- دیکھیے کیا یہاں یہ ممکن نہ تھا کہ تہبند کھولنے سے قبل ہی آپ کو عریانی سے بچا لیا جاتا' مگر پھر یہ کیسے ثابت ہوتا کہ یہ وہ نہیں جن کی برہنگی ایک مرتبہ بھی قابل برداشت ہو- اس لیے نظر تربیت چاہتی ہے کہ ایک واقعہ نادانستگی میں ایسا بھی پیش آ جائے اور اس پر گرفت بھی ہو اور اس طرح یہ ظاہر کر دیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہستی عام انسانوں سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے- معیاری اخلاق کے خلاف قدرتہ کو ان کا کوئی عمل گوارا نہیں ہوتا- آخر قدم قدم پر قدرت کی یہ روک ٹوک قوم کی نظروں میں ان کو ممتاز کرتی چلی جاتی ہے تا آنکہ نبوت سے قبل ہی قبل یہ بات ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہے کہ یہ ہمارے طبقہ سے کوئی الگ اور بلند انسان ہیں- اتنی بات کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ اُن سے کوئی ایسا فعل ہی سرزد ہو جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو خواہ وہ صغیرہ ہی سہی بلکہ ہر وہ کام جو کسی اعلیٰ معیار سے ذرا سا بھی گرا ہوا ہو اس کا صدور وہ بھی ایک دو مرتبہ بس اتنا ہی کافی ہے کہتے ہیں کہ شریعت موسویہ میں ستر کا مسئلہ اتنا مکمل نہ تھا جتنا کہ ہماری شریعت میں ہے اس لحاظ سے اس وقت تک عریانی میں چنداں مضائقہ بھی نہ تھا ادھر اس وقت آپ کا سن مبارک بھی زیر اختلاف ہے- نیز اس وقت عرب میں لظہ.....

www.besturdubooks.net

جَابِرَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَ عَلَيْهِ اِزَارُهٗ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهٗ يَا ابْنَ اَخِيْ لَوْحَلَلْتَ اِزَارَكَ فَجَعَلْتَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهٗ فَجَعَلَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًا عَلَيْهِ فَمَا رُاِٰیَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا.

(رواہ البخاری فی باب کراھیة التعری و فی باب بنیان الکعبة و طمحت عیناہ الی السماء و فی حدیث ابی الطفیل فتودی یا محمد عظ عورتك فذلك اوّل مانودی فما رأیت له عورة قبل و لا بعد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے خود سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی تعمیر کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ پتھر لا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند باندھ رکھا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عزیز بھتیجے! اگر تم اپنا تہبند کھول کر اپنے کاندھوں پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے تو آسانی ہو جاتی - ان کے فرمانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کھول کر کاندھوں پر ڈال تو لیا مگر اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر گئے - دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں اور غیب سے ایک آواز آئی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ستر ڈھکو - وہ دن ہے کہ پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہیں دیکھا گیا - اور یہ پہلی آواز تھی جو غیبی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی -

(بخاری شریف)

ﷺ ..... کوئی شریعت ہی نہیں تھی وہ لوگ اپنے نفس کو گو حنیف کہتے تھے مگر ملت حنیفہ کا تخم بھی کھو بیٹھے تھے - پھر اس ایک واقعہ پر اتنی بڑی تعبیہ اس کا لازمی ثمرہ یہ ہونا تھا کہ لوگوں کی نظریں آپ کی طرف اٹھنے لگیں اور ان میں یہ شعور پیدا ہونے لگے کہ ضرور جن کا اول یہ ہے اُن کا آخر کچھ ہو کر رہے گا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک تو بہت بلند ہے - آپ کے رفیق غار صدیق اکبرؓ کے متعلق جب کسی نے شیخ ابو الحسن اشعریؒ سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کا حال کیا تھا تو شیخ موصوف نے کیا عجیب جملہ فرمایا ہے - "انه مازال بعین الرضاء من الله عزو جل" یعنی وہ تو ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی چشم رضاء کے تحت رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو اس طرح کا پروردہ ہو وہ کسی شرک و کفر میں کب مبتلاء ہو سکتا ہے - جب آپ کے ایک امتی کا حال یہ ہو تو خود بارگاہ رسالت کا حال کیا ہوگا - اس کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے - دیکھو الیواقیت والجواہر - ص ۳۷ ج ۲ - المبحث الثالث و الاربعون فی بیان ان افضل الاولیاء المحمدیین الخ - آپ کی حیات طیبہ میں یہ کل ایک واقعہ ہے وہ بھی نبوت سے قبل کا اس میں بھی نبوت سے قبل کا اس میں بھی تصریح ہے کہ یہ عم بزرگوار کی تعمیل ارشاد پر ہوا اپنی فطرت سے نہیں - اور اسی پر اس شدت کے ساتھ غیبی گرفت موجود ہے سوچیے جس دور میں ابھی نزول ملک بھی شروع نہ ہوا ہو اپنی شریعت کا کوئی تصور نہ ہو' پہلی شریعت موجود نہ ہوا ایسے دور میں کشف ستر کی حیثیت کیا رہنی چاہیے اور کیا اس ایک واقعہ کی وجہ سے جو اس طرح زیر تعبیہ آ چکا ہو انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے قبل کی زندگی میں صغائر کے لیے اصولی طور پر کوئی گنجائش تسلیم کر لینی چاہیے یا اس کے برعکس ان کی عصمت کا سبق لینا چاہیے - ابن ہشام بحیرا راہب کا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فشبّ رسول الله صلی الله علیه وسلم و الله تعالٰی یکلوٗہ و یحفظه و یحوطه من

آپ جوان ہوئے تو اس طرح پر اللہ تعالیٰ آپ کی نگرانی فرماتا آپ کی حفاظت رکھتا اور جاہلیت کی تمام ناشایاں حرکتوں سے آپ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۱۱۰۳) عَنْ زَیْدِ بْنِ حَارِثَةَ قَالَ کَانَ صَنَمٌ مِنْ نُحَاسٍ یُقَالُ لَهُ اِسَافٌ وَ نَائِلَةُ یَتَمَسَّحُ بِهٖ

(۱۱۰۳) زید بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ (مکہ مکرمہ میں) تانبے کا ایک بت تھا جس کو لوگ اساف و نائلہ کہتے تھے مشرک جب طواف کرتے تو تبرکاً

لله ..... اقذار الجاهلية لما يريد به من كرامته و رسالته حتى بلغ ان كان رجلاً افضل قومه، مروءة و احسنهم خلقًا و احسنهم جوارًا و اعظمهم حلمًا و اصدقهم حديثا و اعظمهم امانة و ابعدهم من الفحش و الاخلاق التي تدنس الرجال تنزهاً و تكرما حتى ماسمه في قومه الا الامين لما جمع الله فيه من الامور الصالحة.

کو دور دور رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے عین دور شباب میں بلحاظ مروت سب سے افضل، اخلاق میں سب سے بہتر، پڑوس کی رعایت سب سے زیادہ رکھنے والے، حلم و بردباری میں سب سے بڑھ کر گفتگو میں سب سے زیادہ راستباز، امانتداری میں سب سے زیادہ امانت دار، تمام فحش باتوں اور ان تمام بداخلاقیوں سے جو انسان کے لیے بدنما داغ ہوں کوسوں دور تھے اور ان ہی اوصاف حسنہ کی وجہ سے آپ کی قوم میں آپ کا لقب امین تھا۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کو رسالت کے منصب جلیل سے نوازنا منظور تھا۔

(۱۱۰۳) ❋ شرک و کفر سے انبیاء علیہم السلام کا مجتنب رہنا تو کسی کے نزدیک بھی زیر بحث نہیں ہے۔ اس لیے یہاں غور صرف اس پر کرنا چاہیے کہ جب شرک و کفر سے صرف قدرت ہی ان کی نگراں ہوتی ہے تو پھر اس کی نگرانی صرف اسی حد پر کیوں ختم سمجھی جائے اور کیوں یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس کی نگرانی کا دائرہ فسوق و عصیان تک بھی وسیع ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں یہ تینوں قسمیں مکروہ تر ہیں گو ان کے مراتب میں فرق ہو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مکروہ سے تو ان کی حفاظت کی جائے اور دوسرے مکروہ سے ان کی حفاظت نہ کی جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد تو یہاں عام مؤمنوں کے حق میں یہ ہے۔

﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ﴾ (الحجرات:۷)

یہ خدا تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو خوشنما بنا دیا ہے (اور یہ بھی اس کا انعام ہے) کہ اس نے کفر، گناہ اور نافرمانی کی نفرت پیدا کردی ہے۔

پھر جن کے طفیل میں خدا تعالیٰ کا یہ انعام تقسیم ہوتا ہو خود ان کے حق میں بھی کسی ادنیٰ سی معصیت کا تصور کیسے معقول ہوسکتا ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان و کفر دو ضدیں ہیں اس لیے ایک کی محبت کے لیے دوسری جانب کی کراہت لازم ہے چونکہ آیت بالا میں ایمان کا مقابل صرف کفر کو نہیں رکھا گیا بلکہ عصیان بھی اس میں داخل ہے اس لیے محبت ایمانی اسی وقت کامل شمار ہوگی جب کہ کفر و عصیان سے نفرت بھی کامل ہو۔ اس لیے اگر انبیاء علیہم السلام میں محبت ایمانی کامل تسلیم کی جائے تو ان ہر سہ انواع سے کراہت تسلیم کرلینی بھی لازم ہوگی اور اگر ان ہر سہ انواع میں کسی سے کراہت میں کوئی نقصان تسلیم کیا گیا تو دوسری طرف محبت ایمانی میں بھی اتنا ہی نقصان تسلیم کرنا لازم ہوگا والعیاذ باللہ۔

انبیاء علیہم السلام میں یہ ایمانی محبت ذاتی اور فطری ہوتی ہے اور کفر و معصیت سے نفرت بھی فطری اور ذاتی ہوتی ہے۔ اس ذاتی محبت و نفرت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی خلقت میں ایسی کوئی شے نہیں ہوتی جو ان کو کسی ادنیٰ سی برائی کی طرف مائل کرسکے پھر شیطان جو شر کی خارجی طاقت ہے وہ بھی ان کے سامنے سرنگوں ہوتی ہے اس لیے داخل اور خارج کسی جانب سے بھی ان میں شر کا داعیہ نہیں ابھرتا۔ لله .....

www.besturdubooks.net

الْمُشْرِكُوْنَ اِذَا طَافُوْا فَطَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ طُفْتُ مَعَهٗ فَلَمَّا مَرَرْتُ بِهٖ مَسَحْتُ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمُسَّهٗ قَالَ زَيْدٌ فَطُفْنَا فَقُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ لَاَ مُسَّنَّهٗ حَتّٰى اَنْظُرَ مَا يَكُوْنُ فَمَسَحْتُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تُنْهَ. قال البيهقي زاد غيره عن محمد بن عمرو باسناده قال زيد فوالذی اكرمه و انزل عليه الكتاب ما استلم صنما قط حتى اكرمه الله تعالٰى بالذی اكرمه و انزل عليه.

اس کو ہاتھ لگایا کرتے تھے- ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا' میں نے بھی آپ کے ساتھ طواف کیا- جب میں اس بت کے پاس سے گذرا تو حسب دستور میں نے بھی اس کو ہاتھ لگایا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ہاتھ نہ لگانا- زید کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا میں ضرور ہاتھ لگا کر رہوں گا' دیکھو تو کیا ہوتا ہے چنانچہ میں نے اس کو ہاتھ لگا دیا- آپ نے فرمایا باز نہیں آؤ گے- بیہقی کہتے ہیں بعض راویوں نے اس روایت میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ زید کہتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبوت سے سرفراز کیا اور آپ پر قرآن نازل فرمایا' آپ نے کبھی کسی بت کو نبوت سے قبل بھی ہاتھ نہیں لگایا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا اور آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا- (بیہقی کذا فی البدایۃ والنہایۃ)

الرَّسُوْلُ العظيم و سيطرة عصمته و انقياد قوى الضلالة له

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عصمت کا رعب و دبدبہ اور گمراہی کی طاقتوں کا اس کے سامنے سپر ڈال دینا

(۱۱۰۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۱۰۴) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

﴾..... دوسرے انسانوں میں مغز شیطانی بھی موجود ہوتا ہے ان کی اندرونی طاقتیں بھی انبیاء علیہم السلام کی طرف فطرۃً شائستہ اور مہذب نہیں ہوتیں' ان کا شیطان بھی شروع سے شکست خوردہ نہیں ہوتا اس لیے داخلی یا خارجی عوارض کی وجہ سے ان میں فسوق وعصیان کی کراہت کے باوجود پھر ان کی طرف میلان ہو جانا ممکن ہے- قرآن کریم کے لفظ کرۃ میں اسی کی طرف اشارہ ہے- جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں کفر و عصیان کی یہ کراہت پہلے موجود نہ تھی مگر یہ حق تعالیٰ نے پیدا فرمادی ہے اور یہ اس کا انعام ہے کہ جو چیز پہلے تم کو محبوب تھی اللہ تعالیٰ نے اب اس کو تمہارے لیے مکروہ بنا دیا ہے پھر شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کرتے اور حب ایمان اور کراہت کفر غالب آتے آتے وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب کہ ایک مسلمان کے اعضاء مرضیاتِ الٰہیہ کے اس طرح منقاد و مطیع بن کر رہ جاتے ہیں کہ ان میں خلاف حرکت کرنے کی طاقت ہی باقی نہیں رہتی- پھر ان کی شان ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ ہو جاتی ہے- اس کے بعد پھر ان کے ساتھ ذرا سی دشمنی خدا تعالیٰ کے اعلان جنگ کا موجب بن جاتی ہے- ترجمان السنۃ ج ا حدیث نمبر ۴۱ اور اس کا تشریحی نوٹ یہاں ضرور ملاحظہ فرمایئے انبیاء علیہم السلام کی شان یہاں ابتداء ہی سے اتنی بلند ہوتی ہے کہ کسی طرف سے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا اس لیے وہ معصوم کہلاتے ہیں اور دوسرے انسان گو معصوم نہ ہوں مگر ان کی اتباع سے معصیت سے محفوظ کیے جا سکتے ہیں-

(۱۱۰۴) * حدیث مذکور میں لفظ فاسلم کو کسی نے بصیغہ متکلم پڑھا ہے اور اسی کے مطابق ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے- بعض علماء نے اس کو بصیغہ غائب سمجھا ہے اس بناء پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میرا شیطان اسلام قبول کر چکا ہے اس لیے وہ صرف بھلائی کا مشورہ دیتا ہے- حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں ایک تیسری شرح فرمائی ہے اور ان ہر دو شرحوں کو ناپسند فرمایا ہے: ﴿.....

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ قَدْ وَ کَّلَ اللّٰہُ بِهٖ قَرِیْنَهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِیْنَهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ قَالُوْا وَ اِیَّاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاِیَّایَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ (رواہ مسلم)

ہے تم میں سے ہر شخص پر اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں مقرر فرمائی ہیں جو اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ ایک جن دوسرا فرشتہ۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا یہ دونوں قوتیں آپ کے ساتھ بھی ہیں۔ فرمایا جی ہاں میرے ساتھ بھی ہیں لیکن شر کی قوت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اس لیے میں اس کے فریب سے محفوظ رہتا ہوں۔ مجھ کو وہ بھی بھلائی ہی کا مشورہ دیتی ہے۔ (مسلم شریف)

ﻟﻪ ..... والمراد فی اصح القولین استسلم و انقادلی و من قال حتی اسلم انا فقد حرف معناہ و من قال الشیطان صار مأمونا (مؤمنا) فقد حرف لفظه.

''جس شخص نے یہاں حدیث کے لفظ کو بصیغہ متکلم پڑھا ہے اس نے تو اُس کے معنی میں تحریف کی ہے اور جس نے اس کو بصیغہ ماضی پڑھ کر یہ سمجھا ہے کہ آپ کا شیطان اسلام قبول کر چکا تھا اس نے لفظی تحریف کی ہے صحیح مراد یہ ہے کہ اسلم بمعنی انقاد ہے یعنی وہ میرا مطیع و تابعدار بن گیا۔''

داریؒ روایت مذکور کے بعد لکھتے ہیں و من الناس من یقول اسلم استسلم یقول ذلّ . (ص ۳۰۶ ج ۲) اس سے بھی حافظ موصوف کی شرح کی تائید ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! معصومیت کا مقام بھی کیا بلند مقام ہے جہاں سامان ضلالت بھی اسباب ہدایت بن کر رہ جاتا ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ جہاں منبع شر بھی گردن تسلیم خم کر دے وہاں پھر شر کی گنجائش کس راستہ سے نکل سکتی ہے۔ جس کی معصومیت کی قوت کا اثر معصیت کی قوتوں پر بھی اتنا گہرا پڑتا ہو کہ وہ بھی مؤثر ہونے کے بجائے خود اس سے متاثر ہو کر رہ جائیں اور اس لیے اس کی معصومیت کے سامنے انقیاد و تسلیم کے سوا ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہے ان کی عصمت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ. (الحجر:۴۲) جو میرے خاص بندے ہیں ان کے مقابلہ پر تجھ کو ذرا بھی غلبہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اس سے کچھ یہی مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے سامنے وہ بے بس ہو جاتا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اس لیے خود بڑی خودسری کے موقعہ پر بھی اس کو اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ. (مگر جو تیرے خاص بندے ہیں ان کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا) کا استثناء کرنا پڑا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

ان المؤمن لیضنی شیاطینه کما یضنی احدکم بعیرہ فی السفر. (رواہ احمد بسند فیه ابن لهیعة کما فی المجمع)

بندۂ مؤمن اپنے شیطانوں کو خدا تعالیٰ کی فرمان برداری کرتے کرتے اس طرح لاغر کر دیتا ہے جس طرح ایک شخص سفر کرتے کرتے اپنا اونٹ لاغر کر دیتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب ایسے مؤمن کی شیطانی طاقت کمزور ہو گی تو اس کی ملکی طاقت ضرور مسرور ہو گی۔ اور جتنی وہ مسرور ہو گی اتنی ہی ہر کام میں اس کی معین و مددگار رہے گی حتیٰ کہ اس کی شیطانی طاقت میں برائی پر برانگیختہ کرنے کا کوئی حوصلہ ہی نہ رہے گا۔ اور اس وقت اس آیت کے معنی اس کے سامنے منکشف ہو جائیں گے۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا. (النساء:۷۶)

www.besturdubooks.net

(۱۱۰۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ وَ رُبَّمَا سَأَلْتُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ وَ رُبَّمَا قَالَ يَسْلُكُ الشَّيْطَانُ مِنْ اِبْنِ اٰدَمَ مَجْرَى الدَّمِ قَالُوْا وَ مِنْكَ قَالَ نَعَمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِىْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ. (رواه الدارمی راجع ترجمان السنة ص ٣٢٤ ج ٢)

(۱۱۰۵) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جن عورتوں کے شوہر گھر میں نہ ہوں کہیں باہر سفر میں چلے گئے ہوں ان کے پاس نہ جایا کرو کیونکہ شیطان انسان میں اس طرح گھوم جاتا ہے جیسا خون رگوں میں۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی شیطان ہے۔ فرمایا جی ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی ہے تو وہ میرے سامنے جھک چکا ہے۔ (دارمی) اسی مضمون کی دوسری حدیث ترجمان السنہ ص۳۲۴ ج۲ میں بھی گزر چکی ہے۔

(۱۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ قِيْلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۱۰۶) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

﴿..... جب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کی شان یہ ہو تو اب انبیاء علیہم السلام کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ اگر وہ العیاذ باللہ خود اس کے فریب میں آ سکتے ہیں تو پھر ان پر ایمان لانے والے اس سے بچ کر بھلا کہاں نکل سکتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ شریعت میں فرشتے اور شیطان کا وجود تواتر کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے اس لیے یہاں حدیث میں تاویل کرنا اور ان سے نفس انسانی میں صرف خیر و شر کا رجحان مراد لے لینا قطعاً غلط ہوگا۔ جامع ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان اور فرشتہ ابن آدم کے قلب میں دونوں باتیں القاء کرتے ہیں القاء شیطانی کی علامت یہ ہے کہ اس میں شر اور حق کی تکذیب کا مضمون ہو اور فرشتہ کی جانب سے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس میں خیر اور حق کی تصدیق کا مضمون ہو لہٰذا جس کے دل میں اس قسم کی بات آئے اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ فرشتہ کی جانب سے ہے اور اگر اس کے خلاف قسم کی بات آئے تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہیے۔ اس کی شہادت میں آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ. (تفسیر سورۂ بقرہ) علماء کہتے ہیں کہ لمہ شیطان کا نام وسوسہ اور لمہ ملکی کا نام الہام ہے۔

(۱۱۰۶) ✱ حدیثوں میں بیماریوں کے ظاہری اسباب کے ساتھ کچھ باطنی اسباب بھی مذکور ہو جاتے ہیں مثلاً استحاضہ کے متعلق آپ نے فرمایا تِلْكَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ. یہ شیطان کی ایذاء رسانی کا اثر ہے۔ جمائی کے متعلق فرمایا۔ یہ بھی شیطان کا اثر ہوتی ہے طاعون کے متعلق فرمایا کہ یہ جنات کے نیزہ کا نتیجہ ہے وغیرہ۔ اس زمانہ میں چونکہ شیطان اور فرشتہ دونوں کا سرے سے انکار ہی انکار ہو رہا ہے اس لیے اس قسم کی حدیثوں کی صرف تاویل ہی کی طرف ذہن جاتا ہے لیکن اگر ان ہر دو مخلوق کا یقین حاصل ہو پھر انسانوں کے ساتھ ان کی عداوت یا دوستی کا حال بھی معلوم ہو تو اس قسم کے مواضع پر تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے شیطان اور اصل انسانی سے عداوت کا تذکرہ کر کے یہی بتانا چاہا ہے کہ اس پشتہا پشت کی عداوت کو ختم نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اب ان دونوں میں قیامت تک کے لیے جنگ رہے گی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی حالت کھانے پینے' سونے جاگنے' حتیٰ کہ اس کی ازدواجی زندگی بھی اور عبادات کے ہر ہر شعبہ میں بھی کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں اس کی مداخلت نہ ہو ترجمان السنہ ص۱۹ ج۲ میں عبداللہ بن مسعود کی بی بی کی آنکھ ﴿.....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا نَتَخَوَّفُ أَنْ يَكُوْنَ بِكَ ذَاتُ الْجَنْبِ قَالَ إِنَّهَا مِنَ الشَّيْطَانِ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَهُ عَلَيَّ. (رواه ابن اسحاق و ابن سعد و البيهقي كذا في الخصائص. ص ٢٧٠ و عن ام سلمة و ابن عباس نحوه)

(۱۱) علالت میں کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہمیں اندیشہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں ذات الجنب کی بیماری نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیماری شیطانی اثر ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ میرے اوپر مسلط فرمادے۔

(خصائص)

(۱۱۰۷) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا احْتَلَمَ نَبِيٌّ قَطُّ وَ إِنَّمَا الْإِحْتِلَامُ مِنَ الشَّيْطَانِ. (رواه الطبراني كما في الخصائص)

(۱۱۰۷) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیونکہ اس کا منشاء شیطانی خواب ہوتا ہے۔

(طبرانی)

(۱۱۰۸) قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا لَدَدْنَاهُ فِي مَرَضِهِ فَجَعَلَ يُشِيْرُ إِلَيْنَا أَنْ لَا

(۱۱۰۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں دواء

ﷺ ..... دیکھنے کا قصہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں اور آئندہ اپنے باب میں آپ اس کی مزید تفصیلات بھی پڑھیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لہٰذا کسی حقیقت کے علم کے بغیر اس کی نفی میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ ذات الجنب کے جو اسباب اطباء اور ڈاکٹروں نے بتائے ہیں ان کا انکار نہیں ہے لیکن وہ اسباب کیونکر پیدا ہو جاتے ہیں گفتگو اس میں ہے۔ اسباب ظاہری کا جتنا نظم و نسق ہے وہ سب باطنی اسباب کا مسخر ہے اب جو ان کو نہیں جانتا اس کے لیے تسخر کے سواء اور راستہ کیا ہے۔ الناس اعداء ماجهلوا ۔ پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ بہت سی بیماریوں کے اسباب میں بلکہ معالجہ میں بھی ڈاکٹروں اور طبیبوں کے درمیان کتنا بڑا اختلاف ہوتا ہے لیکن علاج کی کامیابی اور ناکامیابی کے نتیجہ میں اوسطاً دونوں برابر رہتے ہیں اب اگر ان کے ساتھ تعویذات کا فن بھی اور شامل کرلیا جائے تو یہاں بہت سی مواقع پر جہاں اطباء عاجز ہوں سوفیدی کامیابی تجربہ میں آچکی ہے۔ پس اگر انکار کی بنیاد صرف علاجی تجربہ ہے تو تعویذات سے شفاء کا تجربہ یہاں بھی ہے۔ بلکہ زہریلے جانور جیسے سانپ و بچھو یا جس کو نظر لگنا کہتے ہیں جتنی مفید اس کے لیے جھاڑ پھونک ہے اتنا مفید اور سریع التاثیر علاج نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ آپ کا ایک اجمالی بیان ہے۔ ذات الجنب کے جملہ اقسام اور ان کے معالجات بیان کرنا آپ کا وظیفہ نہیں۔

(۱۱۰۷) ✻ احتلام کی عام صورت قوت شہوانیہ کا انتعاش ہی ہوا کرتا ہے اسی لیے اس قسم کے اسباب کی قلت و کثرت سے احتلام میں بھی قلت و کثرت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن کبھی اوعیہ منی کے پر ہو جانے سے بھی احتلام ہو جاتا ہے۔ جب اوعیہ منی پر ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر وہ خارج ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس قسم کے احتلام کی صورت یہاں بھی ممکن ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہرحال ابن عباسؓ کی اس تعلیل سے آپ کو اس کا تو کچھ نہ کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کی فطرت کو شیاطین سے کتنا بعد ہوتا ہے کہ طبعی عوارض جیسے احتلام و مرض وغیرہ میں بھی شیطان کے اثرات سے کتنے دور ہوتے ہیں۔ سونے کی حالت میں عام بشر کے حواس معطل ہوتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اس حالت میں اتنے بیدار رہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی ان کے باطنی احساسات معطل نہیں ہوتے۔

(۱۱۰۸) ✻ ''لدود'' اس دواء کو کہتے ہیں جو مریض کے منہ میں ڈالی جائے جیسا کہ ''سعوط'' وہ دواء ہے جو ناک میں ڈالی جائے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

تَلُدُّوْنِیْ فَقُلْنَا کَرَاهِیَةُ الْمَرِیْضِ لِلدَّوَاءِ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ اَلَمْ اَنْهَکُمْ اَنْ تَلُدُّوْنِیْ قُلْنَا کَرَاهِیَةُ الْمَرِیْضِ لِلدَّوَاءِ فَقَالَ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ فِی الْبَیْتِ اِلَّا لُدَّوَاَنَا اَنْظُرُ اِلَّا الْعَبَّاسَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَاِنَّهٗ لَمْ یَشْهَدْکُمْ.

(رواه البخاری و فی لفظ ابن سعد فلما افاق قال کنتم ترون ان اللّٰه یسلط علیّ ذات الجنب ما کان اللّٰه لیجعل لها علی سلطانا)

لدود استعمال کرانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے منع فرمادیا- مجھ کو یہ دواء نہ دینا ہم نے اپنے دل میں کہا کہ مریض تو دواء کے استعمال سے گھبرایا ہی کرتا ہے جب آپ کو غفلت سے ذرا ہوش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- کیا میں نے تم کو لدود کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا- ہم نے عذر کیا کہ غلطی سے ہم نے یہ سوچا کہ مریض دواء کا استعمال پسند نہیں کرتے- اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ گھر والوں میں جو جو اس میں شریک ہو سب کو یہ دواء استعمال کرائی جائے بجز عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے-

(بخاری شریف)

ﷺ ..... انبیاء علیہم السلام جو حکم دے دیں وہ سب واجب التعمیل ہوتا ہے خواہ وہ غصہ کی حالت میں ہوں یا رضاء کی' مرض کی حالت میں ہوں یا صحت کی ان کی بے عذر حکم عدولی بھی بلا عذر حکم عدولی کی طرح قابل مؤاخذہ ہوتی ہے- اس میں ذرا سا پس و پیش کرنا بھی غلطی ہے اور اس کی حکمت کے درپے ہونا بھی اپنے حدود سے تجاوز کرنا ہے- مذکورۂ بالا واقعہ میں اہمیت یوں پیدا ہوگئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی طویل مدت افہام و تفہیم کے بعد بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحاتِ حیات میں اس قسم کی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے تھی- عام انسانوں میں بھی آخر وقت کا مرحلہ نازک سمجھا جاتا ہے اور نبی کے معاملہ میں تو نزاکت کا ایک خطرناک پہلو اور بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ صریح حکم کے بعد اس کی حکم عدولی کبھی کبھی انتقام الٰہی کا سبب بن جاتی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت نے تقاضہ کیا کہ اس کے انتقام کا تکفل خود فرمالیں تاکہ آئندہ غیرت خداوندی خود اس کا انتقام نہ لے- کوئی شبہ نہیں کہ صریح ممانعت کے بعد ''لدود'' کا استعمال کرنا بڑی فروگزاشت تھی- مگر یہ اسی قسم کی فروگزاشت تھی جیسا کہ ابوالبشر سے ایک بار ہو چکی تھی وہ بھی ممانعت کے باوجود شجرۂ ممنوعہ استعمال کر بیٹھے اور صحابہ نے بھی ''لدود'' کے استعمال میں غلط قدم اٹھایا- شان عفو نے گو ہر دو مقامات میں درگذر کر دیا مگر دونوں جگہ اس کا کچھ نہ کچھ خمیازہ پھر بھگتنا ہی پڑا-

ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات الجنب میں گو عام طور پر ''لدود'' مفید سمجھا جاتا تھا مگر اس کی ایک قسم وہ بھی ہے جو شیطان کی ایذاء سے پیدا ہوتی ہے- اب کسی نبی کے آخری لمحات میں کوئی حرکت ایسی کر بیٹھنا جس سے کسی کو یہ وہم گذرنے کا موقعہ پیدا ہو سکے کہ خدا کا رسول بھی سطوت شیطانی کے زیر اثر آ سکتا ہے- یقیناً ایک بڑی مہلک غلطی تھی اس لیے آپ کی نظر میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی اور اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جس طرح حالتِ مرض میں بے وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''لدود'' استعمال کرا دیا گیا اسی طرح ان کو بھی بے وجہ ''لدود'' استعمال کرا کے ان کے جرم کو ہلکا کر دیا جائے- سبحان اللہ خدا کے رسول کی عظمت اور اس کے عفو کی دونوں شانیں کیسی نرالی ہوتی ہیں- اب اندازہ فرمالیجیے کہ جن کے متعلق شیطان کے اتنے سے دخل کا تصور بھی جرم ہو ان کے حق میں کیا معصیت کا تصور کرنا صحیح ہو سکتا ہے-

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم و عصمته من تمثل الشیطان فی صورتهٖ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم شکل بننے سے شیطانوں کا عاجز رہنا

(۱۱۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِیْ وَ لَا تَکْتَنُوْا

(۱۱۰۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرا نام شوق سے رکھا کرو

(۱۱۰۹) * سبحان اللہ آپ کا مقام بھی کیا بلند مقام تھا اور آپ کی شکل مبارک بھی کتنی مطہر شکل تھی کہ شیطان میں تمثل بشری کی طاقت کے باوجود یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کی صورت میں متمثل ہو سکے۔ بے شک جو ابدالآباد کے لیے ملعون ہو اس کی کیا مجال کہ وہ ان کی صورت اختیار کر سکے جو کونین کے حق میں مجسم رحمت ہوں۔ نہ خدا کی لعنت اس کی رحمت کی صورت بن سکتی ہے نہ شیطان کی یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کی صورت اختیار کر سکے۔ سبحان اللہ جس کی صورت اتنی مبارک ہو اس کی سیرت کا بھلا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک پر تو کوئی دسترس کیا ہوتی اس کو یہ قدرت بھی نہیں کہ وہ خارجی طور پر اپنی شکل آپ کی شکل بنا سکے۔ پھر جب وہ عالم خواب میں آپ کی شکل بنانے پر قادر نہیں تو یقیناً بیداری میں بھی کسی کے سامنے آپ کی صورت بنانے پر قادر نہ ہوگا۔ لہٰذا جس طرح خواب کی زیارت میں شیطانی رویت کا شبہ نہیں ہو سکتا اسی طرح عالم بیداری کی زیارت میں بھی یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ عام طور پر خواب کی صرف دو قسمیں ہی مذکور ہوتی ہیں۔ بشری من اللہ یعنی خدا کی طرف سے بشارت دوم تحزین من الشیطان یعنی شیطان کی طرف سے مؤمن کا جی برا کرنے کی بات۔ لیکن بعض مقامات سے ایک تیسری قسم بھی ثابت ہوتی ہے یعنی تحدیث النفس نفس کے اپنے خیالات۔

اس تقسیم کی بناء پر حدیث مذکور میں خواب کی حالت کی زیارت میں صرف شیطانی مداخلت کی نفی ہوگی مگر تیسری قسم کا احتمال پھر باقی رہے گا کیونکہ وہاں نفی صرف شیطانی تمثل کی فرمائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نفسی محبت کی وجہ سے خیالی بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خواب کی ہر زیارت پر قطعیت کے ساتھ حقیقی زیارت کا حکم لگایا نہیں جا سکتا۔ اس میں خیالی زیارت کا احتمال ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ زیارت میں کوئی بات ظاہر شریعت کے مخالف بھی نظر آئے۔

> ان جماعة من ائمة الشریعة نصوا علیٰ ان من کرامة الولی انه یری النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و یجتمع به فی الیقظة و یاخذ عنه ما قسم له من معارف و مواهب و ممن نص علیٰ ذلک من ائمة الشافعیة الغزالی و البارزی و التاج ابن السبکی و العفیف الیافعی و من ائمة المالکیة القرطبی و ابن ابی جمرہ و ابن الحاج فی المدخل و قد حکی عن بعض الاولیاء انه حضر مجلس فقیه فروی ذلک الفقیه حدیثا فقال له اولی هذا الحدیث باطل فقال الفقیه و من این لک هذا فقال هذا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم واقف علیٰ رأسک یقول انی لم اقل هذا الحدیث و کشف للفقیه فراٰہ. و قال الشیخ ابو الحسن الشاذلی لو حجبت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم طرفه عین ما عددت نفسی من المسلمین. (الحاوی ص ۱۶۳ ج ۲)

ائمہ شریعت کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی بندہ کرامت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بحالتِ بیداری بھی کر سکتا ہے اور آپ کی محفل میں حاضر بھی ہو سکتا ہے بلکہ اپنی استعداد کے مناسب کچھ علوم و … …

www.besturdubooks.net

بِكُنْيَتِيْ وَ مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ فَاِنَّ مگر میری کنیت نہ رکھا کرو۔ جس شخص نے مجھ کو خواب کی حالت میں دیکھا

...... معارف کا استفادہ بھی کرسکتا ہے اس کی تصریح کرنے والے ائمہ شافعیہ میں غزالی' بارزی' ابن السبکی اور یافعی جیسے حضرات ہیں اور ائمہ مالکیہ میں سے امام قرطبی' حافظ ابن ابی جمرہ' ابن الحاج وغیرہ حضرات ہیں۔ انہوں نے بعض اولیاء کے حالات میں نقل کیا ہے کہ وہ کسی فقیہ کی مجلس میں تشریف لے گئے تو اس فقیہ نے کوئی روایت بیان کی یہ ولی بولے یہ حدیث تو باطل ہے اس فقیہ نے کہا تم نے یہ حکم کیسے لگا دیا اس ولی اللہ نے کہا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سامنے کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث میں نے بیان نہیں کی۔ اس فقیہ کو بھی اس کا انکشاف ہوگیا اور اس نے بھی آپ کو دیکھ لیا۔ شیخ ابوالحسن شاذلی کا مقولہ تو یہ ہے کہ اگر میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی حجاب پڑ جائے تو میں اپنے آپ کو زمرہ مسلمین میں شمار نہ کروں۔

ثم قال ابن العربی من عنده و رؤية الانبياء و الملائكة و سماع كلامهم ممكن للمؤمن كرامة و للكافر عقوبة اه.

اس کے بعد ابن العربی اپنی رائے بیان کرتے ہیں کہ میرے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کی زیارت اور ان کے کلام کا سننا بھی ممکن ہے مؤمن اور کافر دونوں کے لیے مگر مؤمن کے لیے کرامت کے طور پر اور کافر کے لیے عقوبت کے طور پر۔

و قال الشيخ عزالدين بن عبدالسلام فی القواعد الكبرىٰ و قال ابن الحاج فی المدخل رؤية النبی صلی اللہ علیه وسلم فی اليقظة باب ضيق مع اننا لاننكر من يقع له هذا من الاكابر الذين حفظهم اللہ فی ظواهر هم و بواطنهم قال و قدانكر بعض علماء الظاهر رؤية النبی صلی اللہ علیه وسلم فی اليقظة. (الحاوی ص ۲۵۸ ج ۲)

شیخ عزالدین بن عبدالسلام قواعد کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ ابن الحاج نے ''المدخل'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحالت بیداری زیارت کا مسئلہ بہت دقیق ہے بایں ہمہ جو اکابر اس رتبہ کے ہوں ان کے حق میں ہم اس کے منکر نہیں ہیں لیکن بعض علماء ظاہر نے اس کا انکار کیا ہے۔

و قال القاضی شرف الدين هبة اللہ بن عبدالرحيم البارزی و قد سمع من جماعة من الاولياء فی زماننا و قبله انهم رؤا النبی صلی اللہ علیه وسلم فی اليقظة حيا بعد وفاته.

قاضی شرف الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ کے اولیاء اور گزشتہ دور کے اولیاء کے متعلق بھی سنا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زیارت کی ہے۔

ثم نقله السيوطی عن الشيخ ابی عبداللہ القرشی انه رأى الخليل عليه السلام و عن الشيخ سراج الدين بن الملقن فی طبقات الاولياء قال الشيخ عبدالقادر الكيلانیؒ رأيت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبل الظهر الخ و فی ترجمة الشيخ خليفه بن موسیٰ و كان كثير الرؤية لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يقظةً و منامًا و فی ترجمة الصفی ابی عبداللہ محمد بن يحيیٰ الاسوانی كتب عنه ابن دقيق العيد و القطب العسقلانی و كان يذكرانه يری النبی صلی اللہ علیه وسلم و كان الشيخ عبدالغفار يری رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی كل ساعة و كان للشيخ ابی العباس المرسی و صلة بالنبی صلی اللہ علیه وسلم اذا سلم علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ويجاوبه اذا ....

www.besturdubooks.net

﴿..... تحدث معه. و ذكر عنه (كما في لطائف المنن) لوحجب عني رسول الله صلى الله عليه وسلم طرفة عين ماعدوت نفسي من المسلمين. ثم ذكر السيوطي روية النبي صلى الله عليه وسلم يقظة عن عدة من اولياء منهم الشيخ عبدالله الدلاصي و الشيخ ابو العباس الحرار و السيد احمد الرفاعي و السيد نور الدين الايجي و ابي نصر الكرخي و يوسف بن علي الزماني و محمد بن سمعون و ابن ثابت و ذكر قصصهم. (الحاوی ص ۲۶۱ و ۲۶۲ ج ۲)

پھر علامہ سیوطیؒ نے ان حضرات کی ایک فہرست پیش کی ہے جن کو یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: ابو عبداللہ قرشیؒ، سراج الدین بن الملقنؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ خلیفہ بن موسیٰؒ، الشیخ محمد بن یحییٰ، الشیخ عبدالغفار یہ صاحب ہمہ وقت آپ کی زیارت سے مشرف رہا کرتے تھے۔ شیخ ابوالعباس یہ صاحب وہی ہیں جن کا مقولہ آپ نے پڑھا کہ اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف زیارت سے ایک لمحہ کے لیے بھی محروم رہوں تو میں زمرہ مسلمین میں اپنا شمار نہ کروں۔ الشیخ عبداللہ الدلاصی۔ الشیخ ابوالعباس الحرار۔ سید احمد رفاعی۔ سید نورالدین۔ ابونصر کرخی۔ یوسف بن علی۔ محمد بن سمعون۔ ابن ثابت رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ۔

شیخ عبدالوہاب الشعرانیؒ نے علامہ سیوطیؒ سے نقل کیا ہے کہ خود علامہ موصوف کو بھی یہ شرف حاصل تھا۔

قال الشيخ جلال الدين السيوطيؒ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في اليقظة بضعا و سبعين مرة و قلت له في مرة منها هل انا من اهل الجنة يا رسول الله فقال نعم فقلت من غير عذاب يسبق فقال لك ذلك. قال الشيخ عطيه و سالت الشيخ جلال الدين مرة ان يجتمع بالسلطان الغوري في ضرورة وقعت لي فقال لي يا عطية انا اجتمع بالنبي صلى الله عليه وسلم يقظة و اخشى ان اجتمعت بالغوري ان يحتجب صلى الله عليه وسلم عني. ثم قال ان فلانا من الصحابة كانت الملائكة تسلم عليه فاكتوى في جسده لضرورة فلم ير الملائكة بعد ذلك عقوبة له على اكتوائه. اهـ (اليواقيت و الجواهر ص ۱۳۳ ج ۱)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ حافظ سیوطیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں جنتی ہوں؟ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کیا عذاب کے بغیر؟ فرمایا جاؤ تمہارے لیے یہ بھی سہی۔ شیخ عطیہ کہتے ہیں میں نے شیخ سیوطیؒ سے ایک مرتبہ یہ درخواست کی کہ میری ایک ضرورت کے متعلق آپ سلطان غور کے پاس جا کر سفارش فرما دیں تو انہوں نے جواب دیا۔ عطیہ! میں بحالت بیداری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر ہوتا ہوں مجھے خطرہ ہے اگر میں سلطان غوری کی محفل میں جاؤں تو کہیں اس سعادت سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اس کے بعد فرمایا۔ بعض صحابہ کو ملائکہ سلام کیا کرتے تھے انہوں نے ایک مرض کی وجہ سے اپنے جسم پر لوہے کا داغ دے کر علاج کیا تو وہ اس سعادت سے محروم ہو گئے۔

ثم قال الشعرانيؒ ان ماذكرناه عن الشيخ جلال الدينؒ ذكره الاشياخ الثلاثة العدول الذين لايتهمون في مثل ذلك يعني الشيخ الصالح عطيه و الشيخ الصالح قاسم المغربي و القاضي زكريا الشافعي.﴾ .....

www.besturdubooks.net

عَلَى مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. نے جان کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کو چاہیے کہ اپنی جگہ دوزخ میں تیار کر لے۔ (بخاری شریف)
(رواہ البخاری فی کتاب العلم)

لہ ..... شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ سیوطیؒ سے اس واقعہ کو نقل کرنے والے تین بڑے بڑے مشائخ ہیں جن کی نسبت غلط بیانی کا تصور نہیں کیا جا سکتا بالخصوص ایسے نازک معاملہ میں (ہوسکتا ہے کہ شیخ سیوطیؒ نے جب اس قسم کے اشخاص کی فہرست شمار کرائی ہو تو اولیاء کے دستور کے موافق اپنے نام کے اظہار سے قصداً سکوت فرمالیا ہو)

قال السيوطیؒ فی حتاواہ ان اکثر ماتقع رؤية النبی صلى الله عليه وسلم فی اليقظة بالقلب ثم يترقى الى ان يرى البصر. لكن ليست الرؤية البصرية كا لرؤية المتعارفة عند الناس من رؤية بعضهم لبعض و انما هی جمعية حالية و حالة برزخية و امر و جدانی لايدرک حقيقة الامن باشره و قد تقدم عن الشيخ عبدالله الدلاصی فلما احرم الامام و احرمت اخذتنی اخذة فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فاشار بقوله اخذة الى هذه الحالة. (الحاوی ص ۲۶۲-۲۶۳ ج ۲)

اس زیارت کی حقیقت ٹھیک وہ نہیں سمجھنی چاہیے جو لوگوں کے درمیان متعارف ہے بلکہ اس زیارت کا ادراک پہلے قلب سے شروع ہوتا ہے پھر وہ حاسہ بصر تک بھی سرایت کر جاتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک برزخی کیفیت ہوتی ہے اور ایک نوع کا وجدان ہوتا ہے جس کا صحیح اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو یہ کیفیت حاصل ہو۔

قال الشيخ اكمل الدين البابرتی الحنفی فی شرح المشارق فی حديث "من رانی" الاجتماع بالشخصين يقظة و مناما لحصول مابه الاتحاد و له خمسة اصول كلية الاشتراک فی الذات اوفی صفة فصاعداً اوفی الافعال اوفی المراتب و كل ما يتعقل من المناسبة بين شيئين او اشياء لا يخرج عن هذه الخمسة و حسب قوته علی مابه الاختلاف و ضعفه يكثر الاجتماع و يقل و قد يقوی علی ضده فتقوی المحبة بحيث يكاد الشخصان لايفترقان واقد يكون بالعكس ومن حصل الاصول الخمسة و ثبتت المناسبة بينه و بين ارواح الكمل الماضيين اجتمع بهم متى شاء. اه (الحاوی ص ۲۵۸ ج ۲)

شیخ اکمل الدین تحریر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی زیارت کا مدار انسان کی اندرونی مناسبت ہوتی ہے۔ جس شخص میں یہ مناسبت جتنی زیادہ ہوتی ہے اسی کے مناسب اس کو یہ زیارت بھی میسر آتی ہے حتی کہ بعض لوگوں کو گزشتہ بزرگوں کی ارواح کے ساتھ اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ وہ جب ارادہ کرتے ہیں ان سے روحانی ملاقات کر لیتے ہیں۔ (الحاوی ص ۲۶۳ و ۲۵۸ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۳۲۳ ج ۲)

حافظ ابن تیمیہؒ نے بیداری میں رؤیۃ کا اپنی حسب عادت بڑی شد و مد کے ساتھ انکار فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

وكثير منهم رأى من ظن انه نبی او صالح او الخضر و كان شيطانًا و قد ثبت فی الصحيح من رآنی فی المنام فقد رآنی حقًا فان الشيطان لا يتمثل فی صورتی. فهذا فی روية المنام تكون حقًا و تكون من الشيطان فمنعه الله ان يتمثل به فی المنام و اما فی اليقظة فلا يراها احدٌ بعينه فی الدنيا فمن ظن ان المرئی هو الميت فانما أتی من جهله. (التوسل و الوسيله ص ۲۵)

ایسا بہت ہوا ہے کہ بیداری کی حالت میں دیکھنے والے شخص کو یہ گمان ہوا ہے کہ جس کو اس نے دیکھا تھا وہ نبی یا کوئی لہ .....

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم و خوف الشیاطین من بعض اصحابه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کا شیطانوں پر خوف اور ڈر

(۱۱۱۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَ صَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَ الصِّبْيَانُ

(۱۱۱۰) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ دفعتہً ہم نے کچھ شور اور بچوں کے غل مچانے کی آواز سنی آپ آواز سن کر اُٹھے کیا دیکھتے ہیں ایک حبشی عورت ہے جو اچھل کود رہی ہے اور بچے ہیں کہ اس کے اردگرد جمع ہیں۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ! آؤ تم بھی

لله ..... بزرگ یا حضرت خضر علیہ السلام تھے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ شیطان ہوتا تھا۔ بے شک یہ صحیح حدیث ہے کہ جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا اس نے ٹھیک مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ خواب میں کسی کی رؤیۃ دونوں صورتیں ممکن تھیں یہ بھی کہ وہ اسی انسان کی ہو اور یہ بھی کہ شیطان نے اس کی صورت اختیار کر لی ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے متعلق شیطان سے یہ قدرت سلب فرمالی ہے کہ وہ کسی کو خواب میں آپ کی صورت میں نظر آسکے مگر یہ بات صرف خواب ہی کے معاملہ تک محدود ہے۔ اب رہا بیداری کا معاملہ تو جس شخص کو بھی یہ گمان ہو کہ اس نے مثلاً فلاں مردہ شخص کو دیکھا ہے تو یہ صرف اس کا جہل ہے۔

(۱۱۱۰) ✽ ایک سیاہ فام حبشی عورت کا اس وقت عرب کے عام دستور کے مطابق اتفاقاً آنکلنا اور بچوں کا اس کے اردگرد جمع ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خلق کریم کہ ایک نوعمر بی بی کی خاطر جن کی فطرت کو بچپن کی دلچسپیوں سے بھی پوری طرح آزادی حاصل نہیں ہوئی تھی خود بلا کر پورا کرنا کتنی غیر معمولی بات تھی پھر اس نوعمری میں فیض نبوت سے منور بی بی کی اولوالعزمی بھی کتنی قابل داد تھی کہ اس احول میں ان کو ادھر ذرا التفات نہ تھا ساری فکر تھی تو یہ کہ سردارِ دو جہاں کے دل میں ان کے لئے جگہ کتنی ہے۔

یہاں جو بات زیادہ تر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جانے کے بعد عمرؓ کی فطرت میں کمالاتِ نبوت کا کیسا انعکاس ہوا تھا کہ ان کے سایہ سے بھی شیطان ترساں ولرزاں رہنے لگے تھے۔ یہ وہی عمرؓ ہیں جن سے کبھی شیاطین کھیلا کرتے تھے اور آپ کے زیر سایہ آجانے کے بعد یہ وہ ہیں جن سے شیطان اس طرح دبکتے پھرتے ہیں کہ جس راستہ سے عمرؓ نکل جائیں شیاطین وہ راستہ ہی چلنا چھوڑ دیتے تھے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مباحات کا آخری درجہ محرمات کی ابتدائی سرحد کے پاس لگا ہوا ہوتا ہے اس لئے ایک حدیث میں تشبیہ دے کر اس کی تفہیم یوں کی گئی ہے کہ محرمات سے بچنے کا راستہ صرف یہ ہے کہ اس کے خطرہ سے کچھ ایسے مباحات بھی جو محرمات کی سرحد سے لگتے ہوں ترک کر دیے جائیں۔ جیسا ایک چرواہے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو خاص شاہی چراگاہوں سے دور دور چرائے ورنہ ایک دن اس کے جانور یقیناً شاہی جنگل میں بھی منہ ڈال کر رہیں گے۔ اسی طرح ایک حبشیہ عورت کا جو غالباً مسلمان نہ تھی آنکلنا اور ایسی حرکات کرنا جو اگر ذرا بڑھ جائیں تو حرام کی زد میں بھی آسکتی تھیں۔ ان مباحات میں داخل تھا جو حرام کی سرحد سے بالکل متصل ہوتے ہیں۔ یہ شیاطین کے لئے بھی سب سے زیادہ دلچسپی کا محل ہوتا ہے ان کی سعی ہوتی ہے کہ کسی طرح ضعیف انسان کا قدم یہاں ذرا لغزش کھا جائے تو اس حرام میں گھسیٹ لیں۔ یہ منظر عوام کی نظروں میں تو ضرور دلچسپی کا منظر ہوتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی لله .....

www.besturdubooks.net

حَوْلَهَا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ تَعَالِي فَانْظُرِي فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيِي عَلٰى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ اِلٰى رَأْسِهِ فَقَالَ لِيْ اَمَا شَبِعْتِ اَمَا شَبِعْتِ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لَا لِاَنْظُرَ مَنْزِلَتِيْ عِنْدَهٗ اِذْ طَلَعَ عُمَرُؓ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلٰى شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَؓ قَالَ فَرَجَعْتُ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث حسن غريب صحيح)

دیکھ لو- میں گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے اور سر مبارک کے درمیان اپنا چہرہ رکھ کر اس کو دیکھنے لگی- (کچھ دیر کے بعد) آپؐ نے فرمایا- ابھی تمہارا دل نہیں بھرا' ابھی تمہارا دل نہیں بھرا؟ میں ہر بار کہہ دیتی- ابھی نہیں- میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کے قلب میں اپنی قدر و منزلت کا اندازہ لگاؤں (کہ میری خاطر کب تک تکلیف گوارا فرماتے ہیں) اتنے میں حضرت عمرؓ آ نکلے- ان کا آنا تھا کہ جتنے لوگ وہاں تھے سب اس کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے- اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف سے شیطانی فطرت کے انسان اور جنات سب بھاگ گئے اس کے بعد میں وہاں سے لوٹ کر اپنے کمرہ میں آ گئی- (ترمذی شریف)

(۱۱۱۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۱۱۱) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

لے..... نظروں میں انسان کے لئے ابتلاء و آزمائش کا نازک مقام ہوتا ہے' ان کی شان دوسری ہوتی ہے اگر وہ یہاں ممانعت کا لفظ زبان سے نکالتے ہیں تو اسی وقت وہ مباح اپنے درجہ سے نکل کر حرام کی فہرست میں داخل ہوتا ہے مگر یہاں یہ منظور نہیں ہوتا- جو رسول ہر قسم کی طبیعت اور جمیع نوع بشری کے لئے رسول تعبیہ و ترہیب کے ذریعہ ان کو اس کے ارتکاب سے روک بھی دیا جائے- چنانچہ طلاق ایک ایسی چیز ہے جس کی ضرورت کسی ناگزیر موقعہ پر یقینی ہو جاتی ہے اس لئے اس کی اجازت دیئے بغیر بھی چارہ تھا- مگر یہ بھی ضروری تھا نہ اس کے ناپسندیدہ ہونے کا اظہار بھی کر دیا جائے اس لئے یوں ارشاد فرمایا گیا' ابغض المباحات عند الله الطلاق '' مباحات کی فہرست میں جو بات نظر ربوبیت میں سے زیادہ ناپسندیدہ ہے وہ طلاق ہے- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں عورت کا کوئی مقام ہی نہیں ہے یا طلاق کوئی منصفانہ آئین نہیں وہ ذرا آنکھ کھول کر ان باتوں کو بھی سامنے رکھیں- پس ایک حبشیہ عورت کو روکنا تو مناسب تھا مگر یہ ممانعت بذریعہ عمرؓ ہی مناسب تھی- آخر عمرؓ میں یہ جذبات کہاں سے پیدا ہوئے اور اس فعل کے مذموم ہونے کی خبر بچوں تک کو کس نے دی جو عمرؓ کو دیکھتے ہی بھاگ پڑتے ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ فیض نبوت ہی تھا' مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کہیں براہ راست اس کی ممانعت فرما دیتے تو پھر یہ ممانعت صرف ایک مصلحت نہ رہتی بلکہ مسئلہ بن جاتا اور مباحات کی فہرست سے نکل کر محرمات میں داخل ہو جاتا- آئندہ عنقریب ایک دوسرا واقعہ آپ کے سامنے آنے والا ہے- جس میں عید کے دن کچھ لڑکیوں نے جنگی اشعار وہ بھی اپنے گھر کے اندر پڑھے تھے تو صدیق اکبرؓ نے اس کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ان کو جھڑک کر منع بھی فرمایا- مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ وہ اس موقع پر خاموش تھے- تفصیل تشریحی نوٹ میں آ رہی ہے اس جگہ ترجمان السنہ ص ۳۳۸ ج ا بھی ملاحظہ فرمایئے جس میں شانِ عمرؓ کا یہ کرشمہ مذکور ہے کہ جس راستہ کو وہ چلتے ہیں شیاطین وہ راستہ ہی چلنا چھوڑ دیتے ہیں-

(۱۱۱۱) ٭ قدیم زمانہ میں مسرت اور خوشی کے موقعہ پر دف بجانے کا بڑا اہتمام تھا- دف لکڑی کا بنا ہوا ایک گول دائرہ ہوتا ہے لے.....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ كُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَ اَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِيْ وَ اِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَ هِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَ هِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَاَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ اِنِّيْ كُنْتُ جَالِسًا وَ هِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَ هِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَ هِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَ هِيَ تَضْرِبُ فَلَمَّا دَخَلْتَ اَنْتَ يَا عُمَرُ اَلْقَتِ الدُّفَّ.

(رواه الترمذی و قال هذا حدیث حسن صحیح غریب. وراجع ترجمان السنة ص ٣٧٤ ج ١)

وسلم کسی غزوہ کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے- جب صحیح وسلامت واپس تشریف لے آئے تو ایک سیاہ فام باندی حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ منت مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح وسالم واپس لے آیا تو میں اس کی خوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجاؤں گی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا- اگر تو نے یہ منت مانی تھی تو خیر اس کو پورا کر لے ورنہ نہیں- اس پر وہ دف بجانے لگی اتنے میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے وہ دف بجاتی رہی پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے وہ اسی طرح دف بجاتی رہی- پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو بھی وہ اسی طرح دف بجاتی رہی اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو فوراً دف نیچے ڈال اس پر بیٹھ گئی یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے- میں بیٹھا ہوا تھا تو بھی یہ لونڈی دف بجاتی رہی جب ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے تو بھی یہ بجاتی رہی پھر علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے تو بھی بجاتی رہی پھر عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے تو بھی یہ بجاتی رہی پھر جب اے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم آئے تو (تم کو دیکھ کر) اس نے دف ڈال دیا-

(ترمذی شریف)

لہ ..... جس کے صرف ایک طرف چمڑا چڑھا ہوا ہوتا ہے- اس میں کچھ آواز تو ضرور ہوتی ہے مگر بالکل بے کیف- حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں-

ان مریم اخت موسٰی و هارون ضربت بالدف یوم نجا الله موسٰی علیه السلام و قومه و اغرق و ملاه.

(البدایه و النهایة ص ٦٧ ج ٢)

حضرت مریم نے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی ہمشیرہ تھیں اس دن خوشی میں دف بجایا تھا جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا-

غالباً اسی سنت کے مطابق اس جاریہ نے بھی آپ کی بعافیت واپسی پر خوشی منائی ہوگی- چونکہ آپ کی بحافظت واپسی کی خوشی منانا ایک شرعی خوشی تھی اس لئے اس کی نذر ماننی بھی درست تھی- آپ نے اس کی اجازت دے تو دی مگر بادل ناخواستہ اور صاف واضح کر دیا کہ اگر یہ نذر نہ کی گئی ہوتی تو پھر اس کی بھی اجازت نہ دی جاتی- اب رہے ڈھول اور دیگر مزامیر تو شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں

www.besturdubooks.net

الرسولُ العظیم و یأسُ الشیطان من عبادة الاصنام فی جریرة العرب

(۱۱۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْاَيِسَ مِنْ اَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ لٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ. (رواہ مسلم و صاحب المشکوۃ فی باب الوسوسۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص محل بعثت میں شیطان کی مایوسی

(۱۱۱۲) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شیطان اس بات سے تو بالکل مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی لوگ کبھی آئندہ جزیرۃ العرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ اس لیے اب وہ صرف ایک دوسرے کو ابھارنے پر ہی راضی ہو گیا ہے۔

(مسلم)

الرسولُ العظیم ولطافة فطرته السلیمة

(۱۱۱۳) عَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَ اِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ. (رواہ النسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت سلیمہ کی پاکیزگی

(۱۱۱۳) شبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ سے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ روم پڑھی آپؐ اُس میں کہیں اٹکے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ لوگوں کا بھی کیا حال ہے کہ نماز تو ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور پھر وضوء ٹھیک طور سے کرتے نہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ہمارے قرآن پڑھنے میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں۔

(نسائی شریف)

(۱۱۱۲) ٭ حدیثوں میں مستقبل کے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں ان میں جو جو قیدیں مذکور ہوں وہ نظر انداز نہیں کرنی چاہئیں یہاں حدیث میں سب سے پہلے تو جزیرۂ عرب کی تخصیص ہے کیونکہ یہی جزیرہ آپ کی بعثت کا سب سے پہلا مقام تھا پھر اس میں بھی جس طبقہ کے متعلق خبر دی گئی ہے وہ نمازی لوگوں کا طبقہ ہے۔ پھر جس بات سے مایوسی کی خبر دی گئی ہے وہ نمازی طبقہ کی بت پرستی کرنا ہے۔ اور یہ خبر بھی ان الفاظ سے نہیں دی گئی کہ ان میں کوئی بت پرستی نہیں کرے گا بلکہ صرف شیطان کی اپنی مایوسی کا ذکر ہے۔ اس بناء پر اب حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع تو بہت بلند ہے۔ آپ کی عصمت کا اثر آپ کے خاص مقام بعثت پر بھی اتنا گہرا پڑ چکا تھا کہ شیطان بھی وہاں کے خاص بندوں پر اپنی کامیابی سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا تھا۔ الحمد للہ العزیز کہ آپ کی پیش گوئی حرف بحرف آج تک آفتاب درخشاں کی طرح روشن ہے عرب کے ناخواندہ لوگ جو پشتہا پشت سے بت پرستی کے عادی تھے اسلام کے بعد آج تک بت پرستی سے اتنے متنفر ہیں کہ دوسرے مقامات کے خواندہ بھی اتنے متنفر نہ ہوں گے۔ ان کے تعلیم یافتہ پھر نمازیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

(۱۱۱۳) ٭ حدیث مذکور میں جس امر کی شکایت کی جا رہی ہے وہ بے وضوء نماز ادا کرنے کی نہیں بلکہ ناتمام وضوء کرنے کی شکایت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کا تقدس تو دیکھئے کہ دوسروں کا قصور بھی آپ پر کس درجہ بارِ عظیم بن رہا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کی قرأتِ قرآن میں بھی خلل کا باعث بن گیا ہے۔ پس جب دوسروں کا قصور آپ کی فطرت کے لیے اتنا بار ہو تو سوچئے کہ کیا براہ راست قصور کی یہاں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ معصیت کا تو ذکر کیا ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۱۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَ اْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَةِ اَبِيْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِيْ اٰنِفًا عَنْ صَلٰوتِيْ.

(متفق عليه و فی رواية للبخاری قال كنت انظر الی علمها و انا فی الصلوة فاخاف ان يفتننی)

(۱۱۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقشین کمبلی میں نماز اداء کی- نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ذرا اس کے پھولوں پر جا پڑی- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اس کمبلی کو تو ابوجہم (ایک صحابی کی کنیت ہے) کو جا کر دے دو اور ان کی وہی موٹی کمبلی مجھے لا دو- اس نے تو مجھے ابھی میری نماز سے بھی غافل کر دیا ہوتا- دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں- میں نے اس کے پھولوں کو دیکھا تو قریب تھا کہ میری نماز کی حضوری میں فرق پڑ جاتا-

(بخاری شریف)

(۱۱۱۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهٗ ثُمَّ صَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهٗ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ. (متفق عليه)

(۱۱۱۵) عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمین عباء ہدیۃً پیش کیا گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا اور اس کو پہنے ہوئے نماز اداء فرمائی- جب نماز سے فارغ ہو گئے تو بڑی نفرت کے انداز میں اس کو اتار پھینکا اور فرمایا- یہ لباس متقیوں کے شایانِ شان نہیں- (متفق علیہ)

(۱۱۱۴) ✱ پھول دار کمبلی ناجائز لباس نہیں پھر معمولی سے پھول کی حیثیت ہی کیا تھی مگر اللہ رے نبی کی فطرت جہاں حضوری میں کسی ادنیٰ سی چیز کے حائل ہونے کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا ہے وہ بھی اس کو برداشت نہیں- سو چو کہ ایسی بلند فطرت سے کیا کسی ادنیٰ سی معصیت کا صدور ممکن ہے- علماء کو یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ جب یہ چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ناموزوں سمجھ کر اتار دی تو پھر اس کو ابوجہم کے لیے کیسے پسند فرمایا جو جواب ان حضرات نے دیئے ہیں وہ تو اپنی جگہ دیکھ لیے جائیں- ہمارے نزدیک تو نبی کی شان وہ ہے کہ جس کو وہ غفلت کے اندیشہ سے تعبیر کرتا ہے اگر وہ دوسروں کو میسر آ جائے تو ان کی ہزاروں حضوریوں سے بھی بلند تر ہو گی- پس ابوجہم اس کو پہن کر شوق سے نماز پڑھیں- بلکہ اس سے بھی بیش قیمت چادر پہن لیں کوئی مضائقہ نہیں ہے- ان کے مرتبہ کی حضوری پھر قائم رہ سکتی ہے- مگر نبی کی حضوری کا اندازہ کسی کو ہو سکتا ہے جس کو معمولی ایک پھول سے بھی اپنی حضوری میں خلل کا خطرہ ہو جاتا ہے- سچ ہے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

یاد رکھیے حدیث میں اندیشہ کا لفظ تصریح کے ساتھ موجود ہے- یہ نہیں ہے کہ اس نے کوئی اثر پیدا بھی کر دیا تھا- اگر انبیاء علیہم السلام کسی ادنیٰ لغزش کے خطرہ سے بھی اتنے خائف نہ رہیں تو ان کی عصمت کا ثبوت ہمارے سامنے اس درجہ بدیہی کیسے ہو- یہی خوف و خشیت ان کی عصمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے-

(۱۱۱۵) ✱ ریشم کا استعمال اس وقت تک درست تھا- لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم فطرت پر جو لباس حرام ہونے والا تھا وہ اس سے پہلے ہی بار بن رہا تھا-

www.besturdubooks.net

الرسولُ العظیم و خشیته من ربه عزوجل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر الٰہی سطوت و جبروت کا استیلاء

(۱۱۱۶) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يُصَلِّيْ وَ لِجَوْفِهِ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَ فِيْ صَدْرِهِ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ. (رواہ احمد و روی النسائی الاولی و ابوداود الثانیه)

(۱۱۱۶) مطرف بن شخیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا- اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سینہ مبارک سے گریہ وزاری کی آواز اس طرح گونج رہی تھی جیسا ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز- دوسری روایت میں ہے کہ میں نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارک میں چکی کی سی آواز آ رہی تھی-

(احمد-نسائی)

(۱۱۱۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَ الْوَاقِعَةُ وَ الْمُرْسَلَاتُ وَ عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. (رواہ الترمذی)

(۱۱۱۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بوڑھے ہو گئے فرمایا مجھ کو سورۂ ہودؔ سورۃ الواقعہؔ سورۃ المرسلاتؔ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کے ہولناک مناظر نے بوڑھا کر دیا ہے-

(ترمذی شریف)

(۱۱۱۶) * جن قلوب پر خوفِ الٰہی کا عالم یہ ہو کیسے ممکن ہے کہ ان سے کسی ادنیٰ سی معصیت کا صدور بھی ہو جائے-

(۱۱۱۷) * انبیاء علیہم السلام کے علوم چونکہ کسب و اکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے اس لیے وہ صرف دماغی خیالات یا ذاتی تحقیقات کی طرح نہیں ہوتے بلکہ نفسیات اور طبعیات کی طرح ہوتے ہیں- ان میں یقین واذعان کی وہ کیفیت ہوتی ہے جو مشاہدہ میں ہوا کرتی ہے اس لیے ان پر اس کے اثرات بھی وہی ہوتے ہیں جو مشاہدہ کے ہو سکتے ہیں- ہم اگر قیامت کا یقین رکھتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ اتنا جتنا کہ مثلاً کلکتہ شہر کا مگر ظاہر ہے کہ جس نے کلکتہ کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہو اس کی نظروں میں اس شان و شوکت اور وسعت کا جو نقشہ ہو گا وہ ہماری نظروں میں صرف سن کر قائم نہیں ہو سکتا- ان کے جزم و یقین کا اندازہ بس اسی سے فرما لیجیے کہ ان کی شریعت میں امتیوں کے حصہ میں بھی ''احسان'' کا ایک مستقل باب آ گیا ہے- آپ پہلی جلد کے آخر میں پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں ایمان و اسلام کی تشریح فرما کر آخر میں احسان کی جو تشریح فرمائی وہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اس کیفیت سے کرنے لگنا جیسا آنکھوں سے دیکھ کر رہتی ہے- اس کے بعد جلد ثانی میں اسی باب کی متعدد حدیثیں آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہیں جن میں اس مشاہدہ کی کیفیت خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زبانوں سے منقول ہے-

(دیکھو ترجمان السنۃ ج ۲ ص ۳۰ حدیث ۲۶۷ و ج ۲ ص ۴۳ و ج ۱ ص ۴۹۹ مع تشریحی نوٹ و ج ۱ ص ۳۹ و ج ۲ ص ۴۶ وغیرہ)

www.besturdubooks.net

الرسولُ العظيم و قوته في الدين و صفاء اليقين

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم آخرت کا استحضار اور اس کا یقین

(۱۱۱۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْعَمُ وَ صَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَہٗ وَ اَصْغٰی سَمْعَہٗ وَ حَنٰی جَبْھَتَہٗ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ مَا تَاْمُرُنَا قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ. (رواہ الترمذی)

(۱۱۱۸) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیوی لذتوں سے بھلا کیونکر لطف اندوز ہوں جب کہ دیکھ رہا ہوں کہ صور پھونکنے والے فرشتے نے (نفخ صور کی تیاری میں) صور اپنے منہ میں لے لیا ہے' اپنی پیشانی جھکالی ہے اور کان لگا رکھے ہیں کب ان کو نفخ صور کا حکم ملتا ہے لوگوں نے عرض کی فرمایئے اس حالت میں ہمیں کیا حکم ہے۔ ارشاد ہوا بس حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ پڑھتے رہو۔ خدا تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔ (ترمذی شریف)

(۱۱۱۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُھْرِیْقُ الْمَاءَ فَیَتَیَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَاءَ مِنْکَ قَرِیْبٌ یَقُوْلُ مَا یُدْرِیْنِیْ لَعَلِّیْ لَا اَبْلُغُہٗ. (رواہ فی شرح السنۃ و ابن الجوزی فی کتاب الوفاء)

(۱۱۱۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہوتے اور مٹی سے تیمم فرما لیتے۔ میں کہتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں قریب ہی موجود ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کیا خبر ہے شاید میں پانی تک پہنچ نہ سکوں (اور اس سے قبل ہی موت آ جائے) (شرح السنۃ)

(۱۱۲۰) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ مَرَّبِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا وَ اُمِّیْ نُطَیِّنُ شَیْئًا فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عَبْدَاللّٰہِ قُلْتُ شَیْءٌ نُصْلِحُہٗ قَالَ الْاَمْرُ اَسْرَعُ مِنْ ذٰلِکَ. (رواہ احمد و الترمذی و قال ھذا حدیث غریب)

(۱۱۲۰) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے گھر سے گذر ہوا اس وقت میں اور میری والدہ گھر کی لیپ پوت اور مرمت کرنے میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ! یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کی کچھ مرمت کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں حکم ربی اس سے پہلے تیزی کے ساتھ نہ آ جائے۔ (احمد۔ ترمذی)

(۱۱۲۰) * یہ تینوں حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عالم آخرت کا استحضار اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر کسی انسان کے سامنے یہ نقشہ ہمہ وقت مستحضر رہے تو کیا اس کی توجہ معصیت کی طرف ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی شان اپنی مقدس فطرت' اپنی قلبی کیفیات' ملائکۃ اللہ کی ہمہ وقت مصاحبت' اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے ساتھ شرف مکالمہ اور تجلیات ربانیہ کی وجہ اس قسم کے تمام نقائص سے برتر و بالا ہوتی ہے جن کے لیے غفلت و کدورت کا ہونا لازم ہے جہاں غافل آ کر ہوشیار ہو جائیں وہاں بھلا اس قسم کے تصورات کیا ممکن۔

www.besturdubooks.net

الرسول العظيم و كون الدنيا أهون عنده من جناح بعوضة

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نظر میں متاعِ دنیا کی حقیقت

(۱۱۲۱) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ قَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ. (رواہ مسلم)

(۱۱۲۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے بچہ کے پاس سے گذرے جس کے ناک و کان بھی کٹے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا تم میں ہے کوئی جو اس کو ایک درہم میں لینا قبول کرے؟ لوگوں نے کہا ہمیں تو یہ مفت لینا بھی پسند نہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا جتنا یہ مردار بچہ تم کو ذلیل نظر آ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے ساری دنیا اس سے زیادہ ذلیل ہے۔ (مسلم شریف)

(۱۱۲۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

(۱۱۲۲) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو وہ اس کا ایک گھونٹ بھی نہ چکھاتا۔ (ترمذی وغیرہ)

(۱۱۲۳) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ

(۱۱۲۳) مستورد بن شداد بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے بخدا دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں اتنی

(۱۱۲۱) * ہمارے دور کے مفکرین کی مرعوبیت کا عالم بھی ترس کھانے کے قابل ہے کہ وہ بے چارے ہر اس بات کے اظہار کرنے سے خائف رہتے ہیں جو موجودہ زمانہ کے ذرا بھی مذاق کے خلاف ہو خواہ وہ کتنی ہی سچی سے سچی بات ہو بے شک متاعِ دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں انتہاء درجہ ذلیل تھی اور دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جب انسان خود اسی دنیا میں موجود ہے تو وہ اس دنیا سے بالکل مستغنی ہے۔ نہیں نہیں وہ اس کے طلب کا مامور ہے مگر حرام ذرائع سے نہیں حلال ذرائع سے دارِ آخرت پر ترجیح دے کر نہیں بلکہ متاع کا سد سمجھ کر۔ اس سبق کا حاصل دنیوی ترقیات سے روکنا نہیں بلکہ ایک لازوال ملک سے غفلت کو روکنا ہے۔

(۱۱۲۲) * کافروں پر دنیا کی وسعت دیکھ کر آپ تو خدا تعالیٰ کی نظر میں ان کے قرب کا وسوسہ لاتے ہیں۔ اور حدیث یہ کہتی ہے کہ اس وسعت کا سبب کافر کی قدر و منزلت نہیں بلکہ خود متاعِ دنیا کی بے قدری و ذلت ہے۔

انسان کمزور ہے اور بیک وقت وہ دو کی محبت نباہ نہیں سکتا۔ تجربہ کر لیجئے جو دنیا کے پیچھے لگ گئے آخرت میں ان کی جدوجہد کیا رہ گئی جو آخرت کے طالب بن گئے دنیا کے لیے ان کی مساعی کتنی سست پڑ گئیں شانِ جامعیت علیحدہ چیز ہے لیکن اگر ان دو میں کسی ایک ہی کو اختیار کرنا ہے تو پھر آپ ہی فیصلہ فرمایئے بہتر کیا ہوگا؟

(۱۱۲۳) * ان جملہ احادیث کا منشا یہ ہے کہ جس دنیا میں انسان خود پیدا ہوتا ہے، جس کے تمام علائق اسی کے ساتھ وابستہ ہیں، اس کے نقصانات و منافع اور تکالیف و لذتوں سے وہ ہر وقت آشنا ہے اور اس کی ضرورت اپنی زندگی کے گوشہ گوشہ میں محسوس کر رہا ہے وہ لله.....

www.besturdubooks.net

مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَايَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْبِمَ يَرْجِعُ. (رواہ مسلم)

بھی نہیں جتنا کہ تم اگر سمندر میں انگلی ڈالو پھر دیکھو کہ اس میں کتنا پانی لگا ہے۔ (مسلم)

(۱۱۲۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِيْ فِيْ مَرَضِهٖ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ اَوْ سَبْعَةٌ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِيْ وَجَعُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَاَلَنِيْ عَنْهَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوِ السَّبْعَةُ قُلْتُ لَا وَ اللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ كَفِّهٖ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هٰذِهٖ عِنْدَهٗ. (رواہ احمد)

(۱۱۲۴) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں میرے پاس آپؐ کے چھ یا سات دینار امانت کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میں ان کو تقسیم کردوں' مگر آپؐ کی بیماری میں مجھ کو اس کا خیال نہ رہا۔ آپؐ نے ایک بار پھر پوچھا وہ چھ یا سات دینار تقسیم ہوگئے یا نہیں۔ میں نے عرض کی خدا کی قسم تقسیم نہیں ہو سکے اور صرف آپؐ کی علالت کی فکر کی وجہ سے مجھ سے یہ غفلت ہوگئی۔ آپؐ نے ان دیناروں کو منگا کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا۔ اللہ کے اس نبی کے متعلق کیا گمان ہے جس کی اپنے رب سے ملاقات کا اگر وقت آ گیا ہو تو وہ اس حالت میں جائے کہ یہ دینار اس کے پاس موجود ہوں۔ (احمد)

(۱۱۲۵) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۱۲۵) ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ﷺ ..... ان احساسات میں پڑ کر کہیں اس آخرت کو بھول نہ جائے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہے مگر اس کے نفع نقصان سے وہ ابھی تک آشنا نہیں اور نہ ابھی تک اس کی ضرورت اپنی زندگی کے کسی گوشہ میں محسوس کرتا ہے۔ جس ایک محسوس مگر عارضی زندگی اور ایک غیر محسوس مگر دائمی زندگی پر تنبیہ کے لیے یہ مختلف تعبیریں ہیں اور اسی کے لیے مختلف پیرایہ بیان ہیں۔ دنیا کے متعلق جن کا عقیدہ تھا وہ تو دنیا کے فاتح بن چکے اور جن کا عقیدہ اس کے برعکس ہے وہ آج خود دنیا کے مفتوح ہیں۔ اس پر ان کو گمان یہ ہے کہ وہ دنیا کے فاتح ہیں۔ اکبر مرحوم کہتے ہیں۔

فخر کیا ہے جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں!

(۱۱۲۵) * انبیاء علیہم السلام کی بلند نظریں دنیا کی متاعِ خسیس کی طرف کبھی نہیں اٹھتیں۔ ان کے نزدیک ساری دنیا کی قدر و قیمت ایک مچھر کے پر کی برابر بھی نہیں ہوتی ان کے یہاں قیمت تضرع اور ذکر اللہ کی ہے اس کی حمد وثناء اور اس کے شکر کی ہے وہ انسان کی ضعیف خلقت سے پورے خبردار ہوتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ بھوک کی برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہمیشہ شکم سیری کے خطرناک عواقب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لیے ایک طرف بھوکوں کے ساتھ بھوکا رہنے کی دعاء تو کرتے ہیں مگر وہ بھوکا نہیں جو بھوک میں اپنے مالک کی یاد اور اس کے سامنے تضرع والحاح کو فراموش کر بیٹھے اور دوسری طرف شکم سیروں میں شکم سیر ہونے کی دعاء بھی فرماتے ہیں' مگر وہ شکم سیر نہیں جو پیٹ بھر جانے کے بعد بھی اپنے مالک کی حمد وثناء اور اس کے شکر سے غافل ہو جائے۔ اس طرح کی بھوک اگر ہو تو وہ بھی نبوت کی وراثت ہے اور اس طرح کی شکم سیری اگر ہو تو وہ بھی اسوۂ نبوت ہے۔ جب تک انسان ساری دنیا سے بے نیاز نہ ہو جائے وہ افراط وتفریط کے ان حالات میں خدائی یاد کبھی قائم نہیں رکھ سکتا۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّىْ لِيَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَارَبِّ وَ لٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَ اَجُوْعُ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَ ذَكَرْتُكَ وَ اِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَ شَكَرْتُكَ.

(رواه احمد و الترمذی)

حق تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے اس پتھریلی میدان کو میرے سامنے کر کے مجھ کو یہ اختیار دیا تھا اگر میں پسند کروں تو وہ اپنی قدرت سے اس کو سونا بنا دے میں نے عرض کی پروردگار! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن شکم سیر رہوں تو ایک دن بھوکا بھی رہوں- جب بھوکا ہوں تو تیرے سامنے گریہ وزاری کروں اور تیری یاد کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری حمد و ثناء کروں اور تیرا شکر بجا لاؤں- (احمد و ترمذی)

(۱۱۲۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَ عِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ.

(رواه البخاری و عند الدارمی نحوه عن ابی ذر)

(۱۱۲۶) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کی برابر بھی سونا ہوتا تو بھی میری خوشی اسی میں ہوتی کہ تین راتیں بھی نہ گذرنے پائیں کہ اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی رہ جائے- ہاں صرف اتنی مقدار جتنی کہ میں اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں- (بخاری شریف)

(۱۱۲۷) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَ قَدْ اَثَّرَ فِیْ جَسَدِهٖ فَقَالَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَ نَعْمَلَ فَقَالَ مَا لِیْ وَ لِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَ الدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَكَهَا. (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجه و رواه الطيالسی باسناد صحيح)

(۱۱۲۷) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار چٹائی پر سو رہے، جب آپ اٹھے تو آپؐ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے- یہ دیکھ کر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت ہو تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بچھونا تیار کر لیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا کام میری اور دنیا کی مثال بس اس مسافر سوار کی سی ہے جو درخت کے سایہ کے نیچے ذرا سی دیر بیٹھے پھر اس کو چھوڑ کر چل دے-

(احمد- ترمذی- ابن ماجہ- ابوداؤد- طیالسی)

(۱۱۲۸) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ كُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَ عُدَّ نَفْسَكَ فِیْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ. (رواه البخاری)

(۱۱۲۸) ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم کا بعض حصہ (شفقت کے انداز میں) پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح بسر کرو جیسے تم ایک مسافر ہو اور مسافر بھی وہ جو منزل طے کر رہا ہو اور اپنے نفس کو ایسا سمجھو جیسے قبر کا مردہ- (بخاری شریف)

(۱۱۲۸) * ان واقعات سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ جن کے قلوب میں خشیت الٰہی اس درجہ ہو جس کا نقشہ احادیث مذکورہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اور جن کے قلوب میں دنیا کی بے ثباتی اس درجہ ہو جو آپ کے سامنے ہے ان میں معصیت کا داعیہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے-

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم و ابتعادہ عن الاثام

حرفِ گناہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نفرت و بیزاری

(۱۱۲۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ مَاخُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اِخْتَارَ اَيْسَرَ هُمَا فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَ مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا يُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا. (متفق علیہ)

(۱۱۲۹) حضرت عائشہؓ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اختیار دیا گیا ہے (توامت کی سہولت کی خاطر) آپ اسی کو اختیار فرماتے جو دونوں میں آسان تر ہوتی مگر جب کہیں گناہ کا معاملہ آجاتا تو پھر آپ سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا جو اس سے دور دور رہنے والا ہوتا۔ آپ نے اپنے نفس کی خاطر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا' بجز اس صورت کے کہ جس میں خدائی احترام پر کوئی زد پڑتی ہو۔ پھر تو اللہ تعالیٰ کے احترام کی خاطر آپ اس کا انتقام لے کر رہتے تھے۔ (متفق علیہ)

(۱۱۳۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ وَ لَا امْرَأَةً وَ لَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهِ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ. (رواہ مسلم)

(۱۱۳۰) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غرض کے لیے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو تنبیہ نہیں فرمائی نہ کبھی کسی عورت کو اپنے ہاتھ سے مارا اور نہ کسی خادم کو مگر ہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو جہاد کیے ہیں وہ بات الگ ہے۔ اسی طرح ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ آپ کو ایذاء دی گئی ہو پھر آپ نے اس ایذاء دینے والے شخص سے اس کا بدلہ لیا ہو۔ بجز اس صورت کے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف کوئی بات ہو تو پھر آپ ناموس حدود اللہ کی خاطر اس کا انتقام لیتے۔ (مسلم شریف)

(۱۱۳۱) عَنْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ اَمَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلَّا اَرْبَعَةَ نَفَرٍ وَ امْرَاَتَيْنِ وَ قَالَ اُقْتُلُوْهُمْ وَ اِنْ وَجَدْ تُمُوْهُمْ مُتَعَلِّقِيْنَ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ مِنْهُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ سَرْحٍ فَاخْتَبَأَ عِنْدَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلَى الْبَيْعَةِ جَاءَ بِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْ عَبْدَ اللّٰهِ فَرَفَعَ

(۱۱۳۱) سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز چار شخصوں اور دو عورتوں کے سب کے لیے امن عام کا اعلان فرما دیا تھا اور صرف چند لوگوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان کو تو قتل ہی کرنا اگر چہ وہ تم کو کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے بھی ملیں۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھا یہ حضرت عثمان کے پاس آکر چھپ گیا تھا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کرنے کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کو لے کر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ عبداللہ کو بھی بیعت فرمالیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھا کر اس کو تین بار دیکھا ہر بار بیعت کے لیے

(۱۱۳۱) * فتح مکہ میں دشمن سے دشمن کی بھی بخشش ہوگئی لیکن صرف ان معدودے چند اشخاص کی جن کی پیہم ایذاء رسانیوں دنائت للے.....

رَأْسَهٗ فَنَظَرَ اِلَیْهِ ثَلَاثًا کُلُّ ذٰلِکَ یَاْبٰی یُبَایِعَهٗ ثُمَّ بَایَعَهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَمَا کَانَ فِیْکُمْ رَجُلٌ رَشِیْدٌ یَقُوْمُ اِلٰی هٰذَا حِیْنَ رَاٰنِیْ کَفَفْتُ یَدِیْ عَنْ بَیْعَتِهٖ فَیَقْتُلُهٗ فَقَالُوْا مَا یُدْرِیْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا فِیْ نَفْسِکَ هَلَّا اَوْ مَاْتَ اِلَیْنَا بِعَیْنِکَ قَالَ اِنَّهٗ لَا یَنْبَغِیْ لِنَبِیٍّ اَنْ یَکُوْنَ لَهٗ خَائِنَةُ الْاَعْیُنِ. (قال الحافظ ابن تیمیة رواہ ابو داؤد باسناد صحیح و النسائی

انکار ہی فرماتے رہے اس کے بعد اس کو بھی بیعت فرمالیا پھر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں کوئی ایسا سمجھ دار شخص نہ تھا کہ جب اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں اس کے بیعت کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو اٹھتا اور اس کو قتل کر دیتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا علم تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ کا ذرا سا اشارہ کر دیا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ اس کی آنکھ بھی خیانت کرنے والی ہو۔

(ابوداؤد' نسائی' ابن مردویہ)

کذلک و کان ابن ابی السرح اخا عثمان من الرضاعة کذافی الصارم المسلول ص ۱۰۸)

الرسول العظیم و جزمه بانه لا یکون علیه مظلمة لاحد یوم القیامة و انه لا کرب علیه بعد وفاته

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزم و یقین کہ آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مؤاخذہ نہیں

(۱۱۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰی عَهْدِ

(۱۱۳۲) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

﴿ ..... اور خست طبع سے اس کی کوئی امید نہ تھی کہ آئندہ وہ اسلام کے ساتھ آشتی کا ادنیٰ سا برتاؤ بھی کر سکیں گے۔ ان میں ایک شخص عبداللہ بن ابی السرح بھی تھا' جس کا کام منجملہ اور خبیث افعال و حرکات کے آپ کی ہجو کرنا بھی تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ آج کہیں مفر کی صورت نہیں ہے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی آ کر پناہ لی۔ یہ قدیم سے مجسمہ اخلاق تھے اپنے گھر میں پناہ لینے والے کو کیسے نکال باہر کرتے' اس پر یہ ان کا رضاعی بھائی بھی تھا۔ اس لیے اس کی سفارش پر مجبور ہو گئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے شخص سفارش کے لیے لے کر آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صاف جواب دے دیں۔ لہٰذا آپ نہ تو صاف انکار کرنا پسند فرماتے تھے اور نہ اپنی زبان سے امن کا لفظ نکال کر پھر اس کے قتل کا حکم دے سکتے تھا اس لیے کچھ دیر تو توقف سے کام لیتے رہے تاکہ اگر کوئی شخص سابق حکم کے ماتحت اس کو قتل کر دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش رد کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن اس میں آپ اور زیادہ توقف نہ فرما سکے۔ آخر اس کو بیعت فرمالیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ کاش تم لوگ میرے اس توقف سے کچھ فائدہ اٹھا لیتے صحابہ کا جواب آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب اندازہ فرمائیے کہ ایک واجب القتل شخص کے قتل کے متعلق اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ذرا سا اشارہ فرما دیتے تو کیا یہ کسی معصیت کی تعریف میں آتا۔ مگر جب آپ نے اتنی سی بات بھی گوارا نہ فرمائی اور وہ بھی اس عنوان سے کہ یہ نبی کی شان نہیں کہ وہ آنکھ کا بھی کوئی ایسا اشارہ کر سکے جو صورۃً بھی خیانت شمار ہو تو کیا پھر کھلی معصیت کرنی خواہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو نبی کی شان ہو گی۔ (العیاذ باللہ)

(۱۱۳۲) * پہلے زمانہ میں نرخ کا اتار چڑھاؤ تاجروں کے ہتھکنڈوں سے نہ ہوتا تھا بلکہ اشیاء کی باہر سے آمد اور پیداوار کی قلت ﴾ .....

www.besturdubooks.net

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَعِّرْلَنَا فَقَالَ
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَ اِنِّیْ لَا
رْجُوْانُ اَلْقٰی رَبِّیْ وَ لَیْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ یَطْلُبُنِیْ
بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَ لَا مَالٍ.

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجه و الدارمی)

ایک بار اشیاء کے نرخ بہت چڑھ گئے - اس پر لوگوں نے آپ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی یا رسول اللہ! آپ اپنی جانب سے نرخ مقرر فرما دیجئے - آپ نے فرمایا نرخ کا چڑھنا اترنا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے وہی رازق ہے اور رزق کا تنگ و فراخ کرنے والا بھی وہی ہے مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے پوری امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کے روبرو اس شان سے حاضر ہوں گا کہ تم میں ایک شخص بھی اپنے خون یا مال کے ادنیٰ سے معاملہ کا بھی مجھ سے مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا - (ابوداؤد وغیرہ)

(۱۱۳۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ یَتَغَشَّاهُ الْكَرْبُ
فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَ اَكْرْبَ اَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَیْسَ
عَلٰی اَبِیْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ
قَالَتْ یَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ یَا اَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ

(۱۱۳۳) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت اور بے چینی بہت بڑھ گئی تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا میرے والد کو کیسی تکلیف ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے والد کو جو تکلیف بھی ہے وہ صرف آج کے دن تک ہے اس کے بعد پھر کوئی تکلیف نہیں - اور جب آپ کے وفات ہوگئی تو شدتِ غم میں ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے اے والد

﴾..... وکثرت سے ہوا کرتا تھا - ادھر شریعت مطہرہ نے اس کا بندوبست پہلے سے خود فرما رکھا تھا کہ بے وجہ اشیاء کے نرخ نہ چڑھیں - تاجروں کو باہر سے باہر اشیاء خرید کر لینے کی ممانعت تھی - کھانے کی اشیاء اکٹھی خرید کر دبالینی پھر ان کو گراں قیمت پر فروخت کرنے پر سخت وعید فرمادی گئی اسی طرح ان جملہ صورتوں کا سد باب کر دیا گیا تھا - جن سے اہل شہر پر کسی تجارتی چکر سے گرانی کا خطرہ ہوسکتا تھا اب اگر قدرتی گرانی پر بھی قیمت پر کوئی سرکاری کنٹرول کر دیا جاتا تو یقیناً اس میں ایک طبقہ کی حق تلفی کا اندیشہ تھا - اس لئے آپ نے اس کو پسند نہیں فرمائی کیونکہ بظاہر اس میں گو عوام کی بہبودی معلوم ہوتی تھی لیکن ایک فرقہ کے لئے یہ مضرت رسانی کا موجب بھی ہوسکتا تھا اور نبی کی عصمت اس کو گوارا نہیں کرسکتی کہ اس کی ذات سے کسی متنفس کا بال برابر بھی کوئی نقصان ہو اس تنبیہ کے بعد آپ کی پوری شانِ تواضع کے ساتھ آپ کا یہ جملہ کتنا پر از عظمت جملہ تھا کہ مجھ کو یقین ہے کہ قیامت میں میرے ذمہ کسی کا کوئی حق نہ ہوگا یہ کون ہیں وہ جن کا تعلق ہر ہر فرد امت کے ساتھ وابستہ ہے - پھر کس عموم و اطلاق کے ساتھ - حقوق العباد سے اپنی عصمت کا اعلان فرما رہے ہیں - جہاں حقوق العباد اتنے صاف ہوں وہاں حقوق اللہ کی صفائی کا پوچھنا ہی کیا ہے - عصمت کے بغیر کیا یہ جملے زبان سے ادا ہوسکتے ہیں -

(۱۱۳۳) ❋ اس حدیث میں بھی آپؐ نے پورے جزم و وثوق کے ساتھ فرمایا ہے کہ آخرت میں آپ سے کسی امر میں کوئی گرفت نہ ہوگی - کیا علی الاطلاق عصمت کے بغیر یہ ممکن ہے اب اگر اس پر بھی عصمت کے خلاف منطقی احتمالات نکالتے ہیں تو لوگوں نے دلائل توحید کے خلاف احتمالات نکالنے میں بھی کا کوتاہی کی ہے - آپؐ کی اول سے آخر تک زندگی پر نظر ڈالئے آپ کی صفات و ملکات پر نظر ڈالئے آپ کی خداترسی اور دنیا سے بے رغبتی پر نظر ڈالئے اس کے بعد آپ کے ان جملوں پر بھی نظر ڈالئے جو اس عالم کے متعلق ہیں جہاں کسی کو اپنے متعلق اطمینان بخش ایک حرف نکالنا بھی مشکل ہے تو صرف یہی نتیجہ نکلے گا کہ آپ معصوم ہیں آپ معصوم ہیں -

www.besturdubooks.net

اَلْفِرْدَوْسِ مَاوَاهُ يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا يَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التراب.

(رواہ البخاری)

بزرگوار وہ کہ جنہوں نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمالی وہ کہ جن کا مقام جنت الفردوس بن چکا اے والد بزرگوار آپ کا یہ المناک حادثہ ہم جبرئیل علیہ السلام کو سناتے ہیں۔ پھر جب آپ دفن ہو چکے تو حضرت فاطمہؓ نے شدتِ غم سے فرمایا۔ انسؓ تمہارے دلوں نے یہ کس طرح گوارا کرلیا کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی دی۔ (بخاری شریف)

(۱۱۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَ كَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ.

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

(۱۱۳۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا آپ کو بس بس وہی صفیہ کافی ہیں یعنی جو پستہ قد ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تم نے ایسا کلمہ منہ سے نکالا ہے اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو باوجودیکہ اس کا پانی سخت بدمزہ ہوتا ہے مگر وہ اس کا مزہ بھی بدل دے۔ (احمد ۔ ترمذی ۔ ابوداؤد)

(۱۱۳۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُحِبُّ اَنِّيْ حَكَيْتُ اَحَدًا وَ اَنَّ فِيْ كَذَا وَ كَذَا.

(رواہ الترمذی و صححہ)

(۱۱۳۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں اگرچہ اس کے مقابلہ میں میرے لیے بڑی سے بڑی بھی کوئی چیز ہو۔

(ترمذی شریف)

(۱۱۳۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ قَالَتْ بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا تُبْكِيْكِ

(۱۱۳۶) انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت حفصہؓ ان کے متعلق "دختر یہودی" کا لفظ کہتی ہیں۔ اس پر وہ رونے لگیں۔ حسب الاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو اس وقت وہ رو رہی

(۱۱۳۶) ✽ کسی شخص کے کھرے اور کھوٹے ہونے کا سب سے سچا معیار اس کی اندرونی زندگی ہوتی ہے اور اس میں بھی بیبیوں کا معاملہ بھی سب سے اہم ہے یہاں بشری فطرت اپنی طبعی مناسبت کی وجہ سے کبھی کسی کی طرف زیادہ میلان بھی رکھ سکتی ہے اور اتنی بات پر اس کو ملامت بھی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ یہ بات انسان کے اختیاری نہیں ہوتی پھر اس میلان کے اثرات بھی باہم معاملات میں بھی نظر آنے ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ بس یہاں پہنچ کر ہی عام بشر کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں لیکن جب کسی نبی کی اندرونی زندگی دیکھی جائے تو ان معاملات میں بھی وہ اتنی ہی صاف نظر آتی ہے جتنی کہ اس کے بیرونی معاملات میں۔ حضرت عائشہؓ بیشک ازواجِ مطہرات میں سب سے بلند مقام رکھتی تھیں مگر جب حضرت صفیہؓ کے متعلق ان کی زبان ذرا سا ایک کلمہ وہ بھی طبعی غیرت میں منہ سے نکلا تو آپ نے فوراً اس پر تنبیہ فرمائی اس طرح حضرت حفصہؓ اگرچہ عمر فاروقؓ جیسے رفیق کی صاحبزادی سہی لیکن ان کے ایک صحیح کلمہ کو بھی آپ نے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا کیونکہ اس کی غایت و غرض بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ پھر اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ اسی مکروہ کلمہ کی ایسی اصلاح فرمادی کہ جو کلمہ پہلے حقارت کا باعث تھا اب وہی قابل فخر نظر آنے لگا۔ اس کے بعد نہ تحقیر کرنے والا اس کو دہرا سکتا تھا اور نہ سننے والا اس کو برا مان سکتا تھا۔ یہ ہے نبی کی اندرونی زندگی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَتْ قَالَتْ لِیْ حَفْصَۃُ اَنِّیْ اِبْنَۃُ یَھُوْدِیٍّ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکِ لَاِبْنَۃُ نَبِیٍّ وَ اِنَّ عَمَّکِ لَنَبِیٌّ وَ اِنَّکِ لَتَحْتَ نَبِیٍّ فَفِیْمَ تَفْخَرُ عَلَیْکِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِی اللّٰہَ یَا حَفْصَۃُ. (رواہ الترمذی و النسائی)

تھیں-فرمایا کیوں روتی ہو؟ انہوں نے عرض کی اس لیے کہ حفصہؓ مجھے یہودی کی لڑکی کہتی ہیں-آپؐ نے فرمایا تم تو نبی کی اولاد میں ہو اور تمہارے چچا بھی ایک نبی تھے اور اب تم ایک نبی کی بی بی ہو- پھر حفصہ اگر تمہارے مقابلہ پر فخر کرتی ہیں تو آخر کس بات پر؟ اس کے بعد حضرت حفصہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا حفصہ! اللہ سے ڈرو- (ترمذی-نسائی)

(۱۱۳۷) عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰی خَدِیْجَۃَؓ وَ مَا رَأَیْتُھَا وَ لٰکِنْ کَانَ یُکْثِرُ ذِکْرَھَا وَ رُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاۃَ ثُمَّ یُقَطِّعُھَا اَعْضَاءً ثُمَّ یَبْعَثُھَا فِیْ صَدَائِقِ خَدِیْجَۃَؓ فَرُبَّمَا

(۱۱۳۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جتنی غیرت مجھ کو حضرت خدیجہؓ پر آیا کرتی تھی اتنی آپؐ کی بیبیوں میں کسی پر بھی نہ آتی تھی حالانکہ مجھے ان کے دیکھنے کی نوبت کہاں آئی تھی (ان کا تو مجھ سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا) بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی بکری ذبح کرنے کی نوبت آتی تو اس کی بوٹیاں بنوا کر ان کی

لـه ..... آپؐ کی ازواج میں ام حبیبہؓ بھی شامل تھیں جن کے والد اس وقت تک آپ کے دشمنوں کی صف میں تھے اور حضرت صفیہؓ بھی اس شرف سے مشرف ہو چلی تھیں اور وہ بھی اپنے والد چچا اور شوہر کے قتل کا زخم کھائے بیٹھی تھیں لیکن اس کے باوجود کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی کے متعلق ان شریف اور غیور عورتوں کی زبانوں سے کبھی ادنیٰ سے نقص کا ایک کلمہ بھی نکلا تھا- بلکہ ام حبیبہؓ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کے والد اپنے زمانہ شرک میں آپ کے تشریف لائے تو ایک بچھونا جو سامنے بچھا ہوا تھا انہوں نے فوراً ایک طرف لپیٹ کر رکھ دیا- ان کے والد ابوسفیان نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا- کیا میں بستر کے لائق نہیں-فرمایا کہ یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ مشرک ہیں (مشرک کو قرآن کریم نے ناپاک کہا ہے) اب اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ازواج پر بھی آپ کی عصمت اور آپ کے تقدس کا سکہ کس درجہ جما ہوا ہوگا- کثرتِ ازواج اسلامی تعلیمات کی اشاعت و تفہیم کے لئے کتنی اہم تھی- یہ بات تو جداگانہ ہے مگر یہاں اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب مختلف مزاج، مختلف حالات اور مختلف خاندانوں کی بیبیاں بھی آپ کی اندرونی پاکبازی کی سب سے بڑی شاہد ہوں تو پھر آپؐ کی عصمت و پاکبازی کا مسئلہ بدیہی ہونا یقینی ہے-

(۱۱۳۷) ٭ حضرت خدیجہؓ آپ کی نبوت کے ابتدائی حالات میں آپؐ کی پوری پوری دمساز رہ چکی تھیں اس لئے ان کی خدمات اور ان کی وفاشعاری آپ کو کبھی فراموش نہ ہوتی تھیں، زندگی تک تو ہر انسان اپنے مخلصوں کی قدردانی کیا کرتا ہے، لیکن جو موت کے بعد بھی یاد تازہ رکھے ایسے انسان کم ہیں- یہاں حضرت عائشہؓ بڑی صفائی کے ساتھ اظہار فرما رہی ہیں کہ میری زبان سے جو کلمات بھی حضرت خدیجہؓ کی شان میں نکل گئے یہ صرف ایک سوت کی طبعی غیرت تھی اس کو حسد سمجھنا غلط ہے کیونکہ میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں تھا- مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق سے چونکہ ان کے ساتھ محبت و تعلق کے کلمات برابر سنتی بس وہی میری غیرت کو برانگیختہ کر دیتے تھے- مگر دیکھئے کیا حضرت عائشہؓ کی خاطر آپ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر سکوت فرما سکے- اور کیاں یہاں بھی ایک ایسی بات نہ فرما دی جس کے بعد حضرت عائشہؓ دوسری بار اس کا ذکر نکال ہی نہیں سکتی تھیں یعنی ان کا صاحب اولاد ہونا- عورتوں میں لاولد ہونا آج بھی موجب نقص گنا لـه .....

www.besturdubooks.net

قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَءَةٌ إِلَّا خَدِيْجَةُ فَيَقُوْلُ إِنَّهَا كَانَتْ وَ كَانَتْ وَ كَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ.

(متفق عليه و راجع حديث الصحفة و حديث الخير من ترجمان السنة ص ......)

سہیلیوں کے پاس بھی بھیجا کرتے تھے- میں اس وقت کبھی شدتِ غیرت سے یہ کہہ بیٹھتی کہ آپؐ تو ان کا ذکر ہر وقت اس طرح رکھتے ہیں جیسے دنیا میں (حضرت) خدیجہؓ کے علاوہ کوئی اور عورت ہی نہیں تو آپؐ یہ فرما دیتے جی ہاں بس وہ تھیں اس کو میں جانتا ہوں اور بڑی بات یہ ہے کہ میری اولاد بھی ان سے ہی تھی- (متفق علیہ)

(۱۱۳۸) عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَ كَانَ فِيْهِ مُزَاحٌ بَيْنَمَا يُضْحِكُهُمْ فَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهِ بِعُوْدٍ فَقَالَ اِصْبِرْنِيْ قَالَ اِصْطَبِرْ قَالَ إِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَ لَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَمِيْصِهِ فَاحْتَضَنَهُ وَ جَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَرَدْتُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (رواہ ابوداؤد)

(۱۱۳۸) اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی نے جن کے مزاج میں ظرافت تھی اپنے سلسلہ گفتگو میں بیان کیا کہ اس اثناء میں جب کہ وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی ان کی کوکھ میں ذرا چھو دی انہوں نے کہا میں تو اس کا بدلہ لوں گا- آپ نے فوراً فرمایا اچھا لے لو- انہوں نے کہا آپ کے جسم پر تو قمیص ہے اور میرے جسم پر قمیص نہ تھی- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنی قمیص اٹھا دی- پھر کیا تھا وہ آپ کو لپٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو کو بوسہ دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری دیرینہ تمنا تو بس یہ تھی- (ابوداؤد)

﴿ ..... جاتا ہے- طبعی حالات چونکہ ایک حد تک غیر اختیاری سے ہوا کرتے ہیں اس لئے جب تک اس کے خلاف بھی ایسے ہی طبعی حالات پیدا نہ ہو جائیں پورے طور پر ان سے علیحدگی اختیار کر لینا ایک دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے مواقع پر ایسے دوسرے حالات بھی پیدا کر دیتے تھے جن کے بعد ان کے اعادہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو سکیں یہاں دو واقعات اور بھی ملاحظہ فرمایئے جو ترجمان السنہ ج ۲ ص ۱۷۴ اور ج ۲ ص ۱۷۱ و ج ۲ ص ۸۷ پر مذکور ہیں- تا کہ آپ کو اور روشن ہو جائے کہ روزمرہ کے بیبیوں کے معاملات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کتنی بے لاگ رہی ہے حالانکہ یہی محل جذبات کے امتحان کا سب سے زیادہ نازک ہوتا ہے- یہاں دس تاویل کر کے انسان کا رخ ادھر ہی پھر جاتا ہے جس طرف کہ اس کے قلب کا رخ ہوتا ہے- مگر اس نازک امتحان میں بھی جب رسول کی فطرت کہیں ذرا نہیں ڈگمگاتی تو اندازہ فرمایئے کہ پھر حق تعالیٰ کی ادنیٰ سے اولیٰ نافرمانی بھلا وہ کیا کر سکتی ہے-

(۱۱۳۸) ٭ حدیث مذکور کو ملاحظہ فرمایئے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس اقتدارِ اعلیٰ پر یہ اندازِ بے تکلفی اور اس اندازِ بے تکلفی میں ایک زبردست صحابی کے طلب انتقام پر یہ انداز رضامندی یہ آپؐ کے عصمتِ نفس کی کتنی بڑی شہادت ہے- ہم بارہا تنبیہ کر چکے ہیں کہ اہم مواقع پر انسان کی آزمائش بھی گو ایک بڑی آزمائش ہوتی ہے مگر یہاں فطرتاً ہر انسان اس کی کچھ نہ کچھ تیاری کر لیتا ہے مگر روزمرہ کے وہ واقعات جن کی نظروں میں نہ اس جانب کوئی اہمیت ہوتی ہے نہ اس جانب ان میں لغزشوں سے اس طرح محفوظ رہنا گویا نفس کی افتادِ طبیعت یہی ہے یہ انسان کی پاک نفسی کا سب سے بڑا ثبوت ہوتا ہے- انسان کی لغزش کا سب سے بڑا مقام حقوق العباد ہی کی گھاٹیاں ہوتی ہیں- ﴾ .....

www.besturdubooks.net

الرسولُ العظیم کان اسوۃ حسنۃ للناس کافۃ من اللہ عزوجل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نمونہ تھا

(۱۱۳۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ قَالَ سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَیْتِ فِیْ عُمْرَۃٍ وَ لَمْ

(۱۱۳۹) عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عمرؓ سے ایک شخص کے متعلق فتویٰ پوچھا جس نے عمرہ کا احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف تو کرلیا تھا مگر

ﷺ ..... یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر گھاٹی سے اس طرح صاف نکل گئے ہیں گویا ان میں کہیں ایک کانٹا بھی نہ تھا۔ ازواجِ مطہرات کی خانگی معاملات آپ نے پڑھے۔ اہل ذمہ اور یہود کی سخت کلامی اور ناروا کلمات آپؐ نے سنے اور پھر اب آپ کے فدا کاروں کی اس قسم کے واقعات بھی دیکھے۔ یہ بات تو بعد میں کھلی کہ اس جاں نثار کا جذبہ محبت کس موقعہ کا متلاشی تھا لیکن اس سے قبل صورتِ حال جتنی نا موزوں نظر آ رہی تھی وہ ظاہر ہے مگر اوّل سے لے کر آخر تک کیا ممکن کہ کسی ایک مقام پر بھی آپ کا قدم جادہ اعتدال سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹا ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات پاک کیا تھی بحرِ سکون کا ایک بے پایاں سمندر تھا جس میں کنکر پتھر تو کیا اگر پہاڑ بھی اٹھا کر ڈال دو تو بھی اس میں ذرا جنبش نہیں ہوسکتی۔ حضرت انس آپ کے دیرینہ خادم بیان کرتے ہیں کہ اس طویل مدت میں مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ آپ نے کسی نقصان کرنے پر کبھی مجھ کو ٹوکا ہو بلکہ اگر کسی اور شخص نے بھی کچھ کہا ہے تو اس کو بھی یہ کہہ کر منع فرمادیا ہے۔ شدنی معاملات ہو کر رہتے ہیں انس کو کچھ نہ کہو۔

(۱۱۳۹) ✽ اسلام میں رسول کی شخصیت کے متعلق ایک اصولی اور سب سے مقدس تصور یہ ہے کہ اس کی ذات اور اس کی ایک ایک ادا اس کی امت کے لئے مرضیاتِ الٰہیہ کا نمونہ اور ''اسوہ حسنہ'' بنا کر بھیجی جاتی ہے اس کا مطلب اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خالق کی نظر میں جتنی پسندیدہ صفات ہیں وہ سب کی سب اس کی ذات میں جمع کردی جاتی ہیں اور جتنی صفات ناپسندیدہ ہیں وہ ایک ایک کر کے اس کی ذات سے علیحدہ کردی جاتی ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے نمونہ کہنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار ہے۔

حق تعالیٰ نے اس امت کو جہاں اپنی جانب سے اپنی کتاب دے کر سرفراز فرمایا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کتاب کا ایک عملی نمونہ بھی عنایت فرمایا تھا لہٰذا جس طرح اس کی کتاب ہر قسم کے عیب ونقص سے منزہ تھی اسی طرح اس کا نمونہ بھی ہر عیب ونقص سے مبرا ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی ذات کو کسی تفصیل کے بغیر ''اسوۂ حسنہ'' نہیں فرمایا اور صحابہ نے کسی حجت کے بغیر اس کو اپنا ''اسوہ'' بنالیا۔ پھر جس طرح کہ اس نے تبلیغ احکام کے لئے آپ کو اپنا رسول بنا کر خود بھیجا تھا اسی طرح آپ کی ذات کو نمونہ اور ''اسوۂ حسنہ'' بھی خود ہی بنا کر بھیجا تھا لہٰذا جس طرح آپ کے علوم کی قدرت ضامن تھی اسی طرح آپ کے اعمال وافعال کی بھی قدرت ہی خود نگراں تھی اور عصمت رسول کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ لہٰذا ''اسوۂ حسنہ'' کو رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان سمجھنا چاہیے اب اگر رسول کے کسی قول وعمل میں معصیت کی گنجائش تسلیم کرلی جائے تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی لازم ہوگی یا رسول کی ذات اسوہ نہ رہے یا معصیت بھی اسوہ کا جزو بن جائے اور امتوں کے حق میں معصیت کا یہ عمل بھی مذموم نہ رہے۔ کیونکہ جب وہ معصیت خود قدرت کے نمونہ میں موجود ہے تو پھر اس کی اتباع پر امت سے بازپرس کیوں ہو۔ یہ دونوں باتیں ایک لمحہ کے لیے بھی قابل تسلیم نہیں اس لیے یہی بات تسلیم کرنی ہوگی کہ رسول چونکہ معصوم ہوتا ہے اس لیے اس کے کسی عمل پر معصیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا' اس کا ہر ہر عمل نظرِ ربوبیت میں حسنہ اور نیکی شمار ہوتا ہے اور نیکی بھی وہ جس کو نمونہ کہا جاسکے۔

www.besturdubooks.net

يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ سَبْعًا اَيَأْتِي امْرَاَتَهٗ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَ صَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَ طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ سَبْعًا وَ قَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ وَ قَالَ (عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ) وَ سَاَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ. (رواه البخاری)

ابھی صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر نہ لگائے تھے' کیا وہ اپنی بی بی کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے- اس پر انہوں نے یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے تو آپ نے بیت اللہ کے گرد سات چکر کیے اس کے بعد مقامِ ابراہیم پر آ کر دو رکعتیں طواف کی ادا فرمائیں' پھر صفا و مروہ کے سات چکر لگائے اور تمہارے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی بہترین نمونہ ہے- عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے جابرؓ سے بھی یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا جب تک صفا و مروہ کے درمیان پوری سعی سے فارغ نہ ہولے بی بی کے قریب نہ پھٹکے- (بخاری شریف)

(۱۱۴۰) عَنْ نَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَرَادَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا الْحَجَّ عَامَ حَجَّةِ الْحَرُوْرِيَّةِ فِيْ عَهْدِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ النَّاسَ كَائِنٌ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ وَ نَخَافُ اَنْ يَصُدُّوْكَ فَقَالَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اِذَنْ اَصْنَعُ كَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ اَوْجَبْتُ عُمْرَةً حَتّٰى كَانَ بِظَاهِرِ الْبَيْدَاءِ قَالَ مَا شَاْنُ الْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ اِلَّا وَاحِدٌ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ جَمَعْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَةٍ وَ اَهْدٰى هَدْيًا مُقَلَّدًا اِشْتَرَاهُ حِيْنَ قَدِمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَ بِالصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ وَ لَمْ يَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ وَ لَمْ يَحْلِلْ عَنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَوْمَ النَّحْرِ فَحَلَقَ وَ نَحَرَ وَ رَاٰى اَنْ قَدْ قَضٰى طَوَافَهٗ لِلْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ بِطَوَافِهِ الْاَوَّلِ ثُمَّ قَالَ كَذٰلِكَ صَنَعَ النَّبِيُّ. (رواه البخاری)

(۱۱۴۰) نافع بیان کرتے ہیں کہ جس سال خوارج کے ساتھ جنگ تھی حضرت ابن عمرؓ نے حج کا ارادہ فرمالیا یہ عبداللہ بن زبیرؓ کا زمانہ تھا- لوگوں نے کہا کہ سامنے جنگ کھڑی ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ دشمن کہیں آپ کو جانے نہ دیں- انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات میں تمہارے لیے بہتر نمونہ موجود ہے اگر ایسا ہوگا تو میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعہ پر کیا تھا یہ فرما کر ابن عمرؓ نے فرمایا گواہ رہو میں عمرہ کی نیت کر چکا- اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو فرمایا کہ حج اور عمرہ کا معاملہ یکساں ہی ہے لہٰذا میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ عمرہ کے ساتھ میں حج کی بھی نیت کیے لیتا ہوں اور جو ہدی آتے وقت مقام قدید سے خریدی تھی اس کو قلادہ پہنا کر ساتھ لے چلے- مکہ مکرمہ پہنچ کر انہوں نے بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا اس کے سوا اور کچھ نہ کیا اور عید قرباں کے دن تک بدستور محرم رہے جب دسویں تاریخ ہوئی تو اب سر منڈایا اور ہدی کا جانور ذبح کیا اور ان کا خیال یہ تھا کہ حج و عمرہ کے لیے جو طواف ان کے ذمہ ضروری تھا وہ پہلا طواف کر کے انہوں نے ادا کر دیا ہے- اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا- (بخاری شریف)

(۱۱۴۱) حَدَّثَنَا حَكِيْمٌ اَنَّهٗ سَمِعَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ

(۱۱۴۱) حکیم کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے ایک شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس

(۱۱۴۱) ٭ صحیح بخاری میں اس روایت کے بعد ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں- كنت مع ابن عمر فساله رجل قال لله ......

www.besturdubooks.net

عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ اَلَّا يَاْتِيَ عَلَيْهِ يَوْمٌ اِلَّا صَامَ فَوَافَقَ يَوْمَ اَضْحٰى اَوْ فِطْرٍ فَقَالَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لَمْ يَكُنْ يَصُوْمُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَ لَا اَضْحٰى وَ لَا يَرٰى صِيَامَهُمَا۔ (رواہ البخاری)

نے یہ نذر کر لی تھی کہ جب تک وہ زندہ رہے گا ہر سہ شنبہ یا چہار شنبہ کو روزہ رکھا کرے گا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن عید الفطر یا عید قربان آ گئی اب وہ کیا کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے بہتر نمونہ موجود ہے آپ نہ عید الفطر میں روزہ رکھتے تھے نہ عید قربان میں اور ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنا درست سمجھتے تھے۔ (بخاری)

(۱۱۴۲) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (رواہ البخاری)

(۱۱۴۲) سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے تھے اگر کوئی شخص اپنی بی بی سے "انت علی حرام" کے لفظ کہہ دے تو اس کو کفارہ یمین ادا کرنا چاہیے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں تمہارے لیے بہتر نمونہ ہے۔ (بخاری شریف)

(۱۱۴۳) عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَتٰى عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

(۱۱۴۳) زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گذر ایک شخص پر ہوا جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کا گھٹنا باندھ کر کھڑا کر۔ یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ (بخاری شریف)

(۱۱۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَرَاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا اُمِرَ وَ سَكَتَ فِيْمَا اُمِرَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (رواہ البخاری)

(۱۱۴۴) ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات کا حکم ہوا وہ آپ نے پڑھ کر سنا دی اور جہاں خاموش رہنے کا حکم ہوا وہاں آپ خاموش رہے (اس لیے آپ کا نطق و سکوت دونوں حکم الٰہی کے ماتحت تھا) وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ (مریم) اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی میں بہترین نمونہ ہے۔ (لہٰذا بے وجہ کھود کرید مت کیا کرو) (بخاری شریف)

(۱۱۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَحِبْتُ النَّبِيَّ صَلَّى

(۱۱۴۵) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ؒ ..... نذرت ان اصوم کل یوم ثلثاء او اربعاء. ہم نے اوپر کی روایت کا ترجمہ اسی روایت کی روشنی میں کیا ہے۔ اگر یہاں شارحین نے اس کو علیحدہ علیحدہ دو واقعات قرار دیے ہوں تو پھر اس روایت کا ترجمہ بدل جائے گا۔

(۱۱۴۲) ✱ حضرت ابن عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ یہ الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ صرف کفارہ یمین ادا کر دینا کافی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک واقعہ میں آپ نے شہد کے متعلق فرما دیا تھا کہ آئندہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا تو اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کفارہ ادا کرنا ہی لازم فرمایا تھا۔

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (رواه البخاری)

رہا ہوں میں نے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوافل پڑھتے نہیں دیکھا۔ اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات ہی میں بہتر نمونہ ہے۔ (بخاری شریف)

(۱۱۴۶) عَنْ رَجُلٍ اَنَّهُ سَاَلَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَقَالَ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنَّا نَجِدُ صَلٰوةَ الْخَوْفِ وَ صَلٰوةَ الْحَضَرِ فِي الْقُرْاٰنِ وَ لَا نَجِدُ صَلٰوةَ السَّفَرِ فَقَالَ يَا ابْنَ اَخِيْ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ اِلَيْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا نَعْلَمُ شَيْئًا فَاِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَاَيْنَاهُ يَفْعَلُ. (رواه مالك في الموطا)

(۱۱۴۶) ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن (ان کی کنیت ہے) قرآن کریم میں ہم کو صلوٰۃ الخوف کا بھی ذکر ملتا ہے اور اقامت کی حالت کا بھی ذکر ملتا ہے مگر سفر کی نماز کا ذکر نہیں ملتا۔ انہوں نے فرمایا میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے زمانہ میں بھیجا تھا کہ ہم کچھ بھی نہ جانتے تھے بس جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ایسا ہی ہم کر لیتے تھے۔ (امام مالک)

(۱۱۴۷) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ سَفَرٍ فَتَخَلَّفْتُ عَنْهُ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ اَوْتَرْتُ فَقَالَ اَلَيْسَ لَكَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ. (رواه الترمذي و قال حديث حسن صحيح)

(۱۱۴۷) سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ ایک جگہ میں ان سے ذرا پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے میں نے عرض کی پیچھے اتر کر وتر پڑھنے لگا تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی میں بہتر نمونہ موجود نہ تھا۔ میں نے آپ کو اپنی سواری ہی پر وتر پڑھتے دیکھا ہے۔ (ترمذی شریف)

(۱۱۴۷) * ان تمام واقعات میں صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف عمل کا ذکر کیا ہے اور ہر عمل کی اتباع کرنے کی دعوت اسی بناء پر دی ہے کہ آپ کی ذاتِ بابرکات امت کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' تھی۔ اس لیے اگر اس میں کچھ ایام میں روزہ جیسی عبادت کا ترک نظر آتا ہے تو پھر وہی سب سے بڑی عبادت ہے اگر کسی نماز کا سواری کے اوپر پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو یہی کمال ہے' اگر حالتِ سفر میں پابندی کے ساتھ نوافل نظر نہیں آتے تو نوافل کا اسی طرح ادا کرنا ہی افضل ہے حتیٰ کہ اگر حج وعمرہ جیسی قدیم عبادت کا کسی عذر سے ناتمام چھوڑ دینا منقول ہے تو کسی تردد کے بغیر یہی مستحسن ہے پس صرف عبادات ہی میں آپ کی ذات اُسوہ نہ تھی ترکِ عبادات میں بھی اُسوہ حسنہ تھی مطلب یہ تھا کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ عبادت ثابت ہے وہاں عبادت کرنا بعض اوقات معصیت تھا۔ جیسے عیدین کا روزہ۔ صحابی یہاں اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیتا ہے اور اس کے لیے سب سے محکم اور آخری دلیل یہی بیان کرتا ہے کہ ان ایام کا روزہ اسوۂ حسنہ میں ہم کو نظر نہیں آتا۔ اب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان قرآن کریم کے اس عنوان اور خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لقب کی کتنی اہمیت تھی۔

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم ووجوب الاتباع بافعاله(صلی الله علیه وسلم) کلها

(۱۱۴۸) اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فِیْ اُنَاسٍ مَعَهٗ قَالَ اَهْلَلْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحَجِّ خَالِصًا لَیْسَ مَعَهٗ عُمْرَةٌ قَالَ عَطَاءٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ قَالَ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَقَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ فَلَمَّا قَدِمْنَا اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَحِلَّ وَ قَالَ اَحِلُّوْا وَ اَصِیْبُوْا مِنَ النِّسَاءِ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَ لَمْ یَعْزِمْ عَلَیْهِمْ وَ لٰکِنْ اَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَبَلَغَهٗ اَنَّا نَقُوْلُ لَمَّا لَمْ یَکُنْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ عَرَفَةَ اِلَّا خَمْسٌ اَمَرَنَا اَنْ نَحِلَّ اِلٰی نِسَائِنَا فَنَاْتِیَ عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاکِیْرُنَا الْمَنِیَّ قَالَ وَ یَقُوْلُ جَابِرٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِیَدِهٖ هٰکَذَا وَ حَرَّکَهَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَتْقَاکُمْ لِلّٰهِ وَ اَصْدَقُکُمْ وَ اَبَرُّکُمْ وَ لَوْ لَا هَدْیِیْ لَحَلَلْتُ کَمَا تَحِلُّوْنَ فَحِلُّوْا فَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا اَهْدَیْتُ فَحَلَلْنَا وَ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا.

(رواه البخاری ص ۱۰۹۵ و راجع ترجمان السنة ج ۲ ص ۳۷۷ حدیث نمبر ۸۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہر عمل میں لازم ہے

(۱۱۴۸) عطاء کہتے ہیں میں نے چند اور اشخاص کے ساتھ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت تھے ہم نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور اس کے ساتھ عمرہ کا احرام نہ باندھا تھا- عطاء ذکر کرتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ذی الحجہ کی چار تاریخ ہو چکی تھی- چوتھی کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے- جب ہم حاضر ہوئے تو آپؐ نے ہم کو حلال ہونے کا حکم دیا اور فرمایا احرام سے نکل جاؤ اور عورتوں کے ساتھ صحبت کرو- عطاء کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم سے مقصد صرف یہ تھا کہ اب یہ فعل بھی تمہارے لیے حلال ہوگیا ہے کوئی تاکیدی حکم نہ تھا (حج قریب تھا ادھر آپؐ حالت احرام میں تھے اس لیے قبل از وقت حلال ہو جانا ہم کو بہت شاق گذرا) آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچ گئی کہ ہم لوگ کہتے ہیں کہ حج میں تو صرف پانچ دن ہی باقی رہ گئے اور اب آپؐ نے ہم کو حلال ہونے کا حکم دیا ہے اگر ہم اب حلال ہوں اور عورتوں کے ساتھ صحبت کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب پھر دوسرا احرام باندھ کر عرفہ میں اس طرح حاضر ہوں گویا اب صحبت سے فارغ ہو کر آ رہے ہیں- عطاء کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طبعی کراہت کا اپنے ہاتھ سے نقشہ کھینچ کر بھی بتایا- یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا- تم سب جانتے ہو کہ سب میں زیادہ متقی، سب سے زیادہ راست گو اور سب سے بڑھ کر نیک عمل کرنے والا میں ہوں- اگر میرے ساتھ ہدی کے جانور موجود نہ ہوتے تو جس طرح تم حلال ہوئے ہو میں بھی حلال ہو جاتا کاش اگر مجھ کو آغاز سفر میں اس انجام کی خبر ہوتی تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور ہی نہ لاتا- آپؐ کا خطبہ سن کر ہم سب نے آپؐ کے فرمان کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا اور سب حلال ہو گئے- (بخاری شریف) یہی روایت مختصر صورت سے ترجمان السنہ ج ۲ ص ۳۷۷ میں گذر چکی ہے-

www.besturdubooks.net

(۱۱۴۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اِذَا رَءَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَائِمًا. (رواہ مسلم)

(۱۱۴۹) کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا - انہوں نے فرمایا ذرا اس خبیث کو دیکھو تو (کیسا) بیٹھا بیٹھا خطبہ دے رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے وَاِذَا رَءَوْا تِجَارَةً الخ یعنی جب کسی تجارت کو یا کسی کھیل تماشہ کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں- (مسلم شریف)

(۱۱۵۰) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهٗ رَاٰى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ. (رواہ مسلم)

(۱۱۵۰) عمارہ بن رویبہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پر خطبہ میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں- یہ دیکھ کر انہوں نے فرمایا خدا تعالیٰ ان دو ہاتھوں کا ناس کرے- کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی صرف شہادت کی انگلی اٹھاتے تھے اس کو عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرکے بتایا- (مسلم شریف)

(۱۱۵۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۱۵۱) جابر سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱۴۹) ٭ شیخ جلال الدینؒ نے تفسیر اتقان میں اس پر روایت پیش کی ہے کہ پہلے جمعہ کے دن خطبہ نماز کے بعد ہوا کرتا تھا- یہ بات اسی زمانہ کی ہے- وہ عسرت اور تنگی کا زمانہ تھا جب لوگ نماز ادا کر لیتے تو اب صرف ایک خطبہ رہ جاتا جس کی حیثیت بھی ابتداءً صرف ایک تقریر و وعظ کی سی سمجھی گئی تھی ایک بار ایسا ہوا کہ باہر سے کوئی قافلہ کھانے پینے کی اشیاء لے کر آیا سامعین فوراً ادھر اٹھ کر چل دیئے- یہ حرکت ناپسند ہوئی اور اس کے بعد ہی خطبہ کو مقدم کر دیا گیا- قرآن کریم نہایت مؤثر انداز میں اسی کا شکوہ کر رہا ہے اور لوگوں میں بڑی سے بڑی ضرورت میں بھی آخرت ہی کی طرف متوجہ رہنے کی خو پیدا کرنا چاہتا ہے- کعب بن عجرۃ جب مسجد میں تشریف لے گئے تو عبدالرحمٰن کو دیکھا کہ سنت کے خلاف بیٹھے بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں آخر ضبط نہ کر سکے اور ان کی اس زشت اعمالی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر حرکت دیکھ کر یہ کلمات کہنے پر بے اختیار مجبور ہو گئے-

(۱۱۵۰) ٭ بشر بن مروان حاکم وقت ہے لیکن ایک صحابی سے سنت کے خلاف اس کو دونوں ہاتھ اٹھائے دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا- اب یہاں اندازہ فرمایئے کہ مخالفت کتنی سی بات میں تھی اور ان کے غصہ کا عالم کیا تھا- حقیقت یہ ہے کہ جن کے سامنے اتباع سنت کی بحث تھی ان کے سامنے یہ سوال نہیں تھا کہ اس مسئلہ کی حیثیت فرض کی ہے یا مستحب کی- اس اشارہ میں علماء کا اختلاف ہے- کس غرض سے ہوتا تھا- کسی نے سمجھا ہے کہ دعاء کے لیے تھا اور کسی کا ذہن اس طرف بھی گیا ہے کہ تفہیم کے لیے تھا-

(۱۱۵۱) ٭ واضح رہنا چاہیے کہ اتباع رسول ایمان بالرسول کی روح ہے اس باب کی اہمیت حسب ذیل آیت سے ظاہر ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم ملہ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اِجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالٰى يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ. (رواہ مسلم)

خطبہ کے لیے منبر پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے تو لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا- سب بیٹھ جائیں- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مسجد کے دروازہ پر سنا اور فوراً وہیں بیٹھ گئے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا عبداللہ بن مسعود! آگے آ جاؤ- (مسلم شریف)

(۱۱۵۲) حَدَّثَنَا اَبُوْحَازِمٍ اَنَّ رِجَالًا اَتَوْا سَهْلَ

(۱۱۵۲) ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان آپؐ کے منبر کی

☆ ..... يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. (آل عمران : ۳۱)

تم کو میری پیروی کرنی چاہیے (اگر تم نے ایسا کیا) تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہاری خطائیں بخش دے گا-

اس بات کو خود قرآن کریم نے قائم کیا ہے اور اپنی محبت کا اسی کو معیار مقرر فرمایا ہے انسان کی یہ بڑی خودسری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت کا تو دم بھرتا ہے مگر کسی دوسرے انسان کے سامنے سرتسلیم خم کرنے سے کتراتا ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی سرگذشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے سامنے سر جھکانے سے تو شیطان کو بھی انحراف نہ تھا لیکن جب انسان کے سامنے سر جھکانے کا وقت آیا تو حکم ربانی کے باوجود انحراف ہی انحراف تھا یہود و نصاریٰ کا حال بھی یہی تھا وہ بھی نحن ابناء الله و احباء ه کی لن ترانیاں گایا کرتے تھے مگر قرآن کریم نے انگلی رکھ کر بتا دیا کہ میری محبت کا معیار یہ ہیں جو ان کی اتباع نہیں کرتا وہ میری محبت میں جھوٹا ہے پھر عجیب بات ہے کہ آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بجائے اتباع کا لفظ رکھا گیا ہے معلوم ہوا کہ جس طرح آپ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ غلط ہے اسی طرح آپ کی اتباع کے بغیر آپ کی محبت کا دعویٰ بھی غلط ہے- یہ اتباع ''اسوۂ حسنہ'' کے لوازم میں سے ہے- جب آپ نمونہ ہیں تو پھر نمونہ کی اتباع کیوں نہ ہو پھر جب نمونہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار ہے تو جو اس نمونہ کی نقل اتارے وہ اس کی نظر میں پسندیدہ کیوں نہ ہو اس لیے فرمایا کہ آپ ہمارا محبوب نمونہ ہیں اس لیے جو آپ کی اتباع کرے گا وہ بھی ہماری نظر میں محبوب بن جائے گا پھر جتنا وہ ہمارے نمونہ سے ملتا جلتا چلا جائے گا اتنا ہی شانِ محبوبیت میں بھی اونچا ہوتا چلا جائے گا- العیاذ باللہ اگر کہیں رسول معصوم نہ ہوتے تو کیا اسی اطلاق کے ساتھ ان کے اتباع کا حکم دیا جا سکتا تھا- حدیث مذکور میں آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اتباع ملاحظہ کی کہ انہوں نے آپ کی زبان سے ''بیٹھ جاؤ'' کا کلمہ جس جگہ سنا بس اسی جگہ بیٹھ گئے اور ایک قدم آگے نہ اٹھا سکے حالانکہ خطاب سامنے کے حاضرین کو تھا نہ ان کو جو ابھی مسجد کے دروازہ میں ہیں اور خطبہ سننے کے لیے آ رہے ہیں مگر یہاں جذبہ اتباع نے میں سیکھ نکالنے کی مہلت نہ دی جہاں آپ کی آواز کان میں پڑی وہیں بیٹھ گئے- (مسلم شریف)

(۱۱۵۲) ✱ حدیث مذکور میں اتباع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ نماز جیسی چیز کو آج منبر پر صرف اس لیے ادا کیا جا رہا ہے کہ مقتدیوں کا ہر ہر فرد آپ کی نماز کو بچشم خود ملاحظہ کر لے اور پھر مو بہ مو اس کی نقل کرنے کی سعی کر لے- حالانکہ جو لوگ پنجوقتہ آپ ہی کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے ان کو ایک حد تک آپ کی نماز کا مشاہدہ حاصل ہی تھا مگر نہ معلوم آپ کی اتباع کی نظر ربوبیت میں اہمیت کتنی تھی کہ آپ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ صف اول و ثانی کے فرق سے آپ کے ارکانِ صلوٰۃ کے مشاہدہ میں جو فرق آ سکتا ہے وہ بھی باقی رہے اس لیے اس کا یہ اہتمام فرمایا کہ بیک وقت آپ کی نماز کا جتنا حصہ زیادہ سے زیادہ مشاہدہ میں آ سکتا ہے وہ بلا واسطہ سب کے ہی ☜ .....

www.besturdubooks.net

بْنِ سَاعِدِ السَّاعِدِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَ قَدِ امْتَرَوْا فِی الْمِنْبَرِ مِمَّ عُوْدُهٗ فَسَأَلُوْهُ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ وَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَ لَقَدْ رَأَیْتُهٗ اَوَّلَ یَوْمٍ وُضِعَ وَ اَوَّلَ یَوْمٍ جَلَسَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی فُلَانَةَ امْرَءَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ مُرِیْ غُلَامَکِ النَّجَّارَ اَنْ یَعْمَلَ لِیْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَیْهِنَّ اِذَا کَلَّمْتُ النَّاسَ فَاَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَبِهَا فَوُضِعَتْ هٰهُنَا ثُمَّ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلَیْهَا وَ کَبَّرَ وَ هُوَ عَلَیْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرٰی فَسَجَدَ فِیْ اَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاتَمُّوْا بِیْ وَ لِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِیْ.

(رواه البخاری فی باب الخطبة علی المنبر)

لکڑی کے متعلق کچھ اختلاف ہوا وہ کس لکڑی کا تھا- اس لیے وہ سہل بن ساعد کے پاس آئے اور ان سے اس کی تحقیق کرنی چاہی- انہوں نے فرمایا بخدا میں خوب جانتا ہوں منبر کس لکڑی کا تھا- میں نے تو اس کو اس دن دیکھا تھا جب کہ وہ پہلے پہل رکھا گیا تھا اور جب کہ آپ اس پر سب سے پہلے رونق افروز ہوئے تھے- بات یوں ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری شخص کی بی بی کے پاس یہ کہلا کر بھیجا تھا (جن کا نام بھی سہل نے بیان کیا تھا) کہ اپنے غلام سے جو نجاری کا کام جانتا ہے کہہ دو کہ جب میں لوگوں کے سامنے خطبہ دینا چاہوں تو میرے بیٹھنے کے لیے وہ لکڑیوں کا ایک منبر بنا دے- انہوں نے اسی وقت اپنے غلام کو حکم دیا- اس نے مقام غابہ کے جھاؤ کے درخت کا منبر تیار کر کے حاضر کر دیا- ان بی بی صاحبہ نے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا- پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ وہاں رکھ دیا گیا (یعنی جو منبر کی جگہ تھی) اس کے بعد پھر ایک موقعہ پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر نماز ادا فرمائی اس طرح پر کہ جب تکبیر کہی تو آپ اس کے اوپر ہی تھے' پھر جب سجدہ کا وقت آیا تو پچھلے پیروں اتر گئے اور اتر کر منبر کی جڑ میں سجدہ کیا پھر لوٹ کر منبر پر تشریف لے گئے جب نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا- لوگو! دیکھو (آج) میں نے اس طرح نماز اتر کر اور چڑھ کر اس لیے ادا کی ہے تا کہ تم سب کے سب دیکھ کر میری نماز سیکھ سکو اور دیکھ کر میری اقتدا کر سکو-

(بخاری شریف)

ﷲ ..... مشاہدہ میں آ جائے- پھر نماز سے فارغ ہو کر آپ کے اس ارشاد سے کہ آج میں نے منبر پر نماز اس لیے ادا کی ہے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا آج کا عمل نماز کی مستقل سنت نہ تھا- اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر عمل قابل اتباع تھا حتی کہ اگر کہیں آپ یہ تنبیہ نہ فرما دیتے تو اس طرح نماز ادا کرنے کو بھی ایک سنت سمجھا جا سکتا تھا- تعجب ہے کہ اپنے جس عمل کی وجہ آپ نے خود بیان فرما دی ہو اس پر آئندہ بحثوں کی ضرورت ہی کیا تھی یہ عمل قلیل تھا یا فعل کثیر مگر بہر حال نہ آپ کے سوا کوئی ایسا ہے جس کی ایک ایک امت کے سامنے آنے کی ضرورت ہو اور اس لیے نہ آئندہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ منبر پر اس طرح نماز ادا کر سکے اس لیے اس عمل کو عہد رسالت پر ہی ختم کر دینا چاہیے-

www.besturdubooks.net

الرسول العظیم واباء ہ علٰی من تنزہ عن الاتباع بافعالہ بایّ تأویل کان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل میں اتباع کرنے میں پس وپیش کرنا آپ کے غصہ کا موجب ہے

(۱۱۵۳) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِھَا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَ مَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَ قَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا وَ لَا اُفْطِرُ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَ کَذَا اَمَا وَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَ اَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَ اُفْطِرُ وَ اُصَلِّیْ وَ اَرْقُدُ وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (متفق علیہ)

(۱۱۵۳) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ تین شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج طیبات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ جب ان سے اس کی تفصیل بیان کی گئی تو ایسا انداز ہوا گویا وہ اپنے حق میں اس کو کم سمجھے۔ انہوں نے کہا بھلا ہمارا حال خستہ کہاں اور آپ کی شانِ رفیع کہاں آپ کے تو گزشتہ اور آئندہ سب معاملات کی مغفرت ہو چکی ہے۔ اس لیے ان میں ایک بولا میں تو ہمیشہ تمام شب نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔ اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ سن لو! تم سب میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی میں ہوں۔ میں تو روزہ بھی رکھوں گا اور افطار بھی کروں گا' شب میں نماز بھی پڑھوں گا اور سوؤں گا بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کروں گا۔ اب جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا جو مجھ سے نہ ہوگا۔ (متفق علیہ)

(۱۱۵۳) ✱ مذکورۂ بالا حدیث پر غور فرمائیے کہ صحابہ کرام نے یہ کلمات فرمائے کیوں؟ صرف آپ کی شان کی برتری اور اپنے احساس کمتری کی بناء پر۔ مگر اس پر بھی ان کو تنبیہ کی گئی۔ بات یہ تھی کہ جس طرح جذبات کے دباؤ میں انسان کو بعض اہم گوشوں سے ذہول ہو جایا کرتا ہے' اسی طرح ان کو بھی یہاں ذرا سا ذہول ہو گیا اور وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی تعلیم امت ہے۔ اس لیے جب تک وہ خود تصریح نہ فرما دیں ان کے کسی عمل کو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھ لینا خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت تاویل کے ساتھ کیوں نہ ہو مستحسن نہیں ہے۔ نبی کا حق یہ ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اتباع کی حقیقت قدم بہ قدم چلنا ہے یہاں جس طرح ایک قدم اگر پیچھے رہ گیا تو اتباع نہیں رہی اسی طرح اگر ایک قدم آگے پڑ گیا تو بھی اتباع نہ رہی اس لیے صرف کثرتِ عبادت کچھ کمال نہیں نبی وقت میں دو صفتیں اپنی تمام امت سے کامل ہوتی ہیں علم باللہ اور تقویٰ۔ پھ ان صفات میں ان کا رتبہ خود قیاس کر لو جن کا دامن قیامت کے انسانوں تک پھیلا ہوا ہے پھر ان کے کسی عمل کو بھی اپنے لیے باعث کمال نہ سمجھنا سب بڑا نقص ہوگا۔ عملی کوتاہی کے صرف دو سبب ہوتے ہیں یا علمی نقصان یہ جذبہ عمل کا فقدان۔ جہاں یہ دونوں سبب موجود ہوں وہاں سی عمل کے متعلق بھی یہ تصور کرنا کہ وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے حق میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ نہ ہوگا' یہی بڑی کوتاہی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۱۵۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَهُ ذٰلِكَ فَخَطَبَهُ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَ اَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً. (اخرجه الشيخان)

(۱۱۵۴) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) کوئی ایسا کام کیا جس میں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا (یعنی دین کا وہ پہلو جو دوسرے پہلو کی نسبت آسان ہو) بعض لوگوں نے اس کی اتباع کرنے سے کنارہ کشی کی یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی اس پر آپ نے تقریر فرمائی اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسی بات کرنے سے بھی احتراز کرتے ہیں جو خود میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم ان سب میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں اور ان سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں۔ (شیخین)

(۱۱۵۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ وَاقِفٌ عَلَى الْبَابِ وَ اَنَا اَسْمَعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُصْبِحُ جُنُبًا وَ اَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اُصْبِحُ جُنُبًا وَ اَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ فَاَغْتَسِلُ وَ اَصُوْمُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَسْتَ مِثْلَنَا قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ وَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَعْلَمَكُمْ بِمَا اَتَّقِيْ. (رواه مالك)

(۱۱۵۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اس وقت ایک شخص نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا اور میں سن رہی تھی یا رسول اللہ اگر صبح کو میں ناپاک اٹھوں اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا ہو تو کیا میں جنابت کی حالت میں روزہ کی نیت کرسکتا ہوں آپ نے جواب دیا اگر صبح کو میں جنابت کی حالت میں ہوتا ہوں اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا ہوتا ہے تو میں پہلے غسل کرتا ہوں پھر اس کے بعد روزہ کی نیت کر لیتا ہوں اور بس۔ اس پر وہ شخص بولا۔ بھلا آپ کی شانِ عالی کہاں آپؐ کے تو اگلے پچھلے سب معاملات بخشے جا چکے ہیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی راہ کا علم رکھنے والا ہوں گا۔ (مالک)

(۱۱۵۶) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلًا قَبَّلَ

(۱۱۵۶) عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے روزہ کی حالت

(۱۱۵۶) ✻ اس روایت کے مختلف سیاق میں آپ کی زبان مبارک سے "انا اعلمکم" کا لفظ نکلا ہے۔ مگر جب یہی لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلا تھا تو گرفت میں آ گیا تھا اس لیے سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ کسی معمولی فروگذاشت پر گرفت کا معاملہ مالک کی مرضی پر دائر ہوتا ہے اگر وہ چاہے تو درگذر فرما دے اگر چاہے تو اس پر گرفت فرمائے۔ مگر یہاں کچھ اور فرق بھی ہے ایک تو یہ کہ ان تمام مقامات پر آپ نے اپنے نفس کو مطلقاً اعلم نہیں فرمایا بلکہ کہیں "اعلم باللہ" کہیں "اعلم بحدودہ" اور کہیں "اعلم بما اتقی" الخ.....

www.besturdubooks.net

اِمْرَءَ تَهُ وَ هُوَ صَائِمٌ فِي رَمَضَانَ فَوَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ وَجْدًا شَدِيْدًا فَاَرْسَلَ اِمْرَأَتَهُ تَسْئَلُ لَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَدَخَلَتْ عَلٰى اُمِّ سَلِمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهَا فَاَخْبَرَتْهَا اُمُّ سَلِمَةَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَ هُوَ صَائِمٌ فَرَجَعَتْ اِلٰى زَوْجِهَا فَاَخْبَرَتْهُ فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرًّا وَ قَالَ لَسْنَا مِثْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ يَحِلُّ لِرَسُوْلِهِ مَا يَشَاءُ ثُمَّ رَجَعَتْ اِمْرَأَتُهُ اِلٰى اُمِّ سَلِمَةَ فَوَجَدَتْ عِنْدَهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا لِهٰذِهِ الْمَرْأَةِ فَاَخْبَرَتْهُ اُمُّ سَلِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلَا اَخْبَرْتِيْهَا اَنِّيْ اَفْعَلُ ذٰلِكَ

میں اپنی بی بی کا بوسہ لے لیا پھر اس حرکت پر اس کو سخت غم ہوا- اس نے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے اپنی بی بی کو بھیجا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سب واقعہ ان سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کر لیتے تھے- انہوں نے لوٹ کر یہ جواب اپنے شوہر کو سنا دیا- اس پر ان کا غم اور دونا ہو گیا وہ بولے ہم بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کہاں ہیں (کہ آپ کی نقل کر سکیں) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے حق میں جو چاہے حلال فرما دے سکتا ہے- ان کی بی بی پھر ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں- اس مرتبہ وہ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں رونق افروز تھے- آپ نے پوچھا یہ عورت کیسے آئی ہیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے ان کا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے اس سے کہہ دیا ہوتا کہ میں بھی ایسا کر لیتا ہوں- انہوں نے عرض کی- میں نے کہہ تو دیا تھا مگر جب انہوں نے اپنے شوہر کو جا کر اس کی اطلاع دی تو ان کو اور زیادہ غم

ﷺ ..... کے الفاظ فرمائے ہیں- یہ تمام الفاظ مقید تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جو کلمات نکلے اگرچہ بے شبہ مقصد ان کا بھی یہی تھا مگر ان کے لفظوں میں پھر اطلاق تھا دوم یہ کہ آپ کے ان الفاظ کا اصل مقصد اپنا اظہار علم نہ تھا بلکہ ہر امر میں اپنی اتباع کی تاکید فرمانا تھی- ہاں اس کی دلیل میں آپ نے اپنی اعلمیت ضرور بیان فرمائی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہی یہ کیا گیا تھا "ای الناس اعلم" یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ علم کس کو ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ یہ تھا "انا اعلم" میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں- صحیح بخاری میں ہے "فعتب اللہ عزوجل علیہ اذ لم یرد العلم الیہ فاوحی اللہ الیہ ان عبدا من عبادی بجمع البحرین ھو اعلم منک" یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عتاب ہوا کہ انہوں نے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالہ کیوں نہیں کیا اور ان پر یہ وحی آئی کہ مجمع بحرین میں ہمارے بندوں میں ایک بندہ ایسا ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے- اصل یہ ہے کہ علم کی صفت اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ میں سے ایک بڑی صفت ہے اس میں کسی درجہ کی بھی کسی کو شرکت حاصل نہیں ہو سکتی ہاں صرف اتنی جتنی کہ خود مشیت الہیہ کسی کے حق میں مقدر فرما دے- اس لیے یہاں لفظی اطلاقات اور غیر ارادی عموم پر بھی گرفت کر لی جاتی ہے مگر یہ گرفت ہوتی ہے ان ہی کے ساتھ جن کی شان سے اتنی سی فروگذاشت بھی بعید سمجھی جائے- بہر حال ان دو مقامات میں جس طرح خود نفس کلمات میں بھی اطلاق و تقیید کا فرق ہے اسی طرح سیاق و سباق کے لحاظ سے مقاصد میں بھی بہت بڑا فرق ہے-

ہم نے یہاں ان سب واقعات کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے ایک جگہ جمع کر دیا ہیں جہاں صحابہ کرام کی جانب سے آپ کے کسی عمل میں اتباع کرنے سے ذرا سا بھی پس و پیش ہوا ہے اور آپ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے- ان تمام واقعات کو بیک نظر پیش ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَـقَـالَـتْ قَـدْ اَخْـبَـرْتُهَـا فَذَهَبَتْ اِلٰى زَوْجِهَا فَـاَخْـبَـرَتْهُ فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرًّا وَ قَالَ لَسْنَا مِثْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يُحِلُّ اللّٰهُ لِرَسُوْلِهٖ مَاشَاءَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ قَالَ وَ اللّٰهُ اِنِّيْ لَاَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَعْلَمُكُمْ بِحُدُوْدِهٖ. (رواہ مالک)

ہوا اور انہوں نے یہ کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کہاں ہو سکتے ہیں- اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے حق میں جو چاہے حلال فرما دے سکتا ہے- یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! میں تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھتا ہوں اور اس کے حلال وحرام کی حدود کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں- (مالک)

(۱۱۵۷) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهُ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ. (رواہ مسلم)

(۱۱۵۷) جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال جس میں کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا رمضان المبارک میں سفر کے لیے نکلے اور آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا لیا- جب مقام "کراع الغمیم" پر پہنچے تو آپ نے ایک پیالہ میں پانی منگایا اور اپنے ہاتھ میں اس کو اتنا اونچا اٹھایا کہ سب لوگوں نے دیکھ لیا' اس کے بعد (افطار کرنے کی غرض سے) اس کو پی لیا' اس کے بعد آپ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بعض لوگ تو اب بھی روزہ دار ہیں اس پر آپؐ نے فرمایا یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں' یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں- (مسلم شریف)

ﷺ ..... نظر رکھیے اور پھر یہ فیصلہ فرمالیجئے کہ جہاں والعیاذ باللہ کسی ادنیٰ سی معصیت کا بھی امکان ہو ان کی زبانِ مبارک سے کیا انداز خطاب یہی ہونا چاہیے- پھر کسی ایک مقام پر بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس احتراز وتنزہ کا سبب آپ کے عمل میں اس قسم کے امکان کا کوئی احتمال تھا حاشا وکلا اس روایت میں صاف تصریح موجود ہے- "اللہ یحل لرسول مایشاء" یعنی آپ کا عمل اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خاص آپ کے حق میں حلال ہو- اس کے علاوہ ان کے دماغوں میں کوئی دوسرا تصور نہ تھا پھر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور ان کے صحابہ کی جانب سے یہ احتمال نہیں نکالا گیا تو کیا یہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان کا محل ہی نہیں ہوتی-

(۱۱۵۷) ✱ اب غور فرمائیے کہ یہاں معاملہ ایک عبادت یعنی روزہ کا تھا اور روزہ بھی رمضان کا' پھر اگر لوگوں نے اس کو نہ توڑا تو کیا وہ شاد باش کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ آپ کے اس علی الاعلان عمل کے بعد بھی روزہ نہ توڑنا یہ آپ کی اتباع میں کوتاہی تھی اس لیے اب وہی اہم عبادت معصیت بن گئی معلوم ہوا کہ رسول کی ہستی وہ ہے کہ اگر وہ عبادت کرے تو جس طرح عبادت میں اس کی اتباع کرنا عبادت ہے اسی طرح اگر وہ عبادت شروع کر کے توڑ دے تو پھر اس کا توڑ دینا یہی عبادت ہے- گویا عبادت کی حقیقت کیا ہے؟ اتباعِ رسول اور معصیت کی حقیقت کیا ہے؟ رسول کی نافرمانی- اسی لیے قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت پر جتنا زور دیا ہے ان کی معصیت سے ممانعت پر بھی اتنا ہی زور دیا ہے- گویا جس طرح اطاعت ایزدی اور رسول کے کسی فعل میں بھی معصیت ہونے کا احتمال ہو والعیاذ باللہ تو ان کی ہر خلاف ورزی کو معصیت کیسے کہا جا سکتا ہے اور ان کی نافرمانی سے علی الاطلاق ممانعت کیسے درست ہے- ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الرسول العظيم و كون تقريره صلى الله عليه وسلم حجة قاطعة في الدين

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر خاموشی بھی شریعت میں اس کے جواز کی قطعی دلیل ہے

(۱۱۵۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَرْبٍ اَهْدَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمْنًا وَ اَقِطًا وَ اَضُبًّا فَدَعَا بِهِنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُكِلْنَ عَلٰى مَائِدَتِهِ فَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالْمُتَقَذِّرِلَهُ وَ لَوْ كُنَّ حَرَامًا مَا اُكِلْنَ عَلٰى مَائِدَتِهِ وَ لَا اَمَرَ بِاَكْلِهِنَّ. (رواه البخاری)

(۱۱۵۸) ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ ام حفیدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھوڑا سا گھی' کچھ پنیر اور چند گوہ (ایک جانور ہوتا ہے) بطور ہدیہ پیش کیں آپ نے ان کو منگوایا اور آپ کے دسترخوان پر دوسرے لوگوں نے ان کو کھایا لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح نفرت سے چھوڑ دیا جیسے گھن کی چیز چھوڑی جاتی ہے اور ان کے کھانے کے لیے بھی کسی کو نہ فرمایا- اگر گوہ حرام ہوتی تو آپ کے دسترخوان پر لوگوں کے کھانے میں نہ آ سکتی- (بخاری شریف)

(۱۱۵۹) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

(۱۱۵۹) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور اس وقت قرآن

☆..... وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (النساء:١٤)

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر نکل گیا تو وہ آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا-

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا. (النساء:٤٢)

اس دن وہ (حسرت وندامت سے) تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان کے اوپر برابر ہو جائے اور اس دن یہ اللہ تعالیٰ سے اپنی کوئی بات بھی چھپا نہیں سکیں گے-

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. (الاحزاب:٣٦)

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا-

(۱۱۵۸) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کا رتبہ تو بہت بلند ہے- جو چیز آپ کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے اور اس پر آپ سکوت فرمالیں تو آپ کا یہ سکوت بھی جواز کی قطعی حجت سمجھا جاتا ہے- کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آپ کے سامنے کوئی ناجائز فعل ہو اور آپ اس پر سکوت اختیار فرمائیں- اب اندازہ فرمالیجئے کہ دین کے باب میں کسی ناجائز بات پر جہاں سکوت کا امکان بھی نہ ہو وہاں خود کسی معصیت کے ارتکاب کرنے کا بھلا کیا امکان ہو سکتا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی سرگزشت کا ایک اہم سبق یہی ہے- تفصیل پہلے گذر چکی ہے-

(۱۱۵۹) ✱ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس استدلال کا حاصل یہی ہے کہ اگر یہ بات نادرست ہوتی تو اس کے علم میں آ جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کیسے سکوت فرما سکتے تھے پس جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق دین کے باب میں حجت تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت بھی حجت تھا بلکہ اس سے زیادہ سکوت و نطق کی ایک ایک ادا بھی دین میں حجت سمجھی جاتی تھی-

www.besturdubooks.net

كُنَّا نَعْزِلُ وَ الْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ (متفق عليه) و زاد مسلم فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا.

نازل ہو رہا تھا (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں یہ بات اور زیادہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا۔ (عزل کا مطلب یہ ہے کہ انزال کے وقت عضو باہر کر لیا جائے تا کہ عورت حاملہ نہ ہو)

(۱۱۶۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْاَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ قَالَتْ وَ لَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَبِمَزَامِيْرِ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَابَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَ هٰذَا عِيْدُنَا. رواه البخاری و فی روایة عنده فَاضْطَجَعَ (رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَلَى الْفِرَاشِ وَ حَوَّلَ وَجْهَهٗ و فی روایة عنده وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَابَكْرٍ.

(۱۱۶۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ والد بزرگوار ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اس وقت میرے گھر میں قبیلہ انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے موقعہ پر حسب دستور فخریہ طور پر کہے تھے۔ یہ لڑکیاں ڈومنیاں نہ تھیں (یعنی پیشہ ور گانے والی نہ تھیں) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از راہ سرزنش فرمایا یہ شیطانی آوازیں اور پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں۔ یہ قصہ عید کے دن کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر! ہر قوم عید مناتی ہے اور یہ ہمارے عید منانے کا دن ہے (بخاری شریف) دوسری روایت میں یہ اضافہ اور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر اس طرف سے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا تھا۔ ایک روایت میں اس طرح سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے سے اپنا چہرۂ مبارک ڈھانکے ہوئے تھے۔ ان لڑکیوں کو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھڑکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رخ انور سے کپڑا اتار کر فرمایا۔ ابوبکر! رہنے دو' (یہ عید کا دن ہے)

(۱۱۶۰) * روایت مذکورہ میں دو لڑکیوں کے اشعار پڑھنے کا تذکرہ ضرور ہے مگر وہ لڑکیاں جو نہ گانے سے واقف تھیں اور نہ یہ پیشہ کرتی تھیں' اشعار بھی وہ جو جنگی ترانہ کے تھے اور دن بھی عید کا دن جس میں خوشی منانا عام عادت تھی' ادھر زمانہ وہ تھا جو تقدس و پاکیزگی کا سب سے زرین دور تھا' ان تی قیود کے بعد بھی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظروں میں اس کی حقیقت کیا تھی۔ یہ کہ وہ مزامیر شیطان ہے اور یہ کہ آپؐ کے گھر میں وہ اور زیادہ مکروہ ہے۔ یہ فہم ابوبکرؓ میں کہاں سے پیدا ہوئی تھی اس کا خود اندازہ فرمالیجئے۔ ابوبکرؓ نے ان کو جھڑکا اور ان کو جھڑکنا لائق تر تھا مگر کیا ابوبکرؓ کے فرمان یا ممانعت کرنے سے شریعت بن سکتی تھی لہٰذا اگر بطور (مسئلہ نہ سہی تو بطور مصلحت سہی جو کچھ انہوں نے کیا وہ مناسب کیا مگر یہاں صورت حال کیا ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ضرور ہیں مگر اس جانب سے اپنا رخ بدلے ہوئے ہیں کپڑا منہ پر ڈھکا ہوا ہے۔ یوں معلوم ہو رہا ہے کہ گویا عالم خواب میں ہیں یا بیدار ہیں تو اس طرف ذرہ برابر کوئی التفات نہیں ہے اب اگر آپؐ منہ کھول لیتے تو ایک حد تک اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی شرکت ثابت ہوتی اور اگر صریح منع فرما دیتے تو چند گھر کی بچیوں کا خوشی اور عید کے مواقع میں جنگی اشعار پڑھنا بھی حرام کی فہرست میں آ جاتا۔ اس لیے منہ بھی نہیں کھولتے اور زبان بھی بند رکھتے ہیں.....

www.besturdubooks.net

(۱۱۶۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ وَ عَنْ يَمِيْنِهٖ غُلَامٌ وَ عَنْ يَسَارِهِ الْاَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ اِنْ اَذِنْتَ لِيْ اَعْطَيْتُ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدًا فَتَلَّهٗ فِيْ يَدِهٖ. (رواه البخاری)

(۱۱۶۱) سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی پیش کیا گیا آپ نے اس کو پیا اس وقت آپ کے دائیں جانب ایک نوجوان اور بائیں جانب معمر اور سن رسیدہ اصحاب موجود تھے آپ نے اس نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اجازت دو تو میں بقیہ پانی ان لوگوں کو دے دوں۔ وہ بولے یارسول اللہ آپ کے جھوٹے پانی میں قدرت نے جو میرا حصہ لگا دیا ہے میں کسی کے لیے بھی اس میں سخاوت نہیں کر سکتا۔ اس پر آپ نے ناگواری سے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دے کر پانی ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ (بخاری)

الرسول ان لم یکن معصومًا فکیف یا منه الله علی اهل الارض

رسول اگر معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ تمام روئے زمین کے حق میں ان پر کیسے اعتماد کر سکتا ہے

(۱۱۶۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ اٰثَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۱۶۲) عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے موقعہ پر جب مال تقسیم کرنے کی نوبت آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس

لله ..... ہیں۔ یہ شان شارع کی ہے جن کے نطق و سکوت تو کیا ذرا سی شرکت اور ادنیٰ سے اغماض سے بھی مسائل بن جاتے تھے۔ اب آپ رسول کی عصمت اور اس کی عظمت شان کا اندازہ فرمالیجئے اگر ان میں معصیت کا ادنیٰ سا بھی شائبہ موجود ہو تو کیا ان کے طبعی رجحانات اور صرف سکوت واغماض شریعت بن سکتے ہیں۔

(۱۱۶۱) ✵ جذبات وہ بھی نوعمری کے ایک متحمل سے متحمل انسان کو بھی بے قابو بنا دیتے ہیں یہاں قسمت سے اس نوجوان کو ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا کہ جس پانی سے خاتم الانبیاء علیہم السلام کا دہن مبارک لگ چکا تھا ضابطہ میں وہ ان کا حق تھا' اگر یہاں اس کے جذبات مچل گئے تو کسی حد تک قابل معذوری ہے مگر جن کی شان اخلاقیات میں سب سے اونچی بنائی گئی تھی وہ چاہتے تھے کہ ان کے رفقاء واصحاب بھی ان ہی اخلاق سے رنگین ہو جائیں لیکن اس طرح کہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو اور ایثار کی عالی خصلت کی ترغیب بھی ہو جائے۔ اگر آپ یہ پانی عمر کی رعایت سے معمر لوگوں کو عطاء فرما دیتے تو دائیں جانب بیٹھنے والے نوعمروں کا آئین میں کوئی حق ہی نہ رہتا اور اگر اظہار ناگواری کیے بغیر پانی حوالہ فرما دیتے تو اس موقعہ پر ایثار کا کوئی سبق نہ ملتا۔ اس لیے پانی دیا تو مگر ذرا سی ناگواری کے ساتھ کہ اس قسم کے مقامات پر جو تقاضا اخلاق کا ہو سکتا تھا اس کا سبق مل جائے۔ آپ کی یہ دونوں ادائیں دو حکم شرعی کی علیحدہ علیحدہ بنیادیں بن گئیں۔ پس نبی کا صرف قول وفعل ہی نہیں بلکہ اس کا نطق و سکوت بھی بلکہ اس کے نطق و سکوت کی ادائیں بھی ایک ایک حکم شرعی بن جاتی ہیں۔ اگر العیاذ باللہ ان کے قول وفعل میں معصیت کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی ہو تو کیا ان کو یہی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔ منطقیوں کی اور باتیں جیسی بھی ہوں مگر ان کی ایک یہ بات ہم کو بھی یہاں پسند ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ پس اگر ان کے افعال میں کوئی دوسرا احتمال ہو سکتا ہے تو پھر ان کے قول و فعل کو بھی حجت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۱۱۶۲) ✵ روایت مذکور کے سب الفاظ کو سامنے رکھ لیجئے آپ کو واضح ہو جائے گا رسولوں کی شان کیا ہونی چاہیے۔ یہاں جس لله .....

www.besturdubooks.net

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْقِسْمَةِ اَعْطَی الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ مِائَةً مِنَ الْاِبِلِ وَ اَعْطَی عُیَیْنَةَ مِثْلَ ذٰلِکَ وَ اَعْطٰی اُنَاسًا مِنْ اَشْرَافِ الْعَرَبِ وَ اٰثَرَهُمْ یَوْمَئِذٍ فِی الْقِسْمَةِ قَالَ رَجُلٌ وَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذِهٖ لَقِسْمَةٌ مَا عُدِلَ فِیْهَا اَوْ مَا اُرِیْدَ فِیْهَا وَجْهُ اللّٰهِ فَقُلْتُ وَ اللّٰهِ لَاُخْبِرَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَیْتُهٗ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ فَمَنْ یَعْدِلُ اِذَا لَمْ یَعْدِلِ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰی قَدْ اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ. رواه البخاری فی الجهادِ و فی کتاب الادب و یلک من یعدل اذا لم اعدل و فی المغازی و یلک او لست احق اهل الارض ان یتقی اللّٰه و فی باب علامات النبوة قد خبت و خسرت ان لم اکن اعدل و فی کتاب الانبیاء ص ۴۷۲ فقال من یطیع اللّٰه اذا عصیت أیأمنني اللّٰه علی اهل الارض و لا تأمنوني.

(ایک شخص کا نام) کو سو اونٹ دے دیئے اور اتنے ہی اونٹ عیینہ کو (ایک شخص کا نام ہے) اور اسی طرح عرب کے اور چند بڑے بڑے لوگوں کو عطا فرمائے' اور اس دن مال کی تقسیم میں دوسرے لوگوں پر ان کو ترجیح دی - اس پر ایک شخص بولا خدا کی قسم اس تقسیم میں تو انصاف سے کام نہیں لیا گیا - یا یہ کہا کہ یہ تقسیم خلوص کے ساتھ نہیں کی گئی - میں نے کہا اچھا خدا کی قسم میں ضرور اس بات کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوں گا - میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی آپؐ کو خبر دی آپؐ نے فرمایا ارے اگر اللہ اور اس کا رسول بھی انصاف نہ کرے گا تو بتاؤ پھر اور کون انصاف کرے گا - خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیفیں دی گئیں مگر انہوں نے صبر ہی کیا - بخاری شریف میں دوسری جگہ یہ لفظ ہے ''تیرا ناس ہو اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون کرے گا -'' کتاب المغازی کے لفظ یہ ہیں - ''کیا روئے زمین میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے کا میں حق دار نہیں'' - علاماتِ نبوت میں یہ لفظ ہیں ''اگر میں نے انصاف نہ کیا تو میں تو بڑے ٹوٹے میں رہا اور بہت ناکام رہا'' - کتاب الانبیا کے الفاظ یہ ہیں ''اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو پھر اور کون ہے جو اس کی حکم برداری کرے گا - بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ تم تو مجھے قابل اعتماد نہ سمجھو اور اللہ تعالیٰ ساری روئے زمین کے حق میں مجھ پر اعتماد کرلے - (بخاری شریف)

ﷺ ..... شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگمانی کا کلمہ منہ سے نکالا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں ''ویل'' (ہلاکت) کا لفظ فرمایا ہے کیونکہ یہ شخصی توہین نہ تھی بلکہ منصب رسالت کی توہین تھی - پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح غیر معقول بھی قرار دیا کہ جس کو بندے قابل اعتماد نہ سمجھیں کیا حق تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کے حق میں اس کو قابل اعتماد سمجھے گا - پھر جب رسول مال کی تقسیم میں قابل اعتماد ہوتا ہے تو اپنے اور افعال میں بھی قابل اعتماد کیوں نہیں ہوتا - ہم کو روایات سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل پر معصیت کا گمان کیا ہو اور جب کسی ناشائستہ شخص کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا ہے تو یاد نہیں آتا کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اظہارِ ناگواری نہ فرمایا ہو - پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے کسی خاص عمل پر معصیت کا لفظ طلاق نہیں کیا گیا تو محض عقلی طرز فکر سے کسی کا اس پر معصیت کا اطلاق کرنا کیسے درست ہوگا -

www.besturdubooks.net

لو عصى الانبياء عليهم السّلام لغوت اممهم

(۱۱۶۳) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ لَقِیْتُ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ فَنَعَتَهٗ فَاِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُهٗ قَالَ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّأْسِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ قَالَ وَ لَقِیْتُ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَنَعَتَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَبْعَةٌ اَحْمَرُ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ یَعْنِی الْحَمَّامَ وَ رَاَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَنَا اَشْبَهُ وَلَدِهٖ قَالَ وَ اُوْتِیْتُ بِاِنَائَیْنِ اَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَ الْاٰخَرُ فِیْهِ خَمْرٌ فَقِیْلَ لِیْ خُذْ اَیَّهُمَا شِئْتَ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهٗ فَقِیْلَ لِیْ هُدِیْتَ الْفِطْرَةَ اَوْ اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُكَ.

(رواہ البخاری)

اگر انبیاء علیہم السلام معصیت کریں (والعیاذ باللہ) تو ان کی امتیں گمراہ ہوکر رہ جائیں

(۱۱۶۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شب میں مجھ کو معراج ہوئی تھی تو موسیٰ علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی' اس کے بعد آپؐ نے ان کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا- کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چھریرے جسم کے' سر کے بال کچھ خمیدہ اور کچھ سیدھے جیسے ان میں کنگھی کی گئی ہو' بس ایسے تھے جیسے شنوءۃ قبیلہ کے لوگ ہوتے ہیں- پھر عیسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی- اس کے بعد آپؐ نے ان کا حلیہ بیان فرمایا' میانہ قد' سرخ رنگ کے ایسے نہائے دھوئے جیسے ابھی ابھی حمام سے نکلے ہیں اس شب میں میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا' اگر ان کی اولاد میں ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ شخص کو دیکھنا ہو تو وہ مجھ کو دیکھ لو اس کے بعد آپؐ نے فرمایا- میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی اور امتحان کے طور پر مجھ سے کہا گیا ان میں سے کون سا جام لیتے ہو؟ میں نے اٹھا کر دودھ کا جام لے لیا اور اس کو پی لیا- اس وقت مجھ سے کہا گیا آپؐ نے ٹھیک فطرت کے مطابق انتخاب کیا' یا آپ نے منشاء فطرت کو پالیا- اور خوب سن لو اگر کہیں تم شراب والا جام لے لیتے تو تمہاری ساری امت گمراہ ہوجاتی- (بخاری شریف)

(۱۱۶۳) * رسول کا معنوی علاقہ اپنی امت کے ساتھ والد اور اولاد کے ظاہری علاقہ سے کہیں قوی تر ہوتا ہے پھر جب والد کے خصائل کا اولاد میں ظاہر ہونا ضروری ہے تو رسول کی کسی فروگزاشت کا اثر اس کی امت میں کیونکر ظاہر نہ ہو- صحیح حدیث میں ہے "نسی ادم فنسیت ذریته خطأ ادم فخطأت ذریته" یعنی آدم علیہ السلام سے نسیان ہوا تو ان کی ذریت میں بھی یہ خصلت ظاہر ہوکر رہی اور آدم علیہ السلام سے ذرا چوک ہوگئی تو یہ ذرا سا نقص ان کی اولاد میں بھی نظر آتا رہا اسی طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں دوسرا جام اختیار فرمالیتے تو یہ معصیت کی طرف آپ کے رجحان کی دلیل ہوتی' پھر کیسے ممکن تھا کہ آپ کی امت کا قدم سنبھل سکتا- حقیقت یہ ہے کہ نبی وقت اپنی امت کے تمام کمالات کے لیے مصدر و مرکز ہوتا ہے' امت کے جملہ کمالات اپنے نبی کے کمال کا فیض ہوتے ہیں اسی لیے جو افضل الرسل تھے ان کی امت خیر الامم کہلائی- اب اگر نبی میں اصولی لحاظ سے کسی معصیت کا امکان ہو اور والعیاذ باللہ تو پھر جو بالطبع عاصی ہوں ان کی کیا گت بن کر رہ جائے- اسی لیے نبی کو معصوم فطرت پیدا کیا جاتا ہے تاکہ اس کی امت کشاں کشاں معصیت سے معصومیت کا رنگ اختیار کرتی چلی جائے اور اس طرح پھر اس جنت کی مستحق بن جائے جہاں کی آبادی کے لیے معصومیت شرط اوّل ہے- آدم علیہ السلام سے ذرا سی غلطی ہوگئی.....

www.besturdubooks.net

الوسوسة بما يخالف عصمة الرسول العظيمؐ مما يخشى منه الهلاك

آپ کی عصمت کے خلاف قلب میں وسوسہ بھی ایسی خطرناک بات ہے جس سے ہلاکت کا خطرہ ہے

(۱۱۶۴) اَخْبَرَنِیْ عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنٍ اَنَّ صَفِیَّةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَزُوْرُهٗ فِیْ اِعْتِکَافِهٖ فِی الْمَسْجِدِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهٗ سَاعَةً ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا یَقْلِبُهَا حَتّٰی اِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ اُمِّ سَلَمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی رِسْلِکُمَا اِنَّمَا هِیَ صَفِیَّةُ بِنْتُ حُیَیٍّ فَقَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ کَبُرَ عَلَیْهِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَبْلُغُ مِنَ الْاِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ وَ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یَقْذِفَ فِیْ قُلُوْبِکُمَا شَیْئًا وَ فِیْ رِوَایَةٍ فتهلکا

(وفی روایة عبدالرحمن بن اسحاق ما اقول لکما هذا ان تکونا تظنان شرا و لکن قد علمت الخ)

(۱۱۶۴) علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی نے ان سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ دورانِ اعتکاف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مسجد میں آئیں- یہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا موقع تھا' تھوڑی دیر آپؐ سے بات چیت کی پھر رخصت ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو رخصت فرمانے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ تشریف لے چلے یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے اس دروازہ کے پاس پہنچیں جو حضرت ام سلمہؓ کے دروازہ کے متصل تھا تو دو انصاری شخصوں کا اس طرف سے گذر ہوا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا- آپؐ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہرنا دیکھو یہ میرے ساتھ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں- انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ سبحان اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا فرماتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ان کے لیے بڑی مجوبی کا باعث بن گیا- اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان میں خون کی طرح گھوم جاتا ہے- مجھ کو اس کا خطرہ ہوا مبادا تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور اس کی وجہ سے تم خواہ مخواہ ہلاک ہو جاؤ- دوسری روایت میں یوں ہے کہ یہ بات میں نے اس لیے نہیں کہی تھی کہ تم کوئی بدظنی کرتے بلکہ بات یہ ہے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ کبھی شیطان دل میں غیر اختیاری وساوس ڈال دیتا ہے- (بخاری شریف)

ﷺ ..... گئی تو عصمت کے باوجود جنت چھوڑنے پر مجبور ہو گئے پھر جب تک عاصی انسان اپنی معصیت کی سزا بھگت کر معصومیت کا رنگ اختیار نہ کر لے جنت میں بھلا کیسے داخل ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ کے مقدس رسول چونکہ اسی عالم میں جنت کی مخلوق ہوتے ہیں اس لیے وہ اہل جنت کی طرح معصوم بھی ہوتے ہیں' تفصیل پہلے گذر چکی ہے- واضح رہے کہ اس امتحان کا نظارہ صرف آپ کی فطرت کی عصمت کے اظہار کے لیے تھا' اسی لیے دوسری صورت کو صرف فرضی طریقہ پر ادا کیا گیا ہے تاکہ نبی اور امتی کا باہم اندرونی علاقہ معلوم ہو جائے- آب حیات میں حضرت مولانا نانوتویؒ نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہیں- عوام کے ڈر سے اس کا نقل کرنا مناسب نہیں علماء دیکھ لیں-

(۱۱۶۴) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف تھے اگر یہاں شیطان کوئی وسوسہ ڈالتا تو یہی کہ یہ نقاب پوش کوئی اجنبی عورت نہ ہوں والعیاذ باللہ پھر اجنبی عورت سے تنہائی میں گفتگو اور بات چیت اگر معصیت تھی تو کس درجہ کی معصیت تھی اس کے بعد آپؐ کا کس ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ومکانتهم في التشریع

(۱۱۶۵) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَ اخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ. (رواہ مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تشریع میں

(۱۱۶۵) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض قرار دیا ہے اس لیے حج ادا کیا کرو۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا ہر سال؟ آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ جب اس نے تین بار یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر میں اس کا اقرار کر لیتا اور ہاں کہہ دیتا تو ہر سال تم پر حج فرض ہو جاتا۔ پھر تم ہر سال حج ادا نہ کر سکتے اس کے بعد اصولی طور پر یہ نصیحت فرمائی کہ جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہا کروں تم بھی مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو' کیونکہ تم سے پہلی امتیں جو ہلاک ہوئی ہیں وہ ان ہی بے جا سوالات اور اپنے انبیاء علیہم السلام کے سامنے بے جا اختلافات کی بدولت ہی ہلاک ہوئی ہیں۔ لہٰذا جب میں تم کو کسی بات کا حکم دیا کروں تو اپنے مقدور بھر اس کو بجا لایا کرو اور جس بات سے روک دیا کروں بس اس کو یک قلم چھوڑ دیا کرو۔ (مسلم)

ﷺ ..... اہتمام سے اس کا بھی ازالہ فرمانا وہ بھی اس لیے نہیں کہ صحابہؓ سے اس بدگمانی کا کوئی اندیشہ تھا جیسا کہ خود آپؐ نے صاف فرما دیا کہ میرا یہ کہنا اس بناء پر نہیں ہے کہ تمہارے دل میں اس قسم کی کوئی بدگمانی موجود ہے بلکہ صرف اس لیے ہے کہ بعض مرتبہ شیطان غیر اختیاری طور پر دل میں بے بات بے سبب کوئی وسوسہ ڈال دیتا ہے صرف اس کی پیش بندی کے لیے میں نے تم کو خبردار کیا ہے مگر اس غیر اختیاری وسوسہ کا وہ بھی صرف ایک اجنبی عورت سے تنہائی میں ملاقات کا اثر کیا ہوتا؟ تمہاری ہلاکت اور آخرت کی بربادی۔ اب اس سے اندازہ فرما لیجئے کہ نبی کی شان عصمت کیا ہوتی ہے یہ کہ اگر اس کے خلاف ذرا سا وسوسہ بھی دل میں آئے اور جم جائے تو ایمان کی خیریت نہیں رہتی۔ کیا والعیاذ باللہ اگر رسول معصوم نہ ہوں تو ان کی شان یہی ہونی چاہیے۔

(۱۱۶۵) ✻ اسلام میں نبی کی حیثیت ایک مقنن کی حیثیت قرار دی گئی ہے' اسی لیے قرآن کریم نے جا بجا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی مستقل حکم دیا ہے گو رسول کا جو حکم بھی ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کے حکم کے تحت ہوتا ہے مگر حکمت الٰہیہ کا تقاضہ یہی تھا کہ کچھ باتوں کا حکم تو وہ براہ راست خود دے اور کچھ باتیں ایسی بھی چھوڑ دے جن کا حکم وہ براہ راست خود نہ دے بلکہ اس کا رسول دے دے۔ ادھر حاکم علی الاطلاق کو مقصود یہی تھا قطعیت کے جس مرتبہ میں تمام قرآن کی حفاظت ہو اس درجہ میں ہر حدیث کی حفاظت نہ ہو اور اس طرح حفاظت کی نوعیت کے فرق سے کہیں کہیں ان کی قطعیت میں بھی فرق پڑ جائے اور اس طرح کمزور اُمت کی تقصیرات میں یہ کچھ خفت کا سبب بن جائے۔ اگر کہیں ہر ہر حکم اسی مرتبہ میں آ جاتا جس میں کہ قرآن پاک کی آیات تھیں تو شاید اس امت کے عاصیوں کا معاملہ بہت زیادہ نازک ہو جاتا۔ رحمت نے صرف اتنے ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ اپنے رسول کے ساتھ زیادہ کھود کرید کرنے کی ممانعت بھی فرما دی تاکہ ابہام اور اجمال سے کمزوروں کو جتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اور پہنچ جائے۔ نیز یہ رسول کے خود اپنے فرائض میں داخل ہے کہ جو تفصیلات ضروری ہوں ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۱۱۶۶) عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ حُجْرَۃً فِی الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِیْرٍ فَصَلّٰی فِیْھَا لَیَالِیَ حَتّٰی اجْتَمَعَ عَلَیْہِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَہٗ لَیْلَۃً وَ ظَنُّوْا اَنَّہٗ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُھُمْ یَتَنَحْنَحُ لِیَخْرُجَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِکُمُ الَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ وَ لَوْ کُتِبَ عَلَیْکُمْ مَا قُمْتُمْ بِہٖ فَصَلُّوْا اَیُّھَا النَّاسُ فِیْ بُیُوْتِکُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوۃِ الْمَرْءِ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا الصَّلٰوۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ.
(متفق علیہ)

(۱۱۶۶) زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ماہ رمضان میں) اپنی مسجد میں ایک بوریے کا حجرہ سا بنالیا تھا۔ چند شب آپ نے اسی کے اندر نماز ادا کی یہاں تک کہ لوگ بھی آپؐ کے پیچھے آ آ کر نماز میں شریک ہونے شروع ہو گئے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ لوگوں نے آپؐ کی آواز نہ سنی اور گمان یہ کیا کہ شاید آپؐ خواب استراحت فرما رہے ہیں تو کسی کسی نے کھانستا بھی شروع کیا تاکہ آپؐ نماز کے لیے باہر تشریف لے آئیں آخر آپ نے فرمایا تمہارے ذوق وشوق کے ساتھ آ آ کر اقتداء کرنے کا یہ معاملہ میں سب دیکھتا رہا ہوں یہاں تک کہ مجھ کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض قرار نہ دے دی جائے پھر تم اس کو ادا نہ کر سکو۔ تو لوگو آئندہ سے تم یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں ہی ادا کر لیا کرو۔ کیونکہ فرض نماز کو مستثنیٰ کر کے آدمی کی جتنی اور نمازیں ہیں وہ سب گھروں میں ہی افضل ہوتی ہیں۔ (متفق علیہ)

(۱۱۶۷) عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی

(۱۱۶۷) عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ﷺ ..... ان کو وہ خود اپنی جانب سے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دے کیونکہ اس کو مبین ہی کی حیثیت سے بھیجا جاتا ہے۔ پس جہاں اس نے سکوت اختیار کر لیا تم کو بھی چاہیے کہ وہاں سکوت اختیار کر لو اور زیادہ سوال و جواب کی چپقلش میں نہ پڑو ورنہ یہ اس پر بھی کوتاہی کے ایک الزام کے مرادف ہوگا۔ اِدھر نزولِ وحی کے زمانہ میں تم جتنی زیادہ تفصیلات کے درپے ہو گے وہ سب کھول دی جائیں گی' پھر وہ تمہارے ہی حق میں تکلیف کا سامان بن جائیں گی۔ لہٰذا خاموشی کے ساتھ سکوت کرنے میں رسولؐ کا احترام بھی ملحوظ رہتا ہے اور تمہاری بہتری بھی اسی میں مضمر ہے۔ ضروری بات تم سے پوشیدہ نہیں رکھی جائے گی' غیر ضروری بات کا سوال تم مت کیا کرو۔ رسول کی عظمت کا اس سے اندازہ فرمالیجئے کہ اس کی ایک جنبشِ لب سے فرض و حرمت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

(۱۱۶۶) * نبی کے نطق و سکوت کا رتبہ تو بہت بلند ہے یہاں اس کی انفرادی عبادت میں اجازت کے بغیر سکوت کے ساتھ شرکت کرنا بھی معمولی بات نہیں ہوتی بعض مرتبہ وہ عبادت صرف اسی کی ذات کے لیے مناسب ہوتی ہے اس میں جا جا کر شریک ہونا چھوٹا منہ بڑی بات ہے بعض مرتبہ وہ اس کی خصوصیت تو نہیں ہوتی مگر اس میں شرکت کرنا کسی بڑی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے جیسے یہاں کہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا احکام میں کمی وبیشی جاری تھی۔ اس مبارک مہینہ میں اس طرح ذوق وشوق کے ساتھ مبارک اجتماع پھر کس مبارک نبی کی اقتداء میں اس کو فرشتے بھی دیکھ کر غبطہ کر سکتے تھے بہت ممکن تھا کہ ملاء اعلیٰ میں اس کو وہ شرف قبول حاصل ہو جاتا اس کو فرض ہی قرار دے دیا جاتا پھر آئندہ ضعفاء امت کے لیے یہ مشکلات در مشکلات کا سبب بن جاتا۔ اس جگہ حجۃ اللہ ج ا ص ۹۶ ضرور ملاحظہ کر لی جائے۔

(۱۱۶۷) * یہاں قربانی کے جانور میں ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استثناء فرمادینا صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ حسب آیت ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات چونکہ خود مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کی خیر خواہ تھی اس لیے جس طرح والد کو اولاد پر ولایت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑھ کر مومنوں کی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اَللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَاہُ غَنَمًا یَقْسِمُھَا عَلٰی صَحَابَتِہٖ ضَحَایَا فَبَقِیَ عَتُوْدٌ فَذَکَرَہٗ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِہٖ اَنْتَ ۔ (متفق علیہ و فی روایۃ ابی بردۃ اذ بحھا و لن تجزئ عن احد بعدك. و نحوہ قصۃ زید بن خالد عند ابی داؤد و ابی زید الانصاری عند ابن ماجۃ)

کچھ بکریاں ان کے سپرد کیں تاکہ وہ ان کو قربانی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تقسیم کر دیں (چنانچہ انہوں نے بکریاں تقسیم کر دیں) آخر میں صرف ایک بکری بچ رہی جو پورے سال کی نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چلو بس تم تو اس کی قربانی کر ہی لو۔ متفق علیہ۔ ابو بردہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ خیر تم تو اس کو ذبح کر دو مگر تمہارے بعد اس عمر کی بکری آئندہ کسی شخص کے لیے بھی کافی نہ ہوگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ زید بن خالد کا ابوداؤد میں اور ابو زید انصاری کا ابن ماجہ میں موجود ہے۔

(۱۱۶۸) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاشِمَاتِ وَ الْمُسْتَوْشِمَاتِ وَ الْمُتَنَمِّصَاتِ وَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰہِ فَجَاءَتْہُ امْرَاءَۃٌ فَقَالَتْ اِنَّہٗ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ لَعَنْتَ کَیْتَ وَ کَیْتَ فَقَالَ مَالِیْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ ھُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ (تَعَالٰی) فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَاْتُ

(۱۱۶۸) عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت کرے جو جسم کو گودتی ہیں یا گدواتی ہیں' یا خوبصورتی کے لیے بال نچواتی ہیں یا دانتوں کے درمیان جھری کھلواتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خلقت بدلنا چاہتی ہیں اتنے میں ایک عورت آئی اور اس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ اس قسم کی عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا۔ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت فرمائی ہو میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں۔ اس نے کہا کہ قرآن شریف تو میں نے بھی پڑھا ہے مگر اس میں میں نے تو وہ بات کہیں نہیں پڑھی جو آپ فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر تو قرآن ذرا سمجھ کر پڑھتی

لـــ ..... جان و مال پر ولایت حاصل تھی اور اس لیے آپ کو ان کی جان و مال میں جملہ قسم کے تصرف کا حق حاصل تھا۔ اگر آپؐ چاہیں تو کسی کا نکاح فرما دے سکتے تھے اور اگر کوئی اپنے غلام پر ظلم کرے تو آپؐ اس کو اپنی جانب سے آزاد بھی کر سکتے تھے بعض حدیثوں کی جواب دہی کے ضمن میں کچھ علماء کی رائے اس طرف بھی ہے۔ اس لیے ترجمان السنہ ج ۲ ص ۸۹ حدیث نمبر ۳۴۷ کے تشریحی نوٹ میں ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ "بعض مقامات پر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا کوئی حق نہیں ہوتا" اس کی بجائے اب اس کو اس طرح درست فرما لیجئے "یہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی نہیں کرتی اور صرف اتنے ہی پر اکتفا کر لیتی ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کر دے اور بس"

تنبیہ: بعض حدیثوں میں ایک شخص کے لیے نمازوں کے متعلق بھی آپؐ کے استثناء فرمانے کا ایک واقعہ اور دوسرا ایک عورت کے لیے نوحہ کرنے کی اجازت دے دینے کا واقعہ بھی ملتا ہے بعض علماء نے ان دونوں واقعات کو بھی اسی جنس کے واقعات میں شمار کیا ہے لیکن ان کے متعلق جو رائے ناقص ہماری تھی ہم پہلے اس کا اظہار کر چکے ہیں۔ دیکھو ترجمان السنہ ج ۲ ص ۵۳ و ج ۲ ص ۵۶۔

(۱۱۶۸) ✱ احادیث سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ نے احکام یا غیر احکام میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان کہیں تفریق کی ہو۔ منکرین حدیث کی یہ سخت جرأت ہے کہ تشریع احکام میں رسول کا کوئی مقام ہی تسلیم نہیں کرتے اور اس بہانہ سے درپردہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی دست بردار ہونا چاہتے ہیں حالانکہ کتاب اللہ اور احادیث ہی نہیں بلکہ دین کی تاریخ از اول تا آخر اس کے خلاف ہے۔

www.besturdubooks.net

مَا بَیْنَ اللَّوْحَیْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِیْهِ لَقَدْ وَجَدْتِیْهِ اَمَا قَرَأْتِ مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰی قَالَ فَاِنَّهُ قَدْ نَهٰی عَنْهُ. (متفق علیه)

تو جو بات میں کہتا ہوں ضرور ضرور اس میں دیکھ لیتی کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ الخ جو بات تم کو رسول بتائے اس کو قبول کر لو اور جس بات سے روک دے اس سے رک جاؤ- اس نے کہا یہ آیت تو پڑھی ہے- اس پر انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال کی ممانعت فرمائی ہے (اس لیے ان کو نہ کرنا قرآن ہی کا حکم کہا جائے گا- (متفق علیہ)

(۱۱۶۹) عَنْ سَهْلَةَ اِمْرَءَةِ اَبِیْ حُذَیْفَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَالِمًا مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ وَ دُخُوْلَهٗ عَلَیْهَا فَاَمَرَهَا اَنْ تُرْضِعَهٗ فَاَرْضَعَتْهُ وَ هُوَ رَجُلٌ كَبِیْرٌ بَعْدَ مَا شَهِدَ بَدْرًا. (اخرجه ابن سعد و الحاكم كما فی الخصائص ج ۲ ص ۲۶۳)

(۱۱۶۹) سہلہ جو ابو حذیفہ کی بیوی تھیں کہتی ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سالم کے متعلق تذکرہ کیا یہ ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے کیا وہ ان کے گھر اب بھی آمد و شد رکھ سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا- جاؤ ان کو اپنا دودھ لے کر پلا دو- چنانچہ انہوں نے اپنا تھوڑا سا دودھ نکال کر ان کو پلا دیا اس وقت یہ پورے مرد تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے- (حاکم)

(۱۱۷۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اَبٰی سَائِرُ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّدْخِلَ عَلَیْهِنَّ اَحَدٌ بِهٰذَا الرَّضَاعِ وَ قُلْنَ اِنَّمَا هٰذَا رُخْصَةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً. (اخرجه الشیخان)

(۱۱۷۰) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس قسم کی رضاعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواج نے اختلاف رائے ظاہر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ خاص سالم ہی کے لیے اجازت تھی- عام مسئلہ نہیں تھا- (متفق علیہ)

(۱۱۷۱) عَنْ اَبِی النُّعْمَانِ الْاَزْدِیِّ قَالَ زَوَّجَ

(۱۱۷۱) ابو نعمان ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

(۱۱۷۰) * یعنی مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں اور اس کا کوئی اثر بھی نہیں ہے اور نہ ایسے آدمی کو رضاعی اولاد یا رضاعی بھائی کہا جا سکتا ہے- سہلہ کی روایت اگر صحیحین کی نہ ہو مگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض مواضع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام قوانین سے مستثنیٰ کرنے کا شرعی حق بھی حاصل تھا-

(۱۱۷۱) * مہر کے باب میں ایک شخص کو عام قانون سے مستثنیٰ کرنے کی یہ دوسری مثال ہے- گو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ثبوت میں کلام ہو مگر مکحول وغیرہ کے بیانات سے کسی درجہ میں اس کی تائید ہو جاتی ہے ہماری غرض یہاں ان مسائل پر روشنی ڈالنی نہیں ہے بلکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ عموم قاعدہ سے استثناء کرنے کا حق بھی آپ کو حاصل تھا اور یہ حقیقت صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے ایک موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کی گھاس کاٹنے کی ممانعت فرمائی تو ایک صحابی نے کھڑے ہو کر ''اذخر'' کے استثناء کی درخواست پیش کی کیونکہ یہ گھاس لوگوں کی بہت سی ضروریات میں مستعمل تھی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرما لیا- اس جگہ ان سب کا استقصاء کرنا منظور نہیں ہے-

www.besturdubooks.net

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَءَةً عَلٰى سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ قَالَ لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِكَ مَهْرًا. (رواه سعيد بن منصور مرسلاً و فيه من لا يعرف و اخرج ابوداؤد عن مكحول قال ليس هذا لاحد بعد النبي صلى الله عليه وسلم و اخرج ابن عونة عن الليث بن سعد نحوه كذافي الخصائص ج ٢ ص ٢٦٤)

علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح قرآن کی ایک سورت پر پڑھا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تمہارے بعد یہ مہر کسی اور شخص کا نہیں ہو سکے گا- اس حدیث کی اسناد ضعیف در ضعیف ہیں- لیکن ابوداؤد میں ہے کہ مکحول کی ذاتی رائے یہی تھی کہ جن واقعات میں صحت سند کے ساتھ قرآن کریم کا مہر مقرر ہونا ثابت ہوتا ہے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے-

(الخصائص ج ۲ ص ۲۶۳)

(۱۱۷۲) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْمُعَلّٰى قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ كُنْتُ اُصَلِّیْ فَقَالَ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ. اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. ثُمَّ قَالَ لِیْ لَاُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً هِیَ اَعْظَمُ السُّوَرِ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِیْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهٗ اَلَمْ تَقُلْ لَاُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً هِیَ اَعْظَمُ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِیْ اُوْتِيْتُهٗ.

(رواه البخاري)

(۱۱۷۲) ابوسعید روایت کرتے ہیں ایسا ہوا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آواز دی تو میں نماز میں تھا اس لیے آپ کو جواب نہ دے سکا- نماز سے فارغ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کی یا رسول اللہؐ میں نماز میں تھا اس لیے جواب نہ دے سکا-- آپؐ نے فرمایا کیا فرمانِ الٰہی یہ نہیں اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ الخ یعنی رسول جس وقت بھی تم کو اس بات کے لیے بلائے جو تمہاری حیات کا موجب ہو تو فوراً اللہ اور اس کے رسول کو لبیک کہا کرو- اس کے بعد آپ نے فرمایا- مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے پہلے میں تم کو وہ سورت بتاؤں گا جو قرآن کریم کی تمام سورتوں میں سب سے بڑی شان کی سورت ہے اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا- جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کی آپ نے تو فرمایا تھا میں تجھ کو قرآن کریم کی سب سے افضل سورت بتاؤں گا آپ نے فرمایا (تو سن لو) وہ سورت الحمد للہ رب العالمین والی سورت ہے' یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوا ہے- (بخاری شریف)

الرسول العظيم وعصمة رأيه في القران

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کی عصمت

(۱۱۷۳) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ كَانَ النَّبِیُّ

(۱۱۷۳) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

(۱۱۷۳) ✱ دیکھئے حدیث مذکور میں یوں نہیں فرمایا گیا کہ ''تم سفارش کیے جاؤ اور رسول جو چاہے گا وہ فیصلہ فرما دے گا-'' بلکہ یوں فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے جو فیصلہ چاہے گا صادر فرما دے گا-'' اس تعبیر میں یہ اشارہ ہے کہ رسول دوسرے حاکموں کی طرح صرف اپنی رائے سے فیصلے نہیں فرماتے بلکہ ان کی زبان خداوندی احکام کے اجراء کے لیے صرف ایک آلہ ہوتی ہے حکم للّٰہ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ   اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل یا کوئی صاحب ضرورت آتا (راوی کو

ﷺ ..... درحقیقت یہاں اللہ تعالیٰ ہی کار ہتا ہے- یہی وجہ ہے کہ رسولوں کے سب فیصلہ ناطق اور نا قابل اپیل ہوتے ہیں ان سے معارضہ کرنا کفر اوران میں ذرا تردد کرنا بھی مؤمن کی شان سے بعید ہوتا ہے- اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ رسالت کی حقیقت ہے کیا اور جو عقلاء زمانہ کہلاتے ہیں وہ اس کو سمجھے کیا ہیں-

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَ لَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ. (الاحزاب:۳۶)

اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو حق نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں-

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. (النساء:۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم جب تک یہ لوگ اپنے جھگڑوں میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور تم جو فیصلہ کردو اس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں اس وقت تک مومن نہ ہوں گے-

تیسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ. (النساء:۱۰۵)

ہم نے آپ پر قرآن سچائی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات میں اس رائے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ آپ کو سمجھائے-

پہلی آیت میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا فیصلہ ایک ہی قرار دیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ یہاں قوت حاکمہ بہرکیف ایک ہی رہتی ہے اگرچہ بظاہر حاکم دو نظر آئیں اسی طرح یہاں فیصلہ بھی ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ اس کی نسبت الگ الگ ہو- رسول کے فیصلوں کی اس اہمیت کے بعد جو دفعہ اس سے بھی زیادہ اہم بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے فیصلہ کے بعد سب اختیارات معطل ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ اس کی آزادیٔ رائے بھی سلب ہوجاتی ہے اور یہ اس لیے کہ خالق کے فیصلہ کے سامنے مخلوق کو ادنیٰ سی سرتابی کرنے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا- رسول کا فیصلہ چونکہ بعینہٖ خالق کا فیصلہ سمجھا جاتا ہے اس لیے جو حقوق خالق کے فیصلے کے ہیں وہی رسول کے فیصلے کے سمجھے جاتے ہیں اس بارے میں آیت بالا میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے مابین کوئی تفریق نہیں کی گئی-

دوسری آیت میں اس سے زیادہ یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ مخلوق کے ذمہ یہاں اس سے پہلے ایک فرض اور عائد ہوتا ہے وہ یہ کہ اپنے ہر معاملہ کا مرافعہ خواہ وہ باہمی نزاعات ہی کا کیوں نہ ہو رسول ہی کی خدمت میں کرے- رسول کی موجودگی میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے معاملہ کا مرافعہ اس کے سواء کسی اور شخصیت کے سامنے لے جائے اور نہ کسی دوسرے انسان کا یہ حق ہے کہ وہ رسول کی موجودگی میں کوئی فیصلہ دے سکے- صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم مخلوق کے ذمہ یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہر فیصلہ پر اپنے قلب میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کرے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس منفی جزء کے بعد وہ دوسرے اثباتی جزء کا فرض بھی ادا کرے یعنی اپنے اعتراف و تسلیم کا بھی سرخم کردے- امام رازی آیت بالا کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ منفی جزء کا حاصل انقیاد باطن ہے اور مثبت جزء کا حاصل انقیاد و ظاہر ہے اور دونوں جزء کا منشاء یہ ہے کہ رسول کے فیصلہ کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے جسم و جان سے اس پر راضی ہوجائے- ایسی رضاء جس میں انحراف یا کراہت قلبی کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ رہے- ﷺ .....

www.besturdubooks.net

رُبَّمَا قَالَ جَاءَہُ السَّائِلُ اَوْ صَاحِبُ الْحَاجَۃِ لفظوں میں شک ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے -تم لوگ تو ضرورت

ﷲ ..... واضح رہے کہ ظاہر کے انقیاد کا ایک مرتبہ تو انقیاد باطن سے بھی پہلے ہوتا ہے اور یہ اس کا ادنیٰ مرتبہ ہے- ایمان و اسلام ابتداء میں انسان کے صرف جوارح اور ظاہر تک محدود رہتا ہے پھر شدہ شدہ اس کے باطن میں سرایت کرتا ہے حتیٰ کہ جب انسان کا باطن ایمان کامل کے رنگ سے رنگیں اور اس کے نور سے منور ہو جاتا ہے تو پھر باطن کا اثر لوٹ کر اس کے جوارح پر بھی نظر آنے لگتا ہے- انقیاد ظاہر کا یہ مرتبہ کمال ایمان کے آثار میں سے ہے اور یہ صرف اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہوتا ہے- مثال کے طور سے یوں سمجھئے کہ ایک تواضع تو وہ ہے جو انسان کے اعضاء پر اس کے علمی و عقلی شعور کا نتیجہ ہوتی ہے یہ تواضع تو اختیاری ہے لیکن ایک تواضع تو وہ ہے جو انسان کے باطنی عجز و انکسار اور اس کے ذاتی نقص و افتقار کے دائمی استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے' یہ اضطراری ہوتی ہے یا مثلاً ایک خوف تو مصنوعی ہوتا ہے اور ایک وہ ہوتا ہے جو انسان کے باطن پر مستولی ہو جانے کی وجہ سے اس کے ظاہر پر بھی نظر آتا ہے- یہ خوف اتنا اضطراری ہوتا ہے کہ انسان اگر اس کو چھپانے کی سعی بھی کرے تو چھپا نہیں سکتا- یہ اضطراری صفت ہے- اسی طرح انقیاد باطن کامل ہو جانے کے بعد اس کے جو اثرات انسانی جوارح پر نظر آتے ہیں یہ بھی اضطراری ہوتے ہیں- یہاں بھی انسان کے تصنع اور اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا اس بناء پر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کے فیصلہ پر انسان کا ضمیر اس طرح رضامند ہو جانا چاہیے کہ پھر انقیاد ظاہر میں کوئی تصنع نہ رہے بلکہ وہ اس کی ایک صفت اضطراری بن جائے- غالباً ﴿اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اسلام کے کسی ایسے ہی اعلیٰ مرتبہ کا مطالبہ کیا گیا ہے-

تیسری آیت کے الفاظ بہت زیادہ قابل غور ہیں یہاں اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ کے بعد لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ کے لفظ فرمائے ہیں اور یوں نہیں فرمایا کہ ﴿لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا رَأَیْتَ﴾ جس کا ترجمہ یہ ہوتا کہ یہ کتاب ہم نے آپ پر اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ وہ فرمائیں جو آپ کی رائے میں آ جائے بلکہ اس کی بجائے بما اراک اللہ کے لفظ فرمائے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ آپ کی رائے میں ڈالے- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی رائے بھی اراءۃ الٰہیہ کے تابع رہتی ہے اسی لیے اس کو معصومیت کا مقام حاصل ہوتا ہے- دوسرے کسی انسان کی رائے کو یہ مقام حاصل نہیں- اسی لیے رسول کے فیصلہ کے سواء کسی کے فیصلہ کو الٰہی فیصلہ اور قضاء الٰہی نہیں کہا جا سکتا اور نہ رسول کے فیصلہ کے علاوہ کسی اور بشر کا فیصلہ نکتہ چینی سے بالاتر ہو سکتا ہے اور اس لیے رسول کے علاوہ ہر انسان کے فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہونا لازم قرار دیا نہیں جا سکتا ہے ہر سہ آیات بالا کے مضامین پر اگر غور کرو تو سب کی روح ایک ہی ہے' وہ یہ کہ رسول درمیان میں صرف ایک پیامبر ہوتا ہے اور اس کا جو فیصلہ ہوتا ہے وہ حکم ربانی کے تحت ہوتا ہے' حتیٰ کہ اگر اس کی رائے بھی ہو تو وہ بھی اراءۃ الٰہیہ کے تابع ہوتی ہے کسی دوسرے انسان کی رائے کو یہ رتبہ حاصل نہیں- حضرت عمر کی رائے اور ان کے اجتہاد کا رتبہ کتنا بلند تھا' اللہ اکبر کبھی کبھی وحی الٰہی بھی اسی کی موافقت کرتی تھی لیکن اس کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ یقیناً اراءۃ الٰہی سے پیدا ہوئی ہے اور کوئی دوسرا احتمال اس میں نہیں ہے- یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے منشی نے ان کے ایک فیصلہ کی پیشانی پر یہ الفاظ لکھ دیئے "یہ وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے عمر کے خیال میں ڈالا ہے" تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یوں مت لکھو یوں لکھو' یہ فیصلہ وہ ہے جو عمر نے خود اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق کیا ہے- (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۱۵۷) دوسرے مقام پر اس کی وجہ بھی خود بیان فرمائی ہے "لوگو دیکھو دین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس لیے صواب ہی صواب تھی کہ وہ ﷲ .....

www.besturdubooks.net

..... خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تھی' ہماری رائے تو ہماری جانب سے صرف ایک اٹکل ہوتی ہے تو ترجمان السنہ ص ۱۵۷ ج ۱)

عن عمرو بن دینار رضی اللہ تعالی عنه قال قیل لعمرا حکم بما اراک اللہ قال ان هذا للنبی صلی اللہ علیه وسلم خاصة.

(درمنثور ص ۲۱۹ ج ۲)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو آپ کے دل میں ڈالے آپ اسی کے موافق فیصلہ فرما دیجئے - انہوں نے فرمایا کہ ٹھہرو یہ بات تو بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما قال ایاکم و الرأی فان اللہ تعالیٰ قال لنبیه صلی اللہ علیه وسلم لتحکم بین الناس بما اراک اللہ و لم یقل بما رأیت.

(درمنثور ص ۲۱۹ ج ۲)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اپنی جانب سے دین میں رائے زنی کرنے سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس رائے کے موافق فیصلہ فرمائیں جو ان کے دل میں منجانب اللہ ڈالی جائے اور یہ حکم نہیں دیا کہ جو خود ان کے دل میں آ جائے وہ فیصلہ فرمائیں۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان محض خاکساری کے طور پر نہ تھا بلکہ اس عمیق حقیقت کی طرف اشارہ تھا جو اس تیسری آیت میں رسول اور غیر رسول کی رائے کے فرق کے متعلق کیا گیا ہے وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ رسول کی رائے کے سواء قطعی طور پر صواب رسی کا حکم کسی دوسرے انسان کی رائے پر لگایا نہیں جا سکتا اور اس لیے نہیں لگایا جا سکتا کہ کسی انسان کے متعلق وحی الٰہی نے یہ تصریح نہیں کی کہ اس کی رائے ہمیشہ ارادۃ الٰہی کے تابع اور منجانب اللہ ہی ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہؓ صحابی کو امیر لشکر بنا کر بھیجا مگر ان کو صاف یہ ہدایت فرما دی گئی کہ دیکھو اگر محاصرہ کے بعد صلح کی نوبت آئے تو اس صلح نامہ پر یہ نہ لکھنا کہ یہ فیصلہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اور اس کے حکم کے مطابق ہے بلکہ یہ لکھنا کہ یہ فیصلہ میری اور میرے رفقاء کی رائے کے مطابق لکھا جاتا ہے کیونکہ تمہارے پاس اس کی کیا ضمانت ہے کہ تمہارا جو فیصلہ ہوگا وہ یقیناً خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہوگا - (ترجمان السنہ ج ۱ ص ۱۴۷)

اس سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ رسالت کا مقام کیا ہے اور امامت و اجتہاد کا رتبہ اس سے کتنا فروتر ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اس تفریق کی وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ رسول کی فطرت اتنی مجلی و مصفی ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ شیطانی اتصال کا کوئی احتمال ہی نہیں ہوتا دوسروں کی فطرت خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو مگر وہاں قطعیت کے ساتھ اس احتمال کی نفی نہیں کی جا سکتی اس لیے دوسرے انسانوں کے رائے میں بہر حال یہ احتمال ہوتا ہے کہ کسی راستہ سے اس میں شیطانی مداخلت ہو گئی ہو اگر چہ وہ عمداً نہ ہو خطاءً ہو اور اس وجہ سے قابل مواخذہ بھی نہ ہو۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ. (الشعراء: ۲۲۱:۲۲۲)

اچھا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں' وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔

حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ شیطان کا نزول صرف ان افراد پر ہوتا ہے جو ان کے ساتھ مزاجی ......

www.besturdubooks.net

...... مناسبت رکھتے ہیں۔ چونکہ شیاطین کا مزاج بھی خدائی نافرمانی اور افتراء پرداری ہوتا ہے اس لیے جن انسانوں میں قریب یا بعید جتنی یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے ان پر اسی تناسب سے ان کا نزول بھی ہوسکتا ہے۔ عام انسانوں کے متعلق چونکہ رسولوں کی سی معصومیت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا اس لیے ان کی رائے پر قطعیت کے ساتھ شیطانی مداخلت سے برأت کا حکم بھی نہیں لگایا جاسکتا اس لیے حضرت ابن مسعود نے سائل کے ایک استفسار کا جواب دے کر فرمایا:

اقول فیه برأیی فان یکن صوابًا فمن الله و ان یکن خطاء فمنی و من الشیطان و الله و رسوله بریئان منه.

اگر میرا یہ جواب درست ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے ورنہ میری غلطی ہے اور شیطانی مداخلت کا اثر ہے اللہ اور اس کا رسول یقیناً اس سے بری ہیں۔

اس کے بعد بطور خلاصہ حافظ موصوف لکھتے ہیں:

فالرسول بریٔ من تنزل الشیطان علیه فی العمد و الخطاء بخلاف غیر الرسول فانه قد یخطیء و یکون خطاء من الشیطان و ان کان خطاء ہ مغفورًا له.

(الجواب الصحیح ص ۸۵ ج ۴)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات خطاء اور عمد کی ہر دو صورتوں میں شیطانی مداخلت کا احتمال نہیں رکھتی اس کے برخلاف ہر انسان کی رائے میں شیطانی مداخلت سے غلطی واقع ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے اگرچہ اس کی یہ غلطی خطاء اجتہادی ہونے کی وجہ سے معاف ہوں

اس تفصیل کے بعد یہ سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ عنوان بالا کے تحت مذکورہ حدیث میں رسول کے فیصلوں کی حیثیت مستقل ہونے کے باوجود ان کو پھر قضاء اللہ یعنی خدائی فیصلہ کیوں کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں شیطانی مداخلت کا کوئی احتمال ہی نہیں ہوتا اور فیصلہ کرنے والی گو بظاہر رسول کی ذات نظر آتی ہے مگر چونکہ درحقیقت وہ الٰہی فیصلہ ہوتا ہے اس لیے اس کو قضاء اللہ بھی کہا جاتا ہے گویا یہاں حاکم دو ہیں مگر حکم ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ آپ رسول کی اطاعت کے متعلق پڑھ چکے ہیں کہ یہاں بھی فعل اطاعت گو متعدد نظر آئے مگر مطاع دراصل ایک ہی ذات پاک اللہ تعالیٰ کی رہتی ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ترجمان السنہ جلد ا ص   ) اس لیے رسول کے فیصلوں کی نسبت یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ یہ رسول کا فیصلہ ہے اور بہ نظر حقیقت یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے یہ دونوں نسبتیں مناسبت مقام اور مصلحت کی رعایت سے آپ کو احادیث میں نظر آئیں گی۔ حسب بیان آیت بالا جس طرح یہ معلوم ہوا کہ نزول شیاطین کن کن قسم کے انسانوں پر ہوتا ہے اس کے برعکس یہ بھی معلوم ہوا کہ نزول ملائکہ کن کن افراد پر ہوتا ہے یعنی جس طرح نزول شیاطین کے لیے مزاجی مناسب درکار ہے اسی طرح نزول ملکی کے لیے بھی مزاجی مناسبت ضروری ہوگی۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملکی کے لیے شرط اول اقرار ربوبیت اور اس کے بعد اس پر استقامت کے ساتھ قائم رہنا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ (فصلت: ۳۰)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے کہ) نہ تو خوف کرو اور نہ غم میں پڑو۔ ......

www.besturdubooks.net

من ھذا الباب ما روی مرفوعًا فی شان عمر چاہے گا صادر فرمادے گا۔

؎ ..... آیت بالا کے بموجب جن افراد میں ایمان باللہ اور اس پر استقامت موجود ہوگی ان کے طبائع کے ساتھ ملائکۃ اللہ کا اتصال بھی ممکن ہوگا اب جن مزاجوں پر پہلی مناسبت اتنی غالب ہوگئی ہے کہ ان میں دوسری مناسبت کا تخم ہی نہیں رہا جیسے کفار ان پر صرف شیاطین کا نزول ہوگا' ملائکۃ اللہ کے نزول کا یہاں کوئی احتمال نہیں ہوگا غالبًا پہلی آیت میں اسی لیے "افاک اثیم" دونوں صیغے مبالغہ کے استعمال کیے گئے ہیں اس کے برخلاف جن افراد میں اقرار ربوبیت کی صفت انتہاء درجہ غالب آ گئی ہے ان پر نزول ملکی ہوتا ہے مگر چونکہ دوسری صلاحیت کی قطعیت کے ساتھ ان سے نفی نہیں کی جاسکتی اس لیے یہاں ان کی رائے میں مداخلت شیطان کا احتمال لگا رہتا ہے۔ دوسری آیت میں "رَبُّنَا اللّٰہُ" کے ساتھ استقامت کی قید غالبًا اسی ملکی صلاحیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ دوقسم کی طاقتیں پیدا کی گئی ہیں ایک فرشتہ اور دوسری شیطان۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرا شیطان بھی اسلام لا چکا ہے' اس لیے وہ بھی مجھ کو خیر کے سواء برائی کا مشورہ نہیں دیتا۔ ہمارے نزدیک اس کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ ہر انسان چونکہ مکلف بنایا گیا ہے اس لیے اس میں کم وبیش دونوں صلاحیتیں پیدا فرمائی گئی ہیں۔ ان میں سے ملکی جانب کا خطرہ سعادت اور دوسری جانب کا غلبہ شقاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ ہدایت خلق کے لیے مبعوث ہوتے ہیں اس لیے یہاں بھی گو دوسری طاقت پیدا تو کی جاتی ہے مگر یہ طاقت بھی ان کی قوت قدسیہ کے سامنے سرنگوں رہتی ہے اور سواء خیر اور بھلائی کے ان کو دوسرا مشورہ دے نہیں سکتی پھر جس فرقہ امت سے اہواء اور شیطان کی نسبت جتنی بعید ہوتی چلی جائے گی اسی قدر اس کے اقوال کی نسبت اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی حتیٰ کہ کوئی کوئی اس معراج کو بھی پہنچا ہے جس کا نام محدثیت ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ یہ اپنی فطری استعداد کی وجہ سے چونکہ محدثیت[1] کے رتبہ پر تھے اس لیے ان کی رائے کا رتبہ نبی کی رائے سے دوسرے نمبر پر آ چکا تھا' حتیٰ کہ بعض اوقات وحی الٰہی ان ہی کی رائے کے مطابق اتر آتی تھی۔ اور درحقیقت یہ ان کے اسی مناسبت کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن محدثیت کا حکم نہ تو قطعیت کے ساتھ کسی خاص فرد امت پر لگایا جا سکتا ہے اور اس لیے نہ کسی خاص فرد کے فیصلہ کو قطعیت کے ساتھ قضاء اللہ کہا جاسکتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اپنے انداز میں اشارہ فرمایا ہے۔

تحقیق بالا سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ آیت "لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے فیصلہ کی صورت صرف وحی میں منحصر کر دی گئی ہے بلکہ آیت بالا یہ صراحت کرتی ہے کہ رسول کو اجتہاد کی بھی گنجائش دی گئی ہے۔ کیونکہ یہاں یوں نہیں فرمایا گیا کہ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بِهٖ بَيْنَ النَّاسِ بلکہ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ فرمایا گیا ہے گویا اس کے لیے یہ وسعت دے دی گئی ہے کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اجتہاد کر کے حکم دینے کا بھی حق دار ہے مگر چونکہ اس کی رائے کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ہمیشہ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کے مطابق ہی ہوتی ہے اور اگر کہیں ایک دو واقعہ میں اس کی رائے میں ادنیٰ سی بھی کمی سمجھی گئی ہے تو اس پر فوراً وحی کی جانب سے تنبیہ کر دی گئی ہے۔ اس لیے اس کی رائے کو بہرکیف من جانب اللہ کہا جاتا ہے کسی دوسرے انسان کی رائے کی یہ نگہداشت وحی کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس کی رائے کو الٰہی رائے نہیں کہا جاسکتا بالخصوص جب کہ اس میں شیطانی

[1] محدثیت کی تشریح ترجمان السنہ ص ۳۶۸ ج ا پر ملاحظہ فرمایئے۔

www.besturdubooks.net

جعل الله الحق علی لسان عمر رضی الله عنه۔ (بخاری شریف)

ﷺ ..... مداخلت کا احتمال بھی موجود ہو- حضرت عطیہ عوفی آیت بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال (امعناه) الذی أراه فی کتابه یعنی بما اراک الله کا مطلب یہ ہے کہ جو رائے کتاب میں غور کے بعد آپ کے دل میں ڈالے- (درمنثور ص ۲۱۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ آیت بالا رسول کے اجتہاد کرنے کے خلاف نہیں بلکہ اس کے برعکس اس کا ثبوت ہے-

امام قرطبی فرماتے ہیں:

معناه علی قوانین الشرع اما یوحی و نص او بنظر جاء علی سنن الوحی و هذا اصل فی القیاس و هو یدل علی ان النبی اذا رأی شیئا اصاب لان الله تعالی اراه ذلک. (تفسیر قرطبی ص ۳۷۶ ج ۵)

آیت بالا میں بما اراک الله کا مطلب یہ ہے کہ آپ فیصلہ فرمایا کریں اس رائے کے مطابق جو یا تو کسی نص کے موافق ہو یا ایسے اجتہاد اور رائے سے ہو جو وحی کی منشاء اور اس کے اقتضاء کے موافق ہو اور یہ حجیت قیاس کی ایک دلیل ہے اور اس کی بھی کہ رسول جب اجتہاد کرتا ہے تو وہ صواب ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ من جانب اللہ ہوتا ہے-

امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں:

معنی الایة بما الهمک الله بالنظر فی الاصول المنزلة و قال فیه دلیل علی جواز الاجتهاد فی حقه. (مدارک التنزیل)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ نازل شدہ اصول پر غور کے بعد جو اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالے آپ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو بھی اجتہاد کرنا جائز تھا-

ہماری اس تحقیق سے یہ بھی صاف ہو گیا کہ رسول کی رائے کے من جانب اللہ ہونے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اب کبھی کسی اجتہاد پر اس کو ٹوکا ہی نہیں جائے گا' ہو سکتا ہے کہ اس کو ٹوکا جائے بلکہ اس کی رائے کے من جانب اللہ ہونے کا ثبوت ہے کہ اس کی جو رائے بھی ہوتی ہے وہ وحی کی نگرانی میں قائم ہوتی ہے اسی لیے اگر سر مو اس میں فرق ہوتا ہے تو فوراً اس پر اس کو متنبہ کر دیا جاتا ہے- اگر یہ مطلب نہ ہو تو پھر حکم بما انزل الله اور حکم بما اراک الله دونوں صورتیں ایک ہی بن جائیں گے-

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پانی پتی زیر تفسیر آیہ بالا لکھتے ہیں:

و هذه الایة دلیل علی ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن یعمل بالمظنون لکنها لاینفی الاجتهاد عن النبی صلی الله علیه وسلم لانه اذا حصل للنبی صلی الله علیه وسلم ظن بالاجتهاد و قرر الله سبحانه و لم یطلعه علی الخطاء ظهر شده بیقین انه الحق بخلاف المجتهد. (تفسیر مظهری)

یہ آیت اس کی دلیل تو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظنی بات پر عمل نہ فرماتے تھے' مگر اس کی دلیل نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد بھی نہ کر سکتے تھے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کرتے اور اس کے متعلق وحی کی جانب سے کوئی اصلاح نہ کی جاتی تو اس کی حقانیت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین حاصل ہو جاتا ہر مجتہد کے اجتہاد کا یہ معاملہ نہیں اس لیے وہ صرف ظن کی حد تک رہتا ہے- ﷺ .....

www.besturdubooks.net

....

لله ..... اسی طرح آیت بالا میں اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں دی گئی کہ رسول کو ہمیشہ صورت واقعہ کی بھی اطلاع دے دی جائے گی بلکہ اس کے فیصلہ کے بِمَا اَرَاکَ اللّٰهُ ہونے کا مطلب صرف اتنا ہوگا کہ وہ اصول منزلہ اور کتاب اللہ کے موافق ہوگا۔ مثلاً فیصلہ کرنے کا آئین یہ بتایا گیا ہے کہ صورت حالات کو مکمل سن لینے کے بعد مدعی سے گواہ طلب کیے جائیں اور گواہاں نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے اس کے بعد خواہ خارجی واقعات کچھ بھی ہوں ایسے فیصلہ کو بما اراک اللّٰہ فیصلہ ہی کہا جائے گا کیونکہ نہ واقعات کی تہ تک پہنچ جانا شریعت عامہ بنایا جا سکتا ہے نہ یہ ہمیشہ انسان کی قدرت میں ہوتا ہے اس لیے آئین بالا کے موافق یہی فیصلہ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کے موافق فیصلہ سمجھا جائے گا۔ ابن ابی حاتم نے آیت بالا کی تفسیر حضرت مطر سے یہی نقل فرمائی ہے "قال بالبینات و الشھــــود" (درمنثور ص ۲۱۹ ج ۳) ہمارے نزدیک حضرت مطر نے بینہ اور گواہ کو بطور ایک مثال کے ذکر فرمایا ہے۔ صرف اسی میں انحصار نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ فیصلہ فرما دینے کے بعد بھی اہل مقدمہ کو برابر آپ کی ہدایت یہی ہوتی رہی ہے کہ میرے اس آئینی فیصلہ کے بعد بھی اگر اہل معاملہ نے حقیقت سے ذرا بھی عدول کیا ہے تو وہ عنداللہ اپنے آپ کو مجرم ہی سمجھیں۔ میرا فیصلہ صرف ایک نظامی آئین کے تحت ہوا ہے اس کو ہمیشہ وبال آخرت سے نجات کا باعث نہ سمجھ لینا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کا اجتہاد بھی درحقیقت وحی ہی کا حکم رکھتا ہے نہ وحی میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے اور نہ اجتہاد رسول میں خطاء پر استقرار کا احتمال ہے۔ ہماری اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اجتہاد رسول کے باب میں جو اختلاف مدون ہے دراصل وہ لفظی اختلاف ہے جس نے حقیقت کی طرف نظر کی اس نے اجتہاد جائز قرار دیا اور جس نے یہ دیکھا کہ وہ بہرکیف وحی ربانی ہی کی نگہداشت میں ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی وحی کے حکم میں سمجھا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

حافظ سیوطیؒ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے قرآن کریم ہی سے ہوا کرتے تھے مگر اس کو اجتہاد نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

و الدليل على ذلك ان العلماء حكوا خلافا في جواز الاجتهاد للنبي صلى الله عليه وسلم فلوكان حكم بما يفهمه من القران يسمى اجتهادا لم تتجسه حكايته الخلاف. (الحاوی ص ۱۵۶ ج ۲)

اس کی دلیل یہ ہے کہ علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اجتہاد کے جواز میں اختلاف کیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظم قرآنی سے مستنبط فرما کر صادر فرماتے تھے اجتہاد کہا جا سکتا تھا تو یہ اختلاف نقل کرنا ہی صحیح نہ ہوتا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی ارشاد فرمایا ہے وہ یا تو صاف صاف قرآن میں موجود ہے ورنہ اس کی اصل ضرور موجود ہے اور اسی طرح جو فیصلے بھی آپ نے فرمائے وہ سب قرآن ہی کی روشنی میں تھے۔ یہ بات دوسری ہے کہ کوئی اس کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ پھر ابن مسعودؓ سے نقل فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں ہماری ضرورت کے سب علوم موجود ہیں' لیکن ہمارا علم ہی ان کے ادراک سے قاصر ہے۔ (ج ۲ ص ۱۶۰)

اب ذرا غور فرمایئے کہ رسول کو معصومیت کا مقام حاصل نہ ہو تو کیا اس کی رائے کو معصومیت کا یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے بلکہ رائے تو رائے رسول کے خطرات وعواطف قلبیہ بھی وحی ربانی کی زیر نگرانی ہوتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھو ترجمان السنہ ص ۱۳۱ و ۱۳۲ ج ۱ وحاشیہ ص ۱۳۲ ج ۱ بحوالہ اعلام الموقعین ص ۱۹۸ ج ۱)

www.besturdubooks.net

دعوت الانبياء عليهم الصلوة و السلام وما يأتي عليهم انما يأتي من جهة البشرية

انبیاء علیہم السلام سے بد دعائیہ کلمات کا برمحل صدور بھی صرف بشریت کی بناء پر ہوتا ہے

(۱۱۷۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَّخِذُ عِنْدَکَ عَهْدًا لَا تُخْلِفُنِیْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اٰذَیْتُهٗ اَوْ سَبَبْتُهٗ اَوْ قَالَ لَعَنْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ زَکٰوةً وَ صَلٰوةً وَ قُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (رواه ابو يعلى قال الهيثمي و اسناده حسن و اخرجه الشيخان بتغيير يسير عن ابي هريرة كما في الخصائص ص ٢٤٤ ج ٢)

(۱۱۷۴) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دونوں صاحبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی - الٰہی میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں امید ہے تو مجھ سے ہرگز اس کا خلاف نہ فرمائے گا - میں ایک بشر ہی ہوں - تو جس کسی مؤمن بندہ کو میں نے کوئی تکلیف دی ہو یا برا بھلا کہا ہو یا یہ فرمایا کہ اس پر لعنت کی ہو (راوی کو لفظ میں شک ہے) یا اس کے کوڑے لگانے کا حکم دیا ہو تو اس کے حق میں تو اس کو کفارہ، رحمت اور قیامت کے دن اپنے دربار میں باعث تقرب بنا دینا -

(خصائص الکبریٰ)

(۱۱۷۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَیْمٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی اَبِی الطُّفَیْلِ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ فَوَجَدْتُهٗ طَیِّبَ النَّفْسِ فَقُلْتُ یَا اَبَا الطُّفَیْلِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ النَّفَرِ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهَمَّ اَنْ یُّخْبِرَنِیْ فَقَالَتِ امْرَاَتُهٗ سَوْدَةُ مَهْ یَا اَبَا الطُّفَیْلِ اَمَا بَلَغَکَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّمَا عَبْدٍ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ دَعَوْتُ عَلَیْهِ بِدَعْوَةٍ فَاجْعَلْهَا لَهٗ زَکٰوةً وَ رَحْمَةً. (رواه الطبراني في الاوسط و اللفظ له و احمد بنحوه و اسناده حسن)

(۱۱۷۵) عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت وہ کچھ ہشاش بشاش نظر آئے میں نے عرض کی ابو الطفیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے آپ مجھ کو ذرا ان لوگوں کے نام بتا دیجئے - انہوں نے ابھی بیان فرمانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ان کی بیوی سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں ابو الطفیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! ذرا ٹھہر جائیے کیا آپ کو یہ اطلاع نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی تو فرمائی تھی کہ میں ایک بشر ہی ہوں تو جس کسی مؤمن بندہ کے متعلق میری زبان سے بد دعاء کے کلمات نکل گئے ہوں تو الٰہی تو اس کے حق میں ان کو کفارہ اور رحمت بنا دینا - (طبرانی - احمد)

(۱۱۷۴) * اس جگہ آپ کی زبان سے جو پہلا لفظ نکلا ہے وہ یہی ہے "الٰہی میں ایک بشر ہوں" یہی کلمہ آئندہ روایت میں بھی ہے - اور اس طرح اس باب کی پانچویں روایت میں بھی موجود ہے اس سے پہلے بھی ترجمان السنہ کی مختلف روایات میں ہر معذرت کے موقع پر آپ کی زبان مبارک پر بشکل اصل کلی کے یہ کلمہ آتا رہا ہے - (دیکھو حدیث نمبر ۸۰۴) پھر تعجب ہے کہ جو بات انبیاء علیہم السلام کی نظروں میں اتنی اہم ہو اسی کا انکار لوگوں کی نظروں میں کیونکر اہم بن گیا ہے -

www.besturdubooks.net

(۱۱۷۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰى حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ رَجُلًا وَ قَالَ لَهَا اِحْتَفِظِي بِهٖ فَغَفَلَتْ حَفْصَةُ وَ مَضَى الرَّجُلُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَفْصَةُ مَا فَعَلَ الرَّجُلُ قَالَتْ غَفَلْتُ عَنْهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ فَقَالَتْ بِيَدِهَا هٰكَذَا فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَأْنُكِ يَا حَفْصَةُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ قَبْلُ كَذَا وَ كَذَا قَالَ ضَعِيْ يَدَكِ فَاِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اَيُّمَا اِنْسَانٍ مِنْ اُمَّتِيْ دَعَوْتُ عَلَيْهِ اَنْ يَجْعَلَهَا لَهٗ مَغْفِرَةً.

(رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح و اخرجہ فی الخصائص ایضًا ص ۳٤٤ ج ۲ و راجع فی الترجمان ج ۲ ص عن عائشۃؓ)

(۱۱۷۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگرانی میں دیا اور ان سے فرمایا یہ انتظام رکھنا کہ وہ بھاگ نہ جائے۔ ایسا ہوا کہ کسی سبب سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذرا سی غفلت ہوگئی اور وہ آدمی چل دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ حفصہ! وہ شخص کدھر گیا؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے معاملہ میں مجھ سے غفلت ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناگواری کے ساتھ باہر تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ کلمات تھے "قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ" خدا تیرے ہاتھ توڑ دے۔ بس اسی وقت ان کے ہاتھ اس طرح مڑ کر رہ گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو ان کے ہاتھ کی یہ صورت دیکھ کر پوچھا۔ حفصہ! یہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے تھے بس ایسا ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ہاتھ نیچے رکھ دو میں نے اپنے رب سے یہ دعاء کی ہے کہ اپنی امت میں جس کے لیے بھی میرے منہ سے بددعاء کے کلمات نکل گئے ہوں الٰہی تو اس کے حق میں ان کو مغفرت و بخشش کا سبب بنا دینا۔

(اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)

(۱۱۷۶) ✱ بالکل اسی قسم کا ایک واقعہ ہے جو ترجمان السنہ ص ۳۲۴ ج ۲ حدیث نمبر ۷۱۵ میں گذر چکا ہے لیکن وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بظاہر یہ ایک ہی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر کسی راوی نے اس کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اور کسی نے حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ہم نے دونوں جگہ اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے گویا آپ کے کلمات کا اثر اسی وقت حادثہ کی صورت میں ظاہر ہو چکا تھا یہ ترجمہ ہم نے حضرت استاذ قدس سرہ کے ایک بیان کی روشنی میں کیا ہے ورنہ اس کا ظاہری ترجمہ دونوں جگہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کے دعائیہ کلمات کی وجہ سے میں نے اپنے ہاتھ موڑ موڑ کر دیکھنے شروع کیے کہ ان میں سے آپ کی بددعاء کا اثر کس میں ہے۔ پہلی روایت کے لفظ "انظر ایهما تقطعان" میں دیکھ رہی تھی کہ کس ہاتھ کو یہ بددعاء لگتی ہے اور اس روایت کے لفظ 'ضعی یدک' اپنا ہاتھ نیچے رکھ دو۔ اس کی تائید کرتے ہیں کہ ان کلمات کا اثر اب تک ظاہر ہونے نہیں پایا تھا۔ اس جگہ حدیث سابق نمبر ۷۱۵ کا تشریحی نوٹ ضرور ملاحظہ فرمالیجئے۔ وہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۱۷۷) عَنْ اَبِی السَّوَّارِ عَنْ خَالِہٖ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اُنَاسٌ یَتْبَعُوْنَہٗ فَاتَّبَعْتُہٗ مَعَھُمْ قَالَ فَفَجِئَنِی الْقَوْمُ یَسْعَوْنَ قَالَ وَ اَبْقَی الْقَوْمَ قَالَ فَاَتٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَنِیْ ضَرْبَۃً اِمَّا بِعُسَیْبٍ اَوْ قَضِیْبٍ اَوْ سِوَاکٍ اَوْ شَیْءٍ کَانَ مَعَہٗ قَالَ فَوَاللّٰہِ فَمَا اَوْجَعَنِیْ قَالَ فَبِتُّ بِلَیْلَۃٍ قَالَ اَوْ قُلْتُ مَا ضَرَبَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا لِشَیْءٍ عَلِمَہُ اللّٰہُ فِیَّ قَالَ وَ حَدَّثَتْنِیْ نَفْسِیْ اَنْ اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحْتُ قَالَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّکَ رَاعٍ لَا تُکْسِرُ قُرُوْنَ رَعِیَّتِکَ قَالَ فَلَمَّا صَلَّیْنَا الْغَدَاۃَ اَوْ قَالَ صَبَحْنَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنَّ اُنَاسًا یَتْبَعُوْنِّیْ وَ لَا یُعْجِبُنِیْ اَنْ یَتْبَعُوْنِیْ اَللّٰھُمَّ فَمَنْ ضَرَبْتُ اَوْ سَبَبْتُ فَاجْعَلْھَا لَہٗ کَفَّارَۃً وَ اَجْرًا اَوْ قَالَ مَغْفِرَۃً وَّ رَحْمَۃً اَوْ کَمَا قَالَ.

(رواہ احمد ج ۵ ص ۲۹۴)

(۱۱۷۷) ابو السوار اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے لگ رہے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے لگ گیا یہ بیان کرتے ہیں کہ اتنے میں ناگاہ طور پر لوگ بھاگتے ہوئے میرے اوپر آ پڑے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر میری طرف تشریف لائے اور کھجور کی ایک تر شاخ یا چھڑی یا مسواک یا کوئی اور ایسی ہی چیز ہوگی جو اس وقت آپ کے پاس تھی' آپ نے اس کو لے کر مجھ کو ہلکے سے مار دیا۔ بخدا مجھے کو اس سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی - یہ کہتے ہیں کہ میں نے بڑی بے چینی سے رات کاٹی' یا میں نے یہ بات کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تنبیہ ضرور کسی ایسی نا مناسب بات کی وجہ سے ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں میرے نفس میں ہوگی۔ پھر میرے دل نے کہا کہ کسی طرح صبح ہو تو میں فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے نگراں ہیں' اپنی رعایا پر سختی نہ فرمایا کریں۔ یہ کہتے جب ہم صبح کی نماز ادا کر چکے یا یہ کہا کہ جب صبح ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی الٰہی لوگ میرے پیچھے پیچھے لگ جاتے ہیں اور مجھ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ اس طرح وہ میرے پیچھے پیچھے لگے رہیں۔ تو الٰہی جس کو میں نے مار دیا ہو یا برا بھلا بھی کہا ہو تو اس کے حق میں تو اس میری تنبیہ کو گناہوں کا کفارہ اور ثواب کا سبب بنا دینا یا یہ فرمایا کہ مغفرت اور رحمت بنا دینا' یا اسی کے قریب اور کلمات فرمائے۔ (احمد)

(۱۱۷۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ لَعَنْتُہٗ اَوْ شَتَمْتُہٗ اَوْ جَلَدْتُہٗ

(۱۱۷۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی میں بھی بشر ہوں تو مسلمانوں میں جس پر بھی میں نے لعنت کی ہو یا اس کو برا بھلا کہا ہو یا اس کے کوڑے لگوانے کا حکم دیا ہو تو اس

(۱۱۷۸) ٭ اس حدیث میں آپ کی دعاء کا پہلا کلمہ پھر یہی ہے "میں بشر ہوں" درحقیقت آپ کے ان تمام کلمات کی روح یہی ہے کہ جب میں بشر ہوں تو بشری خصلت سے بری نہیں ہوسکتا۔ معصوم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ غصہ نہیں آئے گا' کسی کو کوئی تنبیہ نہیں کی جائے گی اور کسی کی کوئی حرکت خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ناگوار نہیں گذرے گی۔ نہیں نہیں یہ سب کچھ ہوگا مگر ہوائے نفس کی بناء پر نہیں' تکبر و للہ....

www.besturdubooks.net

فَاجعَلهَا لَهٗ صَلوٰةً وَ رَحمَةً وَ قُربَةً تَقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَیکَ یَومَ القِیَامَةِ وَ عَن جَابِرٍ مثله الا ان فیه زکاة و رحمة. (رواہ الدارمی)

کے حق میں تو اس کو باعث رحمت و برکت اور قیامت کے دن اپنے دربار میں باعث تقرب بنا دینا۔

(دارمی شریف)

(۱۱۷۹) عَن مُعَاوِیَةَؓ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ اَللّٰھُمَّ مَن لَعَنتُ فِی الجَاھِلِیَّةِ ثُمَّ دَخَلَ فِی الاِسلَامِ فَاجعَل ذٰلِکَ قُربَةً لَهٗ اِلَیکَ. (رواہ الطبرانی کما فی الخصائص ص ۲٤٤ ج ۲)

(۱۱۷۹) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے۔ الٰہی جس کسی کی جاہلیت کے دور میں میں نے اس پر لعنت کی ہو پھر وہ اسلام قبول کر چکا ہو تو اس کو تو اس کے حق میں اپنے دربار میں تقرب کا سبب بنا دینا۔

(طبرانی شریف)

(۱۱۸۰) عَن عَبدِالرَّحمٰنِ بنِ اَبِی بَکرٍ الصِّدِّیقِ قَالَ کَانَ فُلَانٌ یَجلِسُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا تَکَلَّمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اِختَلَجَ بِوَجھِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ کُن کَذٰلِکَ فَلَم یَزَل یَختَلِجُ حَتّٰی مَاتَ رواہ الحاکم فی صحیحه.

(۱۱۸۰) عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند روایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آکر بیٹھا کرتا' اور جب آپ گفتگو فرماتے تو استہزاء کے طور پر منہ بنایا کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو یونہی ہو جائے (اللہ تعالیٰ نے اس کا منہ اسی طرح بنا دیا) اور جب تک وہ جیا اسی طرح منہ بناتا رہا۔

(حاکم)

ﷺ..... غرور کی بناء پر نہیں' اور ظلم و تعدی کے طور پر نہیں بلکہ ضعف بشری کی بناء پر۔ یہ معذرت اس لیے نہیں کہ معصیت کا صدور رہوا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ جب معصومیت ہے تو یہ کلمات بھی معصوم منہ سے کیوں نکلے پھر اس کی معذرت یوں ہے کہ میں بشر ہوں۔ جو رسولوں کو بشر' نہیں مانتے وہ ان کے عجز و نیاز کی روح سے بھی آشنا نہیں۔

(۱۱۷۹) ✱ ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کی حق تلفی کا گمان ہو تو اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ اس صاحب حق کے لیے دعاء کی جائے مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ صاحب حق کے حق کی ادائیگی کی اور کوئی صورت نظر نہ آئے گویا آپ کے ان تواضع و نیاز کے کلمات سے امت کے لیے ایک اور اہم سنت معلوم ہوگئی۔

یہ واضح رہے کہ ہر لغت کے محاورات میں کچھ کلمات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے مثلاً بچہ کو پیار و محبت میں شریر کا لفظ کہہ دیتے ہیں بعض اوقات بدمعاش کا لفظ بھی مہذب زبانوں پر آ جاتا ہے مگر یہ صرف اس ماحول کے ایک محاورہ کی حد تک ہوتا ہے اسی طرح عرب میں بھی اس قسم کے کلمات رائج تھے اگر وہ کسی مناسب محل پر شاذ و نادر آپ کی زبان پر آ گئے ہوں تو بشریت کے سواء ان کو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ واقعات مذکورہ پر نظر ڈالی جائے ہر موقعہ محل تنبیہ ہی تھا اور جو تنبیہی کلمات عرب کے محاورات میں تھے وہی بڑی احتیاط کے ساتھ یہاں استعمال ہوئے ہیں مگر معصومیت کا تقاضہ ہے کہ دعائیں دے دے کر ان کی بھی تلافی کر دی جائے۔

www.besturdubooks.net

(۱۱۸۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهُ اِلَّا الْكِبْرُ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ.

(رواہ مسلم) ریاض الصالحین ص ۳۱٤.

(۱۱۸۱) سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا دائیں ہاتھ سے تو مجھ سے کھایا نہیں جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بڑائی کی وجہ سے نہیں کھاتا اچھا تو پھر جیسا تو کہتا ہے ایسا ہی ہو۔ اس کے بعد وہ شخص اپنا دایاں ہاتھ منہ تک اٹھا ہی نہ سکا۔ (مسلم شریف)

(۱۱۸۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهٗ وَ كَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقَالَ لَهٗ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ اِذًا.

(رواہ البخاری)

(۱۱۸۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بادیہ نشین شخص کے پاس اس کی عیادت فرمانے کے لیے تشریف لے گئے اور عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو یہ کلمات فرمایا کرتے تھے ''لا بأس الخ'' یعنی خدا کرے کوئی تکلیف نہ رہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے۔ چنانچہ اس سے بھی یہی کلمات فرمائے لا باس الخ وہ بولا ہرگز نہیں یہ تو ایک سخت بوڑھے کو تیز بخار چڑھ رہا ہے اور اس کو قبرستان لیجا کر چھوڑے گا۔ اس پر آپ نے ناگواری سے فرمایا اچھا تو یونہی سہی۔ (بخاری)

مِنْهَا اِسْتِغْفَارُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ استغفار

(۱۱۸۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رواہ البخاری)

(۱۱۸۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بخدا میں بھی ایک ایک دن میں ستر ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۱۱۸۴) عَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۱۱۸۴) اغر مزنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱۱۸۲) * انبیاء علیہم السلام کی حکم عدولی استہزاء سے ہو خواہ شدتِ جہالت سے کسی صورت میں مبارک نہیں ہوتی۔ جس کی شان یہ ہو کہ اگر ان کی آواز سے آواز بلند کی جائے تو کی کرائی نیکیاں برباد ہو جائیں۔ ان کی بات کا مقابلہ کرنا بعض مرتبہ بہت خطرناک عواقب کا موجب بن جاتا ہے۔ استہزاء تو کفر ہے، کبر فسوق ہے اور گنوار پن خوفناک عیب ہے ان پر ہمیشہ گرفت کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ قدرت چاہتی ہے کہ جمال کے ساتھ ساتھ کہیں اس کے جلال کا بھی مظاہرہ ہو جائے تاکہ مخلوق نڈر نہ ہو جائے اور رسولوں کے سامنے اس پیرایہ سے ان کو ادب کا سبق بھی ملتا رہے۔

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ. (رواہ مسلم)

لوگو! اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کیا کرو کیونکہ میں بھی ایک دن میں سو سو بار توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۱۱۸۵) عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ. (رواہ مسلم)

(۱۱۸۵) اغر مزنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قلب پر ایک بادل سا چھاتا ہے اور میں بھی اللہ تعالیٰ سے دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۱۱۸۵) ٭ بشر ایک ضعیف مخلوق ہے اور اس لیے ایک ضعیف مخلوق کے لیے بجائے استکبار کے استغفار کرنا ہی مناسب ہے آفرینش عالم کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں تین قسم کی مخلوق تھی۔ نوری یعنی فرشتے وہ معصوم تھے اس لیے ان کا معاملہ صرف ایک تسبیح سے قابل اغماض بن گیا۔ "سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" ۔ ناری یعنی جنات وشیاطین انہوں نے بڑائی اور استکبار کی چال چلی "اِسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ" وہ اسی تکبر کی بدولت ملعون بن گئی خاکی یعنی آدم علیہ السلام انہوں نے عجز ونیاز کے ہاتھ پھیلا دیئے، توبہ واستغفار کی زبان کھول دی اور اپنے رب کے سامنے اعتراف وتسلیم کا سر جھکا دیا۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ اس ذل وافتقار اور انابت واستغفار کے صلہ میں تاج خلافت ان کو پہنا دیا گیا۔ یہی سرگزشت پھر آئندہ مخلوق کے استکبار یا استغفار کی بنیاد بن گئی۔ یعنی اولاد ابلیس میں استکبار اور بنی آدم میں استغفار کی سنت قائم ہوگئی اس لیے بنی آدم میں جو مخصوص افراد فطرت پر پیدا ہوتے اور فطرت ہی پر قائم رہتے، توبہ واستغفار کرنا ان کی فطرت کی پکار تھی اور جو اس کے برخلاف چل پڑے وہ ابلیس کے قدم پر کہلائے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کی استغفار استغفار فرشتوں کی تسبیح کی طرح فطری ہوتی ہے وہ ان کے ضعف بشری کا تقاضہ ہوتا ہے۔ وہ حقیقتاً کسی گناہ کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ معصیت کا تصور اور بشری ضعف اس کا مدعی ہوتا ہے۔ جو خود استغفار کرنا نہیں جانتے وہ دوسروں کو استغفار کی تعلیم دینا بھی نہیں جانتے۔ رحمت چاہتی ہے کہ سنت آدم علیہ السلام کو تازہ رکھنے کے لیے ایسے نفوس قدسیہ آتے رہیں جن کی زبانیں توبہ واستغفار کے لیے شب وروز کھلی ہوں اور اس طرح نظر رحمت میں بنی آدم کے لیے اپنے آبائی وطن کی وراثت کا استحقاق پھر قائم ہو جائے آخری حدیث میں کچھ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے بھی کبھی کبھی ایسا سا بندھ جاتا ہے کہ میری استغفار بھی صرف مجازی نہیں رہتی بلکہ آدم علیہ السلام کی طرح اس میں حقیقت کی لذت پیدا ہو جاتی ہیں خلاصہ یہ کہ استغفار کو صرف معصیت ہی میں منحصر سمجھ لینا بہت نادانی ہیں ورنہ یہاں لفظ ''غنین'' یعنی بادل کے لفظ کی بجائے صاف معصیت کا لفظ کیوں نہ فرما دیا گیا۔ استغفار انبیاء علیہم السلام کے کمال کی معراج ہے اور اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت نزدیک آ گیا تو سورہ ''النصر'' میں آپ کو تسبیح و استغفار میں منہمک رہنے کا حکم دیا گیا۔ "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْہُ" تسبیح واستغفار کے اس طرح جمع فرمانے میں انسان کی شان جامعیت کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ یعنی استغفار کے ساتھ چونکہ اس میں ملکوتی صفت بھی ہے اس لیے ان کا وظیفہ تسبیح واستغفار کا مجموعہ ہے اور اس لیے صرف تسبیح کرنے والوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہوتی جہاں تک کہ تسبیح کے ساتھ استغفار کرنے والوں کی رسائی ہوتی ہے۔

ہمارے اس بیان سے آدم علیہ السلام کی لغزش کے تکوینی اسرار پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے اور جو بات اس عاصی مخلوق کے خلیفہ بنانے میں فرشتوں کی فہم میں نہ آ سکی تھی وہ بھی کچھ نہ کچھ سمجھ میں آنے لگتی ہے اور یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان ہر سہ انواع میں خلافت کا استحقاق کِسے.....

www.besturdubooks.net

منها عبادة النبي صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبادت

(۱۱۸۶) عَنِ الْمُغِيْرَةِؓ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَ قَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا. (متفق عليه)

(۱۱۸۶) مغیرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل قیام فرمایا ہے کہ پیروں پر ورم چڑھ گیا اس پر لوگوں نے عرض کی آپ کے تو اگلے پچھلے معاملات سب درگزر ہو چکے آپ کس لیے یہ مشقت اٹھاتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (متفق علیہ)

ﷺ ..... کس کو ہونا چاہیے۔ فرشتوں کی نظر صرف بنو آدم کی معصیت تک ہی محدود رہی اور اسی حد تک ان کی عصمت کا تقاضہ ہونا چاہیے وہ معصیت سے آشنا نہ تھے اس لیے استغفار و توبہ کی حقیقت پہچانتے تو کیسے پہچانتے رحمت نے یہ کرشمہ دکھلا دیا کہ صورت معصیت کے ساتھ اگر استغفار و توبہ ہے تو جنت سے ہبوط ہبوط نہیں وہ خلود کی بشارت ہے اور اس کا نقد ثمرہ خلافت الٰہیہ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ زمین پر وقت کے سب سے بڑے اور آخری خلیفہ ہوں ان کی زبان سے مخلوق خدا ایک ایک مجلس میں سو سو بار بھی استغفار سن لے۔

خوب یاد رکھیے خطرہ معصیت سے نہیں خطرہ یہ ہے کہ معصیت کے بعد استغفار نہ ہو اور جب استغفار نہ ہو تو پھر صرف معصیت ہی معصیت رہ جائے اور اس طرح انسان بنی آدم کی فہرست سے نکل کر اولاد ابلیس میں شمار نہ ہو جائے اب آپ ہی اندازہ فرمالیجئے کہ جب آغاز عالم میں مخلوق الٰہی میں مقبول و مردود کی تقسیم کی بنیاد استغفار ٹھہری اور آئندہ بھی اس درمیانی مخلوق کی اس طرف یا اس طرف مردم شماری کا مدار اسی استغفار پر ٹھہرا تو پھر استغفار کرنا کتنا اہم وظیفہ ہونا چاہیے اور نیز یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ دلیل معصیت ہوئی یا برہان معصیت۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(۱۱۸۶) * انبیاء علیہم السلام کی نفلی عبادت کا معیار بہت بلند ہوتا ہے وہ فرائض میں امت کی خاطر تخفیف کا لحاظ رکھتے ہیں لیکن جہاں ان کا انفرادی معاملہ آیا پھر وہاں ان کی شان الگ نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبد کی ترقی کا سارا راز ہی جب عبادت میں پنہاں ہو تو جتنا بڑا عبد ہو اس کی شان عبادت بھی اتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو۔ یہاں قرآن کا حکم بھی یہی تھا۔ ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ آپ کی عبادت کی ایک صورت یہ ہے کہ رات بھر مصروف عبادت رہیں اور صرف تھوڑے سے حصہ میں استراحت ہو۔ تو پھر حکم ایزدی کی تعمیل میں آپ کی جدوجہد جتنی بھی وسیع ہو سب بجا تھی۔ پھر آپ کی اتباع میں آئندہ بھی بعض ائمہ نے اس سنت کو تازہ رکھا ہے۔ اس حدیث میں یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ عبادت کی کثرت صرف اس میں منحصر نہیں کہ گناہ موجود ہوں بلکہ بندہ کی شکر گذاری کی بڑی سے بڑی صورت یہی ہے اس لیے بخشش و کرم کا انعام جتنا زیادہ ہو عبادت کی شان بھی اتنی ہی اونچی ہونی چاہیے۔ یہاں آپ نے دو لفظ فرمائے ہیں عَبْدٌ، شَكُوْرٌ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت پہلے تو تقاضہ عبدیت ہے، پھر تقاضائے شکر گذاری بھی یہی ہے۔ جب میں عبد بھی عبد شکور ٹھہرا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میری عبادت اسی کے مناسب نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے عبد سب ہی ہیں اس لیے اس نعمت کا شکر سب ہی کے ذمہ واجب ہے لیکن ایسے عبد نادر ہیں جو عبد بھی ہوں اور شکور بھی ہوں۔ ﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ میں کفران نعمت کا شکوہ ہے۔ یہ جماعت انبیاء علیہم السلام ہی کا خاصہ ہے کہ وہ پیدائشی طور پر شکر گذار ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شکور نہیں وہ گویا عبد ہی نہیں۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ بے شک نوح شکر گذار بندے تھے۔

www.besturdubooks.net

الانبیاء والرسل علیھم الصلوٰۃ و السلام واعدادھم

حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعداد

(۱۱۸۷) عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱۸۷) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ کل انبیاء علیہم السلام کی تعداد کتنی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لاکھ

(۱۱۸۷) * واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سب سے ممتاز شان یہ ہے کہ ان سب کو ماننا بھی ایمان کا ایک رکن اعظم ہے جن کا نام بیان میں آ چکا ہے ان کے نام کے ساتھ اور جن کا نام بیان میں نہیں آیا ان پر اجمال کے ساتھ- یہاں انبیاء علیہم السلام کی ذات گو سب کے مشاہدہ میں موجود ہوتی ہے مگر ان کی نبوت کا معاملہ پھر اسی طرح عالم غیب میں داخل ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور جنت و دوزخ کا- اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو خود بھی اپنی اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے' کیونکہ جو چیز مشاہدہ میں ہوتی ہے وہ صرف ان کی ذات ہے ان کی نبوت نہ مشاہدہ ہوتی ہے اور نہ وہ مشاہدہ کرنے کی چیز ہے- پس جس طرح اللہ تعالیٰ کا منکر کافر ہوتا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں کسی ایک فرد کا انکار یا اجمالاً ان کی جنس ہی کا انکار یہ سب کفر ہیں امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ و المؤمنون کل امن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ. (البقرہ:۲۸۵)

لفظ نبی کا اشتقاق: حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ نبی کا لفظ نبأ سے مشتق ہے اور لغت میں انباء کو ہر چیز کے لیے مستعمل ہو سکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہونے لگا ہے- آیات ذیل ملاحظہ فرمائیے:

و انبئکم بما تأکلون و ما تدخرون فی بیوتکم. (ال عمران:۴۹)	اور جو تم اپنے گھر میں کھا کر آتے ہو اور جو رکھ کر آتے ہو وہ میں تم کو سب بتا دیتا ہوں-
فلما نبأھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبأنی العلیم الخبیر. (التحریم:۳)	پھر جب آپ نے اس بات کو جتلا دیا تو وہ بولیں آپ کو یہ خبر کس نے دی آپ نے فرمایا اس نے بتا دیا جو بڑا جاننے والا اور واقف کار ہے-
قل ھو نبأ عظیم انتم عنہ معرضون. (ص:۶۷-۶۸)	کہہ دو کہ ایک بڑی خبر ہے جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے-
عم یتساءلون عن النبأ العظیم. (عم:۱-۲)	کس چیز کے متعلق یہ باہم گفت و شنید کر رہے ہیں ایک بہت بڑی خبر کے متعلق- (یعنی قیامت)
و ان یأت الاحزاب یودوا لو انھم بادون فی الاعراب یسألون عن انباءکم. (الاحزاب:۲۰)	اور اگر وہ فوجیں آ جائیں تو یہ آرزو کریں کہ کسی طرح ہم گاؤں میں باہر نکلے ہوئے ہوں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں-
و لتعلمن نبأہ بعد حین. (الزمر:۸۸)	اور تھوڑے دنوں بعد اس کی خبر جان لو گے-
لکل نبأ مستقر. (الانعام:۶۷)	ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور قریب ہے کہ تم اس کو جان لو گے-
انبئونی باسماء ھؤلاء. (البقرہ:۳۱)	(فرشتوں سے فرمایا) اچھا ان چیزوں کے نام مجھ کو بتاؤ-
یا ادم انبئھم باسمائھم. (البقرہ:۳۳)	اے آدم تم ان کو بتا دو ان چیزوں کے نام- ﷲ .....

www.besturdubooks.net

کَمِ الْاَنْبِیَاءُ قَالَ مِائَۃُ اَلْفٍ نَبِیٍّ وَ اَرْبَعَۃٌ وَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَمِ الرُّسُلُ مِنْھُمْ قَالَ ثَلٰثُ مِائَۃٍ وَ ثَلَاثَۃَ عَشَرَ جَمٌّ غَفِیْرٌ	چوبیں ہزار- میں نے پوچھا یا رسول اللہ اس میں رسول کتنے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سو تیرہ کی بڑی تعداد- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ذر! ان میں چار نبی تو سریانی تھے- آدم' شیث' نوح'

☆..... قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ. (التوبہ)	کہہ دو بہانہ مت بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے اللہ تعالیٰ ہم کو تمہارے حالات بتا چکا ہے-

دیکھو ان تمام مواضع میں لفظ انباء کا استعمال صرف ان خبروں میں ہوا ہے جو اپنے علم و مشاہدہ کی نہیں ہیں بلکہ لاعلمی اور عدم موجودگی کی ہیں اس لیے اس کو نبی پڑھنا چاہیے تھا لیکن تخفیف کے لیے ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے اور اب بجائے مہموز کے اس کو نبی (معتل) استعمال کرنے لگے ہیں- اس کے مہموز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع انبیاء آتی ہے- دیکھو کتاب النبوات ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳-

<u>نبی کے معنی:</u> حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ ''نبی'' فعیل کے وزن پر ہے- لغت عرب میں یہ وزن ''فاعل'' اور ''مفعول'' دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے مگر یہاں اس کو مفعول کے معنی میں لینا زیادہ موزوں ہے- اس لحاظ سے ''نبی اللہ'' کے معنی یہ ہوں گے الذی نباہ اللہ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں- اب یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو بھی ان کی اطلاع دے- اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو وہ دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دے دے گا- ورنہ نہیں لیکن جس بات پر اس کا ''نبی اللہ'' ہونا موقوف ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیب کی خبریں دی جائیں- پس جس حرف سے نبی اور غیر نبی میں امتیاز پیدا ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں دینا نہ دینا ہے- غیب کی خبریں جس طرح انبیاء علیہم السلام بیان کرتے ہیں اسی طرح ان کے علاوہ کاہن و جوتشی وغیرہ بھی بیان کرتے ہیں مگر پھر ان کو انبیاء کیوں نہیں کہا جاتا؟ صرف اس لیے کہ کاہن کو خبر دینے والا شیطان ہوتا ہے' رحمٰن نہیں ہوتا اس لیے وہ نبی اللہ کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے- لفظ رسول کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیے' ''رسول اللہ'' بھی صرف اسی کو کہا جائے گا جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہو پس جیسے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہو کسی غیر کا رسول نہیں ہوسکتا اور نہ کسی دوسرے کا حکم مان سکتا ہے اسی طرح ''نبی اللہ'' بھی غیر اللہ کا نبی نہیں بن سکتا اور نہ وہ کسی اور کی خبریں دینا قبول کرسکتا ہے- جب حقیقت یہ ٹھہری کہ اس کی خبریں صرف انہی خبروں میں منحصر ہوگئیں تو ان پر ایمان لانا بھی لازم ہوگیا کیونکہ اس کے متعلق یہ وہم ہی نہیں ہوسکتا کہ جو خبریں وہ دیتا ہے اس میں شیطان کی وحی کا کوئی احتمال ہوسکتا ہے- غیر نبی کی یہ شان نہیں- اولیاء اللہ بھی غیب کی خبریں مگر چونکہ وہ ''نبی اللہ'' نہیں ہوتے اس لیے ان کی خبروں پر یہ اعتماد نہیں ہوسکتا کہ اس میں شیطان کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوسکتی' یہ صرف ''نبی اللہ'' کی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ فطرۃً غیر اللہ کی خبر قبول ہی نہیں کرتا- اس کے علاوہ دوسروں کی خبروں میں یہ امکان موجود ہوتا ہے اس لیے وہاں حق و باطل مشتبہ ہو سکتے ہیں- اس لیے ان کی خبروں پر ایمان لانا واجب نہیں ہوتا اور اسی لیے رسول کی طرح ان کی اطاعت کرنی واجب نہیں ہوسکتی- کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اور نبی نہیں بنایا تو اب اس کی کیا ضمانت ہے کہ غیر اللہ نے اس کے قلب میں کوئی بات القا نہیں کی پھر ان کی اطاعت کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیسے کہا جا سکتا ہے- رسول چونکہ اسی لیے رسول بنایا جاتا ہے کہ وہ خدائی احکامات دوسروں تک پہنچا دے اس لیے وہاں یہ احتمال نہیں ہوسکتا اور اسی لیے دوسروں کو اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے- ☆.....

www.besturdubooks.net

ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ! اَرْبَعَةٌ سُرْيَانِيُّوْنَ اٰدَمُ وَشِيْثُ وَنُوْحٌ وَخُنُوْخٌ وَهُوَ اِدْرِيْسُ وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِقَلَمٍ وَ اَرْبَعَةٌ مِنَ الْعَرَبِ هُوْدٌ

خنوخ (علیہم السلام) یہ ادریس علیہ السلام کا نام ہے اور یہ پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا- اور چار ان میں عرب کے ہیں- ہود، صالح، شعیب (علیہم السلام) اور تمہارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنی اسرائیل میں جو

ؔ ..... وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (النساء:٦٤)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمان سے-

علماء امت بھی گو اللہ تعالیٰ ہی کی حکم برداری اور اسی کی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں اور اکثر ان کا یہ حکم درست ہی ہوتا ہے، مگر چونکہ ان کو غیر اللہ کی اطاعت پر اللہ کی اطاعت سمجھنے کی غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لیے نادانستگی میں وہ غیر اللہ کی اطاعت کا حکم بھی دے سکتے ہیں اسی لیے علماء کی اطاعت کو بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار نہیں دیا جا سکتا- یہی حال امت کے محدثین اور ملہمین کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات ہوتے ہیں وہ بھی معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان کے الہامات میں بھی شیطانی وساوس کا احتمال ہوتا ہے- یہی وجہ ہے کہ ان کے الہامات کے حق و ناحق ہونے کا معیار انبیاء علیہم السلام کی وحی سے مطابقت ومخالفت قرار دیا گیا ہے- شیاطین کو چونکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پوری عداوت ہوتی ہے اس لیے وہ خوب پہچانتے ہیں کہ رحمٰن کی وحی کیا ہے اور شیطان کا فریب کیا ہے- کتاب النبوات ص ١٦٦ و ص ١٦٧-

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کیا عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکامات رسول کے واسطے سے ہمارے پاس آئیں وہ تو کسی تفصیل کے بغیر بے چون وچرا قابل تسلیم ہوں اور جو ہم خود بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سنیں یعنی الہام کے طور پر وہ اس وقت تک قابل اعتماد نہ ہوں جب تک کہ رسول کی وحی پر اس کو تول نہ لیا جائے- چنانچہ رسول کی شان میں ارشاد ہے:

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر:٧)

رسول جو تم کو دے وہ لے لو اور جس بات سے روکے اسے چھوڑ دو-

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ رسول کی بات مطلقاً قبول کر لینی فرض ہے- اب یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ رسول اللہ کی ذات خود تو مقید ہے (ظاہر ہے کہ انسان ہر گوشہ میں مقید ہے اپنی ذات میں بھی اور اپنی صفات میں بھی) مگر اس کا حکم ماننا مطلقاً واجب ہے- لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات گو خود تو مطلق ہے مگر اس کے بلا واسطہ احکام کا قبول کرنا مقید ہے- یعنی اس کو میزانِ شریعت پر تولنا ضروری ہے- پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ رسول چونکہ خود معصوم ہوتا ہے اور اس کو اسی لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام مخلوق کے سامنے بیان کرے اس لیے جب اس کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے تو پھر اس کی حکم برداری کا حکم مطلق کیوں نہ ہو- رسول کے علاوہ کسی کو اس لیے مقرر نہیں کیا جاتا کہ وہ احکام ربانی دوسروں تک پہنچائے' اس لیے ''مبین'' یعنی کھول کر بیان کرنے والا- ان کا منصب نہیں ہوتا اس لیے وہاں یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ اس میں کوئی غیبی آزمائش ہو' قدرت کو یہ امتحان منظور ہو کہ اعتماد رسول کی وحی پر ہے یا اپنے الہام پر- پھر اگر اپنے الہام پر اعتماد کر لیا گیا ہے تو کیوں؟ قدرت نے جب ان کو نبی نہیں بنایا تو ان پر شیطان دشمن کی طرف سے وحی کیوں نہیں آ سکتی اور ان کے پاس اس کی ضمانت کیا ہے کہ جس کو انہوں نے الہام رحمٰن سمجھا ہے وہ درحقیقت الہام رحمٰن ہی ہے- یہ ضمانت صرف ایک رسول کے حق میں ہے ان کے علاوہ کسے باشد ان کے علوم میزان یہی علوم نبوت ہیں- الیواقیت والجواہر- ص ۴۴ و ۴۵ ج ۲-

نبی اور رسول کا فرق: حافظ ابن تیمیہؒ نبی اور رسول کا فرق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو غیب کی خبریں ؔ .....

www.besturdubooks.net

وَ صَالِحٌ وَ شُعَیْبٌ وَ نَبِیُّکَ وَ اَوَّلُ نَبِیِّ مِنْ اَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ اٰخِرُهُمْ عِیْسٰی وَ اَوَّلُ النَّبِیِّیْنَ اٰدَمُ وَ اٰخِرُهُمْ

سب سے پہلے نبی تھے وہ موسیٰ علیہ السلام تھے اور سب سے آخری عیسیٰ (علیہ السلام) تھے خلاصہ یہ کہ نبیوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخر میں تمہارا نبی (اللھم صل وسلم و بارک علیھم) یہ

ﷺ ..... دے کر نبی بنا دے تو وہ ''نبی اللہ'' بن جاتا ہے۔ اور جب تک کسی کا فر قوم کو خدائی پیغامات پہنچانے کا اس کو حکم نہ دے اس وقت تک وہ صرف ''نبی اللہ'' ہی رہتا ہے خواہ وہ کسی پہلی شریعت پر ہی عمل کرتا رہے ہاں جب اس کو کسی کا فر قوم کو خدائی احکام پہنچانے کا حکم ہو جائے تو اب وہ ''نبی اللہ'' ہونے کے ساتھ ''رسول اللہ'' بھی بن جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان جو اس کے برگزیدہ بندے گذرے ہیں وہ سب انبیاء تھے۔ ''رسول اللہ'' ان میں کوئی نہ تھا۔ ان کا وظیفہ صرف یہ تھا کہ وحی ربانی پر خود عمل کریں اور مؤمنوں کی جو جماعتیں ان کے سامنے تھیں ان کو بھی عمل کرنے کا حکم دیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کا دور آیا اور کفر ظاہر ہوا تو اب ان کی اصلاح کے لیے حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے اور وہ رسول اللہ کہلائے۔ اسی لیے ان کو حدیثوں میں سب سے پہلا رسول کہا گیا ہے۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مقصد: اس بیان سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تذکیر و نصیحت کا تعلق صرف مؤمنوں کے دائرہ تک محدود رہا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر احکامات آتے اور وہ ان کو مؤمنوں کو سنا دیتے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل تھے وہ خود تورات کی شریعت پر عامل تھے۔ اگر چہ خاص خاص معاملات میں ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص خاص وحی بھی آتی تھی۔ پھر وہ اس وحی کی روشنی میں بنی اسرائیل کے مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ یہی نکتہ تھا کہ آپ نے اپنے علماء امت کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے تشبیہ دی ہے اور علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرمایا ہے اور بنی اسرائیل کے رسولوں سے تشبیہ دے کر یوں نہیں فرمایا علماء امتی کرسل بنی اسرائیل۔

اس کے بعد حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ رسول کے لیے جدید شریعت لانا قطعاً ضروری نہیں۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام رسول اللہ تھے باوجودیکہ وہ ملت ابراہیمی پر تھے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام بھی رسول اللہ تھے اور شریعت تورات پر عامل تھے۔ کتاب النبوات ص ۱۷۳ و ۱۷۴۔

نبوت اور رسالت کی اس تشریح سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ صرف وحی یا ارسال یا بعثت کے لفظ سے نہ رسالت ثابت ہوتی ہے نہ نبوت یہ سب الفاظ لغت میں عام معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وحی کا عام اطلاق: ﴿وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا الخ ...﴾ (النحل: ۶۸)

''اور تمہارے پروردگار نے وحی بھیجی (یعنی حکم دیا) شہد کی مکھی پر کہ پہاڑوں میں چھتے بنا لے۔''

﴿وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ (یوسف: ۱۵)

''اور ہم نے (یوسف علیہ السلام) کو اشارہ کیا (وحی کی) کہ تم ان کے کام ان کو جتاؤ گے اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے۔''

﴿وَ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ (القصص: ۷)

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ۔''

﴿وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیِّیْنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ﴾ (المائدۃ: ۱۱۱)

www.besturdubooks.net

نیک. (اخرجه ابن حبان فی صحیحه و قال حدیث موضوع تو نہیں مگر ضعیف ہے۔
صاحب الدر المنثور و الصواب انه ضعیف لا (درمنثور)
صحیح و لا موضوع) (اخرجه عبد بن حمید و الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول و ابن حبان فی صحیحه و الحاکم و ابن عساکر) وقد تکلم الحافظ ابن کثیر فی اسانیده وضعفها کما فی البدایة والنهایة ج۲ ص ۱۵۱ و ج۳ ص ۱۵۳ و ج۱ ص ۹۷)

لہ ..... ''اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔''

﴿و ان الشیاطین لیوحون الی اولیآء ھم﴾ (الانعام:۱۲۱)

''اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے۔''

﴿یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس﴾ (الرحمٰن:۳۵)

''چھوڑے جائیں تم پر آگ کے صاف شعلے اور دھواں ملے ہوئے۔''

رسالت کے عام معنی: ﴿وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته﴾ (الاعراف:۵۷)

''اور وہی ہے کہ ہوائیں خوش خبری لانے والی چلاتا ہے بارش سے پہلے۔''

﴿یا لوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک﴾ (ھود:۸۱)

''مہمانوں نے کہا اے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ ہرگز آپ تک نہ پہنچ سکیں گے۔''

﴿الم تر انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازا﴾ (مریم:۸۲)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان رکھ چھوڑے ہیں جو ان کو ابھار ابھار کر اچھالتے ہیں۔''

بعثت کے دوسرے معنی: ﴿فاذا جآء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی بأس شدید﴾ (بنی اسرائیل:۵)

''پھر جب پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے بھیجے۔''

﴿و اذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیمة من یسومھم سوء العذاب﴾ (الاعراف:۱۶۷)

''اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے خبر کر دی تھی کہ یہود پر ایسے شخص کو ضرور بھیجتا رہے گا جو ان کو برا عذاب دیا کرے۔''

پہلی پانچ آیتوں میں وحی کا اطلاق وحی نبوت کے علاوہ عام معنوں میں ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبیہ تھیں نہ رسول اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر جس وحی کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ان کے بچپن کا واقعہ ہے اس وقت تک وہ رسول نہ تھے۔ اسی طرح حواری بھی رسول نہ تھے۔ حتی کہ اس عام معنی کے لحاظ سے اس کا استعمال شہد کی مکھی میں بھی آیا ہے اور آخری آیت میں شیطانی القاء کو بھی وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ لغت کے لحاظ سے ہر وہ بات جو خفیہ طور پر اور اشارات میں کہی جائے وحی کہلاتی ہے۔ وحی نبوت ایک خاص اصطلاح ہے۔ اسی طرح لفظ رسول اور ارسال بھی عام ہے۔ اس لفظ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ، شیاطین، آتش اور ہواؤں میں بھی استعمال فرمایا گیا ہے۔ آیات بالا ملاحظہ فرمائیے لیکن اصطلاح میں اس کا اطلاق اب صرف اللہ تعالیٰ کی رسالت سے لہ .....

www.besturdubooks.net

....

لٰہ..... مخصوص ہے۔ عام رسالت کا مقصد صرف کسی مقررہ خدمت کا انجام دینا ہوتا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی مخلوق کو کوئی پیغام پہنچایا جائے یہی حال لفظ بعث کا ہے اس کا استعمال بھی بعثت شرعی اور بعثت کونی دونوں میں آیا ہے۔ یہاں گفتگو ان کے عام معانی میں نہیں، بلکہ خاص ''وحی النبوۃ'' و ''نبی اللہ'' و ''رسول اللہ'' بالاضافت کے معنی میں ہے اور جو تشریح اوپر بیان کی گئی ہے وہ ان مقید الفاظ ہی کی ہے۔[1]

❁❁❁

[1] واضح رہے کہ نبی اور رسول کے الفاظ اسلامی تصانیف میں اللہ کے اسم مبارک کے بعد دوسرے درجہ کی شہرت رکھتے ہیں حتیٰ کہ علمی کتابوں میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہوگی خواہ وہ کسی فن کی کیوں نہ ہو جس میں ان الفاظ کی تشریح نہ کی گئی ہو مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ اصطلاحات کی ریاضت نے اس بدیہی مسئلہ کو بھی اتنا الجھادیا ہے کہ اس جیسا صاف مسئلہ بھی ہر جگہ نظری بنا ہوا نظر آتا ہے۔ حافظ موصوف نے جس طرح یہاں اس کو سلجھادیا ہے اتنا صاف ہماری نظر سے اور کہیں نہیں گذرا۔ حضرت استاذ قدس سرہ فرماتے تھے کہ حافظ موصوف کی پوری کتاب النبوات میں ایک یہی مسئلہ قابل قدر ہے۔

اس لیے اگر آیاتِ قرآنیہ اور صحیح حدیثوں کی روشنی میں یہ تحقیق درست ثابت ہوتی ہے تو کسی ضعیف روایت کی بناء پر اس کو ترک کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ آدم علیہ السلام کے متعلق اکثر حدیثوں میں ''نبی مکلم'' کے لفظ آتے ہیں۔ اگر کسی راوی نے یہاں رسول کا لفظ نقل کردیا ہے تو اتنی بیش قیمت تحقیق کو صرف راوی کے ایک لفظ سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اس روایت کی بناء پر جن بعض اکابر نے حافظ موصوف سے یہاں اختلاف رائے فرمایا ہے ہمیں ان کے ساتھ اتفاق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

www.besturdubooks.net

سیدنا وسید ولد ادم الرسول الاعظم محمد النبی الامی المطلبی الھاشمی اولھم خلقا و اخرھم بعثا صلوات اللہ وسلامہ علیہ

معنوی نظر میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری کا کچھ اندازہ کرنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ قرآن شریف سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کی ابتداء وانتہاء بشکل دائرہ ہوئی ہے۔ اس لیے یہ بات معلوم کرنی ضروری ہے کہ ایک دائرہ کے لیے کیا کیا باتیں ضروری ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دائرہ کی ابتداء اور اس کی انتہاء بالکل یکساں ہوتی ہے' اس کے دونوں سروں میں اگر ذرا سا بھی فرق رہ جائے تو دائرہ تمام نہیں ہوسکتا' پھر ہر دائرہ کے لیے ایک مرکز کا ہونا بھی لازم ہے۔ مرکز کے بغیر کسی دائرہ کا موجود نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جب تک مرکز متعین نہ ہو جائے اس وقت تک دائرہ کا خط کھینچ ہی نہیں جا سکتا۔ پھر جب مرکز متعین ہو جائے تو دائرہ میں جتنے بھی نقطے فرض کیے جائیں ضروری ہے کہ ان سب کا رخ اسی مرکز کی طرف رہے اگر کوئی نقطہ اس مرکز سے ذرا علیحدہ فاصلہ پر رہے گا بس نہ وہیں سے دائرہ ٹوٹ جائے گا۔ پھر جس طرح وجود دائرہ کے لیے مرکز کا تعین پہلے ضروری ہوتا ہے اسی طرح ظہور مرکز کے لیے دائرہ کے وجود کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جب دائرہ کھینچا جاتا ہے تو ضرور کسی مرکز سے کھینچا جاتا ہے مگر جب تک دائرہ تمام نہیں ہو لیتا اس وقت تک مرکز کا وجود معرض ظہور میں نہیں آتا۔ پھر یہ کہ کسی دائرہ میں دو مرکز نہیں ہو سکتے' البتہ ایک ہی مرکز پر چھوٹے بڑے بہت سے دائرے کھینچے جا سکتے ہیں۔ اب سنیے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کی آفرینش بشکل دائرہ ہوئی ہے اسی لیے اس کا ابتدائی نقطہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور اس کا انتہائی نقطہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو یکساں فرمایا گیا ہے۔ یہ صفت دائرہ ہی کی ہوتی ہے کہ جو اس کا ابتدائی نقطہ ہوتا ہے وہی آخر میں اس کا انتہائی نقطہ بن جاتا ہے۔ خط مستقیم میں یہ صفت نہیں ہوتی اس کے ابتداء وانتہاء کے دونوں نقطے بالکل علیحدہ علیحدہ ممتاز ہوتے ہیں۔ یہاں جب دائرہ کے ابتدائی نقطہ کی طرف نظر کی جاتی ہے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام نظر آتے ہیں جن کے نہ والدہ تھیں نہ والد۔ ان کے بعد حضرت حواء کا وجود ہوا جو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے بنائی گئی تھیں اس لیے اس کو ولادت سے تعبیر کیا نہیں جاسکتا جیسے کسی شخص سے اگر اس کا ہاتھ الگ کر لیں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ہاتھ اس سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت حواء کو چونکہ ضلع آدم علیہ السلام سے بنایا گیا تھا اس لیے ان کو آدم علیہ السلام کی ذریت میں شمار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اب ان کو بھی سلسلہ تخلیق میں اسی مرتبہ میں رکھنا پڑے گا جس میں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہ حیثیت والد کے نہ سہی بہ حیثیت اصل ہونے کے حضرت حواء سے اشرف ہوں مگر یہ نسبت صرف ان دونوں کے درمیان رہے گی بنی آدم کے لیے دونوں ہی مبداء ہوں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سلسلہ خلافت کے لیے اور اجسام انسانیہ کے مبدأ اول اور حضرت حواء صرف اجسام انسانیہ کے لیے مبدء مگر مبدء ثانی ہوں گی۔ اب اگر ان پر غور کیا جائے تو حضرت حواء کے لیے والدہ کوئی نہیں ہاں حضرت آدم علیہ السلام ان کی اصل ہونے کی وجہ سے والد کی جگہ کہے جاسکتے ہیں۔ پس جب تخلیق کے ابتدائی نقطہ جو اس کے مقابلہ میں آ کر دائرہ کو پورا کرسکتا ہے ایسا ہی ہونا چاہیے جس میں ایک مذکر اور ایک مؤنث ہو مگر یہاں والدہ ہو مگر والد کوئی نہ ہوتا کہ اطراف دائرہ میں ایک طرف کی کمی اور دوسری طرف کی زیادتی بالمقابل آ جائیں یعنی اگر ابتداء میں والدہ کی کمی ہے تو انتہاء میں والدہ کی زیادتی ہو اور اگر ابتداء میں والد کی زیادتی ہے تو انتہاء میں والد کی کمی رہے اور اس طرح اطراف دائرہ کے نشیب وفراز دونوں مل کر ایک دائرہ پورا ہو سکے۔ یہاں جب تمام انبیاء علیہم السلام پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس صفت کا انسان بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور کوئی نہیں ملتا۔ سلسلہ تخلیق میں اگر ایک طرف

www.besturdubooks.net

حضرت حواء ہیں جن کی والدہ نہ تھیں تو دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے والد نہ تھے۔ شاید یہ خیال گذرے کہ اس بناء پر تشبیہ ان دو میں ہوئی لہٰذا بظاہر آیت یوں ہونی چاہیے تھی کہ ان مثل عیسی عند الله کمثل حواء تا کہ جو دو نقطے مقابل تھے وہی معرض بیان میں آتے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مقصد چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا والد کے بغیر صرف اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کرنا منظور ہے اس لیے اس میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کے ساتھ تشبیہ دینی زیادہ مؤثر تھی اگر کمثل حواء فرماتے تو حضرت حواء کے لیے حضرت آدم علیہ السلام والد کے قائم مقام موجود اور یہاں منظور یہ تھا کہ علاقۂ والدیت کا یکسر قلع قمع کر دیا جائے لہٰذا ایسی ہستی کے ساتھ تشبیہ دی جن کے لیے نہ والد تھے نہ والدہ تاکہ خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بھی پورا ثبوت ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں کسی ادنیٰ سی تشبیہ سے بھی والد کا خطرہ ذہن میں نہ گذر سکے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ دائرہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آ کر ختم ہو گیا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں:

و قوله اذ جعل فيكم انبياء اى كلما هلك نبي قام فيكم نبي من لدن ابيكم ابراهيم الى من بعده و كذلك كانوا لا يزال فيهم الانبياء يدعون الى الله و يحذرون نعمته حتى ختموا بعيسى عليه السلام.

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۳۱)

اللہ تعالیٰ کے قول اذ جعل فیکم انبیاء کی تفسیر یہ ہے کہ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو تم میں سے ہی دوسرا نبی اس کے قائم مقام آ جاتا۔ تمہارے والد (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) سے لے کر بعد تک یہی دستور رہا اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتے رہے اور اس کے عذاب سے ڈراتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آ کر ختم کر دیا گیا۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس تقدیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کیا رہے گی تو اس کا جواب ظاہر ہے وہ یہ کہ آپ کی حیثیت مرکزی حیثیت ہے اس لیے آپ کو مرکز کی طرح ظاہری طور پر بھی سلسلہ نبوت سے بالکل الگ سلسلہ میں پیدا فرمایا گیا تھا اور تعجب ہے کہ یہاں بھی اس کی رعایت رکھی گئی کہ جس طرح مرکز ایک ہی ہوتا ہے اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذریت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور دوسرا رسول ہی پیدا نہ ہو۔ پھر جس طرح آپ کو دائرہ نبوت کا مرکز بنایا گیا تھا اسی طرح آپ کی ولادت کے لیے بھی وہی مقام پسند فرمایا گیا جو زمین کا مرکز کہلاتا ہے یعنی مکہ مکرمہ۔ اور جس طرح بیت اللہ کو زمین کا مرکز قرار دے کر سب سے پہلے وجود میں لایا گیا تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق بھی سب سے پہلے مقدر ہوئی تا کہ تعین مرکز ہو لے تو دائرہ نبوت اس کے اردگرد کھینچا جا سکے لیکن مرکزیت کا ظہور چونکہ دائرہ کی تمامیت پر موقوف ہوتا ہے اس لیے مقدر یوں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسی طور پر ظہور قدسی جملہ انبیاء علیہم السلام کی آمد کے بعد ہو اور جس طرح محیط دائرہ کی نسبت ہر طرف سے اپنے مرکز سے مساوی ہوتی ہے اسی طرح جملہ انبیاء علیہم کی نسبت مرکزی حیثیت سے آپ کے ساتھ برابر رہے حتی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام جیسی بڑی شریعت والا رسول بھی آپ کے دور میں آتا تو اس کو بھی آپ کی اتباع کیے بغیر کوئی اور راستہ نہ تھا۔ اس مرکزیت کے اعلان کے لیے جملہ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت کا قولاً و عملاً عہد لیا گیا تھا اور اسی کے اظہار کے لیے شب معراج میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی امامت کا شرف آپ کو ہی عنایت ہوا اور اسی حقیقت کے عالم آشکارا کرنے کے لیے محشر میں ''لواء حمد'' یعنی حمد کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں ہو گا جس کے نیچے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء علیہم السلام ہوں گے۔ تفصیل کے لیے ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۳۴۳ حدیث نمبر ۱۱۴ کا تشریحی نوٹ ضرور ملاحظہ فرما لیجیے۔

www.besturdubooks.net

اس بیان کے اہم رکن دو ہیں۔ تکوینی نظر میں نبوت کی تخلیق بشکل دائرہ ہونی اور آپ کی تخلیق بہ حیثیت مرکز ہونی ان دونوں کی طرف قرآنی آیات میں اشارہ موجود ہے اس لیے ہمارے اس بیان کو گو برہان کا درجہ حاصل نہ ہو مگر محض خیالی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے اب حدیث انا اولھم خلقا و اخرھم بعثا کی پوری شرح بھی ہوگئی۔ اس مضمون کی تائید قرآن کریم کی ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد ہے۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ. یعنی ابتداء آفرینش دین ایک ہی تھا پھر جو جو اختلاف رونما ہوئے وہ امتوں کی کجرویوں سے رونما ہوئے۔ اسی طرح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں دین پھر ایک ہی رہ جائے گا جس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے ڈال چکے ہیں۔ مذاہب سماویہ میں بنیادی لحاظ سے قبلے دو رہ چکے ہیں: بیت مقدس، بیت اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خود بیت مقدس کا بھی استقبال فرمایا اس کے بعد پھر بیت اللہ کو قبلہ متعین فرمادیا۔ سوچیے جب آخر کار قبلہ یہی ہونا تھا تو بیت مقدس کے عارضی استقبال کی حکمت کیا تھی؟ بے شک ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آخری رسول کے دور میں سابقہ سب اختلافات کو ختم کر کے پھر ایک دین پر جمع کر دیا جائے اور اس کی صورت یہی تھی کہ آپ عملی طور پر یہ بتادیں کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی تھا۔ قبلہ کے مسئلہ کو صرف ناسمجھی سے اختلافات کی بنیاد بنایا گیا۔ اس لیے مدینہ طیبہ میں آکر پہلے آپ نے بیت مقدس ہی کا استقبال فرمایا اور عملاً یہ ثابت فرمادیا کہ یہ مسئلہ کوئی بنیادی اختلاف کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی لیے جو رسول وحدت ادیان کا اہم مقصد لے کر آیا ہے وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر دینا چاہتا ہے کہ قبلہ کی تقسیم صرف ایک وقتی مصلحت کے پیش نظر رہی ہے ورنہ اصل مقصد توجہ الی اللہ ہے اور یہ کسی خاص سمت کے ساتھ مخصوص نہیں فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. اس حقیقت کو آپ نے اتنا واضح فرمایا کہ استقبال قبلہ جو نماز کی صحت کی شرائط میں شمار ہوتا ہے نفل نمازوں میں بحالت سفر مسافر کی سہولت پر چھوڑ دیا۔

الغرض جب ابتداء میں دین ایک تھا تو چونکہ دائرہ کی ابتداء اور انتہاء یکساں ہوتی ہے اس لیے عالم کی انتہاء میں پھر دین ایک ہی ہو جانا چاہیے اس لیے اس کی صورت یہ مقدر ہوئی کہ جس طرح ایک اسماعیلی رسول نے آکر اسرائیلی قبلہ کا استقبال کیا تھا اسی طرح ایک اسرائیلی رسول آکر اسماعیلی قبلہ کا استقبال کرلے اور یہ بات پورے طور پر واضح ہو جائے کہ نہ تو اصل دین میں کوئی اختلاف ہے اور نہ انبیاء علیہم السلام میں باہم کوئی اختلاف ہے۔ جو اختلافات بھی ہوئے یہ سب امتوں کی کجروی کے نتائج تھے۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ. اب اگر اس مقصد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوتی تو یہ ختم نبوت کے خلاف تھا اس لیے مقدر یوں ہوا کہ آپ سے پہلے وہ بہ حیثیت نبوت ان کا ظہور بھی ہو جائے پھر اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کی دوسری آمد بہ حیثیت امامت بھی ہو ظاہر ہے کہ جو بنی اسرائیل کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اب بنی اسماعیل میں اس کی آمد سے اس کے نبی ہونے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ اپنے دورۂ نبوت کو پورا کر کے اب بہ حیثیت امامت امت محمدیہ تشریف لائیں گے اور ہم پہلے ترجمان السنۃ ج اص ۳۴۳ میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ مقام وہ تھا جس کو اولوالعزم انبیاء نے بھی تمناء کی ہے اس لیے یوں مقدر ہوا کہ اس اہم مقصد کے ظہور کے لیے عالم کے خاتمہ پر وہ رسول آئے جو پہلے نبی سے مشابہ ہوتا کہ جس طرح دین پہلے ایک تھا آخر میں پھر ایک ہی رہ جائے اور جب اس طرح اتحاد ملل کا کام مکمل ہو جائے تو پیدائش عالم کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو جانے کی وجہ سے عالم کی صف لپیٹ کر رکھ دی جائے اور قیامت آجائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَوَّلِهِمْ خَلْقًا وَ اٰخِرِهِمْ بَعْثًا

www.besturdubooks.net

(۱۱۸۸) عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ شَفِيْعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَ اِنَّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيًّا مَا صَدَّقَهُ مِنْ اُمَّتِهِ اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ. (رواہ مسلم)

(۱۱۸۸) میں جنت کے لیے سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں- انبیاء سابقین میں اس کثرت کے ساتھ کسی کی تصدیق نہیں کی گئی جتنی کہ میری- بعض انبیاء تو ایسے بھی ہوئے ہیں جن کی تصدیق صرف ایک ہی شخص نے کی ہے-

(مسلم شریف)

(۱۱۸۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ. (رواہ مسلم)

(۱۱۸۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ روزِ محشر تمام اولادِ آدم کا سردار میں ہوں گا- قبر پھٹ کر جو سب سے پہلا شخص باہر آئے گا وہ میں ہوں' جو نبی سب سے پہلے مخلوق کی شفاعت کرے گا وہ میں ہوں اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ میں ہوں- (مسلم شریف)

(۱۱۹۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ. (رواہ مسلم)

(۱۱۹۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- قیامت میں جس نبی کے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے وہ میں ہوں' اور جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے دستک دے گا وہ میں ہوں-

(۱۱۹۱) عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰتِيْ بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَيَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَيَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ. (رواہ مسلم)

(۱۱۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- قیامت کے دن میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور دروازہ کھلواؤں گا- جنت کا دربان پوچھے گا آپ کون؟ میں کہوں گا میں ہوں محمدؐ وہ عرض کرے گا مجھ کو حکم ملا ہے کہ سب سے پہلے میں آپ ہی کے لیے دروازہ کھولوں' آپ سے پہلے کسی شخص کے لیے نہ کھولوں- (مسلم شریف)

(۱۱۹۲) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ وَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَ لَا فَخْرَ. (رواہ الترمذی)

(۱۱۹۲) ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار میں ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں- حمد و ثناء کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور وہ بھی کوئی فخر نہیں اور اس دن آدم علیہ السلام اور ان کے سواء جتنے رسول ہیں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلا شخص جو زمین پھٹ کر باہر آئے گا وہ میں ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں- (ترمذی شریف)

(۱۱۹۳) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۱۹۳) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے-

www.besturdubooks.net

فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَ قَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا وَ قَالَ اٰخَرُ فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَ رُوْحُهُ وَ قَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَ عَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَ هُوَ كَذٰلِكَ وَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ نَجِيُّ اللّٰهِ وَ هُوَ كَذٰلِكَ وَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ رُوْحُهُ وَ كَلِمَتُهُ وَ هُوَ كَذٰلِكَ وَ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَ هُوَ كَذٰلِكَ اَلَا وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ غَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَ مَعِيْ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَ لَا فَخْرَ.

(رواه الترمذی و الدارمی)

(۱۱۹۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَ نَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اِنِّيْ قَائِلٌ قَوْلًا غَيْرَ فَخْرٍ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَ مُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَ مَعِيَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ وَ اَجَارَهُمْ

جب ان کے قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو سنی کوئی تعجب سے کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کو طور پر براہ راست گفتگو کی ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہلانے کا شرف بخشا ہے۔ کوئی اور یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کے لقب سے نوازا ہے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا میں نے تمہاری تمام گفتگو اور تمہارے تعجب کا معاملہ دیکھا اور سنا۔ کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ تھے جیسا کہ تم کہہ رہے تھے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی عطا ہوا تھا اور کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے لقب سے نوازے گئے تھے اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نظر ربوبیت میں خلافت کے لیے منتخب ہوئے۔ لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں حبیب اللہ ہوں اور یہ فخر یہ بات نہیں ہے اور قیامت میں حمد و ثناء کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ آدم علیہ السلام اور ان کے سواء سب مخلوق اس کے نیچے ہوگی اور یہ بھی فخر یہ بات نہیں ہے اور قیامت میں سب سے پہلا مخلوق کی شفاعت کرنے والا رسول میں ہوں اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول ہوگی وہ رسول بھی میں ہوں اور یہ بھی فخر یہ بات نہیں ہے۔ جنت کی کنڈی جو سب سے پہلے کھٹکھٹائے گا وہ رسول میں ہوں اللہ تعالیٰ سب سے پہلے میرے لیے جنت کھولے گا اور مجھ کو اس میں داخل فرمائے گا اور اس وقت میرے ساتھ ساتھ محتاج مومنوں کی جماعت بھی ہوگی اور میں اللہ تعالیٰ کی نظر میں گذری ہوئی اور آنے والی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہوں اور اس میں فخر کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

(۱۱۹۴) عمرو بن قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں گو ہم سب سے بعد میں آئے ہیں لیکن قیامت میں ہم سب سے آگے ہوں گے اور دیکھو میں ایک بات کہتا ہوں اور کسی فخر سے نہیں کہتا ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام صفی اللہ ہیں لیکن میں حبیب اللہ ہوں قیامت میں حمد و ثناء کا جھنڈا میرے ساتھ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے میری امت کے معاملہ میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور تین باتوں

www.besturdubooks.net

مِنْ ثلٰثٍ لا يعُمُّهم بِسنةٍ و لا يستأصِلُهم عدوٌّ و لا يجمعهم على ضلالةٍ.

(رواه الدارمي)

سے ان کو پناہ دے دی ہے ایک یہ کہ عام قحط میں ان کو مبتلا نہیں کرے گا- دوم یہ کہ ان کا دشمن بیخ و بن سے ان کو ہلاک نہیں کر سکے گا- تیسرے یہ کہ میری پوری کی پوری امت گمراہی میں پڑ جائے ایسا بھی نہیں ہوگا- (دارمی)

(۱۱۹۵) و عن جابرٍ رضی اللّٰه تعالٰی عنهُ انّ النّبیّ صلّی اللّٰهُ علیهِ وسلّم قال انا قائدُ المرسلین و لا فخر و انا خاتمُ النّبیّین و لا فخر و انا اوّلُ شافعٍ و مُشفّعٍ و لا فخر.

(رواه الدارمي)

(۱۱۹۵) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام رسولوں کا قائد میں ہوں اور یہ فخر یہ بات نہیں اور میں تمام نبیوں کے آخر میں آیا ہوں اور یہ بات بھی فخر یہ نہیں اور تمام مخلوق کی سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ رسول میں ہوں اور یہ بات بھی فخر یہ نہیں ہے- (دارمی)

(۱۱۹۶) عن انسٍ رضی اللّٰه تعالٰی عنهُ قال قال رسولُ اللّٰه صلّی اللّٰهُ علیهِ وسلّم انا اوّلُ النّاسِ خروجًا اذا بُعثوا و انا قائدُهم اذا وفدوا و انا خطیبُهم اذا انصتوا و انا مُستشفعُهم اذا حُبسوا و انا مُبشّرُهم اذا ایسوا الکرامةُ و المفاتیحُ یومئذٍ بیدی و لواءُ الحمدِ یومئذٍ بیدی و انا اکرمُ ولدِ آدم علی ربّی یطوفُ علیَّ الفُ خادمٍ کانّهم بیضٌ مکنونٌ او لؤلؤٌ منثورٌ.

(رواه الترمذي و الدارمي و قال الترمذي حديث غريب)

(۱۱۹۶) انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمام لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے باہر آنے والا میں ہوں گا جب وہ جماعتیں بن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا اور جب سب خاموش رہیں گے تو ان کی جانب سے بولنے والا میں ہوں گا اور جب وہ میدانِ محشر میں پھنس جائیں گے تو ان کے لیے شفاعت کی اجازت طلب کرنے والا میں ہوں گا اور جب وہ مایوس ہوں جائیں گے تو ان کو بشارت دینے والا میں ہوں گا- بزرگی اور کنجیاں اس دن سب میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد و ثنا کا جھنڈا بھی اس دن میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام اولادِ آدم میں سب سے پیارا میں ہوں گا- میرے ارد گرد ہزار خادم حاضر رہیں گے جو اس طرح سفید رنگ ہوں گے گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے انڈے ہیں یا بکھرے ہوئے موتی ہیں- (ترمذی- دارمی)

(۱۱۹۷) عن ابی هریرة عن النّبیّ صلّی اللّٰه علیهِ وسلّم قال فاُکسی حُلّةً من حُللِ الجنّةِ ثمّ اقومُ عن یمینِ العرشِ لیس احدٌ من الخلائقِ یقومُ ذٰلک المقامَ غیری.

(رواه الترمذي و في رواية جامع الاصول عنه انا اول) من تنشقُّ عنهُ الارض فاُکسی.

(۱۱۹۷) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا اس کے بعد جنتی حلوں میں سے ایک حلہ (ایک لباس کا نام ہے) لا کر مجھ کو پہنایا جائے گا پھر میں عرش کے دائیں جانب آ کر کھڑا ہوں گا جہاں کھڑے ہونے کا منصب میرے سوا اور کسی کا نہیں-

(ترمذی شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۱۹۸) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا الْوَسِیْلَةُ قَالَ اَعْلٰی دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ لَایَنَالُهَا اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَ اَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَنَا هُوَ. (رواہ الترمذی)

(۱۱۹۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ کی دعاء مانگا کرو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وسیلہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے جو صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھ کو پوری امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ (ترمذی شریف)

(۱۱۹۹) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَ خَطِیْبَهُمْ وَ صَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَیْرَ فَخْرٍ. (رواہ الترمذی)

(۱۱۹۹) ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ جب قیامت آئے گی تو سب نبیوں کا امام میں ہوں گا اور میں ہی ان کا خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا اور یہ بات فخریہ نہیں ہے۔ (ترمذی شریف)

(۱۲۰۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَ اِنَّ وَلِیِّی اَبِیْ وَ خَلِیْلُ رَبِّیْ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ. (رواہ الترمذی)

(۱۲۰۰) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے انبیاء میں سے کوئی ولی ہوتا ہے۔ میرے ولی وہ ہیں جو میرے دادا اور میرے رب کے خلیل ہوتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی بلاشبہ سب میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے حضرت ابراہیم کے ساتھ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی ہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ سب مومنوں کا ولی ہے۔ (ترمذی شریف)

(۱۲۰۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی اَهْلِ السَّمَاءِ فَقَالُوْا یَا ابْنَ عَبَّاسٍ بِمَ فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلٰی اَهْلِ السَّمَاءِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ لِاَهْلِ السَّمَاءِ وَ مَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ قَالُوْا وَ مَا فَضْلُهٗ عَلَی

(۱۲۰۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر بھی فضیلت بخشی ہے اور آسمان والے تمام فرشتوں پر بھی لوگوں نے پوچھا اے ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فرمایئے جس بات سے سب فرشتوں پر فضیلت دی ہے وہ کیا ہے؟ جواب دیا وہ بات یہ ہے کہ فرشتوں کے حق میں تو یہ فرمایا ہے کہ جو ان میں یہ کہے گا کہ میرے سواء خدا کوئی اور ہے تو اس کو ہم بس دوزخ کی جزا دیں گے اور نامنصفوں کو ہم ایسی ہی جزاء دیتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح نصیب فرمائی ہے تاکہ اللہ آپ کے گذشتہ اور آئندہ تمام فروگذاشتوں سے درگزر فرمائے (مخاطب دونوں جگہ معصوم مخلوق ہے مگر طرز خطاب میں فرق کتنا ہے) لوگوں نے عرض کی اچھا

www.besturdubooks.net

الْاَنْبِيَاءِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ الاية وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ فَاَرْسَلَهٗ اِلَى الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ. (رواه الدارمی)

تو جس بات سے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ہے وہ بات کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ سب رسولوں کے حق میں تو ارشاد یہ ہے کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان کا بھیجا اس کے بعد پھر جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا گمراہ کیا الخ۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تو آپ کو جنات وانسان سب کے لیے رسول بنایا۔

(۱۲۰۲) عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةٍ اُسْرِيَ بِهٖ بَيْنَمَا اَنَا فِي الْحَطِيْمِ وَ رُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذَا تَانِيْ اٰتٍ فَشَقَّ مَابَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ يَعْنِيْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰى شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِيْ ثُمَّ اُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوٍّ اِيْمَانًا فَغَسَلَ قَلْبِيْ ثُمَّ حُشِيَ ثُمَّ اُعِيْدُوْا فِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ غَسَلَ الْبَطْنَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِيءَ اِيْمَانًا وَ حِكْمَةً ثُمَّ اُتِيْتُ بِدَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَ فَوْقَ الْحِمَارِ اَبْيَضَ يُقَالُ لَهٗ

(۱۲۰۲) حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرام سے اس شب کا واقعہ جس میں آپ کو بیت مقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور کبھی حجر کا لفظ کہا (مراد دونوں کی ایک ہے) کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہاں سے لے کر یہاں تک میرا پیٹ چاک کیا یعنی کوڑی کے پاس سے لے کر زیر ناف تک پھر اس نے میرے قلب کو نکالا اور اس کے بعد ایک سونے کا طشت ایمان وحکمت سے بھرا ہوا لایا گیا اور اس فرشتہ نے میرے قلب کو دھویا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر میرے پیٹ کو آب زم زم سے دھویا اور اس کے بعد اس میں ایمان وحکمت بھر دیا پھر میرے سامنے ایک جانور پیش کیا گیا جو خچر سے ذرا چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا سفید رنگ

(۱۲۰۲) ✱ معراج کے واقعہ پر اہل قلم اور علماء کبار کے اتنے مضامین مسلمانوں کے سامنے آچکے ہیں کہ ان کے بعد اب اس کی تفصیلات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں چند باتیں تحریر فرمائی ہیں جو عام طور سے ہماری نظر سے نہیں گذریں اس لیے ہم اس اہم موضوع کو صرف ان کی مختصر تنبیہات پر ختم کرتے ہیں۔ عام لوگ تو کیا خاص لوگ بھی خال خال یہ علم رکھتے ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا تذکرہ پہلے صحیفوں میں بھی آچکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر علامات میں اس کو بھی بطور ایک علامت کے شمار کرایا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ موصوف لکھتے ہیں:

قال دانيال النبي: ايضًا سالت الله و تضرعت اليه ان يبين لي مايكون من بني اسرائيل فذكر شانهم الى ان قال حتى ابعث نبيا من بني اسمٰعيل الذي بشرت به هاجر فذكر صفاته الى ان قال اسرى به اتي و ارقيه من السماء الى سماء حتى يعلو قادنيه و اسلم عليه و اوحى اليه ثم ارده الى عبادي بالسر درد الغبطه ثم سرد دانيال قصة رسول الله صلى الله عليه وسلم و هذه اليشارة الى الآن عند اليهود و النصارى يقرؤ نهاو يقولون لم يظهر صاحبها بعد. (الجواب الصحيح ج ٤ ص ٣)

حضرت دانیال نبی نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ بنی اسرائیل کا حال مجھ سے بیان فرمائیے تو اس نے ان کے حالات .....

www.besturdubooks.net

اَلْبراق یَضَعُ خَطْوَهٗ عِنْدَ اَقْصٰی طَرْفِهٖ
فَحُمِلْتُ عَلَیْهِ فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرَئِیْلُ حَتّٰی اَتَی
السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَاسْتَفْتَحَ قِیْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ
جِبْرَئِیْلُ قِیْلَ وَ مَنْ مَعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَ
قَدْ اُرْسِلَ اِلَیْهِ قَالَ نَعَمْ قِیْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ
الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِیْهَا
اٰدَمُ قَالَ هٰذَا اَبُوْکَ اٰدَمُ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ
فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا
بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَ النَّبِیِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِیْ
حَتّٰی اَتَی السَّمَآءَ الثَّانِیَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِیْلَ مَنْ
هٰذَا قَالَ جِبْرَئِیْلُ قِیْلَ وَ مَنْ مَّعَکَ قَالَ
مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَیْهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ
مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا
خَلَصْتُ اِذَا یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ هُمَا ابْنَا خَالَةٍ
قَالَ هٰذَا یَحْیٰی وَ هٰذَا عِیْسٰی فَسَلِّمْ عَلَیْهِمَا
فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ

کا تھا اس کو براق کہا جاتا ہے (اس کی رفتار کی حالت یہ تھی) کہ وہ اپنا قدم اس جگہ ڈالتا تھا جہاں اس کی نظر پہنچتی تھی مجھے اس پر سوار کیا گیا اور مجھے لے کر جبرئیل علیہ السلام اوپر چلے یہاں تک کہ جب اس دنیا کے آسمان تک پہنچے تو انہوں نے دروازہ کھلوایا ان سے دریافت کیا گیا کون؟ انہوں نے جواب دیا میں ہوں جبرئیل- پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں- فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے- یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا- جب میں دروازہ سے نکل گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام ہیں- جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے والد ماجد آدم ہیں ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا' پھر فرمایا صالح فرزند اور نیک نبی خوش آمدید مبارک ہو' پھر مجھ کو لے کر جبرئیلؑ اور اوپر چڑھے اور دوسرے آسمان پر آئے' دوسرے آسمان پر پہنچے' تو انہوں نے دروازہ کھلوایا' ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا میں جبرائیل ہوں کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- ان سے پوچھا گیا کہ ان کو معراج ہوئی ہے؟ کہاں ہاں! اس کے بعد فرشتوں نے خوش آمدید کہا اور تشریف آوری پر مبارک باد پیش کی' پھر دروازہ کھول دیا' چنانچہ جب میں اندر داخل ہوا تو

؎ ..... حالات بیان فرما دیئے یہاں تک کہ فرمایا کہ میں بنی اسماعیل میں ایک نبی اٹھاؤں گا جس کی بشارت میں نے ہاجر کو دی پھر اس نبی کی صفات ذکر کیں یہاں تک کہ فرمایا میں شب میں اس کو بلاؤں گا اور آسمان در آسمان سیر کراتے ہوئے اس کو اوپر بلاؤں گا اور اس کو اپنے قریب کر کے اس پر صلوٰۃ وسلام بھیجوں گا اور اس کو وحی کے ذریعہ اسرارِ پنہاں سے آگاہ کروں گا اس کے بعد شادان وفرحاں اپنے بندوں کے پاس اس کو پھر واپس کروں گا- اس کے بعد دانیال علیہ السلام نے آپ کا پورا قصہ ذکر فرمایا- یہ بشارت آج تک یہود کے ہاں چلی آتی ہے نصاری بھی اس کو پڑھتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ اس کا مصداق ابھی نہیں آیا-

حافظ موصوفؒ کی اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ قصہ اسراء ومعراج صرف اسی امت میں متواتر نہیں بلکہ اس کا تذکرہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحف میں بھی اسی طریقہ پر موجود ہے' اگر اس واقعہ کی حیثیت صرف ایک خواب کی سی ہوتی تو کیا اس کا تذکرہ اسی انداز سے کتب سماویہ میں ملنا چاہیے اور کیا اکتیس صحابہ کو تواتر کے ساتھ اس کو روایت کرنا چاہیے- اس کے بعد ایک دوسرے موقعہ پر حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کا تذکرہ سورۃ اسراء میں مسجد اقصیٰ تک صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ جتنے حصہ کے متعلق کفار کے مقابلہ میں دلیل قائم ہو سکتی تھی وہ اتنا ہی حصہ تھا اس کے بعد آپ کی آسمانوں کی سیر پر کوئی دلیل ایسی قائم نہیں کی جا سکتی جو ان کو ؎ .....

www.besturdubooks.net

و النبيّ الصالح ثمّ صعد بي الي السّماء الرّابعة فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل و من معك قال محمّد قيل و قد اُرسل اليه قال نعم قيل مرحبا به فنعم المجيء جاء ففتح فلمّا خلصت اذا يوسف قال هذا يوسف فسلّم عليه فسلّمت عليه فردّ ثمّ قال مرحبا بالاخ الصّالح و النّبيّ الصّالح ثمّ صعد بي حتّي اتي السّماء الرّابعة فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل و من معك قال محمّد قيل و قد اُرسل اليه قال نعم قيل مرحبا به فنعم المجيء جاء ففتح فلمّا خلصت فاذا ادريس فقال هذا ادريس فسلّم عليه فسلّمت عليه فردّ ثمّ قال مرحبا بالاخ الصّالح و النّبيّ الصّالح ثمّ صعد بي حتّي اتي السّماء الخامسة فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل و

وفعتہً دیکھا کہ حضرت یحیٰی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تشریف فرما ہیں' یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے' حضرت جبرئیل نے بتایا یہ یحیٰی علیہ السلام ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں' آپ ان دونوں کو سلام کیجئے' میں نے ان کو سلام کیا' دونوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد انہوں نے میرا استقبال کرتے ہوئے فرمایا- مرحبا مرحبا آیئے برادر صالح- آیئے نبی صالح' پھر حضرت جبرئیل مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف بڑھے' دروازہ کھلوایا' وہاں بھی پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا گیا جبرئیل' سوال ہوا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا جی ہاں! مرحبا مرحبا کی صدا آئی' اور خوش آمدید کہا گیا' اور دروازہ کھول دیا آگے بڑھا تو دیکھا حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں' حضرت جبرئیل نے بتایا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں' ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا' پھر انہوں نے مرحبا بالاخ الصالح و النبی الصالح کے کے الفاظ سے خوش آمدید کہا' پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر کر چوتھے آسمان کے پاس پہنچے پوچھا گیا' کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے کہا میں جبرئیل ہوں' کہا گیا کہ آپ کے ساتھ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں' پوچھا گیا' کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! مرحبا مرحبا اور خوش آمدید

ﷺ ..... ساکت کر سکے- پھر جب بیت مقدس تک آپ کا سفر بحالتِ بیداری قابلِ تسلیم ہو جائے تو چونکہ یہ ایک ہی سفر تھا اس لیے اس کا دوسرا حصہ خود بخود تسلیم کرنا پڑے گا' کیونکہ اگر آپ کی صداقت اس حصہ کے متعلق ثابت ہو جاتی ہے تو دوسرے حصہ کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں رہتی- یہاں کسی کا خیال یہ بھی ہے کہ اسراء صرف اتنے ہی حصہ کا نام ہے دوسرے حصہ کا نام معراج ہے مگر اس بناء پر یہ سوال پھر اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ جب یہ دونوں سفر ایک ہی سلسلہ کے تھے تو جداگانہ دو سورتوں میں اس کے بیان فرمانے کا نکتہ کیا ہے- حافظ موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ سورۂ اسراء میں گو دوسرے حصہ کی تفصیل نہیں کی گئی مگر یہ اشارہ صراحت کے ساتھ کر دیا گیا ہے کہ اس سفر کا مقصد بلند تھا اور تھا اور وہ یہ کہ ہم کو اپنی کچھ خاص نشانیاں آپ کو دکھانی مقصود تھیں جن کا تذکرہ سورۂ والنجم میں واضح فرما دیا گیا ہے- سورۂ اسراء میں "لنريه من اياتنا" فرمایا ہے اور سورۂ والنجم میں "و لقد راى من ايات ربه الكبرى" فرمایا ہے- جس میں سے سدرۃ المنتہیٰ' جنت و دوزخ اور جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت پر دیکھنا تھا:

و كذلك صعوده ليلة المعراج الى مافوق السموات و هذا مما تواترت به الا حاديث و اخبر به القرآن اخبر بمسراه ليلاً من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى. و في موضع آخر بصعوده الى السموات ﷺ .....

www.besturdubooks.net

مَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا هَارُوْنُ قَالَ هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِیْ حَتّٰی اَتَی السَّمَاءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ مَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا مُوْسٰی قَالَ هٰذَا مُوْسٰی فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَکٰی قِيْلَ لَهٗ مَا يُبْكِيْکَ قَالَ اَبْکِیْ لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِیْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَکْثَرُ مِمَّنْ يَّدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِیْ ثُمَّ صَعِدَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا اِبْرَاهِيْمُ اَبُوْکَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ رُفِعْتُ اِلَیَّ

کے الفاظ کے ساتھ استقبال ہوا' اور دروازہ کھول دیا' میں اندر بڑھا تو حضرت ادریس علیہ السلام کو موجود پایا' انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس ہیں ان کو سلام کیجیے حضرت جبرئیل کے اس تعارف کے بعد میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا' پھر حضرت ادریسؑ نے مرحبا مرحبا اخ صالح نبی صالح کہہ کر استقبال فرمایا پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے لے کر آگے بڑھے' پانچویں آسمان پر پہنچے وہاں سوال ہوا کون؟ کہا' جبرئیلؑ ہوں' پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- پوچھا گیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں' انہوں نے کہا خوش آمدید' بہت خوب تشریف آوری ہوئی' یہ کہہ کر دروازہ کھولا' میں اندر پہنچا تو حضرت ہارونؑ نظر آئے- جبرئیل نے بتایا- یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں- ان کو سلام کیجیے' میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' پھر انہوں نے مبارک بادپیش کی پھر یہاں سے مجھے لے کر حضرت جبرئیل چھٹے آسمان پر پہنچے' دروازہ کھولنے کی درخواست کی' پوچھا گیا آپ کون ہیں؟' انہوں نے کہا جبرئیل امینؑ سوال ہوا! آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پوچھا گیا ان کو معراج کی دولت نصیب ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں مرحبا اور خوش آمدید کہا اور دروازہ کھول دیا' میں اندر داخل ہوا تو دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں' حضرت جبرئیلؑ نے بتایا یہ حضرت موسیٰؑ ہیں- سلام کیجیے' میں نے سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا انہوں نے بھی مجھے مبارک بادپیش کی- میں جب آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے' پوچھا گیا کیوں رو رہے ہیں' آپ نے فرمایا اس لیے روتا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں' ان کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی- پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے لے کر اوپر چڑھے اور ساتویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھولنے کو کہا' پوچھا آپ کون؟ انہوں نے کہا

ﷺ..... واخبر انه نعل ذلک ليريه من آياته و کان فی اخباره بالمسری ليريه من آياته بيان انه رأی من آياته مالم يره الناس و قد بين فی السورة الاخری و انه رای جبرئيل عليه السلام عند سدرة المنتهی عند هاجنة الماوی و انه رای بالبصر آيات ربه الکبری و ذکر کما فی تلک السورة المسری. لانه ﷺ.....

www.besturdubooks.net

سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ وَ
اِذَا وَ رَقُهَا مِثْلُ اٰذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هٰذَا سِدْرَةُ
الْمُنْتَهٰى فَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ اَنْ
قُلْتُ مَا هٰذَانِ يَاجِبْرَئِيْلُ قَالَ اما الباطنان
فنهرات في الجنة و اما الظاهر ان فَالنِّيْلُ وَ
الْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ اِلَيَّ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ ثُمَّ
اُتِيْتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَ اِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ وَ اِنَاءٍ مِّنْ
عَسَلٍ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ اَنْتَ
عَلَيْهَا وَ اُمَّتُكَ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوةُ
خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ
عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ
بِخَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا
تَسْتَطِيْعُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ وَ اِنِّيْ وَ
اللّٰهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَ عَالَجْتُ
بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى
رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ
فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى
فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا
فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى
مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ
عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ
فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ بِعَشْرِ
صَلَوٰتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ

جبرئیلؑ امین' پوچھا آپ کے ساتھ کون؟ انہوں نے جواب میں کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے- انہوں نے کہا ہاں! مرحبا' خوش آمدید جب میں آگے بڑھا- حضرت ابراہیم علیہ السلام نظر آئے- انہوں نے بتایا یہ حضرت ابراہیم ہیں ان کو سلام کیجئے- میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' انہوں نے کہا مرحبا اے ابن صالح خوش آمدید اے نبی صالح' پھر میری طرف سدرۃ المنتہیٰ لایا گیا' میں نے دیکھا کہ اس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر تھے' اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر' حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے' وہاں مجھے چار نہریں نظر آئیں' دو اندر کی جانب' اور دو باہر کی جانب' میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ دونوں نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جو نہریں اندر جارہی ہیں' یہ جنت کی نہریں ہیں' اور جو باہر کی جانب ہیں' یہ نیل و فرات ہیں پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا اس کے بعد میرے پاس تین برتن لائے گئے' ایک میں شراب تھی' دوسرے میں دودھ' اور تیسرے میں شہد' میں نے دودھ والا برتن اٹھالیا' جبرئیلؑ نے کہا کہ یہی فطرت ہے' اور آپ اسی پر ہوں گے اور آپ کی امت بھی' پھر مجھ پر ہر دن پچاس نماز فرض کی گئیں لوٹتے ہوئے میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا- انہوں نے پوچھا کہ کیا حکم کیا گیا؟ میں نے بتایا کہ ہر دن پچاس وقتوں کی نماز کا حکم ملا ہے' انہوں نے فرمایا کہ آپؐ کی امت ہر دن پچاس نماز ادا کرنے میں قادر نہ ہو سکے گی' خدا کی قسم آپ سے پہلے میں نے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ زور آزمائی کر چکا ہوں' آپ اپنے رب کے پاس واپس ہوں اور تخفیف کی درخواست کریں' میں پلٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں معاف کر دیں- میں جب اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' تو انہوں نے پھر ویسی ہی بات کی' چنانچہ میں پھر واپس ہوا' اور اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور معاف کر دیں' مگر جب پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر پہلے جیسی بات فرمائی' اب میں پھر پلٹ کر

..... امکنه ان یقیم علیه برهانا. (الجواب الصحیح ج ٤ ص ١٦٠)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر جانا تواتر کے ساتھ حدیثوں سے ثابت ہے اور قرآن کریم نے بھی اس کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ ایک سورت میں مسجد اقصیٰ تک اس کا ذکر ہے اور دوسری سورت میں آسمانوں کے سفر کا ذکر ہے- قرآن کریم .....

www.besturdubooks.net

مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَاُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَ اِنِّىْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَ عَالَجْتُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ سَاَلْتُ رَبِّىْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ وَ لٰكِنِّىْ اَرْضٰى وَ اُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰى مُنَادٍ اَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِىْ وَ خَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِىْ۔ (متفق علیہ)

گیا' اور اللہ تعالیٰ نے اس دفعہ بھی دس نمازیں معاف کر دیں' لوٹ کر جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' اب کی مرتبہ پھر انہوں نے وہی بات دہرائی' چنانچہ پھر واپس گیا' چنانچہ پانچ نمازوں کا روزانہ حکم دیا گیا- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ کی امت کو اس پانچ وقت کے نباہنے کی بھی استطاعت نہ ہوگی- چنانچہ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کے معاملہ میں کافی محنت اٹھا چکا ہوں لہٰذا پھر آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بار بار اپنے رب سے درخواست کی' اب مزید جاتے ہوئے شرم آتی ہے- لہٰذا میں اب اس پر راضی ہوں اور خوش ہوں' اس کے بعد فرمایا کہ جب میں آگے بڑھا' تو ایک منادی نے آواز دی اب میں اپنا آخری حکم جاری کر چکا اور اپنے بندوں پر جو تخفیف کرنی تھی کر چکا- (متفق علیہ)

(اعلم ان الاسراء ورد مطولا و مختصرا من حديث انس و ابى بن كعب و بريدة و جابر بن عبدالله و حذيفة بن اليمان و سمرة بن جندب و سهل بن سعد و شداد بن اوس و صهيب و ابن عباس و ابن عمرو ابن مسعود و عبدالله بن اسعد بن زرارة و عبدالرحمن بن قرط و على بن ابى طالب و عمر بن الخطاب و مالك بن صعصعة و ابى امامة و ابى ايوب الانصارى و ابى حبة و ابى الحمراء و ابى ذر و ابى سعيد الخدرى و ابى سفيان بن حرب و ابى ليلى الانصارى و ابى هريرة وعائشة و اسماء بنتى ابى بكر و ام هانى و ام سلمة رضى الله عنهم كذافى الخصائص الكبرىٰ ج ۱ ص ۱۵۲ و قال فى الشفاو ذهب معظم السلف و المسلمين الى انه اسراء بالجسد و فى اليقظة و هذا هو الحق و ذهب اليه من الصحابة ابن عباس و جابر و انس و حذيفة و عمر و ابى هريرة و مالك بن صعصعة و ابى حبة البدرى و ابن مسعود رضى الله عنهم اجمعين و من التابعين الضحاك و سعيد بن جبير و قتادة و ابن المسيب و ابن شهاب و ابى زيد و الحسن البصرى و ابراهيم النخعى و مسروق و مجاهد و عكرمة و ابن جريج رضى الله تعالى عنهم و جماعة عظيمة من المسلمين و هو قول اكثر المتأخرين من الفقهاء و المحدثين و المتكلمين و المفسرين)

لله ..... نے خود اس کی تصریح کر دی ہے کہ بیت مقدس تک آپ کا سفر اس لیے تھا کہ آئندہ آپ کو اپنی خاص نشانیاں دکھانی مطلوب تھیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نشانیاں ایسی ہونی چاہئیں جن کو عام انسانوں نے نہ دیکھا ہو- پھر دوسری سورت میں خود ان کی تفصیل فرما دی گئی کہ ان آیات میں سدرۃ المنتہیٰ اور اس کے پاس ہی جبرئیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھنا ہے اور وہیں جنت الماویٰ بھی ہے اور قرآن کریم نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو آنکھوں سے دیکھا البتہ سورہ اسریٰ میں بیت مقدس تک کا سفر صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ مخالفوں پر اتنے ہی حصہ کے متعلق حجت قائم کی جا سکتی تھی-

www.besturdubooks.net

ابوالبشر سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اول نبی اللہ فی الارض

حضرت آدم علیہ السلام کے معاملہ میں جو اختلافات قابل ذکر ہیں ان میں سب سے پہلا یہ ہے کہ جس جنت میں ان کو سکونت کا حکم دیا گیا تھا وہ جنت خلد یعنی بہشت بریں تھی یا اسی زمین پر کوئی باغ تھا۔ اس میں جمہور کا پہلا قول قرار دیا ہے۔ صحیح حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جنت سے خلد بریں ہی مراد ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے مناظرہ میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ آپ نے اپنی ذریت کو جنت سے نکلوایا۔ اور حدیث شفاعت میں خود حضرت آدم علیہ السلام کا بیان بھی ہے کہ میری ہی وجہ سے تم خلد بریں سے نکلے میں اس کے لئے آج شفاعت کیسے کروں۔ قرآن کریم کی آیت وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ ان جیسے صریح اور صحیح دلائل کے باوجود یہاں حافظ ابن تیمیہؒ جیسے شخص کا رجحان پھر معتزلہ کے قول کی طرف ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب النبوات)

دوسرا اختلاف ان کے موضع ہبوط کے متعلق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ دحنان تھا جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان کوئی مقام ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کے محل ہبوط ہند' حواء کا ہبوط جدہ' ابلیس کا دستمیسان (بصرہ کے قریب ایک جگہ ہے) اور سانپ اصبہان تھا۔ آدم علیہ السلام کے محل ہبوط کے متعلق سدی کی روایت بھی یہی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط کوہ صفا پر اور حضرت حواء علیہا السلام کا کوہ مروہ پر ہوا تھا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام صنعتوں کی تعلیم دے کر زمین پر اتارے گئے تھے اور جنت کے پھل بھی ان کے ہمراہ کئے گئے تھے۔ حضرت انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو بننا اور حضرت حواء علیہا السلام کو کاتنے کی تعلیم دی تھی۔ آدم علیہ السلام نے اپنے لئے جبہ اور حواء علیہا السلام کے لئے ایک کرتی (قمیص) اور ایک اوڑھنی تیار کی تھی اور ان کی پہلی پوشش اون کی تھی۔
(البدایہ ج ا ص ۹۲)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ سب بے ریش ہوں گے' صرف ان کے ڈاڑھی ہوگی' اسی طرح سب اپنے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے اور یہ کنیت کے ساتھ ان کی کنیت ابو محمد ہوگی۔
(البدایہ ج ا ص ۹۷)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کعبۃ اللہ کے پہلے بانی یہی تھے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ عرش الٰہی کے محاذ میں

www.besturdubooks.net

زمین پر وہ بیت اللہ کی تعمیر کریں اور جس طرح انہوں نے ملائکۃ اللہ کو عرش الٰہی کا طواف کرتے دیکھا ہے اسی طرح خود اس کا طواف کریں۔ (البدایہ ج ا ص ۹۶)

حضرت آدم علیہ السلام کے موضع دفن کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ ہند میں جس جگہ ان کا ہبوط ہوا تھا اسی جگہ کسی پہاڑ کے قریب ان کا مدفن مبارک ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ میں جبل ابوقبیس مشہور پہاڑ میں آپ مدفون ہیں کوئی کہتا ہے بیت مقدس میں ان ہر دو اصل انسانی کے مزارات ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں ان تمام اختلافات کو ذکر کیا ہے انہوں نے یہ بھی نقل کی ہے کہ حضرت حواء کے ہمیشہ ایک لڑکا اور لڑکی ایک ہی حمل سے پیدا ہوتے تھے اور ان دونوں کے درمیان شادی کی رسم ممنوع قرار دی گئی تھی۔ حکم یہ تھا کہ ایک حمل کے لڑکے کی شادی دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ کی جائے۔ ہابیل و قابیل کے قتل کے قصہ میں قتل کا ایک سبب یہ بھی ہو گیا تھا۔ اہل تاریخ و سیر نے ہابیل کے قتل پر حضرت آدم علیہ السلام کے جو اشعار نقل کئے ہیں حافظ ابن کثیر نے اس میں کلام کیا ہے اور اس کی یہ تاویل کی ہے کہ بظاہر یہ ان کے درد و غم کی کسی اور شخص نے ترجمانی کی ہے۔

یہاں امام ترمذی نے باسناد حسن عن سمرۃ ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت حواء کے کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی شیطان نے آ کر ان کو بہکایا کہ اس مرتبہ جو لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھ دینا وہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے شیطان کے کہنے پر اس بچہ کا نام عبدالحارث ہی رکھ دیا تھا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کلام ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی صحابی کا قول ہے اور صحابہ نے جس طرح بعض اسرائیلیات روایت فرمائی ہیں یہ بھی اسرائیلیات ہی کی روایت معلوم ہوتی ہے۔ اس پر قرینہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ اصل بشری کے اس جوڑے سے تمام نسل انسانی کو پھیلائے تو یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت حواء کی کوئی اولاد ہی زندہ نہ رہتی۔ پھر یہ کہ جس آیت کی شرح میں حضرت حسن سے یہ روایت نقل کی گئی ہے خود حضرت حسن سے اس کی دوسری تفسیر موجود ہے۔ اگر حسن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تفسیر موجود ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس مرفوع تفسیر کے خلاف کوئی اور دوسری تفسیر اختیار فرماتے۔ (البدیۃ ج ا ص ۹۹)

شارحین نے حدیث مذکور کی اور توجیہات بھی ذکر فرمائی ہیں وہ اپنے محل میں دیکھ لی جائیں۔

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سلسلہ نسب حضرت شیث علیہ السلام سے چلا ہے۔ شیث کے معنی ہبۃ اللہ ہیں یعنی عطاء الٰہی۔ چونکہ ان کی ولادت ہابیل کے مقتول ہونے کے بعد ہوئی تھی اس لئے ان کا نام شیث رکھا گیا تھا محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے قرب وفات میں حضرت شیث علیہ السلام کو چند باتوں کی تعلیم دی تھی اور شب و روز کی ساعتیں اور ہر ساعت کی خاص عبادت کی تعلیم بھی دی تھی اور بعد میں طوفان آنے کی اطلاع بھی فرمائی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ا ص ۹۸)

www.besturdubooks.net

(۱۲۰۳) سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَبِیٌّ کَانَ اٰدَمُ قَالَ نَعَمْ مُكَلَّمٌ قَالَ فَكَمْ كَانَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ نُوْحٍ قَالَ عَشَرَةُ قُرُوْنٍ. (رواہ ابن حبان فی صحیحہ قال ابن کثیر فی البدایة و النهایة ج ۱ ص ۱۰۲ علی شرط مسلم و لم یخرجه.

(۱۲۰۳) راوی کہتا ہے میں نے ابو امامہ سے خود سنا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا- یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں نبی تھے اور ایسے نبی تھے جو اس کی شرف ہم کلامی سے مشرف تھے- پھر اس نے پوچھا اچھا ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا زمانہ گذرا ہے- فرمایا دس قرن- (ابن حبان)

و رواه الطبرانی قال الهیثمی و رجاله رجال الصحیح غیر احمد بن خلید و هو ثقة و فی الدر المنثور عشرة اباء مکان عشرة قرون ج ۱ ص ۵۳)

(۱۲۰۴) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(۱۲۰۴) ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی

(۱۲۰۳) ✽ حافظ ابن کثیر نے بروایت بخاری ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن کی مدت گذری ہے جن میں سب لوگ اسلام ہی پر تھے ان کے بعد جب بت پرستی اور گمراہیوں کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے- اسی لحاظ سے ان کو سب سے پہلا رسول کہا جاتا ہے- اس لحاظ سے جن مؤرخین نے لکھا ہے کہ قابیل اور اس کی اولاد نے آتش پرستی شروع کر دی تھی' یہ قابل قبول نہیں ہو سکتا- ابن عباس کی روایت اس کی تردید کرتی ہے- حدیث مذکور میں قرون کا لفظ مبہم ہے- لغت میں ''قرن'' کا اطلاق سو سال کی مدت پر بھی آتا ہے اور لوگوں کے ایک طبقہ میں بھی آتا ہے پہلے معنی کے لحاظ سے دس قرن ایک ہزار سال کے ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مدت ہزاروں سال کی ہوگی کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں عمریں بہت طویل ہوا کرتی ہیں اس لحاظ سے ایک طبقہ کے گذرنے کے لیے ہی بہت طویل مدت درکار ہوگی پھر اسی نسبت سے دس قرن کا اندازہ کر لینا چاہیے (البدایۃ ج ا ص ۱۰۲) درمنثور میں دس قرون کی بجائے دس پشتوں کا لفظ ہے-

(۱۲۰۴) ✽ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش حسب بیان قرآن شریف صرف حق تعالیٰ کے ایک تکوینی ارادہ کے ماتحت ہوئی تھی یہاں مسئلہ ارتقاء سے متاثر ہو کر قرآن کریم کی تاویل کرنی ظلم عظیم ہے اس مسئلہ کے متعلق اسلام کے تفصیلی بیانات اور مسئلہ ارتقاء پر غائر نظر کرنے کے بعد کوئی اجتماع کی صورت باقی نہیں رہتی یہ سعی خام صرف ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے یا تو مسئلہ ارتقاء کے اطراف و جوانب کو ملحوظ نہیں رکھا یا قرآن کریم میں بے جا تاویل کی اہمیت نہیں سمجھی فلسفہ قدیم کے افلاک تسعہ اور عقول عشرہ کو بھلا اسلامی افلاک سبعہ اور ملائکۃ اللہ سے کیا مناسبت مگر یہاں بھی بے جوڑ تطبیق کی کوشش کی گئی تھی اور اب مرکز حیات یعنی اسلامی روح اور پروٹو پلازم کے مابین تطبیق کی کوشش کی جا رہی ہے- وہ بھی خلاف واقع تھا اور یہ بھی خلاف واقع ہے- اور یہ سب کچھ مرعوبیت کے نتائج ہیں پہلے فلسفہ قدیم سے دنیا متاثر تھی اور اب فلسفہ جدید سے مرعوب ہے-

عربی زبان میں آج کل اس کو ''بروتو بلاسما'' کہا جاتا ہے- ہمارے علم میں قرآنی تفسیر میں اس کو سب سے پہلے داخل کرنے والے تفسیر المنار کے مؤلف ہیں- دیکھو تفسیر المنار ص ۳۲۰ ج ۳- ان کے بعد پھر ان کے اتباع میں دوسرے لوگوں نے اس لفظ کو جا بجا استعمال کیا ہے-

ہم اس موقعہ پر صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ جو لوگ پروٹو پلازم کے قائل ہیں وہ اس حیات کو محض ایک مادی حیات قرار دیں.....

www.besturdubooks.net

كَمِ الْاَنْبِيَاءُ مِائَةُ اَلْفٍ وَ اَرْبَعَةٌ وَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَمِ الرُّسُلُ مِنْهُمْ قَالَ ثَلَاثُمِائَةٍ وَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ جَمٌّ غَفِيْرٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ

اللہ علیہ وسلم کل انبیاء علیہم السلام کی تعداد کتنی تھی؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کی ان میں رسول کتنے تھے؟ فرمایا تین سو تیرہ کا بہت بڑا گروہ تھا۔ میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سب سے پہلا رسول کون تھا؟ فرمایا آدم علیہ السلام میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا وہ نبی مرسل

ﷺ ..... دیتے ہیں ان کے نزدیک انسانی حیات و موت کی حقیقت ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح پر کہ نباتات کی حیات و موت کی' ان میں نشو و نما کی استعداد پیدا ہونے کا نام حیات ہے اور اس استعداد پیدا ہونے کا نام حیات ہے اور اس استعداد کے فقدان کا نام موت۔ آپ کے نزدیک حیات و موت کا تمام تعلق عالم غیب سے وابستہ ہے۔ روح ایک غیبی حقیقت ہے اس کے نفخ سے انسانی حیات پیدا ہوتی ہے' پھر اس غیبی حقیقت کے نکل جانے کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے' وہ نہیں جو کسی شاعر نے کہا ہے:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب   موت کیا ہے ان اجزاء کا پریشاں ہونا

اب سوچئے کہ پروٹو پلازم کا صرف نام لے کر کر آپ ان دو راستوں میں کوئی اتحاد پیدا کر سکتے ہیں۔ خوب یاد رکھئے اگر آپ ایک لاکھ بار بھی پروٹو پلازم کا اقرار کر لیں اور افسوس یہ کہ اس کو قرآن کریم کی تفسیر بھی بنا ڈالیں جب بھی وہ قوم روح کے اس تخیل سے جو آپ کے ذہن میں ہے آپ سے برابر بدکتی رہے گی۔ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ. اس لیے اس خیال خام اور سعی لا حاصل میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور بے وجہ بحث کر کر کے اسلامی بیانات اور تحقیقاتِ عصریہ کے مابین مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت بھی نہیں اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ بلکہ اسلامی تاریخ کی اس تحریف کا ہم کو حق بھی نہیں ہے۔

ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ شریعت سلام نے چونکہ محالات کے تسلیم کرنے کا بوجھ ہم پر کہیں نہیں ڈالا' اس لیے اگر واقعہ میں کوئی بات ایسی موجود ہو جو اسلامی عقل کے چونکہ محال سمجھی جائے تو اس جگہ بے شک تاویل نہ کرنا جمود ہوگا۔ ہم نہ اس آزادی کے حامی ہیں نہ اس جمود کے قائل۔ امام رازی نے اپنے مذاق کے مطابق اپنی تفسیر میں دو جگہ اس مذموم مسئلہ کو چھیڑا ہے اور لکھا ہے کہ انسانوں کی یہ کثرت عقلی لحاظ سے کسی ایک انسان پر جا کر ختم ہونی چاہیے۔ لابدمن انتهاء الناس الى انسان۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۸۵ و ج ۵ ص ۲۷۵)

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کی تعلیم کی بناء پر نسل انسانی کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے اور تمام انسانوں کے لیے ان کے وجود کو ایک اساس مانا جاتا ہے اسی بنا پر ان کو ابوالبشر کا لقب عنایت ہوا ہے پھر یہ لقب اتنا مشہور کیا گیا ہے کہ اکثر مقامات میں حضرت آدم علیہ السلام کو اسی لقب کے ساتھ یاد فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس دور میں صرف ایک انسان نیست ہی نیست ہوا ہو۔ ابھی قوم اور شریعت کا پتہ تک نہ ہو اس کو رسول اور نبی کے لفظ سے کیسے یاد کیا جا سکتا تھا۔ باوجودیکہ وہ خدا تعالیٰ سے نبیوں کی طرح ہمکلام بھی تھا لیکن اس کا نقشہ حیات جتنا کہ بحیثیت ابوۃ قابل بیان تھا اتنا بہ حیثیت رسالت نہ تھا۔ انسانی پیدائش کے بعد جو اہم تر مسئلہ سامنے آتا ہے وہ انسانی معاشیات کا تھا کیونکہ اسی پر اس کے بقاء و نشر کا مدار تھا۔ یہاں اصولی عقائد میں ابھی کوئی تفریق کا محل ہی نہ تھا۔ اولاد کے کانوں میں خدا اور اس کی توحید کے سوا کوئی دوسری آواز ہی نہیں پڑی تھی گویا اس وقت عقائد کا مقام وہ تھا جو فطری خصائل کا ہو سکتا ہے اس کے باوجود جب کہیں صف انبیاء علیہم السلام بچھی ہے تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ضرور آ گیا ہے اور رسولوں ہی کے ساتھ آیا ہے۔ دیکھو شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام کا اجتماع کیا گیا حالانکہ حسب بیان احادیث یہ ﷺ.....

www.besturdubooks.net

كَانَ اَوَّلُهُمْ قَالَ اٰدَمُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ قَالَ نَعَمْ خَلَقَهُ اللّٰهُ بِيَدِهٖ ثُمَّ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ ثُمَّ سَوَّاهُ قُبُلًا. (رواه ابن حبان في صحيحه كذافي البداية و النهاية ص ۹۷)

تھے؟ فرمایا جی ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا تھا' پھر ان میں اپنی خاص روح پھونکی اور اپنے سامنے ان کو ہر طرح سے لیس کر دیا تھا۔

(ابن حبان)

(۱۴۰۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّتْرُكَهُ فَجَعَلَ اِبْلِيْسُ

(۱۴۰۵) حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت میں حضرت آدم کا کالبد تیار کرلیا تو جب تک اس کو منظور تھا اسی صورت پر اس کو رکھا۔ اس درمیان میں ابلیس اس کے گرد

بقیہ ..... اجتماع بہت ہی محدود پیمانہ پر تھا لیکن اس پر بھی حضرت آدم علیہ السلام وہاں موجود نظر آتے ہیں محشر میں جہاں رسولوں کے سواء کسی کو لب کشائی کی مجال نہ ہوگی اہل محشر کی نظریں جب شفاعت کے لیے رسولوں کی طرف اٹھیں گی تو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس طرح اٹھیں گی گویا ان کی رسالت انسانی فطرت میں مرکوز تھی پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نظر کی جاتی ہے تو ان کا جواب بھی وہاں ٹھیک اسی انداز کا نظر آتا ہے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ گویا خود وہ بھی اپنے نفس کو اسی سلسلہ کی ایک کڑی سمجھتے ہیں' لیکن یہ حقیقت کتنی ظاہر ہے کہ جو سارے انسانوں کی بنیاد ٹھہر چکا ہو اس کے لقب کے لیے دنیا و آخرت میں ابوالبشر سے بڑھ کر اور کون سا لقب ہوسکتا تھا۔

حیرت ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت ایسے دور میں زیر بحث آ گئی ہے جس میں کرشن جی کی نبوت قرین قیاس سمجھی جا رہی ہے۔ اہل قلم چاہتے ہیں کہ بچ بچ کر جس طرح ممکن ہو کرشن کی نبوت کا عقیدہ اس طرح دماغوں میں اتار دیں کہ کسی خلاف کے ٹکراؤ کا اندیشہ بھی نہ ہو اور ان کی نبوت بھی ثابت ہو جائے۔ ادھر تو یہ فراخ حوصلگی ادھر یہ تنگی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اس طرح شبہات سامنے لاتے ہیں کہ ان پر کوئی گرفت بھی نہ ہو سکے اور ایک نبی کی نبوت کا عقیدہ ذہنوں سے اگر نکل نہ سکے تو کم از کم اس میں شبہات تو ضرور پیدا ہو جائیں۔ ہمیں یہاں کسی فرد کی نبوت و عدم نبوت کی تحقیق کرنی منظور نہیں ہے بلکہ انسانی جدت پسندی کا نوحہ کرنا ہے اور اس پر اہمیت سے تنبیہ کرنی ہے کہ نبوت کوئی ایسا مقام نہیں جو محض حسن ظنی کی بناء پر کسی کے حق میں تجویز کر دیا جائے یہاں احتیاط کا قدم بس یہ ہے کہ جن رسولوں کے نام ہم کو بتائے جا چکے ہیں ان پر تو خاص ایمان رکھا جائے اور ان کے سواء خصوصی اشخاص کے متعلق نہ اس جانب کسی رجحان کا اظہار کیا جائے نہ اس جانب۔ دوم یہ بھی تنبیہ ضروری ہے کہ صرف کسی انسان کی خدا ترسی اس کی نبوت کا ثبوت نہیں ہے کہ اس کے حق میں نبوت کی حسن ظنی بھی پیدا کر لی جائے۔ امم سابقہ میں کتنے ہی انسان گذرے ہیں جن کے معتقدین نے بعض حدیث ان کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا ہے مگر ان کے حق میں رسالت کا بے دلیل کوئی گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سوم یہ بات بھی قابل فراموشی نہیں ہے کہ اگر دین کے عام مسلمات جو متقدمین علماء حق کے نزدیک محقق اور مختار ہیں کسی بین اور بدیہی ثبوت کے بغیر غیر معتمد قرار دے دیئے جائیں تو پھر شاید اسلام از اول تا آخر بدلا جا سکتا ہے۔ دین محمدی صرف کتابوں سے حاصل نہیں ہوا اس کے کچھ بدیہی مسلمات ہیں جو توارث سے ثابت ہیں اس مقام پر لفظی دلائل کے ساتھ توارث کا خیال رکھنا بھی لازم ہے فیصلہ صرف لفظی بحث سے کر دینا عجلت پسندی مذموم اور جدت طرازی ہے۔

(۱۴۰۵) ٭ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی صورت خلد بریں میں ہی بنائی گئی تھی۔ اگر جنت سے مراد دنیا کا کوئی باغ ہوتا تو یہ کوئی اتنی اہم بات نہ تھی جس کا تذکرہ حدیثوں میں آتا پھر جب وہیں ان کی صورت بنی تو یقیناً وہیں ان کی سکونت بھی بقیہ .....

www.besturdubooks.net

يَطُوفُ بِهٖ يَنظُرُ مَا هُوَ فَلَمَّا رَاٰهُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقٌ لَايَتَمَالَکُ. (رواه مسلم)

چکر لگاتا اور دیکھتا کہ یہ کیسی مخلوق ہے جب اس نے دیکھا کہ وہ تو اندر سے کھوکھلی ہے (ٹھوس نہیں ہے) تو سمجھ لیا کہ یقیناً یہ ایسی مخلوق بنائی گئی ہے جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔ (مسلم شریف)

(۱۲۰۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِیْ يُدَهْدِهُ الْخَرَاءَ بِاَنْفِهٖ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

(۱۲۰۶) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے تنبیہ کے لہجہ میں فرمایا۔ یا تو یہ لوگ جو اپنے ان مردہ باپ دادوں پر جو مر کر جہنم میں کوئلہ ہو چکے ہیں فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ پاخانہ کے اس کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے جو نجاست کو اپنی ناک سے ہٹا ہٹا کر کھسکتا ہے سب آدم ہی کی اولاد ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ (پھر فخر کس بات کا) (ترمذی وابوداؤد)

(۱۲۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَ فِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا. (رواه مسلم وفی الصحیح وفیه تقوم الساعة)

(۱۲۰۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے مبارک دن جس میں آفتاب طلوع کرتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن جنت سے نکلے اور قیامت بھی اسی دن آئے گی۔ (مسلم شریف)

لله ..... ہوگی اور اسی وقت جنت کو آدم علیہ السلام کی وراثت کہنا بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کوئی دنیا کا باغ تھا۔ آدم علیہ السلام کی سرگزشت مختلف مقامات میں ذکر کی گئی ہے مگر کسی ایک مقام پر بھی اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ آج بھی بہت سے انسان باغوں میں رہتے ہیں اس لیے یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں جس کا قرآن کریم بار بار اس انداز سے ذکر فرمائے گویا وہ ان پر قدرت کی طرف سے بہت بڑا انعام تھا۔ اور معصیت کے بعد پھر اس سے نکلنا کوئی بہت بڑی محرومی تھی جو ہمیشہ قابل یادگار تھی۔

يَا بَنِیْ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ. (الاعراف:۲۷)

اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں ڈال دے جیسا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت میں سے باہر کرادیا۔

(۱۲۰۷) ٭ قرآن کریم میں جابجا چھ دن میں عالم کی تخلیق کا تذکرہ آیا ہے اس کے بعد پھر استواء علی العرش کا ذکر ہے۔ اسلامی نقول کے لحاظ سے عالم کی پیدائش ہفتہ سے شروع ہوکر جمعرات پر ختم ہوگئی ہے اور اس جمعہ میں کچھ اور پیدا نہیں کیا گیا۔ اسی لحاظ سے ہمارے یہاں جمعہ کا دن تعطیل کا دن شمار ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کتنی مدت کے بعد کسی اور جمعہ میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے ہیں۔ لہٰذا یہاں جمعہ سے مراد عالم کی تخلیق کے بعد متصل جمعہ مراد نہ لینا چاہیے۔ جس دن میں قدرت کے اتنے اہم افعال جمع ہوں ظاہر ہے کہ وہ کتنا عظیم الشان دن ہوگا۔

www.besturdubooks.net

(۱۴۰۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ طُوْلُہٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَہٗ قَالَ اِذْھَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰئِکَ النَّفَرِ وَھُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَکَ فَاِنَّھَا تَحِیَّتُکَ وَتَحِیَّۃُ ذُرِّیَّتِکَ فَذَھَبَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَقَالُوْا السَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ قَالَ فَزَادُوْہُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ الحدیث. (متفق علیہ)

(۱۴۰۸) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی خاص صفات پر پیدا فرمایا' ان کا قد ساٹھ گز لمبا تھا- جب ان کو پیدا فرما چکا تو اس نے کہا جاؤ یہ جو فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو اور جو جواب وہ تم کو دیں اس کو غور کے ساتھ سننا کیونکہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی آئندہ سلام کی وہی سنت ہوگی- یہ گئے اور انہوں نے فرمایا ''السلام علیکم'' انہوں نے جواب میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کا لفظ اور زیادہ کر دیا- (متفق علیہ)

وقد رواہ الترمذی ابسط منہ و فیہ قصۃ اعطاء ادم ابنہ داؤد علیہ السلام من عمرہ.

(۱۴۰۸) * نسل انسانی کو جو جو اہم اسباق قدرت کو سکھانے تھے وہ ابتداء سے ہی اصل انسانی میں ودیعت فرما دیئے تھے تاکہ وہ انسانی فطرت کا جزء بن جائیں- پھر جب اس کو اپنی خلافت خاصہ سے نواز کر کرۂ ارضی پر اپنا نائب بنایا تو یہ بھی ضروری ہوا کہ خلیفہ اپنے اصل مالک کے کمالات کا مظہر ہو اور اس لیے یہ بھی مناسب ہوا کہ تاج پوشی کی رسم کے لیے ایک بار خلیفہ کے حق میں بھی انقیاد و تسلیم کا وہ نقشہ دکھا دیا جائے جو اصل مالک کے لیے مخصوص تھا' یعنی ''سجدہ تحیہ'' نیز جب آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تو ضروری ہوا کہ ان کی ماتحت مخلوق کی فطرت میں جذبہ انقیاد کا تخم بھی ڈال دیا جائے- اس لیے سب سے قوی مخلوق کو جو بقیہ تمام مخلوق پر نگراں بنائی گئی تھی سجدہ کا حکم دیا گیا تاکہ بقیہ تمام مخلوق میں آدم علیہ السلام کی اطاعت شعاری ان کی سرشت بن جائے اور کسی کو سرتابی کا حوصلہ نہ رہے' اسی عام تسخیر کو جو آسمانوں سے لے کر ارضی مخلوق تک نظر آتی ہے- قرآن کریم میں جا بجا بطریق امتنان ذکر فرمایا گیا ہے' جدید فلسفہ کہتا ہے کہ یہ قوی کے ضعیف پر غیر محدود زمانہ کے تسلط کا اثر ہے' مگر مذہب یہ بتاتا ہے کہ یہ قدرت کی پوشیدہ کارفرمائیاں ہیں- پھر جب یہ عام تسخیر مقدر ہوئی تو یہ بھی ضروری ہوا کہ اس خلیفہ کو اصل کے خاص کمالات کا مظہر بنایا جائے اور اس کے خاص صفات میں سے صفت علم میں سب سے ممتاز بنایا جائے حتی کہ ملائکۃ اللہ سے بھی اسی نکتہ سے فرشتوں کی نظر چوک گئی اور انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس اور عبودیت کو پیش کیا حالانکہ یہ اگر کمال تھا تو مخلوق اور عبد کا کمال تھا' حاکم اور خالق کا تو نہ تھا- آدم علیہ السلام اگر کسی دوسری مخلوق کے خلیفہ ہوتے تو ان کی یہ بحث شاید برمحل ہوتی مگر یہاں خلافت الٰہیہ کا منصب عطاء ہو رہا تھا' یہاں عبودیت کی خاص صفت کی بجائے اصل مالک کی خاص صفات کا مظہر ہونا لازم تھا- حیات' قدرت' سمع و بصر' مشیت و ارادہ' کلام کے آثار تو دوسری مخلوق میں بھی کم و بیش موجود تھے ان سب میں نمایاں اور خاص صفت علم کی صفت تھی اس لیے اسی کو معیار مقرر کیا گیا اور اسی پر خلافت کی بحث ختم کر دی گئی اور اسی وقت یہ راز مخلوق پر روشن ہو گیا کہ جو اصل خالق کے کمالات کا سب سے بڑا مظہر ہو وہی اس کی خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہونا چاہیے-

اب رہی یہ بحث کہ ساٹھ ذراع شرعی جو ہمارے تیس ذراع ہوتے ہیں اس طول کے انسان کا دنیا کے کسی دور میں ہونا عصری تحقیقات کے خلاف ہے تو یہ صرف ایک قیاسی بحث ہے اور اس پر عقلی طور پر گفتگو کرنے کی بہت گنجائش ہے' اب جس پر اپنی تحقیق کا غلبہ ہوگا وہ اسی طرف جھکتا رہے گا اور جس پر اخبارِ شریعت کا غلبہ ہوگا وہ اسی پر اعتماد و وثوق کرے گا- صرف عقلی میدان میں کسی کو بازی لے جانا مشکل ہے- اس کے علاوہ ایک روایت میں ''ستون ذراعا فی السماء'' کی تصریح ہے- حضرت شیخ اس کی مراد یہ بیان فرماتے تھے کہ آدم علیہ السلام کے قد کی یہ درازی جنت میں تھی' جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو اس میں مناسب تخفیف کر دی گئی-

www.besturdubooks.net

(۱۴۰۹) عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ رَفَعَه قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَطَسَ (ای لَمَّا دَخَلَ الروح فی راسه) فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ فَقَالَ لَه رَبُّه رَحِمَکَ رَبُّکَ یَا اٰدَمُ. (رواه البزار قال الحافظ ابن کثیر فی البدایة ج۱ ص۸۶ و هذا اسناد لاباس به و قدروی ابن حبان فی صحیحه عن انس بنحوه)

(۱۴۰۹) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا (اور روح ان کی ناک تک پہنچی) تو ان کو چھینک آئی انہوں نے کہا ''الحمدللہ'' ان کے پروردگار نے اس کے جواب میں فرمایا ''یا ادم رحمک ربک'' اے آدم تمہارا رب تم پر رحم فرمائے-

(البدایہ والنہایہ ج۱ص۸۶)

(۱۴۱۰) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَنْ جَحَدَ اٰدَمُ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمَّا خَلَقَهٗ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّتَهٗ فَعَرَضَهُمْ عَلَیْهِ فَرَاٰی فِیْهِمْ رَجُلًا یَزْهَرُ فَقَالَ اَیْ رَبِّ زِدْ فِیْ عُمُرِهٖ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَزِیْدَهٗ اَنْتَ مِنْ عُمُرِکَ فَزَادَهٗ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً مِنْ عُمُرِهٖ فَکَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ کِتَابًا وَ

(۱۴۱۰) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سب سے پہلے انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں- آپؐ نے یہ جملہ تین بار فرمایا- بات یوں ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرلیا اور ان کی پشت سے ان کی ذریت نکال کر ان کے سامنے کی تو انہوں نے ان میں ایک شخص دیکھا جو چمک رہا تھا- انہوں نے عرض کی پروردگار اس کی عمر کچھ اور بڑھادے ارشاد ہوا یہ نہیں ہوسکتا مگر اس صورت سے کہ تم اپنی عمر سے کچھ ان کو دے دو- آدم علیہ السلام نے اپنی عمر کے چالیس سال اس کو دے دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس معاملہ کی نوشت وخواند کے بعد اس پر

(۱۴۰۹) * اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ چھینک آثارِ حیات میں سے ہے اس لیے آج تک اس پر الحمدللہ کہنا سنت آدم شمار ہوتا ہے- اسی طرح اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنا اسی قدیم سنت کے مطابق ہے- ان احادیث سے تحیۃ وتحمید کے الفاظ کی اہمیت سمجھنی چاہیے اسی لیے حدیثوں میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے جو اپنے محل میں آئے گا- افسوس کہ مسلمانوں نے آج ان دونوں مقامات پر سنت آدم کو فراموش کرکے نئے نئے الفاظ اپنی جانب سے تراش لیے ہیں اور کسی نے تو چھینک کو برکت کی بجائے اس کو اور آثار نحوست تک سمجھ لیا ہے-

(۱۴۱۰) * حضرت آدم علیہ السلام جس طرح تخلیق انسانی کی اساس تھے اسی طرح قدرت کے بہت سے اسرارِ تکوینیہ کا ایک مرکب نسخہ بھی تھے- ان کا کالبد مختلف رنگ وبو کی مٹی سے بنایا گیا تو ان کی ذریت میں ہر رنگ کا انسان اور اس میں نرمی وگرمی ہر قسم کی خو پیدا ہوگئی- اسی طرح جب سہو ونسیان اور جحود خطا کا تخم بھی گو کسی حیثیت کا ہو ان میں بودیا گیا- تو وہی تخم بڑھ کر خدا تعالیٰ کے قہر ومہر کا سامان بن گیا یعنی سہو ونسیان بڑھا تو غفلت کی شکل بن گئی خطاء نے ترقی کی تو عمد کی صورت ظاہر ہوگئی اور جب جحود کی خصلت بڑھی تو کفر رونما ہوگیا- والعیاذ باللہ اگر طینت آدم علیہ السلام میں مختلف رنگوں کی مٹی شامل نہ ہوتی تو نہ تو نسل انسانی کے رنگوں میں اختلاف نظر آتا اور نہ ان کے خصائل وطبائع میں- سب ایک ہی باپ کی اولاد تھے اور اس لیے اپنے رنگ وبو میں بھی سب یکساں ہوتے اسی طرح اگر ان میں بنیادی طور پر انسانی ضعف نہ رکھا جاتا تو نسل انسانی میں بھی کمزوری کا اثر نظر نہ آتا-

واضح رہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے مذکورہ بالا واقعہ کو اپنی تالیف میں دو جگہ ذکر فرمایا ہے- کتاب القدر میں اور باب السلام میں اور للہ .....

www.besturdubooks.net

اَشْهَدَ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةَ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَقْبِضَ رُوْحَهُ قَالَ اِنَّهُ بَقِيَ مِنْ اَجَلِيْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً فَقِيْلَ لَهُ اِنَّكَ قَدْ جَعَلْتَهَا لِاِبْنِكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فَجَحَدَ قَالَ فَاَخْرَجَ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَ اَقَامَ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ فَاَتَمَّهَا لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِائَةَ سَنَةٍ وَ اَتَمَّ لِاٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عُمْرَهُ اَلْفَ سَنَةٍ.

(رواہ الامام احمد)

فرشتوں کی گواہی لے لی پھر جب ان کی قبض روح کا وقت آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں ان سے کہا گیا آپ تو وہ اپنے فرزند داؤد کو بخش چکے ہیں۔ آدم علیہ السلام کو وہ بات یاد نہ رہی اس لیے انہوں نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اقرار نامہ نکال کر ان کے سامنے کیا اور اس کا ثبوت دے دیا (بس اصل انسانی کے اس انکار کا اثر نسل انسانی میں بھی چلتا رہا۔ اور نسیان کی طرح انکار بھی انسان کی سرشت بن گئی) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی عمر بھی سو سال پوری کر دی اور آدم علیہ السلام کی عمر بھی بدستور ہزار سال رہنے دی۔ (مسند احمد)

لے ..... دوسری جگہ اس میں اربعین کی جگہ ستین سنة کا لفظ نقل فرمایا ہے یعنی آدم علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر میں سے ساٹھ سال عطا فرمائے تھے مگر اس روایت میں داؤد علیہ السلام کی عمر چالیس سال مذکور ہوئی ہے اور پہلی روایت میں جہاں آدم علیہ السلام کا چالیس اپنی عمر میں سے عطا فرمانا مذکور ہے۔ وہاں داؤد علیہ السلام کی عمر ساٹھ سال بیان کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی درخواست ان کی عمر پوری سو سال ہونے کے متعلق تھی۔ پس اگر ان کی عمر ساٹھ سال تھی تو اس میں چالیس کی کسر تھی اور اگر چالیس سال تھی تو ساٹھ سال کی کسر تھی۔ دونوں صورتوں میں ان کی عمر پورے سو سال ہو جاتی ہے۔ روایوں کو یہاں اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اصل عمر کیا بیان فرمائی تھی اس لیے سو سال کی تکمیل میں بھی اسی حساب سے ان کو مختلف رہنا چاہیے تھا۔ یہاں حدیث کی جو توجیہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمائی ہے وہ مشکوٰۃ کے حواشی میں دیکھ لی جائے۔ اس کے حساب سے ان کی عمر ۱۲۰ سال بن جاتی ہے۔ اپنی رائے ناقص ہم بیان کر چکے ہیں۔ شارحین کی نظر یہاں صرف آخر حصہ پر گئی ہے۔ یعنی یہ کہ آدم علیہ السلام نے ان کو چالیس سال بخشے تھے یا ساٹھ اور اسی پر بحث شروع کر دی ہے۔ اگر اس طرف بھی ان کی نظر چلی جاتی کہ یہاں دوسرا اختلاف اس سے پہلے داؤد علیہ السلام کی اصل عمر میں بھی موجود ہے تو بات صاف ہو جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

ترمذی شریف کی اس دوسری روایت میں یہ لفظ اور ہیں قال فمن یومئذ امر بالکتاب و الشھود.

تقدیر کے بیان میں اس روایت کے اہم اجزاء پر کلام کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرما لیا جائے۔ یہاں مسند احمد کی یہ روایت خاص اس لیے نقل کی گئی ہے کہ اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی عمریں پوری کی پوری ہی عطا فرما دیں اور حساب سے جو کمی بیشی ہوئی تھی اس کی رعایت نہیں کی۔

اس سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ سہو و نسیان جو دو عصیان کی نسبت گو انبیاء علیہم السلام کی جانب بھی آ گئی ہے مگر ان میں اس کی حقیقت کیا ہوگی کہ ان کے سہو و نسیان اور جو دو پر بھی رحمت کی اتنی بارشیں ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ قرآن کریم کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی ذریت کے لیے نمونہ تقدیر تھے۔ سہو و نسیان اور جو دو عصیان کی جو خصلتیں ان کی ذریت میں مقدر تھیں وہ سب ان کے آئینہ میں پہلے سے نظر آ گئیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ شدت و خفت کے لحاظ سے اس کی نوعیت میں وہ اختلاف پیدا ہو گیا جو صورت و حقیقت میں ہوتا ہے۔ یہاں صرف ان کی صورت ہی صورت تھی اور آگے چل کر وہ صورت ترقی کر کے حقیقت کا رنگ اختیار کر گئی یہ بھی ایک ارتقائی حرکت سمجھنی چاہیے۔

www.besturdubooks.net

(۱۴۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ

(۱۴۱۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- عورت (بائیں) پسلی سے بنائی گئی ہے وہ کبھی ایک سیدھے طریقہ پر

(۱۴۱۱) ✱ حضرت حواء کی تخلیق کے متعلق قرآنی اور حدیثی بیان ہمارے پاس صرف ایک یہی ہے اور اس کے خلاف کوئی دوسرا بیان موجود نہیں- حضرت حواء کی پسلی سے پیدائش گوفہم سے بالاتر بات ہے- لیکن اگر حدیث کے الفاظ پر ذرا غور کر لیا جائے تو پھر اس میں کوئی الجھن باقی نہیں رہتی- حدیث میں حضرت حواء کے متعلق ''ولد'' کا لفظ نہیں بلکہ ''خلق'' کا لفظ ہے- چونکہ اردو زبان میں دونوں کا ترجمہ یکساں ہے اس لیے یہاں بے وجہ کی الجھن پیدا ہوگئی ہے حدیث یہ نہیں کہتی کہ حضرت حواء کی ولادت پسلی سے ہوئی تھی بلکہ یہ کہتی ہے کہ ان کی خلقت پسلی سے ہوئی ہے یعنی جس طرح آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے حضرت حواء ضلع آدم یعنی ان کی پسلی سے بنائی گئی تھیں- ہمارے نزدیک تو انسان کی ایک انسان سے تخلیق اتنی بعید نہیں جتنی کہ انسان کی مٹی سے بعید ہے اب اگر ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ نے اس کو بدیہی بنا دیا ہے تو اس سے اصل حقیقت کا معمہ پھر حل نہیں ہوتا- حدیث کے اس بیان کو اگر سورۂ نساء کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں-''

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی یہ کثرت نہ تو براہ راست ابتداءً پیدا کی گئی ہے اور نہ صرف ایک وحدت سے پیدا کی گئی ہے بلکہ اس میں ایک تدریج ملحوظ رکھی گئی ہے اور اس کی شکل یہ ہوئی کہ پہلے ایک ہی نفس کو پیدا فرمایا گیا- پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا گیا پھر اس جوڑے سے انسانوں کی یہ کثرت پیدا کی گئی اب اگر فرض کرو کہ حضرت حواء کی تخلیق بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مستقل ہوتی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا مادہ تخلیق کیا تھا- قرآن کریم اور حدیث میں مذکورہ بالا صورت کے علاوہ اس باب میں کوئی بیان موجود نہیں' نیز اگر حضرت حواء کی تخلیق بھی مستقل مانی جائے تو پھر انسانوں کی کثرتِ کے ظہور کے لیے جو نسق بیان اختیار فرمایا گیا ہے اس کی بجائے سیدھی بات یہ تھی کہ ہم نے اس کثرت کو آدم و حواء سے پیدا کیا ہے جیسا کہ حضرت حواء کے بعد یہی نسق بیان اختیار فرمایا گیا- ''وَبَثَّ مِنْهُمَا'' یعنی پھر ہم نے اس جوڑے سے کثرت پیدا کی- سورۂ بقرہ میں امام قرطبی نے صرف اسی تفسیر کو ذکر فرمایا ہے' بلکہ اس میں ایک لفظی نکتہ بھی لکھا ہے- وہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں عورت کو 'امراءۃ' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ''المرء'' سے بنی ہے جس کے معنی مرد کے ہیں اور ان کا نام حواء بھی اسی لیے رکھا گیا تھا' کیونکہ وہ ایک ''حی'' یعنی زندہ ہستی سے بنائی گئی تھیں- گویا یہ حقیقت حضرت حواء کی تخلیق سے لے کر ان کے نام تک سرایت کر گئی ہے بلکہ احکام میں بھی اس کا اثر یہاں تک ظاہر ہوا کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں شیر خوار لڑکے کا پیشاب بہ نسبت شیر خوار لڑکی کے نجاست میں خفیف سمجھا گیا ہے- پھر جب خود امام شافعیؒ سے اس تفریق کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے ایک علمی نکتہ کے طور پر فرمایا کہ نوع انسانی میں مذکر کی پیدائش آب و گل سے ہوئی ہے اور وہ پاک ہے اور مؤنث کی گوشت و خون سے اور وہ ناپاک ہے اس لیے نسل انسانی میں بھی اپنی اصل کے آثار باقی رہ گئے ہیں- امام موصوف کا یہ بیان صرف ایک علمی نکتہ ہے اس کی اصل بنا صحیح حدیثوں پر ہے فروعی تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے- علاوہ ازیں عقلی طور پر تخلیق کی چار صورتیں ہیں' اور وہ چاروں انسانی تخلیق میں پوری کر دی گئی ہیں- والدین ﷲ .....

www.besturdubooks.net

ضِلَعٍ لَنْ يَسْتَقِيمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ وَ بِهَا عِوَجٌ وَ اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَ كَسْرُهَا طَلَاقُهَا.

(رواه مسلم و في البخاري نحوه)

تمہارے ساتھ بسر نہیں کرسکتی اب اگر اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہو تو اسی کجی کے ساتھ نفع حاصل کرتے رہو' اگر کہیں تم نے اس کے سیدھا کرنے کا ارادہ کیا تو یاد رکھو کہ تم اس کو توڑ دو گے۔ یعنی اس کو طلاق دینی ہوگی۔

(مسلم شریف)

(۱۲۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۲۱۲) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ﷺ ..... کے بغیر پیدائش' جیسے آدم علیہ السلام والدین سے پیدائش۔ جیسا کہ معمول ہے۔ صرف والدہ سے پیدائش جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اب صرف ایک یہی صورت باقی رہتی ہے جس میں صرف مذکر سے تخلیق ہو۔ اب اگر حدیث مذکور میں تاویل نہ کی جائے تو حضرت حواء اس چوتھی صورت کا مصداق ہوں گی ورنہ دائرہ تخلیق میں صرف یہی ایک قسم ہوگی جس کی مثال نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ عقل کے نزدیک دوسری قسم کے سواء سب صورتیں ناقابل فہم ہیں چنانچہ نصاریٰ نے گو صرف والدہ سے پیدائش کا اعتراف تو کرلیا مگر وہ بھی پورے طور پر اس کے سمجھنے سے قاصر رہے حتیٰ کہ اسی کو عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کی دلیل بنا بیٹھے دوسری طرف یہود نے اس خلقت کو غیر معقول سمجھا تو عالم کی ایک پاک باز ترین عورت کو متہم کرنے سے باز نہ رہ سکے اب رہ گئی حضرت حواء کی شخصیت تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے اہم واقعات میں اس طرح گم ہے کہ یہاں نئے نئے محققین نے صاف طور پر سامنے آکر کوئی بات تو نہیں کہی مگر ان کے دلوں کے اندر ہی اندر تخلیق کی اس نوع میں بہت سے شبہات کھٹک رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا حدیث قرآن کریم کی آیت خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا بیان ہے اور اس طرح تخلیق کا نکتہ بھی خود قرآن کریم ہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ (اعراف:۱۸۹)

''وہی تمہارا پروردگار ہے جس نے تم کو اکیلی جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے تسکین حاصل کرے۔''

سورۂ نساء اور سورہ اعراف میں دونوں جگہ حضرت حواء کے حق میں ایک ہی لفظ یعنی خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ارشاد فرمایا گیا ہے' مگر یہاں اس کی حکمت بھی بیان فرمادی گئی ہے یعنی یہ بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضرت حواء حضرت آدم علیہ السلام ہی سے بنائی گئی تھیں۔ کیونکہ انسان کو جتنی کشش اپنے ہم جنس کی طرف ہوتی ہے اس سے زیادہ کشش اس کی طرف ہوتی ہے جو خود اسی سے پیدا شدہ ہو۔ اسی لیے جو محبت اپنی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے وہ کسی دوسرے کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اجنبی مرد و عورت کے درمیان عقد نکاح کے فوراً بعد جس محبت کا مشاہدہ ہوتا ہے اس سے یہ اندازہ کرلینا کچھ بعید نہیں کہ ان کے اصول میں ضرور کوئی ایسا ہی رشتہ ہونا چاہیے امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو حضرت حواء کی اس طرح تخلیق سے قطعاً کوئی تکلیف نہیں ہوئی اگر ایسا ہوتا تو نسل انسانی میں کسی مرد کو کسی عورت کی طرف کبھی رغبت نہ ہوتی اور اصل انسانی میں تکلیف کی تاریخ نسل انسانی میں اثر دکھائے بغیر نہ رہتی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۲۱۲) ✱ بنی اسرائیل کی فرمائش پر من و سلویٰ نازل ہوا تھا مگر ان کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ وہ کچھ بچا کر نہ رکھا کریں مگر انہوں نے حکم عدولی کی۔ آخر یہ رسم بد آئندہ نسلوں میں بھی چل پڑی اور اپنی حاجت سے فاضل گوشت جمع کرنا شروع کردیا گیا۔ حتیٰ کہ سڑنے کی نوبت آنے لگی۔ کیا تعجب ہے کہ انسانی اخلاق کسی زمانہ میں گوشت جیسی چیز کا ضرورت سے زیادہ جمع رکھنا مکروہ سمجھتے ہوں۔ پھر اخلاق کی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَمْ یَخْنِزِ اللَّحْمُ وَ لَوْ لَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنِ الْاُنْثٰی زَوْجَهَا الدَّهْرَ. (متفق علیه)

اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو (گوشت جمع کر کے رکھنے کی بری رسم نہ پڑتی) اور گوشت (گھروں میں پڑا پڑا) نہ سڑا کرتا۔ اور اگر حضرت حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت زمانہ بھر میں کبھی اپنے شوہر کے ساتھ خیانت نہ کرتی۔ (متفق علیہ)

؎ ..... پستی کی بدولت اس کا جمع کرنا شروع ہو گیا ہو اور اس کے سڑنے کی نوبت آ گئی ہو۔ آج بھی بخیل طبائع حاجت مندوں میں کھانا تقسیم کرنے سے اس کو سڑا دینا بہتر سمجھتی ہیں کاش اگر بنی اسرائیل اس رسم بد کی بنیاد نہ ڈالتے تو دنیا اس بخل کی عادی نہ ہوتی۔ اسی طرح جدی خصائل آئندہ نسل میں نمودار ہوا کرتے ہیں۔ حضرت حواء علیہا السلام کا جو معاملہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا گو اس کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو مگر اس خصلت کا ظہور بھی عورتوں میں ایک جزء لازم بن گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہر عورت کی اپنی فطرت کی بلندی و پستی کے لحاظ سے اس کی نوعیت میں فرق ضرور پڑتا رہا۔ مگر شوہر کے ساتھ ناعاقبت اندیشی کی جو بنیاد ایک مرتبہ قائم ہو چکی تھی وہ بدل نہیں سکی۔ ابو ہریرہ کی ان ہر دو حدیثوں سے صنف رجال کی برتری اور صنف نساء کی فطری کمزوری یعنی مرد کے مقابلہ میں ان کی کمتری بھی ثابت ہوتی ہے۔ خدا کی مخلوق میں ضعف و قوت کا یہ اختلاف سماوی مخلوق سے لے کر ارضی مخلوق تک موجود ہے آسمان پر جب نظر کی جاتی ہے تو اس میں بھی شمس و قمر تمام ستاروں میں سب سے روشن اور بڑے نظر آتے ہیں' پھر ستاروں میں بھی ان کی جسامت اور نورانیت میں بھی بڑا اختلاف موجود ہے۔ زمین میں بھی حیوانات میں بڑا اختلاف ہے اور اس جنس میں بھی مذکر و مؤنث میں طاقت و جسامت کے اندر کھلا اختلاف موجود ہے۔ یہی اختلاف انسانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ یہاں مذکر و مؤنث یعنی مرد و عورت کی صنف میں قوت و ضعف کا بڑا اختلاف ہے۔ اس فطری اختلاف کو اگر جدید تحقیقات کی روشنی میں دیکھنا ہو تو "المرء ۃ المسلمہ" کا مطالعہ کیا جائے' اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے جس کا نام ''مسلمان عورت'' ہے۔ ان اختلافات کے علاوہ خود ایک ہی شخص کے دائیں بائیں اعضاء میں فرق ہوتا ہے مگر ان تمام اختلافات کو قدرت کے کمال کے سواء کہیں کسی کی حق تلفی نہیں سمجھا گیا' نہ کبھی کسی نے ان بدیہی اختلافات کے انکار کی ہمت کی ہے' مگر ہمارے دور میں صرف یورپ کے اعتراضات کی بناء پر عورت کے شرعی اور فطری نقصان کے انکار کی سعی جاری ہے حالانکہ قرآن و حدیث میں اس دعوے کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں اگر دو جگہ عورتوں کا تذکرہ آیا ہے تو سو جگہ نہیں آیا۔ ہمارے نزدیک صنفِ نازک کو مرد قوی کے بالکل برابر لا کھڑا کرنے کی سعی ایسی ہی ہے جیسی کہ بائیں اعضاء کی دائیں اعضاء کے بالکل برابر بنانے کی۔ فطرت کے ان اختلافات کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنا ہے۔

بعض اہل قلم کو اس مسئلہ سے اتنا شغف ہے کہ انہوں نے سورۂ یوسف کی آیت اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ کے ذیل میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عالم کے واقعات پر جہاں کہیں نظر ڈالی جائے تو ہر جگہ عورت ہی معصوم نظر آتی ہے اور ہر جگہ در پردہ مرد ہی کی کارفرمائی ثابت ہوتی ہے۔ اور اتنا نہیں سوچا کہ کیا اس فقرہ کا محل سورۂ یوسف ہی رہ گئی تھی۔ جس میں صرف مرد کی عصمت اور عورت کے فریب کی سرگزشت بیان کرنی مقصود ہے۔ لیکن یہ انسان کا فطری ضعف ہے کہ جب وہ کسی جانب مائل ہوتا ہے تو آنکھ میچ کر اس طرح ڈھلتا چلا جاتا ہے کہ محل و بے محل کی طرف اس کو کوئی توجہ نہیں رہتی اس لیے ہمیں اس کی وضاحت کرنی ضروری ہے کہ احادیث بالا کی روشنی میں صنف نازک بے شبہ مرد کی نسبت سے ضعیف اور ناقص بنائی گئی ہے مگر اس کے باوجود وہ مرد کے ایک اہم گوشہ حیات کے لیے باعث تکمیل بھی ہے۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہمیں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف یہ دو حرف لکھ کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی اتنی بڑی تعداد میں کسی عورت کو منصب نبوت سے نوازا نہیں گیا۔ اور اس طرح دنیا کے ملوک و سلاطین کی تاریخوں میں بھی عورتوں کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ مذہب و دنیا کی تاریخوں کے اس توافق کے بعد اب واقعات کی دنیا میں تو آپ کے اس ؎ .....

www.besturdubooks.net

سیدنا ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق مورخین کو اختلاف ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پیشتر ہوئے ہیں یا بعد میں۔ اس تاریخ بحث کی اہمیت اس لیے ہے کہ اگر وہ پہلے ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ان کا ہونا یقینی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے بعد یہ پہلے وہ شخص تھے جو نبوت سے سرفراز ہوئے۔ درمنثور میں حاکم کی روایت سے ان کا حلیہ مبارک یہ نقل کیا ہے: گورا رنگ' دراز قامت' بھاری پیٹ چوڑا سینہ' جسم پر بال کم' سر کے بال گھنے' ایک آنکھ زیادہ فراخ اور سینہ پر ذرا سا سفید دھبہ۔

سلف میں صرف دو نبیوں کے متعلق آسمان پر اٹھائے جانے کی شہرت تھی ایک یہ دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع تو تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ادریس علیہ السلام کے رفع کے متعلق کوئی مرفوع روایت صحت کو نہیں پہنچی۔ البتہ صحابہؓ اور تابعین میں اس کا تذکرہ ضرور رہا ہے اور چونکہ حضرت ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ وغیرہما سے ان کا رفع آیت "وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا" کی تفسیر میں منقول ہے اس لیے اس کو بے اصل اسرائیلیات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں جن روایات پر منکر ہونے کا حکم لگایا ہے وہ اس جزء کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان روایات میں اور بہت سی بے تحقیق باتیں موجود ہیں جو بے اصل ہیں۔ چنانچہ ان کے قول وفی بعضه نکارة میں اسی طرف اشارہ ہے۔ عجلت پسندوں نے یہاں یہ سمجھ لیا ہے کہ انہوں نے پوری روایت پر منکر ہونے کا حکم لگا دیا ہے۔ اسی لیے صحابہؓ کے ان آثار کو انہوں نے ضعیف قرار نہیں دیا اور نہ ان کو منکر کہا ہے بلکہ اپنی تاریخ میں خود ان کو نقل فرمایا ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور اس لیے نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کی طرح اس کو عقائد کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو بے اصل کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اسرائیلیات کو مطلقاً بے اصل سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اسرائیلیات کا جو حصہ 'دین محمدیؐ' علیٰ صاحبہا الف الف صلوات وتحیات کے خلاف نہ ہو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اس کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''التوسل والوسیلہ'' میں اس پر مبسوط بحث کی ہے۔

ؒ ..... فیصلہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے لیے آپ کو کوئی دوسرا جہان تلاش کرنا ہوگا۔
ہمارے نزدیک اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت میں جداگانہ جداگانہ قسموں کی صلاحیتیں پیدا فرمائی ہیں اور ہر ہر صنف دوسری نوع کی خاص صلاحیتوں سے خالی ہے عالم انسانیت کی تکمیل کے لیے ان دونوں کا وجود ضروری ہے۔ پس انسانی عالم کو عالم نساء کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ کسی ناقص کو اپنے کمال کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ پس ایک لحاظ سے عورتوں کے کمال اور ضرورت کا انکار نہیں۔ مگر یہ بات صاف ہے کہ جو صلاحیتیں مرد میں رکھی گئی ہیں وہ ان سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں جو عورتوں میں پیدا کی گئی ہیں۔ نبوت اور رسالت تو بڑے مقامات ہیں ت میں روزمرہ کی نماز کی امامت کی صلاحیت بھی نہیں بلکہ مقتدیوں کی صف اول میں شامل ہونے کی صلاحیت بھی نہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کا موقف تمام صفوف رجال کے پیچھے ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے عورتوں کے مردوں کے ساتھ جمیع حقوق میں مساوات کی ہمیں تو کوئی اصل معلوم نہیں ہو سکی۔ پھر معلوم نہیں مسلمان اور تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بے جا واویلا کس لیے ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۱۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ مِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ.

(رواه مسلم)

(۱۲۱۳) معاویہ بن حکم سلمی کہتے ہیں- میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم زمانہ جاہلیت میں بہت سے افعال کرتے تھے' ان کے متعلق کیا ارشاد ہے- ہم کاہنوں کے پاس بھی جاتے تھے- آپؐ نے فرمایا ان کے پاس جا کر خبریں دریافت نہ کیا کرو (یہ بے اصل بات ہے) انہوں نے عرض کی- ہم بد فالی کے بھی قائل تھے- آپؐ نے فرمایا قدیم عادت کی بناء پر تمہارے دل میں اس کا احساس تو ضرور ہوتا ہوگا مگر عملاً اس کی تردید کا طریقہ یہ ہے کہ جو کام کرنا ہے وہ کر لو اور اس احساس کی وجہ سے اس کے کرنے سے باز نہ رہو- پھر انہوں نے عرض کی- ہم رمل کا حساب بھی کرتے تھے- آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو یہ علم عطا فرمایا تھا تو تم میں جس شخص کا حساب حسب اتفاق ان کے ساتھ مطابق ہو جاتا ہے تو وہ درست بھی نکل آتا ہے- (مسلم)

(۱۲۱۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِيْ رَاَيْتُ اِدْرِيْسَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ. اخرجه الترمذی و صححه فی الصحیحین فی حدیث المعراج نحوه و عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی و رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا قال رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ السادسة و عن العوفی کما فی البدایة فمات بها و عن ابی سعید الخدریؓ فی السماء الرابعة و عن مجاهد رفع ادریس کما رفع عیسٰی و لم یمت. کله فی الدرالمنثور و و فی البدایة عن ابن عباس انه مات بها و نحوه عن کعب.

(۱۲۱۴) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- جب مجھ کو معراج نصیب ہوئی تو میں نے ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا تھا- (ترمذی شریف) وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کی تفسیر میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا تھا- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چوتھے کے بجائے چھٹے آسمان کا لفظ کہا ہے- مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام اٹھائے گئے اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام بھی اٹھائے گئے تھے- پھر ان کی وفات نہیں ہوئی لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ آسمان پر ہی ان کی وفات ہوگئی- کعب احبار بھی آسمان پر ان کی وفات کے قائل تھے-

---

(۱۲۱۳) ✱ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نبی حضرت ادریس علیہ السلام ہی تھے- پھر جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف بہت سے غلط افسانے منسوب کر دیئے گئے ہیں' ان کی طرف بھی بہت سی غلط باتیں منسوب کر دی گئی ہیں- یہ واضح رہے کہ اس روایت میں اس خط کی پوری تفصیلات مذکور نہیں ہیں لہٰذا صرف اس اجمالی بیان سے رمل کے متعلق جتنی باتیں مشہور ہیں وہ سب اس حدیث کے تحت درج نہیں کی جا سکتیں-

(۱۲۱۴) ✱ سلف میں کسی بشر کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے امکان و عدم امکان کی بحث کبھی نہیں ہوئی وہ یہ بات کسی تردد کے بغیر جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- اسی کے ساتھ ان میں جب کبھی حضرت عیسٰی علیہ السلام .....

www.besturdubooks.net

سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اول رسول اللہ الی الارض

حضرت نوح علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی صف میں ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے اور اسی خصوصیت کی بناء پر حدیثوں میں ان کو ''اول رسول'' کہا گیا ہے- حافظ ابن کثیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گذرے ہیں جو سب دین حق پر قائم تھے- اس روایت کی وجہ سے انہوں نے مؤرخین کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ قابیل کی نسل میں آتش پرستی شروع ہوگئی تھی ان کی تحقیق یہ ہے کہ کفر و شرک کی بنیاد حضرت نوح علیہ السلام کے عہد ہی کے قریب میں پڑی تھی اور اس کے ابطال و تردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا جو رسول بھیجا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اسی لئے ان کو حدیثوں میں ''اول رسول'' کہا گیا ہے- یہی وجہ تھی کہ اصولی مباحث کے بیان و ایضاح میں انہوں نے بہت بڑی جدوجہد فرمائی تھی- حتیٰ کہ دجال کا فتنہ جو دنیا کے آخر میں نمودار ہونے والا تھا اس سے بھی اپنی امت کو پوری طرح خبردار کر دیا تھا- حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گذشتہ تحقیق کے مطابق ان کے اول رسول ہونے کا مطلب کسی توجیہ کے بغیر واضح ہو جاتا ہے-

حافظ ابن کثیرؒ نے ابن جبیر وغیرہ کے حوالہ سے ان کی قوم کا نام بنوراسب نقل فرمایا ہے- حافظ سیوطیؒ نے درمنثور میں حضرت نوح علیہ السلام کا شجرۂ نسب اس طرح تحریر فرمایا ہے-

نوح بن لامک بن متوشلخ بن ادریس وہو اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام کے بعد دنیا کی آبادی نے ان ہی کے زیر سایہ اطمینان و سکون کا سانس لیا تھا اس لیے ان کو نوح سکن کہتے تھے- اور ان کے نوح کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ ساڑھے نو سال تک اپنی امت کو تبلیغ و ارشاد فرماتے رہے اور جب وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئی تو ان پر ہمیشہ غم کے آنسو بہاتے رہے- (درمنثور ج ۳ ص ۹۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی حیات کا سب سے مشہور تاریخی واقعہ طوفان کا ہے جو بعد میں ہمیشہ نظم و نثر میں ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے- اس کے متعلق اہل کتاب اور مؤرخین کا اختلاف ہے- فارس اور اہل ہند تو سرے سے اس کا انکار کر

بقیہ ..... السلام کے رفع کا تذکرہ آیا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے نزدیک دین کے دوسرے بدیہی مسلمات کی طرح ایک مسلم بات تھی- نیز ان کے نزدیک اس میں بھی کوئی اشکال نہ تھا کہ کوئی انسان اگر آسمان میں وفات پا جائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور دفن کی صورت کیا ہوگی- موت، روح اور جسم کی صرف علیحدگی کا نام ہے- اتنی بات اگر آسمانوں پر ہو جائے تو اس میں عقل کے نزدیک بھی کیا دشواری ہے- پھر جب انبیاء علیہم السلام کے جسم اس مٹی میں دفن ہونے کے بعد بھی کون و فساد سے محفوظ رہتے ہیں تو آسمانوں پر ان کے رہنے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہے- یہ بات دوسری ہے کہ انسان جب کسی بات کا انکار کرنا چاہے تو بے وجہ ہر ہر بات کو اپنی عقل نارسا کے لیے ناقابل تحمل بوجھ بنالے- ہم یہاں یہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق راجح کیا ہے کیونکہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کا کوئی واضح اور مستند سامان ہمارے علم میں نہیں ہے-

www.besturdubooks.net

رہے ہیں۔ ہم ذیل میں صرف حافظ ابن کثیر کے الفاظ نقل کرتے ہیں جو بالاتفاق مسلم محدث بھی ہیں اور معتبر مورخ بھی:

و قد اجمع اهل الاديان الناقلون عن رسل الرحمن مع تواتر عند الناس في سائر الازمان على وقوع الطوفان و انه عم جميع البلاد و لم يبق الله احدا من كفرة العباد استجابة لدعوته نبيه المؤيد المعصوم و تنفيذا لما سبق في القدر المحتوم.

تمام ادیانِ سماویہ کا اور ہر دور میں تواتر کے ساتھ لوگوں کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام پوری زمین کو محیط تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کی بد دعاء کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو ہلاک کر دیا تھا۔

(البداية ج ۱ ص ۱۱۸)

حافظ ابن تیمیہؒ بھی اسی کی تصحیح فرماتے ہیں کہ طوفان نوح علیہ السلام پورے کرۂ ارضی کو محیط تھا:

فنوح عليه السلام ابو الآدميين الذين حدثوا بعد الطوفان فان الله اغرق ولد آدم عليه السلام الا اهل السطينة و قال في نوح عليه السلام وجعلنا ذريته هم الباقين.

(الجواب الصحيح ج ۱ ص ۱۹۴-۱۹۵)

اس لیے نوح علیہ السلام ان سب انسانوں کے والد قرار پائے جو طوفان کے بعد پیدا ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کشتی والوں کے سوائے تمام اولاد آدم علیہ السلام کو غرق کر دیا تھا چنانچہ ارشاد ہے وجعلنا ذرية الخ یعنی ہم نے صرف ان ہی کی نسل کو باقی رہنے والا رکھا۔

محقق ابن خلدون کی رائے بھی اسی طرف ہے۔ دیکھو مقدمہ ص ۱۲ اور مولانا رحمت اللہ صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے۔ دیکھو اظہار الحق ج ۲ ص ۱۰۲ اس کے علاوہ اکثر محدثین و مفسرین کا مختار بھی یہی ہے۔ ہاں نصاریٰ ضرور اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور بعض علماء بھی بظاہر اس خیال سے کہ اس سے ان کی بعثت کا عموم ثابت ہوتا ہے دوسری طرف چلے گئے ہیں' ورنہ قرآنی عموم و اطلاقات کا ظاہر یہی ہے کہ طوفان تمام کرۂ ارضی کو محیط تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس تحقیق کی بناء پر چونکہ دنیا کی نشاۃ ثانیہ ان ہی کی ذات سے ہوئی اس لیے ان کو آدم ثانی کہا جاتا ہے حافظ موصوف نے ان کی قبر کے متعلق زیادہ صحیح یہی قرار دیا ہے کہ وہ مسجد حرام میں ہے اور اکثر متاخرین کے اس خیال کو مرجوح کہا ہے کہ وہ مشہور مقام کرک نوح میں ہے۔ جہاں لوگوں نے ایک بڑی مسجد بھی تعمیر کر دی ہے شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک روایت پیش کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چار نبیوں کی قبریں زم زم اور رکن یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ہیں۔ حضرت نوح' ہود' شعیب و صالح علیہم السلام۔ (درمنثور ج ۱ ص ۸۶)

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک مرفوع روایت بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک ہو جاتی تھی تو وہ مکہ مکرمہ آ کر اپنا وقت عبادت میں پورا کیا کرتا تھا اور نوح' ہود' صالح اور شعیب علیہم السلام کی قبریں زم زم اور حجر اسود کے درمیان ہیں ج ۱ ص ۱۳۶ اور ایک ضعیف روایت میں ستر قبروں کا لفظ بھی ہے۔ مگر یہ مرفوع نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۱۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجِیْئُ نُوْحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ اُمَّتُہٗ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ ھَلْ بَلَّغْتَ فَیَقُوْلُ نَعَمْ اَیْ رَبِّ فَیَقُوْلُ لِاُمَّتِہٖ ھَلْ بَلَّغَکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ لَامَا جَآءَ نَا مِنْ نَبِیٍّ فَیَقُوْلُ لِنُوْحٍ مَّنْ یَّشْھَدُ لَکَ فَیَقُوْلُ اُمَّتُہٗ فَتَشْھَدُ اَنَّہٗ قَدْ بَلَّغَ وَ ھُوَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا.

(رواہ البخاری)

(۱۲۱۵) ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- قیامت میں جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت آئے گی تو اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے سوال فرمائے گا- تم نے پیغام رسالت پہنچا دیا تھا؟ وہ عرض کریں گے میرے پروردگار! جی ہاں- پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے سوال کرے گا- اچھا تم بتاؤ تم کو پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے نہیں' ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا اس پر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا آپ کے پاس کوئی گواہ ہے جو آپ کی گواہی دے وہ کہیں گے میرے گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کی امت ہے- یہ امت گواہی دے گی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے پیغام رسالت پہنچا دیا تھا- قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کا مطلب یہی ہے- وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا' الخ-

(۱۲۱۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُحَدِّ ثُکُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَدِیْثًا مَاحَدَّثَ بِہٖ نَبِیٌّ قَوْمَہٗ اِنَّہٗ اَعْوَرُ وَ اِنَّہٗ یَجِیْئُ مَعَہٗ بِمِثَالِ الْجَنَّۃِ وَ النَّارِ وَ الَّتِیْ یَقُوْلُ عَلَیْھَا الْجَنَّۃُ ھِیَ النَّارُ وَ اِنِّیْ اُنْذِرُکُمْ کَمَا اَنْذَرَبِہٖ نُوْحٌ قَوْمَہٗ.

(رواہ البخاری)

(۱۲۱۶) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- کیا دجال کے متعلق میں تم کو ایسی صاف بات نہ بتادوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتائی ہو- دیکھو وہ کانا ہوگا اور اس کے ساتھ دو چیزیں ہوں گی جو دیکھنے میں جنت اور دوزخ کے مشابہ ہوں گی- مگر جس کو وہ جنت کہے گا وہ دراصل دوزخ ہوگی (لہٰذا جس کو وہ جنت میں داخل کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا) دیکھو میں تم کو دجال کے فتنہ سے اسی اہمیت کے ساتھ ڈراتا ہوں جیسا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو ڈرایا تھا- (بخاری)

(۱۲۱۶) ✱ حدیث مذکور میں آپ نے دجال کے فتنہ کا بڑی خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے اور اس کی اہمیت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے کہ اس عظیم فتنہ کی ہولناکی کی اطلاع ہر نبی نے دی ہے- پھر ان انبیاء میں آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کا نام خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کیونکہ خدا کی زمین پر یہی سب سے پہلے رسول تھے بے شبہ ہر شفیق و حریص نبی کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ مستقبل کے فتنوں سے اپنی امتوں کو ڈرایا کرتا ہے خواہ ان کے ظہور کا وقت کچھ بھی ہو آخر قیامت کے تذکرہ سے بھی ہر نبی و رسول نے اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا ہے اس کا منشاء ان اہم واقعات کے ظہور سے پہلے استعداد عمل ہے- لیکن یہ عظیم فتنہ چونکہ آپ ہی کی امت میں ظاہر ہونے والا تھا اس لیے یہ حق آپ ہی کا تھا کہ آپ اس کے متعلق ایسی ایسی واضح علامات بیان فرمادیں جس کے بعد اس کے پہچاننے میں ذرا سا بھی کوئی شبہ نہ رہے- اس لیے آپ نے فرمایا کہ اس کے متعلق میں تم سے وہ بات کہتا ہوں جو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی نہ فرمائی تھی- اس واقعہ کی سیر حاصل تفصیلات آئندہ اوراق میں آپ کے ملاحظہ سے گذرے گی' ان شاء اللہ.

www.besturdubooks.net

(۱۲۱۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ صَامَ نُوْحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ الدَّهْرَ اِلَّا يَوْمَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحٰى وَ صَامَ دَاوٗدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نِصْفَ الدَّهْرِ وَ صَامَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَامَ الدَّهْرَ وَاَفْطَرَ الدَّهْرَ. (رواه الطبراني و ابن ماجة نحوه و في اسناد يهما ابن لهيعة كذا في البداية)

(۱۲۱۷) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ نوح علیہ السلام بجز عید و بقرعید کے صوم دہر رکھا کرتے تھے (یعنی ان ایام کے سواء ہمیشہ روزہ رکھتے تھے) اور داؤد علیہ السلام نصف دہر روزہ رکھتے تھے۔ یعنی ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صوم دہر کے برابر شمار تھا اگرچہ تین دن کے علاوہ ہمیشہ افطار کرتے تھے۔

(طبرانی - ابن ماجہ)

(۱۲۱۸) عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَامُ اَبُو الْعَرَبِ وَ حَامُ اَبُو الْحَبْشِ وَ يَافِثُ اَبُو الرُّوْمِ. (رواه امام احمد و الترمذی نحوه)

(۱۲۱۸) سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں عرب سام کی اور حبش حام کی اور روم یافث کی نسل سے ہیں۔

(ترمذی شریف)

(۱۲۱۷) * آخرت میں ایک نیکی دس کے برابر شمار ہوگی اس لیے تین روزے تیس کے برابر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخشی وہ اس ملت حنیف کے سب سے اولوالعزم رسول کی امت کو بھی بخش دی اس لیے صوم دہر کی فضیلت حاصل کرنے کی ایک صورت حدیث میں ہر ماہ میں تین روزے رکھنا بھی آئی ہے۔

(۱۲۱۸) * حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں روم سے مراد روم اول ہے جس کو یونان کہتے ہیں ان کا نسب نامہ یہ ہے:

رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع روایت پیش کی ہے کہ عرب' فارس اور روم یہ سام کی اولاد میں ہیں اور ان میں خیر رہے گی۔ اور یاجوج و ماجوج' ترک اور سقالبہ یافث کی اولاد ہیں اور ان میں خیر کا نام نہ ہوگا اور قبط و بربر اور سودان یہ حام کی اولاد ہیں۔ مگر حافظ موصوف نے اس روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تسلیم نہیں کیا اور فرمایا ہے کہ سعید بن المسیب کا قول ہے۔ حام و سام و یافث کے متعلق بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ تینوں طوفان کے بعد کی پیدائش ہیں مگر حافظ موصوف نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور طوفان سے قبل کی پیدائش قرار دیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ تورات کی تصریح کے مطابق ان تینوں کا کشتی میں موجود ہونا ثابت ہے۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ موجودہ بسیط ارض کی تمام آبادی صرف ان تین ہی کی نسل سے ہے۔ (ج اص ۱۱۵ البدایۃ) جو لوگ یہاں اختلاف رکھتے ہیں وہ طوفان نوح علیہ السلام کے عام ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن حافظ ابن کثیر اس نظریہ سے متفق نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

سیدنا ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حسب بیان حافظ ابن کثیرؒ ان کا نسب نامہ یہ ہے ہود بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام- ان کے نسب میں اس کے علاوہ بھی اور چند اقوال ہیں- حضرت ابوذر کی روایات کی بناء پر چار عربی انبیاء علیہم السلام سے یہ پہلے عربی نبی تھے- کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عربی بولنے والے نبی یہی تھے- مگر حافظ ابن کثیرؒ کا میلان اس طرح ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے- ان کا قبیلہ عاد بن عوص بن سام بن نوح علیہ السلام تھا- تاریخ میں ان کو عادِ اوّل کہا جاتا ہے- عادِ ثانیہ ان کے بعد ہوئے ہیں- اور آیت اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ میں انہی کا تذکرہ ہے- طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے انہوں نے ہی بت پرستی شروع کی تھی- ان کے بتوں کے نام صدا و صمود هرا تھے- اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور جب انہوں نے سرکشی کی راہ نہ چھوڑی تو عذابِ الٰہی سے نیست و نابود کر دیئے گئے-

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ان کی قبر بلادِ یمن میں ہے کوئی کہتا ہے کہ دمشق میں ہے اور دمشق کی جامع مسجد کی قبلہ کی دیوار کی طرف ایک قبر ہے- بعض کا خیال ہے کہ یہی ہود علیہ السلام کی قبر ہے- (البدایہ ج ۱ ص ۱۳۰)

(۱۲۱۹) عَنۡ اَبِیۡ وَائِلٍ عَنِ الۡحَارِثِ وَ هُوَ ابۡنُ حسان و یقال ابن یزید البکری قَالَ خَرَجۡتُ اَشۡکُو الۡعَلَاءَ بۡنَ الۡحَضۡرَمِیِّ اِلٰی رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فَمَرَرۡتُ بِالرَّبَذَةِ فَاِذَا عَجُوۡزٌ مِنۡ بَنِیۡ تَمِیۡمٍ مُنۡقَطِعٌ بِهَا فَقَالَتۡ یَا عَبۡدَاللّٰهِ اِنَّ لِیۡ اِلٰی رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ حَاجَةً فَهَلۡ اَنۡتَ مُبۡلِغِیۡ اِلَیۡهِ قَالَ فَحَمَلۡتُهَا فَاَتَیۡتُ الۡمَدِیۡنَةَ فَاِذَا الۡمَسۡجِدُ غَاصٌّ بِاَهۡلِهٖ وَ اِذَا رَاٰیَاتٌ سُوۡدٌ تَخۡفِقُ وَ اِذَا بِلَالٌ مُتَقَلِّدُ السَّیۡفِ بَیۡنَ یَدَیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فَقُلۡتُ

(۱۲۱۹) حارث روایت کرتے ہیں کہ میں علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا- میرا گذر جب مقام ربذہ سے ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں بنی تمیم قبیلہ کی ایک بوڑھی عورت ہے جو سواری نہ ہونے کی وجہ سے سفر سے رہ گئی ہے- اس نے کہا اے اللہ کے بندے! مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کام ہے- کیا تم اتنا کرو گے کہ مجھ کو ان تک پہنچا دو- یہ کہتے ہیں میں نے اس کو اپنے ہمراہ لے لیا- جب مدینہ میں داخل ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد شریف لوگوں سے بھری ہوئی ہے اور سیاہ جھنڈے ہوا میں لہرا رہے ہیں اور ادھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں- میں نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کو کسی مہم پر روانہ کرنا ہے- یہ کہتے ہیں میں بیٹھ

(۱۲۱۹) * ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو بہت سے مفسرین نے عادِ اولیٰ کی ہلاکت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے حالانکہ یہ واقعہ بظاہر عادِ ثانیہ کا ہے- کیونکہ اول تو اس واقعہ میں مکہ مکرمہ کا ذکر ہے اور عادِ اولیٰ کے زمانہ میں اس کی بناء ہی نہیں ہوئی تھی اس کو بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور عادِ اولیٰ ان سے پہلے گذر چکے ہیں- نیز اس میں معاویہ بن بکر اور اس کے اشعار بقیہ .....

www.besturdubooks.net

مَاشَأْنُ النَّاسِ قَالُوْا يُرِيْدُ اَنْ يَّبْعَثَ عَمرو بْنَ الْعَاصِ وَجْهًا قَالَ فَجَلَسْتُ قَالَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهٗ اَوْقَالَ رَحْلَهٗ فَاسْتَاْذَنْتُ عَلَيْهِ فَاَذِنَ لِيْ فَدَخَلْتُ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ فَهَلْ كَانَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ بَنِيْ تَمِيْمٍ شَيْءٌ فَقُلْتُ نَعَمْ وَكَانَتْ لَنَا الدَّبْرَةُ عَلَيْهِمْ وَ مَرَرْتُ بِعَجُوْزٍ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مُنْقَطِعٍ بِهَا فَسَأَلَتْنِيْ اَنْ اَحْمِلَهَا اِلَيْكَ وَ هَاهِيَ بِالْبَابِ فَاَذِنَ لَهَا فَدَخَلَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ رَاَيْتَ اَنْ يَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ بَنِيْ تَمِيْمٍ حَاجِزًا فَاجْعَلِ الدهنا فَاِنَّهَا كَانَتْ لَنَا قَالَ فَحَمِيَتِ الْعَجُوْزُ وَ اسْتَوْفَزَتْ وَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِلٰى اَيْنَ تَضْطَرُّ مُضَرُكَ فَقُلْتُ اِنَّ مَثَلِيْ مَا قَالَ الْاَوَّلُ (مِعْزٰى حَمَلَتْ حَتْفَهَا) حَمَلْتُ هٰذِهِ الْاَمَةَ وَ لَا اَشْعُرُ اَنَّهَا كَانَتْ لِيْ خَصْمًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اَنْ اَكُوْنَ كَوَا فِدِعَادٍ قَالَ هِيْهِ وَ مَا وَا فِدُ عَادٍ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْحَدِيْثِ مِنْهُ وَ لٰكِنْ يَسْتَطْعِمُهٗ قُلْتُ اِنَّ عَادًا قُحِطُوْا فَبَعَثُوْا وَفْدًا لَهُمْ يُقَالُ لَهُمْ قِيْلَ فَمَرَّ بِمُعَاوِيَةَ بْنِ بَكْرٍ فَاَقَامَ عِنْدَهٗ شَهْرًا يَسْقِيْهِ الْخَمْرَ وَ يُغَنِّيْهِ

گیا اتنی دیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ میں نے حاضری کے لیے اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی‘ میں اندر حاضر ہوا اور سلام بجالایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی قصہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ ہمارا ایک نشیبی زمین کے بارے میں ان پر دعویٰ ہے۔ نیز راستہ میں مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جس کے پاس سواری نہ تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچادوں۔ تو وہ دروازہ پر حاضر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہربانی فرما کر ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان ایک حد فاصل مقرر فرمادیں اور اگر مناسب خیال فرمائیں تو مقام ''دہنا'' مقرر فرمادیں کیونکہ یہ مقام ہمارا ہی تھا۔ یہ سن کر عورت گرم ہوگئی اور جلدی سے بولی یارسول اللہ تو پھر یہ آپ کا قبیلہ مضر کدھر جائے گا۔ اس کی گفتگو سن کر میں نے کہا میری مثال تو وہی ہوگئی جو پہلوں نے کہا تھا کہ ''بکری اپنی موت خود اپنے ساتھ لائی'' میں اس عورت کو خود ساتھ لے کر آیا تھا‘ مجھ کو یہ کیا خبر تھی کہ یہی میرے مخالف بولے گی۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ لیتا ہوں کہ میرا حشر وہ نہ ہو جو ''وافد عاد'' کا ہوا تھا۔ یہ جملہ سن کر آپ نے فرمایا۔ خوب! جانتے بھی ہو وافد عاد کا قصہ کیا تھا۔ گو اس قصہ کو آپ ان سے زیادہ خود جانتے تھے مگر آپ نے چاہا کہ ان سے بھی سنیں۔ یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ ایک بار قوم عاد قحط میں مبتلاء ہوئی تو انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ''قیل'' کو اپنی جانب سے وفد کا سردار مقرر کر کے مکہ مکرمہ دعاء کے لیے بھیجا۔ اس شخص کا

بقیہ ..... کا ذکر بھی موجود ہے یہ اشعار عاد اولیٰ کے ذوق سے ملتے جلتے معلوم نہیں ہوتے۔ یہ ذوق بعد کے لوگوں کا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس قصہ کے الفاظ میں یہ بھی منقول ہے کہ اس بادل میں آگ اور چنگاریاں نظر آئی تھیں‘ حالانکہ عاد اولیٰ ہوا کے عذاب سے ہلاک کیے گئے تھے اور ابن مسعودؓ اور عباسؓ اور بہت سے تابعین سے منقول ہے کہ یہ ہوا نہایت سرد تھی۔ ان وجوہات کی بناء پر عاد اولیٰ کی تفسیر میں اس روایت کا تذکرہ چسپاں نہیں ہے۔ البدایۃ ج ا ص ۱۲۸ اس سلسلہ کی حدیث ترجمان السنۃ ج ۲ ص ۳۰ میں گذر چکی ہے۔

www.besturdubooks.net

جَارِيَتَانِ يُقَالُ لَهُمَا الْجَرَادَتَانِ فَلَمَّا مَضَى الشَّهْرُ خَرَجَ اِلَى جِبَالِ تِهَامَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اِنِّيْ لَمْ اَجِيْءْ اِلَى مَرِيْضٍ فَاُدَاوِيَه. وَ لَا اِلَى اَسِيْرٍ فَاُفَادِيَه. اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَادًا مَا كُنْتُ تَسْقِيْهِ فَمَرَّتْ بِهٖ سَحَابَاتٌ سُوْدٌ فَنُوْدِيَ مِنْهَا اِخْتَرْ فَاَوْمَأَ اِلَى سَحَابَةٍ مِنْهَا سَوْدَاءَ فَنُوْدِيَ خُذْهَا رِمَادًا رِمْدَدًا لَا تُبْقِيْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا قَالَ فَمَا بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ بُعِثَ عَلَيْهِمْ مِنَ الرِّيْحِ اِلَّا كَقَدْرِ مَا يَجْرِيْ فِيْ خَاتَمِيْ هٰذَا مِنَ الرِّيْحِ حَتّٰى هَلَكُوْا قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ وَ صَدَقَ وَ كَانَتِ الْمَرْأَةُ وَ الرَّجُلُ اِذَا بَعَثُوْا وَفْدًا لَهُمْ قَالُوْا لَا تَكُنْ كَوَافِدِ عَادٍ.

(هكذا رواه الترمذی عن عبد بن زيد بن الحباب به و رواه النسائی من حديث سلام ابی المنذر عن عاصم بن بهدلة و من طريقه رواه ابن ماجة و هكذا اور دهذا الحديث و هذه القصة عند تفسير هذه القصة غير واحد من المفسرين كابن جرير و غيره و قد يكون هذا السياق لاهلاك عاد الاخرة)

گذرا پنے دوست معاویہ بن بکر کے پاس ہوا یہ اس کے پاس ایک ماہ ٹھہرا رہا' وہ اس کو شراب پلاتا اور اس کے یہاں دو گانے والی لونڈیاں تھیں جن کو ''جراد تان'' کہا جاتا تھا' ان کا گانا سنواتا (جب اس کے قیام کی مدت دراز ہوئی تو اس کو اپنی قوم کے حال زار پر ترس آیا مگر زبان سے بھلا کیا کہہ سکتا تھا اس لیے ان گانے والیوں سے کہا کہ آنے گانے میں اپنی قوم کے قحط کا نقشہ گائیں یہ سن کر) ایک ماہ بعد اس کو اپنی قوم کا خیال آیا اور وہ تہامہ کی پہاڑوں کی طرف دعا کرنے کے لیے روانہ ہوا- اور یہ دعاء کی- الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نہ تو کسی بیمار کی دوا دارو کے لیے آیا ہوں اور نہ فدیہ دے کر کسی قیدی کو چھڑانے کے لیے آیا ہوں' میں تو اپنی قوم عاد کے لیے بارش مانگنے آیا ہوں تو جو کچھ تجھ کو ان کو پلانا ہے وہ پلا دے- اس دعاء کے بعد ہی اس کے سامنے سے سیاہ سیاہ بادل گذرے اور آواز آئی کہ ان میں سے جس کو دل چاہے پسند کر لے اس نے کالے کالے ایک بادل کی طرف اشارہ کیا (اور یہ سمجھا کہ اس میں بہت پانی ہو گا) آواز آئی لے جا جلی پھونکی راکھ جو قوم میں سب کا خاتمہ کر دے- یہ کہتے ہیں کہ جو بات مجھ کو پہنچی یہ ہے کہ ان پر ہوا کا عذاب آیا جس سے وہ سب ہلاک و برباد ہو کر رہ گئے حالانکہ وہ عذاب کی ہوا ان پر صرف اتنی سی چھوڑی گئی تھی اور اشارہ کر کے بتایا کہ جتنی میری اس انگوٹھی کے حلقہ سے نکل سکے- ابو وائل کہتے ہیں انہوں نے یہ درست کہا- اس کے بعد یہ مثل بن گئی کہ جب کوئی مرد یا عورت کسی کو اپنا وفد بنا کر بھیجتے تو یہ کہہ دیتے' دیکھنا کہیں وافد عاد کی طرح نہ ہو جانا جو گیا تو تھا بارش کے لیے اور لایا عذاب- (ترمذی شریف وابن ماجہ)

سیدنا صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے صالح بن عبد بن ماسح بن عبید بن حاجر بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اس نسب نامہ کے لحاظ سے حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود میں سے تھے ان کی قوم کو ثمود اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کے جد اعلیٰ ثمود تھے' ان کا مقام سکونت ''حجر'' تھا جو حجاز اور تبوک کے درمیان واقع ہے- قوم ثمود کی عمریں بہت طویل ہوتی تھیں- جب یہ رہائش کے لئے کوئی مکان بناتے تو وہ ایک شخص کی عمر کو بھی کافی نہ ہوتا اور اسی کی حیات میں ڈھیر ہو کر گر جاتا- اس لئے پہاڑوں کو کھود کر انہوں نے مکانات بنانے شروع کر دیے تھے-

www.besturdubooks.net

ایک دن حضرت صالح علیہ السلام ان کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے تو ان کی قوم نے یہ فرمائش کی کہ اگر آپ اس پتھر سے ان ان صفات کی ایک ناقہ نکال دیں تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ ان کی دعا سے پتھر پھٹا اور اس میں سے ان ہی کی مطلوبہ صفات کی ایک ناقہ برآمد ہوگئی۔ اس پر ایک جماعت تو ایمان لے آئی مگر اکثر افراد بدستور اپنے کفر پر قائم رہے۔ ایمان قبول کرنے والی جماعت کے سردار کا نام جندع بن عمر بن لبید تھا۔ چونکہ یہ فیصلہ پہلے ہو چکا تھا کہ جس دن یہ ناقہ پانی پئے گی اس دن قوم کا کوئی فرد کنوئے سے پانی نہیں لے سکے گا۔ اس لیے اس دستور کے مطابق ایک مدت تک یہی عمل چلتا رہا آخر اس میں ان کو تنگی محسوس ہونے لگی اور ان کے رئیس قدار بن سالف نے اپنی قوم کے مشورہ سے ناقہ کو زخمی کر کے مار دیا۔ اور اسی کی پاداش میں عذاب الٰہی سے ہلاک کر دی گئی۔ دیکھو البدایۃ والنہایۃ۔

اب رہا یہ سوال کہ ناقہ پتھر سے کیسے پیدا ہوئی تو ہر چند کہ یہاں کوئی قرآنی بیان نہیں ہے تاہم کتب محدثین سے جو صورت یہاں منقول ہے اس کی تکذیب کی بھی کوئی وجہ ہمارے سامنے نہیں ہے بالخصوص جب کہ قرآن کریم نے اس کو معجزہ کہا ہے اور معجزات کا اپنی حقیقت کے لحاظ سے اس قسم کے عجائبات پر مشتمل ہونا کوئی جدید بات نہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جن تفصیلات کی تصدیق کے لیے اجمالی سامان موجود ہو اور ان کی تکذیب کے لیے کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو صرف اپنی عقل کی بناء پر ہر جگہ ساقط الاعتبار قرار نہیں دینا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ایک ضرب سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلنا اور پتھر پھٹ کر ناقہ کا نکل آنا دونوں باتیں خلاف عادت ہیں اور قدرت کے سامنے دونوں یکساں ممکن ہیں' اس لیے ان کے انکار و تردد کی یہاں کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۱۲۲۰) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَمْعَۃَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ النَّاقَۃَ وَ ذَکَرَ الَّذِیْ عَقَرَھَا فَقَالَ (اِذِ انْبَعَثَ اَشْقَاھَا) اِنْبَعَثَ لَھَا رَجُلٌ مِنْ غَارِمٍ عَزِیْزٍ مَنِیْعٍ فِیْ رَھْطِہٖ مِثْلُ اَبِیْ زَمْعَۃَ. (رواہ الامام احمد اخرجاہ من حدیث ھشام کذافی البدایۃ ج ۱ ص ۱۳۵)

(۱۲۲۰) عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور جس نے اس کو زخمی کر کے ہلاک کیا تھا اس کا بھی ذکر فرمایا جس کا تذکرہ قرآن شریف کی اس آیت میں کیا گیا ہے "اِذِ انْبَعَثَ اَشْقَاھَا" فرمایا یہ شخص اپنی قوم میں بڑا معزز اور سردار تھا۔ جیسا مکہ مکرمہ میں یہ ابوزمعہ ہے۔ (مسند احمد)

(۱۲۲۱) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَسْئَلُوا الْاٰیَاتِ فَقَدْ سَاَلَھَا قَوْمُ صَالِحٍ فَکَانَتْ یَعْنِیْ ھٰذِہٖ لِلنَّاقَۃِ تَرِدُ مِنْ ھٰذَا الْفَجِّ وَ

(۱۲۲۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گذرے تو فرمایا معجزات کی فرمائش نہ کرنا۔ صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ کی فرمائش کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی فرمائش کے مطابق ان کو اونٹنی دے دی گئی جو ایک راستہ سے گھاٹ پر پانی پینے آتی اور پانی پی

(۱۲۲۱) ✻ اس صورت سے ارض حرم کا احترام بھی اپنی جگہ باقی رہا اور عذاب مقدر سے پھر جان چھوٹ نہ سکی۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ پاداش عمل کسی باعث سے گو مؤخر ہو جائے مگر آخر کار بھگتنی ہی پڑتی ہے اس لیے تھوڑی تاخیر سے مغرور نہ ہونا چاہیے۔ ﷲ .....

www.besturdubooks.net

تَصْدُرُ مِنْ هٰذَا الْفَجّ (فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَعَقَرُوْهَا) وَ كَانَتْ تَشْرَبُ مَاءَ هُمْ يَوْمًا وَ يَشْرِبُوْنَ لَبَنَهَا لَوْمًا فَعَقَرُوْهَا فَاَخَذَتْهُمْ صَيْحَةٌ اَهْمَدَا اللّٰهُ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ اِلَّا رَجُلًا وَاحِدًا كَانَ فِيْ حَرَمِ اللّٰهِ فَقَالُوْا مَنْ هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ هُوَ اَبُوْرَ غَالٍ فَلَمَّا خَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ اَصَابَهُ مَا اَصَابَ قَوْمَهُ. (قال ابن كثير هذا الحديث على شرط مسلم و ليس هو في شيء من الكتب الستة البداية ج ۱ ص ۱۳۷)

کر دوسرے ارستہ سے لوٹ جاتی تھی۔ مگر انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کا مقابلہ کیا اور اس کو زخمی کر ڈالا۔ طریقہ یہ تھا کہ ایک دن اونٹنی ان کے حصہ کا پانی پیا کرتی (اس دن پانی میں ان کا کوئی حق نہ تھا) اور ایک دن وہ اس کا دودھ پیتے۔ آخر ایک چنگھاڑ کے عذاب نے ان کو پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے ان کا جو فرد بھی تھا اللہ تعالیٰ نے سب کو فنا کر دیا۔ صرف ایک شخص بچا رہا جو اس وقت حرم کی زمین میں موجود تھا۔ لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ وہ کون شخص تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ابو رغال تھا پھر جب وہ حرم کی زمین سے نکلا تو جو عذاب اس کی قوم پر آیا تھا وہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ (مسند احمد)۔

ؒ ..... نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر قدرت کے متعارض قوانین میں تطبیق کی صورت خود قدرت ہی کے علم میں ہوتی ہے۔ یہاں عقلی گھوڑے دوڑانے غلط ہیں۔ اب دیکھیے "مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" کا اقتضا یہ تھا کہ ابو رغال امن میں رہتا اور قومی عذاب کا تقاضا یہ تھا کہ وہ عذاب اس پر بھی آتا۔ مگر علم الٰہی میں ان دونوں میں توافق کی صورت کیا تھی یہ پہلے سے کس کو معلوم تھا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رزق کی طرح رحمت و عذاب کا بھی ایک حصہ رسد ہوتا ہے جو ل کر رہتا ہے پھر اس کے ملنے کے لیے قدرت کیا پیرایہ اختیار کرتی ہے یہ ہمارے علم سے باہر بات ہے۔ لہٰذا نہ تو بداعمالی پر مواخذہ نہ ہونے سے بے خوف ہونا چاہیے اور نہ نیک چلنی پر انعامات نہ ہونے سے مایوس ہونا چاہیے۔ ہر عمل کے بدلے کے لیے ایک وقت ہے۔ بس اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا ہے: فَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُنْتَظِرُوْنَ. (الشعراء:۲۲۷)

وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ — اور ظالم عن قریب جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ. (الانعام:۶۷) — ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور تم کو عن قریب معلوم ہو جائے گا۔

حدیث مذکور کی روشنی میں اب اس پر غور کر لینا چاہیے کہ جس طرح معذب مقامات میں آثار عذاب مسلسل رہتی ہیں اسی طرح متبرک مقامات میں آثار برکت و رحمت بھی مسلسل رہنے چاہئیں اور جس طرح کہ معذب مقامات میں عذاب الٰہی کی گرفت کا خطرہ ہوتا ہے اسی طرح مقامات برکت و رحمت میں قیام سے رحمت کا امیدوار بھی رہنا چاہیے اور جس طرح کہ معذب مقامات کی آب و ہوا اور غذاء مسموم ہوتی ہے اسی طرح رحمت کے مقامات کی آب و غذاء بھی متبرک ہونی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے اور آپ کے جھوٹے پانی سے امت ہمیشہ برکت حاصل کرتی رہی ہے یہ بات علیحدہ ہے کہ عوام کے عقیدہ کے فساد کے خطرہ سے کوئی عمل مصلحۃً اس کو ترک فرما دیا پس مسئلہ اور مصلحت دونوں کی رعایت لازم ہے اور یہی وہ دقیق مقام ہے جہاں اکثر لغزش ہو جاتی ہے۔ یعنی ان دونوں کے درمیان پورا توازن قائم نہیں رہتا اور کبھی مصلحت کی رعایت اتنی ہو جاتی ہے کہ مسئلہ کے خلاف ہو جاتا ہے اور کبھی مسئلہ کی جانب اتنی نظر ہوتی ہے کہ مصلحت بالکل نظر انداز ہو جاتی ہے۔ صحیح راہ اعتدال کی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۲۲) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ عَلٰى تَبُوْكَ نَزَلَ بِهِمِ الْحِجْرَ عِنْدَ بُيُوْتِ ثَمُوْدَ فَاسْتَقَى النَّاسُ مِنَ الْاٰبَارِ الَّتِيْ كَانَتْ تَشْرَبُ مِنْهَا ثَمُوْدُ فَعَجَنُوْا مِنْهَا وَنَصَبُوا الْقُدُوْرَ فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْرَاقُوا الْقُدُوْرَ وَ عَلَفُوا الْعَجِيْنَ لِلْاِبِلِ ثُمَّ ارْتَحَلَ بِهِمْ حَتّٰى نَزَلَ بِهِمْ عَلَى الْبِئْرِ الَّتِيْ كَانَتْ تَشْرَبُ مِنْهَا النَّاقَةُ وَ نَهَاهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْا عَلَى الْقَوْمِ الَّذِيْ عُذِّبُوْا اِنِّيْ اَخْشٰى اَنْ يُصِيْبَكُمْ مِثْلَ مَا اَصَابَهُمْ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ.

(رواہ الامام احمد)

(۱۲۲۲) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو جاتے ہوئے جب وادی حجر سے گذرے جہاں ثمود کی (ویران شدہ) بستیاں تھیں تو لوگوں نے جن کنوؤں سے کہ قوم ثمود پانی پیا کرتی تھی ان ہی سے پانی پینا شروع کیا' اسی کے پانی سے آٹے گوندھ لیے اور ہانڈیاں چڑھادیں- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر فوراً ہانڈیاں گرادی گئیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیا گیا- اس کے بعد آگے چلے اور جب اس کنوئیں سے گذرے جس سے کہ خاص صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو عذاب شدہ قوموں کی بستیوں کے اندر داخل ہونے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا مجھ کو اندیشہ ہے کہ جو عذاب ان پر ہے کہیں اس کی لپیٹ میں تم بھی نہ آ جاؤ' لہٰذا ایسی بستیوں میں داخل ہی نہ ہو-

(۱۲۲۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ بِالْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِيْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ اَنْ يُصِيْبَكُمْ مِثْلَ مَا اَصَابَهُمْ. (رواہ الامام احمد)

(۱۲۲۳) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وادیٔ حجر سے گذرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو ان عذاب شدہ بستیوں میں داخل نہ ہونا- مگر گریہ وزاری کرتے ہوئے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر ان میں داخل نہ ہونا- کہیں تم بھی اسی عذاب کے لپیٹ میں نہ آ جاؤ جو ان کو ہو رہا ہے-

(احمد- شیخین)

(۱۲۲۳) ✱ یہ عالم غیب کی ایک بڑی حقیقت کی طرف اشارہ تھا- عام آنکھیں صرف ان بستیوں کو دیکھتی تھیں اور خیال یہی ہوتا تھا کہ ان بستیوں پر کبھی عذاب آیا تھا اور اب ختم ہو گیا مگر صاحب نبوت نے تنبیہ فرمائی کہ معذب مقامات ہمیشہ معذب ہی رہتے ہیں اور جس طرح وبائی آب و ہوا میں تندرست آدمی بھی جاتے ہوئے خوف کھاتا ہے اسی طرح معذب بستیوں میں سیر و تفریح کے لیے جانا بڑی غلطی ہے یہ تفریح کے مقامات نہیں- یہ بڑے خوف اور بڑی عبرت کے مقامات ہیں- ان فضاؤں میں عذاب الٰہی کی آگ ہمیشہ بھڑکتی رہتی ہے اس لیے سیر و تفریح کے بجائے یہاں صورت عجز و انکسار اور خوف و خشیت کی بنانی چاہیے اور اس ماحول کی اشیاء بھی استعمال میں لانی نہیں چاہئیں اور ان سے اسی طرح پرہیز کرنا چاہیے جس طرح کہ وبائی علاقوں کی اشیاء سے دنیا آج پرہیز کرتی ہے- وبائی امراض سے حفاظت میں آج تو اتنا مبالغہ ہے کہ خارجی ممالک کے سفر کے لیے بھی مختلف قسم کے انجکشن اور ذرا سی بات پر قرنطینہ لازم قرار دیا گیا ہے- افسوس للہ.....

www.besturdubooks.net

اخرجاه في الصحيحين من غير وجه و في بعض الروايات انه عليه السلام لَمَّا مَرَّ بِمَنَازِلِهِمْ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَ اَسْرَعَ رَاحِلَتَهُ وَ نَهٰى عَنْ دُخُوْلِ مَنَازِلِهِمْ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا خَشْيَةَ اَنْ يُصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا اَصَابَهُمْ.

بعض روایات میں اس طرح ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستیوں سے گذرے تو اپنا سر مبارک جھکا لیا اپنی اونٹنی تیز کر دی اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو منع فرمایا کہ ان بستیوں کے اندر نہ جائیں مگر گریہ وزاری کے ساتھ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم گریہ وزاری کی صورت ہی بنالیں۔ مبادا جو عذاب ان کو ہے کہیں تم بھی اس کے لپیٹ میں نہ آ جاؤ۔

(۱۲۲۴) قَالَ مَعْمَرٌ اَخْبَرَنِيْ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اُمَيَّةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرِ اَبِيْ رِغَالٍ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَا قَبْرُ اَبِيْ رِغَالٍ رَجُلٌ مِنْ ثَمُوْدَ كَانَ فِيْ حَرَمِ اللّٰهِ فَمَنَعَهٗ حَرَمُ اللّٰهِ عَذَابَ اللّٰهِ فَلَمَّا خَرَجَ اَصَابَهٗ مَا اَصَابَ قَوْمَهٗ فَدُفِنَ هٰهُنَا وَ دُفِنَ مَعَهٗ غُصْنٌ مِنْ ذَهَبٍ فَنَزَلَ الْقَوْمُ فَابْتَدَرُوْهُ بِاَسْيَافِهِمْ فَبَحَثُوْا عَنْهُ فَاسْتَخْرَجُوا الْغُصْنَ. (رواه عبدالرزاق. قال ابن كثير هذا مرسل من هذا الوجه و قد جاء من وجه اخر متصلا كما رواه ابوداؤد و يحتمل ان يكون رفعه و هم لكن في هذا المرسل و في حديث جابر شاهد له. كذا في البداية ج ۱ ص ۱۳۷)

(۱۲۲۴) اسماعیل بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو رغال کی قبر سے گذر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اس کا علم ہے۔ فرمایا یہ قبر ابو رغال کی ہے۔ یہ شخص بھی قوم ثمود کا ایک فرد تھا۔ جب ثمود پر اللہ کا عذاب آیا تھا تو یہ اس وقت حرم کی زمین میں موجود تھا۔ خدائی حرم کی وجہ سے اس وقت تو عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔ بس حرم الٰہی سے اس کا نکلنا تھا کہ جو عذاب اس کی قوم پر آیا تھا اسی نے اس کو آ پکڑا اور وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اور جب دفن کیا گیا تھا تو اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ بھی دفن ہو گئی تھی۔ یہ سن کر لوگ لپکے اور اپنی تلواروں سے اس کی قبر کھود ڈالی (دیکھا تو سونے کی وہ شاخ موجود تھی چنانچہ اس کو نکال لیا)

(عبدالرزاق)

لہ ..... ہے کہ یہی محتاط دماغ جب ان معذب مقامات سے گذرتے ہیں تو یہاں احتیاط کرنا مذہبی وہم پرستی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مسرت و سرور کے حالات میں جن میں کہ شیطان نخوت و غرور کا نشہ پیدا کر سکتا ہے تواضع و انکسار میں ڈوب جانا چاہیے کہیں ہوا کا رخ پھر نہ پلٹ جائے اسی لیے بنی اسرائیل کو یہ حکم ہوا تھا کہ بیت المقدس میں جب داخل ہوں تو تواضع و عاجزی کی شکل بنا کر سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے مگر اس متمرد قوم نے اس کے برعکس ہی کیا۔ اسی سنت کے مطابق جب مکہ فتح ہوا اور جس مقام سے مسلمان کبھی بڑی کس مپرسی سے نکالے گئے تھے آج پھر بڑی شان سے فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع کا عالم یہ تھا کہ اونٹنی پر سوار تھے اور مارے تواضع کے سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کے بال کجاوہ کی لکڑی سے جا لگتے تھے۔ دیکھو البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۳۲۴۔

www.besturdubooks.net

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل اللہ وجد سیدنا حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں بہت سی حیثیات سے نمایاں ہے اور اس عالم سے لے کر عالم آخرت تک اپنی گوناگوں خصوصیات سے معمور ہے ان کے بعد نبوت کا ان کی ذریت میں منحصر ہو جانا خود قرآنِ کریم کا بیان ہے۔ انبیاء علیہم السلام گو سب حنیف تھے مگر یہاں بھی ان کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کی ملت کا نام ہی حنیفیہ ہے۔ اس جگہ ترجمان السنۃ ج ۲ ص ۶۸ حدیث نمبر ۳۱۳ اور اس کا تشریح نوٹ ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ شریعت محمدیہ کی زمین ملت حنیفیہ ہی ہے ہم نے پہلے چالیس وہ احکام نقل کر دیے ہیں جو دونوں شریعتوں میں مشترک ہیں۔ اس کے بعد ابن قتیبہ کی مشہور تالیف تاویل مختلف الحدیث ہماری نظر سے گذری اس میں چند اور مشترک احکام کی فہرست سامنے آئی۔ مثلاً قرابت وصہر کے رشتہ سے محرمات ایک اور دو طلاق کے بعد شوہر کو رجعت کا حق رہنا۔ نفس کی دیت سو اونٹ ہونا۔ جنابت سے غسل کرنا اور خنثیٰ میں مذکر و مؤنث کی غالب علامت کا اعتبار کرنا۔ دیکھو تاویل مختلف الاحادیث ص ۱۳۵ اس لحاظ سے اب مشترک احکام کی تعداد چالیس کی بجائے پنتالیس ہو جائے گی۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں عبادت اصنام یعنی بت پرستی اور کواکب پرستی کی عام وباء پھیلی ہوئی تھی اور کفر کا اس درجہ غلبہ ہو چکا تھا کہ حضرت خلیل علیہ السلام' ان کی بیوی اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے سواء کوئی کلمہ گو موجود نہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ کے لیے ان کو مبعوث فرمایا۔ اس سلسلہ میں بادشاہوں کے ساتھ ان کے مناظرے قوموں کی تفہیم اور جابجا اثبات توحید اور ابطال شرک کے قاہرانہ براہین کا تذکرہ خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حالات زندگی کے تفصیلی تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ آفتابِ عالمتاب کی طرح سب ادیان سماویہ کی نظروں میں ہمیشہ درخشاں رہی ہے۔

آپ کا مولد بابل یا غوطہ تھا' آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ''امیلہ'' یا ''بلونا'' تھا۔ والد ماجد کا نام حسب ترجیح حافظ ابن کثیر آزر تھا۔ جمہور نساب تارح اور اہل کتاب تارخ لکھتے ہیں اور زبانوں کے اختلاف سے ناموں کی نقل میں اختلاف ہو جانا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ پھر علم اور لقب کا فرق بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بہت سی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر صفاتی نام بھی اسماء کی فہرست میں آ سکتے ہیں تو پھر پیش گوئیوں میں جو بے وجہ مباحث پیدا کی گئی ہیں وہ سب آسانی سے حل ہو سکتی ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالضیفان تھی' اور آپ کی ایک اہم ضیافت کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں بناء کعبہ اور آزمائشی میدانوں میں آپ کا صبر و استقامت اس کا سب سے نمایاں حصہ ہے ذبح عظیم اور آپ پر آتش کے برد و سلام جیسے عظیم الشان واقعات تو زباں زد خاص و عام ہو چکے ہیں اس سلسلہ میں جبرئیل علیہ السلام کے اصرار پر آپ کا فرمان ''اما الیک فلا'' حسب بیان حافظ ابن کثیر صرف بعض سلف کا مقولہ ہے۔

آپ کی بیوی حضرت سارہ شاہ حران کی بیٹی تھیں۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جس کسی نے یہ کہا کہ وہ آپ کی بھیجتی تھیں یہ

www.besturdubooks.net

بالکل بے تکی بات ہے اس پر یہ دعویٰ کرنا اور زیادہ بے اصل ہے کہ پہلے بھتیجی سے نکاح کرنا درست تھا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ ان جائزات میں سے ہوگا جس کا انبیاء علیہم السلام کبھی ارتکاب نہیں فرماتے۔

حضرت سارہ کا مشہور واقعہ جس ظالم بادشاہ کے ساتھ پیش آیا تھا حسب بیان بعض اہل تاریخ وہ ضحاک ظالم کا بھائی تھا اور اس کا نام سنان بن علوان تھا۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب التیجان میں اس کا نام عمرو بن امرء القیس بن مایلون یا مایلبون لکھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی قبور مبارک شہر حبرون میں موجود ہیں۔ جس کو آج کل ''الخلیل'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان کی علیحدہ علیحدہ تعیین یقینی طور پر معلوم نہیں۔ البدایہ ج ۲ ص ۱۷۵۔

(۱۲۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأَیْتُ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ وَ مُوْسٰی وَ اِبْرَاھِیْمَ فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ وَ اَمَّا مُوْسٰی فَاٰدَمُ جَسِیْمٌ قَالُوْا لَہٗ فَاِبْرَاھِیْمُ قَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰی صَاحِبِکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَہٗ.

(رواہ الامام احمد و روی البخاری و مسلم نحوہ فی الحج و فی اللباس ایضا)

(۱۲۲۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ' گھونگروالے بال اور چوڑے سینہ کے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام گندم گوں رنگ اور لانبے چوڑے جسم کے آدمی تھے۔ رہ گئے ابراہیم علیہ السلام تو وہ مجھ کو دیکھ لو۔

(احمد' بخاری شریف' مسلم شریف)

(۱۲۲۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ قَصْرًا اَحْسِبُہٗ قَالَ مِنْ لُؤْلُؤَۃٍ لَیْسَ فِیْہِ فَصْمٌ وَ لَا وَھْیٌ عَدَّہُ اللّٰہُ لِخَلِیْلِہٖ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ نُزُلًا.

(رواہ البزار و فیہ علۃ مع کونہ علی شرط مسلم)

(۱۲۲۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں ایک محل ہے میرا گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ ایسے موتی کا ہے جس میں کہیں ذرا بال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے خلیل علیہ السلام کی مہمانی کے لیے تیار فرمایا ہے۔

(بزار)

(۱۲۲۷) عَنْ جُنْدُبِ الْبَجَلِیِّ وَ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا.

(رواہ الشیخان)

(۱۲۲۷) جندب بجلی' عبداللہ بن عمرو اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! سن لو اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا مجھ کو بھی اپنا خلیل بنایا ہے۔

(متفق علیہ)

(۱۲۲۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ قَالَ اِنَّ مُعَاذًا لَمَّا قَدِمَ الْیَمَنَ صَلّٰی بِھِمُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ وَ اتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ

(۱۲۲۸) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ معاذ جب یمن آئے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو اس میں یہ آیۃ پڑھی وَ اتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا. اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو ان لوگوں میں سے ایک شخص بولا ابراہیم

www.besturdubooks.net

قَرَّتْ عَيْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رواه البخاری)

علیہ السلام کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (کہ اتنی بڑی فضیلت ان کے فرزند کو نصیب ہوئی) (بخاری شریف)

(۱۲۲۹) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيْلَ لَهُ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ قَالَ ذٰلِكَ يَوْمٌ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى كُرْسِيِّهٖ فَيَأْطُ كَمَا يَأْطُ الرَّحْلُ الْجَدِيْدُ مِنْ تَضَايُقِهٖ وَ هُوَ كَسِعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَ يُجَاءُ بِكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا فَيَكُوْنُ اَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اُكْسُوْا خَلِيْلِيْ فَيُؤْتٰى بِرَيْطَتَيْنِ بَيْضَاوَيْنِ مِنْ رِيَاطِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اُكْسٰى عَلٰى اَثَرِهٖ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَغْبِطُنِي الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ. رواه الدارمی و اخرج الحافظ برواية البيهقی من کتاب الاسماء و الصفات نحوه کما فی الفتح ج ٦ ص ٢٤٤ و الحافظ العینی فی عمدة القاری ج ٧ ص ٣٤٧.

(۱۲۲۹) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ ایک مقام ہے جو مجھ کو اس دن نصیب ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم سے اپنی کرسی پر تجلی فرمائے گا تو وہ اس طرح آواز کریں گی جیسا نیا کجاوہ کسی بڑی چیز کے وزن سے آواز کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ اس کرسی کی وسعت آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ کی برابر ہے اس کے بعد پھر تم سب مخلوق کو حاضر کیا جائے گا اور سب پابرہنہ، برہنہ جسم اور غیر مختون ہوں گے۔ پھر جن کو سب سے پہلے جنت کا لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ ارشاد ہوگا۔ میرے خلیل کو پوشش پہناؤ۔ فوراً جنت کی چادروں میں سے دو سفید رنگ کی چادریں لاکر ان کو پہنائی جائیں گے اس کے بعد ہی پھر مجھ کو پوشش پہنائی جائے گی اور میں اللہ تعالیٰ کے دائیں آکر ایسے مقام پر کھڑا ہوں گے جہاں سب اگلے اور پچھلے مجھ پر غبطہ کریں گے۔ (دارمی شریف)

(۱۲۳۰) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كَلِمَاتِ اِبْرَاهِيْمَ

(۱۲۳۰) ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کے متعلق جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے

(۱۲۳۰) ✱ ان تین باتوں کا تفصیلی تذکرہ آپ ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۲۲۷ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کا ذکر فرما کر یہ بات پورے طور پر صاف فرما دی ہے کہ وہ تینوں باتیں ہر طرح پر صحیح تھیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خدائی دین کی حفاظت کی خاطر اختیار کی گئی تھیں۔ یہ خدا تعالیٰ کے خلیل کی بلند فطرت تھی کہ مخاطبوں کو چونکہ ان کی مراد سمجھنے میں غلط فہمی پیدا ہوگئی اس لیے انہوں نے اس کذب نما صدق کو بھی کذب کی برابر شمار کیا اور اس کو صوری کذب قرار دے کر اس پر ہمیشہ اتنے نادم رہے کہ قیامت تک اس کا انفعال ان کی فطرت سے محو نہ ہو سکا۔ جن لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام کا اندازہ نہیں ہے انہوں نے بے وجہ یہاں بخاری شریف کی اس حدیث میں بھی تاویلیں شروع کر دی ہیں۔ حالانکہ جب ان کی حقیقت خود روایت میں واضح ہو چکی تو اب سوال اس کے سوا اور کیا رہتا ہے کہ اس حقیقت پر کذب کا اطلاق کیوں کیا گیا لیکن اگر ذرا اس طرف بھی نظر اٹھ جاتی کہ یہاں صرف ایک ابراہیم علیہ السلام ہی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی پوری کی پوری جماعت کے حالات زندگی اسی قسم کی سخت گیریوں اور مواخذات لفظیہ کا مرقع ہیں تو یہاں کوئی اشکال نہ رہتا۔ آخر آدم علیہ السلام کی جو سرگذشت کہ خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اس کے بعد پھر جو لغزش ان سے ہوئی تھی .....

www.besturdubooks.net

الثلاث التی قال مامنها کلمة الا ماحل بها — نکلی تھیں فرمایا کہ ان تینوں میں ایک بات بھی ایسی نہ تھی جس سے ان کا

ﷺ..... اس کی اہمیت کتنی رہ جاتی ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے اس صوری فروگذاشت کو ارادی فروگذاشت کے انداز میں ذکر کیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی جانب معصیت کی نسبت فرما دی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی پوری جماعت پر نظر ڈال جائیے۔ آپ کو یہی ثابت ہوتا چلا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں الفاظ گو وہی استعمال ہوتے ہیں جو عرف عام میں مستعمل ہوتے ہیں مگر ان کے مصداق میں ذرا سا بھی اشتراک نہیں ہوتا۔ ترجمان السنہ میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ پس حدیث میں توریہ پر کذب کا اطلاق اسی نوع کا ہے جیسا قرآن کریم میں ایک زلت پر معصیت کا۔ انکشافِ حقیقت کے بعد ان اطلاق سے انبیاء علیہم السلام کی کسر شان نہیں نکلتی بلکہ اوران کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔

ہم اس وقت یہ بات اور بتا دینی چاہتے ہیں کہ کذب کا اطلاق صرف اس معنی میں منحصر سمجھ لینا جس کو عام طور پر جھوٹ کہا جاتا ہے' یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس جگہ حافظ ابن تیمیہؒ نے جو تحقیق فرمائی ہے چونکہ وہ بہت جگہ کارآمد ہوگی اس لیے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ کذب کا اطلاق ہمیشہ ارادی کذب پر نہیں ہوتا بلکہ ایسی خلاف واقع بات پر بھی ہوتا ہے جس کے کہنے کا انسان کو شرعی طور پر حق نہ ہو' خواہ اس میں دروغ گوئی کا ارادہ نہ ہو۔

(۱) جیسا ایک بار ایک حاملہ عورت کے شوہر کے انتقال پر مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اس کا وضع حمل ہو چکا ہے تو کیا اب وہ جدید نکاح کر سکتی ہے۔ اس پر ابو السنابل صحابی نے جواب دیا "ما انت بنا کحة حتی یمر علیک اربعة اشھر وعشر" یعنی جب تک تو چار ماہ دس دن تک عدت نہ گذار لے تجھ کو نکاح کا کوئی حق نہیں۔ جب اس بات کی آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا "کذب ابو السنابل" ابو السنابل نے جھوٹ کہا۔

ا: اسی طرح عامر صحابی کی کی اپنی تلوار اتفاقی طور پر لگ جانے کی وجہ سے جب ان کی موت واقع ہوئی تو لوگوں نے کہا: عامر کا جہاد تو برباد ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "کذب من قالھا" جس نے بھی یہ کہا جھوٹ کہا۔

ب: فتح مکہ کے موقع پر سعد بن عبادہ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا "الیوم یوم الملحمة" آج ہے جنگ کا دن تو آپ نے فرمایا "کذب سعد" سعد نے جھوٹ کہا۔

ج: عبادہ بن صامت کے سامنے کسی نے بیان کیا کہ ابو محمد کہتے کہ وتر واجب ہے تو انہوں نے فرمایا "کذب ابو محمد" ابو محمد نے جھوٹ کہا۔

د: حضرت ابن عباس سے کسی نے کہا کہ نوف کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ جس موسیٰ کا واقعہ پیش آیا تھا وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہ تھے کوئی اور موسیٰ تھے تو فرمایا "کذب نوف" نوف نے جھوٹ کہا۔

(۲) اسی طرح جو شخص ایسی خبر بیان کرے جس کی تصدیق شرعی طور پر شہادت کے بغیر ممنوع ہو تو وہ بھی جھوٹ کہلاتی ہے چنانچہ کسی پر تہمت لگانے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ. (النور:۱۳)

چونکہ یہ لوگ چار گواہ نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی لوگ ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں۔

(۳) جو شخص بے علمی سے غلط باتیں بنائے وہ بھی جھوٹ کی فہرست میں داخل ہے خواہ اس کے اپنے علم میں وہ حق ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ. (رواه ابن ابی حاتم)

مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی تائید کرنی نہ ہو۔ (ابن ابی حاتم)

(۱۲۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِيْمُ النَّبِیُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ هُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً بِالْقَدُوْمِ.

(رواه البخاری و مسلم)

(۱۲۳۱) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں کسلہ سے ختنہ کی تھی۔

(بخاری ومسلم)

(۱۲۳۲) عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبَاحٍ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمِرَ اَنْ يَّخْتَتِنَ وَ هُوَ حِيْنَئِذٍ اِبْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً فَعَجَّلَ وَ اخْتَتَنَ بِالْقَدُوْمِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْوَجْعُ فَدَعَا رَبَّهٗ فَاَوْحٰى اِلَيْهِ اَنَّكَ عَجِلْتَ قَبْلَ اَنْ نَّاْمُرَكَ بِاٰلَتِهٖ قَالَ يَا رَبِّ كَرِهْتُ اَنْ اُوَخِّرَ اَمْرَكَ.

(درمنثور ج ۱ ص ۱۱۵)

(۱۲۳۲) علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب ختنہ کرنے کا حکم ہوا تو ان کی عمر اس وقت اسی سال کی تھی انہوں نے خدائی حکم بجا لانے میں جلدی کی اور فوراً کسلہ لے کر اپنی ختنہ کر ڈالی جب تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعاء کی ادھر سے وحی آئی ہمارے ختنہ کا طریقہ بتانے سے پہلے ختنہ کرنے میں تم نے خود جلدی کی۔ انہوں نے عرض کی پروردگار مجھ سے یہ گوارا نہ ہو سکا کہ میں تیرے حکم میں ذرا سی تاخیر بھی کروں۔ (درمنثور)

لـ ..... کاہنوں پر شیطان یہی ظاہر کرتا ہے کہ جو خبریں وہ بیان کرتے ہیں یہ سب درست ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی خبروں کے بیان کرنے والوں کو کاذب قرار دیا ہے۔

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كَاذِبُوْنَ. (الشعراء: ۲۲۲-۲۲۳)

ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں۔

اس کے علاوہ امام خطابی شرح ابوداؤد میں فرماتے ہیں کہ کذب کا اطلاق عربی زبان میں خطاء کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے کہتے ہیں "کذب سمعی . کذب بصری" ای زل و لم یدرک۔ میری چشم و گوش نے جھوٹ بولا یعنی سننے اور دیکھنے میں غلطی کھائی اور جس شخص نے اپنے مریض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر شہد پلایا تھا اس کو شروع میں افاقہ نہ ہوا تو جب اس نے آپ سے آکر پھر شکایت کی تو آپ نے فرمایا صدق اللہ و کذب بطن اخیک. تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ سچا ہے۔ یعنی شہد میں تو شفا یقینی ہے مگر تیرے بھائی کو نا موافق رہا ہے۔ یہ بات دوسری ہے۔ معالم السنن ج ا ص ۱۳۲۔

(۱۲۳۱) ✽ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سن کی تصریح ہوتے بھی بعض مصنفین نے یہ کیسے لکھ دیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے سال کی ہوئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیرہ سال تو اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ختنہ کرو۔ یہاں البدایہ و النہایہ میں گو صحیح ابن حبان سے حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی عمر اس وقت ۱۲۰ سال بھی نقل کی ہے' مگر پھر ترجیح بخاری شریف کو ہی رہے گی۔

(۱۲۳۲) ✽ اب اس ایک ہی واقعہ سے اندازہ فرمایئے کہ انبیاء علیہم السلام سے مؤاخذات کا معیار کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے "انا اعلم" ایک کلمہ نکل گیا تو اس کا نتیجہ کیا ہوا اور آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قرب کی خاطر بھول سے ایک قدم اٹھایا تو بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مستحسن توریہ کے کلمات منہ سے نکلے تو اس کا انفعال کہاں تک باقی رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نادان قوم نے ان کو خدا کا شریک بنایا تو اس کا اثر بھی ان کی مقدس فطری پر کتنا شدید رہا۔ الی غیر ذلک.

www.besturdubooks.net

(۱۲۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ اَوَّلُ مَنْ اَضَافَ الضَّیْفَ وَ اَوَّلُ مَنْ قَصَّ الشَّارِبَ وَ اَوَّلُ مَنْ رَأَی الشَّیْبَ وَ اَوَّلُ مَنْ قَصَّ الْاَظَافِیْرَ وَ اَوَّلُ مَنْ اخْتَتَنَ بِقَدُّوْمِهٖ. (رواہ ابن عدی و البیهقی کذافی الدرالمنثور ج ۱ ص ۱۱۵ و اخرج البیهقی عن سفیان بن عیینة انه اوّلُ من تسرول واوّل من فرق و اوّل من استحد ایضا. و عند ابن ابی شیبة و البزار انه اوّل من خطب علی المنبر و عند ابن عساکر انه اوّل من رتب العسکر فی الحرب میمنة و میسرة و قبا و عند ابن ابی شیبة انه اوّل من عقد الالویة و عند ابن ابی الدنیا انه اوّل من عمل القسی و عنده فی کتاب الاخوان و الخطیب فی تاریخه و الدیلمی فی مسند الفردوس انه اوّل من عانق و عند ابن سعد انه اوّل من ثرد الثرید و عند الدیلمی انه اوّل من اتخذ الخبز المبقس و عند الشیخین و غیرهما انه اوّل من یکسی یوم القیامة کله من الدر المنثور. و روی بعضه مالک فی مؤطاہ)

(۱۲۴۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (چند باتیں وہ ہیں جو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئیں) سب سے پہلے مہمانی کی سنت انہوں نے شروع کی- سب سے پہلے انہوں نے مونچھیں تراشیں' سب سے پہلے سر میں بڑھاپے کے آثار انہوں نے دیکھے- سب سے پہلے ناخن انہوں نے تراشے- سب سے پہلے کسلہ لے کر اپنی ختنہ انہوں نے کی- سب سے پہلے پاجامہ انہوں نے پہنا- سب سے پہلے مانگ انہوں نے نکالی- سب سے پہلے استرہ سے زیر ناف بال انہوں نے لیے- سب سے پہلے منبر پر انہوں نے خطبہ دیا- لشکر کے میمنہ' میسرہ اور قلب کی سب سے پہلے تقسیم انہوں نے ایجاد کی- سب سے پہلے جھنڈے پر پرچم انہوں نے لگایا- سب سے پہلے کمان انہوں نے بنائی- سب سے پہلے معانقہ انہوں نے کیا- سب سے پہلے ثرید کھانا انہوں نے تیار کیا- وہ روٹی جو قریہ بلقس کی طرف منسوب ہے سب سے پہلے انہوں نے تیار کی-[1]

(۱۲۴۴) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَۃِ قَصُّ

(۱۲۴۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- دس باتیں فطرت میں داخل ہیں- مونچھ تراشنا'

(۱۲۴۳) * یہ جملہ امور اولیات ابراہیم علیہ السلام کے عنوان سے مشہور ہیں ہم نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے- یہ سب اشیاء ممکن ہے کہ سب سے پہلے ان سے ہی شروع ہوئی ہوں یا ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت ایسی ہو جس کی بناء پر ان کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب اولی سمجھی گئی ہو-

(۱۲۴۴) * حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کی تشریح نہایت پر مغز اور مختصر الفاظ میں حسب ذیل فرمائی ہے:

و المقصود انه علیه الصلوۃ و السلام کان لایشغله القیام بالاخلاص لله عزوجل و خشوع العبادۃ العظیمة عن مراعاۃ مصلحة بدنه و اعطاء کل عضو مایستحقه من الاصلاح و التحسین و ازالة مایشین من زیادۃ لٰه ......

---

[1] تاج العروس شرح قاموس میں ہے کہ اس روٹی کا وزن چار رطل ہوتا تھا-

www.besturdubooks.net

الشَّارِبِ وَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَ السِّوَاکِ وَ اِسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَ قَصُّ الْاَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَ نَتْفُ الْاِبِطِ وَ حَلْقُ الْعَانَةِ وَ انْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ. (رواه مسلم و اهل السنن و في الصحيحين ذكر الختان و الاستحداد ايضا)

ریش بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی دینا' ناخن تراشنا' انگلی کے جوڑوں کو صاف کرنا' زیر بغل بالوں کو اکھاڑنا' زیر ناف بالوں کا مونڈنا اور استنجاء کرنا- ختنہ کرنا- (مسلم شریف)

(۱۲۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَاٰى الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ لَمْ يَدْخُلْ حَتّٰى اَمَرَبِهَا فَمُحِيَتْ وَ رَاٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِاَيْدِيْهِمَا الْاَزْلَامُ فَقَالَ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ. وَاللّٰهِ اِنْ يَسْتَقْسِمَا بِالْاَزْلَامِ قَطُّ. (رواه البخاري و لم يخرجه مسلم)

(۱۲۳۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ بیت اللہ کے اندر تصویریں ہیں تو آپؐ اس وقت تک اندر تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ ان کے مٹانے کا حکم نہ دے دیا اور وہ مٹا نہ دی گئیں- آپؐ نے دیکھا کہ کفار نے ان تصویروں میں حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں میں فال و بدفالی کے تیر دے رکھے تھے- یہ کہ یہ منظر دیکھ کر آپؐ نے فرمایا خدا ان کو برباد کرے بخدا یہ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے پانسے کے تیر کبھی نہیں ڈالے- (بخاری شریف)

(۱۲۳۶) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ امْرَاَةً دَخَلَتْ عَلٰى عَائِشَةَ فَاِذَا رُمْحٌ مَنْصُوْبٌ فَقَالَتْ مَا هٰذَا

(۱۲۳۶) نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کیا دیکھتی ہیں ایک نیزہ کھڑا ہوا ہے- انہوں نے پوچھا یہ نیزہ

لہ ..... شعر او ظفر او وجود قلع او وسخ فهذا من جملة قوله تعالى و ابراهيم الذي و في.

(البداية و النهاية ج ۱ ص ۱۷۲)

اصل مقصد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا بڑا کمال یہ تھا کہ ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی پورے خشوع وخضوع سے ادا فرماتے تھے اور دوسری طرف اپنی بدنی مصالح کی بھی پوری رعایت رکھتے تھے کہیں جسم پر قابل نفرت بال یا ناخن یا میل کچیل باقی نہ رکھتے تھے جو موجب نفرت ہو ان ہی مجموعہ حقوق کی اس طرح ادائیگی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے و ابراهيم الذي و في - یعنی ابراہیم وہ تھے کہ جنہوں نے پورے طور پر حقوق کی ادائیگی فرمائی تھی-

(۱۲۳۶) * واضح رہے کہ جہاں آتش نمرود کے سرد ہو جانے کا ذکر ہو وہاں بعض حیوانات کی حمایت اور بعض کی عداوت سے بھلا کیا تعجب ہونا چاہئے- حقیقت یہ ہے کہ طبیعت کی سلامتی اور خباثت یہ دونوں خواص انسان اور حیوانات میں فطری طور پر موجود ہوتے ہیں ان کے ظہور کے لئے صرف فطرت کافی ہوتی ہے- دیکھئے شیر اور بھیڑیا یا دونوں ہی خونخوار جانور ہیں مگر پھر دونوں کی شرافت اور دنائت میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہاں ارادہ و شعور کی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ جس قسم کی فطرت ہوتی ہے اسی قسم کے افعال کا ظہور غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر ہوتا رہتا ہے- اسی لئے مشہور ہے ۔

نیش عقرب نہ از پے کینست مقتضائے طبیعتش اینست لہ .....

www.besturdubooks.net

الرُّمحُ فَقَالَتْ نَقْتُلُ بِهِ الْاَوْزَاغَ ثُمَّ حَدَّثَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَمَّا اُلْقِيَ فِي النَّارِ جَعَلَتِ الدَّوَابُّ كُلُّهَا تُطْفِئُ عَنْهُ النَّارَ اِلَّا الْوَزْغَ فَاِنَّهٗ جَعَلَ يَنْفُخُهَا عَلَيْهِ.

کیسا ہے انہوں نے فرمایا ہم اس سے چھپکلیاں مارتے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو تمام جانور آگ بجھانے کے لیے کوشاں تھے بجز چھپکلی کے کہ یہ اور پھونک مارنے لگی۔ (احمد)

(رواہ احمد من وجہ اخر ایضا قال ابن کثیر تفردبہ احمد من ھذین الوجھین وقد رواہ ابن ماجۃ ایضا و قد اخرجہ احمد باسنادہ ایضا)

سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ذبیح اللہ

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حسب بیان اہل کتاب جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی تو اس وقت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھیاسی سال کی تھی۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطن سارہ سے (حضرت) اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بشارت ہوئی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں جو دعا تم نے کی وہ قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں بڑی برکت دے گا اور بارہ بڑی بڑی ہستیاں ان میں پیدا فرمائے گا۔ ٹھیک اسی نوع کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت میں بارہ خلفاء کے متعلق دی ہیں حافظ سہیلی لکھتے ہیں کہ عورتوں میں ختنہ کی رسم سب سے پہلے حضرت ہاجرہ سے شروع ہوئی ہے اور کان بندھوانے اور دامن دراز رکھنے کی سنت کی ابتداء بھی ان ہی سے ہوئی ہے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جس بیوی کے طلاق دینے کا حکم دیا تھا اس کا نام عمارہ بنت سعد تھا اور جس کے ساتھ نباہ کا حکم دیا تھا اس کا اسیدہ بنت مضاض تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی میں بناء کعبہ کی شرکت اور خود ان کے ذبیح ہونے کے واقعات سب سے زیادہ مشہور اور نمایاں ہیں۔

ﷺ ..... پس جس طرح بچھو کا کاٹنا اس پر موقوف نہیں کہ پہلے سے دشمنی یا عداوت کا شعور اس میں موجود ہو۔ پھر ایسا ہوتا کیوں ہے اس لئے کہ اس کی فطرت یہی ہے۔ اسی طرح چھپکلی کی یہ حرکت صرف اس کی ایک فطرت تھی۔ یہاں تمام مقدمات اس کے پیش نظر ہونے ضروری نہیں۔ بندر، چوہا، کوا وغیرہ جیسے موذی جانوروں کی ایذاء دہی کی عجیب وغریب حکایات سب کو معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ بہت سے حیوانات ہیں جن کو حدیث میں موذیات کا لقب دیا ہے اور ان کا مارنا ہر حالت میں درست قرار دیا ہے۔ چھپکلی میں انسانی ایذاء رسانی کی یہ خصلت آج تک موجود ہے کہ نمک پر پیشاب کرتی ہے۔ اگر اس نمک کو استعال کرلیا جائے تو اس کے سمی اثر سے جسم پر برص کے داغ پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح خواص حیوانات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حیوانات میں فطری طور پر ایذاء رسانی کی خصوصیات موجود ہیں۔ پس اگر قدرت کے کسی خاص مظاہرہ کے وقت حیوانات میں بھی وقتی طور پر کوئی شعوری یا غیر شعوری حرکت پیدا ہو جائے تو اس کا انکار یا تاویل دونوں صریح طریق نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیوانات کا کلام کرنا جلد ثانی کی شروع حدیثوں میں آپ پڑھ چکے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں شیر و بکری کی باہم معاشرت کا ذکر آپ کے سامنے آنے والا ہے پس عجائبات قدرت صرف چند قطرات نہیں ہیں بلکہ ان کا بھی ایک سمندر ہے جس کی طوفان خیز موجوں کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

www.besturdubooks.net

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے میں اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان مناقشات ومباحثات کی پوری تفصیلات اپنے مقام میں مدون ہیں اس کا یہ محل نہیں- حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے ظاہری نظم میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ پہلے قرآن کریم نے ذبیح کا قصہ ذکر فرمایا ہیں اس کے بعد ارشاد ہوا ہے "و بشرناہ باسحق نبیامن الصالحین" گویا ذبیح کا قصہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت سے بھی پہلا ہے- پھر حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح کیسے ہو سکتے ہیں- حافظ موصوف نے یہاں محمد کعب قرظی کا ایک دوسرا عجیب استدلال اور نقل کیا ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ھود:۷۱) "تو ہم نے اس کو اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی-"

آیت بالا میں جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے عطاء ہونے کی بشارت دی گئی تھی تو اب یہ کیسے مناسب تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت سے قبل صغرسنی ہی میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا جاتا- اندازہ فرمایئے کہ ایک طرف ان کے ذبح کا حکم دوسری طرف ان کے فرزند کی بشارت کیا یہ دونوں باتیں جوڑ کھاتی ہیں- (البدایہ ج۱ص ۱۵۹)

واضح رہے کہ ہم نے صرف وقتی لحاظ سے یہاں حافظ موصوف کی تاریخ کے یہ دو جملے نقل کر دیے ہیں ان سے مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا- حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر علماء اسلام نے ہر پہلو سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحثیں کر دی ہیں وہ دیکھ لی جائیں-

(۱۲۳۷) عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِي امْرَءَةٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ قَالَتْ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ وَ قَالَ مَرَّةً اِنَّهَا سَأَلَتْ عُثْمَانَ لِمَ دَعَاكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ الْكَبْشِ حِيْنَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ فَنَسِيْتُ اَنْ اٰمُرَكَ اَنْ تُخَمِّرَ هُمَا فَخَمِّرْهُمَا فَاِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيْ قَالَ سُفْيَانُ لَمْ تَزَلْ قَرْنَا الْكَبْشِ فِي الْبَيْتِ حَتّٰى احْتَرَقَ الْبَيْتُ فَاحْتَرَقَا. (رواہ احمد قال فی البدایۃ و ھذا روی عن ابن عباس ان رأس الکبش لم یزل

(۱۲۳۷) صفیہ بنت شیبہ روایت کرتی ہیں کہ بنو سلیم قبیلہ کی ایک عورت نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے کہلا بھیجایا خود انہوں نے عثمان سے پوچھا تھا (راوی کو شک ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کیوں بلایا تھا- انہوں نے کہا یہ کہنے کے لیے بلایا تھا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تھا تو میں نے اس میں ذبح عظیم والے مینڈھے کے دو سینگ رکھے دیکھے تھے- مجھے ان کے متعلق تم سے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ ان کو ڈھانک دینا- تو اب جا کر ان کو ڈھانک دو کیونکہ بیت اللہ کے اندر ایسی کسی چیز کا کھلا رہنا مناسب نہیں جسے دیکھ کر نماز پڑھنے والے آدمی کا دل بٹے- سفیان راوی حدیث کہتے ہیں کہ وہ دونوں سینگ بیت اللہ میں ہمیشہ موجود رہے یہاں تک کہ جب بیت اللہ کے جلنے کا حادثہ پیش آیا تو وہ بھی اس میں جل گئے تھے- ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ کعبہ کے پرنالے کے پاس

(۱۲۳۷) * حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صرف یہی ایک روایت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے لیے کافی ہے- کیونکہ دور طفولیت میں یہی مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور ہمارے علم میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی صغرسنی میں یہاں آمد کہیں ثابت نہیں-

www.besturdubooks.net

معلقا عند میراب الکعبۃ فانیبس ج ۱ ص ۱۵۸)

اس مینڈ ھے کا سر لٹکا ہوا تھا حتی کہ لٹکے لٹکے وہ سوکھ گیا تھا۔

(۱۲۳۸) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَوَّلُ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ مِنْ قِبَلِ اُمِّ اِسْمٰعِيْلَ اتَّخَذَتْ مِنْطَقًا لِتُعَفِّيَ اَثَرَهَا عَلٰى سَارَةَ ثُمَّ جَاءَ بِهَا اِبْرَاهِيْمُ وَ بِابْنِهَا اِسْمٰعِيْلَ وَ هِيَ تُرْضِعُهُ حَتّٰى وَ ضَعَهُمَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِيْ اَعْلَى الْمَسْجِدِ وَ لَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ اَحَدٌ وَ لَيْسَ بِهَا مَاءٌ فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ وَ وَضَعَ عِنْدَ هُمَا جِرَابًا فِيْهِ تَمْرٌ وَ سِقَاءً فِيْهِ مَاءٌ ثُمَّ قَفّٰى اِبْرَاهِيْمُ مُنْطَلِقًا فَتَبِعَتْهُ اُمُّ اِسْمٰعِيْلَ فَقَالَتْ يَا اِبْرَاهِيْمُ اَيْنَ تَذْهَبُ وَ تَتْرُكُنَا فِيْ هٰذَا الْوَادِي الَّذِيْ لَيْسَ فِيْهِ اِنِيْسٌ وَ لَا شَيْءٌ فَقَالَتْ لَهٗ ذٰلِكَ مِرَارًا وَ جَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ اِلَيْهَا فَقَالَتْ لَهٗ آللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَتْ اِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا ثُمَّ رَجَعَتْ فَانْطَلَقَ اِبْرَاهِيْمُ حَتّٰى اِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرَوْنَهٗ اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ ثُمَّ دَعَا بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ وَ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ حَتّٰى بَلَغَ يَشْكُرُوْنَ جَعَلَتْ اُمُّ اِسْمٰعِيْلَ وَ تَشْرَبُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ حَتّٰى اِذَا نَفِدَ مَا فِي السِّقَاءِ عَطِشَتْ وَ عَطِشَ ابْنُهَا وَ جَعَلَتْ تَنْظُرُ اِلَيْهِ يَتَلَوّٰى وَ قَالَ يَتَلَبَّطُ فَانْطَلَقَتْ كَرَاهِيَةَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَيْهِ فَوَجَدَتِ الصَّفَا اَقْرَبَ جَبَلٍ فِي الْاَرْضِ يَلِيْهَا فَقَامَتْ

(۱۲۳۸) حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے منطق کا لباس بنایا تھا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں' انھوں نے یہ لباس اس لئے بنایا تھا تاکہ زمین پر اس کے گھسٹنے سے ان کے نشانات قدم محو ہو جائیں جو حضرت سارہ کو ان کا پتہ نہ لگ سکے۔ حضرت ابراہیم ان کو اور ان کے لڑکے اسمٰعیل علیہ السلام کو جو بھی دودھ پی رہے تھے لائے اور بیت اللہ کے پاس ایک درخت کے نیچے زمزم کے نزدیک مسجد کے بالائی حصہ میں چھوڑ دیا' اس وقت مکہ میں نے کوئی آدمی تھا اور نہ کہیں پانی کا نام و نشان' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس ایک مشک پانی اور ایک تھیلا کھجور رکھ دیا' اور پھر رخ پھیر کر روانہ ہو گئے' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں یہ کہتے ہوئے ان کے پیچھے لگ گئیں کہ اے ابراہیم آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں اس وادی میں چھوڑ رہے ہیں جہاں نہ کوئی غم گسار ہے اور نہ کوئی چیز یہ بار بار کہہ رہی تھیں مگر وہ ان کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے' انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہاں' انھوں نے کہا تو پھر وہ ہمیں برباد نہ ہونے دے گا' اور یہ کہہ کر وہ بچہ کی طرف پلٹ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے' جب وہ گھاٹی سے اتنی دور نکل آئے' جہاں سے وہ سب ان کو نہ دیکھ سکیں' تو قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی' اے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد لا کر تیرے محترم گھر کے پاس ایسی وادی میں آباد کر دی ہے' جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں ہے یَشْکُرُوْنَ تک کلمات آپ نے فرمائے' ادھر ام اسمٰعیل تھیلے سے کھجور' اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں۔ تا آنکہ پانی ختم ہو گیا اور خود وہ اور ان کا بچہ پیاس سے بے چین ہوا' وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ شدت پیاس سے لوٹ پوٹ کر رہا ہے' چنانچہ اس حالت بے تابی میں وہ بچے کے پاس سے چل پڑیں' ان سے بچہ کا حال نہ دیکھا گیا۔ انھوں نے سب سے قریب زمین کے پہاڑوں میں سے صفا کی پہاڑی دیکھی' وہ اس جگہ چڑھ کر وادی میں دیکھنے

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتِ الْوَادِيَ تَنْظُرُ هَلْ تَرٰى
اَحَدًا فَهَبَطَتْ مِنَ الصَّفَا حَتّٰى اِذَا بَلَغَتْ
الْوَادِيَ رَفَعَتْ طَرْفَ دِرْعِهَا ثُمَّ سَعَتْ سَعْيَ
الْاِنْسَانِ المجهود حَتّٰى جَاوَزَتِ الْوَادِيَ ثُمَّ
اَتَتِ الْمَرْوَةَ فَقَامَتْ عَلَيْهَا فَنَظَرَتْ هَلْ تَرٰى
اَحَدًا فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَالَ ابْنُ
عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَلِذٰلِكَ سَعَى النَّاسُ بَيْنَهُمَا فَلَمَّا اَشْرَفَتْ
عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا فَقَالَتْ صَهٍ تُرِيْدُ
نَفْسَهَا ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ اَيْضًا فَقَالَتْ قَدْ
اَسْمَعْتَ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ غُوَاثٌ فَاِذَا هِيَ بِا
الْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِهٖ اَوْ
قَالَ بِجَنَاحِهٖ حَتّٰى ظَهَرَ الْمَاءُ فَجَعَلَتْ
تُحَوِّضُهٗ وَ تَقُوْلُ بِيَدِهَا هٰكَذَا وَ جَعَلَتْ
تَغْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِيْ سِقَائِهَا وَ هُوَ يَفُوْرُ
بَعْدَمَا تَغْرِفُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ
لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ اَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ
الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِيْنًا قَالَ فَشَرِبَتْ
وَ اَرْضَعَتْ وَلَدَهَا فَقَالَ لَهَا الْمَلَكُ لَا
تَخَافِي الضَّيْعَةَ فَاِنَّ هٰهُنَا بَيْتَ اللّٰهِ يَبْنِيْ هٰذَا
الْغُلَامُ وَ اَبُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَهْلَهٗ وَ كَانَ
الْبَيْتُ مُرْتَفِعًا مِنَ الْاَرْضِ كَالرَّابِيَةِ تَاْتِيْهِ
السُّيُوْلُ فَتَاْخُذُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ شِمَالِهٖ فَكَانَتْ
كَذٰلِكَ حَتّٰى مَرَّتْ بِهِمْ رُفْقَةٌ مِنْ جُرْهُمَ
اَوْ اَهْلُ بَيْتٍ مِنْ جُرْهُمَ مُقْبِلِيْنَ مِنْ طَرِيْقِ

لگیں کوئی نظر تو نہیں آتا' لیکن کوئی نظر نہ آیا' آخر صفا کی پہاڑی سے اتریں اور جب وادی میں پہنچیں' تو اپنا دامن اٹھا کر ایک پریشان حال انسان کی طرح دوڑ پڑیں' یہاں تک کہ وادی سے آگے بڑھ گئیں اور مروہ کی پہاڑ پر ئیں' اور اس پر کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ کوئی آدم نظر آتا ہے یا نہیں' اسی طرح سات مرتبہ چکر لگایا' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی کی یاد میں لوگ صفا ومروہ کی سعی کرتے ہیں- اخیر میں جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی' انھوں نے اپنے جی سے کہا' کہ تو خاموش رہ' پھر کان لگایا تو پھر آواز آئی- انھوں نے کہا کہ تم نے اپنی آواز سنا دی' اب اگر تیرے پاس میرے لئے کوئی مدد ہو تو وہ بھی کر دے چنانچہ دفعۃً ان کو زمزم کے پاس ایک فرشتہ نظر آیا' اس نے اپنی ایڑ زمین پر لگائی یا اپنا بازو لگایا' یہاں تک کہ پانی ابل آیا' وہ اس کو چاروں کناروں سے گھیرنے لگیں اور پانی چلو میں لے لے کر مشکیزہ بھرنے لگیں' مگر پانی اس کے بعد بھی ابل ہی رہا تھا' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مادر مہربان پر رحم فرمائیں' اگر وہ زمزم کو اسی حال پر چھوڑ دیتیں یا فرمایا کہ چلو سے لے کر مشکیزہ میں نہ ڈالتیں' تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا- فرمایا کہ انھوں نے خود پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا' فرشتہ نے ان سے کہا کہ ہلاکت کا خطرہ محسوس نہ کرو' یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے' یہ بچہ اور اس کے والد محترم اس کو بنائیں گے' اور اللہ تعالیٰ یہاں والوں کو برباد نہ ہونے دے گا' اور بیت اللہ عام زمین سے اونچا ایک ٹیلہ کی صورت تھا' جب سیلاب آتا اس کے دائیں بائیں سے گذر جاتا' چنانچہ وہ اس حال پر رہا یہاں تک کہ جرہم کا ایک قبیلہ یا قافلہ یہاں سے گذرا' جو کدا کے راستے سے آ رہا تھا' وہ مکہ کے نشیبی علاقہ میں فروکش ہوا' انھوں نے پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا' یہ دیکھ کر انھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرندے پانی پر منڈلا رہے ہیں' کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے' ہم اس وادی سے گذر چکے ہیں' یہاں پانی نہ تھا' انھوں نے اپنے ایک یا دو تیز و چست

www.besturdubooks.net

كَذَاءِ فَنَزَلُوْا فِيْ اَسْفَلِ مَكَّةَ فَرَاَوْا طَائِرًا عَائِفًا
فَقَالُوْا اِنَّ هٰذَا الطَّائِرَ لَيَدُوْرُ عَلَى الْمَاءِ لَعَهْدُنَا
بِهٰذَا الْوَادِيْ وَ مَا فِيْهِ فَاَرْسَلُوْا جَرِيًّا اَوْ جَرِيَّيْنِ
فَاِذَا هُمْ بِالْمَاءِ فَرَجَعُوْا فَاَخْبَرُوْهُمْ بِالْمَاءِ
فَاَقْبَلُوْا قَالَ وَ اُمُّ اِسْمٰعِيْلَ عِنْدَ الْمَاءِ فَقَالُوْا
اَتَاْذَنِيْنَ لَنَا اَنْ نَنْزِلَ عِنْدَكِ قَالَتْ نَعَمْ وَ لٰكِنْ
لَا حَقَّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَلْفٰى ذٰلِكَ
اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ وَ هِيَ تُحِبُّ الْاُنْسَ فَنَزَلُوْا وَ
اَرْسَلُوْا اِلٰى اَهْلِيْهِمْ فَنَزَلُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ
بِهَا اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِنْهُمْ وَ شَبَّ الْغُلَامُ وَ تَعَلَّمَ
الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ وَ اَنْفَسَهُمْ وَ اَعْجَبَهُمْ حِيْنَ شَبَّ
فَلَمَّا اَدْرَكَ زَوَّجُوْهُ اِمْرَاَةً مِنْهُمْ وَ مَاتَتْ اُمُّ
اِسْمٰعِيْلَ فَجَاءَ اِبْرَاهِيْمُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ اِسْمٰعِيْلُ
يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ اِسْمٰعِيْلَ فَسَاَلَ امْرَاَتَهُ
عَنْهُ فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِيْ لَنَا ثُمَّ سَاَلَهَا عَنْ
عَيْشِهِمْ وَ هَيْئَتِهِمْ فَقَالَتْ نَحْنُ بِشَرٍّ نَحْنُ فِيْ
ضِيْقٍ وَ شِدَّةٍ فَشَكَتْ اِلَيْهِ قَالَ فَاِذَا جَاءَ
زَوْجُكِ اقْرَئِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قُوْلِيْ لَهُ يُغَيِّرْ
عَتَبَةَ بَابِهِ فَلَمَّا جَاءَ اِسْمٰعِيْلُ كَاَنَّهُ اٰنَسَ شَيْئًا
فَقَالَ هَلْ جَاءَكُمْ مِنْ اَحَدٍ قَالَتْ نَعَمْ جَاءَنَا
الشَّيْخُ كَذَا وَ كَذَا فَسَاَلَنَا عَنْكَ فَاَخْبَرْتُهُ وَ
سَاَلَنِيْ كَيْفَ عَيْشُنَا فَاَخْبَرْتُهُ اَنَّا فِيْ جَهْدٍ وَ
شِدَّةٍ قَالَ اَوْصَاكِ بِشَيْءٍ قَالَتْ نَعَمْ اَمَرَنِيْ اَنْ
اَقْرَاَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ
قَالَ ذَاكِ اَبِيْ وَ قَدْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُفَارِقَكِ

آدمیوں کو بھیجا' دفعۃً انھوں نے پانی دیکھا- پلٹ کر انھوں نے پانی کی خبر لی' چنانچہ وہ سب ادھر چل پڑے' وہاں پہنچے تو دیکھا پانی کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں بیٹھی ہوئی ہیں' انھوں نے ان سے کہا کہ کیا ہمیں اس کی اجازت ہے کہ ہم یہیں آپ کے پاس قیام پزیر ہو جائیں- انھوں نے کہا اجازت ہے' لیکن اس پانی میں آپ لوگوں کا کوئی حق نہ ہوگا انھوں نے کہا بہتر ہے' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسماعیل تنہا تھیں' چاہتی تھیں کہ مانوس لوگ ہوں' چنانچہ وہ آبسے اور اپنے لوگوں کے پاس آدمی بھیج کر ان وہیں بلالیا' اور وہ بھی آگئے جب ان کے یہاں کئی گھر آباد ہو گئے اور ادھر حضرت اسماعیلؑ جو بچے تھے جوان ہو گئے اور ان سے عربی سیکھ لی اور وہ سب ان کو بھلے بھی معلوم ہوئے چنانچہ جب یہ پورے جوان ہو گئے' قبیلہ جوہم کے لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک خاتون سے ان کی شادی کر دی' کچھ دنوں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ وفات پاگئیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے کہ جن کو چھوڑ کر گئے' ان کا حال معلوم کریں' حضرت اسماعیلؑ کو موجود نہیں پایا ان کی بیوی سے ان کے متعلق دریافت کیا' کہ کہاں گئے' اس نے کہا ہمارے لئے رزق کی تلاش میں گئے ہیں پھر انھوں نے پوچھا زندگی کیسی گذرتی ہے اور کیا حال ہے؟ اس نے کہا ہم برے حال میں ہیں' تنگی میں ہیں' تکلیف میں ہیں' اس نے ان سے معاش کی شکایت کی' آپ نے اس سے فرمایا جب تیرا شوہر آئے' تو میرا سلام پہنچانا' اور کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں' حضرت اسماعیلؑ آئے تو انھوں نے گویا انس محسوس کیا' اور پوچھا کیا تمہارے یہاں کوئی آیا تھا' اس نے کہا ہاں ایک شیخ تشریف لائے تھے' ان کی یہ ہیئت تھی' انھوں نے آپ کے بارے پوچھا' میں نے انہیں بتایا' پھر گذر بسر کے متعلق سوال کیا' میں نے کہا کہ مشقت اور تکلیف میں ہیں- انہوں پوچھا کہ وہ کچھ کہہ بھی گئے' اس نے کہا ہاں فرما گئے کہ میں آپ کو ان کا سلام پہنچادوں اور آپ سے فرما گئے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں' آپ نے فرمایا وہ میرے پدر

www.besturdubooks.net

الْحَقِي بِاَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَ تَزَوَّجَ مِنْهُمْ اُخْرٰى فَلَبِثَ عَنْهُمْ اِبْرَاهِيْمُ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَتَاهُمْ بَعْدُ فَلَمْ يَجِدْهُ وَ دَخَلَ عَلَى امْرَاَةِ فَسَاَلَهَا عَنْهُ فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِيْ لَنَا قَالَ كَيْفَ اَنْتُمْ وَ سَاَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَ هَيْئَتِهِمْ فَقَالَتْ نَحْنُ بِخَيْرٍ وَ سَعَةٍ وَ اَثْنَتْ عَلَى اللّٰهِ قَالَ مَا طَعَامُكُمْ قَالَتِ اللَّحْمُ قَالَ فَمَا شَرَابُكُمْ قَالَتِ الْمَاءُ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَ الْمَاءِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ وَ لَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيْهِ قَالَ فَهُمَا لَا يَخْلُوْ عَلَيْهِمَا اَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ اِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ قَالَ فَاِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرِئِىْ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَ مُرِيْهِ يُثْبِتُ عَتَبَةَ بَابِهِ فَلَمَّا جَاءَ اِسْمٰعِيْلُ قَالَ هَلْ اَتَاكُمْ مِّنْ اَحَدٍ قَالَتْ نَعَمْ اَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ وَ اَثْنَتْ عَلَيْهِ فَسَاَلَنِيْ عَنْكَ فَاَخْبَرْتُهُ فَسَاَلَنِيْ كَيْفَ عَيْشُنَا فَاَخْبَرْتُهُ اِنَّا بِخَيْرٍ قَالَ فَاَوْصَاكِ بِشَيْءٍ قَالَتْ نَعَمْ هُوَ يَقْرَئُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُثْبِتَ عَتَبَةَ بَابِكَ قَالَ ذَاكِ اَبِيْ وَ اَنْتِ الْعَتَبَةُ اَمَرَنِيْ اَنْ اُمْسِكَكِ ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اِسْمٰعِيْلُ يَبْرِيْ نَبْلًا لَهُ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيْبًا مِنْ زَمْزَمَ فَلَمَّا رَاٰهُ قَامَ اِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ وَ الْوَلَدُ بِالْوَالِدِ ثُمَّ قَالَ يَا اِسْمٰعِيْلُ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ بِاَمْرٍ قَالَ فَاصْنَعْ كَمَا اَمَرَكَ رَبُّكَ قَالَ

بزرگوار تھے اور وہ حکم فرما گئے کہ میں تم سے جدائی اختیار کرلوں' تو اپنے گھر والوں میں چلی جا' چنانچہ اس کو طلاق دے دی' اسی خاندان کی دوسری عورت سے شادی کرلی' پھر عرصہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آنا نہ ہوا' پھر بعد میں آئے' حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہیں پایا- آپ کی بیوی کے پاس گئے' اور آپ کے متعلق دریافت کیا کہ کہاں ہیں' اس نے کہا تلاش معاش میں گئے ہیں' انھوں نے پوچھا تم لوگ کس طرح رہتے سہتے ہو' اور گذر بسر کا کیا حال ہے' اس نے کہا ہم بعافیت ہیں' اور کشادہ حال ہیں' اس نے خدا کا بڑا شکر ادا کیا' انھوں نے پوچھا تمہارا کھانا کیا ہے' ان سے بتایا گوشت' پوچھا پینا کیا ہے اس نے کہا پانی' انھوں نے دعا کی اے اللہ! ان کے لئے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زمانہ میں ان کے یہاں غلہ کا رواج نہ تھا' اگر وہ ہوتا تو اس کے لئے بھی دعا فرما دیتے اور اس دعا کی برکت ہے کہ صرف گوشت پانی کی غذا مکہ کے سوا اور کہیں موافق نہیں آتی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چلتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اہلیہ سے فرمایا کہ جب تیرے شوہر آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا' اور کہنا کہ دروازہ کی چوکھٹ قائم رکھیں' جب حضرت اسماعیل علیہ السلام باہر سے واپس آئے انھوں نے بیوی سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا' اس نے کہا ہاں ایک شیخ صاحب تشریف لائے تھے جن کی ہیئت بہت عمدہ تھی اور ان کی تعریف کی' انھوں نے آپ کے بارے میں مجھ پوچھا میں نے ان کو بتایا کہ آپ کہاں گئے پھر انھوں نے ہمارے گذر بسر کے متعلق سوال کیا' میں نے بتایا کہ بخیر و خوبی سب کچھ چل رہا ہے آپ نے پوچھا کچھ فرما بھی گئے اس نے کہا ہاں وہ آپ کو سلام کہہ گئے اور حکم دے گئے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں' آپ نے فرمایا وہ میرے والد محترم تھے' اور تو چوکھٹ ہے' مجھے حکم دے گئے کہ میں تجھ کو باقی رکھوں' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت دنوں جب تک اللہ نے چاہا نہ آئے- اس کے بعد تشریف لائے' اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے لئے ایک درخت کے نیچے تیر بنا رہے تھے' جو زمزم کے قریب تھا' جونہی آپ علیہ السلام نے دیکھا فوراً لپک کر کھڑے ہوگئے اور دونوں نے باہم

www.besturdubooks.net

وَ تُعِيْنُنِي قَالَ وَ اُعِيْنُكَ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَبْنِيَ هٰهُنَا بَيْتًا وَ اَشَارَ اِلٰى اَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلٰى مَا حَوْلَهَا قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ فَجَعَلَ اِسْمٰعِيْلُ يَأْتِيْ بِالْحِجَارَةِ وَ اِبْرَاهِيْمُ يَبْنِيْ حَتّٰى اِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَاءَ بِهٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ فَقَامَ عَلَيْهِ وَ هُوَ يَبْنِيْ وَ اِسْمٰعِيْلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَ هُمَا يَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ قَالَ فَجَعَلَا يَبْنِيَانِ حَتّٰى يَدُوْرَ احَوْلَ الْبَيْتِ وَ هُمَا يَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

(رواہ البخاری)

اس تعلق و محبت کا اظہار کیا جو بیٹے باپ کیا کرتے ہیں' پھر انھوں نے فرمایا اے اسماعیلؑ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے' آپ نے کہا آپ کر گزریئے' جیسا آپ کو آپ کے رب نے فرمایا ہے' انھوں نے فرمایا تم میری اعانت کروگے۔ آپ نے عرض کیا میں ضرور آپ کی اعانت کروں گا انھوں نے فرمایا کہ رب العالمین نے مجھے حکم کیا ہے کہ ایک گھر تعمیر کروں اور اس ابھرے ہوئے ٹیلہ کی طرف اشارہ فرمایا' اس کے بعد دونوں باپ بیٹے نے بیت اللہ کی بنیاد اٹھائی' حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لگاتے جاتے تھے' جب دیوار بلند ہوگئی' تو اس مخصوص پتھر کو لائے اور اس کو رکھ دیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے اور بیت اللہ کی تعمیر کرنے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور دونوں فرمارہے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (بخاری شریف)

سيدنا موسى عليه السلام كليم الله

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ

(۱۲۳۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ ذَكَرَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهِ فَقَالَ مُوْسٰى اٰدَمُ طُوَالٌ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَ قَالَ عِيْسٰى جَعْدٌ مَرْبُوْعٌ وَ ذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَ ذَكَرَ الدَّجَّالَ. (رواہ البخاری)

(۱۲۳۹) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ موسیٰ گندم گوں رنگ اور دراز قامت تھے جیسا قبیلہ شنوۃ کے لوگ ہوتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام گھونگر والے بال اور میانہ قد کے تھے اور اس شب کے عجائبات میں آپ نے مالک داروغہ دوزخ اور دجال کے دیکھنے کا بھی ذکر فرمایا۔ (بخاری شریف)

(۱۲۴۰) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْاُمَمُ وَ رَاَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهِ.

(رواہ البخاری)

(۱۲۴۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا میرے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں تو میں نے ایک امت اتنی کثیر تعداد میں دیکھی کہ تمام افق اس نے گھیر رکھا تھا۔ اس وقت مجھ کو بتایا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت میں ہیں۔

(بخاری شریف)

(۱۲۴۱) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَجَدَهُمْ يَصُوْمُوْنَ يَوْمًا يَعْنِيْ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالُوْا

(۱۲۴۱) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہاں لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ بہت عظیم الشان دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

www.besturdubooks.net

هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ وَ هُوَ يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَ اَغْرَقَ اٰلَ فِرْعَوْنَ فَصَامَ مُوْسٰى شُكْرَ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْهُمْ فَصَامَهٗ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهٖ. (رواہ البخاری)

علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون کو غرق فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ان سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام سے قریب تر میں ہوں پھر آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف)

(۱۴۴۲) عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ قَالَ سَمِعْتُ عُتْبَةَ بْنَ النُّدَّرِ يَقُوْلُ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ "طٰسٓ" حَتّٰى إِذَا بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِنَّ مُوْسٰى اٰجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانِيَ سِنِيْنَ اَوْ عَشْرَةً عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَ طَعَامِ بَطْنِهٖ. (رواہ ابن ماجہ فی باب استیجار الاجیر قال ابن کثیر و ھذا من ھذا الوجہ لا یصح لان مسلمۃ بن علی الحسنی)

(۱۴۴۲) علی بن رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن الندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خود سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سورۂ ''طٰس'' تلاوت فرمائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پاک دامنی اور اپنی معاش کی خاطر آٹھ یا دس سال کے لیے اپنی خدمات سپرد کر دی تھیں۔

(ابن ماجہ)

(۱۴۴۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ (فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا) قَالَ هٰكَذَا بِاِصْبَعِهٖ وَ وَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِبْهَامَ عَلَى الْمِفْصَلِ الْاَعْلٰى مِنَ الْخِنْصَرِ فَسَاخَ الْجَبَلُ. (رواہ ابن جریر و رواہ احمد و الترمذی و صححہ و الحاکم ایضًا)

(۱۴۴۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ الخ...... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا انگوٹھا انگلی کے اوپر کے پورے پر رکھ کر بتایا کہ بس اتنی سی تجلی ہوئی تھی کہ طور پہاڑ زمین میں دھنس گیا تھا۔

(احمد، ترمذی)

(۱۴۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالُوْا لِمُوْسٰى هَلْ يَنَامُ رَبُّكَ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا مُوْسٰى سَاَلُوْكَ هَلْ يَنَامُ رَبُّكَ فَخُذْ زُجَاجَتَيْنِ فِيْ يَدَيْكَ فَقُمِ اللَّيْلَ فَفَعَلَ مُوْسٰى فَلَمَّا ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ ثُلُثٌ نَعَسَ فَوَقَعَ لِرُكْبَتَيْهِ ثُمَّ انْتَعَشَ فَضَبَطَهُمَا حَتّٰى إِذَا كَانَ اٰخِرُ اللَّيْلِ نَعَسَ فَسَقَطَتِ الزُّجَاجَتَانِ فَانْكَسَرَتَا فَقَالَ يَا مُوْسٰى لَوْ كُنْتُ اَنَامُ لَسَقَطَتِ السَّمٰوٰتُ وَ

(۱۴۴۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ فرمائیے آپ کا پروردگار کیا سوتا بھی ہے؟ انہوں نے فرمایا ذرا اللہ سے ڈرو۔ اس پر ان کے پروردگار کی طرف سے آواز آئی موسیٰ یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کا پروردگار سوتا ہے؟ تو تم اپنے دونوں ہاتھوں میں دو شیشے لے لو اور رات بھر کھڑے رہنا۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تہائی شب گذری تو ان کو اونگھ آئی اور وہ گھٹنوں کے بل گر گئے پھر اٹھ کر سنبھلے یہاں تک کہ جب آخر شب ہوئی تو پھر اونگھے اور دونوں شیشے ہاتھوں سے گر کر ٹوٹ گئے۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ اگر کہیں ہم

www.besturdubooks.net

الْاَرْضُ فَهَلَكْنَ كَمَا هَلَكَتِ الزَّجَاجَتَانِ فِي يَدَيْكَ قَالَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِه اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ. (رواه ابن ابی حاتم کما فی البداية و النهاية)

(۱۲۴۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْءٌ اِسْتِحْيَاءً مِنْهُ فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَقَالُوْا مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا السَّتْرَ اِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ وَ اِمَّا اُدْرَةٌ وَ اِمَّا اٰفَةٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يُبَرِّاَهٗ مِمَّا قَالُوْا بِمُوْسٰى فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهٗ فَوَضَعَ ثِيَابَهٗ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ اِلٰى ثِيَابِهٖ لِيَاْخُذَهَا وَ اَنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهٖ فَاَخَذَ مُوْسٰى عَصَاهُ وَ طَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ حَجَرُ ثَوْبِيْ حَجَرُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى مَلَاٍ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَرَاَوْهُ عُرْيَانًا اَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَ اَبْرَاَهٗ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ وَ قَامَ حَجَرٌ فَاَخَذَ ثَوْبَهٗ فَلَبِسَهٗ وَ طَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا. (رواه البخاری)

سوتے تو زمین و آسمان گر کر اسی طرح پاش پاش ہو جاتے جیسے تمہارے ہاتھوں میں یہ دونوں شیشے ہو گئے۔

(ابن ابی حاتم)

(۱۲۴۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بہت شرمیلے اور پردہ والے شخص تھے حیا کا اثر یہ تھا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا دیکھا نہیں جا سکتا تھا' بنی اسرائیل میں سے جس کو ایذا پہنچانی تھی اس نے آپ کو ایذا پہنچائی' اور وہ کہنے لگے کہ آپ اتنا پردہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہو نہ ہو آپ کے جسم میں کوئی نہ کوئی عیب ہے' یا برص ہو' یا ورم خصیہ' یا اسی طرح کی کوئی اور بیماری' اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ آپ کو ان عیوب سے بری کر دے' جو وہ لگاتے تھے' چنانچہ ایک دن آپ نے تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے' پھر غسل کرنے لگے جب غسل سے فارغ ہوئے' کپڑے کی طرف متوجہ ہوئے کہ اس کو لے کر پہنیں' لیکن وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پتھر سے کپڑے کا مطالبہ کیا' اور فرمانے لگے' پتھر میرے کپڑے لاؤ' پتھر میرے کپڑے دو' اس کا پیچھا کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ایک مجمع کے پاس پہنچ گئے' انہوں نے آپ کو ننگا دیکھا اور ان تمام عیوب سے پاک جو بنی اسرائیل (برص وغیرہ کا) لگاتے تھے' یہاں آ کر پتھر رک گیا' آپ نے اپنے کپڑے لیے اور پہنے اور پھر اپنی لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے' خدا کی قسم آپ کے ڈنڈے برسانے کی وجہ سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے' اسی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے یٰاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا الخ.....

(بخاری شریف)

(۱۲۴۵) * پتھر تکوینی طور پر شعوری یا غیر شعوری حرکت پیدا ہو جانی بالکل ممکن ہے۔ پھر جس پتھر سے شعوری حرکات سرزد ہوں اس کو ذی شعور کی طرح تنبیہ کرنا بھی بالکل معقول ہے اور اس پر نشانات پڑنے میں تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ جو معاملات تکوینی ہیں یعنی براہ راست قدرت کے افعال ہیں ان کو بواسطہ اسباب افعال پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے آسمان یا زمین اتنے بڑے لطیفہ.....

www.besturdubooks.net

(۱۴۴۶) اَخبرنی سعیدُ بنُ جُبَیرٍ قَالَ قُلتُ لِابنِ عبّاسٍ انّ نوفا البِکالیّ یزعمُ انّ موسٰی لیس بموسٰی بنی اسرائیل انّما ھُوَ موسٰی اٰخرُ فقالَ کذبَ عدوُّ اللّٰہِ حدّثنا اُبیُّ بنُ کعبٍ عنِ النّبیِّ صلَّی اللّٰہُ علیہِ وسلَّمَ قالَ قامَ موسٰی النّبیُّ (علیہ السّلام) خطیبًا فی بنی اسرائیلَ فسُئلَ ایُّ النّاسِ اعلمُ فقالَ انا اعلمُ فعتبَ اللّٰہُ علیہِ اذ لم یرُدَّ العِلمَ الیہِ فاوحی اللّٰہُ الیہِ انّ عبدًا من عبادی بمجمعِ البحرینِ ھُوَ اعلمُ منکَ قالَ یا ربِّ وَ کیفَ بہٖ فقیلَ لہٗ وَ احملْ حوتًا فی مکتلٍ فاذا فقدتَّہٗ فھُوَ ثَمَّ فانطلقَ وَ انطلقَ بفتاہُ یوشعَ بنِ نونٍ وَ حملا حوتًا فی مکتلٍ حتّٰی کانا عندَ الصّخرۃِ وَ ضعا رءُ وسھُما وَ ناما فانسلَّ الحوتُ منَ المکتلِ فاتّخذَ سبیلہٗ فی البحرِ سربًا وَ کانَ لموسٰی وَ فتاہُ عجبًا فانطلقا بقیّۃَ لیلتِھما وَ یومِھما فلمّا اصبحَ

(۱۴۴۶) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ نوف بکالی تو یہ کہتے ہیں کہ جن موسیٰ کی سرگزشت خضر علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرے موسیٰ ان کے ہم نام شخص تھے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نوف خدا کے دشمن نے غلط کہا۔ ہم سے ابی بن کعبؓ نے خود بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے' تو ان سے سوال ہوا فرمایئے انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ سب سے بڑا عالم میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوا کہ انہوں نے اس بات کا علم خدا تعالیٰ کے حوالے کیوں نہ کیا اس لیے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی (اے موسیٰ) مجمع بحرین میں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پروردگار پھر اس سے ملاقات کیسے اور کہاں ہو؟ ارشاد ہوا تو یوں کرو کہ ایک زنبیل میں مچھلی اپنے ہمراہ لے لو اور جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہیں وہ ملے گا' موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہ ان کے رفیق یوشع بن نون روانہ ہو گئے اور (حسب ہدایت) اپنے ہمراہ زنبیل میں ایک مچھلی بھی

لـہ ..... کرات متحرک ہیں مگر اس میں کسی کو مجال شبہ نہیں۔ یہ قدرت کا بلاواسطہ افعال ہیں پس اگر زمین جیسے بڑے بڑے کرہ کو حرکت کرنا ممکن ہے تو صرف ایک پتھر کی حرکت پر تعجب کیوں ہے۔ اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قدرت کے براہ راست ترجمان ہوتے ہیں اس لئے ان کے ماحول میں قدرت کے بہت سے براہ راست کا ظہور ہونا یہ بھی ایک عادۃ اللہ ہے اس لئے یہاں ﴿وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ کی آیت پڑھنا بے محل ہے۔

(۱۴۴۶) ✽ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی سرگذشت کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا تفصیلی تذکرہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بس تمام سرگزشت کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دہن مبارک سے نکلا ہوا ایک ذرا سا کلمہ تھا جس کو اگر مخلوق کے دائرہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو سرتا سر صدق ہی صدق نظر آتا ہے۔ یعنی سائل بنی اسرائیل ہیں اور مخاطب نبی وقت موسیٰ علیہ السلام ہیں ادھر محاورات میں صیغہ تفضیل کا مطلقاً کہنا زیادتی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اب اس میں کیا شبہ تھا کہ نبی وقت پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی ان سے بڑھ کر علم میں اور کون شخص ہو سکتا تھا لیکن جب یہی معاملہ رسول اور خالق کے درمیان آیا تو اس صدق در صدق میں بھی خامی کا ایک پہلو نکل آیا اور وہ یہ کہ صیغہ تفضیل عرف عام میں خواہ کسی معنی میں مستعمل ہو لیکن بلحاظ لغت لـہ .....

www.besturdubooks.net

قال موسیٰ علیه السلام لفتاه اٰتنا غداء نا لقد لقینا من سفرنا هذا نصبا و لم یجد موسیٰ علیه السلام مسا من النصب حتی جاوزا مکان الذی امر به فقال له فتاه ارأیت اذ اوینا الی الصخرة فانی نسیت الحوت قال موسیٰ علیه السلام ذلک ما کنا نبغ فارتدا علی اٰثارهما قصصا فلما انتهیا الی الصخرة اذا رجل مسجی بثوب او قال تسجی بثوبه فسلم موسیٰ علیه السلام فقال الخضر و انی بارضک السلام فقال انا موسیٰ فقال موسیٰ علیه السلام بنی اسرائیل قال نعم قال هل

لے لی چلتے چلتے جب ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے تو اپنا سر رکھ کر وہاں دونوں سو گئے ادھر مچھلی زنبیل سے نکل گئی اور اس طرح سمندر میں داخل ہوئی کہ اس کے داخل ہونے کی جگہ پر سرنگ کی شکل بن گئی اس پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق کو بعد میں بڑا تعجب ہوا - وہ آگے چل پڑے اور جب بقیہ ایک دن رات کی مسافت طے کر چکے اور صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا لاؤ بھئی ذرا ہمارا ناشتہ تو نکالو آج کے سفر میں تو ہم کو کچھ تکان ہو گیا اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کو سفر میں تکان محسوس نہیں ہوا تھا اور آج بھی تکان اس وقت محسوس ہوا جب کہ وہ اس جگہ سے آگے نکل چکے تھے جس کا ان کو پتہ دیا گیا تھا ان کے رفیق سفر نے عرض کی جی ہاں جہاں ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا مچھلی تو اس جگہ گم ہو گئی تھی مگر مجھ کو آپ سے اس کا ذکر کرنا یاد نہیں رہا - موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی جگہ کی تو ہم کو تلاش تھی آخر پھر اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے اسی راستے پر واپس ہوئے جب اس پتھر کے پاس پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص

ط ..... اس میں اتنی وسعت اور اطلاق کا لفظ استعمال کرنا ایک نبی کی شان کے مناسب نہ تھا اس لیے جب سوال یہ ہے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو نبی کی شان کے مطابق جواب یہ ہونا چاہیے کہ اس عموم و اطلاق کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے چونکہ جواب میں ذرا سی خامی رہ گئی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ”انا اعلم“ (میں سب سے بڑا عالم ہوں) کا لفظ نکل گیا اس لیے فوراً گرفت ہوگئی اور ارشاد ہوا کیوں نہیں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے - اس پر جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کا پتہ دریافت کیا تو ان کے علمی نقصان کا ظہور تو یہیں سے شروع ہو گیا اور اس پہلے قدم پر ہی علم کا اتنا قصور واضح ہوا کہ جب ایسے بڑے علم والے شخص کے مقام کا بھی تم کو علم نہیں تو سوچو تمہارے علم کا مقام کیا ہے؟ پھر جب پتہ بتایا گیا ہو تو وہ بھی ایک ابہام کے ساتھ یعنی یہ کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے اب کہاں؟ یہ معلوم نہیں - پھر جب سفر شروع ہوتا ہے تو موقعہ کی تلاش ہے' مگر جب موقع سامنے آجاتا ہے تو وہیں ذہول ہوتا ہے اور سفر کا قدم آگے بڑھ جاتا ہے' آخر پھر واپس ہونا پڑتا ہے' آخر جب خود کشش ربانی ہی کھینچ کر ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو معاہدہ کے وقت جو پہلی بات وہ سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو علم مجھ کو ہے وہ تم کو نہیں اور جو تم کو ہے وہ مجھ کو حاصل نہیں - مقصد یہ ہے کہ علمی دنیا میں ہم دونوں ناقص در ناقص ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علمی قصور کی منزل ختم ہوئی تو اب خضر علیہ السلام کے علمی وفور کی منزل شروع ہوئی اور اس کا آغاز بھی ایک پرندہ کی آمد سے اس طرح ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارا اور تمہارا دونوں کا علم مل کر بھی کچھ نہیں ہے - آخر بڑے عہد و پیمان کے بعد سفر شروع ہوا اور قدم قدم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاعلمی اور حضرت خضر علیہ السلام کے علم کی برتری کا ظہور ہوتا چلا گیا - آخر جب واقعات سفر اور ان کے حکم سب بیان میں آگئے تو کچھ اور عجائبات قدرت کے سننے کی تمنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رہ گئی اور آپ نے بڑی حسرت کے انداز میں فرمایا کاش کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر سے کام لیتے - ط .....

www.besturdubooks.net

اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا یَا مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰہِ عَلَّمَنِیْہِ لَا تَعْلَمُہٗ اَنْتَ وَ اَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ لَا اَعْلَمُہٗ قَالَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَا اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا

ہے جو چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا۔ اس پر خضر علیہ السلام نے کہا اس ملک میں سلام کہنے والا کہاں۔ انہوں نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا کیا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں' انہوں نے فرمایا جی ہاں میں وہی موسیٰ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کیا میں آپ کے ہمراہ رہ سکتا ہوں تا کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ مجھ کو بھی تعلیم فرمائیں۔ انہوں نے کہا آپ ہرگز صبر کے ساتھ اس کو حاصل نہیں کر سکتے' اے

لله ..... اس ایک واقعہ ہی سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کتنا نازک ہوتا ہے۔ یہاں صغائر و کبائر درکار ہیں یا حسنات میں کسی باریکی کی فروگزاشت بھی کافی ہے۔ ابھی آپ پڑھ چکے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کو جب ختنے کا حکم ہوا اور امتثال امر کی عجلت میں انہوں نے فوراً بسولہ لے کر ختنہ کر ڈالی۔ تو کیا اس سے بڑھ کر بھی وفاداری اور اطاعت شعاری کا مظاہرہ کچھ ہوسکتا تھا' مگر جب انہوں نے اپنی تکلیف کا اظہار فرمایا تو جواب یہ ملا کہ ختنہ کس طرح کرنی چاہیے یہ ہم سے پوچھا کیوں نہیں گویا اب اگر تکلیف ہوئی تو یہ تمہارا قصور ہے۔ سبحان اللہ! جو لوگ گرفت کی اس شدت کو نہیں جانتے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ "رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ" پر گرفت کا راز بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ادھر ہمارے متکلمین ہیں کہ وہ صرف تعبیرات کی شدت سے انبیاء علیہم السلام کی علی الاطلاق عصمت میں اختلاف کر رہے ہیں۔ اگر ان لغزشوں پر پھر اس کے نتائج پر غور سے نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لغزشیں حکم و اسرار کا ایک بحر بیکراں تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش سب سے پہلے ہے مگر عالم کی آبادی کا سارا راز اسی ایک لغزش میں پنہاں تھا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دہن مبارک سے لغزش کا یہ کلمہ ضرور نکلا اور ان کو اس طویل سفر کی مشقت بھی جھیلنی پڑی مگر اس سفر میں کتنے اسرار حکمت کے دریا بہ نکلے اس کا اندازہ کچھ اسی سے فرما لیجئے کہ اس پورے سفر کو قرآن کریم نے کس تفصیل سے بیان کیا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مزے لے لے کر اس کو سنا آخر جب یہ طویل سفر ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی اس کی حسرت رہ گئی کاش کہ یہ سفر کچھ اور دراز ہو جاتا تو عجائبات قدرت کچھ اور بھی کھلتے۔

اس سرگزشت میں نہ معلوم کتنے درس عبرت ہوں گے۔ ہم اپنے قصور علم اور وقت کی فرصت کے لحاظ سے چند اہم اسباق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ واقعات کی سطح اور اندرونی حکم ربانی کے درمیان مناسبتوں کا ادراک انسانی عقول کے احاطہ سے باہر ہے اور اسی لیے ان حکمتوں کے ادراک کے درپے ہوئے بغیر صبر کے ساتھ واقعات کا مطالعہ کرنا چاہیے مگر یہی صبر عقول انسانیہ کے لیے بڑا امتحان ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم کی اس آیۃ میں اشارہ فرمایا گیا ہے ﴿عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ (البقرہ:۲۱۶) اور یہ کہ خضر علیہ السلام کو جب واقعات و حکم کے اس غیر مدرک بالعقول ربط کا علم بخشا گیا تھا تو اسی کے ساتھ ان کو وہ قوت بھی عنایت فرما دی گئی تھی جس کی وجہ سے ایک گرنے والی دیوار صرف ان کے ایک اشارہ سے سیدھی ہوگئی بلکہ اتنی مستحکم ہوگئی تھی کہ جب تک اس کے نیچے کے دفینہ کا مالک جوان نہ ہولے وہ دیوار نہ گر سکے اور یہ کہ جب تک مصالح ربانیہ کا کسی کو قطعی علم حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ خود قطعی طور پر ان کا مامور بھی نہ ہو اس وقت تک شریعت میں وہ افعال جرم اور معصیت ہی کی فہرست میں شمار ہوں گے اور یہ کہ تکوینی امور کا راستہ تشریعی احکام سے الگ ہے اور ان کی تنفیذ کے لیے بھی تشریعی احکام کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بندے مقرر ہیں مگر وہ اتنے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا علم ضروری نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ایسے افراد کو قدرت اس لیے عوام لله .....

www.besturdubooks.net

يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَا بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمُوْهُمْ اَنْ يَحْمِلُوْهَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْهَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى لَوْحٍ مِنْ اَلْوَاحِ السَّفِيْنَةِ فَنَزَعَهٗ فَقَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ اِلٰى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ فَكَانَتِ الْاُوْلٰى مِنْ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَاِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرَاْسِهٖ مِنْ اَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ

موسیٰ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو علم مجھ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ نہیں جانتے اور جو علم آپ کو بخشا ہے وہ میں نہیں جانتا' انہوں نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر دیکھیں گے اور کسی معاملہ میں آپ کے خلاف نہیں کروں گا- اس کے بعد وہ دونوں سمندر کے کنارہ کنارہ روانہ ہو گئے کشتی ان کے پاس نہ تھی کہ دریا عبور کر سکتے- آخر ادھر سے ایک کشتی گزری تو انہوں نے اس کے ملاح سے گفتگو کی کہ ان کو بھی سوار کر لے اتفاق سے کسی نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کسی اجرت کے بغیر ان کو کشتی میں بٹھا لیا اتنے میں ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور آ کر کشتی کے کنارہ بیٹھ گئی اور سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں- اس پر خضرؑ نے فرمایا اے موسیٰ میرا اور تمہارا علم مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنی کہ اس چڑیا کی چونچ کے پانی کی اس سمندر کے ساتھ ہے' اس کے بعد حضرت خضر اٹھے اور کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ پھینکا موسیٰ علیہ السلام فوراً بولے- یہ وہ شریف لوگ تھے جنہوں نے اجرت لیے بغیر ہم کو کشتی میں بٹھا لیا تھا' آپ نے یہ کیا کیا کہ لگے توان ہی کی کشتی کو توڑ ڈالا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو دیں' انہوں نے کہا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا' اور آپ بھولی بات پر مجھ سے گرفت نہ فرمائیں- یہ پہلی بے صبری موسیٰ علیہ السلام سے ازراہ نسیان سرزد ہوئی' آگے چلے تو ایک بچہ جو بچوں میں کھیل رہا تھا خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑ کر گردن سے اکھاڑ ڈالا- موسیٰؑ

لہ ..... کی نظروں سے پوشیدہ رکھتی ہے کہ ان کے اس قسم کے افعال شریعت کی زد میں آ کر اختلال نظم کا باعث نہ بنیں اور یہ کہ علم تشریعی کا درجہ علم تکوینی سے بلند ہے اور یہ کہ افضل کو اگر اس قسم کے جزئیات کا علم نہ ہو تو اس سے اس کے فضل و کمال میں کوئی فرق نہیں آتا- اور یہ کہ جن کو ان علوم کا حامل نہیں بنایا گیا ان کے لیے ان علوم کے حاملین کی نہ تلاش چاہیے اور نہ ان کی رفاقت ان کے لیے موجب کمال- اور اگر کہیں حسب الاتفاق ملاقات ہو جائے تو ان پر زبان طعن کھولنا بھی غلط ہے-

اس روایت کے چند الفاظ کتاب التفسیر میں بھی دیکھ لیے جائیں-

﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ و امسک الله عن الحوت جرية الماء ذمار عليه مثل الطاق.

(دریا میں سرنگ پیدا ہونے کی صورت یہ ہوئی) کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے داخل ہونے کی جگہ سے پانی کا سیلان روک دیا تو وہاں ایک طاق کی سی شکل پیدا ہو گئی-

خذنونا ميتا حتى ينفخ فيه الروح.

اے موسیٰ! ایک مردہ مچھلی ساتھ لے لو یہاں تک کہ اس میں روح پڑ جائے- لہ .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ مُوسٰی اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ اِبْنُ عُيَيْنَةَ وَ هٰذَا اَوْ كَدُ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ نِ اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِهٖ فَاَقَامَهٗ فَقَالَ لَهٗ مُوسٰی لَوْشِئْتَ لَا تَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰی لَوَدِدْنَا لَوْصَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا. (رواه البخاري)

نے فرمایا- آپ نے یہ کیا کیا ایک معصوم بچہ کو بے گناہ مار ڈالا- خضرؑ نے کہا میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے- ابن عینیہ راوی حدیث کہتے ہیں یہاں لفظ "لک" (آپ سے) زیادہ تاکید کے لیے اضافہ فرمایا- آگے چلے تو ایک بستی سے گزرے اور ان سے مہمانی کی درخواست کی- انہوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا- وہاں ایک دیوار تھی جو بالکل ٹوٹنے والی تھی- حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے ایک اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا- موسیٰؑ نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت ان سے لے سکتے تھے- حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اچھا بس اس کے بعد اب ہماری آپ کی جدائی ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری تمنا تھی کاش کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر کر لیتے تاکہ ان کے کچھ واقعات ہم کو اور معلوم ہو جاتے- (بخاری شریف)

(۱۲۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ يُؤْذِيْ مُوسٰی وَ كَانَ ابْنَ عَمِّهٖ فَبَلَغَ مِنْ اَذَاهُ اِيَّاهُ اَنْ قَالَ لِاِمْرَاَةٍ بَغِيٍّ اِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ عِنْدِيْ غَدًا فَتَعَالِيْ وَ قُوْلِيْ اِنَّ مُوسٰی رَاوَدَنِيْ عَنْ نَفْسِيْ فَلَمَّا كَانَ

(۱۲۴۷) عبداللہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور ہمیشہ ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ایک زانیہ عورت کو فہمائش کی کہ لوگ جب کل میرے پاس جمع ہوں تو تو یہ کہنا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے مائل کرنا چاہا میرے قلب کو چنانچہ جب کل ہوئی اور لوگ جمع ہو گئے تو وہ آئی

لہ ..... قال اما يكفيك ان التورات بيديك و ان الوحي ياتيك يا موسى ان لي علما لا ينبغي لك ان تعلمه و ان لك علما .

(خضر علیہ السلام نے کہا) اے موسیٰ! کیا تم کو یہ تورات کافی نہیں- جو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے- اور کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ وحی الٰہی تم پر آتی ہے- اے موسیٰ! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم بخشا ہے جو آپ کے لیے مناسب نہیں اور آپ کو وہ علم دیا ہے جو میرے لیے مناسب نہیں-

لا ينبغي لي ان اعلمه. و في اصل الصخرة عين يقال له الحياة لا يصيب من مائها شيء الاحيي فاصاب الحوت من ماء تلك العين قال فتحرك و انسل من المكتل فدخل البحر.

درخت کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جس کو آبِ حیات کہتے ہیں- اس کا پانی جس چیز کو لگ جاتا وہ زندہ ہو جاتی تھی- وہ پانی کسی طرح اس مچھلی پر بھی پڑ گیا تو وہ زندہ ہو گئی تھی-

واقعہ مذکورہ کے بعض مجمل الفاظ کی شرح اس تشریح کی روشنی میں سمجھ لینی چاہیے-

www.besturdubooks.net

الْغُدُوا جْتمع النَّاسُ جاءَ تْ فَسارَّتْ قَارُوْنَ ثُمَّ قَالَتْ لِلنَّاسِ اِنَّ قَارُوْنَ قَالَ لِیْ کَذَا وَ کَذَا وَ اِنَّ مُوْسٰی لَمْ یَقُلْ لِیْ شَیْئًا مِنْ هٰذَا فَبَلَغَ ذٰلِکَ مُوْسٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوةِ وَ السَّلَامُ وَ هُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ فَخَرَّسَاجِدًا فَقَالَ اَیْ رَبِّ اَنَّ قَارُوْنَ قَدْ اٰذَانِیْ وَ فَعَلَ وَ فَعَلَ وَ بَلَغَ مِنْ اَذَاهُ اِیَّایَ اَنْ قَالَ مَا قَالَ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُوْسٰی اَنْ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ قَدْ اَمَرْتُ الْاَرْضَ اَنْ تُطِیْعَکَ وَ کَانَ لِقَارُوْنَ غُرْفَةٌ قَدْضَرَبَ عَلَیْهَا صَفَائِحَ الذَّهَبِ فَاَتَاهُ مُوْسٰی وَ جُلَسَاؤُهُ فَقَالَ لِقَارُوْنَ قَدْ بَلَغَ مِنْ اِذَاکَ اَنْ قُلْتَ کَذَا وَ کَذَا یَا اَرْضُ خُذِیْهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الْاَرْضُ اِلٰی کَعْبِهِمْ فَهَتَفُوْا یَا مُوْسٰی اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ اَنْ یُنْجِیَنَا مِمَّا نَحْنُ فِیْهِ فَنُؤْمِنُ بِکَ وَ نَتَّبِعُکَ وَ نُطِیْعُکَ فَقَالَ خُذِیْهِمْ فَاَخَذَتْهُمْ اِلٰی اَنْصَافِ سُوْقِهِمْ فَهَتَفُوْا وَ قَالُوْا یَا مُوْسٰی اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ اَنْ یُنْجِیَنَا مِمَّا نَحْنُ فِیْهِ فَنُؤْمِنُ بِکَ وَ نَتَّبِعُکَ وَ نُطِیْعُکَ فَقَالَ یَا اَرْضُ خُذِیْهِمْ اِلٰی رُکَبِهِمْ فَلَمْ یَزَلْ یَقُوْلُ یَا اَرْضُ خُذِیْهِمْ حَتّٰی تَطَابَقَتْ عَلَیْهِمْ وَ هُمْ یَهْتِفُوْنَ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ یَا مُوْسٰی مَا اَفَظَّکَ اَمَا اَنَّهُمْ لَوْ کَانُوْا اِیَّایَ دَعَوْا لَخَلَّصْتُهُمْ .(رواه عبدالرزاق کما فی الصارم المسلول ص ۴۱۰ و اخرج ابن ابی شیبة فی المصنف و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم نحوه و صححه کما فی الدر المنثور من قصة قارون ج ۵ ص ۱۳۶)

اور قارون سے چپکے سے اس نے کوئی بات کہی- پھر لوگوں کو مخاطب کر کے بولی- اس قارون نے ہی مجھ کو موسیٰ علیہ السلام کے سر ایسی ایسی بات لگانے کے لیے کہا تھا- موسیٰ علیہ السلام نے ان باتوں میں سے کوئی حرف مجھ سے نہیں فرمایا- یہ خبر موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہو گئی وہ اس وقت محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے- یہ سن کر سجدہ میں گر گئے اور فرمایا پروردگار قارون نے مجھ کو بڑی تکلیفیں دیں اور جو کچھ اس نے کیا وہ کیا یہاں تک کہ اب اس کے تہمت لگانے کی نوبت بھی آ گئی- اسی وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی- میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے' تم اس سے جو کہو گے وہ تمہاری تابعداری کرے گی- قارون ایک بالاخانہ میں رہتا تھا جس میں اس نے سونے کے پتر چڑھا رکھے تھے- حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے- اس وقت قارون کے احباب بھی وہاں موجود تھے اور فرمایا کہ تیری ایذاؤں کی اب یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ تو نے اس قسم کے کلمات بھی کہے- اے زمین تو ان کو پکڑ لے زمین نے فوراً ٹخنوں تک ان کو ہضم کر لیا- اس پر وہ چیخ پڑے- موسیٰ (علیہ السلام)! اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہم کو اس عذاب سے نجات بخش دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے' آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور آپ کے تابعدار بن جائیں گے مگر موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے پھر یہی فرمایا ان کو اور گھٹنوں تک پکڑ لے موسیٰ علیہ السلام زمین سے برابر یونہی فرماتے رہے حتیٰ کہ زمین اوپر سے مل گئی اور وہ اس کے اندر چیختے کے چیختے ہی دھنستے چلے گئے- اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی- موسیٰ (علیہ السلام)! تم کتنے تیز مزاج ہو' خوب سن لو اگر کہیں مجھ کو وہ ایک بار بھی پکارتے تو میں ان کو نجات دے دیتا-

(درمنثور- الصارم المسلول)

(۱۴۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُوْنُسُ رفع هذا الحدیث اِلَی

(۱۴۲۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے ملک الموت وفات کے وقت آمنے سامنے آیا کرتے تھے- آپ نے فرمایا کہ

www.besturdubooks.net

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ مَلَکُ الْمَوْتِ یَاْتِی النَّاسَ عَیَانًا قَالَ فَاَتٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَلَطَمَہٗ فَفَقَأَعَیْنَہٗ وَ فِیْ اٰخِرِہٖ فَرَدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَیْنَہٗ وَ کَانَ یَاتِی النَّاسَ خُفْیَۃً.

(رواہ احمد و رفعہ ابن جریر ایضا کما فی البدایۃ و النھایۃ)

جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ پھوٹ گئی- پھر پورا واقعہ ذکر فرمایا- اس کے بعد دستور یہ ہو گیا کہ وہ پوشیدہ طور پر آنے لگے- (مسند احمد)

سیدنا داؤد علیہ السلام

(۱۲۴۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَانَ لِدَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ اللَّیْلِ سَاعَۃٌ یُوْقِظُ فِیْھَا اَھْلَھَا یَقُوْلُ یَا اٰلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ ھٰذِہٖ سَاعَۃٌ یَسْتَجِیْبُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْھَا الدُّعَاءَ اِلَّا بِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ. (رواہ احمد)

حضرت داؤد علیہ السلام

(۱۲۴۹) عثمان بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ شب میں ایک وقت تھا جب کہ داؤد علیہ السلام اس وقت پر اپنے اہل کو بیدار کر دیتے اور یہ فرماتے جاتے تھے اے آل داؤد اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسا مقبول وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں قبول فرماتا ہے سوائے جادوگر اور عشر وصول کرنے والے شخص کے- (احمد)

(۱۲۵۰) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلٰوۃُ دَاوٗدَ وَ اَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ صِیَامُ دَاوٗدَ کَانَ یَنَامُ نِصْفَ اللَّیْلِ وَ یَقُوْمُ ثُلُثَہٗ وَ یَنَامُ سُدُسَہٗ وَ یَصُوْمُ یَوْمًا وَ یُفْطِرُ یَوْمًا. (متفق علیہ) و قد ذکرہ البخاری اطول من ھذا فی کتاب الانبیاء.

(۱۲۵۰) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازوں میں سب سے پیاری نماز اور روزوں میں سب سے پیارے روزے اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے تھے- نماز کے معاملہ میں ان کا دستور یہ تھا کہ نصف شب سوتے پھر تہائی شب خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے اور آخر کے چھٹے حصہ میں پھر آرام فرماتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے- (متفق علیہ)

(۱۲۴۹) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شریعت میں انبیاء سابقین کے درخشاں عمل چن چن کر جمع کر دیے گئے ہیں- آپ نے رات کی اس ساعت میں جو تہجد کے وقت اپنی ساری امت کو نماز کی تاکید فرمائی ہے پس جس امت کو انبیا علیہم السلام کے اعمال حسنہ کی تعلیم دی گئی ہو اس کے کمالات کا اندازہ کر لینا چاہیے-
خدائی محاسبہ بھی کیسا خوفناک مرحلہ ہے کہ جس ساعت میں دعاء کی قبولیت کا عام اعلان ہے وہاں بھی ان اشخاص کے لیے ناامیدی ہی نظر آتی ہے جن کی بداعمالی خلق اللہ کے لیے موجب اذیت ہو ایک ساحر اور دوسرا سرکاری عشر وصول کرنے والا-
(۱۲۵۰) ✽ اس صورت سے تمام حقوق کی ادائیگی ہو جاتی ہے- خالق کے حقوق تو کون ادا کر سکتا ہے مگر یہ اس کی رحمت ہے کہ بندہ کے تھوڑے سے عمل کو قبول فرما لیتا ہے جب کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ہوتی رہے- حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم و ......

www.besturdubooks.net

(۱۲۵۱) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُفِّفَ عَنْ دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَکَانَ یَأْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَ لَا یَأْکُلُ اِلَّامِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ. (رواہ البخاری)

(۱۲۵۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے لیے زبور کے ترانے اتنے ہلکے اور خفیف کر دیے گئے تھے کہ وہ اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیتے ادھر اس پر زین کسی جاتی ادھر زین کسنے سے پہلے پہلے یہ زبور پڑھ کر فارغ ہو جاتے- ان میں بڑی خاص بات یہ تھی کہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے-

سیدنا سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

(۱۲۵۲) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتِ امْرَءَ تَانِ مَعَهُمَا ابْنَا هُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِکِ وَ قَالَتِ الْاُخْرٰی اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِکِ فَتَحَا کَمَتَا اِلٰی دَاوٗدَ فَقَضٰی بِهٖ لِلْکُبْرٰی فَخَرَجَتَا عَلٰی سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ فَاَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُوْنِی بِالسِّکِّیْنِ اَشُقُّهٗ بَیْنَکُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰی لَا تَفْعَلْ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰی بِهٖ لِلصُّغْرٰی. (متفق علیہ)

(۱۲۵۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے بیان فرمایا کہ دو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ان کے دو بچے تھے- بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کا بچہ لے گیا- اس پر اس کی ساتھی بولی کہ تیرے بچہ کو لے گیا ہے' دوسری نے کہا نہیں تیرے کو لے گیا ہے- یہ دونوں اپنا معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے کر آئیں انہوں نے (روئداد مقدمہ سن کر) بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا- اس کے بعد پھر وہ دونوں سلیمان بن داؤد کی طرف چلیں اور ان دونوں نے پھر یہاں اپنا معاملہ بیان کیا- انہوں نے فرمایا اچھا لاؤ چھری لاؤ میں اس لڑکے کو کاٹ کر آدھا آدھا تم دونوں کو دیے دیتا ہوں- یہ سن کر چھوٹی بول پڑی- خدا تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے' دیکھئے ایسا نہ کیجئے چلئے یہ لڑکا اسی کا ہے- اس کی یہ بات سن کر انہوں یہ فیصلہ دے دیا کہ لڑکا چھوٹی کو دے دیا جائے- (متفق علیہ)

ﷺ ..... جان بھی خدائی امانت ہیں اور ان کے بھی ہمارے ذمہ کچھ حقوق ہیں- کمال یہ ہے کہ جملہ اہل حقوق کے علیحدہ علیحدہ اداء ہوں-

(۱۲۵۱) ✱ قدرت کے یہاں ایک باب طی زمان کا بھی ہے یعنی بہت سا عمل تھوڑے سے وقت میں ہو جانا سلف امت کے اعمال پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس حقیقت کا لاچار اقرار کرنا پڑتا ہے- اگر قدرت کی طاقت کی ترازو لگانے والے ذرا غور کریں تو ان کو اس کے سمجھنے میں نہ کوئی دشواری ہو اور نہ شب معراج کے طویل سفر کے سمجھنے میں کوئی دقت رہے-

(۱۲۵۲) ✱ اس روایت میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کس بنیاد پر تھا- لہٰذا اس پر بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے- اسی طرح حضرت سلیمان کے فیصلہ کے تفصیلات بھی یہاں بیان میں نہیں آئیں- صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ مبہم ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ شکل اس لیے اختیار کی تھی کہ کسی تدبیر سے اصل واقعہ کا انکشاف ہو جائے- ان کی اس غیر معمولی فہم کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿ففهمناها سلیمان و کُلًّا اتینا حکما و علما﴾ (الانبیاء : ۷۹)

www.besturdubooks.net

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کی ایک اہم سرگذشت کے متعلق

چند جدید علمی اور منصفانہ نکات قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی بڑی علامت ہے اس لئے اس کو عالم کے تعمیری نظم ونسق کی بجائے تخریب عالم کے نظم ونسق پر قیاس کرنا چاہیے ٭ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیاتِ طیبہ میں رفع ونزول کی سرگذشت بیشک عجیب تر ہے لیکن اس پر غور کرنے سے قبل سب سے پہلے یہ سوال سامنے رکھنا چاہئے کہ یہ مسئلہ کس دور اور کس شخصیت کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ دنیا کے روزمرہ معمولی واقعات بھی زمانہ اور شخصیتوں کے اختلاف سے بہت مختلف ہو جاتے ہیں اور اُن کی تصدیق وتکذیب میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی زمین پر ایک خطہ زمین ایسا بھی ہے جہاں مہینوں کی رات اور مہینوں کا دن ہوتا ہے اور ان ہی سمندروں میں ایک سمندر ایسا بھی ہے جس پر مسافر موسم سرما میں خشکی کی طرح سواریوں پر چلتے ہیں اسی طرح انسانوں کا اختلاف بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ شجاعت وطاقت اور دانائی وفرزانگی کے وہ بعید سے بعید کارنامے جو رستم واسفندیار' انور بے اور ہٹلر' اسٹالن اور لینن وغیرہ کے حق میں بے تامل قابل تصدیق سمجھے جاتے ہیں وہ عام انسانوں کے حق میں بڑے تامل کے بعد بھی بشکل قابل تصدیق ہو سکتے ہیں۔ پس صرف عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے یا صرف اپنے دور اور اپنے زمانہ کے حالات پر قیاس کر کے کسی صحیح واقعہ کا انکار کر دینا کوئی معقول طریقہ نہیں ہے۔

لہٰذا مسئلہ نزول پر بحث کرنے کے وقت بھی سب سے پہلے اس پر غور کر لینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ کس دور اور کس زمانہ سے پھر کس شخصیت سے متعلق ہے۔

جب آپ ان دو سوالوں پر محققانہ نظر ڈالیں گے تو پوری وضاحت سے ثابت ہوگا کہ یہ واقعہ تخریب عالم یعنی قیامت کے واقعات کی ایک کڑی ہے اور تخریب عالم کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو عالم کے تعمیری دور کے واقعات سے ملتا جلتا ہو۔ پس اگر تخریب عالم کے وہ سب واقعات جو تعمیری دنیا کے بعد کے واقعات سے مختلف ہونے کے باوجود قابل تصدیق ہیں تو پھر اس ایک واقعہ کی تصدیق میں آپ کو تامل کیوں ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں واقعات اتنے عجائبات پر مشتمل ہیں کہ جو انسان ان دونوں جانبوں سے غائب ہے وہ بے چارہ اپنے موجودہ حالات کی دنیا دیکھ کر ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ عالم کی تخلیق کے واقعات پر ذرا نظر ڈالیں' زمین کس طرح بنائی گئی' پھر کس طرح بچھائی گئی' آسمان کس طرح بنائے گئے آدم کس طرح پیدا ہوئے ان کا جوڑا کس طرح پیدا ہوا پھر کس طرح خلافت ارضی قائم ہوئی اسی طرح بہت سے واقعات ہیں جو ایک سے ایک عجیب تر ہیں اور ان سب ہی کے بیان کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے اپنے سر رکھی ہے اگر آپ ان میں سے ایک واقعہ بھی عالم کے تعمیری دور کے نظم ونسق سے ملا کر دیکھیں تو آپ کو ان میں سے ایک واقعہ کے فہم میں بھی سخت الجھن پیش آئے گی اور اسی بنا پر ایک جماعت نے تو سرے

www.besturdubooks.net

سے تخلیق عالم ہی کا انکار کر کے قدم عالم کا راستہ لے لیا ہے مگر آپ کے نزدیک کیا اس کا یہ طریقہ کار صحیح ہے؟

اسی طرح جب آپ تخریب عالم کے واقعات پر نظر ڈالیں گے تو وہ بھی عجیب در عجیب ہی نظر آتے ہیں یعنی کبھی نہ پھٹنے والے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے آفتاب و ماہتاب اور یہ تمام روشن ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور کبھی جنبش نہ کرنے والے یہ بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے نظر آئیں گے اور یہ سارا کا سارا عالم ہستی عدم محض اور صرف نیستی کے تحت آ جائے گا۔ یہ اور ان جیسے اور بہت سے عقل سے بالاتر واقعات کے بیان کی ذمہ داری بھی خود قرآن کریم ہی نے اٹھائی ہے اب اگر آپ ان کی تصدیق کا فیصلہ موجودہ عالم کے واقعات کے پیش نظر کرنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں گے لیکن ہاں جب آپ عالم کی تخلیف اور اس کی تخریب کے دونوں سرے ملا کر دیکھیں گے تو دونوں آپ کو بالکل یکساں صورت میں نظر آئیں گے۔

پس چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ بھی عالم کے درمیانی واقعات کا مسئلہ نہیں بلکہ تخریب عالم کے واقعات کی ایک اہم کڑی ہے اس لئے اپنی جگہ وہ بھی معقول ہے ظاہر ہے کہ جب تمام مردوں کے زندہ ہو ہو کر ایک میدان میں جمع ہونے کا زمانہ قریب آ رہا ہو تو اس سے ذرا قبل صرف ایک زندہ انسان کا آسمانوں سے زمین پر آنا کونسی بڑی بات ہے۔ بلکہ اس طویل گمشدگی کے بعد یہ جسمانی نزول مجموعۂ عالم انسانی کے جسمانی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک بدیہی اور محکم برہان ہے اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ (اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک مجسم علامت ہیں درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ اس آیت کا مصداق قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے۔

اس کے بعد جب آپ اس پر غور کریں گے کہ یہ پیشگوئی ہے کس شخصیت کے متعلق وہ شخصیت کسی عام بشری سنت کے تحت کوئی بشر ہے یا ان سے کچھ الگ ہے تو آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ وہ صرف عام انسانوں ہی سے نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں بھی سب سے الگ اور سب سے ممتاز خلقت کا بشر ہے جتنے انسان ہیں وہ سب مذکر و مؤنث کی دو صنفوں سے پیدا ہوئے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے انسان ہیں جن کی تخلیق صرف ایک صنف انسانی سے وجود میں آئی ہے پھر اس میں میں تمثیل جبرئیلی اور نفخۂ ملکی اور تکلم فی المہد کے واقعات اور بھی عجیب تر ہیں۔ اُن کے معجزات دیکھئے تو وہ بھی کچھ نرالی شان رکھتے ہیں ان میں سے ہر معجزہ ایسا ہے جس میں ''باذن اللہ'' کی قید لگانی پڑتی ہے' ان کے گذشتہ دورِ حیات میں ملکیت کا اتنا غلبہ ہے کہ کھانے پینے رہنے سہنے' شادی و نکاح کا کوئی نظم و نسق ہی نہیں ملتا' یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ ان سب ضروریات سے منزہ و مبرا بچ مچ کے ایک فرشتہ ہیں پھر جب ان کی ہجرت کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو یہاں بھی اُن کی شان سب سے نرالی نظر آتی ہے یعنی ان کی ہجرت کسی خطۂ ارضی کی بجائے اُس عالم کی طرف ہوتی ہے جو ملکوت اور ارواح کا مستقر ہے غرض اُن کی حیات کے جس گوشہ پر نظر ڈالئے وہ ملکوتیہ کا ایک مرقعہ نظر آتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے جو لقب اُن کو عطا فرمایا ہے وہ بھی سب سے ممتاز ہے اور اس نوع کا لقب ہے جس سے کہ اُن کی زندگی کی یہ سب خصوصیات اجمالی طور پر بیک نظر سامنے آ جاتی ہیں یعنی ''روح اللہ'' اور

www.besturdubooks.net

''کلمۃ اللہ'' گو بنی آدم جتنے بھی ہیں اُن سب کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اور اسی کے حکم کن سے آئی ہیں مگر یہاں اس روح کی آمد میں کوئی ظاہری واسطہ بھی نہ تھا اور جو واسطہ تھا وہ ایسا ہی تھا جس کے موجود ہونے سے عالم قدس کی طرف اُن کی نسبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا یہ تمام کا تمام وہ تذکرہ حیات ہے جو اُن کے آسمانوں پر جانے سے قبل سے متعلق ہے اب آپ نازل ہونے کے بعد اُن کے حالات پر نظر ڈالئے تو وہ پہلی زندگی کے بالکل برعکس ہیں یہاں اُن کے تمام معاملات میں دنیا کا مرتب نظم و نسق ملتا ہے حتیٰ کہ نکاح و ولادت کا بھی اور اس سے بھی بڑھ کر اُن کی حیثیت ایک امام دامیر کی ثابت ہوتی ہے گویا وہ انسانوں میں بھی کوئی معمولی طبقہ کے انسان نہیں بلکہ اس اعلیٰ طبقہ کے انسان نہیں بلکہ اس اعلیٰ طبقہ کے انسان ہیں جن کی قیادت میں اسفل طبقہ کے انسان ترقی کر کے اعلیٰ طبقہ کے انسان بن سکتے ہیں۔ غرض ان کی حیات کے یہ دو دور تمام تر قدرت کے ان عجائبات سے مشابہ ہیں جو عالم میں دست قدرت کے براہِ راست پیدا کردہ ہیں وہ بیک وقت بن باپ پیدا ہو کر آغاز عالم کے واقعات میں حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں (اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ) اور اتنی طویل غیبت کے بعد عالم کے خاتمہ پر جسمانی نزول فرما کر علامات قیامت میں بھی شمار ہیں (وَاِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِھَا) اگر ایک طرف اپنی پہلی حیات میں آسمانوں پر جا کر وہ فرشتوں سے مشابہ ہیں تو دوسری طرف نزول کے بعد موت اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہو کر عام انسانوں کی صف میں بھی داخل ہیں۔ اگر پہلی زندگی میں اُن کا معجزہ احیاء ہوتی ہے تو نزول کے بعد دوسرے دورِ حیات میں اماتۃ دجال یعنی قتل دجال ہے۔ ان کی یہ تمام سوانح سیات قرآن کی بیان کردہ ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء آیت ﴿وَ اِنۡ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ الخ﴾ آئندہ اُن کی وفات اُن کے نزول کی شاہد ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تشریح آئے گی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک انسان کا آسمانوں پر زندہ جانا اور زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ اتر آنا نہ عام انسانوں کی سنت ہے اور نہ زمانہ کے عام واقعات کے موافق ہے لیکن اگر آپ یہ دو باتیں ملحوظ رکھیں کہ یہ مسئلہ تخریب عالم کا ایک مقدمہ ہے اور ہے بھی اس شخصیت کے متعلق جس کے دیگر حالات زندگی بھی عالم کے عام دستور کے موافق نہیں تو پھر بنظر انصاف اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہونا چاہیے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دے کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی ہستی کو عالم کے درمیانی سلسلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں اگر اُن کے حالات کو قیاس کرنا ہی ہے تو تخلیق عالم کے حالات پر قیات کر کے دیکھو تمہارا سب تعجب جاتا رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ مادی عقول کے نزدیک کچھ یہی ایک مسئلہ نہیں ہے جو زیر انکار آ رہا ہو بلکہ عالم غیب کے تمام حقائق ہی زیر انکار ہیں۔ اور درحقیقت یہ عقل و نقل کی اصولی جنگ کا ثمرہ ہے ارباب عقل یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سب خلافِ عقل ہوتے ہیں اور اصحابِ نقل یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات بھی عقلی ہو وہ سب شریعت کے خلاف ہوتی ہے۔ یہ نزاع و جدل درحقیقت عقل و شرع کا صحیح مفہوم متعین نہ کرنے سے پیدا ہو رہا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: کون نہیں جانتا کہ قرآن و سنت نے جا بجا عقل کی تعریف فرمائی ہے بلکہ اپنی دعوت کا مخاطب ہی صرف اہل فہم اور اہل عقل کو قرار دیا ہے۔ مجنون اور بچے اس کی دعوت کے احاطہ سے ہی باہر ہیں لیکن جب بعض اہل بدعت نے

www.besturdubooks.net

بعض کلامی مسائل کو جو دراصل قرآن وسنت کے بھی خلاف تھے اصول دین میں داخل کردیا اور اس کا نام عقلیات رکھا تو اب اہل شرع کو عقلیات کے نام ہی سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی کہ جو شخص بھی عقلی استدلال کرتا نظر آتا اُن کے نزدیک بدعتی اور باطل پرست سمجھا جاتا دوسری طرف جب عقلاء نے اہل شرع سے وہ مسائل سنے جو صریح عقل اور یقینی تاریخ کے خلاف تھے اُس پر ان کا یہ دعویٰ سنا کہ وہ قرآن وحدیث کے بیان کردہ ہیں تو ان کے دلوں میں نفس قرآن وسنت ہی کے متعلق خلاف عقل ہونے کی بدگمانی بیٹھ گئی حتیٰ کہ اب جو قرآن وسنت سے استدلال کرتا اُن کے نزدیک قانون فطرت اور تقاضۂ عقل کا مخالف ہوتا۔ یہاں غلطی دونوں فریق کی ہے۔ عقلاء کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق کئے بغیر ہر خلاف عقل بات کا نام شرع کیوں رکھ دیا اور علماء کی کوتاہی یہ ہے کہ انہوں نے جو عقل صحیح کا تقاضہ نہ تھا اس کو شرع کے مفہوم میں کیسے داخل کردیا حالانکہ شریعت کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو عقل سلیم کے نزدیک قابل انکار ہو یا محالات کی تعریف میں آتا ہو لیکن جب کسی ابتدائی غلطی پر کچھ مدت گذر جاتی ہے تو وہ غلطی راسخ ہوتے ہوتے عقائد کا رنگ پیدا کرلیتی ہے اور جو کسی صحیح حقیقت پر نتائج وآثار مرتب ہوتے ہیں وہی اس غلطی پر مرتب ہونے لگتے ہیں اس لئے اگر مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل عقل وشرع کا صحیح صحیح مفہوم متعین کرلیا جائے تو عقلاء اور علماء کے درمیان بحث وجدل کا یہ وسیع میدان بہت تنگ ہوسکتا ہے۔

علماء ہر خلاف عقل بات کو شرع کے مفہوم میں داخل کرنے کی سعی کرنا ترک کردیں اور عقلاء شرع کی ہر بات پر خلاف عقل ہونے کی بدگمانی دل سے نکال ڈالیں اور عقل وفکر کا کوئی صحیح معیار مقرر کرلیں۔ (کتاب النبوت ص ۶۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ قابل تسلیم نہیں ہے تو پھر آپ کو بھی ایک فیصلہ کرنا ہوگا کہ عالم کے تخلیق وتخریب کے دوسرے تمام واقعات بھی قابل تسلیم نہیں ہیں اور اگر وہ سب قابل تصدیق ہیں تو پھر یہ مسئلہ بھی قابل تصدیق ماننا ہوگا۔ صرف اس لئے آغازِ عالم کے تعمیری واقعات سے آپ کی زندگی کا اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا یہ مستقبل بعید کے تخریبی واقعات کے موجودہ دور کے انسانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان سب سے صرف نظر کرکے بحث کا رخ صرف مسئلہ نزول میں منحصر کردینا اپنے نفس کو بھی مغالطہ میں رکھنا ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

<u>حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جزئی معاملات کی اہمیت</u> ✵ واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اس لحاظ سے بھی سب میں ممتاز ہے کہ اُن کے جزئی جزئی واقعات کو بھی قرآن کریم نے اصولی معاملات کی سی اہمیت دی ہے مثلاً اُن کی ولادت کا معاملہ یہ ایک جزئی معاملہ ہے مگر اُن کی ولادت کو بھی قرآن کریم نے بڑی اہمیت سے ذکر کیا ہے یعنی فرشتہ کا بصورتِ بشری آنا اور اپنی آمد کی غرض وغایت بتانا اُس پر حضرت مریم کا ناکتخدائی کی حالت میں تعجب فرمانا پھر فرشتہ کا جواب اور اس کے بعد ان کے گریبان میں پھونک مارنا یہ سب تفصیلی ذکر ہیں حتیٰ کہ اُن کی والدہ کا دروازہ بھی پھر ولادت اور اُس پر لوگوں کی چہ میگوئیاں بھی ظاہر ہے کہ ان سب معاملات میں سے کسی معاملہ کو اصولی اور بنیادی کہا جاسکتا ہے؟ مگر کیا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کو آپ صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر ٹال سکتے ہوں اور جس پر عقیدہ رکھنا کوئی ضروری بات نہ ہو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے اہم واقعہ کو صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر آپ کیونکر عقائد کی فہرست سے خارج کرسکتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

مسئلہ نزول کی حیثیت کتب عقائد میں ✵ یہی وجہ ہے کہ شروع سے لے کر آج تک کتب عقائد میں اس مسئلہ کو بھی دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ ایک عقیدہ ہی شمار کیا ہے حتیٰ کہ محدثین نے جو مؤلفات ترتیب دی ہیں گو اُن کو عقائد کی شکل پر مرتب نہیں فرمایا اُن کے مقاصد دوسرے ہیں لیکن اس کے باوجود امام مسلم نے جن کی کتب کو بلحاظِ ترتیب بخاری شریف پر بھی فوقیت دی گئی ہے نزول عیسیٰ علیہ السلام کو ابواب ایمان کا ایک جزء قرار دیا ہے پھر یہ کہنا کتنی کوتاہ نظری ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ چونکہ ایک جزئی مسئلہ ہے اس لئے اس کو عقائد اور ایمانیات کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ معجزات کی بحث میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس پر اور مبسوط بحث کریں گے کہ رسولوں کی اخبار پر ایمان رکھنا یہ جزئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک بنیادی مسئلہ ہے رہا خاص نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ تو اس کو اس حیثیت کے علاوہ رسالت اور قیامت کے مسئلہ سے بھی براہِ راست تعلق ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آنے والی ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ذات وصفات' قضاء وقدر' حشر ونشر اور رؤیۃ باری تعالیٰ وغیرہ جن مسائل کو بے چون و چرا عقائد میں داخل سمجھا گیا ہے۔ اُن میں تو کافی اختلافات بھی ملتے ہیں چنانچہ معتزلہ ان سب مسائل میں اہل سنت والجماعت سے اپنا علیحدہ خیال رکھتے ہیں حتیٰ کہ اشاعرہ وماتریدیہ کے مابین بھی بعض مسائل میں ضرب المثل اختلاف موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان مسائل کو کسی نے عقائد کی فہرست سے خارج نہیں کیا اس کے برخلاف نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ ہے جس میں سلف سے لے کر آج تک ائمہ دین میں سے کسی کا اختلاف ثابت نہیں پھر اس کو عقائد کی فہرست سے کس طرح خارج کیا جاسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ معتزلہ جو مذکورہ بالا مسائل میں اہل سنت سے کچھ اختلاف بھی رکھتے ہیں وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ متفق ہیں جیسا کہ زمخشری نے کشاف میں اس کی تصریح کی ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ تمام اُمت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں بجسمِ عنصری پھر تشریف لانے والے ہیں جیسا کہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔ دیکھو (بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳)

مسئلہ نزول کی حیثیت احادیث میں ✵ اس بارے میں اگر حدیثوں پر نظر ڈالئے تو تیس صحابہ سے تقریباً سو حدیثوں میں باسالیب مختلفہ اس مسئلہ کو بتکرار قسمیں کھا کھا کر دہرایا گیا ہے۔ اس بڑے ذخیرہ میں سے چالیس حدیثیں تو ایسی ہیں جن کی تصحیح و تحسین محدثین نے صراحت کے ساتھ ثبت فرمادی ہے اور بقیہ کے متعلق گو صراحۃً اُن سے تحسین منقول نہ ہو لیکن کوئی صاف جرح بھی ثابت نہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس پیشگوئی کا رتبہ کیا ہے دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ متواتر حدیث کی جو بڑی سے بڑی مثال پیش کی گئی ہے اس پیش گوئی کا پلہ کسی طرح بھی اس سے ہلکا نہیں ہے۔ پھر جب کتب سابقہ پر نظر ڈالی جائے تو یہاں انجیل بھی احادیث نبویہ کے ساتھ اس درجہ مطابق ملتی ہے کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور یہ یقین بدیہی بن جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صرف اسی شریعت کا مسئلہ نہیں بلکہ جملہ ادیانِ سماویہ کا ایک ایسا متفقہ عقیدہ ہے جس میں اصول دین کی طرح کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔

مسئلہ نزول کی حیثیت انجیل میں ✵ پھر اس مسئلہ کی حقیقت ایک عام اور مجمل پیشگوئی کے سمجھ لینے میں کتنی بڑی فروگذاشت ہوگی انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳ میں ہے:۔ اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگردوں نے خلوت میں اُس کے پاس

www.besturdubooks.net

آ کر کہا' ہم سے یہ کہہ کہ یہ کب ہوگا اور تیرے آنے کا اور زمانہ کے آخر ہونے کا نشان کیا ہے؟ تب یسوع نے جواب میں اُن سے کہا- خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے- اور تم لڑائیوں اور لڑائیوں کی افواہوں کی خبر سنو گے خبردار مت گھبرائیو کیونکہ ان سب باتوں کا ہونا ضرور ہے پر اب تک آخر نہیں ہے کہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آئے گی اور کال اور مری پڑے گی اور جگہ جگہ بھونچال آئیں گے یہ سب کچھ مصیبتوں کا شروع ہے-

انجیل متی باب ۲۴-۲۳-۲۸- اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں- دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا دیکھو وہ کوٹھریوں میں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے-

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمان کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا اور اس وقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی انجیل لوقا ۲۱-۲۶ میں اتنی زیادتی اور ہے- اور ڈر کے مارے اور زمین پر آنے والی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی- اور جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہو کر سر اوپر اُٹھانا اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہوگی انجیل مرقس ولوقا میں-

انجیل متی باب ۲۴-۳۲ ❋ اب انجیر کے درخت کی ایک تمثیل سیکھو جونہی اس کی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر ہے-

اعمال باب ۱ آیت ۹ ❋ اور وہ یہ کہہ کے ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اُٹھایا گیا اور بدلی نے اُسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا اور اُس کے جاتے ہوئے جب دے آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے اُن کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے اے جلیل مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو- یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا ہے پھر آئے گا-

---

ان صحابہ کے اسماء مبارکہ یہ ہیں جن کی تفصیلی روایات دیکھنی ہوں تو رسالہ "التصریح بما تواتر من الاحادیث فی نزول المسیح" مؤلفہ محترم جناب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان ملاحظہ فرمائیں-

(۱) ابوہریرہ (۲) جابر بن عبداللہ (۳) نواس بن سمعان (۴) ابن عمر (۵) حذیفہ بن اسید (۶) ثوبان (۷) مجمع (۸) ابوامامۃ (۹) ابن مسعود (۱۰) ابونضرۃ (۱۱) سمرۃ (۱۲) عبدالرحمٰن بن جبیر (۱۳) ابوالطفیل (۱۴) انس (۱۵) واثلہ (۱۶) عبداللہ بن سلام (۱۷) ابن عباس (۱۸) اوس (۱۹) عمران بن حصین (۲۰) عائشۃ (۲۱) سفینۃ (۲۲) حذیفہ (۲۳) عبداللہ بن مغفل (۲۴) عبدالرحمٰن بن سمرۃ (۲۵) ابوسعید الخدری (۲۶) عمار (۲۷) ربیع (۲۸) الحسن (۲۹) عمرو بن رویم (۳۰) کعب (۳۱) الامام جعفر- رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

www.besturdubooks.net

مسئلہ نزول کی حیثیت قرآن کریم میں ⁕ خدا تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب قرآن کریم ہے جب اُس پر نظر ڈالئے تو اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی یہی حیثیت ثابت ہوتی ہے رہا اُن کے رفع جسمانی کا مسئلہ تو اُس کو تو قرآن کریم نے اہل کتاب کے مقابلہ میں اپنی جانب سے ایک فیصلہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آتی ہے ﴿وَ اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ (النساء : ۱۵۹) یعنی اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے- آیت بالا میں اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے نیز یہ کہ آئندہ زمانہ میں کسی شبہ کے بغیر اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے یہی وجہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صحیح حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو آیت بالا کو پڑھ لو- اس کی مزید تشریح آئندہ آئے گی اور اس مغالطہ کو بھی دور کر دیا جائے گا کہ نزول کا لفظ قرآن کریم میں کیوں نہیں آیا- پس اگر یہ مسئلہ جو کتب سابقہ سے لے کر احادیث نبویہ اور خود کتاب اللہ میں اس تواتر کے ساتھ ثابت ہے عقائد کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہے تو پھر اور کس مسئلہ کو عقائد میں شمار کیا جا سکتا ہے- تعجب ہے کہ یہاں کتب سماویہ کو اس پر جتنا اصرار ہے ہماری مادی عقول کو اس سے اتنا ہی انکار ہے- فالی اللہ المشتکی

مسئلہ نزول کی اہمیت اور اصول دین سے اس کا تعلق ⁕ موجودہ دور کے مبصرین کی نظر یہاں ایک اور واضح حقیقت سے بھی چوک گئی ہے وہ صرف اس بحث میں اُلجھ کر رہ گئی ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر صرف ایک پیشگوئی ہے لہٰذا جو اُمت اس رسول کی تصدیق پہلے سے کر چکی ہے اس کے حق میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسی غلط فہمی میں اُنھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصل دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے- اُن کو یہ علم ہی نہیں کہ اس پیشگوئی کو ایک اصولی اہمیت بھی حاصل ہے کیونکہ اہل کتاب کی دو مرکزی جماعتوں کا نقطہ ضلالت یہی پیشگوئی ہے- حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی جس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسری مسیح ضلالت کی جس کا مصداق دجال ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہود بے بہبود نے اُن کو تو مسیح ضلالت کا مصداق ٹھہرا لیا اور اس لئے اُن کی ایذا رسانی اور قتل کے درپے رہے اور جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا یعنی دجال تو اُس کو مسیح ہدایت کا مصداق ٹھہرائیں گے یہی وجہ ہے کہ تمام یہود دجال کی اتباع کر لیں گے- اس کے برعکس نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گو مسیح ہدایت کا مصداق تو مانا مگر حد سے بڑھا کر ان کو اقانیم ثلاثہ کا ایک جزء بنا لیا اب یہاں ان دونوں بڑی بڑی جماعتوں کو جو بسیط ارض پر پھیلی پڑی ہیں ایک مسیح کی آمد کا انتظار لگ رہا ہے یہود کو تو اس لئے کہ اُن کے نزدیک مسیح ہدایت کی جو پیشگوئی کی گئی تھی اُس کا ظہور ابھی باقی ہے- لہٰذا مسیح ہدایت کو آنا چاہیے اور نصاریٰ کو اس لئے کہ اُن کے زعم میں وہی مسیح دوبارہ آ کر مخلوق کا حساب لیں گے اور یہی دن قیامت کا دن ہوگا- (دیکھو الجواب الصحیح ج ا ص ۳۴۱ و ج ا ص ۱۸۱)

اس مسئلہ پر بحث کے وقت اگر اس اہم تاریخ کو بھی سامنے رکھ لیا جاتا تو یہ واضح ہو جاتا کہ اس پیشگوئی کی حقیقت نہ صرف ایک پیشگوئی کی ہے اور نہ ایک جزئی واقعہ کی بلکہ اس کا تمام تر تعلق اصول دین کے ساتھ ہے کیونکہ رسالت اور قیامت کے دونوں

www.besturdubooks.net

مسئلے اصولی مسئلے ہیں اور اس مسئلہ کو ان دونوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہودیوں کی یہ گمراہی کتنی اصولی گمراہی تھی کہ انہوں نے مسیح ہدایت یعنی خدا تعالیٰ کے ایک سچے رسول کو مسیح ضلالت یعنی دجال ٹھہرالیا تھا اور نصاریٰ کی یہ گمراہی بھی کتنی اصولی تھی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک رسول کی آمد کو خدائی آمد اور اُس کی آمد کے دن کو قیامت کا دن سمجھ رکھا تھا۔ ان دو اصولی غلطیوں کی اصلاح پر دنیا کی ان دو بڑی بڑی امتوں کے ایمان کا دارومدار ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آمد کی پیشگوئی کی وہی اہمیت محسوس فرمائی ہے جو کسی اصولی معاملہ کی کی جاسکتی ہے اور مسیح ہدایت اور مسیح ضالت کی تفصیلات بیان فرمادی ہیں کہ پھر آئندہ ان دونوں کے ظہور کے وقت ان کی شناخت میں دونوں قوموں کو کوئی مغالطہ نہیں لگ سکتا یہود آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو انہوں نے مسیح ضالت سمجھا تھا (والعیاذ باللہ) درحقیقت وہ مسیح ہدایت تھے اور نصاریٰ کو یہ خوب ثابت ہو جائے گا کہ جس کو انہوں نے خدائے تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا تھا۔ درحقیقت وہ اس کا ایک بندہ اور اُس کی مخلوق تھا اور اُن کی آمد قیامت کا دن نہیں بلکہ اس کی ایک بڑی علامت تھی اور ساری غلطیاں خود عیسیٰ علیہ السلام ہی کی زبان سے دور کردی جائیں گی تا کہ اختتام عالم سے قبل اتحاد ملل کے راستہ میں جتنی رکاوٹیں ہوسکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے سب دور کردی جائیں اور ملل سماویہ کی وحدت کا وعدہ پوری صفائی اور صداقت سے پورا ہوجائے وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا۔

__حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت تاریخی نظر میں__ ✱ یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان انبیاء علیہم السلام میں سے نہیں ہیں جن کا تذکرہ تاریخ نے محو کرڈالا ہو بلکہ اُن اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ ہر دور میں بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے اہل کتاب کے وہ بڑے بڑے گروہ اُن کی ایک ایک علیحدہ تاریخ رکھتے ہیں اور خود اہل اسلام کے پاس بھی اُن کی ایک منقح تاریخ موجود ہے۔ یہود کی تاریخ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہوں نے قتل کرڈالا ہے اس لئے اُن کے نزدیک تو اُن کی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا رہ گئے نصاریٰ تو وہ اُن کے دوبارہ تشریف آوری کے قائل ہیں مگر وہ اُس دن کو قیامت کا دن سمجھتے ہیں اور مجمل طور پر اُن کے سولی چڑھائے جانے اور زندہ ہو کر آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بھی قائل ہیں۔ اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ وہ قتل ہوئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر اُٹھائے گئے اور قیامت سے پہلے پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ تشریف لائیں گے اور مدینہ طیبہ میں جوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں وفات کے بعد مدفون ہوں گے۔ اب ایسے اولوالعزم رسول کے متعلق یہ حق کس کو پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسی جدید تاریخ بنالے جو دنیا میں کسی جماعت کو بھی مسلم نہ ہو۔ مثلاً یہ کہنا ہے کہ وہ سولی پر چڑھائے گئے پھر نیم مردنی کی حالت میں اتار لئے گئے تھے پھر کہیں جا کر اپنی طبعی موت سے مرگئے اور آخر کشمیر یا کسی اور شہر میں جا کر ایسی گمنامی کی حالت میں مدفون ہوگئے جس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوسکی۔ اس جلیل القدر رسول کی اس جدید تاریخ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا آج کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرے کہ آپ کی وفات اور دفن کا سب افسانہ غلط ہے۔ بلکہ جب کفار نے آپ کو زیادہ ستایا تو آپ اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آئندہ پھر تشریف لانے والے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی عاقل ایسا ہے جو اس رسول اعظم کی اس جدید تاریخ پر غور کرے اور اس کے دلائل سننے کے لئے تیار ہو۔ ہمارے نزدیک ایک مسلّم فوت شدہ رسول کے زندہ آسمانوں پر

www.besturdubooks.net

جانے کی تاریخ میں اور ایک مسلم زندہ آسمانوں پر موجود رسول کے متعلق اُن کی موت اور دفن کی جدید تاریخ میں کوئی فرق نہیں نہ وہ عقلاء کے نزدیک قابل توجہ ہے نہ یہ قابل التفات ہوسکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی اہمیت تاریخ کی نظر میں ✵ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود نبی اولوالعزم ہیں اُن کی امت بھی تسلسل کے ساتھ کسی انقطاع کے بغیر اب تک چلی آرہی ہے پھر ان کی موت اور اُن کی قبر کا صحیح صحیح حال آج تک ان سب پر کیسے مخفی رہ گیا۔ بالخصوص یہود جوان کے قتل کے مدعی تھے وہ اس اہم واقعہ سے کیسے غفلت اختیار کر سکتے تھے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول ہونے کے لئے ان کی قبر کی نشاندہی اُن کے لئے سب سے کھلا ہوا ثبوت تھی مگر یہاں نہ تو یہود اُن کی قبر کا پتہ نشان بتا سکتے ہیں اور نہ اس بارے میں نصاریٰ کے پاس ہی کوئی صحیح علم ہے ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان جو مدت ہے وہ تقریباً چھ سو سال کی مدت ہے یہ اتنی طویل مدت نہیں کہ اس میں کسی ایسی اولوالعزم تاریخی شخصیت کی قبر اتنی لاپتہ ہوجائے کہ نہ اس کے ماننے والے بلکہ پوجنے والوں کو معلوم ہو اور نہ اُس کے دشمنوں کو اس اُمت میں نہ معلوم کتنے اولیاء اللہ گذر چکے ہیں جن کی وفات پر اس سے کہیں زیادہ کی مدت گذر چکی ہے مگر اُن کی قبریں آج تک تازہ یادگاریں معلوم ہوتی ہیں پھر عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کی قبر کی ایسی گمنامی یہ کیسے قرین قیاس ہوسکتی ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اُن کے حق میں کبھی موت کا ایک حرف نہیں فرمایا اور نہ اُن کی قبر کا کہیں نشان بتایا۔ درانحالیکہ یہ مسائل آپ کی آنکھوں کے سامنے زیر بحث چل رہے تھے اس کے برعکس فرمایا تو یہ کہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اور ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی اور قبر بتائی تو مستقبل بعید میں اپنے پہلو کے قریب مدینہ طیبہ میں۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے تردید الوہیت کے موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معمولی سے معمولی حالات کا تذکرہ فرمایا ہے مثلاً ان کا کھانا کھانا کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامِ ۔ مگر ان کی الوہیت کے خلاف جو سب سے واضح ثبوت تھا یعنی یہ کہ وہ مرچکے ہیں اس کو ایک جگہ بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں ذکر نہیں فرمایا۔ اور کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو مدت ہوئی وفات ہوچکی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں حالانکہ بارہا عیسائیوں کے ساتھ آپ کے مکالمات ہوئے ہیں۔ پھر اس تحقیقاتی دور میں جہاں جبل ایورسٹ (Evarest) پر رسائی ہوچکی ہو' فرعون کی لاش دستیاب ہوچکی ہو اور سفینہ نوح علیہ السلام کے نشانات معلوم کئے جاچکے ہوں وہاں کیا اس مقدس رسول کی قبر مخفی رہ سکتی تھی۔ ان حالات میں بھی اگر اپنی جانب سے ہم ان کی موت اور قبر کی نشاندہی کے مدعی بنتے ہیں تو تاریخی دنیا میں اُس کی کیا قدر و منزلت سمجھی جاسکتی ہے۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی تھی تو نصاریٰ اور اہل اسلام خاص طور پر ان ہی کی حیات کے قائل کیوں ہیں ✵ یہاں تھوڑا سا غور اس پر بھی کرلینا چاہیے کہ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہوچکی تھی تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ان ہی کی خصوصیت کیا تھی کہ ان ہی کے معاملہ میں نصاریٰ سے لے کر اہل اسلام تک اُن کی حیات اور اُن کے نزول کے تسلسل کے ساتھ قائل چلے آرہے ہیں۔ چلئے نصاریٰ اگر اپنی فرطِ عقیدت سے کسی بے اصل بات کا دعویٰ کر ڈالیں تو جائے تعجب نہیں مگر یہاں ان علماء اسلام کے لئے اس کا کیا محل ہوسکتا تھا جو ہمیشہ تردید الوہیت میں سرگرم رہے ہیں بلکہ اس

www.besturdubooks.net

سلسلہ میں کسی کے قلم سے ایسے کلمات بھی نکل گئے ہیں کہ اگر کہیں اتنی بڑی تہمت اُن کے سر نہ رکھی جاتی تو وہ کلمات ہرگز ان کے زیر قلم نہ آسکتے تھے۔ پھر کسی غلطی کا اگر امکان تھا تو چلئے یہ کسی خاص فرد میں ہوسکتا تھا لیکن جمہور امت اور صحابہ وتابعین پھر ائمہ دین اور مفسرین وشارحین سب ہی کا ایک بدیہی البطلان غلطی پر متفق ہو جانا یہ کیونکر قرین قیاس مانا جاسکتا ہے۔ چلئے اگر یہ مسئلہ الٰہیات کے دقیق مسائل یا حیاتِ برزخی کے بالاتر از فہم کیفیات کی طرح کوئی باریک مسئلہ ہوتا تو بھی کسی غلط فہمی کا امکان تھا مگر ایک شخص کی موت وحیات کا مسئلہ تو کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہ تھا جس کے فہم میں کوئی دشواری تھی یا اس میں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش تھی یہ تو عام انسانوں سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی جماعت تک کی ایک عام سنت بشری تھی پھر انبیاء علیہم السلام کی تمام جماعت میں سے ان ہی کی موت میں غلط فہمی کیوں پیدا ہوگئی اور حیرت در حیرت یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی صاف نہ ہوسکی بلکہ اور مستحکم ہوتی رہی۔ پس اگر حقیقت حال یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی ہے تو پھر کسی تاریخ سے یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہوگا کہ کم از کم مسلمانوں میں اس کے خلاف ان کی حیات کے عقیدہ کی بنیاد کب سے پڑی لیکن یہاں تو ہم جتنا صحابہ و تابعین اور اُن سے اوپر احادیث مرفوعہ کی طرف نظر کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی ہم کو رفع ونزول کا ثبوت اور بہم پہنچتا چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس آخر میں موت کے عقیدہ کی بدعت سیئہ جس کسی فرد نے ایجاد کی ہے تاریخ انگلی رکھ کر اس کا نام ونشان بتاتی ہے اور ہمیشہ اس کو مسلمانوں کے خلاف عقیدہ کا شخص شمار کرتی ہے حتیٰ کہ اس مدت میں جو مدعی مسیحیت گذرے ہیں وہ بھی اپنے دعویٰ سے قبل تمام عمر اس بارے میں عام امت کے ساتھ ہی نظر آتے ہیں یہ بات دوسری ہے کہ جب زمین ہموار ہوگئی اور انہوں نے خود مسیح ہونے کا دعویٰ شروع کیا تو پھر جس عقیدہ پر اُن کی ساری عمر گذری تھی اسی کو انہوں نے مشرکانہ عقیدہ ٹھہرا دیا بلکہ اس سے بڑھ کر اس مضمون کی صحیح سے صحیح حدیثوں کے متعلق ردی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے مکروہ ترین الفاظ بھی لکھ مارے ہوں۔ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر وفات پاچکے ہیں تو اُن کے متعلق قرآن وحدیث میں کہیں موت کا صاف لفظ کیوں نہیں

✻ اس مقام پر دقیقہ بھی قابل فروگذاشت نہیں ہے کہ ایک انسان کی موت کا واقعہ کونسا پیچیدہ واقعہ ہے جس کے بیان کرنے میں ایک معمولی سے معمولی انسان کو بھی کوئی دشواری ہوسکتی ہے اگر قرآن کریم کسی ایک جگہ بھی صراحت کے ساتھ یہ لفظ فرما دیتا کہ ''ان عیسٰی مات'' یعنی عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہیں تو بس اسی ایک لفظ سے ساری بحثیں ختم ہوجاتیں اور بے وجہ لفظ توفی پر دفتر کے دفتر خرچ کرکے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہتی کہ توفی لغت عرب میں موت کے ہم معنی ہے۔ افسوس ہے کہ لفظ توفی کے موت کے معنی میں ثابت کرنے کے لئے تو عمریں صرف کی گئیں مگر اس پر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہ کیا گیا کہ جب عربی زبان میں موت کے لئے دوسرا صاف لفظ موجود تھا تو پھر یہاں موضع اختلاف میں اس صاف اور سیدھے لفظ کو چھوڑ کر ایسے مشتبہ لفظ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے جو بڑی کاوشوں کے بعد بھی موت میں منحصر نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ عیسائی یہ ڈنکہ بجا رہے ہوں کہ وہ اللہ تھے والعیاذ باللہ تو کیا یہ بات سیدھی اور صاف نہ تھی کہ اللہ کا سب سے پہلا نام ''اَلْحَیُّ'' ہے اور عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو نصاریٰ ہی کی تردید کے لئے اُتری اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' کہہ کر

www.besturdubooks.net

ان کی تردید کی گئی مگر ساری سورت میں ایک بار بھی عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں موت کا لفظ نہ بولا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ عام انسانوں کی موت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ✲ یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ صرف عام انسانوں کی موت پر قیاس کر کے طے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عام انسانوں کی حیات و موت سے قومی تاریخ یا مذہبی عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے یہاں طویل گمشدگی کو بھی موت کا قرینہ بنالیا جاتا ہے لیکن ایک ایسے اولوالعزم نبی کی وفات کا مسئلہ جس کی حیات و موت کی بحث دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سے چل رہی ہو پھر جس کی حیات کے واضح اور مستحکم دلائل بھی موجود ہوں اس کو صرف عام انسانوں پر قیاس کر کے کیسے طے کیا جا سکتا ہے یہ بالکل اتنا ہی غیر معقول ہے جتنا کہ کسی ایسے زندہ شخص کی طویل گمشدگی سے اس کی موت کا حکم لگا دینا جس کی حیات کی شہادت معتمد اخبارات کے ذریعہ بھی اور خود اُس کے بیانات سے بھی مسلسل موصول ہو رہی ہو یہاں کوئی عاقل ایسا نہیں ہوگا جو ان حالات میں صرف اس کی مدت سفر کے غیر معمولی طوالت کی وجہ سے اس کے ترکہ تقسیم کا دعویٰ کسی عدالت میں دائر کر سکے اور نہ کوئی عدالت یہاں اُس کی وراثت کی تقسیم کا حکم دے سکتی ہے۔

خوب یاد رکھو جہاں کوئی معاملہ خاص دلائل کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے وہاں صرف عام قیاسات سے کوئی حکم لگانا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ مثلاً آج جبکہ فرعون کی لاش پختہ ثبوت کے ساتھ دریافت ہو چکی ہے تو اب محض اس بناء پر اس کا انکار کرنا کہ ایک غرق شدہ لاش کا وہ بھی سینکڑوں سال کے بعد صحیح و سالم برآمد ہونا چونکہ عام دستور کے خلاف ہے اس لئے فرعون کی لاش کا برآمد ہونا بھی قابل تسلیم نہیں یا قابل یقین نہیں ہے ظاہر ہے کہ اس قیاس کی عقل و تاریخ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ بھی ہے۔ یہاں صرف عام قیاسات اور عام دلائل پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُن کا معاملہ قرآن و حدیث کے واضح سے واضح اور مستقل طور پر علیحدہ بیان میں آ چکا ہے۔

حیات و موت کا مسئلہ دنیا کے عام واقعات میں شامل ہے پھر قرآن و حدیث میں اس کی اہمیت کیوں ہے ✲ اس امر پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ حیات و موت دنیا کے عام واقعات میں شامل ہیں بہت سے انبیاء علیہم السلام فوت ہوئے اور بہت سے نااہل اُمتوں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے اسی طرح مستقبل میں بہت سے مبارک اور نامبارک افراد و اشخاص کے ظہور کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں مگر آخر ان سب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور اُن کی حیات کے مسئلہ کی اہمیت کیا تھی کہ کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم تک نے اس کے بیان و ایضاح کا اہتمام کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار اُن کے متعلق نزول کی پیشگوئی فرمائی اور اس کی اتنی تفصیلات فرمائی ہیں جتنی کہ کسی اور دوسرے شخص کے متعلق نہیں فرمائیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ابھی باقی ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح فوت ہو چکے ہوتے تو جس طرح اُن کی موت اور سوانح موت کی تفصیلات سے سکوت اختیار کر لیا گیا تھا۔ یہاں بھی سکوت اختیار کر لیا جاتا مگر چونکہ اُن کو ابھی دوبارہ تشریف لانا باقی تھا اس لئے آپ نے اُن کی آمد کی تفصیلات کا خاص اہتمام فرمایا ہے تا کہ جن کے متعلق پہلی بار دو بڑی قومیں گمراہ ہو چکی تھیں دوسری بار اب وہ اپنی اپنی غلطیوں کو صاف طور پر سمجھ جائیں اور اجتماعی حیثیت سے جس طرح وہ

www.besturdubooks.net

پہلی بار کفر پر جمع ہوگئی تھیں اس مرتبہ ایمان پر جمع ہوسکیں اور و ان من اھل الکتاب الا لیؤمن بہ قبل موتہ کی پیشگوئی پوری آب وتاب سے پوری ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واضح اور شافی بیان جس طرح کہ اس امت پر ایک احسان عظیم ہے اسی طرح دوسری امتوں پر بھی ہے کہ اُن کو صرف آپ کے طفیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح معرفت اور ان پر صحیح ایمان کا سامان میسر آ گیا اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و برتری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مسائل جو آج تک اُلجھے ہوئے چلے آ رہے تھے وہ آپ کے دور میں کس طرح سلجھتے چلے جا رہے ہیں۔

نافہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ جن کی پہلی آمد امتوں کے فتنے کا موجب بنی اُن کی دوسری آمد سے ہدایت کی کیا توقع ہوسکتی ہے اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی ذمہ داری اگر تمام تر اُمتوں پر عائد ہوتی ہے تو اُن کی دوبارہ آمد میں خطرہ کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود اُن ہی پر عائد ہے والعیاذ باللہ تو یہ براہ راست خدا کے ایک معصوم رسول پر حملہ ہے اور صحیح معنی میں یہود کی اتباع ہے ہمارے بیان سے یہ واضح ہوگیا کہ اُن کی دوبارہ تشریف آوری درحقیقت اسی عمیق حکمت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ بات عالم آشکار کردی جائے کہ جن کو جماعتوں نے مرکز ضلالت ٹھہرایا تھا یہ ان کی شقاوت تھی درحقیقت وہ مرکز ہدایت تھے اور اس طرح جہاں ایک طرف اُن کی بزرگی ثابت ہو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان بھی ظاہر ہو۔ کہ اب جو جہان بھر کے نافہم تھے وہ آپ کے دور میں کتنے بافہم تھے وہ آپ کے دور میں کتنے بافہم بن چکے ہیں۔

خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ نزول کی اہمیت ✻ یہ امر بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے تو حدیثوں میں نزول کی پیشگوئی خاص اسی نام و نسبت کے شخص کے متعلق کیوں کی گئی ہے اور کیوں صاف طور پر دنیا کے دستور کے موافق اُس کا وہی نام ذکر نہیں کیا گیا جو اس کا اصل نام تھا نیز یہ سوال بھی اہم ہے کہ کسی ایک حدیث میں ان کے متعلق ولادت کا سیدھا لفظ کیوں نہیں فرمادیا گیا تا کہ یہ بات صاف ہو جاتی کہ جو شخص آئندہ آنے والا ہے وہ عام انسانوں کی طرح کسی وقت پیدا ہوگا اور وہ مسیح اسرائیل نہیں بلکہ کوئی اور دوسرا انسان ہے بالخصوص جبکہ امام مہدی اور دجال جو بھی مبارک ونامبارک انسان آئندہ ظاہر ہونے والے تھے اُن کے حق میں ولادت ہی کا صاف لفظ بولا گیا ہے اور اُن کی وہی نام ونسبتیں ذکر فرمائی گئی ہیں جو اُن کی اصل نام ونسبتیں تھیں۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر مسیح ابن مریم درحقیقت فوت ہو چکے تھے اور ان کی بجائے کوئی اور شخص ان کا ہمرنگ اس اُمت میں پیدا ہونے والا تھا تو اُس کے حق میں کہیں ولادت کا لفظ بولا نہ جاتا اور کسی ایک حدیث میں اس کے اصل نام ونسبت کی تصریح نہ کی جاتی اور کہیں اُس کے اصل شہر اور محل پیدائش کا پتہ بتایا نہ جاتا بلکہ ہر ہر مقام پر وہی نام ونسبت وہی شہر وہی تمام صفات اور وہی حلیہ ذکر کیا جاتا جو درحقیقت مسیح اسرائیل کا تھا۔ کیا جس نام ونسبت والے شخص کے متعلق عیسائی قوم دوبارہ آمد کا انتظار کر رہی تھی اسی نام ونسبت والے شخص کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کر کے عیسائیوں کی کھلے طور پر تائید کرنی نہیں ہے اس اندازِ بیان کا مطلب ایک سیدھی بات کو اور اُلجھا دینا اور ہدایت کی بجائے اور گمراہی میں مبتلا کرنا ہے والعیاذ باللہ۔ پس اگر صرف اسی ایک بات پر غور کرلیا جاتا کہ حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بار بار کیوں نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور کیوں ایک مرتبہ بھی ولادت کا لفظ نہیں بولا گیا اور

www.besturdubooks.net

کیوں تمام مقامات پر اُسی اسرائیلی رسول بزرگ کے نام نسبت اور شکل وشمائل کو ذکر کیا گیا ہے اور کیوں اس کا اصل نام ونسبت ذکر نہیں کیا گیا تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی کہ یقیناً وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں جو ایک بار پہلے آ چکے ہیں اور وہ زندہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں اُن کو نازل ہونا ہے۔ حدیثوں کے اس واضح بیان کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حدیثوں کی تاویل کرنا اور اُن کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک پیدا ہونے والا انسان شمار کرنا ٹھیک اسی طرح تحریف ہوگا جیسا امام مہدی علیہ السلام یا دجال کے بارے میں ولادت کے صاف لفظ مذکور ہو جانے کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ امام مہدی علیہ السلام اور دجال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان سے نازل ہوں گے پس جس طرح امام مہدی علیہ السلام کے حق میں اُن کے نزول کی بجائے اُمت کو اُن کی ولادت ہی کا انتظار ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کی پیدائش کے بجائے اُن کے اترنے کا انتظار ہونا چاہیے۔ ہم کو اس کا کوئی حق نہیں کہ حدیثوں میں جہاں صاف طور پر نزول کا صاف لفظ آ چکا ہے وہاں اُس کے معنے ولادت کے اور جہاں ولادت کا صاف لفظ وارد ہے اس کے معنی نزول کے کر ڈالیں۔

غیر موقت پیشگوئیوں کا انکار یا تاویل دونوں خطرناک اقدام ہیں ✸ جو پیشگوئیاں موقت نہیں ہیں ان کے متعلق بل از وقت تھک کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا مسیح ومہدی جب آج بھی نہ آیا تو آخر کب آئے گا بالکل کفار کے اس قول کے مشابہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں قیامت کے بارے میں کہا تھا ﴿وَ يَقُولُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا﴾

حقیقت یہ ہے کہ اسلام چونکہ قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے اس لئے اس کی پیشگوئی کا دامن بھی قیامت تک وسیع رہنا چاہیے بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہو چکیں پھر کچھ حصہ ہے صحابہ کے زمانہ میں پورا ہوا اس کے بعد اسی طرح ہر دور میں اُن کا ایک ایک حصہ پورا ہوتا رہا حتی کہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ کا کوئی دور خالی نہیں گذرا جس میں آپ کی پیشگوئی کا کوئی نہ کوئی حصہ آنکھوں کے سامنے نہ آتا رہا ہو۔ ۴۷ء میں ہنگاموں کی سرگذشت بہت مختصر اور جامع الفاظ میں اگر آپ کو پڑھنی ہو تو آپ اُن الفاظ میں پڑھ لیجئے جو صحیح مسلم میں موجود ہیں ''ایک زمانہ آئے گا جس میں ایسی جنگ ہوگی کہ قاتل کو یہ بحث نہ ہوگی کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو یہ علم نہ ہوگا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے''۔ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان ہنگاموں میں قتل کا یہی نقشہ تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان اور ایک جماعت دوسری جماعت کے قتل کے در پے تھی اور کسی کو اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ اُس کے موافق ہے یا مخالف۔ قتل کرنے والا کس گناہ میں دوسرے کو قتل کر رہا ہے اور مقتول کیوں مفت مارا جا رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی پیشگوئیوں کو صرف گذشتہ زمانہ میں ختم کر دینا اور مستقبل میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں کا قبل از وقت انتظار کر کر کے تھک جانا اور ان کے انکار پر آمادہ ہو جانا درحقیقت یہ آپ کی عموم بعثت کا انکار ہے کیونکہ اگر آپ کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے تو پھر اس کی صداقت کے نشانات بھی دُنیا کے ہر دور کے انسان کے سامنے آنے چاہئیں اسی لئے قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کی سب پیشگوئیاں آپ ہی کی حیات طیبہ میں پوری ہوں گی۔ بلکہ بعض یعنی کچھ کا لفظ فرمایا۔

﴿فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ (یونس: ۱۱)

www.besturdubooks.net

﴿وَ اِنْ یَکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ وَ اِنْ یَکُ صَادِقًا یُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ﴾ (غافر : ۲۴)

اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق بھی آپ قبل از وقت انتظار کر کے خود بخود تھک جائیں اور پھر صریح حدیثوں کی ایسی ایسی تاویلیں کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں جو دُنیائے عالم میں قابل مضحکہ اور سارے دین میں شبہ کا باعث بن جائیں کیونکہ جب دین کے ان واضح الفاظ کی یہ حقیقت ثابت ہو تو پھر کیا اطمینان کیا جاسکتا ہے کہ ذات وصفات اور حشر ونشر اور جنت ودوزخ کے واضح الفاظ کی صحیح حقیقتیں کیا ہوں گی اور اس طرح پورے کے پورے دین پر کیا اطمینان باقی رہ سکتا ہے۔

قرآن کریم میں نزول کا مسئلہ بھی رفع جسمانی کی طرح صاف طور پر کیوں ذکر میں نہیں آیا ٭ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور مقتول نہ ہونے کا تذکرہ صرف یہود کے اسباب لعنت کے بیان کے ضمن میں آ گیا ہے اس ضمن میں قرآن شریف نے یہ نقل کیا ہے کہ یہود واقع کے خلاف اُن کے قتل کرنے کے مدعی ہیں اور نصاریٰ گو بہت سے بے تحقیق باتیں بناتے ہیں مگر اجمالاً اُن کے رفع کے قائل ہیں اس لئے یہاں قابل توجہ صرف یہی مسئلہ تھا کہ وہ مقتول ہوئے یا نہیں اور اگر مقتول نہیں ہوئے تو آسمان پر اُٹھائے گئے یا نہیں رہا اُن کے نزول کا مسئلہ تو وہ کسی مقام پر بھی زیر بحث نہیں آیا۔ پھر ہم کو کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نزول یا عدم نزول کا مسئلہ کبھی اہل کتاب نے آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ لہٰذا جب یہ مسئلہ کہیں آپ کے سامنے زیر بحث ہی نہیں آیا اور نہ قرآن کریم ہی کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو اب صراحت کے ساتھ نزول کا لفظ ذکر ہوتا تو کیسے ہوتا ہاں اگر نزول کا مسئلہ بھی اس وقت کہیں زیر بحث آ جاتا تو جس طرح یہاں رفع کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہوا تھا نزول کا لفظ بھی یقیناً اسی طرح صراحت کے ساتھ ذکر ہو جاتا لیکن جب یہ مسئلہ کہیں زیر بحث آیا ہی نہیں تو اب قرآن کریم میں صراحت لفظ نزول کا مطالبہ کرنا کتنی بڑی بے انصافی ہے اور اگر بالفرض یہ لفظ مذکور ہو بھی جاتا ہے جب بھی حیلہ جو طبیعتوں کو فائدہ کیا تھا؟ آخر صحیح سے صحیح حدیثوں میں یہ لفظ بار بار آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قسموں کے ساتھ آیا مگر پھر اُن کو کیا فائدہ ہوا۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یعنی آمد ثانی کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر اس وقت وہ زیر بحث ہی نہ تھا۔ ہاں قومی تاریخ کے لحاظ سے جو فرقہ اُن کے رفع جسمانی کا قائل تھا وہ اُن کی آمد ثانی کا بھی منتظر تھا اور اب تک ہے اور جو اُن کے قتل کا مدعی تھا اُن کے نزدیک اُن کی آمد ثانی محل بحث ہی کیا ہو سکتی تھی پس اگر یہاں قرآنی فیصلہ اُن کے رفع کا ہو جاتا ہے تو اُن کے نزول کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اگر تحقیق یہ ہو کہ وہ مقتول ہوں گئے (والعیاذ باللہ) تو پھر ایک شخص کے دوبارہ آمد کی بحث ہی پیدا نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر قرآن کریم کی کسی آیت میں رفع کے صاف لفظ کی طرح نزول کا لفظ مذکور نہیں تو اس سے مسئلہ نزول کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا پھر خاص نزول کا لفظ مذکور ہونا ہی کیوں ضروری ہے جبکہ قرآن کریم یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابھی وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب کو اُن پر ایمان لانا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اور ابھی تک اُس کو موت نہیں آئی ضرور ہے کہ وہ زمین پر نازل ہوتا کہ اہل کتاب اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اُن پر ایمان لے آئیں اور وہ اپنی مقررہ مدتِ عمر پوری کر کے دنیا کی آنکھوں کے سامنے وفات پا کر مدفون ہو۔ اسی

www.besturdubooks.net

لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث روایت کرکے فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کے الفاظ میں دیکھنا چاہو تو سورۂ نساء کی یہ آیت پڑھ لو۔ ﴿وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ﴾

آیت بالا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لئے جو سب سے زیادہ صاف اور واضح لفظ ہوسکتا تھا وہ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ کا لفظ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جس زندہ شخص کی اب تک وفات ثابت نہیں ہوئی اُس کی حیات کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت کیا ہے۔ یہاں جو شخص اُن کی موت کا مدعی ہو یہ فرض اُس کا ہے کہ وہ اُن کی موت ثابت کرے۔ پھر آیتِ بالا میں خاص اہل کتاب کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو اُن پر اس وقت بھی صحیح ایمان حاصل ہے لہٰذا جن کا ایمان لانا قابل ذکر ہو سکتا تھا وہ صرف اہل کتاب کا ایمان ہے اب اگر فرض کرلو کہ اہل اسلام بھی نصاریٰ کی طرح اُن کے سولی پر چڑھنے کو تسلیم کرتے ہوں یا یہود کی طرح اُن کے مردہ ہونے کے قائل ہوں تو پھر اہل اسلام کا ایمان بھی اُن پر صحیح ایمان نہیں رہتا اہل کتاب اگر اس بارے میں ایک غلطی پر ہیں تو اہل اسلام بھی دوسرے اعتبار سے غلطی میں مبتلا ہیں پھر اس تخصیص کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

قرآن کریم نے جہاں اُن کی موت کی صاف نفی فرما کر یہ بتایا ہے کہ ابھی آئندہ زمانہ میں اہل کتاب کو اُن پر ایمان لانا باقی ہے اسی طرح دوسری طرف یہ بھی تصریح کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُن پر شہادت دینا باقی ہے ان دونوں باتوں کے لئے اُن کی تشریف آوری لازم ہے کیونکہ شہادت شہود سے مشتق ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام جب تک کہ پھر تشریف لا کر ان میں موجود نہ ہوں اُن پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ﴿وَ كُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ﴾ (المائدہ: ۱۱۷) یعنی میں اُن پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں موجود رہا اور جب تو نے مجھ کو اُٹھا لیا تو تو ہی اُن کا نگران حال تھا۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دو زمانے گذرے ہیں ان میں سے آپ کی شہادت کا زمانہ صرف وہ ہے جس میں کہ آپ اُن کے اندر موجود تھے اور دوسرا زمانہ جس میں کہ آپ اُن میں موجود نہ تھے وہ آپ کی شہادت سے خارج ہے پس آئندہ اہل کتاب پر آپ کی شہادت کے لئے دوبارہ آپ کی تشریف آوری ضروری ٹھہری۔ اسی لئے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل فرماتے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ صحابی جلیل القدر تو نزول کی پیشگوئی کو قرآنی پیشگوئی کہتا ہے ایک بدنصیب جماعت وہ ہے جو اس کو حدیثی پیشگوئی بھی کہنے کو تیار نہیں۔

وَ مَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ

قرآن کریم کے رفع جسمانی اور حدیث کے نزولِ جسمانی کے اہتمام فرمانے کی حکمت

✹ حجیت حدیث کے مضمون میں ہم یہ بات پوری وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ حدیث و قرآن کے مابین متن و شرح کی سی نسبت ہے۔ آیاتِ قرآنیہ اور تشریحاتِ حدیثیہ پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے یہ حقیقت آپ کو اتنی ہی روشن ہوتی چلی جائے گی اسی لئے آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں کہیں قرآن کریم کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مسئلہ کا ایک پہلو اپنے بیان میں لے لیتا ہے تو فوراً اُس کا دوسرا پہلو حدیث لے لیتی ہے اور جس طرح مسئلہ کے دونوں پہلو صاف ہوتے چلے جاتے ہیں اور درحقیقت حدیث کے بیان کہلانے کا

www.besturdubooks.net

منشا بھی یہی ہے۔ مثلاً جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے صف رجال میں ایک تباہ کن فاحشہ کی بنیاد ڈالی تو قرآن کریم نے اس عمل کی حرمت کا تذکرہ بھی صرف رجال یعنی مردوں ہی میں فرمایا اور صنف نساء میں بے وجہ اس عمل کی حرمت پر زور دینا اپنے انداز بلاغت کے خلاف سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جب اس ماحول میں اس نوع کا وجود ہی نہ ہوتو پھر اُس کا تذکرہ کر کے خواہ مخواہ ذہنوں کو اس طرف متوجہ کیوں کیا جائے لیکن چونکہ شرعی نظر میں ان دونوں عملوں کی حرمت یکساں تھی اس لئے حدیث نے صنف نساء میں اس کی حرمت کا اسی شد و مد سے اعلان کیا جس طرح کہ قرآن کریم نے صنفِ رجال میں اس کی حرمت کا اعلان کیا تھا اور اس طرح دونوں صنفوں کے احکام وضاحت سے ہمارے سامنے آ گئے۔ ہمارے اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ اس عمل کے حرمت کی قرآن کریم میں صنف رجال کی تخصیص اور حدیث میں صنف نساء کی تخصیص کا سبب کیا ہے اسی طرح ساوی عذر کے ایام میں صنف نساء کے ساتھ حدود اعتزال اور اختلاط کا مسئلہ ہے یعنی اس زمانہ میں عورتوں سے کس حد تک الگ رہنا چاہیے اور کہاں تک اُن سے اختلاط رکھا جا سکتا ہے۔ یہاں یہود نے تو اجتناب نجاسات کے باب میں اتنا مبالغہ کر رکھا تھا کہ ان ایام میں وہ اپنے گھروں میں بھی داخل نہ ہوتے تھے اور نصاریٰ نے اتنی لاپرواہی اختیار کر لی تھی کہ نجاسات سے اجتناب کرنے کا ان کے ہاں باب ہی ندارد تھا۔ دیکھو الجواب الصحیح ج ا ص ۲۳۲) جب اس مسئلہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو چونکہ یہاں قرآن کریم نے اپنے بیان میں اعتزال کا پہلو لے لیا تھا اور یہی ضعف بشریٰ کے مناسب بھی تھا اور صاف فرما دیا تھا کہ ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ ان ایام میں عورتوں سے الگ رہو۔ تو اس کے جواب میں آپ نے اپنے قول وعمل سے فوراً حدود اختلاط بیان فرما دیئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب آیت ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿اصنعوا كل شيء الا النكاح﴾ یعنی ان ایام میں ہم بستری کے علاوہ سب کچھ جائز ہے۔ اب اندازہ فرمایئے کہ قرآن کریم نے تو لفظ اعتزال کا فرمایا تھا پھر آپ نے اُس کی تشریح میں حدود اختلاط کیوں بیان فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدود اعتزال اس وقت تک معین ہی نہیں ہو سکتی تھیں جب تک کہ حدود اختلاط بیان میں نہ آ جائیں۔ و بضدها تتبين الاشياء لہٰذا یہاں وہ حدیثیں جو ان ایام میں امہات المؤمنین کے ساتھ آپ کے اختلاط کے متعلق روایت کی گئی ہیں اسی روشنی میں پڑھنی چاہئیں تاکہ یہ بات پورے طور پر حل ہو جائے کہ ان میں آپ نے اس تاکید کے ساتھ اُس کی عملی وضاحت کی کیا ضرورت سمجھی تھی۔ غرض جہاں بھی قرآن کریم نے مسئلہ کے عموم کے باوجود کسی وقتی مصلحت سے اس کا ایک پہلو بیان میں لے لیا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو فوراً حدیث نے لے لیا ہے اور درحقیقت حدیث کے بیان ہونے کا یہی منشاء بھی ہے۔ اسی مقام سے حدیث کی اہمیت اور اُس کی ضرورت کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

اس مقدمہ کے ذہن نشین کر لینے کے بعد جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معاملہ پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جب قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا مسئلہ وضاحت سے آ چکا تھا تو یہاں حدیث کا فرض بھی ہونا چاہیے کہ وہ اسی ضابطہ کے ماتحت رفع کے بعد نزول کا مسئلہ جو اُس کا دوسرا پہلو ہے پورے طور پر روشن کر دے اسی لئے نزول کا دوسرا پہلو حدیثوں میں اتنی تفصیل و تاکید سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا اور اس کو مختلف صحابہ اور مختلف مجلسوں میں پیرایہ بہ پیرایہ اتنا واضح فرما

www.besturdubooks.net

دیا کہ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں کسی شبہ کا محل باقی نہیں رہا- دوسری طرف قرآن کریم کے لفظ رفع کی ایسی تشریح ہوگئی کہ اب اس میں ادنیٰ سا ابہام بھی باقی نہ رہا- اب آپ قرآنی لفظ رفع اور حدیث کے لفظ نزول کو جتنا ملا ملا کر پڑھیں گے اتنا ہی اُن کے رفع جسمانی اور نزول جسمانی کا مسئلہ آپ کے سامنے کھلتا چلا جائے گا- کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جسم کے ساتھ اترے گا وہ یقیناً جسم ہی کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور جو جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اس کو یقیناً دوبارہ اپنے جسم ہی کے ساتھ اترنا چاہئے-

اب یہ عقیدہ بھی حل ہوگیا کہ حدیثوں میں جس کثرت کے ساتھ نزول کا تذکرہ ملتا ہے اس کثرت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا اور اسی طرح قرآن کریم میں جس صراحت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ ملتا ہے اس صراحت کے ساتھ نزول کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا- حقیقت یہ ہے کہ جب قرآن کریم ان کے رفع کی تصریح فرما چکا تھا تو اب حدیث کی نظر میں یہ مسئلہ تو ایک طے شدہ مسئلہ تھا اس کے تکرار کی ضرورت کیا تھی اس لئے حدیثوں میں اس کے دوسرے پہلو پر یعنی نزول پر زور دیا گیا ہے اور اسی پہلو پر زور دینا مناسب بھی تھا-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جتنی تفصیلات ثابت ہو چکیں کیا اسکے بعد بھی یہاں تاویل کرنا معقول ہے ٭ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہر ممکن تشریح کے ساتھ معرض بیان میں آچکا ہے یعنی آپ کا اسم مبارک آپ کا نام ونسب اور اس خاص نسب نامہ کی خصوصیت یعنی صرف ماں سے آپ کی پیدائش آپ کا حلیہ مبارک' اس شہر کا نام جہاں آپ کا نزول ہوگا اور پھر خاص اس جگہ کا نام بھی جہاں آپ کا نزول ہوگا' نزول کا وقت اور اس وقت آپ کا مکمل نقشہ نزول کے بعد پہلی نماز میں آپ کا امام یا مقتدی ہونا' آپ کا منصب' آپ کی خدماتِ مفوضہ' آپ کی مدت قیام' آپ کے دور کی محیر العقول فراوانی اور عدل وانصاف' آپ کی زندگی کے اہم کارنامے' آپ کی شادی کرنا اور اولاد ہونا حتیٰ کہ آپ کا وفات پانا اور آپ کے مدفن کی مکمل تحقیق- اب انصاف سے فرمایئے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے آپ کو اور کن تفصیلات کا انتظار ہے- اب سوال یہ ہے کہ کسی واقعہ کی تعیین و تشریح کے لئے اس سے زیادہ آخر اور کیا طریق اختیار کیا جائے- آج دنیوی مقدمات میں صرف مدعی اور مدعی علیہ اور اُن کے باپ دادوں کے نام ان کی تعیین کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں اور آئندہ ہم قدمہ کی تمام کارروائی اسی معین شدہ شخص سے متعلق سمجھی جاتی ہے اسی طرح خطوط' بیمے' منی آرڈر اور رجسٹریاں وغیرہ صرف شہر اور اس شخص کے نام لکھ دینے سے اس کو تقسیم کردی جاتی ہیں حیرت ہے کہ جب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ میں معمولی درجہ کی تعیین کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اتنی مفصل تاریخ کیوں ناکافی ہے- اچھا فرض کرلیجئے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ آپ خود اپنی عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو آخر آپ وہ اور کس طرح ادا کریں گے کہ اس کے بعد اس میں کوئی ابہام باقی نہ رہے- اگر درحقیقت اس پیشگوئی کا مصداق رسول اسرائیل کی بجائے خود اسی امت کا کوئی فرد ہو جو اسی امت میں پیدا ہونے والا ہو جس کا نہ یہ نام ہو نہ یہ نسب نامہ نہ یہ حلیہ نہ یہ جائے نزول نہ یہ منصب اور نہ یہ کارنامے تو کیا اس بیان کو ایسے شخص کے حق میں ایک گمراہ کن بیان نہ کہا جائے گا- کیا آج کسی شخص کی پیدائش کا معمولی مسئلہ کوئی ادنیٰ زبان داں شخص بیان کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسی طرح اس کو مجاز و استعارہ کی بھول بھلیاں میں ادا کرے گا چہ جائے کہ ایک رسول اور رسول بھی وہ جو افصح العرب والعجم ہو پس اگر دنیوی معاملات میں

www.besturdubooks.net

بادشاہوں سے لے کر فقراء اور اولیاء سے لے کر رسولوں تک کی پیدائش کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کئے جاتے تو پھر مجاز و استعارہ کی یہ ساری رام کہانی خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے بارے میں کیوں گائی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم لفظ رفع کا ہے توفی کا لفظ قرآن کریم کی نظر میں اتنا اہم نہیں ✱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سورہ آل عمران میں تین لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ توفی۔ رفع الی اللہ اور تطہیر اور سورہ نساء میں جہاں اُن کے مقدمہ پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے وہاں صرف رفع الی اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ان تینوں الفاظ میں تطہیر کا لفظ توفی و رفع کے تابع ہے کیونکہ کفار سے ان کی تطہیر کا مقصد ان سے ان کی علیحدگی تھی اب وہ خواہ کسی صورت سے بھی ہو اس لئے قابل بحث دو ہی لفظ ہیں۔ توفی۔ رفع الی اللہ۔ ان دو میں سے جس لفظ کو ان کے مقدمہ میں بصیغہ ماضی ذکر کیا گیا ہے وہ صرف لفظ رفع کا ہے جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ توفی اور رفع کے دو وعدوں میں سے رفع کا وعدہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے پہلے پورا ہو چکا تھا اور اسی لئے اس کو بصیغہ ماضی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ہاں سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان سے توفی کا لفظ گو بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حسب تصریح قرآن کریم وہ ان کے مقدمہ کے ذیل میں نہیں ہے بلکہ اس سوال کے جواب میں ہے جو محشر میں اُن سے ہوگا اور ظاہر ہے کہ قیامت سے قبل اُن کی موت واقع ہونا سب کو مسلم ہے لیکن جہاں قرآن کریم نے اُن کے مقدمہ پر بحث کی ہے اور اُن کے معاملہ کے انکشاف کی طرف توجہ فرمائی ہے وہاں صرف لفظ رفع ہی استعمال فرمایا ہے اور توفی کا لفظ ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ سورہ نساء میں ہے۔ ﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر توفی کے معنی موت ہوتے اور اُن کی موت واقع ہو چکی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہاں بل تَوَفَّاهُ اِلَيْهِ فرمایا جاتا۔

خلاصہ یہ کہ اس معاملہ میں اصل فیصلہ کن لفظ رفع کا ہے اسی لئے مقدمہ کے فیصلہ میں خاص طور پر اسی لفظ پر زور دیا گیا ہے اور توفی کے لفظ کو اہمیت نہیں دی گئی اس لئے یہاں جنھوں نے لفظ توفی کی لغوی تحقیق پر اپنا وقت خرچ کیا ہے وہ بالکل ضائع کیا ہے کیونکہ توفی خواہ کسی معنی میں بھی مستعمل ہو مگر قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا یہ امر قابل غور نہیں ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو آخر ہر مقام پر اس حقیقت کا اخفاء کیوں کیا گیا ہے اور کیوں صاف الفاظ میں یہ نہیں فرمادیا گیا۔ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ مَاتَ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ پوری تفصیلات کے ساتھ زیر بحث آچکا ہے یہاں اُن کے معاملہ میں ایک ایک لفظ پر علیحدہ بحث کرنا معقول نہیں ✱ یہ بات بھی بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معاملہ قدرے مشترک طور پر ایک قومی تواتر رکھتا ہے۔ کتب سابقہ سے لے کر قرآن کریم اور احادیث نبویہ تک اُس کے جزئی جزئی واقعات کی تفصیل آچکی ہے۔ یہاں کتب لغت اٹھا کر صرف نزول یا صرف لفظ رفع یا صرف توفی کے الفاظ پر علیحدہ علیحدہ بحث کرنی صرف ایک بے معنی بحث ہے بلکہ ایک حقیقت کے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں

www.besturdubooks.net

جتنے تفصیلی واقعات معرضِ بیان میں آچکا ہیں اُن کی روشنی میں ان الفاظ کے معنی متعین کیے جائیں کیونکہ الفاظ صورت واقعہ کے بغیر ایک وسیلہ ہوتے ہیں یہاں واقعہ سے قطع نظر کر کے الفاظ میں مجاز و استعارہ کی بے وجہ بحث کھڑی کر دینی حد درجہ غیر معقول ہے۔ پس کسی لفظ کے معنی حقیقی یا مجازی متعین کرنے کے لئے صرف لغت کی عام بحث شروع کر دینی صحیح طریقہ نہیں بلکہ پہلے اُس کے استعمال کا محل اور دوسرے قرائن اور خارجی حالات پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔ مثلاً لفظ ''اسد'' عربی زبان میں اس کے معنی ''شیر'' ہیں۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ عربی اردو محاورات میں ایک بہادر شخص کو بھی مجازاً شیر کہہ دیتے ہیں اب کسی سے صرف ھذا اسد کا جملہ سن کر یہی رٹ لگائے جانا کہ اس جملہ کا مقصد صرف کسی بہادر شخص کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس محاورہ کے لئے دواوین عرب اور شعراء کے کلام سے استدلال کرتے چلے جانا کتنی بڑی غلطی ہے۔ بسا اوقات اس کے متکلم کے لئے باعث ہلاکت بھی بن سکتی ہے' یہاں اس بحث سے پہلے یہ تحقیق کرنی ضروری ہوگی کہ یہ جملہ کس مقام پر کہا گیا ہے بستی میں یا جنگل میں کسی عام مجمع میں یا کسی بیابان میں سیاق کلام کسی کی مدح وثنا کا ہے یا خوف و ہراس کا۔ اب اگر یہ جملہ جنگل میں کسی شخص کی زبان سے نکلتا ہے جس کے سامنے شیر کھڑا ہے اس کی آواز کانپ رہی ہے اور جسم لرز رہا ہے تو اس وقت انصاف فرمایئے کہ لفظ ''اسد'' کے مجازی معنے یعنی بہادر انسان مراد لینا اور اس کے لئے ہزاروں اشعار پڑھ ڈالنا اور یہی کہے چلے جانا کہ اس شخص کی مراد شیر نہیں بلکہ ایک بہادر انسان کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیا ایک صحیح العقل انسان کا کام ہوسکتا ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر بحث معاملہ میں بھی ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھنا لازم ہے جو صحیح طریقوں سے ثابت ہیں پھر جب اس طرف بھی نظر کی جائے گی کہ قرآن و حدیث میں جو جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ الفاظ کسی دوسرے شخص کے حق میں بیک وقت آج تک استعمال نہیں کئے گئے تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا معاملہ ہی سب سے جداگانہ معاملہ ہے چنانچہ لفظ توفی اور رفع کا علیحدہ علیحدہ استعمال قرآن کریم میں آپ کو بہت جگہ نظر آئے گا۔ لیکن ایک ہی شخصیت کے بارے میں یہ دونوں لفظ ایک ہی سیاق میں کسی دوسری شخصیت کے متعلق آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ ہر دو لفظ اس طرح سے فرما دیئے گئے ہیں۔ یٰعِیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ۔ ان کے علاوہ کسی کے حق میں ان دونوں لفظوں کو جمع نہیں کیا گیا۔ اسی طرح نزول کا لفظ بھی محاورات میں بہت جگہ آپ کی نظروں سے گذرے گا لیکن نزول کے ساتھ رفع اور رفع کے ساتھ نزول پھر نزول کی اتنی تفصیلات کسی ایک مقام پر بھی کسی کے حق میں آپ کی نظروں سے نہیں گذریں گی نہ کسی لغت میں نہ شعراء کے کلام میں نہ کسی آیت میں اور نہ کسی حدیث میں پس جب آپ ان جملہ امور پر غور کریں گے کہ حدیث و قرآن میں جو الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں وہ کسی بشر کے لئے بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں کئے گئے تو پھر صرف ایک ہی نتیجہ بدیہی ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا کہ ان کا معاملہ بھی یقیناً سب سے الگ معاملہ ہے۔ یہاں ایک ایک لفظ کو علیحدہ علیحدہ لے کر بحث کرنا یا اس میں مجاز و استعارہ کی آڑ لینا کتنا بے جا ہے سوال سیدھا یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں قرآن و حدیث میں بیک وقت یہ سب الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کے یہ تفصیلی سوانح حیات بھی موجود ہیں کیا اس کے بعد بھی ان میں لغوی موشگافیوں اور مجاز و استعارہ کی تاویلات کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

www.besturdubooks.net

اسلام صرف علمی مذہب نہیں بلکہ سلف صالحین سے اس کی عملی صورت بھی منقول چلی آتی ہے- لہٰذا محض کتب لغت کی حدود سے اس کی کوئی اور شکل بنا لینا درست نہیں ✸ یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام صرف ایک علمی مذہب نہیں ہے جس کو صرف دماغی کاوشوں نے پیدا کیا ہو بلکہ وہ ایک مجموعی شکل وصورت کے ساتھ عملاً بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے- ہمارے دین کا تمام تر تعلق اوپر سے ہے ہم نیچے سے کسی نئے دین تراشنے کے مجاز نہیں اس کے بانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے ان سے صحابہ نے اس کے شعبہ اعمال اور اس کے بنیادی عقائد بھی سیکھے آپ نے ان پر خود بھی ایمان رکھا اور ان ہی پر بعد کی امت کو ایمان رکھنے کی وصیت فرمائی اور پھر کسی درمیان انقطاع کے بغیر اسی طرح دین سپرد ہوتا رہا ہے- ادھر حفاظت الٰہیہ کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ بحث وتمحیص کا جو مرحلہ تھا وہ سب تبع تابعین کے ماحول ہی میں ختم ہو چکا تھا یہ وہ قرآن ہے جس کے متعلق خیریت کی شہادت خود لسان نبوت سے نکل چکی ہے اس لئے جب کسی دین کے مسئلہ پر بحث کی جائے تو اس کو محض دماغی کاوش اور لغت کی مدد سے سرنو شروع کر دینا ایک بنیادی غلطی ہے یہاں ریسرچ کے اصول کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ کام خود انبیاء علیہم السلام کا بھی نہیں اس کو قدرت نے براہ راست خود اپنے ہی دست قدرت میں رکھا ہے- ان کی بھی مجال نہیں کہ حکم ایزدی کے بغیر وہ ایک نقطہ کا اضافہ یا ایک نقطہ کی ترمیم کر سکیں چنانچہ ارشاد ہے-

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ. الخ (یونس:۱۵)

جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ تم سے یہ فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے سواء کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اسی میں کچھ ردوبدل کر دو ان سے کہہ دو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی ردوبدل کر سکوں میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے-

اس ترمیم وتبدیل کا انحصار کچھ الفاظ ہی پر نہیں ہے بلکہ اس کے معانی کو بھی شامل ہے اور وہ لفظی ترمیم سے زیادہ شدید ہے- یہود بے بہبود نے دونوں قسموں کی تحریفیں کی تھیں تورات کے الفاظ میں بھی اور ان کے معانی میں بھی' قرآن کریم چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے وہ دونوں قسموں کی تحریفوں سے محفوظ ہے لفظی ترمیم کا تو یہاں کوئی امکان ہی نہیں رہی معنوی ترمیم وتحریف تو امت کے بعض ملحد فرقوں نے گو اس میں یہود کو بھی مات دے دی ہے مگر اس کی معنوی حفاظت کی وجہ سے وہ اصل دین پر کچھ اثر انداز نہیں ہوگی اور ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کیا جاتا رہا ہے پس اگر کوئی شخص آج یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نمازیں پانچ نہیں صرف دو ہیں اور اسی کے لئے دماغی تراشیدہ دلائل کا ڈھیر لگا دے تو بالکل بے سود سعی ہے اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ امت اوپر سے بھی صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرتی تھی- بلکہ اس کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اگر غلط ہے تو پھر اس کی بنیاد کس دن سے قائم ہوئی اسی طرح مسئلہ جنت ودوزخ' فرشتے اور جنات وغیرہا کی حقیقتیں صرف لفظی بحثوں سے نئی نئی بنا کر پیش کرنی بھی غلط ہے کیونکہ یہ الفاظ جس طرح اوپر سے منقول ہوتے چلے آئے ہیں اُسی طرح اُن کے معانی بھی اوپر ہی سے مفہوم اور معلوم ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ختم نبوت اور نزول مسیح علیہ السلام کے الفاظ کا حال ہے یہ بھی اُمت میں ہمیشہ سے مستعمل ہوتے

www.besturdubooks.net

چلے آئے ہیں اور ہر دور میں اس کے صرف یہی ایک معنی سمجھے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں بنے گا اور اسی کے ساتھ یہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آنے والے ہیں اب ذرا اس پر غور فرمائیے کہ ایک طرف نبی کی آمد کی ممانعت بھی منقول ہے اور اسی کے ساتھ اسرائیلی رسول کی آمد بھی منقول ہے۔ اب اگر کوئی صرف اپنی دماغی کاوش سے یہ کہنے بیٹھ جائے کہ جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں یا اگر عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اور نبی بھی آئیں گے تو اس کا حاصل صرف اپنی دماغی کاوش سے ایک علمی دین بنانا ہوگا اس کو منقول شدہ دین نہیں کہا جا سکتا اور اگر فرض کرلو کہ ہمارا کہنا صحیح نہیں تو پھر آپ کو کسی تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ فلاں تاریخ سے اس غلط عقیدہ کی بنیاد قائم ہوئی ہے مگر یہاں اسلامی تاریخ تو درکنار اگر اس بارے میں دوسرے اہل مذاہب سے آپ اس امت کا عقیدہ پوچھیں تو وہ بھی کسی تردد کے بغیر آپ کو یہی بتائیں گے کہ ان کے نزدیک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا ہاں وہی عیسیٰ علیہ السلام اسرائیلی رسول آئیں گے اس وقت یہ بحث نہیں ہے کہ یہ عقیدہ خلاف قیاس ہے یا نہیں اور نزول کے اور خاتم کے لغت میں معنی کیا ہیں اور ختم نبوت اور نزول میں حروف تطبیق کیا ہے۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ امت میں ان الفاظ کے معنی کیا سمجھے جاتے رہے ہیں تو آپ صرف اسی ایک مذکورہ بالا نتیجہ پر پہنچیں گے یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں اور شروح حدیث میں کتب عقائد میں اور دین کے تمام معتبر لٹریچر میں اسی حقیقت کو دہرایا گیا ہے اور اسی حقیقت کے ماتحت ہر مدعی نبوت اور ہر مدعی مسیحیت کی تکفیر و تردید کی گئی ہے لہٰذا یہاں صرف مجاز و استعارہ یا ناتمام نقول یا مبہم یا محرف الفاظ سے کوئی ایسی حقیقت تراش لینی جو آج تک امت کے بیان کردہ حقیقت کے برعکس ہو دین محمدی کہلانے کے قابل نہیں اس کو نیا دین کہنا بجا ہے۔

<u>حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیات پر غور کرنے سے قبل یہاں ان کے مقدمہ کی پوری وہ روئداد جو قرآن کریم نے نقل فرمائی ہے اور فریقین کے بیانات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں</u> ✸ قرآن کریم پر غور کرنے سے قبل یہاں یہ غور کر لینا بھی ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جو مسئلہ زیر بحث آیا ہے وہ کیا مسئلہ ہے اور وہ کیوں زیر بحث آیا ہے۔ جب آپ اس طرف توجہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سورۂ نساء میں جس امر کی اہمیت محسوس کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوم کل تک خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھی آخر کیوں یک لخت وہ اُن تمام نعمتوں سے محروم کردی گئی اور کیوں نعمتوں کی بجائے لعنت کا مورد بن گئی اس سلسلہ میں قرآن کریم نے اُن کے اُن پے درپے جرائم کا ذکر کیا ہے جو ایک سے ایک بدتر تھے اور جس کی کہ یہ قوم عادی بن چکی تھی جو جرم ان کے یہاں شمار کئے گئے ہیں ان میں کچھ تو ان کے حیاناک اقوال ہیں اور کچھ زشت افعال۔ اُن کے زشت افعال میں خدا تعالیٰ کے مقدس انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا اور اُن کے احیاناک اقوال میں معصومہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان طرازی اور اُن کے ملکی صفت فرزند مطہر کے متعلق قتل کرنے کا دعویٰ کاذب ہے۔ اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہود ملعون کا بیان کیا ہے اور پھر ان بیانات ہی کی روشنی میں قرآنی فیصلہ پر غور کرنا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی حیثیت چونکہ ایک حکم اور فیصل کی ہے اس لئے ہم کو یہ امر خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جس معاملہ کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے اس میں فریقین کے بیانات کیا نقل کئے ہیں یہاں کسی ایک حرف کا اپنی جانب سے

www.besturdubooks.net

اضافہ کرنا جو مقدمہ کی جان ہو قرآن پر خیانت یا عجز کا بڑا اتہام ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہر عدالت کے لئے یہ کتنا ضروری ہے کہ وہ فریقین کے بیانات نہایت احتیاط کے ساتھ ضبط کرے اور بالخصوص جو اجزاء کسی فریق کے مقدمہ کی اصلی روح ہوں ان کو پورے طور پر واضح کر دے آج بھی اگر کوئی عدالت فریقین کے بیانات قلمبند کرنے میں ایسی تقصیر کر جائے تو اس کے حق میں یہ کتنا بڑا سنگین جرم شمار ہوتا ہے بس ہمارے نزدیک جو بات یہاں صورت واقعہ کو آسانی سے حل کر دے سکتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہم فریقین کے بیانات کو حاشیہ آرائی کے بغیر دیکھیں اس کے بعد کسی تاویل کے بغیر قرآنی فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس قاعدہ کے موافق جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ سامنے رکھتے ہیں تو جو بیان ہم کو یہاں یہود کا ملتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے رہا یہ کہ کس غرض سے ان کو قتل کیا ہے اور کس آلہ سے قتل کیا ہے اس کو انہوں نے نہ یہاں بیان کیا ہے اور نہ یہ باتیں اُن کے نزدیک کچھ اہم معلوم ہوتی ہیں۔ جس بات پر انہوں نے اپنے بیان دعویٰ میں زور دیا ہے۔ وہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی تشخیص وتعیین ہے دوم ان کے قتل کرنے کا پورا جزم ویقین ہے اسی لئے مقتول کے صرف نام یا لقب ہی پر انہوں نے کفایت نہیں کی بلکہ خاص طور پر ان کی خاص مادری نسبت کا بھی ذکر کیا ہے یعنی والد کے بغیر پیدائش اور اس سے بھی زیادہ یہ کہا ہے کہ یہ شخص وہی ہے جو ''رسول اللہ'' کہلاتا ہے اس کے بعد انہوں نے اپنی جس جرأت کا بے باکانہ ذکر کیا ہے وہ قتل کا جرم ہے چنانچہ اس کو بھی انہوں نے لفظ ''اِنَّ'' سے ذکر کیا ہے جو عربی زبان میں جزم ویقین کے لئے مستعمل ہے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کو نہ تو اپنے فعل قتل میں کوئی شبہ ہے اور نہ اس مقتول کی ذات میں کوئی شبہ ہے جس کے قتل کا ان کو دعویٰ تھا۔ اس سے زیادہ کوئی اور بات یہاں نقل نہیں کی گئی۔ اس لئے قرآنی فیصلہ بھی ہم کو صرف اسی بیان کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

نصاریٰ کے متعلق یہاں قرآن کریم نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ یقینی طور پر کوئی بات نہیں کہتے مختلف باتیں بناتے ہیں اور چند وجوہات کی بناء پر حقیقت کا ان کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے اس لئے صرف انکل کے تیر چلانے کے سوا ان کے لئے چارہ کار ہی کیا ہے ہاں اجمالی طور پر اُن کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ اپنے جسم ناسوتی یا لاحوتی کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اب ظاہر بات ہے کہ قرآنی الفاظ کے مطابق جو بات یہاں متنازع فیہ نظر آتی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف زندہ شخصیت ہے۔ یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے اور نصاریٰ اس خیال میں تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان کی روح کے متعلق یہاں کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کا تذکرہ معرضِ بحث میں لایا جاسکتا ہے کیونکہ روح کا معاملہ ایک غیبی معاملہ ہے وہ انسان کے ادراک سے بالاتر بات ہے۔ اس پر نہ یہود کوئی حجت قائم کر سکتے ہیں اور نہ قرآنی بیان کو وہ تسلیم کرتے ہیں اس لئے حسب تصریح قرآن کریم ان کے دعویٰ ہی میں روح زیر بحث نہ تھی تو فیصلہ میں اس کا ذکر کیسے آسکتا ہے ظاہر ہے کہ قتل کا فعل جسم پر وارد ہوتا ہے روح پر وارد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں جب قرآنی فیصلہ یہ ہو کہ وہ مقتول نہیں ہوئے بلکہ مرفوع ہوئے ہیں تو یہاں رفع سے جسم ہی کا رفع مراد ہوگا نہ کہ روح کا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اوران کے عزت سے مرجانے کی جدید داستان ✽ یہاں ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا اُن کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی رکھا' منہ پر تھوکا بھی

www.besturdubooks.net

اور جو کچھ نہ کرنا تھا وہ سب کچھ بھی کر لیا تھا (والعیاذ باللہ) حتیٰ کہ جب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ انہوں نے ان کو درحقیقت مار ڈالا ہے تو ان کو سولی سے اتارا مگر ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی آخر وہ چھپ کر کشمیر یا دنیا کے کسی اور غیر معروف شہر میں آ کر اپنی موت سے مر گئے تھے۔ اس جماعت کے نزدیک یہود کا یہ گمان تھا کہ جو شخص بھی صلیب کے ذریعہ مارا جاتا ہے وہ لعنتی موت مرتا ہے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کی بجائے اُن کا ملعون ہونا ثابت کریں اس لئے اُن کے نزدیک یہ ازبس ضروری تھا کہ ان کی موت صلیبی موت ہو تا کہ وہ ان کے لعنتی ہونے کا ثبوت بن سکے۔ اس جماعت کو یہود کے یہ سب جرائم مسلّم ہیں یعنی ان کا سولی دینا اور تمام اہانت کے اسباب کا ارتکاب کرنا حتیٰ کہ ان کو اس نوبت میں پہنچا دینا کہ ان کے حق میں زندگی کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے اور یہاں قرآنی تردید کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ میں گو اسباب موت سب پورے ہو چکے تھے مگر ان میں کچھ جان باقی رہ گئی تھی اس لئے وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ کہیں جا کر خود اپنی موت سے مرے ہیں اس لئے ان کی موت لعنتی موت نہیں ہوئی بلکہ ان کو بڑی عزت کی موت نصیب ہوئی ہے اور ان کے بڑے درجے بلند ہوئے ان کے نزدیک بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر یہی ہے۔

اب اگر واقعہ درحقیقت یہی تھا جو اس جماعت کا خیال ہے تو یہاں حسب ذیل اُمور قابل غور ہیں۔

(الف) اگر درحقیقت یہود کا دعویٰ یہاں ان کی صلیبی موت کا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کے بیان میں صلیب کا دعویٰ نقل نہیں کیا اور کیوں قتل کا ایک عام لفظ نقل کیا ہے۔

(ب) اور کیا وجہ ہے کہ جبکہ ان کا تمام زور صلیبی موت کے متعلق تھا تو تردید میں صرف نفی قتل پر زور دیا گیا ہے اور کیوں ایک ایسے غیر متعلق جرم کی نفی پر زور دیا گیا ہے جس کی نفی سے اُن کے دعویٰ کی تردید کا کوئی تعلق نہیں تھا یعنی فعل قتل ظاہر ہے کہ یہ ایک عام جرم ہے جو صلیب اور غیر صلیب ہر آلہ سے حاصل ہو سکتا ہے قتل کی نفی پر تو زور نہ دینا اور ایک عام جرم کی نفی پر زور دینا یہ کہاں تک مناسب ہے۔

(ج) پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے اگر ایک بار صلیب کا انکار بھی کیا تو وہ بھی ایسے محل پر کیا ہے جو اس کا صحیح محل نہ تھا یعنی جب قرآن کریم ان کی لعنتی موت تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی بجائے ان کی موت کو عزت کی موت قرار دیتا ہے تو پھر بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو مقابل بنا کر ذکر کرنا چاہیے تھا اور یوں کہنا تھا کہ وَمَا صَلَبُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہاں بھی قرآن کریم نے خاص صلیب کی بجائے صرف ایک عام فعل قتل کی نفی فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔

(د) اس تفسیر کی بناء پر یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جو چیز موقعہ واردات پر واقع ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ کشمیر یا اور کسی طرف چلے گئے تھے رہا ان کی موت کا مسئلہ تو اگر ان کی موت کہیں جا کر واقع ہوئی تو یہ سالوں یا مدتوں بعد کا معاملہ ہے پس جو بات یہاں صورت حال بتانے کے لئے ضروری تھی اس کو کیوں حذف کر دیا گیا ہے اور صاف طور پر یہ کیوں نہیں فرما دیا گیا کہ یہود نے ان کو سولی نہیں دی بلکہ وہ زندہ کشمیر وغیرہ کہیں چلے گئے تھے تا کہ یہ بات واضح ہو جاتی کہ صلیبی موت سے بچنے کی ان کی شکل کیا ہوئی پس اصل

www.besturdubooks.net

حقیقت کا تو اخفاء کرنا اور موت کی ایک عام سنت کا بیان کرنا یہ کس درجہ بے محل اور غیر متعلق بات ہے۔

(ھ) اس سے بڑھ کر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصل بات ان کی طبعی موت تھی تو یہاں بل رفعه الله الیه کی بجائے بل توفاه الله کہنا زیادہ مناسب تھا تا کہ ثابت ہو جاتا کہ وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ طبعی موت سے مرے ہیں اور جب اپنی طبعی موت سے مرے ہیں تو رفع درجات کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے پس اگر صورت حال کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ اسی صورت سے ہوتا ہے کہ یہاں ان کی طبعی موت کا ذکر کیا جائے۔

لیکن آیت بالا میں یہاں ان تینوں الفاظ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے۔

نہ یہ (۱) وَ مَا صَلَبُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔

نہ یہ (۲) وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ اذهبه الله الى الاكشمير۔

نہ یہ (۳) وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ۔

اب اگر ہم اس جماعت کے خیالات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو ہم کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہود کا اصل دعویٰ ہی یہاں مذکور نہیں یعنی خاص صلیب دینا کیونکہ ان کے بیان کے مطابق ان کی لعنتی موت ہونا اسی وقت ثابت ہوسکتا ہے جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کی موت صلیب کے ذریعہ واقع ہوئی ہے اس لئے یہاں ان کے دعوے میں قتل کے عام جرم کا نقل کرنا مدعیین کے دعویٰ کے بھی اور ان کے مقاصد کے بھی بالکل خلاف ہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے فیصلہ پر نظر کرتے ہیں تو یہاں بھی واقعہ کی اصل صورت بالکل مبہم نظر آتی اور صورت حال کا کچھ انکشاف نہیں ہوتا کیونکہ نہ یہاں ان کے کشمیر جانے کا ذکر ہے نہ ان کے طبعی وفات پانے کا کوئی تذکرہ ہے اس لئے اس کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا کہ ملزمین جس کے قتل کے اس شد و مد کے ساتھ مدعی تھے اور اگر وہ شخص مقتول نہیں ہوا تو آخر پھر کدھر گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے متعلق جو نہ صرف ان کے زیر حراست آ چکا تھا بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے مر بھی چکا تھا صرف یہ کہہ دینا کہ وہ سولی پر نہیں مرا تھا بلکہ عزت کی موت مرا تھا کیا تشفی بخش تھا ہاں اگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے اس کو فلاں مقام پر بھیج دیا تھا اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ مدعیین کے لئے اس مغالطہ لگنے کا باعث کیا تھا تو بیشک صورت حال پر روشنی پڑ سکتی تھی لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ ان کی عزت کی موت واقع ہوئی ہے بے معنی فیصلہ ہے اور بالکل بعید از قیاس بھی ہے کیونکہ جو لوگ ان کے قتل کے مدعی تھے وہ یہود تھے اور اس بارے میں ان کو اتنا یقین تھا کہ اپنے بیان میں اس کے متعلق تاکید اور یقین کے جتنے طریقے وہ استعمال کر سکتے تھے سب استعمال کر چکے تھے۔ اب اگر قرآن کریم یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ تم نے ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا مگر جب وہ سولی سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تھے تو وہ پورے طور سے نہیں مرے تھے۔ اگرچہ تم کو مردہ معلوم ہوتے تھے پھر بعد میں ان کو کسی غیر جگہ لے جا کر خود ہم نے ان کو موت دی تھی یہ بیان جتنا خلاف قیاس ہوسکتا ہے ظاہر ہے۔ خاص کر جب کہ ان کی موت تسلیم کر لی جائے جو لوگ یقینی اسباب قتل کا ارتکاب کر چکے تھے ان سے یہ کہنا کہ وہ ان اسباب سے نہیں مرے بالکل اتنی ہی مضحکہ خیز بات ہوگی جیسے کوئی قاتل اپنی صفائی کے بیان میں یہ کہے کہ مقتول کے پیٹ میں چھرا تو میں نے ہی گھونپا تھا مگر مقتول اس کی وجہ سے نہیں مرا بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے مرا ہے یہ سب جانتے ہیں کہ قاتل کے یقینی آلہ قتل

www.besturdubooks.net

کے استعمال کرنے کے بعد ان حالات میں جبکہ موت کا ظاہری سبب وہی ہو کوئی عدالت اس کے اس عذر کو معقول نہیں سمجھے گی بلکہ اس کی سماعت مقتول کے حق میں ایک ظلم تصور کرے گی پھر یہاں سولی کا جرم تسلیم کر لینے کے بعد اور وہ بھی اس حد تک کہ ملزمین کے نزدیک اس کی موت یقینی ہو چکی ہو خالق کائنات کا یہ فیصلہ دینا کہ وہ تمہارے مارنے سے نہیں مرے بلکہ ہمارے مارنے سے مرے ہیں ان کے مقابلہ میں کیا اثر انداز ہو سکتا ہے بالخصوص جبکہ اس بعید از قیاس دعویٰ کے لئے کوئی قرینہ بھی یہاں ذکر نہیں کیا گیا- دوسرے لفظوں میں اگر اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہی نکلے گا کہ اپنے دشمن کی ہلاکت جو ہر شخص کا مقصد ہوتا ہے یہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر دیا تھا- دشمنوں کے مقابلہ میں اب یہ بحث کھڑی کرنی کہ ان کی یہ موت بڑی عزت کی موت تھی ہمارے نزدیک زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں-

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حسب بیان قرآن کریم یہود کے جرم کی جو نوعیت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں تھی وہی نوعیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی تھی یعنی قتل دونوں مقامات پر قرآن کریم نے ایک ہی لفظ قتل کو استعمال فرمایا ہے- فرق ہے تو صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کو اس نے تسلیم نہیں کیا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں تسلیم کر لیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ جب یہاں مدعیین بھی ایک ہی قوم تھی اور دعویٰ بھی ایک تھا تو پھر صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کیا تھی کہ ان کے حق میں ان کے رفع روحانی یا عزت کی موت کی تصریح ضروری سمجھی گئی ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں ان کی موت کے متعلق ایک کلمہ تک نہیں فرمایا گیا حالانکہ یہود کا مقصد ان کے قتل کرنے سے بھی اس کے سواء اور کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ سب مقدس گروہ بھی لعنتی تھا- والعیاذ باللہ- کیا اس سکوت کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ ان کے معاملہ میں رفع روحانی یا رفع درجات تسلیم نہیں کیا گیا- والعیاذ باللہ- حقیقت یہ ہے کہ روح کے رفع یا عدم رفع کا مسئلہ نہ یہاں زیر بحث تھا اور نہ یہ مسئلہ کسی کے حق میں خواہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا دیگر انبیاء علیہم السلام زیر بحث آنے کے قابل ہے-

پھر اگر یہاں رفع سے رفع روحانی مراد ہوتا تو کیا اس کے لئے صرف بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کا لفظ کافی نہ تھا- یہاں لفظ اِلَیْهِ کا بے ضرورت کیوں اضافہ کیا گیا ہے-

صلیبی موت کا لعنتی ہونا اور اسکے مقابلہ میں عزت کی موت کا افسانہ اسلام میں بالکل بے اصل بلکہ غیر معقول ہے

رفع روحانی اور عزت کی موت کا یہ سارا افسانہ اس پر مبنی ہے کہ صلیبی موت کے لعنتی موت ہونے کی شریعت کی نظر میں کوئی اصلیت بھی ہو لیکن اگر تخیل ہی بے بنیاد ہے تو پھر نہ قرآن کریم کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے اور نہ کسی غلط بنیاد پر وہ اپنے صحیح فیصلہ کو مبنی کر سکتا ہے- جب اس پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لعنتی موت کا اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے یہاں کفار جتنے ہیں وہ سب کے سب ملعون ہیں خواہ زندہ ہوں یا مردہ سولی پا کر مریں یا گولی کھا کر آخر جب ملعون قرار دیئے گئے تو کیا یہ لعنت ان کے دم کے ساتھ ساتھ نہ رہی یقیناً حیات سے لے کر موت اور موت سے لے کر قیامت اور قیامت سے جہنم تک ان کے دم کے ساتھ لگی رہے گی- جملہ ادیانِ سماویہ میں موت کے اچھے اور برے ہونے کا تعلق انسانوں کے اعمال پر رکھا گیا ہے نہ کہ کسی خاص آلۂ قتل کی وجہ سے لعنتی بن جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہود کے جرم قتل کا اعتراف کر لینے کے باوجود

www.besturdubooks.net

ان کی عزت کی موت ہونے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ اس بدیہی بات کی طرف توجہ کی ضرورت تھی بلکہ جس بات کی اہمیت محسوس فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس کے قتل کا وبال یہ ہے کہ جو جماعت کل تک نعمت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی اب وہ مورد لعنت بن گئی ہے تعجب ہے کہ یہاں سیاق کلام تو یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کرنے کا تھا اور اس میں بے بنیاد اور الٹا عیسیٰ علیہ السلام کے ملعون ہونے نہ ہونے کی بحث کھڑی کر دی گئی۔

رفع کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ بھی لغتی موت کی تردید کے لئے مستعمل نہیں ❋ بحث کا پہلو یہ ہے کہ لفظ رفع کے معنی پر بھی غور کر لینا چاہیے کیا یہ لفظ عرف قرآنی میں کہیں عزت کی موت کے لئے استعمال ہوا ہے؟ جہاں تک ہم نے قرآن کریم اور کتب لغت پر نظر کی ہے ہم کو اس لفظ کے معنی کہیں لغتی موت کے بالمقابل عزت کی موت دینے کے ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس لفظ کا استعمال غیر ذی روح میں بھی ہوتا ہے جہاں موت کا احتمال ہی نہیں ارشاد ہوتا ہے **رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا**۔

رفع کے معنی قرآن ولغت میں ❋ یہاں لفظ ''رفع'' آسمانوں کے متعلق استعمال ہوا ہے اسی طرح اس کا استعمال زندوں اور مردوں میں یکساں نظر آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آیات ذیل پر نظر فرمایئے:

(۱) ﴿وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ (الزخرف:۳۲)

(۲) ﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ (مجادلہ:۱۱)

(۳) ﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ (الاعراف:۱۷۶)

(۴) ﴿وَ رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِیًّا﴾ (مریم:۵۷)

(۵) ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الشرح:۴)

(۶) ﴿وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (یوسف:۱۰۰)

ان تمام آیتوں میں رفع کا لفظ انسانوں ہی میں استعمال ہوا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی اس کے معنی عزت کی موت کے مراد نہیں ہیں بلکہ مردوں میں اس کا استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا مسئلہ گویا صرف لفظ رفع سے پیدا ہو گیا ہے اور اس لئے ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ رفع کا لفظ رفع جسمانی کے لئے کہیں آیا ہے یا نہیں۔ درحقیقت یہ بحث کا رخ پلٹنے کے لئے صرف ایک چال ہے اصل سوال یہ تھا کہ یہ لفظ عزت کی موت کے لئے کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں اور چونکہ یہ معنی کہیں ثابت نہیں اس لئے بحث کا رخ بدلنے کے لئے ذہنوں کو ایک دوسرے سوال کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے تاکہ اصل سوال کی طرف کسی کا ذہن متوجہ ہی نہ ہو سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ رفع کا لفظ صرف بلند کرنے اور اٹھانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے نہ روح کی بلکہ وہ غیر ذی روح میں بھی مستعمل ہوتا ہے جب عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جسم کا رفع اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ یہاں زیر بحث جسم ہی کا معاملہ تھا یہود اس کے قتل کے مدعی تھے اور نصاریٰ اس کے رفع کے پس جب یہاں روح زیر بحث ہی نہ تھی تو رفع سے روح کا رفع مراد ہو کیسے سکتا تھا۔ اس مقام کے علاوہ قرآن کریم میں کسی جگہ اور کسی شخص کے متعلق یہ بحث نہیں ملتی کہ وہ قتل کیا

www.besturdubooks.net

گیا ہے یا اپنے جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اس لئے کسی اور جگہ خاص جسم کے رفع کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے پس انسانوں میں جن کے جسم مشاہدہ میں ہوتے ہیں جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو چونکہ وہاں ان کے جسم کے رفع کا احتمال ہی نہیں ہوتا اس لئے وہاں معنوی رفع یعنی درجات کی بلندی مراد ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس لفظ کا استعمال ہر قسم کی بلندی کے لئے ہوتا ہے جسم کی ہو یا معنوی جیسا موقع اور محل ہوگا اس کے مطابق اس کے معنی مراد لئے جائیں گے یہی حال لفظ توفی کا ہے وہ بھی زندوں اور مردوں دونوں میں یکساں مستعمل ہے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں لفظ توفی - رفع نزول اور اس کی پوری تفصیلات موجود ہیں اس کے ساتھ یہاں قومی تاریخیں بھی موجود ہیں پس یہ مسئلہ قومی تاریخ اور آیات و احادیث کی روشنی سے ثابت ہوا ہے یہ سمجھنا بڑی نافہمی ہے کہ یہ مسئلہ صرف لفظ رفع کی پیداوار ہے جیسا کہ آیت نمبر ۶ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین کے جسمانی رفع کا معاملہ صرف لفظ رفع سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے دوسرے خارجی قرائن بھی تھے اور یہاں تو قرائن نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں اور وہ بھی واضح سے واضح اور مستحکم سے مستحکم- خلاصہ یہ کہ جب ایک طرف لعنتی موت کا افسانہ بے بنیاد ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف رفع کا استعمال بھی عزت کی موت یعنی لعنتی موت کی تردید کے لئے نہیں ملتا تو پھر آیت بالا کی یہ تفسیر کیسے قبول کی جا سکتی ہے-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا قرآن کریم سے اور اس کی تردید ✵ اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے چلئے کہ خاص عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کا سولی دیا جانا ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا' ان کے منہ پر تھوکا جانا اور طرح طرح سے ان کی توہین و تذلیل کرنا کیا یہ تاریخ قرآن کریم کو مسلم ہے؟

یہاں سب پہلے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم نے جب یہود کے ملعون ہونے کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے تو خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں کسی سبب کا ذکر کیا ہے آیت ﴿وَ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ الخ (النساء:۱۵۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں صرف ان کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے ان کے لعنت در لعنت کا سبب بن گیا تھا اب سوال یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ان کی جانب سے وہ تمام بدترین اور توہین و تذلیل کی حرکات ناشائستہ سرزد ہو چکی تھیں جو ابھی ذکر ہو چکیں تو ان تمام مکروہ افعال کا ذکر نہ کرنا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو نقل کرنا کیا یہ معقول ہو سکتا ہے- عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ اگر اس سلسلہ میں ان مکروہ افعال کا ان سے صدور ہوا تھا اور ان تمام مظالم اور جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو ان کے اسباب لعنت میں ذکر کیا جاتا اور اس سے کہیں بڑھ کر اسبابِ لعنت کے ذکر سے سکوت کر لیا جاتا ہمارے نزدیک دشمنوں اور مجرموں کے حق میں اس سے بڑھ کر فیاضی کی مثال ملنا ناممکن ہے-

اس کے علاوہ سورۂ مائدہ میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے تو ان میں ایک بڑا انعام یہ بھی شمار کیا ہے وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اور یہ انعام بھی قابل یاد ہے جبکہ ہم نے بنی اسرائیل کو تم سے دور روکے رکھا اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا تھا اور سب ناروا سلوک ان کے ساتھ کر لئے تھے تو کیا بنی اسرائیل کی اس دسترس کے بعد عربی ادب و لغت کے لحاظ سے مذکورہ بالا جملہ استعمال کرنا صحیح ہے دوم پھر کیا یہ دردناک مظالم اور تذلیل و توہین کا سلوک اس قابل ہے کہ ان کے عجیب در عجیب معجزات اور نزول مائدہ جیسے انعامات

www.besturdubooks.net

کے پہلو بہ پہلو ایک انعام بنا کر اس کو ذکر کیا جائے۔ تیسرے سورۂ آل عمران میں یہ ارشاد ہے۔

﴿ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (آل عمران : ٥٤)

''یہود نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے ان کے مقابلہ میں خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر و برتر ہے''۔

آیت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہود بے بہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تدبیریں کیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جب قدرت خود ضعیف انسان کی تدبیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو پھر کسی کی ضعیف یا قوی تدبیر کیا چل سکتی ہے یہ بات الگ ہے کہ جب قدرت تدریج و امہال کے قانون کے ماتحت کسی گرفت کا ارادہ ہی نہ فرمائے تو کچھ مدت کے لئے انسان اپنی سب تدبیروں میں کامیاب نظر آئے لیکن اگر قدرتِ الٰہیہ ان تدابیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو کیا پھر اس رسوائی و ذلت کی کوئی مثال مل سکتی ہے جو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں نافہموں نے اپنی جانب سے تراش لی ہے اور کیا اب دشمنوں کے مقابلہ میں قرآن کریم کا یہ دعویٰ کرنا کہ ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بڑھ کر تدبیر کرنے والا ہے۔ قابل مضحکہ نہیں ہے۔

لفظ مکر کے معنی عربی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں ❋ یہ خواب واضح رہنا چاہیے کہ یہاں یہ قرآن کریم نے یہود کے مقابلہ میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ مکر ہے جس کے معنی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں پس اس لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہیے جس کا دشمنوں کو علم بھی نہ ہو سکے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ اس درجہ ناکام بھی رہیں کہ پھر ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

آنحضرتؐ کے ہجرت کے واقعہ میں لفظ مکر کا استعمال بھی ہوا ہے ہر دو مقامات پر تدبیر الٰہی اور اس کا موازنہ اور آنحضرتؐ کی شانِ برتری کا اس میں ظہور ❋ اس قسم کا ایک جملہ قرآن کریم میں ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے متعلق بھی ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ (الانفال : ٣٠)

''ادھر تو وہ خفیہ سازش کر رہے تھے اور ادھر خدا خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے''۔

یہاں بھی قریش کی سازش کا ذکر ہے پھر اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے خفیہ تدبیر فرمانے کا تذکرہ ہے اور آخر میں پھر وہی کلمہ دہرایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کہا گیا تھا یعنی وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

عجیب بات ہے کہ ہجرت کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو یہاں بھی کفار محاصرہ کر چکے تھے اور یہاں بھی آپ حضرت علیؓ کو اپنی بجائے چھوڑ گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں پر ہجرت کرنے لگے تو یہاں بھی دشمن گھیرا ڈال چکے تھے اور یہاں بھی ایک شخص ان کی بجائے دشمنوں کے ہاتھوں میں موجود تھا قرآن کریم نے دونوں مقامات پر اپنی تدبیر اور کفار کی غلط فہمی کو اسی لفظ مکر سے ادا فرمایا ہے۔ ان دونوں ہجرتوں میں جب خدائی تدبیر کا موازنہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو تدبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ظاہر ہوئی وہ دشمنوں پر ایک بڑی کاری ضرب تھی۔ ان دونوں مقامات پر

www.besturdubooks.net

3 خدا تعالیٰ کے یہ دونوں رسول گو دشمنوں کے نرغے میں سے صاف نکل گئے اور کسی کا بال بیکا نہ ہو سکا مگر غور فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمنوں کے علم میں اسی سرزمین پر صحیح وسالم موجود رہنا اور ہر معرکہ میں ان کو شکست دیتے رہنا آخر ۸ھ میں اپنے آبائی وطن کو فتح کر لینا جتنا قریش کے لئے سوہانِ روح ہو سکتا تھا آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر چلے جانا یہود پر شاق نہیں ہو سکتا - ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ایک مقتول لاش بھی موجود تھی مگر اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے نہ ہونے میں بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے - اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا تھا کہ مقتول وہی حضرت مسیح علیہ السلام ہیں یا کوئی دوسرا شخص - مگر یہاں حضرت علیؓ سب کے جانے پہچانے شخص تھے - یہاں قریش کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی شبہ کے بغیر ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ ان سے ذرا فاصلہ پر ان کا سر کچلنے کے لئے موجود بھی ہیں - پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام با ایں ہمہ رأفت ورحمت جب دوبارہ اپنے وطن لوٹ کر تشریف لائیں تو یہاں ان کے دشمنوں کے حق میں قتل مقدر ہو احتی کہ یہودی ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوٹ کر اپنے وطن مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کے دشمنوں کے حق میں یہ مقدر ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور پھر وہی آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو ہو کر آپ پر اپنی جانیں قربان کریں - ذرا اس پر بھی غور فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی فتح ونصرت کے لئے ایک بار آپ کی ہجرت اور ہجرت کے بعد پھر اُسی مقام پر فاتحانہ واپسی مقدر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بھی اگر پہلے ان کی ہجرت پھر اپنے وطن اصلی کی طرف واپسی مقدر ہو تو اس میں تعجب کیا ہے - یہاں اگر فرق ہے تو صرف دار الہجرت ہی کا تو ہے یعنی وہاں دار الہجرت آسمان مقرر ہوا اور یہاں مدینہ طیبہ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ دونوں مقامات برابر تھے ہاں اگر فرق تھا تو خود روح اللہ اور عبد اللہ کی جانب سے تھا روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی طبعی کشش آسمانوں کی طرف تھی آخر جو نفخۂ جبرئیلی سے ظاہر ہوئے وہ جاتے تو اور کہاں جاتے - عبد اللہ کی طبعی کشش زمین کی جانب تھی اس لئے اگر وہ کسی خطۂ ارض کی طرف نہ جاتے تو اور کہاں جاتے بے شک خدا تعالیٰ قادر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آسمانوں پر اٹھا لیتا لیکن کیا یہ اس آخری رسول کی شان کے مناسب ہوتا - حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ان کے بعد دوسرا رسول اعظم دنیا کو نصیب ہو گیا لیکن اگر آپ تشریف لے جاتے تو امت کا نگہبان کون ہوتا - پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کو اس امت میں شامل ہونے کا دوسرا وہ شرف حاصل ہوگا جس کی اولوالعزم انبیا علیہم السلام تمنائیں رکھتے تھے - لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لاتے تو آپ کو کونسا دوسرا شرف حاصل ہوتا پھر روح اللہ اگر آسمانوں پر گئے تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے بلائے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمانوں پر بلائے گئے تو صرف تشریف وتکریم کے لئے بلائے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر گئے تو چوتھے آسمان تک گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو ساتوں آسمان طے کر کے وہاں تک پہنچ گئے جہاں جاتے جبرئیل علیہ السلام کے بھی پر جلتے تھے - ان دونوں ہجرتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر امام رازی کے قلم سے کیا اچھا جملہ نکل گیا - وہ لکھتے ہیں جو شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر ہوا وہ عروج تھا اور جس شرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوازے گئے اس کا نام معراج ہے - میں کہتا ہوں جی ہاں وہ روح اللہ تھے اور یہ عبد اللہ ہیں -

www.besturdubooks.net

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی عَبْدِکَ وَ رَسُوْلِکَ سیدنا محمد صاحب المعراج والبراق والقلم و علی اٰله و اصحابه تسلیما کثیرا۔

گوان دونوں ہجرتوں میں اللہ تعالیٰ کی شان خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ دونوں جگہ عیاں تھی اور دونوں مقامات میں اس کا جو ظہور ہوا وہ کامل ہی تھا مگر کیا جو تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جلوہ گر ہوئی وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مناسب تھی۔

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اور آخر کار کشمیر وغیرہ میں جا کر کہیں اپنی طبعی موت سے مرجانا تسلیم کرلیں تو اس کے لئے نہ قرآنی الفاظ میں کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دنیا کی تاریخ اس کی شہادت دے سکتی ہے اور نہ اس میں خدائی تدبیر کا کچھ ظہور ہوتا ہے اور نہ اس تقدیر پر یہود کے دعویٰ کی کوئی معقول تردید ہوسکتی ہے کیونکہ جب سولی کے ساتھ جملہ موت کے مقدمات تسلیم کر لئے جائیں اور گفتگو صرف اتنی رہ جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے مارا یا کہیں گمنام مقام میں لے جا کر خود ہم نے مارا تو اب یہ گفتگو ایک عبث گفتگو ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ جو بات دشمن چاہتے تھے وہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے خود پوری فرمادی۔ والعیاذ باللہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب و رفع کی تحقیق قرآنی روشنی میں ٭ اسی طرح صلیب کے تسلیم کرلینے کے بعد یہاں نصاریٰ کی بھی کوئی تردید نہیں نکلتی کیونکہ جب اصولی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا سولی چڑھنا تسلیم کرلیا جائے اور رفع جسمانی کا قرآن کریم خود اعلان فرمادے تو اب اُن کے ساتھ بھی جو اختلاف رہے گا وہ صرف نظریات ہی کا رہے گا اور صلیب پرستی کی یہ ایک بنیاد قائم ہو جائے گی اس لئے ضروری ہے کہ آیت کے اصل مفہوم پر غور کیا جائے اور جو مطلب کسی تاویل کے بغیر اس سے ظاہر ہوتا ہو اس کا اعتقاد رکھا جائے۔ پہلے ایک بار پوری آیت پڑھ لیجئے۔

وَ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. (النساء:۱۵۷-۱۵۸)

اور (ہم نے ان کو سزا میں مبتلا کیا) اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ ان کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

آیت بالا کے مطالعہ کے بعد جو بات پہلی بار سمجھ میں آجاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی تھے اور اس بارے میں وہ اپنے پورے جزم و یقین کا اظہار کرتے تھے لیکن نصاریٰ چونکہ باہم خود مختلف تھے اس لئے تثلث باتیں کہتے تھے ان ہر دو فریق کے مقابلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کے دونوں غلطی پر ہیں یہود کا دعویٰ قتل تو سرتاپا غلط ہے اس لئے اس کو دوبارہ رد کیا گیا ہے تاکہ جتنا زور انہوں نے اپنے قتل کرنے پر صرف کیا تھا اتنا ہی اس کے انکار پر صرف کیا جائے رہ

www.besturdubooks.net

گئے نصاریٰ تو وہ قدرے مشترک طور پر ان کے مصلوب ہونے کے آج تک قائل ہیں اس لئے ضروری تھا کہ گو وہ کسی بات کے مدعی نہ ہوں مگر ان کے اس غلط خیال کی تردید بھی کردی جائے اس لئے یہود کے دعویٰ قتل کے ساتھ ساتھ صلیب کی بھی نفی کردی گئی اور اُس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کردیا گیا کہ ان کو خود کچھ علم نہیں ہے وہ صرف انکل کے تیر چلاتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے یقین کا دعویٰ رکھتی ہو صرف اس کی تردید کردینا اس کے لئے کچھ تشفی بخش نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی غلط فہمی کے اسباب بھی بیان نہ کردیئے جائیں۔ اس کو وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے بیان کیا گیا ہے یعنی یہاں قدرت کی طرف سے کچھ ایسے حالات پیدا کردیئے گئے تھے جس کی رو سے حقیقت حال ان پر مشتبہ ہوگئی تھی۔ ایک طرف چونکہ سبت کا دن آرہا تھا اس لئے اس ارادہ بد کی تکمیل میں ان کو خود عجلت تھی دوسری طرف اس قسم کے ہنگاموں میں جو ایک طبعی وحشت ہوا کرتی ہے وہ بھی ان پر سوار تھی اس لئے اپنی دانست میں گو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے قتل کا قصد کیا تھا مگر ان مشتبہ کن حالات کی وجہ سے وہ اس ارادہ بد میں ناکام رہے اور ان کی توجہ اس طرف قائم نہ رہ سکتی کہ وہ کس کو قتل کررہے ہیں اور اس کی کھلی شہادت یہود و نصاریٰ کا باہم اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ حالات ضرور کچھ ایسی پیچیدہ بن گئی تھی کہ حس و مشاہدہ کا یہ صاف واقعہ بھی مبہم ہوکر رہ گیا تھا اور پیچیدگی کی وجہ سے قرآن کریم نے واقعہ کے انکشاف کی طرف توجہ فرمائی ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بھی یہود اسی جرم کے ارتکاب کا دعویٰ کرتے تھے لیکن چونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معاملہ میں وہ اپنے دعوے میں صادق تھے اس لئے قرآن کریم نے نہ ان کی کوئی تردید کی ہے اور نہ ان کے معاملہ میں کسی شبہ و اشتباہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنا قرآن کریم نے پسند نہیں فرمایا اور نہ یہ احکم الحاکمین کی شان کے مناسب تھا اور غالباً لفظ **مکر اللہ** کا تقاضا بھی یہی تھا کہ خفیہ تدبیر کو کچھ خفیہ ہی رہنے دیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر درحقیقت مقتول کی لاش ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے بلکہ کوئی دوسرا ان کا شبیہ شخص تھا جو عجلت میں غلطی سے قتل کردیا گیا تھا تو یہ بتانا چاہیے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً ان کی زیر حراست آچکے تھے آخر وہ کدھر نکل گئے اگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تو ماننا پڑتا ہے کہ پھر مقتول کی جو لاش موجود تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اس لئے قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں قتل کی نفی کے بعد یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا تھا اس لئے زمین پر ان کی تلاش کرنا عبث ہے لیکن ایک ضعیف انسان چونکہ نہ اس قدرت کا تصور کرسکتا ہے اور نہ اس عظیم حکمت کو پاسکتا ہے اس لئے یہاں خاص طور پر اپنی ایسی دو صفتوں کا تذکرہ فرما کر بحث کو ختم کردیا ہے جن کے اقرار کے بعد کوئی استبعاد باقی نہیں رہتا۔ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی توانا اور بڑی حکمت والی ہے اس کے سامنے یہ سب باتیں آسان ہیں۔ اس واضح فیصلہ سے جس طرح یہود کی کھلی ہوئی تردید ہوگئی اسی طرح نصاریٰ کے مذہب کی تمام بنیاد بھی منہدم ہوجاتی ہے کیونکہ جب صلیب کا سارا افسانہ ہی بے سروپا ثابت ہوا تو اب کفارہ کا اصولی عقیدہ بھی خودبخود باطل ہوگیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اسی حد پر ختم ہوچکا تھا اور مستقبل زمانہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق باقی نہ رہا تھا تو آئندہ آیت میں اس کی دوسری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لیکن چونکہ یہاں ایک اور مشکل تر سوال سامنے آگیا تھا اور وہ یہ کہ اگر وہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں تو پھر کیا

www.besturdubooks.net

وہ آسمانوں ہی پر وفات پائیں گے اس لئے اس کی بھی وضاحت کر دی گئی اور پوری قوت کے ساتھ اس کا اعلان کر دیا گیا کہ ابھی ان کو طبعی موت نہیں آئی بلکہ موت سے قبل اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے اس لئے یقیناً وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور اب خدا تعالیٰ کی وہ خفیہ تدبیر بھی عالم آشکارا ہو جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے جسم کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو یقیناً جسم کے ساتھ ہی اٹھائے گئے تھے۔

وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ وَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا۔ (النساء:۱۵۹)	اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ہوں گے ان پر گواہ۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہؓ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث بیان فرماتے تو یہ بھی فرماتے کہ یہ پیشگوئی صرف حدیثی نہیں قرآنی ہے اور یہی آیات بالا پڑھ کر سنا دیتے۔ اب یہ مسئلہ بالکل سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ حدیثوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بار بار بیان فرمانے کی اہمیت کیوں محسوس کی گئی ہے یہ ظاہر ہے کہ رفع جسمانی چونکہ عام انسانوں کی سنت نہیں تھا اس لئے اس کی تفہیم کے لئے اس حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی بڑی اہمیت تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ابھی وفات نہیں ہوئی اور ابھی ان کو آسمان سے اترنا ہے اور بہت سی خدمات مفوضہ ادا کرنی ہیں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے اور دجال جیسے ایمان کے غارت گر کو قتل کرنا ہے اور بالآخر خدا تعالیٰ کی زمین کو شر و فساد سے پاک کر کے عام انسانوں کی سنت کے مطابق وفات پانا ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونا ہے یہ ہے قرآنی بیان اور قرآنی بے لاگ فیصلہ اب یہاں ان کی موت کا دعویٰ کرنا ٹھیک ٹھیک یہودیوں کی اتباع ہے اور ان کو مصلوب مان لینا یہ نصاریٰ کی کھلی موافقت ہے۔ کیونکہ اگر ہم عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کسی غیر معلوم مقام پر جا کر ان کی موت مان لیتے ہیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہوگا کہ یہود و نصاریٰ کی وہ غلط باتیں جن کی قرآن کریم نے پوری تردید فرمائی تھی ہم نے دونوں کو مان لیا ہے اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمارا اختلاف صرف نظریات کا اختلاف رہ جاتا ہے یہود کے ساتھ تو اس لئے کہ ان کی موت کے وہ بھی قائل تھے فرق صرف یہ رہے گا کہ یہ موت لعنتی تھی یا عزت کی اور نصاریٰ کے ساتھ اس لئے کہ جب وہ سولی دے دیئے گئے تو اب اس کی حقیقت امت کی تطہیر اور کفارہ تھی یا کچھ اور۔ ظاہر ہے کہ ان امور کے اصولاً تسلیم کر لینے کے بعد یہ نظریاتی اختلافات بالکل بے نتیجہ ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا تفسیر کی بناء پر دونوں قوموں کے عقائد کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے اور قرآن کریم پر اپنی جانب سے کسی حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی وفات پائیں گے زیر اختلاف اُن کی گذشتہ موت ہے ✻ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اہل اسلام جہاں ان کے رفع کے قائل ہیں اسی کے ساتھ نزول کے بعد ان کی موت کے بھی قائل ہیں اس بارے میں ہمارے علم میں ایک متنفس کا اختلاف بھی نہیں یوں تو ان کی ولادت بلکہ ان کی زندگی کا ہر ہر گوشہ ان کی تردید الوہیت پر برہان قاطع ہے لیکن صرف ان کی موت کا عقیدہ مستقل اس کی ایک ایسی واضح دلیل ہے جس کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ لہٰذا ان کی

www.besturdubooks.net

ولادت اور موت تسلیم کرنے کے بعد اگر ایک ہزار بار بھی ان کے رفع الی السماء کا اقرار کرلیا جائے تو اس میں عیسائیوں کے مسئلہ الوہیت کی کوئی تائید نہیں ہوتی اس لئے اگر بالفرض یہاں ابن عباسؓ یا کسی اور شخص سے ان کی موت منقول ہوتی ہے تو اس کو اجماع امت کے خلاف سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحقیق ❋ پس اگر تسلیم کرلیا جائے کہ ابن عباسؓ سے انی متوفیک کی تفسیر انی ممیتک مروی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آنی ہے مگر اس کا انکار کس کو ہے۔ زیر بحث تو یہ ہے کہ وہ موت ان کو آچکی اور کیا وہ فی الحال مردوں میں شامل ہیں۔ اور اب دوبارہ نہیں آئیں گے دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ نہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور نہ امت مسلمہ میں کسی اور معتمد عالم سے بلکہ ابن عباسؓ سے باسناد قوی یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے اور نزول کے بعد پھر وفات پائیں گے اور ٹھیک یہی تمام امت کا عقیدہ ہے۔

امام بخاری کی کتاب التفسیر میں حل بغات کا حصہ خود ان کا تصنیف کردہ نہیں بلکہ امام ابوعبید کا ترتیب دادہ ہے ❋ یہاں بے علموں کو ایک مغالطہ یہ بھی لگ گیا ہے کہ ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا تفسیر چونکہ امام بخاری کی کتاب میں موجود ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری کا مختار بھی یہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ جب امام بخاری ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث موجود ہے تو پھر کس دلیل سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس موت سے گذشتہ موت مراد ہے بلکہ جب خود حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ موت نزول کے بعد والی موت ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی اس موت سے وہی مراد ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان ہی کی کتاب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اقرار بھی موجود ہے۔

پھر ان مسکینوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں جو لغات اور تراکیب نحو یہ نقل فرمائی ہیں یہ خود ان کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ ان کی جانب سے صرف وہی حصہ ہے جو انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری کے پاس ابوعبیدہ کی کتاب التفسیر موجود تھی۔ امام موصوف نے اس پوری کتاب التفسیر کو کسی تنقید وانتخاب کے بغیر بجنسہ اٹھا کر اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے۔ لہٰذا جتنے اقوال مرجوحہ اصل کتاب میں موجود تھے وہ بھی سب کے سب یہاں نقل ہوگئے ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا بالکل بے اصل ہے کہ امام بخاری نے خاص طور پر ابن عباسؓ کی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابوعبیدہ کی کتاب التفسیر میں چونکہ ابن عباس کا یہ قول مروی تھا اور جب امام بخاری نے ان کو پوری کتاب التفسیر ہی کو اپنی کتاب میں کسی انتخاب کے بغیر نقل کردیا تھا تو یہ جزء بھی چونکہ ابوعبیدہ کی کتاب التفسیر میں بہت سے مقامات پر حل لغات میں تسامح بھی ہوا ہے اقوال مرجوحہ بھی نقل ہوگئے ہیں اور ان کی ترتیب میں بھی اچھا خاصہ اختلال واقع ہوگیا ہے۔ لیکن امام بخاری خود ان جملہ نقائص سے بری ہیں اس کی ذمہ داری اگر عائد ہوتی ہے تو ابوعبید پر عائد ہوتی ہے۔ امام بخاری کی کتاب کی علوصحت کے متعلق جو دعویٰ ہے وہ ان احادیث مرفوعہ کے متعلق ہے جو اس میں اسناد کے ساتھ امام نے از خود روایت فرمائی ہیں نہ کہ ان اقوال کے متعلق جو اسناد کے بغیر کسی جانب سے کتاب میں نقل ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے وہ موت مراد ہے جو آخر زمانہ میں تشریف لانے کے بعد ہوگی اور اس موت میں کسی کا بھی

www.besturdubooks.net

اختلاف نہیں ہے اسی طرح ابن حزم کی طرف بھی موت کی نسبت کی گئی ہے اگر چہ کسی شاذ فرد کے اختلاف سے جمہور امت کی رائے پر کیا اثر پڑسکتا ہے وہ ابن حزم جیسے شخص کے اختلاف سے جس کے تفردات امت میں ضرب المثل ہیں لیکن وہ بھی متعدد مقامات پر اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری دور میں تشریف لائیں گے لہٰذا زیر اختلاف مسئلہ پر ان شاذ نقول کا بھی کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلیٰ ص ۳۹۱ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو امت کا عقیدہ شمار کیا ہے دیکھو ص ۲۴۹ ج ۳ کتاب الفصل میں بھی اس کی تصریح کی ہے اس کے علاوہ اور متعدد مقامات میں بھی اسی عقیدہ کو امت کا عقیدہ لکھا ہے۔

وقد صح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بنقل الكواف التي نقلت نبوة و اعلامه و كتابه انه اخبره انه لا نبي بعده الاماجاء ت الاخبار الصحاح من نزول عيسى عليه السلام الذي بعث الى بني اسرائيل و ادعى اليهود قتله و صلبه فوجبت الاقرار بهذه عليه السلام لا يكون البته.

(ج ۱ ص ۷۷ الفصل و ج ۲ ص ۲۳ و ج ۲ ص ۵۵ و ج ۲ ص ۷۳ و ج ۲ ص ۸۷ کتاب مذکور)

جس جمہور امت نے آپ کی نبوت اور اس کی علامات اور قرآن شریف کو نقل کیا ہے اسی امت نے صحیح طریقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا سوائے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کے نزول کی خبر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یہ وہی ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جن کے قتل و صلب کا یہود نے دعویٰ کیا تھا۔ لہٰذا ان باتوں کا اقرار کرنا ہم پر لازم ہے۔ اور یہ بطریق صحیح ثابت ہے کہ نبوۃ کا وجود آپ کے بعد ہرگز نہیں ہوگا۔

قرآن کریم میں مشرکانہ عقائد کی تردید کا جتنا اہتمام کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے لیکن جب اس نسبت کا نامعقولیت ان کے سامنے ظاہر کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ولدیت اور ابنیت سے ان کی مراد حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ اتحاد کی وہ خاص نسبت ہے جو مابین خالق اور عیسیٰ علیہ السلام موجود ہے اور اسی کو مجازاً اس لفظ سے اداء کیا گیا ہے لیکن اس لفظ کے استعمال سے چونکہ عیسائیت کی لفظی تائید ہوتی تھی اس لئے قرآنِ کریم نے یہاں مجاز و استعارہ کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ اس عنوان ہی کو خواہ وہ کسی معنی سے ہو اپنے سخت غیظ و غضب کا باعث قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا. (مریم: ۹۰-۹۱)

ابھی اس افتراء سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں اس پر کہ پکارتے ہیں رحمان کے نام پر اولاد۔

پس اگر قرآن کریم لفظ ابن اور ولد کا مجازی استعمال بھی حرام قرار دیتا ہے کیونکہ اس میں عیسائیت کی تقویت اور اس کی ترویج ہوتی ہے تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی صرف عیسائیوں کا عقیدہ تھا اور اس میں مشرکانہ عقیدہ کی ذرا بھی غلط تائید ہوتی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ٹھیک اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں خود استعمال

www.besturdubooks.net

فرماتا جو عیسائی استعمال کرتے تھے۔ یہ کیسی عجیب در عجیب منطق ہے کہ یہود نے جب اِنَّا قَتَلْنَا کہا تو ان کی تردید میں تو قرآن کریم نے دوبار ﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ﴾ فرمایا مگر جب عیسائیوں نے "رفع" کہا تو قرآن کریم نے ایک بار بھی "وما رفع" نہیں فرمایا بلکہ "رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ" میں لفظ "الیه" کا اور اضافہ فرما کر رفع کے عقیدہ کو اور مضبوط بنا دیا۔ کیا اس سے یہی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بالکل درست تھا البتہ ان کے مصلوب ہونے کا خیال چونکہ بالکل بے اصل تھا اس لئے جس طرح کہ یہود کی تردید میں ﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ﴾ فرمایا گیا تھا اسی طرح عیسائیوں کی تردید میں ﴿وَ مَا صَلَبُوْهُ﴾ کا لفظ فرما دیا گیا اور اس طرح اہل کتاب کی ہر دو جماعتوں کی تردید علیحدہ علیحدہ دو لفظوں سے صراحۃً کر دی گئی اور اسی کے ساتھ عیسائیوں کے بنیادی عقیدہ کا بطلان بھی واضح ہو گیا کیونکہ ان کے مذہب میں کفارہ کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور کفارہ کا عقیدہ تمام تر صلیب پر مبنی ہے لہٰذا جب قرآن کریم نے صراحۃً ﴿وَ مَا صَلَبُوْهُ﴾ فرما کر صلیب کی صاف تردید فرما دی تو پھر اس پر جتنی بے اصل تعمیر قائم کی گئی وہ خود بخود سب منہدم ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں صلیب شکنی کا نکتہ ❋ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صلیب چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے نام سے پوجی گئی تھی اس لئے ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دوبارہ تشریف لا کر خود اس کے توڑنے کا حکم دیں تاکہ جن کے نام پر یہ شرک ایجاد ہوا تھا ان ہی کے حکم سے اس کا استیصال بھی ہو جیسا کہ عرب نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سر بت پرستی کی جھوٹی تہمت لگائی تو خود آپ کے سب سے عظیم اور جلیل القدر فرزند یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر اس کی تردید فرمائی اور فتح مکہ میں اپنے دست مبارک سے ان تمام بتوں کی تصاویر محو کر دیں جو ملت ابراہیمی کے نام پر خانہ کعبہ کے اندر بنائی گئی تھیں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر صلیب توڑ دیں گے تو عیسائی اور بہت سی صلیبیں بنا لیں گے۔ اگر یہی اعتراض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بت شکنی پر کیا جائے تو کیا یہ قابل مضحکہ نہ ہوگا اصل بات یہ ہے کہ فاتح کی بت شکنی اور صلیب شکنی کا اندازہ غلامانہ ذہنیت کا محکوم ہو کر ہو ہی نہیں سکتا جو صلیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے توڑی جائے گی وہ پھر کبھی بنائی نہیں جا سکتی جیسا کہ جو بت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے توڑے گئے وہ جزیرۂ عرب میں آج تیرہ سو سال کے بعد بھی دوبارہ معبود نہیں بن سکے۔

قرآن کریم کی شان اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے خوف سے حقائق کے بیان کرنے میں ادنیٰ پس و پیش بھی اختیار کرے ❋ قرآن کریم کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے سیاق تردید میں صرف دشمنوں کے خوف سے کسی حقیقت پر بھی پانی پھیر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اگر "رَفَعَ" کے لفظ سے ان کی الوہیت کے بارے میں کوئی بے سبب اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا تو اس سے کئی درجہ زیادہ اشتباہ لفظ "رُوْحُ اللّٰه" اور "کَلِمَةُ اللّٰه" سے پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ آج تک عیسائی ان ہی الفاظ کو لے کر اہل اسلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اسی طرح ان کے معجزات کا حال بھی ہے مگر کیا ایک ایسے بشر پر جس میں جملہ بشری خواص کھلے ہوئے نظر آ رہے ہوں بے دلیل الوہیت کی تہمت رکھ دینے والوں کی قرآن کریم نے کوئی رعایت کی ہے کیا اس نے "رُوْحُ اللّٰه" اور "کَلِمَةُ اللّٰه" کا لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود ہی نہیں دیا

www.besturdubooks.net

کیا ہے عقلوں کے خوف سے ان سے احیاء موتی کا معجزہ عطا کرنے میں کوئی پس وپیش کیا گیا ہے اگر نامعقول جماعت نے دلائل بشریت ہی کو برعکس دلائل ربوبیت بناڈالا ہو تو اس میں سرتا سرجرم ان ہی کا ہے۔لہٰذا یہاں قرآن کریم پر یہ زور ڈالنا کہ اس نے ''رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ'' کا لفظ کیوں استعمال فرمایا ہے ایسا ہی ہے جیسا یہ کہنا کہ اس نے كَلِمَةُ اللّٰهِ اور رُوْحُ اللّٰهِ کا لفظ کیوں استعمال فرمایا۔

خوب یاد رکھو اگر ہم اپنی مزعوم خیر خواہی میں قرآن کریم کے صریح الفاظ کی تاویل کریں گے تو اس کا نتیجہ صرف قرآن کریم کے الفاظ کی تحریف نہیں ہوگا بلکہ بہت سے حقائق کا انکار بھی ہوگا اگر رب العزت کے ان کے بن باپ پیدا فرمانے میں نامعقولوں کی رعایت کا حق کسی کو نہیں ہے تو اس سے ان کے زندہ آسمانوں پر اٹھانے میں نامعقولوں کی رعایت کے مطالبہ کا حق کس کو ہے قدرت وحکمت والا ہمیشہ اپنی قدرت وحکمت کے مظاہر کرتا رہے گا۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

شبہات اور وساوس کا اثر عقائد کی تخریب ہے کسی صحیح حقیقت کی تعمیر نہیں پس صرف شبہات سے عقائد کی ترمیم کرنا غلط ہے خود ان کا جواب دینا چاہیے ❋ یہ بات قاعدہ کلیہ کی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ دین کا کوئی مسئلہ جب اپنے دلائل کے ساتھ روشنی میں آجائے تو اس پر بے تامل جزم ویقین کر لینا چاہیے اب اگر اس میں کچھ شبہات اور اعتراضات دل میں گذرتے ہوں تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان شبہات ہی کا جواب تلاش کرنا چاہئے اور ان کو حل کر لینا چاہئے نہ یہ کہ اس ثابت شدہ حقیقت ہی کا انکار کر دیا جائے کیونکہ شبہات زیادہ سے زیادہ دلائل کی روشنی مدھم تو کر سکتے ہیں مگر کوئی دوسری روشنی پیدا نہیں کر سکتے اس لئے جب کبھی آپ اپنا رخ خود ان شبہات ہی کی طرف پھیر دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ اور تاریکی در تاریکی میں جاگرے ہیں۔مثلاً اگر کسی شبہ کی بنیاد پر ختم نبوت کا اجماعی عقیدہ بدل دیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جتنے اشکالات اس عقیدہ میں پیدا ہو سکتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر شبہات دوسری صورت میں پیدا ہونے لگے درحقیقت یہ شیطان کا ایک بڑا علمی فریب ہے کہ جب وہ کسی گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو پہلے ایک حق بات میں شبہات ڈالنا شروع کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ ان شبہات کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت کی صورت پہنا دیتا ہے پھر اس کے دلائل کی تلاش لگاتا ہے اور اس تمام تدریجی سلسلہ میں ایک بار بھی انسان کا ذہن اصل عقیدہ کے دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا حتیٰ کہ وہ عقیدہ جو پہلے ان شبہات کے وجود سے مجروح ہو چکا تھا اب ان وہمی دلائل سے باطل نظر آنے لگتا ہے اور ان دلائل پر دماغ میں کسی ادنیٰ شبہ کا گذر ہونے نہیں دیتا اس کے بعد پھر انسان کو ایسا دلیر بنا دیتا ہے کہ اس کے نوساختہ عقیدہ کے خلاف انسان واضح سے واضح دلائل کی تاویل بلکہ تحریف میں ذرا نہیں شرماتا اور اس طرح وہ انسان کو دین سے منحرف کر دیتا ہے اور اس کے ایمان بالغیب کی ساری دنیا برباد کر ڈالتا ہے۔اسی کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہے یہاں بھی صرف شبہات پیدا کر کے پہلے وہ اس یقین کو متزلزل کرنے کی سعی کرتا ہے اور جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو بیسیوں حدیثوں کی تاویل بلکہ انکار پر آمادہ کر دیتا ہے۔مثلاً یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ دجال کو قتل کرنے کے لئے خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی ضرورت کیا پڑی ہے پھر اتنے دن ان کا زندہ رہنا کیوں تسلیم کیا جائے اور اس کے لئے جتنے مقدمات ہو سکتے ہیں ان کو خوب مبرہن کرتا چلا جاتا ہے لیکن ایک مؤمن ان شبہات کی بناء پر قرآن وحدیث کی تاویل کرنے کی بجائے خود ان شبہات ہی کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف وساوس واوہام سے اپنے قیمتی

www.besturdubooks.net

ایمان کوزخمی نہیں کرتا۔اگر یہاں کتب سابقہ اور اہل کتاب کی تاریخ پر ذرا نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ کتب سابقہ میں دو مسیح کے آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت اور دوسرا مسیح ضلالت چونکہ یہود نے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کا مصداق قرار دے دیا تھا اور مسیح ضلالت کو اس کے برعکس مسیح ہدایت ٹھہرایا گیا اس لئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ مسیح ضلالت کے ظہور کے وقت خود مسیح ہدایت ہی تشریف لا کر اس کے مقابلہ پر یہ ثابت کر دیں کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون تا کہ ایک طرف جو پہلے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت ٹھہرانے والے تھے وہ جھوٹے ثابت ہوں اور دوسری طرف مسیح ضلالت کی اتباع کرنے والے بھی نامراد ہو جائیں اور اس طرح جو مغالطے پہلے لگ چکے تھے اب وہ خود ان ہی زبان سے دور ہو جائیں صلیب ان کے نام سے پوجی گئی تھی وہی آ کر اس کو توڑیں اور سور بھی ان ہی کے نام سے حلال کیا گیا تھا اب وہی آ کر اس کے قتل کا حکم دیں اور اس طرح قریب قیامت میں یہود و نصاریٰ پر خدا کی حجت پوری ہو، اور اتحاد ملل کے سلسلہ میں جتنی رکاوٹیں ہو سکتی تھیں وہ ایک ایک کر کے سب اٹھ جائیں اور آخر میں پھر دین اسی طرح ایک ہی باقی رہ جائے جیسا کہ آغاز عالم میں ایک ہی دین تھا۔ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا۔

نیز چونکہ دجال آخر میں مدعی الوہیت ہوگا اور احیاء موتیٰ کا مدعی ہوگا اس لئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے قتل کے لئے ایک ایسا ہی رسول آتا جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی ہوتا کہ ایک طرف تو قتل ہو کر جھوٹے مدعی الوہیت کا جھوٹ ثابت ہو جائے دوسری طرف اس قوم کا جھوٹ بھی ثابت ہو جائے جنھوں نے خدا کے مقدس رسول پر دعویٰ الوہیت کی بے بنیاد تہمت لگائی تھی اور روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جائے کہ جو مدعی الوہیت کا قاتل ہو وہ خود مدعی الوہیت کیسے ہو سکتا ہے۔ان امور کے علاوہ جب یہود کے دعوے کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قتل کا دعویٰ رکھتے تھے مگر قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور اس میں خدا تعالیٰ توانا و حکیم کی بڑی حکمت مضمر تھی کیا اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کچھ اور تھا کہ جس کو مقتول ٹھہرایا گیا تھا وہی آ کر پہلے خود ان کے سرغنہ کو قتل کرے یعنی دجال کو پھر ان کے قتل کا حکم دے اور گویا اس طرح خود ایک نبی پہلے اپنی قوم انبیاء علیہم السلام کے قاتلین سے ان کا قصاص لے اور دوسری طرف اپنے متعلق دعویٰ قتل کا مزہ بھی چکھا دے۔

پھر جب ختم نبوت پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضرورت کے وقت امت میں کسی نبی کی پیدائش کی بجائے کوئی گذشتہ نبی آئے کیونکہ دجال اکبر کے آمد کی پیشگوئی نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گمراہی دنیا کی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ظاہر نہیں ہوئی اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دجال ایک مرکزی طاقت ہے اور ایک مرکزی طاقت کے مقابلہ کے لئے ضرور کوئی مرکزی طاقت ہی آنی مناسب ہے۔اب اگر اس کے مقابلہ میں کسی امتی کو کھڑا کر دیا جاتا تو وہ اس کا صحیح مقابل ہی نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں بھی کشتی میں پہلوانوں کا جوڑ دیکھا جاتا ہے اور اسی طرح حکومتوں کے مقابلہ کے وقت بھی ان کی طاقتوں کا توازن ضروری ہوتا ہے جس کو آج کل (Ballance Of Power) کہا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ابن صیاد کے متعلق جب حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ حکم دیجئے تو میں اس کی گردن ازادوں تو اس کے

www.besturdubooks.net

جواب میں آپ نے فرمایا ''ان یکن ھو فلن تسلط علیہ'' اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو تم اس کے قتل پر مسلط نہیں ہو سکتے پس جب امت میں حضرت عمرؓ جیسا بھی اس کو قتل نہ کر سکے تو اب دوسرا کون اس کا قاتل ہو سکتا ہے اس لئے ضروری ٹھہرا کہ اس کا قاتل کوئی نبی ہو پس جب نبی کی ضرورت کے وقت بھی اس امت میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا گیا بلکہ ان ہی گذشتہ انبیاء علیہم السلام ہی میں سے ایک نبی کو لا کر کھڑا کیا گیا تو فرمائیے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اب کتنا واضح ہو گیا گویا آج تک ختم نبوت کا ثبوت صرف علمی تھا اور اس وقت تاریخ اور مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ہو گیا کیونکہ جب ضرورت کے وقت پھر انبیاء سابقین ہی میں کا ایک رسول آیا تو یہ اس کا بدیہی ثبوت ہے کہ درحقیقت رسولوں میں سے کوئی فرد بھی باقی نہیں رہا تھا اس لئے یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے آخری رسول تھے لہٰذا یہ شبہ نہیں رہا کہ جب آپ خاتم النبیین ہیں تو آپ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کیسے آئیں گے بلکہ ان کا نزول ہی ختم نبوت کا سب سے بڑا ثبوت ہوگا اگر وہ دوبارہ تشریف نہ لائیں تو مشاہدہ میں یہ کیسے ثابت ہوتا کہ سب رسول آ چکے ہیں اور آپ ہی سب سے آخری رسول ہیں۔

جلد اول میں ختم نبوت کی پہلی حدیث میں ہم یہ بھی بہ تفصیل لکھ چکے ہیں کہ حسب تصریح قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جملہ انبیاء علیہم السلام سے ایمان اور بوقت ضرورت نصرت کا عہد بھی لیا جا چکا ہے اس لئے یوں مقدور ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اپنی طرف سے اصالۃً اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وکالۃً اس عہد کو پورا فرمائیں۔ کیا ان چند وجوہات سے جو فوری طور پر زیر قلم آ گئے ہیں گذشتہ شبہات کا جواب نہیں ہو جاتا۔

کتاب اللہ میں اور حدیثوں میں دیگر موجودہ کتب سماویہ کے مقابلہ میں مجازات اور استعارہ کا استعمال بہت کم ہے اور یہ اسلام کا ایک طغریٰ امتیاز بھی ہے

✱ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہم کو یہی ثابت ہوا ہے کہ دیگر کتب سماویہ کی نسبت ہماری شریعت میں استعارات و مجازات کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ کتب سابقہ کی موجودہ صورت پر گو کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تاہم ہمارے موازنہ کے لئے ان کے موجودہ نسخوں کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی اور سامان بھی نہیں ہے۔ جب ہم حدیث و قرآن کریم کی پیشگوئیوں اور اس کے دیگر بیانات کی کتب سابقہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو آفتاب درخشاں کی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ ہماری شریعت نے اس بارے میں استعارات و مجازات کا دائرہ بجز ان مجازات کے جو حقیقت سے زیادہ متعارف ہوں بہت تنگ رکھا ہے اور عقائد کے باب سے تو اس کا کوئی تعلق ہی نہ رکھا۔ اس کے برخلاف موجودہ انجیل کا حال یہ ہے کہ اس میں الوہیت و رسالت کے بنیادی مسائل بھی مجازات و استعارہ کے پیرایہ میں ادا کئے گئے ہیں حتیٰ کہ منصف عیسائی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کے مذہب میں توحید کا مسئلہ بھی تقدیر کے مسئلہ کی طرح مذہب کا ایک راز اور ناقابل فہم مسئلہ ہے اس کے برعکس قرآن کریم کا بیان ہے یہاں عقائد و احکام کا تو ذکر ہی کیا ہے پیشگوئیوں کا عام باب بھی اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صحیح فہم والے شخص کے لئے ان میں کوئی تردد نہیں رہتا۔ فارس و روم کی جنگ میں فتح کی پیشگوئی، فتح مکہ کی پیشگوئی، اعضاء انسانی کا کلام کرنا، دجال کی پیدائش، اس کا اور اس کے والدین کا نقشہ، سر کے بل انسانوں کا محشر میں چلنا، برہنہ قبور سے نکلنا اور مردوں اور عورتوں کا ایک میدان میں اسی طرح جمع ہونا، غرض حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی تفصیلات جو مادی عقلوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ

www.besturdubooks.net

علیہ السلام کے نزول سے کہیں بعید تر ہیں ان سب کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ہم پر بھی زور دیا گیا ہے کہ وہ سب کی سب حقیقت ہی حقیقت ہیں اور کسی تاویل کے بغیر ہمیں ان کو حقیقت ہی پر محمول کرنا چاہیے چنانچہ اگر جنت کے تذکرہ میں حسب الاتفاق اس کا ذکر آ گیا ہے کہ وہاں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی تو سامعین نے کبھی اس کو مبالغہ پر حمل نہیں کیا بلکہ اپنے ذوق کے مطابق وہی سوالات کیے ہیں جو ان الفاظ کے حقیقی معنی میں پیدا ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی نے یہ سوال کیا کہ کیا جنت میں کاشت اور کھیتی بھی ہوگی اور جب کبھی جنت میں صنفی تعلقات کا ذکر آ گیا ہے تو سامعین میں سے اس پر کسی نے ولادت کے مسئلہ کا حل بھی دریافت کیا ہے۔ اسی طرح بقیہ مسائل کے متعلق بھی ایسے سوالات کیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے مخاطب صحابہ ہمیشہ آپ کے کلام کو حقیقت ہی پر محمول کرنے کے عادی تھے پھر ان کے جو جوابات آپ سے منقول ہیں وہ بھی اسی کی دلیل ہیں کہ خود آپ نے بھی ان الفاظ سے حقیقی معنوں ہی کا ارادہ فرمایا ہے مثلاً پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اگر کسی زراعت منش آدمی کے دل میں وہاں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا تو زراعت اس کی بالیدگی و پختگی سب آن کی آن میں ہو جائے گی اور ذرا سی دیر نہ ہوگی کہ کھیتی کٹ کٹا کر اس کے گھر میں آ جائے گی اور قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ ابن آدم لے تو یہ بھی لے تیری ہوس آخر کسی طرح پوری بھی ہوگی اگر یہاں مجازی معنی استعمال ہوتے تو جواب صاف تھا کہ جنت میں کھیتی کہاں اس کا مطلب تو صرف ایک معنی مجازی اور مبالغہ تھا اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں بھی آپ یہی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی شخص ولادت کی تمنا کرے تو فوراً حمل ولادت اور وضع حمل کا سلسلہ آناً فاناً پورا ہو کر کھیلتا ہوا بچہ اس کو مل جائے گا مگر جو دنیا میں میزان توفی لانے کے لیے نہیں آئے بلکہ حقیقت ہی حقیقت بتانے آئے تھے انہوں نے یہاں بھی وہی جواب نہیں دیا جو صرف قیاس سے دیا جا سکتا تھا بلکہ وہ جواب عنایت فرمایا جو حقیقت میں اس کا جواب تھا۔ ارشاد ہے کہ اگر جنت میں کسی کے دل میں یہ تمنا ہوتی تو ایسا ہی ہوتا مگر وہاں کسی کے دل میں یہ تمنا ہی نہ ہوگی۔

غرض شریعت اسلام کی تاریخ میں متکلم و مخاطب دونوں کے حالات سے ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے شرعی الفاظ کے ہمیشہ حقیقی معنی ہی مراد لیے گئے ہیں بجز اس کے کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے وہاں استعارہ و مجاز اتنا واضح ہو کہ حقیقی معنی کی طرف عام طور پر ذہن کا انتقال ہی مشکل ہو۔ مثلاً صبح کے لیے اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ کا لفظ اور شب کی تاریکی کے لیے اَلْخَیْطُ الْاَسْوَدُ کا لفظ فصیح لغت میں ایک ایسا مجاز ہے کہ اس مجاز کو چھوڑ کر یہاں حقیقت کا استعمال کرنا گویا اندازِ بلاغت ہی کو چھوڑ دینا ہے اس کے باوجود جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ﴿حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۷) تو کسی دماغ نے اس کھلے ہوئے مجاز کو بھی حقیقت ہی پر محمول کیا اور سیاہ و سفید رنگ کے دو دھاگے لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیے اور رات کو اس وقت تک کھاتا پیتا رہا جب تک کہ یہ دو دھاگے علیحدہ علیحدہ صاف صاف نظر نہ آنے لگے جب صبح کو اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے بلیغانہ انداز میں فرمایا تمہارا تکیہ بھی کتنا لمبا چوڑا ہے جس کے نیچے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں سما گئیں یعنی ان الفاظ سے مراد معنی مجازی تھے اور یہاں مجاز ایسا متعین ہے کہ حقیقت کی طرف ذہن جانا ہی مشکل ہے تم نے اس کو حقیقت پر کیسے محمول کر لیا۔ لیکن اس انفرادی غلطی کے باوجود اس کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ کلمۂ "مِنَ الْفَجْرِ" اور نازل ہو گیا تاکہ پھر یہ مجاز متعارف بھی حقیقت کے اتنا قریب آ جائے کہ یہاں کسی ایک فرد کو بھی احکام کے باب میں اس غلط فہمی کا امکان

www.besturdubooks.net

نہ رہے۔[1]

خلاصہ یہ کہ دیگر کتب سماویہ کے مقابلہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ کا یہ بھی ایک طغریٰ امتیاز ہے کہ یہاں جملہ بیانات اتنے واضح ہیں جتنا کہ وہ ہو سکتے ہیں پھر اگر ان میں کوئی ابہام رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی حد تک ہے جو ناگزیر ہے بلکہ وہاں یہ ابہام ہی مناسب ہے۔ بعض مرتبہ مصداق کے ظہور سے قبل وہ ابہام اس لئے بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ اس کی تشریح کے لئے عقل انسانی متحمل نہیں ہو سکتی جیسے برزخی کیفیات ظاہر ہے کہ عالم برزخ جب عالم مادیات سے جدا عالم ہے تو جب تک ایک انسان سے عام مادہ میں موجود ہے وہ علم برزخ کے دوسرے عالم کی پوری تفصیلات کا پورا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اور درحقیقت آخری شریعت کی یہی صفت ہونی بھی چاہیے کیونکہ پہلی کتب میں اگر کوئی ابہام رہ گیا تو آئندہ نبی نے آکر اس کو واضح کر دیا ہے لیکن اگر ضروری امور میں اس شریعت میں بھی ابہام رہ جائے تو اب یہاں کون ہے جو آئندہ آکر اس کی ذمہ دارانہ تشریح کر سکے مجتہدین کا بیان اس جگہ ناکافی ہے ان کو یہاں دوطرفہ عمل کے لئے وسعت ہوتی ہے اس کے باوجود ان کے بیان کی وہ حیثیت نہیں جو رسول کے سرکاری بیان کی ہو سکتی ہے۔

صریح حدیثوں میں تاویل کا خطرناک نتیجہ ٭ صریح الفاظ اور صریح بیانات کو پیچیدہ بنانے اور ان کی تاویلات کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا برآمد نہیں ہوا یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی میں تاویل کی آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے دجال کا مصداق سمجھا اور جب دجال ظاہر ہو گا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کی اتباع کریں گے اسی طرح نصاریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف صاف پیشگویوں کی تاویلات کیں آخر اس کا بھی جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ ہوا اور انہوں نے بھی اسی غلطی کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ لہٰذا صاف اور واضح بیانات میں تاویلات کرنا نہایت خطرناک قدم ہے اور اس کا ثمرہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ غلط مسیح، مسیح حق مان لئے جائیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں تو یہودیوں کی طرح ان کا انکار کر دیا جائے۔ اگر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتنے واضح اور صریح الفاظ میں بھی تاویلات یا مجازات و استعارات جاری کر دینا صحیح ہے تو پھر یہود و نصاریٰ کو بھی قصوروار ٹھہرانا غلط ہو گا جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیوں میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان برباد کیا۔

والعیاذباللہ من الزیغ والالحاد

---

[1] اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ یہاں ایسے مجازات کا تو بھلا کیا امکان ہو گا جن کی طرف کسی اہل زبان کا ذہن ہی منتقل نہ ہو سکے حتی کہ ان کے زبردستی منوانے کے لئے جدید وحی کی ضرورت محسوس ہو اور کسی نبی مزعوم کو آکر پہلے خود بھی سالوں کا مغالطہ لگا ہے اور وہ بھی ان کو حقیقی معنی پر ہی حمل کرتا رہے پھر جب وہ مدعی مسیحیت بنے تو ان کے مجازی معنی مراد لے اور اس کے سمجھانے میں اس کو امت کے ساتھ مدتوں جنگ کرنی پڑے۔ مثلاً یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی عیسیٰ ابن مریم سے مجازاً فلاں شخص (جس کا باپ بھی موجود ہے اور ماں کا نام بھی مریم نہیں ہے) مراد ہے اور نزول سے مجازاً ولادت اور حاکم سے مجازاً حکومت اور دمشق سے فلاں شہر اور دو زرد چادروں سے مجازاً دو مرض مراد ہیں غرض کہ اس پیشگوئی کے جملہ الفاظ میں مجازی معنی مراد لے لئے بجز ایک منارہ کے کہ اس کے معنی حقیقی مراد لے اور حقیقی معنی بھی وہ خود اپنے نزول یعنی ولادت بلکہ دعویٰ مسیحیت کے بعد اپنے چندہ سے منارہ بنا کر پیدا کرے بیشک مجازو استعارہ فصاحت و بلاغت کا ایک اہم باب ہے اور ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر کیا ایسے استعارہ و مجاز کی مثال بھی کسی زبان میں ملتی ہے اگر اس قسم کے استعارہ و مجاز کے لئے بھی کوئی وجہ جواز نکل سکتی ہے تو پھر دنیا میں جھوٹ اور کذب کی کوئی مثال نہیں مل سکتی ہر جھوٹ استعارہ و مجاز کے پردے میں چل سکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

سيدنا روح الله عيسٰى بن مريم و قطعة مهمة من حياته الطيبة عليه الصلوٰة و السلام

سیدنا روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی ایک اہم سرگذشت

نزول عيسٰى بن مريم عليه السلام حق جزم به النبي ﷺ حتى حلف عليه

(۱۲۵۳) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمْ اِبْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَ يَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَ يَضَعُ الْحَرْبَ وَ يَفِيْضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلُهٗ اَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ ؓ وَ اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ (وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا)

(رواه البخاري و مسلم ص ۸۷ ج ۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی مسئلہ ہے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے

(۱۲۵۳) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ زمانہ قریب ہے جبکہ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے آئیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے، اور سور کو قتل کریں گے اور جنگ ختم کر دیں گے اور ان کے دور میں مال اس طرح بہا پڑے گا کہ کوئی شخص اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور لوگوں کی نظروں میں ایک سجدہ کی قدر و قیمت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی یہ مضمون روایت فرما کر ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ اگر تم اس مضمون کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو سورۃ النساء کی یہ آیت پڑھ لو ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (آیت:۱۵۹)

(بخاری ومسلم ج ا ص ۸۷)

(۱۲۵۳) ✱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں اگر عام عادت کے خلاف کوئی بات نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قسم کھا کھا کر کیوں بیان فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کسی انسان کی ولادت مراد نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی جدید بات نہیں جس پر قسم کھانے کی ضرورت ہو پھر اس پیشین گوئی کی اہمیت راوی حدیث کی نظر میں اتنی ہے کہ وہ اس کو قرآنی پیشین گوئی کہتا ہے اب اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جو پیشین گوئی قسم کے ساتھ حدیثوں میں بیان کی گئی ہو بلکہ قرآن کریم میں موجود ہو وہ جزم و یقین کے کس درجہ میں ہوگی۔ حدیث مذکور میں ان کے زمانہ کی چند ایسی برکات کا تذکرہ بھی آ گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہوگی وہ کوئی معمولی محکوم انسان نہیں ہوں گے بلکہ حاکم بھی وہ حاکم ہوں گے جو وقت کی بڑی طاقت یعنی نصرانیت کا صرف روحانی طور پر ہی نہیں بلکہ مادی طور پر بھی استیصال فرمائیں گے اور شعائر نصرانیت میں سب سے بڑا شعار یعنی ''صلیب'' اس کو نیست و نابود کر دیں گے اخروی برکات کے ساتھ ساتھ دنیوی برکات بھی ان کے قدموں سے لگی ہوئی ہوں گی اور یہ سب .....

www.besturdubooks.net

و فی لفظ مِّنْ رِوَایَةِ عَطَاءٍ وَ لَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءَ وَ التَّبَاغض و التَّحَاسد. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ و احمد فی مسندہ ص ۴۹۳ ج ۲ و ص ۴۹۴ ج ۲ و بطریق اخر فی ص ۴۱۱ ج ۲.

مسلم شریف میں عطاء کی روایت میں یہ الفاظ اور ہیں کہ ان کے زمانہ کی برکات میں سے یہ بھی ہوگا کہ لوگوں میں کینۂ بغض اور حسد کا نشان باقی نہ رہے گا۔

و لفظہ یوشک من عاش منکم ان یلقی عیسی بن مریم و عزاہ السیوطی فی الدر المنثور ص ۲۴۲ ج ۲ **لابن ابی شیبة و عبد بن حمید و اخرجه ابن مردویه و فی لفظه و تکون السجدة واحدة لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ اَقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ موت عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ثُمَّ يُعِيْدُهَا اَبُوْهُرَيْرَة ثلث مَرَّاتٍ.**

(۱۲۵۴) وَ اَخرج اَبُويَعْلٰى مَرْفُوْعًا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِیْ وَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ لَاُجِيْبَنَّهٗ. (کذا فی روح المعانی من الاحزاب ص ۶)

(۱۲۵۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذات کی قسم کھا کر فرمایا جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم ضرور اتر کر رہیں گے اور اگر وہ میری قبر پر آ کر کھڑے ہوں گے اور مجھ کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (روح المعانی)

(۱۲۵۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ. (کذا فی الدر منثور ج ۲ ص ۲۴۵ و قد رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ھریرة مرفوعًا ایضًا بسند رجالہ رجال البخاری)

(۱۲۵۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے جس شخص کی بھی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے ملاقات ہو وہ ان کو میری جانب سے ضرور سلام کہہ دے۔ (احمد)

(۱۲۵۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ اِنِّیْ

(۱۲۵۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میری زندگی

﴿...برکات اتنی ظاہر و باہر ہوں گی کہ اس وقت کے انسانوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہی ''اسرائیلی'' رسول ہونے کا بدیہی ثبوت دیں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''حکم'' فرمایا گیا ہے اور حکم وہی ہو سکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلّم ہو اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ نازل ہونے والے وہی اسرائیلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی شخصیت ہی اہل کتاب اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے نزدیک مسلّم ہو سکتی ہے اگر بالفرض اس پیشین گوئی کا مصداق کسی ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو خود اسی امت میں پیدا ہو تو اس کو حکم نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک وہ مسلّم نہیں ہوگا۔ یہاں حکم یعنی ثالث کی ضرورت اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر جملہ ادیان کا پھر ملت واحدہ بن جانا ضروری ہے اور اس کے لئے اہل کتاب اور اہل قرآن کا باہم اختلاف ختم ہو جانا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب فیصلے دلائل و براہین کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لئے اس کی مصلحت نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کے لئے ایک ایسی شخصیت آئے جو فریقین کے نزدیک مسلّم ہو تا کہ خدائے تعالیٰ کی حجت دونوں فریق پر پوری ہو جائے اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تشریف لانا مقدر ہوا۔ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔

(۱۲۵۶) * ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی امر ہے اور ایسا یقینی ہے کہ اس پیشین گوئی کے ﴾....

www.besturdubooks.net

لَا رْجُوْا اِنْ طَالَتْ بِیْ حَیٰوةٌ اَنْ اُدْرِکَ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ فَاِنْ عَجَلَ بِیْ مَوْتٌ فَمَنْ اَدْرَکَهُ فَلْیُقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ. (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸) و رجاله رجال البخاری و قد اخرج البخاری بهذا لاسناد احادیث فراجع ج ۲ ص ۱۰۰۷ و ج ۲ ص ۹۹۹.

دراز ہوگئی تو مجھ کو امید ہے کہ عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) سے خود میری ملاقات ہو جائے گی اور اگر اس سے پہلے میری موت آ جائے تو جو شخص ان کا زمانہ پائے وہ میری جانب سے ان کی خدمت میں سلام عرض کر دے۔ (مسند احمد)

ان عیسٰی علیه الصلوٰة والسلام لم یمیت الی الان و انه راجع الینا ثم یاتی علیه الفناء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اب تک وفات نہیں ہوئی ان کو تشریف لانا ہے اسکے بعد ان کی وفات ہونی ہے

(۱۲۵۷) عَنِ الْحَسَنِ مَرْفُوْعًا وَ مَوْقُوْفًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْیَهُوْدِ اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَ اِنَّهُ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ. اخرجه ابن جریر مرفوعا عنه و اخرج ابن کثیر من ال عمران و ذکره فی النساء من طریق اخر موقوفا عنه و اخرجه ابن ابی حاتم مرفوعًا.

(۱۲۵۷) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ارشاد فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام ابھی مرے نہیں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کو لوٹ کر تمہارے پاس آنا ہے۔ (ابن کثیر)

(۱۲۵۸) عَنِ الرَّبِیْعِ مُرْسَلًا قَالَ اِنَّ نَصَارٰی اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(۱۲۵۸) ربیع مرسلاً بیان کرتے ہیں نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریمؑ کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ

ﷺ.....راویوں کی نظروں میں اس کا انتظار لگ رہا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت غیر معمولی شخصیت ہے۔ امت کا فرض ہے کہ پیشینگوئی کو یاد رکھے اور جس خوش نصیب کو وہ زمانہ ہاتھ آ جائے اس پر لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا کر آپ کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

(۱۲۵۷) ✱ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ خطاب فرمایا ہے چونکہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ تصور کرتے ہیں اور ان کی دوبارہ آمد کے منکر ہیں اس لئے جب آپ نے خاص یہود کو خطاب فرمایا تو ان کے مقابلہ میں خاص طور پر ان کی دوبارہ تشریف آوری پر زور دیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی موت کی نفی فرما دی ہے جس سے ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہی نہیں ہوئی تو پھر ان کا دوبارہ تشریف لانا خود بخود ضروری ہے اور اس حقیقت کی مزید تاکید کے لئے جو شخص آسمانوں پر گیا ہے وہی شخص دوبارہ آئے گا لفظ ''رجوع'' یعنی لوٹنے کا استعمال فرمایا ہے۔ اس کے برعکس نصاریٰ ہیں وہ ان کو خدا مانتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک وہ فناء کے تحت آ ہی نہیں سکتے لہٰذا آپ نے جب خاص ان سے خطاب فرمایا تو ان کو یہ کہہ کر قائل کیا ہے کہ خدا وہ ہے جس کو کبھی فناء نہ ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اترنے کے بعد موت آنی ہے پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۱۲۵۸) ✱ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آ چکی تھی تو کیا اس حقیقت کے انکشاف کے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر ﷺ.....

www.besturdubooks.net

فخاصموه فی عیسی بن مریم و قالوا له من ابوه و قالوا علی الله الکذب و البهتان فقال لهم النبی صلی الله علیه وسلم الستم تعلمون انه لا یکون ولد الا و هو یشبه اباه قالوا بلی قال الستم تعلمون ان ربنا حی لا یموت و ان عیسی یاتی علیه الفناء قالوا بلی. (الحدیث کذا فی الدر المنثور من اول سورۃ ج۲ ص ۲۰۳)

وسلم سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے (کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے) تو بتائیے ان کا والد کون تھا؟ اور حق تعالیٰ شانہٗ پر طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان لگانے لگے آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اس کو موت کبھی نہ آئے گی اور عیسیٰ علیہ (علیہ السلام) کو موت آنی ہے انہوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا بے شک ان کو موت آنی ہے (تو پھر وہ حق تعالیٰ کے مشابہ کہاں رہے) (درمنثور)

(۱۲۵۹) عن ابی الطفیل عن حذیفة بن اسید الغفاری قال اطلع النبی صلی الله علیه وسلم علینا و نحن نتذاکر فقال ما تذکرون قالوا نذکر الساعة قال انها لن تقوم حتی ترون قبلها عشر ایات فذکر الدخان والدجال والدابة و طلوع الشمس من مغربها و نزول عیسی بن

(۱۲۵۹) ابوالطفیل حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر سے تشریف لائے اس وقت ہم قیامت کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے آپؐ نے فرمایا کیا گفتگو کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آ سکتی جب تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو- دھواں' دجال' دابۃ الارض' مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع'

﴾.....کوئی اور موقعہ تھا آپ یہاں صاف فرما دیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی کے مر چکے ہیں مگر قرآن و حدیث میں عیسائیوں کے سامنے ایک جگہ بھی ہم کو اس کا تذکرہ نہیں ملتا-

(۱۲۵۹) * حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول چند اور علامات کے ساتھ بھی اتنا ہی یقینی ہے حتیٰ کہ ان کی تشریف آوری سے قبل قیامت کا تصور کرنا گویا بے حقیقت بات ہے- نیز مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جن اور دیگر علامات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر علامت اپنی اپنی نوعیت میں عجیب ہی ہے اور بظاہر ہے کہ انقلاب عالم کے عجیب تر حادثہ کی علامات ایسے ہی عجیب در عجیب ہونی چاہئیں اس کو تاویلیں کر کر کے دنیا کے عام حوادث کی صف میں کھینچنا قیامت کی حقیقت سے ناواقفی کی دلیل ہے بلکہ ایک طرح پر قیامت ہی کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا وجود ان علامات کے وجود سے کہیں عجیب تر ہے پس اگر یہ علامات مادی عقول کے نزدیک خلافِ عقل ہونے کی بناء پر قابل تاویل ہیں تو پھر قیامت کا وجود بدرجہ اولیٰ قابل تاویل ہونا چاہئے والعیاذ باللہ- اہل عقل و انصاف کو ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیثوں میں قیامت کے قریب تر متعلقات میں شمار کیا گیا ہے پھر اگر اس کو قیاس کرنا ہی ہے تو قیامت پر قیاس کرنا چاہئے- عالم کے عام نظم و نسق میں اس کو شامل کر لینا کتنی بڑی نادانی ہے- حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ علامات قیامت میں قیامت کی علامات کی دو قسمیں قرار دی ہیں- صغریٰ (چھوٹی) اور کبریٰ (بڑی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات کبریٰ میں شامل فرمایا ہے جس کا حاصل ﴾.....

www.besturdubooks.net

مَرْيَمَ وَ يَأْجُوجَ وَ مَأْجُوجَ وَ ثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَ خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَ خَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ اٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ.

عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا اترنا' یاجوج و ماجوج کا ظہور' تین خسف' ایک مشرق میں' ایک مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں اور سب سے آخر میں وہ آگ جو یمن سے ظاہر ہوگی اور سب کو دھکا دے کر محشر تک لے جائے گی۔ (مسلم شریف)

اخرجه مسلم ص ۳۹۳ و عن واثلة نحوه اخرجه الطبراني و الحاكم و وافقه الذهبي على تصحيحه.

(۱۲۶۰) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (مسند احمد ج ٤ ص ٤٢٩ ورجاله كلهم ثقات)

(۱۲۶۰) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو اور حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں۔

(مسند احمد)

(۱۲۶۱) عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا قَالَ اِنَّ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ خَارِجٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ يَسْتَغْنِيْ بِهِ النَّاسُ عَمَّنْ سِوَاهُ. (كنز العمال ج ۷ ص ۲٦۸)

(۱۲۶۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) یقیناً تشریف لاکر رہیں گے اور ان کی آمد کے بعد لوگ ان کے سوا سب سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ (کنز العمال)

(۱۲۶۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا لَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا فِيْ اَوَّلِهَا وَ عِيْسٰى فِيْ آخِرِهَا. (كنز ج۷ ص ۲۰۳ و صححه في الدرالمنثور في

(۱۲۶۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بھلا وہ اُمت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اوّل میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔

ضمن اثر كعب و حسنه في الفتح من فضائل اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم و ذكره في المشكوٰة في ثواب هذه الامة عن رزين سلسلة الذهب قال في التيسير ص ۳۰۲ رواه النسائي و غيره۔

(۱۲۶۳) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرِ الْحَضْرَمِيْ

(۱۲۶۳) جبیر بن نفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

لـه ...حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے بعد قیامت کا اس طرح انتظار کرنا چاہیے جیسے جانور کے حمل کی مدت پوری ہو جانے کے بعد اس کا مالک بچہ کی پیدائش کا انتظار کیا کرتا ہے جیسا کہ اس باب کے آخری حدیثوں میں عنقریب آپ کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

(۱۲۶۰) * حدیث مذکور اگرچہ ایک دوسرے مضمون کی حدیث ہے مگر چونکہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری قیامت کی طرح یقینی مسئلہ ہے اس لئے جب کہیں قیامت کا تذکرہ آتا ہے تو اگر وہاں سیاق کلام میں ذرا کوئی مناسبت نکل آتی ہے تو مسلمات کی طرح فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا تذکرہ بھی آ جاتا ہے۔

(۱۲۶۳) * حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی ہے اور اس نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لـه ....

www.besturdubooks.net

مَرْفُوعًا سَلَا لَنْ يُخْزِيَ اللّٰهُ اُمَّةً اَنَا فِيْ اَوَّلِهَا وَ عِيْسٰى فِيْ اٰخِرِهَا. (كذا في الدرالمنثور ج۲ ص ۲٤٥) اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔ (درمنثور)

و قال الذهبى فى التلخيص هو خبر منكر ولم يذكر له وجها وجيها بل الصحيح انه ان لم يكن صحيحا فلا ينحط عن درجة الحسن كما صرح به الحافظ فى الفتح ج ۷ ص ۵ و عن عروة بن رويم مثله كما فى الكنز ج ۷ ص ۲۰۲ و عن كعب مثله مرفوعا فى ضمن اثره الموقوف عليه كذا فى الدرالمنثور و عن جعفرؒ الصادق عن ابيه عن جده مرفوعًا فى حديث نحوه رواه رزين كما فى المشكوة من باب ثواب هذه الامة

اِنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَلَا يُوْلَدُ فِي الْاَرْضِ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اتریں گے اور زمین کے کسی خطہ میں پیدا نہیں ہوں گے

(۱۲۶۴) عَنِ الحَاطِبِ بن اَبِي بَلْتَعَةَ قَالَ بَعَثَنِيْ (۱۲۶۴) حاطب بن ابی بلتعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

☜.... امت کے لئے ایک بڑی رحمت بھی پنہاں ہے۔ یوں تو ہر گذشتہ امت دو رسولوں کے درمیان ہی ہوتی چلی آئی ہے مگر چونکہ پہلے ہر رسول کی امت مستقل ہوتی تھی اس لئے اس کو پہلی امت کے آخر میں شمار کرنا بے معنی بات تھی وہاں ہر رسول کا اصل مقام اپنی امت کے اول ہی میں تھا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گو نصاریٰ کے بعد تشریف لائے مگر چونکہ آپ مستقل رسول تھے اور آپ کی امت علیحدہ امت تھی اس لئے آپ کو امت عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں شمار کرنا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی دو رسولوں کے درمیان ہے اس کے اول میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے معنی بات ہے۔ لیکن اس امت کا معاملہ بالکل مختلف ہے یہاں اس امت کے رسول تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس امت میں بہ حیثیت رسالت نہ ہوگی اس لئے ان کی امت بھی کوئی جدید امت نہ ہوگی اس لئے ان کو اس امت کے آخر میں شمار کرنا بالکل درست ہے اور اس امت کے حق میں بڑی رحمت کا باعث ہے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آخر میں آنے والے رسول وہی اسرائیلی رسول ہوں گے اور خود اس امت میں پیدا نہیں ہوں گے کیونکہ اگر وہ خود اس امت میں پیدا ہوں تو پھر ان کو امت کے آخر میں کہنا مناسب نہیں پس یہاں جس طرح امت کے اول میں آنے والے رسول کو اس امت میں شمار کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس کے آخر میں آنے والے رسول کو اس امت میں پیدا شدہ کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ ایسا رسول ہونا چاہئے جو خود رسول ہو مگر آئندہ اس کی کوئی علیحدہ امت نہ ہوتا کہ اس کو اس امت کے آخر میں کہنا صحیح اور بامعنی بات ہو یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آئے گا اس لئے دورۂ نبوت کے لحاظ سے اس کو آپ کی امت میں بھی شمار کرنا درست رہے تو پھر اس میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ کی نبوت کے تحت ہیں اور اس لئے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ محشر میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان ایک بار دنیا میں بھی ظاہر ہوگی اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے خاص ان کے اندر یہ رشتہ زیادہ نمایاں رہے گا اس لئے علماء حقائق نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام میں اس خصوصیت کا ظہور قیامت کے دن بھی سب میں ممتاز رہے گا عجب نہیں کہ انا اولى الناس بابن مريم کی صحیح حدیث میں اس طرف بھی کچھ اشارہ ہو۔

(۱۲۶۴) ✱ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حاطبؓ اور شاہ مقوقس کے درمیان ایک مربوط گفتگو کا تذکرہ ☜....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُقَوْقِسِ مَلِکِ الاسْکَنْدَرِیَّۃِ قَالَ فَجِئْتُہٗ بِکِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَنِیْ فِیْ مَنْزِلِہٖ وَ اَقَمْتُ عِنْدَہٗ ثُمَّ بَعَثَ اِلَیَّ وَ قَدْ جَمَعَ بِطَارِقَۃً وَ قَالَ اِنِّیْ سَاُکَلِّمُکَ بِکَلَامٍ وَ اُحِبُّ اَنْ تَفْھَمَہٗ مِنِّیْ قَالَ قُلْتُ ھَلُمَّ قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صَاحِبِکَ اَلَیْسَ ھُمْ نَبِیًّا قُلْتُ بَلٰی ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ فَمَالَہٗ حَیْثُ کَانَ ھٰکَذَا لَمْ یَدْعُ عَلٰی قَوْمِہٖ حَیْثُ اَخْرَجُوْہُ مِنْ بَلَدِہٖ اِلٰی غَیْرِھَا قَالَ فَقُلْتُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اَلَیْسَ تَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَمَا لَہٗ حَیْثُ اَخَذَہٗ قَوْمُہٗ فَاَرَادُوْا اَنْ یَّصْلُبُوْہُ اَنْ لَا یَکُوْنَ دَعَا عَلَیْھِمْ بِاَنْ یُّھْلِکَھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰی رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ فِی السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ اَنْتَ الْحَکِیْمُ الَّذِیْ جَاءَ مِنْ عِنْدِ الْحَکِیْمِ۔ (اخرجہ البیھقی فی الخصائص ج ۱ ص ۱۲) قلت و لم یذکرہ الشیخ قدس سرہ فی رسالتہ فی نزول المسیح علیہ السلام

وسلم نے مجھ کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس بھیجا یہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور میں ان کے ہاں مقیم رہا پھر کسی فرصت میں انہوں نے مجھ کو یاد فرمایا اور اپنے مذہبی بزرگوں کو بھی دعوت دی اور کہا مجھ کو تم سے ایک بات کہنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو خوب سمجھ لو یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی فرمائیے' فرمائیے! انہوں نے فرمایا اچھا اپنے پیشوا کے متعلق بتاؤ کیا وہ نبی ہیں؟ میں نے عرض کی یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں اس پر انہوں نے کہا تو پھر ان کی قوم نے ان کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا تو انہوں نے کیوں اُن پر بددعا نہ کی؟ یہ کہتے ہی میں نے اس کے جواب میں شاہ مقوقس سے کہا کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر جب ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر سولی دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اس وقت ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اس آسمان پر اُن کو اُٹھا لیا - یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا تو خود بھی دانا شخص ہے اور جس ہستی کا فیض یافتہ ہے وہ بھی بڑی صاحب حکمت ہے۔

(بیہقی)

ؒ .... ہے جس کو پڑھ کر بے ساختہ دل اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے اس گفتگو میں صحابی کو مقوقس کے جواب میں گو صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ ''پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں پر بددعا کیوں نہیں کی'' مگر انہوں نے شاہ مقوقس پر اور زیادہ زور ڈالنے کے لئے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہجرت فرمائی تھی وہ تو صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تھی مگر عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت تو ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تھی ظاہر ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا اگر پھر بھی رہے وطن ہی کے قریب و بعید میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ایسی جگہ ہجرت فرمائی جہاں نہ وطن کی خبر رہی نہ اہل وطن کی پس بددعاء کا سوال وہاں زیادہ چسپاں ہوتا ہے جہاں مظلومیت زیادہ ہو اس پر شاہ مقوقس نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ کیا نامعقول بات کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کہاں گئے ان کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے بلکہ وہ لاجواب ہو کر چپ رہ گیا اور اس کو خود ان کی بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی غائبانہ داد دینی پڑی -- معلوم ہوا کہ شاہ مقوقس کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ زندہ آسمان پر تشریف لے گئے ہیں اس لئے آسمان ہی سے اتریں گے ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا دنیا میں پیدا ہونے کا خیال یہ صرف جدید تراشیدہ افسانہ ہے جس کے اہل کتاب ہی قائل تھے نہ علماء اسلام۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۶۵) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ. (ذکره البیهقی فی کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۱ و عزاه للبخاری و مسلم علی عادة المحدثین فی کون مرادهم به اصل الحدیث)

(۱۲۶۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- بھلا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں کا ہوگا- (الاسماء والصفات)

و عن ابن عباس فی تفسیر قوله تعالٰی ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم ای من ترکت منهم و مدفی عمره حتی اهبط من السماء الی الارض یقتل الدجال فنزلوا عن مقالتهم ووحدوک و افروا انا عبید. و عنه قال لما اراد الله ان یرفع عیسی الی السماء خرج الی اصحابه و فی البیت اثنا عشر رجلاً من الحواریین فخرج علیهم من غیر البیت و راسه یقطر ماء. (درمنثور ج۲ ص ۲۳۸)

ابن عباسؓ آیت ﴿و ان تعذبهم. الخ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے یعنی ان لوگوں کو جن کو تو باقی رکھے- کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر دراز کر دی گئی ہے یہاں تک کہ جب وہ آسمان سے زمین پر اتریں اور دجال کو قتل کر دیں تو جو باقی ماندہ اپنے مشرکانہ عقیدے سے باز آ کر تیری واحدانیت کے قائل ہو جائیں اور یہ اقرار بھی کریں کہ میں تیرا ایک بندہ ہی ہوں تو تو قادر اور حکمت والا ہے- نیز ابن عباسؓ ﴿بل رفعه اللّٰه الیه﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں صرف بارہ شخص موجود تھے اور وہ گھر کے دروازہ کی بجائے روشندان سے تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے-

(۱۲۶۶) عَنْ اِبْنِ عباسٍ مَرْفُوْعًا قَالَ الدَّجَّال

(۱۲۶۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ

(۱۲۶۵) ✽ حدیث مذکور میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے ہر چند کہ آسمان کے لفظ کی ان تفصیلات کے بعد جو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بیان میں آ چکی تھیں کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود چونکہ وہ ایک حقیقت تھی اس لئے اگر بضرورت نہ سہی تو ایک حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی اس کا جابجا تذکرہ ملتا ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباسؓ بھی جن کے متعلق یہ داستان گائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے مختلف مقامات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح فرماتے ہیں پھر اس میں شبہ کیا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مرنا ہے کلام صرف اس میں ہے کہ یہ مقدر موت واقع ہو چکی ہے یا آئندہ واقع ہونے والی ہے کتنی نافہمی ہے کہ بالفرض اگر ان کے بارے میں کسی سے موت کا لفظ منقول بھی ہے تو اس کو فوراً بے تحقیق گذشتہ موت پر حمل کر لیا جائے حالانکہ وہ اس کا صاف اقرار بھی کر رہا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے جا چکے ہیں اور آئندہ تشریف لا کر عام انسانوں کی طرح وفات پائیں گے-

(۱۲۶۶) ✽ اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے اور اُن کے دور کے امن وامان اور اصلاح وامان عام کا ایسا نقشہ موجود ہے جس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی غیر معمولی انسان ہوں گے اب اگر کسی کے دل میں ہر حقیقت کو مجاز بنانا ہی....

www.besturdubooks.net

اَوَّلُ مَنْ یَّتْبَعُهُ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْیَهُوْدِ عَلَیْهِمُ السِّیْجَانُ (الی قوله) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعِنْدَ ذٰلِکَ یَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ عَلٰی جَبَلِ افِیْقٍ اِمَامًا هَادِیًا وَ حَکَمًا عَادِلًا عَلَیْهِ بُرْنُسٌ لَهٗ مَرْبُوْعُ الْخَلْقِ اَمْلَتُ سَبْطُ الشَّعْرِ بِیَدِهٖ حَرْبَةٌ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ فَاِذَا قَتَلَ الدَّجَّالَ تَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا فَکَانَ السِّلْمُ فَیَلْقَی الرَّجُلُ الْاَسَدَ فَلَا یَهِیْجُهٗ وَ یَاْخُذُ الْحَیَّةَ فَلَا تَضُرُّهٗ وَ تُنْبِتُ الْاَرْضُ کَنَبَاتِهَا عَلٰی عَهْدِ اٰدَمَ وَ یُؤْمِنُ بِهٖ اَهْلُ الْاَرْضِ وَ یَکُوْنُ النَّاسُ اَهْلَ مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ. (اسحق ابن بشیر کنز ج ۷ ص ۶۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے پہلے جو لوگ دجال کی اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہود ہوں گے ان کے سروں پر طیلسان ہوں گے اس سلسلہ میں ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کوہ افیق پر آسمان سے اتریں گے اور وہ امام ہادی اور منصف حاکم ہوں گے برنس (باران کوٹ کی طرح ہوتا ہے) پہنے ہوئے ہوں گے وہ میانہ جسم کے ستے ہوئے رخسار اور سیدھے بالوں والے ہیں ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا دجال کو قتل کریں گے اور جب اس کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے تو جنگ ختم ہو جائے گی اور امن و سلامتی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی اور شیر کا آمنا سامنا ہوگا مگر اس پر حملہ کرنے کا اس کے دل میں ذرا خیال نہ آئے گا آدمی سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور وہ اس کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچائے گا اور زمین کی پیداوار میں وہ برکت ہوگی جو کبھی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی اور زمین کے بسنے والے ان پر ایمان لے آئیں گے اور سب مخلوق ایک ہی ملت و مذہب کی ہو جائے گی۔ (کنز)

جَزْمُ النَّبِیِّ ﷺ بِاَنَّ النَّازِلَ هُوَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ الَّذِیْ وُلِدَ مِنْ غَیْرِ اَبٍ وَ شَیَّدَهٗ لَا بِمَا لَا مَزِیْدَ عَلَیْهِ مِنْ ذِکْرِ اسْمِهٖ وَ نَسَبِهٖ وَ حُلْیَتِهٖ وَالْاَعْمَالِ الْمُهِمَّةِ الَّتِیْ یَنْزِلُهَا وَ مَنْصَبِهِ الَّذِیْ یَنْزِلُ بِهٖ وَ کَیْفِیَّةِ الْاَمْنِ الشَّامِلِ وَسَعَةِ الرِّزْقِ وَ فَیَضَانِ الْمَالِ وَ غَیْرِهَا فِیْ عَهْدِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ آئندہ تشریف لانے والے وہی عیسیٰ ہوں گے جن کی پیدائش بغیر والد کے ہوئی ہے چنانچہ اسی کی وضاحت کے لئے آپؐ نے ان کے نام ان کے نسب اور ان کی شکل و صورت بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے اسی کے ساتھ آپ کی خدماتِ مفوضہ ان کا منصب ان کے زمانہ امن عام کی کیفیت رزق کی فراوانی اور دیگر امور کی تفصیلات بھی بیان فرمائی ہیں

(۱۲۶۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

(۱۲۶۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ﷺ.... کہ اس پیشین گوئی کو اپنے نفس پر صادق کرنے کا جذبہ ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے ہاں جو شخص کسی کی ہوائے نفسانی کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بصیرت افروز ارشادات کی بے جا تاویلات پر یقین لانے کو ترجیح دے وہ اپنا ٹھکانا خود سوچ لے وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

(۱۲۶۷) * اس حدیث پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں اسی مسیح (اسرائیلی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ ہے جو ایک ﷺ....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةُ الْعَلَّاتِ اَبُوْهُمْ وَاحِدٌ وَ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُ نَبِيٌّ وَ اَنَّهُ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ فَاِنَّهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبْطٌ كَاَنَّ رَاْسَهُ يَقْطُرُ وَ اِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَ يَضَعُ الْجِزْيَةَ وَ يُعَطِّلُ الْمِلَلَ حَتّٰى يُهْلِكَ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا غَيْرَ الْاِسْلَامِ وَ يُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ الْكَذَّابَ وَ تَقَعُ الْاَمَنَةُ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى تَرْتَعَ الْاِبِلُ مَعَ الْاَسَدِ جَمِيْعًا وَالنُّمُوْرُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَ يَلْعَبُ الصِّبْيَانُ وَالْغِلْمَانُ بِالْحَيَّاتِ لَا يَضُرُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَيَمْكُثُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَمْكُثَ ثُمَّ يَتَوَفّٰى فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَ يَدْفِنُوْنَهٗ.

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷)

سے روایت کرتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں سب باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں والد ایک اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہوں عیسٰی علیہ السلام سے سب سے زیادہ نزدیک میں ہوں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں دیکھو وہ ضرور اتریں گے اور جب تم ان کو دیکھو تو فوراً پہچان لینا کیونکہ ان کا قد میانہ ہوگا رنگ سرخ وسفید' کنگھی کئے ہوئے سیدھے سیدھے بال یوں معلوم ہوگا کہ سر سے پانی ٹپکنے والا ہے اگرچہ اس پر کہیں تری کا نام نہ ہوگا' وہ گیرو کے رنگ کی چادریں اوڑھے ہوں گے وہ اُتر کر صلیب کو توڑ ڈالیں گے سور کو قتل کریں گے جزیہ ختم کردیں گے' اور تمام مذاہب ان کے زمانہ میں ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح دجال کو ہلاک کرے گا' اور زمین پر امن وامان کا وہ نقشہ قائم ہو گا کہ اونٹ شیروں کے ساتھ اور چیتے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو ذرا کوئی تکلیف نہ دے گا اسی حالت پر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہ رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نمازِ جنازہ ادا کریں گے اور ان کو دفن کردیں گے۔

(مسند احمد)

☆ ... بار یہ حیثیت نبوت کے پہلے آچکے ہیں اور وہی اس امت پر ایک بڑی مصیبت کے وقت دوبارہ پھر تشریف لانے والے ہیں کیونکہ زمانہ کے لحاظ سے آپ سے وہی اتنے قریب ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں اس لئے بھی اس مصیبت کے وقت آپ کی امت کی ہمدردی کا فرض سب سے پہلے ان ہی پر عائد ہوتا ہے نیز آپ نے اس کی مزید توضیح کے لئے ان کا وہی نام ونسب ان کی اسی ملکی نظافت وطہارت اور ان کے اسی حلیہ مبارک کا تذکرہ فرمایا ہے جس کے بعد کسی مجنون کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی پھر آپ نے صرف ان کے ماضی سوانح کے بیان پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ ان کے مستقبل کے ایسے کارنامے اور ایسی روشن برکات کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے جن کے بعد ان کی شناخت میں کوئی ادنیٰ تردد نہیں ہوسکتا اب اگر آپ کے فرمودہ پر ایمان لانا ہے تو وہ واضح سے واضح انداز میں یہ آپ کے سامنے موجود ہے اور اگر اپنے خیالات پر ایمان لانا ہے تو یہود اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہی راستہ اختیار کرچکے ہیں۔ کتب سماویہ صاف سے صاف انداز میں آپ کے نام ونسب' آپ کی شکل وشمائل اور آپ کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتی رہیں اور یہ بدنصیب ان سب کی تاویلیں کرکر کے آپ کا انکار کرتے رہے۔ ﴿فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾

www.besturdubooks.net

اَلْبَلَدُ الَّذِیْ یَنْزِلُ فِیْهِ عِیْسٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام و موضع النُّزول منه بعَیْنِهٖ وَ هیانه عِنْدَ نَزُوْلِهٖ وَالْبرکة العامة فی الاَشْیَاءِ فِیْ عَهْده علیه الصلٰوۃ وَالسَّلامُ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہر کا نام اور اُس شہر میں خاص محل نزول کا نام اور نزول کے وقت اُن کا مکمل نقشہ اور ان کے زمانہ کی برکات

(۱۲۶۸) عن النواس بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّال ذَاتَ غَدَاةٍ فَخَفَّضَ فِیْهِ وَ رَفَعَ حَتّٰی ظَنَنَّاهُ فِیْ طَائِفَةِ النَّخْلِ فَلَمَّا رُحْنَا اِلَیْهِ عَرِفَ ذَالِکَ فِیْنَا فَقَالَ مَا شَانُکُمْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذکرت الدَّجَّال غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِیْهِ وَ رَفَّعْتَ حَتّٰی ظَنَنَّاهُ فِیْ طَائِفَةِ النَّخل فقَالَ غَیْرُ الدَّجَّال اَخْوَفُنِیْ عَلَیْکُمْ اِنْ یَّخْرُجْ وَ اَنَا فِیْکُمْ فَاَنَا حَجِیْجُهٗ دُوْنَکُمْ وَ اِنْ یَّخْرُجْ وَ لَسْتُ فِیْکُمْ فَامْرَءٌ حَجِیْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ. اِنَّهٗ شَابٌّ قَطط عَیْنُهٗ طَافة کَاَنَّ اُشَبِّهُهٗ بِعَبْدِ العزیٰ بن قَطَنٍ فَمَنْ اَدْرَکَ مِنْکُمْ فَلْیَقْرَءْ عَلَیْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْکَهْفِ. اِنَّهٗ خَارِجٌ خَلَّةً بَیْنَ الشَّامِ وَ الْعِرَاقِ فَعَاثَ یَمِیْنًا وَ عَاثَ شِمَالًا یَا عِبَادَاللّٰهِ فَاثْبُتُوْا قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا لَبْثُهٗ

(۱۲۶۸) نواس بن سمعان روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اہمیت سے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ مارے دہشت کے ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں موجود ہے جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ہمارے اس دہشت وخوف کو محسوس کرلیا اور پوچھا تم ایسے پریشان کیوں نظر آتے ہو؟ ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے صبح دجال کا ذکر اتنی اہمیت کے ساتھ فرمایا کہ ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں ہے آپؐ نے فرمایا مجھ کو تم پر دجال سے بڑھ کر دوسری باتوں کا زیادہ اندیشہ ہے دجال کا کیا ہے اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں تمہارے بجائے خود اس سے نمٹ لوں گا ورنہ تو ہر شخص خود اس کا مقابلہ کرے اور میں نے تم سب کو خدا کے سپرد کیا۔ دیکھو وہ جوان ہوگا اس کے بال سخت گھونگر والے اور اس کی آنکھ انگور کی طرح باہر کو ابھری ہوئی ہوگی بالکل اس شباہت کا شخص سمجھو جیسا یہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے تو تم میں جو شخص بھی اس کا زمانہ پائے اس کو چاہئے کہ وہ سورہ کہف کی اول کی آیتیں پڑھ لے۔ وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹیوں سے ظاہر ہوگا اور اپنے دائیں بائیں ہر سمت بڑا ادھم مچائے گا تو اے اللہ کے بندو! دیکھو اس وقت ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کتنے عرصہ تک زمین پر رہے گا؟ فرمایا چالیس دن

(۱۲۶۸) * اس حدیث میں دجال کا تذکرہ قدرے محل غور ہے اس کے مباحث اپنے محل میں آئیں گے ان میں سے صرف ایک بات کی تشریح یہاں کرنی مناسب ہے' حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے زمانہ میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا حتیٰ کہ اس ایک دن میں ایک سال کی نمازیں اداء کرنی ہوں گی۔ دن کی اس طوالت کی صورت کیا ہوگی؟ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جب دنیا میں ان عجائبات کے ظہور کا زمانہ شروع ہوجائے گا تو عالم کے موجودہ نظم ونسق کے تحت ان وقعات کے حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی بھی مفت کی دردسری ہے تاہم حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ علامات قیامت میں شیخ محی الدین ابن ﷺ....

www.besturdubooks.net

فِي الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا. يَوْمٌ كَسَنَةٍ. وَ
يَوْمٌ كَشَهْرٍ وَ يَوْمٌ لَجُمُعَةٍ وَ سَائِرُ اَيَّامِهٖ
كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَالِكَ الْيَوْمُ
الَّذِيْ كَسَنَةٍ اَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا
اَقْدِرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا
اَسْرَعُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ
الرِّيْحُ فَيَأْتِيْ عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوْهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَ يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهٗ فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ
وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ
اَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَ اَسْبَغَهٗ ضُرُوْعًا وَ
اَمَدَّهٗ خَوَاصِرَ ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ
فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ
فَيُصْبِحُوْنَ مُمْحِلِيْنَ لَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ
مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَ يَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُوْلُ لَهَا
اَخْرِجِيْ كُنُوْزَكِ فَتَتْبَعُهٗ كُنُوْزُهَا كَيَعَا
سِيْبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُوْهُمْ رَجُلًا مُمْتَلِئًا شَبَابًا
فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهٗ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ
الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوْهُ فَيُقْبِلُ وَ يَهَلَّلُ وَجْهُهٗ وَ
يَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذَا بَعَثَ اللّٰهُ

لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور پھر دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک جمعہ کے برابر ہوگا اس کے بعد بقیہ دن تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے پوچھا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس دن ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں ادا کرنی کافی ہوں گی؟ فرمایا نہیں بلکہ ایک دن کی برابر نمازوں کا اندازہ کر کر کے نمازیں ادا کرتے رہنا۔ ہم نے پوچھا وہ کس رفتار سے زمین پر گھومے گا؟ فرمایا اس تیز رفتار بادل کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا اڑائے لا رہی ہو وہ کچھ لوگوں کے پاس آ کر ان کو اپنی خدائی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے وہ خوش ہو کر آسمان کو بارش کا حکم دے گا فوراً بارش آجائے گی اور زمین کو حکم دے گا اسی وقت وہ سبزہ زار ہو جائے گی اور شام کو جب ان کے حیوانات چراگاہوں سے چر کر واپس ہوں گے تو ان کے اونٹوں کے کوہان پہلے سے زیادہ لمبے لمبے ان کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے لبریز اور ان کی کوکھیں پہلے سے زیادہ تنی ہوئی ہوں گی اس کے بعد وہ کچھ اور لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا مگر وہ اس کو نہ مانیں گے جب وہ ان کے پاس سے واپس ہوگا تو یہ بیچارے سب قحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے قبضہ میں کوئی مال نہ رہے گا (سب دجال کے ساتھ چلا جائے گا) پھر وہ ایک شور زمین سے گذرے گا اور اس کو یہ حکم دے گا "اپنے تمام خزانے باہر اگل دے" وہ سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے اس طرح ہولیں گے جیسے مکھیوں کے سردار کے پیچھے پیچھے سب مکھیاں ہوتی ہیں اس کے بعد ایک شخص کو بلائے گا جو اپنے پورے شباب پر ہوگا اور تلوار سے اس کے

ف .... عربی سے نقل کیا ہے کہ مصائب وآلام کے ان ہنگاموں میں اگر عام گرد وغبار اور غلیظ ابر کی وجہ سے رات و دن متمیز نہ ہوں سکیں تو کچھ بعید نہیں ہے آج بھی معمولی بارشوں میں عصر و مغرب وعشاء کی نمازوں میں تقدیم وتاخیر ہو جانا' معمولی بات ہے ذرا زیادہ گرہن لگ جائے تو ظہر کا پتہ ملنا بھی مشکل ہے صبح کی نماز کا تو کہنا ہی کیا ہے پس بہت ممکن ہے کہ اس سب سے بڑے فتنے کے ظہور کے وقت جس طرح روحانیت کا عالم تاریک در تاریک ہوگا اسی طرح عام عنصریات بھی گرد وغبار اور ابرو باراں کی وجہ سے اتنا مکدر اور تاریک ہو جائے کہ صحیح طور پر یہ اندازہ ہی ممکن نہ رہے کہ رات کب ختم ہوئی اور دن کب آیا اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضاء عالم یکساں نظر آنے لگے ان حالات میں اس کے سواء اور کیا صورت ہوگی کہ اوقاتِ نماز کا صرف ایک اندازہ رکھا جائے رہا گھڑیوں کا سوال تو گو گھڑیاں موجود ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ خاص کر عرب میں نماز دن کا تعلق اب بھی آفتاب کے طلوع وغروب ہی کے ساتھ ہے یعنی غروبِ آفتاب پر یہاں سب گھڑیوں ف ....

www.besturdubooks.net

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيِّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوذَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ وَ اِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ رِيْحَ نَفْسِهِ اِلَّا مَاتَ وَ نَفْسُهُ يَنْتَهِي اِلٰى حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَاْتِيْ عِيْسٰى قَوْمًا قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوْهِهِمْ وَ يُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّيْ لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِيْ اِلَى الطُّوْرِ وَ يَبْعَثُ اللّٰهُ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ فَيَمُرُّ اَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ

دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنا تیر انداز اور اس کے نشانہ لگانے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر اس کو آواز دے کر بلائے گا وہ ہنستا کھلکھلاتا چلا جائے گا ادھر وہ یہ شعبدہ بازیاں دکھلا رہا ہوگا ادھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور دو زرد زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکتے معلوم ہوں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو بالوں میں چاندی کے سے موتی گرتے محسوس ہوں گے جس کافر کو ان کے سانس لگ جائیں گے وہ زندہ نہ رہ سکے گا اور ان کے سانس کا اثر اتنے فاصلہ تک پڑے گا جہاں تک کہ ان کی نظر جائے گی وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد (بیت مقدس میں ایک مقام ہے) پر اس کو پکڑ لیں گے اور یہاں اس کو قتل کر دیں گے اس کے قتل سے فارغ ہو کر عیسیٰ علیہ السلام پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جو اس کے فتنہ سے بچ رہے ہوں گے اور ان کو تسلی وتشفی دیں گے اور جنت میں ان کے مراتب کا حال بیان فرمائیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اب میری ایک ایسی مخلوق نکلنے والی ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں لہٰذا میرے بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جا کر

.... میں ۱۲ بجا دیئے جاتے ہیں اس وجہ سے تمام سالین یہاں مغرب وعشاء کا وقت کبھی نہیں بدلتا یعنی مغرب ہمیشہ بارہ بجے اور اس کے بعد عشاء ہمیشہ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوتی ہے اور اس لئے روزمرہ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ گھڑی کو بھی موسموں کے لحاظ سے آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے شہروں میں تاریخ کی تبدیلی نصف شب کے بعد ہوتی ہے۔ یہاں ہمیں اس پر گفتگو کرنی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں کونسا نظام معقول اور بہتر ہے کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ موجودہ عقول کے سامنے مادی ہر مشکل مشکل ہے لیکن اس کے مقابلہ میں صحیح ہے صحیح حدیثوں کا انکار یا تاویل کوئی مشکل نہیں اس لئے دماغوں میں یہ سوال گذر سکتا ہے کہ گھڑیوں کے بعد نمازوں کے اوقات میں اب کوئی مشکل نہیں ہو سکتی [1]

---

[1] اس تفصیل میں اس وقت ہم جانا پسند نہیں کرتے کہ جس زمانے میں ان مصنوعات کا تصور بھی دماغوں میں موجود نہ ہو اس میں ایک امی قوم کے سامنے ان جدید آلات کا تذکرہ کرنا ایک سیدھی بات کے سمجھنے میں کتنی مشکلات کا باعث بن سکتا تھا غالباً اسی مصلحت سے یاجوج وماجوج کے خاص آلات حرب کے نام بھی تذکرہ میں نہ آئے ہوں پھر یہ کس کو خبر ہے کہ ایٹمی طاقتوں کے استعمال کے نتیجہ میں آئندہ قوانین جنگ میں آلات حرب کی اجازت کس حد تک رہ جائے گی۔ بہرحال جب تک مستقبل حوادث کے متعلق یہ تفصیلات حدیث میں نہیں آئیں تو صرف اپنے دماغی سوال وجواب سے ان ثابت شدہ تفصیلات کا انکار کرنا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا جو صحیح طریقوں سے معرض بیان میں آچکی ہیں۔

www.besturdubooks.net

فَيَشْرَبُوْنَ مَا فِيْهَا وَ يَمُرُّ اٰخِرُهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةً وَ يُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ رَاْسُ الثَّوْرِ لِاَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِيْنَارٍ لِاَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِيْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَصْحَابُهٗ اِلَى الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ الْاَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ اِلَّا مَلَاَهٗ زَهَمُهُمْ وَ نَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَصْحَابُهٗ اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ

جمع کردو- پھر یاجوج و ماجوج ہر پست زمین سے نکل پڑیں گے پہلے ان کا گذر طبریہ کے (مقام کا نام ہے) پانی پر ہوگا وہ اس کو پی کر اس طرح ختم کردیں گے کہ جب ان کا آخری گروہ ادھر سے گذرے گا تو یوں کہے گا ''کبھی یہاں پانی تھا'' پھر بیت مقدس کے خمر پہاڑ پر پہنچیں گے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں کہیں گے ہم زمین والوں کو تو ختم کر چکے لو آؤ اب آسمان والوں کا بھی کام تمام کردیں اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے قدرت اُن کے تیروں کو خون آلود کر کے واپس کردے گی ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی جماعت کوہ طور میں محصور ہوگی یہاں تک کہ بیل کا ایک سر اتنا قیمتی ہو جائے گا جیسا آج تمہارے نزدیک سو دینار ہیں اس تنگی کی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگی ان کی دعاء سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور وہ سب کے سب ایک دم میں اس طرح پھول پھٹ کر مر جائیں گے جیسا ایک آدمی مرتا ہے- جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اتر کر آئیں گے تو زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ نہ ہوگی جہاں ان کے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو اور چربی کا اثر نہ ہو- عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت پھر اللہ

ﷺ .... اس کے علاوہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی بھی کچھ تفصیلات مذکور ہیں ان کو آپ خالی الذہن ہو کر بار بار پڑھیں پھر یہ سوچیں کہ عربی زبان کے مطابق کیا ان تفصیلات میں کسی مجاز و استعار کا ارادہ کیا گیا ہے- ہم کو مجاز و استعار سے انکار نہیں مگر آپ کو بھی حقیقت سے انکار نہ ہونا چاہئے اگر سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہاں متکلم نے یقیناً استعارہ و مجاز سے کام نہیں لیا تو پھر بے وجہ کھینچ کھینچ کر ایک حقیقت کو استعارہ و مجاز کا لباس پہنانا لا حاصل ہے-

ابھی آپ حضرات ابن عباسؓ سے یہ روایت پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ کرشمہ قدرت ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی یونہی نظر آئے گا کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں گویا وہ غسل کر کے ایک دروازہ سے نکلے تھے اور پانی خشک ہونے سے پہلے اب دوسرے دروازہ سے داخل ہو رہے ہیں- جس عالم میں نہ دن ہو نہ رات نہ سردی ہو نہ گرمی اور نہ صحت ہو نہ مرض پھر اس عالم میں اگر پانی کے یہ قطرے بھی کسی تغیر سے محفوظ رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے-

پھر جس خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کو پرندوں کی زندگی کا سبب بنا دے اس میں یہ طاقت کیوں نہیں کہ اسی سانس کو وہ دجال کے حق میں سم قاتل قرار دے دے- اسی طرح یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ دجال جیسی قوت کو وہ ان کے صرف ایک اشارہ سے ہلاک کردے اور دوسری طرف یاجوج و ماجوج کے مقابلہ سے عاجز بنا کر طور یک گوشہ نشینی پر مجبور کردے تاکہ ﷺ ....

www.besturdubooks.net

مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَ لَا وَبَرٍ فَغَسَلَ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَ رُدِّي بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَ يَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا وَ يُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى أَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذَا بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ كُلِّ مُسْلِمٍ وَ يَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ فِيْهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ.

(رواه مسلم صفحه ۴۰۲ ج ۲. و ابو داؤد ص ۱۳۵۰ ج ۲ و غيره في الكنز ص ۳۶۸ ج ۱ لابن عساكر و في لفظه انهبط عيسى ابن مريم و احمد في مسنده ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲ ج ۱)

تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرے گی اس پر اللہ تعالیٰ ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی وہ ان کو اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ڈال دیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ مقام نہبل میں پھینک دیں گے پھر مسلمان ان کے تیر و کمان اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے اور آسمان سے اس زور کی بارش برسے گی کہ کوئی بستی نہ رہے گی اور جنگل میں کوئی خیمہ نہ بچے گا جس میں بارش نہ ہو یہاں تک کہ تمام زمین میں پانی کی نالیوں کی طرح پانی ہی پانی ہوگا پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اپنے پھل اور اپنی سب برکت ظاہر کردے تو وہ برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اس کا چھلکا ان کے سایہ کے لئے کافی ہوگا اور اونٹنی کے ایک مرتبہ کے دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ ایک دودھ والی اونٹنی کئی کئی جماعتوں کے لئے کافی ہوگی اور ایک دودھ کی گائے ایک قبیلہ کو اور ایک دودھ کی بکری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہوگی مخلوق خدا اسی فراغت وخوشی کی حالت میں ہوگی کہ ایک اچھی ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور ان سب کو موت آجائے گی اور صرف بدترین قسم کے کافر بچ رہیں گے جو گدھوں کی طرح منظر عام پر رتا کرتے پھریں گے ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم)

ﷺ ..... طرف دنیا کو یہ واضح ہو جائے جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی تھی وہ تو مدعی الوہیت کا قاتل ہے اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جائے کہ جس نے ایک مدعی الوہیت کو قتل کیا ہے وہ خود خدا نہیں بلکہ وہ تو ایک بے چارہ بشر ہے اور اس طرح طاقت وضعف کے ان دونوں مظاہروں میں اصل خدائے قہار ہی کی طاقت کا جلوہ نظر آئے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر وطغیان کی طاقتوں کو قدرت نے پہلے ہی قدم پر سزا نہیں دے دی بلکہ استدراج و امہال کا قانون برابر ان کے ساتھ جاری رہا ہے فرعون و نمرود شداد و ہامان کی داستانیں پڑھ لو تم کو ثابت ہوگا کہ جب کفر وطغیان اپنی پوری طاقت کو پہنچ چکا ہے تو اس کے بعد پاداش عمل کے قانون نے ان کو پکڑا ہے پھر وہی سنت یہاں یاجوج و ماجوج کے ساتھ بھی جاری ہوگی جب وہ آسمان والوں کے قتل سے مطمئن ہو جائیں گے تو پھر ایسے ہی طریقے سے ان کو ہلاک کیا جائے گا جو آسمان والے کی طرف سے ہوگا تا کہ عالم علوی کی شکست کا جواب سب غلط ہو کر رہ جائے۔

پھر دنیا کے خاتمہ پر وہی ایک دین رہ جائے گا جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا تھا اور آسمان وزمین کی وہی برکتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس طرح سے إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ کا دوسرا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے کن حکمتوں سے عالم کو بچھایا' کن حکمتوں سے اس کو پھیلایا' پھر کن حکمتوں سے اس کو سمیٹے گا یہ خود وہی جانتا ہے۔ ہم بے وجہ ہر جگہ ان کے سمجھنے کے لئے اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں ۔

دریا محیط خویش موجے دارد خس پندارد کہ ایں کشاکش با دیست

ذِكرَ عِيسٰى عَلَيهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِيْ محاورته مَعَ النَّبِى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لَيلَةَ المعراج انَّهٗ نازل قَبلَ قيامِ الساعة و انَّهٗ قاتل الدجال و لم يذكر فيه انه ينزل لاصلاح هٰذه الامة خاصة و انما يكُونُ هذا مِنْ وظائف اِمامها

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرتؐ سے یہ تذکرہ کرنا کہ قیامت کی آمد کا صحیح وقت ان کو بھی معلوم نہیں مگر صرف یہ معلوم ہے کہ اس سے پہلے ان کو دجال کو قتل کرنا ہے اس ضمن میں انہوں نے امت محمدیہ کی اصلاح کا ایک حرف بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ خدمت دراصل خود اس امت ہی کے ایک شخص کے متعلق ہوگی اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(۱۲۶۹) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقِيْتُ لَيْلَةَ اسرى بِىْ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى قَالَ فَتَذَاكَرُوْا اَمْرَ السَّاعَةِ فَرَدُّوْا اَمْرَهُمْ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ لَاعِلْمَ لِىْ بِهَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ لَاعِلْمَ لِىْ بِهَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰى عِيْسٰى. فَقَالَ اَمَّا وَجْبَتُهَا فَلا يَعْلَمُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى. ذَالِكَ وَ فِيْمَا عَهِدَ اِلٰى رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ اَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ قَالَ وَ مَعِىْ قَضِيْبَانِ فَاِذَا رَاٰنِىْ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ قَالَ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى اَنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ لَيَقُوْلُ يَامُسْلِمُ ان تَحْتِىْ كَافِرًا فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ قَالَ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ اِلٰى بِلَادِهِمْ وَ اَوْطَانِهِمْ قَالَ فَعِنْدَ ذَالِكَ

(۱۲۶۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی انہوں نے باہم قیامت کا ذکر چھیڑا آخر فیصلہ کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا انہوں نے فرمایا مجھ کو تو صحیح وقت کی کچھ معلومات نہیں پھر معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے فرمایا قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت تو بجز ایک ذات اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے ہاں صرف اتنی بات میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی اور جب اس کی نظر مجھ پر پڑے گی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا سیسہ (آگ میں) پگھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا پھر یہ نوبت آ جائے گی کہ درخت اور پتھر آوازیں دے دے کر کہیں گے او مسلمان! دیکھ میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے لپک کر آ اور

(۱۲۶۹) * دیکھئے یہاں جب قیامت کا تذکرہ آیا اور جواب کی نوبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئی تو انھوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ ساتھ فوراً اسی بات کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے ساتھ یقین کے اسی درجہ میں ہے۔ یعنی ان کا پھر تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا۔ احادیث میں کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تشریف لانے کا اصل مقصد اس امت کی اصلاح ہوگی تا کہ یہ سوال پیدا ہو کہ اس امت کے اصلاح کے لئے اسرائیلی رسول کی آمد میں اس امت کی کسرشان ہے۔ حالانکہ یہ سوال ہی جاہلانہ سوال ہے ہم آج بھی خدا تعالیٰ کے سب رسولوں پر تلہ ....

www.besturdubooks.net

يَخرج يَاجُوجُ وَ مَاجُوجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ فَيَطَئُوْنَ بلادهُمْ لا يَاتُوْنَ عَلٰى شيءٍ اِلَّا اَهْلَكُوْهُ وَ لا يَمُرُّوْنَ عَلٰى مَاءٍ اِلَّا شَرِبُوْهُ ثُمَّ يَرجِعُ النَّاسُ اِلَيَّ فَيَشْكُوْنَهُمْ فَادْعُوْا عَلَيْهِمْ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تعالٰى وَ يُمِيْتُهُمْ حَتّٰى تَجْوَى الاَرْضُ مِنْ نَتْنِ رِيْحِهِمْ قَالَ فَيُنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَطَرَ فتجرف اَجْسَادَهُمْ حَتّٰى يَقْذِفَهُمْ فِي الْبَحْرِ قَالَ اَبِي ذَهَبَ عَلَيَّ هٰهُنَا شَيْءٌ لَمْ اَفْهَمْهُ كَادِيْمٍ وَ قَالَ يَزِيْدُ يَعْنِي ابن هَارُوْنَ ثُمَّ تُنْسَفُ الْجِبَالُ وَ تُمَدُّ الاَرْضُ مَدَّ الاَدِيْمِ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى حَدِيْثِ هُشَيْمٍ. قَالَ فَفِيْمَا عَهِدَ اِلَيَّ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ ذَالِكَ اِذَا كَانَ كَذَالِكَ فَاِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِيْ لا يَدْرِيْ اَهْلُهَا مَتٰى تَفْجَؤُهُمْ بِوِلادِهَا لَيْلًا اَوْنَهَارًا. (رواه احمد في مسنده ص ۳۷۵ ج ۱ والحاكم في المستدرك و قال صحيح على شرط الشيخين

اس کو بھی قتل کر آخر کار سب ہلاک ہو جائیں پھر لوگ اپنے اپنے شہر اور وطن کو واپس ہوں گے تو اس وقت یاجوج و ماجوج کی قوم کا حملہ ہوگا اور وہ ہر پست زمین سے نکل نکل کر بکھر پڑیں گے۔ بستیوں میں گھس پڑیں گے جس جس چیز پر بھی ان کا گذر ہوگا اس کو برباد کر ڈالیں گے اور جس پانی پر سے گذریں گے وہ سب پی کر ختم کر دیں گے آخر لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئیں گے میں ان پر بددعا کروں گا اللہ تعالیٰ میری بددعا سے ان سب کو ہلاک کر دے گا اور وہ سب مر جائیں گے تمام زمین ان کی بدبو سے سڑ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو ان کی نعشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی راوی کہتا ہے کہ اس مقام پر میرے والد نے کچھ فرمایا تھا وہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا صرف ''کادیم'' کا لفظ سننے میں آیا۔ یزید بن ہارون راوی کہتا ہے پوری بات یہ تھی کہ پھر پہاڑ دھن دیئے جائیں گے اور زمین جانور کے چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی اس کے بعد پھر اصل حدیث بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور منجملہ ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائی ہیں یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو پھر قیامت اتنی نزدیک سمجھنا چاہئے جیسا وہ گابھن جانور جس کے بچے کی پیدائش کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ پیدا ہو جائے۔

و لم يخرجاه و وافقه الذهبي على ذالك في التلخيص و اقر الحافظ في الفتح من نزول عيسى عليه السلام. و اخرجه ابن ماجه و ابن ابي شيبه و ابن جرير و ابن المنذر و ابن مردويه و البيهقي كذا في الدرالمنثور ج ٤ ص ٣٣٦)

مِنْ اَهَمِّ وَظَائِفِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوة والسلام قَتْلُ الدَّجَّالِ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمات میں سب سے نمایاں تر خدمت دجال کو قتل کرنا ہے

(۱۲۷۰) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ فِيْ حَدِيْثٍ

(۱۲۷۰) حضرت ابوامامہ باہلی دجال کی ایک طویل حدیث میں نقل کرتے

ﷺ ....ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ یہ موجب شرف ہے بلکہ مدار نجات ہے تو پھر اگر کوئی رسول آ کر ہماری اصلاح کرتا ہے تو ہمارے لئے اس میں کسر شان کی بات کیا ہے ہاں اگر کسی رسول کی آمد سے ہمارے رشتہ امت پر زد پڑتی ہے اور وہ ہم کو دوسری امت بنانا چاہتا ہے تو اس میں صرف ہماری کسر شان نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان بھی ہے۔ و العیاذ باللہ.

(۱۲۷۰) ✱ سبحان اللہ جس شخصیت عظمیٰ کی برکات یہ ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی انسان نہیں ہو سکتا ضرور وہ کوئی خدا تعالیٰ کا قدوس ﷺ....

www.besturdubooks.net

طَوِیْلٍ مِنْ ذِکْرِ الدَّجَّالِ فَقَالَتْ اُمُّ شَرِیْکٍ
بِنْتُ اَبِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَیْنَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَالَ
الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَلِیْلٌ وَ جُلُّھُمْ بِبَیْتِ الْمُقَدَّسِ وَ
اِمَامُھُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَیْنَمَا اِمَامُھُمْ قَدْ تَقَدَّمَ
یُصَلِّیْ بِھِمُ الصُّبْحَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْھِمْ عِیْسَی ابْنُ
مَرْیَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذَالِکَ الْاِمَامُ یَنْکُصُ
یَمْشِیْ قَھْقَرٰی لِیَقْدَمَ عِیْسٰی لِیُصَلِّیَ فَیَضَعُ
عِیْسٰی یَدَہٗ بَیْنَ کَتِفَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ لَہٗ تَقَدَّمْ
فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ اُقِیْمَتْ فَیُصَلِّیْ بِھِمْ اِمَامُھُمْ
فَاِذَا انْصَرَفَ قَالَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اِفْتَحُوْا
الْبَابَ فَیُفْتَحُ وَ رَاءَہُ الدَّجَّالُ وَ مَعَہٗ سَبْعُوْنَ
اَلْفَ یَھُوْدِیٍّ کُلُّہٗ ذُوْسَیْفٍ مُحَلًّی وَ تَاجٍ فَاِذَا
نَظَرَ اِلَیْہِ الدَّجَّالُ ذَابَ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی
الْمَاءِ وَ یَنْطَلِقُ ھَارِبًا وَ یَقُوْلُ عِیْسٰی اِنَّ لِیْ
فِیْکَ ضَرْبَۃً لَنْ تَسْبِقَنِیْ بِھَا فَیُدْرِکُہٗ عِنْدَ
بَابِ اللُّدِّ الشَّرْقِیِّ فَیَقْتُلُہٗ فَیَھْزِمُ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ
(الی قولہ) و یترک الصدقہ فلا یُسْعٰی عَلٰی
شَاۃٍ وَ لَا عَلٰی بَعِیْرٍ وَ تُرْفَعُ الشَّحْنَاءُ
وَ التَّبَاغُضُ وَ تَنْزَعُ حُمَۃُ کُلِّ ذَاتِ حُمَۃٍ حتی
یدخل الولید ۃ یدہ فی الحیۃ فلا تضرہ و
تقر الولیدۃ الاسد فلا یضرھا و یکون

ہیں کہ ام شریک نے کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دن (یعنی دجال کے زمانہ میں) عرب کہاں چلے جائیں گے (کہ مسلمانوں کا یہ ابتر حال ہو جائے گا) فرمایا اس وقت عرب بہت کم رہ جائیں گے اور اکثر وہ بیت مقدس میں ہوں گے اور اس وقت ان کا امام ایک نیک شخص ہوگا۔ اس اثنا میں کہ یہ امام صبح کی نماز پڑھانے آگے بڑھ چکا ہوگا کہ دفعۃً عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ یہ ان کو دیکھ کر مصلی سے پچھلے پیروں اُلٹے ہٹ آئیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھائیں تو عیسیٰ علیہ السلام (شفقت کے انداز میں) اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے آگے بڑھو اور تم ہی نماز پڑھا کیونکہ اس نماز کی اقامت تو تمہارے ہی نام سے کہی گئی ہے۔ چنانچہ یہ نماز تو یہی امام پڑھائیں گے۔ نماز سے فراغت کے بعد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے دروازہ کھولو دروازہ کھولا جائے گا ادھر دجال نکل چکا ہوگا اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ہر ایک کے پاس مزین تلوار اور سر پر طیلسان ہوگا جب دجال کی نظر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑے گی تو وہ نمک کی طرح پگھل جائے گا اور بھاگنے لگے گا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے میرے لئے تیرے نام کی ایک ضرب مقدر ہو چکی ہے اس سے بچ کر تو مجھ سے کہاں نکل سکتا ہے آخر اس کو باب لد پر پکڑ لیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سب یہودیوں کو شکست دے گا۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ صدقہ دینے کے لئے کوئی فقیر نہ ملے گا لہٰذا بیت المال کی طرف سے کوئی شخص بکری وصول کرنے والا رہے اور نہ اونٹ وصول کرنے والا اور بغض و کینہ سب دلوں سے نکل جائے گا اور تمام

؎ .... نبی ہونا چاہئے اور یقیناً وہ کوئی ایسا ہی رسول ہونا چاہئے جس کے سب سے بڑے دشمن یہود ٹھہر چکے ہوں اور جس کے جھوٹے قتل کے کھنڈر میں ایک بار وہ ملعون ٹھہر چکے ہوں دوسری بار اسی کے ہاتھ سب موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عداوت اور بغاوت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا اس بدخصلت کی بدولت پہلے وہ نبوت سے محروم کر دیئے گئے تھے اور آخر میں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ بے شک جو قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رافت و رحمت والے رسول کے ساتھ بھی اپنا طریق کار نہ بدلے اُن کی وجہ سے دنیا کو پاک کرنے ہیں میں انسانیت کی فلاح ہے۔ رب انک ان تذرھم یضلو عبادک ؎ ....

www.besturdubooks.net

الذئب فِی الْغَنَمِ کَانَّہٗ کَلْبُھَا وَ تُمْلَأُ الْاَرْضُ مِنَ الْمُسْلِمِ کَمَا یُمْلَاءُ الْاَنَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَ تَکُوْنَ الْکَلِمَۃُ وَاحِدَۃً فَلَا یَعْبُدُ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی۔ (الحدیث اخرجہ ابوداؤد و ابن ماجہ ص ۳۰۸ واللفظ لہ و رواہ ابن حبان و ابن خزیمۃ فی صحیحیھما و الضیاء فی المختارہ نقلہ کذالک فی شرح المواھب للزرقانی ص ۵۳ من ذکر المعراج)

زہریلے جانوروں کے ڈنگ بے کار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی لڑکی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈال لے گی تو وہ اس کو نہ کاٹے گا اور شیر کو دوڑائیں گے تو وہ اس کو کچھ نہ کہے گا اور بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح ساتھ ساتھ پھرے گا جیسے ریوڑ کا کتا اور زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے اور صرف ایک خدا کی توحید باقی رہ جائے گی اور ایک اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ ہوگی۔

نُزُوْلُ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ و ظھور کَرَامَۃِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَ شرفھا فی ذالک

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی ظہور برتری

(۱۲۷۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ

(۱۲۷۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کے مقابلہ پر جنگ کرتی رہے گی اور وہ تا قیامت

٭ .... وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا۔ شاید موجود زمانہ میں اطراف عالم سے ہٹ کر ان کا ایک جگہ جمع ہونا اسی قومی استیصال کے لئے پیش خیمہ ہو۔ حدیث مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا اہم مقصد دجال کا قتل کرنا ہے اور چونکہ اس کا مقابلہ براہ راست انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے اسی لئے ہر نبی نے اس کی آمد سے اپنی امت کو ڈرایا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لئے خدا تعالیٰ کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال کے خاتم الدجاجلہ یعنی سب دجالوں کے آخر میں آئے گا اور خدائی افعال کے شعبدہ بازیاں ظاہر کرے گا اس کے قتل کے لئے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی اس صورت میں اس امت کے لئے یہ کتنی بڑی کرامت اور شرافت ہوگی کہ جب اس پر کوئی خارجی حملہ ہو تو ان کی ہمدردی کے لئے خدا تعالیٰ کے رسول پیش قدمی فرمائیں۔ اور وہ بھی بڑی تمناؤں اور بڑے فخر کے ساتھ کیسے تعجب کی بات ہے کہ جس بات میں اس امت کی شرافت تھی اسی کو برعکس اہانت سمجھا جائے۔ ومن لم یجعل اللہ نُوْرًا فمالہ من نورا.

(۱۲۷۱) ٭ اس امت کی شرافت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس کے رسول کی وفات پر اتنی طویل مدت گذر جانے پر بھی اس میں ایسے افراد موجود ہیں کہ اسرائیلی سلسلہ کا ایک مقدس رسول آکر بھی اس کی امانت کو برقرار رکھے اور اس کے پیچھے آکر نماز میں اس کی اقتداء کر لے اور اس کا اعلان بھی کرے کہ جس کرامت و شرافت کے تم پہلے مستحق تھے اتنی مدت دراز کے بعد آج بھی اسی شرافت و کرامت کے مستحق ہو۔ سوچئے اور ذرا انصاف فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس طرح اس امت کے پیچھے اقتداء نہ فرماتے تو نبیوں کے دور میں بھی اتم کے افراد لائق تر گذرے ہیں مگر آخر کچھ مدت کے بعد ہی ان کا حشر کیا کچھ نہیں ہوگیا جو نبوتوں کے مستحق تھے وہ لعنت کے تحت آگئے یا نہیں لیکن ایک یہ امت بھی ہے جس کی شرافت میں اتنی طویل مدت گذرنے پر بھی ذرا فرق نہیں آیا۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم اس طرف بھی نظر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کے وقت بھی ایک نماز کا نقشہ یہی تھا کہ مرض الموت میں آپ نے منصب امامت کو سب سے بزرگ صدیق اکبرؓ کے سپرد کر دیا تھا اس درمیان ٭ ..

www.besturdubooks.net

عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ

اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اس کے بعد آپ نے فرمایا آخر عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اتریں گے (نماز کا وقت ہوگا) مسلمانوں کا امیران سے عرض کرے گا تشریف لائیے اور نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے یہ نہیں ہوسکتا۔

ﷺ .... میں ایک ایسا وقت آیا کہ ان کی امامت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور در حقیقت یہ اس کا اعلان تھا کہ یہ امتاب اس کمال کو پہنچ چکی ہے کہ ایک رسول کی نماز اس کے پیچھے ادا ہوسکتی ہے لہٰذا اب سمجھ لینا چاہئے کہ رسول کی آمد کا جو مقصد اعظم ہوتا ہے وہ پورا ہو چکا ہے اس لئے رسولوں کے دستور کے مطابق اس کی وفات کا وقت بھی آ جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ایک طرف امامت واقتداء کا یہ نقشہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھئے اس کے ہزار سال سے کہیں زیادہ مدتوں کے بعد امامت واقتداء کا یہ دوسرا نقشہ بھی سامنے رکھئے جو یہاں حدیث میں آپ کے سامنے موجود ہے تو آپ کو بداہتہً ثابت ہو جائے گا کہ جس مدت میں پہلی امتیں ہلاک ہو ہوکر دنیا سے نیست ونابود ہو چکی ہیں یہ امت اس سے زیادہ مدت گذرنے پر بھی اپنی اس شرافت وکرامت پر باقی ہے جو بھی اس کو اپنے عہد کمال میں حاصل تھی۔اس سے جہاں ایک طرف اس امت کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے اس سے بڑھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمی اور آپ کے کمالات کی ثبوت ملتا ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ حقیقی معنی میں خاتم النبیین ہیں۔آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیونکہ جب قیامت تک آپ کی امت میں صفت کے لوگ موجود ہیں کہ اگر کوئی قدیم رسول آئے تو بے تکلف وہ ان کے پیچھے آکر نماز ادا کرلے تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کسی رسول کی ضرورت باقی نہیں ہے۔یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اصل وظائف رسالت ونبوت خدائی دین کی تاسیس واشاعت ہے کسی خاص شخص کا قتل کرنا اصل وظائف رسالت میں داخل نہیں ہے خدا تعالیٰ کے بہت سے رسول وہ ہیں جو قتل کرنے کی بجائے خود دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہوگئے ہیں مگر کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ نبوت کے ادائیگی میں ذرا سا بھی قصور کیا تھا والعیاذ باللہ۔پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جدید رسالت کی حیثیت سے تشریف لائیں گے بلکہ یہ خدمت کسی حکمت سے ان کے سپرد کی گئی ہے جیسا کہ بہت سے امور حضرت خضر علیہ السلام کے سپرد ہوئے مگر ان عجائبات سے ان کی رسالت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا چنانچہ آج تک امت میں اختلاف ہے کہ وہ رسول تھے یا نہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے لئے صاحب شریعت رسول ہونا' قرآن کریم سے ثابت ہے اور ان پر ہر امت کو ایمان لانا یہ ان کی رسالت کا حق ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ شریعت صرف آپ ہی کی شریعت ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آکر اسی کی اتباع فرمائیں گے بلکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تورات بھی آجائیں تو ان کے لئے بھی شریعت یہی شریعت ہوگی اگر کوئی کامل سے کامل رسول آکر اس کی اتباع کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت ورسالت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا بہت سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں جن کی اپنی کوئی شریعت ہی نہ تھی لیکن پھر وہ خدا تعالیٰ کے نبی کہلائے پھر جو شریعت کہ سب شرائع کی جامع ہو اگر کوئی رسول آکر اس کی اتباع کرتا ہے تو اس میں اس کی رسالت کے خلاف بات کیا ہے لہٰذا یہ سوال کتنا نامعقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو کیا رسالت کی صفت ان سے سلب کرلی جائے گی جی نہیں وہ رسول ہی ہوں گے اور جس طرح اس وقت ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اس وقت بھی ایمان رکھیں گے صرف اتباع شریعت کا مسئلہ ہے تو جب ہر رسول کی اپنی شریعت میں ناسخ ومنسوخ ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح اگر ایک شریعت منسوخ ہوکر دوسری شریعت آجائے تو اس سے بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا' اس کے کمالات وہی ہیں اس پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے اور جس شریعت کی وہ دعوت دے اس کی اتباع ہر وقت لازم ہے پس پہلے زمانہ میں ان کی شریعت قرآن انجیل تھی اور نزول کے بعد اب ان کے لئے قرآن کریم شریعت ہوگا ﷺ ....

www.besturdubooks.net

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ. (رواه مسلم ج ۱ ص ۸۷ و احمد في مسنده ج ۳ ص ۳۴۵ و ج ۳ ص ۳۸۴)

اس امت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اکرام واعزاز ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے کے امام وامیر ہو۔

(مسلم شریف)

(۱۲۷۲) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ (فذكر الحديث و فيه) وَ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَمِيْرُهُمْ يَا رُوْحَ اللّٰهِ تَقَدَّمْ صَلِّ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ الْاُمَرَاءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَيَقْدَمُ اَمِيْرُهُمْ فَيُصَلِّيْ فَاِذَا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَخَذَ عِيْسٰى حَرْبَتَهٗ فَيَذْهَبُ نَحْوَ الدَّجَّالِ فَاِذَا يَرَاهُ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ فَيَضَعُ حَرْبَتَهٗ بَيْنَ ثَنْدُوَتِهٖ فَيَقْتُلُهٗ وَ يَنْهَزِمُ اَصْحَابُهٗ لَيْسَ يَوْمَئِذٍ شَيْءٌ يُوَارِيْ مِنْهُمْ اَحَدًا حَتّٰى اَنَّ الشَّجَرَةَ لَتَقُوْلُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ وَ يَقُوْلُ الْحَجَرُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ. (اخرجه احمد في مسنده ص ۲۱۶ و ص ۲۱۷ ج ۴ بطريقين و اخرجه ابن ابي شيبه و الطبراني و الحاكم و صححه كذا في الدرالمنثور ج ۲ ص ۲۴۳.

(۱۲۷۲) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز میں اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا جو امیر ہوگا وہ ان سے عرض کرے گا اے روح اللہ آگے تشریف لا کر نماز پڑھائیں۔ وہ فرمائیں گے یہ امت اپنی فضیلت کی وجہ سے خود ہی ایک دوسرے کی امیر ہے اس پر وہ امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں گے جب نماز ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لے کر دجال کی طرف جائیں گے وہ جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جیسا آگ پر سیسہ پگھل جاتا ہے وہ اپنا نیزہ اس کے سینہ کے درمیان لگائیں گے اور اس کو ختم کر دیں گے اور اس کا سب گروہ منتشر ہو جائے گا اور کوئی چیز ان کو پناہ نہ دے گی یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی کہے گا اے مؤمن (میری آڑ میں) یہ کافر موجود ہے (اس کو بھی قتل کر دے)

دوسری روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے کہ اس نماز کی اقامت آپ ہی کے نام کی ہوئی ہے یہ کہہ کر وہ ان ہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔

و عن جابر نحوه. و هكذا عند ابي يعلى عنه و فيه انت احق بعضكم امراء على بعض اكرم الله به هذه الامة كذا في الحاوى للسيوطيؒ ج ۲ ص ۱۲۷ و ليست هذه الرواية في رسالة الشيخ قدس سره. و في رواية فيقول له عيسى انما اقيمت الصلوة لك فيصلي خلفه كذا في البداية والنهاية ج ۲ ص ۹۶)

لہ ... پہلے جب وہ شریعت انجیل کے داعی تھے اس وقت قرآن کریم نہ تھا اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ان سے پہلے انجیل منسوخ ہو چکی ہوگی اور ان کے سامنے قرآنی شریعت ہوگی لہٰذا اب وہ خود بھی اسی کا اتباع فرمائیں گے۔ کسی شریعت کے خاص خاص احکام یا شریعت کے منسوخ ہو جانے سے رسالت کے مسلوب ہونے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال نہ یہاں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس حدیث میں پیدا ہوتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض وہ آ کر آپ کی شریعت کی اتباع کریں تو کیا اپنی رسالت سے معزول ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ

www.besturdubooks.net

اِنَّمَا يَنْزِل عِيسٰی عَلَيْهِ الصَّلٰوة وَالسَّلَامُ من بَيْن سائر الانبياءِ عَلَيْهِم الصلوٰةُ وَالسَّلَامُ خَاصة لانه اولی النَّاسِ بِالنَّبِی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۲۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ بَيْنِیْ وَ بَيْنَهٗ نَبِیٌّ يَعْنِی عِيسٰی. وَ اِنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ كَانَ رَاْسَهٗ يَقْطُرُ وَ ان لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَيَدُقُّ الصَّلِيْبَ وَ يَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَ يَضَعُ الْجِزْيَةَ وَ يُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَ يُهْلِكُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَيَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَتَوَفّٰی فَيُصَلِّیْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ. (رواه ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۵ و اخرجه ابن ابی شيبة و احمد فی مسنده ج ٦ ص ٤٣٧ و ابن حبان فی صحيحه و ابن جرير كذا فی الدرالمنثور ج ۲ ص ۲٤۲ و صححه الحافظ فی الفتح من نزول عيسٰی عليه السلام)

(۱۲۷۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے وہ ضرور اتریں گے جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ و سفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے ان پر وہ شگفتگی و تازگی ہوگی یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے اب ٹپکے اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے سور کو قتل کریں گے جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے۔ ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذہب ختم کر دے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا چالیس سال تک زمین پر زندہ رہیں گے اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابوداؤد)

حجه و اتيانه علی قبر النبی صلی اللّٰه عليه وسلم و سلامه و رده عليه عليهما الصلوٰة و السلام

(۱۲۷۴) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيُهِلَّنَّ عِيسٰی بْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ بِالْحَجِّ اَوْ بِالْعُمْرَةِ اَوْ يُثَنِّيَهُمَا جَمِيْعًا. (رواه مسلم فی الحج) و اخرجه احمد فی مسنده و لفظه ينزل عيسی بن مريم فيقتل الخنزير و يمحوا الصَّلِيْبَ وَ تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوة وَ يُعْطِی الْمَالَ حَتّٰی لَا يُقْبَلَ وَ يَضَعُ الخراجَ وَ يَنْزِلُ الرَّوْحَاءَ فَيَحُجُّ مِنْهَا اَوْ يَعْتَمِرُ اَوْ يَجْمَعُهُمَا وَ تَلَا اَبُوْهُرَيْرَةَ وَ اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

(۱۲۷۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور مقام فج روحاء پر حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے مسلم شریف مسند احمد میں حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے سور کو قتل کریں گے، صلیب کا نام و نشان باقی نہ چھوڑیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے کہ اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور جزیہ و خراج اٹھائیں گے اور مقام فج روحاء میں حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے اس کی شہادت میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت

www.besturdubooks.net

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا فَزَعَمَ حَنْظَلَةُ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ وَ قَالَ يُؤْمِنَ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى فَلَا اَدْرِىْ هٰذَا كُلُّهٗ حَدِيْثُ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ شَىْءٌ قَالَهٗ اَبُوْهُرَيْرَةَ.

مسند احمد ص ۲۹۰ ج ۲ و اخرجه ابن جرير مثله والحاكم و صححه و لفظه ليهبطن ابن مريم حكما عدلا و اماما مقسطا و ليسلكن فجا حاجا اَوْ معتمِرا وَ لَيَأْتِيَنَّ قَبْرِىْ حَتّٰى يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَلَارُدَّنَّ عَلَيْهِ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَىْ بَنِىْ اَخِىْ اِنْ رَاَيْتُمُوْهُ فَقُوْلُوْا اَبُوْهُرَيْرَة يُقْرِئُكَ السَّلَامَ.

(درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵)

فرمائی وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا یعنی اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو ان کی وفات سے پہلے یقیناً ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے حنظلہ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''قبل موتہ'' سے مراد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پیشتر ہے اب یہ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے یا خود ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔

(درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵)

يَتَزَوَّجُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ يُوْلَدُ لَهٗ ثُمَّ يَتَوَفّٰى وَ يُدْفَنُ بَيَانُ مَوْضِعِ دَفْنِهٖ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد شادی کرنا پھر ولادت ہونی اس کے بعد آپ کی وفات اور مقام دفن کا ذکر

(۱۲۷۵) عَنْ عبدالله بن عمرؓ مرفوعا ينزل عيسى بن مريم الى الارض فيتزوج و يولد له الحديث. و عزاه الكتاب الوفاء و اخرجه ابن المراغى فى المدينة و ابن الجوزى فى المنتظم كذا فى الكنز. و هكذا فى المشكوة.

(۱۲۷۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) زمین پر اتریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی۔

(۱۲۷۶) عن ابى هريرةؓ مرفوعا طوبٰى لعيش بعد المسيح يؤذن للسماء فى القطر و يؤذن الارض فى النبات حتى لو تذر حبك فى الصفا لنت و حتى يمر الرجل على الاسد فلا يضره و يطاء على الحية فلا تضره و لا تشاحن ولا تباغض.

(۱۲۷۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد زندگی اور فارغ البالی کے کیا کہنے آسمان کو بارش کا حکم مل جائے گا اور زمین کو پیدائش کا حتیٰ کہ اگر تم پتھر پر دانہ ڈال دو گے تو بھی وہ جم جائے گا اور اتنا امن ہوگا کہ آدمی شیر کے قریب سے گزرے گا اور وہ اس کو ذرا نقصان نہ پہنچائے گا اور بغض و کینہ کا کہیں نام و نشان نہ رہے گا۔

(اخرجه ابو سعيد النقاش فى فوائد العراقين كذا فى الكنز ص ۲۰۲ و ۲۰۳ ج ۷ ابو سعيد عنه)

www.besturdubooks.net

(۱۲۷۷) عن محمد بن یوسف بن عبدالله بن سلام عن ابیه عن جده قال مکتوب فی التوراة صفة محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم و عیسی بن مریم یدفن معه .

(۱۲۷۷) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی لکھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پاس دفن ہوں گے۔

اخرجه الترمذی و حسنه (کذا فی الدرالمنثور ص ۲۴۵ ج ۲) قلت و قد تکلم فی اسناده الحافظ ابن کثیر فی البدایة والنهایة ج ۲ ص ۹۹. و قال فی اسناد روایة الترمذی هذه عثمان بن الضحاك و الصواب الضحاك بن عثمان المدنی.

(۱۲۷۸) عن عبدالله بن سلام قال یدفن عیسی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم و صاحبیه فیکون قبره رابعا اخرجه البخاری فی تاریخه والطبرانی. (درالمنثور ص ۲۴۵ ج ۲)

(۱۲۷۸) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دو جاں نثار یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفن ہوں گے اور اس لحاظ سے ان کی قبر چوتھی ہوگی۔

(۱۲۷۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَرٰی انی اعیش من بَعْدِکَ فَتَأْذن لی اَنْ ادفن اِلٰی جَنْبِکَ فَقَالَ وَ اَنّٰی لی بِذٰلِکَ مِنْ مَوْضِعٍ مَا فِیْهِ اِلَّا مَوْضِعُ قَبْرِیْ وَ قَبْرابی بکر و عُمَرَ وَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ .(اخرجه ابن عساکر کذا فی الکنزل ج ۷ ص ۲۶۸ و فی فصل الخطاب باسناد المستغفری فی دلائل نبوة اله)

(۱۲۷۹) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خیال ہوتا ہے شاید میں آپ کے بعد تک زندہ رہوں گی تو آپ مجھ کو اس کی اجازت دیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن ہوں؟ آپ نے فرمایا میں اس کی بھلا کیسے اجازت دے سکتا ہوں یہاں تو صرف میری قبر اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی قبریں اور عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر مقدر ہے۔

(ابن عساکر)

❁❁❁

(۱۲۷۷) * عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ''اولی الناس'' کا لفظ فرمایا تھا اس کا ظہور یوں ہوا کہ اول تو آپ کے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں گذرا گویا دونوں کے زمانے متصل رہے پھر اسی مناسبت کی وجہ سے وہی آپ کی امت میں تشریف لائیں گے اور یوں بھی ہوا کہ وفات بھی آپ کے پاس ہی آ کر ہوں گے۔ زمانی اور مکانی اور موت کی یہ خصوصیات ان کے سوا کسی اور نبی کو میسر نہیں آئیں۔

www.besturdubooks.net

اَلرَّسُوْلُ الاَعْظَمُ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ الھَاشِمِیُ المُطَّلِبِیُّ سَیِّدِنَا مُحَمَّدُ بنِ عَبدِاللّٰہ آخرُ ھُمْ بَعْثًا وَ اَوَّلَھُمْ خَلْقًا صَلَوٰات اللّٰہ وَسَلَامہ عَلَیْہِ

نبی امی ومطلبی الہاشمی سیدنا محمد بن عبد اللہ جو سب سے برتر رسول ہیں بلحاظِ بعثت سب سے آخر اور بلحاظِ پیدائش سب سے اوّل' اُن پر خدا کے بے شمار درود وسلام

دل میں آرزوئیں تھیں اور نہ معلوم کتنی آرزوئیں تھیں کہ رسالت کے ابواب ترتیب دینے میں اپنی پوری ہمت صرف کی جاتی اگر چہ ایک بے بضاعت کی ہمت ہی کیا تھی لیکن جھد المقل و موعھا ایک آرزو یہ بھی تھی کہ ہر نبی ورسول کے تذکرہ سے قبل اس کے ایسے جامع اور مختصر حالات آجاتے جس کے مطالعہ سے اس کی زندگی کی چیدہ چیدہ خصوصیات کچھ نہ کچھ بیک نظر سامنے آجائیں مگر جب اپنی محرومی اور بدنصیبی سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے تذکروں ہی میں یہ تمنا پوری نہ ہوسکی تو آج جب کہ میں اس رسول الاعظم کے متعلق حدیثیں جمع کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں جن کے تذکروں سے عالم تکوین وتشریع گونج رہا ہے' کتب سماویہ ان کے ذکر سے لبریز ہیں انبیاء علیہم السلام ان کی مدح وتصیف میں رطب اللسان ہیں حتیٰ کہ عرشِ عظیم پر ان کی عظمت وبرتری کا چرچا ہے تو پھر قلم میں کیا طاقت ہے کہ اس موضوع میں کچھ جنبش کر سکے سبحان اللہ میدان تو کتنا وسیع ہے کہ اس کا قصد کرنا بھی مشکل مگر عقل وفہم یہاں اتنی درماندہ ہے کہ ایک قدم اس کو حرکت کرنا بھی مشکل اس لئے آپ کی صرف ایک مجمل سی سیرت پر کفایت کرتا ہوں جس کو صاحب حیوۃ الحیون نے لفظ براق کے تحت عجیب اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے-

اس رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تذکرہ تو ایک بار آپ انبیاء علیہم السلام کے تذکروں کے شروع میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور لیجئے ایک بار پھر آخر میں بھی ملاحظہ فرمالیجئے وہ تذکرہ آپ کی خلقت کی اولیت کے اعتبار سے تھا اور یہ آپ کی بعثت کی آخریت کے لحاظ سے ہے-الھم صلی علی سیدنا محمد عبدک و نبیک و رسولک النبی الامی-

اہل تاریخ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی تھی جس سال کہ واقعہ فیل پیش آیا تھا ولادت بعد ۵ سال کی عمر میں آپ کی والدہ ماجدہ کی مقام ابواء میں وفات ہوئی پھر آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے اور ابھی آپ کی عمر مبارک ۸ سال کی ہوگی کہ آپ کے دادا کا بھی انتقال ہوگیا اس کے بعد آپ اپنے شفیق چچا جناب ابوطالبؓ کی پرورش میں رہے اور ان کے ہمراہ بارہ سال کی عمر میں شام جانے والے قافلہ میں تشریف لے گئے پھر ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی کاروبار کے لئے باہر تشریف لے جاتے رہے اور اسی سال ان کے ساتھ آپ کا عقد بھی ہوا-قریش نے بناء کعبہ کا ارادہ کیا تو اس وقت آپ کا سن مبارک ۲۵ سال کا تھا اس سلسلہ میں جب باہم ان میں اختلاف ہونے لگا تو انہوں نے آپ کو اپنا حکم بنایا- چالیس (۴۰) سال کی عمر میں آپ نبوت سے سرفراز ہوئے اور جس وقت ابوطالب کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کا سن مبارک ۴۹ سال ۸ ماہ اور گیارہ دن تھا ابوطالب کے ۳ دن بعد حضرت خدیجہؓ کا بھی وصال ہوگیا اس کے تین ماہ کے بعد آپ زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر بغرض تبلیغ طائف تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام فرمایا اس کے بعد معطم بن عدی کی پناہ میں آپ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئے جب آپ کا سن مبارک ۵۰ سال کا ہوا تو نصیبین کے جن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے جب آپ کا سن مبارک ۵۱ سال اور ۹ ماہ کا ہوا تو آپ کو معراج نصیب ہوئی

www.besturdubooks.net

اور ۵۳ سال کی عمر میں آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی آپ کی بعثت کو اب یہ تیرھواں سال تھا اور کوئی چودھواں کہتا ہے' اس سفر میں صدیق اکبرؓ آپ کے رفیق سفر ہے ان کا غلام عامر بن فہیرہ بھی ہمراہ تھا اور عبداللہ بن اریقط راستہ بتاتے جاتے تھے- اسلامی تاریخ کی ابتداء اسی سال سے ہوتی ہے اور تاریخ اسلامی میں یہ پہلا سال شمار ہوتا ہے اسی سال آپ نے صحابہؓ کے درمیان عقد مواخاۃ فرمایا تھا اور حضرت علیؓ کی اخوت کا اعلان بھی اسی سال ہوا تھا مقیم کو چار رکعتیں اور مسافر کے لئے دو رکعتیں پڑھنا یعنی اتمام وقصر کی سنت اسی سال شروع ہوئی تھی اور اسی سال حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا عقد نکاح بھی ہوا ہے- دوسرے سال غزوۂ ودان ہوا ہے' ودان ایک مقام کا نام ہے- غزوہ بواط' غزوہ عشیرہ اور بدر اولیٰ کے غزوات سب اسی سال کے واقعات ہیں بواط مقام رضوی کا جانب واقع ہے غزوہ بدر اولیٰ ماہ جمادی الآخرۃ میں ہوا ہے اور غزوہ بدر کبریٰ ۱۳ رمضان المبارک جمعہ کے دن ہوا ہے کفار کے بڑے بڑے سردار اسی غزوہ میں قتل ہوئے اور غزوہ بنی سلیم ذی الحجہ میں ہوا ہے- صورت یہ ہوئی کہ آپ ابوسفیان کی خبر سن کر نکلے تھے مگر اس سے ملاقات نہ ہو سکی تھی ہجرت کے تیسرے سال غزوہ بنو نضیر' غزوہ ذات الرقاع ہوئے ہیں- پانچویں سال غزوہ دومۃ الجندل' غزوہ خندق غزوہ بنی قریظہ ہوئے ہیں- چھٹے سال غزوہ بنی لحیان' غزوہ مصطلق ہوئے ہیں ساتویں سال آپؐ نے اپنا منبر بنوایا اور غزوہ خیبر اور قصہ فدک سب اسی سال ہوئے ہیں- باغ فدک صرف آپ کے تصرف میں تھا- آٹھویں سال غزوہ موتہ' فتح مکہ' غزوہ حنین' غزوہ طائف اور قبیلہ ہوازن سے اس حاصل کردہ مال تقسیم فرمایا ہے- نویں سال غزوہ تبوک ہوا ہے اور دسویں سال حجۃ الوداع ہوا ہے اس حج میں آپ نے اپنے دست مبارک سے ۶۳ قربانیاں ذبح کی اور ۶۳ غلام آزاد فرمائے اور آپ کی عمر مبارک بھی یہی ہوئی ہے گیارھویں سال آپ کا وصال ہو گیا- اس کی ابتداءیوں ہوئی کہ شروع ربیع الاول میں آپ کی علامت کی ابتداء ہوئی اور بارھویں ربیع الاول کو وفات ہو گئی آپ کی کل عمر ۶۳ سال کی تھی جس میں مدینہ میں آپ دس سال رہے-

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ آپ کی سب اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے ان کے اسماءِ مبارک یہ ہیں طیبؓ، طاہرؓ، قاسمؓ، فاطمہؓ، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی سب پسری اولاد عہدِ طفولیت ہی میں انتقال کر چلی تھی-

حضرت خدیجہؓ کی حیات میں آپؐ نے کسی اور سے عقد نہیں فرمایا' پھر ان کے بعد حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور حضرت عائشہؓ آپ کی زوجیت میں آئیں- حضرت عائشہؓ کے علاوہ آپؐ کی ازواج میں اور کوئی کنواری نہ تھیں- حضرت امیر معاویہؓ کے عہد ۵۸ھ میں ۲۷ کے سن میں ان کا وصال ہوا- ۳ھ میں حضرت حفصہؓ کے ساتھ آپ کا عقد ہوا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کا وصال ہوا ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بی بی صاحبہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ تھیں صرف ان کا انتقال آپ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہوا ہے- ان کے بعد حضرت خدیجہؓ کے علاوہ سب کا انتقال آپؐ کے بعد ہوا ہے ۴ھ میں حضرت ام سلمہ سے آپ کا عقد ہوا ان کی والدہ عاتکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صاحبہ تھیں ان کا انتقال ۹ھ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں ہوا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ۶۱ھ میں عاشورہ کے دن انتقال ہوا اور اسی دن حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہوئی تھی ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش سے آپ کا عقد ہوا اور ۲۰ھ میں حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا آپ کی ازواج میں آپ کے بعد سب سے پہلے ان ہی کی وفات ہوئی ہے حضرت ام حبیبہؓ بھی اسی سال آپ آپ کی زوجیت میں آئیں ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان تھا ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں وفات ہوئی حضرت جریریہ بنت حارث سے بھی اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور ۵۶ھ میں حضرت معاویہؓ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا اور ۷ھ میں حضرت میمونہؓ آپ کے نکاح میں آئیں ان کا وصال ۴۰ھ میں ہوا ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کے عقد میں ۹ بیبیاں تھیں-

www.besturdubooks.net

(۱۲۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ كُنْتُ مِنْهُ. (رواه البخاری)

(۱۲۸۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شروع سے لے کر ہمیشہ انسانوں کے بہتر سے بہتر طبقوں میں گذرتا رہا ہوں یہاں تک کہ جس طریقہ میں پیدا ہوا ہوں وہ سب سے بہتر طبقہ ہے۔ (بخاری شریف)

(۱۲۸۱) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِیْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ. (رواه مسلم و فی رواية للترمذی ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفى من ولد اسماعيل بنی کنانة)

(۱۲۸۱) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے میں نے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے قبیلہ کنانہ کو انتخاب فرمایا پھر کنانہ میں سے قریش کو انتخاب فرمایا اور قریش میں سے قبیلہ بنو ہاشم کو پھر بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمالیا۔ (مسلم)

(۱۲۸۲) عَنِ الْعَبَّاسِ اَنَّهٗ جَاءَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَاَنَّهٗ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِ هِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَ خَيْرُهُمْ بَيْتًا (فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَ خَيْرُهُمْ بَيْتًا) (رواه الترمذی)

(۱۲۸۲) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے گویا انہوں نے اس وقت مشرکین عرب کی جانب سے کچھ طعن کا کلمہ سنا تھا اس پر آپؐ نے ممبر پر تشریف لا کر خطبہ دیا اور فرمایا بتاؤ میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا آپؐ رسول اللہ ہیں فرمایا میں (بلحاظ نسب) محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق بنائی تو مجھ کو اپنی سب سے بہتر مخلوق میں پیدا فرمایا اس کے بعد ان کے دو فرقے بنائے تو جو ان میں بہتر تھا مجھ کو ان میں پیدا فرمایا اسی طرح پھر ان کے خاندان بنائے اور ان کے خاندانوں میں جو بہتر تھا اس میں مجھ کو پیدا فرمایا حتیٰ کہ پھر ان میں مختلف گھرانے بنائے اور ان گھرانوں میں جو سب سے بہتر تھا مجھ کو اس میں پیدا فرمایا تو میں تم سب میں اپنے نسب اور اپنے گھرانے کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ (ترمذی شریف)

(۱۲۸۳) عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ وُلِدْتُّ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ

(۱۲۸۳) حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اسی سال پیدا ہوئے تھے جس سال میں

(۱۲۸۳) ✱ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک آپ کی ولادت باسعادت اصحاب الفیل ہی کے سال میں ہوئی ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس واقعہ کے کتنی مدت بعد ہوئی ابو جعفر باقر کہتے ہیں کہ اصحاب فیل کی آمد نصف محرم میں ہوئی تھی اور اس کے پچپن دن بعد ....

www.besturdubooks.net

كُنَّا لِدَيْنِ قَالَ وَ سَأَلَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُبَاثَ بْنَ اَشْيَمَ اَخَابَنِي يَعْمُرَ بْنِ لَيْثٍ اَنْتَ اَكْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْبَرُ مِنِّيْ وَ اَنَا اَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيْلَادِ وَ رَأَيْتُ خَزْقَ الْفِيْلِ اَخْضَرَ مُحِيْلًا. (رواه الترمذی)

کہ اصحاب الفیل کا قصہ پیش آیا تھا ہم دونوں ہم عمر تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قباث بن اشیم سے پوچھا جو یعمر کے بھائی تھے کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بولے کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ہاں پیدائش میں میں آپ سے پہلے ہوں (سبحان اللہ کیا ادب کا جواب ہے) اور میں نے ہاتھیوں کا گوبر دیکھا جو سبز رنگ کا تھا اور متغیر ہو چکا تھا (یعنی میری پیدائش اصحاب الفیل کے قصہ سے بہت ہی قریب تھی) (ترمذی)

(۱۲۸۴) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ حَدَّثَتْنِيْ اُمِّيْ اَنَّهَا شَهِدَتْ وِلَادَةَ اٰمِنَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ وَلَدَتْهُ قَالَتْ فَمَا شَيْءٌ اَنْظُرُ فِيْ بَيْتٍ اِلَّا نُوْرٌ وَ اِنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى النُّجُوْمِ تَدْنُوْ حَتّٰى اِنِّيْ لَا قُوْلُ لَيَقَعْنَ عَلَى الْاَرْضِ. (رواه البيهقي)

(۱۲۸۴) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری والدہ بیان فرماتی تھیں کہ جس شب میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی تو اس وقت وہ وہاں خود موجود تھیں وہ بیان کرتی تھیں کہ گھر میں جس چیز پر بھی میری نظر پڑتی تھی میں دیکھتی تھی کہ وہ منور ہے اور میں دیکھتی تھی کہ ستارے اس طرح جھکے پڑتے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب زمین پر آ گریں گے۔ (بیہقی)

(۱۲۸۵) هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مُنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ ابْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِب بن فهر بن مَالِكِ بْنِ نَضْرِ بْنِ كنانة بن خزيمة بن مُدْرِكَة بْنِ اِلْيَاسِ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِ بْنِ عَدْنَان.

(۱۲۸۵) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب (آپ کا نام شیبۃ الحمد تھا) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (المغیرۃ) بن قصی (زید) بن کلاب (المہذب یا حکیم) بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمۃ (عمرو یا عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

(رواه البخاري في ترجمة الباب في باب مبعث النبي صلى الله عليه وسلم)

.... کے بعد آپ کی ولادت ہوئی ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں۔

(۱۲۸۵) ❋ عرب میں نسب کی حفاظت کا بڑا اہتمام تھا اور شریعت نے بھی ایک حد تک اس کا اہتمام فرمایا ہے آج بھی عدالت مدعی اور مدعا علیہ کے کم از کم باپ کا نام لکھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے حافظ عینی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب بھی ایک دو پشت تک یاد رکھنا فرض ہے دیکھو عینی ج ۷ ص ۴۸۱۔ اگر کاش آپ کی امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت میں آپ کا پورا مذکورہ بالا نسب نامہ یاد کر لے تو یہ اس کے جذبہ محبت کا تقاضہ ہونا چاہیے راقم الحروف بھی قارئین کرام کی خدمت میں امید کے ساتھ یہ درخواست پیش کرتا ہے۔ علماء انساب اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ عدنان تک بالاختلاف صحیح ہے اس کے بعد اس میں اختلاف ہے قاضی سید سلیمان صاحبؒ نے اپنی سیرت رحمۃ اللعالمین میں اس پر بہت مفصل اور بہت محقق بحث فرمائی ہے اور چونکہ حضرت ہاجرہ کے نسب پر اہل کتاب نے اعتراض کیا ہے اس لئے اس کا .....

www.besturdubooks.net

(۱۲۸۶) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هِجَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ كَيْفَ بِنَسَبِيْ فِيْهِمْ فَقَالَ حَسَّانُ لَاَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ.
(رواه البخاری فی باب من احب ان لا يسب نسبه)

(۱۲۸۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حسان بن ثابت نے مشرکین کی ہجو کرنے کی آپ سے اجازت طلب کی آپؐ نے فرمایا کہ قریش کے ساتھ میرا نسب بھی جا ملتا ہے پھر اس کا کیا کرو گے (کیونکہ اس وقت ان کی ہجو کرنے سے خود میری بھی ہجو ہو جائے گی) اس پر حسان نے عرض کی میں آپ کو ان میں سے اس طرح صاف نکال لوں گا جیسے بال آٹے میں سے صاف نکال لیا جاتا ہے (یعنی ان کے افعال و اعمال پر ان کی ہجو کروں گا)۔ (بخاری شریف)

(۱۲۸۷) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مختونًا

(۱۲۸۷) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپ ختنہ شدہ تھے اور

لہ ...بھی بہت دندان شکن جواب دیا ہے جو قابل مراجعت ہے قاضی صاحب نے محنت اٹھا کر اس آبائی سلسلہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امہات مکرمات کا بھی ذکر فرمایا ہے جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر اعناو عن جمیع المسلمین.

نمبر شمار	آباء کرام	امہاۃ عظام	نمبر شمار	آباء کرام	امہاۃ عظام
۱	عبداللہ	آمنہ	۱۲	مالک	جندلہ
۲	عبدالمطلب	فاطمہ	۱۳	نضر	عکرشہ
۳	ہاشم	سلمٰی	۱۴	کنانہ	برہ
۴	عبدمناف	عاتکہ	۱۵	خزیمہ	عوانہ (ہند)
۵	قصی	حبی	۱۶	مدرکۃ	سلمٰی
۶	کلاب	فاطمہ	۱۷	الیاس	لیلیٰ (خندف)
۷	مرہ	ہند	۱۸	مضر	رباب
۸	کعب	مخشیہ	۱۹	نزار	سودہ
۹	لوی	ماویہ	۲۰	معد	معانہ
۱۰	غالب	عاتکہ	۲۱	عدنان	مہدد
۱۱	فہر ملقب بقریش	لیلیٰ			

(۱۲۸۶) ٭ عرب میں ہجو و مدح کا عام دستور تھا اور اپنے دشمن کے ہجو کرنی ان کے نزدیک اس کے قتل کرنے سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتی تھی کیونکہ قتل سے تو اس کو صرف ایک بار ہی تکلیف پہنچتی تھی اور ہجو کے اشعار چونکہ گلی کوچوں میں بچے پڑھتے پھرتے تھے اس لئے اس کی تکلیف ان کو تلوار اور برچھے سے بھی زیادہ ہوتی تھی اس لئے آپؐ نے فرمایا لھی اشد علیھم من رشق النبل او کما قال یہ ان کے نزدیک تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے اسلام میں جہاد کی ایک قسم جہاد باللسان بھی ہے۔

www.besturdubooks.net

مَسْرُوْرًا قَالَ فَاَعْجَبَ جَدَّهٗ وَ حَظِيَ عِنْدَهٗ وَ قَالَ لَيَكُوْنَنَّ لِابْنِيْ هٰذَا شَاْنٌ فَكَانَ لَهٗ شَاْنٌ۔

(رواه البيهقي قال الحافظ ابن كثير و هذا الحديث في صحته نظر)

آپ کا اونال بھی علیحدہ تھا۔ (بخاری شریف)

(۱۲۸۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ اَحْبَارُ يَهُوْدَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ يَذْكُرُوْنَ صِفَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا طَلَعَ الْكَوْكَبُ الْاَحْمَرُ اَخْبَرُوْا اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَ مُهَاجِرُهٗ اِلٰى يَثْرِبَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَنْكَرُوْا وَ حَسَدُوْا وَ كَفَرُوْا۔

(رواه ابونعيم من طرق متعدده)

(۱۲۸۸) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل آپ کا حلیہ مبارکہ اور آپ کے سب علامات بیان کرتے تھے حتیٰ کہ جب سرخ رنگ کا ستارہ طلوع ہوا تو انہوں نے خبر دی کہ یہ (اسی رسول کے ظہور کی علامت ہے) یقیناً آپ نبیؐ ہیں اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا۔ آپ کا اسم مبارک احمد اور آپ کی ہجرت کے شہر کا نام یثرب ہے مگر جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو ان ہی یہود نے پھر آپ پر حسد کیا اور آپ کا انکار کیا اور کافر بن گئے۔ ابونعیم

(۱۲۸۹) عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا عَنْ نَفْسِكَ قَالَ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ بُشْرٰى عِيْسٰى وَ رَاَتْ اُمِّيْ حِيْنَ حُبِلَهٗ كَاَنَّهٗ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرًا ضَاءَتْ لَهٗ بُصْرٰى مِنْ اَرْضِ الشَّامِ۔

(رواه الامام احمد قال ابن كثير اسناد جيد)

(۱۲۸۹) حضرت خالد بن معدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ اپنے متعلق کچھ ہم سے ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میرے لئے حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے دعا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی اور حالت حمل میں میری والدہ نے دیکھا گویا ان سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے کہ بصریٰ جو ملک شام کا ایک شہر ہے سب روشن ہو گیا۔ (مسند احمد)

(۱۲۸۹) * حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس مختصر تذکرہ سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ میری بعثت اور ظہور کا تذکرہ سب انبیاء علیہم السلام میں رہا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن کی طرف عرب اپنی نسبت کرتے ہیں سب سے پہلے بڑی ایضاح و الحاح کے ساتھ میرے لئے دعا فرمائی اس کے بعد بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میری بشارت دی جس سے ظاہر یہ ہے کہ درمیانی سب انبیاء علیہم السلام نے بھی میری بشارت دی تھی پس جس کی آمد آمد کی خبریں اس طرح انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعتوں میں مسلسل جاری آ رہی ہوں اس کی شرافت و نبوت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں و فيه بشارة لاهل محلنا ارض بصرى الخ کہ اس میں ہمارے شہر بصریٰ کے لئے ایک بڑی بشارت ثابت ہوتی ہے کیونکہ شام کی زمین میں سب سے پہلا شہر یہی ہے جس میں نور نبوت پہنچا چنانچہ صدیق اکبرؓ کی خلافت میں کسی جنگ کے بغیر یہ شہر صلحاً فتح ہوا اور اس شہر میں نبوت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو بار تشریف بھی لا چکے ہیں ایک بار بارہ سال کی عمر میں جس میں کہ بحیراء راہب کا قصہ پیش آیا تھا دوسری بار میسرہ غلام کے ساتھ اور اس شہر میں آپ کے ناقہ کے بیٹھنے کی جگہ بھی موجود ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ کی ناقہ بیٹھی تھی اور اوس کا نشان پڑ گیا تھا اور یہ وہی ٹھہرے کہ جہاں کے اونٹوں کی گردنیں اس آگ کی وجہ سے جو ایک بار ۶۵۴ھ میں حجاز میں لگی تھی چمکتی نظر آتی تھیں اور جس کے متعلق آپ پہلے پیش گوئی فرما چکے ہیں۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۹۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اعْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اَسْاَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللّٰهُ يَا اٰدَمُ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَ لَمْ اَخْلُقْهُ بَعْدُ فَقَالَ يَا رَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَ نَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِسْمَكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ صَدَقْتَ يَا اٰدَمُ اِنَّهُ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ وَ اِذْ قَدْ سَاَلْتَنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ. (رواہ الحاکم)

قال البیهقی تضرد به عبدالرحمن بن زید بن اسلم و هو ضعیف و اللّٰه اعلم.

(۱۲۹۰) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے خطاء سرزد ہوگئی تو انہوں نے یوں دعا کی اے رب اس حق کے طفیل میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تو نے رکھا ہے مجھ کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا میں نے تو ان کو اب تک پیدا بھی نہیں کیا انہوں نے عرض کی اے رب! جب تو نے مجھ کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور اپنی جانب سے اس میں روح ڈالی تو میں نے جب سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر یہ کلمہ لکھا ہوا تھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ میں سمجھ گیا کہ جس کے نام کو تو نے اپنے اسم مبارک کے ساتھ رکھا ہے وہی شخص ہوسکتا ہے جو تجھ کو اپنی مخلوق بھر میں سب سے پیارا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم تم نے درست کہا بے شک وہ مجھ کو تمام مخلوق میں سب سے پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے حق کے وسیلہ سے مجھ سے سوال کیا ہے تو جاؤ میں نے تم کو بخش دیا اگر یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (حاکم) بیہقی کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی عبدالرحمان بن زید بن اسلم ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۱۲۹۱) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ بَنُوْ اَبِيْ طَالِبٍ يُصْبِحُوْنَ رُمْصًا غُمْصًا وَ يُصْبِحُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَقِيْلًا دَهِيْنًا وَ كَانَ اَبُوْطَالِبٍ يُقَرِّبُ اِلَى الصِّبْيَانِ مَصْحَتَهُمْ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ فَيَجْلِسُوْنَ وَ يَنْتَهِبُوْنَ وَيَلُفُّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ

(۱۲۹۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ابوطالب کی اولاد جب صبح کو اٹھتی تو عام دستور کے مطابق ان کی آنکھوں میں میل ہوتا اور پراگندہ بال ہوتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف ستھرے اٹھتے یوں معلوم ہوتا کہ جیسے آپ کے بالوں میں تیل لگا ہوا ہے ابوطالب کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے بچوں کو سویرے ناشتہ دے دیتے بچے بیٹھ جاتے اور بچوں کی عادت کی طرح چھینا جھپٹی شروع کر دیتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ

(۱۲۹۱) ٭ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے آپ کے نسب شریف کا تذکرہ کیا ہے اور تاریخ و احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ عرب میں سب کے نزدیک مسلم شریف النسب تھے جیسا کہ ہرقل کی حدیث میں ابوسفیان کی شہادت پہلے گذر چکی ہے اس کے بعد آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ پر بحث کی ہے پھر آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پیشانی پر آپ کا اور چمکنا اور حضرت آمنہ کے حاملہ ہو جانے کے بعد اس نور کا محسوس نہ ہونا اور اس سلسلہ میں عرب کی عورتوں کے اشتیاق کے سب واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں اس کے بعد جس شب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اس کے عجائبات کا مفصل تذکرہ لکھا ہے اور اس کے بعد ایوان کسریٰ کے کنگروں کا گرنا اور آتش کدہ فارس کی آگ گل ہو....

www.besturdubooks.net

فلا ینتھب معھم فلما رأی ذلک عمہ عزل لہ طعامہ علی حدۃ۔ (کذا فی البدایۃ والنھایۃ ج ۲ ص ۲۸۳)

وسلم اپنا ہاتھ کھینچے رکھتے اور دوسرے بچوں کے ساتھ اس چھینا جھپٹی میں شریک نہ ہوتے جب ابوطالب نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو پھر آپ کو علیحدہ ناشتہ دینے لگے تاکہ آپ پیٹ بھر کر کھا سکیں۔

نبذة من حلية الشريفة تنباك عن نبوته و نباهة شانه صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت ﷺ کا مختصر حلیہ شریفہ جس کو پڑھ کر آپ کی نبوت اور آپ کی شان کی بزرگی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے شمائل نبویہ ﷺ کے پڑھنے والوں سے ایک ضروری خطاب ٭ واضح رہے کہ آج یہ عام دستور ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں اس کے مؤلف کا فوٹو بھی لگایا جاتا ہے جس کی بڑی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ علم قیافہ کی رو سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس کتاب کا مؤلف کس خلوص نیت' کس علو ہمت' کس علم و فراست اور کن اخلاق و ملکات کا مالک ہے تاکہ اس کے کلام کے مطالعہ سے قبل اس کے نالع انور کا مطالعہ کر لینا کتاب کے دیباچہ کا کام دے۔ گذشتہ اوراق میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل اور آپ کی پاکیزہ و بلند تعیمات اور آپ کی محیر العقول تربیت کا کچھ نقشہ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب آپ کا مختصر حلیہ شریفہ بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ آپ کے کمالات علمیہ کو دیکھ کر آپ کے مقدس حلیہ کی کچھ تصویر آپ کے سامنے آسکے اور آپ کی مبارک صورت کو پڑھ کر آپ کے علمی کمالات کا کچھ اندازہ کیا جاسکے۔ ہر چند کہ حسن لامحدود الفاظ و حروف سے کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے تاہم اس بارے میں آپ کے مقدس صحابہؓ آپ کے حلیہ شریفہ کے متعلق جو کچھ بیان میں لاسکتے تھے وہ لے آئے ہیں یہ ان کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس غائب امت کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم رہی کم از کم یہی سامان تسلی چھوڑ دیا ہے۔ ؏ باہر بود اگر ایں ہم نبود

لہٰذا اب آپ اس کو پورے ذوق و شوق اور پورے ایمان و ایقان کے ساتھ پڑھیں اور بار بار پڑھیں شاید کہ اسی راستہ سے آپ کے قلب میں حسن نبوت کا عشق سا جائے اور اس طرح پروردگار کے حسن حقیقی کا کوئی جلوہ نصیب ہونے کی راہ کھل جائے۔ ؎

داویم ترا ز گنج مقصود نشان! گر ما نرسیدیم تو شاید برسی!

لے ....ہو جانے وغیرہ پر بھی مستقل ایک باب باندھا اسی طرح آپ کی عہد طفولیت اور شباب کے ایک ایک واقعہ کو علیحدہ علیحدہ لکھ کر آپ کی بعثت کا ذکر شروع کیا ہے اور اس سلسلہ میں تورات و انجیل کی بشارات اور علماء یہود و نصاریٰ کی بشارتیں اور شہادتیں بھی پوری تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائی ہیں حتی کہ سیف بن ذی یزن کی بشارت پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ اور آخر میں جنات کے مختلف آوازوں' کاہنوں کی خبروں اور بتوں سے آپ کے ظہور کی جو شہادتیں سنی گئی تھیں ان کو بھی ایک مستقل باب میں ذکر فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں احادیث و تاریخ کے علاوہ شعراء عرب کے اشعار کا بھی ایک اچھا خاصہ حصہ نقل فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں تو اس وقت عالم میں انقلاب کا عالم کیا ہوتا ہے ان کے سچائی نشانات ان سے پہلے اور ان کے ساتھ کس درجہ کثرت اور صفائی کے ساتھ عالم کے ذرہ ذرہ اور اس کے گوشہ گوشہ سے ہویدا ہوتے ہیں۔ پھر جب نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو کس طرح یہ سارے نشانات آسمان و زمین پر چمک رہے تھے کتب سماویہ اور اہل کتاب کے علماء ہی نہیں بلکہ جن و انس کا سارا عالم کس طرح آپ کے لئے چشم براہ تھے اور اس سے گذر کر عالم جمادات بھی آپ کی آمد آمد کی خبریں دے رہا تھا لیکن اس مادی دنیا میں کون ہے جو ان حقائق کی دنیا کا اقرار کر کے اپنی مادی دنیا کو ٹھیس لگانا برداشت کرے اس لئے ہزار حیلہ کر کے اس کے انکار کے درپے ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۹۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَأْسِهِ وَ لِحْيَتِهِ وَ كَانَ اِذَا ادَّهَنَ لَمْ يَتَبَيَّنْ وَ اِذْ شَعِثَ رَأْسُهُ تَبَيَّنَ وَ كَانَ كَثِيْرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ فَقَالَ رَجُلٌ وَجْهُهُ مِثْلُ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ وَ كَانَ مُسْتَدِيْرًا وَ رَأَيْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ كَتِفِهِ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ يُشْبِهُ جَسَدَهُ.

(رواہ المسلم)

(۱۲۹۲) حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں میں اور داڑھی میں کچھ سفیدی آ گئی تھی مگر وہ اتنی قلیل تھی کہ جب تیل لگاتے تو تیل کی چمک کی وجہ سے وہ سفیدی ظاہر نہ ہوتی اور جب سر میں تیل نہ ہوتا تو چمکتی آپ کی ریش مبارک گنجان تھی۔ ایک شخص نے پوچھا کیا آپ کا روئے انور تلوار کی طرح روشن تھا؟ تو دوسروں نے کہا نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکدار اور گولائی لئے ہوئے تھا (تلوار لمبی ہوتی ہے) میں نے مہر نبوت کو دیکھا ہے وہ چینی ہڈی کے پاس تھی جیسے کبوتر کا انڈا اور اس کا رنگ وہی تھا جو آپ کے جسم مبارک کا رنگ تھا۔ (مسلم)

(۱۲۹۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَ لَا بِالْقَصِيْرِ وَ لَيْسَ بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَ لَا بِالْاٰدَمِ وَ لَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَ لَا بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشَرَ سِنِيْنَ وَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ وَ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَ لَيْسَ فِىْ رَأْسِهِ وَ لِحْيَتِهِ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ (وفي رواية) يَصِفُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَ لَا بِالْقَصِيْرِ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَ قَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ وَ عَاتِقِهِ. (متفق علیہ)

وَ فِىْ رِوَايَةِ الْبُخَارِىِّ قَالَ كَانَ ضَخْمَ الرَّأْسِ وَ الْقَدَمَيْنِ لَمْ اَرَ بَعْدَهُ وَ لَا قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَ كَانَ بَسْطَ الْكَفَّيْنِ وَ فِىْ اُخْرٰى لَهُ قَالَ كَانَ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ وَ الْكَفَّيْنِ.

(۱۲۹۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت دراز قامت تھے اور نہ پست قد اور نہ بالکل چونے کی طرح سفید اور نہ گندم گوں (بلکہ سرخی مائل گورے) آپ کے بال کچھ خمیدہ نہ بہت زیادہ گھونگر والے اور نہ بالکل سیدھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر منصب نبوت سے نوازا اس کے بعد دس سال آپ مکہ مکرمہ میں رہے پھر دس سال مدینہ طیبہ میں اس طرح جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ساٹھ برس کی تھی (راوی نے کسر شمار نہیں کی ہے) اس وقت تک کہ ریش مبارک اور سر میں بیس بال سفید نہ ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ وہ آپ کا حلیہ مبارک یوں بیان فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے نہ بہت لامبے نہ ٹھگنے آپ کا رنگ روشن اور چمکدار تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے متعلق یہ بیان کرتے تھے کہ بعض اوقات وہ نصف کانوں تک بھی ہوتے تھے۔ بخاری کی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا اور پیر بھی کسی قدر بڑے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا حسین و خوبصورت نہ آپ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر اور ہتھیلیاں پر گوشت اور گداز تھیں۔

www.besturdubooks.net

(۱۲۹۴) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ صِفِیْ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ یَا بُنَیَّ لَوْرَاَیْتَهٗ رَاَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً. (رواہ الدارمی)

(۱۲۹۴) ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذ سے عرض کی آپ ہم سے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرمائیں انھوں نے فرمایا عزیزمن! اگر تم آپ کو دیکھتے تو یہ دیکھتے کہ آفتاب نکل آیا ہیں۔

(دارمی شریف)

(۱۲۹۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَةٍ اِضْحِیَانٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اِلَی الْقَمَرِ وَ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا هُوَاَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ. (رواہ الترمذی و الدارمی)

(۱۲۹۵) جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار چاندنی رات میں دیکھا تو میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کبھی چاند کو دیکھنے لگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلّہ پہنے ہوئے تھے مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے زیادہ حسین نظر آتے تھے۔

(ترمذی شریف۔ دارمی)

(۱۲۹۶) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَرْبُوْعًا بَعِیْدَ مَا بَیْنَ الْمُتکمِینَ لَهٗ شَعْرٌ بَلَغَ شَحْمَةَ اُذُنَیْهِ رَاَیْتُهٗ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ لَمْ اَرَشَیْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ متفق علیه و فی روایة لمسلم قَالَ مَارَاَیْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّةٍ اَحْسَنَ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَعْرُهٗ یَضْرِبُ مَنْکِبَیْهِ بَعِیْدَ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ وَ لَا بِالْقَصِیْرِ.

(۱۲۹۶) براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان ذرا فاصلہ تھا آپؐ کے بال تھے جو کبھی کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ آپ کو سرخ لباس میں دیکھا تو آپ سے بڑھ کر میں نے کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے سرخ لباس میں کسی گیسو والے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپؐ کے بال کبھی شانوں تک بھی آجاتے تھے آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیاں کچھ فاصلہ تھا آپ نہ بہت دراز قامت نہ زیادہ پست قد تھے۔

(۱۲۹۷) عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَلِیْعَ الْفَمِ اَشْکَلَ الْعَیْنِ مَنْهُوْشَ الْعَقِبَیْنِ قِیْلَ لِسِمَاکٍ مَا ضَلِیْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِیْمُ الْفَمِ قِیْلَ مَا اَشْکَلُ الْعَیْنِ قَالَ طَوِیْلُ شِقِّ الْعَیْنِ قِیْلَ مَامَنْهُوْشُ الْعَقِبِ قَالَ قَلِیْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ. (رواہ مسلم)

(۱۲۹۷) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن والے تھے آپؐ کی آنکھیں لمبی آپ کی ایڑیاں باریک تھیں۔ سماک راوی سے سوال کیا گیا کہ ضلیع الفم کا مطلب کیا ہے انہوں نے کہا کہ منہ کا دہانہ بڑا ہونا پھران سے پوچھا گیا کہ اشکل العین کے معنی کیا ہیں انہوں نے کہا کہ آنکھوں کا خانہ لمبا ہونا پھر پوچھا گیا کہ منہوش العقبین کے معنی کیا ہیں انہوں نے کہا کہ ایڑیوں کا پر گوشت نہ ہونا۔ (مسلم شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۲۹۸) عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ کَانَ اَبْیَضَ مَلِیْحًا مُقْصَدًا. (رواہ مسلم)

(۱۲۹۸) ابو الطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گورے رنگ اور میانہ قد کے تھے۔ (مسلم شریف)

(۱۲۹۹) عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ ملیخضب لَوْشِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتِهٖ فِیْ لِحْيَتِهٖ وَ فِی روایۃ لوشِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِیْ رَاسِهٖ فَعَلْتُ متفق علیه وَ فِی روایۃ لمسلم قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْبَيَاضُ فِیْ عَنْفَقَتِهٖ وَ فِی الصُّدْغَيْنِ وَ فِی الرَّاْسِ نَبْذٌ.

(۱۲۹۹) ثابت روایت کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کے بال اتنے سفید ہی کہاں تھے کہ ان کے خضاب لگانے کی نوبت آتی آپ کی ریش مبارک میں کل اتنے بال سفید تھے کہ اگر میں ان کو شمار کرنے کا ارادہ کرتا تو شمار کر لیتا۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ صرف چند بال آپ کے ریش بچہ کے سفید ہوئے تھے اور کچھ کنپٹیوں میں اور کچھ آپ کے سر میں۔

(۱۳۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَارَاَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ وَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِیْ مَشْيِهٖ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَ اِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ. (رواہ الترمذی)

(۱۳۰۰) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو نہ دیکھا یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ اس میں آفتاب چمک رہا ہے اور آپ سے زیادہ تیز رفتار بھی میں نے کسی کو نہیں دیکھا جب آپ چلتے تو یوں معلوم ہوتا گویا زمین آپ کے لئے لپیٹی جارہی ہے آپ اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے اور ہم مشکل سے آپ کے ساتھ چل سکتے تھیں۔ (ترمذی شریف)

(۱۳۰۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ فِیْ سَاقَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ وَ كَانَ لَا يَضْحَكُ اِلَّا تَبَسُّمًا وَ كُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَيْهِ قُلْتُ اَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَ لَيْسَ بِاَكْحَلَ. (رواہ الترمذی)

(۱۳۰۱) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں پر گوشت نہ تھیں ہلکی ہلکی سی ہوئی تھیں اور آپ کھل کھلا کر نہ ہنتے صرف مسکراتے تھے جب میں آپ پر نظر کرتا تو اپنے دل میں کہتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں مگر آپ سرمہ لگائے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ (قدرتی سرگیں چشم تھے) (ترمذی شریف)

(۱۳۰۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُئِیَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ. (رواہ الدارمی)

(۱۳۰۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانتوں کے درمیان کشادگی تھی جب آپ گفتگو فرماتے تو ویں معلوم ہوتا کہ آپ کے دانتوں کے درمیان سے نور پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ (دارمی)

(۱۳۰۳) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۳۰۳) کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انور ایسا چمکنے لگتا جیسا

www.besturdubooks.net

عليه وسلم اذا سُرَّ استنار وجهه حتى كان وجهه قطعة قمرٍ و كنا نعرف ذلك.

(متفق عليه)

چودھویں رات کے چاند کا ٹکڑا ہے اور اس سے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کو پہچان لیتے -

(متفق علیہ)

(١٣٠٤) عن علي ابن ابي طالب قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس بالطويل و لا بالقصير ضخم الرأس و اللحية شثن الكفين و القدمين مشربًا حمرة ضخم الكراديس طويل المسربة اذا مشى تكفأ تكفؤًا كانما ينحط من صبب لم ار قبله ولا بعده مثله ﷺ.

(رواه الترمذي و قال هذا حديث حسن صحيح)

(۱۳۰۴) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت دراز قامت تھے نہ پست قد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر بڑا ریش مبارک گنجان ہتھیلیاں اور پیر گداز اور پر گوشت رنگ میں سرخی جسم کے جوڑ بڑے پیٹ پر بالوں کی دھاری لمبی جب چلتے تو سامنے کو جھک کر یوں معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا حسین نہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا نہ بعد میں -

(ترمذی شریف)

(١٣٠٥) عن علي ابن ابي طالب رضي الله تعالى عنه كان اذا وصف النبي صلى الله عليه وسلم قال لم يكن بالطويل الممغط ولا بالقصير المتردد وكان ربعة من القوم و لم يكن بالجعد القطط ولا بالسبط كان جعدا رجلا ولم يكن بالمطهم ولا بالمكلثم و كان في الوجه تدويرا ابيض مشرب ادعج العينين اهدب الاشفار جليل المشاش و الكتد اجرد ذو مسربة شثن الكفين و القدمين اذا مشى يتقلع كانما يمشي في صبب و اذا التفت التفت معا بين كتفيه خاتم النبوة و هو خاتم النبيين اجود الناس صدرا و اصدق الناس لهجة و الينهم عريكة و اكرمهم عشيرة من رآه بديهة هابه و من خالطه معرفة احبه يقول ناعته لم ار قبله ولا بعده

(۱۳۰۵) حضرت علیؓ جب حضور کا حلیہ بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ نہ لانبے تھے نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل خمیدہ تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ خمیدگی لئے ہوئے تھے نہ آپ موٹے بدن والے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ میں تھی (یعنی چہرۂ انور بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور کا رنگ سفید سرخی مائل تھا آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور مژگاں دراز بدن کے جوڑ موٹے تھے (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پر گوشت تھی آپ کے بدن مبارک پر (معمولی لور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال ہی بال ہو جاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو و پنڈلیں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے) آپؐ کے سینہ سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپؐ کے ہاتھ اور قدم مبارک پر گوشت تھے جب آپ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی میں اتر رہے ہیں ہلکے سے رکھتے - جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی صرف گردن پھیر کر متکبرانہ متوجہ نہ ہوتے تھے) آپ

www.besturdubooks.net

مثلہٗ صَلَّی اللّٰہُ علیہِ وسلَّم۔ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور تھے بھی آپ خاتم النبیین (رواہ الترمذی) (یعنی یہ اس کی علامت تھی کہ آپ سب نبیوں کے آخر میں تھے آپ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے) غرض آپ کے دل زبان طبیعت خاندان اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز سب سے زیادہ افضل تھے) آپ کو یکا یک جو شخص دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ کا وقار و بلہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا) البتہ جو شخص پہچان کر آپ کے ساتھ رہنے لگتا وہ دل و جان سے آپ کا فریفتہ ہو جاتا تھا آپ کا حلیہ مبارک بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا با جمال و با کمال نہ حضورؐ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ (ترمذی)

(١٣٠٦) عن الحسن بن علی رضی اللّٰہ تعالی عنھما قال سألت خالی ھند بن ابی ھالۃ رضی اللّٰہ تعالی عنہُ و کان وصافاعن حِلیۃِ رسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہِ وسلَّم و انا اشتھی ان یصف لی منھا شیئا اتعلّقُ بہ فقال کان رسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم فخماً مُفخماً یتلألأ لا تلألُؤ القمرِ لیلۃ البدر اطول من المربُوع و اقصر من المُشذّب عظِیم الھامۃ رَجِل الشّعرِ ان انفرقت عقیقۃ فرق و الّا فلا. یُجاوز شعرُہٗ. شحمۃ اُذنیہ اذا ھُو و فرۃ. ازھر اللّون. واسع الجبِین. ازج الحواجب سوابغ من غیر قرنٍ بینھما عرقٌ یُدرّہُ الغضبُ. اقنی العِرنَینِ لہٗ نوْرٌ یعلُوْہُ یحسبُہ من لم یتأمّلہُ اشمّ کث اللّحیۃِ. سھل الخدّینِ. ضلیع الفمِ. مُفلج الاسنان. دقِیق المسربۃ کان عُنقہٗ جِیْدُ دُمیۃٍ فی صفاءِ الفضّۃِ مُعتدل الخلق باذنٌ مُتماسکٌ. سواءُ البطنِ و الصّدرِ بعِیدُ مابین منکبینِ. ضخم الکرادیسِ انورُ

(١٣٠٦) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہلۃ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ دریافت کیا اور وہ آپ کا حلیہ بیان کرنے کا بڑا شغف رکھتے تھے میں نے چاہا کہ وہ آپ کے اوصاف جمیلہ کا میرے سامنے بھی کچھ ذکر فرمائیں تا کہ میں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں (حضرت امام حسنؓ آپ کے وصال کے وقت بہت کم سن تھے اس لئے اس وقت تک ان امور پر غور کرنے کا ان کو موقعہ نہ مل سکا تھا) چنانچہ ان کی فرمائش پر انھوں نے آپ کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا کہ آپ خود بڑے بھاری بھرکم تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی بزرگ و برتر تھے آپ کا روئے انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند پورے میانہ قد والے سے ذرا دراز قامت اور بالکل بے ڈول سے پست قامت۔ سر مبارک بڑا۔ بال اتنے خمیدہ جیسے گھونگروالے بالوں میں کنگھی کی ہو اگر سہولت سے مانگ نکل آتی تو نکال لیتے ورنہ زیادہ تکلف نہ فرماتے تھے۔ جب آپ کے گیسو ذرا دراز ہو جاتے تو کانوں کی لو سے ذرا نیچے آ جاتے۔ رنگ بڑا رونق دار اور روشن پیشانی کشادہ۔ ابرو خمدار باریک اور گنجان اور دونوں ابرو جدا جدا درمیان میں ایک رگ جو غصہ میں ابھر جاتی۔ بلند بینی اس پر چمکتا ہوا نور سرسری طور پر دیکھنے والا یوں سمجھے کہ شاید آپ کی ناک ہی بلند ہے (حالانکہ وہ نور کی چمک ہوتی) ریش مبارک گنجا۔ سُتے ہوئے رخسار (لٹکے ہوئے پر گوشت نہیں) فراخ دہن۔ دندان مبارک کے درمیان ذرا ذرا سا فاصلہ۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک سی دھاری۔ گردن مورتی کی سی تراشی ہوئی اور چاندی کی طرح سفید چمکدار۔ نہایت معتدل پر گوشت جسم گھٹے ہوئے سینہ شکم

www.besturdubooks.net

اَلْمُتَجَرِّد. مَوْصُوْلُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَ السُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِيْ كَالْخَطِّ. عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَ الْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ اَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَ الْمَنْكِبَيْنِ وَ اَعَالِي الصَّدْرِ. طَوِيْلُ الزَّنْدَيْنِ رَحْبُ الرَّاحَة. شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَ الْقَدَمَيْنِ سَائِلُ الْاَطْرَافِ اَوْ قَالَ شَائِلُ الْاَطْرَافِ خُمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ. ذَرِيْعُ الْمِشْيَةِ اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ. وَ اِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيْعًا خَافِضُ الطَّرْفِ نَظْرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَكْثَرُ مِنْ نَظْرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ جُلُّ نَظْرِهِ الْمُلَاحَظَةُ يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ يَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ.

(رواہ الترمذی)

(۱۳۰۷) عَنِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْ خَالِهٖ كَمَا مَرَّ قَالَ الْحَسَنُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَبَقَنِيْ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَمَّا سَاَلْتُهٗ عَنْهُ وَ وَجَدْتُهٗ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَ عَنْ مَخْرَجِهٖ وَ شَكْلِهٖ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا اٰوٰى اِلٰى مَنْزِلِهٖ جَزَّاَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ اَجْزَاءٍ جُزْءٌ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ جُزْءٌ لِاَهْلِهٖ وَ جُزْءٌ لِنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّاَ جُزْءَهٗ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَ

ہموار (یعنی پیٹ بڑا نہ تھا) دونوں مونڈوں کے درمیان ذرا فاصلہ اور کشادگی مضبوط جوڑ و بند کپڑوں سے باہر جسم کا حصہ گورا (تو ڈھکے ہوئے کا کیا کہنا) حلق اور ناف کے درمیان بالوں کی ایک لکیر اس کے علاوہ چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی البتہ دونوں بازو اور کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے۔ آپ کی کلائیاں دراز ہتھیلیاں فراخ دونوں ہاتھ اور پیر پر گوشت اور گداز اور انگلیاں درازی مائل پیروں کے تلوے ذرا گہرے۔ قدم ایسے چکنے کہ پانی اس پر نہ ٹھہر سکے۔ جب قدم اٹھاتے تو زمین سے اٹھ کر (یعنی گھسیٹ کر نہ چلتے) اور آگے کو جھک کر جب زمین پر قدم رکھتے تو آہستہ (متکبرانہ نہیں) تیز رفتار یوں معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم کے ساتھ (متکبروں کی طرف نہیں) نظریں نیچی بہ نسبت آسمان کے آپ نظر اکثر زمین کی طرف رہتی ہاں اگر وحی کا انتظار ہوتا تو آسمان کی طرف دیکھتے) اکثر گوشۂ چشم سے دیکھتے (حیاء کی وجہ سے) چلنے میں اپنے صحابہ کو آگے رکھتے اور جس شخص سے ملتے پہلے اس کو خود سلام کرتے۔ (سبحان اللہ کیا حسن سیرت اور کیسا جمال صورت تھا) (ترمذی شریف)

(۱۳۰۷) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ گذشتہ روایت فرما کر کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تک اس حدیث کو میں نے اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ سے ذکر نہیں کیا تھا پھر کے ذکر کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ تو مجھ سے پہلے وہ حدیث پوچھ کر سن چکے تھے بلکہ جو میں نے پوچھا تھا وہ بھی میرے ماموں سے پوچھ چکے تھے اور اس کے علاوہ اپنے والد ماجد سے آپ کے اندر تشریف لانے اور باہر آنے اور صحابہؓ کے درمیان آپ کے طور وطریق کا حال بھی پوچھ چکے تھے حتیٰ کہ کوئی بات انہوں نے نہ چھوڑی تھی (اب سنو) امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تشریف لانے کے حالات دریافت کئے تو انہوں نے بیان کیا جب آپ اپنے گھر میں تشریف تو اس وقت کے تین حصے کرتے ایک حصہ اپنے رب کے لئے ایک اپنے گھر والوں کے لئے اور ایک اپنی راحت کے لئے پھر جو حصہ اپنے لئے رکھتے اس کو بھی خاص لوگوں کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچا دیتے اور ان سے کسی بات کا اخفاء نہ فرماتے تھے آپ کی

www.besturdubooks.net

لا یدخر عنھم شیئا و کان من سیرتہ فی جزء الامۃ ایثار اھل الفضل باذنہ و قسمہ علی قدر فضلھم فی الدین فمنھم ذوالحاجۃ و منھم ذوالحاجتین و منھم ذوالحوائج فیتشاغل بھم و یشغلھم فیما یصلحھم و الامۃ من مسئلتھم عنہ و اخبارھم بالذی ینبغی لھم و یقول لیبلغ الشاھد منکم الغائب و ابلغونی حاجۃ من لا یستطیع ابلاغھا فانہ من ابلغ سلطانا حاجۃ من لا یستطیع ابلاغھا ثبت اللہ قدمیہ یوم القیامۃ و لا یذکر عندہ الا ذلک و لا یقبل من احد غیرہ یدخلون رواذا و لا یفترقون الا عن ذواق و یخرجون ادلۃ یعنی علی الخیر قال فسألتہ عن مخرجہ کیف کان یصنع فیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخزن لسانہ الا فیما یعنیہ و یؤلفھم و لا ینفرھم و یکرم کریم کل قوم و یولیہ علیھم و یحذر الناس و یحترس منھم من غیر ان یطوی علی احد منھم بشرہ و لا خلقہ و یتفقد اصحابہ و یسئل الناس عما فی الناس و یحسن الحسن و یقویہ و یقبح القبیح و یوھیہ۔ معتدل الامر غیر مختلف و لا یغفل مخافۃ ان یغفلوا و یملوا۔ لکل حال عندہ عتاد لایقصر عن الحق و لا

عادتِ مبارکہ اس جزء میں جو آپ کی امت کے لئے ہوتا یہ تھی کہ صاحب فضیلت لوگ ہوتے ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے اور ان کے درمیان بھی دینداری کا لحاظ مقدم رکھتے پس لوگوں میں کوئی شخص ایک ضرورت والا کوئی دوضرورت والا ہوتا اور کسی کی ضرورتیں اور زیادہ ہوتیں تو آپ ان کی ضروریات پورا فرمانے میں مشغول ہو جاتے اور ان کو ایسی باتوں میں مشغول کر دیتے جو ان کے بعد تمام امت کی اصلاح اور کارآمد کا سبب ہوں اطرح پر کہ وہ اپنی ضرورت کی باتیں آپ سے پوچھتے رہتے اور آپ ان کو جو ان کے مناسب ہوتا بتاتے جاتے اور فرماتے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان مضامین کو ان لوگوں کو بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں نیز دیکھو یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اپنی ضرورت کی خبر مجھ کو نہیں دے سکتا تم اس کی خبر مجھ کو دے دیا کرو کیونکہ جو شخص کسی اہل ضرورت کی ضرورت کسی بااختیار شخص کو پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدم ڈگمگانے سے محفوظ رکھے گا۔ بس آپ کے پاس ان ہی باتوں کا ذکر ہوتا تھا اور ان باتوں کے علاوہ آپ کسی سے اور کوئی بات نہ سنتے تھے آپ کی محفل میں جب لوگ آتے تو سائل اور محتاج کی حیثیت میں آتے اور جب واپس جاتے تو دین کے ہادی بن کر واپس ہوتے اور جب اٹھتے تو ضرور کچھ نہ کچھ کھا پی کر اٹھتے (اگر اس وقت آپ کے گھر کچھ ہوتا) اور یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے آپ باہر تشریف لانے کے حالات بھی پوچھے کہ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سوائے مفید اور ضروری باتوں کے ہر قسم کی باتوں سے محفوظ رکھتے تھے اور لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے کہ ان کو اور محبت پیدا اور نفرت نہ پیدا ہو ہر قبیلہ کے شریف شخص کی عزت کرتے اور اس کو ان پر والی اور افسر بناتے اور لوگوں کو بھی غیر ضروری باتوں سے بچنے کی ہدایت فرماتے اور خود بھی غیر ضروری اختلاط سے بچتے لیکن اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی میں ذرا فرق نہ آ سکے اور اپنے رفقاء کا حال دریافت کرتے رہتے اور لوگوں سے عام لوگوں کے حالات بھی پوچھتے اور اچھی بات کو اچھا کہتے اور اس کی تائید فرماتے اور بری بات کو برا کہتے اور اس کی تردید فرماتے ہر معاملہ میں اعتدال

www.besturdubooks.net

يُجَاوِزُهُ. الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ اَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً وَ اَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَ مُوَازَرَةً قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَ لَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ وَ اِذَا انْتَهٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَ يَامُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِيْ كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيْبِهِ وَ لَا يَحْسَبُ جَلِيْسُهُ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ. مَنْ جَالَسَهُ اَوْ فَاوَضَهُ فِيْ حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ وَ مَنْ سَاَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَ خُلُقُهُ وَ مَنْ سَاَلَهُ حَاجَةٍ لَمْ يَرُدَّهُ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَ خُلُقُهُ فَصَارَ لَهُمْ اَبًا وَصَارُوْا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَ حَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَ اَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَصْوَاتُ وَ لَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ وَ لَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَ يَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ وَ يُؤْثِرُوْنَ ذَا الْحَاجَةِ وَ يَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ.

(رواہ الترمذی)

ہوتا افراط و تفریط کچھ نہیں لوگوں سے غافل نہ ہو جاتے اس خطرہ سے کہ کہیں وہ غافل نہ ہو جائیں یا اکتا جائیں - آپ کے یہاں ہر بات کا ایک انتظام تھا حق بات میں نہ ذرا سی کوتاہی کرتے اور نہ ذرا اس سے آگے تجاوز فرماتے - جو لوگ آپ کے خاص ہم نشیں ہوتے وہ وہی ہوتے جو ان میں بہتر سمجھے جاتے کہ آپ کے نزدیک افضل وہ ہوتا جو سب میں زیادہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا اور سب سے بڑا مرتبہ والا وہ ہوتا جو سب میں بڑھ کر لوگوں کا خیر خواہ اور ان کا مددگار ہوتا وہ کہتے ہیں اس کے بعد میں نے آپ کی محفل کا حال پوچھا تو میرے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست سب خدا تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی - جب آپ خود کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے (اور آگے جانے کی سعی نہ کرتے) اور اسی بات کا دوسروں کو بھی حکم دیتے - اہل مجلس میں ہر ہر شخص کی طرف التفات فرماتے حتیٰ کہ مجلس میں ہر شخص کو یہی خیال ہوتا تھا کہ آپ کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی شخص قابل التفات نہیں ہے جو آپ کے ساتھ بیٹھتا یا کسی معاملہ میں بات چیت شروع کر دیتا تو آپ کو روکے رکھتا یہاں تک وہی خود واپس ہوتا اور جو شخص بھی آپ سے کچھ مانگتا آپ اس کو واپس نہیں کرتے مگر یا تو اس کی حاجت پوری فرما کر ورنہ کوئی مناسب بات فرما دیتے - آپ کی خندہ پیشانی اور آپ کے اخلاق اس طرح عام تھے کہ آپ ان کے والد کی جگہ تھے اور حق کے معاملہ میں تمام لوگ آپ کے نزدیک بالکل برابر اور ایک حیثیت رکھتے تھے آپ کی مجلس علم کی مجلس تھی شرم و صبر کی مجلس تھی اس میں کسی کی آواز اونچی نہ ہوتی اور کسی کی آبرو ریزی نہ کی جاتی اور اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تو اس کو شہرت نہ دی جاتی - آپس میں سب برابر شمار ہوتے - ایک دوسرے پر فضیلت کا معیار تھا تو صرف تقویٰ تھا وہ سب باہم ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتے - بڑے کی تعظیم کرتے اور چھوٹے سے محبت کرتے اور حاجت والے کو آگے کر دیتے اور مسافر شخص کی پوری نگرانی کرتے - (بخاری شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۳۰۸) عن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال الحسین رضی اللہ تعالٰی عنہ بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سألت ابی عن سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جلسائہ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم البشر سھل الخلق لین الجانب لیس بفظ و لا غلیظ و لا صخاب و لا فحاش و لا عیاب و لا مشاح یتغافل عما لا یشتھی و لا یؤلیس منہ و لا یخیب فیہ قد ترک نفسہ من ثلاث المراء و الاکبار و ما لا یعنیہ و ترک الناس من ثلاث کان لا یذم احدا و لا یعیبہ و لا یطلب عورتہ و لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ و اذا تکلم اطرق جلسائہ کانما علی رؤسھم الطیر فاذا سکت تکلموا لا یتنازعون عندہ الحدیث و من تکلم عندہ انصتوا لہ حتی یفرغ حدیثھم عندہ حدیث اولھم یضحک مما یضحکون منہ و یتعجب مما یتعجبون و یصبر للغریب علی الجفوۃ فی منطقہ و مسالتہ حتی ان کان اصحابہ یستجلبونھم و یقول اذا رأیتم طالب حاجۃ

(۱۳۰۸) امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام حسینؓ نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ طرز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہمیشہ خندہ پیشانی خوش خلقی کے ساتھ متصف رہتے تھے کسی بات میں آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو سہولت سے موافق ہو جاتے تھے نہ آپ بدخو تھے نہ سخت گو اور نہ سخت دل نہ آپ چلا کر بولتے تھے نہ بدکلامی فرماتے تھے نہ عیب گیر تھے - ناپسند بات سے اعراض فرماتے، دوسرے کی کوئی خواہش آپ کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے اور صاف جواب بھی نہ دیتے تھے - آپ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو مبرا فرما رکھا تھا جھگڑے سے اور تکبر سے اور بیکار بات سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا نہ کسی کی مذمت فرماتے نہ کسی کو عیب لگاتے نہ کسی کے عیوب تلاش فرماتے آپ صرف وہی کلام فرماتے جو باعث اجر ہوتا جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ صحابہ اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں جب آپ چپ ہو جاتے تب وہ حضرات کلام کرتے آپ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے آپ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اس کے خاموش ہونے تک سب ساکت رہتے ہر شخص کی بات (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو (یعنی بے قدری سے کسی کی بات نہ سنی جاتی) جس بات سے سب ہنستے آپ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب لوگ تعجب کرتے تو آپ بھی تعجب میں شریک رہتے یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے ہر سوال پر صبر فرماتے اسی لئے بعض صحابہ آپ کی مجلس اقدس تک مسافروں کو کر آیا کرتے تھے (تاکہ ان کے جابے جا ہر قسم کے سوالات سے خود بھی منتفع ہوں اور وہ امور جو ادب کی وجہ سے یہ حضرات خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں) آپ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی طالب

(۱۳۰۸) * حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی ان دو حدیثوں میں حیات انسانی کے کتنے اہم اسباق آپ کو عملاً سکھا دیے گئے ہیں اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات صرف علمی اور درسی رنگ میں نہیں ہوتیں بلکہ عملی طور پر بھی ہوتی ہیں اسی لئے شروع میں ہم نے تنبیہ کی تھی کہ شمائل کی حدیثوں کو صرف سرسری طور پر پڑھنا نہیں چاہئے بلکہ اس کو تکمیل انسانیت کا ایک اہم جزء سمجھ کر پڑھنا چاہئے افسوس ہے کہ اس وقت اس کی تفصیل کے لئے وقت میں گنجائش نہیں ہے۔ .....

www.besturdubooks.net

يَطْلُبُهَا فَارْفِدُوْهُ وَ لَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ اِلَّا مِنْ مُكَافِيٍ وَ لَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهُ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ اَوْ قِيَامٍ.

(رواہ الترمذی)

حاجب کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو (اگر آپ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ اس کو گوارا نہ فرماتے) البتہ بطور شکریہ اور اداء احسان کے ذیل میں کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ اس پر سکوت فرما لیتے کسی کی گفتگو کو قطع نہ فرماتے البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اس کی کو روک دیتے یا کھڑے ہو جاتے تا کہ وہ خود رک جائے۔

تمت

❁❁❁

ﷺ ..... اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ سَيِّدِنَا آدَمَ وَ سَيِّدِنَا اِبْرٰهِيْمَ وَ سَيِّدِنَا مُوْسٰى وَ سَيِّدِنَا عِيْسٰى وَ مَا بَيْنَهُمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَوَاتٌ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ.

يا رحمة الله انى خائف و جل — يا نعمة الله انى مفلس عافى
و ليس لى عمل القى العليم به — سوى محبتك العظمى و ايمانى
فكن امانى من شر الحيوة و من — شر الممات و من احراق جثمانى
تحية الصمد المولى و رحمته — ما غنت الورق فى اوراق اغصانى

اللهم صلى على سيدنا محمد و على آل سيدنا محمد صلوة تكون لک رضا وله جزاء و لحقه اداء و اعطه الوسيلة و الفضيلة و المقام المحمود الذى و عدته و اجزه عنا ما هوا هله و اجزه افضل ما جازيت نبيا عن قومه و رسولا عن امته و صل علىٰ جميع اخوانه من النبيين و الصالحين يا ارحم الراحمين. (آمين)

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

"الایات البینات اعنی بھا المعجزات و خوارق العادات و ھی باب جدید لمعرفۃ رب العالمین یفتح علی ایدی الانبیاء والمرسلین علیھم الصلوات والتسلیم"

"معجزات رب العالمین کی معرفت کا ایک جدید دروازہ ہیں جس کو صرف انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر کھولتے ہیں"۔

واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں تشریف لا کر عالم انسانی کو ایک ایسے غیر محسوس عالم سے خبردار کرتے ہیں جو عام نظروں میں صرف غیر محسوس ہی نہیں ہوتا' کچھ غیر معقول بھی ہوتا ہے وہ یہ بتاتے ہیں کہ اس عالم کے ماوراء ایک دوسرا عالم بھی ہے' جو اس سے کہیں زیادہ وسیع' کہیں زیادہ پائیدار اور پراز عجائبات ہے اور یہ تمام عالم ایک ایسی ہستی کی مخلوق ہیں جو ان سب سے ماوراء ہے جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ کا وجود و عدم ہے۔ اس عجیب دعویٰ کے ساتھ وہ دوسرا عجیب دعویٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ اس "وراء الوراء" ہستی کی جانب سے وہ اس کے پیغمبر ہیں اور اب دارین کی فلاح وصلاح صرف ان ہی کی اتباع میں منحصر ہے۔

چونکہ انسان ہمیشہ سے صرف اپنے مشاہدات و تجربات پر یقین کرنے کا عادی رہا ہے اور محض عقلی طور پر کسی بات کا وہ اگر یقین کرتا بھی ہے تو اسی کا' جو اس کے مشاہدات کا ثمرہ ہوتی ہے' اس لئے رسولوں کے ان غائبات پر جزم و یقین حاصل کرنے کے لئے وہ کسی نہ کسی سائنٹیفک طریقہ کا متلاشی رہتا ہے' اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے سامنے یہاں کوئی ایسا طریقہ موجود نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ دعوت انبیاء علیہم السلام کی فوری تصدیق کرنے میں کچھ معذوری سی محسوس کرتا ہے' اس لئے یہ ضروری ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر دنیا کے سامنے ایک "جدید طریقہ استدلال کا آغاز کریں جو عالم غائبات" پر ایمان لانے کے لئے انسانی فطرت کو بہت آسانی کے ساتھ مطمئن کر سکے اور وہ بھی کہ ان کی فطرت کے مطابق ایسے دلائل پیش کر دیں جن کا تعلق "مشاہدات" ہی سے ہو' ان ہی کا نام "معجزات وخوارق عادات" ہے۔ جب ایک سلیم الفطرت انسان اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیتا ہے کہ اشیاء میں خواص و تاثیر کا جو اصول اس نے اپنے ذہن سے تراش رکھا تھا وہ خود باطل تھا تو اب اس میں ایک ایسی بالاتر طاقت کے تسلیم کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے' جو خود مادہ کا خالق ہو اور اس کے تمام خواص کا بھی خالق ہو' اور چونکہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کی تکذیب کر سکتا ہے اس لیے اس کو یہ یقین کر لینا آسان ہو جاتا ہے کہ جس طرح مادہ کے یہ خواص مادہ میں کسی کی قدرت کی جانب سے پوشیدہ رکھے گئے تھے اسی طرح اسی کی قدرت سے سلب بھی ہو سکتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اس میں تمام "غائبات"

www.besturdubooks.net

پر یقین لانے کا رجحان پیدا ہونے لگتا ہے اور کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ اس کے دماغ میں ان سے کوئی انحراف باقی نہیں رہتا۔

پھر جب وہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ ان عجائبات کا رشتہ ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مربوط ہے تو اب اس کے نزدیک ان کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کرنے اور غیب کے صحیح ترجمان ہونے میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر معجزات وخوارقِ عادات بھی ''عالم اسباب'' ہی کے محکوم ٹھہریں تو پھر جس طرح تمام عالم ان ہی کے اردگرد حرکت کر رہا ہے یہ بھی اسی جنس کی ایک نوع ہوں گے جن کا راز اگر آج نہیں تو کل فاش ہو کر رہے گا۔ جنھوں نے خوارقِ عادات کو ''نوامیس طبعیہ'' ہی کے تحت لانے کی کوشش کی ہے انھوں نے اس طرف نظر نہیں کی کہ اس صورت میں پھر معجزات وخوارق کو ''آیات ودلائل'' نبوت ٹھہرانے کا مطلب کیا رہے گا۔ اگر قادر مطلق کی قدرت کا متلاشی اس کی قدرت علی الاطلاق کے مظاہر کا مشاہدہ کرنا چاہے تو آخر وہ کہاں جا کر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ''احیاء واماتۃ'' کے معجزات کا جابجا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ ان واقعات کی تصدیق کرنے والا دیگر خوارقِ عادات کی بھی تصدیق کر سکے جنھوں نے ان حقائق کی قرآن کریم میں بھی تاویل کر ڈالی ہے۔ انھوں نے قدرت علی الاطلاق کے ان مظاہر کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔

معجزات وخوارق کا صحیح عنوان ''آیات وبراہین نبوت'' ہے ✵ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی متعدد تصانیف میں بہت اصرار کے ساتھ اس پر زور دیا ہے کہ معجزات وخوارق کا صحیح عنوان ''آیات وبراہین'' ہیں اور یہی عنوان قرآن کریم اور سلف نے اختیار فرمایا ہے اور معجزہ کی صحیح حقیقت سمجھنے کے لیے یہی تعبیر بہت آسان بھی ہے۔ لفظ آیت کا ترجمہ ''علامت اور نشانی'' ہے تو اب یہ ایک بالکل سیدھی سی بات ہے کہ جس طرح ہر شے کی شناخت کے لیے کچھ مخصوص علامات ہوتی ہیں، جس سے وہ شے بہت جلد اور آسانی کے ساتھ پہچان لی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی کچھ ایسی ''علامات ونشانیاں'' ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر بآسانی ان کی نبوت ورسالت کا یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ بس ان ہی کا نام ''آیاتِ نبوت'' ہے اور چونکہ یہ علامات ان کے ''فرستادۂ الٰہی'' ہونے کا بین ثبوت ہوتی ہیں، اس لیے قرآن کریم نے ان کا نام ''برہان'' بھی رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''عصا'' اور ''ید بیضاء'' کے دو معجزات عطا فرما کر ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (القصص: ۳۲) لیکن یہ ظاہر ہے کہ علامت اور جس چیز کی وہ علامت مقرر ہو، اس کے درمیان کوئی خصوصیت ہونی چاہیے تاکہ اس علامت کو دیکھ کر فوراً اس دوسری چیز کا یقین حاصل ہو سکے، منطق کی اصطلاح میں ایسی علامت کا نام ''خاصہ'' ہے۔ مثلاً ہم افق کی سفیدی کو دیکھتے ہیں تو فوراً طلوع نہار کا یقین حاصل کر لیتے ہیں، اسی طرح افق پر تاریکی نمودار ہوتی ہے تو اس کو دیکھتے ہی ہم کو شب کی آمد کا یقین ہو جاتا ہے پس جس طرح ان محسوسات اور ان کی علامات کے درمیان ایک ایسا محکم ''ربط'' موجود ہے کہ ایک کے وجود سے دوسرے پر استدلال کرنا معقول سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ ''نبوت ورسالت'' اور ان کی ''علامات وآیات'' کے درمیان بھی کوئی ایسا خاص ''ربط'' موجود ہو جس کو دیکھ کر ایک مادہ پرست کے لیے بھی نبوت ورسالت کی معرفت کا دروازہ کھل جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ نبی ورسول کی ہستی خود اگرچہ محسوس اور مشہود ہوتی ہے، لیکن اس کی نبوت ورسالت یہ محسوسات اور مشاہدات میں داخل نہیں۔ یہ ایک ''غیبی'' حقیقت ہے اس لیے جو چیز اس کی علامت اور نشانی کی حیثیت سے مقرر کی جائے، اس کو بھی ''عالم غیب'' سے کوئی

www.besturdubooks.net

صاف علاقہ ہونا چاہیے خود مادہ اور مادہ کے خواص میں یہ صفت موجود نہیں - وہ سب ایک عادی نظام کے تحت ہوتے ہیں اس لیے ان کو دیکھ کر نبوت کے اقرار کرنے کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا - لہٰذا قدرت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ ایسے خارق عادات افعال بھی ظاہر فرماتی ہے، جن کو فطرت انسانی ''نوامیس طبیعیہ'' سے خارج دیکھ کر ایک دم چونک پڑتی ہے اور ان کے اسباب وعلل کی جستجو میں پڑ جاتی ہے اور جب ان کو ''اسبابِ عادیہ'' سے خارج دیکھتی ہے تو اس میں کسی ''غیبی طاقت'' کے اقرار کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے - علم کلام کی اصطلاح میں ایسے ہی افعال کا نام ''معجزات'' ہے اگر یہ بھی ظاہری علل واسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط وعلاقہ کی دلیل کیوں کر بن سکتے ہیں؟ کفار ان کو دیکھ کر آج نہیں تو کل یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے تھے - اسی لیے انبیاء علیہم السلام یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ جتنے معجزات ان سے ظاہر ہوتے ہیں یہ سب ان کی قدرت سے نہیں، بلکہ ''خدا کی قدرت'' سے ہیں - امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ان کا عنوان ''علاماتِ نبوت'' رکھا ہے اور جن مؤلفین نے اس موضوع پر مستقل تصانیف فرمائی ہیں انھوں نے اپنی مؤلفات کا نام ''دلائلِ نبوت'' رکھا ہے -

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''معجزہ'' کے عنوان سے یہاں بہت سی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں جو سینکڑوں صفحات لکھنے کے بعد بھی سلجھ نہیں سکیں، ہم یہاں ان سب مباحث کا نقل کرنا موجبِ طوالت سمجھتے ہیں، بالخصوص جبکہ بڑی بڑی بحثوں کے بعد بھی اربابِ قلم کا قلم کسی ایک رائے پر جم نہیں سکا، کوئی کہتا ہے ''معجزہ'' اگرچہ ان ہی اسباب وعلل کی ایک کڑی ہوتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ان اسباب کا علم ہم کو اس وقت بھی حاصل ہو - ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس کے اسباب ہم کو معلوم ہو جائیں'' اور کسی کا خیال ہے کہ ''وہ اس سلسلۂ اسباب ہی سے باہر ہوتا ہے'' پھر ان بیانات کے ضمن میں جو جو مقدمات استعمال کئے گئے ہیں، ان سب کی انتہا بھی صرف تجربیات اور ظنیات پر ہے، بلکہ کسی کسی نے تو یہاں تک بھی لکھ ڈالا ہے کہ ''معجزات کا وجود خارج میں تسلیم کرنا ہی کیا ضرور ہے - ہوسکتا ہے کہ صرف مخاطبین کے ذہنوں میں اس کی ایک صورت قائم ہو جاتی ہو اور دیکھنے والا اس کو یہ سمجھتا ہو کہ یہ اس کا خارجی وجود ہے'' - ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا سب کارخانہ ''وجود خارجی'' کے ساتھ قائم ہے، پھر ان کی دعوت کے مخاطبین بھی سب خارج میں موجود ہوتے ہیں اور ذہنی وخارجی وجود میں بدیہی فرق بھی سمجھتے ہیں پھر ان کی شریعت کا تعلق بھی تمام تر ''خارجی وجود'' سے ہوتا ہے، اس لیے ہم ان مباحث کو دعوتِ انبیاء علیہم السلام ہی کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس منطق پر اپنا وقت صرف کرنا اضاعتِ وقت تصور کرتے ہیں -

اب رہا یہ مسئلہ کہ پھر معجزہ کی حقیقت سمجھنے کا راستہ کیا ہے؟ تو ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ معجزہ کی حقیقت کا پورے طور پر حل کر دینا نبوت کی حقیقت کی طرح مشکل ہی ہے بلکہ معجزات کی صحیح تفہیم ''نبوت'' کے اقرار کے بغیر ممکن ہی نہیں - جس طرح کہ نبوت کی صحیح تفہیم ''الوہیت'' کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں - ہاں جو شخص پہلے خدائی تسلیم کرلے پھر اس کے لیے نبوت کا اقرار کچھ مشکل نہیں رہتا اور اسی طرح جو نبوت کا اقرار کرلے اس کے لیے معجزہ کی تصدیق کچھ مشکل نہیں رہتی - ہمارے نزدیک معجزہ کی حقیقت سمجھنے کے لیے سب سے صحیح راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ حدیثی اور قرآنی معجزات ''پر بحث ومناظرہ'' کئے بغیر اور ان کی ''تاویلات'' کے درپے ہوئے بغیر بار بار نظر ڈالی جائے تو کچھ عرصہ کے بعد معجزہ کی اجمالی حقیقت خود بخود ذہن میں منقش ہو

www.besturdubooks.net

جائے گی۔ گو اس کے اظہار پر پوری قدرت حاصل ہو یا نہ ہو' بس اس سے زیادہ معرفت کی تمنا کرنا ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کا مصداق ہے۔ یہی راستہ ہم نے نبوت کے باب میں اختیار کیا تھا اور وہاں بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ نبوت اور نبی کی معرفت کا آسان راستہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کا بار بار مطالعہ کرنا ہے۔ اس لیے یہاں ایک ''دہریہ'' کو جو نہ الوہیت کا قائل ہو نہ نبوت کا' براہِ راست معجزہ کی تفہیم ناممکن ہے' جیسی کہ اقلیدس کی کسی ''شکل'' کی تفہیم' اس کے ''مقدمات اور موقوف علیہ اشکال'' کے بغیر ناممکن ہے۔ جن فضلاء نے اس ذیل میں اوراق تصنیف سیاہ کئے ہیں ان کا قلم چلتے چلتے ایسے جنگل میں پہنچ کر متحیر ہو گیا ہے' جہاں صحیح راستہ خود ان کے سامنے سے بھی گم ہو گیا ہے' اب اگر اس کا نام ''جہل'' اور ''اعتراف عجز'' ہے تو اس صحیح حقیقت کے اعتراف کر لینے میں ہم کو کوئی تامل نہیں ہے۔

<u>آیاتِ الوہیت</u> ❋ آیئے ایک چھوٹا سا قدم ہم آگے بڑھائیں اور شرعی روشنی میں ''آیتِ نبوت'' کا مفہوم کچھ سمجھنے کی کوشش کریں' اس کے لیے ایک مختصر راستہ یہ ہے کہ پہلے ہم ''آیاتِ الوہیت'' کا مطالعہ کریں پھر معجزات یعنی آیاتِ نبوت کو آیاتِ الوہیت کے پہلو بہ پہلو رکھ کر سمجھ لیں۔ قرآن کریم نے ''آیاتِ الوہیت'' کو اتنی شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے کہ ان پر تفصیلی نظر کرنی ایک طویل اور مستقل موضوع پر نظر کرنی ہے' لیکن جہاں تک اجمال سے دیکھا جاتا ہے وہ یا تو خود اس کی ''خالقیت'' سے متعلق ہیں یا ان ''تصرفات'' سے متعلق ہیں جو اس کی مخلوقات میں مقدورِ بشری سے خارج نظر آتے ہیں۔ مثلاً زمین کو نسل انسانی کے لیے قابل استقرار و رہائش بنا دینا اور اس غرض کے لیے اس کے اطراف وجوانب میں مناسب طور پر پہاڑوں کا نصب کر دینا' حیاتِ حیوانی کی بقا کے لئے اس میں پانی کے چشمے بہا دینا اور ایک ہی زمین میں اس کی مختلف غذاؤں کا سامان ودیعت فرما دینا آسمان کو کسی ستون کے بغیر ایک مضبوط اور مزین چھت بنا دینا' آفتاب و ماہتاب کا انسانی معیشت کے مطابق ایک نظامِ مقرر پر طلوع ہونا اور غروب ہو جانا' انسانی کاشت کے لیے پانی کے معلق بادلوں کو مسخر کر دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب افعال وہ ہیں جو انسانی قدرت سے خارج ہیں' جب انسان اپنی علمی وسعت کے باوجود اس عظیم الشان اور غیر متبدل نظام کو دیکھتا اور کچھ سمجھ لیتا ہے پھر اس کی ذرہ برابر تبدیلی پر اپنے اندر کوئی قدرت نہیں دیکھتا تو بے اختیار ہو کر کسی بالاتر ہستی کے تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتا ہے' اسی لیے ان کا نام ''آیاتِ الوہیت'' رکھا گیا ہے' یعنی یہ افعال ایک ''مافوق ہستی'' کے وجود کے لئے شاہد صدق ہیں۔

مذکورہ بالا یہ تمام آیات اگرچہ ''مقدورِ بشری'' سے خارج ہیں' مگر انسان ان کو ''خارقِ عادت'' نہیں سمجھتا اگرچہ یہ صرف ایک ''مغالطہ'' ہے کیونکہ بلحاظِ حقیقت ہمارے اس ''نظامِ عادی'' اور خارق عادت میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے پس جو نظام ابتداء عالم سے محض قدرت کی فیاضی سے ہمارے مشاہدہ میں چلا آتا ہے ہم اس کو ''نظامِ عادت'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں اور اسی کا نام ''نوامیس طبیعیہ'' رکھ دیتے ہیں۔ اگر ابتداء سے عالم کی عادت اس کے برخلاف ہوتی تو اسی کو ہم ''نظامِ عادی'' کہنے لگتے۔ مثلاً اب جو ''نظامِ ولادت'' انسان کی دو صنفوں کے اتصال سے قائم ہے' ہم اسی کو ''طبعی نظام'' سمجھتے ہیں' لیکن اگر ابتداء ہی سے انسانی پیدائش صرف ایک ہی صنف سے ہوا کرتی تو یقیناً ہم اسی کا نام ''نظامِ عادی'' رکھتے' آخر بہت سے حشرات الارض اب بھی ایسے موجود ہیں جو اتصالِ جنسی کے بغیر پیدا ہو جاتے ہیں اور دنیا اسی کو ان ''کا عادی نظام'' سمجھتی ہے پس ''عادی'' اور ''غیر عادی''

www.besturdubooks.net

کا فرق خالق کی نظر میں کچھ نہیں صرف ہمارے تجربے اور مشاہدہ کا فرق ہے۔

خرق عادت کا مفہوم ٭ تاہم قدرت ہمارے تجربیات اور مشاہدات کے برخلاف بھی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ہمیشہ ایسے افعال ظاہر فرماتی رہی ہے جن کو ہم بھی خارق عادت سمجھتے ہیں۔ اگر چہ جب ''مجموعہ عالم'' میں کچھ ''شخصیات بارزہ'' کے ذریعہ سے ہمیشہ ایسے افعال کا نمودار ہوتے رہنا عالم کی ''عادت'' میں داخل ہے تو پھر مجموعہ عالم کے لحاظ سے ان کو بھی خارقِ عادت کہنا محل تامل ہونا چاہیے۔ اب اگر ان کو ''خارقِ عادت'' کہا جاسکتا ہے تو صرف اس معنی سے کہ وہ عالم کی روزمرہ کی عادت نہیں' بلکہ خاص خاص زمانے اور خاص خاص افراد کے دور کی ''عادت'' ہیں لہٰذا اب ایک بحث یہ بھی ضروری ہے کہ ''خارقِ عادت'' کا مفہوم ہے کیا؟ دیکھئے یہ کسوف وخسوف عالم کی روزمرہ کی عادت تو نہیں تاہم ان کو بھی ہم عالم کی ''عادت'' میں شمار کر لیتے ہیں اور ''خارق عادت'' نہیں کہتے اسی طرح ہمارے اصطلاحی خوارق کا ظہور بھی جب عالم کی مجموعی تاریخ میں مختلف زمانوں میں ثابت ہے تو ان کا نام بھی ''خارق عادت'' کیوں رکھا جائے یہاں کسوف وخسوف کے اسباب معلوم ہونے اور انبیاء علیہم السلام کے خوارق کے اسباب معلوم نہ ہونے سے ان کے خوارق عادات ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ بالفرض اگر ہم کو کسوف وخسوف کے اسباب معلوم بھی ہوں تو کیا ان کے تغیر وتبدل پر کسی کو کسی نوع کی ادنیٰ سی قدرت بھی حاصل ہے؟ پھر جن اسباب کے علم کا ہم کو گھمنڈ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح وہ ''نظام'' آج حرکت ارضی کی بنا پر درست ثابت ہوتا ہے اسی طرح ہیئت بطلیموسی کی بنا پر بھی صحیح اترتا ہے۔ مشاہدہ کا دعویٰ دونوں ہی نے کیا ہے' ہمیں اس وقت ان دونوں فریق کے ''نظریات'' سے کوئی بحث کرنی نہیں ہے۔ ان میں جو بھی صواب پر ہو کہنا صرف یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ''متضاد اسباب'' کے ساتھ ان کے مسببات کا نظام درست رہتا ہے تو اب اس لحاظ سے خرق عادت کا لفظ اور بھی ''مبہم'' بن جاتا ہے۔ اب اگر خرق عادت کا کوئی مفہوم ہوسکتا ہے تو یہی کہ وہ عالم کی روزمرہ کی عادت نہیں ہے اس لحاظ سے کسوف وخسوف بھی خوارق میں داخل ہوں گے اور اسی لحاظ سے حدیث میں ان کو بھی ''آیاتِ الوہیت'' میں شمار کرایا گیا ہے' چنانچہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبزادۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ وفات پر جب کسوفِ شمس ہوا تو آپ نے منبر پر تشریف لا کر ایک بلیغ خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ'' ان الشمس والقمر ایتان من ایات اللہ الخ یعنی یہ آفتاب اور ماہتاب کسی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے گہن نہیں لگتے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی ایک کھلی ہوئی علامت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو بڑے بڑے کُرات جو کبھی کسی کے حکم کے تحت نظر نہیں آئے تھے وہ بھی کسی قادرِ مطلق ہستی کے محکوم ہیں وہ جب ارادہ فرمائے تو ان کے اس نظام کو توڑ ڈالے۔

نظام فطرت اور نظام قدرت ٭ سلسلہ ''اسباب'' وعلل جتنا بھی ہے وہ سب عالم کے لئے ہے خالق عالم کے لئے نہیں' کیونکہ خود عالم بھی اور اس کے اسباب وعلل بھی سب کے سب اس کی مخلوق ہیں۔ ہم نے جب دنیا میں قدم رکھ کر اپنے ماحول میں ایک مقرر نظام دیکھا اور اپنے حق میں اس کو غیر متبدل پایا تو بس اٹھا کر اسی کا نام ''نظامِ فطرت'' رکھ ڈالا اور طرہ یہ کہ خالق کے حق میں بھی اس کو غیر متبدل قرار دے ڈالا۔ یہاں ایک حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے اور وہ یہ کہ دین اسلام میں نظام فطرت' نظام قدرت سے بالاتر نظام نہیں ہے بلکہ خود قدرت ہی نے ''نظام فطرت'' بنایا ہے یعنی اشیاء کی فطرت میں جو نظام بھی ہمارے مشاہدہ

www.besturdubooks.net

میں آتا ہے یہ سب نظام، نظام قدرت کے ماتحت ہے اسی لیے ''فطرت'' ہمہ وقت ''قدرت'' کی محتاج ہے عالم میں اشیاء جس طرح خود مخلوق ہیں اسی طرح ان کی فطرت بھی خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے آگ اگر جلاتی ہے تو بیشک یہ اس کی فطرت ہے مگر اس میں جلانے کی فطرت پیدا کس نے کی؟ اس کے خالق نے یہ آگ کی فطرت کا کوئی طبعی اقتضا نہ تھا اس لیے جب یہ ہے تو اگر وہ چاہے تو اپنے خلیل کی خاطر اس خاصیت کو بدل بھی سکتا ہے۔ دیکھیے آگ ہمیشہ جلانے کا کام کرتی تھی مگر جب حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ نہ صرف یہ کہ سرد پڑ گئی بلکہ ان کے حق میں سلامتی کی ایک محل سرا بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ میں ایک لاٹھی لئے کھڑے ہیں اور اس کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ان کے لئے سہارا اور بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے کا ایک معمولی سا آلہ ہے یہاں ان کو کسی خاص جنگل کی لکڑی کے متعلق حکم نہیں ہوا کہ اس میں پھر سو طرح کے شبہات پیدا ہو جاتے بلکہ اُسی معمولی سی لکڑی کے متعلق ارشاد ہوا اس کو زمین پر ڈال دو پھر دیکھو کہ اس کا پیدا کرنے والا کس طرح اس کی فطرت بدل کر اس کو حیوان مہیب بنا سکتا ہے۔ اسی طرح پانی کی فطرت سیلان ہے مگر اس کی یہ فطرت پانی کی طرح خود اس کی مخلوق ہے اس لیے اگر وہ چاہے تو اپنے کلیم کے لیے اس کو انجماد سے تبدیل کر سکتا ہے چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری تو وہ پھٹ کر پہاڑوں کے دو ٹکڑوں کی طرح الگ الگ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ قرآن کریم نے بھی فطرت کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور حدیث میں اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ ہر انسان کی فطرتِ اسلام پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی صلاحیتوں پر پیدا کیا گیا ہے کہ اگر خارجی اثرات اس پر اثر انداز نہ ہوں تو وہ دین اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول نہ کرے۔ اسی طرح آگ کی فطرت جلانا ہے تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس کو اسی صفت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے کہ اگر مشیتِ الٰہی اس کے خلاف نہ ہو تو جب کوئی چیز اس میں ڈالی جائے تو وہ اس کو جلا دے۔

قائلین مادہ کے نزدیک اشیاء اور ان کی فطرت میں لزوم عقلی ہے جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ آفتاب طلوع کرے اور دھوپ نہ نکلے اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے موجود ہو اور اس کی فطرت اس سے متخلف ہو جائے ان کے نزدیک فطرت اور اس کی تاثیرات یہ سب اضطراری ہیں بلکہ کہیں غیر شعوری بھی اسی لئے ''نوامیس طبیعیہ'' اور قائلین فطرت کے نزدیک نظام عالم کے لئے کسی خارجی ''فاعل بالارادہ'' کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بس نظام عالم کے لئے خود اس کی فطرت ہی کافی ہے۔ اس کے بعد جب اسلامی دور آیا تو اس کے صحیح معنی سمجھے بغیر یہ لفظ مسلمانوں میں بھی مستعمل ہو گیا اور شدہ شدہ غیر شعوری طور پر دوسرا مقدمہ یعنی نظام فطرت کا کافی ہونا بھی ان کے ذہن نشین ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ جب کہیں فطرت کے ساتھ قدرت کا ذکر آتا تو اس کو فطرت کے مترادف سمجھا جانے لگا حالانکہ دین اسلام میں ''نظامِ فطرت'' مخلوق ہے اور نظامِ قدرت کے تحت چلتا ہے۔ جب اسلامی عقائد اور اسلامی لٹریچر سے اور بیگانگی پیدا ہوئی تو کفر و اسلام میں جوڑ لگانے والوں نے یہ بہانہ تراش لیا کہ نظام فطرت اگرچہ نظام قدرت کے تحت سہی مگر خود قدرت کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اس نظام کو بدلے گی نہیں۔ حالانکہ اس پر بھی غور کر لینا ضروری تھا کہ اس مسئلہ کی شاخیں اور کہاں کہاں تک پھیلتی ہیں کیا صرف اتنا کہنے سے آئندہ بھی وہ قائلین فطرت کا ساتھ دیں گے کیا وہ اس عالمی نظام کو کسی ''فاعل بالارادہ'' سے مستغنی تسلیم کر لیں گے کیا ''خواص اشیاء'' کو مادہ کا اقتضاء طبعی کہہ دیں گے؟ اگر نہیں تو پھر پیچھے لوٹ کر اصل سوال کا جواب

www.besturdubooks.net

سوچئے کیا ہونا چاہئے' کیا یہ خواص اشیاء ان کی طبیعت کا تقاضا ہیں یا یہ کہ خالق کی حکمت کا تقاضا ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرق ضالہ کی ایک خصوصیت ہی یہ لکھی ہے کہ وہ عجائبات قدرت کو خالق کا تصرف نہیں سمجھتے' بلکہ ان کو ''قوی نفسانیہ'' اور ''اسباب طبعیہ'' میں منحصر سمجھتے ہیں' اس کے برخلاف جماعت حق ہے۔ وہ ان اسباب کا انکار بھی نہیں کرتی' لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک ایسی بالاتر ہستی کا اقرار بھی کرتی ہے' جو ہر ضابطہ و قاعدہ سے باہر ہے خود مادہ اور اس کے خواص سب اس کی قدرت کے ماتحت ہیں۔ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی صداقت و اکرام کے لئے اپنی عام عادات کا خلاف بھی کرتی رہی ہے اور اپنے مؤمن بندوں کی خاطر ایسے ایسے افعال بھی ظاہر فرماتی رہی ہے' جو ان کی قوت نفس اور جسم و روح کے تصرفات سب سے بالاتر ہوتے ہیں۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۶۲)

نظام فطرت کی تبدیلی ممکن ہے اور نظام قدرت کی تبدیلی محال ہے ❋ قرآن کریم نے جہاں کہیں ''فطرت'' کی تبدیلی کا انکار کیا ہے اس میں اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا اس کی تبدیلی پر قادر نہیں جس طرح عالم کی خالقیت میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں' اسی طرح فطرت عالم کی پیدائش میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں' یہ ایک جگہ بھی نہیں فرمایا کہ وہ خود بھی اس کی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ بیشک اس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ سنۃ اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا اور نہ خود وہ اس کو بدلتا ہے۔ اس میں بھی الجھنا بالکل بے وجہ ہے۔ قرآن کریم نے جابجا قوموں کی اطاعت اور ان کی نافرمانیوں کے عواقب بیان فرمائے ہیں اور اس کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ہماری اس سنت کی تبدیلی نہیں ہوتی اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ مطیعین اور عاصین کے ساتھ یہی ہمارا ہمیشہ سے دستور رہا ہے اور نہ وہ بدلا جاسکتا ہے اور نہ پلٹا جاسکتا ہے اس کی تبدیلی یہ ہے کہ جو عاصین اور مستحق عذاب ہوں ان پر انعام کیا جائے اور جو مطیعین ہوں' ان پر انعام کی بجائے عذاب نازل کیا جائے اور اس کی تحویل اور پلٹنا یہ ہے کہ مکذبین سے اس کا رخ پھیر کر غیر مکذبین کی طرف کردیا جائے لہٰذا عذاب آ کر رہے گا اور ضرور ان ہی پر آ کر رہے گا' جو اس کے مستحق ہیں پھر استعمال کرنے والوں نے ''سنت اللہ'' اور ''فطرت اللہ'' دونوں کو ہم معنی سمجھ کر دوسری غلطی یہ کی کہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرنا شروع کردیا اور جو حکم درحقیقت ''نظام قدرت'' کا تھا وہ ''سنت اللہ'' کا سمجھ لیا۔ دین اسلام یہ کہتا ہے کہ ''جو فاعل بالارادہ چاہے اس کی تبدیلی محال ہے'' اور ہم کہنے یہ لگے کہ ''جو نظام فطرت ہے اس کی تبدیلی محال ہے حتیٰ کہ خود خالق کے لئے بھی'' والعیاذ باللہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل اسلام بھی فطرت اور سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں' مگر ان کے نزدیک یہ سب ''قدرتِ مطلقہ'' کے افعال اور تصرفات ہیں آخر ان کے عقائد کا ایک اہم رکن ''قیامت'' ہے' جو اس تمام سلسلہ اسباب و علل کے بکھر جانے ہی کا دوسرا نام ہے' ان کے نزدیک مادہ اور اس کے مقتضیات میں لزوم عقلی کہاں ہوسکتا ہے' یہ دونوں قدرت کی مخلوق ہیں اور اسی کے محکوم ہیں۔

آیاتِ الوہیت کی دوسری قسم جو ہماری نظروں میں بھی خارق عادت ہیں ❋ خلاق عالم نے عالم کے گوشہ گوشہ میں اپنی ''آیاتِ الوہیت و خالقیت'' پھیلائیں تو اس لئے تھیں کہ انسان ان میں ''تدبر و تفکر'' کے راستے سے بہت جلد اس کو پہچان لیتا مگر ان سب میں سے گذر کر یہ کوتاہ عقل ایسی کیچڑ میں جا پڑا جہاں جواہرات کے بجائے صرف سنگریزے اس کے ہاتھوں میں آئے۔ اس نے اس پُر از حکمت نظام کو دیکھا اور اس سب کو اٹھا کر ایک بے شعور مادہ کے حوالہ کردیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس کارخانہ کا یہ

www.besturdubooks.net

سب اندرونی نظام خود اسی کی گردش سے گھوم رہا ہے- اس لیے حق تعالیٰ کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہوا کہ اسی عالم میں وہ اپنی الوہیت کی کچھ ایسی نشانیاں بھی دکھلاتا رہے' جو خارق عادت ہوں تاکہ ان کو دیکھ کر اسباب کا سارا بھرم کھل جائے اور اس کو یہ معلوم ہو سکے کہ مسببات کی دنیا اسباب کے ساتھ صرف ایک ظاہری اور کمزور رشتہ رکھتی ہے ان کا قائم رکھنے والا دراصل کوئی اور ہی ہے- اس نے بنی آدم کو دو صنفوں کے اتصال سے پیدا فرمایا اور اس کو اس کی نسل کی سنت مستمرہ قرار دیا' پھر اس کو توڑ کر بھی دکھلا دیا' اور اس کی آنکھوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک صنف سے اتصال جنسی کے بغیر پیدا فرما کر بھی دکھلا دیا- اب اس کی دو انواع جو باقی رہ گئی تھیں ان کے متعلق یہ اطلاع دے دی کہ ہم پہلے ایسا بھی کر چکے ہیں- تخلیق کی ان چاروں قسموں میں سے یہ بات اس کی مرضی پر رہی کہ کس نوع کو وہ عالم انسانی کا دستور العمل بنائے اور کس کو اس کی خلقت سے پہلے پہلے ظاہر فرمائے- اور کس کو عام عادت خرق کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے دکھلا دے- ایک ناقص العقل انسان بھی اتنا تو سمجھ سکتا ہے کہ انسان جب عدم محض سے وجود میں آیا تھا تو جو دو قسمیں اس کے وجود میں آنے سے پہلے ظاہر فرمائیں یہی اس وقت کے مناسب تھیں کیونکہ اس کے سوا اور چارہ کار ہی کیا تھا کہ سب سے پہلے اس کو بلاواسطہ یا صرف ایک صنف سے پیدا کیا جاتا- پھر جو نوع کہ عالم اسباب کے مناسب تھی وہ یہی نوع تھی جو آج اس کی ''عادت'' ہے- اب خرق عادت کے لئے صرف ایک ہی قسم باقی تھی اس کو بھی پورا فرما کر دکھلا دیا گیا' مگر افسوس کہ مکذبین نے اس کو بھی تسلیم کرنے میں شبہ کیا **فویل للذین کفروا من** الخ- اب آپ کو اختیار ہے اس کو جس عنوان سے چاہیں تعبیر کریں' مگر قادر مطلق کے لئے نہ وہ پیدائش کچھ مشکل تھی نہ یہ کچھ مشکل ہے- حضرت زکریا علیہ السلام خود بوڑھے اور بی بی بانجھ جب ان کو ایک مبارک نونہال کی بشارت ملی تو ششدر ہو کر رہ گئے اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو جب انتہائی پاکبازی اور نا کتخدائی کے عالم میں ایک مبارک فرزند کی بشارت پہنچی تو وہ بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گئیں' لیکن ان دونوں کو جو جواب ملا وہ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہ تھا' بلکہ صرف ایک ہی کلمہ تھا جو ان دونوں کے فطری تعجب کو ختم کرنے کے لیے کافی ہو گیا اور وہ یہ تھا ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ ''ہمارے لیے یہ بھی بہت آسان ہے'' یہ سچ ہے کہ صرف ایک صنف سے ولادت عالم انسانی کی عام عادت نہیں ہے' لیکن قدرت مطلقہ نے کبھی کبھی کسی ادنیٰ سے عجز کے بغیر اپنی عام عادت کو بھی خرق کر کے دکھلا دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ جس طرح اس پر قادر تھا' اس پر بھی قادر ہے- اس کے نزدیک یہ دونوں باتیں آسان ہیں-

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نمرود کا ایک مکالمہ ❋ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فہمائش کرتے ہوئے سب سے پہلے تو اپنے رب کی ''علامت'' میں یہی موت و حیات کا عادی نظام رکھا' لیکن اپنی غباوت (کم فہمی) سے جب وہ اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکا تو پھر اُس کے نظام کے خرق کا مطالبہ کیا اور وہ یہ کہ اچھا تو پھر تو اس کے قائم کردہ نظام شمسی کو خرق کر کے دکھلا' یعنی مشرق کے بجائے مغرب سے آفتاب نکال دے- اس پر وہ لاجواب ہو کر رہ گیا- اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ خرق نظام اور نظام اگرچہ یہ دونوں ''علاماتِ الوہیت'' میں سے ہیں' مگر خرق نظام اور زیادہ بدیہی علامت ہے-

حدیثوں میں آتا ہے کہ اشراط ساعت یعنی قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ آفتاب مشرق کے بجائے ایک بار مغرب سے طلوع کر آئے گا- غالباً اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عالم کی عمر میں ایک بار یہ مشاہدہ بھی ہونا چاہئے

www.besturdubooks.net

کہ نمرود جس بات پر لاجواب ہو کر رہ گیا تھا رب ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس پر بھی قادر ہے۔ پس جب خوارق کا وجود ہمارے مشاہدہ میں کسی انکار کے باوجود ''آیاتِ الوہیت'' میں ثابت ہے اور ان میں ایسی علامت تو ایک بھی نہیں ہے' جو بشری قدرت کے تحت ہو تو اب آیاتِ نبوت کا مفہوم سمجھنا بھی آسان ہے۔ ان کو خوارق عادات سے نکالنے کی سعی کرنی بالکل ایک عبث اور خلاف واقع سعی ہے۔

آیاتِ نبوت ٭ آیاتِ نبوت کیا ہیں؟ یعنی قدرت کی وہ نشانیاں جن کو وہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے خرق عادت کے طور پر ظاہر فرماتی ہے۔ اب اگر آپ ان کے تمام معجزات کو قدرت کے ان افعال کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھیں جو انبیاء علیہم السلام کے واسطہ کے بغیر عالم میں موجود ہیں تو دونوں آپ کو ایک ہی جنس کے نظر آئیں گے۔ نہ وہ مقدور بشری ہیں نہ یہ مقدور بشری ہوتے ہیں۔ اسی طرح جیسے وہ خارق عادت ہیں یہ بھی خارق عادت ہوتے ہیں' فرق یہ ہے کہ جب وہ افعال کسی رسول کے واسطہ کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں تو قدرت مطلقہ کے شاہد صدق اور ''آیاتِ الوہیت'' کہلاتے ہیں اور جب رسولوں کے واسطہ سے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے لئے شاہد صدق اور ''آیاتِ نبوت'' کہلاتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ''معجزات'' پر بحثیں کرنے والے اگر اس طرف بھی نظر کر لیتے کہ معجزات رسول کی طاقت سے نہیں خدائے تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتے ہیں تو آیاتِ نبوت کو ''نوامیس طبیعیہ'' کے بجائے ''نوامیس الٰہیہ'' پر قیاس کر کے دیکھتے اور یہ تمام بحثیں جو ایک محکوم مادہ کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہیں' خود بخود ساقط ہو کر رہ جاتیں اسی لیے امام رازی نے لکھا ہے کہ جس طرح رسولوں کی بعثت خدا تعالیٰ کی صفت ''ملوکیت'' کا تقاضا ہے اسی طرح رسولوں کے معجزات یہ اس کی صفت ''قدرت'' کا تقاضا ہیں جو شخص رسولوں کے معجزات کا قائل نہیں وہ درحقیقت حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا بھی قائل نہیں ہے۔

مؤلف تفسیر المنار ایک بلند پایہ روشن خیال محقق ہونے کے باوجود معجزات کی حقیقت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''معجزہ کی حقیقت کے متعلق سب سے زیادہ مشہور اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عادی نظام کے خلاف صرف اپنی قدرت سے ظاہر فرماتا ہے تاکہ یہ بات ثابت کردے کہ نوامیس طبیعیہ خود اس کے محکوم ہیں وہ ان کا محکوم نہیں جس طرح وہ چاہے ان میں تصرف کرسکتا ہے''۔ (ج ۱ص ۳۱۵)

امور عادیہ کے درمیان عقلی طور پر کوئی لزوم نہیں اس لیے خرق عادت کو محال سمجھنا صحیح نہیں ٭ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

''انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے قبل انسان اپنے ماحول میں چونکہ ہمیشہ اسباب و مسببات کا ایک مسلسل نظام مشاہدہ کرتا چلا آتا ہے اور کسی خارجی قدرت کے تحت اس کے محکوم ہونے کا اس کو تصور بھی نہیں ہوتا اس لیے وہ ان کے درمیان عقلی لزوم سمجھنے لگتا ہے اور اسی لیے وہ خرق عادت کو محال کہہ دیتا ہے۔ اگر کہیں انبیاء علیہم السلام تشریف نہ لاتے تو شاید اس کا علم یہیں تک محدود ہو کر رہ جاتا' لیکن جب انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر کچھ خوارق عادات بھی ظاہر فرماتے ہیں تو اب اسباب کا راز فاش ہو جاتا ہے اور ایک جدید علم بڑی آسانی کے ساتھ یہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان امور عادیہ کے درمیان لزوم عقلی کچھ بھی نہ تھا' بلکہ یہ صرف صانع حقیقی کی خالقیت کا ایک کرشمہ تھا جب اسباب میں تاثیر اسی نے پیدا

www.besturdubooks.net

فرمائی تھی تو یقیناً وہ اس کے سلب کرنے پر بھی قادر ہے- بھلا یہ کون ثابت کرسکتا ہے کہ آتش کا جلانا ایک دائمی تجربہ کے سوا کسی عقلی دلیل کا تقاضہ ہے- لہٰذا جب امورِ عادیہ کے درمیان یہ ارتباط کسی عقلی دلیل کا تقاضہ نہ ہوا تو اب خرقِ عادت کو محال سمجھنا بھی غلط ٹھہرا''- (دیکھو الاعتصام ج ۲ ص ۲۸۰ و کتاب الفصل لابن حزم)

اگر آپ یہ سمجھ گئے ہیں تو اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات پر نظر ڈالیے وہ معاندین کی نظروں میں خواہ کتنے ہی خلافِ عقل اور محال ہوں' لیکن قدرتِ مطلقہ کے قائلین کے نزدیک سب معقول ہی معقول ہیں- ان کے کانوں میں ہر ہر معجزہ سے جو صدا آئے گی وہ صرف ایک ہی صدا آئے گی- ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ ''ہمارے لیے یہ بھی بہت آسان بات ہے''-

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا حال دیکھیے تو وہ بھی حیرت انگیز ہے- قدرت نے یہاں ظہورِ اعجاز کے لیے کسی خاص بن کی لکڑی ان سے طلب نہیں کی جس میں منحرف طبائع کسی مستور مادی خاصیت کا احتمال نکال کھڑا کرتیں' بلکہ جو عصا وہ اس وقت اپنے ہاتھ میں لئے کھڑے تھے اسی کے زمین پر ڈالنے کا حکم دیا- عصا کا ڈالنا تھا کہ جو ابھی ابھی ان کی بکریوں کے ہانکنے اور پتے جھاڑنے کی لاٹھی تھی اور ان کے چلنے کا سہارا تھی وہ ایک خوفناک اژدھا بن گئی- جس قدرت کے لیے اس لکڑی کی پیدائش میں کوئی دشواری نہ تھی اس کے سامنے اس کے اژدھا بنا دینے میں بھی کوئی دشواری نہ ہوئی پھر جب اس اژدھے کو ہاتھ میں اٹھانے کا حکم ہوا تو گو فطری ضعف کی بناء پر یہ مرحلہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بہت خطرناک تھا' مگر قدرت کے سامنے جس طرح لاٹھی کا اژدھا بنا دینا آسان تھا' اسی طرح اژدھے کا پھر لاٹھی بنا دینا آسان رہا- عام طور پر اس کو صرف ایک ہی معجزہ سمجھا جاتا ہے مگر یہ بھی ان دو معجزوں پر مشتمل تھا جس میں سے ہر ایک سے یہی آواز آتی تھی: ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ کون ہے جو خالق کے ان خارق عادات افعال کو مادی قوانین کے شکنجے میں کسنے کی کوشش کرسکے؟ دیکھئے پانی کی اصل خاصیت سیلان ہے اور آگ کی خاصیت جلانا' مگر خدا تعالیٰ کے دو مقدس رسولوں کے لیے دونوں جگہ ان کی مادی خاصیتیں بدل دی گئیں یا نہیں؟ تعجب ہے کہ یہاں ہماری نظریں تقاضائے فطرت کی طرف تو جاتی ہیں' تقاضائے قدرت کی طرف کیوں نہیں جاتیں؟

قرآن کریم کی نظر میں معجزہ کی حقیقت

نصوصِ قرآنیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ خدائی فعل ہوتا ہے خود رسولوں کا فعل نہیں ہوتا' اس کا ظہور بھی خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہوتا ہے رسولوں کے ارادہ سے نہیں ہوتا رسولوں میں ''معجزہ نمائی'' کی کوئی طاقت بھی نہیں ہوتی اور معجزہ میں ان کی قدرت یا نفسی تاثیر کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا یہ ''ایجابی'' اور ''سلبی'' دونوں نسبتیں قرآن کریم میں جا بجا موجود ہیں-

معجزہ رسالت و نبوت کی طرح موہوبِ الٰہی ہوتا ہے رسولوں کے کسب سے نہیں ہوتا ✱ یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم جب معجزات کا تذکرہ کرتا ہے تو ہمیشہ اسی تنبیہ کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ رسالت کی طرح رسولوں کو اپنی طرف سے دے کر بھیجے جاتے ہیں- یہ حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سے بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جب ان کو نبوت عطا

www.besturdubooks.net

ہوئی تو اس کے ساتھ ساتھ رب العالمین کی طرف سے ان کو خاص طور پر دو معجزے بھی مرحمت ہوئے اور ارشاد ہوا فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ۔

یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رسولوں کو اپنی جانب سے رسول بنا کر بھیجتا ہے تو ضرور ان کو کچھ اشیاء ایسی عطا ہونی چاہئیں جن کو وہ اس عظیم الشان دعوے کے لئے بطور دلیل و حجت پیش کر سکیں۔ اس لئے جب ان کو قوموں کی دعوت کے لئے بھیجا گیا تو ہمیشہ ''برہان وحجت'' دے کر بھیجا گیا ہے۔ اب آیاتِ ذیل پر غور فرمائیے۔

(۱) ﴿وَ مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ (بنی اسرائیل:۵۹) — اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کیں کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا۔

(۲) ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا﴾ (بنی اسرائیل:۵۹) — اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔

(۳) ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً﴾ (الانعام:۳۷) — کہہ دے کہ اللہ کو اس بات پر قدرت ہے کہ نشانی اتارے۔

(۴) ﴿وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ﴾ (الانعام:۴) — اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی، مگر اس سے تغافل کرتے ہیں۔

(۵) ﴿اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (آل عمران:۴۹) — بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں۔

(۶) ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ﴾ (الزخرف:۴۷) — پھر جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس ہماری نشانیاں لایا تو لگے ان پر ہنسنے۔

اسی طرح جب بھی کفار نے معجزات کی فرمائش کی ہے تو اسی نکتہ کو سمجھ کر کی ہے اور کہا ہے کہ جس طرح پہلے رسولوں کو ان کے رب کی طرف سے ان کی نبوت کی کچھ نشانیاں اور معجزات ملتے رہے ہیں' آپ بھی اپنے رب کی طرف سے ہم کو کچھ نشانیاں دکھلائیں۔

(۱) ﴿لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (العنکبوت:۵۰) — کیوں نہ اس پر اس کے رب سے نشانیاں اتریں۔

(۲) ﴿لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (یونس:۲۰) — کیوں نہ اس پر اس کے رب سے ایک نشانی اتری۔

(۳) ﴿لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (طٰہٰ:۱۳۳) — یہ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے۔

(۴) ﴿لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الرعد:۷) — کیوں نہ اس پر اس کے رب سے ایک نشانی اتری۔

ان سب آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نزدیک بھی معجزات رسولوں کا اپنا فعل نہیں ہوتے' بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو خود اپنی جانب سے دے کر بھیجتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب کسی کسب کے بغیر ''رسالت'' وہی عطا کرتا ہے تو اس کے لئے براہین وحجج بھی اسی کو عطا کرنے چاہئیں جیسا کہ ایک موقعہ پر جب جنگ کا میدان لشکرِ اسلام پر بہت تنگ ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینک دی قدرت خدا کا کرشمہ کہ ان میں کوئی فرد بھی ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں میں وہ جا نہ پڑی ہو آخر کار دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر ان کو بھاگ جانا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ خاک کی مٹھی پھینکی تو آپ نے ہی تھی' مگر اس کا یہ اعجازی کرشمہ آپ کی قدرت سے نہ تھا اس لئے ارشاد ہوا:۔

﴿وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الانفال:۱۷) اور خاک کی مٹھی جس وقت کہ پھینکی تھی' تو نے نہیں پھینکی تھی' لیکن اللہ

www.besturdubooks.net

نے اس کو پھینکا۔
گذشتہ آیات میں ''ایجابی'' نسبتوں کے ساتھ جب اسی ''سلبی'' نسبت کو ملا لیجئے تو یہ حقیقت اور زیادہ عیاں ہو جاتی ہے کہ معجزات خود رسولوں کا فعل نہیں ہوتے۔

اسی طرح جب کبھی رسولوں سے معجزہ کی فرمائش کی گئی ہے تو ان کو ہمیشہ یہی ایک جواب تعلیم کیا گیا ہے :۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الانعام:۱۰۹ و العنکبوت:۵۰) تو کہہ دے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ کا ظہور ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے رسولوں کے ارادہ پر معجزہ ظاہر نہیں ہوتا۔ **رسولوں میں معجزہ نمائی کی کوئی قدرت نہیں ہوتی اور نہ ان میں ان کی نفسی تاثیر کا کوئی دخل ہوتا ہے** ❋ کفار نے حسب عادت آپ ﷺ سے خاص خاص معجزات دکھانے کی فرمائش کی تو اس کے جواب میں یہ ارشاد ہوا۔

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ ''تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر بھیجا ہوا ایک آدمی ہوں''

اسی طرح جب آپ ﷺ کے قلب میں یہ جذبہ زیادہ ابھرا کہ اگر ان کی حسب فرمائش معجزات دکھلا دیئے جائیں تو شاید یہ نافہم اسلام قبول کرلیں تو تلطف آمیز لہجہ میں آپ کو یہ تنبیہ کی گئی۔

﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَاءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ﴾ (الانعام:۳۵) تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں ڈھونڈ ھ نکالے پھر ان کے پاس ایک معجزہ لائے۔

آیاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص معجزات کی فرمائش کی گئی ہے تو آپ ﷺ نے ہمیشہ یہی ایک جواب دیا ہے کہ ''معجزات کا دکھانا میرے قبضۂ قدرت میں نہیں'' بلکہ جب کبھی رسولوں سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا ہے تو اس وقت بھی وہ یہی اعلان کرتے رہے ہیں کہ یہ معجزہ ہماری طاقت سے نہیں صرف حکم الٰہی سے صادر ہوا ہے۔ اگر معجزات آپ ﷺ کے قبضے میں ہوا کرتے تو احد کے میدان میں شکست کیوں ہوتی' بلکہ جنگ کی ضرورت ہی کیا رہتی اور دشمنوں پر ایک مٹھی خاک پھینک کر ہمیشہ فتح نصیب ہو جایا کرتی مگر یہ کیسے ہوسکتا تھا جبکہ معجزہ آپ ﷺ کی قدرت و اختیار ہی کی چیز نہ تھی۔ اسی نکتہ کو سمجھ کر ہرقل نے جب ابوسفیان سے یہ سن لیا کہ آپ ﷺ کو شکست بھی ہوتی ہے تو آپ ﷺ کی رسالت کے دلائل میں اس کو بھی شمار کرلیا تھا۔ اسی طرح جب کبھی کفار کے اسلام قبول کرنے کا جذبہ آپ ﷺ کے قلب میں زیادہ موجزن ہوا تو آپ ﷺ کو یہی ارشاد ہوا کہ ''تم اپنی پوری جدوجہد صرف کر کے دیکھ لو پھر ہو سکے تو کوئی معجزہ لا کر ان کو دکھلا دو''۔ اس سے ثابت ہوا کہ معجزات میں رسولوں کی ''نفسی توجہ'' کا ادنیٰ سا دخل بھی نہیں ہوتا' بلکہ بعض اوقات ان کو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ قدرت ابھی ابھی ان کے ہاتھوں سے کیا معجزہ دکھانے والی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اپنا عصا ڈال دو' انھوں نے عصا ڈال دیا' اچانک وہ ایک خوفناک اژدھا بن گیا' موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے' ارشاد ہوا موسیٰ! ڈرو مت اور اپنا عصا پھر ہاتھ میں اٹھا لو''۔ اب سوچئے کہ یہاں ان کی توجہ یا تاثیر نفسی کا کیا دخل ہوسکتا تھا وہ توجہ کرتا تو کجا خود ہی اس سے خوفزدہ نظر آ رہے ہیں اسی لئے ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد ہوا:۔

﴿سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی﴾ (طٰہٰ:۲۱) ہم اس کو پھر اس کی پہلی فطرت پر لوٹا دیں گے۔

www.besturdubooks.net

ہمارے لئے نہ وہ کچھ مشکل تھا نہ یہ کچھ مشکل ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ایک طرف فرعونی لشکر اور دوسری طرف خوفناک سمندر کی دوموتوں کے درمیان گھر گئے تو موسیٰ علیہ السلام گو یقین تو رکھتے ہیں کہ ضرور ان کو نجات ملے گی مگر ان کو کچھ خبر نہیں ہے کہ تقدیر اس کی صورت کیا پیدا کرے گی کہ اچانک ان پر وحی آتی ہے۔

﴿فَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ﴾ (الشعراء:۶۳)

''ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو لاٹھی کا مارنا تھا کہ وہ پھٹ کر الگ الگ پہاڑ کے بڑے بڑے دو ٹکڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔

ظہورِ معجزہ کی یہ شکل یقیناً اس سے بڑھ کر تھی کہ سمندر اپنی اصلی حالت پر رہتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے اس پر بالا بالا عبور کر جاتے لیکن چونکہ یہاں نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسرا اعجاز ''غرقِ فرعون'' بھی دکھانا منظور تھا اس لئے یونہی مناسب تھا کہ پہلے ایک کشادہ اور خشک راستہ بنا دیا جائے تاکہ فرعون اور اس کے ساتھی بھی بے کھٹکے اس میں قدم ڈال سکیں اگر سمندر اپنی اصلی حالت پر رہتا تو موسیٰ علیہ السلام کے عبور کر جانے کے بعد شاید فرعونیوں کو اس کے عبور کرنے کی ہمت نہ ہوتی اس لئے یہ معجزہ ایک ہی معجزہ (یعنی نجات موسیٰ علیہ السلام کا) بن کر رہ جاتا اور اب نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق فرعون کا دوسرا معجزہ بھی بن گیا۔ اب آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن کریم نے نجات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ غرق فرعون کو علیحدہ کیوں ذکر فرمایا ہے۔ نیز جس طرح عصائے موسیٰ علیہ السلام دو معجزوں پر مشتمل تھا' یعنی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور پھر اژدھے کا لاٹھی بن جانا اسی طرح یہ ایک معجزہ بھی دو معجزوں پر مشتمل ہو گیا۔ یعنی ایک بار سیال پانی کا منجمد چیز کی طرح پھٹ کر الگ الگ کھڑا ہو جانا پھر اسی منجمد چیز کا صفت انجماد سے سیلان کی صفت اختیار کر لینا۔ ہم کو یہ امید نہیں کہ یہاں کوئی بے عقل اس عظیم واقعہ کو برف کی چٹان پر قیاس کرے گا اس لئے اس کی تردید میں وقت صرف کرنا عبث سمجھا۔

یہاں ایک صورت یہ بھی ممکن تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریا پر پہنچنے اور ان کے عصا مارنے سے قبل ہی سمندر میں یہ شاہراہ کھول دی جاتی' مگر کسی معاند کو اس میں یہ شبہ رہ سکتا تھا کہ یہ کوئی حسن اتفاق ہو گا اس لئے ہوا یوں کہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا' عصا مارنا تھا کہ فوراً سمندر دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو گیا۔ اعجاز کی اس واضح سے واضح صورت میں بھی تاویل کئے بغیر منحرف طبائع باز نہ آئیں اور اس خرق عادت کو بھی آخر انھوں نے دریا کے عام ''مدوجزر'' کے ماتحت گھسیٹ دیا۔ غرض اس صورت اعجاز کو جس پہلو سے دیکھئے اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس معجزہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ذرہ برابر بھی دخل تھا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آگ میں ڈالے گئے تو رضاء و تسلیم کے علاوہ ان سے بھی کوئی اور عمل ثابت نہیں ہوتا' اس کے بعد ''نار'' کا ''گلزار'' بن جانا' بنص قرآن اس حکم ربانی کے ذریعہ سے ہوا جو براہِ راست خالق نار سے نار کو پہنچا تھا۔

﴿قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ﴾ (الانبیاء:۶۹) ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیمؑ پر۔

اس بات کو اور کہاں تک طول دیجئے۔ انبیاء علیہم السلام کے جتنے معجزات ہیں وہ ایک سے ایک بڑھ کر اس کی دلیل ہیں کہ

www.besturdubooks.net

معجزات میں خود رسولوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا حتیٰ کہ آخر میں جب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نوبت آئی تو آپ کا سب سے درخشاں معجزہ ''قرآن کریم'' تھا' یہاں اسی حقیقت کے اظہار کے لئے قدرت نے یہ اہتمام فرمایا کہ خود آپ کو ''امی'' بنایا اور جس ملک میں پیدا فرمایا اس کو بھی ''امی'' کا لقب دیا' پھر اس اعجاز کی حالت بھی یہ تھی کہ اس کا مثل لانے سے جس طرح ساری دنیا عاجز تھی آپ خود بھی اسی طرح اس سے عاجز تھے- اور یہی اس کے کلام الٰہی ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی- حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا وہ تمام ذخیرہ جو آپؐ نے دین اسلام کی تشریح میں اپنے صحابہ کے سامنے بیان فرمایا ہے' آج بھی محفوظ ہے- لیکن جب اس کو نظم قرآن کے سامنے رکھا جاتا ہے تو یہ وہم بھی نہیں گذرتا کہ یہ دونوں ایک ہی متکلم کے کلام ہو سکتے ہیں- صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کے متکلم بالکل الگ الگ ہیں- تعجب ہے کہ لغت ایک' کلمات ایک' نوع ترکیبی ایک' لیکن جب ان کو دو جگہ بالمقابل بشکل کلام دیکھا جاتا ہے تو دونوں میں نسبت تبائن کی نظر آنے لگتی ہے- اگر قرآن پاک میں ذرا سا بھی آپ کا کوئی دخل ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جس کلام کو آپؐ نے خدا تعالیٰ کا کلام کہہ کر تلاوت فرمایا تھا وہ آپؐ کے عمر بھر کے کلام سے کہیں ذرا بھی ملتا جلتا نظر نہ آتا- (الجواب الصحیح ج ۴ ص ۷۵) اب ایک ایک آیت کو حدیثوں کے دفتروں سے ملا ملا کر دیکھ لیجئے کیا مجال کہ کوئی آیت قرآن ذرہ برابر بھی کسی حدیث سے ملتی جلتی نظر آ سکے- اس لئے یہ سمجھنا کس قدر غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں ان کے کسی عمل کا دخل ہو سکتا ہے-

معجزہ کبھی اضافی نہیں ہو سکتا ٭ مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہو چکا کہ معجزہ خدائی فعل ہوتا ہے اس میں رسول کی قدرت' اس کے اختیار' اس کے ارادہ اور اس کی توجہ و تاثیر نفسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو پھر یہ فیصلہ بدیہی ہے کہ معجزہ کبھی اضافی بھی نہیں ہو سکتا یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ جو کل تک کسی نبی کا معجزہ ہو وہ مادی ترقیات کے بعد معجزہ باقی نہ رہے- مثلاً دوسرے ملک کی آواز سن لینا اگر کل معجزہ تھا تو وہ ''لاسلکی'' کی ایجاد کے بعد بھی معجزہ رہے گا' کیونکہ معجزہ کی حقیقت میں اس کا ''بلا واسطہ اسباب ظاہری'' ہونا رکن لازم ہے- لہٰذا اگر آج بھی آلات کے بغیر کوئی شخص دوسرے ملک کی آواز سن لیتا ہے تو بیشک وہ آج بھی معجزہ کہلائے گا اور اگر بالفرض کل جو آواز سنی گئی تھی وہ اسی لاسلکی کے اصول پر تھی خواہ اس وقت لوگوں کو اس کا علم تھا یا نہ تھا تو جس طرح وہ آج اس ایجاد کے بعد معجزہ نہیں' کل بھی اس کو معجزہ نہیں کہا جا سکتا-

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کے جتنے معجزات ہوئے ہیں آپ سب پر نظر ڈال جایئے نبی کے فعل اور اس کے معجزہ کے درمیان آپ کو کوئی علاقہ تاثیر نظر نہیں آئے گا اور اسی حیثیت سے ہمیشہ اس کو معجزہ سمجھا بھی گیا ہے- مثلاً ملاحظہ فرمایئے کہ انگلی کے ایک اشارہ اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے میں کیا علاقہ تاثیر ہے؟ یا مثلاً لاٹھی کے ڈالنے اور اس کے اژدھا بن جانے میں کیا سببیت ظاہرہ ہے؟ اسی طرح آپؐ کے انگشتانِ مبارک سے پانی کے چشمے اُبل پڑنے میں کس علاقہ تاثیر کا دخل کہا جا سکتا ہے؟ لہٰذا یہ افعال جب بھی اسباب کی دنیا سے بالاتر ظاہر ہوں تو ہمیشہ ان کو معجزہ ہی سمجھا جائے گا اور اسی حقیقت کو بتانے کے لئے علماء کلام نے معجزہ کو ''خارق عادت'' سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ اس نظام ہی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے زمانے کے کسی انکشاف سے ان کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا- یہ کہنا صرف معجزہ کی حقیقت سے لاعلمی کا ثمرہ ہے کہ ''زمانہ کی ترقیات کے ساتھ چونکہ ہر معجزہ

www.besturdubooks.net

کی مادی توجیہ نکل آنے کا امکان موجود ہے لہٰذا معجزہ اضافی ہو سکتا ہے۔'' اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اکتشافاتِ جدیدہ معجزات کے اعجاز پر کچھ اثر انداز ہو سکتے ہیں تو کیا اس کا صاف یہ مطلب نہیں کہ جو شے کل تک کسی رسول کے رسالت کی دلیل تھی وہ زمانے کی ترقیات کے بعد اس کی دلیل باقی نہ رہے اور اس طرح معجزات کی توجیہات کے ظہور کے ساتھ ساتھ تمام رسولوں کی رسالت بھی مشتبہ ہوتی چلی جائے۔ والعیاذ باللہ۔

پھر اس کی بھی کیا ضمانت ہے کہ جن اسباب وعلل کے تحت کسی معجزہ کی آج توجیہ کی گئی ہے' آئندہ چل کر انکی وہی تاثیر مسلم رہے گی پس اگر بالفرض آج کسی اصول کے ماتحت کسی معجزہ کی توجیہ کر بھی دی جائے تو یہ اطمینان کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ اس کے خلاف دوسرے جدید اکتشاف کے بعد بھی وہ توجیہ قائم رہ سکے گی' اس کے علاوہ اگر چند معجزات میں یہ طفل تسلیاں کسی حد تک کارآمد ہو بھی جائیں تو اکثر معجزات میں توجیہات کی یہ ''ترقی بھی تمام'' ہو جاتی ہے۔ اب یہاں اس کا انتظار کرنا کہ شاید زمانے کی ترقیات آئندہ چل کر ان کی بھی کوئی نہ کوئی توجیہ منصۂ شہود پر لے آئیں گی' ٹھیک ایسا ہی انتظار ہے جیسا کہ منکرین الوہیت کو آیاتِ ربوبیت کے متعلق لگ رہا ہے۔ شمس وقمر کا یہ مقررہ نظام' ہواؤں کی یہ الٹ پلٹ' سمندروں کے طوفان' زمین کے زلزلے اور آسمان کے بادلوں پر بھی قابو پالینا ان کے نزدیک مستقبل قریب یا بعید میں متوقع ہے۔ ان کے نزدیک اس عام تسخیر کو ''آیاتِ الوہیت'' میں سمجھ لینا بھی صرف اشیاء کے خواص وتاثیر سے بے علمی کا ثمرہ ہے۔ آیاتِ نبوت اور آیاتِ الوہیت کی ان توجیہات کے نکالنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس سے پہلے قیامت کا انتظار کریں۔ ﴿فَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾

اب آپ یہاں ان چند کلمات کو سامنے رکھئے جو ہمارے دور میں منکرین معجزات کے لئے لکھے گئے ہیں مثلاً ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

''معجزہ اسی حد تک معجزہ ہوتا ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین وعلل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ ''لاسلکی'' کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا لیکن اب معمولی بات ہے''۔

اس کے جواب میں یہ لکھنا کہ:

''بے شبہ اس معنے کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیہ سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے' اگر اس کا علم قطعی اور مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابدالآباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہئے' لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیہ سے کیسے خالی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے' بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض وغایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے''۔

عبارت مذکورہ میں ایک طرف ''قطعی اور مختتم'' کی قید لگانا اور دوسری طرف اس کے بعد بھی ''کسی حد تک'' کا لفظ لکھنا اور آخر میں کسی معجزہ کے طبعی واقعہ ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کے معجزہ باقی رہنے کو تسلیم کر لینا' یہ سب ایسے امور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کی طرف سے ان جوابدہی کرنے والوں کے خود اپنے ذہن میں ہی معجزہ کی حقیقت منقح نہیں ہے۔

یا مثلاً ان لوگوں کے جواب میں جو معجزہ اور نظر بندی اور سحر میں کچھ فرق نہیں کرتے یہ کہنا کہ:

www.besturdubooks.net

''معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے' بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصلی خصائص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلے میں فوق العادت حد تک مجتمع ہوتے ہیں' اس کے حق میں معجزہ محض ایک طرح کی مزید تائید کا کام دے سکتا ہے''۔

اس عبارت میں بھی عجیب طریقے پر اپنے عجز و ضعف کا اظہار ہے' کیونکہ یہاں معجزہ کو صرف ایک طفل تسلی کے درجے میں تسلیم کرلیا گیا ہے۔ حالانکہ شریعت میں اس کا نام دلائل نبوت رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معجزات دکھانے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ اس سے خصوم کی حجت ختم ہو جاتی ہے۔ اب غور فرمایئے کہ قرآن کی نظر میں جس امر کو ''قاطع حجت'' سمجھا جائے' اس کو دلائل کی فہرست سے خارج کر کے صرف ایک تائید کا مقام دے دینا کتنی نادانی ہے۔ درحقیقت یہ معجزہ کی قاہرانہ حقیقت تک نارسائی کا نتیجہ ہے پھر فرض کرلو کہ ان لچر جوابات سے کسی سادہ لوح منکر کی تسلی ہو بھی جائے' مگر کیا اس سے معجزہ کی وہ حقیقت بھی ثابت ہو سکے گی جو شریعت کی نظر میں اس کی صحیح حقیقت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر ایک دہریہ کو معجزہ کی حقیقت اور اس کا امکان سمجھانے کی اور صورت کیا ہے؟ تو ہمارے نزدیک نبوت اور الوہیت کے اثبات کے بغیر اس موضوع پر اس سے گفتگو کرنا عبث ہے اور اگر یونہی کرنا ہے تو اس کا مختصر راستہ یہ ہے کہ پہلے خود اسی سے معجزات کے محال ہونے کا ثبوت طلب کیا جائے۔ آخر خرق عادت عقلاً محال ہے کیوں؟ اور اگر یہ محال نہیں تو ممکن کا وقوع فرض کرنے سے کوئی محال کیسے لازم آ سکتا ہے؟ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں معجزہ کے لئے حسب ذیل پانچ شرائط لکھی ہیں' جن سے اس کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

الشرط الاول ان تکون مما لا یقدر علیه الا الله سبحانه.	معجزہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس جنس کا ہونا چاہئے' جس پر سوائے اللہ کے کسی کو قدرت نہ ہو۔
والثانی هو ان تخرق العادة فمن قال ایتی مجیئ اللیل بعد النهار وان کان لا یقدر علیه الا الله تعالی لکنها لیست خارقة.	دوم یہ کہ وہ خارق عادت ہو لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ رات کے بعد دن آئے گا تو یہ معجزہ نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں ہے' لیکن یہ خارق عادت بات نہیں ہے۔
والثالث ان یستشهدبها مدعی الرسالة علی الله عزوجل فیقول ایتی ان یقلب الله سبحانه هذا الماء زیتا او یحرک الارض عند قولی لها تزلزلی.	سوم یہ کہ مدعی رسالت اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے کہنے پر یہ معجزہ دکھلا دے گا مثلاً وہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کے لئے اس پانی کو تیل بنا دے گا یا جب وہ زمین کو یہ حکم دے گا کہ وہ حرکت میں آ جائے تو فوراً ہلنے لگے گی۔
الرابع هو ان تقع علی دعوی التحدی بها المستشهد بکونها معجزة له فلو نطقت الدابة انه کذب و لیس بنبی.	چہارم یہ کہ وہ معجزہ مدعی رسالت کے دعویٰ کا مؤید بھی ہوتا کہ وہ اس کو اپنی نبوت کی دلیل بنا سکے پس اگر کوئی جانور اس کے حکم سے بولنے لگے مگر یہ بولے کہ یہ شخص جھوٹا ہے نبی نہیں ہے تو اگرچہ جانور کا بولنا خارق

www.besturdubooks.net

....	عادت ہے مگر اس کے دعویٰ کے برخلاف ہے۔
الخامس ان لا یأتی احد بمثل ما اتی بہ المتحدی علی وجہ المعارضۃ	پنجم یہ کہ مقابلہ میں کوئی شخص اس کی مثل نہ لا سکے۔ اگر کوئی شخص اس کے مقابلہ میں اس جیسا عمل دکھلا دے تو پھر بھی اس کو معجزہ نہیں کہہ سکتے۔
لدجال یدعی الربوبیۃ و بینھما من الفرقان ما بین العمیان والبصراء۔	دجال اگرچہ ان شروطِ خمسہ کے مطابق عجائبات دکھلائے گا مگر وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور ظاہر ہے کہ ان دونوں دعووں میں بینا اور نابینا کا سا فرق ہے۔
....	

کون نہیں جانتا کہ ہزاروں خوارق دکھا کر بھی کوئی شخص خدا نہیں بن سکتا اس لئے یہ خوارق عقلاً اس کے دعویٰ کے مؤید نہیں ہو سکتے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی نبی خوارق دکھلائے تو نبی چونکہ انسان ہی ہوتا ہے اس لئے قدرت کسی کاذب کے ہاتھ پر کبھی ایسے امور ظاہر نہیں کرتی ورنہ اس سے ایک باطل در باطل کی تائید ہوگی اور معجزہ صرف حق کی تائید کے لئے ہوتا ہے۔

امام قرطبیؒ اور قدماء محققین کی ان نقول کی روشنی میں جو اس مضمون میں جا بجا پیش کی گئی ہیں' معجزہ کی اسلامی حقیقت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ میری تمنا یہ تھی کہ اگر اس کے متعلق متاخرین علماء کی رائے بھی معلوم ہو جاتی تو جدید و قدیم علماء کے اتفاق آراء سے یہ مسئلہ ہمارے لئے اور زیادہ قابل اطمینان ہو جاتا۔ خوش قسمتی سے ہماری نظر سے اس سلسلہ میں حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر گذری جس میں نہایت اختصار کے ساتھ وہ سب کچھ موجود ہے' جو ان قدماء محققین کے کلمات میں مذکور ہو چکا ہے اور جو کچھ ہم نے ان کی مراد سمجھ کر اپنی جانب سے ان کی توضیح کی ہے وہ بھی تقریباً اسی طرح حضرت کی عبارت میں موجود ہے۔ الحمد للہ کہ اب احقر کو یہ اطمینان ہے کہ جو کچھ میں نے سلف کی مراد سمجھی ہے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے نزدیک معجزہ کی حقیقت

''معجزہ صرف یہ ہے کہ ان کے صدور میں (۱) اسباب طبیعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا نہ جلیہ کو' نہ خفیہ کو نہ (۲) صاحب معجزہ کی کسی قوت کو' نہ (۳) خارجی قوت کو۔ وہ براہِ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا توسطِ اسبابِ عادیہ کے واقع ہوتا ہے' جیسا صادر اول بلا کسی واسطہ کے صادر ہوا ہے (یعنی فلاسفہ کے نزدیک) پھر (۴) قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلا سکتا' کیونکہ معدوم کو موجود کون ثابت کر سکتا ہے۔ ورنہ اگر معجزہ سے کسی زمانہ خاص میں صاحب معجزہ کی تائید ہو جاتی تو دوسرے زمانے میں اس کے سبب خفی بتلانے سے اس کی تکذیب ہو جاتی تو کسی نبی کی نبوت پر یقین مؤید نہیں ہو سکتا۔ وھذا کما تری۔ یہی سبب ہے کہ معجزہ پر اس کے جنس کے ماہرین نے کوئی سببِ خفی بتلا کر با قاعدہ شبہ نہیں کیا' نہ اس کی مثل کو ظاہر کر کے مقاومت کر سکے بالخصوص اگر نبی کی قوت اس کا سبب ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے خود نہ ڈر جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض فرمائشی معجزات کی تمنا پر یہ نہ فرمایا جاتا۔ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَةٍ۔ (الانعام: ۳۵) اور (۵) استنا الی الاسباب الخفیہ کے احتمال پر معجزہ و

www.besturdubooks.net

دیگر عجائب طبیعیہ میں کوئی فرق واقعی نہیں رہتا......اور (۶) انضمام اخلاق وکمالات کے ساتھ جو اس کو دلیل کہا گیا ہے تو ان اخلاق کی مخصوصہ نوعیت کو پہچاننے میں جتنی غلطی ہوسکتی ہے وہ معجزات کے متعلق غلطی ہونے سے کہیں زیادہ ہے۔''

(بوادر النوادر ج ۲ ص ۳۸۲)

حضرت قدس سرہ نے ان مختصر کلمات میں وہ سب کچھ فرما دیا ہے' جو اس سے قبل کے اوراق میں لکھا جا چکا ہے' بلکہ اس کی تقریر وتوضیح میں کچھ اضافہ بھی فرما دیا ہے۔ جملہ نمبر ۴ سے یہ صاف واضح ہے کہ معجزہ کبھی اضافی نہیں ہوسکتا اور انسان کے علم کے اضافی ہونے کے باوجود یہ حقیقت پھر اپنی جگہ ثابت رہتی ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اس کا سبب طبعی نہیں بتا سکتا۔ چھٹے جملے میں اس کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ کسی نبی کے اخلاق وکمالات میں اگر چہ اعجاز کی کتنی ہی روح موجود ہو' لیکن ان کا یہ اعجاز نظری ہوتا ہے' لہٰذا ان کو معجزہ بنا کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ حسی معجزات کا سطحی اور اخلاق وکمالات کا حقیقی معجزہ نام رکھنا ان کی صحیح تعبیر نہیں ہے' بلکہ بہت زیادہ غلطی میں ڈالنے والی ہے۔

حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز کی کتاب حجۃ الاسلام کے چند ضروری اقتباسات

حضرت مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ''مدارِ نبوت تین باتوں پر ہے۔ اول یہ کہ محبت اور اخلاص خداوندی اس قدر ہو کہ ارادۂ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو۔ لہٰذا لازم ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوں اور مرتبہ تقرب سے برطرف بھی نہ کئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ وپسندیدہ ہوں اور اخلاق کا اچھا یا برا ہونا اس پر منحصر ہے کہ خدا تعالیٰ کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو۔ جو خدا تعالیٰ کے خلق کے موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائے گا جو مخالف ہوگا وہ برا سمجھا جائے گا۔ تیسری بات عقل وفہم ہے۔

معجزہ ثمرہ نبوت نہ مدارِ نبوت ❋ الغرض اصل نبوت تو ان دو باتوں کو مقتضی ہے کہ فہم سلیم اور اخلاق حمید اس قدر ہوں' رہے معجزات تو وہ نبوت کے بعد عطا فرمائے جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ جس نے اظہارِ معجزات کے امتحان میں نمبر اول پایا اس کو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا۔

معجزات علمیہ وعملیہ ❋ معجزاتِ عملی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کر کے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اس کام کے کرنے سے عاجز آ جائیں۔ اس صورت میں معجزات علمی اس کا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کر کے ایسے علوم ظاہر کرے کہ دوسرے افراد اس کے مقابلہ میں عاجز آ جائیں۔ (از ص ۲۹ تا ص ۳۳)

معجزات حدیثیہ کا ثبوت تورات وانجیل سے کم نہیں ❋ احادیث نبویؐ اس بات میں تو تورات وانجیل کے مساوی ہیں کہ مضامین دونوں کے الہامی ہیں اور یہود ونصاریٰ اس بات کے قائل ہیں کہ الفاظ تورات وانجیل کے بھی الہامی نہیں' مگر باوجود اس تساوی کے یہ فرق ہے کہ اہل اسلام کے پاس حدیث کی سندیں من اولہ الی آخرہ موجود ہیں اور تورات وانجیل کی سند کا آج تک پتہ نہیں تو پھر جب حضرات نصاریٰ سے مقابلہ ہو تو ان حدیثوں کے پیش کر دینے میں بھی حرج نہیں' جن کی ہمارے پاس کوئی سند نہ ہو۔ یہ کیا انصاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تو ان روایات کے بھروسہ پر

www.besturdubooks.net

تسلیم کر لئے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ان کی سندیں متصل ہوں تسلیم نہ کئے جائیں- پھر تماشہ یہ کہ یہ بے معنی حجتیں نکالی جائیں-کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ معجزے قرآن میں مذکور نہیں' عجب اندھیر ہے کہ تاریخوں کی باتیں تو جن کے مصنف اکثر سنی سنائی لکھتے ہیں اور راویوں کی کچھ تحقیق نہیں کرتے حضرات نصاریٰ کے دل میں نقش کالحجر ہو جائیں اور نہ مانیں تو احادیث محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں-

علاوہ بریں اگر مطلب یہ ہے کہ کوئی معجزہ قرآن میں مذکور نہیں' تو یہ ''دروغ گویم بر روئے تو'' کا مصداق ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ سارے معجزات قرآن میں موجود نہیں تو ہماری یہ گذارش ہے کہ ایمان کے لئے ایک بھی کافی ہے- علاوہ ازیں مدار قبول صحت سند پر ہے نہ خدا کے نام لگ جانے پر' اور جب یہ ہے تو احادیثِ نبویہ واجب التسلیم ہوں گی اور سنئے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں معجزات دکھلانے سے انکار ہے- اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا ہی انکار ہے' جیسا انجیل میں معجزات دکھلانے سے انکار موجود ہے- (از ص ۴۷ تا ص ۴۸ مختصراً)

معجزہ کی اقسام

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں معجزہ کی دو قسمیں تحریر فرمائی ہیں (۱) حسی اور (۲) معنوی-

معنوی معجزات ✵ معنوی معجزہ سے مراد مدعی نبوت کے وہ نمایاں اوصاف و ملکات ہوتے ہیں' جو قدرت کسی کسب کے بغیر شروع سے اس میں ودیعت فرماتی ہے مثلاً اس کی صداقت و امانت' اس کے معالی اخلاق' اس کی علوہمتی اور اس کی تعلیم وتزکیہ وغیرہ بے شبہ یہ سب امور ایسے ہیں' جو خالق فطرت اور ایک مدعی نبوت کے درمیان رابطہ کے ثبوت کے لئے کافی ہیں' لیکن ادھر بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ جس دور میں انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے ہیں اس میں طغیان وفساد اور ضد وعناد کی بادِ صرصر اتنی تیز وتند ہو جاتی ہے کہ عام عقول یکسر غور وفکر سے عاری ہو کر رہ جاتی ہیں' باطل عقائد دماغوں میں اس طرح پیوست اور راسخ ہو جاتے ہیں کہ ان صفات و ملکات پر غور کرنا تو کجا اپنے عقائد کے خلاف ذرا سی آواز سننا بھی کسی کو گوارا نہیں ہوتا- ان حالات میں خود نبی اور اس کی تعلیمات وتزکیہ یہی چیزیں سب سے پہلے موردِ نزاع بن جاتی ہیں اب ایسے بد مذاقوں کے سامنے بھلا ان امور کو بطور معجزہ و برہان کیسے پیش کیا جا سکتا ہے-

علاوہ ازیں انسانی دماغ کے انحطاط وارتقاء کے لحاظ سے ان سب امور کا کوئی خاص معیار مقرر کرنا بھی مشکل ہے اعمال و اخلاق کا اگرچہ ایک حصہ ایسا ہے جس میں کبھی کسی کو اختلاف نہیں رہا تو اس کا ایک حصہ وہ بھی ہے جس میں زمانہ' انسانی طبائع اور بلاد کے اختلاف سے بڑا اختلاف رہا ہے- مثلاً عریانی' بنی اسرائیل میں کوئی عیب ہی نہ تھی اور عہد جاہلیت میں بھی اس کو ادنیٰ سی بداخلاقی بھی تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ موجودہ دور میں آج تو بہت سے ایسے افراد ہیں' جو عریانی کو ایک فیشن سمجھتے ہیں- اس کے علاوہ عہد جاہلیت میں جن امور کو شجاعت کا جوہر اور شرف کا معیار سمجھا جاتا تھا یہ وہی امور تھے جن کو اسلام نے بدترین جرائم اور بداخلاقی قرار دیا ہے- رہا تعلیم کا مسئلہ تو آج بھی اس میں جتنے مختلف نظریات موجود ہیں وہ محتاج بیان نہیں- اب رہی انبیاء علیہم

www.besturdubooks.net

السلام کی نصرت و تائید تو یہ بھی گو ان کی حقانیت کا واضح ثبوت ہو' مگر اس کو بھی فیصلہ کن معیار ٹھہرانا مشکل ہے' کیونکہ نصرت کے ساتھ ہزیمت کے واقعات بھی ان کی زندگیوں میں ملتے ہیں' بلکہ کوئی کوئی نبی ایسا بھی گزرا ہے جس کے متبعین صرف معدودے چند افراد ہی ہوئے ہیں- ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو اخلاق کا معاملہ قدرت کی ایک ایسی عام بخشش ہے جس میں بہت سے کفار بھی شریک رہے ہیں- ان کا کوئی ایسا معیار مقرر کرنا جس سے انبیاء علیہم السلام کی فوقیت اس قسم کے انسانوں پر اعجازی رنگ میں ثابت کی جا سکے' الفاظ کی حدود میں سمانا مشکل ہی ہے- یہی وجہ ہے کہ جب ایک سطحی علم کا شخص کہیں تاریخ میں اس قسم کے افراد کا تذکرہ دیکھ لیتا ہے تو وہ بے جھجک ان کے متعلق نبوت کا حسن ظن کرنے لگتا ہے' حالانکہ ان چند اوصاف کے علاوہ اس کے پاس ان کے ایمان کے لئے بھی کوئی شہادت نہیں ہوتی' بلکہ اس کے خلاف ان کے کفر کا ثبوت ملتا ہے' لیکن اس پر بھی اس کا قلم چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کے اس پہلو کو دبا دیا جائے- پھر یہ امر بھی قابل فراموشی نہیں ہے کہ ''ملکاتِ حسنہ'' اور ''اخلاق طیبہ'' کا اعجاز صرف مشاہدہ کرنے والوں تک ہی محدود ہوتا ہے- جو لوگ غائب ہوں' ان کے حق میں ان اخلاقی صفات کی صرف حکایت کرنی تشفی بخش نہیں ہوتی- اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ان صفات کی اعجازی صورت کا تصور عام اذہان میں آنا مشکل ہوتا ہے- غالباً اسی وجہ سے جب حضرت ابوذرؓ کے قاصد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس آ کر ان سے بیان کیا کہ ''میں نے ایک شخص دیکھا جو بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک ایسا کلام سناتا ہے' جو شعر معلوم نہیں ہوتا'' تو صرف اتنی بات سے ابوذرؓ کی تشنگی بجھ نہ سکی' لیکن جب انھوں نے خود حاضر ہو کر آپ کے روئے انور کا مشاہدہ کر لیا تو اب ان کے سامنے ایک ایسا ظاہر و باہر معجزہ تھا- جس کے بعد وہ کسی اور معجزہ کے محتاج نہ تھے- رخ انور پر نظر پڑی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے-

غالباً ان ہی اسباب و علل کی بنا پر جب انبیاء علیہم السلام سے معجزات طلب کئے گئے تو انھوں نے گو اپنی زندگیوں پر غور و فکر کی دعوت دی' مگر اپنی صفات کو اپنا معجزہ بنا کر پیش نہیں فرمایا- ظاہر ہے کہ نبوت خود ایک عقلی شے ہے آنکھوں سے نظر آنے والی چیز نہیں- اب اگر اس کا ثبوت یعنی معجزات بھی صرف علمی اور عقلی رہ جائیں تو بتایئے کہ معجزات سے نبی کی معرفت میں سہولت کے بجائے کتنی الجھن اور بڑھ جائے- اس لئے انھوں نے اپنی قوموں کے سامنے ہمیشہ ایسے ہی معجزات پیش کئے ہیں' جو بدیہی اور فیصلہ کن ہوں اور یہ وہی اشیاء ہو سکتی ہیں' جو قابل بحث ہی نہ ہوں اور وہ صرف حس و مشاہدہ کی اشیاء ہیں' جو کسی غور و فکر کی محتاج نہیں- اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی کی صفات اور اس کے اخلاق و ملکات میں اعجاز کی روح نہیں ہوتی' بلکہ مطلب یہ ہے کہ منکرین اور خصوم کے سامنے ان کو بطور اعجاز پیش کرنا فیصلہ کن نہیں ہو سکتا-

حسی معجزات ✵ حسی معجزات وہ کہلاتے ہیں' جو قدرتِ الٰہیہ کے قاہرانہ افعال و عجائبات رسولوں کے ہاتھوں پر ان کے دعوئے نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوں- ان کو حسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا ادراک کرنا کسی بڑی عقل و فہم کا محتاج نہیں ہوتا' بلکہ ادنیٰ سا حس و شعور بھی اس کے لئے کافی ہوتا ہے- اس میں شبہ نہیں کہ معنوی معجزات بھی نبی کی صداقت کا بڑا ثبوت ہوتے ہیں' مگر ان میں پھر غور و فکر کرنے کا محل باقی رہتا ہے اس کے برخلاف حسی معجزات ہیں' جب وہ اسباب ظاہری کا پردہ چاک کر کے سامنے آتے ہیں تو اب غور و فکر کا میدان تنگ ہونے لگتا ہے اور جتنا یہ میدان تنگ ہونے لگتا ہے' اتنا ہی ایمان نہ لانے والوں کے لئے

www.besturdubooks.net

عذر و مہلت کا میدان تنگ ہوتا چلا جاتا ہے اور اب ایمان نہ لانا قابل معافی نہیں رہتا' بلکہ یہ قلوب پر مہر ہونے کی ایک علامت ہوتی ہے' کیونکہ ان کا دیکھ لینا گویا قدرت علی الاطلاق کا مشاہدہ کر لینا ہے۔ اگر کہیں رسولوں کے ''توسط'' کا ذرا سا حجاب درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو شاید موت کے وقت ایمان لانے کی طرح ان معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان لانا قابل قبول نہ ہوتا اور خاص معجزات کی فرمائش کر کے پھر ایمان نہ لانا تو گویا عذاب الٰہی کو آخری دعوت دے دینا ہے۔ اس لئے معجزات کی یہ نوع روح اعجاز میں معنوی معجزات سے کسی طرح کم نہیں' بلکہ معجزات اگر پیغمبر وقت کے فرستادۂ الٰہی ہونے کی دلیل ہیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ اس کے لئے ''محسوسات'' ''معقولات'' سے زیادہ کھلی ہوئی دلیل ہیں اس لئے معجزات حسی ہوں یا معنوی یہ دونوں قسمیں نبی کی صداقت کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے وجود کی تصدیق کے لئے عالم میں حسی اور معنوی دونوں ہی قسم کے دلائل پیدا فرمائے ہیں ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ﴾ (حم السجدۃ: ۵۳) اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے بھی دونوں قسموں کے دلائل و معجزات ظاہر فرمائے ہیں اور جس طرح خالق کی تصدیق کے لئے حسی آیات' معنوی آیات سے کچھ کم نہیں اسی طرح یہاں بھی حسی معجزات کا پلہ معنوی معجزات سے ہلکا نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فہم و عقل کے لحاظ سے چونکہ انسانوں کے طبقات مختلف ہیں پھر کفر و شرک کے اثرات سے جوہر عقل کا ادراک اور ناقص ہو جاتا ہے اور اس کا تمام ادراک اپنے محسوسات و مشاہدات ہی میں منحصر ہو کر رہ جاتا ہے اور ''مجردات'' کے فہم کی قابلیت بہت ناقص اور ضعیف پڑ جاتی ہے۔ اس لئے حکمت الٰہیہ کا تقاضہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ربوبیت کی معرفت کی طرح اپنے رسولوں کی معرفت کے لئے بھی دونوں قسموں کے دلائل ظاہر فرمائے تا کہ اس وقت کے ہر طبقہ کے لئے سامان ہدایت میں سہولت پیدا ہو جائے اور ایک جاہل کے لئے بھی ان کی معرفت میں کسی قسم کی دشواری باقی نہ رہے۔ اگر ایک طرف ذی فہم طبقہ ان کے صفات و اخلاق پر نظر کر کے ان کی نبوت کا یقین لا سکے تو دوسری طرف ایک کم فہم شخص کے لئے بھی ایمان و یقین کا سامان موجود ہو

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

لہٰذا یہاں ''حسی معجزات'' کو ہلکا کرتے کرتے شمار ہی نہ کرنا یہ ''باب معجزات'' میں ایک اصولی بلکہ خطرناک غلطی ہے۔

کتب کلام میں معجزہ اور نبوت کا ربط ❋ یہاں حدیث و قرآن کے بیانات سے صرف نظر کر کے علم کلام کے معتقدین نے صرف اپنے مقصد کی تائید اور معجزات کی تاویل کے لئے یہ ایک اور منطق چلائی ہے کہ علماء کلام کے نزدیک معجزات لوازم نبوت ہی میں سے نہیں اگر کوئی نبی ایک معجزہ بھی نہ دکھلاتا تو بھی اس پر ایمان لانا واجب ہوتا اور اس ''علمی طریقہ'' سے معجزات کے باب کو دھکا لگانے کی ایک اور سعی ناکام کی ہے۔ شاید ان کلمات کے لکھنے کے وقت اُن کو اس بات سے ذہول ہو گیا ہو گا کہ ان علماء کے نزدیک حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی کوئی ضروری امر نہیں' کیونکہ منعم حقیقی کی معرفت عقلاً واجب ہے لہٰذا اگر ایک بھی نبی کی بعثت نہ ہوتی جب بھی حق تعالیٰ کا وجود تسلیم کرنا واجب ہوتا۔ اب فرمایئے کہ علماء کلام کے ان عقلی گدوں کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یا اس کی ضرورت میں کیا کوئی ادنیٰ سا تردد بھی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لہٰذا جس طرح منعم حقیقی نے اپنی

www.besturdubooks.net

معرفت کے لئے کسی لزوم عقلی کے بغیر انبیاء علیہم السلام اور دیگر ڈرانے والوں کو بھیجا اور اتنی وسعت کے ساتھ بھیجا کہ ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا :

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَافِیْهَا نَذِیْرٌ. اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

اب اگر اسی ذات وحدہ لاشریک لہ نے اپنی رأفت و رحمت سے اپنے انبیاء و رسل کے لئے کسی لزوم عقلی کے بغیر معجزات بھی دکھلائے تو پھر یہاں لزوم عقلی کا ایک اور شاخسانہ نکال کھڑا کرنے سے سوائے ان نعمات الٰہیہ کی ناقدری کرنے کے اور کیا فائدہ ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حمد وثنا کی زبان بے ساختہ کھل جاتی اور شکر کے دونوں ہاتھ بے اختیار اٹھ جاتے ۔ انصاف کیجئے کہ جس قادر علی الاطلاق ذات نے حیلہ جو انسان کے لئے اس عذر کا موقع نہیں چھوڑا کہ وہ یہ کہہ سکتے کہ :

مَا جَاءَ نَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ. (المائدہ:۱۹) ہمارے پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا۔

وہ ان کو یہ موقع کب دے سکتی تھی' جنھوں نے معجزات پر معجزات کا مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی یہی رٹ لگائے رکھی :

لَوْ لَا اُوْتِیَ مِثْلَ مَا اُوْتِیَ مُوْسٰی. (القصص:۴۸) کیوں نہ دیا گیا اس کو مثل اس کے جو موسیٰ کو دیا گیا ۔

اور کبھی کہا:

لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ.(طٰہٰ:۱۳۳) یہ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے ۔

ایسے ہٹ دھرموں کے لئے بھلا آپ کے علم کلام کی ''لزوم عقلی'' یا ''عدم لزوم'' کی بحثیں کیا تشفی بخش ہو سکتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء کلام کے یہ سب مباحث اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف عقلی بحثیں تھیں' خارجی دنیا سے ان مباحث کا کوئی علاقہ نہیں' اسی لئے ان عقلی موشگافیوں کے باوجود اس کو کیا کیجئے کہ نبوت کی تاریخ سے ان میں ایسا لزوم ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی کی زندگی ان معجزات سے خالی نہیں ملتی' بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو نبی جتنا اولوالعزم ہوا ہے' اس کے معجزات بھی اتنے ہی عظیم الشان ہوئے ہیں اور اسی تاریخ کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپؐ سے بھی معجزات طلب کئے گئے۔

فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ. اس کو چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے' جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں (معجزات) لے کر آئے تھے۔ (الانبیاء:۵)

اسی کے ساتھ صحیح بخاری میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ان الفاظ میں موجود ہے :-

مَا مِنْ نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ اِلَّا اُعْطِیَ مِنَ الْاٰیَاتِ' الخ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا' جس کو کچھ نہ کچھ معجزات نہ دیئے گئے ہوں۔

پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ''حسی معجزات اور نبوۃ کے درمیان کوئی ربط ہی نہیں ہے''۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حسی معجزات خود انبیاء علیہم السلام کی صفات نہیں ہوتیں وہ قدرت قاہرہ کے افعال ہوتے ہیں' جو رسولوں کے واسطہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا ظہور بھی خود رسولوں کی قدرت و اختیار سے نہیں ہوتا اور وہ قوموں کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے اور رسولوں کے ساتھ ہمیشہ قائم نہیں رہتے' اس کے برخلاف معنوی معجزات ہیں وہ خود رسولوں کی صفات ہوتے ہیں اور ہمیشہ ان کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور مخلوق کے لئے بہترین نمونہ بھی ہوتے ہیں۔ امتوں کو ان کی اتباع کی دعوت بھی دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کلام نے حسی

www.besturdubooks.net

معجزات کو مقاصد نبوت میں شمار نہیں کیا اور ان معجزات میں اور نبوت میں تلازم نہیں لکھا۔

علم کلام کی اصطلاح میں حقیقی معجزات صرف معنوی معجزات نہیں ✵ مگر اسی کے ساتھ ساتھ دوسری طرف اس سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ ان کی اصطلاح میں معجزات صرف ''حسی معجزات'' ہی کا نام ہے۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ معنوی معجزات اور نبوت میں بھی کوئی تلازم نہیں ہے۔ کیا ہر نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ اخلاق و ملکات اور عمدہ تعلیم وتزکیہ کا مالک ہو' صدق وامانت کا مرقع ہو' اور رحمت ورافت کا مجسمہ ہو؟ اگر اس میں یہ صفات نہیں تو یقیناً وہ نبی بھی نہیں پس اگر اصطلاح میں حقیقی معجزات صرف معنوی معجزات ٹھہریں اور حسی معجزات صرف سطحی اور ظاہری معجزات ہوں تو پھر یہ دوسرا مسئلہ بالکل غلط ہو کر رہ جائے گا کہ نبوت اور معجزہ میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب نا اہل قومیں اپنے رسولوں کی صفات دیکھ کر متاثر نہیں ہوتیں تو پھر ''شانِ مہر'' کی بجائے ''شانِ قہر'' کا ظہور ہوتا ہے' تاکہ اگر وہ ایک صحیح راستہ سے فائدہ نہ اٹھاسکیں تو اب ڈر کر ہی ایمان قبول کر لیں' اور درحقیقت یہ بھی رحمت کا ایک کرشمہ ہوتا ہے: وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا۔ (بنی اسرائیل: ۵۹)

اس کے بعد جب کتب حدیث وسیر کا تتبع کیا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی معجزات محدثین کی اصطلاح میں بھی صرف ''حسی معجزات'' ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس بات میں انھوں نے صرف آپ کے حسی معجزات ہی جمع کئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر بھی معجزات کی تقسیم کر کے آپ کے معنوی معجزات کی طرف صرف دو تین صفحات میں اشارات کر کے چل دیئے ہیں۔ اس کے بعد چھٹی جلد کا بڑا حصہ ان ہی حسی معجزات پر صرف کیا ہے۔ ان سب سے بڑھ کر جب قرآن پاک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے ساتھ سب سے زیادہ نمایاں ان کے حسی معجزات ہی کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حسی معجزات کو مادی اور ظاہری کے الفاظ سے تعبیر کرنا کس قدر غلط تعبیر ہے اور ان کلمات سے تو ایک مسلمان کی روح کانپ اٹھتی ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ کیا یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ حسی معجزات خود رسولوں کے افعال نہیں ہوتے' بلکہ ہمیشہ الٰہی افعال ہوتے ہیں' کوئی قلم یہ تحریر کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی نظروں میں خود افعال الٰہیہ کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں ہے۔ والعیاذ باللہ۔

قرآن کریم کی نظر میں حسی معجزات کی حیثیت

بعض اہل علم کو یہ دیکھ کر کہ قرآن کریم معجزہ طلبی کی ممانعت کرتا ہے یہ مغالطہ لگ گیا ہے کہ شاید یہ ممانعت اس لئے ہے کہ حسی معجزات میں اصل اعجاز کی روح نہیں ہوتی یا کمزور ہوتی ہے۔ اس کے بعد علم کلام میں یہ دیکھ کر کہ نبوت اور معجزہ میں کوئی تلازم نہیں ہے' یہ مغالطہ اور زیادہ پختہ ہو گیا ہے' بلکہ زورِ قلم میں یہاں تک بھی نکل گیا ہے کہ حسی معجزات کی قرآنی نظر میں کوئی حیثیت ووقعت ہی نہیں۔ حالانکہ سب سے پہلے ایک موٹی سی بات قابل غور یہی تھی کہ قرآن کریم جن معجزات کے مطالبہ کی ممانعت کرتا ہے کیا وہ رسولوں کے معنوی معجزات ہیں؟ اگر وہ معنوی معجزات نہیں صرف حسی معجزات ہیں اور ان ہی کے مطالبہ کی وہ ممانعت کرتا ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ صاف برآمد نہیں ہوتا کہ ہمیشہ سے معجزات صرف حسی معجزات ہی کو سمجھا جاتا تھا' پھر ان کے اعجاز کو پھیکا کرنا کہاں تک

www.besturdubooks.net

درست اور معقول بات ہے۔

یہاں قرآن کریم کی اصل مراد سمجھنے سے پہلے اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل ہر رنگ کے رسول گذر چکے تھے اور ان کے ساتھ واضح سے واضح معجزات بھی ظاہر کئے جا چکے تھے' جن کو دنیا یا تو خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکی تھی یا ان کی تاریخ مستند طریقوں سے مسلسل سنتی چلی آئی تھی اور جس طرح ہر تاریخ آئندہ نسلوں میں اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ جاتی ہے' اسی طرح ان معجزات کی تاریخ نے بھی انسانوں کے قلوب پر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے کچھ نہ کچھ اثرات چھوڑ دیئے تھے پھر ان ''فرمائشی معجزات'' کے دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لانے والوں کا جو حشر ہوا وہ قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہے۔ اس لئے منصفانہ نظر میں اب حسی معجزات پر زور دینے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی' لہٰذا آخر میں عالم کی ہدایت کا جو دستور العمل تھا' خود وہی ایک مجسم اور دائمی بلکہ حسی اور علمی معجزہ بنا کر عالم انسانی کے سامنے بھیج دیا گیا' یعنی قرآن کریم۔ اور جب کبھی کسی نے حسی معجزہ کی فرمائش کی تو ان کو گذشتہ تاریخ کی طرف متوجہ کر کے یہ تنبیہ کر دی گئی کہ جب واضح سے واضح معجزات پر بھی قوموں نے فائدہ نہیں اٹھایا تو اب پھر اس مطالبہ سے کیا فائدہ۔ پس قرآن کریم کا حسی معجزات کے مطالبہ سے منع کرنا ہرگز اس لئے نہیں کہ اس کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں' بلکہ اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر اگر مخلوق اب بھی اسی بحث میں الجھی رہی اور فرصتِ عمل کو ضائع کر بیٹھی تو پھر یہ ان کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا' کیونکہ اگر آج تک عاقبت نااندیش انسان اس فرصت کو ضائع کرتا رہا تو بعد میں پھر ایک بار ان کو فرصت عمل مل گئی' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ اب نہ کوئی رسول تھا' نہ کوئی شریعت اور اب یہ ان کے لئے آخری فرصت تھی اس لئے ان کے بارے میں رحمتِ الٰہی کا تقاضہ یہی تھا کہ انسانی دماغ کو ان فضول مطالبات سے ہٹا کر اصل مقصود کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔ اپنے اسی مقصد کی وضاحت خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں کر دی ہے:۔

وَ مَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. (بنی اسرائیل :۵۹)	اور ہم کو نشانیاں (معجزات) کے بھیجنے سے صرف یہ امر مانع رہا ہے کہ پہلوں نے ان کو جھٹلا دیا۔

ان تمام آیات کی روح تھی تو درحقیقت عالم انسانی کی سراسر ہمدردی وفلاح۔ اُس کو فنا کر کے ان سب کا رخ بالکل دوسری طرف پلٹ دیا گیا ہے اور پھر اس کو اس طرح پھیلایا گیا ہے کہ عوام تو درکنار ایک مرتبہ تو سطحی علم والے شخص کو بھی یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں بھی ان حسی معجزات کی کوئی وقعت نہ ہوگی (والعیاذ باللہ)۔ حالانکہ ان کی روح میں یہ عظیم الشان موعظت ہے کہ معجزات منکرین کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر منکرین کی درشت طبائع ان سے مستفید بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ کتنا نامناسب ہے کہ اس کے نتائج وعواقب دیکھ لینے کے بعد بھی آج پھر اپنے آپ کو منکرین ناعاقبت اندیشوں ہی کی صف میں کھڑا کر لیا جائے اور وہی مطالبات جاری رکھے جائیں' جو ہمیشہ پورے کئے جاتے رہے ہیں اور ان کے عواقب بھی ہمیشہ سامنے آتے رہے ہیں۔ اب اتنی کھلی ہوئی حقیقت کے بعد بھی معجزات طلبی کی ممانعت سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ حسی معجزات کی بے وقعتی پر مبنی تھا کہاں تک صحیح ہے۔ اسی طرح قیصر وابوسفیانؓ کے ''مکالمہ'' کو بھی اس حقیقت پر چپکانا کہ اہل کتاب کے نزدیک حسی معجزات کی کوئی

www.besturdubooks.net

حیثیت نہ تھی' بالکل خلاف واقع ہے- آیئے ملاحظہ فرمایئے کہ اس مکالمہ میں آپ کے متعلق جن اوصاف کا سوال کیا گیا ہے وہ کیا ہیں؟ یہی امور تو ہیں کہ آپ کے خاندان اور اس میں کسی بادشاہ کا ہونا' آپ کی راست بازی' آپ کا وفائے عہد' آپ کے جنگی نتائج اور آپ کے تعلیم وتزکیہ کی تفصیلات- فرمایئے کہ اگر یہ نبوت کے حقیقی اجزا ہوں تو کیا صرف ان کے ثبوت سے کسی کا نبی ہونا ضروری ہے یا ان میں سے بعض کے موجود نہ ہونے سے کسی نبی کی نبوت سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا سلیمان علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام بادشاہ نہ تھے' کیا کذب وعہد شکنی دنیا کے دوسرے افراد کے نزدیک بھی معیوب نہیں؟ خود اسی مکالمہ میں ابوسفیانؓ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ اگر کفار کی طعنہ زنی کا خطرہ مجھ کو لاحق نہ ہوتا تو اس موقعہ پر میں ضرور جھوٹ بول کر رہتا- اسی طرح شکست وفتح کا تذکرہ بھی دوسرے ملوک اور انبیاء علیہم السلام دونوں کی تاریخوں میں موجود ہے وغیرہ وغیرہ- پس اس مکالمہ سے یہ سمجھ لینا کہ اس کی بنیاد صرف اس پر تھی کہ معنوی معجزات ہی اصل معجزات ہوتے ہیں' حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی' محض خوش فہمی ہے- ان صفات کو تو نبوت کے اجزاء حقیقی بھی نہیں کہا جا سکتا- البتہ یہ ضرور ہے کہ جو نبی ہوگا اس میں یہ صفات ضرور ہوں گی' مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ جس میں بھی یہ صفات موجود ہوں وہ ضرور رسول ہوگا' جیسا کہ یہ ضروری ہے کہ ہر نبی سے خوارق ظاہر ہوں' مگر یہ بالکل ضروری نہیں کہ جس سے بھی خوارق ظاہر ہوں بس صرف اتنی سی بات سے اس کو رسول بھی سمجھ لینا چاہئے-

ہم جلد ثالث کے اوائل میں لکھ چکے ہیں کہ ''ان سوالات کی بنیاد دراصل اس پر تھی کہ ایک آنیوالے رسول کی بشارت پہلے سے کتب سابقہ میں چلی آ رہی تھی اور اس کی آمد آمد کا اہل کتاب کو انتظار لگ رہا تھا اور اسی لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسے ہی سوالات کرتے تھے' جو ان کی کتب میں اس آنے والے رسول کے لئے مرقوم تھے''- ان کے سامنے نبوت ورسالت کی عقلی کوئی بحث نہ تھی' بلکہ ایک آنے والے رسول کی صرف معرفت کا سوال درپیش تھا- چنانچہ اسی گفتگو کے آخر میں خود قیصر کے اپنے بیان میں یہ نکتہ بصراحت موجود ہے وہ کہتا ہے کہ ''میں پورے یقین کے ساتھ ایک رسول کی آمد کا علم رکھتا تھا' مگر مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا''- لہٰذا اس کے لئے صرف مختصر سا اشارہ کافی ہو گیا- قرآن کریم بھی اسی حقیقت کی بنا پر ان کو یہ الزام دیتا ہے اور آپ کی صفات میں صاف یہ کہتا ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ.	وہ لوگ جو اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں' جو نبی امی ہے کہ جس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں-

بہرحال اہل کتاب کے سامنے اہم سوال یہی تھا کہ وہ آنے والے پیغمبر کو ان صفات پر جانچیں' جو ان کی کتابوں میں اس کی صفات بیان ہوئی ہیں- ان کے سامنے حسی معجزات کے اعجاز وعدم اعجاز کا کوئی سوال نہ تھا' ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ یہود ونصاریٰ ہی تو تھے جنھوں نے اپنے اپنے رسولوں سے وہ وہ احمقانہ معجزات طلب کئے ہیں' جن کو کسی رسول کی صداقت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا- اب آپ ایک بار ان کی تاریخ قرآن کریم میں اٹھا کر پڑھ لیجئے' اس سب کا اعادہ موجب طوالت ہوگا- اس لئے ہم یہاں اس کو نقل نہیں کرتے- اس کے بعد جب آپ ﷺ آئے تو کیا انھوں نے ہی آپ سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا؟

www.besturdubooks.net

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ. (النساء:۱۵۳) اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ تو اُن پر لکھی ہوئی کتاب آسمان سے اتار لادے۔

کیا ان کا یہ سوال کرنا اسی معجزہ طلبی کی عادت پر مبنی نہ تھا؟ ان کے خیال کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ ان کو آسمان سے تورات عنایت ہوئی تھی۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جیسا پہلے نبیوں نے معجزات دکھائے ایسے ہی معجزات آپؐ بھی دکھائیں۔

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ. (الانبیاء:۵) اس کو چاہئے کہ ہم کو کوئی ایسا معجزہ دکھائے، جیسے پہلے رسولوں نے دکھائے

اس لئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایسی قوم کے نزدیک حسی معجزات کی کوئی حیثیت نہ تھی؟

خلاصہ یہ ہے کہ حسی معجزات عوام اور خواص سب کی اصطلاح میں حقیقی معجزات ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے نزدیک بھی صرف سطحی اور ظاہری نہیں ہوتے۔ خود قرآن کریم نے ان کا نام ''آیات'' ہی رکھا ہے یعنی ''معجزات وخوارق'' اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں ان حسی معجزات ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ محدثین نے بھی ان ہی کو ہمیشہ اعتنا کے ساتھ جمع فرمایا ہے اور کتب دلائل کا بیشتر حصہ ان ہی کے لئے وقف ہوا ہے۔ اہل کتاب اور منکرین کی طرف سے بھی ان ہی کا مطالبہ ہوتا رہا ہے اور اس بنیاد پر ہوتا رہا ہے کہ یہی وہ نوع تھی، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں میں ثابت ہوتی رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شق القمر، اسطوانہ حنانہ، انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے ابلنا، کھانوں میں برکت، پانی میں برکت وغیرہ وغیرہ جو تواتر سے ثابت شدہ واقعات ہیں، یہ سب آپؐ کے حسی ہی معجزات تھے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ حسی معجزات صرف سطحی اور ظاہری ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں اور وہ آپؐ کی زندگی میں نمایاں طور پر موجود نہ تھے؟

ان کے علاوہ آپؐ کی ولادت سے قبل یا ولادت کے وقت جن عجائبات کا ظہور ہوا تھا وہ سب حسی ہی واقعات تھے۔ ''اسنادی'' لحاظ سے جس درجہ کی اسناد تاریخی واقعات کے لئے ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ مضبوط اسانید باعتراف محدثین ان کے لئے بھی موجود ہیں، پھر محض ایک غلط بنیاد پر ان کو قبول نہ کرنا، بلکہ ان کو ''موضوع'' قرار دے ڈالنا اور ان کے راویوں کے سر ''وضع'' کی تہمت لگا دینا یہ اسلامی تاریخ پر کتنا بدنما داغ ہے۔ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کی اسناد اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں، مگر یہ لکھ ڈالنا تو اسلامی تاریخ کے متعلق ایک بڑی جسارت ہے کہ

''مثلاً آپؐ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہوگیا، کسریٰ وقیصری سلطنتیں فنا ہوگئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہوگیا، شام کا ملک فتح ہوا۔ ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہوگئے، قیصر وکسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتش کدۂ فارس بجھ کے رہ گیا، نہر ساوہ خشک ہوگئی، ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے''۔

اب سوچئے کہ صرف زورِ قلم میں آکر محض اپنی بے تکی قیاس آرائی پر یہ لکھ دینا کہ واقعات تو یہ تھے، مگر راویوں نے ان کو خود معجزہ بنالیا ہے، کیا یہ شرعاً واخلاقاً درست ہے؟ یہاں راویوں پر صرف ایک وضع ہی کی تہمت نہیں بلکہ ان کے سر اس حماقت کا الزام بھی ہے کہ جو واقعات آپؐ کے عہد نبوت کے بعد کے تھے انھوں نے ان کو آپؐ کے زمانۂ ولادت کا بنا ڈالا۔

www.besturdubooks.net

اگر آپ ذرا غور کریں گے تو یہ تمام نتائج اسی کے ہیں کہ حسی معجزات چونکہ مادی دنیا کو ایک بڑا زبردست چیلنج ہوتے ہیں' اس لئے کمزور طبائع ہمیشہ ان کے مقابلے سے عاجز آ کر چاروں طرف کوئی نہ کوئی سہارا تکا (دیکھا) کرتی ہیں- ظاہر ہے کہ کسی قدیم رسم کا خاتمہ کر دینا یا اپنی سیاست سے کسی سلطنت کا فنا کر دینا یا علم وعدالت' صداقت وامانت اور عفت ودیانت اس نوع اعجاز کا تسلیم کرنا مادی عقول کے لئے بھی کچھ مشکل نہیں' مگر یہاں دوسری مشکل یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ اعجاز دکھانا گو مشکل نہ ہو' مگر ان کی بنا پر نبوت کا تسلیم کرنا یہ سب سے بڑی مشکل ہے- اس کے برخلاف حسی معجزات ہیں- جیسے چاند کا شق ہو جانا یا لکڑی کا چیخ پڑنا وغیرہ یہ ایسے معجزات ہیں' جن کو ''عقول سافلہ'' محالات میں سمجھتی ہیں' تعجب اور صد تعجب ہے کہ اگر دنیا میں یہی واقعات کسی اتفاقیہ صورت میں پیش آ جاتے ہیں تو کسی کے نزدیک بھی قابل انکار نہیں ہوتے' بلکہ ان کی تحقیقات کے لئے فوراً ایک کمیٹی بیٹھ جاتی ہے' لیکن جہاں ان حوادث کا رشتہ ذرا بھی مذہب سے وابستہ ہوتا نظر آتا ہے' بس فوراً وہ لغویات کی فہرست میں شمار ہو کر تحقیق سے پہلے قابل انکار سمجھ لئے جاتے ہیں- لہٰذا معنوی معجزات پر زور دینے والے صرف حسی معجزات کی حقیقت ناشناسی کے جرم کے ہی مرتکب نہیں بلکہ غیر شعوری طور پر ''انکار'' یا ''تاویل معجزات'' کی دلدل میں پھنس گئے ہیں اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے بہت سے معجزات کی حیثیت نظروں سے گرا کر ایک طرف تو مادی عقول کو اسلام کے قریب کر دیا ہے اور دوسری طرف علمی و اخلاقی معجزات کا پایہ نظروں میں بلند کر دیا ہے' اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ-

ایک اور اہم غلطی کا ازالہ، معجزات کی تقسیم وتحلیل میں

جس طرح کہ معجزات کے حقیقی اور اضافی ہونے کی تقسیم غلط ہے' یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ جو کل تک معجزہ تھا وہ علوم جدیدہ اور اکتشافاتِ جدیدہ کے بعد معجزہ باقی نہ رہے اسی طرح معجزہ کی یہ تحلیل بھی غلط ہے کہ ''معجزہ کا خارقِ عادت ہونا''-

(۱) ''کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ نفس واقعہ تو خلافِ عادت نہیں ہوتا' مگر اس کا وقتِ خاص پر رونما ہونا خارقِ عادت ہوتا ہے' مثلاً طوفان آنا' آندھی آنا' زلزلہ آنا' کفار کا باوجود کثرت تعداد کے بے یارومددگار اہل حق سے خوف کھا جانا وغیرہ تمام تائیداتِ الٰہیہ اسی قسم میں داخل ہیں''-

(۲) ''کبھی اس واقعہ کے ظہور کا وقت بھی خارقِ عادت نہیں ہوتا' مگر اس کا طریق ظہور خلافِ عادت ہوتا ہے' مثلاً انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں سے پانی برسنا' بیمار کا اچھا ہو جانا' آفتوں کا ٹل جانا- کہ نہ تو پانی کا برسنا' یا بیمار کا اچھا ہونا' یا کسی آتی ہوئی آفت کا ٹل جانا خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے' لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارقِ عادت ہیں استجابت دعاء کی قسم اسی میں داخل ہے''-

(۳) ''کبھی نہ تو واقعہ خارقِ عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریق ظہور خارق عادت ہوتا ہے' بلکہ اس کا قبل از وقت علم خارق عادت ہوتا ہے مثلاً انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں''-

''اس تقسیم کی تفصیل یہ ہے کہ معجزہ کا سبب اور علت براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے کبھی یہ مشیت اور ارادہ

www.besturdubooks.net

عاداتِ جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً قوم نوح (علیہ السلام) کے لئے طوفان آنا' قوم ہود کے لئے کوہِ آتش فشاں کا پھٹنا' یا زلزلہ آنا- حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہو جانا' قوم صالح کے لئے آندھی آنا' مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا' غزوۂ خندق میں آندھی چلنا' یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں' لیکن ان اسباب کے ظہور کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست ہو محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ ارادہ و مشیت الٰہی نے خاص ان موقعوں کے لئے بطور نشان کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیتِ الٰہی عاداتِ جاریہ اور اسبابِ ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں' بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے' مثلاً عصا کا سانپ بن جانا' انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا' مردہ کا جی اٹھنا' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا' پتھر سے چشمہ کا ابلنا' درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا' بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب و علل کی بنا پر نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کو عاداتِ جاریہ کے مطابق کہا جاسکتا''۔

معجزہ کی مذکورہ بالا تحلیل پر نظر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معجزہ کی تینوں قسموں میں سے کوئی ایک قسم بھی خارق عادت نہیں ہوتی' بلکہ کبھی کبھی اس کے ظہور کا وقت بھی خارقِ عادت نہیں ہوتا اور کبھی نہ نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے نہ اس کے ظہور کا وقت' اور نہ اس کے ظہور کا طریقہ خارق عادت ہوتا ہے' بلکہ صرف اس کا قبل از وقت علم یہ خارقِ عادت ہوتا ہے- اس بنا پر معجزات کی ان سب اقسام کا تجزیہ اور تحلیل کر کے یہ ثابت کرنا کہ یہاں نفس معجزات میں کوئی امر خارقِ عادت نہیں ہوتا' معجزات کی روح فنا کر دینا ہے' پھر جس پہلو میں خرق عادت تسلیم کیا گیا ہے وہ اس کا مادی پہلو ہی نہیں' ایک علمی سا پہلو ہے- مثلاً وقت یا طریق ظہور یا اس کا قبل از وقت علم ہونا ان میں بحث و نظر کو بہت گنجائش مل سکتی ہے- کیا اس تجزیہ و تحلیل کا حاصل قدرت کے بدیہی نشانات کو پھر نظری بنا دینا نہیں؟

پھر جب اس تقسیم کی تفصیل پر نظر کی جاتی ہے تو انسانی عقل اور متحیر ہو کر رہ جاتی ہے- کس بیباکی کے ساتھ اس میں نوح علیہ السلام کے طوفان کو عالم کی عادتِ جاریہ میں داخل کر لیا گیا ہے' وہ طوفان جس کی ابتداء ایک تنور سے شروع ہوئی' یعنی صرف آسمان ہی سے بارش نہیں ہوئی' بلکہ زمین سے بھی پانی ابل پڑا' وہ طوفان جس میں جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ عالم انسانی کی تمام آبادی کو محیط تھا وہ طوفان جو کفار کے اس طرح تعاقب میں تھا کہ اگر کوئی کافر پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا تو اس نے وہاں بھی اس کو جا پکڑا- وہ طوفان جس سے پناہ کی صورت ''رحمت'' کے سوا ''نبی'' وقت کے سامنے بھی کوئی نہ تھی: ﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ (ہود: ۴۳) اور وہ طوفان جس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ ایک ایک کافر کو ختم نہ کر لیا اور جب تک کہ اس کو خالق زمین و آسمان کا خطاب ان الفاظ میں براہ راست نہیں پہنچ گیا ﴿يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَ يَسَمَآءُ اَقْلِعِي﴾ (ہود: ٤٤) وغیرہ وغیرہ- کتنی بڑی جرأت ہے کہ اس طوفان کو دنیا کی عادتِ جاریہ میں دھر گھسیٹا جائے' یا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش کا آنا کتنا تعجب ہے کہ واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا صحابی تو اس معجزانہ بارش پر ششدر ہے وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ مدتوں سے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا کہیں نظر نہ آتا تھا' بس اِدھر آپؐ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے اور اُدھر ایک چھوٹی سی بدلی پہاڑ کے پیچھے سے اٹھی وہ تمام آسمان پر پھیلی اور ابھی آپؐ کے دعا کے ہاتھ نیچے نہ ہونے پائے تھے کہ ریش مبارک سے بارش کا پانی ٹپکنا شروع ہو گیا- یہ

www.besturdubooks.net

موسلا دھار بارش اگلے ہفتہ تک مسلسل رہی یہاں تک کہ قحط کا شاکی اب بارش کا شاکی بن گیا وہی ہاتھ پھر اٹھے اور وہی بادل جو حیرت میں ڈال دینے والی صورت سے آ گھرے تھے‘ اسی حیرت ناک صورت سے پھٹنے شروع ہو گئے۔ راوی پھر قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ بس جس طرف انگشت مبارک کا اشارہ ہوتا تھا‘ فوراً اسی سمت سے بادل پھٹ پھٹ کر مدینہ کے چاروں طرف کا رخ کرتے جاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی دعا کے مطابق۔

اللھم حوالینا و لا علینا... خدایا اب بارش ہمارے اردگرد رہے اور ہم پر نہ ہو۔

بارش نے درمیان سے ہٹ کر مدینہ کا حلقہ باندھ لیا۔ راوی کا پھر حیرت سے بیان ہے کہ اب مدینہ کا نقشہ ایک تاج کی طرح تھا کہ درمیان سے مدینہ خالی تھا اور چاروں طرف بادل کھڑے تھے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اگر آپ ہمت کریں تو اس کے متعلق بھی یہ کہہ ڈالیں کہ نہ یہ بارش خارقِ عادت تھی نہ وقت خاص پر اس کا ہونا یہ خلاف عادت تھا بلکہ جن اسباب و علل سے یہ بارش ہوئی بس وہ خارق عادت تھے۔

مذکورہ بالا تقسیم میں ’’بیمار کا اچھا ہونا‘‘ بھی اسی دوسری قسم میں شمار کیا گیا ہے‘ اب اس باب کے دو ایک معجزات بھی ملاحظہ فرمایئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اس وقت ان کی آنکھوں میں سخت آشوب تھا‘ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن مل دیا۔ بس ان کو ایسا معلوم ہوا کہ آنکھوں میں کبھی آشوب تھا ہی نہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ جو ابورافع یہودی کے قتل کے لئے گئے تھے واپسی پر زینہ سے گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور فوراً یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی ان کے چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ اسی طرح سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے تلوار کا زخم لگا آپؐ نے اس پر دم کیا اور وہ بھی فوراً صحت یاب ہو گئے۔ ایک مرتبہ عثمان بن حنیفؓ نابینا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بینائی کے لئے عرض کی۔ آپؐ نے ان کو دعا تعلیم فرمائی‘ وہ کہتے ہیں کہ اسی مجلس میں بینائی پیدا ہوگئی۔ کیا ان سب قسم کے معجزات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ فی نفسہٖ یہ واقعات خارق عادت نہ تھے اور ان واقعات کے ظہور کا وقت بھی خارق عادت نہ تھا‘ صرف اس کا سبب خارقِ عادت تھا؟

معلوم نہیں جو لوگ معجزات کے قائل ہیں ان کو معجزات میں اتنی تحلیل اور اتنی کتر بیونت کی ہمت اور اہمیت کیوں ہے؟ یہی حال ان زلازل اور آندھیوں کا ہے‘ جو منکر اقوام کی ہلاکت کے لئے نمودار ہوئیں۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ پہلے ان کے متعلق صرف قرآنی پوری تفصیلات ہی کو سامنے رکھئے جو ان واقعات کی اس نے ذکر کی ہیں‘ پھر جو اسلوب بیان ان کے متعلق اختیار کیا ہے وہ بھی پیش نظر رکھئے تو آپ پر بداہۃً واضح ہو جائے گا کہ یہ طوفان روزمرہ کے ہوائی جھکڑ نہ تھے‘ بلکہ کرۂ ہوائی کا کوئی خاص ’’تمرد‘‘ تھا۔ یہ زلزلے زمین میں معمول کے مطابق کسی بخار کی لہر کا اثر نہ تھے‘ بلکہ خدائی طاقت کا ایک انتقامی جھٹکا تھے۔ اس کے علاوہ یہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جو واقعات عالم کی عادت جاریہ میں داخل ہوں ان کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ وہ کسی رسول کی تکذیب کا نتیجہ تھے‘ کیا منکرین پر کچھ حجت ہو سکتا ہے؟ چہ جائے کہ ان کو معجزہ قرار دیا جائے۔ یہاں صرف اسباب و علل کی بحث اٹھائی یہ پھر ایک عقلی بحث ہے‘ جس میں مخالف کے لئے بڑی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگر صورتِ واقعہ اور وقت کی بحث ختم کر دی

www.besturdubooks.net

جائے تو کیا ایک معاند کے لئے تشفی بخش ہو سکتا ہے کہ اس بارش کے برسنے میں یا اس بیمار کی شفایابی میں صرف میری دعا کا دخل ہے[۱]

اس سے بڑھ کر یہ کہ ''تمام تائیدات الٰہیہ'' کے متعلق بھی یہ لکھ ڈالنا کہ ان سب صورتوں میں نفس واقعہ یعنی نفس فتوحات میں کوئی اعجاز کی صورت نہ تھی اور ان میں بھی منطقی تحلیل شروع کر دینی درحقیقت ان تمام آیات ربانیہ کی روح فنا کر ڈالنی ہے۔ ''غزوۂ بدر'' کے متعلق جو آیات ہیں' آپ ذرا آنکھ کھول کر ان پر نظر ڈالئے مگر خالی الذہن ہو کر ''فتح حنین'' کی آیات پڑھئے' مگر منصفانہ نظر سے۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور دماغ میں آ سکتا ہے کہ یہ فتوحات کچھ خارق عادت نہ تھیں صرف ایک بخت و اتفاق تھا؟ اور بس اسی اتفاق کا نام یہاں خرق عادت رکھ دیا گیا تھا پھر ہمارے تعجب کی حد نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے سروسامانی کی حالت میں بہادر کفار کا مرعوب ہونا' خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ صرف یہ کہ اس کو اپنے معجزات میں شمار فرمائیں' بلکہ اس کو اپنی خصوصیات میں شمار کریں اور لکھنے والے اس کو بھی دنیا کے معمولی واقعات کی صف میں دھر گھسیٹیں۔ نامنصف قلموں نے تو صرف ایک آپ ہی کے ساتھ قدرت کی تائید کو عالم کے عام واقعات میں داخل نہیں کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک عظیم الشان تائید کو بھی یعنی غرق فرعون کو بھی عالم کی عادت جاریہ میں داخل کرنے کی سعی کی ہے اور اس کو بھی سمندر میں جوار بھاٹے کی ایک عام شکل کہہ کر ٹال دیا ہے۔

اب رہیں انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں تو اس میں بھی قطع و برید کے لئے مقراض لگا دینا بہت زیادہ تعجب خیز ہے' جبکہ خود اس کا عنوان ہی پیشگوئی ہے۔ یعنی دنیا کے معمول کے مطابق جو واقعات پیش آمدہ یا پیش آمدنی ہیں نہ صرف قبل از وقت بلکہ کسی کی تعلیم و علم کے بغیر اُن کی اطلاع دے دینا۔ ظاہر ہے کہ اگر ''نبی وقت'' ان کی اطلاع نہ دیتا تو جو واقعات ان میں سے گزر چکے تھے وہ تو گزر ہی چکے تھے اور جو آنے والے ہیں وہ پیش آ کر ہی رہتے۔ ان دونوں قسموں میں خود نبی کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا' اسی لئے کسی نبی نے خود ان واقعات ہی کو اپنا معجزہ قرار نہیں دیا ہے۔ پہلی دونوں قسموں کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہے وہاں خود ان واقعات ہی کو معجزہ قرار دیا ہے اور ان میں بظاہر نبی کے تصرف کا دخل بھی ہوا ہے مثلاً اگر نوح علیہ السلام منکرین کے حق میں عام ہلاکت کی بددعا نہ فرماتے' اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام خاص خاص عذابوں کا وعدہ نہ فرماتے تو نہ وہ طوفان آتا' نہ وہ زلزلے اور آندھیاں آتیں' یہاں ان تمام تائیدات الٰہیہ کی بھی تحلیل کر ڈالنی درحقیقت اُن کی اصل روح فنا کر دینی ہے۔ اگر اس تقسیم کے بجائے معجزات کی تقسیم یوں کی جاتی کہ بعض معجزات ''علمی'' ہوتے ہیں اور بعض ''عملی'' تو بہت صحیح اور مناسب ہوتا۔ یعنی بعض

---

[۱] ہمارا آج بھی بارہا کا تجربہ ہے کہ جب کسی مولوی ملا کی دعا سے کوئی بیمار اچھا ہو جاتا ہے تو بعض مرتبہ وہ لوگ جو دعاؤں پر زیادہ اعتقاد نہیں رکھتے اس شفا کو طبیب و ڈاکٹر کی ہوشیاری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور دعا کی طرف ان کا خیال بھی منتقل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر دعا کے ساتھ فوراً شفا ہو جائے یعنی یہاں وقت کا لحاظ بھی رکھا جائے تو اب اس کے معجزہ یا کرامت ہونے میں کسی منکر کو بھی مشکل سے ہمت کرنی پڑے گی۔ پس اس قسم کے معجزات میں خاص وقت کا لحاظ نہ کرنا یہ بھی بڑی فروگذاشت ہے۔

www.besturdubooks.net

معجزات وہ ہوتے ہیں جن میں نبی کے تصرف کا کچھ دخل نظر آتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں' جن میں نبی کے تصرف کا کوئی دخل نہیں ہوتا وہ صرف علمی معجزات ہیں' جیسے نبی کی پیشگوئیاں وغیرہ- لیکن مذکورہ بالا تقسیم کی بنا پر تو اکثر معجزات میں اعجاز کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہتی اور جب وہاں ارادۂ الٰہیہ کا ظہور صرف عادتِ جاریہ کے ماتحت قرار دیا جائے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان معجزات کے ''معجزات ہونے کا'' ثبوت ہی کیا رہتا ہے؟ کسی واقعہ کے متعلق یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ ''نفس واقعہ میں تو کوئی امر خارقِ عادت نہ تھا' صرف وقت خاص پر اس کا ظہور یا صرف اس کا طریق ظہور خارق عادت تھا'' اس کے معجزہ ہونے میں کتنا تردد کا باعث بن سکتا ہے- اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ ''تمام تائیداتِ الٰہیہ'' ''اخبارِ غیب'' اور ''استجابتِ دعا'' کی انواع جن میں ہزاروں معجزات داخل ہیں' ایسی سطح پر کھینچ لائے جائیں جن میں عقول مادیہ کے لئے کوئی تعجب کی جگہ باقی نہ رہے' مگر جبکہ ان کی تحلیل منطقی کرنے کے بعد خرقِ عادت کا ''شاخسانہ'' کسی نہ کسی مرتبہ میں پھر بھی لگا ہی رہے تو ایک فہیم انسان کے لئے اس تقسیم کا فائدہ تطویلِ مسافت کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا-

آیئے اب اُن معجزات پر نظر کریں جن کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ ان میں مشیتِ الٰہیہ عالم کی عادتِ جاریہ کے خلاف پس پردہ نہیں بے پردہ ہو کر سامنے آ گئی ہے- اس کی مثالوں میں سے پتھر سے پانی کا نکلنا' بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا شمار کیا گیا ہے-

ہم کو معلوم نہیں کہ اس سے مراد کیا ہے کیونکہ پتھروں سے پانی نکلنا یہ بھی عالم کی عادتِ جاریہ میں داخل ہے خود قرآن کریم میں ہے: ﴿وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (بقرہ: ۷۴)

غیر ذی روح میں آواز کا پیدا ہو جانا تو آج کل ٹیلیفون' تار' گراموفون اور ریڈیو وغیرہ میں عام بات ہے اگرچہ وہ کسی ذریعہ سے ہو' اور سامری کے ''گوسالہ'' میں آواز کا پیدا ہونا اور اس کی علت اور سبب خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے- اسی طرح ''شق القمر'' کی توجیہ ''تاویل معجزات'' کے عنوان کے تحت ان ہی اوراق میں آپ کے سامنے آنے والی ہے- تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی معجزات کا ظہور ہوا ہے تو ہمیشہ بہیئت مجموعی کسی بھی تحلیل کے بغیر ان کو معجزہ تسلیم کیا گیا ہے اور کبھی ان کی تحلیل کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا- خدانکردہ اگر اسی قسم کا تجزیہ اور تحلیل آیاتِ قرآنیہ میں بھی شروع کر دی جائے تو نوبت الحاد تک بھی پہنچ سکتی ہے- اگر یہ تمام تفصیلات اور تقسیم کسی منکر معجزات کے قلم سے ہوتیں تو ہم کو نہ کچھ تعجب ہوتا نہ تاسف' افسوس تو یہ ہے کہ یہ ایسے قلم سے نکلی ہیں' جو منکرین کے مقابلے کے لئے میدان میں نکلا ہے: يَفْعَلُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ وَ يَحْكُمُ مَايُرِيْدُ-

یہاں ایک اور ''مغالطہ'' کا رفع کر دینا بھی ضروری ہے جو نہ صرف عوام کو بلکہ بعض خواص کو بھی پیش آ سکتا ہے- ایک انسان جب صفحاتِ تاریخ میں خطرناک زلزلے اور ہیبت ناک آندھیوں کا تذکرہ پڑھتا ہے اور کسی نبی کی تکذیب سے ان کا تعلق نہیں دیکھتا اور آج بھی جب تباہ کن طوفانوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ ان اشیاء کو عالم کی ''عادتِ جاریہ'' سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ان کے متعلق کسی نبی کی تکذیب کا نتیجہ کہنے میں تامل کرنے لگتا ہے اِدھر جب ایک مذہبی دماغ ان ہی واقعات کو انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی فہرست میں درج پاتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کے معجزہ بنانے کی کوئی ایسی معقول ''توجیہ'' پیدا کرے' جو

www.besturdubooks.net

ایک آزاد دماغ کے لئے بھی قابل تسلیم ہوسکے۔

ہمارے نزدیک یہ فکر معجزہ کی صحیح حقیقت تک نارسائی پر مبنی ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ان واقعات کو نبی کے معجزات سے الگ شمار کرنا ہی درست نہیں' بلکہ یہ حوادث بھی نبی کی پیش گوئیوں میں داخل ہیں۔ حدیثوں میں آخر زمانے میں ''زلازل'' اور ''حوادث'' کی کثرت بصراحت موجود ہے اور اس کے اسباب تک بھی مذکور ہیں' پھر ان کو بھی کیوں نہ معجزات کی فہرست میں شمار کیا جائے۔ لیکن اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو پھر یہ سمجھئے کہ معجزہ کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت۔ معجزہ کی صورت وہ ہوسکتی ہے' جو عالم کے اور واقعات کی صورت ہوتی ہے' لیکن اس کی حقیقت ہر جگہ اور ہمیشہ ان سے مختلف ہوتی ہے اور کبھی ان سے متحد نہیں ہوسکتی۔ اس صوری اشتراک کی وجہ سے ہمیشہ مغالطہ پیدا ہوجاتا ہے اور جب تک حقیقت کے انکشاف کا وقت نہیں آتا یہ مغالطہ باقی ہی چلا جاتا ہے۔ مثلاً عصائے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھئے جس کو عالم کی عادتِ جاریہ کے خلاف شمار کیا گیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظاہر فرمایا تو ساحرین فرعون نے اس کو یہی سمجھا کہ وہ بھی ان ہی کے سحر کی ایک نوع ہے۔ حتیٰ کہ اس کے مقابلہ کے لئے ایک دن بھی مقرر کرلیا اور اپنی رسیاں لے کر آدھمکے اور ایسا تماشا دکھلایا کہ ایک مرتبہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعونیوں کی ''غلط فہمی'' کا خطرہ پیدا ہونے لگا' لیکن جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا اور دونوں حقیقتیں بالمقابل ہوئیں تو یہ بات صاف ہوگئی کہ معجزہ کی حقیقت کچھ اور تھی اور ساحرین کے تماشا کی کچھ اور۔ یہی وجہ تھی کہ فرعونیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے' جو سب سے پہلے مقابلے کے لئے نکلے تھے انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ معجزہ حقیقت میں ان کے تماشے سے بالکل علیحدہ حقیقت رکھتا ہے' پس صورت تو دونوں کی سانپ ہی کی تھی' مگر حقیقت میں دونوں کے درمیان وہی فرق تھا' جو سونے اور ملمع میں ہوتا ہے۔ اسی طرح بارش' زلزلے اور آندھیاں اور استجابتِ دعاء کو سمجھ لیجئے۔ ان سب مقامات پر معجزہ اور حوادث جاریہ میں گو صوری اشتراک نظر آتا ہے' مگر ان کی حقیقتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی' یہی وجہ تھی کہ جب بھی گھٹا آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل وحرکت میں پریشانی کے اثرات نمایاں ہونے لگتے تھے' یہاں تک کہ بارش ہوکر برس نہ لیتی تھی۔ آپ فرماتے تھے ''عائشہؓ! مجھ کو خوف ہوتا ہے کہیں یہ وہ بادل نہ ہوں جو ''وافدِ عاد''[1] لے کر اپنی قوم کے پاس گیا تھا'' اور جب بارش ہونے لگتی تو آپ مطمئن ہوجاتے اور یہ بات صاف ہوجاتی کہ یہ وہ خاص بادل تھے یا عالم کی عادتِ جاریہ والے بادل۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے پانی اُبلا' صحابہؓ نے اپنی اپنی ضرورت کے لئے اس کو محفوظ کرنا شروع کردیا' مگر حضرت ابن مسعودؓ کا بیان یہ ہے کہ میں تو کوشش کرکر کے جتنا مجھ سے ہوسکا اس کو اپنے پیٹ میں ڈالتا رہا' کیونکہ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ عام پانی سے الگ کوئی برکت والا پانی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وہ اس اعجازی پانی

---

[1] یہ شخص عاد کی قوم نے بارش کی دعا کے لئے روانہ کیا تھا۔ مکہ مکرمہ قدیم سے استجابت دعا کی جگہ مشہور تھی۔ مختصر یہ کہ اس کی دعا پر دو بادل اٹھے اس نے ایک سیاہ بادل کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ اس میں زیادہ پانی ہوگا جب وہ اس کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آیا تو اس میں سے عذاب کی بارش برسی اور سب قوم ہلاک ہوگئی۔

www.besturdubooks.net

کو عام پانی سے ممتاز سمجھ رہے تھے- اسی حقیقت کو ادراک نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے علماء کو معجزات اور کرامات میں فرق کرنا مشکل ہوگیا ہے- آخر انھوں نے لکھا ہے کہ ولی کی کرامات جس نبی کی اتباع سے حاصل ہوتی ہیں وہ اس نبی کا معجزہ ہوتی ہیں- یہ بھی درست ہے- لیکن حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ تنبیہ کی ہے کہ نبی کا ایک معجزہ کسی ولی کی مدت العمر کی کرامات کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہوتا ہے- میرا مطلب یہ ہے کہ ولی کی کرامت گو نبی کا معجزہ سہی' مگر حقیقت اس کرامت کی پھر بھی اس معجزہ کے برابر نہیں ہوتی' جو نبی سے بلاواسطہ ظاہر ہوتا ہے- اس فرق کو ایسا ہی سمجھئے جیسا وحی اور الہام- الہام اگرچہ نبی کے اتباع ہی کا نتیجہ ہوتا ہے' لیکن پھر ''وحی'' کہاں اور ''الہام'' کہاں- وحی کی شوکت اور قطعیت کے مقابلے میں الہام میں نہ وہ شوکت ہوتی ہے نہ قطعیت نہ وزن نہ اتنی صفائی- یہی وجہ ہے کہ وحی حجت ہے اور الہام حجت نہیں- اگر اس تحقیق کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو بہت سے اشکالات رفع ہو سکتے ہیں- اور اگر یہ حقیقت سمجھنی بھی آپ کو مشکل ہو تو ایک سیدھی سی بات یہ ہے کہ ''معجزہ'' اور ''آیات'' میں اصطلاحاً کچھ فرق ہے- آیت کا ترجمہ نشانی ہے پہلے گزر چکا ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے سب معجزات کا نام ''آیات'' رکھنا ہی پسند فرمایا ہے- اس لحاظ سے اس قسم کے زلازل اور آندھیاں وغیرہ تاریخی جتنے واقعات بھی ہیں وہ بہت آسانی کے ساتھ آیت (نشانی) کی فہرست میں آ جاتے ہیں- فرق صرف یہ ہے کہ جب یہی واقعات انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر ظاہر ہوں تو وہ ''آیات'' اللہ یعنی خدا تعالیٰ کے وجود کی نشانی اور آیت کہلاتے ہیں اور جب انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ظاہر ہوں تو وہ ان کی تصدیق کے لئے نشانی اور ''آیت نبوت'' کہلاتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی ان غیر معمولی حوادث کا نام دنیا میں خدائی عذاب رکھا جاتا ہے- اور اس قسم کے واقعات کو قرآن کریم میں جابجا قدرت کی آیات کے ذیل میں شمار کرایا گیا ہے-

معجزہ وسحر

قدرت نے اس عالم کو روزِ اول سے ''خیر وشر'' کا مجموعہ بنا کر پیدا فرمایا ہے- ایک طرف اپنے ''مقرب فرشتے'' پیدا کئے تو اس کے بالمقابل ''شیاطین'' کا ناپاک گروہ بنایا- اسی طرح ایک طرف انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت مبعوث فرمائی تو اس کے بالمقابل ''دجالوں'' کا ناپاک گروہ بھی ظاہر فرمایا- پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ نبوت کے مقابلے میں کوئی دوسری شے پیدا نہ فرمائی جاتی؟ اور وہ ''کہانت وسحر'' تھی- خیر وشر کی ان مرکزی طاقتوں میں بھلا کیا مناسبت تھی' مگر اس ''دارالالتباس[1]'' میں آ کر ان میں پھر اتنا التباس رہا کہ ایک ملعون جماعت نے مسیح ہدایت کو دجال قرار دے ڈالا اور دجال کو مسیح ہدایت ٹھہرانے کا فیصلہ کر لیا-

ترجمان السنہ کی جلد سوم میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ معجزہ وسحر میں کوئی التباس ہی نہیں ہے- یہ دونوں چیزیں اپنی ماہیت' اپنے فاعل اور اپنی غایت ہر لحاظ سے ممتاز ہیں- معجزہ کا ظہور تضرع وابتہال اور کلماتِ طیبہ وغیرہ سے ہوتا ہے اور سحر کا کلمات شرکیہ' نفسی توجہ اور ارواحِ خبیثہ کی استعانت سے- صاحبِ معجزہ قدسی صفات ہوتا ہے اور ساحر خبیث النفس- معجزہ کی غایت وغرض معرفت

---

[1] اشتباہ کی دنیا

www.besturdubooks.net

ربوبیت اور نجاتِ آخرت ہے اور سحر کا مقصد متاع دنیا- صاحب معجزہ کا انجام نجاح وفلاح ہے اور ساحرین کا خیبت وخسران-

آپ نے دیکھا کہ یہ دونوں مقابل حقیقتیں کتنی علیحدہ علیحدہ ممتاز ہیں' لیکن اس دنیا کے نہاد میں چونکہ التباس رکھا ہوا تھا' اس لئے پھر ان میں اتنا التباس باقی رہ گیا کہ تصنیف کا قلم جتنی جتنی اس کی وضاحت کرتا رہا یہ مشکل نافہموں کے لئے اتنی ہی اور الجھتی چلی گئی- مگر یہ کشمکش جتنی بھی رہی صرف ذہنی اور کاغذی حد تک ہی رہی اور جب کبھی نبی و دجال اور معجزہ وسحر مقابل آ گئے تو یہ دونوں حقیقتیں نور وظلمت کی طرح ہر خواندہ و ناخواندہ کے لئے ایسی ممتاز ہوگئیں کہ کسی کو ان کے درمیان کوئی اشتباہ باقی نہ رہا اس لئے اگر آپ کے ذہن میں معجزہ وسحر کے درمیان کچھ التباس باقی ہے تو اس کو ان کی حقیقتوں کا اشتباہ نہ سمجھئے بلکہ اس عالم کی فطرت کا نتیجہ سمجھئے تمیز اور امتیاز کامل کا مقام آخرت ہے جہاں خیر وشر کے درمیان پورا پورا امتیاز بدیہی ہو کر سامنے آ جائے گا- اگر یہ قطعی فیصلہ کلیۃً آج یہیں ہو جائے تو عالم غیب وشہادت کا فرق ختم ہو جائے- ثواب وعذاب کا سارا فلسفہ غیب کے ذرا سے پردہ ہی میں تو مستور ہے- اس کے باوجود اگر آپ اس کو الفاظ کے حدود میں سمجھنا چاہتے ہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ-

(۱) معجزہ قدرت کا فعل اور ایک آیت ربانیہ ہوتا ہے اور سحر ساحر کا اپنا بنایا ہوا کھیل-

(۲) معجزہ نبی کے اپنے ارادے کے تابع نہیں ہوتا کہ جب وہ چاہے دکھا سکے اور سحر ساحر کے اپنے ارادہ کے تابع ہوتا ہے اور وہ جب چاہے اس کو دکھا سکتا ہے- اسی لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر قرار دیا گیا تو جس طرح ہر بشری صنعت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح ان کے مقابلے کرنے کے لئے بھی ساحرین کو دعوت دی گئی' مگر جب ساحرین نے آ کر یہ دیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قدرت بشری سے خارج ہے اور ایک ''آیت ربوبیت'' ہے تو وہ فوراً ''رب موسیٰ و ھارون'' پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہو گئے- پھر اس فیصلہ کے لئے کوئی مدت خرچ نہیں ہوئی' بلکہ جونہی- معجزہ وسحر مقابل ہوئے بس فوراً اسی وقت دونوں حقیقتیں نور وظلمت کی طرح ممتاز ہو گئیں-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ایک اجمالی نظر

جس سے معجزہ اور سحر وغیرہ کے درمیان امتیاز کرنے میں مدد ملتی ہے

(۱) کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی معجزہ کے اظہار سے آپؐ کا مقصد کبھی اپنی اظہار برتری تھا اور نہ کبھی نام ونمود کے لئے اس کا تذکرہ کرنا آپؐ سے ثابت ہوتا ہے- ہاں اگر آپؐ کی پیشگوئی کے مؤید کوئی واقعہ اتفاقیہ طور پر ظاہر ہو گیا ہے تو آپؐ نے ضرور اس کو اپنی نبوت کی صداقت کے ظہور کے لئے بنگاہ استحسان دیکھا ہے-

(۲) یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ نے اپنے معجزات کے لئے ہمیشہ کسی بڑے مجمع کی تلاش کی تھی بلکہ حسب مشیتِ ایزدی کبھی جماعتوں میں اور کبھی بہت ہی محدود افراد میں اور کبھی ایک ہی شخص کے سامنے معجزہ کا ظہور ہوا ہے- ایک بار قضائے حاجت کے وقت آپؐ کے حکم سے دو درختوں کا بغرض ''ستر'' اپنی جگہ سے ہٹ کر آ جانا اور آپؐ کی فراغت کے بعد پھر ان کا اپنی اپنی جگہ واپس ہو جانا صرف اس صحابی کا بیان ہے جو اس وقت آپؐ کے ساتھ حاضر تھا-

www.besturdubooks.net

(۳) آپؐ کے بعض معجزات اس قسم کے بھی ہیں جن میں نباتات و جمادات وحیوانات نے از خود آپؐ کے احترام یا حفاظت میں آپؐ کے لئے یا آپ کے کسی صحابیؓ کے لئے حصہ لیا ہے اور ظاہری طور پر وہاں آپؐ کا کوئی عمل نہ تھا' مثلاً مکڑی کا غار ثور پر جالا تننا' یا شہد کی مکھیوں کا عامرؓ یا عاصمؓ کے جسم کی حفاظت کرنا۔

(۴) آپؐ کے بعض معجزات آپؐ کی ذات کے برکات سے متعلق ہیں' جیسا کہ ''لعاب دہن'' سے حضرت علیؓ کی آنکھوں کا آشوب دور ہو جانا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کا درست ہو جانا وغیرہ' مگر جب جنگ احد میں آپ خود زخمی ہوئے تو ایسے نازک وقت میں بھی پھر اس اعجاز کا ظہور نہ ہوا۔

(۵) کھانے' پینے میں برکت اور انگشتانِ مبارک سے پانی کے چشمے ابلنے کی برکات خاص آپؐ کے گھر کی بجائے اکثر سفروں میں یا دوسروں کے گھروں میں ظاہر ہوئی ہیں اور زیادہ تر اس کا فائدہ دوسروں ہی نے اٹھایا ہے۔

(۶) آپؐ کے بعض معجزات کے آثار آپؐ کی وفات کے بعد تک بھی باقی رہے ہیں اور بعض ایسے ہیں' جن کا ظہور ہی آپؐ کی وفات کے بعد ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی کھجوروں میں برکت پہلی قسم کی اور ''اخبار غیب'' کا ایک بڑا حصہ دوسری قسم کی مثال ہے۔ سحر میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں وہ ساحر کے وجود کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

(۷) آپؐ کے معجزات کا جو حصہ ''اخبار غیب'' سے متعلق ہے اس میں اس عالم کے حوادث کے علاوہ اشراط ساعت' مبدأ و معاد اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے اہم حالات زندگی بھی شامل ہیں' جن میں قیاس و تخمین کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ان کے متعلق لب کشائی کر سکتا ہے۔

(۸) آپؐ کے معجزات میں ایک بڑا حصہ آپ کی ''استجابتِ دعا'' سے متعلق ہے۔

(۹) آپؐ کے معجزات کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے' جو کسی شدید ضرورت میں ظاہر ہوا تھا مگر اس سے بڑھ کر ضرورتوں میں آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف صبر و سکون کی تلقین فرمائی اور آپؐ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔

(۱۰) قرآن کریم کے علاوہ کسی اور معجزہ کے متعلق یہ یاد نہیں آتا کہ آپ نے کبھی کافروں کو اس کے مقابلے کی دعوت دی ہو۔

(۱۱) آپؐ کے معجزات میں کھانے پینے کی اشیاء میں برکت ہمیشہ اس وقت ظاہر ہوئی ہے جب کہ آپؐ نے پہلے تھوڑا سا پانی یا کھانا وغیرہ منگالیا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ یونہی محض عدم سے کھانا یا پانی موجود ہو گیا ہو اور کھانے کے ڈھیر لگ گئے ہوں یا پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و كذلك الجن كثيرا ياتون الناس بما يأخذونه من اموال الناس من طعام و شراب و نفقة ماء و غير ذلك و هو من جنس ما يسرقه الانسى و ياتى به الى الانسى لكن الجن تأتى بالطعام و الشراب فى مكان العدم و لهذا لم يكن مثل هذا اية النبى و انما كان النبى صلى الله عليه وسلم يضع يده فى الماء فينبع الماء من بين اصابعه و هذا لا يقدر عليه لا انس و لا جن و كذلك الطعام القليل يصير كثيرا و هذا لا يقدر عليه لا الانس و لا الجن و لم يأت النبى صلى الله عليه وسلم قط بطعام من الغيب و لا

www.besturdubooks.net

شراب و انما کان ھذا قد یحصل لبعض اصحابه کما أتی خبیب بن عدی و ھو اسیر بمکة یقطف من عنب و ھذا الجنس لیس من خصائص الانبیاء و مریم علیھا السلام لم تکن نبیة و کانت تؤتی بطعام۔الخ (کتاب النبوات ص ۱۱۵)

''اور اسی طرح جن بھی بسا اوقات لوگوں کے پاس ایسی کھانے پینے اور خرچ کرنے وغیرہ کی چیزیں لاتے ہیں جو وہ لوگوں کے اموال میں سے لیتے ہیں اور یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں جو ایک انسان چرا کر دوسرے انسان کے پاس لاتا ہے۔لیکن جن یہ کھانے پینے کی چیزیں اس جگہ لاتے ہیں جہاں وہ نہیں ہوتیں۔اسی لئے اس قسم کے تصرفات نبی کے تصرفات کبھی نہیں ہوتے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کی صورت تو یہ ہوا کرتی تھی کہ آپؐ (کسی برتن وغیرہ کے) پانی کے اندر دست مبارک رکھ دیتے تھے اور پانی آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے (چشمے کی طرح) پھوٹ نکلتا تھا' یہ ہے وہ معجزہ جس پر نہ کوئی انسان قدرت رکھتا ہے نہ جن۔اسی طرح تھوڑا سا کھانا (آپؐ کے ہاتھ لگانے سے) بہت سا ہو جاتا تھا اس پر بھی نہ کوئی انسان قادر ہے نہ جن۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بطور معجزہ) غیب سے کوئی کھانے پینے کی چیز کبھی نہیں لائے۔ہاں آپؐ کے بعض صحابہؓ سے کبھی کبھی اس قسم کے واقعات ظہور میں آئے ہیں جیسا کہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے پاس جبکہ وہ کفار کی قید میں تھے انگوروں کے خوشے مہیا کر دیئے گئے۔اس قسم کے امور حضرات انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں۔(دیکھئے حضرت مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں مگر ان کے پاس کھانے کی چیزیں (اور بے فصل میوے) مہیا کر دیئے جاتے تھے''۔

غرض سحر اور عمل تنویم وغیرہ سب کسبی فنون ہیں ہر کسی کو کسب سے حاصل ہو سکتے ہیں اور دیگر ملکات کی طرح ہر وقت وہ انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ان میں آخرت کی فلاح کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور اسی لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق کی نظروں میں ساحر یا عمل تنویم کرنے والوں کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔سحر اور عمل تنویم کی تفصیلات معجزات کی مذکورہ بالا تفصیلات سے بالکل جدا ہیں۔

(۱۲) سحر کا بیشتر تعلق دنیوی معاملات یا دنیوی تصرفات و اخبار سے ہوتا ہے۔''مبدأ و معاد'' سے اس کا تعلق بالکل نہیں ہوتا' اس کے برخلاف نبوت ہے کہ اس کا تمام تر تعلق مبدأ و معاد سے ہوتا ہے اُس کی دعوت ''الوہیت و وحدانیت'' کی اور اسی طرح صفاتِ الوہیت کی تفصیلات کے بیان کرنے سے ہوتا ہے' سحر کا ان اہم امور سے کوئی ادنیٰ رشتہ بھی نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح قرآن کریم میں مذکور کیوں نہیں؟

ہمارے نزدیک یہ سوال ہی ساقط ہے سب سے پہلے تو اس لئے کہ اگر سوال کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ کے تمام معجزات کیوں مذکور نہیں تو یہ سوال ہی لغو ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ ''کوئی معجزہ بھی مذکور نہیں'' تو یہ غلط ہے' جبکہ حسی اور معنوی ہر قسم کے معجزات

www.besturdubooks.net

اس میں موجود ہیں' کیا شق القمر' معراج جسمانی اور عظیم الشان پیشگوئیاں وغیرہ وغیرہ اس میں مذکور نہیں' لیکن چونکہ اس مہمل سوال پر بھی علماء کا قلم اُٹھ چکا ہے۔ بنا بریں چند سطریں ہم بھی یہاں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

(۱) ہمارے نزدیک انبیاء سابقین کے معجزات کا اہتمام قرآن کریم میں اگر کیا گیا ہے تو اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ سب عملی تھے ان کا ثبوت مستقبل زمانوں میں اس کے سوا اور کیا تھا کہ خود وحی سماوی ان کی تصدیق کر دیتی ورنہ وہ معجزات اپنے اپنے زمانوں میں ظاہر ہو کر خود بھی معدوم ہو چکے تھے اور گزشتہ امتوں کے ہاتھ میں ان کے ثبوت کے مستند ذرائع بھی سب معدوم ہو چکے تھے۔ اس لئے اب یہی ایک صورت باقی تھی کہ قرآن کریم ان پر مہر تصدیق ثبت کرتا' اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزات کو تو خود دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہی تھی اور مستقبل میں اس کے لئے انبیائے سابقین کے معجزات کی تصدیق آپؐ کے ان معجزات کی تصدیق کے لئے بھی کافی تھی' کیونکہ دونوں ایک ہی جنس کے تھے۔ جب قرآن کریم نے ایک بار ان کی تصدیق فرما دی تو اب اس کی اہمیت کیا رہی کہ ان ہی انواع کے معجزات کا تذکرہ بار بار پھر کیا جاتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ خیال ہی درست نہیں کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تذکرہ ان کے اصل مقصود ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے' بلکہ اصل مقصد انبیاء سابقین کا تذکرہ کرنا تھا اور جب ان کی نبوتوں کا ذکر کیا گیا تو اب ان کے دلائل نبوت کا ذکر کرنا بھی خود بخود لازم ہو گیا۔ اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تھی۔ اُس کی تصدیق کے لئے ایک طرف قرآن کریم درخشاں ثبوت موجود تھا اور آپ کے دوسرے معجزات کے لئے تواتر اور احادیث معتبرہ گواہی دے رہی تھیں اس لئے آپؐ کی نبوت حال و مستقبل میں یکساں ثابت تھی۔ آپؐ کے دوسرے معجزات کے ذکر کرنے کی احتیاج ہی کیا رہی تھی۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جن معجزات کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے وہ ان کے خاص خاص معجزات ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاص معجزہ'' قرآن کریم ہے۔ اس لئے جب ان کے عام معجزات قرآن کریم میں مذکور نہیں تو پھر آپؐ کے عام معجزات مذکور کیوں ہوں؟

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل یعنی سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا تو شاید اب حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ دوسرے معجزات اسی نمبر پر نہ آئیں' خواہ اپنی اپنی جگہ وہ کتنے ہی عظیم الشان تھے' مگر ظاہر ہے کہ وہ پھر ''افعال الٰہیہ'' تھے اور یہ ''کلام الٰہی'' ہے اور جو نسبت کلام کو متکلم کے ساتھ حاصل ہوتی ہے وہ افعال کو نہیں ہوتی اسی لئے پہلی امتوں کو خدا تعالیٰ کی ذات کا جو تعارف کرایا گیا تھا وہ اس کے خاص خاص افعال سے کرایا گیا اور جب ان میں کچھ استعداد پیدا ہو گئی تو آخر میں ''تعارف ایزدی'' کے لئے خود ''کلام ایزدی'' نازل ہو گیا جس سے بڑھ کر اس عالم میں رب العالمین کے تعارف کی کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی نمبر ہے تو وہ مشاہدہ کا ہے' جو اس عالم میں ایک مقدس اور بزرگ ترین ہستی کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا اور وہ برگزیدہ ہستی وہی تھی' جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ لہٰذا یہی ایک معجزہ ہر معجزہ سے مستغنی کرنے والا تھا۔

www.besturdubooks.net

(۵) انبیاء سابقین کی نبوت دائمی نہ تھی اور مستقبل زمانوں کے ساتھ ان کا تعلق بجز ان پر ایمان لانے کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا- اس لئے ان کو وہی معجزات عطا ہوئے جو اپنے زمانوں میں ایمان لانے کے لئے کافی تھے' پھر ان کی نبوتوں کا دور ختم ہو جانے اور ان کے ان معجزات کے معدوم ہو جانے کے بعد یہ مناسب تھا کہ کم از کم ان کا تذکرہ بیان میں آتا رہتا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی تھی' اس لئے آپ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا' جو دائمی ہو اور خود بے شمار[1] معجزات پر مشتمل ہو- دوسرے معجزات جو آپ سے سرزد ہوئے وہ ان کے مشاہدہ کرنے والوں کی حد تک محدود رہے- ان میں سے کچھ تو منکرین کی فرمائش پر ظاہر ہوئے جیسا ''شق القمر'' اور بہت سے کسی شدید ضرورت میں ظہور پذیر ہوئے گو وہ کتنے ہی عظیم الشان تھے مگر پھر بھی آپ کی نبوت کے ثبوت کا اصل مدار نہ تھے یہ شان تھی تو ایک قرآن کریم کی تھی اب اگر ان سب حسی معجزات کو نظم قرآنی میں لے لیا جاتا تو مستقبل میں خود ان کا وجود باقی نہ رہنے کی وجہ سے پھر ان میں عقلی بحثیں شروع ہو جاتیں اور بدنصیبوں کے لئے ان کے ایمان لانے میں نہ معلوم کتنی بیشمار رکاوٹوں کا باعث بن جاتیں- اس لئے رحمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ ایک بار اُن کا مشاہدہ کرا کے حدیثوں تک ان کو محدود رکھا جائے اور ان سب کو قرآن کی قطعیت کے رتبہ میں نہ پہنچایا جائے' جہاں پہنچ کر چون وچرا کا میدان ختم ہو جاتا ہے- اس کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ ان حدیثی معجزات میں کافر نہیں خود مسلمان آج تک کتنا الجھ رہے ہیں- اگر یہ سب معجزات قرآن کریم میں مذکور ہو جاتے تو بولئے آج ان متشککین مسلمانوں کا حشر کیا ہوتا- اس کے برخلاف قرآن کریم ہے وہ آفتاب آمد دلیل آفتاب بن کر خود صفحۂ عالم پر جگمگا رہا ہے- جس کو دو منکر کفار بھی حیرت زدہ خاموش ہیں- اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اگر یہ فرسودہ کہانیاں ہیں تو جاؤ تم سب مل کر اس کا مثل' اس کی ایک سورۃ کا مثل' بلکہ ایک آیت ہی کا مثل لے آؤ- تاریخ سے پوچھ کر دیکھو دوسرے قسم کے معجزات میں شبہات نکالنے والے یہاں پہنچ کر کیسے مبہوت اور لاجواب کھڑے ہیں- اس معجزہ کے بعد اور کسی معجزہ کے ذکر کی حاجت ہی باقی نہ رہی- فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ-

(٦) چھٹی وجہ جو سب سے بڑی بات ہے وہ یہ ہے کہ ''کلام الٰہی'' دراصل دنیا میں یہ روح پھونک دینا چاہتا ہے کہ اب ''عجائب پرستی'' کا شوق ختم ہو جانا چاہئے- دنیا کی آنکھوں کے سامنے قدرت کے عجیب سے عجیب کرشمے آچکے اب ان کے بجائے ''خدا پرستی'' کا شوق پیدا ہو جانا چاہئے کہ ان عجائبات کے ظہور کا اصل منشا یہی خدا پرستی کا شوق تھا- جب اصل مقصد منظر عام پر آچکا ہے تو اب اسباب و ذرائع کی طرف نظریں کیوں تک رہی ہیں- اگر آپ کی نبوت کے اثبات میں بھی آپ کے تمام معجزات کا ایک ایک کر کے تذکرہ کر دیا جاتا تو بقول ''دیوانہ را ہوئے بس است'' پھر دنیا اپنے اسی قدیم ذوق میں جا پھنستی' اس لئے جب اس قسم کے عجائبات کا تذکرہ آیا تو قصۂ ماضی بن کر آیا اب خدائے تعالیٰ کی ''تازہ وحی'' آنکھوں کے سامنے ہے' جس کی ایک ایک آیت سے اعجوبہ پرستی کے بجائے خدا پرستی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے: ﴿فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ. وَ لَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ (الروم: ١٧-١٨)

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ تنہا قرآن کریم دس ہزار معجزات پر مشتمل ہے- (دیکھو الجواب الصحیح)

www.besturdubooks.net

(۷) آخر میں ساتویں یہ وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ جتنے ''عملی معجزات'' ہیں' ان میں اور سحر میں ہر پہلو سے امتیاز ہونے کے باوجود پھر ذرا سا التباس بھی موجود رہتا ہے' حتیٰ کہ آج تک کتب کلام وغیرہ میں ان کے درمیان کوئی ایسا واضح فرق مذکور نہیں ہے' جس کے بعد مادی طبائع کے لئے بھی کوئی تشنگی باقی نہ رہے' لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے کہ اس میں اور سحر میں کسی قسم کا کوئی التباس ہی نہیں ہے' نہ سلیم طبائع کے لئے نہ مادی طبائع کے لئے یہی وجہ ہے کہ اس معجزہ پر کسی کی زبان نہیں کھل سکی کہ ''یہ بھی ایک سحر اور جادو ہے''- اس کے علاوہ جو اعتراضات اس پر کئے گئے- اس کی جوابدہی کا تکفل خود قرآن کریم نے کرلیا ہے اور اس کے دندان شکن جوابات خود دے دیئے ہیں حتیٰ کہ بقول 'دروغ گو را تا بخانہ بایدر رسانید' یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر یہ ''قدیم افسانوں کا مجموعہ'' ہے تو جاؤ تم بھی ایسے ہی ''من گھڑت افسانے'' بنا کر اس کے مقابلے پر لے آؤ- ان حالات میں اگر دوسری نوع کے عملی معجزات کی قرآن کریم استیعاب کی نیت کرلیتا تو یقیناً ان میں پھر بحث کھڑی ہوجاتی' آخر ضدی مزاجوں نے ''شق القمر کو'' بھی سحر کہہ ہی دیا-

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (القمر:۱)

اس لئے مناسب یہ تھا کہ جو معجزہ خود ہزاروں معجزات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے' اس کو اپنی نوع میں یکتا ہی رہنے دیا جائے اور اس میں دوسری قسم کے معجزات کا بار بار ذکر کر کے آپ کی نبوت میں کسی کے لئے لب کشائی کا موقع ہی باقی نہ رہنے دیا جائے- رہ گئے آپؐ کے دوسرے عملی معجزات تو ان کی طرف سے صرف اس مدافعت کو کافی سمجھا جائے' جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے جواب دہی میں ایک سے زیادہ بار کردی گئی ہے- ان کے علاوہ' اس مہمل سوال کے جو عیسائیوں کی طرف سے بے وجہ دہرایا جاتا ہے' اور جوابات بھی ہوسکتے ہیں' مگر ہم نے یہاں فرصت وقت کے لحاظ سے ان ہی چند جوابات پر کفایت کرنا مناسب سمجھا ہے-

ہمارے نزدیک آپؐ کے دوسرے معجزات کی قرآن کریم میں مذکور نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ حسی تھے اور حسی معجزات کی قرآن کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں اور نہ یہ ہے کہ احادیث کے مستند ذخیروں میں ان کی موجودگی کو کافی سمجھ لیا گیا ہے اور عدم اہتمام کی وجہ سے ان کو اس قابل ہی نہیں سمجھا گیا کہ قرآن کریم میں ان کو جگہ دی جاتی' (والعیاذ باللہ) اور یہ وجہ بھی نہیں کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پاس صرف وہی گنے چنے معجزات تھے- اس کے برخلاف آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اتنے ''متنوع'' تھے کہ ان کے تذکرہ کے وقت ایک ہی معجزہ کو بار بار دہرانے کی حاجت نہ تھی اور نہ یہ وجہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ذاتِ محمدیؐ کی طرف منسوب ہو کر نہیں' بلکہ قدرتِ الٰہیہ کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے- اس لئے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدیؐ سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا-

یہ سب وجوہات معجزہ کی حقیقت تک نارسائی اور ان کی تاریخ سے ناآشنائی کے ثمرات ہیں-

ہم یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حسی معجزات کی قرآن کی نظر میں بڑی اہمیت ہے' بلکہ معجزات کے ذیل میں جب کہیں تذکرہ آتا ہے تو اُن ہی کا آتا ہے لہٰذا پہلی اور دوسری وجہ جو اسی پر مبنی ہے وہ دونوں صحیح نہیں اور یہ فقرہ تو کسی طرح نوکِ قلم پر آنے کے قابل نہیں ہے کہ ''آپ کے دوسرے درخشاں معجزات صفحاتِ قرآنی پر آنے کے قابل ہی نہیں تھے' (والعیاذ باللہ)- آخر یہ

www.besturdubooks.net

معجزات کیا قدرت مطلقہ ہی کے مظاہر نہ تھے؟ تیسری وجہ اس لئے صحیح نہیں کہ وہ اس پر مبنی ہے کہ انبیائے سابقین کے پاس گویا اتنے ہی گنے چنے معجزات تھے' حالانکہ قرآن کریم میں ان کے جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے یہ معجزات صرف وہی ہیں' جو ہر نبی کو خاص خاص عطا ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان کے علاوہ اور کوئی معجزہ کسی نبی سے ظاہر ہی نہیں ہوا' اسی لئے جب آپ آیاتِ قرآنیہ پر نظر فرمائیں گے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ ان میں جو معجزات ایک نبی کے ذکر کئے گئے ہیں وہ دوسرے کسی نبی کے ذکر نہیں کئے گئے۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ یہاں ان کے خاص خاص معجزات ہی کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب اپنے ''خاص معجزہ'' کا تذکرہ فرمایا ہے تو صرف ایک قرآن پاک کا ذکر فرمایا ہے' جیسا کہ صحیح بخاری کی روایات میں صاف موجود ہے۔ کیا اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ آپ کے پاس بھی صرف ایک ہی معجزہ یعنی قرآن کریم ہے۔ پس جس طرح صحیح بخاری کی حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آپ کا خاص معجزہ قرآن کریم ہے' اسی طرح انبیائے سابقین کے معجزات کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ ترجمان السنہ جلد ثالث میں حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت سے یہ گذر چکا ہے کہ ''احیاء موتی'' کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ثابت ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں ان کے معجزات میں اس کا کہیں ذکر نہیں پھر جب حسب بیان حافظ ابن تیمیہؒ ''احیاء موتی'' اولیاء کرام سے بھی کرامت کے طور پر ثابت ہے تو اس اولوالعزم نبی کے متعلق شک وشبہ کرنے کی کس کو گنجائش ہوسکتی ہے۔ اگر تھوڑا سا اس پر غور کرلیا جائے کہ ان خاص خاص معجزات کی عطا کچھ صرف بخت واتفاق کا نتیجہ نہ تھی' بلکہ انبیاء علیہم السلام کے الگ الگ ماحول اور جدا جدا فطری مناسبات کا ثمرہ تھی تو پھر ان کے ان معجزات کے خاص طور پر ذکر کرنے کی ایک لطیف وجہ اور بھی نکل آتی ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ایک طرف ان کی ''درشت مزاج'' قوم اور دوسری طرف ان کی ''شانِ جلالی'' کے کتنے مناسب تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات' ان کے عہد کے ''طبی ارتقاء'' اور ان کی ''شانِ روحانیت'' سے کس قدر ملتے جلتے تھے۔ اس تناسب سے یہ معجزات ان کو عطا ہوئے تھے اور اسی تناسب سے وہ قرآن کریم میں مذکور بھی ہوئے ہیں۔ اگر یہ بات اور پیش نظر رکھیں کہ جب انبیاء علیہم السلام کی کتب وصحف کے صرف خلاصوں ہی پر اکتفا کیا گیا' حالانکہ یہی ان کے سب سے عظیم کمالات تھے تو اب ان کے عام معجزات کے احاطہ واستیعاب کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا صرف ان کے چند گنے چنے معجزات کا تذکرہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ ان کے علاوہ ان کے پاس کچھ اور معجزات نہ تھے' تاریخ انبیاء علیہم السلام سے بڑی غفلت ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کثرت میں سب سے بڑھ کر تھے مگر یہ لکھنا صحیح نہیں کہ ''دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں کثرت ہی نہ تھی اس لئے انؑ کے ایک ہی معجزہ کو بار بار دہرایا گیا ہے''۔ یہ فقرہ بھی حقیقت سے کتنا بعید ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ایک ہی معجزہ کو بار بار دہرایا گیا ہے' حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات خود قرآن کریم نے شمار کرکے نو معجزات بتلائے ہیں' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بھی متعدد انواع شمار کرائی گئی ہیں۔ اگر ان انواع کے الگ الگ وقائع اور افراد شمار کئے جائیں تو خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ان کی تعداد کیا ہوگی ان کثیر التعداد معجزات کو صرف ایک سوال کے جواب کے سیدھا کرنے میں حذف کرکے اس طرح ادا کرجانا گویا دوسرے انبیاء علیہم

www.besturdubooks.net

السلام کے پاس کچھ معجزات ہی نہ تھے' کتنی بڑی خطرناک غلطی ہے' یہی غلطی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں تقلیل ثابت کرنے کی ایک بنیاد بن گئی ہے۔

چوتھی وجہ سب سے زیادہ عجیب ہے کسی نبی کے معجزہ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی یہی تو اعجاز کی اصل روح ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سب معجزات میں ''باذن اللہ'' کی قید لگی ہوئی ہے اور یہی قید ان کے معجزات ہونے کا سب سے واضح ثبوت ہے۔ عجیب بات ہے کہ اگر یہ کھلے ہوئے ''قدرت مطلقہ'' کے افعال (جن سے قوت بشری عاجز ہو) عوام کی نظروں میں بھی دلائل نبوت نہ ہوں تو پھر یہ دلائل ہیں کس کے لئے؟ اہل علم وفہم تو پہلے ہی ان کے متلاشی نہیں ہوتے ان کی نظریں سب سے اول ''اخلاق وتعلیم'' پر جاتی ہیں اب اگر یہ عوام کی نظروں میں بھی دلائل باقی نہ رہیں تو پھر ان کا فائدہ کس طبقہ کے لئے ہوگا؟ اس کے علاوہ یہ بھی تو سوچئے کہ اگر ان کی نظروں میں یہ افعال معجزہ نہ تھے تو پھر وہ ان ہی معجزات کی انبیاء علیہم السلام سے فرمائشیں کیوں کیا کرتے تھے۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ آپ کے معجزات کی نسبت آپ کی ذات ستودہ صفات سے کچھ نہ تھی۔ حضرت مولانا نانوتویؒ ''حجۃ الاسلام'' میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر آپؐ کے معجزات کی برتری ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں پتھر میں سے پانی نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا اور آپؐ کی انگشتانِ مبارک سے پانی نکلنے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدیؐ منبع فیوض الانہار ہے......علی ہذا القیاس کنوئیں میں آپ کے لعاب دہن ڈالنے سے پانی کا زیادہ ہوجانا آپؐ کے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے اور فقط یونہی روٹیوں کا زیادہ ہوجانا......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا...... ہاں یہ مسلم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا ان کے تقرب پر دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے......اسی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور بگڑی ہوئی آنکھ کا اچھا ہوجانا بیماریوں کے یونہی اچھے ہوجانے سے کہیں زیادہ ہے' کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کردیا۔ کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں پائی جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں''۔ (حجۃ الاسلام ص ۴۲ و ۴۳ مختصراً)

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ ذاتِ نبی کی طرف معجزات کی نسبت بھی جتنی آپؐ کے معجزات میں نمایاں تھی اتنی دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں نمایاں نہ تھی۔ اب ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کون سے عوام تھے جو یہ نسبت دیکھ کر ان کو دلائل محمدی شمار کرنے کی طرف مائل نہ ہوتے تھے۔ شاید عوام کے پردہ میں کہیں یہ کچھ خواص ہی نہ ہوں۔

ظہورِ قدسی سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملوک وراہبین میں غائبانہ تعارف

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ وبو دارد کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

آپؐ کی بعثت سے قبل کتب سابقہ میں آپؐ کا تعارف اتنی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہوچکا تھا کہ وہ ''شاہانِ تخت

www.besturdubooks.net

نشین ہوں'' یا ''راہبین گوشہ نشین'' آپؐ کی تشریف آوری کے بعد کسی کے لئے بھی آپ کے انکار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اہل کتاب اس کو چھپانے کی ہزار کوششیں کرتے' مگر چھپا نہ سکتے تھے اسی بنا پر قرآن کریم نے جابجا ان کو قائل کیا ہے اور اس تعارف کے کتمان وتحریف کا مجرم بھی قرار دیا ہے۔ علماء نے اس موضوع پر بھی مستقل تصانیف فرمائی ہیں اور کتب شروح وتفاسیر میں جہاں جہاں اس پر ضمنی بحث آ گئی ہے' اس کا تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے لائق تلمیذ کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے۔ حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سو مقامات سے بھی زیادہ بشارات موجود ہیں' جن کا تھوڑا سا تفصیلی تذکرہ انھوں نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں بھی کیا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو کتب سابقہ کا مطالعہ حاصل نہ ہو وہ حافظ موصوف کی بات کو کب باور کر سکتے ہیں وہ تو اس کو ''مبالغہ'' یا ''خوش عقیدگی'' کہہ کر ٹال دیں گے۔ ہم یہاں صرف صحیح بخاری کی چند حدیثیں اور قرآن کریم کی چند آیات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں' جن سے آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ کتب سابقہ نے آپؐ کے تعارف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا' حتیٰ کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو اس طرح تشریف لائے جیسا کہ پہلے سے ایک ''بڑی متعارف شخصیت'' تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ''ورقہ بن نوفل نے آپؐ کے اور جبریل کے نزول کے حالات سن کر فوراً آپؐ کی رسالت کی شہادت دی اور کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لے کر نازل ہوا تھا''۔ اس کے بعد آپ کی حیاتِ طیبہ کے ایک جزئی واقعہ یعنی ہجرت کا بھی اس طرح ذکر کیا گویا آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کے سامنے ہے اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا ''اے کاش میں بھی اس وقت زندہ ہوتا تو آپ کی جو خدمت مجھ سے بن پڑتی میں بھی اس کو سو جان سے ادا کرتا''۔ ''وطن'' قدرۃً محبوب ہوتا ہے آپؐ سے یہ سن کر رہا نہ گیا اور آپؐ نے بڑے تاثر کے انداز میں اُن سے پوچھا ''او مخرجی ھم'''' کیا میری قوم مجھ کو وطن سے بے وطن کرے گی؟'' اب اندازہ فرمایئے کہ ''نبوت'' اور ''نزولِ ملکی'' کا معاملہ کوئی معمولی بات نہ تھی جس کا فیصلہ صرف ایک مختصر سی سرگذشت پر فوراً کر دیا جاتا' مگر یہاں یہ زبردست نصرانی عالم یہ فیصلہ اس طرح فوراً کر گذرتا ہے' گویا اس کے نزدیک وہ ایک طے شدہ بات تھی اور اس ضمن میں آپ کی زندگی کے ایک ایسے جزئی واقعہ کا بھی ذکر کر جاتا ہے' جو آپ کی فتح ونصرت کا ایک ''نیا باب'' تھا۔

اسی طرح ہرقل وابوسفیان کی گفت وشنید بھی صحیح بخاری میں موجود ہے اس کے حرف حرف سے آپ کو یہ یقین ہوتا چلا جائے گا کہ ہرقل کے علم میں ضرور آپ کی بعثت کا وقت آ چکا تھا اور بڑے اضطراب کے ساتھ وہ آپ کی آمد کا منتظر تھا۔ اسی لئے یہاں وہ آپ کا ''نامہ مبارک'' کھولتا بھی نہیں اور چند تحقیقی سوالات شروع کر دیتا ہے اور کسی بحث وتمحیص کے بغیر وہ بھی اسی فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے وہی رسول ہیں جن کی آمد کا اُس کو انتظار لگ رہا تھا۔ سوال وجواب کے بعد آخر میں وہ تصریح بھی کر دیتا ہے کہ ''کتبِ سابقہ سے مجھ کو آپ کی بعثت کا پورا یقین پہلے سے حاصل تھا''۔ اگر ہو سکتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پہنچتا اور آپ کے مبارک قدم اپنے ہاتھوں سے دھوتا''۔

یہ واقعہ بھی صحیح بخاری میں ابن ناطور کی زبانی منقول ہے کہ شاہ ہرقل ''علم نجوم'' کا بھی ماہر تھا' ایک دن ایسا ہوا کہ وہ بہت سراسیمہ حال اٹھا اور دریافت کرنے پر بڑی پریشانی کے ساتھ اس نے یہ کہا کہ ''جو قوم ختنہ کرتی ہے' ان کا بادشاہ ظاہر ہو گیا''۔

www.besturdubooks.net

ابھی یہ گفت وشنید چل ہی رہی تھی کہ ادھر سے شاہِ غسان کا قاصد بھی آ پہنچا اور اس نے خبر دی کہ ''عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے''- اسی درمیان میں ہرقل نے ایک دوست کو اس کے متعلق لکھا' جو رومیہ میں اسی کی ٹکر کا عالم تھا- اس نے بھی شاہ روم کی رائے سے موافقت کی- اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ علم نجوم رکھنے والے آپ کی بعثت کے اثرات ستاروں میں بھی مشاہدہ کر رہے تھے- یہ بحث یہاں نہیں ہے کہ شرعی طور پر علم نجوم کی حیثیت کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ملوک وراہب ہوں یا کاہن ونجومی وہ آپ کی بعثت سے قبل صرف آپ کی معرفت ہی نہیں' بلکہ آپ کی زندگی کے جزئی جزئی واقعات کی معرفت' حتیٰ کہ آپ کا ''وقتِ بعثت'' اور ''دارالہجرت'' کی معرفت بھی کتنی رکھتے تھے کیا یہ معرفت صرف ''اجمالی'' اور استعارہ وکنایات والی پیشگوئیوں سے حاصل ہو سکتی تھی؟

سلمان فارسیؓ کی سرگذشت کا اجمالی تذکرہ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے- جس کی تفصیل ترجمان السنہ جلد سوم میں آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے وہ کس طرح احبار ورہبان کی مسلسل ہدایات کے تحت مدینہ طیبہ پہنچے اور کس طرح مدینہ طیبہ کو دیکھ کر پہلی نظر میں پہچان گئے کہ یہ مقام وہی ہے جو آپ کا ''دارالہجرت'' ہے- شاہ تبع کا سینکڑوں سال قبل مدینہ طیبہ سے گزرنا اور آپ کی یہاں تشریف آوری کی بشارت دینا' سیرت کے مسلم حقائق میں سے ہے- غرض آپ کی بعثت کے اثرات سے خدا تعالیٰ کی کوئی مخلوق نہ تھی جو متاثر نہ ہو- اگر خدا تعالیٰ کے آسمانوں میں آپ کا ذکر خیر رہتا تھا تو اس کی زمین پر بھی آپ کی آمد کی بشارتوں کا غلغلہ مچا ہوا تھا- آسمانوں پر شیاطین کی بندش سے ''جنات اور کاہنوں'' میں الگ ایک ہل چل پڑی ہوئی تھی- اس کا ثبوت بھی قرآن اور صحیح حدیثوں میں موجود ہے- اس کے علاوہ متفرق طور پر شیاطین کی سراسیمگی اور ان کی گفتگو کا تذکرہ حدیثوں میں مروی ہے- اور درحقیقت ایک ایسے اولوالعزم رسول کے لئے جس کے بعد پھر کوئی اور رسول نہ ہو' ایسے ہی تعارف کی ضرورت بھی تھی- اب ان صحیح حدیثوں کے ساتھ قرآنِ کریم کی آیاتِ قطعیہ بھی ملاحظہ فرمایئے اور ان کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایئے کہ ''کتب سابقہ میں آپ کا تعارف کیا صرف استعارات وکنایات اور اجمالی پیشگوئیوں کی صورت میں ہوگا''؟

قرآن کریم کہتا ہے کہ آپؐ کی ذات اور آپ کی خاص خاص صفات کا تذکرہ تورات وانجیل میں موجود تھا اور اتنی وضاحت کے ساتھ موجود تھا کہ آپؐ کے سوا ان کا مصداق کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا اور یہ تذکرہ بھی اشارۃً نہیں' بلکہ صاف صاف لکھا ہوا موجود تھا' جس کے لئے کسی بڑی فہم ودانائی کی ضرورت بھی نہیں' بلکہ صرف آنکھوں سے ان کا دیکھ لینا ہی کافی ہے اور یہ تمام نوشتے ابھی تک ان کے پاس موجود بھی ہیں- ارشاد ہے:-

(۱) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ. (الاعراف:۱۵۷)

جو ہمارے اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں' جن کی بشارت وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں وہ رسول ان کو اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کام سے ان کو منع کرتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں اور سخت احکام کے بوجھ جو اُن کے سروں پر لدے ہوئے تھے اور پھندے جو اُن پر پڑے ہوئے تھے ان سب کو ان پر سے دور کرتے ہیں-

www.besturdubooks.net

حافظ عمادالدین ابن کثیر اپنی مشہور تصنیف میں اسی آیت کے تحت نقل کرتے ہیں کہ بعض بادشاہوں کے پاس آپ کی تصاویر تک موجود تھیں اور اس روایت کو قابل اعتبار قرار دیتے ہیں' جیسا کہ تفصیلی معجزات کے بیان میں آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

(۲) وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ. (البقرة:۸۹)

اور پہلے تو وہ کافروں کے مقابلہ میں آپ کے وسیلہ سے فتح و کامیابی کی دعائیں مانگا کرتے تھے' لیکن جب ان کے پاس وہ ذات آ گئی جسے دیکھ کر پہچان گئے تو وہ لوگ ان کا انکار کر بیٹھے۔

(۳) اَلَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ. (البقرة:۱٤٦'الانعام:۲۰)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' اسی طرح ہمارے ان پیغمبر کو بھی پہچانتے ہیں۔

دنیا میں باپ اور بیٹے کی معرفت سے زیادہ کوئی اور رابطۂ معرفت نہیں ہوتا' پھر جبکہ قرآن کریم نے اس آخری رابطۂ معرفت کو استعمال کیا ہو تو اس کو ''استعارہ'' اور ''مجاز'' کیسے کہا جا سکتا ہے۔

(۴) وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (الصف:٦)

اور میں ایک پیغمبر کی خوشخبری دے رہا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا اسم مبارک ''احمد'' ہوگا۔

آیت سورۃ الصف سے معلوم ہوا کہ آپ کی بشارت آپ کی خاص خاص صفات کے علاوہ آپ کے نام کے ساتھ بھی دے دی گئی تھی اور اسی تنبیہ کے لئے یہاں ''اسمه'' کے لفظ کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔

تنبیہ ✱ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت میں آپؐ کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلائی گئی ہے' لہٰذا ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی بعثت کے درمیان کوئی اور رسول نہ ہوتا کہ ''بعدیت'' کا لفظ صادق آ جائے یہی وجہ ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کی بشارت کے ساتھ یہ بھی تنبیہ کی گئی تھی کہ اس رسول کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور رسول نہ ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ صحیح حدیث میں بھی انا اولی الناس بعیسی ابن مریم لیس بینی و بینه نبی کا لفظ آیا ہے اس نکتہ کو اہمیت سے سمجھ لیجئے اس طرف کم اذہان ہیں' جو متوجہ ہوئے ہوں۔ (ملاحظہ فرمائیے ترجمان السنہ ج ۳ ص ۱٦٦ حدیث نمبر ۱۹۷)۔ اس میں مغیرہ بن شعبہؓ ایک بڑے پادری کے بیان میں آپ کے اسم مبارک احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی صفات اور آپ کی امت کی صفاتِ خاصہ کے ساتھ یہ بھی نقل کرتے ہیں ''اُن کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے''۔ اس پادری کے بیان کی تصدیق آج آپ کے سامنے اس نص قرآنی میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ کو حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کی ''انا اولی الناس بعیسی بن مریم لیس بینی و بینه نبی ''اہمیت محسوس ہوگئی ہوگی' جس میں آپؐ نے بھی یہی تنبیہ فرمائی ہے کہ میرے اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ ہمیشہ اس نفی کی اہمیت دل میں کھٹکتی ہی رہی' کیونکہ دو رسولوں کے درمیان کسی نبی کے ہونے نہ ہونے کی بحث چنداں قابل اہتمام معلوم نہ ہوتی تھی' مگر جب آیت بالا پر نظر گئی تو اب یہ واضح ہو گیا کہ جو رسول بشارتِ عیسوی کا مصداق ہو اس کے لئے یہ اعلان کرنا کتنا ضروری تھا۔ یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام

www.besturdubooks.net

نے اپنی بشارت میں ''میرے بعد'' کا لفظ فرمایا تھا تو آپ کا یہ اعلان کرنا بھی بہت ضروری تھا کہ ''ان کے بعد میں آنے والا رسول میں ہی ہوں'' - وللہ الحمد - پھر جب مغیرہ ابن شعبہ کی حدیثوں میں پادریوں کے بیان میں بھی اس کا تذکرہ دیکھا تو اس کی ''اہمیت اور بڑھ گئی اب جس رسول کے متعلق اتنی اتنی سی بات مذکور ہو اس کے دوسرے حالات کے تذکرہ کو آپ خود ہی قیاس فرمالیں کہ کیا وہ ''استعارات اور مجاز'' کے رنگ میں ہی ہوگا - فیا للعجب ولضیعۃ الادب -

خلاصہ یہ کہ آیاتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات وانجیل میں آپ ؐ کی ذات آپ کا نام مبارک اور آپ کے خاص خاص صفات کا نقشہ اتنا مکمل کھینچ دیا گیا تھا کہ اہل کتاب اگر آپ کی صورت دیکھنا چاہیں تو ان کے آئینہ میں صاف صاف دیکھ سکتے تھے - اتنی صاف کہ آپ کی معرفت کو اگر بیٹوں کی معرفت سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے - شاید قرآنی لفظ ''یجدونہ مکتوبا'' میں بھی اس طرف کچھ اشارہ نکلتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے نصرانی بادشاہوں کے پاس آپ ؐ کی تصویر موجود ہونے کی روایت اسی آیت کی تفسیر میں نقل فرمائی ہے اور اس پر معتبر ہونے کا حکم بھی نقل کیا ہے - تفاسیر میں منقول ہے کہ ''جب کسی نصرانی سے مسلمان ہونے کے بعد یہ سوال کیا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تم کو فی الواقع اولاد کی سی ہی معرفت حاصل تھی'' تو انھوں نے جواب دیا'' بلکہ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر - کیونکہ اپنی اولاد کا یقین تو ہم کو صرف ایک عورت یعنی اس کی والدہ کے بیان پر ہوتا ہے' جس کی دیانت اور صداقت میں شبہ کی گنجائش نکل سکتی ہے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو ہم کو ان ''صحف سماویہ'' کے ذریعہ سے حاصل تھی' جس میں شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی -

آپ کے اسی سابق تعارف کی بنا پر کتب سیر وتاریخ سے ''اہل کتاب کا آپ کا منتظر رہنا' بلکہ معین وقت پر تلاش کے لئے نکل کھڑا ہونا'' بھی ثابت ہے اور آپ کے اسی تعارف کی وجہ سے ظہور قدسی سے قبل اہل کتاب میں بڑی گرما گرمی سے آپ کا چرچا تھا' بلکہ ایک دوسرے سے مقابلے کے وقت آپ کے ساتھ مل کر دوسروں کی جنگ کی دھمکیاں دینا بھی ثابت ہے - اگر یہ تعارف غیر معمولی اور اتنا عام نہ تھا تو تمام مدینہ ہمہ وقت آپ کے ظہور کے انتظار میں آسمان کی طرف نظریں لگائے کیوں بیٹھا تھا؟

ہم یہاں صحیحین کی ان احادیث اور آیات قرآنیہ کا پورا استیعاب کرنا باعث تطویل سمجھتے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے سامنے آپ کے تعارف کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا تھا' بلکہ ان ہی چند احادیث اور آیات کی روشنی میں یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ ان حالات میں کیا یہ لکھنا ممکن ہے کہ ''کتب سابقہ میں آپ ؐ کا تعارف صرف مجمل اور استعارات وکنایات کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے؟'' پھر یہاں یہ لکھ ڈالنا کتنا تعجب انگیز اور بعید از حقیقت ہے کہ

> ''اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن' تاریخ' سال' وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا' چنانچہ ولادت نبویؐ سے قبل علماء یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط وخال معلوم تھا' بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں' جن میں آپ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھا کرتے تھے' بلکہ بعض دیروں میں تو آپ کی تصویر تک موجود تھی - تورات وانجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں' لیکن وہ

www.besturdubooks.net

استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں- ان کو ضعیف اور موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ کے نام و مقام کی تخصیص و تعین کے ساتھ پھیلایا گیا ہے-''

وہ روایات جن سے آپ کی تصاویر کا ملوک و راہبین کے پاس ہونا ثابت ہوتا ہے' آئندہ آپ کے سامنے آنے والی ہیں اور محدثین نے جو حکم ان پر لگایا ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گزرنے والا ہے- اس کے بعد یہ فیصلہ آپ خود فرما سکتے ہیں کہ ان روایات کو کیا صرف دروغ گو راویوں کی وسعت کا نتیجہ کہہ دینا آسان ہے؟

شاید یہاں آپ کے ظہور سے قبل آپ کی تصاویر میں یہ شبہ کھٹکے کہ جب ابھی تک آپ عالم وجود میں تشریف فرما ہی نہ ہوئے تھے تو پھر یہ آپ کی تصاویر کیسی؟ پھر یہ کہنا تو اور زیادہ مشکل ہوگا کہ یہ تصاویر ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس تھیں' گویا ایک طرح سے وہ بھی آسمانی تحائف میں داخل تھیں- آل موسیٰ کے تحائف تو تابوتِ سکینہ میں محفوظ رہ سکتے ہوں جس کو خدائی فرشتے لئے پھرتے ہوں-

و بقیۃ مما ترک ال موسیٰ

پھر کیا تعجب تھا اگر یہ تصاویر بھی پہلے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں میں ساوی طور سے موجود ہوں' لیکن جب فن تصویر کشی کا کمال یہ ہو کہ کسی شخص کا حلیہ غائبانہ کھینچ دیا جائے بلکہ تخیل کا مصور کرنا تو آج بھی موجود ہے تو پھر ہمارے انکار کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی- اگر اسانید کے ساتھ ان تصاویر کا ثبوت ملتا ہے تو کم از کم تاریخی درجہ میں اس کو تسلیم کر لینے میں کوئی کلام نہ ہونا چاہیے-

تواترِ معجزات

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ خیال محض غلط ہے کہ حدیثوں میں جتنے معجزات مذکور ہیں وہ سب کے سب ظنی ہی ہیں' بلکہ بہت سے معجزات ایسے بھی ہیں' جو تواتر سے ثابت ہیں- ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بعض معجزات کا تواتر تو عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہے اور بعض کا تواتر صرف خاص افراد ہی کو معلوم ہے- مثلاً آپ کے انگشتانِ مبارک سے پانی کا جاری ہونا' یا تھوڑا سا کھانا بڑی بڑی جماعتوں کے لئے کافی ہو جانا یا ایک کھجور کے درخت کا جس کو ''حنانہ'' کہتے ہیں' آپ کے فراق میں گریہ وزاری کرنا اس قسم کے معجزات اعلیٰ درجہ کے تواتر سے ثابت ہیں- اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزات بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے ظاہر ہوئے جن کی تعداد بالاتفاق اتنی عظیم الشان تھی کہ یہ تعداد دوسرے متواتر امور کے لئے جمع نہیں ہو سکی یا مثلاً حدیبیہ کے کنویں کا پانی جب خشک ہو گیا اور ایک قطرہ بھی اس میں باقی نہ رہا تو صحابہؓ کے صورتِ حال عرض کرنے پر آپ نے اپنے وضو کا پانی کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا- اس کے بعد فوراً پانی میں وہ کثرت نمایاں ہوئی کہ ڈیڑھ ہزار کا لشکر اس سے بخوبی سیراب ہو گیا- اسی طرح کا واقعہ غزوہ ذات الرقاع' غزوۂ تبوک' اور خیبر سے واپسی میں بھی پیش آیا ہے- جن میں لشکر کی تعداد ہزاروں تک تھی ان مواقع پر چونکہ صحابہ کی بڑی تعداد ایک ہی جگہ جمع تھی' اس لئے بیک وقت اس کے مشاہدہ کرنے والے اور نقل کرنے والے اس کثرت کے ساتھ موجود تھے کہ دوسرے متواترات کے لئے نہیں ہو سکے- اس قسم کے تواتر کو تواتر عام کہتے ہیں-

www.besturdubooks.net

تواتر کی دوسری قسم -تواتر خاص ہے- اس کا علم ہر شخص کے لئے ضروری نہیں' مثلاً انبیاء علیہم السلام کا وجود- جو جماعت ان کی قائل ہی نہیں ہے اس کو ان کے اسمائے مبارکہ کی بھی کوئی اطلاع نہیں ہے جیسا کہ بہت سے مسلمانوں کو جو تاریخی معلومات نہیں رکھتے وہ اپنے بہت سے خلفاء اور ملوک کے ناموں سے بھی آشنا نہیں اور نہ اُن کو ان مشہور معرکوں کی خبر ہے جو خود مسلمانوں میں گزر چکے ہیں' مثلاً جنگ یرموک' واقعہ حرہ' فتنہ ابن المہلب' فتنہ ابن الاشعث وغیرہ حالانکہ اصحاب تاریخ کی نظروں میں یہ سب واقعات تواتر سے ثابت ہیں''- خلاصہ یہ کہ بعض خبریں جو غیر اصحاب فن کے نزدیک خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں وہ خود اصحاب فن کے نزدیک متواتر ہوتی ہیں- مذہبی دنیا کے لحاظ سے اگر دیکھئے تو بہت سے علماء کو ان واقعات کی کوئی خبر تک نہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تواتر سے ثابت ہو چکے ہیں- اسی طرح اہل فن کو لے لیجئے تو اس فن کے کارنامے اس فن والوں کے نزدیک آپ کو تواتر سے ثابت ملیں گے' حالانکہ دوسرے لوگوں کے کان بھی ان سے آشنا نہ ہوں گے- دیکھئے اطباء میں جالینوس' بقراط' محمد بن زکریا وغیرہ' فن ہیئت میں بطلیموس' ثابت بن قرہ اور ابوالحسین صوفی' اہل نحو میں سیبویہ' اخفش' مبرد' زجاج' فراء و کسائی' اہل تجوید میں ابوعمرو' ابن کثیر' حمزہ' کسائی' ابن عامر' یعقوب' اسحاق' خلف بن ہشام اور ابوجعفر اور اسی طرح جملہ فنون میں جو جو اس کے ماہرین گزرے ہیں ان کے جو جو کارنامے خود ان فن والوں کے نزدیک ثابت ہیں' دوسرے اصحاب فن بسا اوقات ان کو مبالغہ آمیز داستانیں تصور کر سکتے ہیں- اس کا باعث ان واقعات کا خفا اور عدم ثبوت نہیں بلکہ اپنی اپنی توجہ اور التفات کا فرق ہے جس کی توجہ ان خبروں کی طرف ہوگئی اس کو ان کے ''تواتر'' کا علم ہوگیا اور جس نے اس طرف توجہ نہ کی اور اپنی اسی لاعلمی کے عالم میں پڑا رہا اور اگر زیادہ جسارت پر اترا تو ان کا مضحکہ بھی اڑانے لگا-

اس موقعہ پر یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ بعض باتیں عوام کی محض خوش عقیدگی کی بنا پر بھی مشہور ہو جاتی ہیں' مگر خود ان کے مشاہدہ کرنے والوں میں ان کی کوئی شہرت ثابت نہیں ہوتی تو اس قسم کی شہرت اور تواتر ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوسکتا- بالخصوص جبکہ اس کے برعکس تواتر ثابت ہو مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کے علاوہ کوئی اور حج بھی کیا تھا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ آپ کے مشاہدہ کرنے والوں میں ایک شخص بھی اس کا راوی نہیں ملتا- دوم جو اس فن کے ماہرین ہیں ان کے نزدیک اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا' بلکہ اس کے برعکس ثبوت ملتا ہے- اس قسم کی جتنی خبریں ہیں وہ جاہلوں کے نزدیک اگرچہ کتنی بھی مشہور ہوں' مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوسکتا-

تواتر کی تیسری قسم تواتر معنوی ہے' یعنی اگر واقعات پر علیحدہ علیحدہ نظر کی جائے تو ان کو تواتر کا رتبہ حاصل نہ ہو' لیکن کسی ایک مشترک بات پر یہ سب واقعات متفق ہوں' جیسا خالد بن ولیدؓ اور عنترہ کی ''شجاعت'' کی داستانیں یا حاتم و معن بن زائدہ کی ''سخاوت'' کی حکایات یا امرالقیس' نابغہ اور غالب و ذوق و داغ کے ''اشعار'' یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور نوشیرواں کا عدل و انصاف' ان سب کے واقعات اگرچہ علیحدہ علیحدہ تواتر سے ثابت نہ ہوں' مگر ان کے مجموعہ پر نظر کرنے سے ان کی اپنی اپنی صفات میں باکمال ہونا اس درجہ متواتر ہے کہ آج عوام میں بھی یہ شخصیتیں ان صفات میں ضرب المثل ہیں اگر آپ یہاں اسنادی تواتر کا مطالبہ کریں تو اس کا ثبوت مشکل ہے-

www.besturdubooks.net

تواتر کی چوتھی قسم یہ ہے کہ کوئی واقعہ کسی بڑے مجمع کے سامنے پیش آئے پھر وہ اس کو دوسروں کے سامنے بیان کرے اور اسی طرح ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے بیان کرتا چلا آئے' جس میں کسی سازشی روایت کا احتمال بھی پیدا نہ ہو سکے اور کسی سے اس کا انکار بھی منقول نہ ہو تو اس کو بھی ''متواتر'' کہا جائے گا اور یہ بھی اس کی صحت و صداقت کا بدیہی ثبوت ہوگا اس تواتر کا نام ''استفاضہ'' ہے۔ قرآن کریم اور شریعت مطہرہ کا ایک بڑا حصہ بطریق استفاضہ بھی ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور اس کے بعد عہدِ صحابہ میں قرآن کریم اور شریعت کا بہت بڑا حصہ پڑھنے پڑھانے والوں کے اور عمل کرنے والوں کے سامنے آتا رہا اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ کی ''روایات'' اور ''عمل'' کو کسی انکار کے بغیر تسلیم کرتا رہا پس یہ صورت بھی یقین کرنے کے لئے کافی ہے یہاں بھی اگر آپ اس حصہ کی روایت کے لئے علیحدہ علیحدہ شہادت طلب کریں تو اگرچہ وہ متواتر نہ ہوگی' لیکن طبقہ بطبقہ روایت کے لحاظ سے متواتر کہلائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس معجزات کا ثبوت تو اس درجہ متواتر ہے کہ اس میں مسلمان و کافر کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے۔ آپؐ کے عہد مبارک میں کافروں کی ایک اچھی مردم شماری ایسی ملتی ہے جو صرف آپ کے معجزات ہی کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی' اگرچہ فہیم اور سمجھ دار طبقہ آپ کی اخلاقی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہوا' جیسا کہ بادشاہوں اور عمائد کفار کی تاریخ سے ثابت ہے۔ لیکن جن طبیعتوں میں اس باریک بینی کی استعداد نہ تھی وہ پہلے صرف ان ''خوارق'' ہی سے متاثر ہوئیں اور اگر وہ اسلام میں داخل نہ ہوئیں تو کم از کم ان کی قائل ضرور ہو گئیں' آج بھی جو مخالفین اسلام منصف ہیں اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ رکھتے ہیں وہ آپؐ کے ''خوارق'' کے قائل نظر آتے ہیں اگرچہ ان معجزات کے اس وقت سامنے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور ان کو اپنے دائرہ فہم میں لانے کی سعی کر رہے ہوں۔

اب رہ گئے آپ کے خاص خاص معجزات تو ان میں بھی ایک بڑا حصہ وہ ہے جو تواتر کے ان چاروں طریقوں سے ثابت ہے اور ان میں سے ایسا معجزہ تو بہت ہی کم ہے' جس کو شہرت کا کوئی نہ کوئی درجہ حاصل نہ ہو۔

اس کے بالمقابل جب آپ دوسری قوموں کے نقل کردہ ''عجائبات'' بلکہ اہل کتاب کے اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ''معجزات'' کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے موازنہ فرمائیں گے تو بشرطِ انصاف آپ کو یہ روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہر اعتبار سے اور ہر میزان میں ان سب سے زیادہ درخشاں اور وزنی ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ دنیا کے ملوک و سلاطین کے واقعات کا یقین جن جن طریقوں سے حاصل ہوا ہے آپ کے معجزات کا ثبوت ان سب سے زیادہ محکم اور واضح طریقوں سے موجود ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان پر غور و خوض کی نظر ہی نہ ڈالی جائے۔

(دیکھو الجواب الصحیح از ج ۴ ص ۲۲۴ تا جلد ۴ ص ۲۴۹)

❀❀❀

www.besturdubooks.net

تعدادِ معجزات

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ ‏ ‏ ‏ ‏ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

حق یہ ہے کہ چشم بینا کے لئے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات از سرتا پا ''آیتِ نبوت'' اور معجزہ ہی معجزہ تھی، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ عوام کی نظریں آپ کی زندگی کے صرف چند غیر معمولی واقعات ہی کا نام ''معجزہ'' رکھنا چاہتی ہیں۔ بے شبہ آپ کے علمی کمالات واخلاق اور آپ کے دیگر معجزانہ خصائل وشمائل کے مقابلے میں دوسرے قسم کے معجزات وہ نسبت بھی نہیں رکھتے، جو ایک قطرہ دریا کے سامنے رکھتا ہے، مگر جب اس قطرہ کو علیحدہ اٹھا کر دیکھا جاتا تو وہ بھی ایک بحر بیکراں نظر آتا ہے۔ سچ کہا ہے حافظ ابن تیمیہ[1] نے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح عالم میں اپنی ربوبیت کی معرفت کے لئے فرش سے لے کر عرش تک آیات ونشانیاں پھیلائی ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے لئے بھی آیاتِ نبوت عالم کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دی ہیں۔ جن کو اگر کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کرسکتا''۔ (دیکھو الجواب الصحیح ج ٤ ص ٢٤٨)

بیشک جس عہد میمون کے عام برکات یہ ہوں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان ہو کہ ''ہم کھانا کھاتے تھے اور اپنے کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے'' اُس زمانے کے معجزات اور آیات کا بھلا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مگر اس کی مثال ٹھیک ایسی سمجھیے جیسی سمندر کی متلاطم موجوں کی کہ ان کا اندازہ وہ شخص نہیں لگا سکتا، جو خود ان موجوں میں پڑا اچھل رہا ہو۔ ان کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر دور سے ان کا تماشہ دیکھے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا حال تھا وہ جس عہد مبارک میں تھے، اس میں آیات ومعجزات کا بحر ذخار موجیں مار رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک جو ان تمام معجزات وبرکات کا سرچشمہ تھی وہ خود ہمہ وقت ان کے مشاہدہ میں جلوہ گر تھی۔ ان حالات میں ان کی توجہ کسی دوسری طرف کیسے منعطف ہوسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ معجزات کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، عبادات اور اشراطِ ساعت وغیرہ کے ابواب میں ضمنی طور پر ذکر میں آجاتا ہے اس کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ وہ بھی ہے، جو کسی معمولی واقعہ کے ضمن میں اتفاقی طور پر کسی کی زبان پر آ گیا ہے جیسا دو صحابیوں کا آپ کی مبارک محفل سے ایک تاریک شب میں نکلنا اور راستہ میں ان کے عصا کا روشن ہو کر ان کے لئے مشعلِ راہ بن جانا۔ یہ اور تسبیح طعام جیسے واقعات صحیح بخاری میں موجود ہیں، پھر تسبیح طعام کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان صرف ایک اپنے گھر کا نہیں ہے، بلکہ اس انداز میں ہے گویا اس وقت یہ ایک عام بات تھی۔ اس کے باوجود ان واقعات کا اور اس قسم کے دوسرے واقعات کا کوئی چرچا صحابہ کے درمیان عام طور پر آپ کو نہیں ملے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے ثبوت اور معجزہ ہونے میں کوئی ضعف تھا، بلکہ اصل بات یہی تھی کہ اس وقت اُن کی تمام تر توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپ کے لائے ہوئے دین کے جمع کرنے کی طرف رہا کرتی تھی اس لئے اُن کی حیات میں معجزات کا موضوع ایک

---

[1] فان تعداد دلائل النبوۃ مما لا یمکن لبشر الاحاطۃ بہ اذکان الایمان واجبا علی کل احد فبین اللہ لکل قوم لکل شخص من الایات والبراھین ما لا یبین لقوم اخرین کما ان دلائل الربوبیۃ و ایاتھا اعظم و اکثر من کل دلیل الخ (الجواب الصحیح ج ٤ ص ٢٤٨)

www.besturdubooks.net

مستقل موضوع بنتا تو کیسے بنتا- یوں بھی دنیا کا طریقہ ہے کہ دنیا کی کسی عظیم شخصیت کے فضائل وکمالات کا باب ہمیشہ اس کی وفات کے بعد ہی مرتب ہوا کرتا ہے' پھر یہاں ایک بڑا حصہ تو وہ ہے جو جرح وتعدیل کی زد میں آ کر ساقط ہو چکا ہے اور بقیہ ایک حصہ وہ بھی ہوگا' جو ہم تک پہنچ ہی نہیں سکا اُس کا اندازہ ہی کیا لگایا جا سکتا ہے- ان حالات میں جو معجزات قید روایت میں آ چکے ہیں' ان کو ایک بحر بیکراں کے چند قطرات ہی سمجھنا چاہیے-

اب رہ گئیں وہ آیات و براہین جو قید وضبط میں حد ثبوت کو پہنچ چکی ہیں تو ان کی تعداد حافظ ابن حجرؒ[1] نے ایک ہزار سے تین ہزار تک لکھی ہے- (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶) یہ تعداد کچھ اتنی بڑی تو نہ تھی کہ اس کی ''نسبت'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم القدر رسول کی طرف ''مبالغہ آمیز'' سمجھی جاتی- اگر ایک ہزار کا عدد آپؐ کے عہد نبوت ہی پر پھیلایا جائے تو ہفتہ میں صرف ایک معجزہ اور اگر پوری عمر پر پھیلایا جائے تو ایک ماہ میں تقریباً ایک معجزہ کا اوسط آتا ہے اور اگر اس میں آپ کی ولادت سے قبل کے عجائبات بھی شامل کر لئے جائیں تو یہ اوسط بھی مشکل سے آئے گا- لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ذوق نہ رکھنے والے اصحاب پر یہ عدد بھی گراں ہے- وہ چاہتے ہیں کہ آپؐ کے معجزات میں صرف آپ کے ''اخلاق وشمائل'' ہی کا ایک باب نظر آئے اور دوسرے عجائبات جو ہر نبی کی زندگی میں ثابت ہوتے ہیں وہ یہاں سے قلم زد کر دیئے جائیں ورنہ کم از کم ان کو پھیکا ضرور کر دیا جائے' انا للہ-

درحقیقت ''اصحاب دلائل'' نے آپ کے معجزات کی یہ تعداد صرف تکثیر معجزات کے شوق میں جمع نہیں کی بلکہ اس لئے جمع کی ہے کہ وہ حقیقتاً تھی ہی بہت بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو انھوں نے یہاں برعکس اور تقلیل کی سعی کی ہے اگر وہ صرف عام شہرت پر اکتفا کر لیتے اور ''اسانید'' کی قید وبند اٹھا دیتے تو یہ باب آپ کو اس سے کئی حصے زیادہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے' مگر افسوس ہے کہ آج مذکورہ بالا عدد بھی ہماری نظروں میں کھٹکتا ہے اور ''خرق عادت'' کا ہوا سر پر اس طرح سوار ہے کہ مستند سے مستند معجزات میں بھی ہمارا قلم کتر بیونت کی مقراض لگائے بغیر نہیں رکتا- ممکن ہے کہ کسی کے دماغ پر یہاں وزن اس کا بھی ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا عدد قرآن پاک میں صرف نو ہی بتایا گیا ہے اس لئے ہمارے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا جو عدد لکھا ہے وہ صرف آپ کی ''خوش عقیدگی'' ہوگی' حالانکہ سرے سے ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ مذکورہ بالا عدد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ''مجموعہ معجزات'' کا عدد ہے' بلکہ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ عدد صرف ان خاص معجزات کا ہے جو خاص طور پر ان کو عطا ہوئے تھے- اس کے علاوہ جو دیگر معجزات ان سے ظاہر ہوئے ہیں' ان تمام کا عدد نہیں ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ جو خاص طور پر آپ کو مرحمت ہوا وہ صرف ایک قرآن پاک ہے اور اسی لئے صحیح بخاری کی حدیث میں آپ نے اسی ایک معجزہ کو ذکر فرمایا ہے-

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے عدد سے ''گھبرانے'' سے قبل اگر یہاں محدثین کی ''اصطلاح'' کا تھوڑا سا لحاظ کر لیا جائے تو شاید اس گھبراہٹ میں کچھ تخفیف ہو سکتی ہے- اصل اصطلاح کے لحاظ سے معجزہ صرف ان خارق عادت امور کا نام

---

[1] و ذكر النووى فى شرح مسلم ان معجزاته صلى الله عليه وسلم تزيد على الف و مائتين و قال البيهقى فى المدخل بلغت الفا قال الزاهدى من الحنفيه ظهر على يديه الف معجزة و قيل ثلاثة الاف و قد اعتنى بجمعها جماعة من الائمة كابى نعيم والبيهقى-

www.besturdubooks.net

ہے جو کسی نبی و رسول کے ہاتھ پر اس کے دعوئے نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوں جو خوارق اس کے دعوئے نبوت سے قبل ظاہر ہوں' اصل اصطلاح میں وہ معجزہ نہیں ''ارہاص'' کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر آپ کے دیگر عام فضائل و کمالات پر بھی معجزہ کا اطلاق کر دیا گیا ہے اور ان علمی ''توسعات'' کی بنا پر معجزات کا باب اور زیادہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ تمام ''توسعات'' کتب دلائل کے ادنیٰ ملاحظہ سے واضح ہو سکتے ہیں' بلکہ اس کے بعد بہت سے وہ اعتراضات جو صرف اس نکتہ کے فروگذاشت کرنے سے پیدا ہو گئے ہیں' دفع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کے فضائل کے بہت سے وہ واقعات جو معجزہ کے صرف اپنے دماغی معیار پر نہ اترنے سے پیدا ہو گئے ہیں اور اس لئے ان کو دنیوی معمولی واقعات کی فہرست میں داخل کر دیا گیا ہے۔ وہ سب دفع ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہاں جو مذکورہ بالا ''توسع'' حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے' اگر اس کا بھی لحاظ کر لیا جائے تو پھر معجزات کا نقشہ کچھ اور ہی بدل جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ تکثیر معجزات کے شوق میں صرف ''متساہل مزاج'' محدثین مبتلا نہیں ہیں' بلکہ ''متشدد'' سے متشدد مزاج بھی اس میں گرفتار ہیں۔ حافظ موصوف لکھتے ہیں:۔

ایات النبوة و براهينها تكون فى حيات الرسول و قبل مولده و بعد مماته لا تختص بحياته فضلاً عن ان تختص بحال دعوى نبوته او حال التحدى كما ظنه بعض اهل الكلام. (الجواب الصحيح ج ٤ ص ٢٤٩)

آیاتِ نبوت کا ظہور صرف رسول کی زندگی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے چہ جائے کہ اس کے دعوئے نبوت کے ساتھ خاص ہو یا ''تحدی'' اور مقابلے کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ بعض علمائے کلام کا گمان ہے' بلکہ آیاتِ نبوت اس کی زندگی میں' بلکہ اس کی ولادت سے قبل اور وفات کے بعد بھی ظاہر ہوتی ہیں۔

دوسری جگہ اور وسعت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

و محمد صلى الله عليه وسلم جعلت له الايات البينات قبل مبعثه و حين مبعثه و فى حياته و بعد موته الى يوم القيامة. (الجواب الصحيح ج ٤ ص ٢٦٤)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخشاں علاماتِ صداقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعثت کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی' بلکہ وفات کے بعد قیامت تک جاری ہیں۔

اب اندازہ فرمائیے کہ اگر آیاتِ نبوت میں آپؐ کے وہ معجزات بھی شمار کر لئے جائیں جو تا قیامت ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہیں گے تو پھر آپؐ کے معجزات کا عدد کیا ہوگا۔ عجیب بات ہے کہ یہاں شق صدر کو معجزات کی فہرست میں شمار کرنے سے کسی کا قلم بھی نہیں رکا۔ حالانکہ یہ واقعہ ایک بار آپؐ کے دورِ طفولیت میں بھی پیش آیا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کو سب ہی نے معجزانہ ولادت میں شمار کیا ہے' حالانکہ وہ بھی ولادت سے قبل کا واقعہ ہے۔ پھر اگر یہ کوئی معجزہ ہے تو حق جل شانہ کی قدرت کا معجزنما نمونہ ہے۔ یہاں ضرورت کیا تھی کہ اس کی تاویلات پر خامہ فرسائی کی جاتی؟ جس خدا نے کسی تاویل کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کی دونوں صنفوں کے بغیر صرف حرف ﴿كُنْ﴾ سے پیدا فرما دیا تھا' اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک صنف سے پیدا فرما دیا۔ اس کے باوجود اس کو ان عام معجزات کی فہرست میں شمار کرنا جو انبیاء علیہم السلام سے بظاہر خود

www.besturdubooks.net

صادر ہوئے ہیں - کیا یہ اسی توسع پر مبنی نہیں جو حافظ موصوف نے سطور بالا میں تحریر فرمایا ہے؟ اسی طرح آپ کی مختون پیدائش کا شمار بھی ایک نادر خصوصیت کے ذیل میں آ گیا ہے - بشرطیکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ آپؐ سے قبل بھی ایسی ولادتیں ہوتی رہی ہیں - رہی آپ کے بعد مختون ولادت تو بعد کے دور میں اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر آج بھی ایسے مولود کا لقب عام و خاص عرف میں ''رسولیہ ولادت'' مشہور ہے - اس ولادت کو آپؐ کے اسم مبارک پر قیاس کرنے کی گنجائش ہے - علماء نے لکھا ہے کہ آپ سے قبل عرب میں محمدؐ نام کسی نے نہیں رکھا تھا، پھر جب آپ کے ظہور کا زمانہ قریب آتا گیا تو چند لوگوں نے اس تمنا میں کہ اس نام کا مبارک اور اولوالعزم مولود ہمارے گھر میں پیدا ہو، اپنے بچوں کا یہ نام رکھنا شروع کر دیا تھا - حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق دنیا میں سب سے پہلا نام ہونے کی شہادت تو خود قرآن پاک نے دی ہے - ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ (مریم: ۷)

اس قسم کے معجزات میں قلم کی شدت دکھانے سے کسی خاص حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا اور اگر اس کو عشق نبوت کا اثر بھی کہا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے اس کو عیب بھی نہیں سمجھا جا سکتا - اگر جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ صحابی نے (عشق نبویؐ میں ڈوب کر) حسب روایت ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چودھویں رات کے چاند سے زیادہ حسین کہہ دیا تو کسی نے ان کی تکذیب نہیں کی، بلکہ لاکھوں نہیں بے شمار قلوب کو ان پر ''غبطہ'' ہے کہ کاش عشق نبویؐ کی اس تڑپ کا کوئی ذرہ ان کو بھی نصیب ہو جاتا - عالم میں محبت اور حقیقت کے بازار گو الگ الگ ہیں، مگر کوئی میدان ایسا بھی ہے جہاں یہ دونوں دریا ایک جگہ جا کر مل جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ہی حقیقت کا کچھ سراغ لگتا ہے اور جو اس حقیقت کا پیاسا ہو اس کو محبت کی موجوں میں کھیلنا ہی پڑتا ہے: ومن لم یذق لم یدر.

ذوقِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علما کی ایک جماعت اس کے در پے ہوئی ہے کہ جتنے آپؐ کے معجزات قرآن کریم سے مستفاد ہو سکتے ہیں تلاش کر کے ان کا صحیح عدد لکھے تو انھوں نے ان کی تعداد دس ہزار سے متجاوز بیان کی ہے جیسا کہ اپنے محل میں اس کی تفصیل موجود ہے:-

فان الایات المستفادۃ بالقرآن قد تجردلها طوائف من المسلمین ذکرو امن انواعها و صفاتها ماهو مبسوط فی غیر هذا الموضع حتی بینوا ان مافی القرآن من الایات یزید علی عشرۃ الاف من الایات. (الجواب الصحیح ج۴/ ۲۴۸)

وہ نشانیاں اور معجزات جو قرآن کریم سے مستفاد ہو سکتے ہیں، مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کو علیحدہ کیا ہے اور ان کی اقسام وصفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان معجزات کی تعداد دس ہزار سے اوپر پہنچتی ہے، جن کی تفصیل اپنے محل میں بیان کی گئی ہے -

یہ بیان ایسے ''متشدد مزاج حافظ حدیث'' کا ہے، جس پر غلط جذبہ محبت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہے بھی ایسی کتاب میں جو ''مولود خوانوں'' کی صرف گرمی محفل کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ نصاریٰ کی تردید کے لئے تالیف کی گئی تھی، اب اگر ان جیسے حضرات بھی کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں تو ہم کو بھی اسی کا شکار سمجھ لینا چاہئے بقول امام شافعیؒ۔

ان کان رفضا حب الِ محمدؐ فلیشهد الثقلان انّی رافض

www.besturdubooks.net

تنبیہ ٭ یہاں یہ تنبیہ کر دینی بھی ضروری ہے کہ معجزات کی تعداد و شمار پر حیرت کرنے والوں نے ایک طرف تو معجزات کا مفہوم ہی اپنے ذہنوں میں بہت محدود قرار دے لیا ہے' دوسری طرف اکثر ''اخبارِ غیب'' کو اس فہرست سے عمداً یا سہواً خارج سمجھ لیا ہے مثلاً:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ''غیوب'' میں تاریخ کے معمولی یا غیر معمولی واقعات کے سوا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے' جس کو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا جیسے پیدائش عالم کے حالات حضرت آدم علیہ السلام اور سجود ملائکہ کا واقعہ' ابلیس کی عداوت اور شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کے لئے وسوسہ اندازی اور اس میں کامیابی' حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر نازل ہونا' نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت دینا اور ان کی بددعا سے خارقِ عادت پانی کے طوفان سے ان کی قوم کا تباہ ہو جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آتش نمرود کا واقعہ' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا مفصل تذکرہ پھر فرشتوں کا مہمانوں کی صورت میں ان کے پاس آنا اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی اُن کو بشارت دینا' پھر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا واقعہ' حضرت یوسف علیہ السلام اور مصر میں ان کی ''اسارت'' اس کے بعد ''حکومت'' کی مفصل سرگذشت' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ معرکہ آرائیاں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی مناجات اور سرگوشیاں اور ان کے معجزات عصا' ید بیضاء' مینڈک' جوں' خون کا عذاب' دریائے نیل کا دو ٹکڑے ہو جانا' فرعون کا غرق ہونا اور بنی اسرائیل کا صحیح و سالم پار لگ جانا' بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ فگن رہنا اور ان کے لئے ''من و سلویٰ'' کا نازل ہونا' ان کے پانی کے انتظام کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک پتھر پر اپنا عصا مارنا اور اس سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا' بنی اسرائیل کا گوسالہ پرستی کرنا اور ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے بعض کا بعض کو قتل کرنا' ایک قاتل کی سراغ رسانی کے لئے گائے کے ذبح کا حکم ملنا اور اس کے گوشت کا میت کی لاش کے ساتھ لگا دینا اور قاتل کا سراغ لگ جانا' ایک بڑی جماعت کا موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل پڑنا اور سب پر موت واقع ہو جانا اور پھر ان کا جی اٹھنا' ایک شخص پر سو سال تک موت کا طاری رہنا' پھر اس کا زندہ ہونا' حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت یحیٰی علیہ السلام کا تذکرہ اور اس کے سوا بنی اسرائیل کے دوسرے واقعات و حالات کا مفصل تذکرہ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات اور اپنی قوم کے لئے ان کا دعا کرنا' ان کا ''بجسدہ العنصری'' زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور آخر زمانہ میں نازل ہونا اور ان کی حیات طیبہ کے دوسرے مفصل حالات' اس کے علاوہ اصحاب کہف' ذوالقرنین اور دوسرے صالحین اور نیک لوگوں کے تذکرے وغیرہ وغیرہ' پھر ان سب کا ایسے ماحول میں بیان کرنا' جہاں ان واقعات کا عالم کوئی نہ تھا' ''خود'' ''امی'' تھے اور ساری قوم بھی امی تھی۔ مزید براں یہ کہ سب جانی دشمن۔ اس لئے اگر خفیہ طور پر ان معلومات کو حاصل فرماتے تو اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ یہ راز مخفی رہ سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم نے متعدد سورتوں میں اسی معقول بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سورۂ یوسف کے آخر میں اشارہ ہے:۔

www.besturdubooks.net

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ وَ ہُمۡ یَمۡکُرُوۡنَ. (یوسف:۱۰۲)

یہ بعض غیب کی خبریں ہیں' جو ہم آپ کو بھیجتے ہیں اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کیا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے۔

سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیلات بیان فرما کر ارشاد ہوا:۔

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا فَاصۡبِرۡ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ. (ہود:۴۹)

یہ قصہ من جملہ اخبار غیب کے ہے' جس کو ہم وحی کے ذریعے آپ کو پہنچاتے ہیں۔ اس کو اس سے قبل نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم' سو صبر کیجئے' یقیناً نیک انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی سرگذشت کا ذکر فرما کر ارشاد ہے۔

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ. (آل عمران:۴۴)

یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔ جن کی وحی ہم آپ کے پاس بھیجتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے' جبکہ وہ اپنے قلم ڈالنے لگے کہ کون مریمؑ کی کفالت کرے' اور آپ نہ اس وقت ان کے پاس تھے' جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منصب نبوت سے سرفرازی کا واقعہ ذکر فرما کر ارشاد ہو:۔

وَمَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَمَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ. (القصص:۴۴)

اور آپ مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور آپ دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آیاتِ بالا کے نزول کے بعد تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ "آیاتِ بالا کے سننے کے بعد کسی نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ ہم ان واقعات کو آپ سے پہلے سے جانتے چلے آئے ہیں' یا فلاں شخص نے آپ کو ان کی تعلیم دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے خفیہ راز مدت دراز تک پوشیدہ نہیں رہا کرتے اور بالفرض اگر وہ عام لوگوں پر پوشیدہ رہیں بھی تو آپ کے خاص اصحاب سے تو اس راز کا پوشیدہ رہنا ناممکن تھا' لیکن یہاں تو جو جتنا زیادہ خاص تھا وہ آپ کی تصدیق میں اتنا ہی زیادہ پیش پیش تھا۔ بھلا یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اگر العیاذ باللہ وہ آپ کو کاذب جانتے تو وہ آپ کی خاطر اپنا دین ترک کردیتے' اہل وطن اور قوم کے طعنے سہتے اور اپنی ساری عیش و عشرت کو خاک میں ملا کر آپؐ کے فداکاروں میں داخل ہو جاتے۔ بیشک کسی کسی نے آپ پر دوسروں سے تعلیم حاصل کرنے کی تہمت لگائی ہے' مگر اس کی حیثیت صرف ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ پر مجنون و ساحر کے افتراء کی ہے۔ قرآن کریم نے ان سب کی مفصل تردید کردی ہے۔

(۲) وہ معجزات جو اشراط ساعت کی خبروں کے متعلق ہیں' ان میں علی الخصوص امام مہدی کے ظہور' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال اکبر کے مفصل حالات' ان میں سے ہر ایک واقعہ بیسیوں پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے امام مہدی کی حدیثوں کے علاوہ اکثر صحیحین میں موجود ہیں اور امام مہدی کی حدیثیں بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔

www.besturdubooks.net

6

(۳) وہ پیشگوئیاں جو ''عالم غائبات'' سے متعلق ہیں' مثلاً جنت دوزخ' حشر ونشر اور حساب وکتاب وغیرہ- اسی طرح وہ تمام غائبات جو ''عالم برزخ'' سے متعلق ہیں وہ سب غیوب ہیں' جن کی آپؐ نے اطلاع دی ہے اور کم از کم ایک مسلمان کے لئے تو واجب التسلیم ہیں اور پہلے دو نمبر تو ایسے ہیں جو ساری دنیا کے لئے بھی معجزہ ہیں اہل کتاب نے آ کر بھی کچھ سوالات ایسے کئے ہیں جن کا تعلق قصص ماضیہ سے اور بعض کا ''حشر ونشر'' کی کیفیات سے تھا اور ان کا جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے ہیں اور بعض اسلام بھی قبول کر چکے ہیں-

(۴) معراج کا ایک واقعہ ہی خود بہت سے معجزات پر مشتمل ہے جیسا کہ اصحاب سیر پر مخفی نہیں ہے' لیکن اس کو بھی بمشکل ایک معجزہ تسلیم کیا گیا ہے کاش کہ اس کی تفصیلات کو پھیلایا جاتا اور بتایا جاتا کہ یہ ایک معجزہ ہی کتنے کتنے عظیم معجزات پر مشتمل تھا- یہ تو وہ معجزات ہیں جن میں سے اکثر کو اصولاً نظر انداز کر دیا گیا ہے' حالانکہ ان میں سے نمبر اول کے معجزات تو تمام قرآن کریم کے بیان کردہ ہیں- عام محدثین نے ان ابواب کے لئے علیحدہ علیحدہ عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں- پھر جب خاص خاص موضوعات پر تصانیف کا دور آیا تو بہت سے محدثین نے معجزات کا باب اپنے اپنے مذاق کے مطابق مستقل طور پر بھی قائم کیا ہے- کتب ستہ کا اہم موضوع چونکہ ابواب احکام تھے اس لئے اُن میں اس موضوع کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا گیا- یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جیسے شخص نے ''علاماتِ نبوت'' کا باب رکھا ہے' مگر اس میں صرف چند معجزات ہی کے ذکر کرنے پر کفایت کر لی ہے- حالانکہ ان ہی کی کتاب میں بیسیوں معجزات اور موجود ہیں جو دوسرے ابواب کے ضمن میں پھیلے پڑے ہیں- لہٰذا کتب ستہ میں بہت سے صحیح معجزات کا تذکرہ نہ دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ ان کے نزدیک ثابت شدہ نہیں ہیں' بڑی غلط فہمی ہے- ان کے علاوہ بہت سے جزئی معجزات اور بھی ہیں' جن کی طرف نظریں نہیں گئیں یا ان کو مصلحتاً نظر انداز کر دیا ہے- ہم نے ان سب کو نمونۂ معجزات میں ذکر کیا ہے- کیونکہ ہمارے نزدیک یہ سب خارقِ عادت اور معجزات کی تعریف میں داخل ہیں- اب سوچئے کہ اگر اس سارے ذخیرہ کو بھی آپ کے ''اخبارِ غیب'' کے معجزات میں شمار کر لیا جائے تو پھر معجزات کی تعداد میں کتنا عظیم الشان اضافہ اور ہو جائے گا- ہم ہرگز اس کے درپے نہیں ہیں کہ آپ کے معجزات کی فہرست خواہ مخواہ بڑھا دیں- صرف شکوہ اُن کا ہے' جنھوں نے آپ کے معجزات کے استقصاء کا دعویٰ کر کے پھر چند اوراق میں ان کو محصور کرنے کی خواہ مخواہ سعی کی ہے-

تقلیلِ معجزات کے دواعی ومساعی

اس میں شبہ نہیں کہ موضوع روایات ملا ملا کر آپؐ کے معجزات کی کثرت کا دعویٰ کرنا کوئی مستحسن عمل نہیں- بلکہ ''مستند معجزات کو'' مشتبہ بنا دینے کے مرادف ہے' لیکن مستند معجزات کو گرا گرا کر تقلیل معجزات کی سعی کرنی بھی کوئی مقبول عمل نہیں ہے- بلکہ یہ بھی صحیح معجزات کو مشتبہ بنانے کا ایک نیا طریقہ ہے- یہاں پوری علمی جرأت کے ساتھ پوری ''امتیانہ'' غیرت بھی درکار ہے- یہ کتنا مکروہ عمل ہے کہ تقلیل معجزات کی بنیاد زیادہ گہری قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے اس کی حقیقت کو کھوکھلا کر دیا جائے حتیٰ کہ معجزہ کا اضافی ہونا تسلیم کر کے یہ لکھ دیا جائے کہ ''علمی ترقی کے بعد کسی زمانے میں چل کر مادی قواعد کے تحت ہر معجزہ کی توجیہ کرنی بھی

www.besturdubooks.net

ممکن ہے' پھر کسی معجزہ کی مجموعی صورت کی ''تحلیل'' کر کر کے یہ کوشش کی جائے کہ قدرت کے ان قاہرانہ نشانات میں کوئی ایک بھی ایسا نہ بچ سکے' جو دنیا کے روزمرہ کے حوادث کی صف میں شامل نہ کیا جا سکے' یا کم ازکم ان کی قریبی صف میں جگہ نہ پا سکے اور اس طرح قدرت کے ان بلاواسطہ قاہرانہ مظاہر کو بھی زبردستی مادی قوانین کے تحت داخل کر دیا جائے اور معجزات کی عمیق حقیقت صرف نام کا ایک ڈھونگ بن کر رہ جائے اس کے بعد معجزات کی معنوی قسم پر اتنا زور صرف کر دیا جائے کہ حسی معجزات کا نام صرف ظاہری اور سطحی رکھ کر خواص کی نظروں میں بھی ان کو گرا دیا جائے' بلکہ یہاں تک بھی لکھ مارا جائے کہ ''قرآنی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔'' پھر ان ناقص بحثوں کو اس انداز میں پھیلایا جائے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جو حصہ کہ ''حسی معجزات'' کا ہے اگرچہ وہ مستند ہو' مگر اس کی وقعت نظروں سے خود بخود گر جائے۔ اس کے بعد ان کا کچھ حصہ تو اسنادی بحثوں کے لپیٹ میں لے لیا جائے اور جو حصہ بچا کھچا رہ جائے اس کو بڑی آسانی سے من مانی تاویلات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ پھر اسی پر بس نہیں' بلکہ اس کو اور باضابطہ شکل دینے کے لیے طرح طرح کی صورتیں اختیار کی جائیں مثلاً:۔

(۱) معجزات کی صحت کے لیے وہ معیار مقرر کرنا جو صحیحین کی حدیثوں کا ہے اور جو اس معیار پر ثابت نہ ہوں ان میں سے اکثر پر جمہور محدثین کے خلاف غیر معتبر ہونے کا حکم لگا دینا۔

(۲) علمائے رجال میں سے صرف ان کی رائے کو ترجیح دینا جنہوں نے اس کے راوی پر جرح کی ہے اور دوسروں کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دینا۔

(۳) معجزات کی روایات میں صرف اسی ایک پہلو کو نمایاں کرنا' جس میں اعجاز کی کوئی بات نظر نہ آئے اور اس کے دوسرے پہلو کو جس میں کھلا ہوا اعجاز موجود ہو' اس کی طرف اشارہ تک نہ کرنا۔

(۴) ایک ہی نوع کا معجزہ اگر متعدد روایات میں مذکور ہو تو کسی دلیل کے بغیر ان سب کو ایک ہی واقعہ قرار دینا حالانکہ جب ایک نوع کے متعدد افراد بھی مسلمہ طور پر ثابت ہیں تو کسی دلیل کے بغیر دوسرے مقامات میں جزم کے ساتھ یہ حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ''معجزہ'' آپ سے متعدد بار ظہور پذیر نہیں ہوا' یہی وجہ ہے کہ جب تک اس کا ثبوت نہیں ملتا حافظ ابن حجرؒ جیسے شخص ایک ہی نوع کے چند معجزات پر یہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ سب واقعات درحقیقت ایک ہی واقعہ ہیں۔ لیکن جو لوگ تقلیل معجزات کے درپے ہیں وہ اس حافظ الدنیا کے متعلق بھی اپنی رائے یہ ظاہر کرتے ہیں:

''چار موقعوں کو (یعنی شق صدر کے) حافظ ابن حجرؒ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا۔''

لیکن اگر شق صدر روایات سے متعدد بار ثابت ہوتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ صرف عقلی بات اسی وقت دل میں کھٹک سکتی ہے جب کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے عام ''قانون تدریج'' سے قطع نظر کر لی جائے یوں کھٹکنے والوں کے دلوں میں تو یہ بات اس سے پہلے کھٹکے گی کہ جب یہ ممکن تھا کہ آلودگی کا یہ حصہ جو شق صدر کے بعد آپ کے صدر مبارک سے علیحدہ کیا گیا اگر وہ شروع سے پیدا ہی نہ

www.besturdubooks.net

کیا جاتا تو پھر اس شق صدر کی ایک بار بھی ضرورت کیا تھی۔

غالباً کچھ اسی ذوق یکتائی کی بنا پر یہاں شق صدر کو بھی صرف ایک ہی بار تسلیم کیا گیا ہے' حالانکہ دوسرا واقعہ آپ کی طفولیت کا صحیح مسلم سے ثابت ہے' مگر جب کسی بات کا انکار کرنا ہی ٹھہر گیا ہو تو پھر اس کے لیے راستہ نکال لینا بھی کیا مشکل ہے۔ حیرت ہے کہ یہاں شق صدر کے اس واقعہ کا بھی انکار کر دیا گیا ہے' جس کو جمہور محدثین نے صحیح مسلم وغیرہ کی بنیاد پر تسلیم کر لیا ہے اور جس میں بعض محدثین سے کچھ تردد منقول ہے' اسی کو ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے۔ پس اگر معراج کے واقعہ کو ان بعض محدثین کے تردد کی وجہ سے مشکوک سمجھ لیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت کا واقعہ بھی جو صحیح مسلم سے ثابت ہے' آپ کی تحقیقات کی بنا پر مشکوک سمجھ لیا جائے تو پھر شق صدر کا ایک واقعہ بھی باقی نہیں رہتا۔ جو بلا تردد متفقہ طور پر قابل تسلیم ہو سکے اور اس طرح آپ کا یہ ظاہر و باہر معجزہ ہی معدوم کر دیا جائے۔

یہاں کچھ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی' بلکہ مزید براں شق صدر کو صرف ایک روحانی واقعہ بنانے کی بھی سعی کی گئی ہے' اسی لیے اس کا عنوان ''شق صدر'' کی بجائے ''شرح صدر'' بدل دیا گیا ہے' جس کا دوسرے لفظوں میں نام ''علم لدنی'' رکھ دیا گیا ہے پھر اس علم لدنی کو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک انعام بتلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممتاز صفت سے انکار کی یہ آخری سعی بھی ختم کر دی گئی ہے۔ اس کا نام ''شق صدر'' کی تحقیق نہیں' بلکہ ایک ثابت شدہ حدیثی اور تاریخی واقعہ کی تحریف ہے۔ جیسا کہ تاویلات معجزات کی بحث میں اس کی تفصیل ابھی آپ کے ملاحظہ سے گزرنے والی ہے۔

(۵) بعض معجزات کی چھانٹ چھانٹ کر کے وہی روایات نقل کرنا جو اس باب میں سب سے زیادہ ''اسنادی'' لحاظ سے ساقط ہوں اور جن کو محدثین نے معتبر قرار دیا ہے ان کی طرف اشارہ تک نہ کرنا اور اس طرح گویا واقعہ کی اصلیت ہی کا انکار ذہن نشین کرانا۔

(۶) بعض محدثین نے کسی مضمون کو موضوع کہہ دیا ہے ایسے مقام پر صرف 'وضع' کا حکم نقل کر دینا اور جن محدثین نے تلاش کر کے اس کو دوسری قابل اعتماد سند سے ثابت کیا ہے' اس کا ''اخفاء'' کرنا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فضلات پر امام بیہقی نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے' حالانکہ دارقطنی کے ''افراد'' میں اس کی ایک قابل اعتبار اسناد بھی موجود تھی۔

(۷) فضائل و معجزات کے باب میں جمہور محدثین کے خلاف اعتبار کا وہی معیار مقرر کرنا' جو عقائد و احکام کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہیے کہ اگر بالفرض کچھ ''تسامح'' کر کے آپ کے معجزات میں تکثیر کی سعی کرنی محدثین کا کوئی جرم ہے تو پھر بھی یہ جرم اتنا خطرناک جرم نہیں ہے جتنا کہ دلائل نبوت پر تنقید کی مقراض لگا کر اس میں تقلیل کی سعی کرنا خطرناک ہے۔ یہاں صرف ایک ہی جانب کو یہ سمجھ لینا کہ ہم نے کوئی احتیاط کا قدم اٹھایا ہے یک طرفہ نظر ہے حیرت ہے کہ ''ابو طالب کی جاں نثاری کا دم بھرنے والے'' دلائل نبوت کے باب میں اس قدر سرد کیوں نظر آتے ہیں۔

تنبیہ ❋ دنیا اور تاریخ دنیا کا یہ ایک بدیہی طریقہ ہے کہ جب وہ کسی غائب شخصیت کے جاہ و چشم کا سکہ قلوب پر جمانا چاہتی ہے تو وہ اس کے کارناموں اور صفات جمیلہ ہی کا ذکر کر کر کے جماتی ہے۔ اب اگر دیگر ادیان سماویہ کے متبعین کے سامنے ''نبی امی'' کا کوئی معظم اور موقر نقشہ لایا جا سکتا ہے تو وہ آپ کے یہی معجزات ہیں' لہٰذا یہاں ثابت شدہ معجزات کے حذف و تقلیل و تاویل کا نتیجہ یہ نکلنا

www.besturdubooks.net

ممکن ہے کہ دیگر مذاہب کے متبعین کے سامنے آپ کی غیر معمولی شخصیت کہیں معمولی نظر نہ آنے لگے- ظاہر ہے کہ اس وقت خود آپ بنفس نفیس دنیا کے سامنے تشریف فرما نہیں ہیں- اب ایک طرف ہمارے سامنے یہود موجود ہیں اور دوسری طرف نصاریٰ جن کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خاتم الانبیاء ہونے کا گمان ہے- اور جن کے معجزات کلام اللہ میں بصراحت موجود ہیں- اب اگر اس رسول امی کے معجزات کو بے وجہ زیادہ پھیکا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا جو انجام بد نکل سکتا ہے اس کی طرف بھی ہماری نظریں کچھ نہ کچھ رہنی چاہئیں-

تاویلِ معجزات

چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ایسے باب میں آ کر جس کا عنوان ہی معجزات ہو ان عجائبات کی کوئی تاویل بھی نہ کی جاتی جو کسی رسول کی سیرت میں ثابت ہوتے ہیں' کیونکہ جب اس قسم کے بلند روحانی انسانوں میں اس قسم کے عجائبات کا ہونا مسلمات میں سے ہو تو اب اگر کہیں ان کا ادنیٰ سا ثبوت بھی ملتا ہے تو وہ کافی ہونا چاہیے- اس کو سخت سے سخت ''سوبان'' لگانا اور اس کو جھوٹ و افتراء قرار دینے پر اتر آنا نہ یہ علم کی بات ہے' نہ عقل کی پھر اگر ان کی تاویل کرنی ناگزیر ہی ہے تو کم از کم وہ ایسی تو ہونی چاہیے کہ سو فیصدی نہ سہی پچاس فیصدی تو ان الفاظ کا مصداق باقی رہ جائے ان کی ایسی تاویلات کر ڈالنا جس کے بعد ان الفاظ کا کوئی مصداق ہی باقی نہ رہے' اس کا نام ''تاویل نہیں'' انکار بھی نہیں' بلکہ ''تحریف'' ہے- مثلاً جن روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کچھ عجائبات کا ثبوت ملتا ہے جیسے حضرت آمنہ کا دیکھنا کہ ان سے ایک نور جدا ہوا یا مثلاً اس شب میں کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گر جانا یا آتش کدۂ فارس کا گل ہو جانا اس کے متعلق یہ تاویل کہ:

''اگلے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے منور ہو گیا بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی-''

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو اہم واقعات ہونے والے تھے' مثلاً بت پرستی کا استیصال' قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا فنا ہو جانا ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ- ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے' قیصر و کسریٰ کے کنگرے ہل گئے' آتش کدۂ فارس بجھ کے رہ گیا وغیرہ-''

اب اس سے اندازہ فرمایئے کہ آپ کی ولادت کے کچھ عجائبات تو صرف شاعرانہ انداز کی نذر ہو گئے اور کچھ وہ تھے جو مستقبل میں ہونے والے تھے تو فرمایئے کہ جن عجائبات کو ہر ممتاز شخصیت کی ولادت پر ثابت ہونا مسلمات میں سے رہا ہے' اس سرتاج عالم کی ولادت میں ان میں سے کونسا واقعہ تھا جو رونما ہوا؟ کیا بالفاظ دیگر اس کا حاصل صاف انکار کرنا ہی نہیں؟ یہاں طفل تسلی کے لیے یہ کہہ دینا کہ وہ واقعات یہاں بھی ضرور ظہور پذیر ہوئے ہوں گے' مگر ان کا ثبوت ہمارے پاس کچھ نہیں' یہ کتنا مضحکہ خیز ہے- مخالفین کے نزدیک اس کی حیثیت صرف ایک خوش عقیدگی کے سوا اور کیا ہے اور جب وہ میلاد خوانوں کی من گھڑت ہی ٹھہری تو پھر مسلمانوں کے لیے بھی ان میں جاذبیت کیا ہے- یہ کتنا ظلم ہے کہ اس قسم کی خلاف واقع باتوں سے اس عالم کے سردار کی

www.besturdubooks.net

ولادت کو ان تمام عجائبات سے خالی کر کے دکھایا جائے جو روحانی راہنما تو درکنار معمولی افراد کی ولادتوں پر مسلم طور پر ثابت ہوتے ہیں- پھر کیا کسی میں یہ ہمت ہے کہ وہ کسی کی سیرت میں ان عجائبات کا ثبوت اس سے زیادہ مستحکم طور پر پیش کر سکے' جو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لیے موجود ہیں-

یا مثلاً ''شق صدر یوں'' تو وہ متعدد مرتبہ ثابت ہے' لیکن دو مرتبہ صحیحین میں بھی مذکور ہے اور جمہور محدثین کا یہی مختار ہے- اس کے متعلق یہ تحریر کرنا:-

''بعض محدثین اس کو ایک ہی واقعہ سمجھتے ہیں یعنی وہ صغر سنی میں جب آپ حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں''-

پھر آپؐ کے دور طفولیت کی روایت کو اس کے صحیح مسلم میں موجود ہونے کے باوجود خود اپنی رائے سے مجروح قرار دے ڈالنا' اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے شق صدر کے دو واقعات کو جو صحیحین سے ثابت ہیں پہلے تو ایک واقعہ قرار دیا جائے اور وہ بھی اس طریق سے کہ معراج کے واقعہ کو تو بعض محدثین کے اختلاف سے کمزور بنا دیا جائے اور دور طفولیت کے واقعہ کو خود مجروح کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ یہاں جو ایک واقعہ بچ رہے وہ بھی زیر بحث آ جانے کی وجہ سے مشکوک بن جائے اس کے بعد یہ لکھا جائے کہ:

''ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے' جس کے معنی سینہ کھول دینے کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے- قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے...... رب اشرح لی صدری ......انبیاء علیہم السلام جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا مآخذ تعلیم الٰہی' القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے- اسی کا نام ''علم لدنی ہے''- جس کا ثبوت سب انبیاء علیہم السلام میں ملتا ہے-'' چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی' اس لیے شرح صدر کے عطیہ کے لیے یہی مناسب موقعہ تھا-''

اس مضمون کو اتنے پیچ دار طریقے پر پھیلایا گیا ہے کہ جس سے صحیح مفہوم اخذ ہونا ہی مشکل ہو جاتا ہے' مگر اس تمام رام کہانی سے جو نقش آخر میں ذہن میں قائم ہو کر رہ جاتا ہے وہ یہی ہے جو ان سطور میں آپ کے سامنے موجود ہے-

اب غور فرمایئے کہ اس تاویل کے سیدھا کرنے کے لیے پہلے کس طرح متعدد واقعات کو صرف ایک واقعہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی- پھر اس کو روحانی معاملہ ذہن نشین کرنے کے لیے یہ طرح ڈالی گئی ہے-

''صحیح مسلم کی اس روایت میں ایسے معنوی وجود بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتی مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی ہو مگر بہر حال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا- بایں ہمہ اس روایت میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو نظر آتے تھے- علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے' مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان

www.besturdubooks.net

نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیوں کر تسلیم ہو سکتی ہے۔''

صحیح مسلم کی اس روایت سے ایک طرف تو آپؐ کے دورِ طفولیت میں بھی شق صدر کا ثبوت ملتا ہے دوسری طرف اس واقعہ کا جسمانی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے لیکن چونکہ مقصد اس کا انکار کرنا ہے اس لیے پہلے تو کسی دلیل کے بغیر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اس واقعہ کا تعلق روحانی عالم سے تھا مگر یہاں ایک تو شق صدر کا لفظ ہی اس کے خلاف نظر آتا تھا' دوسرے حضرت انسؓ کا اپنا عینی مشاہدہ اس کی تردید کے لیے کافی تھا اس لیے حضرت انسؓ کے اس عینی مشاہدہ کو تو اس طرح رد کر دیا گیا'' کہ اس واقعہ کو اور صحابہؓ نقل نہیں کرتے'' حالانکہ جسم کا جو حصہ اکثر اوقات ملبوس رہتا ہے اور عام مجمع میں اس کے کھولنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے اس کا مشاہدہ کرنے والا حضرت انسؓ جیسا طویل الصحبت کوئی بے تکلف خادم ہی ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اس وقت اس کے ہمہ وقت مشاہدہ میں نہ آنے کی وجہ سے اگر اس کے بیان کا عام اہتمام نہ ہوا تو کیا اس شخص کے عینی مشاہدہ کا انکار کر دینا معقول ہوگا۔ جو دس سال کی خدمت میں اپنا بار ہا کا مشاہدہ بیان کرتا ہے بالخصوص جب کہ اس کا یہ مشاہدہ صحیح مسلم میں صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس کا حاصل بھی وہی ''معتزلہ کی تائید'' نکلتی ہے کہ ''کسی حدیث کی صحت کے لیے اس کا متعدد طریقوں سے (مروی) ہونا بھی لازم ہے'' پھر اس بنا پر آپ کی جو جو صفات صرف ایک صحابی سے ثابت ہیں ان سب ہی کا انکار کرنا لازم ہوگا۔ اس مقام پر یہ غور کرنا ضروری ہے کہ اگر یہاں حضرت انسؓ کے مساعد کوئی شہادت نہیں ہے تو کیا ان کے اس صریح اور واضح بیان کے مخالف کوئی شہادت اس کی تردید یا تشکیک پر موجود ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو فرمایئے کہ یہاں ایک عینی مشاہدہ کی تکذیب کی ہمت پھر کیسے کی جائے۔

اب رہا شق صدر کا لفظ تو اس کے روحانی معاملہ بنانے کے لیے یہ بنیاد قائم کی گئی'' ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے''۔ حالانکہ صحیح حدیثوں میں شق کا لفظ ہی موجود ہے اور پھر شرح صدر کا لفظ بہت آسانی کے ساتھ علم لدنی پر حمل کر کے اس کا نکتہ بھی تراش لیا گیا۔ گویا آپ کے دورِ طفولیت میں شق صدر تو صحت ہی کو نہ پہنچا اور جو شب معراج میں پیش آیا وہ ایک روحانی انعام ٹھہرا۔ اب انصاف فرمایئے کہ اگر ساری شریعت پر غور کرنے کا ڈھنگ یہی پڑ جائے تو دین کی صورت کیا سے کیا بن جائے گی؟

پھر اس تاویل میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کو زبردستی اپنا شریک ٹھہرا لینا اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے جیسا کہ یہ لکھنا کہ

''علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زم زم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے' لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں' جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

اما شق الصدر و ملؤه ایمانا فحقیقة غلبة انوار الملکیة و انطفاء لهیب الطبیعة و	لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا

www.besturdubooks.net

خضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس (ج ۲ ص ۱۵٤)

بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا ہے اس کے قبول کے لیے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔ ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی' اس لیے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

لیکن اس کو کیا کیجئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اسی حجۃ اللہ کے معجزات کے باب میں آپ کے صدر مبارک میں ٹانکوں کے نشانات کا نظر آنا خود ہی بتصریح بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی کتاب میں ان کے نزدیک معراج اور معراج کے تمام واقعات کا آپ کے جسم پر پیش آنا صاف صاف الفاظ میں موجود ہے:

و لسری به الی المسجد الاقصی ثم الی سدرة المنتهی و الی ماشاء الله و کل ذلک لجسده صلی الله علیه وسلم فی الیقظة و لکن ذلک فی موطن هو برزخ بین المثال و الشهادة جامع لا حکامها فظهر علی الجسد احکام الروح و تمثل الروح و المعانی الروحیة اجسادا و لذلک بان لکل واقعة من تلک الوقائع تعبیر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں مسجد اقصیٰ لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور اس کے بعد جہاں تک خدا نے چاہا اور یہ تمام سیر آپ کے جسم مبارک کے لیے تھی اور بیداری کی حالت میں تھی' لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اس لیے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی۔

عجیب بات ہے کہ تاویل کرنے والے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہ عبارت خود معراج کے باب میں لکھتے ہیں تو وہاں اس کو اس طرح نقل کرتے ہیں' گویا وہ خود اس کے قائل نہیں ہیں۔

''ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات وحقائق اور جسم وروح کے یہ گوناگوں احوال ومناظر خود ان ہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالح کا عقیدہ رکھتے ہیں''۔

لیکن جب وہی شق صدر کے باب میں تفصیلی بحث کرنے پر آتے ہیں تو بقول خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ہم خیال بن کر ''علماء محدثین'' کی نظروں کو سطحی قرار دیتے ہیں جیسا کہ پہلی عبارت سے ظاہر ہے۔

ہم یہاں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خیال بھی ٹھیک وہی ہے' جو سلف صالحین کا خیال ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بلند پایہ محدث ہو کر حدیثی باب میں وہ سلف سے علیحدہ ہو سکتے۔ جب وہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ سب واقعات آپ کے جسم اور بیداری کے ہیں تو اب صرف چند اصطلاحات کی بنا پر ان کو سلف سے علیحدہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ عالم مثال کے باب میں شاہ صاحب یہ تصریح بھی فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص اس قسم کے باتوں کے متعلق یہ خیال رکھے کہ یہ سب باتیں صرف بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں' جن سے مقصود کچھ اور ہے اور وہ صرف اسی احتمال پر بس کرے' میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا''۔

www.besturdubooks.net

ان تصریحات کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور سلف صالح میں سرمو بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ صوفیائے کرام اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بہت سے ظاہری واقعات کی بھی ایسی طرح تعبیریں ہوتی ہیں جیسا کہ عام لوگوں کے نزدیک عالم خواب کے مرئیات کی اس حقیقت کو انہوں نے بہت جگہ استعمال کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنوئیں کی مینڈھ پر اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ صدیق اکبرؓ اور ان کے بعد عمر فاروقؓ آئے آپ نے دونوں کو اپنے برابر بٹھالیا۔ اس کے بعد عثمان غنیؓ آئے تو ادھر جگہ نہ تھی وہ سامنے آ کر دوسری طرف بیٹھ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بالکل بیداری کا اور ایک جسمانی واقعہ تھا' جس کی تفصیلات روایات میں موجود ہیں' لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بیٹھنے کی اس اتفاقی صورت کے لیے بھی عالم تقدیر میں ایک تعبیر تھی اور وہ ان اصحابؓ کے آئندہ قبور کی صورت تھی یعنی شیخین کی قبروں کا موجودہ نشست کی طرح آئندہ آپ کے ساتھ ہونا اور حضرت عثمان غنیؓ کی قبر کا ان تینوں صاحبوں سے علیحدہ ہونا۔ چنانچہ آئندہ اسی طرح اس کی تعبیر ظاہر ہوئی۔

اسی بنا پر معراج اور شق صدر کی بیداری کے واقعات ہونے کے باوجود پھر انہوں نے ان کی خاص خاص تعبیرات بھی بیان فرمائی ہیں۔ ان واقعات کو خارج میں اور جسمانی طور پر تسلیم کر لینے کے بعد صرف ان کی تعبیرات ذکر کرنے یا اس کا نام عالم برزخ رکھنے سے ان کو سلف کے مخالف سمجھنا ان کے طریق سے ناواقفی ہے۔ اگر یہاں ہم حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام کی مفصل تشریح کریں تو بے وجہ طول ہوگا کیونکہ جب ان معجزات کو ان ہی تفصیلات کے ساتھ اپنی کتاب حجۃ اللہ میں درج فرمالیا تو اب تمام بحثیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

اچھا اگر آپ شاہ ولی اللہ کے ساتھ اس واقعہ کے عالم برزخ اور عالم مثال میں کہنے سے ان کو اپنا شریک حال بنانا چاہتے ہیں تو کیا یہ بھی دکھلا سکتے ہیں کہ انہوں نے ''شق صدر'' کی حقیقت صرف ''شرح صدر'' اور ''علم لدنی'' بنا کر رکھ دی تھی؟ لہٰذا ان کا حوالہ دینے سے آپ کو کیا فائدہ! بہت سے بہت اگر کوئی احتمال پیدا ہو سکتا ہے تو وہ یہی کہ وہ بقول آپ کے ''علماء ظاہرین'' کے خلاف اس کو جسمانی واقعہ قرار دے کر اس کی کوئی تعبیر بھی سمجھتے ہیں۔ یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ وہ ٹانکوں کے چشم دید نشانات کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہیں اور شق صدر کی آپ کی ذاتی خصوصیت کو ایک عام علم لدنی کا واقعہ سمجھتے ہیں جس میں حضرت خضر علیہ السلام بھی پہلے شریک ہیں جیسا کہ ﴿وعلمنه من لدنا علما﴾ سے ظاہر ہے' حالانکہ ان کی تو نبوت میں بھی بہت اختلاف ہے۔

اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم شق صدر کی پوری سرگذشت نقل کر کے آپ کے سامنے رکھ دیں تاکہ پہلے آپ مفصل واقعہ اور صورت حالات کا اندازہ کر لیں اور اس کے بعد اس واقعہ کا صرف علم لدنی ہونے کی تشریح کے متعلق خود فیصلہ کر لیں۔

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ جبرئیل و ھو یلعب مع الغلمان فاخذہ فصرعہ فشق عن	انسؓ سے روایت ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ بچوں کے ساتھ کھیل تماشا دیکھنے میں مشغول تھے انہوں نے آپ کو چت لٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر

www.besturdubooks.net

قلبه فاستخرج منه علقة فقال هذا حظ الشيطان منك ثم غسله في طست من ذهب بماء زمزم ثم لأمه و اعاده في مكانه و جاء الغلمان يسعون الى امه يعني ظئره فقالوا ان محمد اقتل فاستقبلوه و هو منتقع اللون قال انس رضي الله تعالى عنه فكنت ارى اثر المخيط في صدره. (رواه مسلم)

اس میں سے خون بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا کہ آپ میں یہ تھا شیطان کا حصہ (جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے) پھر آپ کے قلب مبارک کو زم زم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اس کو سی دیا اور اپنی جگہ رکھ دیا۔ بچے آپ کی دودھ پلائی کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قتل کر دیئے گئے۔ لوگ آپؐ کو دیکھنے کے لیے نکلے تو آپ کا رنگ فق پڑا تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نشان آپؐ کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔

اس حدیث میں چند امور بتفصیل مذکور ہیں۔ (۱) اس واقعہ میں ایک فرشتہ کی آمد۔ (۲) اس کا آ کر آپ کو چت لٹا دینا۔ (۳) پھر آپ کے قلب مبارک کو چاک کر کے اس میں سے تھوڑے سے جمے ہوئے خون کا ٹکڑا نکال پھینکنا۔ (۴) اور یہ کہہ کر پھینکنا کہ یہی وہ حصہ ہے جس کی وجہ سے شیطانی تاثیر ہوتی ہے۔ (۵) پھر اس قلب کو سونے کے ایک طشت میں آب زم زم سے دھونا (۶) پھر چاک شدہ حصہ جسم کو سینا اور جوڑ دینا اور قلب مبارک کا اپنی جگہ رکھ دینا۔ (۷) اس پر جو بچے یہاں موجود تھے ان کا بھاگتے ہوئے آپ کی دایہ کے پاس آنا اور یہ بیان دینا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قتل کر ڈالے گئے۔ (۸) اس پر لوگوں کا یہ ماجرا سن کر لپکنا۔ (۹) محل وقوع پر آپ کو سہا ہوا پانا اتنا کہ آپ کا رنگ مبارک اس وقت بھی فق پڑا ہوا تھا۔ (۱۰) حضرت انسؓ کا ان ٹانکوں کے نشانات کا خود اپنا مشاہدہ بیان کرنا۔

یہ تو وہ سرگذشت ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے اب آپ کو ان تفصیلات کو ''شرح صدر'' یا ''علم لدنی'' کہہ ڈالنے کی ہمت ہو تو کہہ دیں' مگر یہاں لفظ لفظ اس صورت واقعہ کے خلاف ہی خلاف نظر آتا ہے۔

یہاں عالم مثال اور برزخ کی وہ تحقیقات جو صوفیا نے اپنے فن میں کی ہیں وہ انہیں کی شان اور موضوع فن کے مناسب ہیں ہم اپنے قارئین کرام کو ان ''معموں'' میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے سمجھنے کے لیے ''علم حقائق'' کی سیر ضروری ہے۔ جب بات بالکل واضح ہے اور خود آپ کی لسان نبوت سے معرض بیان میں آ چکی ہے تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ان کو اصطلاحات کی پیچیدگیوں میں ڈال کر بدیہی کو نظری بنا دیا جائے۔

یہاں یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ ''علم لدنی'' جو سب انبیاء علیہم السلام کو ملتا ہے اگر یہ وہی ہو تو کیا انبیاء علیہم الصلوۃ کی سیرت میں ان تمام تفصیلات کا بھی ثبوت ملتا ہے؟ پھر اس شق صدر کو شرح صدر اور شرح صدر کو علم لدنی' پھر عالم مثال اور برزخ کہہ کر اس کو چیستاں بنانے سے کیا حاصل ہے؟ چلئے اگر آپ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے بیان سے متفق ہیں تو اس واقعہ کو جسمانی اور عالم مثال ہی میں انہیں تفصیلات کے ساتھ تسلیم کر لیجئے' ورنہ اولیاء اللہ کی آڑ میں شکار کھیلنے سے کیا فائدہ۔

اس حدیث پر جو ضروری کلام ہے وہ ترجمان السنہ کی تیسری جلد میں زیر عنوان ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت

www.besturdubooks.net

دور طفولیت میں'' دیکھ لیا جائے۔

تاویل کرنے والوں نے یہاں صرف انہیں قیاس آرائیوں پر بس نہیں کی' بلکہ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس مستحکم قلعہ کو مسمار کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ ''اس واقعہ کا راوی حماد بن سلمہ ہے جس پر آخری عمر میں ''سوء حفظ'' طاری ہو گیا تھا اور کسی نقل کے بغیر محض اپنے ظن وتخمین سے صحیح مسلم کی اس روایت کو اسی زمانے کی روایت قرار دے ڈالا ہے۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ امام مسلم تو امام مسلم ہیں' عام محدثین کو بھی اس قسم کے راویوں کی روایات کے متعلق یہ تمیز حاصل ہوتی ہے کہ وہ روایات میں سوء حفظ سے پہلے کی ہیں وہ کون سی ہیں؟ اور جو بعد کی ہیں وہ کون سی ہیں' اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ان کو یہ علم شیوخ وتلامذہ پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ کس راوی نے کس شیخ سے کس زمانے میں تلمذ حاصل کیا ہے اگر وہ راوی ایسا ہو جس نے سوء حفظ طاری ہونے سے قبل روایات اخذ کی ہیں تو وہ روایات بے تامل حجت اور معتبر سمجھی جاتی ہیں اور اگر اس کو ایسے زمانے میں تلمذ حاصل ہوا ہے جب کہ اس پر سوء حفظ طاری ہو چکا تھا تو پھر اس کی یہ روایات زیر نقد وتبصرہ آ جاتی ہیں اس لیے محدثین کے نزدیک اس قسم کے شیوخ وتلامذہ کی روایات کے اخذ وترک میں کوئی دشواری نہیں رہتی۔ امام مسلم خود اس درجہ کے امام ہیں کہ کسی روایت کا اپنی صحیح میں درج کر لینا یہی اس کے لیے کافی ضمانت ہوتی ہے کہ وہ یقیناً سوء حفظ کے زمانے سے پہلے کی روایت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اگر کوئی روایت مسلم یا بخاری میں نہ ہو' مگر ایسی اسانید اور ایسے رجال سے مروی ہو جو ان میں موجود نظر آئیں تو ان پر بھی محدثین "رجاله رجال الصحيحين" یا "احد هما" کہہ کر صحت کا حکم لگا دیتے ہیں الا یہ کہ اس جگہ کوئی خصوصی علت نکل آئے۔ ان دقائق کو وہ شخص کیسے ادراک کر سکتا ہے جو مؤرخین کی صف میں سے نکل کر محدثین کی جماعت میں گھسنے کی کوشش کرتا ہو' اور "بفحواء لكل فن رجال" اس کو یہ علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی شیخ کو سوء حفظ کس زمانے میں اور کیوں طاری ہوا تھا اور یہ تمیز کیسے حاصل ہو سکتی ہے کہ اس نے کس شیخ سے کس کس زمانے میں روایات اخذ کی ہیں اس لیے اس بے چارہ کو صرف اپنے ظن وتخمین سے حکم لگا دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ و ان الظن لا يغني من الحق شيئا.

ہم یہاں صرف اس پر کفایت نہیں کرتے کہ یہ روایت چونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج فرما دی ہے اس لیے یقیناً وہ حماد بن سلمہ کے سوء حفظ کے زمانے سے پہلے کی ہے' بلکہ خصوصی طور پر اہل فن کی شہادت بھی پیش کر دینا چاہتے ہیں کہ یہاں ان کا شیخ ثابت ہے اور جو روایات حماد بن سلمہ کی ثابت سے روایت کردہ ہیں وہ سب معتبر شمار ہوتی ہیں یعنی ان کے ''سوء حفظ'' کے زمانے سے قبل کی روایات ہیں۔ ابن مدینی جن کا اس فن کے چوٹی کے علماء میں شمار ہیں لکھتے ہیں کہ ثابت کے تلامذہ میں سے حماد بن سلمہ سے بڑھ کر معتبر اور قابل اعتماد کسی کی روایات نہیں ہیں اور جن ائمہ نے حماد بن سلمہ کی روایات کو مطلقاً نہیں لیا یہ محض ان کا تشدد اور ناانصافی ہے اور آگے چل کر لکھا ہے۔

قال البيهقي هو احد ائمة المسلمين الا انه لما كبر ساء حفظه فلذ اتركه البخاري	امام بیہقی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں لیکن آخری عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا اس لیے

www.besturdubooks.net

وامامسلم فاجتهدوا خرج من حديثه عن ثابت ماسمع منه قبل تغيره و ما سوى حديثه عن ثابت لا يبلغ اثنى عشر حديثا اخرجها في الشواهد. قال احمد بن حنبل اثبتهم في ثابت حماد بن سلمة. قال ابن المديني: من تكلم في حماد بن سلمة فاتهموه في الدين قال ابن المديني: و اثبت اصحاب ثابت حماد بن سلمة ثم سليمان ثم حماد بن زيد وهي صحاح انتهى مختصرًا.

امام بخاری نے تو ان کو بالکل ترک کر دیا' لیکن امام مسلم نے کوشش کر کے ان کی وہ احادیث اپنی صحیح میں سے نکال لیں' جو انہوں نے ثابت سے اپنے سوءِ حفظ کے زمانے سے قبل روایت کی تھیں اور اس کے سوا جو حدیثیں انہوں نے ثابت سے روایت کی ہیں' جن کی تعداد بارہ حدیثوں تک بھی نہیں پہنچتی وہ صرف شواہد میں روایت کی ہیں (اصول میں نہیں) امام احمد فرماتے ہیں کہ ثابت کے شاگردوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد شخص حماد بن سلمہ ہے۔ ابن مدینی کہتے ہیں جو شخص بھی حماد بن سلمہ میں کلام کرے اس کو دین میں قابل تہمت سمجھو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اصحاب ثابت میں سب سے زیادہ قابل اعتبار حماد بن سلمہ ہیں' پھر سلیمان پھر حماد بن زید' اور یہ سب روایات صحیح ہیں۔

اس عبارت سے یہ بات صاف ''ہوگئی کہ'' ثابت کے شاگردوں میں حماد بن سلمہ سے بڑھ کر قابل اعتماد اور کوئی شخص نہیں لہٰذا یہاں ان کی روایت پر یہ حکم لگا دینا کہ وہ سوءِ حفظ کے زمانے کی ہے یہ اہل فن کی تصریح کے خلاف ہے۔ اب رہا امام بخاریؒ کا ان کو علی الاطلاق ترک کر دینا تو یہ محض ان کی ''شانِ احتیاط'' اور ''شرائط کے تشدد'' کی بات ہے۔ اسی لیے صحت میں مسلم کو صحیح بخاری کے ہم پلہ قرار نہیں دیا جاتا باوجودیکہ صحیح مسلم کو صحیح کہنے سے ایک متنفس نے بھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ لہٰذا اگر امام بخاریؒ کسی کتاب میں کوئی خاص شرائط مقرر کر لیں تو اس سے یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ اب جو راوی ان کی کتاب میں نہیں آیا' اس میں کسی قسم کا سقم ہے ورنہ تو پھر صحیح مسلم کی ایک حماد بن سلمہ کی روایات نہیں' بلکہ وہ تمام روایات جو علی شرط البخاری نہیں ہیں چھوڑ دینی پڑیں گی۔

یا مثلاً ''شق القمر'' کے متعلق یہ توجیہ:

''لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہو سکتی ہے کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے۔''

یا اس کی دوسری یہ توجیہ:

''اسی طرح اضافہ کی بجائے حذف کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں' اس میں صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لیے خدا حذف یا سلب کر لے' جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے''۔

یا اس کی تیسری اور آخری یہ توجیہ:

''ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں۔ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی' یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی احادیث میں یہ ہے کہ ان کو

www.besturdubooks.net

چاند دوٹکڑے ہوکر نظر آیا' خواہ دراصل چاند کے دوٹکڑے ہوگئے ہوں یا خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دوٹکڑے ہوکر نظر آیا- جو خدا انسان کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف پیدا کرسکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کرسکتا ہے- پھر چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لیے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لیے یہ آیت نبوت تھی' اس لیے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی''-

اب آپ ان ہر سہ تاویلات پر بار بار نظر ڈالیے یہاں سب سے پہلے جو بات آپ کے ذہن میں آئے گی وہ یہی آئے گی کہ جو فضلاء اس معجزہ کو مادی طریق پر حل کرنا چاہتے ہیں خود ان ہی کے ذہنوں میں اس کا کوئی صحیح حل موجود نہیں-اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ -وہ صرف اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں- زیادہ غور سے دیکھا جائے تو یہ سب تاویلات باہم متناقض بھی ہیں- پہلی توجیہ تو معجزہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کی بجائے اس میں اور تاریکی پیدا کرنے والی ہے' کیونکہ ''عمل تنویم'' سحر کی طرح معجزہ کی مقابل چیز کا نام ہے-معجزہ میں صاحب معجزہ کی قوت اثر آفرینی کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا-

دوسرے جواب کا حاصل پھر یہی رہا کہ شق القمر قدرت خداوندی سے ظاہر ہوا اب یہاں جذب واتصال اور کیمیا کے اصطلاحی الفاظ استعمال کرنے سے اس خرق عادت کا کوئی حل نہیں ہوتا- یہ سوال اپنی جگہ پھر قائم رہتا ہے کہ انگلی کے ایک اشارہ سے اس قوت اتصال کا سلب ہو جانا کیا عادۃً ہوتا ہے- اگر نہیں تو پھر یہ خرق عادت ہی تو ہوا' اس جواب سے مسافت طویل ہو جانے کے سوا اور نتیجہ کیا نکلا-

تیسری تاویل سب سے زیادہ پر پیچ ہے اس کو یہاں سب سے زیادہ ''حمد وشکر'' کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور ہمارے نزدیک وہی سب سے زیادہ قابل ''استعاذہ'' ہے یعنی اہل مکہ کی آنکھوں میں کسی ایسے تصرف کا احتمال جس کی وجہ سے صرف ان کو چاند دو ٹکڑے ہوکر نظر آنے لگا' خواہ واقعہ میں اس کے دوٹکڑے ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر ''نظر بندی'' ہے کیا نظر بندی آنکھوں میں تصرف ہی کا نام نہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کی نظر بندی کا احتمال جائز تصور کیا جا سکتا ہے- اگر یہاں بھی یہ تصور جائز سمجھا جائے تو دین کا سارا کارخانہ ہی درہم وبرہم ہو جائے- رسولوں کے متعلق یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگوں کے سامنے کوئی عمل کر کے دکھائیں اور خارج میں اس کا کوئی وجود بھی نہ ہو- وہ حقیقت کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں' اس لیے ان کا کوئی قول وفعل حقیقت سے سر مو متجاوز نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ وہ امور جو قدرت ان کی صداقت کے لیے نشانی اور دلیل قرار دے- اس مقدس گروہ کو احتمالات کی بجائے واقعات کی دنیا میں دیکھنا چاہیے' آپؐ نے شب معراج میں جو کچھ دیکھا وہ بجا دیکھا' حالانکہ ''سیر معراج عالم غیب'' کا مشاہدہ کرانے کے لیے تھی اس کے باوجود جنھوں نے یہاں انکار کی راہ اختیار کی ان کی تحقیق قرآن کریم نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے:-

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى . (النجم: ١٢) تم کیا اس سے جھگڑتے ہو' اس پر جو اس نے دیکھا-

پس جس طرح رسول کے دیکھنے میں یہ احتمال پیدا نہیں ہوسکتا کہ جو اس نے دیکھا وہ حقیقت کے خلاف دیکھا تھا اسی طرح اس کے معجزات میں بھی یہ شبہ نکالا نہیں جا سکتا کہ جو اس نے دکھایا وہ حقیقت کے خلاف دکھایا تھا معجزہ حق وباطل کی تمیز کے لیے ہوتا

www.besturdubooks.net

ہے نہ کہ اور ''تلبیس'' کے لیے اب اس تاویل کو ایک طرف رکھیے اور دوسری طرف قرآنی لفظ سامنے رکھیے ﴿انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ قرآن کریم کے اس لفظ سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ خود چاند ہی کے اندر ہوا اور حقیقتاً ہوا۔ لغت عرب میں خود چاند کے پھٹنے کے لیے اس سے زیادہ صاف اور صریح لفظ کوئی اور نہیں ہے یہاں اس کا اشارہ بھی نہیں ہے کہ چاند میں تصرف کے سوا اس واقعہ میں دیکھنے والوں کی نظروں میں بھی کوئی تصرف ہو گیا تھا۔ پھر چونکہ یہ تصرف خارق عادت تصرف تھا اس لیے آپ نے بغرض تاکید فرمایا ''اشھدوا اشھدوا'' (گواہ رہو گواہ رہو) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں اہل مکہ کی آنکھوں میں بھی کوئی تصرف ہو گیا تھا تو چاند کی طرف اشارہ کر کے کیا آپؐ کا اہل مکہ کو گواہ بنانا درست ہوگا؟۔

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ یہاں اہل مکہ نے جس معجزہ کے دیکھنے کی فرمائش کی تھی کیا وہ ایسا معجزہ تھا' جس کا تعلق خود ان کی آنکھوں سے ہو یا وہ کوئی واقعی معجزہ چاہتے تھے؟ روایات میں موجود ہے کہ اس معجزہ کی صحت کے لیے انہوں نے باہر والوں کی شہادت کو ایک معیار مقرر کر لیا تھا' کیونکہ آنکھوں کا تصرف اگر ہوگا تو وہ صرف حاضرین پر ہو سکتا ہے غائبین پر نہیں ہو سکتا اس لیے اگر باہر سے آنے والے قافلے بھی ''شق القمر'' کی شہادت دیں تو اس معجزہ کے صحیح ہونے پر یقین کر لینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی صورت کو معجزہ سمجھتے تھے' جس میں ان کی آنکھوں کے تصرف کا کوئی احتمال پیدا نہ ہو سکے۔ نیز معجزہ اگر طلب کیا تھا تو منکرین قریش نے طلب کیا تھا اگر یہاں کوئی تصرف ہوتا تو ان کی آنکھوں میں ہوتا جو منکرین تھے۔ مخلصین صحابہ نہ اس کے طالب تھے نہ ان کی آنکھوں میں یہ تصرف مناسب تھا' حالانکہ یہاں حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے چند ہمراہی بھی اس کے مشاہدہ کرنے والوں میں شریک ثابت ہوتے ہیں۔ حیرت ہے کہ صورت واقعہ کے نقل کرنے والے نے اس واقعہ کے حقیقی واقعہ ہونے کے لیے جتنے واضح سے واضح الفاظ استعمال کیے تاویل کرنے والوں نے اتنے ہی بعید سے بعید احتمالات اس میں نکال کھڑے کیے۔ راوی کہتا ہے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوا اور اتنا صاف ہوا کہ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑی کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف نظر آنے لگا آپؐ نے حاضرین کو اس پر گواہ بھی بنایا اس کے بعد بھی کیا یہ کہنا معقول ہو سکتا ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ صرف اہل مکہ کی آنکھوں تک ہی محدود تھا اور اسی لیے اس کا مشاہدہ صرف ان ہی تک محدود رہا' بلکہ ان ہی کی ذات تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ اس معجزہ کا ذکر بھی ہوتا رہا' مگر مدۃ العمر یہ عقدہ کھل ہی نہ سکا کہ اس شب میں صرف آنکھوں کی الٹ پھیر ہو گئی تھی اور کچھ نہ تھا۔ اگر اس معجزہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر اس کا نام ''شق القمر'' کے بجائے ''اعماء البصر'' مناسب تھا کما قال تعالی فی سورۃ محمد: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ﴾ (محمدؐ: ۲۳) ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا' پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا''۔

یہاں اس معجزہ کو کفار کی آنکھوں میں تصرف قرار دے کر یہ لکھ ڈالنا کہ ''جو خدا انسان کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف الخ'' کا اضافہ دیکھ کر یہ بالکل ایک آنکھ مچولی کھیلنا معلوم ہوتا ہے۔ کیا مصنف مؤول اب پھر لوٹ کر اس کو آنکھوں کے تصرف کے بجائے پھر اس کو چاند ہی کا پھٹنا تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بھول بھلیاں کی طرح عجیب عبارت ہے' جس کا کوئی مطلب اخذ کرنا ہی ممکن نہیں' جیسا کہ بھول بھلیاں میں داخل ہو کر پھر نکلنا کار ے دارد ہے۔ اور اگر بالفرض یہ باطل احتمالات تسلیم بھی کر لیے جائیں تو اب

www.besturdubooks.net

سوال یہ رہتا ہے کہ کیا یہی احتمال دوسرے معجزات میں بھی جاری ہوگا۔ مثلاً یہ کہ ''اسطوانہ حنانہ'' میں کیا قدرت نے فی نفسہ گریہ و زاری کی صفت پیدا فرمادی تھی؟ یا مثلاً آپؐ کے انگشتان مبارک سے کیا فی الواقع پانی کے چشمے ابلے تھے یا مثلاً حیوانات ونباتات میں کیا حقیقتاً آپ کی تسخیر کا اثر ظاہر ہوا تھا یا مثلاً کھانے اور پینے کی اشیاء میں کیا درحقیقت کوئی برکت پیدا ہوگئی تھی یا ان سب معجزات میں بھی حاضرین کے صرف کانوں اور آنکھوں میں ایسا تصرف کردیا گیا تھا کہ ''اسطوانہ'' سے گریہ وزاری کی آواز آنے لگی' آپؐ کے انگشتان مبارک سے پانی امنڈتا ہوا نظر آنے لگا اور حیوانات ونباتات آپ کے مسخر محسوس ہونے لگے اور کھانے پینے کی چیزوں میں بڑی برکت نظر آنے لگی؟ اگر ان سب معجزات میں جواب صرف ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہیے کہ یہاں نہ کسی کے کانوں میں کوئی تصرف کیا گیا تھا نہ آنکھوں میں اور نہ عمل تنویم کا یہاں کوئی دخل تھا' بلکہ جو کچھ سامعہ نے سنا اور جو کچھ باصرہ نے دیکھا وہ ٹھیک حقیقت ہی حقیقت تھا تو پھر شق القمر کے متعلق بھی جواب صرف یہی ہوگا کہ یہاں چاند حقیقتاً ہی دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔ یہاں ضروری تاریخی شہادت موجود ہونے کے باوجود اس سے بچنے کے لیے اس درخشاں معجزہ کو اتنا مکدر کردینا تھوڑے سے فائدہ کے احتمال کے بجائے خود اپنا کتنا بڑا نقصان گوارا کرلینا ہے۔

یہ تو چند تاویلات وہ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی اور درخشاں معجزات میں پیدا کی گئی ہیں۔ اب چند وہ تاویلات بھی ملاحظہ فرمایئے' جو انبیاء سابقین کے بعض معجزات میں کی گئی ہیں۔

مثلاً عصائے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ تاویل:

> ''جس وقت عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا عصائے موسیٰ کا اژدھا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لیے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسیٰ کے اژدھا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جاسکتی ہے۔''

یہ ''تاویل'' اول تو معجزہ کے اضافی ہونے کے مفروضہ پر موقوف ہے' یعنی معجزہ صرف کسی محدود زمانے تک ہی معجزہ رہتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ معجزہ رہے۔ دوم اس کو ''عمل تنویم'' پر قیاس کیا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں معجزہ کی حقیقت کے بالکل خلاف ہیں۔ جو معجزہ ہے وہ ہمیشہ معجزہ ہی رہے گا اور عمل تنویم کا تو معجزات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ سحر عمل تنویم سے کہیں قوی چیز ہے فرق یہ ہے کہ عمل تنویم میں نفسی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اور سحر میں اکثر ارواح خبیثہ کے ساتھ استعانت بھی ہوتی ہے۔ معجزہ ان دونوں سے بالاتر حقیقت ہے ان امور کو معجزات کی حقیقت سمجھنا یا ان کی تفہیم کے لیے استعمال کرنا ایک خطرناک غلطی ہے علمی غلطی بھی ہے اور مذہبی غلطی بھی ہے۔ معجزہ کی تفہیم میں ان امور سے مدد لینے کی بجائے ان کی نفی کرنی لازم ہے۔ سحر و معجزہ جس طرح دو متضاد حقیقتیں ہیں' ٹھیک اسی طرح معجزہ اور عمل تنویم بھی دو متضاد حقیقتیں ہیں پھر ارباب نظر کے لیے عمل تنویم کے متعلق ''کرسی کے شیر بن جانے'' اور معجزہ موسوی کے متعلق ''عصاء کے اژدھا نظر آنے'' کا لفظ بھی بہت زیادہ قابل غور ہے۔

یا مثلاً حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لیے آفتاب کے غروب ہونے میں تاخیر ہوجانے کی یہ تاویل:

> ''ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو' لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جاسکتا ہے کہ

www.besturdubooks.net

آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی۔''

یہ تاویل بھی معجزہ کے اضافی ہونے کے مفروضے پر مبنی ہے پھر صرف اس ''برات عاشقاں بر شاخِ آہو'' سے اس معجزہ کا کیا حل نکلتا ہے؟ اس ''امید'' کا نام اگر علمی وسعت رکھا جائے تو کمیونسٹوں کو یہی امید ''آیات الوہیت'' کے متعلق بھی قائم ہے وہ بھی شب و روز اسی جدوجہد میں مصروف ہیں کہ قدرت کی جتنی آیات اور نشانیاں ہیں ان کے اسباب معلوم کر کے سب کو اپنی قدرت کے تحت لے آئیں۔ عالم تکوین میں قدرت کی یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے کہ وہ اول ہی قدم پر انسان کو ناکام نہیں کرتی اور بہت دور تک اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے۔ اس درمیان میں عاجز انسان کو بڑی بڑی غلط فہمیاں لگ جاتی ہیں آخر ایک حد پر پہنچ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے پاس سرمایہ عجز کے سوا کچھ نہ تھا اور زمام قدرت صرف ایک "**وحدہ لا شریک لہ**" کے ہاتھ میں تھی۔ قرآن کریم میں قدرت کے یہ فیصلے اقوام دنیا کی تاریخ میں جابجا مذکور ہیں۔

یا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق یہ توجیہ:

''عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا' لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا تعالیٰ رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کے اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی ممکن ہے کہ ''ولادت مسیح'' میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔''

مذکورہ بالا صورت میں بھی جب آخر کار خداوندی مداخلت کا سہارا لینا ہی پڑا تو پھر قانون فطرت میں کسی نئے اضافہ کے تسلیم کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اگر شروع سے ہی اس میں مداخلت خداوندی تسلیم کر لی جاتے تو بے وجہ ایک واسطہ اور بڑھانے کی ضرورت؟ پھر قانون فطرت میں اس اضافہ کو عارضی کہہ کر یہ سمجھ لینا کہ ہم نے حضرت مسیح کی ولادت کے عام قانون سے استثناء کا حل نکال لیا ہے صرف ایک خوش فہمی ہے' کیونکہ یہ سوال پھر اپنی جگہ اسی طرح موجود رہتا ہے کہ یہ اضافہ بھی خارق عادت ہوگا۔ لہٰذا اگر کسی خارق عادت کا صرف عارضی ہونا یہاں اس کے لیے وجہ جواز بن سکتا ہے تو پھر تمام معجزات میں بھی خاص خاص اضافات کو عارضی کہہ دینا کافی ہونا چاہیے اس کے علاوہ تاویل مذکور کا حاصل یہ ہے کہ ولادت مسیح بھی اسی قانون کے تحت قرار دی جائے جو عام انسانوں کے لیے مقرر ہے' یعنی مادہ تولید سے بچہ کا بننا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مادہ تولید کے داخل ہونے کا جو عام طریقہ ہے' ولادت مسیح میں وہ نہ ہوگا تو آج بھی دنیا میں مادہ تولید دوسرے طریقوں سے رحم مادر میں داخل کر کے بچہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ مشین کی حرارت سے مرغی کے انڈوں کے بچوں کی پیدائش کی۔ لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ''ولادت مسیح'' عام انسانوں کی طرح مادۂ تولید سے نہیں' بلکہ آدم علیہ السلام کی طرح صرف ''حرف کن'' سے وجود میں آئی ہے: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ﴾ (آل عمران: ۵۹)

مذکورہ بالا آیت میں ولادت مسیح میں جو صورت پیش آئی اس کا حل مع ایک نظیر کے حوالہ کے مذکور ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو کسی واسطہ کے بغیر صرف ''حرف کن'' سے بھی تخلیق پر قادر ہے۔ اس کے لیے یہ تولید اور عام

www.besturdubooks.net

طریقہ سے تولید دونوں برابر ہیں۔ آخر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش دونوں صنفوں کے مادوں سے بالاتر تھی تو جس قانون فطرت کے تحت اس کو تسلیم کرلیا گیا ہے اس کی ایک صنفی تخلیق کو بھی اسی قانون فطرت سے کیوں نہ تسلیم کرلیا جائے۔

تعجب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی تفصیلات جب خود قرآن کریم میں موجود تھیں تو پھر یہاں امکانات اور تخمینے لگانے کی جرأت کیسے کی گئی۔ یعنی حضرت مریمؑ کے سامنے جبرئیل علیہ السلام کا بصورت بشری متمثل ہوکر آنا اور اپنی آمد کی غرض و غایت بتانا حضرت مریمؑ کا اس پر اظہار تعجب کرنا اور فرشتہ کا یہ جواب دینا کہ ''اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ سب کرشمے آسان ہیں۔'' آخر فرشتے کا ان کے گریبان میں پھونک مارنا اور ان کا حاملہ ہو جانا یہ سب قرآنی بیان ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ ولادت مسیح کو قانون فطرت میں ایک عارضی اضافہ سے حل کیجئے یا براہ راست قدرت کے حوالہ کر کے حل کر لیجئے۔ لیکن یہاں ہمارے دور کے عقلاء کے لیے نفخہ جبرئیلی سے ولادت ایک اور نئی مشکل کا باعث ہو جائے گی اور معلوم نہیں کہ اس کا حل وہ کیا تلاش کریں گے کیا صرف ''والد کے بغیر ولادت'' ایک ناتمام ٹکڑے کے حل کرنے سے اس مفصل اعجازی ولادت کا کوئی حل نکلتا ہے؟

یہ جملہ معجزات تقریباً وہ تھے' جو قرآن کریم اور صحیحین میں موجود ہیں' جن میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی' لیکن معجزاتِ حسیہ جن کی نظروں میں صرف ''سطحی اور ظاہری معجزات'' ہوں ان کے لیے ان کی تاویل کر دینی بھی کیا مشکل تھی۔ ان تاویلات کے بعد ان عظیم الشان معجزات کی جتنی حیثیت باقی رہ جاتی ہے وہ بھی ظاہر ہے یعنی یہ کہ ''شق القمر اور عصاء موسیٰ علیہ السلام تو صرف دیکھنے والوں کی نظروں میں ایک تصرف تھا'' ''شق صدر ایک علم لدنی تھا'' اور ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی اسی عام مادہ سے تھی' مگر وہ مادہ رحم مادر میں دیگر رطوبات کی طرح خود بخود پیدا ہو گیا تھا۔'' اب یہ غور کر لینا چاہیے کہ اگر ان چند تاویلات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا ان سے معجزات کے باب کا کوئی اصل حل نکلتا ہے؟ یا ان تاویلات کی ''ریاضت'' کا اثر صرف انکار معجزات ہی نکلتا ہے' بلکہ جملہ ''بالاتر از عقول'' حقائق کی من مانی تاویلات کرنے کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ جو اہل علم ان حقائق کو مادی عقول سے بالاتر سمجھتے ہیں ان کی ''بے علمی'' نظروں میں سما جائے اور جب انسان بڑے بڑے محدثین کی طرف سے اس بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے علم پر نازاں ہو کر دین کو جس سانچے میں چاہے ڈھالنے پر دلیر بن جاتا ہے۔

یہاں اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ان معجزات کی مرادیں سلف صالحین اور اہل سنت والجماعۃ نے آج تک کیا یہی سمجھی تھیں۔ ہمارے دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ صرف لغت کے سہارے نہیں چلا بلکہ تعامل کے سہارے نقل ہوا ہے۔ ہم کو صحابہ کرامؓ سے جو ان معجزات کے مشاہدہ کرنے والے تھے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ایک بالا دست قدرت کے سوا ان کو کچھ اور سمجھا تھا حدیثوں میں موجود ہے کہ جب کبھی کھانے میں برکت کے متعلق ان سے سوال ہوا کہ یہ کہاں سے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر صرف اتنا کہہ دیا ''من ھھنا'' یعنی آسمان کی طرف سے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مذاق تو وہ تھا اور ایک یہ ہے ؏

وللناس فیما یعشقون مذاھب

www.besturdubooks.net

تاویلِ معجزات کے اسباب

انسانی دماغ کے فیصلوں پر اس کی ''مسموعات'' و ''مبصرات'' اور اس کی معلومات سے بڑھ کر ہمیشہ اس کے ''ماحول'' کا اثر پڑا کرتا ہے' جس ماحول میں وہ زمانہ طفولیت سے پرورش پاتا چلا آتا ہے وہ غیر شعوری طور پر اس سے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس کے لیے اپنی مبصرات و مسموعات کی تاویل کرنی کوئی مشکل نہیں رہتی صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی حیات کے دور اول سے لے کر آخر تک کبھی ذرہ برابر اس سے متاثر نہیں ہوتے' بلکہ قدرت کی عطا کردہ فطری طاقت سے اس ماحول ہی کو بدل دیتے ہیں اس ''انقلابی صفت'' میں ان ''نفوسِ قدسیہ'' کو دنیا کی دوسری ''انقلابی شخصیتوں'' کے مقابلہ میں کیا اور کتنا امتیاز حاصل ہوتا ہے؟ اس وقت اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اکبر الہ بادی کہتا ہے ۔

فخر کیا ہے جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں ''مرد وہ'' ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

اصل یہ ہے کہ دنیا کے عام عجائبات اور واقعات کا یقین بھی صرف دو صورتوں سے حاصل ہوتا ہے یا خود ان کے مشاہدہ سے یا کثرت کے ساتھ ان کے تذکرہ سے۔ دیکھئے روسی اور ''امریکی سیاروں'' کو دیکھتے دیکھتے اب ہمارے ذہن ان سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ اب جتنی عجیب سے عجیب باتیں ان کے متعلق کہی جائیں ان میں ذرا بھی کسی کو تردد نہیں ہوتا۔ ہمارے دور میں ایک طرف تو ''مسیحی'' اعتراضات کی بھرمار' دوسری طرف ''مادی ترقیات'' کا غلغلہ اتنا بلند ہو چکا ہے کہ اب ''عالم غیب'' کے عجائبات کی آوازیں مذہبی گھرانوں میں بھی بہت ''دھیمی'' سنائی دیتی ہیں اور بڑی آفت یہ کہ گھروں میں' عام محفلوں میں' اور خاص مواعظ کی مجلسوں میں' بھی ان امور کا چرچا تقریبا نابود ہو گیا ہے اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ کہ حدیث و قرآن کا مطالعہ سلف کے عقائد کی روشنی میں باقی نہیں رہا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جن دماغوں پر پہلے سے عالم غیب کے نقوش پختہ نہیں تھے وہ جب اس ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں تو ان کی طبیعتیں خواہ مخواہ ان بلند حقائق کی تاویل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور وہ ان تاویلات کو ایک ''جدید الکشاف'' و ریسرچ تصور کر لیتے ہیں کہنے والا بڑی آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو لوگ جدید معلومات نہیں رکھتے اور جدید ضروریات سے ناآشنا ہیں' وہ بھی اپنی محدود معلومات کی غلط فہمی میں معجزات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور اپنے ان ہی دقیانوسی خیالات پر ان کو ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ان دونوں کے درمیان فیصلہ کا صحیح راستہ یہ ہے کہ ایک بار آپ بالکل خالی الذہن ہو کر انبیائے سابقین کے معجزات جو قرآن کریم میں مذکور ہیں' سرسری طور پر پڑھ جایئے اس کے بعد پھر صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات مذکور ہیں' ان کا بار بار مطالعہ فرمالیجئے اور ان سب کو بیک وقت سامنے رکھ کر خود یہ فیصلہ کر لیجئے کہ یہ عجائبات ''خارق عادت'' تھے یا ''فطری قوانین'' کے تحت تھے اور جنہوں نے یہاں ان کے حل کرنے کی سعی کی ہے' کیا ان کو کامیابی حاصل ہوئی' مثلاً حضرت یوشع علیہ السلام کے عہد میں ''آفتاب کا تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جانا'' کیا اس کے متعلق صرف یہ لکھ دینا کہ ''آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے شاید اس اعجاز کی توجیہ بھی ہو جائے۔'' اس معجزہ کا کوئی تشفی بخش حل ہے؟ یا اس سے پہلے عنوان کے

www.besturdubooks.net

تحت معجزات کی جو تاویلات ذکر کی گئی ہیں' ان سے صرف چند احتمالات کے سوا تحقیق کی کوئی روشنی ملتی ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف احتمالات سے معجزات پر قلب میں یقین کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی' بلکہ معجزہ کی حقیقت کے برعکس یقین پیدا ہوتا ہے۔ یہ علمی بدنصیبی ہے کہ انسان صرف احتمالات سے اپنی سابقہ قوت یقین بھی کھو بیٹھتا ہے اور اس سے بڑھ کر بدنصیبی یہ کہ اس کے خلاف پر یقین کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ محض امکانات اور احتمالات یقین کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے کیا مفید ہو سکتے ہیں۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

واضح رہے کہ یہاں ہمارا خطاب ان مؤمنین کے ساتھ ہے' جو اپنی مذہبی ناواقفی کی وجہ سے شک و تردد کا شکار بن چکے ہیں۔ ان مادہ پرستوں سے نہیں' جو نہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں نہ رسولوں پر۔

معجزات پر تصنیفات اور ان کی محدثانہ حیثیت

معجزات پر تصنیفات کی حیثیت اور ان کے مصنفین کے اسماء گرامی ٭ اس موضوع کا اکابر محدثین نے ہمیشہ سے اہتمام فرمایا ہے اور اس پر مستقل تصانیف بھی فرمائی ہیں جیسا کہ حافظ ابوبکر بیہقی متوفی ۴۵۸ھ۔ حافظ ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ۔ امام ابواسحاق حربی متوفی ۲۵۵ھ۔ شیخ ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ھ۔ حافظ ابوجعفر فریابی متوفی ۳۰۱ھ۔ حافظ ابوزرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی متوفی ۲۶۰ھ۔ حافظ ابن الجوزی ۵۹۷ھ۔ حافظ عبداللہ المقدسی ۶۴۳ھ۔ ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ وغیرہم۔ ان سب حفاظ نے اپنی اپنی تصانیف میں آپ کے معجزات و فضائل کا اسنادوں کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ان میں سے بیہقی' ابن جوزی اور ابوعبداللہ مقدسی نے تو صحیحین کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کا اہتمام بھی فرمایا ہے' لیکن ابو زرعہ جو مسلم کے شیخ ہیں' ابوالشیخ اور ابونعیم وغیرہ نے یہ اہتمام نہیں کیا۔ صرف حدیثوں کے طرق ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں اور کہیں کہیں ان پر کچھ محدثانہ کلام بھی کر دیا ہے۔ ان میں سے اکثروں کے مؤلفات کا نام "دلائل النبوۃ" رکھا ہے۔ ان کے علاوہ اور ائمہ حدیث نے بھی اس موضوع پر تصانیف فرمائی ہیں اور آخر میں ان سب کا خلاصہ' علامہ سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ نے "خصائص الکبریٰ" میں جمع کر دیا ہے۔ بعض محدثین نے یہاں ایک اور مختصر اسلوب اختیار کیا ہے' یعنی اسانید حذف کر کے صرف روایات کے مآخذ ذکر کرنے پر کفایت کی ہے جیسا کہ قاضی عیاض نے (متوفی ۵۴۴ھ) "شفا" میں۔ بعض علماء نے اسانید اور مآخذ دونوں حذف کر دیئے ہیں اور صرف شہرت پر اکتفا کر کے آپ کے معجزات ذکر کر دیئے ہیں۔ جیسے قاضی عبدالجبار متوفی ۴۱۵ھ قاضی ماوردی متوفی ۴۵۰ھ۔ جاحظ متوفی ۲۵۶ھ۔ ابوالفتح سلیم بن ایوب رازی متوفی ۴۴۷ھ (دیکھو الجواب الصحیح ص ۲۴۲ جلد چہارم)

معجزات و فضائل میں صرف مصطلحہ صحیح حدیثوں پر اقتصار کرنا جمہور کا طریقہ نہیں رہا ٭ مذکورہ بالا محدثین میں تیسری صدی سے لے کر چھٹی اور ساتویں صدی تک کے مشاہیر محدثین شامل ہیں۔ ان محدثین کی شخصیت اور اپنی اپنی تصانیف میں ان کے اس اہتمام سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ارباب علم کی نظروں میں اس "باب" کی اہمیت ہمیشہ کتنی تھی۔ اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس باب میں صرف صحیحین کے ذکر کردہ معجزات پر اقتصار کرنا' یہ اکابر محدثین کا طریقہ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ اسانید سے

www.besturdubooks.net

ان کی ناواقفی نہیں' بلکہ موضوع فن کا اختلاف تھا جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔

ان تصنیفات کی حیثیت سمجھنے کے لیے چند امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ جب ان تصانیف سے محدثین کا مقصد آپ کے دلائل نبوت جمع کرنا تھا تو یہ کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس اہم باب کی بنیاد وہ دیدہ و دانستہ صرف موضوعات اور جعلی دفتروں پر قائم کرتے۔ لہذا اگر انہوں نے ضعیف حدیثیں جمع کی ہیں تو یقیناً ان کے نزدیک ان کی کوئی اصلیت ضرور ہوئی ہے۔ اس بات کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فن حدیث کی تصانیف میں محدثین کے اسالیب مختلف رہے ہیں۔ ان سب کے اصطلاحی نام' اصول حدیث میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ مثلاً تصنیف کی ایک قسم وہ ہے جس میں صرف مصطلحہ صحیح حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ اس قسم کی تصنیف کا نام "الصحیح" ہے۔

"الصحیح" کے علاوہ حدیث کی جملہ مصنفات میں ضعیف اور حسن حدیثیں بھی روایت کرنا جائز سمجھا گیا ہے ❋ مثلاً صحیح ابن عوانہ۔ صحیح ابن حبان۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن السکن وغیرہ۔ پھر صحت میں بھی ہر ایک کا مختلف معیار رہا ہے۔ ہر مصنف کی تالیف پر "الصحیح" کا اطلاق' اسی کے معیار کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ان میں بخاری و مسلم کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر بخاری کے معیار سے بقیہ محدثین کی "الصحیح" پر نظر ڈالی جائے تو وہ "الصحیح" تعریف سے خارج ہو جائیں گی' بلکہ بخاری کے معیار سے مسلم کی بعض صحیح حدیثوں کو بھی "الصحیح" کی تعریف سے خارج کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ مسانید و معاجم و سنن کے عنوانات سے تصانیف ہوئی ہیں' مگر ایک "الصحیح" کے علاوہ جتنی قسمیں بھی تصنیف ہوتی رہیں' ان سب میں صحیح کے ساتھ حسن اور ضعیف کا ذخیرہ بھی شامل ہوتا رہا ہے۔ امت نے کسی وقت بھی یہ ہمت نہیں کی کہ ترمذی' ابن ماجہ اور ابو داؤد وغیرہ کو اس لیے ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے کہ ان میں "ضعیف" حدیثیں بھی موجود ہیں۔ حالانکہ ان کتب کا اہم موضوع' احکام کا حصہ تھا۔ اس لیے اگر اصحاب طائل نے بھی اپنی تصنیفات میں ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں تو ان پر زیادہ برہم ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ بالخصوص جب کہ انہوں نے ہر روایت کی اسناد بھی ذکر کر دی ہے۔ اسی لیے جب شدت پسند محدثین نے ان پر اعتراض کیا تو علامہ ذہبی نے ان کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر ان کی کوئی کوتاہی ہو سکتی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہ انہوں نے ان روایات پر جو "موضوع" تھیں تنبیہ کیوں نہیں کی اور سکوت کیوں کیا؟"

مگر اس تنقید کا حق بھی ان ہی کو پہنچتا ہے جو علم و تقویٰ میں ایک دوسرے کی نظیر تھے ہم جیسے بے علموں کو یہ سمجھنا کافی ہے کہ "علم" کے عروج کے دور میں اگر مستقبل میں "جہل" کے عواقب کسی کے پیش نظر نہ رہیں تو کیا یہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ بڑی بڑی معتبر تصنیفات میں اور بڑے بڑے اماموں کے کلام میں چند جملے ایسے بھی مل جاتے ہیں' جن کو آئندہ چل کر گمراہوں نے اپنی گمراہی کی بنیاد بنا لیا' مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت ان اکابر کو اس انجام کا وسوسہ بھی گزرا ہوگا۔ یہاں پہنچ کر یہی کہنا پڑتا ہے:

یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا ۔ ایک صحیح بات کسی کے حق میں ضلالت اور کسی کے حق میں باعث ہدایت بن جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں کہ ان اکابر نے کتب دلائل میں آپ ﷺ کی سیرت کے اس حصہ کے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا' جو احکام و عقائد سے نہیں' بلکہ آپ ﷺ کے "فضائل" سے متعلق ہے تو پھر ان میں ضعیف حدیثوں کا تذکرہ جمہور محدثین

www.besturdubooks.net

کے نزدیک قابل اعتراض نہیں رہتا۔

سیرت کے تین حصے اور ان کے مراتب کے لحاظ سے ان کے معیار صحت کا تفاوت ❋ اس لحاظ سے آپ کی سیرت کے تین حصے سامنے آتے ہیں‘ ولادت سے قبل‘ ولادت کے بعد اور نبوت سے قبل‘ تیسرا نبوت و بعثت۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ولادت با سعادت اور اس سے قبل کے حالات یا تو آپ کے گھر والے یا خاندان کے دوسرے افراد یا کسی راہب یا کسی ہاتف جن یا کسی کاہن یا منجم کے ذریعے سے منقول ہوئے ہیں اور یہی ہو بھی سکتا تھا یا عام شہرت پر اس کی بنیاد ہوئی ہے اور یہ تمام طریقے دنیا میں سیرت کی نقل و ترتیب کے لیے کافی سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں شہادت و روایت کی دیگر شرائط تو درکنار سب سے پہلی شرط ''اسلام'' ہی مفقود ہے۔ ان کے لیے کون شخص ہے جو روایت کے اسلامی دور کی شرائط کو لازم‘ بلکہ معقول سمجھے۔ اس کے بعد پھر جب اسلامی دور آیا تو آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت 'آفتاب آمد دلیل آفتاب' بن کر سب کے سامنے موجود تھی۔ ہر شخص اپنے اپنے معیار پر اس کو پرکھ رہا تھا اور بڑی آسانی کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ رہا تھا۔ کس کو ضرورت تھی کہ وہ روزمرہ کے چشم دید واقعات کو نقد و تبصرہ کی میزان میں تو لنے بیٹھتا۔ ان حالات میں یہ کون قیاس کر سکتا ہے کہ سیرت کے اس حصہ کے متعلق بھی جو آپ کی نبوت‘ بلکہ ولادت سے بھی پہلا ہے۔

آپ کی بعثت سے قبل کے حالات کے لیے سند کا مطالعہ کرنا صرف محدثین کا امتیاز ہے ❋ کوئی اسناد ہاتھ لگ سکتی ہے۔ اس لیے بہت ممکن تھا کہ دنیا کے دیگر مشاہیر بزرگوں کی طرح اس کو بھی صرف 'عام شہرت'' کی بنا پر مدون کر دیا جاتا اور اگر ایسا کیا جاتا تو جس طرح دنیا کی ان شخصیتوں کے حالات جن پر دنیا کی تاریخ کا مدار ہے آج تک معتبر سمجھے جا رہے ہیں‘ آپ کے حالات بھی معتبر سمجھے جاتے‘ مگر ہمارے محدثین کی سخت گیری نے آپ کی سیرت کے معاملے میں یہاں بھی سند کا مطالبہ سامنے رکھ لیا اور اپنے زمانے سے لے کر آخر تک جن جن افراد سے وہ واقعات منقول ہوئے تھے‘ ان کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے لا کر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اب آپ کو اختیار ہے کہ ان کے اس تشدد پر آپ محدثین کے ذمہ الزامات لگائیں یا ان کی داد دیں!

آپ کی سیرت کا تیسرا حصہ وہ ہے جو بعثت کے بعد سے متعلق ہے اس کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ''عقائد و اعمال'' کا ہے اور دوسرا آپ کی ''عام زندگی'' کا پھر آپ کی عملی زندگی میں بھی ہم کو دو قسمیں نظر آتی ہیں۔ ایک آپ کی ''خصوصیات'' جیسے صوم وصال وغیرہ اور دوسری ''اتفاقیہ عادات''۔ اسی بنا پر فقہ میں بھی سنن ھدی اور سنن زوائد کے دو عنوان الگ الگ قائم کر دیئے گئے ہیں۔ سنن ھدی سے مراد آپ کی وہ شریعت ہے جس کی اتباع کی آپ کی امت بھی مامور ہے اور جو آپ کی اتفاقی عادات تھیں وہ سنن زوائد میں داخل ہیں آپ کی امت ان کی اتباع کی مکلف نہیں یہ الگ بات ہے کہ صحابہ میں ایک جماعت ایسی بھی نظر آتی ہے‘ جنھوں نے اپنے جذبات اور شغف اتباع میں آپ کی ''اتفاقیات'' میں بھی اتباع کی ہے۔ پھر آپ کی شریعت کے اس حصہ پر جب نظر کی جاتی ہے‘ جو سنن ھدی کہلاتا ہے تو اس کے بھی دو پہلو نظر آتے ہیں ایک وہ جوامت سے متعلق ہے مثلاً کسی چیز کا حلال و حرام‘ واجب اور مستحب ہونا۔ دوسرا وہ جو بندوں کے اعمال کے ثواب و عقاب سے متعلق ہے‘ مثلاً کسی عبادت کا ثواب یا کسی گناہ کے عذاب کی مقدار یا جنت و دوزخ کے راحت و آلام کا تذکرہ۔ اگرچہ دین مجموعی لحاظ سے ان دونوں اجزاء کو

www.besturdubooks.net

شامل ہے' لیکن جہاں تک اعمال امت کا تعلق ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔ دین کا یہ حصہ جو عمل یا عقیدہ سے متعلق ہے' اس میں بال برابر فرق آنے سے ''دین'' اور ''تحریف دین'' یعنی سنت اور بدعت کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص بالفرض کسی عبادت کے ثواب یا کسی گناہ کے عذاب میں کچھ نشیب و فراز کر گزرتا ہے تو اگرچہ بلاشبہ وہ ایک بڑی غلطی کا مرتکب ہے' لیکن اس سے دین کے عملی حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے بدعواقب کی ذمہ داری تنہا اسی کی ذات تک محدود رہتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد جب آپ سلف کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ان تمام اقسام اور ان میں فروق کی رعایت کرتے تھے' جہاں ان کے سامنے کسی عقیدہ کی بحث آگئی۔ بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہاں ان کو لفظی ترمیم کرنی بھی برداشت نہ تھی اور جب کوئی عمل کا باب آیا بس وہیں کب' کیسا اور کتنا کی بحث شروع ہوگئی۔ ''رفع یدین'' و ''آمین'' کے مسائل ہمارے آج کل کے تعلیمی دماغوں کے لیے تو ایک معمولی مسائل ہیں' مگر جب آپ صحابہ اور محدثین کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو ان کے نزدیک یہ معرکۃ الآراء مسائل میں داخل نظر آئیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی وجہ سے ان میں نزاعات نہ تھے' جنگ و جدل نہ ہوتا تھا اور صرف ان فروعی اختلافات کی بنا پر کوئی فرقہ بندی نہ کی جاتی تھی۔ ان کا یہ اہتمام جو کچھ بھی تھا وہ صرف ایک سنت کی تلاش اور دین کی زیادہ سے زیادہ اتباع کے لیے تھا' حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ احکام و عقائد کی حدیث روایت کرتے تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ گلے کی رگیں پھول جاتیں' آواز کانپنے لگتی اور اسی پر بس نہیں بلکہ روایت حدیث کے بعد احتیاط کے جتنے کلمات وہ استعمال کر سکتے تھے کر لیتے' مثلاً ''او کما قال'' نحو'' ''مثلہ'' سلام کا ایک معمولی سا مسئلہ جب حضرت عمرؓ کے سامنے آپ کی طرف نسبت کے ساتھ ذکر کیا گیا تو فوراً انہوں نے تہدید آمیز لہجہ میں اس پر شہادت پیش کرنے کا مطالبہ فرمایا' حتیٰ کہ اسی قسم کے واقعات سے محدثین کے ہاں یہ بحث پیدا ہو گئی کہ ''خبر واحد'' سلف میں حجت سمجھی جاتی تھی یا نہیں۔ اس کے برخلاف آپ کی زندگی کے عام واقعات تھے وہ ان پر اسی طرح یقین کر لیتے تھے جس طرح ہمیشہ ان پر دنیا یقین کرتی چلی آئی ہے اور اسی طرح ان کی روایت کرنے میں بھی عرف و عادت کے مطابق آزاد نظر آتے تھے۔ صحابہؓ کے اس طرز عمل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے ان مختلف حصوں کی روایت کرنے میں ان کے نزدیک بھی سختی و نرمی کا فرق ملحوظ رہتا تھا' یہ بات الگ ہے کہ جب آپ کی سیرت کا پہلا حصہ بھی اسناد کے بغیر قابل قبول نہ سمجھا گیا ہو تو نبوت کے بعد کا حصہ کب قابل قبول ہو سکتا تھا۔ ان ہی فروق کو جو درحقیقت سلف صالحین کے اپنے صحیح تاثرات تھے' محدثین نے اصطلاحی الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک گو مجموعی دین سند کے ساتھ ہی منقول ہوا ہے' مگر جس طرح اس مجموعہ کے اجزاء میں مراتب کا تفاوت تھا اسی طرح اس کی نقل میں بھی مراتب تفاوت کا لحاظ رہا ہے اور یہ صرف محدثین کا تساہل نہیں' بلکہ ان کی مراتب شناسی کا نتیجہ تھا اور بالکل معقول تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ہر جگہ شدت اختیار کرنے سے سیرت اور فضائل اعمال کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اور ہر جگہ تساہل کرنے سے احکام و عقائد کا بنیادی حصہ بھی مشتبہ ہو جائے گا اس لیے سیرت کے اس حصہ پر بھی وہی نقد و تبصرہ شروع کر دینا' جو احکام و عقائد کی حدیثوں پر محدثین کا معمول رہا ہے' ان کے طریق سے بالکل ناواقفی ہے۔ محدث صابونی' معجزہ کی ایک روایت پر جرح کر کے لکھتے ہیں:

www.besturdubooks.net

احکام وعقائد اور معجزات وفضائل کی حدیثوں کی روایت کے متعلق محدثین کی تصریحات * "هو في المعجزات حسن" (زرقانی ج ۱ ص ۱۲۷) یعنی معجزات میں وہ روایت اچھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اسی سلسلہ کی ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

و هذا سياق حسن عليه البهاء و النور و سيماء الصدق و ان كان في رجاله من هو متكلم فيه. (البدایه و النهایه ج ۲ ص ۳۱۹)

اس واقعہ کی اسناد میں اگرچہ ایسے راوی ہیں جن میں کلام کیا گیا ہے بایں ہمہ یہاں ایسے قرائن موجود ہیں جن کی وجہ سے اس روایت پر صدق وصفا کا نور چمک رہا ہے۔

حافظ زرقانی شرح مواہب میں اصول کے طور پر لکھتے ہیں:۔

لان عادة المحدثين التساهل في غير الاحكام و العقائد. (زرقانی ج ۱ ص ۱۷۲)

یہ اس لیے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد واحکام کے علاوہ دوسری روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ[1] کی محدثانہ طبیعت سے کون واقف نہیں مگر وہ بہت تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:۔

و لا يجوزان يعتمد في الشريعة على الاحاديث الضعيفه التي ليست صحيحة و لا حسنة. لكن احمد بن حنبل و غيره من العلماء جوزوا ان يروى في فضائل الاعمال مالم يعلم انه ثابت اذالم يعلم انه كذب. و ذالك ان العمل اذا علم انه مشروع بدليل شرعي. وروى في فضله حديث لا يعلم انه كذب جازان يكون الثواب حقا و لم يقل احد من الائمة انه يجوزان يجعل الشيئي و اجبا او مستحبا بحديث ضعيف. و من قال هذا فقد خالف الاجماع. (التوسل و الوسیلة ص ۷۷)

احکام وعقائد کے متعلق ان ضعیف حدیثوں پر اعتماد کرنا جو صحیح بھی نہ ہوں اور حسن بھی نہ ہوں جائز نہیں ہے۔ لیکن امام احمد وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ایسی حدیثیں روایت کی جا سکتی ہیں' جن کے متعلق ثبوت کا یقین نہ ہو بشرطیکہ یہ یقین حاصل ہو کہ وہ جھوٹی نہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مشروع ہونا کسی شرعی دلیل سے پہلے ثابت ہو چکا ہو تو اس کے بعد اگر کسی ایسی حدیث میں جس کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو اس کے متعلق کوئی فضیلت مذکور ہو تو اس ثواب کے صحیح ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے' لیکن کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کا واجب یا مستحب قرار دے دینا یہ کسی امام کے نزدیک بھی جائز نہیں اور جس نے یہ کہا اس نے اجماع کے خلاف کیا۔

و الحديث اذا لم يعلم انه كذب فروايته في الفضائل امر قريب اما اذا علم انه

حدیث کے متعلق جب یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو فضائل میں اس کی روایت کرنا قرین قیاس ہے لیکن جب یہ معلوم ہو

---

[1] ہم کہتے ہیں کہ یہ حافظ ابن تیمیہؒ کا اپنا زور قلم ہے ورنہ ہم شیخ ابن ہمام سے نقل کر چکے ہیں کہ ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔ گو ثبوت حکم اپنی دلیل کی قوت وضعف کے مناسب ہوتا ہے۔ ترجمان السنہ کی گذشتہ جلد میں یہ بحث مع حوالہ کے پیش کی جا چکی ہے۔

www.besturdubooks.net

كذب فلا يجوز روايته الا مع بيان حاله.
(اقتضاء الصراط المستقيم ص ۱۰۳)

کہ وہ جھوٹی ہے تو پھر اس کی روایت صرف اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس کا حال بھی بیان کر دیا جائے۔

ملا علی قاریؒ اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں لکھتے ہیں:۔

قال السيوطي: اطبق علماء الحديث على انه لا يحل رواية الموضوع في اى معنى كان الامقرونا ببيان وضعه بخلاف الضعيف فانه يجوز روايته في غير الاحكام و العقائد. قال و ممن جزم بذلك النووى و ابن جماعة و الطيبي و البلقيني و العراقي.

امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ موضوع روایت خواہ وہ کسی باب کی بھی ہو بیان کرنا جائز نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ اس کا موضوع ہونا بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیا جائے بخلاف ضعیف حدیث کے کہ احکام و عقائد کے علاوہ دوسرے ابواب میں اس کا روایت کرنا جائز ہے۔ امام نووی، ابن جماعہ، طیبی، بلقینی اور عراقی کا مختار بھی یہی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اپنی مشہور تصنیف مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل في الاسانيد و روايته ما سوى الموضوع من انواع الاحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سوى صفات الله و احكام الشريعة من الحلال و الحرام وغيرهما كالمواعظ و القصص و فضائل الاعمال و سائر فنون الترغيب و الترهيب و سائر مالا تعلق له بالاحكام و العقائد الخ. (مقدمہ مصری ص ۳۹)

اہل حدیث اور دوسرے اصحاب کے نزدیک بھی اسانید میں نرمی برتنی جائز ہے بلکہ موضوع حدیثوں کے علاوہ ہر قسم کی روایت کرنا درست ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شریعت کے احکام اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ ان ضعیف حدیثوں کے ضعف پر تنبیہ کرنا بھی لازم نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مواعظ اور فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کی حدیثوں میں جن کا احکام سے تعلق نہ ہو ضعیف حدیثیں روایت کرنی یہ سب درست ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح)

ان کبار علماء کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ عام سیرت تو درکنار اعمال کے متعلق فضائل کی حدیثوں میں بھی ضعیف حدیثیں روایت کی جاسکتی ہیں اور یہ کہ حدیث 'من كذب على الخ' کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں یہ لکھ ڈالنا کہ ''معجزات ہوں یا فضائل ضروری ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی بھی نسبت کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو'' یہ بالکل خلاف تحقیق ہے۔ پھر اس کی نسبت امام نووی، ابن جماعہ، عراقی اور بلقینی وغیرہ محدثین کی جانب کرنی یہ ایک علمی سہو ہے اور خلاف واقع ہے۔ فضائل تو درکنار، حلال و حرام کی تمام حدیثوں کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ان کی نسبت ہر جگہ شک و شبہ سے پاک ہے۔ یہ صرف معتزلہ کی ایک ''خوش کن تعبیر ہے'' اور بس۔ علماء شرع کے نزدیک یقین کے ساتھ ظن بھی حجت

www.besturdubooks.net

ہے۔تفصیل ہمارے مضمون ''حجیت حدیث'' میں دیکھ لی جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کتب دلائل[1] میں اگر ضعیف حدیثیں آ گئی ہیں تو یہ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے مصنفین کا علمی قصور یا تساہل ہے' بلکہ اس لیے کہ ان کا موضوع تصنیف ہی وسیع ہے۔ اگر یہاں امام بخاریؒ بھی آ جائیں تو ان کا مشرب بھی آپ کو اتنا ہی وسیع نظر آئے گا۔ اسی طرح اگر یہی اصحاب دلائل احکام وعقائد کے باب میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو وہ بھی شدت پسند نظر آئیں گے۔ آخر ''الصحیح'' کو چھوڑ کر ''ادب المفرد'' اور تاریخ صغیر و کبیر اور جزء رفع الیدین وغیرہ امام بخاریؒ ہی کی تصانیف تو ہیں' پھر ان کے تشدد کا معیار یہاں وہ کیوں نہیں رہا؟ کیا یہاں ان پر تساہل کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔

حدیث موضوع اور اس کی روایت کرنا ٭ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جس حدیث کو اصطلاح میں موضوع کہا جاتا ہے۔ محدثین نے کسی تنبیہ کے بغیر اس کی روایت کرنے کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس میں کسی حصہ کی کوئی تفریق نہیں ہے اور کیسے تفریق کی جا سکتی تھی جب کہ کذب' شریعت میں یوں بھی ایک بدترین جرم سمجھا گیا ہے۔ اور جب اس جرم کا ارتکاب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہو تو اس کی قباحت اور شناعت کا خود اندازہ کر لیجئے اسی کا نام عرف محدثین میں ''موضوع'' ہے اور اس کے وضع پر تنبیہ کیے بغیر اس کی روایت کرنا بھی بڑی فروگذاشت ہے۔ اس میں احکام وعقائد ہوں یا اعمال وفضائل کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تو درکنار دنیا کے کسی عام سے عام شخص کے متعلق بھی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے اور درحقیقت من كذب علي متعمدا کا مصداق یہی تعمد کی صورت ہے' یعنی جان بوجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کسی جھوٹ کی نسبت کی جائے' خواہ وہ آپ کے کسی بھی شعبہ زندگی کے متعلق ہو۔ ضعیف حدیثوں کو بھی اسی لپیٹ میں لے لینا جن کا ایک ایک راوی بیان کر دیا جائے' یہ بالکل خلاف تحقیق اور مذہب جمہور کے مخالف ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ امام احمد کی مسند میں حدیثوں کے روایت کرنے کے معیار کو اپنے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

و كان احمد على ما تدل عليه طريقته في المسند' اذا راى ان الحديث موضوع او قريب من الموضوع لم يحدث به و لذلك ضرب على احاديث رجال فلم يحدث بها في المسند. (اقتضاء الصراط المستقيم ص ۱۵۷)

امام احمد کا جو طریقہ روایت ان کی مسند میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ کسی حدیث کو موضوع یا موضوع سے قریب پاتے ہیں' پھر اس کی روایت نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت سے راویوں کی حدیثیں قلم زد کر دیں' اور انہیں مسند میں ذکر نہیں کیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسند میں جو حدیثیں امام احمد نے قلم زد کی ہیں وہ صرف وہی ہیں' جو موضوع یا اس کے قریب تھیں۔ عام ضعیف حدیثیں اپنی مسند سے خارج نہیں کیں۔ پھر ہر ضعیف حدیث کی روایت کو حرام قرار دے دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا مصنفین ''دلائل'' کے ساتھ امام احمدؒ کو بھی اسی فہرست میں داخل کرنے کی جرأت کی جا سکتی ہے؟۔

---

[1] یعنی دلائل نبوت' مراد معجزات ۱۲ مصحح۔

www.besturdubooks.net

محدثین کی اصطلاح میں ضعیف حدیث کی تعریف ✵ محدثین کے نزدیک ہر حدیث جس میں صحیح وحسن کے شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو وہ ''ضعیف'' کہلاتی ہے' مگر اس پر موضوع کا اطلاق اس وقت تک ہرگز نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس میں راوی کا کذب ثابت نہ ہو جائے۔ لہٰذا یہاں زورِ قلم میں آ کر ہر ضعیف حدیث پر ''موضوع'' کا اطلاق کر دینا محدثین کی اصطلاح سے لاعلمی ہے اور ہر ضعیف حدیث کی روایت کو لغو جھوٹ اور جعلی دفتر کہہ کر حرام قرار دے دینا بھی فن کے معمولی قواعد سے انتہائی ناواقفی ہے۔

حدیث ضعیف کی دو قسمیں مقبول اور مردود ✵ محدثین نے ضعیف حدیث کی بھی دو قسمیں کی ہیں اور اس کے حالات بھی مختلف لکھے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کے ساتھ کچھ قرائن اور شواہد ایسے جمع ہو جاتے ہیں' جو اہل فن کے نزدیک اس کو قابل اعتبار بنا دیتے ہیں اور کبھی ایسے قرائن جمع نہیں ہوتے۔ پہلی صورت میں وہ ضعیف ہونے کے باوجود ''حدیث مقبول'' کی قسم میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ بھی قابل عمل سمجھی جاتی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ میت[1] کو دفن کے بعد تلقین کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

و روی فی تلقین المیت بعد الدفن حدیث فیه نظر لکن عمل به رجال من اهل الشام الاولین مع روایتهم له فلذالک استحبه اکثر اصحابنا وغیرهم. (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۲۶)	دفن کے بعد تلقین میت کے بارے میں جو حدیث مروی ہے۔ اس میں کلام کیا گیا ہے' مگر چونکہ شام کے اہل علم اس کی روایت کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے تھے اس لیے اکثر حنبلی علماء نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فضائل تو درکنار بعض مرتبہ ضعیف حدیث احکام و مسائل کے باب میں بھی قابل عمل سمجھی جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہاں قرائن ایسے موجود ہوں اور جہاں یہ قرائن جمع نہیں ہوتے اس کو اصطلاح میں ''مردود'' کہتے ہیں۔ محدثین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر لغو' جھوٹ جیسے قبیح الفاظ کا اطلاق کرنا درست ہے' بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب تک اس کا حال واضح نہ ہو جائے اس پر عمل نہ کیا جائے۔ (دیکھو شرح نخبۃ الفکر وغیرہ)۔

صحیح وضعیف کے معنی میں محدثین کی اصطلاح اور اردو کے استعمال میں فرق کرنا لازم ہے ✵ یہاں صحیح وضعیف کے اطلاق کرنے یا انکار کرنے میں اردو کے استعمال کا فرق ملحوظ رکھنا بھی بہت اہم ہے۔ اردو کے استعمال میں ہر اس بات کو جو اہل فہم وعقل کے نزدیک قابل اعتبار ہو کسی اعتراض کے بغیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے۔ خواہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق کسی ہلکے سے ہلکے معیار پر بھی اس کو صحیح نہ کہا جا سکے اس کے مقابلے میں صحیح نہ ہونے کا مطلب اردو میں یہ ہوتا ہے کہ وہ بات نا قابل اعتبار ہے' لیکن محدثین کی اصطلاح میں صحت کے لیے خاص خاص شرائط ہیں اور پھر اس کے اندر بھی مختلف مراتب ہیں۔ اس کے بعد پھر حسن کا

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ کے اس اقرار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث سے بھی استحباب ثابت ہو سکتا ہے' جو بلا شبہ حکم شرعی ہے۔ اس کو موصوف نے ابھی گذشتہ صفحات میں خلاف اجماع فرمایا ہے' ہم یہ حاشیہ میں تنبیہ کر چکے ہیں کہ شیخ ابن ہمام نے ثبوت استحباب کو تسلیم کیا ہے۔

www.besturdubooks.net

درجہ ہے اور اس کے بھی بے شمار مدارج ہیں- اس کے بعد پھر ضعیف کا درجہ ہے اور اس میں بھی مراتب کا یہی حال ہے' جن میں سے ضعیف حدیث کبھی کبھی مقبول بھی شمار ہو جاتی ہے- اس لحاظ سے محدثین کی اصطلاح کے مطابق کسی حدیث پر یہ حکم دیکھ کر کہ وہ صحیح نہیں ہے' اس کا مردود ہونا سمجھ لینا یہ بالکل غلط ہوگا اس کے برخلاف اردو کے محاورہ میں اس کے صحیح نہ ہونے کا یہی مطلب سمجھا جائے گا کہ وہ ناقابل اعتبار اور مردود ہے بلکہ اگر کسی کے سامنے یہ کہا جائے کہ امام بخاری و مسلم نے اس کی صحت کا انکار کیا ہے تو ایک اردو خواں اس مغالطہ میں بھی بجا طور پر پھنس سکتا ہے کہ جب یہ بات ان جیسے اکابر محدثین کے نزدیک صحیح نہیں تو وہ یقیناً بالکل جھوٹ' لغو اور افتراء ہوگی حالانکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس کی صحت کا انکار جتنے بڑے محدث سے منقول ہوگا اسی قدر اس سے ہلکے معیار والے محدث کے نزدیک اس بات کی صحت کا احتمال باقی رہے گا- اس لیے معجزات کی حدیثوں پر جہاں محدثین کی جانب سے "لا یصح" کا حکم منقول ہے' اس کا اردو ترجمہ کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے' ورنہ محدثین کی اصطلاحات سے ناواقف لوگوں کو ہمیشہ یہاں یہ مغالطہ رہ سکتا ہے کہ یہ روایات سب بے سروپا اور لغو ہیں بلکہ اسی مغالطہ میں بعض تعلیم یافتہ بھی مبتلا ہو سکتے ہیں اور ان کو بھی اس نکتہ سے غفلت رہ سکتی ہے کہ محدث کے کسی حدیث کی صحت سے انکار کا مطلب وہ نہیں ہے جو اردو میں اس سے انکار کا مطلب سمجھا جاتا ہے-

ضعیف یا موضوع ہونے سے حدیث کا مطلقاً موضوع یا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا ٭ ان علمی مباحث اور فنی اصطلاحات کو ایک اردو تصنیف میں اور کہاں تک طول دیا جائے- اصول حدیث میں اس کی بھی تصریح ہے کہ کسی حدیث پر کسی محدث کے ضعف کا حکم لگا دینے سے اس حدیث کا مطلقاً ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا' بلکہ بعض اوقات وہ حکم صرف اس اسناد کے لحاظ سے ہوتا ہے' جو اس وقت اس محدث کے سامنے ہوتی ہے- لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو ایک اسناد کے لحاظ سے "ضعیف" کہہ دیا جائے اور دوسری اسناد کے لحاظ سے وہ "قوی" ہو- یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے بعض حدیثوں پر ضعف کا حکم لگایا ہے- حالانکہ خارج میں وہ صحیح اسناد سے ثابت ہیں- یہاں ایک ناواقف شخص تو حیرت میں پڑ جاتا ہے مگر اہل فن سمجھ لیتا ہے کہ امام موصوف کا یہ حکم صرف اس خاص اسناد پر ہے-

نکتہ ٭ اور یہی وجہ ہے کہ بعض حدیثوں پر بڑے بڑے محدثین نے موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے' لیکن جن حفاظ کو اس کی اچھی سند مل گئی ہے انہوں نے اس حکم کو تسلیم نہیں کیا' بلکہ صرف اسی سند تک محدود سمجھا جو اس وقت موضوع کہنے والوں کے سامنے تھی- اس کے شواہد اسی کتاب میں آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گزریں گے-

محدثین کی اصطلاح میں "لا یصح" اور "لا یثبت" کے درمیان بڑا فرق ہے اور اس سے بھی حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا ٭ مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے رسالہ "الرفع و التکمیل" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "بسا اوقات محدثین کسی حدیث کے متعلق لا یصح اور لا یثبت کا لفظ فرما دیتے ہیں- ناواقف اس سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع یا ضعیف ہے- یہ خیال ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے-

چنانچہ حافظ نور الدینؒ فرماتے ہیں کہ:

www.besturdubooks.net

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کے متعلق جو عاشورا کے دن اپنے عیال پر وسعت کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ **لایصح** کا لفظ فرمایا ہے، مگر ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث گو صحت کے رتبہ کی نہ ہو، مگر قابل استدلال ہوتی ہے کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ایک درجہ ''حسن'' کا بھی ہے۔

اسی طرح حافظ زرکشی نکت ابن صلاح میں فرماتے ہیں کہ:

ہمارے "**لایصح**" اور "**موضوع**" کہنے میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ "**موضوع**" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں راوی کا جھوٹ اور وضع ثابت ہو گیا اور "**لایصح**" کے لفظ میں صرف اپنے علم میں صحت کی نفی کا حکم ہے، یعنی فلاں حدیث ہمارے علم میں ثابت نہیں ہوئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ''اس کا نہ ہونا'' یہ ہمارے علم میں ثابت ہے۔ یہی بات ان تمام حدیثوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے جن کے بارے میں ابن جوزی نے "**لایصح**" کا حکم لگا دیا ہے۔

اسی طرح حافظ قسطلانی نے شب نصف شعبان کی حدیث کے متعلق حافظ ابن رجب سے یہ نقل کیا ہے کہ:

ابن حبان اس کو صحیح کہتے تھے۔

حافظ زرقانی کہتے ہیں کہ:

ابن حبان کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن دحیہ کا اس شب کی فضیلت کے متعلق مطلقاً یہ حکم لگا دینا کہ "**لم یصح فیھا شیء**" یعنی اس کے متعلق کوئی حدیث بھی صحت کو نہیں پہنچی، درست نہیں تھا۔ ہاں ابن دحیہ کا یہ حکم اس وقت قابل تسلیم ہو سکتا ہے جب کہ "**لم یصح**" میں صحت سے مراد ''صحت اصطلاحی'' کی نفی لی جائے۔ کیونکہ بلاشبہ معاذؓ کی جو حدیث اس شب کی فضیلت میں روایت ہوئی ہے وہ صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی، لیکن وہ ''حسن'' ضرور ہے۔

(دیکھو ترجمان السنہ مقدمہ ص ۲٦)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

محدثین جب کسی حدیث کے متعلق یہ حکم لگاتے ہیں کہ وہ ''ضعیف ہے'' تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس پر صدق کا حکم لگایا نہیں جا سکتا۔ اس کی مراد یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ صرف اتنی بات سے اس کے راوی پر کذب کا حکم لگا دیا جائے یا جو مضمون اس نے نقل کیا ہے، اس کی نفی کر دی جائے۔ اگرچہ اس کی نفی کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہو۔ لہٰذا اس قسم کے مقامات پر ہم سکوت کریں گے، نہ اس کے ثبوت کا حکم لگائیں گے اور نہ نفی کا۔ اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کیونکہ بہت سے لوگ کسی بات کی مدلل نفی کرنے میں اور بے دلیل بات پر ثبوت کا حکم نہ لگانے میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے اور ہر ایسی بات کی نفی کر ڈالتے ہیں، جس کا ثبوت ان کے علم میں نہیں ہوتا اور "**لا تقف ما لیس لک به علم**" کے خلاف کرتے ہیں۔ (دیکھو ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۸)

اگر مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھا جاتا تو کتب دلائل کی حدیثوں کے متعلق لغو، جھوٹ کے الفاظ جس کثرت سے استعمال

www.besturdubooks.net

کیے گئے ہیں یقیناً وہ اس سے کئی درجہ گھٹ جاتے اور اگر اس کی رعایت بھی کر لی جائے کہ بعض مرتبہ وضع وضعف کا حکم پوری روایت پر نہیں ہوتا بلکہ صرف کسی زیادتی کے اعتبار سے ہوتا ہے جو بعض راویوں نے بڑھا دی ہے تو ضعیف حدیثوں کی تعداد اور بھی کم ہو جائے گی- خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو دین تیرہ سو سال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ لے کر منتقل ہو رہا ہے' اس کے متعلق ہر جگہ اعلیٰ معیار کی شرط صرف وہ شخص لگا سکتا ہے' جو نہ تو دین کی تفصیلات پر نظر رکھتا ہے نہ اس کی تبلیغ کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے- وہ صرف لفظی دنیا میں بسر کرتا ہے وہ صرف مذبذبین کے قلوب کو ان خوش کن تعبیرات سے مسخر تو کر سکتا ہے' لیکن عملی دنیا میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا' بلکہ چلنا چاہتا بھی نہیں- اسی لیے محدثین نے مختلف مراتب اور مختلف شرائط کی تصانیف فرمائی ہیں- ان میں صحیح سے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کی بھی ہیں اور متوسط معیار کی بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جن میں ضعیف حدیثیں شامل ہیں اگرچہ ان کی ضعیف حدیثیں بھی مؤرخین دنیا کی صحیح سے صحیح خبروں سے بھی کہیں زیادہ قابل اعتبار ہیں- بلکہ موضوعات پر بھی مبسوط اور مستقل تصانیف فرمائی ہیں جن میں ان احادیث کے متعلق اپنی اپنی آراء کو ظاہر فرمایا ہے- اور ان احادیث کے موضوع ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بھی کلام کیا ہے-

تنبیہ ❋ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ ہمارا کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانا بھی قطعی نہیں ہوتا' بلکہ صرف اپنے علم پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی تفصیل بیان کی ہے- مراجعت کی جائے- اس کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فن حدیث بازیچۂ اطفال نہیں- لہٰذا یہاں احتیاط میں ضعیف حدیثوں کو مطلقاً لغو اور جھوٹ کا دفتر قرار دے دینا صرف نظر کا قصور ہے- جس طرح صحت کا حکم لگانا' علم وتقویٰ کا محتاج ہے- اسی طرح کذب اور باطل کا حکم لگانا بھی علم وتقویٰ کا محتاج ہے- یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ کے سامنے جب کوئی ضعیف حدیث آتی اور اس کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو اگرچہ وہ ان کا مختار نہ ہوتی مگر کم از کم ایک مرتبہ وہ اس پر بھی عمل کر لیتے- مبادا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو اور ہمارے قصور علم کی وجہ سے صحیح طریقہ پر ہم کو نہ پہنچا ہو-

امام احمد اور دیگر ائمہ کی نظروں میں حدیث ضعیف کی اہمیت کی وجہ ❋ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ حدیث ضعیف کی ائمہ ومحدثین کے نزدیک اہمیت کیوں ہے؟ وہ خوب جانتے ہیں کہ ضعیف ہونے کا حکم جس معیار پر لگا دیا جاتا ہے' اس سے کسی خبر کا نفس الامر میں باطل اور بے اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا' بلکہ ان کا ثبوت کبھی دنیا کی معتبر خبروں سے زیادہ مضبوط طریق پر موجود ہوتا ہے- مگر چونکہ محدثین کے اس سخت معیار پر وہ پورا نہیں اترتا جو انہوں نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لیے مقرر کیا ہے' اس لیے وہ اس معیار کے مطابق اس کو اصطلاحاً ''صحیح'' نہیں کہہ سکتے اور بعض مرتبہ اس کے ضعیف ہونے کے اقرار کے ساتھ ساتھ وہ یہ تصریح بھی کر جاتے ہیں کہ اس کو ضابطہ میں گو صحیح نہ کہا جا سکے' مگر دوسرے قرائن کے لحاظ سے وہ قابل تسلیم ہے' اس لیے ضعیف حدیثوں کی وجہ سے کتب دلائل کی حیثیت آج کل کے مولود شریف کی موضوع کتابوں کے برابر سمجھ لینا اصطلاحات سے ناواقفیت کے سوا ان کی علمی ناقدری بھی ہے اور اس قیمتی ذخیرہ کا تلف کر دینا ہے' جو ہمارے دین سے متعلق ہے' کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حکم شرعی اپنی جگہ ثابت شدہ ہو اور جو ''ضعف'' ہم کو اس میں نظر آ رہا ہے وہ ہماری روایت اور درایت کے مطابق ہو-

www.besturdubooks.net

کتب دلائل کو مروجہ میلاد شریف کے دور کی تالیفات سمجھنا ایک علمی اور تاریخی فروگذاشت ہے ✱ جہاں تک ہم کو معلوم ہے مولود شریف کی مجالس کے سب سے پہلے باضابطہ سجانے والے ملک مظفر ابوسعید ہیں' جن کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی ہے (دیکھو شرح المواہب ج ۱ ص ۱۳۹) - اس لحاظ سے ان مجالس کا رواج بظاہر چھٹی صدی کے آخر سے شروع ہوا ہو گا - اس کے بعد پھر الناس علی دین ملوکھم کے ضابطہ کے موافق شدہ شدہ ان کا عام رواج پڑ گیا ہوگا - چونکہ کتب دلائل کی اکثر تالیفات تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کی ابتداء میں ہوئی ہیں' اس لیے ان کا زمانہ بظاہر مولود شریف کے رواج عام سے پہلے پہلے کا زمانہ ہے' لہٰذا ان ائمہ' حدیث کے متعلق حسب ذیل کلمات لکھ دینا ان کے حق میں ناحق کی بدگمانی تو ہے ہی' ایک تاریخی فروگذاشت بھی ہے- (کتب دلائل)

''یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے-''

''ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر نہیں رکھیں یا یوں کہو کہ عشق نبوی نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا-''

''ان روایتوں کا بڑا حصہ انہیں کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے' جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں''-

''بیہقی اور ابونعیم نے ولائل میں اور سیوطی نے خصائص میں علا یہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں انہیں کے مثل آپ کے معجزات ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر نکالے ....ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلے کے لیے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں- اس لیے لوگوں نے انہیں ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پردازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا-''

''یہ ایک معمولی واقعہ ہے' مگر کتب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دے دیا ہے''-

''معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعات قرار دے دیا ہے-''

یا مثلاً حافظ ابن عساکرؒ جیسے شخص کو ضعیف روایتوں کا سرپرست یا مثلاً حافظ ابن حجرؒ جس کو محدثین نے ' حافظ الدنیا'' کا لقب دیا ہے' ان کے متعلق یہ لکھنا:

''ابن حجرؒ جیسے کمزور روایتوں کا سہارا اور پشت پناہ-''

روایات پر تنقید علیحدہ چیز ہے اور محدثین کبار کی شان میں یہ آزادانہ کلمات بالکل دوسری بات ہے' اس نتیجہ محدثین سے بداعتمادی کے سوا اور کیا ہے- انا للہ و انا الیہ راجعون.

مستدرک حاکم کا صحیح مقام محدثین کی نظروں میں ✱ بعض شدت پسند محدثین کی مستدرک پر سخت نکتہ چینی کی وجہ سے یہ غلط خیال پھیل گیا ہے کہ عام محدثین کے ہاں بھی مستدرک کا گویا کوئی وزن ہی نہیں' حتیٰ کہ کسی روایت کا مستدرک میں ہونا بس یہی

www.besturdubooks.net

اس کے ضعف کا سب سے بڑا ثبوت ہے- حالانکہ یہاں حاکم کا علمی پایہ اور مستدرک کی تعریف کا لحاظ رکھنا بھی لازم تھا- اتنے بڑے شخص کی اتنی بڑی ضخیم تصنیف کو صرف ضعیف اور موضوعات کا ذخیرہ سمجھ لینا یہ بڑی حقیقت ناشناسی ہے- حافظ ذہبیؒ، جنہوں نے خود تلخیص المستدرک کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے' اس غلط فہمی کو دور فرمادیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:-

ففیه جملة و افرة علٰی شرطیهما و جملة کثیرة علٰی شرط احدهما و لعل مجموع ذالک نحو نصف الکتاب و فیه نحو الربع ماصح سنده و فیه بعض الشيء و ما بقي و هو نحو الربع فهو مناکیر و اهیات لا تصح و في بعض ذالک الموضوعات. (توجیه النظر ص ۱۳۸ و تدریب الراوی ص ۳۱) و قد ذکر السیوطي في التدریب ان الذهبي جمع جزأفیه الاحادیث التي فیه و هي موضوعة فذکر نحو مائة حدیث. (//)

مستدرک حاکم میں ایک بڑا حصہ وہ ہے' جو ''صحیحین کی شرط'' پر ہے اور ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ان دونوں میں صرف ''ایک کی شرط'' پر ہے- ان دونوں کے مجموعہ کی مقدار تقریبا نصف کتاب کے ہوگی اس کے علاوہ چوتھائی کتاب دوسری ''صحیح حدیثوں پر'' مشتمل ہے جن میں کچھ کلام کی گنجائش ہوسکتی ہے- اب رہی بقیہ چوتھائی تو بے شک ان میں منکر اور واہیات حدیثیں ہیں جو صحیح نہیں اور ان ہی میں کچھ موضوعات بھی شامل ہیں- امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی تعداد تدریب میں کل سو حدیث لکھی ہے-

اور اُن سے قبل حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے الفاظ میں اس کا ازالہ فرمادیا ہے:-

و کک احادیث کثیرة في مستدرکه یصححها و هي عند اهل العلم بالحدیث موضوعة. و ههنا مایکون موقوفًا یرفعه و لهذا اکان اهل العلم بالحدیث لا یعتمدون علٰی مجرد تصحیح الحاکم و ان کان غالب ما یصححه' فهو صحیح اکن هو في المصححین بمنزلة الثقة الذي یکثر غلطه و ان کان الصواب اغلب علیه الخ.

(التوسل والوسیلة ص ۸۱-۸۰)

اور اسی طرح حاکم بھی ہیں جو اپنی مستدرک میں بہت سی حدیثوں کو صحیح لکھ جاتے ہیں اور محدثین کے نزدیک وہ ''موضوع'' ہوتی ہیں اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو حاکم نے مرفوع بنادیا ہے اور درحقیقت تھیں وہ موقوف- یہی وجہ ہے کہ محدثین صرف حاکم کی تصحیح پر حدیث کا فیصلہ نہیں کرتے اگرچہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ جس حدیث کو حاکم صحیح کہتے ہیں وہ صحیح ہوتی ہے' لیکن ان کی مثال اس ثقہ شخص جیسی ہے جو بہت غلطی کھاتا ہو اگرچہ عام طور پر اس کا حکم صحیح ہو-

ان دو حافظوں کے بیان سے یہ بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ مستدرک کی صحت' اگرچہ بخاری و مسلم کی طرح علی الاطلاق مسلم نہ ہو' لیکن اتنی بے بنیاد بھی نہیں جتنا کہ عام لوگوں میں اس کی شہرت اڑگئی ہے' بلکہ حاکم کی تصحیح اکثر مقامات پر صحیح اور معتبر ہے اور جہاں صحیح نہیں ہے ان میں بھی سب حدیثیں موضوع نہیں ہیں' بلکہ بعض جگہ حاکم نے صرف یہ تساہل کیا ہے کہ موقوف حدیث کو مرفوع کر

www.besturdubooks.net

دیا ہے اور بے شک بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں' مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے- ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ اگر حاکم اپنی تالیف کے متعلق ''استدراک علی الصحیحین '' کا دعویٰ نہ کرتے تو اعتراضات کی جو بوچھار ان پر اب ہوئی ہے یہ شاید نہ ہوتی - اب ایک طرف تو ان کا دعویٰ استدراک علی الصحیحین کا ہے' جن کی صحت ضرب المثل ہو چکی ہے- دوسری طرف تمام حدیثوں میں وہ معیار قائم نہیں رہا- اس لیے فطرۃً ان کی تصحیح پر نظریں سخت ہو گئی ہیں- ورنہ اگر حاکم' مستدرک کا نام صرف ''اصح '' رکھتے اور ان حدیثوں کے صحیحین کے معیار پر ہونے کا دعویٰ نہ کرتے تو جس شدت سے ان پر اب تنقید کی گئی ہے یہ نہ کی جاتی - اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ذہبیؒ تعقبات میں کہیں تو صرف یہ لکھ دیتے ہیں کہ لیس علی شرطھما یعنی یہ حدیث صحیحین کی شرط پر نہیں ہے- اور کہیں لیس علی شرط مسلم یا علی شرط الصحیح کہتے ہیں' جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ہر جگہ حدیث پر فی نفسہٖ حکم لگانا نہیں' بلکہ یہ تنبیہ کرنی بھی ہوتی ہے کہ فلاں حدیث بخاری یا مسلم کی شرط پر یا دونوں کی شرطوں پر نہیں ہے- اس لیے اس کو مستدرک میں درج کرنا صحیح نہیں لہٰذا ان کے معارضہ سے ہر جگہ یہی اخذ کر لینا کہ وہ اس حدیث کے خلاف ہیں بہت سطحی نظر ہے- لہٰذا جو معجزات مستدرک میں مذکور ہیں' ان کے متعلق شروع سے یہی بدگمانی کر لینی کہ وہ ضرور ضعیف ہوں گے' اور تلاش کر کر کے ان میں اسباب ضعف نکالنا یہ صرف مزاجی خشکی کا نتیجہ ہے- یہاں اگر ایک طرف حاکم کے متعلق تصحیح احادیث میں تساہل کی شہرت ہے تو دوسری طرف شدت پسندی میں ابن جوزی کی شہرت بھی اس سے کم نہیں ہے- حتیٰ کہ بعض بخاری کی حدیثوں پر بھی انہوں نے ''وضع'' کا حکم لگا دیا ہے- اس لیے یہاں بھی محدثین کو ان حدیثوں کو علیحدہ ذکر کرنا پڑا ہے' جو درحقیقت صرف ابن جوزیؒ کے مزاجی تشدد کی بنا پر موضوعات کی فہرست میں درج کر دی گئی ہیں- پھر اسی پر بس نہ کرنا' بلکہ یہاں وضاعین و کذابین کی اس تمام تاریخ کو بھی لکھ ڈالنا جس سے ان مقدس محدثین کے دامن کے بھی ملوث ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے کتنی بڑی کوتاہی ہے اور تصنیفی لحاظ سے بھی بے محل بحث ہے- میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ کتب دلائل میں ضعیف حدیثیں نہیں آئیں اور نہ ضعیف حدیثوں کی علی الاطلاق تائید کرنا چاہتا ہوں' بلکہ میرا مقصد صرف یہ تنبیہ کرنا ہے کہ علمی لحاظ سے کتب دلائل کا صحیح مقام پہچاننے اور اس کے ادا کرنے میں جو طرز نگارش اختیار کیا جائے وہ ایسا نہ ہونا چاہیے جو خلافِ واقع بھی ہو اور خطرناک بھی ہو-

کسی غیر ثابت شدہ واقعہ کی یقینی طور پر تصدیق نہ کرنے کے اعتذار میں اور جزم کے ساتھ اس کا انکار کر دینے کے دلائل جمع کرنے میں بہت بڑا فرق ہے- اگر عشق نبویؐ سے کوئی بدذوق شخص یہاں معجزات کے لیے بھی احکام و عقائد کی حدیثوں کی طرح صحت کے شرائط لگانا چاہتا ہے تو لگائے' مگر جمہور کے خلاف یہاں انکارِ معجزات کو ایک ''فن'' بنا ڈالنا اور اس کے ابواب و فصول کو اس طرح مدون اور مبرہن کرتے چلے جانا کہ نہ صرف ان معجزات سے بلکہ تمام کتب دلائل سے اور نہ صرف کتب دلائل سے بلکہ ان کے مسلم مؤلفین سے بھی بداعتقادی پیدا ہو جائے' یہ بہت مہلک غلطی ہے- یہاں ایک سیدھی اور سچی سی بات بھی لکھی جا سکتی تھی کہ مولود خوانوں اور عام واعظوں نے صراف عوام کی دلچسپی کی خاطر کتب دلائل میں سے چھانٹ چھانٹ کر صرف وہی روایات پھیلانی شروع کر دیں' جو ان میں سب سے زیادہ ضعیف اور ان محدثین کے نزدیک بھی غیر معتبر تھیں بس اتنی بات سے ایک صحیح حقیقت بھی ادا ہو جاتی اور کتب دلائل اور ان کے مصنفین سے کوئی بدظنی بھی پیدا نہ ہوتی - اس کے برعکس ضعیف اور موضوع

www.besturdubooks.net

روایتوں کے ساتھ معجزات کی معتمد روایات کو لپیٹ لینا' بلکہ ان کے مصنفین پر بھی سخت سے سخت نکتہ چینی کر جانا بلکہ اگر کوئی محدث ان پر نکتہ چینی کی جواب دہی کرتا نظر آئے تو اس کو بھی قبول نہ کرنا اور یہ لکھ دینا کہ :-

''لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ نہیں ان کی خاموشی (یعنی حدیثوں کے متعلق صحت وضعف کا حکم بیان نہ کرنا خدا انہیں معاف کرے) آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے''۔

بہت زبردست مواخذہ ہے' بلکہ ہم جیسے علم وفہم رکھنے والوں کے لیے چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔''ان لحوم العلماء مسمومة''

یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ معجزات میں سے جو سب سے زیادہ بعید از عقل معجزات نظر آتے ہیں وہ قرآنی معجزات ہیں۔ اس کے بعد وہ ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں اور اس کے بعد ان معجزات کا نمبر ہے جو اور کتب میں مذکور ہیں۔ اس لیے کتب دلائل پر بے وجہ ہاتھ صاف کرنے کا کوئی خاص نتیجہ بھی نہیں نکلتا۔ اگر قرآنی اور صحیحین کے وہ بالاتر از عقل معجزات قابل تسلیم ہوں تو پھر ''ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر'' سمجھ لیجئے۔ مگر افسوس اور صد افسوس' یہ کہنا پڑتا ہے کہ جن اصحاب کو علم نبوت سے مناسبت نہیں تھی' انہوں نے قرآنی معجزات کو بھی نہیں بخشا اور ان کو بھی ایسا بنا ڈالا ہے کہ اگر کوئی پیاسا کلام اللہ میں اس کے متکلم کی صفات کا جلوہ دیکھنا چاہے تو وہ اس میں بھی نہ دیکھ سکے۔ یہ داستان بہت دردناک ہے اور تفصیل چاہتی ہے اس لیے اس داستان غم کا لپیٹ دینا ہی بہتر ہے۔ واللہ المستعان۔

اب آیئے آخر میں ہم آپ کے سامنے کتب دلائل کے متعلق بعض ان علماء کی رائے بھی نقل کرتے ہیں جو نقد وتبصرہ میں ضرب المثل ہیں۔ حافظ ذہبیؒ امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) علیک به فانه کله هدی و نور. — دیکھو اس کتاب سے ذرا غفلت نہ کرنا' کیونکہ وہ از اول تا آخر ہدایت ہی ہدایت اور نور ہی نور ہے۔ (شرح المواهب ج ۱ ص ٦٢)

(۲) حافظ سبکیؒ اس کے متعلق قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ بے نظیر کتاب ہے۔

(۳) حافظ ابن تیمیہؒ جو اپنی ناقدانہ نظر میں مشہور ہیں کتب دلائل کے متعلق فرماتے ہیں:-

و هذه الكتب فيها من الاحاديث المتضمنة لايات نبوته و براهين رسالته اضعاف اضعاف الاحاديث المالورة فيما هو متواتر عنه مثل حجة الوداع و عمرة الحديبية' الخ....... (الجواب الصحيح ج ٤ ص ٢٤٣)

یہ وہ کتابیں ہیں' جن میں معجزات اور آپ کی نبوت کی صداقت کی وہ حدیثیں بھی اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اگر ان کو متواتر کہہ دو تو بھی بے جا نہیں' مثلاً حجۃ الوداع اور عمرہ حدیبیہ کی حدیثیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کتب کی روایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ''تواتر'' کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور ان کا یہ بیان بھی اس تصنیف میں ہے' جو انہوں نے ایک بڑے پادری کی تردید میں لکھی ہے اور ان تمام معجزات کا ذکر کیا ہے' جن کو ہمارے دور کے ناقدین مجروح کر کے چل دیے ہیں' کیونکہ حافظ موصوف پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ دوسرے مذاہب عجائبات کا جوانبار اپنے پیشواؤں کی طرف منسوب کرتے اور ان پر یقین رکھتے ہیں وہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

www.besturdubooks.net

کے معجزات کے مقابلہ میں ثبوت کا کوئی پایہ نہیں رکھتے اور نہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ان کے برابر ثابت ہو سکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ جنہوں نے کتب محدثین کے طبقات لکھے ہیں' انہوں نے بھی کتب دلائل کے ذکر کردہ معجزات کو اعتبار کے ساتھ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں درج فرمایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اسی قسم کی ایک روایت لکھ کر فرماتے ہیں:

''اس واقعہ کی اسناد میں اگرچہ ایسے راوی موجود ہیں' جن میں کلام کیا گیا ہے بااین ہمہ یہاں ایسے قرائن بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے اس پر صدق و صفا کا نور چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔'' (البدایہ ج ۲ ص ۳۱۹)

اس بیان سے حافظ موصوف کے علم اور ان کی دیانت کے ساتھ ان کی فہم و فراست اور محدثانہ تجربے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بخاری شریف کی شروح میں اس وقت جو سب سے عمدہ شرح سمجھی گئی ہیں وہ دنیا کے دو بڑے حافظوں کی ہیں' یعنی حافظ بدر الدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ - رہی شرح حافظ قسطلانی تو وہ ان دونوں شرحوں پر مبنی ہے۔ جو شخص ان شروح کا مطالعہ کرے گا وہ یہ دیکھے گا کہ ان حفاظ نے کیسے کیسے آڑے موقعوں پر اور کتنی کثرت کے ساتھ کتب دلائل کی روایات سے مدد لی ہے۔ کسی روایت سے راوی کا نام' کسی سے مقام کا نام اور کسی سے بعض ضروری تفصیلات علم میں آ جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ''متابعات'' اور ''شواہد'' کا بڑا ذخیرہ ان ہی کتب سے فراہم ہوتا ہے یہ دیکھ کر ان کتب کے مصنفین کے لیے ہمارے دل سے تو بے ساختہ دعائیں نکلتی ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر عشق نبویؐ میں ڈوب کر رطب و یابس (بقول ناقدین) کا انبار لگانے والے یہ محدثین وہی ہیں' جنہوں نے طبقات حدیث مقرر فرمائے ہیں اور فن جرح و تعدیل کی بنیاد ڈالی ہے تو پھر انصاف کی نظروں میں ان کا لگایا ہوا یہ انبار ضرور قابل صد تحسین و شکریہ ہونا چاہیے۔

حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث ظاہری حالت کے لحاظ سے سقیم ہوتی ہے' مگر ایک محدث اپنے طویل تجربہ اور حدیثی ذوق کے لحاظ سے اس کو درست سمجھتا ہے اگرچہ اس کے پاس اس کے لیے کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہوتی - اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ایک صراف کی کہ وہ ایک زنگ آلود اور بظاہر کھوٹے روپیہ کو چٹکی لگا کر پہچان لیتا ہے کہ اگرچہ اس کی آواز خراب ہے' مگر اس کی چاندی کھری ہے!

اس کا حاصل تمام قواعد کو بیکار اور معطل ٹھہرا دینا نہیں ہے' بلکہ یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے تجربے کی بنا پر قواعد مرتب کیے ہیں اگر وہی اپنے تجربے کی بنا پر اپنے ذوق سے کسی ضعیف حدیث کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو ان کے مقررہ قواعد کی طرح ان کا یہ حکم بھی قابل تسلیم ہونا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ منتشر جزئیات اور ذوقی امور' ضبط و قید میں کبھی نہیں آ سکتے - اس لیے ایک طرف قواعد کی حکومت اپنی جگہ چلتی رہتی ہے اور دوسری طرف وجدان و ذوق کا حکم بھی اپنی جگہ نافذ رہا کرتا ہے۔ بدذوق بے علم دونوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور صاحب ذوق عالم دونوں سے برابر کا فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ ایک حدیث کی اسناد بالکل کھری نظر آتی ہے' لیکن اس میں کوئی ایسا خفیہ ''روگ'' ہوتا ہے جو علم و ضوابط کے تحت نہیں آتا اس کو بھی محدثین ہی پہچانتے ہیں اور

www.besturdubooks.net

اس کی بنا پر اس اچھی خاصی حدیث کو ''معلول'' قرار دے دیتے ہیں، حتیٰ کہ محدثین نے اس کو بھی فن کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے اور مختلف محدثین نے ''کتاب العلل'' کے نام سے مختلف تصانیف فرمائی ہیں اس لیے میرا عقیدہ تو ان محدثین کے متعلق طویل تجربہ کے بعد اب وہی ہے جو کسی شاعر کا اپنے رندوں کے متعلق ہے۔

رند جو ظرف اٹھالیں وہی پیمانہ بنے　　جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی مے خانہ بنے

(اصغرؔ گونڈوی)

جس شخص کے قلب میں ان محدثین کے لیے شکر گذاری کے ہزاروں جذبات موجزن ہوں اس کے قلم میں ان پر نکتہ چینی کے لیے بھلا روشنائی کہاں؟ - **یغفر الله لهم و رفع درجاتهم فی اعلی العلیین مع النبیین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین**۔

معجزات اور صاحبِ معجزات کے دَور کا ذوق

یہاں ایک کھلی ہوئی بات پر تنبیہ کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو بدیہی ہونے کے باوجود پھر نظری بن گئی ہے یعنی یہ کہ صحابیت کا دور بعثت کے بعد سے ہی شروع ہوتا ہے' اس لئے آپ کی سوانح حیات کے قبل از بعثت واقعات کا علم اور ان کے بلا واسطہ روایت کرنے والے صحابہ کب مل سکتے ہیں- پھر جب اس دور کی بنیاد پڑی تو مکی زندگی جس صورت سے گزری وہ سب کے علم میں ہے اس کے بعد جب ہجرت کا دور آیا تو لیل ونہار ''غزوات'' اور ''سرایا'' کا تانتا لگا رہا- بھلا ان حالات میں معجزات کا غلغلہ بلند کرنے کی فرصت کس کو تھی- ہاں ان ہی غزوات اور سرایا کے تذکرہ میں جہاں جب کوئی محیر العقول واقعہ نظر آ گیا تو وہ اسی سلسلۂ بیان میں آ گیا ہے پھر اس قسم کے واقعات جب شب روز ان کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتے تھے تو صاحب معجزات کی عظمت سے قلوب اتنے معمور ہوتے رہتے تھے کہ ان واقعات کا دیکھنا ان کے لیے ایک عادت بن گئی تھی- آج بھی اگر کوئی صاحب کرامات ہوا ہے تو اس کی حیات میں ان کا ڈھول کبھی نہیں پیٹا گیا ہاں اگر ان کا ذکر کبھی آیا بھی تو صاحب کرامات کے کمالات کے ذکر میں ضمنی طور پر آ گیا ہے- حدیثوں میں ایسا واقعہ خال خال ہی نظر پڑتا ہے کہ صحابہ کرام مستقل ان تذکروں کے لیے کبھی بیٹھے ہوں- وہ یا تو شغل جہاد میں منہمک نظر آتے اگر پھر ان کو فرصت ملتی تو حدیثوں کے تکرار اور علمی شغل یا عبادات میں مصروف رہا کرتے اور سب سے زیادہ اس شوق میں لگے رہتے کہ بیت نبوت سے کب آفتابِ نبوت طلوع ہو اور کب وہ اس کی زیارت سے مشرف ہوں- آپ کی ذرا سی غیبت ان کے لیے ایک مصیبت کا پہاڑ تھی۔

نشست آں دلبر جانی بجانم ہمچو جان درتن　　اگر یکدم جدا افتاد جان از تن بروں آید

فراق یار اگر اندک است اندک نیست　　دروں دیدہ اگر نیم موست بسیار است

یہاں معجزات دیکھنے کی نہ کسی کو ضرورت تھی نہ فرصت- کفار اس کی رٹ لگایا کرتے اگر ان کی خاطر کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا تو اس کو صحابہ کی مشتاق آنکھیں بھی دیکھ لیتیں یا کبھی کسی موقعہ پر کسی وقتی ضرورت سے یہ صورت پیدا ہو جاتی تو آپ کے رخ انور کے

www.besturdubooks.net

شیدائی معجزہ سے پہلے بھاگ بھاگ کر خود صاحب معجزہ کے ارد گرد اسی کے دیدار کی خاطر جمع ہو جاتے۔ جب کسی کے کمال کا علم یقین پہلے سے حاصل ہو چکا ہو تو اب اس کے ظہور کمال پر حیرت کیا؟۔

ایک مرتبہ ''شق القمر'' جیسا عظیم الشان معجزہ کفار قریش کی فرمائش پر منیٰ میں ظاہر ہوا لیکن وہاں تو ایسی جماعت بھی کھڑی ہوئی تھی' جو اس کمال کو اس با کمال کا صرف ایک ذرا سا پر تو سمجھتی تھی۔ ان کو اس پر تحیر کیا ہوتا ہاں اس عظیم الشان واقعہ کو دیکھنے والے حسب الاتفاق چونکہ چند جاں نثار بھی موجود تھے اس لئے انھوں نے اپنی نظروں میں سب سے محبوب ہستی کے ذکر میں اس ایک واقعہ کا بھی ذکر کر دیا لیکن اس کے بعد جگہ جگہ نہ اس کا تذکرہ کرتے پھرنا ثابت ہوتا ہے نہ اس کو کوئی غیر معمولی واقعہ بنا کر اس کے لئے محفلیں قائم کرنا نظر آتا ہے' ورنہ تو اس کے راوی آپ کو سینکڑوں صحابہ ملتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب کسی کی نظروں میں کسی کی نفس شخصیت ہی سمائی ہو تو اس کو دوسری طرف نظر اٹھانے کی فرصت کہاں؟

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ دو صحابی آپؐ کی مجلس سے اٹھے اور واپسی کے وقت شب تاریک میں ایک کی لاٹھی مشعل کی طرح خود بخود روشن ہوگئی' پھر جب دونوں کے گھروں کا راستہ جدا جدا پھٹنے لگا تو ہر ایک کی لاٹھی الگ الگ روشن ہوگئی' لیکن اس عجیب وغریب واقعہ کو نہ خود انھوں نے نہ دوسروں نے کسی رنگ آمیزی سے بیان کیا اور نہ کسی نے اس کو زیادہ تعجب سے سنا بس ایک بات تھی جو آئی گئی ہوگئی۔

اسی طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جو روزمرہ پیش آتے اور گزر جاتے' اس لئے ان غیر معمولی سے غیر معمولی واقعات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدون کر ڈالنا اس وقت کا ذوق ہی نہ تھا اور نہ صاحب نبوت جیسے آفتاب کی درخشانی کے زمانے میں یہ ذوق ہونا ممکن تھا جہاں جمع قرآن ہی کی طرف وہ توجہ نہ ہوئی جو عہد صدیقی پھر عہد فاروقی اور آخر میں عہد عثمانی میں نظر آئی بھلا وہاں دوسرے روزمرہ کے عجائبات کے بیان کا ذوق کب ہو سکتا تھا۔ تعجب ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شق صدر کے واقعہ پر جو آپ کی عہد طفولیت کا تھا یہ حیرت قابل حیرت ہے کہ ''اس کو بیان کرنے والے اور صحابہؓ کیوں نہیں۔'' بات تو دیکھنے اور سمجھنے کی یہ تھی کہ جس خادم نے اس کو بیان کیا ہے وہ بھی صرف ضمنی طور پر اور اس واقعہ کی صحت اور مزید تشریح کے لئے بیان کیا ہے۔ حدیثوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر وہ جگہ جگہ اس کو دہراتے رہے ہوں یا اس کو آپ کے دیگر کمالات کے سامنے کوئی غیر معمولی کمال تصور کرتے ہوں۔ آفتاب درخشاں خود کامل ہوتا ہے' اس لئے اس کی ایک عام ضوفشانی کے کمال پر کسی کا ذہن ہی نہیں جاتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین صحابہ کرامؓ کی نظروں کے سامنے سب سے بڑا کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود مجمع کمالات تھا۔ وہ ہر محفل میں ان ہی کا دم بھرتے اور ان ہی کے علوم و معارف کا چرچا کیا کرتے اس ضمن میں اگر کہیں کسی معجزہ کا ذکر آجاتا تو اس کو بھی اپنے محبوب کی یادگار سمجھ کر ذکر میں لے آتے اس لئے سینکڑوں معجزات وہ ہیں جو دوسرے ابواب میں ضمنی طور سے نظر پڑ جاتے ہیں' لیکن جب آپ کا یہ مبارک دور ختم ہوگیا اور اب وہ ماہِ کامل ہی نظروں سے غائب ہوگیا تو اب عشق ومحبت سے معمور سینوں میں اس کے کمالات کی تلاش پیدا ہوئی۔ اس تلاش میں جو چیز سب سے پہلے ان کے سامنے آئی وہ آپ کے علوم و معارف تھے جب وہ ایک ایک کر کے جمع کرنے والوں

www.besturdubooks.net

نے جمع کر ڈالے تو اب جو بعد میں آتا وہ اس راہ میں کسی نہ کسی خدمت کا ارادہ کرتا' حتیٰ کہ یہ ذوق دلوں میں پیدا ہوا کہ دین کا ہر گوشہ تو پہلی اور دوسری صدی ہی میں مدون ہو چکا' اب ہم کوئی نئی خدمت اپنے سر لے کر انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہو جائیں تو پھر ہر ہر باب کی احادیث علیحدہ علیحدہ مدون ہوئیں اور آپ کو معلوم ہے کہ کتب حدیث میں ان سب تصانیف کے علیحدہ علیحدہ نام بھی موجود ہیں یعنی جوامع' سنن' متدرکات' مفردات' مسلسلات' غیلانیات حتیٰ کہ موضوعات وغیرہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے- اسی ذوق کے مطابق اصحاب دلائل نے ایک نئی لائن اختیار کی اور معجزات وفضائل میں اسانید اور کتب کے حوالجات کے ساتھ تصانیف کر ڈالیں تو اب آپ اس کی تلاش نہ لگائیں کہ فلاں فلاں معجزہ کا راوی چونکہ ایک ہی صحابی ہے' اس لئے یہ اس کی ضعف کی دلیل ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر عدم ثبوت اور ثبوت عدم میں خدارا کچھ تو رحم کھا کر فرق کریں- اور اپنے علم کے بجائے ان محدثین پر اعتماد کریں' جن کے واسطہ سے دین ہم کو پہنچا ہے- ہم کو تعجب ہے کہ مسلم جو حافظ ومحدث ہونے کے ساتھ امامت کے رتبہ پر فائز ہو چکے ان کی رائے کے مقابل ہم اس شخص کی رائے پر کیا غور کریں جو صدیوں بعد کی پیدائش ہے اور اصطلاحی لحاظ سے ایک لحہ کے لئے بھی محدث کی فہرست میں شمار نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ حافظ وامام پھر امام بھی وہ جو امام مسلم کے بالمقابل آ سکتا ہو' اگر یہ کورانہ تقلید ہے تو بیشک ہم اس کے قائل ہیں اور بحمد اللہ ساری عمر اسی دشت کے سیاحی کر لینے کے بعد قائل ہیں-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی جامعیت

اور

اس میں حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ کا ذوقِ موازنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا اور جب وہ صحف سماویہ کا جامع تھا تو پھر یہ بالکل قرین قیاس تھا کہ آپؐ کے معجزات میں بھی وہی شان جامعیت نظر آتی' یعنی جس قسم کے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام سے ظہور پذیر ہوئے ان کی مثالیں کم وبیش آپ کے معجزات میں بھی نمایاں ہوتیں- اسی حقیقت ثابتہ کے پیش نظر بڑے بڑے محدثین نے (جیسے امام بیہقی اور ابونعیم) اپنی مؤلفات میں آپؐ کے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مابین کہیں کہیں یہ موازنہ مستند روایات سے ذکر کیا ہے اور آخر میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس میں کچھ زیادہ شرح وبسط سے حصہ لیا ہے- یہاں معجزات کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے والوں نے ان محدثین کے متعلق یہ بھی لکھ ڈالا ہے کہ ''اس خوش عقیدگی کی بنا پر جب ان کو روایات کا مستند ذخیرہ ہاتھ نہ آ سکا تو پھر انھوں نے اس موازنہ کے اثبات کے لئے موضوعات اور غیر مسند روایات جمع کر ڈالی ہیں-'' اگر چہ بڑے بڑے محدثین اور حفاظ کے متعلق یہ لکھ دینا بہت بڑی جرأت تھی' مگر جب مادی عقول کے ہموار کرنے کی خاطر معجزات کے انکار یا تاویل میں اسلام کی تائید نظر آئی تو پھر یہ اتنی بڑی جرأت کرنی بہت آسان ہو گئی- اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حسن عقیدت کے شکار صرف حفاظ اور محدثین ہی نہیں' بلکہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

www.besturdubooks.net

جیسے بھی ہیں کیا ان پر بھی آپ یہی حرف گیری فرمائیں گے؟- حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں:-

قال الحافظ البيهقي بسنده الى الشافعي رحمة الله عليه ما اعطى الله نبيا ما اعطى محمد اصلى الله عليه وسلم فقلت له اعطى عيسى احياء الموتى فقال اعطى محمدا صلى الله عليه وسلم الجذع الذى كان يخطب الى جنبه حتى هيء المنبر فحن الجذع حتى سمع صوته فهذا اكثر من ذلك.

(البدايه و النهايه ج ٦ ص ١٣٣)

و هذا اسناد صحيح الى الشافعي رحمه الله و هو مما كنت اسمع شيخنا الحافظ اباالحجاج المزى رحمه الله يذكره عن الشافعي رحمه الله اكرم مثواه و انما قال فهذا اكبر من ذلك لان الجذع ليس محلا للحياة و مع هذا حصل له شعور و وجد لما تحول عنه الى المنبر فان وحن حنين العشار حتى نزل اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحتضنه و سكنه حتى سكن قال الحسن بصرى: فهذا الجذع حن اليه فانهمْ احق ان يحنوا اليه و اما عود الحياة الى جسد كانت فيه باذن الله فعظيم و هذا اعجب و اعظم من ايجاد حياة و شعور فى محل ليس مالوفا لذلك لم تكن فيه قبل بالكلية فسبحان الله رب العلمين. (البدايه و النهايه ج ٦ ص ٢٧٦)

بیہقی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے وہ کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے- اس پر راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے- اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مقابلہ میں یہ معجزہ عطا ہوا کہ منبر بننے سے پہلے جس ستون سے لگ کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے جب آپ نے اس کے بجائے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ ستون نالہ وفغاں کرنے لگا یہاں اس کے رونے کی آواز صحابہ نے بھی سنی اور یہ مردہ زندہ کرنے سے بڑھ کر تھا (کیونکہ حیات جسم انسانی کی صفت ہوسکتی ہے' مگر اس شعور کی حیات جمادات کی صفت نہیں)
البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۷۶ میں اتنا اضافہ اور ہے کہ امام شافعیؒ تک یہ اسناد صحیح ہے اور میں اپنے استاد حافظ ابوالحجاج المزی کو امام شافعیؒ سے یہ ذکر کرتے ہوئے سنتا تھا کہ یہ معجزہ اس معجزہ سے بڑا ہے کیونکہ کھجور کا تنا حیات کا محل ہی نہیں اور باایں ہمہ اس کو اتنا شعور حاصل ہوگیا کہ جب آپؐ اس کے بجائے خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف لائے تو اس نے اس طرح آواز نکالی جیسی دس مہینے کی اونٹنی جس کے دن پورے ہو گئے ہوں کراہنے کی آواز نکالتی ہو- یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپؐ منبر سے اترے اور اس کو گلے لگائے رکھا اور تسکین دی یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگیا- حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھجور کا تنا حضورؐ کے فراق میں چیخا تو وہ اس کے زیادہ حق دار تھے کہ اس کی نقلیں اتارتے- اب رہا کسی ایسے جسم میں اللہ کے حکم سے حیات کا لوٹ آنا جس میں پہلے سے حیات موجود تھی تو یہ بھی ایک بڑی بات تھی' لیکن جس میں کہ حیات وشعور پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی ہو اس میں شعور وحیات کا پیدا ہو جانا یہ یقیناً اس سے زیادہ عجیب اور بڑی بات ہے- فسبحان اللہ رب العلمین-

www.besturdubooks.net

حقیقت یہ ہے کہ آپ ؐ کے معجزات کی برتری دیکھ کر جب دشمنانِ اسلام اور بالخصوص عیسائی نہ رہ سکے اور انہوں نے ان میں طرح طرح کی نکتہ چینیاں شروع کیں اور یہ چاہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ ؐ کے درخشاں معجزات کا پلہ عیسوی اور موسوی معجزات سے گھٹا ہوا رہے تو اب علماء ربانیین کے لیے ساکت رہنا ممکن نہ ہوا۔ اور آپ کے معجزات کی نقاب اٹھا کر ان کو یہ دکھا دینا پڑا کہ تم ہو کس فکر میں' آپ ؐ کے معجزات کا پلہ تو سب کے معجزات سے زیادہ بھاری ہے۔ اس کے بعد ہمارے دور کے مصنفین اور علماء میں جس نے بھی ردِ نصاریٰ میں حصہ لیا اس نے بھی ان کے اس نا منصفانہ طریق کے مقابلے میں موازنہ کر کے آپ ؐ کے معجزات کی جامعیت ثابت کی۔ چنانچہ اپنے عصر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے بھی عیسائیوں کے مقابلے میں اس موضوع کو اپنی تصانیف میں اتنا مدلل اور مبرہن فرمایا کہ عیسائیوں کی زبانوں سے بھی صل علی محمدؐ نکل گیا۔ اس تمام کھلی ہوئی تاریخ سے صرف نظر کر کے یہ سمجھ لینا کہ ''یہ صرف مولود خوانوں کا ہی جذبہ تھا'' بہت بڑا ظلم ہے۔ ہماری مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ آپ کی برتری اور فضیلت کے اس نہج کے بانی صرف کبارِ علماء و محدثین ہی نہیں بلکہ خود حسن بصریؒ اور شافعیؒ جیسے امام بھی ہیں اب اگر وہ بھی کسی مبالغہ آمیزی میں مبتلا تھے تو ہم بھی کسی طرح اس سے الگ رہنا نہیں چاہتے۔ بقول امام شافعیؒ:۔

ان کان رفضا حب ال محمدؐ — فلیشھد الثقلان انی رافض'

اس موازنہ کے حل کرنے کے لیے اپنے سامنے آپ وہ کلمات رکھئے' جو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ''الوہیت'' کے اثبات میں لکھ مارے ہیں۔ یقیناً اگر عیسائیوں کا یہ افتراء اور مبالغہ آمیزی نہ ہوتی تو علماء کرام کے قلم سے وہ کلمات بھی نہ نکلتے جو بجا طور پر حق ہی حق تھے اور معجزات کے باب میں جو موازنہ کیا گیا ہے وہ تو ایک مؤمن کے لیے اقتضاء ایمانی بھی ہونا چاہیے۔

اب ذیل میں ہم ایک بڑے حافظ حدیث کا قصیدہ بھی نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ شاعری کے میدان میں آ کر بھی اس بات میں مبالغہ کرنے سے انہوں نے کتنا گریز کیا ہے۔

قال الشیخ جمال الدین ابو زکریا الماھر الحافظ للاحادیث المتوفی ۶۵۶ھ

آپ ﷺ کی مدح میں حافظ شیخ جمال الدین ابوزکریا رحمہ اللہ المتوفی ۶۵۶ھ کا ایک قصیدہ

(۱) محمدٌ المبعوث للناس رحمۃ — یشید ما اوھی الضلال و یصلح

محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جو تمام لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور جن بنیادوں کو گمراہوں نے کھوکھلا کر ڈالا تھا آپ ؐ نے ان کو پھر از سر نو مضبوط کر دیا اور ان کی اصلاح فرما دی۔

(۲) لئن سبحت صم الجبال مجیبۃ — لداؤد او لان الحدید المصفح

اگر حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے جواب میں بلند پہاڑوں نے تسبیح پڑھی تھی یا ان کے لیے لوہے کی تختیاں نرم ہوگئی تھیں۔

www.besturdubooks.net

(۳) فان الصخور الصم لانت بکفه — و ان الحصا فی کفه لیسبح

تو آپؐ کے لیے بھی سخت سے سخت پتھر زم ہو گئے ہیں اور کنکریوں نے آپؐ کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی ہے۔

(۴) وان کان موسٰی انبع الماء من العصا — فمن کفه قد اصبح الماء یطفح

اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پتھر پر مار کر چشمہ بہا دیا تھا تو آپؐ کی انگشتان مبارک سے بھی پانی پھوٹ کر ابل پڑا ہے۔

(۵) و ان کانت الریح الرخاء مطیعة — سلیمان لا تألو تروح و تسرح

اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی تھی جو صبح و شام آپ کی خدمت کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرتی تھی۔

(۶) فان الصبا کانت لنصر نبینا — برعب علی شهر به الخصم یکلح

تو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کے لیے ''بادِصبا'' تھی اور دشمن ایک ماہ کی مسافت پر آپؐ سے خوف زدہ ہو کر دانت نکالنے لگتا تھا۔

(۷) وان اوتی الملک العظیم وسخرت — له الجن تشفی مارضیه و تلدح

اور ان کو بہت بڑی بھاری سلطنت مرحمت ہوئی تھی اور جن اس طرح مسخر کر دیئے گئے تھے کہ جو چاہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے خدمت لیتے تھے۔

(۸) فان مفاتیح الکنوز باسرها — اتته فردا لزاهد المترجح

تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی تھیں' مگر آپ نے ان سب سے منہ موڑ کر کسی کو قبول نہیں فرمایا۔

(۹) و ان کان ابراهیم اعطی خلة — و موسی بتکلیم علی الطور یمنح

اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام خلت سے سرفراز ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر کلام باری سے نوازے گئے۔

(۱۰) فهذا حبیب بل خلیل مکلم — و خصص بالرؤیا و بالحق اشرح

تو یہ وہ ہیں جن کا لقب حبیب اللہ ہے' بلکہ خلیل بھی اور خلیل بھی وہ جن سے باری تعالیٰ نے خود کلام کیا ہے اور دیدارِ الٰہی تو خاص آپ کے ہی حصہ میں آیا ہے اور جو سچی بات ہے وہ میں کھول کر کہہ رہا ہوں۔

(۱۱) وخصص بالحوض العظیم وباللواء — و یشفع للعاصین و النار تلفح

اسی طرح حوض کوثر اور تمام اہل محشر کی سرداری کا جھنڈا بھی آپ ہی کے لیے مخصوص ہوا۔ اسی بنا پر جب آتش جہنم بھڑکے گی تو گنہگاروں کی سفارش صرف آپ ہی فرمائیں گے۔

(۱۲) وبالمقعد الاعلی المقرب عنده — عطاء ببشراه اقر و افرح

اور سب سے بلند اور مقرب مقامات کی بشارت سے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی مشرف ہوئے جس کا میں بھی اقرار کرتا ہوں اور خوشیاں منا رہا ہوں۔

www.besturdubooks.net

(۱۳) و بالرتبة العليا الاسيلة دونها   مراتب ارباب المواهب تلمح

اور وہ رتبہ بلند اور مقام وسیلہ بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو مرحمت ہوا کہ بڑے بڑے انعامات والوں کے مقامات بھی اس سے پیچھے ہی نیچے چمکتے ہیں۔

(۱۴) و فی جنة الفردوس اول داخل   لہ سائر الابواب بالخار تفتح

اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی ہیں جو سب سے پہلے جنت الفردوس میں داخل ہونے والے ہیں اور اس کے سب دروازے آپ کے لیے کھول دیئے جائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۶۸-۴۹۹)

اس تمام قصیدہ کا ایک ایک شعر قرآن پاک اور صحیح حدیثوں کا ترجمہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ ایک حافظ حدیث کے قلم سے نکلا ہوا قصیدہ ہے۔ چونکہ مشتغلین بالحدیث ان احادیث کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں اس لیے ان کا مع حوالجات نقل کرنا ہم کو صرف ایک طوالت معلوم ہوئی ان میں سے بعض احادیث اس جلد میں بھی آپ کی نظر سے گذریں گی۔

معجزات اور آیاتِ بینات کے فرق پر نظر ثانی

احادیث متنازعہ فیہا کے شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ آپ پھر اپنے ذہن میں ان دونوں لفظوں کا فرق مستحضر کرلیں۔ معجزہ کے معنی میں عام طور پر ''تحدی کا'' مفہوم سمجھا جاتا ہے اور پھر معارض و معاند کا اس کے مقابلہ کرنے سے عاجز رہنا یہ بھی اس کے مفہوم کا ایک جزو ہے۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بہت سے اجزاء کے معجزہ نہ ہونے میں بعض اہل نظر کو بھی مغالطہ لگ گیا ہے۔ اس کی وجہ سب سے پہلے تو معجزہ کی حقیقت سے عدم معرفت ہے' پھر انہوں نے آیت کا لفظ استعمال تو کیا ہے' مگر اس میں اور ''معجزہ'' کے لفظ میں جو فرق تھا وہ غیر شعوری طور پر ذہن میں ملحوظ نہیں رہا صرف یہ دیکھ کر کہ ایک بڑے شخص نے معجزہ کی اصطلاح چھوڑ کر اس کا نام ''آیت'' اختیار کیا ہے اس لفظ کا استعمال شروع کردیا ہے اور چونکہ علم کلام اور درسی کتب کی مزاولت کرتے کرتے مفہوم ذہن میں اسی معجزہ کا رہا ہے اس لیے جو شبہات معجزہ کے لفظ میں رہ سکتے تھے وہ جوں کے توں باقی رہ گئے۔ اگر ادھر بھی خیال چلا جاتا کہ آپ کے معنی صرف نشانی کے ہیں اور اس لیے آیاتِ نبوت کا لفظ بہت وسعت رکھتا ہے تو پھر اس میں آپ کی ولادت سے قبل اور بعد کے حالات اور آپ کے بہت سے فضائل کو آیاتِ نبوت شمار کرنے میں ایک لمحہ کے لیے بھی تامل نہ ہوتا۔ اس فرق کے عدم استحضار کی وجہ سے یہاں بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہوگئے ہیں' مثلاً آپ کی ولادت یا آپ کے فضائل اور اسی قسم کی دوسری خصوصیات میں معجزہ کا کوئی مفہوم اپنے صحیح معنی میں ان کو نظر نہیں آیا اس لیے یہاں بنیادی طور پر جو کتب دلائل میں مسلّم طور پر معجزات شمار کرلیے گئے ہیں' ان کو معجزات کی فہرست سے خارج کرڈالنا پڑا۔ پھر اس پر تقلیل معجزات کی طرف ذہن کا منتقل ہونا ایک لازمی سا امر تھا اس کے بعد تاویل معجزات کی طرف انتقال ذہن صرف ایک علمی تقاضہ تھا۔ اور اس طریق پر ایک فاسد بنیاد پر اور دوسری فاسد بنیاد قائم ہوتی چلی گئی آخر یہ ساری تعمیر جتنی بلند ہوتی رہی اتنی ہی کج ہوتی چلی گئی۔

خشت اول گر نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

www.besturdubooks.net

اب اگر آیت کا صحیح مفہوم ذہن میں ہوتا اور معجزہ کے مشہور اور عام لفظ کو چھوڑ کر آیت کے لفظ کو اختیار کرنے کی وجہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی تو پھر یہ بات کہ جو عجائبات آپ کی ولادت اور اس سے قبل و بعد عالم میں رونما ہوئے ان سب کو آپ کے معجزات میں داخل کرنے میں کوئی الجھن نہ رہتی۔ اسی طرح آپ کے ممتاز جسمانی فضائل اور دیگر فضائل کے باب کو بھی معجزات کے اندر شمار کرنے میں کوئی خلجان نہ رہتا۔

اس بنا پر آپ کی ''مختون و مسرور'' پیدائش آپ کے دست مبارک کی خنکی و نرمی و خوشبو اور آپ کے لیے حیوانات کی تعظیم اور دیگر فضائل کے ابواب کا آپ کی آیات نبوت میں شمار کرنا آپ کا ایک قلبی جذبہ ہوتا اور پھر آپ کو اسی کے ساتھ ''تقلیس معجزات'' کی بجائے ''تکثیر معجزات'' کی دھن لگ جاتی۔ اس کے بعد آپ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزات بنص قرآن عطا ہوئے۔ لیکن کیا ایک عصا کے سوا کسی اور معجزہ کی ''تحدی'' کرنے کا قرآن سے ثبوت ملتا ہے۔ پھر خود ہی سوچ لیجیے کہ الدم والقمل والضفادع والجراد وغیرہ کا ان کے معجزات میں شمار کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا یہی نہیں کہ وہ ان کے لیے آیاتِ نبوت تھیں۔ اس کے بعد اب آئندہ احادیث کو پڑھیے تو بآسانی آپ کو ان میں درخشاں معجزات نظر آئیں گے اور ان کے آیاتِ نبوت شمار ہونے میں ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

بعض وہ معجزات جن کی عام اسانید گو ضعیف ہیں لیکن

حافظ وائمہ کے نزدیک وہ دوسری قابلِ اعتبار اسانید سے ثابت ہیں

حافظ ابن حجرؒ نے باب علامات النبوت کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ''خانہ آمنہ'' کا منور ہو جانا اور ''قصورِ شام'' کا روشن ہونا' آسمان سے ستاروں کا جھکتا ہوا معلوم ہونا' شب ولادت میں ایوانِ کسریٰ کے بعض کنگروں کا گر جانا' آتش کدۂ فارس کا بجھ جانا اور آپؐ کی دودھ پلانے والی عورت کے دودھ میں بڑی برکت ہونی اور اس کے علاوہ ان کے گھر میں قسم قسم کی دوسری برکات کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ پھر ان کی انواع و اقسام کا اجمالی تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے جیسے قرآن مجید' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا' اہل کتاب کی شہادت' کاہن' غیبی آوازیں اور انبیاء علیہم السلام کی آپؐ کے متعلق بشارتیں' قصہ اصحاب فیل اور اس کے علاوہ آپ کے سن ولادت میں دیگر عجائبات کا ظہور' اور آسمان پر غیر معروف طریقے پر بکثرت ستاروں کا ٹوٹنا' گذشتہ اور مستقبل کی ایسی خبروں کا بیان کرنا جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو نہیں ہو سکتا۔ جیسے آدم علیہ السلام اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے واقعات بالخصوص جب کہ مکہ مکرمہ میں علماء اہل کتاب کا وجود بھی نہ ہو۔ ادھر آپؐ عربی کے سوا کوئی اور زبان جانتے نہ ہوں' بلکہ خود ''امی'' بھی ہوں اور عربی کی نوشت و خواند سے بھی ناواقف ہوں اور نبوت سے قبل کہیں باہر تشریف بھی نہ لے گئے ہوں۔ تاریخ سے آپؐ کے کل دو سفر معلوم ہوئے ہیں' ایک میں آپؐ کے چچا آپ کے ساتھ تھے اور کسی ایک مقام پر بھی ان کا آپؐ سے علیحدہ ہونا ثابت نہیں اور نہ کسی اہلِ کتاب یا غیر اہلِ

www.besturdubooks.net

کتاب عالم کے ساتھ علیحدہ ملاقات کرنا ثابت ہے- ان کے علاوہ بحیرا راہب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دینا' بار ہا آپؐ کی انگشتانِ مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور بار ہا تھوڑے سے کھانے میں اتنی برکت ہو جانا کہ بڑی سے بڑی جماعتیں اس سے شکم سیر ہو جائیں- اسی طرح پانی میں وہ برکت نمایاں ہونی کہ لشکر کا لشکر اس سے سیراب ہو جائے- دشمن کے مقابلے میں حالات کی نامساعدت کے باوجود اپنی فتح و نصرت کا قطعی اعلان کر دینا وغیرہ وغیرہ- (الجواب الصحیح از ج ا ص ۱۴۷ تا ص ۱۵۵)

و كان يحصل له في مدة نشأته من الايات و الدلائل رموز كثيرة مثل الايات التي حصلت لمرضعة.

(الجواب الصحيح ج ١ ص ٢٦٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طفولیت میں بہت سے علامات و دلائل کے ضمن میں اس قسم کے اشارات ظہور میں آتے رہے ہیں' مثلاً وہ واقعات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ کے ساتھ پیش آئے-

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ کے کل تین اوراق میں حیرت انگیز اختصار کے ساتھ آپؐ کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:-

ذكره ابراهيم عليه السلام في دعائه و بشر بفخامة امره و بشربه موسى و عيسى عليهما السلام و سائر الانبياء صلوات الله و سلامه عليهم و رات امه كان نورًا خرج منها فاضاء الارض فعبرت بوجود ولد مبارك يظهر دينه شرقا و غربا و هتفت الجن و اخبرت الكهان و المنجمون بوجوده و علوامره و دلت الواقعات الجوية كانكسار شرفات كسرى على شرفه و احاطت به دلائل النبوة كما اخبر هرقل قيصر الروم و رأوا اثار البركة عند مولده وارضاعه و ظهرت الملائكة فشقت عن قلبه و قدبقى منه اثر المخيط. و لما خرج به ابو طالب الى الشام فراه الراهب شهد بنبوته لايات رآها فيه

الخ......

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپؐ کی آمد کے لیے دعائیں مانگیں اور آپ کی جلالتِ شان کی بشارت سنائی- اسی طرح حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام اور بقیہ انبیاء علیہم السلام نے بھی آپ کی بشارت دی- آپ کی والدہ ماجدہ نے یہ نظارہ دیکھا کہ ایک نور ان سے جدا ہوا' جس سے ساری زمین جگمگا اٹھی اس کی انہوں نے یہ تعبیر دی کہ ان کے ایک ایسا مبارک فرزند ہوگا جس کا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا- آپ کے وجود کی جنات نے بھی غیبی اطلاع دی کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی بزرگی بیان کی اور دوسرے انقلابی حالات سے بھی آپ کے ظہور کی شہادت ملی جیسے کسریٰ کے محل کے کنگروں کا ٹوٹ کر گر جانا- ان کے علاوہ دوسرے طریق پر بھی آپ کی نبوت کے دلائل جمع نظر آئے جیسا ہرقل روم نے آپ کی اطلاع دی اور آپ کی ولادت اور رضاعت میں آثار برکت کا مشاہدہ ہوا اور زمانہ طفولیت میں ملائکۃ اللہ نے آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو نور سے بھر دیا اور اس کے ٹانکوں کا اثر صدرِ مبارک میں نمایاں رہا اور جب آپ ایک سفر میں ابو طالب کے ساتھ روانہ ہوئے تو ایک خدا رسیدہ نصرانی عالم نے

www.besturdubooks.net

آپ میں نبوت کی علامات دیکھ کر آپ کی نبوت گواہی دی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۰۵)

محدثین و اکابر کی ان تصریحات کے بعد جن میں مراتب حدیث کے عارف بھی ہیں اور خوش نگار اہلِ سیرت بھی اب یہ شبہ کس کو رہ سکتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا وہ حصہ نہیں ہیں جن کو محض جھوٹ اور محض بے سروپا واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکے۔ جن کی تفصیلات ہم صفحاتِ گذشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن واقعات کے لیے روایات اور اسانید موجود ہوں خواہ وہ ضعیف سہی' کیا ان کو صرف اپنی ایک رائے کی بنا پر آپ کی سیرت سے خارج کر دیا جائے حالانکہ اس کے خلاف نہ کوئی ضعیف سے ضعیف سند ہو اور نہ روایت اس کی موید ہو۔ بے شک اگر کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں یہ مل جاتا کہ اصل واقعہ کی صورت یہ تھی تو پھر اب دونوں روایتوں میں موازنہ کرنے کے لیے اس قیاس آرائی کی کوئی گنجائش نکل آتی' لیکن یہاں جو روایت ہے وہ واقعہ کی ایک ہی صورت بیان کرتی ہے اور اس کے خلاف دوسری کوئی روایت موجود نہیں ہے اس لیے یہ کہنا تو درست ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس کا روایتی پہلو ضعیف ہے اس لیے ہم کو مسلم نہیں' لیکن اپنی جانب سے یہاں ایک مستقل افسانہ بنا کر اس کو اصل روایت کی جگہ دے ڈالنا شاید یہ بھی بے اصل ہے۔ یہاں یہ مغالطہ نہ لگے کہ جو تاویلات ان روایات کی گئی ہیں خود واقعات ان کے مصدق ہیں' لہٰذا ان کو صحیح کہنا پڑے گا' کیونکہ کسی واقعہ کے صحیح ہونے اور اوپر سے اس کے مروی ہونے میں بڑا فرق ہے۔ بہت سی صحیح باتیں ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں لیکن ان کے لیے کوئی روایت تیار کر کے کھڑی کر دینا یہ صحیح نہیں یہی تو ''وضع'' کرنا کہلاتا ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کے بیان کرنے سے قبل ہم ان معجزات پر سند کے لحاظ سے قدرے روشنی ڈال دیں جن پر جھوٹ' افتراء اور مزخرفات کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ آپ ان کی ان اسانید پر محدثین و حفاظ نے جو حکم لگائے ان کو ملاحظہ فرمالیجئے' پھر آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان کو مستند و معتبر قرار دیں یا نہ دیں۔ آپ کے فضائل تک میں ان کو شمار کریں یا نہ کریں' مگر خدارا یہ تو انصاف کریں کہ کیا ان حدیثوں کو مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا کے مصداق میں داخل کر ڈالنا صحیح ہوگا۔ میں تو اگر تساہل کرنے کے لیے مسلم ابواب میں تشدد کا پہلو اختیار کروں تو ڈرتا ہوں کہ میرے ان معجزات کے انکار کی بنیاد کہیں میری بدعقیدگی نہ ٹھہرے اس سے زیادہ کہ محدثین کی اتباع میں ان کے تسلیم کرنے کی حقیقت صرف میری خوش عقیدگی اور عشق نبوی کو قرار دے ڈالا جائے۔ اب آپ بسم اللہ کہہ کر ان فضائل و معجزات کی حیثیت ملاحظہ فرمائیں پھر یہ غور کریں کہ ہیں وہ کتنے بعید از عقل کہ نہ صرف ان کی دھجیاں اڑانا قابل فخر ''ریسرچ'' سمجھی جائے بلکہ ان کتب اور مسلم محدثین کو کھلم کھلا ''مجرمین'' کی صف میں شمار کر ڈالا جائے۔ ہمارے دل اور آنکھوں میں تو بجز ان کے احترام و توقیر کے اور کوئی مقام نہیں۔ فاکرم اللہ مثواھم فی الفردوس الاعلی . امین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاحاديث التي قد تصدى الى تأويلها او انكارها بعض من له جنوح الى الا عتزال او غلبت على عقولهم التحقيقات الحديثة من غير نظر الى اسانيد ها و ما قال فيها الائمة و المحدثون

ان احادیث کا بیان جن کے انکار اور تاویل کے بعض وہ لوگ در پے ہوئے ہیں جن کا طبعی میلان معتزلہ کی جانب ہے یا ان کے دماغوں پر ''جدید تحقیقات'' کی وحشت طاری ہو چکی ہے۔اس کے بغیر کہ ان کی اسانید اور علماء و محدثین نے ان کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس پر بھی نظر ڈالی گئی ہو۔

الرسول الاعظم و رؤيا امه حين و ضعته صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے متعلق آپؐ کی والدہ ماجدہ کا ایک نور مشاہدہ کرنا

(۱۳۰۹) عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ

(۱۳۰۹) عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا اور آدم علیہ السلام ابھی آب و گل ہی کی حالت میں تھے یعنی ان کا پتلہ بھی تیار نہ ہوا تھا اور لو میں تم

(۱۳۰۹) * یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے چنداں غیر معمولی برکات کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ان کے گھر کے اندر مشاہدہ میں آئی ہیں یعنی ان کے مال و متاع میں برکت اور آپ کے اٹھان میں وہ زیادتی جو بالعموم دوسرے بچوں کو ایک ماہ میں میسر آتی وہ آپ کو ایک دن ہی میں حاصل ہو جاتی۔حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا آپؐ کے متعلق یہ بیان اس بیان سے بہت ہی ملتا جلتا ہے جو قرآن پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ذکر کیا ہے: وَ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا. (آل عمران:۳۷)

یہاں محدثین نے اس نور کے ساتھ جو آپ کی بوقت ولادت نمودار ہوا اور بھی بعض خصوصیات کا ذکر کیا ہے مثلاً آپ کا عام بچوں کے برخلاف اپنی انگشت مبارک اٹھائے دست مبارک زمین پر رکھنا وغیرہ۔ظاہر ہے کہ ان واقعات کا بیان کرنے والا آپ کی والدہ ماجدہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔اور چالیس سال کی عمر تک اس کے ناقل پورے ضبط و اتقان کے ساتھ کہاں مل سکتے ہیں۔مگر اس پر تعجب ہی تعجب ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو بھی محدثین نے ایسی اسانید کے ساتھ پیش کیا ہے جو ان کے نزدیک معتبر تھیں جن کی تفصیلات ہم عربی میں نقل کر چکے ہیں۔ .....

www.besturdubooks.net

طِينَتِهٖ وَ سَأُنَبِّئُكُم بِأَوَّلِ ذٰلِكَ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ بُشْرٰى عِيْسٰى وَ رُؤْيَا اُمِّي الَّتِيْ أَرَأَتْ وَ كَذٰلِكَ اُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرَيْنَ وَ فِي رِوَايَةٍ وَ اِنَّ اُمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِيْنَ وَ ضَعَتْهُ نُوْرًا اَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُوْرَ الشَّامِ.

کو اس کی ابتداء بتاتا ہوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں اور اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا (چنانچہ جب آپ پیدا ہوئے) تو آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا کہ جس کی روشنی سے شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کی مائیں بھی دیکھا کرتی تھیں۔
(مسند احمد۔ طبرانی۔ مستدرک)

(رواه احمد باسانيد والبزار و الطبراني بنحوه وفي رواية في تفسير الرؤيا رؤيا امي التي رأت في منا مها انها و ضعت نورا اضاء ت منه قصور الشام. قال الهيثمي واحد اسانيد احمد رجال الصحيح غير سعيد بن سويد وقد و ثقه ابن حبان. مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٢٣. و قد اخرج الحاكم في المستدرك نحوه (و هو على شرط الصحيح) ص ٢٠٠ ج ٢٠ و جعله الحافظ ابن حجر شاهدا لاحاديث رويت في هذا المعنى. و اخرج الهيثمي في مجمع الزوائد عن حليمة بنت الحارث السعدية التي ارضعته صلى الله عليه وسلم فذكر قصة كثرة لبنها و البركة في الغنم و حمل النوق و شق الصدروانه كان يشب في اليوم شباب الصبي في شهروان امه صلى الله عليه وسلم رأت النور وقت الوضع و اضاء ة اعناق الابل ببصرى و وضع اليدبالارض رافعارأسه الى السماء للدعاء على خلاف سائر الولدان رواه ابو يعلىٰ و الطبراني و رجالهما ثقات (مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٢١). و اخرج اضاء ة قصور الشام من مسند احمد باسانيد مختلفة عند احمد و البزار و الطبراني قال الهيثمي و احد اسناد احمد رجاله رجال الصحيح غير سعيد بن سويد و قد وثقه ابن حبان (مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٢٣) و المقصود ان تلك الواقعات التي ذكرت في كتب الدلائل و السير ليست باطلة باسرها كما زعم بل معتبرة عند اهل الحديث.)

الرسول الاعظم وهو اتف الجن و اخبار اليهود بمبعثه صلوات الله وسلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جنات کی غیبی آوازیں اور یہود کا آپ کی بعثت کے متعلق خبر دینا

(۱۳۱۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ مَا سَمِعْتُ عُمَرَ لِشَيْءٍ

(۱۳۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے سنا ہو کہ میرا گمان ہے کہ یہ واقعہ اس طرح ہوگا پھر وہ

☜ ..... اردو خواں اصحاب کے سامنے ان کا پیش کرنا عام طور پر غیر مفید معلوم ہوا۔ حدیث مذکور سے ایک جدید بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ یہ نظارہ نہ صرف آپ کی والدہ کو نظر آیا بلکہ اس میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی والدات کو بھی شرکت نصیب تھی اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ ہر نبی کی شخصیت کوئی معمولی نہیں ہوتی لہٰذا ان کی ولادت پر ان کی والدات اگر کچھ عجائبات کا نظارہ کرلیں تو وہ کوئی عجیب بات نہیں بلکہ ان کا نظارہ نہ کرنا عجیب ہے۔ آج بھی ہم غیر معمولی نیک بخت بچوں کی ولادت پر اس قسم کے واقعات سنتے اور ان کا یقین کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مشاہدہ کرنے والا ان کی والدہ یا چند عورتوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا اور اس موقعہ پر سند کا مطالبہ اور وہ بھی بخاری کی شرط کا مطالبہ کرنا غیر معقول تصور کیا جاتا ہے۔

(۱۳۱۰) ✱ حافظ ابن کثیرؒ نے اس حسین آدمی کا نام سواد بن قارب ازدی کا لکھا ہے اور اسی طرح بعض لفظوں میں کچھ کچھ ☜ .....

www.besturdubooks.net

قَطُّ يَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَذَا اِلَّا كَانَ كَذَا كَمَا
يَظُنُّ بَيْنَمَا عُمَرُ جَالِسٌ اِذْ مَرَّبِهٖ رَجُلٌ
جَمِيْلٌ فَقَالَ لَقَدْ اَخْطَأَ ظَنِّیْ اَوْ اِنَّ هٰذَا عَلٰی
دِيْنِهٖ فِی الْجَاهِلِيَّةِ اَوْ لَقَدْ كَانَ كَاهِنُهُمْ.
عَلَیَّ الرَّجُلَ فَدُعِیَ لَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ مَارَأَيْتُ
كَالْيَوْمِ اُسْتُقْبِلَ بِهٖ رَجُلٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَاِنِّیْ
اَعْزِمُ عَلَيْكَ اِلَّا مَا اَخْبَرْتَنِیْ قَالَ كُنْتُ
كَاهِنَهُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ فَمَا اَعْجَبُ
مَاجَاءَ تْكَ بِهٖ جِنِّيَّتُكَ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا يَوْمًا
فِی السُّوْقِ اِذْجَاءَ تْنِیْ اَعْرِفُ فِيْهَا الْفَزَعَ
فَقَالَ اَلَمْ تَرَالْجِنَّ وَ اِبْلَاسَهَا وَ يَأْسَهَا مِنْ
بَعْدِ اِنْكَاسِهَا وَ لُحُوْقِهَا بِالْقِلَاصِ وَ
اَحْلَاسِهَا قَالَ عُمَرُ صَدَقَ بَيْنَمَا اَنَانَائِمٌ عِنْدَ
اٰلِهَتِهِمْ اِذْجَاءَ رَجُلٌ بِعِجْلٍ فَذَبَحَهٗ فَصَرَخَ
بِهٖ صَارِخٌ لَمْ اَسْمَعْ صَارِخًا قَطُّ اَشَدَّ صَوْتًا
مِنْهُ يَقُوْلُ يَا جَلِيْحُ. اَمْرٌ نَجِيْحٌ. رَجُلٌ
فَصِيْحٌ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَوَثَبَ الْقَوْمُ
قُلْتُ لَا اَبْرَحُ حَتّٰی اَعْلَمَ مَاوَرَاءَ هٰذَا ثُمَّ
نَادٰی يَاجَلِيْحُ. اَمْرٌ نَجِيْحٌ. رَجُلٌ فَصِيْحٌ
يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقُمْتُ فَمَا نَشِبْنَا اَنْ
قِيْلَ هٰذَا نَبِیٌّ.

(رواه البخاری)

ٹھیک اسی طرح نہ نکلا ہو- ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ تشریف فرما تھے- سامنے سے ایک حسین شخص گذرا آپ نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا: یا تو میرا خیال غلط ہے ورنہ یہ شخص یا تو اپنی اسی کفر کی حالت پر قائم ہے یا وہ پہلے کاہن ہو گا اچھا اس کو میرے پاس لاؤ- چنانچہ وہ سامنے حاضر کر دیا گیا- حضرت عمرؓ نے اس سے بھی وہی بات فرمائی- اس نے کہا آج سے پہلے میں نے اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کوئی نہیں دیکھی تھی کہ ایک مسلمان آدمی سے ایسی بات سنی جائے- حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تو مجھ کو بات کی اصلیت ضرور بتا- اس نے کہا اچھا تو پھر بات یہ ہے کہ میں جاہلیت کے زمانے میں کاہن تھا اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا، جو جن تمہارے پاس خبریں لایا کرتا تھا اُن میں سب سے زیادہ تعجب خیز خبر کون سی تھی اس نے کہا ایک دن میں بازار میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پاس آیا اور کچھ گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا اس نے کہا، کیا تم نے جنات اور ان کی نا امیدی کا حال نہیں دیکھا وہ اوندھے منہ ذلیل ہو کر کس طرح مایوس پڑے ہیں اور اپنی اونٹنیوں اور کجاووں میں جا گھسے ہیں (یعنی اب بستیوں میں آمد و رفت نہ ہو گی جنگل میں رہا کریں گے) یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس نے ٹھیک کہا- ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میں ان کے بتوں کے پاس سو رہا تھا ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا اور اس نے اس کو بھینٹ چڑھایا- میں نے ایک غیبی چیخ مارنے والے کی آواز سنی کہ ایسی شدید آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی- کوئی کہتا ہے "او جلیح (نام ہے) ایک کامیاب بات ظاہر ہوئی ایک فصیح شخص کہتا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں"- یہ سن کر اور لوگ تو کود کود کر بھاگ گئے مگر میں نے کہا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہ ٹلوں گا جب تک کہ اس کی صحیح صحیح حقیقت معلوم نہ کر لوں- پھر وہی آواز آئی- اے جلیح ایک کامیاب بات ظاہر ہوئی- ایک فصیح شخص کہتا ہے "ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں"- اس کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا- ابھی کچھ دن ہی نہ گذرے ہوں گے کہ یہ شہرت اڑ گئی کہ آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے- (بخاری شریف)

لـه ..... فرق بھی نقل کیا ہے و یاسها من بعد انكاسها کے بجائے و ایاسها من دینها ہے اور جلیح کے بجائے ذریح کا لفظ ہے- اور ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ یہ کلمات شعر نہیں سجع ہیں- (دیکھو البدایہ ج ۲ ص ۳۳۳) صحیح بخاری کی اس روایت سے جنات میں کھلبلی کا پڑ جانے اور بتوں سے آواز آنے کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے ظہور کی برکات میں بتوں کا اوندھے لـه .....

www.besturdubooks.net

(۱۳۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طَائِفَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ اِلٰى سُوْقِ عُكَاظَ وَقَدْ حِيْلَ بَيْنَ الشَّيَاطِيْنِ وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَ اُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِيْنُ فَقَالُوْا مَا لَكُمْ قَالُوْا حِيْلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَ اُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ اِلَّا مَا حَدَثَ فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا فَانْظُرُوْا مَا هٰذَا الْاَمْرُ الَّذِيْ حَدَثَ فَانْطَلَقُوْا فَضَرَبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا يَنْظُرُوْنَ مَا هٰذَا الْاَمْرُ الَّذِيْ حَالَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ قَالَ فَانْطَلَقَ الَّذِيْ تَوَجَّهُوْا نَحْوَتِهَامَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَخْلَةٍ وَهُوَ عَامِدٌ اِلٰى سُوْقِ عُكَاظَ وَ هُوَ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهٖ صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْاٰنَ تَسَمَّعُوْا لَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ حَالَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَهُنَالِكَ رَجَعُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَقَالُوْا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ

(۱۳۱۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر عکاظ کے بازار کی طرف چلے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آسمانوں کی خبریں سننے کے لیے شیاطین کے اوپر جانے کی بندش ہو چکی تھی اور ان پر آتش باری ہونے لگی تھی- اس پر شیاطین واپس آ آ کر باہم یہ گفتگو کرنے لگے- آخر یہ بات کیا ہے کہ اب ہم آسمانوں پر خبریں سننے کے لیے جا ہی نہیں سکتے اور ہمارے اوپر شہب کی بھرمار کی جاتی ہے- ہو نہ ہو ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے' لہٰذا مشرق و مغرب کو چھان کر اس کی تحقیق کرو کہ بات کیا پیش آئی ہے- چنانچہ جنات اس واقعہ کی تحقیق کے لیے مشرق و مغرب میں پھیل پڑے- اتفاق سے جو جماعت تہامہ کی طرف چلی تھی وہ مقام نخلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ پہنچی اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بازار عکاظ کو جاتے ہوئے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے' جب انہوں نے قرآن پاک سنا تو اور غور کے ساتھ کان لگا کر اس کو سننے لگے پھر بے ساختہ بول اٹھے کہ وہ بات ضرور یہی ہے جس کی وجہ سے ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان بندش ہو گئی ہے- بس اسی وقت اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور اپنی قوم سے کہا' ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے' جو لوگوں کو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے- ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں- اور اب ہم اپنے پروردگار کا کسی کو ہرگز شریک نہیں ٹھہرا سکتے- اس واقعہ کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر

ﷺ ..... منہ جاپڑنا بھی شامل ہے مگر آتش کدۂ فارس کی تاویل کرنے والے یہاں بھی کب رک سکتے ہیں-
بتوں کی یہ آواز درحقیقت جنات ہی کی آواز تھی جن کا ان مجسموں کے ساتھ اتصال تھا- معلوم رہے کہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل کا ہے اس لیے ان کا بت خانہ میں ہونا کچھ جائے تعجب نہیں-

تنبیہ: ''هــــو اتف ''جن اور کاہنوں کی اخبار کا یہ واقعہ صحیح بخاری سے ثابت ہے- اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ آپ کی بعثت کی شہرت ان کے درمیان کتنی ہوگی- پھر وہ بھی مجاز اور استعارہ کے رنگ میں یا حقیقت کے رنگ میں؟-

((۱۳۱۱)) ✱ صحیح بخاری کی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ظہور اور بعثت کا حال بہت کچھ جنات کو بھی معلوم ہو ﷺ .....

www.besturdubooks.net

تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ وَ اِنَّمَا اُوْحِیَ اِلَیْہِ قَوْلُ الْجِنِّ۔ (رواہ البخاری)

یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ وَ اِنَّمَا اُوْحِیَ اِلَیْہِ قَوْلُ الْجِنِّ۔

(بخاری شریف)

(۱۳۱۲) عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ شَیْخٌ اَدْرَکَ الْجَاھِلِیَّۃَ وَ نَحْنُ فِیْ غَزْوَۃِ رُوْدُس یُقَالُ لَہٗ اِبْنُ عِیْسٰی قَالَ کُنْتُ اَسُوْقُ لِاٰلٍ لَنَا بَقَرَۃً فَسَمِعْتُ مِنْ جَوْفِھَا یَا اٰلِ ذَرِیْحٍ۔ قَوْلٌ فَصِیْحٌ۔ رَجُلٌ نَصِیْحٌ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ قَالَ فَقَدِمْنَا مَکَّۃَ فَوَجَدْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ بِمَکَّۃَ۔

(۱۳۱۲) مجاہد کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا جس کو ابن عیسیٰ کہا جاتا تھا اس وقت ہم غزوہ رودس میں مشغول تھے اس نے کہا کہ میں اپنے خاندان کی گائے چرا رہا تھا۔ میں نے اس کے اندر سے ایک آواز سنی اے ذریح کے خاندان والو! ایک فصیح بات ایک خیر خواہ شخص کہتا ہے کہ خدا کے سوا اور خدا کوئی نہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا ہم مکہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوئے نبوت کا اعلان کر چکے ہیں۔ (مسند احمد)

(رواہ احمد و رجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۴۳)

(۱۳۱۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ خَبَرٍ قَدِمَ عَلَیْنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ امْرَءَۃً کَانَتْ لَھَا تَابِعٌ قَالَ فَاَتَاھَا فِیْ صُوْرَۃِ طَیْرٍ فَوَقَعَ عَلٰی جِذْعٍ لَھُمْ قَالَ فَقُلْتُ اَلَا تَنْزِلُ لِتُخْبِرَنَا وَ نُخْبِرَکَ قَالَ اِنَّہٗ قَدْ خَرَجَ بِمَکَّۃَ رَجُلٌ حَرَّمَ عَلَیْنَا الزِّنَاءَ وَ مَنَعَ مِنَّا الْقَرَارَ۔

(۱۳۱۳) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو سب سے پہلی خبر ہم کو ملی وہ اس صورت سے ملی کہ ایک عورت کے ایک جن تابع تھا ایک دن وہ ایک پرندہ کی شکل میں اس کے گھر کے ایک کھجور کے ٹھنڈ پر آ کر بیٹھا وہ کہتی ہے میں نے کہا آ ہمارا مہمان ہو جا اور تو ہم کو خبریں سنا اور ہم تجھ کو سنائیں۔ اس نے کہا ایک نبی مکہ میں ظاہر ہوئے ہیں جنہوں نے ہم پر زنا حرام کر دیا ہے اور کہیں جا کر رہنے سے ہم کو روک دیا ہے۔ (احمد۔ طبرانی)

(رواہ احمد و الطبرانی فی الاوسط و رجالہ و ثقوا (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۴۳)

ﷺ ..... چکا تھا اور ان کے لیے پریشانی کا موجب بھی بنا ہوا تھا لہٰذا اگر جنات کے متعلق اسی قسم کی دوسری حدیثیں کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ متوسط اسانید سے مروی ہوں تو ان کو بے اصل سمجھنا یہ ایک ناانصافی ہے اور ان کے متعلق باطل اور خرافات کے الفاظ استعمال کرنا تو ظلم صریح ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو احادیث متوسط یا ضعیف اسانید کے ساتھ کتب دلائل میں روایت کی گئی ہیں' ان کی پشت پر کوئی نہ کوئی حدیث مجمل یا مفصل کتب صحیحہ میں بھی موجود نظر آتی ہے۔ اس لیے ہزار آپ انکار یا تاویل کی راہ اختیار کریں لیکن اس نوعیت کے معجزہ کا ثبوت ماننا ہی پڑتا ہے۔

(۱۳۱۳) ✱ ان احادیث سے اہل کتاب اور جنات کے درمیان آپ کی بعثت کا مشہور ہونا اسناد حسن اور ایسے رجال کی روایت سے ثابت ہے جن کی توثیق کی گئی ہے۔ لہٰذا اگر اس قسم کی شہرتیں کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ کتب دلائل میں ملتی ہیں تو وہ نہ قابل انکار ہو سکتی ہیں نہ قابل تاویل۔ ان کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ ہاں جزم کے ساتھ ان کو اصطلاحی صحیح کا درجہ دے دینا یہ بھی بے محل ہوگا لیکن ان کی ..... ﷺ

www.besturdubooks.net

(۱۳۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يَهُوْدِيٌّ قَدْ سَكَنَ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ هَلْ وُلِدَ فِيكُمُ اللَّيْلَةَ مَوْلُوْدٌ قَالُوْا لَانَعْلَمُ قَالَ انْظُرُوْا فَإِنَّهُ وُلِدَفِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ نَبِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ عَلَامَةٌ لَا يَرْضَعُ لَيْلَتَيْنِ لِأَنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى فَمِهٖ فَانْصَرَفُوْا فَسَأَلُوْا فَقِيْلَ لَهُمْ قَدْ وُلِدَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ غُلَامٌ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ مَعَهُمْ إِلٰى أُمِّهٖ فَأَخْرَجَتْهُ لَهُمْ فَلَمَّا رَأَى الْيَهُوْدِيُّ الْعَلَامَةَ خَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَ قَالَ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَ اللّٰهِ لَيَسْطُوَنَّ بِكُمْ سَطْوَةً يَخْرُجُ خَبَرُهَا مِنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ. قَالَ الْحَافِظُ.

(رواه يعقوب بن سفيان باسناد حسن فتح البارى ج ٦ ص ٣٧٧)

(۱۳۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی تھا' جو مکہ مکرمہ میں رہا کرتا تھا جس شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اس نے لوگوں سے تحقیق کی کہ آج کی شب میں کیا تمہارے گھروں میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے-لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں- اس نے کہا اچھا جاؤ تحقیق کرو کیونکہ اس شب میں ضرور اس امت کا نبی پیدا ہو چکا ہے اس کے دو شانوں کے درمیان ایک علامت ہے اور دو راتوں سے اس نے منہ میں دودھ بھی نہیں لیا ہے' کیونکہ ایک سرکش جن نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ چھوڑا ہے- (یہ جھوٹ کہا) لوگ واپس ہوئے اور تحقیق شروع کی تو ان سے کہا گیا کہ ہاں عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر ایک فرزند پیدا ہوا ہے وہ یہودی ان کو ساتھ لے کر ان کی والدہ کے پاس گیا انہوں نے آپ کو دکھلایا- یہودی کا اس علامت کو دیکھنا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بولا افسوس بنی اسرائیل میں سے نبوت کا خاتمہ ہو گیا- اے قریش یاد رکھو کہ یہ تم پر ایسا زبردست حملہ کریں گے' جس کی خبر مشرق سے مغرب تک اڑ جائے گی- (فتح الباری)

لے ..... تکذیب کرنا اور ان کے بے اصل بنانے کی سعی کر کے دماغوں کو یہ باور کرانا کہ گویا کہ ایسی روایتیں ان محدثین کی صرف من گھڑت باتیں تھیں' یہ بھی قرین انصاف نہیں ہے بلکہ خلاف واقع اور اپنے منصب سے اونچی بات ہے- یہاں ہم نے اس قسم کی احادیث کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صرف مشتے از نمونہ خروارے کے طور پر یہ بتانا چاہا ہے کہ اگر کسی متشدد قلم کو کچھ لکھنا ہی ہو اور ان معجزات کا انکار کرنا ہی ہو تو وہ ذرا سنبھل کر لکھے اور یہ نہ سمجھے کہ مافی الدار دیار ع

اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہیں

تنبیہ: مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت اس روایت سے بہت ہی ملتی جلتی ہے جو صحیح بخاری کی آپ کے ملاحظہ سے ابھی گذری اور ایسی بات پر ہم نے تنبیہ کی تھی کہ کسی متوسط روایت پر بے بنیاد ہونے کا حکم لگانے سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کی پشت پناہ دوسری صحیح سے صحیح روایت موجود تو نہیں-

(۱۳۱۴) * یہ ایک یہودی کی شہادت ہے جس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ان کی کتب میں صرف آپ کی صفات ہی کا ذکر نہ تھا بلکہ آپ کے وقت ولادت تک کا ذکر موجود تھا اور اسی بنا پر وہ آپ کی ولادت کی تحقیق کے لیے نکلا تھا- یہ روایت اگر چہ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے مگر حافظ ابن حجرؒ جو اس کے بڑے شارحین میں سے ہیں اپنی مشہور کتاب فتح الباری میں اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں جس کو اردو میں صحیح کہنا درست ہے- گو اصطلاحی لحاظ سے اس میں فرق ہو- ہم ان دونوں میں فرق پر اپنے مقالہ میں پوری تعبیر و تفصیل کر چکے ہیں وہاں دیکھ لی جائے-

www.besturdubooks.net

(۱۳۱۵) عَنْ كَعْبٍ يَحْكِيْ عَنِ التَّوْرٰةِ قَالَ نَجِدُ مَكْتُوْبًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَبْدِيَ الْمُخْتَارُ لَافَظٌّ وَ لَا غَلِيْظٌ وَ لَا سَخَّابٌ فِي الْاَسْوَاقِ وَ لَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَ لٰكِنْ يَعْفُوْ وَ يَغْفِرُ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَ هِجْرَتُهٗ بِطَيْبَةَ وَ مُلْكُهٗ بِالشَّامِ وَ اُمَّتُهُ الْحَمَّادُوْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ مَنْزِلَةٍ وَ يُكَبِّرُوْنَهٗ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ رُعَاةٌ لِلشَّمْسِ يُصَلُّوْنَ الصَّلٰوةَ اِذَا جَاءَ وَقْتُهَا يَتَأَزَّرُوْنَ عَلٰى اَنْصَافِهِمْ وَ يَتَوَضَّئُوْنَ عَلٰى اَطْرَافِهِمْ مُنَادِيْهِمْ يُنَادِيْ فِيْ جَوِّ السَّمَاءِ صَفُّهُمْ فِي الْقِتَالِ وَ صَفُّهُمْ فِي الصَّلٰوةِ سَوَاءٌ لَهُمْ بِاللَّيْلِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ. (هذا لفظ المصابيح و روى الدارمي مع تغيير يسير (مشكوٰة ص ٥١٤) و روى البخاري بعضه عن عطاء بن يسار)

(۱۳۱۵) کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات سے ناقل ہیں کہ ہم آپ کی صفات تورات میں یہ لکھی ہوئی پاتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ درشت زبان و طبیعت' نہ بازاروں میں شور کرنے والے نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے' بلکہ بہت معاف کرنے والے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ مکہ مکرمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا مقام مدینہ طیبہ ہے اور آپ کی نبوت اور آپ کا دین ملک شام تک (جو انبیاء علیہم السلام کا مرکز ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خدا تعالیٰ کی اتنی تعریف کرنے والی ہے کہ اس کا لقب حمادون ہے' یعنی راحت و تکلیف میں خدا کی تعریف کرے گی۔ ہر مقام پر خدا کی حمد کرنے والی اور ہر اونچے مقام پر خدا کی تکبیر پڑھنے والی' آفتاب کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے والی نماز کو اپنے وقتوں پر ادا کرنے والی' نصف پنڈلیوں تک اپنی لنگی باندھنے والی اور اپنے ہاتھ اور پیر یعنی جسم کے اطراف کا وضو کرنے والی' ان کا مؤذن بلند مقام پر کھڑے ہو کر اذان کہنے والا' ان کی صف نمازوں میں ایسی سیدھی جیسی جہاد میں شب کی تاریکی میں پست آواز سے اس طرح تلاوت قرآن کرنے والی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھن بھن۔

(۱۳۱۵) * حدیث مذکور ترجمان السنہ میں پہلے گذر چکی ہے مگر یہاں اس کے نقل سے مقصد یہ ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کا تعارف مجاز و استعارہ کے رنگ میں نہ تھا بلکہ آپ کا نام آپ کی صفات آپ کی جائے پیدائش آپ کا مقام ہجرت حتیٰ کہ آپ کی امت کی وہ صفات جو سب میں زیادہ ممتاز ہیں یعنی ان کی نمازوں کا آفتاب کے طلوع و غروب اور اس کے زوال اور اس کے انتقالات سے متعلق ہونا وغیرہ وغیرہ بھی مذکور تھیں اور جب بحث کتب سابقہ کی آئے تو اس میں کعب احبار کا پایہ سب سے بلند ہے کیونکہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار علماء تورات میں چوٹی کے علماء میں تھا پھر اس روایت کے متفرق اجزاء صحیح بخاری اور دیگر کتب میں بھی ملتے ہیں اگر ان سب کو جمع کر لیا جائے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی امت کا بھی پورا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اب یہاں یہ کہہ دینا کہ آپ کا تعارف احبار و یہود میں صرف مجاز و استعارہ کے رنگ میں تھا آفتاب پر خاک ڈالنے کے مرادف ہے۔ یہاں ترجمان السنہ جلد ثالث کی ذکر کردہ روایات پر نظر ڈالنی ازبس ضروری ہے کیونکہ ہم نے اس جلد میں ایک مستقل باب اسی کے لیے قائم کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت اپنے کتنے بڑے تعارف کے ساتھ دنیا میں آتی ہے پھر ان میں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کس درجہ کا موجود تھا یہاں ان روایات کا نقل کرنا محض تطویل اور بے فائدہ تکرار کا موجب ہوگا۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم وصورته المبارکة عند الملوک و الاحبار صلوات الله و سلامه علیه

(۱۳۱۶) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ الْمُطْعِمِ قَالَ کُنْتُ اَکْرَهُ اَذٰی قُرَیْشٍ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا ظَنَنْتُ اَنَّهُمْ سَیَقْتُلُوْهُ خَرَجْتُ حَتّٰی لَحِقْتُ بِدَیْرٍ مِنَ الدِّیَارَاتِ فَذَهَبَ اَهْلُ الدَّیْرِ اِلٰی رَأْسِهِمْ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ اَقِیْمُوْا لَهٗ حَقَّهُ الَّذِیْ یَنْبَغِیْ لَهٗ ثَلَاثًا.... اِلٰی اَنْ قَالَ اِنَّ لَهٗ لَشَاْنًا فَاسْئَلُوْهُ مَاشَاْنُهٗ قَالَ فَاَتَوْهُ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ اِلَّا اَنَّ فِیْ قَرْیَةِ اِبْرَاهِیْمَ ابْنَ عَمِّیْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ فَاٰذَاهُ قَوْمُهٗ فَخَرَجْتُ لِئَلَّا اَشْهَدَ ذٰلِکَ فَذَهَبُوْا اِلٰی صَاحِبِهِمْ فَاَخْبَرُوْهُ قَوْلِیْ قَالَ هَلُمُّوْا فَاَتَیْتُهٗ فَقَصَصْتُ عَلَیْهِ قَصَصِیْ قَالَ تَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَ تَعْرِفُ شِبْهَهٗ لَوْ تَرَاهُ مُصَوَّرًا قُلْتُ عَهْدِیْ بِهٖ مُنْذُ قَرِیْبٍ فَاَرَاهُ صُوَرًا مُغَطَّاةً فَقُلْتُ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اَشْبَهَ بِشَیْءٍ مِنْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ بِهٖ کَاَنَّهٗ طُوْلُهٗ وَ جِسْمُهٗ وَ بُعْدُ مَابَیْنَ مَنْکِبَیْهِ قَالَ فَتَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْهُ قُلْتُ اَظُنُّهُمْ قَدْ فَرَغُوْا مِنْهُ قَالَ وَ اللّٰهِ لَا یَقْتُلُوْهُ وَ لَیَقْتُلَنَّ مَنْ یُرِیْدُ قَتْلَهٗ وَ اِنَّهٗ لَنَبِیٌّ وَ لَیُظْهِرَنَّهُ اللّٰهُ. (الحدیث رواہ الطبرانی عن شیخہ مقدام بن داود ضعفہ النسائی وقال ابن دقیق العید فی الامام انہ وثق و ھو حدیث حسن (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۳) و قد مرفی ترجمان السنہ ج ۳ ص

سلاطین اور اہل کتاب کے علماء کبار کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ موجود ہونے کا ثبوت

(۱۳۱۶) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی ایذا رسانی مجھ کو سخت ناپسند تھی۔ جب مجھ کو یہ خطرہ گذرنے لگا کہ اب یہ آپ کو قتل کرنے والے ہیں تو میں (مکہ سے) باہر نکل گیا۔ یہاں تک کہ ایک گرجے میں جا پہنچا۔ گرجے کے لوگ اس کے سردار کے پاس گئے اور اس کو میری اطلاع دی۔ اس نے کہا' تین دن تک اس کی مناسب مہمانی کرو۔ اس کے بعد کہا ضرور اس کو کوئی خاص بات پیش آئی ہے' جاؤ اس سے جا کر پوچھو کیا واقعہ پیش آیا ہے (راوی کہتا ہے) وہ آئے اور اس سے آ کر پوچھا اس نے کہا' خدا کی قسم اور تو کوئی بات نہیں صرف اتنی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وطن' یعنی شہر مکہ میں میرے چچا زاد بھائی کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے اس پر ان کی قوم نے ان کو ایذا دینی شروع کی' یہ دیکھ کر میں وہاں سے چلا آیا ہوں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو نہ دیکھوں۔ انہوں نے میری اس ساری داستان کی اطلاع اپنے رئیس کو جا کر دی۔ اس نے کہا اس کو یہاں بلالاؤ۔ میں اس کے پاس گیا اور اپنا سارا ماجرا اس کو کہہ سنایا۔ اس نے کہا کیا تم کو یہ ڈر ہے کہ وہ لوگ اس کو قتل کر ڈالیں گے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ اس نے کہا اگر تم ان کی تصویر دیکھو گے تو کیا ان کی صورت پہچان لو گے۔ میں نے کہا میں ابھی ابھی تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے چند تصویریں دکھائیں' جو غلاف ڈھانکی ہوئی تھیں میں نے ان میں سے ایک کو دیکھ کر کہا کہ یہ تصویر ان سب تصویروں میں ان کے بہت مشابہ معلوم ہوتی ہے بس وہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قد و قامت' وہی آپ کی جسامت اور وہی آپ کے شانوں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ اس نے کہا تم کو یہ ڈر ہے کہ وہ ان کو قتل کر دیں گے۔ میں نے کہا میرا تو یہ یقین ہے کہ وہ ان کو قتل کر کے فارغ بھی ہو چکے ہوں گے۔ اس نے

www.besturdubooks.net

۲۰۰ من تاریخ البخاری و مغازی موسی بن عقبة نحوہ قال الحافظ و ھی اصح ماصنف فی ذلک عند الجماعة (فتح الباری ج ۷ ص ۱۰)

کہا بخدا وہ اس کو قتل نہیں کر سکتے' بلکہ جوان کے قتل کا ارادہ کرے گا وہی اس کو قتل کریں گے یہ یقیناً وہ نبی ہیں اور ضرور اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر کے رہے گا۔ (طبرانی)

(۱۳۱۷) اِنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ وَ نُعَيْمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ وَ رَجُلًا اٰخَرَ قَدْ سَمَّاهُ بُعِثُوْا اِلٰى مَلِكِ الرُّوْمِ زَمَنَ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَ فَدَخَلْنَا عَلٰى جَبَلَةَ الْاَيْهَمِ وَ هُوَ بِالْغُوْطَةِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَ اَنَّهُ انْطَلَقَ بِهِمْ اِلَى الْمَلِكِ وَ اَنَّهُمْ وَجَدُوْا عِنْدَهُ شِبْهَ الرَّبْعَةِ الْعَظِيْمَةِ مُذَهَّبَةً وَ اِذَا فِيْهَا اَبْوَابٌ صِغَارٌ فَفَتَحَ مِنْهَا بَابًا فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ خِرْقَةَ حَرِيْرٍ سَوْدَاءَ فِيْهَا صُوْرَةٌ بَيْضَاءُ وَ ذَكَرَ صِفَةَ اٰدَمَ ثُمَّ فَتَحَ بَابًا اٰخَرَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ حَرِيْرَةً وَ فِيْهَا صُوْرَةُ نُوْحٍ ثُمَّ اِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ اَرَاهُمْ حَرِيْرَةً فِيْهَا صُوْرَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذَا اٰخِرُ الْاَبْوَابِ لٰكِنِّىْ عَجَّلْتُهُ لِاَنْظُرَ مَا عِنْدَكُمْ ثُمَّ فَتَحَ اَبْوَابًا اُخَرَ وَ اَرَاهُمْ صُوْرَةَ بَقِيَّةِ الْاَنْبِيَاءِ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ وَ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَ صِفَةَ لُوْطٍ وَ صِفَةَ اِسْحَاقَ وَ ذَكَرَ اَنَّ هٰذَا عِنْدَهُمْ قَدِيْمًا مِنْ عَهْدِ اٰدَمَ وَ اَنَّ دَانْيَالَ صَوَّرَهَا بِاَعْيَانِهَا. (رواہ موسی بن عقبة (الجواب الصحیح) ج ۳ ص ۲۷۴)

(۱۳۱۷) ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک شخص اور تھے جن کا نام انہوں نے بیان کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شاہ روم کے پاس روانہ کیے گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جبلۃ بن الایہم کے پاس گئے۔ اس وقت وہ مقام غوطہ میں تھا اور پورا قصہ ذکر کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ بادشاہ کے پاس ان تینوں کو لے گئے تو اس کے پاس ایک سنہرا معطر صندوقچہ دیکھا اس میں چھوٹے چھوٹے سے خانے بنے ہوئے تھے اس نے ایک خانہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا اس میں ایک سفید رنگ کی تصویر تھی اس کے بعد آدم علیہ السلام کی صورت کا ذکر کیا' پھر دوسرا خانہ کھولا اور اس میں سے بھی ایک ریشم کا ٹکڑا نکالا اس میں نوح علیہ السلام کی تصویر تھی اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت نکالی اس کے بعد ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی اور کہا کہ یہ سب سے آخری خانہ کی ہے' لیکن میں نے اس کو نکالنے میں اس لیے جلدی کی ہے تا کہ میں تم سے ان کے متعلق پوچھوں۔ اس کے بعد اور خانے کھولے اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی تصاویر دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام' ہارون علیہ السلام' داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور لوط علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی صورتیں بھی دکھائیں اور کہا یہ ہمارے ہاں آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آ رہی ہیں اور ان کو دانیال علیہ السلام نے بنایا ہے۔ (موسیٰ بن عقبہ) الجواب الصحیح ج ۳ ص ۲۷۴۔

(۱۳۱۷) * ان معتبر اور مستند طریقوں سے کم از کم اتنا تو ثبوت ملتا ہے کہ احبار و ملوک کے پاس آپ کی تصویر بھی موجود تھی اور قیاس نہیں کہتا کہ ان بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کے پاس یہ تصاویر محض بے اصل موجود ہوں گی ہو سکتا ہے کہ فن تصویر کشی کا کمال ہو یعنی جیسا کہ تفاسیر اور محدثین کی کتب میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ان کا منتقل ہوتے چلا آنا' منقول ہے یہ ان کی ......

www.besturdubooks.net

(۱۳۱۸) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ عَلَى الْمُقَوْقِسِ مَلِكِ مِصْرَ وَ الْإِسْكَنْدَرِيَّةِ مَلِكِ النَّصَارٰى أَخْرَجَ لَهُ صُوَرَ الْأَنْبِيَاءِ وَ أَخْرَجَ لَهُ صُوْرَةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَفَهَا.

(۱۳۱۸) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مقوقس شاہِ مصر اور اسکندریہ شاہِ نصاریٰ کے پاس گئے تو اس نے ان کو انبیاء علیہم السلام کی تصویریں دکھائیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بھی دکھائی، جس کو دیکھ کر فوراً انہوں نے پہچان لیا۔
(الجواب الصحیح ج ۳ ص ۲۷۵)

كذافي الجواب الصحيح ج ٣ ص ٢٧٥ . و في ابتداء فتوح الشام مايدل على ان الاحبار كان عندهم شيئا من تصاويره صلى الله عليه وسلم.

ﮯ ..... بنیاد ہو۔ ہمارا مقصد صرف مستند طریقوں سے یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ تصاویر ملوک و احبار و رہبان کے پاس پہلے سے موجود ہیں ان تصاویر کے محقق اور مستند ثابت ہونے کا دعویٰ نہیں وہ جیسی بھی ہوں مگر ان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف آپ کے ظہور سے قبل عالم کو کتنا حاصل ہو چکا تھا۔ سطور بالا میں جبلۃ الایہم کا واقعہ عہد صدیقی کا ہے اور کہیں اس کی مخالفت کا ایک حرف بھی نظر سے نہیں گذرا، بلکہ ہمیشہ اس کو نظر اعتبار ہی سے دیکھا گیا ہے۔ ابوالسعود جو ۸۹۶ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور اپنے عہد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے اپنی مشہور تفسیر میں تابوتِ سکینہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قال ارباب الاخبار ان الله تعالى انزل على ادم تابوتا فيه تماثيل الانبياء عليهم السلام من اولاده و كان من عود شمشاد نحوا من ثلاثة اذرع في ذراعين فكان عند ادم عليه السلام الى ان توفي فتوارث اولاده واحد ابعد واحد الى ان وصل الى يعقوب عليه السلام.... الى ان وصل الى موسى عليه السلام الخ.... ج ١ ص ١٨٣.

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت اتارا تھا، جس میں ان کی اولاد میں ہونے والے سب انبیاء علیہم السلام کی تصاویر موجود تھیں یہ شمشاد کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ تین گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا وہ صندوق ان کی زندگی تک ان کے پاس رہا، پھر ان کی اولاد میں منتقل ہوتے ہوتے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا یہاں تک کہ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔

اس کے بعد مفسر موصوف نے اس پر ردوقدح کا ایک حرف بھی نہیں لکھا اور نہ اس کی ضرورت تھی اور نہ ہم یہاں خود ان تصاویر کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ جس طریقہ پر بھی یہ تصویریں احبار و ملوک کے ہاتھ لگی ہوں، مگر آپ کے تعارف کی شہرت کا ایک یقینی ثبوت ضرور ہیں۔

(۱۳۱۸) * فتوح شام کی ابتداء میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے بڑے بڑے علماء کے پاس بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر مبارک موجود تھی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہی کافی تھی کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو موضوعات اور افتادہ نقول کو اپنی کتاب میں درج کر لیتے اور پھر ان کو مخالفین نصاریٰ کے سامنے رکھ دیتے لیکن ان روایات کو انہوں نے مستند جان کر ہی پیش کیا ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۳۱۹) عَنْ جُبَیْرٍ یَقُوْلُ لَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیَّهُ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَ ظَهَرَ اَمْرُهُ بِمَکَّةَ خَرَجْتُ اِلَی الشَّامِ فَلَمَّا کُنْتُ بِبُصْرٰی اَتَتْنِیْ جَمَاعَةٌ مِنَ النَّصَارٰی فَقَالُوْا لِیْ اَمِنَ الْحَرَمِ اَنْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالُوْا فَتَعْرِفُ هٰذَا الَّذِیْ تَنَبَّأَ فِیْکُمْ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاَخَذُوْا بِیَدِیْ فَاَدْخَلُوْنِیْ دَیْرًا لَهُمْ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ وَصُوَرٌ فَقَالُوْا لِیْ اُنْظُرْ هَلْ تَرٰی صُوْرَةَ هٰذَا النَّبِیِّ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ فَنَظَرْتُ فَلَمْ اَرَ صُوْرَتَهُ قُلْتُ لَا اَرٰی صُوْرَتَهُ فَاَدْخَلُوْنِیْ دَیْرًا اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ الدَّیْرِ فِیْهِ صُوَرٌ اَکْثَرُ مِمَّا فِیْ ذٰلِکَ الدَّیْرِ فَقَالُوْا لِیْ اُنْظُرْ هَلْ تَرٰی صُوْرَتَهُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اَنَا بِصِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ صُوْرَتِهِ وَ اِذَا اَنَا بِصِفَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ صُوْرَتِهِ وَ هُوَ اٰخِذٌ بِعَقِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا لِیْ اُنْظُرْ هَلْ تَرٰی صِفَتَهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالُوْا هُوَ هٰذَا وَ اَشَارُوْا اِلٰی صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ اَشْهَدُ اَنَّهُ هُوَ قَالُوْا اَتَعْرِفُ هٰذَا الَّذِیْ اٰخِذٌ بِعَقِبِهِ قُلْتُ نَعَمْ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّ هٰذَا صَاحِبُکُمْ وَ اَنَّ هٰذَا الْخَلِیْفَةُ مِنْ بَعْدِهِ. (رواه البخاری فی تاریخه و قال فیه قال الذی اراه الصور لم یکن نبی الا کان بعده نبی الا هذا النبی ورواه ابو نعیم فی دلائل النبوة. کذافی الجواب الصحیح ج ۳ ص ۲۷۳)

(۱۳۱۹) جبیرؓ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور مکہ مکرمہ میں آپ کی شہرت اڑ گئی تو اتفاق سے میں شام کے لیے نکلا۔ جب بصریٰ پہنچا تو میرے پاس نصرانیوں کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے پوچھا کیا تم حرم کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں انہوں نے پوچھا کیا تم اس شخص کو بھی پہچانتے ہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے ایک گرجا میں لے گئے جس میں کچھ تصویریں وغیرہ تھیں اور مجھ سے کہا ذرا غور کر کے دیکھنا کہ ان میں کوئی شکل وصورت اس نبی کی سی ہے جو تم میں بھیجے گئے ہیں۔ میں نے دیکھا تو ان میں آپ کی سی کوئی صورت نظر نہ پڑی میں نے کہا ان کی صورت تو ان میں کوئی نہیں پھر وہ اس سے ایک بڑے گرجے میں مجھ کو لے گئے جس میں پہلے سے زیادہ تصویریں تھیں اور مجھ سے کہا اچھا ان میں سے کسی کی صورت ان سے ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ میں نے غور کیا تو ایک تصویر بالکل آپ کی سی تھی بلکہ ایک تصویر بالکل صدیق اکبر جیسی بھی تھی اس تصویر میں صدیق اکبر آپ کے پیر پکڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا خوب غور سے دیکھنا یہ تصویر تم کو بالکل آپ کی تصویر معلوم ہوتی ہے یا نہیں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے انہوں نے کہا یہ تصویر یہ میں نے کہا جی ہاں یہی۔ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہ آپ کی ہی تصویر ہے پھر انہوں نے کہا یہ شخص جوان کے پیروں کو پکڑے ہوئے ہیں ان کو بھی پہچانتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ تمہارے نبی یہی ہیں اور جو شخص ان کے پیروں کے پاس ہیں یہ ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں اس پر اتنا اور نقل کیا ہے کہ جو شخص ان کو صورتیں دکھارہا تھا اس نے کہا کہ جو نبی گذرا ہے اس کے بعد دوسرا نبی ضرور پیدا ہوا ہے۔ مگر یہ نبی ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوگا۔ (الجواب الصحیح ج ۳ ص ۲۷۳)

(۱۳۱۹) ✽ ان جملہ روایات سے جن میں ملوک اور اساقفہ بھی ہیں آپ کی تصاویر کے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور ان سب کے بیانات میں اتنا اشتراک ہے کہ قیاس نہیں کہتا کہ مختلف ادوار کی یہ صرف من گھڑت کہانیاں ہوں بالخصوص جب کہ ثقات محدثین بھی ان کو اپنی کتاب میں نقل کر کے اپنے دشمنوں کے سامنے بطریق حجت پیش کرتے ہوئے نظر آرہے ہوں۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم وتسبیح الحصیات فی یدہ الشریفۃ صلوات اللہ وسلامہ علیہ

(۱۳۲۰) عَنْ سُوَیْدِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ رَأَیْتُ اَبَاذَرٍّ جَالِسًا وَحْدَہٗ فَاغْتَنَمْتُ ذٰلِکَ فَجَلَسْتُ اِلَیْہِ فَذَکَرْتُ لَہٗ عُثْمَانَ فَقَالَ لَا اَقُوْلُ لِعُثْمَانَ اَبَدًا اِلَّا خَیْرًا لِشَیْءٍ رَأَیْتُہٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْتُ اَتَّبِعُ خَلَوَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَتَعَلَّمُ مِنْہُ فَذَھَبْتُ یَوْمًا فَاِذَا ھُوَ قَدْ خَرَجَ فَاتَّبَعْتُہٗ فَجَلَسَ فِیْ مَوْضِعٍ فَجَلَسْتُ عِنْدَہٗ فَقَالَ یَا اَبَاذَرٍّ مَاجَاءَ بِکَ قَالَ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ قَالَ فَجَاءَ اَبُوْبَکْرٍ فَسَلَّمَ فَجَلَسَ عَنْ یَمِیْنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہٗ مَاجَاءَ بِکَ یَا اَبَابَکْرٍ قَالَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَجَلَسَ عَنْ یَمِیْنِ اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ یَا عُمَرُ مَا جَاءَ بِکَ قَالَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ قَالَ فَتَنَاوَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَ حَصَیَاتٍ اَوْتِسْعَ حَصَیَاتٍ فَسَبَّحْنَ فِیْ یَدِہٖ حَتّٰی سَمِعْتُ لَھُنَّ حَنِیْنًا کَحَنِیْنِ النَّحْلِ ثُمَّ وَضَعَھُنَّ فَخَرِسْنَ ثُمَّ وَضَعَھُنَّ فِیْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ فَسَبَّحْنَ فِیْ یَدِہٖ حَتّٰی سَمِعْتُ لَھُنَّ حَنِیْنًا کَحَنِیْنِ النَّحْلِ ثُمَّ وَضَعَھُنَّ فَخَرِسْنَ ثُمَّ تَنَاوَ لَھُنَّ فَوَضَعَھُنَّ فِیْ یَدِ عُثْمَانَ فَسَبَّحْنَ فِیْ یَدِہٖ حَتّٰی سَمِعْتُ لَھُنَّ حَنِیْنًا کَحَنِیْنِ النَّحْلِ ثُمَّ وَضَعَھُنَّ

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیحات پڑھنا

(۱۳۲۰) سوید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابو ذر کو تنہا دیکھا تو فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان کے پاس جا بیٹھا اور ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ آ گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کی شان میں بھلائی کے سوا میں ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا' کیونکہ ان کی ایک خاص بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیکھ چکا ہوں۔ بات یہ تھی کہ میں اکثر ایسے موقعوں کی تلاش میں رہا کرتا تھا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا پا جاؤں تو کچھ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرلوں۔ ایک دن اسی تلاش میں گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر جا چکے تھے میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا بیٹھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' ابوذر کہو کیسے آئے۔ میں نے عرض کی صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ نکلے اور سلام کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب آ بیٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے۔ پھر اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے وہ آ کر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائیں بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی پوچھا کہو کیوں آئے انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں سات یا نو کنکریاں لیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح میں نے بھی صاف صاف سن لی۔ پھر آپ صلی اللہ

(۱۳۲۰) * اصل واقعہ تو کتب مشہورہ میں صحیح احادیث سے ثابت ہے جو قابل انکار نہیں ہوسکتا' لیکن کنکریوں کا تسبیح کرنا بھی معتبر طرق سے ائمہ حدیث نے ثابت کیا ہے جس کے حوالجات ہم عربی عبارت میں اوپر نقل کر چکے ہیں۔ ان کے غور سے ملاحظہ کرنے کے بعد کنکریوں کے تسبیح پڑھنے کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

www.besturdubooks.net

فَخَرِسْنَ. (رواه البزار باسنادين و رجال احد هما ثقات و في بعضهم ضعف. قلت و قد تقدم في الخلافة له طريق عن ابي ذر ايضا و قال الزهري فيها يعني الخلافة رواه الطبراني في الاوسط و زاد في احدى طريقيه يسمع تسبيحهن من في الحلقة في كل واحد و قال ثم دفعهن الينا فلم يسبحن مع احدمنا (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۹۹) و راجع البداية و النهاية ج ٦ ص ۱۳۲ و ج ٦ ص ۲۷٦)

علیہ وسلم نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں اس کے بعد ان کو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا یہاں تک کہ وہ ان کے ہاتھ میں پھر اسی طرح تسبیح پڑھنے لگیں اور ان کی شہد کی مکھیوں کی طرح بھن بھن کی آواز میں نے بھی صاف صاف سن لی پھر ان کو زمین پر رکھ دیا وہ پھر خاموش ہوگئیں پھر ان کو لے کر آپ نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے بھی سنی وہ اس طرح کی آواز تھی جیسی شہد کی مکھیوں کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ پھر خاموش ہوگئیں۔

الرسول الاعظم و ماروی فی فضلاته صلوات الله و سلامه علیه

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے متعلق حدیث کا فیصلہ

(۱۳۲۱) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَرَاکَ تَدْخُلُ الْخَلَاءَ ثُمَّ يَأْتِی الَّذِیْ بَعْدَکَ فَلَا يَرٰی لِمَا يَخْرُجُ مِنْکَ اَثَرًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْاَرْضَ اَنْ تَبْتَلِعَ مَا يَخْرُجُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ.

(۱۳۲۱) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ دیکھتی ہوں کہ آپ جائے ضرورت میں تشریف لے جاتے ہیں پھر جو شخص آپؐ کے بعد وہاں جاتا ہے وہ آپؐ کے فضلہ کا کوئی نشان تک نہیں دیکھتا آپؐ نے فرمایا عائشہؓ! کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے فضلات کو نگل لے۔ (افراد دار قطنی)

(اخرجه الدارقطني في الافراد و رجال اسناده ثقات و لذا قال السيوطي هذا سند ثابت و هو اقوى طرق هذا الحديث انتهى و اخرجه البيهقي بسند فيه حسين بن علوان فحكم عليه "من موضوعات حسين بن علوان" فقد تابع عبدة ابن علوان كما مر عند الدارقطني و تابعه ايضا ارطاة بن قيس الاسدي عن هشام اخرجه ابوبكر الشافعي و هي متابعة تامة و له طريق اخرى عند ابن سعد و رجاله ثقات الا محمد بن زاذان المدني فمتروك و طريق اخرى عند الحاكم في مستدركه و طريق اخرى عند ابي نعيم و اخرى عند ابي بكر الشافعي - فقول البيهقي انه موضوع محمول على انه لم يطلع على هذه الطرق اذ يتعذر معها دعوى الوضع - شرح المواهب ج ٤ ص ۲۲۹ - و في الشفاء لابن سبع بسكون الباء عن بعض الصحابة "قال صحبته صلى الله عليه وسلم في سفر فلما اراد قضاء الحاجة تامنته و قد دخل مكانًا فقضى حاجته فدخلت الموضع الذي خرج منه فلم أرله اثر غائط و لا بول و رأيت في ذلك الموضع ثلاثة احجار فاخذتهن فوجدت لهن رائحة طيبة و عطرا بكسر العين قال العلامة القسطلاني و قد سئل الحافظ عبدالغني المقدسي المتوفى سنة ٦٠٠ھ "هل روى انه صلى الله عليه وسلم كان مايخرج منه تبتلعه الارض فقال قد روى ذلك من وجه غريب اى ضعيف و الظاهر المنقول يؤيده فانه لم يذكر عن احد من الصحابة انه رآه و لا ذكره فلولم تبتلعه الارض لرأى في بعض الاوقات" - شرح المواهب ج ٤ ص ۲۲۸)

(۱۳۲۱) * مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وہ پوری سند بھی نقل کر دی جائے جس کو دار قطنی نے افراد میں ذکر کیا ہے: حدثنا موسى بن سليمان انبانا محمد بن حسان الاموى انبانا عبدة بن سليمان عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ الحديث ـ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۱۳۲۲) عَنْ اُمِّ اَیْمَنَ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ اِلٰی فَخَارَةٍ فِیْ جَانِبِ الْبَیْتِ فَبَالَ فِیْهَا فَقُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ وَاَنَا عَطْشَانَةٌ فَشَرِبْتُ مَا فِیْهَا وَ اَنَا لَا اَشْعُرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اُمَّ اَیْمَنَ قُوْمِیْ فَاَهْرِیْقِیْ مَا فِیْ تِلْکَ الْفَخَارَةِ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ

(۱۳۲۲) ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں اٹھے تو آپ نے مٹی کے ایک برتن میں جو گھر کے ایک گوشہ میں رکھا ہوا تھا جا کر پیشاب کیا۔ اسی شب میں میں اتفاق سے اٹھی تو اس وقت مجھ کو پیاس لگ رہی تھی۔ میں جا کر جو کچھ اس برتن میں تھا پی گئی اور مجھ کو اس بات کا کچھ علم نہ تھا کہ اس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیشاب رکھا ہوا تھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

..... موسیٰ بن سلیمان جو اس سند کے راوی ہیں یہ دارقطنی کے شیخ تھے۔ ان کے متعلق دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ شخص تھے۔ اس کے دوسرے راوی محمد بن حسان ہیں۔ اس کے متعلق شارح مواہب لکھتے ہیں "ثقہ" یعنی یہ بھی ثقہ ہیں اور عبدة تو رجال صحیحین میں سے ہیں۔ اس کے بعد سند سب معروف ہے۔ اس کے علاوہ حافظ زرقانی نے اس کے دوسرے متابعات بھی ذکر فرمائے ہیں جو ہم نے متن کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ ان اسانید کے پیش نظر حدیث مذکور پر "موضوع" کا حکم لگانا بہت مشکل ہے اس لیے بیہقی کا اس پر وضع کا حکم لگانا اسی پر محمول کرنا پڑے گا کہ ان کو ان سب طریقوں کی اطلاع نہ ہوگی۔

حافظ عبدالغنی مقدسی متوفی ۶۰۰ھ سے اس مسئلہ کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے اس کی اس سند کی بنا پر جو ان کے علم میں تھی اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے مگر ایک قیاس ایسا ذکر فرمایا ہے جس سے ان کی رائے کا اندازہ بھی ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں "کہ جو صحابہؓ سفر وغیرہ میں آپؐ کے ہمراہ رہتے تھے ان میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے آپ کا فضلہ کبھی دیکھا تھا لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر زمین اس کو نہ نگلتی تو وہ کبھی تو کسی کو نظر آتا"۔ یہ واضح رہے کہ دارقطنی کی روایت میں اس حدیث کا راوی حسین بن علوان نہیں ہے اور اسی کی بنا پر امام بیہقی نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

تنبیہ: گذشتہ اوراق میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ کسی حدیث پر کسی محدث کے ضعیف یا موضوع حکم لگانے کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ حدیث علی الاطلاق ضعیف ہے' بلکہ وہاں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ اس کا دوسرا کوئی اور طریقہ ایسا موجود ہو جس کے لحاظ سے اس کو ضعیف کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ اس لیے کسی محدث کے ضعف کے حکم سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "اب اس کے لیے ایسا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہوگا' جس کے اعتبار سے اس کو معتبر قرار دیا جا سکے" یہ خلاف واقع نظر ہے۔

(۱۳۲۲) ✱ حافظ بدرالدین عینی شارح بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں متعدد روایات آئی ہیں اور میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے شخصوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا اگر ان کے بول و براز نجس ہوں تو اس قیاس پر آپؐ کے فضلات کو بھی نجس کہہ ڈالنا بالکل بے بنیاد ہوگا اس بارے میں میرا عقیدہ تو یہی ہے اب کوئی شخص اس کے خلاف کہے تو میں اس کے سننے سے قاصر ہوں۔

اب اس وقت ہمارے سامنے دو گروہ ہیں یا تو وہ ہیں جو عام طور پر نجاست و طہارت کے باب ہی سے آشنا نہیں' ان کے نزدیک تو صفائی یا گندگی کے سوا ان الفاظ کا کوئی اور مفہوم ہی نہیں ہے اور یا پھر ایک گروہ وہ ہے جو بعض حیوانات کے بول و براز کو نہ صرف پاک بلکہ تبرک کی حد تک سمجھتا ہے اور نہ صرف کسی عذر یا اتفاقیہ صورت میں' بلکہ اصولی طور پر پھر ہم کو معلوم نہیں کہ اگر محدثین کی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت نظر آ جاتی ہے جس کا روایتی پلہ کچھ زیادہ بھاری نہ ہو تو آپ اس پر سراسیمہ .....

www.besturdubooks.net

شَرِبْتُ مَا فِيهَا قَالَتْ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَالَ اَمَا وَ اللّٰهِ لَا يَيْجَعَنَّ بَطْنُكِ وَجْعٌ اَبَدًا.

(اخرجه الحافظ الحسن بن سفيان العسفرى المتوفى ٣٠٢ھ فى مسنده و الحاكم و الدارقطنى و الطبرانى و ابو نعيم و ام ايمن هى مولاته ﷺ و حاضنته. شرح المواهب ج ٤ ص ٢٣١ و ٢٣٢)

ام ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جاؤ اور جو کچھ اس برتن میں ہے' اس کو لے جا کر بہا دو میں نے تعجب سے کہا بخدا میں تو (شب میں) اس کو پی گئی- وہ کہتی ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے یہاں تک کہ دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جا تیرے پیٹ میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہو گی- یہ ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی اور دایہ تھیں اور آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا- (حاکم-دارقطنی)

وفيه قال الدارقطنى هو حديث حسن صحيح و تعقب انه قال فى علله انه مضطرب جاء عن ابى مالك النخعى و هو ضعيف اه. قال النووى ان القاضى حسينا قال بطهارة جميع فضلاته صلى الله عليه وسلم و بهذا قال ابو حنيفةؒ كما قاله العينى و قال شيخ الاسلام ابن حجر قد تكاثرت الادلة على طهارة فضلاته صلى الله عليه وسلم شرح المواهب ج ۴ ص ۲۳۳.

و قال العينى بعد مانقل عدة روايات من هذا الباب و انا اعتقد انه لا يقاس عليه غيره و ان قالوا غير ذلك فاذنى عنه صماء. عمدة القارى ج ۱ ص ۷۷۸.

و فيه و كيف يقول ذلك (ابو حنيفةؒ) وهو يقول بطهارة بوله وسائر فضلاته صلى الله عليه وسلم. عمدة القارى ج ۱ ص ۸۲۹.

لـه ..... کیوں ہوتے ہیں- ظاہر ہے کہ اس بی بی کے بحالت نادانستگی کسی عمل پر کوئی اچھا نتیجہ مرتب ہو جانے سے کوئی قاعدہ کلیہ اور تشریع عام ثابت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ عام صحابہؓ نے کبھی اس عمل کے نقل کرنے کی کوشش نہیں کی' بلکہ جن اکابر کا رجحان آپؐ کے فضلات کی طہارت کی طرف ہے انہوں نے بھی اس کے استعمال کے متعلق کوئی حرف نہیں کہا- یہاں گفتگو اگر ہے تو صرف طہارت ونجاست کے باب میں ہے- آخر مٹی کو سب پاک تسلیم کرتے ہیں' مگر اس کے کھانے کی اجازت کوئی نہیں دیتا- شافعیہؒ اصولی طور پر انسانی منی کی طہارت کے قائل ہیں اس کے باوجود اس کے خروج سے غسل کرنا فرض کہتے ہیں- پس یہاں طہارت اور خورد ونوش کے دو مسئلوں کو خلط کرنا نہیں چاہیے- جہاں تک علماء کے رجحان کا تعلق ہے وہ حدیث مذکور کی بنا پر صرف اس کی طہارت کا ہے شرب کا مسئلہ نہیں ہے- اب رہ گیا حدیث میں اس جزئی واقعہ میں اس کے استعمال کی فضیلت کا تذکرہ تو وہ اس عمل کے نادانستگی کی حالت میں کر لینے کی بنا پر ہے-

اس مقام پر احقر کا خیال ناقص یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی جو نسبت بحق امت ہے' ضروری نہیں ہے کہ وہی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ بھی موجود ہو- کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شے میں فضلہ کا رتبہ اس کی اصل کے رتبہ سے کمتر ہوتا ہے اگر چہ دوسری اشیاء کے مقابل میں وہ فضلہ کتنی ہی بلند نسبت رکھتا ہو مثلاً روغنِ بادام کے بعد جو اس کا فضلہ ہوتا ہے وہ سرسوں کے فضلہ بلکہ خود سرسوں سے بھی افضل سمجھا جاتا ہے- بہر حال اس مثال سے قطع نظر کیجئے تو بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل شے اور اس کے فضلے کے درمیان جو نسبت ہوتی ہے اس فضلہ کی دوسری اشیاء کے ساتھ وہی نسبت قائم رہنی ضروری نہیں ہے- اس لحاظ سے بہت ممکن ہے کہ آپؐ کے فضلہ کی جو نسبت آپ کی امت کے ساتھ ہو وہ اس نسبت سے مختلف رہے' جو اس کی خود آپؐ کی ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی و به ينحل ما يمكن ان يختلج فى الصدور انشاء الله تعالى هذا ما حدثت به نفسى فان كان صوابا لـه .....

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم وبعض خصائص جسده الشريف صلوات الله وسلامه عليه

آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض جسمانی خصوصیات کا ذکر

(۱۳۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْاَسَدِیِّ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى نَرٰى اِبْطَيْهِ قَالَ قَالَ بُكَيْرٌ ثَنَا بَكْرٌ وَ قَالَ بَيَاضَ اِبْطَيْهِ. رواه البخاری و ذکر انسؓ انه کان

(۱۳۲۳) عبداللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے کشادہ کر دیتے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغل دیکھ لیتے تھے۔ راوی کہتا ہے، یعنی بغل کی سپیدی دیکھ لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ جب بارش کے لیے دعا مانگتے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھا دیتے کہ آپ

۔۔۔۔۔ فمن الله و ان كان خطأ فمني و من الشيطان.

تنبیہ: یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض مرتبہ حدیثوں میں تحسین صرف حسنِ نیت کی ہوتی ہے، حسنِ عمل کی نہیں۔ اسی لیے جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینگی لگوانے کے خون کے پی لینے کا واقعہ مذکور ہے اور اس پر آپ کی جانب سے تحسین کے کلمات مروی ہیں وہ مسئلہ کی لاعلمی کی حالت میں اس صحابی کی حسنِ نیت پر ہی ہیں جیسا کہ ایک صحابی کا ہر رکعت میں قل ھو اللہ کی دوسری سورت کے ساتھ بھی پڑھتے رہنے کا تذکرہ جب آپؐ کے سامنے آیا تو آپ نے اس سورت کے بار بار پڑھنے کی وجہ دریافت کی تو اس صحابی نے جواب دیا "لان فيها صفة الرحمن و انی احبها" اس نے کیا خوب بات کہی اور کیا اچھی نیت بیان کی اس پر آپؐ نے فرمایا حبک ایاها ادخلک الجنة ان کلماتِ عالیہ کے باوجود کسی امام کے نزدیک بھی ہر رکعت میں اس سورت کا تکرار مستحب بھی نہیں۔ چہ جائیکہ سنت ہو، کیونکہ یہاں تحسین صرف اس کی نیت کی تھی نہ کہ عمل کی نبه عليه الحافظ ابن تيميه فی اقتضاء الصراط المستقيم۔

(۱۳۲۳) ٭ بعض علماء نے آپ کی بغلوں کی سپیدی کو آپ کے فضائل میں شمار کیا ہے حافظ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

قيل المراد بوصف ابطيه بالبياض انه لم يكن تحتهما شعر فكانا كلون جسده. یعنی چونکہ آپ کی بغلوں میں عام عادت کے خلاف بال نہ تھے اس لیے ان کا رنگ بھی آپ کے سارے جسم کی طرح تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۵۲۸)

امام قرطبی، محب الطبری اور سیوطی وغیرہ نے اس کو آپ کے معجزات میں شمار کیا ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اس کو آپ کے فضائل کے باب میں شمار کیا ہے ان کے نزدیک یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب کے گرم ملک میں بغلوں میں بالوں کا بالکل نہ ہونا ضرور ایک عجیب بات تھی۔

ہم یہاں یہ بحث نہیں کرتے کہ آپ کی بغلوں میں درحقیقت بال تھے یا نہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ راوی نے جہاں کہیں آپ کے دستِ مبارک اٹھانے کا ذکر کیا ہے، وہاں بیشتر آپ کی بغلوں کی اس سپیدی کا ذکر ضرور کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اس اہتمام کا داعیہ ضرور آپ کی کسی غیر معمولی خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس لیے جن علماء نے اس کو معجزات میں شمار کیا ہے ان پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے ان کی مراد معلوم کر لینی بھی ضروری ہے تاکہ اتنی بات تو کم از کم صاف ہو جائے کہ انہوں نے محض ایک معمولی بات کو معجزہ قرار نہیں دیا۔ ہمارے نزدیک آپ کی اس صفت کی حیثیت وہی ہے جو شمائل میں آپ کی دوسری صفت "بعيد ما بين المنكبين" ۔۔۔۔۔

یرفع یدیه (فی الاستسقاء) حتی یری بیاض ابطیه و قال ابو موسی دعا النبی صلی الله علیه وسلم و رفع یدیه و رأیت بیاض ابطیه.(صحیح بخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سپیدی نظر آنے لگتی تھی- ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میں نے آپ کی بغلوں کی سپیدی دیکھ لی-
(صحیح بخاری)

(۱۳۲۴) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ قَالَ وُلِدَ

(۱۳۲۴) عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بقیہ ..... کی ہے' یعنی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان غیر معمولی فاصلہ تھا- جیسا کہ اسی کتاب میں گذر چکا ہے آپ کے شانوں کا یہ فاصلہ کچھ ایسا ممتاز تھا کہ کتب سابقہ میں اس کو آپ کی علاماتِ نبوت میں سے ایک خاص علامت شمار کیا گیا ہے- حتیٰ کہ جب کبھی پادریوں نے آپ کے شکل وشمائل کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے تو اس صفت کا بھی خاص طور پر ذکر کیا ہے- جب تک یہ حقیقت ہمارے نظروں سے نہ گذری تھی' ہمیشہ اس لفظ کی شرح میں ہم کو تامل رہا کرتا تھا- شارحین نے صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ کے مونڈھوں کے درمیان فاصلہ کا ہونا آپ کے سینہ کے چوڑے ہونے کی طرف اشارہ ہے اور مردوں میں یہ اچھی صفت شمار ہوتی ہے' لیکن ہم کو کبھی اس سے تسلی نہ ہوئی اور دل میں یہ سوال پیدا ہوتا رہا کہ پھر اس کی بجائے راوی براہ راست آپ کے صدر مبارک کا چوڑا ہونا کیوں نہیں کہہ دیتا پھر جب دیکھا کہ کتب سابقہ میں آپ کی علامت میں سے یہ بھی ایک علامت تھی' حتیٰ کہ پادری خاص طور پر اس کا بھی ذکر کرتے تھے تو اب سمجھ میں آیا کہ وسعتِ صدر کے علاوہ یہ آپؐ کی کوئی خاص علامت تھی- اسی طرح راوی جابجا آپ کے دست مبارک کی خنکی (ٹھنڈک) کا ذکر کرتا ہے یہ بھی عام خنکی نہ تھی' بلکہ آپ کی کوئی مخصوص صفت تھی جیسا کہ آئندہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا ہر جگہ آپ کی صفات کو بے وجہ معمولی صفات میں داخل کرنے کی کوشش کرنی آپ کی جسمانی مخصوص صفات کے ایک بڑے طویل وعریض باب سے غفلت کا نتیجہ ہے-

(۱۳۲۴) * ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے اس واقعہ کے لیے صحیحین کے درجہ کی اسناد کہاں سے میسر آسکتی ہیں' اس قسم کے واقعات ہمیشہ عام شہرت کی بنا پر ہی منقول ہوا کرتے ہیں اور قبول بھی کیے جاتے ہیں- کوئی شبہ نہیں کہ آپؐ کے پیدائشی مختون ہونے کی شہرت اس درجہ ہے کہ آپ کی امت میں جو بچہ بھی اس صفت کا پیدا ہوتا ہے اس کو ''رسولیہ'' کہا جاتا ہے- جن محدثین نے اس واقعہ کے لیے تواتر کا لفظ استعمال کیا ہے ان کی مراد تواتر سے یہی تواتر ہے جس کو اصطلاح میں ''استفاضہ'' سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے- یہ تو صرف ایک تاریخی واقعہ تھا اور وہ بھی زمانہ جاہلیت کا لیکن محدثین کے ہاں کچھ متون احادیث بھی ایسے ہیں' جو صرف عام شہرت کی بنا پر نقل ہوتے چلے آرہے ہیں' مثلاً ابوالدرداءؓ صحابی سے روایت ہے کہ جو شخص دین کے معاملات کی چالیس حدیثیں زبانی یاد کرے اللہ تعالیٰ روز محشر اس کو فقیہ اٹھائے گا اور میں اس کی گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا- یہ حدیث بیہقی نے روایت کی ہے پھر اس درجہ مشہور ہوئی کہ محدثین نے اسی حدیث کے تحت ''اربعین'' یعنی چہل حدیث کے عنوان سے مستقل مستقل تالیفات فرمائی ہیں جن میں چالیس چالیس حدیثیں جمع کی گئی ہیں تاکہ اگر کسی کو اس فضیلت کے حاصل کرنے کا شوق ہو تو وہ ان کے ذریعہ سہولت سے حاصل کر سکے- اس کے بعد بڑے بڑے علماء نے ان مصنفات کی شروح بھی لکھی ہیں' لیکن اس کے باوجود اس حدیث کے متعلق امام احمدؒ کا ارشاد یہ ہے:

هذا متن مشهور فیما بین الناس و لیس له اسناد صحیح. (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم)

لوگوں میں اس حدیث کی شہرت تو بہت ہے مگر اس کی کوئی سند صحت کے درجہ کی نہیں ہے- بقیہ .....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْتُوْنًا مَسْرُوْرًا. وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے- (بیہقی)

(الحديث. رواه البيهقي. قال الحافظ ابن كثير و في صحته نظر و قد رواه الحافظ ابن عساكر من طرق عديدة و زعم بعضهم انه متواتر و في هذا كله نظر. كذافي البداية و النهاية ج ٢ ص ٢٦٥.

ﷺ ..... ہم پہلے تنبیہ کر چکے ہیں کہ محدثین کی اس اصطلاحی صحت کی نفی کا مطلب اردو محاورہ کے مطابق یہ سمجھ لینا کہ وہ لغو اور بے سروپا اور جھوٹ کا دفتر ہے یہ محض غلط ہے- پھر اگر فضائل کے باب کی ایک ضعیف حدیث اہل علم کے نزدیک اس اعتناء کے قابل سمجھی گئی کہ اس پر تصانیف اور شروح تک لکھنے کا ایک طریقہ چل گیا تو پھر آپ کے پیدائشی مختون ہونے واقعہ کو اتنا نظرانداز کر ڈالنا کہ اگر کسی نے اس کو آپ کے فضائل میں شمار کر لیا ہے تو گویا وہ آپ کی سیرت پر ایک افتراء اور جھوٹ کا مرتکب ہو گیا ہے- جو لوگ شق صدر کے صحیح واقعہ میں حضرت انسؓ کے ٹانکوں کے نشانات کے عینی مشاہدہ میں صرف اتنی بات پر شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ اس واقعہ کو شمائل کا کوئی اور راوی نقل کیوں نہیں کرتا وہ یہاں آپؐ کی سیرت میں آپؐ کے ختنہ اور آپؐ کے ختنہ کرنے والے شخص کا نام نہ دیکھ کر بھلا کیسے نہ کھٹکتے - بالخصوص جب کہ آپ کے حجامت یعنی سینگی لگانے اور سینگی لگانے والے شخص کا نام بھی حدیثوں میں ملتا ہے- گویا ان کے نزدیک آپؐ کی پیدائش کے واقعات اور نبوت کے بعد کے واقعات میں کوئی فرق ہی نہیں ہے-

پھر کیا اس کا کوئی ثبوت موجود ہے کہ آپؐ سے پہلے کوئی بچہ مختون پیدا ہوا تھا؟ بعد کی پیدائش کی صورت وہی ہے' جو آپ کے اسم احمد و محمدؐ کے تحت جلد اول میں گذر چکی ہے- اسی بناء پر ایسے پیدائشی بچوں کو امت میں ''رسولیہ'' کہا جاتا ہے-

اصل بات یہ ہے کہ جنہوں نے اس واقعہ کو فضائل کے باب میں شمار کر لیا ہے ان کی نظر صرف آپ کے مختون ہونے پر نہیں ہے' بلکہ اسی کے ساتھ یہاں دوسرا لفظ ''مسرورا'' کا بھی موجود ہے' یعنی ''ناف بریدہ'' اور غالباً ان دوصفتوں کا بچہ ابھی تک کوئی سننے میں نہیں آیا- مفصل روایات میں موجود ہے کہ اس وقت بھی یہ صورت تعجب سے دیکھی گئی تھی- ہمیں اس واقعہ کو آیاتِ نبوت یعنی فضائل میں شمار کرنے پر اصرار نہیں ہے' لیکن بے وجہ اس کو فضائل کی فہرست سے خارج کرنے پر زور دینے سے بھی ضرور انکار ہے-

اسی طرح ہم اس پر بھی زور دینا نہیں چاہتے کہ آپؐ کی پشت پر جو ''مہر نبوت'' تھی اس پر یقینی طور پر کوئی متعین الفاظ ثبت تھے' لیکن اگر کمزور روایتوں سے اس پر کسی تحریر کا پتہ ملتا ہے تو اس کے زوردار انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتے - جب خود ''مہر نبوت'' کی شکل کے متعلق راویوں کے بیانات اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے مختلف موجود ہیں اور ان میں یہ بھی موجود ہے کہ اس پر کچھ رواں بھی تھا تو اگر روئیں کے خطوط سے کسی کے ذہن میں کوئی خاص لفظ بنتا نظر آ گیا ہے اور اس نے اپنے اس وقتی مشاہدہ کے مطابق اسی طرح اس کو نقل بھی کر دیا ہے تو اس کا قصور کیا ہے- آج بھی ہر شخص ریل کے کھٹکوں میں اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف الفاظ پیدا کر لیتا ہے- اسی طرح اگر کسی کسی کی نظروں میں ان خطوط سے کوئی خاص لفظ پیدا ہو گیا ہے تو اس کو احتمال کے درجہ میں کیوں نہ رہنے دیا جائے' جب کہ اس کے خلاف بھی ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے- حافظ ابن تیمیہؒ نے سچ فرمایا ہے کہ بعض لوگ "لم يثبت اور ثبت نفيه" کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور جب کوئی بات یقین کے درجے پر ثابت نہیں ہوتی تو وہ یقین کے ساتھ اس کی نفی کر بیٹھتے ہیں دیکھو ترجمان السنہ جلد سوم حالانکہ یہ صریح غلط ہے- محدثین کی اس منصفانہ تحقیق کا نام اگر صرف عشق نبوی کے جذبات ہیں تو اس کے برخلاف طریقہ کا نام بجا طور پر ''ذوق کی برودت'' کہا جا سکتا ہے-

معجزات کے باب میں ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ہمارا قلم جادۂ اعتدال سے نہ ہٹے اس پر بھی اگر آپ کو کہیں قلم کی شوخی محسوس ہو تو اس کو آپ صرف محدثین کی نمک خواری کا ایک اثر تصور فرمائیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف   آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

www.besturdubooks.net

(۱۳۲۵) عَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا اَتَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا عَلٰى فُؤَادِيْ وَ قَالَ اِنَّكَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلْدَةَ اَخَا ثَقِيْفٍ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ يَتَطَبَّبُ فَلْيَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِيْنَةِ فَلْيَجَاْهُنَّ بِنَوَاهُنَّ ثُمَّ لِيَلُدَّكَ بِهِنَّ.

(رواه ابو داؤد)

(۱۳۲۵) سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں شدید بیمار پڑا۔ آپؐ میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میری چھاتیوں کے درمیان رکھا اور اتنی دیر تک رکھا کہ میں نے اپنے قلب میں آپؐ کے دستِ مبارک کی خنکی محسوس کی اس کے بعد آپؐ نے فرمایا تم کو قلب کی شکایت ہے۔ جاؤ حارث بن کلدہ کے پاس جا کر اپنا علاج کراؤ وہ شخص طبیب ہے۔ مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور لے کر اس کو معہ گٹھلیوں کے کوٹ لے پھر اس کو بطریق ''لدود'' استعمال کرائے یعنی منہ میں ڈالے۔ (ابوداؤد)

(۱۳۲۶) اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ يَعُوْدُهٗ بِمَكَّةَ وَ قَدِ اشْتَكٰى قَالَ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى جَبْهَتِيْ فَمَسَحَ وَجْهِيْ وَصَدْرِيْ وَ بَطْنِيْ فَمَا زِلْتُ يُخَيَّلُ اِلَيَّ اَنِّيْ اَجِدُ بَرْدَ يَدِهٖ عَلٰى كَبِدِيْ حَتَّى السَّاعَةِ.

(رواه الامام احمد واصل الحديث عنه البخاری فی الجنائز. شرح المواهب ج ٤ ص ١٨٣)

(۱۳۲۶) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ مکہ مکرمہ میں تھے اور بہت بیمار تھے ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میری پیشانی اور سینہ اور پیٹ پر پھیرا تو آج تک مجھ کو یوں معلوم ہوتا ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی خنکی کا اثر میرے قلب وجگر میں ہے۔

(امام احمد)

(۱۳۲۷) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ نَاوَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَ اَطْيَبُ رِيْحًا مِنَ الْمِسْكِ.

(رواه البيهقی كما فی شرح المواهب ج ٤ ص ١٨٣)

(۱۳۲۷) یزید بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میری طرف بڑھایا تو میں نے شوق کے ہاتھوں سے اس کو لیا تو وہ برف سے زیادہ خنک اور مشک کی خوشبو سے زیادہ مہک رہا تھا۔ (بیہقی شریف)

(۱۳۲۵) * آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی برتر ہستی مجمع کمالات بلکہ منبع کمالات تھی ان کی جسمانی خصوصیات کو سن کر معمولی بات سمجھ لینا بہت زیادہ خلاف واقع ہے۔ پسینہ بالعموم جسم کا ایک بدبودار فضلہ ہوتا ہے' لیکن آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کے متعلق صحیح حدیثوں میں صحابہ کرامؓ کا بیان یہ ہے کہ وہ ان کی بہتر سے بہتر خوشبوؤں میں صرف تبرکاً نہیں' بلکہ اضافہ خوشبو کے لیے شامل کیا جاتا تھا۔ جس گلی کوچہ سے آپ گذر جاتے تھے وہ معطر ہو جاتی تھی جو آپؐ سے مصافحہ کرتا تھا آپ کے دستِ مبارک کی خوشبو سے مست ہو جاتا تھا ان صحیح سے صحیح خصوصیات کو معمولی بات کہہ کر ٹال دینا معمولی بات نہیں۔

(۱۳۲۶) * واضح رہے کہ ان حدیثوں میں تین باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) آپؐ کے یدین کا برد (یعنی خنکی)۔ (۲) خنکی بھی وہ جو برف سے زیادہ تیز۔ (۳) پھر اس برد کا اثر سینہ کے اندر تک محسوس ہونا۔ رہا اس کے ساتھ خوشبو کا محسوس ہونا یہ الگ بات ہے۔ کیا آپ اس کو عام انسانوں کی عادات میں شمار کر سکتے ہیں؟

www.besturdubooks.net

(۱۳۲۸) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَاِذَا هِيَ اَلْيَنُ مِنَ الْحَرِيْرِ وَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ.

(۱۳۲۸) مستورد ابن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک جو پکڑا تو وہ تو ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ خنک تھا۔ (طبرانی)

(رواه الطبراني باسناد على شرط الصحيح كما في شرح المواهب ج ٤ ص ١٨٣)

(۱۳۲۹) عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ اِلَى الْبَطْحَاءِ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ (قَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ) كَانَ تَمُرُّ مِنْ وَ رَائِهَا الْمَرْءَةُ وَ قَامَ النَّاسُ فَجَعَلُوْا يَاْخُذُوْنَ يَدَيْهِ فَيَمْسَحُوْنَ بِهِمَا وُجُوْهَهُمْ

(۱۳۲۹) ابی جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت بطحا (سنگستان) کی طرف چلے وہاں آپ نے وضو کیا پھر ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی اور عصر کی بھی دو رکعت پڑھیں اور آپ کے سامنے ایک لکڑی گڑی ہوئی تھی کہ اس کے آگے سے عورت بھی گزر رہی تھی اور لوگ لپکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کی تری پونچھنے اور اس کو اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دستِ مبارک ہاتھ میں لیا اور اپنے چہرہ سے لگایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور

(۱۳۲۹) * اس حدیث میں جس خنکی اور ٹھنڈک کا ذکر ہے یہ اسی جنس کا ہے جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ اتفاق سے وہ بیمار پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپؐ نے اپنا دستِ مبارک ان کے سینہ کے اوپر رکھا تو انہوں نے آپ کے دستِ مبارک کی یہ خنکی اپنے قلب تک میں محسوس کی۔ یا اس واقعہ میں جو امام بخاریؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت سے ان کے گھر ایسی حالت میں تشریف لے گئے جب وہ سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے۔ آپ ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان تشریف فرما ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین مبارک جب ان کے جسم سے لگے تو انہوں نے اسی خنکی کو محسوس کیا اور اصل واقعہ کی روایت کے وقت اس حقیقت کو بھی اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ شاید عبدالرحمن ابن عائش کی وہ حدیث جو انہوں نے خواب میں آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی کے متعلق روایت فرمائی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ دیگر امور کے اس کا تذکرہ خصوصیت سے بیان فرمایا ہے کہ جب رب العزت نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا تو اس کی خنکی میں نے اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی جیسا کہ ترجمان السنہ ج ا ص ۳۹۹ پر مذکور ہے۔ ہمارے نزدیک وہ خنکی بھی کوئی معنوی خنکی ہوگی جس کا اثر حس تک پہنچا۔ اس جگہ ترجمان السنہ ج ۲ ص ۲۲۸ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حسی اور معنوی تو عوام اور خواص سب کی نظروں میں ہیں لیکن یہاں میں آپؐ کے ان معجزات کی ایک خاص نوع کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں' جو عام نظروں سے اوجھل ہوگی اور معجزات کی تاویل کرنے والوں کے لیے شاید موجب اعتراض بھی۔ ← .....

www.besturdubooks.net

فَاَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَوَضَعْتُهَا عَلٰى وَجْهِيْ فَاِذَا هِيَ مشک سے بھی زیادہ بہتر خوشبودار تھا۔
اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَ اَطْيَبُ رَائِحَةً مِّنَ الْمِسْكِ. (بخاری شریف)

(رواه البخاری فی باب صفة النبی صلی الله عليه وسلم ج ۱ ص ۵۰۲ يقول العبد الضعيف و البردههنا كالبرد فی حديث سعد حين جاء د رسول الله صلی الله عليه وسلم يعوده ووضع يده بين ثدييه فوجدبردها علی فؤاده كما عند ابی داؤد و كالبرد فی حديث علیؓ حين جاء ه بعد ما اخذ مضجعه فقعد بينه و بين فاطمةؓ فوجد برد قدميه كما عند البخاری فی مناقب علیؓ. و لعل البرد فی حديث عبدالرحمن بن عائش فی رؤيته صلی الله عليه وسلم ربه حين وضع كفه بين كتفيه فوجد بردها بين ثدييه كما فی ترجمان السنه ج ۱ ص ۳۹۹ من نحو هذا الوادی)
و راجع ترجمان السنه الحديث ص ۲۲۸ من المجلد الثانی فی تمسح الصحابة بوضوء رسول الله صلی الله عليه وسلم و بيانهم انهم يفعلونه حبا لله و لرسوله.

۱؎ ..... اصحاب شمائل اور احادیث صحیحہ میں بیاض ابطین کے ساتھ چند چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بھی روایت کی جاتی ہیں جن میں آپ کی جسمانی اور خصوصیات کا بھی ان کی نظروں میں اہتمام نظر آتا ہے یعنی مختون اور ناف بریدہ ہونا۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ ہونا اور خاتم نبوت کا موجود ہونا اور آپؐ کے پسینے کی خوشبو اتنی غیر معمولی ہونی کہ جس راہ سے آپ گذریں اس کا معطر ہو جانا بلکہ ان کی مستعمل خوشبوؤں میں جسد اطہر کے عرق مبارک کا ایک جزو بنا کر شامل کر لینا۔ آپؐ کے قد مبارک کا اس طور پر میانہ ہونا کہ جب بھی لوگوں کے درمیان کھڑے ہوں تو سب سے اونچے نظر آنا۔ اور آپ کے اعضا کی وہ خنکی اور خوشبو جس کو راوی جگہ جگہ اہتمام کے ساتھ اپنی روایت میں بیان کرتا ہے۔ یہ اور اس کے مثل بعض اور اشیاء بھی حدیثوں میں ایسی نظر آتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی ذات اطہر میں بھی قدرت نے کچھ عجائبات اور عادت کے خلاف ایسی چیزیں رکھی تھیں، جو عام انسانوں میں نہ تھیں بھلا سوچیے کہ شانوں کے درمیان کا فاصلہ کیا یہ عام انسانوں میں نہیں ہوتا پھر یہ کیا ایسی نئی بات تھی جس کو اصحاب شمائل خصوصیت کے ساتھ آپؐ کی صورتِ مبارکہ کا نقشہ کھینچنے کے ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں اور سلاطین و احبار کے پاس جیسی کچھ تصاویر بھی آپ کی ثابت ہوتی ہیں، ان میں بھی اس فاصلہ کا خصوصیت سے تذکرہ آتا ہے۔ خاتم نبوت کا تو کیا کہنا وہ تو تقریباً متواتر ہے، پھر آپ کی بیاض ابطین کو بھی اگر انہیں خصوصیات میں شمار کر لیا جائے تو وہ کچھ چونک پڑنے کی بات تو نہیں۔ راوی جگہ جگہ مختلف حدیثوں میں اور مختلف واقعات میں معلوم نہیں کیوں اس بیاض ابطین کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور معلوم نہیں کیوں آپ کے دست و پا کی برودت اور خوشبو حیرتناک انداز اور لہجہ میں نقل کرتا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی کہ قوی الجثہ عام انسانوں کے ہاتھ پیر بھی عام حالات میں گرم رہتے ہوں پھر آپؐ کے اعضاء مبارک میں یہ برودت کیوں تھی اور اس کی حقیقت کیا تھی جس کو ہر بچہ اور بڑا بیان کرنا ضروری سمجھا کرتا تھا۔ اگر اس قسم کی خصوصیات آپؐ کے جسمانی فضائل میں درج کی جائیں اور پھر محدثین کے طریق کے موافق معجزات، کے ذیل میں کھینچ لی جائیں تو کوئی تعجب نہیں اور نہ ان پر انکار اور تشدد کا قلم چلانے کی ضرورت ہے۔

افسوس ہے کہ اپنی علالت کے باعث اس وقت اس برودت کی حدیثوں کے جمع کرنے کی ہمت نہیں ہے ورنہ دل چاہتا تھا کہ جن روایتوں میں آپ کی بیاض ابطین اور یدین وقدمین کی برودت کا راوی ذکر کرتا ہے ان کو اپنی مقدار علم و حفظ کے مطابق استیعاب کر کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ جب امام بخاریؒ نے آپؐ کے جسد مبارک کی خنکی اور خوشبو پر صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا باب قائم کیا ہے تو عجب نہیں کہ وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہو جو ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم وقصة ام معبد و ما ظهر من البركات بنزوله عندها صلوات الله وسلامه عليه

(۱۳۳۰) عَنْ هِشَامٍ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ مَّكَّةَ مُهَاجِرًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ مَوْلَى اَبِيْ بَكْرٍ عَامِرِ بْنِ فُهَيْرَةَ وَ دَلِيْلُهُمَا اللَّيْثِيُّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اريقط مَرُّوْا عَلٰى خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدِ ن الْخُزَاعِيَّةِ وَ كَانَتِ امْرَأَةً بَرِزَةً جَلْدَةً تَحْتَبِيْ بِفِنَاءِ الْخَيْمَةِ ثُمَّ تَسْقِيْ وَ تُطْعِمُ فَسَأَلُوْهَا لَحْمًا وَ تَمْرًا لِيَشْتَرُوْا مِنْهَا فَلَمْ يُصِيْبُوْا عِنْدَهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ وَ كَانَ الْقَوْمُ مُرْمِلِيْنَ مُسْنِتِيْنَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى شَاةٍ فِيْ كِسْرِ الْخَيْمَةِ فَقَالَ مَا هٰذِهِ الشَّاةُ يَا اُمَّ مَعْبَدٍ قَالَتْ شَاةٌ خَلَّفَهَا الْجَهْدُ عَنِ الْغَنَمِ فَقَالَ هَلْ بِهَا مِنْ لَبَنٍ قَالَتْ هِيَ اَجْهَدُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اَتَاْذَنِيْنَ لِيْ اَنْ اَحْلِبَهَا قَالَتْ "بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنْ رَاَيْتَ بِهَا حَلْبًا فَاحْلِبْهَا" فَدَعَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ بِيَدِهٖ ضَرْعَهَا وَ سَمَّى اللّٰهَ تَعَالٰى وَ دَعَالَهَا فِيْ شَاتِهَا فَتَفَاجَّتْ

ان معجزات وبرکات کا تذکرہ جوام معبد کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فروکش ہونے پر ظاہر ہوئیں

(۱۳۳۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن اریقط رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو راستہ بتانے والے تھے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے لیے چلے راستے میں ان کا گزر ام معبد کے خیموں پر ہوا- یہ سن رسیدہ اور مستعد عورت تھیں اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتیں اور مسافروں کے کھانے پانی سے خاطر کیا کرتی تھیں- ان صاحبوں نے اس سے کچھ گوشت اور کھجور کے متعلق دریافت کیا تاکہ اس سے خرید لیں وہاں قحط پڑ رہا تھا اس لیے ان کو کچھ نہ ملا- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمہ کے ایک کونے میں کھڑی تھی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ام معبد! یہ بکری کیسی کھڑی ہے؟ انہوں نے عرض کی کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کے نیچے کچھ دودھ ہے انہوں نے عرض کی اس میں اتنا دم کہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اجازت دو تو میں دودھ نکال کر دیکھوں؟ اس نے عرض کی ''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ معلوم ہو تو شوق سے نکال لیجئے''- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو اپنے پاس بلوایا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ کہہ کر برکت کی دعا فرمائی' اس نے فوراً ٹانگیں پھیلا دیں اور جگالی کرنے لگی اور دودھ دینے لگی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگایا' جو

(۱۳۳۰) ✽ ام معبد کی اس روایت کو متشدد سے متشدد مزاج سیرت نگار محدثین نے بنظر اعتبار ہی ذکر کیا ہے- پھر اس جنس کے معجزات مسلم اسانید کے ساتھ ثابت ہیں' مگر ہمارے سیرت نگاروں نے اس کو بھی غیر مستند معجزات کی فہرست میں داخل کر دیا ہے- اور حافظ ذہبی کی عبارت کا ایسا ترجمہ کر دیا ہے جو کم از کم اردو خواں اصحاب کے لیے تو بہت زیادہ موہم ہو سکتا ہے- مذکورہ بالا روایت کو حاکم ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَدَرَّتْ فَاجْتَرَّتْ فَدَعَا بِإِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَ سَقَى أَصْحَابَهُ حَتّٰى رَوُوْا وَ شَرِبَ اٰخِرَهُمْ حَتّٰى أَرَاضُوْا ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ الثَّانِيَةَ عَلٰى هَدَّةٍ حَتّٰى مَلَأَ الْإِنَاءَ ثُمَّ غَادَرَهُ عِنْدَهَا ثُمَّ بَايَعَهَا وَ ارْتَحَلُوْا عَنْهَا فَقَلَّ مَا لَبِثَتْ حَتّٰى جَاءَ هَا زَوْجُهَا أَبُوْ مَعْبَدٍ يَسُوْقُ أَعْنُزًا عِجَافًا يَتَسَاوَكْنَ هُزَالًا مُخُّهُنَّ قَلِيْلٌ فَلَمَّا رَأَى أَبُوْ مَعْبَدٍ اللَّبَنَ أَعْجَبَهُ قَالَ مِنْ أَيْنَ لَكِ هٰذِهٖ يَا أُمَّ مَعْبَدٍ وَ الشَّاءُ عَازِبٌ حَائِلٌ وَ لَا حَلُوْبَ فِي الْبَيْتِ قَالَتْ لَا وَاللّٰهِ إِلَّا أَنَّهُ مَرَّبِنَا رَجُلٌ مُبَارَكٌ مِنْ حَالِهٖ كَذَا وَ كَذَا قَالَ صِفِيْهِ لِيْ يَا أُمَّ مَعْبَدٍ قَالَتْ رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ أَبْلَجَ الْوَجْهِ حَسَنَ الْخَلْقِ لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ وَ لَمْ تُزْرِهٖ صَعْلَةٌ وَ سِيْمٌ قَسِيْمٌ فِيْ عَيْنَيْهِ دَعَجٌ وَ فِيْ أَشْفَارِهٖ وَطَفٌ وَ فِيْ صَوْتِهٖ صَهَلٌ وَ فِيْ عُنُقِهٖ سَطَعٌ وَ فِيْ لِحْيَتِهٖ كَثَافَةٌ أَزَجُّ أَقْرَنُ إِنْ صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ وَ إِنْ تَكَلَّمَ سَمَاهُ وَ عَلَاهُ الْبَهَاءُ أَجْمَلُ النَّاسِ وَ أَبْهَاهُ مِنْ بَعِيْدٍ وَ أَحْسَنُهُ وَ أَجْمَلُهُ مِنْ قَرِيْبٍ حُلْوُ الْمَنْطِقِ فَصْلًا لَا نَزْرٌ وَ لَا

ایک جماعت کو سیراب کر سکے اور اس میں خوب دھاروں کے ساتھ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن پر جھاگ آ گئے‘ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پلایا یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہوگئیں‘ پھر اپنے رفقاء کو پلایا یہاں تک کہ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر پی لیا- بعد میں آپؐ نے نوش فرمایا یہاں تک کہ آپؐ کے سب ہمراہی شکم سیر ہوکر زمین پر سورہے- آپؐ نے کچھ دیر کے بعد پھر دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن بھر گیا- وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے پاس چھوڑ دیا- اس کے بعد اس کو بیعت فرمایا اور روانہ ہوگئے- ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اس کے شوہر ابومعبد آ گئے تاکہ جو دبلی لڑکھڑاتی ہوئی بکریاں سن کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا تھا ان کو بھی ہانک کر لیجائیں- جب ابومعبد کی نظر دودھ پر پڑی تو ان کو بڑا تعجب ہوا‘ انہوں نے پوچھا اے ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بکریوں میں تو کوئی بچہ والی نہ تھی اور گھر میں کوئی دوسری دودھ کی بکری بھی نہیں (پھر یہ دودھ کیسا) اس نے کہا بخدا اور تو کچھ نہیں صرف یہ بات ہوئی ہے کہ ایک مبارک شخص کا ہمارے پاس سے گذر ہوا پس یہ ان ہی کے قدم کی برکت ہے- انہوں نے کہا اچھا ان کا کچھ نقشہ تو بیان کرو- انہوں نے کہا کھلا ہوا جمال بڑے خوش رو‘ جسم کی ساخت بڑی خوب صورت نہ بڑے پیٹ کا عیب‘ نہ چھوٹا سا سر‘ بڑے خوب صورت‘ آنکھیں تیز سیاہ و سفید‘ دراز مژگان‘ بڑی شیریں آواز‘ دراز گردن‘ ریش مبارک گھنی‘ ابرو خمیدہ اور درمیان سے ملی ہوئی اور گھنی‘ اگر خاموش رہیں تو باوقار اور گفتگو فرمائیں تو فصاحت میں سب سے بلند‘ بس مجسم رونق ہی رونق اور جمال ہی جمال‘ کیا دور سے اور کیا قریب سے‘ گفتگو بڑی صاف اور شیریں‘ ایک ایک حرف

لـه ..... نے اپنے دستور کے مطابق بخاری و مسلم کی شرط کے ہم پلہ قرار دیا ہے- ذہبی تلخیص المستدرک میں فرماتے ہیں:

لیس من هذه الطرق علی شرط الصحیح. یعنی ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ اصطلاحاً صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں-

اس کے علاوہ انہوں نے اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی- ظاہر ہے کہ جن کو صحیح و حسن کے درمیان اصطلاحی فرق معلوم نہ ہو وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ذہبیؒ نے اس حدیث کے معتبر ہونے سے ہی انکار کر دیا ہے اردو میں صحیح کے معنی معتبر کے ہیں‘ حالانکہ یہاں سب اصطلاحی بحث تھی- لـه ......

www.besturdubooks.net

هٰذَرَ كَاَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ رَبْعَةٌ لَا تَشْنَاُهُ مِنْ طُوْلٍ وَ لَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ فَهُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا وَ اَحْسَنُهُمْ قَدْرًا لَهُ رُفَقَاءُ يَحُفُّوْنَ بِهٖ اِنْ قَالَ سَمِعُوْا لِقَوْلِهٖ وَ اِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلٰى اَمْرِهٖ مَحْفُوْدٌ مَحْشُوْدٌ لَا عَابِسٌ وَ لَا مُفْنِدٌ قَالَ اَبُوْ مَعْبَدٍ وَ اللّٰهِ صَاحِبُ قُرَيْشٍ الَّذِیْ ذُكِرَ لَنَا مِنْ اَمْرِهٖ وَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَصْحَبَهُ وَ لَاَفْعَلَنَّ اِنْ وَجَدْتُ اِلٰى ذٰلِكَ سَبِيْلًا وَ اَصْبَحَ صَوْتٌ بِمَكَّةَ عَالِيًا يَسْمَعُوْنَ الصَّوْتَ وَ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ صَاحِبُهُ وَ هُوَ يَقُوْلُ:

۱۔ جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَاءِهٖ
رَفِيْقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدٖ

۲۔ هُمَا نَزَلَاهَا بِالْهُدٰى وَ اهْتَدَتْ بِهٖ
فَقَدْ فَازَ مَنْ اَمْسٰى رَفِيْقَ مُحَمَّدٖ

۳۔ فَيَا لَقُصَيٍّ مَا زَوَى اللّٰهُ عَنْكُمْ
بِهٖ مِنْ فَعَالٍ لَا تُجَازٰى وَ سُؤْدَدٖ

۴۔ لِيَهْنَ اَبُوْبَكْرٍ سَعَادَةُ جَدِّهٖ
بِصُحْبَتِهٖ مَنْ يُسْعِدِ اللّٰهُ يَسْعَدٖ

۵۔ لِيَهْنَ بَنِيْ كَعْبٍ مَقَامُ فَتَاتِهِمْ
وَمَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِمَرْصَدٖ

نہ بیکار اور نہ زیادہ۔ یوں معلوم ہوتا کہ ہار کے موتی ہیں' جو یکے بعد دیگرے گر رہے ہیں' میانہ قد نہ بہت دراز کہ برا معلوم ہو اور نہ اتنا پست کہ اس پر نظر پڑے' بس متوسط' تینوں میں سے دیکھنے میں سب سے زیادہ حسین اور بلند۔ ان کے خدام حلقہ بستہ اگر آواز نکالیں تو ہمہ تن گوش اور حکم دیں تو اس کی تعمیل کو دوڑ پڑیں' قابل غبطہ' نہ ان کا چڑھا ہوا منہ' نہ کسی کی برائی کرنا۔ یہ سن کر ابو معبد بے ساختہ بول اٹھے خدا کی قسم تم نے یہ اوصاف جن کے بیان کیے ہیں یہ تو وہی قریش والے ہیں۔ خدا کی قسم میرے دل میں آتا ہے کہ میں بھی ان کے ہمراہ چلوں اور اگر کوئی صورت نکلی تو ضرور مجھ کو یہ کرنا ہے۔ ادھر مکہ مکرمہ کا حال سنئے کہ یہاں بلند آواز سے کوئی پڑھنے والا یہ اشعار پڑھتا تھا' مگر یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کون ہے۔

خدا بھلا کرے! ان دو رفیقوں کا جو ام معبد کے خیمے میں آ کر رونق افروز ہوئے۔

وہ ہدایت لے کر تشریف لائے اور ام معبد کو ان کے طفیل میں ہدایت نصیب ہو گئی اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق بنا وہ یقیناً کامیاب ہوا۔

قبیلہ قصی پر افسوس اور صد افسوس کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہجرت کر جانے کی وجہ سے ان کی سرداری پر اور ان کے اچھے اچھے افعال سب پر پانی پھیر دیا۔

اس رفاقت پر ابوبکر کو اپنے دادا کی سعادت مبارک ہو اور بات تو یہ ہے کہ جس کو خدا سعادت فرمائے سعادت اسی کو نصیب ہوتی ہے۔

بنو کعب کو اپنے خاندان کی یہ عورت اور مسلمانوں کے انتظار میں اس کا یہ بیٹھنا مبارک۔

ﷺ ..... ہمارے لیے بس اتنی بات کافی ہے کہ اس روایت کو معجزات کی فہرست میں ذکر کرنے والے بڑے بڑے محدثین موجود ہیں' جن کے نام ہم نے اصل عربی متن میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔ مگر منکرین نے عمداً یا سہواً اس پر تنبیہ نہیں کی کہ حافظ ذہبی کی عبارت کی صحیح مراد کیا تھی کیا وہ اس صحت کا انکار کرتے ہیں جس کے لیے محدثین کے نزدیک خاص خاص شرائط ہیں یا اس کے معتبر ہونے سے ہی منکر ہیں یہ مغالطہ بہت قابل افسوس ہے اور مترجم کی بڑی بدذوقی پر شاہد ہے۔ اس حدیث میں آپ کے معجزہ کے سوا اس کا ثبوت ﷺ .....

www.besturdubooks.net

۶ - سَلُوْا اُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ اِنَائِهَا
فَاِنَّكُمْ اِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

اپنی بہن سے جا کر بکری اور دودھ کے برتن کا حال تحقیق کر کے تو دیکھو بلکہ اگر خود ان کی بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی آپ کی رسالت کی گواہی دے گی۔

۷ - دَعَاهَا بِشَاةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ
عَلَيْهِ صَرِيْحًا ضَرَّةُ الشَّاةِ مُزْبِدِ

آپ نے ایک بے دودھ والی بکری اس سے منگائی تو فوراً اس کے تھن دودھ سے لبریز ہو گئے اور وہ دودھ دینے لگی۔

۸ - فَغَادَرَهُ رَهْنًا لَدَيْهَا لِحَالِبٍ
يُرَدِّدُهَا فِيْ مَصْدَرٍ بَعْدَ مَوْرِدِ

آپ نے اس بکری کو ام معبد کے گھر چھوڑ دیا تا کہ اب دودھ نکالنے والا ہمیشہ اس کا دودھ نکالتا رہے۔

فلما سمع حسان الهاتف بذلك شبب يجاوب الهاتف:

(حسان بن ثابتؓ کو جب اس ہاتف غیبی کے یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے اس کے جواب میں ذیل کے اشعار کہے)

۹ - لَقَدْ خَابَ قَوْمٌ زَالَ عَنْهُمْ نَبِيُّهُمْ
وَ قُدِّسَ مَنْ يَسْرِيْ اِلَيْهِمْ وَ يَغْتَدِيْ

وہ قوم بڑے نقصان میں پڑ گئی جن کا نبی ان کو چھوڑ گیا اور جن کی طرف وہ رخ کر کے چلا وہ مقدس بن گئی۔

۱۰ - تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عُقُوْلُهُمْ
وَحَلَّ عَلٰى قَوْمٍ بِنُوْرٍ مُجَدَّدِ

ان لوگوں کی عقل ماری گئی جن کو چھوڑ کر آپ رخصت ہو گئے اور نور درخشاں لے کر دوسری قوم میں جلوہ افروز ہوئے۔

۱۱ - هَدَاهُمْ بِهٖ بَعْدَ الضَّلَالَةِ رَبُّهُمْ
فَاَرْشَدَ هُمْ مَنْ يَتْبَعُ الْحَقَّ يُرْشَدِ

گمراہی کے بعد ان کے پروردگار نے ان کو ہدایت نصیب فرمائی اور جو حق قبول کرلے وہی راہ یاب رہتا ہے۔

۱۲ - وَهَلْ يَسْتَوِيْ ضُلَّالُ قَوْمٍ تَسَفَّهُوْا
عَمًى وَ هُدَاةٌ يَهْتَدُوْنَ بِمُهْتَدِ

کیا وہ گمراہ لوگ جو اپنے اندھے پن کی وجہ سے بیوقوفی کر بیٹھے ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو ایک ہدایت یافتہ شخص سے ہدایت حاصل کر چکے۔

۱۳ - وَقَدْ نَزَلَتْ مِنْهُ عَلٰى اَهْلِ يَثْرِبَ
رِكَابُ هُدًى حَلَّتْ عَلَيْهِمْ بِاَسْعَدِ

اور یثرب والوں کے پاس ہدایت کا قافلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ آکر اترا جو سب میں بڑھ کر سعید تھا۔

۱۴ - نَبِيٌّ يَرٰى مَالَا يَرَى النَّاسُ حَوْلَهٗ
وَ يَتْلُوْ كِتَابَ اللّٰهِ فِيْ كُلِّ مَشْهَدِ

وہ ایک نبی ہیں جو اپنی آنکھوں سے وہ وہ باتیں دیکھتے ہیں، جو عام لوگ نہیں دیکھتے اور ہر مجمع میں اللہ کی کتاب تلاوت فرماتے ہیں۔

لله ..... بھی ملتا ہے کہ آپ کی شکل وشمائل عادات وخصائل کی شہرت اس وقت شہری اور بدوی لوگوں میں کس درجہ تھی اور آپ کی صفات کا تذکرہ کتنا صاف صاف موجود تھا کہ لوگ صرف انہیں کو سن کر آپ کی صداقت ونبوت پر ایمان لانے کے لیے مضطرب اور مجبور تھے کیا یہ شہرت اور لوگوں کی معرفت صرف ''مجازات'' اور ''استعارات'' سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(نـوٹ) حدیث ام معبد کے الفاظ لغت کے لحاظ سے بہت مشکل ہیں اور ان کا حل بڑے بڑے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور اس میں بڑا اختلاف بھی پایا جاتا ہے ہم کو ان میں سے جو اقرب اور اسہل معلوم ہوا اس کے لحاظ سے ترجمہ کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

www.besturdubooks.net

۱۵- وَ اِنْ قَالَ فِیْ یَوْمٍ مَقَالَۃَ غَائِبٍ فَتَصْدِیْقُھَا فِی الْیَوْمِ اَوْفِیْ ضُحَی الْغَدِ

اور اگر آج وہ کوئی پیشگوئی فرماتے ہیں تو وہ فوراً ہی یا کل سچی ثابت ہو جاتی ہے۔

(اخرجه الحاكم في المستدرك من عدة طرق. و قال الحاكم صحيح الاسناد و لم يخرجاه و قصة ام معبد و الشعر صحيح و نزول المصطفى بالخيمتين متواتر في اخبار صحيحة ثم ذكر دلائل صحته ٣ ص ١٠ و ذكره ابن القيم في زاد المعاد و اعتنى بقصتها و بحل الفاظها ابن قتيبة و ابن الاثير في النهاية و الحافظ السهيلي في الروض الانف' و عدها الشاه ولي الله من معجزاته صلى الله عليه وسلم في احر حجة الله. و قال الذهبي ليس من هذه الطرق على شرط الصحيح. و استشهد الحافظ بقصة ام معبد في الفتح ج ٧ ص ١٦٨ و ذكرها في الاصابة مفصلة و اخرجها ابن السكن من حديث ام معبد نفسها بطريقين و اخرجها ابن سعد من طرق كما اخرجها ابو عمر في الاستيعاب و ذكرها عمر بن شبه في كتاب مكة ايضا و في مجمع الزوائد ان ام معبد اسمها عاتكة بنت خالد اي بني كعب من خزاعة و هي اخت حبيش بن خالد و له صحبته. و اخرج الهيثمي في موضع اخرانها قالت بعثت الى النبي صلى الله عليه وسلم بشاة داجن فردها و قال ابغني شاة لا تحلب. قال رواه الطبراني و رجاله رجال الصحيح غير حزام بن هشام بن حبيش و ابيه و كلاهما ثقة. مجمع الزوائد ج ٨ ص ٣١٣- و في شرح المواهب و صححه البيهقي و صاحب الغيلانيات و من طريقه اليعمري عن ابي سليط الانصاري البدري و ابن عبد البر و ابن شاهين و ابن السكن و الطبراني عن اخي ام معبد صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم ج ١ ص ٣٤٠ و راجع البدايه و النهايه ج ٢ ص ١٩٢)

الرسول الاعظم وظهور البركة في اللبن والطعام صلوات الله وسلامه عليه

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ معجزات جو دودھ اور کھانوں میں برتر از قیاس برکات کے ظاہر ہوئے

(۱۳۳۱) عَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ اَقْبَلْتُ اَنَا وَ صَاحِبَانِ لِیْ وَقَدْ ذَھَبَتْ اَسْمَاعُنَا وَ اَبْصَارُنَا

(۱۳۳۱) مقداد روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو رفیق ایسے فقر و فاقہ کی حالت میں آئے کہ ہماری شنوائی اور بینائی دونوں جا چکی تھیں' ہم نے

(۱۳۳۱) * حدیث مذکور میں آپ کے دعائیہ کلمات میں ہم نے "من اطعمہ" کا ترجمہ مستقبل کا کیا ہے تا کہ اصل مطلب واضح ہو جائے- بعض علماء نے اس کا ترجمہ ماضی کا کر ڈالا ہے' جس کی وجہ سے از اول تا آخر مراد خبط ہو کر رہ گئی ہے' چنانچہ نووی مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں "فيه الدعاء للمحسن و الخادم و لمن سيفعل خيرا" یعنی ان کلمات کا مقصد اپنے محسن اور خادم کے اور جو شخص آپ کے ساتھ آئندہ کوئی اچھا سلوک کرے ان سب کے لیے دعا کرنا تھا-

اسی لیے راوی حدیث ان کلمات کو سن کر بکریوں کی طرف لپکا تا کہ وہ بھی آپ کی دعا میں شریک ہو جائے اور اسی لیے آپ نے اس سے فرمایا کاش تو اپنے رفیقوں کو بھی بیدار کر لیتا تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی اس رحمت میں شریک ہو جاتے مگر ضعیف انسان ایسا ظرف کہاں سے لائے کہ جب اس کا مقصد حاصل ہو جائے تو وہ اس کامیابی میں دوسروں کی شرکت کی بھی تمنا رکھے یہ تو انبیاء علیہم السلام ہی کا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ ہر رحمت میں اپنی امتوں کو سب سے پہلے یاد رکھتے ہیں فصلوات الله وسلامه عليهم اجمعين احدى سوء تک کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تیری ایک ناشائستہ حرکت تو اس مبالغہ کے ساتھ ہنسنا بھی تھی اب یہ بات بھی بتا کہ یہ ہنسی تجھ کو آئی کیوں- لله .....

www.besturdubooks.net

مِنَ الْجَهْدِ فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ اَنْفُسَنَا عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْهُمْ يَقْبَلُنَا فَاَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ بِنَا اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِذَا ثَلَاثَةُ اَعْنُزٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَلِبُوْا هٰذَا اللَّبَنَ بَيْنَنَا قَالَ فَكُنَّا نَحْتَلِبُ فَيَشْرَبُ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنَّا نَصِيْبَهٗ وَ نَرْفَعُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصِيْبَهٗ قَالَ فَيَجِيْءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا لَا يُوْقِظُ نَائِمًا وَ يُسْمِعُ الْيَقْظَانَ قَالَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّيْ ثُمَّ يَاْتِيْ شَرَابَهٗ فَاَتَانِي الشَّيْطَانُ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَ قَدْ شَرِبْتُ نَصِيْبِيْ فَقَالَ مُحَمَّدٌ يَاْتِي الْاَنْصَارَ فَيُتْحِفُوْنَهٗ وَ يُصِيْبُ عِنْدَهُمْ. مَا بِهٖ حَاجَةٌ اِلٰى هٰذِهِ الْجُرْعَةِ فَاَتَيْتُهَا فَشَرِبْتُهَا فَلَمَّا اَنْ وَ غَلَتْ فِيْ بَطْنِيْ وَ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ اِلَيْهَا سَبِيْلٌ قَالَ نَدَّمَنِي الشَّيْطَانُ فَقَالَ وَ يْحَكَ مَا صَنَعْتَ اَشَرِبْتَ شَرَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَجِيْءُ فَلَا يَجِدُهٗ فَيَدْعُوْ عَلَيْكَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا' مگر کسی نے ہمارا بار اٹھانا منظور نہ کیا بالآخر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ہم کو لے کر اپنے گھر تشریف لائے- دیکھا تو گھر میں تین بکریاں موجود تھیں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان بکریوں کا دودھ نکال کر ہم سب کے درمیان تقسیم کرلیا کرو- ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم ان بکریوں کا دودھ نکالتے اور ہم میں سے ہر شخص اپنا اپنا حصہ پی لیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ آپ کے لیے رکھ چھوڑتا' شب میں جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو بس اتنی ہلکی آواز سے سلام کرتے کہ آدمی سوتا ہوتو بیدار نہ ہو اور بیدار ہوتو وہ سن لے- اس کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے اس کے بعد تشریف لاکر اپنا حصہ نوش فرماتے- ایک شب کا قصہ ہے کہ میں اپنا حصہ پی چکا تھا' شیطان نے مجھے بہکایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انصار کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کرتے ہی ہیں اور آپؐ ان کے ہاں تناول بھی فرمالیتے ہیں' بھلا اس گھونٹ بھر دودھ کی آپ کو کیا ضرورت ہے یہ سوچ کر میں گیا اور جاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی گیا- جب میں نے اس کو اپنے پیٹ میں ڈال لیا اور اب گنجائش نہ رہی تو اب شیطان نے مجھ کو الٹا شرمندہ کیا اور کہا کم بخت تو نے یہ کیا ناشائستہ حرکت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی گیا- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور اپنا حصہ نہ پائیں گے تو کہیں ایسا

لے ..... یہ واقعہ صحیح مسلم میں مذکور ہے اور ام معبد کے قصہ سے بہت ہی ملتا جلتا ہے- فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں دعا کے ساتھ آپؐ کے دست مبارک بھی پھیرنے کا ذکر تھا اور یہاں صرف دعا کا تذکرہ ہے- اب اگر آپ کو دعا کے ساتھ آپ کے دست مبارک کے پھیرنے کے معجزہ سے کوئی ضد ہوتو شوق سے اپنی ذمہ داری پر اس کا انکار کرڈالیں یا سر اور آنکھوں سے اس کو قبول کرکے عشق نبویؐ کے دم بھرنے والوں کی صف میں آشریک ہوں- یہ تنبیہ ہم جگہ جگہ کرچکے ہیں کہ جو معجزات میانہ درجہ کی اسانید سے ثابت ہوئے ہیں' ان کی پشت پر کوئی نہ کوئی قوی حدیث ضرور ہوتی ہے- اب اگر آپ کا دل گوارہ کرتا ہوتو آپ ان حدیثوں پر اور ان کے مصنفین پر شوق سے جو چاہیں حکم لگائیں- واللہ المستعان- دیکھیے یہاں بھی ام معبد کی حدیث کی پشت پر اسی قسم کا دوسرا واقعہ صحیح مسلم میں موجود ہے-

www.besturdubooks.net

فَتُهْلِكَ فَتَذْهَبُ دُنْيَاكَ وَ اٰخِرَتُكَ وَ عَلَيَّ شَمْلَةٌ اِذَا وَضَعْتُهَا عَلٰى قَدَمَيَّ خَرَجَ رَأْسِيْ وَ اِذَا وَضَعْتُهَا عَلٰى رَأْسِيْ خَرَجَ قَدَمَايَ وَ جَعَلَ لَايَجِيْءُ النَّوْمُ وَ اَمَّا صَاحِبَايَ فَنَامَا وَلَمْ يَصْنَعَا مَاصَنَعْتُ قَالَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى ثُمَّ اَتٰى شَرَابَهُ فَكَشَفَ عَنْهُ فَلَمْ يَجِدْ فِيْهِ شَيْئًا فَرَفَعَ رَأْسَهُ اِلَى السَّمَاءِ فَقُلْتُ الْاٰنَ يَدْعُوْ عَلَيَّ فَاَهْلِكُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِيْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِيْ قَالَ فَعَمِدْتُ اِلَى الشَّمْلَةِ فَشَدَدْتُهَا عَلَيَّ وَ اَخَذْتُ الشَّفْرَةَ فَانْطَلَقْتُ اِلَى الْاَعْنُزِ اَيُّهَا اَسْمَنُ فَاَذْبَحُهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِيَ حَافِلٌ وَ اِذَا هُنَّ حُفَّلٌ كُلُّهُنَّ فَعَمِدْتُ اِلٰى اٰنِيَةٍ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانُوْا يَطْمَعُوْنَ اَنْ يَحْتَلِبُوْا فِيْهِ قَالَ فَحَلَبْتُ فِيْهِ حَتّٰى عَلَتْهُ رَغْوَةٌ فَجِئْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَشَرِبْتُمْ شَرَابَكُمُ اللَّيْلَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِشْرَبْ فَشَرِبَ ثُمَّ نَاوَلَنِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِشْرَبْ فَشَرِبَ ثُمَّ نَاوَلَنِيْ فَلَمَّا عَرَفْتُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَوِيَ وَ اَصَبْتُ دَعْوَتَهُ ضَحِكْتُ حَتّٰى اُلْقِيْتُ عَلَى الْاَرْضِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى سَوْاٰتِكَ يَا مِقْدَادُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ مِنْ اَمْرِيْ كَذَا وَ كَذَا وَ فَعَلْتُ كَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

نہ ہو کہ تیرے حق میں بددعا فرمائیں اور تیری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو کر رہ جائیں- میں ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھا اگر پیر ڈھانکتا تو میرا سر کھل جاتا اور اگر سر ڈھانکتا تھا تو پیر کھل جاتے اور اس فکر میں کسی طرح نیند نہ آتی تھی- میرے دو رفیق جنہوں نے یہ حرکت نہ کی تھی وہ آرام سے سو گئے اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے اور حسب عادت سلام کیا' پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھی' اس کے بعد اپنے حصہ کا دودھ پینے کے لیے آئے برتن کھولا تو وہاں کچھ نہ تھا- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا میں نے کہا اب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے اوپر بددعا فرمائی اور میں برباد ہوا' مگر آپ نے یہ دعا فرمائی "خدایا جو مجھ کو کھلائے تو اس کو کھلا اور جو مجھ کو پلائے تو اس کو پلا (آپ کی یہ دعا سن کر) میں نے اپنی چادر سنبھالی اور چھری ہاتھ میں لے کر بکریوں کی طرف بڑھا کہ ان میں جو فربہ ہو' میں آپ کے لیے اس کو ذبح کر ڈالوں' کیا دیکھتا ہوں کہ سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے' یہ دیکھ کر میں ایک برتن کی طرف بڑھا' جس کے متعلق آپ کے گھر والوں کو یہ خیال بھی نہ گذرا تھا کہ کبھی دودھ اتنا ہو گا کہ اس برتن میں دوہا جائے گا' لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا یہاں تک کہ اس کے اوپر جھاگ آ گئے- میں اس کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا کیا تم لوگوں نے اپنا حصہ پی لیا ہے- میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپ نوش فرما لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پی کر مجھ کو عنایت فرما دیا- میں نے عرض کی اور نوش فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پی لیا اور پھر مجھ کو عنایت فرما دیا جب میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب شکم سیر ہو چکے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مجھ کو لگ چکی ہے تو میں ہنس پڑا اور ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقداد! یہ کیا ناشائستہ حرکت ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا پورا واقعہ یہ ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ برکت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت تھی تم نے پہلے اس کی مجھ کو خبر کیوں نہ کی کہ ہم

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا ھٰذِہٖ اِلَّا رَحْمَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اَفَلَا کُنْتَ اٰذَنْتَنِیْ فَنُوْقِظُ صَاحِبَیْکَ فَیُصِیْبَانِ مِنْھَا قَالَ فَقُلْتُ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اُبَالِیْ اِذَا اَصَبْتُھَا وَ اَصَبْتُھَا مَعَکَ مَنْ اَصَابَھَا مِنَ النَّاسِ.

(رواہ مسلم فی باب اکرام الضیف)

تمہارے دونوں رفیقوں کو بھی جگا لیتے اور وہ بھی اس برکت الٰہی میں شریک ہو جاتے میں نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق دے کر بھیجا ہے جب وہ برکت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچ گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل مجھ کو بھی نصیب ہو گئی تو پھر مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں رہی کہ کسی اور کو بھی پہنچی یا نہیں۔

(مسلم شریف)

(۱۳۳۲) عَنْ قَیْسِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَ لَمَّا انْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْبَکْرٍ مُسْتَخْفِیَیْنِ مَرَّا بِعَبْدٍ یَرْعٰی غَنَمًا فَاسْتَسْقَیَاہُ مِنَ اللَّبَنِ فَقَالَ مَا عِنْدِیْ شَاۃٌ تُحْلَبُ غَیْرَ اَنَّ ھٰھُنَا عَنَاقًا حَمَلَتْ اَوَّلَ الشِّتَاءِ وَ قَدْ اَخْدَجَتْ وَ مَا بَقِیَ لَھَا لَبَنٌ فَقَالَ ادْعُ بِھَا فَدَعَا بِھَا فَاعْتَقَلَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ مَسَحَ ضَرْعَھَا وَ دَعَا حَتّٰی اَنْزَلَتْ قَالَ وَ جَاءَ اَبُوْبَکْرٍ بِمِجَنٍّ فَحَلَبَ فَسَقٰی

(۱۳۳۲) قیس بن نعمانؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ خفیہ طور پر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے لیے چلے تو راستے میں ان کا گذر ایک غلام پر ہوا جو بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے اس سے دودھ طلب کیا۔ اس نے کہا میرے پاس دودھ والی بکری تو کوئی نہیں، صرف ایک ایسی بکری ہے جو شروع جاڑوں میں گابھن ہوئی تھی اس کے بعد وہ تو گر گئی تھی یعنی قبل از وقت اس کا بچہ گر گیا تھا اس لیے دودھ اس کے بھی نہیں رہا۔ انہوں نے فرمایا اچھا جاؤ وہی لے آ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نکالنے کے لیے اس کی ایک ٹانگ دبالی اور اس کے تھنوں پر دستِ مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔ بس فوراً اس کے دودھ اتر آیا۔ صدیق

(۱۳۳۲) ٭ اس روایت کو حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے' مگر بعض سیرت نگاروں نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس میں بھی ایک شاخ یہ نکال دی ہے کہ ہجرت کا واقعہ صحیحین میں موجود ہے' مگر اس معجزہ کا اس میں نام و نشان تک نہیں۔ یہ غالباً اسی اصول پر مبنی ہے کہ جب کوئی واقعہ صحیحین میں موجود ہو اور کسی دوسرے طریقے سے اس میں کوئی بات اعجازی ثابت ہو تو اس کو صحیحین کے خلاف اور غیر معتبر سمجھا جائے یا کم از کم اس کے ثبوت میں شک پیدا کر دیا جائے۔ حالانکہ جب ایک زیادتی صحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے منافی کوئی چیز موجود نہیں تو اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' بلکہ زیادتی ثقہ کا تسلیم کرنا ایک مسلم مسئلہ ہے۔ ہاں اگر یہ زیادتی معارض ہو یا منافی ہو تو محل نظر ہو سکتا ہے اس کا انکار قطعی طور پر پھر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ واقعہ ام معبدؓ والے واقعہ سے بہت ملتا جلتا ہے وہاں بھی دودھ ید کریمہ کی برکت سے پیدا ہوا اور یہاں بھی یہی صورت ظہور پذیر ہوئی۔ فتبارک الذی بیدہ الملک و ھو علی کل شیء قدیر. اس جگہ حیرت ہوتی ہے کہ انکار معجزات کے شغف نے اس حدیث صحیح کے انکار پر صرف اتنی سی بات سے آمادہ کر دیا کہ یہ واقعہ صحیحین کی حدیث میں مذکور نہیں اور جب اسی قسم کا دوسرا واقعہ ام معبد کی حدیث میں نظر آیا تو اس کو جرح و تعدیل کے چکر میں ڈال دیا تاکہ ید کریمہ کی برکت سے دودھ پیدا ہونے کا تخم بھی احادیث سے مٹ جائے۔ اگر کاش اس صحیح سند سے ثابت شدہ واقعہ کو اس کی صحت سند کی بنا پر تسلیم کر لیا جاتا اور حدیث ام معبدؓ کے واقعہ کو اس کی تائید میں سمجھ لیا جاتا ...

www.besturdubooks.net

اَبَابَکْرٍ ثُمَّ حَلَبَ فَسَقَى الرَّاعِيَ ثُمَّ حَلَبَ فَشَرِبَ فَقَالَ الرَّاعِيُ بِاللّٰهِ مَنْ اَنْتَ فَوَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ مِثْلَكَ قَطُّ قَالَ اَوَتَرَاكَ تَكْتُمُ عَلَيَّ حَتّٰى اُخْبِرَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَنْتَ الَّذِيْ تَزْعَمُ قُرَيْشٌ اَنَّهُ صَابِيٌّ قَالَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ فَاَشْهَدُ اَنَّ مَاجِئْتَ بِهٖ حَقٌّ وَ اَنَّهُ لَا يَفْعَلُ مَا فَعَلْتَ اِلَّا نَبِيٌّ وَ اَنَا مُتَّبِعُكَ قَالَ اِنَّكَ لَا تَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ يَوْمَكَ فَاِذَا بَلَغَكَ اَنِّيْ قَدْ ظَهَرْتُ فَأْتِنَا.

(اخرجه الحاكم و قال الذهبي انه صحيح)

اکبرؓ ایک ڈھال لے کر آئے آپؐ نے دودھ نکال کر پہلے ابوبکر کو پلایا اس کے بعد پھر دودھ دوہا اور اس چرواہے کو پلایا پھر دودھ دوہا اور خود نوش فرمایا- چرواہے نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا بخدا بتایئے آپ کون صاحب ہیں- میں نے آپ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا- آپؐ نے فرمایا دیکھو جب تک میں نہ کہوں میری خبر پوشیدہ رکھنا اس نے کہا بہت اچھا- آپؐ نے فرمایا میں خدا تعالیٰ کا پیغمبر محمدؐ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے عرض کی اچھا وہی تو نہیں جس کو قریش ''صابی'' کہتے ہیں- آپ نے فرمایا ہاں وہ تو یہی کہتے ہیں- اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں آپ کا دین حق ہے اور آپؐ نے جو یہ کام کیا ہے یہ تو نبی کے سوا کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا اور میں اب آپ کے ساتھ چلتا ہوں- آپ نے فرمایا ابھی یہ تم کو مشکل ہوگا' لیکن جب تم کو میرے ظہور کی خبر ملے اس وقت تم ہمارے پاس آ جانا- (مستدرک)

(۱۳۴۳) عَنِ ابْنَةِ خَبَّابٍ قَالَتْ خَرَجَ

(۱۳۴۳) خبابؓ کی دختر بیان کرتی ہیں کہ میرے والد خبابؓ ایک چھوٹے

ﻟـ ..... تو اتنا حرج تو نہ تھا کہ تبعین قواعد صرف ضوابط کی آڑ میں اس رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو اس طرح چھپاتے پھرتے گویا کہ وہ کوئی عیب تھا- لیکن کیا کیا جائے کہ و للناس فيما يعشقون مذاهب.

تنبیہ: یہ واضح رہنا چاہیے کہ جملہ اہلِ علم کے نزدیک صحیحین میں جو خود ان کے مصنفین کے نزدیک بھی صحیح تھیں ان کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا گیا' پھر اگر کسی صحیح طریقے سے ایک جدید واقعہ اور ثابت ہوتا ہے تو وہ زیادتی ثقہ کی تعریف میں داخل نہیں' کیونکہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایک ہی روایت میں کوئی راوی کسی نئی بات کا تذکرہ زیادہ کرے اور یہاں صحیحین کی روایت میں اس کا تذکرہ ہی نہیں آیا لہٰذا اس کو ایک مستقل حدیث کہا جائے گا نہ کہ زیادتی ثقہ کا مسئلہ ہجرت کے واقعہ میں نہ معلوم کتنے عجائبات کا ظہور اور بھی ہوا ہوگا جن کو صحیحین کے مصنفین نے کسی سبب سے نظر انداز کر دیا ہو- اگر ان بے چاروں کو خبر ہوتی کہ آئندہ علماء میں کس کس مزاج کے لوگ پیدا ہونے والے ہیں تو شاید وہ اس قسم کے واقعات کے استیعاب کا ارادہ کرتے اس لیے ہو سکتا ہے کہ جس طرح جملہ ابواب میں بہت سی احادیث صحیحہ ان کی کتابوں میں درج نہ ہو سکیں' اسی طرح ہجرت کے کچھ واقعات بھی درج ہونے سے رہ گئے ہوں- زیادتی ثقہ کا مسئلہ ہم نے صرف نظیر کے طور پر ذکر کیا ہے ورنہ وہ بالکل علیحدہ مسئلہ ہے-

(۱۳۴۳) ✱ اس واقعہ کے ساتھ حافظ ہیثمیؒ نے اس قسم کے اور دو واقعے ذکر کیے ہیں جس کا حوالہ ہم نے متن کتاب میں لکھ دیا ہے- اب آپ کو اختیار ہے کہ اس برکتِ بینہ کے جتنے واقعات نکلتے ہیں آپ ان کے انکار کرنے میں کوئی نہ کوئی بہانہ نکالتے رہیے- مگر محدثین تو ان میں سے کسی کو صحیح کہتے ہیں اور کسی کے راویوں پر لفظ ''ثقہ'' کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

سارت مشرقة و سرت مغربا — شتان بين مشرق و مغرب

www.besturdubooks.net

خَبَّابٌ فِیْ سَرِیَّةٍ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاهَدُنَا حَتّٰى كَانَ يَحْلِبُ عَنْزًا لَنَا فَكَانَ يَحْلِبُهَا فِیْ جَفْنَةٍ فَكَانَتْ تَمْتَلِئُ حَتّٰى تَطْفَحُ قَالَتْ فَلَمَّا قَدِمَ خَبَّابٌ حَلَبَهَا فَعَادَ حِلَابُهَا اِلٰى مَا كَانَ قَالَتْ فَقُلْنَا لِخَبَّابٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِبُهَا حَتّٰى تَمْتَلِئَ جَفْنَتُنَا فَلَمَّا حَلَبْتَهَا نَقَصَ حِلَابُهَا.

سے لشکر کے ساتھ ایک غزوہ میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے ہماری ضروریات کا خیال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہماری ایک بکری تھی اس کا دودھ بھی ایک پیالہ میں نکال دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ اتنا بھر جاتا تھا کہ چھلکنے لگتا تھا وہ کہتی ہیں جب خباب ؓ نے واپس آ کر دودھ خود نکالا تو جتنا وہ پہلے نکلتا تھا پھر اتنا ہی رہ گیا وہ کہتی ہیں ہم نے خباب ؓ سے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ نکالا کرتے تھے تو ہمارا برتن خوب بھر جایا کرتا تھا' پھر جب سے کہ اس کا دودھ آپ نے نکالنا شروع کیا ہے تو وہ بہت گھٹ گیا ہے۔

(رواہ احمد و الطبرانی و رجالهما رجال الصحیح غیر عبدالرحمن بن زید القایش و هو ثقة- مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۲ و ذکر قصة اخری عن قیس بن النعمان السکونی و قصة اخری عن سعد عن الطبرانی و قال رجال الاولی رجال الصحیح و رجال الثانیه ثقات.)

الرسول الاعظم و نسج العنكبوت علی الغار صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غارِ حراء کے منہ پر مکڑی کا جالا تن دینا

(۱۳۴۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَبَابَكْرِ الصِّدِّيْقَ قَالَ نَظَرْتُ اِلٰى اَقْدَامِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى رُءُوْسِنَا وَ نَحْنُ فِی الْغَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ نَظَرَ اِلٰى قَدَمِهِ اَبْصَرَنَا

(۱۳۴۴) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب میں نے دیکھا کہ مشرکین کے قدم اب ہمارے سر پر آ چکے ہیں اور ہم غار میں موجود ہیں تو گھبرا کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان میں سے کسی کی ذرا بھی اپنے قدموں کی

(۱۳۴۴) * صاحب مشکوۃ نے اس واقعہ کو معجزات کی فہرست میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اگر چہ واقعہ کے صرف مذکورہ بالا الفاظ ہی اس کے معجزہ ہونے کے لیے کافی ہیں' لیکن جب دوسری روایات سے اس واقعہ کی مزید تفصیلات بھی سامنے آتی ہیں تو پھر اس کا معجزہ ہونا اور زیادہ عیاں ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے واضح ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب الفوائد میں لکھتے ہیں۔ (یہ کتاب بدائع الفوائد کے علاوہ ہے)

فبدأ الصديق بدخوله ليكون و قاية له ان كان ثم مؤذ وانبت الله شجرة لم تكن قبل فاظلت المطلوب واضلت الطالب وجاءت عنكبوت فحازت وجه الغار فحاكت ثوب نسجها على منوال السترفا

غار میں آپ سے پہلے خود صدیق اکبرؓ اس لیے داخل ہوئے تھے کہ اگر اس میں کوئی موذی جانور ہو تو آپ کو ایذا نہ پہنچے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اسی وقت وہاں ایک درخت پیدا فرما دیا تھا جو پہلے سے نہ تھا تا کہ آپ کو چھپا لے اور جو آپ کا پیچھا کرنے والے تھے ان کو راستے کا پتہ نہ چلے' ادھر ایک مکڑی آئی اور اس نے ..... بقیہ

www.besturdubooks.net

فَقَالَ یَا اَبَابَکْرٍ مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا. (متفق علیه اخرجه صاحب المشکوٰة فی اول باب المعجزات)

طرف نظر گئی تو وہ ہم کو فوراً دیکھ لے گا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دو شخصوں کے متعلق تمہارا گمان کیا ہونا چاہیے جن کا نگہبان تیسرا ''اللہ'' ہو- (متفق علیہ)

(۱۳۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَذَکَرَ قِصَّةَ الْهِجْرَةِ حَتّٰی قَالَ فَاقْتَصُّوْا اَثَرَهٗ فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ اخْتَلَطَ عَلَیْهِمْ فَصَعِدُوا الْجَبَلَ فَمَرُّوْا بِالْغَارِ فَرَاَوْا عَلٰی بَابِهٖ نَسْجَ الْعَنْکَبُوْتِ فَقَالُوْا لَوْ دَخَلَ هٰهُنَا لَمْ یَکُنْ نَسْجُ

(۱۳۳۵) حضرت ابن عباسؓ آیت وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی تفسیر میں ہجرت کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفار آپ کے نشانات تلاش کرتے کرتے جب ٹھیک غار والے پہاڑ تک آ پہنچے تو ان کو آگے آپ کے نشانات نہ ملے- وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور اس غار پر سے گذرے جب اس کا منہ دیکھا تو اس پر مکڑی نے جالا تن رکھا تھا اس کو دیکھ کر باہم یہ گفتگو کرنے لگے کہ اگر اس میں آپ داخل ہوئے ہوتے تو مکڑی کا یہ جالا غار کے

لـ ..... حکمت الشقة حتی عمی علی القائف المطلب و ارسل حمامتین فاتخذتا هناک عشا جعل علی ابصار الطالبین غشاوة. و هذا ابلغ فی الاعجاز من مقاومة القوم بالجنود. (الفوائد ص ۹۳)

اپنے لعاب دہن سے غار کے منہ پر جالا بنالیا اور اس کا پردہ سا بنا کر غار کا منہ اس طرح مضبوط بند کر دیا کہ کھوج لگانے والوں کو اندر کا کچھ پتہ ہی نہ چل سکا اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو کبوتر بھیج دیے جنہوں نے آ کر اس میں ایک گھونسلہ رکھ دیا اور اس طرح پیچھے آنے والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا- حفاظت کی یہ معجزانہ صورت اس سے کہیں بڑھ کر تھی کہ لشکر سے دشمنوں کا مقابلہ کیا جاتا- (وہ عادت کے موافق بات ہوتی اور یہ خارق عادت تھی)

(۱۳۳۵) * کہنے والوں نے تو اس واقعہ کو بھی صرف ایک معمولی سا واقعہ کہہ کر ٹال دیا ہے' لیکن کیا کیجئے کہ صورت حالات کا خود مشاہدہ کرنے والے آپؐ کے دشمن جو آپ کے تعاقب میں بڑی جدوجہد کے بعد یہاں تک پہنچے تھے وہ اس کو صرف اتفاق پر محمول نہ کر سکے' بلکہ آپؐ کے غار میں داخل نہ ہونے کا بدیہی ثبوت سمجھے اور واپس ہو گئے- اتنی کھلی بات کے بعد یہ کہنا بے جا ہے کہ راوی کے الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ اس سے زیادہ اور راوی کہتا بھی تو کیا کہتا- نیز راوی کے ذمہ یہ نہیں ہے کہ جب وہ کسی واقعہ کو نقل کرے تو اس کے ساتھ اس کا معجزہ ہونا بھی مدلل بیان کرے- یہ صورت واقعہ پر غور کرنے والے کی اپنی عقل کی بات ہے- جس سفر میں آپ کے تعاقب کرنے والے دشمن کے گھوڑے کے پیر دھنس جانے کا معجزہ ابھی ابھی پیش آ چکا تھا' وہاں اس ضعیف حیوان کی اس ماحضر جاں نثاری پر اتنی بال کی کھال کون نکال سکتا ہے کہ یہ صرف ایک حسن اتفاق تھا یا اعجازی حفاظت کا ایک کرشمہ تھا- اس لیے محدثین نے اس کو بھی آپؐ کی معجزانہ حفاظت میں شمار کر لیا ہے اور طریقہ بھی یہی ہے کہ دنیا جب اس قسم کے حفاظتی واقعات اچانک اور بے وہم و گمان کسی کے لیے جمع دیکھتی ہے تو طبعاً اس کو قدرتی حفاظت کی فہرست میں شمار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے تعجب کرنے والے تو اسی پر تعجب کر رہے ہیں' لیکن حافظ زرقانی نے اسی قسم کا واقعہ آپ کے صحابی عبداللہ بن انیس کو بھی پیش آنا نقل کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سفیان یا سفیان بن خالد نامی شخص کے قتل کے لیے بھیجا تھا- جب عبداللہ ابن انیس ایک غار میں داخل ہوئے تو اس کے منہ پر بھی لـ .....

الْعَنْكَبُوْتِ عَلٰى بَابِهٖ فَمَكَثَ فِيْهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ.

منہ پر نہ ہوتا (یہ کہہ کر وہ واپس ہو گئے) اور آپ اس غار میں تین دن تک پوشیدہ رہے۔ (مسند احمد)

(رواه احمد باسناد حسن. قال الحافظ و ذكر نحو ذلك موسى بن عقبة عن الزهرى و فى مسند ابى بكر الصديق لابى بكر بن على المروزى شيخ النسائى من مرسل الحسن فى قصة نسج العنكبوت نحوه و ذكر الواقدى ان قريشا بعثوا فى اثرهما قائفين احدهما كرز بن علقمه فرأى كرز بن علقمه على الغار نسج العنكبوت فقال ههنا انقطع الاثر ولم يسم الاخر وسماه ابو نعيم فى الدلائل. كذا فى الفتح ج ٧ ص ١٦٨)

الرسول الاعظم و توقير الوحوش له صلوات الله و سلامه عليه

بعض وحشی جانوروں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر کرنا

(۱۳۳۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحْشٌ اِذَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَدَّ وَ لَعِبَ وَ اَقْبَلَ وَ اَدْبَرَ فَاِذَا اَحَسَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَخَلَ رَبَضَ فَلَمْ يَتَرَمْرَمْ كَرَاهِيَةَ اَنْ يُّؤْذِيَهٗ.

(۱۳۳۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک جنگلی جانور تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر چلے جاتے تو ادھر ادھر دوڑتا اور کھلاڑیاں کرتا اور جہاں آپ کی تشریف آوری کی آہٹ محسوس کرتا بس فوراً ایک گوشہ میں دبک کر بیٹھ جاتا اور ذرا آواز نہ نکالتا۔ اس خیال سے کہ مبادا آپ کو تکلیف ہو۔ (مسند احمد۔ ابویعلی)

(رواه ابو يعلى الموصلى و لفظه للامام احمد قال ابن كثير على شرط الصحيح ج ٦ ص ١٤٨ كما فى البدايه و النهايه)

لله ..... مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اسی طرح جب حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برہنہ سولی دی گئی تو مکڑی نے آپ کے مستور اعضاء پر بھی جالا تن دیا تھا۔ (دیکھو شرح المواہب ج اص ۳۳۸) اب یہاں ایک مذاق تو یہ ہے کہ یہ سب معمولی روزمرہ کے واقعات تھے اور دوسرا مذاق یہ ہے کہ یہ قدرت کے غیر معمولی حفاظت کے عجائبات تھے اور اسی لیے تاریخوں میں اور کتب سیر میں ان کو معجزات اور کرامات کی فہرست میں داخل کیا جاتا رہا ہے۔ ورنہ معمولی واقعات کی تدوین کی ضرورت کس کو ہے۔

نوٹ: یہاں حافظ ابن قیمؒ نے حفاظت کی اس صورت کا فوج کے ذریعے سے حفاظت پر فائق ہونا بہت خوب لکھا ہے۔ قابل غور ہے۔

(۱۳۳۶) * جہاں تک الفاظ روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ وحشی جانور ہرن تھا' جس میں تربیت کا اثر بہت کم ہوتا ہے ہاں بعض اور حیوانات ایسے ہیں جن میں تدریب و تربیت سے کچھ نہ کچھ تہذیب کی حرکات پیدا ہو جاتی ہیں' مگر یہ ظاہر ہے کہ اس وقت عرب میں بالعموم ہرن کی تربیت و تہذیب کرنے کی عادت نہ تھی۔ بالخصوص بیتِ نبوت میں حیوانات کی تربیت کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔ پھر جو جانور گھروں میں گھل مل جاتے ہیں وہ عام طور پر اپنے مالک کو دیکھ کر خوشی میں کودنے اچھلنے لگتے ہیں۔ مگر یہاں صورت اس کے برعکس تھی یعنی جب آپ باہر تشریف لے جاتے تو وہ کودتا اچھلتا اور جب آپ کو دیکھ لیتا بس فوراً خاموش ہو کر ایک گوشہ میں جا بیٹھتا۔ چونکہ دوسری احادیث میں حیوانات میں آپ کے ادب و احترام کے واقعات ایک سے زیادہ موجود ہیں' اس لیے اگر علماء نے اس ایک واقعہ کو بھی ..... لله

www.besturdubooks.net

معجزة حبس الشمس ظهرت فی زمن نبی من الانبیاء

ایک نبی کے زمانے میں آفتاب ٹھہر جانے کا معجزہ

(۱۳۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَزَا نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ لَا یَتَّبِعْنِیْ رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَءَةٍ وَ هُوَ یُرِیْدُ اَنْ یَّبْنِیَ بِهَا وَ لَمَّا

(۱۳۳۷) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے جہاد کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنی فوج سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا: میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے نکاح کیا ہو[1] اور وہ شخص بھی اس نے اپنی بی بی سے صحبت نہ کی ہو اور

☜ ..... حیوانات کی عام عادت کی بجائے خاص آپ کے ادب واحترام کے واقعات میں شمار کرلیا ہے تو یہ کوئی بڑا جرم نہیں کیا بالخصوص جب کہ یہاں اس کا ایک واضح ثبوت بھی موجود ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ جیسی صاحب فہم جو اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے والی تھیں وہ اس واقعہ کو معمولی واقعہ کی طرح ادا نہیں فرماتیں' بلکہ اس کو اس جانور کے ادب واحترام کا احساس ہی قرار دیتی ہیں' یہاں ان کے آخری الفاظ پر غور فرمایئے ''مبادا آپ کو تکلیف ہو۔'' اب اگر واقعہ کا مشاہدہ کرنے والی بی بی صاحبہ واقعہ کو ایک غیر معمولی بات کی فہرست میں شمار کر رہی ہیں تو مشاہدہ نہ کرنے والوں کو آخر حق کیا ہے کہ وہ اس کو ایک معمولی واقعہ کی فہرست میں داخل کرنے کی سعی فرمائیں۔ تعجب ہے کہ انکار معجزات کی دھن میں یہاں ''وحش'' کا ترجمہ پالتو جانور کیا گیا ہے حالانکہ روایت میں صاف ''وحش'' کا لفظ موجود ہے' پھر اس واقعہ کے متعلق یہ لکھ دینا کتنی بڑی جرأت ہے کہ:

''درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں' بلکہ عام لوگوں سے بھی جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں''۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے:

وکان یحترمه و یوقره و یبجله. یعنی یہ جانور آپ کا احترام اور آپ کی تعظیم بجالاتا تھا۔

(۱۳۳۷) ✱ یہ پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ شام کے ملک ایحاء شہر میں جمعہ کے دن یہ لڑائی ہوئی تھی۔ سرسری نظر میں یہ معجزہ ایک ہی معجزہ نظر آتا ہے لیکن اگر اس حدیث پر آپ غور سے نظر ڈالیں تو یہ تین معجزات ہیں:۔

(۱) آفتاب ٹھہر جانا۔ یہ تو بہر حال معجزہ ہے خواہ زمین کو متحرک کہیں یا آسمان کو اس الجھن میں پڑنا ہم نہیں چاہتے جو بطلیموس اور موجودہ فلسفے میں ابھی تک زیر نگاہ ہے جس کے دلائل درسی کتابوں میں پہلی کتاب ''ہدیہ سعیدیہ'' میں جانبین کی طرف سے جمع کر دیئے گئے ہیں۔

(۲) آگ کا آسمان سے آنا اور جمع شدہ مال کو نہ جلانا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات عام عادت کے خلاف ہے اور جب یہ غور کیا جاتا ہے کہ وہ آگ حلال اور حرام مال میں بھی فرق کرتی تھی تو تعجب اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بہر حال جیسا کچھ بھی ہو اس آگ کی آمد اور اس کا یہ فعل ''احراق'' قرآن پاک سے بھی ثابت ہے۔ اس کو عالم کی عام عادات میں سے ایک لمحہ کے لیے بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ... الخ (آل عمران: ۱۸۳)

جن لوگوں نے یہ (غلط) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اس وقت تک اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ (سابقہ دستور کے مطابق) ہمارے پاس وہ آگ نہ لائے جو ہمارے صدقات کو کھا لیا کرے ☜ .....

---

[1] نیا نیا نکاح کیا ہو۔

www.besturdubooks.net

يَبْنِ بِهَا وَ لَا اَحَدٌ بَنٰى بُيُوْتًا وَ لَمْ يَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَرَجُلٌ اشْتَرٰى غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَ هُوَ يَنْتَظِرُ وِ لَا دَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّكِ مَاْمُوْرَةٌ وَ اَنَا مَاْمُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَ تْ يَعْنِى النَّارُ لِتَاْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ اِنَّ فِيْكُمْ غُلُوْلًا فَلْيُبَا يِعْنِى مِنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ يَدُرَجُلٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاءُ وْابِرَأْسٍ مِثْلِ رَاْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَ تِ النَّارُ فَاَكَلَتْهَا. (متفق عليه)

نہ وہ شخص چلے' جس نے مکان بنایا ہو اور ہنوز اس کی چھت نہ ڈالی ہو اور وہ شخص بھی نہ چلے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے جننے کا منتظر ہو (اس لیے کہ ان لوگوں کا دل ان چیزوں میں پڑا رہے گا اور وہ اطمینان سے جہاد نہ کرسکیں گے) یہ کہہ کر وہ پیغمبر جہاد کے لیے چلے اور عصر کے وقت یا عصر کے قریب اس بستی کے پاس پہنچے (جہاں ان کو جہاد کرنا تھا) تو پیغمبر نے سورج سے کہا تجھ کو غروب ہونے کا حکم ہے اور مجھ کو جہاد کا حکم- اے اللہ تھوڑی دیر کے لیے تو اس کو غروب ہونے سے روک دے (تاکہ ہفتہ کی رات نہ آ جائے کیونکہ ہفتہ کو جنگ کرنا ان کی شریعت میں درست نہ تھا اور یہ لڑائی جمعہ کے دن ہوئی تھی) چنانچہ سورج ٹھیر گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح نصیب فرمائی- پھر لوگوں نے مال غنیمت ایک جگہ لا کر جمع کر دیا حسب دستور اس کے جلانے کے لیے آسمان سے آگ آئی' لیکن اس نے نہ جلایا- اس پر ان پیغمبر نے کہا تم میں سے کسی شخص نے اس مال میں ضرور خیانت کی ہے' (جب ہی تو یہ مال قبول نہ ہوا) لہٰذا تم میں سے ہر ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے آ کر بیعت کرے- چنانچہ سب نے بیعت کی ایک شخص کا ہاتھ جب پیغمبر کے ہاتھ سے لگا تو ان کے ہاتھ سے چپک گیا- پیغمبر نے کہا بس یہ چوری تم ہی میں سے کسی نے کی ہے- اس پر انہوں نے بیل کے سر کے برابر سونا لا کر رکھ دیا اس کے بعد آگ آئی اور اس کو جلا گئی-" (بخاری و مسلم)

لــه ..... (۳) جس قبیلہ میں چوری واقع ہوئی تھی اس میں سے چوری کرنے والے شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے آ چپکنا نہ اس میں کوئی مادی سبب نظر آتا ہے اور نہ یہ آج تک اتنی تحقیقات کے بعد بھی عالم کی عادت قرار دیا جا سکتا ہے-

یہ تینوں معجزات اپنی نوعیت میں بالکل الگ الگ ہیں اس لیے ان تین کو ایک اور ایک کو تین والی منطق نہ سمجھنی چاہیے اور ثالث ثلاثہ کہہ کر اس پر انکار کا حکم بھی نہ لگانا چاہیے-

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ تو یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر اس سے بڑھ کر معجزہ تھا' کیونکہ کسی متحرک جسم کا ساکن ہو جانا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ ایک مضبوط جسم کے دو ٹکڑے ہو جانا عجیب ہے- تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام ص ۴۳ تا ۴۵ ملاحظہ فرمایئے-

حقیر کے نزدیک حبس الشمس سے رد الشمس بڑھ کر ہے کیونکہ حبس الشمس ایک کرہ کا اپنے مدار پر توقف کا نام ہے اور رد الشمس میں حرکت معکوس ہے اور ظاہر ہے کہ توقف کی نسبت معکوس حرکت زیادہ مشکل ہے- واللہ تعالیٰ اعلم' لیکن حضرت مولانا نے جو مثال پیش فرمائی ہے وہ رد الشمس سے بھی زیادہ بدیہی اور واضح ہے جیسا کہ ان کی تقریر سے ظاہر ہے-

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و معجزة رد الشمس له صلوات الله و سلامه عليه

(۱۳۳۸) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالصَّهْبَاءِ ثُمَّ اَرْسَلَ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَدْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهٗ فِيْ حِجْرِ عَلِيٍّ فَلَمْ يُحَرِّكْهُ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ عَلِيًّا احْتَبَسَ بِنَفْسِهٖ عَلٰى نَبِيِّكَ فَرُدَّ عَلَيْهِ شَرْقَهَا. قَالَتْ اَسْمَاءُ فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى وَقَعَتْ عَلَى الْجِبَالِ وَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ فَتَوَضَّاَ وَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ غَابَتْ وَ ذٰلِكَ فِي الصَّهْبَاءِ.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے سورج کا مشرق کی جانب لوٹ آنے کا معجزہ

(۱۳۳۸) اسماءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی اور نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت علی کو بلایا (حضرت علیؓ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی) جب وہ تشریف لائے تو آپ نے ان کی گود میں اپنا سر مبارک رکھا (اور آپ کی آنکھ لگ گئی) حضرت علیؓ نے آپ کو بیدار کرنا پسند نہیں کیا (اور تیسری جلد میں گذر چکا ہے کہ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو خواب سے بیدار نہ کرنے کا دستور تھا) یہاں تک کہ آفتاب قریب الغروب ہو گیا (اور عصر کی نماز کا وقت نکل گیا) جب آپ کی آنکھ کھلی تو (آپ نے دیکھا کہ حضرت علی کی نماز عصر کا وقت جا تا رہا تو آپؐ نے دعا فرمائی' خدایا تیرا بندہ علیؓ تیرے نبی کی خدمت میں تھا (اور اس کی نماز عصر جاتی رہی) تو تو آفتاب کو پھر مشرق کی جانب لوٹا دے۔ اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ آفتاب اتنا لوٹ آیا کہ اس کی دھوپ پہاڑوں پر اور زمین پر پھر پڑنے لگی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اٹھے اور وضو فرما کر عصر کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آفتاب غروب ہوا۔ یہ واقعہ مقام صہباء کا ہے۔ (مشکل الآثار)

اخرجه الامام الطحاوى فى مشكل الآثار ج ۱ ص ۱۱ وقال كل هذه الاحاديث من علامات النبوة وقد حكى =

(۱۳۳۸) * اس حدیث میں حضرت یوشع علیہ السلام کے ''معجزہ'' حبس شمس سے بڑھ کر آپؐ کا ایک ''معجزہ'' ردشمس کا منقول ہے۔ ترجمان السنہ جلد سوم میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اگر قدرتی طور پر سو جاتے تھے تو ان کو بیدار نہ کرنا یا امتوں کا ایک مستقل دستور تھا اور جب کسی شرعی عذر سے نماز جاتی رہے تو قدرت اس کی تلافی اور اپنے رسول کے اظہارِ عظمت کی خاطر اگر کوئی معجزہ دکھا دے تو یہ بالکل ممکن ہے۔ معجزات کا ظہور مشیتِ الٰہیہ اور اس کی حکمت پر موقوف ہے اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں کہیں آپ کی نماز کے قضا ہونے کا ذکر آئے وہاں اس قسم کے کسی معجزہ کا ظہور بھی لازم ہو۔

واضح رہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے حبس شمس کا معجزہ تو صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ اس میں تو کسی کو کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں لہٰذا عقلی اور تاریخی اور علم ہیئت کے جتنے اعتراضات یہاں پیدا ہوں' ان کا جواب پہلے وہاں سوچ لیجئے' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ پر کیا تعجب ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے معجزات میں سے ایک ''شق القمر'' بھی ہے ظاہر ہے کہ ردالشمس' شق القمر سے زیادہ عجیب نہیں ہے جب وہ مسلّم ہو چکا تو اس میں بھی تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ بعض کج فہم جماعتوں نے جب اس کو حضرت علیؓ کے فضائل میں شمار کر کے اس کی صحیح نسبت ہی کو مسخ کر ڈالا تو جو محدثین ان کی تردید کے درپے ہوئے انہوں نے اس حدیث ہی کو پھیکا کرنے کی سعی کی پھر یہ اسی ایک حدیث پر موقوف نہیں' بلکہ فضائل کی جتنی حدیثیں اس سلسلہ میں آئی ہیں وہ سب اسی بحث وتمحیص لله .....

www.besturdubooks.net

= عيسى بن عبدالرحمن بن المغيرة عن احمد بن صالح انه كان يقول لا ينبغي لمن كان سبيله العلم التخلف عن حفظ حديث اسماء الذي روى لنا عنه لانه من اجل علامات النبوة قال و هو حديث متصل و رواته ثقات و اعلال ابن الجوزي هذا الحديث لا يلتفت اليه و راجع فيض الباري شرحنا على صحيح البخاري ص ٤٦٣ من المجلد الثالث. قال الحافظ و اخطأ ابن الجوزي بايراده له في الموضوعات و كذا ابن تيمية في كتاب الرد على الروافض في زعم وضعه له و الله اعلم. فتح الباري ج ٦ ص ١٣٦.

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کی سب حدیثیں علاماتِ نبوت میں داخل ہیں۔ احمد بن صالح کہتے ہیں کہ جس شخص کا مشغلہ علم ہو اس کے لیے اس حدیث کے حفظ کرنے سے غفلت کرنی نہ چاہیے' کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور ہر راوی اپنے شیخ سے بلا واسطہ روایت کرتا چلا آیا ہے۔ یہاں ابن جوزی کا اس حدیث کو معلول کرنا کچھ قابل التفات نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگا دینے میں غلطی کی ہے۔

ﷺ ..... کے چکر میں پڑ گئی ہیں' لیکن جب کہ مستند محدثین اس کو صحیح شمار کر رہے ہوں تو پھر آپ کے انصاف کا پلہ ان منکرین ہی کی طرف کیوں جھکتا ہے کیا یہ اسی اصول پر مبنی نہیں کہ جہاں کسی معجزہ کے باب کی حدیث میں دو پہلو نظر آئیں' وہاں اسی پہلو کو ترجیح دے دی جائے' جس میں اس معجزہ کا انکار نکلتا ہو۔

مکن اے بتاں خراب دلم   آخر ایں خانہ راخدائے ہست

ہمارے نزدیک جن طبائع پر یہ غلط نقش قائم ہو گیا ہے کہ محدثین نے آپ کے معجزات میں انبیائے سابقین کے معجزات کی مثالیں زبردستی نکالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ خدا ان کو معاف کرے انہوں نے معجزات کی تفہیم کی خاطر خود اپنے عقائد ہی زخمی کر ڈالے۔

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی   یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

تنبیہ: حدیث مذکور میں ہم نے غابت کا ترجمہ قریب الغروب کر دیا ہے یہ کسی ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں' بلکہ ایک صریح اور صحیح حقیقت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ احادیث میں اصفرارِ شمس کو غیوبتِ شمس سے متعدد مقامات پر تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا نکتہ یہ ہے کہ اس وقت شرعی نظر میں عصر کا وقت گویا ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اصفرت الشمس کو غابت الشمس سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ جمع بین الصلوتین کی احادیث پر نظر رکھنے والوں کے لیے یہ محاورہ مخفی نہ ہوگا اور اس کی وجہ عبداللہ الصنابحی کی حدیث میں مرفوعاً مالک' احمد و نسائی کے یہاں اس طرح مذکور ہے: **فاذا دنت للغروب قارنها فاذا غربت فارقها**. یعنی آفتاب کے ساتھ شیطان کی مقارنت اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب سے کہ وہ قریب الغروب ہوتا ہے پھر وہ اس کے غروب ہونے تک باقی رہتی ہے۔ اسی لیے طلوع و غروب میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے اور اسی لیے قریب الغروب کو غروب سے ادا کیا گیا ہے اور یوں بھی قریب الوقوع کو واقع سے تعبیر کرنا قرآن کریم کا عام محاورہ ہے اس سے زیادہ اس کو طول دینا اضاعتِ وقت ہے۔

تنبیہ: حدیث کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ مخفی نہیں ہے کہ جب روافض و دیگر اقوام نے حضرت علیؓ وغیرہ کے مناقب میں بے سروپا احادیث نقل کرنا شروع کیں تو ان کے مقابلے میں بعض تیز مزاج محدثین نے کچھ صحیح احادیث کو بھی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

www.besturdubooks.net

1

الرسول الاعظم و تظليل السحابة عليه صلوات الله و سلامه عليه

(١٣٣٩) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ اَتٰى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدَّ عَلَيْكَ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ قَالَ لَقَدْ لَقِيْتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيْتُ وَ كَانَ اَشَدُّ مَا لَقِيْتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِيْ عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيْلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِيْ اِلٰى مَا اَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَ اَنَا مَهْمُوْمٌ عَلٰى وَجْهِيْ فَلَمْ اَسْتَفِقْ اِلَّا وَ اَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ فَاِذَا اَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ اَظَلَّتْنِيْ فَنَظَرْتُ فَاِذَا فِيْهَا جِبْرَئِيْلُ فَنَادَانِيْ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَ مَا رَدُّوْا عَلَيْكَ وَ قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ اِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَاْمُرَهٗ بِمَا شِئْتَ فِيْهِمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ فگن ہونے کا معجزہ

(١٣٣٩) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا' کیا غزوۂ احد سے بڑھ کر بھی کوئی اور سخت وقت آپ پر گذرا ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تمہاری قوم کی طرف سے جو جو مصائب میں نے برداشت کیے وہ تو کیے ہی تھے' لیکن ایک بڑا سخت وقت مجھ پر وہ گذرا ہے جب کہ میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا تو اس نے میری مرضی کا جواب نہ دیا اور صاف انکار کر دیا- میں سر جھکائے مغموم چلا آ رہا تھا مقام قرن الثعالب پر آ کر ذرا میری طبیعت سنبھلی تو میں نے اپنا سر اٹھایا' کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے- اس کی طرف نظر کی دیکھا تو اس میں جبرئیل علیہ السلام موجود ہیں اور فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہاڑوں پر مؤکل فرشتہ کو بھیجا ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق جو چاہیں اس کو حکم دیں- اس کے

(١٣٣٩) * جو لوگ مشرکین عرب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمناؤں کا اندازہ رکھتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ پیہم ناکامیوں کے بعد جب یہاں بھی آپ کو ناکامی کا سامنا ہوا ہو گا تو آپ کے قلب مبارک پر کیا کچھ گذرا ہو گا- نبوتِ عامہ کے بارِ عظیم کی ذمہ داری ادھر پہلے ہی مراحل میں ناکامیوں پر ناکامیاں بس آپ کے قلب مبارک پر غم کے پہاڑ توڑ رہی تھیں- مشکلات سہتے سہتے انسان کو کچھ برداشت کی عادت پڑ جاتی ہے' لیکن ابتدائی قدم پر جو خلافِ امید ناکامی پیش آتی ہے وہ بہت صبر آزما ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ جس طرح آپ کی تسلی کے لیے یہاں قدرت نے اپنی طاقت کا مظاہرہ فرمایا تھا اس طرح کہیں کم ہی پیش آیا ہے- صحیح بخاری کی اس روایت میں صاف موجود ہے کہ میرے اوپر ایک بادل کا ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا- پھر اگر بحیرا کے ایک واقعہ میں آپ کے اوپر بادل کا سایہ کرنا مذکور ہے تو آپ اس سے اتنے سراسیمہ کیوں ہوتے ہیں- جس پر رحمتِ باری تعالیٰ سایہ فگن رہتی ہو اس پر اگر سو بار بادل سایہ کرے تو تعجب کیا ہے-

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس سب سے بڑھ کر صبر آزما موقعہ پر آپ کا جواب کتنی بڑی عالی حوصلگی کا ہے- زیادہ تفصیل کی اب وقت میں گنجائش نہیں-

تنبیہ: تعجب ہے کہ محدثین اور سیرت نگاروں نے بڑی مشکل سے بحیرا راہب کے قصہ میں آپ کے اوپر ایک بادل کے سایہ فگن رہنے کو تسلیم کیا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا واقعہ نقل نہیں کیا' حالانکہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی صاف صاف الفاظ میں موجود ہے- اب اگر ..... للہ

www.besturdubooks.net

فَنَادَانِیْ مَلَکُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَیَّ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ فَقَالَ ذٰلِکَ فَمَا شِئْتَ اِنْ شِئْتَ اُطْبِقُ عَلَیْهِمُ الْاَخْشَبَیْنِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَحْدَهٗ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا. (رواہ البخاری)

بعد ملک الجبال (پہاڑوں پر مؤکل فرشتہ) نے مجھ کو سلام کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ درست بات ہے اب فرمایئے کیا حکم فرماتے ہیں اگر حکم ہو تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان ان سب کو کچل ڈالوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! نہیں نہیں مجھ کو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں کوئی بندہ ایسا پیدا کرے گا' جو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرے۔ (بخاری شریف)

الرسول الاعظم و کلام السباع فی زمانه صلوات الله و سلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ باسعادت میں بعض اوقات درندوں کا آدمیوں کی طرح کلام کرنا

(۱۳۴۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ فَاَخَذَهَا فَطَلَبَهُ الرَّاعِیْ فَانْتَزَعَهَا مِنْهُ فَاَقْعَی الذِّئْبُ عَلٰی ذَنَبِهٖ فَقَالَ اَلَا تَتَّقِی اللّٰهَ تَنْزِعُ مِنِّیْ رِزْقًا سَاقَهُ اللّٰهُ اِلَیَّ؟ فَقَالَ یَا عَجَبًا ذِئْبٌ مُقْعٍ عَلٰی ذَنَبِهٖ یُکَلِّمُنِیْ کَلَامَ الْاِنْسِ. فَقَالَ الذِّئْبُ اَلَا اُخْبِرُکَ بِاَعْجَبَ مِنْ ذٰلِکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَثْرِبَ یُخْبِرُ النَّاسَ بِاَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ قَالَ فَاَقْبَلَ الرَّاعِیْ یَسُوْقُ غَنَمَهٗ حَتّٰی دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ فَزَوَاهَا اِلٰی زَاوِیَةٍ مِّنْ زَوَایَاهَا ثُمَّ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

(۱۳۴۰) ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بھیڑیئے نے کسی بکری پر حملہ کیا اور اس کو جا دبایا۔ چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا دم دبا کر بیٹھ گیا اور یوں بولا: او چرواہے! تجھ کو خدا کا خوف نہیں آتا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رزق عطا فرمایا تھا اور تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ یہ سن کر چرواہا کہنے لگا' کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایک بھیڑیا دم دبا کر بیٹھا ہوا کس طرح انسانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ بھیڑیئے نے جواب دیا میں تجھ کو اس سے بڑھ کر ایک اور عجیب بات سناتا ہوں اور وہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں لوگوں کو وہ خبریں بتا رہے ہیں جو گذر چکی ہیں۔ چرواہا اپنی بکریاں ہانکتا ہوا مدینہ میں پہنچا اور ان کو ایک کنارہ میں کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سارا ماجرا عرض کیا آنحضرت

ؒ ..... معجزات سے منحرف طبائع پر یہ گراں ہو تو ان کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بھی تاویل کر ڈالیں۔ بہرحال عربی میں اس کے لیے "تظلیل سحابه" سے زیادہ واور کوئی صریح لفظ نہیں ہو سکتا' مگر تاویل کا قلم کہیں روکا نہیں جا سکتا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ.

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب آپ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا تو اس میں سے جبرئیلؑ کی وہ آواز سنی جو اوپر منقول ہوئی اس لیے اس کو اتفاقیات پر محمول کرنا غیر معقول ہے درحقیقت یہ بادل قصداً قدرت کی طرف سے آپ پر سایہ کرنے کے لیے مامور تھا تا کہ اگر ایک طرف لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا ہو تو دوسری طرف رحمت الٰہی کا آپؐ کے ساتھ ہونا آپ کے سامنے ہو۔

(۱۳۴۰) ٭ گذشتہ جلدوں میں آپ بہائم کے کلام کی چند حدیثیں پڑھ چکے ہیں ہمارے نزدیک جس دور میں حیوانات کا ارتقائی حرکت سے انسان بن جانا قابل تسلیم حقیقت ہو' وہاں حیوانات کی صرف زبان کا ارتقاء کوئی تعجب کی بات نہ رہنی چاہیے بالخصوص جب کہ ؒ .....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُوْدِيَ الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ لِلْاَعْرَابِيِّ اَخْبِرْهُمْ فَاَخْبَرَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْاِنْسَ وَ يُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهٖ وَ شِرَاكُ نَعْلِهٖ وَ يُخْبِرُهٗ فَخِذُهٗ مَا اَحْدَثَ اَهْلُهٗ بَعْدَهٗ. (رواه الامام احمد. وفي رواية عن ابي هريرة قال و كان الراعي يهوديا فاسلم وقال فيه اعجب من هذا رجل في النخلات بين الحرتين يخبركم بما مضى و بما هو كائن بعدكم. و كذالك رواه الترمذي. و قال بيهقي اسناده صحيح و راجع ترجمان السنة ج ۲ ص ۱۲ و قد رواه ابن كثير عن الامام احمد بطريقين و حكم على واحد منهما انه اسناد على شرط السنن ج ۵ ص ۹۵ و عن الآخر انه اسناد على شرط الصحيح ج ۶ ص ۱۴۳ البدايه و النهايه.)

صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے حکم دیا۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ نماز تیار ہے۔ اس کے بعد آپ تشریف لائے اور اس گنوار سے فرمایا ان لوگوں کو بھی وہ بات سنا دو۔ اس نے جو واقعہ دیکھا تھا من وعن سب بیان کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ”یہ سچ کہتا ہے' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آئے گی جب تک کہ درندے انسانوں سے باتیں نہ کرنے لگیں اور جاندار تو درکنار آدمی کے چابک کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ بھی اس سے باتیں کرے گا' بلکہ خود انسان کی ران یہ بتائے گی کہ اس کے جانے کے بعد اس کی بی بی نے کیا کیا ہے۔ (مسند احمد)

بیہقی اور ترمذی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ وہ چرواہا یہودی تھا یہ ماجرا دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ بھیڑیئے نے کہا کہ ایک بات اس سے بھی عجیب تر ہے کہ ایک شخص جو کھجوروں کے باغ میں دو سنگستانوں کے درمیان واقع' ہے (یعنی مدینہ طیبہ میں) تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۲ ص ۲۱ بھی معنونٹ کے ملاحظہ فرمالیجئے۔

لہ..... حیوانات میں سے طوطا اور مینا جیسے جانوروں میں اب بھی اس صلاحیت کا ثبوت ملتا ہے' مگر تعجب ہے کہ یہاں جو انسان حیوانات کی ذات میں ارتقاء پر ایمان لا سکتا ہے وہی ان کی آوازوں کی ارتقاء پر مذاق اڑاتا نظر آتا ہے۔ قتل الانسان ما اکفره.

حدیث مذکور میں اس قسم کے خوارق عادات پر تعجب کرنے والوں کے لیے اس بھیڑیئے کی تقریر قابل یادداشت ہے۔ کہ جب ایک انسان رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے اثبات میں گذشتہ و مستقبل واقعات کے دفاتر کھول کھول کر بیان کرتا ہے تو پھر اس عجیب حقیقت کی تصدیق کر لینے کے بعد دوسرا واقعہ کون سا ہے' جس کی تصدیق کرنا اس سے بھی عجیب تر ہو۔

بے شک الوہیت اور رسالت کا تسلیم کرنا سب سے عجیب بات کی تصدیق کرنا ہے اور اگر یہ عجیب بات کچھ وجوہات کی بنا پر قابل تسلیم ہے تو پھر ایک یہی معجزہ نہیں جتنے اور بعید سے بعید معجزات ہیں' ان کی تصدیق کرنے میں بھی کوئی تردد نہ ہونا چاہیے جیسا کہ شب معراج کے سفر پر جب مشرکین مکہ نے مذاق اڑایا تو صدیق اکبرؓ نے ان کو یہی مسکت جواب دیا تھا کہ جب ہم آسمان کی خبروں پر آپ کی تصدیق کر چکے تو بیت مقدس کا سفر تو ایک زمین ہی کی خبر ہے اس کی تصدیق کرنے میں ہم کو کیا تامل ہو سکتا ہے۔ حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات اس وقت خوارق عادت میں شامل تھی وہ قرب قیامت میں عادات میں داخل ہو جائے گی۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۲ ص ۲۱ کا نوٹ ضرور ملاحظہ کر لیں۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و شق صدره ليلة المعراج صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شبِ معراج کا سفر کرنے سے قبل آپ کے شق صدر کا واقعہ

(۱۳۴۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِيَ بِهٖ بَيْنَمَا اَنَا فِي الْحَطِيْمِ وَرُبَمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِيْ اٰتٍ فَشَقَّ مَا بَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ يَعْنِيْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰى شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ

(۱۳۴۱) مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس شب کا واقعہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت مقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی' اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور کبھی حجر کا لفظ کہا (مراد دونوں کی ایک ہے) کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہاں سے لے کر یہاں تک میرا

(۱۳۴۱) ٭ شق صدر کا ایک واقعہ جو آپ کی عہد طفولیت کا تھا- اس کا مفصل تذکرہ ترجمان السنہ جلد سوم میں گذر چکا اب یہ دوسرا واقعہ ہے جو ایسے شرف کی تمہید کے لیے مقدر ہوا جس کے سامنے ملکوتی طاقتیں بھی یہ کہنے لگیں۔

اگر یک سرموے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اس لیے اس واقعہ کے تعدد میں شبہ اسی کو ہو سکتا ہے جس کے ذہن میں واقعہ معراج کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو- ایک ارضی مخلوق کو ساویات اور فوق السمٰوات کی سیر معمولی بات نہیں- یہ شرف دنیا میں صرف ایک ہی رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور وہ بھی تمام عمر میں بحالت بیداری صرف ایک بار' پھر عہد طفولیت کا واقعہ دوسروں کا چشم دید تھا اور یہ واقعہ خود آپ کی زبان فیض ترجمان کا بیان کردہ ہے- ایک برق رفتار سواری پر سوار ہونا اور سمٰوات کو طے کر کے فوق السموات تک جا پہنچنا اس کے لیے قلب میں کتنی کہربائیتِ الٰہیہ کی طاقت درکار ہوگی- ایک مادی طبیعت بھلا اس کا کیا اندازہ کر سکتی ہے- اگر اس کو بھی شرح صدر بنا ڈالا جائے تو شق صدر سرے سے احادیث میں معدوم ہو جائے گا اور پھر کیا یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ جب شرح صدر آپ کے زمانہ طفولیت میں ہو چکا تھا تو پھر قبل از معراج دوبارہ اس کے ہونے کی ضرورت کیا تھی' مگر جو شخص حدیث سے بے خبر ہو اس کی نظر عقلی دائرہ میں اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوتا ہے کہ جو شق کی تفاصیل احادیث میں موجود ہیں کیا ان کو شرح صدر پر محمول کرنا معقول ہے- یہاں صرف ایک شق کے لفظ پر بحث نہیں' بلکہ غور کرنا یہ ہے کہ شق کی جو تفصیلی کیفیات آئی ہیں کیا وہ بھی اس تاویل کی متحمل ہو سکتی ہیں یا نہیں- مثلاً ایک فرشتہ کی آمد اور شکم مبارک کا اس کا چاک کرنا اور حدود شق کی تحدید کرنا اور پھر قلب مبارک کو باہر نکالنا پھر ایک طشت میں اس کو دھونا اور اس طشت کا سونے کا ہونا پھر اس پانی کا نام لے کر ماءِ زمزم بتانا اسی طرح سے پھر اس کی درستگی کی تفصیلی کیفیت بیان کرنا اگر ان سب چیزوں کا نام شرح صدر ہو تو کیا یہ تاویل ہوگی یا الفاظ کا مسخ کرنا ہوگا اور اس طرح کی تاویلات کرنے سے جن کے لیے الفاظ میں گنجائش نہ ہو کیا شریعت سے امان اٹھا دینا نہیں ہے- اگر یہ شق صدر بہ معنی شرح صدر ہوا ہے جو بقول منکرین ہر نبی کو حاصل ہوتا ہے تو کیا ان تفصیلات کا ثبوت کسی نبی کی زندگی میں پیش کیا جا سکتا ہے' یہ شرح صدر بھی عجیب تھا' جس کو ہر نبی کے لیے ثابت کیا جائے مگر شق کی ان تفصیلات کا ثبوت گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے جم غفیر میں سے کسی ایک کے اندر بھی پیش نہ کیا جا سکے- يا للعجب و لضيعة الادب.

پھر اب اس پر بھی غور کر لینا چاہیے کہ ابتداء نزول وحی میں جبرئیل علیہ السلام کا آپ کو اپنی طرف تین بار کھینچنا اور ہر بار ..... بقیہ

www.besturdubooks.net

قَلْبِیْ ثُمَّ اُتِیْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَھَبٍ مَمْلُوْ اِیْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِیْ ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ اُعِیْدَ وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ ایمانا وحکمۃ ثم ذکر قصۃ المعراج بتمامھا.

(مشکوٰۃ ص ٥٢٦)

پیٹ چاک کیا' یعنی کوڑی کے پاس سے لے کر زیر ناف تک پھر اس نے میرے قلب کو نکالا اور اس کے بعد ایک سونے کا طشت ایمان وحکمت سے بھرا ہوا لایا گیا اور اس فرشتے نے میرے قلب کو زم زم سے دھویا اور پھر واپس اس کو اپنی جگہ رکھ دیا۔

(مشکوٰۃ شریف)

(١٣٤٢) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ کَانَ اَبُوْذَرٍّ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ سَقْفِیْ وَاَنَا بِمَکَّۃَ فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ فَفَرَجَ صَدْرِیْ ثُمَّ غَسَلَہٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَھَبٍ مُمْتَلِئٍ حِکْمَۃً وَاِیْمَانًا فَاَفْرَغَھَا فِیْ صَدْرِیْ ثُمَّ اَطْبَقَہٗ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَعُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ لِخَازِنِ سَمَاءِ الدُّنْیَا اِفْتَحْ قَالَ مَنْ ھٰذَا قَالَ جِبْرَئِیْلُ. (رواہ البخاری ص ٢٢١)

(١٣٤٢) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں تھا کہ میرے مکان کی چھت کھولی گئی اس میں سے جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے انہوں نے میرے سینے کو چاک کیا اور اسے زم زم کے پانی سے دھویا پھر سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا اسے میرے سینے میں انڈیل دیا اس کے بعد میرے سینے کو ملا دیا پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے چلے وہاں پہنچ کر جبرئیل نے آسمان کے داروغہ سے کہا دروازہ کھولو داروغہ نے پوچھا کون ہے انہوں نے کہا میں جبرئیل ہوں۔

لله ..... (اقرأ) کہنا اور آپ کا ہر بار (مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ) کا جواب دینا یہ کس لیے ہوگا۔ کیا پہلی ہی بار آپ پڑھنا شروع نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے آپ کو کچھ اندازہ لگ سکتا ہے کہ ارضی مقدس رسول کو سماوی قدوسیوں سے خلا وملا پیدا کرنے میں کچھ صعوبتیں ضرور ہوں گی' پھر جب نزول وحی کی ابتداء ہی میں ہم کو تکرار ملتا ہے تو شق صدر کے تکرار میں ہم سے یہ ''تکرار'' کیوں ہے بالخصوص جب کہ سیر معراج کا انتہائی مقصد اس کا دیدار ہو۔ جس کی شان یہ ہو کہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَ ھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ. یہاں ہم کو دیدار الٰہی کی کیفیات پر بحث کرنی نہیں ہے' کیونکہ یہ ہماری عقول سے بالاتر بات ہے۔

تو کارے زمیں رانکو ساختی   کہ با آسماں نیز پر داختی

یہاں پہنچ کر یہ کہہ کر قلم رکھ دینا پڑتا ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تافتن   کہ جاہا سپر باید انداختن

و اللہ تعالٰی اعلم باسرارہ.

(١٣٤٢) * ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صرف پہلی روایت کی تائید میں پیش کی گئی ہے اس میں بھی شق صدر کی وہی تمام تفصیلات ذکر کی گئی ہیں جو پہلی روایت میں مذکور ہیں اور وہ کسی طرح شرح صدر اور علم لدنی پر منطبق نہیں ہوسکتیں۔ شب معراج کا واقعہ جن جن صحابہؓ سے مروی ہے' ان کے ناموں کی تفصیلات اور مع ان کتابوں کے حوالجات کے ترجمان السنہ جلد سوم میں مذکور ہیں۔ اس حدیث کا اردو ترجمہ تقریباً وہی ہے' جو ابھی پہلی حدیث کا ترجمہ گذرا اس حدیث کو صرف دوسرے گواہ کے طور پر کیا گیا ہے۔ نہ معلوم منحرف اور کج طبائع ان احادیث کی بھی کیا تاویل کر ڈالیں۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم ورفع الحجابات بینه وبین بیت المقدس عند سوال قریش بعد القفول من سفره صلوات الله وسلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج سے واپسی کے بعد بیت مقدس کے نقشے کے متعلق قریش کا سوالات کرنا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے پردے اُٹھا دینا اور آپؐ کا ان کو جوابات دیتے جانا

(۱۳۴۳) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ وَ قُرَیْشٌ تَسْاَلُنِیْ عَنْ مَسْرَایَ فَسَاَلَتْنِیْ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ اُثْبِتْهَا فَکُرِبْتُ کَرْبًا مَا کُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ مَا یَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ ثُمَّ ذَکَرَ لِقَاءَهٗ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَ نُعُوْتَهُمْ.

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۲۹)

(۱۳۴۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم میں کھڑا ہوا تھا اور قریش مجھ سے میرے شب میں سفرِ معراج کے متعلق امتحاناً طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے بیتِ مقدس کی بہت سی چیزوں کے متعلق بھی مجھ سے کھود کرید کرنی شروع کی جو مجھ کو ٹھیک ٹھیک یاد نہ رہی تھیں تو اب مجھے (ان کے تکذیب کے اندیشے سے) ایسی بے چینی پیش آئی کہ اس سے پہلے ایسی کبھی نہ پیش آئی تھی (قدرت کا کرشمہ دیکھو) کہ حق تعالیٰ نے بیت مقدس کو میرے سامنے اس طرح کر دیا کہ میں اس کو دیکھ دیکھ کر ان کے ہر ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ اس کے بعد آپ نے انبیاء علیہم السلام سے اپنی ملاقات اور ان کی صورتوں کا بیان کیا۔

(۱۳۴۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا کَذَّبَنِیْ

(۱۳۴۴) جابرؓ سے روایت ہے کہتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ جب قریش نے میری تکذیب کرنی شروع کی' اس

(۱۳۴۴) ✻ معراج کا عظیم الشان واقعہ ایسا واقعہ ہے کہ جس کا تذکرہ صحف سماویہ میں بھی موجود ہے' جیسا کہ ترجمان السنہ جلد سوم میں مع حوالہ کے گذر چکا ہے۔ جب یہ واقعہ دنیا میں ظاہر ہوا تو اس نے دنیا میں ایک ہل چل مچا دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی واقعہ کی بدولت صدیق اکبر ٹھہرے۔ کفار نے لایعنی سوالات کا ایک ڈھیر لگا دیا اور اس واقعہ کے اپنے عقول خام کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایک سوال یہ بھی کھڑا کر دیا کہ ایک ہی رات میں بیتِ مقدس جا کر واپس آنا یہ (اس زمانے میں) کیسے ممکن ہے اور آپ سے بیتِ مقدس کے متعلق بے معنی سوالات شروع کر دیے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مقام پر مدعو ہو کر جاتا ہے تو کیا وہ نظریں اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا بھی ہے یا اس کو خفیف حرکت شمار کرتا ہے۔ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو سیر آیاتِ کبریٰ کے نظارہ کے لیے گیا ہو' اس کو چھتوں کی کڑیاں اور ستون گننے سے کیا غرض۔ مگر جہل وعناد کا علاج کیا' مقصد اصل آپ کی تکذیب تھی' خواہ معقول طریقے سے ہو یا نامعقول طریقے سے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ پر پریشانی کا جو عالم ہو گا اس کا اندازہ ایک صادق القول نبی کے سوا دوسرا نہیں کر سکتا۔ افتمارونه علی مایری. ادھر خدائے قدوس کی یہ قدرت ونصرت کہ اس نے اپنے رسول کی اظہارِ صداقت کے لیے آن کی آن میں بیت مقدس سے حجابات اٹھا دیے ادھر کفار سوالات کرتے رہے ادھر آپ بیت مقدس کا مشاہدہ کرتے رہے اور ہر ہر بات کا جواب عنایت فرماتے ہے......

www.besturdubooks.net

قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُ هُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَ أَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ. (متفق علیه. مشکوٰۃ ص ۵۳۰)

وقت میں حطیم میں کھڑا تھا کہ حق تعالیٰ نے میرے اور بیتِ مقدس کے درمیان سب پردے اٹھا کر اس کو اس طرح سامنے کر دیا کہ میں اس کے ایک ایک نشان کی خبر دیکھ دیکھ کر ان کو دیتا رہا۔

⁂ ..... رہے۔ آخر کفار لاجواب ہو کر رہ گئے اور ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ یہ واقعہ ایک بیداری ہی کا واقعہ تھا' بلکہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی تشریف کا ایک عدیم النظیر نظارہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اس واقعہ کو خواب کا واقعہ قرار دیا جائے تو صحف سابقہ میں ایک خواب کا تذکرہ کیوں ہوتا اور مخالفین میں ہل چل کیوں مچتی اور بیتِ مقدس کے متعلق آپ سے وہ سوالات کیوں کیے جاتے جو ایک چشم دید واقعہ کے متعلق کیے جاتے ہیں۔ آخر آپ خواب میں ایک بار خود حق جل وعلیٰ کی زیارت سے مشرف ہوئے اس وقت کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگی اور کسی میں کوئی کھلبلی نہ پڑی کیونکہ یہ ایک خواب کی بات تھی جو بار ہا ذکر میں بھی آئی پھر مخالفین نے اس کو سنا بھی اور سن کر اڑا دیا اور ایک سوال تک بھی آپ سے کرنا حدیث میں میری نظر سے کہیں نہ گذرا' پھر سیر معراج کا واقعہ اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں کیا نئی بات تھی کہ آسمان سے لے کر زمین تک ایک شور بپا ہو جاتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جیسا کہ اکثر احادیث میں موجود ہے صرف بیداری کا واقعہ تھا۔ اس عظیم واقعہ کو جو آپ کے لیے طغرۂ امتیاز تھا اہل حقائق کا عالم مثال اور برزخ کی اصطلاحات کو نہ سمجھ کر صرف خیالی قرار دے ڈالنا ہمارے نزدیک تو خام خیالی ہے اور بس واللہ المستعان علی ماتصفون.

تنبیہ: خالق کون ومکان نے دنیا کی عمر میں یہ محفل ایک ہی بار اور ایک ہی شخصیت کے لیے سجائی اور کیا خوب سجائی جس کو سن کر بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ نکلتا ہے' مگر اس نے اس سیر کی ابتداء کا تذکرہ سبحان الذی اسری بعبدہ کہہ کر اس کی شان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اللہ اکبر کہ اس سیر عظیم کی غایت خود ہی بیان فرما دی یعنی لنریہ من ایتنا الکبری تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ سیر صرف آپ کو اپنے عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کرانے کے لیے تھی۔ کاش کہ کوئی اہل علم ہوتا جو یہاں گن گن کر ان آیات کو شمار کراتا تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیتے کہ تنہا سیر معراج ایک معجزہ نہیں بلکہ نہ معلوم قرآنی زبان میں اپنے دامن میں آیاتِ کبریٰ کے کتنے لعل وجواہر لیے ہوئے ہے جن میں سے کچھ احادیثِ متفرقہ میں مل سکے اور بہت کچھ علم پروردگار میں باقی رہ گئے فاوحی الی عبدہ ما اوحی. اب وہ کیا تھے اس کی خبر کس کو لگ سکتی ہے اگر کوئی باہمت اس کام کو انجام دیتا تو یہ اس کا نصیب۔ میں تو بستر علالت پر پڑا ہوا حسرت کے ساتھ اس حقیقت کی طرف متوجہ کر رہا ہوں تاکہ عشق نبویؐ میں ڈوبے ہوئے قلوب کا شکوہ کرنے والے ذرا تو کچھ شرمندہ ہوں اور سمجھ لیں کہ جب اس واقعہ کا حال یہ ہے تو پھر قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اب آخر میں عاجز آ کر بصد حسرت وارمان یہ شعر کہتا ہوں ۔

ہر بات ہے نرالی تو ہر شان ہے نئی
لکھ لکھ کے تھک رہا ہوں یہ شان حضور ہے

اللھم صل وسلم و بارک علی سیدنا محمد الذی ھو صاحب البراق و المعراج و ایاتک الکبری بعدد کل معلوم لک.

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و معجزته الباهرة فی السمویات یعنی شق القمرله صلوات الله و سلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر ایک عظیم الشان معجزہ یعنی شق قمر

(۱۳۴۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرِيَهُمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ وفی روایة شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَئَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا. رواه البخاری فی باب علامات النبوة و باب انشقاق القمر. و عند الترمذی فنزلت اقتربت الساعة و انشق القمر الی قوله سحر مستمر.

(۱۳۴۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی فرمائش کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ دکھایا' یہاں تک کہ انہوں نے کوہِ حراء کو ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھ لیا۔ (متفق علیہ) ترمذی میں یہ اضافہ اور ہے کہ اس کے بعد ہی سورۂ قمر نازل ہوگئی۔ (گویا یہی معجزہ اس کا مصداق ہے)۔

(۱۳۴۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِقَّتَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْهَدُوْا. (رواه البخاری فی باب علامات النبوة)

(۱۳۴۶) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو گواہ رہنا۔ (بخاری شریف)

(۱۳۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَ نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَقَالَ اِشْهَدُوْا وَ ذَهَبَتْ فِرْقَةٌ نَحْوَ الْجَبَلِ.

(۱۳۴۷) ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پھٹ کر اس پہاڑ کی طرف چلا گیا (اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر چلا گیا) آپؐ نے فرمایا "گواہ رہو" (بخاری شریف)

(رواه البخاری فی باب انشقاق القمر. قال الطحاوی فی مشکله و روی عن علی و ابن عمر و حذیفه و ابن مسعود و ابن عباس و انس و جبیر بن مطعم رضی الله تعالی عنهم (المعتصر ص ۵) و اخرج الحاکم احادیثه وقال الذهبی کلها صحاح.)

(۱۳۴۵) ✱ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ اہل مکہ کی فرمائش پر دکھایا گیا ہے۔ درمنثور میں ان کفار کے نام بھی مذکور ہیں' مگر وہ روایت ضعیف ہے۔ بعض روایات میں جن دو پہاڑوں پر چاند کے یہ دو ٹکڑے الگ الگ نظر آئے' ان کے نام ابوقبیس اور سویداء مذکور ہیں۔

(۱۳۴۷) ✱ محدثین نے تصریح کی ہے کہ شق القمر کا معجزہ تواتر سے ثابت ہے۔ روایت بالا میں اس معجزہ کا محل وقوع بھی مذکور ہے' یعنی یہ معجزہ منیٰ میں ظاہر ہوا تھا۔ دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ اس روایت میں اور مشاہدہ کرنے والوں کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ اپنا خود مشاہدہ کرنا بھی نقل کرتے ہیں گویا اب اس روایت کی حیثیت صرف ایک روایت کی نہیں رہی بلکہ چشم دید شہادت کی ہوگئی ہے۔ تیسری بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا تھا کیونکہ ہجرت کے بعد پہلی بار مکہ مکرمہ کا سفر آپ نے صلح حدیبیہ کے سال میں ..... بقیہ

www.besturdubooks.net

(۱۳۴۸) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ فِیْ قَوْلِہٖ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَ نَحْنُ بِمَکَّۃَ

(۱۳۴۸) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم

ﷺ ..... کیا ہے' لیکن اس سال آپ کو حدیبیہ سے ہی واپس ہونا پڑا تھا' اس کے بعد آپ کا دوسرا سفر فتح مکہ کے لیے ہوا ہے جب کہ کفار کی شوکت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ مشرکین کے سرغنہ جنگ بدر میں پہلے ہی ختم ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے بعد تو کسی میں لب کشائی کا حوصلہ بھی باقی نہ رہا تھا اس سفر میں آپ کا منیٰ میں جانا کہیں ثابت نہیں ہوتا اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو اب کس کی مجال تھی کہ اس طرح آپؐ سے آ کر معجزہ کی فرمائش کر سکتا۔ نویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف ہی نہیں لائے۔ دسویں سال حجۃ الوداع تھا اس سال آپ منیٰ میں ضرور تشریف لائے' مگر اب ماحول صرف مسلمانوں کا ہی تھا۔ مشرکین کی حج میں آمد کی ممانعت کا اعلان پہلے سال کیا جا چکا تھا اس لیے اس معجزہ کا منیٰ میں ہونا اس کا واضح ثبوت ہے کہ یہ واقعہ قبل از ہجرت ہی کا ہے چنانچہ جب اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

مضی ذلک قبل الهجرة. یعنی یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ہو چکا ہے۔

(۱۳۴۸) * مسند ابوداؤد طیالسی اور بیہقی میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ مشرکوں نے کہا کہ باہر سے آنے والے قافلوں سے بھی اس کی تحقیق کی جائے اگر انہوں نے بھی ہماری طرح چاند کا دو ٹکڑے ہونا دیکھا ہے تو پھر یقیناً آپ سچے ہیں اور اگر انہوں نے نہیں دیکھا تو پھر یہ جادو ہے' جو ہمارے اوپر چلایا گیا ہے چنانچہ باہر سے آنے والے قافلے والوں سے یہ تحقیق کی گئی تو ہر سمت کے قافلے والوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کرنا بیان کیا۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ القمر)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے بعض معجزات کا اثر عالم علوی میں ظاہر ہوا ہے جیسا چاند کا پھٹنا اور آسمانوں کی شیاطین سے محافظت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے معجزہ شق القمر کا خود ذکر فرمایا ہے اور اس میں دو بڑی حکمتیں مضمر تھیں ایک یہ کہ مشرک درخواست کرتے تھے کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں آپؐ نے یہ معجزہ دکھا کر ان کی فرمائش پوری کر دی اور ایمان لانے میں اب ان کے اس عذر لنگ کو بھی ختم کر دیا۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ آپؐ کے اس معجزہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب چاند پھٹ سکتا ہے تو جو اس کا محل ہے یعنی آسمان وہ بھی پھٹ سکتا ہے اس لیے آپ کا یہ معجزہ ایک طرف آپ کی رسالت کی دلیل تھا اور دوسری طرف قیامت کی دلیل بھی تھا اسی لیے قرآن کریم نے اس معجزہ کو قرب قیامت کے لیے ایک دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (القمر: ۱) یعنی قیامت نزدیک آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

پھر آفات اور دیگر ستاروں کی بجائے خاص طور پر چاند کو اس لیے منتخب کیا گیا کہ یہی کرہ ان سب میں زمین سے زیادہ قریب تھا یہ بھی ممکن تھا کہ خود آسمان ہی میں شگاف ڈال دیا جاتا اور شاید قیامت کے لیے یہ اور واضح ثبوت ہوتا' مگر ظاہر ہے کہ یہ شگاف اتنا نمایاں نظر نہیں آ سکتا تھا جتنا کہ ایک روشن جسم کا شگاف نظر آ سکتا تھا۔ صحیح مسلم میں ابو واقد لیثی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ قاف اور سورہ قمر کو عام مجمعوں میں خاص طور پر پڑھا کرتے تھے جیسے جمعہ اور عیدین کی نمازیں تا کہ جو لوگ اس معجزہ کے ظہور کے وقت موجود نہ تھے وہ بھی اس کو سن لیں اور اس سے یہ عبرت حاصل کریں کہ جب چاند پھٹ گیا تو یقیناً قیامت کا آنا حق ہے۔ سب ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لوگ مکہ مکرمہ میں تھے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس
حَتّٰی صَارَ فِرْقَتَیْنِ فِرْقَۃٌ عَلٰی ھٰذَا الْجَبَلِ وَ پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا اس پر نظر آنے لگا اس پر مشرکوں نے یہ بات بنائی کہ

ﷺ..... لوگ بڑی سے بڑی جماعتوں میں اس معجزہ کا تذکرہ سنتے تھے اور کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی کسی نے اس کے انکار کا ایک حرف بھی زبان سے نکالا تھا- اگر یہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو کم از کم مسلمان ہی آپ سے عرض کرتے کہ یا رسول اللہ یہ شق قمر کا واقعہ ہوا ہی کب ہے' لیکن کسی سے یہ سوال کرنا ثابت نہیں- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشاہدہ کرنے والوں کے علاوہ جو لوگ اس وقت موجود نہ تھے وہ بھی عام طور پر اس کو تسلیم کر چکے تھے (آج بھی دنیا کے واقعات کی تصدیق کی یہی صورت ہوتی ہے کہ مشاہدہ کرنے والوں کے اعتماد پر دوسرے لوگ اس کی تصدیق کر لیتے ہیں- آج بڑے بڑے شہروں اور دنیا کے عجائبات کو اسی طرح تسلیم کیا گیا ہے) الجواب الصحیح ج ۴ ص ۱۵۸ حافظ موصوف کی اس تنبیہ سے ایک عظیم فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاص نمازوں میں خاص خاص سورتوں کا پڑھنا بھی کچھ اتفاقیہ نہ تھا بلکہ وہ بھی عمیق حکمتوں پر مبنی ہوتا تھا-

یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ معجزہ جتنا عظیم الشان تھا اس کا ثبوت بھی قدرۃً اتنا ہی مضبوط جمع ہو گیا ہے اور وہ بھی ایسے زمانہ اور ماحول میں جہاں ان امور کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی تھی یعنی اس کی شہادت موافق و مخالف حاضر و غائب سب کی زبانوں سے ثابت ہو چکی ہے آپ کی جماعت میں جن صحابہ نے اس معجزہ کی روایت کی ہے ان میں سے بعض خود وہ ہیں جو اس کے مشاہدہ کرنے والوں میں شریک تھے اور مخالفین کا اس معجزہ کو دیکھ کر اس کو سحر کہنا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا یہ معجزہ انہوں نے بھی دیکھا تھا اور درحقیقت آپ کا بار بار "اشھدوا" فرمانا ان ہی منکرین پر خدا کی حجت تمام کرنے کے لیے تھا- یہ تو حاضرین تھے مگر یہاں قدرۃً مخالفین کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر یہ سحر ہوگا تو اس کا اثر غائبین پر نہیں ہو سکتا اس لیے انہوں نے باہر کے آنے والے قافلوں سے بھی اس کی تحقیق شروع کر دی اور جب ان پر ثابت ہو گیا کہ انہوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ اب اس معجزہ کی شہادت میں حاضر و غائب سب گواہ کی حیثیت میں آ گئے- سبحان اللہ اگر یہ سوال ان کے دلوں میں پیدا نہ ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ بیرونی قافلوں کے اس شہادت کے دستیاب ہونے میں ہمارے لیے کچھ مشکلات بڑھ جاتیں' اسی طرح اگر وہ اس کو جادو نہ کہتے تو صرف ان کے سکوت سے ان کے مشاہدہ کرنے کا ثبوت بھی نہ ملتا' مگر یہ بھی ایک حکمت باری تھی کہ اس نے اس معجزہ کے ثبوت کے لیے ممکن سے ممکن ہر ثبوت کو جمع کر دیا ہے- لیکن اس کے باوجود اس کے جتنے مضبوط ثبوت جمع ہوتے رہے اس کی تاویل کرنے میں متشکک طبائع کی سرگرمیاں اتنی ہی اور تیز ہوتی رہیں-

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"اگر ایسے وقائع کا ذکر تاریخوں میں لکھا جانا ضروری ہے تو اس اندھیری کا کون سی تاریخ میں ذکر ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دینے کے دن واقع ہوئی تھی اور اس ستارہ کا کون سی کتاب میں ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کے دنوں میں نمایاں ہوا تھا اور آفتاب کے ساکن رہنے کا کہاں کہاں چرچا ہے اور کون کون سی کتاب میں ذکر ہے- علی ہذا القیاس اور وقائع کو خیال فرمالیجیے- علاوہ بریں دن کے واقعات اور رات کے حوادث میں عام اطلاع کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے- خاص کر اندھیری رات ہو جانا (یعنی دن میں) کہ اس کی اطلاع تو ہر کس و ناکس کو ضرور ہونی چاہیے- انشقاق قمر کی اطلاع تو سوائے ان صاحبوں کے ضروری نہیں جو اس وقت بیدار ہوں اور پھر نگاہ بھی ان کی چاند ہی کی طرف لگ رہی ہو ﷺ.....

www.besturdubooks.net

فِرْقَةٌ عَلٰى هٰذَا الْجَبَلِ فَقَالَ النَّاسُ سَحَرَنَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ رَجُلٌ اِنْ كَانَ سَحَرَكُمْ فَاِنَّهُ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّسْحَرَ النَّاسَ كُلَّهُمْ. (رواہ احمد و البیہقی)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے اوپر جادو کر دیا ہے پھر کسی نے یہ کہا اگر جادو کیا ہوگا تو صرف ہمارے اوپر ہی کیا ہوگا ساری دنیا پر تو نہیں کرسکتا۔ (احمد وبیہقی)

لے ..... ظاہر ہے کہ یہ بات شب کے وقت بہت کم اتفاق میں آتی ہے کہ انسان بیدار بھی ہو اور اس کی نگاہ بھی چاند کی طرف ہو اور اگر فرض کیجئے کہ موسم سرما ہو تو یہ بات اور بھی مستبعد ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں طلوع قمر کے تھوڑی دیر بعد یہ قصہ واقع ہوا تھا۔ اس لیے جبل حراء کے دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں حائل ہو جانے کا ذکر آتا ہے اس صورت میں ممالک مغرب میں تو اس وقت تک عجب نہیں کہ طلوع بھی نہ ہوا ہو اور بعض بعض مواقع میں عجب نہیں کہ ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کی آڑ میں آ گیا ہو اور اس لیے انشقاق قمر اس جگہ محسوس نہ ہوا ہو۔ ہاں ہندوستان میں اس وقت ارتفاع قمر البتہ زیادہ ہوگا اور اس لیے وہاں اور جگہ کی نسبت اس کی اطلاع کا زیادہ احتمال ہے‘ مگر جیسے اس وقت ہندوستان میں ارتفاع قمر زیادہ ہوگا ویسے ہی اس وقت رات بھی آدھی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس وقت کون جاگتا ہوتا ہے۔ سوائے اس کے ہندوستانیوں کو قدیم سے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تاریخ لکھا کریں بااین ہمہ تاریخوں میں موجود ہے کہ یہاں کے ایک راجہ نے ایک رات یہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۴۸ و ص ۴۹ تغییر یسیر)

حضرت مولانا نانوتویؒ کے مذکورہ بالا بیان کو اور زیادہ روشنی میں دیکھنے کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمایئے‘ جس کو قاضی سلیمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سیرت میں درج فرمایا ہے۔ اس کے بعد ہم کو عقلی لحاظ سے اس پر گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ فلاسفہ قدیم بے چارے تو سماویات میں ٹوٹ پھوٹ کو محال سمجھتے تھے مگر کیا کیجئے کہ آج اس کے خلاف مشاہدہ ہو چکا ہے پھر وہ مساکین عقل وانصاف سے عاری قیامت ہی کے کب قائل ہیں۔ موجودہ زمانے کے لحاظ سے یہ سب تغیرات نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہیں اس لیے اب کلام صرف ثبوت میں ہے جس کے لیے مذکورہ بالا بیان کافی ہے۔ یہاں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی فتح الباری میں اچھا کلام کیا ہے۔ دیکھئے ص ۱۲۸ و ص ۱۲۹ جلد ہفتم۔

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
ہندوستان	۱۲	۵۰ شب	جزائر سنڈوک	۷	۵۰ دن
ماریشس	۱۱	= ۲۰	انگلستان‘ آئرلینڈ‘ فرانس‘ بلجیم‘ سپین‘ پرتگال‘		
رومانیا‘ بلگیریا[1]‘ ترکی‘ یونان‘ جرمن‘ لکسمبرگ‘	=		جبل الطارق‘ الجیریا۔	۶	= ۲۰
ڈنمارک‘ سویڈن۔	۸	۲۰ دن	پیرو‘ پانامہ‘ جمیکا‘ بہامن‘ امریکہ۔	۱	۲۰ بعد نیم شب
آئس لینڈ‘ مڈیریا	۵	= ۲۰	سموآ	۶	۲۰ دن
مشرقی برازیل	۳	۲۰ بعد نیم شب	نیوزی لینڈ	۶	۵۰ صبح
متوسط برازیل وچلی	۲	= ۲۰	تسمانیہ‘ وکٹوریہ‘ نیوساؤتھ ویلز[2]	۵	= ۲۲
برٹش کولمبیا	۱۰	۲۰ قبل دوپہر	جنوبی آسٹریلیا	۴	= ۵۰
لوکون	۹	= ۲۴	جاپان‘ کوریا	۴	۲۰ بعد دوپہر
برما	۱	۵۰ بعد نیم شب	مغربی آسٹریلیا‘ شمالی بورنیو‘		
شمالی آئرلینڈ مڈغاسکر	۱۰	۲۰ شب	جزائر فلپائن‘ ہانگ کانگ‘		
ریاستہائے ملایا	۲	۲۰ بعد نیم شب	چین	۳	= ۲۰

نوٹ: یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔ (رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۱۹۰) لے .....

---

[1] بلغاریہ [2] ملک آسٹریلیا کی ریاستوں کے نام ہیں علیحدہ علیحدہ ملک نہیں۔

الرسول الاعظم وفتح اسماع الصحابة وهم في منازلهم صلوات الله وسلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کا گوش صحابہ کو کھول دینا حتیٰ کہ صحابہ کا آپ کی آواز مبارک دُور سے اپنی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سن لینا۔

(۱۳۴۹) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ اِجْلِسُوْا فَسَمِعَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَ هُوَ فِيْ بَنِيْ غَنْمٍ فَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهٖ.

(۱۳۴۹) سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار جمعہ کے دن منبر پر بیٹھے اور لوگوں سے فرمایا تم سب بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو محلّہ بنی غنم میں تھے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو وہیں اپنی جگہ چپکے بیٹھ گئے۔ (بیہقی)

اخرجه البيهقي و ابو نعيم (كذا في الخصائص ج ۱ ص ٦٦) و في الباب عن البراء و بريدة و ابي برزة و ام هانى و عائشة رضى الله عنهما و عنهم اجمعين.

(۱۳۵۰) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذِ التَّيْمِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا وفي لفظ فَفَتَحَ اللّٰهُ اَسْمَاعَنَا حَتّٰى اَنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ وَ نَحْنُ فِيْ مَنَازِلِنَا. (اخرجه ابن سعد و ابو نعيم كما في الخصائص ج ۱ ص ٦٦)

(۱۳۵۰) عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام منیٰ میں ہم کو خطبہ دیا تو ہمارے کان کھل گئے۔ دوسری روایت ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کھول دیئے یہاں تک کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سن لیا کرتے تھے۔

(ابن سعد)

لله ..... تنبیہ: بعض مستند علماء نے یہاں یہ لکھ دیا ہے کہ حدیثوں میں صرف یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر ان کو نظر آیا تھا' اب خواہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں یا خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں ہی ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا۔

ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ معجزہ اور سحر میں فرق یہی ہے کہ سحر میں صرف نظر بندی ہوتی ہے اور معجزہ میں انقلابِ حقیقت ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں انشق القمر کا لفظ (چاند پھٹ گیا) اس کی دلیل ہے کہ اس واقعہ میں جو تصرف کیا گیا تھا وہ چاند میں تھا' اسی لیے اس کو قیامت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

(۱۳۵۰) ✽ جمعہ کے دن آپ کا اپنے منبر پر جلوہ افروز ہونا اور عبداللہ بن رواحہ کا لاؤڈ سپیکر کے بغیر اس آواز کا سننا اور بیٹھ جانا بھی ایک معجزہ ہے جس کی تشریح آئندہ حدیث سے خوب ہو جاتی ہے بالخصوص جس لفظ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز سننے کے لیے ہمارے کان شنوا کر دیئے کہ ہم اتنی دور سے اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے آپ کے ارشادات سنا کیے یہاں لفظ "فتح الله" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر آپ کی آواز پہنچنے سے زیادہ فاصلہ پر تھے اور اس کا سن لینا غیبی طریقے پر تھا اس کے باوجود چونکہ وہ ہمہ وقت معجزات کا مشاہدہ کیا کرتے تھے' اس لیے انہوں نے اس بات کو معمولی طریقے پر ادا فرما دیا ہے آخر وہ اہمیت دیتے تو پھر یہی کیا ایک بات تھی اور کن کن باتوں کو اہمیت دیتے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اخباره بموت صاحمة النجاشی بالغیب صلوات الله وسلام علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصحمہ نجاشی کی وفات کی غائبانہ اطلاع دے دینا

(۱۳۵۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَصْحَمَةَ النَّجَاشِیِّ فَكَبَّرَ اَرْبَعًا. (رواه البخاری ص ٥٤٦)

و عند اَبِیْ دَاوٗدَ فِی الْجِهَادِ عَنْ عَائِشَةَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهٗ لَا یَزَالُ یُرٰی عَلٰی قَبْرِهٖ نُوْرٌ.

(۱۳۵۱) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نجاشی پر جس کا نام اصحمہ تھا اس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی اور چار مرتبہ تکبیریں پڑھیں۔ (بخاری شریف ص ۵۴۶)

ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ہم سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اس کی قبر پر ہمیشہ ایک چمکتی ہوئی روشنی نظر آیا کرتی تھی۔ (کتاب الجہاد)

لیلة الجن و ما فیها من العجائب و الغرائب

اس رات کا تذکرہ جس میں جنات سے آپؐ کی ملاقات ہوئی اور دوسرے عجائبات کا دیکھنا

(۱۳۵۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ الْعِشَاءَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَخَذَ بِیَدِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَتّٰی خَرَجَ بِهٖ اِلَی

(۱۳۵۲) ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو بطحاء مکہ کی طرف لے چلے اور پھر مجھ کو بٹھا کر ایک دائرہ میرے چاروں طرف کھینچا پھر فرمایا

(۱۳۵۱) * یہاں آپؐ کا اس کی غائبانہ موت کی خبر دینا تو معجزات میں شامل ہی ہے، لیکن اتفاق سے صحیح بخاری میں اس کا نام بھی مذکور ہے۔ عام روایات میں صرف نجاشی کا لفظ آتا ہے جو ہر شاہِ حبشہ کا لقب ہے، مگر اس کا نام مذکور نہیں۔

اس کے علاوہ یہاں اس کی قبر پر ایک روشنی دیکھے جانے کا ذکر بھی ہے جو اس کی مقبولیت اور اسلام لانے کی فضیلت پر دلیل ہے۔ آج لوگ ان واقعات کے منکر ہیں اور اس وجہ سے اس قسم کے واقعات کا ظہور بھی مخفی ہو گیا ہے۔ جب غیبی واقعات سے عوام و خواص میں انکار کی بری خصلت پیدا ہو جاتی ہے تو قدرت بھی ان کے سامنے مادیات کی قوتوں ہی کو دکھلاتی ہے اور غائبات کے مشاہدہ سے ان کو بعید رکھتی ہے یحسرتی و یا ویلتی دیکھئے اسلام سے دوری کے یہ جدید خصائل آئندہ ہم کو کیا کیا رنگ دکھلاتے ہیں۔

مفت کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھے تھے کہ ہاں ۔۔۔ رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

اس جگہ عالم مادیات اور عالم روحانیات کے متقابل ہونے کے دوررس نتائج و عواقب ذکر نہیں کیے جا سکتے، کیونکہ وقت کی تنگی اس کی اجازت نہیں دیتی صرف اتنا اشارہ کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں عالم موجود ہیں، مگر اتنے متضاد ہیں کہ ایک عالم کا آشنا دوسرے عالم سے بالکل ناآشنا ہو کر اس کا منکر نظر آتا ہے۔ کم وہ لوگ ہیں جو ان دونوں کی حقیقت کے اقرار کے باوجود جادۂ مستقیم پر قائم رہ سکیں۔

(۱۳۵۲) * لیلۃ الجن کا یہ واقعہ بسند صحیح ثابت ہے اور امام ترمذیؒ نے اس کو ابواب الامثال میں ذکر کیا ہے اس میں آپ کا جنات کی طرف تبلیغ دین کے لیے تشریف لے جانا اور تمام شب اس میں مصروف رہنا ثابت ہوتا ہے۔ موجودہ زمانے میں تو لوگ جنات ..... ←

www.besturdubooks.net

بَطْحَاءِ مَكَّةَ فَأَجْلَسَهُ ثُمَّ خَطَّ عَلَيْهِ خَطًّا ثُمَّ قَالَ لَا تَبْرَحَنَّ خَطَّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْتَهِيْ إِلَيْكَ رِجَالٌ فَلَا تُكَلِّمْهُمْ فَإِنَّهُمْ لَنْ يُكَلِّمُوْكَ ثُمَّ مَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ أَرَادَ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ فِيْ خَطِّيْ إِذْ أَتَانِيْ رِجَالٌ كَأَنَّهُمُ الزُّطُّ أَشْعَارُهُمْ وَ أَجْسَامُهُمْ لَا أَرٰى عَوْرَةً وَ لَا أَرٰى قِشْرًا وَ يَنْتَهُوْنَ إِلَيَّ وَ لَا يُجَاوِزُوْنَ الْخَطَّ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ لٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَاءَنِيْ وَ أَنَا جَالِسٌ فَقَالَ لَقَدْ أَرَانِيْ مُنْذُ اللَّيْلَةِ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيَّ فِيْ خَطِّيْ فَتَوَسَّدَ فَخِذِيْ فَرَقَدَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَقَدَ نَفَخَ فَبَيْنَا أَنَا قَاعِدٌ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَسِّدٌ فَخِذِيْ إِذَا أَنَا بِرِجَالٍ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بِيْضٌ اللّٰهُ أَعْلَمُ مَا بِهِمْ مِنَ الْجَمَالِ فَانْتَهَوْا إِلَيَّ فَجَلَسَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالُوْا بَيْنَهُمْ مَا رَأَيْنَا عَبْدًا قَطُّ أُوْتِيَ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى

دیکھنا اسی دائرہ کے اندر اندر ہی رہنا کچھ لوگ تمہارے پاس تک آئیں گے ان سے گفتگو نہ کرنا وہ بھی تم سے کوئی بات نہ کریں گے۔ یہ کہہ کر پھر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانا تھا وہاں تشریف لے گئے۔ ابھی میں اپنے دائرہ کے اندر ہی تھا کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ ہیں جو جنوں کے مشابہ دراز قامت تھے اور ان کے جسموں پر اتنے لمبے لمبے بال تھے کہ ان کے اعضاء مستورہ اور ان کے جسم کا رنگ تک نظر نہ آتا تھا وہ میرے دائرہ کے پاس تو آجاتے مگر اس کے اندر نہ آسکتے تھے‘ اس کے بعد وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس لوٹ گئے۔ پھر جب آخری شب ہوگئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ میرے پاس آرہے ہیں اور میں اس وقت بیٹھا ہوا ہی تھا۔ فرمایا‘ تم کو پتہ ہے کہ آج کی شب میں میں نے ذرا بھی آنکھ نہیں لگائی (یہ کہہ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دائرہ کے اندر تشریف لے آئے اور میری ران سے تکیہ لگا کر سو رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹوں کی آواز آنے لگتی۔ میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ میری ران سے تکیہ لگائے ہوئے تھے دفعۃً کچھ لوگ نظر پڑے‘ جن کے اوپر سفید پوشاک تھی اور ان کے جمال کا حال خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان کا عجب حسن تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے بیٹھ گئے اور کچھ پیروں کی طرف آ بیٹھے‘ پھر بولے ہم نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کو وہ کمالات نصیب ہوئے ہوں جو اس نبی کو مرحمت ہوئے۔ عجیب بات ہے کہ ان کی آنکھیں

ط ..... کے وجود ہی کے قائل نہیں ان کی تبلیغ کے لیے صرف آپ کا جانا ہی معجزہ شمار ہو سکتا ہے‘ لیکن یہاں ابن مسعودؓ کا فرشتوں کی زیارت کرنا اور ان کے کلماتِ طیبہ سے مستفیض ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ بیداری کے بعد آپ کا ان کی تشریح فرمانا اور آپ کی صفات میں سے یہ ذکر کرنا کہ آپ کی آنکھیں تو سوتی ہوئی نظر آتی ہیں‘ مگر آپؐ کا قلبِ مبارک بیدار ہی بیدار رہتا ہے آپ کی اس عجیب صفت کا تذکرہ تو الگ رہا یہاں اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہوتا ہے ابھی ابھی آپ خراٹوں کے ساتھ سوتے ہوئے یہ باتیں بھی سن رہے تھے‘ مگر آپ کے قلبِ مبارک کی بیداری کا یہ عالم تھا کہ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے جو بات آپ کی زبان مبارک سے نکلی وہ اس واقعہ کی تفصیل تھی ط .....

www.besturdubooks.net

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَیْنَیْہِ تَنَامَانِ وَ قَلْبَہُ یَقْظَانُ اِضْرِبُوْا لَہٗ مَثَلاً مَثَلَ سَیِّدٍ بَنٰی قَصْرًا ثُمَّ جَعَلَ مَائِدَۃً فَدَعَا النَّاسَ اِلٰی طَعَامِہٖ وَ شَرَابِہٖ فَمَنْ اَجَابَہٗ اَکَلَ مِنْ طَعَامِہٖ فَشَرِبَ مِنْ شَرَابِہٖ وَ مَنْ لَّمْ یُجِبْہُ عَاقَبَہٗ اَوْ قَالَ عَذَّبَہٗ ثُمَّ ارْتَفَعُوْا وَ اسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِکَ فَقَالَ سَمِعْتَ مَا قَالَ ھٰؤُلَاءِ وَ ھَلْ تَدْرِیْ مَنْ ھُمْ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ھُمُ الْمَلَائِکَۃُ فَتَدْرِیْ مَا الْمَثَلُ الَّذِیْ ضَرَبُوْہُ قُلْتُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمَثَلُ الَّذِیْ ضَرَبُوْہُ الرَّحْمٰنُ بَنَی الْجَنَّۃَ وَدَعَا اِلَیْھَا عِبَادَہٗ فَمَنْ اَجَابَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَ مَنْ لَّمْ یُجِبْہُ عَاقَبَہٗ اَوْ عَذَّبَہٗ. (رواہ الترمذی ص ۱۱۴)

سوتی نظر آتی ہیں‘ مگران کا دل بیدار رہتا ہے- اچھا ان کی مثال بیان کرو وہ یہ ہے کہ کسی سردار نے ایک محل تیار کر کے اس میں کھانے کا خوان لگایا‘ پھر لوگوں کو اس پر کھانے اور پینے کی دعوت دی اب جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا اس نے کھانا بھی کھایا اور پانی بھی پیا اور جس نے اس کی دعوت رد کر دی اس نے اس کا انتقام لیا- یہ کہہ کر چلے گئے- ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہو گئے اور فرمایا تم نے سنا انہوں نے کیا کہا تھا اور جانتے ہو یہ کون لوگ تھے- میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے- آپؐ نے فرمایا یہ فرشتے تھے اچھا ان کی بیان کردہ مثال کو بھی سمجھے- میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے- پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ وہ سید تو ’’الرحمٰن‘‘ ہے جس نے جنت بنائی اور اپنے بندوں کو اس میں دعوت دی اب جس نے اس کی دعوت قبول کر لی وہ جنت میں گیا اور جس نے رد کر دی اس کا اس نے بدلہ لیا اور عذاب دیا- (رواہ الترمذی ص۱۱۴)

(ھذا حدیث حسن صحیح غریب من ھذا الوجہ)

الایات و المعجزات مھما کانت بعیدۃً و عزیزۃً عن القیاس عند المادیین فھی علی اللہ تعالٰی یسیر غیر عسیر

معجزات خواہ کتنے ہی بعید از قیاس کیوں نہ ہوں مگر وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے

(۱۳۵۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

(۱۳۵۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ قریش نے

ﷺ ..... جو سوتے میں آپ نے سنا تھا اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کے عالم خفتن اور آپ کے عالم بیداری میں فرق کیا تھا یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں کہ ان کا قلب مبارک سونے کی حالت میں بھی عالم بالا سے متصل رہتا ہے- ترجمان السنہ جلد سوم میں اس کی تفصیل دیکھی جائے تاکہ اس کا معجزہ ہونا کچھ نہ کچھ آپ پر روشن ہو جائے‘ دنیا میں سونے والے کے حواس معطل ہوتے ہیں اور یہاں اتنے بیدار کہ عالم بالا کے ایک ایک حال سے خبردار ہوتے ہیں- اسی وجہ سے ان کے خواب کو وحی کا مقام حاصل ہے-

(۱۳۵۳) * امتوں میں بدنصیب افراد کی ذہنیت تقریباً یکساں ہی نظر آتی ہے یہاں قریش کا یہ مطالبہ سامنے رکھئے اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نزول مائدہ کی فرمائش کا مطالبہ دیکھئے تو دونوں سوالوں سے آپ کو منکرین کی پرواز فکر کا اندازہ لگ جائے گا- یہ دونوں مطالبے فطرت کی پستی کی یکساں مثالیں ہیں- اس پر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مقصد ان سے بھی انقیاد و تسلیم نہ تھا‘ بلکہ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَنْهُمَا قَالَ قَالَتْ قُرَيْشٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يَجْعَلُ لَنَا الصَّفَا ذَهَبًا وَ نُؤْمِنُ لَكَ قَالَ وَ تَفْعَلُوْنَ؟ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَدَعَا فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ اَصْبَحَ الصَّفَا لَهُمْ ذَهَبًا فَمَنْ كَفَرَ مِنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ عَذَّبْتُهُ عَذَابًا لَا اُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ وَ اِنْ شِئْتَ فَتَحْتُ لَهُمْ بَابَ التَّوْبَةِ وَ الرَّحْمَةِ قَالَ بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَ الرَّحْمَةِ.

(رواہ احمد و النسائی نحوہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی آپ اپنے پروردگار سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ہمارے لیے اس صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دے تو ہم آپ کے اوپر ایمان لے آئیں گے آپؐ نے فرمایا اچھا تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا ضرور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اس پر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کے لیے صفا پہاڑی سونے کی بنا دی جائے' لیکن اس کے بعد اگر کوئی شخص ان میں سے منکر ہوگا تو اس کو میں ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دوں آپ نے عرض کی' بلکہ توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دے۔ (مسند امام احمد ونسائی)

لله ..... قدرت کی صرف تعجیز اور اپنے انکار وجود کا صرف ایک حیلہ تراشنا تھا تو زیادہ حیرت ہوتی ہے کہ ان پست فطرتوں کو خدا تعالیٰ کی قدرت کا بھی کوئی اندازہ نہیں ہوتا چنانچہ بنی اسرائیل کے اس سوال پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حقیقت و معرفت سے لبریز جواب دیا وہ یہ تھا "قال اتقوا الله" فرمایا اللہ سے ڈرو۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں یعنی "رب کو آزمایا نہ چاہیے" یعنی یہ کہ وہ ایسا کر بھی سکتا ہے یا نہیں۔ وما قدروا الله حق قدره۔ ان منکرین نے اللہ تعالیٰ کا ٹھیک ٹھیک کچھ اندازہ ہی نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ دونوں مطالبے آسان تھے جس کی قدرت میں مٹی سے کھانا پیدا کر دینا ہے' اس کے لیے کھانے کی بھری ہوئی سینی اتارنی کیا مشکل ہے اور جس کے قبضہ میں زمین کی نسوں میں کروڑوں ٹن سونا پیدا فرمانا کچھ مشکل نہیں' اس کے لیے ایک صفا پہاڑی کا سونا بنا دینا کیا مشکل ہے۔ اس لیے معجزات کے باب میں سب سے پہلے قدرت الہیہ کو سامنے رکھنا چاہیے یہاں مادی قوانین کا سہارا تکنا ایک اصولی غلطی ہوگی۔

معجزات کے باب میں یہ سبق کسی جگہ بھی قابل فراموشی نہیں ہے کہ معجزہ کی حقیقت میں یہ داخل ہے کہ وہ اسباب مادیہ کے بغیر براہ راست قدرت الہیہ کا مظہر ہو اس لیے اپنی ترقیات خواہ کسی درجہ پر پہنچ جائیں' مگر معجزات کے باب میں ان سے کوئی مدد نہیں لی جا سکتی کیونکہ جہاں کسی چیز کو معجزہ کہا اور فوراً یہ بات ذہن میں آئی کہ وہ اسباب مادیہ کے بغیر صادر ہوا ہے اور جب کہ معجزہ کی غایت ہی یہ ٹھہرے کہ مخاطبین کو یہ سمجھانا ہو کہ ایک ہستی وہ بھی ہے جو تحت الاسباب نہیں' بلکہ مسبب الاسباب ہے تو پھر ایسے افعال دکھانا جو تحت الاسباب داخل ہیں' مگر اس وقت ان کے بھولے مخاطبین کو ان کا ادراک نہیں ہوتا' شعبدہ نہیں تو اور کیا ہے۔ شعبدہ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ ایسے اسباب کے ذریعے ہوتا ہے جن کا علم اس وقت مخاطبین کو نہیں ہوتا۔ معجزات کی تفہیم میں انگریزی خواں ہوں یا غیر انگریزی خواں' ان کے دماغوں میں یہ بات ڈالنی کہ معجزہ تو جیسا اسباب مادی کے تحت ہے درحقیقت ان کو قدرت علی الاطلاق پر یقین دلانے کے بجائے اسباب کی طاقت پر یقین دلانے کے مرادف ہے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اعظم اٰیاته التی اشرقت علی وجه الارض هی السبع المثانی و القرآن العظیم صلوات الله و سلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سب سے بڑا اور درخشاں معجزہ جس سے افق عالم جگمگا اٹھا وہ یہی سورہ فاتحہ قرآن عظیم ہے

آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر
آیاتِ تو قرآن ہمہ دانی ہمہ گیری

(للشیخ العلامہ محمد انور شاہ الکشمیری قدس سرہٗ)

(۱۳۵۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ (۱۳۵۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

(۱۳۵۴) ✱ انبیاء علیہم السلام اور ان کو جو معجزات عطا ہوئے ان کے مابین تناسب پر حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی بعض تصانیف میں بہت کچھ مشرح لکھ دیا ہے اور وہ زبان زد خاص و عام ہو چکا ہے' اس لیے ہم اس کے اعادہ کرنے میں کوئی خاص فائدہ محسوس نہیں کرتے۔ یہاں حدیث مذکور کی شرح کرنے سے پہلے یہ لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وحی سے مراد یہی ''کتاب اللہ'' ہے جس کا قرآن کریم میں جابجا تذکرہ موجود ہے۔ اسی لیے اس کو او حاه الله الی سے مقید کیا گیا ہے ورنہ یوں تو نفس وحی عموماً انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر نازل ہوتی رہی ہے' وہ آپ کے ساتھ مختص نہیں رہی۔ البتہ ''کتاب اللہ'' آپ کے ساتھ مختص ہے اور وہی آپ کا معجزہ ہے اور وہی قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور یہ وہی ہے جس کی شان میں لا ریب فیه کی صفت آئی ہے۔ دنیا میں کوئی کتاب اور کوئی کلام ایسا نہیں جس میں کسی نہ کسی حیثیت سے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو یہ صرف کتاب اللہ ہے جس میں شک وشبہ اور باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی۔ لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه تنزیل من حکیم حمید. هدی للمتقین اسی کی شان ہے اور اسی کے متعلق وانه لتذکرة للمتقین و انه لحق الیقین ارشاد ہے اور اسی کی آیات کے متعلق فرمایا گیا ہے: کتب احکمت ایته' کتب فصلت ایاته' و کتاب مبین۔ اور اسی کی حقانیت کے متعلق ارشاد ہے: انه لحق مثل ما انکم تنطقون۔ اب اگر قرآن اور اس کی آیات کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کے ہر ہر حرف کی علیحدہ علیحدہ شرح کی جائے' تو مستقل ایک رسالہ بنتا ہے اس لیے ناظرین کے فہم وتتبع پر چھوڑ کر پہلے یہ تنبیہ کرنی ضروری سمجھتا ہوں کہ عام اذہان میں قرآن پاک صرف ایک معجزہ ہے حالانکہ جب تحدی ایک آیت پر جا کر مستقر ہوئی یعنی یہ کہ ہر ہر آیت کے مقابلہ میں کفار کو یہ دعوت دی گئی کہ اگر وہ اسی کا مثل پیش کر سکتے ہیں تو کریں تو اب ہر ہر آیت کا اپنی جگہ ایک ایک مستقل معجزہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ جتنی آیات قرآن میں موجود ہیں وہ سب کی سب آپ کے معجزات ہیں تو بالکل بجا اور درست ہوگا لہٰذا قرآن پاک کو بحیثیت مجموعی ایک ہی معجزہ تصور کرنا خلاف واقع ہے۔ اب اگر یہاں اس میں معجزات کی جو مختلف انواع موجود ہیں ان کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر سوچئے کہ یہی ایک وحی الٰہی کتنے معجزات پر مشتمل ہو جائے گی اس وقت ہمارے پاس گنجائش نہیں کہ ہم ان سب انواع کی طرف توجہ دلائیں صرف ادھر متوجہ کرنا ہے کہ تقلیل معجزات کے شائق صرف ایک قرآن پاک پر ہی غور کر لیں تو معجزات کی تکثیر سے ششدر رہ جائیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل جتنے رسول بھی آتے رہے ان کی بعثت کا بڑا مقصد تعریفِ ربوبیت تھا اور اِلیٰ للہ ....

www.besturdubooks.net

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ) نَبِيٌّ اِلَّا اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَ اِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهٗ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيَّ

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کو خاص خاص معجزات ایسے عطا نہ ہوئے ہوں' جن کے مناسب لوگ ان پر ایمان لائے ہیں مگر جو خاص معجزہ مجھ کو عنایت ہوا وہ، وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت

ﷺ ..... استعداد پیدا کرنا تھا' جس کے بعد ان میں غائبات کے اسرار کے فہم کی صلاحیت پیدا ہو جائے اسی لیے ان کو معجزات بھی اسی نوع کے عطا ہوئے جو تعریف ربوبیت کے مناسب تھے نزول تورات سے پہلے پہلے جو قومیں صفحہ ہستی پر نمودار ہوئیں وہ وہی تھیں' جن کو خدا شناسی کے بجائے عجوبہ بینی کا ذوق دامن گیر رہا۔ آخر کار جب انہوں نے تکذیب رسل کی حد کر دی تو قدرت نے جڑ سے ان کو اکھاڑ پھینکا اور بعد کی نسلوں کے لیے صرف ان کے کھنڈرات اور ان کی بربادی کی کہانیاں باقی رہ گئیں۔ **فجعلنا هم احاديث و مزقناهم كل ممزق.** لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد عالم انسانی کا رنگ بدلا اور اگر کچھ لوگوں نے انکار کیا تو کچھ لوگ اپنے اپنے رسولوں پر ایمان بھی لاتے رہے' اس لیے اب سنت الٰہیہ قوموں کے بالکلیہ استیصال کی ختم ہوگئی اور اب دنیا میں اتنی استعداد پیدا ہوگئی کہ ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جائے اور اس رسول اقدس کے لیے ایک قوم بچالی گئی جس کی آمد سے آفرینش عالم کا جو بڑا مقصد تھا' اس کی ابتداء کر دی جائے اور غائبات کے وہ اسرار پنہاں جن کی عقول آج تک متحمل نہ تھیں وہ سب کھول کر رکھ دیے جائیں۔'' (الجواب الصحیح ج ۴ ص ۲۸۳)

اس سے قبل حافظ موصوف نے اپنی تصنیف الجواب الصحیح جلد چہارم کی ابتداء میں انجیل یوحنا کی پندرہویں فصل سے یہ نقل فرمایا ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد ''فارقلیط'' کی آمد کی بشارت دی ہے اور ان کے اوصاف میں سے یہ نقل کیا ہے کہ **لانه ليس ينطق من عنده بل يتكلم بما يسمع و يخبركم بكل ماياتي و يعرفكم جميع ما لا تعرفون.** اب اس پیش گوئی میں یہ خاص طور پر خبر دی گئی ہے کہ میرے بعد جو آنے والا ہے وہ جو کچھ پڑھ کر سنائے گا وہ سب وحی کے ذریعہ سے ہوگا اپنی جانب سے کوئی استنباط نہ ہوگا یہ بات صرف آپ ہی کی ذات ستودہ صفات پر صادق آتی ہے' کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام بھی گذرے ہیں وہ اپنی وحی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی کچھ اور علوم حاصل کر لیتے تھے جو ان کو وحی الٰہی کے ذریعے حاصل شدہ نہ تھے۔ اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے تھے وہ صرف وہی فرماتے تھے جو بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا یہاں آپ کی حیثیت صرف مبلغ کی ہوتی تھی اسی لیے ارشاد ہے کہ **بلغ ما انزل اليك من ربك.** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر ہدایت کی شاہراہ کھول دی اور وہ رموز و اسرار سب ظاہر فرما دیے جو آپ سے پہلے کسی نے ظاہر نہ کیے تھے اور آپ کو وہ کتاب ملی جس میں ان حقائق غیبیہ کا خزانہ تھا جو پہلی کسی کتاب میں نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ امت عطا فرمائی' جس میں ایسی استعداد تھی کہ جو علوم آپ نے اس کو بتائے وہ ان کو خوب سمجھ گئی۔''

اس کے بعد حافظؒ لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر قیامت اور قیامت کے قبل و بعد کے حالات کی اتنی تفصیلات ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَارْجُوا اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. کے دن انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اتباع کرنے والوں کی سب سے بڑی تعداد میری امت کی ہوگی۔

صحیح بخاری ص ۷۴۴ فی کتاب نزول الوحی و ص ۱۰۸۰ و راجع له البدایه و النهایة ج ٦ ص ٦٩ غیر ما ذکره اصحاب الشروح فی باب الاعتصام بالکتاب و السنة. ورواه مسلم ایضًا و نسبه فی الجامع الصغیر الی الشیخین ج ۲ ص ۱٤٧ مع زیادة لفظین.

؎ ..... بیان فرمائیں جو آپ سے پہلے نہ تورات میں ملتی ہیں نہ انجیل میں اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے حقوق اور ایمان باللہ کے مقتضیات اور اس کے فرشتوں' کتابوں اور رسولوں کی اتنی تائید و تفصیل فرمائی جو کہیں نہیں ملتی۔ یہ وہ صفات ہیں جو ایک آپ کی ذات کے علاوہ کسی اور پر منطبق نہیں ہوسکتیں اس کے برخلاف دیگر انبیاء علیہم السلام نے اصولی طور پر ان امور کا تذکرہ کیا ہے مگر وہ تفاصیل ذکر نہیں فرمائیں جن کی اس وقت تک عقول عامہ متحمل نہ تھیں' اسی لیے حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے آج بھی انسانوں کے سامنے صرف اتنی ہی باتوں کے اظہار کی اجازت منقول ہے جن کی عقول اس وقت متحمل ہوں۔ مبادا اپنی کم فہمی کے باعث ان کی تکذیب پر اتر آئیں۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آکر اس آیت کی تفسیر دریافت کی ﴿ خلق سبع سموات و من الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن ﴾ تو آپ نے فرمایا کہ تجھ کو یہ کیسے اطمینان ہوگیا کہ اگر میں اس کی تفسیر بیان کردوں تو اس کو سن کر کافر نہ ہو جائے گا۔ اور تیرے کافر ہونے کا مطلب یہی ہے کہ تو اس کا انکار کر بیٹھے''۔

(پوری تفصیل کے لیے الجواب الصحیح کی جلد چہارم ابتداء سے مطالعہ کیجئے)

حافظ موصوف کی اس عبارت میں بہت سے متفرق علوم آگئے ہیں جن کی تفصیل کی حاجت ہے' لیکن یہ بہر حال واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں امی ہونے کی صفت اور امیین میں مبعوث ہونے کی صفت یہ قرآن کریم نے صرف ایک آپ کی بیان فرمائی ہے اس لیے اس میں یہاں کوئی تفصیل کرنی غیر ضروری ہے' جو بات ہمارے موضوع کے لیے اہمیت رکھتی ہے وہ صرف قرآن کریم کی یہ صفت ہے کہ جن اسرار و رموز کا وہ حامل ہے' آج تک کوئی کتاب ان کی حامل نہ تھی اور یہ اسی کی روشنی تھی کہ جس کی وجہ سے امت محمدیہ کا طغرۂ امتیاز و تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ٹھہرا اور جس کی بنا پر اس کو خیر امت کا لقب نصیب ہوا۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران : ۱۱۰)

حافظ موصوف کے بیان سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ایمان باللہ ہر چند کہ ہر قوم میں کچھ نہ کچھ افراد کو نصیب ہوا ہے' پھر وہ اسی امت کی مخصوص صفت کیوں ہے۔ حدیث مذکور میں یہ بات وضاحت میں آ چکی ہے کہ دیگر انبیاءؑ کے معجزات چونکہ اپنے اپنے زمانوں میں ظاہر ہو کر ختم ہوتے رہے جن کی آج ہمارے ہاتھوں میں کوئی سند ہے تو یہی قرآن ہے اور وہی معجزات قابل تصدیق بھی ہیں' جو قرآنی بیان میں آچکے ہیں' لیکن خود قرآن کریم چونکہ ایک علمی معجزہ ہے اور الی یوم القیامہ باقی رہنے والا ہے اور آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مطابق کسی کی تصدیق کا محتاج نہیں' بلکہ وہ مصدق لما معکم خود دوسری کتب سماویہ کا مصدق اور مہیمن ہے۔ اسی لیے ضروری ٹھہرا کہ آپ کے متبعین بھی سب میں زیادہ ہوں اور اسی کی تشریح کرنی ہمارا اصلی مقصود تھا۔

www.besturdubooks.net

(۱۳۵۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (۱۳۵۵) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل

(۱۳۵۵) * حدیث مذکور میں ایک بڑی دقیق اور عمیق حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ انس و محبت کے لیے سب سے بڑا علاقہ خروج اور جزئیت کا ہوتا ہے- انسانوں میں یہ علاقہ والدیت اور مولودیت میں منحصر ہے- حضرت حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کی گئیں پھر ابن آدم میں یہی ایک سنت ٹھہر گئی کہ ہر بچہ اپنی والدہ سے خارج ہوتا ہے اور اسی خروج اور جزئیت کی بناء پر اس رشتہ میں وہ محبت پیدا ہو جاتی ہے جو عالم میں کسی کو کسی سے نہیں ہوتی- حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی اس رشتے سے وراء الوراء ہے اور اس کی ایک صفت صمدیت ہے اور صمدیت کے معنی یہی ہیں کہ الذی لم یلد ولم یولد. پھر خروج و جزئیت کا علاقہ جو محبت کے لیے سب سے بڑا علاقہ ہے اس کی جناب میں کیا متصور ہو سکتا ہے؟ ہاں کلام یہ اس کی صفت ہے اور کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ عرفاً جزئیت کی نسبت تو نہیں ہوتی' لیکن یہاں خروج کا اطلاق جب حدیث میں آ گیا تو اب عرفاً اس کہنے میں مضائقہ نہیں- کہ کلام اللہ یعنی قرآن پاک چونکہ اس کا فرمودہ کلام ہے اور اس سے نکلا ہوا ہے لہٰذا اس کی ذاتِ اقدس سے تقرب پیدا کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے- اس سے قرآن کریم کی عظمت اور اس کی تلاوت کرنے کی اہمیت اور اس کے حافظ کی قدر و منزلت کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے-

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شرف ہم کلامی نصیب ہوا اور اسی علاقہ سے ان کو کلیم اللہ کہا گیا ہے- شاید یہ اسی لیے ہو کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے اس کے کلام سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہ تھی- یہ کلام ابھی تک گو جماعتِ انبیاء میں اس طرح اس کا سننا ایک ممتاز صفت تھی تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صرف کانوں ہی تک محدود تھی' یعنی وہ مخاطبین کی نوع میں داخل تھے اور یہ کلام بالاتوسط ان کے کانوں میں پڑتا تھا' جس کی طاقت عام انسانوں میں نہ تھی- بنی اسرائیل کے اصرار پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی کہ جو خصوصیت ان کو سماعِ کلام کی حاصل تھی' اس کا نمونہ تھوڑا سا ان کی قوم کو بھی کم از کم ایک بار تو دکھلا دیا جائے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر پروردگارِ عالم نے اپنے کلام کو ان کی قوم کو بھی سنا دیا' مگر جس قوم کے پاس گوش تو ہوں مگر ہوش نہ ہوں تو اسے کیا فائدہ؟ اپنے ضد و عناد پر اتر کر یہاں بھی وہی مزہ چکھ لیا جو معاندین کو چکھنا پڑتا ہے-

اس کے بعد دنیا کے اخیر میں جب رب العالمین کو اپنی معرفت اس سے زیادہ منظور ہوئی تو اس نے ایک ایسا عظیم الشان اور جلیل القدر رسول پیدا فرمایا جس کے ذریعہ اپنی مخلوق کی معرفت کے لیے ذریعہ تو وہی اختیار کیا یعنی صفتِ کلام مگر اس کلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح صرف اس کے کانوں میں نہیں ڈالا' بلکہ اس کے منہ میں ڈال دیا اور اب جس طرح موسیٰ علیہ السلام کلام اللہ اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے یہ رسول اعظم اس کو اپنے منہ سے پڑھ پڑھ کر سنانے لگا اور مخاطب کے بجائے اس کو متکلم کی صف میں لا کھڑا کیا گیا اور یہ ظاہر ہے کہ کلام الٰہی کا بالاتوسط کانوں میں پڑنا کوئی معمولی بات نہ تھی کہ ہر بشر اس کو برداشت کر سکتا' لیکن یہ رسول بھی صرف ایک ہی رسول تھا کہ جس کے کانوں کے بجائے اب اس کلام کو اس کے منہ میں ڈالا گیا' اس لیے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے- معرفتِ الٰہیہ میں اس کی امت ساری امتوں پر فوقیت لے گئی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(آل عمران: ۱۱۰) یہاں اس کی خیریت کا مرکزی نقطہ یہی ایمان باللہ ہے' جو بنیادی لحاظ سے ان کو قرآن پاک کی بدولت نصیب ہوا ہے- فللّٰہ الحمد علی ما انعم.

یہ اچھی طرح واضح رہنا چاہیے کہ کسی موصوف کی معرفت کے لیے اس کی صفات سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی ۔۔۔۔۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ لَا تَرْجِعُوْنَ کرتے ہیں کہ تم لوگ اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب

ﮯ ..... حق تعالیٰ کی صفات میں سے صفت کلام کے سوا کوئی اور صفت ایسی نہیں جس پر ماخرج منه کا اطلاق کیا جا سکے یعنی وجود حیات' علم' سمع' بصر' قدرت' ارادہ' یا تکوین' ان صفات میں سے کوئی صفت ایسی نہیں جس پر حدیث مذکور کا اطلاق صحیح ہو سکے اس لیے جو معرفت اس کی مصنوعات میں اس کی دوسری صفات کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے وہ شاید صفتِ کلام کے ہم پلہ نہ ہو سکے۔ اسی کی طرف حدیث مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے اور اسی کو ہم زیادہ سے زیادہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کلام اللہ سے بڑھ کر کوئی اور چیز اس کی معرفت کا سبب نہیں ہو سکتی۔ اس کی جتنی مصنوعات ہیں وہ تمام کی تمام اس کی مخلوق ہیں اور اس سے منفصل ہیں' لیکن قرآن پاک کی صفت ان سب سے علیحدہ ہے یہاں ایک دقیق بحث ہے' جو امام احمد سے شروع ہو کر امام بخاریؒ تک کی کتاب میں موجود ہے یعنی کلام اللہ کو مخلوق کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کی نزاکت کی وجہ سے جس میں کہ امام احمدؒ جیسے جلیل القدر امام کو ابتلا پیش آ گیا ہو' عوام الناس کے افہام سے بالاتر سمجھ کر زیر بحث نہیں لاتے اور صرف حدیثی اطلاق پر کفایت کرتے ہیں۔ بے شبہ کتب ساویہ جتنی بھی تھیں وہ معرفتِ الٰہیہ کا سبق دیتی چلی آئی ہیں' لیکن جس اسلوب سے اس سبق کو قرآن پاک نے سمجھایا ہے بھلا وہ دوسری کتب میں کہاں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اپنے کلام میں جس طرح متکلم قریب ہو کر نظر آتا ہے' اتنا کسی دوسری صورت میں نظر نہیں آتا۔ گویا یوں سمجھئے کہ کلام اپنے متکلم کے لیے بمنزلہ ایک آئینہ کے ہوتا ہے۔ اب اس آئینے میں اس کے متکلم کا جلوہ دیکھنے کے لیے صرف آنکھیں درکار ہیں۔ روشن آنکھیں اس کے جلوہ کا کچھ نہ کچھ نظارہ کر لیتی ہیں اور بے بصیرت آنکھیں اس سے محروم رہتی ہیں اگرچہ اس کی تلاوت کرنے والے نفس اجر میں شریک رہتے ہوں۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اس کے ذکر سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں اس لیے نماز کا تذکرہ فرما کر ارشاد ہوتا ہے ولذکر اللہ اکبر۔ اور نماز کے لیے بھی یوں ارشاد ہوا: و اقم الصلوة لذکری. اس لحاظ سے بھی اگر قرآن کریم پر نظر ڈالی جاتی ہے تو امہات ذکر اللہ قرآن کریم میں نظر آتے ہیں' اس لیے قرآن کریم کا تالی (یعنی تلاوت کرنے والا) صرف تالی نہیں' بلکہ ذاکر بھی ہوتا ہے یوں بھی اگر دیکھئے تو نماز کا سب سے بڑا رکن یہی قرآن کریم ہے' حتیٰ کہ اگر نماز میں قرآن نہ پڑھا جائے تو وہ نماز نماز ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو قرآن پاک میں صرف صالحین کا تذکرہ نہیں' بلکہ انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس جماعت کا ذکر بھی ہے' جو اپنے اپنے دور میں مرکز نور و ہدایت اور آج بھی موجب صد برکات ہے۔ وہ ذکر بھی صرف ان کے قصص اور سوانح حیات کے طور پر نہیں ہے' بلکہ ان کے متبعین کی برکات اور مخالفین کے نتائج بد اور ثمرات کے ساتھ ساتھ ہے اور ان کی دعوت و ارشاد کے وہ قیمتی کلمات جو ان کی مبارک زبانوں سے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے تعارف میں نکلے ہیں' ان سب سے مملو ہے۔ اس لحاظ سے ان کا تکرار اور اعادہ موجب صد برکات ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت کے لیے ایک وسیع باب ہے جو ان کے تذکروں سے کھلتا ہے۔ کلام اللہ میں ایک صفحہ بھی ایسا نہ ملے گا' جس میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات اور شئون کا تذکرہ نہ ہو۔ پھر یہ تذکرہ بھی اسلوب کے ساتھ کیا گیا ہے جس میں اس کے اسماء و صفات اور شئون عالیہ کا جگہ جگہ اس طرح ثبوت ملتا ہے کہ تالی کلام اللہ کو شدہ شدہ وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے' جہاں سے وہ اپنے رب کو دیکھتا تو نہیں مگر اس کو "کانک تراہ" کا لطف حاصل ہونے لگتا ہے۔ اس کے ان الفاظ مقدس کے تکرار کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے: الشیء اذا تکرر تقرر۔ اور کمال یقین کی دوسری تعبیر کانک تراہ ہے ورنہ اس کی شان تو یہ ہے: لا تدرکه الابصار و هو یدرک الابصار یہ تذکر اور تفکر اور تدبر تو ان اسباب میں سے ہیں' جو قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے کی طرف سے معرفت ایزدی میں معین ہوتے ہیں' لیکن یہاں اسباب معرفت جو بھی ہوں وہ خود حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر فائز ہوتے ہیں۔ دیکھئے ﮯ .....

www.besturdubooks.net

اِلَی اللّٰہِ بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْہُ یَعْنِی اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے، جو خود حق سبحانہ سے نکلی

ﷺ ..... عام مصنفین کا طریقہ ہے کہ ان کی تصانیف کا پڑھنے والا ان کی انس و محبت کے لیے جالب بن جاتا ہے۔ پھر جس کی محبت اپنے بندوں پر بلاسبب ہو اگر اس کے کلام کو کوئی بندہ پڑھے تو پھر اس کی محبت کا عالم کیا ہوگا۔ اب سوچئے کہ ایک جانب سے تو بندہ اپنے رب کی معرفت کے لیے اس کے کلام کو پڑھ رہا ہو، اس کے اسماء کو بار بار دہرا رہا ہو، اس کی صفات اور ان کے مظاہر کا مطالعہ کر رہا ہو، اس کے انبیاء علیہم السلام اور مقربین کی محبت بھری داستانیں بار بار سن رہا ہو، پھر ان کے ماننے اور نہ ماننے والوں کا حشر بھی اس میں دیکھ رہا ہو، اس کے ماسوا آیات ''انفسیہ'' اور ''آفاقیہ'' میں بنظر موعظت و عبرت غور کر رہا ہو، دوسری طرف خود متکلم اس عبد صالح سے قریب سے قریب تر ہو کر اپنی محبت کی بارش برسا رہا ہو تو کوئی شبہ نہیں کہ ایک مرتبہ تو پتھر کا دل بھی موم ہو کر رہ جائے اور صاحب نصیب کا خالی قلب تو شاید کسی کا آشیانہ بن جائے۔ یہ بلند مقصد ایک مٹی کے پتلے کو بھلا کیا حاصل ہوتا، لیکن جس کو ''لما خلقت بیدی'' کا فخر حاصل ہوا اس کو اپنی بے مناسبتی کے باوجود پھر ایک نسبت حاصل ہوتی ہے، جو شاید ''لما خلقت بیدی'' کا ثمرہ ہو۔ عجیب ماجرا ہے کہ ایک طرف اس پتلہ خاکی میں اپنے رب کی معرفت کی اتنی صلاحیت موجود ہو کہ اس سے ''الست بربکم'' کا عہد لے لیا جائے پھر دوسری طرف اس کو ایسا کلام ملے جس میں متکلم کا جلوہ خود عیاں ہو تو کیا اس کلام کی تکرار سے اس کا ساز فطرت بے ساختہ نغمہ سرائی پر آمادہ نہیں ہو جائے گا۔ یہاں نہ میرے پاس ان رموز و اسرار کے اظہار کے لیے کلمات ہیں اور نہ قلم کو یہ یارائی حاصل ہے کہ اس رابطہ کے اظہار پر قدرت حاصل ہو جو اس کلام اور متکلم کے مابین پنہاں ہے۔ کیا کہئے کہ بات اتنی ظاہر ہے جتنی کہ ہو سکتی ہے اور پھر اتنی مخفی ہو گئی ہے کہ عقل نارسا کی رسائی سے باہر۔ سبحان اللہ جو منبع کمالات اور مجمع کمالات ہے خود اپنی ایک صف عالی کا جلوہ دکھانے پر آمادہ ہو جائے تو وہ کون سی آنکھ ہے جس کو وہ جلوہ نظر نہ آئے۔ ایک طرف اس کے ظہور کا یہ عالم اور دوسری طرف اس کے خفاء کا یہ حال کہ بڑے سے بڑے عارف کی زبان سے بھی یہ نکلتا ہے اشتاقه فاذا بدا اطرقت من اجلاله۔ یہ نظر تو صرف ایک ہی تھی جس کی شان ''مازاغ البصر و ما طغی'' کی شہادت خود قرآن کریم نے دی ہے دوسرا کوئی ایسا نہیں جس کے لیے یہ تجلی ہو سکے اور وہ اس تجلی کو برداشت کر سکے، پھر جو اس کے لیے مخصوص ہوئے، اسے اس عالم فانی چھوڑ کر فوق السموٰت کا سفر کرایا گیا ہو خوشانصیب اس امت کے جس کے نصیب میں یہ نہیں تو ''کانک تراہ'' کا کوئی نہ کوئی حصہ آگیا۔ بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے۔

و من عجبی انی احن الیھم و اسأل عنھم دائما و ھم معی

و تشتاقھم عینی و ھم فی سوادھا وبطلبھم جسمی وھم بین اضلعی

جب انسانوں کے کلام میں ان کے خیر و شر ہونے کا اثر مسلّم ہے تو قیاس کر لیجئے کہ اس لطیف و خبیر کے کلام میں کیا کچھ اثر نہ ہوگا، جس کو جبریل علیہ السلام جیسا مقدس فرشتہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوا ہو۔ یہ واسطہ بھی ایسا تھا جس کو اگر قائم رکھئے تو بجا ہے اور اگر اس کو حذف کر ڈالئے تو ایک نظر میں یہ بھی روا ہے۔ اب سوچئے کہ کلام کس کا اور سنا گیا کس سے، پھر اس کی تاثیر اور معرفت کا کیا پوچھنا ایک ایک کلمہ نہیں، اس کی ایک ایک حرکت میں یعنی زبر و زیر میں معرفتِ الٰہیہ کی جو موجیں اٹھ رہی ہوں وہ کوئی صاحب ذوق ہی دیکھ سکتا ہے۔ یہاں عام مسلمانوں کو مضطرب ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ سمندر کی موجیں اپنی جگہ اٹھ رہی ہیں اور معرفت الٰہیہ کے مشتاق قلوب سے جا جا کر ٹکرا رہی ہیں کسی کو یہ عجیب و غریب نظارہ میسر ہو یا نہ ہو، اسی لیے حدیث میں وارد ہے کہ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے، مگر اس کے دریائے فیض سے محروم کوئی بھی نہیں ہے۔ جس کا راز یہ ہے کہ کلام انسانی میں کلمات صرف غرض متکلم سمجھانے کے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

القُرْآن.(رواہ الحاکم و صححہ ابوداؤد فی مراسیلہ عن جبیر بن نفیر والترمذی عن ابی امامۃ بمعناہ مع زیادات) ہے یعنی کلام پاک۔

(حاکم۔مراسیل ابوداؤد۔جامع ترمذی)

..... لیے ایک آلہ ہیں' مقاصد میں سے نہیں جیسا کہ ترکاریوں میں چھلکا مقصود نہیں ان کا مغز مقصود ہے۔لیکن کلام اللہ وہ ہے جس میں چھلکا کچھ بھی نہیں مغز ہی مغز ہے اس لیے اس کے کلمات بھی مقصود ہیں اور ان کلمات میں جو معانی عالیہ مضمر ہیں وہ بھی مقصود ہیں اس لیے یہاں اگر سمجھنے والا جواہر مقصود سے اپنے دامن کو بھر رہا ہے تو نہ سمجھنے والا بھی کلمات عالیہ کی برکات اور فیوض سے بہرہ ور ہے یہاں تو شان یہ ہے کہ

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد
برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی را

ایک حافظ جو معانی کا عالم نہیں رب العزت کے کلام کو پڑھ پڑھ کر اس میں مست ہے اور ایک عالم اس کے معانی عالیہ پر غور کر کے محوِ حیرت ہے۔محروم نہ یہ نہ وہ۔محروم دراصل وہ ہے جو حیلے بہانے بنا کر اس کلام پاک کی تلاوت سے بھی محروم ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما اذن الله لشیء ما اذن الله لنبی یتغنی بالقران. (رواہ البخاری و المسیہم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی آواز کی طرف حق تعالیٰ اتنی توجہ نہیں فرماتے جتنی کہ اس نبی کی آواز کی طرف جو خوش آوازی سے کلام الٰہی پڑھتا ہو۔

اب اندازہ فرمائیے جب حق سبحانہ وتعالیٰ کی قاری قرآن پر توجہ کا یہ نقشہ ہو تو پھر اس کی معرفت کے حصول کا ذریعہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔یہاں نبی کی قید اس لیے نہیں کہ اس بحر ذخار سے مستفید وہی ہوتا ہے' بلکہ اس لیے ہے کہ کلام جس قدر عالی ہے اس کے پڑھنے کا سلیقہ بھی اتنا ہی عالی ہونا چاہیے اور وہ نبی ہی ادا کر سکتا ہے اسی لیے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

عن عبیدة الملیکی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا اهل القران لا تتوسدوا القران و اتلوه حق تلاوته من اناء اللیل و النهار و افشوه و تغنوه و تدبروا ما فیه لعلکم تفلحون و لا تعجلوا ثوابه فان له ثوابا. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

عبیدہ ملیکی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اہل قرآن (یعنی حفاظ بالخصوص) قرآن کریم سے غفلت اختیار نہ کرو اور اس کی تلاوت کرنے کا جو حق ہے وہ شب و روز ادا کیا کرو اور اس کی اشاعت کرو اور اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اس کے معانی میں غور کیا کرو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو اور اس کا بدلہ دنیا ہی میں طلب مت کرو کیونکہ آخرت میں اس کا بہت بڑا بدلہ ملے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور اس سے غفلت اختیار نہ کرنا صرف اتنا ہی کافی نہیں' بلکہ مسلمانوں میں اس کی اشاعت کی کوشش کرنا بھی اس کا ایک حق ہے اور خوش آوازی سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو گانے کے طریقے پر پڑھو' بلکہ جس ملک میں وہ نازل ہوا اس کو اسی لہجہ میں پڑھو' کیونکہ قرآن جہاں اپنے کلمات اور رسم الخط کے ساتھ محفوظ ہے وہاں اس کے پڑھنے کا لہجہ بھی محفوظ ہے' اس کے سوا اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی مشغولی میں کچھ گنگنا کر اپنا دل بہلایا کرتا ہے' تو اپنے دل بہلانے کا ذریعہ گانے کی بجائے اس قرآن کو بنا لو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ قرآن .....

www.besturdubooks.net

(۱۳۵۶) عن عیاض بن حمار المجاشعی (۱۳۵۶) عیاض بن حمار مجاشعی ایک طویل روایت میں ذکر فرماتے ہیں

ﷺ ..... پاک تمہاری رگ رگ میں اتر چکا ہو۔

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

اور یہ بھی معلوم ہو کہ قرآن کریم جیسی رفیع الشان چیز کا بدلہ دنیا ہی میں مقصود بنالینا وہ روپیہ کی شکل میں ہو یا جاہ وشہرت کی شکل میں یہ اس نعمت عظمیٰ کی بڑی ناقدری کرنا ہے۔

اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس کے معانی پر غور وخوض کرنا اس کا ایک رکن رکین ہے۔ اگر عالم ہو جب تو کیا کہنے اور اگر عالم نہ ہو تو اردو زبان میں یا کسی دوسرے زبان میں اس کے صحیح تراجم سے یہ مقصدِ عظیم حاصل ہوسکتا ہے۔ غرض کہ "طلب الکل فوت الکل" کا مصداق نہ ہو جتنا اور جس صورت سے ممکن ہو اس کی تلاوت کرنے سے محروم نہ رہے تا کہ معرفتِ الٰہیہ کی غوطہ زنی اگر نصیب نہ ہو سکے تو ایک مؤمن کا دامن خشک ہونے سے بھی بچا رہے۔ معرفتِ ربانیہ یہ ایک موہبِ الٰہیہ ہے۔ جس کے لیے کلام الٰہی سے بڑھ کر کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا۔ یہاں بڑے بڑے شناور بھی آخر کار لوٹ کر اسی بحرِ ناپیدا کنار میں تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور غوطہ پر غوطہ لگا کر جب کنہ اور تہ کو نہیں پا سکتے تو حسرت سے یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

دامانِ نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گل چینِ بہار تو زِداماں گلہ دارد

یہی حال اس تلاوت کرنے والے کا ہے جو بے تابانہ چاہتا ہے کہ کلام الٰہی کے اس چمنستان سے معرفتِ الٰہی کے رنگ برنگ کے غیر متناہی پھول توڑ توڑ کر اپنے دامن میں جمع کرلے' مگر دیکھنا یہ ہے کہ پھولوں کی جتنی کثرت ہے دامن اتنا ہی زیادہ کوتاہ ہے۔

مضمون کچھ طویل ہو گیا اور اصل مقصد جو دل میں تھا وہ پھر ادا نہ ہو سکا اس لیے بصد حسرت وحرمان یہ ایک واقعہ لکھ کر قلم رکھ دینا پڑا۔

زیب النساء خود ایک شہزادی تھی اس کی شاعری کی دھوم سن کر اس کے والد کو ایک بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ ہم اس شاعر کو دیکھنا چاہتے ہیں جس کا یہ شیریں کلام ہے اس کو خبر کیا تھی کہ وہ خود اسی بادشاہ کی صاحبزادی ہے۔ اس پر اس کا والد غم وغصہ سے بھرا ہوا اپنی لڑکی کے پاس آ کر بولا کہ میں اسی دن کے لیے شعر گوئی سے تجھ کو منع کیا کرتا تھا لڑکی نے بصد ادب عرض کیا کہ جہاں پناہ آپ پریشان نہ ہوں اور جواب میں یہ شعر اس کو لکھ کر بھیج دیں۔

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

پس اگر اپنے شعروسخن میں زیب النساء دیکھی جا سکتی ہے تو کلام اللہ میں خود صاحبِ کلام کے جلوے دیکھنے میں تامل کیا ہے۔ قلم ایں جارسید و سر بشکست۔

دادیم تراز گنج مقصود نشاں
گرما نہ رسیدیم تو شاید بری

(۱۳۵۶) ✱ اس روایت میں قرآن پاک کی دو ممتاز صفتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے' یعنی دنیا میں ہر کتاب کے نقوش کسی نہ کسی ذریعے سے مٹ سکتے ہیں اور کم از کم جب تک مطابع نہ تھے ہر کتاب کی سیاہی پانی کے ذریعے مٹائی جا سکتی تھی' لیکن قرآن پاک ﷺ .....

www.besturdubooks.net

قَالَ فِيْ بَابِ الْاِنْذَارِ وَ التَّحْذِيرِ وَ فِيْهِ.... وَ قَالَ اِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِاَبْتَلِيَكَ وَ اَبْتَلِيَ بِكَ وَ اَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهٗ نَائِمًا وَ يَقْظَانَ الخ.

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۴۶۰)

کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تیری استقامت اور تیرا صبر و شکر آزمانے کے لیے تجھ کو بھیجا اور اس لیے کہ لوگوں کی آزمائش تیرے ذریعہ سے کروں (کہ وہ تیری اطاعت کرتے ہیں اور تجھ کو مانتے ہیں یا نہیں) اور تیرے ساتھ ایک ایسی کتاب نازل فرمائی' جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے اور جاگتے پڑھا کرے گا الخ- (مسلم شریف)

(۱۳۵۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُوْحٰى اِلَيْهِ لَا يَنْبَغِيْ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اَنْ يَجِدَ مَعَ مَنْ وَّجَدَ وَ لَا يَجْهَلَ مَعَ مَنْ

(۱۳۵۷) عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن شریف پڑھ لیا اس نے گویا نبوت کو اپنی دونوں پسلیوں کے درمیان لے لیا سوائے اس کے کہ اس پر کوئی وحی نہیں اترتی اس لیے قرآن والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جو شخص غصہ کرے وہ بھی غصہ کا

لله ..... کسی صورت بھی سینوں سے مٹائے مٹ نہیں سکتا- دوسری صفت اس میں یہ ہے کہ وہ اس طرح محفوظ ہے کہ سوتے جاگتے ہر حالت میں پڑھی جا سکتی ہے- انبیاء علیہم السلام کا تو سونا بھی ان کے جاگنے کے برابر ہوتا ہے' لیکن کسی کسی شوقین آدمی سے سوتے میں بھی قرآن کا پڑھنا مستبعد نہیں- اصل مراد تو یہاں اس کا حفظ ہونا ہے- محاورہ میں بولا کرتے ہیں کہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں- اسی طرح حافظ بچے سوتے میں بھی قرآن شریف کی آیات بے ارادہ اور بے شعوری کی حالت میں تلاوت کر جاتے ہیں- پھر آنکھ بند کر کے پڑھنا بھی اسی قرآن عزیز کی خصوصیات میں سے ہے- جو کتاب بھی اس کے سوا ہے' اس کو آنکھیں کھول کر ناظرہ پڑھنا تو ممکن ہے' لیکن آنکھیں بند کر کے سونے کی شکل میں پڑھنا ممکن نہیں- خلاصہ یہ کہ اس کی قراءت کے لیے ہر حالت کا استیعاب کرنا مقصود ہے-

(۱۳۵۷) ٭ کلام اللہ خدا کی وحیوں میں سے سب سے بڑی وحی ہے جو خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے نبیوں میں سے ایک نبی پر نازل ہوئی- یہ وحی بجز نبی کے کسی اور پر نازل نہیں ہوتی' لیکن جس شخص کے سینے میں یہ وحی محفوظ ہو اگر چہ وہ نبی تو نہیں بنتا' کیونکہ اس پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی' لیکن چونکہ یہ نازل شدہ وحی اس کے سینے میں محفوظ ہے اس لحاظ سے یہ کہنا بجا ہے کہ اس کے سینے میں علوم نبوت کا ایک ذخیرہ موجود ہے' گویا کہ ایک طرح سے نبوت ہی ہے اگر چہ اس پر وحی نازل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو نبی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ کہا جا سکے' لیکن یہ فضیلت اس کے لیے کیا کم ہے کہ اس کے سینے میں وحی نبوت کا مجموعہ محفوظ ہے- نبی بننے کے مشتاق اگر اس حدیث میں کچھ اژنا چاہیں اور ایک نہایت خوب صورت انداز بیان کو حقیقت کا لباس پہنانا چاہیں تو ان کو واضح رہنا چاہیے کہ پھر مسلمانوں میں ہر وہ بچہ جو حافظ ہوگا اپنے دور طفولیت ہی میں نبی کہلانے کا مستحق ہو سکے گا- یہاں تو مقصد یہ ہے کہ جس کے سینے میں قرآن ہو سب سے پہلے خود اس کو اپنے قرآن کا احترام لازم ہے- اب نہ غصہ کرنا اس کا کام ہونا چاہیے اور نہ جہالت کی باتوں میں پڑنا اس کا مشغلہ ہونا چاہیے- قرآن کے احترام اور علوم نبوت کے اس انعام کے ساتھ یہ باتیں کچھ جوڑ نہیں کھاتیں- حدیث میں مبشرات اور دوسرے چیدہ چیدہ خصائل کو نبوت کے اجزاء میں شمار کیا گیا ہے- مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی کو یہ وہم بھی نہیں گذرا کہ کسی کو $\frac{1}{46}$ یا $\frac{1}{40}$ مثلاً نبوت حاصل ہے- یہ انہی حریصوں کا شیوہ ہے' جو اپنے جہل سے نبوت کو نہیں جانتے اور ایک مشت خاک کی لله .....

www.besturdubooks.net

جَھِلَ وَ فِیْ جَوْفِہٖ کَلَامُ اللّٰہِ. (رواہ الحاکم و صححہ)

جواب غصہ سے دے اور جاہلوں کے ساتھ جہالت کرنے پر اتر آئے اور اس کا خیال نہ کرے کہ اس کے سینے میں کلام اللہ موجود ہے۔

(۱۳۵۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی وَ ذَکَرَ فِیْھَا وَ فَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ . (رواہ الترمذی و الدارمی و البیھقی فی شعب الایمان)

(۱۳۵۸) ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا' جس میں یہ بات بھی بیان فرمائی کہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ کلام اللہ کی فضیلت دوسرے سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کی تمام مخلوق پر۔
(ترمذی-دارمی-بیہقی شعب الایمان)

ﷺ ..... طرح اس کو بکھیر دینا چاہتے ہیں' مگر پھر اس کو سمیٹ کر ایک اپنی ذات کے سوا اپنے خاندان تو کیا اپنی اولاد کو بھی دینا نہیں چاہتے-ایک طرف دعوے نبوت اور دوسری طرف بخل کا یہ عالم حیرت ہی حیرت ہے-

اب ذرا سی ایک علمی بات سنتے جایئے اور وہ یہ کہ نبوت کوئی وصف متجزی نہیں' بلکہ ایک صفت اور ایسے اعراض میں سے ہے' جو مجموعہ انسان کے ساتھ قائم ہوتی ہے اس کو کسی خاص جگہ اٹھا کر رکھا نہیں جاسکتا-عرف میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے سینے میں قرآن ہے-ایک محدث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا سینہ حدیثوں سے لبریز ہے' لیکن ان تمام استعمالات میں یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ علم حدیث کا ذخیرہ اس کے جسم کے کسی گوشہ میں علیحدہ رکھا ہوا ہے اسی طرح حدیث مذکور میں اگر نبوت سے مراد علوم نبوت نہ ہوتے تو نبوت کو اس کے سینے میں رکھا ہوا نہ بتایا جاتا' بلکہ اس کی ذات کو نبی کہہ دیا جاتا جیسا کہ انسان کی ذات کو عالم وحافظ کہہ دیا جاتا ہے' لیکن یہاں صرف اسی پر کفایت نہیں کی گئی کہ اس پر نبی کا اطلاق نہیں کیا گیا' بلکہ غیر انہ لا یوحی الیہ کہہ کر حریصوں کی حرص کو خاک میں ملا دیا گیا ہے-اب جو نبی ایسا ہو کہ اس پر وحی کا ایک لفظ نہ اتر سکے وہ ایسا ہی نبی ہے جیسا نواب بے ملک اور بے تاج کا بادشاہ-لہٰذا حدیث نے تو غیر انہ لا یوحی الیہ کہہ کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے نبی ہونے کی جڑ ہی کاٹ دی ہے اور اپنے زمانے میں حفاظ کی کثرت کے باوجود کسی ایک متنفس نے بھی نہ کبھی خود بنفس نفیس اپنے آپ کو نبی کہا نہ اس حدیث کے ماتحت کسی دوسرے کے دل میں اسے نبی کہنے کا خیال گذرا-لیکن جن کے پاس نہ نبوت کا علم ہے نہ ختم نبوت کا وہ بے چارے زبردستی نبوت کو جاری تو کرنا چاہتے ہیں' مگر پھر اس کو ایک ایسے شخص کے اندر منحصر کر دیتے ہیں جس کے سینے میں کلام اللہ یا علوم نبوت کا پتہ بھی نہ تھا' اب اگر اس کو نواب بے ملک نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے- انا للہ و انا الیہ راجعون. یہاں ہم نے بے وجہ اس تطویل سے ناظرین کو بدمزہ تو کیا' لیکن یہ جو کچھ بھی گناہ کیا چند بدمذاقوں کی خاطر کیا- و نستغفر اللہ عزوجل.

(۱۳۵۸) ✱ حدیث مذکور میں کلام اللہ کی فضیلت کے لیے جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے-اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حیطہ بیان سے خارج ہے' یعنی حق تعالیٰ شانہ کے کلام کی فضیلت دوسرے اور کلاموں پر بیان کرنا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ خود حق تعالیٰ کی ذات کی افضلیت کا اس کی مخلوق پر بیان کرنا ناممکن ہے-

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

باقی کو فانی کے ساتھ اور کامل کو ناقص کے ساتھ اور مظلم کو نور در نور کے ساتھ سوائے تباین کے اور کوئی نسبت نہیں ہے-یہی نسبت ان دونوں کے کلاموں کے درمیان سمجھنی چاہیے-اس نسبت تباین کا بیان حدیث مذکور میں جس اسلوب سے کیا گیا ہے اس سے زیادہ مستحسن کوئی دوسرا اسلوب اختیار کرنا بھی غیر ممکن ہے-

www.besturdubooks.net

(۱۳۵۹) عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوَ قَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَ حُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَ مَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَ هُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَ هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَ لَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَ لَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَ لَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَ مَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَ مَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَ مَنْ دَعٰى اِلَى اللّٰهِ هُدٰى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(رواه الترمذي و الدارمي و قال الترمذي هذا حديث اسناده مجهول و في الحارث مقال)

(۱۳۵۹) حارث اعورؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں میرا گذر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ مسجد میں دنیوی باتیں کر رہے ہیں۔ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہ حال عرض کیا۔ آپ نے افسوس اور تعجب سے فرمایا اچھا کیا لوگ مسجد میں باتیں کرنے لگے۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ اس پر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ آئندہ زمانے میں فتنے ہوں گے میں نے پوچھا یا رسول اللہ پھر ان سے بچنے کا کیا راستہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا بس خدا تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم جس میں گذشتہ زمانوں کے حالات اور آئندہ کے واقعات اور تمہارے معاملات کے فیصلے یہ سب موجود ہیں' یہ کتاب کیا ہے؟ بس آخری فیصلہ ہے کچھ ہنسی مذاق نہیں' جس کسی جابر بادشاہ نے اس کو چھوڑا خدا تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا اور جس نے راہِ ہدایت اس کے سوا کہیں اور تلاش کی اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کیا۔ یہی خدا تعالیٰ کی (مخلوق کے لیے) ایک مضبوط رسی ہے' یہی وہ ذکر ہے جو حکمت سے لبریز ہے اور یہی سیدھی راہ ہے لوگوں کی خواہشات اس کے معانی بدل نہیں سکتیں۔ مختلف زبانیں اس میں خلط ملط نہیں کر سکتیں۔ علماء کے دل کبھی اس سے نہیں بھرتے' کتنا ہی اس کو پڑھیے' مگر وہ ہر دم تازہ کا لطف دیتا ہے۔ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ جنات جیسی مخلوق نے جب اس کو سنا تو وہ بھی بے ساختہ بول اٹھے انا سمعنا' الخ لوگو! آج ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو کامیابی کی راہ دکھاتا ہے ہم تو فوراً اس پر ایمان لے آئے۔ جس نے قرآن پڑھا اس نے سچ ہی سچ بولا' جس نے اس پر عمل کیا اس نے بے شبہ ثواب کمایا' جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے یقیناً انصاف کا فیصلہ کیا اور جس نے اللہ کی طرف دعوت دی' اس نے بلاشبہ راہ راست کی دعوت دی۔ (ترمذی۔ دارمی)

(۱۳۵۹) * ہر چند کہ اس حدیث میں اسنادی ضعف موجود ہے' لیکن اس کا ایک ایک کلمہ اپنی جگہ حقیقت ثابتہ ہے اور اس کی تائید صرف دیگر احادیث سے ہی نہیں' بلکہ واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ یہاں ہم نے اس حدیث کو اس کے ضعف کے باوجود اس لیے نقل کیا ہے کہ قرآن کی صداقت کے ساتھ ساتھ اس کی چند دیگر صفات سے بھی آشنا ہو جائیں اور اگر اس کو حدیث کا درجہ نہ دے سکیں تو کم از کم تشریحی نوٹ کے قائم مقام تو سمجھ ہی لیں اس کے بہت سے جملے تفصیل طلب ہیں لیکن جب اس کی اسناد ہی مجہول ہو اور اس کی وسعت کی گنجائش بھی نہ ہو تو پھر اس اجمال پر ہی کفایت کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں قرآنی اعجاز کے موضوع میں اس کے فضائل کا تذکرہ اس کے معجزہ ہونے کی گویا ایک شرح سمجھنی چاہیے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و معجزته الشهيرة باسطوانة الحنانة صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطوانہ حنانہ کا مشہور معجزہ

(۱۳۶۰) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَاِنَّ لِيْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ قَالَ فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِيْ صُنِعَ لَهُ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِيْ كَانَ يَخْطُبُ عَلَيْهَا حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتَّى اسْتَقَرَّتْ. (رواه الشيخان)

(۱۳۶۰) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی اجازت ہو تو میں آپ کے لیے کوئی چیز (یعنی منبر) تیار کرادوں' جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ دیا کریں کیونکہ میرا ایک غلام ہے جو بڑھئی کا کام جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تیار کرالو۔ جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر بیٹھے جو آپؐ کے لیے تیار کیا گیا تھا تو کھجور کا وہ درخت جس کا سہارا لے کر آپ پہلے خطبہ دیا کرتے تھے' ایسا چیخ چیخ کر رونے لگا گویا غم کے مارے پھٹ جائے گا۔ اس کے نالہ و بکا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور آپ نے آ کر اس کو گلے لگایا تو وہ اس طرح سسکنے لگا جیسا روتے ہوئے بچے کو بہلا کر خاموش کرتے ہیں اور وہ سسکیاں لینے لگتا ہے یہاں تک کہ بالکل خاموش ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

الرسول الاعظم و صيرورة اللحم الذى وضع لاجله مروة صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے جو گوشت رکھا گیا تھا اس کا ایک پتھر کا ٹکڑا بن جانا

(۱۳۶۱) عَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ قَالَ اُهْدِيَ لِاُمِّ

(۱۳۶۱) حضرت عثمانؓ کے ایک مولیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ کے

(۱۳۶۰) * اسطوانہ حنانہ کا معجزہ بہت مشہور ہے اور اس کے متعلق مؤلین کی کوئی تاویل بھی نظروں سے نہیں گذری اور اس کے بعض حقائق شروع مقالہ میں آپ کی نظروں سے گذر چکے ہیں اور بعض روایات میں یاد پڑتا ہے کہ آپ نے اپنے تسلی آمیز کلمات میں اسے یہ بھی فرمایا' کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جنت میں میرے ساتھ رہے' بہر حال وہ ستون آج تک روضہ جنت میں (جس کو عوام جنت کی کیاری سے ملقب کرتے ہیں) مدفون ہے اور اس کے لیے یہ فضیلت ہی کچھ کم نہیں کیونکہ یہ ٹکڑا جنت ہی کا ٹکڑا ہے جو قیامت میں اٹھا کر جنت میں لے لیا جائے گا۔

(۱۳۶۱) * گوشت کا یہ ٹکڑا کس کی نیت سے رکھا گیا تھا؟ یہ تو ظاہر ہی ہے مگر اللہ کی راہ میں ایک محتاج کو نہ دینے کا نتیجہ آپ نے دیکھا' ایسے معجزہ کے لیے ایسا ہی گھر مناسب تھا جہاں خدا تعالیٰ کی وحی اترا کرتی ہو۔ اب فرمایئے کہ گوشت کے پتھر بن جانے کا کیا فلسفہ سوچا جائے۔ سوائے اس کے کہ جو قطرۂ آب کو انسانِ ناطق بنا سکتا ہے وہ گوشت کے پتھر بنا دینے پر بھی قادر ہے۔ اور بنا دیا: فتبارک الله ...‌..

www.besturdubooks.net

سَلَمَۃَ بَضْعَۃٌ مِنْ لَحْمٍ وَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُہُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِیْہِ فِی الْبَیْتِ لَعَلَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُہٗ فَوَضَعَتْہُ فِیْ کُوَّۃِ الْبَیْتِ وَ جَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَی الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکُمْ فَقَالُوْا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ فَذَھَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اُمَّ سَلَمَۃَ ھَلْ عِنْدَ کُمْ شَیْءٌ اَطْعَمُہٗ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اِذْھَبِیْ فَأْتِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذَالِکَ اللَّحْمِ فَذَھَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِی الْکُوَّۃِ اِلَّا قِطْعَۃَ مَرْوَۃٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ ذٰلِکَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَۃً لِمَا لَمْ تُعْطُوْہُ السَّائِلَ. (رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ)

گھر گوشت کا ایک ٹکڑا کہیں سے بطور ہدیہ آیا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا اس لیے انہوں نے گھر کی خادمہ سے کہا اس کو حفاظت سے رکھ چھوڑ شاید آپ تشریف لائیں اور اس کو تناول فرمائیں۔ خادمہ نے گوشت کا وہ ٹکڑا اٹھا کر ایک طاق میں رکھ دیا اتفاق سے ایک سائل آنکلا اور دروازہ پر آ کر اس نے یہ صدا دی ''کچھ صدقہ دو اللہ تم کو برکت عطا فرمائے''۔عرب کے دستور کے مطابق جواب ملا' اللہ تعالیٰ تم کو بھی برکت عطا فرمائے۔ (جب کسی وجہ سے فقیر کو نہ دینا ہو تو یہ کلمہ کہہ دیا جاتا ہے) یہ سن کر سائل واپس چلا گیا۔ جب آپؐ گھر میں تشریف لائے تو آپؐ نے پوچھا ام سلمہ! تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہوگا۔ انہوں نے عرض کی جی ہاں اور خادمہ کو حکم دیا کہ فوراً جائے اور وہ گوشت لا کر آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ وہ گوشت لینے گئی کیا دیکھتی ہے کہ وہاں تو ایک پتھر کے ٹکڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جب یہ ماجرا آپ سے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا' کیونکہ تم نے اس کو سائل کو نہیں دیا تھا۔ (بیہقی شریف)

الرسول الاعظم وطلبہ ذراعًا فذراعًا وعلم مناولۃ ابی عبید فی المرۃ الثالثۃ وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لوسکت لنا ولتنی ذراعا فذراعا صلوات اللہ وسلامہ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بکری کے دو دستوں کے بعد تیسرے کا طلب کرنا مگر صحابی کا اس پر خاموش نہ رہنا اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ اگر تو خاموش رہتا تو دست پر دست دیئے چلا جاتا

(۱۳۶۲) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِیِّ

(۱۳۶۲) ابوعبیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

لله ..... احسن الخالقین. اگر اس قسم کے واقعات کا نزول وحی اور بیت نبوت میں ہی ظہور نہ ہوتا رہتا تو بولیے کیا صرف بیان سے اس قدرتِ مطلقہ کا اس بدیہی طور پر کسی کو یقین حاصل ہوسکتا۔ آج تو علوم عقلیہ ونقلیہ کے ذخیرے سب موجود ہیں' مگر سوچیے وہ کیا نہیں رہا جس کے ہونے سے ایک بدو کو بھی اس کا بدیہی یقین حاصل ہو جاتا۔ جی ہاں قدرت کے وہ مظاہر جو ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے ہر کس و ناکس کو اس پر یقین دلانے کے لیے مجبور کرتے تھے صرف ان کا مشاہدہ ہی آج آنکھوں سے غائب ہے اور بس۔

(۱۳۶۲) ٭ ایک طرف یہ صورت اعجاز دیکھیے کہ جب تک آپ دست طلب فرماتے رہتے قدرت کی جانب سے خلاف عادت کا ظہور ہوتا رہتا اور یہ حساب ہی رکھا رہتا کہ بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں۔ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ دو ہی دست ہوتے ہیں' مگر یہ لله .....

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَ كَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَادَعَوْتُ. (رواه الترمذی فی الشمائل)

سالن کی ایک ہانڈی پکائی' چونکہ آپ کو دست کا گوشت مرغوب تھا اس لیے میں نے پہلے دست ہی آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے دوسرا دست طلب فرمایا میں نے دوسرا دست اور پیش کر دیا اس کے بعد آپؐ نے تیسرا دست طلب کیا تو میں نے باادب عرض کی یا رسول اللہ بکری کے اور کے دست ہوتے ہیں آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم خاموشی کے ساتھ دیتے رہتے تو جب تک میں تم سے مانگتا رہتا تم مجھ کو دست پر دست دیتے ہی رہتے۔ (رواہ الترمذی)

الرسول الاعظم وظهور البركة فی الطعام والشراب صلوات الله وسلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے اور پینے کی اشیاء میں برکت کا معجزہ

(۱۳۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِيْ رَفِّيْ مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ اِلَّا شَطْرُ شَعِيْرٍ فِيْ رَفٍّ لِيْ فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتّٰى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ. (رواه البخاری فی الدعوات ج۲ ص ۹۵۵ والاطعمه)

(۱۳۶۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال اس حال میں ہوا کہ میرے یہاں الماری میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے بس صرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے تو میں اسی میں سے کھاتی رہی یہاں تک کہ مدت گذر گئی بس میں نے ایک دن انہیں ناپ لیا۔ بس اسی دن سے وہ برکت ختم ہوگئی۔ (بخاری)

..... رسول ہی جانتے ہیں کہ ان کے فرمان پر اگر ٹوکا نہ جائے تو قدرت کاملہ ان کے ذریعہ دست پر دست دے دے کر ان کے لیے یہ جدید کرشمہ بھی دکھا سکتی ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی عجیب ہے کہ اسی ایک موقعہ پر نہیں بہت سے مواقع پر جب عالم غیب کی کوئی بات مخفی رکھنی منظور ہوتی ہے تو پھر خود بخود قدرتی طور پر وہاں اس کے ظہور کے خلاف اسباب بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ کس طرح یہاں اس مخلص صحابی کے منہ سے ایک ایسا کلمہ نکل گیا' جو اس محیر العقول برکت کے ظہور سے مانع ہو گیا' اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا اس صادق و مصدوق فداہ ابی وامی کے فرمان کے خلاف ہونا ممکن تھا صلوٰات اللہ وسلامہ علیہ۔ اگر ایسا ظاہر بھی ہو جاتا تو وہ ان معجزات سے کچھ زیادہ عجیب تر نہ ہوتا جو صحیحین میں علی رؤس الاشہاد طعام میں ثابت ہوئے ہیں' مثلاً چند متنفسوں کا کھانا سینکڑوں کو کافی ہو جانا تو پھر اس سے کم درجے کے معجزات کے لیے سوہان لگانے کا فائدہ کیا۔ اس کے نظائر ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گذرنے والے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جیسے حضرت ابو ہریرہؓ کے کھجوروں کا قصہ اور ایک مقدس بی بی کے چکی کا واقعہ وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ: اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کسی کے ٹوک دینے کا نتیجہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا' لیکن آئندہ بھی امت میں متشرع اشخاص نے برکات کے ظہور پر ٹوکنے کا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور ان کا یہ فعل شاید اسی قسم کی حدیثوں کے ماتحت ہوگا۔

(۱۳۶۳) * ہم پہلے تنبیہ کر چکے ہیں کہ برکت کی چیزوں پر ٹوکنا یا بے وجہ ان کا اندازہ لگانا یہ اس برکت کو فنا کر دیتا ہے کیونکہ جب تک اس کو ناپا نہ تھا روزمرہ کے خرچ سے اس میں کمی وبیشی کا اندازہ نہ ہوسکتا تھا۔ اب جب ناپ لیا تو وہ غیبی برکت فنا کیوں نہ ہو جاتی۔ عالم غیب کی دنیا میں تول لگانی اچھی نہیں ہوتی۔ اس غیب کو غیب ہی رہنے دینا چاہیے۔ ہم اس جگہ ایک اہم تنبیہ کرتے ہیں کہ سنۃ اللہ یہ .....

www.besturdubooks.net

(۱۳۶۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ اَبَاهُ اسْتُشْهِدَ وَ تَرَكَ دَيْنًا وَ تَرَكَ سِتَّ بَنَاتٍ فَلَمَّا حَضَرَ جِدَادُ النَّخْلِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ وَالِدِيْ قَدِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ اُحُدٍ وَ تَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ يَّرَاكَ الْغُرَمَاءُ قَالَ اِذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلٰى نَاحِيَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ فَلَمَّا نَظَرُوْا اِلَيْهِ كَاَنَّهُمْ اُغْرُوْا بِيْ تِلْكَ السَّاعَةَ. فَلَمَّا رَاٰى مَا يَصْنَعُوْنَ اَطَافَ حَوْلَ اَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِيْ اَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى اَدَّى اللّٰهُ عَنْ وَالِدِيْ اَمَانَتَهُ وَ اَنَا اَرْضٰى اَنْ يُّؤَدِّيَ اللّٰهُ عَنْ وَالِدِيْ اَمَانَتَهُ وَ لَا اَرْجِعَ اِلٰى اَخَوَاتِيْ بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا حَتّٰى اِنِّيْ لَا نَظُرُ اِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةً وَّاحِدَةً رواه البخاري. وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ اَبَاهُ تَرَكَ عَلَيْهِ ثَلَاثِيْنَ

(۱۳۶۴) حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد شہید ہو گئے اور ان پر کچھ قرض اور چھ بیٹیاں چھوڑ گئے' تو جب کھجور توڑنے کا زمانہ آیا تو میں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد میں میرے والد شہید ہو گئے' ان پر بہت قرض تھا- میں یہ چاہتا تھا کہ (آپ میرے کھجوروں کے ڈھیروں کے پاس چلے چلیں اور) قرض خواہ لوگ آپ کو وہاں دیکھ لیں (تو مطالبہ میں کچھ نرمی کریں گے) تو حضورؐ نے فرمایا جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ- جب قرض خواہوں نے ان ڈھیروں کو (یا رسولؐ اللہ کو) دیکھا تو اس وقت یک بارگی میرے خلاف وہ لوگ بہت مشتعل ہو گئے- جب حضورؐ نے یہ ماجرا دیکھا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں تو حضورؐ اس میں سے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار گھومے پھر اسی پر بیٹھ گئے پھر مجھ سے فرمایا جاؤ اور اپنے قرض خواہوں کو میرے پاس بلا لاؤ- اس کے بعد حضور ان کو ناپ ناپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد پر جو قرض امانت تھا وہ سب ادا کرا دی اور میں تو اس پر بھی راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ بس میرے والد پر جو قرض ہے وہی ادا کروا دے خواہ میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور بھی بچا کر نہ لے جا سکوں تو کچھ پرواہ نہیں' لیکن آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وہ سب کے سب ڈھیر بالکل بچا دیئے اور جس ڈھیر پر حضورؐ بیٹھے تھے اس کو تو میں نے یہ دیکھا کہ گویا اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہونے پائی- (بخاری) اور دوسری روایت

لٹھ ..... ہے کہ فانی دنیا میں وہ کسی کا باقی رہنا پسند نہیں کرتی' اس لیے اس کے فنا کی صورتیں غیب سے ظاہر ہو کر اس کو فنا ہی کر ڈالتی ہیں- اگر چہ وہ اپنے افعال سے ہوتی ہیں' گو سنتِ الٰہیہ یہی ٹھہر چکی ہے سب احادیث میں آپ اس کی رعایت رکھئے کہ احادیث کی تشریحات میں ہر ہر جگہ ہم اس کا اعادہ نہیں کریں گے اگر آپ قسمت والے ہیں تو اس علمی نکتہ سے اپنے گھروں میں عملی فائدہ بھی اٹھایئے تاکہ یہ صرف کتاب تک محدود نہ رہے بلکہ آپ کے گھروں کے اندر ایک بڑی برکت کا باعث بھی ہو- اور اس بحث کو رہنے دیجئے کہ تھوڑی چیز بہت کیسے ہو سکتی ہے اور آسمان کی طرف نظریں اٹھائے رکھئے اور ان میں غیبی برکات کا انتظار کیجئے- وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرٍ- (النور: ۴۰)

(۱۳۶۴) ✻ آپ کی چہل قدمی سے اس برکت کا ظہور کسی سائنسی ضابطہ کے تحت نہیں آ سکتا اس لیے چند معجزات کی حقیقت کو مسخ کر کے ان کو مادی ضوابط کے تحت لانے کی سعی کرنی نقش بر آب ہے-

www.besturdubooks.net

وَسْقًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرٌ فَاَبَى اَنْ يُنْظِرَهُ فَكَلَّمَ جَابِرٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَشْفَعَ لَهُ اِلَيْهِ فَجَاءَهُ وَ كَلَّمَ الْيَهُوْدِيَّ لِيَاْخُذَ تَمَرَ نَخْلِهٖ بِالَّذِىْ لَهُ فَاَبَى فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ فَمَشٰى فِيْهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ جُدَّلَهُ فَاَوْفِ لَهُ فَجَدَّلَهُ بَعْدَ مَارَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثِيْنَ وَ سْقًا وَفَضَلَ لَهُ سَبْعَ عَشَرَةَ وَ سْقًا فَجَاءَ جَابِرٌ لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِىْ كَانَ فَوَجَدَهُ يُصَلِّى الْعَصْرَ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ. فَقَالَ اَخْبِرْ بِذٰلِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَذَهَبَ جَابِرٌ اِلٰى عُمَرَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ عُمَرُ لَقَدْ عَلِمْتُ حِيْنَ مَشٰى فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُبَارَكَنَّ فِيْهَا.

میں ہے کہ ان کے والد پر تیس وسق کھجوریں ایک یہودی کی قرض تھیں تو جابرؓ نے چاہا کہ اس قرض خواہ سے کچھ مہلت لے لیں اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا تب جابر حضورؐ کے پاس یہ کہنے آئے کہ ذرا اس یہودی سے آپ کچھ مہلت دینے کی سفارش کر دیں تو حضورؐ اس پر یہودی کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ جتنا تمہارا قرضہ ہے اس کے عوض تم ایک درخت کی کھجوریں لے لو تو اس نے منظور نہیں کیا اس پر آپ ان کے کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے اور کچھ ٹہلے اس کے بعد آپؐ نے جابرؓ سے فرمایا کہ کھجوریں لے کر اس کا پورا قرض ادا کر دو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے تب جابرؓ نے اس کو ناپ کر تیس وسق کھجوریں دے دیں۔ اس کے بعد بھی ان کے پاس سترہ وسق کھجوریں بچ رہیں تو حضرت جابرؓ اس ماجرے کی خبر دینے آپؐ کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپؐ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت جابرؓ نے آپ کو کھجوروں کے بچ جانے کی خبر دی تو حضورؐ نے فرمایا جاؤ اس کی اطلاع عمر ابن خطاب کو بھی کر دو جابر حضرت عمرؓ کے پاس آئے حضرت عمرؓ بولے کہ جب حضورؐ نے اس باغ میں چہل قدمی فرمائی تھی میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ حق تعالیٰ اس میں ضرور بضرور برکت دے کر رہیں گے۔

(۱۳۶۵) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِىْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ عُكَّةٍ لَهَا سَمْنًا فَيَاْتِيْهَا بَنُوْهَا فَيَسْاَلُوْنَ الْاُدْمَ وَ لَيْسَ عِنْدَهُمْ شَيْءٌ فَتَعْمِدُ اِلَى الَّذِىْ كَانَتْ تُهْدِىْ فِيْهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيْهِ سَمْنًا قَالَ فَمَا زَالَ يُقِيْمُ لَهَا اُدْمُ بَيْتِهَا حَتّٰى عَصَرَتْهُ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۳۶۵) حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ام مالکؓ کا دستور تھا کہ ایک کپی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ پھر جب ان کے پاس ان کے لڑکے آتے اور کچھ سالن مانگتے اور ان کے یہاں سالن کے قسم کی اور کوئی چیز نہ ہوتی تو وہ بی بی ام مالکؓ اسی کپی کی طرف بڑھتیں جس میں حضورؐ کے پاس گھی ہدیہ بھیجا کرتی تھیں تو برابر اس میں گھی پاتیں۔ راوی کہتے ہیں کہ عرصے تک برابر وہ کپی ان کے لیے سالن مہیا کر دیا کرتی تھی۔ بس ایک دن انہوں نے اس کپی کو اچھی طرح نچوڑ کر پونچھ پانچھ لیا اور اس کے

(۱۳۶۵) ٭ دیکھیے ہماری بات یاد رکھیے کہ یہاں برکت کی فنا کے لیے ان کا عصر یعنی کپی کو نچوڑنا برکت ختم ہو جانے کا باعث بن گیا اور پہلی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو کا ناپ لینا ان کے ختم ہونے کا سبب بنا اور اس سے بہت پہلے حدیث میں آپ کی طلب پر ایک صحابی کا یہ کہہ دینا کہ بکری کے اور کتنے دست ہوتے ہیں نا مبارک ٹھہرا۔

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيهَا؟ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيهَا مَازَالَ قَائِمًا. (رواه مسلم)

بعد حضورؐ کے پاس آئیں (اور نچوڑنے کا ذکر کیا) تو حضورؐ نے فرمایا ارے کیا تم نے اسے نچوڑ کر صاف کر دیا؟ کہنے لگیں جی ہاں- فرمایا اگر تم اسے ویسے ہی رہنے دیتیں تو وہ برکت برابر قائم و باقی رہتی- (مسلم شریف)

(۱۳۶۶) عَنْ جَابِرٍ اَيْضًا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَطْعِمُهُ فَاَطْعَمَهُ شَطْرَ وَسَقِ شَعِيْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ يَاْكُلُ مِنْهُ وَ امْرَأَتُهُ وَ ضَيْفُهُمَا حَتّٰى كَالَهُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَا كَلْتُمْ مِنْهُ وَ لَقَامَ لَكُمْ. (رواه مسلم)

(۱۳۶۶) حضرت جابرؓ ہی اس کے بھی راوی ہیں کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور کھانے کو کچھ مانگا آپؐ نے اس کو تھوڑے سے جو مرحمت فرما دیئے تو عرصے تک وہ آدمی اور اس کی بیوی اور ان دونوں کے آئے گئے مہمان اسی میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ ایک دن اس نے وہ جو ناپ ڈالےٗ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کاش تم نے اسے ناپا نہ ہوتا تو تم برابر اس میں سے کھاتے رہتے اور وہ اسی طرح باقی رہتے- (مسلم)

(۱۳۶۷) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ بِاَهْلِهٖ قَالَ فَصَنَعَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ حَيْسًا فَجَعَلَتْهُ فِيْ تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ فَقَالَتْ يَا اَنَسُ اِذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعَثَتْ بِهٰذَا اُمِّيْ اِلَيْكَ وَ هِيَ تُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَ تَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا لَكَ مِنَّا قَلِيْلٌ. فَقَالَ ضَعْهُ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَادْعُ فُلَانًا وَّ فُلَانًا وَّ فُلَانًا وَ مَنْ لَقِيْتَ وَ سَمّٰى رِجَالًا قَالَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰى وَ مَنْ لَقِيْتُ قَالَ الْجَعْدُ وَ هُوَ الرَّاوِيْ عَنْ اَنَسٍ عَدَدُكُمْ كَانُوْا؟ قَالَ كَانُوْا زُهَاءَ ثَلَاثِ مِائَةٍ وَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ هَاتِ التَّوْرَ قَالَ فَدَخَلُوْا حَتَّى امْتَلَأَتِ الصُّفَّةُ وَ الْحُجْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ عَشَرَةٌ وَلْيَاْكُلْ كُلُّ اِنْسَانٍ مِمَّا يَلِيْهِ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا قَالَ فَخَرَجَتْ طَائِفَةٌ وَ دَخَلَتْ

(۱۳۶۷) انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنی شادی فرمائی اور اپنی زوجہ مطہرہ کے ساتھ شب باشی فرمائی تو ام سلیمؓ نے حریرہ پکا کر اسے پتھر کے ایک برتن میں رکھ دیا اور کہا کہ اے انس اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ (تو وہ اسے لے کر حضورؐ کے پاس آئے) اور کہا کہ میری والدہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ بھیجا ہے اور کہا ہے کہ یہ ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں ایک حقیر ہدیہ ہے- حضورؐ نے فرمایا اچھا اسے رکھ دو اور جاؤ فلاں اور فلاں اور فلاں کو بلا لاؤ اور بھی چند آدمیوں کا نام لیا اور فرمایا کہ جو جو شخص تمہیں ملے اسے بھی بلا لاؤ- راوی کہتے ہیں کہ جس جس کا نام حضورؐ نے لیا تھا ان کو اور جو جو مجھے ملے ان کو بھی میں بلا لایا- اس پر جعد (راوی کا نام ہے) نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ ان سب کی تعداد کل کتنی ہوگی؟ تو انسؓ نے کہا کہ وہ سب کچھ اوپر تین سو آدمی تھے- پھر مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس وہ برتن تو لاؤ- پھر وہ مہمان آنا شروع ہوئے تو پھر پورا صفہ اور وہ حجرہ شریفہ سب بھر گیا- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس دس آدمی حلقہ بنا بنا کر بیٹھیں اور ہر شخص اپنے سامنے ہی سامنے سے لے کر کھائے- راوی کہتے ہیں کہ ان دسوں نے کھایا اور پیٹ بھر کر کھایا- اس طرح ایک ٹولی کھا کر نکلتی اور دوسری ٹولی اندر جاتی یہاں تک کہ سبھوں نے کھا لیا تو حضور صلی اللہ علیہ

www.besturdubooks.net

طَائِفَةٌ حَتّٰى اَكَلُوْا كُلُّهُمْ فَقَالَ يَا اَنَسُ ارْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا اَدْرِىْ حِيْنَ وَضَعْتُ كَانَ اَكْثَرَ اَمْ حِيْنَ رَفَعْتُ قَالَ وَ جَلَسَ طَوَائِفُ مِنْهُمْ يَتَحَدَّثُوْنَ وَ ذَكَرُوْا نُزُوْلَ اٰيَةِ الْحِجَابِ. (رواه الشيخان)

وسلم نے فرمایا اے انس اب اسے اٹھاؤ تو انسؓ کہتے ہیں کہ میں کچھ بتا نہیں سکتا کہ جب میں نے وہ پیالہ لا کر رکھا تھا جب زیادہ تھا یا جب اس کو اٹھایا (یعنی جوں کا توں رہا) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ اسی موقع کا واقعہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ کھا کر وہیں بیٹھ گئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے اور آیتِ حجاب کا نزول اسی موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ (بخاری مسلم)

(۱۳۶۸) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ حَتّٰى اللَّيْلِ يَقُوْمُ عَشَرَةٌ وَ يَقْعُدُ عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمَا كَانَتْ تُمَدُّ قَالَ فَمِنْ اَىِّ شَىْءٍ تَعْجَبُ مَا كَانَتْ تُمَدُّ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ اِلَى السَّمَاءِ. (رواه النسائى و الترمذى و قال حديث حسن صحيح و رواه الدارمى و الحاكم فى صحيحه)

(۱۳۶۸) سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے اور صبح و شام ایک ہی پیالہ میں سے کھانا کھاتے رہتے اور ہم (ایک مرتبہ میں) اس پر دس آدمی بیٹھتے ان کے بعد پھر اور دس آدمی اسی پر بیٹھ جاتے تو ہم نے پوچھا کہ یہ برکت اس میں ہوتی کہاں سے تھی؟ اس پر جواب ملا کہ تم کو تعجب کس بات پر ہے۔ یہ برکت اور کہاں سے آتی ہے یہ کہہ کر آسمان کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی آسمان سے آتی تھی)۔

(۱۳۶۹) عَنْ جَابِرٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا حُفِرَ الْخَنْدَقُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا فَانْكَفَاْتُ اِلَى امْرَاَتِىْ فَقُلْتُ لَهَا هَلْ عِنْدَكِ شَىْءٌ فَاِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِيْدًا فَاَخْرَجَتْ لِىْ جِرَابًا فِيْهِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ وَ لَنَا بُهَيْمَةٌ دَاجِنٌ قَالَ فَذَبَحْتُ وَ طَحَنَتْ فَفَرَغَتْ اِلٰى فَرَاغِىْ فَقَطَّعْتُهَا فِىْ بُرْمَتِهَا ثُمَّ وَلَّيْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَا تُفْضِحْنِىْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ مَعَهٗ قَالَ فَجِئْتُ فَسَارَرْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا ذَبَحْنَا

(۱۳۶۹) جابر بیان کرتے ہیں کہ جب (جنگ کے لیے مدینہ کے اردگرد) خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوکا دیکھا میں فوراً لوٹ کر اپنی بی بی کے پاس آیا اور میں نے کہا 'تمہارے یہاں کھانے کے لیے کچھ ہے' کیونکہ میں نے آپ پر شدید بھوک کا اثر دیکھا ہے۔ اس نے ایک تھیلا نکالا اس میں ایک صاع جو ہوں گے اور ہمارے یہاں گھر کا پلا ہوا بکری کا بچہ تھا بس میں نے تو اس کو ذبح کیا اور بی بی نے جو پیسے ادھر وہ آٹا پیس کر فارغ ہوئی اور ادھر میں گوشت بنا کر فارغ ہو گیا اور میں نے اس کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈال دیں اور گھر سے واپس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ بی بی نے کہا دیکھنا (ذرا سا کھانا ہے) ہم کو آپ کے اور آپ کے ہمراہیوں میں کہیں شرمندہ نہ کرنا۔ یہ کہتے ہیں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے چپکے سے آپ کے کان میں کہا 'یا رسولؐ اللہ ہم نے ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور بی بی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے۔ پس آپ ہی اور چند لوگ آپ کے ساتھ تشریف لے آئیں۔

www.besturdubooks.net

بُهَيْمَةٌ لَنَا وَ طَحَنْتُ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عِنْدَنَا فَتَعَالَ اَنْتَ وَ نَفَرٌ مَّعَكَ فَصَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ يَا اَهْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَ لَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَتَكُمْ حَتّٰى اَجِيْئَ فَجِئْتُ وَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْدُمُ النَّاسَ حَتّٰى جِئْتُ امْرَاَتِيْ فَقَالَتْ بِكَ وَ بِكَ قَالَ قَدْ فَعَلْتُ الَّذِيْ قُلْتِ لِيْ فَاَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَ بَارَكَ ثُمَّ عَمِدَ اِلٰى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ فِيْهَا وَ بَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعِيْ لِيْ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَ اقْدَحِيْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَ لَا تُنْزِلُوْهَا وَ هُمْ اَلْفٌ فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَاَكَلُوْا حَتّٰى تَرَكُوْهُ وَ انْحَرَفُوْا وَ اِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَ اِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ.

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان فرمادیا کہ جابرؓ نے تمہاری سب کی دعوت کی ہے- لہٰذا تم سب جلدی سے چلو اور آپ نے فرمایا جب تک میں نہ آؤں اپنی گوشت کی ہانڈی چولھے پر سے نہ اتارنا اور نہ آٹے کی روٹی پکانا- میں گھر آیا اور لوگوں کے آگے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے- میں بی بی کے پاس آیا (اور سب ماجرا کہا) اس نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے میں نے کہا کہ میں نے تمہارے کہنے کے مطابق خاموشی کے ساتھ ہی آپ کو اطلاع دی تھی (لیکن میں کیا کروں کہ اب سب آگئے) میں نے آٹا نکال کر آپؐ کے سامنے پیش کر دیا آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کے لیے دعا فرمائی- اس کے بعد ہماری ہانڈی کے پاس آئے اور اس میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعاء برکت فرمائی' پھر فرمایا اب ایک عورت بلالاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکاتی رہے اور اپنی ہانڈی سے گوشت نکال نکال کر دیتی رہو' مگر دیکھنا ہانڈی چولھے کے اوپر سے اتارنا مت- اس وقت کھانے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی' خدا کی قسم سب نے وہ کھانا کھالیا یہاں تک کہ سب لوگ کھا کر واپس ہوگئے اور کھانا باقی رہ گیا اور ہماری ہانڈی جیسی تھی' ویسی کی ویسی ہی بھری رہی اور آٹا بھی اتنا کا اتنا ہی پڑا رہا- (الشیخان)

(و فی روایة قال جابر انا یوم الخندق نحفر فعرضت كدية شديدة فجاؤا الی رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا هذه كدية عرضت فقال انا نازل فقام و بطنه معصوب بحجر و لبثنا ثلاثا لا نذوق ذواقًا فاخذ النبی صلى الله عليه وسلم المعول فضرب فعاد كثيبا اهيل فقلت يا رسول الله ائذن لی الی البيت فقلت لا مرأتی انی رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا ما فی ذلك صبر. قالت عندی شعير و عناق فذبحت العناق و طحنت الشعير حتی جعلنا اللحم فی البرمة ثم جئت الی رسول الله صلى الله عليه وسلم و العجين قد انكسر و البرمة بين الاثافی قد كادت ان تنضج فقلت طعيم لی فقم انت يا رسول الله و رجل و رجلان. قال كم هو فذكرت له فقال كثير طيب قال قل لها لا تنزع البرمة و لا الخبز من التنور حتی اتی قال فقوموا فقام المهاجرون و الانصار فلما دخل علی امرء ته قالت و يحك جاء النبی صلى الله عليه وسلم بالمهاجرين و الانصار و من معهم قالت هل سألك قلت نعم فقال ادخلوا و لا تضاغطوا فجعل يكسر الخبز و يجعل عليه اللحم و يخمر البرمة و التنور اذا اخذ منه و يقرب الی اصحابه ثم ننزع فلم يزل يكسر و يغرف حتی شبعوا و فی بقية قال كل هذا و اهد فان الناس اصابتهم مجاعة.)

www.besturdubooks.net

(١٣٧٠) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ وَ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنْ کُنْتُ لَاَعْتَمِدُ بِکَبِدِیْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْجُوْعِ وَ اِنْ کُنْتُ لَاَشُدُّ الْحَجَرَ عَلٰی بَطْنِیْ مِنَ الْجُوْعِ وَ لَقَدْ قَعَدْتُ یَوْمًا عَلٰی طَرِیْقِهِمُ الَّذِیْ یَخْرُجُوْنَ مِنْهُ فَمَرَّ اَبُوْبَکْرٍ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ اٰیَةٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰهِ مَا سَاَلْتُهٗ اِلَّا لِیَسْتَتْبِعَنِیْ فَمَرَّ وَ لَمْ یَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّبِیْ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَسَّمَ حِیْنَ رَاٰنِیْ وَ عَرَفَ مَا فِیْ وَجْهِیْ وَ مَا فِیْ نَفْسِیْ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَاهِرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ اِلْحَقْ وَ مَضٰی فَاتَّبَعْتُهٗ فَدَخَلَ فَاسْتَاْذَنْتُ فَاَذِنَ لِیْ فَدَخَلْتُ فَوَجَدَ لَبَنًا فِیْ قَدَحٍ فَقَالَ مِنْ اَیْنَ هٰذَا اللَّبَنُ قَالُوْا اَهْدَاهُ لَکَ فُلَانٌ اَوْ فُلَانَةٌ. قَالَ یَا اَبَاهِرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِلْحَقْ اِلٰی اَهْلِ الصُّفَّةِ. فَادْعُهُمْ لِیْ. قَالَ وَ اَهْلُ الصُّفَّةِ اَضْیَافُ الْاِسْلَامِ لَا یَاْوُوْنَ اِلٰی اَهْلٍ وَ لَا اِلٰی مَالٍ اِذَا اَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا اِلَیْهِمْ وَ لَمْ یَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَیْئًا وَ اِذَا اَتَتْهُ هَدِیَّةٌ اَرْسَلَ اِلَیْهِمْ وَ اَصَابَ مِنْهَا وَ اَشْرَکَهُمْ فِیْهَا

(١٣٧٠) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ (ایک وقت مجھ پر ایسا بھی گذرا ہے کہ) میں بھوک میں کبھی کبھی زمین سے اپنا کلیجہ لگا لیا کرتا تھا اور کبھی کبھی بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا اور ایک دن تو میں اس راستے پر جا بیٹھا جس سے مسلمان گزرا کرتے تھے۔ تو ابوبکرؓ گزرے تو میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کا مطلب محض اس لیے پوچھا کہ شاید یہ میرا حال پوچھیں اور مجھ کو اپنے ساتھ لے جا کر کچھ کھانے کو دیں، مگر وہ گزرتے ہوئے چلے گئے اور انہوں نے میری بات نہ پوچھی، پھر حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور میرے چہرے بلکہ میرے دل میں جو آثار اور خواہش تھی اسے پہچان گئے، پھر فرمایا اے ابوہر! میں نے کہا جی یارسول اللہ فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو اور حضورؐ چلے میں پیچھے پیچھے چلا۔ آپ گھر میں چلے گئے پھر میں نے اجازت مانگی تو آپؐ نے اندر آنے کی اجازت دی تو آپؐ نے ایک پیالے میں کچھ دودھ رکھا ہوا پایا۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا اسے فلاں مرد یا عورت نے (راوی کو اس میں شک ہے) آپؐ کے پاس ہدیہ بھیجا ہے۔ آپؐ نے خوش ہوکر مجھ سے فرمایا اے ابوہرؓ میں نے کہا جی یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا جاؤ اہل صفہ کے پاس اور ان کو میرے پاس بلا لاؤ۔ ابوہر کہتے ہیں یہ اصحاب الصفہ صرف اسلامی مہمان تھے ان کا نہ کہیں گھر بار تھا نہ کوئی کاروبار تھا۔ جب بھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کہیں سے کوئی صدقہ خیرات کا کھانا آتا تب تو آپ اسے سب کا سب انہیں لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور

(١٣٧٠) * اس حدیث میں اعجاز کی صورت تو بالکل نمایاں ہے، مگر اس میں کچھ اسلامی آداب بھی موجود ہیں یعنی ضرورت کے وقت اپنے گھر بلا کر تہذیب کے ساتھ پہلے سب کی تواضع کرنی، لوگوں کا بھیڑ کرنے کے بجائے اپنی اپنی جگہ مرتب بیٹھ جانا اس کے بعد ابوہریرہؓ کا ان پر دور کرنا پھر خود ان کو دودھ پلانے کے لیے بیٹھنے کا امر فرمانا اور اپنی ضرورت کا سب سے آخر میں پورا کرنا۔ یہاں یہ شان بھی عجیب ہے کہ جس دودھ نے ابھی ابھی سب کو سیراب کیا تھا وہ آپ کے پی لینے پر ختم کیسے ہوگیا۔ کیا اس کو بھی معجزہ قرار نہ دیا جائے کیا خوب بابرکت وہ ذات تھی جس نے قطرہ کو سمندر کر دیا اور پھر سمندر کو قطرہ بنا کر دکھا دیا۔ اللهم صل علی سیدنا محمد و بارک علیه.

www.besturdubooks.net

فَسَاءَنِی ذَالِکَ فَقُلْتُ وَ مَا هٰذَا اللَّبَنُ فِیْ اَهْلِ الصُّفَّةِ كُنْتُ اَحَقُّ اَنْ اُصِیْبَ مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً اَتَقَوّٰی بِهَا فَاِذَا جَاءُوْا اَمَرَنِیْ فَكُنْتُ اَنَا اُعْطِیْهِمْ وَ مَا عَسٰی اَنْ یَّبْلُغَنِیْ مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ وَ لَمْ یَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَ طَاعَةِ رَسُوْلِهٖ بُدٌّ فَاَتَیْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا وَ اسْتَاْذَنُوْا فَاَذِنَ لَهُمْ وَ اَخَذُوْا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَیْتِ فَقَالَ اَبَاهِرٍّ. فَقُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ خُذْ فَاَعْطِهِمْ فَاَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ اُعْطِیْهِ الرَّجُلَ فَیَشْرَبُ حَتّٰی یَرْوٰی ثُمَّ یَرُدُّ عَلَی الْقَدَحِ حَتّٰی انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ رَوِیَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ فَاَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهٗ عَلٰی یَدِهٖ فَنَظَرَ اِلَیَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ یَا اَبَاهِرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ بَقِیْتُ اَنَا وَ اَنْتَ. قُلْتُ صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ اُقْعُدْ فَاشْرَبْ فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ فَمَازَالَ یَقُوْلُ اِشْرَبْ حَتّٰی قُلْتُ لَا وَ الَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اَجِدُ لَهٗ مَسْلَكًا. قَالَ فَاَرُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُهُ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ سَمّٰی وَ شَرِبَ الْفَضْلَةَ. (رواہ البخاری)

(۱۳۷۱) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب آپ کے پاس کچھ ہدیہ آتا تو آپ ان کے پاس بھی بھیجتے اور خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی اس میں شریک کر لیتے' تو مجھ کو یہ اصحابِ صفہ کا بلوانا ذرا شاق گذرا اور میں نے دل میں سوچا کہ اصحابِ صفہ کی تعداد تو بہت ہے یہ ایک پیالہ دودھ بھلا کیا کافی ہو سکے گا- میں زیادہ مستحق تھا کہ اس دودھ سے اتنا پینے کو مل جاتا' جس سے مجھ میں کچھ جان آ جاتی' جب وہ لوگ آتے تو حضورؐ مجھی کو تقسیم کا حکم دیتے تھے میں ہی ان کو دیتا تھا اور امید نہ تھی کہ اس میں سے کچھ بچ کر مجھے بھی مل سکتا' مگر کرتا کیا' اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو خوشی سے ماننے کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہ تھا- غرض میں اصحابِ صفہ کے پاس آیا اور میں نے دعوت پہنچا دی تو وہ سب لوگ آ پہنچے اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی- آپ نے ان کو اجازت دی اور وہ لوگ مکان میں آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضورؐ نے محبت کے لہجہ میں فرمایا اے ابو ہر میں نے کہا جی یا رسول اللہ! فرمایا یہ لو اور ان کو تقسیم کر دو- میں نے وہ پیالہ لے کر ہر ایک آدمی کو باری باری دیا وہ پی لیتا اور جب وہ خوب سیر ہو لیتا تب وہ شخص پیالہ مجھے واپس کرتا یہاں تک کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے کر پہنچا بقیہ سب لوگ سیر ہو کر پی چکے تھے تو حضورؐ نے وہ پیالہ لے کر اسے اپنے دستِ مبارک پر رکھا پھر میری طرف دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا' اے ابو ہر! میں نے عرض کیا جی یا رسول اللہ! فرمایا تو اب میں اور تم ہی باقی رہ گئے ہیں- میں نے عرض کیا آپؐ نے سچ فرمایا یا رسول اللہ! فرمایا بیٹھو اور پیو- میں بیٹھ گیا اور میں نے پیا- حضورؐ بار بار فرماتے جاتے اور پیو اور پیو- آخر میں نے کہا کہ اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا اب میرے پیٹ میں ذرا بھی گنجائش نہیں- حضورؐ نے فرمایا اچھا تو لاؤ مجھے پلاؤ- میں نے وہ پیالہ حضور کو دیا- آپؐ نے خدا کی تعریف کی بسم اللہ پڑھی اور بقیہ دودھ خود پی لیا- (بخاری)

(۱۳۷۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم ایک سو تیس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۳۷۱) ✱ یہ بھی ایک ادب اسلامی ہے کہ پہلے دریافت کر لیا جائے کہ کسی شخص کو بیچنا منظور ہے یا ہدیہ پیش کرنا اور ابتداء سے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثِيْنَ وَ مِائَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَ اَحَدٍ مِّنْكُمْ طَعَامٌ فَاِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ اَوْ نَحْوُهُ فَعُجِنَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْعَانٌ طَوِيْلٌ بِغَنَمٍ يَسُوْقُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَيْعًا اَمْ عَطِيَّةً اَوْ قَالَ هِبَةً قَالَ بَلْ بَيْعٌ فَاشْتَرٰى مِنْهُ شَاةً فَصُنِعَتْ وَ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَوَادِ الْبَطْنِ اَنْ يُشْوٰى وَ اَيْمُ اللّٰهِ مَا فِي ثَلَاثِيْنَ وَ مِائَةٍ اِلَّا مَنْ قَدْ حَزَّ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا اِنْ كَانَ شَاهِدًا اَعْطَاهُ وَ اِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَاَ لَهُ فَجَعَلَ مِنْهَا قَصْعَةً فَاَكَلُوْا اَجْمَعُوْنَ وَ شَبِعْنَا فَفَضَلَتِ الْقَصْعَتَانِ فَحَمَلْنَا عَلَى الْبَعِيْرِ اَوْ كَمَا قَالَ. (رواه الشيخان)

نے فرمایا کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھی ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک شخص کے پاس ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جو کا آٹا ہے تو اس نے اسے گوندھا- اتنے میں ایک شخص جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کشیدہ قامت تھا' کچھ بکریاں ساتھ لے کر آیا تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ قیمت سے دو گے یا عطیہ اور ہبہ کے طور پر دو گے؟ اس نے کہا نہیں' بلکہ قیمت سے دوں گا- تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری خرید لی اور ذبح کی- وہ بنائی گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیٹ کی کلیجی' دل' گردہ وغیرہ کو بھوننے کا حکم دیا اور خدا کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں کوئی ایک شخص بھی نہیں بچا' جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کلیجی اور دل گردہ میں سے نہ دیا ہو' اگر وہ موجود ہوتا تو اسے دے دیتے اور جو موجود نہ ہوتا اس کے لیے رکھ دیتے اور اس سے ایک پیالہ بھر کر رکھا تو سب لوگوں نے اس میں سے کھایا اور خوب شکم سیر ہو کر کھایا اس کے بعد دو پیالے بچ گئے اور ہم اسے اونٹ پر لاد کر لے گئے-

(شیخان)

(۱۳۷۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ لِاُمِّ سُلَيْمٍ قَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعِيْفًا اَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَاَخْرَجَتْ اَقْرَاصًا مِنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ اَخَذَتْ

(۱۳۷۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ سے کہا کہ آج میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو بہت کمزور تھی- مجھے اس میں بھوک کی شدت کا اثر محسوس ہوا' بتاؤ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے- اس کے بعد انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں پھر انہوں نے اپنی ایک اوڑھنی نکال کر اس کے ایک حصہ

ﷺ ..... کسی بات کا اس پر جبر نہ کیا جائے تعجب ہے کہ ایسے صاحب اخلاق عالیہ اور دوسروں کو ادب سکھانے والے پر مخالفین اسلام کو لوٹنے کا الزام لگاتے شرم نہیں آتی- مال غنیمت کو لوٹ کا مال سمجھنا یہ غنیمت کی حقیقت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے' اس بحث کو معجزات کے ضمن میں پھیلایا نہیں جا سکتا- مال غنیمت کا مال حلال ہونا خاص اس امت کا طغرۂ امتیاز ہے اور لوٹ کا حرام ہونا ابدی شریعت ہے پھر کجا یہ اور کجا وہ-

(۱۳۷۲) ✱ یہاں آداب اسلامیہ میں سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے برکتہً ظہور میں آئے تو جو اپنی ضرورت سے بچ رہے اس کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دینا چاہیے بچا کر گھر میں رکھ لینا اور محتاجوں کو محروم رکھنا اور وہ بھی اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد یہ آداب اسلامیہ میں سے نہیں-

www.besturdubooks.net

خِمَارًا لَّهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ ثَوْبِیْ وَ رَدَّتْنِیْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ اَرْسَلَتْنِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَهَبْتُ بِهٖ فَوَجَدْتُّهٗ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ وَ مَعَهُ النَّاسُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ. قَالَ بِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَّعَهٗ قُوْمُوْا. قَالَ فَانْطَلَقَ وَ انْطَلَقْتُ مَعَهُمْ حَتّٰی جِئْتُ اَبَا طَلْحَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ وَ لَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَانْطَلَقَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَتّٰی لَقِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ طَلْحَةَ مَعَهٗ. فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ هَلُمِّیْ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَاَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَفُتَّ وَ عَصَرَتْ عَلَيْهِ اُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَّهَا فَاَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ حَتّٰی اَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَ شَبِعُوْا وَ الْقَوْمُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا اَوْ ثَمَانُوْنَ.

میں تو روٹیاں لپیٹ دیں، پھر اسے میرے کپڑوں کے نیچے چھپایا اور اس کے دوسرے حصہ کو مجھے اڑھا دیا، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ میں اسے لے کر گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ مسجد میں بیٹھے ہیں اور آپؐ کے ساتھ بہت سے لوگ بیٹھے تھے تو میں نے ان کو سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو ابوطلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کے لوگوں سے فرمایا اٹھو چلو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور میں بھی آپ کے ہمراہ چلا یہاں تک کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور میں نے ان کو خبر دی تو ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ سے کہا ارے سنو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سب لوگوں کو ہمراہ لیے آ پہنچے ہیں اور ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں کہ آپ کو کھلاسکیں۔ وہ بولیں اب اللہ اور اللہ کے رسول ہی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ گھر میں تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ہاں اے ام سلیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) لاؤ دیکھیں تمہارے پاس کیا ہے؟ تو وہ وہی روٹیاں سامنے لے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو توڑ کر چورا چورا کیا اس کے بعد ام سلیم گھی کی کپی (شیشی) لے آئیں اور ان روٹیوں پر گھی لگایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے پڑھوایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دس آدمیوں کو اندر بلالو، تو ان کو آنے کی اجازت دی تو انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس آدمیوں کو اور بلالو تو انہوں نے بھی پیٹ کر بھر کھایا اور باہر چلے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس آدمیوں کو اور بلالو وہ بھی بلا لیے گئے یہاں تک کہ پوری جماعت نے شکم سیر ہو کر کھالیا۔ اس وقت اس جماعت

www.besturdubooks.net

رواہ الشیخان و فی طریق البخاری ثمانون و قال فی روایۃ ثم اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ طَلْحَۃَ وَ اُمُّ سُلَیْمٍ وَ اَنَسٌ وَ فَضَلَ فَضْلَۃً فَاَھْدَیْنَا ھَا لِجِیْرَانِنَا۔

میں ستر یا اسی آدمی تھے (بخاری ومسلم) اور بخاری میں اسی کی تعداد ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کھایا پھر بھی جو کچھ بچ رہا اسے ہم نے اپنے پڑوسیوں کے پاس ہدیہ بھیج دیا۔

(۱۳۷۳) عَنْ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ خَیْبَرٍ فَاَمَرَنَا اَنْ نَجْمَعَ مَا فِیْ اَزْوَادِنَا یَعْنِیْ مِنَ التَّمْرِ فَبَسَطَ نِطْعًا فَنَثَرَ عَلَیْہِ اَزْوَادَنَا قَالَ فَعَلَیْتُ فَتَطَاوَلْتُ فَنَظَرْتُ فَحَزَرْتُہٗ کَرَبْضَۃِ شَاۃٍ وَ نَحْنُ اَرْبَعَ عَشَرَۃَ مِائَۃٍ قَالَ فَاَکَلْنَا ثُمَّ تَطَاوَلْتُ فَنَظَرْتُہٗ فَحَزَرْتُہٗ کَرَبْضَۃِ شَاۃٍ۔

(رواہ مسلم)

(۱۳۷۳) حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپؐ نے ہم کو حکم دیا کہ جو کچھ ہمارے توشہ دانوں میں ہے یعنی کھجوریں اسے ایک جگہ جمع کریں اس کے بعد حضورؐ نے چمڑے کا دستر خوان بچھایا اور اسی پر ہمارے توشہ دانوں کا سامان انڈیل لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے گردن اونچی کی اور اس ڈھیر کو دیکھا تو میرے اندازے میں وہ ڈھیر بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا اور ہم لوگوں کی تعداد چودہ سو تھی تو ہم سب نے کھایا اس کے بعد پھر میں نے گردن اٹھائی اور اس کا اندازہ کیا تو میرے اندازے میں وہ ڈھیر اب بھی بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر ہی تھا۔ (یعنی اتنے کا اتنا ہی تھا)

(۱۳۷۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ وَ قُلْتُ اُدْعُ اللّٰہَ لِیْ فِیْھِنَّ بِالْبَرَکَۃِ قَالَ فَصَفَّھُنَّ اَوْ ضَمَّھُنَّ بَیْنَ یَدَیْہِ قَالَ ثُمَّ دَعَا فَقَالَ اِجْعَلْھُنَّ فِیْ مِزْوَدِکَ وَ اَدْخِلْ یَدَکَ وَ لَا تَنْثُرْ قَالَ فَحَمَلْتُ مِنْہُ کَذَا وَ کَذَا وَسْقًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ نَاْکُلُ وَ نُطْعِمُ وَ کَانَ لَا یُفَارِقُ حَقْوِیْ فَلَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ اِنْقَطَعَ مِنْ حَقْوِیْ فَسَقَطَ۔

(۱۳۷۴) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں لے کر آیا اور میں نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے ان میں برکت کی دعا فرما دیجئے تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ان کو اپنے سامنے تہ بہ تہ لگا کر یا ان کو خوب ملا ملا کر رکھ لیا۔ کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے دعا فرمائی، پھر مجھ سے فرمایا کہ اسے اپنے توشہ دان میں ڈال لو اور دیکھو نہیں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالتے رہنا، مگر پھیلانا مت۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق تو کھجور اللہ کے راستے میں بانٹی اور خود کھائیں، دوستوں کو کھلائیں اور وہ تھیلی میرے تہبند کے ساتھ ہی بندھی رہا کرتی تھی جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ تھیلی میرے پاس سے کہیں ٹوٹ کر جا پڑی۔ (ترمذی)

(رواہ الامام الترمذی عن عمران بن حصین بنحوہ و قال حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ وقد ذکرہ الحافظ ابن تیمیۃ من طرق عدیدۃ)

(۱۳۷۴) * دیکھئے یہاں کھجوروں کے پھیلانے کی ممانعت ویسی ہی تھی جیسا کہ حضرت عائشہ کو اپنے کھانے کے نہ تولنے کی۔ بس غیب کو غیب ہی کی حد تک رہنے دیجئے اور تول کر اور پھیلا کر اس غائبانہ برکت کا افشاء مت کیجئے۔ یہاں تقدیر اس راستہ سے تو نہ آئی مگر شہادت عثمانؓ کے دوسرے راستہ سے ظاہر ہوگئی اور برکت کی وہ تھیلی جو حضرت عثمانؓ کی شہادت تک باقی تھی آخر وہ گم ہو ہی گئی اور پھر کہیں نہ ملی۔

www.besturdubooks.net

(۱۳۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَاَبِیْ سَعِيْدٍ وَسَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسِيْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ حَتّٰى هَمُّوْا بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِیَ مِنْ اَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰهَ عَلَيْهِ. قَالَ فَفَعَلَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهٖ وَ ذُوا لتَّمْرِ بِتَمْرِهٖ وَ ذُوالنَّوٰى بِنَوَاهُ. قِيْلَ وَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بِالنَّوٰى قَالَ يَمُصُّوْنَهٗ وَ يَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعٰى عَلَيْهَا حَتّٰى مَلَاَ الْقَوْمُ اَزْوَادَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فِيْهِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَذِنْتَ لَنَا نَنْحَرُنَوا ضِحَنَا فَاَكَلْنَا وَ ادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِفْعَلُوْا. قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ وَ فِیْ رِوَايَةٍ مَا بَقَاوُهُمْ

(۱۳۷۵) حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ اور سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں (اور مسلم کی روایت میں صرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے تو سب لوگوں کے توشے ختم ہو گئے یہاں تک (تکلیف بڑھی) کہ لوگوں نے بعض سامان اٹھانے والے اونٹوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش آپ اس پوری جماعت کے بقیہ توشے کو اکٹھا کریں اور اس پر اللہ تعالیٰ سے دعائے برکت فرما دیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس اعلان کے بعد گیہوں والا اپنے پاس کا گیہوں لایا اور کھجور رکھنے والا اپنے پاس کی کھجوریں لایا اور جس کے پاس صرف کھجور کے گٹھلیاں تھیں وہ ان کو ہی لے آیا۔ کسی نے پوچھا کھجور کی گٹھلی سے کیا کام لیا جاتا تھا؟ تو کہنے لگے کہ وہ اسے چوس لیتے تھے اور پھر اس پر پانی پی لیتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذخیرہ پر دعائے برکت کی تو اتنی برکت ہوئی کہ تمام لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس موقعہ پر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں اس کی کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اس کی کہ میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ان دونوں باتوں کی گواہی لے کر ملے گا کہ اسے اس میں ذرا بھی شک نہ ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب تبوک کی لڑائی ہوئی تو لوگوں کو بھوک کی تکلیف ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش آپ ہمیں اجازت دیتے کہ ہم اپنے بعض دودھ والے جانور ذبح کرتے اور اس کا گوشت کھاتے اور اس کی چربی بدن پر ملتے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا ایسا

(۱۳۷۵) * اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ نبی کی اپنی خواہش سے ظاہر نہیں ہوتا اور نہ حضرت عمرؓ کے فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوم حضرت عمرؓ کی اصابت رائے بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیا خوب مشورہ دیا۔ پھر آپ کی دعا کا اثر دیکھئے کہ ادھر آپ کے ہاتھ اٹھے پھر دیر کیا تھی ادھر کھانے میں برکت کا وہ ظہور ہوا کہ ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے نہ یہاں آپؐ نے کوئی مادی عمل کیا تھا نہ اس کی کامیابی میں ادنیٰ سا تردد بس آن کی آن میں یہ سب کا سب ہو گیا۔ یعنی اونٹ ذبح ہونے سے بچ گئے اور جتنے بھوکے تھے وہ سب خود شکم سیر ہی نہیں ہوئے' بلکہ آئندہ کے لیے ذخیرہ بھی بنا کر اپنے ہمراہ لے گئے۔

www.besturdubooks.net

بَعْدَابِلِهِمْ وَ لٰكِنْ اُدْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَدَعٰى بِنَطْعٍ فَبَسَطَهٗ ثُمَّ دَعٰى بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِكَفِّ ذُرَّةٍ وَ جَعَلَ الْاٰخَرُ يَجِيْءُ بِكَفِّ تَمْرٍ وَ جَعَلَ الْاٰخَرُ يَجِيْءُ بِكِسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النَّطْعِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَسِيْرٌ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا اَوْ عِيَتَكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَوْ عِيَتَهُمْ حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِ عَاءً اِلَّا مَلَئُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَ فَضَلَتْ فَضْلَةٌ. (الحديث)

(رواه الشيخان)

ہی کرلو' مگر راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عمرؓ آ نکلے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! اگر آپؐ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی اور دوسری روایت میں ہے کہ اونٹوں کے ذبح ہونے کے بعد پھر ان کی زندگی بے کار ہو جائے گی' بلکہ بجائے اس کے ان سب سے ان کے بچے کھچے توشے منگوایئے اور پھر اس پر دعائے برکت فرما دیجئے- امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دے تو حضورؐ نے بھی فرمایا ہاں یہی صورت مناسب ہے- اس کے بعد آپ نے چمڑے کا دستر خوان منگا کر بچھایا پھر سب سے ان کا بچا کھچا توشہ منگوایا تو کوئی آدمی ایک مٹھی آٹا لانے لگا کوئی آدمی ایک مٹھی کھجور اور کوئی ایک روٹی کا ٹکڑا- اس طرح اس دستر خوان پر کچھ تھوڑا سا کھانے کا سامان اکٹھا ہو گیا- راوی کہتے ہیں کہ پھر حضورؐ نے اس پر دعائے برکت کی' پھر فرمایا اپنے اپنے برتنوں کو لے کر آؤ اور انہیں بھر لو' تو لوگ اپنے اپنے برتن لائے اور لشکر کا کوئی برتن ایسا نہ بچا جسے لوگوں نے نہ بھر لیا ہو- راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سب نے کھایا بھی اور شکم سیر ہو کر کھایا اور اس کے بعد بھی بہت سا بچ گیا- (بخاری مسلم)

(۱۳۷۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَاَصَابَهُمْ عَوَزٌ مِنَ الطَّعَامِ فَقَالَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ؟ قَالَ قُلْتُ لَا اِلَّا شَيْءٌ مِنَ التَّمْرِ فِيْ مِزْوَدِيْ قَالَ جِيْءْ بِهٖ. فَجِئْتُ بِالْمِزْوَدِ قَالَ هَاتِ نَطْعًا فَجِئْتُ بِالنَّطْعِ فَبَسَطَ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فَقَبَضَ عَلَى التَّمْرِ فَاِذَا هُوَ اِحْدٰى وَ عِشْرُوْنَ تَمْرَةً قَالَ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَجَعَلَ يَضَعُ كُلَّ تَمْرَةٍ وَ يُسَمِّيْ حَتّٰى

(۱۳۷۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑائی میں گئے تھے تو فوج کو کھانے کی تنگی ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہؓ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضورؐ! بجز تھوڑی سی کھجوروں کے اور کچھ نہیں- آپؐ نے فرمایا انہی کو لے آؤ- میں لے کر حاضر خدمت ہوا- آپؐ نے فرمایا چمڑے کا ایک دستر خوان لاؤ- میں لے کر حاضر ہوا- آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا اور مٹھی میں کل کھجوریں لے لیں تو وہ اکیس کھجوریں تھیں' پھر بسم اللہ شریف پڑھی پھر ہر کھجور کو بسم اللہ کہہ کر رکھتے جاتے یہاں تک کہ کل کھجوریں رکھ دیں پھر راوی نے ان کو دبانے کا اشارہ کر کے بتایا کہ حضورؐ نے اس طرح کیا- پھر فرمایا

(۱۳۷۶) * تنبیہ: یہ روایت ابھی آپؐ کے سامنے گذر چکی ہے اور ان دونوں میں کچھ لفظی فرق ہے صرف تائید کے لیے یہاں اس کو نقل کیا گیا ہے اس کو دوسرا واقعہ سمجھنا نہیں چاہیے-

www.besturdubooks.net

اَتـٰى عَلَى التَّمرِ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا فَجَمَعَهٗ فَقَالَ اُدْعُ فُلَانًا وَ اَصْحَابَهٗ فَاَكَلُوْا وَ شَبِعُوْا وَ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ اُدْعُ فُلَانًا وَ اَصْحَابَهٗ فَاَكَلُوْا وَ شَبِعُوْا وَ خَرَجُوْا قَالَ وَ فَضَلَ تَمْرٌ فَقَالَ لِیْ اُقْعُدْ فَقَعَدْتُّ فَاَكَلَ وَ اَكَلْتُ قَالَ فَضَلَ تَمْرٌ فَاَخَذَهٗ فَاَدْخَلَهٗ فِی الْمِزْوَدِ فَقَالَ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ اِذَا اَرَدْتَّ شَیْئًا فَاَدْخِلْ یَدَكَ وَ لَا تَكْفَأْ فَیُكْفَأَ عَلَیْكَ. قَالَ فَمَا كُنْتُ اُرِیْدُ تَمْرًا اِلَّا اَدْخَلْتُ یَدِیْ فَاَخَذْتُ مِنْهُ خَمْسِیْنَ وَ سَقًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ كَانَ مُعَلَّقًا خَلْفَ ظَهْرِیْ فَوَضَعَ زَمَانَ عُثْمَانَ فَذَهَبَ رَوَاهُ الْحَافِظُ عَبْدُالْغَنِیِّ.

جاؤ فلاں شخص کو اور اس کے ساتھیوں کو بلا لاؤ' تو ان سب نے آ کر کھایا اور شکم سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ تب آپؐ نے فرمایا اب جاؤ فلاں شخص کو اور اس کے ساتھیوں کو بلا لاؤ تو وہ لوگ بھی آئے اور خوب پیٹ بھر کر کھا کے چلے گئے پھر بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا: بیٹھو میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے بھی کھجوریں نوش فرمائیں اور میں نے بھی کھائیں۔ ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں تو حضورؐ نے وہ کھجوریں لیں اور ان کو میرے توشہ دان میں رکھ دیا پھر مجھ سے فرمایا اے ابو ہریرۃؓ جب تم اس میں سے کچھ لینا چاہو تو اس کے اندر ہاتھ ڈال کر نکالنا اور ان کو انڈیلنا مت ورنہ وہ ختم ہو جائیں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر جب مجھے کھجوریں درکار ہوتیں تو میں اس توشہ دان میں ہاتھ ڈالتا اس طرح میں نے اسی توشہ دان میں سے پچاس وسق کھجوریں تو اللہ عزوجل کی راہ میں دے دیں وہ توشہ دان میری پیٹھ کے پیچھے لٹکا رہتا تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ شہادت میں اسے اتار کر رکھا تو وہ توشہ دان غائب ہو گیا۔

(۱۳۷۷) عَنْ دُكَیْنِ بْنِ سَعِیْدِ الْمَدَنِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِیْنَ وَ اَرْبَعَمِائَةٍ نَسْأَلُهٗ الطَّعَامَ فَقَالَ لِعُمَرَ اِذْهَبْ فَاَعْطِهِمْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا بَقِیَ اِلَّا اٰصُعٌ مِنْ تَمْرٍ مَا اَرٰی اَنْ یَقِیْظَ بُنَیَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاَعْطِهِمْ قَالَ سَمْعًا وَ طَاعَةً قَالَ فَاَخْرَجَ عُمَرُ الْمِفْتَاحَ مِنْ حُجْرَتِهٖ فَفَتَحَ الْبَابَ فَاِذَا شِبْهُ الْفَصِیْلِ الرَّابِضِ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ لَنَا خُذُوْا فَاَخَذَ كُلٌّ مِنَّا مَا اَحَبَّ ثُمَّ الْتَفَتُّ وَ كُنْتُ اٰخِرَ الْقَوْمِ وَ كَاَنَّا لَمْ نَرْزَاْ تَمْرَةً.

(رواه الامام احمد و رواه ابو داؤد قال ابو عبدالله المقدسی و اسناده علی شرط الصحیح)

(۱۳۷۷) دکین ابن سعید مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو چار سو چالیس تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانے کی چیزیں مانگنے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جاؤ ان کو دے دو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تو بجز چند صاع کھجوروں کے کچھ نہیں رہا یہ تو موسم گرما میں میرے بچوں کے لیے بھی کافی نہ ہو گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا جاؤ ان کو دے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جی بہت اچھا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنجی اپنے حجرے سے نکالی اور دروازہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھجوروں کا اتنا بڑا ڈھیر ہے جیسا کہ دودھ پیتا چھوٹا جانور کا بچہ بیٹھا معلوم ہو۔ تو انہوں نے ہم سب سے کہا لو لیتے جاؤ تو ہم میں سے ہر ایک نے جتنا چاہا لے لیا۔ پھر میں ادھر متوجہ ہوا اور میں ان میں سب سے آخر شخص تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم نے ایک کھجور بھی کم نہیں کی۔

(احمد و ابوداؤد)

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم ونبع الماء من بين اصابعه وتسبيح الطعام وهو يوكل في زمنه صلوات الله وسلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے پانی کا ابل پڑنا اور آپ کے زمانے میں کھانا کھانے میں کھانے کا تسبیح پڑھنا

(۱۳۷۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْاٰيَاتِ بَرَكَةً وَاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اُطْلُبُوْا فَضْلَةً مِنْ مَاءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ فَاَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطُّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةِ مِنَ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ. (رواه البخاری)

(۱۳۷۸) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پانی کی کمی ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ۔ لوگ ایک برتن لے آئے جس میں ذرا سا پانی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۱۳۷۹) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَكَانَ يَجْمَعُ الصَّلَاةَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمًا اَخَّرَ الصَّلَاةَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا ثُمَّ دَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ ذٰلِكَ

(۱۳۷۹) معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک کے لیے چلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں دو دو نمازیں ملا ملا کر ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں (کچھ) تاخیر کی پھر تشریف لائے پہلے ظہر و عصر کی نمازیں پڑھیں اس کے بعد اندر تشریف لے گئے اور باہر تشریف لا کر مغرب و عشا ملا کر پڑھیں، اس کے بعد فرمایا ان شاء اللہ کل تم لوگ

(۱۳۷۸) * ملا علی قاریؒ اس حدیث کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو وہ معجزات سودمند ہوتے ہیں جن میں عذاب اور خوف کا ظہور ہو اور صحابہ کرام کو وہ معجزات نافع ہوتے تھے جو موجب برکت ہوتے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے قلوب میں معجزات دیکھ کر حق تعالیٰ کی ہیبت پیدا ہوتی اور اس سے ان کے ایمانوں میں اور ترقی ہوتی اس لیے معجزات ان کے لیے موجب برکت ہوتے تھے تم معجزات دیکھ کر صرف ڈرتے تو ہو مگر تمہارے ایمانوں میں ان سے نہ تو کوئی ترقی ہوتی ہے اور نہ اعمال کا کوئی نیا جذبہ ابھرتا ہے اس لیے وہ تمہارے حق میں موجب برکت نہیں ہوتے۔ (المعتصر ص ٦)

www.besturdubooks.net

فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَأْتُوْنَ غَدًا اِنْشَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوْكَ وَ اِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوْهَا حَتّٰى يَضْحَى النَّهَارُ فَمَنْ جَائَهَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسُّ مِنْ مَائِهَا شَيْئًا حَتّٰى اٰتِيَ فَجِئْنَا هَا وَ قَدْ سَبَقَنَا اِلَيْهَا رَجُلَانِ وَ الْعَيْنُ مِثْلُ الشِّرَاكِ تَبِضُّ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ فَسَأَلَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ مَائِهَا شَيْئًا قَالَا نَعَمْ فَسَبَّهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ قَالَ لَهُمَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ قَالَ ثُمَّ غَرَفُوْا بِاَيْدِيْهِمْ مِنَ الْعَيْنِ قَلِيْلًا حَتَّى اجْتَمَعَ شَيْءٌ قَالَ وَ غَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْهِ يَدَيْهِ وَ وَجْهَهُ ثُمَّ اَعَادَهُ فِيْهَا فَجَرَتِ الْعَيْنُ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ اَوْ قَالَ غَزِيْرٍ فَاسْتَقَى النَّاسُ ثُمَّ قَالَ يُوْشِكُ يَا مُعَاذُ اِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ اَنْ تَرٰى مَاءً هَا هُنَا قَدْ مَلَأَ جِنَانًا. (رواہ مسلم)

تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور اس وقت تک نہیں پہنچو گے جب تک کہ دن چڑھ نہ جائے تو جو شخص بھی وہاں پہنچے وہ تاوقتیکہ میں نہ آلوں پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ ہم سے پہلے دو شخص تبوک کے چشمے پر پہنچ چکے تھے۔ جب ہم پہنچے دیکھا تو چشمہ تاگے کی طرح باریک بہہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا انہوں نے عرض کی جی لگایا تو ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناگواری فرمایا۔ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے چلو بھر بھر کر اس چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دستِ مبارک اور چہرۂ مبارک دھویا اور وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک بڑے چشمے کی طرح بہہ پڑا اور لوگوں نے خوب پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس جگہ اتنا پانی دیکھو گے کہ اس سے باغات پر ہوں گے۔

(مسلم شریف)

(۱۳۸۰) مِنْ حَدِيْثِ جَابِرِ الَّذِيْ رَوَاهُ عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيْدِ وَقَدْ تَقَدَّمَ اَوَّلُهُ فِيْ قِصَّةِ الشَّجَرَتَيْنِ وَ انْقِيَادِ هِمَا ثُمَّ افْتِرَاقِهِمَا وَ وَضْعِ الْغُصْنِ عَلَى الْقَبْرَيْنِ وَ قَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَاَتَيْنَا الْعَسْكَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ نَادِ بِوَضُوْءٍ فَقَالَ اَلَا

(۱۳۸۰) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جس کو عبادۃ بن الولید نے روایت کیا ہے جس کی ابتداء میں دو درختوں کے مل جانے ان کے مطیع ہونے اور الگ ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قبروں پر دو شاخیں لگانے کا ذکر ہے اور جس کے آخر میں مذکور ہے کہ ہم اپنے لشکر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا جب نہ ملا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لشکر میں تلاش کرو۔ میں نے

(۱۳۸۰) * یہاں آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کا جوش مار کر پھوٹنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی جتنی مخلوق تھی وہ سب اس سے سیراب ہو گئی مگر یہ تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میمون میں برتن بہت بڑے بڑے بنائے جایا کرتے تھے اس لیے یہاں پیالہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے چند لوگوں کو اس کو اٹھا کر لانا پڑا اور اس بارے میں اب تک بھی شہر اور گاؤں کے برتنوں میں فرق ہوتا ہے گاؤں کے برتن شہر کے برتنوں کی نسبت اکثر بڑے ہوتے ہیں۔

نوٹ: شجرتین کے جس واقعہ کا ذکر اس حدیث میں ہے اس کا ذکر آگے آئے گا۔

www.besturdubooks.net

وَضُوْءَ اَلَاوَضُوْءٌ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا
وَجَدْتُ فِي الرَّكْبِ مِنْ قَطْرَةٍ وَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ
الْاَنْصَارِ يُبَرِّدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْمَاءَ فِيْ اَشْجَابٍ لَهُ فَقَالَ لِيْ اِنْطَلِقْ اِلٰى
فُلَانِ الْاَنْصَارِيِّ فَانْظُرْ هَلْ فِيْ اَشْجَابِهِ مِنْ
شَيْءٍ قَالَ فَانْطَلَقْتُ اِلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيْهَا فَلَمْ اَجِدْ
اِلَّا قَطْرَةً فِيْ عَزْلَاءِ شَجْبٍ لَوْ اَنِّيْ اُفْرِغُهُ
لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ اَجِدْ فِيْهَا
اِلَّا قَطْرَةً فِيْ عَزْلَاءِ شَجْبٍ لَوْ اَنِّيْ اُفْرِغُهُ
لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ قَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهِ فَاَتَيْتُهُ بِهِ
فَاَخَذَهُ بِيَدِهِ فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ بِشَيْءٍ لَا اَدْرِيْ مَا
هُوَ وَ يَغْمِزُهُ بِيَدِهِ ثُمَّ اَعْطَانِيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا جَابِرُ
نَادِ لِجَفْنَةِ الرَّكْبِ فَقُلْتُ يَا جَفْنَةَ الرَّكْبِ فَاَتَيْتُ
بِهَا تُحْمَلُ فَوَضَعْتُهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ فِي الْجَفْنَةِ هٰكَذَا
فَبَسَطَهَا وَ فَرَّقَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ قَعْرِ
الْجَفْنَةِ فَقَالَ خُذْ يَا جَابِرُ فَصُبَّ عَلَيَّ وَ قُلْ بِسْمِ
اللّٰهِ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ بِسْمِ اللّٰهِ فَرَاَيْتُ
الْمَاءَ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ثُمَّ فَارَتِ الْجَفْنَةُ وَ دَارَتْ حَتّٰى امْتَلَاَتْ.
فَقَالَ يَا جَابِرُ نَادِ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ بِمَاءٍ. قَالَ
فَاَتَى النَّاسُ فَاسْتَقَوْا حَتّٰى رَوَوْا قَالَ فَقُلْتُ هَلْ
بَقِيَ اَحَدٌ لَهُ حَاجَةٌ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ مِنَ الْجَفْنَةِ وَهِيَ مَلْاٰى.

(رواہ مسلم فی اواخر صحیحہ)

عرض کی قافلہ بھر میں ایک قطرہ پانی بھی مجھ کو نہیں ملا - انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی مشکوں میں پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پاس ہی جا کر دیکھو اس کی مشک میں کچھ بھی پانی ہے - میں گیا تو ان کے مشک میں بھی اتنا سا پانی ملا کہ اگر میں اس کو انڈیلتا تو جو حصہ اس کا خشک تھا وہ اس کو پی جاتا - میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ان کی مشک میں تو صرف اتنا ہی پانی ہے کہ اگر میں اس کو انڈیلوں تو وہ اس کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور جا کر وہی لے آؤ - میں اس کو لے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دستِ مبارک میں لیا اور اس پر کچھ پڑھنے لگے مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پڑھا تھا اور اس کو اپنے ہاتھ سے ملنے لگے - اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کے پاس اتنا بڑا پیالہ ہو جو پورے قافلے کے لیے کافی ہو جائے' اس کو آواز دو - میں نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس بھی ایسا پیالہ ہو وہ لے آئے چنانچہ اتنا ہی بڑا ایک پیالہ پیش کیا گیا جس کو لوگ اٹھا کر لائے - میں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دستِ مبارک ڈال کر اپنی انگلیاں پھیلا دیں اور اس کو طشت کے اندر رکھ دیا اور فرمایا کہ جابر! لو اور بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ پر ڈالو - میں نے بسم اللہ کہہ کر پانی ڈالا - میں نے دیکھا کہ پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈ آیا' پھر پورے پیالہ میں پانی جوش سے چکر لگانے لگا حتیٰ کہ پیالہ پانی سے لبریز ہو گیا - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جابر! اعلان کر دو' جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ آ کر لے لے - یہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ (دوڑ دوڑ کر) آتے رہے اور پی پی کر سیراب ہوتے گئے - یہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا' کوئی شخص ایسا اور ہے جس کو پانی کی ضرورت ہو؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا اور پیالہ تھا کہ جوں کا توں بھرا کا بھرا تھا - (مسلم شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۳۸۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيْرٍ لَهُ فَادْلَجْنَا لَيْلَتَنَا حَتّٰى إِذَا كَانَ وَجْهُ الصُّبْحِ عَرَّسْنَا فَغَلَبَتْنَا أَعْيُنُنَا حَتّٰى بَزَغَتِ الشَّمْسُ فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنَّا أَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ وَ كُنَّا لَا نُوْقِظُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَنَامِهِ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَسْتَيْقِظُ لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهُ فِيْ نَوْمِهِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ عُمَرُ فَجَعَلَ يُكَبِّرُ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ وَ رَأَى الشَّمْسَ قَدْ بَزَغَتْ قَالَ ارْتَحِلُوْا فَسَارَ بِنَا حَتّٰى ابْيَضَّتِ الشَّمْسُ نَزَلَ فَصَلّٰى بِنَا الْغَدَاةَ فَاعْتَزَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّ مَعَنَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا قَالَ أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَ لَا مَاءَ. قَالَ لَهُ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ فَتَيَمَّمَ بِالصَّعِيْدِ فَصَلّٰى ثُمَّ عَجَّلَنِيْ فِيْ رَكْبٍ بَيْنَ يَدَيْهِ يَطْلُبُ الْمَاءَ وَ قَدْ عَطِشْنَا عَطَشًا شَدِيْدًا فَبَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِذَا نَحْنُ بِامْرَأَةٍ سَادِلَةٍ رِجْلَيْهَا بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ فَقُلْنَا لَهَا أَيْنَ الْمَاءُ فَقَالَتْ أَيْهَاهُ أَيْهَاهُ لَا مَاءَ لَكُمْ. فَقُلْتُ

(۱۳۸۱) عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا ہم ساری رات چلتے رہے صبح کے قریب آرام کے لیے اترے اور (ایسے غافل سو گئے کہ) ہماری آنکھ نہ کھل سکی یہاں تک کہ آفتاب چمک اٹھا- جو شخص ہم سب میں پہلے بیدار ہوئے وہ ابوبکرؓ تھے- ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے میں جگایا نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار نہ ہو جاتے' کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ نئی بات کیا ہے جو بحالت خواب آپ کو پیش آ رہی ہے- اس کے بعد عمرؓ بیدار ہوئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ اٹھے آپؐ نے جب سر اٹھایا اور دیکھا کہ آفتاب چمک اٹھا ہے تو فرمایا یہاں سے نکل چلو اور ہم کو لے کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ اب دھوپ میں سفیدی آ گئی تھی (یعنی کراہت کا وقت نکل گیا تھا) آپؐ نے اتر کر ہم کو نماز پڑھائی- ہمارے ساتھ ایک شخص تھا کہ وہ علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اور اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی- آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر اس سے سوال کیا ہمارے ساتھ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی- اس نے عرض کی کہ مجھ کو غسل کی ضرورت پیش آ گئی تھی اور پانی تھا نہیں- آپؐ نے اس سے فرمایا مٹی سے تیمم کر لے وہ تیرے لیے کافی ہے اس نے تیمم کیا اور نماز ادا کی- پھر ہم کو سخت پیاس لگی تو آپ نے پانی کی تلاش کے لیے ایک قافلہ جو آگے جا رہا تھا اس کی طرف جلدی سے ہم کو روانہ کیا- ہم چل دیئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنی چھاگلوں کے درمیان اونٹنی پر پیر لٹکائے جا رہی ہے- ہم نے اس سے پوچھا پانی کا چشمہ کہاں ملے گا اس نے جواب دیا ارے پانی کہاں- ہم نے اس سے پوچھا تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا اس نے کہا ایک دن رات کا- ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱۳۸۱) ٭ اس حدیث میں پانی کے معجزہ کے سوا کچھ اور بھی امور ہیں جو بہت زیادہ قابل یادداشت ہیں پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار نہ کرنے کے متعلق صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے وہ ترجمان السنہ کی تیسری جلد میں نوم انبیاء کے زیر عنوان باوجود تلاش کے ہم کو حدیث میں نہ مل سکی اس لیے اس کا تذکرہ ہم نے علماء کے حوالہ سے پیش کیا ہے- حالانکہ وہ خود صحابہؓ کی عادت میں ﷺ.....

www.besturdubooks.net

كَمْ بَيْنَ اَهْلِكَ وَ بَيْنَ الْمَاءِ قَالَتْ مَسِيْرَةُ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ قُلْنَا انْطَلِقِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَتْ وَ مَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَلَمْ نُمَلِّكْهَا مِنْ اَمْرِهَا شَيْئًا حَتَّى انْطَلَقْنَا بِهَا فَاسْتَقْبَلْنَا بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهَا فَاَخْبَرَتْهُ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَتْنَا وَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا مُؤْتِمَةٌ لَهَا صِبْيَانٌ اَيْتَامٌ فَاَمَرَ بِرَاوِيَتِهَا فَاُنِيْخَتْ فَمَجَّ فِي الْعَزْلَاوَيْنِ الْعُلْيَاوَيْنِ ثُمَّ بَعَثَ بِرَاوِيَتِهَا فَشَرِبْنَا وَ نَحْنُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا عِطَاشًا حَتّٰى رَوِيْنَا وَ مَلَأْنَا كُلَّ رَاوِيَةٍ وَ مَلَأْنَا كُلَّ قِرْبَةٍ مَّعَنَا وَ اِدَاوَةٍ وَ غَسَّلْنَا صَاحِبَنَا غَيْرَ اَنَّا لَمْ نَسْقِ بَعِيْرًا وَ هِيَ تَكَادُ تَنْفَرِجُ مِنَ الْمَاءِ يَعْنِي الْمَزَادَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَاتُوْا مَا عِنْدَكُمْ فَجَمَعْنَا لَهَا مِنْ كِسَرٍ وَ تَمْرٍ وَ صَرَّ لَهَا صُرَّةً وَ قَالَ لَهَا اذْهَبِيْ فَاَطْعِمِيْ عِيَالَكِ وَ اعْلَمِيْ اَنَّا لَمْ نَرْزَأْ مِنْ مَائِكِ شَيْئًا. فَلَمَّا اَتَتْ اَهْلَهَا قَالَتْ لَقَدْ رَاَيْتُ اَسْحَرَ الْبَشَرِ اَوْ اِنَّهُ لَنَبِيٌّ كَمَا زَعَمَ كَانَ مِنْ اَمْرِهِ ذَيْتَ وَ ذَيْتَ فَهَدَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ذٰلِكَ الصِّرْمَ بِتِلْكَ الْمَرْأَةِ فَاَسْلَمَتْ وَ اَسْلَمُوْا. (رواه الشيخان و البخاری ج ١ ص ٤٩ في باب التيمم مطبع مجتبائي)

وسلم کے پاس چل- اس نے کہا رسولؐ اللہ کس کو کہتے ہیں ہم اس کے ساتھ اور کوئی بات نہ کر سکے- بس اس کو ساتھ لے کر چل دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر اس کو پیش کر دیا آپؐ نے پانی کے متعلق اس سے دریافت کیا اس نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو ہم کو دیا تھا اور یہ کہنے لگی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے بچے یتیم ہیں آپ نے حکم دیا کہ اس کی اونٹنی بٹھا دی جائے چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی- آپؐ نے اس کی چھاگلوں کے اوپر کے دہانے میں دہن مبارک سے کلی کر کے پانی ڈال دیا اور اس کی اونٹنی کو کھڑا کر دیا (تاکہ نیچے کے دہانے سے پانی لے لیا جا سکے) اس وقت ہم چالیس شخص تھے اور سب پیاسے تھے سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے پانی کے اونٹ اور مشکیزے اور جتنے برتن تھے سب پانی سے بھر لیے- اور ہمارے اس رفیق نے غسل بھی کر لیا، مگر صرف اتنا کیا کہ اپنے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا، لیکن چھاگلیں تھیں کہ پانی کے جوش کے مارے پھٹی جا رہی تھیں- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اب تھوڑا بہت جو کچھ کھانے کا سامان تمہارے پاس ہو وہ اس کے لیے لے آؤ- ہم نے اس عورت کے لیے کچھ روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کر دیں- آپؐ نے ان کو ایک تھیلی میں ڈال کر اس سے کہا، جا یہ اپنے بچوں کو جا کر کھلا دے اور یہ یاد رکھنا کہ ہم نے تیرے پانی کا کچھ نقصان نہیں کیا ہے- جب وہ اپنے گھر آئی تو اس نے کہا، میں نے ایسا بڑا جادوگر کوئی نہیں دیکھا ورنہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ شخص سچا نبی ہے جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے اس نے یہ یہ کرشمے دکھائے- راوی بیان کرتا ہے کہ اس عورت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیلے کے قبیلے کو ہدایت نصیب فرمائی چنانچہ خود وہ اور اس کا سب خاندان مسلمان ہو گیا-

(بخاری و مسلم)

لله .. منقول ہے- دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے بیدار ہونے والوں میں کون شخص تھے- روایت مذکورہ سے حضرت ابوبکرؓ کا نام معلوم ہوتا ہے- تیسری بات یہ ہے کہ جب نماز قضاء ہو جائے تو اس کی قضاء وقت مکروہ میں نہ کرنی چاہیے- یہاں راوی نے حتی ابیضت الشمس اور بزغت کے لفظ فرما کر اس بات کو صاف کر دیا ہے- بقیہ طرق میں سب جگہ اجمال ہے اس کو اسی تفصیل پر حمل کر لینا چاہیے-

www.besturdubooks.net

(۱۳۸۲) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكُمْ تَسِیْرُوْنَ عَشِیَّتَكُمْ وَ لَیْلَتَكُمْ وَ تَاْتُوْنَ الْمَاءَ غَدًا اِنْشَاءَ اللّٰهُ فَانْطَلَقَ النَّاسُ لَا یَلْوِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَ ذَكَرَ حَدِیْثَ النَّوْمِ فِی الْوَادِیْ فَقَالَ ثُمَّ دَعَا بِمِیْضَاةٍ كَانَتْ مَعِیْ فِیْهَا شَیْءٌ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّاَ مِنْهَا وُضُوْءً دُوْنَ وُضُوْءٍ وَ بَقِیَ فِیْهَا شَیْءٌ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ قَالَ لِاَبِیْ قَتَادَةَ اِحْفَظْ عَلَیْنَا مِیْضَاَتَكَ فَسَیَكُوْنُ لَهَا نَبَاٌ ثُمَّ قَالَ اَصْبَحَ النَّاسُ فَقَدُوْا نَبِیَّهُمْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعِدُكُمْ لَمْ یَكُنْ لِیُخْلِفَكُمْ وَ قَالَ النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ فَاِنْ تُطِیْعُوْا اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ تَرْشُدُوْا. قَالَ فَانْتَهَیْنَا اِلَی النَّاسِ حِیْنَ امْتَدَّ النَّهَارُ وَ حَمِیَ كُلُّ شَیْءٍ وَ هُمْ یَقُوْلُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا عَطَشًا فَقَالَ لَا هُلْكَ عَلَیْكُمْ ثُمَّ قَالَ اَطْلِقُوْا لِیْ غُمَرِیْ قَالَ وَ دَعَا بِالْمِیْضَاةِ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُبُّ وَ اَبُوْقَتَادَةَ یَسْقِیْهِمْ فَلَمْ یَعْدُ اَنْ رَاَی النَّاسُ مَا فِی الْمِیْضَاةِ تَكَابُّوْا عَلَیْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحْسِنُوا الْمَلَاَ كُلُّكُمْ سَیُرْوٰی قَالَ فَفَعَلُوْا فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُبُّ وَ اَسْقِیْهِمْ حَتّٰی مَا بَقِیَ غَیْرِیْ وَ غَیْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

(۱۳۸۲) ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ آج شام اور ساری رات سفر کرنے کے بعد کل ان شاء اللہ تعالیٰ چشمہ پر جا پہنچو گے۔ بس لوگ چل پڑے اور ایک دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا تھا بس سفر طے کرنے میں مشغول تھے اس کے بعد وادی میں پہنچنے اور وہاں غفلت کی نیند سو جانے کا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ وضو کے پانی کا جو برتن میرے ساتھ تھا آپؐ نے اس کو منگایا اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ نے اس پانی سے مختصر سا وضو فرمایا اور جو پانی بچا اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا آئندہ چل کر اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوگئی تو انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک تشریف نہیں لائے۔ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ فرمائیں اور پھر اس کا خلاف کریں۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے ہیں ادھر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بڑے اصحاب موجود ہیں اگر ان کی رائے پر عمل کرو گے تو کامیاب ہوگے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت آ کر ملے جب کہ دن چڑھ چکا تھا اور آفتاب کی تمازت سے ہر چیز جلنے لگی تھی۔ لوگوں نے آپ سے فریاد کی یا رسول اللہ ہم تو پیاس سے مرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ یہ کہہ کر اپنے وضو کے پانی کا برتن منگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برتن سے پانی ڈالتے تھے اور ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر لوگوں کو پلاتے جارہے تھے۔ لوگوں کا برتن کے پانی کو دیکھنا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اخلاق درست رکھو۔ تم میں سے ہر ہر فرد پانی پی کر سیراب ہو گا' چنانچہ فوراً لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور پانی ڈالتے رہے اور ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے لے کر لوگوں کو پلاتے رہے یہاں تک کہ مجمع بھر میں میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تم بھی پی لو۔ میں نے عرض کی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پی لیں میں کیسے پی سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيَ اشْرَبْ فَقُلْتُ لَا اَشْرَبُ حَتّٰى تَشْرَبَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ شُرْبًا فَشَرِبْتُ وَ شَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ فَاَتَى النَّاسُ الْمَاءَ جَامِّيْنَ رِوَاءً قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَبَاحٍ اِنِّيْ لَاُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فِيْ مَسْجِدِ الْجَامِعِ اِذْ قَالَ لِيْ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ اُنْظُرْ كَيْفَ تُحَدِّثُ فَاِنَّا اَحَدُ الرَّكْبِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَقُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ فَقَالَ مِمَّنْ اَنْتَ؟ قُلْتُ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِحَدِيْثِكُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَقَدْ شَهِدْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَ مَا شَعُرْتُ اَحَدًا حَفِظَهٗ كَمَا حَفِظْتَهٗ. (رواہ الشیخان)

علیہ وسلم نے فرمایا طریقہ یہی ہے کہ جو تقسیم کرنے والا ہوتا ہے اس کا نمبر سب سے آخر ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے پانی پی لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نوش فرمالیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگ (اگلے روز) چین سے پانی پر پہنچے اور وہ خوب سیراب تھے۔ عبداللہ بن رباح رضی اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو جامع مسجد میں بیان کر رہا تھا کہ دفعۃً عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو ٹوکا اور فرمایا ذرا سوچ کر حدیث بیان کرو کیونکہ اس شب کے قافلہ میں میں بھی شریک تھا۔ میں نے عرض کی آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ انہوں نے پوچھا تم کس قبیلے کے آدمی ہو میں نے کہا انصار میں کا۔ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنی حدیث کو بہتر جانتے ہو۔ عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس شب میں میں بھی شریک تھا اور مجھ کو یہ خیال نہ تھا کہ اس واقعہ کو جس طرح تم نے محفوظ کیا ہے اس طرح کسی اور نے محفوظ کیا ہوگیا۔ (شیخین)

(۱۳۸۳) وَ فِي الْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ طَرَفًا مِنْهُ عَنْ زِيَادَةَ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ ثُمَّ قُلْنَا يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا بِئْرًا اِذَا كَانَ الشِّتَاءُ وَسِعَنَا مَاؤُهَا وَ اجْتَمَعْنَا عَلَيْهَا وَ اِذَا كَانَ الصَّيْفُ قَلَّ مَاؤُهَا فَتَفَرَّقْنَا عَلٰى مِيَاهٍ حَوْلَنَا وَ قَدْ اَسْلَمْنَا وَ كُلُّ مَنْ حَوَالَيْنَا عَدُوٌّ فَادْعُ اللّٰهَ فِيْ بِئْرِنَا اَنْ يَسَعَنَا مَاؤُهَا فَنَجْتَمِعَ عَلَيْهَا وَ لَا نَتَفَرَّقَ فَدَعَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ فَعَرَكَهُنَّ فِيْ يَدِهٖ وَ دَعَا فِيْهِنَّ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبُوْا بِهٰذِهِ الْحَصَيَاتِ فَاِذَا اَتَيْتُمُ الْبِئْرَ فَاَلْقُوْا وَاحِدَةً وَاحِدَةً وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ الصُّدَائِيُّ فَفَعَلْنَا مَا قَالَ لَنَا فَمَا اسْتَطَعْنَا بَعْدُ اَنْ نَنْظُرَ اِلٰى قَعْرِهَا.

(۱۳۸۳) زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس میں امام احمدؒ اور ابوداوٗدؒ نے اتنا اضافہ اور نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا کنواں ہے جب جاڑوں کا موسم آتا ہے تو اس کا پانی ہم کو کافی ہوتا ہے اور ہم اس کے گرد آباد ہو جاتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو اس میں پانی بہت کم رہ جاتا ہے اور ہم اپنے اردگرد کے پانیوں پر پھیل کر متفرق ہو جاتے ہیں اور ہمارے چاروں طرف ہمارے دشمن آباد ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کنویں کے لیے دعا فرمادیجئے کہ اس کا پانی ہمیشہ ہم کو کافی ہو جایا کرے اور ہم کو ادھر اُدھر متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں منگائیں اور ان کو اپنے ہاتھ میں ملا اور ان پر کچھ دعا پڑھی اور فرمایا اچھا ان کنکریوں کو لیجاؤ اور جب اپنے کنویں پر جانا تو ان کو بسم اللہ کہہ کر ایک ایک کر کے ڈالنا۔ صدائی بیان کرتے ہیں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی تو کنویں میں اتنا پانی ہوگیا کہ ہم کوشش کر کے بھی اس کی تہہ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

www.besturdubooks.net

(۱۳۸۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَ لَيْسَ فِي الْعَسْكَرِ مَاءٌ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ فِي الْعَسْكَرِ مَاءٌ قَالَ هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأْتِنِيْ بِهٖ قَالَ فَاَتَاهُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ قَلِيْلٍ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ عَلٰى فَمِ الْاِنَاءِ وَ فَتَحَ اَصَابِعَهٗ قَالَ فَانْفَجَرَتْ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ عُيُوْنٌ وَاَمَرَ بِلَالًا فَقَالَ نَادِ فِي النَّاسِ الْوَضُوْءَ الْمُبَارَكَ. (رواه الامام احمد)

(۱۳۸۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے پاس پانی نہیں رہا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کچھ پانی ہے؟ اس نے کہا کہ ہے- فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ- وہ ایک برتن لے آیا اس میں تھوڑا سا پانی تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں برتن کے اوپر پھیلائیں- یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی کے چشمے اُبل پڑے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آواز دے دو کہ وضو کے لیے برکت کا پانی لے لیں-

(مسند امام احمد)

(۱۳۸۵) مِنْ حَدِيْثِ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِنَحْوِهٖ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَاَصَابَنَا جُهْدٌ حَتّٰى هَمَمْنَا اَنْ نَنْحَرَ بَعْضَ ظَهْرِنَا فَاَمَرَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ فَجَمَعْنَا مَزَاوِدَنَا فَبَسَطْنَا لَهٗ نَطْعًا فَاجْتَمَعَ زَادُ الْقَوْمِ عَلَى النَّطْعِ قَالَ فَتَطَاوَلْتُ لِاَحْزُرَهٗ كَمْ هُوَ فَحَزَرْتُهٗ كَرَبْضَةِ الْعَنْزِ وَ نَحْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً قَالَ فَاَكَلْنَا حَتّٰى شَبِعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ حَشَيْنَا جُرُبَنَا فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ فَهَلْ مِنْ وَضُوْءٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ بِاِدَاوَةٍ فِيْهَا نُطْفَةٌ فَاَفْرَغَهَا فِيْ قَدَحٍ فَتَوَضَّأْنَا كُلُّنَا بِدَغْفَقَةٍ دَغْفَقَةٍ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةٍ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَالِكَ ثَمَانِيَةٌ فَقَالُوْا هَلْ مِنْ طَهُوْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَغَ الْوَضُوْءُ. (رواه البخاری)

(۱۳۸۵) سلمہ بن اکوع کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے- وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے تو ہمیں بھوک سے تکلیف ہونے لگی یہاں تک کہ ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اپنی سواری کے ایک آدھ اونٹ کو ذبح کر دیں- تب ہم کو اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سب اپنے اپنے ناشتہ دانوں کو اکٹھا کریں تو ہم نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھایا اور سب لوگوں کا توشہ اسی دستر خوان پر اکٹھا ہوا تو میں نے گردن اٹھائی کہ اس کا اندازہ کروں کہ کل ملا کر کتنا جمع ہوگیا- تو میں نے اندازہ کیا کہ وہ کل اتنا ہوگا جیسا کہ بکری کی ٹیک ہوتی ہے (یعنی اس کی نشست گاہ) اور ہماری تعداد چودہ سو تھی- راوی کہتے ہیں کہ ہم سب نے کھایا اور پیٹ بھر بھر کر کھایا- پھر ہم سب نے اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لیے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں کچھ پانی بھی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا' جس میں چند قطرے پانی تھا تو آپ نے اسے ایک برتن میں انڈیل لیا تو ہم سب چودہ سو آدمیوں نے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وضو کیا- اس کے بعد آٹھ آدمی اور آئے اور انہوں نے پوچھا کچھ اور پانی وضو کے لیے بچا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اب پانی ختم ہوگیا-

(بخاری شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۳۸۶) عَنْ اَنَسٍ اَیْضًا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابَهٗ بِالزَّوْرَاءِ وَ الزَّوْرَاءُ بِالْمَدِیْنَةِ عِنْدَ السُّوْقِ وَ الْمَسْجِدُ ثَمَّهٗ دَعَا بِقَدَحٍ فِیْهِ مَاءٌ فَوَضَعَ فِیْهِ کَفَّهٗ فَجَعَلَ یَنْبُعُ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّا جَمِیْعُ اَصْحَابِهٖ قَالَ قُلْتُ کَمْ کَانُوْا یَا اَبَا حَمْزَةَ قَالَ کَانُوْا زُهَاءَ الثَّلَاثِمَائَةِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ بِمَاءٍ لَا یَغْمِرُ اَصَابِعَهٗ. (رواہ الشیخان)

(۱۳۸۶) انسؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ مقام زوراء میں تھے یہ مدینہ طیبہ میں بازار کے پاس ایک مقام کا نام تھا اور وہاں مسجد بھی تھی- آپ نے پیالہ منگایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا- آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو پانی آپ کی اُنگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر اُبلنے لگا یہاں تک کہ آپؐ کے سب ہمراہیوں نے وضو کر لیا- میں نے پوچھا اے ابوحمزہ (حضرت انسؓ کی کنیت ہے) آپ کے ان ساتھیوں کی کل تعداد کتنی ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا تقریباً تین سو کے قریب صحابہؓ ہوں گے- دوسری روایت میں ہے کہ یہ پانی اتنا تھا کہ آپؐ کی انگلیاں بھی اس میں نہ ڈوبتی تھیں- (شیخین)

(۱۳۸۷) عَنْهُ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ حَانَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوْءَ فَلَمْ یَجِدُوْهُ فَاُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ فَوَضَعَ فِیْ ذَالِکَ الْاِنَاءِ یَدَهٗ وَ اَمَرَ النَّاسَ اَنْ یَتَوَضَّؤُا مِنْهُ قَالَ فَرَاَیْتُ الْمَاءَ یَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّا النَّاسُ حَتّٰی تَوَضَّئُوْا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِهِمْ. (رواہ الشیخان)

(۱۳۸۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس وقت نمازِ عصر کا وقت آ چکا تھا- لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا تو نہ ملا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھوڑا سا پانی پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں اپنا دستِ مبارک ڈالا اور لوگوں سے کہا کہ وضو کریں- ان کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی ابل ابل کر نکلتا ہوا دیکھا اور تمام حاضرین نے ایک ایک کر کے وضو کر لیا-

(شیخین)

(۱۳۸۸) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَدْ رَاَیْتُنِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ قَدْ حَضَرَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ وَ لَیْسَ مَعَنَا مَاءٌ غَیْرُ فَضْلَةٍ فَجُعِلَ فِیْ اِنَاءٍ فَاُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهِ وَ فَرَّجَ اَصَابِعَهٗ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الْوَضُوْءِ وَ الْبَرَکَةُ مِنَ اللّٰهِ. فَلَقَدْ رَاَیْتُ الْمَاءَ یَتَفَجَّرُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّا النَّاسُ وَ شَرِبُوْا فَجَعَلْتُ لَا اٰلُوْمَا جَعَلْتُ فِیْ بَطْنِیْ مِنْهُ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ بَرَکَةٌ قُلْتُ لِجَابِرٍ کَمْ کُنْتُمْ یَوْمَئِذٍ قَالَ اَلْفًا وَ

(۱۳۸۸) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا- میں نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے صرف جو کسی کے پاس بچا کھچا رہ گیا تھا بس وہی تھا تو وہ ایک برتن میں ڈال کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا دستِ مبارک اس میں ڈالا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں اس کے بعد فرمایا لوگو چلو اور وضو کا پانی اور اللہ کی طرف سے برکت لو تو- میں نے دیکھا کہ پانی تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر آپ کی انگلیوں سے اُبل رہا تھا حتیٰ کہ تمام صحابہؓ نے وضو بھی کر لیا اور خوب پی بھی لیا- اور میں نے تو جتنا پانی میرے پیٹ میں سما سکتا تھا وہ بری طرح پی ڈالا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ برکت ہی برکت کا پانی ہے- میں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اس وقت تم کتنے صحابہؓ تھے؟ انہوں

www.besturdubooks.net

اَرْبَعمِائَةٍ.(رواه الشيخان)

نے کہا ایک ہزار اور چار سو- (شیخین)

(۱۳۸۹) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَيْضًا قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ فَجَهَشَ النَّاسُ نَحْوَهُ قَالَ مَا لَكُمْ قَالُوْا لَيْسَ عِنْدَنَا مَا نَتَوَضَّأُ وَ لَا نَشْرَبُ اِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْكَ. فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهِ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ فَشَرِبْنَا وَ تَوَضَّأْنَا. قُلْتُ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً.

(رواه البخاری)

(۱۳۸۹) یہ روایت بھی جابرؓ ہی سے ہے کہ صلح حدیبیہ میں ہم کو پانی نہ مل سکا اور ہم کو سخت پیاس لگی- آپ کے سامنے ایک چڑے کا تھیلا تھا- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے پانی لے کر وضو کیا' پھر کیا تھا لوگ پانی دیکھ کر بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکے- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے- انہوں نے عرض کی ہمارے پاس نہ وضو کے لیے پانی ہے نہ پینے کے لیے بس یہی ہے' جو آپ کے سامنے ہے- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس تھیلے میں اپنا دست مبارک ڈالا- بس پانی تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انگلیوں سے چشمے کی طرح ابل ابل کر نکلنے لگا- ہم نے خوب پیا بھی اور وضو بھی کیا- میں نے پوچھا تم کتنے تھے؟ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کا عالم یہ تھا کہ ان کو بھی کافی ہوتا' مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے- (شیخین)

(۱۳۹۰) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ تَعُدُّوْنَ اَنْتُمُ الْفَتْحَ فَتْحَ مَكَّةَ وَ قَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا وَ نَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً وَ الْحُدَيْبِيَّةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ تَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهُ فِيْهَا فَتَرَكْنَاهَا غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ اِنَّهَا اَصْدَرَتْنَا مَا

(۱۳۹۰) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تم لوگ تو فتح مکہ کو "فتح عظیم" کا مصداق سمجھتے ہو اور کسی شک و شبہ کے بغیر وہ بڑی فتح تھی' لیکن ہم تو بیعت الرضوان کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی بڑی فتح سمجھتے ہیں- ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) تھے اور حدیبیہ وہاں ایک کنواں تھا' جس کا پانی ہم نے سب کھینچ کھینچ کر نکال لیا تھا حتیٰ کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ تک باقی نہیں چھوڑا تھا یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے اور اس کی مینڈ پر آ کر بیٹھ گئے اور ایک برتن میں کچھ پانی منگایا اور وضو فرمایا اور کلی کر کے وہ پانی اس کنویں میں ڈال دیا- ہم نے کچھ زیادہ دیر بھی نہیں کی تھی کہ اس میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ جتنا ہو سکا' ہم نے

(۱۳۸۹) * بخاری کے واقعات متفرق ہیں ان کے اجزاء میں کہیں کہیں تفاوت بھی ہے آپ چاہیں ان سب کو ایک واقعہ کہہ سکتے ہیں- اس میں اگر کچھ نقصان ہو گا تو آپ ہی کا نقصان ہے کہ پیغمبر خدا کے معجزات کی تقلیل لازم آئے گی اور تکلف بھی اختیار کرنا پڑے گا- بہر حال اپنے نبیؐ کے معجزات کو لطف اندوزی کے لیے یہاں سب کو نہیں تو بعض طرق کو جمع کر دیا ہے ان میں کہیں انگلیوں کا کرشمہ ہے تو کہیں لعاب دہن کا-

www.besturdubooks.net

شِئْنَا نَحْنُ وَ رِكَابُنَا وَ كُنَّا اَلْفًا وَ اَرْبَعَمِائَةٍ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ.

(رواہ البخاری)

خود پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اس وقت ہماری تعداد چودہ سو ہوگی یا اس سے کچھ زیادہ۔

(بخاری شریف)

الرسول الاعظم و البركة في الماء و الطعام و الثمار الذي كان يكثر ببركته فوق العادة صلوت الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پانی اور کھانے اور پھلوں میں وہ برکت جو عادت واسباب کی حد سے بڑھ کر تھی

(۱۳۹۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعٰى بِمَاءٍ فَاُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فَجَعَلَ الْقَوْمُ يَتَوَضَّؤُوْنَ فَقَالَ فَحَزَرْتُ مَابَيْنَ سَبْعِيْنَ اِلَى الثَّمَانِيْنَ. رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ بَعْضِ مَخَارِجِهٖ وَ مَعَهٗ اُنَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَانْطَلَقُوْا يَسِيْرُوْنَ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلَمْ يَجِدُوْا مَا يَتَوَضَّؤُوْنَ بِهٖ فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ يَسِيْرٌ فَاَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَدَّ اَصَابِعَهُ الْاَرْبَعَ عَلَى الْقَدَحِ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَتَوَضَّؤُوْا وَ كَانُوْا سَبْعِيْنَ اَوْ نَحْوَهٗ.

(۱۳۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی طلب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کشادہ پیالہ پیش کیا گیا اور لوگوں نے اس سے وضو کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اندازہ لگایا تو کوئی ستر اور اسی کے درمیان لوگ تھے (شیخین)۔ یہی واقعہ بعض روایات میں طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے اور اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ بھی تھے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا اور وضو کے لیے پانی نہ مل سکا۔ قافلہ میں سے ایک شخص گیا اور ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر وضو فرمایا اور اپنی چاروں انگلیاں پانی کے پیالے پر پھیلا دیں اور فرمایا لوگو اٹھو اور وضو کر لو۔ یہ لوگ ستر یا کچھ کم و بیش ہوں گے۔

(۱۳۹۲) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ

(۱۳۹۲) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ تہی دست لوگ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہوا سے چاہیے کہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہوا سے چاہیے کہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو اپنے ساتھ (کھانا کھلانے) لے جائے۔ اور حضرت

(۱۳۹۱) * اس واقعہ میں کل ستر اور اسی افراد موجود ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ آپ کا دل گوارا کرے تو اس کو علیحدہ واقعہ شمار کر لیجیے یا ایک ہی بنا دیجیے۔ ہمارا مقصد تو صرف معجزات شماری کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔

www.besturdubooks.net

اَوْ سَادِسٍ وَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ جَاءَ بِثَلٰثَةٍ وَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ وَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ تَعَشّٰى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰى صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰى تَعَشَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ مَا حَبَسَكَ عَنْ اَضْيَافِكَ قَالَ وَ عَشَّيْتِهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰى تَجِيْءَ فَغَضِبَ وَ قَالَ وَ اللّٰهِ لَا اَطْعَمُهُ اَبَدًا فَحَلَفَتِ الْمَرْاَةُ اَنْ لَّا تَطْعَمَهُ وَ حَلَفَ الْاَضْيَافُ اَنْ لَّا يَطْعَمُوْهُ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ كَانَ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَاَكَلَ وَ اَكَلُوْا فَجَعَلُوْا لَا يَرْفَعُوْنَ لُقْمَةً اِلَّا رَبَتْ مِنْ اَسْفَلِهَا اَكْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ لِامْرَاَتِهٖ يَا اُخْتَ بَنِيْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا وَ قُرَّةِ عَيْنِيْ اَنَّهَا الْاٰنَ لَاَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذَالِكَ بِثَلٰثِ مِرَارٍ فَاَكَلُوْا وَ بَعَثَ بِهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَنَّهٗ اَكَلَ مِنْهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ ذَكَرَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ فِي الْمُعْجِزَاتِ.

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین آدمیوں کو ساتھ لے کر گھر آئے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر چلے اور خود ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھالیا' پھر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی پھر نماز سے لوٹے اور اتنی دیر ٹھہرے رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات کا کھانا کھالیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کا اتنا حصہ گذرنے کے بعد گھر پہنچے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ اتنی دیر کہاں رک گئے؟ تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یہ بتاؤ کہ تم نے ان کو کھانا کھلا دیا یا نہیں؟ کہنے لگیں کہ ان لوگوں نے کہا کہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک تم نہ آ جاؤ گے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو کھانا نہ کھاؤں گا۔ تو ان کی بی بی نے بھی قسم کھا کر کہا کہ پھر میں بھی کھانا نہ کھاؤں گی' اس پر ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ پھر ہم بھی یہ کھانا نہ کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تنبہ ہوا اور فرمانے لگے کہ یہ سب کچھ شیطان کی وجہ سے ہوا اس کے بعد انہوں نے کھانا منگوایا اور خود کھایا تو مہمانوں نے بھی کھانا کھایا تو یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ ایک لقمہ اٹھاتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ کھانا از خود اضافہ ہو جاتا تھا تو انہوں نے اپنی بی بی سے فرمایا کہ اے بنوفراس کی خاتون! دیکھ یہ کیا ہے؟ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ارے یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے' تو ان سب نے خوب کھایا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔ (شیخین) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بیان کرتے ہیں کہ ہم کھانے کے اندر سے تسبیح سنتے تھے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و دعائه علی سراقة وار تطام فرسه فی جلد من الارض ثم خروجه منها بدعائه صلوات الله وسلامه علیه

(۱۳۹۳) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ حَدِیْثُ هِجْرَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَکْرٍ مِنْ مَکَّةَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ قَالَ فِیْهِ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِکِ بْنِ جُعْشُمٍ وَ نَحْنُ فِیْ جَلَدٍ مِّنَ الْاَرْضِ وَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُتِیْنَا قَالَ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ فَرَسُهُ اِلٰی بَطْنِهَا فَقَالَ اِنِّیْ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّکُمَا دَعَوْتُمَا عَلَیَّ فَادْعُوْا لِیْ وَ اللّٰهِ لَکُمَا اَنْ اَرُدَّ عَنْکُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا اللّٰهَ فَنَجَا فَرَجَعَ لَا یَلْقٰی اَحَدًا اِلَّا قَالَ قَدْ کُفِیْتُمْ مَا هٰهُنَا فَلَا یَلْقٰی اَحَدًا اِلَّا رَدَّهٗ وَ فِیْ لَفْظٍ فَسَاخَ فَرَسُهٗ فِی الْاَرْضِ اِلٰی بَطْنِهٖ وَ وَثَبَ عَنْهُ وَ قَالَ یَا مُحَمَّدُ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ هٰذَا عَمَلُکَ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ یُّخَلِّصَنِیْ مِمَّا اَنَا فِیْهِ وَ لَکَ عَلَیَّ لَاُعَمِّیَنَّ مَنْ وَّرَائِیْ. (رواه الشیخان)

(۱۳۹۴) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مِنْ رِوَایَةِ سُرَاقَةَ نَفْسَهُ قَالَ جَاءَ نَا رُسُلُ کُفَّارِ قُرَیْشٍ یَجْعَلُوْنَ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سراقہ جاسوس مشرکین پر بددُعا اور اُس کے گھوڑے کا سنگستانی زمین میں دھنس جانا پھر آپؐ کی دُعاءِ مبارک سے اس کا زمین سے نکل جانا

(۱۳۹۳) براء بن عازبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا واقعہ نقل کرتے ہوئے خود سراقہ بن مالک کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہم سخت پتھریلی زمین میں تھے تو ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اب پکڑے گئے آپ نے فرمایا فکر نہ کرو یقین جانو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر حضورؐ نے اسے بددعا دی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے کہا' اچھا میں سمجھ گیا تم دونوں نے مجھے بددعا دی ہے۔ اچھا اب آپ دونوں میرے لئے نجات کی دعائے خیر کرو۔ خدا کی قسم آپ دونوں کا احسان میرے اوپر ہے اور اس کے لئے میں اب یہ کروں گا کہ تمہیں ڈھونڈنے والوں کو یہیں سے لوٹا دوں گا۔ تب حضورؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی تو وہ اس مصیبت سے نجات پا گیا۔ پھر سراقہ وہاں سے لوٹا اور راستے میں جس سے بھی ملتا سب کو وہیں سے واپس کر دیتا کہ جاؤ کچھ فکر کی ضرورت نہیں وہ ادھر تو نہیں گئے۔ غرض جس سے بھی ملتا سب کو لوٹا دیتا ایک روایت میں ہے کہ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا تو وہ کود پڑا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سمجھ گیا یہ آپ ہی کا کام ہے۔ اب اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے' جس میں میں ہوں چھڑا دے اور میں آپ کے لئے یہ کروں گا کہ جو شخص بھی میرے پیچھے آئے گا اس کو دھوکہ میں ڈال کر راستہ نہ بتاؤں گا۔

(۱۳۹۴) ابن شہاب سراقہ بن مالک کا خود اپنا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں کہ کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد یہ پیام لے کر آئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرے یا قید کرے تو اس کو ان

(۱۳۹۴) * ہجرت کا یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مختلف جگہ موجود ہے ہم نے صرف اس کے دو طریقے پیش کیے ہیں تا کہ ...

www.besturdubooks.net

اَبِیْ بَکْرٍ دِیَةَ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِمَنْ قَتَلَهٗ اَوْ اَسَرَهٗ فَبَیْنَمَا اَنَا جَالِسٌ فِیْ مَجْلِسِ قَوْمِیْ بَنِیْ مُدْلِجٍ اِذْ اَقْبَلَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ حَتّٰی قَامَ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ جُلُوْسٌ فَقَالَ یَا سُرَاقَةُ اِنِّیْ رَاَیْتُ اٰنِفًا اَسْوِدَةً بِالسَّاحِلِ اُرَاهُمَا مُحَمَّدًا وَّ اَصْحَابَهٗ قَالَ سُرَاقَةُ فَعَرَفْتُ اَنَّهُمْ هُمْ فَقُلْتُ لَیْسُوْا بِهِمْ وَ لٰکِنَّکَ رَاَیْتَ فُلَانًا وَ فُلَانًا ثُمَّ لَبِثْتُ سَاعَةً ثُمَّ قُمْتُ فَدَخَلْتُ بَیْتِیْ فَاَمَرْتُ جَارِیَتِیْ اَنْ تُخْرِجَ فَرَسِیْ وَهِیَ مِنْ وَّرَاءِ اُکْمَةٍ فَتَحْبِسُهَا عَلَیَّ وَ اَخَذْتُ رُمْحِیْ فَخَرَجْتُ بِهٖ مِنْ ظَهْرِ الْبَیْتِ فَخَطَطْتُ بِزُجِّهٖ الْاَرْضَ وَ خَفَضْتُ عَالِیَهٗ حَتّٰی اَتَیْتُ فَرَسِیْ فَرَکِبْتُهَا فَرَفَعْتُهَا تُقَرِّبُ بِیْ حَتّٰی دَنَوْتُ مِنْهُمْ وَ عَثَرَتْ بِیْ فَرَسِیْ فَخَرَرْتُ عَنْهَا فَقُمْتُ عَنْهَا فَاَهْوَیْتُ یَدِیْ اِلٰی کِنَانَتِیْ فَاسْتَخْرَجْتُ مِنْهَا الْاَزْلَامَ فَاسْتَقْسَمْتُ بِهَا اَضُرُّهُمْ اَمْ لَا فَخَرَجَ الَّذِیْ اَکْرَهُ فَرَکِبْتُ وَ عَصَیْتُ الْاَزْلَامَ فَقَرَّبَتْ بِیْ حَتّٰی اِذَا سَمِعْتُ قِرَاءَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ لَا یَلْتَفِتُ وَ اَبُوْبَکْرٍ یُکْثِرُ الْاِلْتِفَاتَ سَاخَتْ یَدَا فَرَسِیْ فِی الْاَرْضِ

میں سے ہر ایک کے عوض میں ایک دیت کے برابر مال ملے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ ابھی کچھ دیر گذرنے نہ پائی تھی کہ میں اپنی قوم بنی مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا اے سراقہ دریا کے کنارے میں نے ابھی ابھی کچھ لوگ دیکھے ہیں جن کے متعلق میرا غالب گمان یہی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفیق ہوں گے۔ اس کے پتہ دینے پر میں سمجھ تو گیا کہ ہوں نہ ہوں یہ وہی ہیں' مگر بات ٹالنے کے لیے میں نے اس سے کہہ دیا وہ بھلا کہاں ہوتے شاید تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہوگا۔ پھر ذرا سا وقفہ دے کر میں وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی باندی سے کہا کہ میرا گھوڑا باہر نکالے۔ وہ ایک ٹیلہ کے پیچھے تھا اور اس کو لے کر کھڑی رہے ادھر میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور اس کی بھال زمین کی طرف کر دی اور اس کے اوپر کے حصہ کو نیچا کر دیا (تا کہ کسی کی نظر نہ پڑے) یہاں تک کہ اپنے گھوڑے پر آ کر سوار ہو گیا اور اس کو تیز کر دیا تا کہ وہ جلد ان کو جا پکڑے۔ جب میں ان کے نزدیک جا پہنچا تو میرا گھوڑا دفعۃً پھسلا اور میں اس کے اوپر سے جا پڑا' کھڑے ہو کر میں نے اپنے فال کے تیر نکالے اور ان کا پانسا گھمایا تا کہ یہ دیکھوں کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں دیکھا تو اس میں ایسی بات نکلی جس کو میں ناپسند کرتا تھا' مگر پھر بھی میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے اور نزدیک جا پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے جب میں اتنا قریب جا پہنچا تو اس مرتبہ میرے گھوڑے کے دونوں ہاتھ یعنی اگلے دونوں

ﷺ ..... آپ یہ انداز ہ فرماسکیں کہ کہنے کو تو یہ ایک ہی واقعہ ہے' مگر نہ معلوم کتنے معجزات کا حامل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آج خدا کا محبوب' اپنے وطن مالوف و محبوب سے خدا کے لیے باہر کیا جا رہا ہے۔ ایک ذی حس انسان تصور کرے کہ ان حالات میں آپ ؑ کے اوپر کیا گذر سکتی ہے' پھر اس کی تسلی کے لیے قدرت جو کرشمے اپنی رأفت و رحمت کے دکھائے ان کا تصور خود فرما لیجئے اپنی خوابگاہ پر کس طرح حضرت علیؓ کو لٹایا' کس طرح دشمنوں کے جھرمٹ میں سے صاف آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئے کس طرح تعاقب کرنے والے دشمنوں کا ﷺ .....

www.besturdubooks.net

حَتّٰی بَلَغَتَا الرُّکْبَتَیْنِ فَخَرَرْتُ عَنْهَا ثُمَّ زَجَرْتُهَا فَنَهَضَتْ فَلَمْ تَکَدْ تُخْرِجُ یَدَیْهَا فَلَمَّا اسْتَوَتْ قَائِمَةً اِذَا لِاَثَرِ یَدَیْهَا غُبَارٌ سَاطِعٌ فِی السَّمَاءِ مِثْلَ الدُّخَانِ فَاسْتَقْسَمْتُ بِالْاَزْلَامِ فَخَرَجَ الَّذِیْ اَکْرَهُ فَنَادَیْتُهُمْ بِالْاَمَانِ فَوَقَفُوْا فَرَکِبْتُ فَرَسِیْ حَتّٰی جِئْتُهُمْ وَ وَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ حِیْنَ لَقِیْتُ مَا لَقِیْتُ مِنَ الْحَبْسِ عَنْهُمْ اَنْ سَیَظْهَرُ اَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ ذَکَرَ تَمَامَ الْحَدِیْثِ۔ (رواہ الشیخان)

پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں پھر اس کی پشت سے جا پڑا' میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو زور سے ڈانٹا مگر وہ اپنے ہاتھ زمین سے نہ نکال سکا' پھر جب بمشکل وہ سیدھا کھڑا ہوا کو تو زمین سے دھوئیں کی طرح ایک غبار نکلا میں نے پھر اپنے تیر گھمائے' مگر پھر وہی بات نکلی جو مجھ کو پسند نہ تھی اس پر میں نے امن کے لیے آواز دی وہ ٹھہر گئے- میں گھوڑے پر سوار ہو کر جب بالکل ان کے پاس پہنچ گیا تو اپنے روک دیئے جانے کی وجہ سے میرے دل میں اب یہ یقین ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا- اس کے بعد پورا واقعہ نقل کیا-

(متفق علیہ)

الرسول الاعظم و استجابة دعائه صلوات الله و سلامه علیه

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعائے مبارک کی شانِ قبولیت

(۱۳۹۵) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ قَاضِیًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِیْ وَ اَنَا حَدِیْثُ السِّنِّ وَ لَا عِلْمَ لِیْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ سَیَهْدِیْ قَلْبَکَ وَ یُثَبِّتُ لِسَانَکَ۔ اِذَا تَقَاضٰی اِلَیْکَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰی تَسْمَعَ کَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰی اَنْ یَّتَبَیَّنَ لَکَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَکَکْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَعْدُ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة)

(۱۳۹۵) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے قاضی و منصف بنا کر بھیج رہے ہیں' حالانکہ میں ابھی کم عمر ہوں اور مجھے جھگڑے چکانا نہیں آتا- حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو صحیح بات ہی کی طرف رہنمائی فرما دیا کرے گا اور تمہاری زبان کو حق بات پر جما کر رکھے گا لہٰذا جب بھی تمہارے پاس دو فریق آئیں تو تم ایک ہی شخص کی باتوں کو سن کر فیصلہ نہ کر دیا کرنا جب تک کہ تم فریق ثانی کی بات بھی نہ سن لو کیونکہ اس صورت میں معاملہ تمہارے سامنے خوب اچھی طرح واضح ہو جائے گا- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد مجھے کسی معاملہ میں شک وشبہ نہیں ہوا- (ترمذی)

لله ..... حشر ہوا کس طرح غار ثور میں محفوظ رہے کس طرح ام معبد پر گذر ہوا' کس طرح دودھ کے متعلق دوسرے واقعات ظاہر ہوئے- یہ سب واقعات ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گذر چکے ہیں اور جو جو معجزات ہماری نظروں سے اب تک ہماری لاعلمی کی وجہ سے غائب رہے یا راویوں کے سہو ونسیان کے نذر ہو گئے یا اُن کے زمانے کے واقعات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل بیان نہ تھے یا سند کی بحثوں نے ان کو سرے سے ساقط ہی کر دیا ان کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ ان کے بیان کے لیے کئی ضخیم جلدیں چاہئیں-

www.besturdubooks.net

(۱۳۹۶) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ أُبَيُّ بْنُ خَلَفٍ أَخُوْبَنِي جُمَحٍ قَدْ حَلَفَ وَ هُوَ بِمَكَّةَ لَيَقْتُلَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلْفَتُهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَنَا أَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَأَقْبَلَ أُبَيٌّ مُقْنِعًا فِي الْحَدِيْدِ وَ هُوَ يَقُوْلُ لَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَى مُحَمَّدٌ فَحَمَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ قَتْلَهُ فَاسْتَقْبَلَهُ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ أَخُوْ بَنِي عَبْدِالدَّارِ يَقِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَفْسِهِ فَقُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ أَبْصَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْقُوَةَ أُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ مِنْ فُرْجَةٍ بَيْنَ سَابِغَةِ الدِّرْعِ وَ الْبَيْضَةِ فَطَعَنَهُ فِيْهَا بِحَرْبَةٍ فَوَقَعَ أُبَيٌّ عَنْ فَرَسِهِ وَ لَمْ يَخْرُجْ مِنْ طَعْنَتِهِ دَمٌ فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ فَاحْتَمَلُوْهُ وَ هُوَ يَخُوْرُ خُوَارَ الثَّوْرِ. فَقَالُوْا لَهُ مَا أَجْزَعَكَ إِنَّمَا هُوَ خَدْشٌ فَذَكَرَ لَهُمْ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَقْتُلُ أُبَيًّا. ثُمَّ قَالَ وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ بِيْ بِأَهْلِ ذِي الْمَجَازِ لَمَاتُوْا أَجْمَعُوْنَ فَمَاتَ إِلَى النَّارِ.

(۱۳۹۶) کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے جو بنو جمح کا بھائی لگتا تھا مکہ مکرمہ میں اس پر قسم اٹھائی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور قتل کر کے چھوڑے گا۔ جب اس کی اس قسم کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انشاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔'' چنانچہ جب ابی چاروں طرف سے ہتھیاروں سے سج کر میدان جنگ میں آیا تو اس نے پکار کر کہا ''آج کے دن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو خدا کرے میں زندہ نہ بچوں''۔ یہ کہہ کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر حملہ کیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بنو عبدالدار کے بھائی لگتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے فوراً سامنے آ گئے اور شہید ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے خود اور لمبی چوڑی درع کے درمیان اس کی ہنسلی کے پاس ذرا سی جگہ کھلی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیزہ لے کر اس جگہ پر مارا بس نیزہ لگنا تھا کہ ابی اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور حال یہ تھا کہ آپ کے نیزہ سے ذرا سا خون بھی نہ نکلا۔ اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر لے گئے اور وہ بیل کی سی آواز نکال رہا تھا۔ اس پر اس کے رفقا نے کہا کتنا بزدل شخص ہے یہ کیا زخم ہے صرف ایک معمولی سی خراش ہے۔ یہ سن کر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں ہی ابی کو قتل کروں گا۔ اِس کے بعد کہا اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ تکلیف مجھے ہے کہ اگر یہ سارے ذی المجاز (ایک بازار کا نام ہے) والوں کو ہوتی تو وہ سب اس کی وجہ سے ختم ہو جاتے یہ کہہ کر وہ واصل جہنم ہو گیا۔

(مستدرک وغیرہ)

(رواه موسٰی بن عقبة عن ابن شهاب الزهری عن سعيد بن المسيب و ذكره الواقدی و هذا لفظه و هو مما ذكره عروة بن الزبير فی مغازيه و ابن اسحاق و غير هما و الحاكم فی المستدرك ج ٢ ص ٣٢٧.)

(۱۳۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ

(۱۳۹۷) حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے

www.besturdubooks.net

عِنْدَ الْبَيْتِ وَ اَبُوْ جَهْلٍ وَ اَصْحَابٌ لَهُ جُلُوْسٌ وَ قَدْ نُحِرَتْ جَزُوْرٌ بِالْاَمْسِ فَقَالَ اَبُوْجَهْلٍ اَيُّكُمْ يَقُوْمُ اِلٰى سَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَاْخُذُهُ فَيَضَعُهُ فِيْ كَتِفَيْ مُحَمَّدٍ اِذَا سَجَدَ فَانْبَعَثَ اَشْقَى الْقَوْمِ فَاَخَذَهُ فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ فَاسْتَضْحَكُوْا وَ جَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيْلُ عَلٰى بَعْضٍ وَ اَنَا قَائِمٌ اَنْظُرُ لَوْ كَانَتْ لِيْ مَنَعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا لَا يَرْفَعُ رَاْسَهُ حَتّٰى انْطَلَقَ اِنْسَانٌ اِلٰى فَاطِمَةَ فَجَاءَتْ وَ هُوَ جُوَيْرِيَةٌ فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ رَفَعَ صَوْتَهُ ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ وَ كَانَ اِذَا دَعَا دَعَا ثَلَاثًا وَ اِذَا سَاَلَ سَاَلَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا سَمِعُوْا صَوْتَهُ ذَهَبَ عَنْهُمُ الضِّحْكُ وَ خَافُوْا دَعْوَتَهُ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَ شَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَ اُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَ عُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَ ذَكَرَ السَّابِعَ لَمْ اَحْفَظْهُ فَوَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْ سَمّٰى صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا اِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ. (رواہ الشیخان)

رفقاء جو وہاں جمع تھے ان میں سے کسی نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہوئی تھی ابوجہل بولا تم میں سے ہے کوئی شخص جو اٹھ کر اس اونٹ کی اوجھڑی کو لے آئے اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ کریں تو ان کے شانوں پر جا کر رکھ دے آخر جوان میں سب سے زیادہ بد نصیب تھا' اس نے یہ ہمت کی اور جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر ڈال دی پھر کیا تھا ایک قہقہہ لگا کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر جا جا کر گرنے لگے- میں یہ سب ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا کاش میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہوتی تو میں آپؐ کے شانوں سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سربسجود تھے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے- اتنے میں کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو اس کی خبر کی' یہ اس وقت بہت کم سن تھیں بھاگ کر آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینک دی' پھر ان بد کرداروں کو برا بھلا کہنے لگیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آوازِ بلند اُن پر بد دعا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بد دعا فرماتے تو تین بار فرماتے اسی طرح جب کوئی دعا مانگتے تو تین بار مانگتے پھر تین بار فرمایا الٰہی قریش سے انتقام لے-'' جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنا تو ان کی سب ہنسی خوشی غائب ہو گئی اور سہم کر رہ گئے- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر بد دعائیں فرمائیں الٰہی ابوجہل' عتبہ' شیبہ' ولید' امیہ اور عقبہ سے (اور ایک ساتویں شخص کا اور نام لیا جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا) انتقام لے- اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے جن جن مشرکین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو جنگ بدر کے میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر وہاں ایک کنوئیں میں ڈال دیئے گئے- (بخاری ومسلم)

www.besturdubooks.net

وَ كَانَ اَبُو لَهَبٍ لَمَّا عَادَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اِبْنَيْهِ اَنْ يُطَلِّقَا اِبْنَتَي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُقَيَّةَ وَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَ قَالَ عُتَيْبَةُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرْتُ بِدِيْنِكَ وَ فَارَقْتُ ابْنَتَكَ لَا تَجِيْئُنِيْ وَ لَا اَجِيْئُكَ ثُمَّ تَسَلَّطَ عَلَيْهِ بِالْاَذٰى وَ شَقَّ قَمِيْصَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ فَخَرَجَ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ حَتّٰى نَزَلُوْا فِيْ مَكَانٍ مِّنَ الشَّامِ يُقَالُ لَهُ الزَّرْقَاءُ لَيْلًا فَطَافَ بِهِمُ الْاَسَدُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَجَعَلَ عُتَيْبَةُ يَقُوْلُ وَيْلُ اُمِّيْ هُوَ وَ اللّٰهِ اٰكِلِيْ كَمَا دَعَا مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) عَلَيَّ قَتَلَنِيْ وَ هُوَ بِمَكَّةَ وَ اَنَا بِالشَّامِ فَعَدَا عَلَيْهِ الْاَسَدُ مِنْ بَيْنِ الْقَوْمِ وَاَخَذَ بِرَاْسِهٖ فَذَبَحَهٗ وَ فِيْ رِوَايَةِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا طَافَ الْاَسَدُ بِهِمْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ اِنْصَرَفَ عَنْهُمْ قَامُوْا وَ جَعَلُوْا عُتَيْبَةَ فِيْ وَسَطِهِمْ فَاَقْبَلَ الْاَسَدُ يَتَخَطَّاهُمْ حَتّٰى اَخَذَ بِرَاْسِ عُتَيْبَةَ فَفَدَغَهٗ كَمَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ اَصْحَابِ السِّيَرِ.

جب ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دیں۔ تو عتیبہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بدتمیزی سے یوں کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا کہ نہ وہ میرے بلانے پر آئے نہ میں اس کے بلانے پر آؤں۔ (یا نہ وہ مجھے جواب دے نہ میں اسے جواب دوں) پھر اس بدبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کا قصد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیراہن مبارک پھاڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دیجئے۔ کچھ دنوں کے بعد قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ وہ لڑکا کسی سفر کو نکلا۔ ملک شام میں ایک مقام پر جس کا نام زرقا تھا وہ قافلہ رات کو اترا۔ ایک شیر رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو عتیبہ کہنے لگا اے بھائی بڑا غضب ہو گیا' یہ شیر بخدا مجھے کھا جائے گا جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر بددعا کی ہے حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں ہیں اور میں شام میں ہوں۔ بس پھر اس شیر نے قافلہ کے بیچ میں سے گزر کر اسی پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑا اور اسے مار ڈالا اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے یوں روایت کی ہے کہ جب شیر اس رات میں ان کے پاس گھوم گیا تو قافلے والے اٹھ بیٹھے اور وہ عتیبہ کو بیچ میں کر کے چاروں طرف خود پھیل گئے تو وہ شیر سب کے بیچ میں سے گذرتا ہوا آگے آیا اور اس نے عتیبہ کا سر پکڑا اور اسے توڑ ڈالا۔ اہل سیر کے یہاں اسی طرح مشہور ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر الجواب الصحیح میں کیا ہے۔

(ذكره ابن تيمية فى الجواب الصحيح ج ٤ ص ٢١١ رواه الحاكم فى المستدرك و صححه الذهبى. و ذكره القرطبى فى تفسير سورة و النجم و ابن كثير فى البداية و النهاية ج ٦ ص ٢٦٣.)

الرسول الاعظم و الهداية فى الدنيا و الكرامة فى الاخرة لمن اطاعه صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور فیضِ تاثیر سے دنیا میں حصولِ ہدایت اور آخرت میں عزت و کرامت

(۱۳۹۸) وَ فِيْ مَغَازِيْهِ اَنَّ عُمَيْرَ بْنَ وَهْبٍ

(۱۳۹۸) عمیر بن وہب الجمحی جب مشرکین مکہ مکرمہ کے پاس آیا اور

www.besturdubooks.net

الْجُمَحِيّ لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى مَكَّةَ وَقَدْ قَتَلَ اللّٰهُ مَنْ قَتَلَ مِنْهُمْ. اَقْبَلَ عُمَيْرٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى صَفْوَانَ بْنِ اُمَيَّةَ فِي الْحِجْرِ. فَقَالَ صَفْوَانُ قَبَّحَ اللّٰهُ الْعَيْشَ بَعْدَ قَتْلٰى بَدْرٍ قَالَ اَجَلْ وَ اللّٰهِ مَا فِي الْعَيْشِ خَيْرٌ بَعْدَ هُمْ وَ لَوْ لَا دَيْنٌ عَلَيَّ لَا اَجِدُ لَهٗ قَضَاءً وَ عِيَالٌ لَا اَدَعُ لَهُمْ شَيْئًا لَرَحَلْتُ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقَتَلْتُهٗ اِنْ مَلَاْتُ عَيْنِيْ مِنْهُ فَاِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ عِلَّةً اَعْتَلُّ بِهَا. اَقُوْلُ قَدِمْتُ عَلٰى اَنِّيْ اَفْدِيْ هٰذَا الْاَسِيْرَ. فَفَرِحَ صَفْوَانُ بِقَوْلِهٖ وَ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَيْنُكَ وَ عِيَالُكَ اُسْوَةُ عِيَالِيْ فِي النَّفَقَةِ فَحَمَلَهٗ صَفْوَانُ وَ جَهَّزَهٗ وَ اَمَرَ بِسَيْفِ عُمَيْرٍ فَصُقِلَ وَ سُمَّ فَاَقْبَلَ عُمَيْرٌ حَتّٰى قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَزَلَ بِبَابِ الْمَسْجِدِ وَ عَقَلَ رَاحِلَتَهٗ وَ اَخَذَ السَّيْفَ فَعَمِدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلَيْهِ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَ هُوَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْاَنْصَارِ يَتَحَدَّثُوْنَ فَقَالَ عُمَرُ عِنْدَكُمُ الْكَلْبُ هٰذَا عَدُوُّ اللّٰهِ الَّذِيْ حَرَّشَ بَيْنَنَا يَوْمَ بَدْرٍ وَ حَذَّرَنَا لِلْقَوْمِ" ثُمَّ قَامَ عُمَرُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اَنْ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا اَقْدَمَكَ؟ قَالَ اَسِيْرِيْ عِنْدَكُمْ فَفَادُوْنَا فِيْ اُسَرَائِنَا فَاِنَّكُمُ الْعَشِيْرَةُ وَ الْاَهْلُ." قَالَ فَمَا بَالُ السَّيْفِ فِيْ عُنُقِكَ؟ قَالَ عُمَيْرٌ قَبَّحَهَا اللّٰهُ مِنْ سُيُوْفٍ فَهَلْ اَغْنَتْ عَنَّا شَيْئًا اِنَّمَا نَسِيْتُهٗ فِيْ عُنُقِيْ حِيْنَ نَزَلْتُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُصْدُقْنِيْ مَا اَقْدَمَكَ؟ قَالَ مَا

جنگ بدر میں جن کفار کو قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے تو اب عمیر، صفوان بن امیہ کے پاس حجر میں آ کر بیٹھا اور بولا صفوان! جنگ کے مقتولین کے بعد ہماری اس زندگی پر تف ہے اس نے کہا بے شک اس کے بعد جینے کا کوئی مزا نہیں۔ اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے اور یہ بچے نہ ہوتے جن کے لیے میرے بعد کوئی سرمایہ نہیں ہے تو میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا اگر تم میرے بچوں اور قرض کی طرف سے مجھ کو مطمئن کر دیتے تو میرے لیے ان سے اس وقت بہانہ کرنے کا ایک موقعہ بھی ہے۔ میں ان سے یہ کہوں گا کہ میں اپنے قیدی کا فدیہ دینے کے لیے آیا ہوں۔ اس کی اس بات سے صفوان بڑا خوش ہوا اور بولا کہ اچھا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے بچوں کے سب اخراجات میرے بچوں کے برابر رہیں گے۔ صفوان نے اس کو سواری دی اور سب ساز و سامان کے ساتھ لیس کر دیا اور حکم دے دیا کہ صفوان کی تلوار صیقل کر کے زہر میں بجھا دی جائے۔ اب عمیر روانہ ہو گیا مدینہ پہنچا اور مسجد شریف کے دروازہ پر آ کر اترا اور اپنی سواری باندھی اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا اس وقت وہ جماعت انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے کچھ گفتگو فرما رہے تھے اس کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا یہ وہی کتا خدا کا دشمن اب تمہارے سامنے ہے جس نے جنگ بدر میں ہمارے درمیان جنگ کی سازش مرتب کی تھی اور لوگوں کو ہمارے برخلاف اُبھارا تھا اس کے بعد عمرؓ کھڑے ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ آپؐ نے عمیر سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ وہ بولا میرا ایک قیدی آپؐ کے پاس ہے لہٰذا مجھ سے اس کا فدیہ قبول کر لیجئے، آخر آپؐ ہمارے قبیلہ و کنبہ ہی کے تو ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو تمہاری گردن میں یہ تلوار کیسی لٹک رہی ہے؟ عمیر نے کہا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے جنگ بدر ہی میں اس نے ہم کو کیا نفع دیا، جب میں اترا تو اس کو لٹکا ہوا بھول گیا اور میری گردن میں لٹکی رہ گئی۔ آپؐ نے پھر پوچھا اچھا سچ سچ بتا دو کیوں آئے ہو؟

www.besturdubooks.net

قَدِمْتُ اِلَّا فِیْ اَسِیْرِیْ، قَالَ فَمَاذَا شَرَطْتَ لِصَفْوَانَ بْنِ اُمَیَّةَ فِی الْحِجْرِ؟ فَفَزِعَ عُمَیْرٌ وَ قَالَ مَاذَا شَرَطْتُ؟ قَالَ تَحَمَّلْتَ لَهٗ بِقَتْلِیْ عَلٰۤی اَنْ یَعُوْلَ بَنِیْکَ وَ یَقْضِیَ دَیْنَکَ وَ اللّٰهُ حَائِلٌ بَیْنَکَ وَ بَیْنَ ذَالِکَ. فَقَالَ عُمَیْرٌ اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کُنَّا نُکَذِّبُکَ بِالْوَحْیِ وَ بِمَا یَاْتِیْکَ مِنَ السَّمَاءِ وَ هٰذَا الْحَدِیْثُ کَانَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ صَفْوَانَ فِی الْحِجْرِ لَمْ یَطَّلِعْ عَلَیْهِ اَحَدٌ غَیْرِیْ وَغَیْرُهٗ فَاَخْبَرَکَ اللّٰهُ بِهٖ (و ذالك بقية الحديث رواه موسى بن عقبة قصة بدر و رواه الطبراني ايضًا قال الهيثمي و رجاله رجال الصحيح ج ۷ ص ۲۸۷)

(۱۳۹۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامًا مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ اِلٰی بَنِیْ عَامِرٍ فِیْ سَبْعِیْنَ فَلَمَّا قَدِمُوْا قَالَ لَهُمْ خَالِیْ: اَتَقَدَّمُکُمْ فَاِنْ اٰمَنُوْنِیْ حَتّٰی اُبَلِّغَهُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِلَّا کُنْتُمْ مِنِّیْ قَرِیْبًا فَتَقَدَّمَ فَاٰمَنُوْهُ فَبَیْنَمَا هُوَ یُحَدِّثُهُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَوْمَئُوْا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَطَعَنَهٗ

اس نے کہا میں تو صرف اسی مقصد کے لیے آیا ہوں کہ اپنے قیدی کا فدیہ دے دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا تم نے حجر میں بیٹھ کر صفوان کے ساتھ کس معاملہ پر شرط باندھی تھی؟ اب تو وہ گھبرا اٹھا اور بولا میں نے تو کسی بات پر شرط نہیں باندھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات پر کہ تم مجھے قتل کرو گے اور وہ تمہارے بچوں کے مصارف کا کفیل رہے گا اور تمہارا قرض ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے اس ارادہ کے درمیان حائل ہے (تو مجھے قتل نہیں کر سکتا) یہ سن کر عمیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم وحی اور ان تمام باتوں کو جو آسمان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی جاتی ہیں جھٹلایا کرتے تھے' لیکن یہ بات جو حجر میں بیٹھ کر میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اس کی خبر میرے اور اس کے سوا کسی کو بھی نہیں لہٰذا ضرور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس کی خبر دی ہے۔ (طبرانی)

(۱۳۹۹) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سلیم کے ستر اشخاص کو قبیلہ بنو عامر کے پاس بھیجا جب وہ وہاں پہنچے تو میرے ماموں نے کہا میں تم سے آگے جاتا ہوں اگر انہوں نے مجھ کو امن دیا یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے تعارف کراؤں تو فبہا ورنہ تو تم میرے نزدیک ہی تو ہو گے چنانچہ یہ آگے چلے گئے۔ بنو عامر نے ان کو امن دیا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابھی ان سے مصروفِ گفتگو ہی تھے کہ انہوں نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے ان کو نیزہ مارا اور پار کر دیا۔ یہ والہانہ انداز میں بول اٹھے رب کعبہ کی قسم میں تو

(۱۳۹۹) * اس میں ایک عامرہ بن فہیرہ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سوا اور بھی معجزات ہیں جو تفصیلی روایات میں موجود ہیں۔ یہاں رفع الی السماء کو محال کہنے والے دیکھیں کہ جو معجزہ ان کے نزدیک ہزاروں سوالات کے بعد بھی اب تک طے نہ ہو سکا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خدام کے ساتھ پیش آ چکا ہے اور آج تو جدید تحقیقات کی نظر میں یہ ایک مضحکہ خیز ہے جب کہ مریخ پر راکٹ جا رہے ہوں۔ کرۂ نار و کرۂ زمہریر ایک افسانہ پارینہ قرار دیا جا چکا ہو ان کا ایسے لوگوں کا پیش کرنا جو وحی کے بھی مدعی ہوں خود ان کی وحی کے بطلان کے لیے کافی اور وافی ہے۔

www.besturdubooks.net

فَانْفَذَهٗ فَقَالَ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ ثُمَّ مَالُوْا عَنْ بَقِيَّةِ اَصْحَابِهٖ فَقَتَلُوْهُمْ اِلَّا رَجُلًا اَعْرَجَ صَعِدَ الْجَبَلَ وَ اٰخَرُ مَعَهٗ فَاَخْبَرَ جِبْرِيْلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ قَدْ لَقُوْا رَبَّهُمْ فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ اَرْضَاهُمْ فَكُنَّا نَقْرَءُ اَنْ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَ اَرْضَانَا ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ فَدَعٰى عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا عَلٰى رِعْلٍ وَ ذَكْوَانٍ وَ عُصَيَّةَ وَ بَنِيْ لِحْيَانَ الَّذِيْنَ عَصَوُا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ كَانَ فِيْ هٰؤُلَاءِ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ عَنْهُ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ لَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَى السَّمَاءِ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْاَرْضِ۔

(رواہ البخاری)

کامیاب ہو گیا- اس کے بعد بنو عامر نے ان کے اور ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا بجز دو صحابی کے' ایک تو لنگڑے تھے جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور دوسرے ان کے ساتھ تھے- حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تقریباً وہ سب شہید ہو چکے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو بھی خوش کر دیا- (جس کی اطلاع) پہلے ہم قرآن کریم کی اس آیت میں بایں الفاظ پڑھا کرتے تھے: بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَ اَرْضَانَا۔ یعنی ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آ ملے اور وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہم کو بھی اس نے خوش کر دیا- اس کے بعد اس آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی- ان مقتولین میں عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے- اس واقعہ پر قبیلہ رعل و ذکوان اور عصیہ و بنی لحیان پر جنہوں نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی تھی چالیس دن تک آپؐ نے بد دعا فرمائی- عامر بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ عامر بن فہیرہ کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور میں اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اپنی آنکھوں سے اٹھتا ہوا دیکھتا رہا- (بخاری)

الرسول الاعظم و البركة فى ريقه المبارك و يده الكريمة صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن اور دست مبارک کی برکت و تاثیر

(۱۴۰۰) عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهٗ اُصِيْبَتْ عَيْنُهٗ فِي الْغَزْوِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ فَسَالَتْ عَلٰى وَجْنَتِهٖ فَاَرَادُوْا اَنْ يَّقْطَعُوْهَا فَسَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا وَ دَعَاهُ وَ غَمَزَ حَدَقَتَهٗ بِرَاحَتِهٖ فَكَانَ لَا يَدْرِيْ اَيُّ عَيْنَيْهِ اُصِيْبَتْ فَكَانَتْ اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَاَحَدَّهُمَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَرَفَعَ

(۱۴۰۰) عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد قتادہ بن نعمان سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑتے ہوئے ان کی آنکھ میں زخم لگا اور وہ رخسار پر لٹک آئی- لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر پھینک دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لیے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نہیں ایسا نہ کرو- پھر ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے ان کی آنکھ کے حلقہ کو ذرا دبا دیا تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ میں زخم آیا تھا اور وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز ہو گئی تھی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر آپ

www.besturdubooks.net

حَدَقَتَهُ حَتّٰی وَضَعَهَا مَوْضِعَهَا ثُمَّ غَمَزَهَا بِرَاحَتِهٖ وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اكْسُهَا جَمَالًا فَمَاتَ وَ مَا يَدْرِیْ مَنْ لَقِيَهٗ اَیُّ عَيْنَيْهِ اُصِيْبَتْ. (رواه الشيخان و قد ذكر ابن كثير قصة اخرى تشبهها (البداية و النهاية ج ۳ ص ۲۹۱)

صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کے ڈھیلے کو اوپر اٹھایا اور اس کو اس کی جگہ پر جما دیا پھر اسے اپنی ہتھیلی سے ذرا دبا دیا اور یوں دعا فرمائی اے الٰہی! اس کو خوبصورتی اور جمال عطا فرما تو پھر ان کے انتقال تک یہ حال رہا کہ ان سے جو بھی ملتا اس کو کبھی یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔

(بخاری ومسلم)

(۱۴۰۱) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ اُصِيْبَتْ عَيْنُهٗ يَوْمَ بَدْرٍ فَسَالَتْ حَدَقَتُهٗ عَلٰی وَجْنَتِهٖ فَاَرَادُوْا اَنْ يَقْطَعُوْهَا فَسَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا فَدَعَاهُ فَغَمَزَ حَدَقَتَهٗ بِرَاحَتِهٖ فَكَانَ لَا يَدْرِیْ اَیُّ عَيْنَيْهِ اُصِيْبَ و فی رواية فَكَانَتْ اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ.

(رواه البيهقی و البداية و النهايه ج ۳ ص ۲۹۱ ثم روی قصة اخری مثلها)

(۱۴۰۱) قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک آنکھ غزوۂ بدر میں اس بری طرح سے زخمی ہوئی کہ اس کی سفیدی تک ان کے رخسار پر بہہ نکلی تو لوگوں نے اس کو بالکل کاٹ کر باہر نکال دینے کا ارادہ کر لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے منع فرمایا اور ان کو بلا کر اپنی ہتھیلی سے اس بہی ہوئی سفیدی کو اندر دبا دیا اسی وقت وہ درست ہو گئی' حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ ان کی دونوں آنکھوں میں کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ وہی آنکھ ان کی دونوں آنکھوں میں زیادہ خوشنما معلوم ہونے لگی۔

(بیہقی۔البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۲۹۱)

(۱۴۰۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی اَبِیْ رَافِعٍ الْيَهُوْدِیِّ رِجَالًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَ اَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَتِيْكٍ وَ كَانَ اَبُوْ رَافِعٍ يُؤْذِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُعِيْنُ عَلَيْهِ وَ كَانَ فِیْ حِصْنٍ لَّهٗ بِاَرْضِ الْحِجَازِ فَلَمَّا دَنَوْا مِنْهُ وَ قَدْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَ رَاحَ النَّاسُ بِسَرْحِهِمْ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لِاَصْحَابِهٖ اِجْلِسُوْا مَكَانَكُمْ فَاِنِّیْ مُنْطَلِقٌ وَ مُتَلَطِّفٌ لِلْبَوَّابِ لَعَلِّیْ اَدْخُلُ. قَالَ فَاَقْبَلَ حَتّٰی دَنٰی مِنَ الْبَابِ ثُمَّ تَقَنَّعَ بِثَوْبِهٖ كَاَنَّهٗ يَقْضِیْ حَاجَتَهٗ

(۱۴۰۲) براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع یہودی کے قتل کے لیے چند انصاریوں کو مقرر کیا اور ان پر عبداللہ بن عتیک کو امیر بنایا۔ یہ ابو رافع حضور کو بہت ایذا دیا کرتا اور آپؐ کے خلاف لوگوں کو مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کی ایک زمین تھی وہیں وہ رہا کرتا تھا۔ جب یہ لوگ اس کے قریب پہنچ گئے اور سورج ڈوب گیا اور لوگ اپنے اپنے ڈھوروں کو لے کر چلے گئے تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں اکیلا جاتا ہوں اور دربان سے ملاطفت اور بہلانے کی باتیں کروں گا شاید میں اندر جا سکوں۔ روای کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے یہاں تک کہ پھاٹک کے قریب پہنچے پھر چادر سے ڈھاٹا باندھا گویا وہ قضائے حاجت کرنے گئے تھے۔ بہت سے لوگ اندر جا چکے تھے تو دربان نے ان کو دیکھ کر پکار کر کہا' اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا چاہتے ہو تو جلد آ جاؤ میں اب پھاٹک بند کرنا چاہتا ہوں۔ میں اندر داخل ہو

www.besturdubooks.net

وَ قَدْ دَخَلَ النَّاسُ فَهَتَفَ بِهِ الْبَوَّابُ يَا عَبْدَاللّٰهِ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ اَنْ تَدْخُلَ فَادْخُلْ فَاِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُغْلِقَ الْبَابَ فَدَخَلْتُ فَكَمَنْتُ فَلَمَّا دَخَلَ النَّاسُ اَغْلَقَ الْبَابَ ثُمَّ عَلَّقَ الْاَغَالِيْقَ عَلٰى وَدٍّ قَالَ فَقُمْتُ اِلَى الْاَقَالِيْدِ فَاَخَذْتُهَا فَفَتَحْتُ الْبَابَ وَ كَانَ اَبُوْ رَافِعٍ يُسْمَرُ عِنْدَهُ وَ كَانَ فِيْ عَلَالِيَّ لَهُ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْهُ اَهْلُ سَمَرِهٖ صَعِدْتُ اِلَيْهِ فَجَعَلْتُ كُلَّمَا فَتَحْتُ بَابًا اَغْلَقْتُ عَلَيَّ مِنْ دَاخِلٍ قُلْتُ اِنَّ الْقَوْمَ لَوْ نَذِرُوْا بِيْ لَمْ يَخْلُصُوْا اِلَيَّ حَتّٰى اَقْتُلَهٗ فَانْتَهَيْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ فِيْ بَيْتٍ مُظْلِمٍ وَسْطَ عِيَالِهٖ لَا اَدْرِيْ اَيْنَ هُوَ مِنَ الْبَيْتِ قُلْتُ اَبَا رَافِعٍ قَالَ مَنْ هٰذَا فَاَهْوَيْتُ نَحْوَ الصَّوْتِ فَضَرَبْتُهٗ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ وَ اَنَا دَهِشٌ فَمَا اَغْنَيْتُ شَيْئًا وَ صَاحَ فَخَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ فَمَكَثْتُ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ دَخَلْتُ اِلَيْهِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا الصَّوْتُ يَا اَبَا رَافِعٍ فَقَالَ لِاُمِّكَ الْوَيْلُ اِنَّ رَجُلًا فِي الْبَيْتِ ضَرَبَنِيْ قَبْلُ بِالسَّيْفِ قَالَ فَضَرَبْتُهٗ ضَرْبَةً اَثْخَنَتْهُ وَ لَمْ اَقْتُلْهُ ثُمَّ وَضَعْتُ ضَبِيْبَ السَّيْفِ فِيْ بَطْنِهٖ حَتّٰى اَخَذَ فِيْ ظَهْرِهٖ فَعَلِمْتُ اَنِّيْ قَدْ قَتَلْتُهٗ فَجَعَلْتُ اَفْتَحُ الْاَبْوَابَ بَابًا فَبَابًا حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى دَرَجَةٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِيْ وَ اَنَا اَرٰى اَنِّيْ قَدِ انْتَهَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ فَوَقَعْتُ فِيْ لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِيْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَتِيْ ثُمَّ انْطَلَقْتُ حَتّٰى

گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب اور لوگ بھی اندر داخل ہو لیے تو اس نے پھاٹک بند کر دیا پھر کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کنجیوں کے پاس جا کر ان پر قبضہ کیا اور پھاٹک کا قفل کھول دیا۔ ابورافع کے پاس رات کو کہانیاں کہی جاتی تھیں وہ اپنے ایک اوپر کے کمرے میں تھا۔ جب ابورافع کے پاس سے اس کے افسانہ گو بھی اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کوٹھے پر چڑھا اور جس دروازہ کو کھول کر میں اندر جاتا اندر سے اسے بند بھی کرتا جاتا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میرے ساتھیوں کو اگر میرے متعلق کچھ خطرہ بھی گذرے اور وہ میری مدد کو میرے پاس آنا چاہیں گے تو وہ میرے پاس پہنچنے بھی نہ پائیں گے کہ اس وقت تک ان شاءاللہ میں اسے قتل کر چکا ہوں گا۔ غرض میں اس کے پاس پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے کمرہ میں اپنے اہل وعیال کے بیچ میں ہے' مگر میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس کوٹھری میں کس جگہ پر ہے تو میں نے اس کا نام لے کر پکارا۔ ابو رافع! وہ بولا کون ہے؟ بس میں آواز پر انداز سے بڑھا اور میں نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا۔ میں کچھ گھبرایا ہوا تھا' اس لیے کام پورا کر نہیں سکا اور وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ بس تھوڑی دیر ٹھہر کر میں پھر کوٹھری کے اندر گیا اور میں نے (آواز بدل کر) پوچھا اے ابورافع یہ آواز کیسی تھی؟ کیا ہوا؟ وہ بولا ارے تیری ماں پر مصیبت آ ٹوٹے۔ گھر میں کوئی آدمی ابھی ابھی مجھے تلوار مار گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں پھر میں نے اس پر ایک وار اور کیا۔ جس سے اس کا خون بہت بہہ گیا' مگر ابھی وہ مرا نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں جھونک دی کہ پیٹھ تک دھنستی چلی گئی تب میں نے سمجھ لیا کہ اب میں نے اسے مار ڈالا پھر میں ایک ایک کر کے تمام دروازے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے ختم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا پیر یہ سمجھ کر رکھا کہ میں (سیڑھیاں ختم کر چکا اور) زمین پر پیر رکھ رہا ہوں تو چاندنی رات میں میں زمین پر گر پڑا کہ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے کس کر باندھا' پھر میں چلا اور پھاٹک کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دل میں یہ سوچا کہ میں اس وقت تک یہاں

www.besturdubooks.net

جَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ فَقُلْتُ لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَعْلَمَ اَقَتَلْتُهٗ اَمْ لَا؟ فَلَمَّا صَاحَ الدِّيْكُ قَامَ النَّاعِيْ عَلَى السُّوْرِ فَقَالَ اَنْعَى اَبَا رَافِعٍ تَاجِرَ اَهْلِ الْحِجَازِ "فَانْطَلَقْتُ اِلٰى اَصْحَابِيْ فَقُلْتُ النَّجَا فَقَدْ قَتَلَ اللّٰهُ اَبَا رَافِعٍ. قَالَ فَانْتَهَيْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَدَّثْنَاهُ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَكَ. فَبَسَطْتُ رِجْلِيْ فَمَسَحَهَا فَكَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَكِهَا قَطُّ.

(رواہ البخاری)

سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ یقینی طور پر نہ معلوم کرلوں کہ میں نے قتل بھی کر دیا یا نہیں جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک خبر مرگ دینے والے نے فصیل پر چڑھ کر پکار کر کہا کہ میں حجاز والوں کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر سناتا ہوں- تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بس اب بھاگ چلو اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا- راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ سے سارے واقعات بیان کیے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ تو میں نے اپنی ٹانگ پھیلا دی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیا- بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی- (رواہ البخاری)

(۱۴۰۳) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ لَمَّا اسْتَعْمَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الطَّائِفِ جَعَلَ يَعْرِضُ لِيْ شَيْءٌ فِيْ صَلٰوتِيْ حَتّٰى مَا اَدْرِيْ مَا اُصَلِّيْ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذَالِكَ رَحَلْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِبْنُ اَبِي الْعَاصِ؟ قُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" قَالَ مَا جَاءَ بِكَ؟ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَرَضَ لِيْ شَيْءٌ فِيْ صَلٰوتِيْ حَتّٰى مَا اَدْرِيْ مَا اُصَلِّيْ قَالَ ذَاكَ الشَّيْطَانُ اُدْنُهْ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَجَلَسْتُ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيَّ قَالَ فَضَرَبَ صَدْرِيْ بِيَدِهٖ وَ تَفَلَ فِيْ فَمِيْ وَ قَالَ اُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰهِ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اِلْحَقْ بِعَمَلِكَ قَالَ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَعَمْرِيْ مَا اَحْسِبُهٗ خَالَطَنِيْ

(۱۴۰۳) عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو طائف پر عامل مقرر کر کے بھیجا تو وہاں پہنچ کر مجھ کو یہ شکایت ہوگئی کہ نماز میں میری ایسی حالت ہو جاتی کہ مجھ کو یہی خبر نہ رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں- جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا ابن ابی العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ضرور کسی ضرورت سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں میرے سامنے کوئی چیز ایسی آ جاتی ہے کہ مجھ کو یہی خبر نہیں رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان ہے- ذرا قریب آؤ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اور اپنے دونوں پیروں پر بیٹھ گیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا ''او خدا کے دشمن نکل جا-'' تین بار ایسا ہی کیا- اس کے بعد فرمایا: اچھا جاؤ اب اپنے کام پر جاؤ- عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ اس کے بعد پھر کبھی

(۱۴۰۳) * آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور لعابِ دہن کا یہ اعجازی اثر دوسرے مقامات میں بھی نظر آتا ہے اس لیے اس کو آپ کے جسمانی برکات و معجزات میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے

www.besturdubooks.net

بَعْدُ. (رواہ ابن ماجہ فی باب الفزع و الارق)

مجھ کو اس کا اثر نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ)

(۱۴۰۴) عَنْ اُمِّ جُنْدُبٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَمٰی جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَتَبِعَتْهُ امْرَاَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَ مَعَهَا صَبِیٌّ لَهَا بِهٖ بَلَاءٌ لَا یَتَكَلَّمُ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا ابْنِیْ وَ بَقِیَّةُ اَهْلِیْ وَ اِنَّ بِهٖ بَلَاءً لَا یَتَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ایْتُوْنِیْ بِشَیْءٍ مِنْ مَاءٍ فَاُتِیَ بِمَاءٍ فَغَسَلَ یَدَیْهِ وَ مَضْمَضَ فَاهُ ثُمَّ اَعْطَاهَا فَقَالَ اسْقِیْهِ مِنْهُ وَ صُبِّیْ عَلَیْهِ مِنْهُ وَ اسْتَشْفِی اللّٰهَ لَهٗ قَالَتْ فَلَقِیْتُ الْمَرْاَةَ فَقُلْتُ لَوْ وَهَبْتِ لِیْ مِنْهُ فَقَالَتْ اِنَّمَا هُوَ لِهٰذَا الْمُبْتَلٰی قَالَتْ فَلَقِیْتُ الْمَرْاَةَ مِنَ الْحَوْلِ فَسَاَلْتُهَا عَنِ الْغُلَامِ فَقَالَتْ بَرَاَ وَ عَقَلَ عَقْلًا لَیْسَ كَعُقُوْلِ النَّاسِ.

(رواہ ابن ماجہ فی باب النشرۃ)

(۱۴۰۴) ام جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دسویں تاریخ کو وادی کے اندر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنا بچہ لیے ہوئے آئی جو کچھ بیمار تھا اور بول نہیں سکتا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا بچہ ہے اور خاندان بھر میں بس یہی رہ گیا ہے اور اس کو کوئی بیماری ہے، جس کی وجہ سے یہ بولتا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو تھوڑا سا پانی لاؤ۔ پانی حاضر کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک دھوئے اور منہ میں پانی لے کر کلی کی اور وہ پانی اس کو دے دیا اور فرمایا کہ یہ پانی بچہ کو پلا اور کچھ اس پر چھڑک اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے اس کی صحت کی دعا کر۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ اس پانی میں سے ذرا سا مجھ کو دے دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صرف اس بیمار بچہ کے لیے ہے۔ یہ بیان کرتی ہیں کہ آئندہ سال میری اس عورت سے پھر ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے اس کے بچہ کا حال پوچھا اس نے کہا وہ بالکل اچھا ہو گیا اور ایسا سمجھدار ہو گیا کہ عام لوگ ایسے سمجھدار نہیں ہوتے۔

(ابن ماجہ)

(۱۴۰۵) عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ عُبَیْدٍ قَالَ رَاَیْتُ فِیْ سَاقِ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَثَرَ ضَرْبَةٍ فَقُلْتُ یَا اَبَا مُسْلِمٍ مَا هٰذِهِ الضَّرْبَةُ؟ قَالَ هٰذِهٖ ضَرْبَةٌ اَصَابَتْنِیْ یَوْمَ خَیْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ اُصِیْبَ سَلَمَةُ قَالَ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِیْهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَیْتُ مِنْهَا حَتَّی السَّاعَةِ.

(رواہ البخاری)

(۱۴۰۵) یزید بن ابی عبید بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی میں ایک زخم کا نشان دیکھا تو میں نے کہا اے ابو مسلم! یہ زخم کیسا ہے؟ کہنے لگے یہ اس زخم کا نشان ہے جو میں نے جنگ خیبر میں کھایا تھا۔ تو لوگوں نے شور مچایا کہ لو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کام آ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تین بار پھونک مار دی۔ اس وقت سے آج تک مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔

(بخاری شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۴۰۶) عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ اَخْبَرَنِیْ سَهْلٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ خَیْبَرَ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یُفْتَحُ عَلٰی یَدَیْهِ یُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یُحِبُّهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ فَبَاتَ النَّاسُ لَیْلَتَهُمْ اَیُّهُمْ یُعْطٰی؟ فَغَدَوْا کُلُّهُمْ یَرْجُوْهُ فَقَالَ اَیْنَ عَلِیٌّ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) فَقِیْلَ یَشْتَکِیْ عَیْنَیْهِ فَبَصَقَ فِیْ عَیْنَیْهِ وَ دَعَا لَهٗ فَبَرَأَ کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّایَةَ.

(رواہ البخاری و فی طریق عنده فبرا مکانه)

(۱۴۰۶) سہلؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگِ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا' جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح نصیب فرمائے گا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول پیارے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا پیارا ہے- اس بشارت کو سن کر لوگ تمام شب بے چین رہے کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو ملتا ہے (یہ بشارت کس کے نصیب میں ہے) دوسرے دن ہر شخص اسی امید میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوا' مگر آپؐ نے پوچھا علیؓ کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کی ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں- آپؐ نے ان کو بلایا وہ آئے- آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی- بس اسی وقت وہ ایسی صاف ہوگئیں گویا ان میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی' پھر جھنڈا ان کے حوالے فرما دیا- (بخاری شریف)

الرسول الاعظم و تاثیره فی الاحجار و الاشجار و البهائم و تصرفه فیها و تسخیرها له صلوات الله و سلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجر و حجر اور بہائم میں تاثیر و تصرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کا مسخر و مطیع ہونا

(۱۴۰۷) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ صَعِدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُحُدًا وَّ مَعَهٗ اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمُ الْجَبَلُ فَقَالَ اسْکُنْ وَ ضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ فَلَیْسَ عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیٌّ وَ صِدِّیْقٌ وَ شَهِیْدَانِ.

(رواہ البخاری)

(۱۴۰۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ تھے تو پہاڑ ہلنے لگا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پیر مار کر فرمایا ٹھہر جا' تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں-

(بخاری شریف)

(۱۴۰۶) * مسند احمد' نسائی' ابن حبان اور حاکم میں ہے کہ شروع میں جھنڈا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا' پھر دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا مگر خیبر فتح نہ ہوسکا اور کیسے فتح ہوتا جب کہ عالم تقدیر میں فاتح خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ قرار پاچکے تھے بالآخر تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کے حوالہ فرمایا اور عالم تقدیر کی بشارت پہلے سنادی کہ خیبر کی فتح ان ہی کے ہاتھوں پر مقدر ہے- سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی کیسی جامع صفات تھی کہ جب ان کی تجلیات صحابہ میں نظر آتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے' گویا ان میں ہر شخص جدا جدا افضل و کمال کا مالک ہے- ان کے لعاب دہن پر ماں باپ قربان جس کی معجزانہ تاثیر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آن کی آن میں شفایاب ہوگئے-

www.besturdubooks.net

(۱۴۰۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ وَ هُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ قَالَ وَ قُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ فَلَمَّا وَ جَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ.

(رواہ ابوداؤد)

(۱۴۰۸) عبداللہ بن قرطؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن دسویں ذی الحجہ) ہے اس کے بعد یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) یعنی دوسرے دن کا درجہ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹ لائے گئے تو وہ سب کے سب حضورؐ کی طرف جھوم جھوم کر بڑھنے لگے کہ جس سے چاہیں ابتداء فرمائیں تو جب ان کے پہلو زمین سے لگ گئے تو راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے کوئی کلمہ آہستہ سے فرمایا' جسے میں سمجھ نہیں سکا تو میں نے کہا کہ حضورؐ نے کیا فرمایا تھا؟ تو کہا جو شخص چاہے لے لے۔ (ابوداؤد)

(۱۴۰۹) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ حَتّٰى اِذَا دُفِعْنَا اِلٰى حَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ بَنِي النَّجَّارِ اِذَا فِيْهِ جَمَلٌ لَا يَدْخُلُ الْحَائِطَ رَجُلٌ اِلَّا شَدَّ عَلَيْهِ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ حَتّٰى اَتَى الْحَائِطَ فَدَعَى الْبَعِيْرَ فَجَاءَ وَاضِعًا مِشْفَرَهُ اِلَى الْاَرْضِ حَتّٰى بَرَكَ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتُوْا خِطَامَهُ فَخَطَمَهُ وَ دَفَعَهُ اِلٰى صَاحِبِهِ قَالَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ

(۱۴۰۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر سے مدینہ واپس ہوئے یہاں تک کہ جب قبیلہ بنی نجار کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس پہنچے تو اس میں ایک اونٹ تھا جو شخص بھی اس باغ میں گھستا وہ اس پر حملہ آور ہوتا۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ کے پاس تشریف لائے اور اونٹ کو آواز دی وہ اپنا ہونٹ زمین پر لٹکائے ہوئے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی مہار لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہار لے کر اس کی ناک میں ڈال دی اور اونٹ کو مالک کے حوالے کر دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا' زمین و آسمان میں ایسا کوئی

(۱۴۰۸) ✱ اسی حدیث کا شاید صحیح نقشہ وہ ہو جو کسی شاعر نے کہا ہے۔

ہمہ آہوان صحراء سر خود نہادہ برکف — بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

سبحان اللہ جانوروں کی یہ جاں نثاری ہو اور انسانوں میں یہ خصلت ہو' سخت افسوس ہی افسوس ہے۔ یہاں معجزات کے منکر تاویل سوچیں کہ یہ نو خرید کردہ جانور کس مادی قانون سے اپنی اپنی جانوں کے قربان کرنے میں پیش قدمی کر رہے تھے؟ اگر دیکھا جائے تو ایک مؤمن کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا معجزہ ہی معجزہ ہے' مگر ایک منکر کے لیے کیا فائدہ؟ وہ ان کے اسانید ہی پر مطمئن نہیں ہوتا' حالانکہ اپنی زندگی کے کسی عملی شعبہ میں وہ ان شقوں اور احتمالات کے نکالے بغیر غرق جدو جہد نظر آتا ہے۔ لیکن آپ کے معجزات میں وہ سو طرح کے حیلے تراشتا ہے اور آخر انکار کے بغیر چین نہیں آتا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

www.besturdubooks.net

بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا يَعْلَمُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا عَاصِي الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ. (رواه الامام احمد و الدارمي و غيرهما)

نہیں جس کو اس کا یقین نہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے کافر جنات اور کافر انسانوں کے۔

(امام احمد والدارمی)

(۱۴۱۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِحَرَّةِ وَاقِمٍ عَرَضَتْ امْرَأَةٌ بَدَوِيَّةٌ بِابْنٍ لَّهَا فَجَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا ابْنِيْ قَدْ غَلَبَنِيْ عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ فَادْنِيْهِ مِنِّيْ فَادْنَتْهُ مِنْهُ. فَقَالَ افْتَحِيْ فَمَهٗ فَفَتَحَتْهُ فَبَصَقَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِخْسَأْ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ شَأْنَكِ بِابْنِكِ لَيْسَ عَلَيْهِ بَأْسٌ فَلَنْ يَّعُوْدَ اِلَيْهِ شَيْءٌ مِّمَّا كَانَ يُصِيْبُهٗ وَ ذَكَرَ قِصَّةَ الشَّجَرَتَيْنِ اِلٰى اَنْ قَالَ ثُمَّ خَرَجْنَا فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا صَحْرَاءَ دَيْمُوْمَةً لَيْسَ فِيْهَا شَجَرَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَابِرٍ يَا جَابِرُ انْطَلِقْ فَانْظُرْ لِيْ مَكَانًا يَعْنِيْ لِلْغَائِطِ فَخَرَجْتُ انْطَلِقُ فَلَمْ اَجِدْ اِلَّا شَجَرَتَيْنِ

(۱۴۱۰) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ذات الرقاع (مقام کا یا غزوہ کا نام ہے) میں غزوہ کے ارادہ سے نکلے اور ایسا ہوا کہ جب (مقام) حرہ واقم میں پہنچے تو سامنے سے ایک دیہاتی عورت اپنا بچہ لیے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یا رسول اللہ یہ میرا لڑکا ہے' شیطان نے اس کا ایسا پیچھا کیا ہے کہ مجھے تنگ کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھا اس بچہ کو ذرا میرے قریب لاؤ وہ قریب لے کر آ گئی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا منہ کھول۔ اس نے بچہ کا منہ کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر یہ الفاظ فرمائے ''او اللہ کے دشمن تجھ پر پھٹکار' دفع ہو جا۔'' اور میں ہی اللہ کا رسول ہوں تین بار یہی کلمات فرما کر کہا' لے اب اپنے بچہ کو لے جا. اب یہ بالکل اچھا ہو گیا اور آئندہ یہ تکلیف اس کو نہ ہوگی۔ اس کے بعد راوی حدیث نے دو درختوں کا واقعہ بیان کیا وہ کہتا ہے کہ پھر ہم چلے اور ایک جنگل بیابان میں پہنچے' جس میں کہیں کوئی درخت نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابرؓ سے فرمایا! جابرؓ جاؤ اور قضائے حاجت کے لیے کوئی مناسب جگہ جا کر دیکھو۔ میں دیکھنے چلا' مگر مجھے کہیں کوئی پردہ کی جگہ نہ ملی صرف دو درخت نظر آئے جو علیحدہ علیحدہ تھے اگر وہ ایک جگہ ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ بن سکتے تھے۔ میں واپس ہوا

(۱۴۱۰) ✱ یہ روایت ہم نے اس لیے ذکر کی ہے۔ کہ اس کے متفرق معجزات صحت کے ساتھ متفرق طور پر صحیح حدیثوں میں علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں' یہاں سب ایک سلسلہ میں دہرا دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام ایک سے ایک عجیب معجزہ ہیں' مگر اس کو کیا کیجیے کہ اس کے اجزاء الگ الگ صحیح طریقوں سے ثابت ہیں۔ اس لیے ان کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں' ہم نے یہ بات پہلے کئی بار تنبیہاً بیان کی ہے کہ کوئی معجزہ ایسا کم ہوگا جس کی پشت پر اسی جنس کا دوسرا قوی تر معجزہ موجود نہ ہو یا وہی دوسری قوی سند سے ثابت نہ ہو۔ اب کسی ضعیف سند کو لے کر اسی کو اپنے سامنے رکھ لینا یہ طریق انصاف نہیں۔

www.besturdubooks.net

مُفَرَّقَتَيْنِ لَوْ اَنَّهُمَا اجْتَمَعَتَا سَتَرَتَاهُ فَرَجَعْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اللّٰهِ مَارَاَيْتُ شَيْئًا يَسْتُرُكَ اِلَّا شَجَرَتَيْنِ مُفَرَّقَتَيْنِ وَ لَوْ اَنَّهُمَا اجْتَمَعَتَا سَتَرَتَاكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ اِلَيْهِمَا فَقُلْ لَّهُمَا "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اجْتَمِعَا" قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ لَهُمَا فَاجْتَمَعَتَا حَتّٰى كَاَنَّهُمَا فِيْ اَصْلٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ رَجَعْتُ فَاَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى قَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ ائْتِهِمَا فَقُلْ لَّهُمَا "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَكُمَا ارْجِعَا كَمَا كُنْتُمَا كُلُّ وَّاحِدَةٍ اِلٰى مَكَانِهَا" فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ لَهُمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَكُمَا ارْجِعَا كَمَا كُنْتُمَا فَرَجَعَتَا ثُمَّ خَرَجْنَا فَنَزَلْنَا فِيْ وَادٍ مِنْ اَوْدِيَةِ بَنِيْ مُحَارِبٍ فَعَرَضَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ مُحَارِبٍ يُقَالُ لَهٗ "غُوْرَثُ بْنُ الْحَارِثِ" وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهٗ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَعْطِنِيْ سَيْفَكَ هٰذَا فَسَلَّهٗ فَنَاوَلَهٗ اِيَّاهُ وَ نَظَرَ اِلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قَالَ اللّٰهُ فَارْتَعَدَتْ يَدُهٗ حَتّٰى سَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهٖ فَنَاوَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے تو علیحدہ علیحدہ صرف دو درخت ہی ایسے نظر پڑے ہیں اگر وہ ایک جگہ ہوتے تو آپ کے لیے پردہ بن سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور ان سے جا کر کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم دونوں مل جاؤ۔ یہ بیان کرتے ہیں میں گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میں نے ان کو سنا دیا وہ فوراً ایک دوسرے سے مل گئے اور ایسے مل گئے' گویا وہ دونوں ایک ہی جڑ میں لگے ہوئے درخت ہیں۔ میں واپس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جب اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو مجھ سے فرمایا: ان سے جا کر کہہ دو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جاؤ پھر اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ اور جیسے پہلے تھے اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ۔ چنانچہ میں گیا اور میں نے جا کر ان سے کہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تمہیں یہ حکم فرمایا ہے کہ پھر جا کر اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ جیسے پہلے تھے' چنانچہ حسب الحکم وہ اسی طرح واپس ہو گئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد ہم بنو محارب کی ایک وادی میں پہنچے تو یہاں بنو محارب کا ایک شخص جس کا نام غورث بن الحارث تھا سامنے سے آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے وہ بولا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا اپنی یہ تلوار مجھے دینا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار میان سے نکال کر اس کے حوالہ کر دی وہ کچھ دیر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا رہا' اس کے بعد بولا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بولو اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ اس پر اُس کے ہاتھ میں رعشہ پڑ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھا کر فرمایا' اے غورث اب تم بتاؤ میرے ہاتھ سے تم کو کون بچائے گا؟ وہ بولا کوئی نہیں (اس کے بعد اس کا قصہ یہاں مذکور نہیں ہے)۔ راوی بیان کرتا ہے کہ پھر ایسا ہوا کہ جب ہم واپس ہوئے تو ایک صحابی ایک پرندہ کا گھونسلہ اس کے بچوں سمیت اٹھا کر لے آئے۔ ان کے ماں باپ بھی

www.besturdubooks.net

قَالَ یَا غُورِثُ مَنْ یَمْنَعُکَ مِنِّیْ؟ قَالَ: لَا اَحَدَ قَالَ ثُمَّ اَقْبَلْنَا رَاجِعِیْنَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعُشِّ طَیْرٍ یَحْمِلُهُ وَ فِیْهِ فِرَاخٌ وَ اَبَوَاهُ یَتْبَعَانِهِ وَ یَقَعَانِ عَلٰی یَدِ الرَّجُلِ فَاَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَنْ کَانَ مَعَهُ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ بِفِعْلِ هٰذَیْنِ الطَّیْرَیْنِ بِفِرَاخِهِمَا؟ زَادَ فِیْ رِوَایَةٍ فَرَبُّکُمْ اَرْحَمُ بِکُمْ مِنْ هٰذَا الطَّائِرِ بِفِرَاخِهِ ثُمَّ اَقْبَلْنَا رَاجِعِیْنَ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِحَرَّةٍ وَ اقِمٍ عَرَضَتْ لَنَا الْمَرْاَةُ الَّتِیْ جَاءَتْ بِابْنِهَا بِرُطَبٍ وَ لَبَنِ شَاةٍ فَاَهْدَتْهُ لَهُ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُکِ هَلْ اَصَابَهُ شَیْءٌ مِمَّا کَانَ یُصِیْبُهُ؟ قَالَتْ لَا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اَصَابَهُ شَیْءٌ مِمَّا کَانَ یُصِیْبُهُ وَ قَبِلَ هَدِیَّتَهَا ثُمَّ اَقْبَلْنَا حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِمَهْبِطٍ مِّنَ الْحَرَّةِ اَقْبَلَ جَمَلٌ یَرْقُلُ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا قَالَ هٰذَا الْجَمَلُ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَمُ. قَالَ هٰذَا جَمَلٌ جَاءَنِیْ یَسْتَعْدِیْ عَلٰی سَیِّدِهٖ یَزْعُمُ اَنَّهُ کَانَ یَحْرُثُ عَلَیْهِ مُنْذُ سِنِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَجْرَبَهُ وَ اَعْجَفَهُ وَ کَبُرَ سِنُّهُ اَرَادَ نَحْرَهُ اِذْهَبْ مَعَهُ یَا جَابِرُ اِلٰی صَاحِبِهٖ فَاْتِ بِهٖ فَقُلْتُ مَا اَعْرِفُ صَاحِبَهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهُ سَیَدُلُّکَ عَلَیْهِ قَالَ فَخَرَجَ بَیْنَ یَدَیَّ مُعْنِقًا حَتّٰی وَقَفَ بِیْ فِیْ مَجْلِسِ بَنِیْ خَطْمَةَ فَقُلْتُ اَیْنَ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ قَالُوْا فُلَانٌ فَجِئْتُهُ فَقُلْتُ اَجِبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ مَعِیْ حَتّٰی جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ

(اڑتے ہوئے) پیچھے پیچھے آ گئے اور اس صحابی کے ہاتھ پر گرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس وہ گھونسلہ تھا اس کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا ان بچوں کے ساتھ ان کے ماں باپ کی محبت دیکھ کر کیا تم تعجب کرتے ہو؟ ایک روایت میں اس جگہ یہ زیادتی اور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا پروردگار تم پر ان بچوں پر ان کے ماں باپ سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ اس کے بعد جب ہم پھر مقام حرۂ واقم پر واپس ہوئے تو وہی عورت جو پہلے اپنا (آسیب زدہ) بچہ لے کر آئی تھی، اس مرتبہ تازہ کھجوریں اور بکری کے دودھ کا ہدیہ لے کر آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بولو تمہارا بچہ کیسا ہے اس کو وہ شکایت جو پہلے ہوا کرتی تھی پھر تو نہیں ہوئی؟ وہ بولی اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے وہ شکایت تو اس کو پھر کبھی نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہدیہ قبول فرما لیا۔ اس کے بعد جب ہم اس سنگستان کے نشیب میں اترے تو ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اس اونٹ نے کیا کہا ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس یہ اونٹ اپنے مالک کی زیادتی کی شکایت لے کر آیا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اس کا مالک سالہا سال تو اس سے کھیتی کا کام لیتا رہا یہاں تک کہ جب اس کو خارشتی بنا دیا اور دبلا کر ڈالا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اب اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جابر! جاؤ اس کو ساتھ لے کر اس کے مالک کے پاس جاؤ اور اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس کے مالک کو نہیں پہچانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ ہی تم کو بتا دے گا۔ یہ کہتے ہیں وہ تیز تیز میرے آگے آگے چلنے لگا یہاں تک کہ بنو خطمہ کی ایک مجلس میں لا کر مجھ کو کھڑا کر دیا۔ میں نے پوچھا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں آدمی ہے۔ میں اس کے پاس آیا اور میں نے کہا چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں وہ

www.besturdubooks.net

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جَمَلَکَ هٰذَا يَسْتَعْدِيْ عَلَيْکَ يَزْعُمُ اَنَّکَ حَرَثْتَ عَلَيْهِ زَمَانًا حَتّٰى اَجْرَبْتَهُ وَ اَعْجَفْتَهُ وَ کَبُرَ سِنُّهُ ثُمَّ اَرَدْتَّ نَحْرَهُ. فَقَالَ وَ الَّذِيْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنَّ ذٰلِکَ کَذٰلِکَ. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبِيْعُنِيْهِ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَابْتَاعَهُ مِنْهُ وَ سَيَّبَهُ فِي الشَّجَرِ حَتّٰى نَصَبَ سَنَامًا فَکَانَ اِذَا اعْتَلَّ عَلٰى بَعْضِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ مِنْ نَوَاضِحِهِمْ شَيْءٌ اَعْطَاهُ اِيَّاهُ فَمَکَثَ بِذٰلِکَ زَمَانًا.

(رواه الطبراني)

میرے ساتھ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا اونٹ تیری زیادتی کی شکایت کرتا ہے کہتا ہے کہ مدتوں تو نے اس سے کھیتی کا کام لیا اور جب اس کو خارشتی بنا دیا اور دبلا کر ڈالا تو اب تو اس کے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے- اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا واقعہ تو اسی طرح سے ہے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا کیا تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کرے گا؟ وہ بولا یا رسول اللہ جی ہاں- چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خرید لیا اور درختوں میں اس کو آزاد چھوڑ دیا' یہاں تک کہ اس کا کوہان (فربہی کی وجہ سے) اُبھر آیا- اس کے بعد پھر جب بھی کسی مہاجر یا انصاری کا اونٹ بیمار پڑتا تو آپ وہی اونٹ اس کو دے دیا کرتے- یہ اونٹ اسی طرح بہت دنوں تک زندہ رہا-

(۱۴۱۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ بِالْمَدِيْنَةِ فَزَعٌ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِاَبِيْ طَلْحَةَ وَ کَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ اِنَّا وَجَدْنَا فَرَسَکُمْ هٰذَا بَحْرًا وَ کَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ لَا يُجَارٰى. (رواه الشيخان)

(۱۴۱۱) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں (دشمن کے آمد کی) خوفناک افواہ اُڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کے گھوڑا عاریۃً لے کر (تحقیق حال کے لئے خود تشریف لے گئے) یہ گھوڑا مٹھا (سست) تھا جب آپ واپس ہوئے تو فرمایا (اطمینان رکھو کوئی بات نہیں ہے) اور اس کو تو ہم نے دریا کی طرف تیز رو پایا اس کے بعد سے دوڑ میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا- (متفق علیہ)

(۱۴۱۲) مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلْنَا وَادِيًا اَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهُ فَاتَّبَعْتُهُ بِاِدَاوَةٍ مِنْ مَّاءٍ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهِ فَاِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَحَدِهِمَا

(۱۴۱۲) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے یہاں تک کہ ایک چٹیل وادی میں اترے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کو چلے تو میں بھی ایک لوٹے میں پانی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی تو کوئی ایسی جگہ نہ ملی' جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کر سکتے دیکھا تو وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے- حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس پہنچے اور اس کی دو ٹہنیاں پکڑ کر فرمایا- اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چل اور میرا حکم مان- وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

(۱۴۱۲) * غیب کو غیب قائم رکھنے کے لیے قدرت کبھی کبھی اسی طرح کی باتیں کھڑی کر دیتی ہے تا کہ وہ عالم شہادت کی طرح .....

www.besturdubooks.net

فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ اَغْصَانِهَا فَقَالَ اِنْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهٗ كَالْبَعِیْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِیْ یُصَانِعُ قَائِدَهٗ حَتّٰی اَتَی الشَّجَرَةَ الْاُخْرٰی فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ اَغْصَانِهَا فَقَالَ اِنْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهٗ كَذٰلِكَ حَتّٰی اِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ فِیْمَا بَیْنَهُمَا فَلَئَمَ بَیْنَهُمَا حَتّٰی جَمَعَ بَیْنَهُمَا فَقَالَ اِلْتَئِمَا عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَالْتَئَمَتَا عَلَیْهِ فَخَرَجْتُ اُحْضِرُ مَخَافَةَ اَنْ یُحِسَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقُرْبِیْ فَیَبْتَعِدَ فَجَلَسْتُ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ فَحَانَتْ مِنِّیْ لَفْتَةٌ فَاِذَا اَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَ اِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلٰی سَاقٍ وَ ذَكَرَ الْحَدِیْثَ. (رواہ مسلم)

حکم پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس طرح چلا آیا' جیسے کوئی اونٹ اپنی نکیل کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہو- اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر یہی فرمایا- اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چلا آ- وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مان کر اسی طرح چلا آیا- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بیچ میں آ کر دونوں کو ملایا اور فرمایا تم دونوں اللہ کے حکم سے پاس پاس جڑ جاؤ تو وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس جڑ گئے تو میں وہاں سے تیزی سے کھسک گیا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا قریب ہونا محسوس نہ فرمالیں تو میں دور چلا گیا اور میں بیٹھ کر دل سے باتیں کرنے لگا- بس میں تھوڑی ہی دیر ذرا غافل ہوا ہوں گا کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنہ پر پہلے کی طرح کھڑے ہیں-

(مسلم شریف)

(۱۴۱۳) عَنْ یَعْلَی ابْنِ مُرَّةَ الثَّقَفِیِّ قَالَ ثَلَاثَةُ اَشْیَاءَ رَاَیْتُهُنَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَهٗ اِذْ مَرَرْنَا بِبَعِیْرٍ یُسْنٰی عَلَیْهِ فَلَمَّا رَاٰهُ الْبَعِیْرُ جَرْجَرَ وَ وَضَعَ جِرَانَهٗ بِالْاَرْضِ فَوَقَفَ عَلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

(۱۴۱۳) یعلی بن مرہ ثقفیؓ کہتے ہیں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین عجیب باتیں دیکھیں- ایک دفعہ تو ہم سب آپؐ کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے ایک اونٹ کے پاس سے گذر ہوا جس سے کھیتی کو پانی دیا جاتا تھا تو اونٹ نے جب آپؐ کو دیکھا تو بلبلایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی- حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک

لہ ..... کھل نہ جائے اس لیے ضروری تھا کہ یہاں چھپ کر راوی واقعہ نے جو کچھ دیکھا اس پر بھی آخر کار بات مبہم رہ جائے اس لیے بالآخرہ درختوں کی علیحدگی نہ دیکھ سکا- قدرت نے درختوں کی فرمان برداری دکھلا کر شانِ نبوت بھی کیا خوب عیاں دکھلا دی' لیکن جو اس کے علاوہ غیبی بات تھی اس کو عجب انداز میں مخفی بھی فرما دیا- وہ جانتا تھا کہ جو شان اس کو نظر آئی وہ شانِ نبوت تھی اور جو شانِ الٰہی تھی وہ فہیم انسان کے ایمان کے لیے پہلے ہی کافی مشاہدہ میں آ چکی تھی اب بے پردہ ہو کر قدرت کو اپنا کرشمہ دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی- یہاں پہلی روایت میں جو واقعہ مذکور ہے' اس میں درختوں کی واپسی کا مشاہدہ بھی موجود ہے- اب دل چاہے تو آپ اس کو مستقل اسی جنس کا علیحدہ واقعہ تسلیم کریں یا ترجیح کے ٹھہرائیں' لیکن مسلم شریف کا یہ واقعہ بہر کیف تسلیم ہی کرنا پڑے گا تھوڑا بہت فرق تو روایاتِ احکام میں بھی ملتا ہے اور اپنے ضوابط کے ماتحت وہ بھی طے ہو کر قابل انکار نہیں ہوتا-

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيْنَ صَاحِبُ هٰذَا الْبَعِيْرِ؟ فَجَاءَ فَقَالَ بِعْنِيْهِ. فَقَالَ بَلْ اَهِبُهُ لَکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَا بَلْ بِعْنِيْهِ فَقَالَ بَلْ نَهِبُهُ لَکَ وَ هُوَ لِاَهْلِ بَيْتٍ مَالَهُمْ مَعِيْشَةٌ غَيْرُهٗ فَقَالَ اَمَّا اِذْ ذَکَرْتَ هٰذَا مِنْ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ يَشْتَکِيْ اِلَيَّ کَثْرَةَ الْعَمَلِ وَ قِلَّةَ الْعَلَفِ فَاَحْسِنُوْا اِلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُمْ اَرَادُوْا نَحْرَهٗ. رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْاَرْضَ حَتّٰى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَکَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَکَرْتُ لَهٗ فَقَالَ هِيَ شَجَرَةٌ اِسْتَاْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنَ لَهَا قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَاءٍ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ بِابْنٍ لَهَا بِهٖ جِنَّةٌ فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْخَرِهٖ ثُمَّ قَالَ اُخْرُجْ فَاِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ سِرْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِذٰلِکَ الْمَاءِ فَسَاَلَهَا عَنِ الصَّبِيِّ فَقَالَتْ وَ الَّذِيْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا رَاَيْنَا مِنْهُ رَيْبًا بَعْدَکَ کَذَا فِي الْمِشْکٰوةِ.

(۱۴۱۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ غَيْضَةً فَاَخْرَجَ مِنْهَا بَيْضَةَ حُمَّرَةٍ فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ تَرِفُّ عَلٰى رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَيُّکُمْ فَجَعَ

کہاں ہے؟ وہ آیا تو آپؐ نے فرمایا' تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو- اس نے عرض کیا جی نہیں بلکہ میں اسے آپ کو ہدایۃً پیش کرتا ہوں- حضور نے فرمایا نہیں تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو- اس نے وہی کہا نہیں بلکہ میں اسے آپ کو ہدایۃً پیش کرتا ہوں' اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اونٹ ایسے گھرانہ کا ہے جن کے پاس روزی کا سہارا اس کے سوا کچھ اور ہے نہیں- آپؐ نے فرمایا اچھا جب تم نے اس کا حال بتا دیا تو سنو یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ مجھ سے کام بہت لیا جاتا ہے اور چارہ کم دیا جاتا ہے تو دیکھو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو اور دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اس کے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا- (احمد) اور شرح السنہ میں ہے کہ پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک پڑاؤ پر اترے اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے تو ایک درخت زمین چیرتا ہوا وہاں تک آیا اور اس نے آپ کو ڈھانک کر آپ پر سایہ کر لیا پھر کچھ دیر بعد اپنی جگہ پر واپس چلا گیا- جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے آپ سے یہ حال بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں یہ وہ درخت ہے' جس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی تھی- راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ وہاں سے چلے اور ایک تالاب پر پہنچے تو ایک عورت آپؐ کے پاس اپنا ایک لڑکا لے کر آئی جس کا دماغ خراب ہو گیا تھا- (یا جس پر آسیب کا اثر تھا) تو حضور نے اس کی ناک پکڑی اور فرمایا نکل دور ہو جا- سن میں اللہ کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں- پھر ہم آگے چلے جب لوٹنے لگے تو اسی تالاب پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہم نے آپؐ کے جانے کے بعد کچھ اثر اس پر نہیں دیکھا- (مشکوٰۃ)

(۱۴۱۴) ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک آدمی ایک جھاڑی میں گھسا اور وہاں سے چڑیا کا انڈا اٹھا لایا تو وہ چڑیا بھی پھڑپھڑاتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے سروں پر آکر منڈلانے لگی- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کس نے اسے ستایا ہے؟ مجمع میں سے ایک شخص بولا میں اس کا انڈا لے آیا ہوں-

www.besturdubooks.net

هٰذِهٖ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَنَا اَخَذْتُ بَيْضَتَهَا فَقَالَ رُدَّهٗ رَحْمَةً لَّهَا. (رواہ ابوداؤد الطیالسی)

آپ نے فرمایا نہیں اس پر ترس کھا کر وہ انڈا واپس رکھ آ و۔ (ابوداؤد طیالسی)

(۱۴۱۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍؓ قَالَ اَرْدَفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَاَسَرَّ اِلَيَّ حَدِيْثًا لَا اُحَدِّثُ بِهٖ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ، قَالَ وَ كَانَ اَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِهٖ هَدَفٌ اَوْ حَائِشُ نَخْلٍ فَدَخَلَ حَائِطَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا جَمَلٌ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَ ذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ وَ ذِفْرَاهُ فَسَكَنَ ثُمَّ قَالَ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ هُوَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِيَّاهَا فَاِنَّهٗ شَكٰى اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهٗ وَ تُدْئِبُهٗ. (رواہ مسلم)

(۱۴۱۵) عبداللہ بن جعفرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور چپکے سے ایک بات مجھ سے کہی جو کسی شخص پر میں ظاہر نہیں کروں گا۔ روای بیان کرتا ہے کہ رفع حاجت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پردہ کی جگہ پسند تھی وہ باغ ہوں یا کھجور کے درخت ہوں۔ چنانچہ آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ دفعۃً ایک اونٹ آپ کے سامنے آیا جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ایک آواز نکالی اور اس کی دونوں آنکھوں سے پانی جاری ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور آپؐ نے اس کے سر اور کنپٹی پر دست مبارک پھیرا وہ خاموش ہوگیا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ ایک انصاری نوجوان آگے آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس جانور پر جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملکیت میں دے رکھا ہے تم کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں آتا۔ اس اونٹ نے اس بات کی مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کو مار مار کے گھلائے دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۱۴۱۶) عَنْ شَيْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبَّاسُ نَاوِلْنِيْ مِنَ الْحَصْبَاءِ فَاَقْعَدَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْبَغْلَةَ فَانْخَفَضَتْ بِهٖ حَتّٰى كَادَ بَطْنُهَا يَمَسُّ الْاَرْضَ فَتَنَاوَلَ مِنَ الْبَطْحَاءِ فَحَثٰى بِهٖ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَ قَالَ شَاهَتِ

(۱۴۱۶) شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: عباسؓ! کچھ کنکریاں اٹھا کر مجھ کو دینا۔ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچری اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیچی ہو کر اتنی جھک گئی کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے کے قریب ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی کنکریاں اٹھالیں اور دشمن کی جانب ان کو پھینکا اور

(۱۴۱۵) * اس حدیث میں جانور سے کلام کرنے کے معجزہ کے سوا ایک بڑی موعظت وعبرت یہ سکھائی گئی ہے کہ جانور اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لیے مسخر فرمائے ان کا بھی ہم پر حق ہے جس کو پہچاننا ضروری ہے پھر انسانوں کو باہم حق شناسی کی اہمیت کیا ہوسکتی ہے۔ یہ بات تو بہت مختصر ہے لیکن اس کا ملحوظ رکھنا مشکل ہے اور اسی حق شناسی پر نظام عالم موقوف ہے اور جتنی اس میں حق ناشناسی پیدا ہوتی چلی جائے اتنا ہی نظام عالم درہم برہم ہوتا چلا جائے گا۔

www.besturdubooks.net

اَلْوُجُوْهُ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ. (رواه البغوی و البیهقی کذا فی شرح المواهب ج ۱ ص ۱۳)

وَقَالَ ابْنُ هِشَامٍ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَئِذٍ لِبَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ اَلْبِدِیْ فَوَضَعَتْ بَطْنَهَا الْاَرْضَ فَاَخَذَ جَعْبَةً (حفنة) فَضَرَبَ بِهَا وُجُوْهَ هَوَازِنَ

(کذافی العمدة ج ۷ ص ۳۵۹)

(۱۴۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا انْهَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ الَّتِيْ يُقَالُ لَهَا الدُّلْدُلُ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُلْدُلُ اَسْدِیْ فَاَلْصَقَتْ بَطْنَهَا بِالْاَرْضِ حَتّٰى اَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَفْنَةً مِنْ تُرَابٍ فَرَمٰى بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَ قَالَ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ قَالَ فَانْهَزَمَ الْقَوْمُ وَ مَا رَمَيْنَا هُمْ بِسَهْمٍ وَ لَا طَعَنَّاهُمْ بِرُمْحٍ وَ لَا ضَرَبْنَا هُمْ بِسَيْفٍ وَ فِيْهِ مِنْ حَدِيْثِ شَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لِعَمِّهِ الْعَبَّاسِ نَاوِلْنِيْ مِنَ الْبَطْحَاءِ فَاَفْقَهَ اللّٰهُ تَعَالَى الْبَغْلَةَ كَلَامَهُ فَانْخَفَضَتْ حَتّٰى كَادَ بَطْنُهَا يَمَسُّ الْاَرْضَ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَصْبَاءِ فَنَفَخَ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَ قَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ.

(رواه الطبرانی فی الاوسط کذا فی حيوة الحيوان تحت مادة ب غ ل)

(۱۴۱۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَحَوْلَ

فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ.

(بغوی بیہقی)

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خچری سے کہا نیچی ہو جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین پر رکھ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی لی اور اپنے قبیلہ ہوازن کے منہ پر پھینک مارا۔

(عمدۃ القاری)

(۱۴۱۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگِ حنین میں مسلمان شکست کھا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس گلابی رنگ کے خچر پر سوار تھے جسے دلدل کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے دلدل جھک جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین سے لگا دیا اتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا لی اور اسے دشمن کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ راوی کہتے ہیں کہ پھر تو وہ جماعت بھاگ کھڑی ہوئی حالانکہ نہ ہم نے ان پر کوئی تیر چلایا نہ ان کو نیزہ مارا اور نہ ہی تلوار کا کوئی وار کیا اور اسی روایت میں عثمان کے بیٹے شیبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھے ذرا کنکریاں تھوڑی سی اٹھا دو تو اللہ تعالیٰ نے اس خچر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سمجھا دی تو وہ خچر خود ہی اتنا جھک گیا کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کچھ کنکریاں اٹھا لیں اور کفار کے منہ پر پھینک ماریں اور شَاهَتِ الْوُجُوْهُ. فرمایا۔

(طبرانی و نیز حیوۃ الحیوان در مادہ ب غ ل)

(۱۴۱۸) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت بیت اللہ شریف کے ارد گرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے

(۱۴۱۸) * یہ واقعہ جتنا صحیح بخاری میں آیا ہے اگرچہ صرف اس کے الفاظ سے اس میں کوئی اعجاز نظر نہ آئے لیکن فاکہی کی روایت ..... لله

www.besturdubooks.net

الْبَيْتِ سِتُّوْنَ وَ ثَلَاثُمِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ وَ يَقُوْلُ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ جَاءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ.

تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کی طرف اشارہ کرتے اور یہ فرماتے جاتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ الخ فاکہی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ آپ کی لکڑی بت کو لگتی بھی نہ تھی اور وہ خود بخود فوراً نیچے آ پڑتا تھا۔

(رواہ البخاری فی المغازی و اخرج الحافظ فی الفتح الباری ج ۸ ص ۱۳ عن ابن عمر فیسقط الصنم و لا یمسه ذکرہ الفاکھی وصححه ابن حبان)

(۱۴۱۹) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اِنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَاؤُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا هٰذِهٖ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ اَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَ بَطْنُهٗ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَ لَبِثْنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيْبًا اَهْيَلَ اَوْ اَهْيَمَ. الحديث (رواہ البخاری)

(۱۴۱۹) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان نکل آئی (جس کو ہم نہ توڑ سکے) لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی دیکھیے یہ ایک سخت چٹان نکل آئی ہے آپؐ نے فرمایا اچھا تو میں خود اترتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور اس وقت آپؐ کے پیٹ سے پتھر بندھا ہوا تھا (صحابہؓ کہتے ہیں) ہم لوگوں کو کوئی چیز چکھے ہوئے بھی تین دن گذر چکے تھے آپؐ نے پہنچ کر کدال اپنے دست مبارک میں لیا اور ایک ضرب لگائی تو چٹان ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔ (بخاری شریف)

(۱۴۲۰) عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى

(۱۴۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ جب

ﷺ ..... پر نظر ڈالنے سے وہ کھلا ہوا معجزہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس زیادتی کے صحیح کہنے والے ابن حبان ہیں جن کی تصحیح معترضین کی نظروں میں ہلکی سمجھی گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ جب بڑے بڑے محدثین اس قسم کی زیادتیوں کی بنا پر کسی واقعہ کو معجزات کی فہرست میں شمار کرتے ہیں تو بے وجہ ان پر ملامت شروع کر دی جاتی ہے اور جب خود اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو اس پر ذرا نظر نہیں کی جاتی۔ اس قسم کے واقعات سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محدثین اگر کسی واقعہ کو معجزہ کہتے ہیں تو ضرور کسی بنیاد ہی پر کہتے ہیں۔ یہاں تحقیق کے بغیر ان کو ملامت شروع کر دینا سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔

(۱۴۱۹) * تعجب ہے کہ ایک ایک معجزہ پر عقل کی ترازو لگانے والوں نے اس واقعہ کو کسی چون و چرا کے بغیر معجزہ کیسے تسلیم کر لیا ہے یہاں بھی یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ صحابہؓ کی ضربوں سے چٹان کمزور پڑ چکی ہو پھر آپ کی ضرب سے وہ ٹوٹ گئی ہو اور کَثِيْبًا اَهْيَلَ کہنا صرف ایک عرفی مبالغہ ہو مگر صحابہؓ کے مزاج شناس اور حدیثوں پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس واقعہ کی پوری سرگذشت از اول تا آخر خارق عادت تھی۔ یہاں احتمال کے گھوڑے دوڑانا صرف ایک وہمی شخص کا کام ہو سکتا ہے۔ اب اس کے ساتھ آپ آئندہ واقعہ کی پوری تفصیل ملا کر یہ اندازہ کر لیجیے کہ آپؐ کے معجزانہ افعال کو کوشش کر کر کے عام واقعات میں شامل کرتے رہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

(۱۴۲۰) * معجزات کو پھیکا کرنے والے شاید یہاں بھی یہ لکھ دیں کہ پتھر کے اوپر لوہے کی ضرب سے چمک پیدا ہو جانا روز ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَفْرِ الْخَنْدَقِ عُرِضَتْ لَهُمْ صَخْرَةٌ حَالَتْ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْحَفْرِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَخَذَ الْمِعْوَلَ وَ وَضَعَ رِدَاءَهٗ نَاحِيَةَ الْخَنْدَقِ وَ قَالَ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَامُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ فَنَدَرَ ثُلُثُ الْحَجَرِ وَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَائِمٌ يَنْظُرُ فَبَرَقَ مَعَ ضَرْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرْقَةٌ فَرَاٰهَا سَلْمَانُ ثُمَّ ضَرَبَ الثَّانِيَةَ وَ قَالَ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ فَنَدَرَ الثُّلُثُ الْاٰخَرُ فَبَرَقَتْ بَرْقَةٌ فَرَاٰهَا سَلْمَانُ ثُمَّ ضَرَبَ الثَّالِثَةَ وَ قَالَ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ فَنَدَرَ الثُّلُثُ الْبَاقِيْ وَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَخَذَ رِدَاءَهٗ وَ جَلَسَ قَالَ سَلْمَانُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُكَ حِيْنَ ضَرَبْتَ مَا تَضْرِبُ ضَرْبَةً اِلَّا كَانَتْ مَعَهَا بَرْقَةٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَلْمَانُ رَاَيْتَ ذٰلِكَ فَقَالَ اِيْ وَ الَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّيْ حِيْنَ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الْاُوْلٰى رُفِعَتْ لِيْ مَدَائِنُ كِسْرٰى وَ مَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودنے والوں کے سامنے ایک سخت چٹان نکل آئی جس کو وہ توڑ نہ سکے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور کدال خود ہاتھ میں لی اور اپنی چادر خندق کے کنارے پر رکھ کر ایک ضرب لگائی اور یہ کلمات زبان پر لائے وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ضرب لگانا تھا کہ چٹان کا ایک تہائی پتھر ٹوٹ کر اڑ گیا اس وقت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں کھڑے دیکھ رہے تھے- وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ بجلی کی سی ایک چمک نظر آئی جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی اس کے بعد پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر وہی کلمات پڑھے تو تہائی چٹان اور ٹوٹ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ پھر ایک چمک پیدا ہوئی جس کو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنکھوں سے دیکھا- تیسری بار وہی کلمات پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ضرب لگائی تو اس کا بقیہ ٹکڑا ٹوٹ گیا- اس کے بعد آپ اپنی چادر لے کر خندق سے باہر تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے- سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے دیکھا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پر ضرب لگاتے تھے تو بجلی کی سی ایک چمک نکلتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تم نے یہ دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں اس خدائے پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے پہلی ضرب لگائی تھی تو میرے سامنے کسریٰ کی سلطنت اور اس کے ارد گرد کی سب بستیاں کر دی گئی تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا- حاضرین نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم ان ملکوں کے فتح کرنے

ﻟﻪ ..... مرہ کا معمولی واقعہ ہے اس میں اعجاز کیا ہے' لیکن سلمان فارسیؓ کی آنکھوں سے پوچھو جنہوں نے نہ معلوم کتنی بار خندقیں دیکھی ہوں گی اور پتھروں سے چنگاریاں بھی نکلتی دیکھی ہوں گی کہ وہ اس چمک کو دیکھ کر متحیر ہوتے رہے آخر کار اس عجیب چمک کا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر رہ نہ سکے اور جب آپؐ نے وہ تفصیلات جو سلمانؓ کے خواب و خیال میں نہ تھیں بتائیں تو یہ واضح ہو گیا کہ آپؐ کی ایک ایک ضرب میں مادی دنیا کے کتنے بڑے بڑے انقلابات پنہاں تھے- اگر سلمانؓ یہاں یہ سوال نہ کر لیتے تو معجزہ کے شوقین ﻟﻪ .....

www.besturdubooks.net

حَـوْلَهَا وَ مَدَائِنَ كَثِيرٌ حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالَ لَهُ مَنْ حَضَرَهُ مِنْ اَصْحَابِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّفْتَحَهَا اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ يُغْنِمَنَا دِيَارَهُمْ وَ يُخَرِّبَ بِاَيْدِيْنَا بِلَادَهُمْ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّانِيَةَ فَرُفِعَتْ لِيْ مَدَائِنُ قَيْصَرَ وَ مَا حَوْلَهَا حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّفْتَحَهَا عَلَيْنَا وَ يُغْنِمَنَا دِيَارَهُمْ وَ يُخَرِّبَ بِاَيْدِيْنَا بِلَادَهُمْ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ ثُمَّ ضَرَبْتُ الثَّالِثَةَ فَرُفِعَتْ لِيْ مَدَائِنُ الْحَبَشَةِ وَ مَا حَوْلَهَا مِنَ الْقُرٰى حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ وَ دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوْكُمْ وَ اتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوْكُمْ.

(رواه النسائی فی الجهاد)

والے کون لوگ ہوں گے؟ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے- اور ان کی بستیاں ہمارا مال غنیمت بنا دے- اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو تباہ و برباد کر دے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے لیے دعا فرما دی- پھر جب میں نے دوسری بار ضرب لگائی تھی تو قیصر کی سلطنت اور اس کے اردگرد کے شہر سامنے کیے گئے یہاں تک کہ ان کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا- صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے اور ہماری غنیمت بنا دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو برباد کرا دے- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھی دعا فرما دی- پھر میں نے تیسری بار ضرب لگائی تو حبشہ کی سلطنت میرے سامنے کی گئی اور جو اس کے اردگرد کی بستیاں تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو بھی آنکھوں سے دیکھا تھا- اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اہل حبشہ تم سے کچھ نہ کہیں تم بھی ان سے کچھ نہ کہنا اور اسی طرح جب تک ترک خاموش رہیں تم بھی خاموش رہنا-

(نسائی شریف)

الرسول الاعظم و دلائل قدرة الله تعالٰی فی اٰیاته التی ظهرت علی یدیه صلوات الله و سلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ کی وہ نشانیاں جو آپؐ کے دستِ مبارک پر ظاہر ہوئیں

(۱۴۲۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ

(۱۴۲۱) انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ

ف ..... بھی شاید اس کو ایک ہی معجزہ سمجھتے لیکن اب معلوم ہوا کہ آپؐ کی ضرب میں صرف ایک چٹان کے تودہ خاک بن جانے کا معجزہ نہ تھا بلکہ قیاس و گمان سے بالاتر واقعات کو عظیم الشان پیشگوئی کے علاوہ ان کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے معجزات بھی شامل تھے- سبحان اللہ نبی و رسول بھی ایک بشر ہی ہوتے ہیں لیکن قدرت ان کے ساتھ کبھی کبھی ایسے کرشمے بھی ظاہر فرماتی ہے جن میں سے ہر کرشمہ مادی دنیا کی شکست دینے کے واسطے کافی ہے اسی کا نام معجزہ ہے-

حیرت ہے کہ معجزہ مادی طاقت کی شکست کا ثبوت ہوتا ہے اور معجزہ کی حقیقت سے ناآشنا اسے جرثقیل لگا کر مادہ ہی کی سرپرستی میں رکھنا چاہتے ہیں-

(۱۴۲۱) * یہاں بھی بارش کا ہونا آپؐ کی بہت بڑی برکت کا ظہور تھا اور وہ بھی پانی ہی سے متعلق تھا مگر اس قسم کے متعدد ف .....

www.besturdubooks.net

تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فِیْ يَوْمِ جُمُعَةٍ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَ انْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُغِثْنَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا قَالَ اَنَسٌ وَ لَا وَ اللّٰهِ مَا نَرٰى فِی السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَ لَا مِنْ قَزَعَةٍ وَ اِنَّ السَّمَاءَ لَمِثْلُ الزُّجَاجَةِ وَ مَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ سَلْعٍ مِنْ دَارٍ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَ يَدَيْهِ حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰی رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَنْ لِحْيَتِهٖ (رواه الشيخان) وَ فِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰی فَطَلَعَتْ مِنْ وَّرَائِهٖ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ قَالَ فَلَا وَ اللّٰهِ مَا رَاَيْتُ الشَّمْسَ سَبْتًا قَالَ ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذَالِكَ الْبَابِ فِی الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهٗ قَائِمًا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَ انْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُمْسِكَهَا عَنَّا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

کی جانب سے داخل ہوا جو دار القضا کی جانب تھا اس وقت رسول اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے یہ شخص آ کر رسول اللہؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسولؐ اللہ قحط کی وجہ سے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (سواریاں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے) سب راستے بند ہو گئے آپؐ اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ بارش برسا دے۔ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ بارانِ رحمت نازل فرما اے اللہ باران رحمت نازل فرما۔ انس قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ ہم کو آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا اور آسمان آئینہ کی طرح صاف پڑا ہوا تھا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان ایک گھر بھی نہ تھا بس ایک کھلا میدان تھا (ایسی حالت میں آپ نے دعا فرمائی) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ابھی آپؐ نے دعا فرما کر اپنے ہاتھ نیچے کیے بھی نہ تھے کہ پہاڑوں کے برابر بادل اٹھے اور ابھی آپ منبر سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اٹھا جو شروع میں ڈھال کی طرح نظر آ رہا تھا پھر جب آسمان کے درمیان پہنچا تو چاروں طرف پھیل گیا پھر برسا اور ایسا برسا کہ بخدا ایک ہفتہ تک ہم نے آفتاب کی شکل نہیں دیکھی۔ راوی کہتا ہے کہ آئندہ جمعہ میں پھر وہی شخص اسی دروازہ سے آیا اور آپ اس وقت کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے وہ آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس مرتبہ اس کی شکایت یہ تھی کہ یا رسول اللہؐ بارش کی کثرت کے مارے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (ندی نالے بھر جانے کی وجہ سے) آمد و رفت بند ہو گئی لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ اب تو وہ بارش بند کر دے۔

لہ ..... واقعات کی شان الگ تھی۔ اس لیے ہر برکت کے ظہور کی شان ہر جگہ علیحدہ علیحدہ ملحوظ رکھیے تا کہ دیگر مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو الگ واقعہ شمار کرنے میں دماغی تکلیف نہ ہو۔ بے شک جہاں واقعہ ایک ہو اس کا متعدد بنانا بھی لا حاصل ہے مگر جن مقاصد کے لیے امام بخاریؒ نے ایک واقعہ کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے آپ بھی اگر ان کو مستحضر رکھیں تو مضائقہ نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَ لَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَ الظِّرَابِ وَ بُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَ مَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَمَا يُشِيْرُ بِيَدَيْهِ اِلٰى نَاحِيَةٍ اِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فِيْ مِثْلِ الْجَوْبَةِ وَ سَالَ الْوَادِيْ قَنَاةُ شَهْرًا وَ لَمْ يَجِيْءْ اَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا اَخْبَرَ بِجَوْدٍ.

راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ اب بارش ہمارے اردگرد ہو اور ہماری بستی پر نہ ہو- اے اللہ اب بارش پہاڑیوں پر ٹیلوں پر وادیوں اور جنگلوں میں ہو- راوی بیان کرتا ہے کہ آپؐ اپنے دستِ مبارک سے جس جانب بھی اشارہ کرتے جاتے' اسی جانب سے بادل پھٹتے جاتے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بادل چاروں طرف سے پھٹ گئے اور مدینہ بیچ میں اس طرح نظر آنے لگا جیسے تاج ہوتا ہے- اور وادی قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور جس جانب سے بھی کوئی شخص آتا وہ بارش کی ہی خبر لے کر آتا۔ (شیخین)

(۱۴۲۲) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ فَقَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَلَمَّا وَاجَهْنَا الْعَدُوَّ تَقَدَّمْتُ فَاَعْلُوْ ثَنِيَّةً فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَجُلٌ مِّنَ الْعَدُوِّ فَرَمَيْتُهُ بِسَهْمٍ فَتَوَارٰى عَنِّيْ فَمَا دَرَيْتُ مَاصَنَعَ وَ نَظَرْتُ اِلَى الْقَوْمِ فَاِذَاهُمْ قَدْ طَلَعُوْا مِنْ ثَنِيَّةٍ اُخْرٰى فَالْتَقَوْهُمْ وَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَلّٰى اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعْتُ مُنْهَزِمًا وَ عَلَيَّ بُرْدَتَانِ مُتَّزِرًا بِاَحَدِهِمَا مُرْتَدِيًا بِالْاُخْرٰى فَاسْتَطْلَقَ اِزَارِيْ فَجَمَعْتُهُمَا جَمِيْعًا وَ مَرَرْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْهَزِمًا وَ هُوَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاٰى ابْنُ الْاَكْوَعِ فَزَعًا فَلَمَّا غَشُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَاَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ

(۱۴۲۲) حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں جنگ کی- جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ گیا اور ایک ٹیلہ پر چڑھا تو سامنے سے دشمنوں کا ایک آدمی آیا میں نے اس کے ایک تیر مارا تو وہ کہیں چھپ گیا اور میں نہ معلوم کر سکا کہ وہ کیا ہوا- جب میں نے اس جماعت کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ وہ دوسرے ٹیلے سے چڑھ رہے ہیں اور اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھڑ گئے ہیں تو ان کی سخت تیراندازی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تتر بتر ہو رہے تھے اور میں بھی بھاگتا ہوا پلٹ پڑا- میں ایک چادر کمر سے نیچے باندھے ہوئے اور ایک چادر اوپر اوڑھے ہوئے تھا تو میری لنگی کھل گئی' میں نے اسے سمیٹ کر باندھا اور بھاگتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گذرا- سب پر تو شکست کے آثار تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرخ خچر پر بڑے مطمئن سوار تھے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن اکوع کوئی خطرہ دیکھ کر گھبرایا ہوا آیا ہے- تو جب دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سے اتر گئے اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (یہ چہرے خراب و برباد ہوں) پھر تو اللہ تعالیٰ نے ان میں کسی انسان کو جس کو اس نے پیدا فرمایا تھا ایسا نہ چھوڑا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں اسی ایک مٹھی سے مٹی نہ بھر گئی ہو تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو

www.besturdubooks.net

فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ.(رواہ مسلم و الحاکم فی صحیحہ)

(۱۴۲۳) عَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَلَزِمْتُ اَنَا وَ اَبُوْ سُفْيَانَ ابْنُ الْحٰرِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نُفَارِقْهُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ بَيْضَاءَ اَهْدَاهَا لَهٗ فَرْوَةُ بْنُ نَفَاثَةَ الْجُذَامِيُّ فَلَمَّا الْتَقَى الْمُسْلِمُوْنَ وَ الْكُفَّارُ وَ وَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِيْنَ طَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَرْكُضُ بَغْلَتَهٗ قِبَلَ الْكُفَّارِ قَالَ الْعَبَّاسُ وَ اَنَا اٰخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَكُفُّهَا اِرَادَةَ اَنْ لَّا يُسْرِعَ وَ اَبُوْ سُفْيَانَ اٰخِذٌ بِرِكَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَىْ عَبَّاسُ نَادِ اَصْحَابَ السَّمُرَةِ فَوَاللّٰهِ لَكَاَنَّ عِطْفَهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا صَوْتِيْ عِطْفَةُ الْبَقَرِ عَلَى الْاَوْلَادِ يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ قَالَ فَاقْتَتَلُوْا الْكُفَّارَ وَ الدَّعْوَةُ فِي الْاَنْصَارِ يَقُوْلُوْنَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلٰى بَنِى الْحَارِثِ ابْنِ الْخَزْرَجِ فَقَالُوْا يَا بَنِى الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ هُوَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا اِلٰى قِتَالِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ هٰذَا حِيْنَ حَمِيَ الْوَطِيْسُ ثُمَّ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَصَيَاتٍ فَرَمٰى وُجُوْهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ اِنْهَزَمُوْا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ فَذَهَبْتُ اَنْظُرُ فَاِذَا الْقِتَالُ عَلٰى هَيْئَتِهٖ فِيْمَا اَرٰى فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَمَاهُمْ بِحَصَيَاتٍ فَمَا

شکست دی۔ (مسلم شریف)

(۱۴۲۳) عباسؓ بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی لگے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے جسے فروہ بن نفاثہ جذامی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا تھا۔ جب مسلمان اور کفار بھڑ گئے اور مسلمان سراسیمہ ہوکر ادھر ادھر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خچر کفار کی طرف بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا اور اسے روک رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں وہ تیز چل کر کفار کے جھرمٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لے جائے اور ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اصحاب سمرہ کو آواز دو خدا کی قسم جوں ہی انہوں نے میری آواز سنی تو اس طرح لبیک لبیک کہتے ہوئے جلدی سے لوٹ پڑے ہیں جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹ پڑتی ہے۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر مسلمان کفار سے جم کر لڑے۔ دوسرا اعلان انصار میں ہوا" یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ " کا نعرہ شروع ہوا۔ ہوتے ہوتے یہ نعرہ " یَا بَنِى الْحَارِثِ ابْنِ الْخَزْرَجِ " پر ختم ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر پر سوار اِدھر اُدھر اپنی گردن بڑھا بڑھا کر لڑائی کی تیزی دیکھ کر فرمایا اب گھما گھی کی جنگ ہو رہی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں لیں اور کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رب کعبہ کی قسم پھر تو کفار بھاگ نکلے۔ کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا تھا کہ ذرا رنگ دیکھوں تو جنگ میری نظر میں اسی طرح جاری تھی' مگر خدا کی قسم جوں ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر وہ کنکریاں ماری ہیں تو میں دیکھنے لگا کہ ان کی تلوار کی دھاریں گوٹھل ہوگئیں اور جنگ کا رخ پلٹ گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر

www.besturdubooks.net

زَلَّتْ اَرٰی حَدِّهِمْ كَلِيْلًا وَاَمْرَهُمْ مُدْبِرًا حَتّٰى هَزَمَهُمُ اللّٰهُ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ يَوْمِ بَدْرٍ وَّ مَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. (رواه مسلم)

(۱۴۲۴) عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنْهُمْ عُرْوَةُ وَ الزُّهْرِيُّ وَ عَاصِمُ بْنُ عَمْرٍو وَ غَيْرُهُمْ قَالُوْا فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَرِيْشِ هُوَ وَ اَبُوْبَكْرٍ مَا مَعَهُمَا غَيْرُهُمَا وَ قَدْ تَدَانَى الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاشِدُ رَبَّهُ مَا وَعَدَهُ مِنْ نَّصْرِهٖ وَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ وَ اَبُوْبَكْرٍ يَقُوْلُ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ مِنْ نَّصْرِهٖ وَ خَفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَفْقَةً ثُمَّ هَبَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرْ يَا اَبَابَكْرٍ اَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ هٰذَا جِبْرِيْلُ اٰخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ يَقُوْدُهٗ عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ (يَقُوْلُ الْغُبَارُ) ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَعَبَّا اَصْحَابَهٗ وَ هَيَّاَهُمْ وَ قَالَ لَا يَعْجَلَنَّ رَجُلٌ مِّنْكُمْ بِقِتَالٍ حَتّٰى يُؤْذَنَ لَهٗ فَاِذَا كَثَبَكُمُ الْقَوْمُ يَقُوْلُ قَرُبُوْا مِنْكُمْ فَانْضَحُوْهُمْ عَنْكُمْ بِالنَّبْلِ. ثُمَّ تَزَاحَمَ النَّاسُ فَلَمَّا تَدَانٰى بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاَخَذَ حَفْنَةً مِنْ حَصْبَاءَ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهَا قُرَيْشًا فَنَضَحَ بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَ قَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

کے قصہ میں فرمایا تھا کہ مَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. یعنی جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔ (مسلم شریف)

(۱۴۲۴) ایک جماعت سے جن میں عروہ' زہری' عاصم بن عمرو وغیرہ شامل ہیں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر میں عریش (سائبان) میں تھے ان کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا اور فوجیں آپس میں گتھ گئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے وہ نصرت عطا کرنے کی التجا کر رہے تھے جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا اور یہ فرما رہے تھے اے میرے اللہ اگر آپ اس تھوڑی سی جماعت کو ہلاک کر دیں گے تو پھر آپ کی پرستش نہ ہو سکے گی اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حال دیکھ کر فرما رہے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے سامنے بہت التجا کر لی اب یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے ضرور پورا فرمائیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کچھ لگ سی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لو خوش ہو جاؤ تمہارے پاس اللہ کی امداد آ پہنچی۔ یہ جبرئیلؑ ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے لا رہے ہیں اس کے دانتوں پر غبار پڑا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جنگ کے موقع موقع سے کھڑا کیا اور ان کو سامان جنگ جو کچھ بھی تھا اس سے لیس کیا پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص لڑائی شروع کرنے میں اس وقت تک جلدی نہ کرے جب تک کہ اس کو اس کی اجازت نہ ملے۔ ہاں جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تب تم ان کو تیروں پر رکھ لینا۔ پھر لوگ آپس میں گتھ گئے تو جب بعضے آدمی بعض کے بالکل قریب پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں پھر ان کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف منہ کیا اور ان کو ان کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (چہرے بگڑ جائیں) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانوں کی

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ اِحْمِلُوْا عَلَيْهِمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ فَحَمَلَ الْمُسْلِمُوْنَ وَ هَزَمَ اللّٰهُ قُرَيْشًا وَ قُتِلَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اَشْرَافِهِمْ وَ اُسِرَ مَنْ اُسِرَ مِنْهُمْ (رواہ ابن اسحاق) وَفِيْ حَدِيْثِ ابْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ الْوَالِبِيْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ خُذْ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ فَاَخَذَ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ وَ رَمٰى بِهَا وُجُوْهَهُمْ فَمَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ اَصَابَ عَيْنَيْهِ وَ مَنْخَرَيْهِ وَ فَمَهٗ تُرَابٌ مِنْ تِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ.

جماعت ان پر ٹوٹ پڑو تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دی اور ان کے معزز اور شرفاء میں سے جو قتل ہوئے وہ قتل ہوئے اور جو قید ہوئے وہ قید ہوئے۔ (ابن اسحاق) اور ابن ابی طلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی کی ایک مٹھی لیجئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اس کو ان کے چہروں پر پھینک مارا تو مشرکین میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا جس کی آنکھوں میں، نتھنوں میں اور منہ میں اس ایک مشت کی مٹی نہ پڑی ہو اس پر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔

(۱۴۲۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ هَلْ يُعَفِّرُ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ فَقِيْلَ نَعَمْ فَقَالَ وَ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰى لَئِنْ رَاَيْتُهٗ يَفْعَلُ ذٰلِكَ لَاَطَاَنَّ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَعَمَ لِيَطَاَ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَمَا فَجِئَهُمْ اِلَّا وَ هُوَ يَنْكُصُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ يَتَّقِيْ بِيَدَيْهِ فَقِيْلَ لَهٗ مَالَكَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهٗ لَخَنْدَقًا مِنْ نَّارٍ وَهَوْلًا وَ اَجْنِحَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْدَنَا مِنِّيْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا.

(رواہ مسلم)

(۱۴۲۵) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل بولا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر مٹی پر رگڑتے ہیں اور تم کھڑے دیکھا کرتے ہو (ملعون کا مطلب سجدہ کرنا تھا) لوگوں نے کہا ایسا تو ہوتا ہے، اس پر وہ بولا لات اور عزیٰ کی قسم اگر میں نے اس کو ایسا کرتے دیکھ پایا تو میں اس کی گردن رگڑ دوں گا (والعیاذ باللہ) اتفاق سے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے اس نے بھی دیکھ لیا تو اپنے اسی بیہودہ ارادہ سے آگے بڑھا تو لوگوں نے کیا دیکھا کہ ناگہاں وہ پیروں کے بل اپنے پیچھے لوٹ رہا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوئے سامنے کسی چیز سے بچ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا یہ کیا ماجرا تھا وہ بولا میرے اور آپؐ کے درمیان ایک خندق نظر آتی ہے جس میں آگ اور طرح طرح کی خوف ناک چیزیں تھیں اور کچھ مخلوق ایسی ہے جس کے بازو اور پر ہیں آپؐ نے فرمایا اگر وہ میرے ذرا قریب آتا فرشتے اس کو اُچک کر لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ (مسلم شریف)

الرسول الاعظم و الایات العظام ببرکته صلوات اللہ و سلامه علیه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار برکت سے ظاہر ہونے والی چند اور بڑی بڑی نشانیاں

(۱۴۲۶) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍؓ قَالَ اِنْطَلَقَ نَفَرٌ مِّنْ

(۱۴۲۶) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ

(۱۴۲۶) * انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات عملی طور پر بھی ہوتی ہیں آپ نے ان کی قلبی کرامت رفع کرنے کے لیے یہ حکم فرمایا ﷺ .....

www.besturdubooks.net

اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفْرَۃٍ سَافَرُوْھَا حَتّٰی نَزَلُوْا عَلٰی حَیٍّ مِنْ اَحْیَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوْھُمْ فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمْ فَلُدِغَ سَیِّدُ ذَالِکَ الْحَیِّ فَسَعَوْالَہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ لَایَنْفَعُہٗ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لَوْ اَتَیْتُمْ ھٰؤُلَاءِ الرَّھْطَ الَّذِیْنَ نَزَلُوْا لَعَلَّ اَنْ یَّکُوْنَ عِنْدَ بَعْضِھِمْ شَیْءٌ فَاَتَوْھُمْ فَقَالُوْا یَا اَیُّھَا الرَّھْطُ اِنَّ سَیِّدَنَا لُدِغَ وَ سَعَیْنَا لَہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ لَا یَنْفَعُہٗ فَھَلْ عِنْدَ اَحَدٍ مِّنْکُمْ شَیْءٌ فَقَالَ بَعْضُھُمْ نَعَمْ وَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْقِیْ وَ لٰکِنْ وَ اللّٰہِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَا کُمْ فَلَمْ تُضَیِّفُوْنَا فَمَا اَنَا بِرَاقٍ لَکُمْ حَتّٰی تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا فَصَالَحُوْھُمْ عَلٰی قَطِیْعٍ مِنَ الْغَنَمِ فَانْطَلَقَ یَتْفُلُ عَلَیْہِ وَ یَقْرَأُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فَکَاَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ یَمْشِیْ وَمَا بِہٖ عِلَّۃٌ قَالَ فَاَوْفُوْھُمْ جُعْلَھُمُ الَّذِیْ صَالَحُوْھُمْ عَلَیْہِ فَقَالَ بَعْضُھُمْ اِقْسِمُوْا فَقَالَ

وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت ایک سفر میں چلی تو عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ میں جا کر اترے اور صحابہؓ نے ان سے ضیافت چاہی اور کچھ کھانے کو مانگا تو انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا تو لوگوں نے ہر قسم کی دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تو ان میں سے کسی نے کہا کاش تم اسی جماعت کے پاس چلے جاتے جو یہاں آ کر اترے ہوئے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز کام کی ہو۔ تو وہ لوگ ان صحابہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور ہم نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی جھاڑ پھونک ہے؟ ایک نے کہا ہاں بخدا میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں لیکن جب ہم نے تم سے کھانا مانگا تھا تب تو تم نے ہمیں کچھ کھانے کو دیا نہیں تو اب خدا کی قسم میں بھی اب دم نہ کروں گا جب تک تم لوگ ہم کو کچھ معاوضہ نہ دو گے ان لوگوں نے صحابہؓ سے بکریوں کی ایک ٹکڑی پر صلح کر لی تو وہ صحابی گئے اور مریض پر تھتکارنے لگے اور سورۃ الحمد للہ رب العٰلمین پڑھ کر پھونکنے لگے پھر تو وہ ایسا چنگا ہو گیا جیسے جانور کی پچھاڑی کھول دی جائے (وہ اچھی طرح چلنے پھرنے لگا) اسے کوئی تکلیف نہ رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے صحابہ کو جو معاوضہ طے ہوا تھا پورا پورا دے دیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ آؤ یہ بکریاں آپس میں بانٹ لیں مگر جھاڑنے والے نے کہا نہیں ایسا نہ کرنا۔ پہلے ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو

لِلّٰہِ ..... کہ میرا حصہ بھی لگاؤ تاکہ وہ اس کی حلت میں کوئی تردد نہ کریں۔ اس قسم کے متعدد واقعات حدیثوں میں نظر پڑتے ہیں جن میں خود آپ نے اپنا حصہ بھی مقرر فرمایا یا اس میں سے کچھ تناول فرمایا ہے۔ یہاں اس عہد میمون کی یہ نزاہت قابل یادداشت ہے کہ قرآن کریم پر اُجرت لینے کا سوال ہی ان کے سامنے نہ تھا جب ان کی بداخلاقی پر یہ صورت سامنے آ گئی تو اب اس کی حلت کو اتنی اہمیت دی گئی کہ معاملہ آپ کی عدالت تک جا پہنچا۔ یہ واضح رہے کہ کسی دم پر اجرت لینا الگ بات ہے اور تعلیم پر اجرت لینا بالکل الگ بات ہے۔ ہمارے زمانے میں اب بڑے عالم ہونے کا معیار ہی یہ قائم ہو گیا ہے کہ اس کی تنخواہ سب سے ڈبل ہو۔ افسوس صد افسوس۔ والد مرحوم نے کیا خوب فرمایا:

کبھی قطرہ میں گردش تھی اور اب صحراء میں تنگی ہے
مجھے حیرت ہے ہستی پر کہ کل کیا تھی اور اب کیا ہے

میں نے یہ سطور فتویٰ دینے کی غرض سے نہیں لکھیں البتہ میں نے استاد الاساتذہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کو آخری عمر میں پونے دو سو تنخواہ بمشکل قبول کر کے روتے دیکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

www.besturdubooks.net

الَّذِی رَقٰی لَا تَفْعَلُوْا حَتّٰی نَاتِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرُوْا لَہٗ فَقَالَ وَ مَا یُدْرِیْکَ اَنَّھَا رُقْیَۃٌ ثُمَّ قَالَ قَدْ اَصَبْتُمْ اِقْسِمُوْا وَ اضْرِبُوْا لِیْ مَعَکُمْ سَھْمًا فَضَحِکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

(رواہ البخاری)

کر وہ سارا واقعہ جو گزرا ہے بیان کر لیں پھر یہ معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں- وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا- آپ نے فرمایا تم کیسے سمجھے کہ یہ سورت ایک منتر کا کام بھی دیتی ہے پھر فرمایا تم لوگوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا لے جاؤ اور ان کو آپس میں بانٹ لو اور دیکھو اپنے ساتھ میرا بھی اس میں سے حصہ لگانا- یہ کہہ کر آپ ہنس دیئے صلی اللہ علیہ وسلم- (بخاری شریف)

(۱۴۲۷) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَھْلِہٖ فَلَمَّا رَاٰی مَابِھِمْ مِنَ الْحَاجَۃِ خَرَجَ اِلَی الْبَرِیَّۃِ فَلَمَّا رَاَتِ امْرَاَتُہٗ قَامَتْ اِلَی الرَّحٰی فَوَضَعَتْھَا وَ اِلَی التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْہُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ اِلَی الْجَفْنَۃِ قَدْ مُتَلَأَتْ قَالَ وَ ذَھَبَتْ اِلَی التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْہُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ مَا اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتْ اِمْرَاَتُہٗ نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا وَ قَامَ اِلَی الرَّحٰی فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اِنَّہٗ لَوْ لَمْ یَرْفَعْھَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ.

(رواہ احمد)

(۱۴۲۷) حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا جب اس نے اپنے گھر والوں کی تنگی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا جب اس کی بیوی نے یہ حال دیکھا تو چکی کے پاس پہنچی تو اوپر کا پاٹ اس پر رکھ کر درست کیا- پھر چولھے کے پاس جا کر اسے جلایا- اس کے بعد اس نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو روزی دے- اس کے بعد جو اس کی نظر پیالہ پر پڑی تو دیکھا کہ وہ کھانے سے بھرا ہوا ہے- چولھے کے پاس جوئی تو دیکھا وہ (روٹیوں سے) بھرا ہوا ہے- راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں شوہر لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا کیا تم کو میرے جانے کے بعد کوئی چیز نہیں پہنچی؟ وہ بولیں ہاں پہنچی اور ہمارے رب کے پاس سے پہنچی- پھر وہ چکی کی طرف بڑھے (اور اس کے اوپر کا پاٹ اٹھا کر الگ رکھ دیا) تو یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے بیان کی- آپؐ نے فرمایا اگر وہ اس چکی کا پاٹ نہ اٹھاتے تو وہ قیامت کے دن تک برابر چلتی رہتی- (رواہ احمد)

(۱۴۲۸) وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اُحُدٌ دَعَانِیْ اَبِیْ

(۱۴۲۸) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ جب غزوۂ احد شروع ہوا تو میرے والد بزرگوار نے شب کو مجھ سے کہا کہ آپ کے صحابہ میں سے جو

(۱۴۲۷) * یہ قدرت کے راز ہیں کہ وہ کبھی کبھی اس قسم کے برکات بھی ظاہر فرماتی رہتی ہے مگر کسی اتفاق سے پھر از خود ایسے سامان مہیا فرما دیتی ہے کہ وہ قائم نہیں رہتے- گذشتہ اوراق میں آپ اس قسم کے دوسرے واقعات بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں- ظاہر تو اس لیے فرماتی رہتی ہے کہ ماننے والے اس کی قدرتِ کاملہ کا اپنی آنکھوں سے گاہ گاہ مشاہدہ بھی کرتے رہیں پھر ان کو صفحۂ ہستی سے گم اس لیے کر دیتی ہے کہ مؤمنین کے لیے غیبی ایمان لانے پر پردہ پڑا رہے- یہ مضمون بہت تفصیل طلب ہے مگر اب دماغ و قلم میں ہمت نہیں اس لیے مختصرا اشارہ کیے بغیر رہا بھی نہیں جاتا-

www.besturdubooks.net

مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ مَا اَرَانِيْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِيْ اَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنِّيْ لَا اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَ اسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَيْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِيْلٍ وَ دَفَنْتُ مَعَهُ اٰخَرَ فِيْ قَبْرِهٖ ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِيْ اَنْ اَتْرُكَهُ مَعَ اٰخَرَ فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَاِذَا هُوَ كَيَوْمٍ وَ ضَعْتُهُ غَيْرَ اُذُنِهٖ فَجَعَلْتُهُ فِيْ قَبْرٍ عَلٰى حِدَةٍ. (رواه البخاری)

سب سے پہلے شہید ہونے والے ہیں میرا خیال ہے کہ میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا اور دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تم سے زیادہ مجھ کو کوئی شخص پیارا نہیں جو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں- دیکھو میرے ذمہ کچھ قرض رہ گیا ہے اس کو تم ادا کر دینا اور تمہاری کچھ بہنیں ہیں ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک رکھنا- جب صبح ہوئی تو وہی شہداء میں سب سے پہلے شخص تھے- میں نے شہداء کی کثرت کی وجہ سے شروع میں دوسرے شخص کے ساتھ ایک ہی قبر میں ان کو دفن تو کر دیا مگر بعد میں میرا دل اس پر راضی نہ ہو سکا کہ میں ان کو دوسروں کے ساتھ رکھوں تو میں نے ان کو چھ ماہ کے بعد نکال کر ایک قبر میں علیحدہ دفن کیا- عجیب بات یہ تھی کہ اتنی طویل مدت میں کان کے ذرا سے حصہ کے سوا ان کا سارا جسم اس طرح موجود تھا گویا کہ آج ہی ان کو دفن کیا ہو- (بخاری شریف)

الرسول الاعظم و الهداية و البركة في العلم و المال بدعائه صلوات الله و سلامه عليه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مبارک سے حصولِ ہدایت اور علم و مال میں خیر و برکت

(۱۴۲۹) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تُرِيْحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ فَقُلْتُ بَلٰى وَ كُنْتُ لَا اَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهُ عَلٰى صَدْرِيْ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ يَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ فَانْطَلَقَ فِيْ مِائَةٍ وَّ خَمْسِيْنَ فَارِسًا مِنْ اَحْمَسَ فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَ كَسَرَهَا. (متفق علیہ)

(۱۴۲۹) جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھ کو خطاب کر کے فرمایا کیا تم اس ''ذی الخلصہ'' (بتکدہ) کو نیست و نابود کر کے مجھ کو راحت نہیں پہنچا سکتے- میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ ضرور- میں گھوڑے پر جم کر سوار نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں نے آپؐ سے اپنی اس شکایت کا تذکرہ کر دیا- آپؐ نے میرے سینے پر اپنے دستِ مبارک کی ایک ضرب لگائی جس کا اثر میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا پھر یہ دعا دی ''خداوندا اس کو جم کر بیٹھنے کی قوت عطا فرما اور اس کو ہادی و مہدی بنا دے'' یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آج کا دن ہے کہ میں اپنے گھوڑے سے کبھی نہیں گرا- العرض قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر یہ گئے اور اس بتکدہ کو توڑ پھوڑ کر جلا کر خاک سیاہ کر کے چلے آئے- (متفق علیہ) صحیح بخاری میں اتنا اور ہے کہ جب ہم نے آپ کو اطلاع دی تو آپؐ نے مجھ کو اور قبیلہ احمس کو دعا دی-

(۱۴۲۹) * یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے لیکن ہمارے بعض سیرت نگاروں نے اس کو صرف صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے- امام بخاریؒ نے باب مناقب جریر بن عبداللہ میں اس واقعہ کو کچھ تغیر کے ساتھ ذکر کیا ہے-

www.besturdubooks.net

(۱۴۳۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَحَبَّهُمَا اِلَى اللّٰهِ فَاَسْلَمَ عُمَرُ وَ رُوِىَ اَنَّ الدَّعْوَةَ كَانَتْ فِيْ يَوْمِ الْاَرْبَعَاءِ فَاَسْلَمَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَ اَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ الْاِسْلَامَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ. (رواه البخاری)

(۱۴۳۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے میرے اللہ! عمر بن الخطابؓ یا ابوجہل بن ہشام میں سے تجھے جو شخص محبوب اور پیارا ہو اس کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کو قوت اور غلبہ عطا فرما- تو بس عمر بن الخطابؓ ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے اور محبوب تھے اور حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے- روایت میں ہے کہ یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھ کے دن فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ جمعرات کو اسلام لے آئے- اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام کو سر بلند فرمایا- عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم سب باعزت اور سر بلند ہو گئے- (بخاری شریف)

(۱۴۳۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ وَضَعَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَتَى الْخَلَاءَ وَضُوْءً فَقَالَ لَمَّا خَرَجَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟ فَقِيْلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ضَمَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى صَدْرِهٖ وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَلْحِكْمَةَ وَ ظَهَرَتْ اِجَابَةُ دَعْوَتِهٖ حَتّٰى كَانَ يُسَمَّى الْحِبْرُ وَ قَالَ فِيْهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَوْ اَدْرَكَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَسْنَانَنَا لَمَا عَشَرَهٗ مِنَّا اَحَدٌ وَ كَانَ عُمَرُ يُقَدِّمُهٗ وَ يُدْخِلُهٗ مَعَ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ وَ عِلْمُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَشْهُوْرٌ فِي الْاُمَّةِ. (رواه الشیخان)

(۱۴۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی رکھ دیا اور اس وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا تشریف لے گئے تھے- جب آپ تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ ابن عباسؓ نے- آپؐ نے دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ ان کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما- (ایک دوسری روایت میں ہے کہ) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک سے لگا کر پھر یہ دعا فرمائی' الٰہی ان کو قرآن کا علم دے اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اور حکمت کا علم دے پھر آپ کی دعا کی مقبولیت کے آثار ظاہر ہوئے کہ لوگ ان کو "حبر امت" کہنے لگے- ان کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابن عباسؓ ہم لوگوں کی عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کو دس بہترین آدمیوں میں سے (عشرہ مبشرہ) خارج نہ کر سکتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر معاملات میں ان کو آگے بڑھاتے تھے اور ان کو اکابر صحابہ میں داخل کیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علم تو لوگوں میں مشہور ہی ہے- (بخاری و مسلم)

(۱۴۳۰) * تقدیر الٰہی سے اسلام ان دو میں سے صرف ایک ہی کا مقدر و طے تھے اس وجہ سے پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے دعا کا عنوان بھی اسی کے مطابق صادر ہوا کہ اے اللہ اسلام کو عزت دے ان دو میں سے اس ایک کے اسلام کے ذریعہ جو تیری بارگاہ میں زیادہ محبوب ہو عمر بن الخطابؓ کے ذریعہ یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے-

www.besturdubooks.net

(۱۴۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّیْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَهِیَ مُشْرِكَةٌ فَدَعَوْتُهَا یَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِیْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّیْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَ تَاْبٰی عَلَیَّ فَدَعَوْتُهَا الْیَوْمَ فَاَسْمَعَتْنِیْ فِیْكَ مَا اَكْرَهُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ یَّهْدِیَ اُمَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصِرْتُ اِلَی الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّیْ خَشْفَ قَدَمَیَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ وَ سَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ وَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَ عَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ فَقَالَتْ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) فَاَتَیْتُهُ وَ اَنَا

(۱۴۳۲) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں ان کو دعوتِ اسلام دیا کرتا تھا ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجھ کو ایک ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا اور آپ کی خدمت میں روتا ہوا پہنچا اور بولا یا رسول اللہ میں اپنی والدہ کو ہمیشہ اسلام کی دعوت دیا کرتا مگر وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں لیکن آج کا واقعہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کے متعلق مجھ کو ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا تو اب اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے۔ آپؐ نے فوراً یہ دعا دی کہ الٰہی ابو ہریرہؓ کی ماں کو اسلام کی توفیق بخش دے۔ پھر کیا تھا آپؐ کی دعا کی وجہ سے میں خوش ہوتا ہوا گھر کے دروازے کے پاس پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھڑا[1] ہوا ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ پائی تو فرمایا ابو ہریرہؓ باہر ہی رہنا۔ ادھر مجھ کو پانی بہانے کی آواز آئی وہ غسل فرما چکی تھیں اور اپنا کرتہ پہن رہی تھیں فوراً اپنی اوڑھنی اوڑھنے کے لیے جھپٹیں اور فوراً دروازہ کھول دیا اور مجھ کو آواز دے کر بولیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اس مرتبہ خوشی کے مارے روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور ابو ہریرہؓ

(۱۴۳۲) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اکثر یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ پلک جھپکنے نہ پاتی کہ وہ دراستجابت پر جا پہنچتی ادھر آپ دعا فرماتے ادھر آثار قبولیت و برکات نظروں کے سامنے آ جاتے۔ اس کے تجربے صرف ایک دو بار نہیں شب و روز صحابہؓ دیکھا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ خوش نصیب آنکھیں آج بھی دیکھتی رہتی ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی والدہ کی کہاں وہ ضد اور آن کی آن میں کہاں یہ کایا پلٹ۔ اب اگر ابو ہریرہؓ خوشی کے چند آنسو نہ بہادیتے تو اور کیا کرتے۔ غلاموں کا ناز دیکھئے کہ دوسری دعا کے لیے بکھر پڑے اور آقا کی ناز برداری دیکھئے کہ اسی وقت فوراً دعا کے لیے تیار ہو گئے پھر ربّ السمٰوات والارضین کی رحمت کا نظارہ کیجئے کہ کس طرح اس نے دراجابت وا کر دیئے کہ آپ کی دونوں دعاؤں کے اثر۔ اس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ لیے جیسا ہاتھ کی انگلیاں جس میں نہ کوئی استعارہ تھا نہ مجاز نہ کوئی آنکھوں کی الٹ پھیر۔ اسی لیے یہاں معتزلہ بے چارے بھی اقرار کر لینے پر مجبور ہو گئے اور استجابت دعا کے معجزہ ہونے کے وہ بھی قائل ہو گئے۔

[1] یعنی بند ہے۔

www.besturdubooks.net

اَبْكِیْ مِنَ الْفَرَحِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَبْشِرْ فَقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَکَ وَ هَدٰی اُمَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَحَمِدَاللّٰهَ وَ قَالَ خَیْرًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ یُّحَبِّبَنِیْ وَ اُمِّیْ اِلٰی عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ یُحَبِّبَهُمْ اِلَیْنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَیْدَکَ هٰذَا یَعْنِیْ اَبَاهُرَیْرَةَ وَ اُمَّهٗ اِلٰی عِبَادِکَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ حَبِّبْ اِلَیْهِمَا الْمُؤْمِنِیْنَ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ مُؤْمِنٍ یَسْمَعُ بِیْ وَ لَا یَرَانِیْ اِلَّا اَحَبَّنِیْ. (رواه مسلم)

کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائی - اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی تعریف اور دعا کے کلمات فرمائے - یہ سماں دیکھ کر میں بول پڑا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب یہ دعا بھی کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری والدہ کو مسلمانوں میں محبوب بنا دے اور ان کو ہماری نظروں میں محبوب بنا دے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی وقت دعا دی الٰہی اپنے اس بندہ یعنی ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اور اس کی والدہ کو اپنے مؤمن بندوں کی نظروں میں محبوب بنا دے اور مومنوں کو ان کی نظروں میں محبوب بنا دے اس کے بعد پھر کوئی مؤمن نہ بچا جو مجھ کو دیکھے بغیر صرف میرا نام سن کر مجھے محبوب نہ رکھتا ہو -

(مسلم شریف)

(۱۴۳۳) عَنْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ وَ اَبَتِ امْرَءَ تُهٗ اَنْ تُسْلِمَ فَاَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِبْنَتِیْ وَ هِیَ فَطِیْمٌ اَوْ شِبْهُهٗ وَقَالَ رَافِعٌ اِبْنَتِیْ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُقْعُدْ نَاحِیَةً وَ قَالَ لَهَا اُقْعُدِیْ نَاحِیَةً وَ اَقْعَدَ الصَّبِیَّةَ بَیْنَهُمَا ثُمَّ قَالَ اُدْعُوَاهَا فَمَالَتِ الصَّبِیَّةُ اِلٰی اُمِّهَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اهْدِهَا فَمَالَتْ اِلٰی اَبِیْهَا فَاَخَذَهَا. (رواه ابوداؤد و اخرجه النسائی فی باب اسلام احد الزوجین و تخییر الولد و رواه الحاکم فی المستدرك)

(۱۴۳۳) رافع بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور میری بی بی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا - ہماری ایک لڑکی تھی اس کے* بارے میں جھگڑا ہوا اس کو کون لے - میری بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یہ بالکل بچی ہے ابھی ابھی اس کا دودھ چھوٹا ہے - رافع نے کہا یہ میری لڑکی ہے مجھ کو ملنی چاہیے یہ دیکھ کر آپؐ نے رافع سے کہا جاؤ تم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ اور عورت سے کہا تم بھی دوسرے گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ پھر لڑکی کو ان دونوں کے درمیان بٹھا دیا اس کے بعد اس کے والدین سے فرمایا اس کو بلاؤ وہ جدھر چلی جائے اسی کے پاس لڑکی رہے گی - وہ لڑکی اپنی ماں کی طرف جانے لگی - آپؐ نے دعا فرمائی' خداوندا اس کو ہدایت عطا فرما - بس وہ فوراً اپنے باپ کی طرف آ گئی اور فیصلہ کے مطابق انہوں نے اپنی لڑکی لے لی -

(۱۴۳۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی عَلٰی عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ امْرَءَ ةً قَالَ کَمْ سُقْتَ اِلَیْهَا قَالَ وَزْنَ

(۱۴۳۴) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر (زعفرانی) زردی کا اثر دیکھا تو آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیسا رنگ ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے - آپؐ نے فرمایا کس قدر مہر اس کو دیا ہے -

(۱۴۳۳) * کسی نے اس کو اسلامی فیصلہ سمجھ کر تخییر کا حکم باقی رکھا ہے اور کسی کا خیال یہ ہے کہ یہ کھلا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا - منظور یہ تھا کہ اسلام وکفر کے اختلاف کے ہوتے ہوئے بچی مسلمان رہے اور طرفداری بھی ثابت نہ ہو -

www.besturdubooks.net

نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ قَالَ فَبَارَکَ اللّٰهُ لَکَ اَوْلِمْ وَ لَوْبِشَاةٍ.(رواہ الشیخان)

عرض کیا (یارسول اللہ) گٹھلی بھر سونا! آپ نے دعائے برکت دی اور فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی کر سکو۔ (بخاری ومسلم)

(۱۴۳۵) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ لَمَّا قَدِمَ اٰخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ فَعَرَضَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ اَنْ يُّنَاصِفَهٗ اَهْلَهٗ وَ مَا لَهٗ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِيْ اَهْلِکَ وَ مَالِکَ دُلَّنِيْ عَلَى السُّوْقِ فَمَا انْقَلَبَ اِلَّا بِسَمْنٍ وَ اَقِطٍ ثُمَّ تَابَعَ الْغَدْوَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ فَظَهَرَتْ بَرَكَةُ دَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ مِنْ مَالِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ مَا قَالَهُ الزُّهْرِيُّ اَنَّهٗ تَصَدَّقَ بِاَرْبَعِمِائَةِ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَ حَمَلَ عَلٰى خَمْسِمِائَةِ بَعِيْرٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَ كَانَ عَامَّةُ مَالِهِ التِّجَارَةَ وَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ اقْتَسَمَ نِسَاءُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ثُمُنَهُنَّ فَكَانَ ثَلَاثَمِائَةٍ وَّ عِشْرِيْنَ اَلْفًا وَ قَالَ الزُّهْرِيُّ اَوْصٰى عَبْدُالرَّحْمٰنِ لِمَنْ شَهِدَ بَدْرًا فَوَجَدُوْا مِائَةً لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَرْبَعَمِائَةِ دِيْنَارٍ وَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَتْنِيْ اُمُّ بَكْرٍ بِنْتُ الْمِسْوَرِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بَاعَ اَرْضًا بِاَرْبَعِيْنَ اَلْفَ دِيْنَارٍ فَقَسَمَهَا فِيْ فُقَرَاءِ بَنِيْ زُهْرَةَ وَ فِي الْمُهَاجِرِيْنَ وَ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِحَدِيْقَةٍ قُوِّمَتْ بِاَرْبَعِمِائَةِ اَلْفٍ.(رواہ الشیخان)

(۱۴۳۵) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے دستور کے مطابق ان کا اور سعد بن الربیعؓ کا بھائی چارہ کرا دیا اس کے بعد سعد نے چاہا کہ اس رشتہ کے بموافق عبدالرحمٰن ان کے مال اور بیویوں میں نصف نصف کے شریک ہو جائیں (حتیٰ کہ وہ ایک بیوی کو طلاق دے دیں اور عبدالرحمٰن اس سے نکاح کر لیں) عبدالرحمٰن نے اس بے نظیر پیشکش کے جواب میں کہا' اللہ تمہارے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے مجھ کو تو تم بازار بتا دو کدھر ہے۔ یہ گئے اور معمولی سی تجارت کر کے اتنا نفع حاصل کر لیا کہ اس سے کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر اپنے گھر واپس آئے۔ دوسرے دن پھر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا پورا قصہ نقل کیا۔ آپؐ کی دعا کے اثر سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اتنے مال دار ہو گئے کہ حسب بیان زہری چار لاکھ دینار تو انہوں نے صدقہ و خیرات میں صرف کیے اور پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ جہاد کے لیے لوگوں کو دیئے تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ ان کا یہ سب مال تجارت کی کمائی کا تھا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ان کی بیبیوں نے جب ان کے ترکہ میں اپنا آٹھواں حصہ باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں ۳۲۰۰۰۰ آیا۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ نے بدری صحابہ کے لیے وصیت کی ان میں ہر شخص کو چار چار سو دینار دیئے جائیں۔ وہ اس وقت شمار کیے گئے تو اس وقت وہ سو کی تعداد میں موجود تھے۔ عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ ام بکر کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن نے چالیس ہزار دینار کی ایک زمین فروخت کی تھی اور اس کو فقراء مہاجرین اور بنو زہرہ کے محتاج اور امہات المومنین میں تقسیم کر دیا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے امہات المومنین کے لیے ایک باغ کی وصیت کی تھی جس کی قیمت لگائی گئی تو چار لاکھ تھی۔

(۱۴۳۶) وَ عَنْ اَبِيْ مُحَمَّدٍ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ

(۱۴۳۶) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ابومحمد بن عبدالرحمٰن رضی

(۱۴۳۶) ٭ اس ایک واقعہ سے عرب کی تہذیب و اخلاق کی بلندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چند دن قبل اسلام سے پیشتر وہ ﷲ .....

www.besturdubooks.net

اَبِی بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ کَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَرَّةً مَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اثْنَیْنِ فَلْیَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَ مَنْ کَانَ عِنْدَهٗ طَعَامُ اَرْبَعَةٍ فَلْیَذْهَبْ بِخَامِسٍ بِسَادِسٍ اَوْ کَمَا قَالَ وَ اَنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَ انْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرَةٍ وَ اَنَّ اَبَابَکْرٍ تَعَشّٰی عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰی صَلَّی الْعِشَاءَ ثُمَّ رَجَعَ فَجَاءَ بَعْدَ مَامَضٰی مِنَ اللَّیْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ قَالَتِ امْرَاَتُهٗ مَا حَبَسَکَ عَنْ اَضْیَافِکَ قَالَ اَوَ مَا عَشَّیْتِهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰی تَجِیْءَ وَ قَدْ عَرَضُوْا عَلَیْهِمْ قَالَ فَذَهَبْتُ اَنَا فَاخْتَبَاْتُ. فَقَالَ یَا غُنْثَرُ فَجَدَّعَ وَ سَبَّ وَ قَالَ کُلُوْا لَا هَنِیْئًا وَ اللّٰهِ لَا اَطْعَمُهٗ اَبَدًا' قَالَ وَ اَیْمُ اللّٰهِ مَا کُنَّا نَاْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ اِلَّا رَبَا مِنْ اَسْفَلِهَا اَکْثَرُ مِنْهَا حَتّٰی شَبِعُوْا وَ صَارَتْ اَکْثَرَ مِمَّا کَانَتْ قَبْلَ ذٰلِکَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ یَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ مَا هٰذَا قَالَتْ لَا وَ قُرَّةِ عَیْنِیْ لَهِیَ الْاٰنَ

اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ محتاج لوگ تھے ان کا انتظام مدت تک یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا شخص اپنے ہمراہ لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو ساتھ لے جائے اور پھر اسی حساب سے بقیہ لوگ بھی اصحاب صفہ میں سے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین اشخاص کو اپنے ساتھ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن شب کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تناول فرمایا اور عشاء کی نماز بھی وہیں ادا فرمائی' پھر بڑی رات گئے اپنے گھر آئے۔ ان کی اہلیہ نے دریافت کیا کہ آپ کو اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے میں اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ انہوں نے تعجب سے فرمایا ارے کیا اتنی رات گئے تک تم نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے عرض کی کھانا تو ان کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا مگر انہوں نے آپ کے آنے سے پہلے اس کا کھانا گوارا نہ کیا۔ میں یہ باتیں سن کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ سمجھ گیا اور گھر کے کسی گوشہ میں جا چھپا انہوں نے غصہ کے لہجہ میں مجھے آواز دی خوب برا بھلا کہہ کر فرمایا کہ تم سب کھانا کھاؤ اور خود کھانا کھانے پر قسم کھا بیٹھے۔ آخر کار اس قسما قسمی کے بعد کھانا شروع ہو گیا اور بخدا جو لقمہ ہم اٹھاتے اس میں ایسی برکت نظر آتی کہ وہ جتنا کم ہوتا نیچے سے اس سے زیادہ اُبھر جاتا یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر بھی ہو گئے اور کھانا جتنا تھا' وہ پہلے سے زیادہ نظر آتا تھا۔* ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ماجرا دیکھ کر اپنی بی بی سے

---

* ..... کس حالت میں پڑے ہوئے تھے اور اب کہاں سے کہاں جا پہنچے تھے۔ میزبانی کس انداز کی تھی اور مہمانوں کی تہذیب کس حد تک یہ معجزہ کچھ کم قابل اعتنا نہیں۔ یہاں غصہ میں ابوبکرؓ کے قسم کھا لینے اور بعد میں اس کے توڑ دینے سے ایک شرعی مسئلہ بھی معلوم ہو گیا۔ اصحاب صفہ کی احتیاج اور ان کی اتنی باعزت طور پر ضیافت کا اندازہ بھی فرمایئے پھر اسی کے ساتھ اسلامی نظم ونسق کا حال بھی کچھ معلوم کیجئے کیا اب بھی کوئی ایسا نظام قائم کر سکتا ہے جو محتاجوں کو اپنے ابنائے جنس بنا کر اس اکرام کے ساتھ ہمدردی کرتا ہو۔ آج جدید تعلیم کی بلند پروازیوں کے بعد بھی ایک دوسرے کی عزت و مال کا بھیڑیا بنا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ کوئی دنیوی قانون نہ تھا بلکہ صرف خوف الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا * .....

www.besturdubooks.net

اَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذَالِكَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ فَاَكَلَ مِنْهَا اَبُوْبَكْرٍ وَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ ذَالِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ يعني يَمِيْنَهُ ثُمَّ اَخَذَمِنْهَا لُقْمَةً ثُمَّ حَمَلَهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصْبَحَتْ عِنْدَهُ وَ كَانَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا عُهْدَةٌ فَمَضَى الْاَجَلُ فَتَفَرَّقْنَا اِثْنَى عَشَرَ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ اُنَاسٌ اَللّٰهُ اَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ فَاَكَلُوْا مِنْهَا اَجْمَعُوْنَ وَ فِي رواية ذكر حلف الاضياف بترك الطعام بتركه ابابكر ثم اكله معهم و ان النبي صلى الله عليه وسلم اكل منها. (رواه الشيخان)

بولے او بنی فراس کی بیٹی یہ کیا تماشہ ہے انہوں نے جواب دیا میرے آنکھوں کی ٹھنڈک' یہ تو پہلے سے بھی سہ گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس میں سے کھایا اور اپنی اس ناگواری پر کہا کہ یہ سب شیطان کی بات تھی۔ مطلب یہ کہ میرا قسم کھا بیٹھنا ایک فعل شیطانی کا نتیجہ تھا پھر ایک لقمہ لے کر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے وہ صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہی رہا۔ اتفاق سے ہمارے اور کفار کے درمیان معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہوگئی اور ہم بارہ اشخاص متفرق طور پر چل دیے۔ ہر شخص کے ساتھ کچھ لوگ ہو لیے۔ یہ پورا اندازہ خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ہر ہر شخص کے ساتھ کتنے کتنے آدمی ہوں گے مگر سب نے ہی وہ کھانا کھالیا۔

(بخاری ومسلم)

(۱۴۳۷) رَوَى الْبُخَارِيُّ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى اُمِّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَ سَمْنٍ. فَقَالَ اَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهِ وَ تَمْرَكُمْ فِيْ وِعَائِهِ ثُمَّ قَامَ اِلَى نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَصَلَّى غَيْرَ مَكْتُوْبَةٍ فَدَعَى لِاُمِّ سُلَيْمٍ وَ اَهْلِ بَيْتِهَا. فَقَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ خُوَيْصَةً فَقَالَ مَا هِيَ؟ قَالَتْ خَادِمُكَ اَنَسٌ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

(۱۴۳۷) بخاری نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ام سلیمؓ کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ آپ کے پاس کچھ کھجوریں اور گھی لے آئیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ گھی اس کے برتن میں اور یہ اپنی کھجوریں اس کے تھیلے میں واپس رکھ دو پھر حضورؐ اس گھر کے ایک کونہ میں جا کھڑے ہوئے اور آپؐ نے نفل نمازیں پڑھیں پھر ام سلیمؓ کے اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا فرمائی۔ ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ! مجھے ایک خاص بات عرض کرنی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہو وہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ارے وہ آپ کا خدمت گزار لڑکا انسؓ ہے! راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے دنیا اور آخرت کی

لـہ ..... اور جب تک قوم میں پھر یہی خوف پیدا نہ ہوگا اس نظم کا قائم ہونا مشکل ہے۔ آپ ہزار قواعد بنائے جایئے وہ سب بددیانتی کے لیے خوشنما الفاظ سے زیادہ ثابت نہیں ہو سکتے۔

اب رہا کھانے میں برکت یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک روزمرہ کی بات تھی اور غریبوں کے لیے یہ خوان یغمان یونہی بچھا رہا کرتا تھا کبھی کم اور کبھی بیش۔ ہم کو حیرت اس پر ہے کہ معجزات کا مادی حل نکالنے والے بے چارے یہاں کیا حل تلاش کریں گے۔ اگر وہ معذور نظر آئیں تو شروع سے ہی کسی دردسری کی بجائے ان کو معجزات کا باب انسانی قوانین سے الگ سمجھنا چاہیے۔ ع

در عاشقی چنیں بوالعجبا ہست

www.besturdubooks.net

عَنْهُ) قَالَ فَمَا تَرَكَ اٰخِرَةً وَ لَا دُنْيَا اِلَّا دَعٰى بِهٖ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَّ وَلَدًا وَ بَارِكْ لَهٗ فِيْهِ فَاِنِّيْ لَمِنْ اَكْثَرِ الْاَنْصَارِ مَالًا وَ حَدَّثَتْنِيْ اِبْنَتِيْ اُمَيْنَةُ اَنَّهٗ دُفِنَ لِصُلْبِيْ اِلٰى مَقْدَمِ الْحَجَّاجِ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ وَ مِائَةٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لمسلم دَعَا لِيْ بِثَلَاثِ دَعَوَاتٍ قَدْ رَاَيْتُ مِنْهَا اِثْنَتَيْنِ وَ اَنَا اَرْجُو الثَّالِثَةَ فِي الْاٰخِرَةِ.

کوئی چیز نہ چھوڑی جس کی ان کے لیے دعا نہ کردی ہو- اے اللہ ان کو مال اور اولاد دے اور ان کو اس میں برکت بھی دے- بس یہی وجہ ہے کہ میں آج تمام انصاریوں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں- اور مجھ سے میری لڑکی امینہ کہتی تھی کہ جب حجاج بصرہ کا حاکم بن کر آیا ہے اس وقت تک کچھ اوپر ایک سو بیں تو خود میرے بچے دفن کیے جا چکے تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں تین باتوں کی دعا فرمائی- ان میں سے دو کا پورا ہونا تو میں نے دیکھ لیا اب آخرت میں تیسری دعا دیکھنے کی امید رکھتا ہوں-

(۱۴۳۸) عَنْ اَبِيْ خَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي الْعَالِيَةِ سَمِعَ اَنَسٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَدَمَهٗ عَشْرَ سِنِيْنَ وَ دَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ لَهٗ بُسْتَانٌ يَحْمِلُ فِي السَّنَةِ الْفَاكِهَةَ مَرَّتَيْنِ وَ كَانَ فِيْهَا رَيْحَانٌ يَجِيْءُ مِنْهُ رِيْحُ الْمِسْكِ.

(رواہ الترمذی)

(۱۴۳۸) ابوخلدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے کہا کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انہوں نے دس سال تک کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا بھی فرمائی ہے ان کا پھلوں کا ایک باغ تھا اس میں سال بھر میں دو بار پھل آتے تھے اس میں ایک پیڑ تلسی (ریحان) کا بھی تھا جس میں سے مشک کی خوشبو آتی تھی-

(ترمذی شریف)

(۱۴۳۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ اَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ قَدْ اَعْيَا وَ اَرَدْتُّ اُسَيِّبَهٗ قَالَ فَلَحِقَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَهٗ وَ دَعَا لَهٗ فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهٗ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَقَالَ لِيْ مَا لِبَعِيْرِكَ؟ فَقُلْتُ عَلِيْلٌ قَالَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيْزِهٖ فَدَعٰى لَهٗ فَمَازَالَ يَسِيْرُ بَيْنَ يَدَيِ الْاِبِلِ قُدَّامَهَا فَقَالَ بَرِيْءٌ بَعِيْرُكَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ اَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ فَبِعْنِيْهِ (وَ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ) وَ فِي الترمذي وغيره وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ

(۱۴۳۹) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا اور وہ بہت تھک گیا تھا تو میں چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دوں کہتے ہیں کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے برابر آ گئے اور آپؐ نے اسے چلانے کے لیے مارا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی تو پھر وہ ایسی چال چلنے لگا کہ پہلے اس طرح نہیں چل سکتا تھا- دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے دریافت کیا کہ تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ بیمار ہے- کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اپنی جگہ سے پیچھے کو ہٹے اور اس کے لیے دعا فرمائی بس پھر وہ ہر اونٹ سے آگے ہی آگے چلنے لگا- تو آپؐ نے فرمایا اچھا تمہارا اونٹ اب اچھا ہو گیا؟ میں نے کہا جی ہاں اب ٹھیک ہو گیا آپ کی دعاؤں کی برکتیں اسے مل گئیں- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اچھا اسے میرے ہاتھ بیچ دو- (پھر پوری حدیث بیان کی) اور ترمذی وغیرہ میں

www.besturdubooks.net

اِسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاکَ وَ فِیْ لَفْظِ اَللّٰهُمَّ اَجِبْ دَعْوَتَهٗ وَ سَدِّدْ رَمْيَتَهٗ فَكَانَ سَعْدٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَرْمِيْ اِلَّا يُصِيْبُ وَ لَا يَدْعُوْ اِلَّا اُجِيْبَ.

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے اللہ جب جب یہ سعد تجھ سے دعا مانگے تو ان کی دعا قبول فرما۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ اے میرے اللہ تو ان کی دعا قبول فرما اور ان کا نشانہ ٹھیک بٹھا۔ پھر یہ حال تھا کہ حضرت سعدؓ کا ہر تیر نشانہ پر بیٹھتا تھا اور ہر دعا قبول ہوتی تھی۔

(۱۴۴۰) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرِضْتُ فَعَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَ اِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفَعْنِيْ وَ اِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِيْ. فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اشْفِهٖ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ ثُمَّ قَالَ قُمْ فَقُمْتُ فَمَا عَادَ اِلَى ذٰلِكَ الْوَجَعُ بَعْدُ. (رواه الحاكم في صحيحه)

(۱۴۴۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو آئے اس وقت میں یہ دعا کر رہا تھا کہ اے میرے اللہ اگر میرا وقت آ گیا ہے تو مجھے بیماری سے نجات دے کر راحت دے اور اگر ابھی نہیں آیا تو مجھے آرام کی زندگی عطا فرما اور اگر یہ ابتلا اور آزمائش ہے تو مجھے صبر عطا فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی الٰہی ان کو مرض سے شفا دے۔ پھر فرمایا اٹھ کھڑے ہو تو بس میں اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ درد مجھے دوبارہ کبھی نہیں ہوا۔ (حاکم)

(۱۴۴۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ بَدْرٍ فِيْ ثَلٰثِمِائَةٍ وَ خَمْسَةَ عَشَرَةَ قَالَ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهٗ فَانْقَلَبُوْا وَ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَ قَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ اَوْ جَمَلَيْنِ وَ اكْتَسَوْا وَ شَبِعُوْا. (رواه ابوداؤد)

(۱۴۴۱) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں تین سو پندرہ صحابہ کے ساتھ میدانِ بدر میں نکلے جن کے حق میں آپؐ نے یہ دعا فرمائی الٰہی یہ سب پیادہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما۔ الٰہی یہ سب ننگے ہیں ان کو لباس دے۔ الٰہی یہ سب بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کر رزق دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ایسی دعا قبول فرمائی کہ فتح نصیب ہوئی اور ایک شخص بھی نہ بچا کہ جب وہ لوٹا تو اس کے پاس سواری کے لئے ایک یا دو اونٹ نہ ہوں اور سب کو پوشش بھی نصیب ہوئی اور سب شکم سیر بھی ہو گئے۔ (ابوداؤد)

(۱۴۴۲) عَنْ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَيْنٍ خَرَجْتُ عَاشِرَ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ نَطْلُبُهُمْ فَسَمِعْنَاهُمْ يُؤَذِّنُوْنَ بِالصَّلٰوةِ فَقُمْنَا نُؤَذِّنُ نَسْتَهْزِئُ بِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَمِعْتُ فِيْ هٰؤُلَاءِ تَاْذِيْنَ اِنْسَانٍ حَسَنِ الصَّوْتِ فَاَرْسَلَ اِلَيْنَا فَاَذَّنَّا رَجُلٌ رَجُلٌ وَ كُنْتُ اٰخِرَهُمْ فَقَالَ حِيْنَ اَذَّنْتُ تَعَالَ فَاَجْلَسَنِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَسَحَ عَلٰى نَاصِيَتِيْ وَ بَرَّكَ عَلَيَّ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاَذِّنْ عِنْدَ الْبَيْتِ

(۱۴۴۲) ابو محذورہ رضی اللہ عنہ (مؤذن مکہ اپنے اسلام اور مؤذن ہونے کا قصہ) بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے نکلے تو اہل مکہ میں سے دس افراد ان کی تلاش میں نکلے جن میں دسواں میں تھا ہم نے نماز کے لیے آپؐ کے رفقا کی اذانیں سنیں تو کھڑے ہو کر ان کا مذاق اڑانے کے لیے ہم نے بھی اذانیں دینی شروع کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں ایک شخص کی اذان میں نے سنی جس کی آواز بہت اچھی تھی اور ہمارے بلانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ آپؐ کے سامنے حاضر ہو کر ہم میں سے ہر ہر شخص نے اذان دی۔ سب سے آخر میں میں نے اذان دی۔ جب میں اذان دے چکا تو آپؐ نے مجھ کو بلایا اور سامنے بٹھا کر میری پیشانی کے اوپر اپنا دست مبارک پھیرا اور تین بار برکت کی دعا فرمائی اس کے

www.besturdubooks.net

الْحَرام ثُمَّ ذکر الحدیث. (رواہ النسائی)

بعد مجھ کو حکم دیا جاؤ اور بیت اللہ کے پاس جا کر اذان دیا کرو۔ (نسائی شریف)

(۱۴۴۳) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ ھِشَامٍ کَانَ یَخْرُجُ السُّوقَ فَیَتَلَقَّاہُ ابْنُ الزُّبَیْرِ وَ ابْنُ عُمَر فَیَقُوْلَانِ لَہٗ اَشْرِکْنَا فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لَکَ بِالْبَرَکَۃِ فَیُشْرِکُھُمْ فَرُبَّمَا اَصَابَ الرَّاحِلَۃَ کَمَا ھِیَ فَیَبْعَثُ بِھَا اِلَی الْمَنْزِلِ.

(۱۴۴۳) عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں نکلتے تھے تو ان سے ابن زبیر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ملتے تو یہ دونوں ان سے کہتے ہم کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیجئے کیونکہ رسول اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی تو وہ ان کو بھی شریک کر لیتے تو بسا اوقات تجارت میں ان کو اتنا نفع ہوتا کہ وہ اپنی اونٹنی سامان سے بھری ہوئی جوں کی توں اپنے گھر واپس کر دیتے۔ (بخاری شریف)

(رواہ البخاری فی صحیحہ و اخرجہ صاحب المشکوٰۃ فی الفصل الاول من باب الشرکۃ و الوکالۃ مع تغییر و عزاہ الی البخاری و زاد فیہ)

(۱۴۴۴) عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ الْبَارِقِی قَالَ عُرِضَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَبٌ فَاَعْطَانِیْ دِیْنَارًا وَ قَالَ اَیْ عُرْوَۃُ؟ اِئْتِ الْجَلَبَ فَاشْتَرِ شَاۃً فَاَتَیْتُ الْجَلَبَ فَسَاوَمْتُ صَاحِبَہٗ فَاشْتَرَیْتُ مِنْہُ شَاتَیْنِ بِدِیْنَارٍ فَجِئْتُ بِھِمَا اَسُوْقُھُمَا فَلَقِیَنِیْ رَجُلٌ فَسَاوَمَنِیْ فَاَبِیْعُہٗ شَاۃً بِدِیْنَارٍ فَجِئْتُ بِالدِّیْنَارِ وَ جِئْتُ بِالشَّاۃِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا دِیْنَارُکُمْ وَ ھٰذِہٖ شَاتُکُمْ قَالَ وَ صَنَعْتَ کَیْفَ؟ فَحَدَّثْتُہُ الْحَدِیْثَ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَہٗ فِیْ صَفْقَۃِ یَمِیْنِہٖ فَلَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَقِفُ بِکُنَاسَۃِ الْکُوْفَۃِ فَاَرْبَحُ اَرْبَعِیْنَ اَلْفًا قَبْلَ اَنْ اَصِلَ اِلٰی اَھْلِیْ.

(رواہ الامام احمد فی مسندہ)

(۱۴۴۴) عروہ بن ابی الجعدؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دودھار بکری پیش ہوئی تو آپؐ نے مجھے ایک دینار عطا فرمایا اور کہا اے عروہ! دودھ کے جانوروں میں جا کر ایک بکری خرید لاؤ۔ تو میں جانوروں میں گیا اور اس کے مالک سے بھاؤ تاؤ کیا تو میں نے اس سے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور میں انہیں ہنکاتا ہوا لایا۔ راستے میں مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھ سے ان کا بھاؤ تاؤ کیا تو میں نے اس کے ہاتھ ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بکری اور ایک دینار ساتھ لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ لیجئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دینار ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بکری ہے۔ آپؐ نے فرمایا ارے یہ تم نے کیا تدبیر کی تو میں نے آپؐ سے سارا قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ! ان کی خرید و فروخت میں برکت دیجئے۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ میں کوفہ کے کباڑ خانے میں جا کھڑا ہوتا تھا اور بال بچوں کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے چالیس ہزار منافع کما لیتا تھا۔ (احمد)

(۱۴۴۵) عَنْ اُمِّ خَالِدٍ قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِثِیَابٍ فِیْھَا خَمِیْصَۃٌ سَوْدَاءُ صَغِیْرَۃٌ فَقَالَ مَنْ تَدْوْنَ نَکْسُوْہُ ھٰذِہِ الْخَمِیْصَۃَ فَسَکَتَ الْقَوْمُ فَقَالَ اِئْتُوْنِیْ بِاُمِّ

(۱۴۴۵) حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک کالی اوڑھنی (یا قمیص) بھی تھی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔ یہ اوڑھنی میں کس کو پہنانا چاہتا ہوں؟ سب لوگ چپ رہے۔ اکبارگی آپؐ نے فرمایا ام خالد کو بلاؤ۔ لوگ

(۱۴۴۵) * بعض روایات میں "حتی ذکرت" کا لفظ یاد آتا ہے کہ وہ اتنے دنوں تک باقی رہی کہ اس کی شہرت اڑ گئی۔ کہتے ہیں کہ اس مدت میں وہ ان کے قامت کے ساتھ ساتھ ان کے جسم پر راست آتی رہی۔ یہ بھی عجیب سے عجیب تر ہے کہ ایک غیر نامی چیز نامی شے کی طرح بڑھتی رہے۔

www.besturdubooks.net

خَالِدٍ فَاُتِیَ بِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَلْبَسَنِیْھَا فَقَالَ اَبْلِیْ وَ اَخْلِقِیْ مَرَّتَیْنِ فَجَعَلَ یَنْظُرُ اِلٰی عَلَمِ الْخَمِیْصَۃِ وَ یُشِیْرُ بِیَدِہٖ اِلَیَّ وَ یَقُوْلُ یَا اُمَّ خَالِدٍ ھٰذَا سَنَا وَ السَّنَا بِلِسَانِ الْحَبَشَۃِ الْحَسَنُ فَبَقِیَتْ حَتّٰی ذَکَّتْ. (رواہ الشیخان)

مجھے حضورؐ کے پاس بلا کر لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اوڑھنی مجھے پہنائی اور دو بار یہ دعا دی: خوب پرانا کر اور خوب پہن- پھر اوڑھنی کی دھاریوں کو دیکھنے لگے اور اپنے دستِ مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا اے ام خالد! یہ ''سنا'' ہے- سنا حبشی لفظ ہے اس کے معنی ہیں بہت اچھا- تو وہ اوڑھنی بہت دنوں تک چلتی رہی اور یہاں تک باقی رہی کہ بوسیدہ ہوگئی-
(بخاری و مسلم)

(۱۴۴۶) وَعَنْ یَزِیْدَ عَمْرِو بْنِ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُدْنُ مِنِّیْ فَمَسَحَ بِیَدِہٖ عَلٰی رَأْسِیْ وَ لِحْیَتِیْ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ وَ اَدِمْ جَمَالَہٗ قَالَ الرَّاوِیْ عَنْہُ فَبَلَغَ بِضْعًا وَّ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً وَ مَا فِیْ لِحْیَتِہٖ بَیَاضٌ اِلَّا نَزْرٌ یَسِیْرٌ وَ لَقَدْ کَانَ مُنْبَسِطَ الْوَجْہِ وَ لَمْ یَنْقَبِضْ وَجْھُہٗ حَتّٰی مَاتَ رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَ قَالَ الْبَیْھَقِیُّ اسنادہ صحیح و رواہ الترمذی و قال مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلٰی وَجْھِیْ وَدَعَالِیْ قَالَ عُرْوَۃُ اِنَّہٗ عَاشَ مِائَۃً وَعِشْرِیْنَ سَنَۃً وَلَیْسَ فِیْ رَأْسِہٖ اِلَّاشَعَرَاتٌ بِیْضٌ وقال حدیث حسن.

(۱۴۴۶) یزید عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ذرا میرے قریب آؤ- تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے سر اور ڈاڑھی پر پھیرا پھر فرمایا اے اللہ ان کو حسن و جمال عطا فرما اور ان کے حسن و جمال کو قائم رکھ- راوی ان کا حال یہ بتاتے ہیں کہ ان کی عمر کچھ اوپر اسی کی ہوئی مگر ان کی ڈاڑھی میں بس چند ہی بال سپید ہوئے تھے- وہ بہت ہنس مکھ تھے اور مرتے مرتے ان کے چہرے پر جھریاں نہ پڑیں- (احمد) ترمذی نے یوں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر دستِ مبارک پھیرا اور میرے حق میں یہ دعا فرمائی- عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیں برس تک زندہ رہے مگر ان کے سر میں بس چند ہی بال سفید ہونے پائے تھے-

الرسول الاعظم و البرکۃ فی العمر و الصحۃ بدعائہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائے مبارک سے عمر اور صحت میں معجزانہ برکت اور ترقی

(۱۴۴۷) عَنْ حُزَیْمٍ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ رَجُلٌ ذُوْسِنٍّ وَ ھٰذَا اَصْغَرُ بَنِیَّ قَسَمْتُ عَلَیْہِ قَالَ تَعَالَ یَا غُلَامُ فَاَخَذَ بِیَدِیْ وَ مَسَحَ بِرَأْسِیْ وَ قَالَ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ اَوْ بُوْرِکَ فِیْکَ فَرَأَیْتُ حَنْظَلَۃَ یُؤْتٰی بِالْاِنْسَانِ الْوَارِمِ فَیَمْسَحُ بِیَدِہٖ وَ یَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰہِ فَیَذْھَبُ الْوَرَمُ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ وَ الشَّاۃِ

(۱۴۴۷) حزیمؓ بیان کرتے ہیں کہ (حنظلہ کے والد حنظلہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور) عرض کی یا رسول اللہ! میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور یہ میرا سب سے چھوٹا لڑکا ہے- میں نے اپنا مال اسے بانٹ کر دے دیا ہے- آپؐ نے فرمایا میاں لڑکے آگے آؤ- پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ اللہ تجھ میں برکت دے- یا یوں فرمایا کہ تجھ میں برکت ہو- راوی کہتے ہیں کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال دیکھا کہ ان کے پاس ورم والا انسان (اور دوسری روایت بکری اور

www.besturdubooks.net

وَ الْبَعِيرِ وَ يُذْكَرُ عَنْ اَبِي سُفْيَانَ وَ اِسْمُهٗ مَدْلُوْكٌ اَنَّهٗ ذَهَبَ بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدِهٖ وَ دَعَا لَهٗ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ مُقَدَّمُ رَأْسِهٖ مَوْضِعُ يَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَدَ وَ سَائِرُهٗ اَبْيَضَ. (رواهما البخاري في تاريخه)

اونٹ بھی ہے) لایا جاتا اور حنظلہ اس پر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ پھیر دیتے تو ورم اور سوجن اسی وقت ختم ہو جاتی اور ابوسفیانؓ (جن کا نام مدلوک ہے) بیان کرتے ہیں کہ وہ حنظلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تو وہ اسلام لے آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمادی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔تو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک ان کے سر کے اگلے حصہ پر رکھا تھا' صرف وہ سیاہ رہا (یعنی ضعیف العمری میں) بقیہ سر سفید ہو گیا تھا۔ (بخاری)

(۱۴۴۸) عَنْ اَبِي الْعُلٰى قَالَ كُنْتُ عِنْدَ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ فَمَرَّ رَجُلٌ فِيْ مُؤَخَّرِ الدَّارِ فَرَاَيْتُهٗ فِيْ وَجْهِ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ وَجْهَهٗ قَالَ وَ كُنْتُ قَبْلُ مَا رَاَيْتُهٗ اِلَّا وَ رَاَيْتُهٗ كَاَنَّ عَلٰى وَجْهِهِ الدِّهَانَ. (رواه الامام احمد)

(۱۴۴۸) ابو یعلی بیان کرتے ہیں کہ میں قتادہ بن ملحان کے پاس ان کے مرض الموت میں ان کے پاس موجود تھا تو ایک شخص گھر کے آخری حصہ سے گزرے تو میں نے اس کا عکس حضرت قتادہ کے چہرہ پر دیکھا انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر دست مبارک پھیر دیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب بھی میں ان کو دیکھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے چہرہ پر روغن ملا گیا ہو۔ (امام احمد)

الرسول الاعظم و ما اخبر من اشراط الساعة و احوال الفتن صلوات الله وسلامه عليه

وہ احوال وواقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت اور پیش آنے والے فتنوں کے متعلق بیان فرمائے

(۱۴۴۹) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيْءُ لَهَا اَعْنَاقُ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى. (رواه الشيخان)

(۱۴۴۹) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ حجاز کی زمین سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جس کی روشنی سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں چمکنے لگیں گی۔ (شیخین)

(۱۴۵۰) عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ وَ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱۴۵۰) ابوسعید و اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمایا اس بے چارے

(۱۴۴۹) * یہ آگ ۶۵۰ھ کے قرب میں ظاہر ہو چکی ہے عجیب تر یہ ہے کہ پتھر اس سے جل کر خاک ہو جاتے تھے مگر اس پر گوشت نہ پک سکتا تھا۔

www.besturdubooks.net

قَالَ لِعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ (رواه الشيخان)

کو مسلمانوں کی ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ (شیخین)

(۱۴۵۱) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرٰى ثُمَّ لَا يَكُوْنُ كِسْرٰى بَعْدَهُ وَ قَيْصَرُ لَيُهْلَكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُوْنُ قَيْصَرُ بَعْدَهُ وَ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (رواه الشيخان)

(۱۴۵۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسریٰ ہلاک ہوگا اور اس کے بعد اس کا نام و نشان اس طرح مٹے گا کہ پھر کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر بھی ضرور ہلاک ہوگا اس کے بعد پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا اور یقین کرو کہ ان کے خزانے تم لوگ اللہ کے راستے میں لٹادو گے۔ (شیخین)

(۱۴۵۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

(۱۴۵۲) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ یقیناً مسلمانوں کی ایک

(۱۴۵۲) * ابیض کسریٰ کے ایک محل کا نام تھا اور حضرت سعدؓ نے عہد فاروقی میں اس کو فتح کیا تھا۔ کسریٰ شاہان ایران کا لقب تھا اور قیصر شاہان روم کا۔ شاہان ایران میں یہ کسریٰ بن ہرمز سب سے آخری کسریٰ گذرا ہے۔ اس کے بعد پھر کسریٰ لقب کا کوئی بادشاہ تخت نشین نہیں ہوا۔ یزدجرد کی حیثیت صرف ایک معمولی درجہ کی تھی وہ کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس زمانے کی قوی ترین اور مشہور ترین دو سلطنتوں کے متعلق اس جزم و یقین کے ساتھ آپ کی یہ پیش گوئی ہوتی ہے اور پھر کس صداقت و صفائی کے ساتھ کتنی تھوڑی مدت میں پوری بھی ہو جاتی ہے۔

یہاں مختصراً یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک جب کسریٰ کے سامنے پڑھا گیا ہے تو اس نے اپنے اسی شاہانہ غرور میں آکر آپ کے مکتوب کی توہین کی اور اس کو چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا اللّٰهم مزقه كل ممزق. خدایا تو اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ اس کے برخلاف قیصر تھا جو اگرچہ ایمان تو نہیں لایا مگر اس نے آپ کے مکتوب کی بڑی توقیر کی اور ایک باتھی دانت کی ڈبیہ میں اس کو حفاظت سے رکھ دیا۔ حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

و قد اخبر غير واحد ان هذا الكتاب الى الآن باق عند ذرية هرقل في اعز مكان يتوارثونه كابرا عن كابر واخبر غير واحد ان هذا الكتاب باق الى الان عند الفنش صاحب قشتاله و بلاد الاندلس يفتخرون به و هذا امر مشهور و معروف و قد روى سنيد و هو شيخ البخاري في تفسيره. (الجواب الصحيح ج ۱ ص ۹۸)

بہت سے اہل کتاب اس کے شاہد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مکتوب گرامی بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ہرقل خاندان میں قابل احترام مقام پر یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا چلا آتا ہے اور سنید شیخ بخاری تک نے اس کی تصدیق کی ہے اور اپنی تفسیر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھو الجواب الصحیح ج ۱ ص ۹۸)

جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ قیصر کچھ دنوں اور باقی رہے گا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے امام شافعیؒ سے اس حدیث کا شان ورود بھی نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں اس کی رعایت لازمی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قریش کی قدیم سے شام و عراق کی طرف بڑی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ جب یہ اسلام میں داخل ہو گئے تو ان کو یہ خطرہ ہونے لگا کہ اب آمد و رفت بقیہ .....

www.besturdubooks.net

لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ قَالَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَنْزَالِ كِسْرٰى الَّذِیْ فِی الْاَبْيَضِ. (رواه الشيخان)

جماعت یا مؤمنوں کی (راوی کو ان دونوں لفظوں میں سے اصل لفظ کے متعلق شک ہے) شاہِ کسریٰ کا وہ خزانہ جو اس کے قصر ابیض میں ہے فتح کرے گی۔ (شیخین)

(۱۴۵۳) اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِیِّ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَهٗ مَزَّقَهٗ فَحَسِبْتُ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ. (رواه البخاری)

(۱۴۵۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت اپنا فرمان کسریٰ کو بھیجا اور ان سے کہا کہ وہ اس کو بحرین کے حاکم کو دے دیں۔ بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے حوالہ کر دیا۔ جب اس نے فرمان مبارک کو پڑھا تو غصہ میں آ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ بددعا کی کہ وہ بھی پارہ پارہ کر دیے جائیں۔ (بخاری شریف)

(۱۴۵۴) عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ فِتْنَةٍ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوْجَ وَ مَاجُوْجَ مِثْلُ هٰذِهٖ وَ حَلَّقَ بِاِصْبَعَيْهِ وَ بِالَّتِیْ تَلِيْهَا فَقَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَهْلِكُ وَ فِيْنَا الصَّالِحُوْنَ قَالَ نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ. (رواه البخاری)

(۱۴۵۴) زینب بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات تھے لا الٰہ الا اللہ خاص طور پر عرب کے لیے افسوس ہے اس فتنے کی وجہ سے جو نزدیک آ پہنچا ہے یاجوج و ماجوج کی سد کا اتنا حصہ کھل چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر بتلایا۔ زینبؓ بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم لوگوں پر یہ ہلاکت ایسے وقت آ سکتی ہے کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں جب گندگی بہت زیادہ پھیل پڑے۔ (للاکثر حکم الکل)

لے ..... میں بہت دشواریاں حائل ہو جائیں گی اور تجارتی مسائل کا حل کیا ہوگا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا اب یہ دوری ختم ہو جائے گا اور نہ کسریٰ رہے گا اور نہ قیصر چونکہ اس وقت قریش کا روئے سخن شام و عراق کی جانب تھا اس لیے حدیث کی مراد بھی یہی ہونی چاہیے کہ اب شام میں قیصر اور عراق میں کسریٰ باقی نہ رہے گا۔ عالم کے اطراف و نواحی سے یہاں کوئی بحث ہی نہ تھی اور نہ سارے جہان سے قیصریت و کسروانیت کے خاتمہ سے قریش کو کوئی سروکار تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسریٰ خود اپنے پاداش عمل سے ایسا نابود ہوا کہ پھر اس کا کہیں نام و نشان نہ رہا اور قیصر اپنے ادب کی بدولت گو ملک شام سے مٹ گیا مگر نہ اس طرح کہ زمین کے کسی گوشہ پر بھی اس کا نام و نشان نہ رہتا بلکہ اس کے ادب و احترام کا پھل اس دنیا میں اس کو مل گیا اور کچھ دنوں کے لیے اس کی سلطنت شام سے ہٹ کر ملک روم میں اور رہ گئی۔ (الجواب الصحیح ج ۴ ص ۱۳۸)

www.besturdubooks.net

(۱۴۵۵) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ هَلَاکُ اُمَّتِیْ عَلٰی یَدَیْ غِلْمَةٍ مِّنْ قُرَیْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ غِلْمَةٌ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ اِنْ شِئْتُ اُسَمِّیْهِمْ بَنِیْ فُلَانٍ وَّ بَنِیْ فُلَانٍ.

(رواه البخاری)

(۱۴۵۵) ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے راست باز کی زبان مبارک سے سنا ہے جن کی صداقت کا جہان قائل ہے۔ آپؐ سے یہ حیرتناک بات سنی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوگی۔ مروان نے تعجب سے پوچھا کیا نوعمر لڑکوں کے ذریعے؟ ابوہریرہؓ نے کہا جی ہاں مجھ کو اسی طرح معلوم ہے اگر چاہوں تو نام لے کر ان کے باپ دادا تک کا نسب بھی بیان کردوں۔ (بخاری شریف)

(۱۴۵۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَا هُمَا وَاحِدَةٌ.

(رواه البخاری)

(۱۴۵۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں جنگ نہ ہولے جن کا دعویٰ ایک ہی ہو۔

(بخاری شریف)

(۱۴۵۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُخَرِّبُ الْکَعْبَةَ ذُو السُّوَیْقَتَیْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ. (رواه البخاری)

(۱۴۵۷) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو تباہ کرنے والا ایک حبشی شخص ہوگا جس کی پنڈلیاں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ (بخاری شریف)

(۱۴۵۸) عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُرَاقَةَ بْنِ مَالِکٍ کَیْفَ بِکَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَیْ کِسْرٰی قَالَ فَلَمَّا اُتِیَ عُمَرُ بِسِوَارَیْ کِسْرٰی دَعَا سُرَاقَةَ فَاَلْبَسَهٗ وَ قَالَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَلَبَهُمَا کِسْرٰی بْنَ هُرْمُزَ وَ اَلْبَسَهُمَا سُرَاقَةَ الْاَعْرَابِیَّ اخرجه البیهقی.

(کذافی الخصائص ج ۲ ص ۱۱۳)

(۱۴۵۸) حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اس وقت تیری مسرت وخوشی کا عالم کیا ہوگا جب تو کسریٰ کے دوکنگن پہنے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسریٰ کے وہ دوکنگن ایران کی فتح کے بعد پیش کیے گئے تو انہوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا اور ان کے ہاتھوں میں وہ کنگن ڈال دیئے اور فرمایا کہ اب اس خدا کی تعریف کرو جس نے کسریٰ کے ہاتھوں سے یہ کنگن نکال کر ان کو سراقہ جیسے دیہاتی کو پہنا دیئے۔

(۱۴۵۹) عَنِ ابْنِ مُحَیْرِیْزٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۴۵۹) ابن محیریز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

(۱۴۵۸) * سوچئے کہ یہ پیش گوئی ایک ریگستان کو گلزار بنا دینے والے نے کس کے متعلق اور کن حالات میں کی تھی کیا ظاہری اسباب اس کی تائید کر سکتے تھے مگر آج آپ کے سامنے وہ ایک واقعہ بن کر نظر آرہا ہے۔ کیا اس کو معجزات کی فہرست سے خارج کر ڈالنا معقول ہے یا معجزہ صرف ان ہی اعمال تک محدود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوں۔

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَارِسُ نَطْحَةٌ اَوْ نَطْحَتَانِ ثُمَّ لَا فَارِسَ بَعْدَ هٰذَا وَ الرُّوْمُ ذَوَاتُ الْقُرُوْنِ كُلَّمَا هَلَكَ قَرْنٌ خَلَفَهُ قَرْنٌ. (اخرجه البیهقی)

(كذا فی الخصائص ج ۲ ص ۱۱۳)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ فارس تو بس ایک ٹکر دو ٹکر میں ختم ہو جانے والا ہے اس کے بعد فارس کا تو نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا ہاں روم کچھ باقی رہے گا ایک قرن ختم ہوگا اس کے بعد دوسرا باقی رہے گا۔

(بیہقی شریف)

(۱۴۶۰) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَ اَرْدَفَنِیْ خَلْفَهُ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اَرَاَیْتَ اِنْ اَصَابَ النَّاسَ جُوْعٌ شَدِیْدٌ حَتّٰی لَا تَسْتَطِیْعَ اَنْ تَقُوْمَ فِرَاشِكَ اِلٰی مَسْجِدِكَ كَیْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَعَفَّفْ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اَرَاَیْتَ اِنْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ شَدِیْدٌ حَتّٰی یَكُوْنَ الْبَیْتُ بِالْعَبْدِ كَیْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِصْبِرْ یَا اَبَا ذَرٍّ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰی تَغْرَقَ حِجَارَةُ الزَّیْتِ مِنَ الدِّمَاءِ كَیْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اُقْعُدْ فِیْ بَیْتِكَ وَ اَغْلِقْ عَلَیْكَ بَابَكَ فَقَالَ اِنْ لَمْ اُتْرَكْ قَالَ فَاْتِ مَنْ اَنْتَ مِنْهُ فَكُنْ فِیْهِمْ قَالَ فَاِنْ اٰخُذُ سِلَاحِیْ قَالَ اِذًا تُشَارِكُهُمْ فِیْهِ وَ لٰكِنْ اِنْ خَشِیْتَ اَنْ یُرَوِّعَكَ شُعَاعُ السَّیْفِ فَاَلْقِ طَرَفَ رِدَائِكَ عَلٰی وَجْهِكَ یَبُوْءُ بِاِثْمِكَ وَ اِثْمِهٖ. (رواه ابن حبان)

(۱۴۶۰) ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا پھر فرمایا اگر کسی زمانے میں لوگ بھوک کی شدت میں مبتلا ہوں ایسی بھوک کہ اس کی وجہ سے تم اپنے بستر سے اٹھ کر نماز کی جگہ بھی نہ آ سکو تو بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کی یہ تو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ فرمایا دیکھو اس وقت بھی کسی سے سوال نہ کرنا۔ اچھا ابو ذرؓ بتاؤ اگر لوگوں میں موت کی ایسی گرم بازاری ہو جائے کہ ایک قبر کی قیمت ایک غلام کے برابر جا پہنچے۔ بھلا ایسے زمانے میں تم کیا کرو گے؟ یہ بولے کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا دیکھو صبر کرنا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اگر لوگوں میں ایسا قتل وقتال ہو کہ خون ''حجار زیت'' تک بہہ جائے بھلا اس وقت تم کیا کرو گے انہوں نے عرض کی یہ بات تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا' بس اپنے گھر میں گھسے رہنا اور اندر سے اپنا دروازہ بند کر لینا۔ انہوں نے عرض کی اگر اس پر بھی چھوٹ نہ سکوں۔ فرمایا کہ پھر جس قبیلے میں کے ہو وہاں چلے جانا۔ انہوں نے عرض کی اگر میں بھی اپنے ہتھیار سنبھال لوں۔ فرمایا تو تم بھی فتنے میں ان کے شریک سمجھے جاؤ گے۔ اس لیے شرکت ہرگز نہ کرنا اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تلوار کی چمک تم کو خوف زدہ کر دے گی تو اپنی چادر کا پلہ اپنے منہ پر ڈال لینا اور قتل ہونا گوارا کر لینا۔ تمہارے اور قاتل کے گناہ سب کے سب قاتل ہی کے سر پڑ جائیں گے۔ (ابن حبان)

(۱۴۶۱) عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ وَ عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَدَاَ هٰذَا الْاَمْرَ نُبُوَّةً وَّ رَحْمَةً وَ كَائِنًا خِلَافَةً وَ رَحْمَةً

(۱۴۶۱) ابو ثعلبہؓ، ابو عبیدہؓ اور معاذؓ، یہ تینوں اصحاب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی پھر کچھ دن خلافت اور رحمت رہے گی۔ اس کے بعد خلافت کا دور ختم ہو جائے گا اور کاٹنے والا ملک بن جائے گا۔ سرکشی اور جبر وتشدد اور امت میں

www.besturdubooks.net

وَ كَائِنًا مُلْكًا عَضُوضًا وَّ كَائِنًا عُتُوَّةً وَّ جَبْرِيَةً وَّ فَسَادًا فِي الْاُمَّةِ يَسْتَحِلُّوْنَ الْفُرُوْجَ وَ الْخُمُوْرَ وَ الْحَرِيْرَ وَ يُنْصَرُوْنَ عَلٰى ذَالِكَ وَ يُرْزَقُوْنَ اَبَدًا حَتّٰى يَلْقَوُا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ۔ (رواه ابو داؤد الطيالسي)

فساد کا دور دورہ ہو جائے گا - تا آنکہ حرام کاری - شراب خوری اور ریشم کو لوگ حلال بنالیں گے اور ان حالات میں بھی قدرت کی یہ ڈھیل ہوگی کہ فتح و نصرت اور رزق کی فراغت برابر ان پر رہے گی یہاں تک کہ ان کی موت آ جائے گی۔ (ابوداؤد طیالسی)

(۱۴۶۲) عَنْ سَفِيْنَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ تَكُوْنُ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيْرُ مُلْكًا۔ (رواه احمد و الترمذي و ابو داؤد)

(۱۴۶۲) سفینہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت منہاجِ نبوت پر رہے گی اس کے بعد پھر خلافت نہیں ہوگی بلکہ ملک گیری ہو جائے گی۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

(۱۴۶۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ۔ (رواه الترمذي و قال هذا حديث غريب اسنادا)

(۱۴۶۳) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب کہ دین کی حالت ایسی کمزور ہو جائے گی کہ دین پر عمل کرنا ایسا مشکل ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ پکڑنا۔ (ترمذی شریف)

(۱۴۶۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ مَنْ

(۱۴۶۴) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت اسلام کے پرشوکت زمانے میں ہو جو شخص تم

(۱۴۶۲) * سفینہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ خلافت صدیقی دو سال رہی اس کے بعد دس سال تک خلافت فاروقی کا دور رہا، پھر بارہ سال عثمان غنیؓ کی خلافت رہی اور چھ سال حضرت علیؓ کی خلافت چلی۔ یہ مجموعہ تیس سال ہو گئے۔ حضرت امام حسنؓ کے دور کے چھ ماہ کی مدت ملا کر خلفائے اربعہ کی خلافت کی مدت ٹھیک تیس سال ہوتی ہے۔ جس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر ملک گیری مطمح نظر ہو گیا اور رشد و ہدایت کا وہ دور ختم ہو گیا جس کو خلافت نبوت کہا جا سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ارادہ کے بغیر خیال اس طرف منتقل ہوا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت کل تیس سال ہونے میں شاید حکمت یہ ہو کہ بحکم حدیث چونکہ ہر تاریخی نبی کی عمر پہلے نبی سے نصف ہوتی چلی آئی ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ والسلام کی عمر نزول سے پہلی اور بعد کی ملا کر ایک اس سو بیس ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری عمر ساٹھ سال ہوگی۔ چنانچہ بحذف کسر آپ کی عمر یہی ہوئی۔ اس حساب سے اگر آپ کے بعد نبوت باقی ہوتی اور کوئی نبی آنا مقدر ہوتا تو اس کی عمر آپ کی عمر کے نصف ہونی چاہیے تھی وہ تیس ہی ہے۔ چونکہ یہاں نبوت اب ختم ہو چکی تھی اس لیے خلافتِ نبوت علی منہاج النبوۃ کی عمر تیس سال مقدر ہوئی وللہ الحمد۔

یہاں یہ امر قابل یادداشت ہے کہ جو لوگ اس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اسی حدیث کے ماتحت کیا کسی مدعی نبوت کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے؟

www.besturdubooks.net

تـرک منکم عُشر ما اُمر به هلک ثُمّ یأتی زمانٌ مَن عمل منهم بعُشر ما اُمر به نجا.
(رواه الترمذی)

میں سے اسلامی احکام کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے گا وہ ہلاک ہوگا اور آگے اسلام کے ضعف کا وہ دور آنے والا ہے کہ اس میں جو شخص اس کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا وہ بھی نجات پا جائے گا۔ (ترمذی)

(۱۴۶۵) عن ابی عامرٍ وَ ابی مالک الاشعری قال سمعتُ رَسُولَ اللّهِ صلّی اللّه علیه وسلّم یقولُ لیکونَنّ من اُمّتی اقوامٌ یَستحلّون الخذو الحریرَ وَ الخمرَ وَ المعازف وَ لینزلَنّ اقوامٌ الی جنب علمٍ یرُوحُ علیهم بسارحةٍ لهُم یأتیهم رجلٌ لحاجةٍ فیقُولون ارجع الینا غدًا فیبیّتهم اللّه وَ یضعُ العلمَ وَ یمسخُ اخرین قردةً وّ خنازیر الی یوم القیٰمة. (رواه البخاری)

(۱۴۶۵) ابو عامرؓ اور ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ضرور ایسے آئیں گے جو خالص اور غالب ریشم کے کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حلال بنا کر رہیں گے اور یہ بھی ہوگا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں ایک قافلہ آ کر اترے گا جب شام کو ان کے مویشی ان کے پاس آئیں گے تو ایک شخص اپنی حاجت لے کر ان کے پاس آئے گا وہ جواب دے دیں گے تم کل آنا۔ اللہ تعالیٰ رات ہی میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا۔ پہاڑ ان پر گر پڑے گا اور کچھ لوگوں کو ہمیشہ کے لیے بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دے گا۔
(بخاری شریف)

(۱۴۶۶) عن عمرو بن عوفٍ رضی اللّه عنهُ قال قال رسُولُ اللّه صلّی اللّهُ علیه وسلّم انّ الدّین لیأرزُ الی الحجاز کما تأرزُ الحیّةُ الی جُحرها وَ لیعقلنّ الدّین من الحجاز معقلَ الاُرویةِ من الجبل. انّ الدّین بدأ غریبًا وَ سیعُودُ کما بدأ فطوبی للغرباء وَ هُم الّذین یُصلحُون ما افسد النّاسُ من بعدی من سُنّتی.
(رواه الترمذی و روی مسلم اوله و فی وهو یارز بین المسجدین و فی روایة الی المدینة)

(۱۴۶۶) عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں دین تمام اطراف سے سکڑ کر حجاز کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ دور دور جا کر پھر اپنے ہی سوراخ کی طرف لوٹ آتا ہے اور آخر میں دین حجاز میں آ کر اس طرح پناہ لے گا جیسا کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر جا کر پناہ لیتا ہے۔ بے شبہ جب اسلام دنیا میں آیا تھا تو وہ ایک پردیسی شخص کی طرح اپنے خیال کا اکیلا تھا اور آخر میں پھر اسی طرح پردیسی بن جائے گا تو مبارک ہو ان کو جو دین کی خاطر اپنے دیس میں بھی پردیسی کی طرح بن جائیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اصلاح کریں گے میری سنت کی ان باتوں کی جو بدعتیوں نے میرے بعد آ کر خراب کر دی ہوں گی۔
(ترمذی شریف)

(۱۴۶۷) عن ابی مُوسی قال بینا رسُولُ اللّه صلّی اللّه علیه وسلّم فی حائطٍ مّن حوائط

(۱۴۶۷) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں رونق افروز تھے اور اس وقت آپ ایک تر

(۱۴۶۷) * ایک جگہ خود راوی کا بیان ہے کہ یہ نشست اس طرح پر تھی کہ میں نے اسی سے ان کی قبروں کا اندازہ کر لیا تھا .....

www.besturdubooks.net

الْمَدِيْنَةِ وَ هُوَ مُتَّكِيءٌ يَرْكُزُ بِعُوْدٍ فِي الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ إِذَا اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ افْتَحْ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَإِذَا هُوَ أَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ افْتَحْ لَهُ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَذَهَبْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَ بَشَّرْتُهُ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ افْتَحْ لَهُ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهُ فَذَهَبْتُ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَفَتَحْتُ وَ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ وَ قُلْتُ لَهُ الَّذِيْ قَالَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ صَبْرًا وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ. (رواه الشيخان)

(١٤٦٨) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأَيْتُ جِبْرَئِيْلَ لَمْ يَرَهُ خَلْقٌ إِلَّا عَمِيَ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ نَبِيًّا وَ لٰكِنْ أَنْ يُجْعَلَ ذٰلِكَ فِيْ اٰخِرِ عُمْرِهٖ. (رواه الحاكم كذا في الدر المنثور ج ١ ص ٩٣) وفيه وَكُنْتُ أَحْيَانًا أَرَاهُ كَمَا يَرَى الرَّجُلُ صَاحِبَهُ مِنْ وَرَاءِ الْغِرْبَالِ. ج ١ ص ٩٢

زمین میں ایک لکڑی کا سہارا لیے ہوئے تھے کہ دفعۃً کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ دیکھا تو وہ ابوبکرؓ تھے۔ میں نے فوراً دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دے دی۔ اس کے بعد پھر کسی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس کو بھی جنت کی بشارت سنا دو۔ میں گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عمرؓ تھے۔ میں نے ان کے لیے بھی دروازہ کھولا اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنادی۔ اس کے بعد پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ آپؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش پر ان کو بھی جنت کی بشارت دے دو۔ میں نے دیکھا تو وہ عثمانؓ تھے۔ میں گیا اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنادی اور ان سے وہ بات بھی کہہ دی جو ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ انہوں نے فوراً یہ دعا فرمائی الٰہی اس پر صبر کی توفیق عطا فرما۔ اور اللہ ہی کی ذات پاک وہ ہے جس سے ہر معاملہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

(١٤٦٨) ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو کسی اپنی خاص صورت میں دیکھ پایا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زیارت جس شخص کو بھی ہو وہ آخر کار نابینا ہو جاتا ہے مگر صرف ایک نبی اس سے مستثنیٰ ہے لیکن آخر عمر میں ہوتا ہے فوراً نہیں۔ ایک روایت میں ابن عباسؓ کا یہ بیان اور ہے کہ میں ان کو گاہ بگاہ اس طرح دیکھ لیتا تھا جیسا کوئی شخص اپنے پاس والے شخص کو پس پردہ پرچھائیں کی طرح دیکھ لیتا ہے یعنی بالکل آمنے سامنے صاف دیدار نہیں ہوتا تھا ورنہ معلوم نہیں کہ عام بشر کی کیا گت بنتی۔ (مستدرک)

لہ ..... یعنی عثمانؓ جہاں بیٹھے تھے وہ ایک جگہ ان حضرات سے ایک جانب میں بیٹھے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا کہ بعض بیداری کے واقعات بھی خواب کی طرح تعبیر طلب ہوتے ہیں پھر اس واقعہ کی بھی تعبیر تحریر فرمائی ہے۔ بعض نافہموں کو اس سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔

(١٤٦٨) * یہ دیدار روحانی قرب وخصوصیات پر مبنی ہے۔ ابن عباسؓ تو ایک عظیم القدر فرشتے کے اتنے سے دیدار کی تاب نہ لا سکے اور اپنی آخر عمر میں نابینا ہوگئے۔ پھر دیدار الٰہی کو اس پر قیاس کر لیجیے آخر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو ہزار اشتیاق کے باوجود "لن ترانی" کا جواب سننا ہی پڑا۔ ایسا ایک جبرئیل علیہ السلام کے حق میں کیوں ارشاد فرمایا گیا۔ یہ بہت تفصیل کا محتاج ہے پھر بھی حقیقت حال کا علم تو اس علام الغیوب کو ہے۔ عالم شہادت کے بسنے والے عالم غیب سے بھلا کیسے آشنا ہوں۔ الا ان یشاء اللہ۔

www.besturdubooks.net

(۱۴۶۹) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبَا مَرْثَدِ الْغَنَوِیَّ وَ الزُّبَیْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَ الْمِقْدَادَ وَ کُلُّنَا فَارِسٌ فَقَالَ اِنْطَلِقُوْا حَتّٰی تَاْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَاِنَّ بِهَا امْرَاَةً مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ مَعَهَا کِتَابٌ مِنْ حَاطِبٍ اِلَی الْمُشْرِکِیْنَ فَاَدْرَکْنَاهَا تَسِیْرُ عَلٰی بَعِیْرٍ لَّهَا حَیْثُ فَقُلْنَا لَهَا اَیْنَ الْکِتَابُ؟ فَقَالَتْ مَا مَعِیْ کِتَابٌ قَالَ فَاَنَخْنَا بِهَا فَالْتَمَسْنَا الْکِتَابَ فِیْ رَحْلِهَا فَلَمْ نَرَ کِتَابًا قَالَ قُلْنَا مَا کَذَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَتُخْرِجَنَّ الْکِتَابَ اَوْ لَنُجَرِّدَنَّکِ قَالَ فَلَمَّا رَاَتْ اَنِّیْ اَهْوَیْتُ اِلٰی حُجْزَتِهَا وَ هِیَ مُحْتَجِزَةٌ بِکِسَاءٍ اَخْرَجَتْ

(۱۴۶۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابو مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سب سواروں کو ایک گرفتاری کے سلسلہ میں بھیجا اور فرمایا جاؤ اور جب مقام روضہ خاخ پر پہنچو تو وہاں تم کو ایک مسلمان عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا جو حاطب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہے۔ ہم چلے آخر ہم نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ اونٹ پر سوار اس کو تیز دوڑائے لیے جا رہی تھی اور ہم نے اس سے کہا خط کہاں ہے؟'' وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا اونٹ بٹھا دیا اور اس کے کجاوہ میں خط تلاش کیا مگر کوئی خط ہماری نظر نہ پڑا۔ ہم نے کہا یہ امر تو یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ واقع نہیں فرمایا تجھ کو خط نکالنا ہوگا نہیں تو ہم تجھے ننگا کرتے ہیں وہ ایک کملی پہنے ہوئے تھی جب اس نے دیکھا کہ میں اس کو ننگا کرنے کے لیے اس کے تہ بند کی جگہ کی طرف بڑھا تو اس نے بالوں میں سے خط نکال کر دے دیا ہم

(۱۴۶۹) * اسالیب کلام کو نہ جاننے والا اور فصاحت و بلاغت کے اندازِ بیان سے ناآشنا یہاں محض لفظی چکر میں پڑ کر حیران رہ جاتا ہے اور بے وجہ دماغ سوزی کر کے سوال و جواب کی الجھن میں پھنس جاتا ہے اور ایک کلام کا ذوق رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ صرف تشریف و اکرام کا ایک پیرایہ ہے جس میں لفظی وسعت ہوتی ہے مگر وہ مراد نہیں ہوا کرتی۔ دیکھیے ایک موقعہ پر اپنی شان بے نیازی کے اظہار کے لیے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَ مَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ. (الکہف: ۲۵) اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اب یہاں کون کہہ سکتا ہے کہ کفر و ایمان کا بندہ کو اختیار دے دیا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں اس کے لیے جائز کر دی گئی ہیں' بلکہ صاف ظاہر ہے کہ شانِ ربوبیت کے استغناء اور اس کی بے نیازی کا یہ ایک پیرایہ بیان ہے جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ کا ایمان و کفر اس کے حق میں سب برابر ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک طبیب اپنے مریض کی صحت کے بعد کہہ دیتا ہے کہ اب جو چاہو کھاؤ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کلمات سے اس نے زہر اور مضر اشیاء کی بھی اجازت دے دی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ یہ بھی مریض کے صحت کا ایک پیرایہ بیان ہے۔ اسی طرح اعملوا ما شئتم کا لفظ اہل بدر کے حق میں اس اس کا اعلان ہے کہ تم اپنے اس عمل کی بدولت یقین کر لو کہ بخشے جا چکے لہٰذا اب جو عمل چاہو کرو۔ یہ دوسری بات ہے کہ خدائی کلمات چونکہ بڑی حقیقت کے حامل ہوتے ہیں اس لیے اس کی فطرت پر اتنے اثر انداز ہو جاتے ہیں کہ پھر اس کی فطرت سے دوزخ کے اسباب کرنے کی صلاحیت ہی معدوم ہو جاتی ہے اس لیے یہ لفظی توسیع ایک طرف تو اکرام و تشریف کا پیغام ہوتی ہے اور دوسری طرف کبائر سے ان کی حفاظت کی بشارت بھی ہوتی ہے۔ اب دیکھ لیجیے یہاں حاطب کے عمل کی صورت کتنی مہلک تھی حتی ط.....

www.besturdubooks.net

الْكِتَابَ مِنْ عِقَاصِهَا فَاَخَذْنَا الْكِتَابَ فَاَتَيْنَا بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا فِيْهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ بَلْتَعَةَ اِلٰى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا؟ قَالَ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ اِنْ كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَ لَمْ اَكُنْ مِّنْ اَنْفُسِهَا وَ كَانَ مَنْ كَانَ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُوْنَ اَهْلَهُمْ بِمَكَّةَ فَاَحْبَبْتُ اِذْ فَاتَنِيْ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ اَنْ اَتَّخِذَ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ كُفْرًا وَّلَا اِرْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رِضَاءً بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَدْ صَدَقَكُمْ. فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِيْ اَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَدْ

نے وہ خط لے لیا اور اس کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کو کھول کر دیکھا تو خلاف توقع حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی رازوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہو حاطب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ کیا حرکت ہے؟ کہا: ذرا میری بات سن لیں اور میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں میں خود اہل مکہ سے نہ تھا بلکہ باہر کا آدمی تھا جوان میں آ کر بس گیا تھا اور یہ جو مہاجرین ہیں ان کی وہاں رشتہ داری تھی جس کے ذریعہ ان کے عزیزوں کی وہاں نگہداشت ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب میرا ان سے کوئی رشتے ناطے کا تعلق نہیں تو لاؤ ان پر کوئی احسان ہی کر دوں جس کی رعایت سے وہ میرے خاندان والوں کی بھی حفاظت کریں۔ بس اتنی ہی بات ہے ورنہ میں نے یہ حرکت نہ تو کفر کی وجہ سے کی ہے اور نہ اس لیے کہ میں مرتد ہو گیا ہوں یا کفر سے خوش ہوں۔ میرا بیان سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے جو بات تھی وہ سچ سچ کہہ دی ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس منافق کا سر تن سے جدا کرنے دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ

لله ..... کہ اس پر نفاق وارتداد تک کا شبہ بھی پیدا ہو سکتا تھا لیکن جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی حقیقت انسان کی ایک فطرت کی کمزوری سے ذرا بھی آگے نہ تھی۔

شان نبوت بھی کمالات ربانی کی کیسی مظہر ہوتی ہے کہ یہاں اب بھی یہ نہیں فرمایا جاتا کہ یہ کوئی کفر کی بات ہی نہیں یہ تو صرف ایک انسانی کمزوری ہے جس سے بشر جب تک وہ بشر ہے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا مبادا اس تشریح سے اس تشریف میں کمی پیدا ہو جو اکرم الاکرمین کو ان کلمات سے اہل بدر کی مقصود تھی۔

مصلحت اور مفسدہ میں جب تعارض واقع ہو جائے تو کہاں مصلحت کو مقدم کرنا چاہیے اور کہاں مفسدہ کو یہ شریعت کا ایک بہت بڑا اہم باب ہے جس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا شخص ہی پورا اندازہ کر سکتا ہے اب دیکھئے کہ یہاں ایک طرف مصلحت چاہتی ہے کہ اس عورت کے انکار پر اس کو اگر عریاں بھی کرنا پڑے تو اس صورت سے بھی اس کی تلاشی ضرور لے لی جائے دوسری طرف اجنبی عورت کے ستر کشف کرنے کی مضرت بھی کچھ کم نہ تھی مگر حضرت علی کو یہاں مخبر صادق کی خبر کا یقین تھا اور وہ اس کے لیے مامور بھی تھے کہ جو خط اس کے پاس ہے وہ لے کر آئیں اس لیے انہوں نے کسی ظنی اور تخمینی بات پر اس مفسدہ پر جرأت نہیں کی بلکہ آپ کے صریح حکم کی تعمیل کی جب کوئی صورت باقی نہ رہی تو آخر ایسی بات کی بھی دھمکی دے دی جس کے بعد اس کے لیے خط کے حوالہ کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ جو توازن لله .....

www.besturdubooks.net

شَهِدَ بَدْرًا وَ مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ (رواہ الشیخان)

وسلم نے فرمایا یہ جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تم کو کیا معلوم ہے کہ شرکائے بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ جو عمل چاہو کرو میں تم سب کو بخش چکا۔ (شیخین)

(۱۴۷۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ فَخَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى وَ كَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ. وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى اَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ وَ فِىْ لَفْظٍ مِنْ رِوَايَةِ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَدْمَاتَ عَبْدُاللّٰهِ الصَّالِحُ اَصْحَمَةُ فَاَمَّنَا وَ صَلّٰى عَلَيْهِ وَ فِىْ رِوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ اِنَّ اَخَالَكُمْ قَدْمَاتَ فَصَلُّوْا عَلَيْهِ يَعْنِى النَّجَاشِيَّ. (رواہ الشیخان)

(۱۴۷۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی خبر آنے سے پہلے جس دن اس کا انتقال ہوا تھا اسی دن لوگوں کے سامنے بیان فرما دی تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لا کر نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی کی نمازِ جنازہ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نجاشی اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے اصحمہ کی وفات ہوگئی ہے اور اس پر نماز ادا فرمائی اور ہماری امامت فرمائی۔ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا ایک اسلامی بھائی انتقال کر گیا ہے پس اس پر نمازِ جنازہ پڑھو۔

(۱۴۷۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى زَيْدٍ يَعُوْدُهُ مِنْ مَرَضٍ كَانَ بِهٖ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْ مَرَضِكَ بَاسٌ وَ لٰكِنْ كَيْفَ لَكَ اِذَا عُمِّرْتَ بَعْدِىْ فَعَمِيْتَ قَالَ اَحْتَسِبُ وَ اَصْبِرُ قَالَ اِذَنْ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالَتْ (انیسۃ بنت زید) فَعَمِىَ بَعْدَ مَامَاتَ

(۱۴۷۱) حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کو تشریف لائے اور فرمایا اس بیماری سے تو تمہیں کوئی اندیشہ نہیں لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم میرے بعد طویل عمر پاؤ گے اور نابینا ہو جاؤ گے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں صبر کروں گا اور طلب ثواب کی نیت اور توقع رکھوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تب تو پھر تم جنت میں بغیر حساب کتاب کے پہنچ جاؤ گے۔ انیسہ بنت زیدؓ کہتی ہیں کہ واقعی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد نابینا ہو گئے

لـہ ..... کے ساتھ حالات کا اندازہ نہیں لگاتے وہ یا تو مصلحت کی خاطر کھلے محرمات میں بے باک ہو جاتے ہیں یا پھر مفسدہ کا اندازہ نہ لگا کر اجتماعی مصالح کو معمولی سی باتوں پر قربان کر ڈالتے ہیں جب تک شریعت کا پورا پورا علم اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے خوف سے قلب پورا معمور نہ ہو اس توازن کو نبھانا مشکل ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اس کو نہ تو نیک بخت نادان بنا سکتا ہے اور نہ شرعی مزاج سے ناواقف دانا۔

www.besturdubooks.net

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهُ ثُمَّ مَاتَ. (رواه البيهقي في دلائل النبوة)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا بھی دی کہ بینا ہو گئے اس کے بعد ان کا انتقال ہوا- (بیہقی)

(۱۴۷۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيٌّ فَاَسْلَمَ وَ قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ وَ كَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا فَكَانَ يَقُوْلُ مَايُدْرِيْ مُحَمَّدًا اِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ اٰيَةً فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِهٖ لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا فَاَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ فَاَعْمَقُوْا مَا اسْتَطَاعُوْا فَاَصْبَحَ وَ قَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا مِثْلَ الْاَوَّلِ فَحَفَرُوْا لَهٗ وَ اَعْمَقُوْا فَلَفَظَتْهُ الثَّالِثَةَ فَعَلِمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عَمَلِ النَّاسِ فَتَرَكُوْهُ مَنْبُوْذًا. (رواه الشيخان)

(۱۴۷۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی ایمان لایا اور مسلمان ہوا اور اس نے سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھی وہ حضور کا کاتب ہو گیا تھا مگر پھر عیسائی بن گیا- وہ کہنے لگا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو میں ان کے لیے لکھ دیا کرتا ہوں- تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی: اے اللہ اس کو ایسی سزا دیجئے کہ آپ کی قدرت کی نشانی بن جائے- اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اس کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی لاش زمین نے باہر پھینک دی- ان لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ہو نہ ہو یہ کام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ہے کہ جب وہ ان کے گروہ سے الگ ہو گیا تو انھوں نے اس کی قبر کھود ڈالی اور اس کی لاش باہر ڈال دی- عیسائیوں نے پھر اس کی قبر کھودی اور جتنی گہری کھود سکتے تھے کھودی پھر صبح کو دیکھا تو زمین نے اس کی لاش باہر پھینک دی تھی- پھر عیسائیوں نے پہلے کی طرح الزام دیا پھر اس کے لئے تیسری بار قبر کھودی اور خوب گہری کھودی پھر بھی زمین نے اس کی لاش اُگل دی- تب لوگ سمجھ گئے کہ یہ کام آدمیوں کا نہیں ہو سکتا تو اسے یونہی باہر پڑا چھوڑ دیا- (بخاری مسلم)

الرسول الاعظم و صبره و سماحته و تحمله الاذى فى سبيل الله صلوات الله و سلامه عليه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال حلم و درگذر اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں نا قابل برداشت اذیتوں پر صبر و تحمل فرمانا

(۱۴۷۳) عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قِصَّةَ الصَّحِيْفَةِ وَ

(۱۴۷۳) ابن شہاب سے قصہ صحیفہ (یعنی بنو ہاشم کے مقابلے پر مشرکین

(۱۴۷۳) ✱ اس واقعہ کو حافظ ابن تیمیہؒ نے بطور آپؐ کے ایک معجزہ ہونے کے نصاریٰ کے سامنے رکھا ہے' لیکن ہمارے بعض علماء نے اس کو بھی مرسل کہہ کر آپؐ کے معجزات میں سے علیحدہ کر دیا ہے- معلوم نہیں کہ مرسل کی حیثیت اس عالم کے نزدیک اتنی کمتر کیوں ہے جب کہ مراسیل کا احکام کے باب میں حجت ہونا تسلیم کر لیا گیا ہو- بالخصوص حنفیہ کے نزدیک پھر مسلمہ ائمہ حدیث نے مراسیل پر مستقل تصانیف لکھی ہیں- امام شافعیؒ گو مراسیل کے منکر ہیں مگر وہ بھی علی الاطلاق نہیں ان کے ہاں بھی استثناء موجود ہے- ہمارے نزدیک امام زہریؒ کی جلالت قدر اور متاخرین میں حافظ ابن تیمیہؒ کا اس کو نقل کر دینا اس کے معتبر ہونے کے لیے کافی ضمانت ہے- بالخصوص جب کہ دوسرے طرق سے بھی یہ واقعہ ثابت ہے- ابن لہیعہ کو گو ضعیف کہا گیا ہے مگر ان کے بارے میں اختلاف آراء کے علاوہ اس درجہ ضعف کہ ان ..... ☜

www.besturdubooks.net

رَوَاهَا عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاق 1
بِمَعْنَاهُ قَالَ ثُمَّ اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ اِشْتَدُّوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَشَدِّ مَا كَانُوْا حَتّٰى بَلَغَ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَهْدُ وَ اشْتَدَّ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَ اجْتَمَعَتْ قُرَيْشٌ فِيْ مَكْرِهَا اَنْ يَقْتُلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَانِيَةً فَلَمَّا رَاٰى اَبُوْ طَالِبٍ عَمَلَ الْقَوْمِ جَمَعَ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَ اَمَرَهُمْ اَنْ يُدْخِلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعْبَهُمْ وَ يَمْنَعُوْهُ مِمَّنْ اَرَادَ قَتْلَهُ فَاجْتَمَعُوْا عَلٰى ذَالِكَ مُسْلِمُهُمْ وَ كَافِرُهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ فَعَلَهُ حَمِيَّةً وَّ مِنْهُمْ مَنْ فَعَلَهُ اِيْمَانًا وَّ يَقِيْنًا. فَلَمَّا عَرَفَتْ قُرَيْشٌ اَنَّ الْقَوْمَ قَدْ مَنَعُوا الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اجْتَمَعُوْا عَلٰى ذَالِكَ وَ اجْتَمَعَ الْمُشْرِكُوْنَ مِنْ قُرَيْشٍ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ اَنْ لَّا يُجَالِسُوْا وَ لَا يُبَايِعُوْهُمْ وَ لَا يَدْخُلُوْا بُيُوْتَهُمْ حَتّٰى يُسَلِّمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْقَتْلِ وَ كَتَبُوْا فِيْ مَكْرِهِمْ صَحِيْفَةً وَ عُهُوْدًا وَ مَوَاثِيْقَ لَا يَقْبَلُوْا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ اَبَدًا صُلْحًا وَّ لَا

قریش کا باہم عہدنامہ) جس کو عروہ بن الزبیرؓ نے بیان کیا' منقول ہے اور محمد بن اسحاق (مشہور مورخ) نے بھی اس کا خلاصہ نقل کیا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پر مشرکین کی ایذائیں اور سختیاں پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئیں یہاں تک کہ مسلمان سخت تنگی میں مبتلا ہو گئے اور ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ ادھر قریش اس پر متفق ہو گئے کہ آپ کو کسی تدبیر سے کھلم کھلا قتل کر دیں۔ جب ابوطالب نے قوم کا یہ ظلم دیکھا تو انہوں نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ٹھکانے میں لے جائیں اور جو شخص آپؐ کے قتل کا ارادہ کرے اس کو اس ارادۂ بد سے منع کریں۔ ابوطالب کے اس کہنے پر عبدالمطلب کا سارا قبیلہ کیا مسلمان اور کیا کافر سب کے سب متفق ہو گئے۔ یہ دوسری بات تھی کہ آپؐ کی یہ حمایت کسی کی تو صرف حمیتِ قومی کی بنا پر تھی اور کسی کی ایمان و یقین کی بنا پر۔ ادھر قریش نے جب یہ دیکھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر متفق ہو چکے ہیں تو مشرکین قریش بنو عبدالمطلب کے مقابلے پر بائیکاٹ کے لیے متفق ہو گئے کہ نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کریں گے اور نہ خرید و فروخت اور نہ ان کے گھروں میں آمد و رفت رکھیں گے یہاں تک کہ وہ قتل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد نہ کر دیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا جس میں یہ ذکر کیا کہ بنو ہاشم سے اس وقت تک ہرگز کوئی صلح نہ کریں گے اور نہ ان پر رحم کھائیں گے جب تک کہ وہ قتل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کر دیں اس کے بعد بنو ہاشم تین سال تک اسی طرح اپنی جگہ

لـه ..... کا بیان ساقط الاعتبار ہو قابل تسلیم نہیں۔

چلیے اگر اس ایک واقعہ کو حدیث کہنے میں کوئی تامل ہو تو بہت سی احکام کی حدیثوں میں بھی ان پر حدیث کا حکم لگانا مشکل ہو گا۔ حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق اپنی مصنفات میں صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اپنا مختار بھی بنا لیا ہے اسی لیے حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی خشک مزاجی کے باوجود اس کے دلائل نبوت ہونے میں ادنیٰ سے تامل کے بغیر دنیا کے سامنے اس کو پیش کر دیا ہے اور ان ہی کے اتباع میں اس کو اسلامی تاریخ کے عجائبات میں شمار کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ جب کہ اس ایک واقعہ کو الگ رکھ کر بھی ہمارے پاس آپؐ کے بے شمار دلائل نبوت جو زبردست دشمنوں کے واسطے بھی قابل انکار نہیں موجود ہیں۔ تو ان ہی انبار کے درمیان اس کو تحریر کر دینے میں ہمارا قلم کیوں جھجکے۔

www.besturdubooks.net

تأخذهم بهم رأفة حتى يسلموه للقتل فلبث بنو هاشم في شعبهم ثلاث سنين و اشتدّ عليهم البلاء و الجهد و قطعوا عنهم الأسواق فلم يتركوا طعاما يقدم مكة و لا بيعا إلا بادروهم إليه فاشتروه يريدون بذالك أن يدركوا سفك دم رسول الله صلى الله عليه وسلم زاد ابن إسحاق في روايته قال حتى كان تسمع أصوات صبيانهم يتضاغون من وراء الشعب من الجوع وعدوا على من أسلم فأوثقوهم و آذوهم و اشتدّ البلاء عليهم و عظمت الفتنة و زلزلوا زلزالا شديدا. قال قال موسى بن عقبة في تمام حديثه و كان أبو طالب إذا أخذ الناس مضاجعهم أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فاضطجع على فراشه حتى رأى ذالك من أراد مكرا به و اغتيالا له فإذا نوّم الناس أمر أحد بنيه أو إخوته أو بني عمه فاضطجع على فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يأتي بعض فرشهم فينام عليه فلما كان رأس ثلاث سنين تلاوم رجال من بني عبد مناف و من بني قصي و رجال سواهم من قريش قد ولدتهم نساء بني هاشم و رأوا أنهم قطعوا الرحم و استخفوا بالحق و اجتمع أمرهم من ليلتهم على نقض ما تعاهدوا عليه من الغدر و البراءة منه و بعث الله عز و جل على صحيفتهم التي فيها المكر برسول الله الأرضة

محبوس رہے سختیاں اور مصائب کا دوران پر زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا رہا۔ مشرکین قریش نے ان کے لیے بازاروں کی آمد و رفت بند کر دی اور جب باہر سے کھانے کا کوئی سامان مکہ مکرمہ آتا تو فوراً لپک کر اس کو خرید لیتے اور مقصد یہ تھا کہ اس ایذا رسانی کی تدبیر سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو جائیں۔ اس جگہ ابن اسحاق نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ بنو ہاشم پر بھوک کی شدت کا عالم یہ ہو گیا تھا کہ ان کے بچوں کی آواز بنو ہاشم والی گھاٹی کے باہر سے کانوں میں آتی تھی کہ وہ بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو باندھ کر ڈال دیا تھا اس پر ان کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے غرض کہ عظیم آزمائش کا وقت تھا اور مسلمانوں پر گویا قیامت برپا تھی۔ یہاں موسیٰ بن عقبہ اس واقعہ کے تتمہ میں بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر چلے جاتے تو ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ وہ ان کے بچھونے پر جا لیٹیں یہاں تک کہ جو بدکردار آپ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو وہ یہ دیکھ لے۔ پھر جب لوگوں کو سلا دیتے تو اپنے کسی بچے یا بھانجے یا بھتیجے سے کہتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترہ پر جا سوئے جب اس دور پر تیسرا سال ہونے لگا تو بنو عبد مناف اور بنو قصی اور ان کے علاوہ قریش کے او لوگوں نے جو بنو ہاشم کی اولاد تھے باہم ایک دوسرے کو ملامت کی اور انہوں نے سمجھا کہ انہوں نے باہم رشتہ داری کا تعلق ختم کر کے حق کے خلاف کیا اور قطع رحم کے جرم کے مرتکب ہو گئے اور اسی رات میں ان کا یہ مشورہ ٹھہر گیا کہ غداری اور بائیکاٹ کے جو منصوبے انہوں نے گانٹھ رکھے تھے وہ یکلخت توڑ ڈالیں۔ ادھر جس عہد نامے میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادۂ بد کا ذکر کیا تھا اس کو قدرت نے دیمک لگا دی اور وہ اس عہد نامہ کو چاٹ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد نامہ بیت اللہ کی چھت میں لٹکا ہوا تھا دیمک نے اس عہد نامے میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا تمام جگہ سے اس کو چاٹ لیا تھا اور جو جو شرک یا ظلم یا قطع رحم کی باتیں تھیں وہ

www.besturdubooks.net

فَلَحَسَتْ كُلَّ مَا كَانَ فِيهَا مِنْ عَهْدٍ وَ مِيثَاقٍ. وَ يُقَالُ كَانَتْ مُعَلَّقَةً فِي سَقْفِ الْبَيْتِ فَلَمْ تَتْرُكْ اِسْمًا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيهَا اِلَّا لَحَسَتْهُ وَ بَقِيَ مَا فِيهَا مِنْ شِرْكٍ اَوْ ظُلْمٍ اَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ وَ اَطْلَعَ اللّٰهُ رَسُولَهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ بِصَحِيفَتِهِمْ فَذَكَرَ ذَالِكَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِي طَالِبٍ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ لَا وَ الثَّوَاقِبِ مَا كَذَبَنِي فَانْطَلَقَ يَمْشِي بِعِصَابَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ حَتّٰى اَتَى الْمَسْجِدَ وَ هُوَ حَافِلٌ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَمَّا رَاَوْهُمْ عَامِدِينَ بِجَمَاعَتِهِمْ اَنْكَرُوا ذَالِكَ وَ ظَنُّوا اَنَّهُمْ خَرَجُوا مِنْ شِدَّةِ الْبَلَاءِ فَاَتَوْهُمْ لِيُعْطُوهُمْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ اَبُوْ طَالِبٍ فَقَالَ قَدْ حَدَثَتْ اُمُورٌ بَيْنَكُمْ لَمْ نَذْكُرْهَا لَكُمْ فَاْتُوا بِصَحِيفَتِكُمُ الَّتِي تَعَاهَدْتُّمْ عَلَيْهَا فَلَعَلَّهُ اَنْ يَكُونَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَنَا صُلْحٌ وَ اِنَّمَا قَالَ ذَالِكَ خَشْيَةَ اَنْ يَنْظُرُوا فِي الصَّحِيفَةِ قَبْلَ اَنْ يَاْتُوا بِهَا فَاَتَوْا بِصَحِيفَتِهِمْ مُعْجَبِينَ بِهَا لَا يَشُكُّونَ اَنَّ الرَّسُولَ مَدْفُوعٌ اِلَيْهِمْ فَوَضَعُوهَا بَيْنَهُمْ وَ قَالُوا قَدْ اٰنَ لَكُمْ اَنْ تَقْبَلُوا وَ تَرْجِعُوا اِلٰى اَمْرٍ يَجْمَعُ قَوْمَكُمْ فَاِنَّمَا قَطَعَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ رَجُلٌ وَ احِدٌ جَعَلْتُمُوهُ خَطَرَ الْهَلَكَةِ لِقَوْمِكُمْ وَ عَشِيرَتِكُمْ وَ فَسَادِ بَيْنِكُمْ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ اِنَّمَا اَتَيْتُكُمْ لِاُعْطِيَكُمْ اَمْرًا فِيهِ نَصَفٌ فَاِنَّ ابْنَ اَخِي اَخْبَرَنِي وَ لَمْ يَكْذِبْنِي اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بَرِيءٌ مِنْ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ الَّتِي فِي اَيْدِيكُمْ وَ

سب چھوڑ دی تھیں عہد نامہ کا یہ سارا راز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر کھول دیا تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب ابو طالب سے ذکر کر دیا ابو طالب نے قسم کھا کر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹ نہیں فرمایا اور بنو عبدالمطلب کی ایک جماعت ساتھ لے کر چل پڑے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اس وقت مسجد قریش سے بھری ہوئی تھی جب انہوں نے ابو طالب کو اپنی جماعت کے ساتھ اپنی طرف آتا دیکھا تو ان کو نئی سی بات معلوم ہوئی اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ لوگ اب تکالیف سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیں اس پر ابو طالب بولے تمہارے معاملے میں کچھ جدید باتیں ایسی پیش آئی ہیں جو ابھی ہم نے تم کو نہیں بتائیں تو اب وہ کاغذ لاؤ جس پر تم نے باہم عہد کیا ہے شاید کہ ہمارے اور تمہارے مابین صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے - انہوں نے یہ مجمل بات اس لیے فرمائی کہ کہیں وہ لوگ صحیفے کے لانے سے پہلے ہی پہلے اس کی دیکھ بھال نہ کر لیں وہ بڑے فخر کے ساتھ اس صحیفے کو لے آئے اور ان کو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے انہوں نے اس کو لا کر درمیان میں رکھ دیا اور بولے وقت آ گیا کہ تم لوگ ہماری بات قبول کر لو اور اس راہ کی طرف لوٹ آؤ جو تمہاری قوم میں پھر اتفاق پیدا کر دے کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف ایک ہی شخص پھوٹ کا باعث بنا ہے جس کی خاطر تم نے اپنی قوم اور اپنے قبیلے کی بربادی اور باہمی فساد کا ذریعہ بنا لیا ہے اس پر ابو طالب نے کہا دیکھو میں تمہارے سامنے انصاف کی صرف ایک بات پیش کرنے آیا ہوں میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور یقیناً اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا کہ جو صحیفہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور اس نے جہاں جہاں اپنا نام تھا اس کو ہر ہر جگہ سے مٹا دیا ہے اور تمہاری غداری اور ہمارے ساتھ قطع رحمی اور ہمارے برخلاف ظلم پر تمہارے باہم اتفاق کو باقی رکھا ہے اب اگر حقیقت اسی طرح نکلے جس طرح میرے بھتیجے نے کہی ہے تو ہوش میں آ جاؤ، خدا کی

www.besturdubooks.net

مَحٰی کُلَّ اسْمٍ هُوَ لَهٗ فِيْهَا وَ تَرَکَ فِيْهَا غَدْرَکُمْ وَ قَطِيْعَتَکُمْ اِيَّانَا وَ تَظَاهُرَکُمْ عَلَيْنَا بِالظُّلْمِ فَاِنَّ الْحَدِيْثَ الَّذِیْ قَالَ ابْنُ اَخِیْ کَمَا قَالَ فَاَفِيْقُوْا فَوَاللّٰهِ لَا نُسَلِّمُهٗ اَبَدًا حَتّٰی نَمُوْتَ مِنْ عِنْدِ اٰخِرِنَا وَ اِنْ کَانَ الَّذِیْ قَالَ بَاطِلًا دَفَعْنَاهُ اِلَيْکُمْ فَقَتَلْتُمُوْهُ اَوِ اسْتَحْيَيْتُمُوْهُ قَالُوْا قَدْ رَضِيْنَا بِالَّذِیْ تَقُوْلُ فَفَتَحُوا الصَّحِيْفَةَ فَوَجَدُوا الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَخْبَرَ خَبَرَهَا فَلَمَّا رَاَتْهَا قُرَيْشٌ کَالَّذِیْ قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ قَالُوْا وَ اللّٰهِ اِنْ کَانَ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مِّنْ صَاحِبِکُمْ فَارْتَکَسُوْا وَ عَادُوْا شَرَّمَا کَانُوْا عَلَيْهِ مِنْ کُفْرِهِمْ وَ الشِّدَّةِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَلٰی رَهْطِهٖ وَ الْقِيَامِ بِمَا تَعَاهَدُوْا عَلَيْهِ فَقَالَ اُولٰئِکَ النَّفَرُ مِنْ بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اِنَّ اَوْلٰی بِالسِّحْرِ وَ الْکَذِبِ غَيْرُنَا. کَيْفَ تَرَوْنَ فَاِنَّا نَعْلَمُ اَنَّ الَّذِی اجْتَمَعْتُمْ عَلَيْنَا مِنْ قَطِيْعَتِنَا اَقْرَبُ اِلَی الْخُبْثِ وَ السِّحْرِ مِنْ اَمْرِنَا وَ لَوْلَا اَنَّکُمُ اجْتَمَعْتُمْ عَلَی السِّحْرِ لَمْ تَفْسُدْ صَحِيْفَتُکُمْ وَ هِیَ فِیْ اَيْدِيْکُمْ طَمَسَ اللّٰهُ مَا کَانَ فِيْهَا مِنِ اسْمٍ وَ مَا کَانَ فِيْهَا مِنْ بَغْیٍ تَرَکَهٗ. اَفَنَحْنُ السَّحَرَةُ اَمْ اَنْتُمْ؟ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِکَ النَّفَرُ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ وَّ بَنِیْ قُصَیٍّ وَ رِجَالٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَ لَدَتْهُمْ نِسَاءُ بَنِیْ هَاشِمٍ. مِنْهُمْ اَبُو الْبَخْتَرِیْ وَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِیٍّ وَ زُهَيْرُ بْنُ اَبِیْ اُمَيَّةَ ابْنِ الْمُغِيْرَةِ وَ زَمْعَةُ بْنُ الْاَسْوَدِ وَ هِشَامُ ابْنُ عَمْرٍو وَّ کَانَتِ الصَّحِيْفَةُ عِنْدَهٗ وَ هُوَ

قسم ہم اس وقت تک ان کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارا بچہ بچہ موت کے گھاٹ نہ اتر جائے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غلط نکلے تو ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں گے' پھر خواہ ان کو تم قتل کر دینا یا زندہ رہنے دینا'' وہ بولے ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں- اس کے بعد انہوں نے عہد نامہ کھولا دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے سچے تھے جو معاملہ تھا وہ پہلے بتا چکے تھے جب قریش نے دیکھا کہ بات وہی نکلی جو ابو طالب فرما چکے تھے تو کہنے لگے خدا کی قسم یہ تو تمہارے ساتھی کا جادو معلوم ہوتا ہے اور پھر لوٹ کر اپنے کفر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اور دو نے بڑھ گئے اور اپنے پہلے عہد پر اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے- بنو عبدالمطلب کی اس جماعت نے کہا کہ جھوٹ بولنے اور جادوگری کے مستحق تو ہم سے پہلے کہیں اور لوگ نہ ہوں- یہ بات یقینی ہے کہ ہمارے ساتھ قطع رحمی کے جرم پر تم ہی لوگ متفق ہوئے ہو' اب اس بات کو خباثت یا جادو کہنا زیادہ مناسب ہے' یا اس صلح و آشتی جو ہمارا طرزِ عمل رہا ہے اگر تم لوگ متفق ہو کر جادو نہ چلاتے تو تمہارا عہد نامہ کبھی دیمک نہ کھاتی اب دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے ہی قبضہ میں تھا اور اس کے باوجود اس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک تھا وہ سب اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے اور جس جس جگہ تمہارے ظلم کی باتیں تھیں وہ سب رہنے دی ہیں' بولو اب جادو چلانے والے تم ہوئے یا ہم- یہ سن کر کچھ لوگ قبیلہ بنو عبد مناف بنو قصی کے اور قریش کے وہ لوگ جو بنو ہاشم کی عورتوں سے پیدا شدہ تھے بولے جن میں ان کے بڑے بڑے مشاہیر شامل تھے جیسے ابوالبختری' مطعم بن عدی' زہیر بن ابی امیہ' زمعہ بن الاسود اور ہشام بن عمرو' ان ہی کے قبضہ میں یہ عہد نامہ تھا اور یہ بنو عامر بن لوی کی اولاد تھے' یہ اور دوسرے سربر آوردہ لوگ کہنے لگے کہ ہم سب لوگ اس عہد نامہ سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتے ہیں- اس پر ابوجہل بولا' اچھا یہ سازش رات میں کی گئی ہے- اس عہد نامہ کے بارے میں اور اس جماعت کی شان میں جنہوں نے اس عہد نامہ سے علیحدگی ظاہر کر دی تھی اور اس میں جو عہد مذکور تھا اس کو

www.besturdubooks.net

مِنْ بَنِیْ عَامِرِ بْنِ لُؤَیٍّ فِیْ رِجَالٍ مِّنْ اَشْرَافِهِمْ وَوُجُوْهِهِمْ نَحْنُ بُرَءَاءُ مِمَّا فِیْ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ. فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ هٰذَا اَمْرٌ قُضِیَ بِلَیْلٍ وَ اَنْشَأَ اَبُوْطَالِبٍ یَقُوْلُ الشِّعْرَ فِیْ شَانِ صَحِیْفَتِهِمْ وَ یَمْدَحُ النَّفَرَ الَّذِیْنَ تَبَرَّءُوْ وَ اَوْ نَقَضُوْا مَاکَانَ فِیْهَا مِنْ عَهْدٍ وَ یَمْتَدِحُ النَّجَاشِیَّ.

(۱۴۷۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ اِنَّ فَتًی شَابًّا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ائْذَنْ لِیْ بِالزِّنَاءِ فَاَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَیْهِ فَزَجَرُوْهُ وَ قَالُوْا مَهْ مَهْ فَقَالَ اُدْنُهْ فَدَنَا مِنْهُ قَرِیْبًا قَالَ فَجَلَسَ قَالَ اَتُحِبُّهٗ لِاُمِّکَ؟ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَهٗ لِاُمَّهَاتِهِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ لِابْنَتِکَ؟ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَهٗ لِبَنَاتِهِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ لِاُخْتِکَ؟ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَهٗ لِاَخَوَاتِهِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ لِعَمَّتِکَ؟ قَالَ لَا وَ اللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَهٗ لِعَمَّاتِهِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّهٗ لِخَالَتِکَ؟ قَالَ لَاوَاللّٰهِ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاءَکَ

توڑ دیا تھا ابوطالب نے مدحیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ اور نجاشی بادشاہ کے متعلق بھی مدحیہ اشعار کہے ہیں (کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کا ہمدرد تھا) موسیٰ ابن عقبہ (صاحب مغازی) بیان کرتے ہیں کہ جب اس عہد نامہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح محو و اثبات کر کے خراب کر دیا تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے باہر تشریف لے آئے اور لوگوں کے ساتھ پھر ملنے جلنے لگے۔

(۱۴۷۴) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس نازیبا سوال پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاروں طرف سے اس کو ڈانٹ پھنکار شروع کر دی اور 'خاموش خاموش' کا شور مچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ذرا قریب آ جاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ کر بیٹھ گیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا بتا تو اپنی ماں کے ساتھ یہ فعل گوارا کرے گا؟ اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جاؤں بخدا ہرگز نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو پھر اور لوگ اس کو اپنی ماؤں کے حق میں کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کے متعلق یہی سوال کیا اور اسی طرح بہنوں' پھوپھیوں اور خالاؤں اس کے سب محارم کے متعلق یہی سوال کیا اور ہر ایک کے جواب میں وہ یہی کہتا رہا میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہرگز نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے رہے کہ جس عورت کے ساتھ بھی تو اس فعل کا ارادہ کرے گا وہ بھی ضرور کسی کی ماں' بیٹی' بہن' پھوپی اور خالہ ہوگی تو پھر اور لوگ اس کو

(۱۴۷۴) * اس کا نام ہے نبوت' آپ نے دیکھا کہ ایک طرف کس حکیمانہ انداز میں اس کو نصیحت فرمائی اور دوسری طرف کیسی مستجاب دعا دی۔ اگر آپ صرف دعا پر کفایت فرما لیتے تو یہ معجزہ صرف اسی کے حق میں معجزہ ہو کر رہ جاتا مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ناصحانہ کلمات ہر ذی حس کے لیے تا قیامت معجزہ کا اثر دکھاتے رہیں گے۔ دل چاہتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا لوگ پورے اعتقاد کے ساتھ نمازوں کے بعد یہی دعا کر کے شفایاب ہوتے رہیں۔

www.besturdubooks.net

قَالَ وَ لَا النَّاسُ يُحِبُّوْنَهُ لِخَالَاتِهِمْ قَالَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَ طَهِّرْ قَلْبَهُ وَ حَصِّنْ فَرْجَهُ فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَالِكَ الْفَتٰى يَلْتَفِتُ اِلٰى شَيْءٍ.

(رواه الامام احمد فی مسنده ج ٥ ص ٢٥٦)

(۱۴۷۵) رَوَى الْبُخَارِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ قِصَّةِ قَتْلِ حَمْزَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَلَمَّا رَجَعَ النَّاسُ اِلٰى مَكَّةَ رَجَعْتُ مَعَهُمْ فَاَقَمْتُ بِمَكَّةَ حَتّٰى فَشَا فِيْهَا الْاِسْلَامُ ثُمَّ خَرَجْتُ اِلَى الطَّائِفِ فَاَرْسَلُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُسُلًا فَقِيْلَ لِيْ اَنَّهُ لَا يَهِيْجُ الرُّسُلَ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَهُمْ حَتّٰى قَدِمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰنِيْ قَالَ اَنْتَ وَحْشِيٌّ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنَ الْاَمْرِ مَا بَلَغَكَ قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّيْ قَالَ فَخَرَجْتُ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ مُسَيْلَمَةُ الْكَذَّابُ قُلْتُ لَاَخْرُجَنَّ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ لَعَلِّيْ اَقْتُلُهُ فَاُكَافِيْ بِهِ حَمْزَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَرَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِيْ فَاَضَعُهَا بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتّٰى خَرَجَتْ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ الخ.

(رواه البخاری ١٦ ص ٥٨٣)

کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس پر رکھا اور یہ دعا کی خداوندا اس کے گناہ بخش دے اور اس کا دل پاکیزہ بنا دے اور اس کو پاک دامن بنا دے۔ بس وہ دن تھا کہ پھر وہی نوجوان کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

(مسند امام احمد)

(۱۴۷۵) امام بخاریؒ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ قتل میں وحشی قاتل حمزہ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ مکہ کی طرف لوٹے تو میں بھی مکہ میں مقیم ہو گیا یہاں تک کہ (فتح مکہ کے بعد) اسلام پھیل گیا پھر میں طائف کی جانب نکل کھڑا ہوا تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کیے اور مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی قاصد کو پریشان نہ کرتے۔ اتفاق سے ایک جماعت قاصد بن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھی اس لیے میں بھی ان ہی کے ساتھ جا شامل ہوا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا جب آپؐ نے مجھ کو بھی دیکھا تو فرمایا کیا وہ "وحشی" تو ہی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں آپؐ نے فرمایا کیا اس بے رحمی کے ساتھ تو نے ہی حمزہ کو شہید کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ خبر آپ کو میری جانب سے پہنچی ہے سچی بات تو وہی ہے آپؐ نے فرمایا اچھا کیا تو اتنی سی بات کر سکتا ہے کہ اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹا لے (تاکہ تجھے دیکھ کر میرا غم تازہ نہ ہو اور مجھ کو اپنے پیارے چچا یاد نہ آئیں) یہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے اس فرمان پر شرمندہ ہو کر باہر چلا گیا اور آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکا جب آپ کی وفات ہو گئی تو مسیلمہ کذاب کا فتنہ شروع ہو گیا میں نے دل میں کہا کہ میں بھی اس کے مقابلے کے لیے چلوں اور شاید اس کے قتل میں کامیاب ہو کر (کم از کم روز محشر میں تو آپ کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤں) اور اس عمل سے شاید حمزہؓ کے قتل کی کچھ مکافات کر سکوں۔ چنانچہ میں نے جانچ کر اس کی طرف اپنا نیزہ پھینکا بس وہ ٹھیک اس کے سینہ سے نکل کر اس کے پشت کی جانب سے نکل گیا۔ (بخاری)

(۱۴۷۵) * آخر میں وہ کہا کرتے تھے کہ زمانہ کفر میں اگر ایک بہترین ہستی کو قتل کیا ہے تو اپنے اسلامی دور میں ایک بدترین شخص کو واصل جہنم کیا ہے شاید اس طرح اس عمل شر کا کچھ بدلہ ہو جائے

www.besturdubooks.net

اَنباءُ الغیب یعنی پیش گوئیاں

غیب کی پیش گوئیوں کا باب انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ایک اہم باب ہے لیکن بعض اہل فکر کو یہ مغالطہ لگ گیا ہے کہ ایمانیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا - غالباً اس کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ بہت سی پیش گوئیاں ایسی ہیں جن کے الفاظ مبہم ہیں' بعض وہ ہیں جو بظاہر بہت بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے' بعض وہ ہیں جو تیرہ سو سال کی مدت دراز گذرنے پر بھی ظہور میں نہیں آئیں' اور بعض وہ ہیں جو پوری تو ہو گئیں مگر روایت کے پورے الفاظ کے مطابق پوری نہیں ہوئیں' ان تمام مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے یہی صورت آسان سمجھی کہ بہت سے مقامات پر تو ان کا انکار ہی کر دیا جائے اور جہاں تسلیم کیا جائے تو ان کی اہمیت نظروں میں اتنی گھٹا دی جائے کہ وہ بھی انکار ہی کے برابر ہو جائے پھر اس کو ضابطہ میں لانے کے لیے ان کی اسانید کی طرف قدم اٹھایا اور جب بعض کی اسانید میں کوئی کمزوری نظر آئی تو ان کے اس خیال کو اور تقویت ہوگئی اس کے بعد انہوں نے یہ دیکھا کہ پیش گوئیوں کا تعلق چونکہ اکثر اخبار آحاد سے ہوتا ہے پھر ان کو ایمانیات سے کیسے تعلق ہو سکتا ہے پھر ان کی نظریں شاید اس طرف بھی گئی ہوں کہ دنیا کے پیش آمدہ اور آئندہ پیش آنے والی خبروں کو عقائد میں داخل کر لینا محض ایک غلو ہے اور ایک غیر معقول قدم ہے' اس لیے تجویز یہ سامنے آئی کہ اس سارے باب ہی کو طے کر کے رکھ دیا جائے - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اگر ذرا غور سے کام لیا جاتا تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی کہ پیش گوئیاں نبوت کا بہت اہم جزو ہیں کیونکہ ''النبی'' کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں پا کر دوسروں کو دینے والا' اسی کا دوسرا نام ''غیب کی خبریں'' ہے' جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے گذر چکے ہیں سب ہی نے غیب کی خبریں دی ہیں اور پیشگوئیاں فرمائی ہیں' پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ سب سے آخری اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ یہ باب ہی نہ ہوتا - اس باب کو خود قرآن کریم نے قائم کیا ہے اور بڑی تحدی کے ساتھ قائم کیا ہے حتیٰ کہ اس کے اعجاز کا ایک حصہ یہی غیب کی خبریں ہیں اسی لیے ایک جگہ فرمایا:

وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ. (آل عمران: ٤٤)

اور آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جب کہ وہ اپنے قلم ڈالنے لگے کہ کون مریم کی کفالت کرے اور آپ نہ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے-

دوسری جگہ ارشاد ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

یہ قصہ من جملہ اخبار غیب کے ہے' جن کو ہم وحی کے ذریعے آپ کو پہنچاتے ہیں - اس کو اس سے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ

www.besturdubooks.net

ھٰذَا. (الھود:۴۹) کی قوم۔

اس کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات پر غور کیا جاتا ہے تو ان کے نزدیک بھی پیشگوئیوں کی بڑی اہمیت نظر آتی ہے حتی کہ روم وفارس کی پیش گوئی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کفار کے ساتھ اسی بنا پر شرط لگائی تھی۔ جنگِ بدر کی فتح کے بعد صحابہ نے بڑی اہمیت کے ساتھ یہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جس کافر کا جہاں جہاں مقتل مقرر فرما دیا تھا وہ شخص ایک انچ برابر بھی ادھر ادھر نہیں پایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خوارج کے ساتھ جنگ سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے خوارج کے سردار کی نعش کی تلاش کا حکم دیا اور جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ نقشے کے مطابق وہ شخص نہ مل گیا اس وقت تک آپ برابر ہی مضطرب رہا کیے آخر کار جب اسی نقشے کا شخص ہاتھ آ گیا تو اس وقت جا کر دم لیا۔

اس کے برخلاف جب نامساعد حالات اور مخالف اسباب کی وجہ سے آپ کی پیش گوئی پوری ہونے میں ادنیٰ سا بھی تردد ہوا ہے تو آپؐ نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک جنگ میں جب آپ نے سنا کہ فلاں شخص قابل غبط جاں بازی کا ثبوت دے رہا ہے تو آپؐ نے یہ خبر دی کہ وہ تو دوزخی شخص ہے حالانکہ جس بہادری کے ساتھ وہ جنگ کر رہا تھا اس کو دیکھ کر خود صحابہؓ بھی عش عش کر رہے تھے۔ ان مختلف حالات میں یہ ظاہر ہے کہ اس کا دوزخی ہونا فطرۃً محل تردد ہو سکتا تھا لیکن جب اس نے زخموں کی تکلیف سے تنگ آ کر خودکشی کر لی اور آپ کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی تو سب پر عیاں ہو گیا کہ رسول وہ نہیں ہوتے جو حالات کا رخ دیکھ کر از خود کوئی رائے قائم کر لیتے ہوں بلکہ جو خبر بھی غیب سے متعلق بیان کرتے ہیں وہ ربانی ہوتی ہے اس لیے اس میں تخلف ممکن نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جانب سے اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ ان کے نزدیک آپؐ کی پیش گوئی اور آپؐ کے دوسرے اقوال پر ایمان لانے میں سرمو کوئی فرق ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی طریقوں سے ثابت ہو اس سب ہی پر ایمان لانا فرض و واجب ہوتا ہے خواہ وہ عقائد میں داخل ہو یا احکام و اخبار میں۔ اب رہا ان کے اجمال و ابہام کا معاملہ تو بسا اوقات ابہام ہی مقصود ہوتا ہے اور اس ابہام میں انسان کی آزمائش اور اس کے ایمان کی قوت وضعف کا امتحان لینا منظور ہوتا ہے۔ اسی لیے محدثین نے اس باب کا نام ہی کتاب الفتن رکھا ہے پھر جو ابہام بھی اس کے مصداق کے ظہور سے پہلے پہلے ہم کو نظر آتا ہے وہ اس کے مشاہدہ سے قبل ہی قبل ہوتا ہے لیکن جب اس کے ظہور کا وقت آتا ہے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جو بات اس صورتِ حال کے بیان کرنے کے لیے درکار تھی اس سے زیادہ الفاظ کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ اس کے ظہور سے قبل اور جتنے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے وہ اور الجھاؤ کا موجب بن جاتے اور جتنے الفاظ استعمال میں آ چکے وہ اس واقعہ کا نقشہ کھینچنے کے لیے بہت کافی تھے۔ یہاں ترجمان السنہ جلد اول از ص ۶۲ تا ص ۶۴ ضرور ملاحظہ فرمالیجئے۔ ہم اس میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ بعض امور اس نوع کے ہوتے ہیں کہ ان کی وضاحت کتنی بھی کر دی جائے مگر ان کے ظہور سے پہلے کسی نہ کسی پہلو میں ابہام رہنا ناگزیر ہوتا ہے پھر حیلہ جو طبائع میں یہ بھی محض ایک عذر لنگ ہوتا ہے ورنہ جن پیشگوئیوں کا ہر پہلو زیادہ سے زیادہ صاف موجود ہے کیا ضعیف الایمان طبیعتوں کو ان پر یقین حاصل ہوتا ہے؟ غرض پیش گوئیوں سے قطع نظر کر لینا معمولی بات نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت کے پورے باب ہی سے قطع نظر کر لینا ہے۔

www.besturdubooks.net

اب رہا ان کے بعید از قیاس ہونے کا مسئلہ تو رسالت اور خدائی پیغمبری کے تسلیم کر لینے کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی بات بعید از قیاس نہیں ہوتی اس کی وجہ ان کا خود بعید از قیاس ہونا نہیں بلکہ انسانی فطرت کا یہ ضعف ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور تجربات کے سوا غیوب پر ایمان لانے ہی کو ایک کٹھن منزل تصور کرتی ہے خواہ وہ پیشگوئیاں ہوں یا احوال محشر یا جنت و دوزخ کا حال بلکہ ایک بڑی سفاہت یہ ہے کہ وہ جن و ملائک کے وجود کا بھی قائل ہونا نہیں چاہتے حالانکہ اب موجودہ تحقیقات کی بنا پر بھی عالم روحانیات پر کچھ دور تک دسترس ہو چکی ہے۔

اب رہا ان کے بعد از قیاس ہونے کا مسئلہ تو رسالت اور خدائی پیغمبری تسلیم کر لینے کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو بات مادی عقول کے لیے یہاں سب سے زیادہ بعید از قیاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور ایک انسان کا اس کی جانب سے رسول ہونا ہے جب دلائل و بینات کی روشنی میں یہ دعویٰ قابل تصدیق ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کی ایک خبر کو بھی بعید از قیاس کہنا یہی بات سب سے زیادہ بعید از فہم ہو جاتی ہے' اسی لیے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ کے سفر معراج کی خبر پہنچی تو انہوں نے فوراً اس کی تصدیق فرمادی اور عجب جزم و اطمینان کے انداز میں فرمایا کہ جب ہم آسمان کی خبروں کے معاملہ میں آپ کی تصدیق کر چکے ہیں تو پھر یہ خبر تو زمین ہی کی ایک خبر ہے۔

اب آپ چند پیش گوئیاں ملاحظہ فرمایئے جو بظاہر بعید از قیاس معلوم ہوتی ہیں اور صحابہ کرامؓ کی جانب سے ان کے متعلق سوالات بھی منقول ہیں لیکن آپؐ کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات مشاہدہ سے قبل قبل کتنی ہی بعید از قیاس نظر آ رہی ہو وہی بات مشاہدہ کے بعد کتنی قرینِ قیاس معلوم ہونے لگتی ہے۔

(۱) آپؐ نے فرمایا کہ محشر میں مرد و عورت سب برہنہ جسم قبروں سے اٹھ کر ایک میدان میں جمع ہوں گے یہ سن کر حضرت عائشہؓ کی طبعی غیرت جنبش میں آ گئی اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر یہ تو بڑا کٹھن مرحلہ ہوگا آپؐ نے فرمایا' ہوگا تو یونہی مگر اس دن مخلوق کی بدحواسی کا عالم یہ ہوگا کہ اپنی جان کے سوا کسی کا دوسری جانب خیال ہی نہ جائے گا۔ آج بھی غیر معمولی پریشانیوں میں آدمی کے اوپر اس قسم کا دور گذر جاتا ہے۔ جو دن انسانی ذلت اور بے چارگی کے مشاہدہ کے لیے مقرر ہو چکا ہے اس دن اس کی برہنگی پر سوال کیا؟ یہ خدا تعالیٰ کے مقدس انبیاء علیہم السلام ہی ہوں گے کہ وہ اس عام منظر میں بھی لباس فاخرہ میں ملبوس نظر آئیں گے۔

(۲) آپؐ نے فرمایا کہ محشر میں ایک جماعت سر کے بل چلتی ہوئی آئے گی چونکہ یہ بھی ایک خلافِ عادت بات تھی اس لیے یہاں بھی تعجب کے ساتھ آپؐ سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کہ جس قادر مطلق نے آج ان کو پیروں سے چلنے کی طاقت دی ہے وہی ان کو سروں کے بل چلنے کی طاقت دے دے گا۔

(۳) قرآن کریم نے فرمایا کہ قیامت میں خود انسان کے اعضاء اس کے اعمال کی شہادت دیں گے یہ بھی جتنا کچھ بعید از قیاس مسئلہ ہے' ظاہر ہے مگر جب انسان متحیر ہو کر اپنے اعضاء سے یہ کہے گا کہ تم بھی آج میرے خلاف شہادت دے رہے ہو تو ان کا جواب خود قرآنی الفاظ میں یہ منقول ہے کہ:

www.besturdubooks.net

﴿اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَیۡءٍ﴾ (حم السجدہ: ۲۱) "یعنی جس ذات توانا نے ہر چیز کو طاقت گویائی بخشی ہے اسی نے آج ہم کو بھی قوت نطق بخش دی ہے۔"

اسی مقام سے ان احادیث کی شرح بھی سمجھ لینی چاہئے جن میں قرب قیامت میں حیوانات وانسانی اعضاء حتی کہ سوار کے چابک کے پھندنے کا کلام کرنا مذکور ہے۔ ریکارڈ اور گراموفون کی سوئی تو بہت قدیم کی ایجاد ہے اب جدید ایجادات اس سے کہیں آگے جاچکی ہیں جنہوں نے جمادات سے آواز پیدا ہونے کو بہت کچھ معقول بنا دیا ہے۔

(۴) جو پیشگوئیاں کسی وقت معین کے ساتھ محدود نہیں ان کے قبل از وقت پورا نہ ہونے سے ان میں تردد کرنا بھی بالکل غیر معقول ہے۔ ظاہر ہے کہ جس رسول کی بعثت کا دامن قیامت تک کے لیے پھیلا ہوا ہو اس کی پیشگوئیوں کا دامن بھی قیامت تک پھیلا ہوا ہونا چاہیے تاکہ ہر ہر دور میں آپ کی صداقت کی براہین صفحات عالم پر تازہ تازہ نمایاں ہوتی رہیں۔ کیا یہاں جلد بازی کر کے کفار مکہ کی طرح یہ کہنا چاہیے کہ "متی ھو" قیامت جس کا روز روز تذکرہ رہتا ہے آخروہ کب آئے گی؟ بہر حال جو پیشگوئیاں موقت نہیں ہیں اگر اب تک ان کا ظہور نہیں ہوا تو نہ ان سے دست بردار ہونا مناسب ہے اور نہ ان کی تاویل کرنی درست ہے بلکہ یہاں صبر کے ساتھ ان کے پورا ہونے کے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔

(۵) جو پیشگوئیاں اپنے ظاہری الفاظ میں آپ کو پوری ہوتی معلوم نہ ہوں تو یہ بھی کچھ وجہ تردد نہ ہونی چاہئیں۔ سب سے پہلے تو اس لیے کہ بعض مرتبہ یہاں خود اپنی ہی فہم کی غلطی ہو جاتی ہے جیسا کہ روم وفارس کی پیش گوئی میں فتح کے وعدہ کے ساتھ قرآن کریم میں "بضع" کا لفظ موجود تھا جس کا اطلاق دس سے کم کم پر آتا ہے۔ یہاں صدیق اکبرؓ نے ایک مدت اپنی جانب سے معین کر لی اور اسی پر مشرکین سے شرط بدلی (اس وقت تک شرط لگانا ممنوع نہ ہوا تھا) حسب الاتفاق اس مدت میں فتح حاصل نہ ہوئی اور صدیق اکبرؓ شرط ہار گئے۔ جب آپؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا جب قرآن کریم نے یہاں لفظ "بضع" استعمال فرمایا تھا تو تم نے اپنی جانب سے کوئی خاص مدت مقرر کیوں کی جاؤ اب کی بار جا کر پھر شرط لگاؤ۔ چنانچہ اس مرتبہ پیش گوئی بروقت پوری ہوگئی اور صدیق اکبرؓ نے شرط جیت لی۔ نیز کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ راوی کے ذہن میں آپ سے سنے ہوئے الفاظ پورے طور پر محفوظ نہیں رہتے تو وہ آپ کی مراد کو ان کے ہم معنی الفاظ میں ادا کرتا ہے جس کو "روایت بالمعنی" کہا جاتا ہے اور اس کے اس تصرف کی وجہ سے کوئی کمی رہ جاتی ہے مگر یہ بات صرف اسی باب کے ساتھ مخصوص نہیں دوسرے ابواب میں بھی روایت بالمعنی ثابت ہے۔ پس اگر کسی راوی کے الفاظ کی وجہ سے پیش گوئی کے کسی ایک حصے کے پورا ہونے میں کوئی خامی نظر آئے تو کیا یہ معقول ہوگا کہ صرف اتنی بات سے تمام حدیثوں سے کم از کم پیش گوئی کے پورے باب ہی سے دست برداری کر لی جائے' اس کا نام علم نہیں راحت طلبی ہے۔ اگر ذرا محنت اٹھائی جائے تو حدیث کے طرق کے تتبع سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اس جگہ روایت بالمعنی ہوئی ہے یا نہیں' پھر اگر اللہ تعالیٰ استعداد ومناسبت بخشے تو کچھ نہ کچھ اس کی نوعیت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے اصول حدیث کی کتابوں میں اس پر ایک اہم باب قائم کیا گیا ہے اس کی تفصیلات وہاں دیکھ لی جائیں۔

ہاں اسناد کا سوال بے شک ایک اہم سوال ہے مگر کسی حکم کا خبر واحد سے ثابت ہونا یہ کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم حجیت حدیث

www.besturdubooks.net

کے مضمون میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ خبر واحد بھی قطعیت کا فائدہ دے سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رد و قبول کے بارے میں صرف پیشگوئی اور غیر پیشگوئی ہونے کا فرق ہمارے نزدیک نہ کبھی پہلے کیا گیا ہے اور نہ اب یہ کوئی معقول بات ہے۔ آخر قیامت' حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی تمام تفصیلات یہ سب خبر واحد سے ہی ثابت ہیں اور عالم غیب سے متعلق پیشگوئیاں ہی ہیں مگر ہر پیشگوئی سے زیادہ بعید از قیاس بھی ہیں (یعنی مادی عقول کے نزدیک) مگر کیا ان کو تسلیم نہیں کیا جاتا اس لیے دیگر ثابت شدہ پیش گوئیوں کو بھی اسی طرح تسلیم کرنا واجب ہے اور جب ثبوت کی نوعیت ضعیف ہو تو پھر اس ضعف کا اثر بھی دونوں مقامات میں برابر ہے۔

یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنی چاہیے کہ پیش گوئیاں خواہ وہ معمولی نظر آئیں یا غیر معمولی' مستقبل قریب سے متعلق ہوں یا مستقبل بعید سے' قیاس کے موافق ہوں یا بیرون از قیاس' اپنی اصل روح کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ پیش گوئی کی اصل حقیقت کسی بات کو حق تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سب عالم یکساں روشن ہے' وہاں معمولی اور غیر معمولی یا بعید و قریب کا کوئی تخیل ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے کسی معمولی سے معمولی پیش گوئی کو معمولی سمجھنا بھی غلطی ہے کیونکہ نبی کا جو ذریعہ اطلاع ہوتا ہے وہ تمام جگہ یکساں ہوتا ہے اس لیے اس کی اہمیت بھی ہر جگہ یکساں ہی رہنی چاہیے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے خانگی معاملات میں جب دو بیبیوں کی گفتگو کا راز آپ نے کھول دیا تو انہوں نے تعجب سے پوچھا "من انباک هذا" اس کی تو ہم دو کے سوا کسی کو خبر بھی نہ تھی۔ بتایئے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی کس نے؟ آپؐ نے فرمایا "نبانی العلیم الخبیر" اس نے جو سب سے بڑھ کر علم والا اور سب سے بڑا خبردار ہے" پس اصل روح کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کی تمام پیشگوئیاں یکساں ہوتی ہیں اور اسی لیے ظہور کی قطعیت میں بھی وہ یکساں ہی رہنی چاہئیں اور کسی معمولی سے معمولی خبر کو بھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ہر خبر کے متعلق نبی کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ یہ خبر اس کو خدا کی طرف سے دی گئی ہے۔ جو لوگ ان حقائق پر غور نہیں کرتے وہ معمولی خبروں کو معمولی اور بیرون از قیاس خبروں کو خلاف قیاس سمجھ کر دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں' وہ دونوں جگہ جزم و یقین سے محروم رہتے ہیں۔

نجومی و کاہن اور غیب کی دوسری خبریں دینے والوں کا ذریعہ علم یا تو علم نجوم ہے یا تسخیر جنات اور یا محض قیاس آرائی' اس لیے ان میں نہ صدق کی وہ شان نظر آتی ہے نہ جزم و یقین کی وہ کیفیت پھر بیشتر ان میں سے کسبی ہیں جو کسب سے حاصل ہو سکتے ہیں' کہانت گو بعض مرتبہ فطری بھی ہوتی ہے مگر اس کے ادراکات اکثر ناتمام ہوتے ہیں۔ یہاں ہم نے متفرق معجزات کے علاوہ آپؐ کی پیشگوئیوں کا باب بھی رکھا ہے اور اصولاً اس کی تین قسمیں کی ہیں اور ہر قسم میں سے چند بطور مشتے نمونہ از خروارے آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں تاکہ مختلف انواع کی پیش گوئیاں دیکھ کر آپ کے ذہن میں ان کے اعجاز کا کچھ تصور آ جائے۔ (معجزہ کی حقیقت کا سمجھنا گو کتنا ہی مشکل رہے مگر معجزہ کی شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے) پہلی قسم وہ پیشگوئیاں جو گذشتہ زمانے میں پوری ہو چکیں۔ (۲) وہ پیشگوئیاں جو دور حاضر میں پوری ہو رہی ہیں۔ (۳) وہ پیشگوئیاں جو آئندہ زمانے سے متعلق ہیں اور ابھی ان کا انتظار کرنا چاہیے۔

یہاں ایک غلط فہمی لفظ عقیدہ اور اصول کے متعلق بھی ہے اور اسی غلط فہمی پر یہ خیال قائم کر لیا گیا ہے کہ پیش گوئیاں اور جزئی

www.besturdubooks.net

واقعات عقائد اور اصول کی فہرست میں داخل نہیں ہیں اور اس لیے ان کے انکار یا تاویل کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے یہ تفریعات تمام غلط ہیں جو صرف عقیدہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ کتاب السنہ امام احمدؒ کے عقائد کا ایک مجموعہ ہے۔ فقہ اکبر گو امام ابوحنیفہؒ کی براہ راست تصنیف نہ ہو مگر اس کا ان کے تلمیذ حماد کی تصنیف ہونا یقینی ہے۔ فقہ البسط یہ ابومطیع بلخی کی روایت ہے' اور کتاب الوصیۃ یہ امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے۔ عقیدہ طحاوی یہ عقائد حنفیہ کی معتبر ترین تصنیف ہے' ان سب کتب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول عقائد کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اسی طرح ائمہ مالکیہ و شافعیہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کا عقیدہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا نہ ہو۔ موجودہ امت کا بیشتر حصہ ان ہی ائمہ اربعہ کے متبعین میں دائر ہے اور ان سب کی تصنیفات میں اس مسئلہ کو عقائد ہی میں شمار کیا گیا ہے۔ ہاں اگر ضمنی طور پر کسی نے کوئی بحث کی ہے تو صرف اس میں کہ ان کے رفع جسمانی کی صورت کیا تھی۔ کیا وہ بحالتِ حیات آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا پہلے موت دے کر پھر ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا لیکن ان ہر دو فریق کے نزدیک کسی ایک شخص نے بھی نہ تو رفع جسمانی میں کوئی اختلاف کیا ہے اور نہ ان کے نزول جسمانی میں۔ مثلاً ابن حزم ظاہری جن کے ''تفردات'' کا حال دنیائے علم خوب جانتی ہے غالباً وہ اس کے قائل تھے کہ موت کے بعد ان کا رفع جسمانی ہوا ہے' اسی لیے وہ ان کے نزول جسمانی کے بھی قائل تھے جیسا کہ ان کی کتاب الفصل ج ۳ ص ۲۴۹ و المحلی ج ۷ ص ۳۹۱ میں صراحۃً موجود ہے۔

و قد صح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم بنقل الکواف التی نقلت نبوته و اعلامه و کتابه انه اخبر انه لا نبي بعده الا ماجاء ت الا خبار الصحاح من نزول عیسی علیه السلام الذی بعث الی بنی اسرائیل وادعی الیهود قتله و صلبه فوجب الاقرار بهذه الجملة و صح ان وجود النبوة بعده علیه السلام لا یکون البتة.

(کتاب الفصل ج ۱ ص ۷۷)

ان روایاتِ عامہ (متواترہ) کی تصریح کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' بشارت' بعثت اور کتاب آسمانی کی خبر دینے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اسانید کے ساتھ آئی ہیں قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔ جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اور یہودی ان کو قتل کر دینے اور سولی پر چڑھا دینے کے مدعی تھے۔ (آسمان سے اترنے کی صحیح احادیث کے مطابق کہ ان سے حضرت عیسیٰؑ کا آخر زمانہ میں آسمان سے اترنا یقیناً ثابت ہے لہٰذا ان سب امور کا اقرار کرنا (ایمان لانا) ضروری ہے مگر اس سے آپ کے خاتم انبیاء و مرسلین ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ وہ تو آپ سے پہلے نبی بنائے گئے ہیں نہ کہ آپ کے بعد لہٰذا) یہ قطعی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ (کتاب الفصل ج ا ص ۷۷)

و هم قد بدلوا هذا کله و جعلوا مکان السبت الاحد و احد ثواصو ما اخر بعد از ید من مائة عام بعد رفع المسیح فکفی بهذا کله

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے سو سال بعد ان نصرانیوں نے اس تمام (دین آسمانی) کو بدل ڈالا اور ہفتہ کے بجائے اتوار کو تعطیل کا دن مقرر کر دیا اور (اللہ کی طرف سے مقررہ روزوں کے علاوہ) اور روزے ایجاد کر لیے۔ یہ سب (دین میں) تحریفیں اور

www.besturdubooks.net

ضلالا۔ (کتاب الفصل ج۲ ص۲۳) تبدیلیاں ان کی گمراہی کے ثبوت کے لیے بہت کافی ہیں۔

وانما عند هم اناجيل اربعة متغايرة من تاليف اربعة رجال معروفين ليس منها انجيل الاالّف بعد رفع المسيح باعوام كثيرة و دهر طويل.

اس کے سوانہیں کہ ان عیسائیوں کے پاس چار ایک دوسرے سے مختلف اور متغایر انجیلیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے سالہا سال بعد چار آدمیوں نے تصنیف کی ہیں۔ (کتاب الفصل ج ۲ ص ۵۵ و ج ۲ ص ۸۷)

معتزلہ گو بہت سے عقائد میں اہل سنت والجماعۃ سے علیحدہ ہیں حتیٰ کہ ''رویت باری تعالیٰ'' کے مسئلہ میں بھی وہ جمہور کے ساتھ نہیں مگر اس مسئلہ میں جمہور معتزلہ بھی جمہور امت کے ساتھ ہیں جیسا کہ زمخشری معتزلی کی تفسیر سے ظاہر ہے۔ ابن عطیہ نے اس مسئلہ پر اجماع امت کا دعویٰ کیا ہے۔ (دیکھو بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳) حتیٰ کہ حافظ ذہبیؒ نے ''تجرید الصحابہ'' میں اور حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صحابہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں صحابی وہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایمان کے ساتھ حیات میں کی ہو اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باجماع زندہ ہیں اور شب معراج میں بحالتِ حیات ان کو آپ کی زیارت ہونا بھی ثابت ہے اس لیے وہ بھی صحابی کی تعریف میں داخل ہیں پس اگر وہ مسائل عقائد کی فہرست میں داخل ہو سکتے ہیں جن میں کہ علماء کا کچھ اختلاف بھی ہے تو وہ مسئلہ جس میں نہ تو ائمہ دین کا کچھ اختلاف ہے اور نہ علمائے معتبرین کا 'عقائد کی فہرست میں کیوں شمار نہیں ہو سکتا۔

یہ خیال بھی محض غلط ہے کہ عقیدہ میں صرف وہی مسائل داخل ہیں جو تواتر کے ساتھ قطعی طریقہ پر ثابت ہوں اور جو ظنی طریقے پر ثابت ہوں وہ عقائد کی فہرست میں شمار نہیں ہو سکتے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ''اعتقاد قلبی'' اور ''قطعی علم'' دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں دیکھو بعض اہل کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قطعی علم حاصل تھا مگر اس پر ان کو اعتقاد نہ تھا۔ اسی طرح ایک عامی مسلمان کو آپ کی نبوت کا اعتقاد تو حاصل ہوتا ہے مگر کسی برہانِ قطعی سے اس کا علم نہیں ہوتا' لہٰذا نہ تو یقین کے لیے اعتقاد حاصل ہونا لازم ہے اور نہ اعتقاد کے لیے پہلے اس کا علم حاصل ہونا لازم ہے۔ لہٰذا یہ گمان کر لینا کہ جو چیزیں خبر واحد سے ثابت ہیں چونکہ وہ علم و یقین کے مرتبہ میں نہیں آتیں اس لیے عقیدہ بھی نہیں بن سکتیں ایک بے بنیاد گمان ہے۔ اعتقاد قلب کا ایک عمل ہے جس طرح کہ دوسرے اعمال جوارح کا عمل ہے۔ لہٰذا جس طرح کہ خبر آحاد سے ثابت شدہ مسائل پر جوارح انسانی عمل کے مکلف ہیں اسی طرح قلب بھی ان پر اپنے عمل کا مکلف ہے اور اسی کا نام عقیدہ ہے پس اگر خبر واحد سن کر کسی کا قلب اپنا یہ عمل کر لیتا ہے تو کسی تردد کے بغیر اس کو عقیدہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ متکلمین چونکہ قطعیات سے بحث کرتے ہیں اس لیے انہوں نے عقیدوں میں صرف قطعیات کو شمار کیا ہے اور ظنیات کو شمار نہیں کیا۔ پس قطعی اور ظنی ہونے کا فرق قطع و ظن پر نہیں بلکہ جو امور قطعیہ ہیں وہ قطعی طور پر عقیدہ میں شمار ہیں اور جو ظنی طریق پر ثابت ہیں وہ ظنی طریق پر عقیدہ میں شمار ہیں' جیسا طریق ثبوت ہو اسی طرح اس پر عقد قلب ہوگا اب اختلاف صرف اپنے اپنے فن کا ہے نہ کہ حقیقت کا۔

یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ وہ ''غیوب'' جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں اگر کسی کی تعلیم کے بغیر محض وحی ربانی سے آپ

www.besturdubooks.net

بیان فرمائیں تو یہ آپ کی صداقت کی اور بھی بڑی دلیل ہے بلکہ انبیائے سابقین کی بھی صداقت کی دلیل ہے اسی لیے قرآن کریم کی مکی سورتوں میں صرف ان مشترک اصول کلیہ ہی کی تعلیم دی گئی ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک دین رہے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب نجاشی بادشاہ نے قرآن کریم کی چند آیات سنیں تو فوراً یہی کہا کہ یہ اور انجیل ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے کلام معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب ورقہ نے آپؐ کا حال سنا تو اس نے بھی یہی شہادت دی کہ یہ فرشتہ وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ پس انبیائے سابقین کے بیان کردہ ''غیوب'' کے متعلق یہ سمجھنا کہ ان کا بیان کرنا صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے نافہمی ہے۔ ہر نبی ایک مشترک تعلیم بھی لے کر آتا ہے بلکہ اسلام اور قرآن کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ تم کو ان ہی باتوں کا حکم دیتا ہے جو سب انبیاء علیہم السلام وصیت کرتے چلے آئے ہیں' ہاں اس کے ساتھ ہر رسول کی شریعت میں کچھ احکام مختلف بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور وہ یہاں بھی ہیں اور ان کا تذکرہ مدنی سورتوں میں مفصل مذکور ہے۔ اس لیے جن نادانوں نے اسلام کی چند تعلیمات میں تورات و انجیل کا حوالہ دینے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہا ہے کہ قرآن کریم کتب سابقہ سے ماخوذ ہے یہ انتہا درجہ کی نادانی ہے قرآن خود ہر جگہ یہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں پہلی کتابوں کا مصدق ہوں اور خوب سمجھ لو کہ مصدق کے معنی صرف زبانی تصدیق کے نہیں بلکہ ایسی اندرونی تصدیق کے ہیں جس کے بعد یہ یقین ہو سکے کہ یہ کلام اسی کا ہو سکتا ہے جس کے وہ تھے اسی لیے نجاشی اور ورقہ نے سن کر یہ بات کہی تھی۔ بے شک کسی کی تعلیم کے اور مادی ذرائع علم کے بغیر برحق ہونے کی یہ سب سے واضح دلیل ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۴۷۶) عَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عَمْرِو بْنِ اَخْطَبَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی بِنَا ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی بِنَا ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ وَ اَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَاَحْفَظُنَا اَعْلَمُنَا. (رواہ مسلم)

(۱۴۷۶) ابوزیدؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی' اس کے بعد منبر پر تشریف لاکر خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا- آپ منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی' ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر آپ پھر منبر پر تشریف لائے اور عصر تک پھر تقریر فرمائی- اس کے بعد آپ پھر منبر سے اترے اور ہم کو نماز پڑھائی- عصر کی نماز سے فارغ ہوکر پھر منبر پر تشریف لائے اور تقریر کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا- اس تقریر میں جو گذشتہ و مستقبل کے واقعات تھے وہ سب ہم کو بتلائے- اب ہم میں جس شخص نے ان کو زیادہ یاد رکھا وہ ہم میں بڑا عالم رہا- (مسلم شریف)

(۱۴۷۷) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَیْنَا اَنَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَشَكَا اِلَیْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ اَتٰی اٰخَرُ فَشَكَا اِلَیْهِ قَطْعَ السَّبِیْلِ فَقَالَ یَا عَدِیُّ هَلْ رَاَیْتَ الْحِیْرَةَ فَقُلْتُ لَمْ اَرَهَا وَ قَدْ اُنْبِئْتُ عَنْهَا قَالَ فَاِنْ طَالَتْ بِكَ حَیَاةٌ لَتَرَیَنَّ الظَّعِیْنَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِیْرَةِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ قَالَ قُلْتُ فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ نَفْسِیْ فَاَیْنَ دُعَّارُ طَیِّیٍٔ الَّذِیْنَ سَعَّرُوا الْبِلَادَ وَ لَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَیَاةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوْزُ كِسْرٰی قُلْتُ كِسْرٰی بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كِسْرٰی بْنِ هُرْمُزَ وَ لَئِنْ طَالَتْ

(۱۴۷۷) عدی بن حاتمؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دفعۃً ایک شخص آیا اور اس نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی- اس کے بعد پھر دوسرا آیا اور اس نے راستوں کے غیر مامون ہونے کی شکایت کی- آپؐ نے فرمایا عدی! تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی دیکھا تو نہیں البتہ اس کے حالات مجھ کو ضرور معلوم ہیں- آپؐ نے فرمایا اگر تم کچھ دن زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شریف عورت مقام حیرہ سے روانہ ہو گی یہاں تک کہ مکہ مکرمہ آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے ایک اللہ تعالیٰ کے اس کے دل میں کسی کا ذرہ برابر خوف نہ ہوگا- عدیؓ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ قبیلہ طی کے ڈاکو جنھوں نے شہروں میں لوٹ کی آگ لگا رکھی ہے بھلا یہ کہاں چلے جائیں گے- اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اگر تمہاری زندگی اور دراز ہوئی تو تم شاہ کسریٰ کے خزانے بھی فتح کرلو گے- میں نے از راہِ تعجب پوچھا کیا اس کسریٰ بن ہرمز بادشاہ کے؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں اسی کسریٰ بن ہرمز کے

(۱۴۷۶) ✱ یہاں گذشتہ واقعات سے مراد پیدائش عالم وغیرہ کے واقعات ہیں اور آئندہ واقعات سے مراد فتنوں کے حالات' علاماتِ قیامت اور حشر ونشر وغیرہ کے واقعات ہیں' یہ وہی علوم ہیں جن کی تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں- کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس خطبہ میں ان علوم کے علاوہ آپؐ نے اپنے مخاطبین صحابہ کو صنعت' حرفت' زراعت وتجارت اور عالم کے ذرہ ذرہ کی اطلاع دی تھی-

(۱۴۷۷) ✱ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مال کی اس کثرت کا زمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور میں گذر چکا ہے-✱ (دیکھو الجواب الصحیح ج ۴ ص ۱۳۳)

www.besturdubooks.net

بِکَ حَیَاۃٌ لَتَرَیَنَّ الرَّجُلَ یُخْرِجُ مِلْءَ کَفِّہٖ مِنْ ذَھَبٍ اَوْ فِضَّۃٍ یَطْلُبُ مَنْ یَقْبَلُہٗ مِنْہُ فَلَا یَجِدُ اَحَدًا یَقْبَلُہٗ مِنْہُ وَ لَیَلْقَیَنَّ اللّٰہَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ یَلْقَاہُ وَ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ یُتَرْجِمُ لَہٗ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ اَلَمْ اَبْعَثْ اِلَیْکَ رَسُوْلًا فَیُبَلِّغَکَ فَیَقُوْلُ بَلٰی فَیَقُوْلُ اَلَمْ اُعْطِکَ مَالًا وَ اُفْضِلْ عَلَیْکَ فَیَقُوْلُ بَلٰی. فَیَنْظُرُ عَنْ یَمِیْنِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّا جَھَنَّمَ وَ یَنْظُرُ عَنْ یَسَارِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّا جَھَنَّمَ قَالَ عَدِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ قَالَ عَدِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَرَأَیْتُ الظَّعِیْنَۃَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِیْرَۃِ حَتّٰی تَطُوْفَ بِالْکَعْبَۃِ لَا تَخَافُ اِلَّا اللّٰہَ وَ کُنْتُ فِیْمَنِ افْتَتَحَ کُنُوْزَ کِسْرٰی بْنِ ھُرْمُزَ وَ لَئِنْ طَالَتْ بِکُمْ حَیَاۃٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُخْرِجُ الرَّجُلُ مِلْأَ کَفِّہٖ.

(رواہ البخاری)

پھر فرمایا اگر تم نے کچھ اور عمر پائی تو تم دولت کا وہ دور بھی دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر کر سونا یا چاندی اس نیت سے لے کر نکلے گا کہ کوئی اس کو قبول کر لے مگر اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا - خوب یاد رکھو کہ قیامت میں تم میں سے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے جب کہ اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی دوسرا ترجمانی کرنے والا بھی نہ ہوگا - اس سے سوال ہوگا - اے بندے بتا' کیا میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا جس نے میرے احکام تجھ کو پہنچائے ہوں؟ وہ کہے گا ہاں پھر فرمائے گا کہ میں نے تجھ کو مال نہیں بخشا تھا اور تجھ پر اپنا فضل نہیں فرمایا تھا؟ وہ عرض کرے گا کیوں نہیں - تو نے یہ سب کچھ بخشا تھا اس کے بعد وہ شخص اپنے دائیں جانب دیکھے گا تو اس کو جہنم کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا - عدی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے "دیکھو دوزخ سے بچو اگر چہ کھجور کا ذرا سا ٹکڑا صدقہ دے کر ہی اور جس کے پاس یہ بھی نہ ہو تو نصیحت کا ایک کلمہ کہہ کر ہی سہی - عدی کہتے ہیں آپ کی ان فرمودہ پیش گوئیوں میں امن کا وہ دور تو میں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ مقام حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت سفر کر کے آتی ہے اور کعبہ کا طواف کر کے چلی جاتی ہے اور راستے میں اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے والوں میں تو میں خود بھی شریک تھا اور اگر تمہاری عمر ہوئی تو جو تیسری بات آنحضرتؐ نے ارشاد فرمائی ہے وہ بھی تم لوگ دیکھ کر رہو گے یعنی مال کی وہ کثرت ہوگی کہ آدمی اپنی مٹھی بھر نقدی لے کر گھر سے چلے گا - مگر اس کا قبول کرنے والا اس کو کوئی نہ ملے گا - (بخاری شریف)

(۱۴۷۸) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُتْبَۃَ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃٍ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ مِّنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ عَلَیْھِمْ ثِیَابُ الصُّوْفِ فَوَافَقُوْہُ عِنْدَ اَکَمَۃٍ فَاِنَّھُمْ لَقِیَامٌ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ. قَالَ فَقَالَتْ لِیْ نَفْسِیْ اِیْتِھِمْ فَاَقُوْمُ بَیْنَھُمْ وَ بَیْنَہٗ

(۱۴۷۸) جابرؓ بن سمرہ نافع بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ کے پاس مغرب کی سمت کے کچھ لوگ ایسے آئے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ٹیلہ کے پاس آ کر ملے یہ لوگ کھڑے تھے اور آپ تشریف فرما تھے - یہ کہتے ہیں کہ میرے دل نے کہا کہ میں ان کے پاس جا کر آپ کے اور ان کے درمیان کھڑا ہو جاؤں کہیں آپ پر وہ اچانک حملہ نہ کر دیں - پھر مجھے یہ خیال آیا شاید آپ ان کے ساتھ کچھ خفیہ باتیں کر

www.besturdubooks.net

لَا يَغْتَا لُونَهُ قَالَ ثُمَّ قُلْتُ لَعَلَّهُ نَجِيٌّ مَعَهُمْ فَأَتَيْتُهُمْ فَقُمْتُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُمْ قَالَ فَحَفِظْتُ مِنْهُ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ أَعُدُّهُنَّ فِي يَدِي قَالَ تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الرُّوْمَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

رہے ہوں- آخر میں چل ہی دیا اور آپ کے اور ان کے درمیان جا کر کھڑا ہو گیا- اس وقت آپ کی فرمودہ چار باتیں مجھ کو یاد ہیں جن کو آپ نے میرے ہاتھ میں شمار کر کے بتایا تھا پہلی بات یہ کہ تم جزیرہ عرب میں جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ اس کو فتح کر دے گا اس کے بعد فارس سے جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فتح کر دے گا- اس کے بعد پھر روم سے جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فتح کر دے گا آخر میں دجال سے جنگ کرو گے اور یہاں بھی اللہ تعالیٰ تم کو ہی فتح دے گا- (مسلم)

(۱۴۷۹) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَ هُوَ فِي قُبَّةِ أَدَمٍ فَقَالَ أُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَوْتِي وَ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ ثُمَّ يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقَى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ إِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ فَيَغْدِرُوْنَ فَيَأْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً كُلُّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا. (رواہ البخاری)

(۱۴۷۹) عوف بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چمڑے کے قبہ میں رونق افروز تھے- آپؐ نے فرمایا قیامت سے پہلے پہلے چھ باتیں شمار کر رکھنا- سب سے پہلے تو میری وفات' اس کے بعد بیتِ مقدس کا فتح ہونا پھر ایک عام وبا جو بکریوں کے پھوڑے کی طرح سے ظاہر ہو گی اور عام موت کا باعث ہوگی- پھر مال کی کثرت اور اتنی کثرت کہ ایک شخص کو سو سو اشرفیاں دی جائیں گی لیکن وہ اس پر بھی ناراض رہے گا اس کے بعد ایک ایسا فتنہ ظاہر ہوگا جو عرب کے گھر گھر میں داخل ہو جائے گا پھر روم اور تمہارے درمیان صلح ہوگی اور وہ لوگ غداری کریں گے اور ایسا لشکر جرار لے کر تم سے جنگ کے لیے آئیں گے جس میں اسی دستے ہوں گے اور ہر دستے میں بارہ ہزار نفر ہوں گے-

(۱۴۸۰) عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

(۱۴۸۰) حضرت خباب بن ارتؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے- ہم نے آپؐ کے

(۱۴۷۹) * حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ امور گذر چکے ہیں- حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیتِ مقدس فتح ہو چکا اس کے بعد ان ہی کے زمانے میں طاعون آیا جس میں معاذ بن جبل اور ابو عبیدہ جیسے جلیل القدر صحابہ اور بہت سے اصحاب کا انتقال ہوا اور ٹھیک اسی طرح ظاہر ہوا جیسا آپ نے بکریوں کی بیماریوں کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا تھا- یہ اسلام میں پہلا طاعون تھا جو تاریخ میں طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے- حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ٹھیک اسی طرح مال کی کثرت ظہور پذیر ہوئی حتیٰ کہ ایک گھوڑے کی قیمت اس کے ہم وزن نقد ہو گئی- اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت کا فتنہ ہر ہر گھر میں نمودار ہوا اور جنگ جمل اور صفین تک اس کی شاخیں پھیلیں-

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَ قَدْ لَقِينَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ شِدَّةً فَقُلْنَا اَلَا تَدْعُوا اللّٰهَ لَنَا اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا؟ قَالَ فَجَلَسَ مُحْمَرًّا وَ جْهُهُ ثُمَّ قَالَ وَ اللّٰهِ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَيُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا بَيْنَ لَحْمٍ وَ عَصَبٍ مَا يَصْرِفُهُ ذَالِكَ عَنْ دِينِهِ وَ يُؤْخَذُ فَيُحْفَرُ لَهُ الْحَفِيرَةُ فَيُوضَعُ الْمِنْشَارُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ عَنْ دِينِهِ وَ لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى لَيَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخْشٰى اِلَّا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ وَ لٰكِنَّكُمْ تَعْجَلُونَ.

(رواہ الشیخان)

سامنے ان مصائب کی جو اس زمانے میں ہم مشرکین کی جانب سے جھیل رہے تھے شکایت کی اور کہا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں فرماتے؟ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں کرتے؟ خبابؓ کہتے ہیں یہ سن کر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور آپؐ کا چہرہ مبارک تمتما رہا تھا' اس کے بعد آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم تم میں سے پہلی امتوں میں ایسے مصائب بھی ٹوٹے ہیں کہ ایک شخص کو پکڑ کر لوہے کی کنگھیوں سے اس کا گوشت اور پٹھے اتار دیئے جاتے تھے اور یہ بھی اس کو اپنے دین سے روگردانی کا باعث نہ ہوتا تھا اور کسی شخص کے ساتھ یہ بھی کیا جاتا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو دبایا جاتا پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے لیکن یہ بھی اس کے لیے اپنے دین سے روگردانی کا باعث نہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اس دین کو بلند کرے گا اور ایسا غالب کرے گا کہ ایک سوار شہر صنعاء سے چل کر مقام حضر موت تک سفر کرے گا راستے میں سوائے اللہ کی ذات پاک کے اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا حتیٰ کہ ایک بکری کے مالک کو اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خطرہ بھی نہ رہے گا لیکن تم لوگ بہت جلد بازی کرتے ہو۔ (شیخین)

(۱۴۸۱) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْاَنْفِ كَاَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ. (رواہ الشیخان و اللفظ للبخاری)

(۱۴۸۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ تم ترکوں سے جنگ نہ کر لو گے (اس وقت تک ترک مسلمان نہ ہوئے تھے) جن کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں' سرخ سرخ چہرے اور چپٹی چپٹی ناکیں ہوں گی اور ان کے چہرے ایسے پُر گوشت جیسا چمڑہ چڑھی ہوئی ڈھال' اور قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ تم ایسی قوم سے جنگ نہ کر لو گے جن کے چپل بال کے ہوں گے۔

(۱۴۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَعُكُنَّ بِي لِحَاقًا اَطْوَلُكُنَّ يَدًا قَالَتْ فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ اَيَّتُهُنَّ اَطْوَلُ يَدًا فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا يَدًا

(۱۴۸۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم سب میں سب سے جلد مجھ سے ملنے والی وہ ہو گی جن کے ہاتھ تم سب میں دراز ہوں۔ اس پر آپ کی بیویوں نے اپنے ہاتھوں کی پیمائش شروع کر دی کہ ان میں کس کے ہاتھ

(۱۴۸۱) * حدیث مذکور جنگ تا تار میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے دیکھنے والے بھی اس سے زیادہ ان کا نقشہ بیان کرنا چاہیں تو بیان نہیں کر سکتے۔ اس فتنہ کی المناک داستان تقریباً دس ہزار صفحات سے زیادہ میں بکھری پڑی ہے۔

www.besturdubooks.net

زَيْنَبُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَ تَصَدَّقُ. (رواه الشيخان)

دراز ہیں لیکن بعد میں یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کی مراد اس سے سخاوت تھی اور سب میں سخی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ اپنی دست کاری سے کماتیں اور راہِ خدا میں صدقہ کیا کرتی تھیں۔ (شیخین)

(۱۴۸۳) عَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ فَقَالَ يَوْمًا خَيْرُكُنَّ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ تَضَعُ يَدَهَا عَلَى الْجِدَارِ فَقَالَ لَسْتُ اَعْنِيْ هٰذَا وَ لٰكِنْ اَصْنَعُكُنَّ يَدَيْنِ. (رواه ابو يعلى و اسناده حسن كما في مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۸)

(۱۴۸۳) ابو برزہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو بیاں تھیں۔ ایک دن آپ نے فرمایا تم سب میں بہتر وہ ہے جس کے ہاتھ لانبے ہوں۔ بس وہ اٹھ کر فوراً دیوار پر اپنے ہاتھ رکھ رکھ کر ناپنے لگیں' یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا میرا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ جو سب میں زیادہ اپنی دست کاری سے خیرات کرنے والی ہو۔ (مسند ابو یعلی)

(۱۴۸۴) عَنْهُ اَنَّهُ سَارَّ فَاطِمَةَ فَقَالَ لَهَا وَ هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ اَنِّيْ اُقْبَضُ فِيْ مَرَضِيْ هٰذَا ثُمَّ اَخْبَرَهَا اَنَّهَا اَوَّلُ اَهْلِهٖ لُحُوْقًا بِهٖ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَ اَخْبَرَهَا اَنَّهَا سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (رواه الشيخان)

(۱۴۸۴) ابو برزہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کے طور پر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ میں اس مرض میں وفات پانے والا ہوں اور گھبرانا مت میری اولاد میں سب سے پہلے مجھ سے ملاقات تمہاری ہوگی اور ایک روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ انہوں نے یہ خوش خبری بھی سنائی کہ تم جنت میں سب عورتوں کی سردار کہلاؤ گی۔

(۱۴۸۳) * یہ واقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے لیکن اس میں "اسرعکن بی لحاقا" ہے یعنی تم سب میں جلد آ کر مجھ سے ملنے والی وہ عورت ہوگی' اور طبرانی کی معجم اوسط میں اولکن یرد علی الحوض کا لفظ ہے یعنی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر آنے والی وہ عورت ہو گی۔ ان تین کتابوں میں یہ تین لفظ ہیں اور یہ تینوں اوصاف ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔ یعنی جو بی بی صاحبہ سب سے پہلے وفات پانے والی ہوں جیسا کہ صحیحین میں ہے وہی سب سے پہلے آپ کے پاس حوض پر آئیں جیسا کہ معجم اوسط میں ہے اور کیا شبہ ہے کہ ایک لحاظ سے یہ بھی بڑی فضیلت کی بات ہے اس لیے "خیرکن" کا لفظ بھی صادق ہے جیسا کہ مسند ابو یعلی میں ہے۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ صحیحین کی حدیث میں یہ نہیں کہ امہات المومنین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی پیمائش آپ کے سامنے ہوئی تھی اور اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی جب بھی موت کے مسئلہ میں پوری وضاحت کرنی عرفاً پسندیدہ نہیں ہوتی جیسا کہ آپؐ نے جب اپنی وفات کی اطلاع دی تو اس طرح دی کہ ابوبکرؓ کے سوا اس کو کوئی شخص پوری طرح سمجھ بھی نہ سکا اور صحیحین کے علاوہ روایات میں اگرچہ یہ تصریح موجود ہے کہ ہاتھوں کی پیمائش آپؐ کے سامنے ہوئی ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی صاف صاف موجود ہے کہ آپ نے اپنی مراد اسی وقت واضح فرما دی تھی لہٰذا اس قسم کے واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ بعض مرتبہ وحی کی مراد خود نبی پر مخفی رہ جاتی ہے کھلی ہوئی حماقت ہی نہیں بلکہ صریح زندقہ اور دجل ہے۔ والعیاذ باللہ من سوء الفهم.

(۱۴۸۴) * یہ ایک پیش گوئی دنیا سے لے کر آخرت تک کے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے تفصیل کی اس وقت فرصت نہیں۔ .....

www.besturdubooks.net

(۱۴۸۵) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ سَیَکُوْنُ فِیْ ثَقِیْفٍ کَذَّابٌ وَ مُبِیْرٌ. (رواہ مسلم)

(۱۴۸۵) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو پرلے درجہ کا جھوٹا اور دوسرا انتہاء درجہ کا ظالم اور خون ریز ہوگا۔ (مسلم شریف)

(۱۴۸۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ قَالَ لَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا اَیُّکُمْ یَبْسُطُ ثَوْبَہٗ فَیَأْخُذُ مِنْ حَدِیْثِیْ فَیَجْمَعُہٗ اِلٰی صَدْرِہٖ فَاِنَّہٗ لَنْ یَّنْسٰی شَیْئًا سَمِعَہٗ فَبَسَطْتُ بُرْدَۃً عَلَیَّ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ حَدِیْثِہٖ ثُمَّ جَمَعْتُھَا اِلٰی صَدْرِیْ فَمَا نَسِیْتُ بَعْدَ ذَالِکَ الْیَوْمِ شَیْئًا سَمِعْتُہٗ مِنْہُ. (رواہ الشیخان)

(۱۴۸۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک دن ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو شخص بھی اس وقت اپنا کپڑا پھیلائے گا اور جو کلمات میں کہتا ہوں ان کو لے کر پھر اپنے سینے سے لگا لے گا تو وہ جو میری حدیثیں سنے گا ان کو ہرگز نہیں بھولے گا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جو چادر میرے جسم پر تھی میں نے فوراً اس کو پھیلا دیا تا آنکہ آپ وہ کلمات کہہ کر فارغ ہو گئے پھر میں نے اس چادر کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیا اس تاریخ کے بعد سے پھر جو حدیث بھی میں نے آپ کی سنی وہ نہیں بھولا۔ (شیخین)

(۱۴۸۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ وَ فِیْ لَفْظٍ اِثْنَیْ عَشَرَ اَمِیْرًا رواہ الشیخان و

(۱۴۸۷) جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام بارہ خلفاء تک برابر غالب رہے چلے جائے گا جو سب کے سب قریشی ہوں گے اور ایک روایت میں خلیفہ کے بجائے امیر کا لفظ ہے اور ابوداؤد طیالسی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ یہ سب خلفاء ایسے

ﷺ ..... سوائے اللہ تعالیٰ کے کون بتا سکتا ہے کہ کس کی موت پہلے آنے والی ہے اور کس کو خبر ہو سکتی ہے کہ جنت میں سرداری کا لقب کس کو ملنے والا ہے اور کیوں؟ یہ سب مخفی امور ہی نہیں بلکہ راز ہائے سربستہ بھی ہیں جن کو خفیہ طور پر اپنی بنت کریمہ پر ان کے اطمینان کی خاطر کھول دیا گیا تھا ہر ایک کے لیے اس کی اور اپنی موت کا حال صاف اور یقینی بتانا شاید مناسب نہ تھا' ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اپنی رفقائے حیات سے ان کی موت کا حال بتایا تو مگر کس طرح؟

(۱۴۸۵) * حسب بیان حدیث مذکور قبیلہ ثقیف میں مختار بن ابی عبید ظاہر ہوا' اسی نے امام حسینؓ کی ہمدردی کے پردہ میں شیعیت کی بنیاد ڈالی آخر کار وحی کا مدعی ہوا اور مبیر کا مصداق حجاج ظاہر ہوا جس کی شمشیر ظلم امت میں آج تک ضرب المثل ہے۔

(۱۴۸۶) * یہاں فما نسیت بعد ذلک الیوم شیئا سمعتہ منہ. اس روایت کی وجہ سے ہم نے دوسری روایت میں اس لفظ کی رعایت رکھی ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں میں سے ایک عظیم الشان خبر تھی جو حقیقت بن کر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی اور ابو ہریرہؓ کا بے مثل حافظ امت نے دیکھ لیا۔

(۱۴۸۷) * امام بیہقی حدیث بالا کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بارہ خلفاء سے مراد ہر خلیفہ نہیں ہے بلکہ صرف ایسے خلفاء مراد ہیں جو عدل وانصاف کے لحاظ سے اس شان کے ہوں کہ ان پر امت متفق بھی ہو' اس کے بعد پھر عام ماردھاڑ شروع ہو جائے گی۔ اب جن لوگوں نے حدیث کی بیان کردہ اس قید کی رعایت نہیں کی یا دور فتن کے بعد کے ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فی روایة لابی داؤد الطیالسی کُلُّهُمْ یَجْتَمِعُ عَلَیْهِمُ الْاُمَّةُ و فی روایة فقالُوْاثم یَکُوْنُ مَاذَا قَالَ ثُمَّ یَکُوْنُ الْهَرَجُ.(شیخین)

ہوں گے جن کی خلافت اور امارت پر تمام امت کا اتفاق ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا پھر کیا ہوگا آپ نے فرمایا پھر فتنہ فساد ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۴۸۸) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْا لِیْ کَمْ یَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَخَافُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ مَا بَیْنَ السِّتِّ اِلَی السَّبْعِ مِائَةٍ قَالَ اِنَّکُمْ لَاتَدْرُوْنَ لَعَلَّکُمْ اَنْ تُبْتَلُوْا قَالَ فَابْتُلِیْنَا حَتّٰی جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا یُصَلِّیْ اِلَّا سِرًّا.

(۱۴۸۸) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ آپؐ نے پوچھا شمار کر کے بتاؤ اس وقت کلمہ گو لوگوں کی تعداد کتنی ہے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہماری تعداد ماشاء اللہ کافی ہے) چھ سات سو کے درمیان ہے۔ کیا اب بھی ہمارے متعلق آپؐ کو کسی قسم کا اندیشہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم کو خبر نہیں شاید تم کسی آزمائش میں مبتلا ہو حذیفہؓ کہتے ہیں آخر ہم فتنوں میں مبتلا ہوئے حتیٰ کہ ہم میں سے کسی کو تو چھپ کر نماز پڑھنی پڑی۔ (شیخین)

(رواہ الشیخان و لفظ البخاری اکتبوالی من تنفظ بالاسلام. و فی روایة غیر مسمم ستمائة الی سبع مائة و هذا ظاهر لا اشکال فیه)

ﷺ ..... امراء بھی شمار کر لیے ان کے حساب سے بارہ کا عدد مستقیم نہیں رہ سکا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی بیان کردہ صفات کی رعایت کر لی جائے تو بڑے بڑے فتنوں کے ظہور سے قبل یہ عدد ولید بن یزید کے عہد تک پورا ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہؓ سے حضرت اسحٰق علیہ اسلام کی پیدائش کی بشارت دی اس پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے سجدہ شکر ادا کیا اور عرض کی پروردگارا تیری رحمتوں اور نعمتوں کی کثرت سے ابراہیم کی نظریں نیچی ہیں آج سے تیرہ سال قبل تراسی سال کی عمر میں تو نے (حضرت) اسمٰعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی پیدائش سے نوازا اور ان میں بڑی برکت عطاء فرمائی اور ان کی ذریت میں بارہ بڑے بڑے سرداروں کی بشارت عطا فرمائی اور اس کے بعد اب (حضرت) اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت سے نوازا۔ (جن کی نسل سے انبیاء علیہم السلام کی جماعتیں پیدا ہوں گی)

اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بھی بارہ خلفاء کی بشارت دی ہے جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں بارہ سرداروں کی بشارت دی تھی۔ پھر فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ بارہ مسلسل ہوں گے اس لیے ان کا مصداق خلفاء اربعہ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ بعض اور عباسی خاندان کے عادل امراء ہیں۔

(۱۴۸۸) * غالباً اس پیش گوئی کا مصداق حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آخری زمانہ تھا جب کہ امیر کوفہ نمازوں میں اتنی تاخیر کیا کرتا تھا کہ بعض صحابہ کو مجبوراً خفیہ اپنی نمازیں علیحدہ پڑھنی پڑتی تھیں جن لوگوں نے اس کا مصداق حضرت عثمانؓ کی شہادت کا زمانہ قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت حذیفہؓ اس وقت موجود نہ تھے۔ پھر حضرت حذیفہؓ کے بعد حجاج کے زمانے میں صحابہ کو ان سے بھی کہیں زیادہ مصائب سے سابقہ پیش آیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اپنی کثرت پر ناز کرنا کبھی مبارک نہیں ہوتا جنگ حنین کی مثال ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۱۴۸۹) مِنْ حَدِيْثِ اَبِي حُمَيْدِ نِ السَّاعِدِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَاَتَيْنَا وَادِيَ الْقُرَى عَلٰى حَدِيْقَةٍ لِامْرَأَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُخْرُصُوْهَا فَخَرَصْنَاهَا وَ خَرَصَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ عَشْرَ اَوْسُقٍ. قَالَ اَحْصِيْهَا حَتّٰى نَرْجِعَ اِلَيْكِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى قَدِمْنَا تَبُوْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ سَتَهُبُّ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَةَ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَلَا يَقُمْ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْكُمْ فَمَنْ كَانَ لَهُ بَعِيْرٌ فَلْيَشُدَّ عِقَالَهُ فَهَبَّتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَحَمَلَتْهُ الرِّيْحُ حَتّٰى اَلْقَتْهُ بِجَبَلِ طَيٍّ. (رواه الشيخان)

(۱۴۸۹) ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ تبوک کے لیے چلے‘ جب وادی القریٰ‘ کے ایک باغ پر پہنچے جو ایک عورت کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پھلوں کا تخمینہ لگاؤ ہم نے ان کا تخمینہ لگایا اور رسول اللہ علیہ وسلم نے اس کا تخمینہ دس وسق لگایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو یاد رکھنا یہاں تک کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہاں واپس ہوں۔ ہم آگے چلے یہاں تک کہ تبوک پہنچے تو رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج شب میں نہایت تیز و تند آندھی آئے گی لہٰذا کوئی شخص بھی تم میں اپنی جگہ سے نہ ہلے جس کا اونٹ ہو وہ اپنے اونٹ کو باندھ کر رکھے‘ چنانچہ ایسا ہی ہوا نہایت تیز آندھی آئی۔ ایک شخص اتفاق سے کھڑا ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہوا نے اس کو طے کے پہاڑوں پر اڑا کر ڈال دیا۔ (شیخین)

(۱۴۹۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الَّذِيْ اَسَرَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَبُو الْيُسْرِ ابْنُ عَمْرٍو وَهُوَ كَعْبُ بْنُ عَمْرٍو اَحَدُ بَنِيْ سَلَمَةَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَسَرْتَهُ يَا اَبَا الْيُسْرِ؟ فَقَالَ لَقَدْ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ رَجُلٌ مَا رَاَيْتُهُ بَعْدُ وَلَا قَبْلُ هَيْئَتُهُ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَعَانَكَ عَلَيْهِ مَلَكٌ كَرِيْمٌ. وَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اِفْدِ نَفْسَكَ وَ ابْنَيْ

(۱۴۹۰) ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت عباسؓ کو قید کر کے لایا تھا وہ قبیلہ بنوسلمہ کا ایک شخص تھا جس کی کنیت ابوالیسر اور نام کعب بن عمرو تھا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ اے ابوالیسر بتاؤ تو ان کو تم نے کس صورت سے قید کیا انہوں نے عرض کی ایک شخص نے اس میں میری مدد کی تھی جس کو میں نے نہ بعد میں دیکھا اور نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اس کی صورت ایسی ایسی تھی‘ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امداد تیری ایک عظیم فرشتے نے کی تھی اس کے بعد آپؐ نے حضرت عباسؓ سے کہا آپ اپنی جانب سے اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل بن حارث کی جانب سے بھی فدیہ دے دیں انہوں نے فرمایا میں تو اپنی اسیری سے پہلے

..... اس سے پہلے گذر چکی تھی بہر حال حدیث میں اس پیش گوئی کے پورے ہونے کا کوئی زمانہ مقرر نہیں کیا گیا۔ حذیفہؓ کی اس وقت موجودگی کوئی ضروری امر نہیں ہے ایک بات فرمائی جو بھی اس وقت اس کے پورے مخاطب ہوں۔

(۱۴۹۰) * اس جگہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ تو ہے ہی کہ آپؐ نے ایک ایسے راز کی اطلاع دے دی جس کا جاننے والا دو کے سوا مکہ مکرمہ میں بھی کوئی اور تیسرا نہ تھا مگر اس کی تہ میں یہاں اس معجزہ سے کم یہ اخلاقی معجزہ نہیں کہ عم بزرگوار کا معاملہ اور پورے اختیار و اقتدار کے ساتھ ان کے بیان اسلام کے دعوے کی وجہ سے کچھ نرمی کا موقعہ بھی ہے۔ کچھ نہ سہی تو کم از کم اتنا ہی ہو جاتا کہ ان سے حاصل شدہ مال کو فدیہ میں شمار کر لیا جاتا۔ پھر حقیقت کی کسی کو خبر بھی نہیں ہے لیکن ان سب کے باوجود جس مال میں سب مسلمانوں کا حق قائم ہو چکا .....

www.besturdubooks.net

اَخِیْکَ عَقِیْلَ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَ نَوْفَلَ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ فِهْرٍ قَالَ فَاِنِّیْ قَدْ کُنْتُ مُسْلِمًا قَبْلَ ذٰلِکَ وَ اسْتَکْرَهُوْنِیْ. قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِشَانِکَ اِنْ یَّکُ مَا تَدَّعِیْ حَقًّا فَاللّٰهُ یَجْزِیْکَ بِذٰلِکَ وَ اَمَّا ظَاهِرُ اَمْرِکَ فَقَدْ کَانَ عَلَیْنَا فَافْدِ نَفْسَکَ وَ قَدْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَخَذَ مِنْهُ عِشْرِیْنَ اُوْقِیَةً ذَهَبًا. فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْسِبْهَا لِیْ مِنْ فِدَایَ قَالَ لَا، ذٰلِکَ شَیْءٌ اَعْطَانَا اللّٰهُ مِنْکَ: قَالَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ لِیْ مَالٌ قَالَ فَاَیْنَ الْمَالُ الَّذِیْ وَ ضَعْتَهٗ بِمَکَّةَ حِیْنَ خَرَجْتَ عِنْدَ اُمِّ الْفَضْلِ وَ لَیْسَ مَعَکَ اَحَدٌ غَیْرَ کُمَا فَقُلْتَ اِنْ اُصِبْتُ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا فَلِلْفَضْلِ کَذَا وَ لِقُثَمَ کَذَا وَ لِعَبْدِ اللّٰهِ کَذَا قَالَ فَوَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا عَلِمَ بِهٰذَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ غَیْرِیْ وَ غَیْرَهَا وَ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ. (رواہ الامام احمد)

ہی مسلمان تھا یہ لوگ زبردستی گھسیٹ کر مجھ کو لے آئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اگر یہ بات جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں درست ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ دے گا لیکن آپ کی ظاہری صورت تو یہی تھی کہ آپ ہمارے مقابلے ہی کے لیے آئے تھے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ فدیہ ادا کر ہی دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیس اوقیہ سونا لے چکے تھے وہ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سونے کو میرے فدیہ کے حساب میں شمار فرما لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سونا تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ سے دلوایا ہے انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو اور کوئی مال نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو وہ مال کہاں ہے جو آپ نے نکلتے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اس وقت تمہارے دونوں کے سوا اور کوئی شخص نہ تھا اور تم نے کہا کہ اگر اس جنگ میں میں قتل ہو جاؤں تو اس میں سے فضل کا اتنا حصہ اور قثم کے لیے اتنا اور عبداللہ کے لیے اتنا۔ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اس کی اطلاع میرے اور ان (ام الفضل) کے سوا لوگوں میں سے کسی ایک شخص کو بھی نہیں ہے اور میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ کسی شبہ کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (مسند احمد)

(۱۴۹۱) عَنْ سُفْیَانَ بْنِ زُهَیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ الْیَمَنُ فَیَاْتِیْ قَوْمٌ یَبُسُّوْنَ فَیَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِیْهِمْ وَ مَنْ اَطَاعَهُمْ وَ الْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ کَانُوْا

(۱۴۹۱) سفیان بن زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں ملک یمن فتح ہو جائے گا کچھ لوگ اپنے اہل و عیال کو لے کر اور ان شخصوں کو جو ان کے ساتھ رائے میں متفق ہوں گے مدینہ چھوڑ کر یمن کی جانب کھسک جائیں گے اور ان کے لیے

ﷺ ..... تھا اس میں حقوق عامہ کے بالمقابل یہاں عم بزرگوار کے حق کی کوئی رعایت نہیں کی گئی اور جب آپ کے اصرار پر اور اصرار کے بعد بھی انہوں نے اصل بات بتانے سے انحراف کیا تو پھر عم بزرگوار کے منہ پر سارا راز افشا کر دینا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قبضہ سے گو بیس اوقیہ کی دولت تو ضرور نکل گئی مگر اسلام حقیقی کے انمول دولت ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اخبار غیبی پر کتنا جزم و یقین حاصل ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا اس کا کتنا ہی انکار کرے مگر ان کے قلوب میں شک و تردد کا چھوٹا سا کانٹا بھی نہیں چبھتا۔

www.besturdubooks.net

يَعْلَمُوْنَ ثُمَّ تُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَ مَنْ اَطَاعَهُمْ وَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ثُمَّ تُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِي قَوْمٌ مُّتَحَمِّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَ مَنْ اَطَاعَهُمْ وَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَ فِي رِوَايَةٍ فَيَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ. (رواه الشيخان)

مدینہ کی رہائش ہی بہت بہتر تھی کاش کہ وہ جانتے - اس کے بعد پھر ملک شام بھی فتح ہوگا اور کچھ لوگ اپنے اہل وعیال اور اپنے رفقا کے ساتھ اس طرف بھی کھسک جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے حق میں بہت بہتر تھا کاش کہ یہ لوگ جانتے - پھر عراق بھی فتح ہوگا اور اسی طرح اس کی طرف بھی کچھ لوگ اپنے اہل وعیال اور رفقاء کے ساتھ چلے جائیں گے اور ان کے لیے مدینہ ہی بہتر تھا کاش کہ وہ جانتے (تو مدینہ چھوڑ کر ان ممالک کا سفر نہ کرتے) - (شیخین)

(۱۴۹۲) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ سَتُفْتَحُ مِصْرُ وَ هِيَ اَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَيْرًا وَ فِي رِوَايَةٍ فَاَحْسِنُوْا اِلَى اَهْلِهَا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحِمًا فَاِذَا رَاَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَخْتَصِمَانِ عَلٰى مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا قَالَ فَرَاَيْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ بْنِ حَسَنَةَ وَ اَخَاهُ رَبِيْعَةَ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَخَرَجْتُ مِنْهَا. (رواه مسلم)

(۱۴۹۲) ابو ذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا عنقریب مصر فتح ہو جائے گا جہاں کے سکہ کا نام ''قیراط'' ہے تم اس کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا ہمارے ساتھ عہد ہے اور ان کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے اور جب تم دیکھنا کہ دو شخص ایک اینٹ برابر جگہ پر باہم لڑ رہے ہیں تو پھر وہاں سے نکل جانا - (مذکورہ بالا پیش گوئی کے مطابق مصر فتح ہوا اور اس کی کچھ مدت کے بعد ابو ذرؓ کا وہاں گذر ہوا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا شرحبیل بن حسنہ کے دو بیٹے ایک اینٹ برابر جگہ پر جھگڑا کر رہے ہیں یہ دیکھ کر حدیث کے حکم کے مطابق میں وہاں سے چلا آیا - (مسلم شریف)

(۱۴۹۳) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حِيْنَ اُجْلِيَ الْاَحْزَابُ عَنْهُ الْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَ لَا يَغْزُوْنَا. (رواه البخاری)

(۱۴۹۳) سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا ہے جب کہ غزوۂ احزاب میں دشمن قدرت کی جانب سے پسپا ہو کر جا چکا تھا - آج کے بعد ہم لوگ ہی ان پر چڑھائی کر کے جائیں گے اور وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے - (بخاری شریف)

(۱۴۹۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْرَسُ حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ

(۱۴۹۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہے کہ آیت وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے نازل ہونے سے پہلے شب میں آنحضرت صلی

(۱۴۹۳) ✱ تاریخ شاہد ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد کفار کو مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی -

(۱۴۹۴) ✱ یہ معجزہ کتنا عظیم الشان ہے کہ ہجرت کے بعد ایسے حالات میں آپؐ نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی جب کہ چاروں طرف دشمن اقوام آمادۂ انتقام تھیں اور ملک میں عام بدامنی پھیلی ہوئی تھی - پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کی یہ پیش گوئی کس صفائی کے ساتھ پوری ہوئی ..... للّٰہ

www.besturdubooks.net

اَلْاٰيَةُ (وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) فَاَخْرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ مِنَ الْقُبَّةِ وَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنْصَرِفُوْا فَقَدْ عَصَمَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے سر مبارک خیمہ سے باہر نکال کر فرمایا' لوگو! اب پہرہ داری موقوف کر دو' اللہ تعالیٰ میری حفاظت کا متکفل ہو چکا ہے۔ (ترمذی شریف)

(رواه الترمذی و الحاكم و ابن جرير. كذا فی تفسير ابن كثير و اصل الحديث فی الصحيحين)

(۱۴۹۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَ بُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهٗ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِنْهَا وَ يَمُرُّبِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهٗ وَ اَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ

(۱۴۹۵) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آئندہ چل کر کچھ شیطانوں کے اونٹ نظر آئیں گے اور کچھ شیطانوں کے گھر بھی ہوں گے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شیطانی اونٹ تو میں نے دیکھ لیے یعنی تم میں سے ایک رئیس آدمی عمدہ عمدہ اونٹنیاں لے کر اپنی شان دکھانے کے لیے گھر سے باہر اکڑتا ہوا پاس سے نکل جاتا ہے اور اس کے مسلمان بھائی کے پاس سواری کے لیے ایک اونٹ بھی نہیں ہوتا۔ اب رہے شیاطین کے گھر تو میں نے ابھی تک ان کو نہیں دیکھا۔ سعید راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں تو

تلہ ..... ہوئی۔ علماء نے آپ کی شہادت نہ ہونے کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں اگر اس آیت کو بھی سامنے رکھ لیا جائے تو یہ اور زیادہ واضح ہوسکتا ہے کہ عصمت کے وعدہ کے ساتھ آپ کے لیے شہادت قطعاً مناسب نہ تھی۔ غالباً جو حقیقۃً خاتم النبیین ہوں ان کے لیے ظاہری شہادت یوں بھی مناسب نہ ہوگی جب کہ اضافی خاتم یعنی سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں دشمنوں کے ہاتھوں شہادت مناسب نہ ہوئی اور آپ کے لیے طبعی موت ہی مقدر ہوئی تو جو رسول اعظم دونوں سلسلوں کے لیے خاتم تھے ان کے لیے یہ شہادت کیسے مناسب ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴۹۵) * یہاں دیکھئے راوی ایک پیشگوئی کو نہ دیکھ کر نہ تاویل کرتا ہے نہ انکار' ان ہی پیشگوئیوں میں آپ کے سامنے قیامت تک کے واقعات مذکور ہیں جو اپنے اپنے دور میں پورے ہوتے رہے۔ ہر ایمان دار یہ کہہ کر دنیا سے گذر گیا یہ آج نہیں تو کل پورے ہو کر رہیں گے پھر کتنی بے عقلی ہے کہ ایک یا دو واقعے اگر ہمارے سامنے پورے نہیں ہوتے تو ہم فوراً اپنی بے عقلی سے اس کے انکار یا تاویل کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق تو صاف بتادیا گیا ہے کہ وہ تو بالکل قیامت کے قرب میں ہوگا پھر آپ گذشتہ کفار کی طرح قیامت کو اپنے وقت سے پہلے بلانے کی کوشش فضول کرتے ہیں اور فضول عیسیٰؑ کے نزول کی تاویلات واہیہ گھڑتے رہتے ہیں یا بیکار ان کے نزول ہی کے منکر ہوتے ہیں' قدرت جتنا ان کے نزول کا وقت قریب آتا جاتا ہے اسی قدر اس کے معقول ہونے کے اسباب پیدا کرتی جاتی ہے کرہ نار اور کرہ زمہریر کا راز (جس کا شریعت میں کہیں ذکر تک نہیں) تو اب فاش ہو چکا ہے بلکہ قابل مضحکہ بن چکا ہے سیر معراج پر ایمان رکھنے والوں کے لیے نزول عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی بحث کرنے کا محل ہی باقی نہیں چھوڑا اور جو منکر ہیں وہ ذرا صبر کریں تو نزول مسیح علیہ السلام اور سیر معراج دونوں ان کے سامنے حل ہو جانے والے ہیں۔

www.besturdubooks.net

يَقُولُ لا اَرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَ قفاصَ الَّتِي يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيبَاجِ. (رواه ابوداؤد)

وہ یہی پنجرے (قفص) ہیں جن کو لوگ ریشمی کپڑوں سے سایہ کرنے کے لیے بناتے ہیں۔ (ابوداؤد)

(۱۴۹۶) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَنْ تَرٰى قَوْمًا فِي اَيْدِيهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ يَغْدُوْنَ فِي غَضَبِ اللّٰهِ وَ يَرُوحُوْنَ فِي سَخَطِ اللّٰهِ. (رواه مسلم)

(۱۴۹۶) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو لمبی زندگی بخشی تو تم کچھ لوگ ایسے دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں بیلوں کی دموں کی طرح مار دھاڑ مچانے کے لیے کوڑے ہوں گے اور ان کی گت یہ ہوگی کہ جب صبح ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں اور جب شام ہوگی تو بھی (اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی وجہ سے) اس کی ناراضگی میں۔ (مسلم)

(۱۴۹۷) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ، وَ نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوْسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَ اِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَ كَذَا. (رواه مسلم)

(۱۴۹۷) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دو قسم کے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ایک وہ مرد جن کے ہاتھوں میں بیلوں کی دموں کے سے کوڑے رہیں گے جن سے وہ لوگوں پر ظلم توڑتے رہیں گے۔ دوم وہ عورتیں جو لباس تو پہنے ہوئے ہوں گی لیکن درحقیقت برہنہ ہوں گی ان کا حال یہ ہوگا کہ دوسروں کو اپنی طرف راغب کریں گی اسی طرح خود بھی غیروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی ان کے سروں کے اوپر ایسے جوڑے بندھے ہوئے بال ہوں گے جیسے اونٹ کے کوہان اونچے معلوم ہوتے ہیں، نہ وہ جنت میں جائیں گی نہ اس کی خوشبو سونگھ سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو بڑے فاصلہ سے مہکتی ہوگی۔ (مسلم)

(۱۴۹۸) عَنْ مُعَاوِيَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَ اعْدِلْ فَمَا زِلْتُ اَظُنُّ اَنِّي مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ابْتُلِيْتُ. (رواه احمد و البيهقي)

(۱۴۹۸) حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر ولایت تم کو سپرد ہو تو خدا تعالیٰ کے تقوے کا خیال رکھنا اور انصاف کا لحاظ رکھنا۔ اسی دن سے مجھے خیال لگا رہا کہ مجھے مسلمانوں کی تولیت میں مبتلا ہونا ہے۔ آخر کار میں حضورؐ کے اس فرمان کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو کر رہا۔

(۱۴۹۹) عَنْ اَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

(۱۴۹۹) ابوبکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ

(۱۴۹۷) * سبحان اللہ یہ پیش گوئی کس صفائی کے ساتھ کس زمانے میں فرمائی گئی جب کہ اُدھر خیال بھی نہ جا سکتا ہوگا۔

(۱۴۹۹) * حسب بیان حدیث بالا یونہی ہوا یعنی ۴۰ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسنؓ کے ذریعے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے لشکروں میں صلح کی صورت پیدا فرمادی۔

www.besturdubooks.net

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ عَنِ الْحَسَنِ ابْنِ ابْنَتِهٖ وَ هُوَ یَخْطُبُ عَلَی الْمِنْبَرِ اَنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَ سَیُصْلِحُ اللّٰهُ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (رواہ البخاری)

منبر پر خطبہ دے رہے تھے اس وقت آپؐ نے اپنے نواسے حضرت امام حسنؓ کے متعلق ارشاد فرمایا میرا یہ لڑکا سیّد ہے اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(بخاری شریف)

(۱۵۰۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَأَیْتُ اللَّیْلَةَ فِی الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطِفُ السَّمِنَ وَ الْعَسَلَ فَاَرَی النَّاسَ یَتَكَفَّفُوْنَ مِنْهَا بِاَیْدِیْهِمْ فَمِنْهُمُ الْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ ثُمَّ اِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الْاَرْضِ اِلَی السَّمَاءِ فَاَرَاكَ اَخَذْتَ بِهٖ فَعَلَوْتَ ثُمَّ اَخَذَبِهٖ رَجُلٌ بَعْدَكَ فَعَلَا ثُمَّ اَخَذَبِهٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَعَلَا ثُمَّ اَخَذَبِهٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وُصِلَ لَهٗ فَعَلَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ لَتَدَعَنِّیْ فَلَاَ عْبُرَهٗ فَقَالَ اُعْبُرْ. فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ الْاِسْلَامِ وَ اَمَّا الَّذِیْ تَنْطِفُ مِنَ السَّمِنِ وَ الْعَسَلِ فَهُوَ الْقُرْاٰنُ حَلَاوَتُهٗ وَ لِیْنُهٗ. وَ اَمَّا مَا یَتَكَفَّفُ فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَ الْمُسْتَقِلُّ وَ اَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِیْ اَنْتَ عَلَیْهِ فَاَخَذْتَ بِهٖ فَیُعْلِیْكَ اللّٰهُ ثُمَّ یَاْخُذُ بِهٖ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَیَعْلُوْا ثُمَّ یَاْخُذُ بِهٖ رَجُلٌ فَیَعْلُوْا ثُمَّ یَاْخُذُ بِهٖ رَجُلٌ فَیَنْقَطِعُ بِهٖ ثُمَّ یُوْصَلُ لَهٗ فَیَعْلُوْبِهٖ فَاَخْبِرْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْتُ اَمْ اَخْطَاْتُ فَقَالَ اَصَبْتَ بَعْضًا

(۱۵۰۰) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ آج کی شب میں نے خواب میں ایک بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد برس رہا تھا اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو لیے جا رہے ہیں پھر ان میں کوئی زیادہ لے رہا ہے اور کوئی کم' اس کے بعد میں نے ایک رسی دیکھی جو زمین سے لے کر آسمان سے متصل تھی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپؐ نے اس کو پکڑا ہے اور اوپر تشریف لے گئے ہیں پھر آپؐ کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا ہے اور وہ بھی اوپر چلا گیا' اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے اس کو پکڑا اور وہ بھی اوپر چلا گیا پھر تیسرے شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی' تھوڑی دیر کے بعد پھر جڑ گئی اور وہ بھی اوپر چلا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے آپ اجازت دیں کہ اس خواب کی تعبیر میں بیان کروں' آپؐ نے ارشاد فرمایا اچھا بیان کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی بادل سے مراد اسلام ہے اور وہ جو اس سے شہد اور گھی برستا ہے اس کا مصداق قرآن کریم کی شیرینی اور اس کا نرم طرزِ تعبیر ہے اور وہ جو لوگ اس کو اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں تو اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو ان میں سے کوئی تو اس کو زیادہ مقدار میں حاصل کر چکا ہے اور کوئی کم۔ اور وہ جو رسی آسمان سے لے کر زمین تک لٹک رہی ہے اس کا مصداق وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں آپؐ نے اس حق کو مضبوط پکڑ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر اس پر دوسرا شخص ہوگا اور وہ بھی اوپر چلا جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص رسی کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چلا جائے گا۔ پھر ایک تیسرا شخص اس کو تھامے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی اور کچھ ہی دیر بعد پھر وہ جڑ جائے گی اور وہ شخص بھی اوپر چلا جائے گا۔

www.besturdubooks.net

وَ اَخْطَاْتَ بَعْضًا قَالَ فَوَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَتُخْبِرَنِّيْ بِالَّذِيْ اَخْطَاْتُ قَالَ لَاتُقْسِمْ. (رواه الشيخان)

یارسول اللہ مجھے بتایئے یہ تعبیر میں نے صحیح دی یا غلط- آپؐ نے فرمایا کچھ تو صحیح دی اور کچھ غلط- انہوں نے عرض کی یارسول اللہؐ خدا کی قسم آپ مجھے ضرور بتائیں میں نے کیا غلطی کی' آپ نے فرمایا قسم مت دو-

(۱۵۰۱) عَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ قَالَ فَاَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ. (رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

(۱۵۰۱) مرہ بن کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے جب کہ آپ آئندہ آنے والے فتنوں کا ذکر فرمارہے تھے اور اس طرح ذکر فرمارہے تھے گویا وہ بہت ہی قریب نمودار ہونے والے ہیں- اسی درمیان میں سر پر کپڑا ڈالے ہوئے ایک شخص گذرا- آپؐ نے فرمایا کہ یہ ان ایام میں حق پر ہوگا- میں ان کی طرف چلا' کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عثمان غنیؓ تھے- یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کا رخ آپ کی طرف پھیر کر کہا کہ کیا وہ یہی ہیں آپ نے فرمایا یہی ہیں- (ترمذی' ابن ماجہ)

(۱۵۰۲) عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَاَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ قَالَ وَ مَا هُوَ قَالَتْ اِنَّهٗ شَدِيْدٌ قَالَ وَ مَا هُوَ قَالَتْ رَاَيْتُ كَاَنَّ قِطْعَةً مِّنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَ وُضِعَتْ فِيْ حِجْرِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِيْ حِجْرِيْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِيْ حِجْرِهٖ ثُمَّ كَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ فَاِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ تُهْرِيْقَانِ الدُّمُوْعَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ مَالَكَ قَالَ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اُمَّتِيْ سَتَقْتُلُ ابْنِيْ هٰذَا فَقُلْتُ

(۱۵۰۲) ام فضل بنت حارث روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں- اور عرض کی یارسول اللہؐ آج شب میں نے ایک بہت خطرناک خواب دیکھا ہے آپؐ نے فرمایا وہ کیا ہے- انہوں نے عرض کی وہ بہت ہی سخت ہے آپؐ نے فرمایا آخر کیا ہے- انہوں نے عرض کی میں نے دیکھا گویا آپؐ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈالا گیا ہے- آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے (حضرت) فاطمہؓ کے انشاء اللہ تعالیٰ لڑکا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں ہوگا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکا ہوا اور وہ میری گود میں آیا پھر ایک دن ایسا ہوا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی- تو میں نے حضرت حسینؓ کو آپ کی گود میں دیا میرا خیال ذرا سی دیر کسی دوسری طرف بٹا ہوگا کیا دیکھتی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھی ہوئی ہے- میں نے عرض کی یا نبی اللہ میرے ماں' باپ آپ پر قربان کیسے مزاج ہیں خیر تو ہے فرمایا جبرئیل علیہ السلام ابھی ابھی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ کو یہ اطلاع دی کہ میری امت میرے اس جگر گوشہ کو شہید کرے گی- میں نے عرض کی کیا ان کو ان کو؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں ان ہی کو اور (اس خبر کی

www.besturdubooks.net

هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَتَانِيْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَةٍ حَمْرَاءَ.

(رواه البيهقي في دلائل النبوة)

تصدیق کے لیے) وہ میرے پاس سرخ مٹی بھی لائے تھے۔

(بیہقی شریف)

(۱۵۰۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ (هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰؤُلَاءِ الْاٰخَرِيْنَ فَقَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ وَ فِيْ لَفْظٍ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ وَ فِيْ لَفْظِ الْعِلْمُ.

(رواه البخاري)

(۱۵۰۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا الخ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی نے امی لوگوں میں ان ہی میں کے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا وہ ان کو خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو کفر و شرک کی زندگی سے پاک وصاف کرتے اور ان کو کتابِ الٰہی اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے اور نیز خدا نے ان پیغمبر کو اور لوگوں کی طرف بھی بھیجا ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے ہیں اور وہی ہے زبردست، حکمت والا تو آنحضرتؐ سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! جن دوسرے لوگوں کا اس آیت میں تذکرہ ہے وہ لوگ کون ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ ابنائے فارس ہیں اگر دین ثریا پر بھی چلا جائے جو بہت بلند ستارہ ہے تو یہ لوگ دین کو وہاں جا کر بھی حاصل کر لیں گے۔ بعض روایتوں میں یہاں دین کے بجائے ایمان کا اور بعض میں علم کا لفظ آتا ہے۔ (مقصد سب کا ایک ہی ہے ایمان تو دین کی بنیاد ہے اور اسی طرح علم سے مراد بھی علم دین ہی ہے)۔ (بخاری)

(۱۵۰۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهٗ وَ كَانَتْ اُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۵۰۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام کے یہاں تشریف لے جاتے اور وہ آپ کی تواضع کے طور پر جو کھانا ان کو میسر ہوتا آپؐ کے سامنے پیش کرتیں، یہ عبادہ بن صامت کی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؐ ان کے گھر تشریف لے

(۱۵۰۳) ✽ عہد تابعین اور تبع تابعین میں اسی طرح ظہور پذیر ہوا اور ابنائے فارس میں دین وعلم کے وہ وہ شہباز ظاہر ہوئے جنہوں نے دین کی خاطر ثریٰ سے ثریا تک پرواز کی اور آخر علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے جیسے حسنؒ بصری محمد بن سیرینؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، اور مجاہد ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ امام ابوحنیفہ کو بھی اسی حدیث کا مصداق سمجھنا چاہیے اور اس میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد تابعین کے ابناء فارس میں سے دین کو جو شہرت امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے حاصل ہوئی بحسب انصاف اس کی نظیر ملنی مشکل ہے آج دنیا میں حنفیہ کی جو کثرت ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ.

روایت ہے کہ جب آیہ ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ﴾ (مائده: ٥٤) نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں، آپؐ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس کی قوم کے لوگ ہیں اور فرمایا "انی لاجد نفس الرحمن من قبل اليمن" مجھے یمن کی جانب سے رحمٰن کی رحمت کی لپٹیں آتی محسوس ہوتی ہیں۔ (ابواب الفصیح ج ۴ ص ۱۳۹)

(۱۵۰۴) ✽ ام حرامؓ کی شہادت حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں ہوئی ہے جب کہ امیر معاویہؓ ان کی جانب سے نیابت فرما رہے ..... (بقیہ)

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَطْعَمَتْهُ وَ جَعَلَتْ تَفْلِيْ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَ هُوَ يَضْحَكُ فَقَالَتْ مِمَّ تَضْحَكُ؟ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِيْ يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَى الْاَسِرَّةِ اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْاَسِرَّةِ فَقَالَتْ اُمُّ حَرَامٍ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَ هُوَ يَضْحَكُ فَقَالَتْ مِمَّ تَضْحَكُ؟ فَقَالَ عُرِضَ عَلَيَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِيْ كَمَا قَالَ فِي الْاُوْلٰى فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ. قَالَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ زَمَنَ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا لَمَّا خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَمَاتَتْ. (رواه الشيخان)

گئے انہوں نے حسب معمول آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا اور آپ کا سر سہلانے لگیں، آپؐ سو گئے اور تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے اٹھے انہوں نے پوچھا آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں آپؐ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے تھے جو سمندر کی گہرائی میں جہاد کے لیے سفر کریں گے ایسی شان و شوکت والے نظر آ رہے تھے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر۔ یہ سن کر ام حرام نے عرض کی دعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھے ان میں بنا دے۔ آپ نے ان کے حق میں دعا کر دی۔ اس کے بعد آپ اپنا سر مبارک تکیہ پر رکھ کر پھر سو گئے اور تھوڑی دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے، ام حرام نے آپ سے پھر پوچھا کہ آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے تھے اور ان کی شان بھی ویسی ہی بیان فرمائی جیسا پہلی مرتبہ والوں کی، انہوں نے عرض کی آپ میرے لیے دعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھے ان میں بنا دے۔ آپؐ نے فرمایا تو پہلی جماعت میں داخل ہو چکی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایسا ہی ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ام حرامؓ نے بحری سفر کیا اور جب سفر سے فارغ ہو کر کنارے پر اتریں تو اپنی سواری سے گر پڑیں اور ان کی وفات ہوگئی۔ (شیخین)

(١٥٠٥) عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتَنِ الَّتِيْ تَمُوْجُ مَوْجَ الْبَحْرِ وَ قَالَ لِعُمَرَ اَنَّ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا يُوْشِكُ ذٰلِكَ الْبَابُ اَنْ يُكْسَرَ فَسَأَلَهُ مَسْرُوْقٌ مَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. (رواه الشيخان)

(١٥٠٥) حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا تذکرہ فرماتے ہیں جو امت میں ان فتنوں کے متعلق ہے جو سمندر کی ہولناک موجوں کی طرح آنے والے ہیں کہ آپؐ نے عمرؓ کے حق میں فرمایا کہ تمہارے اور ان فتنوں کی آمد کے درمیان ایک دروازہ ہے جو بند ہے قریب ہے کہ وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا مسروق (ایک تابعی کا نام ہے) کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا دروازے سے مراد کون شخص ہے انہوں نے فرمایا اس سے مراد عمرؓ کی خود ذات ہے۔ (شیخین)

۱؎ ..... تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد تک مسلمانوں کو بحری غزوہ کی نوبت نہ آئی تھی اور سمندر میں سفر کر کے جنگ کا یہ پہلا موقعہ تھا جس میں جزیرہ قبرص فتح ہوا۔ اسی سلسلہ میں مسلمان دمشق پہنچے اس وقت دمشق میں حضرت ابوالدرداء صحابی بقید حیات تھے۔ یہ رو پڑے۔ جب ان سے پوچھا گیا آپ روتے کیوں ہیں آج کے دن تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت نصیب فرمائی ہے۔ فرمایا کہ میں اس پر روتا ہوں کہ یہ امت برابر کفار پر غالب رہی آخر انہوں نے احکام الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کی تو جیسا تم دیکھ رہے ہو اب اس نوبت کو پہنچ چکی ہے۔

www.besturdubooks.net

(۱۵۰۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ فِیْهَا خَیْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَ الْقَائِمُ خَیْرٌ مِنَ الْمَاشِیْ وَ الْمَاشِیْ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ وَ مَنْ وَجَدَ فِیْهَا مَلْجَأً فَلْیَعُذْ بِهٖ رواه ابوبکرة رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ قَالَ فِیْهِ فَاِذَا وَ قَعَتْ فَمَنْ کَانَ لَهٗ اِبِلٌ فَلْیَلْحَقْ بِاِبِلِهٖ وَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ غَنَمٌ فَلْیَلْحَقْ بِغَنَمِهٖ وَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْیَلْحَقْ بِاَرْضِهٖ قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهٗ اِبِلٌ وَ لَا غَنَمٌ وَ لَا اَرْضٌ. قَالَ یَعْمِدُ اِلٰی سَیْفِهٖ فَیَدُقُّ عَلٰی حَدِّهٖ بِحَجَرٍ ثُمَّ لِیَنْجُ اِنِ اسْتَطَاعَ النَّجَا اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ اُکْرِهْتُ حَتّٰی یُنْطَلَقَ بِیْ اِلٰی اَحَدِ الصَّفَّیْنِ اَوْ اَحَدِ الْفِئَتَیْنِ فَضَرَبَنِیْ رَجُلٌ بِسَیْفِهٖ اَوْیَجِیْءُ سَهْمٌ فَیَقْتُلُنِیْ قَالَ یَبُوْءُ بِاِثْمِهٖ وَ اِثْمِکَ وَ یَکُوْنُ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (رواه الشیخان)

(۱۵۰۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں ایسے بڑے بڑے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھا شخص کھڑے سے اور کھڑا چلنے والے سے اور چلنے والا اس شخص سے جوان میں شریک ہوگا بدرجہا بہتر ہوگا جو شخص بھی ان کی طرف ذرا نظر اٹھا کر دیکھے گا وہ فتنے اس کو آ چمٹیں گے اس زمانے میں اگر کوئی جائے پناہ کسی کو میسر ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی پناہ لے لے۔ ابوبکرہؓ صحابی نے اس میں کچھ اور تفصیلات بھی نقل کی ہیں اور فرمایا کہ جب یہ فتنے ظاہر ہوں تو جس شخص کے پاس اونٹ ہوں اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اونٹوں میں چلا جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ بکریوں میں چلا جائے اور جس کے پاس زمین کا کوئی ٹکڑا ہوا سے چاہیے کہ وہ اپنی زمین میں چلا جائے۔ راوی کہتا ہے اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ فرمایئے اگر کسی کے پاس نہ اونٹ ہوں نہ بکری اور نہ زمین۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اپنی تلوار لے کر پتھر سے اس کی دھار توڑ ڈالے اور اگر بچ سکتا ہے تو اس طرح فتنوں کی شرکت سے بچ جائے اس کے بعد آپؐ نے خدا کو گواہ کر کے فرمایا: اے اللہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا یا نہیں؟ یہ سن کر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ فرمایئے اگر میرے ساتھ زبردستی کی جائے یہاں تک کہ مجھ کو گھسیٹ کر کسی ایک صف یا جماعت میں شامل کر دیا جائے اور اس کے بعد کوئی شخص اپنی تلوار سے مجھے قتل کر ڈالے یا کوئی تیر ہی مجھ کو آ لگے اور قتل کر دے (تو میرا حشر کیا ہوگا) آپؐ نے فرمایا تیرا اور اس کا گناہ قاتل کی گردن پر ہوگا اور وہی دوزخی ہوگا۔ (شیخین)

(۱۵۰۷) عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ لَمَّا اَقْبَلَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا مَرَّتْ بِبَعْضِ مِیَاهِ بَنِیْ عَامِرٍ طَرَقَتْهُمْ لَیْلًا فَسَمِعَتْ نُبَاحَ الْکِلَابِ فَقَالَتْ اَیُّ مَاءٍ هٰذَا؟ قَالُوْا مَاءُ الْحَوْءَبِ قَالَتْ مَا اَظُنُّنِیْ اِلَّا رَاجِعَةً قَالُوْا مَهْلًا یَرْحَمُکِ اللّٰهُ تَقَدَّمِیْنَ فَیَرَاکِ الْمُسْلِمُوْنَ فَیُصْلِحُ

(۱۵۰۷) قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنو عامر قبیلہ کے ایک پانی پر سے گذریں تو چونکہ شب کے وقت یہاں پہنچی تھیں اس لیے انہوں نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں تو دریافت فرمایا کہ اس پانی کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا یہ ''ماء الحوءب'' (عراق میں ایک تالاب کا نام) ہے یہ سن کر فرمایا مجھے یقین ہے کہ مجھ کو یہاں سے واپس ہونا ہوگا لوگوں نے عرض کی ایسا نہ کیجئے آپ تشریف لیے جا رہی ہیں جب مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو ممکن ہے کہ آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے درمیان

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ بِكَ. قَالَتْ مَا اَظُنُّنِي اِلَّا رَاجِعَةً اِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَيْفَ بِاِحْدَا كُنَّ يَنْبَحُ عَلَيْهَا كِلَابُ الْحَوْبِ. (رواه ابن حبان)

صلح کی صورت پیدا فرمادے اس کے بعد بھی انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو تو واپس ہی جانا ہوگا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو خطاب کرتے ہوئے خود سنا ہے: اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ تم میں سے ایک بی بی پر ''ماءالحوب'' کے کتے بھونکیں گے۔ (ابن حبان)

(۱۵۰۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّي قَتَلْتُ بِيَحْيٰى سَبْعِيْنَ اَلْفًا وَ اَنِّي قَاتِلٌ بِابْنِ ابْنَتِكَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا وَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا. (رواه في المستدرك ج ۳ ص ۱۷۸. قال الذهبي على شرط مسلم) (و ما رواه الحاكم ج ۲ ص ۲۹۰ فضعفه الذهبي من اجل رواته)

(۱۵۰۸) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ یحییٰ علیہ السلام کی قوم نے جب ان کو قتل کیا تو میں نے اس کا انتقام ستر ہزار انسانوں کو قتل کر کے لیا تھا لیکن آپؐ کے نواسے کے قتل کا انتقام میں ستر در ستر ہزار قتل کر کے لوں گا۔ مستدرک ج ۳ ص ۱۷۸ ذہبی نے اس کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔ اور حاکم نے جو روایت ج ۲ ص ۲۹۰ پر بیان کی ہے اس کی ذہبی نے تضعیف کی ہے راویان حدیث کے ضعف کی وجہ سے)

(۱۵۰۹) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَمَّرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ مُوْتَةَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ فَاِنْ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعْفَرٌ وَ اِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَتْشَتُّهُ يَعْنِي ابْنَ رَوَاحَةَ فَوَجَدْ نَافِيْمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ بِضْعًا وَّ سَبْعِيْنَ مَا بَيْنَ طَعْنَةٍ وَ رَمْيَةٍ. (رواه البخاري)

(۱۵۰۹) حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ کو امیر لشکر بنایا اور فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر بنیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ تھا تو میں نے ان کو یعنی ابن رواحہ کو تلاش کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم کے سامنے کے حصہ میں کچھ اوپر ستر زخم نیزوں اور تیروں کے لگے تھے۔ (بخاری)

(۱۵۰۸) * معلوم رہے کہ امور تکوینیہ اور امور تشریعیہ دونوں الگ الگ رہا کرتے ہیں جن کو نہ پہچاننے والے فضول الجھا کرتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام اسی نکتہ کی وجہ سے خضر علیہ السلام کے ساتھ تین ہی واقعات پر صبر نہ کر سکے تو پھر کسی کا حوصلہ کیا ہے کہ وہ ان کو نباہ دے گا۔ اگر اس فرق کو بغور ملحوظ رکھا جائے تو یہاں بے معنی سوالات کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔ میں امور تکوینیہ کو کیا سمجھوں کہ اس کے حل کرنے میں ٹانگ اڑاؤں میں تو حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ سے صرف ایک نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ امور تشریعیہ اور امور تکوینیہ کو سمجھنا ہمارے بس سے باہر کی بات ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی قوم نے ان کو قتل کیا تو اس وقت ان کو کیوں نہ روکا پھر بعد میں یہ انتقام کیوں لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے قتل کی ہمت مسلمانوں کو کیوں دے دی پھر اس کے بعد فتنہ تاتاران پر کیوں مسلط کیا۔ یہ باتیں جہان کا پیدا کرنے والا ہی جانے۔ ہم اپنے محدود علم کے موافق کچھ لکھتے مگر وہ بھی عالم غیب میں تکے لگانے کے سوا اور کیا تھا اس لیے سب بھائیوں کے دلوں پر اس واقعہ کا نقش عظمت قائم کر کے رخصت ہی ہونا چاہتے ہیں اور ان کو بھی یہ راز بتا دینا ہے .....

www.besturdubooks.net

(۱۵۱۰) عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ نَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَ جَعْفَرًا وَ ابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ وَ اِنَّ عَيْنَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَذْرِفَانِ ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (رواه البخاری)

(۱۵۱۰) انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید، جعفر اور ابن رواحہ کی شہادت کی اطلاع آنے سے قبل ہی لوگوں کے سامنے بایں تفصیل بیان فرما دی تھی کہ زید نے جھنڈا سنبھالا اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جعفر نے جھنڈا سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے پھر اس کو عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے اشک ہائے غم جاری تھے۔ ان کے بعد اس جھنڈے کو خالد بن ولید نے لیا جو قدرت کی شمشیروں میں ایک شمشیر ہیں اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ (بخاری شریف)

(۱۵۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ اَنْمَاطٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ اَنْمَاطٌ فَاَنَا اَقُوْلُ الْيَوْمَ لِامْرَاَتِىْ نَحِّىْ عَنْكِ اَنْمَاطَكِ فَتَقُوْلُ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ لَكُمْ اَنْمَاطٌ.

(رواه الشیخان)

(۱۵۱۱) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہو تمہارے پاس بچلوے دار منقش چادریں ہیں؟ ہم نے عرض کی یا رسولؐ اللہ بھلا ایسی چادریں ہمارے پاس کہاں' (مگر ایسا ہوا کہ آخر وہ چادریں ہم کو میسر آئیں) اور آج جب میں اپنی بی بی سے کہتا ہوں کہ تو اپنی منقش چادریں ہٹا لے تو وہ یہ جواب دیتی ہے کہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہے۔ کیا آپؐ نے نہیں فرمایا کہ ایسی چادریں آئندہ تمہارے پاس ہوں گی۔ (شیخین)

(۱۵۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُرِيْتُ اَنَّهُ وُضِعَ فِىْ يَدَىَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَرِهْتُهُمَا وَ قَطَعْتُهُمَا فَاُذِنَ لِىْ فِىْ نَفْخِهِمَا فَطَارَا فَاَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِىْ.

(رواه الشیخان)

(۱۵۱۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں مجھے وہ ناگوار ہوئے اور میں نے ان کو توڑ پھینکا ہے۔ مجھے اس کی اجازت دی گئی کہ میں ان کو پھونک مار کر اڑا دوں۔ میں نے ایسا کیا ہے اور وہ اڑ گئے ہیں۔ میں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ میرے بعد دو جھوٹے مدعیان نبوت کا زور ہوگا (اور وہ قتل کر دیے جائیں گے)۔ (شیخین)

لہ ..... چاہتے ہیں کہ وہ غیب کے امور کے پیچھے نہ پڑیں اگر وقت کی اضاعت ہی مطلوب ہو تو اس کو مریخ ستارہ پر پہنچنے والوں کے سپرد کر دیں اور اپنے ظاہری و باطنی معاملات ہی سلجھائیں۔ جو واقعات گذر چکے ان پر غور فرمانے میں اپنا وقت عزیز صرف نہ کریں۔ والسلام

www.besturdubooks.net

(۱۵۱۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَ الْمَدِيْنَةِ فَتَرَا أَيْنَا الْهِلَالَ وَ كُنْتُ رَجُلًا حَدِيْدَا الْبَصَرِ فَرَأَيْتُهُ وَ لَيْسَ اَحَدٌ يَزْعُمُ اَنَّهُ رَاٰهُ غَيْرِىْ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لِعُمَرَ اَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا يَرَاهُ قَالَ يَقُوْلُ عُمَرُ سَاَرَاهُ وَ اَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰى فِرَاشِىْ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا عَنْ اَهْلِ بَدْرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَ الَّذِىْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَئُوا الْحُدُوْدَ الَّتِىْ حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(الحدیث رواہ مسلم)

(۱۵۱۳) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے ہم نے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ میں بہت تیز نظر تھا اس لیے میں نے سب سے پہلے چاند دیکھ لیا اور میرے سوا کسی اور کو نظر نہ آیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کیا آپ کو نظر نہیں آیا' کیا آپ کو نظر نہیں آیا۔ مگر ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ آخر انہوں نے فرمایا اگر آج نظر نہیں آتا تو کل انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو بستر پر لیٹے لیٹے خود بخود نظر آ جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اہل بدر کے واقعات ذکر کرنے شروع کیے اس سلسلہ میں فرمایا کہ جو جو شخص ان میں مقتول ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پہلے نام لے لے کر اس کا مقتل ہم کو بتاتے جاتے تھے یہاں فلاں قتل ہوگا اور یہاں فلاں انشاء اللہ تعالیٰ۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب معرکہ جنگ سر ہو گیا تو جس کی جو جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دی تھی وہ اس سے سر مو ادھر اُدھر نہ تھا۔

(۱۵۱۴) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِىْ مَسَاجِدِهِمْ فِىْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۱۵۱۴) حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا جب کہ لوگ مسجدوں میں دنیوی باتیں کیا کریں گے تو ان کے پاس نہ بیٹھنا کیونکہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے (جو خدا کے گھر میں آ کر بھی دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں) (بیہقی)

(۱۵۱۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَ لٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا. (متفق علیہ)

(۱۵۱۵) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے براہِ راست نہیں نکالے گا بلکہ ایک ایک کر کے علماء کو اٹھاتا رہے گا یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی نہ رہے گا تو یہ نوبت آ جائے گی کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنائیں گے پھر ان سے فتوے پوچھے جائیں گے اور جانے بوجھے بغیر جہالت کے فتوے دیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (متفق علیہ)

www.besturdubooks.net

(۱۵۱۶) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِکُ اَنْ يَّأْتِيَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَ لَا يَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَ هِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰی عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَ فِيْهِمْ تَعُوْدُ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۱۵۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ دور نہیں جب کہ اسلام کا صرف نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن شریف کے صرف نقوش ہی نقوش نظر آئیں گے ان کی مسجدیں آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت کے لحاظ سے اجاڑ ہوں گی۔ اس وقت کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے بدتر ہوں گے، فتنے ان ہی میں سے اٹھیں گے پھر لوٹ کر ان ہی میں جائیں گے۔
(بیہقی شریف)

(۱۵۱۷) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانُ يُخْتَلَسُ فِيْهِ الْعِلْمُ حَتّٰی لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰی شَيْءٍ. (رواه الترمذي)

(۱۵۱۷) ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف حیران ہو کر نظریں اٹھائیں پھر فرمایا یہی وہ وقت ہوگا جب علم سینوں سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ علم نبوت میں سے کچھ نہ رہے گا۔
(ترمذی شریف)

(۱۵۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۱۵۱۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

(۱۵۱۶) * یہ دور علمائے سوء کا دور ہوگا جب کہ علم نابود ہو جائے گا اور جاہل علماء کے نام سے پکارے جائیں گے جیسا کہ ابھی پہلی حدیث میں گذرا۔ جو لوگ علمائے حقانی پر ان حدیثوں کو چسپاں کر کر کے مذہب سے بیزار ہونا چاہتے ہیں وہ صرف ان علماء کی مذمت کو نہ پڑھیں بلکہ حدیث کے ابتدائی مضمون پر بھی غور کر لیں کہ یہ نقشہ اسلام کے دور عروج کا ہے یا اس کے دور نزول کا اور علمائے حقانی کا ہے یا علمائے سوء کا۔
(۱۵۱۸) * سفیان ثوریؒ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کعب سے پوچھا فرمایئے وہ کون لوگ ہیں جن کو ارباب العلم کہا جا سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں کہ جتنا وہ جانتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے سوال کیا اچھا تو علماء کے سینوں سے علم نکالنے والی چیز کیا ہے فرمایا لالچ۔ (دارمی)
عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کاش اگر اہل علم اپنے علم کی قدر کرتے اور جو لوگ اس علم کے اہل تھے صرف ان کو سکھاتے تو اپنے زمانے میں سب کے سردار بن کر رہتے مگر انہوں نے تو اس کو دنیا داروں کے سامنے ڈال دیا تاکہ ان کی دنیا میں سے ان کو بھی کوئی ٹکڑا مل جائے آخر ان کی نظروں میں وہ ذلیل و خوار بن کر رہ گئے۔ (ابن ماجہ)
ان احادیث کو ہم نے عبرت کے لیے نقل کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آئندہ چل کر ایسے علماء پیدا ہوں گے جو اپنی روٹی اپنی زبانوں سے اس طرح حاصل کریں گے جیسا بیل زبان سے بھوسا کھاتا ہے۔ ایک حدیث اور نقل کرنا ضروری ہے، فرمایا کہ بہترین مخلوق بہترین علماء ہیں۔ اسی طرح بدترین مخلوق بھی بدترین علماء ہیں۔ خیر و شر کی یہ تقسیم تا قیامت چلتی رہے گی ہاں قلت و کثرت کا فرق ضرور رہے گا اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم ہر دو نوع کے علماء کو پہچانیں اور ان میں فرق قائم رکھیں اور سب کو ایک لاٹھی نہ ہانکیں۔ درحقیقت یہاں ان کو شرار علماء کہا گیا ہے وہ صرف نمائشی علماء ہوں گے۔ مصیبت یہ ہے کہ خیر و شر صحیح و غلط معلوم کرنے کی ہمارے دلوں میں کوئی پرواہ ہی باقی نہیں رہی۔

www.besturdubooks.net

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنْ اُمَّتِیْ سَیَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ وَ یَقْرَئُوْنَ الْقُرْاٰنَ یَقُوْلُوْنَ نَاْتِی الْاُمَرَاءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاھُمْ وَ نَعْتَزِلُھُمْ بِدِیْنِنَا وَ لَایَکُوْنُ ذٰلِکَ کَمَا لَا یُجْتَنٰی مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْکَ کَذٰلِکَ لَا یُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِھِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ کَاَنَّہٗ یَعْنِی الْخَطَایَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہوگی جو دین کا قانون خوب حاصل کرے گی اور قرآن کی تلاوت بھی کرے گی پھر یہ کہے گی آؤ ہم ان بے دین حاکموں کے پاس چل کر ان کی دنیا میں بھی حصہ لگالیں اور اپنا دین ان سے علیحدہ رکھیں لیکن ایسا نہ ہو سکے گا جیسا کانٹے دار درخت کے نزدیک جانے سے سوائے کانٹوں کے اور کچھ نہیں مل سکتا اسی طرح ان کے پاس جا کر سوائے خطاؤں کے اور کچھ نہ حاصل ہو سکے گا۔

(۱۵۱۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْہُ مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواہ البخاری)

(۱۵۱۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کسی کو یہ بحث نہ رہے گی کہ جو مال وہ لے رہا ہے یہ حلال ہے یا حرام۔

(بخاری شریف)

(۱۵۲۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَایَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلَ الرِّبٰو فَاِنْ لَمْ یَاْکُلْہُ اَصَابَہٗ مِنْ بُخَارِہٖ وَ یروی مِنْ غُبَارِہٖ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

(۱۵۲۰) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آکر رہے گا جب کہ کوئی شخص ایسا نہ بچے گا جو سود نہ کھائے' اگر وہ کھائے گا نہیں تو غیر اختیاری طور پر اس کا دھواں ضرور اس تک پہنچے گا۔

(مسند ابوداؤد)

(۱۵۲۱) عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِی الْخَمْرَ یُسَمُّوْنَھَا بِغَیْرِ اِسْمِھَا۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

(۱۵۲۱) ابو مالک اشعریؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ضرور ایسے آئیں گے جو شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر دوسرا نام رکھیں گے۔

(ابوداؤد' ابن ماجہ)

(۱۵۲۲) عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا

(۱۵۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دین کی سب سے پہلے چیز جو

(۱۵۱۹) ✱ یہ پیش گوئی اس دور کی ہے جس میں حرام ذرائع موجود ہی نہ تھے اور حلال میں بھی شبہ نکالے جاتے تھے۔

(۱۵۲۰) ✱ ہمارے زمانے میں بیرونی تجارت کا حال سامنے ہے اور اندرون ملک میں معاشی طریقوں کی ابتری بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ اس زمانے کی پیش گوئی ہے جب کہ سودخوری سے لوگوں کی روح کانپتی تھی۔

www.besturdubooks.net

يُكْفَأُ قَالَ زَيْدُ بْنُ يَحْيَى الرَّاوِي يَعْنِي الْإِسْلَامُ كَمَا يُكْفَأُ الْإِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيلَ فَكَيْفَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَ قَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيهَا مَا بَيَّنَ قَالَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّونَهَا. (رواه الدارمی)

برتن کی طرح الٹی کی جائے گی وہ شراب ہوگی - میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی حرمت کو صاف صاف الفاظ میں بیان فرما چکا ہے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہ وہ اس کا نام بدل کر اس کو حلال بنائیں گے -

(دارمی)

(۱۵۲۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَ تُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ. (متفق علیہ)

(۱۵۲۳) عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم تمہارے متعلق مجھ کو فقر و فاقہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ تم پر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر پھیلا دی گئی تھی پھر تم اس میں ایک دوسرے پر حرص کرنے لگو گے جیسے انہوں نے حرص کی تھی اور وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے یعنی غفلت میں ڈال دے - (متفق علیہ)

(۱۵۲۴) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى

(۱۵۲۴) ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گے جیسا کہ دعوت پر دستر خوان والے ایک دوسرے کو کھانے

(۱۵۲۳) * یہ پیش گوئی ان ناسازگار حالات میں کی گئی جب کہ امت کے پاس نہ کھانے کو تھا نہ پہننے کو - اب ہر چند کہ دنیا ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں رہی لیکن پھر بھی جو فراوانی موجود ہے پھر اس پر جس طرح حرص نے گھیر رکھا ہے وہ سب پر ظاہر ہے - ایام گذشتہ میں ہمارے پاس دنیا کی بھی کوئی کمی نہ تھی - آلات جدیدہ نے جو عجائبات ہماری آنکھوں کو دکھلائے کبھی ان آلات کے بغیر ہم ان کو دکھلا چکے ہیں - افسوس ہے کہ آج ہماری آنکھیں خود ہی اپنے گذشتہ حالات سے بند ہو چکی ہیں - تعجب ہوائی جہازوں کی ایجادات پر کرنا کچھ جائے تعجب نہیں' قابل تعجب یہ ہے کہ جب یہ ہوائی جہاز کا سفر نہ تھا تو شرق و غرب کا سفر کس طرح طے کر لیا گیا تھا - آج بھی ہم ان عجائبات کی تحقیقات کے فہم سے قاصر ہیں جو دور ماضی میں ہمارے ہاتھوں جاری رہا کرتی تھیں - میرا اس وقت یہ مضمون نہیں ہے میں تو صرف پیش گوئیوں کی نوعیت اور ان کی اہمیت ذہن نشین کرنے کے درپے ہوں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو سال پہلے کی تھیں -

ترجمہ میں دنیا کے ہلاک کرنے کا مطلب گذر چکا ہے - آج کل دنیا پرست لوگ سمجھ لیں کہ ہلاکت غفلت ہی کا نام ہے جب حلال و حرام کا فرق نہ رہے خدا تعالیٰ کی یاد قلوب سے نکل جائے تو اس سے بڑھ کر ہلاکت اور کیا ہوگی آج نہیں تو کل یہ بات روشن ہو کر رہے گی -

(۱۵۲۴) * اس حدیث کو بار بار پڑھیے اور غور فرمایئے کہیں یہ دور ہمارا ہی دور تو نہیں ہے کیا آج ہمارے دلوں کو "الوھن" نے دبا تو نہیں لیا' کیا جو لوگ ہمارے نام سے لرزتے تھے آج وہی ہمارے مقابلے میں شیر تو نظر نہیں آتے' کیا آج ہماری تعداد دنیا میں کچھ کم ہے پھر کیا آج ہم قوموں کے سامنے حلوائے تر بن کر تو نہیں رہ گئے' کیا آج ساری اقوام کی نظریں ہمارے ہی طرف لگی ہوئی نہیں' ......

www.besturdubooks.net

قَصْعَتِهَا قَالَ فَقَالَ قَائِلٌ وَ مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَ لٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَ لَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَ لَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ. (رواه ابوداؤد والبيهقي في دلائل النبوة)

کی دعوت دیتے ہیں اس پر ایک شخص نے بڑے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ کیا اس لیے کہ اس وقت ہماری تعداد بہت کم ہوگی- آپ نے فرمایا نہیں تمہاری تعداد بہت بڑی ہوگی مگر اس طرح بیکار ہوگے جیسے پانی کے روکی سطح پر جھاگ ہوتی ہے- اللہ تعالیٰ تمہاری ہیبت تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں "اَلْوَهْنُ" ڈال دے گا- ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ "الوہن" کیا چیز ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کی نفرت-
(ابوداؤد-بیہقی)

(۱۵۲۵) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ؟
(متفق عليه و عند الترمذي عن عبدالله بن عمرو حتى ان كان منهم من اتى امه علانية لكان في امتي من يصنع ذلك)

(۱۵۲۵) ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پہلی امتوں کے قدم بقدم نقلیں کرکے رہو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ (جانور) کے سوراخ میں گھسیں گے تو تم اس میں بھی گھس کر رہو گے- اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا پہلی امتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہیں تو پھر اور کون؟ ایک روایت میں ہے کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے کھلم کھلا زنا کیا ہوگا تو میری امت میں یہ بھی ہو کر رہے گا-

(۱۵۲۶) عَنْ مِرْدَاسٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ

(۱۵۲۶) مرداس اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ..... اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ صحابی ہے کہ اس نقشہ کا تصور کرنا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہا ہے کیونکہ وہ اس دور میں تھا جب کہ مسلمان مٹھی بھر ہوکر دنیا کو مغلوب بنا چکے تھے پھر وہ کثرت کے دور میں مغلوبیت کا کیا تصور کرسکتا تھا' اس لیے متحیر ہوکر یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید یہ نوبت ہماری اس لیے ہو جائے گی کہ ہم عدد میں اس دن بہت تھوڑے ہوں گے- لیکن اس کی حیرت میں یہ کہہ کر اور اضافہ کردیا کہ نہیں نہیں اس دن بلحاظ عدد تو تم بہت ہوگے لیکن تمہاری حیثیت دریا کے اوپر بہنے والے خس و خاشاک جیسی ہوگی جو کتنا بھی ہو مگر کسی مصرف کا نہیں ہوتا- اسی طرح آخر میں تم میں حرص و طمع کے علاوہ ہمدردی اور خداترسی کا نام و نشان بھی نہ رہے گا- اب اس نقشہ کو اپنی حالت کے ساتھ ملا کر دیکھتے چلے جایئے-

(۱۵۲۵) ✱ اس حدیث پر ترجمان السنہ کے مقدمہ میں تفصیلی بحث گذر چکی ہے ملاحظہ فرما لیجیے-

(۱۵۲۶) ✱ یہ پیش گوئی بھی دیکھنے میں ایک معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن سوائے اس کے اس کو کوئی کیا سمجھے کہ آخر میں مسلمان صرف ایسے رہ جائیں گے جن کی مثال جو اور کھجوروں کی بھوسی کی ہوگی' اسلام سے ان کا دور کا واسطہ نہ رہے گا نہ ان کو اپنی دنیوی زندگی کی اصلاح و ترقی کی فکر رہے گی صرف اغراض و اہواء باقی رہ جائیں گی- اور جو بھی جتنا تیس مار خاں ہوگا اس کا نظر یہ صرف اپنی اغراض ہی ﷺ.....

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْھَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَ تَبْقٰی حُفَالَۃٌ کَحُفَالَۃِ الشَّعِیْرِ وَ التَّمَرِ لَایُبَالِیْھِمُ اللّٰہُ بَالَۃً. (رواہ البخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نیک لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے جائیں گے اور بدکردار لوگ رہ جائیں گے جو جو کی بھوسی اور کھجور کے چورے کی طرح بیکار ہوں گے اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ (بخاری شریف)

(۱۵۲۷) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَکْثُرَ الْمَالُ وَ یَفِیْضَ حَتّٰی یَخْرِجَ الرَّجُلُ زَکٰوۃَ مَالِہٖ فَلَا یَجِدُ اَحَدًا یَقْبَلُھَا مِنْہُ وَ حَتّٰی تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَ اَنْھَارًا. (رواہ مسلم)

(۱۵۲۷) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ مال کی اتنی کثرت نہ ہو جائے کہ مال بہا بہا پھرنے لگا یہاں تک کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کے لیے گھر سے نکلے گا تو اس کو کوئی نہیں ملے گا جو اس کو قبول کرے اور یہاں تک کہ سرزمین عرب سرسبز باغ نہ بن جائے اور اس میں نہریں نہ نکل جائیں۔ (مسلم شریف)

(۱۵۲۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ یُمْسِیْ کَافِرًا اَوْ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَ یُصْبِحُ کَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَہٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا. (رواہ مسلم)

(۱۵۲۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان فتنوں سے پہلے پہلے نیکیاں کرلو جو اندھیری رات کی طرح تاریک ہوں گے (کہ حق و باطل کا پتہ ہی نہ چلے گا) صبح کو ایک شخص مومن ہوگا تو شام کو کافر بن جائے گا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر بن جائے گا۔ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال پر بیچ ڈالے گا۔ (مسلم شریف)

(۱۵۲۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

(۱۵۲۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ﷺ ..... رہ جائے گا۔ وہ لوگ خال ہی خال ہوں گے جن کے سامنے تحفظِ انسانیت و تحفظِ اسلام کا سوال باقی رہ جائے جو ریسرچ بھی ہوگی وہ اسلام جیسے مذہب کے برخلاف' پھر یہ بھی کس کی؟ یعنی مدعیان اسلام کی ان عجیب انقلابات کی خبریں دینا کیا معجزات شمار نہ کیا جائے۔

(۱۵۲۷) ✽ یہ پیشگوئی اس سرزمین کے متعلق ہے جہاں پینے کے پانی کے لیے لوگ ترستے تھے اور سایہ کے لیے کیکر کے درخت کے سوا کوئی درخت نہ ملتا تھا اور وہ بھی بمشکل پھر اس جزم و یقین کے ساتھ ہے جیسے قیامت کی آمد سے پہلے اس کا تسلیم کرنا نہ معلوم کتنی تاویلات کا محتاج ہوگا لیکن اس خلاف قیاس پیش گوئی کا آج آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں اور ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں کہ عن قریب موبمو اس کا مشاہدہ ہوگا۔

(۱۵۲۸) ✽ اس پیش گوئی کی حقیقت مدتوں واضح نہ ہو سکی حتیٰ کہ آج سے تقریباً بیس سال قبل کسی تاویل کے بغیر آنکھیں اس کا مشاہدہ کر چکی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح رات اور دن کی گردش کے ساتھ ساتھ دین بدلا کرتا تھا۔ و نعوذ باللہ من شر الفتن ماظھر منھا و ما بطن۔

(۱۵۲۹) ✽ اس بعید از قیاس پیشگوئی کا نقشہ ۴۷ء کے انقلاب میں کس صفائی سے آنکھوں نے دیکھ لیا۔ گذشتہ بڑے بڑے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تاویلیں کر کے چلے گئے۔ کیا کسی اعجاز سے یہ پیش گوئی کم ہے۔

www.besturdubooks.net

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَاْتِیَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يَدْرِی الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَ لَا الْمَقْتُوْلُ فِيْمَ قُتِلَ فَقِيْلَ كَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ الْهَرْجُ الْقَاتِلُ وَ الْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ. (رواہ مسلم)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ لوگوں پر وہ دور نہ آ جائے جس میں قاتل کو یہ بحث نہ ہو کہ اس نے کس جرم میں قتل کیا ہے اور مقتول کو یہ خبر نہ ہو کہ کس جرم میں اس کو قتل کیا گیا ہے۔ عرض کی گئی کہ یہ ظلم کیسے ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ اندھا دھند قتل کا ہوگا۔ ایسے زمانے کے قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ (مسلم)

(۱۵۳۰) عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ فِیْ قِصَّةِ اِلْتِقَاءِ الشَّجَرَتَيْنِ اَنَّ امْرَءَةً اَتَتْهُ فَقَالَتْ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا بِهٖ لَمَمٌ مُنْذُ سَبْعِ سِنِيْنَ يَاْخُذُهٗ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْنِيْهِ فَاَدْنَتْهُ مِنْهُ فَتَفَلَ فِیْ فِيْهِ وَ قَالَ اخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَجَعْنَا فَاَعْلِمِيْنَا مَا صَنَعَ فَلَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقْبَلَتْهُ وَ مَعَهَا كَبْشَانِ وَ اَقِطٌ وَ سَمْنٌ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِیْ هٰذَا الْكَبْشَ فَاتَّخِذِیْ مِنْهُ مَا اَرَدْتِّ فَقَالَتْ وَ الَّذِیْ اَكْرَمَكَ مَا رَاَيْنَا بِهٖ شَيْئًا مُنْذُ فَارَقْتَنَا ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةَ اِتْيَانِ الْبَعِيْرِ وَ عَيْنَاهُ تَدْمَعَانِ الخ. (رواہ فی المستدرک ج ۲ ص ۶۱۸ وقال الذھبی صحیح)

(۱۵۳۰) یعلی بن مرہ اپنے والد سے دو درختوں کے مل جانے کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یہ میرا ایک بچہ ہے اس پر سات برس سے آسیب کا اثر ہے اور ہر روز دو مرتبہ اس کو دورہ پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ تو وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی تو حضور نے اس کے منہ میں تھتکارا اور فرمایا اللہ کے دشمن نکل جا' دور ہو۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم سفر سے واپس آئیں تو ہم کو حال بتانا کہ کیا ہوا۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے تو وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی اور اپنے ہمراہ کچھ پنیر کچھ گھی اور دو مینڈھے لائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا یہ مینڈھا لے جا اور جو تیرا جی چاہے وہ کر۔ اس عورت نے کہا اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرامت و بزرگی عطا فرمائی جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر تشریف لے گئے ہم نے اس لڑکے پر آسیب کا کچھ اثر نہیں دیکھا۔ اس کے بعد راوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونٹ کے آنے کا اس حال میں کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے قصہ بیان کیا۔

(۱۵۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِیَ اَدَقُّ فِیْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِیْ مِنَ الْمُهْلِكَاتِ. (رواہ البخاری)

(۱۵۳۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم لوگ کچھ عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں تو بال سے بھی باریک ہوتے ہیں مگر ہم لوگ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تباہ کن شمار کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

www.besturdubooks.net

(۱۵۳۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا. (رواه ابن ماجه و الدارمي و البيهقي في شعب الايمان)

(۱۵۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دیکھو خبردار معمولی معمولی گناہوں کا بڑا خیال رکھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر بھی باز پرس ہوگی۔ (ابن ماجہ)

(۱۵۳۳) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَ تَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَ يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَ تَظْهَرَ الْفِتَنُ وَ يَكْثُرَ الْهَرْجُ وَ هُوَ الْقَتْلُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ فَيَفِيْضَ. (رواه البخاري)

(۱۵۳۳) ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ علم نبوت نہ اٹھے اور پھر زلزلے کثرت کے ساتھ نہ آنے لگیں اور دنوں میں بے برکتی نمایاں طور پر محسوس نہ ہو اور فتنوں کا ظہور نہ ہونے لگے اور قتل کی کثرت اس طرح نہ ہو جائے کہ حق و ناحق کا امتیاز ہی باقی نہ رہے یہاں تک کہ جب مال کے لینے والے ہی کم رہ جائیں تو مال پانی کی طرح بہنے لگے۔ (بخاری شریف)

(۱۵۳۴) عَنْ نِيَارِ بْنِ مُكْرَمٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ (الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ) فَكَانَتْ فَارِسُ يَوْمَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ قَاهِرِيْنَ لِلرُّوْمِ وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يُحِبُّوْنَ ظُهُوْرَ الرُّوْمِ عَلَيْهِمْ

(۱۵۳۴) نیار بن مکرم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت (الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ الخ) روم کی فتح کی بشارت لے کر اتری تو اس وقت تک فارس روم پر غالب تھے ادھر رومی چونکہ اہل کتاب تھے اور مسلمان بھی قرآن پاک کو مانتے تھے اس اشتراک کی وجہ سے مسلمانوں کو تمنا یہ تھی کہ رومی غالب ہوں اسی کی طرف آیت ﴿يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ میں اشارہ

(۱۵۳۲) * اس روایت سے حضرت انسؓ کی مذکورہ بالا روایت کی شرح بھی ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ حضرت انسؓ اس کا شکوہ کررہے ہیں کہ تم لوگ چھوٹے گناہوں کی پوٹ ہو کر ان کو معمولی بات سمجھتے ہو اور ہم ان کو ہلاک کردینے والا سمجھا کرتے تھے۔

(۱۵۳۳) * یہ ہے علم غیب کا وہ حصہ جو ناآشنا افراد پر اب تک اوجھل رہا ہے وہ نہیں جانتے کہ آپ سے جو سوال آپ کی آخری عمر میں ہوا وہ بھی عجیب و غریب واقعات تھے جن کو "فاخبرني عن اماراتها" میں دریافت کیا گیا تھا یعنی اگر آپ کو قیامت کا صحیح صحیح وقت معلوم نہیں تو اس کی کچھ علامات ہی بیان فرما دیجئے۔ حدیثوں میں بیدار مغزوں کے لیے اس کی بڑی لمبی چوڑی تفصیلات موجود ہیں اگر ہم ادھر جائیں تو ان علامات کے ذکر ہی کے لیے ایک جلد درکار ہے اب سوچئے کہ علوم کی کتنی کثرت ہے اور علم نبوت کا کتنا فقدان ہوتا جارہا ہے کیا یہ قیاس کی بات ہے کہ جس عہد میمون میں سوائے علوم نبوت کے ان علوم کا پتہ ہی نہ ہو اس زمانے میں یہ بتا دیا جائے کہ یہ علم گم ہو کر وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ "تعلیم یافتہ" طبقہ وہی کہلائے گا جو علم نبوت سے یکسر خالی ہو اسی طرح اس ایک حدیث کو آخر تک دیکھتے جائیے اور موجودہ دنیا کے واقعات ساتھ ملاتے جائیے تو آپ کو ایک سے ایک عظیم تر نظر آتا جائے گا ہے کوئی نظر عبرت جو ان واقعات کو دیکھے ہے کوئی سمع موعظت جو ان محیر العقول معجزات کا سننا گوارا کرسکے پھر معجزات نظر آئیں تو کہے: وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ. (طور: ٤٤) فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ. (الحجر: ١٤ و ١٥) (قرآن کی مراجعت)

www.besturdubooks.net

لِاَنَّهُمْ وَاِيَّاهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ وَفِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى (وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ) وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تُحِبُّ ظُهُوْرَ فَارِسَ لِاَنَّهُمْ وَاِيَّاهُمْ لَيْسُوْا بِاَهْلِ كِتَابٍ وَلَا اِيْمَانٍ بِبَعْثٍ فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ خَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ يَصِيْحُ فِيْ نَوَاحِيْ مَكَّةَ (الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ) فَقَالَ نَاسٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِاَبِيْ بَكْرٍ فَذٰلِكَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ زَعَمَ صَاحِبُكُمْ اَنَّ الرُّوْمَ سَتَغْلِبُ فَارِسًا فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ اَفَلَا نُرَاهِنُكَ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ بَلٰى وَ ذٰلِكَ قَبْلَ تَحْرِيْمِ الرِّهَانِ فَارْتَهَنَ اَبُوْبَكْرٍ وَ الْمُشْرِكُوْنَ وَ تَوَاضَعُوا الرِّهَانَ وَ قَالُوْا لِاَبِيْ بَكْرٍ كَمْ تَجْعَلُ الْبِضْعَ ثَلَاثَ سِنِيْنَ اِلٰى تِسْعِ سِنِيْنَ فَسَمِّ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ وَ سَطًا نَنْتَهِيْ اِلَيْهِ قَالُوْا فَسَمُّوْا بَيْنَهُمْ سِتَّ سِنِيْنَ قَالَ فَمَضَتْ سِتُّ سِنِيْنَ قَبْلَ اَنْ يَّظْهَرُوْا فَاَخَذَ الْمُشْرِكُوْنَ رَهْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا دَخَلَتِ السَّنَةُ السَّابِعَةُ ظَهَرَتِ الرُّوْمُ عَلٰى فَارِسَ فَعَابَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ تَسْمِيَةَ سِتِّ سِنِيْنَ قَالَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ قَالَ وَ اَسْلَمَ عِنْدَ ذٰلِكَ نَاسٌ كَثِيْرٌ.

ہے- اور قریش یہ چاہتے تھے کہ فتح اہل فارس کی ہو کیونکہ یہ دونوں بت پرست تھے نہ کسی کتاب کے قائل تھے نہ قیامت کو مانتے تھے اس لیے جب فتح روم کی آیت اتری تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کی گلیوں گلیوں میں چلا چلا کر یہ آیت پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے- اس پر کچھ مشرکوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اچھا تمہارے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ دعویٰ ہے کہ چند سالوں میں رومی اہل فارس پر غالب آ جائیں گے تو آؤ اسی پر ہماری تمہاری ہار جیت کی بازی ہے- انہوں نے فرمایا بہت مناسب- یہ بات اس زمانے کی ہے جب کہ بازی لگانی حرام نہ تھی- بہرحال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے بازی بدلی اور ایک مال مقرر پر اتفاق ہوگیا جو جیتے وہ اس کو لے لے- مشرکوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ بضع کا لفظ عربی میں تین سے نو تک اطلاق ہوتا ہے' اس لیے آؤ اس کے درمیان درمیان کی ایک مدت مقرر کرلیں آخر چھ سال کی مدت مقرر ہوگئی- جب اس مدت میں رومیوں کو فتح نہ ہوئی تو حسب قرارداد بازی کا مال مشرکوں نے وصول کرلیا پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی فارس پر غالب آ گئے اور حسب پیش گوئی ان کو فتح نصیب ہوئی' اس پر مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ پر نکتہ چینی کی کہ آپ نے یہ مدت کیوں مقرر فرمائی تھی جب کہ بضع کا لفظ نو تک استعمال ہوتا ہے- راوی کہتا ہے کہ جب حسب پیش گوئی رومیوں کو فتح حاصل ہوگئی تو یہ دیکھ کر اسی دن بہت سے مشرک اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے-

(رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث حسن صحیح غریب لانعرفہ الامن حدیث عبدالرحمن بن ابی الزناد)

(۱۵۳۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) يُكْثِرُ الْحَدِيْثَ وَ اللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَ يَقُوْلُوْنَ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُوْنَ مِثْلَ اَحَادِيْثِهٖ وَ اِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ

(۱۵۳۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیثیں بہت بیان کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آخر یہ دوسرے مہاجرین اور انصار ان کی طرح احادیث کیوں نہیں بیان کرتے- بات یہ تھی کہ میرے دوسرے ساتھی مہاجرین کو بازاروں میں لین دین کرنا مصروف و مشغول رکھتا تھا اور میرے انصار بھائیوں کو اپنے مال'

www.besturdubooks.net

يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَ اِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ اَمْوَالِهِمْ وَ كُنْتُ امْرَأً مِسْكِيْنًا اَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْاءِ بَطْنِيْ فَاَحْضُرُ حِيْنَ يَغِيْبُوْنَ وَ اَعِيْ حِيْنَ يَنْسَوْنَ وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لَنْ يَبْسُطَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ ثُمَّ يَجْمَعَهٗ اِلٰى صَدْرِهٖ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِيْ شَيْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا نَسِيْتُ مِنْ مَقَالَتِهٖ تِلْكَ اِلٰى يَوْمِيْ هٰذَا وَ اللّٰهِ لَوْ لَا اٰيَتَانِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا اَبَدًا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ الْهُدٰى الى قوله الرحيم۔ (رواہ البخاری)

جانور کے کاروبار پھنسائے رکھتے تھے۔ میں ایک نادار انسان تھا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹا رہتا تھا اس آسرے پر کہ آپ ہی مجھے پیٹ بھر کھانا کھلا سکتے ہیں، تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت جاتا تھا جب دوسرے لوگ وہاں نہ ہوتے تھے اور میں ہی آپ کی باتیں یاد رکھتا تھا جب کہ دوسرے لوگ ان کو بھول جاتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی اپنا کپڑا اس وقت تک پھیلائے رکھے گا جب تک میں اپنی یہ بات ختم نہ کرلوں پھر وہ اس کپڑے کو سمیٹ کر سینے سے لگا لے تو وہ میری ایک حدیث بھی نہ بھولے گا۔ میرے پاس اس وقت ایک ہی اونی چادر تھی میں نے وہی لے کر پھیلا دی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تقریر پوری فرمالی پھر میں نے اسے سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ تو اس ذات کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے کہ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نہیں بھولا۔ خدا کی قسم اگر قرآن میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں (اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ .... الى قوله الرحيم) تو میں تم لوگوں سے یہ حدیثیں کبھی بیان نہ کرتا۔

(بخاری شریف)

❀❀❀

(۱۵۳۵) ✱ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے لیکن جو بات مجموعہ الفاظ اور روایات سے منقح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان صرف اس وقت کی حدیث پر نہیں بلکہ عمر بھر کی حدیثوں پر حاوی تھا اور اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آج بھی صحابہ میں سے مقلین ومکثرین کی فہرست میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بلا اختلاف مکثرین صحابہ کی پہلی فہرست میں شمار ہوتا ہے۔

www.besturdubooks.net

الکرامات

قال الحافظ ابن تیمیۃؒ و من الکرامات ما اظہرھا اصحابھا کا ظہار العلاء بن الحضرمی المشی علی الماء و قصتہ رواہ صاحب المجمع ج ۹ ص ۳۷۶ و قال فیہ ابراھیم الھروی لم اعرفہ و بقیۃ رجالہ ثقات. و ھذا قد جری غیر مرۃ لہ و لامتہ من الایات ما یطول و صفہ فکان اتباعہ یحی اللہ لہ الموتی من الناس و الدواب و بعض اتباعہ یمشی بالعسکر الکثیر علی البحر حتی یعبروا الی الناحیۃ الاخری و منھم من القی فی النار فصارت علیہ برداو سلاما و امثال ذلک کثیر. (الجواب الصحیح ج ۱ ص ۱٤٦ و ج ۱ ص ۱٤٧) و ذکر فی ص ۲٦۰ کتاب النبوات و قد یمشی علی الماء قوم بتائید اللہ لھم و اعانتہ ایاھم بالملائکۃ کما یحکی عن المسیح و کماجری للعلاء بن الحضرمی و لابی مسلم الخولانی فی عبور الجیش و ذلک اعانۃ علی الجھاد الخ. و اظہار عمر رضی اللہ تعالی عنہ ساریۃ علی المنبر ص ۲٧٤ و قال فی موضع اخر و اظہار ابی مسلم لما القی فی النار انھا صارت علیہ بردا و سلاما و منھا ما یتحدی بھا صاحبھا ان دین الاسلام حق کما فعل خالد بن الولید لما شرب السمّ و کا لغلام الذی اتی الراھب الی ان قال و کما یکثر اللہ الطعام و الشراب یکثر من الصالحین کما جری فی بعض المواطن للنبی و احیاء اللہ میتا لبعض الصالحین کما احیاہ اللہ للانبیاء الخ کتاب النبوات ص ۴ الجواب الصحیح ج ۱ ص ۱۴٦ و ج ۱ ص ۱۴۷ و الذین ذکر عنھم کرامات الاولیاء من المعتزلہ و غیرھم... لاینکرون الدعوات المجابۃ و لاینکرون الرؤیا الصالحۃ کان ھذا متفق علیہ بین المسلمین کتاب النبوات ص ۲٦٧.

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ جو جو کرامتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ظاہر فرمائیں وہ ایک سے ایک بڑی ہیں مثلاً علاء بن حضرمی کا معہ لشکر کے پانی کے اوپر اوپر گھوڑوں سمیت دریا کو عبور کر جانا- صاحب مجمع الزوائد واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں صرف ایک راوی ابراہیم ایسا واقع ہوا ہے جس کو میں نہیں پہچانتا بقیہ اس کے جتنے راوی ہیں سب ثقہ ہیں- بہت سے معجزات و کرامات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ان کی امت کے لیے ظاہر فرمائی ہیں جس کا بیان کرنا موجب طوالت ہوگا- مثلاً بعض امتیوں کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ فرمادیا ان میں آدمیوں کے واقعات بھی ہیں اور کچھ جانوروں کے زندہ ہونے کے واقعات بھی- بعض مسلمان صالحین لشکر کثیر لے کر سمندروں کے پار نکل گئے ہیں بعض وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آگ کو گل و گلزار بنایا ہے- اس قسم کے واقعات بہت ہیں- (الجواب الصحیح ج ۱ ص ۱۴٦ و ج ۱ ص ۱۴۷) دریا پار اترنے کے کچھ واقعات کا تذکرہ کتاب النبوات میں بھی ہے ص ۲٦۰ اور ص ۲٦۷ پر اس مشہور واقعہ کا ذکر ہے جس میں مدینہ میں منبر سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک جنگ میں ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دینا اور اس آواز کا یہیں سے میدان جنگ میں پہنچ جانا مذکور ہے- کتاب النبوات ص ۴ اور الجواب الصحیح ج ۱ ص ۱۴٦ و ج ۱ ص ۱۴۷ میں ابو مسلم کے حق میں آگ کا گل و گلزار ہو جانا مذکور ہے- اسی طرح خالد بن ولید کا حقانیت اسلام ظاہر فرمانے کے لیے کافروں کے سامنے زہر کا پی جانا اور ان پر کچھ اثر نہ ہونے کا ذکر بھی ہے- اسی قسم کے واقعات جو بعض انبیاء علیہم السلام کے حق میں ظاہر ہوئے وہ امتِ محمدیہؐ کے بعض صالحین کے لیے بھی منقول ہیں جو لوگ کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں جیسے معتزلہ وغیرہ دعا کے قبول ہونے اور خواب میں بشارات کے تو وہ بھی قائل ہے-

www.besturdubooks.net

سقی السحاب عسکر العلاء بن الحضرمی وعبورهم خليجا بدون السفينة

علاء بن الحضرمی کے لشکر کو بادل کا سیراب کرنا اور بغیر کشتی کے خلیج عبور کر جانا

(۱۵۳۶) قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بَعَثَ الْعَلَاءُ بْنُ الْحَضْرَمِىُّ فِىْ جَيْشٍ كُنْتُ فِيْهِمْ اِلَى الْبَحْرَيْنِ فَسَلَكْنَا مَفَازَةً فَعَطَشْنَا عَطْشًا شَدِيْدًا حَتّٰى خِفْنَا الْهَلَاكَ فَنَزَلَ الْعَلَاءُ وَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِىُّ يَا عَظِيْمُ اَسْقِنَا فَجَاءَ تْ سَحَابَةٌ كَاَنَّهَا جَنَاحُ طَائِرٍ فَقَعْقَعَتْ عَلَيْنَا وَ اَمْطَرَتْنَا حَتّٰى مَلَأْنَا الْاٰنِيَةَ وَ سَقَيْنَا الرِّكَابَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا الْخَلِيْجَ مِنَ الْبَحْرِ مَا خِيْضَ قَبْلَهٗ وَ لَاخِيْضَ بَعْدَهٗ فَلَمْ يَجِدْ سُفُنًا فَصَلَّى الْعَلَاءُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِىُّ يَا عَظِيْمُ اَجِزْنَا ثُمَّ اَخَذَ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ جُوْزُوْا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَمَشَيْنَا عَلَى الْمَاءِ فَوَاللّٰهِ مَا ابْتَلَّ لَنَا قَدَمٌ وَ لَا خُفٌّ وَ لَا حَافِرٌ وَ كَانَ الْجَيْشُ اَرْبَعَةَ الْاٰلَافٍ.(رواه الدميرى تحت مادة ب ع و ض و ذكر القصة الحافظ ابن تيميه فى اقتضاء الصراط المستقيم ص ۳٦۳)

(۱۵۳۶) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ علاء بن حضرمی بحرین کی طرف ایک لشکر لے کر روانہ ہوا جس میں خود میں بھی شریک تھا ہمارا راستہ ایک ایسے بے آب جنگل سے تھا جس میں ہم کو سخت پیاس لگی یہاں تک کہ ہم کو موت کا خطرہ ہونے لگا پانی کا کہیں ایک قطرہ نہ ملا تو علاء بن حضرمی نے نیچے اتر کر دو رکعت نماز ادا کی اور دعا مانگی ''اے حلیم' اے علیم' اے علی' اے عظیم ہم کو تو سیراب فرما دے'' پس فوراً ایک ذرا سا بادل ایک طرف سے اٹھا جو دیکھنے میں تو پرندہ کے ایک بازو کی طرح تھا پھر وہ گرجا اور ہمارے اوپر ایسا برسا کہ ہم نے اپنے پانی کے سب برتن بھر لیے اور اپنی سواریوں کو اچھی طرح پانی پلا لیا- اس کے بعد ہم چلے تو ایک ایسی خلیج میں ہمارا گذر ہوا کہ ایسا پانی ہم نے نہ کبھی پہلے عبور کیا تھا نہ اس کے بعد عبور کیا' کسی کشتی کا وہاں پتہ تک نہ مل سکا پھر انہوں نے اتر کر یوں دعا مانگی: اے بردباری والے اے سب کا علم رکھنے والے اے سب سے بلند اور اے سب سے بزرگ ہم کو پناہ دے'' (یا ہم کو دریا پار کرا دے- اگر یہاں زاء یعنی ''اجزنا'' ہو) پھر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی اور کہا بسم اللہ کہہ کر دریا پار ہو جاؤ (اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل لفظ اجزنا ہی ہے) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم پانی کے اوپر اوپر گذر گئے' خدا کی قسم نہ ہمارا قدم' نہ کسی اونٹ کا خف نہ کسی جانور کا کھر تک ذرا تر ہوا- اور پورا لشکر چار ہزار آدمیوں کا تھا-

المشي على الماء

پانی پر چلنا

(۱۵۳۷) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ مُصْعَبِ الْمَدَنِىِّ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ ابْنُ ثَابِتٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ ثَابِتِ الْبَصْرِىِّ قَالَ دَخَلَتْ فِىْ اُذُنِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ بَعُوْضَةٌ حَتّٰى وَصَلَتْ

(۱۵۳۷) مطرف بن عبداللہ بن ابی مصعب مدنی کہتے ہیں کہ محمد بن ثابت نے عمر بن ثابت بصری سے روایت کی ہے کہ ایک بصری شخص کے کان میں مچھر گھس گیا اور کان کے اندرونی حصہ تک جا پہنچا جس سے ان کو بہت تکلیف ہوئی اور شب و روز جاگتے رہے- ان سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

www.besturdubooks.net

اِلٰی صِمَاخِہٖ فَانْصَبْتُہٗ وَ اَسْھَرْتُہٗ لَیْلَہٗ وَ نَھَارَہٗ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ یَا ھٰذَا اُدْعُ بِدُعَاءِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِیِّ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ الَّذِیْ دَعَا بِہٖ فِی الْمَفَازَۃِ وَ فِی الْبَحْرِ فَخَلَصَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَقَالَ لَہُ الرَّجُلُ وَ مَا ھُوَ رَحِمَکَ اللّٰہُ فَقَالَ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بَعَثَ الْعَلَاءُ بْنُ الْحَضْرَمِیِّ فِیْ جَیْشٍ کُنْتُ فِیْھِمْ اِلَی الْبَحْرَیْنِ فَسَلَکْنَا مَفَازَۃً فَعَطِشْنَا عَطْشًا شَدِیْدًا حَتّٰی خِفْنَا الْھَلَاکَ فَنَزَلَ الْعَلَاءُ وَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَالَ یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ اَسْقِنَا فَجَاءَ تْ سَحَابَۃٌ کَاَنَّھَا جَنَاحُ طَائِرٍ فَقَعْقَعَتْ عَلَیْنَا وَ اَمْطَرَتْنَا حَتّٰی مَلَأْنَا الْاٰنِیَۃَ وَ سَقَیْنَا الرِّکَابَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی خَلِیْجٍ مِّنَ الْبَحْرِ مَا خِیْضَ قَبْلَہٗ وَ لَا خِیْضَ بَعْدَہٗ فَلَمْ یَجِدْ سُفُنًا فَصَلَّی الْعَلَاءُ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَالَ یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ اَجِزْنَا ثُمَّ اَخَذَ بِعِنَانِ فَرَسِہٖ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ جُوْزُوْا قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَمَشَیْنَا عَلَی الْمَاءِ فَوَاللّٰہِ مَا ابْتَلَّ لَنَا قَدَمٌ وَ لَا خُفٌّ وَ لَا حَافِرٌ وَ کَانَ الْجَیْشُ اَرْبَعَۃَ الْاٰفٍ' ذکرہ الشیخ الامام العلامۃ ابوبکر محمد بن الولید الفھری الطرطوشی و یعرف بابن ابی رندہ کما نقلہ العلامۃ الدمیری فی مادۃ ب ع وض: و ذکرہ الحافظ ابن تیمیۃ فی اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۶۳. ورواہ البیھقی عن انس رضی اللہ عنہ فی حدیثہ قال ادرکت فی ھذہ

کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ اے شخص علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا پڑھو اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا فخر حاصل تھا- اس دعا کی بدولت انہوں نے خشکی اور تری کی مشکلات پر قابو پایا اور اللہ تعالیٰ نے بڑی مصیبت سے نجات دلائی- اس شخص نے دریافت کیا وہ دعا کیا ہے خدا تم پر رحم فرمائے- انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیے گئے اور میں بھی ان کے ہمرکاب تھا اور یہ لشکر بحرین کی طرف روانہ ہوا اور ہم سب جنگلات طے کرتے ہوئے جا رہے تھے اور سخت پیاس میں مبتلا ہوئے حتیٰ کہ ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا- اس کے بعد علاء اترے اور دو رکعت نماز ادا کی پھر یہ دعا مانگی یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم ہم کو سیراب فرما- یہ کہنا تھا کہ ایک بادل نمودار ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پرندے کے پر کی طرح ہم پر سایہ کیے ہوئے ہے پھر گرج کر برسا اور ہم نے اپنے برتن بھر لیے اور اپنی سواریوں کو پانی پلایا اور روانہ ہو گئے' چلتے چلتے ایک خلیج پر پہنچے جس کو نہ پہلے پار کیا گیا اور نہ بعد میں اور نہ وہاں کوئی کشتی تھی لہٰذا حضرت علاء نے دو رکعت نماز پڑھی پھر دعا مانگی یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم ہم کو اس دریا سے پار کر دے- پھر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا کہ آ ؤ اور اللہ کا نام لے کر پار ہو جاؤ- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پانی پر چل رہے تھے اور ہمارا قدم تک تر نہ ہوا اور نہ ہمارے اونٹوں اور گھوڑوں کے پیر پانی میں بھیگے اور لشکر کی تعداد چار ہزار تھی- امام علامہ ابوبکر محمد بن ولید فہری طرطوشی نے بھی یہ مضمون علامہ دمیری سے ب ع وض کے مادہ میں نقل کیا ہے اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں اس کا تذکرہ کیا ہے- بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کی تفصیل اس امت کی کرامات کے ذیل میں آئندہ آئے گی- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کی قیادت علاء بن حضرمی رضی اللہ

www.besturdubooks.net

الامة ثلاثا الخ كما سيجيء تفصيله عند بيان كرامة هذه الامة في احياء الميت. فذكر عن انس: قَالَ: ثُمَّ جَهَّزَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَيْشًا وَ اسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيَّ قَالَ اَنَسٌ كُنْتُ فِيْ غُزَاتِهٖ فَاَتَيْنَا مَغَازِيْنَا فَوَجَدْنَا الْقَوْمَ قَدْ بَدَرُوْا بِنَا فَعَفَوْا اٰثَارَ الْمَاءِ وَ الْحَرُّ شَدِيْدٌ فَجَهَدَنَا الْعَطَشُ وَ دَوَابَّنَا وَ ذَالِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا مَالَتِ الشَّمْسُ لِغُرُوْبِهَا صَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ مَدَّيَدَهٗ اِلَى السَّمَاءِ وَ مَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ شَيْئًا قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا حَطَّ يَدَهٗ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا وَ اَنْشَا سَحَابًا وَاَفْرَغَتْ حَتّٰى مَلَاءَتِ الْغُدُرَ وَ الشِّعَابَ فَشَرِبْنَا وَ سَقَيْنَا رِكَابَنَا وَ اسْتَقَيْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا عَدُوَّنَا وَ قَدْ جَاوَزُوْا خَلِيْجًا فِي الْبَحْرِ اِلَى الْجَزِيْرَةِ فَوَقَفَ عَلَى الْخَلِيْجِ وَ قَالَ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ يَا حَلِيْمُ يَا كَرِيْمُ، ثُمَّ قَالَ اَجِيْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ قَالَ فَاَجَزْنَا مَايَبُلُّ الْمَاءُ حَوَافِرَ دَوَابِّنَا فَلَمْ نَلْبَثْ اِلَّا يَسِيْرًا فَاَصَبْنَا الْعَدُوَّ عَلَيْهِ فَقَتَلْنَا وَ اَسَرْنَا وَ سَبَيْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا الْخَلِيْجَ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ فَاَجَزْنَا مَايَبُلُّ الْمَاءُ حَوَافِرَ دَوَابِّنَا ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةَ مَوْتِهٖ وَ دَفْنِهٖ وَ نَبْشِ قَبْرِهٖ وَ سَعَتِهٖ مَدَّ الْبَصَرِ وَ امْتِلَاءِهٖ نُوْرًا. ثم قال البيهقي وقد روى عن ابى هريرة في قصة العلاء بن الحضرمي في استسقائه و مشيهم على الماء دون قصة الموت بنحو من هذا و ذكر البخاري في التاريخ لهذه القصة اسنادا اخر و قد اسنده ابن ابى الدنيا عن ابى كريب و قد ذكره الحافظ ابن تيمية اجمالا في كتاب النبوات ص ۲۶۰.

تعالیٰ عنہ کے سپرد کی - حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اسی لشکر میں تھا - جب ہم میدانِ کارزار پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ دشمن نے پہلے ہی سے پانی کے نشانات مٹا دیئے اور اس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی پیاس سے ہماری اور ہمارے جانوروں کی بری حالت تھی - جمعہ کا دن تھا - جب سورج کے غروب ہونے کا وقت نزدیک ہوا تو حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر اپنا ہاتھ آسمان کی جانب پھیلایا - اس وقت آسمان پر بادل وغیرہ بالکل نہ تھے - ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ وہ ہاتھ نیچا نہ کرنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوائیں چلانی شروع کر دیں اور بادل نمودار ہوئے اور خوب برسے اور اس سے تالاب اور نالے بھر گئے پھر ہم نے پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور سیراب ہو گئے پھر ہم نے دشمن پر چڑھائی کی اور وہ خلیج سے گذر کر جزیرے تک پہنچ گئے تھے پھر حضرت علاء خلیج کے پاس ٹھہر گئے اور یہ دعا کی یا علی یا عظیم یا حلیم یا کریم پھر فرمایا کہ بسم اللہ کہہ کر پار کرو اور ہم پار ہو گئے - پانی سے ہمارے جانوروں کے سم تک تر نہ ہوئے - تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ ہم نے دشمن کو جالیا اور کچھ تو قتل کر ڈالے اور کچھ کو قیدی بنا لیا - پھر لوٹتے ہوئے اس خلیج پر دوبارہ آئے اور حضرت علاء نے وہی کلمات دہرائے اور ہم نے خلیج کو عبور کر لیا اور ہمارے سواری کے جانوروں کے سم تر نہ ہوئے تھے پھر راوی نے ان کی موت اور اور ان کے دفن کرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان کی قبر کھودنے اور اس کی کشادگی اور نور سے بھرپور ہونے کا بھی واقعہ بیان کیا ہے -

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصے میں یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں بھی سیراب ہونے اور پانی پر چلنے کا ذکر ہے لیکن ان کی موت کا ذکر نہیں ہے - واقعہ کی تفصیل قریب قریب ملتی جلتی ہے - امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تاریخ میں اس واقعہ کو دوسری سند سے بھی ذکر کیا ہے - حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب النبوات میں اجمالی طور پر یہ واقعہ نقل کیا ہے -

www.besturdubooks.net

تسخير الريح العمر بن الخطابؓ

(۱۵۳۸) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَجَّهَ جَيْشًا وَ رَأَّسَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ سَارِيَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ فَبَيْنَمَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ يَا سَارِيَةُ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) الْجَبَلَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَدِمَ رَسُوْلُ الْجَيْشِ فَسَئَلَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هُزِمْنَا فَبَيْنَمَا نَحْنُ كَذَالِكَ اِذْ سَمِعْنَا مُنَادِيًا يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ ثَلَاثًا فَاَسْنَدْنَا ظُهُوْرَنَا بِالْجَبَلِ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ قَالَ فَقِيْلَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّكَ كُنْتَ تَصِيْحُ بِذَالِكَ.

فاروقِ اعظمؓ کے لیے ہوا کا مطیع ہو جانا

(۱۵۳۸) نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فوج کہیں روانہ کی اور اس پر ایک شخص کو جن کا نام ساریہ تھا امیر بنایا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ یکا یک پکار کر کہنے لگے کہ اے ساریہ ذرا اس پہاڑ کا رخ لو۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی (پھر بدستور خطبہ وغیرہ پورا کیا۔ کچھ عرصہ بعد) اس فوج کی طرف سے ایک قاصد آیا تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالاتِ جنگ دریافت کیے وہ کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین ہم جنگ میں ہارنے اور بھاگنے لگ گئے تھے کہ اتنے میں ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جس نے تین بار کہا اے ساریہ اس پہاڑ کی آڑ لو۔ ہم نے اسی پہاڑ کی طرف پیٹھ کر لی اور لڑے بس پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دے دی۔ راوی کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہاں ہاں آپ ہی نے تو ایک دن پکار کر یہ الفاظ کہے تھے۔ (ابن کثیر)

(رواه عبدالله بن وهب و قال الحافظ بن كثير هذا اسنادٌ جيد حسن) و قد ذكره الحافظ ابن تيميةؒ اجمالاً فى كتاب النبوات ص ٢٧٤) و ذكر سيف عن مشائخه ان سارية بن زنيم قصد فسار دار ابحر دفاجتمع له جموع من الفرس و الا كراد عظيمة و دهم مسلمين منهم امر عظيم وجمع كثير و رأى عمر رضى الله عنه)

جرى النيل و كتاب عمر رضى الله تعالى عنه اليه

(۱۵۳۹) رُوِيْنَا مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ لَهِيْعَةَ عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَجَّاجِ قَالَ لَمَّا افْتُتِحَتْ مِصْرُ اَتٰى اَهْلُهَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ حِيْنَ دَخَلَ بُوْنَةُ مِنْ اَشْهُرِ الْعَجَمِ فَقَالُوْا اَيُّهَا الْاَمِيْرُ لِنِيْلِنَا هٰذَا سُنَّةٌ لَا يَجْرِيْ اِلَّا بِهَا قَالَ وَ مَاذَاكَ قَالُوْا اِذَا كَانَتْ اِثْنَىْ عَشَرَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْ هٰذَا الشَّهْرِ عَمِدْنَا اِلٰى جَارِيَةٍ بِكْرٍ مِّنْ اَبَوَيْهَا

حضرت عمر فاروقؓ کا دریائے نیل کے نام فرمان اور اس کا جاری ہو جانا

(۱۵۳۹) بطریق ابن لہیعہ قیس بن الحجاج سے روایت ہے کہ جب مصر فتح ہو گیا تو لوگ عمرو بن العاص گورنر مصر کے پاس آئے اور جب عجم کے بونہ کا دن منانے کا وقت آیا تو انہوں نے کہا اے امیر! جب یہاں قحط پڑتا ہے تو یہاں کی روایات کے مطابق وہ بونہ کی رسم ان ہی دستور کے مطابق ادا کیے بغیر نہیں جاتا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا وہ رسم کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب مہینے کی ۱۲ تاریخ ہو جاتی ہے تو ہم ایک باکرہ لڑکی کے والدین کو راضی کر کے اس کو زیورات و لباس سے خوب آراستہ کرتے

www.besturdubooks.net

فَارْضَيْنَا اَبَوَيْهَا وَ جَعَلْنَا عَلَيْهَا مِنَ الْحُلِيِّ وَ الثِّيَابِ اَفْضَلَ مَا يَكُوْنُ ثُمَّ اَلْقَيْنَاهَا فِيْ هٰذَا النِّيْلِ فَقَالَ لَهُمْ عَمْرٌو اِنَّ هٰذَا مِمَّا لَا يَكُوْنُ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ قَالَ فَاَقَامُوْا بُؤْنَةَ وَ ابيب و مسرى وَ النِّيْلُ لَا يَجْرِيْ قَلِيْلًا وَ لَا كَثِيْرًا حَتّٰى هَمُّوْا بِالْجَلَاءِ فَكَتَبَ عَمْرٌو اِلٰى عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ بِذٰلِكَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ اَنَّكَ قَدْ اَصَبْتَ بِالَّذِيْ فَعَلْتَ وَ اِنِّيْ قَدْ بَعَثْتُ اِلَيْكَ بِطَاقَةً دَاخِلَ كِتَابِيْ فَاَلْقِهَا فِي النِّيْلِ فَلَمَّا قَدِمَ كِتَابُهٗ اَخَذَ عَمْرٌو الْبِطَاقَةَ فَاِذَا فِيْهَا مِنْ عَبْدِاللّٰهِ عُمَرَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى نِيْلِ اَهْلِ مِصْرَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا تَجْرِيْ مِنْ قَبْلِكَ وَ مِنْ اَمْرِكَ فَلَا تَجْرِ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيْكَ وَ اِنْ كُنْتَ اِنَّمَا تَجْرِيْ بِاَمْرِ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَ هُوَ الَّذِيْ يُجْرِيْكَ فَنَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يُجْرِيَكَ قَالَ فَاَلْقَى الْبِطَاقَةَ فِي النِّيْلِ فَاَصْبَحُوْا لِيَوْمِ السَّبْتِ وَ قَدْ جَرَى النِّيْلُ سِتَّةَ عَشَرَ ذِرَاعًا فِيْ لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ وَ قَطَعَ اللّٰهُ تِلْكَ السُّنَّةَ عَنْ اَهْلِ مِصْرَ اِلَى الْيَوْمِ.

ہیں پھر اس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں- یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یہ مکروہ رسم اسلام برداشت نہیں کر سکتا اور جو اسلام سے پہلے پہلے رسوم بد ہو چکیں وہ سب ختم ہوئیں آخر جب رسم بونہ کے منانے کا دن آیا تو دریائے نیل میں نہ تھوڑا پانی رہا نہ بہت تا آنکہ لوگوں نے وہاں سے جلاوطن ہونے کا ارادہ کر لیا اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ قصہ لکھ بھیجا انہوں نے اس مضمون کا خط جواباً ارسال فرمایا تم نے جو کیا وہ بالکل درست کیا- (بے شک اسلام میں یہ رسم نا قابل برداشت ہے) میں تمہارے پاس ایک خط بھیج رہا ہوں میرے اس خط کو تم دریائے نیل میں ڈال دینا- جب وہ خط عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا دیکھا تو اس میں یہ مضمون تھا- یہ خط ہے ایک اللہ کے بندہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف سے دریائے نیل کے نام' وہ شخص تمام مسلمانوں کا امیر مقرر ہوا ہے- امابعد او دریائے نیل اگر تو پہلے سے اپنے ارادہ سے چڑھا کرتا ہو تو مت چڑھ ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ایک اللہ واحد قہار کے ارادہ سے چڑھا کرتا ہو اور وہی تجھ کو جاری کیا کرتا ہو تو ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو پھر جاری کر دے چنانچہ حسب الحکم یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تو ایک ہی شب کے اندر دریائے نیل میں سولہ سولہ گز پانی آ گیا اور وہ دن ہے اور آج کا دن کہ اللہ تعالیٰ نے اس دستور کو مصر والوں سے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا-

كون النار برد او سلاما

(۱۵۴۰) عَنْ شُرَحْبِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ اَنَّ الْاَسْوَدَ بْنَ قَيْسٍ مَرَّ بِالْيَمَنِ وَ كَانَ الْاَسْوَدُ جَبَّارًا فَبَعَثَ اِلٰى اَبِيْ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ فَاَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ مُسْلِمٍ مَا اَسْمَعُ فَقَالَ لَهٗ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ نَعَمْ فَرَدَّدَ

آگ کا ٹھنڈک اور سلامتی بن جانا

(۱۵۴۰) شرحبیل بن مسلمؒ سے روایت ہے کہ اسود بن قیس یمن کی طرف چلا اور یہ بڑا ظالم شخص تھا اس نے شرحبیل بن مسلمؒ کو پکڑ بلایا' یہ آئے تو اس کمبخت نے کہا کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابو مسلم نے کہا (ایسی خرافات) میں سنتا بھی نہیں (جواب تو کیا دوں) پھر اس نے کہا کہ اچھا تو یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں- انہوں نے کہا بے شک میں اس کی گواہی دیتا ہوں پھر وہ مکرر یہ بات

www.besturdubooks.net

ذَالِکَ عَلَیْهِ مِرَارًا فَاَمَرَ بِنَارٍ عَظِیْمَةٍ فَاُضْرِمَتْ ثُمَّ اَمَرَ بِالْقَاءِ اَبِیْ مُسْلِمٍ فِیْهَا فَلَمْ تَضُرُّهُ فَاَخْمَدَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی حِیْنَ اُلْقِیَ فِیْهَا فَقِیْلَ لَهٗ اَخْرِجْ هٰذَا عَنْکَ مِنْ اَرْضِکَ لِئَلَّا یُفْسِدَ عَلَیْکَ اَتْبَاعَکَ فَاَخْرَجَهٗ فَقَدِمَ اَبُوْ مُسْلِمٍ الْمَدِیْنَةَ وَ قَدْ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ بِبَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَامَ یُصَلِّیْ اِلٰی سَارِیَةٍ فَبَصُرَبِهٖ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَامَ اِلَیْهِ فَقَالَ مِمَّنِ الرَّجُلُ قَالَ مِنْ اَهْلِ الْیَمَنِ قَالَ مَا فَعَلَ الَّذِیْ حَرَّقَهُ الْکَذَّابُ قَالَ ذَالِکَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ ثَوْبٍ قَالَ نَشَدْتُکَ بِاللّٰهِ اَنْتَ هُوَ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَاعْتَنَقَهٗ ثُمَّ بَکٰی ثُمَّ ذَهَبَ بِهٖ حَتّٰی اَجْلَسَهٗ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یُمِتْنِیْ حَتّٰی اَرَانِیْ فِیْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُعِلَ بِهٖ کَمَا فُعِلَ بِاِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ خَرَجَ فِیْرُوْ زُ الدَّیْلَمِیُّ عَلَی الْاَسْوَدِ فَقَتَلَهٗ وَ جَاءَ الْخَبَرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهٖ وَ هُوَ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ فَخَرَجَ فَاَخْبَرَ اَصْحَابَهٗ بِذَالِکَ وَ قَالَ قُتِلَ الْاَسْوَدُ الْعَنَسِیُّ اللَّیْلَةَ قَتَلَهٗ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنْ قَوْمٍ صَالِحِیْنَ وَ قِصَّةٌ مَشْهُوْرَةٌ وَ کَذَالِکَ قِصَّةُ مُسَیْلَمَةَ الْکَذَّابِ وَ هُمَا مِنَ الْکَذَّابِیْنَ۔

مزے لے کر فرماتے رہے آخر اس نے ایک بڑی جگہ ان کے لیے بنوا کر اس میں آگ روشن کی پھر حکم دیا کہ ابومسلم کو اس میں جھونک دو۔ عجیب بات ہے کہ ابومسلم جب اس آگ میں ڈالے گئے تو ان پر اس کا اثر ذرا سا بھی نہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو اس وقت جب وہ اس میں ڈالے گئے بجھا دیا پھر اسے مشورہ دیا گیا کہ ان کو شہر سے باہر نکال دو تاکہ تمہارے دوسرے ہم مذہبوں کو یہ شخص خراب نہ کرے چنانچہ ان کو باہر نکال دیا گیا۔ ابومسلم جب مدینہ منورہ آئے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے وہ مسجد شریف کے پاس آئے اور اپنی سواری دروازہ پر بٹھا کر سب سے پہلے مسجد میں گئے اور ایک ستون کے پیچھے آکر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ پایا تو اٹھ کر ان سے یہ پوچھنے لگے کہ تم کہاں کے باشندے ہو وہ بولے یمن کا' اس پر انہوں نے یہ سوال فرمایا جس شخص کو اسود عنسی نے جلا دیا تھا تم کو ان کی کچھ خیر و خبر ہے۔ انہوں نے کہا اچھا وہ عبداللہ بن ثوب۔ انہوں نے فرمایا تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ وہ تم ہی تو نہ تھے' انہوں نے کہا جی ہاں میں ہی تھا پھر کیا تھا مارے خوشی کے انہوں نے اپنے سینے سے لگا لیا اور رو پڑے۔ پھر ان کو اپنے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان لے کر بیٹھے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اس وقت تک مجھ کو موت نہ دی جب تک کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک شخص ایسا نہ دکھلا دیا جس کے ساتھ راہ خدا میں وہی سلوک نہ ہوا ہو جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر فیروز دیلمی نے اسود پر حملہ کر کے اس کو ہلاک کر ڈالا اور اس کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پہنچی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری لمحات میں تھے ادھر وہ مرا ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس کے جہنم واصل ہو جانے کی خوش خبری ملی کہ آج ہی کی شب میں اس بدبخت کی موت واقع ہو گئی۔ اسی طرح بعد میں مسیلمہ بن کذاب کی خبر قتل ملی اور یہ دونوں شخص ان کذابین میں تھے جن کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی۔

(ذکره حافظ ابن تیمیة واخرج فی الخصائص ج ٦ ص ٨٠ الجواب الصحیح ج ١ ص ١١٢ - ١١٣ و کتاب النبوات ص ٢٦٥)

www.besturdubooks.net

مرور ابی مسلم الخولانی مع عسکرہ علی الماء ودعائہ

(۱۵۴۱) عَنْ اَبِی مُسْلِمِ الْخَوْلَانِیّ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا غَزَا اَرْضَ الرُّوْمِ فَمَرُّوْا بِنَھْرٍ قَالَ اَجِیْزُوْا بِسْمِ اللّٰہِ قَالَ وَ یَمُرُّبَیْنَ اَیْدِیْھِمْ فَیَمُرُّوْنَ عَلَی الْمَاءِ فَمَا یَبْلُغُ مِنَ الدَّوَابِّ اِلَّا اِلَی الرُّکَبِ اَوْ فِیْ بَعْضِ ذَالِکَ اَوْ قَرِیْبًا مِنْ ذَالِکَ قَالَ وَ اِذَا جَازُوْا قَالَ لِلنَّاسِ ھَلْ ذَھَبَ لَکُمْ شَیْءٌ مِنْ ذَھَبَ لَہٗ شَیْءٌ فَاَنَا ضَامِنٌ قَالَ فَاَلْقٰی مِخْلَاۃً عَمْدًا فَلَمَّا جَاوَزُوْا قَالَ الرَّجُلُ مِخْلَاتِیْ وَ قَعَتْ فِی النَّھْرِ فَقَالَ لَہٗ اِتَّبِعْنِیْ فَاِذَا الْمِخْلَاۃُ قَدْ تَعَلَّقَتْ بِبَعْضِ اَعْوَادِ النَّھْرِ فَقَالَ خُذْھَا (رواہ ابن عساکر البدایہ ج ٦ ص ٢٦١)

ابومسلم خولانی کا اپنے لشکر کے ساتھ پانی پر سے گذرنا اور دُعافرمانا

(۱۵۴۱) ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غزوہ روم کے لیے روانہ ہوئے ان کا ایک نہر پر گذر ہوا تو اپنے لشکر سے مخاطب ہوکر فرمایا چلو دریا پار چلو‘ لوگ گزرنے لگے تو ان کے گھوڑوں کے تھوڑا نزدیک پانی رہا- جب سب پار اتر گئے تو انہوں نے فوج سے پوچھا کہ کسی کی کوئی چیز گم تو نہیں ہوئی- اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو تو میں اس کا ضامن ہوں- راوی کہتا ہے ایک شخص نے قصداً اپنا ایک توبرا دریا میں ڈال دیا اور کہا کہ میرا توبرا نہیں ملتا کہیں پانی میں گر گیا ہے- اس پر انہوں نے فرمایا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ‘ دیکھا تو وہ توبرا نہر کے کنارہ نہر کی لکڑیوں میں لٹکا ہوا ملا فرمایا لو اپنا توبرا لو-

(ابن عساکر البدایہ ج٦ ص ٢٦١)

(۱۵۴۲) عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ الْمُغِیْرَۃِ اَنَّ اَبَا مُسْلِمِ الْخَوْلَانِیّ جَاءَ اِلٰی دَجْلَۃَ وَھِیَ تَرْمِیْ بِالْخُشُبِ مِنْ مَدِّھَا فَمَشٰی عَلَی الْمَاءِ وَ الْتَفَتَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَ قَالَ ھَلْ تَفْقِدُوْنَ مِنْ مَتَاعِکُمْ شَیْئًا فَنَدْعُو اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ

(۱۵۴۲) سلیمان بن المغیرہ روایت کرتے ہیں کہ ابومسلم خولانی دریائے دجلہ کے پاس تشریف لائے اور اس پر جوار آجانے کی وجہ سے لکڑیاں بہہ کر آرہی تھیں تو وہ خود دریا کی سطح پر چل کر آئے اور اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہوکر بولے تم میں سے کسی کا کوئی مال گم تو نہیں ہوا ورنہ تو پھر ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں- اس کی اسناد صحیح ہے-

(رواہ الحافظ ابن کثیر عن الحافظ البیھقی ھذا اسناد صحیح. البدایہ والنھایۃ ج٢ ص ١٥٦)

عبور دجلۃ بدعاء رجل من المسلمین منھم

(۱۵۴۳) عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِہٖ قَالَ انْتَھَیْنَا اِلٰی دَجْلَۃَ وَ ھِیَ مَادَّۃٌ وَ الْاَعَاجِمُ خَلْفَھَا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ بِسْمِ اللّٰہِ ثُمَّ اقْتَحَمَ بِفَرَسِہٖ فَارْتَفَعَ عَلَی الْمَاءِ فَقَالَ النَّاسُ بِسْمِ اللّٰہِ ثُمَّ اقْتَحَمُوْا فَارْتَفَعُوْا عَلٰی

ایک مسلمان کی دُعا سے پوری ایک جماعت کا دریائے دجلہ کو بغیر کسی کشتی کے عبور کرجانا

(۱۵۴۳) اعمش اپنے بعض رفقاء سے نقل کرتے ہیں کہ جب ہم نہر دجلہ کے کنارے پہنچے تو مسلمانوں کے امیر نے آگے بڑھ کر بسم اللہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو پانی میں ڈال دیا- عجب تماشہ نظر آیا کہ گھوڑا جہاز کی طرح پانی کے اوپر اوپر چلنے لگا پھر تو اور لوگوں نے بھی بسم اللہ کہہ کر اپنے اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے اور سب کے سب اسی طرح پانی کے اوپر تیرتے چلے

www.besturdubooks.net

السماء فنظر اليهم الاعاجم و قالوا ديوان ديوان ثم ذهبوا على وجوههم قال فما فقد الناس الا قدحا كان معلقا بعذبة سرج فلما خرجوا اصابوا الغنائم فاقتسموها فجعل الرجل يقول من يبادل الصفراء ببيضاء.

(رواه البيهقي البداية و النهاية ج ٦ ص ١٥٥)

گئے عجمی اصحاب نے یہ ماجرا دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ تو دیو اور جن ہیں۔ پھر واپس آ کر کہنے لگے کہ پانی میں کسی کا کچھ گم نہ ہوا مگر صرف ایک پیالہ تھا جو کہیں گھوڑے کے زین میں لٹکا ہوا تھا۔ جب پانی سے باہر آ گئے تو سب نے مال غنیمت تقسیم کیا اور باہم سونے اور چاندی کی خرید و فروخت کرنے میں مشغول ہو گئے۔

ادخال ابی تميم النار حتى انه دخل في الشعب

(۱۵۴۴) عن معاوية ابن حرمل قال خرجت نار بالحرة فجاء عمرؓ الى تميم الداري فقال قم الى هذه النار قال يا امير المومنين و من انا و ما انا قال فلم يزل به حتى قام معه قال و تبعتهما فانطلقا الى النار فجعل تميم يحوشها بيده حتى دخلت الشعب و دخل تميم يحوشها بيده حتى دخلت الشعب و دخل تميم خلفها قال فجعل عمرؓ يقول ليس من راى كمن لم يرقالها ثلثا.

رواه البيهقي و النعيم الحافظ ابن كثير في كتابه البدايه و النهاية ج ٦ ص ١٥٣.

ابوتمیم کا آگ کو دھکیل کر گھاٹی میں داخل کر دینا

(۱۵۴۴) معاویہ بن حرمل بیان کرتے ہیں کہ مقام حرہ میں آگ نمودار ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمیم داری کے پاس آ کر حکم فرمایا کہ دیکھو یہ آگ لگ رہی ہے اس کی طرف جا کر اس کو ہٹا دو۔ انہوں نے عرض کی اے امیر المؤمنین میری ہستی کیا ہے اور میں اس قابل کہاں ہوں' وہ اصرار فرماتے ہی رہے آخر ان کے ساتھ اٹھ کر چل دیئے اور میں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا اور وہ دونوں آگ کی طرف بڑھتے رہے تو تمیم داری اس آگ کو دھکے دے رہے تھے' آخر وہ آگ ایک گھاٹی میں جا گھسی اور تمیم داری تھے کہ اس کے پیچھے لگے رہے۔ اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بات کو بچشم خود دیکھ لے وہ اس کی برابر نہیں ہو سکتا جو خود مشاہدہ نہ کرے تین بار یہ کلمات فرمائے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۳)

احياء الموتى

(۱۵۴۵) عن انس رضي الله تعالى عنه قال ادركت في هذه الامة ثلاثا لو كانت في بني اسرائيل لما تقاسمها كذا في الاصل الامم قلنا و ما هي يا ابا حمزة قال كنا في

مُردوں کا زندہ کرنا

(۱۵۴۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس امت میں تین شخصوں کو دیکھا کہ اگر کہیں وہ بنی اسرائیل میں ہوتے تو وہ امتوں میں نہ بٹتے' ہم نے ان کی کنیت ابو حمزہ پکار کر کہا کہ ان کو ہمیں بھی بتایئے اور ہم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں

(۱۵۴۵) ✽ البدایہ والنہایہ ص ۱۵۴ و ص ۱۵۵ پر ان تینوں واقعات کی تفصیل موجود ہے اور یہ سب اس امت کی کرامات سے متعلق ہیں۔

www.besturdubooks.net

الصُّفَّةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْهُ امْرَأَةٌ مُهَاجِرَةٌ وَ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا قَدْ بَلَغَ فَاَضَافَ الْمَرْأَةَ اِلَى النِّسَاءِ وَ اَضَافَ ابْنَهَا اِلَيْنَا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ اَصَابَهٗ وَ بَاءُ الْمَدِيْنَةِ فَمَرِضَ اَيَّامًا ثُمَّ قُبِضَ فَغَمَّضَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَ بِجَهَازِهٖ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَغْسِلَهٗ قَالَ يَا اَنَسُ ائْتِ اُمَّهٗ فَاَعْلِمْهَا فَاَعْلَمْتُهَا قَالَ فَجَاءَتْ حَتّٰى جَلَسَتْ عِنْدَ قَدَمَيْهِ فَاَخَذَتْ بِهِمَا ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ لَكَ طَوْعًا وَ خَالَفْتُ الْاَوْثَانَ زُهْدًا وَ هَاجَرْتُ لَكَ رَغْبَةً اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِيْ عَبَدَةَ الْاَوْثَانِ وَ لَا تُحَمِّلْنِيْ مِنْ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةِ مَا لَا طَاقَةَ لِيْ بِحَمْلِهَا قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا انْقَضٰى كَلَامُهَا حَتّٰى حَرَّكَ قَدَمَيْهِ وَ اَلْقَى الثَّوْبَ عَنْ وَّجْهِهٖ وَ عَاشَ حَتّٰى قَبَضَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَتّٰى هَلَكَتْ اُمُّهٗ. (رواه البيهقى من طريق عيسى بن يونس عن عبدالله بن عون عن انس و رواه ابى سعيد المالينى و فى اَنَّ اُمَّ السَّائِبِ كَانَتْ عَجُوْزًا عَمْيَاءَ و قدروى من وجه اخر مرسلاً يعنى انقطاع و اخرجه ابن ابى الدنيا متصلا ايضا البدايه و النهاية ج ٦ ص ١٥٤)

نے کہا کہ ایک عورت اپنے ساتھ ایک اپنا بچہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ بلوغ تک پہنچ چکا تھا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو مستورات کا مہمان بنا دیا اور اس کے بیٹے کو ہماری مہمانی میں دے دیا بس کچھ دیر نہ لگی ہوگی کہ مدینہ میں اس کو ایک وبائی بیماری لگ گئی تو کچھ دن تو وہ لڑکا بیمار پڑا رہا اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی آنکھیں بند کر دیں اور اس کی تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا- جب ہم نے اس کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اس کی والدہ کے پاس جاؤ اور ان کو مطلع کرو- انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی والدہ کو وفات کی خبر دی وہ آئیں یہاں تک کہ اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئیں اور غم میں اس کے پیر پکڑ کر کہا الٰہی میں دل سے تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور بتوں سے متنفر ہو کر ان کو چھوڑ دیا اور تیری محبت میں تیرے لیے ہجرت بھی کی، الٰہی اب تو مجھ پر بت پرستوں کو ہنسی اڑانے کا موقع نہ دے اور ایسی مصیبت مجھ پر نہ ڈال جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہ ہو- انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی دیر نہ لگی ہوگی کہ اس لڑکے نے اپنے پیروں کو حرکت دی اور اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر منہ کھول دیا پھر بڑی مدت تک زندہ و سلامت رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا- اس واقعہ کو امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے اور اس کو ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ ام سائب ایک نابینا بوڑھی عورت تھیں' الخ

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۴)

قصة رجل من اليمن و احياء ه حماره له بدعائه ربه جل مجده

یمن کے ایک شخص کا اپنے مردہ گدھے کے واسطے اپنے رب سے دوبارہ زندہ کر دینے کی دُعا مانگنے کا واقعہ

(۱۵۴۶) عَنْ اَبِيْ شَرِيْكٍ النَّخْعِيِّ قَالَ اَقْبَلَ رَجُلٌ مِّنَ الْيَمَنِ فَلَمَّا كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ نَفَقَ حِمَارُهٗ فَقَامَ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ صَلّٰى

(۱۵۴۶) ابوشریک نخعی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آ رہا تھا راستہ میں اس کا گدھا مر گیا اس نے فوراً وضو کیا اور دو رکعتیں نماز ادا کیں اور یہ دُعا مانگی الٰہی میں مدینہ سے صرف جہاد کی نیت اور تیری رضا مندی حاصل کرنے

www.besturdubooks.net

رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ جِئْتُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ مُجَاهِدًا وَ فِيْ سَبِيْلِكَ وَ ابْتِغَاءِ مَرْضَاتِكَ وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ تُحْيِي الْمَوْتٰى وَ تَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ لَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ عَلَيَّ الْيَوْمَ مِنَّةً اَطْلُبُ اِلَيْكَ الْيَوْمَ اَنْ تَبْعَثَ حِمَارِيْ فَقَامَ الْحِمَارُ يَنْفُضُ اُذُنَيْهِ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ و رواه ابوبكر بن ابى الدنيا عَنِ الشَّعْبِيِّ فِيْ كِتَابِ مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَ زَادَ عَلٰى هٰذَا الرِّوَايَةِ فَاَسْرَجَهُ وَ اَلْجَمَهُ ثُمَّ رَكِبَهُ وَ اَجْرَاهُ فَلَحِقَ بِاَصْحَابِهِ فَقَالُوْا لَهُ مَا شَانُكَ قَالَ شَانِيْ اَنَّ اللّٰهَ بَعَثَ حِمَارِيْ قَالَ الشَّعْبِيُّ فَاَنَا رَاَيْتُ الْحِمَارَ بِيْعَ اَوْ يُبَاعُ فِي الْكُنَاسَةِ يَعْنِي الْكُوْفَةَ قَالَ ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا بِسَنَدِهٖ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ شَرِيْكٍ النَّخْعِيِّ اَنَّ صَاحِبَ الْحِمَارِ رَجُلٌ مِّنَ النَّخْعِ يُقَالُ لَهٗ نَبَاتَةُ بْنُ يَزِيْدَ خَرَجَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ غَازِيًا.

(رواه الحافظ بن كثير. البدايه و النهايه ج ٦ ص ١٥٢)

کے لیے اپنے وطن سے آیا ہوں اور میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور جو مر کر دفن ہو چکے ان کو قبروں سے پھر نکال کر زندہ کرنے والا ہے آج میری گردن پر کسی کا احسان نہ رکھنا۔ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گدھے کو پھر زندہ کر دے' بس اسی وقت وہ گدھا اپنے کانوں کو پھٹ پھٹاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کی اسناد صحیح ہیں ابن ابی الدنیا نے شعبی سے کتاب من عاش بعد الموت میں اس روایت میں اتنی زیادتی اور نقل کی ہے کہ پھر اس نے اس پر زین کس اور لگام چڑھا اور اس پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں سے جا ملا' انہوں نے اتنی دیر لگ جانے کی وجہ پوچھی اس نے اپنا قصہ بیان کیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے گدھے کو زندہ کر دیا۔ شعبی نقل کرتے ہیں کہ اس گدھے کو کوفہ کے محلہ کناسہ میں بکتے ہوئے میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ یعنی اس شہر کا نام لے کر بتایا کہ وہ کوفہ تھا۔ ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ وہ شخص قبیلہ نخع میں کا تھا اس کا نام نباتہ بن یزید تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غزوہ میں شرکت کے لیے چلا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۲)

احياء حدأة شوشت على الحاضرين لاستماعهم الوعظ

اس چیل کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا واقعہ جس کے شور کی وجہ سے سامعین کو وعظ سننے میں تشویش ہونے لگی تھی

(۱۵۴۷) وَ حَكَى الدَّمِيْرِيُّ فِيْ مَادَّةِ حِدَاَةٍ اَنَّ الشَّيْخَ عَبْدَالْقَادِرِ الْجِيْلِيَّ (قَدَّسَ اللّٰهُ رُوْحَهٗ) جَلَسَ يَوْمًا يَعِظُ النَّاسَ وَ كَانَتِ الرِّيْحُ عَاصِفَةً فَمَرَّتْ عَلٰى مَجْلِسِهٖ حِدَاَةٌ طَائِرَةٌ فَصَاحَتْ فَشَوَّشَتْ عَلَى الْحَاضِرِيْنَ مَا هُمْ فِيْهِ فَقَالَ الشَّيْخُ يَارِيْحُ خُذِيْ رَاْسَ هٰذِهِ الْحِدَاَةِ فَوَقَعَتْ لِوَقْتِهَا فِيْ نَاحِيَةٍ وَ رَاْسُهَا فِيْ نَاحِيَةٍ فَنَزَلَ الشَّيْخُ عَنِ الْكُرْسِيِّ وَاَخَذَهَا

(۱۵۴۷) امام دمیری نے مادۂ حداۃ میں نقل کیا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ ایک دن وعظ فرما رہے تھے ہوا تند و تیز تھی اس طرف سے ایک چیل چکر لگا کر شور کرتی ہوئی آئی جس کی وجہ سے سامعین کو وعظ سننے میں تشویش ہونے لگی۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ نے ہوا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس چیل کا سر پکڑ لے۔ بس اسی وقت وہ چیل نیچے آ پڑی کہ وہ خود ایک طرف پڑی ہوئی تھی اور اس کا سر تن سے جدا ہو کر دوسری طرف پڑا ہوا تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ وعظ کی کرسی سے اتر پڑے اور اس کو ایک ہاتھ میں لیا اور اپنا دوسرا ہاتھ اس پر پھیرتے

www.besturdubooks.net

بِيَدِهٖ وَ اَمَرَّيَدَهُ الْاُخْرٰى عَلَيْهَا وَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَحَيِيَتْ وَ طَارَتْ وَ النَّاسُ يُشَاهِدُوْنَ ذَالِکَ. قال و روينا بسند الصحيح.

ہوئے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وہ زندہ ہو کر اڑ گئی اور سب حاضرین یہ ماجرا دیکھ رہے تھے- دمیری فرماتے ہیں کہ ہم تک اسناد صحیح سے یہ بات پہنچی ہے-

قصة شرب السم خالد وعدم مضرته له

حضرت خالد بن ولیدؓ کے زہر پینے اور اس سے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچنے کا واقعہ

(۱۵۴۸) قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ كَانَ خَالِدُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يُشْبِهُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِیْ خِلْقَتِهٖ وَ صِفَتِهٖ وَ لَمَّا نَزَلَ الْحَيْرَةَ قِيْلَ لَهٗ اِحْذَرِ السَّمَّ لَا يَسْقِيْکَ الْاَعَاجِمُ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِهٖ فَاَخَذَهٗ بِيَدِهٖ وَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ شَرِبَهٗ فَلَمْ يَضُرَّهٗ شَيْئًا.

(۱۵۴۸) حضرت خالدؓ شکل و شمائل میں حضرت عمرؓ سے مشابہ تھے- جب یہ مقام حیرہ میں پہنچے تو لوگوں نے ان سے کہا خبردار رہیے کہیں عجم کے لوگ آپ کو زہر نہ پلا دیں- یہ سن کر انہوں نے فرمایا وہ زہر میرے پاس لاؤ (چنانچہ زہر لایا گیا) انہوں نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر پی لیا لیکن ان کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا۔

(تہذیب التہذیب. ابویعلی. ابن سعد)

(تهذيب التهذيب. و رواه ابو يعلى و الحافظ ابن تيميه رحمة الله تعالى عنيه ج ٤ ص ٢٣٧ الجواب الصحيح. و رواه ابن سعد فى الطبقات ايضا غيران فيه الحرة بدل الحيرة و ذكره الحافظ ابن تيميه رحمة الله تعالى عنيه فى كتاب النبوات ص ١٠ و ترجم البخارى بشرب السم و اخرج له الحافظ قصة خالد عن ابن ابى شيبة رحمة الله عليه و قال ان المصنف رحمة الله تعالى عنيه اى البخارى رحمة الله تعالى عنيه رمزالى ان السلامة من ذلك كان كرامة له. فتح البارى ج ١ ص ١٩٤)

(۱۵۴۹) عَنْ خَيْثَمَةَ قَالَ اُتِیَ خَالِدٌ بِرَجُلٍ مَعَهٗ زِقُّ خَمْرٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ عَسَلًا فَصَارَ عَسَلًا. (رواه ابن ابى الدنيا باسناد صحيح كما فى الاصابة ج ١ ص ٤١٤)

(۱۵۴۹) خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس کے ساتھ شراب کا مشکیزہ تھا- آپ نے دعا کی' اے اللہ تو اس کو شہد بنا دے وہ شہد بن گئی-

(ابن ابی الدنیا)

(۱۵۴۸) * اس قسم کے واقعات میں غور کرنا چاہیے کیا ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد یا کوئی جماعت اس یقین پر اپنے نفس کو کھلی ہلاکت میں ڈال دے کہ اس کا اثر مخالف پر اسلام کی حقانیت کا پڑے گا تو کیا ایسا فعل جائز ہوگا اور کیا اس کو خودکشی کے مرادف تو سمجھا نہیں جائے گا؟ اور یہ کہ کن حالات میں اور کن کن قیود کے ساتھ ایسے فعل کی اجازت دی جا سکے گی-

(۱۵۴۹) * دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب اس شخص سے پوچھا گیا تیری مشک میں کیا ہے؟ اس نے کہہ دیا سرکہ آپ نے فرمایا اے اللہ اس کو سرکہ ہی بنا دے- لوگوں نے دیکھا تو وہ سرکہ ہی بن گئی تھی حالانکہ پہلے اس میں شراب تھی- (اصابہ)

www.besturdubooks.net

قصة فتح الكوة ايضا كانت نحوا من الاستسقاء

(۱۵۵۰) عَنْ اَبِي الْجَوْزَاءِ قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ انْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَ سَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ.

(رواه الدارمی کذا فی المشکوة فی باب الکرامات)

طلب بارش کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے مقابل چھت میں ایک سوراخ کھولنے کا واقعہ

(۱۵۵۰) ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قحط پڑنے کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا دیکھو آپ کی قبر مبارک کے ٹھیک بالمقابل چھت میں ایک سوراخ کھولو کہ آسمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے درمیان کوئی حائل باقی نہ رہے۔ صحابہؓ وغیرہ نے جا کر ایسا ہی کیا۔ پھر اس زور کی بارش آئی کہ جابجا گھاس کی کثرت ہو گئی' اونٹ فربہ ہو گئے اور مارے فربہی کے ان کے جسم کی چربی پھٹ پڑی اور اسی وجہ سے اس کا نام تاریخ میں عَامُ الْفَتْقِ پڑ گیا۔ (دارمی)

(۱۵۵۰) * حافظ ابن تیمیہؒ اس کی مراد یہ لکھتے ہیں:

بل قد روی عن عائشة انها کشفت عن قبر النبی صلی الله علیه وسلم لینزل المطر فانه رحمة تنزل علی قبره و لم تستسق عنده و لا استغاثة هناک و لهذا لما بنیت حجرته علی عهد التابعین. بابی هو و امی صلی الله علیه وسلم ترکوا فی اعلاها کوة الی السماء و هی الی الان باقیة فیها موضوع علیها شمع علی اطرافه حجارة تمسکه و کان السقف بارزا الی السماء.

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بارش آنے کے لیے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے اپنے حجرہ کی چھت کھول دی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش ایک رحمت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو گی لیکن وہاں بارش کے لیے کوئی دعا وغیرہ نہیں کی گئی اسی لیے جب عہد تابعین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک تعمیر ہوا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں) تو اوپر کی جانب روشن دان کھلا ہوا رہنے دیا گیا جو ابھی تک اسی طرح کھلا ہوا موجود ہے۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۳۸)

حافظ ابن تیمیہؒ محمد بن الحسن اس کے راوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

هذا صاحب اخبار و هو مضعف عند اهل الحدیث کالو اقدی و نحوه لکن یستأنس بما یرویه و یعتبر به.

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۷۱)

یہ مؤرخ ہے محدثین (مشہور مورخ) واقدی کی طرح اس کو بھی ضعیف قرار دیتے ہیں' لیکن آثار و قرائن اس روایت کی صحت کی تائید کرتے ہیں اور قابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے بعض مسائل میں جمہور سے الگ ہے وہ یہاں توسط کے ساتھ تاویل کے درپے ہیں حالانکہ جو تاویل بقیہ.....

www.besturdubooks.net

حمل البحر صحیفة عبد صالح و ایصال الامانة الی صاحبها

(۱۵۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَکَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سَاَلَ بَعْضَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَنْ یُّسْلِفَهٗ اَلْفَ دِیْنَارٍ فَقَالَ ائْتِنِیْ بِالشُّهَدَاءِ اُشْهِدُهُمْ فَقَالَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا فَقَالَ فَأْتِنِیْ بِالْکَفِیْلِ قَالَ کَفٰی بِاللّٰهِ وَ کِیْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَدَفَعَهَا اِلَیْهِ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَخَرَجَ فِی الْبَحْرِ فَقَضٰی حَاجَتَهٗ ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْکَبًا یَرْکَبُهَا یَقْدَمُ عَلَیْهِ لِلْاَجَلِ الَّذِیْ اَجَّلَهٗ فَلَمْ یَجِدْ مَرْکَبًا فَاَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَاَدْخَلَ فِیْهَا اَلْفَ دِیْنَارٍ وَ صَحِیْفَةً مِنْهُ اِلٰی صَاحِبِهٖ ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا ثُمَّ اَتٰی بِهَا اِلَی الْبَحْرِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنِّیْ کُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا اَلْفَ دِیْنَارٍ فَسَاَلَنِیْ کَفِیْلًا فَقُلْتُ کَفٰی بِاللّٰهِ کَفِیْلًا فَرَضِیَ بِذٰلِکَ فَسَاَلَنِیْ شَهِیْدًا فَقُلْتُ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا فَرَضِیَ بِذٰلِکَ وَ اِنِّیْ جَهَدْتُ اَنْ اَجِدَ مَرْکَبًا اَبْعَثُ اِلَیْهِ الَّذِیْ لَهٗ فَلَمْ اَقْدِرْ وَاِنِّیْ اَسْتَوْدِ عُکَهَا فَرَمٰی بِهَا فِی الْبَحْرِ حَتّٰی وَ لَجَتْ فِیْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَ هُوَ فِیْ ذٰلِکَ یَلْتَمِسُ مَرْکَبًا یَخْرُجُ اِلٰی

سمندر کا اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندہ کا خط لے کر مکتوب الیہ تک مع اس کی امانت کے پہنچا دینے کا واقعہ

(۱۵۵۱) حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے اپنی قوم کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار اشرفی قرض مانگی۔ اس نے کہا چند گواہ میرے پاس لاؤ جن کو میں گواہ بنا سکوں اس نے کہا اجی بس اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں۔ اس نے کہا اچھا تو کوئی ضامن لاؤ' اس پر بھی اس نے کہا اجی بس اللہ کا ضامن ہونا کافی ہے۔ اس نے کہا ہاں جی ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے بعد اس نے وہ رقم اسے دے دی اور شرط یہ کی کہ ایک مقررہ مدت میں ادا کر دے۔ پھر وہ سمندر کے سفر پر چلا گیا اور اپنا کاروبار کیا' پھر اس نے جہاز اور کشتی کی بہت تلاش کی تا کہ اس پر سفر کر سکے اور اپنے قرض خواہ کے پاس مقررہ مدت کے اندر پہنچ جائے مگر اسے کوئی جہاز نہ مل سکا تو اس نے ایک لکڑی لی اس کے اندر ایک ہزار اشرفیاں رکھ دیں اور ایک خط اپنے دوست قرض خواہ کے نام لکھ کر اس کے اندر رکھ دیا پھر اس سوراخ کا منہ خوب بند کر دیا پھر اسے لے کر سمندر کے کنارے پہنچا اور یوں دعا کی کہ "اے میرے اللہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار اشرفیاں قرض لی تھیں اس نے ضامن مانگا میں نے کہا اللہ کی ضمانت کافی ہے وہ اس پر راضی ہو گیا پھر اس نے مجھ سے گواہ طلب کیا تو میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں وہ اس پر بھی راضی ہو گیا اور میں نے جہاز بہت تلاش کیا تا کہ اس کے پاس اس کی واجب رقم بھیج سکوں مگر جہاز مجھے نہ مل سکا اب میں وہ رقم آپ کو امانت دے رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ لکڑی اس میں ڈوب گئی اور وہ واپس چلا گیا اور برابر جہاز کشتی کی تلاش میں رہا تا کہ اپنے وطن کو جا سکے۔

ﷺ ..... انہوں نے فرمائی وہ بدیہی البطلان ہے اور وہاں جا کر استنقاء کے عمل سے ان کو زیادہ مضر ہے اس کی تفصیل آئندہ جلد میں مفصل آنے والی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہاں تو ہماری غرض صرف ایک معجزہ اور کرامت کا ذکر کرنا ہے۔ اس کی اسناد میں کلام کرنے والوں کا منہ کوئی بند نہیں کر سکتا نہ اس کے در پے ہونے کی ضرورت ہے جب کہ اس سے بڑھ کر اور اس کے مثل بہت سے واقعات مسلم اور ثابت شدہ ہیں۔

www.besturdubooks.net

بلده فخرج الذي كان اسلفه ينظر لعل مركبا جاء بماله فاذا بالخشبة التي فيها المال فاخذها لاهله حطبا فلما نشرها وجد المال و الصحيفة ثم قدم الذي كان اسلفه فاتى بالف دينار قال و الله ما زلت جاهدا في طلب مركب لاتيك بمالك فما وجدت مركبا قبل الذي اتيت فيه قال هل كنت بعثت الي شيئا قال اخبرك اني لم اجد مركبا قبل الذي جئت به قال فان الله تعالى عز و جل قد ادى عنك الذي بعثت في الخشبة فانصرف بالف دينار راشدا.

(رواه البخاري)

ادھر وہ قرض خواہ سمندر کے کنارے اس انتظار میں آیا کہ شاید کوئی جہاز اس کی واجب رقم لے کر آ رہا ہو' دیکھا تو وہی لکڑی جس میں اس کی اشرفیاں تھیں سامنے آ ئی' اس نے وہ لکڑی سمندر سے نکال لی- اس خیال سے گھر لے جا کر جلانے کے کام میں لائے گا جب اسے کھولا تو اس کے اندر اس نے اپنا وہ مال اور قرض دار کا خط اپنے نام پایا- اس کے کچھ عرصہ بعد وہ قرض دار خود بھی آ گیا اور اس کے پاس ایک ہزار اشرفی لے کر پہنچا اور کہنے لگا کہ معاف کرنا میں برابر ہی جہاز تلاش کرتا رہا تا کہ وعدے کے مطابق آپ کا مطالبہ وقت پر پہنچا سکوں مگر اب جس جہاز سے میں آیا ہوں اس سے قبل کوئی جہاز مل ہی نہ سکا- قرض خواہ نے پوچھا یہ بتاؤ کیا تم نے پہلے میرے پاس کوئی چیز بھیجی تھی؟ اس نے کہا میں تم سے کہہ تو رہا ہوں کہ جس جہاز سے میں آیا ہوں اس سے قبل مجھے کوئی جہاز نہیں مل سکا تو قرض خواہ بولا کہ اچھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے وہ مطالبہ اس رقم کے ذریعہ ادا کر دیا جو تم نے لکڑی میں بھیجی تھی اب تم یہ ہزار دینار لے کر واپس جاؤ اللہ تمہیں نیکی دے- (بخاری)

كشف الصخرة عن فم الغار

ایک چٹان کا غار کے منہ پر سے اللہ کے حکم سے خود بخود ہٹ جانے کا واقعہ

(۱۵۵۲) و عن عبدالله بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انطلق ثلاثة نفر ممن كان قبلكم حتى اواهم المبيت الي غار فدخلوه فانحدرت صخرة من الجبل فسدت عليهم الغار فقالوا انه لا ينجيكم من هذه الصخرة الا ان تدعوا الله بصالح اعمالكم. قال رجل منهم اللهم كان لي ابوان شيخان كبيران و كنت لا اغبق قبلهما اهلا و لا مالا فنأى بي طلب الشجر يوما فلم ارح عليهما حتى

(۱۵۵۲) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم سے پہلے کی قوموں میں سے ایک بار تین آدمی ایک ساتھ سفر میں نکلے- ایک دن رات گذارنے کے لیے پہاڑ کی ایک کھوہ میں پناہ لی اور اس میں تینوں آدمی گھس گئے اچانک پہاڑ کی ایک چٹان لڑھک کر آئی اور اس غار کے منہ پر ڈھک گئی جس سے اس کا منہ بند ہو گیا- تینوں میں گفتگو ہونے لگی کہ اس مصیبت سے تم کو اسی وقت نجات ہو سکتی ہے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے نیک اعمال کا واسطہ اور وسیلہ دے کر دعا نہ مانگو- اس پر ان میں سے ایک نے یوں دعا کی: اے اللہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے- میری عادت تھی کہ جب تک وہ دونوں شام کو دودھ نہیں پی لیتے تھے اس وقت تک نہ میں اپنے بیوی بچوں کو دودھ پینے دیتا تھا اور نہ خود پیتا- ایک دن اتفاق سے مجھے جانوروں کے لیے درختوں کی پتیاں تلاش کرنے بہت دور چلا جانا پڑا- شام

www.besturdubooks.net

نَامَا فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوقَهُمَا فَوَجَدْتُهُمَا نَائِمَيْنِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوقِظَهُمَا وَ اَنْ اَغْبِقَ قَبْلَهُمَا اَهْلًا اَوْ مَالًا فَلَبِثْتُ وَ الْقَدَحُ عَلٰى يَدَىَّ اَنْتَظِرُ اِسْتِيْقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُ وَ الصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَىَّ فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوقَهُمَا اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا.

قَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَتْ لِيْ ابْنَةُ عَمٍّ كَانَتْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيَّ وَ فِيْ رِوَايَةٍ كُنْتُ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَاَرَدْتُهَا عَلٰى نَفْسِهَا فَامْتَنَعَتْ مِنِّيْ حَتّٰى اَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِّنَ السِّنِيْنَ فَجَاءَتْنِيْ فَاَعْطَيْتُهَا عِشْرِيْنَ وَ مِائَةَ دِيْنَارٍ عَلٰى اَنْ تُخَلِّيَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ نَفْسِهَا فَفَعَلَتْ حَتّٰى اِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: اِتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهٖ فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَ هِيَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَيَّ وَ تَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِيْ اَعْطَيْتُهَا اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا.

وَ قَالَ الثَّالِثُ اَللّٰهُمَّ اسْتَاجَرْتُ اُجَرَاءَ وَ اَعْطَيْتُهُمْ اَجْرَهُمْ غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ تَرَكَ الَّذِيْ لَهٗ وَ ذَهَبَ فَثَمَّرْتُ اَجْرَهٗ حَتّٰى كَثُرَتْ

کو اپنے گھر اس وقت بکریوں کو لے کر پہنچا جب وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں نے ان دونوں کی شام کی خوراک دودھ دوہا مگر جب میں نے ان دونوں کو سوتا پایا تو مجھے نہ ان کو جگاتے اچھا معلوم ہوا اور نہ ان سے پہلے بیوی بچوں کو دودھ پلا دینا پسند آیا۔ تو میں پیالہ ہاتھ میں لیے ان کے جاگنے کے انتظار میں کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میرے بچے میرے پیروں میں پڑے روتے رہے اور تلملاتے رہے۔ جب وہ دونوں جاگے تو انہوں نے اپنا شام کے حصہ کا دودھ پی لیا۔ اے میرے اللہ اگر میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو تو اس چٹان کی مصیبت سے جس میں ہم لوگ اس وقت پھنسے ہیں ہم کو نجات دے دیجیے تو وہ پتھر ذرا سا کھسکا مگر یہ لوگ اس میں سے نکل نہیں سکتے تھے۔

اب دوسرے شخص نے دعا کی کہ اے میرے اللہ میری ایک چچیری بہن تھی جس سے مجھے سب سے زیادہ محبت تھی، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مرد کو عورت سے جتنی سخت سے سخت محبت ہو سکتی ہے اتنی مجھے اس سے تھی۔ میں نے اس پر قابو حاصل کرنا چاہا مگر وہ میرے قبضہ میں نہ آ سکی۔ یہاں تک کہ ایک بار اسے قحط اور خشک سالی کی تکلیف ہوئی وہ میرے پاس مدد مانگنے آئی۔ میں نے اسے ایک سو بیس اشرفیاں اس وعدہ پر دیں کہ وہ مجھے ایک بار اپنے اوپر پورا اختیار دے گی وہ راضی ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب مجھے اس پر قابو حاصل ہو گیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں بیٹھا تو اس نے اتنا کہا ذرا خدا سے تو ڈر اور مہر کو ناجائز طریقے سے مت توڑ۔ یہ سننا تھا کہ میں اس کے پاس سے ہٹ گیا حالانکہ مجھے اس سے عشق تھا۔ میں نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ میں نے اسے وہ اشرفیاں بھی معاف کر دیں جو اسے دی تھیں۔ اے میرے اللہ اگر میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی کے لیے کیا ہو تو جس قید میں ہم لوگ پھنسے ہیں اس سے ہمیں نکال دے تو پتھر تھوڑا سا اور ہٹ گیا اور وہ لوگ اب بھی اس میں سے نکل نہیں سکے۔

اس کے بعد تیسرے نے یہ دعا کی اے میرے اللہ! میں نے ایک بار کئی مزدوروں سے مزدوری کرائی تھی سب کو تو میں نے ان کی مزدوریاں ادا کر دیں مگر ایک آدمی کی رہ گئی وہ اپنی مزدوری میرے ہی پاس چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے اس کی مزدوری

www.besturdubooks.net

مِنْهُ الْاَمْوَالُ فَجَاءَنِیْ بَعْدَ حِیْنٍ فَقَالَ یَا عَبْدَاللّٰہِ اَدِّ اِلَیَّ اَجْرِیْ فَقُلْتُ کُلُّ مَاتَرٰی مِنْ اَجْرِکَ مِنَ الْاِبِلِ وَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ وَ الرَّقِیْقِ فَقَالَ یَا عَبْدَاللّٰہِ لَا تَسْتَهْزِئْ بِیْ فَقُلْتُ لَا اَسْتَهْزِئُ بِکَ فَاَخَذَهٗ کُلَّهٗ فَاسْتَاقَهٗ فَلَمْ یَتْرُکْ مِنْهُ شَیْئًا اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْهِکَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِیْهِ فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوْا یَمْشُوْنَ.

(رواہ الشیخان)

افراغ السحاب ماءه علی حدیقة عبد صالح للہ تعالی

(۱۵۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِیْ سَحَابَةٍ اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰی ذٰلِکَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهٗ فِیْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْکَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِکَ الْمَاءَ کُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِیْ حَدِیْقَتِهٖ یُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ: یَاعَبْدَاللّٰہِ مَا اسْمُکَ؟ قَالَ فُلَانٌ لِلْاِسْمِ الَّذِیْ سَمِعَ فِی السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ یَاعَبْدَاللّٰہِ لِمَ تَسْئَلُنِیْ عَنِ اسْمِیْ؟ فَقَالَ: اِنِّیْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِی السَّحَابِ الَّذِیْ هٰذَا مَاءُهٗ یَقُوْلُ: اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِکَ فَمَا تَصْنَعُ فِیْهَا فَقَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَ اٰکُلُ اَنَا وَ

کے پیسے ایک نفع بخش کام میں لگا دیئے یہاں تک کہ اس رقم سے پھر مال خوب بڑھا- کچھ عرصہ بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے بندے! میری مزدوری تو دے- میں نے کہا میاں یہ سارے اونٹ' یہ گائے بیل' یہ بھیڑ بکریاں یہ غلام یہ سب تیری مزدوری ہی میں ہیں- یہ سن کر وہ بولا اے اللہ کے بندے مجھ سے مذاق نہ کر- میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کرتا- یہ سن کر اس نے وہ سب مال ساتھ لیا اور سب کو ہانکتا ہوا ساتھ لے گیا اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا-اے اللہ اگر میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی کا خیال کر کے کیا ہو تو جس قید میں ہم لوگ اس وقت پھنسے ہیں اس سے ہمیں نجات دیجئے-اس پر وہ چٹان پوری ہٹ گئی اور وہ لوگ اس میں سے نکل کر اپنی راہ چلے گئے-(بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے ایک نیک بندے کے باغ پر بادلوں کا برسنا

(۱۵۵۳) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کسی جگہ چٹیل میدان میں سفر کر رہا تھا کہ اس نے ایک بدلی میں سے یہ آواز سنی کہ چل فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر-اس پر وہ بدلی ایک طرف کو چلی (یہ مسافر بھی تحقیق کرنے اسی طرف چلا) اور اس نے اپنا مینہ ایک پتھریلی زمین پر برسا کر ڈال دیا تو وہاں کی پتھریلی نالیوں میں سے ایک نالی نے اس تمام پانی کو سمیٹ لیا- یہ شخص اس کے پیچھے پیچھے ہولیا- دیکھا تو ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا ہوا اپنے پھاوڑے سے پانی ادھر اُدھر پھیر رہا ہے-اس مسافر نے اس باغبان سے پوچھا اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام یہ ہے اور وہی نام بتایا جو مسافر نے اس بدلی کے اندر سے سنا تھا پھر اس باغبان نے اس مسافر سے پوچھا اے اللہ کے بندے تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟ اس نے کہا یہ پانی جس بدلی سے برسا ہے میں نے اس بدلی میں ایک آواز سنی کہ اے بدلی چل فلاں کے (تیرے ہی) باغ کو سیراب کر-تو ذرا بتلا تو کیا عمل کرتا ہے (کہ اللہ کے یہاں تیرا یہ درجہ ہے)-اس نے کہا اچھا جب تم نے پوچھا ہی ہے تو سنو میں اس کی کل پیداوار کا حساب رکھتا ہوں ایک تہائی خیرات کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے بال

www.besturdubooks.net

عَيَالِيْ ثُلُثًا وَ اَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ. (رواه مسلم)

كلام الصبيان في مهدا مهاتهم

(۱۵۵۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ اِلَّا ثَلَاثَةٌ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ وَ صَاحِبُ جُرَيْجٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ كَانَ جُرَيْجٌ رَجُلًا عَابِدًا فَاتَّخَذَ صَوْمَعَةً فَكَانَ فِيْهَا فَاَتَتْهُ اُمُّهٗ وَ هُوَ يُصَلِّيْ فَقَالَتْ يَا جُرَيْجُ فَقَالَ يَا رَبِّ اُمِّيْ وَ صَلَاتِيْ فَاَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ فَانْصَرَفَتْ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ اَتَتْهُ وَ هُوَ يُصَلِّيْ فَقَالَتْ يَا جُرَيْجُ فَقَالَ يَا رَبِّ اُمِّيْ وَ صَلَاتِيْ فَاَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ اَتَتْهُ وَ هُوَ يُصَلِّيْ فَقَالَتْ يَا جُرَيْجُ فَقَالَ اَيْ رَبِّ اُمِّيْ وَ صَلَاتِيْ فَاَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ فَقَالَتِ اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلٰى وُجُوْهِ الْمُوْمِسَاتِ فَتَذَاكَرَ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ جُرَيْجًا وَ عِبَادَتَهٗ وَ كَانَتِ امْرَاَةٌ بَغِيٌّ يُتَمَثَّلُ بِحُسْنِهَا فَقَالَتْ اِنْ شِئْتُمْ لَاَفْتِنَنَّهٗ فَتَعَرَّضَتْ لَهٗ فَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلَيْهَا فَاَتَتْ رَاعِيًا كَانَ يَاْوِيْ اِلٰى صَوْمَعَتِهٖ فَاَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَحَمَلَتْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَتْ هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ فَاَتَوْهُ فَاسْتَنْزَلُوْهُ وَهَدَمُوْا صَوْمَعَتَهٗ وَ جَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَهٗ فَقَالَ مَا شَاْنُكُمْ؟ قَالُوْا زَنَيْتَ بِهٰذِهِ الْبَغِيِّ فَوَلَدَتْ مِنْكَ قَالَ اَيْنَ الصَّبِيُّ؟ فَجَاءُوْا بِهٖ فَقَالَ دَعُوْنِيْ حَتّٰى اُصَلِّيَ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ

بچے کھاتے ہیں اور ایک تہائی پھر اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔ (مسلم)

اللہ کے حکم سے شیر خوار بچوں کا باتیں کرنا

(۱۵۵۴) حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گود کے بچوں میں سے صرف تین ہی بچے بولے ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ایک جریج عابد والا لڑکا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ جریج ایک عابد شخص تھا اس نے اپنی عبادت کے لیے ایک کوٹھری بنا رکھی تھی وہ ایک دن اسی میں عبادت کر رہا تھا کہ اس کی ماں اس کے پاس آئی اس نے پکارا اے جریج! جریج نے خیال کیا کیا کروں اے اللہ! ادھر خدا کی نماز کا لحاظ ادھر ماں کا لحاظ۔ پھر نماز ہی کو ترجیح دی اور اسی میں لگا رہا۔ ماں واپس چلی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو ماں پھر اس کے پاس آئی اور وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہا تھا اس نے پکارا اے جریج! اس نے دل میں سوچا یا اللہ کیا کروں۔ ادھر ماں ادھر نماز۔ پھر نماز ہی میں لگا رہا ماں کے بلانے پر نہیں گیا۔ پھر تیسرے دن ماں آئی اور اس نے پکارا اے جریج! اس نے دل میں سوچا اے اللہ ادھر ماں ادھر نماز کیا کروں؟ پھر بھی نماز ہی کی طرف متوجہ رہ گیا۔ بس ماں نے جھنجھلا کر بددعا کی اے اللہ! اس کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک کہ اس کو پہلے فاحشہ عورتوں سے پالا نہ پڑے۔ اس کے بعد بنو اسرائیل میں جریج کی عبادت اور زہد وغیرہ کا شہرہ اڑنے لگا۔ ایک بدکار عورت تھی جس کا حسن و جمال ضرب المثل تھا۔ اس نے بنو اسرائیل سے کہا اگر تم کہو تو میں جا کر اسے لبھاؤں' یہ کہہ کر وہ ایک دن اس کے پاس آئی۔ اس نے اس کی طرف نظر تک نہ اٹھائی' وہ فاحشہ عورت کھسیا کر جذبہ انتقام میں بھر گئی اور ایک گڈریئے کے پاس گئی جو اسی عبادت خانے میں سویا کرتا تھا اور اس گڈریئے کو اپنے اوپر قابو دیا اور اس کے ساتھ منہ کالا کیا۔ اس سے حمل ٹھہر گیا۔ جب اس نے بچہ جنا تو اس نے جریج سے انتقام لینے کے لیے مشہور کیا کہ یہ لڑکا جریج سے ہوا ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے اس کو عبادت خانے سے نیچے گھسیٹ لائے اس کا عبادت خانہ ڈھا دیا اور لگے اسے مارنے (کہ عابد بن کر حرام کاری کرتا ہے) جریج نے پوچھا بتاؤ تو مجھے کیوں مار رہے ہو' کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا تو نے اس فاحشہ کے ساتھ زنا کیا اور اس نے تیرے نطفہ کا بچہ جنا ہے۔ جریج نے کہا

www.besturdubooks.net

اِلَی الصَّبِیِّ فَطَعَنَ فِیْ بَطْنِہٖ وَ قَالَ یَا غُلَامُ مَنْ اَبُوْکَ قَالَ: فُلَانُ الرَّاعِیْ فَاَقْبَلُوْا عَلٰی جُرَیْجٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ یُقَبِّلُوْنَہٗ وَ یَتَمَسَّحُوْنَ بِہٖ وَ قَالُوْا نَبْنِیْ لَکَ صَوْمَعَتَکَ مِنْ ذَھَبٍ قَالَ لَا اَعِیْدُوْھَا مِنْ طِیْنٍ کَمَا کَانَتْ فَفَعَلُوْا وَ بَیْنَا صَبِیٌّ یُرْضَعُ مِنْ اُمِّہٖ فَمَرَّ رَجُلٌ رَاکِبٌ عَلٰی دَابَّۃٍ فَارِھَۃٍ وَ شَارَۃٍ حَسَنَۃٍ فَقَالَتْ اُمُّہٗ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اِبْنِیْ مِثْلَ ھٰذَا فَتَرَکَ الثَّدْیَ وَ اَقْبَلَ اِلَیْہِ فَنَظَرَ اِلَیْہِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ مِثْلَہٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰی ثَدْیِھَا فَجَعَلَ یَرْضَعُ فَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ یَحْکِیْ اِرْتِضَاعَہٗ بِاِصْبَعِہِ السَّبَّابَۃِ فِیْ فِیْہِ فَجَعَلَ یَمُصُّھَا ثُمَّ قَالَ وَ مَرُّوْا بِجَارِیَۃٍ وَ ھُمْ یَضْرِبُوْنَھَا وَ یَقُوْلُوْنَ زَنَیْتِ سَرَقْتِ وَ ھِیَ تَقُوْلُ: حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ فَقَالَتْ اُمُّہٗ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ اِبْنِیْ مِثْلَھَا فَتَرَکَ الرَّضَاعَ وَ نَظَرَ اِلَیْھَا فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِثْلَھَا فَھُنَالِکَ تَرَاجَعَا الْحَدِیْثَ فَقَالَتْ مَرَّ رَجُلٌ حَسَنُ الْھَیْئَۃِ فَقُلْتُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اِبْنِیْ مِثْلَہٗ فَقُلْتَ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ مِثْلَہٗ وَ مَرُّوْا بِھٰذِہِ الْاَمَۃِ وَ ھُمْ یَضْرِبُوْنَھَا وَ یَقُوْلُوْنَ زَنَیْتِ سَرَقْتِ فَقُلْتُ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ اِبْنِیْ مِثْلَھَا فَقُلْتَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِثْلَھَا قَالَ اِنَّ ذٰلِکَ الرَّجُلَ جَبَّارٌ فَقُلْتُ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ مِثْلَہٗ وَ اِنَّ ھٰذِہٖ یَقُوْلُوْنَ زَنَیْتِ وَ لَمْ تَزْنِ وَ سَرَقْتِ وَ لَمْ

اچھا تو وہ بچہ کہاں ہے؟ لوگ وہ بچہ لے کر اس کے سامنے آئے' اس نے کہا ذرا مجھے نماز پڑھ لینے دو- اجازت ملی' اس نے نماز پڑھی پھر وہ جریج اس بچہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس بچہ کے پیٹ میں انگلی چھو کر بولا- اے بچے! تو سچ سچ بتا تیرا باپ کون ہے؟ تو وہ چند دنوں کا بچہ قدرت خدا سے بولا کہ فلاں گڈریا- یہ کرامت دیکھ کر اب وہی لوگ جریج کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور اسے تبرک بنا کر چھونے لگے- کہنے لگے اب ہم تمہارا اعبادت خانہ سونے کا بنائے دیتے ہیں- اس نے کہا نہیں یہ سب رہنے دو جیسا مٹی کا وہ پہلے تھا ویسا ہی بنا دو تو لوگوں نے ویسا ہی بنا دیا- اور تیسرا بچہ جو گود میں بولا ہے اس کا قصہ یہ ہے' ایک مرتبہ ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا کہ سامنے سے ایک سوار عمدہ گھوڑے پر اچھے لباس اور اچھی شکل وصورت والا گزرا- ماں نے دعا کی کہ یا اللہ! میرے بچہ کو بس اسی سوار جیسا شاندار بنانا- بچہ نے ماں کا پستان چھوڑ کر اس سوار پر نظر ڈالی اور صاف الفاظ میں کہا نہیں اے اللہ مجھے اس سوار جیسا نہ بنانا- یہ کہہ کر پھر پستان چوسنے اور دودھ پینے لگا- راوی کہتے ہیں کہ یہ قصہ سناتے وقت نبی کریمؐ نے اپنی شہادت کی انگلی (سبابہ) جس طرح اپنے دہن مبارک میں ڈالی اور بچہ کے دودھ پینے کو بتانے کے لیے جس طرح خود اس انگلی کو چوسا وہ منظر اس وقت تک میری نگاہوں کے سامنے ہے- پھر حضورؐ نے بقیہ قصہ سنایا کہ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ ایک لڑکی کو پکڑے ہوئے اور اسے مارتے ہوئے سامنے سے گزرے اور کہہ رہے تھے کہ کمبخت تو نے زنا کیا اور چوری کی اور وہ بے چاری کہے جا رہی تھی کہ بس میرا سہارا اللہ ہی ہے اور وہ کیسا اچھا کام بنانے والا ہے! ماں نے یہ ذلت کا منظر دیکھ کر شفقت سے بچہ کے لیے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس لونڈی (لڑکی) کی طرح نہ بنانا- بچہ نے پھر دودھ چھوڑ کر ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی اور صاف صاف کہا کہ اے اللہ! مجھے اسی جیسا بنایئے گا- اس پر ماں بیٹوں میں تکرار و حجت ہونے لگی- ماں بولی جب ایک آدمی اچھی حالت میں گزرا تو میں نے تیرے لیے دعا کی کہ یا اللہ میرے بچے کو ایسا شاندار بنانا تو اس پر تو یوں کہنے لگا کہ نہیں یا اللہ مجھے ایسا نہ بنانا اور اب جو لوگ ایک لڑکی کو ذلت کے ساتھ پکڑے مارتے ہوئے لے جا رہے ہیں اور میں نے یہ دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو ایسا نہ بنانا تو تو یوں کہنے لگا کہ اے اللہ مجھے ایسا ہی بنانا یہ کیا بے عقلی ہے؟ تب وہ بچہ پھر بولا سنو بات یہ ہے کہ وہ آدمی بڑا

www.besturdubooks.net

تَسْرِقْ فَقُلْتُ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِثْلَھَا۔
(رواہ الشیخان)

ظالم جابر تھا تو میں نے کہا اے خدا مجھے اس کی طرح ظالم جابر نہ بنایئے گا اور بے چاری یہ لڑکی! لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے زنا بھی کیا ہے تو نے چوری بھی کی ہے مگر نہ اس بے چاری نے چوری کی ہے نہ زنا کیا ہے تو میں نے کہا کہ اے اللہ مجھے ایسا ہی مظلوم بے گناہ بنایئے گا۔ (بخاری و مسلم)

استجابۃ دعاء سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بددعا اور اس کا قبول ہونا

(۱۵۵۵) وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ شَکَا اَھْلُ الْکُوْفَۃِ سَعْدًا یَعْنِیْ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ اسْتَعْمَلَ عَلَیْھِمْ عَمَّارًا فَشَکَوْا حَتّٰی ذَکَرُوْا اَنَّہٗ لَا یُحْسِنُ یُصَلِّیْ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ فَقَالَ یَا اَبَا اِسْحَاقَ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ یَزْعُمُوْنَ اَنَّکَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّیْ فَقَالَ اَمَّا اَنَا فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ اُصَلِّیْ بِھِمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اَخْرِمُ عَنْھَا اُصَلِّیْ صَلَاتَیِ الْعِشَاءِ فَاَرْکُدُ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَ اُخِفُّ فِی الْاُخْرَیَیْنِ قَالَ ذَالِکَ الظَّنُّ بِکَ یَا اَبَا اِسْحٰقَ وَ اَرْسَلَ مَعَہٗ رَجُلًا اَوْ رِجَالًا اِلَی الْکُوْفَۃِ یَسْئَلُ عَنْہُ اَھْلَ الْکُوْفَۃِ فَلَمْ یَدَعْ مَسْجِدًا اِلَّا سَاَلَ عَنْہُ وَ یُثْنُوْنَ مَعْرُوْفًا حَتّٰی دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِیْ عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْھُمْ یُقَالُ لَہٗ اُسَامَۃُ بْنُ قَتَادَۃَ یُکْنٰی اَبَا سَعْدَۃَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا نَشَدْتَنَا فَاِنَّ سَعْدًا کَانَ لَا یَسِیْرُ بِالسَّرِیَّۃِ وَ لَا یَقْسِمُ بِالسَّوِیَّۃِ وَ لَا یَعْدِلُ فِی الْقَضِیَّۃِ. قَالَ سَعْدٌ اَنَا وَ اللّٰہِ لَاَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ عَبْدُکَ ھٰذَا کَاذِبًا قَامَ رِیَاءً وَ سُمْعَۃً فَاَطِلْ عُمُرَہٗ وَ اَطِلْ فَقْرَہٗ وَ عَرِّضْہُ

(۱۵۵۵) حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ والوں نے ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور مستجاب الدعوات عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کی حضرت عمرؓ سے شکایت کی حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت عمار کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا۔ ان مفسدہ پردازوں نے ان کی دربار خلافت میں یہ شکایت کی تھی کہ یہ ٹھیک ٹھیک نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمرؓ نے اس شکایت کی تحقیقات فرمائی اور ان کو بلا کر پوچھا کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم میں تو اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جیسی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی اس کے خلاف سرمو بھی نہیں کرتا عشاء کی نماز میں پہلی دو رکعتیں ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں اور بقیہ دو رکعتوں میں تخفیف کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابو اسحاق مجھے بھی آپ سے ایسی ہی توقع تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ ایک آدمی یا کئی آدمیوں کو کر دیا جو کوفہ والوں سے خود تحقیقات کریں۔ انہوں نے وہاں جا کر تحقیقات کی اور ہر ہر مسجد میں جا جا کر نمازیوں سے ان کے بارے میں سوالات کیے سب نے ان کی نیکی کی تعریف ہی کی یہاں تک کہ وہ تحقیقاتی وفد بنی عبس کی مسجد میں پہنچا تو وہاں ایک شخص اسامہ بن قتادہ جس کی کنیت ابو سعدہ تھی وہ بولا اچھا جب آپ نے پوچھا ہی ہے تو سنیے کہ حضرت سعد تو نہ کسی فوج کے ساتھ جاتے تھے اور نہ انصاف سے مال برابر تقسیم کرتے تھے اور مقدمات میں انصاف بھی نہیں کرتے تھے یہ جھوٹے الزامات سن کر حضرت سعد نے غصہ میں فرمایا اچھا تو میں بھی اب تین بددعائیں کرتا ہوں اے اللہ اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور اس وقت میرے خلاف صرف دکھانے سنانے شہرت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر دے اس کی

www.besturdubooks.net

لِلْفِتَنِ وَ كَانَ بَعْدَ ذَالِكَ اِذَا سُئِلَ يَقُوْلُ شَيْخٌ كَبِيْرٌ مَفْتُوْنٌ اَصَابَتْنِىْ دَعْوَةُ سَعْدٍ قَالَ عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرِ نِ الرَّاوِىْ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فَاَنَا رَاَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلٰى عَيْنَيْهِ وَ اِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِىْ فِى الطُّرُقِ فَيَغْمِزُهُنَّ. (رواه الشيخان)

تنگدستی بڑھادے اور اسے فتنوں میں پھنسا دے- پھر اس کا یہ حال ہوا کہ وہ یہ کہتا پھرتا تھا میں ایک بوڑھا آدمی ہوں مصیبت اور فتنوں میں پھنس گیا ہوں مجھے حضرت سعد کی بددعا لگ گئی ہے- عبدالملک بن عمیر راوی حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدتوں بعد میں نے اسے دیکھا کہ اس کی دونوں ابرویں دونوں آنکھوں پر آپڑی تھیں اور وہ راستہ چلتی لڑکیوں کے سامنے آتا انہیں گھورتا اور انہیں آنکھیں مارتا تھا- (بخاری و مسلم)

دعاء سعدان يجعل موته في الجرح الذي اصابه ان لم يكن الحرب مقدرًا مع القريش فيما يأتي

حضرت سعدؓ کا دُعا فرمانا کہ اگر اب آئندہ زمانے میں قریش کے ساتھ جنگ مقدر نہ ہو تو انہیں اسی زخم میں موت نصیب فرمادے

(۱۵۵۶) قَالَ هِشَامٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاَخْبَرَنِىْ اَبِىْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ سَعْدًا رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَيْسَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَىَّ اَنْ اُجَاهِدَهُمْ فِيْكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوْا رَسُوْلَكَ وَ اَخْرَجُوْهُ اَللّٰهُمَّ فَاِنِّىْ اَظُنُّ اَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ فَاِنْ كَانَ بَقِىَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَىْءٌ فَاَبْقِنِىْ لَهُمْ حَتّٰى اُجَاهِدَهُمْ فِيْكَ وَ اِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ فَافْجُرْهَا وَ اجْعَلْ مَوْتِىْ فِيْهَا فَانْفَجَرَتْ مِنْ لَبَّتِهٖ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَ فِى الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِىْ غِفَارٍ اِلَّا الدَّمُ يَسِيْلُ اِلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَا اَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِىْ يَاْتِيْنَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَاِذَا سَعْدٌ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَغْذُوْ جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا. (رواه البخاري)

(۱۵۵۶) ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بذریعہ حضرت عائشہؓ کے مجھ کو یہ اطلاع دی ہے کہ سعد نے (جو بنی قریظہ کے معاملہ میں حکم مقرر ہوئے تھے) یہ دعا مانگی کہ الٰہی تو خوب دانا و بینا ہے کہ مجھ کو اس قوم کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ کوئی اور شے محبوب نہیں جنہوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی اور اس ذاتِ اقدس کو اپنے وطن سے نکالا تھا الٰہی میرا گمان یہ ہے کہ تو نے ان کے اور ہمارے درمیان جنگ ختم کر دی ہے اب اگر قریش کے ساتھ کسی جنگ کا آئندہ امکان باقی ہو تب تو مجھ کو ان کے ساتھ جنگ کے لیے اور زندہ رکھ اور اگر یہ جنگ ختم ہو چکی ہو تو میرا زخم از سر نو ہرا کر دے اور اسی میں میری موت آجائے یہ کہنا تھا (کہ تقدیر الٰہی میں چونکہ جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور آئندہ قریش مدینہ پر چڑھ کر آنے کی ہمت ہار چکے تھے اس لیے) ان کا زخم پھٹ گیا اور اس سے خون بہہ نکلا اور اس زور سے بہا کہ صحابہ کو گھبراہٹ سب سے پہلے اسی خون سے ہوئی جو بہہ کر ان کی طرف آیا- اس وقت یہ مسجد کے ایک خیمہ میں تھے جو بنی غفار کا تھا تو سب لوگ چیخ اٹھے اے خیمہ والو یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے بہہ بہہ کر ہمارے پاس آرہا ہے دیکھا تو پھر سعد کا زخم تازہ ہو کر خون بہا رہا تھا- آخر اسی میں ان کی شہادت ہو گئی- (بخاری شریف)

www.besturdubooks.net

2 ## دعاء سعید ابن زید علی اروی بنت اوس

(۱۵۵۷) عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ خَاصَمَتْهُ اَرْوَى بِنْتُ اَوْسٍ اِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَ ادَّعَتْ اَنَّهُ اَخَذَ شَيْئًا مِنْ اَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيدٌ اَنَا كُنْتُ اٰخُذُ مِنْ اَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِي سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ اِلَى سَبْعِ اَرْضِيْنَ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ لَا اَسْئَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيدٌ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا وَ اقْتُلْهَا فِي اَرْضِهَا قَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَ بَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِيْ اَرْضِهَا اِذْ وَقَعَتْ فِيْ حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ وَ اَنَّهُ رَاٰهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ اَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعِيْدٍ وَ اَنَّهَا مَرَّتْ عَلٰى بِئْرٍ فِي الدَّارِ الَّتِيْ خَاصَمَتْهُ فِيْهَا فَوَقَعَتْ فِيْهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا.

اروٰی بنت اوس کے لیے سعید بن زید کا بددعا کرنا

(۱۵۵۷) حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے اروٰی بنت اوس کا جھگڑا ہوا اور وہ مروان بن الحکم کے پاس مقدمہ لے گئیں- دعویٰ یہ تھا کہ سعید بن زید نے اروٰی کی کچھ زمین دبالی ہے- سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے بھلا میں ان کی کچھ زمین داب لوں گا؟ درآنحالیکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سن چکا ہوں- مروان نے پوچھا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی ایک بالشت بھر زمین بھی زبردستی داب لے گا تو قیامت میں ساتوں طبق زمین کے اتنے حصہ کا طوق اس کی گردن میں پہنایا جائے گا- مروان نے یہ حدیث سن کر کہا اب میں آپ سے اس مقدمہ میں کوئی اور شہادت طلب نہیں کروں گا- حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بددعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں پٹ کردے اور اسے اسی کی زمین میں ہی موت دے- راوی کہتا ہے کہ جب تک وہ اندھی نہیں ہولی اسے موت نہیں آئی- دوسری بددعا یوں پوری ہوئی کہ وہ اپنی اسی زمین میں ایک دن چلی جارہی تھی بس ایک گڑھے میں جا گری اور مرگئی- (بخاری مسلم) مسلم کی محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی روایت میں بھی یہی مضمون ہے اور یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ اندھی ہوچکی تھی، لوگوں سے پیسے کوڑی مانگتی پھرتی تھی اور کہتی تھی مجھے حضرت سعید کی بددعا لگ گئی ہے- اور جس زمین کے بارہ میں اس نے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقدمہ قائم کیا تھا اسی میں ایک کنوئیں کے پاس سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس میں گر پڑی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا-

www.besturdubooks.net

الاسد و سفینة مولٰی رسول الله

صلوات الله و سلامه علیه

(۱۵۵۸) عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ اَنَّ سَفِينَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْطَأَ الْجَيْشَ بِاَرْضِ الرُّوْمِ اَوْ اُسِرَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا يَلْتَمِسُ الْجَيْشَ فَاِذَا هُوَ بِالْاَسَدِ فَقَالَ يَا اَبَا الْحٰرِثِ اَنَا مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ اَمْرِىْ كَيْتَ وَ كَيْتَ فَاَقْبَلَ الْاَسَدُ لَهٗ بَصْبَصَةٌ حَتّٰى قَامَ اِلٰى جَنْبِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ صَوْتًا اَهْوٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ يَمْشِىْ اِلٰى جَنْبِهٖ حَتّٰى بَلَغَ الْجَيْشَ ثُمَّ رَجَعَ الْاَسَدُ. (رواہ فی شرح السنة)

(۱۵۵۹) عَنْ سَفِيْنَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَكِبْنَا الْبَحْرَ فِىْ سَفِيْنَةٍ فَانْكَسَرَتِ السَّفِيْنَةُ فَرَكِبْتُ لَوْحًا مِّنْ اَلْوَاحِهَا فَطَرَحَنِىْ فِىْ اَجَمَةٍ فِيْهَا اَسَدٌ فَلَمْ يَرُعْنِىْ اِلَّا بِهٖ فَقُلْتُ يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَأْطَأَ رَأْسَهٗ وَ غَمَزَ بِمَنْكِبِهٖ شِقِّىْ فَمَا زَالَ يَغْمِزُنِىْ وَ يَهْدِيْنِى الطَّرِيْقَ حَتّٰى وَضَعَنِىْ عَلَى الطَّرِيْقِ فَلَمَّا وَضَعَنِىْ عَلَى الطَّرِيْقِ هَمْهَمَ فَظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُوَدِّعُنِىْ.

(رواہ الحاکم)

سفینہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شیر سے

آمنا سامنا

(۱۵۵۸) ابن منکدر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ روم کے ملک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج سے کٹ گئے یا شاید قید ہو گئے وہ بھاگ کر ادھر ادھر فوج کی تلاش کر رہے تھے کہ اچانک شیر سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا تو سفینہ نے کہا اے شیر! میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں مجھے تو یہ یہ صورتیں پیش آ گئیں اس پر شیر اور آگے بڑھا اور وہ کچھ منمنا رہا تھا یہاں تک کہ وہ شیر سفینہ کے بغل میں آ کر کھڑا ہو گیا جب وہ کسی طرف سے کوئی آواز سنتا تو اس کی طرف رخ کرتا پھر واپس آ کر ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا یہاں تک کہ حضرت سفینہ نے اپنی فوج پالی پھر وہ شیر بھی واپس چلا گیا۔

(شرح السنہ)

(۱۵۵۹) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ سمندر کے سفر میں ایک کشتی میں بیٹھے۔ اتفاق سے وہ کشتی ٹوٹ گئی اور میں اس کشتی کے ایک تختہ پر بیٹھ گیا اس تختہ نے مجھ کو لے جا کر خشکی کی ایک جھاڑی کے قریب ڈال دیا جس میں شیر بھی تھا اسے دیکھ کر تو مجھے خوف آنے لگا مگر میں نے شیر سے کہا اے ابو الحارث! میں سفینہ ہوں سفینہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم۔ یہ سن کر اس نے اپنا سر جھکا دیا اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے اپنا کندھا ہلایا۔ گویا وہ مجھے راستہ دکھا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے مجھے راستہ پر پہنچا دیا۔ جب وہ مجھے راستے تک پہنچا چکا تو وہ ایک بار گرجا تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے رخصت کر رہا ہے۔

(حاکم)

رفع بعض الشهداء الى السماء

(۱۵۶۰) عَنْ عُرْوَةَ قَالَ لَمَّا قُتِلَ الَّذِيْنَ بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ وَ أُسِرَ عَمْرُو بْنُ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ قَالَ لَهُ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ هٰذَا فَاَشَارَ اِلٰى قَتِيْلٍ فَقَالَ لَهُ عَمْرُو بْنُ اُمَيَّةَ هٰذَا عَامِرُ ابْنُ فُهَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ مَاقُتِلَ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى اَنِّيْ لَاَ نْظُرُ اِلَى السَّمَاءِ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْاَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ الخ و فی ص ۵۸۴ من البخاری قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَبْدِاللّٰهِ اَبِيْ جَابِرٍؓ لَا تُبْكِيْهِ اَوْ مَا تُبْكِيْهِ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِاَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ۔

بعض شہداء کا آسمان پر اُٹھالیا جانا

(۱۵۶۰) عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیر معونہ کے واقعہ میں نقل کرتے ہیں کہ جب اس میں شہادت کا بازار گرم ہوا تو عامر ابن الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ اس پر عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں انہوں نے کہا میں نے اس لیے دریافت کیا تھا کہ شہادت کے بعد میں نے بچشم خود معائنہ کیا کہ ان کا جثہ مبارک آسمان کی طرف اتنی دیر تک اٹھایا گیا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان مجھ کو نظر آتا رہا' تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر لا کر رکھ دیا گیا۔ اسی قسم کا واقعہ جو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کے متعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان پر گریہ و زاری نہ کرو' فرشتے اپنے بازوؤں کا ان پر اس وقت تک سایہ کیے رہے یہاں تک کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے۔

قول حرام لما طعن يوم بئر معونة

(۱۵۶۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ سَمِعَهُ يَقُوْلُ لَمَّا طُعِنَ حِرَامُ بْنُ مِلْحَانَ وَ كَانَ خَالَهُ يَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ قَالَ بِالدَّمِ هٰكَذَا فَنَضَحَهُ عَلٰى وَجْهِهِ وَ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ۔

(رواہ البخاری)

حضرت حرامؓ اوران کے نیزہ لگنے کے بعدان کاقول

(۱۵۶۱) انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے میں نے خود سنا ہے کہ ''بیر معونہ'' کے غزوہ میں حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو رشتہ میں ان کے ماموں لگتے تھے جب نیزہ لگ کر پار ہو گیا تو انہوں نے خارج شدہ خون لے کر اپنے منہ اور سر پر مل کر (ایک ہیئت محمودہ کے باقی رکھنے کے لیے) فرمایا رب کعبہ کی قسم میرا کام تو بن گیا۔

(۱۵۶۰)٭ ان دونوں واقعات میں آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح جو بچشم خود دیکھنے والا ہے وہ ان کو ایک کرامت کے طور پر نقل کرتا ہے۔ اب آپ کا دل جو چاہے ان کی تاویلات کرتا پھرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا سوال تو اب جدید واقعات کے سامنے لغو ثابت ہو چکا ہے اور عنقریب ان کے نزول کے بعد تو ختم ہی ہو جانے والا ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔ مسلمانوں کے ایمان و اسلام کا نوحہ کس سے کیا جائے۔ جو قوم معجزات و کرامات کی تاریخ کبھی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا کرتی تھی اب وہی اس میں شبہات نکالتی نظر آ رہی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(۱۵۶۱) ٭ ذرا اس کرامت پر بھی نظر ڈال لیجئے کہ وہ قلب کتنے پاکیزہ ہوں گے جو راہِ خدا میں زخم کھا کر مزے لے لے کر بقول اکبرالہ آبادی فرما رہے ہوں۔

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں آتی ہو لذت ۔۔۔ یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں ......

www.besturdubooks.net

ابو طلحه و تغشي النعاس اياه يوم احد

(۱۵۶۲) عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ كُنْتُ فِيمَنْ تَغَشَّاهُ النُّعَاسُ يَوْمَ اُحُدٍ حَتّٰى سَقَطَ سَيْفِىْ مِنْ يَدِىْ مِرَارًا يَسْقُطُ وَ اٰخُذُهٗ وَ يَسْقُطُ وَ اٰخُذُهٗ. (رواه البخاری ص ۵۸۲)

غزوۂ احد میں ابوطلحہ پر نیند طاری ہو جانے کا واقعہ

(۱۵۶۲) ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں جن لوگوں پر نیند طاری ہوئی ان میں سے ایک میں بھی تھا حالت یہ تھی کہ میرے ہاتھ سے تلوار بھی گری جاتی تھی وہ گرتی اور میں اس کو اٹھاتا اور پھر گرتی اور میں پھر اس کو اٹھاتا۔ (بخاری شریف)

الحفظ عن الجن و الشياطين

(۱۵۶۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَ قُلْتُ وَ اللّٰهِ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَ عَلَیَّ عَيَالٌ وَ لِیْ حَاجَةٌ

جن اور شیاطین سے حفاظت

(۱۵۶۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ رمضان کے مال کی نگرانی کرنے پر میری تعیناتی فرمادی۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے آ کر اپنے لپ بھر بھر کر اس مال میں سے چرانا شروع کیا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا تا کہ اس چوری کی سزا ملے' اس پر وہ (خوشامدانہ طریق پر) کہنے لگا کہ میں بہت محتاج یعنی مستحق زکوٰۃ آدمی ہوں اور بال

ف..... یہاں دیکھیے وہ خون جس پر ناپاکی کا حکم لگایا جا سکتا ہے ''حرام'' کس مزے سے اس کو اپنے منہ اور سر پر مل کر کیا فرماتے جاتے ہیں اور مرتے مرتے وہ کلمہ فرماتے ہیں جو ان جیسے ہوشمند کے منہ سے ہی نکل سکتا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے کام راہِ خدا میں زخم کھا کر بنا کرتے تھے۔ کسی کرامت کے مقابل اس کرامت کو رکھا جا سکتا ہے۔ مگر وہ نظریں کم ہیں جو ان کرامتوں کی طرف اٹھتی ہوں۔ اس کرامت کی قدر وہی کر سکتے ہیں جو حب الٰہی کا کچھ نشہ رکھتے ہوں۔ آن کہ چشد داند۔

(۱۵۶۲) ❊ عین جنگ کے حال میں نیند کا آنا بھی ایک کرشمہ قدرت تھا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں فرمایا اور یہاں ایک جلیل القدر صحابی صرف اس اعجاز کی تصدیق کے لیے نہیں بلکہ کرامت کے طور پر اس کو ذکر رہا ہے کہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں سے ایک تھا جن کے ساتھ یہ عجیب واقعہ پیش آیا ورنہ جنگ اور وہ بھی ہزیمت کی جنگ میں کبھی نیند آ سکتی ہے مگر نیند کے مارے میرا حال یہ تھا کہ میرے ہاتھوں سے میری تلوار تک چھوٹ کر گر گر پڑتی تھی۔

(۱۵۶۳) ❊ عالم روحانیات کے عجائبات ہیں یہاں جن انسانی شکل میں متشکل ہو کر آیا اور اس کی گرفتاری اور چوری کا واقعہ بھی ثابت ہوا خواہ اس میں ابوہریرہ کی روحانیت کا دخل ہو یا اس شیطان کے ضعف کا مگر اس ایک واقعہ کو پڑھنے والے یہ اندازہ کر لیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں واقعات کی نوعیت کیا تھی اور آپ کی نبوت کا اثر شیاطین پر کیا تھا اور آیۃ الکرسی کا اثر اس وقت کیا تھا اور اب کیا ہے اور کیوں؟ اور آیۃ الکرسی کے خصائص کہاں سے معلوم ہوئے۔ ان سب کے علاوہ دنیوی انتظام پھر اس میں افسر متعلقہ کا اختیار اور آپ کی خدمت میں اطلاع اس پر آپ کا اس کے کذب پر تین دن تک مطلع فرماتے رہنا مگر مستحق زکوٰۃ کو نہ روکنا اور تین بار کا خاص عدد ملحوظ رکھنا اور تیسری بار کسی عذر کی سماعت نہ کرنا' یہ اور اس کے علاوہ بعض عمیق دقائق اور ہیں جو اس وقت قابل اشارہ بھی نہیں۔

www.besturdubooks.net

شَدِیْدَۃٌ قَالَ فَخَلَّیْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَاهُرَیْرَۃَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ الْبَارِحَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَکٰی حَاجَةً شَدِیْدَۃً وَ عِیَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ کَذَبَکَ وَ سَیَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَیَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَیَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَ رْفَعَنَّکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَدَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَ عَلَیَّ عِیَالٌ وَ اَنِّیْ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا اَبَاهُرَیْرَۃَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَکٰی حَاجَةً شَدِیْدَۃً وَ عِیَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ قَالَ اَمَا قَدْ کَذَبَکَ وَ سَیَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهُ الثَّالِثَةَ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَ رْفَعَنَّکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا اٰخِرُ ثَلٰثِ مَرَّاتٍ اِنَّکَ تَزْعَمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِیْ اُعَلِّمْکَ کَلِمَاتٍ یَنْفَعُکَ اللّٰهُ بِهَا قُلْتُ مَا هُوَ قَالَ اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِکَ فَاقْرَأْ اٰیَةَ الْکُرْسِیِّ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ حَتّٰی تَخْتِمَ الْاٰیَةَ فَاِنَّکَ لَا یَزَالُ عَلَیْکَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَ لَا یَقْرُبُکَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ

بچے دار ہوں- مجھے اس پر رحم آ گیا اور اس کو چھوڑ دیا- صبح کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ سوال کیا کہو ابو ہریرہ وہ شب والا تمہارا قیدی کیا ہوا؟ میں نے جو بات تھی عرض کر دی کہ اس نے اپنی حاجت اور بچوں کا ذکر کیا تو میں نے رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا اور وہ پھر آئے گا- میں نے یقین کر لیا کہ آج وہ ضرور پھر آئے گا کیونکہ آپ یہ ارشاد فرما چکے تھے کہ وہ پھر آئے گا- چنانچہ میں نے اس کی آمد کا انتظار کیا تو جیسا فرمان ہوا تھا وہ آیا پھر وہی حرکت شروع کر دی- میں نے پھر اس کو پکڑ کے آپؐ کے سامنے پیشی کے لیے کہا اس نے پھر وہی اپنی حاجت مندی اور بچوں کی شکایت کی آخر مجھ کو پھر رحم آ گیا اور میں نے پھر اس کو رہا کر دیا- صبح کو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہو ابو ہریرہ وہ رات والا قیدی کدھر گیا؟ میں نے جو بات تھی وہ عرض کر دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنی بڑی ضرورت اور عیال داری کا اظہار کیا- میں نے رحم کھا کر اس کو پھر رہا کر دیا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پھر آئے گا اور اس نے جو کہا جھوٹ بکا- میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد وہ ضرور آئے گا چنانچہ تیسری بار میں نے اس کا پھر انتظار کیا' اس نے آ کر پھر وہی حسب معمول حرکت شروع کر دی میں نے پھر اس کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ اب تین بار ہو چکا اب میں تجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور پیش کر کے رہوں گا تو ہر بار نہ آنے کا وعدہ کر لیتا ہے اور پھر آ جاتا ہے وہ بولا اب تو مجھے معاف کر دو اور میں تم کو چند کلمات بتاتا ہوں جو تم کو نفع بخش ہوں گے میں نے کہا بتاؤ- اس نے کہا بستر پر لیٹتے وقت آیۃ الکرسی شروع سے آخر تک پڑھ لیا کر- اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ' الخ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبح تک ایک فرشتہ تم پر نگران مقرر رہے گا اور تمہارے پاس شیطان نہ پھٹک سکے گا اور اس پر میں نے اس کو رہا کر دیا صبح کو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال دریافت کی میں نے عرض کی کہ وہ بڑی معذرت کے بعد یہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو تو میں تم کو چند کلمات ایسے بتاؤں گا

www.besturdubooks.net

أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِي اللهُ بِهِ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ قَالَ مَا هِيَ قَالَ قَالَ لِي إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتَّى تَخْتِمَ الْآيَةَ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَ قَالَ لِي لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَ لَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ وَ كَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا أَنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَ هُوَ كَذُوبٌ تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُذْ ثَلٰثُ لَيَالٍ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ. (رواه البخاری)

جو تم کو نفع دیں میں نے وہ کلمات اس سے پوچھے تو اس نے سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے کے لیے بتایا اور یہ کہا کہ اس کے اثر سے صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک فرشتہ نگران رہے گا اور کوئی شیطان تمہارے پاس نہ پھٹک سکے گا۔ اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایسی اچھی اچھی باتوں کی بڑی حرص رہا کرتی تھی اور اس لیے میں نے یہ سن کر اس کو رہا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے بالکل سچ کہا مگر ہے وہ سخت جھوٹا' اس کے بعد فرمایا ابو ہریرہؓ جانتے بھی ہو تین راتوں سے یہ باتیں کس کے ساتھ کر رہے ہو؟ میں نے عرض کی جی نہیں فرمایا کہ دراصل یہ شیطان تھا۔

(بخاری شریف)

شهادة خبيب وعاصم رضى الله عنهما

حضرت خبیبؓ اور حضرت عاصمؓ کی شہادت کا واقعہ

(۱۵۶۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً عَيْنًا وَ أَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ وَ هُوَ جَدُّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَانْطَلَقُوا حَتَّى إِذَا كَانَ بَيْنَ عُسْفَانَ وَ مَكَّةَ ذُكِرَ وَالْحَيَّ مِنْ هُذَيْلٍ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو لِحْيَانَ فَتَبِعُوهُمْ بِقَرِيبٍ مِنْ مِائَةِ رَامٍ فَاقْتَفَوْا آثَارَهُمْ حَتَّى أَتَوْا مَنْزِلًا نَزَلُوهُ فَوَجَدُوا فِيهِ نَوَى تَمْرٍ تَزَوَّدُوهُ مِنَ الْمَدِينَةِ فَقَالُوا هٰذَا تَمْرُ يَثْرِبَ فَتَبِعُوا آثَارَهُمْ حَتَّى لَحِقُوهُمْ فَلَمَّا انْتَهَى عَاصِمٌ وَ أَصْحَابُهُ

(۱۵۶۴) ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بنا کر جاسوسی کے لیے بھیجا اور اس پر عاصم ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا' یہ عاصم بن عمرؓ کے دادا لگتے ہیں۔ لشکر کا یہ دستہ چلتے چلتے جب عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچا تو بنولحیان کو جو ہذیل کے خاندان سے تھے ان کی خبر کی گئی انہوں نے سو آدمی تیرانداز ساتھ لے کر ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب وہ ایک منزل پر پہنچے تو وہاں اتر کر کھجوروں کی کچھ گٹھلیاں پڑی ہوئی پائیں جو یہ لوگ مدینہ طیبہ سے اپنے راشن میں لے گئے تھے بس ان کو دیکھ کر یہ لوگ تاڑ گئے کہ یہ مدینہ کی کھجوریں ہیں اور ہو نہ ہو اسی راستے سے ان کا گذر ہوا ہے لہٰذا ان کے پیچھے چل دیئے یہاں تک کہ ان کو جا پکڑا۔ عاصمؓ نے یہ دیکھ کر اپنے رفقاء کے ساتھ ایک پست زمین کی آڑ لی۔ ان لوگوں نے آ کر عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کا گھیرا ڈال لیا اور ان کے

---

(۱۵) ٭ حضرت خبیبؓ کے اس واقعہ میں کتنی کتنی کرامات بلکہ معجزہ کا ظہور ہے جن کو دیکھنے کے لیے نظر عبرت درکار ہے۔ (۱) جو لوگ اپنے عہد کے بڑے پابند تھے ان کافروں نے کس طرح عہد شکنی کی؟ پھر دوسرے کفار کے معاہدوں پر اعتماد کر بیٹھنا کتنی بڑی عظیم الشان غلطی ہے۔ ایک صحابی شروع سے ان کے چکموں میں نہ آسکے اور جنہوں نے اس کو ایک قابل اعتماد رسم سمجھی تھی انہوں نے ان کی بات مان کر اس کا جو خمیازہ بھگتنا تھا بھگتا۔ (۲) اب حضرت خبیبؓ کی راست بازی اور دیانت کو ملاحظہ فرمایئے کہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس بچہ کو قتل ..... ﷺ

www.besturdubooks.net

لجئوا الی فدفد و جاء القوم فاحاطوا بهم فقالوا لکم العهد و المیثاق ان نزلتم الینا الا نقتل منکم رجلا فقال عاصم اما انا فلا انزل فی ذمة کافر. اللهم اخبر عنا رسولک فقاتلوهم فرموهم حتی قتلوا عاصما سبعة نفر بالنبل و بقی خبیب و زید و رجل اخر فاعطوهم العهد و المیثاق فلما اعطوهم العهد و المیثاق نزلوا الیهم فلما استمکنوا منهم حلوا اوتار قسیهم فربطوهم بها فقال الرجل الثالث الذی معهما هذا اول الغدر فابی ان یصحبهم فجروه و عالجوه علی ان یصحبهم فلم یفعل فقتلوه و انطلقوا بخبیب و زید حتی باعوهما بمکة فاشتری خبیبا بنو الحرث بن عامر بن نوفل و کان خبیب هو قتل الحرث یوم بدر فمکث عندهم اسیرا حتی اذا اجمعوا قتله استعار موسی من بعض بنات الحارث لیستحد بها فاعارته قالت فغفلت عن صبی لی فدرج الیه حتی اتاه فوضعه علی فخذه فلما رأیته فزعت فزعة عرف ذاک منی و فی یده الموسی فقال

ساتھ عہد کیا کہ اگر تم کسی جھگڑے کے بغیر آج سامنے آ جاؤ تو ہم تم میں سے ایک آدمی کو بھی قتل نہ کریں گے- اس پر عاصم بولے میں تو کافروں کے عہد میں آنا نہیں چاہتا- اور یوں دعا کی الٰہی اپنے رسول کو ہمارے حال کی خبر کر دے- اس کے بعد ان لوگوں نے جنگ اور تیراندازی شروع کر دی یہاں تک کہ عاصم مع سات آدمیوں کے تیروں سے شہید ہو گئے خبیبؓ اور زیدؓ اور ایک شخص اور تھا ان تینوں نے کافروں کے عہد میں آنا قبول کر لیا- جب انہوں نے پورا پورا عہد کر لیا تو یہ ان کے پاس آ اترے- جب کافر ان پر قابض ہو گئے تو انہوں نے انہی کی کمانوں کی تانتیں اتار کر انہیں سے باندھ لیا- تیسرے شخص نے کہا جو ان دو کے ساتھ تھا کہ یہ پہلی غداری ہے اس لیے اس نے اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ ان کے ساتھ چلے کافروں نے کھینچ کر اس پر زور دیا کہ ان کے ساتھ چلے مگر اس شخص نے نہ مانا اس لیے انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا- اب رہے خبیبؓ اور زیدؓ تو صرف ان دونوں کو لے کر کفار چلے اور ان کو مکہ مکرمہ کے بازار میں لا کر بیچ دیا- خبیب کو بنو الحارث بن عامر نے خرید لیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان ہی خبیبؓ نے جنگ بدر میں حارث کو قتل کیا تھا' یہ خبیبؓ بنو الحارث کے پاس قیدی بن کر رہے یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے ان کے قتل کر ڈالنے کا پختہ مشورہ کر لیا تو خبیبؓ نے بنات حارث سے زیر ناف صاف کرنے کے لیے استرا عاریتاً مانگا- ایک عورت نے سادگی میں استرا لا کر ان کو دے دیا- وہ عورت کہتی ہے کہ اس کا ایک بچہ کہیں اس کی غفلت سے گھسٹتا گھسٹتا ان کے پاس جا پہنچا- انہوں نے اس کو اٹھا کر اپنی ران کے اوپر بٹھا لیا- میں نے جب یہ دیکھا تو میں گھبرا گئی (کہ کہیں یہ اس کو قتل نہ کر ڈالیں) استرا تو ان کے ہاتھ میں موجود ہی تھا- میری یہ گھبراہٹ دیکھ کر خبیبؓ نے کہا' کیا تم کو میری جانب سے اس کا خطرہ ہے کہ میں اس معصوم بچے کو قتل

لـه ..... کرنے کی بجائے بڑے آرام سے اپنے زانو پر بٹھا لیا اور ان بزدلوں کو اطمینان دلایا کہ یہ خبیبؓ اسلام قبول کرنے کے بعد اب کوئی دوسرا خبیب ہو چکا ہے محض کسی جذبہ انتقام سے کوئی بات خلاف شریعت کر سکے یہ ممکن نہیں- (۳) پھر یہ کتنی بڑی کرامت ہے جو اگر ان کی زبانی ادا ہوتی تو متردوں کو یہاں تردد کرنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی مگر یہاں تو آمادہ قتل اس بات کی شہادت دینے پر مجبور ہیں کہ ہم نے بے موسم میوہ جات ان کو کھاتے مشاہدہ کیا اور ہمارا یقین ہے کہ اس رب نے ان کو یہ رزق غیب سے پہنچایا تھا جس نے حضرت مریمؑ کے لـه .....

www.besturdubooks.net

اَتَخْشَيْنَ اَنْ اَقْتُلَهٗ؟ مَا كُنْتُ لِاَفْعَلَ ذَاكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَ كَانَتْ تَقُوْلُ مَا رَاَيْتُ اَسِيْرًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ خُبَيْبٍ لَقَدْ رَاَيْتُهٗ يَاْكُلُ مِنْ قِطْفِ عِنَبٍ وَ مَا بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ ثَمَرَةٌ وَ اِنَّهٗ لَمُوْثَقٌ فِي الْحَدِيْدِ وَ مَا كَانَ اِلَّا رِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ فَخَرَجُوْا بِهٖ مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوْهُ فَقَالَ دَعُوْنِيْ اُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ لَوْ لَا اَنْ تَرَوْا اَنَّ مَابِيْ جَزَعٌ مِّنَ الْمَوْتِ لَزِدْتُّ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ هُوَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا (وَ اقْتُلْهُمْ بَدَدًا) وَ لَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ:

فَلَسْتُ اُبَالِيْ حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى اَيِّ جَنْبٍ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِيْ
وَذَالِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَ اِنْ يَّشَاءْ
يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

ثُمَّ قَامَ اِلَيْهِ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهٗ وَ بَعَثَتْ قُرَيْشٌ اِلٰى عَاصِمٍ لِيُؤْتَوْا بِشَيْءٍ مِّنْ جَسَدِهٖ يَعْرِفُوْنَهٗ وَ كَانَ عَاصِمٌ قَتَلَ عَظِيْمًا مِّنْ عُظَمَائِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ فَبَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ فَلَمْ

کر دوں گا؟ ایسا جرم مجھ سے نہیں ہو سکتا انشاء اللہ تعالیٰ اس عورت نے کہا کہ میں نے اس قیدی سے بڑھ کر بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا - میں نے اس کو انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے حالانکہ اس موسم میں انگوروں کا مکہ مکرمہ میں کہیں نام و نشان نہ تھا - ادھر وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے کہیں جا کر خود لا بھی نہیں سکتے تھے پھر اس کے علاوہ اور صورت کیا سمجھی جا سکتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی خود ان کو کھلاتا تھا (جیسے بے موسم پھل حضرت مریم علیہا السلام کو ملا کرتے تھے) اس کے بعد حضرت خبیبؓ کو انہوں نے حرم سے باہر نکالا تا کہ ان کو قتل کر سکیں (حرم کے اندر یہ ممکن نہ تھا) (اس وقت حضرت خبیبؓ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دو رکعتیں نماز پڑھ لینے دو' نماز کے بعد ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اگر تم لوگوں کو یہ خطرہ پیدا نہ ہوتا کہ میں کہیں اپنی موت سے گھبراہٹ میں دیر کر رہا ہوں تو یہ رکعتیں اور لمبی پڑھتا - اس واقعہ کی بنا پر خبیبؓ پہلے وہ شخص تھے جو قتل سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ ڈال گئے' اس کے بعد یہ دعا مانگی' الٰہی ان غداروں کو چن چن کر مار' پھر یہ اشعار پڑھے ؎

جب میں مسلمان مروں تو پھر مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں
کہ میری موت راہِ مولیٰ میں کس کروٹ پر آتی ہے
یہ بات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے کہ اگر وہ چاہے
تو پور پور شدہ ہڈیوں میں برکت عطا فرمائے

اس کے بعد عقبہ بن الحارث نے کھڑے ہو کر حارث کے بدلے میں ان کو قتل کر دیا - ادھر قریش نے لوگ روانہ کیے کہ اگر ہو سکے تو وہ عاصمؓ کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر لے آئیں تا کہ وہ اس کو شناخت کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر سکیں مگر حفاظتِ الٰہی نے ان کا بال بھی بیکا ہونے نہ دیا - یہی عاصمؓ وہ تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں ان کی بڑی بڑی شخصیتوں میں سے ایک کو قتل کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی

☜..... پاس بے موسم میوے دیکھ کر اس سوال پر مجبور کر دیا تھا "یَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا" (۴) یہاں یہ بات قابل یادداشت ہے کہ حضرت خبیبؓ کو اس کے تذکرہ کرنے کی طرف کوئی توجہ نظر نہیں آتی - انہیں شوق اٹھتا ہے تو صرف تھوڑی سی جبہ سائی کا - (۵) موت فطرۃً ایک دہشت کی چیز ہے مگر ایک مسلمان کو وہ اتنی پیاری ہے کہ اس کے شوق میں ان کو نمازوں کا طول دینا بھی پسند نہیں ہوتا' یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہاں جبہ سائی کی سنت ان کو زیادہ پیاری تھی یا جام شہادت پینے کا شوق زیادہ پیارا تھا یہ معجزہ کچھ کم ہے کیسی قوم کو کیسا بنا دیا - (۶) یہ اسی کے رموز ہیں وہی جانے کہ عاصمؓ کو تو شہادت کا جام پلا دیا جائے اور ان کے مقدس جسم کی ایسی محیر العقول طرح نگرانی کی جائے اور دشمنوں ☜.....

www.besturdubooks.net

يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ. (رواه البخاری ص ٥٨٦ و قلمر فی البخاری علی ص ٤٢٧ بتغیر یسیر)

حفاظت یوں کی کہ ایک مکھیوں کا چھتہ سائبان کی طرح ان کے جسم پر مسلط کر دیا جن کی وجہ سے وہ ان کے جسم کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ (بخاری شریف)

استنارة العصا فی ظلام اللیل

اندھیری رات میں عصا کا روشن ہو جانا

(١٥٦٥) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَ اَحْسِبُ الثَّانِيَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَ مَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَاحِدٌ حَتّٰى اَتٰى اَهْلَهُ.

(١٥٦٥) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے نکلے ایک کا نام ''عباد بن بشر'' تھا اور دوسرے کا نام جہاں تک میرا خیال ہے ''اسید بن حضیر'' تھا۔ رات بہت تاریک تھی مگر خدا کی قدرت کہ ان کے ساتھ ساتھ چراغوں کی طرح کی دو چیزیں ان کے آگے آگے روشنی دکھاتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ پھر جب دونوں اپنے اپنے گھروں کی طرف الگ ہونے لگے تو وہ روشنیاں بھی ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہو گئیں یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ (بخاری شریف)

(رواه البخاری) و ذکر الشیخ بدر العینی انه و قع مثله عن قتادة بن النعمان و ابی عبس و محمد بن حمزة بن عمرو الاسلمیؓ من اضاءة الاصابع و العصی فی زمن النبی صلی اللہ علیه وسلم ثم ذکر عن الشیخ حسام الدین الرهاوی مثله (العمدة ج۲ ص ۴۳۲)

لله ..... کی آرزوئیں خاک میں ملا ڈالی جائیں اور ان کے جسم تک دشمن پہنچنے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔ (۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع غیبی طریقہ پر دی جاتی بھی ایک کرشمہ غیبی نہیں تو اور کیا تھا نہ تار نہ ٹیلیفون نہ لاسلکی سے کوئی خبر کرنے والا موجود ہاں وہ موجود تھا جو جہان بھر ان سب اشیاء کی خلقت کا الہام کرنے والا تھا۔

(١٥٦٥) ✽ امام بخاریؒ نے احکام مساجد میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور ہمارے مجتبائی نسخہ میں یہاں ان دونوں شخصوں کا نام حسب سابق موجود ہے پھر ابواب المناقب میں جا کر ان دونوں صحابیوں کے نام کے ساتھ ایک باب باندھا ہے اور اس روایت میں بھی ان دونوں کا نام ذکر کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ شریف نے بھی باب الکرامات میں اس واقعہ کو کچھ فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اتنی تفصیل اور ہے کہ یہ دونوں شخص کسی ضرورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ گئے تھے ان کے ہاتھوں میں دو چھڑیاں تھیں جب یہ رخصت ہوئے تو ان میں سے ایک کی چھڑی روشن ہوگئی پھر جب ہر ایک کا راستہ الگ الگ پھٹنے لگا تو دوسرے کی چھڑی بھی روشن ہوگئی اور اس طرح تاریک شب میں یہ دونوں شخص روشنی میں اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔

تعجب ہے کہ جب ان دونوں شخصوں کے نام خود بخاری شریف مجتبائی میں موجود ہیں اور اپنے ناموں کے ساتھ باب المناقب میں موجود ہیں پھر ان کو صاحب مشکوٰۃ شریف (مجتبائی) نے بھی باب الکرامات میں اپنے ناموں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور اس کی نسبت کتاب بخاری شریف کی طرف کی ہے تو پھر یہاں بعض سیرت نگاروں نے باہر کی کتاب کی مدد سے نام متعین کرنے کی جو زحمت اٹھائی اس کی ضرورت کیا تھی۔ محدثین کے نزدیک یہ طریقہ بہت معیوب ہے کیونکہ یہ فن حدیث کے ساتھ عدم اشتغال کا مشعر ہے۔ حافظ بدر الدین عینیؒ نے اسی قسم کے چند دوسرے واقعات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے جن کو ہم نے عربی عبارت میں اوپر لکھ دیا ہے مگر ان میں سے ایک واقعہ بھی صحابہؓ کے درمیان نہ کبھی معرض بیان و تکرار میں آیا نہ کچھ تعجب خیز سمجھا گیا' نہ اس کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت سمجھی گئی بلکہ ان سب واقعات کو صاف اور سیدھے طریقے پر ان کر تسلیم کیا گیا۔

www.besturdubooks.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الامام المہدی

حضرت امام مہدی کی احادیث مطالعہ فرمانے سے قبل ان کا مختصر تذکرہ معلوم کر لینا ضروری ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

حضرت امام مہدی کا نام ونسب اور ان کا حلیہ شریفہ ✱ حضرت امام مہدی سید اور اولادِ فاطمہ زہراءؓ میں سے ہیں۔ آپ کا قد وقامت قدرے لانبا، بدن چست، رنگ کھلا ہوا اور چہرہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے مشابہ ہوگا۔ نیز آپ کے اخلاق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کا اسم شریف محمد والد کا نام عبداللہ، والدہ صاحبہ کا نام آمنہ ہوگا، زبان میں قدرے لکنت ہوگی جس کی وجہ سے تنگدل ہو کر کبھی کبھی ران پر ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم لدنی (خداداد) ہوگا۔ سید برزنجیؒ اپنے رسالہ الاشاعت میں تحریر کرتے ہیں کہ تلاش کے باوجود مجھ کو آپ کی والدہ کا نام روایات میں کہیں نہیں ملا۔

آپ کے ظہور سے قبل سفیانی کا خروج شاہ روم اور مسلمانوں میں جنگ اور قسطنطنیہ کا فتح ہونا ✱ آپ کے ظہور سے قبل ملک عرب وشام میں ابوسفیان[1] کی اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہوگا۔ جو سادات کو قتل کرے گا۔ اس کا حکم ملکِ شام ومصر کے اطراف میں چلے گا اس درمیان میں بادشاہِ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقہ سے جنگ اور دوسرے فرقہ سے صلح ہوگی۔ لڑنے والا فریق قسطنطنیہ پر قبضہ کرلے گا۔ بادشاہِ روم دارالخلافہ کو چھوڑ کر ملک شام میں پہنچ جائے گا اور عیسائیوں کے دوسرے فریق کی اعانت سے اسلامی فوج ایک خون ریز جنگ کے بعد فریق مخالف پر فتح پائے گی۔ دشمن کی شکست کے بعد موافق فریق میں سے ایک شخص نعرہ لگائے گا کہ صلیب غالب ہوگئی اور اسی کے نام سے یہ فتح ہوئی۔ یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے مار پیٹ کرے گا اور کہے گا نہیں دین اسلام غالب ہوا اور اسی کی وجہ سے یہ فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکاریں گے جس کی وجہ سے فوج میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

بادشاہِ اسلام شہید ہو جائے گا۔ عیسائی ملک شام پر قبضہ کرلیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی قوموں کی صلح ہو جائے

---

[1] حسب بیان سید برزنجی یہ شخص خالد بن یزید بن ابی سفیان کی نسل سے ہوگا۔ امام قرطبی نے اپنے تذکرہ میں اس کا نام عروہ تحریر فرمایا ہے۔ سید برزنجی نے اپنے رسالہ الاشاعت میں اس کا حلیہ اور اس کے دور کی پوری تاریخ تحریر فرمائی ہے مگر اس کا اکثر حصہ موقوف روایات سے ماخوذ ہے اسی لیے ہم نے شاہ صاحبؒ کے رسالہ سے اس کا مختصر تذکرہ نقل کیا ہے امام قرطبیؒ نے بھی امام مہدی کے دور کی پوری تاریخ نقل فرمائی ہے۔ تذکرہ قرطبی گو اس وقت دستیاب نہیں مگر اس کا مختصر مؤلفہ امام شعرانی عام طور پر ملتا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ سید برزنجی کے رسالہ میں امام مہدی کے زمانہ کے مفصل اور مرتب تاریخ کے علاوہ اس بات کی مختصر حدیثوں میں جمع وتطبیق کی پوری کوشش کی گئی ہے لیکن چونکہ اس باب کی اکثر روایات ضعیف تھیں اس لیے ہم نے ان کے درمیان تطبیق نقل کرنے کی چنداں اہمیت محسوس نہیں کی۔

www.besturdubooks.net

گی باقی مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے' عیسائیوں کی حکومت خیبر تک (جو مدینہ منورہ سے قریب ہے) پھیل جائے گی- اس وقت مسلمان اس فکر میں ہوں گے کہ امام مہدی کو تلاش کرنا چاہئے تاکہ ان کے ذریعہ سے یہ مصیبتیں دور ہوں- اور دشمن کے پنجے سے نجات ملے-

امام مہدی کی تلاش اور ان سے بیعت کرنا ٭ حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوں گے مگر اس ڈر سے کہ مبادا لوگ مجھ جیسے ضعیف کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کی تکلیف دیں' مکہ معظمہ چلے جائیں گے- اس زمانے کے اولیائے کرام اور ابدال عظام آپ کو تلاش کریں گے- بعض آدمی مہدی ہونے کے جھوٹے دعوے بھی کریں گے- حضرت مہدی علیہ السلام رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کو مجبور کر کے آپ سے بیعت کر لے گی- اس واقعہ کی علامت یہ ہے کہ اس سے قبل گذشتہ ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکے گا- اور بیعت کے وقت آسمان سے یہ آواز آئے گی- "**هذا خليفة الله المهدى فاستمعوا له و اطيعوا**" اس آواز کو اس جگہ کے تمام خاص و عام سن لیں گے- بیعت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کی ہوگی- خلافت کے مشہور ہونے پر مدینہ کی فوجیں آپ کے پاس مکہ معظمہ چلی آئیں گی- شام و عراق اور یمن کے اولیائے کرام و ابدال عظام آپ کی صحبت میں اور ملکِ عرب کے لاتعداد لوگ آپ کے لشکر میں داخل ہو جائیں گے اور اس خزانہ کو جو کعبہ میں مدفون ہے (جس کو 'تاج الکعبہ' کہتے ہیں) نکال کر مسلمانوں پر تقسیم فرمائیں گے-

خراسانی سردار کا حضرت امام مہدی کی اعانت کے لیے فوج روانہ کرنا اور سفیانی کے لشکر کا ہلاک و تباہ ہو جانا ٭ جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے ایک شخص ایک بہت بڑی فوج لے کر آپ کی مدد کے لیے روانہ ہوگا- جو راستہ میں بہت سے عیسائیوں اور بددینوں کا صفایا کر دے گا- اس لشکر کے مقدمۃ الجیش کی کمان منصور نامی ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگی- وہ سفیانی (جس کا ذکر اوپر گذر چکا) اہل بیت کا دشمن ہوگا اس کی ننہال قوم بنوکلب ہوگی- حضرت امام مہدی کے مقابلہ کے واسطے اپنی فوج بھیجے گا- جب یہ فوج مکہ و مدینہ کے درمیان ایک میدان میں پہاڑ کے دامن میں مقیم ہوگی تو اسی جگہ اس فوج کے نیک و بد سب کے سب دھنس جائیں گے اور قیامت کے دن ہر ایک کا حشر اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہوگا- ان میں سے صرف دو آدمی بچیں گے ایک حضرت امام مہدی کو اس واقعہ کی اطلاع دے گا اور دوسرا سفیانی کو- عرب کی فوجوں کے اجتماع کا حال سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوجوں کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائیں گے-

عیسائیوں کا مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اجتماع اور امام مہدی کے ساتھ خون ریز جنگ اور آخر میں امام مہدی کی فتح مبین ٭ اور اپنے اور روم کے ممالک سے فوج کثیر لے کر امام مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے شام میں جمع ہو جائیں گے ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے ہوں گے- اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ بارہ ہزار سپاہ ہوگی (جس کی کل تعداد ۸,۴۰,۰۰۰ ہوگی) حضرت امام مہدی مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہو کر شام کی جانب روانہ ہو جائیں گے- دمشق کے پاس آ کر عیسائیوں کی فوج سے مقابلہ ہوگا- اس وقت حضرت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہو جائیں گے- ایک گروہ تو نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا' خداوند کریم ان کی توبہ

www.besturdubooks.net

ہرگز قبول نہ فرمائے گا- باقی فوج میں سے کچھ تو شہید ہو کر بدر و احد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ بتوفیق ایزدی فتح یاب ہو کر ہمیشہ کے لیے گمراہی اور انجام بد سے چھٹکارا پالیں گے- حضرت امام مہدی دوسرے روز پھر نصاریٰ کے مقابلہ کے لیے نکلیں گے اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کر کے نکلے گی کہ یا میدان جنگ فتح کریں گے یا مر جائیں گے یہ جماعت سب کی سب شہید ہو جائے گی- حضرت امام مہدی باقی ماندہ قلیل جماعت کے ساتھ لشکر میں واپس آئیں گے- دوسرے دن پھر ایک بڑی جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح کے بغیر میدان جنگ سے واپس نہیں آئیں گے یا مر جائیں گے- اور حضرت امام مہدی کے ہمراہ بڑی بہادری کے ساتھ جنگ کریں گے اور آخر یہ بھی جام شہادت نوش کریں گے- شام کے وقت حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ لوٹیں گے- تیسرے روز اسی طرح ایک بڑی جماعت قسم کھا کر نکلے گی اور وہ بھی شہید ہو جائے گی اور حضرت امام مہدی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئیں گے- چوتھے روز حضرت امام مہدی رسدگاہ کی محافظ جماعت کو لے کر دشمن سے پھر نبرد آزما ہوں گے- یہ جماعت تعداد میں بہت کم ہوگی مگر خداوند کریم ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا- عیسائی اس قدر قتل ہوں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بو نکل جائے گی اور بے سروسامان ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جائیں گے- مسلمان ان کا تعاقب کر کے بہتوں کو جہنم رسید کر دیں گے اس کے بعد حضرت امام مہدی بے انتہاء انعام و اکرام اس میدان کے شیروں جان بازوں پر تقسیم فرمائیں گے مگر اس مال سے کسی کو خوشی حاصل نہ ہوگی- کیونکہ اس جنگ کی بدولت بہت سے خاندان و قبیلے ایسے ہوں گے جن میں فی صدی صرف ایک ہی آدمی بچا ہوگا- اس کے بعد حضرت امام مہدی بلادِ اسلام کے نظم و نسق اور فرائض و حقوق العباد کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے' چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں گے اور ان مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہو جائیں گے-

ستر ہزار فوج کے ساتھ امام مہدی کی فتح قسطنطنیہ کے لیے روانگی اور ایک نعرۂ تکبیر سے شہر کا فتح ہو جانا ✱ بحیرۂ روم کے کنارے پہنچ کر قبیلہ بنو اسحٰق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے اس شہر کی خلاصی کے لیے جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں مقرر فرمائیں گے- جب یہ فصیل شہر کے قریب پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کریں گے تو اس کی فصیل نام خدا کی برکت سے یکا یک گر جائے گی- مسلمان ہلا کر کے شہر میں داخل ہو جائیں گے- سرکشوں کو ختم کر کے ملک کا انتظام نہایت عدل و انصاف کے ساتھ کریں گے- ابتدائی بیعت سے اس وقت تک چھ سات سال کا عرصہ گذرے گا- امام مہدی ملک کے بندوبست ہی میں مصروف ہوں گے کہ افواہ اڑے گی کہ دجال نکل آیا اور مسلمانوں کو تباہ کر رہا ہے-

حضرت امام مہدی کا دجال کی تحقیق کے لیے ایک مختصر دستہ روانہ فرمانا اور ان کی افضلیت کا حال ✱ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی ملک شام کی طرف واپس ہوں گے اور اس خبر کی تحقیق کے لیے پانچ یا نو سوار جن کے حق میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ان کے ماں باپ اور قبائل کے نام اور ان کے گھوڑوں کا رنگ جانتا ہوں- وہ اس زمانے کے روئے زمین کے آدمیوں سے بہتر ہوں گے- لشکر کے آگے بطور طلیعہ روانہ ہو کر معلوم کر لیں گے کہ یہ افواہ غلط ہے- پس امام مہدی عجلت کو چھوڑ کر ملک کی خبر گیری کی غرض سے آہستگی اختیار فرمائیں گے اس میں کچھ عرصہ نہ گذرے گا کہ دجال ظاہر

www.besturdubooks.net

ہو جائے گا اور قبل اس کے کہ وہ دمشق پہنچے حضرت امام مہدی دمشق آچکے ہوں گے اور جنگ کی پوری تیاری وترتیب فوج کر چکے ہوں گے اور اسباب حرب وضرب تقسیم کرتے ہوں گے کہ مؤذن عصر کی اذان دے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اُترنا اور اس وقت کی نماز امام مہدی کی امامت میں ادا کرنا ٭ لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ لگائے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر جلوہ افروز ہو کر آواز دیں گے کہ سیڑھی لے آؤ پس سیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔ آپ اس کے ذریعہ سے نازل ہو کر امام مہدی سے ملاقات فرمائیں گے۔ امام مہدی نہایت تواضع وخوش خلقی سے آپ کے ساتھ پیش آئیں گے اور فرمائیں گے یا نبی اللہ امامت کیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمائیں گے کہ امامت تم ہی کرو کیونکہ تمہارے بعض بعض کے لیے امام ہیں اور یہ عزت اسی امت کو خدا نے دی ہے پس امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اقتداء کریں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر امام مہدی پھر حضرت عیسیٰ سے کہیں گے کہ یا نبی اللہ اب لشکر کا انتظام آپ کے سپرد ہے جس طرح چاہیں انجام دیں۔ وہ فرمائیں گے نہیں یہ کام بدستور آپ ہی کے تحت میں رہے گا۔ میں تو صرف قتل دجال کے واسطے آیا ہوں جس کا مارا جانا میرے ہی ہاتھ سے مقدر ہے۔

حضرت امام مہدی کے عہد خلافت کی خوش حالی اور اس کی مدت اور ان کی وفات ٭ تمام زمین حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عدل وانصاف سے (بھر جائے گی) منور وروشن ہو جائے گی۔ ظلم وبے انصافی کی بیخ کنی ہوگی۔ تمام لوگ عبادت وطاعت الٰہی میں سرگرمی سے مشغول ہوں گے۔ آپ کی خلافت کی میعاد سات یا آٹھ یا نو سال ہوگی۔ واضح رہے کہ سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں۔ آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ وجدال میں اور نواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے آپ کی عمر ۴۹ سال کی ہوگی۔ بعد ازاں امام مہدی علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے جنازے کی نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے اس کے بعد تمام چھوٹے بڑے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے۔[1] (رسالہ علامات قیامت مؤلفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہ)

---

[1] اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ شاہ صاحب موصوف نے یہ تمام سرگذشت گو حدیثوں کی روشنی ہی میں مرتب فرمائی ہے جیسا کہ احادیث کے مطالعہ سے واضح ہے مگر واقعات کی ترتیب اور بعض جگہ ان کی تعیین یہ دونوں باتیں خود حضرت موصوف ہی کی جانب سے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث وقرآن میں جو قصص وواقعات بیان کیے گئے ہیں خواہ وہ گذشتہ زمانے سے متعلق ہوں یا آئندہ سے ان کا اسلوب بیان تاریخی کتابوں کا سا نہیں بلکہ حسب مناسبت مقام ان کا ایک ایک ٹکڑا متفرق طور پر ذکر میں آگیا ہے پھر جب ان سب ٹکڑوں کو جوڑا جاتا ہے تو بعض مقامات پر کبھی اس کی کوئی درمیانی کڑی نہیں ملتی۔ کہیں ان کی ترتیب میں شک وشبہ رہ جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر بعض خام طبائع تو اصل واقعہ کے ثبوت ہی سے دست بردار ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ غور یہ کرنا چاہیے کہ جب قرآن وحدیث کا اسلوب بیان ہی وہ نہیں جو آج ہماری تصانیف کا ہے تو پھر حدیثوں میں اس کو تلاش ہی کیوں کیا جائے؟ نیز جب ان متفرق ٹکڑوں کی ترتیب صاحب شریعت نے خود بیان ہی نہیں فرمائی تو اس کو صاحب شریعت کے سر کیوں رکھ دیا جائے۔ لہٰذا اگر اپنی جانب سے کوئی ترتیب قائم کر لی گئی ہے تو اس پر جزم کیوں کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ جو ترتیب ہم نے اپنے ذہن سے قائم کی ہے حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے امور ہیں جو قرآنی اور حدیثی قصص میں تشنہ نظر آتے ہیں اس لیے یہاں جو قدم اپنی رائے سے اٹھایا جائے اس کو کتاب وسنت کے سر رکھ دینا ایک خطرناک اقدام ہے اور اس ابہام کی وجہ سے اصل واقعہ ہی کا انکار کر ڈالنا یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ واقعات کی پوری تفصیل اور اس کے اجزاء کی پوری پوری ترتیب بیان کرنی رسول کا وظیفہ نہیں یہ ایک مؤرخ کا وظیفہ ہے۔ ...... لله

www.besturdubooks.net

یہاں جب آپ اس خاص تاریخ سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے احادیث پر نظر کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک بڑی اہمیت کے ساتھ ہمیشہ ہوتا رہا ہے حتی کہ امام ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ نے امام مہدی کے عنوان سے ایک ایک باب ہی علیحدہ قائم کر دیا۔ ان کے علاوہ وہ ائمہ حدیث جنہوں نے امام مہدی کے متعلق حدیثیں اپنی اپنی مؤلفات میں ذکر کی ہیں ان میں سے چند کے اسمائے مبارکہ حسب ذیل ہیں: امام احمدؒ' البزار' ابن ابی شیبہ' الحاکم' الطبرانی' ابویعلی موصلی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ جن جن صحابہ کرامؓ سے اس باب میں روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: حضرت علی' ابن عباس' ابن عمر' طلحہ' عبداللہ بن مسعود' ابوہریرہ' انس' ابوسعید' ام حبیبہ' ام سلمہ' ثوبان' قرہ بن ایاس' علی الہلالی' عبداللہ ابن الحارث بن جزء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شارح عقیدہ سفارینی نے امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو اہل سنت والجماعۃ

لہ ..... رسول آئندہ واقعات کی صرف بقدر ضرورت اطلاع دے دیتا ہے پھر جب ان کے ظہور کا وقت آتا ہے تو وہ خود اپنی تفصیل کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور اس وقت یہ ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے واقعات کے لیے جتنی اطلاع حدیثوں میں آچکی تھی وہ بہت کافی تھی اور قبل از وقت اس سے زیادہ تفصیلات دماغوں کے لیے بالکل غیر ضروری بلکہ شاید اور زیادہ الجھاؤ کا موجب تھیں۔ علاوہ ازیں جس کو ازل سے ابد تک کا علم ہے وہ یہ خوب جانتا تھا کہ امت میں دین روایت اور اسانید کے ذریعہ پھیلے گا۔ اور اس تقدیر پر راویوں کے اختلافات سے روایتوں کا اختلاف بھی لازم ہوگا۔ پس اگر غیر ضروری تفصیلات کو بیان کر دیا جاتا تو یقیناً ان میں بھی اختلاف پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اور ہو سکتا تھا کہ امت اس اجمالی خبر سے جتنا فائدہ اٹھا سکتی تھی تفصیلات بیان کرنے سے وہ بھی فوت ہو جاتا۔ لہٰذا امام مہدی کی حدیثوں کے سلسلہ میں نہ تو ہر گوشہ کی پوری تاریخ معلوم کرنے کی سعی کرنی صحیح ہے اور نہ صحت کے ساتھ منقول شدہ منتشر ٹکڑوں میں جزم کے ساتھ ترتیب دینی صحیح ہے اور نہ اس وجہ سے اصل پیشگوئی میں تردد پیدا کرنا علم کی بات ہے۔ یہاں جملہ پیش گوئیوں میں صحیح راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جتنی بات حدیثوں میں صحت کے ساتھ آچکی ہے اس کو اسی حد تک تسلیم کر لیا جائے اور زیادہ تفصیلات کے درپے نہ ہوا جائے اور اگر مختلف حدیثوں میں کوئی ترتیب اپنے ذہن سے قائم کر لی گئی ہے تو اس کو حدیثی بیان کی حیثیت ہرگز نہ دی جائے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سلسلہ کی حدیثیں مختلف اوقات میں مختلف صحابہؓ سے روایت ہوئی ہیں اور ہر مجلس میں آپ نے اس وقت کے مناسب اور حسب ضرورت تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ یہاں یہ امر بھی یقینی نہیں کہ ان تفصیلات کے براہ راست سننے والوں کو ان سب کا علم حاصل ہو بہت ممکن ہے کہ جس صحابی نے امام مہدی کی پیش گوئی کا ایک حصہ ایک مجلس میں سنا ہو اس کو اس کے دوسرے حصے کے سننے کی نوبت ہی نہ آئی ہو جو دوسرے صحابی نے دوسری مجلس میں سنا ہے اور اس لیے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ واقعہ کے الفاظ بیان کرنے میں ان تفصیلات کی کوئی رعایت نہ کرے جو دوسرے صحابی کے بیان میں موجود ہے یہاں بعد کی آنے والی امت کے سامنے چونکہ یہ ہر دو بیانات موجود ہوتے ہیں' اس لیے یہ فرض اس کا ہے کہ اگر وہ ان تفصیلات میں کوئی لفظی بے ارتباطی دیکھتی ہے تو اپنی جانب سے کوئی تطبیق کی راہ نکال لے اس لیے بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ توجیہات راویوں کے بیانات پر پوری پوری راست نہیں آتیں۔ اب راویوں کے الفاظ کی یہ کشاکش اور تاویلات کی ناسازگاری کا یہ رنگ دیکھ کر بعض دماغ اس طرف چلے جاتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں کے تسلیم کر لینے کے بجائے اصل واقعہ کا ہی انکار کر دینا آسان ہے۔ اگر کاش وہ اس پر بھی نظر کر لیتے کہ یہ تاویلات خود صاحب شریعت کی جانب سے نہیں بلکہ واقعہ کے خود راویوں کی جانب سے بھی نہیں یہ صرف ان دماغوں کی کاوش ہے جن کے سامنے اصل واقعہ کے وہ سب متفرق ٹکڑے جمع ہو کر آ گئے ہیں جن کو مختلف صحابہ نے مختلف زمانوں میں روایت کیا ہے اور اس لیے ہر ایک نے اپنے الفاظ میں دوسرے کی تعبیر کی کوئی رعایت نہیں کی اور نہ وہ کر سکتا تھا تو پھر نہ تو ان پر راویوں کے الفاظ کی اس بے ارتباطی کا کوئی اثر پڑتا اور نہ ایک ثابت شدہ واقعہ کا انکار صرف اتنی سی بات پر ان کو آسان نظر آتا۔

www.besturdubooks.net

کے عقائد میں شمار کیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

''کہ امام مہدی کے خروج کی روایتیں اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ اس کو معنوی تواتر کی حد تک کہا جا سکتا ہے اور یہ بات علمائے اہل سنت کے درمیان اس درجہ مشہور ہے کہ اہل سنت کے عقائد میں ایک عقیدے کی حیثیت سے شمار کی گئی ہے۔ ابونعیم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہم نے صحابہ و تابعین سے اس باب میں متعدد روایتیں بیان کی ہیں جن کے مجموعے سے امام مہدی کی آمد کا قطعی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا امام مہدی کی تشریف آوری پر حسب بیان علماء اور حسب عقائد اہل سنت والجماعت یقین کرنا ضروری ہے۔'' (شرح عقیدہ السفارینی ص ۷۹ و ۸۰)

اسی طرح حافظ سیوطی نے بھی یہاں تواتر معنوی کا دعویٰ کیا ہے۔ قاضی شوکانی نے اس سلسلہ کی جو حدیثیں جمع کی ہیں ان میں مرفوع حدیثوں کی تعداد پچاس اور آثار کی اٹھائیس تک پہنچتی ہے۔ شیخ علی متقی نے بھی منتخب کنز العمال میں اس کا بہت مواد جمع کر دیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں اور حافظ ذہبی مختصر منہاج السنہ میں تحریر فرماتے ہیں:

الاحادیث التی تحتج بھا علی خروج المھدی صحاح رواھا احمد و ابوداود و الترمذی منھا حدیث ابن مسعود و ام سلمۃ و ابی سعید و علی. (مختصر منہاج ص ۵۳٤)

یعنی جن حدیثوں سے امام مہدی علیہ السلام کے خروج پر استدلال کیا گیا ہے وہ صحیح ہیں۔ ان کو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' اور امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت فرمایا ہے۔

یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ صحیح مسلم کی احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا جس کے زمانے میں غیر معمولی برکات ظاہر ہوں گے' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل پیدا ہوگا' دجال اسی کے عہد میں ظاہر ہوگا' مگر اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو وہ خلیفہ نماز کے لیے مصلے پر آ چکا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ مصلے کو چھوڑ کر پیچھے ہٹے گا مگر عیسیٰ علیہ السلام ان سے فرمائیں گے چونکہ آپ مصلے پر جا چکے ہیں اس لیے اب امامت آپ ہی کا حق ہے اور یہ اس امت کی ایک بزرگی ہے لہٰذا یہ نماز تو آپ انہی کی اقتداء میں ادا فرمائیں گے۔

یہ تمام صفات ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں جن میں محدثین کو کوئی کلام نہیں۔ اب گفتگو ہے تو صرف اتنی بات میں ہے کہ یہ خلیفہ امام مہدی ہیں یا کوئی اور دوسرا خلیفہ۔ دوسرے نمبر کی حدیثوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ خلیفہ امام مہدی ہوں گے۔ ہمارے نزدیک صحیح مسلم کی حدیثوں میں جب اس خلیفہ کا تذکرہ آ چکا ہے تو پھر دوسرے نمبر کی حدیثوں میں جب وہی تفصیلات اس کے نام کے ساتھ مذکور ہیں تو ان کو بھی صحیح مسلم ہی کی حدیثوں کے حکم میں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ امام مہدی کا ثبوت خود صحیح مسلم میں موجود ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً جب صحیح مسلم میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا ایک امیر امامت کے لیے مصلے پر آ چکا ہوگا تو اب جن حدیثوں میں اس خلیفہ کا نام امام مہدی بتایا گیا ہے یقیناً وہ اسی مبہم خلیفہ کا بیان کہا جائے گا۔ یا مثلاً صحیح مسلم میں ہے کہ آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو بے حساب مال تقسیم کرے گا اب اگر

www.besturdubooks.net

دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کی یہ داد و دہش امام مہدی کے زمانے میں ہوگی تو صحیح مسلم کی اس حدیث کا مصداق امام مہدی کو قرار دینا بالکل بجا ہوگا۔ اسی طرح جنگ کے جو واقعات صحیح مسلم میں ابہام کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں اگر دوسری حدیثوں میں وہی واقعات امام مہدی کے زمانے میں ثابت ہوتے ہیں تو یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہوگا کہ صحیح مسلم میں جنگ کے جو واقعات مذکور ہیں وہ امام مہدی ہی کے دور کے واقعات ہیں غالباً ان ہی وجوہات کی بنا پر محدثین نے بعض مبہم حدیثوں کو امام مہدی ہی کے حق میں سمجھا ہے اور اسی باب میں ان کو ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابوداؤد نے بارہ خلفاء کی حدیث کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بارھواں خلیفہ یہی امام مہدی ہیں۔

اب سب سے پہلے آپ ذیل کی حدیثیں پڑھیے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام مہدی کی آمد کی صحابہ و تابعین کے درمیان کس درجہ شہرت تھی اس کے بعد پھر مرفوع حدیثوں پر نظر ڈالیے تو بشرط اعتدال و انصاف آپ کو یقین ہو جائے گا کہ امام مہدی کی آمد کا مسئلہ بے شک ایک مسلم عقیدہ رہا ہے البتہ روافض نے جو اور بے تکی باتیں اس میں اپنی جانب سے شامل کر لی ہیں تو ان کا نہ تو کوئی ثبوت نقل میں ملتا ہے نہ عقل ان کو باور کر سکتی ہے صرف ان کی تردید میں کسی ثابت شدہ مسئلہ کا انکار کر دینا یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔

(۱) عَنْ حَكِيمِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا قَامَ سُلَيْمَانُ فَاظْهَرَ مَا اَظْهَرَ قُلْتُ لِاَبِي يَحْيٰ هٰذَا الْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يُذْكَرُ قَالَ لَا. (اخرجہ ابن ابی شیبہ الحاوی ج۲ ص۸۰)

حکیم بن سعد کہتے ہیں کہ جب سلیمان خلیفہ بنے اور انہوں نے عمدہ عمدہ خدمات انجام دیں تو میں نے ابو یحییٰ سے کہا وہ مہدی یہی ہیں جن کی شہرت ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں۔

(۲) عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يُحَدِّثُ قَوْمًا فَقَالَ: اَلْمَهْدِيُّوْنَ ثَلَاثَةٌ مَهْدِيُّ الْخَيْرِ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ. وَ مَهْدِيُّ الدَّمِ وَ هُوَ الَّذِيْ تَسْكُنُ عَلَيْهِ الدِّمَاءُ وَ مَهْدِيُّ الدِّيْنِ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ تُسْلِمُ اُمَّتُهٗ فِيْ زَمَانِهٖ. كذا في الحاوي ج ۲ ص ۷۸ وَ فِيْهِ عَنْ كَعْبٍ قَالَ مَهْدِيُّ الْخَيْرِ يَخْرُجُ بَعْدَ السُّفْيَانِي.

ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ مہدی تین ہوں گے۔ (۱) مہدی خیر یہ تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ (۲) مہدی دم یہ وہ شخص ہے جس کے زمانے میں خون ریزی ختم ہو جائے گی۔ (۳) مہدی دین یہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں' ان کے زمانے میں نصاریٰ بھی اسلام قبول کر لیں گے کعب بیان کرتے ہیں کہ مہدی خیر کا ظہور' سفیانی کے ظہور کے بعد ہوگا۔

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ لِابْنِ الْحَنَفِيَّةِ اَلْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ كَمَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قِيْلَ لَهُ الْمَهْدِيُّ.

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابن حنفیہ سے کہا المہدی کا لقب ایسا ہے جیسا کسی نیک آدمی کو ''رجل صالح'' کہہ دیں (اس لحاظ سے مہدی کا اطلاق متعدد اشخاص پر ہو سکتا ہے)

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُبْعَثُ الْمَهْدِيُّ بَعْدَ اَيَاسٍ حَتّٰى يَقُوْلَ النَّاسُ لَا مَهْدِيَّ. كذا في الحاوي ج ۲ ص ۷۶.

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب لوگ مایوس ہو کر یہ کہیں گے کہ اب مہدی کیا آئے گا؟

www.besturdubooks.net

(۵) عَنْ کَعْبٍ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ الْمَهْدِیَّ مَکْتُوْبًا فِیْ اَسْفَارِ الْاَنْبِیَاءِ مَافِیْ عَمَلِهٖ ظُلْمٌ وَ لَا عَیْبٌ.

کعب کہتے ہیں کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مہدی کی یہ صفت دیکھی ہے کہ اس کے عمل میں نہ ظلم ہوگا نہ عیب۔

(الحاوی ج ۲ ص ۷۷)

(۶) عَنْ مَطَرٍ اَنَّهٗ ذُکِرَ عِنْدَهٗ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ فَقَالَ بَلَغَنَا اَنَّ الْمَهْدِیَّ یَصْنَعُ شَیْئًا لَمْ یَصْنَعْهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ قُلْنَا مَا هُوَ؟ قَالَ یَاْتِیْهِ رَجُلٌ فَیَسْاَلُهٗ فَیَقُوْلُ: اُدْخُلْ بَیْتَ الْمَالِ فَخُذْ فَیَدْخُلُ وَ یَخْرُجُ وَ یَرَی النَّاسَ شِبَاعًا فَیَنْدَمُ فَیَرْجِعُ اِلَیْهِ فَیَقُوْلُ خُذْمَا اَعْطَیْتَنِیْ فَیَاْبٰی وَ یَقُوْلُ اِنَّا نُعْطِیْ وَ لَا نَاْخُذُ.

(الحاوی ج ۲ ص ۷۷)

مطر کے سامنے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مہدی آ کر ایسے ایسے کام کریں گے جو عمر بن عبدالعزیز سے نہیں ہو سکے۔ ہم نے پوچھا وہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس ایک شخص آ کر سوال کرے گا وہ کہیں گے بیت المال میں جا اور جتنا چاہے مال لے لے وہ اندر جائے گا اور جب باہر آئے گا تو دیکھے گا کہ سب لوگ نیت سیر ہیں تو اس کو شرم آئے گی اور یہ لوٹ کر کہے گا کہ جو مال آپ نے دیا تھا وہ آپ لے لیجئے تو وہ فرمائیں گے ہم دینے کے لیے ہیں لینے کے لیے نہیں۔

(۷) عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ مَیْسَرَةَ قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ هُوَ الْمَهْدِیُّ؟ قَالَ هُوَ الْمَهْدِیُّ وَ لَیْسَ بِهٖ اِنَّهٗ لَمْ یَسْتَکْمِلِ الْعَدْلَ کُلَّهٗ اَخْرَجَهُ اَبُوْنُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ.

ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے پوچھا کیا عمر بن عبدالعزیز ہی مہدی ہیں؟ انہوں نے کہا ایک مہدی وہ بھی ہیں لیکن وہ خاص مہدی نہیں ان کے دور کا سا کامل انصاف ان کے دور میں کہاں ہے؟ (الحاوی ج ۲ ص ۷۷)

(۸) عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ یَزْعُمُوْنَ اَنِّیْ اَنَا الْمَهْدِیُّ وَ اَنِّیْ اِلٰی اَجَلٍ اَدْنٰی مِنِّیْ اِلٰی مَایَدَّعُوْنَ.

(اخرجہ لمحاملی فی امالیہ الحاوی ج ۲ ص ۸۱)

ابو جعفر فرماتے ہیں کہ لوگ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ مہدی میں ہوں حالانکہ مجھے ان کے دعووں سے اپنا مرجانا نزدیک تر نظر آتا ہے۔

(۹) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ زُفَرَ قَالَ قِیْلَ یَوْمًا عِنْدَ حُذَیْفَةَ قَدْ خَرَجَ الْمَهْدِیُّ قَالَ لَقَدْ اَفْلَحْتُمْ اِنْ خَرَجَ وَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ بَیْنَکُمْ اِنَّهٗ لَا یَخْرُجُ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ غَائِبٌ اَحَبَّ اِلَی النَّاسِ مِنْهُ مِمَّا یَلْقَوْنَ مِنَ الشَّرِّ. اَخْرَجَهُ الدَّانِیْ فِیْ سُنَنِهٖ الحاوی ج ۲ ص ۸۱.

سلمہ بن زفر بیان کرتے کہ ایک دن حذیفہ کے سامنے کسی نے کہا کہ مہدی ظاہر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر ایسا ہے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمہارے درمیان موجود ہیں تو تم نے بڑی فلاح پائی۔ یاد رکھو کہ وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب کہ مصائب کی وجہ سے کوئی غائب شخص لوگوں کو ان سے پیارا معلوم نہ ہوگا۔ (یعنی شدید انتظار ہوگا)

ان آثار کی روشنی میں لامهدی الاعیسی کی شرح بھی بخوبی ہو سکتی ہے بشرطیکہ ابن ماجہ کی اس حدیث کو کسی درجہ میں حسن تسلیم کر لیا جائے۔

www.besturdubooks.net

رب العالمین کی یہ عجیب حکمت ہے کہ جب کسی اہم شخصیت کے متعلق کوئی پیش گوئی کی گئی ہے تو اس کی اس آزمائش زمین پر ہمیشہ اس نام کے کاذب مدعی چاروں طرف سے پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک سیدھی بات آزمائشی منزل بن کر رہ گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صریح سے صریح الفاظ میں پیش گوئی کی گئی جس میں کسی دوسرے شخص کی آمد کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا اس کے باوجود نہ معلوم کتنے مدعی مسیحیت پیدا ہو گئے آخر یہ ایک سیدھی پیش گوئی ایک معمہ بن کر رہ گئی۔ اسی طرح جب حضرت امام مہدی کے حق میں پیش گوئی کی گئی تو گذشتہ زمانے میں یہاں بھی بہت سے اشخاص مہدویت کے مدعی پیدا ہو گئے چنانچہ محمد بن عبداللہ یہ النفس الزکیہ کے لقب سے مشہور تھا۔ اسی طرح محمد بن مرتوت، عبید اللہ بن میمون قداح، محمد جون پوری وغیرہ نے اپنے اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ شیخ سید برزنجی لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے میں مقام ازمک میں بھی ایک شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ سید موصوف نے ایک اور کردی شخص کے متعلق بھی لکھا ہے کہ عقر کے پہاڑوں میں اس نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان سب اشخاص کے واقعات تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور وہ تمام مصائب و آلام بھی مذکور ہیں جو ان بدبختوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر توڑے گئے تھے۔

رافضی جماعت کا تو مستقل یہ ایک عقیدہ ہی ہے کہ محمد بن حسن عسکری مہدی موعود ہے ان کے خیالات کے مطابق وہ اپنے طفولیت کے زمانے ہی سے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو کر کسی مخفی غار میں پوشیدہ ہیں اور یہ جماعت آج تک انہی کے ظہور کی منتظر ہے اور مصیبتوں میں انہی کو پکارتی پھرتی ہے۔ ان مفترین کی تاریخ اور روافض کی اس وہم پرستی اور بے بنیاد عقیدہ کی وجہ سے بعض اہل علم کے ذہن اس طرف منتقل ہو گئے کہ اگر علمی لحاظ سے مہدی کے وجود ہی کا انکار کر دیا جائے تو اس تمام بحث وجدل سے امت مسلمہ کی جان چھوٹ جائے اور روزمرہ نئی نئی آزمائشوں کا اس کو مقابلہ نہ کرنا پڑے چنانچہ ابن خلدون مؤرخ نے اسی پر پورا زور صرف کیا ہے اور چونکہ تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے علمی طبقہ میں اس کو اونچا مقام حاصل ہے۔ اس لیے اس قسم کے مزاجوں کے لیے اس کا انکار کرنا اور تقویت کا باعث بن گیا پھر بعد میں اسی کے اعتماد پر اس مسئلہ کا انکار چلتا رہا ہے۔ محدثین علماء نے ہمیشہ اس انکار کو تسلیم نہیں کیا اور خود مؤرخ موصوف کے زمانے میں بھی اس پیش گوئی کے اثبات پر تالیفات کی گئیں جن میں سے اس وقت "ابراز الوھم المکنون من کلام ابن خلدون" کا نام ہمارے علم میں بھی ہے مگر یہ رسالہ ہم کو دستیاب نہیں ہو سکا۔ امام قرطبی، شیخ جلال الدین سیوطیؒ، سید برزنجی، شیخ علی متقی، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خاں شارح۔ عقیدہ سفارینی کی تصنیفات ہماری نظر سے بھی گزری ہیں ان کے مؤلفات کے علاوہ بھی اس موضوع پر بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی خاص ماحول کی وجہ سے وضع حدیث کی دواعی پیدا ہو گئے ہیں تو اس دور کی حدیثوں پر محدثین کی نظریں بھی ہمیشہ سخت ہو گئی ہیں اور اس لیے بعض صحیح حدیثیں بھی مشتبہ ہو گئیں جیسا کہ بنی امیہ کے دور میں فضائل اہل بیت کی بہت سی حدیثیں مشتبہ ہو گئی تھیں جب محدثین نے ان کو چھانٹنا شروع کیا تو بعض متشدد نظروں میں اچھی خاصی حدیثیں بھی اس کی لپیٹ میں آ گئیں۔ آخر جب اس فضا سے ہٹ کر علماء نے دوبارہ اس پر نظر ڈالی تو انہوں نے بہت سی ساقط شدہ حدیثوں میں کوئی سقم نہ پایا اور آخر ان کو قبول کیا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک فرقے نے محمد بن عسکری کے مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ کر دیا تو پھر وہی وضع

www.besturdubooks.net

حدیث کے جذبات ابھرے اور جب علماء نے غلط ذخیرہ کو ذرا تشدد کے ساتھ الگ کرنے کا ارادہ کیا تو لازمی طور پر یہاں بھی کچھ حدیثیں اس کی زد میں آ گئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس باب کی صریح حدیثوں میں کوئی حدیث بھی صحیحین کی نہ تھی، گو صحت کے لیے صحیحین کی حدیث ہونا کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں اس لیے محدثانہ ضابطہ کے مطابق نقد و تبصرہ کو یہاں کچھ نہ کچھ وسعت مل گئی۔ لیکن یہ بات کچھ اسی باب کی حدیثوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہر کتاب پر شیخین کی کتابوں کے سوا جب صرف ضابطہ کی تنقید شروع کر دی جائے اور صرف راویوں پر جرح و تعدیل کو لے کر اس باب کے دیگر امور مہمہ کو نظر انداز کر ڈالا جائے تو پھر نقد کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ اس تشدد و افراط کا ثمرہ گو وقتی طور پر کچھ مفید ہو تو ہو لیکن دوسری طرف اس کا نقصان بھی ضرور ہوتا ہے اور وقتی فتنے ختم ہو جانے کے بعد آئندہ امت کی نظروں میں یہ اختلاف اچھی حدیثوں میں بھی شک و تردد کا موجب بن جاتا ہے۔ یہاں جب آپ خارجی عوارض اور ماحول کے خاص حالات سے علیحدہ ہو کر نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس موضوع کی احادیث پر نظر فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امام مہدی کا تذکرہ سلف سے لے کر محدثین کے دور تک ہمیشہ بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

محقق ابن خلدون کے کلام کو جہاں تک ہم نے سمجھا ہے اس کا خلاصہ تین باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) جرح و تعدیل میں جرح کو ترجیح ہے۔ (۲) امام مہدی کی کوئی حدیث صحیحین میں موجود نہیں۔ (۳) اس باب کی جو صحیح حدیثیں ہیں ان میں امام مہدی کی تصریح نہیں۔

فن حدیث کے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں کچھ وزن نہیں رکھتیں کیونکہ ہمیشہ اور ہر جرح کو ترجیح دینا یہ بالکل خلافِ واقع ہے چنانچہ خود محقق موصوف کو جب اس کا تنبہ ہوا کہ اس قاعدے کے تحت تو صحیحین کی حدیثیں بھی مجروح ہوئی جاتی ہیں تو اس کا جواب انہوں نے صرف یہ دے دیا ہے کہ یہ حدیثیں چونکہ علماء کے درمیان مسلم ہو چکی ہیں اس لیے وہ مجروح نہیں کہی جا سکتیں مگر سوال تو یہ ہے کہ جب قاعدہ یہ ٹھہرا تو پھر علماء کو وہ مسلّم ہی کیوں ہوئیں؟

رہا امام مہدی کی حدیثوں کا صحیحین میں مذکور نہ ہونا تو یہ اہل فن کے نزدیک کوئی جرح نہیں ہے خود ان ہی حضرات کا اقرار ہے کہ انہوں نے جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب کی سب اپنی کتابوں میں درج نہیں کیں اسی لیے بعد میں ہمیشہ محدثین نے مستدرکات لکھی ہیں۔ اب رہی تیسری بات تو یہ دعویٰ بھی تسلیم نہیں کہ صحیح حدیثوں میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں ہے۔ کیا وہ حدیثیں جن کو امام ترمذی و ابوداؤد وغیرہ جیسے محدثین نے صحیح و حسن کہا ہے صرف محقق موصوف کے بیان سے صحیح ہونے سے خارج ہو سکتی ہیں۔ دوم یہ کہ جن حدیثوں کو محقق موصوف نے بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے اگر وہاں ایسے قوی قرائن موجود ہیں جن سے اس شخص کا امام مہدی ہونا تقریباً یقینی ہو جاتا ہے تو پھر امام مہدی کے لفظ کی تصریح ہی کیوں ضروری ہے۔ سوم یہاں اصل بحث مصداق میں ہے مہدی کے لفظ میں نہیں پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک خلیفہ ہونا اور ایسی خاص صفات کا حامل ہونا جو بقول روایت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے شخص میں بھی نہ تھیں ثابت ہے تو بس اہل سنت کا مقصد اتنی بات سے پورا ہو جاتا ہے کیونکہ مہدی تو صرف ایک لقب ہے علم اور نام نہیں اور یہ آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ مہدی کا لفظ بطور لقب دوسرے اشخاص پر بھی اطلاق کیا گیا ہے اگر چہ

www.besturdubooks.net

سب میں کامل مہدی وہی ہیں جن کا ظہور آئندہ زمانے میں مقدر ہے یہ ایسا سمجھئے جیسا دجال کا لفظ حدیثوں میں ستر مدعیان نبوت کو دجال کہا گیا ہے مگر دجال اکبر وہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا - ہاں اس لقب کی زد اگر پڑتی ہے تو ان اصحاب پر پڑتی ہے جو مہدی کے ساتھ ساتھ کسی قرآن کے منتظر بیٹھے ہیں - محقق موصوف کی پوری بحث پڑھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ محقق موصوف کی اصل نظر اسی فتنہ کی طرف ہے - اور وہ چاہتے ہیں کہ حدیثوں سے کسی ایسے مہدی کا وجود ثابت نہ ہو جس پر ایمان وقرآن کا دارومدار ہو، اور جیسا کہ نقد وتبصرہ کے وقت ہر شخص اپنے طبعی اور علمی تاثرات سے بمشکل بری رہ سکتا ہے اسی طرح محقق موصوف بھی یہاں اس سے بچ نہیں سکے اور فن تاریخ کی سب سے کٹھن منزل یہی ہے - یہی وجہ ہے کہ احادیث پر کلام کرتے ہوئے بڑے بڑے علماء کی توثیق نقل کرنے کے بعد بھی ان کا رجحان طبع انہیں علماء کی جانب رہا ہے جنہوں نے کوئی نہ جرح ان حدیثوں میں نکال کھڑی کی ہے اور صرف جرح کے مقدم ہونے کو ایک قاعدہ کلیہ بنا کر بس اسی سے کام لیا ہے - اگر محقق موصوف جرح کے اسباب ومراتب پر غور فرمالیتے تو شاید ہر مقام پر ان کا رجحان اس طرف نہ رہتا -

www.besturdubooks.net

اسم المهدى ونسبه وحليته الشريفة

امام مہدی کا نام ونسب اوران کا حلیہ شریف

(۱۵۶۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِىْ يُوَاطِئُ اِسْمُهُ اِسْمِىْ.

(۱۵۶۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوگا۔ جب کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جو میرے ہم نام ہوگا۔ (ترمذی شریف)

(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ قَالَ وَ فِى الْبَابِ عَنْ عَلِىٍّ وَ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ قُلْتُ وَ اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ سَكَتَ عَنْهُ هُوَ وَ الْمُنْذِرِىُّ وَ ابْنُ الْقَيِّمِ وَ قَالَ الْحَاكِمُ رَوَاهُ الثَّوْرِىُّ وَ شُعْبَةُ وَ زَائِدَةُ وَغَيْرُهُمْ مِّنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ عَاصِمٍ قَالَ وَ طُرُقُ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ كُلُّهَا صَحِيْحَةٌ)

(۱۵۶۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمًا لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَلِىَ.

(۱۵۶۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اگر دنیا کے خاتمہ میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسی ایک دن کو اور دراز فرما دے گا یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حاکم ہو کر رہے گا۔ (ترمذی شریف)

(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

(۱۵۶۸) عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِىٌّ وَ نَظَرَ اِلٰى ابْنِهِ الْحَسَنِ فَقَالَ اِنَّ ابْنِىْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْبِهُهُ فِى الْخُلُقِ وَ لَا يُشْبِهُهُ فِى الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا.

(۱۵۶۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ فرزند سید ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے اور اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا وہ عادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوگا لیکن صورت میں مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ان کے عدل وانصاف کا حال ذکر فرمایا۔ (ابوداؤد)

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ فِىْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ لَا بَاْسَ بِهٖ فِىْ حَدِيْثِهٖ خَطَاُ قَالَ الذَّهَبِىُّ صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ وَ اَمَّا اَبُوْ اِسْحٰقَ السَّبِيْعِىُّ فَرِوَايَتُهٗ عَنْ عَلِىٍّ مُنْقَطِعَةٌ)

(۱۵۶۹) عَنْ عَلِىٍّ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ اِلَّا يَوْمٌ لَبَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ بَيْتِىْ يَمْلَؤُهَا قِسْطًا وَّ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا.

(۱۵۶۹) حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے ''اگر قیامت میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ضرور ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ اس سے قبل ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ (ابوداؤد)

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ فِىْ اِسْنَادِهٖ فِطْرُ بْنُ خَلِيْفَةَ الْكُوْفِىُّ وَ ثَقَّهُ اَحْمَدُ وَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ وَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ وَ النَّسَائِىُّ وَ الْعِجْلِىُّ وَ ابْنُ سَعْدٍ وَ السَّاجِىُّ وَ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَالِحُ الْحَدِيْثِ وَ اَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِىُّ فَالْحَدِيْثُ قَوِىٌّ)

www.besturdubooks.net

(۱۵۷۰) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اُمِّ سَلَمَةَ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِيَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ مِنْ وُّلْدِ فَاطِمَةَ.

(۱۵۷۰) سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس حاضر تھے- ہم نے امام مہدی کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے- آپ فرماتے تھے کہ امام مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں ہوں گے- (ابن ماجہ)

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ النُّفَيْلِيُّ الْهِنْدِيُّ، قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَابَأْسَ بِهِ اَخْرَجَ لَهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ كَذَافِي الْاِذَاعَةِ)

(۱۵۷۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ وُلْدُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ سَادَةُ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَنَا وَ حَمْزَةُ وَ عَلِيٌّ وَ جَعْفَرٌ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ وَ الْمَهْدِيُّ.

(۱۵۷۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد اہل جنت کے سردار ہوں گے- یعنی میں، حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مہدی علیہ السلام- (ابن ماجہ)

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِي الزَّوَائِدِ وَ فِي اِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَ عَلِيُّ بْنُ زِيَادٍ لَمْ اَرَمَنْ وَّثَّقَهُ وَ لَا مَنْ جَرَحَ وَ بَاقِي رِجَالِ اِسْنَادِهِ مُوَثَّقُوْنَ وَ رَاجِعْ لَهُ الْاِذَاعَةَ)

(۱۵۷۲) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَهْدِيُّ مِنِّيْ اَجْلَى الْجَبْهَةِ اَقْنَى الْاَنْفِ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّ جَوْرًا وَ يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ.

(۱۵۷۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میری اولاد میں سے ہوگا جس کی پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی اور جو دنیا کو عدل وانصاف سے پھر بھر دے گا- جب کہ اس وقت وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی ان کی حکومت سات سال تک رہے گی- (ابوداؤد)

(رواه ابوداؤد قال المنذری فی اسناده عمران القطان و هو ابو العوام عمران بن داور القطان البصری استشهدبه البخاری و و ثقه عفان بن مسلم و احسن عیه الثناء یحیی بن سعید القطان)

(۱۵۷۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ بَعْدِيْ بُعُوْثٌ كَثِيْرَةٌ فَكُوْنُوْا فِيْ بَعْثِ خُرَاسَانَ رَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَ ابْنُ عَسَاكِرٍ وَ السُّيُوْطِيُّ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ.

(۱۵۷۳) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بہت سے لشکر ہوں گے تم اس لشکر میں شامل ہونا جو خراسان سے آئے گا- (ابن عدی)

(۱۵۷۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(۱۵۷۴) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

(۱۵۷۴) * حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیاہ جھنڈے وہ نہیں ہیں جو ایک مرتبہ ابو مسلم خراسانی لے کر آیا تھا جس نے بنو امیہ کا ملک چھین لیا تھا بلکہ یہ دوسرے ہیں جو امام مہدی کے عہد میں ظاہر ہوں گے کذا فی الحاوی ج ۲ ص ۶۰ نعیم بن حماد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ یہ جھنڈے چھوٹے چھوٹے ہوں گے- (حاوی ج ۲ ص ۶۸ و ۶۹)

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَأیَاتٌ سُوْدٌ لَا یَرُدُّھَا شَیْءٌ حَتّٰی تُنْصَبَ بِإِیْلِیَاءَ. (رواہ الترمذی)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خراسان کی طرف سے سیاہ سیاہ جھنڈے آئیں گے کوئی طاقت ان کو واپس نہیں کر سکے گی یہاں تک کہ وہ بیت مقدس میں نصب کر دیے جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

(۱۵۷۵) عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَخْرُجُ مِنَ الْمَشْرِقِ رَأیَاتٌ سُوْدٌ لِبَنِی الْعَبَّاسِ ثُمَّ یَمْکُثُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ تَخْرُجُ رَأیَاتٌ صِغَارٌ تُقَاتِلُ رَجُلًا مِنْ وُلْدِاَبِیْ سُفْیَانَ وَ اَصْحَابِہٖ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ یُؤَدُّوْنَ الطَّاعَۃَ لِلْمَھْدِیِّ.

(۱۵۷۵) سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرق کی سمت ایک مرتبہ بنو العباس سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا رہیں گے اس کے بعد پھر چھوٹے چھوٹے جھنڈے نمودار ہوں گے جو ابو سفیان کی اولاد اور اس کے رفقاء کے ساتھ جنگ کریں گے اور مہدی علیہ السلام کی تابعداری کریں گے۔

(کذافی الحاوی ج ۲ ص ۶۹ وَ فِیْہِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّۃِ قَالَ تَخْرُجُ رَأیَاتٌ سُوْدٌ لِبَنِی الْعَبَّاسِ ثُمَّ تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ اُخْرٰی سُوْدٌ قَلَانِسُھُمْ وَ ثِیَابُھُمْ بِیْضٌ عَلٰی مُقَدَّمَتِھِمْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ شُعَیْبُ بْنُ صَالِحٍ مِنْ تَمِیْمٍ یَھْزِمُوْنَ اَصْحَابَ السُّفْیَانِیِّ الخ. (ج ۲ ص ۶۸)

ظهور المهدی و مبایعة اهل مکة ایاه بین الرکن و المقام

امام مہدی کا ظہور اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اہل مکہ کی ان سے بیعت کرنا

(۱۵۷۶) عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَکُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِیْفَۃٍ فَیَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ھَارِبًا اِلٰی مَکَّۃَ فَیَأْتِیْہِ نَاسٌ مِنْ اَھْلِ مَکَّۃَ فَیُخْرِجُوْنَہٗ وَ ھُوَ کَارِہٌ فَیُبَایِعُوْنَہٗ بَیْنَ الرُّکْنِ وَ الْمَقَامِ وَ یُبْعَثُ اِلَیْہِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَیُخْسَفُ بِھِمْ بِالْبَیْدَاءِ بَیْنَ مَکَّۃَ وَ الْمَدِیْنَۃِ فَاِذَا رَاَ النَّاسُ ذٰلِکَ اَتَاہُ اَبْدَالُ الشَّامِ وَ عَصَائِبُ اَھْلِ الْعِرَاقِ

(۱۵۷۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد کچھ اختلاف رونما ہوگا اس وقت ایک شخص مدینہ کا باشندہ بھاگ کر مکہ مکرمہ آ ئے گا' مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو مجبور کر کے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس سے بیعت کرلیں گے پھر شام سے اس کے مقابلے کے لیے ایک لشکر بھیجا جائے گا مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جائے گا جب لوگ ان کی یہ کرامت دیکھیں گے تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں بھی آ آ کر ان سے بیعت کریں گی اس کے بعد پھر

(۱۵۷۶) * ابوداؤد نے اس روایت کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرمایا ہے اور امام ترمذی نے جب امام مہدی کی حدیث روایت کرنے والے صحابہؓ کے اسماء شمار کرائے ہیں تو انہوں نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے نیز اس باب کی دوسری حدیثوں پر نظر کر کے یہ جزم حاصل ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں اگرچہ اس شخص کا نام مذکور نہیں مگر یقیناً وہ امام مہدی ہی ہیں کیونکہ مجموعی لحاظ سے یہ وہی اوصاف ہیں جو امام مہدی میں ہوں گے اور اسی وجہ سے ابوداؤد نے اس حدیث کو امام مہدی کی حدیثوں کے باب میں درج فرمایا ہے۔ ابن خلدون بھی اس پر کوئی خاص حرج نہ کر سکا صرف یہ کہہ سکا کہ اس روایت میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں۔

www.besturdubooks.net

فَیُبَایِعُوْنَهٗ ثُمَّ یَنْشَأُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَیْشٍ اَخْوَالُهٗ کَلْبٌ فَیَبْعَثُ اِلَیْهِمْ بَعْثًا فَیَظْهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ وَ ذَالِکَ بَعْثُ کَلْبٍ وَ الْخَیْبَةُ لِمَنْ لَّمْ یَشْهَدْ غَنِیْمَةَ کَلْبٍ فَیَقْسِمُ الْمَالَ وَ یَعْمَلُ فِی النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِیِّهِمْ وَ یُلْقِی الْاِسْلَامُ بِجِرَانِهٖ فِی الْاَرْضِ فَیَلْبَثُ سَبْعَ سِنِیْنَ ثُمَّ یَتَوَفّٰی وَ یُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ.

قریش میں ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے ماموں قبیلہ کلب کے ہوں گے وہ ظاہر ہوکر ان کے مقابلہ کے لیے لشکر بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کو (امام مہدی کو) ان کے اوپر غالب فرمائے گا اور یہ بنو کلب کا لشکر ہوگا - وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو اس قبیلہ کلب کی غنیمت میں شریک نہ ہو کامیابی کے بعد وہی شخص اس مال کو تقسیم کرے گا اور سنت کے مطابق لوگوں سے عمل کرائے گا اور اس کے عہد میں تمام روئے زمین پر اسلام ہی اسلام پھیل جائے گا اور سات برس تک وہ زندہ رہے گا اس کے بعد اس کی وفات ہوجائے گی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے- (ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد والحدیث اَدْخَلَهٗ اَبُوْدَاوٗدَ فِیْ بَابِ الْمَهْدِیِّ وَ اَشَارَ اِلَیْهِ التِّرْمِذِیُّ بِمَا "فِی الْبَابِ" وَ الْحَدِیْثُ سَکَتَ عَنْهُ اَبُوْدَاوٗدَ ثُمَّ الْمُنْذِرِیُّ وَ ابْنُ الْقَیِّمِ. وَ فِی الْاِذَاعَةِ رِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِیْحَیْنِ لَا مَطْعَنَ فِیْهِمْ وَ لَا مَغْمَزَ. العون ج ٤ ص ١٧٦)

(۱۵۷۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَلَاءً یُّصِیْبُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ حَتّٰی لَا یَجِدَ الرَّجُلُ مَلْجَأً یَلْجَأُ اِلَیْهِ مِنَ الظُّلْمِ فَیَبْعَثُ اللّٰهُ رَجُلًا مِنْ عِتْرَتِیْ وَ اَهْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَأُ بِهِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّ عَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَ جَوْرًا یَرْضٰی عَنْهُ سَاکِنُ السَّمَاءِ وَ سَاکِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَعُ السَّمَاءُ مِنْ قَطْرِهَا شَیْئًا اِلَّا صَبَّتْهُ مِدْرَارًا وَ لَا تَدَعُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِهَا شَیْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ حَتّٰی یَتَمَنَّی الْاَحْیَاءُ الْاَمْوَاتَ یَعِیْشُ فِیْ ذَالِکَ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِیْنَ.

(۱۵۷۷) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی آزمائش کا ذکر فرمایا جو اس امت کو پیش آنے والی ہے- ایک زمانے میں اتنا شدید ظلم ہوگا کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی- اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد میں ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے پھر ویسا ہی بھر دے گا جیسا وہ پہلے ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی- زمین اور آسمان کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے، آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی سب پیداوار نکال کر رکھ دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگوں کو تمنا ہوگی کہ ان سے پہلے جو لوگ تنگی وظلم کی حالت میں گذر گئے ہیں کاش وہ بھی اس سماں کو دیکھتے اسی برکت کے حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال تک زندہ رہے گا-

(رواہ الحاکم فی مستدرکہ کما فی المشکوٰۃ)

(مستدرک حاکم)

(۱۵۷۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ فِتْیَةٌ مِّنْ بَنِیْ هَاشِمٍ فَلَمَّا رَاٰهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِغْرَوْرَقَتْ عَیْنَاهُ وَ تَغَیَّرَ لَوْنُهٗ قَالَ فَقُلْتُ مَا نَزَالُ نَرٰی فِیْ وَجْهِکَ شَیْئًا نَکْرَهُهٗ فَقَالَ اِنَّا اَهْلُ الْبَیْتِ اِخْتَارَ اللّٰهُ لَنَا الْاٰخِرَةَ عَلَی الدُّنْیَا وَ اِنَّ اَهْلَ بَیْتِیْ سَیَلْقَوْنَ

(۱۵۷۸) عبداللہ بیان فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو ہاشم کے چند نوجوان آپ کے سامنے آئے جب آپ نے ان کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈبا گئیں اور آپ کا رنگ بدل گیا- ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی کیا بات ہے ہم آپ کے چہرۂ مبارک پر وہ آثار غم دیکھتے ہیں جس سے ہمارا دل آزردہ ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا ہمارے گھرانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بجائے آخرت عنایت فرمائی ہے، میرے بعد میرے اہل بیت کو بڑی آزمائشوں کا سابقہ

www.besturdubooks.net

بَعْدِیْ بَلَاءً وَ تَشْدِیْدًا اَوْ تَطْرِیْدًا حَتّٰی یَاْتِیَ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَعَهُمْ رَایَاتٌ سُوْدٌ فَیَسْأَلُوْنَ الْخَیْرَ فَلَا یُعْطَوْنَهٗ فَیُقَاتِلُوْنَ فَیُنْصَرُوْنَ فَیُعْطَوْنَ مَاسَأَلُوْا فَلَا یَقْبَلُوْنَهٗ حَتّٰی یَدْفَعُوْهَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَؤُهَا قِسْطًا کَمَا مَلَؤُهَا جَوْرًا فَمَنْ اَدْرَکَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَلْیَأْتِهِمْ وَ لَوْحَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ. (رواہ ابن ماجۃ قال السندھی الظاھر اَنَّهٗ اِشَارَۃٌ اِلَی الْمَهْدِیِّ الْمَوْعُوْدِ وَ لِذٰلِکَ ذَکَرَ الْمُصَنِّفُ هٰذَا الْحَدِیْثَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. (وَفِی الزَّوَائِدِ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ لِضُعْفِ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ زِیَادِ الْکُوْفِیْ لٰکِنْ لَّمْ یَنْفَرِدْ یَزِیْدُ ابْنُ اَبِیْ زِیَادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ فَقَدْ رَوَاهُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ مِنْ طَرِیْقِ عَمْرِو بْنِ قَیْسٍ عَنِ الْحَکَمِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قُلْتُ وَ رَوَاهُ السُّیُوْطِیُّ فِی الْحَاوِیْ ص ۶۰ بِرِوَایَۃِ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَ نُعَیْمِ بْنِ حَمَّادٍ وَ اَبِیْ نُعَیْمٍ وَ فِیْ اٰخِرِهٖ فَاِنَّهُ الْمَهْدِیُّ)

پڑے گا ہر طرف سے بھگائے اور نکالے جائیں گے یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے لیے ہوئے آئے گی میرے اہل بیت ان سے طالب خیر ہوں گے لیکن وہ ان کو نہیں دیں گے اس پر سخت جنگ ہو گی آخر وہ شکست کھائیں گے اور جو ان سے طلب کیا تھا پیش کریں گے مگر وہ اس کو قبول نہ کرسکیں گے آخر کار وہ ان جھنڈوں کو ایک ایسے شخص کے حوالہ کریں گے جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ زمین کو عدل وانصاف سے پھر اسی طرح بھردے گا جیسا لوگوں نے اس سے قبل ظلم وتعدی سے بھر دیا ہوگا لہٰذا تم میں سے جس کو اس کا زمانہ ملے وہ ضرور اس کے ساتھ ہوجائے اگرچہ اس کو برف پر گھسٹ کر چلنا پڑے۔

(ابن ماجہ)

(۱۵۷۹) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقْتَلُ عِنْدَ کِبَرِکُمْ ثَلَاثَۃٌ کُلُّهُمْ اِبْنُ خَلِیْفَۃٍ ثُمَّ لَا یَصِیْرُ اِلٰی وَاحِدٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّایَاتُ السُّوْدُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَیَقْتُلُوْنَکُمْ قَتْلًا لَمْ یَقْتُلْهُ قَوْمٌ ثُمَّ ذَکَرَ شَیْئًا لَا اَحْفَظُهٗ فَقَالَ اِذَا رَأَیْتُمُوْهُ فَبَایِعُوْهُ وَ لَوْ حَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ فَاِنَّهٗ خَلِیْفَۃُ اللّٰهِ الْمَهْدِیُّ.

(رواہ ابن ماجہ) قال السندھی اخرجہ ابو الحسن بْنُ سُفْیَانَ فِیْ مُسْنَدِهٖ وَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِیْ کِتَابِ الْمَهْدِیِّ مِنْ طَرِیْقِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سُوَیْدٍ الشَّامِیِّ. فِی الزَّوَائِدِ هٰذَا اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ وَ رَوَاهُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ)

(۱۵۷۹) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بڑھاپے میں تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے قتل ہوں گے پھر ان کے خاندان میں کسی کو امارت نہیں ملے گی پھر مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے نمایاں ہوں گے اور تم کو اس بری طرح سے قتل کریں گے کہ کسی قوم نے اس طرح قتل عام نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اور بیان فرمایا جو مجھ کو یاد نہیں ہے پھر فرمایا جب اس شخص کو تم دیکھو تو اس سے بیعت کرلینا اگرچہ برف کے اوپر گھسٹ کر چلنا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔ (ابن ماجہ)

(۱۵۸۰) عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّایَاتِ السُّوْدَ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ

(۱۵۸۰) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آرہے ہیں تو ان میں

www.besturdubooks.net

فَأْتُوْهَا وَ لَوْحَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّ فِيهَا خَلِيفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِيَّ رواه احمد و البيهقي في الدلائل و سنده صحيح كذافي الاذاعة. (ص ٦٨)

شامل ہو جانا اگر چہ برف کے اوپر گھٹنوں کے بل چلنا ہی کیوں نہ پڑے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔

(احمد و بیہقی)

(۱۵۸۱) عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِي عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُونُ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيُّ إِنْ قَصُرَ فَسَبْعٌ وَّ إِلَّا فَتِسْعٌ تَنْعَمُ أُمَّتِي فِيهِ نِعْمَةً لَمْ يَنْعَمُوا مِثْلَهَا قَطُّ. تُؤْتِي الْأَرْضُ أُكُلَهَا لَا تَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا. وَ الْمَالُ يَوْمَئِذٍ كُدَاسٌ. يَقُومُ الرَّجُلُ فَيَقُولُ يَامَهْدِيُّ أَعْطِنِي فَيَقُولُ خُذْ.

(۱۵۸۱) ابوالصدیق ناجی بیان کرتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں مہدی ہوگا جو کم سے کم سات سال ورنہ نو سال تک رہے گا۔ ان کے زمانے میں میری امت اتنی خوش حال ہوگی کہ اس سے قبل کبھی ایسی خوش حال نہ ہوئی ہوگی۔ زمین اپنی ہر قسم کی پیداوار ان کے لیے نکال کر رکھ دے گی اور کچھ بچا کر نہ رکھے گی اور مال اس زمانے میں کھلیان میں اناج کے ڈھیر کی طرح پڑا ہوگا حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا اے مہدی! مجھے کچھ دیجئے۔ وہ فرمائیں گے (جتنا مرضی میں آئے) اُٹھالے۔ (مستدرک)

(رواه الحاكم في المستدرك و اخرج حديث ابي سعيد من طرق متعددة و حكم على بعضها بانه على شرط الشيخين و رواه ابن ماجة و فيه زيد العمي ج ٤ ص ٥٥٨)

(۱۵۸۲) عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ خَشِينَا أَنْ يَكُونَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعِيشُ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ تِسْعًا زَيْدٌ الشَّاكُّ قَالَ قُلْنَا وَ مَا ذَاكَ قَالَ سِنِينَ قَالَ فَيَجِيءُ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَيَقُولُ يَا مَهْدِيُّ أَعْطِنِي أَعْطِنِي قَالَ فَيَحْثِي لَهُ فِي ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ.

(۱۵۸۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وقوع حوادث کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے بعد کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مہدی ہوگا جو پانچ یا سات یا نو تک حکومت کرے گا (زید راوئ حدیث کو ٹھیک مدت میں شک ہے) میں نے پوچھا کہ اس عدد سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا ''سال'' ان کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ایک شخص ان سے آ کر سوال کرے گا اور کہے گا کہ اے مہدی! مجھ کو کچھ دیجئے مجھ کو کچھ دیجئے۔ یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی ہاتھ بھر بھر کر اس کو اتنا مال دے دیں گے جتنا اس سے اٹھ سکے گا۔ (ترمذی)

(رواه الترمذي و قال هذا حديث حسن و قدروى من غير وجه عن ابي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم و ابو الصديق الناجي اسمه بكر بن عمرو و يقال بكر بن قيس. و في اسناده زيد العمي و روى البزار نحوه و رجاله ثقات كما في الاذاعة (ترمذي ج ٢ ص ٤٦)

(۱۵۸۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ

(۱۵۸۳) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

www.besturdubooks.net

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِي الْمَهْدِيُّ. يَسْقِيْهِ اللّٰهُ الْغَيْثَ وَ تُخْرِجُ الْاَرْضُ نَبَاتَهَا وَ يُعْطِي الْمَالَ صِحَاحًا وَ تَكْثُرُ الْمَاشِيَةُ وَ تَعْظُمُ الْاُمَّةُ وَ يَعِيْشُ سَبْعًا اَوْ ثَمَانِيًا يَعْنِيْ حِجَجًا.

علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک شخص مہدی ظاہر ہوگا جس کے دور میں اللہ تعالیٰ خوب بارش نازل فرمائے گا اور زمین کی پیداوار بھی خوب ہوگی اور مال حصہ رسد سب کو برابر تقسیم کرے گا اور مویشیوں کی کثرت ہو جائے گی اور امت کو بہت عظمت حاصل ہوگی سات یا آٹھ سال تک اسی فراوانی سے رہے گا - راوی کہتا ہے کہ سات یا آٹھ سے آپ کی مراد ''سال'' تھے -

(اخرجه الحاكم في المستدرك و فيه سيمان بن عبيد ذكره ابن حبان في الثقات و لم يروان احد اتكلم فيه. كذا في الاذاعة)

(۱۵۸۴) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُبَشِّرُكُمْ بِالْمَهْدِيِّ يُبْعَثُ عَلٰى اخْتِلَافٍ مِّنَ النَّاسِ وَ زَلَازِلَ فَيَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَّ ظُلْمًا. يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَ سَاكِنُ الْاَرْضِ يَقْسِمُ الْمَالَ صِحَاحًا قِيْلَ مَا صِحَاحًا؟ قَالَ بِالسَّوِيَّةِ بَيْنَ النَّاسِ وَ يَمْلَاُ قُلُوْبَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) غِنًى وَ يَسَعُهُمْ عَدْلُهُ حَتّٰى يَاْمُرَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ مَنْ لَهُ فِيْ مَالٍ حَاجَةٌ؟ فَمَا يَقُوْمُ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ. فَيَكُوْنُ كَذٰلِكَ سَبْعَ سِنِيْنَ.

(۱۵۸۴) ابو سعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''میں تم کو مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو ایسے زمانے میں ظاہر ہوں گے جب کہ لوگوں میں بڑا اختلاف ہوگا اور بڑے زلزلے آئیں گے وہ آکر پھر زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسا کہ وہ ان کی آمد سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی - آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے اور مال تقسیم کریں گے صحاحاً - سوال کیا گیا صحاح کے معنی کیا ہیں؟ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کے ساتھ سب میں برابر (مال تقسیم کریں گے) اور امتِ محمدیہؐ کے دل غنا سے بھر دیں گے اس کا انصاف بلا تخصیص سب میں عام ہوگا (اس کے زمانے میں فراغت کا یہ عالم ہوگا کہ) وہ ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیں گے وہ اعلان کرے گا' کسی کو مال کی ضرورت باقی ہے؟ تو صرف ایک شخص کھڑا ہوگا اسی حالت پر سات سال کا عرصہ گزرے گا - (احمد' ابو یعلی)

(قال السيوطي في الحاوي رواه احمد في مسنده و ابو يعلي بسند جيد. وفي الاذاعة رجالهما ثقات)

(۱۵۸۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ خَلِيْلِيْ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَيَضْرِبُهُمْ حَتّٰى يَرْجِعُوْا اِلَى الْحَقِّ قَالَ قُلْتُ وَ كَمْ يَمْلِكُ قَالَ خَمْسًا وَ اثْنَيْنِ قَالَ قُلْتُ وَمَا خَمْسًا وَّاثْنَيْنِ. قَالَ لَا اَدْرِيْ. (اخرجه ابو يعلي وفيه الرجا

(۱۵۸۵) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے خلیل ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا (ابو القاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے) قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہو - وہ اہل دنیا کو زبردستی راہِ حق پر قائم کرے گا - راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا اس کی حکومت کتنے دن قائم رہے گی انہوں نے فرمایا پانچ اور دو (یعنی سات) یہ کہتے ہیں میں نے پوچھا

www.besturdubooks.net

ابن الرجا. و ثقه ابوزرعة. وضعفه ابن معين. و بقية رجاله ثقات. قاله الشوكاني كذا في الاذاعة)

(۱۵۸۶) عَنْ يُسَيْرِ بْنِ جَابِرٍ قَالَ هَاجَتْ رِيْحٌ حَمْرَاءُ بِالْكُوْفَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ لَيْسَ لَهُ هِجِّيْرَى اِلَّا يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ جَاءَتِ السَّاعَةُ قَالَ فَقَعَدَ وَ كَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ اِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ حَتّٰى لَا يُقْسَمَ مِيْرَاثٌ وَ لَا يُفْرَحَ بِغَنِيْمَةٍ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَنَحَّاهَا نَحْوَ الشَّامِ فَقَالَ عَدُوٌّ يَجْمَعُوْنَ لِاَهْلِ الشَّامِ وَ يَجْمَعُ لَهُمْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ قُلْتُ الرُّوْمَ تَعْنِىْ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَ يَكُوْنُ عِنْدَ ذَاكُمُ الْقِتَالُ رِدَّةٌ شَدِيْدَةٌ فَيَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَاتَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَ تَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَاتَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَ تَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يُمْسُوْا فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَ تَفْنَى الشُّرْطَةُ فَاِذَا كَانَ الْيَوْمُ الرَّابِعُ نَهَدَ اِلَيْهِمْ بَقِيَّةُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَيَجْعَلُ اللّٰهُ الدَّابِرَةَ عَلَيْهِمْ فَيَقْتَتِلُوْنَ مَقْتَلَةً اِمَّا قَالَ لَا يُرٰى مِثْلُهَا وَ اِمَّا قَالَ لَمْ يُرَ مِثْلُهَا حَتّٰى اَنَّ الطَّائِرَ لَيَمُرُّ بِجَنْبَاتِهِمْ فَمَا يُخَلِّفُهُمْ حَتّٰى يَخِرَّ مَيِّتًا فَيَتَعَادُّ بَنُو الْاَبِ كَانُوْا مِائَةً فَلَا يَجِدُوْنَهٗ بَقِيَ مِنْهُمْ اِلَّا الرَّجُلُ الْوَاحِدُ فَبِاَىِّ غَنِيْمَةٍ يُفْرَحُ اَوْاَىُّ

۵ اور ۲ کیا؟ انہوں نے کہا یہ میں نہیں جانتا (کہ مراد سات سال تھے یا مہینے' گزشتہ روایات سے یہ واضح ہو چکا ہے یہاں سال ہی مراد ہیں)۔ (مسند ابویعلی)

(۱۵۸۶) یسیر بن جابر سے روایت ہے ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا اے عبداللہ بن مسعودؓ قیامت آ ئی یہ سن کر عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ گئے اور پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہو گی۔ یہاں تک کہ ترکہ نہ بٹے گا اور مال غنیمت سے کچھ خوشی نہ ہو گی (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو مال غنیمت کی کیا خوشی ہو گی) پھر شام کے ملک کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور کہا (نصاریٰ) دشمن مسلمانوں سے جنگ کے لیے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لیے جمع ہوں گے میں نے کہا دشمن سے آپ کی مراد نصاریٰ ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں'' اور اس وقت لڑائی شروع ہو گی مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کی شرط لگا کر آگے بڑھے گا یعنی اس قصد سے لڑے گا کہ یا مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے پھر دونوں لشکروں میں جنگ ہو گی یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائے گی کسی کو غلبہ نہ ہو گا اور جو لشکر لڑائی کے لیے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا (یعنی سب مارا جائے گا) دوسرے دن پھر مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لیے اور غالب ہونے کے لیے جائے گا اور لڑائی ہوتی رہے گی یہاں تک کہ رات ہو جائے گی پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہو گا جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ فنا ہو جائے گا پھر تیسرے دن مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے' مرنے یا غالب ہونے کی نیت سے اور شام تک لڑائی رہے گی پھر دونوں کی طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہو گا اور وہ لشکر بھی فنا ہو جائے گا۔ جب چوتھا دن ہو گا تو جتنے مسلمان باقی رہ جائیں گے وہ سب آگے بڑھیں گے' اس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہو گی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔ (راوی کو لفظ میں شک ہے) یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کی نعشوں سے پرواز کرے گا پر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا (یعنی اس کثرت کے ساتھ لاشیں ہی لاشیں ہو جائیں گی)

www.besturdubooks.net

مِيْرَاثٌ يُقَاسَمُ فَيْنَاهُمْ كَذَالِكَ اِذْ سَمِعُوْا بِبَأْسٍ هُوَ اَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ فَجَاءَهُمُ الصَّرِيْخُ اِنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَلَفَهُمْ فِيْ ذَرَارِيْهِمْ فَيَرْفُضُوْنَ مَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَ يَقْبَلُوْنَ فَيَبْعَثُوْنَ عَشْرَ فَوَارِسَ طَلِيْعَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْرِفُ اَسْمَاءَهُمْ وَ اَسْمَاءَ اٰبَاءِهِمْ وَ اَلْوَانَ خُيُوْلِهِمْ هُمْ خَيْرُ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ اَوْمِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ.

(رواہ مسلم)

اور جب ایک دادا کی اولاد کی مردم شماری کی جائے گی تو ۹۹ فیصدی آدمی مارے جا چکے ہوں گے اور صرف ایک بچا ہوگا ایسی حالت میں کون سے مال غنیمت سے خوشی ہوگی اور کون سا ترکہ تقسیم ہوگا- پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے اور وہ یہ کہ شور مچے گا کہ ان کے بال بچوں میں دجال آ گیا ہے یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوگا سب چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اور دس سواروں کو لین ڈوری کے طور پر روانہ کریں گے (تاکہ دجال کی خبر کی تحقیق کر کے لائیں) رسول اللہؐ نے فرمایا میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی جانتا ہوں وہ اس وقت تمام روئے زمین کے بہتر سوار ہوں گے یا بہتر سواروں میں سے ہوں گے- (مسلم)

(۱۵۸۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ سَمِعْتُمْ بِمَدِيْنَةٍ جَانِبٌ مِنْهَا فِي الْبَرِّ وَ جَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَحْرِ قَالُوْا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَغْزُوْهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنْ بَنِيْ اِسْحَاقَ فَاِذَا جَاءُوْهَا نَزَلُوْا فَلَمْ يُقَاتِلُوْا بِسِلَاحٍ وَ لَمْ يَرْمُوْا

(۱۵۸۷) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں اور دوسری جانب سمندر میں ہے؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سنا ہے- آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ بنو اسحاق کے ستر ہزار مسلمان اس پر چڑھائی نہ کریں جب وہ اس شہر کے پاس جا کر اتریں گے تو نہ کسی ہتھیار سے لڑیں گے نہ کوئی تیر چلائیں گے بلکہ ایک نعرہ

(۱۵۸۷) ✱ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قسطنطنیہ کا ہے- یہاں نعرۂ تکبیر سے شہر کے فتح ہو جانے پر تعجب کرنے والے مسلمان ذرا غور وفکر کے ساتھ ایک بار اپنی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ اس قسم کے عجائبات سے معمور ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی غیبی امدادیں ان کے ساتھ نہ ہوتیں تو اس زمانے میں جب کہ نہ دخانی جہاز تھے نہ فضائی طیارے اور نہ موٹر پھر ربع مسکوں میں اسلام کو پھیلا دینا یہ کیسے ممکن تھا آج جب کہ مادی طاقتوں نے سیر وسیاحت کا مسئلہ بالکل آسان کر دیا ہے جس حصہ زمین میں ہم پہنچتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا- علاء بن حضرمی صحابی اور ابو مسلم خولانی کا مع اپنی فوج کے سمندر کو خشکی کی طرح عبور کر جانا تاریخ کا واقعہ ہے خالد بن ولید کے سامنے مقام حیرہ میں زہر کا پیالہ پیش ہونا اور ان کا بسم اللہ کہہ کر نوش کر لینا اور اس کا نقصان نہ کرنا بھی تاریخ کی ایک حقیقت ہے- سفینہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کا نام ہے) کا روم میں ایک جگہ گم ہو جانا اور ایک شیر کا گردن جھکا کر ان کو لشکر تک پہنچانا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ میں منبر پر اپنے جنرل ساریہ کو آواز دینا اور مقام نہاوند میں ان کا سن لینا- اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہو جانا یہ تمام تاریخ کے مستند حقائق ہیں ان واقعات کے سوا جو بسلسلہ سند ثابت ہیں ہندوستان کے بہت سے عجیب واقعات ایسے بھی ثابت ہیں جن میں سے کسی کسی کی شہادت تو انگریزوں کی زبان سے بھی ثابت ہے-

www.besturdubooks.net

بینھم قالوا لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر فیسقط احد جانبیھا قال ثور ابن یزید الراوی لا اعلمہ الا قال الذی فی البحر ثم یقولون الثانیۃ لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر فیسقط جانبھا الاٰخر ثم یقولون الثالثۃ لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر فیفرج لھم فیدخلونھا فیغنمون فبینا ھم یقتسمون المغانم اذ جاء ھم الصریخ ان الدجال قد خرج فیترکون کل شیء و یرجعون. (رواہ مسلم)

تکبیر لگائیں گے جس کی برکت سے شہر کی ایک جانب گر پڑے گی تو ابن یزید جو اس حدیث کا ایک راوی ہے کہتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے بیان کرنے والے نے اس جانب کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ وہ جانب سمندر کے رخ والی ہوگی اس کے بعد پھر دوبارہ نعرۂ تکبیر لگائیں گے تو اس کی دوسری جانب بھی گر جائے گی' اس کے بعد جب تیسری بار نعرۂ تکبیر بلند کریں گے تو دروازہ کھل جائے گا اور وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اس درمیان میں کہ وہ مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ آواز آئے گی دیکھو وہ دجال نکل پڑا' یہ سنتے ہی وہ سب مال و متاع چھوڑ کر لوٹ پڑیں گے۔ (مسلم)

(۱۵۸۸) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخیس الروم علی وال من عترتی یواطیء اسمہ اسمی فیقتلون بمکان یقال لہ العماق فیقتلون فیقتل من المسلمین الثلث او نحو ذلک ثم یقتلون الیوم الاٰخر فیقتل من المسلمین نحو ذلک ثم یقتلون الثالث فیکرون اھل الروم فلا یزالون حتی یفتحون القسطنطنیۃ فبینما ھم یقتسمون فیھا بالاترآس اذ اتاھم صارخ ان الدجال قد خلفکم فی ذراریکم.

(۱۵۸۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رومی میرے خاندان کے ایک والی سے عہد شکنی کریں گے جس کا نام میرے ہی نام کی طرح ہوگا پھر وہ عماق نامی جگہ پر جنگ کریں گے اور مسلمانوں کا تہائی لشکر یا تقریباً اتنا ہی شہید کر دیا جائے گا۔ پھر دوسرے دن جنگ کریں گے اور اتنی ہی مقدار شہید کر دی جائے گی پھر تیسرے دن جنگ کریں گے اور مسلمان پلٹ کر رومیوں پر حملہ آور ہوں گے اور جنگ کا یہ سلسلہ قائم رہے گا حتیٰ کہ وہ قسطنطنیہ فتح کر لیں گے پھر اس دوران میں کہ وہ ڈھالیں بھر بھر کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ ایک آواز لگانے والا یہ آواز لگائے گا کہ دجال تمہاری اولاد کے پیچھے لگ گیا ہے۔

(اخرجہ الخطیب فی المتفق و المفترق کذا فی الاذاعۃ ص ۶۲)

(۱۵۸۹) عن ابی امامۃ مرفوعا قال ستکون بینکم و بین الروم اربع ھدن یوم الرابعۃ علی ید رجل من اٰل ھارون یدوم سبع سنین قیل یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من امام الناس یومئذ قال من ولدی ابن اربعین سنۃ کان وجھہ کوکب دری فی خدہ الا

(۱۵۸۹) ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اور روم کے درمیان چار مرتبہ صلح ہوگی۔ چوتھی صلح ایسے شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو آل ہارون سے ہوگا اور یہ صلح سات سال تک برابر قائم رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کا امام کون شخص ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص میری اولاد میں سے ہوگا جس کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ اس کا چہرہ ستارہ کی

www.besturdubooks.net

يَمَنِ خَالٌ اَسْوَدُ عَلَيْهِ عَبَايَتَانِ قَطْوَانِيَّتَانِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ يَمْلِكُ عَشْرَ سِنِيْنَ يَسْتَخْرِجُ الْكُنُوْزَ وَ يَفْتَحُ مَدَائِنَ الشِّرْكِ.
(رواہ الطبرانی کما فی الکنز ج ۷ ص ۱۸۷)

طرح چمکدار ہوگا' اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا' اور دو قطوانی عبائیں پہنے ہوگا' بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا شخص' دس سال حکومت کرے گا' زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا۔
(طبرانی شریف)

(۱۵۹۰) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَ هُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ. مَوْتِيْ. ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدَسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ يَاْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ. ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقٰى بَيْتٌ مِّنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ بَنِي الْاَصْفَرِ فَيَغْدِرُوْنَ فَيَاْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا. (رواہ البخاری)

(۱۵۹۰) عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ باتیں گن رکھو سب سے پہلے میری وفات' پھر بیت المقدس کی فتح پھر تم میں عام موت ظاہر ہوگی جس طرح کہ بکریوں میں وبائی مرض پھیل جائے (اور ان کی تباہی کا باعث بن جائے) پھر مال کی بہتات ہوگی حتیٰ کہ ایک شخص کو سو سو دینار دیئے جائیں گے اور وہ خوش نہ ہوگا پھر فتنہ و فساد پھیل پڑے گا اور عرب کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہے گا پھر صلح کی زندگی ہوگی اور یہ تمہارے اور بنی الاصفر (رومیوں) کے درمیان قائم رہے گی پھر وہ تم سے عہد شکنی کریں گے اور اسی جھنڈوں کے ساتھ تم چڑھائی کریں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر ہوگا۔

(۱۵۹۰) ٭ اس حدیث میں قیامت سے قبل چھ علامات کا ذکر کیا گیا ہے جن کی تعیین میں اگرچہ بہت کچھ اختلافات ہیں اور ان کے ابہام کی وجہ سے ہونے بھی چاہئیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث مذکور کے بعض الفاظ حضرت امام مہدی کے خروج کی علامات سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ اگر ان کو ادھر ہی اشارہ قرار دے دیا جائے تو ایک قریبی احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے اس لیے اس حدیث کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بحث میں لکھ دیا گیا ہے' یہ لحاظ کیے بغیر کہ محقق ابن خلدون اور ان کے اذناب اس کے معتقد ہیں یا نہیں۔

تنبیہ: یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ علماء کے نزدیک مفہوم عدد معتبر نہیں ہے اس لیے مجھ کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت سے قبل اس کے ظہور کی چھ علامات ہیں یا بیش و کم. یہ وقت اور علامات کی حیثیت شمار کرنے سے مختلف ہوسکتی ہیں ان کا کسی حیثیت سے چھ ہونا بھی ممکن ہے اور کسی لحاظ سے وہ کم اور زیادہ بھی ہوسکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وقتی لحاظ سے جن علامات کو آپؐ نے یہاں شمار کرایا ہے ان کا عدد کسی خصوصیت پر مشتمل ہو۔ یہ بات صرف یہاں نہیں بلکہ دیگر حدیثوں کے موضوع میں بھی اگر آپ کے پیش نظر رہے تو بہت سی مشکلات کے لیے موجب حل ہوسکتی ہے جیسا کہ فضل اعمال کی حدیثوں میں اختلاف ملتا ہے اور اس کو بہت پیچیدگیوں میں ڈال دیا گیا ہے حالانکہ یہ اختلاف بھی صرف وقتی اور شخصی اختلاف کے لحاظ سے پیدا ہو جانا بہت قرین قیاس ہے۔ مگر کیا کہا جائے منطقی عادات نے ہماری ذہنی ساخت کو بدل دیا ہے۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔

www.besturdubooks.net

(۱۵۹۱) عَنْ ذِیْ مخبر (ھوا بن اخی النجاشی خادم رسول الله صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ سَتُصَالِحُوْنَ الرُّوْمَ صُلْحًا اٰمِنًا فَتَغْزُوْنَ اَنْتُمْ وَ هُمْ عَدُوًّا مِّنْ وَّرَائِكُمْ فَتُنْصَرُوْنَ وَ تَغْنِمُوْنَ حَتّٰی تَنْزِلُوْا بِمَرْجٍ ذِیْ تُلُوْلٍ فَیَرْفَعُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ النَّصْرَانِیَّةِ الصَّلِیْبَ فَیَقُوْلُ غَلَبَ الصَّلِیْبُ فَیَغْضَبُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَیَدُقُّهٗ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَغْدِرُ الرُّوْمُ وَ تَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَةِ. (رواہ ابو داؤد)

(۱۵۹۱) ذی مخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ تم روم سے صلح کرو گے پوری صلح اور دونوں مل کر اپنے دشمن سے جنگ کرو گے اور تم کو کامیابی ہوگی اور مال غنیمت ملے گا یہاں تک کہ جب ایک زمین پر آ کر لشکر اترے گا جس میں ٹیلے ہوں گے اور سبزہ ہوگا تو ایک شخص نصرانیوں میں سے صلیب اونچی کر کے کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا' اس پر ایک مسلمان کو غصہ آ جائے گا وہ اس صلیب کو لے کر توڑ ڈالے گا اور اس وقت نصاریٰ غداری کریں گے اور جنگ عظیم کے لیے سب ایک محاذ پر جمع ہو جائیں گے۔ (ابوداؤد)

(۱۵۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ. (رواہ الشیخان) وَ فِیْ لفظ لمسلم فَاَمَّکُمْ و فی لفظته اخری فامکم منکم.

(۱۵۹۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم علیہا السلام اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام وہ شخص ہوگا جو خود تم میں سے ہوگا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کے ایک لفظ میں ہے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہوگا اور اس وقت کی نماز میں تمہارا امام وہی ہوگا۔

(۱۵۹۲) * حدیث مذکور میں "وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" کی شرح بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمد یہ ہی پر عمل فرمائیں گے اس لحاظ سے گویا وہ ہم ہی میں سے ہوں گے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے زمانے میں نازل ہوں گے جب کہ ہمارا امام خود ہم ہی میں کا ایک شخص ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں امامت سے مراد امامت کبریٰ یعنی امیر و خلیفہ ہے۔

اس مضمون کے ساتھ صحیح مسلم میں فَیَقُوْلُ اَمِیْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا کا دوسرا مضمون بھی آیا ہے یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نماز کا وقت ہوگا اور امام مصلے پر جا چکا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ امام پیچھے ہٹنے کا ارادہ کرے گا اور عرض کرے گا آپ آگے تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو امامت کا حکم فرمائیں گے اور یہ نماز خود اسی کے پیچھے ادا فرمائیں گے یہاں امامت سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کا امام مراد ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں مضمون بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح علیحدہ علیحدہ منقول ہوئے ہیں' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لفظ "وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ" سے پہلا مضمون مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں مسلمانوں کا امیر ایک نیک شخص ہوگا جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں اس کی وضاحت آ چکی ہے ملاحظہ فرمایئے ترجمان السنہ ج ۴ ص ۵۸۶ اس میں وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی بجائے وَاِمَامُکُمْ "رجل صالح" صاف موجود ہے یعنی تمہارا امام ایک مرد صالح ←.....

www.besturdubooks.net

(۱۵۹۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْمَهْدِيُّ يَنْزِلُ عَلَيْهِ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَ يُصَلِّيْ خَلْفَهُ عِيْسٰى .(اخرجه نعيم بن حماد كذافى الحاوى ج ٢ ص ٧٨)

(۱۵۹۳) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام امام مہدی علیہ السلام کے بعد نازل ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پیچھے (ایک) نماز ادا فرمائیں گے۔
(ابونعیم)

(۱۵۹۴) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ (الْخُدْرِيِّ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مِنَّا الَّذِىْ يُصَلِّىْ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ خَلْفَهُ.
اخرجه ابو نعيم كذافى الحاوى ج٢ ص ٦٤.

(۱۵۹۴) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی امت میں سے ایک شخص ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اقتداء فرمائیں گے۔
(ابونعیم)

(۱۵۹۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِىْ تُقَاتِلُ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ يَنْزِلُ عَلَى الْمَهْدِيِّ فَيُقَالُ تَقَدَّمْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَصَلِّ بِنَا

(۱۵۹۵) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک طائفہ حق کے لیے ہمیشہ مقابلہ کرتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی کی موجودگی میں بیت مقدس میں طلوع فجر کے وقت اتریں گے ان سے عرض کیا جائے گا یا نبی اللہ آگے تشریف لایئے اور ہم کو نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے یہ امت خود ایک دوسرے

..... ہوگا۔ اب بعد میں کسی راوی نے اس کو دوسری روایت پر حمل کرکے امام سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت مراد لے لی ہے اور اس لیے اس کو بلفظ اَمَّکُمْ ادا کردیا ہے اس کے بعد کسی نے اس کے ساتھ "مِنْکُمْ" کا لفظ اور اضافہ کردیا ہے اور جب اَمَّکُمْ کے ساتھ لفظ مِنْکُمْ کی مراد واضح نہ ہوسکی تو پھر اس کی تاویل شروع ہوگئی ہے ورنہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کا اصل لفظ بالکل واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اجمال نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی قوی حدیث نے اس کی پوری تشریح بھی کردی ہے۔ لہٰذا جب صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ متعین ہوگیا کہ امام سے امیر و خلیفہ مراد ہے تو اب بحث طلب بات صرف یہ رہتی ہے کہ یہ امام اور رجل صالح کیا وہی امام مہدی ہی ہیں یا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس امام اور رجل صالح سے مراد وہی امام مہدی ہیں تو پھر امام مہدی کی آمد کا ثبوت خود صحیحین میں ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اب آپ وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ مذکور ہے کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہی ہیں۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں کسی امام عادل کا موجود ہونا جب صحیحین سے ثابت ہے اور اس دعوے کے لیے کوئی ضعیف حدیث بھی موجود نہیں کہ وہ امام 'امام مہدی' نہ ہوں گے بلکہ کوئی اور امام ہوگا تو اب اس امام کے امام مہدی ہونے کے انکار کے لیے کوئی معقول وجہ نہیں ہے بالخصوص جب کہ دوسری روایات میں اس کے امام مہدی ہونے کی تصریح موجود ہے۔ اسی کے ساتھ جب صحیح مسلم کی حدیثوں میں اس امام کے صفات وہی ہیں جو حضرت امام مہدی کی صفات ہیں تو پھر ان حدیثوں کو بھی امام مہدی کی آمد کا ثبوت تسلیم کرلینا چاہیے۔ اس کے علاوہ حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اگرچہ بلحاظ اسناد ضعیف سہی لیکن صحیح و حسن حدیثوں کے ساتھ ملاکر وہ بھی امام مہدی کی آمد کی حجت کہا جاسکتا ہے۔

www.besturdubooks.net

فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ اُمَرَاءُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (اخرجه ابو عمر الدانی فی سننه الحاوی ج ۲ ص ۸۳ و رواه مسلم ایضا و لکن فیه فینزل عیسی بن مریم فیقول امیرهم تعال صل لنا. کما فی ترجمان السنه ج ۳ ص ۵۸۸)

کے لیے امیر ہے (اس لیے اس وقت کی نماز تو یہی پڑھائیں) یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے مگر اس میں "مہدی" کی بجائے امیرھم کا لفظ یعنی مسلمانوں کا امیر عرض کرے گا کہ آپ ہم کو نماز پڑھا دیجئے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب مذکور ہے۔

(مسلم والحاوی)

(۱۵۹۶) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْتَفِتُ الْمَهْدِيُّ وَقَدْ نَزَلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ كَاَنَّمَا يَقْطُرُ مِنْ شَعْرِهِ الْمَاءُ فَيَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ تَقَدَّمْ صَلِّ بِالنَّاسِ فَيَقُوْلُ عِيْسَى اِنَّمَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ لَكَ فَيُصَلِّيْ خَلْفَ رَجُلٍ مِّنْ وُّلْدِيْ. (اخرجه ابو عمر الدانی فی سننه کذافی الحاوی ج ۲ ص ۸۱)

(۱۵۹۶) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتر چکے ہوں گے ان کو دیکھ کر یوں معلوم ہوگا گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے اس وقت امام مہدی ان کی طرف مخاطب ہو کر عرض کریں گے تشریف لائیے اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے اس نماز کی اقامت تو آپ کے لیے ہو چکی ہے اور نماز تو آپ ہی پڑھائیں چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یہ نماز میری اولاد میں سے ایک شخص کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔

(۱۵۹۷) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمُ الْمَهْدِيُّ تَعَالَ صَلِّ بِنَا فَيَقُوْلُ وَ اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ.

(۱۵۹۷) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور لوگوں کے امیر مہدی فرمائیں گے کہ آیئے اور ہم کو نماز پڑھایئے وہ جواب دیں گے کہ تم ہی میں سے ایک دوسرے کا امیر ہے اور یہ اس امت کا اعزاز ہے۔

(اخرجه السیوطی فی الحاوی ج ۲ ص ۶۴ عن ابی نعیم)

(۱۵۹۸) عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ الْمَهْدِيُّ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ هُوَ الَّذِيْ يَؤُمُّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ.

(۱۵۹۸) ابن سیرین سے روایت ہے کہ مہدی اسی امت سے ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی امامت انجام دیں گے۔

(اخرجه ابن ابی شیبة کذا فی الحاوی ج ۲ ص ۶۵)

(۱۵۹۹) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذَكَرَ الدَّجَّالَ. وَ قَالَ فَتَنْفِي الْمَدِيْنَةُ الْخَبَثَ مِنْهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَ يُدْعٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمُ الْخَلَاصِ فَقَالَتْ اُمُّ شَرِيْكٍ فَاَيْنَ الْعَرَبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ. قَالَ هُمْ يَوْمَئِذٍ

(۱۵۹۹) ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ گندگی کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح کہ بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے اور یہ دن یوم الخلاص (پاک اور ناپاک کی جدائی کا دن) کہلائے گا۔ ام شریک نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عرب کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ان کی تعداد کم ہوگی

www.besturdubooks.net

قَلِيلٌ وَ جُلُّهُمْ بَيْتُ الْمَقْدِسِ وَ اِمَامُهُمُ الْمَهْدِيُّ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَيْنَمَا اِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ اِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذٰلِكَ الْاِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي الْقَهْقَرٰى لِيَتَقَدَّمَ عِيسَى فَيَضَعُ عِيسَى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهُ تَقَدَّمْ فَاِنَّهَا لَكَ اُقِيْمَتْ فَيُصَلِّي بِهِمْ اِمَامُهُمْ.

اور ان میں بیشتر بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کے امام ایک مرد صالح مہدی ہوں گے۔ وہ ایک نیک انسان ہوں گے' وہ ایک دن صبح کی نماز کی امامت کے لیے آگے بڑھیں گے کہ عیسٰی علیہ السلام کا نزول ہو جائے گا اور یہ امام (مہدی علیہ السلام) الٹے پاؤں لوٹیں گے تاکہ عیسٰی علیہ السلام (امامت کے لیے) آگے بڑھیں پھر عیسٰی علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے شانوں کے درمیان رکھ دیں گے اور فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھیے اور یہ آپ ہی کے لیے اقامت کہی گئی ہے اور ان کے امام (مہدی علیہ السلام) نماز پڑھائیں گے۔

(اخرجه ابن ماجه و الرویانی و ابن خزیمة و ابو عوانة و الحاکم و ابو نعیم و اللفظ له کذافی الحاوی ج ۲ ص ۶۵)

(۱۶۰۰) عَنْ اَبِي نَضْرَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ يُوْشِكُ اَهْلُ الْعِرَاقِ اَنْ لَّا يَجِيْءَ اِلَيْهِمْ قَفِيْزٌ وَ لَا دِرْهَمٌ قُلْنَا مِنْ اَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُوْنَ ذَاكَ ثُمَّ قَالَ يُوْشِكُ اَهْلُ الشَّامِ اَنْ لَّا يَجِيْءَ اِلَيْهِمْ دِيْنَارٌ وَ لَا مُدْيٌ اَيْ مُدٌّ قُلْنَا لَهُ مِنْ اَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الرُّوْمِ ثُمَّ سَكَتَ هُنَيْهَةً ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَ لَا يَعُدُّهُ عَدًّا قِيْلَ لِاَبِيْ نَضْرَةَ وَ اَبِي الْعَلَاءِ اَتَرَيَانِ اَنَّهُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ لَا. (رواه مسلم)

(۱۶۰۰) ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبداللہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ اہل عراق کو نہ غلہ ملے گا نہ پیسہ۔ ہم نے دریافت کیا یہ مصیبت کس کے سبب سے آئے گی انہوں نے فرمایا عجم کے سبب سے' وہ نہ غلہ آنے دیں گے نہ پیسہ' پھر فرمایا عنقریب ایک وقت آئے گا کہ اہل شام کو نہ دینار ملے گا نہ کسی قسم کا ذرا سا غلہ ہم نے ان سے پوچھا یہ مصیبت کدھر سے آئے گی؟ فرمایا روم کی جانب سے۔ یہ فرما کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے اس کے بعد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ ابونضرہ سے جو صحابی سے حدیث کا راوی ہے اور ابوالعلاء سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے کیا اس خلیفہ کا مصداق عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں؟ ان دونوں نے بالاتفاق جواب دیا: نہیں۔ (مسلم شریف)

(۱۶۰۱) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَ لَا يَعُدُّهُ عَدًّا. (رواه مسلم)

(۱۶۰۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔

(مسلم شریف)

(۱۶۰۱) * صحیح مسلم کی مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ایک خلیفہ کے دور میں مال کی خاص بہتات کا تذکرہ ہے اور ابونضرہ کی ﷜ .....

www.besturdubooks.net

خروج السفياني وهلاكه مع جنوده بالبيداء

(۱۶۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ السُّفْيَانِيُّ فِيْ عُمْقِ دِمَشْقَ وَ عَامَّةُ مَنْ يَّتْبَعُهُ مِنْ كَلْبٍ فَيَقْتُلُ حَتّٰى يَبْقُرَ بُطُوْنَ النِّسَاءِ وَ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ فَتَجْمَعُ لَهُمْ قَيْسٌ فَيَقْتُلُهَا حَتّٰى لَا يَمْنَعُ ذَنَبَ تَلْعَةٍ وَ يَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فِي الْحَرَّةِ فَيَبْلُغُ السُّفْيَانِيَّ فَيَبْعَثُ اِلَيْهِ جُنْدًا مِنْ جُنْدِهٖ فَيَهْزِمُهُمْ فَيَسِيْرُ اِلَيْهِ السُّفْيَانِيُّ بِمَنْ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا صَارَ بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ فَلَا يَنْجُوْ مِنْهُمْ اِلَّا الْمُخْبِرُ عَنْهُمْ.

(رواه الحاكم كذافى الحاوى ج ۲ ص ۶۵)

(۱۶۰۳) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجَبُ اَنَّ اُنَاسًا مِنْ اُمَّتِيْ يَؤُمُّوْنَ الْبَيْتَ لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَدْ لَجَاَ بِالْبَيْتِ حَتّٰى كَانُوْا بِالْبَيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ فِيْهِمُ الْمُسْتَنْفِرُ وَ الْمَجْبُوْرُ وَ ابْنُ السَّبِيْلِ يَهْلِكُوْنَ مَهْلَكًا وَاحِدًا وَ يَصْدُرُوْنَ مَصَادِرَ شَتّٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ. (رواه مسلم)

سفیانی کا نکلنا اور مقام بیداء میں اپنی فوج کے ساتھ ہلاک ہونا

(۱۶۰۲) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دمشق کی بستی پر ایک سفیانی شخص حملہ آور ہوگا جس کی عام طور پر اتباع کرنے والے قبیلہ کلب کے لوگ ہوں گے وہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور بچوں کو قتل کرے گا اس کے مقابلہ کے لیے قیس کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوں گے پھر وہ ان کو قتل کرے گا حتیٰ کے کسی ٹیلے کی گھاٹی ان کو بچانہ سکے گی اور میرے اہل بیت میں سے سنگستان مدینہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا اس سفیانی کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ اپنے لشکر میں سے ایک دستہ ان کے مقابلہ کے لیے روانہ کرے گا وہ شخص ان کو شکست دے گا اس پر سفیانی اپنے ہمراہیوں کو لے کر خود ان کے مقابلہ کے لیے چلے گا یہاں تک کہ جب بیداء کے میدان میں پہنچے گا تو سب زمین میں دھنس جائیں گے اور ان میں سے کوئی شخص بھی نہ بچے گا مگر صرف ایک شخص جو ان لوگوں کی خبر اپنی جماعت کو جا کر دے گا۔ (حاکم)

(۱۶۰۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ایسے قریشی شخص کے مقابلے کا قصد کریں گے جس نے بیت اللہ کی پناہ لے رکھی ہوگی اور میری امت ہی میں کے چند لوگ اس سے جنگ کا قصد کریں گے یہاں تک کہ جب بیداء میں پہنچیں گے تو سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے ان میں اپنی خوشی سے آنے والے اور زبردستی سے آنے والے اور مسافر سب ہی قسم کے لوگ ہوں گے یہ سب ایک ہی جگہ ہلاک ہو جائے گے مگر محشر میں اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھیں گے۔ (مسلم شریف)

لـه ..... حدیث میں اس خلیفہ کے مصداق کے متعلق بھی کچھ بحث ہے مگر ابونضرہ راوی حدیث اور ابوالعلاء کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا ضرب المثل عادل خلیفہ بھی نہیں بلکہ ان کے بعد کوئی اور خلیفہ ہے مگر جب امام ترمذی، امام احمد اور ابویعلی کی صحیح حدیثوں میں مال کی یہی بہتات تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ امام مہدی کے عہد میں ان کے نام کے ساتھ مذکور ہے تو پھر صحیح مسلم میں جس خلیفہ کا تذکرہ موجود ہے اس کا امام مہدی ہونا قطعی نہیں تو کیا ظنی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

www.besturdubooks.net

(۱۶۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْاَعْمَاقِ اَوْ بِدَابِقَ فَیَخْرُجَ اِلَیْهِمْ جَیْشٌ مِّنَ الْمَدِیْنَةِ مِنْ خِیَارِ اَهْلِ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍ فَاِذَا

(۱۶۰۴) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا قیامت نہ قائم ہو گی یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دابق میں اترے گا (یہ دونوں مقام حلب کے قریب ملک شام میں ہیں) تو مدینہ سے ایک ایسا لشکر نکلے گا جو اس وقت تمام روئے زمین میں افضل ہوگا۔ جب دونوں لشکر صف آرا ہو جائیں گے تو نصاریٰ کہیں گے تم ان مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ جنہوں

(۱۶۰۴) * سید برزنجیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے جس سے اس باب کے واقعات کی ترتیب پر کافی روشنی پڑتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام رومیوں کے ساتھ مل کر پہلے ایک بار رومیوں کے کسی دشمن سے جنگ کریں گے جس کے نتیجہ میں ان کی فتح ہوگی اور دشمن سے حاصل شدہ مال یہ دونوں باہم تقسیم کرلیں گے اس کے بعد پھر یہ دونوں مل کر فارس سے جنگ کریں گے اور پھر ان ہی کو فتح ہوگی۔ رومی مسلمانوں سے کہیں گے کہ جس طرح پہلی بار ہم نے مال غنیمت تقسیم کرکے تم کو دے دیا تھا اسی طرح اس بار تم بھی مال اور قیدی سب برابر تقسیم کرکے ہم کو دے دو۔ اس پر اہل اسلام حاصل شدہ مال اور مشرک قیدیوں کی تو تقسیم کرلیں گے مگر جو مسلمان قیدی ان کے پاس ہوں گے وہ تقسیم نہ کریں گے رومی کہیں گے کہ ہم سے جنگ کرنے اور ہمارے بچوں کو قید کرنے کے یہ بھی مجرم ہیں اس لیے ان کو بھی ہمارے حوالہ کرو مسلمان کہیں گے یہ نہیں ہوسکتا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کریں گے۔ رومی کہیں گے کہ یہ خلاف معاہدہ بات ہے آخر کار رومی صاحب رومیہ کے پاس یہ شکایت لے کر جائیں گے وہ اسی جھنڈے کا ایک بڑا لشکر سمندری راہ سے ان کے ہمراہ کردے گا جس کے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار سپاہی ہوں گے۔ یہ لشکر شام کا تمام ملک فتح کرلے گا صرف دمشق اور معتق کا پہاڑ بچ رہے گا اور بیت مقدس کو برباد کر ڈالے گا۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوگی مسلمانوں کے بچے معتق پہاڑ کے اوپر ہوں گے اور مسلمان نہر اریط پر صبح و شام ان سے نبرد آزما ہوں گے۔ جب شاہ قسطنطنیہ یہ نقشہ دیکھے گا تو وہ قنسرین کے پاس تین لاکھ فوج خشکی کی راہ سے روانہ کرے گا اور یمن کے ساتھ چالیس ہزار قبیلہ حمیر کے لوگ ان سے آملیں گے یہاں تک کہ بیت مقدس پہنچیں گے اور وہ بھی روم سے جنگ کریں گے آخر ان کو شکست دیں گے۔ ایک اور لشکر آزاد شدہ غلاموں کا بھی عرب کی مدد کے لیے آئے گا اور کہے گا کہ اے عرب تم تعصب کی بات چھوڑ دو ورنہ کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا اور پھر ان کی مشرکین سے جنگ ہوگی مگر مسلمانوں کے کسی لشکر کو فتح نصیب نہ ہوگی ایک تہائی مسلمان شہید ہو جائیں گے اور ایک تہائی بھاگ نکلیں اور ایک تہائی باقی رہ جائیں گے ان میں سے پھر ایک تہائی مرتد ہوکر روم سے جاملیں گے اور ایک تہائی عراق و یمن اور حجاز کی طرف بھاگ جائیں گے اور بقیہ ایک تہائی کہیں گے کہ واقعی اب عصبیت چھوڑ کر سب متفق ہو جاؤ اور سب مل کر دشمن سے جنگ کرو اور اب اس عزم کے ساتھ جنگ کریں گے کہ یا ہم فتح کرلیں گے ورنہ مر جائیں گے جب رومی لشکر مسلمانوں کی اس قلت کا احساس کرے گا تو ایک شخص صلیب لے کر کھڑا ہوگا اور کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا اس پر ایک مسلمان جھنڈا لے کر نعرہ لگائے گا کہ اللہ کے انصار کا غلبہ ہوا۔ رومیوں کے اس کلمہ پر اللہ تعالیٰ کو غصہ آئے گا اور وہ مسلمانوں کی دو لاکھ فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائے گا اور مسلمانوں کو کامیاب کردے گا اس کے بعد مسلمان رومیوں کے ملک میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں کے لوگ ان سے امن طلب کر کے جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں گے پھر ارد گرد کے رومی یہ افواہ اڑائیں گے کہ دجال نکل آیا مسلمان ادھر بھاگ پڑیں گے بعد میں ان کو معلوم ہوگا کہ یہ خبر غلط تھی ادھر باقی ماندہ مسلمانوں پر رومی ٹوٹ پڑیں گے اور ان کو بیخ و بنیاد سے قتل کر ڈالیں گے یہاں تک ﷺ .....

www.besturdubooks.net

تَصَالَحُوْا قَالَتِ الرُّوْمُ خَلُّوْا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ سَبُوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُوْلُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا وَاللّٰهِ لَا نُخَلِّيْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ اِخْوَانِنَا فَيُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَبَدًا وَ يُقْتَلُ ثُلُثٌ هُمْ اَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ وَ يَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُوْنَ اَبَدًا فَيَفْتَتِحُوْنَ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوْا سُيُوْفَهُمْ بِالزَّيْتُوْنِ اِذْ صَاحَ فِيْهِمُ الشَّيْطَانُ اَنَّ الْمَسِيْحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِيْ اَهْلِيْكُمْ فَيَخْرُجُوْنَ

ہمارے بال بچے گرفتار کر لیے ہیں اور غلام بنا لیے ہیں ہم ان سے لڑیں گے مسلمان کہیں گے نہیں خدا کی قسم ہم اپنے بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتے پھر لڑائی ہوگی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی لشکر شہید ہو جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہیدوں میں افضل ہوگا اور تہائی لشکر فتح یاب ہوگا وہ عمر بھر کبھی کسی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے پھر وہ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے جو اس وقت نصاریٰ کے قبضہ میں آ گیا ہوگا (اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے) وہ مال غنیمت کی تقسیم میں ابھی مشغول ہوں گے اور اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں میں لٹکا چکے ہوں گے اتنے میں شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں نکل آیا ہے

ﷺ ..... کہ روم میں عرب کے زن و مرد میں سے کوئی نہ بچے گا - مسلمان واپس ہو کر جب یہ ماجرا دیکھیں گے تو پھر ان سے جنگ کریں گے اور جس قلعہ پر گذریں گے تین دن کے اندر اندر اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کر دے گا یہاں تک کہ جب خلیج کے پاس پہنچیں گے تو نصاریٰ کہیں گے مسیح ہمارا مددگار ہے اور صلیب کی برکت خلیج سمندر سے بچاؤ کے لیے ہماری مدد ہے - جب صبح ہوگی تو کیا دیکھیں گے کہ خلیج خشک ہوگئی ہے اور سمندر ہٹ چکا ہے بس فوراً اس میں اپنے خیمے لگا دیں گے ادھر مسلمان جمعہ کی شب میں کفر کے اس شہر کا محاصرہ کر لیں گے اور رات سے لے کر صبح تک حمد اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے نہ کوئی شخص سوئے گا اور نہ بیٹھے گا جب صبح ہوگی تو تمام مسلمان مل کر ایک بار اللہ اکبر کا نعرہ لگائیں گے اسی وقت شہر کی ایک جانب گر پڑے گی اس پر حیران ہو کر روم کہیں گے کہ پہلے تو ہماری جنگ عرب سے تھی اب تو جنگ کرنی خود پروردگار عالم ہی سے جنگ معلوم ہوتی ہے دیکھو مسلمانوں کے لیے ہمارا شہر خود بخود گر کر برباد ہو گیا - اس کے بعد مال غنیمت کا سونا ڈھالوں میں بھر بھر کر تقسیم ہوگا اور عورتیں اس کثرت سے ہوں گی کہ ایک ایک شخص کے حصہ میں تین تین سو عورتیں آئیں گی اس کے بعد پھر دجال حقیقتاً نکل آئے گا اور قسطنطنیہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں فتح ہوگا جو زندہ و سلامت رہیں گے نہ بیمار پڑیں گے اور نہ کوئی مرض ان کو ستائے گا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کے ہمراہ یہ جماعت دجال کے لشکر (یہود) کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگی - یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ امام سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر فرمائی ہے -

بعض حدیثوں میں امام مہدی کے متعلق "يصلحه الله في ليلة" کا لفظ بھی ملتا ہے جو ضابطہ حدیث کے اعتبار سے خواہ صحت کے درجہ پر نہ کہا جائے مگر ایک عمیق حقیقت اس سے حل ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر بعض ضعیف الایمان قلوب میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ جب امام مہدی ایسی کھلی ہوئی شہرت رکھتے ہیں تو پھر ان کا تعارف، عوام و خواص میں کیسے مخفی رہ سکتا ہے اس لیے مصائب و آلام کے وقت ان کے ظہور کا انتظار معقول معلوم نہیں ہوتا لیکن اس لفظ نے یہ حل کر دیا کہ یہ صفات خواہ کتنے ہی اشخاص میں کیوں نہ ہوں لیکن ان وہ باطنی تصرفات اور روحانیت مشیت الٰہیہ کے ماتحت او جھل رکھی جائے گی یہاں تک کہ جب ان کے ظہور کا وقت آئے گا تو ایک ہی شب کے اندر اندر ان کی اندرونی خصوصیات منظر عام پر آ جائیں گی گویا یہ بھی ایک کرشمہ قدرت ہوگا کہ ان کے ظہور کے وقت سے قبل کوئی ﷺ .....

www.besturdubooks.net

وَ ذٰلِکَ بَاطِلٌ فَاِذَا جَاؤُا الشَّامَ خَرَجَ فَبَیْنَمَا هُمْ یَعُدُّوْنَ لِلْقِتَالِ یُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ فَیَؤُمُّهُمْ فَاِذَا رَاٰهُ عَدُوُّ اللّٰهِ ذَابَ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ فَلَوْ تَرَکَهٗ لَانْذَابَ حَتّٰی یَهْلِکَ وَ لٰکِنْ یَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِیَدِهٖ فَیُرِیْهِمْ دَمَهٗ فِیْ حَرْبَتِهٖ. (رواہ مسلم)

یہ خبر سنتے ہی مسلمان وہاں سے چل پڑیں گے حالانکہ یہ افواہ غلط ہوگی جب شام کے ملک میں پہنچیں گے اس وقت دجال نکلے گا اور جب مسلمان جنگ کیلئے مستعد ہوں گے اور صف آرائی کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت آ جائے گا اسی وقت عیسیٰ اتریں گے اور ان کی امامت کریں گے جب خدا کا دشمن دجال ان کو دیکھے تو مارے خوف کے اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے اگر عیسیٰ اس کو یونہی چھوڑ دیں تو بھی وہ خود بخود گھل گھل کر ہلاک ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا قتل عیسیٰ کے ہاتھ سے مقدر فرمایا ہے اسلئے وہ اس کو قتل فرمائیں گے اور اپنے نیزہ میں اسکے قتل کا خون دکھائیں گے۔ (مسلم شریف)

الدجال الاکبر

(۱۶۰۵) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا بَیْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَکْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. (رواہ مسلم)

دجال اکبر

(۱۶۰۵) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک دجال سے زیادہ بڑا اور کوئی فتنہ نہیں ہے۔ (مسلم شریف)

☜ ..... شخصیت ان کو پہچان نہ سکے گی اور جب وقت آئے گا تو قدرتِ الٰہیہ شب بھر میں وہ تمام صلاحیتیں ان میں پیدا کر دے گی جن کے بعد ان کا امام مہدی ہونا ایک نابینا پر بھی منکشف ہو جائے گا۔ دیکھئے کہ دجال کا خروج احادیثِ صحیحہ سے کیسا ثابت ہے۔ لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت اس کے خروج سے پہلے پہلے کتنی مخفی ہے اور جب کہ یہ داستان دورِ فتن کی ہے تو اب امام مہدی کے ظہور اور دجال کے وجود میں انکشاف کا مطالبہ کرنا یا اس بحث میں پڑنا یہ مستقل خود ایک فتنہ ہے۔
اس قسم کے عجائبات کی مثالیں شریعت میں بہت ملتی ہیں۔ یوم جمعہ میں ساعت محمودہ کا ہونا تو یقینی ہے مگر وہ بھی اختلافات کے جھرمٹ میں ایسی مبہم ہو کر رہ گئی ہے کہ اس کا متعین کرنا اہل علم کو بھی مشکل پڑ گیا ہے یہی حال شب قدر میں ہے اور اس سے زیادہ ابہام دورِ فتن کی احادیث میں نظر آتا ہے غالباً یہ بھی مشیتِ الٰہیہ کا ایک سر ہے کہ فتنہ اپنے وقت پر ظاہر ہو پھر اس کا متعین کرنا مشکل ہو جائے۔ دجال کی حدیثوں میں آپ پڑھیں گے کہ اس میں دجالیت کا ثبوت واضح سے واضح صورت میں موجود ہو گا لیکن اس پر بھی ایک جماعت ہوگی جو اس کو خدا اور رسول ماننے پر مجبور ہوگی کیونکہ اس کے ہمراہ دجالیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ایسے شبہات کی دنیا ہوگی جن کا ظہور اسی کے ساتھ مخصوص ہے گو شبہات کسی کے دعوے کے ثبوت کے لیے کتنے ہی ناکافی ہوں مگر اس وقت کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہوں گے یہی وجہ ہے کہ اس کے ظہور کے لیے قدرتِ الٰہیہ نے وہ زمانہ مقرر فرمایا ہے جب کہ ایمانوں کی قوت مسلوب ہو چکی ہوگی اور یہی راز ہے کہ اس کا ظہور خیر القرون میں نہ ہو سکا اور نہ اولیاء کرام کی کثرت کے ساتھ موجودگی میں ہو سکتا ہے ہاں مسلمانوں کے ایسے دور میں ہوگا جب کہ وہ بھیڑوں کی شکل میں مارے مارے پھرتے ہوں گے اور یہی حقیقت ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ایمان کے پختہ لوگ بستے ہیں وہاں جناتی اثرات کا ظہور بہت مضمحل نظر آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

www.besturdubooks.net

(۱۶۰۶) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالُ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَ نَارُهٗ فَنَارُهٗ جَنَّةٌ وَ جَنَّتُهٗ نَارٌ. (رواہ مسلم)

(۱۶۰۶) حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا اس کے جسم پر بہت گھنے بال ہوں گے اور اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی لیکن جو اس کی جنت نظر آئے گی دراصل وہ دوزخ ہوگی اور جو دوزخ نظر آئے گی وہ اصل میں جنت ہوگی (لہٰذا جس کو وہ جنت بخشے گا وہ دوزخی ہوگا اور جس کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ جنتی ہوگا) (مسلم)

(۱۶۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهٖ نَبِيٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَ اِنَّهٗ يَجِيْءُ مَعَهٗ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ فَالَّتِيْ يَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَ اِنِّيْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ بِهٖ نُوْحٌ قَوْمَهٗ. (متفق علیہ)

(۱۶۰۷) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتادوں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نبی نے اپنی امت کو نہ بتائی ہو۔ دیکھو وہ کانا ہوگا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کے نام سے دو شعبدے بھی ہوں گے تو جس کو وہ جنت کہے گا وہ درحقیقت دوزخ ہوگی۔ دیکھو دجال سے میں بھی تم کو اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ (متفق علیہ)

(۱۶۰۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْاَ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَاْتِيْهِ وَ هُوَ يَحْسَبُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهٗ مِمَّا يَبْعَثُ مَعَهٗ مِنَ الشُّبُهَاتِ. (رواہ ابوداؤد)

(۱۶۰۸) عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہیے کہ وہ اس سے دور ہی دور رہے بخدا کہ ایک شخص کو اپنے دل میں یہ خیال ہوگا کہ وہ مومن آدمی ہے لیکن ان عجائبات کو دیکھ کر جو اس کے ساتھ ہوں گے وہ بھی پیچھے لگ جائے گا۔ (ابوداؤد)

(۱۶۰۹) وَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَا تَعْقِلُوْا اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَتْ بِنَاتِئَةٍ وَ لَا حَجْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ. (رواہ ابوداؤد)

(۱۶۰۹) عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دجال کے متعلق کچھ تفصیلات تم لوگوں سے بیان کیں لیکن مجھ کو خطرہ ہے کہ کہیں تم پورے طور پر اس کو نہ سمجھے ہو، دیکھو مسیح دجال کا قد ٹھگنا ہوگا اس کے دونوں پیر ٹیڑھے، سر کے بال شدید خمیدہ، یک چشم مگر ایک آنکھ بالکل پٹ صاف نہ اوپر کو ابھری ہوئی نہ اندر کو دھنسی ہوئی اگر اب بھی تم کو شبہ رہے تو یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا رب یقیناً کانا نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۶۱۰) وَ عَنْ اَبِیْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ

(۱۶۱۰) ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

(۱۶۱۰) ✱ پیشگوئی میں اقسام کا ابہام رہ جاتا ہے اور وہ تکوینی امر ہے۔ دیکھئے یہاں پر لعله سیدرکه بعض من رانی کے لفظ نے کتنا ابہام پیدا کردیا ہے۔ پھر او خیر میں یہ ابہام کہاں تک جا پہنچتا ہے۔

www.besturdubooks.net

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهُ وَ اِنِّيْ اُنْذِرُ كُمُوْهُ فَوَصَفَهُ لَنَا قَالَ لَعَلَّهُ سَيُدْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِيْ اَوْ سَمِعَ كَلَامِيْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ قُلُوْبُنَا يَوْمَئِذٍ فَقَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ اَوْ خَيْرٌ.

(رواه الترمذی و ابوداؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جو نبی آیا ہے اس نے اپنی قوم کو دجال سے ضرور ڈرایا ہے اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں اس کے بعد آپ نے اس کی صورت وغیرہ بیان فرمائی اور کہا ممکن ہے جنہوں نے مجھ کو دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہوا اس میں کوئی ایسا نکل آئے جو اس کا زمانہ پا سکے انہوں نے پوچھا اس دن ہمارے دلوں کا حال کیسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی جیسا آج ہے یا اور بھی بہتر۔ (ترمذی و ابوداؤد)

(١٦١١) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا حَدِيْثًا طَوِيْلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ فِيْمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ اَنَّهُ قَالَ يَاْتِي الدَّجَّالُ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ اَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِيْنَةِ فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِيْ تَلِي الْمَدِيْنَةَ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ اَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِيْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَهُ فَيَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاَيْتُمْ اِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ اَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّوْنَ فِي الْاَمْرِ فَيَقُوْلُوْنَ لَا فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيْهِ فَيَقُوْلُ وَ اللّٰهِ مَا كُنْتُ فِيْكَ اَشَدَّ بَصِيْرَةً مِنِّي الْيَوْمَ فَيُرِيْدُ الدَّجَّالُ اَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ.

(رواه البخاری)

(۱۶۱۱) حضرت ابو سعید سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک طویل حدیث دجال کے بارہ میں بیان فرمائی تو جو باتیں آپؐ نے ہم سے اس کے متعلق بتائیں ان میں یہ بھی فرمایا تھا کہ دجال آئے گا مگر مدینہ کے راستوں میں گھس آنا اس کے لیے حرام اور ناممکن ہوگا تو وہ مدینہ کے آس پاس کی بنجر زمین میں کسی جگہ آ کر اترے گا تو اس کے مقابلہ کے لیے اس دن ایک شخص نکلے گا جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر (یا بہتر انسانوں میں سے) ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی بات ہم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی تو دجال کہے گا لوگو! بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تب تو تم کو میرے معاملے میں کوئی شک شبہ باقی نہ رہے گا۔ وہ کہیں گے کہ نہیں۔ تو وہ ان کو قتل کر دے گا پھر ان کو زندہ کر دے گا تو وہ بزرگ کہیں گے خدا کی قسم اب تو مجھ کو تیرے بارہ میں اور بھی یقین اور بصیرت حاصل ہوگئی کہ آج سے زیادہ ایسی بصیرت پہلے نہ تھی تو دجال پھر ان کو قتل کرنا چاہے گا مگر اس کا قابو ان پر نہ چل سکے گا۔ (بخاری)

(١٦١٢) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ

(۱۶۱۲) حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱۶۱۱) ٭ حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مسئلہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے جو اصل حدیث میں مندرج ہے اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقعہ ہے نہ مناسب۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص عجب نہیں کہ خضر علیہ السلام ہوں واللہ تعالیٰ اعلم بہر حال حدثنا میں جمع کے صیغہ میں بہت سے امور کی طرف اشارات ممکن ہیں۔

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيُّ الدَّجَّالُ حَتّٰى يَنْزِلَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَدِيْنَةِ تَرْجُفُ ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَّ مُنَافِقٍ. (رواه البخاری و فی روایته عنده لا یدخل المدینة رعب المسیح الدجال و لها یومئذ سبعة ابواب علی کل باب ملکان و فی روایة علی انقاب المدینة ملائکة و فی روایة المدینة یأتیها الدجال فیجد الملائکة یحرسونها فلایقربها کنها فی البخاری)

وسلم نے فرمایا کہ دجال آئے گا یہاں تک کہ مدینہ کے ایک کنارے آ کر اترے گا تو تین بار زلزلے آئیں گے اس وقت جتنے کافر اور جتنے منافق ہوں گے سب نکل نکل کر اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ (بخاری)
(ان کی ایک اور روایت میں ہے کہ مدینہ کے اندر مسیح دجال کا رعب بھی نہ آنے پائے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے' ہر دروازے پر دو دو فرشتے ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے بڑے بڑے راستوں پر بہت سے فرشتے ہوں گے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے پاس دجال آئے گا تو فرشتوں کو اس کی نگرانی کرتے پائے گا لہٰذا ان کے پاس بھی نہ پھٹک سکے گا)

(۱۶۱۳) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ هُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنِّيْ وَ اللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَّ لَا لِرَهْبَةٍ وَّ لٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِاَنَّ تَمِيْمَانِ الدَّارِيَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ وَ اَسْلَمَ وَ حَدَّثَنِيْ حَدِيْثًا وَافَقَ الَّذِيْ كُنْتُ اُحَدِّثُكُمْ بِهٖ عَنِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِيْ اَنَّهٗ رَكِبَ فِيْ سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلٰثِيْنَ رَجُلًا مِّنْ لَخْمٍ وَّ جُذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ فَارْفَؤُوْا اِلٰى جَزِيْرَةٍ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوْا فِيْ اَقْرُبِ السَّفِيْنَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ

(۱۶۱۳) فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کرنے والے کو سنا وہ اعلان کر رہا تھا چلو نماز ہونے والی ہے''۔ میں نماز کے لیے نکلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اس وقت مسکراہٹ تھی آپؐ نے فرمایا ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں جمع کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے آپ نے فرمایا بخدا میں نے تم کو نہ تو مال وغیرہ کی تقسیم کے لیے جمع کیا ہے نہ کسی جہاد کی تیاری کے لیے۔ بس صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری پہلے نصرانی تھا وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور مجھ سے ایک قصہ بیان کرتا ہے جس سے تم کو میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی جو میں نے کبھی دجال کے متعلق تمہارے سامنے ذکر کیا تھا وہ کہتا ہے کہ وہ ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر سمندروں میں سفر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی اور تھے۔ سمندر کا طوفان ایک ماہ تک ان کا تماشا بناتا رہا۔ آخر مغربی جانب ان کو ایک جزیرہ نظر پڑا جس کو دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوئے اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ پر اتر گئے سامنے سے ان کو جانور کی شکل کی ایک چیز نظر پڑی جس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے کہ

www.besturdubooks.net

اَهْلَبُ كَثِيْرَ الشَّعْرِ لَا يَدْرُوْنَ مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهٖ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ قَالُوْا وَ يْلَكِ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِنْطَلِقُوْا اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَاِنَّهٗ اِلٰى خَبَرِكُمْ بِالْاَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا اَنْ تَكُوْنَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتّٰى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَاِذَا فِيْهِ اَعْظَمُ اِنْسَانٍ مَارَاَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَ اَشَدُّهٗ وِثَاقًا مَجْمُوْعَةٌ يَدَاهُ عَلٰى عُنُقِهٖ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيْدِ قُلْنَا وَ يْلَكَ مَا اَنْتَ؟ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلٰى خَبَرِيْ فَاَخْبِرُوْنِيْ مَا اَنْتُمْ؟ قَالُوْا نَحْنُ اُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِيْ سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ فَلَعِبَ بِنَا الْبَحْرُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْنَا دَابَّةٌ اَهْلَبُ فَقَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِعْمَدُوْا اِلٰى هٰذَا فِي الدَّيْرِ فَاَقْبَلْنَا اِلَيْكَ سِرَاعًا فَقَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ هَلْ تُثْمِرُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنَّهَا تُوْشِكُ اَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ هَلْ فِيْهَا مَاءٌ؟ قُلْنَا هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ قَالَ اِنَّ مَاءَهَا يُوْشِكُ اَنْ يَّذْهَبَ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ عَيْنِ زُغَرَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَ هَلْ يَزْرَعُ اَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ وَ اَهْلُهَا يَزْرَعُوْنَ مِنْ مَائِهَا قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ نَبِيِّ الْاُمِّيِّيْنَ مَافَعَلَ؟ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَ نَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ اَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ؟ فَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّهٗ قَدْ ظَهَرَ عَلٰى مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الْعَرَبِ وَ اَطَاعُوْهُ قَالَ اَمَا اِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ

ان میں اس کے اعضائے مستورہ تک کچھ نظر نہ آتے تھے۔لوگوں نے اس سے کہا کمبخت تو کیا بلا ہے؟ وہ بولی میں دجال کی جاسوس ہوں چلو اس گرجے میں چلو وہاں ایک شخص ہے جس کو تمہارا بڑا انتظار لگ رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو اب ہم کو ڈر لگا کہ کہیں وہ کوئی جن نہ ہو۔ ہم لپک کر گرجے میں پہنچے تو ہم نے ایک بڑا قوی ہیکل شخص دیکھا کہ اس سے قبل ہم نے ویسا کوئی شخص نہیں دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے ملا کر اور اس کے پیر گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے نہایت مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے کہا تیرا ناس ہو تو کون ہے؟ وہ بولا تم کو تو میرا پتہ کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا اب تم بتاؤ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم عرب کے باشندے ہیں۔ ہم ایک بڑی کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ سمندر میں طوفان آیا اور ایک ماہ تک رہا۔ اس کے بعد ہم اس جزیرہ میں آئے تو یہاں ہمیں ایک جانور نظر پڑا جس کے تمام جسم پر بال ہی بال تھے اس نے کہا میں جساسہ (جاسوس خبر رساں) ہوں چلو اس شخص کی طرف چلو جو اس گرجے میں ہے۔ اس لیے ہم جلدی جلدی تیرے پاس آ گئے۔ اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان (شام میں ایک بستی کا نام ہے) کی کھجوروں میں پھل آتا ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا ہاں آتا ہے۔ اس نے کہا وہ وقت قریب ہے جب اس میں پھل نہ آئیں۔ پھر اس نے پوچھا اچھا ''بحیرۂ طبریہ'' کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا بہت ہے۔ اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جب کہ اس میں پانی نہ رہے گا پھر اس نے پوچھا زغر (شام میں ایک بستی) کے چشمہ کے متعلق بتاؤ اس میں پانی ہے یا نہیں اور اس بستی والے اپنی کھیتیوں کو اس کا پانی دیتے ہیں یا نہیں۔ ہم نے کہا اس میں بھی بہت پانی ہے اور بستی والے اسی کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں پھر اس نے کہا اچھا ''نبی الامیین'' کا کچھ حال سناؤ ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں اس نے پوچھا کیا عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔ ہم نے کہا ہاں اس نے پوچھا اچھا پھر کیا نتیجہ رہا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اپنے گرد و نواح پر تو غالب آ چکے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اس نے کہا سن لو

www.besturdubooks.net

لَھُمْ اَنْ یُّطِیْعُوْہُ وَ اِنِّیْ مُخْبِرُکُمْ عَنِّیْ اَنَا الْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ وَ اِنِّیْ یُوْشِکُ اَنْ یُّؤْذَنَ لِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجُ فَاَسِیْرُ فِی الْاَرْضِ فَلَا اَدَعُ قَرْیَۃً اِلَّا ھَبَطْتُھَا فِیْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً غَیْرَ مَکَّۃَ وَ طَیْبَۃَ مُحَرَّمَتَانِ عَلَیَّ کِلْتَا ھُمَا کُلَّمَا اَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَ وَاحِدًا مِّنْھُمَا اِسْتَقْبَلَنِیْ مَلَکٌ بِیَدِہِ السَّیْفُ صَلْتًا یَصُدُّنِیْ عَنْھَا وَ اِنَّ عَلٰی کُلِّ نَقْبٍ مَلٰٓئِکَۃً یَحْرُسُوْنَھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ طَعَنَ بِمِخْصَرَتِہٖ فِی الْمِنْبَرِ ھٰذِہٖ طَیْبَۃُ ھٰذِہٖ طَیْبَۃُ ھٰذِہٖ طَیْبَۃُ یَعْنِیْ مَدِیْنَۃَ اَلَا ھَلْ کُنْتُ حَدَّثْتُکُمْ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ اَلَا اِنَّہٗ فِیْ بَحْرِ الشَّامِ اَوْ بَحْرِ الْیَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا ھُوَ وَ اَوْمَاَ بِیَدِہٖ اِلَی الْمَشْرِقِ۔

ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ ان کی اطاعت کرلیں اور اب میں تم کو اپنے متعلق بتاتا ہوں- میں مسیح دجال ہوں' اور وہ وقت قریب ہے جب کہ مجھ کو یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت مل جائے گی میں باہر نکل کر تمام زمین پر گھوم جاؤں گا اور چالیس دن کے اندر اندر کوئی بستی ایسی نہ رہ جائے گی جس میں میں داخل نہ ہوں گا بجز مکہ اور طیبہ کے' کہ ان دونوں مقامات میں میرا داخلہ ممنوع ہے جب میں ان دونوں میں سے کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا اس وقت ایک فرشتہ ہاتھ میں ننگی تلوار لیے سامنے سے آ کر مجھ کو داخل ہونے سے روک دے گا اور ان مقامات (مقدسہ) کے جتنے راستے ہیں ان سب پر فرشتے ہوں گے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لکڑی منبر پر مار کر فرمایا کہ وہ طیبہ یہی مدینہ ہے- یہ جملہ تین بار فرمایا- دیکھو کیا یہی بات میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی- لوگوں نے کہا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی- اس کے بعد فرمایا دیکھو وہ بحر شام یا بحر یمن (راوی کو شک ہے) بلکہ مشرق کی جانب ہے اور اسی طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا- (مسلم شریف)

(رواہ مسلم) وَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ مُخْتَصَرًا قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ عِنْدَ شَرْحِ حَدِیْثِ جَابِرٍ مِنْ کِتَابِ الْاِعْتِصَامِ وَ قَدْ تَوَھَّمَ بَعْضُھُمْ اَنَّہٗ غَرِیْبٌ فَرْدٌ لَیْسَ کَذٰلِکَ فَقَدْ رَوَاہُ مَعَ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ اَبُوْھُرَیْرَۃَ کَمَا عِنْدَ اَحْمَدَ وَ اَبِیْ یَعْلٰی وَ عَائِشَۃَ کَمَا عِنْدَ اَحْمَدَ وَ جَابِرٌ کَمَا عِنْدَ اَبِیْ دَاوٗدَ ج ۱۳ ص ۲۷۷ فتح الباری وَ ذَکَرَ اَنَّ الْبُخَارِیَّ اِنَّمَا لَمْ یُخَرِّجْہُ لِشِدَّۃِ الْتِبَاسِ الْاَمْرِ فِیْ ذٰلِکَ فِتْنَتَہٗ۔

ابن صیاد و اسمہ و حلیتہ و حلیۃ ابیہ و ما فیہ من صفاتہ الغریبۃ

ابن صیاد کا نام اس کا اور اس کے باپ کا حلیہ اور اس کی عجیب و غریب صفات کا بیان

(۱۶۱۴) وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْکُثُ اَبُو الدَّجَّالِ ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ

(۱۶۱۴) ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کے باپ کے گھر تیس سال تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا پھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی ایک آنکھ خراب' ایک دانت باہر نکلا ہوا ہوگا وہ بالکل نکما ہوگا'

(۱۶۱۳) * امام قرطبی نے اپنی مشہور کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ دجال کی بابت جن سوالات کے تفصیلی جوابات حدیث میں آ چکے ہیں وہ یہ ہیں: اس کی حقیقت' سبب خروج' محل خروج' وقت خروج' شکل وصورت' ساحرانہ کرشمے' اس کا دعویٰ' اس کے قاتل اور وقت قتل کی تعین اور یہ بحث بھی کہ وہ ابن صیاد ہے یا کوئی اور' اس بحث سے اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھا یا نہیں- (دیکھو فتح الباری)

(۱۶۱۴) * جزری کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں لفظ "اضرس" کاتب کی تصحیف ہے اصل میں "اضر شیء" ہے جیسا کہ بقیہ.....

www.besturdubooks.net

لَهُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَ اَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَ لَا يَنَامُ قَلْبُهُ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اَبَوَيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ كَاَنَّ اَنْفَهُ مِنْقَارٌ وَ اُمُّهُ اِمْرَاَةٌ فِرْضَاخِيَّةٌ طَوِيْلَةُ الثَّدْيَيْنِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِي الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ فَذَهَبْتُ اَنَا وَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اَبَوَيْهِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَّكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكُثْنَا ثَلٰثِيْنَ عَامًا لَا يُوْلَدُ لَنَا وَ لَدٌ ثُمَّ وُلِدَلَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَ اَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَ لَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَاِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِيْ قَطِيْفَةٍ وَ لَهُ هَمْهَمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَّاْسِهِ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا وَ هَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا؟ قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَ لَا يَنَامُ قَلْبِيْ. (رواہ الترمذی)

سوتے میں اگر چہ اس کی آنکھیں بند ہوں گی مگر اس کا دل ہوشیار رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا نقشہ بیان فرمایا کہ اس کا باپ لانبا، چھریرے جسم والا، چونچ کی طرح اس کی ناک ہو گی۔ اس کی ماں کے دونوں پستان بڑے بڑے لٹکے ہوئے۔ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں یہود کے گھر اسی قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش سنی تو میں اور زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے دیکھنے کے لیے گئے۔ جب اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ ٹھیک اسی صورت کے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیان فرمائی تھی۔ ہم نے پوچھا تمہارے کوئی بچہ ہے؟ انہوں نے کہا تیس سال تک تو ہمارے کوئی بچہ نہیں تھا اس کے بعد اب ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کی ایک آنکھ خراب ہے اس کا ایک دانت باہر نکلا ہوا ہے وہ بالکل نکما ہے اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل خبردار رہتا ہے۔ ہم جوان کے گھر سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں اپنی چادر میں لپٹا ہوا کچھ گنگنا رہا ہے اس نے اپنا سر کھول کر کہا تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری باتیں سن لیں؟ وہ بولا ہاں میری آنکھیں ہی سوتی ہیں ورنہ میرا دل جاگتا رہتا ہے۔

(ترمذی شریف)

لله ..... ترمذی کی روایت میں موجود ہے اس بنا پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ سرتاپا مضرت ہی مضرت اور نقصان ہی نقصان ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ "ضرس" لغت میں اگر چہ ڈاڑھ کو کہتے ہیں مگر توسعاً اس سے کیلہ یعنی کنارے کا لمبا نوکیلا دانت مراد ہوسکتا ہے اور اضرس کا ترجمہ لمبے کیلے والا ہوسکتا ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں لفظ "طالعة نابه" موجود ہے اس کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ اس کا ایک کیلہ باہر کی جانب نکلا ہوا ہوگا اس بنا پر تصحیف کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صیاد کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ "تنام عيناه" ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دل کی بیداری محمود صفت بھی ہے اور مذموم بھی۔ جس کا علاقہ عالم ملکوت سے قائم ہوتا ہے وہ تو اس بیداری کی وجہ سے عالم علوی یعنی عالم ملکوت سے وابستہ رہتا ہے اور جس کا علاقہ شیاطین اور جنوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ عالم سفلی یعنی عالم شیاطین سے وابستہ رہتا ہے اور اس طرح مرکز ہدایت اور مرکز ضلالت دونوں کو اپنے اپنے عالموں سے مدد پہنچتی رہتی ہے:

﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَ هٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۰)

روایتِ مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور اس کے ماں باپ کا نقشہ اور حلیہ بھی بیان فرما دیا تھا لله .....

www.besturdubooks.net

(۱۶۱۵) عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِیَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَیَّادٍ فِیْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِیْنَةِ فَقَالَ لَهٗ قَوْلًا اَغْضَبَهٗ فَانْتَفَخَ حَتّٰی مَلَأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰی حَفْصَةَ وَ قَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهٗ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَا اَرَدْتَ مِنْ ابْنِ صَیَّادٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا یَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ یَغْضَبُهَا. (رواہ مسلم)

(۱۶۱۵) نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کی کسی گلی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ابن صیاد سے مڈھ بھیڑ ہوگئی تو انہوں نے اسے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اسے غصہ آ گیا تو وہ پھولنے لگا اور ایسا پھولا کہ ساری گلی اس سے بھر گئی اس کے بعد ابن عمرؓ اپنی ہمشیرہ حضرت سیدہ حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کو کہیں یہ قصہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا انہوں نے فرمایا اے ابن عمرؓ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم نے اسے فضول چھیڑا تمہارا کیا مطلب تھا؟ کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ دجال جب نکلے گا تو کسی بات پر غضب ناک ہونے کی وجہ ہی سے نکلے گا۔ (مسلم)

(۱۶۱۶) عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ وَ اللّٰهِ مَا اَشُكُّ اَنَّ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَیَّادٍ. (رواہ ابوداؤد والبیهقي في كتاب البعث والنشور)

(۱۶۱۶) نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسیح دجال وہ ابن صیاد ہی ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۶۱۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدْ فَقَدْنَا ابْنَ صَیَّادٍ یَوْمَ الْحَرَّةِ. (رواہ ابوداؤد)

(۱۶۱۷) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ حرہ ہوئی تھی اس دن کے بعد سے ہم کو ابن صیاد کا پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ چلا کہاں گیا؟۔ (ابوداؤد)

﷽ ..... اور چونکہ وہ ابن صیاد اور اس کے ماں باپ میں بھی موجود تھا اس لیے ابن صیاد کا معاملہ شروع میں باعث تحیر بن گیا تھا کہ کہیں یہ وہی دجال تو نہیں کیونکہ جلد اول کی ختم نبوت کی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے دجال اکبر کے علاوہ تیس سے ستر دجالوں تک کی اور خبر دی ہے جو اسی امت میں پیدا ہوں گے اور دعوے نبوت کریں گے بہرحال چونکہ اس بچہ میں دجال کا اور اس کے ماں باپ میں دجال کے ماں باپ کا اکثر نقشہ موجود تھا اس لیے اس کے دجال ہونے میں خائف قلوب کو تردد پیدا ہو جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات تھی۔

(۱۶۱۵) * اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد میں بعض باتیں غیر معمولی بھی تھیں مثلاً پھول کر کپہ ہونا تو ایک مجاز اور اردو کا محاورہ ہے مگر وہ حقیقتاً اس طرح پھول جاتا تھا کہ ساری گلی اس سے بھر جائے یہ جنات کے خواص میں سے ہے اس کے بعد ابن عمرؓ کی جو گفتگو حضرت حفصہؓ سے ہوئی اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دجال یہی ابن صیاد ہے تو بھی اس کے خروج کا وقت یہ نہیں ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہی ابن صیاد کن کن حالات سے گذرے گا اور پھر اپنے وقت مقرر پر ان فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں۔

(۱۶۱۶) * مذکورہ بالا حالات کی بنا پر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایسا یقین کر لینا کچھ بعید نہیں ہے مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اتنی بات سے بقیہ تفصیلات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ابن صیاد کا دجال ہونا پھر اپنے وقت پر اس کا ظاہر ہونا بہت آسان ہے اور یہ مختلف نقول اور آئندہ بھی جو آپ کے سامنے پیش ہوں گی ان کا ابہام اس کے فتنہ در فتنہ ہونے کا سبب بن گیا ہے۔

(۱۶۱۷) * ابن صیاد کے حالات زندگی جتنے گونا گوں اختلافات اور ابہام میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں اتنے ہی اس کے حالات سے گم گشتگی بھی ہے حتی کہ کوئی تو اس کا گم ہونا نقل کرتا ہے اور کوئی اس کی موت بھی بیان کرتا ہے بہرحال یہ تمام بیانات آپ کے ..... ﷽

www.besturdubooks.net

(۱۶۱۸) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَیَّادٍ اِلٰی مَکَّۃَ فَقَالَ لِیْ مَا لَقِیْتُ مِنَ النَّاسِ یَزْعُمُوْنَ اَنِّی الدَّجَّالُ اَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَا یُوْلَدُ لَہٗ وَ قَدْ وُلِدَ لِیْ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ ھُوَ کَافِرٌ وَ اَنَا مُسْلِمٌ اَوَ لَیْسَ قَدْ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَۃَ وَ لَا مَکَّۃَ وَ قَدْ اَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ وَ اَنَا اُرِیْدُ مَکَّۃَ ثُمَّ قَالَ لِیْ فِیْ اٰخِرِ قَوْلِہٖ اَمَا وَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَوْلِدَہٗ وَ مَکَانَہٗ وَ اَیْنَ ھُوَ وَ اَعْرِفُ اَبَاہُ وَ اُمَّہٗ قَالَ فَلَبَّسَنِیْ قَالَ قُلْتُ لَہٗ تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ قَالَ وَ قِیْلَ لَہٗ اَیَسُرُّکَ اَنَّکَ ذَاکَ الرَّجُلُ فَقَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَیَّ مَا کَرِھْتُ. (رواہ مسلم)

(۱۶۱۸) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور ابن صیاد کا ساتھ ہوگیا تو وہ مجھ سے کہنے لگا لوگوں سے مجھ کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دجال میں ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ اس کے اولاد نہ ہوگی اور میرے تو اولاد ہے' کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہوگا اور میں تو مسلمان ہوں' کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہو سکے گا نہ مکہ میں' اور دیکھو میں مدینہ سے تو آ ہی رہا ہوں اور اب مکہ مکرمہ جا رہا ہوں' یہ سب کچھ کہہ کر آخر میں کہنے لگا خدا کی قسم البتہ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں پیدا ہوا؟ اور اب وہ کہاں ہے؟ اور میں اس کے ماں باپ کو بھی خوب پہچانتا ہوں۔ ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ دورخی باتیں بنا کر اس نے مجھ کو شبہ میں ڈال دیا۔ میں نے اس سے کہا خدا تجھے ہلاک کرے۔ پھر کسی نے اس سے کہا کہ اگر وہ دجال تو ہی ہو تو کیا یہ بات تجھے پسند ہوگی اس پر وہ بولا اگر مجھ کو دجال بنا دیا جائے تو مجھے کچھ برا بھی نہیں معلوم ہوگا۔ (مسلم)

ﷺ ..... بعد ہی کے ہیں۔ ان تمام اختلافات کو بھی آپؐ کے سر کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کے بارہ میں ابتدائی تردد کے جو اسباب تھے اس کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے بعد پھر جو آخری بات ہے وہ آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۱۶۱۸) * ابن صیاد کے یہ عجیب حالات سب حدیثوں سے ثابت ہیں اور ان سب سے ابہام کے سوا کوئی صاف نتیجہ برآمد نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس نے خود جو بیان اپنی صفائی کے لیے پیش کیا تھا اس کو پھر خود ہی اپنی آخر گفتگو سے مبہم بنا دیا حتیٰ کہ ابوسعیدؓ کے دل میں اس کی طرف سے اس کی پہلی تقریر سے جو قدرے اطمینان پیدا ہوگیا تھا وہ پھر جاتا رہا پس جب کہ اس کی ذات اور اس کے اقوال میں خود اس درجہ ابہام کے سامان موجود ہیں کہ اس کی موجودگی میں بھی اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہونا مشکل مسئلہ بن رہا ہے تو بعد میں اگر روایات کے اختلافات سے اس ابہام کو کچھ اور مدد مل گئی ہو تو اندازہ فرمالیجئے کہ اب اس کا معاملہ کتنا پیچیدہ ہو جانا چاہیے۔ انسان کے سامنے جزم و یقین کی حالت میں بھی جب کوئی خوفناک منظر آ جاتا ہے تو اس کی طبیعت غیر اختیاری طور پر ہراساں ہونے لگتی ہے۔

دیکھئے قیامت کا آنا جتنی یقینی بات ہے اتنی ہی یقینی یہ بات بھی ہے کہ قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نہیں آئے گی لیکن اس کے باوجود جب دنیا کے معمول کے مطابق سورج کو گہن لگتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نقشہ گھومنے لگتا تھا۔ اسی طرح جب آسمان پر سیاہ بادل منڈلاتے نظر آتے تو آپ کے سامنے قوموں کی ہلاکت کا سماں بندھ جاتا اور آپ پر کرب و بے چینی کا یہ عالم اس وقت تک برابر رہتا جب تک کہ بارش ہو کر بادل صاف نہ ہو جائے۔ پس خوف کے مقامات میں جو غیر اختیاری تردد لاحق ہونا انسانی فطرت ہے اس کو جزم و یقین کے خلاف سمجھنا خود بڑی نافہمی ہے۔ اسی طرح ابن صیاد کے حالات تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں ﷺ .....

www.besturdubooks.net

(۱۶۱۹) وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ امْرَاَةً مِنَ الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ وَ لَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوْحَةً عَيْنُهُ طَالِعَةً نَابُهُ فَاشْفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكُوْنَ الدَّجَّالَ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيْفَةٍ يُهَمْهِمُ فَاٰذَنَتْهُ اُمُّهُ فَقَالَتْ يَاعَبْدَاللّٰهِ هٰذَا اَبُو الْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱۶۱۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی عورت کے لڑکا پیدا ہوا جس کی ایک آنکھ صاف تھی اور جس کا کیلہ باہر کو نکلا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ وہی دجال نہ ہو۔ پھر ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک چادر میں لپٹا ہوا دیکھا کہ اس میں پڑا کچھ گنگنا رہا تھا اس کی ماں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر) اس کو خبر دار کر دیا کہ اے عبداللہ! دیکھو یہ ابوالقاسم آ گئے ہیں پس وہ اپنی چادر سے باہر نکل آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کا ناس کرے اگر یہ

لله..... کہ اس کے حالات دجال اکبر سے کتنے ملتے جلتے تھے اس کے معاملہ میں آپ سے ابتداءً غیر اختیاری تردد کے جو الفاظ منقول ہیں ان کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ جو ابھی ہم نے آپ سے بیان کی ہے۔ یہاں جن کو ابھی تک یہ تمام حقائق رام کہانیاں معلوم ہوتی ہیں جن کو خسوف شمس جیسے معمولی تغیر سے قیامت اور بادلوں کی آمد سے عذاب کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہو سکتا۔ وہ ان حقائق کا نام تاویلات ہی رکھیں گے۔ ان کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ دجالی فتنہ کتنا عظیم فتنہ ہوگا اور ابن صیاد کے عجیب وغریب حالات کتنے تردد اور کتنے غور وفکر کا سامان بن سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب دل میں ایمان ہی کمزور ہو تو ہر موقعہ پر عقائد کا پلہ اسی جانب جھکنے لگتا ہے جو دین سے بعید تر ہوتی ہے۔ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ.

(۱۶۱۹) * دجال کا فتنہ چونکہ اپنی نوعیت میں سب سے بڑا فتنہ تھا اس لیے قدرتی لحاظ سے اس میں راویوں کے بیان سے ایک ابہام یہ اور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ابن صیاد تھا یا کوئی دوسرا شخص۔ اس کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ احادیث سے بعض دوسرے مقامات میں بھی ہم کو اس کی نظیر ملتی ہے مثلاً شب قدر' ساعت محمودہ۔ صلوٰۃ وسطیٰ وغیر' ان سب کے بارہ میں وثوق کے ساتھ تعیین کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان امور میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی ابہام موجود تھا بلکہ آپ نے تو ان کو بیان فرمادیا تھا پھر کسی وجہ سے راویوں کے بیان میں اختلاف ہوا اور اس طرح آخر امت کے لیے اصل معاملہ تکوینا مبہم بن گیا۔ اب جو جدوجہد کرنے والے افراد تھے انہوں نے شب قدر' ساعۃ محمودہ اور صلوٰۃ وسطیٰ کی تلاش میں اپنی مساعی تیز کر دیں اور جو جو بھی ان کا مصداق بن سکتا تھا کسی تحقیق اور تفصیل کے بغیر ان سب مبہم ساعات میں وہی کوشش صرف کر ڈالی جو کسی ایک ساعت کے معین ہونے کی صورت میں کی جا سکتی تھی اور اس طرح یہ تکوینی ابہام ان کے حق میں ایک رحمت بن گیا۔ اسی طرح ابن صیاد کا معاملہ بھی روایات کے اختلافات کی وجہ سے گو مبہم رہا مگر یہ ابہام بھی سعید طبائع کے لیے رحمت بن گیا کیونکہ اس ابہام کا ثمرہ اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ دجال اکبر تھا یا نہیں۔ اس سے زیادہ اس ابہام کا دیگر تفصیلات پر کوئی اثر نہیں ہے پس اگر ہم کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا تو اس کا اقتضاء یہی ہے کہ اب ہم کو اور زیادہ احتیاط لازم ہو گئی' دیکھئے اگر اس روایت کی بناء پر ابن صیاد ہی دجال اکبر ہو تو اسی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اثر بقیہ تفصیلات پر اور کچھ نہیں ہے چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ نے صاف فرمادیا کہ دجال اکبر کے قاتل ازل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہو چکے ہیں اور جب یہ ہے تو نہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل سکتا ہے اور نہ تم اس کو قتل کر سکتے ہو۔ لہٰذا اس ابہام کو لے کر بقیہ سارے معاملات کو مبہم بنا ڈالنا کج فہمی اور کجروی کے سوا کچھ نہیں۔ اس حدیث کے بقیہ مباحث کی تفصیل تقدیر کے باب میں گزر چکی ہے۔ آخر میں اتنا اور لکھ دینا کافی ہے لله.....

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ مَالَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْتَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيْثِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ ائْذَنْ لِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَقْتُلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنْ يَّكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ اِنَّمَا صَاحِبُهُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَ اَنْ لَّا يَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْفِقًا اَنَّهُ هُوَ الدَّجَّالُ. (رواه في شرح السنة)

اس کو اطلاع نہ دیتی تو یہ اپنا معاملہ خود ہی بیان کر دیتا۔ پھر راوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کا قصہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے میں اس کو قتل کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو اس کو تو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام قتل کریں گے اور اگر یہ وہ نہیں تو ایسے بچہ کا قتل کرنا خیر کی بات نہیں جو ہمارے عہد میں داخل ہے (یعنی ہماری ذمی رعایا ہے) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق یہ خطرہ لگا ہی رہا کہ کہیں وہ دجال اکبر نہ ہو۔

(١٦٢٠) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَأْتِيَانِ النَّخْلَ الَّذِيْ فِيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ حَتّٰى اِذَا دَخَلَ النَّخْلَ طَفِقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّقِيْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَ هُوَ يَخْتِلُ اَنْ يَّسْمَعَ مِنَ ابْنِ صَيَّادٍ قَبْلَ اَنْ يَّرَاهُ وَ ابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فِيْ قَطِيْفَةٍ لَّهٗ فِيْهَا زَمْزَمَةٌ فَرَاَتْ اُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ يَتَّقِيْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ اَيْ صَافِ وَ هُوَ اسْمُهٗ فَثَارَ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(١٦٢٠) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس باغ کی طرف چلے جس میں ابن صیاد رہتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ کے اندر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درختوں کی آڑ میں چھپ چھپ کر یہ تدبیر کر رہے تھے کہ ابن صیاد کے دیکھنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی بات سن لیں۔ ادھر ابن صیاد اپنے بچھونے پر ایک چادر میں لپٹا ہوا اندر اندر کچھ گنگنا رہا تھا اس کی ماں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے تنوں کی آڑ لے رہے ہیں تو فوراً اس نے کہا او صاف! (یہ اس کا نام تھا) ہوشیار۔ بس یہ سن کر ابن صیاد فوراً کھڑا ہو گیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس کی ماں اس کو ہوشیار نہ کرتی تو یہ صاف بات کہہ گذرتا۔ سالم کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی

لـلـه ..... کہ بہت سے امور مفروعہ کے پیش آنے پر آپ کے چہرے پر تردد اور خوف کا نمودار ہو جانا یہ کسی یقین کے مزاحم نہیں کہا جا سکتا' نہ ان کو کسی تردد کا باعث قرار دیا جا سکتا ہے (جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود پاک جو عالم کے لیے رحمت ہی رحمت تھا' اس کے موجود ہوتے ہوئے قیامت کا قائم ہو جانا کیسے ممکن تھا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ "لہٰذا اگر کوئی شخص صرف ان احادیث کو اٹھا کر قیامت کا انکار کر ڈالے یا اس کے وقوع کے تردد میں پڑ جائے تو یہ اسی کی نافہمی اور قصور فہم کا سبب ہے اس کو حدیثوں کے سر رکھ دینا امور بدیہیہ سے ناواقفی ہے۔ (اسی طرح احادیث فتن میں اس قسم کے ابہامات پیش آ گئے ہیں کہ اپنی اپنی فہم کے مطابق علماء نے ان کی تعیین میں کسی قدر عجلت سے کام لیا ہے حالانکہ جب نہ حدیث میں ان کے ظہور کا وقت متعین ہے اور نہ ان کی تعیین مذکور ہے تو پھر اپنی جانب سے اس کی تعیین میں عجلت بازی سے کام لے کر اس کو حدیث کی طرف منسوب کر ڈالنا خلاف واقع ہے)

www.besturdubooks.net

وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكْتُهُ بَيَّنَ وَ قَالَ سَالِمٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّي اُنْذِرُ كُمُوْهُ وَ مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَهٗ وَ لٰكِنْ سَاَقُوْلُ لَكُمْ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ اَعْوَرُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ.

اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں خطبہ دیا اور خدا کی شان کے مناسب حمد وثنا کی' اس کے بعد دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تم کو اس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اس سے اپنی قوم کو نہ ڈرایا ہو لیکن ایک بات میں تم کو ایسی صاف بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے نہیں کہی وہ یہ کہ تم جان چکے ہو کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر عیب سے بری ہے وہ کانا نہیں ہوسکتا۔ (بخاری شریف)

(روى البخاري هذا السياق في باب كيف يعرض الاسلام على الصبي من كتاب الجهاد و اخرج في باب الملائكة)

(۱۶۲۱) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ سِنِيْنَ سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَاءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَ الْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَ الثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَ الْاَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَ الثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهٗ وَ الْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهٗ فَلَا يَبْقٰى ذَاتُ ظِلْفٍ وَ لَا ذَاتُ ضِرْسٍ مِنَ الْبَهَائِمِ اِلَّا هَلَكَ وَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ فِتْنَتِهٖ اَنَّهٗ يَأْتِي الْاَعْرَابِيَّ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اِبِلَكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى

(۱۶۲۱) اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اس کے ظہور سے پہلے تین قحط پڑیں گے۔ ایک سال آسمان کی ایک تہائی بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار بھی ایک تہائی کم ہو جائے گی۔ دوسرے سال آسمان کی دو حصے بارش رک جائے گی اور زمین کی پیداوار بھی دو حصے کم ہو جائے گی اور تیسرے سال آسمان سے بارش بالکل نہ برسے گی اور زمین کی پیداوار بھی کچھ نہ ہوگی حتی کہ جتنے حیوانات ہیں خواہ وہ کھر والے ہوں یا ڈاڑھ سے کھانے والے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک گنوار آدمی کے پاس آکر کہے گا اگر میں تیرے اونٹ زندہ کردوں تو کیا اس کے بعد بھی تجھ کو یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ضرور' اس کے بعد شیطان اسی کے اونٹ کی سی شکل بن کر اس کے سامنے آئے گا جیسے اچھے تھن

(۱۶۲۱) ❋ حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ جب اس عظیم ترین فتنے کا ظہور قریب ہوگا تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کے ظہور سے پہلے برکات (ارہاص) کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اسی طرح اس فتنے سے پہلے برکات کا خاتمہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ بارش' غلہ اور اسی کے ساتھ سب حیوانات ختم ہو جائیں گے۔ اس بے سروسامانی میں وہ اس سازوسامان کے ساتھ آئے گا کہ ایک برباد شدہ کسان کے حیوانات زندہ کردے گا اور ایک شخص سے اس کے باپ اور بھائی کے دوبارہ زندہ کردینے کا وعدہ کرے گا۔ اب سوچئے کہ ضعیف انسان کی بے علمی اور اسی کے ساتھ جب افلاس کی سختی بھی یکجا جمع ہو جائے تو اس کی آزمائش کا میدان کتنا سخت ہو جائے گا۔ مردہ کا زندہ کرنا ہی کچھ کم بات نہیں پھر ایک کسان کے لیے اس کے جانور اور ان سے بڑھ کر اس کی اولاد اور اس کے ماں باپ اس سے زیادہ پیاری چیزیں اور کیا ہوسکتی ہیں.....

www.besturdubooks.net

فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اِبِلِهٖ كَاَحْسَنِ مَا يَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَ اَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً قَالَ وَ يَاْتِي الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ اَخُوْهُ وَ مَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَ اَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اَبِيْهِ وَ نَحْوَ اَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَ الْقَوْمُ فِيْ اِهْتِمَامٍ وَ غَمٍّ مِمَّا حَدَّثَهُمْ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلُحْمَتَيِ الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَاءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ خَلَعْتَ اَفْئِدَتَنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَخْرُجْ وَ اَنَا حَيٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَ اِلَّا فَاِنَّ رَبِّيْ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَعْجِنُ عَجِيْنَنَا فَمَا نَخْبِزُهٗ حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَا يُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَ التَّقْدِيْسِ.

(رواه احمد و ابو داؤد و الطيالسي)

اور بڑے کوہان والے اونٹ ہوا کرتے ہیں- اسی طرح ایک اور شخص کے پاس آئے گا جس کا باپ اور سگا بھائی گزر چکا ہوگا اور اس سے آ کر کہے گا بتلا اگر میں تیرے باپ بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا تجھے پھر بھی یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا کیوں نہیں- بس اس کے بعد شیطان اس کے باپ بھائی کی صورت بن کر آ جائے گا- حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ یہ بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اس کے بعد لوٹ کر دیکھا تو لوگ آپؐ کے اس بیان کے بعد سے بڑے فکر وغم میں پڑے ہوئے تھے- اسماءؓ کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کے دونوں کواڑ پکڑ کر فرمایا اسماءؓ کہو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! دجال کا ذکر سن کر ہمارے دل تو سینے سے نکلے پڑتے ہیں اس پر آپؐ نے فرمایا اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوا تو میں اس سے نمٹ لوں گا- ورنہ میرے بعد پھر ہر مؤمن کا نگہبان میرا رب ہے- میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا حال جب آج یہ ہے کہ ہم آٹا گوندھنا چاہتے ہیں مگر غم کے مارے اس کو اچھی طرح گوندھ بھی نہیں سکتے چہ جائے کہ روٹی پکا سکیں بھوکے ہی رہتے ہیں تو بھلا اس دن مؤمنوں کا حال کیا ہوگا جب یہ فتنہ آنکھوں کے سامنے آ جائے گا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن ان کو وہ غذا کافی ہوگی جو آسمان کے فرشتوں کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس- (احمد)

لله ..... ہیں؟ کون ہے جو اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتا؟ اگر کہیں حدیث نے اس کی اعجوبہ نمائیوں کا راز فاش نہ کر دیا ہوتا تو آج بھی بہت سے ضعیف الایمان تردد میں پڑ جاتے! مگر جب یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ سب کچھ شیطانی تصرفات اور شعبدے ہوں گے تو اب کوئی اشکال نہ رہا- ظاہر ہے کہ دجال جب خدائی کا مدعی ہو تو اس کو خدائی کا سامان بھی دکھانا ضروری ہے اس لیے اس کے ساتھ جنت دوزخ کا ہونا بھی ضروری ہے اور مردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی ضروری ہے مگر حدیث کہتی ہے کہ یہ سب کچھ بازیگر کے تماشے سے زیادہ نہ ہوگا- چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس کو قتل کر دیں گے تو اس کی خدائی کا یہ سارا ڈھونگ ایک بندہ کے ہاتھوں کھل ہی جائے گا-

شیاطین اور ان کے تصرفات کی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گذریں گی- مگر اتنی بات اجمالاً یہاں بھی سن لیجئے کہ امور خیر کی تائید فرشتے اور شر کی شیاطین کرتے رہتے ہیں پھر جو طاقت جتنی بڑی مرکزی ہوتی ہے اسی قدر اس کی اعانت میں بھی قوت اور ضعف کا فرق ہو جاتا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی تائید میں سارا عالم ملکوت نظر آتا ہے اس کے بالمقابل دجال کی تائید لله .....

www.besturdubooks.net

(١٦٢٢) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَا سَأَلَ اَحَدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ وَ اَنَّهُ قَالَ مَا يَضُرُّكَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَ نَهْرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

(متفق علیہ)

(١٦٢٣) وَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَقِيَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ يَعْنِيْ اِبْنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ هُوَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ رُسُلِهِ مَا ذَا تَرٰى قَالَ اَرٰى عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرٰى عَرْشَ اِبْلِيْسَ عَلَى الْبَحْرِ قَالَ وَ مَا تَرٰى قَالَ اَرٰى صَادِقَيْنِ وَ كَاذِبًا اَوْ كَاذِبَيْنِ وَ صَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُبِّسَ عَلَيْهِ فَدَعُوْهُ. (رواہ مسلم)

(١٦٢٢) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ دجال کے متعلق جتنے سوالات میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں اتنے کسی اور شخص نے نہیں کئے آپؐ نے فرمایا کہ دجال بھلا تم کو کیا نقصان پہنچا سکے گا؟ میں نے عرض کی لوگ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی (یعنی قحط میں رزق کا پورا سامان ہوگا) آپؐ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل تر ہے کہ اس کو یہ ساز و سامان ملے (جو ہوگا اس کی حقیقت صرف شعبدہ بازی اور نظر بندی سے زیادہ نہ ہوگی جیسے ساحرین فرعون کی رسیوں کی)

(١٦٢٣) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا اور ابن صیاد کا مدینہ کے کسی راستے میں کہیں آمنا سامنا ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا: تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں یقینی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' اس پر وہ بدبخت بولا: اچھا کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا یہ جملہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر اور سب رسولوں پر ایمان لا چکا۔ (اس کے بعد آپ نے اس سے پوچھا) بھلا تجھے نظر کیا آتا ہے؟ وہ بولا مجھ کو پانی پر عرش (ایک تخت) نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو عرش ابلیس ہے جو تجھ کو سمندر پر نظر آتا ہے۔ اچھا تجھ کو اور کیا نظر آتا ہے؟ وہ بولا میرے پاس دو سچے ایک جھوٹا' یا دو جھوٹے تو ایک سچا شخص نظر آتا ہے آپؐ نے فرمایا چھوڑ و اس کو خود ہی اپنی حقیقت کا پتہ نہیں۔

(مسلم شریف)

لله ..... میں سارا عالم شیاطین ہی ہونا چاہیے۔ جن کی نظر صرف ایک عالم مادی اور اس عالم کے بھی ایک مختصر اور محدود گوشہ میں محصور ہو کر رہ جائے۔ ان بے چاروں کے لیے ان حقائق کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔

(١٦٢٣) ❋ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سب سے پہلے اس سے اپنی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ مقبول یا مردود ہونے کا سب سے پہلا معیار یہی ہے مگر اس نے شروع ہی سے نامعقول بات شروع کی اور اپنے متعلق آپؐ سے یہی سوال کیا اس پر آپ کا جواب کتنا بلیغ تھا کہ آپ نے کسی بے اصل بات کو قابل تردید بھی نہیں سمجھا کیونکہ تردید بھی اسی بات کی کی جاتی ہے جس کا کوئی امکان بھی میں لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اس کو صحیح جواب بھی دے دیا اور خاص اس کے سوال کے جواب لله .....

www.besturdubooks.net

(۱۶۲۴) وَ عَنْهُ اَنَّ ابْنَ صَيَّادٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرْمَكَةٌ بَيْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ. (رواہ مسلم)

(۱۶۲۴) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جنت کی مٹی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ میدہ کی طرح سفید اور مشک خالص کی طرح خوشبودار ہے۔ (مسلم شریف)

(۱۶۲۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَقِيْتُهُ وَ نَفَرَتْ عَيْنُهُ فَقُلْتُ مَتٰى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَا اَرٰى قَالَ لَا اَدْرِىْ قُلْتُ لَا تَدْرِىْ وَ هِيَ فِيْ رَأْسِكَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِيْ عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِيْرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ. (رواہ مسلم)

(۱۶۲۵) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ابن صیاد کو جب میں نے دیکھا تھا تو اس وقت اس کی آنکھ خراب ہو چکی تھی' میں نے پوچھا تیری یہ آنکھ کب خراب ہوئی؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ میں نے کہا اچھا وہ تیرے سر میں ہے اور پھر بھی تجھ کو معلوم نہیں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تیری لکڑی میں اسے پیدا فرما دے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایسی زور کی آواز نکالی جیسے گدھے کی زور کی چیخ ہوتی ہے۔

(۱۶۲۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ يَنْطِفُ اَوْ يُهْرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ثُمَّ ذَهَبْتُ اَلْتَفِتُ فَاِذَا رَجُلٌ جَسِيْمٌ اَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ اَعْوَرُ الْعَيْنِ كَاَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِئَةٌ قَالُوْا هٰذَا الدَّجَّالُ اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا ابْنُ

(۱۶۲۶) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا اور خواب میں طواف کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہیں گندم گوں رنگ سیدھے سیدھے بال یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) پھر جو میری توجہ ذرا دوسری طرف گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا لمبا چوڑا آدمی سرخ رنگ سخت گھونگروالے بال' آنکھ سے کانا ایک آنکھ ایسی تھی جیسا ابھرا ہوا انگور لوگوں نے بتایا یہ ہے دجال اکبر' اس سے سب سے زیادہ مشابہ شخص دیکھنا

ﷺ ..... سے اعراض بھی کرلیا۔ اس کے بعد جب آپ نے مزید تحقیق فرمائی تو اس نے ایک عرش دیکھنا بتایا۔ آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ تو عرش شیطان ہے اس نے بھی اپنے اعوان و انصار کے لیے ایک عرش بچھا رکھا ہے اس کے بعد جب آپؐ نے اس کے پاس خبریں لانے والے کے متعلق سوال کیا تو بات بالکل صاف ہوگئی کیونکہ نبی کو خبر دینے والے ہیں کاذب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا وہ صادق ہی صادق ہوتا ہے۔ جس کو دو سچی اور ایک جھوٹی یا اس کے برعکس خبریں معلوم ہوں تو یہ اُنہا کے کاہن ہونے کی دلیل ہے اس لیے اس کے بعد آپ نے اس سے اور کوئی سوال نہیں کیا اور بات صاف ہوگئی۔ اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ ابن صیاد میں دجالیت کی علامت میں تدریج بھی ہے جیسا کہ وقد نفرت عینه کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے اسی پر دوسری علامات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۱۶۲۶) ✱ دوسری حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ وہ عروۃ بن مسعودؓ کے بہت مشابہ ہیں اس حدیث کی تشبیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو افراد سے مراد خاص خاص اشخاص ہیں قوم انگریز یا وہ شخص مراد نہیں جو عیسیٰ ابن مریمؑ کی صفات یا ہیئت کا حامل نہ ہو جیسا کہ یہاں بعض مدعین کا دعویٰ ہے۔

www.besturdubooks.net

قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ. (رواہ البخاری)

چاہو تو بس خزاعہ قبیلہ کا یہ عبدالعزیٰ ابن قطن ہے وہ ٹھیک اسی صورت کا تھا۔

(١٦٢٧) عَنْ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِيْ فَقَالَ لِيْ مَا يُبْكِيْكِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ فَبَكَيْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَخْرُجْ وَ اَنَا حَيٌّ كَفَيْتُكُمُوْهُ وَ اِنْ يَخْرُجِ الدَّجَّالُ بَعْدِيْ فَاِنَّ رَبَّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ بِاَعْوَرَ اِنَّهُ يَخْرُجُ فِيْ يَهُوْدِيَّةِ اَصْفَهَانَ حَتّٰى يَاْتِيَ الْمَدِيْنَةَ فَيَنْزِلُ نَاحِيَتَهَا وَ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ نَقِيْبٍ مِّنْهَا مَلَكَانِ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ شِرَارُ اَهْلِهَا حَتّٰى يَاْتِيَ الشَّامَ مَدِيْنَةً بِفِلَسْطِيْنَ بِبَابِ لُدٍّ وَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ مَرَّةً حَتّٰى يَاْتِيَ فِلَسْطِيْنَ بِبَابِ لُدٍّ فَيَنْزِلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقْتُلُهٗ ثُمَّ يَمْكُثُ عِيْسٰى فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اِمَامًا عَدْلًا وَ حَكَمًا وَ مُقْسِطًا. (مسند احمد)

(١٦٢٧) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے دیکھا تو میں رو رہی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر اس طرح فرمایا کہ اس غم میں مجھ کو بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ نکلا اور میں اس وقت موجود ہوا تو تمہاری طرف سے میں اس سے نمٹ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد نکلا تو پھر یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے (اور وہ کانا ہوگا) جب وہ نکلے گا تو اس کے ساتھی اصفہان کے یہود ہوں گے' یہاں تک کہ جب مدینہ آئے گا تو یہاں ایک طرف آ کر اترے گا اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ پر دو دو فرشتے نگران ہوں گے (جو اس کو اندر آنے سے مانع ہوں گے) مدینہ میں جو بداعمال لوگ آباد ہیں وہ نکل کر خود اس کے پاس چلے جائیں گے اس کے بعد وہ فلسطین میں باب لد پر آئے گا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما چکے ہوں گے اور یہاں وہ اس کو قتل کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ایک منصف امام کی حیثیت سے زمین پر زندہ رہیں گے۔ (مسند احمد)

(١٦٢٨) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَ يَمْكُثُ فِي النَّاسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً.

(١٦٢٨) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور لوگوں میں چالیس سال تک رہیں گے۔ (طبرانی)

(اخرجه الطبرانی و بزهد احمد عنه مثله و زاد لو يقول لبطحاء سيبى عسلا لسالت (مرقات الصعود ص ١٩٨)

(١٦٢٩) عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ

(١٦٢٩) ربعی بن حراشؒ سے روایت ہے کہ عقبہ بن عمرو نے حذیفہ رضی

(١٦٢٩) ✱ دجال کا فتنہ جتنا عظیم الشان ہے قدرت کی طرف سے اس کی شناسائی کے نشان اتنے ہی زیادہ ہیں الفاظ مسلم پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجئے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ عالم تقدیر بینا کو نابینا بنا سکتا ہے جب اپنے قلب کی آنکھیں خود نابینا ہوں تو ک ف ر کے الفاظ کیا نظر آئیں۔ افظ بین عینیه تقدیری کتابت کے لیے شاید کچھ مخصوص ہے اسی لیے یہی عمرو غیرہ کے لیے محل کتابت ہے۔ اور حضرت ☜ .....

www.besturdubooks.net

بْنُ عَمْرٍو لِحُذَيْفَةَ اَلَا تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ اِذَا خَرَجَ مَاءً وَ نَارًا فَاَمَّا الَّذِیْ يَرَى النَّاسُ اَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ وَ اَمَّا الَّذِیْ يَرَى النَّاسُ اَنَّهٗ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ فَمَنْ اَدْرَكَ ذَالِكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِی الَّذِیْ يَرٰى اَنَّهَا نَارٌ فَاِنَّهٗ عَذْبٌ بَارِدٌ. (رواه البخاری ج۱ ص ۴۹۰) وَ زَادَ مُسْلِمٌ وَ اِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوْحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيْظَةٌ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَاُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ اَوْ غَيْرُ كَاتِبٍ وَفِیْ رِوَايَةٍ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ک. ف. ر. وَ فِیْ رِوَايَةٍ الكاف والالف والفاء و الراء.

اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ نے دجال کے متعلق جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی وہ ہم کو بھی سنا دیجئے - انہوں نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ دونوں ہوں گے مگر لوگوں کو جو آگ نظر آئے گی وہ ٹھنڈا پانی ہوگا اور جس کو لوگ ٹھنڈا پانی سمجھیں گے وہ جھلسا دینے والی آگ ہوگی لہٰذا تم میں جس کو بھی یہ زمانہ ملے اس کو چاہیے کہ جو آگ معلوم ہو رہی میں داخل ہو جائے کیونکہ درحقیقت وہ آب خنک ہوگا - یہاں مسلم کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ دجال کی ایک آنکھ میں موٹا سا ناخونہ ہوگا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہوں گے جس کو ہر مومن پڑھ لے گا چاہے وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ - اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان ک - ف - ر - اور ایک روایت میں - کاف - الف - فا - را - ہوگا -

---

لله ..... داؤد علیہ السلام کی ازلی سعادت اسی مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کو شاید اسی لیے نظر آ گئی ہو - پہلے یہ سب تفصیلات گذر چکی ہیں' عرف عام میں ہائے کہہ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارنا شاید اسی لیے رواج پا گیا ہوگا - صحیح مسلم کی یہ صحیح حدیث ہمارے اس بیان کے لیے شاہد ہے - مگر یاد رہے کہ اس میں گو پڑھے لکھے ہونے کی شرط نہ سہی مگر مومن ہونے کی قید موجود ہے عجب نہیں کہ یہی مومن کے ایمان کے تحفظ اور کافر کی محرومی کا سبب ہو اور یہی ایک اور عظیم فتنہ کا باعث بن جائے - یہ جملہ امور اگرچہ احادیث میں گو صراحۃً مذکور نہ ہوں مگر اس کی طرف صراحۃً اشارہ کے قریب ہے - انہی سطور میں دجال کی حقیقت کے ساتھ ابن صیاد کی احادیث کے ذکر نہ کرنے کی طرف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا لطیف بیان گذر چکا ہے اگر آپ فتن کی حقیقت سمجھتے ہیں اور ان کی احادیث کی طرف نظر رکھتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انکار سے دوسری ایک حقیقت کے انکار کی راہ نہ لیں گے یعنی فتنہ دجال کے خروج کے جتنے اسباب صراحت کے ساتھ ذکر میں آ چکے ہیں' وہ ایک ابن صیاد کی حقیقت کے مبہم رہنے کی وجہ سے مفت میں ان کا انکار نہ فرمائیں گے - اگر احادیث میں کہیں ابن صیاد کے دجال ہونے میں آپ کو شبہ گزرتا ہے تو آپ کی نظروں میں نفس دجال کی غیر مشتبہ حقیقت کو مشتبہ نہ ہونا چاہیے - اس جگہ کم از کم ایک منصف کے لیے حقیقت یہ ہے کہ دجال اگر قوم کا لقب ہو تو ابن صیاد کے متعلق حدیثیں اس کی تردید کے لیے کافی ہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ بن صیاد کسی قوم کا لقب تھا اور نہ اس کے وجود شخصی کے دیکھ لینے کے بعد اور اس کے والدین کے نام و نسب کی تحقیق کے بعد اس کی گنجائش نکل سکتی ہے پھر ابن صیاد کے دجال کہنے سے احادیث صحیحہ کے انکار کے سوا اور فائدہ کیا جب کہ احادیث صحیحہ میں یہ بیان موجود ہے کہ اس کا قاتل عمرؓ جیسا شخص بھی نہیں ہو سکتا بلکہ عیسیٰ ابن مریمؑ مقرر ہیں اور وہ بھی اس ثبوت کے لیے اپنے نیزہ میں اس کا خون دکھا دکھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ میں جو عالم تقدیر میں اس کا قاتل مقرر ہو چکا ہوں وہ کوئی معنوی قتل نہیں ہے جو صرف کتابوں کے لکھ دینے سے پورا ہو جاتا بلکہ ایک حسی قتل ہے -

www.besturdubooks.net

دجالی فتنہ

یہ واضح رہنا چاہیے کہ وہ ''دجالی فتنہ'' جس کا حدیثوں میں تذکرہ آتا ہے اور جس سے تحفظ کا علاج سورۂ کہف کی تلاوت کرنا قرار دیا گیا ہے وہ اسی کے دور میں ظہور پذیر ہوگا- جب کہ ایک طرف وہ خدائی کا دعویٰ اور اس سے پہلے رسالت کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ساتھ ایسے خارق عادات افعال بھی دکھلائے گا جو بظاہر اس کے دعوے کے مؤید نظر آئیں گے اور اس وجہ سے بہت سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے ہمارے زمانے میں مادی ترقیات خواہ کتنی بھی ہو جائیں وہ سب مادی قوانین کے تحت ہیں ان کو دجالی فتنہ سمجھنا بالکل بے محل بلکہ خلاف واقع بات ہے اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانے میں جو جدید ایجادات سامنے آرہی ہیں وہ عجیب سے عجیب تر ہیں لیکن موجودہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں سب ہی اس میں شریک ہیں اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے مسابقت میں خوب سرگرم ہیں اور ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس میدان کا ہیرو کون ہے اس لیے بھی ان میں سے کسی کو دجالی فتنہ قرار دینا قبل از وقت ہے' بلکہ ان کو اس کے مقدمات میں شمار کرنا بھی صحیح نہیں- اس کا مقدمہ دینی جہل' ضعف ایمانی اور طغیانی طاقتوں کا ہمہ گیر اقتدار ہے-

حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ دجال خود یہودی النسل ہوگا اور اس کے تمام متبعین بھی سب یہود ہی ہوں گے اور من حیث القوم وہی اس پر ایمان لائیں گے اس لیے دجالی فتنہ کا مرکز درحقیقت یہود ہیں اور اس لیے ہمارے زمانے میں یہودی مملکت کا قیام اور ان کی متفرق طاقتوں کا ایک مرکز پر جمع ہونا اور اسی جگہ ہونا جہاں عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور مقدر ہے اگر اس کو دجالی فتنہ کا مقدمہ کہا جائے تو بجا ہوگا- اب رہے نصاریٰ تو وہ ابھی تک عیسائیت کے کم از کم دعوے دار ضرور ہیں' اور گو حیوانیت کے آخر نقطہ پر پہنچ چکے ہیں مگر ان کا زبانی دعویٰ اب بھی صلیب پرستی ہی کا ہے- ادھر روس گو مدعی الوہیت تو نہیں لیکن اس سے بڑھ کر خدائے برحق کا علی الاعلان منکر بھی کوئی نہیں- صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد عیسائی تو ان پر ایمان لے آئیں گے جیسا کہ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ (نساء:۱۵۹) کی تفسیر میں آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہودی ایک ایک کر کے قتل ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر پناہ لینا چاہے گا تو وہ درخت بول اٹھے گا: ''دیکھو میرے پیچھے یہ یہودی ہے اس کو بھی قتل کرو''- اس سوانح حیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنہ کا تمام تر تعلق یہود کے ساتھ ہوگا- ہمارے زمانے کی مادی ترقیات کے ساتھ اس کا تعلق کچھ نہیں ہے اور نہ ان اقوام میں سے خاص طور پر کسی ایک قوم کے ساتھ ہے جن کے ذریعہ یہ ترقیات سامنے آرہی ہیں-

اب رہا یہ سوال کہ پھر سورۂ کہف کے اور اس فتنہ سے تحفظ کے درمیان ربط کیا ہے کہ اسی کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب قرار دیا گیا ہے تو اولاً اصولاً یہ سمجھ لیجئے کہ خوارق جس طرح خود سببیت اور مسببیت کے علاقہ سے باہر نظر آتے ہیں اسی طرح جو افعال ان کے مقابل ہیں وہ بھی سببیت کے علاقہ سے بالاتر ہوتے ہیں مثلاً ''نظر کا لگنا'' سب جانتے ہیں کہ یہ صحیح حقیقت ہے اور گو علماء اس کی معقولیت کے اسباب بھی لکھے ہیں مگر بظاہر اس کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا اسی لیے بہت سے اشخاص تو اب تک اس کے قائل ہی نہیں اور اس کو صرف ایک وہم پرستی اور تخیل سمجھتے ہیں لیکن اس کے دفعیہ کے لیے جو صورتیں مجرب ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح

www.besturdubooks.net

غیر قیاسی ہیں۔ اسی طرح بھی جانوروں کے کاٹے کے جو منتر اور افسوں ہیں وہ اکثر یا تو بے معنی ہیں اور جن کے معنی کچھ مفہوم ہیں بھی ان میں سمیت دفع کرنے کا کوئی سبب ظاہر نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں بہت سی سورتوں کے خواص مذکور ہیں مثلاً سورۂ فاتحہ کہ وہ بہت سے لاعلاج امراض کے لیے شفا ہے اب یہاں ہر جگہ اس مرض اور اس سورت کے مضامین میں مناسبت پیدا کرنے کے لیے زمین و آسمان کے قلابے ملانا بیکار کی سعی ہے۔ پھر اس قسم کی ذہنی مناسبات انسانی دماغ ہر جگہ نکال سکتا ہے اس لیے ہمارے نزدیک اس کاوش میں پڑنا مفت کی دردسری ہے۔ لیکن بایں ہمہ اگر سورۂ کہف اور دجالی فتنہ کے درمیان کوئی تناسب معلوم کرنا ہی ناگزیر ہو تو پھر بالکل صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اصحابِ کہف بھی کفر وارتداد کے ایک زبردست فتنہ میں مبتلاء ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان کے دل مضبوط رکھے اور اسلام پر ان کو ثابت قدم رکھا جیسا کہ اس سورت کے شروع ہی میں ارشاد ہے: ﴿وَ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا﴾ (الکہف: ۱۴)

پس جس طرح صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ محفوظ رہے تھے اسی طرح جب دجال کا سب سے زبردست ارتداد و کفر کا فتنہ نمودار ہوگا تو اس وقت بھی صرف امدادِ الٰہی ہی سے لوگوں کے ایمان مضبوط رہیں گے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ کا نزول کفار کی فرمائش پر ہوا تھا' اس لیے یہ قصے ان کے جواب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اور اس مناسبت کا یعنی فتنہ دجال اور سورۂ کہف سے اس سے تحفظ کا کہیں ذکر نہیں آتا صرف ایک قیاس آرائی اور قافیہ بندی ہی کہا جا سکتا ہے اور جس کو حدیث و قرآن سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ ان بے تکی باتوں میں پڑ سکتا ہے۔ دجال سے قبل یہی چند نشانیاں نہیں بلکہ بہت سی علامات مذکور ہیں جن کے اور دجال کے درمیان جوڑ لگانا ایک بڑی دردسری ہے یہاں قرآن کریم نے اپنی صفات میں سے جہاں اپنا ''قیم'' ہونا ذکر فرمایا ہے اور عیسائیت کی تردید فرمائی ہے وہ قرآن کے عام مضامین میں سے ایک اہم مضمون ہے جو متعدد اسالیب سے متعدد سوروں میں مذکور ہے لیکن ان سور کی تلاوت کو کہیں یاد نہیں آتا کہ دجالی فتنے کے تحفظ کے لیے شمار کیا گیا ہو' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو اس سورۂ خاصہ میں کوئی سبب دوسرا ہوگا۔ ابھی آپ سن چکے ہیں کہ اس سورت کے اول میں چند اشخاص کے تحفظِ ایمان کی ایسی عجیب صورت مذکور ہے جس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے: ﴿وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ﴾ (الکہف: ۱۸)

گو کہ یہ واقعہ قدرتِ الٰہیہ کے سامنے کچھ تعجب خیز نہ ہو لیکن ایک ضعیف البیان انسان کے لیے ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر وہ اس کی نظروں میں تعجب خیز نظر آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ اس واقعہ کو ذکر فرما کر قرآن کریم نے جو نتیجہ خود اخذ کیا ہے وہ اثباتِ قیامت ہے چنانچہ اس قصے کو پورا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ (الکہف: ۲۱) اور دجال کی طرف کہیں اشارہ تک یاد نہیں آتا۔ ہاں حدیث میں بے شک اس سورت کے اوائل کے ساتھ اس کے اواخر کا تذکرہ ملتا ہے۔ اب اگر اوائل میں کھینچا تانی کر کے عیسائیت کو دجال کا فتنہ قرار دے ڈالا جائے تو پھر اس کے اواخر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں عیسائیت کی تردید پر کوئی زور نہیں دیا گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دجالی فتنے سے اور عیسائیت کی تردید سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس فتنے میں روس عیسائیوں سے دو قدم آگے نظر آتا ہے تو پھر یہ بے جوڑ بات کہنے کی ضرورت کیا اور عیسائیوں کے تقدم کو اس کی انتہائی شناعت کے باوجود دجالی فتنہ قرار دے ڈالنے سے

www.besturdubooks.net

غرض کیا- اصل یہ ہے کہ بہت سی قومیں جب دجال کا ظہور نہ پاسکیں تو انہوں نے دجال کی احادیث کی پیش گوئیاں پورا کرنے کے لیے خواہ مخواہ کی یہ زحمت اٹھائی - یہ زحمت اس زحمت سے کم نہیں جنھوں نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اپنے زمانے میں نہ دیکھ کر خود عیسٰی ابن مریم بننے کی سعی ناتمام کی' اگرچہ ان کے اور عیسٰی علیہ السلام کے مابین شہر اور نام اور کام اور محل دفن وغیرہ کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو مگر اس پر بھی آخر کار انہوں نے ایک عیسٰی ابن مریم تجویز ہی کر لیا اور لاکھوں انسانوں نے ان کی اس بدیہی غلطی میں تقلید ہی کر ڈالی اسی طرح یہاں یہاں عیسائیوں کا جرم تو مسلم ہے مگر انہی کو دجالی فتنہ قرار دے ڈالنا پھر سورۂ کہف کی تلاوت کو اس سے تحفظ کا سبب سمجھ لینا یہ علمی غلطی ہے جس کا نہ احادیث سے کوئی پتہ لگتا ہے اور نہ تاریخ سے کوئی ثبوت- ہاں اگر صرف قیاس آرائی کافی ہو تو بات دوسری ہے' ورنہ عیسائیوں کو تو ان پر ایمان لانا ہے- ہاں یہودیوں کو ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جانا ہے اور اس طرح ان دونوں قوموں کا حشر آنکھوں کو نظر آتا ہے- پھر دجالی فتنے کو ان پر منطبق کرنا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے؟ کچھ گنجائش ہے؟ اور دجالی فتنے کو کسی فریق پر منطبق کرنا ہی ہے تو یہود کے حق میں اس کا کوئی امکان پیدا ہوسکتا ہے اور بس-

و الحمدللہ اولاً و اخرا

و صلی اللہ تعالٰی علی خیر خلفہ سیدنا محمد و الہ و اصحابہ الذین فی اولھم نبیھم و اخرھم الامام المھدی علیہ السلام (و اما الدجال الاکبر فھو من الیھود لیس منا و لسنا منہ لعنہ اللہ لعناً کبیرًا)

چہار شنبہ ۱۲/ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۲/ مئی ۱۹۶۵ء

المدینۃ المنورہ

تمت

الرسول الاعظم وشق صدره صلى الله عليه وسلم فى الطفولية

(۱۶۳۰) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرِيْلُ وَ هُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَامَهُ وَ اَعَادَهُ فِيْ مَكَانِهِ وَ جَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهِ يَعْنِيْ ظِئْرَهُ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَ هُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ فَكُنْتُ اَرٰى اَثَرَ الْمِخْيَطِ فِيْ صَدْرِهِ.

(رواہ مسلم)

بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کا شق ہونا

(۱۶۳۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے' اس حال میں کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا' اور آپ کو لٹا دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چیرا' اور اس سے ایک بستہ خون نکالا' اور کہا کہ یہ حصہ آپؐ میں شیطان کا تھا' پھر اس کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر آب زم زم سے دھویا' پھر اس کو سی دیا اور اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا' لڑکے دوڑتے ہوئے آپؐ کی رضاعی ماں کے پاس پہنچے یعنی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلاتی تھیں اور ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قتل کر ڈالے گئے' لوگ آپؐ کو دیکھنے کے لیے آئے' اور اس وقت آپ کا رنگ فق تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں سلائی کے نشان آپؐ کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم)

سقط النبیؐ مغشیا فی عهد الطفل بالتعرى

(۱۶۳۱) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

بچپن میں عریانی کی وجہ سے آپؐ کا بے ہوش ہو جانا

(۱۶۳۱) عمر بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان کرتے ہوئے خود سنا

(۱۶۳۰) ٭ یہ بات تو مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام انسانوں ہی کی طرح ماں باپ سے ہوئی' اور یہ مسلم ہے کہ انسانی سلسلہ کے جو عادات و خواہشات اور داعیات ہوتے ہیں وہ ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتے رہتے ہیں پھر قدرت کا یہ دستور ہے کہ جو طریقہ کار اور اس کے اثرات اس نے طے کر دیئے ہیں' وہ عموماً کم و بیش طبعی طور پر سب میں پائے جاتے ہیں' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ چیزیں ایسی ضروری ہوں گی' جو انسانی رشتہ سے آپؐ میں منتقل ہو کر آئی ہوں گی۔

بچپن میں شق صدر کے ذریعہ رب العزت نے اسی طرح کے جذبات و داعیات کو جو عموماً انسانوں میں ہوتے ہیں' نکال دینا چاہا' اور سینہ انور کو دھل دھلا کر نکھار دینا' تا کہ آپ سراپا انوار و برکات ہوں۔

(۱۶۳۱) ٭ بچپن کی سادگی اور بھولا پن کا طبعی تقاضا تھا کہ چچا کا حکم فوراً بجالاتے' تا کہ انسانی طبیعت کا مظاہرہ ہو جائے' مگر ادھر قدرت کے آگے چل کر چونکہ آپ کو نبوت کی دولت سے نوازنا چاہتی تھی' اس لیے اسے بھی برداشت نہیں کیا گیا' کہ عام بچوں کی طرح آپ ننگے پھریں' چنانچہ فوراً بے ہوشی طاری کر دی گئی' اور غیبی آواز نے متنبہ کیا' کہ تمہاری شان یہ نہیں ہونی چاہیے' گویا اللہ تعالیٰ بچپن سے آپ کی تربیت فرما رہا تھا۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَ عَلَيْهِ إِزَارُهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ يَا ابْنَ اَخِيْ لَوْ حَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا. (رواه البخاري في باب كراهية التعري و في باب بنيان الكعبه)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعمیر کعبہ کے لیے اور لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا رہے تھے‘ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند باندھ رکھا تھا‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا اے عزیز بھتیجے! اگر تم اپنا تہبند کھول کر اپنے کندھوں پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے‘ تو سہولت رہتی‘ چنانچہ آپ نے تہبند کھول کر اپنے کندھوں پر ڈال لیا‘ لیکن اسی وقت بے ہوش ہوکر گر پڑے‘ پھر اس کے بعد کبھی آپ کو ننگا نہ دیکھا گیا۔ (بخاری شریف)

الرسول الاعظم و ابتلاع الارض فضلاته صلى الله عليه وسلم

زمین کا فضلۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نگل جانا

(۱۶۳۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَرَاكَ تَدْخُلُ الْخَلَاءَ ثُمَّ يَجِيْءُ الَّذِيْ بَعْدَكَ فَلَا يَرٰى لِمَا يَخْرُجُ مِنْكَ اَثَرًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْاَرْضَ اَنْ تَبْتَلِعَ مَا خَرَجَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ. (رواه السيوطي في الخصائص الكبرى)

(۱۶۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ بیت الخلاء میں جاتے ہیں‘ پھر آپ کے بعد جو شخص جاتا ہے وہ آپؐ کے فضلہ کا کوئی نشان نہیں پاتا ہے‘ آپ نے فرمایا‘ اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دے رکھا ہے کہ انبیاء کرام سے جو فضلہ نکلے اسے وہ نگل جائے۔ (خصائص کبریٰ)

الرسول الاعظم ورويته من وراء ظهره

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پشت کی جانب سے دیکھنا

(۱۶۳۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَ تَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ. (رواه البخاري)

(۱۶۳۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روئے انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی اپنی صفوں کو سیدھی کرلو اور مل مل کر کھڑے ہو‘ اس لیے کہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۱۶۳۳) * سامنے سے تو ہر آنکھ والا انسان دیکھتا ہے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں اور بہت ساری خصوصیات تھیں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ آگے کی طرح پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتے تھے‘ آگ میں جلانے کی تاثیر ہے‘ مگر یہی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بجائے جلانے کے باعث راحت بن گئی‘ پھر اس میں کیا حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوت بینائی آپ کی پشت کی طرف بھی رکھ دی ہو‘ خرق عادات کے طور پر جہاں اور باتیں حاصل تھیں‘ یہ چیز بھی آپ کو حاصل تھی۔ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و فتح اسماع الصحابة فی منازلهم

(۱۶۳۴) عَنْ عبدالرحمن بن مُعَاذِ التَّیمِیِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًی فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا وَ فِیْ لَفْظٍ فَفَتَحَ اللّٰهُ اَسْمَاعَنَا حَتّٰی اِنْ کُنَّا لَنَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ وَ نَحْنُ فِیْ مَنَازِلِنَا. (رواہ ابن سعد کما فی الخصائص)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا تمام خیموں میں سنا جانا

(۱۶۳۴) حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا۔ اس کے سننے کے لیے ہمارے کان کھول دیئے گئے' اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کانوں کو اس کے سننے کے لیے اس طرح کھول دیا کہ اپنی اپنی منزلوں میں تھے اور وہیں سن رہے تھے۔ (خصائص)

الرسول الاعظم و سلام الجبل و الشجر علیه

(۱۶۳۵) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَکَّةَ فَخَرَجْنَا فِیْ بَعْضِ نَوَاحِیْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ اِلَّا وَ هُوَ یَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.

(رواہ الترمذی ج ۲ ص ۲۰۳)

پہاڑ اور درخت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا

(۱۶۳۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' چنانچہ ہم جب کبھی مکہ کے اطراف میں نکلتے تو جو پہاڑ یا درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑتا' وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور کہتا السلام علیک یا رسول اللہ۔ (گویا یہ آواز پتھر اور درخت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آتی تھی)

(ترمذی شریف)

ﷺ ..... صاف باطن جو لوگ ہوتے ہیں' ان کے متعلق آپ نے بھی سنا ہوگا کہ ذرا گردن جھکائی اور دور دراز کی بات بتادی کہ یہ ہو رہا ہے' اور نبی بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف باطنی کس درجہ کی تھی دنیا پر ظاہر ہے' لہٰذا پشت کی طرف کے احوال کا آپ پر منکشف ہونا کوئی تعجب خیز نہیں۔

(۱۶۳۴) ٭ آواز پہنچے کا بڑی حد تک دارومدار ظاہری اسباب میں دورونزدیک' ہوا کی موافقت و مخالفت' اور خود آواز کی پستی و بلندی پر ہے' باقی انبیاء کرام اور رسل عظام کی جہاں اور خصوصیات ہیں' ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی آواز میں سب سے زیادہ تاثیر اور قوت ہوتی ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پھیلاؤ بھی ممتاز ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا انداز بیان بتا رہا ہے کہ یہ بات خرق عادت کے طور پر تھی۔ جو جہاں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اس طرح سن رہا تھا گویا یہیں کھڑے آپؐ خطبہ دے رہے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ امت کے ممتاز افراد بھی کبھی کبھی اس نعمت سے نوازے گئے ہیں' اب نئی ایجادات نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے اور کسی کے لیے اچنبھے کی بات نہیں' گو دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے کہ ایک آلات و مشین کی محتاج ہے اور دوسری آواز کسی آلہ کی قطعاً محتاج نہیں اور نہ ظاہری آلات کو وہاں کوئی دخل ہے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم وسلام الحجر علیه قبل بعثته صلی الله علیه وسلم

(۱۶۳۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ. (رواہ مسلم)

بعثت سے پہلے پتھر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا

(۱۶۳۶) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں' جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا- بے شک اب بھی میں اس کو پہچانتا ہوں-

(مسلم شریف)

الرسول الاعظم و قصة اسراء ه صلی الله علیه وسلم

(۱۶۳۷) عَنْ مَالِکِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِیَ بِهٖ بَيْنَمَا اَنَا فِی الْحَطِيْمِ وَ رُبَّمَا قَالَ فِی الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِیْ اٰتٍ فَشَقَّ مَابَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰی هٰذِهٖ يَعْنِیْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰی شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ ثُمَّ اُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوْءٍ اِيْمَانًا فَغَسَلَ قَلْبِیْ ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ اُعِيْدُوْا فِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ غَسَلَ الْبَطْنَ بِمَاءِ زَمْ زَمَ ثُمَّ مُلِیءَ اِيْمَانًا وَ حِكْمَةً ثُمَّ اُتِيْتُ بِدَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَ فَوْقَ الْحِمَارِ اَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ يَضَعُ خُطْوَهٗ عِنْدَ اَقْصٰی طَرْفِهٖ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرَئِيْلُ حَتّٰی اَتَی السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ قَالَ هٰذَا اَبُوْكَ اٰدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کی تفصیل

(۱۶۳۷) حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرام سے اس رات کا واقعہ جس رات آپ کو معراج ہوئی اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور بسا اوقات آپؐ نے حجر کا نام لیا کہ دفعۃً ایک آنے والا میرے پاس آیا' اور اس نے یہاں سے یہاں تک میرا پیٹ چاک کیا' یعنی سینہ سے لے کر ناف تک' اور میرا دل نکالا' پھر ایک طشت لایا گیا' جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا' اس فرشتہ نے میرا دل دھویا' پھر اسے دوبارہ بھر دیا گیا' اور ایک روایت میں ہے کہ پیٹ ماءِ زم زم سے دھو کر ایمان وحکمت سے بھرا گیا' پھر ایک چوپایہ لایا گیا' جو خچر سے چھوٹا اور گدھا سے بڑا سفید رنگ کا تھا' جس کو''براق'' کہا جاتا ہے' وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا' جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی' یعنی بہت تیز رفتار تھا' اس جانور پر مجھے سوار کیا گیا' میرے ساتھ جبرئیل چلے' یہاں تک کہ اس دنیا کے آسمان پر پہنچے' تو انھوں نے دروازہ کھلوایا' ان سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہے جبرئیل نے کہا میں ہوں کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے' انھوں نے کہا محمدؐ ہیں- ان سے پوچھا گیا کہ ان کو معراج ہوئی ہے؟ کہا ہاں! اس پر آپ کو خوش آمدید کہا گیا' اور کہا کہ کیا ہی بہتر آپ کی تشریف آوری ہے' اس کے بعد دروازہ کھول دیا گیا' جب میں دروازہ کے اندر گیا تو دفعۃً وہاں آدم علیہ السلام نظر آئے' حضرت جبرئیل نے کہا یہ آپ کے پدر بزرگوار آدم علیہ

www.besturdubooks.net

فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا
بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ
حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ
هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ مَّعَكَ قَالَ
مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ
مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا
خَلَصْتُ اِذَا يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ هُمَا ابْنَا خَالَةٍ
قَالَ هٰذَا يَحْيٰى وَ هٰذَا عِيْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا
فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ
وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ
الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ
قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ
اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ
الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا يُوْسُفُ
قَالَ هٰذَا يُوْسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ
فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ
الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الرَّابِعَةَ
فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ
مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ
نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفَتَحَ
فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا اِدْرِيْسُ فَقَالَ هٰذَا اِدْرِيْسُ
فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ
مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ
صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الْخَامِسَةَ
فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ
مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ

السلام ہیں انھیں سلام کیجئے' چنانچہ آپ نے سلام کیا' آپ نے سلام کا جواب دیا' پھر فرمایا صالح فرزند اور نیک نبی خوش آمدید مبارک ہو' پھر مجھ کو لے کر جبرئیل اور اوپر چڑھے اور دوسرے آسمان پر آئے' دوسرے آسمان پر پہنچے تو انھوں نے دروازہ کھلوایا' ان سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا میں جبرائیل ہوں کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- ان سے پوچھا گیا کہ ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں کہا نے ہاں! اس کے بعد فرشتوں نے خوش آمدید کہا اور تشریف آوری پر مبارک باد پیش کی' پھر دروازہ کھول دیا' چنانچہ جب میں اندر داخل ہوا تو دفعۃ دیکھا کہ حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تشریف فرما ہیں' یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے' حضرت جبرئیل نے بتایا یہ یحیٰ علیہ السلام ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں' آپ ان دونوں کو سلام کیجئے' میں نے ان کو سلام کیا' دونوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد انہوں نے میرا استقبال کرتے ہوئے فرمایا- مرحبا مرحبا آیئے برادر صالح- آیئے نبی صالح' پھر حضرت جبرئیل مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف بڑھے' دروازہ کھلوایا' وہاں بھی پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا گیا جبرئیل' سوال ہوا' آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا جی ہاں! مرحبا مرحبا کی صدا آئی' اور خوش آمدید کہا گیا' اور دروازہ کھول دیا آگے بڑھا تو دیکھا حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں' حضرت جبرئیل نے بتایا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں' ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا' پھر انہوں نے مرحبا بالاخ الصالح و النبی الصالح کے کے الفاظ سے خوش آمدید کہا' پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر کر چوتھے آسمان کے پاس پہنچے پوچھا گیا' کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے کہا میں جبرئیل ہوں' کہا گیا کہ آپ کے ساتھ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں' پوچھا گیا' کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! مرحبا مرحبا اور خوش آمدید کے الفاظ کے ساتھ استقبال ہوا' اور دروازہ کھول دیا' میں اندر بڑھا تو حضرت ادریس

www.besturdubooks.net

قَالَ نَعَمْ قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيُّ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُوْنُ قَالَ هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيُّ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا مُوْسٰى قَالَ هٰذَا مُوْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَكٰى قِيْلَ لَهُ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ أَبْكِيْ لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِيْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِيْ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيُّ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِبْرَاهِيْمُ قَالَ هٰذَا إِبْرَاهِيْمُ أَبُوْكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْإِبْنِ الصَّالِحِ وَ النَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ وَ إِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هٰذَا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ قُلْتُ مَا هٰذَانِ يَاجِبْرَئِيْلُ قَالَ أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَ أَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيْلُ وَ

کو موجود پایا' انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت ادریسؑ ہیں ان کو سلام کیجئے حضرت جبرئیلؑ کے اس تعارف کے بعد میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا' پھر حضرت ادریسؑ نے مرحبا مرحبا اخ صالح نبی صالح کہہ کر استقبال فرمایا پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے لے کر آگے بڑھے' پانچویں آسمان پر پہنچے وہاں سوال ہوا کون؟ کہا' جبرئیلؑ ہوں' پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں' انہوں نے کہا خوش آمدید' بہت خوب تشریف آوری ہوئی' یہ کہہ کر دروازہ کھولا' میں اندر پہنچا تو حضرت ہارونؑ نظر آئے۔ جبرئیلؑ نے بتایا۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' پھر انہوں نے مبارک باد پیش کی پھر یہاں سے مجھے لے کر حضرت جبرئیل چھٹے آسمان پر پہنچے' دروازہ کھولنے کی درخواست کی' پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا جبرئیل امینؑ سوال ہوا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پوچھا کیا ان کو معراج کی دولت نصیب ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں مرحبا اور خوش آمدید کہا اور دروازہ کھول دیا' میں اندر داخل ہوا تو دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں' حضرت جبرئیلؑ نے بتایا یہ حضرت موسیٰ ہیں۔ سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا انہوں نے بھی مجھے مبارک باد پیش کی۔ میں جب آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے' پوچھا گیا کیوں رو رہے ہیں' آپ نے فرمایا اس لیے روتا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں' ان کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔ پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے لے کر اوپر چڑھے اور ساتویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھولنے کو کہا' پوچھا آپ کون؟ انہوں نے کہا جبرئیل امینؑ پوچھا آپ کے ساتھ کون؟ انہوں نے جواب میں کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! مرحبا' خوش آمدید جب میں آگے بڑھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نظر آئے۔ انہوں نے بتایا یہ حضرت ابراہیم ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' انہوں نے کہا مرحبا اے ابن صالح خوش آمدید اے نبی صالح' پھر میری طرف

www.besturdubooks.net

الْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرُ ثُمَّ 2
اُتِيْتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَ اِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ وَ اِنَاءٍ مِّنْ
عَسَلٍ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ اَنْتَ
عَلَيْهَا وَ اُمَّتُكَ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوةُ
خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ
عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ
بِخَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا
تَسْتَطِيْعُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ وَ اِنِّيْ وَ
اللّٰهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَ عَالَجْتُ
بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى
رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ
فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ
مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ
اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ
فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ
مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ
بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى
عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَاُمِرْتُ
بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى
مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ
اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ
اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ
وَ اِنِّيْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَ عَالَجْتُ
بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى
رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ سَاَلْتُ
رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ وَ لٰكِنِّيْ اَرْضٰى

سدرۃ المنتہیٰ لایا گیا' میں نے دیکھا کہ اس کے پھل مقام ہجر کے مشکوں کے برابر تھے' اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر' حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے' وہاں مجھے چار نہریں نظر آئیں' دو اندر کی جانب' اور دو باہر کی جانب' میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ دونوں نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جو نہریں اندر جا رہی ہیں' یہ جنت کی نہریں ہیں' اور جو باہر کی جانب ہیں' یہ نیل و فرات ہیں پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا اس کے بعد میرے پاس تین برتن لائے گئے ایک میں شراب تھی' دوسرے میں دودھ' اور تیسرے میں شہد' میں نے دودھ والا برتن اٹھا لیا' جبرئیلؑ نے کہا کہ یہی فطرت ہے' اور آپ اسی پر ہوں گے اور آپ کی امت بھی' پھر مجھ پر ہر دن پچاس نماز فرض کی گئیں' لوٹتے ہوئے' میں موسیٰؑ کے پاس سے گذرا- انہوں نے پوچھا کہ کیا حکم کیا گیا؟ میں نے بتایا کہ ہر دن پچاس وقتوں کی نماز کا حکم ملا ہے' انہوں نے فرمایا کہ آپ کی امت ہر دن پچاس نماز ادا کرنے میں قادر نہ ہو سکے گی' خدا کی قسم آپ سے پہلے میں نے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ زور آزمائی کر چکا ہوں' آپ اپنے رب کے پاس واپس ہوں اور تخفیف کی درخواست کریں' میں پلٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں معاف کر دیں- میں جب اس کے بعد موسیٰؑ کے پاس آیا' تو انہوں نے پھر ویسی ہی بات کی' چنانچہ میں پھر واپس ہوا' اور اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور معاف کر دیں' مگر جب پھر موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر پہلے جیسی بات فرمائی' اب میں پھر پلٹ کر گیا' اور اللہ تعالیٰ نے اس دفعہ بھی دس نمازیں معاف کر دیں' لوٹ کر جب موسیٰؑ کے پاس آیا' انہوں نے پھر وہی بات کہی' چنانچہ پھر میں واپس گیا' اور اللہ تعالیٰ نے دس اور کم کیں اور اب ہر دن میں صرف دس وقتوں کی نماز کا حکم دیا گیا' لوٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا' اب کی مرتبہ پھر انہوں نے وہی بات دہرائی' چنانچہ پھر واپس گیا' چنانچہ پانچ نمازوں کا روزانہ حکم دیا گیا- حضرت موسیٰؑ نے فرمایا آپ کی امت کو اس پانچ وقت کے نباہنے کی بھی استطاعت نہ ہوگی- چنانچہ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کے معاملہ میں کافی محنت اٹھا چکا ہوں لہٰذا پھر آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں- آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بار بار اپنے رب سے درخواست کی

www.besturdubooks.net

وَ اُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰی مُنَادٍ اَمْضَیْتُ فَرِیْضَتِیْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ. (متفق علیه)

'اب مزید جاتے ہوئے شرم آتی ہے- لہٰذا میں اب اس پر راضی ہوں اور خوش ہوں' اس کے بعد فرمایا کہ جب میں آگے بڑھا' تو ایک آواز دینے والے نے آواز دی- کہ میں اپنا فریضہ نافذ کر چکا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر چکا-

الرسول الاعظم وشانه عند نزول الوحی

نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

(۱۶۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُوْحِیَ اِلَیْهِ لَمْ یَسْتَطِعْ اَحَدٌ مِنَّا یَرْفَعُ طَرْفَهٗ اِلَیْهِ حَتّٰی یَنْقَضِیَ الْوَحْیُ. (اخرجه مسلم)

(۱۶۳۸) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو ہم میں سے کسی کو قدرت نہیں ہوتی تھی کہ وہ آنکھ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھے' جب تک کہ وحی کا نزول ختم نہ ہو جاتا تھا- (مسلم شریف)

المصارعة بین النبی صلی الله علیه وسلم و رکانة بن عبد یزید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکانہ نامی پہلوان کا کشتی میں ہار جانا

(۱۶۳۹) عَنْ رُکَانَةَ بْنِ عَبْدِ یَزِیْدَ وَ کَانَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ قَالَ کُنْتُ اَنَا وَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غُنَیْمَةٍ لِاَبِیْ طَالِبٍ نَرْعَاهَا فِیْ اَوَّلِ مَا رَاٰی' اِذْ قَالَ لِیْ ذَاتَ یَوْمٍ هَلْ لَکَ اَنْ تُصَارِعَنِیْ قُلْتُ لَهٗ اَنْتَ قَالَ اَنَا فَقُلْتُ عَلٰی مَاذَا قَالَ عَلٰی شَاةٍ مِّنَ الْغَنَمِ فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِیْ فَاَخَذَ مِنِّیْ شَاةً ثُمَّ قَالَ لِیْ هَلْ لَکَ فِی الثَّانِیَةِ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهٗ

(۱۶۳۹) رکانہ سے روایت ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھے' کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی چند بکریاں چرا رہے تھے یہ بات شروع کی ہے' آپ نے ایک دن مجھ سے فرمایا کیا تم مجھ سے کشتی لڑتے ہو؟ میں نے کہا آپ سے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں مجھ ہی سے' میں نے کہا کس شرط پر؟ آپ نے فرمایا' ایک بکری پر چنانچہ میں نے آپ سے کشتی لڑی' لیکن آپؐ نے مجھے پچھاڑ دیا' اور مجھ سے ایک بکری لے لی آپ نے فرمایا کیا پھر دوبارہ کشتی لڑو گے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لڑوں گا' میں نے دوبارہ کشتی لڑی مگر اس دفعہ بھی آپؐ نے مجھے پچھاڑ دیا' اور مجھ سے ایک بکری لے لی' میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی آدمی مجھے دیکھ تو

(۱۶۳۹) ٭ رکانہ عرب کا مانا ہوا پہلوان تھا' بار بار کے تجربہ سے اس کو اپنے فن پر ناز تھا اور بجا ناز تھا' قاعدہ ہے کہ جو جس فن میں یکتا مان لیا جاتا ہے' اس میں ناز پیدا ہو ہی جاتا ہے اس لیے رکانہ اپنی شکست پر حیرت زدہ تھا' ایسا جیسے یہ خواب کی بات ہو' تین دفعہ کشتی ہوتی ہے' اور ہر دفعہ وہ ہار جاتا ہے اب اس کے دل میں یہ بات پیوست ہو جاتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ جیت جسمانی طاقت کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے کیونکہ جسمانی طاقت تو مجھ میں زیادہ ہے' اور یہی وجہ ہے کہ نبوت کی جونہی شہرت ہوتی ہے- اس کا دل حق کے آگے جھک جاتا ہے' اور اس وقت وہ اعتراف کرتا ہے کہ یقین مجھے اپنی کشتی ہی کے دن ہو چکا تھا' کہ کوئی غیبی طاقت ہے- جو اس کی مدد کر رہی ہے-

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فراخ حوصلگی سے بکریوں کا واپس کر دینا بتاتا ہے کہ آپ کا مقصد ہار جیت سے بکریاں حاصل کرنا نہ تھا' اور نہ اپنی طاقت کا مظاہرہ تھا' بلکہ ایک ماہرِ فن پر ظاہر کرنا تھا' کہ ایک غیبی طاقت ہے' جو مجھے ہر جگہ کامران بناتی ہے' اور قدرت کے آگے کسی کی نہیں چلتی-

www.besturdubooks.net

فَصَرَعَنِيْ فَاَخَذَ مِنِّيْ شَاةً فَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ هَلْ يَرَانِيْ اِنْسَانٌ فَقَالَ مَالَكَ قُلْتُ لَا يَرَانِيْ بَعْضُ الرِّعَاةِ فَيَجْتَرِءُوْنَ عَلَيَّ وَ اَنَا مِنْ اَشَدِّهِمْ قَالَ هَلْ لَكَ فِي الصِّرَاعِ الثَّالِثَةِ وَ لَكَ شَاةٌ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهُ فَصَرَعَنِيْ وَ اَخَذَ مِنِّيْ شَاةً فَقَعَدْتُ كَئِيْبًا حَزِيْنًا فَقَالَ مَالَكَ قُلْتُ اِنِّيْ اَرْجِعُ اِلٰى عَبْدِ يَزِيْدَ وَ قَدْ اَعْطَيْتُ ثَلَاثًا مِّنْ غَنَمِهٖ وَ الثَّانِيَةُ اَنِّيْ كُنْتُ اَظُنُّ اَنِّيْ اَشَدُّ قُرَيْشٍ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي الرَّابِعَةِ فَقُلْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ اَمَّا قَوْلُكَ فِي الْغَنَمِ فَاِنِّيْ اَرُدُّهَا عَلَيْكَ فَرَدَّ عَلَيَّ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ ظَهَرَ اَمْرُهٗ فَاَتَيْتُهٗ فَاَسْلَمْتُ فَكَانَ مِمَّا هَدَانِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنِّيْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ يُصْرِعْنِيْ يَوْمَئِذٍ بِقُوَّتِهٖ وَ لَمْ يُصْرِعْنِيْ يَوْمَئِذٍ اِلَّا بِقُوَّةِ غَيْرِهٖ.

نہیں رہا ہے' آپ نے فرمایا کیا ہے' جو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ دیکھ رہا ہوں کہ کہیں کسی چرواہے نے مجھے پچھڑتے ہوئے تو نہیں دیکھ لیا' کہ کبھی اس کو میرے مقابلہ کی جرأت ہو جائے' حالانکہ میں ان میں تمام سے زیادہ قوی مشہور ہوں' آپ نے فرمایا کیا تم تیسری مرتبہ لڑو گے اور تمہارے لئے ایک بکری ہے' میں نے کہا جی ہاں لڑوں گا' پھر کشتی ہوئی' پھر آپؐ نے مجھے پچھاڑ دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی' اب میں اداس اور رنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا' آپ نے فرمایا تجھے کیا ہو گیا' میں نے کہا عبد یزید یعنی اپنے باپ کے پاس اس حال میں تو لوٹوں گا کہ میں اپنی تین بکریاں کھو چکا ہوں گا' دوسری بات یہ ہے کہ میں تمام قریش میں سب سے زیادہ مضبوط شمار ہوتا تھا' (مگر وہ بات آج جاتی رہی) آپ نے فرمایا اچھا چوتھی مرتبہ کشتی کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ تین دفعہ ہارنے کے بعد بھی؟ آپؐ نے فرمایا کہ بہرحال تیری گفتگو بکریوں کے سلسلہ میں تو میں وہ تمہیں واپس کر دوں گا چنانچہ آپ نے واپس کر دیں۔ اس واقعہ کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ آپ کی نبوت کی بات مشہور ہوئی' چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور دولت ایمان سے سرفراز ہوا' جس چیز سے مجھے ہدایت ہوئی' وہ یہی تھی' مجھے یقین ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنی قوت سے اس دن مجھے زیر نہیں کیا تھا' بلکہ کسی اور کی طاقت سے مجھے پچھاڑا تھا۔ (بیہقی وغیرہ)

الرسول الاعظم ودعائه علي يد حفصة رضـ ثم شفائها بدعائه صلى الله عليه وسلم

(۱۶۴۰) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰى حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَجُلًا وَ قَالَ لَهَا اِحْتَفِظِيْ بِهٖ فَغَفَلَتْ حَفْصَةُ وَ مَضَى الرَّجُلُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَفْصَةُ مَا فَعَلَ الرَّجُلُ قَالَتْ غَفَلْتُ عَنْهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ فَقَالَتْ بِيَدِهَا هٰكَذَا

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھوں کا ٹیڑھا ہونا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے شفا پانا

(۱۶۴۰) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ کیا اور ان سے فرمایا کہ تم اس کی حفاظت کرو' حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے غافل ہو گئیں اور وہ نکل بھاگا' جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے حفصہؓ! وہ شخص کہاں گیا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس سے ذرا غافل ہوئی اور وہ نکل بھاگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ تیرا ہاتھ قطع کرے' انہوں نے کہا کہ اسی وقت وہ ہاتھ ایسے (ٹیڑھے) ہو گئے' اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئے تو فرمایا اے حفصہؓ! تیرا کیا

www.besturdubooks.net

فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَانُكِ يَا حَفْصَةُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ قَبْلُ كَذَا وَ كَذَا قَالَ ضَعِي يَدَكِ فَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَيُّمَا إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِي دَعَوْتُ عَلَيْهِ أَنْ يَجْعَلَهَا لَهُ مَغْفِرَةً.

حال ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ابھی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنا ہاتھ نیچے ڈال دے میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ اپنی امت میں سے جس کے لیے میری زبان سے بددعا نکل جائے اس کو تو اُس کے لیے باعثِ مغفرت بنا دے۔

الرسول الاعظم و عقوبة عدوه صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کا انجام

(۱۶۴۱) عَنْ عَبْدِالرحمنِ بْنِ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ كَانَ فُلَانٌ يَجْلِسُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَجَ بِوَجْهِهِ فقال النَّبِيُّ كُنْ كَذٰلِكَ فَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ. (رواه الحاكم فى صحيحه)

(۱۶۴۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو وہ بطور استہزاء اپنا منہ بگاڑا کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا ہی ہو جا' چنانچہ وہ ایسا ہی منہ بناتا رہا' حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (حاکم)

الرسولُ الاعظم وطيب عرقه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو

(۱۶۴۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ وَ جَاءَتْ أُمِّي بِقَارُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلُتُ الْعَرَقَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِي تَصْنَعِيْنَ قَالَتْ هٰذَا عَرَقٌ نَجْعَلُهُ لِطِيْبِنَا وَ هُوَ أَطْيَبُ الطِّيْبِ. رواه مسلم فى رواية قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْا بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا قَالَ أَصَبْتِ. (روى البخارى نحوه)

(۱۶۴۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے۔ دوپہر میں یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لے آئیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ پونچھ پونچھ کر شیشی میں ڈالنے لگی' اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے' اور پوچھا اے ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے کہا یہ آپ کا پسینہ ہے' اسے ہم اپنی عطروں میں ملا لیتے ہیں جس کی وجہ سے تمام خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبو ہو جاتا ہے (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ ہمیں امید ہے کہ اس کی برکت ہمارے بچوں کو بھی حاصل ہوگی۔ آپ نے فرمایا تم نے درست کہا۔

(۱۶۴۲) ✱ مختلف حدیث میں متعدد راویوں سے یہ بات نقل کی گئی ہے' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس پر اتفاق سا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ معطر ہوا کرتا تھا' انبیاء کرام کو رب العزت نے جن خصوصیات سے نوازا ہے' ان کا تقاضا بھی ہے کہ آپ ہر اعتبار سے ممتاز ہوں۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اخبار الراهب عن النبوة وعلامتها قبل بعثته صلی اللہ علیہ وسلم

(١٦٤٣) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ خَرَجَ اَبُوْ طَالِبٍ اِلَی الشَّامِ وَ خَرَجَ مَعَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَشْیَاخٍ مِنْ قُرَیْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوْا عَلَی الرَّاهِبِ هَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ اِلَیْهِمِ الرَّاهِبُ وَ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ یَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا یَخْرُجُ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَلْتَفِتُ قَالَ فَهُمْ یَحُلُّوْنَ رِحَالَهُمْ فَجَعَلَ یَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰی جَاءَ فَاَخَذَ بِیَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْیَاخٌ مِنْ قُرَیْشٍ مَا عِلْمُكَ فَقَالَ اِنَّكُمْ حِیْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ یَبْقَ شَجَرٌ وَ لَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَ لَا یَسْجُدُوْنَ اِلَّا لِنَبِیٍّ وَ اِنِّیْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ كَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ وَ كَانَ هُوَ فِیْ رِعْیَةِ الْاِبِلِ

بحیرا راہب کی پیش گوئی اور تفصیلی قصہ

(١٦٤٣) حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کا بیان ہے کہ ابو طالب شام کے لیے نکلے' اس سفر میں ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے' اور قریش کے دوسرے بڑے بڑے لوگ بھی جب یہ سب کے سب راہب کے پاس پہنچے' یہاں قیام کیا اور اپنے اپنے کجاوے کھول دیئے' اس مرتبہ راہب ان کے پاس آنے لگا حالانکہ اس سے پہلے قافلہ جب بھی اس کے پاس سے گذرتا تھا' تو راہب کبھی ان کے پاس نہیں آتا تھا' اور نہ کوئی توجہ دیتا تھا' راوی کا بیان ہے کہ ابھی قافلہ والے اپنے کجاوے کھول ہی رہے تھے' کہ راہب ان کے پاس آ گیا اور کچھ ٹٹولنے لگا' چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لیا' اور کہنے لگا' یہ نوجوان جہان والوں کا سردار ہے' یہ رب العالمین کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے' قریش کے شیوخ نے اس راہب سے پوچھا' تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا جس وقت تم لوگ اس گھاٹی کے قریب آئے' اس وقت کوئی درخت اور کوئی پتھر ایسا باقی نہ رہا' جو سر کے بل نہ گر گیا ہو' اور یہ اشیاء سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کرتی ہیں' اور میں خود بھی نبوت کی مہر سے ان کو پہچانتا ہوں' جو آپؐ کے مونڈھے (کندھے) کی نرم ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے' یہ کہہ کر وہ واپس لوٹا' اور ان تمام لوگوں کے لیے کھانا بنوایا۔ جس وقت وہ ان کے پاس کھانا لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرا رہے تھے' اس نے کہا ان کو بلانے

(١٦٤٣) ✱ اس حدیث میں قابل غور بات یہ ہے کہ اہل کتاب کے متدین علماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اس وقت شہادت دی جب کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ نبوت ملی اور نہ اس کا دور دور تک لوگوں کو کوئی وہم ہے' اور یہی نہیں کہ راہب بے دلیل بات کہہ رہا ہو' بلکہ وہ ثبوت پیش کرتا ہے' کہ ایک نبی کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں' وہ سب پائی جا رہی ہیں' لوگ مشاہدہ کر رہے ہیں' پھر مہر نبوت جو سب سے بڑا ثبوت ہے' اس کو وہ پیش کر رہا ہے' اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں' قدرتی طور پر نبی کے احترام میں قبل از عطاء نبوت شجر' حجر سجدے کر رہے ہیں' درخت اپنا سایہ خصوصی طور پر ان پر ڈالتا ہے' اور اس طرح کہ قریش بچشم خود معائنہ کر رہے ہیں کہ درخت کا سایہ آپ کے آتے ہی اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہے' بادل آپ کے سر پر سایہ فگن ہے کہ دھوپ کی تمازت آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ ﷺ .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ اَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاَقْبَلَ وَ عَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهُ فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ اِلٰى فَيْئِ الشَّجَرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ عَلَيْهِمْ يُنَاشِدُهُمْ اَنْ لَّا يَذْهَبُوْا بِهٖ اِلَى الرُّوْمِ فَاِنَّ الرُّوْمَ اِنْ رَاَوْهُ عَرَفُوْهُ بِالصِّفَةِ فَيَقْتُلُوْنَهُ فَالْتَفَتَ فَاِذَا بِسَبْعَةٍ قَدْ اَقْبَلُوْا مِنَ الرُّوْمِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ الرَّاهِبُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكُمْ قَالُوْا جِئْنَا لِاَنَّ هٰذَا النَّبِيَّ خَارِجٌ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ فَلَمْ يَبْقَ طَرِيْقٌ اِلَّا بُعِثَ اِلَيْهِ بِاُنَاسٍ وَ اِنَّا قَدْ اُخْبِرْنَا خَبَرَهُ بِطَرِيْقِكَ هٰذِهٖ فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اَمْرًا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّقْضِيَهٗ هَلْ يَسْتَطِيْعُ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ رَدَّهٗ قَالُوْا فَبَايَعُوْهُ وَ اَقَامُوْا مَعَهٗ قَالَ اُنْشِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ اَيُّكُمْ وَلِيُّهٗ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ اَنَا فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهٗ حَتّٰى رَدَّهٗ اَبُوْ طَالِبٍ وَزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَ الزَّيْتِ وَ بَعَثَ مَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ بِلَالًا .(قال الترمذی هذا حدیث حسن غریب لانعرفه الا من هذا الوجه)

کو بھیجو' آپ تشریف لائے اس طرح کہ بادل آپ کے اوپر سایہ فگن تھا' جب آپ قوم کے بالکل قریب آ گئے' تو آپ نے ان کو دیکھا کہ وہ سب سبقت کر کے درخت کے سایہ میں پہنچ چکے تھے' جب آپ آ کر بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکا' اس راہب نے کہا درخت کے سایہ کو دیکھو کہ وہ اس (نوجوان) پر جھک پڑا ہے' ابھی وہ راہب کھڑا ان سے کہہ ہی رہا تھا کہ ان کو روم آپ لوگ نہ لے جائیں' اس لیے کہ اہل روم اگر ان کو دیکھ لیں گے اور ان کو ان کے اوصاف سے پہچان لیں گے تو پھر دشمنی میں قتل کر ڈالیں گے اتنے میں اس نے پلٹ کر دیکھا' تو کیا دیکھتا ہے کہ دفعۃً سات آدمی روم سے آ رہے ہیں' راہب نے ان کا استقبال کیا' اور پوچھا کہ آپ لوگ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ نبی اس مہینہ میں نکلنے والا ہے کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا گیا ہے جس پر کچھ لوگ نہ بھیجے گئے ہوں' ہمیں خبر دی گئی ہے کہ وہ نبی آپ کے اس راستہ پر ہے' راہب نے کہا' تم یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جس امر کا ارادہ فرما لیا ہے کہ وہ اسے پورا کرے گا- پھر کیا کسی کو قدرت ہے کہ وہ اسے رد کر دے' انہوں نے اس سے بیعت کر لی- اور کچھ دنوں اس کے ساتھ قیام کیا' راہب نے کہا کہ اے اہل عرب! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم بتاؤ کہ اس کا ولی تم میں سے کون ہے؟ ابوطالب نے کہا' میں اس کا ولی ہوں' وہ راہب برابر قسم دیتا رہا- چنانچہ ابوطالبؓ نے آپ کو مکہ واپس کر دیا- واپسی کے وقت راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زاد راہ کے لیے چپاتیاں اور زیتون کا تیل پیش کیا' اور حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ کو کر دیا-

---

ﷺ ..... راہب اہل روم کی عداوت بیان کر کے شیوخ قریش سے التجا کرتا ہے کہ ان کو روم نے لے جائیں' اور اتنے میں روم کے چند افراد تلاش میں سرگرداں نظر بھی آتے ہیں اور ان کی زبان پر بھی یہی کلمات ہیں کہ ''وہ نبی اپنے وطن سے اس مہینہ میں نکلنے والا ہے اور ہم نے تمام راستوں پر آدمی دوڑا دیئے ہیں اور ہمیں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ وہ نبی آپ کے اسی راستے پر ہے-

دنیاداروں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے' باقی اس حدیث کے سلسلہ میں دوسرے اعتراضات' تو ان کا مفصل اور تشفی بخش جواب مولانا بدر عالم صاحبؒ کے قلم سے تیسری جلد ص ۱۸۵ میں ملاحظہ فرمائیں- جہاں انہوں نے اسے نقل کیا ہے-

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اخبار هرقل بمبعثه صلى الله عليه وسلم

(۱۶۴۴) وَ كَانَ ابْنُ النَّاطُورِ صَاحِبُ اِيْلِيَاءَ وَ هِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ قَدِمَ اِيْلِيَاءَ اَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهٖ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَ كَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَاَلُوْهُ اِنِّيْ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَاْنُهُمْ وَ اكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهٗ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ هُوَ اَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْا اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَسَاَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَهٗ بِرُوْمِيَةَ وَ كَانَ نَظِيْرَهٗ فِي الْعِلْمِ وَ سَارَ هِرَقْلُ اِلٰى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى اَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهٖ يُوَافِقُ رَاْيَ هِرَقْلَ عَلٰى خُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَّهٗ نَبِيٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِيْ دَسْكَرَةٍ لَهٗ بِحِمْصَ ثُمَّ اَمَرَ بِاَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَ الرُّشْدِ وَاَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هٰذَا

علم نجوم کے ذریعے ہرقل اور شاہ غسان کے فرستادہ کا یقین کہ آپ سچے نبی ہیں

(۱۶۴۴) ابن الناطور ایلیا کا حاکم تھا' اور ہرقل شام کے نصرانیوں کا مذہبی سردار تھا' بیان کیا جاتا ہے' کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا' تو وہ ایک صبح بہت پریشان خاطر نظر آ رہا تھا اس کے بعض خواص نے عرض کی کہ ہم آپ کو بدلا ہوا پا رہے ہیں۔ ابن الناطور کا بیان ہے کہ ہرقل کاہن تھا اور علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا' اس نے ان لوگوں کے پوچھنے پر بتایا' کہ رات جس وقت میں ستاروں کو غور سے دیکھ رہا تھا' تو اس سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے (پھر پوچھا) اس قوم میں کون ختنہ کرتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہود کے سوا اور کوئی ختنہ نہیں کرتا' لہٰذا ان کی وجہ سے آپ فکرمند نہ ہوں' اور اپنی حکومت کے تمام شہروں کو لکھ دیں کہ ان میں جو بھی یہود ہیں ان سب کو وہ قتل کر ڈالیں' وہ ابھی یہی بات چیت کر رہے تھے کہ ہرقل کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا' جس کو شاہ غسان نے بھیجا تھا' اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دے رہا تھا ہرقل جب اس سے حالات پوچھ چکا' تو اپنے لوگوں سے اس نے کہا' تم جاؤ اور دیکھو کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں یا نہیں؟ (حسب الحکم) ان لوگوں نے تحقیق کی اور بتایا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں' پھر ہرقل نے عرب کے متعلق دریافت کیا' تو انہوں نے بتایا کہ وہ سب ختنہ کیا کرتے ہیں' یہ سن کر ہرقل نے کہا کہ اس امت کا یہی بادشاہ ہے' جو پیدا ہو چکا ہے' پھر اس نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو لکھا' اور وہ بھی اس علم میں اسی کے پایہ کا تھا۔ اور خود ہرقل حمص چلا گیا' وہ ابھی حمص سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ اس کو اپنے اس دوست کا خط ملا' جس میں اس نے ہرقل کی رائے سے نبی کریمؐ کے پیدا ہونے کے باب میں موافقت کی تھی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں' اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو جو حمص کے اندر اس کے لشکر میں تھے۔ طلب کیا' پھر اس نے حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر دیئے جائیں' چنانچہ وہ بند کر دیئے گئے۔ اس کے بعد ہرقل سامنے آیا اور اس نے کہا کہ اے باشندگانِ روم کیا تمہارے لیے رشد و فلاح میں کوئی حصہ ہے' اور کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت برقرار رہے' اگر یہ رائے ہے تو تم سب اس (پیدا ہونے والے) نبی کے ہاتھ پر بیعت کر لو' یہ سنتے ہی وہ وحشی گدھوں

www.besturdubooks.net

النَّبِیَّ فَحَاصُوا حَیْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَی الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَاٰی هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَ اَیِسَ مِنَ الْاِیْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَیَّ وَ قَالَ اِنِّیْ قُلْتُ مَقَالَتِیْ اٰنِفًا اَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰی دِیْنِكُمْ فَقَدْ رَاَیْتُ فَسَجَدُوْا لَهٗ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ كَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَانِ هِرَقْلَ. (بخاری شریف)

کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے لیکن انہوں نے ان کو بند پایا- ہرقل نے جب ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان سب کو میرے پاس واپس لاؤ' چنانچہ وہ لائے گئے' ہرقل نے ان سے کہا کہ ابھی میں نے جو بات کی اس سے میرا منشا یہ تھا کہ میں امتحان کروں کہ تم اپنے دین پر کتنے مضبوط ہو چنانچہ میں نے تم میں یہ بات دیکھی' یہ سن کر سبھوں نے ہرقل کو سجدہ کیا اور سب اس سے خوش ہو گئے پھر ہرقل آخیر تک اسی حال پر قائم رہا-

الرسول الاعظم و نصرته بالرعب مسيرة شهر

ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب طاری ہونا

(۱۶۴۵) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَ لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَ كَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً.

(رواه الخمسة الا ابا داؤد)

(۱۶۴۵) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ باتیں خصوصیت سے ایسی عطا کی گئی ہیں' جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں (۱) میری مدد ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب ڈال کر کی گئی (۲) میرے لیے تمام زمین نماز کی جگہ اور پاک بنائی گئی' لہٰذا میری امت میں جس کسی کو جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے' اسے نماز پڑھ لینی چاہیے (۳) میرے لیے مال غنیمت جائز قرار دیا گیا' جو میرے سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا (۴) مجھے شفاعت کبریٰ کا حق بخشا گیا (۵) مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لیے ہوتے تھے اور میں قیامت تک کے لیے تمام لوگوں کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجا گیا-

---

(۱۶۴۵) * رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ان ہی پانچ چیزوں میں منحصر نہیں' بلکہ بہت سی دوسری اور خصوصیات ہیں' جس کے لیے حافظ سیوطیؒ کی الخصائص الکبریٰ دیکھی جا سکتی ہے ان پانچ کا تذکرہ ان کے نمایاں کرنے کے لیے ہے-

سروسامان' لاؤلشکر' اور بے انتہاء تعداد سے مرعوب ہونا' تو انسان کا طبعی تقاضا ہے' لیکن جب بے سروسامانی بھی ظاہر ہو' تعداد بھی برائے نام ہو' دولت وثروت کا دور دور تک نام نشان تک نہ ہو' اور ہتھیار سے مسلح بھی نہ ہوں اور پھر بھی دوسری قوم لرزہ براندام ہو جائے تو یہ بڑی ہی خصوصی اہمیت ہے' مسافت کی تخصیص سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ عام طور پر انسانی آبادی میں اتنی ہی مسافت میں ہوا تھا- پہلی امتوں کے لیے گرجا و کلیسہ کی تخصیص تھی' یہ آزادی حاصل نہ تھی کہ جہاں وقت ہوا ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور فرائض ادا کر لیے' مگر الحمد للہ اس امت کو یہ آزادی حاصل ہے کہ جہاں وقت ہو جائے یہ نماز ادا کر لے-

www.besturdubooks.net

شهادة زيد بن خارجة بعد موته ان محمدا رسولُ الله و خاتم الانبياء

(۱۶۴۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ خَارِجَةَ مِنْ سَرَاةِ الْاَنْصَارِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَمْشِيْ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ اِذْخَرَّ فَتُوُفِّيَ فَاُعْلِمَتْ بِهِ الْاَنْصَارُ فَاَتَوْهُ فَاحْتَمَلُوْهُ اِلٰى بَيْتِهٖ وَ سَجَّوْهُ كِسَاءً وَ بُرْدَيْنِ وَ فِي الْبَيْتِ نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءِ الْاَنْصَارِ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ وَ رِجَالٌ مِّنْ رِجَالِهِمْ فَمَكَثَ عَلٰى حَالِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ اِذْ سَمِعُوْا صَوْتَ قَائِلٍ يَقُوْلُ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا فَنَظَرُوْا فَاِذَا الصَّوْتُ مِنْ تَحْتِ الثِّيَابِ فَحَسَرُوْا عَنْ وَجْهِهٖ وَ صَدْرِهٖ فَاِذَا الْقَائِلُ يَقُوْلُ عَلٰى لِسَانِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِيَّ بَعْدَهٗ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْاَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ.

بعد وفات زید بن خارجہ کی گواہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور آخری نبی ہیں

(۱۶۴۷) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ زید بن خارجہ جو انصار کے سرداروں میں تھے' ایک دن وہ مدینہ منورہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے ظہر وعصر کے درمیانی وقت میں گذر رہے تھے' کہ دفعۃً وہ گر گئے اور وہیں ان کی موت واقع ہوگئی' انصار کو اس حادثہ کی خبر دی گئی' وہ سب آئے اور ان کو اٹھا کر ان کے گھر لے گئے' اور ایک کمبل اور دو چادروں میں ان کو ڈھانک دیا گھر میں انصار کی عورتیں اور کچھ مرد ان پر رونے لگے' یہ گریہ وزاری جاری ہی تھا کہ عشاء ومغرب کا درمیانی وقت آ گیا' کہ دفعۃً ان سبھوں نے آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے' چپ رہو' چپ رہو' وہ دیکھنے لگے کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے' معلوم ہوا کہ انہیں کپڑوں کے نیچے سے آرہی ہے' جو مردے پر پڑے ہوئے ہیں' لوگوں نے میت کا چہرہ اور سینہ کھولا' کیا دیکھتے ہیں کہ ایک غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے' کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی اور امی ہیں' خاتم النبیین ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا' یہ پہلی کتاب تورات وانجیل میں موجود ہے کہ اس نے سچ کہا' سچ کہا۔

الرسول الاعظم وشهادة الضب برسالته صلى الله عليه وسلم

(۱۶۴۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ حَدِيْثٍ

گوہ کی شہادت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں

(۱۶۴۸) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک لمبی حدیث میں یہ

(۱۶۴۷) * مردہ کا گویا ہونا' خوارق عادات میں سے ہے۔ اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں' جب گوہ بول سکتی ہے' کنکری سے آواز آ سکتی ہے' تو مردہ کے بولنے میں کون سی ایسی بات ہے۔ جو سمجھ میں آنے والی نہیں ہے' مگر یہاں بتایا گیا ہے کہ آواز تو مردہ کی زبان سے آرہی تھی' مگر بولنے والا کوئی فرشتہ تھا' اور منشا یہ ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ پیوست ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری سچے نبی ہیں' اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے' نبوت کا دروازہ آپ کے بعد قطعاً بند کر دیا گیا ہے۔ اب یہی شریعت محمدی قیامت تک چلے گی' اور اسی کی پیروی میں نجات ہے۔

آپؐ کے بعد جتنے لوگوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹے اور لاغی (بے حیثیت) ہیں' اور ان کے ماننے والے کافر ومرتد ہیں' ان کے شر سے بچنا' ہر مسلمان کا فرض ہے۔

www.besturdubooks.net

طَوِيلٍ فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ لَا اٰمَنْتُ بِكَ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِكَ هٰذَا الضَّبُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ اَنَا يَا ضَبُّ فَقَالَ الضَّبُّ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِيْنٍ يَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِيْعًا لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ فَقَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ عَرْشُهُ وَ فِي الْاَرْضِ سُلْطَانُهُ وَ فِي الْبَحْرِ سَبِيْلُهُ وَ فِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهُ وَ فِي النَّارِ عَذَابُهُ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ٥ الحديث. (اخرجه الطبرانی فی الاوسط و الصغیر و ابن عدی و الحاکم فی المعجزات و البیهقی و ابو نعیم و ابن عساکر و لیس فی اسناده من ینظر فی حاله سوی محمد بن علی بن الولید البصری السسمی شیخ الطبرانی و ابن عدی و قال السیوطی فی الخصائص قت لحدیث عمر طریق آخر لیس فیه محمد بن علی بن الولید اخرجه ابو نعیم و روی عن عائشه وابی هریرة و علی رضی الله تعالی عنهم مثله کما فی الخصائص ج ۲ ص ۶۵)

بیان ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا' میں اس وقت تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لاسکتا ہوں جب تک یہ گوہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہ لے آئے' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے مخاطب ہوکر فرمایا' اے گوہ! بتا میں کون ہوں؟ گوہ نے فصیح عربی میں جواب دیا' جسے تمام لوگوں نے بخوبی سمجھا اس نے کہا اے رب العالمین کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں حاضر ہوں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بتا تو کس کی پوجا کرتی ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی' جس کا عرش آسمان پر ہے' اور جس کی حکومت زمین پر' اور جس نے سمندر میں راستہ بنایا' اور جنت میں جس کی رحمت کارفرما ہے اور دوزخ میں جس کا عذاب' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا' دنیا جہاں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے سچے اور آخری نبی ہیں' طبرانی نے اس حدیث کو معجم اوسط اور معجم صغیر میں' اور ابن عدی اور حاکم نے اس کو معجزات میں نقل کیا ہے

الرسول الاعظم وشهادة النخلة انه رسول الله صلى الله عليه وسلم

کھجور کے خوشہ کی گواہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں

(۱۶۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا

(۱۶۴۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور کہا کس بات سے میں یہ جانوں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۶۴۹) * ایک گنوار دیہاتی کے لیے سب سے زیادہ اسی طرح کی چیزوں میں صداقت کی کشش ہوتی ہے' اور وہ اسی کو کسی کا کمال تصور کرتا ہے چنانچہ اس کی فرمائش کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معجزہ دکھایا' کہ ایک خوشہ کھجور کے درخت سے اتر کر آیا' اور پھر واپس ہوگیا' چنانچہ اس سادہ دل انسان نے فوراً اسلام کی دولت قبول کی اور جنتی بن گیا - آپ معجزات کی اس جلد میں اس سے بھی عجیب و غریب واقعات پڑھ چکے ہیں' یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک خوشہ پیغمبر اسلام کی تعمیل حکم میں آیا اور گیا -

www.besturdubooks.net

الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِرْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِيُّ. (رواه الترمذی و صححه)

نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے خوشہ کو بلاؤں تو وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آواز دی پس وہ کھجور کے درخت سے نیچے آنے لگا' یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر گرا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاؤ' وہ واپس ہو گیا' یہ دیکھ کر دیہاتی مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی)

الرسول الاعظم و المطر بوسيلته

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کی برکت سے بارش

(۱۶۵۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْا. (رواه البخاری)

(۱۶۵۰) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب قحط پڑتا اور لوگ خشک سالی میں مبتلا ہوتے' تو حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے' اور کہتے' اے اللہ! پہلے ہم اپنے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور تو ہمیں بارش کی نعمت سے سیراب کرتا تھا' اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ اختیار کر رہے ہیں' تو ہمیں بارش سے سیراب کر دے' چنانچہ بارش ہو جاتی تھی' اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

الرسول الاعظم و اليقين في عمرؓ باخذه يده

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے آن واحد میں حضرت عمرؓ میں یقین

(۱۶۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ

(۱۶۵۱) حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ حضرت عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے

(۱۶۵۰) ✱ اس حدیث میں صراحت ہے کہ جب کبھی بارش نہیں ہوتی تھی اور لوگ پانی کی کمی کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت باراں کے لیے دعا کرتے تھے چنانچہ آپ کی برکت سے بارش ہو جاتی تھی اور اس طرح مخلوق خدا امساک باراں کی مصیبت سے نجات پاتی تھی۔

شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا' تو لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں آئے اور پریشانی پیش کی' انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی چھت اس قدر کھول دی جائے کہ آسمان اس سے نظر آنے لگے' لوگوں نے ایسا ہی کیا' یہ بھی ایک طرح کا آپ کی ذات سے توسل کا طریقہ تھا' چنانچہ بارش ہوئی اور اتنی ہوئی کہ ہر جگہ سبزہ زار اگ آئے' اور اس طرح خدا کی مخلوق نے اطمینان کا سانس لیا۔

(۱۶۵۱) ✱ محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک طبعی دوسری عقلی' ماں باپ' بیٹا بیٹی اور بیوی کی محبت طبعی ہے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' محبت عقلی ہے۔ اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ عقل طبیعت پر غالب آ جائے' چنانچہ عہد صحابہؓ سے لے کر اب تک عام مسلمانوں میں یہی دیکھا گیا ہے کہ محبت رسول کے آگے ماں باپ اور اولاد کی طبعی محبت کو وہ خاطر میں نہیں لائے۔ حضرت عمرؓ صحابہ کبار بقیہ.....

www.besturdubooks.net

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ لَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى اَكُوْنَ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّكَ الْاٰنَ وَ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ الْاٰنَ يَا عُمَرُ.(رواه البخاری فی الایمان و النذور)

تھے حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کی یا رسول اللہ! بلاشبہ مجھے اپنی جان کے سوا آپ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں' آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی' جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جب تک میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ بن جاؤں' تم مؤمن نہیں ہو (آپ کے اس جملہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دل کی کیفیت بدل گئی) چنانچہ انہوں نے کہا کہ بخدا اب آپ یقیناً اپنی جان سے بھی مجھے زیادہ عزیز ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اب اے عمر تم پکے مؤمن ہو- اس حدیث کو بخاری نے کتاب الایمان والنذور میں نقل کیا ہے-

الرسول الاعظم ومسجده اخر المساجد

مسجد نبوی کا مساجد انبیاء میں آخری ہونا

(۱۶۵۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ قَارِظٍ اَشْهَدُ اَنِّيْ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّيْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَ مَسْجِدِيْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ. (رواه مسلم و النسائی و لفظه خاتم الانبياء و خاتم المساجد)

(۱۶۵۲) عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام انبیاء کرام کے آخیر میں ہوں' اور میری مسجد بھی تمام مساجد انبیاء کے بعد ہے اور آخری ہے- اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی نے بھی' مگر اس میں ''آخرالانبیاء'' کی جگہ ''خاتم الانبیاء'' اور آخرالمساجد کی جگہ ''خاتم المساجد'' کا لفظ آیا ہے-

---

لے ..... اور خلفاء راشدین میں ہیں' اس وقت ان کے دل میں جو کیفیت تھی بے کم وکاست انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھول کر رکھ دی آپ نے یہ سن کر اپنا جملہ کچھ اس انداز میں فرمایا کہ وہ بجلی کی سی تیزی سے حضرت عمرؓ کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گیا اور نگاہ نبوی نے سیکنڈوں میں ان کی کائنات دل میں انقلاب بپا کر دیا' اور انہوں نے دفعۃً اپنے دل کی کیفیت بالکل بدلی ہوئی پائی- اور برملا اظہار کیا کہ یا رسول اللہ! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے' اور اس طرح کہ اس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصرف بھی ایک معجزہ ہے-

اللہ تعالیٰ نے محبت عقلی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے- ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ (مجادلہ:۲۲)

(۱۶۵۲) ✱ منشاء نبوی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے' نبوت کا دروازہ آپ کے بعد بند ہو چکا ہے اور مسجدیں جو کسی نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں' ان میں مسجد نبوی آخری مسجد ہے اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ اس کی طرف منسوب ہو کر کوئی مسجد تعمیر ہوگی' چنانچہ دوسری حدیث میں صراحت ہے ''مسجدی خاتم مساجد الانبیاء'' یعنی میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے-

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و مخافة عدوه بعظمته صلى الله عليه وسلم

ہیبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمن کے ہاتھ سے تلوار کا گر پڑنا

(۱۶۵۳) عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَ نِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَ اِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَ اَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَ هُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلَاثًا وَ لَمْ يُعَاقِبْهُ وَ جَلَسَ. (متفق عليه) و في رواية ابي بكر الا سمعيلي في صحيحه فقال من يمنعك مني قال الله فسقط السيف من يده فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم السيف فقال من يمنعك مني فقال كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فقال تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا

(۱۶۵۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں نکلے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی واپس ہو گئے' اور دو پہر کے وقت ایک ایسی وادی میں پہنچے' جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول اجلال فرمایا' اور درختوں کے سایہ کی طلب میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی' اور ہم لوگ بے خبر سو گئے' کہ دفعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو آواز دی' دیکھا ایک دیہاتی آپ کے پاس موجود ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس نے مجھ پر میری تلوار کھینچ لی اور میں سویا ہوا تھا' کہ اچانک میری آنکھ کھلی' دیکھا اس کے ہاتھ میں کھینچی ہوئی تلوار موجود تھی' اس نے مجھ سے کہا بتاؤ مجھ سے تم کو کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ' تین دفعہ فرمایا' اور آپؐ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ بیٹھ گئے' (متفق علیہ) ابوبکر اسمٰعیلی نے اس کو اپنی صحیح میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اس گنوار دیہاتی نے جب کہا تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا اللہ' یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھالیا اور آپؐ نے فرمایا اب کہو تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا تلوار لینے والوں میں بہتر آپ ہی بن جائیں' آپؐ نے فرمایا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول

(۱۶۵۳) * اس گنوار دیہاتی حملہ آور کا نام غورث بن الحارث بتایا گیا ہے' اور قسطلانی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اس وقت گو مسلمان نہ ہوا' مگر اپنی قوم میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا' اور اس کی وجہ سے اس کی قوم کے دوسرے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے۔
ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ پر یقین واعتماد ملاحظہ فرمائیں' اور دوسری طرف یہ غور کریں کہ قدرت پا کر بھی آپ نے دشمن سے کس طرح درگذر فرمایا' اور جانی دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا' بے شک آپ نے تبلیغ حق فرمایا کہ یہ آپ کا فریضہ تھا' مگر کیا کہیں سے کسی جبر واکراہ کی بو محسوس ہوتی ہے؟ اس کے باوجود دشمنان اسلام کا یہ کہنا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا کس قدر غلط ہے۔

www.besturdubooks.net

اَللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ لَا وَ لٰكِنِّیْ اُعَاهِدُكَ عَلٰی اَنْ لَا اُقَاتِلَكَ وَ لَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰی سَبِيْلَهٗ فَاَتٰی اَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ. (هكذا فی كتاب الحميدی و فی الرياض مشكوٰة)

ہوں اس نے کہا نہیں، لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب آپ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے' آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور اس نے ان سے کہا کہ میں لوگوں میں جو بہترین شخص ہیں ان کے پاس سے آیا ہوں۔

(کتاب الحمیدی وغیرہ)

الرسول الاعظم و موت الرجل لمخالفة امره صلى الله عليه وسلم

ہدایتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کا نتیجہ

(۱۶۵۴) عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ مَسِيْرٍ اِنَّا مُدْلِجُوْنَ اللَّيْلَةَ فَلَا يَرْحَلَنَّ مَعَنَا مُضْعَفٌ وَ لَا مُصْعَبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلٰی نَاقَةٍ لَهٗ صَعْبَةٍ فَسَقَطَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهٗ فَمَاتَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُدْفَنَ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰی اَنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواه الحاكم فی المستدرك فی كتاب قسمته الفیٔ و لم يتعقبه الذهبی)

(۱۶۵۴) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں فرمایا کہ ہم لوگ آج رات میں اندھیرے ہی میں چل پڑیں گے' لہٰذا ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص سفر نہ کرے جس کی اونٹنی کمزور یا سخت مزاج ہو' لیکن ایک شخص اپنی سخت مزاج اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑا' چنانچہ وہ اس سے گرا' اور اس کی گردن ٹوٹ گئی' اور اور وہ مر گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کو دفن کر دیا جائے پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ وہ پکار کر یہ کہہ دیں کہ جنت نافرمان کے لیے نہیں ہے۔

(مستدرک)

الرسول الاعظم و اخباره بمقصد العباس و علی قبل دخولهما

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مقصد کی اطلاع ان کی آمد سے پہلے

(۱۶۵۵) عَنْ اُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا اِذْ جَاءَ عَلِیٌّ وَ الْعَبَّاسُ يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَا لِاُسَامَةَ اسْتَاْذِنْ لَنَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَ الْعَبَّاسُ

(۱۶۵۵) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا' کہ اچانک حضرت علیؓ اور عباسؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور شرفِ ملاقات کی اجازت طلب کی' اور دونوں بزرگوار نے حضرت اسامہؓ سے کہا' کہ تم ہمارے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کرلو' حضرت

(۱۶۵۵) * اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "لکنی ادری" لیکن میں ان کے آنے کا مقصد جانتا ہوں' چنانچہ پہلے سوال کا آپؐ نے جواب اس انداز میں دیا' کہ یہ جو سوال دل میں لے کر آئے ہیں نہ پوچھیں اور اسی سے سمجھ جائیں کہ آپ کو ان دونوں میں زیادہ عزیز کون ہیں' لیکن چونکہ یہ دونوں بزرگوار طے کر کے ..... لله

www.besturdubooks.net

يَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَ اَتَدْرِيْ مَاجَاءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّيْ اَدْرِيْ اِئْذَنْ لَهُمَا فَدَخَلَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْنَاكَ نَسْئَلُكَ اَيُّ اَهْلِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ قَالَ مَاجِئْنَاكَ نَسْئَلُكَ عَنْ اَهْلِكَ قَالَ اَحَبُّ اِلَيَّ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلْتَ عَمَّكَ اٰخِرَهُمْ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ.

(رواه الترمذی)

اسامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے درخواست کی یارسول اللہ! حضرت علی اور عباسؓ آئے ہوئے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں' آپؐ نے فرمایا لیکن میں جانتا ہوں' اچھا انہیں اجازت دے دو' چنانچہ دونوں آ گئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے معلوم کریں' کہ اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ محبت آپ کو کس سے ہے؟ فرمایا اپنی لخت جگر فاطمہؓ سے' انہوں نے کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے' اور ان گھر والوں کے بارے میں ہمارا سوال نہیں ہے' آپ نے فرمایا تو پھر اسامہؓ بن زید سے' جس پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور پھر میں نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی' اور میں نے آزاد کیا) انہوں نے عرض کی پھر اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا کہ علیؓ بن ابی طالب' یہ سن کر حضرت عباسؓ بولے! یارسول اللہ آپ نے اپنے چچا کو ان سب کے اخیر میں ڈال دیا۔ آپؐ نے فرمایا علیؓ نے آپ سے پہلے ہجرت کی ہے' اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔

الرسول الاعظم و اعتراف اليهود برسالته صلى الله عليه وسلم

(۱۶۵۶) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا تَسْرِقُوْا وَ لَا تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا

جواب سننے کے بعد یہود کا اعتراف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں

(۱۶۵۶) حضرت صفوان بن عسال راوی ہیں' کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو' اس نے اپنے ساتھی سے کہا ''نبی'' نہ کہو' اگر وہ اس لفظ کو سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی بہت خوش ہوگا' پھر وہ دونوں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے' اور آیات بینات کے متعلق آپ سے سوال کیا' اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے محترم بنایا ہے' مگر حق کے سلسلہ میں اور کسی بے قصور کو

لہ ..... آئے تھے' اس لیے خاموش کیسے رہتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے کہلوانا چاہتے تھے' اس لیے دوبارہ پوچھا اور اس کے بعد پھر پوچھا' جب آپ نے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا کہ حضرت علیؓ سے زیادہ محبت ہے' اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی' اس جواب کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تشفی ہو گئی۔

یہ بھی آپؐ کا ایک طرح کا معجزہ ہی تھا' کہ کہنے سے پہلے آپ کو معلوم ہو گیا' کہ یہ دونوں کیوں آئے ہیں' اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام میں محبت کا مدار ایمان اور ایثار و قربانی پر ہے رشتہ سے زیادہ عظمت دین کو حاصل ہے اور دراصل وہی سرمایہ افتخار بھی ہے۔

www.besturdubooks.net

تَمْشُوْا بِبَرِیْءٍ اِلٰی ذِیْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَهٗ وَ لَا تَسْحَرُوْا وَ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَ لَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً وَ لَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ یَوْمَ الزَّحْفِ وَ عَلَیْكُمْ خَاصَّةً الْیَهُوْدُ لَا تَعْتَدُوْا فِی السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا یَدَیْهِ وَ رِجْلَیْهِ وَ قَالَا نَشْهَدُ اِنَّكَ نَبِیٌّ قَالَ فَمَا یَمْنَعُكُمَا اَنْ تَتَّبِعَانِیْ قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا یَزَالَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ نَبِیٌّ وَ اِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ یَقْتُلَنَا الْیَهُوْدُ.

(رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

صاحب اقتدار کے پاس نہ لیجاؤ کہ وہ اسے قتل کر ڈالے' جادو نہ کرو' سود نہ کھاؤ' کسی پارسا عورت کو تہمت نہ لگاؤ' اور جہاد سے پیٹھ نہ پھیرو اور اے یہود تمہارے لیے ایک خاص حکم یہ ہے کہ شنبہ کے دن زیادتی نہ کرو' راوی نے کہا کہ پھر ان دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ نبی ہیں' آپؐ نے فرمایا پھر کیا بات مانع ہے کہ تم میری پیروی کرو' انہوں نے (جھوٹ) کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعاء کی تھی کہ ہمیشہ نبی ان کی اولاد میں سے ہو' اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے آپؐ کا اتباع کیا تو یہود ہمیں قتل کر ڈالیں گے اس حدیث کو احمد' ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

الرسول الاعظم و عصمته فی ابان شباب

عہد شباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منجانب اللہ لغویات سے حفاظت

(۱۶۵۷) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا هَمَمْتُ بِقَبِیْحٍ مِمَّا كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ یَهُمُّوْنَ بِهٖ اِلَّا مَرَّتَیْنِ مِنَ الدَّهْرِ كِلْتَاهُمَا یَعْصِمُنِی اللّٰهُ مِنْهُمَا قُلْتُ لِفَتًی كَانَ مَعِیْ مِنْ قُرَیْشٍ بِاَعْلٰی مَكَّةَ فِیْ اَغْنَامٍ لَهَا تَرْعٰی اَبْصِرْلِیْ غَنَمِیْ حَتّٰی اَسْمُرَ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ بِمَكَّةَ كَمَا یَسْمُرُ الْفِتْیَانُ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا خَرَجْتُ فَجِئْتُ اَدْنٰی دَارٍ مِنْ دُوْرِ مَكَّةَ سَمِعْتُ غِنَاءً وَ صَوْتَ دُفُوْفٍ وَ زَمِیْرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالُوْا فُلَانٌ تَزَوَّجَ فُلَانَةَ لِرَجُلٍ مِنْ قُرَیْشٍ فَلَهَوْتُ بِذَالِكَ الْغِنَاءِ وَ بِذَالِكَ الصَّوْتِ حَتّٰی غَلَبَتْنِیْ عَیْنَیَّ فَمَا اَیْقَظَنِیْ اِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ اِلٰی صَاحِبِیْ فَقَالَ لِیْ مَا فَعَلْتَ فَاَخْبَرْتُهٗ ثُمَّ قُلْتُ لَهٗ لَیْلَةً اُخْرٰی مِثْلَ ذَالِكَ

(۱۶۵۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان ناشائستہ حرکتوں کا میرے دل میں دو مرتبہ کے سوا کبھی خطرہ نہیں گزرا جن کا جاہلیت کے لوگ عام طور پر ارتکاب کرتے تھے' لیکن دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لغویات سے محفوظ رکھا ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اپنے قریشی نوجوان ساتھی سے کہا' جو مکہ مکرمہ کی بالائی حصہ میں بکریاں چرا رہا تھا' کہ تم ذرا میری بکریوں کی بھی دیکھ بھال رکھنا' تاکہ میں آج کی رات مکہ مکرمہ جا کر قصہ گوئی کی مجلس میں شرکت کر سکوں جیسا عموماً نوجوان کیا کرتے ہیں' اس نے کہا اچھی بات ہے میں نگرانی رکھوں گا۔ چنانچہ جب میں چلا اور مکہ کی آبادی کے قریب ایک گھر کے پاس پہنچا' تو میں نے گانے بجانے اور باجہ کی آواز سنی' میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے' لوگوں نے بتایا کہ فلاں قریشی کی فلاں عورت سے شادی ہوئی ہے' میں اس گانے بجانے کے قصہ میں ایسا پڑا' کہ قصہ گوئی کی محفل کا خیال جاتا رہا' اور ایسی نیند آئی کہ جب تک آفتاب نکل کر تیز نہ ہو گیا میری آنکھ نہ کھلی' میں واپس اپنے ساتھی کے پاس پہنچا' اس نے دریافت کیا کہ بتاؤ کیا کیا' میں نے پورا ماجرا کہہ سنایا' پھر ایک دوسری رات میں نے اپنے ساتھی سے ایسا ہی کہا' وہ مان گیا لیکن جب میں نکلا تو پھر میں نے آج بھی ایسی

www.besturdubooks.net

فَفَعَلَ فَخَرَجْتُ فَسَمِعْتُ مِثْلَ ذَالِكَ فَقِيلَ لِي مِثْلَ مَا قِيلَ لِي فَلَهَوْتُ بِمَا سَمِعْتُ حَتّٰى غَلَبَتْنِي عَيْنَيَّ فَمَا اَيْقَظَنِي اِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ اِلٰى صَاحِبِي فَقَالَ لِي مَا فَعَلْتَ قُلْتُ، مَا فَعَلْتُ شَيْئًا فَوَاللّٰهِ مَا هَمَمْتُ بَعْدَهَا بِسُوْءٍ مِمَّا يَعْمَلُ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى اَكْرَمَنِي اللّٰهُ بِنُبُوَّتِهِ.

ہی آواز راستہ میں سنی جیسی پہلی مرتبہ سنی تھی' پوچھنے پر وہی تفصیل بتائی گئی' چنانچہ میں اسی میں الجھ کر رہ گیا اور پھر نیند کا ایسا زور ہوا کہ سو گیا اور دھوپ کی تپش نے مجھے بیدار کیا' میں لوٹ کر ساتھی کے پاس آیا تو اس نے پوچھا کہ بتاؤ تم نے کیا کیا' میں نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا' خدا کی قسم اس کے بعد پھر کبھی میں نے اس طرح کی حرکت کا ارادہ نہیں کیا' جس کے جاہلیت والے عادی اور شائق تھے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ (خصائص کبریٰ)

(رواہ ابن راھویہ فی مسندہ و ابن اسحاق و البزار و البیھقی و ابو نعیم و ابن عساکر قال ابن حجر اسنادہ حسن متصل و رجالہ ثقات کذافی الخصائص)

الرسول الاعظمؐ و اثر کلماتہ

آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کا اثر

(۱۶۵۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَسِيْرٍ فَلَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْاَسِيْرُ قَالَتْ لَهَوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَالَكِ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ اَوْ يَدَيْكِ فَخَرَجَ فَاٰذَنَ بِهِ النَّاسَ فَطَلَبُوْهُ فَجِيْءَ بِهِ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَ اَنَا اُقَلِّبُ يَدَيَّ فَقَالَ اُجِنِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتَ وَ انا اقلب يَدَيَّ اَنْظُرُ اَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ اَوْ مُؤْمِنَةٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَهٗ زَكٰوةً وَ طَهُوْرًا. (رواہ احمد)

(۱۶۵۸) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی لے کر گھر میں داخل ہوئے' میں عورتوں سے بات چیت میں اس قیدی سے غافل ہوگئی' اور وہ نکل بھاگا' دوبارہ نبی کریمؐ تشریف لائے تو آپؐ نے پوچھا کہ قیدی نے کیا کیا' انہوں نے کہا میں عورتوں سے بات چیت میں اس سے غافل ہوگئی تھی' وہ موقع پا کر چل دیا' آپؐ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا اللہ تیرا ہاتھ کاٹے' یہ کہہ کر آپؐ باہر تشریف لے گئے' لوگوں کو صورت حال بتائی' انہوں نے تلاش شروع کر دی' اور اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا یہ کیا پاگل جیسی حرکت کر رہی ہو' میں نے عرض کی کہ جب سے آپؐ کی زبان مبارک سے کاٹنے کے الفاظ نکلے ہیں' میں ایسی ہی الٹ پلٹ کر رہی ہوں۔ میں دیکھتی ہوں کہ ان میں سے کون کاٹا جاتا ہے' اس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی' پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلا دیئے اور دعا کی' اے اللہ میں بشر ہوں' اور آدمیوں کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے' لہٰذا جس مسلمان مرد و عورت پر مجھ سے کلمات بددعا نکلے ہوں' تو اس کو ان کے لیے پاکی اور صفائی کا ذریعہ بنادے۔ (احمد)

(۱۶۵۸) ✱ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات بہر حال اثر رکھتے ہیں' ادھر کلمات نکلے ادھر حضرت عائشہؓ پر اثر ہوا' قربان جائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت امت پر' آپ کو جونہی احساس ہوا' تمام کے حق میں دعا فرمائی کہ اگر کبھی غصہ میں کوئی جملہ ایسا زبان پر آ جائے' جو امت کے کسی فرد کے لیے مضر ہو سکتا ہو' تو اسے اس کے لیے موجب صفائی و پاکی بنا دے۔ لوگوں کو اس سے یہ سبق بھی لینا چاہیے کہ حتی الوسع زبان پر بددعا کے کلمات نہ لائے جائیں۔

www.besturdubooks.net

27

الرسول الاعظمؐ و تاثیر کلامه

(۱۶۵۹) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ.

(رواه مسلم)(رياض الصالحين)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ہاتھ کا شل ہو جانا

(۱۶۵۹) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا- آپ نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اس نے جواب دیا' مجھے اس کی قدرت نہیں ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو قدرت نہ رکھے' حالانکہ اس کو سوائے تکبر کے اور کسی چیز نے دائیں ہاتھ سے کھانے سے نہیں روکا تھا' پھر وہ اس کو اپنے منہ تک کبھی نہ اٹھا سکا- (مسلم شریف)

الرسول الاعظم و تاثير ضربه في صدر ابي بن كعبؓ

(۱۶۶۰) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَرَاَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ قِرَاءَةً سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قَرَاَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَاَمَرَ هُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَءَ اَفَحَسَّنَ شَاْنَهُمَا فَسُقِطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَ لَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا اُبَيُّ اُرْسِلَ اِلَيَّ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرُدَّ اِلَيَّ الثَّالِثَةَ اِقْرَاْهُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَ لَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْئَلَةٌ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی ضرب کا اثر

(۱۶۶۰) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا' اس نے ایسی قراءت کی جو میرے لیے بالکل اجنبی تھی' پھر دوسرا آیا' اس نے اپنے ساتھی سے بالکل مختلف طرز میں قراءت شروع کی' ہم لوگ جب نماز ادا کر چکے' تو سب مل کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے' میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے ایسی قراءت کی ہے جو میرے لیے بالکل اجنبی تھی' دوسرا شخص آیا اور وہ اپنے ساتھی سے بالکل مختلف طرز میں پڑھنے لگا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا- چنانچہ ان دونوں نے سنایا' سن کر آپ نے دونوں کی قراءت کی تحسین فرمائی' یہ سن کر میرے دل میں آپ کی تکذیب پیدا ہوئی اور اس طرح کہ جاہلیت میں بھی یہ کیفیت نہ تھی' مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس کیفیت کو محسوس فرمایا جس نے مجھ کو ڈھانپ لیا تھا' تو آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس کے نتیجے میں میں پسینہ پسینہ ہو گیا' اور خوف کی یہ حالت ہو گئی' گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں' پھر مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا اے ابی! میرے پاس پہلے ہی وحی آئی تھی کہ میں قرآن ایک ڈھنگ سے پڑھوں' لیکن میں نے بار بار درخواست کی کہ میری امت کے لیے آسانی فرما دے' تیسری دفعہ مجھے جواب ملا کہ تم اسے سات طرح سے پڑھو' اور تم کو اپنی ہر درخواست کے بدلے میں ایک دعا کا حق ہے' جس کی آپ مانگ کر سکتے ہیں' پس میں نے دوبار دعا کی

www.besturdubooks.net

تَسْأَلُنِيهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَ اَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ اِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى اِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

(رَوَاهُ مسلم)

اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما دیجئے' اے اللہ میری امت کو بخش دیجئے اور تیسری دعا اس دن کے لیے رکھ چھوڑی ہے' جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کے ساتھ آئے گی' یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔

(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

الرسول الاعظمؐ و اسلام عبدالله بن سلام

عبداللہ بن سلامؓ کے سوالات کے جوابات اور ان کا مشرف باسلام ہونا

(۱۶۶۱) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِي اَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَ مَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ مَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ اِلٰى اَبِيهِ وَ اُمِّهِ قَالَ اَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرَئِيلُ اٰنِفًا' اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ وَ اَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاكُلُهُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْاَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْاَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهْتٌ وَ اِنَّهُمْ اِنْ يَعْلَمُوْا بِاِسْلَامِي مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْاَلَهُمْ

(۱۶۶۱) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنی' اس وقت وہ ایک کھیت میں پھل توڑ رہے تھے' پس وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ میں آپؐ سے تین چیزوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں' جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتایئے قیامت کی علامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے؟ جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ اور بچہ اپنے باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ ابھی حضرت جبرئیلؑ نے ان کے متعلق خبر دی ہے' قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جا کر جمع کر دے گی اور پہلا کھانا جسے جنتی کھائیں گے پس وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہوگا' اب رہی تیسری بات تو جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہوتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یارسول اللہ! یہود ایک بہتان طراز قوم ہے' اس لیے اگر ان کو میرے اسلام کا حال اس سے پہلے معلوم ہو گیا' کہ آپ ان سے میرے متعلق دریافت کر لیں' تو پھر وہ ضرور مجھ پر بہتان باندھیں گے' (اس لیے

(۱۶۶۱) ❋ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم جن کے دلوں میں کج و پیچ نہیں ہوتا' وہ فوراً اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یہ پہچاننے میں انہیں ذرا بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں' ساتھ ہی یہود قوم کی فطرت آشکارا ہوتی ہے' کہ من حیث القوم ان کے اعمال و اخلاق کس قدر پست ہوتے ہیں' اور آن کی آن میں کیسے پلٹ جاتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

يَبْهَتُوْنَنِيْ فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبْدُاللّٰهِ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَ ابْنُ خَيْرِنَا وَ سَيِّدُنَا وَ ابْنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَ ابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رواہ البخاری)

آپ پہلے ان سے میرا حال معلوم کر لیں پھر ان کو اس کی خبر دیں) چنانچہ جب یہود آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا' تم میں عبداللہ کون شخص ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سے ایک بہترین شخص ہیں اور بہترین شخص کے لڑکے ہیں' اور ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے لڑکے ہیں' آپ نے فرمایا تم بتاؤ کہ اگر عبداللہ بن سلام اسلام قبول کر لیں (تو کیا سمجھو گے) انہوں نے کہا اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے' اس کے بعد عبداللہ نکلے اور پڑھا اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله یہ سن کر یہود کہنے لگے ہم میں سے بدترین شخص کا لڑکا ہے اور وہ عیب لگانے لگے' عبداللہ بن سلامؓ نے کہا یہی بات تھی یا رسول اللہ جس سے میں ڈر رہا تھا۔ (بخاری)

الرسول الاعظمؐ و القاء النعاس على الصحابة عند غسله

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے وقت صحابہ کرام پر نیند طاری ہونا اور ایک غیبی آواز کا سننا

(۱۶۶۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا وَ اللّٰهِ مَا نَدْرِيْ اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابِهٖ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَمْ نَغْسِلُهٗ وَ عَلَيْهِ ثِيَابُهٗ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّوْمَ حَتّٰى مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَ ذَقْنُهٗ فِيْ صَدْرِهٖ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ مُكَلِّمٌ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ اَنِ اغْسِلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيْهِ ثِيَابُهٗ.

(۱۶۶۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا' وہ کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کپڑے اتار ڈالیں جس طرح ہم اپنے دوسرے مردوں کے ساتھ کرتے ہیں' یا ہم کپڑے کے ساتھ ہی آپؐ کو غسل دے دیں' جب اس مسئلہ میں ان کے اندر اختلاف ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی' حتیٰ کہ ان میں کوئی ایسا باقی نہ رہا جس کو نیند نہ آئی ہو اور اس کی ٹھوڑی[1] اس کے سینہ پر نہ جھک گئی ہو پھر گھر کے ایک کونے سے ایک کہنے والے نے کہا جس کے متعلق لوگوں کو معلوم نہیں کہ وہ کون تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تم کپڑوں سمیت غسل دو۔

(۱۶۶۲) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دن رات پیش آنے والی باتیں ایک ایک کر کے بتائی تھیں' عام دستور یہی تھا کہ مردہ سے کپڑے اتار کر پردہ والے حصہ کو ڈھک کر غسل دیا کرتے تھے۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو حیات ابدی حاصل تھی' وفات کے بعد آپ کو کس طرح غسل دیا جائے صحابہ کرام کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی' ایک طرف ادب و احترام' دوسری طرف آپ کا خصوصی مرتبہ اور آپ کی امتیازی شان' اجتہاد میں ہر ایک اپنی سمجھ پر عمل کا مکلف ہے' اس لیے باہم صحابہ کا اختلاف ناگزیر تھا' مگر قدرت نہیں چاہتی تھی کہ یہاں کوئی اختلافی شکل باقی رکھی جائے' چنانچہ ہاتف غیبی کے ذریعے فیصلہ کر دیا گیا۔

[1] انسان کے جبڑے کا سب سے نچلا حصہ۔ ٹھوڑی بھی کہتے ہیں۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظمؐ و ریح المسک فی یدالماس بعد وفاته

(۱۶۶۳) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ ؓ قَالَتْ وَضَعْتُ یَدِیْ عَلٰی صَدْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ فَمَرَّ بِیْ جُمَعٌ اٰكُلُ وَ اَتَوَضَّأُ مَا يَذْهَبُ رِيْحُ الْمِسْكِ مِنْ يَدِیْ.

(اخرجه البیهقی کما فی الخصائص)

الرسول الاعظم و تعزیة الملائکة علی اهل بیته صلی الله علیه وسلم

(۱۶۶۴) عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَسْمَعُوْنَ الْحِسَّ وَ لَا يَرَوْنَ الشَّخْصَ فَقَالَتْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اِنَّ فِی اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَ خَلَفًا مِنْ كُلِّ فَائِتَةٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَ اِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ. (خصائص کبریٰ)

وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جسم مبارک پر ہاتھ رکھنے سے اس میں مشک کی پائیدار خوشبو

(۱۶۶۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر رکھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی' اس کے بعد مجھ پر کئی جمعے گذر چکے' کھاتی بھی ہوں اور وضو بھی کرتی ہوں' مگر میرے ہاتھ سے مشک کی خوشبو نہیں جاتی۔

(بیہقی شریف)

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت فرشتوں کی طرف سے

(۱۶۶۴) حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی' تو فرشتوں نے بھی آپ کے گھر والوں کی تعزیت کی' وہ آواز سنتے تھے اور کسی شخص کو دیکھتے نہ تھے وہ آواز یہ تھی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ الخ" اے رسول خدا کے اہل بیت تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں' ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی ذات باعث صبر ہے اور ہر نکل جانے والی چیز کا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانشین ہے' پس اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو محروم وہ ہے' جو ثواب سے محروم کیا گیا (تم کو صبر کا ثواب مل کر رہے گا۔ تم محروموں میں نہیں) وَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ.

(۱۶۶۳) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف طور پر نوازا تھا' آپ کے پسینہ کے متعلق مختلف روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں کہ مشک سے زیادہ خوشبو ہوتی تھی' اور صحابہ عطر میں ملا کر خوشبو میں تیزی پیدا فرماتے تھے' سوچئے کہ پسینہ میں یہ خوشبو کیوں تھی' آخر جسم مبارک کا ہی تو اثر تھا۔

وفات کے بعد اس دنیا سے جو معمولی رشتہ تھا وہ بھی منقطع ہو گیا لہٰذا نورانیت پورے طور پر ابھر آئی' خوشبو اضعافاً مضاعفا ہو گئی' اور ہونی ہی چاہیے۔

(۱۶۶۴) ✱ عام انسانوں کی تعزیت آدمی کرتے ہیں' یہ ایک فطری جذبہ ہے' مگر انبیاء کرام کا گھرانہ ایسا ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اس سے کسی نہ کسی درجہ میں لگاؤ ہوتا ہے' نزول وحی کے موقع سے فرشتے آتے رہتے ہیں' جس نبی سے فرشتوں کو لگاؤ ہو گا یقیناً اس کے گھر والوں سے کچھ نہ کچھ تعلق خاطر ہو گا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یقیناً ایک حادثہ عظیم تھا' جس سے بھی متاثر ہوئے لیکن آپ کے اہل بیت کا زیادہ غمگین ہونا قدرتی تھا اور وہ واقعۃً تعزیت کے مستحق تھے بھی' اس لیے فرشتوں نے صبر کی تلقین کی مگر اس طرح یہ تعزیت ہوئی کہ وہ مجسم ہو کر سامنے نہیں آئے۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و عدم بلاء جسده بعد الوفات

(۱۶۶۵) عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمْعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِيْهِ قُبِضَ وَ فِيْهِ النَّفْخَةُ وَ فِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَ قَدْ اَرِمْتَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ. (رواہ ابوداؤد و النسائی)

جسم اطہر صلی اللہ علیہ وسلم میں بعد وفات کوئی تغیر نہ ہونا

(۱۶۶۵) اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے افضل ایام میں جمعہ کا دن ہے۔ کہ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے' اور اسی دن ان کی وفات ہوئی' اور اسی دن صور پھونکا جائے گا۔ اور اسی دن سارے لوگ بے ہوش ہوں گے' لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود بھیجو' اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جاتا ہے' حالانکہ آپ کا جسم مبارک تو مٹی میں مل چکا ہوگا' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو حرام کر دیا ہے وہ ان پر کوئی اثر نہیں کرتی ہے۔ (ابوداؤد۔نسائی)

الرسول الاعظم و اخباره ان يكن فى امتى احد محدثا فانه عمرؓ

(۱۶۶۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں محدثیت کی بشارت

(۱۶۶۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱۶۶۵) ✽ انبیاء کرام علیہم السلام روح' جسم' ملکات فاضلہ اور خواہشات ہر اعتبار سے عام اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں' اسی لیے آپ پڑھتے ہیں کہ ان کی نیند کی کیفیت عام انسانوں سے الگ ہوتی تھی۔ ان کا پسینہ عام انسانوں سے الگ ہوتا تھا اور ان کا ادراک عام انسانوں سے الگ تھا اس لیے اگر ان کے اجسام بعد وفات صحیح و سالم رہتے ہیں اور زمین ان میں تصرف نہیں کرتی' تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام' شہداء اسلام' اور بعض اولیاء کے اجسام بھی جوں کے توں محفوظ ہوتے ہیں اس مسئلہ کی تفصیل جلد ۳ ص ۲۸۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۶۶۶) ✽ بعض طرق میں محدثون کی جگہ ''ملھون'' اور بعض میں ''الملھم بالصواب'' کا لفظ آیا ہے۔ ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''محدث'' کیسا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں' اس کا ماحصل یہ بیان کیا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر درست ہوتا ہے' یعنی فرشتوں کی جانب سے اس کے دل میں کوئی بات اس طرح ڈال دی جائے کہ گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے کہ یہی ٹھیک ہے۔ بعض محدث کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ اس کی زبان سے صدق وصواب بلاقصد نکلے' بہر حال وہ نبی تو نہیں ہوتا ہے' مگر اس کی زبان سے عموماً درست باتیں ہی نکلتی ہیں' اس طرح جیسے معلوم ہوتا ہو کہ اس کو الہام ہو رہا ہے۔

www.besturdubooks.net

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ. وَ فِي رِوَايَةٍ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ. (متفق عليه)

الرسول الاعظم وظهور البركة في الطعام بدعائه

(۱۶۶۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَأَصَابَنَا جُوعٌ شَدِيدٌ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَ هُمْ شِبَاعٌ وَ النَّاسُ جِيَاعٌ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ أَلَا نَنْحَرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمَهَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ يَجِيءُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِمَا فِي رَحْلِهِ وَ فِي لَفْظٍ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِيءْ بِهِ وَ بَسَطَ نِطْعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِالْمُدِّ وَ الصَّاعِ وَ أَكْثَرَ وَ أَقَلَّ فَكَانَ جَمِيعُ مَا فِي الْجَيْشِ بِضْعًا وَّ عِشْرِينَ صَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنْبِهِ وَ دَعَا بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ خُذُوا وَ لَا تَنْتَهِبُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَأْخُذُ فِي جِرَابِهِ وَ فِي غِرَارَتِهِ وَ أَخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطُ كُمَّ قَمِيصِهِ فَيَمْلَأُهُ فَفَرَغُوا وَ الطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ لَا يَأْتِي بِهِمَا عَبْدٌ

وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں' اور ایک روایت یہ ہے کہ البتہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے مگر ان سے غیبی باتیں کی جاتی تھیں' اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمر ہیں' اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

دُعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر کھانے میں

(۱۶۶۷) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شریک تھے' کہ ہمیں سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا' ہم نے درخواست کی یا رسول اللہ! دشمن ہمارے سامنے موجود ہیں اور وہ آسودہ ہیں' اور ہمارا یہ حال ہے کہ بھوک سے بے تاب ہیں۔ چنانچہ انصار نے کہا' کیا ہم ایسا نہ کریں کہ ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کر ڈالیں اور لوگوں کو کھلا دیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ایسا نہ کرو' بلکہ ہر شخص کے کجاوہ میں جو کچھ ہو لے آئے یا یہ فرمایا کہ جو کچھ کھانے کا سامان بچا ہوا اس کو لے آئے' ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دینے کے بعد چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا' پس لوگ کھانا بچا کھچا لانے لگے کوئی ایک مد لایا اور کوئی ایک صاع' اور کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم' پس تمام لشکر سے جو سامان آیا' وہ کل کچھ اوپر بیس صاع ہوں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کھانے کے پہلو میں بیٹھ گئے' اور برکت کی دعا فرمائی' پھر لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ سب اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لیتے جاؤ' اور لوٹ نہ مچاؤ' پھر تو لوگ اپنے توشہ دانوں' بوریوں اور برتنوں میں بھرنے لگے' یہاں تک کہ بعضوں نے اپنی قمیص کی آستینوں کا منہ باندھ لیا' اور اس کو بھر لیا' اس طرح تمام فوج نے فراغت حاصل کر لی' اور کھانا جوں کا توں تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں' جو بندہ بھی ان دو چیز کی گواہی سچے دل سے دے گا'

www.besturdubooks.net

مُحِقٌّ اِلَّا وَ قَاهُ اللّٰهُ حَرَّ النَّارِ. (اخرجه ابن راهويه و العدني و ابو يعلي و الحاكم و غيرهم)

اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچا لے گا - اسے حاکم وغیرہ نے روایت کیا-

(۱۶۶۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَسِيْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ حَتّٰى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ جَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ جَمَعْتَ مَابَقِيَ مِنْ اَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰهَ عَلَيْهِ قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهٖ وَ ذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهٖ قَالَ وَ قَالَ مُجَاهِدٌ وَ ذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بِالنَّوٰى قَالَ كَانُوْا يَمُصُّوْنَهٗ وَ يَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتّٰى مَلَأَ الْقَوْمُ اَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيْهِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(رواه مسلم)

(۱۶۶۸) حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ لوگوں کا زادِراہ ختم ہو گیا' انہوں نے کہا کہ حال یہ ہو گیا تھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی سواری کی اونٹنیاں ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا' راوی نے کہا کہ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش ایسا ہوتا' کہ آپ لوگوں کے مابقیہ زادِراہ کو جمع کر کے اس پر دعا فرما دیتے' راوی کا بیان ہے کہ آپؐ نے ایسا ہی کیا- چنانچہ جس کے پاس گیہوں تھا وہ گیہوں لے آیا' جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجور لے آیا' مجاہد کہتے ہیں کہ حتیٰ کہ جس کے پاس کھجور کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں لے آیا- میں نے کہا کہ وہ گٹھلیاں کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ان کو اس لیے رکھتے تھے کہ ان کو چوس لیتے تھے اور اس پر پانی پی لیتے تھے' راوی کا بیان ہے کہ جب سب چیزیں جمع ہو چکیں تو آنحضرتؐ نے ان پر دعائے برکت فرمائی' پھر اتنی برکت ہوئی کہ بقول راوی لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لیے' اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں' کوئی ان دو کلمات کے اقرار کے ساتھ جب اللہ سے ملے گا اس طرح کہ اس کو اس میں کوئی تردد و شک باقی نہ رہا ہو تو بلاشبہ وہ جنت میں داخل ہو گا- (مسلم)

الرسول الاعظم وايمان ام ابي هريرة بدعائه صلي الله عليه وسلم

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اسلام قبول کرنا

(۱۶۶۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّيْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَ هِيَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِيْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِيْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ

(۱۶۶۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں کو برابر اسلام کی دعوت دیتا رہا' اور وہ نفرت کا اظہار کرتی رہیں' ایک دن میں نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں سنائیں' جو مجھے بہت ناگوار گزریں' میں روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا- اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

(۱۶۶۸) * یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے' اور برکت کے اس طرح کے واقعات حدیث میں متعدد مذکور ہیں-

www.besturdubooks.net

اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِیَ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّیْ خَشْفَ قَدَمَیَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَ سَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَ عَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا اَبْكِیْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ خَيْرًا۔ (رواه مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دعا فرمادیں کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سن کر خوش خوش نکلا' جب میں دروازے کے پاس آیا تو دیکھا دروازہ بند ہے' میری ماں نے میرے پاؤں کی آہٹ سن لی' اندر سے انہوں نے کہا ابو ہریرہ وہیں ذرا ٹھہرنا۔ اور میں پانی کے گرنے کی آواز سن رہا تھا' انہوں نے غسل کیا' پھر اپنی قمیص پہنی اور جلدی میں اپنی اوڑھنی سر پر ڈالنی رہ گئی' اور اسی حال میں آکر انہوں نے دروازہ کھولا' پھر بولیں اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کی بھی گواہی دیتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس طرح پلٹا کہ خوشی سے آنسو نکل رہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔

الرسول الاعظم ونظرعلي علي منكبه صلى الله عليه وسلم المناظر العجيبة

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب منظر دیکھنا

(۱۶۷۰) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ وَ صَعِدَ عَلٰى مَنْكِبِیْ فَذَهَبْتُ لَا نَتَهِضُ بِهٖ فَرَاٰى مِنِّیْ ضُعْفًا فَنَزَلَ وَ جَلَسَ لِیْ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ لِیْ اِصْعَدْ عَلٰى

(۱۶۷۰) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساتھ چلے (بیت اللہ کے اندر جا کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شانوں پر چڑھ گئے' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اٹھنے لگا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کمزور محسوس کیا' لہٰذا اتر گئے' اور خود بیٹھ گئے' اور مجھ سے فرمایا میرے

(۱۶۷۰) * رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خلاصۂ کائنات کہی جاتی ہے' اور یقیناً آپ افضل الرسل اور خاتم النبیین تھے' اس لیے اگر حضرت علیؓ نے آپؐ کے شانوں پر چڑھ کر یہ محسوس کیا کہ وہ آسمان کے کناروں کو پا سکتے ہیں' تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے' آخر حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ (علیہما السلام) جس پتھر پر چڑھ کر خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی' خود بخود اونچا ہو جاتا تھا' لیکن حضرت علیؓ تو حضرت انسان تھے' اور تمام مخلوقات اور تمام انسانوں سے افضل کے شانہ مقدس پر چڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو منظر بتوں سے صفائی کے موقع پر نظر آیا' وہ نظر آنا ہی چاہیے تھا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ توحید دیکھیے کہ خود اپنے شانہ مبارک پر آدمی کو چڑھا کر اس کی صفائی فرما رہے تھے اور اس میں قطعاً عار محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

www.besturdubooks.net

مَنكبي فصعدتُ على منكبيه قال فنهض بي فانه يخيل اليّ اني لو شئت لنلت افق السماء حتّى صعدتُ على البيت و عليه تمثال صفر او نحاس اناوله عن يمينه و عن شماله و بين يديه و من خلفه حتّى استمكنت منه قال لي رسول الله صلّى الله عليه وسلّم اقذف به فانكسر كما ينكسر القوارير ثم نزلت فانطلقت انا و رسول الله صلّى الله عليه وسلّم نستبق حتّى توارينا بالبيوت خشية ان يلقانا احد من الناس. (رواه احمد)

مونڈھوں پر چڑھ جا' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں پر چڑھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو لے کر اٹھے' اس وقت میں ایسا محسوس کرنے لگا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے کناروں کو پالوں' یہاں تک کہ میں بیت اللہ پر چڑھ گیا اور اس پر پیتل اور تانبے کی مورتیاں بنی رکھی تھیں' میں ان کو اپنے دائیں' بائیں' سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا تا آنکہ میں نے سب اٹھا لیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینک دے (چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا) وہ شیشہ کی طرح گر کر چور چور ہو گئے پھر میں اترا' اور میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ جلدی جلدی چلے اور گھروں کی دیواروں میں چھپتے چھپاتے واپس آ گئے' کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہمیں دیکھ لے۔

شهادة شجر السلمة ان محمدًا رسول الله

درخت کیکر کی گواہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں

(١٦٧٢) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال كنّا مع النبيّ صلّى الله عليه وسلّم في سفر فاقبل اعرابيٌّ فلمّا اتى قال له رسول الله صلّى الله عليه وسلّم تشهد ان لا اله الّا الله وحده لا شريك له و انّ محمّدًا عبده و رسوله قال و من يّشهد على ما تقول قال هذه السّلمة فدعا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم و هو بشاطئ الوادي فاقبلت تخدّ الارض حتّى قامت بين يديه

(١٦٧٢) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سامنے سے ایک دیہاتی آتا نظر آیا' جب وہ مجلس نبوی میں پہنچا' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا' تو اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں' اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں' اس نے کہا کہ اور کون ہے جو اس کی گواہی دے جس کو آپ فرما رہے ہیں' آپؐ نے فرمایا یہ کیکر کا درخت' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا' وہ وادی کے کنارے کھڑا تھا' زمین پھاڑتا ہوا وہ چلا' اور آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا آپؐ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی' اس نے

(١٦٧٢) * بے علم لوگوں میں اسی طرح کی باتوں سے یقین پیدا ہوتا ہے' اس نے اپنی آنکھوں سے جب دیکھا کہ بظاہر ایک بے جان کیکر کا درخت ایک شخص کی اس طرح اطاعت کرتا ہے' اور اس کی صداقت پر شہادت پیش کرتا ہے' تو اس خون و گوشت اور ہڈی سے بنے ہوئے انسان کو شرم محسوس ہوئی کہ یہ اس کے بعد بھی کفر و شرک میں ملوث رہے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر کے انسانیت کی لاج رکھ لی۔

خدا کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں' اب تو آپ دیکھتے ہیں کہ لوہے کے پرزے (روبوٹ وغیرہ) انسان کی طرح بات کرتے ہیں' اور انسانوں کی گفتگو محفوظ کر لیتے ہیں پھر اس کے آنے اور گفتگو کرنے میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔

www.besturdubooks.net

فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلْثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّهُ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبَتِهَا. (رواه الدارمی)

تینوں دفعہ گواہی دی کہ بات ویسی ہے جیسا آپ نے فرمایا' پھر وہ جہاں کھڑا تھا چلا گیا- (دارمی)

الرسول الاعظم ﷺ وسجود البهائم له

بہائم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا

(۱۶۷۳) عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ اَصْحَابُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' تَسْجُدُلَكَ الْبَهَائِمُ وَ الشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ اَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَ لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَ مَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ لَوْاَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَ مِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهُ.

(۱۶۷۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے' ایک اونٹ آیا' اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا' صحابہ کرام نے کہا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چوپائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں' پس ہم تو بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے پروردگار کی پرستش کرو' اور اپنے بھائی کی عزت کرو' اگر میں کسی انسان کو اس کی اجازت دیتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کریں' اگر اس کا شوہر یہ حکم دے کہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ رکھ دے' تو اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا کرنے کو آمادہ ہو جائے-

(رواه احمد و روى الترمذى قوله صلى الله عليه وسلم لو كنت امر رجلا الخ عن ابى هريرة)

الرسول الاعظم و تصديقه بتكلم البهائم بقدرة الله تعالى

بیل اور بھیڑیئے کا عبرت آموز کلام کرنا

(۱۶۷۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

(۱۶۷۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص ایک

(۱۶۷۳) * اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ انسان کا مرتبہ جانور اور درخت سے بہت اونچا ہے اس کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے کہ وہ جانور اور درخت کی پیروی کرے' غیر مکلف کی پیروی مکلف کے لیے کسی حال میں درست نہیں ہے-

باقی جانور اور درخت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یہ آپ کا ان کی طرف سے احترام تھا' انسان کا اظہار احترام یہ ہے کہ وہ آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا ہو-

(۱۶۷۴) * بیل اور بھیڑیا کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو مشہور بات ہے' جانور بولتے ہیں' اور مشاہدہ ہے کہ جانور ایک دوسرے کی بات سمجھتے بھی ہیں' حیرت جو کچھ ہے وہ انسانوں کی زبان میں بولنے پر ہے' مگر یہ بھی کوئی بعید از عقل بات نہیں ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خود بھی تصدیق فرمائی' اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی طرف سے بھی تصدیق کی گو وہ موجود نہ تھے' مگر آپ کو ان دونوں کے ایمان و ایقان پر اعتماد تھا' قیامت جس قدر قریب آتی جائے گی عالم غیب سے پردہ اٹھتا جائے گا' اور خلاف عادت باتیں بکثرت ظاہر ہوتی چلی جائیں گی' چنانچہ بہت ساری ایسی باتوں کی تصدیق ہو رہی ہے- وہ زمانہ جلد ہی آنے والا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا بھی لوگ خود مشاہدہ کریں گے' اور جانوروں کی بولیاں چیستان ہی نہیں رہیں گی-

www.besturdubooks.net

عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْيٰى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّيْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَ مَا هُمَا ثَمَّ وَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِيْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِيْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا وَ مَا هُمَا ثَمَّ۔ (متفق عليه)

بیل ہانکے جا رہا تھا' کہ اچانک وہ تھک گیا اور اس پر سوار ہو گیا (اس بیل کو قدرت نے گویائی عطا فرمائی) وہ بول پڑا' کہ ہم اس کام کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں' ہماری تخلیق زمین کے جوتنے کے لیے ہوئی ہے' لوگوں نے کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرنے لگا؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں' اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی' حالانکہ اس وقت دونوں موجود نہیں تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ دفعۃً بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا' اس کے مالک نے بھیڑیے کا پیچھا کیا اور اس بکری کو چھڑا لیا' بھیڑیا بولا کہ اس دن کون چھڑانے آئے گا جس دن درندوں ہی کا راج ہوگا اور میرے سوا کوئی اس کا دوسرا چرواہا نہ ہوگا' یہ سن کر لوگوں نے کہا' سبحان اللہ! بھیڑیا اور باتیں کرے' آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پر یقین رکھتا ہوں (کہ ایسا ہوا ہوگا) اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی' حالانکہ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ (مسلم و بخاری)

الرسول الاعظمؐ و بشارته للامة ان العدو لا يستبيح بيضتهم

امت کو بشارت کہ عام قحط اور دشمن ان کا استیصال نہ کر سکیں گے

(۱۶۷۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا وَ اِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَ اُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْيَضَ وَ اِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ

(۱۶۷۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے روئے زمین کو سکیڑ دیا' پس میں نے اس کے مشرق و مغرب سب کو دیکھ لیا' اور یقیناً میری امت کا ملک اس حصہ تک پہنچ کر رہے گا' جو حصہ زمین میرے لیے سکیڑ دیا گیا تھا' اور مجھے دو خزانے بھی دیے گئے' ایک سرخ اور ایک سفید' اور میں نے اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لیے درخواست کی کہ وہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے

(۱۶۷۵) * اللہ تعالیٰ نے اپنے لاڈلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ساری زمین سکیڑ دی اور اسے سامنے کر دیا' تاکہ آپ اجمالی طور پر سب کو ایک نظر دیکھ لیں' اور اس دیکھنے کے بعد آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ میری امت ان حصوں تک پہنچ کر رہے گی' پوری دنیا ایک مختصر سے نقشہ میں آ جاتی ہے اور آپ بیٹھ کر اپنی جگہ دیکھ لیتے ہیں' کہ فلاں ملک یہاں ہے اور فلاں یہاں' تمام ممالک کے سمت بھی معلوم ہو جاتے ہیں' مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پوری دنیا کے ممالک کی آپ نے سیر کر لی۔ اور تمام جزئیات سے واقف ہو گئے۔

www.besturdubooks.net

وَ اَنْ لَّا يُسَلِّطَهَا عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحُ بَيْضَتَهُمْ وَ اِنَّ رَبِّىْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّىْ اِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا يُرَدُّ وَ اِنِّىْ اَعْطَيْتُكَ لِاُمَّتِكَ اَنْ لَّا اُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَ اَنْ لَّا اُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَ لَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَ يَسْبِىْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. (رواه مسلم)

ہلاک نہ کرے' اور یہ کہ ان پر ایسے دشمن کو تسلط کا موقع نہ دے' جو ان کے انڈے بچے سب کو بیخ و بن سے تباہ کر ڈالے' میرے رب نے فرمایا اے محمدؐ! جب میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو پھر وہ رد نہیں ہوتا ہے' اور میں بلاشبہ تجھ کو تیری امت کے باب میں یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ میں نہ تو ان کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک کروں گا - اور نہ ان کے کسی ایسے دشمن کو ان پر تسلط دوں گا' جو ان کے انڈے بچے کو تباہ کر ڈالے' اگرچہ تمام روئے زمین کے دشمن اکٹھے ہو جائیں' تا آنکہ خود ان کے بعض بعض کو ہلاک اور قید نہ کرنے لگیں۔ (مسلم شریف)

الرسول الاعظم و اخباره ان فلانا في النار

ظاہر اعمال کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کہ فلاں جہنمی ہے

(۱۶۷۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كَرْكَرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِى النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (رواه البخاري)

(۱۶۷۶) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی میں ایک شخص مقرر تھا' جس کا نام کرکرہ تھا اور لوگ اس کو اسی نام سے پکارتے تھے' وہ مر گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ کی آگ میں ہے' چنانچہ لوگوں کو حیرت ہوئی اور وہ تلاش کرنے لگے کہ کیا بات ہے' انہوں نے ایک عبا اس کے پاس پائی' جس کو اس نے مال غنیمت سے چرا لیا تھا۔ (بخاری شریف)

ایک جانباز کے دوزخی ہونے کی پیش گوئی

(۱۶۷۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهٗ يَدَّعِى الْاِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ

(۱۶۷۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوئے' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں ہے' لیکن جب جنگ شروع ہوئی' تو اس شخص نے بڑی بڑی جوانمردی سے

(۱۶۷۷) * عام لوگ ظاہر کے دیکھنے کے عادی ہیں اور اسی پر حکم لگاتے ہیں اور سچ پوچھئے تو عوام ظاہر بیں کا منصب بھی یہی ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے جن برگزیدہ حضرات کو علم نبوت سے نوازا ہے' اور جن کے پاس وحی آتی رہتی ہے - ان کی نگاہ میں بڑی وسعت اور دوربینی عطا کی گئی ہے' اور یقیناً ان کا منصب بھی عام مسلمانوں سے بہت اونچا ہوتا ہے' یہ حضرات انسان اور خدا کے درمیان کی ایک مضبوط کڑی ہوتے ہیں' اس لیے ان کا ان باتوں کو قبل از وقت دیکھ لینا جن کو عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتی ہیں' قطعاً حیرت انگیز نہیں - ..... ع

www.besturdubooks.net

النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَاَثْبَتَهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ تُحَدِّثُ اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَرْتَابُ فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى كِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهٖ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (رواہ البخاری ۹۷۷)

جنگ کی' اس طرح کہ زخم سے اس کا بدن چور چور ہوگیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک صحابی آئے' اور کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے' اس نے جنگ میں بڑی بہادری اور جانفشانی سے جنگ کی ہے' اس طرح کہ زخموں سے اس کا جسم بھر گیا ہے' یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو کہ وہ دوزخی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے سے بعض شبہ میں پڑ گئے (کہ یہ کیا فرما رہے ہیں) ابھی لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ اس مجاہد نے زخم کی تکلیف اس طرح محسوس کی کہ اس نے اپنا ہاتھ تیر دان کی طرف بڑھایا' اور اس سے ایک تیر نکالا اور اسے اپنے سینہ کے پار کر لیا (یعنی خودکشی کر لی) یہ دیکھ کر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے اور عرض کیا یا رسول! اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچ کر دی' فلاں نے خودکشی کر لی' اور خود تیر لگا لیا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے بلال کھڑے ہو اور اعلان کر دو کہ جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی داخل نہیں ہوگا اور بلا شک اللہ تعالیٰ اس دین کی بدکار آدمی سے بھی تائید کرا لیتا ہے۔ (بخاری شریف)

ایک مجاہد کے دوزخی ہونے کی اطلاع

(۱۶۷۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ

(۱۶۷۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا' آپ نے کہا کہ جس دن خیبر کی جنگ تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک ٹولی آئی اور کہنے لگی'

لله ..... دوسرا اصول یہ بھی مسلّم ہے کہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" انسانوں کے عمل کا فیصلہ ان کی نیتوں کے پیش نظر ہوتا ہے' رب العٰلمین ظاہر اجسام کو نہیں دیکھتا' بلکہ وہ انسانوں کے دلوں کو دیکھتا ہے' اس لیے ظاہری عمل خواہ کتنا ہی شاندار ہو' اگر نیت میں نیکی نہیں ہے تو بیکار ہے۔ اور یہ حقیقت بھی کسی سے مخفی نہیں کہ اعتبار خاتمہ کا ہوا کرتا ہے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اور پھر اس کے مطابق جو کچھ پیش آیا' یہ عقل کے مطابق ہے۔

رہی دینی خدمت تو یہ رب العالمین بلا شبہ کبھی کبھی فاجر بندے سے بھی لے لیتا ہے۔

www.besturdubooks.net

شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا اِنِّىْ رَأَيْتُهٗ فِى النَّارِ. فِىْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِى النَّاسِ اَنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. (رواہ مسلم)

کہ فلاں شہید ہوگیا' یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذرے' تو دیکھ کر کہا کہ فلاں بھی شہید ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہرگز نہیں' میں نے تو اس کو دوزخ کی آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے' اس چادر کی وجہ سے یا عبا کی وجہ سے جس کو اس نے مال غنیمت سے چرالیا تھا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا' اے ابن الخطاب! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں صرف مؤمن داخل ہوں گے' تین مرتبہ یہ اعلان کرو' حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نکل کر گیا اور میں نے پکار کر کہہ دیا کہ سن لو کہ جنت میں مؤمن کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا' یہ تین مرتبہ میں نے کہا۔

ایک مسلمان کے دوزخی ہونے کی خبر

(۱۶۷۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهٗ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَهٗ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِىْ اَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ تَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْ شِرَاكَيْنِ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ. (متفق علیہ)

(۱۶۷۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک غلام پیش کیا' جس کو ''مدعم'' کے نام سے پکارا جاتا تھا' وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے ایک کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک اس کے ایک تیز تیر آکر لگا' جس سے وہ مرگیا' یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ جنت اس کو مبارک ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں' اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے' بے شک وہ اونی چادر جو اس نے خیبر کے دن غنیمت سے لی تھی اور وہ اس کے حصہ میں نہیں آئی تھی' اس پر آگ بھڑک رہی ہے لوگوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سنی' ایک شخص ایک یا دو تسمہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں۔

ایک صحابی کے متعلق پیش گوئی اور اس کی صداقت

(۱۶۸۰) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ

(۱۶۸۰) یزید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا

(۱۶۷۹) ✽ یہ غلام ہدیہ میں آیا تھا۔ رفاعہ بن زید نے یہ پیشکش کی تھی' ابھی چند روز بھی نہ گذرے تھے کہ یہ غزوہ سامنے آگیا اور اسی میں یہ شہید ہوگیا' گویا اس نے فیض صحبت کا موقع ابھی نہیں پایا تھا۔

www.besturdubooks.net

اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهٗ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ۔ (رواه مالك و ابوداؤد و النسائي)

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے خیبر کے دن ایک شخص کی وفات ہو گئی' لوگوں نے اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھ لو (خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت نہیں کی' اس سے) لوگوں کے چہرے بدل گئے' پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارے اس ساتھی نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے سامان کی تفتیش کی تو ہم نے یہود کے منکوں میں ایک منکا پایا جو دو درہم کا بھی نہ تھا۔

الرسول الاعظم و اخباره الصحابة انكم تبتلون

صحابہ کرام کو مصائب کی قبل از وقت اطلاع دینا

(۱۶۸۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْلِيْ كَمْ يَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِائَةٍ اِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلُوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّيْ اِلَّا سِرًّا۔ (رواه البخاري و مسلم)

(۱۶۸۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' آپؐ نے فرمایا مجھے گن کر کے بتاؤ کہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے کتنے ہیں' ان کا بیان ہے کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ کو ہمارے بارے میں خطرہ ہے' اور ہم اس وقت چھ سو سے سات سو تک ہیں آپ نے فرمایا' بے شک تم نہیں جانتے ہو' ہوسکتا ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ' حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں' کہ ایسا ہی ہوا' ہم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے' یہاں تک کہ ہم میں کے کچھ لوگ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

الرسول الاعظم و اخباره مصارع المقتولين في غزوة بدر

غزوۂ بدر کے مشرک مقتولین کی نام بنام نشان دہی

(۱۶۸۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ اَصْحَابَهٗ اَحِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِيْ

(۱۶۸۲) حضرت انسؓ سے روایت ہے' انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت ابوسفیان کے لشکر کی خبر ملی' آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ

(۱۶۸۱) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرمائیں یا کسی اندیشہ کا اظہار کریں اور وہ پیش نہ آئے کیسے ممکن ہے سینکڑوں واقعات دحقائق ہیں کہ آپؐ نے جو فرمایا اور جیسا فرمایا وہی سامنے آیا' اور ایک نبی کی یہی شان ہوتی ہے' اور آپ تو افضل الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں۔ باقی خوف و ہراس اور جان کا جب خطرہ درپیش ہو' یا اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ کا ظن غالب ہو' اس وقت عبادات کے چھپ کر انجام دینے کی اجازت کوئی حیرت انگیز بات نہیں' اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے' اور اس میں ہر پہلو کی رعایت ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بزدلی کا قائل ہے' دور اندیشی اور عاقبت اندیشی بوقت ضرورت کوئی ناگوار چیز نہیں۔

www.besturdubooks.net

سُفْيَانَ وَ قَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضْنَا هَا وَ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ يَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم)

کیا' حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم ہے' جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اگر آپ حکم دیں گے کہ ہم اپنے گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں' تو یقیناً ہم اسے سمندر میں ڈال دیں گے اور اگر آپ ہمیں حکم فرمائیں گے کہ ہم اپنے گھوڑوں کو برک الغماد تک لے جائیں' تو ہم ایسا ہی کریں گے' راوی کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چلنے کو کہا' پس وہ سب چل پڑے' تا آنکہ وہ سب مقام بدر پر آ کر اترے' یہاں پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتا یا کہ یہ فلاں کے قتل ہو کر گرنے کی جگہ ہے اور یہاں فلاں قتل ہو کر گرے گا'۔ راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس جگہ سے نہیں ہٹا جو آپ نے ہاتھ رکھ کر بتائی تھی' (ٹھیک اسی جگہ پر ہر ایک مقتول پایا گیا) (مسلم)

الرسول الاعظمؐ و قتل رجل فى سبيل الله لقوله رحمه الله

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی کے متعلق ''رحمہ اللہ'' کہنا اور ان کا شہید ہو جانا

(۱۶۸۳) عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ اَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ فَحَدَابِهِمْ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ

(۱۶۸۳) حضرت سلمہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر کے لیے نکلے' ان میں سے ایک شخص نے کہا اے عامر! تم اپنے کچھ اشعار ہم لوگوں کو سناؤ' وہ گا گا کر سنانے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کون ہے جو حدی پڑھ کر اونٹوں کو تیز تیز ہنکا رہا ہے۔ ان لوگوں نے کہا عامر ہیں' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

(۱۶۸۳) * صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تجربہ سے یہ بات معلوم تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کے متعلق ''رحمہ اللہ'' فرما دیتے تھے' تو اللہ تعالیٰ انہیں دولت شہادت سے نوازتا تھا' چنانچہ حضرت عامرؓ کے باب میں جب آپ نے اس جملہ کا استعمال کیا' تو وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی اس نعمت سے سرفراز کیے جائیں گے' اس لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ جس قدر بھی ان سے مستفید ہوا جا سکتا ہے ہو لینا چاہیے' اور یہی وجہ ہوئی کہ صحابہؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ ان سے لطف اندوز ہونے کا کاش کچھ اور موقع مل جاتا۔

صحابہ کرام کو اچھی موت بہت عزیز تھی اور ہر مسلمان کو ہونی چاہیے۔ اس لیے جب خود ان کی تلوار ان کے گھٹنے میں لگی' اور اسی زخم کے صدمے سے وہ شہید ہو گئے تو ان کو یہ دھیان ہوا' کہ کہیں یہ بھی خودکشی کے مرادف نہ قرار دے دی جائے' اور اسی وجہ سے کچھ صحابی عمل کے اکارت کی باتیں کرنے لگے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ الفاظ سنے تو آپ نے ان کی تردید ضروری سمجھی' تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے اور ایک صحابی کے متعلق یہ سوء ظن باقی نہ رہے۔

www.besturdubooks.net

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّاهُ امْتَعْتَنَا بِهٖ فَاُصِيْبَ صَبِيْحَةَ لَيْلَتِهٖ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَ هُمْ يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ زَعَمُوْا اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا اِنَّ لَهٗ لَاَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّهٗ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَ اَيُّ قَتْلٍ يَزِيْدُهٗ عَلَيْهِ.

(رواه البخاري)

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں نہیں ہمیں تھوڑی دیر اور ان سے لطف اندوز ہونے دیتے' اسی رات کی صبح میں ان کو اپنی ہی تلوار اچٹ کر لگی اور وہ شہید ہو گئے' لوگ کہنے لگے' ان کا عمل حبط ہو گیا' کہ انہوں نے خودکشی کر لی میں جب واپس ہوا' تو وہ لوگ یہی بات کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال حبط ہو گئے' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں' لوگوں کا خیال ہے کہ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری نیکیاں اکارت گئیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کہا' غلط کہا' بے شک ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ وہ پکے مجاہد تھے' اس کے قتل سے بڑھ کر کون قتل ہو سکتا ہے۔

الرسول الاعظم ودعائه لامته في بكورها

صبح سویرے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت اور اس کا اثر

(۱۶۸۴) عَنْ صَخْرِ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا قَالَ وَ كَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً اَوْجَيْشًا بَعَثَهُمْ فِيْ اَوَّلِ النَّهَارِ قَالَ وَ كَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهٗ فِيْ اَوَّلِ النَّهَارِ فَاَثْرٰى وَ كَثُرَ مَالُهٗ.

(رواه ابن ماجه)

(۱۶۸۴) صخر الغامدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی' اے اللہ! سویرا میں میری امت کے لیے برکت عطا فرما دے' چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لشکر جہاد کے لیے روانہ فرماتے' تو صبح سویرے روانہ کرتے' کہتے ہیں کہ حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تاجر آدمی تھے' وہ اپنا تجارتی مال ہمیشہ صبح سویرے بھیجا کرتے تھے' اس کی برکت سے وہ خوش حال اور سرمایہ دار ہو گئے۔

(ابن ماجہ)

الرسول الاعظم ودعائه لام قيس بطول عمرها

ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے درازی عمر کی دعا اور اس کا اثر

(۱۶۸۵) عَنْ اُمِّ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا تُوُفِّيَ ابْنِيْ فَجَزِعْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لِلَّذِيْ يَغْسِلُهٗ لَا تَغْسِلِ ابْنِيْ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ فَتَقْتُلَهٗ فَانْطَلَقَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاَخْبَرَهٗ بِقَوْلِهَا فَتَبَسَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا قَالَتْ طَالَ

(۱۶۸۵) حضرت ام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا' اس حادثہ سے میں بہت گھبرائی (اور اس کا یہ اثر ہوا کہ ہوش و حواس جاتا رہا) چنانچہ میں غسل دینے والے سے کہنے لگی کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو کہ وہ اس سے مر جائے گا' حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے جا کر یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی' کہ اس کا یہ

www.besturdubooks.net

عُمُرُهَا فَلَا نَعْلَمُ امْرَأَةً عُمِّرَتْ. (رواہ النسائی فی باب غسل المیت بالحمیم ج ۱ ص ۲۶۵)

حال ہے' آپ سن کر مسکرائے' پھر فرمایا جس نے ایسا کہا اس کی عمر دراز ہو' لوگوں کا بیان ہے ہمارے علم میں اتنی عمر کسی اور عورت کو نہیں ملی۔ (نسائی)

الرسول الاعظمؐ و برکۃ دعائہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائے ہدایت کی برکت

(۱۶۸۶) عَنْ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ وَ اَبَتِ امْرَاَتُهٗ اَنْ تُسْلِمَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِبْنَتِيْ وَ هِيَ فَطِيْمٌ اَوْ شِبْهُهٗ وَ قَالَ رَافِعٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِبْنَتِيْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْعُدْ نَاحِيَةً وَ قَالَ لَهَا اُقْعُدِيْ نَاحِيَةً وَ اَقْعَدَ الصَّبِيَّةَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ قَالَ اُدْعُوْهَا فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ اِلٰى اُمِّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اهْدِهَا فَمَالَتْ اِلٰى اَبِيْهَا فَاَخَذَهَا.

(رواہ ابو داؤد فی کتاب الطلاق ج ۱ ص ۳۰۵)

(۱۶۸۶) عبدالحمید بن جعفر راوی ہیں کہ رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سنان نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا' وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری بچی ہے (مجھے ملنی چاہیے) اور وہ بچی دودھ چھوڑ چکی تھی' اور حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میری بچی ہے' ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک کنارے میں تم بیٹھ جاؤ۔ اور ان کی بیوی سے کہا کہ دوسرے کنارے پر تو بیٹھ جا اور بچی کو دونوں کے درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹھا دیا۔ پھر فرمایا اس بچی کو بلاؤ' پہلے بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی اے اللہ! تو اس بچی کو ہدایت دے چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے باپ کی طرف آئی اور اس نے اسے اٹھالیا۔

(ابوداؤد)

الرسول العظیم و عصمتہ من تمثل الشیطان فی صورتہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں شیطان کا متمثل نہ ہوسکنا

(۱۶۸۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَ لَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ وَ مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَتِيْ وَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

(رواہ البخاری فی کتاب العلم)

(۱۶۸۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ نام رکھو' لیکن میری کنیت نہ رکھو' اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا' تو اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا' اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آتا ہے اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

(بخاری شریف)

(۱۶۸۷) ✱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی تصرف سے محفوظ کر رکھا تھا' چنانچہ آپ کی شکل مبارک خواب کے اندر شیطان اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے' اس سے یہ طاقت سلب کر لی گئی ہے' اور چاہیے بھی یہی کہ جو ہادی ہو' اس کی صورت شیطان کسی حال میں اختیار نہ کر سکے' اور جب خواب میں قادر نہیں ہے تو حالت بیداری میں تو بدرجہ اولیٰ قدرت نہیں ہو سکتی۔
خواب میں خیالی زیارت کا امکان بھی ہے' اس کی نفی نہیں کی گئی ہے' تفصیل کے لیے دیکھیے ج ۳ ص ۳۶۰ ترجمان السنۃ۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظمؐ و اذانه من روضته في ليالي الحرة

(١٦٨٨) عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي لَيَالِيَ الْحَرَّةِ وَ مَا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرِيْ وَ مَا يَاْتِيْ وَقْتُ صَلٰوةٍ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ.

(رواه ابو نعيم كذافي الخصائص)

واقعہ حرہ میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان کی آواز سننا

(۱۶۸۸) حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ واقعہ حرہ کی راتوں میں میں نے دیکھا اور اس دن میرے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اقدس میں کوئی اور نہ تھا' کہ جب جب نماز کا وقت آتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے میں اذان کی آواز سنتا تھا۔

(خصائص)

الرسول الاعظمؐ و جوابه عن اسئلة الصحابة رضي الله عنهم

(١٦٨٩) اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى لَهُمْ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَ ذَكَرَ اَنَّ قَبْلَهَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْاَلَنِيْ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْاَلْنِيْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَادُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَاَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف سوالات کا جواب مرحمت فرمانا

(۱۶۸۹) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد باہر تشریف لائے' لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی - جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو چکے تو منبر پر کھڑے ہوئے' اور قیامت کا ذکر چھیڑا' اور اسی ضمن میں بیان فرمایا کہ قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے' پھر فرمایا جو شخص کسی چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہے' وہ مجھ سے دریافت کرے' خدا کی قسم تم جو بھی مجھ سے سوال کرو گے میں تم کو اس کا جواب دوں گا' مگر اس وقت تک جب تک میں اس جگہ موجود ہوں' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو بہت روئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ جملہ فرما رہے تھے' تم پوچھو' آخر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے پوچھا فرمایئے' یارسول اللہ (صلی اللہ

(۱۶۸۸) * حرہ ایک تاریخی واقعہ ہے' اس کی پیش گوئی حدیث میں مذکور تھی' چنانچہ یہ واقعہ بھی یزید کے زمانہ میں پیش آیا اور مدینہ منورہ میں سخت خون ریزی ہوئی - انسانی خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا' ہزاروں جانیں برباد ہوئیں ان حالات میں مسجد نبوی میں کس کو آنے کی ہمت تھی' جان کے لالے پڑ رہے تھے' اس وقت اور بھی جب کہ قتل عام کا بازار گرم ہو۔

سعید بن المسیب ان حالات میں بھی مسجد نبوی سے جدا نہیں ہوئے - ان کے کان میں پنجوقتہ اذان کی آواز ٹھیک وقت پر روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے آتی تھی' اور اسی آواز پر آپ نماز ادا کرتے تھے۔

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُاللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَقُوْلَ سَلُوْنِيْ بَرَكَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللهِ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ وَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ اٰنِفًا فِيْ عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَتْ اُمُّ عَبْدِاللهِ بْنِ حُذَافَةَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ حُذَافَةَ مَا سَمِعْتُ بِابْنٍ قَطُّ اَعَقَّ مِنْكَ اَ اَمِنْتَ اَنْ تَكُوْنَ اُمُّكَ قَدْ قَارَفَتْ بَعْضَ مَا تُقَارِفُ نِسَاءُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَفْضَحَهَا عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ قَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ حُذَافَةَ وَ اللهِ لَوْ اَلْحَقَنِيْ بِعَبْدٍ اَسْوَدَ لَلَحِقْتُهٗ. (رواه مسلم فی باب توقیره صلی الله علیه وسلم و البخاری فی کتاب الاعتصام)

علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے' جب اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے' تم مجھ سے پوچھو۔تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ہم راضی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے اسلام ہمارا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کلمات سنے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ابھی مجھ پر جنت و دوزخ دونوں اس دیوار کی طرف پیش کیے گئے میں نے آج بھلائی اور برائی کا جو منظر دیکھا ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا' ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے مجھ سے بتایا' انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا' تجھ جیسی نافرمان اولاد میں نے کبھی نہیں دیکھی تیرے پاس اس کی کیا ضمانت تھی کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نازیبا حرکت نہ کی ہوگی' اگر ایسا ہوا ہوتا تو تم اس کو تمام لوگوں کے سامنے رسوا کیے ہوتے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کسی حبشی غلام کی اولاد قرار دیتے' تو بلاشبہ میں اپنے کو اسی کے ساتھ منسوب کرتا۔اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

الاسئلة المختلفة من اليهود و اجوبتها من النبی الكريم صلى الله عليه وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود کے سوالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا

(۱۶۹۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَضَرَتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَوْمًا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ حَدِّثْنَا عَنْ

(۱۶۹۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک دن یہود کی ایک جماعت حاضر ہوئی' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں'

(۱۶۹۰) ✱ اس حدیث میں ان سوالات کے جواب ہیں' جو یہود کی طرف سے کیے گئے ہیں جوابات میں کوئی گنجلک نہیں ہے ←.....

www.besturdubooks.net

خِلَالٍ نَسْئَلُکَ عَنْهَا لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا نَبِیٌّ فَقَالَ سَلُوْنِیْ مِمَّا شِئْتُمْ وَ لٰکِنِ اجْعَلُوْا لِیْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ مَا اَخَذَ یَعْقُوْبُ عَلٰی بَنِیْهِ اِنْ اَنَا حَدَّثْتُکُمْ بِشَیْءٍ تَعْرِفُوْنَهٗ صِدْقًا لَتُتَابِعُوْنِیْ عَلَی الْاِسْلَامِ قَالُوْا لَکَ ذٰلِکَ قَالَ فَسَلُوْنِیْ مِمَّا شِئْتُمْ قَالُوْا اَخْبِرْنَا عَنْ اَرْبَعِ خِلَالٍ اَخْبِرْنَا عَنِ الطَّعَامِ الَّذِیْ حَرَّمَ اِسْرَائِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ وَ اَخْبِرْنَا عَنْ مَاءِ الرَّجُلِ کَیْفَ یَکُوْنُ الذَّکَرُ مِنْهُ حَتّٰی یَکُوْنَ ذَکَرًا وَ کَیْفَ یَکُوْنُ اُنْثٰی حَتّٰی یَکُوْنَ اُنْثٰی وَ اَخْبِرْنَا کَیْفَ هٰذَا النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ فِی التَّوْرَاةِ وَ مَنْ وَّلِیُّهٗ مِنَ الْمَلَائِکَةِ قَالَ فَعَلَیْکُمْ عَهْدُ اللّٰهِ وَ مِیْثَاقُهٗ لَئِنْ اَنَا حَدَّثْتُکُمْ لَتُتَابِعُوْنِیْ فَاَعْطَوْهُ مَاشَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَ مِیْثَاقٍ قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰی مُوْسٰی هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ اِسْرَائِیْلَ مَرِضَ مَرَضًا شَدِیْدًا طَالَ سَقَمُهٗ فِیْهِ فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهٖ لَیُحَرِّمَنَّ اَحَبَّ الشَّرَابِ وَ اَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَیْهِ وَ کَانَ اَحَبَّ الشَّرَابِ اِلَیْهِ اَلْبَانَ الْاِبِلِ وَ اَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَیْهِ لُحُوْمَ الْاِبِلِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ

ان کو آپ ہم سے بیان فرما دیجئے' کیونکہ ان باتوں کا جواب صرف نبی ہی جانتے ہیں آپ نے فرمایا تم جن چیزوں کے متعلق چاہو مجھ سے سوال کرو' لیکن تم اس کا عہد کرو کہ اگر میں تم کو ایسا جواب دے دوں' جس کی صداقت تم کو بھی تسلیم ہو' تو تم اسلام قبول کرلو گے' اور اس بات کا بھی عہد کرو' جس کا عہد یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے لیا تھا یعنی یہ کہ تم خدا کی عبادت میں کسی کو ساجھی نہ گردانو گے' ان لوگوں نے کہا اس کا آپ سے عہد ہے۔ اب آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو انہوں نے کہا چار باتوں کا جواب دیجئے پہلی یہ کہ وہ کھانا کیا تھا' جس کو توریت کے نزول سے پہلے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا؟ دوسرے یہ بتایئے کہ مرد کی منی سے جب لڑکا بنتا ہے تو کیسے بنتا ہے' اور لڑکی بنتی ہے تو کیسے بنتی ہے؟ تیسرے یہ بیان فرمایئے کہ تورات میں اس نبی امی کی علامت کیا بیان کی گئی ہے؟ چوتھے یہ کہ فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ آپ کا ولی بنا تھا؟ آپ نے فرمایا تم اپنے اوپر خدا کا یہ عہد لازم کرلو کہ اگر میں نے ان کا جواب دے دیا تو تم لوگ اسلام کے باب میں میری پیروی کرو گے' اس پر انہوں نے وعدے کیے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اس خدائے پاک کی قسم دیتا ہوں' جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی تھی' کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل جب سخت بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا' تو انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی تو وہ اپنے اوپر کھانے پینے کی اس چیز کو حرام کرلیں گے جو سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگی' پینے کی چیزوں میں ان کو سب سے زیادہ پسند اونٹ کا دودھ تھا' اور کھانے میں اونٹ کا گوشت (بعد صحت انہوں نے ایسا ہی کیا) یہ جواب سن کر یہود نے کہا اے اللہ بے شک یہی بات ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس

ف..... نہ کوئی رو رعایت ہے۔ بے کم و کاست جو کچھ صحیح جواب ہے' آپ نے بیان فرما دیا ہے' اور ان یہود نے سب کی خود تصدیق کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوالات کے جو جوابات مرحمت فرمائے ہیں' وہ بالکل درست اور صحیح ہیں۔ بات جہاں آ کر یہود کے خلاف ہوئی ہے وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا تذکرہ ہے' انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنی دشمنی کا اظہار کیا' کہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق بات کے سلسلے میں یہود سے کوئی ایسی بات پسند نہیں فرمائی' جس سے وہ محسوس کریں کہ حق گوئی اور حق پر جمے رہنے میں ہماری کیسی رعایت کی گئی۔ خدا کے دوست و دشمن میں میل ملاپ کی کوئی بات تک زبان پر لانا گوارا نہ ہوئی۔

www.besturdubooks.net

نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلَیْھِمْ فَقَالَ فَاَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاۃَ عَلٰی مُوْسٰی ھَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِیْظٌ اَبْیَضُ وَ اَنَّ مَاءَ الْمَرْاَۃِ رَقِیْقٌ اَصْفَرُ فَاَیُّھُمَا عَلَا کَانَ الْوَلَدُ وَ الشَّبَہُ لَہٗ بِاِذْنِ اللّٰہِ قَالُوْا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰی مُوْسٰی ھَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ ھٰذَا النَّبِیَّ تَنَامُ عَیْنَاہُ وَ لَا یَنَامُ قَلْبُہٗ قَالُوْا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ قَالُوْا اَنْتَ الْاٰنَ حَدِّثْنَا مَنْ وَلِیُّکَ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ فَعِنْدَھَا نُجَامِعُکَ اَوْنُفَارِقُکَ قَالَ وَلِیِّیْ جِبْرَئِیْلُ وَ لَمْ یَبْعَثِ اللّٰہُ نَبِیًّا قَطُّ اِلَّا وَ ھُوَ وَلِیُّہٗ قَالُوْا فَعِنْدَھَا نُفَارِقُکَ وَ لَوْ کَانَ غَیْرُہٗ لَا تَّبَعْنَاکَ وَ صَدَّقْنَاکَ قَالَ فَمَا یَمْنَعُکُمْ اَنْ تُصَدِّقُوْا بِہٖ قَالُوْا اِنَّہٗ عَدُوُّنَا مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِلٰی قَوْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ﴾ (رواہ ابوداؤد الطیالسی)

خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی' کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی زرد پتلی ان میں جو غالب ہوتی ہے' بچہ اللہ کے حکم سے اسی کے مشابہ ہوتا ہے' یہ سن کر یہود بول اٹھے' اے اللہ بات بے شک یہی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ' آپؐ نے فرمایا میں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں' اور جس نے موسیٰ پر تورات اتاری' کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل بیدار رہتا ہے انہوں نے کہا بے شک یہی بات ہے آپ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہ' ان یہود نے کہا اب آپ یہ بیان فرمائیں کہ فرشتوں میں سے کون فرشتہ آپ کا رفیق کار ہے؟ اس کے بعد یا تو ہم آپؐ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ یہ ہمارا آخری سوال ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ولی اور رفیق کار جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کسی نبی کو بھیجا یہی اس کے ولی اور رفیق ہوئے' یہود نے کہا بس اسی بات پر ہم آپ سے جدا ہوتے ہیں' اگر ان کے سوا کوئی اور فرشتہ آپ کا رفیق ہوتا' تو بلاشبہ ہم آپ کی پیروی کر لیتے' اور آپ کی تصدیق کرتے' آپؐ نے فرمایا ان کی تصدیق کرنے سے تم کو کیا چیز روکتی ہے' انہوں نے کہا فرشتوں میں یہ ہمارے دشمن ہیں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِلٰی قَوْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ﴾ تک۔ (ابوداؤد طیالسی)

الرسول الاعظم واسئلۃ الیھود وجوابھا

یہود کا روح کے متعلق سوال اور اس کا جواب

(۱۶۹۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ بَیْنَمَا اَنَا اَمْشِیْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ حَرْثٍ اَوْ خَرِبِ الْمَدِیْنَۃِ وَ ھُوَ یَتَوَکَّاُ عَلٰی عَسِیْبٍ مَعَہٗ فَمَرَرْنَا عَلٰی نَفَرٍ مِنَ الْیَھُوْدِ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْہُ عَنِ الرُّوْحِ فَقَالَ بَعْضُھُمْ لَا تَسْاَلُوْہُ اَنْ یَجِیْءَ فِیْہِ

(۱۶۹۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے بعض کھیت یا ویرانے میں چل رہا تھا' اور آپ اس وقت ایک شاخ پر سہارا دے کر کھڑے ہوئے تھے' اتنے میں ہم یہود کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے' ان میں سے بعض نے اپنے بعض سے کہا کہ آپؐ سے روح کے متعلق سوال کرو' بعض نے کہا مت پوچھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ایسی بات پیدا ہو جائے' جس کو تم ناگوار سمجھو

www.besturdubooks.net

بِشَیْءٍ تَکْرَھُوْنَهٗ فَقَالَ بَعْضُھُمْ وَ لَنَسْأَلَنَّهٗ فَقَامَ اِلَیْهِ رَجُلٌ مِّنْھُمْ فَقَالَ یَا اَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَکَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ یُوْحٰی اِلَیْهِ فَقَالَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا.

(رواہ البخاری)

بعض نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے' چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا' اور اس نے کہا اے ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وسلم) روح کیا ہے؟ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' مجھے معلوم ہو گیا اب آپ پر وحی نازل ہو گی' پھر ان کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی' یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور جو کچھ تم کو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔ (بخاری)

الرسول الاعظم و جوابه لقریش ماسئل عنه

علمائے یہود سے معلوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مکہ کا سوال کرنا اور جواب پانا

(۱۶۹۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ بَعَثَتْ قُرَیْشُ النَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَ عُقْبَةَ بْنَ اَبِیْ مُعَیْطٍ اِلٰی اَحْبَارِ یَھُوْدَ بِالْمَدِیْنَةِ فَقَالُوْا لَھُمْ اَسْأَلُوْھُمْ عَنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَ صِفُوْا لَھُمْ صِفَتَهٗ وَ اَخْبِرُ وَ ھُمْ بِقَوْلِهٖ فَاِنَّھُمْ اَھْلُ الْکِتَابِ الْاَوَّلِ وَ عِنْدَھُمْ عِلْمٌ مَا لَیْسَ عِنْدَنَا مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِیَاءِ فَخَرَجَا حَتّٰی قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ فَسَأَلُوْا اَحْبَارَ یَھُوْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ وَصَفُوْا

(۱۶۹۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں' کہ قریش نے نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابو معیط کو مدینہ منورہ یہودی علماء کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان علماء سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں پوچھو' اور ان سے ان کا حال بتاؤ' اور ان کو یہ بھی بتاؤ کہ وہ ہم کو قرآن سناتے ہیں' اس لیے وہ لوگ پہلی کتابوں کے جاننے والے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو علم حاصل ہے وہ ہمیں حاصل نہیں' چنانچہ وہ دونوں چل کر مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں علماء یہود سے پوچھا' ان علماء یہود سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی بتائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال بھی نقل کیے

(۱۶۹۲) ✽ قریش کے سنجیدہ افراد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت معلوم کرنے کے لیے باضابطہ علماء یہود کے پاس اپنے نمائندے بھیجے کہ وہ جا کر ان سے نبوت کی علامت پر گفتگو کریں' جن سے خود اپنی تشفی ہو سکے اور کوئی ذہنی خلفشار باقی نہ رہنے پائے' چنانچہ وہ آ کر اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ ہم فیصلہ کن باتیں لے کر آئے ہیں' اور پھر وہ خدمت نبوی میں ان سوالات کو لے کر حاضر ہوتے ہیں' اور سوال کرتے ہیں' جواب میں وحی کا نزول ہوتا ہے اور آپ ان کے سامنے جوابات بیان کرتے ہیں' اور وہ اس سے مطمئن ہو کر واپس ہوتے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی سرعت اشاعت میں ان چیزوں کو بڑا دخل ہے' سمجھ دار طبقہ جن میں ضد نہیں تھی' ان کے دلوں میں یہ بات پہلے جاگزیں ہو چکی تھی کہ یہ سچے نبی ہیں' کیونکہ وہ ہر پہلو سے جانچ چکے تھے' دیکھ چکے تھے اور اطمینان حاصل کر چکے تھے۔

www.besturdubooks.net

لَهُمْ اَمرَهٗ وَ بَعضَ قَولِهٖ وَ قَالَا اِنَّكُمْ اَهْلُ التَّوْرَاةِ وَ قَدْ جِئنَاكُمْ لِتُخبِرُوْنَا عَنْ صَاحِبِنَا هٰذَا قَالَ فَقَالَتْ لَهُمْ اَحْبَارُ يَهُوْدَ سَلُوْهُ عَنْ ثَلَاثٍ فَامُرُكُمْ بِهِنَّ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِهِنَّ فَهُوَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَ اِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَالرَّجُلُ مُتَقَوِّلٌ فَرَوْا فِيْهِ رَأيَكُمْ سَلُوْهُ عَنْ فِتْيَةٍ ذَهَبُوْا فِي الدَّهْرِ الْاَوَّلِ مَا كَانَ مِنْ اَمْرِهِمْ فَاِنَّهٗ قَدْ كَانَ لَهُمْ حَدِيْثٌ عَجِيْبٌ وَ سَلُوْهُ عَنْ رَجُلٍ طَوَّافٍ بَلَغَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا مَا كَانَ نَبَاُهٗ وَ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ مَا هُوَ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِذَالِكَ فَاِنَّهٗ نَبِيٌّ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اِنْ هُوَ لَمْ يَفْعَلْ فَهُوَ رَجُلٌ مُتَقَوِّلٌ فَاصْنَعُوْا فِيْ اَمْرِهٖ مَا بَدَالَكُمْ فَاَقْبَلَ النَّضْرُ وَ عُقْبَةُ حَتّٰى قَدِمَا مَكَّةَ عَلٰى قُرَيْشٍ فَقَالَا يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ قَدْ جِئْنَاكُمْ بِفَصْلِ مَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ اَمَرَنَا اَحْبَارُ يَهُوْدَ اَنْ نَسْاَلَهٗ عَنْ اُمُوْرٍ فَاَخْبَرُوْهُمْ بِهَا فَجَاءُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ خَبِّرْنَا فَسَاَلُوْهُ عَمَّا اَمَرُوْهُمْ بِهٖ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرُكُمْ وَ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ مِنَ اللّٰهِ بِسُوْرَةِ الْكَهْفِ فِيْهَا خَبَرُ مَا سَاَلُوْهُ عَنْهُ مِنْ اَمْرِ الْفِتْيَةِ وَ الرَّجُلِ الطَّوَّافِ وَ قَوْلِ اللّٰهِ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ (ذكره محمد ابن اسحق كما فى الجواب الصحيح)

انہوں نے علماء یہود سے کہا کہ آپ حضرات تورات کے عالم ہیں‘ ہم اسی واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہم سے ہمارے اس ہم وطن کے متعلق بیان کریں‘ علماء یہود نے ان سے کہا کہ تم جا کر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے) تین باتیں پوچھو‘ اگر وہ یہ باتیں بتا دیں‘ تو بے شک وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں‘ اور اگر نہ بتائیں تو سمجھنا کوئی افترا پرداز آدمی ہے‘ پھر جو سلوک تم مناسب سمجھنا کرنا (۱) ان جوانوں کے بارے میں پوچھنا جو پہلے زمانہ میں اپنے شہر سے باہر چلے گئے تھے‘ کہ ان کا معاملہ کیا ہے؟ کیونکہ ان کا قصہ عجیب قصہ ہے (۲) اور پھر تم اس آدمی کے متعلق سوال کرنا‘ جس نے زمین کے مشرقی ومغربی حصہ کی سیاحت کی تھی‘ کہ اس کا واقعہ کیا ہے۔ (۳) تیسرا سوال روح کے متعلق کرنا کہ وہ کیا ہے‘ اگر وہ ان چیزوں کے متعلق بتا دیں تو بلاشبہ وہ نبی ہیں‘ ان کی پیروی کرنا اور اگر وہ یہ نہ بتا سکیں تو سمجھ لینا کہ وہ ایک بات بنانے والے آدمی ہیں‘ پھر ان کے ساتھ جو سلوک چاہنا کرنا‘ نضر اور عقبہ علماء یہود کی یہ باتیں سن کر مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور یہاں پہنچ کر کہا‘ اے قریش! ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن بات لے کر واپس ہوئے ہیں‘ جو تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ہے‘ علماء یہود نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں پوچھیں‘ پھر انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی‘ چنانچہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان باتوں کے متعلق بتائیں‘ پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ سوالات کیے جن کا علماء یہود نے ان کو حکم دیا تھا‘ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان کا جواب دے رہا ہوں‘ اور اتنے میں جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں ان نو جوانوں کا اور اس سیاح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی ﴿یسئلونک عن الروح﴾ الخ (الجواب الصحیح)

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اللحم المسموم

(۱۶۹۳) عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً مِنْ اَهْلِ خَيْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَصْلِيَّةً ثُمَّ اَهْدَتْهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذِّرَاعَ فَاَكَلَ مِنْهَا وَ اَكَلَ رَهْطٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْسَلَ اِلَى الْيَهُوْدِيَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ اَخْبَرَكَ قَالَ اَخْبَرَتْنِيْ هٰذِهٖ فِيْ يَدِيْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ اِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَنْ تَضُرَّهٗ وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمْ يُعَاقِبْهَا وَ تُوُفِّيَ اَصْحَابُهُ الَّذِيْنَ اَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كَاهِلِهٖ مِنْ اَجْلِ الَّذِيْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهٗ اَبُوْهِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَ الشَّفْرَةِ وَ هُوَ مَوْلًى لِبَنِيْ بَيَاضَةَ مِنَ الْاَنْصَارِ.

(رواہ ابوداؤد و الدارمی)

بکری کے زہر آلود گوشت کی اطلاع کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے

(۱۶۹۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودی عورت نے بکری کا گوشت زہر ڈال کر پکایا' اور پھر اس کا ایک دست بطور ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا چنانچہ اسے آپ نے اور آپ کے ساتھ آپ کے بعض صحابہؓ نے کھانا شروع کیا' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی فرمایا' تم لوگ کھانے سے اپنے ہاتھ روک لو (چنانچہ انہوں نے ہاتھ روک لیا) آپ نے اس یہودی عورت کو بلا بھیجا' (وہ آئی تو) آپؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے بکری کے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کس نے آپؐ کو بتایا؟ آپؐ نے فرمایا گوشت کے اس ٹکڑے نے جو میرے ہاتھ میں ہے' اس یہودیہ نے کہا جی ہاں! میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر آپ نبی ہوں گے تو آپ کو یہ نقصان نہیں پہنچائے گا' اور اگر نبی نہ ہوں گے' تو ہم آپ سے اطمینان کا سانس لیں گے' آپ نے یہ سن کر اس کو معاف کر دیا' اور اس کو کوئی سزا نہیں دی' اور آپ کے جن صحابہ کرام نے وہ زہر آلود گوشت کھالیا تھا' ان کا انتقال ہو گیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زہر آلود گوشت کی وجہ سے اپنے شانوں کے درمیان پچھنا لگوایا کرتے تھے' پچھنا لگانے والا ابو ہند تھا' جو سینگ اور نشتر سے پچھنا لگایا کرتا تھا اور یہ انصار کے قبیلہ بنو بیاضہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔

(ابوداؤد و دارمی)

الرسول الاعظمؐ و اخباره ان هذا اللحم من شاة اخذت بغير اذن اهلها

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتانا کہ یہ گوشت اس بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے

(۱۶۹۴) عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ

(۱۶۹۴) عاصم بن کلیب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک

(۱۶۹۳) ✽ اللہ تعالیٰ جس کو رسالت و نبوت کی دولت سے نوازتے ہیں' اس کی قدر و منزلت انسان ناشکرے کے علاوہ ساری مخلوق اپنا فرض سمجھتی ہے اس لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ گوشت کے ٹکڑے نے خبر دی' کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے' تاکہ خدا کے برگزیدہ رسول اس کے مہلک اثرات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں۔

باقی جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے جو اثر رکھا ہے' وہ اثر بہرحال اپنا کام کرتا ہے' چنانچہ جس مقدار میں زہر نے جسموں میں اثر کیا' اپنا عمل دکھایا' حتیٰ کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو کر رہا۔

www.besturdubooks.net

رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَةٍ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوْصِى الْحَافِرَ يَقُوْلُ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَ دَاعِیَ امْرَأَتِهٖ فَاَجَابَ وَ نَحْنُ مَعَهٗ فَجِیْءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهٗ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَاَكَلُوْا فَنَظَرْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْكُ لُقْمَةً فِیْ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ اَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ اُخِذَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَاَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَرْسَلْتُ اِلَى النَّقِيْعِ وَ هُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرٰى لِیْ شَاةٌ فَلَمْ تُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلٰى جَارٍ لِیْ قَدِ اشْتَرٰى شَاةً اَنْ يُّرْسِلَ بِهَا اِلَیَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلَى امْرَأَتِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِلَیَّ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمِیْ هٰذَا الطَّعَامَ الْاَسْرٰى.

(رواہ ابوداؤد)

انصاری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ایک جنازہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے' میں نے رسولؐ خدا کو اس حال میں دیکھا کہ آپ قبر کے پاس تھے اور قبر کھودنے والے کو تاکید فرما رہے تھے کہ اس کے پاؤں کی طرف سے ذرا کشادہ کرنا' اور سرہانے کی طرف سے بھی کشادہ کرنا' جب آپ دفن کے بعد واپس ہوئے تو سامنے سے اس مرنے والے کی بیوی کی طرف سے ایک بلانے والا آیا' آپ نے اس کا بلاوا قبول فرمالیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئے' چنانچہ ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لیے- آپ کی خدمت میں کھانا لایا گیا' پہلے آپ نے شروع کیا' پھر قوم نے اور سبھوں نے کھایا' ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک لقمہ منہ میں لے کر چبا رہے ہیں' پھر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے' جو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑ لی گئی ہے- مرنے والے کی بیوی نے کہلا بھیجا یا رسولؐ اللہ! واقعہ یہ ہے کہ میں نے بازار نقیع میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی ہیں ایک آدمی بھیجا کہ وہ جا کر میرے لیے ایک بکری خرید لائے' اس کو بکری نہیں ملی' پھر میں نے اسے اپنے ایک پڑوسی کے پاس بھیجا' جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی کہ قیمت لے کر وہ بکری مجھے بھیج دے' وہ بھی نہ ملا' پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا' چنانچہ اس کی بیوی نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو- (ابوداؤد)

الرسول الاعظم واخبارہ باسلام عدی بن حاتم

عدیؓ بن حاتم کے اسلام کی پیش گوئی

(۱۶۹۵) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰهُ

(۱۶۹۵) عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۶۹۴) ✱ تلخ و شیریں اور نمکین و پھیکے کا احساس ہر باذوق بلکہ بے ذوق انسان بھی کر لیتا ہے' انبیاء و رسل کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسی طرح حلال و حرام کی تمیز بھی زبان پر رکھتے ہی کر لیتے ہیں' کہ یہ کھانا حرام ہے یا حلال' جائز ہے یا ناجائز' ان کا ذوق اس سلسلہ میں عمداً ہوتا ہے' کھانا زبان حال سے گویا ان سے خود کہتا ہے کہ میری نوعیت یہ ہے-
امت میں بھی بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ کھانے کو گو وہ ناجائز کھانا دھوکہ میں کھا لیتے ہیں' مگر ان کو وہ ہضم نہیں ہوتا' قے کے ذریعہ وہ باہر نکل آتا ہے' اور کبھی ناجائز کھانے سے اندر سے طبیعت خود بخود ابا کرتی ہے- باقی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان جو زبان رسالت کا فریضہ بھی انجام دیتی رہی' اس کو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا احساس نہ ہوتا' تو پھر کس کو ہوتا-

www.besturdubooks.net

تعالٰى عنه قال اتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو جالس في المسجد فقال القوم هذا عدي (رضي الله تعالى عنه) و كنت جئت بغير امان و لا كتاب فلما دفعت اليه اخذ بيدي و قد كان بلغني انه كان قال اني لارجو ان يجعل الله يده في يدي قال فقام لي فلقيته امرأة معها صبي فقالا ان لنا اليك حاجة فقام معهما حتى قضى حاجتهما ثم اخذ بيدي حتى اتى داره فالقت له الوليدة وسادة فجلس عليها و جلست بين يديه فحمد الله و اثنى عليه ثم قال لي يا عدي ما يعزك من الاسلام ان تقول لا اله الا الله فهل تعلم من اله سوى الله قلت لا ثم تكلم ساعة ثم قال انما تفر ان تقول الله اكبر فهل تعلم شيئا اكبر من الله قلت لا قال فان اليهود مغضوب عليهم و النصارى ضلال قلت فاني حنيف مسلم قال فرأيت وجهه تبسط فرحا ثم امربي فانزلت عند رجل من الانصار فجعلت اغشاه اتيه طرفي النهار.

(رواه الترمذی)

کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے لوگوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم ہے' میں آپ کی خدمت میں اچانک آیا تھا نہ میرے پاس امان نامہ تھا اور نہ کوئی تحریر تھی' جب میں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا' مجھے پہلے یہ خبر مل چکی تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا' انہوں نے کہا چنانچہ آپؐ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے' انہوں نے کہا اتنے میں ایک عورت بچہ لیے ہوئے آئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھے آپؐ سے ایک ضرورت ہے' آپؐ یہ سنتے ہی اس کے ساتھ ہو لیے' یہاں تک کہ ان کی ضرورت پوری کی اور پھر آ کر میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا' اور اسی طرح مجھے اپنے گھر میں لائے لونڈی نے فوراً ایک گدا بچھا دیا' آپؐ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی' اور اس کے بعد مجھ سے فرمایا اے عدی! کون سی چیز ہے جو تم کو اسلام سے روکتی ہے اور اس بات سے کہ تم کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟ میں نے کہا نہیں' پھر ایک گھنٹہ مجھ سے بات کرتے رہے' پھر فرمایا کیا تم اس سے بھاگتے ہو کہ تم اللہ اکبر کہو' کیا تمہارے علم میں اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں' آپؐ نے فرمایا یہود پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ پر لے درجے کے گمراہ ہیں' میں نے عرض کی میں تو دینِ حنیف کا مطیع بنتا ہوں' عدی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل پڑا ہے' پھر میرے باب میں حکم فرمایا اور میں ایک انصاری کے یہاں مہمان بنا دیا گیا' پس میں صبح وشام خدمتِ اقدس میں حاضری دینے لگا- (ترمذی)

الرسول الاعظمؐ و اخباره عن قتل امية

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق امیہ کا بدر میں قتل کیا جانا

(۱۶۹۶) عن سعد بن معاذؓ انه قال كان صديقا لامية بن خلف و كان امية اذا مر بالمدينة نزل على سعد و كان سعد اذا مر

(۱۶۹۶) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ امیہ بن خلف کے دوست تھے' چنانچہ جب امیہ بن خلف مدینہ منورہ سے گذرتا تھا تو وہ حضرت سعدؓ کے پاس قیام کرتا' اور سعدؓ جب مکہ جاتے تو امیہ کے پاس ٹھہرتے'

www.besturdubooks.net

بِمَكَّةَ نَزَلَ عَلٰى اُمَيَّةَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اِنْطَلَقَ سَعْدٌ مُعْتَمِرًا فَنَزَلَ عَلٰى اُمَيَّةَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لِاُمَيَّةَ اُنْظُرْ لِيْ سَاعَةَ خَلْوَةٍ لَعَلِّيْ اَنْ اَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَخَرَجَ بِهٖ قَرِيْبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ فَلَقِيَهُمَا اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ مَنْ هٰذَا مَعَكَ فَقَالَ هٰذَا سَعْدٌ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ جَهْلٍ اَلَا اَرَاكَ تَطُوْفُ بِمَكَّةَ اٰمِنًا وَ قَدْ اٰوَيْتُمُ الصُّبَاةَ وَ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ تَنْصُرُوْنَهُمْ وَ تُعِيْنُوْنَهُمْ اَمَا وَ اللّٰهِ لَوْ لَا اَنَّكَ مَعَ اَبِيْ صَفْوَانَ مَا رَجَعْتَ اِلٰى اَهْلِكَ سَالِمًا فَقَالَ لَهٗ سَعْدٌ وَ رَفَعَ صَوْتَهٗ عَلَيْهِ اَمَا وَ اللّٰهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِيْ هٰذَا لَا مْنَعَنَّكَ مَا هُوَ اَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ طَرِيْقَكَ عَلٰى اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ اُمَيَّةُ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ عَلٰى اَبِي الْحَكَمِ سَيِّدِ اَهْلِ الْوَادِيْ فَقَالَ سَعْدٌ دَعْنَا عَنْكَ يَا اُمَيَّةُ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُمْ قَاتِلُوْكَ قَالَ بِمَكَّةَ قَالَ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ اُمَيَّةُ وَ اللّٰهِ لَا اَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ اِسْتَنْفَرَ اَبُوْ جَهْلٍ النَّاسَ قَالَ اَدْرِكُوْا عِيْرَكُمْ فَكَرِهَ اُمَيَّةُ اَنْ يَّخْرُجَ فَاَتَاهُ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ اِنَّكَ مَتٰى يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ وَ اَنْتَ سَيِّدُ اَهْلِ الْوَادِيْ تَخَلَّفُوْا مَعَكَ فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ اَبُوْ جَهْلٍ حَتّٰى قَالَ اَمَّا اِذَا غَلَبْتَنِيْ فَوَاللّٰهِ لَاَشْتَرِيَنَّ اَجْوَدَ بَعِيْرٍ بِمَكَّةَ ثُمَّ قَالَ اُمَيَّةُ يَا اُمَّ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سعدؓ عمرہ کے لیے مکہ آئے‘ چنانچہ آپ نے امیہ کے پاس قیام کیا‘ امیہ سے آپؓ نے کہا تم دیکھنا کہ ایک گھنٹہ فراغت کا مجھے مل جائے کہ میں بیت اللہ کا طواف کرلوں‘ چنانچہ دوپہر کے وقت امیہ حضرت سعدؓ کو لے کر طواف کے لیے چلے‘ راستہ میں ابوجہل کی ان دونوں سے ملاقات ہوگئی‘ اس نے پوچھا‘ ابوصفوان! (امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ امیہ نے جواب دیا یہ حضرت سعدؓ ہیں- ابوجہل نے حضرت سعدؓ سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اطمینان کے ساتھ طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے ان بتوں سے رشتہ توڑنے والوں کو پناہ دے رکھی ہے اور تمہارا خیال ہے کہ تم ان کی مدد بھی کرو گے اور ان کو قوت بھی پہنچاؤ گے‘ خدا کی قسم اگر تم اس وقت صفوان کے ساتھ نہ ہوتے- تو پھر صحیح سالم (زندہ) گھر نہیں لوٹ سکتے تھے یہ سن کر حضرت سعدؓ نے ابوجہل کو جواب دیا اور ان کی آواز تیز تھی‘ سنو خدا کی قسم! اگر تم مجھے اس طواف سے روکو گے تو میں تم کو ایسی بات سے روک دوں گا‘ جو تم پر اس سے بھی زیادہ شاق گذرے گی‘ یعنی اہل مدینہ کی طرف سے تیرا تجارتی راستہ بند کردوں گا- امیہ نے کہا اے سعدؓ! تم ان سے تیز ہوکر نہ بولو یہ ابوالحکم (کنیت ابوجہل) وادی کے سردار ہیں‘ اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا اے امیہ! تم رہنے دو‘ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ تم کو قتل کرڈالیں گے‘ امیہ نے پوچھا‘ مکہ میں؟ سعدؓ نے کہا یہ میں نہیں جانتا کہ کہاں- امیہ نے کہا خدا کی قسم میں مکہ سے باہر نہیں نکلوں گا‘ چنانچہ جب کچھ دنوں بعد غزوہ بدر پیش آیا‘ تو ابوجہل نے لوگوں کو جمع کیا‘ اور ان سے کہا لوگو! تم اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو وہ روک لیا گیا ہے‘ اس موقع سے امیہ نکلنا پسند نہیں کرتا تھا‘ ابوجہل کو جب اس کا احساس ہوا‘ تو وہ خود اس کے پاس آکر کہنے لگا‘ اے ابوصفوان! جب لوگ دیکھیں گے کہ تم ہی پیچھے رہ گئے ہو‘ حالانکہ تم وادی کے سردار ہو تو وہ لوگ بھی پیچھے رہ جائیں گے‘ ابوجہل اس کو برابر یہ سمجھاتا رہا‘ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ جب تم مجھے نہیں چھوڑتے‘ تو میں خدا کی قسم مکہ میں جو سب سے عمدہ اونٹ ہے اس کو خریدتا ہوں‘ اس کے

www.besturdubooks.net

صَفْوَانَ جَهِّزِيْنِي فَقَالَتْ لَهٗ يَا اَبَا صَفْوَانَ وَ قَدْ نَسِيْتَ مَا قَالَ لَكَ اَخُوْكَ الْيَثْرِبِيُّ قَالَ لَا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَخْرُجَ مَعَهُمْ اِلَّا قَرِيْبًا فَلَمَّا خَرَجَ اُمَيَّةُ اَخَذَ لَا يَنْزِلُ مَنْزِلًا اِلَّا عَقَلَ بَعِيْرَهٗ فَلَمْ يَزَلْ بِذٰلِكَ حَتّٰى قَتَلَهُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ. (رواه البخاری فی باب من یقتل ببدر)

بعد اپنی بیوی ام صفوان سے امیہ نے کہا سامان سفر تیار کر دو اس کی بیوی نے ابو صفوان کو یاد دلایا کہ تم کیا وہ بات بھول گئے جو تمہارے یثربی دوست نے کہی تھی' ابوصفوان نے کہا بھولا نہیں ہوں' مگر صرف دو چار دن ان کے ساتھ رہوں گا چنانچہ جب امیہ نکلا' تو اس نے اس کا پورا اہتمام کیا کہ جس منزل پر قیام کرتا تھا' اپنا اونٹ اپنے پاس ہی باندھتا تھا (تاکہ موقع پر بھاگ سکے) وہ برابر ایسا ہی کرتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر میں ہلاک کر دیا۔ (بخاری)

الرسول الاعظم و اخباره ان داؤد عليه السلام يقرأ الزبور قبل تسرج دوابه

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ خبر دینا کہ آپ آناً فاناً زبور ختم کر لیتے تھے

(۱۶۹۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفِّفَ عَنْ دَاؤدَ الْقُرْاٰنُ وَ كَانَ يَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَ لَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ. (رواه البخاری)

(۱۶۹۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور پڑھنا بہت ہلکا کر دیا گیا تھا آپ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور ادھر زبور پڑھنا شروع کرتے اور ابھی سواری پر زین کسا بھی نہیں جاتا تھا کہ آپ زبور پڑھ چکتے تھے' اور حضرت داؤد صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

الرسول الاعظم و اخباره ذهاب الحجر بثياب موسىٰ عليه السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مارنے کا تذکرہ

(۱۶۹۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْءٌ

(۱۶۹۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بہت شرمیلے اور پردہ والے شخص تھے حیا کا اثر یہ تھا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا دیکھا نہیں جا سکتا تھا' بنی اسرائیل

(۱۶۹۷) ✽ قدرت کے یہاں یہ بھی ایک خاص بات ہے کہ جب کوئی کسی عمل صالح پر مداومت کرتا ہے تو وہ اسے اس کے لیے بہت سہل کر دیتی ہے' اور اس میں ایسی برکت ہوتی ہے کہ وہ آن کی آن میں ہو جاتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات تاریخ میں موجود ہیں' اور جن لوگوں کو نیک کام کرنے کا تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عمل صالح کے خوگر سے یہ کام منٹوں میں ہو جاتے ہیں۔

(۱۶۹۸) ✽ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بالخصوص انبیاء کرام کے لیے' پتھر میں شعور کا پیدا ہو جانا' کوئی مستبعد چیز نہیں ہے' اور جب ایک پتھر باشعور انسان کا سا وطیرہ اختیار کرے تو اس کی تنبیہ بھی اسی طرح ہونی چاہیے' باقی مار سے نشانات کا پڑنا' کوئی حیرت انگیز بات سرے سے نہیں ہے' اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے' کہ جو واقعہ خرق عادت کے طور پر واقع ہوا' اسے دن رات کے واقعات پر قیاس کرنا اور اس نقطہ نظر سے دیکھنا سرے سے غلط ہے' اگر زمین کا کرہ حرکت کر سکتا ہے تو پتھر کی حرکت پر تعجب کیوں کیجیے؟

www.besturdubooks.net

اِسْتِحْيَاءً مِنْهُ فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَقَالُوْا مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا السَّتْرَ اِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ وَ اِمَّا اُدْرَةٌ وَ اِمَّا اٰفَةٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يُبَرِّئَهٗ مِمَّا قَالُوْا بِمُوْسٰى فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهٗ فَوَضَعَ ثِيَابَهٗ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ اِلٰى ثِيَابِهٖ لِيَاْخُذَهَا وَ اَنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهٖ فَاَخَذَ مُوْسٰى عَصَاهُ وَ طَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ حَجَرُ ثَوْبِيْ حَجَرُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى مَلَاٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَرَاَوْهُ عُرْيَانًا اَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَ اَبْرَاَهٗ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ وَ قَامَ حَجَرٌ فَاَخَذَ ثَوْبَهٗ فَلَبِسَهٗ وَ طَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا. (رواه البخاري)

میں سے جس کو ایذا پہنچانی تھی اس نے آپ کو ایذا پہنچائی' اور وہ کہنے لگے کہ آپ اتنا پردہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہو نہ ہو آپ کے جسم میں کوئی نہ کوئی عیب ہے' یا برص ہو' یا ورم خصیہ' یا اسی طرح کی کوئی اور بیماری' اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ آپ کو ان عیوب سے بری کر دے' جو وہ لگاتے تھے' چنانچہ ایک دن آپ نے تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے' پھر غسل کرنے لگے جب غسل سے فارغ ہوئے' کپڑے کی طرف متوجہ ہوئے کہ اس کو لے کر پہنیں' لیکن وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پتھر سے کپڑے کا مطالبہ کیا' اور فرمانے لگے' پتھر میرے کپڑے لاؤ' پتھر میرے کپڑے دو' اس کا پیچھا کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ایک مجمع کے پاس پہنچ گئے' انہوں نے آپ کو ننگا دیکھا اور ان تمام عیوب سے پاک جو بنی اسرائیل (برص وغیرہ کا) لگاتے تھے' یہاں آ کر پتھر رک گیا' آپ نے اپنے کپڑے لیے اور پہنے اور پھر اپنی لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے' خدا کی قسم آپ کے ڈنڈے برسانے کی وجہ سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے' اسی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا﴾ الخ

(بخاری شریف)

الرسول الاعظم و ذكر اختتان ابرهيم عليه السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا ذکر فرمانا

(۱۶۹۹) عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمِرَ اَنْ يَخْتَتِنَ وَ هُوَ حِيْنَئِذٍ ابْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً فَعَجَّلَ وَ اخْتَتَنَ بِالْقُدُوْمِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْوَجَعُ فَدَعَا رَبَّهٗ فَاَوْحٰى اِلَيْهِ اَنَّكَ عَجِلْتَ قَبْلَ اَنْ نَاْمُرَكَ بِاٰلَتِهٖ قَالَ يَا رَبِّ كَرِهْتُ اَنْ اُؤَخِّرَ اَمْرَكَ.

(درمنثور ج ۱ ص ۱۱۵)

(۱۶۹۹) حضرت علی بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب اسی سال کی ہوئی تو آپ کو ختنہ کا حکم کیا گیا' حکم ملتے ہی آپ نے جلدی کی' اور بسولا لے کر اپنا ختنہ کر لیا' اس میں سخت تکلیف ہوئی' تو آپ علیہ السلام نے پروردگار سے دعا کی' وحی آئی' تو نے جلدی کی' آلہ کا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تھا' انہوں نے کہا الٰہ العالمین! میں نے تاخیر پسند نہیں کی۔

(درمنثور ج ۱ ص ۱۱۵)

www.besturdubooks.net

قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کلمات ابراھیم الثلاث التی قال

(۱۷۰۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کَلِمَاتِ اِبْرَاھِیْمَ الثَّلَاثِ الَّتِیْ قَالَ مَا مِنْھَا کَلِمَۃٌ اِلَّا مَاحَلَ بِھَا عَنْ دِیْنِ اللّٰہِ. (رواہ ابن ابی حاتم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تین باتوں کا ذکر فرمانا جن کی تعبیر کذب سے کی تھی

(۱۷۰۰) حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کے متعلق فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات ایسی نہ تھی' جن سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی تائید نہ ہو۔ (ابن ابی حاتم)

الرسول الاعظم و اخبارہ نفخ الوزغ فی النار التی القی فیھا ابراھیمؑ

(۱۷۰۱) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ امْرَاَۃً دَخَلَتْ عَلٰی عَائِشَۃَؓ فَاِذَا رُمْحٌ مَنْصُوْبٌ فَقَالَتْ مَا ھٰذَا الرُّمْحُ فَقَالَتْ نَقْتُلُ بِہِ الْاَوْزَاغَ ثُمَّ حَدَّثَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَمَّا اُلْقِیَ فِی النَّارِ جَعَلَتِ الدَّوَابُّ کُلُّھَا تُطْفِیءُ عَنْہُ النَّارَ اِلَّا الْوَزَغَ فَاِنَّہٗ جَعَلَ یَنْفُخُھَا عَلَیْہِ.

آتش نمرود میں چھپکلی کے پھونک مارنے کا ذکر فرمانا

(۱۷۰۱) حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس نے دیکھا کہ ایک نیزہ رکھا ہوا ہے' اس نے پوچھا یہ کیسا نیزہ ہے' انہوں نے فرمایا کہ اس سے ہم چھپکلیاں مارتے ہیں' پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی' کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس وقت آگ میں ڈالے گئے تھے' تو تمام جانور آگ بجھانے کی فکر میں تھے' سوائے چھپکلی کے' کہ یہ اسے ہوا دیتی تھی یعنی پھونک مارتی تھی۔ (احمد)

(رواہ احمد من وجہ آخر ایضا قال ابن کثیر تفرد بہ احمد من ھذین الوجھین و قد رواہ ابن ماجہ ایضا و اخرجہ احمد باسنادہ ایضا)

(۱۷۰۰) ✱ کذب اصطلاح میں ''جھوٹ'' کے معنی میں اس طرح ہمارے یہاں مشہور ہو گیا ہے' کہ سننے کے ساتھ فوراً ذہن اسی طرف جاتا ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت میں کذب کا لفظ ''خطا'' ''غلطی'' اور ''خلاف واقعہ'' معنوں میں بکثرت مستعمل ہے' پھر اسے بھی سامنے رکھئے کہ انبیاء کرام کی شان بہت اونچی ہوتی ہے' اور بلند فطرت ہوتے ہیں' مخاطبوں کو چونکہ مراد کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی' اس لیے اسے کذب سے تعبیر کیا' حالانکہ وہ درحقیقت صدق تھا اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں باتوں کے متعلق وضاحت فرما دی کہ ہر طرح وہ صحیح تھیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو ترجمان السنۃ ج ۲ ص ۲۲۷ اور ج ۳ ص ۲۶۳۔

(۱۷۰۱) ✱ طبیعت کی سلامتی و خباثت حیوانات اور انسان کے فطری خواص سے ہیں' کوئی ضروری نہیں ہے کہ سارا کام سوچ سمجھ کر ہی کیا جائے فطرت سے آدمی اور بعض جانور مجبور ہوتے ہیں' بچھو کا ڈسنا' زہریلے جانور کا کاٹنا' اسی طرح چھپکلی کا پھونک مارنا' یہ سب فطری خواص ہیں' یہاں بھی اس نے آگ میں پھونک ماری تو کچھ سوچ سمجھ کر نہیں' بلکہ اس کی فطرت نے اسے مجبور کیا' اور اس کو اسی میں مزہ آیا۔

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اخباره ان المسیلمة و العنسی و المختار کذابون دجالون

مسیلمہ عنسی اور مختار کے مدعیانِ نبی ہونے کی پیش گوئی

(۱۷۰۲) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابًا دَجَّالًا مِنْهُمُ الْمُسَيْلَمَةُ وَ الْعَنَسِيُّ وَ الْمُخْتَارُ. (ابو یعلی فتح الباری)

(۱۷۰۲) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آ سکتی ہے جب تک تیس جھوٹے دجال نہ پیدا ہو چکیں گے، جن میں مسیلمہ عنسی اور مختار بھی ہیں۔ (فتح الباری)

الرسول الاعظم و اخباره ان سیکون فی امتی کذابون ثلثون

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس جھوٹے مدعیانِ نبوت کے متعلق پیش گوئی

(۱۷۰۳) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (رواہ مسلم)

(۱۷۰۳) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عن قریب میری امت میں تیس بہت بڑے جھوٹے ہوں گے، یہ سب کے سب اپنے متعلق خیال کریں گے کہ وہ نبی ہیں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مسلم)

الرسول الاعظم و ما اخبر من احوال الفتن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک کے بڑے بڑے واقعات کا بیان فرمانا

(۱۷۰۴) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ

(۱۷۰۴) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

(۱۷۰۲) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیش گوئیوں کی طرح یہ پیش گوئی بھی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور مسیلمہ، اسود عنسی اور مختار نے جھوٹا دعوئے نبوت کیا اور اس طرح اپنے آپ کو مستحق جہنم بنایا۔

(۱۷۰۳) ✽ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صراحت کے باوجود کچھ لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، اور اس طرح آپ کے قول کی تصدیق ہو کر رہی۔ اس میں قطعاً شبہ نہیں ہے کہ نبوت کا دروازہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے، کسی طرح کا کوئی نبی آپ کے بعد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۱۷۰۴) ✽ وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات معلوم ہوتی تھی، اور آپ اسے جب کبھی موقع ملتا امت کے سامنے رکھ دیتے، اسی طرح کا واقعہ یہ تھا، آپ کو بتایا گیا ہوگا کہ قیامت تک یہ اہم واقعات رونما ہونے والے ہیں، کسی وعظ میں یہ مضمون آ گیا اور آپ نے ان کی طرف اشارہ فرما دیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بات چھوڑی ہی نہیں، اور ایک ایک جزئی بات بیان فرما دی، یہ ایک محاورہ ہے کہ جب تفصیل سے کوئی کسی بات کو بیان کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ساری باتیں بیان کر دی گئیں، کوئی بات رہ نہ گئی۔

اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں آپؐ نے اہم چیزوں کی نشان دہی فرما دی تھی، تاکہ امت متنبہ ہو جائے۔

www.besturdubooks.net

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَیْئًا یَقُوْمُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَ نَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ قَدْ عَلِمَہٗ اَصْحَابِیْ ھٰؤُلَاءِ وَ اِنَّہٗ لَیَکُوْنُ مِنْہُ الشَّیْءُ قَدْ نَسِیْتُہٗ فَاَرَاہُ فَاَذْکُرُہٗ کَمَا یَذْکُرُ الرَّجُلُ وَجْہَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْہُ ثُمَّ اِذَا رَاٰہُ عَرَفَہٗ۔ (متفق علیہ)

صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ میں ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو چیز ہونے والی تھی' ان میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا' سب کو بیان کر دیا' جس نے یاد رکھا' اس نے یاد رکھا' اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور اس کو میرے تمام ساتھی جانتے ہیں اور یقیناً ایسا ہوتا رہتا ہے' کہ میں کوئی بات بھول جاتا ہوں' لیکن جب وہ کبھی سامنے آتی ہے' تو وہ بات اس طرح یاد آ جاتی ہے' جیسا کہ ایک دیکھا ہوا شخص جب غائب ہو جاتا ہے اور پھر جب کبھی وہ سامنے آتا ہے تو دیکھنے والا اسے پہچان لیتا ہے۔ (متفق علیہ)

روساءِ فتن کے ناموں کی نشان دہی

(۱۷۰۵) عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ وَ اللّٰہِ مَا اَدْرِیْ اَنَسِیَ اَصْحَابِیْ اَمْ تَنَاسَوْا وَ اللّٰہِ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَۃٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مَنْ مَعَہٗ ثَلٰثَ مِائَۃٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاہُ لَنَا بِاسْمِہٖ وَ اسْمِ اَبِیْہِ وَ اسْمِ قَبِیْلَتِہٖ۔ (رواہ ابو داؤد)

(۱۷۰۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ میرے رفقاء واقعی فراموش کر گئے' یا وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک کے ان تمام قائدین فتنہ کا نام اور ان کے باپ اور قبیلہ کا نام ہمیں بتا دیا ہے جن کی جماعت تین سو تک یا اس سے اوپر تک ہوگی۔ (ابوداؤد)

المنافقون فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقین

(۱۷۰۶) عَنْ قَیْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ اَرَاَیْتُھُمْ صَنِیْعَکُمْ ھٰذَا الَّذِیْ صَنَعْتُمْ فِیْ اَمْرِ عَلِیٍّ اَرَاْیًا رَاَیْتُمُوْہُ اَوْ شَیْئًا عَھِدَہٗ اِلَیْکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَھِدَ اِلَیْنَا

(۱۷۰۶) حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایئے آپ کی یہ روش جو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں اختیار کی ہے' یہ آپ کی ذاتی رائے ہے جو آپ کی سمجھ میں آئی ہے' یا آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد تھا'

(۱۷۰۵) ✱ مطلب یہ ہے کہ قیامت تک جو بڑے بڑے فتنے ہونے والے تھے' اور ان کے جو قائدین تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام پر روشنی ڈال دی' یہ منشا نہیں ہے کہ کوئی بات رہ نہ گئی' اور نہ یہ مسلم ہے کہ عہد نبوی سے لے کر قیامت تک کل کچھ اوپر تین سو ہی فتنے برپا نہیں ہوں گے ہزاروں لاکھوں فتنے تو شاید ہو چکے ہوں گے۔
باقی عالم الغیب ہونے کا دعویٰ اس سے ثابت کرنا یہ زبردستی والی بات ہوگی' عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی جو باتیں معلوم ہوتی تھیں' آپ ان میں وہ ساری باتیں جن کو مناسب سمجھتے' امت کے سامنے بیان فرما دیتے' اس کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو ترجمان السنۃ جلد دوم ص ۳۸۱ ملاحظہ فرمائیں۔

www.besturdubooks.net

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْهُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَ لٰكِنْ حُذَيْفَةُ أَخْبَرَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَصْحَابِيْ اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِيْهِمْ ثَمَانِيَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِّنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ وَ أَرْبَعَةٌ لَمْ أَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَةُ فِيْهِمْ. (رواہ مسلم)

انہوں نے جواب میں کہا' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات ہم سے ایسی نہیں کہی جو آپ نے عام مسلمانوں سے نہ فرمائی ہو' لیکن حضرت حذیفہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری امت میں بارہ منافق ہوں گے' ان میں سے آٹھ جنت میں داخل نہ ہوں گے' جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے- ان کی پشت پر پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لیے کافی ہو جائے گا' اور چار کے متعلق یاد نہیں رہا کہ شعبہ (راوی) نے ان کے متعلق کیا بیان کیا- (مسلم)

بارہ نقاب پوش منافقین کی نشاندہی

(۱۷۰۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ اٰخِذًا بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقُوْدُبِهٖ وَ عَمَّارٌ يَسُوْقُ النَّاقَةَ أَوْ أَنَا أَسُوْقُهٗ وَ عَمَّارٌ يَقُوْدُهٗ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْعَقَبَةِ فَإِذَا أَنَا بِاثْنَيْ عَشَرَ رَاكِبًا قَدِ اعْتَرَضُوْهُ فِيْهَا قَالَ فَأَنْبَهْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فَصَرَخَ بِهِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانُوْا مُلْتَثِمِيْنَ وَ لٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُنٰفِقُوْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا أَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ أَرَادُوْا أَنْ يُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوْهُ مِنْهَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا تَبْعَثُ إِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا أَكْرَهُ أَنْ يَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ

(۱۷۰۷) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر کھینچ رہا تھا' اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پیچھے سے ہنکا رہے تھے' یا میں پیچھے سے ہانک رہا تھا اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے سے کھینچ رہے تھے' جب ہم عقبہ میں پہنچے تو دفعۃً بارہ سوار ملے' جو سامنے سے آ رہے تھے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے مطلع کیا' تو آپ نے ان کو زور سے آواز دی' وہ سب آواز سنتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم نے ان سب کو پہچانا' ہم نے جواب دیا نہیں یارسول اللہ' وہ سب تو منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھے' البتہ ہم نے ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب منافقین تھے' جو ہمیشہ تا قیامت منافقین ہی رہیں گے' تم جانتے ہو' ان کا ارادہ کیا تھا؟ ہم نے کہا نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس گھاٹی میں مزاحمت کر کے اس کو کھائی میں گرا دینا چاہتے تھے' ہم نے کہا یا رسول اللہ! ایسا کیوں نہ ہو کہ ہم ان کے قبیلہ کو اس کی اطلاع کر دیں' تا کہ وہ ان کا سر کاٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں یہ نہیں چاہتا- مجھے یہ ناگوار ہے کہ اہل عرب آپس میں یہ کہنا شروع کر دیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ

www.besturdubooks.net

حَتّٰی اِذَا اَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِهِمْ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَضَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ اَحَدِهِمْ فَيُهْلِكُ. (رواہ البیہقی فی کتاب دلائل النبوۃ و اخرجہ ابن کثیر فی تفسیر سورۃ البراءۃ)

کی' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا کر دی اور ان کو غالب کر دیا تو ان کو قتل کرنے لگے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی' اے اللہ! ان کو دبیلہ میں مبتلا کر دے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا وہ زہریلا پھوڑا ہے' جو آگ کی طرح دل کو جلا ڈالتا ہے پس وہ اس سے ہلاک ہو جاتے ہیں- (دلائل النبوۃ)

اپنے عہد کے منافقین کا تذکرہ

(۱۷۰۸) حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ اَصْحَابِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ (قَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ) اِلَّا ثَلَاثَةٌ وَ لَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اِلَّا اَرْبَعَةٌ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ اِنَّكُمْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُوْنَا لَا نَدْرِيْ فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَنْقُرُوْنَ بُيُوْتَنَا وَ يَسْرِقُوْنَ اَعْلَاقَنَا قَالَ اُولٰئِكَ الْفُسَّاقُ اَجَلْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ اِلَّا اَرْبَعَةٌ اَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهُ. (رواہ البخاری فی کتاب التفسیر)

(۱۷۰۸) حضرت زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا کہ آیت ﴿قَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ کے مصداق میں سے تین کے سوا کوئی باقی نہ رہا' اور منافقین میں بھی بجز چار کے اور کوئی باقی نہ رہا' اس پر ایک دیہاتی نے کہا آپ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسی بات بتاتے ہیں' جو ہم نہیں جانتے' ان لوگوں کا کیا حال ہے' جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں' اور ہمارے قیمتی مال چراتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بدکار لوگ ہیں' ہاں ان منافقوں میں سے بجز چار کے اب کوئی نہیں رہا' ایک بہت بڈھا ہے اتنا کہ اگر ٹھنڈا پانی پیے تو اسے اس کا بھی احساس نہ ہو- (بخاری)

ایک منافق کی موت کی خبر

(۱۷۰۹) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ تَكَادُ اَنْ تُدْفِنَ الرَّاكِبَ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا مُنَافِقٌ عَظِيْمٌ مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْمَاتَ. (رواہ مسلم)

(۱۷۰۹) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس ہو رہے تھے اور مدینہ کے قریب پہنچ چکے تھے کہ اس قدر تیز ہوا چلی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوار کو مٹی میں دفن کر دے گی' راوی کا خیال ہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے' چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں سے ایک بڑے منافق کی موت واقع ہوئی ہے-

(مسلم شریف)

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظم و اخباره عن قصة ثلثة رجال من بنی اسرائیل

(۱۷۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَ اَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّبْلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَکًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَ جِلْدٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّی الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِی النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَ اُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَ جِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْاِبِلُ اَوِ الْبَقَرُ شَکَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ وَ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَ قَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِی النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَ اُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِیَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَعْمٰی فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ اَنْ یَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِیَ شَاةً وَ الِدًا فَنُتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَکَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْاِبِلِ وَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی اسرائیل کے تین شخصوں کا تذکرہ فرمانا

(۱۷۱۰) ابو ہریرۃؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک برص والا ایک گنجا اور ایک اندھا- اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا- پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہیے! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے اس نے کہا خوب صورت رنگت اور خوب صورت کھال اور یہ بات کہ جس بدنما رنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے- فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بدنمائی ختم ہوگئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہو گئے- اس کے بعد پوچھا کہیے آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے اونٹ بتائے یا گائے- راوی حدیث اسحٰق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ابرص اور گنجے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے- غرض اس کو ایک ایسی اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہوگئی تھی اور وہ بیانے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے نے یہ دعا دی- جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے- اس کے بعد وہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے اس نے کہا خوب صورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے- اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوب صورت ہو گئے- اس کے بعد پوچھا کہیے آپ کو مال کون سا پسند ہے اس نے کہا گائے' اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی- فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی گائے میں برکت دے- اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا' کہیے صاحب آپ کو سب سے زیادہ کیا بات پسند ہے اس نے کہا' یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں' فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد پوچھا آپ کو کون سا مال مرغوب ہے وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جننے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے بیا گئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہو گیا

www.besturdubooks.net

لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَ هَيْئَاتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْئَلُكَ بِالَّذِيْ أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَ الْجِلْدَ الْحَسَنَ وَ الْمَالَ بَعِيْرًا أَتَبَلَّغُ بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ إِنَّهُ كَأَنِّيْ أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذِرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَأَعْطَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ إِنَّمَا وُرِّثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ فَأَتَى الْأَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلٰى مَا كُنْتَ. قَالَ وَ أَتَى الْأَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ وَ هَيْئَاتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَ ابْنُ سَبِيْلٍ إِنْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِيْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَ دَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَ سَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ.

(متفق عبیہ)

(اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے اونٹ ہو گئے اور گنجے کے پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں ہوگئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں رہا' سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دے کر ایک اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوش نما رنگ اور یہ خوش نما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا میری ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں۔ کہئے کیا آپ مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادا سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی پہلی ہی شکل میں گنجے کے پاس پہنچے اور اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کرلوں اس نے کہا بے شک میں نابینا تھا اور بے شک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی' جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لے گا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دے دوں گا۔ فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

www.besturdubooks.net

الرسول الاعظمؐ و اخباره

(۱۷۱۱) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّیَاطِیْنَ وَ بُیُوْتٌ لِلشَّیَاطِیْنَ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّیَاطِیْنِ فَقَدْ رَاَیْتُهَا یَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِیْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا یَعْلُوْا بَعِیْرًا مِنْهَا وَ یَمُرُّ بِاَخِیْهِ قَدْ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا یَحْمِلُهُ وَ اَمَّا بُیُوْتُ الشَّیَاطِیْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِیْدٌ یَقُوْلُ لَا اَرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِیْ یَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّیْبَاجِ.

(رواه ابوداؤد)

ابلِ شیاطین اور بیوتِ شیاطین کی پیش گوئی

(۱۷۱۱) سعید بن ہند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں' ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اونٹ شیاطین کے لیے ہوں گے اور کچھ مکانات شیاطین کے ہوں گے۔ شیاطین کے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں کہ تم میں سے ایک اپنے ساتھ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے۔ جس کو اس نے خوب فربہ بنا رکھا ہے' اور وہ ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا ہے' اپنے بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس کو سوار نہیں کرتا ہے' باقی رہے شیاطین کے مکانات' تو میں نے اسے نہیں دیکھا' سعید کہتے تھے میرا خیال یہ ہے وہ یہ پنجرے سے کجاوہ ہوں گے' جن کو لوگ ریشم ڈال کر ڈھکتے ہیں۔

(ابوداؤد)

الرسول الاعظم و رفع الحجابات بینه و بین بیت المقدس عند سوال قریش

(۱۷۱۲) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِیْ قُرَیْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَا لَتْنِیْ عَنْ اَشْیَاءَ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ فَجَلَّى اللّٰهُ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰیَاتِهٖ وَ اَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ مَا یَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ.

قریش کے سوال پر بیت المقدس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آجانا

(۱۷۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا' کہ مجھے جب قریش نے جھٹلایا تو اس وقت میں حجر میں تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے مجھ سے (بیت المقدس کے متعلق) اپنے ایسے سوالات کئے' جو محفوظ نہ تھے' اس وقت مجھے ایسی پریشانی ہوئی' جیسی کبھی نہ ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری آنکھوں کے سامنے کر دیا' اور میں دیکھ دیکھ کر ان کو تمام سوالات کا جواب دینے لگا' اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا اور جو کچھ وہ سوال کرتے تھے میں ان کو جواب دیتا تھا۔

(۱۷۱۱) * نمائش کے طور پر جانور رکھنا کہ بوقت ضرورت وہ کسی کے کام نہ آئے' اس کو شیاطین کی سواری سے آپؐ نے تعبیر فرمایا' اور ان کجاووں کو جنہیں ریشم سے مزین کیا جائے آپؐ نے شیاطین کے گھر کا نام دیا' اب یہ باتیں عام طور پر پائی جانے لگی ہیں۔

(۱۷۱۲) * سرسری طور پر انسان اگر کسی عمارت یا شہر کو دیکھتا ہے تو اس کی تفصیل کبھی ذہن میں محفوظ کرنے کی سعی نہیں کرتا' ← .....

www.besturdubooks.net

(۱۷۱۳) اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَوْفًا الْبِکَالِیَّ یَزْعَمُ اَنَّ مُوْسٰی لَیْسَ بِمُوْسٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنَّمَا ھُوَ مُوْسٰی اٰخَرُ فَقَالَ کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ حَدَّثَنَا اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوْسَی النَّبِیُّ (عَلَیْہِ السَّلَامُ) خَطِیْبًا فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ فَعَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اِذْ لَمْ یَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَیْہِ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِیْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَیْنِ ھُوَ اَعْلَمُ مِنْکَ قَالَ یَا رَبِّ وَ کَیْفَ بِہٖ فَقِیْلَ لَہٗ اِحْمِلْ حُوْتًا فِیْ مِکْتَلٍ فَاِذَا فَقَدْتَّہٗ فَھُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ وَ انْطَلَقَ بِفَتَاہُ یُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَ حَمَلَا حُوْتًا فِیْ مِکْتَلٍ حَتّٰی کَانَا عِنْدَ الصَّخْرَۃِ وَ ضَعَارُءٗ وُ سَھُمَا وَ نَامَا فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِکْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا وَ کَانَ لِمُوْسٰی وَ فَتَاہُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِیَّۃَ لَیْلَتِھِمَا وَ یَوْمِھِمَا فَلَمَّا اَصْبَحَ

(۱۷۱۳) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ نوف بکالی تو یہ کہتے ہیں کہ جن موسیٰ کی سرگزشت خضر علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرے موسیٰ ان کے ہم نام شخص تھے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نوف خدا کے دشمن نے غلط کہا- ہم سے ابی بن کعبؓ نے خود بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے' تو ان سے سوال ہوا فرمایئے انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا- سب سے بڑا عالم میں- اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوا کہ انہوں نے اس بات کا علم خدا تعالیٰ کے حوالے کیوں نہ کیا اس لیے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی (اے موسیٰ) مجمع بحرین میں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے- موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پروردگار پھر اس سے ملاقات کیسے اور کہاں ہو؟ ارشاد ہوا تو یوں کرو کہ ایک زنبیل میں مچھلی اپنے ہمراہ لے لو اور جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہیں وہ ملے گا' موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہ ان کے رفیق یوشع بن نون روانہ ہو گئے اور (حسب ہدایت) اپنے ہمراہ زنبیل میں ایک مچھلی بھی

ﷺ ..... لیکن جب قریش نے ازراہِ شکوک وشبہات سوالات کیے تو اب ان کی تشفی ضروری تھی' اور اس موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی فطری تھی' اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمۃ للعالمین کی اس پریشانی پر رحم کھایا اور بیت المقدس آپ کے سامنے کر دیا گیا اور اس طرح کہ آپ نے ایک ایک جزدیکھ کر جواب دینا شروع کیا-

(۱۷۱۳) ✱ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی سرگذشت کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا تفصیلی تذکرہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام سرگزشت کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن مبارک سے نکلا ہوا ایک ذرا سا کلمہ تھا جس کو اگر مخلوق کے دائرہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو سرتاسر صدق ہی صدق نظر آتا ہے- یعنی سائل بنی اسرائیل ہیں اور مخاطب نبی وقت موسیٰ علیہ السلام ہیں ادھر محاورات میں صیغہ تفضیل کا مطلقاً کہنا زیادتی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اب اس میں کیا شبہ تھا کہ نبی وقت پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی ان سے بڑھ کر علم میں اور کون شخص ہو سکتا تھا لیکن جب یہی معاملہ رسول اور خالق کے درمیان آیا تو اس صدق در صدق میں بھی خامی کا ایک پہلو نکل آیا اور وہ یہ کہ صیغہ تفضیل عرف عام میں خواہ کسی معنی میں مستعمل ہو لیکن بلحاظ لغت ﷺ .....

www.besturdubooks.net

قَالَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لِفَتَاهُ اٰتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا وَ لَمْ يَجِدْ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتّٰى جَاوَزَا مَكَانَ الَّذِیْ اُمِرَ بِهٖ فَقَالَ لَهٗ فَتَاهُ اَرَأَيْتَ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ قَالَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَى الصَّخْرَةِ اِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ اَوْ قَالَ تَسَجّٰى بِثَوْبِهٖ فَسَلَّمَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ الْخَضِرُ وَ اَنّٰى بِاَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ اَنَا مُوسٰى فَقَالَ مُوسٰى (عَلَيْهِ السَّلَامُ) بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ

لے لی چلتے چلتے جب ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے تو اپنا سر رکھ کر وہاں دونوں سو گئے' ادھر مچھلی زنبیل سے نکل گئی اور اس طرح سمندر میں داخل ہوئی کہ اس کے داخل ہونے کی جگہ پر سرنگ کی شکل بن گئی اس پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق کو بعد میں بڑا تعجب ہوا - وہ آگے چل پڑے اور جب بقیہ ایک دن رات کی مسافت طے کر چکے اور صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا لاؤ بھی ذرا ہمارا ناشتہ تو نکالو آج کے سفر میں تو ہم کو کچھ تکان ہو گیا اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کو سفر میں تکان محسوس نہیں ہوا تھا اور آج بھی تکان اس وقت محسوس ہوا جب کہ وہ اس جگہ سے آگے نکل چکے تھے جس کا ان کو پتہ دیا گیا تھا ان کے رفیق سفر نے عرض کی جی ہاں جہاں ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا مچھلی تو اس جگہ گم ہو گئی تھی مگر مجھ کو آپ سے اس کا ذکر کرنا یاد نہیں رہا - موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی جگہ کی تو ہم کو تلاش تھی آخر پھر اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے اسی راستے پر واپس ہوئے جب اس پتھر کے پاس پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص

ؒ ..... اس میں اتنی وسعت ہے کہ اتنی وسعت اور اطلاق کا لفظ استعمال کرنا ایک نبی کی شان کے مناسب نہ تھا اس لیے جب سوال یہ ہے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو نبی کی شان کے مطابق جواب یہ ہونا چاہیے کہ اس عموم و اطلاق کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے چونکہ جواب میں ذرا سی خامی رہ گئی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے "اَنَا اَعْلَمُ" (میں سب سے بڑا عالم ہوں) کا لفظ نکل گیا اس لیے فوراً گرفت ہو گئی اور ارشاد ہوا کیوں نہیں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے - اس پر جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کا پتہ دریافت کیا تو ان کے علمی نقصان کا ظہور تو یہیں سے شروع ہو گیا اور اس پہلے قدم پر ہی علم کا اتنا قصور واضح ہوا کہ جب ایسے بڑے علم والے شخص کے مقام کا بھی تم کو علم نہیں تو سوچو تمہارے علم کا مقام کیا ہے؟ پھر جب پتہ بتایا گیا ہو تو وہ بھی ایک ابہام کے ساتھ یعنی یہ کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے اب کہاں؟ یہ معلوم نہیں - پھر جب سفر شروع ہوتا ہے تو موقعہ کی تلاش ہے' مگر جب موقع سامنے آ جاتا ہے تو وہیں ذہول ہوتا ہے اور سفر کا قدم آگے بڑھ جاتا ہے' آخر پھر واپس ہونا پڑتا ہے' آخر جب خود کشش ربانی ہی کھینچ کر ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو معاہدہ کے وقت جو پہلی بات وہ سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو علم مجھ کو ہے وہ تم کو نہیں اور جو تم کو ہے وہ مجھ کو حاصل نہیں - مقصد یہ ہے کہ علمی دنیا میں ہم دونوں ناقص در ناقص ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علمی قصور کی منزل ختم ہوئی تو اب خضر علیہ السلام کے علمی وفور کی منزل شروع ہوئی اور اس کا آغاز بھی ایک پرندہ کی آمد سے اس طرح ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارا اور تمہارا دونوں کا علم مل کر بھی کچھ نہیں ہے - آخر بڑے عہد و پیمان کے بعد سفر شروع ہوا اور قدم قدم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاعلمی اور حضرت خضر علیہ السلام کے علم کی برتری کا ظہور ہوتا چلا گیا - آخر جب واقعات سفر اور ان کے حکم سب بیان میں آ گئے تو کچھ اور عجائبات قدرت لے سننے کی تمنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رہ گئی اور آپ نے بڑی حسرت کے انداز میں فرمایا کاش کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر سے کام لیتے - ؒ .....

www.besturdubooks.net

اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا يَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّیْ عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهٗ اَنْتَ وَ اَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ قَالَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَا اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا

ہے جو چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا۔ اس پر خضر علیہ السلام نے کہا اس ملک میں سلام کہنے والا کہاں۔ انہوں نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا کیا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں میں وہی موسیٰ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کیا میں آپ کے ہمراہ رہ سکتا ہوں تا کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ مجھ کو بھی تعلیم فرمائیں۔ انہوں نے کہا آپ ہرگز صبر کے ساتھ اس کو حاصل نہیں کر سکتے' اے

..... اس ایک واقعہ ہی سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کتنا نازک ہوتا ہے۔ یہاں صغائر و کبائر درکار ہیں یا حسنات میں کسی باریکی کی فروگزاشت بھی کافی ہے۔ ابھی آپ پڑھ چکے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کو جب ختنے کا حکم ہوا اور امتثال امر کی عجلت میں انہوں نے فوراً بسولہ لے کر ختنہ کر ڈالی۔ تو کیا اس سے بڑھ کر بھی وفاداری اور اطاعت شعاری کا مظاہرہ کچھ ہو سکتا تھا' مگر جب انہوں نے اپنی تکلیف کا اظہار فرمایا تو جواب یہ ملا کہ ختنہ کس طرح کرنا چاہیے یہ ہم سے پوچھا کیوں نہیں گویا اب اگر تکلیف ہوئی تو یہ تمہارا قصور ہے۔ سبحان اللہ! جو لوگ گرفت کی اس شدت کو نہیں جانتے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ "رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ" پر گرفت کا راز بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ادھر ہمارے متکلمین ہیں کہ وہ صرف تعبیرات کی شدت سے انبیاء علیہم السلام کی علی الاطلاق عصمت میں اختلاف کر رہے ہیں۔ اگر ان لغزشوں پر پھر اس کے نتائج پر غور سے نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لغزشیں حکم و اسرار کا ایک بحر بیکراں تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش سب سے پہلے ہے مگر عالم کی آبادی کا سارا راز اسی ایک لغزش میں پنہاں تھا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دہن مبارک سے لغزش کا یہ کلمہ ضرور نکلا اور ان کو اس طویل سفر کی مشقت بھی جھیلنی پڑی مگر اس سفر میں کتنے اسرار حکمت کے دریا بہ نکلے اس کا اندازہ کچھ اسی سے فرما لیجئے کہ اس پورے سفر کو قرآن کریم نے کس تفصیل سے بیان کیا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مزے لے لے کر اس کو سنا آخر جب یہ طویل سفر ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی اس کی حسرت رہ گئی کاش کہ یہ سفر کچھ اور دراز ہو جاتا تو عجائبات قدرت کچھ اور بھی کھلتے۔

اس سرگزشت میں نہ معلوم کتنے درس عبرت ہوں گے۔ ہم اپنے قصور علم اور وقت کی فرصت کے لحاظ سے چند اہم اسباق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ واقعات کی سطح اور اندرونی حکم ربانی کے درمیان مناسبتوں کا ادراک انسانی عقول کے احاطہ سے باہر ہے اور اسی لیے ان حکمتوں کے ادراک کے درپے ہوئے بغیر صبر کے ساتھ واقعات کا مطالعہ کرنا چاہیے مگر یہی صبر عقول انسانیہ کے لیے بڑا امتحان ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم کی اس آیۃ میں اشارہ فرمایا گیا ہے ﴿وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۱۶) اور یہ کہ خضر علیہ السلام کو جب واقعات وحکم کے اس غیر مدرک بالعقول ربط کا علم بخشا گیا تھا تو اسی کے ساتھ ان کو وہ قوت بھی عنایت فرما دی گئی تھی جس کی وجہ سے ایک گرنے والی دیوار صرف ان کے ایک اشارہ سے سیدھی ہو گئی بلکہ اتنی مستحکم ہو گئی تھی کہ جب .....

www.besturdubooks.net

يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِيْنَةٌ فَمَرَّ بِهِمَا سَفِيْنَةٌ فَكَلَّمُوْهُمْ اَنْ يَحْمِلُوْهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِيْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً اَوْ نَقْرَتَيْنِ فِى الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مُوْسٰى (عَلَيْهِ السَّلَامُ) مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِى الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى لَوْحٍ مِنْ اَلْوَاحِ السَّفِيْنَةِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ اِلٰى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ فَكَانَتِ الْاُوْلٰى مِنْ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَاِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرَاْسِهٖ مِنْ اَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ

موسیٰ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو علم مجھ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ نہیں جانتے اور جو علم آپ کو بخشا ہے وہ میں نہیں جانتا' انہوں نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر دیکھیں گے اور کسی معاملہ میں میں آپ کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں سمندر کے کنارہ کنارہ روانہ ہو گئے کشتی ان کے پاس نہ تھی کہ دریا عبور کر سکتے۔ آخر ادھر سے ایک کشتی گزری تو انہوں نے اس کے ملاح سے گفتگو کی کہ ان کو بھی سوار کر لے اتفاق سے کسی نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کسی اجرت کے بغیر ان کو کشتی میں بٹھا لیا اتنے میں ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور آ کر کشتی کے کنارہ بیٹھ گئی اور سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں۔ اس پر خضرؑ نے فرمایا اے موسیٰ میرا اور تمہارا علم مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنی کہ اس چڑیا کی چونچ کے پانی کی اس سمندر کے ساتھ ہے' اس کے بعد حضرت خضر اٹھے اور کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ پھینکا موسیٰ علیہ السلام فوراً بولے۔ یہ وہ شریف لوگ تھے جنہوں نے اجرت لیے بغیر ہم کو کشتی میں بٹھا لیا تھا' آپ نے یہ کیا کیا کہ لگے تو ان ہی کی کشتی کو توڑ ڈالا تا کہ سارے کشتی والوں کو ڈبو دیں' انہوں نے کہا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا' اور آپ بھولی بات پر مجھ سے گرفت نہ فرمائیں۔ یہ پہلی بے صبری موسیٰ علیہ السلام سے از راہ نسیان سرزد ہوئی' آگے چلے تو ایک بچہ جو بچوں میں کھیل رہا تھا خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑ کر گردن سے اکھاڑ ڈالا۔ موسیٰؑ

لله ..... تک اس کے نیچے کے دفینہ کا مالک جوان نہ ہو لے وہ دیوار نہ گر سکے اور یہ کہ جب تک مصالح ربانیہ کا کسی کو قطعی علم حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ خود قطعی طور پر ان کا مامور بھی نہ ہو اس وقت تک شریعت میں وہ افعال جرم اور معصیت ہی کی فہرست میں شمار ہوں گے اور یہ کہ تکوینی امور کا راستہ تشریعی احکام سے الگ ہے اور ان کی تنفیذ کے لیے بھی تشریعی احکام کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بندے مقرر ہیں مگر وہ اتنے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا علم ضروری نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ایسے افراد کو قدرت اس لیے عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھتی ہے کہ ان کے اس قسم کے افعال شریعت کی زد میں آ کر اختلال نظم کا باعث نہ بنیں اور یہ کہ علم تشریعی کا درجہ علم تکوینی سے بلند ہے اور یہ کہ افضل کو اگر اس قسم کے جزئیات کا علم نہ ہو تو اس سے اس کے فضل و کمال میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور یہ کہ جن کو ان علوم کا حامل نہیں بنایا گیا ان کے کے لیے ان علوم کے حاملین کی نہ تلاش چاہیے اور نہ ان کی رفاقت ان کے لیے موجب کمال۔ اور اگر کہیں حسب الاتفاق ملاقات ہو جائے تو ان پر زبان طعن کھولنا بھی غلط ہے۔ لله .....

www.besturdubooks.net

فَقَالَ مُوْسٰی اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّةً بِغَیْرِ نَفْسٍ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا قَالَ ابْنُ عُیَیْنَةَ وَ هٰذَا اَوْ کَدُ فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا اَتَیَا اَهْلَ قَرْیَةِ نِ اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهُ قَالَ الْخَضِرُ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِیَدِهٖ فَاَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوْسٰی لَوْشِئْتَ لَا تَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰی لَوَدِدْنَا لَوْصَبَرَحَتّٰی یَقُصَّ عَلَیْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا.

(رواہ البخاری)

نے فرمایا- آپ نے یہ کیا کیا ایک معصوم بچہ کو بے گناہ مار ڈالا- خضرؑ نے کہا میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے- ابن عیینہ راوی حدیث کہتے ہیں یہاں لفظ "لک" (آپ سے) زیادہ تاکید کے لیے اضافہ فرمایا- آگے چلے تو ایک بستی سے گزرے اور ان سے مہمانی کی درخواست کی- انہوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا- وہاں ایک دیوار تھی جو بالکل ٹوٹنے والی تھی- حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے ایک اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا- موسیٰؑ نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت ان سے لے سکتے تھے- حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اچھا بس اس کے بعد اب ہماری آپ کی جدائی ہے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری تمنا تھی کاش کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر کر لیتے تاکہ ان کے کچھ واقعات ہم کو اور معلوم ہو جاتے-

(بخاری شریف)

ؒ..... اس روایت کے چند الفاظ کتاب التفسیر میں بھی دیکھ لیے جائیں-

فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا وَ امسک الله عن الحوت جریة الماء فصار علیه مثل الطاق.

(دریا میں سرنگ پیدا ہونے کی صورت یہ ہوئی) کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے داخل ہونے کی جگہ سے پانی کا سیلان روک دیا تو وہاں ایک طاق کی سی شکل پیدا ہو گئی-

خذ نونا میتا حتی ینفخ فیه الروح قال اما یکفیک ان التورات بیدیک و ان الوحی یاتیک یا موسی ان لی علما لا ینبغی لک ان تعلمه و ان لک علما لا ینبغی لی ان اعلمه. و فی اصل الصخرة عین یقال له الحیاة لا یصیب من مائها شیء الاحیی فاصاب الحوت من ماء تلک العین قال فتحرک و انسل من المکتل فدخل البحر.

اے موسیٰ! ایک مردہ مچھلی ساتھ لے لو یہاں تک کہ اس میں روح پڑ جائے- (خضر علیہ السلام نے کہا) اے موسیٰ! کیا تم کو یہ تورات کافی نہیں- جو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے- اور کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ وحی الٰہی تم پر آتی ہے- اے موسیٰ! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم بخشا ہے جو آپ کے لیے مناسب نہیں اور آپ کو وہ علم دیا ہے جو میرے لیے مناسب نہیں- درخت کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جس کو آب حیات کہتے ہیں- اس کا پانی جس چیز کو لگ جاتا وہ زندہ ہو جاتی تھی- وہ پانی کسی طرح اس مچھلی پر بھی پڑ گیا تو وہ زندہ ہو گئی تھی-

www.besturdubooks.net

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ

(۱۷۱۴) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍؒ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ اَوَّلُ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ مِنْ قِبَلُ اُمِّ اِسْمٰعِیْلَ اتَّخَذَتْ مِنْطَقًا لِتُعَفِّیَ اَثَرَهَا عَلٰی سَارَةَ ثُمَّ جَاءَ بِهَا اِبْرَاهِیْمُ وَ بِابْنِهَا اِسْمٰعِیْلَ وَ هِیَ تُرْضِعُهُ حَتّٰی وَ ضَعَهُمَا عِنْدَ الْبَیْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِیْ اَعْلَی الْمَسْجِدِ وَ لَیْسَ بِمَكَّةَ یَوْمَئِذٍ اَحَدٌ وَ لَیْسَ بِهَا مَاءٌ فَوَضَعَهُمَا هُنَالِکَ وَ وَضَعَ عِنْدَ هُمَا جِرَابًا فِیْهِ تَمْرٌ وَ سِقَاءً فِیْهِ مَاءٌ ثُمَّ قَفّٰی اِبْرَاهِیْمُ مُنْطَلِقًا فَتَبِعَتْهُ اُمُّ اِسْمٰعِیْلَ فَقَالَتْ یَا اِبْرَاهِیْمُ اَیْنَ تَذْهَبُ وَ تَتْرُکُنَا فِیْ هٰذَا الْوَادِی الَّذِیْ لَیْسَ فِیْهِ اَنِیْسٌ وَ لَا شَیْءٌ فَقَالَتْ لَهٗ ذٰلِکَ مِرَارًا وَ جَعَلَ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهَا فَقَالَتْ لَهٗ آللّٰهُ اَمَرَکَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَتْ اِذَنْ لَا یُضَیِّعُنَا ثُمَّ رَجَعَتْ فَانْطَلَقَ اِبْرَاهِیْمُ حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ الثَّنِیَّةِ حَیْثُ لَا یَرَوْنَهٗ اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَیْتَ ثُمَّ دَعَا بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ وَ رَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ حَتّٰی بَلَغَ یَشْکُرُوْنَ جَعَلَتْ اُمُّ اِسْمٰعِیْلَ تَاْکُلُ التَّمْرَ مِنَ الْجِرَابِ وَ تَغْرِبُ مِنْ ذٰلِکَ الْمَاءِ حَتّٰی اِذَا نَفِدَ مَا فِی السِّقَاءِ عَطِشَتْ وَ عَطِشَ ابْنُهَا وَ جَعَلَتْ تَنْظُرُ اِلَیْهِ یَتَلَوّٰی وَ قَالَ یَتَلَبَّطُ فَانْطَلَقَتْ کَرَاهِیَةَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَیْهِ فَوَجَدَتِ الصَّفَا اَقْرَبَ جَبَلٍ فِی الْاَرْضِ یَلِیْهَا فَقَامَتْ

(۱۷۱۴) حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ پہلی چیز جو عورتوں نے بنائی وہ منطق کا لباس ہے' اور اس کی موجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں' انھوں نے یہ لباس اس لئے بنایا تھا تاکہ یہ ان کے نشانِ قدم کو مٹا ڈالے اور حضرت سارہؓ کو نشان نہ ملے' پھر حضرت ابراہیم ان کو اور ان کے لڑکے اسماعیل علیہ السلام کو جو ابھی دودھ پی رہے تھے لائے اور بیت اللہ کے پاس ایک درخت کے نیچے زمزم کے نزدیک مسجد کے بالائی حصہ میں چھوڑ دیا' اس وقت مکہ میں نہ کوئی آدمی تھا اور نہ کہیں پانی کا کا نام ونشان' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس ایک مشک پانی اور ایک تھیلا کھجور رکھ دیا' اور پھر رخ پھیر کر روانہ ہو گئے' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں یہ کہتے ہوئے ان کے پیچھے لگ گئیں کہ اے ابراہیمؑ آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں اس وادی میں چھوڑ رہے ہیں جہاں نہ کوئی غم گسار ہے اور نہ کوئی چیز یہ بار بار کہہ رہی تھیں مگر وہ ان کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے' انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہاں' انھوں نے کہا تو پھر وہ ہمیں برباد نہ ہونے دے گا' اور یہ کہہ کر وہ بچہ کی طرف پلٹ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے' جب وہ گھاٹی سے اتنی دور نکل آئے جہاں سے وہ سب ان کو نہ دیکھ سکیں' تو قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی' اے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد لا کر تیرے محترم گھر کے پاس ایسی وادی میں آباد کر دی ہے' جہاں کھیتی کا نام ونشان تک نہیں ہے' یَشْکُرُوْنَ تک کلمات آپ نے فرمائے' ادھر ام اسمٰعیل تھیلے سے کھجور' اور مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں- تا آنکہ پانی ختم ہو گیا اور خود وہ اور ان کا بچہ پیاس سے بے چین ہوا' وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ شدتِ پیاس سے لوٹ پوٹ کر رہا ہے' چنانچہ اس حالت بے تابی میں وہ بچے کے پاس سے چل پڑیں' ان سے بچہ کا حال نہ دیکھا گیا- انھوں نے سب سے قریب زمین کے پہاڑوں میں سے صفا کی پہاڑی دیکھی' وہ اس پر چڑھ کر وادی میں دیکھنے

www.besturdubooks.net

عَلَيْهِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَتِ الْوَادِيَ تَنْظُرُ هَلْ تَرَى اَحَدًا فَهَبَطَتْ مِنَ الصَّفَا حَتَّى اِذَا بَلَغَتْ الْوَادِيَ رَفَعَتْ طَرَفَ دِرْعِهَا ثُمَّ سَعَتْ سَعْيَ الْاِنْسَانِ الْمَجْهُوْدِ حَتَّى جَاوَزَتِ الْوَادِيَ ثُمَّ اَتَتِ الْمَرْوَةَ فَقَامَتْ عَلَيْهَا فَنَظَرَتْ هَلْ تَرَى اَحَدًا فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِذٰلِكَ سَعَى النَّاسُ بَيْنَهُمَا فَلَمَّا اَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا فَقَالَتْ صَهٍ تُرِيْدُ نَفْسَهَا ثُمَّ تَسَمَّعَتْ فَسَمِعَتْ اَيْضًا فَقَالَتْ قَدْ اَسْمَعْتَ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ غَوَاثٌ فَاِذَا هِيَ بِالْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ فَبَحَثَ بِعَقِبِهِ اَوْ قَالَ بِجَنَاحِهِ حَتَّى ظَهَرَ الْمَاءُ فَجَعَلَتْ تُحَوِّضُهُ وَتَقُوْلُ بِيَدِهَا هٰكَذَا وَجَعَلَتْ تَغْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِي سِقَائِهَا وَهُوَ يَفُوْرُ بَعْدَمَا تَغْرِفُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ اَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِيْنًا قَالَ فَشَرِبَتْ وَاَرْضَعَتْ وَلَدَهَا فَقَالَ لَهَا الْمَلَكُ لَا تَخَافِي الضَّيْعَةَ فَاِنَّ هٰهُنَا بَيْتَ اللّٰهِ يَبْنِيْ هٰذَا الْغُلَامُ وَاَبُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَهْلَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ مُرْتَفِعًا مِنَ الْاَرْضِ كَالرَّابِيَةِ تَأْتِيْهِ السُّيُوْلُ فَتَاْخُذُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ فَكَانَتْ كَذٰلِكَ حَتَّى مَرَّتْ بِهِمْ رُفْقَةٌ مِنْ جُرْهُمَ اَوْ اَهْلُ بَيْتٍ مِنْ جُرْهُمَ مُقْبِلِيْنَ مِنْ طَرِيْقِ

لگیں کہ کہیں کوئی نظر تو نہیں آتا' لیکن کوئی نظر نہ آیا' آخر صفا کی پہاڑی سے اتریں اور جب وادی میں پہنچیں' تو اپنا دامن اٹھا کر ایک پریشان حال انسان کی طرح دوڑ پڑیں' یہاں تک کہ وادی سے آگے بڑھ گئیں اور مروہ کی پہاڑی پر آئیں' اور اس پر کھڑے ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ کوئی آدم نظر آتا ہے یا نہیں' اسی طرح سات مرتبہ چکر لگایا' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی کی یاد میں لوگ صفا و مروہ کی سعی کرتے ہیں-مآخیر میں جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی' انھوں نے اپنے جی سے کہا' کہ تو خاموش رہ' پھر کان لگایا تو پھر آواز آئی -انھوں نے کہا کہ تم نے اپنی آواز تو سنا دی' اب اگر تیرے پاس میرے لئے کوئی مدد ہو تو وہ بھی کر دے چنانچہ دفعۃً ان کو زمزم کے پاس ایک فرشتہ نظر آیا' اس نے اپنی ایڑ زمین پر لگائی یا اپنا بازو لگایا' یہاں تک کہ پانی ابل آیا' وہ اس کو چاروں کناروں سے گھیرنے لگیں اور پانی چلو میں لے لے کر مشکیزہ بھرنے لگیں' مگر پانی اس کے بعد بھی ابل ہی رہا تھا' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مادر مہربان پر رحم فرمائیں' اگر وہ زمزم کو اسی حال پر چھوڑ دیتیں یا فرمایا کہ چلو سے لے کر مشکیزہ میں نہ ڈالتیں' تو زمزم بہتا ہوا چشمہ ہوتا -فرمایا کہ انھوں نے خود پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا' فرشتہ نے ان سے کہا کہ ہلاکت کا خطرہ محسوس نہ کرو' یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے' یہ بچہ اور اس کے والد محترم اس کو بنائیں گے' اور اللہ تعالیٰ یہاں والوں کو برباد نہ ہونے دے گا' اور بیت اللہ عام زمین سے اونچا ایک ٹیلہ کی صورت تھا' جب سیلاب آتا اس کے دائیں بائیں سے گذر جاتا' چنانچہ وہ اس حال پر رہا یہاں تک کہ جرہم کا ایک قبیلہ یا قافلہ یہاں سے گذرا' جو کدا کے راستے سے آ رہا تھا' وہ مکہ کے نشیبی علاقہ میں فروکش ہوا' انھوں نے پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا' یہ دیکھ کر انھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرندے پانی پر منڈلا رہے ہیں' کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے' ہم اس وادی سے گذر چکے ہیں' یہاں پانی نہ تھا' انھوں نے اپنے ایک یا دو تیز و چست

www.besturdubooks.net

كَذَاءٍ فَنَزَلُوا فِي اَسْفَلِ مَكَّةَ فَرَاَوْا طَائِرًا عَائِفًا فَقَالُوا اِنَّ هٰذَا الطَّائِرَ لَيَدُوْرُ عَلَى الْمَاءِ لَعَهْدُنَا بِهٰذَا الْوَادِيْ وَ مَا فِيْهِ مَاءٌ فَاَرْسَلُوْا جَرِيًّا اَوْ جَرِيَّيْنِ فَاِذَا هُمْ بِالْمَاءِ فَرَجَعُوْا فَاَخْبَرُوْهُمْ بِالْمَاءِ فَاَقْبَلُوْا قَالَ وَ اُمُّ اِسْمٰعِيْلَ عِنْدَ الْمَاءِ فَقَالُوْا اَتَاْذَنِيْنَ لَنَا اَنْ نَنْزِلَ عِنْدَكِ قَالَتْ نَعَمْ وَ لٰكِنْ لَا حَقَّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَلْفٰى ذٰلِكَ اُمَّ اِسْمٰعِيْلَ وَ هِيَ تُحِبُّ الْاُنْسَ فَنَزَلُوْا وَ اَرْسَلُوْا اِلٰى اَهْلِيْهِمْ فَنَزَلُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِهَا اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِنْهُمْ وَ شَبَّ الْغُلَامُ وَ تَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ وَ اَنْفَسَهُمْ وَ اَعْجَبَهُمْ حِيْنَ شَبَّ فَلَمَّا اَدْرَكَ زَوَّجُوْهُ اِمْرَاَةً مِنْهُمْ وَ مَاتَتْ اُمُّ اِسْمٰعِيْلَ فَجَاءَ اِبْرَاهِيْمُ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ اِسْمٰعِيْلُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ اِسْمٰعِيْلَ فَسَاَلَ اِمْرَاَتَهُ عَنْهُ فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِيْ لَنَا ثُمَّ سَاَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَ هَيْئَتِهِمْ فَقَالَتْ نَحْنُ بِشَرٍّ نَحْنُ فِيْ ضِيْقٍ وَ شِدَّةٍ فَشَكَتْ اِلَيْهِ قَالَ فَاِذَا جَاءَ زَوْجُكِ اقْرَئِيْ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَ قُوْلِيْ لَهُ يُغَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِهِ فَلَمَّا جَاءَ اِسْمٰعِيْلُ كَاَنَّهُ اٰنَسَ شَيْئًا فَقَالَ هَلْ جَاءَكُمْ مِنْ اَحَدٍ قَالَتْ نَعَمْ جَاءَنَا الشَّيْخُ كَذَا وَ كَذَا فَسَاَلَنَا عَنْكَ فَاَخْبَرْتُهُ وَ سَاَلَنِيْ كَيْفَ عَيْشُنَا فَاَخْبَرْتُهُ اَنَّا فِيْ جَهْدٍ وَ شِدَّةٍ قَالَ اَوْصَاكِ بِشَيْءٍ قَالَتْ نَعَمْ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ قَالَ ذَاكِ اَبِيْ وَ قَدْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُفَارِقَكِ

آدمیوں کو بھیجا' دفعۃً انھوں نے پانی دیکھا - پلٹ کر انھوں نے پانی کی خبر دی' چنانچہ وہ سب ادھر چل پڑے' وہاں پہنچے تو دیکھا پانی کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں بیٹھی ہوئی ہیں' انھوں نے ان سے کہا کہ کیا ہمیں اس کی اجازت ہے کہ ہم یہیں آپ کے پاس قیام پزیر ہو جائیں - انھوں نے کہا اجازت ہے' لیکن اس پانی میں آپ لوگوں کا کوئی حق نہ ہوگا انھوں نے کہا بہتر ہے' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام اسماعیل تنہا تھیں' چاہتی تھیں کہ مانوس لوگ ہوں' چنانچہ وہ آبسے' اور اپنے لوگوں کے پاس آدمی بھیج کر ان کو بھی بلا لیا' اور وہ بھی آ گئے جب ان کے یہاں کئی گھر آباد ہو گئے اور ادھر حضرت اسماعیل جو بچے تھے جوان ہو گئے اور ان سے عربی سیکھ لی اور وہ سب ان کو بھلے بھی معلوم ہوئے چنانچہ جب یہ پورے جوان ہو گئے' قبیلہ جرہم کے لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک خاتون سے ان کی شادی کر دی' کچھ دنوں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ وفات پا گئیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے کہ جن کو چھوڑ کر گئے' ان کا حال معلوم کریں' حضرت اسماعیل کو موجود نہیں پایا ان کی بیوی سے ان کے متعلق دریافت کیا' کہ کہاں گئے' اس نے کہا ہمارے لئے رزق کی تلاش میں گئے ہیں پھر انھوں نے پوچھا زندگی کیسی گذرتی ہے اور کیا حال ہے؟ اس نے کہا ہم برے حال میں ہیں' تنگی میں ہیں' تکلیف میں ہیں' اس نے ان سے معاش کی شکایت کی' آپ نے اس سے فرمایا جب تیرا شوہر آئے' تو میرا سلام پہنچانا' اور کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انھوں نے گویا انس محسوس کیا' اور پوچھا کیا تمہارے یہاں کوئی آیا تھا' اس نے کہا ہاں ایک شیخ تشریف لائے تھے' ان کی یہ ہیئت تھی' انھوں نے آپ کے بارے پوچھا' میں نے انہیں بتایا' پھر گذر بسر کے متعلق سوال کیا' میں نے کہا کہ مشقت اور تکلیف میں ہیں - انہوں پوچھا کہ وہ کچھ کہہ بھی گئے' اس نے کہا ہاں فرما گئے کہ میں آپ کو ان کا سلام پہنچا دوں اور آپ سے فرما گئے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں' آپ نے فرمایا وہ میرے پدر

www.besturdubooks.net

الْحَقِي بِاَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَ تَزَوَّجَ مِنْهُمْ
اُخْرٰى فَلَبِثَ عَنْهُمْ اِبْرَاهِيْمُ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ
اَتَاهُمْ بَعْدُ فَلَمْ يَجِدْهُ وَ دَخَلَ عَلٰى امْرَأَةٍ
فَسَأَلَهَا عَنْهُ فَقَالَتْ خَرَجَ يَبْتَغِيْ لَنَا قَالَ
كَيْفَ اَنْتُمْ وَ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَ هَيْئَتِهِمْ
فَقَالَتْ نَحْنُ بِخَيْرٍ وَ سَعَةٍ وَ اَثْنَتْ عَلَى اللّٰهِ
قَالَ مَا طَعَامُكُمْ قَالَتِ اللَّحْمُ قَالَ فَمَا
شَرَابُكُمْ قَالَتِ الْمَاءُ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ
فِى اللَّحْمِ وَ الْمَاءِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ وَ لَوْ كَانَ
لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيْهِ قَالَ فَهُمَا لَا يَخْلُوْ عَلَيْهِمَا
اَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ اِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ قَالَ فَاِذَا جَاءَ
زَوْجُكِ فَاقْرِئِىْ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَ مُرِيْهِ يُثْبِتْ
عَتَبَةَ بَابِهِ فَلَمَّا جَاءَ اِسْمٰعِيْلُ قَالَ هَلْ اَتَاكُمْ
مِّنْ اَحَدٍ قَالَتْ نَعَمْ اَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ وَ
اَثْنَتْ عَلَيْهِ فَسَأَلَنِىْ عَنْكَ فَاَخْبَرْتُهُ فَسَأَلَنِىْ
كَيْفَ عَيْشُنَا فَاَخْبَرْتُهُ اَنَّا بِخَيْرٍ قَالَ
فَاَوْصَاكِ بِشَيْءٍ قَالَتْ نَعَمْ هُوَ يَقْرَئُ
عَلَيْكَ السَّلَامَ وَ يَأْمُرُكَ اَنْ تُثْبِتَ عَتَبَةَ
بَابِكَ قَالَ ذَاكِ اَبِىْ وَ اَنْتِ الْعَتَبَةُ اَمَرَنِىْ
اَنْ اُمْسِكَكِ ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ
جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اِسْمٰعِيْلُ يَبْرِىْ نَبْلًا لَهُ
تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيْبًا مِنْ زَمْزَمَ فَلَمَّا رَاٰهُ قَامَ
اِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ وَ الْوَلَدُ
بِالْوَالِدِ ثُمَّ قَالَ يَا اِسْمٰعِيْلُ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِىْ
بِاَمْرٍ قَالَ فَاصْنَعْ كَمَا اَمَرَكَ رَبُّكَ قَالَ

بزرگوار تھے اور وہ حکم فرما گئے کہ میں تم سے جدائی اختیار کرلوں' تو اپنے گھر والوں میں چلی جا' چنانچہ اس کو طلاق دے دی' اسی خاندان کی دوسری عورت سے شادی کرلی' پھر عرصہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آنا نہ ہوا' پھر بعد میں آئے' حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہیں پایا۔ آپ کی بیوی کے پاس گئے' اور آپ کے متعلق دریافت کیا کہ کہاں ہیں' اس نے کہا تلاش معاش میں گئے ہیں' انھوں نے پوچھا تم لوگ کس طرح رہتے سہتے ہو' اور گذر بسر کا کیا حال ہے' اس نے کہا ہم بعافیت ہیں' اور کشادہ حال ہیں' اس نے خدا کا بڑا شکر ادا کیا' انھوں نے پوچھا تمہارا کھانا کیا ہے' اس نے بتایا گوشت' پوچھا پینا کیا ہے اس نے کہا پانی' انھوں نے دعا کی اے اللہ! ان کے لئے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زمانہ میں ان کے یہاں غلہ کا رواج نہ تھا' اگر وہ ہوتا تو اس کے لئے بھی دعا فرما دیتے اور اسی دعا کی برکت ہے کہ صرف گوشت پانی کی غذا مکہ کے سوا اور کہیں موافق نہیں آتی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چلتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اہلیہ سے فرمایا کہ جب تیرے شوہر آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا' اور کہنا کہ دروازہ کی چوکھٹ قائم رکھیں' جب حضرت اسماعیل علیہ السلام باہر سے واپس آئے انھوں نے بیوی سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا' اس نے کہا ہاں ایک شیخ صاحب تشریف لائے تھے جن کی ہیئت بہت عمدہ تھی اور ان کی تعریف کی' انھوں نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا میں نے ان کو بتایا کہ آپ کہاں گئے پھر انھوں نے ہمارے گذر بسر کے متعلق سوال کیا' میں نے بتایا کہ بخیر وخوبی سب کچھ چل رہا ہے آپ نے پوچھا کچھ فرما بھی گئے اس نے کہا ہاں وہ آپ کو سلام کہہ گئے اور حکم دے گئے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں' آپ نے فرمایا وہ میرے والد محترم تھے' اور تو چوکھٹ ہے' مجھے حکم دے گئے کہ میں تجھ کو باقی رکھوں' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت دنوں جب تک اللہ نے چاہا نہ آئے۔ اس کے بعد تشریف لائے' اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے لئے ایک درخت کے نیچے تیر بنا رہے تھے' جو زمزم کے قریب تھا' جونہی آپ علیہ السلام نے دیکھا فوراً لپک کر کھڑے ہو گئے اور دونوں نے باہم

www.besturdubooks.net

وَ تُعِیْنُنِیْ قَالَ وَ اُعِیْنُکَ قَالَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَبْنِیَ ھٰھُنَا بَیْتًا وَ اَشَارَ اِلٰی اَکْمَۃٍ مُرْتَفِعَۃٍ عَلٰی مَاحَوْلَھَا قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِکَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ فَجَعَلَ اِسْمٰعِیْلُ یَاْتِیْ بِالْحِجَارَۃِ وَ اِبْرَاھِیْمُ یَبْنِیْ حَتّٰی اِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَاءَ بِھٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَہٗ فَقَامَ عَلَیْہِ وَ ھُوَ یَبْنِیْ وَ اِسْمٰعِیْلُ یُنَاوِلُہُ الْحِجَارَۃَ وَ ھُمَا یَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ قَالَ فَجَعَلَا یَبْنِیَانِ حَتّٰی یَدُوْرَ احَوْلَ الْبَیْتِ وَ ھُمَا یَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

(رواہ البخاری)

اس تعلق و محبت کا اظہار کیا جو بیٹے باپ کیا کرتے ہیں‘ پھر انھوں نے فرمایا اے اسماعیلؑ ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم دیا ہے‘ آپ نے کہا آپ کر گزریئے‘ جیسا آپ کو آپ کے رب نے فرمایا ہے‘ انھوں نے فرمایا تم میری اعانت کرو گے‘ آپ نے عرض کیا میں ضرور آپ کی اعانت کروں گا انھوں نے فرمایا کہ رب العالمین نے مجھے حکم کیا ہے کہ ایک گھر تعمیر کروں اور اس ابھرے ہوئے ٹیلہ کی طرف اشارہ فرمایا‘ اس کے بعد دونوں باپ بیٹے نے بیت اللہ کی بنیاد اٹھائی‘ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے‘ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لگاتے جاتے تھے‘ جب دیوار بلند ہوگئی‘ تو اس مخصوص پتھر کو لائے اور اس کو رکھ دیا‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے اور بیت اللہ کی تعمیر کرنے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے تھے اور دونوں فرمارہے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (بخاری شریف)

●●●

(۱۷۱۴) ✱ واقعہ مذکورہ کے بعض مجمل الفاظ کی شرح اس تشریح کی روشنی میں سمجھ لینی چاہیے۔

www.besturdubooks.net

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے' انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں انشاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

www.besturdubooks.net

ترجمان السنّة

عربی - اردو

چہارم

اُستاذ المحدثین، زبدۃ الفقہاء، فخر العلماء

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قدس سرہ

مکتبہ رحمانیہ

MAKTABA-E-REHMANIA

اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

www.besturdubooks.net